الشرح الثمیری

على المختصر للقدوری

٣٦٢ھ - ٤٢٨ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

الجزء الاول

از کتاب الطهارة تا کتاب الحج

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.

الشرح الثمیری

علی المختصر للقدوری

۳۶۲ھ - ۴۲۸ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

الجزء الاول

(اس جلد میں ہیں)

کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ

کتاب الصوم اور کتاب الحج

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.

Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404

E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

نام کتاب : الشرح الثمیری علی المختصر القدوری (الجزء الاوّل)

نام شارح : مولانا ثمیر الدین قاسمی

ناشر : ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

باہتمام : (مولانا) سہیل عبد الرحمٰن باوا (لندن)

(فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

مطبوعہ : مبشر پرنٹنگ سروس، ناظم آباد نمبر 2 کراچی فون: 0334-3218149

شارح کا پتہ:

MOULANA SAMIRUDDIN QASIMI

70 Stamford Street, Old Trafford
Manchester M16 9LL, United Kingdom.

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.
Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404
E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

ملنے کے پتے

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.

Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404

E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

............☆............

اسلامی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ 74800

فون: 021-34927159

............☆............

عرضِ ناشر

تفسیر و حدیث کے بعد علوم دینیہ میں علم فقہ کا جو مرتبہ و مقام ہے، کوئی اور علم اس کے درجہ کا نہیں۔ فقہائے کرام اس امت کے لئے روحانی اطباء کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جنہوں نے قرآن و حدیث سے علوم کے چشموں کو جاری کیا اور تشنگان علوم کی سیرابی کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فقہائے احناف کو علم فقہ میں جو دسترس اور جامعیت عطا فرمائی، سب ہی اس کے معترف ہیں۔ چنانچہ فقہ حنفی میں تصانیف کا ایک پہاڑ بلند ہے جن میں ''مختصر القدوری'' کا نام ایک چمکتے دمکتے ستارے کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو جو جامعیت اور شرف قبولیت عطا فرمائی وہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اگرچہ اس کتاب کی عربی میں بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں، لیکن اردو میں اب تک اس عظیم الشان کتاب کی شرح اس کے شایان شان پر نہیں لکھی گئی، لیکن ''دیر آید درست آید'' کے قاعدے موافق دارالعلوم دیوبند کے ایک سپوت ''مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم'' (مقیم برطانیہ) نے اس کتاب کی شرح جامع انداز میں کر کے جس کا نام ''الشرح الثمیری علی المختصر للقدوری'' ہے، گویا تشریح کا حق ادا کر دیا۔

مولانا موصوف نے ہر ہر مسئلہ سے متعلق حدیث کا حوالہ اور پھر اس کی سلیس انداز میں دلنشین تشریح کی ہے جو یقیناً مبتدی طالبعلم کے لئے رسوخ فی علم الفقہ کا سبب بنے گا۔

الحمد للہ ''ختم نبوت اکیڈمی'' (لندن) کو اس منفرد و شاہکار تالیف کی طباعت و اشاعت کا شرف حاصل ہوا جو کہ اب ہدیہ قارئین ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ تالیف مؤلف قارئین اور ناشر سب کے لئے ذخیرۂ آخرت ہو جائے۔ آمین ثم آمین!

عبد الرحمٰن یعقوب باوا

(ڈائریکٹر: ''ختم نبوت اکیڈمی'' لندن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿خصوصیات الشرح الثمیری﴾

(۱) ہر مسئلہ کو الگ الگ لکھا گیا ہے اور اس پر نمبر ڈال دیا گیا ہے تا کہ مسئلہ سمجھنے اور نکالنے میں آسانی ہو۔

(۲) ہر مسئلہ کا با محاورہ ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

(۳) ہر مسئلہ کی وجہ یعنی دلیل عقلی اور دلیل نقلی پیش کی گئی ہے۔

(۴) ہر مسئلہ کے تحت احادیث کا ذخیرہ پیش کیا گیا ہے تا کہ ہر ہر مسئلہ کو احادیث سے نکالنے میں آسانی ہو۔

(۵) کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بیان کیا گیا ہے۔

(۶) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

(۷) فائدہ کے تحت ائمہ کرام کا اختلاف مختصر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(۸) تشریح کے تحت پیچیدہ مسئلہ کو سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(۹) دلیل وغیرہ کو بہت طول نہیں دیا گیا ہے تا کہ طلباء تنگ نہ آجائیں۔

(۱۰) زبان سلیس اور آسان استعمال کی گئی ہے۔

(۱۱) دلیل اور اصول وغیرہ ہدایہ اور صحاح ستہ جیسی اہم کتابوں سے لئے گئے ہیں۔

(۱۲) وراثت کے مسئلے کو کلکیو لیٹر کی مدد سے نئے انداز میں سیٹ کیا ہے جس سے پورا مناسخہ دو منٹ میں حل ہو جاتا ہے۔

شارح : حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

(سابق استاد حدیث، جامعہ اسلامیہ، مانچسٹر)

چیرمین مون ریسرچ سینٹر، یو کے

﴿فہرست مضامین الشرح الثمیری﴾

دو قطعات در شانِ شرحِ ثمیری

از : نادرؔ لاچپوری

(۱)

فخر سے احناف کا سر آج اونچا ہو گیا
ایک اہلِ علم کی روشن ضمیری دیکھئے
گر مسائل بالدلائل چاہتے ہو دیکھنا
تو ثمیر الدین کی شرحِ ثمیری دیکھئے

(۲)

اوراق ہیں سب جس سے قدوری کے منور
وہ ماہِ درخشاں ہے یہی شرحِ ثمیری
جو حسن میں انمول ہے بے مثل ہے نادرؔ
وہ لعلِ بدخشاں ہے یہی شرحِ ثمیری

تقریظ

دار العلوم دیو بند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد صاحب دامت برکاتہم کی رائے گرامی

باسمہ تعالیٰ

میں نے عزیز شاگرد مولانا ثمیر الدین قاسمی کی 'الشرح الثمیری علی المختصر للقدوری' کے مسودے کو جگہ جگہ سے دیکھا۔ انہوں نے ہر ہر مسئلے کو الگ الگ کیا اور اس کے ماتحت میں ہر مسئلے کے لئے باحوالہ آیت لانے کی کوشش کی، وہ نہ ملی تو صحاح ستہ سے پورے حوالے کے ساتھ حدیث لانے کی کوشش کی۔ اور وہ نہ ملی تو مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق سے قول صحابی یا قول تابعی لائے۔ اور اس بات کا التزام کیا کہ کوئی مسئلہ بغیر حدیث یا بغیر قول صحابی کے نہ رہ جائے۔ تاکہ ہر ہر مسئلہ مستند ہو جائے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کو بھی بیان فرمایا اور اس کے لئے بھی صحاح ستہ سے احادیث لانے کی سعی کی۔

اس قسم کا کام پہلے بہت کم ہوا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ طلباء اور علماء کو اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ اور لوگ اب مسئلے کو احادیث سے ثابت کیا کریں گے اور اس بات کو جانیں گے کہ کون سا مسئلہ آیت سے ثابت ہے، کون سا مسئلہ حدیث سے، اور کون سا مسئلہ قول صحابی سے، اور ان کا درجہ کیا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت سے نوازے۔ آمین

نصیر احمد عفا اللہ عنہ (شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند)

صدر المدرسین دار العلوم : ۱۰، مارچ ۲۰۰۳ء ، ۶ محرم ۱۴۲۴ھ

تقریظ

دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم (مرتب فتاوی دارالعلوم، دیوبند)

حضرت مولانا ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم کی رائے گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

اما بعد! فقہ حنفی کتاب اللہ، احادیث نبویؐ اور اقوال صحابہؓ سے مستنبط ہے۔ کوئی بنیادی مسئلہ ایسا نہیں جس کا ثبوت کتاب وسنت اور اقوال صحابہ میں نہ ملتا ہو۔ لیکن وہ لوگ جو تقلید کے مخالف ہیں یا جن کا مطالعہ محدود ہے ان کو اعتراض ہے کہ فقہ حنفی کے پیچھے کتاب وسنت سے دلائل نہیں ہیں۔ حالانکہ بہت ساری کتابیں فقہ حنفی کی کتاب وسنت کے حوالوں سے چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔

پھر بھی ضرورت تھی کہ حنفی کی وہ کتابیں جو درسیات میں داخل ہیں اور دلائل سے خالی ہیں ان کی شرحیں اس طرح لکھی جائیں کہ ہر مسئلے کے ساتھ کتاب وسنت سے اس کے دلائل بھی نقل ہوں۔

یہ دیکھ کر دلی مسرت ہوئی کہ مولانا ثمیر الدین قاسمی قدوری کی ایسی شرح لکھ رہے ہیں جس میں انہوں نے ہر بنیادی مسئلے کو کتاب وسنت کے دلائل سے مزین کیا ہے۔ خواہ کتاب اللہ کی آیتوں کا حوالہ ہو یا حدیث نبوی کا یا اقوال صحابہ کا۔ مولانا موصوف زید مجدہ نے اس شرح کے لکھنے میں کافی محنت کی ہے اور مسائل کو کتاب وسنت کے حوالے درج کرنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ مولانا کی یہ محنت اہل علم میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائیگی۔ اور عوام وخواص اس شرح سے مستفید ہوں گے اور مولانا کو دعائیں دیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس شرح کو ان کے لئے زاد آخرت بنائے اور علماء وطلبہ اس کو مطالعہ میں رکھیں۔

طالب دعا : محمد ظفیر الدین غفرلہ

مفتی دارالعلوم : ۱۰، مارچ ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

از : (حضرت مولانا) عبدالعزیز قاسمی (صاحب)

مہتمم جامعہ روضۃ العلوم، نیانگر، ضلع گڈا، جھارکھنڈ، انڈیا

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سن پیدائش

حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب ۶، نومبر ۱۹۵۰ء، مطابق ۲۵ محرم ۱۳۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ تاریخ تحقیقی نہیں ہے کیونکہ گھر میں تاریخ لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ البتہ قریب قریب یہی تاریخ ہے۔ اس کو سارٹیفیکٹ اور پاسپورٹ پر درج کروایا ہے۔

مقام پیدائش

حضرت مقام گھٹئی، تھانہ مہگاواں، ضلع گڈا، صوبہ جھارکھنڈ میں پیدا ہوئے۔ یہ صوبہ پہلے بہار کا حصہ تھا۔ اب الگ کر کے جھارکھنڈ کر دیا گیا ہے۔ یہ گاؤں شہر بھاگلپور اور شہر گڈا سے دور دیہات میں ہے۔ جہاں ابھی بھی بجلی، پانی اور سڑک کی سہولتیں نہیں ہیں۔

شجرۂ نسب

نام ثمیر الدین، والد کا نام جمال الدین، دادا کا نام محمد بخش عرف لدنی، پردادا کا نام چولہائی، قوم شیخ صدیقی، بہت بعد میں ان کا نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ اس لئے اس خاندان کو شیخ صدیقی کہتے ہیں۔ باضابطہ کوئی شجرہ نہیں ہے البتہ ان کے خاندان میں یہی مشہور ہے۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم گھٹئی گاؤں کے مکتب میں مولوی عبد الرؤف عرف گونی، مقام مرغیا چک، ضلع بھاگلپور سے حاصل کی۔ اسی مکتب میں اردو، ہندی، حساب اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

بارہ سال کی عمر میں ۱۹۶۲ء میں مدرسہ امداد العلوم، انکی رانچی تعلیم حاصل کرنے گئے۔ ۱۹۶۴ء میں مدرسہ اعزازیہ، پتھنہ بھاگلپور میں داخلہ لیا۔ ۱۹۶۶ء میں دار العلوم چھاپی گجرات گئے۔ اور ۱۹۶۸ء میں مرکز علم وعرفان دار العلوم دیوبند میں اعلی تعلیم کے لئے داخلہ لیا۔ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۰ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ حضرت نے بخاری شریف حضرت علامہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، ترمذی شریف حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ، ابو داؤد شریف حضرت مولانا عبد الاحد صاحبؒ، مسلم شریف حضرت مولانا شریف صاحبؒ اور طحاوی شریف حضرت مولانا حسین احمد بہاری صاحبؒ کے پاس پڑھی۔ یہ حضرات اس زمانے کے جبال العلم تھے جس سے حضرت نے زانوئے تلمذ طے کیا۔

۱۹۷۱ء میں تکمیل ادب عربی میں داخلہ لیا اور عربی میں مہارت حاصل کی۔ ۱۹۷۲ء میں فنون میں داخلہ لیا اور فلکیات وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند کی پانچ سالہ زندگی حضرت مولانا کے لئے بہت اہم ہے۔اس دوران ہمیشہ تنہائی میں بیٹھ کر علم ومطالعہ میں مشغول رہے۔میں نے ایک مرتبہ استاذ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی کے سامنے مولانا ثمیر الدین کا تذکرہ کیا تو وہ فرمانے لگے، وہی مولانا ثمیر الدین جو فارغ وقت میں قبرستان میں بیٹھ کر مطالعہ کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا ہاں! وہی، پھر مولانا عبدالخالق صاحب نے مولانا کی محنتوں کے کئی واقعات بیان کئے جس سے ناچیز کو اندازہ ہوا کہ مولانا نے ابتدا ہی سے کتب فہمی میں کتنی محنت کی ہے۔اسی کا ثمرہ ہے کہ 'الشرح الثمیر ی' جیسی عظیم کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

تدریسی خدمات

جنوری ۱۹۷۳ء مطابق شوال ۱۳۹۳ھ سے حضرت نے تدریسی خدمات کا آغاز کیا۔اس دوران مدرسہ کنز مرغوب، پٹن، گجرات، مدرسہ تعلیم الاسلام، آنند، گجرات، جامعہ رحمانی خانقاہ، مونگیر، بہار میں دورۂ حدیث کی اہم کتاب ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف پڑھاتے رہے۔اور تقریباً تیس سال تک درسی خدمات انجام دیتے رہے۔اور اس دوران تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور فلسفہ کی اہم کتابیں دس دس بارہ بارہ مرتبہ پڑھائی۔کتابوں کو اتنا پڑھایا کہ اکثر کتابوں کا خاکہ زبانی یاد ہو گیا۔

تدریسی انداز

حضرت مولانا کا انداز تدریس بالکل نرالا ہے۔ جتنا سبق پڑھانا ہو پہلے پورے کا خاکہ بیان کرتے ہیں۔طلباء کو کئی بار زبانی سمجھاتے ہیں۔جب پورا سبق طلباء کو یاد ہو جاتا ہے بلکہ ایک مرتبہ طلبہ سے کہلوا لیتے ہیں جب مولانا کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ طلبہ کو پورا سبق یاد ہو گیا تب ترجمہ کرواتے ہیں۔اس طرز تدریس سے طلباء اتنا خوش ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد کبھی نہیں بھولتے۔اور ہمیشہ اپنی کتاب حضرت ہی سے پڑھنا چاہتے ہیں۔

مجھے ہدیۃ النحو میں 'ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر' کا مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔کھانے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت سے اس کا مطلب پوچھ لیا۔حضرت نے وہیں برتنوں پر ہاتھ رکھا۔ایک تھالی کو عامل دوسری کو ضمیر اور تیسری کو چھپا ہوا مفعول قرار دیا اور پوری بحث زبانی سمجھا دی۔جس سے اندازہ ہوا کہ حضرت کو کتاب کتنی یاد ہے اور سمجھانے کا انداز کتنا سہل اور دلنشیں ہے۔

مارچ ۲۰۰۴ء میں حضرت کی معیت میں بہار کے مرکز علم 'امارت شرعیہ' پھلواری شریف، پٹنہ حاضر ہوئے۔وہاں کے منتہی طلبہ کو حضرت کے انداز تدریس سے استفادہ کرنے کا شوق ہوا۔وہ لوگ ہدایہ اخیرین لیکر آئے اور مشکل مقام سے عبارت پڑھی۔حضرت نے بغیر مطالعہ کے پورے سبق کو زبانی سمجھا دیا۔جب طلباء نے سمجھ لیا تب کتاب کھول کر ترجمہ کروایا۔طلبہ اس دلنشیں انداز کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔میرا خیال ہے کہ بار بار خاکہ سمجھانے کی وجہ ہی سے اکثر کتابیں حضرت کے ذہن میں مستحضر ہو گئی ہیں۔

تصنیفی خدمات

حضرت مولانا ہندوستان، پاکستان اور برطانیہ کے کئی اہم پرچوں کے مضمون نگار ہیں۔جس میں اہم مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔آپ

'جامعہ اسلامیہ، مانچسٹر سے نکلنے والا جریدہ 'الجامعہ' کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اب تک تقریباً اٹھارہ کتابیں ان کے نوک قلم سے نکل چکی ہیں جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) انوار فارسی
(۲) خلاصۃ التعلیل
(۳) صدائے دردمند
(۴) علاقہ میں کمیٹی کی ضرورت
(۵) تفریق وطلاق
(۶) طلاق مغلظہ آٹھویں مرحلے پر
(۷) عیسائیت کیا ہے؟
(۸) لائف آف عیسیٰ علیہ السلام (انگریزی)
(۹) اصلاح معاشرہ
(۱۰) حاشیہ سفینۃ البلغاء (عربی)
(۱۱) تحفۃ الطلباء شرح سفینۃ البلغاء (اردو)
(۱۲) تاریخ علاقہ گڈاوبھاگلپور
(۱۳) یادوطن
(۱۴) سائنس اور قرآن
(۱۵) فلکیات جدیدہ
(۱۶) اسلامی کیلنڈر
(۱۷) رویت ہلال علم فلکیات کی روشنی میں
(۱۸) الشرح الثمیری علی المختصر للقدوری

کارہائے نمایاں

حضرت نے فلکیات اور اسلامی کیلنڈر کے سلسلے میں نمایاں کام انجام دیا ہے۔ عرب کے کئی ملک ڈیڑھ دن مقدم وقت پر کیلنڈر بنائے ہوئے تھے۔ اور اس سے بھی پہلے اعلان کرتے تھے جس کی وجہ سے صحیح وقت سے ڈھائی دن مقدم ہوجاتا تھا اور یورپ میں بہت انتشار ہوتا تھا۔ حضرت مولانا نے اس کے لئے فلکیات جدیدہ، رویت ہلال علم فلکیات کی روشنی میں، اور اسلامی کیلنڈر جیسی اہم کتابیں تصنیف کیں۔ عرب ملکوں کا بار بار سفر کیا اور وہاں کے اہل علم کو توجہ دلائی۔ ان کو اپنی غلطی کا احساس کروایا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنا کیلنڈر تبدیل کیا۔ وہ کیلنڈر ابھی بھی رویت بصری سے ایک دن مقدم ہے۔ پھر بھی یہ جدو جہد کم نہیں ہے کہ سر پر کفن باندھ کر وہاں گئے اور آٹھ سال تک خط و کتابت کے ذریعہ سمجھاتے رہے۔ آج یورپ میں اکثر و بیشتر ایک رمضان اور ایک عید ہوجاتی ہے اس کار خیر میں حضرت کے جدو جہد کو کافی دخل ہے۔ ورنہ تو پہلے تین تین دن تک عید ہوتی رہتی تھی۔

الشرح الثمیری ایک عظیم کارنامہ

حضرت کی یہ شرح بھی ایک نئے انداز کی ہے۔ اب تک جتنی شرحیں ناچیز کی نظر سے گزری ہر ایک میں ترجمہ اور مختصر تشریح پر اکتفا کیا۔ لیکن بالالتزام ہر مسئلے کو الگ کرنا، اس پر نمبر لگانا اور ہر ایک مسئلے کی ایسی تشریح کرنا جس سے غبی سے غبی طالب علم کو سمجھ میں آجائے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ پھر ہر مسئلے کے لئے بالالتزام پورے حوالے کے ساتھ حدیث لائے جس سے مسئلہ مدلل ہوجائے کسی شرح میں نہیں دیکھا۔ یہ اس شرح ہی کا کمال ہے کہ اصلی کتابوں سے تلاش کر کے حدیث لکھی گئی۔ اور باب کے ساتھ حدیث کا صفحہ اور حدیث کا نمبر تک درج کیا۔ اس شرح سے حدیث کا تلاش کرنا آسان ہوگیا۔ اور ہر طالب علم کے سامنے برجستہ حدیث مستحضر ہوجائے گی۔ مسئلے کے ساتھ حدیث پڑھنے سے

دل کوسکون ہوتا ہے۔اور یقین ہو جاتا ہے کہ یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے اور کس درجہ کا مسئلہ ہے۔

حدیث کے استخراج کے لئے تقریباً ۳۰ کتابوں کو چھانا ہے۔اتنی محنت اور تتبع وتلاش کم شارح کرتے ہیں۔لیکن حضرت دن رات چار سال تک اس دھن میں لگے رہے اور گوہر نایاب امت کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہوئے۔

جن مسئلوں کے تحت حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی نہیں لکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تیس کتابوں میں بہت تلاش کیا لیکن حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی نہیں ملا جس کی وجہ سے حضرت نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔اگر ان کتابوں سے حوالہ ملتا تو حضرت ضرور نقل فرماتے۔البتہ کسی صاحب کو حوالہ ملے تو ضرور مطلع فرمائیں تا کہ مسئلہ تشنہ نہ رہ جائے۔

اس شرح میں یہ کمال بھی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک بھی بیان کیا اور صحاح ستہ سے ان کے بھی مضبوط دلائل مع حوالہ پیش کئے تا کہ کوئی صاحب بروقت ان کے دلائل سے واقفیت حاصل کرنا چاہے تو فورا کر لے۔یا حنفیہ اور شوافع کے دلائل میں موازنہ کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔حضرت کی یہ دریا دلی بھی قابل داد ہے۔

برطانیہ جیسے یورپی ملک جہاں دینی ماحول بہت کم ہے اور پڑھنے لکھنے کی سہولت کم یاب ہے وہاں ایسی نایاب شرح لکھنا محنت و جفاکشی کا کام ہے۔جس کو حضرت نے پوری تندہی سے انجام دیا۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس عظیم خدمت کو قبول فرمائے اور نجات کا ذریعہ بنائے۔آمین یا رب العالمین! ایں دعا از من از جملہ جہاں آمین باد۔

ناچیز عبدالعزیز غفرلہ

خادم جامعہ روضۃ العلوم، نیانگر

ضلع گڈا، جھارکھنڈ ۲۱، اپریل ۲۰۰۴ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿نقل احادیث میں ترتیب کی رعایت﴾

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قدوری پڑھانے کے زمانے میں ذہین طلباء کبھی کبھی اشکال کرتے کہ ہر مسئلے کے ثبوت کے لئے حدیث بیان کریں، صرف دلیل عقلی سے لوگ مطمئن نہیں ہوتے، وہ کہتے کہ ہماری مسجدوں میں شافعی، مالکی اور حنبلی لوگ ہوتے ہیں، ان کے سامنے مسئلہ بیان کرتا ہوں تو وہ نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسئلہ آیات قرآنی سے بنتا ہے یا حدیث سے۔ زیادہ سے زیادہ قول صحابہ اور اس سے بھی نیچے اتریں تو قول تابعی یا فتوی تابعی پیش کرسکتے ہیں۔ اس لئے ہر مسئلے کے لئے آیت قرآنی یا احادیث پیش کیا کریں!

طلباء کی پریشانی اپنی جگہ بجا تھی۔ واقعی شافعی، حنبلی اور مالکی حضرات مسئلے کے لئے احادیث ہی مانگتے ہیں۔ اور وہ بھی صحاح ستہ سے، وہ دلیل عقلی سے مطمئن نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ ناچیز بھی پریشان تھا اور دل میں سوچتا رہتا کہ اگر موقع ہو تو قدوری کے ہر مسئلے کے ساتھ باب، صفحہ اور حدیث کے نمبرات کے ساتھ پوری حدیث نقل کردی جائے تاکہ طلباء کو سہولت ہوجائے اور دوسرے مسلک والوں کو مطمئن کرسکے۔ کسی کو اصلی کتاب دیکھنا ہو تو وہاں سے رجوع کرے۔ حدیث، باب اور احادیث کے نمبرات لکھنے سے طلباء کو بھی پتہ چل جائے کہ یہ مسئلہ کس درجے کا ہے۔ اگر آیت سے ثابت ہے تو مضبوط ہے۔ صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے تو اس سے کم درجے کا ہے۔ اور دار قطنی اور سنن بیہقی میں وہ احادیث ہیں تو اس سے کم درجے کا مسئلہ ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق کے قول صحابی یا قول تابعی سے ثابت ہے تو وہ مسئلہ اس سے کم درجے کا ہے۔ اس لئے ایسے مسئلے میں دوسرے مسلک والوں سے زیادہ نہ الجھیں تاکہ اتحاد کی فضا قائم رہے۔ برطانیہ میں ایک پریشانی یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں شافعی، حنبلی، مالکی اور حنفی سبھی موجود ہوتے ہیں۔ اور ہر مسلک والے اپنے اپنے مسلک کے اعتبار سے نماز ادا کرتے ہیں اس لئے مسئلے کی حیثیت معلوم نہ ہو تو یہاں الجھاؤ زیادہ ہوجاتا ہے۔ اس لئے ناچیز کے ذہن میں بار بار تقاضا آتا رہا۔ حسن اتفاق سے کچھ سالوں سے فرصت مل گئی جس کی وجہ سے اس تمنا کو پوری کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ طلباء کی خواہش کے مطابق ہر مسئلے کو نمبر ڈال کر علیحدہ کیا۔ اور پوری کوشش کی ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے پہلے

نمبر شمار	ترتیب	کل آیت یا کل احادیث	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف	تفصیل
(۱)	آیت آجائے	۶۲۳۶	–	–	–	وہ نہ ملے تو پھر
(۲)	بخاری شریف کی حدیث	۷۵۶۳	۱۹۴ھ	بخارا	۲۵۶ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۳)	مسلم شریف کی حدیث	۳۰۳۳	۲۰۴ھ	نیشاپور	۲۶۱ھ	وہ نہ ملے تو پھر

حاشیہ: بخارا اور نیشاپور یہ دونوں مقامات اس وقت روس میں تاجکستان کے قریب ہیں۔

نمبرشمار	ترتیب	کل احادیث	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف	تفصیل
(۴)	ابوداؤدشریف کی حدیث	۵۲۷۴	۲۰۲ھ	سجستان	۲۷۵ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۵)	ترمذی شریف کی حدیث	۳۹۵۶	۲۲۰ھ	ترمذ	۲۷۹ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۶)	نسائی شریف کی حدیث	۵۷۶۱	۲۱۵ھ	نساء	۳۰۳ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۷)	ابن ماجہ شریف کی حدیث	۴۳۴۱	۲۰۹ھ	قزوین	۲۷۳ھ	وہ نہ ملے تو پھر

اوپر کی یہ چھ کتابیں صحاح ستہ ہیں۔اگران کتابوں سے احادیث نہ ملے تو پھر

نمبرشمار	ترتیب	کل احادیث یا قول صحابی	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف	تفصیل
(۸)	دارقطنی کی حدیث	۴۷۹۰	۳۰۶ھ	بغداد	۳۸۵ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۹)	سنن بیہقی کی حدیث	۲۱۸۱۲	۳۸۴ھ	بیہق	۴۵۸ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۱۰)	مصنف عبدالرزاق	۲۱۰۳۳	۱۲۶ھ	صنعان .	۲۱۱ھ	سے قول صحابی یا قول تابعی
(۱۱)	مصنف ابن ابی شیبۃ	۳۷۹۳۰	۱۵۹ھ	کوفہ	۲۳۵ھ	سے قول صحابی یا قول تابعی

آثار بھی نہیں ملے تو.....

(۱۲) پھر اصول پیش کیا ہوں۔اور اصول کے لئے حدیث لایا ہوں اوراس پر مسئلے کو متفرع کیا ہوں۔

ایسا نہیں کیا کہ حدیث تلاش کئے بغیر قول صحابی لے آیا۔چنانچہ اگر کسی مسئلے کے تحت صرف قول تابعی مذکور ہے اور حدیث کا حوالہ نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے حدیث تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن نہ ملنے پر قول تابعی ذکر کیا۔یا کسی مسئلے کے ثبوت کے لئے قول تابعی بھی ذکر نہ کر سکا تو اس کا معنی یہ ہوا کہ بہت تلاش کے باوجود قول تابعی بھی نہ ملا جس سے مجبور ہو کر بیاض چھوڑ دیا۔اور اہل علم سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ان کو حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی مل جائے تو ضرور اس کی اطلاع دیں۔

کوشش کی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی ذکر کر دیا جائے۔اور ان کی دلیل بھی اسی ترتیب سے، پہلے آیت یا صحاح ستہ کی کتابوں سے حدیث لائی جائے اور وہاں نہ ملے تو قول صحابی یا قول تابعی ذکر کیا جائے۔تاکہ طلباء ان کے مسلک اور ان کے مستدلات سے واقف ہو جائیں۔وہ بھی ہمارے امام ہیں، بلکہ سر کے تاج ہیں۔صاحب ہدایہ نے ہر جگہ ان حضرات کا نام بڑے احترام سے لیا ہے اور ان کے دلائل دریادلی سے پیش کئے ہیں۔ناچیز نے بھی انہیں کی اتباع کی ہے۔اور ہر جگہ ان کا مسلک اور ان کے دلائل شرح وبسط سے بیان کئے ہیں۔

حاشیہ : ترمذ، نساء اور بیہق یہ تینوں مقامات اس وقت روس میں ہے۔سجستان اور قزوین ایران میں ہے، کوفہ اور بغداد عراق میں ہے۔

تحقیق کے دوران اس کا اندازہ ہوا کہ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر ہے، اور ان کی پہلی نگاہ آیات قرآنی پر پڑتی ہے۔

﴿خصوصیات الشرح الثمیری﴾

(۱) طلباء کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلے کا محاوری اور آسان ترجمہ پیش کیا ہے۔

(۲) مسائل کی تشریح آسان اور سلیس اردو میں کی ہے۔

(۳) وجہ کے تحت ہر مسئلے کی دلیل نقلی قرآن اور احادیث سے مع حوالہ پیش کی گئی ہے۔

(۴) حسب موقع دلیل عقلی بھی ذکر کردی گئی ہے۔

(۵) فائدہ کے تحت دوسرے ائمہ کا مسلک اور ان کے مستدلات بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

(۶) کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۷) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

(۸) لفظی ابحاث اور اعتراض وجوابات سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے تا کہ طلباء کے ذہن پریشان نہ ہوں۔

(۹) جو حدیث ہے اس کے لئے 'حدیث' اور جو قول صحابی یا قول تابعی ہے اس کے لئے' اثر ' کا لفظ لکھا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون حدیث ہے اور کون قول صحابی یا قول تابعی ہے۔

(۱۰) حدیث کے حوالے کے لئے پورا باب لکھا۔ پھر پاکستانی کتب خانہ والی کتابوں کا صفحہ نمبر لکھا اور بیروتی یا سعودی کتابوں کا احادیث نمبر لکھ دیا گیا تا کہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔

(۱۱) وراثت کے مسئلے کو کلکیولیٹر کی مدد سے نئے انداز میں حساب کا طریقہ لکھا جس سے دومنٹ میں پورا مناسخہ حل ہو جاتا ہے۔

﴿گذارش﴾

تحقیق مسائل اور ان کے دلائل بحر بیکراں ہے اس کی تہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے اہل علم کی خدمت میں مؤدبانہ اور عاجزانہ گذارش ہے کہ جن مسائل کے دلائل چھوٹ گئے ہیں اگر ان کو دلائل مل جائیں تو ضرور مطلع فرمائیں تا کہ اگلے ایڈیشن میں ان کا اضافہ کردیا جائے۔ اسی طرح جہاں غلطی اور سہو نظر آئے اس کی نشاندہی کریں، اس کی بھی اصلاح کروں گا اور تہ دل سے شکر گذار ہوں گا۔

﴿شکریہ﴾

میں ان تمام محسنوں کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر قسم کی سہولت پہنچا کر فراغت دی اور اشاعت کتاب کے لئے ہمہ وقت متمنی اور دعا گو ہیں۔ خداوند کریم ان کو دونوں جہانوں میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے۔ نیز اللہ تعالی میرے ساتھی اور دوست جناب نادر لاجپوری صاحب کو بھی جزائے خیر دے جنہوں نے کمپوزنگ کی اور کتاب کو قابل اشاعت بنایا۔ اور مولانا عبد العزیز صاحب، مہتمم جامعہ روضۃ العلوم، نیا نگر کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اشاعت کا بار اپنے جامعہ پر لیا۔ جس کی وجہ سے اشاعت میں ناچیز کو سہولت ہوگئی۔ نیز حضرت مولانا مسلم قاسمی صاحب سیپوری سلمہ نے کتاب کی چھپائی کے وقت نگرانی کی ہے میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ خداوند قدوس ان

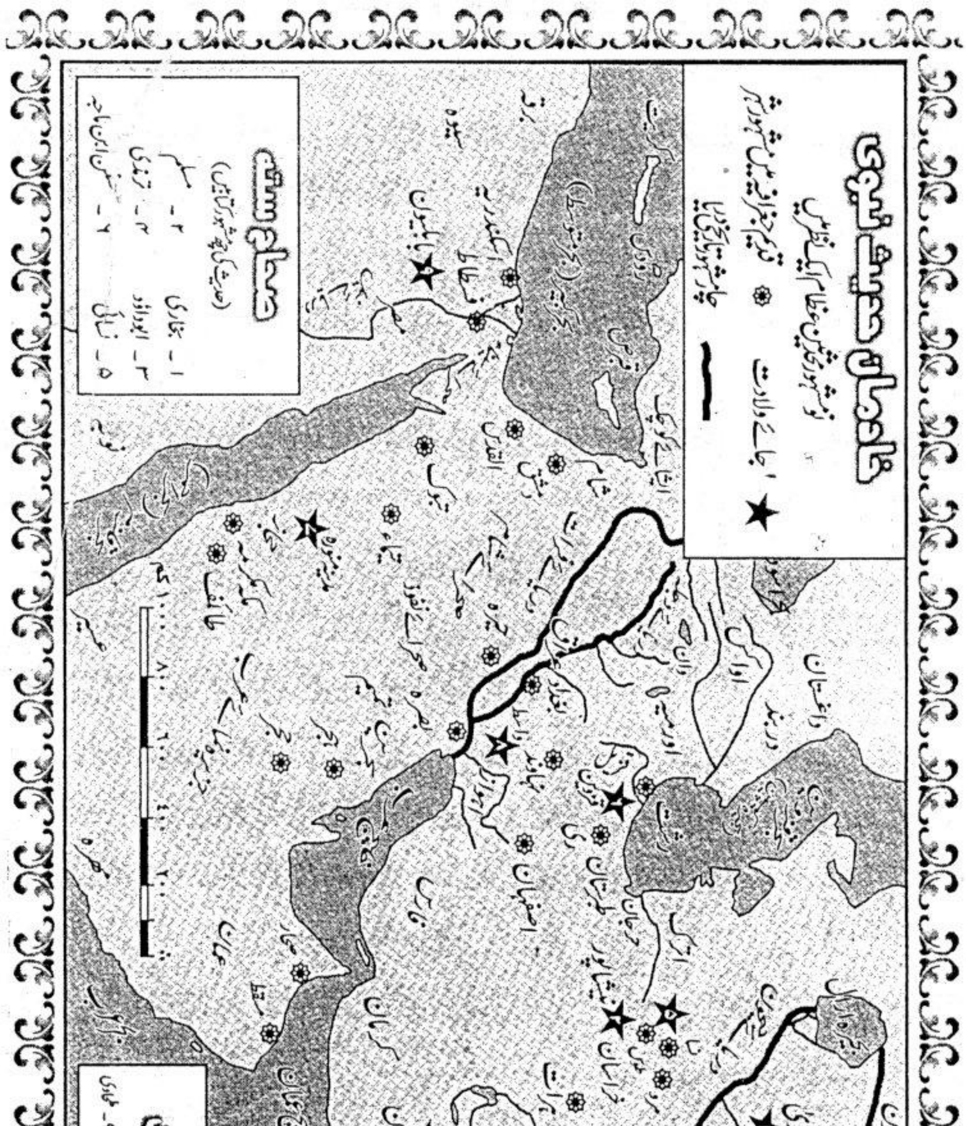
حضرات کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے۔
اس کتاب کی اشاعت میں باٹلی کے ایک سخی کی سخاوت شامل حال ہے۔جس کی وجہ سے کتاب کی اشاعت میں بڑی مدد ملی۔انہوں نے اپنے والد مرحوم کے ثواب کے لئے رقم دی ہے۔اللہ تعالی اس تعاون کا دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور مرحوم کو اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!
اللہ تعالی اس کتاب کو قبولیت سے نوازے اور ذریعۂ آخرت بنائے۔اس کے طفیل سے ناچیز کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور کمی کوتاہی کو معاف فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

احقر ثمیر الدین قاسمی
سابق ستاذ حدیث، جامعہ اسلامیہ مانچسٹر
و چیرمین مون ریسرچ سینٹر، یوکے
یکم مئی، ۲۰۰۴ء

Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford
Manchester
England M16 9LL
Tel : (0161) 2279577



(کس مقام پر کون سے ائمۂ احادیث پیدا ہوئے اس کے لئے یہ نقشہ دیکھیں)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات صاحب المختصر للقدوری

نام ونسب

نام احمد ہے، ابوالحسن کنیت ہے، قدوری، گاؤں کی طرف یا ان کے پیشے کی طرف نسبت ہے، والد کا نام محمد ہے۔ شجرۂ نسب یہ ہے... ابوالحسن احمد بن ابی بکر محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان البغدادی القدوری۔

سن پیدائش اور جائے پیدائش

آپ ۳۶۲ میں پیدا ہوئے اور مقام پیدائش شہر بغداد ہے۔

کنیت کی تحقیق

المختصر للقدوری کے اکثر نسخوں میں آپ کی کنیت ابوالحسن لکھا ہوا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کی کنیت ابوالحسین ہے۔ تاریخ ابن خلکان، مدینۃ العلوم اور انساب سمعانی میں یہی مذکور ہے۔

قدوری، نسبت کی تحقیق

مؤرخ ابن خلکان نے اپنی تاریخ وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ قدوری، ق اور د کے ضمے اور واو کے سکون کے ساتھ قِدر کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہانڈی ہیں۔ لیکن قدوری کی طرف نسبت کا سبب معلوم نہیں۔

صاحب مدینۃ العلوم فرماتے ہیں کہ قدوری کا مطلب دیگ سازی ہے۔ اب صاحب قدوری کو اس طرف اس لئے منسوب کرتے ہیں کہ ان کے خاندان کے لوگ دیگ بناتے تھے یا اس کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کو قدر کی طرف منسوب کر کے قدوری کہنے لگے۔ یا پھر اس گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام قدر تھا۔ اسی گاؤں کی طرف منسوب کر کے قدوری کہے جانے لگے۔

تحصیل علم

امام قدوری نے علم فقہ اور علم حدیث رکن الاسلام ابوعبداللہ محمد بن یحیی بن مہدی جرجانی متوفی ۳۹۸ھ سے حاصل کیا۔ جو امام ابوبکر احمد جصاص کے شاگرد ہیں۔ اور حضرت ابوبکر جصاص، ابوالحسن عبیداللہ کرخی کے تلمیذ رشید ہیں۔ اور امام کرخی، ابوسعید بردعی کے خوشہ چین ہیں۔ اور ابوسعید بردعی علامہ موسی رازی کے فیض یافتہ ہیں۔ اور موسی رازی امام محمد شیبانی حنفی کے مایۂ ناز فرزند اور علم پروردہ ہیں۔ گویا کہ امام قدوری نے پانچ واسطوں سے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے علم فقہ حاصل کیا۔

علم حدیث محمد بن علی بن سوید اور عبیداللہ بن محمد جوشنی سے روایت کرتے تھے۔ آپ کو ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی صاحب تاریخ اور قاضی القضاۃ ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد دامغانی اور قاضی مفضل بن مسعود بن محمد بن یحیی بن ابی الفرج التنوخی متوفی ۴۴۲ھ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ حضرت نے ان جبال علم سے علم حدیث حاصل فرمایا ہے۔

امام قدوری کی توثیق

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے حدیث لکھی ہے۔آپ صدوق تھے اور حدیث کی روایت کم کرتے تھے۔امام سمعانی ان کی شان میں یوں فرماتے ہیں 'کان فقیھا صدوقا،انتھت الیہ ریاسۃ اصحاب ابی حنیفۃ بالعراق.وعز عندھم قدرہ وارتفع جاھہ.وکان حسن العبارۃ فی النظر.مدیما لتلاوۃ القرآن'

ترجمہ : -آپ فقیہ اور صدوق تھے۔آپ کی وجہ سے عراق میں مذہب حنفیہ کی ریاست کمال پر پہنچی۔اور آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔آپ کی تقریر و تحریر میں بڑی دلکشی تھی۔آپ ہمیشہ تلاوت قرآن کرتے تھے۔

قاضی ابو محمد نے طبقات الفقہاء میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے پرزور الفاظ میں تعریف کی ہے۔

فقہی مقام

ابن کمال پاشا نے آپ کو اور صاحب ہدایہ کو طبقۂ خامسہ یعنی اصحاب ترجیح میں شمار کیا ہے۔لیکن اکثر علماء نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ حضرت امام قدوری حضرات قاضی خان وغیرہ سے بڑھے ہوئے ہیں۔اور بالفرض بڑھے ہوئے نہ بھی ہوں تو برابر کے ضرور ہیں۔اور ان کو فقہاء کے تیسرے طبقہ میں شمار کرتے ہیں۔اس لئے امام قدوری کو بھی تیسرے درجے میں شمار کرنا چاہئے۔اس لئے غالب یہ ہے کہ امام قدوری تیسرے درجے کے فقہاء میں سے ہیں۔

ناچیز نے قدوری کے ہر مسئلے کی تحقیق کی تو پتہ چلا ان کے اکثر مسئلے آیت،حدیث،قول صحابی یا فتوی تابعی سے مستنبط ہیں۔جس سے ان کی علمی بلندی اور تفقہ کا پتہ چلتا ہے۔

رحلت و وفات

امام قدوری نے ۵،رجب ۴۲۸ھ میں شہر بغداد میں ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔اور اسی روز بغداد کے مقام درب ابی خلف میں مدفون ہوئے۔اس کے بعد آپ کو شارع منصور کی طرف منتقل کرلیا گیا۔اس وقت آپ ابوبکر خوارزمی کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔مادہ تاریخ وفات 'لامع النور' ہے رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

تصانیف

آپ نے بہت سی کتابیں یادگار چھوڑی جن میں سے کچھ کتابیں یہ ہیں۔

(۱) تجرید... یہ سات جلدوں میں ہے۔اس میں اصحاب حنفیہ اور شافعیہ کے اختلافی مسائل پر محققانہ بحث کی ہے۔اس کا املاء آپ نے ۴۰۵ھ میں شروع کروایا۔

(۲) مسائل الخلاف... امام صاحب اور ان کے اصحاب کے درمیان جو فروعی اختلاف ہے اس کا ذکر ہے۔البتہ اس میں ان کے دلائل مذکور نہیں ہیں۔

(۳) تقریب... اس میں دلائل کے ساتھ مسائل کو ذکر کئے ہیں۔

(۴) شرح مختصر الکرخی

(۵) شرح ادب القاضی

(۶) المختصر للقدوری... صاحب قدوری کی یہ کتاب بہت مشہور ہوئی اور حنفیوں کے تقریبا تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کتاب کی اتنی اہمیت ہوئی کہ تقریبا تیس شرحیں اردو اور عربی میں لکھی گئیں۔ خاص بات یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے شرح کے لئے اسی کتاب کے متن کو منتخب کیا۔ اور اسی کو بنیاد بنا کر پوری کتاب کی عظیم الشان شرح کی جس کو پوری دنیا میں مقبولیت حاصل ہے۔ یوں دیکھا جائے تو قدوری سے لیکر ہدایہ اخیرین تک طالب علم قدوری ہی کے متن کو دہراتا رہتا ہے۔ یہ قدوری کی مقبولیت اور اس کا کمال ہے۔ اتنی جامع اور اتنی سہل کتاب کم نظر آتی ہے۔

اس کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اکثر مسئلے آیت، حدیث، قول صحابی یا فتوی تابعی سے مستنبط ہیں۔ بہت کم مسئلے ہیں جو قیاس کر کے لکھے گئے ہیں۔ اور وہ بھی اصول کے تحت متخرج ہیں۔

اللہ تعالی حضرت کی کتاب کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور امت کی جانب سے ان کو بھرپور جزائے خیر سے نوازے۔ آمین یارب العالمین!

العبد : ثمیر الدین قاسمی

یکم مئی ۲۰۰۴ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم فقہ

فقہ کے لغوی معنی

فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کو کھولنا اور واضح کرنا، فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کی حقائق کا سراغ لگائے اور مغلق اور پیچیدہ مسائل کو واضح کرے۔

اصطلاحی معنی

اہل شرع کی اصطلاح میں فقہ کی مشہور تعریف یہ ہے **' هو العلم بالاحکام الشرعية الفرعية من ادلتها التفصيلية'**

ترجمہ :-فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو احکام کے ادلہ مفصلہ سے حاصل ہو۔

ہر ایک جزو کی تشریح

الاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ : احکام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک اصلی اور ایک فرعی۔

احکام اصلی : احکام اعتقادی کو اصلی احکام کہتے ہیں۔جیسے خداوند قدوس کی وحدانیت، رسالت، رسول کا آنا، آخرت کا علم، یہ سب احکام اعتقادیہ ہیں اور اصلی احکام کہلاتے ہیں۔علم فقہ اس سے تعارض نہیں کرتا کیونکہ وہ احکام فرعیہ بیان کرتا ہے۔

احکام فرعیہ : وہ احکام جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہو، جیسے نماز، روزہ، حج اور خرید وفروخت وغیرہ کے احکام۔علم فقہ میں یہی احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

ادلتہا التفصیلیۃ : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ احکام کے تفصیلی دلائل بھی معلوم ہوں۔مثلا کہیں کہ حج فرض ہے تو آیت بھی معلوم ہو کہ اس کی دلیل **و اتموا الحج و العمرة لله** (آیت ۱۹۶، سورۃ البقرۃ ۲) موجود ہے۔یا مسئلہ بیان کریں کہ نماز اور زکوۃ فرض ہیں تو یہ دلیل بھی معلوم ہو کہ آیت **اقيموا الصلوة و آتوا الزكوة واركعوا مع الراكعين** (آیت ۴۳، سورۃ البقرۃ ۲) اس کی دلیل ہے۔حاصل یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال کے ہر ہر جزئیہ پر حلت، حرمت، کراہت اور وجوب وغیرہ کا حکم لگانا اور ان میں سے ہر ایک کی دلیل بیان کرنا علم فقہ ہے۔

علم فقہ کا موضوع

مکلف آدمی کا فعل اور عمل جس سے یہ بحث کی جائے کہ یہ فرض ہے (۲) یا واجب ہے (۳) یا سنت مؤکدہ ہے (۴) یا سنت غیر مؤکدہ ہے (۵) یا نفل ہے (۶) یا مستحب ہے (۷) یا حرام ہے (۸) یا مکروہ تحریمی ہے (۹) یا مکروہ تنزیہی ہے (۱۰) یا مباح ہے۔

مکلف آدمی کے اعمال کے بارے میں اوپر کی بحثیں کرنا اور حکم لگانا علم فقہ کا موضوع ہے۔

مکلف کی قید اس لئے لگائی کہ نابالغ بچہ اور مجنون کے اعمال پر شریعت نہ حکم لگاتی ہے اور نہ اس سے بحث کی جاتی ہے۔صرف مکلف کے اعمال سے بحث کرتی ہے۔

غرض وغایت

سعادت دارین کی ظفریابی ہے کہ فقیہ دنیا میں مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا کر مراتب عالیہ حاصل کرتا ہے اور آخرت میں جس کی چاہے گا شفاعت کرے گا اور اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوگا۔

یا علم فقہ سیکھ کر احکام شرعیہ کے موافق عمل کرنے کی قوت اور ملکہ پیدا کرنا اس کی غرض ہے۔

علم فقہ کی عظمت

اس سے بڑھ کر کیا عظمت ہوگی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بلند الفاظ میں فقیہ کی تعریف کی ہے۔ ارشاد ہے ُعن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین ُ(ترمذی شریف، باب اذا اراد اللہ بعبد خیرا فقھہ فی الدین، ص۱۰۱، نمبر۲۶۴۵ر مسند احمد، مسند ابی ہریرۃ، ج ثانی، ص ۴۶۵، نمبر۷۱۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خداوند قدوس جس بندے کے بارے میں خیر کا فیصلہ فرماتے ہیں اس کو فقہ فی الدین کا علم دے دیتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے ُعن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ فقیہ اشد علی الشیطان من الف عابدُ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، ص۶۰۸، نمبر۲۶۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقیہ ہزار عابد پر بھاری ہے۔

اس لئے فقہ سیکھنا اور اس پر عمل کرنا بہت بڑی فضیلت کی چیز ہے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حنفیت تینوں اماموں کے مجموعے کا نام ہے

میرے استاد محترم فرمایا کرتے تھے کہ حنفیت صرف حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کا نام نہیں ہے بلکہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالی کے مسلکوں کے مجموعے کا نام حنفیت ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کے مسلک پر عمل کرے گا تو وہ حنفیہ کے مسلک پر عمل کرنا ہی سمجھا جائے گا۔ اور اگر امام محمدؒ یا امام ابو یوسفؒ کے مسلک پر فتوی دیا تو وہ حنفیت کے مسلک سے خارج نہیں شمار کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قدوری اور ہدایہ جیسی حنفیہ کی اہم کتابوں میں ان دونوں اماموں کے مسلک درج ہیں۔ اور وقت ضرورت ان کے مطابق فتوی بھی دیا جاتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر ہے

حضرت امام ابو حنیفہؒ بہت متقی اور پرہیز گار آدمی تھے۔ اس لئے انہوں نے ہمیشہ احتیاط پر فتوی دیا اور وہی مسلک اختیار کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت تک فقہ مدون نہیں ہوا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ پہلے امام ہیں جنہوں نے فقہ اور اصول فقہ مدون کیا۔ اس لئے اگر احتیاط کے علاوہ پہلو اختیار کرتے تو ہر آدمی کی انگلی اٹھتی۔ اس لئے حضرت نے احتیاطی مسلک اختیار کیا۔ چاہے اس کے لئے فتوی تابعی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن انہیں کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے حدیث کی روشنی میں کہیں کہیں دوسرا مسلک اختیار کیا۔ اور کھلے دل کے ساتھ مسلک مع دلائل درج کیا۔ اب ناظرین کو اختیار ہے کہ امام اعظم کا مسلک اختیار کرے یا ان کے شاگرد رشید کا مسلک اختیار کرے۔ دونوں صورتوں میں فضیلت امام اعظم کو ہی جاتی ہے۔

آخری صدی میں مسلک امام اعظم کو اجاگر کرنے اور اس کی اشاعت کرنے کا سہرا دیوبندی مکتب فکر کے سر پر رہا۔ انہوں نے بھی احتیاطی پہلو اختیار کیا اور عموما امام اعظم کی طرح احتیاط پر ہی فتوی دیا۔ اس لئے بعض ناظرین کو اشکال پیدا ہوا اور کہنے لگے کہ حنفیوں کا مسلک احادیث سے مختلف ہے۔ لیکن شاید غور نہیں فرمایا کہ جن مسائل میں ان کو احادیث نہیں مل رہی ہیں وہیں حنفیوں کے دو اہم ستونوں کا مسلک امام اعظم سے مختلف ہے۔ اور ان کے اختیار کردہ مسلک کے لئے سو فیصد احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے موقع پر صاحبین کا مسلک حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے موافق ہو جاتا ہے۔

زیر نظر کتاب 'الشرح الثمیری' میں جابجا دیکھیں گے کہ جہاں جہاں صاحبین نے امام اعظم سے اختلاف کیا ہے وہاں امام اعظم کے پاس قول صحابی یا فتوی تابعی ہے اور صاحبین کے پاس احادیث ہیں۔ لیکن امام اعظم کا مسلک احتیاط پر ہے۔

(۱) میرا ناقص خیال ہے کہ اشکال کرنے والوں نے صرف امام اعظم کے مسلک پر غور کیا اور بعض جگہ احادیث نہ پانے کی وجہ سے پورے حنفیت پر اشکال کو مضبوط کر لیا۔ انہوں نے ان کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اختلاف کو اور ان کے مضبوط احادیث کی طرف توجہ نہیں دی۔ اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ بھی تو حنفیت ہی کے دو اہم ستون ہیں۔ اور تمام مسائل کی اشاعت انہیں کے نوک قلم کی مرہون منت ہے۔

(۲) انہوں نے اس کا بھی خیال نہیں کیا کہ امام اعظم کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے۔ اور یہ پہلے مدون فقہ ہیں جس کی وجہ سے ان کو احتیاطی پہلو

اختیار کرنا پڑا۔

(۳) یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ حنفیوں کا مسلک دلیل عقلی پر ہے۔ یہ تو بعد کے علماء نے حکمت بیان کرنے کے لئے دلیل عقلی پیش کی ہے۔ ورنہ پوری قدوری کو ناچیز نے چھانا ہر ہر مسئلہ یا آیت یا حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی سے مستنبط ہے۔ یا ان چاروں میں سے کسی ایک سے اصول متعین کیا اور اصول سے مسئلے کا استخراج کیا ہے۔ صرف دلیل عقلی پر مسئلے کا مدار نہیں ہے۔ اور جہاں جہاں صرف دلیل عقلی بیان کی ہے وہاں ناچیز نے اصول لکھ دیا ہے۔ اور اصول احادیث سے مستنبط ہیں اس لئے گویا کہ وہ مسئلے بھی احادیث ہی سے مستنبط ہوئے۔

صرف کتاب الایمان اور کتاب القضاء میں کچھ مسئلوں کا مدار اس زمانے کے محاورات پر ہے۔ اس لئے وہاں محاورات کے تحت مسئلہ لکھ دیا گیا ہے۔ ان مسئلوں میں حدیث اور قرآن نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مسئلوں کا مدار ہے ہی محاورات پر۔ اس لئے ان مسئلوں کے لئے احادیث یا آیات کہاں سے ملیں گے؟

حنفیوں بلکہ تمام ہی ائمۂ کرام کے مسالک (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) قول صحابی (۴) فتوی تابعی (۵) اجماع (۶) اور قیاس سے مستنبط ہے۔ اس لئے ائمۂ کرام پر انگلی اٹھانا صحیح نہیں ہے۔

احقر العباد : ثمیر الدین قاسمی

ائمہ کرام ایک نظر میں

اسمائے گرامی	جائے ولادت	سن ولادت	جائے وفات	سن وفات	شیوخ	تلامذہ	تالیفات	خدمات
امام ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت	کوفہ	۸۰ھ	بغداد	۱۵۰ھ	ابراہیم نخعیؒ حماد بن سلیمان	امام ابویوسفؒ امام محمدؒ ابن مبارکؒ	-	تدوین فقہ تدوین اصول فقہ
امام مالکؒ مالک بن انس	حمیری مدینہ	۹۵ھ	مدینہ	۱۷۹ھ	نوسوزائد شیوخ تھے، نافع	ابن مبارکؒ قطانؒ	موطا امام مالکؒ	بانی مذہب امام مالک
امام شافعیؒ محمد بن ادریس شافعی	غزہ گاؤں عسقلان	۱۵۰ھ	مصر	۲۰۴ھ	امام مالکؒ امام محمدؒ سفیان بن عیینہؒ	احمد بن حنبلؒ علی بن مدینی اسحاق بن راہویہ	موسوعۃ امام شافعی کتاب الام	بانی مذہب شافعی
امام احمدؒ احمد بن محمد بن حنبل	مروزی بغداد	۱۶۴ھ	بغداد	۲۴۱ھ	امام ابویوسفؒ امام شافعیؒ یحییٰ بن قطان	بخاری، مسلم، ابوداؤد، عبداللہ بن احمد	مسند امام احمد ۱۲۷۱۰۰ احادیث	ردخلق قرآن بانی مذہب حنبلی
امام ابویوسفؒ یعقوب بن ابراہیم	کوفہ	۱۱۳ھ	بغداد	۱۸۲ھ	امام ابوحنیفہؒ	احمد بن حنبلؒ امام محمدؒ یحییٰ بن معینؒ	کتاب الآثار کتاب الخراج	فقہ کی ترتیب دی
امام محمدؒ محمد بن حسن	الشیبان کوفہ	۱۳۲ھ	ری	۱۸۹ھ	امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ سفیان ثاریؒ	امام شافعیؒ ابوحفصؒ یحییٰ بن معینؒ	موطا امام محمد، جامع صغیر، جامع کبیر	حنفی کی اکثر کتابیں انہوں نے لکھی

بسم الله الرحمن الرحيم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم کو سب سے پہلے لکھنے کی وجہ یہ ہے (الف) حضور ﷺ کو سب سے پہلی وحی آئی تو اس میں اللہ کے نام سے پڑھنے کے لئے کہا گیا اقرء باسم ربک الذی خلق آیت نمبر ۱ سورۃ العلق ۹۶ (ب) حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو خط لکھا تو بسم اللہ سے شروع کیا۔ انه من سليمان و انه بسم الله الرحمن الرحيم آیت نمبر ۳۰ سورۃ النمل ۲۷ (ج) قرآن کریم بسم اللہ سے شروع ہے (د) حضور ﷺ کے تمام خطوط اور تمان خطبات بسم اللہ سے شروع ہیں۔ اس لئے مصنف نے کتاب کو بسم اللہ سے شروع فرمایا۔ (ہ) حدیث میں ہے عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ كل كلام لا يبدأ فيه بحمد الله فهو اجذم (ابوداؤد شریف، باب الهدى في الكلام، ج ۲، ص ۳۱۷، نمبر ۴۸۴۰/ ابن ماجہ شریف، باب خطبۃ النکاح، ص ۲۷۲، نمبر ۱۸۹۴) ہر وہ کلام جو حمد کے ذریعہ شروع نہ کیا جائے وہ ناقص ہوتا ہے۔ اور بسم اللہ بھی حمد کا حصہ ہے اس لئے بسم اللہ سے شروع کرنے کا ثبوت ہوا۔

نوٹ کسی کام سے پہلے ذکر کرنا چاہئے لیکن ضروری نہیں ہے کہ بسم اللہ ہی کے ذریعہ ہو۔ تسبیح، تقدیس کے ذریعہ بھی ذکر ہو سکتا ہے۔ لیکن بہتر طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ کے ذریعہ ہو۔ کیونکہ قرآن کریم میں بسم اللہ کے ذریعہ قرآن کی ابتدا کی گئی ہے۔

بسم اللہ : میں ب حرف جار ہے جس کے بہت سے معانی ہیں۔ یہاں اس کے معانی الصاق کے لئے ہیں۔ یعنی کسی فعل کے ساتھ چپکانا۔ یا اس کا معنی استقامت کے لئے ہیں یعنی اللہ کے نام کی مدد سے شروع کرتا ہوں۔ ب حرف جر ہے اس لئے اس کے متعلق کے لئے کوئی فعل محذوف ماننا ہوگا۔ تاکہ حرف جر اس کا متعلق ہو جائے۔ بہتر ہے کہ ابتدأ محذوف مانیں تاکہ مطلب یہ ہو کہ میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ ب متعلق کے لئے ہو گیا اور اسم تو اللہ کے تابع ہے تو گویا کہ لفظ اللہ ہی سب سے مقدم ہو گیا۔ جو اصل مقصود تھا۔

اللہ : اللہ کے ننانوے نام صفاتی ہیں۔ اور یہ نام ذاتی ہے۔ اللہ الالہ سے مشتق ہے۔ الہ کے معنی ہیں معبود اور الف لام لگا دینے سے ترجمہ ہو گیا خاص معبود یعنی اللہ۔ دوسرے معبود تو ہے ہی نہیں لیکن مشرک لوگوں نے اپنے اعتقاد میں بنا رکھا ہے اس سے جدا کر کے خاص معبود اللہ کا نام ہوا۔

الرحمٰن : فعلان کے وزن پر ہے۔ رحمت سے مشتق ہے۔ رحمت کے معنی ہیں رقت قلب۔ اللہ میں رقت قلب محال ہے کیوں کہ وہ ذات قلب اور دل سے پاک ہے۔ اس لئے اللہ کی طرف رحمت کی نسبت ہو تو اس کے معانی ہوتے ہیں فضل و کرم کرنا، احسان کرنا۔ رحمٰن مبالغہ کا صیغہ ہے۔ ترجمہ ہے وہ ذات جس کی رحمت ہر چیز کو گھیری ہوئی ہے۔ انتہائی مہربان۔

رحیم : فعیل کے وزن پر۔ یہ لفظ بھی رحمت سے مشتق ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے۔ البتہ اس میں رحمٰن کے مقابلہ میں کم مبالغہ ہے۔ کیوں کہ رحمٰن میں حرف زیادہ ہے۔ اس میں پانچ حروف ہیں اور رحیم میں چار حروف ہیں۔ اس لئے رحمٰن میں مبالغہ زیادہ ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کی دعا میں آیا ہے یا رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ دنیا والوں پر اللہ کی مہربانی زیادہ ہے بنسبت آخرت والوں کے۔ کیوں کہ دنیا میں مؤمن اور کافر دونوں پر مہربانی ہو رہی ہے۔ اور آخرت میں صرف مؤمن پر مہربانی ہوگی۔

(۱) الحمد للہ رب العالمین (۲) والعاقبة للمتقین (۳) والصلوۃ والسلام علی رسوله محمد و آله واصحابه اجمعین.

نکتہ شاید رحمٰن کو مقدم کرنے کی حکمت یہ ہو کہ اس کا تعلق دنیا والوں کے ساتھ ہے اور دنیا مقدم ہے۔ اس لئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں رحمٰن کو مقدم کیا۔

(۱) تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ الحمد للہ کو مقدم کرنے کی وجہ : قرآن کریم میں الحمد بالکل شروع میں ہے۔ حدیث میں ہے عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ كل امر ذی بال لا يبدأ فيه بالحمد اقطع (ابن ماجہ شریف، باب خطبۃ النکاح، ص ۲۷۲، نمبر ۱۸۹۴) ترجمہ : جو اہم کام الحمد کے ذریعہ شروع نہ کیا جائے وہ ناقص ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ الحمد للہ کے ذریعہ کتاب شروع کی جائے۔

الحمد : ممدوح کی اختیاری خوبیوں کو زبان سے بیان کرنا اس کو حمد کہتے ہیں۔ چاہے نعمت کے مقابلے پر ہو یا نعمت کے مقابلے پر نہ ہو۔ اللہ کی جانب سے ہر وقت نعمتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے اس لئے ہم جو بھی حمد کریں گے وہ نعمت کے مقابلہ پر ہی ہوگی۔ ال الحمد میں الف لام استغراق کے لئے ہیں۔ استغراق کا مطلب ہے کہ تمام تعریفیں جو دنیا میں ہو سکتی ہیں وہ سب اللہ تعالی کے لئے ہیں۔ جمہور کی رائے یہی ہے۔ الف لام کبھی جنس کے لئے ہوتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ ماہیت اور حقیقت حمد اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ کبھی الف لام عہد اور متعین چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ یعنی متعین تعریفیں جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں وہ اللہ کے لئے ہیں۔

رب العالمین : رب کے معنی ہیں آہستہ آہستہ کسی چیز کی پرورش کرنا۔ اللہ پورے جہانوں کو بتدریج غذا مہیا کرتے ہیں اور اس کی پرورش کرتے ہیں اس لئے اس کو رب کہتے ہیں۔ لفظ رب تنہا بولا جائے تو صرف اللہ کے لئے بولا جائے گا۔ اور اضافت کے ساتھ استعمال ہو تو دوسرے کے لئے بھی رب بولا جائے گا۔ جیسے قرآن کریم کی آیت میں ہے اذکرنی عند ربک فانساہ الشیطان ذکر ربہ۔ آیت ۴۲، سورۂ یوسف ۱۲، یہاں رب کو اضافت کے ساتھ استعمال کیا اور مراد قیدیوں کے بادشاہ ہیں۔

العالمین : عالمین جمع کا صیغہ ہے، واحد ہے عالَم۔ یہ علامت سے مشتق ہے۔ چونکہ دنیا کی تمام چیزیں بنانے والے پر علامت ہیں اس لئے اس دنیا کو عالَم کہتے ہیں۔ یہ اسم فاعل کے وزن پر اسم آلہ ہے۔ جیسے خاتم اور طابع، مہر لگانے کا آلہ۔

(۲) والعاقبة للمتقین : ترجمہ تقوی اختیار کرنے والوں کے لئے اچھا انجام ہے۔ التقوی : وقایۃ سے مشتق ہے، اپنے آپ کو بچانا۔ گناہوں پر اصرار نہ کرے اور عبادات پر غرور نہ کرے اس کو تقوی کہتے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی اتباع کامل کا نام تقوی ہے۔ اسی تقوی کا اسم فاعل متقی ہے۔ اور اسی کی جمع متقین ہے۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو متقی لوگ ہیں آخر کار وہی لوگ دنیا اور آخرت میں کامیاب رہتے ہیں۔

(۳) والصلوة والسلام الخ درود اور سلام ہو اللہ کے رسول محمد ﷺ پر اور آپ کی آل اور آپ کے تمام اصحاب پر۔

تشریح الصلوۃ : صلوۃ کے معنی دعا، لیکن اگر اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس کے معنی رحمت کرنا، اور فرشتے کی طرف ہو تو صلوۃ کے معنی

(۴)قال الشیخ الامام الاجل الزاھدابوالحسن احمد بن محمد بن جعفر البغدادی

استغفار کرنا۔اور انسان کی طرف ہوتو اس کے معنی دعا ہے۔سلام : ہر قسم کی سلامتی، صلوۃ اور سلام کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ان اللہ و ملائکته یصلون علی النبی یایھا اللذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳۔ترجمہ: اللہ اور فرشتے حضور علیہ السلام پر درود بھیجتے ہیں اس لئے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو۔اس آیت میں صلوۃ وسلام دونوں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔بلکہ فضیلت کی بات یہ ہے کہ خود اللہ تعالی اس کام کو کرتے ہیں۔پھر تو فضیلت کا کیا کہنا! علماء فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اس سے زیادہ فضیلت درود وسلام میں ہے۔کیونکہ درود اور سلام خود اللہ تعالی فرماتے ہیں۔ ع بعد از خدا توئی بزرگ قصہ مختصر۔حدیث میں ہے۔اخبرنی ابو حمید الساعدی انھم قالوا یا رسول اللہ ! کیف نصلی علیک؟ قال قولوا اللھم صل علی محمد وعلی ازواجه وذریته الخ (مسلم شریف، باب الصلوۃ علی النبیؐ ص ۱۷۵، نمبر ۴۰۷ / ابو داؤد شریف۔باب الصلوۃ علی النبیؐ ص ۱۴۷، نمبر ۹۷۹)

رسوله : جس نبی پر نئی شریعت آئی ہو، کتاب آئی ہو اس کو رسول کہتے ہیں۔اور نبی اس کو کہتے ہیں جس پر نئی شریعت نہ آئی ہو۔اس لئے رسول نبی سے افضل ہوتے ہیں۔اس لئے مصنفؒ علیہ الرحمۃ نے رسولہ کا جملہ استعمال کیا تا کہ ادب واحترام زیادہ ہو۔

محمد : حمد سے مشتق ہے، تعریف کیا ہوا۔یعنی جس میں فضائل محمودہ جمع ہوں۔الذی جمعت فیه الخصال المحمودة آپ کے بہت سے نام صفاتی ہیں۔لیکن محمد اور احمد سب سے مشہور نام ہیں۔یہ نام آپ کے دادا نے رکھا تھا۔آپؐ میں تمام اچھی خصلتیں جمع ہیں اس لئے آپؐ اسم با مسمی بن گئے۔

اله : یہ اہل سے مشتق ہے۔اس کا مصداق کون کون ہیں اس میں اختلاف ہے۔ایک معنی ہے آپ کے اہل وعیال اور اولاد، دوسرے معنی ہیں آپ کے خاندان میں جن افراد پر صدقہ لینا حرام تھا وہ حضرات آپ کی آل میں داخل ہیں۔جیسے آل علیؓ، آل جعفرؓ وغیرہ۔

اصحابه : صاحب کی جمع ہیں۔آپکے ساتھی، جن حضرات نے ایمان کے ساتھ آپ کو دیکھا اور ایمان ہی پر ان کا خاتمہ ہوا وہ تمام آپ کے اصحاب ہیں۔ان تمام حضرات پر درود اور سلام ہو۔

(۴) شیخ وقت، قوم کے پیشوا، جلیل القدر نیک شعار ابو الحسن بن احمد بن محمد بن جعفر بغدادی جو قدوری سے مشہور ہیں وہ فرماتے ہیں۔

الشیخ : بوڑھا، قابل تعظیم آدمی، پچاس سال سے زیادہ عمر کے آدمی کو شیخ کہتے ہیں۔اور کبھی علم وفضل کے اعتبار سے قابل تعظیم آدمی کو بھی شیخ کہتے ہیں۔شیخین بولا جائے تو اہل سیرت کے یہاں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ مراد ہوتے ہیں۔محدثین کے یہاں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ مراد ہوتے ہیں۔اور فقہائے احناف کے یہاں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ مراد ہوتے ہیں۔

الامام : جس کی اقتدا کی جائے اس کو امام کہتے ہیں۔اَمَّ یَؤُمُّ اِمَامَةً باب نصر سے، امام بننا۔لفظ ہجان کی طرح امام میں بھی مذکر اور مؤنث، مفرد اور جمع برابر ہیں۔

الاجل : جلیل القدر، بزرگ، الزاہد : نیک، پرہیز گار۔

المعروف بالقدوری رحمة الله عليه.

نوٹ قال الشیخ سے اخیر تک عبارت ان کے کسی شاگرد کی ہے۔ ورنہ تو مصنف تواضع کی وجہ سے صرف اپنا نام ہی لکھتے۔

القدوری : قدر کے معنی ہانڈی، صاحب قدوری یا ہانڈی کا کاروبار کرتے تھے یا اس کے گاؤں کا نام ہے جس کی طرف مصنف کو منسوب کیا گیا ہے۔

نوٹ تفصیل حالت مصنف میں ملاحظہ فرمائیں۔



﴿کتاب الطهارة﴾

ضروری نوٹ : کتاب الطہارۃ مرکب اضافی ناقص ہے۔اس لئے اس سے پہلے مبتدا یا اس کے آخر میں خبر محذوف ماننی پڑے گی۔مثلاً هذا کتاب الطهارة، یا کتاب الطہارۃ هذا، یا کتاب الطہارۃ کو اقرء کا مفعول مانیں اور یوں عبارت رکھیں اقرءُ کتابَ الطهارة۔

طہارۃ کا ثبوت : آیت میں طہارت کا ثبوت ہے۔یا ایها الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برء وسکم وارجلکم الی الکعبین، وان کنتم جنبا فاطهروا ۔آیت ۶،سورۃ المائدۃ ۵۔حدیث میں ہے الطهور شطر الایمان ،یہ بھی ہے مفتاح الصلوة الطهور۔(ترمذی، باب ماجاء مفتاح الصلوۃ الطھور ص ۶،نمبر ۳)

طہارۃ کو مقدم کرنے کی۔

وجہ (۱) عبادات میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے۔ایمان کے بعد سب سے زیادہ اہمیت نماز کو دی گئی ہے۔ارشاد ربانی ہے الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوة (آیت ۳،سورۃ البقرۃ ۲) حدیث میں ہے الصلوة عماد الدین من اقامها فقد اقام الدین. اسی لئے تمام مصنفین نے ابواب نماز کو مقدم کیا ہے۔اور نماز کی شرط طہارت ہے،بغیر طہارت کے نماز ادا نہیں ہوگی اس لئے کتاب الطہارۃ کو مقدم کیا۔(۲) حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔زکوۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے۔روزہ سال میں ایک ماہ فرض ہے۔لیکن نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔اس لئے اس کی ضرورت بار بار پڑتی ہے۔اور نماز کے لئے طہارت کی ضرورت پڑے گی تو طہارت کی ضرورت بھی دن میں پانچ بار پڑی۔اس لئے کثرت ضرورت کی بنا پر بھی طہارت کو پہلے ذکر کیا۔

لغوی تحقیق کتاب فِعال کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہیں۔جیسے لباس ملبوس کے معنی میں ہوتا ہے۔اسی طرح کتاب بھی مکتوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس کے معنی ہیں جمع کیا ہوا۔کتب کے معنی ہیں جمع کرنا۔کتاب میں بہت سے مسائل جمع ہوتے ہیں اس لئے اس کو کتاب کہتے ہیں۔

نوٹ فقہ کی کتابوں میں تین الفاظ ذکر کرتے ہیں۔(۱) کتاب (۲) باب (۳) فصل۔کتاب میں مختلف انواع اور اقسام کے مسائل مذکور ہوتے ہیں اور اس میں بعض مرتبہ کئی ابواب بھی شامل ہوتے ہیں۔گویا کہ وہ عام لفظ ہے۔باب میں ایک قسم کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔اور فصل میں ایک نوع کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔

طہارۃ : طہر کا مصدر ہے اس کے معنی ہیں طہارۃ اور پاکیزگی،اس کا الٹا ہے دنس۔شریعت میں مخصوص اعضاء کے دھونے کو طہارت کہتے ہیں۔اس کا الٹا ہے حدث۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ رفع حدث یا ازالۂ نجس کا نام طہارت ہے۔

نوٹ پاک کرنے کو طَهارة بفتح ط،پاک کرنے کے بعد جو پانی باقی رہ جائے اس کو طُهارة ط کے ضمہ کے ساتھ۔اور پاک کرنے کا جو آلہ ہوتا ہے جیسے لوٹا اس کو طِهارة ط کے کسرہ کے ساتھ بولتے ہیں۔پاک پانی نہ ہو تو مٹی پاک کرنے لئے چند شرائط کے ساتھ پانی کا قائم مقام ہوتی ہے۔

نوٹ اقسام طہارت : (۱) اعتقادات کی طہارت جیسے اللہ یا رسول یا قیامت کے ساتھ وہ اعتقاد رکھنا جو حدیث اور قرآن کے مطابق

(۱) قال اللہ تعالی یا یھاالذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برء وسکم وارجلکم الی الکعبین .

ہو (۲) مال کی طہارۃ جیسے مال کی زکوۃ دینا (۳) بدن کی طہارۃ جیسے وضوکرنا، غسل کرنا۔ کپڑے کی طھارۃ جیسے کپڑے کو پاک کرنا۔

(۱) اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتو اپنے منہ دھولو اور ہاتھ کو کہنیوں سمیت اور اپنے سر پر مسح کرلو۔ اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو

وجہ آیت کو شروع میں لکھنے کی وجہ یہ ہیں (الف) برکت لئے ہے (۲) وضوء میں کتنے اعضاء دھوئے جائیں گے اس کا تذکرہ ہے۔ تو گویا کہ آیت اعضاء وضوء دھونے کی دلیل ہوگئی۔ آیت میں تین اعضاء دھونے اور ایک عضو کے مسح کرنے کا ذکر ہے (۱) چہرہ دھویا جائیگا (۲) دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے جائیں گے (۳) پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے جائیں گے اور سر پر مسح کیا جائے گا۔ ہر ایک عضو کی مقدار اور ان کی دلیلیں آگے آئیں گی۔

لغت **اذا قمتم الی الصلوۃ** جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتو اعضاء دھوؤ۔ نماز میں کھڑے ہونے کے وقت وضوء نہیں کرتے بلکہ اس سے کچھ دیر پہلے وضوء کرتے ہیں۔ اس لئے آیت سے پہلے ایک قید بڑھانی ہوگی یعنی **اذا اردتم القیام الی الصلوۃ** ۔ تم نماز میں کھڑے ہونے کا ارادہ کروتو وضوء کرلو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر نماز پڑھتے وقت پہلے سے وضوء موجود ہوتو وضوء کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ایک قید اور بھی بڑھانا ہوگی **اذا قمتم الی الصلوۃ وانتم محدثون** یعنی تم نماز کے لئے کھڑے ہو اس حال میں کہ تم محدث ہوتو وضوء کرلو اور محدث نہ ہوتو وضوء کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ طہارت کے باوجود وضوء کرنا مستحب ہے۔

فاغسلوا : غسل غ کے فتحہ کے ساتھ کسی چیز پر پانی بہا کر میل کچیل دور کرنا، کسی چیز کو دھونا اور غسل غ کے ضمہ کے ساتھ غسل کرنا، پورے بدن کو دھونا۔ **وجوہ** : وجہ کی جمع ہے، چہرہ۔ سر کے بال اگنے سے لیکر تھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں کان کے دونوں نرمے تک کو چہرہ کہتے ہیں۔ وجہ : مواجہت سے مشتق ہے۔ اور آدمی کسی کے سامنے آئے تو چہرے کا اتنا حصہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے اس لئے اتنے حصے کو وجہ کہتے ہیں۔ مرافق : مرفقۃ کی جمع ہے، کہنی۔ امسحوا : مسح سے مشتق ہے پونچھنا۔ بھیگے ہوئے ہاتھ کو کسی عضو پر پھیرنا۔ وارجلکم : رجل سے مشتق ہے پاؤں۔ ارجلکم پر فتحہ ہوگا اور عطف وجوھکم پر ہوگا۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ چہرے کو دھوؤ اور پاؤں کو بھی دھوؤ۔ حضرت نافع، ابن عامر، کسائی، یعقوب اور امام حفص کی قرأت میں یہی ہے۔ اور قرآن کریم کے عام نسخوں میں لام پر فتحہ والی قرأت ہے۔ جمہور کا مسلک بھی یہی ہے کہ پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا ضروری ہے ورنہ وضوء نہیں ہوگا۔ ان کے دلائل یہ ہیں (۱) قرآن نے **وارجلکم الی الکعبین** کہا ہے۔ اگر مسح کرنا فرض ہوتا تو الی الکعبین کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ ٹخنوں تک کرو۔ بلکہ رء وسکم کی طرح مطلق بیان کرتے۔ کعبین کی قید لگانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ٹخنوں تک دھونا فرض ہے (۲) حضرت ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ **انی سمعت رسول اللہ ﷺ انہ یقول ویل للاعقاب من النار** (الف) (مسلم شریف، باب وجوب غسل الرجلین بکمالھا ص ۱۲۴ نمبر ۲۴۰ اور بخاری شریف، باب غسل

حاشیہ : (الف) آپ فرمایا کرتے تھے ایڑی کے لئے آگ سے ہلاکت ہے۔

(۲) ففرض الطهارة غسل الاعضاء الثلثة ومسح الرأس (۳) والمرفقان والكعبان تدخلان

الاعقاب ص ۲۸ نمبر ۱۶۵) ایڑی پانی سے تر نہ ہوتو اس کو آگ چھوئے گی۔ تو اگر پاؤں پر مسح کریں تو ایڑی پر پانی نہیں آئے گا جس کی وجہ سے وہ جہنم کی آگ کے قابل ہوگی۔ اس لئے پاؤں پر مسح کرنا کافی نہیں ہوگا۔ (۳) خود حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے وضوء فرمایا اور پاؤں کو دھویا۔ قال اتانا علی وقد صلی ثم غسل رجله اليمنى ثلاثا و رجله اليسرى ثلاثا (الف) (ابوداؤد، باب صفة وضوء النبی ص ۱۵ نمبر ۱۱۱/۱۱۴)

ارجلکم: کی دوسری قرأت لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ قرأت عام مشہور نہیں ہے۔ اس صورت میں ارجلکم کا عطف برء وسکم پر ہوگا۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ پاؤں پر بھی سر کی طرح مسح کرو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ارجلکم کا عطف برء وسکم پر کر کے یہ مطلب لیا جائے کہ پاؤں پر بھی مسح کرو تو یہ اس وقت ہوگا جب کہ پاؤں میں موزہ ہو تو پاؤں پر مسح کرو۔ اور اس قرأت سے موزہ پر مسح کرنے کا ثبوت ہوگا یا صرف جوار اور قریب ہونے کی وجہ سے جر پڑھا جائے گا۔ حکم کے اعتبار سے دھونا ہی ہے۔

رافضیوں کا مذہب ہے کہ وہ پاؤں پر مسح کرنا کافی سمجھتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ وہ اس پر شدت سے عمل کرتے ہیں کہ وضوء سے پہلے پاؤں دھوتے ہیں اور وضوء کرتے وقت صرف مسح کرتے ہیں۔ ان کا استدلال یہی ہے کہ ارجلکم جر کے ساتھ اس کا عطف رء وسکم پر ہے اور سر کے مسح کی طرح پاؤں پر مسح کرنا کافی ہے۔ لیکن ان کا جواب وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔ اور معلوم نہیں کہ حضرت علیؓ کی حدیث کو وہ کیوں نہیں مانتے ہیں۔

کعبین: کعب کا تثنیہ ہے۔ ابھری ہوئی ہڈی یعنی ٹخنہ۔ پاؤں میں دو جگہ ابھری ہوئی ہڈی ہے۔ ایک قدم کے اوپر ہے جو صرف ایک ہی ہے۔ اور دوسری جوڑ کے پاس ہے جو ہر پاؤں میں دو دو ہیں۔ یہاں یہی مراد ہے۔ کیوں کہ کعبین تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ ہر پاؤں میں دو دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہوں۔

(۲) پس طہارت وضوء کے فرض تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر کا مسح کرنا ہے۔

وجہ آیت میں گزر چکا ہے کہ تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر پر مسح کرنا ہے۔ اور بہت سی احادیث سے بھی ثابت ہے کہ ان تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر پر مسح کرنا فرض ہے۔

(۳) دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے دھونا فرض میں شامل ہیں ہمارے تینوں علماء کے نزدیک برخلاف امام زفرؒ کے (ان کے نزدیک کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل نہیں ہے)

وجہ ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے دلائل یہ ہیں (۱) عن نعيم بن عبد الله المجمر قال رأيت ابا هريرة يتوضأ فغسل وجهه فأسبع الوضوء ثم غسل يده اليمنى حتى اشرع فى العضد ثم يده اليسرى حتى اشرع فى العضد ثم مسح برأسه ثم غسل رجله اليمنى حتى اشرع فى الساق ثم غسل رجله اليسرى حتى اشرع فى الساق ثم قال

حاشیہ: (الف) دائیں پاؤں کو تین مرتبہ دھویا اور بائیں پاؤں کو تین مرتبہ دھویا۔

فی فرض الغسل عند علمائنا الثلثة خلافا لزفر (۴) والمفروض فی مسح الرأس مقدار

ھکذا رأیت رسول اللہ ﷺ یتوضأ وقال قال رسول اللہ ﷺ انتم الغر المحجلون یوم القیامة من اسباغ الوضوء ممن استطاع منکم فلیطل غرته وتحجیله (الف) (مسلم شریف، باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء، ص ۱۲۶، نمبر ۲۴۶) اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ نے بازو اور پنڈلی کو وضوء میں دھویا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آیت میں مرفق اور کعبین دھونے میں داخل ہیں۔ یہ حدیث آیت کی تفسیر ہے (۲) عن جابر بن عبد اللہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا توضأ ادار الماء علی مرفقیه (دار قطنی، باب وضوء رسول اللہؐ، ج اول، ص ۸۶، نمبر ۲۶۸ رسنن للبیہقی، باب ادخال المرفقین فی الوضوء، ج اول، ص ۹۳، نمبر ۲۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کہنیاں دھونے میں داخل ہیں (۳) انگلی سے لیکر مونڈھے تک کو ہاتھ کہتے ہیں اس لئے اگر کہنیوں کی قید نہ لگاتے تو مونڈھے تک دھونا فرض ہوتا اس لئے کہنیوں تک دھونے کے لئے کہا تو کہنیوں سے آگے ساقط ہو گیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو عضو آگے کو ساقط کرنے کے لئے آئے وہ اس حکم میں داخل ہوتا ہے۔ اس لئے کہنی دھونے کے حکم میں داخل رہے گی۔ اس طرح رجل (پاؤں) ران تک کو کہتے ہیں۔ ٹخنہ تک کی قید لگا کر ٹخنہ سے اوپر کو ساقط کیا۔ لیکن خود ٹخنہ دھونے کے حکم میں داخل رہے گا۔

اصول جنس ایک ہو تو غایت مغیا میں داخل ہوتا ہے۔

فائدہ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل نہیں۔ یعنی اگر کہنیوں اور ٹخنوں تک دھویا اور خود کہنیوں اور ٹخنوں کو نہیں دھویا تو وضوء ہو جائیگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اتموا الصیام الی اللیل یعنی روزے میں رات داخل نہیں ہے تو جس طرح الی کے مابعد رات ہے وہ روزے میں داخل نہیں ہے اسی طرح الی المرافق اور الی الکعبین میں۔ الی کے مابعد مرافق اور کعبین دھونے میں داخل نہیں ہونگے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہاں لیل دن کے جنس میں سے نہیں ہے۔ دن الگ جنس ہے اور رات الگ جنس ہے۔ اس لئے رات جو الی کے مابعد ہے وہ دن میں داخل نہیں ہوگی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جنس ایک نہ ہو تو غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتا ہے۔

(۴) اور فرض سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار ہے اور وہ چوتھائی سر ہے۔ کیونکہ مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قوم کے کوڑے پر تشریف لائے اور پیشاب کیا اور وضوء فرمایا اور پیشانی پر مسح فرمایا اور دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔

وجہ مغیرہ بن شعبہ کی یہ حدیث مسلم شریف میں باب المسح علی الخفین کے تحت ذکر کی گئی ہے (ص ۱۳۴ نمبر ۲۷۴) اسی صفحہ پر دوسری حدیث ہے ان النبی ﷺ مسح علی الخفین ومقدم رأسه وعلی عمامته (مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ والعمامۃ ص ۱۳۴ نمبر ۲۷۴ ر ابوداؤد شریف، باب المسح علی الخفین، ص ۲۲، نمبر ۱۵۰)) جب سر کے صرف اگلے حصے پر مسح کیا تو پتہ یہ چلا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض نہیں ہے،

حاشیہ: (الف) میں نے حضرت ابو ہریرہ کو دیکھا کہ وہ وضو کر رہے تھے۔ پس اپنے چہرے کو دھویا تو پورا وضوء کیا پھر دائیں ہاتھ کو دھویا یہاں تک کہ بازو کو دھونا شروع کر دیا۔ پھر بائیں ہاتھ کو دھویا یہاں تک کہ بازو کو دھونا شروع کر دیا۔ پھر سر پر مسح کیا۔ پھر دائیں پاؤں کو دھویا یہاں تک کہ پنڈلی شروع کر دی پھر بائیں پاؤں کو دھویا یہاں پنڈلی کو دھونا شروع کر دیا۔ پھر کہا میں نے اس طرح حضور ﷺ کو وضوء کرتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا تم لوگ قیامت کے روز چمکدار چہرے اور ہاتھ والے ہونگے وضوء مکمل کرنے کی وجہ سے۔ پس تم میں سے جو چاہے وہ اپنے چہرے کی چمک اور پاؤں کی چمک کو زیادہ کرے۔

الناصية وهو ربع الرأس لما روى المغيرة بن شعبة ان النبي صلى الله عليه وسلم اتى سباطة قوم فبال وتوضأ ومسح على الناصية وخفيه (۵) وسنن الطهارة (٦) غسل اليدين

بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ پورے سر کا مسح فرض ہوتا تو صرف پیشانی کی مقدار یا اگلے حصے پر مسح کرنا کافی نہیں ہوتا۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک چوتھائی سر یا پیشانی کی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے۔ اور پورے سر پر مسح کرنا سنت ہے۔ (۲) آیت میں سر کا مسح کرنا فرض ہے لیکن کتنی مقدار فرض ہے آیت سے اس کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ آیت اس بارے میں مجمل ہے۔ اب حدیث نے اس کی تفسیر کی ہے کہ کم سے کم مقدار پیشانی کے برابر ہے۔ اس سے کم مقدار کا کسی حدیث سے پتا نہیں چلتا ہے۔ اس لئے یہ کم سے کم مقدار فرض ہوگی (۳) ستر عورت چوتھائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ حج کے موقع پر احرام کی حالت میں چوتھائی سر منڈوادے تو دم لازم ہوتا ہے۔ جس طرح پورے سر منڈوانے سے دم لازم ہوتا ہے۔ تو ان مقامات پر چوتھائی کل کے قائم مقام ہے اس لئے سر کے مسح میں بھی چوتھائی پورے سر کے قائم مقام ہوگا (۴) قاعدہ یہ ہے کہ ب حرف جر آلہ پر داخل ہو تو اس کا بعض مراد ہوگا اور محل کا کل، اور محل پر داخل ہو تو محل کا بعض مراد ہوگا۔ یہاں ب سر، محل پر داخل ہے اس لئے سر کا بعض حصہ مراد ہوگا کہ بعض سر کا مسح کرنا کافی ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک چند بال کو مسح کرنے سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسح کرنا مطلق ہے اور مطلق میں دو چار بال مسح کرنا کافی ہو جاتا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں پورے سر پر مسح کرنا ثابت ہے۔ یہ احادیث بخاری شریف باب مسح الرأس کلہ ص ۳۳ نمبر ۱۸۵ اور باب مسح الرأس مرۃ ص ۳۴ نمبر ۱۹۲ پر مذکور ہیں۔ عن عبد الله بن زيدؓ... ثم مسح رأسه بيديه فاقبل بهما وادبر بدا بمقدم رأسه حتى ذهب بهما الى قفاه ثم ردهما الى المكان الذى بدا منه۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ وہ احادیث سنیت پر محمول ہیں۔ اور ہم بھی ایک مرتبہ پورے سر پر مسح کرنا سنت قرار دیتے ہیں۔

لغت الناصية : پیشانی یہاں پیشانی کی مقدار مراد ہے کیوں کہ صرف پیشانی پر مسح کرنے سے کسی کے یہاں مسح ادا نہیں ہوگا۔ کیونکہ آیت میں سر پر مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مغیرہ بن شعبہ مشہور صحابی ہیں غزوۂ خندق کے سال اسلام لائے ہیں اور ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی ہے۔ ان سے ایک سو چھتیس حدیثیں مروی ہیں۔ سباطة : کوڑا، کچرا پھینکنے کی جگہ۔ بال : پیشاب کیا۔

﴿سنن وضوء کا بیان﴾

(۵) سنن الطهارة : طہارت کی سنتیں۔ طریقہ یا راستہ کو سنت کہتے ہیں۔ شریعت میں جس کام پر عبادت کے طور پر حضور ﷺ نے ہمیشگی کی ہو اور کبھی کبھی چھوڑا ہو اس کو سنت کہتے ہیں۔ اگر عبادت کے طور پر نہیں بلکہ عادت کے طور پر کسی کام پر آپ نے ہمیشگی کی ہو تو وہ کام مستحب ہوگا۔ جیسے دائیں جانب سے کسی اچھے کام کو شروع کرنا مستحب ہے۔

(٦) وضوء کی سنتیں : دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونا ان دونوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے جبکہ وضو کرنے والا نیند سے بیدار ہوا ہو

تشریح کوئی آدمی نیند سے بیدار ہوا ہو اور وضو یا غسل کرنا چاہتا ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ کو تین مرتبہ دھو لینا چاہئے، یہ

ثلاثا قبل ادخالهما الانائاذا استیقظ المتوضی من نومه(۷) وتسمیة الله تعالی فی ابتداء الوضوء (۸) والسواک .

سنت ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نیند کی حالت میں اس کا ہاتھ نجاست کی جگہ پر گیا ہو اور ہاتھ پر ناپاکی موجود ہو اور وضو کرنے والے کو اسکا پتہ نہ ہو۔ اب اس ہاتھ کو پانی میں ڈالے گا تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اس لئے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ کو تین مرتبہ دھولے۔ اگر ہاتھ پر ناپاکی ہونے کا ظن غالب ہو تو دھونا ضروری ہے۔ اور صرف شک ہو تو دھونا سنت ہے۔

وجہ اس کے سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی هريرة رضی الله عنه ان النبی ﷺ قال اذا استیقظ احدکم من نومه فلا تغمس یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا فانه لایدری این باتت یده** (الف) (مسلم شریف، باب کراہیۃ غمس المتوضی و غیرہ یدہ المشکوک فی نجاستها فی الاناء قبل غسلها ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۷۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء اذا استیقظ احدکم من منامہ فلا یغمسن یدہ فی الاناء حتی تغسلها ثلاثا ص ۱۳ نمبر ۲۴) مصنف نے نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ دھونا سنت لکھا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ نیند سے بیدار نہ ہو تب بھی وضو کرنے والے کے لئے ہاتھ دھونا سنت ہے۔

لغت الاناء : برتن، استیقظ : بیدار ہوا، نوم : نیند

(۷) [دوسری سنت] وضوء کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی اس کا وضو ہی نہیں ہے۔ **ابی سفیان بن حویطب عن جدته عن ابیها قال سمعت رسول الله ﷺ یقول لا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه** (ب) (ترمذی شریف، باب فی التسمیۃ عند الوضوء ص ۱۳ نمبر ۲۵ / ابو داؤد شریف، باب فی التسمیۃ علی الوضوء، ص ۱۵، نمبر ۱۰۱) حدیث میں یہ ذکر ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء ہی نہیں ہوگا۔ لیکن یہ نفی کمال پر محمول ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء کامل نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے

فائدہ اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ جان کر بسم اللہ چھوڑ دے تو وضو لوٹائے گا اور بھول کر یا حدیث کی تاویل کرتے ہوئے بسم اللہ چھوڑ دے تو وضو ہو جائیگا ان کی دلیل اوپر والی حدیث ہے۔

(۸) [تیسری سنت] مسواک کرنا ہے۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے **عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال لو لا ان اشق علی المؤمنین و فی حدیث زهیر علی امتی لامرتهم بالسواک عند کل صلوة** (ج) (مسلم شریف، باب السواک ص ۱۲۸ نمبر ۲۵۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی السواک ص ۱۲ نمبر ۲۲ / بخاری شریف، باب السواک ص ۳۸ نمبر ۲۴۴) اس حدیث سے اگرچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے وقت مسواک سنت ہے۔ لیکن یہاں ایک عبارت محذوف ہوگی **عند وضوء کل صلوة** یعنی ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کرنا سنت ہے۔ (۲) عن

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے، یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ نہ دھولے۔ (ب) اس کا وضوء کامل نہیں جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی۔ (ج) آپؐ نے فرمایا میری امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

(۹) والمضمضة والاستنشاق

ابی ھریرة رضی اللہ عنه قال قال رسول الله ﷺ لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک مع کل وضوء (سنن للبیھقی ، باب الدلیل علی ان السواک سنة لیس بواجب ، جلد اول ص ۵۷، نمبر ۱۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسواک وضو کے وقت سنت ہے (۳) مسواک کا مقصد منہ کی گندگی صاف کرنا ہے اس لئے وہ وضو کے زیادہ مناسب ہے

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مسواک سنت نماز ہے۔ان کی دلیل اوپر کی حدیث عند کل صلوۃ ہے (موسوعة امام شافعی باب السواک ص ۱۰۲ ج اول)

(۹) [چوتھی سنت] کلی کرنا [پانچویں سنت] ناک میں پانی ڈالنا۔

وجہ حدیث میں ہے رأیت عثمان بن عفان سئل عن الوضوء فدعا بماء فاتی بمیضأة فاصغاها علی یده الیمنی ثم ادخلها فی الماء فتمضمض ثلثا واستنثر ثلثا (ابوداؤد شریف، باب صفة وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۰۸/۱۱۲ رمسلم شریف باب آخر فی صفة الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۲۶) اس باب کی یہ تیسری حدیث ہے۔اس باب میں تین مرتبہ کلی الگ پانی سے کی ہے۔اور تین مرتبہ ناک میں پانی الگ پانی لیکر ڈالا ہے۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک تین مرتبہ پانی لیکر کلی کرنا سنت ہے۔(۲) عن طلحة عن ابیه عن جده قال دخلت یعنی علی النبی ﷺ وھو یتوضأ والماء یسیل من وجھه ولحیته وعلی صدره فرأیته یفصل بین المضمضة والاستنشاق (الف) (ابوداؤد، باب فی الفرق بین المضمضة والاستنشاق ص ۲۰ نمبر ۱۳۹) ابوداؤدؒ نے باضابطہ باب باندھا ہے کہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنا آپؐ نے الگ الگ فرمایا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک چلو پانی لے اور اس کے آدھے سے کلی کرے اور آدھے کو ناک میں ڈالے پھر دوسری مرتبہ چلو میں پانی لے اور آدھے سے کلی کرے اور آدھے کو ناک میں ڈالے، پھر تیسری مرتبہ چلو میں پانی لے اور آدھے سے کلی کرے اور آدھے کو ناک میں ڈالے۔اس طرح تین ہی چلو سے دونوں کام کرے۔

وجہ ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جس میں ہے۔فمضمض واستنشق من کف واحد ففعل ذلک ثلاثا (مسلم شریف، باب آخر فی صفة الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۳۵ رترمذی شریف، باب المضمضة والاستنشاق من کف واحد، ص ۱۴، نمبر ۲۸) اس حدیث میں ایک ہی پانی سے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر ہے۔ہم کہتے ہیں کہ حدیث کی اوپر کی بھی ہے۔اور الگ الگ پانی ڈالنے میں زیادہ نظافت ہے۔

لغت المضمضة : مضمضہ کرنا، کلی کرنا الاستنشاق : باب استفعال سے ناک میں پانی چڑھانا، دوسرا لفظ آتا ہے استنثر : ناک سے پانی جھاڑنا

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ دونوں وضو میں بھی فرض ہیں۔

حاشیہ : (الف) میں حضور ﷺ پر داخل ہوا، وہ وضو فرما رہے تھے اور پانی آپ کے چہرے اور ڈاڑھی پر اور سینہ مبارک پر بہہ رہا تھا۔اور میں نے دیکھا کہ مضمضہ اور استنشاق میں فصل کر رہے ہیں۔

(۱۰) ومسح الاذنین (۱۱) وتخلیل اللحیة (۱۲) والاصابع (۱۳) وتکرار الغسل الی

(۱۰) [چھٹی سنت] دونوں کانوں کا مسح کرنا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے ان النبی علیہ السلام مسح برأسه واذنیه ظاهرهما و باطنهما (ترمذی شریف، باب مسح الاذنین ظاہرھما وباطنھما ص۱۶ نمبر ۳۶ رابوداؤد، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ص۱۶ نمبر ۱۲۱) انہ مسح براسه وقال الاذنان من الرأس (الف) (ترمذی، باب ماجاء ان الاذنین من الرأس نمبر ۳۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کان کے اوپر اور نیچے کا حصہ سر کے ساتھ مسح کرنا سنت ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کان کے لئے الگ پانی لینا مسنون ہے۔ اور شعبیؒ فرماتے ہیں کہ آگے کا حصہ چہرے کے ساتھ دھویا جائے اور کان کے پیچھے کا حصہ سر کے ساتھ دھویا جائے۔ امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے سمع عبد الله بن زید یذکر انه رای رسول الله علیہ السلام یتوضأ فاخذ لاذنیه ماء خلاف الماء الذی اخذ لرأسه (سنن للبیھقی، باب مسح الاذنین بماء جدید ج اول ص ۱۰۷، نمبر ۳۰۸) اس حدیث میں ہے کہ کان کے لئے الگ پانی لیا۔

(۱۱) [ساتویں سنت] ڈاڑھی کو خلال کرنا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن عثمان بن عفانؓ ان النبی علیہ السلام کان یخلل لحیته (ترمذی شریف، باب تخلیل اللحیۃ ص۱۴ نمبر ۳۱) عن انس بن مالکؓ ان رسول الله علیہ السلام کان اذا توضأ اخذ کفا من ماء فادخله تحت حنکه خلل به لحیته وقال هکذا امرنی ربی (ب) (ابوداؤد، باب تخلیل اللحیۃ ص۲۱ نمبر ۱۴۵) نوٹ ہلکی ڈاڑھی ہو تو پانی خال تک پہنچانا ضروری ہے۔ اور گھنی ڈاڑھی ہو تو ڈاڑھی کے اوپر دھولے اور ڈاڑھی کے اندر خلال کرنا اس وقت سنت ہے۔

(۱۲) [آٹھویں سنت] انگلیوں کا خلال کرنا ہے۔

وجہ عن ابن عباسؓ ان رسول الله علیہ السلام قال اذا توضأت فخلل اصابع یدیک و رجلیک (ج) (ترمذی شریف، باب تخلیل الاصابع ص۱۶ نمبر ۳۹ رنسائی شریف، باب الامر بتخلیل الاصابع، ص۱۶ نمبر ۱۱۴) انگلی کے خلال کرنے میں حکمت یہ ہے کہ پانی ہر جگہ پہنچ جائے۔ کیونکہ اعضاء وضو میں ایک بال کے برابر خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا۔

(۱۳) [نویں سنت] تین مرتبہ دھونے کا تکرار کرنا ہے

وجہ (۱) ایک ایک مرتبہ اعضاء کو دھونا فرض ہے اور تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔ تین مرتبہ دھونے سے یقین ہو جائے گا کہ کوئی جگہ بال برابر بھی خشک نہیں رہ گئی۔ (۲) حدیث میں ہے رأی عثمان بن عفانؓ دعا باناء فافرغ علی کفیه ثلث مرار فغسلهما ثم ادخل یمینه فی الاناء فمضمض واستنثر ثم غسل وجهه ثلاثا ویدیه الی المرفقین ثلث مرار، ثم مسح برأسه، ثم غسل رجلیه ثلث مرار الی الکعبین ثم قال قال رسول الله علیہ السلام من توضأ نحو وضوئی هذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیهما

حاشیہ : (الف) دونوں کان سر کا حصہ ہے۔ (ب) حضور ﷺ جب وضو فرماتے تو پانی کا چلو لیتے اور تھوڑی کے پاس ڈالتے اور اس سے ڈاڑھی کا خلال کرتے اور فرمایا کہ مجھے اسی طرح میرے رب نے حکم دیا ہے (ج) آپؐ نے فرمایا جب وضو کرو تو اپنے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر لیا کرو۔

الثلث(۱۴) ویستحب للمتوضی ان ینوی الطھارۃ.

نفسہ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (الف) (بخاری شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ص ۲۷ نمبر ۱۵۹ / ابوداؤد شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ص ۲۰ نمبر ۱۳۵) اس حدیث میں ہے کہ اعضاء تین تین مرتبہ دھویا، جس سے معلوم ہوا کہ تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔

﴿ مستحبات وضوکا بیان ﴾

ضروری نوٹ : مستحب اس کو کہتے ہیں کہ کرنے پر ثواب دیا جائے اور نہ کرنے پر کوئی عتاب نہ ہو۔ مصنف ؒ نے نیت کرنا، پورے سر کا مسح کرنا، ترتیب سے وضوء کرنا اور پے درپے وضو کرنا مستحب لکھا ہے۔ حالانکہ دوسری کتابوں میں ان کو سنت کہا ہے (کمافی الھدایہ) اور احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ چار باتیں سنت ہیں۔ متقدمین کے یہاں سنت کو بھی مستحب کہہ دیا کرتے تھے اس اعتبار سے مصنف نے ان چاروں کو مستحب کہا ہے۔ البتہ دائیں جانب سے شروع کرنا اور گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔

(۱۴) وضو کرنے والے کے لئے سنت ہے کہ پاکی کی نیت کرے۔

وجہ سنت ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ علی المنبر یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء ما نوی (ب) (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ص ۲ نمبر ۱) اعمال کے ثواب کا دارومدار یا اعمال کے صحیح ہونے کا دارومدار نیت پر ہے۔ بغیر نیت کے وضو کا ثواب نہیں ہوگا۔ اس لئے وضو میں وضو کی نیت کرنا سنت ہے۔ وضو میں نیت کرنا فرض اس لئے نہیں ہے کہ پانی کو خود بخود پاک کرنے والا قرار دیا ہے چاہے نیت کرے یا نہ کرے۔

دلیل (۱) آیت ہے انزلنا من السماء ماء طھورا (آیت ۴۸ سورۃ الفرقان ۲۵) (۲) حدیث میں ہے قال رسول اللہ ﷺ ھو الطھور ماءہ الحل میتتہ (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحر انہ طھور ص ۲۱ نمبر ۶۹) جب پانی بغیر نیت کی قید کے خود بخود پاک کرنے والا ہے تو نیت کرنا ضروری نہیں رہا۔ البتہ حدیث بالا کی وجہ سے سنت رہے گا (۳) حضرت عمرؓ نے قرآن کریم چھونے کے لئے کفر کی حالت میں وضو کیا ہے۔ اور کفر کی حالت میں نیت کا اعتبار نہیں اس لئے ان کا وضو کرنا بغیر نیت کے درست رہا۔ معلوم ہوا کہ وضو کے لئے نیت کی شرط نہیں ہے۔

نوٹ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ عبادت مقصودہ میں اصل مقصد ثواب ہے اس لئے بغیر نیت کے یہ عبادات ادا نہ ہوں گی۔ وہاں نیت کرنا فرض ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک حدیث انما الاعمال بالنیات کی وجہ سے وضو میں بھی نیت کرنا فرض ہے (موسوعۃ امام شافعیؒ ج اول، باب النیۃ فی الوضوء)

حاشیہ : (الف) عثمان بن عفان کو دیکھا کہ برتن منگوایا پھر تین مرتبہ اپنی ہتھیلیوں پر پانی ڈالا اور اس کو دھویا۔ پھر دائیں ہاتھ کو برتن میں داخل کیا اور مضمضہ کیا اور استنشاق کیا۔ پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا پھر سر پر مسح کیا پھر دونوں پاؤں کو تین مرتبہ ٹخنوں تک دھویا۔ پھر کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے اور دل میں ادھر ادھر کا کوئی خیال نہ آئے تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے (ب) آپؐ نے فرمایا اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر آدمی کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی (ج) آپؐ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ (مچھلی) حلال ہے۔

(۱۵) ويستوعب رأسه بالمسح (۱۶) ويرتب الوضوء فيبتدأ بما بدأ الله تعالى بذكره

لغت النیۃ : دل سے ارادہ کرنے کا نام نیت ہے اور زبان سے بول لے تو بہتر ہے۔

(۱۵) پورے سر کا مسح کرنا۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے عن عبد الله بن زيد عن وضوء النبی ﷺ ... ثم ادخل يده في الاناء فمسح برأسه فاقبل بيده وادبر بهما (الف) (بخاری شریف، باب مسح الرأس مرۃ ص ۳۲ نمبر ۱۹۲) (۲) ابو داؤد، باب صفت وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۱۲ فیہ تصریح فمسح برأسه مرة واحدة) حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے ایک مرتبہ سر پر مسح فرمایا (۳) اگر نئے نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کریں تو وہ دھونا ہو جائے گا مسح باقی نہیں رہے گا۔ دھونے کے اعضاء میں تین مرتبہ دھوئیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ لیکن مسح تین مرتبہ نئے نئے پانی سے کریں تو موضوع ہی بدل جائے گا۔ اس لئے ایک ہی مرتبہ مسح کرنا سنت ہے۔

نوٹ جن احادیث میں تین مرتبہ دھونے کا تذکرہ ہے وہ ایک ہی پانی سے پورے سر کو گھیرنے کے لئے تین مرتبہ کیا گیا ہے۔ اور یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ایک پانی سے ہاتھ کو تین مرتبہ سر پر پھیرا جائے تا کہ اچھی طرح پورے سر پر مسح ہو جائے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ مسح کرے اور تینوں مرتبہ نیا پانی لینا سنت ہے۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے ومسح رأسه ثلاثا (ابو داؤد، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۰۷) فمسح برأسه فاقبل بهما وادبر بدء بمقدم رأسه ثم ذهب بهما الى قفاة ثم ردهما حتى رجع الى المكان الذي بدء منه وغسل رجليه (ب) (مسلم شریف، باب آخر فی صفۃ الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ مسح کرے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ سب احادیث میں ایک ہی پانی سے استیعاب کے لئے کئی مرتبہ مسح کیا ہے جس کے قائل ہم بھی ہیں۔

لغت يستوعب : گھیرے، احاطہ کرے

نوٹ مسح کے لئے نیا پانی لینا سنت ہے۔

وجہ ومسح برأسه بماء غير فضل يده (مسلم شریف، باب آخر فی صفۃ الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۳۶)

(۱۶) ترتیب سے وضو کرے، پس وہاں سے شروع کرے جس کو اللہ نے پہلے ذکر کیا ہے۔

تشریح اللہ نے قرآن کریم میں پہلے چہرے کو پھر ہاتھ کو پھر سر پر مسح کرنا پھر پاؤں کو دھونا ذکر کیا ہے تو اسی ترتیب سے وضو کرنا سنت ہے۔ اس کے خلاف کریگا تو وضو ہو جائیگا لیکن سنت کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

وجہ (۱) قرآن نے جس ترتیب سے اعضاء وضوء کو ذکر کیا ہے اس کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی اس لئے اس ترتیب سے وضو کرنا سنت ہے (۲)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے برتن میں ہاتھ ڈالا اور سر پر مسح کیا اس طرح کہ اپنے ہاتھ کو پیچھے سے آگے کیا پھر آگے سے پیچھے کیا (ب) آپؐ نے سر پر مسح فرمایا اور ہاتھ کو پیچھے سے آگے کی طرف لائے اور پیچھے کی طرف لے گئے۔ اور سر کے اگلے حصے سے شروع کیا۔ پھر دونوں ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر ان کو واپس لوٹایا یہاں تک کہ اس مقام تک واپس لائے جہاں سے شروع کیا تھا اور پاؤں کو دھویا۔

(۱۷) والتوالی (۱۸) وبالمیامن.

تقریبا تمام احادیث میں اسی ترتیب سے اعضاء دھونا مذکور ہے جس ترتیب سے قرآن میں ذکر ہے۔اس لئے حضور کی مواظبت کرنے سے ترتیب سنت ہے (۳) اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم الآیۃ میں فاغسلوا کی ف تعقیب کے لئے ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نماز کے لئے کھڑے ہو تو پہلے چہرہ دھوؤ جب کھڑے ہونے اور چہرہ دھونے میں ترتیب ہوئی تو باقی اعضا میں بھی ترتیب ہونی چاہئے اس لئے وضو میں ترتیب سنت ہے۔لیکن یہ ترتیب واجب نہیں ہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کیونکہ (۱) اوپر کے دلائل سنت پر دلالت کرتے ہیں وجوب پر نہیں (۲) حضرت علیؓ نے فرمایا تھا ما ابالی اذا اتممت وضوئی بای اعضائی بدأت (الف) (دار قطنی، باب ماروی فی جواز تقدیم غسل الید الیسری علی الیمنی ج اول ص ۹۲ حدیث نمبر ۲۸۹ رسنن للبیھقی، باب الرخصۃ فی البدائۃ بالیسار ج اول ص ۱۴۰، نمبر ۴۰۶)

فائدہ امام شافعیؒ پچھلے دلائل کی وجہ سے ترتیب واجب قرار دیتے ہیں۔جواب گزر گیا۔

(۱۷) پے درپے کرنا۔

تشریح یعنی ایک عضو کو دھونے کے بعد فورا دوسرا عضو دھوئے ایسا نہیں کہ دوسرا عضو دھونے میں بہت دیر کردے یہاں تک کہ پہلا عضو خشک ہو جائے۔

نوٹ التوالی کا جملہ بعض نسخوں میں نہیں ہے۔

وجہ (۱) تمام احادیث میں ذکر ہے کہ آپؐ نے پے درپے اعضاء دھوئے ہیں۔ایسا نہیں ہوا کہ ایک عضو دھو کر بہت دیر کے بعد دوسرا عضو دھویا اس لئے پے درپے دھونا بھی مستحب ہے۔البتہ عذر کی وجہ سے دیر ہو جائے تو سنت کی ادائیگی میں فرق نہیں آئے گا (۲) اثر میں ہے ان عبد اللہ بن عمر بال بالسوق ثم توضأ وغسل وجھه ومسح برأسه ثم دعی لجنازۃ لیصلی علیھا حین دخل المسجد فمسح علی خفیه ثم صلی علیھا (مؤطا امام مالکؒ، باب ماجاء فی المسح علی الخفین ص ۲۴) اس اثر میں مسح علی الخفین بعد میں کیا جس سے معلوم ہوا کہ تمام اعضاء کا پیدرپے دھونا ضروری نہیں ہے۔

(۱۸) دھونے کو دائیں طرف سے شروع کرنا (مستحب ہے)

وجہ حدیث میں ہے عن عائشۃ رضی اللہ عنھا کان النبی ﷺ یعجبه التیمن فی تنعله وترجله وطھورہ فی شانه کله، وقال النبی ﷺ لام عطیۃ فی غسل ابنته ابدأ ن بمیامنھا ومواضع الوضوء منھا (ب) بخاری شریف، باب التیمن فی الوضوء والغسل ص ۲۹ نمبر ۱۶۷/۱۶۸) ان احادیث کی بنا پر دائیں جانب سے وضو کرنا مستحب ہے۔اور بعض حضرات نے اس کو سنت کہا ہے۔

لغت التیمن : دائیں جانب سے شروع کرنا۔

حاشیہ : (الف) مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ اگر میں اپنا وضو پورا کرلوں تو کس عضو سے وضو شروع کروں۔(ب) آپ کو دائیں جانب سے شروع کرنا اچھا لگتا تھا جوتا پہننے میں، کنگی کرنے میں اور وضو کرنے میں اور ہر چیز میں۔آپؐ نے ام عطیہ سے فرمایا اپنی بیٹی کے غسل کے سلسلہ میں کہ اس کی دائیں جانب سے غسل شروع کرنا اور اس کے وضو کے مقامات کو بھی دائیں جانب سے شروع کرنا

(۱۹) ومسح الرقبة (۲۰) والمعانی الناقضة للوضوء کل ما خرج من السبیلین.

(۱۹) گردن کا مسح کرنا (مستحب ہے)

وجہ (۱) **عن ابن عمر رضی الله عنهما ان النبی ﷺ قال من توضأ ومسح بیدیه علی عنقه وقی الغل یوم القیامة** (الف) (التلخیص الحبیر، باب سنن الوضوء ج اول ص ۳۴ رشرح احیاء العلوم للعلامۃ الزبیدی ج دوم ص ۳۶۵ رباب کیفیۃ الوضوء، اعلاء السنن ج اول ص ۱۲۰) (۲) **عن لیث عن طلحة بن مصرف عن ابیه عن جده انه رأی رسول الله ﷺ یمسح راسه حتی بلغ القذال وما یلیه من مقدم العنق** (مسند احمد، باب حدیث جد طلحۃ الایامی، ج رابع، ص ۵۳۱، نمبر ۱۵۵۲۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔

خلاصہ مصنفؒ نے چودہ سنتیں بیان کی (۱) تین مرتبہ گٹوں تک ہاتھ دھونا (۲) وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا (۳) مسواک کرنا (۴) کلی کرنا (۵) ناک میں پانی ڈالنا (۶) دونوں کانوں کا مسح کرنا (۷) ڈاڑھی کا خلال کرنا (۸) انگلیوں کا خلال کرنا (۹) تین تین مرتبہ اعضاء کو دھونا (۱۰) پاکی کی نیت کرنا (۱۱) پورے سر کا مسح کرنا (۱۲) وضو کو ترتیب سے کرنا (۱۳) دائیں جانب سے شروع کرنا (۱۴) پے در پے کرنا۔ اور مستحب ہے گردن کا مسح کرنا

نوٹ سنن اور مستحبات اور بھی ہیں۔

﴿نواقض کا بیان﴾

ضروری نوٹ المعانی الناقضۃ : وضو توڑنے والی چیزیں، جن نجاستوں کے نکلنے یا داخل ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس کا بیان ہے۔

(۲۰) وضو کو توڑنے والی ہر وہ چیز ہے جو پیشاب یا پاخانہ کے رستے سے نکلے۔

وجہ (۱) آیت میں ہے **او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا** (ب) (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) پاخانہ کرنے کی وجہ سے پیشاب اور پاخانہ کے راستے سے پیشاب اور پاخانہ اور جو کچھ نکلے گا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ آیت سے اس کا پتہ چلا (۲) حدیث میں ہے **عن صفوان بن عسال قال رسول الله ﷺ یأمرنا اذا کنا سفرا ان لا ننزع خفافنا ثلاثة ایام ولیالیهن الا من جنابة ولکن من غائط و بول ونوم** (ج) (ترمذی شریف، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ص ۲۷ نمبر ۹۶ رنسائی شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین، ص ۱۷، نمبر ۱۲۷) پاخانہ، پیشاب اور جنابت پاخانہ اور پیشاب کے راستے سے نکلتے ہیں اس لئے جو چیزیں بھی ان دونوں راستوں سے نکلے وہ ناقض وضو ہیں (۳) یہ دونوں مقام مقام نجاست نہیں ہیں۔ نجاست کہیں اوپر سے کھسک کر آتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کوئی ناپاکی اپنی جگہ سے کھسک کر جسم کے ظاہری حصے پر آجائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جو وضو کرے اور دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن پر مسح کرے تو قیامت کے روز طوق سے بچایا جائے گا (ب) تم سے کوئی پاخانہ کرنے کی جگہ سے آئے یا عورتوں سے جماع کرے اور پانی نہ پائے تو پاک مٹی سے تیمم کرے (ج) آپ ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو اپنے موزوں کو تین دن اور تین رات تک نہ کھولیں مگر جنابت کی وجہ سے کھولنا ہوگا۔ اور پاخانہ، پیشاب اور نیند سے موزہ نہیں کھولیں گے (البتہ وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۲۱) والدم والقیح والصدید

نوٹ یہ چیزیں پیشاب کے رستے سے نکلتی ہیں (۱) پیشاب (۲) مذی (۳) ودی (۴) منی (۵) حیض (۶) نفاس (۷) استحاضہ۔ اور یہ چیزیں پاخانہ کے راستے سے نکلتی ہیں (۱) پاخانہ (۲) ہوا (۳) پاخانہ کا کیڑا۔ ان کے نکلنے سے وضوٹوٹ جائے گا۔

(۲۱) خون، پیپ اور کچ لہو جب بدن سے نکلے اور ایسی جگہ تک پہنچ جائے جس کو پاکی کا حکم لاحق ہوتا ہے (تو وضوٹوٹ جائے گا)

تشریح موضع یلحقہ حکم التطھیر : یہ فقہ کا ایک محاورہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خون، پیپ وغیرہ جب تک بدن کے اندر رہوں تو اس سے وضونہیں ٹوٹتا جب تک کہ بہہ کر بدن سے باہر نہ نکل جائے اور ایسی جگہ نہ آ جائے جہاں آسانی سے ہاتھ سے دھویا جا سکے۔ مثلا کان کے اندر پیپ ہو تو وضونہیں ٹوٹیگا۔ لیکن اگر کان کے سوراخ میں باہر کی طرف پیپ بہہ کر آ جائے جہاں انگلی سے آسانی سے پونچھا اور دھویا جا سکتا ہے تو اب وضوٹوٹ جائے گا۔ ناک، منہ، کان، پیشاب، شرمگاہ اور پاخانہ کے اندر ناپاکی ہو تو وضونہیں ٹوٹے گا لیکن باہر کی طرف آ جائے جہاں آسانی کے ساتھ انگلی سے ناپاکی کو پونچھا اور دھویا جا سکتا ہے تو اب وضوٹوٹ جائیگا۔ کیونکہ ناپاکی ایسی جگہ نکل کر آ گئی جہاں غسل میں یا وضو میں دھونا فرض ہوتا ہے۔ انہیں مقامات کو 'موضع یلحقہ حکم التطھیر' کہتے ہیں۔

اصول چوٹ لگی اور خون صرف ظاہر ہوا اپنی جگہ سے بہا اور کھسکا نہیں تو وضونہیں ٹوٹے گا۔ اس لئے کہ صرف خون کا ظہور ہوا ہے۔ خون ابھی بہا نہیں ہے۔ بہتا ہوا خون ناپاک ہے اور وضوتوڑتا ہے۔ قرآن میں ہے و دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس (الف) (آیت ۱۴۵ ،سورۃ الانعام ۶) اس لئے اگر زخم پر خون ظاہر ہوا ہو لیکن اپنی جگہ سے کھسکا نہ ہو تو وضونہیں ٹوٹیگا۔ ہاں اگر خون اتنا بہہ رہا تھا کہ اپنی جگہ سے کھسک سکتا تھا لیکن بار بار پونچھ دیا گیا جس کی وجہ سے خون نہ بہہ سکا تو وضوٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ بہنے اور کھسکنے کے قابل خون تھا

نوٹ اگر مسلسل خون بہہ رہا ہو کہ وضو کر کے نماز پڑھنے کا موقع نہ ملتا ہو اور اس حالت پر ایک دن اور ایک رات گزر گئے ہوں تو اب وہ معذور کے حکم میں ہے۔ اس لئے اب اس کا خون بہنے سے نماز کے وقت میں وضونہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ وہ معذور ہو گیا۔

خون سے وضوٹوٹنے کی وجہ (۱) حدیث میں ہے نکسیر پھوٹے تو وضو کرو اور نماز پر بنا کرو۔ عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ من اصابه قیء او رعاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبین علی صلواته وهو فی ذالک لا یتکلم (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی البناء علی الصلوۃ ص ۱۷۱، نمبر ۱۲۲۱ / دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن، ج، اول، ص ۱۶۰، نمبر ۵۵۵) رعاف یعنی نکسیر پھوٹنا اور خون کا نکلنا ہے۔ اس سے وضوٹوٹ جائے گا۔ اس لئے دوبارہ وضو کر کے اس پر نماز کی بنا کرے بشرطیکہ درمیان میں بات نہ کی ہو۔ (۲) حدیث ہے جاء ت فاطمة ابنة ابی حبیش الی النبی ﷺ فقالت یا رسول الله ﷺ انی امرأة استحاض فلا اطهر أفادع الصلوة ؟فقال رسول الله ﷺ لا، انما ذلک عرق ولیس بحیض فاذا اقبلت حیضتک فدعی الصلوة واذا ادبرت فاغسلی عنک الدم ثم صلی وقال ابی ثم توضأی لکل صلوة (ج) (بخاری

حاشیہ : (الف) بہتا ہوا خون اور سور کا گوشت تو یقینا ناپاک ہے۔ (ب) آپؐ نے فرمایا جس کو قے ہوئی ہو یا نکسیر پھوٹی ہو یا قے ہوئی یا مذی نکلی ہو اس کو واپس جانا چاہئے اور وضو کرنا چاہئے پھر اپنی نماز پر بنا کرنا چاہئے۔ یہ اس وقت ہے کہ درمیان میں بات نہ کی ہو۔ (ج) فاطمہ بنت جیش نے حضور ﷺ (باقی اگلے صفحہ پر) س

اذا خرج من البدن فتجاوز الی موضع یلحقه حکم الطهارة (۲۲) والقیء اذا کان ملأ الفم

شریف، باب غسل الدم ص ۳۶ نمبر ۲۲۸) نوٹ عرق سے مراد رگ سے نکلنے والے اور خون کی طرح اس کا حکم ہے۔ حیض کے خون کا حکم نہیں ہے (۳) قال رسول اللہ ﷺ الوضوء من کل دم سائل (الف) (دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن ص ۱۶۳ نمبر ۵۷۱)

نوٹ پیپ اور کچ لہو بھی خون کی قسمیں ہیں اور خون ہی سے بنتے ہیں۔ اس لئے ان کے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جائیگا۔

فائدہ امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک خون، پیپ بدن سے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

دلائل (۱) غزوۂ ذات رقاع میں عبادہ بن بشر کو تیر مارا اور وہ نماز پڑھتے رہے اور خون بہتا رہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا ورنہ وہ خون نکلتے ہی نماز توڑ دیتے۔ روایت میں ہے کہ حتی رماہ بثلاثۃ اسھم ثم رکع وسجد (ابو داؤد شریف، باب الوضوء من الدم ص ۲۹ نمبر ۱۹۸) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحابی کا اپنا فعل ہے حضور کو وضو ٹوٹنے کی اطلاع نہیں تھی (۲) امام شافعیؒ کے یہاں خون بدن پر لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو جب بہا ہوگا تو خون بدن پر لگا ہی ہوگا جس سے ان کے یہاں بھی اس فعل سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ صحابہ کو جہاد میں زخم ہوتا تھا اور وہ نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خون ناقض نہیں ہے۔ پوری تفصیل بخاری باب من لم یر الوضاء الا من المخرجین من القبل والدبر ص ۲۹ نمبر ۱۷۶ تا ۱۸۰ میں دیکھیں۔ ہم جواب دیتے ہیں یا تو مسلسل خون بہنے سے وہ معذور کے حکم میں تھے یا خون صرف زخم پر ظاہر ہوتا تھا بہتا نہیں تھا اور خون ظاہر ہونے سے وضو ہمارے یہاں بھی نہیں ٹوٹتا جیسا کہ اوپر گزر گیا

لغت القیح : پیپ، الصدید : کچ لہو، ایسا پیپ جس میں خون کی آمیزش ہو، تجاوز : بہہ پڑے، کھسک جائے۔

(۲۲) اور قے جب کہ منہ بھر کے ہو (تو وضو ٹوٹ جائے گا)

وجہ (۱) جو قے منہ بھر کے ہو وہ پیٹ کے نچلے حصے سے آتی ہے جہاں غذا نجاست بن چکی ہوتی ہے۔ اور نجاست کا نکلنا ناقض وضو ہے اس لئے منہ بھر کے قے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور جو قے منہ بھر کر نہ ہو وہ پیٹ کے اوپر کے حصے سے آتی ہے جہاں غذا ابھی نجاست نہیں بنی ہوتی ہے اس لئے وہ پاک ہے۔ اس لئے منہ بھر کر قے نہ ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (۲) بعض حدیث میں ہے کہ وضو ٹوٹے گا اور بعض حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قے ہوئی اور آپؐ نے وضو نہیں فرمایا تو یہ احادیث اسی پر محمول کی جائیں گی کہ جس میں وضو کیا وہ منہ بھر کر قے تھی اور جس میں وضو نہیں کیا وہ منہ بھر کر نہیں تھی (۳) حدیث یہ ہے عن ابی درداء رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قاء فتوضأ فلقیت ثوبان فی مسجد دمشق فذکرت ذالک له فقال صدق انا صببت له وضوء ه (ب) (ترمذی شریف، باب الوضوء من القیء والرعاف ص ۲۵ نمبر ۸۷) (۴) مسئلہ نمبر ۲۱ میں ابن ماجہ کی حدیث گزری جس میں تھا کہ قے سے وضو ٹوٹتا ہے۔ اس حدیث

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) نے کہا اے اللہ کے رسول میں ایسی عورت ہوں کہ مستحاضہ ہوتی ہوں اور پاک نہیں ہوتی ہوں۔ تو کیا نماز چھوڑ دوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ یہ صرف رگ کا خون ہے اور حیض نہیں ہے۔ پس تجھے حیض آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب حیض ختم ہو جائے تو خون کو دھولے اور نماز پڑھ۔ میرے باپ نے کہا کہ ہر نماز کے لئے وضو کر (الف) وضو ہر بہنے والے خون سے ہے۔ (ب) آپؐ نے قے فرمائی پھر وضو کیا۔ پس میں نے ثوبان سے دمشق کی مسجد میں ملاقات کی اور وضو کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا یہ سچ بات ہے۔ میں نے حضورؐ کے لئے وضو کا پانی بہایا تھا۔

(۲۳) والنوم مضطجعا او متکأ او مستندا الی شیء لو ازیل لسقط عنه و الغلبة علی العقل

سے معلوم ہوا کہ قئ سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ آپؐ نے قے کی اور وضو نہیں کیا۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن الحسن قال لیس فی القلس وضوء (مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء من القیٔ والقلس، ج اول ص ۱۳۸، نمبر ۵۲۳) ہم جواب دیتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ منہ بھر کر قے نہ ہو۔ یا منہ بھر کر ہو مگر فوری طور پر وضو نہیں کیا بعد میں وضو کیا ہوگا اگر چہ وضو ٹوٹ گیا تھا۔

نوٹ بلغم وغیرہ کی قے ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ بلغم پر نجاست نہیں ہوتی اور نہ وہ پیٹ کے نچلے حصے سے آتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن عمار بن یاسر ... قال یا عمار انما نخامتک ودموع عینیک والماء الذی فی رکوتک الاسواء (دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ الخ، ج اول، ص ۱۳۴، نمبر ۴۵۲) اس حدیث میں ہے کہ بلغم مٹکے کے پانی کی طرح پاک ہے۔

(۲۳) اور سونا کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا کسی چیز پر ٹیک لگا کر کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو آدمی گر جائے۔ اور عقل کا مغلوب ہونا بے ہوشی کی وجہ سے اور جنون کا ہونا (ان چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے)

وجہ (۱) اصل یہ ہے کہ گہری نیند سے یا پاگل پنے سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس حالت میں ہوا نکلی یا نہیں نکلی۔ اس لئے عقل زائل ہوتے ہی ہوا نکلنے اور وضو ٹوٹنے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اسی کو استرخاء مفاصل کہتے ہیں کہ تمام رگیں ڈھیلی ہو گئیں۔ لیکن اگر نیند گہری نہ ہو ابھی کچھ ہوش باقی ہو جیسے سجدے کی حالت میں، قیام کی حالت میں یا بیٹھے بیٹھے سو گیا تو چونکہ ابھی کچھ عقل و شعور باقی ہے اس لئے ہوا نکلنے اور وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگائیں گے۔ کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا ٹیک لگا کر سونے سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور نیند گہری ہوتی ہے۔ البتہ گرتا اس لئے نہیں ہے کہ تکیہ اور سہارا اس کو گرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ اس لئے وضو ٹوٹ جائے گا (۲) حدیث میں دونوں قسم کے ثبوت ہیں عن علی ابن طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ وکاء السه العینان فمن نام فلیتوضأ (الف) (ابو داؤد، باب فی الوضوء من النوم ص ۳۰ نمبر ۲۰۳ (۳) قال رسول اللہ ﷺ ان الوضوء لا یجب الا علی من نام مضطجعا فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله (ب) (ترمذی شریف، باب الوضوء من النوم ص ۲۴ نمبر ۷۷) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گہری نیند سونے سے وضو ٹوٹے گا۔ ہلکی نیند ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس قال کان اصحاب رسول اللہ ﷺ ینتظرون العشاء الآخرة حتی تخفق رؤسهم ثم یصلون ولا یتوضأون (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الوضوء من النوم ص ۳۰ نمبر ۲۰۰ ر ترمذی شریف، باب الوضوء من النوم، نمبر ۷۸) اس سے معلوم ہوا کہ بیٹھے بیٹھے یا رکوع یا سجدے میں سو جائے جس میں گہری نیند نہیں ہوتی تو وضو نہیں ٹوٹے گا

حاشیہ : (الف) ہوا کو روکنے والی چیز آنکھیں ہیں (یعنی بیدار آنکھیں) پس جو سو گیا اس کو وضو کرنا چاہئے (ب) آپؐ نے فرمایا وضو نہیں واجب ہے مگر جو کروٹ پر سوئے۔ اس لئے کہ جب کروٹ پر سوتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں (تو ہوا نکلنے لگتی ہے) (ج) صحابہ کرام عشاء کا انتظار کرتے رہتے یہاں تک کہ نیند سے جھونکے کھانے لگتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے۔

بالاغماء والجنون(۲۴)والقهقهة فی کل صلوۃ ذات رکوع و سجود.

نوٹ بے ہوشی اور جنون میں بھی عقل زائل ہو جاتی ہے اس لئے وضو ٹوٹ جائے گا

اصول زیلان عقل سے وضو ٹوٹتا ہے۔

لغت اضطجع : پہلو کے بل سونا، کروٹ کے بل سونا۔ الاغماء : بی ہوشی ہونا۔ الجنون : پاگل پن ہونا

(۲۴) قہقہہ مار کر ہنسنا رکوع سجدے والی نماز میں (تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا)

تشریح رکوع سجدے والی نماز کی قید اس لئے لگائی کہ اگر نماز جنازہ میں قہقہہ مار کر ہنسا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔صرف نماز ٹوٹے گی

نوٹ قہقہہ مار کر ہنسنے سے بدن سے کوئی نجاست نہیں نکلتی ہے اس لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے۔ چنانچہ اکثر ائمہ کے نزدیک قہقہہ سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔لیکن چونکہ ضعیف حدیث سے وضو ٹوٹنا ثابت ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ ضعیف حدیث پر بھی عمل کر کے وضو ٹوٹنے کے قائل ہیں۔

وجہ حدیث میں ہے ان النبی ﷺ کان یصلی بالناس فدخل اعمی فتردی فی بئر کانت فی المسجد فضحک طوائف من کان خلف النبی ﷺ فی صلواتھم فلما سلم النبی ﷺ امر من کان ضحک ان یعید وضوئه ویعید صلواته (الف)(سنن للبیھقی، باب ترک دالوضوء من القھقھۃ فی الصلوۃ، ج اول،ص ۲۲۷، نمبر ۶۸۰/دارقطنی، باب احادیث القھقھۃ ص ۱۷۵ نمبر ۶۱۴)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زور سے ہنسنے سے نماز تو ٹوٹے گی ہی لیکن وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

نوٹ آہستہ ہنسنے سے صرف نماز ٹوٹے گی اور تبسم سے کچھ نہیں ٹوٹے گا۔

فائدہ چونکہ قہقہہ سے وضو ٹوٹنا خلاف قیاس ہے اس لئے دوسرے ائمہ کے نزدیک اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

وجہ عن جابر قال یعید الصلوۃ ولا یعید الوضوء(سنن للبیھقی، باب ترک الوضوء من القھقھۃ فی الصلوۃ، ج اول،ص ۲۲۵، نمبر ۶۷۴)صحاح ستہ میں قہقہہ والی حدیث نہیں ہے۔

لغت القھقھۃ : ایسی ہنسی جو پڑوس والے سن لے، ضحک : ایسی ہنسی جو خود سنے، تبسم : ایسی مسکراہٹ جو نہ پڑوس والے سنے نہ اس کی آواز خود سنے ۔

خلاصہ وضو توڑنے والی چیزیں پانچ طرح کی ہیں (۱) سبیلین سے کچھ نکلے (۲) بدن کے کسی بھی حصے سے نجاست نکلے (۳) منہ سے قے نکلے (۴) عقل زائل ہو جائے (۵) قہقہہ مار کر ہنسے۔

حاشیہ : (ب) حضورؐ صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک نابینا داخل ہوئے کہ مسجد کے کنویں میں گر گئے تو صحابہ کے کچھ لوگ ہنس پڑے جو حضور کے پیچھے نماز میں تھے۔پس جب آپؐ نے سلام پھیرا تو حکم دیا کہ جو ہنسے ہیں وہ وضو لوٹائے اور نماز لوٹائے۔نوٹ : قہقہہ سے نماز ٹوٹنے کے سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ نے قیاس چھوڑ کر ضعیف حدیث پر عمل کیا اور احتیاط پر عمل کیا۔حضرت کا یہ کمال تقوی ہے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(۲۵) وفرض الغسل المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن (۲۶) وسنة الغسل ان

﴿غسل کے فرائض کا بیان﴾

(۲۵) غسل کے فرض (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) پورے بدن کو دھونا ہے۔

وجہ (۱) اصل میں پورے بدن پر پانی پہنچانا ہے کہ ایک بال برابر بھی خشک نہ رہ جائے۔ اور منہ اور ناک کے حصے بھی بدن کے باہر کے حصے شمار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کلی کر کے اور ناک میں پانی ڈال کر وہاں تک پانی پہنچانا ضروری ہے (۲) آیت میں ہے **وان کنتم جنبا فاطهروا** (آیت ۶، سورة المائدة ۵) آیت میں ہے کہ جنابت کی حالت میں خوب خوب پاکی حاصل کرو اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ کلی کر کے اور ناک میں پانی ڈال کر ہر جگہ پانی پہنچایا جائے۔ اس لئے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل میں فرض ہیں (۳) حدیث میں ہے **عن علی قال ان رسول الله ﷺ قال من ترک موضع شعره من جنابة لم يغسلهافعل بها كذا كذا من النار** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الغسل من الجنابۃ ص ۳۸ نمبر ۲۴۹) معلوم ہوا کہ ایک بال برابر بھی غسل میں خشک رہ جائے تو غسل نہیں ہوگا اسی لئے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے۔ (۴) **عن ابی هريرة ان النبی ﷺ جعل المضمضة والاستنشاق للجنب ثلاثا فريضة** (ب) (سنن دار قطنی، باب ماروی فی مضمضۃ والاستنشاق فی غسل الجنابۃ ج اول ص ۱۲۱ نمبر ۴۰۳)

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہیں۔ کیونکہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ غسل میں وضو کرتے تھے اور وضو میں مضمضہ اور استنشاق سنت ہیں۔ اس لئے غسل میں سنت ہونگے۔ دار قطنی میں دوسری حدیث ہے **سن رسول الله ﷺ الاستنشاق فی الجنابة ثلاثا** (ج اول ص ۱۲۱ نمبر ۴۰۱) اس سے وہ سنت ثابت کرتے ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل میں بھی فرض ہے۔

﴿غسل کی سنتوں کا بیان﴾

(۲۶) غسل کی سنتیں یہ ہیں (۱) غسل کرنے والا پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے (۲) اور اپنی شرم گاہ کو دھوئے (۳) اور نجاست کو زائل کرے اگر اس کے بدن پر ہو (۴) پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرے مگر پاؤں ابھی نہ دھوئے (۵) پھر اپنے سر پر پانی بہائے (۶) اور پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے (۷) پھر اس جگہ سے الگ ہو جائے (۸) پھر دونوں پاؤں کو دھوئے۔

وجہ یہ آٹھ کام اسی ترتیب سے سنت ہیں۔ پاؤں پہلے اس لئے نہ دھوئے کہ غسل کا پانی پاؤں کے پاس جمع ہوگا اور پاؤں کو ناپاک کر دے گا۔ اس لئے اس کو اخیر میں دھوئے۔ البتہ پانی پاؤں کے پاس جمع نہ ہوتا ہو تو پہلے بھی پاؤں دھو سکتا ہے۔ حدیث میں اسی ترتیب سے ان سنتوں کا ذکر ہے۔ **عن عائشةؓ قالت كان رسول الله ﷺ اذا اغتسل من الجنابة يبدأ فيغسل يديه ثم يفرغ بيمينه على شماله فيغسل فرجه ثم يتوضأ وضوءه للصلوة ثم يأخذ الماء فيدخل اصابعه فی اصول الشعر حتى اذا رأى ان قد**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے جنابت سے ایک کے برابر بھی چھوڑ دیا اور نہیں دھویا تو اس کے ساتھ آگ سے ایسا ایسا کیا جائے گا۔ یعنی عذاب دیا جائیگا (ب) حضورؐ نے مضمضہ اور استنشاق کو جنبی کے لئے تین مرتبہ فرض قرار دیا (ج) حضورؐ نے جنابت میں تین مرتبہ استنشاق کو سنت قرار دیا۔

يبدأ المغتسل فيغسل يديه وفرجه ويزيل النجاسة ان كانت على بدنه ثم يتوضأ وضوئه للصلوة الا رجليه ثم يفيض الماء على رأسه وعلى سائر بدنه ثلاثا ثم يتنحى عن ذلك المكان فيغسل رجليه(۲۷)وليس على المرأة ان تنقض ضفائرها في الغسل اذا بلغ الماء

استبر أحفن على رأسه ثلاث حفنات ثم افاض على سائر جسده ثم غسل رجليه (الف) مسلم شریف، باب صفة غسل الجنابة ص ۱۴۷ نمبر ۳۱۶ ر بخاری شریف، بخاری باب الغسل مرة واحدة، ص ۳۹، نمبر ۲۵۷) اس حدیث سے ترتیب کے ساتھ سنتیں ثابت ہوئی ہیں۔

نوٹ نجاست پہلے اس لئے زائل کرے تاکہ پورے بدن پر پھیل کر بدن کو اور ناپاک نہ کرے۔ اس لئے غسل کے شروع میں نجاست کو صاف کرنا ضروری ہے اگر بدن پر نجاست ہو۔

لغت فرج : شرمگاہ، یفیض : بدن پر پانی بہائے یتنحی : نحی سے مشتق ہے، ایک کنارے ہو جائے، ہٹ جائے۔

(۲۷) عورت پر نہیں ہے کہ غسل میں اپنے جوڑے کو کھولے اگر پانی بال کی جڑ میں پہنچ جائے۔

وجہ (۱) قاعدہ کے اعتبار سے جنابت، حیض اور نفاس کے غسل میں بالوں کی جڑ تک پانی پہنچانا ضروری ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کو جوڑا ہو تو اس کو کھولنا اور بالوں میں پہنچانا ضروری ہے۔ لیکن عورت کو حضورؐ نے بار بار کی پریشانی کی وجہ سے خصوصی رعایت دی ہے کہ اگر سر کے تمام بالوں کی جڑ تک پانی پہنچ جائے تو جوڑے کو کھولنا ضروری نہیں (۲) حدیث میں ہے عورتوں کو جوڑا کھولنا ضروری نہیں ہے اگر بالوں کی جڑ تک پانی پہنچ جاتا ہو۔ عن ام سلمة قالت قلت يا رسول الله ﷺ انی امرأة اشد ضَفر رأسی افأنقضه لغسل الجنابة ؟قال لا ، انما يكفيك ان تحثى على رأسك ثلاث حثيات ثم تفيضين عليك الماء فتطهرين (ب) (مسلم شریف، باب حکم ضفائر المغتسلة ص ۱۴۹ نمبر ۳۳۰ / ابو داؤد شریف، باب المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل نمبر ۲۵۱) اس حدیث کے چار حدیثوں کے بعد عائشہؓ کی حدیث ہے جس میں یہ لفظ ہے ثم تصب على رأسها فتدلكه دلكا شديدا حتى تبلغ شؤن رأسها (ج) (مسلم شریف، باب استعمال المغتسلة من الحيض فرصة من مسك في موضع الدم ص ۱۵۰ نمبر ۳۳۲) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پانی بالوں کی جڑوں کے اندر پہنچانا ضروری ہے تب غسل ہوگا۔ اگر جوڑا نہیں کھولا اور پانی جڑ تک نہیں پہنچا تو عورتوں کا غسل نہیں ہوگا۔

فائدہ بعض ائمہ کے نزدیک بال کی جڑ تک پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ ان کا استدلال حدیث ۳۳۰ سے ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ جنابت کا غسل کرتے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوتے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی بہاتے اور شرم گاہ دھوتے۔ پھر نماز کی طرح وضو کرتے پھر پانی لیتے اور انگلیوں سے بالوں کی جڑوں میں داخل کرتے یہاں تک کہ جب دیکھتے کہ بھیگ گئے ہیں تو تین لپ سر پر پانی ڈالتے پھر پورے بدن پر پانی بہاتے پھر دونو پاؤں دھوتے (ب) ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں عورت ہوں سر پر جوڑا باندھتی ہوں۔ کیا اس کو جنابت کے غسل کے لئے کھولوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، تمہارے لئے کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپ (پانی) ڈال لو پھر اپنے اوپر پانی بہالو اور پاک ہو جاؤ (ج) پھر اپنے سر پر پانی بہاؤ اور خوب رگڑو یہاں تک کہ سر کے جوڑے میں پہنچ جائے۔

اصول الشعر (۲۸) والمعانی الموجبة للغسل انزال المنی علی وجه الدفق والشهوة من الرجل والمرأة (۲۹) والتقاء الختانین من غیر انزال المنی.

لغت تنقض : نقض سے کھولنا، ضفائر : ضفیرۃ کی جمع جوڑا۔

﴿ غسل واجب ہونے کے اسباب ﴾

(۲۸) غسل واجب کرنے والے امور (۱) منی نکلنا کود کر شہوت کے ساتھ مرد سے اور عورت سے۔

وجہ (۱) منی کود کر اور شہوت سے نکلے تو غسل واجب ہوگا۔لیکن بغیر شہوت کے نکلے جیسے جریان کے مرض میں ہوتا ہے تو غسل واجب نہیں ہوگا صرف وضو ٹوٹے گا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ملتا ہے۔عن علی رضی الله عنه قال له رسول الله ﷺ لا تفعل اذا رأیت المذی فاغسل ذکرک و توضأ وضوئک للصلوة فاذا فضخت الماء فاغتسل (الف) ابوداؤد شریف، باب فی المذی ص ۳۱ نمبر ۲۰۶) مسند احمد میں یوں عبارت ہے اذا حذفت فاغتسل من الجنابة و اذا لم تکن حاذفا فلا تغتسل (ب) (مسند احمد، علی بن ابی طالب، ج اول، ص ۱۷۳، نمبر ۸۴۹) حذفت اور فضخت کا ترجمہ ہے کہ منی کود کر نکلے تو غسل کرو۔اور یہ شہوت کے ساتھ نکلنے میں ہوتا ہے (۳) مذی اور ودی بھی منی کا ایک حصہ ہیں لیکن کود کر نہیں نکلتے اس لئے ان میں غسل لازم نہیں ہے۔اسی طرح منی بیماری کی وجہ سے پانی کی طرح پتلی ہو جائے اور نکلتے وقت نہ لذت ہو اور نہ کودنا ہو اور ودی کی طرح نکلے تو ظاہر ہے کہ اس میں منی کی خصوصیت نہ رہی اس لئے اس سے غسل واجب نہ ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ منی بغیر لذت اور کودنے کے بھی نکلے تو غسل واجب ہوگا۔

دلائل وہ فرماتے ہیں کہ عام احادیث میں کودنے اور شہوت کے ساتھ نکلنے کی قید نہیں ہے۔جیسے انما الماء من الماء (ج) (مسلم شریف، باب بیان ان الجماع کان فی اول الاسلام یوجب الغسل ص ۱۵۵ نمبر ۳۴۳) اس لئے شہوت کے بغیر بھی منی نکل جائے تو غسل واجب ہوگا۔

نوٹ عورت کی منی نکل جائے تو اس پر بھی غسل لازم ہوگا۔ دلیل حدیث میں ہے عن ام سلمة ... فهل علی المرأة من غسل اذا احتلمت؟ فقال رسول الله ﷺ نعم اذا رات الماء (یعنی المنی) (د) (مسلم شریف، باب وجوب الغسل علی المرأۃ بخروج المنی منها ص ۱۴۵ نمبر ۳۱۳)

فائدہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک منی مقام سے جدا ہوتے وقت شہوت نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منی مقام سے جدا ہوتے وقت اور نکلتے وقت بھی شہوت نہ ہو تب غسل واجب نہیں ہوگا۔

(۲۹) مرد اور عورت کی شرمگاہوں کے ملنے سے منی کے انزال کے بغیر۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ سے حضورؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔اگر مذی دیکھو تو اپنے عضو مخصوص کو دھو لو اور نماز کے وضو کی طرح وضو کرو۔پس پانی کود کر نکلے تو وضو کرو (ب) اگر پانی کود کر نکلے تو جنابت کا غسل کرو اور اگر کود کر نہ نکلے تو غسل نہ کرو۔(ج) منی نکلے تو غسل واجب ہے (د) ام سلمہ سے روایت ہے کہ حضورؐ سے پوچھا کہ کیا عورت پر غسل ہے جب احتلام ہو جائے۔آپؐ نے فرمایا ہاں! جب کہ منی دیکھے۔

(۳۰) والحیض والنفاس.

تشریح عورت کے فرج داخل میں ایک پردہ ہوتا ہے جس کو اہل عرب ختنہ کرتے تھے یہ عورت کے ختنہ کی جگہ ہے۔اس مقام تک مرد کے ختنہ کی جگہ یعنی حشفہ داخل ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔ چاہے منی کا انزال نہ ہو تب بھی۔

وجہ (۱) جگہ کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے پتہ نہیں چلے گا کہ منی نکلی یا نہیں نکلی۔اس لئے سبب انزال کو انزال کی جگہ پر رکھ کر غسل واجب ہو جائے گا (۲) حدیث میں ہے کہ شروع اسلام میں یہ تھا کہ جب تک منی نہ نکلے تب تک غسل واجب نہیں ہوتا تھا۔اور یہ حدیث مشہور تھی انما الماء من الماء (مسلم شریف، باب بیان ان الجماع کان فی اول الاسلام لا یوجب الغسل الا ان ینزل المنی وبیان نسخہ وان الغسل یجب بالجماع ص ۱۵۵ نمبر ۳۴۳) لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔اور اس بات پر اجماع ہو گیا کہ صرف جماع کرنے سے غسل واجب ہو جائے گا۔ چاہے منی کا خروج نہ ہوا ہو۔اوپر ہی کے باب میں یہ حدیث ہے عن عائشۃؓ قال رسول اللہ ﷺ اذا جلس بین شعبھا الاربع ومس الختان فقد وجب الغسل (الف) (مسلم شریف باب بیان ان الجماع الخ ص ۱۵۶ نمبر ۳۴۹) (۳) ابو داؤد، باب فی الاکسال ص ۳۲ نمبر ۲۱۶) میں منسوخ کے مسئلے کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔تفصیل اس طرح ہے ان ابی بن کعب اخبرہ ان رسول اللہ ﷺ انما جعل ذلک رخصۃ فی اول الاسلام لقلۃ الثیاب ثم امر بالغسل ونھی عن ذلک (ابو داؤد، باب فی الاکسال نمبر ۲۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف حشفہ غائب ہونے سے غسل واجب ہوگا چاہے انزال نہ ہوا ہو۔

(۳۰) حیض اور نفاس (سے غسل واجب ہوگا)

وجہ (۱) آیت میں ہے کہ حائضہ خوب پاک ہو جائے تب اس سے وطی کرو اور خوب پاک غسل سے ہوگی۔ یسئلونک عن المحیض قل ھو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتی یطھرن فاذا تطھرن فاتوھن من حیث امرکم اللہ (ب) (آیت ۲۲۲، سورۃ البقرۃ ۲) آیت میں اشارہ ہے کہ حائضہ غسل کرے تب جماع کرو۔(۲) حدیث میں ہے عن عائشۃؓ ان امرأۃ سألت النبی ﷺ عن غسلھا من المحیض؟ فامرھا کیف تغتسل قال خذی فرصۃ من مسک فتطھری بھا الخ (ج) (بخاری شریف، باب دلک المرأۃ نفسھا اذا تطھرت من المحیض ص ۴۵ نمبر ۳۱۴ رمسلم شریف، باب استحباب استعمال المغتسلۃ من الحیض فرصۃ من مسک نمبر ۳۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ پر غسل فرض ہے۔

نفاس : بھی حیض کے درجے میں ہے اس لئے حیض ہی کے تمام دلائل سے نفاس میں بھی غسل کرنا لازم ہوگا (۱) البتہ ایک حدیث مستدرک حاکم نے ذکر کی ہے جو کنز العمال میں ہے عن معاذؓ عن النبی قال اذا مضی للنفساء سبع ثم رأت الطھر فلتغتسل ولتصل

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب مرد عورت کے چاروں شعبوں (یعنی شرمگاہ) پر بیٹھ جائے اور ختنہ عورت کے فرج داخل سے مل جائے تو غسل واجب ہے (ب) لوگ آپ کو حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ گندی چیز ہے۔(یا تکلیف کی چیز ہے) تو حیض کی حالت میں عورت سے الگ رہا کرو اور ان سے قریب نہ ہو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں۔پس جب خوب پاک ہو جائیں تو اس مقام میں جماع کرو جہاں اللہ نے حکم دیا ہے۔(ج) ایک عورت نے حضورؐ سے حیض سے غسل کے بارے میں سوال کیا تو ان کو حکم دیا کہ وہ کیسے غسل کرے گی۔فرمایا مشک کا پھاہا لو اور اس سے پاکی حاصل کرو (الف) حضرت معاذؓ سے مرفوعا روایت ہے کہ جب نفاس والی عورت کے سات دن گزر جائے پھر پاکی دیکھے تو غسل کرے اور نماز پڑھے

(۳۱)وسن رسول اللہ ﷺ الغسل للجمعۃ والعیدین والاحرام وعرفۃ (۳۲)ولیس فی

(الف) (مستدرک للحاکم، کتاب الطہارۃ، ج اول ص ۲۸۴، نمبر ۶۲۶ رسنن للبیہقی، باب النفاس ص ۵۰۵، نمبر ۱۶۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفساء بھی خون ختم ہونے کے بعد غسل کرے گی۔

﴿سنن غسل کا بیان﴾

(۳۱) سنت قرار دیا حضورؐ نے غسل کو (۱) جمعہ کے لئے (۲) عیدین کے لئے (۳) احرام کے لئے (۴) عرفہ کے لئے۔ ان دنوں میں غسل کرنا سنت ہے۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے عن ابی سعید الخدریؓ ان رسول اللہ ﷺ قال غسل یوم الجمعۃ واجب علی کل محتلم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الغسل یوم الجمعۃ ص ۵۵ نمبر ۳۴۱) (۲) عن سمرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من توضأ فبھا ونعمت ومن اغتسل فھو افضل (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ ص ۵۷ نمبر ۳۵۴ رمسلم شریف، کتاب الجمعۃ ص ۲۷۹ نمبر ۸۴۶ رمسلم شریف، باب فضل من استمع وانصت فی الخطبۃ ص ۲۸۳ نمبر ۸۵۷) ان دونوں قسم کی احادیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن پہلے غسل واجب تھا اب منسوخ ہو کر سنت باقی رہا۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک پہلی حدیث کی وجہ سے جمعہ کے دن غسل واجب ہے۔

عیدین کے لئے غسل سنت ہونے کے لئے حدیث یہ ہے عن ابن عباسؓ کان رسول اللہ ﷺ یغتسل یوم الفطر و یوم الاضحی (ج) دوسری حدیث میں 'ویوم عرفۃ' ہے (ابن ماجہ، باب ماجاء فی الاغتسال فی العیدین ص ۱۸۶، نمبر ۱۳۱۵/۱۳۱۶)

نوٹ ابن ماجہ شریف کی فہرست ابواب بنانے والوں نے بہت سے ابواب لکھنے میں چھوڑ دیئے ہیں اس لئے ابن ماجہ کے ابواب کو احتیاط سے تلاش کریں۔ احرام کے لئے غسل کرنے کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن خارجۃ بن زید بن ثابت عن ابیہ انہ رای النبی ﷺ تجرد لاھلالہ واغتسل (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاغتسال عندالاحرام ص ۱۷۱ نمبر ۸۳۰ رمسلم شریف، باب احرام النفساء واستحباب اغتسالھا للاحرام ص ۳۸۵ نمبر ۱۲۰۹) اس حدیث میں بھی احرام کے وقت غسل کا تذکرہ ہے۔ (۲) غسل میں پاکی اور صفائی ہوتی ہے اس لئے اوپر کے تمام مقامات پر غسل کرنا سنت ہے۔

(۳۲) اور مذی اور ودی نکلنے سے غسل نہیں ہے۔ ان میں وضو واجب ہے۔

وجہ (۱) مذی اور ودی منی نہیں ہیں اور نہ وہ کود کر نکلتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہے صرف وضو واجب ہوگا (۲) حدیث میں ہے عن علی ابن طالبؓ ارسلنا المقداد بن الاسود الی رسول اللہ ﷺ فسألہ عن المذی یخرج من الانسان کیف یفعل بہ؟ فقال رسول اللہ ﷺ توضأ وانضح فرجک (ہ) (مسلم شریف، باب المذی ص ۱۴۳ نمبر

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا جمعہ کا غسل بالغ پر واجب ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے وضو کیا تو بہت اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو وہ افضل ہے (ج) آپؐ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے (د) زید بن ثابتؓ نے آپ کو دیکھا کہ انہوں نے احرام کا کپڑا اتارا اور غسل فرمایا (ہ) حضرت (باقی اگلے صفحہ پر)

المذی والودی غسل وفیها الوضوء (۳۳)والطهارة من الاحداث جائزة بماء السماء

۳۰۳)(۲)سألت النبی ﷺ عن المذی؟ فقال من المذی الوضوء ومن المنی الغسل (ترمذی شریف، باب ماجاء فی المنی والمذی ص۳۱ نمبر۱۱۴/ابوداؤد شریف، باب فی المذی ص۳۱ نمبر۲۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذی نکلے تو وضوواجب ہے غسل نہیں۔

ودی : بھی مذی کی طرح ایک پانی ہے۔ بلکہ مذی میں تو تھوڑی شہوت ہوتی ہے ودی میں شہوت نہیں ہوتی وہ پیشاب کے بعد نکلتی ہے۔اس لئے ودی میں وضوہی واجب ہوگا (۲) البتہ عبداللہ بن عباس کا قول طحاوی شریف میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال هو المنی والمذی والودی،فاما المذی والودی فانه یغسل ذکره ویتوضأ واما المنی ففیه الغسل (الف)(طحاوی شریف،باب الرجل یخرج من ذکرہ المذی کیف یغسل ج اول ص ۳۹ رسنن للبیھقی ، باب المذی والودی لایوجبان الغسل ، ج اول ، ص ۲۶۲، نمبر ۸۰۰)

لغت المذی : بیوی سے ملاعبت کے وقت تھوڑی لذت کے ساتھ عضو مخصوص سے پانی نکلتا ہے اس کو مذی کہتے ہیں۔الودی : پیشاب کرنے کے بعد جریان کے مریض کو سفید تھوڑا گاڑا سا پانی نکلتا ہے اس کو ودی کہتے ہیں۔

﴿ پانی کے احکام ﴾

(۳۳) حدثوں سے پاکی کرنا جائز ہے (۱) آسمان کے پانی سے (۲) وادیوں کے پانی سے (۳) چشموں کے پانی سے (۴) کنوؤں کے پانی سے (۵) اور سمندر کے پانی سے۔

وجہ (۱) یہ سب پانی پاک ہیں اس لئے یہ پانی تھوڑی ناپاکی گرنے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوتے ہیں۔اس لئے ان سے وضوکرنا اور غسل کرنا دونوں جائز ہیں (۲) آیت ہے وانزلنا من السماء ماء طهورا (ب) (آیت ۴۸،سورۃ الفرقان ۲۵) (۳) چشمے کے بارے میں آیت ہے الم تر ان الله انزل من السماء ماء فسلکه ینابیع فی الارض (ج) (آیت ۲۱ سورۃ الزمر ۳۹) (۴) کنویں کے بارے میں حدیث ہے عن ابی سعید الخدریؓ قال قیل یا رسول الله ﷺ انتوضأ من بئر بضاعة... فقال رسول الله ﷺ ان الماء طهور لا ینجسه شیء (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماء لاینجسه شیء ،ص ۲۱،نمبر ۶۶) سمندر کے پانی کے سلسلے میں حدیث ہے عن ابی هریرة رضی الله عنه یقول سأل رجل رسول الله ﷺ ...افنتوضأ من البحر فقال رسول الله و هو الطهور ماء ہ الحل میتته (ہ) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحر انه طهور ص ۲۱ ،نمبر ۶۹) یوں دیکھا جائے تو یہ سارے پانی آسمان ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور آسمان کے پانی کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس کو میں نے پاک کرنے والا اتارا ہے اس لئے ان پانیوں سے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) علی بن طالبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مقداد بن اسود کو حضورؐ کے پاس مذی کے بارے میں پوچھنے کے لئے بھیجا جو انسان سے نکلتی ہے کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ وضوکرلو اور اپنی شرمگاہ کو دھولو (الف) عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نکلنے والی چیز منی، مذی اور ودی ہے۔ بہرحال مذی اور ودی تو اپنے ذکر کو دھوؤ اور وضوکرلو، بہرحال منی تو اس میں غسل ہے (ب) ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا (ج) کیا نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس کو زمین کے چشموں میں بہایا۔(د) آپؐ نے فرمایا کنویں کا پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی (ہ) سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کی مچھلی حلال ہے۔

والاودية والعيون والآبار وماء البحار (۳۴) ولاتجوز الطهارة بماء اعتصر من الشجر والثمر (۳۵) ولا بماء غلب عليه غيره فاخرجه عن طبع الماء كالاشربة والخل وماء

پاکی حاصل کرنا جائز ہے

لغت اودیۃ : جمع ہے وادی کی۔ العیون : عین کی جمع ہے چشمہ۔ الآبار : بئر کی جمع ہے کنواں۔ البحار جمع ہے بحر کی سمندر

(۳۴) طہارت کرنا جائز نہیں ہے ایسے پانی سے جو درخت سے نچوڑا گیا ہو یا پھل سے نچوڑا گیا ہو۔

وجہ (۱) یہ پھل اور درخت کے رس ہیں پانی نہیں ہیں۔اور پانی سے پاکی کرنا جائز ہے جیسے پہلے دلائل کے ساتھ ثابت کیا اس لئے رس سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ چاہے وہ پھل کا رس ہو یا درخت کا رس ہو (۲) حدیث سے پتہ نہیں چلتا ہے کہ رس سے وضو کیا گیا ہو۔اس لئے بھی رس سے وضو جائز نہیں ہوگا۔

نکتہ صاحب ہدایہ نے نکتہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی رس پانی کی طرح پتلا ہو اور اس میں پانی کی پوری طبیعت ہو اور خود بخود رس ٹپک پڑا نچوڑا نہ گیا ہو تو چونکہ اس میں پانی کی پوری رقت سیلان اور طبیعت موجود ہے اس لئے ایسے رس سے وضو کرنا جائز ہوگا۔

لغت اعتصر : نچوڑا گیا ہو، مشتق ہے عصر سے۔

(۳۵) اور نہیں جائز ہے طہارت ایسے پانی سے جس پر دوسری چیز غالب آگئی ہو اور اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دیا ہو جیسے (۱) شربت (۲) سرکہ (۳) لوبیا کا پانی (۴) شوربا (۵) گلاب کا پانی (۶) گاجر کا پانی۔

وجہ (۱) یہ سب اب پانی نہیں رہے بلکہ ان کا نام بھی بدل گئے ہیں اور اوصاف بھی بدل گئے ہیں۔مثلا شربت میں دوسری چیز اتنی مل گئی ہے کہ اب اس کا نام بھی شربت ہو گیا۔اب اس کو کوئی پانی نہیں کہتا۔سرکہ کا حال بھی یہی ہے لوبیا پکا دیا جائے جس سے پانی کی حقیقت بدل جائے تو وہ شوربا کی طرح ہو جائے گا۔اور اگر لوبیا کا پانی نچوڑا جائے تو وہ رس ہے اور رس سے وضو کرنا جائز نہیں۔گلاب کا پانی، گاجر کا پانی یہ سب رس ہیں اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ نہیں ملتا ہے۔عن ابی امامہ الباھلی قال قال رسول اللہ ﷺ ان الماء لاینجسه شی ء الا ماغلب علی ریحه وطعمه ولونه (الف) (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض ص ۷۴، نمبر ۵۲۱ طحاوی شریف باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۵) اس حدیث سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ پانی میں پاک چیز مٹی کے علاوہ مل جائے اور بو، مزہ اور رنگ بدل دے اور پانی کی طبیعت بدل جائے تو اس سے وضو اور غسل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

نوٹ اگر پانی میں پاک چیز ملی اور اس پر غالب نہیں آئی بلکہ مغلوب رہی تو وضو جائز ہوگا۔اس حدیث سے اس کا استدلال ہے عن عبد الله بن مسعودؓ ان رسول الله ﷺ قال له لیلة الجن عندک طهور؟ قال لا الا شی ء من نبیذ فی اداوة قال ثمرة طیبة وماء طهور فتوضأ (ب) (ابن ماجہ، باب الوضوء بالنبیذ ص ۳۲، نمبر ۳۸۴ دار قطنی، باب الوضوء بالنبیذ ج اول ص ۷۸ نمبر ۲۴۱) نبیذ میں کھجور ڈالا جاتا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا یقینا پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر غالب آجائے اس کی بو اور مزا اور رنگ پر (ب) آپؐ نے لیلۃ الجن میں عبد اللہؓ کو پوچھا کیا تمہارے پاس پاک کرنے کی چیز ہے؟ فرمایا نہیں! ہاں برتن میں کچھ نبیذ ہے۔آپؐ نے فرمایا پاک پھل ہے اور پانی پاک ہے، پھر آپؐ نے وضو فرمایا۔

الباقلاء والمرق وماء الورد وماء الزردج (۳۶) وتجوز الطھارۃ بماء خالطہ شیء طاھر فغیر احد اوصافہ کماء المد والماء الذی یختلط بہ الاشنان والصابون والزعفران (۳۷) وکل

ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کوئی پاک چیز پاک پانی میں مل جائے اور طبیعت نہ بدلے تو اس سے وضو جائز ہے۔

اصول پانی کی طبیعت نہ بدلی ہو تو وضو جائز ہوگا۔

لغت الخل : سرکہ۔ باقلا : لوبیا (ایک قسم کی سبزی ہوتی ہے) المرق : شوربا۔ ورد : گلاب۔ الزردج : گاجر

نوٹ پانی کی طبیعت کبھی اجزاء کے اعتبار سے بدلتی ہے اور کبھی اوصاف کے اعتبار سے۔

(۳۶) اور جائز ہے وضو ایسے پانی سے جس میں پاک چیز مل گئی ہو اور اس کے اوصاف میں سے ایک وصف بدل دیا ہو۔ جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں اشنان گھاس اور صابون اور زعفران ملائے گئے ہوں۔

وجہ (۱) پانی میں مٹی مل جانے کی وجہ سے اگر رقت اور سیلان باقی ہے تو طہارت جائز ہے۔ جیسے سیلاب کے پانی میں کافی مٹی مل جاتی ہے۔ پھر بھی لوگ اس کو پانی کہتے ہیں اس لئے اس سے وضو کرنا جائز ہے (۲) اس پانی سے وضو کرنے میں مجبوری بھی ہے ورنہ دیہاتی لوگ صاف پانی کہاں سے لائیں گے۔

صابون اور اشنان گھاس کا حکم : (۱) پانی میں ایسی چیز ملائی جائے جس سے پانی کو مزید ستھرا کرنا مقصود ہو جیسے بیری کی پتی ڈال کر پانی کو مزید ستھرا کرنا مقصود ہوتا ہے یا اشنان گھاس یا صابون یا زعفران ڈال کر پانی کو مزید صاف ستھرا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کے ڈالنے کے بعد رقت اور سیلان باقی ہو تو طہارت جائز ہوگی۔ کیونکہ پانی کا نام اور پانی کی طبیعت باقی رہتی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ بیری کی پتی ڈال کر پانی کو جوش دیا گیا اور مردہ کو نہلایا گیا۔ اگر ان چیزوں کے ڈالنے سے طہارت جائز نہیں ہوتی تو بیری کی پتی ڈال کر جوش دینے کے بعد کیسے نہلاتے اور کیسے طہارت ہوتی؟ حدیث ہے **عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ خر رجل من بعیرہ فوقص فمات فقال اغسلوہ بماء وسدر وکفنوہ فی ثوبیہ (الف)** (مسلم شریف، باب مایفعل بالمحرم اذا مات ص ۳۸۴ نمبر ۱۲۰۶ / ابن ماجہ شریف، باب المحرم یموت، ص ۴۴۹، نمبر ۳۰۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیری کی پتی یا کوئی چیز پانی کی صفائی کے لئے ملائی جائے تو اس پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے بشرطیکہ رقت اور سیلان ختم نہ ہو گیا ہو۔

اصول پانی کی مزید صفائی کے لئے کوئی چیز ملائی گئی ہو تو اس پانی سے طہارت جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ خالص پانی نہیں رہا اس لئے اس سے طہارت جائز نہیں ہوگی (موسوعۃ امام شافعی ج اول ص ۲۵)

لغت المد : سیلاب۔ الاشنان : ایک قسم کی گھاس جس کو پانی میں مزید صفائی کے لئے ڈالتے ہیں۔

(۳۷) ہر وہ ٹھہرا ہوا پانی (جو بڑے تالاب سے کم ہو) اگر اس میں نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ نجاست کم ہو یا زیادہ۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے پانی کو ناپاکی سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں

حاشیہ : (الف) ایک آدمی اپنے اونٹ سے گرا اور مر گیا، آپؐ نے فرمایا اس کو پانی اور بیری کی پتی سے غسل دو اور اس کے دونوں کپڑوں میں کفن دو۔

ماء دائم اذا وقعت فیه نجاسة لم یجز الوضوء به قلیلا کان او کثیرا لان النبی علیہ السلام امر بحفظ الماء من النجاسة فقال علیه السلام لا یبولن احدکم فی الماء الدائم ولا یغتسلن

پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں جنابت کا غسل کرے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہوتو اپنے ہاتھ کو برتن میں ہرگز نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری؟

تشریح پانی بڑے تالاب سے کم ہو اور ٹھہرا ہوا ہو تو اس میں تھوڑی سی نجاست بھی گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔چاہے اس نجاست سے رنگ، بو اور مزا بدلے یا نہ بدلے۔ اس کی وجہ بہت سی احادیث ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔جن میں سے دو حدیثیں مصنفؒ نے بھی ذکر کی ہیں۔پیشاب نہ کرنے کے بارے میں احادیث یہ ہیں **سمع ابو هریرة انه سمع رسول الله علیہ السلام یقول لایبلون احدکم فی الماء الدائم الذی لایجری ثم یغتسل فیه** (الف) (بخاری شریف، باب البول فی الماء الدائم ص ۳۷ نمبر ۲۳۹ ر مسلم شریف، باب النھی عن البول فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۲) غسل کے بارے میں یہ حدیث ہے **قال رسول الله علیہ السلام لا یغتسل احدکم فی الماء الدائم وهو جنب** (ب) (مسلم شریف، باب النھی عن الاغتسال فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۳) نیند سے بیدار ہونے کے بعد تین مرتبہ ہاتھ دھونے کا حکم اس حدیث میں ہے **عن ابی هریرة ان النبی علیہ السلام قال اذا استیقظ احدکم من نومه فلا یغمس یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا فانه لا یدری این باتت یده** (ج) (مسلم شریف، باب کراھیۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستہا فی الاناء قبل غسلہا ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۷۸ ر ترمذی شریف، باب ماجاء اذا استیقظ احدکم من منامہ ص ۱۳ نمبر ۲۴) یہ احادیث اور اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں جن میں پانی میں نجاست ڈالنے سے منع فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے پانی میں نجاست گرنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ورنہ منع کرنے کے کوئی معنی نہیں ہے۔

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑے پانی میں نجاست گرنے سے جب تک رنگ، بو اور مزا میں سے ایک نہ بدلے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی سعید الخدریؓ قال قیل یا رسول الله انتوضأ من بئر بضاعه و هی بئر یلقی فیها الحیض ولحوم الکلاب والنتن؟ فقال رسول الله علیہ السلام ان الماء طهور لاینجسه شیء** (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماء لاینجسہ شیء ص ۲۱ نمبر ۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناپاک چیز گرنے سے جب تک مزا، بو یا رنگ نہ بدل جائے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ہم جواب دیتے ہیں کہ جس کنواں میں حیض اور کتے کا گوشت اور گندگیاں اتنی ڈالی جاتی ہوگی اور پھر بھی رنگ یا بو یا مزا نہ بدلے یہ ناممکن

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو اس میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور پھر اس میں غسل کرے (ب) آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے اس حال میں کہ وہ جنبی ہو (ج) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے اس لئے کہ اس کو معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔(د) آپؐ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کیا بیر بضاعہ سے وضو کریں؟ حالانکہ وہ ایسا کنواں ہے کہ اس میں حیض کے کپڑے، کتے کا گوشت اور گندگیاں ڈالی جاتی ہیں۔آپؐ نے فرمایا یہ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

فیہ من الجنابۃ وقال علیہ السلام اذا استیقظ احدکم من منامہ فلا یغمسن یدہ فی الاناء حتی یغسلھا ثلاثا فانہ لایدری این باتت یدہ(۳۸)واما الماء الجاری اذا وقعت فیہ نجاسۃ جاز الوضوء منہ اذا لم یرلھا اثر لانھا لاتستقر مع جریان الماء (۳۹) والغدیر العظیم

ہے۔اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنواں ماء جاری کے حکم میں تھا اور ماء جاری کے بارے میں ہم بھی کہتے ہیں کہ جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے ناپاک نہیں ہوگا۔جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے۔ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے قال رسول اللہ ﷺ اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماء لاینجسہ شیء ص ۲۱ نمبر ۶۷) ہم کہتے ہیں دوسری حدیثوں میں یہ قید نہیں ہے (۲) حدیث کمزور ہے۔

لغت ماء دائم : ٹھہرا ہوا پانی (یہاں تھوڑا مراد ہے جو جاری نہ ہو اور بڑا تالاب نہ ہو) یغمسن : ڈالنا۔ باتتُ : رات گزارنا۔

(۳۸) اور جاری پانی جب کہ اس میں نجاست گر جائے پھر بھی اس سے وضو جائز ہے اگر اس میں نجاست کا کوئی اثر نظر نہ آئے۔اس لئے کہ ناپاکی پانی بہنے کی وجہ سے ٹھہرے گی نہیں۔

تشریح نجاست کا اثر نظر نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ نجاست کی وجہ سے پانی کا رنگ یا بو یا مزا میں سے ایک بدل جائے تو جاری پانی ہونے کے باوجود اس سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہوگا۔لیکن اگر ناپاکی گری لیکن پانی کا مزا یا بو یا رنگ ناپاکی گرنے کی وجہ سے نہیں بدلا تو اس پانی سے وضو یا غسل کرنا جائز ہے۔وہ پانی ابھی تک پاک ہے۔

وجہ (۱) اس لئے کہ جیسے ہی ناپاکی گری تو اس کو جاری پانی بہا کر دوسری جگہ لے گیا وہاں ٹھہرنے نہیں دیا۔اس لئے اس جگہ کا پانی پاک رہا (۲) حدیث میں ہے کہ ماء کثیر کا جب تک رنگ، بو اور مزا نہ بدلے پاک ہے عن ابی امامہ الباھلی قال قال رسول اللہ ﷺ ان الماء لاینجسہ شیء الا ماغلب علی ریحہ وطعمہ ولونہ (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض، ص ۴۷، نمبر ۵۲۱ رطحاوی، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۵) مسئلہ نمبر ۳۷ پر حدیث قلتین گزری اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماء کثیر میں ناپاکی گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا جب تک کہ اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدل جائے۔

لغت الماء الجاری : جو پانی تنکہ بہا کر لے جائے ،چلو سے پانی لے تو فوراً دوسرا پانی اس جگہ آجائے اس کو ماء جاری کہتے ہیں۔

(۳۹) ایسا بڑا تالاب جو نہیں متحرک ہوتا ہو اس کا ایک کنارہ دوسرے کنارے کے حرکت دینے سے۔اگر اس کے ایک کنارے میں ناپاکی گر جائے تو دوسری جانب وضو کرنا جائز ہے۔اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ ناپاکی وہاں تک نہیں پہنچے گی۔

وجہ اتنا لمبا چوڑا تالاب ہو کہ ایک جانب اس کے پانی کو حرکت دے تو اس حرکت کا اثر اور رو دوسری جانب نہ پہنچے۔تو جب حرکت کا اثر نہیں پہنچتا ہے تو نجاست کا اثر دوسری جانب کیسے پہنچے گا۔جبکہ حرکت کا اثر تیز ہوتا ہے اور نجاست کا اثر دھیما ہوتا ہے۔اس لئے دوسری جانب پاک

(الف) آپؐ نے فرمایا جب پانی دو مٹکے ہوں تو ناپاک نہیں ہوتا (ب) آپؐ نے فرمایا پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر یہ کہ غالب آجائے اس کی بو پر اس کے مزے پر اور اس کے رنگ پر۔

الـذی لا یتـحـرک احد طرفیه بتحریک الطرف الآخر اذا وقعت فی احد جانبیه نجاسة جاز الوضوء من الجانب الآخر لان الظاهر ان النجاسة لاتصل الیه(۴۰) وموت مالیس له

رہے گا۔اور دوسری جانب وضوا ور غسل کرنا جائز ہوگا۔

نوٹ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غسل سے حرکت دینے کا اعتبار ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک وضو سے حرکت دیکر دیکھیں گے کہ دوسری جانب پہنچتا ہے یا نہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک دو مٹکے پانی ہو تو وہ ماء کثیر ہے۔اس میں نجاست گر جائے تو جب تک رنگ، بو یا مزانہ بدل جائے تو پانی پاک رہے گا۔ان کی دلیل حدیث قلتین ہے جو مسئلہ نمبر ۳۷ میں گزر گئی۔

نوٹ امام ابوحنیفہ کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے(۲) دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا حوض ہو اور اتنا گہرا ہو کہ پانی کا چلو اٹھانے سے زمین نظر نہ آئے تو اس کو بھی عوام کی سہولت کے لئے بڑا تالاب اور ماء کثیر کہتے ہیں ۔

لغت الغدیر : تالاب

(۴۰) پانی میں ایسی چیز کا مرنا جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے پانی کو ناپاک نہیں کرتا جیسے (۱) مچھر (۲) مکھی (۳) بھڑ (۴) بچھو۔

وجہ (۱) اصل میں بہتا ہوا خون ناپاک ہے اور ان جانوروں میں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔اس لئے ان کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا (۲) آیت میں ہے الا ان یکون میتة او دما مسفوحا (آیت ۴۵ سورۃ الانعام ۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہتا ہوا خون ناپاک ہے اس لئے جس میں بہتا ہوا خون نہ ہو وہ ناپاک نہیں کرے گا (۳) حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کھانے میں مکھی گر جائے تو کھانا ناپاک نہیں ہوتا ۔کیونکہ اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسه کله ثم لیطرحه فان فی احدی جناحیه شفاء وفی الآخر دواء (الف) (بخاری شریف، کتاب الطب، باب اذا وقع الذباب فی الاناء ص ۸۶۰ جلد ثانی نمبر ۵۷۸۲) حدیث میں پوری مکھی کو برتن میں ڈالنے کے لئے کہا۔اگر مکھی سے کھانا یا پانی ناپاک ہوتا تو پوری مکھی کو کیسے ڈالنے کے لئے فرماتے (۴) دار قطنی میں ہے کہ جس جانور میں بہتا ہوا خون نہیں ہے وہ کھانے یا پانی میں گر جائے تو اس کھانے کو کھاؤ۔اور اس پانی سے وضو کرو قال رسول الله ﷺ یا سلمان کل طعام و شراب وقعت فیه دابة لیس لها دم فماتت فیه فهو حلال اکله و شربه و وضوءه (ب) (دار قطنی، باب کل طعام وقعت فیہ دابة لیس لها دم ج اول ص ۳۳ نمبر ۸۱) دار قطنی کی حدیث اگر چہ کمزور ہے لیکن بخاری کی حدیث سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔اس لئے اس سے استدلال کرنا جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کی ایک روایت ہمارے مطابق ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ ان جانوروں کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔اس لئے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اگر مکھی تم میں سے کسی کے برتن میں گر جائے تو پورے ہی کو ڈبو دو پھر اس کو نکال کر پھینک دو۔اس لئے کہ اس کے ایک پر میں شفا ہے اور دوسرے میں بیماری ہے (ب) آپؐ نے فرمایا، اے سلمان! ہر وہ کھانا اور پینا جس میں ایسا جانور گر جائے جس میں خون نہیں ہوتا اور اس میں مر جائے تو اس کا کھانا اور اس کا پینا اور اس سے وضو کرنا حلال ہے۔

نفس سائلة فی الماء لایفسد الماء کالبق والذباب والزنابیر والعقارب(۴۱) وموت ما یعیش فی الماء لایفسد الماء کالسمک والضفدع والسرطان(۴۲)واما الماء

کہ یہ جانور میتہ ہے اوران کا کھانا حرام ہے۔اور میتہ ناپاک ہوتا ہے اس لئے ان کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔

لغت نفس سائلۃ : بہتا ہوا خون۔ البق : مچھر۔ الذباب :مکھی۔ الزنابیر : بھڑ۔ العقارب : بچھو،عقرب کی جمع ہے۔

(۴۱)مرنا ایسی چیز کا جو پانی میں زندگی گزارتی ہو پانی کو ناپاک نہیں کرتی ہے جیسے (۱) مچھلی (۲) مینڈک (۳) کیکڑا۔

وجہ (۱) جو جانور پانی میں پیدا ہوتا ہے اور اسی میں زندگی گزارتا ہے اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا۔کیونکہ بہتا ہوا خون رہے گا تو پانی کے اندر ہی نہیں رہ سکے گا۔اور وہ جو تھوڑا بہت خون نظر آتا ہے وہ مکمل خون نہیں ہے۔خون کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو دھوپ میں رکھو تو وہ کالا سا ہو جائے گا۔اور دریائی جانور کے خون کو دھوپ میں رکھو تو وہ سفید ہو جاتا ہے۔اس لئے وہ مکمل خون ہی نہیں ہے۔اور مسئلہ نمبر ۴۰ میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ جس جانور میں بہتا ہوا خون نہیں ہے اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے۔(۲) **عن ابی هریرة قال رسول الله ﷺ هو الطهور ماء ه الحل میتته** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحر انہ طهور ص۲۱ نمبر ۶۹) سمندر کا میتہ حلال ہے سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ کھانا تو حلال نہیں ہے لیکن اس کے مردے میں خون نہیں ہوتا اس لئے اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کی ایک روایت ہے کہ مچھلی کے علاوہ دوسرے مائی جانور کے مرنے سے تھوڑا پانی ناپاک ہو جائے گا۔اس لئے کہ مچھلی تو حلال ہے لیکن دوسرے جانور حلال نہیں ہیں اس لئے دوسرے جانور کے مرنے سے تھوڑا پانی ناپاک ہوگا۔

لغت الضفدع : مینڈک۔ السرطان : کیکڑا۔

نوٹ جو جانور پانی میں پیدا ہوتا ہے اور پانی ہی میں زندگی گزارتا ہے وہ مائی جانور کہلاتا ہے۔اور جو پانی کے اوپر پیدا ہوتا ہے اور پانی میں رہتا ہے وہ مائی جانور نہیں ہے جیسے بطخ۔

(۴۲)اور ماء مستعمل نہیں جائز ہے اس کا استعمال کرنا حدث کے پاک کرنے میں۔

تشریح جس پانی کو حدث غسل یا حدث وضو کو زائل کرنے کے لئے استعمال کیا ہو یا قربت حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا ہو ایسے پانی کو دوبارہ حدث غسل یا حدث وضو کو پاک کرنے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔کیونکہ یہ پانی مستعمل ہو چکا ہے۔اور ماء مستعمل خود پاک تو ہے لیکن حدث کو پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

وجہ (۱) پاک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ماء مستعمل صحابہ کے کپڑوں میں وضو اور غسل کے بعد لگتا رہا لیکن آج تک کسی نے ماء مستعمل کی وجہ سے کپڑا نہیں دھویا۔اور پاک کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل عرب کو پانی کی سخت ضرورت ہونے کے باوجود کسی نے ماء مستعمل استعمال کر کے وضو یا غسل نہیں کیا۔اور نہ اس کو دوسرے برتن میں وضو یا غسل کے لئے رکھا ہو (۲) پاک ہونے کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں حضورؐ نے وضو کے لئے استعمال کیا ہوا پانی مریضوں کو پلایا ہے۔اگر ماء مستعمل پاک نہ ہوتا تو آپؐ اس کو بیماروں کو کیسے

حاشیہ : (الف) سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ (یعنی مچھلی) حلال ہے۔

المستعمل لا یجوز استعماله فی طھارۃ الاحداث (۴۳)والماء المستعمل کل ماء ازیل به

پلاتے؟ حدیث میں ہے عن جابر یقول جاء رسول اللہ ﷺ یعودنی وانا مریض لاا عقل فتوضأ وصب علی من وضوئه فعقلت (الف) بخاری شریف، باب صب النبی ﷺ وضوءه علی المغمی علیہ ص۳۲ نمبر۱۹۴) (۳) سمعت السائب بن یزید یقول ذھبت بی خالتی الی النبی ؐ فقالت یا رسول اللہ ان ابن اختی وقع فمسح رأسی ودعا لی بالبرکۃ ثم توضأ فشربت من وضوءہ (ب) (بخاری شریف، باب استعمال فضل وضوء الناس ص۳۱ نمبر۱۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل پاک ہے تب ہی تو وضو کا پانی پلایا۔ اور السنن الکبری للبیھقی، باب طھارۃ الماء المستعمل ج اول ص ۳۵۹، نمبر۱۱۱۷ میں اس سلسلے کی بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔ اور ماء مستعمل کے پاک نہ کرنے کے سلسلے میں ان احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں آپ ؐ نے ہر عضو کے لئے نیا پانی لیا ہے۔ اگر ماء مستعمل طہور ہوتا تو ماء مستعمل ہی کو دوبارہ استعمال کر لیتے اور ہر عضو کے لئے نیا پانی نہ لیتے۔ حدیث میں ہے عن ابن عباس اتحبون ان اریکم کیف کان رسول اللہ ﷺ یتوضأ فدعا باناء فیه ماء فاغترف غرفة بیدہ الیمنی فتمضمض واستنشق ثم اخذ اخری فجمع بھا یدیه ثم غسل وجھه الخ (ج) (ابوداؤد، باب فی الوضوء مرتین ص۲۰ نمبر۱۳۷) اس حدیث میں ہر عضو کے لئے الگ الگ پانی لیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں تھوڑے پانی میں جنابت کے غسل کرنے سے منع فرمایا۔ اگر اس کے جسم پر نجاست نہ ہو تو منع کرنے کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ ماء مستعمل ہونے کے بعد وہ پانی دوسروں کے کام نہیں آسکتا۔ اس لئے اس میں گھس کر پانی کو مستعمل کرنے سے منع فرمایا۔ حدیث میں ہے ابو ھریرۃ یقول قال رسول اللہ ﷺ لایغتسل احدکم فی الماء الدائم وھو جنب (د) (مسلم شریف، باب النھی عن الاغتسال فی الماء الراکد ص۱۳۸ نمبر۲۸۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل پاک تو ہے لیکن پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

فائدہ صاحب ہدایہ نے ماء مستعمل کے حکم کے سلسلے میں کئی قول نقل کئے ہیں۔ لیکن اکثر ائمہ کا صحیح قول یہی ہے کہ وہ پاک ہے لیکن پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کما قال موسوعۃ الامام الشافعی، باب حکم الماء المستعمل ج اول ص۵۲)

(۴۳) ماء مستعمل ہر وہ پانی ہے جس سے حدث زائل کیا گیا ہو (۲) یا بدن پر قربت کے طور پر استعمال کیا گیا ہو۔

تشریح (۱) اگر عینی نجاست بدن یا کپڑے پر ہو اس کو پانی سے دور کیا تو وہ پانی ناپاک ہے۔ البتہ نجاست عینی نہ ہو صرف حدث اکبر جنابت یا حدث اصغر وضو کرنے کے لئے پانی استعمال کیا تو وہ ماء مستعمل ہوتا ہے (۲) یا پہلے وضو موجود ہو لیکن قربت الہی حاصل کرنے کے لئے دوبارہ وضو کرے تو یہ بھی ماء مستعمل ہو جاتا ہے۔ جس کا حکم اوپر گذر چکا۔

حاشیہ: (الف) حضور ؐ میری عیادت کے لئے آئے۔ میں بیمار تھا اور سمجھتا نہیں تھا تو آپ ؐ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر بہایا تو میں سمجھنے لگ گیا (ب) حضرت سائب فرماتے ہیں کہ میری خالہ مجھے حضور ؐ کے پاس لے گئی اور کہا یا رسول اللہ میری بہن کے بیٹے میں جنونیت کا اثر ہے۔ پس آپ ؐ نے میرا سر پونچھا اور میرے لئے برکت کی دعا کی پھر وضو فرمایا تو میں نے آپ ؐ کے وضو کا پانی پیا۔ (ج) حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ حضور ؐ کیسے وضو فرماتے تھے اس کو دکھلاؤں؟ پھر ایک برتن منگوایا جس میں پانی تھا اس سے دائیں ہاتھ سے ایک چلو لیا پس مضمضہ اور استنشاق کیا پھر دوسرا چلو لیا اور دونوں ہاتھ جمع کر کے چہرے کو دھویا ...الی آخرہ (د) آپ ؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے اس حال میں کہ وہ جنبی ہو۔

حدث او استعمل فی البدن علی وجه القربة (۴۴) وكل اهاب دبغ فقد طهر جازت الصلوة فيه والوضوء منه(۴۵) الا جلد الخنزير والآدمی(۴۶)وشعر الميتة وعظمها طاهر

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ قربت کا ارادہ کر کے وضو یا غسل کرے تو پانی مستعمل ہوتا ہے اور قربت کے بغیر پانی استعمال کیا تو پانی مستعمل نہیں ہوگا۔

نوٹ جب پانی عضو سے جدا ہو تب مستعمل ہوتا ہے۔ اس سے پہلے مستعمل قرار دینے میں مجبوری ہے لغت حدث : حدث اصغر جیسے وضو، حدث اکبر جیسے جنابت۔ نجاست عینی کو نجاست کہتے ہیں۔ وجہ القربۃ : حدث دور کرنے کی نیت ہو یا وضو پر وضو کرنے کی نیت ہو۔

﴿ چمڑے کے احکام ﴾

(۴۴) کچا چمڑا دباغت دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اس پر نماز جائز ہے۔ اور اس کے برتن سے وضو جائز ہے

وجہ (۱) مردار کے چمڑے کو دباغت دیا جائے تو اس کی ناپاک رطوبت نکل جاتی ہے اور بہتا ہوا خون نکل جاتا ہے صرف چمڑا باقی رہ جاتا ہے اس لئے وہ پاک ہے۔ اور اس چمڑے پر نماز پڑھ سکتا ہے اور اس چمڑے کے برتن میں پانی ہو تو اس سے وضو اور غسل کر سکتا ہے۔ اہل عرب کے پاس اکثر اسی قسم کے برتن ہوتے تھے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ ايما اهاب دبغ فقد طهر (الف) نسائی شریف، باب جلود المیتۃ ج ثانی ص ۱۶۹ نمبر ۴۲۴۶) دوسری حدیث میں ہے ذكوة الميتة دباغها (نسائی شریف، باب باب جلود المیتۃ ص ۱۶۹، نمبر ۴۲۵۱ر مسلم شریف، باب طہارۃ جلود المیتۃ بالدباغۃ ص ۱۵۷، نمبر ۳۶۶) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دباغت دینے کے بعد مردار کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔

نوٹ جس حدیث میں منع فرمایا ہے وہ کچے چمڑے سے منع فرمایا ہے جو دباغت دیا ہوا نہ ہو۔

(۴۵) مگر سور کا چمڑا اور آدمی کا چمڑا پاک نہیں ہوگا۔

وجہ سور نجس العین ہے اس لئے اس کا چمڑا دباغت دینے کے بعد بھی پاک نہیں ہوگا۔ آیت میں ہے او لحم الخنزير فانه رجس آیت ۱۴۵، سورۃ الانعام ۶۔ اور آدمی کا چمڑا عزت اور کرامت کی بنا پر دباغت دینے کے بعد بھی قابل استعمال نہیں ہوگا۔

(۴۶) مردار کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہے۔

وجہ (۱) بال، ہڈی، کھر اور سینگ میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے اور نہ ناپاک رطوبت ہوتی ہے اس لئے مردار کی یہ چیزیں بھی پاک ہیں (۲) حدیث میں ہے قال رسول الله ﷺ يا ثوبان اشتر لفاطمة قلادة من عصب وسوارين من عاج (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الانتفاع بالعاج جلد ثانی ص ۲۲۷ نمبر ۴۲۱۳) اول کتاب الخاتم سے پہلے ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار جانور کا پٹھہ بھی پاک ہے اور ہاتھی کے دانت بھی پاک ہیں۔ ورنہ آپؐ پٹھے کا ہار اور ہاتھی دانت کا کنگن خریدنے کے لئے کیسے فرماتے۔

حاشیہ : (الف) کسی کچے چمڑے کو دباغت دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ (ب) آپؐ نے فرمایا کہ اے ثوبان فاطمہ کے لئے پٹھے کا ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدو۔

(۴۷)واذا وقعت فی البئر نجاسة نزحت و کان نزح ما فیها من الماء طهارة لها.

فائدہ امام شافعیؒ کھال کے علاوہ سب کو ناپاک کہتے ہیں۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن عکیم قال کتب الینا رسول الله ان لا تستمتعوا من المیتة باهاب ولا عصب (الف)(نسائی شریف، باب ما یدبغ به جلود المیتة ج ثانی ص ۷۰ انمبر ۴۲۵۵ /ابن ماجہ شریف، باب من کان لا ینتفعوا من المیتة باھاب ولا عصب ،ص ۵۲۰،نمبر ۳۶۱۳ /دار قطنی ، باب الدباغة ج اول ص ۴۲ نمبر ۱۱۳) حنفیہ ابو داؤد والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں پٹھے اور ہاتھی دانت سے استفادہ کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔سمعت ام سلمة تقول سمعت رسول الله ﷺ یقول لا بأس بمسک المیتة اذا دبغ ولا بأس بصوفها وشعرها وقرونها اذا غسل بالماء (ب) (دار قطنی ، باب الدباغة ،نمبر ۱۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہڈی ، سینگ اور بال پاک ہیں۔

اصول جن ہڈیوں میں بہتا ہوا خون نہیں ہے وہ پاک ہے۔

لغت اھاب : کچا چمڑا، دباغت دیئے بغیر کا چمڑا۔

﴿ کنویں کے مسائل ﴾

(۴۷) اگر کنویں میں ناپاکی گر جائے تو اس کا پانی نکالا جائے گا۔اور جو اس میں پانی ہے اس کا نکالنا ہی اس کا پاک ہونا ہے۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ بڑے تالاب کی طرح کنواں ہو تو وہ تھوڑی نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا۔لیکن کنویں کی لمبائی اور چوڑائی کم ہو تو ناپاکی ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف چلی جائے گی اور ناپاکی نیچے اتر اتر کر گہرائی کی طرف چلی جائے گی اس لئے پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

پورے کنویں کا پانی بار بار نکالنا مشکل ہے اس لئے صحرا اور جنگل میں جو نجاست بار بار کنویں میں گرتی ہے مثلا گوبر۔لید وغیرہ تو اس کے بہت سے گرنے سے ناپاک ہوگا۔اور جو نجاست کبھی کبھار گرتی ہے جیسے خون تو اس کا ایک قطرہ گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوگا۔اسی طرح ناپاک پانی سے کنویں کی دیوار ناپاک ہوگی لیکن اس کو دھونا مشکل ہے اس لئے اس کو دھونے کی ضرورت نہیں صرف پانی نکالنے سے دیوار پاک ہو جائے گی۔اسی طرح کیچڑ اور باقی ماندہ پانی بھی نکالنے کی ضرورت نہیں وہ بھی پانی نکالنے سے پاک ہو جائیں گے۔یہ سہولت مجبوری کی بنا پر شریعت نے دی ہے۔اس لئے اس میں قیاس کو دخل نہیں ہے۔پورا کنواں ناپاک ہونے کی دلیل یہ ہے عن عطاء ان حبشیا وقع فی زمزم فمات فامر ابن الزبیر فنزح مائها (ج) (طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسة ص ۱۶ /دار قطنی ، باب البئر اذا وقع فیها حیوان ص ۲۸ نمبر ۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے مرنے سے پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔اسی طرح ناپاکی گرنے سے پورا کنواں

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عکیم فرماتے ہیں کہ ہم جہینہ والوں کے پاس حضورؐ کا خط آیا کہ مردار کے چمڑے سے فائدہ نہ اٹھاؤ اور نہ اس کے پٹھے سے فائدہ اٹھاؤ (ب) حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ مردے کی کھال میں کوئی حرج نہیں ہے اگر دباغت دی جائے۔اور اس کے اون اور اس کے بال، اس کے سینگ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے اگر پانی سے دھو دیا جائے (ج) عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک حبشی زمزم کے کنویں میں گر گیا اور مر گیا تو عبد اللہ بن زبیرؓ نے حکم دیا کہ اس کا پورا پانی نکالا جائے۔

(۴۸)فان ماتت فیھا فارۃ او عصفور او صعوۃ او سودانیۃ او سام ابرص نزح منھا ما بین عشرین دلوا الی ثلثین بحسب کبر الدلو وصغرھا (۴۹)وان ماتت فیھا حمامۃ او دجاجۃ او سنور نزح منھا ما بین اربعین دلوا الی خمسین (۵۰) وان مات فیھا کلب او شاۃ او

ناپاک ہوجائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کا مسلک گذر گیا ہے کہ دو مٹکے کنویں میں پانی ہوتو جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے ناپاک نہیں ہوگا۔ دلیل حدیث قلتین گزر گئی۔

لغت نزح : پانی کا کنواں سے نکالنا۔

(۴۸)اگر کنویں میں چوہا یا چڑیا یا ممولا یا بھجنگا یا چھپکلی مرجائے تو بیس سے لیکر تیس ڈول تک نکالے جائیں گے۔ڈول کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے لحاظ سے

تشریح یعنی چھوٹا ڈول ہو تو تیس ڈول اور بڑا ڈول ہو تو بیس ڈول نکالے جائیں گے۔اور ایک قول یہ ہے کہ بیس ڈول واجب ہے اور تیس ڈول بطور استحباب کے ہیں۔یہ اس وقت ہے جب کہ صرف جانور مرا ہو۔پھولا پھٹا نہ ہو۔پس اگر پھول پھٹ گیا تو چھوٹا جانور ہو تب بھی پورا کنواں نکالنا ہوگا۔

وجہ عن علی قال اذا سقطت الفارۃ او الدابۃ فی البئر فانزحھا حتی یغلبک الماء (الف) (طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ١٦ / مصنف عبد الرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول ص ۸۱ نمبر ۲۷۱ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۹۸ فی الفارۃ والدجاجۃ اشباھھما تقع فی البئر، ج اول، ص ۱۴۹، نمبر ۱۷۱۱) یہ حدیث پھولنے پھٹنے پر محمول ہے۔کہ چوہا پھولے پھٹے تو پورا کنواں نکالا جائے گا۔ورنہ بیس سے تیس ڈول

نوٹ بیس سے تیس ڈول کی دلیل مجھے نہیں ملی۔

لغت عصفورۃ : چڑیا۔ صعوۃ : ممولا۔ سودانیۃ : بھجنگا۔ سام ابرص : گرگٹ۔

(۴۹)اور اگر کنویں میں کبوتر یا مرغی یا بلی مرجائے تو کنویں سے چالیس سے پچاس ڈول تک نکالے جائیں گے

وجہ (۱) عن الشعبی فی الطیر والسنور ونحوھما یقع فی البئر قال نزح منھا اربعون دلوا (ب) (طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ١٦ / مصنف عبد الرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول نمبر ۲۷۲ / مصنف ابن ابی شیبۃ، نمبر ۱۷۱۲)

(۵۰)اور اگر کنویں میں کتا یا بکری یا آدمی مرجائے تو تمام پانی نکالا جائے۔

وجہ (۱) یہ جانور بڑے ہوتے ہیں اس کے مرتے ہی پورے کنویں میں نجاست پھیل جائے گی اس لئے پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا (۲) اوپر حدیث گزری کہ زمزم کے کنویں میں حبشی مرا تو پورا کنواں نکالا گیا (۳) عن عطاء قال اذا سقط الکلب فی البئر فاخرج منھا

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب کنویں میں چوہا یا جانور گر جائے تو اس کو اتنا نکالو کہ پانی تم پر غالب آجائے (ب) شعبیؒ سے منقول ہے کہ پرندہ، بلی اور اس مقدار کے جانور کنویں میں گر جائیں تو کنویں سے چالیس ڈول نکالے جائیں گے۔ایک قول ہے کہ ستر ڈول نکالے جائیں گے۔

آدمی نزح جمیع ما فیها من الماء(۵۱) وان انتفخ الحیوان فیهااو تفسخ نزح جمیع ما فیها صغر الحیوان او کبر(۵۲) وعدد الدلاء یعتبر بالدلو الوسط المستعمل للآبار فی البلدان(۵۳) فان نزح منها بدلو عظیم قُدِّرما یسع من الدلاء الوسط احتسب به (۵۴) وان کانت البئر معینا لا ینزح ووجب نزح ما فیها اخرجو مقدار ما فیها من الماء .

حین سقط نزع منها عشرون دلوا فان اخرج حین مات نزع منها ستون دلوااو سبعون دلوا فان تفسخ فیها نزح منهاماء ها فان لم تستطیعوا نزح مائة دلوو عشرون و مائة(مصنف عبدالرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول ص۸۲ نمبر۲۷۴ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۸ فی الفارۃ تقع فی البئر ۱۴۹، نمبر۱۷۱۴)

(۵۱)اگر جانور کنویں میں پھول جائے یا پھٹ جائے تو پورا پانی نکالا جائے گا جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔

وجہ (۱) پھولنے اور پھٹنے کے زمانے تک نجاست پورے کنویں میں پھیل جاتی ہے اس لئے چھوٹا جانور ہو یا بڑا جانور ہو پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا (۲) اوپر حضرت علیؓ کا قول گزرا کہ چوہا گر جائے اور پھول پھٹ جائے تو پورا کنواں نکالا جائے گا۔

لغت انتفخ : پھول جائے۔ تفسخ : پھٹ جائے۔

(۵۲)ڈول کی تعداد میں اوسط قسم کی ڈول کا اعتبار ہے جو شہروں میں کنوؤں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

تشریح جو ڈول عام طور پر کنوؤں پر استعمال ہوتا ہے جس میں تقریبا ساڑھے تین کیلو پانی آتا ہے اس ڈول کا اعتبار ہے۔اس ڈول سے چالیس سے پچاس ڈول پانی نکال دے تو کنواں پاک ہوگا۔

لغت دلاء : جمع ہے دلو کی ڈول۔

نوٹ شریعت میں ہمیشہ اوسط کا اعتبار ہوتا ہے۔آیت میں اس کا اشارہ ہے۔فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اهلیکم او کسوتهم (آیت ۸۹، سورة المائدة ۵) اس آیت میں اوسط کھانا حکم دیا گیا ہے۔

(۵۳) پس اگر کنویں کا پانی بڑے ڈول سے نکال دیا جائے اس مقدار سے جو اوسط ڈول سماتا ہو تو اس کا حساب کیا جائے گا۔

تشریح مثلا اتنا بڑا ڈول استعمال کیا جس میں اوسط دس ڈول پانی آتا ہے تو دو ڈول نکالنے سے بیس ڈول پانی نکل جائے گا۔اور جس کنویں سے بیس ڈول پانی نکالنا تھا وہ بیس ڈول نکالنا شمار کیا جائے گا۔کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا۔

لغت احتسب به : گن لیا جائے گا، شمار کیا جائے گا

(۵۴)اگر کنواں چشمہ دار ہو کہ پورا پانی نہیں نکالا جا سکتا ہو تو واجب ہے اتنا نکالنا جتنی مقدار اس میں پانی ہے۔

تشریح کنویں کے اندر چشمہ جاری ہے اور اتنا پانی نکلتا رہتا ہے کہ سب پانی نکالنا مشکل ہے۔ایسی صورت میں دو ماہر اور تجربہ کار آدمی سے اندازہ کروایا جائے کہ کنویں میں اس وقت کتنے ڈول پانی ہیں۔ جتنے ڈول اس وقت پانی ہو اتنے ڈول نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے

(۵۵) و عن محمد بن الحسن رحمة الله تعالى انه قال ينزح منها مائتا دلوا الى ثلث مائة (۵۶)واذا وجد فى البئر فارة او غيرها ولا يدرون متى وقعت ولم تنتفخ ولم تنفسخ اعادوا صلوة يوم و ليلة اذا كانوا توضؤا منها وغسلوا كل شيء اصابه ماء ها(۵۷) وان

گا۔ چشمہ کا پانی بعد میں آکر کتنا ہی بھر دے۔ امام ابوحنیفہ کا قول یہی ہے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ کنویں کی مقدار گڑھا کھودے اور اس گڑھے کو پانی نکال نکال کر بھر دے تو سمجھا جائے گا کہ پورے کنویں کا پانی نکال دیا۔ اس سے کنواں پاک ہو جائے گا۔ زمزم والے کنویں میں حبشی گرا تھا جس کی وجہ سے پورا پانی نکالنا چاہا لیکن چشمے کی وجہ سے نہیں نکال سکے۔ لیکن جتنا پانی کنویں میں تھا اس لئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا اتنا نکالنا کافی ہے۔ عبارت یہ ہے۔ فنظرو فاذا عين تنبع من قبل الحجر الاسود قال فقال ابن الزبير حسبكم (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۸ فی الفارۃ والدجاجۃ واشباھھما تقع فی البئر، ج اول، ص ۱۵۰، نمبر ۱۷۲۱)

لغت معينا : چشمہ والا کنواں، عین سے مشتق ہے۔

(۵۵) امام محمدؒ سے منقول ہے کہ کنویں سے دو سو ڈول سے تین سو ڈول تک نکالے جائیں گے۔

تشریح (۱) یہ قول سہولت کے طور پر ہے (۲) امام محمدؒ نے اپنے ملک بغداد اور کوفہ میں دیکھا کہ عام طور پر کنویں میں پانی دو سو سے لیکر تین سو ڈول تک ہوتا ہے۔ اس لئے وجوبی طور پر دو سو ڈول اور استحبابی طور پر تین سو ڈول نکال دے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔ پورے کنویں کا پانی نکالنے کی دلیل حبشی گرنے کی حدیث گزر چکی ہے۔ اسی طرح ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل جنابت کرنے سے منع کرنے کی حدیث گزر چکی ہے جس سے معلوم ہوا کہ پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

نوٹ مردہ جانور پہلے نکالے اس کے بعد ڈول سے یہ سب مقدار نکالے تب پاک ہوگا۔

اصول اصل مقصد کنویں میں موجود تمام پانی کو نکالنا ہے۔

(۵۶) اگر کنویں میں چوہا پایا، یا اس کے علاوہ مرا ہوا پایا جائے اور نہیں معلوم کہ کب گرا ہے اور ابھی پھولا اور پھٹا نہیں ہے تو ایک دن اور ایک رات کی نماز لوٹائی جائے گی جب کہ اس پانی سے وضو کیا ہو۔ اور ان تمام چیزوں کو دوبارہ دھویا جائے گا جن میں اس کا پانی لگا ہو۔

وجہ جانور کنویں میں مرا ہوا ملا اور کوئی علامت نہیں ہے کہ کب گرا ہے اور کب مرا ہے تو ایک دو گھنٹے کا کوئی معیار نہیں ہے اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ ایک دن ایک رات پہلے مرا ہے اور اس درمیان جن جن لوگوں نے اس پانی سے وضو کیا ہے اس کو وہ تمام نمازیں لوٹانی ہوگی۔ کیونکہ ناپاک پانی سے نہ وضو ہوا اور نہ نماز ہوئی۔ اور اس پانی سے ایک دن اور ایک رات کے درمیان جن لوگوں نے غسل کیا ہے یا کپڑا دھویا ہے ان کو بھی غسل اور نماز لوٹانی ہوگی۔ کیونکہ ناپاک پانی سے غسل کیا ہے اور کپڑے دھویا ہے

اصول احتیاط پر عمل کیا جائے گا۔

(۵۷) اور اگر جانور پھول گیا یا پھٹ گیا تو تین دن اور تین راتوں کی نماز لوٹائے گا ابوحنیفہؒ کے قول میں۔

انتفخت او تفسخت اعادوا صلوة ثلثة ايام ولياليها فی قول ابی حنيفة رحمه الله تعالی (۵۸) وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله تعالی ليس عليهم اعادة شیء حتی يتحققوا متی وقعت (۵۹) وسور الآدمی ومايؤ كل لحمه طاهر .

وجہ عموما جانور تین دن تین راتوں میں پھولتا اور پھٹتا ہے۔ اور اس کے خلاف علامت نہیں ہے اس لئے یہی کہا جائے گا کہ جانور تین دن پہلے گرا تھا اور مرا تھا اور اب تین دن میں پھولا اور پھٹا ہے۔ اس لئے جن لوگوں نے اس دوران اس پانی سے وضو اور غسل سے نماز پڑھی وہ لوٹائیں گے۔ حضرت کا قول یقین اور احتیاط پر مبنی ہے۔

(۵۸) اور صاحبین فرماتے ہیں کہ وضو کرنے والوں پر کسی چیز کا لوٹانا نہیں ہے جب تک تحقیق نہ ہو جائے کہ کب گرا ہے۔

وجہ (۱) حضرت امام ابو یوسف نے دیکھا کہ ایک پرندہ نے مردہ کو لا کر کنویں میں ڈالا جس سے وہ رجوع کر گئے اور فرمانے لگے کہ ہو سکتا ہے کہ ابھی پھولے ہوئے چوہے کو کنویں میں ڈالا ہو۔ اس لئے تین دن پہلے کا حکم نہیں لگایا جائے گا (۲) یقین ہے کہ پانی پاک ہے اور شک ہے کہ تین دن پہلے جانور گرا ہو تو یقین پر عمل کرتے ہوئے ابھی تک پانی پاک قرار دیا جائے گا۔ اور جب سے مردہ جانور کو کنویں میں دیکھا ہے اس وقت سے کنواں ناپاک قرار دیا جائے گا۔

﴿جوٹھے کا استعمال﴾

(۵۹) آدمی اور جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا جوٹھا پاک ہے۔

وجہ (۱) تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے جو حکم گوشت کا ہے وہی حکم تھوک کا ہوگا۔ آدمی کا تھوک تو پاک ہے ہی۔ اور جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا تھوک بھی پاک ہوگا اور جوٹھا پاک ہوگا (۲) **عن ابن عباس قال دخلت مع رسول الله ﷺ انا و خالد بن الوليد علی ميمونة فجاء تنا باناء من لبن فشرب رسول الله ﷺ وانا علی يمينه و خالد علی شماله فقال لی الشربة لک فان شئت اثرت بها خالدا فقلت ما كنت لاوثر علی سورک احدا** (الف) (شمائل ترمذی، باب ماجاء فی صفة شراب رسول اللہ ﷺ ص ۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کا جوٹھا پاک ہے۔ تب ہی تو آپؐ نے اپنا جوٹھا دوسرے کو پینے دیا۔ اس قسم کی بہت احادیث ہیں۔ حلال جانور کا جوٹھا پاک ہونے کی۔

وجہ (۱) یہ ہے کہ جوٹھا گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور گوشت حلال ہے اور کھانے کے قابل ہے تو اس کا جوٹھا بھی پاک ہوگا (۲) دلیل یہ حدیث ہے **عن البراء قال قال رسول الله ما اكل لحمه فلا بأس بسؤره** (سنن بیہقی، باب الخبر الذی ورد فی سؤر مایؤکل لحمہ ج اول ص ۳۸۱، نمبر ۱۱۸۹)

حاشیہ : (الف) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے ساتھ میں اور خالد بن ولید میمونہؓ کے پاس آئے۔ پس دودھ کا برتن لایا گیا۔ حضورؐ نے نوش فرمایا۔ اور میں آپ کے دائیں جانب تھا اور خالد بائیں جانب تو مجھے حضورؐ نے فرمایا پینے کا حق آپ کے لئے ہے۔ اگر چاہیں تو خالد کو ترجیح دیں۔ میں نے کہا آپ کے جوٹھے پر میں کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

(۶۰) وسور الكلب والخنزير وسباع البهائم نجس (۶۱) وسور الهرة والدجاجة

(۶۰) کتے کا جوٹھا اور سور کا اور پھاڑ کھانے والے جانور کا جوٹھا ناپاک ہے۔

وجہ (۱) کتا، سور اور پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حلال نہیں ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے تو گوشت حلال نہیں ہے اس لئے اس کا تھوک اور جوٹھا بھی ناپاک ہے (۲) کتے کا جوٹھا ناپاک ہونے کے سلسلے میں یہ حدیث ہے عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا شرب الكلب فی اناء احدكم فليغسله سبعا (الف) (بخاری شریف، باب اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبعا، ص ۲۹، نمبر ۱۷۲) اس قسم کی احادیث کی بنا پر امام شافعی اور امام مالک کے یہاں کتے کے جوٹھے میں برتن کو سات مرتبہ دھونے سے پاک ہوگا (۳) ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے عن ابی هريرة قال اذا ولغ الكلب فی الاناء فاهرقه ثم اغسله ثلاث مرات (ب) (دار قطنی، باب ولوغ الکلب فی الاناء ج اول ص ۶۶ نمبر ۱۹۳) اس فتوی سے معلوم ہوا کہ کتے کا جوٹھا تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا (۴) اصل بات یہ ہے کہ ناپاکی زائل ہونے سے برتن پاک ہو جاتا ہے۔ اور اس سے غلیظ ناپاکی پاخانہ اور پیشاب تین مرتبہ دھونے سے زائل ہو جاتی ہے اور برتن پاک ہو جاتا ہے تو جوٹھا بدرجہ اولی پاک ہو جانا چاہئے۔ البتہ حدیث صحیح پر عمل کرتے ہوئے سات مرتبہ دھوئیگا تو ثواب ملے گا۔ سور نجس العین ہے اس لئے اس کا جوٹھا تو ناپاک ہوگا ہی۔

دلیل ولحم خنزير فانه رجس (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حلال نہیں ہے اس لئے اس کا جوٹھا بھی ناپاک ہے۔ اس لئے کہ وہ سبع یعنی درندہ جانور ہے۔ حدیث یہ ہے عن ابی ثعلبة ان رسول الله ﷺ نهى عن اكل كل ذی ناب من السباع (بخاری شریف، باب اکل کل ذی ناب من السباع نمبر ۵۵۳۰)

(۶۱) (۱) بلی کا جوٹھا (۲) کھلی پھرنے والی مرغی کا جوٹھا (۳) پھاڑ کھانے والے پرندے (۴) اور اور ان جانوروں کا جوٹھا جو گھر میں رہتے ہوں جیسے سانپ اور چوہا مکروہ ہے۔

وجہ (۱) بلی پھاڑ کھانے والا جانور ہے اس لئے اس کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے لیکن یہ گھر میں رہتی ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے اس لئے شریعت نے تسہیل دیدی اور اس کا جوٹھا مکروہ ہوا۔ (۲) حدیث میں ہے عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال يغسل الاناء اذا ولغ فيه الكلب سبع مرات اولاهن واخراهن بالتراب واذا ولغت فيه الهرة غسل مرة (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی سور الکلب ص ۲۷ نمبر ۹۱) عن ابی هريرة قال النبی ﷺ السور سبع (سنن البیہقی، باب سور الھرۃ ج اول ص ۲۴۹ / دار قطنی باب سؤر الھرۃ ج اول نمبر ۲۰۲) بلی کے جوٹھے کے بارے میں یہ حدیث بھی ہے۔ ان رسول الله ﷺ قال انها ليست بنجس انما هی من الطوافين عليكم والطوافات (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی سور الھرۃ ص ۲۷ نمبر ۹۲ / ابو داؤد شریف، باب سؤر الھرۃ، ص ۱۲، نمبر

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں پی لے تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ (ب) آپؐ نے فرمایا جب کتا برتن میں منہ ڈالے تو پانی انڈیل دو پھر اس کو تین مرتبہ دھوؤ۔ (ج) آپ نے فرمایا کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ اور شروع اور اخیر میں مٹی سے دھوؤ۔ اور جب بلی منہ ڈال دے تو ایک مرتبہ دھویا جائیگا۔ (د) آپؐ نے فرمایا بلی ناپاک نہیں ہے اس لئے کہ وہ تم پر بار بار آنے والیوں میں سے ہے

المخلات وسباع الطیور وما یسکن فی البیوت مثل الحیة والفارة مکروه (٦٢) وسور الحمار والبغل مشکوک(٦٣) فان لم یجد الانسان غیرھما توضأ بھما وتیمم وبایھما

۷۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی کا جھوٹا پاک ہے۔اس لئے دونوں حدیثوں کو ملانے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ بلی کا جوٹھا مکروہ تنزیہی ہے۔یہی حال گھر میں رہنے والے تمام جانوروں کا ہے۔

کھلی پھرنے والی مرغی نجاست میں منہ ڈالتی رہتی ہے۔اس لئے اس کے منہ میں نجاست کے گمان کی وجہ سے مکروہ ہے۔اگر اس کی چونچ بالکل پاک ہو تو اس کا جوٹھا پاک ہے کیونکہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

لغت الدجاجة : مرغی۔ المخلات : جو کھلی پھرتی ہو۔ سباع الطیور : وہ پرندے جو شکار کر کے کھاتے ہیں۔ الحیة : سانپ۔ الفارة : چوہا

(٦٢) گدھے کا جوٹھا اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے۔

وجہ مشکوک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گدھے کے گوشت اور پسینے کے سلسلے میں دونوں قسم کے دلائل ہیں۔آپؐ نے گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔اور جب گوشت حلال نہیں ہوگا تو اس کا نکلا ہوا تھوک بھی نجس ہوگا۔اس اعتبار سے گدھے کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے۔لیکن آپ گدھے پر سوار ہوئے ہیں جس کی وجہ سے آپؐ کے کپڑے پر گدھے کا پسینہ لگا ہوگا اور پسینہ گوشت سے نکلتا ہے اور کسی پسینے کا حکم بھی وہی ہے جو تھوک کا حکم ہے۔اس لئے اگر پسینہ لگنے سے کپڑا نہیں دھویا اور پسینہ پاک ہے تو اس اعتبار سے تھوک بھی پاک ہونا چاہئے۔تو گویا کہ گدھے کے تھوک کے سلسلے میں دونوں قسم کے دلائل ہیں اس لئے گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے۔نجس ہونے کی دلیل یہ ہے عن جابر بن عبد اللہ قال نہی رسول اللہ ﷺ یوم خیبر عن لحوم الحمر ورخص فی الخیل (الف)(بخاری شریف، باب غزوۂ خیبر ج ثانی ص ٦٠٦ نمبر ۴۲۱۹) جب گوشت حلال نہیں تو تھوک بھی پاک نہیں ہوگا۔اور تھوک پاک ہونے کی دلیل یہ ہے عن معاذ قال کنت ردف النبی ﷺ علی حمار یقال له عفیر (ب)(بخاری شریف، باب اسم الفرس والحمار ص ۴۰۰ نمبر ۲۸۵٦) آپ گدھے پر سوار ہوئے تو کپڑے پر پسینہ لگا ہوگا اور پسینہ پاک ہے تو تھوک بھی پاک ہونا چاہئے۔ان دونوں قسم کے دلائل کی وجہ سے گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک پچھلے دلائل کی وجہ سے گدھے کا جوٹھا پاک ہے۔

البغل : خچر چونکہ گدھی سے پیدا ہوتا ہے اس لئے جو حکم گدھی کے جوٹھے کا ہوا وہی حکم خچر کا بھی ہوا۔یعنی اس کا جوٹھا مشکوک ہے۔

لغت البغل : خچر

(٦٣) پس اگر کوئی انسان گدھے اور خچر کے جوٹھے کے علاوہ نہ پائے تو دونوں پانی سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔اور جس کو بھی پہلے کرے جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے غزوۂ خیبر کے دن گدھے کے گوشت کھانے سے روکا اور گھوڑے کے گوشت میں رخصت دی (ب) حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا جس کا نام عفیر تھا۔

بدأ جاز.

ترجمہ جب گدھا اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہوا تو تو وہ پاک بھی ہے اور ناپاک بھی ہے۔اس لئے اگر کوئی اور پانی نہیں ہے صرف گدھے کا جوٹھا یا خچر کا جوٹھا پانی اس کے پاس ہو تو چونکہ پانی ہے اس لئے اس کو وضو کرنا چاہئے لیکن یہ پانی ناپاک بھی ہو سکتا ہے اس لئے اس کو تیمم کرنا چاہئے۔اب پہلے وضو کرے اور بعد میں تیمم کرے وہ بھی ٹھیک ہے اور پہلے تیمم کرے بعد میں وضو کرے وہ بھی ٹھیک ہے۔



﴿باب التيمم﴾

[۶۴](۱)ومن لم يجد الماء وهو مسافراو خارج المصربينه و بين المصر نحو الميل او اكثر.

﴿باب التيمم﴾

ضروری نوٹ التیمم : تیمّم کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔اور شریعت میں حدث سے پاک کرنے کے لئے مٹی کا ارادہ کرنے کو تیمّم کہتے ہیں۔اس کی دلیل یہ آیت ہے فلم تجدو ماء فتيمموا صعيدا طيبا فامسحوا بوجوهكم وايديكم (الف)(آیت۴۳سورۃ النساء۴) پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمّم جائز ہے۔

[۶۴](۱) جو پانی نہ پائے اس حال میں کہ وہ مسافر ہو یا شہر سے باہر ہو اور اس آدمی کے اور شہر کے درمیان تقریباً ایک میل یا اس سے زیادہ ہو (تو وہ تیمّم کریگا)

وجہ (۱) پانی نہ پانے کے وقت تیمّم کرنے کا حکم اس آیت میں ہے وان كنتم مرضى او على سفر او جاء احد منكم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه (ب)(آیت۶سورۃ المائدہ۵) (۲) حدیث میں ہے عن ابی ذر...قال رسول الله ﷺ الصعيد الطيب وضوء المسلم ولو الى عشر سنين (ابوداؤد شریف، باب الجنب یتیمم ص۵۳ نمبر ۳۳۲) آیت میں ہے کہ پانی نہ پائے تو تیمّم کر سکتا ہے۔اب پانی نہ پانے کی مصنفؒ نے چار صورتیں بیان کی ہیں (۱) مسافر ہو اور اس کے پاس پانی نہ ہو (۲) یا شہر سے باہر ہو اور پانی سے ایک میل دور ہو تو تیمّم کر سکتا ہے کیونکہ ایک میل سے کم فاصلہ ہو تو گویا کہ وہ پانی کے پاس ہے۔ کیونکہ پندرہ منٹ میں پانی لیکر آ جائیگا اس لئے کوئی حرج نہیں ہوگا۔البتہ ایک میل یا اس سے دور ہو تو وہاں تک جا کر پانی لانے میں حرج ہے اس لئے اب تیمّم کر سکتا ہے (۳) ایک میل دور ہونے کی دلیل ابن عمرؓ کا اثر ہے عن نافع يتيمم ابن عمر على رأس ميل او ميلين من المدينة فصلى العصر فقدم والشمس مرتفعة (ج)(دار قطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ وقدرہ من البلد وطلب الماء ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۷۰۹) بخاری شریف میں ہے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے مربد الغنم میں تیمّم کیا اور نماز پڑھی (بخاری شریف، باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد الماء، ج اول، ص ۴۸، نمبر ۳۳۷) اور مربد کے بارے میں دار قطنی میں ہے کہ وہ مدینہ سے تین میل پر ہے۔ان ابن عمرؓ تيمم بمربد النعم وصلى وهو على ثلثة اميال من المدينة (دار قطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۷۰۷) ان آثار سے معلوم ہوا کہ پانی سے ایک میل دور ہو تب تیمّم کرے اس سے کم دوری پر نہیں۔

حاشیہ : (الف) اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو اس طرح کہ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں کو پونچھ لو (ب) اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو اور تم میں سے کوئی پاخانہ سے آیا ہو یا بیوی سے جماع کیا ہو اور پانی نہ پائے تو تیمّم کرلو پاک مٹی سے اس طرح کہ چہرے اور ہاتھوں کو پونچھ لو (ج) حضرت ابن عمرؓ نے مدینہ سے ایک میل یا دو میل دوری پر تیمّم فرمایا پھر عصر کی نماز پڑھی پھر مدینہ تشریف لائے تو سورج بلند تھا۔

[٦٥] (٢) او کان یجد الماء الا انه مریض فخاف ان استعمل الماء اشتد مرضه او خاف الجنب ان اغتسل بالماء یقتله البرد او یمرضه فانه یتیمم بالصعید[٦٦](٣) والتیمم

[٦٥] (٢) اگر پانی تو پاتا ہو مگر یہ کہ بیمار ہو پس خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کرے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا۔ یا جنبی کو خوف ہو کہ اگر غسل کرے گا تو سردی اس کو مار ڈالے گی یا اس کو بیمار کر دے گی تو وہ پاک مٹی سے تیمّم کر سکتا ہے۔

وجہ (١) شریعت انسان کو مشقت شدیدہ میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی اس لئے اگر بیماری بڑھ جانے کا خوف ہو یا بیمار ہو جانے کا ظن غالب ہو تو تیمّم کر سکتا ہے (٢) آیت لا یکلف الله نفسا الا وسعها (الف) (آیت ٢٨٦ سورۃ البقرۃ) (٣) حدیث میں ہے کہ بیمار ہونے کا ظن غالب ہو تو تیمّم کر سکتا ہے عمر ابن العاص یذکر ان عمر ابن العاص اجنب فی لیلة باردة فتیمم وتلا ولا تقتلوا انفسکم ان الله کان بکم رحیما فذکر ذلک للنبی ﷺ فلم یعنف (ب) (بخاری شریف، باب اذا خاف الجنب علی نفسه المرض او الموت او خاف العطش یتیمم، ج اول، ص ٤٩، نمبر ٣٤٥) معلوم ہوا کہ سردی سے مرض بڑھنے کا خوف ہو یا بیمار ہونے کا خوف ہو تو تیمّم کر سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں جان جانے کا خوف ہو یا عضو تلف ہونے کا خوف ہو تب تیمّم کر سکتا ہے اس سے پہلے نہیں۔

لغت الصعید : پاک مٹی۔

[٦٦] (٣) تیمّم کے دو ضربے ہیں۔ ایک کو چہرے پر ملے اور دوسرے کو دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت۔

تشریح تیمّم کے لئے دو ضربے ہونگے۔ ایک ضربہ زمین پر مار کر چہرے پر ملیگا اور دوسرا زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں پر ملیگا کہنیوں سمیت

وجہ حدیث میں ہے عن عمار بن یاسر حین تیمموا مع رسول الله ﷺ فامر المسلمین فضربوا باکفهم التراب ولم یقبضوا من التراب شیئا فمسحوا بوجوههم مسحة واحدة ثم عادوا فضربوا باکفهم الصعید مرة اخری فمسحوا بایدیهم (ج) (ابن ماجہ شریف، باب فی التیمم ضربتین ص ٨١، نمبر ٥٧١ / ابوداؤد شریف، باب التیمم ص ٥١ نمبر ٣١٨) عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان ضربة للوجه و ضربة للیدین الی المرفقین (د) دار قطنی ج اول ص ١٨٨ نمبر ٦٧٤)

نوٹ تیمّم وضو کے قائم مقام ہے اس لئے پورے چہرے کو اور پورے ہاتھ کو کہنیوں سمیت گھیرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ دار قطنی کی حدیث سے معلوم ہوا۔

فائدہ صحاح ستہ کی کتابوں میں ایک ضربہ کا تذکرہ ہے اس لئے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کی رائے ہے کہ ایک ضربہ سے چہرہ اور ہاتھ ملنا کافی ہے۔ البتہ جمہور ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ دو ضربے ضروری ہیں۔ امام احمدؒ کی دلیل یہ حدیث ہے عن عمار بن یاسر قال سألت النبی

حاشیہ : (الف) اللہ کسی نفس کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی وسعت کے مطابق (ب) عمر ابن عاصؓ سردی کی رات میں جنبی ہو گئے تو ولا تقتلوا انفسکم الخ آیت پڑھی۔ اس کا تذکرہ حضورؐ کے پاس کیا گیا تو آپؐ نے تنبیہ نہیں کی (ج) عمار بن یاسرؓ نے حضورؐ کے ساتھ تیمم کیا تو مسلمانوں کو حکم دیا تو انہوں نے اپنی ہتھیلی کو مٹی پر مارا اور مٹی سے کچھ بھی نہیں لیا پھر اپنے چہرے پر ایک مرتبہ ملا، پھر دوبارہ اپنی ہتھیلیوں کو مٹی پر مارا اور اپنے ہاتھوں پر ملا (د) تیمّم دو ضربے ہیں۔ ایک ضربہ چہرے کے لئے اور ایک ضربہ ہات کے لئے کہنیوں سمیت۔

ضربتان یمسح باحدٰیھما وجھه وبالاخری یدیه الی المرفقین[٦٧] (۴) والتیمم فی الجنابة والحدث سواء [٦٨](۵)ویجوز التیمم عند ابی حنیفة و محمد رحمھما الله تعالی بکل ماکان من جنس الارض کالتراب والرمل والحجر والجص والنورة والکحل

علیہ السلام عن التیمم فامر نی ضربة واحدة للوجه والکفین (ابوداؤد شریف، باب التیمم ،ص۵۲ نمبر۳۲۷ ربخاری شریف، باب التیمم ضربۃ ،نمبر۳۴۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چہرے اور ہاتھ کے لئے ایک ہی ضربہ کافی ہے۔

[٦٧](۴) تیمّم جنابت اور حدث کے لئے برابر ہے۔

وجہ تیمّم جنابت کے لئے اور حیض اور نفاس کے غسل کے لئے بھی کیا جائیگا۔اور حدث اصغر یعنی وضو کے لئے بھی کیا جائیگا۔اور سب کے لئے دو ہی ضربے ہیں۔ایک چہرے کے لئے اور دوسرا ہاتھ کے لئے۔سر اور پاؤں پر تیمّم ساقط ہو جائیگا۔حدیث میں ہے(۱) اوپر مسئلہ نمبر۲ میں عمرو بن عاص کی حدیث گزر گئی جس سے معلوم ہوا کہ تیمّم جنبی کے لئے بھی جائز ہے(۲) آیت میں ہے کہ جنبی بھی تیمّم کرسکتا ہے۔او جاء احد منکم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا(آیت۴۳،سورۃ النساء۴)(۳)عن ابی ھریرۃ قال جاء اعرابی الی رسول الله علیہ السلام فقال انا نکون فی الرمل وفینا الحائض والجنب والنفساء فیأتی علینا اربعة اشھر لا نجد الماء قال علیک بالتراب یعنی التیمم (الف)(سنن للبیھقی ،باب ماروی فی الحائض والنفساء ایکفیھما التیمم عندانقطاع الدم اذاعدمتا الماء ج ،اول ص۳۳۳ ،نمبر۱۰۳۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور نفساء عورت بھی پانی پر قدرت نہ ہوتے وقت غسل کے لئے تیمّم کرے گی۔اور بخاری کی حدیث سے معلوم ہوا کہ جنبی بھی صرف چہرے اور ہاتھ پر تیمّم کرے گا۔ پاؤں اور سر ساقط ہوں گے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔الم تسمع قول عمار لعمر ان رسول الله بعثنی انا وانت فاجنبت فتمعکت بالصعید فاتینا رسول اللهؐ فاخبرناہ فقال انما کان یکفیک ھکذا ومسح وجھه وکفیه واحدة (ب)(بخاری شریف، باب التیمم ضربۃ ،ص۵۰ ،نمبر۳۴۷)

[٦٨](۵) جائز ہے تیمّم امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر وہ چیز سے جو زمین کی جنس سے ہو۔جیسے مٹی ، ریت ، پتھر، گچ ، چونہ، سرمہ اور ہڑتال سے۔اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نہیں جائز ہے مگر مٹی اور ریت سے خاص طور پر۔

وجہ (۱)جابر ابن عبدالله ان رسول الله علیہ السلام قال جعلت لی الارض مسجدا و طھورا (ج)(بخاری شریف، کتاب التیمم ص۴۸ نمبر۳۳۵) جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ زمین سے تیمّم کر سکتے ہیں۔تو زمین کی جنس سے جتنی چیزیں ہیں ان تمام سے تیمّم کیا جاسکتا

حاشیہ : (الف) ایک دیہاتی رسول اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہم لوگ ریت میں رہتے ہیں اور ہم میں حائضہ اور جنبی اور نفساء ہوتے ہیں اور ہم پر چار چار ماہ گزر جاتے ہیں کہ ہم پانی نہیں پاتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا کہ آپ کے لئے مٹی ہے۔یعنی مٹی سے تیمّم کرو(ب) حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اور تمہیں یعنی حضرت عمرؓ کو حضورؐ نے بھیجا تو میں جنبی ہو گیا۔پس میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا۔پھر حضورؐ کے پاس آئے اور بتایا تو آپؐ نے فرمایا تم کو صرف اتنا کرلینا کافی ہے۔پھر اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر ایک مرتبہ مارا(ج) جابر بن عبد اللہ سے حضورؐ نے فرمایا کہ زمین ہمارے لئے مسجد اور پاک کرنے کی چیز بنادی گئی ہے۔

والزرنيخ وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى لا يجوز الا بالتراب والرمل خاصة[۶۹](۶) والنية فرض فى التيمم و مستحبةفى الوضوء[۷۰](۷) وينقض التيمم كل شيء ينقض الوضوء.

ہے۔ چاہے اس میں اگنے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو۔ جیسے پتھر وغیرہ (۲) آیت تیمّم میں ہے فتیمموا صعیدا طیبا اور صعید کے معنی زمین کا اوپر کا حصہ ہے چاہے اس میں اگنے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو۔ اس لئے ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ اور ہڑتال سے بھی تیمّم کر سکتا ہے۔ اثر میں ہے ۔عن حماد قال تیمم بالصعید والجص والجبل والرمل (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۹۶ ما یجزی الرجل فی تیممہ، ج اول ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰۴) اس اثر سے امام ابوحنیفہ کی تائید ہوتی ہے۔

نوٹ ہر وہ چیز جو آگ میں جلے نہیں اور پگھلے نہیں وہ تمام چیزیں زمین کی جنس سے ہیں۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ حدیث کی بنیاد پر یہ فرماتے ہیں کہ صرف وہ مٹی جس میں اگنے کی صلاحیت ہو اور ریت سے تیمّم کر سکتا ہے دوسری چیزوں سے تیمّم نہیں کر سکتا۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابن عباس قال اطیب الصعید الحرث والارض الحرث (مصنف ابن ابی شیبة ،۱۹۶ ما یجزی الرجل فی تیممہ، ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰۲)

لغت التراب : مٹی۔ الرمل : ریت، الجص : گچ، النورة : چونہ، الکحل : سرمہ، الزرنیخ : ہڑتال (ایک قسم کی دھات ہوتی ہے)

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف مٹی سے تیمّم جائز ہے۔ ان کی دلیل امام ابو یوسف کی دلیل ہے۔

[۶۹] (۶) تیمّم میں نیت فرض ہے اور وضو میں مستحب ہے۔

وجہ (۱) تیمّم کے معنی ہی ہیں قصد اور ارادہ کرنے کے، اس لئے تیمّم میں تیمّم کرنے کا ارادہ اور نیت کی جائے گی تو پاکی ہوگی۔ اور بغیر ارادہ کے چہرہ اور ہاتھ پر مٹی پھر گئی تو پاکی نہیں ہوگی (۲) پانی بذاتہ خود طاہر اور طہور ہے۔ اس کے برخلاف مٹی سے تو چہرہ اور خراب ہوتا ہے۔ اس لئے وضو میں نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے وہاں نیت کرنا مستحب ہے۔ اور مٹی بذاتہ مطہر نہیں ہے اس لئے نیت کرنے سے مطہر بنے گی۔ اس لئے تیمّم میں نیت کرنا فرض ہے۔ آیت میں ہے۔ تیمموا صعیدا طیبا (آیت ۴۳، سورۃ النساء۴) اس کا ترجمہ ہے پاک مٹی کا رادہ کرو۔ جس سے ارادہ اور نیت کا ثبوت ہوا۔

﴿ نواقض تیمّم کا بیان ﴾

[۷۰] (۷) تیمّم کو وہ تمام چیزیں توڑتی ہیں جو وضو کو توڑتی ہیں۔

وجہ تیمّم وضو کے قائم مقام ہے اس لئے جو احداث وضو کو توڑتے ہیں وہ تمام تیمّم کو بھی توڑ دیں گے۔ اسی طرح غسل کا تیمّم غسل کے قائم مقام ہے۔ اس لئے جو جنابت، حیض اور نفاس غسل کو توڑتے ہیں وہ غسل کے تیمّم کو توڑ دیں گے۔

[۷۱](۸) وينقضه ايضا روية الماء اذا قدر على استعماله[۷۲] (۹) ولا يجوز التيمم الا بصعيد طاهر[۷۳](۱۰) ويستحب لمن لم يجد الماء وهو يرجو ان يجده فى آخر الوقت ان يؤخر الصلوة الى آخر الوقت فان وجد الماء توضأ وصلى والا تيمم[۷۴](۱۱) ويصلى بتيممه ماشاء من الفرائض والنوافلْ

---

[۷۱](۸) نیز تیمم کوتوڑدے گا پانی کودیکھنا جب کہ پانی کے استعمال پر قدرت ہو۔

وجہ چونکہ تیمم پانی پر قدرت نہ ہونے کی حالت میں جائز ہے اس لئے جوں ہی پانی پر قدرت ہوگی تیمم ٹوٹ جائیگا۔آیت میں ہے فلم تجدو ماء فتيمموا صعيدا طيبا۔اوراس نے پانی پالیا تو تیمم ٹوٹ جائیگا۔وضو کے تیمم ٹوٹنے کے لئے وضو کی مقدار پانی اور غسل کے تیمم کے لئے غسل کی مقدار پانی پر قدرت ہوتو ٹوٹے گا۔

[۷۲](۹)اور تیمم جائز نہیں ہے مگر پاک مٹی سے۔

وجہ (ا) آیت میں ہے فتيمموا صعيدا طيبا (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) کہ پاک مٹی سے تیمم کرو۔اس لئے ناپاک مٹی سے تیمم درست نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ پاک مٹی سے تیمم درست ہوگا فقال ابوذر... فقال رسول الله ﷺ يا ابا ذر ان الصعيد الطيب طهور وان لم تجد الماء الى عشر سنين فاذا وجدت الماء فامسه جلدك (ابوداؤد شریف، باب الجنب یتیمم ص ۵۳ نمبر ۳۳۳) (۳) جب مٹی دوسرے کو پاک کرے گی تو خود بھی پاک ہونا چاہئے۔

[۷۳](۱۰)اس آدمی کے لئے مستحب ہے جو پانی نہ پاتا ہو لیکن امید ہے کہ آخری وقت میں پانی پالیگا تو نماز آخری وقت تک مؤخر کردے۔پس اگر پانی پایا تو وضو کرے اور نماز پڑھے ورنہ تیمم کرے۔

وجہ (ا) جس کے پاس ابھی پانی نہیں ہے تو وہ ابھی بھی تیمم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے۔کیونکہ حقیقت میں مجبوری تو ابھی ہے۔البتہ پانی ملنے کی امید ہے اس لئے اصل پر عمل کرنے کے لئے مستحب یہ ہے کہ پانی ملنے تک نماز مؤخر کرے۔پس اگر پانی مل جائے تو وضو کرکے اصل پر نماز پڑھے ورنہ تو تیمم کرکے نماز پڑھے (۲) حضرت علیؓ کا قول ہے اذا اجنب الرجل فى السفر تلوم ما بينه و بين آخر الوقت فان لم يجد الماء تيمم و صلى (الف) (دار قطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۱۷/سنن للبیہقی، باب من تلوم ما بینہ وبین آخر الوقت رجاء وجود الماء، ج اول، ص ۳۳۵، نمبر ۱۱۰۱)) حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کی امید کرنے والوں کے لئے مؤخر کرنا مستحب ہے۔

نوٹ اول وقت میں نماز پڑھ لی پھر پانی پایا تو نماز نہیں لوٹائے گا۔حدیث ابوداؤد سے ثابت ہے

[۷۴](۱۱)ایک تیمم سے جتنے فرائض اور نوافل پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) اگر آدمی سفر میں جنبی ہو جائے تو اس کے درمیان آخری وقت تک انتظار کرے، پس اگر پانی نہ پائے تو تیمم کرے اور نماز پڑھے

[۷۵] (۱۲) ویجوز التیمم للصحیح المقیم اذا حضرت جنازۃ والولی غیرہ فخاف ان اشتغل بالطھارۃ ان تفوتہ صلوۃ الجنازۃ فلہ ان یتیمم ویصلی.

وجہ (۱) تیمم وضو کا مکمل نائب ہے۔ جس طرح ایک وضو سے کئی وقت کے فرائض پڑھ سکتا ہے اسی طرح ایک تیمم سے کئی وقت کے فرائض پڑھ سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وقت ختم ہوتے ہی تیمم ٹوٹ جائے گا (۲) آیت میں وضو، غسل اور تیمم کے تذکرے کے بعد یہ فرمایا لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم (آیت ۶ سورۃ المائدہ ۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ وضو، غسل اور تیمم تینوں کے ذریعہ مکمل پاک کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے تیمم سے بھی وضو کی طرح کئی نماز پڑھ سکتے ہیں (۳) حدیث میں ہے۔ ان الصعید الطیب طھور وان لم تجد الماء الی عشر سنین (الف) (ابوداؤد شریف، باب الجنب یتیمم ص ۵۳ نمبر ۳۳۲) طھور کا مطلب یہ ہے کہ تیمم کا حکم وضو کی طرح ہے کہ ایک تیمم سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک تیمم سے ایک فرض پڑھ سکتا ہے۔ اور اس کے تابع کر کے نوافل اور سنن پڑھ سکتا ہے۔ لیکن جب دوسرے فرض کا وقت آئے گا تو اس کے لئے دوسرا تیمم کرنا ہوگا پہلا تیمم کافی نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) تیمم ان کے نزدیک طہارت ضروری ہے یعنی وقت آنے پر پانی نہ ملے تو اب اس وقت تیمم کریں۔ اس لئے تیمم کی ابتدا وقت فرض آنے پر ہوگی (۲) حضرت عمرو ابن العاص، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ ابن عمر کا قول ہے یتیمم لکل صلوۃ (ب) (دار قطنی، باب التیمم وانہ یفعل لکل صلوۃ ج اول ص ۱۹۳ نمبر ۶۹۸/ السنن للبیھقی، باب التیمم لکل فریضۃ، ج اول، ص ۳۳۹، نمبر ۱۰۵۴)) اس لئے وہ ہر نماز کے وقت الگ الگ تیمم کرنا واجب قرار دیتے ہیں (موسوعۃ امام شافعی، باب متی یتیمم للصلوۃ، ج اول، ص ۱۸۳)

[۷۵] (۱۲) جائز ہے تیمم کرنا تندرست آدمی کے لئے جو مقیم ہو۔ جب کہ جنازہ حاضر ہو جائے اور ولی اس کے علاوہ ہو اور خوف ہو کہ اگر وضو کرنے میں مشغول ہو تو نماز جنازہ اس سے فوت ہو جائے گی تو اس کے لئے جائز ہے کہ تیمم کرے اور نماز پڑھے۔

وجہ (۱) حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی تو دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔ اس لئے جو آدمی میت کا ولی نہیں ہے وہ نماز نہیں پڑھے گا تو اس سے ہمیشہ کے لئے وہ نماز جنازہ فوت ہو جائے گی۔ اب چاہے وہ تندرست ہے، مقیم ہے پانی ایک میل کے اندر ہے لیکن خوف ہے کہ وضو کرنے گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی۔ اس مجبوری کی بنا پر گویا کہ اس کو پانی پر قدرت نہیں ہے اس لئے تیمم کر کے نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے (۲) عن ابن عباس قال اذا خفت ان تفوتک الجنازۃ وانت علی غیر وضوء فتیمم و صلی (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۳ فی الرجل ان یخاف ان تفوتہ الصلوۃ علی الجنازۃ وھو غیر متوضی، ج ثانی ص ۴۹۷، نمبر ۱۱۴۶۷، کتاب الجنائز) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خوف ہو تو نماز جنازہ کے لئے تیمم کر سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے اس لئے تیمم کرنے کی مجبوری نہیں ہے۔ اس لئے نماز جنازہ کے فوت ہونے

حاشیہ : (الف) پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے چاہے دس سال تک ہو (ب) ہر نماز کے لئے تیمم کرے (ج) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر نماز جنازہ فوت ہونے کا خوف ہو اور تم وضو پر نہیں ہو تو تیمم کرو اور نماز پڑھو۔

[۷۶] (۱۳) وکذلک من حضر العیدفخاف ان اشتغل بالطاھارۃ ان یفوتہ العید[۷۷] (۱۴) وان خاف من شھد الجمعۃ ان اشتغل بالطھارۃ ان تفوتہ الجمعۃ توضأ فان ادرک الجمعۃ صلاھاوالا صلی الظھرِ اربعا[۷۸] (۱۵)وکذلک ان ضاق الوقت فخشی ان

کے لئے تیمّم نہیں کرسکتا (۲)عن ابن عمر انہ قال لا یصلی علی الجنازۃ الا وھو طاھر (الف)(السنن للبیھقی، باب التصحیح المقیم یتوضأ المکتوبۃ والجنازۃ والعیدولا تیمم ص۳۵۲،نمبر۱۰۹۳)وہ طہارت سے صرف وضو کی طہارت لیتے ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ مجبوری کے موقع پر تیمّم بھی طہارت ہے اس لئے ابن عمر کا قول حنفیہ کے خلاف نہیں ہوا

نوٹ خود ولی کی نماز جنازہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو تیمّم نہیں کرسکتا۔کیونکہ وہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔اس لئے اس کے حق میں مجبوری نہیں ہوئی

[۷۶] (۱۳) ایسے ہی جو عید کی نماز کے لئے حاضر ہو اور خوف ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو اس سے عید کی نماز فوت ہو جائے گی (تو تیمّم کرکے نماز پڑھ لے)

وجہ (۱) نماز عید بھی امام کے ساتھ فوت ہو جائے تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اور وضو کے لئے جائے گا تو نماز فوت ہو جائے گی۔اس لئے گویا کہ پانی پر قدرت نہیں ہے۔اس لئے تیمّم کرکے نماز عید پڑھ سکتا ہے۔باقی دلائل اوپر گزر گئے (۲) عن ابراھیم قال یتیمم للعیدین والجنازۃ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳۹ لرجل یحدث یوم العید ما یصنع، ج ثانی ص۹،نمبر۵۸۶۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ اور عید کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے۔

[۷۷] (۱۴) اگر اس کو خوف ہو جو جمعہ میں حاضر ہوا کہ اگر وضو میں مشغول ہوگا تو جمعہ فوت ہو جائیگا پھر بھی وضو کرے۔پس اگر جمعہ پائے تو اس کو پڑھے ورنہ ظہر کی نماز چار رکعت پڑھے۔

وجہ جمعہ فوت ہو جائے تو اس کا خلیفہ ظہر کی نماز ہے۔اس لئے جمعہ کا فوت ہونا مکمل فوت ہونا نہیں ہے۔اس لئے تیمّم نہیں کریگا بلکہ وضو ہی کرے گا۔پس اگر جمعہ مل گیا تو وہ پڑھے ورنہ اس کا خلیفہ ظہر پڑھے۔اس اثر سے استدلال ہے۔سئل عن الحسن عن رجل احدث یوم الجمعۃ فذھب لیتوضأ فجاء وقد صلی الامام قال یصلی اربعا (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۰۸ لرجل یحدث یوم الجمعۃ، ج اول ص۴۸۴،نمبر۵۵۷۹)اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے وضو کرے۔

اصول جو نماز فوت ہو جائے اور اس کا نائب نہ ہو اس کے لئے تیمّم کرسکتا ہے اور جس کا نائب ہو اس کے لئے تیمّم نہ کرے۔

[۷۸] (۱۵) ایسے ہی اگر وقت تنگ ہو جائے۔پس ڈر ہو کہ اگر وضو کرے گا تو وقت فوت ہو جائے گا۔پھر بھی تیمّم نہ کرے لیکن وضو کرے اور نماز قضا کرکے پڑھے۔

حاشیہ : (الف) ابن عمر رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں کہ جنازے کی نماز نہ پڑھے مگر طہارت کی حالت میں (ب) حضرت حسن کو پوچھا کسی آدمی کو جمعہ کے دن حدث لاحق ہوگیا۔وہ وضو کرنے گیا واپس آیا تو امام نماز پوری کرچکا تھا؟ فرمایا چار رکعت ظہر پڑھے۔

توضأ فاته الوقت لم یتیمم و لکنه یتوضاو یصلی فائتته[۷۹](۱۶) والمسافر اذا نسی الماء فی رحله فتیمم وصلی ثم ذکر الماء فی الوقت لم یعد صلوته عند ابی حنیفة ومحمد وقال ابو یسف یعید[۸۰](۱۷) ولیس علی المتیمم اذا لم یغلب علی ظنه ان

وجہ یہاں وقت تنگ ہونے کی وجہ سے نماز قضا ہوگی۔اور قضا ادا کا خلیفہ ہے۔اس لئے نماز مکمل فوت نہیں ہوئی۔اس لئے وضو کرے گا۔اور وقت فوت ہو گیا تو قضا نماز پڑھے گا۔

[۷۹](۱۶) مسافر پانی اپنے کجاوہ میں بھول گیا اور تیمم کیا اور نماز پڑھی پھر وقت میں پانی یاد آیا تو اپنی نماز نہیں لوٹائیگا امام ابو حنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک۔اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا نماز لوٹائے گا۔

وجہ طرفینؒ فرماتے ہیں کہ کجاوہ میں عموما پانی خود پینے کے لئے اور اونٹ کو پلانے کے لئے ہوتا ہے۔وضو کرنے کے لئے صحرا اور جنگل میں کجاوہ میں پانی نہیں رکھتے۔اس لئے پانی بھول جانا پانی نہ پانے کے لئے مقبول عذر ہے۔اس لئے گویا کہ اس نے پانی نہیں پایا۔اس لئے اس کا تیمم درست ہے۔اس لئے نماز نہیں لوٹائے گا۔

اصول کجاوہ کی حالت پانی کو یاد دلانے والی نہیں ہے۔

فائدہ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ کجاوہ میں عموما پانی ہوتا ہے چاہے وہ پینے کے لئے ہی ہو۔اس لئے نہ اس کا تیمم درست ہے اور نہ نماز۔اس لئے نماز لوٹائے گا۔

اصول کجاوہ کی حالت پانی کو یاد دلانے والی ہے۔

نوٹ اختلاف اس صورت میں ہے جب خود پانی رکھا ہو۔یا اس کے حکم سے کسی نے پانی رکھا ہو۔اور اگر کسی اور نے اس کے کجاوہ میں پانی رکھا تھا تو بالاتفاق تیمم کرنا درست ہے کیونکہ یہ معذور ہے۔

نوٹ یہ مسئلہ اصول پر مبنی ہے۔

لغت رحل : کجاوہ

[۸۰](۱۷) تیمم کرنے والے پر پانی تلاش کرنا ضروری نہیں ہے جب کہ اس کو غالب گمان نہیں ہے کہ اس کے قریب پانی ہے

وجہ (۱) جنگل اور صحرا میں ہے اور قرب وجوار میں پانی کے آثار نہیں ہیں اور غالب گمان نہیں ہے کہ ایک میل کے اندر پانی ملے گا تو حقیقی طور پر بھی پانی پانے والا نہیں ہے اور آثار سے بھی پانی پانے والا نہیں ہے۔اس لئے اس پر پانی کا تلاش کرنا ضروری نہیں ہے (۲) اس کا اندازہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کے عمل سے بھی ہوتا ہے عن نافع انه اقبل هو و عبد الله بن عمر من الجرف حتی اذا کانا بالمربد نزل عبد الله فتیمم صعیدا طیبا فمسح بوجهه ویدیه الی المرفقین ثم صلی (الف) (مؤطا امام مالک، باب العمل فی التیمم

حاشیہ : (الف) حضرت نافع اور حضرت عبد اللہ بن عمر مقام جرف سے تشریف لا رہے تھے۔یہاں تک کہ جب دونوں مربد کے پاس آئے تو عبد اللہ بن عمر اترے پھر پاک مٹی سے تیمم کیا۔پس چہرے کو پونچھا اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت پونچھا پھر نماز پڑھی۔

بقربه ماء ان يطلب الماء[٨١](١٨)وان غلب على ظنه ان هناک ماء لم يجز له ان يتيمم حتى يطلبه[٨٢](١٩) وان كان مع رفيقه ماء طلبه منه قبل ان يتيمم فان منعه منه تيمم و صلى.

ص ۴۱)اور بخاری کی اسی حدیث میں اتنی عبارت زیادہ ہے ثم دخل المدينة واشمس مرتفعة فلم يعد (الف)(بخاری شریف، باب التیمم فی الحضر اذالم یجد الماء ص ۴۸ ،نمبر ۳۳۷) ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ گر پانی دور ہو اور قریب میں ملنے کی امید نہ ہو تو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر نے مدینہ آنے کے بعد نماز نہیں لوٹائی۔

[۸۱](۱۸)اور اگر اس کو غالب گمان ہے کہ یہاں (قریب میں) پانی ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ تیمّم کرے یہاں تک کہ پانی کو تلاش کرے۔

وجہ (۱) غالب گمان یہ پانی پانے کی علامت ہے۔ اس لئے پانی پاتے وقت تیمّم نہیں کر سکتا جب تک کہ پانی تلاش کرنے کے بعد یہ یقین نہ ہو جائے کہ ایک میل کے اندر پانی نہیں ہے (۲) حضرت علیؓ کا قول بھی ہے عن على اذا اجنب الرجل فى السفر تلوم ما بينه وبين آخر الوقت فان لم يجد الماء تيمم و صلى (دار قطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۱۷۰۱ر مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۵ من قال لا يتيمم ما رجا ان یقدر علی الماء، ج اول، ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰۱)

اصول علامت ظاہرہ اور غالب گمان پانی پانے کے درجے میں ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ کے یہاں ہے کہ پانی ملنے کی امید ہو یا نہ ہو ہر حال میں تلاش کرنا ہوگا اور پانی نہ ملنے پر تیمّم کرے گا۔ تاکہ فلم تجدوا ماء کا مکمل تحقق ہو جائے۔

[۸۲](۱۹) اگر ساتھی دوست کے پاس زائد پانی ہے تو تیمّم کرنے سے پہلے اس سے مانگے۔ پس اگر وہ پانی سے منع کر دے تو تیمّم کرے اور نماز پڑھے۔

وجہ (۱) ساتھی ہونا پانی ملنے کی امید ہے اس لئے مانگے بغیر تیمّم نہ کرے (۲) اس کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے عن عائشة ان رسول الله ﷺ استيقظ وحضرت الصلوة فالتمس الناس الماء فلم يجدوا (ب) (سنن للبیھقی، باب اعواز الماء بعد طلبہ ج اول ص ۲۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اندازہ ہو کہ پانی ملے گا تو پہلے اس کی کوشش کرے پھر نہ ملنے پر تیمّم کرے۔

حاشیہ : (الف) پھر حضرت ابن عمر مدینہ میں داخل ہوئے اس حال میں کہ سورج بلند تھا اور نماز عصر نہیں لوٹائی (ب) حضورؐ بیدار ہوئے اس حال میں کہ نماز کا وقت ہو چکا تھا تو لوگوں نے پانی تلاش کی۔

﴿باب المسح علی الخفین﴾

[۸۳](۱) المسح علی الخفین جائز بالسنة من کل حدث موجب للوضوء اذا لبس

﴿باب المسح علی الخفین﴾

ضروری لغت مسح : کے معنی ہیں تر ہاتھ کو عضو پر پھیرنا، یا کسی چیز پر پھیرنا۔

دلیل عن ابی وقاص عن النبی ﷺ انه مسح علی الخفین (الف) (بخاری شریف، باب المسح علی الخفین ص ۳۳ نمبر ۲۰۲) مسح علی الخفین کا ثبوت حدیث متواتر سے ہے۔ البتہ اگر وامسحوا برء وسکم وارجلکم الی الکعبین (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) میں ارجلکم کو کسرہ پڑھیں تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں مسح علی الخفین کا جواز نکلتا ہے۔ ورنہ اصل آیت میں تو پاؤں کے دھونے کا حکم ہے۔ چونکہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے اس لئے مسح علی الخفین کے لئے بہت سے شرائط ہیں۔ مسح علی الخفین کی حدیث چالیس صحابہ سے منقول ہیں۔ اور بلا تاویل اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ صرف روافض اس کے خلاف ہیں۔

[۸۳](۱) موزے پر مسح جائز ہے حدیث کی وجہ سے ہر وہ حدث سے جو وضو واجب کرنے والا ہو۔ جب کہ موزے کو طہارت پر پہنا ہو پھر حدث ہوا ہو۔

وجہ جن حدث اکبر میں غسل کی ضرورت ہو اس میں موزہ کھولنا ہوگا اور غسل کے ساتھ پاؤں دھونا ہوگا۔ صرف حدث اصغر یعنی وضو کے مقام میں موزے پر مسح کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طہارت پر موزہ پہنا ہو پھر حدث ہوا تب موزہ پر مسح کر سکتا ہے۔ طہارت پر پہننے کی صورت یہ بھی ہے کہ پاؤں پہلے دھولیا پھر موزہ پہن لیا پھر ہاتھ دھویا، منہ دھویا اور سر پر مسح کیا۔ مکمل طہارت کے بعد حدث ہوا تو موزہ پر مسح کر سکتا ہے۔ کیونکہ حدث سے پہلے مکمل طہارت بھی ہے اور موزہ بھی پہنا ہوا ہے۔ غسل کی ضرورت کے وقت موزہ پر مسح جائز نہیں اور وضو کی ضرورت کے وقت جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن صفوان بن عسال قال کان رسول الله ﷺ یأمرنا اذا کنا سفرا ان لا تنزع خفافنا ثلثة ایام ولیالیهن الا من جنابة ولکن من غائط وبول ونوم ((ب) (ترمذی شریف، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ص ۲۷ نمبر ۹۶) اس حدیث میں ہے کہ جنابت ہو تو موزے پر مسح نہیں کر سکتا۔

اور دونوں پاؤں کو طہارت پر داخل کیا ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن مغیرة بن شعبة قال کنت مع النبی ﷺ فی سفر فاهویت لا نزع خفیه فقال دعهما فانی ادخلتهما طاهرتین فمسح علیهما (ج) (بخاری شریف، باب اذا ادخل رجلیه وهما طاهرتان ص ۳۳ نمبر ۲۰۶) اس حدیث سے حنفیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے کہ صرف پاؤں کو دھو کر موزہ پہن لیا اور بعد میں باقی اعضاء دھوئے تو جائز ہے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا دونوں پاؤں کو پاکی کی حالت میں داخل کیا ہوں۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے موزے پر مسح فرمایا (ب) حضور ہمیں حکم دیتے تھے جب ہم سفر میں ہوں کہ اپنے موزے تین دن تین رات نہ کھولیں۔ مگر جنابت سے (مسح نہ کریں) لیکن پاخانہ اور پیشاب اور نیند سے مسح کر سکتے ہیں (ج) مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ سفر میں تھا تو میں آپ کے موزے کھولنے کے لئے جھکا تو آپؐ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو اس لئے کہ دونوں پاؤں کو طہارت کی حالت میں داخل کیا ہوں۔ پھر آپؐ نے دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔

الخفين ثم احدث[۸۴] (۲) فان كان مقيما مسح يوما و ليلة و ان كان مسافرا مسح ثلثة ايام ولياليها وابتداؤها عقيب الحدث[۸۵] (۳) والمسح على الخفين على ظاهرهما خطوطا يبتدأ من الاصابع الى الساق وفرض ذلك مقدار ثلث اصابع من اصابع اليد

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکمل وضو کر کے موزہ پہنا ہو تب مسح کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ان کے نزدیک وہ احادیث مستدل ہیں جس میں ہے کہ طہارت پر موزہ پہنا ہو۔

نوٹ حنفیہ کے نزدیک وضو میں ترتیب واجب نہیں ہے اس لئے بھی موزہ مکمل وضو سے پہلے پہن لے تو مسح جائز ہے۔

[۸۴] (۲) پس اگر مقیم ہے تو ایک دن ایک رات تک مسح کرے اور مسافر ہے تو تین دن تین رات تک مسح کرے گا۔اور مدت مسح کی ابتداء حدث کے بعد سے ہوگی۔

وجہ اس مدت کی دلیل حدیث میں ہے قال اتیت عائشة... فقال جعل رسول الله ﷺ ثلاثة ایام ولیالیهن للمسافر و یوما ولیلة للمقیم (الف) (مسلم شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین ص ۱۳۵ نمبر ۲۷۶) مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات حدث کے وقت سے شروع ہونگے۔موزہ پہننے کے وقت سے نہیں۔کیونکہ موزہ مانع حدث ہے تو اس وقت سے مانع حدث ہوگا جب حدث ہوا ہو۔جب تک حدث نہیں ہوا ہے تو مانع حدث کیسے ہوگا۔اس لئے حدث کے وقت سے مدت شروع ہوگی۔

نوٹ جو احادیث تحدید مدت کے خلاف ہیں وہ ضعیف ہیں اور علماء کے یہاں معمول بہا نہیں ہیں۔

[۸۵] (۳) موزے پر مسح پاؤں کے ظاہر پر کیا جائے گا خطوط کی شکل میں شروع کیا جائے گا انگلیوں سے پنڈلی تک اور اس کا فرض تین انگلیوں کی مقدار ہے ہاتھ کی انگلیوں سے۔

تشریح موزوں پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ پاؤں کے اوپر کے حصے پر مسح کیا جائیگا۔نیچے کے حصے پر نہیں کیا جائے گا۔اور تین انگلیوں سے پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے کھینچا جائے گا اور کھینچتے کھینچتے پنڈلی تک لے جایا جائے گا۔اور ہاتھ کی انگلیوں سے تین انگلیوں کی مقدار کھینچنا فرض ہے۔

وجہ (۱) پاؤں کے اوپر مسح کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی قال لو کان الدین بالرأی لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاہ وقد رأیت رسول الله ﷺ یمسح علی ظاهر خفیه (ب) (ابوداؤد شریف، باب کیف المسح ص ۲۴ نمبر ۱۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پاؤں کے اوپر مسح کرنا ضروری ہے۔اور جس حدیث میں پاؤں کے نیچے مسح کرنا ثابت ہے وہ فضیلت کے طور پر ہے۔اور تین انگلی سے پنڈلی تک کھینچنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن جابر قال رسول الله ﷺ بیدہ هکذا من اطراف الاصابع

حاشیہ : (الف) آپؐ نے تین دن تین رات مسافر کے لئے اور ایک دن ایک رات مقیم کے لئے مسح کرنے کے لئے جائز قرار دیا (ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں اگر دین سے رائے سے ہوتا تو موزے کا نچلا حصہ زیادہ اچھا ہوتا اس کے اوپر کے حصے سے۔اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ موزہ کے اوپر کے حصہ پر مسح فرماتے تھے۔

[۸۶] (۴) ولا يجوز المسح على خف فيه خرق كثير يتبين منه قدر ثلاث اصابع الرجل وان كان اقل من ذلک جاز[۸۷](۵) ولا يجوز المسح على الخفين لمن وجب عليه الغسل.

الی اصل الساق و خطط بالاصابع (الف) (ابن ماجہ شریف، باب فی مسح اعلی الخف واسفلہ، ص ۸۷، نمبر ۵۵۱) اس حدیث میں اصابع سے پنڈلی تک کھینچنے کا تذکرہ ہے اور اصابع جمع کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کم سے کم تین انگلیاں ہوں۔

لغت خطوطا : خط کی طرح کھینچتے ہوئے، الساق : پنڈلی

[۸۶] (۴) مسح نہیں جائز ہے ایسے موزے پر جس میں بہت زیادہ پھٹن ہو۔ اس سے پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار ظاہر ہوتی ہو۔ اور اگر اس سے کم ظاہر ہوتی ہو تو مسح جائز ہے۔

وجہ اصل یہ ہے کہ موزہ اگر پاؤں سے کھل جائے تو پورا موزہ کھول کر پاؤں دھونا پڑتا ہے۔ اب تین انگلی پھٹنا بھی موزہ کا کھلنا ہے۔ کیونکہ چوتھائی قدم بعض مقامات پر کل کا حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ قدم میں اصل انگلیاں ہیں اور تین انگلیاں اکثر قدم ہے۔ اس لئے تین انگلیوں کی مقدار پھٹنے اور اتنی مقدار ظاہر ہونے سے یوں سمجھا جاتا ہے کہ قدم کھل گیا۔ اس لئے اب موزہ کھول کر پاؤں دھونا ہوگا۔ موزہ کھلنے سے پاؤں دھونے کی دلیل یہ اثر ہے عن رجل من اصحاب النبی ﷺ فی الرجل یمسح علی خفیہ ثم یبدو له فینزعهما قال یغسل قدمیه (ب) (السنن للبیہقی، باب من خلع خفیہ بعد ما مسح علیہما ج اول ص ۲۸۹) سألت معمرا عن الخرق یکون فی الخف فقال اذا خرج من مواضع الوضوء شیء فلا تمسح علیه واخلع (السنن للبیہقی، باب الخف الذی مسح علیہ رسول اللہ ج اول ص ۴۲۵، نمبر ۱۳۴۷ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۲۱ فی الرجل یمسح علی خفیہ ثم یخلعھا، ج اول، ص ۱۷۰، نمبر ۱۹۵۸)

نوٹ اگر تین انگلیوں سے کم کی مقدار ایک موزہ پھٹا ہو تو اس پر مسح جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا بھی پھٹا ہو جس سے وضو کی جگہ ظاہر ہوتی ہو تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ تھوڑا بہت تو پھٹا ہوا ہوتا ہی ہے اس لئے یہ مقدار معفو عنہ ہے۔

لغت خرق : پھٹن، یتبین : ظاہر ہوتا ہے۔

[۸۷] (۵) موزے پر مسح جائز نہیں ہے اس آدمی کے لئے جس پر غسل واجب ہے۔

وجہ مسئلہ نمبر ایک میں حدیث گزر چکی ہے کہ صرف حدث اصغر (وضو) میں مسح کر سکتا ہے۔ جن حدثوں میں غسل کی ضرورت پڑتی ہو اس میں پاؤں کھولنا ہوگا لہذا مسح علی الخفین جائز نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا انگلیوں کے کنارے سے پنڈلی تک اور انگلیوں سے کھینچتے ہوئے (ب) اصحاب رسولؐ کے ایک آدمی سے یہ روایت ہے کہ ایک آدمی مسح کرے اپنے موزے پر پھر اس کا خیال ہوا اور دونوں کو نکال لیا تو فرمایا کہ دونوں قدموں کو دھوئے۔

[۸۸](٦) وينقض المسح ما ينقض الوضوء وينقض ايضا نزع الخف[۸۹](۷) ومضى المدة فاذا مضت المدة نزع خفيه و غسل رجليه وصلى وليس عليه اعادة بقية الوضوء[۹۰](۸) ومن ابتدأ المسح وهو مقيم فسافر قبل تمام يوم وليلة مسح تمام ثلاثة

---

[۸۸](٦) مسح کو توڑتی ہے وہ چیزیں جو وضو کو توڑتی ہیں اور موزے کا کھل جانا بھی۔

وجہ جن حدثوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان حدثوں سے مسح بھی ٹوٹ جائے گا اور دوبارہ موزہ پر مسح کرنا ہوگا۔ البتہ موزہ کھول کر پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مسح وضو کا بعض حصہ ہے اس لئے جس سے وضو ٹوٹے گا اس سے مسح بھی ٹوٹ جائے گا۔ لیکن موزہ پاؤں سے نکل جائے تو دونوں موزے کھول کر پاؤں دھونا ہوگا۔

وجہ مسئلہ نمبر ۴ میں حدیث گزر چکی ہے کہ موزہ کھلنے سے دوبارہ پاؤں دھونا ہوگا۔ اگر ایک پاؤں کا موزہ کھل گیا تو دونوں پاؤں کو دھونا ہوگا۔ کیونکہ ایک موزہ پر مسح کریں اور دوسرے پاؤں کو دھوئیں اس طرح غسل اور مسح ایک وظیفہ میں جمع نہیں کر سکتے۔ دونوں پر مسح کریں گے یا دونوں کو دھوئیں گے۔ حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے (۲) عن مغيرة بن شعبة قال غزونا مع رسول الله ﷺ فامرنا بالمسح على الخفين ثلاثة ايام ولياليها للمسافر ويوما و ليلة للمقيم مالم يخلع (الف) (سنن للبیہقی، باب من خلع خفيه بعد ما مسح عليهما، ص ۴۳۴، نمبر ۱۳۷۶ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۲۱ فی الرجل یمسح علی خفیہ ثم تخلعھا، ج اول، ص ۱۷۰، نمبر ۱۹۶۰) مالم تخلع سے پتہ چلتا ہے کہ موزہ پاؤں سے کھل جائے تو دوبارہ پاؤں دھونا ہوگا۔

[۸۹](۷) اور مدت کا گزرنا بھی مسح توڑتا ہے۔ پس جب مدت گزر جائے تو دونوں موزوں کو کھولے اور دونوں پاؤں کو دھوئے اور نماز پڑھے۔ اور اس پر باقی وضو کو لوٹانا لازم نہیں ہے۔

وجہ اوپر کئی حدیثوں میں گزر چکا ہے کہ مقیم کے لئے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مدت مسح ہے۔ پس یہ مدت مسح پر گزر جائے تو مسح کا وقت ختم ہو جائے گا۔ کیوں کہ موزہ حدث کے لئے مانع تھا۔ وقت گزرنے پر مانع ختم ہو گیا اور حدث پاؤں کے اندر سرایت کر گیا اس لئے موزہ کھولنا ہوگا اور پاؤں دھونا ہوگا۔ پس اگر پہلے سے وضو موجود ہے تو صرف پاؤں دھولے باقی وضو کو لوٹانا لازم نہیں ہے۔ البتہ لوٹا لے تو اچھا ہے (۲) مسئلہ نمبر ۴ کی حدیث میں یہ گزرا ہے کہ فينزعهما قال يغسل قدميه (ب) (سنن للبیہقی، نمبر ۱۳۷۰) جس کا مطلب یہ تھا کہ صرف دونوں قدموں کو دھونا لازم ہے۔ پورا وضو لوٹانا لازم نہیں ہے۔

لغت نزع : نکالے۔

[۹۰](۸) کسی نے مسح شروع کیا اس حال میں کہ وہ مقیم تھا پھر ایک دن ایک رات پورا ہونے سے پہلے سفر شروع کیا تو مسح کرے گا تین دن

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ہمیں حکم دیا کہ موزے پر مسح کرنے کا تین دن تین رات مسافر کے لئے اور ایک دن ایک رات مقیم کے لئے جب تک موزہ نہ کھولے (ب) دونوں موزے کو کھولیں۔ فرمایا کہ دونوں قدموں کو دھوئے گا۔

ايام ولياليها[۹۱] (۹) ومن ابتدأ المسح وهو مسافر ثم اقام فان كان مسح يوما وليلة او اكثر لزمه نزع خفيه وان كان اقل منه تمم مسح يوم و ليلة[۹۲] (۱۰) ومن لبس الجرموق فوق الخف مسح عليه[۹۳] (۱۱) ويجوز المسح على الجوربين الا ان يكونا

تین رات۔

وجہ مقیم نے ایک دن ایک رات پورا کرنے سے پہلے سفر کیا تو حدث قدم پر سرایت کرنے سے پہلے مسافر بن گیا اس لئے مدت اب لمبی ہو کر مسافر کی مدت پر عمل کرے گا یعنی جب سے مسح شروع کیا تھا اس وقت سے تین دن تین رات تک پورا کرے گا۔ اور اگر ایک دن اور ایک رات پورا ہو جاتا تو حدث قدم پر سرایت کر جاتا اب وہ اٹھے گا نہیں۔ اب تو پاؤں کھول کر دھونا ہی ہوگا۔ اس صورت میں تین دن پورا نہیں کر سکتا

اصول حدث قدم پر سرایت کرنے سے پہلے مدت کا حکم بدل سکتا ہے۔ سرایت کرنے کے بعد نہیں۔

[۹۱] (۹) کسی نے مسح شروع کیا اس حال میں کہ وہ مسافر تھا پھر مقیم ہو گیا، پس اگر ایک دن ایک رات مسح کر چکا ہے یا اس سے زیادہ کر چکا ہے تو اس پر دونوں موزوں کو کھولنا لازم ہے۔ اور اگر اس سے کم ہے تو ایک دن ایک رات پورا کرے گا۔

وجہ مسافرت کی حالت میں ہو تب ہی تین دن مسح کرے گا لیکن اگر درمیان میں مسافرت کی حالت ختم ہو گئی تو مقیم کی مدت ایک دن ایک رات ہی پر اکتفاء کرے گا۔ اب اگر ایک دن پورا کر چکا ہے یا اس سے زیادہ پورا کر چکا ہے تو موزہ کھول کر پاؤں دھوئے گا اور ایک دن ایک رات پورا نہیں کیا ہے تو ایک دن ایک رات پورا کرے گا۔ کیونکہ مقیم تو اخیر ابھی ہے ہی۔

[۹۲] (۱۰) جس نے جرموق کو موزے کے اوپر پہنا تو اس پر مسح کرے گا۔

وجہ جرموق یا موق اس موزے کو کہتے ہیں جو اچھے موزے کی حفاظت کے لئے اس کے اوپر پہنتے ہیں۔ تو گویا کہ دونوں موزے ہی ہیں۔ اس لئے جرموق پر مسح کر سکتا ہے

نوٹ جرموق پر مسح کرنے کے لئے وہی شرائط ہیں جو موزے پر مسح کرنے کے لئے ہیں (۲) حدیث میں ہے عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ كان يمسح على الموقين والخمار (الف) (سنن للبیہقی، باب المسح علی الموقین، ج اول، ص ۴۳۲، نمبر ۱۳۶۸/ ابوداؤد شریف، باب المسح علی الخفین، ص ۲۳ نمبر ۱۵۳) اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے جرموق پر مسح فرمایا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک جرموق پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قدم کا بدل موزہ ہے اور اب موزہ کا بدل جرموق بنے یہ بدل کا بدل ہو گیا جو صحیح نہیں ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ دونوں موزے مل کر ایک ہی موزہ دو طاق والا ہو گیا اس لئے جائز ہے۔

لغت جرموق اور موق : موزے پر جو موزے حفاظت کے لئے پہنتے ہیں اس کو جرموق یا موق کہتے ہیں۔

[۹۳] (۱۱) جائز ہے مسح جوربین پر، اور نہیں جائز ہے مگر یہ کہ دونوں مجلدین ہوں یا دونوں منعلین ہوں۔ اور صاحبین فرماتے ہیں جوربین پر مسح

حاشیہ : (الف) آپؐ جرموق اور عمامہ پر مسح کیا کرتے تھے (خمار کا ترجمہ یہاں عمامہ ہے)

مجلدین او منعلین وقالا لا یجوز اذا کانا ثخینین لا یشفان[٩٤] (١٢) ولا یجوز المسح

جائز جب کہ موٹے ہوں اور پانی نہ چھنتا ہو۔

تشریح سوت کے موزے کو جوربین یا جراب کہتے ہیں۔ اس کے تلے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو تو اس کو منعلین کہتے ہیں۔ یہ نعل سے مشتق ہے۔ جوتے کی ایڑی میں جو لوہا لگاتے ہیں اس کو نعل کہتے ہیں۔ اور تلے میں بھی چمڑا ہو اور جوتے کی طرح قدم پر بھی چمڑا ہو تو چونکہ کافی چمڑا لگ گیا اس لئے سوت کے اس موزے کو مجلدین کہتے ہیں۔ جورب مجلدین ہوں یا منعلین ہو تب ابو حنیفہ کے نزدیک ان پر مسح کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔

وجہ عن مغیرة بن شعبة قال توضأ النبی ﷺ ومسح علی الجوربین والنعلین (الف) (ترمذی شریف، باب فی المسح علی الجوربین والنعلین ج اول ص ٢٩ نمبر ٩٩ رابو داؤد، باب المسح علی الجوربین ص ٢٤ نمبر ١٥٩)

حدیث سے معلوم ہوا کہ جوربین پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور والنعلین کا ترجمہ استاذ ابو الولیدؒ نے یہ کیا ہے جوربین جو منعلین ہو یعنی ایسا سوت کا موزہ جس میں نعل لگا ہوا ہو۔ اور راشد بن نجیح سے روایت ہے قال رأیت انس بن مالک دخل الخلاء وعلیه جوربان اسفلهما جلود واعلاهما خز فمسح علیهما (ب) (السنن للبیہقی، باب ماورد فی الجوربین والنعلین، ج اول، ص ٤٢٨، نمبر ١٣٥٧) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے جو سوت کے موزے میں مجلدین اور منعلین ہونے کی قید لگائی ہے وہ ان روایات کی روشنی میں لگائی ہے۔

فائدہ صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ یہ فرماتے ہیں کہ تین شرطیں ہوں تو سوت کے موزے پر مسح جائز ہے (١) اتنا موٹا ہو کہ مسح کرتے وقت پانی پاؤں کی خال تک سرایت نہ کرتا ہو (٢) بغیر باندھے پاؤں پر رکتا ہو (٣) ایک میل تک موزے میں چل سکتا ہو۔ تو اس موزے پر مسح کر سکتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شرطوں سے سوت کا موزہ چمڑے کے موزے کے مشابہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل میں چمڑے کے موزے پر مسح کرنا جائز ہے اس لئے یہ شرطیں لگائی گئیں۔ (٢) عام احادیث سے جوربین پر مسح کرنے کا ثبوت ہے چاہے مجلدین اور منعلین ہو یا نہ ہو۔ اس لئے خالص جوربین پر مذکورہ شرطوں کے ساتھ مسح کرنا جائز ہے۔

نوٹ امام ابو حنیفہؒ نے آخری عمر میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔ اس لئے جوربین پر مسح کرنے کا اتفاق ہو گیا۔

لغت خف : چمڑے کا موزہ، جوربین : سوت کا موزہ جس کے تلے میں چمڑا لگا ہوا ہو، ثخینین : ثخین کا تثنیہ ہے موٹا موزہ، یشفان : تثنیہ ہے یشف کا جس میں پانی چھن جاتا ہو۔

[٩٤] (١٢) عمامہ پر، ٹوپی پر اور برقع پر اور دستانے پر مسح جائز نہیں ہے۔

وجہ (١) آیت میں سر پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے اب خبر آحاد حدیث کے ذریعہ سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے احادیث کی وجہ سے پگڑی، ٹوپی اور برقع پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جن احادیث میں اس کا ذکر ہے کہ آپؐ نے پگڑی پر مسح کیا اس کا مطلب یہ ہے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے وضو فرمایا اور سوت کے موزے پر اور چپل پر مسح فرمایا، یا چپل کے ساتھ مسح فرمایا (ب) میں نے انس بن مالکؓ کو دیکھا کہ بیت الخلاء میں داخل ہوئے اور آپ کے پاؤں میں دو سوت کے موزے تھے۔ دونوں کے نیچے کا حصہ چمڑے کا تھا اور اوپر کا حصہ ریشم تھا تو آپ نے دونوں پر مسح فرمایا۔

علی العمامة والقلنسوة والبرقع والقفازین [۹۵](۱۳) ویجوز علی الجبائر وان شدها

کہ سر کے بعض حصہ پر مسح کیا اور پگڑی پر بھی کر لیا (۲) چنانچہ حدیث میں اس طریقہ کار کا ثبوت ہے عن انس بن مالک قال رأیت رسول اللہ ﷺ یتوضأ وعلیہ عمامة قطریة فادخل یدہ من تحت العمامة فمسح مقدم رأسہ فلم ینقض العمامة (الف) (ابوداؤد شریف، باب المسح علی العمامۃ ص۲۱ نمبر ۱۴۷) مسلم میں ہے ان النبی ﷺ مسح علی الخفین ومقدم رأسہ وعلی عمامتہ (مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ والعمامۃ، ص۱۳۴ نمبر ۲۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض سر پر مسح کیا اور پگڑی پر مسح کیا۔ اس لئے صرف پگڑی پر مسح کافی نہیں ہے (۳) امام ترمذی نے فرمایا کہ علماء فرماتے ہیں کہ صرف عمامہ پر مسح کرنا کافی نہیں ہوگا جب تک اس کے ساتھ سر پر بھی مسح نہ کرلے۔ وھو قول سفیان الثوری ومالک بن انس وابن المبارک، والشافعی (ترمذی شریف، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین والعمامۃ ص۲۹ نمبر ۱۰۰) (۴) دارقطنی نے باضابطہ باب باندھا ہے باب فی جواز المسح علی بعض الرأس (ج اول ص۲۲۰ نمبر ۷۲۸) اور اس کے تحت ایسی چار حدیثیں ذکر کی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ عمامہ کے ساتھ سر پر مسح کرنا ضروری ہے۔ دستانے پر بھی مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے دلائل وہی ہیں جو مسح علی العمامۃ کے بارے میں گزرے ہیں (۲) ان چیزوں کے دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور مسح کرنا دفع حرج کے لئے ہے اس لئے ہاتھ کو دھونا ہی ضروری ہوگا۔ دستانے پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

لغت القفازین : دستانے

[۹۵](۱۳) مسح جائز ہے زخم کی پٹیوں پر اگر چہ ان کو بغیر وضو کے باندھا ہو۔

وجہ (۱) زخم کی پٹیوں کو کھولنا مشکل ہے اور حرج ہے۔ اس لئے پٹی رہتے ہوئے اس پر مسح کیا جائے گا۔ چاہے پٹی کو حدث کی حالت میں باندھا ہو (۲) ابوداؤد میں یہ تعلیق ہے انما یکفیہ ان یتیمم و یعصر او یعصب شک موسی علی جرحہ خرقة ثم یمسح علیھا و یغسل سائر جسدہ (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المجدور یتیمم ص۵۵ نمبر ۳۳۶) (۳) عن علی بن طالب قال سألت رسول اللہ ﷺ عن الجبائر یکون علی الکسر کیف یتوضأ صاحبھا و کیف یغتسل اذا اجنب؟ قال یمسحان بالماء علیھا فی الجنابة والوضوء (ج) (دارقطنی، باب جواز المسح علی الجبائر، ص۲۳۳ نمبر ۸۶۵ / ابن ماجہ شریف، باب المسح علی الجبائر، ص۹۳، نمبر ۶۵۷ / السنن للبیہقی، باب المسح علی العصائب والجبائر ج اول، ص۳۴۸، نمبر ۱۰۷۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ کھپچی پر مسح کرنا جائز ہے۔

لغت الجبائر : جمع ہے جبیرۃ کی پٹی، کھپچی۔

نوٹ عموماً زخم پر بغیر وضو کے ہی پٹی باندھتے تھے اس کے باوجود صحابہ اس پر مسح کرتے تھے۔ کیونکہ مجبوری ہے۔ اس لئے بغیر وضو کے بھی پٹی

حاشیہ : (الف) میں نے حضور کو دیکھا کہ آپ کے سر پر قطری پگڑی تھی پس آپ نے پگڑی کے نیچے ہاتھ داخل کیا پھر سر کے اگلے حصہ پر مسح فرمایا اور پگڑی نہیں کھولی (ب) صرف اس کو کافی یہ ہوگا کہ تیمم کرے اور پٹی باندھے اپنے زخم پر، موسیٰ کو شک ہوا کہ یعصر کہا یا یعصب کہا۔ پھر اس پر مسح کرے اور باقی جسم کو دھوئے (ج) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو ٹوٹے ہوئے پر کھپچی ہو اس کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے وضو کرے اور جنبی ہو جائے تو کیسے غسل کرے؟ آپ نے فرمایا کہ دونوں پٹی پر پانی سے مسح کرے جنابت میں بھی اور وضو میں بھی۔

علی غیر وضوء[۹۶](۱۴) فان سقطت من غیر برء لم یبطل المسح[۹۷] (۱۵) وانسقطت عن برء بطل.

باندھی تو اس پر مسح کرنا جائز ہے۔

[۹۶] (۱۴) پس اگر بغیر زخم اچھا ہوئے پٹی گر گئی تو مسح باطل نہیں ہوگا۔

تشریح وضو کر کے پٹی پر مسح کیا تھا اس درمیان ابھی زخم ٹھیک نہیں ہوا تھا کہ پٹی گر گئی تو پہلا مسح چلے گا۔ دوبارہ مسح کرنے کی ضرورت نہیں۔

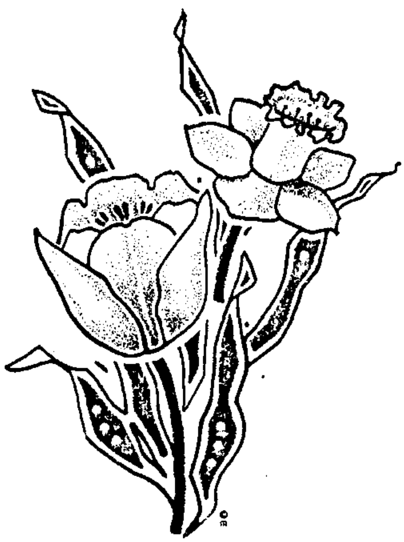
وجہ جب تک زخم ٹھیک نہیں ہوا ہے تو پٹی باندھنا گویا کہ اس کو دھونا ہے اس لئے اس کو دوبارہ مسح کی ضرورت نہیں (۲) مجبوری بھی ہے۔

[۹۷] (۱۵) اگر پچھی زخم ٹھیک ہو کر گری ہو تو مسح باطل ہو جائے گا۔

وجہ زخم ٹھیک ہو گیا تو اب مجبوری نہیں رہی اس لئے اصل پر آجائے گا اور مسح باطل ہو جائے گا۔ اب اس کو دوبارہ دھونا ہوگا۔

لغت برء : زخم ٹھیک ہونا۔

اصول مجبوری کے وقت ہی فرع پر عمل ملتا ہے اور مجبوری ختم ہو جائے تو اصل پر عمل کرنا ضروری ہے۔



﴿باب الحيض﴾

[۹۸](۱) اقل الحيض ثلثة ايام و ليليها فما نقص من ذلك فليس بحيض وهو استحاضة

﴿ باب الحيض ﴾

ضروری نوٹ حیض کے معنی بہنا ہے۔شریعت میں ایسی عورت جو نابالغہ نہ ہو، آئسہ نہ ہو، جریان خون کا مرض نہ ہو اور حمل نہ ہو اس کے رحم سے خون نکلے تو اس کو حیض کہتے ہیں۔جس کو جریاں خون کا مرض ہو یا حاملہ ہو یا نابالغہ ہو یا آئسہ ہو اس کے رحم سے جو خون نکلتا ہے وہ حیض نہیں ہوتا ہے بلکہ استحاضہ ہوتا ہے۔اس کی دلیل یہ آیت ہے ويسئلونك عن المحيض قل هو اذى فاعتزلوا النساء في المحيض ولا تقربوهن حتى يطهرن (الف) (آیت ۲۲۲ سورۃ البقرۃ ۲)

[۹۸](۱) حیض کی کم سے کم مدت تین دن تین راتیں ہیں تو جو اس سے کم ہو وہ حیض نہیں ہے وہ استحاضہ ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہیں اور جو اس سے زیادہ ہو تو وہ استحاضہ ہے۔

ترجمہ تین دن تین رات سے کم جو خون آئے اس کو استحاضہ کا خون کہتے ہیں۔حیض کا خون نہیں کہتے ہیں۔یا دس دن سے زیادہ خون آئے اس کو بھی استحاضہ کا خون کہتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی امامة الباهلي قال قال رسول الله ﷺ لايكون الحيض للجارية والثيب الذى قد ايئست من الحيض اقل من ثلاثة ايام ولا اكثر من عشرة ايام فاذا رأت الدم فوق عشرة ايام فهي مستحاضة فمازاد على ايام اقرائها قضت ودم الحيض اسود خائر تعلوه حمرة ودم المستحاضة اصفر رقيق (ب) عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله ﷺ اقل الحيض ثلاثة ايام و اكثره عشرة ايام (ج) (دار قطنی، کتاب الحیض ص ۲۲۵ نمبر ۸۳۴/۸۳۶) دار قطنی میں اس قسم کی کئی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت ایک دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہیں۔ان کی دلیل یہ قول ہے عن عطاء قال اكثر الحيض خمسة عشرة وقال ادنى الحيض يوم (د) (دار قطنی، کتاب الحیض ص ۲۱۶ نمبر ۸۹/۷۹۰) اس قسم کے قول سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہیں۔امام مالکؒ کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت میں کوئی حد تعیین نہیں ہے۔کیوں کہ اوپر حضرت عطاء کا قول آیا کہ کم سے کم مدت ایک دن ہو سکتی ہے۔

حاشیہ : (الف) لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپ فرما دیجئے وہ گندگی کی چیز ہے۔اس لئے حیض کے زمانے میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے قریب نہ ہو جب تک کہ پاک نہ ہو جائے (ب) آپؐ نے فرمایا حیض لڑکی کے لئے اور ثیبہ کے لئے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو تین دن سے کم نہیں ہے اور دس دن سے زیادہ نہیں ہے، پس جب کہ خون دس دن سے زیادہ دیکھے تو وہ مستحاضہ ہے، پس جب کہ حیض کے زمانہ سے زیادہ ہو تو وہ نماز قضا کرے گی حیض کا خون بالکل کالا ہوتا ہے اس پر سرخی چھائی ہوتی ہے اور استحاضہ کے خون میں تھوڑی سے زردی ہوتی ہے۔(ج) کم سے کم حیض کا خون تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہیں (د) عطاء نے فرمایا حیض زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے اور کم سے کم ایک دن۔

واکثرہ عشرۃ ایام ومازاد علی ذلک فھو استحاضۃ[۹۹] (۲) وما تراہ المرأۃ من الحمرۃ والصفرۃ والکدرۃ فی ایام الحیض فھو حیض حتی تری البیض خالصا [۱۰۰] (۳) والحیض یسقط عن الحائض الصلوۃ ویحرم علیھا الصوم وتقضی الصوم ولا تقضی

[۹۹](۲) اور عورت حیض کے زمانہ میں جو سرخ خون، زرد خون اور مٹیالا خون دیکھتی ہے وہ سب حیض ہیں۔ یہاں تک کہ سفید خالص پانی دیکھے۔

وجہ حیض کے زمانے میں عورت کالا خون، سرخ خون، زرد، مٹیالا اور سبز رنگ کا خون دیکھتی ہے ان میں سے سفید پانی تو حیض نہیں ہے۔لیکن کالا خون، سرخ خون، زرد خون اور مٹیالا خون امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حیض میں شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ سفید خالص کے علاوہ تمام حیض ہیں۔ کن نساء یبعثن الی عائشۃ بالدرجۃ فیھا الکرسف فیہ الصفرۃ فتقول لا یعجلن حتی ترین القصۃ البیضاء ترید بذلک الطھر من الحیضۃ (الف) (بخاری شریف، باب اقبال المحیض وادبارہ، ص ۴۶، نمبر ۳۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حیض کے زمانہ میں جب تک سفید پانی نہ نظر آئے باقی تمام رنگوں کا حال حیض ہے۔

نوٹ ام عطیہ سے روایت ہے قالت کنا لا نعد الکدرۃ والصفرۃ شیئا (ب) (بخاری شریف، باب الصفرۃ والکدرۃ فی غیر ایام الحیض ص ۴۷ نمبر ۳۲۶) اس قول میں حیض کے زمانے کے علاوہ میں مٹیالا اور زرد رنگ کا خون حیض شمار نہیں کرتے تھے۔اور حیض کے زمانے میں جو مٹیالا اور زرد خون ہے اس کو حیض شمار کریں گے جیسا کہ حضرت عائشہ کے قول سے معلوم ہوا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مٹیالا خون حیض نہیں ہے۔ یہ غذا کی خرابی کی وجہ سے ہے، حیض کے خون کا حصہ نہیں ہے۔ان کی دلیل اوپر میں ام عطیہ کا قول ہے۔ کنا لا نعد الکدرۃ والصفرۃ شیئا (بخاری شریف، نمبر ۳۲۶)

نوٹ عورت حیض والی ہو تو سبز خون خون حیض ہوگا اور اگر آئسہ ہو تو سبز خون استحاضہ ہوگا لغت الصفرۃ : زرد رنگ، الکدرۃ : مٹیالا رنگ کا خون۔

[۱۰۰](۳) حیض ساقط کر دیتا ہے حائضہ عورت سے نماز کو اور حرام کر دیتا ہے اس پر روزہ۔ چنانچہ حائضہ قضا کرے گی روزہ اور نہیں قضا کرے گی نماز کو۔

تشریح حیض کی حالت میں نماز شروع ہی سے ساقط ہو جاتی ہے اس لئے بعد میں اس کی قضا نہیں ہے۔اور روزہ واجب ہوتا ہے لیکن حیض کی حالت میں اس کو ادا نہیں کر سکتی۔اس کا ادا کرنا حرام ہے اس لئے بعد میں قضا کرے گی

وجہ (۱) دس روز کی نمازیں پچاس ہو جائیںگی اور ہر ماہ میں پچاس نمازیں قضا کرنے میں حرج عظیم ہے اس لئے نماز شروع ہی سے ساقط ہو

حاشیہ : (الف) عورتیں حضرت عائشہؓ کو ڈبیہ بھیجتی تھیں۔ جس میں کرسف ہوتا اور کرسف میں زرد رنگ کا خون ہوتا تو حضرت عائشہ فرماتی جلدی مت کرو یہاں تک کہ سفید اون نہ دیکھ لو۔ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تم تب حیض سے پاک ہوگی (ب) ہم مٹیالا اور زرد رنگ کے خون کو حیض نہیں شمار کرتے تھے۔

الصلوة [۱۰۱] (۴) ولا تدخل المسجد ولا تطوف بالبيت [۱۰۲] (۵) ولا يأتيها زوجها

جائے گی اور روزہ سال بھر میں صرف دس دن قضا کرنا ہوگا اس میں حرج نہیں ہے اس لئے روزہ فرض رہا البتہ بعد میں قضا کرے گی (۲) حدیث میں ہے عن معاذة قالت سألت عائشة فقلت ما بال الحائض تقضی الصوم ولا تقضی الصلوة؟ فقالت احرورية انت؟ قلت لست بحرورية ولكنی اسأل قالت كان يصيبنا ذلک فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلوة (الف) مسلم شریف، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلوۃ ص ۱۵۳ نمبر ۳۳۵ ر بخاری شریف، باب لاتقضی الحائض الصلوۃ ص ۴۶ نمبر ۳۲۱) یہ مسئلہ متفق علیہ ہے

[۱۰۱] (۴) حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہوگی اور نہ بیت اللہ کا طواف کرے گی

وجہ (۱) حدیث میں ہے کہ سمعت عائشة ... فقال وجهوا هذه البيوت عن المسجد فانی لا احل المسجد لحائض ولا جنب (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الجنب یدخل المسجد ص ۳۴ نمبر ۲۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی۔ اور مسجد حرام میں طواف ہوتا ہے اس لئے وہ طواف بھی نہیں کرسکتی (۲) تاہم طواف کے منع کے بارے میں مستقل حدیث ہے عن عائشةؓ قالﷺ لعلک نفست؟ قلت نعم قال فان ذالک شیء كتبه الله علی بنات آدم فافعل ما يفعل الحاج غير لا تطوفی بالبيت حتی تطهری (ج) (بخاری شریف، باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف بالبیت ص ۴۴ نمبر ۳۰۵) حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت طواف نہیں کرے گی۔

[۱۰۲] (۵) شوہر حائضہ بیوی سے وطی نہیں کرے گا۔

وجہ آیت میں ہے ویسئلونک عن المحيض قل هو اذی فاعتزلوا النساء فی المحيض ولاتقربوهن حتی يطهرن (د) (آیت ۲۲۲ سورۃ البقرۃ ۲)

نوٹ وطی تو کرنا حرام ہے۔ البتہ عورت کو ازار پہنا کر لیٹ سکتا ہے اور اگر اول حیض میں وطی کرلیا تو ایک دینار صدقہ کرے اور اخیر حیض میں وطی کرلیا تو آدھا دینار صدقہ کرے (ابوداؤد باب فی اتیان الحائض ص ۴۰ نمبر ۲۶۵) میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ اذا اصابها فی اول الدم فدينار واذا اصابها فی انقطاع الدم فنصف دينار.

حاشیہ : (الف) معاذہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کیا بات ہے کہ حائضہ روزہ کی قضا کرتی ہے اور نماز کی قضا نہیں کرتی؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیا تم مقام حروریہ کی رہنے والی ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں لیکن میں پوچھتی ہوں۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کو حیض آتا تھا ہمیں روزہ کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا (ب) آپؐ نے فرمایا ان گھروں کے دروازے مسجد سے پھیر دو اس لئے کہ میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لئے حلال قرار نہیں دیتا (ج) آپؐ نے فرمایا شاید تم کو نفاس آگیا ہے۔ میں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ نے آدمؑ کی بیٹیوں پر فرض کیا ہے۔ اس لئے حاجی جتنے کام کرتے ہیں تم بھی کرو سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو جب تک تم پاک نہ ہو جاؤ (د) آپؐ سے حیض کے بارے میں لوگ پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ گندگی کی چیز ہے اس لئے عورتوں سے حیض کی حالت میں الگ رہا کرو اور ان سے قربت نہ کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔

[۱۰۳](۶) ولا یجوز لحائض ولا لجنب قراءة القرآن [۱۰۴](۷) ولایجوز للمحدث مس المصحف الا ان یأخذہ بغلافه[۱۰۵](۸) فاذا انقطع دم الحیض لاقل من عشرة ایام

[۱۰۳](۶) حائضہ اور جنبی کے لئے قرآن کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱)عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال لا تقرء الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن (الف) (ترمذی شریف، باب باب ماجاء فی الجنب والحائض لایقرأ القرآن ص ۳۴ نمبر ۱۳۱ / ابوداؤد شریف، باب فی الجنب یقرأ القرآن، ص ۳۴، نمبر ۲۲۹) علماء فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو بچے پڑھانا ہو تو آیت کو ٹکڑا ٹکڑا کر کے پڑھائے۔ البتہ تسبیح اور تہلیل پڑھ سکتی ہے، دعا پڑھ سکتی ہے، تفصیل ترمذی کی حدیث ۱۳۱ کے تحت ہے۔

[۱۰۴](۷) حدث والے کیلئے جائز نہیں ہے قرآن کو چھونا مگر یہ کہ قرآن کو غلاف سے پکڑے۔

تشریح حدث والا آدمی زبانی قرآن پڑھ سکتا ہے البتہ قرآن کو چھو نہیں سکتا، اگر چھونا ہو تو کسی غلاف کے ذریعہ قرآن کو چھوئے گا۔

وجہ (۱)لا یمسه الا المطھرون (آیت ۷۹ سورۃ الواقعۃ ۵۶) (۲) حدیث میں ہے کان فی کتاب النبیؐ لعمرو بن حزم الا تمس القرآن الاعلی طھر (ب) (دار قطنی، باب فی نھی المحدث عن مس القرآن ج اول ص ۱۲۸ نمبر ۴۲۹ / سنن للبیہقی، باب الحائض لاتمس المصحف ولاتقرأ القرآن، ص ۴۶۱، نمبر ۱۴۷۸) اس قسم کی بہت سی احادیث دار قطنی میں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو بغیر وضو چھونا جائز نہیں ہے۔

نوٹ جو غلاف اور جلد قرآن کے ساتھ چپکا ہوا ہے وہ گویا کتاب کا حصہ ہے اس لئے اس غلاف کے ساتھ چھونا جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ غلاف ہونا چاہئے۔

نوٹ بچوں کو بار بار وضو کرانے میں حرج ہے (۲) وہ مرفوع القلم ہیں (۳) اس کو قرآن سے روکنے سے وہ قرآن نہیں پڑھیں گے اس لئے بچوں کو بغیر وضو کی حالت میں قرآن پڑھنے کے لئے دینا جائز ہے۔

[۱۰۵](۸) اگر حیض کا خون دس دن سے کم میں منقطع ہو گیا تو اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ غسل نہ کرے یا اس حائضہ پر کامل نماز کا وقت گزر جائے۔

وجہ دس دن سے کم میں حیض منقطع ہوا ہے تو ممکن ہے کہ دوبارہ خون آجائے اور عورت کی عادت بدل جائے اس لئے یا تو عورت غسل کر لے تاکہ مکمل پاک ہو جائے آیت حتی یطّھرن (آیت ۲۲۲ سورۃ البقرۃ) میں تشدید کے ساتھ پڑھیں تو مطلب ہوگا کہ خوب خوب پاک ہو جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب عورت غسل کر لے (۲) ایک اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ سأل انسان عطاء قال الحائض تری الطھر ولا تغتسل اتحل لزوجھا؟قال لا حتی تغتسل. (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یصیب امرأته وقد رأت

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جنبی اور حائضہ قرآن نہ پڑھیں (ب) حضورؐ نے عمرو بن حزم کے خط میں لکھا تھا کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاکی پر (ج) حضرت عطاء سے پوچھا حائضہ پاک ہو جائے لیکن غسل نہ کرے تو کیا وہ شوہر کے لئے حلال ہے؟ فرمایا نہیں جب تک غسل نہ کر لے۔

لم یجز وطیھا حتی تغتسل او یمضی علیھا وقت صلوۃ کاملۃ[۱۰۶] (۹) وان انقطع دمھا لعشرۃ ایام جاز وطیھا قبل الغسل[۱۰۷] (۱۰) والطھر اذا تخلل بین الدمین فی مدۃ الحیض فھو کالدم الجاری.

الطہر ولم تغتسل ص ۳۳۰ نمبر ۱۲۷۳)/السنن للبیہقی ، باب الحائض لاتوطأ حتی تطہر وتغتسل ، ج اول ، ص ۴۶۲ ، نمبر ۱۴۸۳) دوسری شکل ہے کہ اس عورت پر ایک کامل نماز کا وقت گزر جائے تو اللہ کا فرض اس پر واقع ہو جائے گا تو حکما یہ سمجھا جائے گا کہ پاک ہو گئی ۔ کیونکہ اللہ کا فرض واجب ہو گیا تو انسان کا حق بھی اس کے تحت آجائے گا۔

نوٹ حنفیہ کا مسلک یہاں احتیاط پر مبنی ہے۔

نوٹ نماز کا اتنا وقت گزر جائے کہ عورت غسل کر کے تحریمہ باندھ سکے

[۱۰۶] (۹) اور اگر حائضہ کا خون دس دن پورے ہونے پر منقطع ہو تو اس عورت سے غسل سے پہلے بھی وطی کرنا جائز ہے۔

وجہ دس دن سے زیادہ تو حیض آ ہی نہیں سکتا۔ اس کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ ہوگا۔ اس لئے عورت نے غسل نہیں کیا ہے تب بھی اس سے وطی کر سکتا ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ غسل کے بعد وطی کرے تاکہ مکمل پاکی پر وطی ہو۔ اس صورت میں آیت حتی یطھرن بغیر تشدید کے ، پر عمل ہوگا۔ جس کی تفسیر حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب خون منقطع ہو جائے تو وہ پاک ہوگی۔ عبارت یہ ہے۔ **عن مجاھد فی قولہ عزوجل (ولا تقربوھن حتی یطھرن) حتی ینقطع الدم فاذا تطھرن قال یقول اذا اغتسلن** (سنن للبیہقی ، باب الحائض لا توطأ حتی تطہر وتغتسل ، ج اول ، ص ۴۶۲ ، نمبر ۱۴۸۲)

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر حال میں غسل ہے۔ پہلے وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کے نزدیک **حتی یطھرن** کا ترجمہ طہارت بالماء ہے۔ اور اثر بیہقی سے استدلال کرتے ہیں کہ مکمل طہارت ہونی چاہئے تب وطی کرے۔

[۱۰۷] (۱۰) وہ پاکی جو دو خون کے درمیان ہو حیض کی مدت میں تو وہ جاری خون کی طرح ہے۔

تشریح عموما ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دیر خون آتا ہے پھر بند ہو جاتا ہے ، پھر آتا ہے پھر بند ہو جاتا ہے ، حیض کا خون مسلسل نہیں آتا رہتا ہے۔ اس لئے حیض کی مدت کے درمیان پاکی اور طہر ہو تو اس کا حکم بھی خون آنے ہی کی طرح ہے۔ یعنی اس مدت میں عورت نماز نہیں پڑھے گی اور نہ اس کا شوہر اس سے وطی کرے گا۔ مثلا پہلے دن خون آیا پھر خون بند رہا پھر دسویں دن خون آیا تو پہلے دن سے لیکر دس دن تک حیض ہی شمار کیا جائے گا اور اس کا حکم حیض ہی کی طرح ہوگا۔

وجہ جس طرح نصاب زکوۃ میں شروع سال اور اخیر سال میں نصاب پورا ہو جانا کافی ہے اسی طرح حیض کے شروع دن میں اور اخیر دن میں خون آجائے تو تمام دن حیض ہی شمار کر دیا جائے گا۔ چاہے درمیان میں خون نہ آیا ہو (۲) عموما ہمیشہ خون آتا بھی نہیں ہے۔ اس لئے مسلسل خون آنے کی شرط نہیں لگائی گئی۔

[۱۰۸](۱۱) واقل الطهر خمسة عشر یوما ولا غایة لاکثرہ[۱۰۹](۱۲) ودم الاستحاضة ھو ما تراہ المرأۃ اقل من ثلثة ایام او اکثر من عشرة ایام[۱۱۰](۱۳)

[۱۰۸](۱۱) دوحیضوں کے درمیان کم سے کم طہر پندرہ دن ہونگے اور کوئی حد نہیں ہے زیادہ طہر کے لئے۔

تشریح دوحیضوں کے درمیان کم سے کم پندرہ دن طہر ہوگا اور زیادہ طہر کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ دوسال اور تین سال بھی عورت کو حیض نہیں آتا ہے۔

وجہ (۱) ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ کم سے کم طہر کی مدت پندرہ دن ہوتی ہے۔ اس لئے پندرہ دن ہونگے۔

نوٹ یہ قول مجھے نہیں ملا اور نہ صاحب درایہ کو ملا ہے (۲) اقامت کی مدت پندرہ دن ہے اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ طہر کی مدت پندرہ دن ہو۔

[۱۰۹](۱۲) اور استحاضہ کا خون وہ ہے جو عورت تین دن سے کم دیکھے یا دس دن سے زیادہ دیکھے۔

تشریح عورت کو حنفیہ کے نزدیک کم سے کم تین دن تک حیض کا خون آئے گا۔ لیکن مثلا دو دن خون آیا اور پھر گیارہ دن تک کوئی خون نہیں آیا تو یہ دو دن کا خون استحاضہ کا خون شمار کیا جائے گا۔ اسی طرح دس دن سے زیادہ خون آیا وہ استحاضہ کا خون شمار ہوگا۔

نوٹ جن اماموں کے نزدیک حیض کا خون ہونے کا مدار خون کے کالے یا خون کے سرخ ہونے پر ہے ان کے نزدیک استحاضہ کا مسئلہ بہت آسان ہے کہ جب کالا اور انتہائی سرخ خون آئے گا تو اس کو حیض شمار کریں گے۔ اور جب پیلا، زرد یا مٹیالا خون آئے گا تو اس کو استحاضہ شمار کریں گے۔ اور استحاضہ کی حالت میں عورت نماز پڑھے گی، روزہ رکھے گی اور شوہر سے وطی بھی کرائے گی۔ علماء فرماتے ہیں کہ عورت متحیرہ ہو یعنی نہ عادت کا اندازہ ہو کہ مہینے میں کون کون سے دن حیض آتا تھا اور نہ یہ پتہ ہو کہ کب سے حیض شروع ہوا ہے اور کب ختم ہوا ہے تو ایسی عورت کے لئے خون کی رنگت پر حیض اور استحاضہ کا فیصلہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے عن فاطمة بنت ابی حبیش انھا کانت تستحاض فقال لھا النبی ﷺ اذا کان دم الحیض فانہ دم اسود یعرف فاذا کان ذلک فامسکی عن الصلوۃ فاذا کان الآخر فتوضئی و صلی (الف) (ابوداود، باب من قال توضأ لکل صلوۃ ص ۴۸ نمبر ۳۰۴) چنانچہ امام احمدؒ نے خون کی رنگت پر حیض اور استحاضہ کا فیصلہ کیا ہے۔

[۱۱۰](۱۳) استحاضہ کا حکم نکسیر پھوٹنے کے حکم کی طرح ہے۔ نہ نماز کو روکتا ہے نہ روزے کو اور نہ وطی کو۔

تشریح استحاضہ کی حالت میں یہ سب جائز ہیں۔ حدیث میں اس کی دلیل موجود ہے (۱) عن عائشة انھا قالت قالت فاطمة بنت ابی حبیش لرسول اللہ ﷺ یا رسول اللہ انی لا اطھر؟ افادع الصلوۃ فقال رسول اللہ ﷺ انما ذلک عرق ولیس بالحیضة فاذا اقبلت الحیضة فاترکی الصلوۃ فاذا ذھب قدرھا فاغسلی عنک الدم وصلی (ب) (بخاری شریف، باب

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب حیض کا خون ہو۔ یقیناً وہ کالا خون ہوتا ہے جو پہچانا جاتا ہے۔ پس جب کہ یہ خون ہو تو نماز سے رک جاؤ، پس جب کہ دوسرا خون ہو (یعنی استحاضہ کا) تو وضو کرو اور نماز پڑھو (ب) فاطمہ بنت ابی حبیش حضورؐ سے کہنے لگی یا رسول اللہ! میں پاک نہیں ہوتی ہوں تو کیا نماز چھوڑ (باقی اگلے صفحہ پر)

فحکمه حکم الرعاف لا یمنع الصلوة ولاالصوم ولا الوطی[۱۱۱](۱۴) واذا الدم علی العشرة وللمرأة عادة معروفة ردت الی ایام عادتها ومازاد علی ذلک فهو استحاضة

الاستحاضۃ ص ۴۴ نمبر ۳۰۶) رمسلم شریف، باب المستحاضۃ وغسلھا وصلواتھا ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ نماز پڑھے گی۔اور روزہ نماز کی طرح ہے اس لئے روزہ بھی رکھے گی (۲) شوہر وطی کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عکرمة قال کانت ام حبیبة تستحاض فکان زوجها یغشاها** (الف) (ابوداؤد، باب المستحاضۃ یغشاھا زوجھا ص ۴۹ نمبر ۳۰۹) (۳) مستحاضہ کا خون حدیث سے معلوم ہوا کہ نکسیر پھوٹنے کی طرح ہے۔اور نکسیر پھوٹنے کی حالت میں نماز، روزہ، اور وطی جائز ہیں اس لئے استحاضہ کی حالت میں بھی یہ سب جائز ہونگے۔

لغت رعاف : ناک سے جو خون آتا ہے جس کو نکسیر پھوٹنا کہتے ہیں، اس کو رعاف کہتے ہیں۔

تحقیق حیض و استحاضہ رحم کے اندر چاروں طرف حیض کی جھلیاں ہوتی ہیں وہ بڑھتی رہتی ہیں۔جب حیض کا زمانہ آتا ہے تو وہ کٹ کٹ کر خون کے ساتھ گرتی ہیں۔اس لئے حیض کا خون گاڑھا اور کالا ہوتا ہے۔لیکن رحم رگوں میں کوئی بیماری ہو تو حیض کے بعد بھی اس سے خون گرتا ہے۔جس میں وہ جھلیاں نہیں ہوتی یا سرخ رنگ کا خون ہوتا ہے یا مٹیالا یا زرد رنگ کا خون ہوتا ہے، استحاضہ کا خون رحم میں خراش یا بیماری کی وجہ سے آتا ہے۔

[۱۱۱] (۱۴) اگر خون دس دن سے زیادہ ہو جائے اور عورت کے لئے عادت معروف ہو تو اس کی عادت کے زمانے کی طرف لوٹایا جائے گا۔اور جو عادت معروفہ سے زیادہ ہوگا وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔

تشریح مثلا کسی کی عادت ہر مہینے میں تین یا پانچ دن حیض آنے کی ہے۔اب اس کو نو دنوں تک خون آگیا تو سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت بدل گئی اور نو دن تک حیض شمار کیا جائے گا۔لیکن اگر اس کو دس دن سے بھی زیادہ خون آگیا تو دس دن سے زیادہ جو خون ہے وہ استحاضہ ہوگا اور اس کے ساتھ ہی عادت پانچ روز تھی اس سے جو زیادہ خون آیا وہ بھی استحاضہ ہو جائے گا۔یعنی پانچ روز سے زیادہ تمام خون استحاضہ شمار کیا جائے گا۔اور عادت کے مطابق پانچ روز حیض کے ہوں گے۔

وجہ حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے **قالت عائشه رأیت مرکنها ملآن دما فقال لها رسول الله ﷺ امکثی قدر ما کانت تحبسک حیضتک ثم اغتسلی و صلی** (ب) (مسلم شریف، باب المستحاضۃ وغسلھا وصلواتھا ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۴) (۲) **عن النبی ﷺ قال فی المستحاضة یدع الصلوة ایام اقرائها التی کانت تحیض فیها ثم تغتسل وتتوضأ عند کل صلوة**

حاشیہ : پچھلے صفحہ سے آگے) دوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ رگ کا خون ہے حیض نہیں ہے۔پس جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو۔پس جب حیض کے زمانے کی مقدار چلی جائے تو اپنے سے خون دھوؤ اور نماز پڑھو (الف) عکرمہ فرماتے ہیں کہ ام حبیبہؓ مستحاضہ ہوتی تھی اور ان کے شوہر ان سے وطی کرتے تھے (ب) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ام حبیبہ کا برتن خون سے بھرا ہوا تھا تو اس سے حضورؐ نے فرمایا اتنی مدت ٹھہرے رہو جتنی مدت تمہارا حیض تم کو روکے رکھتا تھا۔پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔

[۱۱۲](۱۵) وان ابتدأت مع البلوغ مستحاضة فحيضها عشرة ايام من كل شهر والباقی استحاضة[۱۱۳] (۱۶) والمستحاضة ومن به سلسل البول والرعاف الدائم والجرح الذی لا يرقأ يتوضؤن لوقت كل صلوة ويصلون بذلک الوضوء فی الوقت ما شاء وا من

وتصوم وتصلی (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان المستحاضة تتوضأ لکل صلوۃ ص۳۳ نمبر ۱۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے حیض کے لئے عادت معروفہ ہو اور دس دن سے زیادہ خون آ گیا تو عادت سے زیادہ جتنا ہوگا وہ سب استحاضہ کا خون ہوگا۔

[۱۱۲] (۱۵) اگر بالغ ہونے کے بعد شروع سے مستحاضہ ہوئی ہے تو اس کا حیض دس دن ہیں ہر ماہ میں اور باقی استحاضہ ہوگا۔

تشریح ایک عورت کو پہلا خون آیا اور دس دن سے زیادہ خون آیا اور مستحاضہ ہوگئی اس کی کوئی عادت نہ بن سکی جس پر محمول کیا جائے اور ہر وقت خون آتا ہے تو ایسی عورت کے لئے ہر ماہ میں دس دن حیض شمار کئے جائیں گے۔ اور باقی دن استحاضہ کے ہونگے۔

وجہ (۱) ہر ماہ میں تین دن تو یقینی طور پر حیض کا زمانہ ہے۔ باقی سات دنوں میں شک ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک حیض زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اس لئے دس دن تک حیض ہی شمار کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ دس دن حیض کی مدت ہے اس کی دلیل مسئلہ نمبر ایک میں حدیث گزر گئی اقل الحيض ثلاثة ايام واكثره عشرة ايام (دار قطنی نمبر ۸۳۶)

فائدہ امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ نماز اور روزہ کے حق میں تین دن حیض ہوگا اور باقی دن نماز اور روزے ادا کرے گی اور وطی کے حق میں دس دن حیض شمار ہوگا تا کہ دس دن تک وطی نہ کرے۔ یہ مسئلہ احتیاط پر ہے۔

نوٹ باضابطہ کوئی حدیث اس کے بارے میں نہیں ملی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر خون کالا یا سرخ ہے تو اس وقت حیض ہوگا اور باقی زمانہ استحاضہ کا شمار ہوگا۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں کالے اور سرخ خون کو حیض کہا گیا ہے۔ یہ حدیث مسئلہ نمبر ۱۲ میں ابو داؤد کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ تھے۔ فانه دم اسود يعرف (ابو داؤد شریف، نمبر ۳۰۴)

[۱۱۳] (۱۶) مستحاضہ عورت اور جس کو سلسل البول ہے یا ہمیشہ نکسیر بہتی ہے یا وہ زخم ہو جو بند نہ ہوتا ہو تو وضو کریں گے ہر نماز کے وقت کے لئے اور نماز پڑھیں گے اس وضو سے وقت میں جتنی چاہے فرائض میں سے اور نوافل میں سے۔ پس جب کہ وقت نکل جائے تو ان کا وضو باطل ہو جائے گا اور ان کے اوپر از سر نو وضو کرنا ہوگا دوسری نماز کے لئے۔

تشریح (۱) جس کو مسلسل استحاضہ کا خون آتا ہو (۲) یا مسلسل پیشاب آتا ہو (۳) یا نکسیر پھوٹی ہو اور ہمیشہ خون آتا رہتا ہو (۴) یا زخم سے خون بند نہ ہوتا ہو اور اتنا بھی وقت نہیں ملتا ہو کہ وضو کر کے تحریمہ باندھ سکے اور فرض نماز پڑھ سکے تو ایسے لوگوں کو معذور کہتے ہیں۔ اور معذور کے لئے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے مستحاضہ کے بارے میں فرمایا کہ حیض کے زمانے میں نماز چھوڑ دیگی جتنی حیض کی عادت تھی۔ پھر غسل کرے اور ہر نماز کے لئے وضو کرے اور روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔

الفرائض والنوافل فاذا خرج الوقت بطل وضوء هم وكان عليهم استيناف الوضوء لصلوة اخرى[۱۱۴] (۱۷) والنفاس هو الدم الخارج عقيب الولادة[۱۱۵] (۱۸) والدم الذى

شریعت نے سہولت دی ہے کہ ہر فرض نماز کے وقت وضو کریں گے اور اس وضو سے فرض اور نوافل جتنی چاہے پڑھیں۔ جب وقت نکل جائے گا تو اب ضرورت پوری ہوگئی اس لئے نکلنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ خون تو نکل ہی رہا تھا مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کر رہے تھے۔ لیکن جب ضرورت پوری ہوگئی تو خون نکلنے کا اعتبار کر لیا گیا اور وضو توڑ دیا گیا۔ اب نئے وقت کے لئے نیا وضو کریں گے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے (ا) عن النبی ﷺ انه قال فی المستحاضة تدع الصلوة ایام اقرائها التی کانت تحیض فیها ثم تغتسل و تتوضأ عند کل صلوة وتصوم وتصلی (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان المستحاضة تتوضأ لکل صلوة ص ۳۳ نمبر ۱۲۶/ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی المستحاضة التی قد عدت ایام اقرائها قبل ان یستمر الدم، ص ۸۸، نمبر ۶۲۴) فیه توضئی لکل صلوة صلوة وان قطر الدم علی الحصیر (ب) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی۔ البتہ ہمارے یہاں نماز کی بجائے نماز کے وقت کے لئے معذور وضو کریں گے۔ کیونکہ محاورہ میں نماز بول کر نماز کا وقت مراد لیتے ہیں۔ کہتے ہیں ظہر میں آؤ یعنی ظہر کے وقت میں آؤ۔ اس لئے عند کل صلوة سے مراد عند کل وقت صلوة ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی ایک وضو سے فرض کے تحت میں بہت سے نوافل پڑھ سکتے ہیں۔ اس لئے حنفیہ اور شوافع کا مسلک قریب قریب ہوگیا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک احادیث کی بنا پر ہر نماز کے لئے وضو کیا جائے گا اور اس کے تحت میں نوافل پڑھ سکتے ہیں

نوٹ احادیث میں ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم ہے وہ استحباب کے طور پر ہے یا علاج کے طور پر ہے

لغت سلسل البول : جن کو ہر وقت پیشاب کا قطرہ آتا رہتا ہو، الرعاف الدائم : ہمیشہ نکسیر پھوٹتی رہتی ہو، لا یرقأ : خون بند نہ ہوتا ہو

فائدہ امام زفرؒ کے نزدیک فرض نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے وضو ٹوٹے گا۔

﴿ نفاس کا بیان ﴾

[۱۱۴] (۱۷) نفاس وہ خون ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد نکلے۔

تشریح یہ نفس سے مشتق ہے۔ یعنی وہ خون جو نفس یعنی انسان نکلنے کی وجہ سے نکلے۔

لغت عقیب : بعد میں، پیچھے

[۱۱۵] (۱۸) وہ خون جو حاملہ عورت دیکھے یا عورت جو ولادت کی حالت میں دیکھے بچہ نکلنے سے پہلے وہ استحاضہ ہے۔

تشریح حاملہ عورت حمل کی حالت میں خون دیکھے یا بچہ پیدا ہونے سے پہلے عورت کو جو خون آتا ہے وہ استحاضہ کا خون ہے۔

وجہ (ا) کیونکہ نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد ہو اور یہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہے۔ اور حیض اس لئے نہیں ہو سکتا کہ وہ

(ب) آپؐ نے فرمایا مستحاضہ کے سلسلے میں کہ وہ حیض کے زمانے میں نماز چھوڑ دے گی جس میں حیض آیا کرتا تھا۔ پھر غسل کرے گی اور ہر نماز کے وقت وضو کرے گی اور روزہ رکھے گی اور نماز پڑھے گی (ب) ہر نماز کے لئے وضو کرو اگرچہ خون چٹائی پر ٹپکتا رہے۔

تراه الحامل وما تراه المرأة فی حال ولادتها قبل خروج الولد استحاضة [١١٦](١٩) واقل النفاس لا حد له واکثره اربعون یوما ومازاد علی ذلک فهو استحاضة [١١٧](٢٠) واذا تجاوز الدم علی الاربعین وقد کانت هذه المرأة ولدت قبل ذلک ولها عادة فی النفاس ردت الی ایام عادتها وان لم یکن لها عادة فنفاسها اربعون یوما

خالی رحم سے نکلتا ہے اور یہاں رحم بچہ سے بھرا ہوا ہے (۲) حیض کی جھلیاں کٹ کٹ کر اگرتی ہیں تو حیض ہوتا ہے اور بچہ کی حالت میں بچہ کا آنول جھلیوں کے ساتھ چپکا ہوتا ہے اس لئے جھلیاں نہیں کٹ سکے گی اس لئے وہ حیض کا خون نہیں ہے۔ اسی طرح بچہ کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہے اس لئے نہ حیض آسکتا ہے اور نہ نفاس۔ اس لئے وہ استحاضہ کا خون ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اس کو حیض قرار دیتے ہیں

[۱۱۶] (۱۹) نفاس کی کم سے کم مدت کے لئے کوئی حد نہیں ہے اور اس کی زیادہ مدت چالیس دن ہیں اور جو اس سے زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ام سلمة قالت کانت النفساء تجلس علی عهد رسول الله ﷺ اربعین یوما (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کم تمکث النفساء ص ۳۵ نمبر ۱۳۹) اور ابوداؤد شریف کی روایت میں یہ جملہ زیادہ ہے۔ لا یأمرها النبی ﷺ بقضاء صلوٰة النفاس (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی وقت النفساء ص ۴۹ نمبر ۳۱۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ اس کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ ہوگا۔ اور کم کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن انس قال قال رسول الله ﷺ وقت النفاس اربعون یوما الا ان تری الطهر قبل ذلک (ج) (دار قطنی، کتاب الحیض، حدیث نمبر ۸۴۱/ ترمذی شریف حدیث نمبر ۱۳۹) الا ان تری الطهر قبل ذلک سے معلوم ہوا کہ چالیس دن سے پہلے خون بند ہو جائے یو چاہے چند گھنٹے کے بعد خون بند ہو جائے عورت پاک ہو جائے گی۔

[۱۱۷] (۲۰) نفاس کا خون چالیس دن سے تجاوز کر جائے حالانکہ یہ عورت اس سے پہلے بچہ جن چکی تھی اور اس کے لئے نفاس میں عادت تھی تو نفاس کا خون لوٹایا جائے گا اس کی عادت کی طرف۔ اور اگر اس کی عادت نہ ہو تو اس کے نفاس کی مدت چالیس دن ہے۔

تشریح جس عورت کو پہلے بچہ پیدا ہو چکا ہو اور نفاس کے لئے اس کی ایک عادت ہو مثلا پچیس روز نفاس آتا ہو اب اس کو پچاس روز تک خون آگیا تو دس روز تو یقیناً استحاضہ ہے اس لئے اس دس روز کے ساتھ باقی پندرہ دن بھی استحاضہ شمار کیا جائے گا۔ اور اس کی پہلی عادت کے مطابق پچیس روز ہی نفاس ہوگا۔ کیونکہ چالیس دن کے بعد والے دس دن استحاضہ ہے تو معلوم ہوا کہ پچیس دن کے بعد بھی استحاضہ ہی آیا ہے۔ اور اگر اس عورت کی کوئی عادت نہیں ہے تو حدیث کے مطابق چالیس روز نفاس ہوگا اور باقی دن استحاضہ ہوگا۔ عادت کی طرف پھیرنے کی دلیل

حاشیہ : (ب) ام سلمہ فرماتی ہیں کہ نفساء عورت حضورؐ کے زمانے میں چالیس دن تک بیٹھتی تھی (نماز نہیں پڑھتی تھی) (ب) حضورؐ نفاس کے وقت کی نماز قضا کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے (ج) حضورؐ نے نفاس کا وقت چالیس دن متعین کیا۔ مگر یہ کہ اس سے پہلے طہر دیکھ لے (تو پہلے بھی پاک ہو جائے گی)

[١١٨] (٢١) ومن ولدت ولدين فی بطن واحد فنفاسها ما خرج من الدم عقیب الولد الاول عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالی وقال محمد و زفر رحمهما الله تعالی من الولد الثانی.

اور حدیث مسئلہ نمبر ١٩ میں گزر گئی۔

[١١٨] (٢١) کسی عورت نے ایک ہی حمل سے دو بچے دیئے تو اس کا نفاس وہ خون ہے جو پہلے بچے کے بعد نکلے امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ اور امام محمد اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دوسرے بچے کے بعد۔

وجہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد رحم کا منہ کھل گیا اور انسان بھی پیدا ہو گیا جس سے لفظ نفاس مشتق ہے۔ اس لئے پہلے بچے کے بعد جو خون نکلے گا وہ سب نفاس شمار کیا جائے گا۔ اور امام محمد اور زفر فرماتے ہیں کہ ایک بچہ پیٹ میں موجود ہے اس لئے عورت ابھی حاملہ ہے اور حمل کی حالت میں جو خون آتا ہے وہ استحاضہ کا خون ہوتا ہے۔ اس لئے پہلے بچے کے بعد جو خون ہے وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابھی رحم کا منہ بھی پورا کھلا ہوا نہیں ہے جب تک کہ دوسرا بچہ پیدا ہو کر منہ پورا نہ کھل جائے نفاس کا خون کیسے شمار کیا جائے گا۔

حاصل طرفین کی نظر بچہ پیدا ہونے کی طرف گئی اور امام محمد کی نظر اندر جو بچہ ابھی تک موجود ہے اس کی طرف گئی۔

لغت عقیب : بعد میں

﴿باب الانجاس﴾

[۱۱۹](۱) تطهیر النجاسة واجب من بدن المصلی وثوبه والمکان الذی یصلی علیه

﴿ باب الانجاس ﴾

ضروری نوٹ انجاس نجس کی جمع ہے ناپاکی۔نجس کی دو قسمیں ہیں نجاست حکمیہ جیسے وضو اور غسل کی ضرورت ہو اور نجاست حقیقیہ جیسے پیشاب اور پاخانہ۔یہاں اسی نجاست حقیقیہ کے احکام کے متعلق بحث ہے۔اس کی دلیل یہ آیت ہے وثیابک فطھر (آیت ۴ سورۃ المدثر ۷۴) اور حدیث یہ ہے عن اسماء بنت ابی بکر انھا قالت سألت امرأۃ رسول اللہ ﷺ فقالت یا رسول اللہ ارأیت احدانا اذا اصاب ثوبھا الدم من الحیضۃ کیف تصنع فقال رسول اللہ اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحیضۃ فلتقرصہ ثم لتنضحہ بماء ثم لتصل فیہ (الف) (بخاری شریف، باب غسل دم المحیض ص ۴۵ نمبر ۳۰۷ رترمذی شریف، باب ماجاء فی غسل دم المحیض من الثوب، ص ۳۵، نمبر ۱۳۸)

[۱۱۹](۱) نجاست کو پاک کرنا واجب ہے (۱) نماز پڑھنے والے کے بدن سے (۲) اس کے کپڑے سے (۳) اور اس مکان سے جس پر نماز پڑھتے ہیں۔

تشریح نماز پڑھنے والے کے لئے بدن، کپڑا اور مکان کا پاک ہونا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔تجاست حکمیہ سے پاک ہونے کی دلیل تو وضو اور غسل کے ابواب میں گزری اور نجاست حقیقیہ سے پاک ہونے کی دلیل یہ ہے۔

وجہ (۱) نجاست حکمیہ سے پاک ہونا ضروری ہے تو نجاست حقیقیہ مثلا پیشاب، پاخانہ لگا ہو تو اس سے پاک ہونا بدرجۂ اولی ضروری ہوگا۔کیونکہ یہ تو اور بھی زیادہ گندی چیز ہے (۲) بدن پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا خرج لحاجتہ اجیء انا وغلام معنا اداوۃ من ماء یعنی یستنجی بہ (ب) (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالماء ص ۲۷ نمبر ۱۵۰) پانی سے استنجا کرنے کی وجہ یہی ہے کہ مصلی کا بدن نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا چاہئے۔کپڑا پاک ہونے کی دلیل اوپر کی آیت ہے وثیابک فطھر اور حدیث میں ہے عن اسماء ابنۃ ابی بکر ان امرأۃ سألت النبی ﷺ عن الثوب یصیبہ الدم من الحیضۃ؟ فقال رسول اللہ حتیہ ثم اقرصیہ بالماء ثم رشیہ وصلی فیہ (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی غسل دم المحیض من الثوب ص ۳۵ نمبر ۱۳۸) اور مکان پاک ہونے کی شرط کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمران النبیؐ نھی ان یصلی فی سبعۃ مواطن فی المزبلۃ والمجزرۃ والمقبرۃ وقارعۃ الطریق و فی الحمام و فی معاطن الابل و فوق ظھر بیت اللہ (د) (ترمذی

حاشیہ : (الف) حضورؐ کی بیوی نے آپؐ سے پوچھا کہ ہم میں سے ایک کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو کیا کرے؟ آپؐ نے فرمایا تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اس کو ہاتھ سے کھرچو پھر پانی سے دھوؤ پھر اس میں نماز پڑھو (ب) حضورؐ جب اپنی ضرورت کے لئے نکلتے تو میں اور میرے ساتھ ایک لڑکا ہوتا۔ہمارے ساتھ پانی کا برتن ہوتا یعنی آپؐ اس سے استنجا فرماتے (ج) حضورؐ کی بیوی نے اس کپڑے کے بارے میں جس میں حیض کا خون لگ جائے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کھرچو پھر اس کو رگڑو پانی سے پھر اس پر پانی بہاؤ اور اس میں نماز پڑھو (د) آپؐ نے سات جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمایا (۱) کچرا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۲۰](۲) ویجوز تطهیر النجاسة بالماء وبکل مائع طاهر یمکن ازالتها به کالخل و ماء الورد[۱۲۱](۳) واذا اصابت الخف نجاسة ولها جرم فجفت فدلکه بالارض جاز

شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ مایصلی الیہ وفیہ ص۸۱ نمبر۳۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان مقامات پر ناپاکی ہوتی ہے اس لئے ان مقامات پر نماز پڑھنا ناجائز ہے۔

[۱۲۰](۲) نجاست کا پاک کرنا جائز ہے پانی کے ذریعہ اور ہر وہ بہنے والی پاک چیز کے ذریعہ جن سے نجاست کا زائل کرنا ممکن ہو جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی۔

وجہ (۱) حنفیہ کے نزدیک اصل قاعدہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے نجاست کے اجزاء دھل جاتے ہیں وہ پانی نہ ہوں تب بھی ان چیزوں سے نجاست حقیقیہ کو پاک کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اصل ناپاکی تو اجزاء نجاست ہیں جب وہ ہی نہیں رہیں تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔ اس لئے گلاب کا پانی یا سرکہ جو پانی کی طرح پتلا ہوتے ہیں اور اجزاء نجاست کو دھو ڈالتے ہیں ان سے نجاست کو دھویا تو پاک ہو جائے گا۔ البتہ یہ رس کی قسموں میں سے ہیں اس لئے ان سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے (۲) حدیث میں ہے **قالت عائشة ما کان لاحد انا الا ثوب واحد تحیض فیه فاذا اصابه شیء من دم قالت بریقها فقصعته بظفرها** (الف) (بخاری شریف، باب ھل تصلی المرأۃ فی ثوب حاضت فیہ ص ۴۵ نمبر ۳۱۲ / ابو داؤد شریف، باب المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۸ نمبر ۳۶۴) آخری حدیث ہے۔ خون سب کے نزدیک ناپاک ہے اور اس کو تھوک سے تر کر کے ناخن سے رگڑ دیا اور خون زائل ہو گیا تو وہ چیز پاک ہو جائے گی (۳) جوتے پر نجاست لگی ہو اور زمین پر رگڑ دیا جائے اور نجاست زائل ہو جائے تو جوتا پاک ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل قاعدہ یہی ہے کہ نجاست کے زیلان سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔

فائدہ امام محمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ صرف پانی سے نجاست زائل کرے گا تو پاک ہوگا۔ کسی دوسری بہنے والی چیز سے نجاست زائل کرے گا تو چیز پاک نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں پانی سے منی، خون، پیشاب پاک کرنے کا ذکر ہے۔ **عن اسماء بنت ابی بکرؓ ... اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحیضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصلی فیه** (بخاری شریف، باب غسل دم المحیض، ص ۴۵، نمبر ۳۰۷) اس حدیث میں پانی سے ناپاکی دور کرنے کا تذکرہ ہے۔ اس لئے صرف پانی سے ناپاکی پاک ہوگی۔

لغت مائع : ہر بہنے والی چیز، الخل : سرکا، ماء الورد : گلاب کا پانی۔

نوٹ جس بہنے والی چیز میں نجاست زائل کرنے کی صلاحیت نہ ہو اس سے کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

[۱۲۱](۳) اگر موزے کو ایسی نجاست لگ جائے جس کو جسم ہے پھر وہ خشک ہو جائے پس اس کو رگڑ دے زمین سے تو اس موزے میں نماز

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پھینکنے کی جگہ میں (۲) اونٹ ذبح کرنے کی جگہ میں (۳) قبرستان میں (۴) راستے کے درمیان (۵) غسل خانہ میں (۶) اونٹ کے باندھنے کی جگہ میں (۷) اور بیت اللہ کے اوپر (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگوں کے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جس میں ہم لوگ حائضہ ہوتیں تھیں۔ پس جب کہ اس کپڑے کو کچھ خون لگ جاتا تو تھوک سے تر کر لیتے تھے اور ناخن سے رگڑتے تھے۔

الصلوة فیه [۱۲۲](۴) والمنی نجس یجب غسل رطبه.

جائز ہے **تشریح** جس نجاست کوجسم ہے جیسے پاخانہ، لید، گوبر وغیرہ وہ چمڑے کے موزے یا جوتے پر لگ جائے پھر خشک ہو جائے پھر اس کو زمین سے اتنا رگڑ دے کہ پاخانہ لگا ہوا محسوس نہ ہو تو وہ جوتا یا موزہ پاک ہو جائے گا۔

وجہ (۱) چمڑے میں جو ناپاکی سرایت کی ہوگی وہ کم ہے اور سوکھنے کی وجہ سے ناپاکی کے جسم نے واپس چوس لیا اور چمڑے کے اندر بہت کم ناپاکی رہ گئی اور اوپر کے حصے کو زمین سے رگڑ دیا تو نجاست زائل ہو گئی اور پہلے بتایا گیا ہے کہ نجاست کے زائل ہونے سے کپڑا یا چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ جوتے یا موزے پاک ہو جائیں گے (۲) حدیث میں ہے عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا وطی احدکم بنعله الاذی فان التراب له طهور (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الاذی یصیب النعل ص ۶۱ نمبر ۳۸۵ رباب الصلوۃ فی النعل، نمبر ۶۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مٹی سے رگڑنے کے بعد جوتا یا موزہ پاک ہو جائے گا۔

اصول نجاست حقیقیہ کے زائل ہونے سے چیز پاک ہو جائیگی۔

لغت جرم : جسم دار، جفت : خشک ہو گیا، دلک : رگڑا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ موزے میں نجاست لگ جائے تو بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگی۔ کیونکہ رگڑنے کی وجہ سے نجاست پھر بھی موزے پر رہ جائے گی اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاست کو دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتی۔

نوٹ تر نجاست دھونے سے پاک ہوگی۔

[۱۲۲] (۴) منی ناپاک ہے۔ تر منی کو دھونا واجب ہے۔

وجہ (۱) منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔ جس چیز پر غسل واجب ہو ظاہر ہے کہ وہ چیز خود بھی ناپاک ہوگی (۲) حدیث میں ہے حضرت عائشہ تر منی کو حضورؐ کے کپڑے سے دھویا کرتی تھی اگر وہ ناپاک نہ ہوتی تو دھونے کی ضرورت نہیں تھی۔ حدیث میں ہے سألت عائشة عن المنی یصیب الثوب؟ فقالت کنت اغسله من ثوب رسول الله ﷺ فیخرج الی الصلوة و اثر الغسل فی ثوبه بقع الماء (ب) (بخاری شریف، باب غسل المنی وفرکہ ص ۳۶ نمبر ۲۳۰ رمسلم شریف، باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۹) دوسری حدیث ہے یا عمار انما یغسل الثوب من خمس، من الغائط والبول والقیء والدم والمنی (دار قطنی، باب نجاسة البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲)

فائدہ امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک منی پاک ہے۔ کپڑے میں لگ جائے تو دھونے کی ضرورت نہیں۔ ان کی دلیل (۱) وہ احادیث ہیں جن میں ہے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک اپنے جوتے سے گندگی روندے تو مٹی اس کے لئے پاک کرنے والی چیز ہے (ب) حضرت عائشہ سے کپڑے میں منی لگ جانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں حضورؐ کے کپڑے سے منی دھویا کرتی تھی پھر وہ نماز کے لئے نکلتے تھے تو دھونے کا اثر ان کے کپڑے میں پانی کا دھبہ ہوتا۔

[۱۲۳] (۵) فاذاجف على الثوب اجزاه فيه الفرك[۱۲۴] (٦) والنجاسة اذا اصابت المرآة والسيف اكتفى بمسحهما.

کہ حضورؐ کی منی کو کپڑے سے رگڑ کر صاف کیا کرتی تھی۔ اگر ناپاک ہوتی تو رگڑنے سے پاک نہیں ہوتی اس لئے منی پاک ہے (۲) منی سے انسان پیدا ہوتا ہے جو پاک ہے۔ اس لئے منی بھی پاک ہونی چاہئے (۳) وہ عبداللہ ابن عباس کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن ابن عباس قال سئل النبی ﷺ عن المنی یصیب الثوب قال انما هو بمنزلة المخاط والبزاق وانما یکفیک ان تمسحه بخرقة او باذخر (الف) (دار قطنی، باب ماورد فی طهارة المنی وحکمہ رطبا ویابسا ج اول ص ۱۳۱ نمبر ۴۴۱) ہم کہتے ہیں اس کی سند کمزور ہے۔

[۱۲۳] (۵) پس اگر کپڑے پر خشک ہو جائے تو کافی ہے اس کو کھرچ دینا۔

تشریح منی ناپاک ہے لیکن تھوڑی گاڑھی ہوتی ہے اس لئے کپڑے پر خشک ہو جائے تو رگڑنے سے اس کے تمام اجزاء نکل جائیں گے اور کپڑا پاک ہو جائے گا۔ اور تھوڑی بہت رہ گئی تو وہ معفوعنہ ہے۔

وجہ (۱) حدیث میں رگڑ کر پاک کرنے کی دلیل موجود ہے عن عائشة لقد رأیتنی افرکه من ثوب رسول الله ﷺ فرکا فیصلی فیه (ب) (مسلم شریف، باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی المنی یصیب الثوب ص ۳۱ نمبر ۱۱۶) (۲) عن عائشة قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول الله ﷺ اذا کان یابسا واغسله اذا کان رطبا (ج) (دار قطنی، باب ما ورد فی طهارة المنی وحکمه رطبا ویابسا ض اول ص ۱۳۱ نمبر ۴۴۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خشک منی ہو تو اچھی طرح رگڑنے سے بھی کپڑا پاک ہو جائے گا۔

فائدہ امام مالک کے نزدیک منی صرف دھونے سے پاک ہوگی۔ رگڑنا کافی نہیں ہے۔

[۱۲۴] (٦) نجاست جب کہ آئینہ کو یا تلوار کو لگ جائے تو کافی ہوگا ان دونوں کو پونچھ دینا۔

وجہ (۱) آئینہ اور تلوار چکنے ہوں کہ پونچھنے سے تمام نجاست صاف ہو جائے تو پونچھ دینے سے پاک ہو جائیں گے۔ کیونکہ نجاست مکمل صاف ہونے کے بعد نجاست باقی نہیں رہی۔ اس لئے پاک ہو جائیں گے۔ لیکن اگر تلوار یا آئینہ نقشین ہیں یا کھردرا ہیں اور نجاست مکمل صاف نہیں ہوتی تو پونچھنے سے پاک نہیں ہونگے۔ دھونا پڑے گا۔ (۲) صحابہ کرام قتال کرتے تھے اور تلوار کو صاف کر کے نماز پڑھ لیتے تھے دھونے کا اتفاق کم ہوتا تھا جس سے معلوم ہوا کہ کہ چکنی چیز پوچھ دینے سے صاف ہو جائے تو پاک ہو جائے گی۔

لغت المرآة : آئینہ۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے کپڑے مین منی لگ جانے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ وہ ناک کی نیٹ اور تھوک کی طرح ہے۔ صرف کافی ہے کہ کپڑے کے ٹکڑے سے پونچھ دے یا اذخر گھاس سے پونچھ دے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھ کو دیکھتے ہو کہ میں حضور کے کپڑے سے اچھی طرح منی رگڑتی تھی پھر آپ اس میں نماز پڑھتے (ج) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں حضورؐ کے کپڑے سے منی رگڑتی جب کہ خشک ہوتی اور اس کو دھوتی جب کہ تر ہوتی۔

[١٢٥] (٧) وان اصابت الارض نجاسة فجفت باشمس وذهب اثرها جازت الصلوة على مكانها ولا يجوز التيمم منها.

[١٢٥] (٧) اگر زمین پر ناپاکی لگ جائے اور سورج اس کو خشک کر دے اور ناپاکی کا اثر ختم ہو جائے تو اس جگہ پر نماز جائز ہے اور اس سے تیمّم جائز نہیں ہے۔

تشریح پیشاب یا پاخانہ یا کوئی اور ناپاکی زمین پر لگی ہو لیکن سورج نے اس ناپاکی کو خشک کر دیا اور ناپاکی کا اثرات ختم ہو گئے اب پتہ نہیں چلتا کہ اس جگہ پیشاب یا پاخانہ تھا تو اب وہ جگہ پاک ہو گئی اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ تیمّم کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ آیت قرآنی سے اس کے لئے مٹی کا بالکل پاک ہونا ضروری ہے فتیمموا صعیدا طیبا بالکل پاک مٹی کی قید ہے۔

وجہ (ا) حدیث میں ہے قال عبد الله ابن عمر کنت ابیت فی المسجد فی عهد رسول الله ﷺ وکنت فتی شابا عزبا، وکانت الکلاب تبول و تقبل وتدبر فی المسجد فلم یکونوا یرشون شیئا من ذلک (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی طهور الارض اذا یبست ص ٦٠ نمبر ٣٨٢) (٢) عن ابی قلابة قال اذا جفت الارض فقد زکت (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ٢٧ من قال اذا کانت جافة فهو زکاتها، ج اول، ص ٥٩، نمبر ٦٢٥)

کتا مسجد میں پیشاب کرتا ہو پھر اس کو کوئی دھوتا نہ ہو اور اسی پر نماز پڑھتا ہو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیشاب خشک ہونے کے بعد اور اس کے اثرات چلے جانے کے بعد جگہ پاک ہو گئی۔ ابو قلابہ کے قول میں تو صاف ہے کہ زمین خشک ہو گئی تو پاک ہو گئی۔

نوٹ نجاست تر ہو یا اس کے اثرات نہ گئے ہوں تو دھوئے بغیر زمین پاک نہیں ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام زفر فرماتے ہیں کہ نجاست خشک ہونے اور اثرات جانے کے بعد بھی دھوئے بغیر زمین پاک نہیں ہوگی۔

وجہ (ا) پاک کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی (٢) حدیث میں ہے ان ابا هريرة قال قام اعرابی فبال فی المسجد فتناوله الناس فقال لهم النبی ﷺ دعوه وهریقوا علی بوله سجلا من ماء او ذنوبا من ماء فانما بعثتم میسرین لم تبعثوا معسرین (ج) (بخاری شریف، باب صب الماء علی البول فی المسجد ص ٣٥ نمبر ٢٢٠) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین پر پانی بہانے سے پاک ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ تر نجاست ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ پانی بہانے سے پاک ہوگی۔ یہاں پیشاب تر تھا اور جلدی میں نماز پڑھنی تھی اس لئے پانی سے پاک کی گئی۔ البتہ خشک کے لئے اوپر کی حدیث پر عمل ہوا۔

لغت جفت : خشک ہو گئی۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے زمانے میں مسجد میں رات گزاتا تھا۔ میں جوان اکیلا تھا۔ کتا پیشاب کرتا تھا اور مسجد میں آتا جاتا تھا تو کوئی بھی اس پر پانی نہیں چھڑکتا تھا (ب) ابو قلابہؒ نے فرمایا جب زمین خشک ہو جائے تو پاک ہو جائے گی (ج) ابو ہریرة نے فرمایا ایک دیہاتی کھڑے ہوئے اور مسجد میں پیشاب کرنے لگے۔ لوگوں نے ان کو جھڑکنا شروع کیا تو حضورؐ نے ان لوگوں سے کہا اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو (سجلا کہا یا ذنوبا کہا) تم لوگ آسانی کے ساتھ بھیجے گئے ہوں تنگی کے ساتھ نہیں بھیجے گئے ہوں۔

[۱۲۶](۸) ومن اصابته من النجاسة المغلظة كالدم والبول والغائط والخمر مقدار

[۱۲۶](۸) کسی کو نجاست مغلظہ لگ جائے جیسے خون، پیشاب، پاخانہ اور شراب درہم کی مقدار یا اس سے کم تو نماز اس کے ساتھ جائز ہوگی اور اگر زیادہ ہو جائے تو جائز نہیں ہوگی۔

تشریح نجاست مغلظہ بدن یا کپڑے پر لگ جائے اور درہم یعنی ہتھیلی کی چوڑائی سے کم ہو تو دھوئے بغیر نماز جائز ہو جائے گی اگر چہ دھونا ضروری ہے۔ کیونکہ اتنی مقدار شریعت نے معاف کی ہے ورنہ حرج عظیم لازم ہوگا۔

وجہ (۱) پتھر کے ذریعہ استنجا کی حدیث میں ہے کہ پتھر سے مقام پاخانہ صاف کر دیا جائے تو نماز جائز ہو جائے گی۔ حالانکہ پتھر کے ذریعہ صفائی سے نجاست مکمل صاف نہیں ہوگی صرف کمی ہوگی اس کے باوجود نماز جائز کر دی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مقدار نجاست غلیظہ معاف ہے۔ حدیث میں ہے عن عائشة قالت ان رسول الله ﷺ قال اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معه بثلاثة احجار يستطيب بهن فانها تجزئ عنه (الف) (ابوداؤد شریف، (باب الاستنجاء بالاحجار ص ۷ نمبر ۴۰) پاخانہ کا مقام ایک درہم کی مقدار یا ہتھیلی کی گہرائی کے مقدار ہے اس لئے اتنی ہی مقدار معاف ہوگی اس سے زیادہ لگی ہو تو دھوئے بغیر نماز جائز نہیں ہوگی حدیث میں ہے عن ابی هريرة عن النبی ﷺ تعاد الصلوة من قدر الدرهم من الدم (دار قطنی، باب قدر النجاسة التی تبطل الصلوة ص ۳۸۵ نمبر ۱۴۷۹) معلوم ہوا کہ درہم سے کم ہو تو معاف ہے اور درہم یا اس سے زیادہ ہو تو نماز جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام زفر فرماتے ہیں کہ تھوڑی نجاست بھی دھونی پڑے گی اس لئے کہ احادیث میں دھونے کا حکم ہے اور تھوڑی نجاست اور زیادہ نجاست میں کوئی فرق نہیں کیا ہے اس لئے تھوڑی نجاست کو بھی دھونی پڑے گی تب نماز جائز ہوگی

لغت نجاستہ مغلظۃ : جس نجاست کے نجاست ہونے پر اتفاق ہو وہ نجاست مغلظہ ہے۔ اور جس نجاست میں علماء کا اختلاف ہو وہ نجاست خفیفہ ہے۔

نوٹ خون، انسانی پیشاب، پاخانہ کے نجاست مغلظہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے يا عمار انما يغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقيء والدم والمنى (ب) (دار قطنی، باب نجاسة البول والامر بالتنزه منه والحكم فی بول ما یؤکل لحمہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲) شراب کے ناپاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ثعلبة الخشنی انه سأل رسول الله قال انا نجاور اهل الكتاب وهم يطبخون فی قدورهم الخنزير و يشربون فی آنيتهم الخمر فقال رسول الله ﷺ ان وجدتم غيرها فكلوا فيها واشربوا وان لم تجدو غيرها فارحضوها بالماء وكلوا واشربوا (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی استعمال آنیۃ اہل الکتاب ج

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک پاخانہ جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے۔ اس سے اس کی صفائی کرے۔ اس لئے کہ یہ صفائی کرنا کافی ہو جائے گا (ب) اے عمار! کپڑا پانچ نجاستوں سے دھویا جاتا ہے (۱) پاخانہ (۲) پیشاب (۳) قے (۴) خون (۵) اور منی سے (ج) آپؐ سے پوچھا کہ ہم لوگ اہل کتاب سے معاملہ کرتے ہیں اور وہ اپنی ہانڈیوں میں سور پکاتے ہیں اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر اس کے علاوہ برتن ملے تو اس میں کھاؤ اور پیو۔ اور اگر اس کے علاوہ نہ ملے تو اس کو پانی سے دھوؤ اور اس میں کھاؤ اور پیو۔

الدرهم فمادونه جازت الصلوة معه وان زاد لم يجز[١٢٧](٩) وان اصابته نجاسة

ثانی ص۱۸۰نمبر۳۸۳۹)اس حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ جس برتن میں شراب پیتے ہوں اگر اس کے علاوہ کوئی برتن نہ ملے تو اس کو دھو کر اس میں پیو، دھونے کا حکم اس بات پر دال ہے کہ شراب ناپاک ہے اس لئے شراب والے برتن کو دھونا پڑیگا تب پاک ہوگا۔ انما الخمر والميسر والانصاب، والازلام رجس من عمل الیطان (آیت۹،سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں بھی شراب کو ناپاک قرار دیا ہے۔

[۱۲۷](۹)اور اگر کپڑے یا بدن کو نجاست خفیفہ لگ جائے جیسے گوشت کھائے جانے والے جانور کا پیشاب تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے جب تک چوتھائی کپڑے کو نہ لگ جائے۔

تشریح نجاست خفیفہ اس کو کہتے ہیں جس کے پاک ہونے اور ناپاک ہونے میں دونوں قسم کے دلائل ہوں، یا علماء میں اختلاف ہو۔ جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے کہ ان کے پاک اور ناپاک ہونے میں دونوں قسم کی احادیث ہیں۔ پاک ہونے کی دلیل یہ ہے حدیث میں ہے(۱)عن انس ان ناسا من عرينة قدموا المدينة فاجتووها فبعثهم رسول الله ﷺ فی ابل الصدقة وقال اشربوا من البانها وابوالها (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی بول مایؤکل لحمہ ص۲۱نمبر۷۲) آپؐ نے اہل عرینہ کو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔ وہ پاک ہوگا تب ہی تو پیشاب پینے کا حکم دیا ہوگا؟ (۲)عن البراء قال قال رسول الله ﷺ لا بأس ببول ما اكل لحمه (ب) (دار قطنی، باب نجاسة البول والامر بالتنزہ منه والحکم فی بول مایؤکل لحمہ ص۱۳۵نمبر۴۵۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مأکول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔ پیشاب کے ناپاک ہونے کی دلیل (۱)عن ابن عباس ... فقال النبی ﷺ يعذبان وما يعذبان في كبير ثم قال بلى كان احدهما لا يستتر من بوله وكان الآخر يمشی بالنميمة (ج) (بخاری شریف، باب من الکبائر ان لایستتر من بولہ ص۳۵نمبر۲۲۶،ترمذی شریف، باب التشدید فی البول ص۳۱نمبر۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی پیشاب لگنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے وہ ناپاک ہے(۲) عن انس قال قال رسول الله ﷺ تنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه (د) (دار قطنی، باب نجاسة البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص۱۳۵نمبر۴۵۳) یہ دونوں قسم کی احادیث مأکول اللحم کے بارے میں ہیں۔ اس لئے اس کے پیشاب کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہوگیا۔ اس لئے اس کا پیشاب امام ابوحنیفہ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے اور دوسرے جانور یا انسان کے بارے میں پاکی کی احادیث نہیں ہیں اس لئے ان کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے۔

نجاست خفیفہ کے بارے میں اصل روایت یہ ہے کہ اتنا لگ جائے کہ لوگ اس کو کثیر اور زیادہ سمجھیں تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ دوسری روایت ہے کہ کپڑے کی چوتھائی ہو تو وہ گویا کہ کثیر ہوگیا اور کپڑا ناپاک ہوگا۔ کیونکہ ستر کھلنے میں چوتھائی ستر کھل جائے تو وہ کل ستر کھلنے کے قائم

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مقام عرینہ سے مدینہ آئے تو ان کے پیٹ پھول گئے تو ان کو حضورؐ نے صدقہ کے اونٹ میں بھیجا اور کہا کہ اس کا دودھ بھی پیو اور اس کا پیشاب بھی پیو(ب) آپؐ نے فرمایا جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں ہے (یعنی پاک ہے)(ج) دونوں کسی بڑی چیزوں کی وجہ سے عذاب نہیں دیئے جا رہے ہیں۔ پھر کہا کہ کیوں نہیں ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا پھرتا تھا(د) آپؐ نے فرمایا پیشاب سے پرہیز کیا کرو اس لئے کہ عام طور پر عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔

مخففة كبول ما يؤكل لحمه جازت الصلوة معه ما لم يبلغ ربع الثوب[۱۲۸](۱۰) وتطهير النجاسة التي يجب غسلها على وجهين فما كان له عين مرئية فطهارتها زوال

مقام ہے۔احرام کی حالت میں سرمنڈوانے میں چوتھائی سرمنڈوائے تو کل سرمنڈوانے کے قائم مقام ہے اسی طرح یہاں بھی چوتھائی کپڑے پر لگ جائے تو پورے کپڑے میں لگنے کے قائم مقام ہوگا اور کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔

نوٹ بعض حضرات نے فرمایا کپڑے کی چوتھائی اور بعض حضرات نے فرمایا کپڑے کا ہر حصہ جن کا الگ الگ نام ہے جیسے آستین، دامن تو آستین کی چوتھائی اسی طرح دامن کی چوتھائی مراد ہے۔گائے بھینس کے چرواہے کے لئے ان کے پیشاب سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔اگر چوتھائی کپڑے میں پیشاب لگنے اور کیچڑ لگنے کو معاف نہ کیا جائے تو ان کے لئے حرج ہو جائے گا۔اس لئے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے پر لگ جائے تو اس میں نماز جائز ہوگی اگر چہ دھولینا چاہئے۔اس سہولت کی وجہ یہ حدیث ہے۔قلت لام سلمة ان امرأة اطيل ذيلي وامشي في المكان القذر؟ فقالت قال رسول الله ﷺ يطهره ما بعده (الف) وعن عبد الله ابن مسعود قال كنا نصلي مع رسول الله ﷺ ولا نتوضأ من الموطى (ب)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوضوء من الموطی ص ۳۶ نمبر ۱۴۳ / ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یطأ الاذی برجلہ ص ۳۰ نمبر ۲۰۴) دامن میں تھوڑی بہت ناپاکی لگ جائے اور بعد کے مکان اس کو جھاڑ دے تو نماز ہو جائے گی۔اس سے اشارہ ملتا ہے کہ نجاست غلیظہ ایک درہم سے کم ہو یا خفیفہ چوتھائی کپڑے سے کم ہو تو معفو عنہ ہیں ورنہ حرج ہوگا۔

فائدہ امام محمدؒ کے نزدیک حدیث عرینہ کی بنا پر ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔

﴿ نجاست پاک کرنے کا طریقہ ﴾

[۱۲۸](۱۰) نجاست کے پاک کرنے کا طریقہ جس کو دھونا واجب ہے دو طریقے ہیں (۱) پس جو نجاست آنکھ سے نظر آتی ہو اس کی پاکی اس کے عین کا زائل کرنا ہے۔مگر یہ کہ اس کا اثر باقی رہ جائے جس کا زائل کرنا مشکل ہو۔

تشریح جو نجاست خشک ہونے کے بعد آنکھ سے نظر آئے اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اتنی مرتبہ دھوئے کہ عین نجاست زائل ہو جائے۔چاہے ایک مرتبہ میں زائل ہو جائے چاہے پانچ مرتبہ میں۔

وجہ (۱) نجاست مرئیہ کے عین کے زائل ہونے سے پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن اسماء بنت ابی بكر انها قالت سمعت امرأة تسأل رسول الله ﷺ كيف تصنع احدانا بثوبها اذا رأت الطهر اتصلي فيه قال تنظر فان رأت فيه دما فلتقرصه بشيء من ماء ولتنضح ما لم ترى وتصلي فيه (ج)(ابوداؤد شریف، باب المرأة تغسل ثوبها الذی تلبسہ فی حیضہا ص

حاشیہ : (الف) میں نے ام سلمہ سے کہا میں ایسی عورت ہوں جس کا دامن لمبا ہے اور گندگی کی جگہوں پر چلتی ہوں، انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ بعد کی جگہ اس کو پاک کردے گی۔(ب) عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھتے اور روندی ہوئی خشک ناپاکی کی وجہ سے وضو نہیں کرتے (ج) ایک عورت نے حضورؐ سے پوچھا ہم میں سے ایک اپنے کپڑے کے ساتھ کیسے کرے گی جب کہ پاکی دیکھے۔کیا اس کپڑے میں نماز پڑھے گی؟ آپؐ نے (باقی اگلے صفحہ پر)

عينها الا ان يبقى من اثرها ما يشق ازالتها[۱۲۹](۱۱) وما ليس له عين مرئية فطهارتها ان يغسل حتى يغلب على ظن الغاسل انه قد طهر.

۵۸نمبر۳۶۱)اس حدیث میں ہے کہ پانی ڈالو جب تک کہ نجاست نظر آئے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ نجاست مرئیہ زائل ہونے تک دھویا جائے گا(۲) مستحاضہ کے سلسلے میں یہ حدیث ہے **عن عائشة قالت جائت فاطمة بنت ابی حبيش ... فاذا ادبرت فاغسلی عنک الدم وصلی (الف)** (مسلم شریف، باب المستحاضہ وغسلها وصلواتها ص۱۵۱نمبر۳۳۳)اس میں یہ بتایا کہ خون کو دھوؤ اور نماز پڑھو۔کتنی مرتبہ دھوؤ یہ نہیں بتایا جس کا مطلب یہ ہے کہ نجاست مرئیہ کے زائل ہونے تک دھوؤ۔

نجاست زائل ہو جائے مگر اس کی رنگت زائل کرنے کے لئے صابون وغیرہ کی زحمت کرنے پڑے تو اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے کپڑا پھر بھی پاک ہو جائے گا۔جیسے گوبر لگنے کے بعد عام پانی سے دھونے سے گوبر زائل ہو جاتا ہے لیکن اس کا داغ باقی رہتا ہے تو اس کے زائل کرنے کے لئے صابون وغیرہ کی زحمت ضروری نہیں ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **سألت عائشة عن الحائض يصيب ثوبها الدم؟ قالت تغسله فان لم يذهب اثره فلتغيره بشیء من صفره (ب)** (ابوداؤد شریف، باب المرأة تغسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها ص۵۸نمبر۳۵۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ داغ اور رنگت نہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اس کو صفرہ سے بدل دیا جائے (۲) شریعت یوں بھی مشقت شدیدہ کی مکلف نہیں بناتی۔

[۱۲۹](۱۱) جو نجاست نظر نہیں آتی اس کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ دھوتے رہے یہاں تک کہ دھونے والے کو غالب گمان ہو جائے کہ وہ پاک ہو گیا ہوگا۔

تشریح جو ناپاکی خشک ہونے کے بعد نظر نہ آتی ہو جیسے پیشاب، شراب اس کو اتنی مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ نچوڑے کہ دھونے والے کو گمان ہونے لگے کہ تمام نجاست نکل کر اب کپڑا پاک ہو گیا ہے۔

وجہ دھونے کی تکرار سے نجاست نکلتی چلی جائے گی اور آخر تمام نجاست نکل جائے گی اور زیلان نجاست ہی سے کپڑا یا بدن پاک ہو جاتا ہے(۲) علماء نے کہا ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں **عن ابی هريرة ان النبی ﷺ قال اذا استيقظ احدكم من نومه فلا يغمس يده فی الاناء حتى يغسلها ثلاثا فانه لا يدری اين باتت يده (ج)** (مسلم شریف، باب کراہۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستها فی الاناء قبل غسلها ثلاثا ص۱۳۶نمبر۲۷۸) یہاں نجاست غیر مرئیہ ہے تو تین مرتبہ دھونے کے لئے کہا گیا تو اور نجاست غیر مرئیہ میں بھی تین مرتبہ دھویا جائے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا غور کرو اگر اس میں خون دیکھو تو اس کو پانی کے ذریعہ رگڑو پھر پانی بہاتے رہو جب تک گندگی نہ نظر آنے لگے اور پھر اس میں نماز پڑھو(الف) فاطمہ بنت ابی حبیش سے حضورؐ نے فرمایا جب حیض کا خون ختم ہو جائے تو اپنے جسم سے خون دھوؤ اور نماز پڑھو(ب) حضرت عائشہؓ کو اس حائضہ کے بارے میں پوچھا جس کے کپڑے میں خون لگا ہو تو فرمایا کہ اس کو دھوئے۔پس اگر اس کا اثر نہ جائے تو زرد رنگ سے متغیر کر دے(ج) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھوئے۔اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اپنے ہاتھ کو کہاں گزارا۔

[١٣٠](١٢) والاستنجاء سنة يجزئ فيه الحجر والمدر وما قام مقامه يمسحه حتى ينقيه وليس فيه عدد مسنون.

﴿ استنجاء کا بیان ﴾

[١٣٠](١٢) استنجا سنت ہے، کافی ہے اس میں پتھر اور ڈھیلا اور جو اس کے قائم مقام ہو۔ مقام کو پونچھے یہاں تک کہ اس کو صاف کر دے۔

تشریح پاخانہ صاف کرنے کے لئے پتھر، ڈھیلا، لکڑی اور ایسی چیز جس سے پاخانہ صاف ہو جائے ان تمام چیزوں سے استنجا کرنا سنت ہے۔ ان چیزوں سے اتنی مرتبہ مقام صاف کرے کہ پاخانہ صاف ہو جائے تو کافی ہو جائے گا۔ اور پیشاب کے لئے ایسی چیز کی ضرورت ہے جو پیشاب کو چوس لے جیسے ڈھیلا۔ پتھر سے کام نہیں چلے گا کیونکہ اس میں پیشاب چوسنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ پتھر یا ڈھیلا استعمال کرنے سے نجاست کی کمی ہو جائے گی مکمل صفائی نہیں ہوگی۔ لیکن مخرج کے پاس ایک درہم چوڑائی کے اندر اندر ہو تو شریعت نے انسانی مجبوری کو دیکھتے ہوئے اس کی سہولت دی ہے۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ پانی استعمال کرے تاکہ مکمل صفائی ہو جائے

نوٹ یہاں بھی اصل مقصد نجاست کو صاف کرنا ہے چاہے جتنے ڈھیلے میں صاف ہو جائے۔ تین عدد ضروری نہیں ہے۔ ان سب کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة قالت ان رسول الله و قال اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معه بثلثة احجار يستطيب بهن فانها تجزئ عنه (الف) (ابوداؤد شریف، باب الاستنجاء بالاحجار ص ٧ نمبر ٤٠) حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پتھر اور ڈھیلا استنجاء کے لئے کافی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تین پتھر اس لئے ہونا چاہئے کہ ان سے عموماً پاکی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے کہا فانها تجزئ عنها (٢) عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال... ومن الستجمر فليوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج (ابوداؤد شریف، باب الاستتار فی الخلاء ص ٦ نمبر ٣٥)

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین پتھر لینا ضروری ہے اور اگر تین سے صفائی نہ ہو تو پھر زیادہ پتھر لیں گے۔ لیکن طاق پتھر لئے جائیں گے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن سلمان قال قيل له قد علمكم بينكم صلى الله عليه وسلم كل شيء حتى الخرائة قال فقال اجل لقد نهانا ان نستقبل القبلة لغائط او بول او ان نستنجي باليمين او ان نستنجي باقل من ثلثة احجار او ان نستنجي برجيع او بعظم (ب) (مسلم شریف، باب الاستطابة ص ١٣٠ نمبر ٢٦٢) اس حدیث میں استنجا کرنے کے بہت سے آداب مذکور ہیں۔ ساتھ ہی یہ ہے کہ تین پتھر سے کم سے استنجاء کرے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ اس سے عموماً صفائی ہو جاتی ہے یا استحباب کے طور پر ہے واجب نہیں ہے۔

لغت المدر : ڈھیلا، ينقيه : صاف کر دے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک پاخانہ جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے اور ان سے پاکی حاصل کرے۔ اس لئے کہ یہ تین پتھر پاکی حاصل کرنے کے لئے کافی ہے (ب) حضرت سلمانؓ سے لوگوں نے کہا کہ تمہارا نبی تم کو ہر چیز سکھاتا ہے یہاں تک کہ پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی۔ کہا ہاں! ہم کو روکا کہ پاخانہ کی حالت یا پیشاب کی حالت مین قبلہ کا استقبال کریں یا دائیں ہاتھ سے استنجا کریں یا تین پتھر سے کم سے استنجا کریں یا لید یا ہڈی سے استنجا کریں۔

[۱۳۱] (۱۳) وغسلہ بالماء افضل [۱۳۲] (۱۴) وان تجاوزت النجاسۃ مخرجھا لم یجز فیہ الا الماء او المائع [۱۳۳] (۱۵) ولا یستنجی بعظم ولا روث ولا بطعام ولا

[۱۳۱] (۱۳) مقام کو پانی کے ساتھ دھونا افضل ہے۔

وجہ سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا خرج لحاجتہ اجیء انا وغلام معنا اداوۃ من ماہ یعنی یستنجی بہ (الف) (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالماء ص ۲۷ نمبر ۱۵۰) اوپر کی حدیث اور اس حدیث کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے ساتھ استنجا کرنا افضل ہے۔ اس لئے کہ اس سے مکمل صفائی ہو جاتی ہے۔ البتہ پتھر استعمال کرنے سے کفایت کر جائے گی اور نماز جائز ہو جائے گی۔

[۱۳۲] (۱۴) اگر نجاست مخرج سے زیادہ پھیل جائے تو اس میں جائز نہیں ہے اس میں مگر پانی یا بہنے والی چیز۔

تشریح شیخین کے نزدیک مخرج کے علاوہ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست پھیل جائے اور امام محمدؒ کے نزدیک مخرج کے ساتھ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست پھیل جائے تو پانی سے دھونا ضروری ہے۔ اب پتھر سے صاف کرنا کافی نہیں ہوگا

وجہ (۱) مخرج کو مجبوری کے درجہ میں پتھر سے صاف کرنا کافی قرار دیا اس لئے اس سے زیادہ پھیل جائے تو پانی سے دھونا ضروری ہوگا (۲) حضرت علیؓ کے قول سے تائید ہوتی ہے۔ قال علی بن ابی طالب انھم کانوا یبعرون بعرا وانتم تثلطون ثلطا فاتبعوا الحجارۃ الماء (ب) (سنن للبیھقی، باب الجمع فی الاستنجاء بین المسح بالاحجار والغسل بالماء، ج اول، ص ۱۷۲، نمبر ۵۱۷) اس سے معلوم ہوا کہ پتھر اس وقت کافی ہوگا جب نجاست مخرج تک ہو جیسا کہ صحابہ خشک پاخانہ کرتے تھے تو مخرج تک ہوتا تھا۔ لیکن مخرج سے زیادہ ہو تو پانی استعمال کرنا ہوگا۔

نوٹ پانی سے بھی استنجا کرنا جائز ہے۔ اور ہر وہ بہنے والی چیز جس سے نجاست زائل ہو جائے اس سے بھی استنجا کرنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ کا اختلاف اس بارے میں پہلے گزر چکا ہے۔

[۱۳۳] (۱۵) نہ استنجا کرے ہڈی سے، نہ لید سے، نہ کھانے سے، نہ دائیں ہاتھ سے۔

وجہ (۱) یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز جو خود ناپاک ہو جیسے لید، سوکھا گوبر تو وہ دوسرے کو کیسے پاک کرے گی۔ اس لئے ناپاک چیز سے استنجا کرنا جائز نہیں ہے (۲) ایسی چیز جو چکنی ہو جیسے ہڈی اس سے مقام صاف نہیں ہوگا صرف نجاست مزید پھیل جائے گی اس لئے اس سے بھی استنجا جائز نہیں ہے (۳) ایسی چیز جو محترم ہو جیسے کھانا اور کاغذ تو اس سے بھی استنجا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ احترام کے خلاف ہے۔ اسی طرح دایاں ہاتھ محترم ہے اس کو بھی پاخانہ کے لئے استعمال کرنا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے اس سے بھی استنجا کرنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ ان چیزوں سے استنجا کر لیا اور نجاست صاف ہو گئی تو نماز کے لئے درست ہو جائے گی۔ ان چیزوں سے مکروہ ہونے کی دلیل حضرت

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جب قضاء حاجت کے لئے نکلتے تو میں اور میرے ساتھ ایک لڑکا پانی سے بھرے ہوئے برتن کے ساتھ جاتے، یعنی اس سے حضورؐ استنجاء فرماتے (ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ مینگنی کی طرح پاخانہ کرتے تھے اور تم لوگ پتلا پاخانہ کرتے ہو اس لئے پتھر کے بعد پانی استعمال کرو۔

بیمینه.

سلمانؓ کی حدیث ہے جو مسئلہ نمبر۱۲ میں گزر گئی ۔عن سلمان ... لقد نهانا ان نستقبل القبلة لغائط او بول او ان نستنجی بالیمین او ان نستنجی باقل من ثلاثة احجار او ان نستنجی برجیع او بعظم (الف)(مسلم شریف، باب الاستطابۃ ص ۱۳۰ نمبر۲۶۲)اس حدیث میں دائیں ہاتھ سے اور لید سے اور ہڈی سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ہمیں روکا کہ پاخانہ اور پیشاب کے وقت قبلے کا استقبال کریں یا دائیں ہاتھ سے استنجا کریں یا تین پتھر سے کم سے استنجا کریں یا گوبر سے یا ہڈی سے استنجا کریں۔

﴿کتاب الصلوۃ﴾

[۱۳۴](۱) اول وقت الفجر اذا طلع الفجر الثانی وھو البیاض المعترض فی الافق وآخر

﴿کتاب الصلوۃ﴾

ضروری نوٹ صلوۃ کے لغوی معنی دعا ہے۔شریعت میں ارکان معہودہ کوصلوۃ کہتے ہیں۔صلوۃ کے فرض ہونے کی دلیل قرآن کی بہت سی آیتیں ہیں۔مثلاان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا(الف)(آیت ۱۰۳سورۃالنساء۴)

نوٹ نمازاہم عبادت ہےاورطہارت اس کے لئے شرط ہے۔اس لئے طہارت کومقدم کیا۔اب طہارت کےابحاث ختم ہونے کے بعدنماز کے مسائل کوشروع کیا

وقت وقت نماز کے لئے شرط ہےاگروقت نہ ہواہوتونماز ہی واجب نہیں ہوتی۔وقت آنے پرہی نماز واجب ہوتی ہے۔وجوب کی اصل وجہ تو اللہ کاحکم ہےلیکن ہم اللہ کے ہروقت کے حکم کونہیں سن پاتے اس لئے علامت کےطور پر وقت کورکھ دیا کہ جب وقت آئے توسمجھ لوکہ حکم آگیااور نمازشروع کرو۔وقت کی دلیل اوپر کی آیت ہے۔

[۱۳۴](۱)فجر کااول وقت جب کہ صبح صادق طلوع ہوجائے،فجر ثانی وہ افق میں پھیلی ہوئی سفید روشنی ہےاورفجر کا آخری وقت جب تک کہ سورج طلوع نہ ہوجائے۔

وجہ فجر کی نمازفرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے وسبح بحمدک ربک قبل طلوع الشمس و قبل غروبھا ومن اناء اللیل فسبح واطرافھا النھار لعلک ترضی (ب)(آیت ۱۳۰سورہ طہ۲۰)بلکہ اس آیت میں تمام نمازوں کےاوقت کی طرف اشارہ ہو گیا۔اورنماز فجر کے وقت کی طرف بھی اشارہ ہوگیا۔

لغت الفجرالثانی : فجر کی دوقسمیں ہیں(۱)صبح کاذب(۲)صبح صادق۔صبح کاذب:مشرقی افق میں بھیڑئے کی دم کی طرح لمبی سی روشنی ہوتی ہے جو بہت مشکل سے نظر آتی ہے۔اس کے تھوڑی دیر کے بعدمحرابی شکل میں پھیلی ہوئی روشنی ہوتی ہےجس کوصبح صادق کہتے ہیں۔بعض ماہرین فلکیات اس کواٹھارہ ڈگری پر بتاتے ہیں اوربعض پندرہ ڈگری پر بتاتے ہیں۔دلائل دونوں طرف ہیں۔اسی صبح صادق کے وقت فجر کی نماز واجب ہوتی ہے۔اسی کی طرف مصنفؒ نے البیاض المعترض کہکر اشارہ کیاہے۔حدیث میں اس کی دلیل یہ ہے عن سمرۃ بن جندبؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یغرنکم اذان بلال ولا ھذا البیاض لعمود الصبح حتی یستطیرھکذا (ج)(مسلم شریف،باب بیان ان الدخول فی الصوم تحصل بطلوع الفجر،کتاب الصوم ص۳۵۰نمبر۱۰۹۴)حدیث سے پتہ چلاکہ روشنی جولمبائی میں ہووہ صبح صادق نہیں ہے۔بلکہ یستطیر یعنی افق میں پھیلی ہوئی روشنی صبح صادق ہے۔آیت میں بھی اس طرف اشارہ ہے وکلوا واشربوا حتی

حاشیہ : (الف)نمازمؤمن پروقت متعینہ کےساتھ فرض ہے(ب)اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے سورج کےطلوع ہونے سے پہلےاورغروب سے پہلےاوررات کے کچھ حصے میں۔پس تسبیح بیان کیجئے اوردن کے کناروں میں شاید کہ آپ راضی ہوجائیں(ج)آپ کودھوکے میں نہ ڈالے بلال کی اذان اورنہ یہ صبح کی لمبی سفیدی یہاں تک کہ روشنی پھیل نہ جائے۔

وقتها ما لم تطلع الشمس[۱۳۵] (۲)واول وقت الظهر اذا زالت الشمس وآخر وقتها عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی اذا صار ظل کل شیء مثلیه سوی فیء الزوال وقال ابو

یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر (آیت ۱۸۷ سورۃ البقرۃ ۲) تبین سے مراد فجر کا خوب واضح ہونا ہے جو صبح صادق کے وقت ہوتا ہے۔

[۱۳۵](۲) ظہر کا اول وقت جب سورج ڈھل جائے اور اس کا آخری وقت امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے سایہ اصلی کے علاوہ۔ اور صاحبین کے نزدیک جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جائے۔

تشریح ظہر کا اول وقت زوال کے فوراً بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اس کے آخری وقت کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل تک رہتا ہے۔ اور اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے

وجہ عن ابی ذر قال کنا مع رسول الله ﷺ فی سفر فاراد المؤذن ان یؤذن للظهر فقال النبی ﷺ ابرد، ثم اراد ان یؤذن فقال له ابرد، حتی رأینا فیء التلول فقال النبی ﷺ ان شدة الحر من فیح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة (الف) (بخاری شریف، باب الابراد بالظہر فی السفر ص ۷۷ نمبر ۵۳۹) ٹیلہ پستہ قد ہوتا ہے اس کا سایہ نیچے نظر نے لگے یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل سے زیادہ ہو چکا ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل کے بعد پڑھی گئی ہے۔ اس لئے ظہر کا وقت دو مثل تک ہے فائدہ صاحبین اور دوسرے ائمہ سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل تک ظہر کا وقت کہتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے اخبرنی ابن عباس ان النبی ﷺ قال امنی جبرئیل عند البیت مرتین فصلی الظهر فی الاولی منهما حین کان الفیء مثل الشراک ثم صلی العصر حین کان کل شیء مثل ظله ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس وافطر الصائم ثم صلی العشاء حین غاب الشفق ثم صلی الفجر حین برق الفجر وحرم الطعام علی الصائم وصلی المرة الثانية الظهر حین کان ظل کل شیء مثله لوقت العصر بالامس ثم صلی العصر حین کان ظل کل شیء مثلیه ثم صلی المغرب لوقته الاول ثم صلی العشاء الآخرة حین ذهب ثلث اللیل ثم صلی الصبح حین اسفرت الارض ثم التفت الی جبرئیل فقال یا محمد هذا وقت الانبیاء من قبلک والوقت فیما بین هذین الوقتین (ب) (ترمذی

حاشیہ : (الف) ابو ذر فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ سفر میں تھے تو مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا ٹھنڈا ہونے دو۔ پھر اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا ٹھنڈا ہونے دو۔ یہاں تک کہ ہم نے ٹیلے کا سایہ دیکھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا سخت گرمی جہنم کی لپٹ ہے۔ پس جب کہ سخت گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو (ب) آپؐ نے فرمایا کہ جبرئیل نے بیت اللہ کے پاس میری دو مرتبہ امامت کی۔ پس ظہر کی نماز پہلے وقت پر پڑھائی جس وقت کے سایہ چپل کی طرح ہو گیا۔ پھر عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔ پھر مغرب کی نماز پڑھائی جب کہ سورج ڈوب گیا اور روزہ دار نے افطار کر لیا۔ پھر عشا کی نماز پڑھائی جب کہ شفق ڈوب گیا۔ پھر فجر کی نماز پڑھائی جس وقت فجر نکل گیا اور کھانا روزہ دار پر حرام ہو گیا۔ اور دوسری مرتبہ ظہر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا جس وقت پچھلے دن عصر پڑھائی تھی۔ پھر عصر کی نماز پڑھائی جس وقت ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا۔ پھر مغرب کی نماز پڑھائی پہلے ہی وقت پر۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

یوسف و محمد رحمهما الله اذا صار ظل کل شیء مثله[۱۳۶] (۳) واول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر علی القولین وآخر وقتها مالم تغرب الشمس.

شریف، باب ماجاء مواقیت الصلوۃ عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوۃ نمبر ۱۴۹ ر ابوداؤد شریف، باب المواقیت، ص ۶۲، نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں تمام نماز کے اوقت بیان کئے گئے ہیں۔اور ظہر کا آخری وقت ایک مثل بتایا گیا ہے۔اور ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔اسی حدیث کی بنا پر صاحبین بھی اس طرف گئے ہیں کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ایک مثل کے بعد ظہر نہ پڑھے اور دو مثل سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے لغت فی الزوال : ٹھیک دوپہر کے وقت جب سورج سر پر ہو تو اس وقت جو تھوڑا سا سایہ ہوتا ہے اس کو سایہ اصلی اور فی الزوال کہتے ہیں۔اس کو چھوڑ کر ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو تو وہ ایک مثل سایہ کہلاتا ہے۔مثلا ایک آدمی کا قد ساڑھے پانچ فٹ ہے۔تو سایہ اصلی کے علاوہ سایہ ساڑھے پانچ فٹ تک چلا جائے تو ایک مثل ہوگیا۔اور سایہ اصلی کے علاوہ گیارہ فٹ تک سایہ لمبا ہوگیا تو دو مثل ہوگیا۔

[۱۳۶] (۳) عصر کا اول وقت جب کہ ظہر کا وقت نکل جائے دونوں قول پر۔اور اس کا آخری وقت جب تک سورج غروب نہ ہوجائے۔

تشریح صاحبین کے قول کے مطابق مثل اول کے بعد عصر کا وقت شروع ہوگا۔اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق دو مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوگا۔اور بعض ائمہ نے دونوں حدیثوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ ایک مثل کے بعد اور دو مثل سے پہلے وقت مہمل ہے یعنی نہ ظہر کا وقت ہے اور نہ عصر کا وقت ہے۔

نوٹ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ظہر کے بعد فورا عصر کا وقت شروع ہوتا ہے نہ دونوں کے درمیان وقت مہمل ہے اور نہ مشترک ہے۔پہلی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عصر کی آخری نماز دو مثل پر پڑھی گئی لیکن دوسری حدیث میں موجود ہے کہ غروب آفتاب تک عصر کا وقت موجود ہے۔البتہ آفتاب زرد ہونے کے بعد نماز مکروہ ہونے لگتی ہے۔اس لئے آفتاب زرد ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھنی چاہئے۔تاہم غروب سے پہلے عصر کی نماز پڑھیگا تو ادا ہوگی قضا نہیں ہوگی۔کیونکہ ابھی وقت باقی ہے۔غروب آفتاب سے پہلے تک عصر کے وقت ہونے کی دلیل۔

وجہ (۱) وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبها (آیت ۱۳۰ سورۂ طہ ۲۰) غروب سے پہلے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز عصر کا وقت سورج غروب ہونے سے پہلے تک ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک من العصر رکعة قبل ان تطلع الشمس فقدادرک العصر (الف)** (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس ص ۴۵ نمبر ۱۸۶ ر بخاری شریف، باب من ادرک من الفجر رکعة ص

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پھر عشا آخرہ کی نماز پڑھائی جب کہ تہائی رات چلی گئی۔پھر صبح کی نماز پڑھائی جس وقت زمین میں اسفار ہوگیا۔پھر میری طرف جبرئیل متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے محمد! یہ آپ سے پہلے انبیا کا وقت ہے۔اور نمازوں کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے (الف) آپ نے فرمایا جس نے صبح کی ایک رکعت پائی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے گویا کہ اس نے صبح کی نماز پالی۔اور جس نے سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو گویا کہ عصر کی نماز پالی۔

[۱۳۷](۴) واول وقت المغرب اذا غربت الشمس وآخر وقتها مالم تغب الشفق

[۱۳۸](۵) وهو البياض الذی یری فی الافق بعد الحمرة عند ابی حنیفة رحمه الله وقال ابو یوسف ومحمد رحمهما الله هو الحمرة.

نمبر ۵۷۹) سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو گویا کہ پوری عصر کی نماز پالی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے تک عصر کا وقت ہے

[۱۳۷](۴) مغرب کا اول وقت جب سورج ڈوب جائے اور اس کا آخر وقت جب تک کہ شفق غائب نہ ہو جائے۔

وجہ مغرب کے اول وقت کے بارے میں حدیث گزر چکی ہے۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مغرب کی نماز دونوں دن سورج غروب ہونے کے بعد ہی پڑھائی۔ اس لئے کہ مستحب وقت وہی ہے۔ لیکن مغرب کا آخری وقت حقیقت میں شفق کے غروب ہونے تک ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن عمران النبی ﷺ قال اذا صلیتم الفجر ... فاذا صلیتم المغرب فانه وقت الی این یسقط الشفق (الف) (مسلم شریف، باب اوقات الصلوات الخمس ص ۲۲۲ نمبر ۶۱۲ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی مواقیت الصلوۃ ص ۴۰ نمبر ۱۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت شفق کے غروب ہونے تک رہتا ہے۔

[۱۳۸](۵) شفق وہ سفید روشنی ہے جو افق میں سرخی کے بعد دیکھی جاتی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ اور صاحبین نے کہا شفق وہ سرخی ہے۔

تشریح آفتاب ڈوبنے کے بعد پہلے سرخی آتی ہے پھر سفید روشنی پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر سفید روشنی لمبی سی ہوتی ہے جس کو بیاض مستطیر اور پھر بیاض مستطیل کہتے ہیں۔ اس کے بعد افق پر مکمل اندھیرا چھا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک سرخی کے بعد جو بیاض مستطیر ہوتی ہے وہاں تک مغرب کا وقت ہے۔ اس کے بعد عشا کا وقت شروع ہوتا ہے (۱) فجر میں بیاض مستطیر فجر کا وقت ہے۔ اسی طرح بیاض مستطیر مغرب کا وقت ہونا چاہئے۔ کیونکہ دونوں ایک ہی طرح ہیں (۲) حدیث میں ہے سمعت ابا مسعود الانصاری یقول ... ویصلی المغرب حین تسقط الشمس ویصلی العشاء حین یسود الافق وربما اخرها حتی یجتمع الناس (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المواقیت ص ۶۲ / ۶۳ نمبر ۳۹۴) اس حدیث میں ہے کہ آپ عشا کی نماز افق کالا ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بیاض مستطیر تک مغرب کا وقت ہے۔ جو سرخی کے بعد آتی ہے۔ کیونکہ افق کالا سفیدی غائب ہونے کے بعد ہی ہوگا۔ اس کی تائید اس اثر سے ہوتی ہے۔ کتب عمر بن عبد العزیز ان صلوا صلوة العشاء اذا ذهب بیاض الافق فیما بینکم و بین ثلث اللیل (مصنف عبد الرزاق، باب وقت العشاء الآخرة، ص ۵۵۶، نمبر ۲۱۱۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ افق کے بیاض جانے یعنی شفق ابیض کے ڈوبنے کے بعد نماز عشاء کا وقت ہوتا ہے۔

حاشیہ : (الف) (الف) آپ نے فرمایا پس جب کہ مغرب کی نماز پڑھو تو اس کا وقت شفق کے ڈوبنے تک ہے (ب) ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں کہ حضور نماز پڑھتے تھے مغرب کی جب سورج ڈوب جاتا تھا اور عشا کی جب افق کالا ہو جاتا تھا، اور کبھی مؤخر کرتے تھے یہاں تک کہ لوگ جمع ہو جائیں۔

[۱۳۹](٦) واول وقت العشاء اذا غاب الشفق وآخر وقتها ما لم یطلع الفجر[۱۴۰]

(۷)واول وقت الوتر بعد العشاء وآخر وقتها ما لم یطلع الفجر.

فائدہ صاحبین اور جمہور ائمہ کے نزدیک بیض مستطیر کے پہلے جو سرخی ہے وہاں تک مغرب کا وقت ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ الشفق الحمرة فاذا غاب الشفق وجبت الصلوة (الف) (دارقطنی، باب فی صفۃ المغرب والصبح ج اول ص ۲۷٦ نمبر ۱۰۴۴ رسنن للبیہقی، باب دخول وقت العشاء بغیبوبۃ الشفق، ج اول، ص ۵۴۸، نمبر ۱۷۴۴) اس حدیث اور ابو ہریرہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سرخ شفق تک مغرب کا وقت ہے اس کے غروب ہونے کے بعد عشا کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

[۱۳۹](٦) عشا کا اول وقت جب شفق غائب ہوجائے اور اس کا آخر وقت جب تک کہ فجر نہ طلوع ہوجائے۔

وجہ عشا کے اول وقت کے بارے میں مسئلہ نمبر ۲ اور مسئلہ نمبر ۴ میں حدیث گزر چکی ہے۔البتہ آخری وقت کے بارے میں یہ حدیث ہے عن عائشة قالت اعتم النبی ﷺ ذات لیلة حتی ذهب عامة اللیل وحتی نام اهل المسجد (ب) (مسلم شریف، باب وقت العشاء وتاخیرها ص ۲۲۹ نمبر ۶۳۸) اس حدیث سے مولوم ہوا کہ عامۃ اللیل رات کا ایک بڑا حصہ چلا گیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آدھی رات چلی گئی تھی۔اس لئے آدھی رات تک نماز پڑھنے کا ثبوت صحیح حدیث سے ثابت ہے۔اور آخر رات تک عشا کے وقت ہونے کی دلیل صحابہ کا قول ہے قال لابی هریرة ما افرط صلوة العشاء؟ قال طلوع الفجر و عن عبد الرحمن بن عوف فی امرأة تطهر قبل طلوع الفجر صلت المغرب والعشاء (ج) (السنن للبیہقی، باب آخر وقت الجواز لصلوۃ العشاء، ج اول، ص ۵۵۳، نمبر ۱۷٦۳) صحابی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ عشا کا وقت طلوع فجر سے پہلے تک ہے۔تمام ائمہ کا یہی مسلک ہے

[۱۴۰](۷) وتر کا اول وقت عشا کے بعد ہے اور اس کا آخر وقت جب تک صبح صادق طلوع نہ ہو۔

وجہ حدیث میں ہے (ا) عن خارجة بن حذافة انه قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال ان الله امدکم بصلوة هی خیر لکم من حمر النعم الوتر جعله الله لکم فیما بین صلوة العشاء الی ان یطلع الفجر (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الوتر ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۲ رابوداؤد شریف، ابواب الوتر، باب استحباب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۸) اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز کا وقت عشا کے بعد سے لیکر صبح صادق طلوع ہونے تک ہے۔اور حدیث میں امدکم یعنی ایک نماز زیادہ کی اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز واجب ہے۔تب ہی تو پانچ نماز پر زیادتی ہوگی۔ایک اور حدیث ہے عن مسروق انه سأل عائشة عن وتر النبی ﷺ فقالت من کل اللیل قد اوتر

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا شفق وہ سرخی ہے۔پس جب شفق غائب ہوجائے تو عشا کی نماز واجب ہے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نے ایک رات عشا کی نماز پڑھی یہاں تک کہ رات کا عام حصہ جا چکا تھا۔اور مسجد والے سو چکے تھے (ج) حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا گیا کہ عشا کی نماز کب ہوگی؟ فرمایا طلوع فجر پر اور عبد الرحمن بن عوفؓ سے پوچھا گیا اس عورت کے بارے میں جو طلوع فجر سے پہلے حیض سے پاک ہو۔فرمایا مغرب اور عشا کی نماز پڑھے گی (د) ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے آپ نے فرمایا اللہ نے ایک نماز زیادہ کی ہے وہ تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے۔وہ وتر ہے۔اس کو اللہ نے تمہارے لئے عشا کی نماز سے لیکر فجر طلوع ہونے تک کی ہے۔

[۱۴۱](۸) ویستحب الاسفار بالفجر[۱۴۲](۹) والابراد بالظهر فی الصیف وتقدیمها فی الشتاء.

اوله واوسطه وآخره فانتهی وتره حین مات فی وجه السحر (الف)(ترمذی شریف، باب ما جاء فی الوتر اول اللیل وآخرہ ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز اول، اوسط اور آخر رات میں پڑھی جاسکتی ہے۔

[۱۴۱](۸) فجر میں اسفار کرنا مستحب ہے۔

تشریح فجر کا اصل وقت تو طلوع صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے۔لیکن مستحب یہ ہے کہ اسفار کر کے فجر کی نماز شروع کرے۔

وجہ (۱) جماعت بڑی ہوگی ورنہ لوگ غلس اور اندھیرے میں کم آئیں گے اور جماعت کی قلت ہوگی (۲) حدیث میں ہے عن رافع بن خدیج قال سمعت رسول الله یقول اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر (ب)(ترمذی شریف، باب الاسفار بالفجر ص ۴۰ نمبر ۱۵۴/ابوداؤد شریف، باب فی وقت الصبح ص ۶۷ نمبر ۴۲۴)اس میں الفاظ یوں ہیں اصبحوا بالصبح اس سے معلوم ہوا کہ فجر کو اسفار کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

فائدہ امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک ہر نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔اور فجر کو غلس اور اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عائشة اخبرته قالت کن نساء المؤمنات یشهدن مع رسول الله ﷺ صلوة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ینقلن الی بیوتهن حین یقضین الصلوة لا یعرفهن احد من الغلس (ج)(بخاری شریف، باب وقت الفجر ص ۸۲ نمبر ۵۷۸/مسلم شریف، باب استحباب التبکیر بالصبح ص ۲۳۰ نمبر ۶۴۵)اس حدیث میں دیکھئے غلس میں نماز پڑھی گئی۔ہم کہتے ہیں کہ مدینہ کی طرح لوگ غلس میں مسجد میں آجاتے ہوں جیسے رمضان میں آجاتے ہیں تو غلس میں مستحب ہے اور اگر لوگ سوئے رہتے ہوں تو اسفار مستحب ہے۔

[۱۴۲](۹) مستحب ہے گرمی میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا اور سردی میں اس کو مقدم کرنا۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر حدثاه عن رسول الله ﷺ انه قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوه فان شدة الحر من فیح جهنم (د)(بخاری شریف، باب الابراد بالظہر فی شدة الحر ص ۷۶ نمبر ۵۳۳/ترمذی شریف، باب ما جاء فی تاخیر الظہر فی شدة الحر ص ۴۰، نمبر ۱۵۷))اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی ہو تو ظہر کی نماز مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے(۲)اور حدیث میں ہے انس بن مالک ان رسول الله ﷺ خرج حین زاغت الشمس فصلی الظهر (ہ)(بخاری شریف، باب وقت الظہر عند

حاشیہ : (الف) آپؐ نے پوری ہی رات وتر پڑھی۔شروع رات میں، درمیان میں اور آخر میں۔آخری آپ کی وتر جب انتقال کیا سحری کے وقت تھی(ب) آپ فرمایا کرتے تھے فجر کو اسفار کر کے پڑھو اس میں اجر و ثواب زیادہ ہے (ج) حضرت عائشہؓ نے خبر دی کہ مومن عورتیں حضورؐ کے ساتھ فجر کی نماز میں حاضر ہوتیں اپنی چادروں میں لپٹ کر۔پھر اپنے گھروں کو جاتیں جس وقت نماز پوری کرلیتیں تو وہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتیں (د) آپؐ نے فرمایا اگر گرمی زیادہ ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو۔اس لئے کہ سخت گرمی جہنم کی لپٹ میں سے ہے (ہ) آپؐ نکلے سورج ڈھل گیا اور ظہر کی نماز پڑھی۔

[۱۴۳] (۱۰) وتاخیر العصر مالم تتغیر الشمس[۱۴۴] (۱۱) وتعجیل المغرب [۱۴۵]
(۱۲) وتاخیر العشاء الی ما قبل ثلث اللیل.

الزوال ص ۷۷ نمبر ۵۴۰) اس سے معلوم ہوا کہ سردی ہو تو نماز جلدی پڑھی جائے۔ایک دوسری حدیث میں ہے سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بکر بالصلوۃ وذا اشتد الحر ابرد بالصلوۃ یعنی الجمعۃ (الف) (بخاری شریف، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعۃ ص ۱۲۴ کتاب الجمعۃ نمبر ۹۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردی میں ظہر کی نماز جلدی پڑھے اور گرمی میں دیر کر کے پڑھے۔

[۱۴۳] (۱۰) عصر مؤخر کرے جب تک سورج میں زردی نہ آجائے۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے علی بن شیبان قال قدمنا علی رسول اللہ ﷺ الی المدینۃ فکان یؤخر العصر مادامت الشمس بیضاء بقیۃ (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی وقت صلوۃ العصر ص ۶۵ نمبر ۴۰۸) (۲) دوسری حدیث میں ہے سمعت ابا مسعود الانصاری یقول ... ورأیتہ یصلی العصر والشمس مرتفعۃ بیضاء قبل ان تدخلھا الصفرۃ (ج) (دار قطنی، باب ذکر بیان المواقیت واختلاف الروایات فی ذلک ج اول ص ۲۵۹ نمبر ۹۷۵) ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ آفتاب زرد ہونے سے پہلے تک عصر کی نماز مؤخر کرنا مستحب ہے۔تاکہ عصر سے پہلے سنن اور نوافل پڑھ سکے۔کیونکہ عصر کی نماز کے بعد نوافل نہیں پڑھ سکیں گے۔

[۱۴۴] (۱۱) مغرب کو جلدی پڑھنا (مستحب ہے)

وجہ (۱) اوپر کی حدیث میں دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دونوں دن ایک ہی وقت میں مغرب کی نماز پڑھائی اس کا مطلب یہ ہے کہ اول وقت میں مغرب کی ماز پڑھنا مستحب ہے (۲) حدیث میں ہے فقام الیہ ابو ایوبؓ ... وقال اما سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا تزال امتی بخیر او قال علی الفطرۃ مالم یؤخروا المغرب الی ان تشتبک النجوم (د) (ابوداؤد شریف، باب فی وقت المغرب ص ۶۶ نمبر ۴۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کو جلدی پڑھنا خیر کی چیز ہے۔

[۱۴۵] (۱۲) عشا کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لو لا ان اشق علی امتی لامرتھم ان یؤخروا العشاء الی ثلث اللیل او نصفہ (ہ) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تاخیر العشاء الآخرۃ ص ۴۲ نمبر ۱۶۷ ر ابوداؤد شریف، باب ما وقت العشاء الآخرۃ ص

حاشیہ : (الف) حضورؐ جب سخت سردی ہوتی تو جلدی نماز پڑھتے اور جب سخت گرمی ہوتی تو ٹھنڈا کر کے نماز پڑھتے یعنی جمعہ کی نماز (ب) علی ابن شیبان فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے پاس مدینہ آئے تو آپؐ عصر کو مؤخر کرتے تھے جب تک سورج سفید ہوتا (ج) ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ عصر کی نماز پڑھتے ہیں اس حال میں کہ سورج بلند رہتا ہے اور سفید رہتا ہے۔اس میں زردی آنے سے پہلے (د) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے میری امت ہمیشہ خیر میں رہے گی یا فطرت پر رہے گی جب تک ستارے چمکنے تک مغرب کی نماز کو مؤخر نہ کرے (ہ) آپؐ نے فرمایا میری امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کو عشا کی نماز تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔

[۱۴۶] (۱۳) ویستحب فی الوتر لمن یالف صلوۃ اللیل ان یؤخر الوتر الی آخر اللیل وان لم یثق بالانتباہ اوتر قبل النوم .

۶۶نمبر۴۲۲) س سے معلوم ہوا کہ عشا کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔

[۱۴۶] (۱۳) وتر میں مستحب اس شخص کے لئے جس کو تہجد پڑھنے کا شوق ہو یہ ہے کہ مؤخر کرے رات کے اخیر حصہ تک ،اور اگر اعتماد نہ ہو جاگنے پر تو وتر پڑھے سونے سے پہلے۔

تشریح جس کو تہجد پڑھنے کا شوق اور عادت ہو وہ وتر رات کے اخیر حصہ میں پڑھے۔اور جسکو جاگنے پر اعتماد نہ ہو تو اس کو سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا چاہئے۔

وجہ حدیث میں ہے عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم آخرہ فلیوتر آخر اللیل فان صلوۃ آخر اللیل مشھودۃ و ذلک افضل (الف) (مسلم شریف، باب من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ، ص ۲۵۸، نمبر ۷۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر اخیر میں پڑھنا چاہئے۔لیکن اگر سو جانے کا خطرہ ہو تو سونے سے پہلے پڑھ لینا چاہئے۔

لغت یثق بالانتباہ : جاگنے پر اعتماد ہو

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کہ جس کو خوف ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں بیدار نہ ہو سکے گا تو وہ اول رات میں وتر پڑھ لے۔اور جس کو لالچ ہو کہ آخری رات میں بیدار ہو گا اس کو آخری رات میں وتر پڑھنا چاہئے۔اس لئے کہ آخری رات کی نماز حاضر کی جاتی ہے اور یہ افضل ہے۔

﴿باب الاذان﴾

[۱۴۷](۱)الاذان سنة للصلوات الخمس والجمعة دون ماسواها.[۱۴۸] (۲) ولا

﴿ باب الاذان ﴾

ضروری نوٹ الاذان کے معنی اعلان کے ہیں، اذان میں نماز کا اعلان کیا جاتا ہے اس لئے اس کو اذان کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت سے ہے یایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله (الف) (آیت ۹ سورۃ الجمعۃ ۶۲)

[۱۴۷](۱)اذان سنت ہے پانچوں نمازوں کے لئے اور جمعہ کے لئے نہ اس کے علاوہ کے لئے۔

تشریح پانچوں نمازوں اور جمعہ کے علاوہ اذان سنت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ (۱) وتر (۲) عیدین (۳) جنازہ (۴) کسوف (۵) استسقاء (۶) تراویح (۷) سنن زوائد کے لئے اذان دینا سنت نہیں ہے۔اذان سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے ان ابن عمر کان یقول کان المسلمون حین قدموا المدینة یجتمعون فیتحینون الصلوۃ لیس ینادی لھا فتکلموا یوما فی ذلک فقال بعضھم اتخذوا ناقوسا مثل ناقوس النصاری وقال بعضھم بل بوقا مثل قرن الیھود فقال عمر اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوۃ؟ فقال رسول الله یا بلال! قم فناد بالصلوۃ (ب) بخاری شریف، باب بدأ الاذان ص ۸۵ نمبر ۶۰۴ رمسلم شریف، باب بداء الاذان ص ۱۶۴ نمبر ۳۷۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے لئے اذان دینا سنت ہے۔

[۱۴۸](۲)اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

تشریح ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ اشھد ان لا الہ الا الله اور اشھد ان محمدا رسول الله کو دو دو مرتبہ آہستہ آہستہ کہے پھر ان دونوں کلمات کو دو دو مرتبہ زور زور سے کہے۔تو ان دونوں کلمات کو دوبارہ لوٹانا ہے اس لئے اس کو ترجیع کہتے ہیں۔حنفیہ کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے **وجہ** (۱) عبداللہ بن زید جس نے فرشتے کو خواب میں اذان دیتے ہوئے دیکھا اور حجرت بلال کو اذان کے کلمات کی تلقین کی اس میں ترجیع نہیں ہے۔عن عبد الله بن زید قال کان اذان رسول الله ﷺ شفعا شفعا فی الاذان والاقامة (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان الاقامة مثنی مثنی ص ۴۸ نمبر ۱۹۴ رابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۷۸ نمبر ۴۹۹) حضرت ابومحذورۃ کو آپ نے آواز بلند کروانے کے لئے دوبارہ شہادتین پڑھوایا تو انہوں نے سمجھا کہ ترجیع اصل ہے۔حالانکہ دوبور شہادتین پڑھوانا آواز بلند کروانے کے لئے تھا **فائدہ** امام شافعی کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے۔ان کی دلیل حضرت ابومحذورۃ کی لمبی حدیث ہے۔یہ حدیث مسلم

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو جمعہ کے دن نماز کے لئے جب اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر جاؤ (ب) حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان جب مدینہ آئے تو جمع ہوتے تھے اور نماز کا انتظار کرتے تھے۔ان کے لئے اذان نہیں دی جاتی تھی۔لوگوں نے اس بارے میں ایک دن بات کی تو بعض نے کہا کہ ناقوس رکھ لو جیسے کہ نصاری کے ناقوس ہوتے ہیں۔بعض نے کہا بلکہ نرسنگھا لے لو یہود کے نرسنگھا کی طرح تو حضرت عمر نے فرمایا ایک آدمی کو نہ بھیجے جو نماز کے لئے آواز دے۔تو آپ نے فرمایا اے بلال کھڑے ہو کر نماز کی اذان دو (ج) عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ حضور کی اذان شفعہ شفعہ تھی۔اذان میں بھی اور اقامت میں بھی۔

ترجیع فیہ [۱۴۹](۳) ویزید فی اذان الفجر بعد الفلاح الصلوۃ خیر من النوم مرتین [۱۵۰](۴) والاقامۃ مثل الاذان الا انہ یزید فیھابعد حی علی الفلاح قد قامت الصلوۃ

شریف، باب صفۃ الاذان ص ۱۶۵ نمبر ۳۷۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الترجیع فی الاذان ص ۴۸ نمبر ۱۹۲ میں تفصیل سے ہے۔ابومحذورۃ کی حدیث جودارقطنی میں ہے اس میں ترجیع نہیں ہے۔(دارقطنی، باب فی ذکراذان ابی محذورۃ واختلاف الروایات فیہ ص ۲۴۱ نمبر ۸۹۲)اس حدیث میں ترجیع کے کلمات نہیں ہیں۔

نوٹ تطویل کی وجہ سے حدیث نقل نہیں کررہا ہوں۔

[۱۴۹](۳)فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دومرتبہ الصلوۃ خیر من النوم زیادہ کریں۔

وجہ حدیث میں ہے **عن بلال قال قال رسول اللہ ﷺ لا تثوبن فی شیء من الصلوات الا فی صلوۃ الفجر** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر ص ۴۹ نمبر ۱۹۸)اوردارقطنی میں **سمعت ابا محذورۃ یقول کنت غلاما صبیا فاذنت بین یدی رسول اللہ ﷺ الفجر یوم حنین فلما بلغت حی علی الصلوۃ،حی علی الفلاح قال رسول اللہ الحق فیھا الصلوۃ خیر من النوم** (ب)(دارقطنی، باب ذکرالاقامۃ واختلاف الروایات فیھا ص ۲۴۴ نمبر ۸۹۹)اس سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز میں الصلوۃ خیر من النوم کہنا چاہئے۔

[۱۵۰](۴)اقامت اذان کی طرح ہے مگر یہ کہ زیادہ کیا جائے گا حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوۃ دومرتبہ۔

وجہ حنفیہ کے نزدیک اذان کی طرح اقامت بھی مثنی مثنی یعنی دو دو مرتبہ ہے۔ایک ایک مرتبہ نہیں ہے۔اس کی دلیل ایک حدیث مسئلہ نمبر دو میں گزرچکی ہے(۲)ابوداؤد میں ابن ابی لیلۃ کی لمبی حدیث نقل کی ہے اس کے درمیان یہ لفظ ہے **فاذن ثم قعد قعدۃ ثم قام فقال مثلھا الا انہ یقول قد قامت الصلوۃ** (ج)(ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۸۱ نمبر ۵۰۶)(۳)ایک تیسری حدیث ہے **عن ابن ابی لیلۃ عن معاذ بن جبل ثم امھل ھنیۃ ثم قام فقال مثلھا الا انہ قال** (د)(ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۸۲ نمبر ۵۰۷)ابو محذورۃ کی حدیث میں اقامت مثنی مثنی ہے۔**قال و علمنی الاقامۃ مرتین مرتین** (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۷۹ نمبر ۵۰۲)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اذان کی طرح اقامت بھی مثنی مثنی ہے۔کیونکہ مثلھا ہے کا مطلب ہے کہ اذان کی طرح اقامت بھی مثنی مثنی ہو۔

فائدہ امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اقامت فرادی فرادی یعنی ایک ایک مرتبہ تمام کلمات ہیں سوائے قد قامت الصلوۃ کے۔ان کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا نماز میں سے کسی میں تثویب نہ کرو مگر فجر کی نماز میں (ب)ابومحذورۃ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا لڑکا تھا۔پس میں نے حنین کے دن حضورؐ کے سامنے فجر کی اذان دی۔پس جب میں حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح پر پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس میں الصلوۃ خیر من النوم ملالو(ج)اذان دی پھر تھوڑی دیر بیٹھے پھر کھڑے ہوئے پھر اذان ہی کی طرح اقامت کہی مگر یہ کہ قد قامت الصلوۃ کہا(د)معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ پھر تھوڑی دیر ٹھہرے پھر کھڑے ہوئے پھر کہا اذان ہی کے مثل مگر یہ کہ کہا۔

مرتین [۱۵۱](۵) و یترسل فی الاذان و یحدر فی الاقامۃ[۱۵۲](۶) ویستقبل بھما القبلۃ[۱۵۳] (۷) فاذا بلغ الی الصلوۃ والفلاح حول وجھہ یمینا وشمال.

دلیل بہت سی احادیث ہیں۔مثلا عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ الا الاقامۃ (الف)(بخاری شریف، باب الاقامۃ واحدۃ الا قولہ قد قامت الصلوۃ ص ۸۵ نمبر ۶۰۷ رمسلم شریف، باب الامر بشفع الاذان وایتار الاقامۃ ص ۱۶۴ نمبر ۳۷۸)ان احادیث کی وجہ سے جمہور ائمہ اقامت کے فرادی فرادی کے استحباب کے قائل ہیں۔حنفیہ کہ یہاں بھی اگر اقامت فرادی دے دے تو اقامت میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔صرف افضلیت کا فرق ہے۔

[۱۵۱](۵) ٹھہر ٹھہر کر کرے اذان میں اور جلدی کرے اقامت میں۔

وجہ اذان میں آواز دور تک پہنچانا ہے اس لئے تھوڑا ٹھہر ٹھہر کر کلمات ادا کرے اور اقامت میں مسجد تک آواز پہنچانا ہے اس لئے مسلسل کہتا چلا جائے ٹھہر ٹھہر کر نہ کہے(۲)عن جابر ان رسول اللہ ﷺ قال لبلال یا بلال! اذا اذنت فترسل فی ذلک واذا اقمت فاحدر (ب)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الترسل فی الاذان ص ۴۸ نمبر ۱۹۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر دے اور اقامت میں جلدی کرے۔یہ مستحب ہے۔

لغت ترسل : ٹھہر ٹھہر کر بات کرنا، یحدر : مسلسل بات کہے جانا۔

[۱۵۲](۶)اذان اور اقامت کہتے وقت قبلہ کا استقبال کرے۔

وجہ اذان اور اقامت کہتے وقت قبلے کا استقبال کرنا سنت ہے۔لیکن اگر اس کے خلاف کیا تو اذان اور اقامت کی ادائیگی ہو جائے گی۔البتہ سنت کی مخالفت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے ابوداؤد میں معاذ بن جبل کی لمبی حدیث ہے اس میں ایک عبارت اس طرح ہے فجاء عبد اللہ بن زید الی رجل من الانصار وقال فیہ فاستقبل القبلۃ (ج)(ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۸۲ نمبر ۵۰۷)باب فی الاقامۃ سے پہلے یہ حدیث ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے نے استقبال قبلہ کر کے اذان دی تھی اس لئے استقبال قبلہ کر کے اذان واقامت کہنا سنت ہے۔

[۱۵۳](۷)پس جب کہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح پر پہنچے تو اپنے چہرے کو دائیں اور بائیں پھیرے۔

تشریح حی علی الصلوۃ میں دائیں جانب چہرہ پھیرے تا کہ دائیں جانب والوں کو اذان کی خبر پہنچ جائے اور حی علی الفلاح میں بائیں طرف چہرہ پھیرے تا کہ بائیں جانب والوں کو اذان کی خبر پہنچ جائے۔

وجہ اس کی وجہ حدیث میں یہ ہے(۱)عن عون بن جحیفۃ عن ابیہ قال اتیت النبی ﷺ بمکۃ وھو فی قبۃ حمراء من ادم فخرج بلال فاذن فکنت اتبع فمہ ھھنا و ھھنا... فلما بلغ حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح لوی عنقہ یمینا و

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حکم دیا بلال کو کہ اذان کو شفع کرے اور اقامت کو وتر کرے مگر قد قامت الصلوۃ کو(ب) آپؐ نے بلال سے فرمایا اے بلال جب اذان دو تو اس میں ٹھہر ٹھہر کر دو اور جب اقامت کہو تو مسلسل کہتے چلے جاؤ(ج)عبداللہ بن زید نے فرمایا کہ فرشتہ نے قبلہ کی طرف استقبال کیا(اور اذان دی)۔

[۱۵۴] (۸) و یؤذن للفائتة ویقیم فان فاتته صلوات اذن للاولی واقام وکان مخیرا فی الثانیة ان شاء اذن واقم وان شاء اقتصر علی الاقامة[۱۵۵] (۹) وینبغی ان یؤذن ویقیم علی طهر فان اذن غیر وضوء جاز.

شمالا ولم یستدر (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المؤذن یستدیر فی اذانہ ص۸۴ نمبر ۵۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح میں چہرہ دائیں اور بائیں پھرانا چاہئے۔

[۱۵۴] (۸) بہت سی فائتہ نمازوں کے لئے اذان دی جائے گی اور اقامت کہی جائے گی پس اگر بہت سی نمازیں فوت ہو جائیں تو پہلی نماز کے لئے اذان دے اور اقامت کہے۔ اور دوسری نمازوں میں اختیار ہے اگر چاہے تو ہر ایک کے لئے اذان دے اور اقامت کہے اور اگر چاہے تو صرف اقامت پر اکتفا کرے۔

تشریح ایک نماز فائتہ ہو اس کے لئے اذان کہی جائے گی اور اقامت کہی جائے گی۔ اور اگر بہت سی نمازیں ہوں تو اختیار ہے چاہے ہر ایک کے لئے اذان دے اور ہر ایک کے لئے اقامت کہے اور چاہے تو صرف پہلی کے لئے اذان دے اور باقی ہر ایک کے لئے اقامت کہے۔

وجہ حدیث میں ہے **قال عبد اللہ ان المشرکین شغلوا رسول اللہ ﷺ عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذھب من اللیل ماشاء اللہ فامر بلالا فاذن ثم اقام فصلی الظہر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل تفوتہ الصلوات بایتھن یبدأ ص۴۳ نمبر ۱۷۹ رنسائی شریف، باب کیف یقضی الفوائت من الصلوۃ ص۷۲ نمبر ۶۲۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ اذان دے اور باقی کے لئے اقامت کہے (اور چاہے تو ہر ایک نماز کے لئے اذان بھی کہے) (۲) اذان کا مقصد لوگوں کو باہر سے بلانا ہے اور ہر ایک اذان میں سب جمع ہو چکے ہیں اس لئے باقی نمازوں کے لئے اذان دینے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔ البتہ ہر فرض نماز اذان کے ساتھ شروع ہے اس لئے اگر ہر ایک کے لئے اذان دے تو دے سکتا ہے۔

[۱۵۵] (۹) مناسب ہے کہ اذان اور اقامت وضو کے ساتھ کہے۔ پس اگر اذان بغیر وضو کے دیدی تو جائز ہے۔

وجہ (۱) اذان میں نماز کی طرف بلانا ہے اور ذکر ہے اس لئے وضو کے ساتھ اذان کہے۔ اور اقامت کے بعد تو نماز ہی پڑھنا ہے تو دوسرے لوگ نماز میں مشغول ہوں اور خود نماز کی طرف بلانے والا وضو کرنے جائے تو کتنا برا معلوم ہوگا۔ اس لئے اقامت بغیر وضو کے کہنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر کہہ دیا تو اقامت ادا ہو جائے گی (۲) حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال لا یؤذن الا متوضئ**

حاشیہ : (الف) ابی جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس مکہ آیا۔ آپؐ چمڑے کے سرخ قبے میں تھے تو بلال نکلے۔ پس اذان دی تو میں حضرت بلال کے چہرے کی اتباع کر رہا تھا۔ وہ کبھی اس طرف کبھی اس طرف چہرہ کرتے تھے... پس جب حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح پر پہنچے تو اپنی گردن کو دائیں اور بائیں جانب پھیرا لیکن مکمل نہیں گھومے (ب) عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ مشرکین نے حضور کو غزوۂ خندق کے دن چار نمازوں سے مشغول کر دیا۔ یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ چلا گیا تو بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی پھر اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عصر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور مغرب کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عشا کی نماز پڑھی۔

[۱۵٦] (۱۰) ویکرہ ان یقیم علی غیر وضوء[۱۵۷] (۱۱) او یؤذن وھو جنب[۱۵۸] (۱۲) ولا یؤذن لصلوۃ قبل وقتھا الا فی الفجر عند ابی یوسف.

(الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ الاذان بغیر وضوء ص ۵۰ نمبر ۲۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر وضو کے اذان اور اقامت کہنا مکروہ ہے۔

[۱۵٦] (۱۰) اور مکروہ ہے کہ اقامت کہے بغیر وضو کے۔

وجہ اوپر گزر چکی ہے کہ دوسروں کو نماز کی طرف بلائے اور خود نماز چھوڑ کر وضو کے لئے جائے تو کتنی بری بات ہے؟

[۱۵۷] (۱۱) یا اذان دے اس حال میں کہ وہ جنبی ہو تو (وہ مکروہ ہے)

وجہ جب بغیر وضو کے اذان دینا مکروہ ہے تو جنابت کی حالت میں اذان دینا بدرجۂ اولی مکروہ ہوگا (۲) حدیث مسئلہ نمبر ۹ میں گزر گئی ہے۔ (ترمذی شریف، نمبر ۳۰۰)

[۱۵۸] (۱۲) نہیں اذان دی جائے نماز کے لئے اس کے وقت سے پہلے مگر فجر میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک

وجہ (۱) اذان دینے کا مقصد وقت بتانا ہے۔ لیکن وقت سے پہلے اذان دینے سے وقت کی تجہیل ہوگی۔ اس لئے وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے (۲) مدینہ طیبہ میں فجر کی اذان وقت سے پہلے دی جاتی تھی وہ تہجد والوں کو بیدار کرنے کے لئے اور جو تہجد پڑھ چکے ہیں ان کو آرام کرنے کی اطلاع دینے کے لئے تھی۔ چنانچہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی طرح تہجد پڑھنے والے کثرت سے ہوں تو ان کو بیدار کرنے کے لئے اذان دی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فجر کی نماز کے لئے عبد اللہ بن مکتوب دوسری اذان دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے **عن عبد اللہ بن مسعود عن النبی ﷺ قال لایمنعن احدکم او احدا منکم اذان بلال من سحورہ فانہ یؤذن او ینادی بلیل لیرجع قائمکم ولینبہ نائمکم** (ب) (بخاری شریف، باب الاذان قبل الفجر ص ۸۷ نمبر ۶۲۱ رنسائی شریف، باب الاذان فی غیر وقت الصلوۃ ص ۷۵ نمبر ۶۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات میں حضرت بلال کی اذان فجر کی نماز کے لئے نہیں تھی، تہجد والوں کو بیدار کرنے کے لئے تھی۔ اسی لئے نماز کے وقت حضرت عبد اللہ ابن مکتوب دوبارہ اذان دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے (۳) **عن عائشۃ عن النبی ﷺ انہ قال ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم** (ج) (بخاری شریف، باب الاذان قبل الفجر ص ۸۷ نمبر ۶۲۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاذان باللیل ص ۵۰ نمبر ۲۰۳) (۴) وقت سے پہلے اذان دینے سے اذان لوٹانی پڑے گی حدیث میں ہے **عن ابن عمر ان بلالا اذن بلیل فامرہ النبی ﷺ ان ینادی ان العبد قد نام** (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاذان باللیل

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کہ اذان نہ دے مگر وضو کی حالت میں (ب) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کسی ایک کو بلال کی اذان سحری سے نہ روکے اس لئے کہ وہ اذان دیتے ہیں رات میں تاکہ تم میں سے تہجد میں کھڑے ہونے والے لوگ واپس ہو جائیں اور تم میں سے سونے والے بیدار ہو جائیں (ج) آپؐ نے فرمایا کہ بلال رات میں اذان دیتے ہیں اس لئے سحری کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ عبد اللہ بن مکتوم اذان دے (د) حضرت عبد اللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت بلال نے رات میں اذان دے دی تو حضورؐ نے ان کو حکم دیا کہ پکار کر کہو کہ وہ نیند میں تھا۔

ص۵۰ نمبر۲۰۳/ابوداؤد شریف، باب فی الاذان قبل دخول الوقت ص ۸۶ نمبر۵۳۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے حضرت بلال نے اذان دی تو حضورؐ نے ان کو لوگوں کے سامنے معذرت کرنے کے لئے کہا کہ 'ان العبد قد نام' کہو(۵)ان رسول اللہ ﷺ قال لہ لا تؤذن حتی لیتبین لک الفجر ھکذا ومد یدیہ عرضا (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الاذان قبل دخول الوقت ص ۸۶ نمبر ۵۳۴) فائدہ تاہم اوپر کی احادیث کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فجر سے پہلے اذان دیدی تو اذان ادا ہو جائے گی۔ دوسری نمازوں میں اذان ادا نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ اذان نہ دو جب تک کہ فجر تمہارے لئے واضح نہ ہو جائے اس طرح۔

﴿باب شروط الصلوة التی تتقدمها﴾

[۱۵۹](۱)یجب علی المصلی ان یقدم الطھارۃ من الاحداث او الانجاس علی ما قدمناہ [۱۶۰] (۲) ویستر عورتہ[۱۶۱] (۳)والعورۃ من الرجل ما تحت السرۃ الی الرکبۃ

﴿ باب شروط الصلوة التی تتقدمها ﴾

ضروری نوٹ شروط : شرط کی جمع ہے۔وہ فرائض جونماز سے پہلے ادا کئے جائیں۔جوفرائض نماز کے اندرلازم ہیں ان کوارکان کہتے ہیں۔ جیسے مصلی کا بدن پاک ہونا۔یہ شروط چھ ہیں (۱) بدن پاک ہونا حدث اورنجس دونوں سے (۲) جگہ پاک ہونا (۳) کپڑا پاک ہونا (۴) ستر عورت ہونا (۵) نماز کی نیت کرنا (۶) قبلہ کی طرف متوجہ ہونا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۱۵۹](۱)واجب ہے نماز پڑھنے والے پر کہ پہلے پاکی حاصل کرے حدث سے اورنجس سے جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا۔

تشریح حدث کی دوقسمیں ہیں۔حدث اصغر جیسے وضو کرنے کی ضرورت ہواورحدث اکبر جیسے غسل کرنے کی ضرورت ہوجیسے جنابت ہو یا حیض یا نفاس سے پاک ہوئی ہو۔تو مصلی کو ان دونوں حدثوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔حدث اصغر سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے واذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق الخ (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵)اورحدث اکبر سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے وان کنتم جنبا فاطھروا (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵)اورنجس سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے وثیابک فطھر (آیت ۴ سورۃ المدثر ۷۴) ظاہر ہے کہ کپڑے میں نجس لگی ہوتی ہے اس لئے نجس سے پاک ہونے کی دلیل اس آیت میں موجود ہے۔اس حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے یا عمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیء والدم والمنی (دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بدن، کپڑا اور مکان ان نجاستوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔باقی تفصیل باب الانجاس میں دیکھیں۔

[۱۶۰](۲) مصلی اپنا ستر عورت کرے۔

وجہ آیت میں ہے یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (الف) (آیت ۳۱ سورۃ الاعراف ۷)اورحدیث میں ہے عائشۃ قال رسول اللہ ﷺ لا تقبل صلوۃ حائض الا بخمار (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء لاتقبل صلوۃ المرأۃ الحائض الابخمار ص ۸۶ نمبر ۳۷۷ ابواب الصلوۃ رابوداؤد شریف، باب المرأۃ تصلی بغیر خمار ص ۱۰۱ کتاب الصلوۃ نمبر ۶۴۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کو ستر ڈھانکنا ضروری ہے۔

[۱۶۱](۳) مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے اورگھٹنا ستر ہے نہ کہ ناف۔

تشریح گھٹنا ستر میں داخل ہے اور ناف ستر میں داخل نہیں ہے اس لئے نماز میں ناف کھل جائے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔لیکن اگر گھٹنا کا چوتھائی

حاشیہ : (الف) اے بنی آدم ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو (یعنی ستر ڈھانکو) (ب) آپ نے فرمایا بالغہ عورت کی نماز نہیں قبول کی جاتی مگر دوپٹہ سے۔

والرکبة عورة دون السرة [۱۶۲] (۴) وبدن المرأة الحرة کله عورة الا وجهها و کفیها

کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے کہ ناف ستر میں نہیں ہے اور گھٹنا ستر میں داخل ہے۔ سمعت علیا یقول قال رسول اللہ ﷺ الرکبة من العورة (الف) (دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوۃ والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب سترھا ج اول کتاب الصلوۃ ص ۲۳ نمبر ۸۷۸) (۲) عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول اللہ ﷺ مرو صبیانکم بالصلوة فی سبع سنین واضربوهم علیها فی عشر و فرقوا بینهم فی المضاجع واذا زوج احدکم خادمه من عبده او اجیره فلا ینظرون الی شیء من عورته فان کل شیء اسفل من سرته الی رکبته من عورته (ب) (سنن للبیہقی، باب عورۃ الرجل ج ثانی ص ۳۲۴ نمبر ۳۲۳۵ / دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوہ والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب سترھا ص ۲۳۷ نمبر ۸۷۶) حضرت علیؓ کی حدیث میں تھا کہ گھٹنا ستر ہے۔ اس لئے ابن شعیب کی حدیث میں الی رکبته کا ترجمہ گھٹنا سمیت کیا ہے۔ جیسے کہ وایدیکم الی المرافق کا ترجمہ کہنیوں سمیت کہا تھا۔ اس لئے گھٹنا ستر میں داخل ہوگا۔ اور عمر ابن شعیب کی حدیث اسفل من سرته ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ناف سے نیچے نیچے ستر ہے ناف ستر میں داخل نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک گھٹنا ستر میں سے نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول اللہ ﷺ ... فلا ینظر الی مادون السرة و فوق الرکبة فان ما تحت السرة الی الرکبة من العورة (ج) (دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوات والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب سترھا ص ۲۳۷ نمبر ۸۷۶ / ابو داؤد شریف، باب متی یؤمر الغلام بالصلوۃ ص ۷۸ نمبر ۴۹۶) اس حدیث میں گھٹنا سے اوپر ستر کہا گیا ہے۔ اس لئے ان کے یہاں گھٹنا ستر نہیں ہے۔

نوٹ ان احادیث کی وجہ سے حنفیہ کے بعض حضرات کا قول ہے کہ گھٹنا نماز میں کھل جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ یہ بھی فرمایا کہ گھٹنا کا ستر ہلکا ہے اور ران کا اس سے زیادہ سخت ہے اور شرمگاہ کا ستر اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

لغت السرة : ناف، الرکبة : گھٹنا۔

[۱۶۲] (۴) آزاد عورت کا بدن کل کا کل ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور اس کی دونوں ہتھیلیاں۔

تشریح آزاد عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر نہیں ہے۔ یعنی اگر یہ نماز میں کھل جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ آیت میں ہے ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها (د) (آیت ۳۱ سورۃ النور ۲۴) آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنی زینت کو

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا گھٹنا ستر میں سے ہے (ب) آپؐ نے فرمایا اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو سات سال کی عمر میں اور اس پر مارو دس سال کی عمر میں۔ اور اس کو علیحدہ سلاؤ۔ اور جب تم میں سے کوئی اپنے خادم یا نوکر کی شادی کرائے تو اس کے ستر میں سے کسی چیز کی طرف نہ دیکھے۔ اس لئے کہ ہر چیز جو ناف سے نیچے ہے گھٹنا سمیت وہ اس کا ستر ہے (ج) آپؐ نے فرمایا کہ ناف کے نیچے اور گھٹنا کے اوپر نہ دیکھے۔ اس لئے کہ ناف کے نیچے سے گھٹنا تک ستر ہے (د) عورتیں اپنی زینت نہ ظاہر کریں مگر وہ جو خود بخود ظاہر ہو جائے (یعنی چہرہ اور ہتھیلی)

[۱۶۳] (۵) وماکان عورۃ من الرجل فھو عورۃ من الامۃ وبطنھا و ظھرھا عورۃ وما سوی

ظاہر نہ کریں لیکن جو زینت خود بخود ظاہر ہو جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ چہرہ اور ہاتھ خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے وہ ستر نہیں ہیں۔عن ابن عباس فی قولہ ولا یبدین زینتھن الا ماظھر،الآیۃ قال الکحل والخاتم (سنن للبیھقی، باب عورۃ المرأۃ الحرۃ، ج ثانی، ص ۳۱۹،نمبر ۳۲۱۶) اس اثر میں الکحل سے مراد سرمہ لگانے کی جگہ یعنی چہرہ مراد ہے اور خاتم انگوٹھی پہننے کی جگہ یعنی ہاتھ مراد ہے۔کہ ہاتھ اور چہرہ کھلے ہوں تو یہ ستر نہیں ہیں (۲) ان دونوں کے ظاہر کرنے میں ضرورت بھی ہے اس لئے نماز میں یہ دونوں ستر نہیں ہیں (۲) حدیث میں ہے عن عائشۃ ... قال رسول اللہ ﷺ یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح لھا ان یری منھا الا ھذا وھذا واشار الی وجھہ وکفیہ (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی ماتبدی المرأۃ من زینتھا ج ثانی ص ۲۲۳ ا نمبر ۴۱۰۴ کتاب اللباس) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر نہیں ہیں۔

نوٹ قدم نماز میں ستر ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قدم کو ہتھیلی سے زیادہ کھولنے کی ضرورت ہے اس لئے ہتھیلی ستر نہیں ہے تو قدم بھی ستر نہیں ہونا چاہئے،پھر قدم بھی مقام زینت ہے۔لیکن بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ قدم ستر ہے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن ام سلمۃ انھا سألت النبی ﷺ اتصلی المرأۃ فی درع وخمار لیس علیھا ازار؟ قال اذا کان الدرع سابغا یغطی ظھور قدمیھا (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی کم تصلی المرأۃ ص ۱۰۱ کتاب الصلوۃ نمبر ۶۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے دونوں قدم چھپے ہوتے ہوں تب ہی نماز جائز ہے۔اس لئے عورت کے دونوں قدم ستر ہیں۔

نوٹ ان احادیث اور ضرورت کی وجہ سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز میں ستر ہیں لیکن باہر ستر نہیں ہیں۔

[۱۶۳] (۵) مرد کے جتنے اعضاء ستر ہیں وہ باندی کے بھی ستر ہیں اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ ستر ہیں اور اس کے علاوہ اس کے بدن میں سے ستر نہیں ہے۔

تشریح باندی کے کندھے سے لیکر گھٹنے تک ستر ہیں۔لیکن سر، گردن، بازو، پنڈلی اور پاؤں ستر نہیں ہیں۔

وجہ باندی مولی کے کام کے لئے باہر نکلتی ہے اس لئے ان اعضاء کو ستر قرار دینے سے حرج لازم ہوگا۔اس لئے یہ اعضاء ستر نہیں ہیں۔نماز میں یہ اعضاء کھل جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) ان صفیۃ بنت ابی عبید حدثتہ قالت خرجت امرأۃ مختمرہ متجلببۃ فقال عمر من ھذہ المرأۃ فقیل لہ ھذہ جاریۃ لفلان رجل من بنیہ فارسل الی حفصۃ فقال ما حملک علی ان تخمری ھذہ الامۃ و تجلببیھا تشبیھیا بالمحصنات حتی ھممت ان اقع بھا لا احسبھا الا من المحصنات لا تشبھوا الاماء بالمحصنات (ج) (سنن للبیھقی، باب عورۃ الامۃ، ج ثانی، ص ۳۲۰،نمبر ۳۲۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باندی کا ستر اتنا نہیں ہے جتنا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس سے دیکھا جائے مگر یہ اور یہ اور آپؐ نے اپنے چہرے اور ہتھیلی کی طرف اشارہ فرمایا (ب) ام سلمہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کیا عورت کرتے میں اور دوپٹہ میں جب کہ اس پر ازار نہ ہو نماز پڑھ سکتی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا جب کہ کرتا اتنا لمبا ہو کہ دونوں قدم کے اوپر کے حصے کو ڈھانپ دے تو پڑھ سکتی ہے (ج صفیہ بنت ابی عبید بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت دوپٹہ اوڑھ کر (باقی اگلے صفحہ پر)

ذلک من بدنها لیس بعورة[۱۶۴](۶) ومن لم یجد ما یزیل النجاسة صلی معها ولم یعد[۱۶۵](۷) ومن لم یجد ثوبا صلی عریانا قاعدا یومئ بالرکوع والسجود[۱۶۶] (۸) فان صلی قائما اجزاه والاول افضل.

آزاد عورت کا ہے۔لیکن پستان اور سینہ موضع شہوت ہیں اس لئے وہ تمام جگہیں ستر میں شامل ہونگی۔

نوٹ خالص باندی : مدبرہ،ام ولد سب خالص باندی میں شامل ہیں۔

[۱۶۴](۶) اگر کوئی ایسی چیز نہ پائے جس سے نجاست زائل کر سکے تو ایسی نجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھے گا اور بعد میں نہیں لوٹائے گا۔

تشریح کپڑے پر یا جسم پر نجاست لگی ہوئی ہے لیکن نجاست کو زائل کرنے کے لئے اور اس کو دھونے کے لئے اس کے پاس پانی یا بہنے والی چیز نہیں ہے تو وہ اس کپڑے میں اور اسی جسم کے ساتھ نماز پڑھ لے گا۔

وجہ اس کی طاقت میں اس سے زائد نہیں ہے اور شریعت طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتی۔اس لئے اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔لوٹانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

[۱۶۵](۷) جو کپڑا نہ پائے تو ننگا ہی نماز پڑھے گا۔بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا۔

وجہ ان کے پاس بالکل کپڑے نہیں ہے یا کپڑے ہیں لیکن تین چوتھائی سے زیادہ ناپاک ہیں تو گویا کہ اس کے پاس کپڑے ہیں ہی نہیں۔اس لئے وہ ننگا ہو کر نماز پڑھے گا۔البتہ کھڑا ہونے میں ستر دور تک نظر آئے گا اور برا معلوم ہوگا اس لئے قیام چھوڑے گا اور بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔اور رکوع اور سجدے کے لئے اشارہ کرے گا۔کیونکہ یہی اس کے بس میں ہے (۲) **عن ابن عباس قال الذی یصلی فی السفینة والذی یصلی عریانا یصلی جالسا** (الف) (مصنف عبد الرزاق،باب صلوۃ العریان ج ثانی ص۵۸۴ نمبر ۴۵۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ننگا آدمی مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز فرض ادا کرے گا اور اس سے قیام ساقط ہو جائے گا۔

لغت یؤمی : اشارہ کرے گا۔

[۱۶۶](۸) پس اگر ننگے نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو کافی ہو جائے گی لیکن پہلا افضل ہے (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنا)

وجہ مرض کی مجبوری کے وقت کھڑے ہونے کا نائب بیٹھنا ہے اور رکوع اور سجدے کا نائب ان کو اشارہ سے ادا کرنا ہے۔اس لئے ان سب ارکان کا نائب ہو گیا۔لیکن کھڑے ہونے میں ستر کھلنے کی بدنمائی واضح ہے اس کا کوئی نائب بھی نہیں ہوا اس لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے تاکہ عند اللہ اور عند الناس بدنمائی سے بچ جائے۔تاہم کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا تو نماز ادا ہو جائے گی۔کیونکہ یہ مجبور ہے (۲) اثر میں ہے۔عن

حاشیہ (پچھلے صفحہ سے آگے) حجاب میں نکلی۔تو حضرت عمر نے پوچھا کون ہے؟ ان کو کہا گیا کہ یہ فلاں کی باندی ہے۔ان کے لڑکوں میں سے ایک آدمی کا نام لیا تو انہوں نے حضرت حفصہ کو خبر بھیجی کہ آپ لوگوں کو کس چیز نے ابھارا اس بات پر کہ اس باندی کو دوپٹہ اڑھائیں اور اس پر حجاب ڈالیں اور آزاد عورتوں کے مشابہ کر دیں۔یہاں تک کہ میں نے سوچا کہ اس کو ماروں۔میں اس کو نہیں سمجھتا تھا مگر آزاد عورت۔باندیوں کو آزاد عورتوں کے مشابہ مت بناؤ (الف) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جو کشتی میں نماز پڑھے اور جو ننگا نماز پڑھے وہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔

[۱۶۷](۹) وینوی للصلوۃ التی یدخل فیھا بنیة لا یفصل بینھا و بین التحریمة بعمل[۱۶۸] (۱۰) ویستقبل القبلة الا ان یکون خائفا فیصلی الی ای جھة قدر

میمون بن مھران قال سئل علیؓ عن صلوۃ العریان فقال ان کان حیث یراہ الناس صلی جالسا،وان کان حیث لایراہ الناس صلی قائما (مصنف عبدالرزاق، باب صلوۃ العریان، ج ثانی ص۵۸۴،نمبر۴۵۶۶)اس اثر سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

[۱۶۷](۹) اس نماز کی نیت کرے جس میں داخل ہورہا ہے ایسی نیت کہ اس کے درمیان اور تحریمہ کے درمیان کسی عمل سے فصل نہ ہو۔

تشریح نیت ارادے کا نام ہے۔تحریمہ کے ساتھ ساتھ ارادہ ہو کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں۔اگر دل کے ارادہ کے بغیر نماز پڑھ لی یا تحریمہ باندھ لیا تو نماز نہیں ہوگی۔اگر نیت کی پھر کوئی عمل کیا اور عمل کے بعد دوبارہ نیت کئے بغیر احرام باندھ لیا تو چونکہ احرام کے وقت نیت نہیں تھی اس لئے احرام نہیں ہوا۔

وجہ یہ حدیث ہے سمعت عمر بن خطاب علی المنبریقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول انما الاعمال بالنیات (الف) (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ص۲ نمبر۱) اگر امام کی اقتدا کر رہا ہو تو یہ بھی نیت کرنی پڑے گی کہ میں اس امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہوں۔کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ متضمن ہے۔

وجہ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ فاذا کبر فکبروا (ب) (مسلم شریف، باب ائتمام الماموم بالامام، ص۱۷۷، کتاب الصلوۃ، نمبر۴۱۴ ربخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کی مکمل اقتدا کرنی چاہئے۔اور اس سے انحراف نہیں کرنا چاہئے۔اس لئے امام کی اقتدا کی نیت ضروری ہے۔عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الامام ضامن والموذن موتمن ص۵۱ نمبر ۲۰۷) جب امام ضامن ہوا تو اس کی اقتدا بھی کرنی چاہئے۔

نوٹ نیت میں دل سے ارادہ کرنا کافی ہے۔زبان سے بولنا ضروری نہیں، مگر زبان سے بول لے تو بہتر ہے۔

[۱۶۸](۱۰) نماز میں قبلہ کا استقبال کرے مگر یہ کہ خوف ہو تو نماز پڑھے جدھر چاہے۔

وجہ آیت میں ہے وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ (ج) (آیت۱۴۴ سورۃ البقرۃ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں قبلہ کی طرف چہرہ کرنا چاہئے۔اور خوف کے وقت جدھر ممکن ہو اس طرف چہرہ کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی۔اس کی دلیل یہ آیت ہے وللہ المشرق والمغرب باینما تولو فثم وجہ اللہ (د) (آیت ۱۱۵ سورۃ البقرۃ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجبوری کے موقع پر کسی اور

حاشیہ : (الف) عمر ابن خطابؓ سے منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ حضورؐ نے فرمایا کرتے تھے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے (ب) آپؐ نے فرمایا امام بنایا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے اس لئے اس کے خلاف نہ کرو۔پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو (ج) جہاں کہیں ہو اپنا چہرہ بیت اللہ کی طرف نماز میں کرو (د) اللہ ہی کے لئے مشرق و مغرب ہے تو جدھر بھی چہرہ کرو وہاں اللہ ہے۔

[۱۶۹](۱۱) فان اشتبهت علیه القبلة ولیس بحضرته من یسئله عنها اجتهد و صلی فان علم انه اخطأ بعد ما صلی فلا اعادة علیه[۱۷۰] (۱۲) و ان علم ذلک و هو فی الصلوة

طرف توجہ کر کے نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ وہاں اللہ کا چہرہ ہے۔

[۱۶۹](۱۱)اگر نماز پڑھنے والوں پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور وہاں کوئی موجود نہیں ہے جس سے اس کے بارے میں پوچھ سکے تو اجتہاد کریگا اور نماز پڑھیگا پس اگر جانا کہ غلطی ہوگئی نماز پڑھنے کے بعد تو اس پر لوٹانا نہیں ہے۔

تشریح قبلہ کا پتہ نہ چلے اور کوئی آدمی بھی نہ ہو کہ اس سے پوچھ سکے تو تحری کرے گا اور جدھر دل کا رجحان ہو اسی طرف نماز پڑھ لیگا۔ اور نماز کے بعد معلوم ہوا کہ غلط جہت میں نماز پڑھی ہے تب بھی نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے نماز ہوگئی۔ اس لئے کہ اس کی وسعت میں جتنا تھا وہ کر گزرا ہے (۲) حدیث میں ہے **عن جابر قال کنا مع النبی علیہ السلام فی مسیر او سریة فاصابنا غیم فتحرینا و اختلفنا فی القبلة فصلی کل رجل منا علی حدة فجعل احدنا یخط بین یدیه لنعلم امکنتنا فلما اصبحنا نظرناه فاذا نحن قد صلینا علی غیر القبلة فذکرنا ذلک للنبی علیہ السلام فقال قد اجزأت صلواتکم** (الف) (سنن للبیھقی، باب الاختلاف فی القبلۃ عند التحری، ج ثانی، ص ۱۶، نمبر ۲۲۳۵ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلۃ فی الغیم، ص ۸۰ نمبر ۳۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحری کر کے نماز پڑھی تو قبلہ غلط بھی ہو جائے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ تحری ہی اس کا قبلہ ہو گیا۔

[۱۷۰](۱۲)اور اگر قبلہ کی غلطی کو جانا اس حال میں کہ وہ نماز میں ہے تو قبلہ کی طرف گھومے گا اور اسی پر بنا کرے گا۔

وجہ صحابہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ سولہ یا سترہ ماہ کے بعد قبلہ بدل گیا۔ کچھ صحابہ نماز میں تھے اور اطلاع دی گئی کہ قبلہ بدل گیا ہے تو وہ لوگ نماز کے درمیان ہی گھوم گئے۔ ارنماز پر بنا کی اور نماز پڑھتے رہیں۔ حدیث میں ہے **عن عبد اللہ بن عمر قال بین الناس بقباء فی صلوة الصبح اذ جاء ھم آت فقال ان رسول اللہ علیہ السلام قد انزل علیه اللیلة قرآن وقد امر ان یستقبل الکعبة فاستقبلوھا و کانت وجوھھم الی الشام فاستداروا الی الکعبة** (ب) (بخاری شریف، باب ماجاء ومن لم یرالاعادۃ علی من سہی فصلی الی غیر القبلۃ ص ۵۸ کتاب الصلوۃ نمبر ۴۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحری کر کے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہو اور درمیان میں صحیح قبلہ کا علم ہو گیا تو اس طرف پھر جائے اور پہلی نماز پر بنا کرے۔ پہلی نماز بھی تحری کی بنا پر صحیح ہے۔

لغت استدار : گھوم جائے، مشتق دور سے ہے، بنی : بنا کرے۔

حاشیہ : (الف) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم حضورؐ کے ساتھ کسی سفر میں تھے۔ پس ہم لوگوں پر بادل چھا گیا۔ پس ہم نے تحری کی اور ہم قبلہ کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔ پس ہم میں سے ہر ایک نے الگ الگ جہت میں نماز پڑھی۔ پس ہم میں سے ہر ایک نے اپنے سامنے خط کھینچا تا کہ ہم اپنی اپنی جگہ جانیں۔ پس جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ ہم نے قبلہ کے علاوہ کی طرف نماز پڑھی تھی۔ پس اس کا حضورؐ کے سامنے تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا تمہاری نماز جائز ہو گئی (ب) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا اس درمیان کہ لوگ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کوئی آنے والا آیا اور کہا کہ حضورؐ پر رات میں قرآن اترا ہے اور حکم دیا ہے کہ کعبہ کا استقبال کریں تو لوگوں نے کعبہ کا استقبال کیا۔ حالانکہ ان کا چہرہ شام کی طرف تھا تو وہ لوگ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

استدار الی القبلة و بنی علیها.

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر قبلہ بالکل پشت کے پیچھے ہوگیا تو چونکہ مکمل الٹا ہوگیا اس لئے نماز لوٹائے گا۔ہم کہتے ہیں کہ اس کی طاقت میں اتنا ہی تھا اس لئے نہیں لوٹائے گا۔ پھر حدیث میں بھی لوٹانے کا حکم نہیں ہے۔

﴿باب صفة الصلوة﴾

[۱۷۱](۱) فرائض الصلوة ستة التحريمة[۱۷۲] (۲) والقيام [۱۷۳](۳) والقراءة [۱۷۴](۴) والركوع[۱۷۵] (۵) والسجود[۱۷۶] (۶) والقعدة الاخيرة مقدار

﴿ باب صفة الصلوة ﴾

ضروری نوٹ صفۃ الصلوۃ سے مراد نماز کی ہیئت ہے کہ نماز کس طرح پڑھی جائے اوراس میں کیا کیا ہو۔

[۱۷۱](۱) نماز کے فرائض چھ ہیں (۱) تحریمہ۔

وجہ تحریمہ کی دلیل یہ آیت ہے وربک کبر (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) (۲) حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسولؐ الله مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم ولاصلوة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة فی فريضة او غيرها ((الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸/ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد مایرفع رأسہ من آخر رکعۃ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع کرنے کے لئے تحریمہ باندھنا فرض ہے۔ آیت میں ہے وذكر اسم ربه فصلی (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) اس آیت سے بھی تحریمہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس ذکر سے مراد تحریمہ باندھنے کی تکبیر ہے۔

[۱۷۲](۲) کھڑا ہونا۔

وجہ کھڑا ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ وقوموا لله قانتين (ب) (آیت ۲۳۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے نماز میں قیام فرض ہے۔

[۱۷۳](۳) قرأت کرنا فرض ہے۔

وجہ فاقرء ما تيسر منه واقيموا لصلوة واتوالزكوة (ج) (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں قرأت پڑھنا فرض ہے (۲) اوپر مسئلہ میں ایک حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قرأت کرنا فرض ہے۔

[۱۷۴](۴) رکوع فرض ہے

[۱۷۵](۵) سجدہ فرض ہے۔

وجہ دونوں کی دلیل یہ آیت ہے يا ايها الذين آمنوا اركعوا واسجدوا واعبدوربكم (د) (آیت ۷۷ سورۃ الحج ۲۲) اور واقيموا الصلوة وآتوالزكوة واركعوا مع الراكعين (ہ) (آیت ۴۳ سورۃ البقرۃ ۲)

[۱۷۶](۶) اور قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار (فرض ہے)

تشریح تشہد پڑھنا تو واجب ہے لیکن تشہد کی مقدار قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا فرض ہے۔

حاشیہ : آپؐ نے فرمایا نماز شروع کرنے کی چیز پاکی ہے۔ اوراس کا تحریمہ باندھنا تکبیر کہنا ہے اور نماز کو کھولنا سلام کرنا ہے اوراس کی نماز ہی مکمل نہیں ہوئی جس نے الحمد اور سورۃ نہیں پڑھی فرض نماز میں ہو یا اس کے علاوہ میں (ب) اللہ کے لئے خاموشی کے ساتھ کھڑے رہو (ج) قرآن سے جتنا آسان ہو پڑھو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو (د) اے ایمان والو رکوع کرو سجدہ کرو اوراپنے رب کی عبادت کرو (ہ) نماز قائم کرو، زکوۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

التشھد[۱۷۷] (۷) وما زاد علی ذلک فھو سنة.

وجہ (۱) یہ حدیث ہے وہ صحابی جس نے نماز جلدی جلدی پوری کی اور تین مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں آئے ان کو آپؐ نے نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا۔اس حدیث کے آخر میں آپؐ نے چار کام کرنے پر زور دیا ہے۔ان میں سے تین کام تو آیت کی وجہ سے فرض ہیں۔اس لئے چوتھا کام بھی فرض ہی ہونا چاہئے۔حدیث میں ہے عن رفاعة بن رافع ان رسول الله ﷺ بینما ھو جالس فی المسجد یوما ... فان کان کان معک قرآن فاقرء والا فاحمد الله وکبره وھلله ثم ارکع فاطمئن راکعا ثم اعتدل قائما ثم اسجد فاعتدل ساجدا ثم اجلس فاطمئن جالسا ثم قم فاذا فعلت ذلک فقد تمت صلوتک وان انتقصت منه شیئا انتقصت من صلـوتک (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ ص۶۶ نمبر۳۰۲) اس حدیث میں (۱) قرأت (۲) رکوع (۳) سجدہ (۴) اور تشہد میں بیٹھنے کے لئے کہا گیا ہے۔پھر یہ بھی کہا کہ ان میں سے کسی چیز کی کمی رہ گئی تو تمہاری نماز میں کمی رہ گئی۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں کمی رہ گئی تو نماز میں کمی رہ جائے گی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار فرض ہے (۲) ترمذی کے اسی باب میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے جس کے اخیر میں یہ جملہ ہے ثم ارفع حتی تطمئن جالسا وافعل ذلک فی صلوتک کلما (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء وصف الصلوۃ ص۶۷ نمبر۳۰۳) اس سے بھی معلوم ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا فرض ہے (۳) ابو داؤد میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے وان رسول الله ﷺ اخذ بید عبد الله بن مسعود فعلمه التشھد فی الصلوة فذکر مثل دعاء حدیث الاعمش اذا قلت ھذا اوقضیت ھذا فقد قضیت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد (ج) (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص۱۴۶ نمبر۹۷۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھے گا تو نماز پوری ہوگی ورنہ نہیں (۴) آپؐ نے کوئی بھی نماز بغیر تشہد کی مقدار بیٹھے ہوئے پوری نہیں کی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے (۵) عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوة وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلوته ومن کان خلفه ممن اتم الصلوة (د) (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ ص۹۸ نمبر۶۱۷) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے۔

[۱۷۷] (۷) اور جو ان سے زیادہ ہو وہ سنت ہے۔

تشریح مصنف نے ان کے علاوہ کو سنت کہا ہے حالانکہ نماز میں کچھ چیزیں واجب بھی ہیں۔لیکن سب کو سنت اس لئے کہا کہ وہ سنت اور

حاشیہ : (الف) حضور مسجد میں ایک دن بیٹھے ہوئے تھے... آپؐ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کچھ قرآن ہو تو اس کو پڑھو ورنہ اللہ کی تحمید کرو، تکبیر کرو اور تہلیل کرو۔پھر اطمینان سے رکوع کرو پھر پورے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو اور پورے اطمینان سے سجدہ کرو۔پھر بیٹھ جاؤ اور پورے اطمینان سے بیٹھو پھر کھڑے ہو جاؤ۔پس جب تم نے اتنا کیا تو نماز پوری کر لی اور ان میں سے کچھ کمی رہ گئی تو نماز میں کمی رہ گئی (ب) پھر سر سجدے سے اٹھائیں یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جائیں اور یہ چیزیں اپنی تمام نمازوں میں کریں (ج) آپؐ نے عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ پکڑا پھر ان کو نماز کی تشہد سکھلائی (پس حضرت اعمش کی حدیث کی طرح دعا کا ذکر کیا) پھر آپؐ نے فرمایا جب تم نے تشہد کہہ لیا یا ادا کر لیا تو اپنی نماز پوری کر لی۔اس لئے اگر اٹھنا چاہیں تو اٹھ جائیں اور اگر بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ جائیں (د) آپؐ نے فرمایا اگر امام نے نماز پوری کر لی اور بیٹھ گیا پھر بات کرنے سے پہلے حدث ہو گیا تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔اور جو اس کے پیچھے ہیں ان کی نماز بھی پوری ہو گئی۔

[۱۷۸](۸) واذا دخل الرجل فی صلوته کبر [۱۷۹](۹) ورفع یدیه مع التکبیر حتی یحاذی بابهامیه شحمتی اذنیه.

حدیث سے ثابت ہیں۔ اس لئے ان کو سنت کہا ہے۔ ورنہ اس میں کچھ واجبات بھی ہیں۔ مثلا (۱) قرأت فاتحہ (۲) سورۃ ملانا (۳) مکرر افعال میں ترتیب کی رعایت رکھنا (۴) قعدۂ اولی (۵) قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا (۶) جن رکعتوں میں قرأت جہری ہے اس کو جہری پڑھنا اور جن رکعتوں میں سری ہے اس کو سری پڑھنا (۷) وتر میں دعائے قنوت پڑھنا (۸) تکبیرات عیدین، یہ سب واجبات ہیں۔

[۱۷۸](۸) اگر آدمی نماز میں داخل ہو تو تکبیر کہے۔

تشریح تحریمہ باندھتے وقت تکبیر کہے۔ کیونکہ آیت میں ہے **وربک فکبر** (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) اس لئے تحریمہ کے ساتھ ہی تکبیر کہے۔ مسئلہ نمبرا میں حدیث گزری جس میں تھا **وتحریمها التکبیر** اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ تحریمہ کے وقت تکبیر کہے۔

نوٹ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر داخل نماز نہیں ہے بلکہ وہ شرائط نماز میں سے ہے۔ کیونکہ آیت میں ہے **وذکر اسم ربه فصلی** (الف) (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر کرو پھر نماز پڑھو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ذکر پہلے ہوگا تکبیر پہلے ہوگی پھر نماز ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک وہ داخل نماز اور فرائض نماز میں سے ہے۔ اس لئے ان کے تمام شرائط وہی ہیں جو نماز کے لئے ہیں۔

[۱۷۹](۹) دونوں ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھائے یہاں تک کہ دونوں انگوٹھوں کو کان کی لو کے مدمقابل کردے۔

تشریح تکبیر کہنے کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہو جائے۔

وجہ حدیث میں دونوں طریقہ ہیں یعنی پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے اور یہ بھی ہے کہ پہلے تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے۔ حنفیہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے تاکہ عمل سے بھی اللہ کے علاوہ کا انکار ہو جائے پھر تکبیر کہے تاکہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہو جائے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **ان ابن عمر قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام للصلوۃ رفع یدیه حتی تکونا حذو منکبیه ثم کبر** (ب) (مسلم شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۰ رابوداؤد شریف، باب رفع الیدین ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے تو بہتر ہے۔ اور اگر پہلے تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ حدیث میں اس کا بھی ذکر ہے۔ **انه رأی مالک بن الحویرث اذا صلی کبر ثم رفع یدیه ... وحدث ان رسول اللہ ﷺ کان یفعل هکذا** (مسلم شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۱ رابوداؤد شریف، باب رفع الیدین فی الصلوۃ ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۶) اس حدیث میں پہلے تکبیر کہی پھر ہاتھ اٹھائے۔

ہاتھ کان کی لو تک اٹھائے اس طرح کہ انگلیاں کان کی لو کے مدمقابل ہوں اور باقی ہاتھ گلے اور مونڈھے کے قریب ہو تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے۔ کان کی لو تک انگلیاں رکھنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن مالک بن الحویرث ان رسول اللہ ﷺ کان اذا کبر رفع**

حاشیہ : (الف) اپنے رب کا نام ذکر کرو پھر نماز پڑھو (ب) آپؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھے کے برابر اٹھاتے پھر تکبیر کہتے۔

یدیه حتی یحاذی بهما اذنیه (الف) (مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ص۱۶۸ نمبر ۳۹۱) اسی کے آگے حدیث میں ہے عن قتادة بهذا الاسناد انه رأی نبی الله ﷺ وقال حتی یحاذی بهما فروع اذنیه (ب) (مسلم شریف ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۱) عن وائل بن حجر قال رأیت النبی ﷺ حین افتتح الصلوة رفع یدیه حیال اذنیه (ج) (ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین کی آخری حدیث ہے ص ۱۱۲ نمبر ۷۲۸) ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر کے وقت ہاتھ کان کی لو تک مرد اٹھائے گا۔ مونڈھے تک اٹھانے کی جو حدیث ہے ہم کہتے ہیں کہ وہ عورتوں کے لئے ہے۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن وائل بن حجر قال قال رسول الله ﷺ یا ابن حجر اذا صلیت فاجعل یدیک حذاء اذنیک والمرأة تجعلی یدیها حذاء ثدییها (د) (رواہ الطبرانی، اعلاء السنن، باب افتراض التحریمہ وسنتہا ج ثانی ص ۱۸۱) اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں آیا کہ وہ اپنے پستان تک ہاتھ اٹھائے۔ کیونکہ اس کے لئے یہی زیادہ ستر کی چیز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک ہاتھ مونڈھے تک اٹھائیں گے۔ ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔ عن سالم بن عبد الله عن ابیه ان رسول الله و کان یرفع یدیه حذو منکبیه اذا افتتح الصلوة (ہ) (بخاری شریف، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولی ص ۱۰۲ نمبر ۷۳۵ / مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۰) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ مونڈھے تک اٹھاتے تھے۔ حنفیہ اس طرح عمل کرتے ہیں کہ تمام احادیث پر عمل ہا جائے۔

لغت ابہام : انگوٹھا، شحمة کان کا نرما، کان کی لو۔

نوٹ رکوع کے وقت میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔ احادیث سے ثابت ہے۔ البتہ حنفیہ اس پر عمل اس لئے نہیں کرتے ہیں کہ اس کے خلاف حدیث موجود ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کی نگاہ قوموا لله قانتین (و) کی طرف گئی ہے۔ اس لئے دوسری احادیث پر عمل کیا۔ حدیث یہ ہے (ا) قال عبد الله بن مسعود الا اصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة (ز) (ترمذی شریف، باب ان النبی لم یرفع الا فی اول مرۃ ص ۵۹ نمبر ۲۵۷) عن البراء ان رسول الله ﷺ کان اذا افتتح الصلوة رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لا یعود (ح) (ابوداؤد شریف، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع ص ۱۱۶ نمبر ۷۴۹ / نسائی شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین عند الرفع من الرکوع والرخصة فی ترک ذلک ص ۱۲۰ نمبر ۱۰۵۹) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت رفع یدی کے چھوڑنے کی گنجائش ہے فائدہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے یہاں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن عمر قال رأیت رسول الله ﷺ اذا قام فی الصلوة رفع یدیه حتی

حاشیہ : (الف) آپؐ جب تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھوں کو کان کے برابر اٹھاتے (ب) صحابی نے حضور کو دیکھا اور فرمایا ہاتھ کو کان کی لو کے برابر اٹھاتے (ج) وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ جب انہوں نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھایا (د) آپؐ نے فرمایا اے ابن حجر! جب تم نماز پڑھو تو اپنے ہاتھوں کو کان کے برابر کرو۔ اور عورت اپنے ہاتھوں کو پستان کے برابر کریں (ہ) آپؐ اپنے ہاتھوں کو مونڈھے کے برابر اٹھایا کرتے تھے جب نماز شروع کرتے (و) اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے رہو یا عاجزی سے کھڑے رہو (ز) عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ کیا میں تم لوگوں کو حضورؐ کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر نماز پڑھائی اور ہاتھ نہیں اٹھائے مگر پہلی مرتبہ (ح) حضورؐ جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے۔

[۱۸۰](۱۰) فان قال بدلا من التکبیر اللہ اجل او اعظم او الرحمن اکبر اجزاہ عند ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعلی وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی لا یجوز الا ان یقول

تکونا حذو منکبیہ وکان یفعل ذلک حین یکبر للرکوع و یفعل ذلک اذا رفع رأسہ من الرکوع ویقول سمع اللہ لمن حمدہ ولا یفعل ذلک فی السجود (الف) (بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا کبرواذا رکع واذا رفع ص۱۰۲ نمبر ۷۳۶ رمسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام والرکوع وفی الرفع من الرکوع وانہ لایفعلہ اذا رفع من السجود ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۰) اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔اور نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔اس لئے اس مسئلہ پر جھگڑا نہیں کرنا چاہئے صرف استحباب کا اختلاف ہے۔

[۱۸۰](۱۰) اگر اللہ کے بجائے اللہ اجل کہا یا اللہ اعظم کہا یا الرحمٰن الاکبر کہا تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک کافی ہو جائے گا۔اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے مگر یہ کہ کہے اللہ اکبر اور اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر۔

تشریح امام طرفین کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت اللہ کی تعظیم کا کوئی بھی کلمہ کہے گا اور تحریمہ باندھے گا تو کافی ہو جائے گا بشرطیکہ تعظیم کا کلمہ ہو۔استغفار وغیرہ نہ ہو۔البتہ تکبیر کے علاوہ کسی اور کلمہ سے تحریمہ باندھنا مکروہ ہے۔

وجہ آیت میں ہے وذکر اسم ربہ فصلی (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) آیت سے معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے اللہ کا کوئی بھی نام لے ،چاہے وہ تکبیر ہو یا تعظیم کا کوئی کلمہ (۲) آیت میں ہے وربک فکبر (ب) (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) اس آیت سے بھی معلوم ہو کہ اصل مقصود اللہ کی تعظیم کرنا ہے چاہے کوئی بھی کلمہ ہو (۳) حدیث میں ہے عن ابی سعید خدری قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلوۃ باللیل کبر (ج) (ترمذی شریف، باب مایقول عند افتتاح الصلوۃ ص ۵۷ نمبر ۲۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحریمہ کے وقت تکبیر کہے۔اس لئے کسی بھی کلمات سے تعظیم کرنا کافی ہوگا۔

فائدہ امام ابو یوسف اور امام شافعیؒ کے نزدیک خاص طور پر اللہ اکبر اور اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر کہنا ضروری ہوگا۔اس لئے کہ یہی کلمات حدیث میں تکبیر تحریمہ کے لئے آئے ہیں۔ سمعت ابا حمید الساعدی یقول کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلوۃ استقبل القبلۃ ورفع یدیہ وقال اللہ اکبر (د) (ابن ماجہ شریف، باب افتتاح الصلوۃ، ص ۱۱۴، نمبر ۸۰۳، ابواب اقامۃ الصلوۃ رترمذی شریف ،باب ماجاء فی وصف الصلوۃ، باب منہ ص ۶۶ نمبر ۳۰۴) اس حدیث میں خاص اللہ اکبر کا ذکر ہے۔اس لئے اس کلمہ کے ساتھ تکبیر تحریمہ ہوگا۔اللہ الاکبر میں اور اللہ الکبیر میں زیادہ مبالغہ ہے اس لئے ان دونوں کلمے سے بھی تحریمہ ادا ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ہو جاتے مونڈھوں کے قریب۔اور ایسا ہی کرتے جس وقت رکوع کے لئے تکبیر کہتے۔اور ایسا ہی کرتے جب رکوع سے سر اٹھاتے۔اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور رفع یدین سجدہ میں نہیں کرتے (ب) اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے (ج) آپؐ جب نماز کے لئے رات میں کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے (د) حضورؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ کا استقبال کرتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور اللہ اکبر کہتے۔

الله اکبر والله الاکبر والله الکبیر[۱۸۱] (۱۱) ویعتمد بیدہ الیمنی علی الیسری

[۱۸۱](۱۱)اور پکڑے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر اور دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھے۔

تشریح حدیث میں یہ بھی ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے۔اور یہ بھی ہے کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ لے۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک سنت طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑ لے اور باقی تین انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھے۔تا کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔

وجہ (۱)**عن وائل بن حجر انه رأى النبی ﷺ ... ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری** (الف)(مسلم شریف، باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری ص ۱۷۳ نمبر ۴۰۱ رابوداؤد شریف، باب وضع الیمنی علی الیسری ص ۱۱۷ نمبر ۷۵۵ ربخاری شریف، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ نمبر ۷۴۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے(۲)**قبیصة بن هلب عن ابیه قال کان رسول الله ﷺ یؤمنا فیأخذ شماله بیمینه** (ب)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ص ۵۹ نمبر ۲۵۲ رنسائی شریف، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ، ص ۱۲۳، نمبر ۸۰۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا چاہئے۔اس لئے حنفیہ نے دونوں حدیثوں پر عمل کیا۔اور ناف کے نیچے رکھنے کی حدیث یہ ہے(۳)**عن علیؓ قال ان من السنة فی الصلوۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ** (ج)(ابوداؤد شریف باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ ص ۱۱۷ نمبر ۷۵۶ ردار قطنی، باب فی اخذ الشمال بالیمین فی الصلوۃ ج اول ص ۲۸۹ نمبر ۱۰۸۹ رسنن للبیہقی، باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوۃ من السنۃ ج ثانی ص ۴۸، نمبر ۲۳۴۱)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ ناف کے نیچے رکھنا چاہئے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہاتھ سینے پر رکھنا سنت ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن وائل انه رأى النبی ﷺ وضع یمینه علی شماله ثم وضعها علی صدرہ** (د)(ابوداؤد شریف، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ ص ۱۱۷، ۷۵۹ رسنن للبیہقی، باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوۃ من السنۃ ص ثانی ص ۴۶، نمبر ۲۳۳۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ سینے پر رکھنا چاہئے۔

نوٹ امام ترمذیؒ نے بہترین فیصلہ فرمایا ہے کہ دونوں کی گنجائش ہے۔**ورأى بعضهم ان یضعها فوق السرۃ ورأى بعضهم ان یضعها تحت السرۃ وکل ذلک واسع عندهم** (ہ)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ص ۵۹ نمبر ۲۵۲)

نوٹ قیام میں جہاں جہاں ذکر مسنون ہے وہاں وہاں ہاتھ باندھنا بہتر ہے۔اور جہاں جہاں ذکر مسنون نہیں ہے وہاں وہاں ہاتھ چھوڑنا

حاشیہ : (الف) وائل بن حجر نے حضور کو دیکھا... پھر اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا(ب) آپؐ ہماری امامت کرتے تو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے (ج) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھے ناف کے نیچے (د) حضورؐ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا پھر ان دونوں کو اپنے سینے پر رکھا(ہ) بعض علماء کی رائے ہے کہ دونوں ہاتھوں کو ناف کے اوپر رکھے اور بعض کی رائے ہے کہ ان دونوں کو ناف کے نیچے رکھے۔اور علماء کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کی گنجائش ہے۔

ویضعها تحت السرۃ [۱۸۲] (۱۲) ثم یقول سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا اله غیرک [۱۸۳] (۱۳) ویستعیذ بالله من الشیطان الرجیم

مسنون ہے۔

لغت یعتمد : پکڑیگا، السرۃ : ناف۔

[۱۸۲] (۱۲) تحریمہ باندھنے کے بعد پڑھے **سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا اله غیرک**

تشریح تحریمہ باندھنے کے بعد اور بھی بہت سی دعائیں منقول ہیں۔لیکن حنفیہ کے نزدیک **سبحانک اللهم الخ** پڑھنا زیادہ بہتر ہے

وجہ یہ حدیث ہے **عن ابی سعید الخدری قال کان رسول الله ﷺ اذا قام الی الصلوۃ باللیل کبر ثم یقول سبحانک اللهم الخ** (الف) (ترمذی شریف، باب مایقول عند افتتاح الصلوۃ ص ۵۷ نمبر ۲۴۲ /ابوداؤد شریف، باب من رأی الاستفتاح بسبحانک ص ۱۱۹ نمبر ۷۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبحانک اللهم الخ پڑھنا چاہئے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک **اللهم وجهت وجهی الخ** پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔اس کا ثبوت یہ حدیث ہے **عن علی بن ابی طالب قال کان رسول الله اذا قام الی الصلوۃ کبر ثم قال وجهت وجهی الخ** (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما یستفتح بہ الصلوۃ من الدعاء ص ۱۱۷ نمبر ۷۶۰) امام ابو یوسف ان دونوں احادیث کی وجہ سے دونوں دعاؤں کے ملانے کے قائل ہیں۔

[۱۸۳] (۱۳) اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے۔

وجہ آیت میں ہے **فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشیطان الرجیم** (ج) (آیت ۹۸ سورۃ النحل ۱۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرأت قرآن سے پہلے اعوذ باللہ الخ پڑھے۔**عن ابی سعید الخدری قال کان رسول الله ﷺ اذا قام الی الصلوۃ ثم یقول اعوذ بالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** (ترمذی شریف، باب مایقول عند افتتاح الصلوۃ ص ۵۷ نمبر ۲۴۲) اسی لئے حنفیہ کے نزدیک اعوذ باللہ قرأت قرآن کی سنت ہے۔ثنا کی سنت نہیں ہے اس لئے ہر رکعت میں قرأت قرآن سے اعوذ باللہ الخ اور بسم اللہ الخ پڑھے جائیں گے۔بسم اللہ الخ پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یفتتح صلوته ببسم الله الرحمن الرحیم** (د) (ترمذی شریف، باب من رأی الجهر ببسم اللہ الرحمن الرحیم ص ۵۷ نمبر ۲۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔لیکن اسمیں یہ تذکرہ نہیں ہے کہ زور سے پڑھنا چاہئے۔ہوسکتا ہے کہ حضورؐ بسم اللہ تو پڑھتے ہوں لیکن آہستہ پڑھتے ہوں۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد الله بن مغفل قال سمعنی ابی وانا فی الصلوۃ اقول بسم الله الرحمن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث ... وقال وقد صلیت مع النبی ﷺ و مع ابی بکر وعمر ومع عثمان فلم**

حاشیہ : (الف) آپؐ جب رات میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر سبحانک اللهم الخ کہتے (ب) آپؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر وجهت وجهی الخ پڑھتے (ج) جب قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھو (د) آپؐ اپنی نماز کو بسم اللہ سے شروع فرماتے۔

ویقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم ویسر بھما[۱۸۴](۱۴) ثم یقرأ فاتحۃ الکتاب

اسمع احدا منھم یقولھا فلا تقلھا ،اذا انت صلیت فقل الحمد للہ رب العالمین (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ترک الجھر بسم اللہ الرحمان الرحیم ص ۵۷ نمبر ۲۴۴ ر بخاری شریف، باب مایقول بعد التکبیر ص ۱۰۳ نمبر ۷۴۳ ر مسلم شریف، باب حجۃ من قال لا یجھر بالبسملۃ ص ۱۷۲ نمبر ۳۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔

نوٹ یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ الحمد للہ یا دوسری سورتوں کا جز نہیں ہے ورنہ بسم اللہ زور سے پڑھتے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ زور سے پڑھی جائے گی۔ کیوں کہ وہ بسم اللہ کو الحمد کا جز مانتے ہیں اور سورت کا بھی جز مانتے ہیں۔ ان کی دلیل کی حدیث اوپر گزری (۲) عن انس بن مالک قال بینا رسول اللہ ذات یوم بین اظھرنا اذا غفی اغفاءۃ ثم رفع رأسہ متبسما فقلنا ما اضحکک یا رسول اللہ قال انزلت علی انفا سورۃ فقرء بسم اللہ ارحمن الرحیم انا اعطیناک الکوثر الخ (ب)(مسلم شریف، باب حجۃ من قال البسملۃ آیۃ من اول کل سورۃ سوی برائۃ ص ۱۷۲ نمبر ۴۰۰ ر ابوداؤد شریف، باب ما جاء من جھر بسم اللہ ص ۱۲۱ نمبر ۷۸۴) اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۃ کا جز ہے۔ اس لئے اس کو جہری نماز میں جہر سے پڑھنا چاہئے۔ اس سے بھی واضح دلیل دار قطنی میں ہے عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یجھر ببسم اللہ الرحمن الرحیم (ج)(دار قطنی، باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج اول ص ۳۰۸ نمبر ۱۱۴۷) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ کو جہری نماز میں جہری پڑھنا چاہئے۔

نوٹ بسم اللہ ہر سورۃ سے پہلے آہستہ سے پڑھ لے تو بہتر ہے تاکہ اختلاف سے بچ جائے اور احتیاط پر عمل ہو جائے۔

[۱۸۴](۱۴) پھر سورۂ فاتحہ پڑھے۔

تشریح حنفیہ کے نزدیک قرآن کی کسی جگہ سے ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا فرض ہے۔ اگر اتنا بھی نہیں پڑھیگا تو نماز نہیں ہوگی۔ البتہ اس پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اگر نہیں پڑھے گا تو کمی رہ جائے گی اور سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔

وجہ (۱) کہیں سے بھی قرآن پڑھنے کی فرضیت کی دلیل یہ آیت ہے فاقرء ما تیسر من القرآن (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) (۲) حدیث میں ہے عن ابن سعید قال امرنا ان تقرء بفاتحۃ الکتاب وما تیسر (د)(ابوداؤد شریف، باب من ترک القراءۃ (الفاتحۃ) فی صلوتہ بفاتحۃ الکتاب، ص ۱۲۵ نمبر ۸۱۸ ر نسائی شریف، باب ایجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلوۃ ص ۱۰۵ نمبر ۹۱۲) (۳) بخاری شریف میں ہے آپؐ نے اس دیہاتی سے فرمایا جس نے جلدی جلدی نماز پڑھی ثم اقرء ما تیسر معک من القرآن (ہ)(بخاری

حاشیہ: (الف) عبد اللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے سنا کہ میں نماز میں بسم اللہ پڑھ رہا ہوں تو میرے باپ نے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے یہ نئی چیز ہے۔ نئی ایجاد کرنے سے بچو... اور فرمایا میں نے حضورؐ، ابوبکر، عمر اور عثمان کے ساتھ نماز پڑھی۔ کسی سے نہیں سنا کہ وہ بسم اللہ زور سے کہتے ہوں۔ اس لئے اس کو مت کہا کرو۔ جب تم نماز پڑھو تو الحمد للہ الخ کہو (ب) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہمارے درمیان حضورؐ تھے۔ اچانک آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپؐ نے فرمایا ابھی مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے۔ پھر آپؐ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انا اعطینا کالکوثر پڑھی (ج) آپؐ بسم اللہ کو زور سے پڑھتے تھے (د) ابو سعید سے روایت ہے کہ آپؐ نے ہم کو حکم دیا کہ فاتحہ پڑھیں اور قرآن میں جو آسان ہو وہ پڑھیں (ہ) پھر پڑھو جو تمہارے پاس قرآن میں سے آسان ہو۔

[۱۸۵](۱۵) وسورة معها او ثلاث آیات من ای سورة شاء[۱۸۶](۱۶) واذا قال الامام

شریف، باب وجوب القرأة للامام والماموم فی الصلوة کلها ص ۱۰۵ نمبر ۷۵۷ رمسلم شریف، باب وجوب قرائۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۷۰ نمبر ۳۹۷)اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن میں سے جو آسان ہو اس کا پڑھنا فرض ہے۔ چاہے سورۂ فاتحہ کے علاوہ ہو۔

سورۂ فاتحہ واجب ہونے کی دلیل (۴)عن عبادة بن صامت ان رسول اللہ ﷺ قال لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب (الف) (بخاری شریف، باب وجوب القراءة للامام والماموم فی الصلوة کلھا ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۶ رمسلم شریف، باب وجوب قراءة الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ نہیں پڑھیں گے تو کمی رہ جائے گی۔ حدیث میں ہے (۵)عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال من صلی صلوة لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج ثلاثا غیر تمام (ب)(مسلم شریف، باب وجوب قراءة الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۵ رابوداؤد شریف، باب من ترک القراءة فی صلوتہ ص ۱۲۵ نمبر ۸۲۱)فھی خداج کا مطلب یہ ہے کہ فاتحہ چھوڑنے سے نماز میں کمی رہ جائے گی اور اس کا اتمام سجدۂ سہو سے کرنا پڑے گا۔

فائدہ امام شافعی اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ ان کی دلیل اوپر کی احادیث ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت اور اس مسئلہ کی حدیث نمبر ۲ اور ۳ کو ملائیں تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ جس کے قائل ہم بھی ہیں۔

[۱۸۵](۱۵)اور سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورة ملائے یا تین آیتیں جس سورة سے بھی ہو۔

تشریح سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی چھوٹی سورت یا کسی سورت کی تین آیتیں ملانا واجب ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ ... ولا صلوة لمن لم یقرأ بالحمد و سورة فی فریضة او غیرھا (ج)(ترمذی شریف، باب ما جاء فی تحریم الصلوة وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸)اس حدیث میں وسورة فی فریضة سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی طرح سورة ملانا بھی واجب ہے۔ (۲) ابوداؤد شریف وغیرہ میں نماز ظہر، عصر، مغرب اور فجر میں کون کون سی سورة پڑھتے تھے اس کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سورة کا ملانا واجب ہے۔ تفصیل ابوداؤد، باب قدر القراءة فی صلوة الظھر والعصر، باب قدر القراءة فی المغرب ص ۱۲۳ نمبر ۷۹۸ رترمذی شریف، باب ما جاء فی القراءة فی الصبح ص ۶۷ نمبر ۳۰۶)

[۱۸۶](۱۶)اور جب امام کہے ولا الضالین تو وہ آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے اور اس کو آہستہ کہے۔

تشریح امام سورۂ فاتحہ پڑھ کر آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے۔ لیکن دونوں آمین آہستہ کہے۔

وجہ (۱)عن ابی ھریرة ان رسول اللہ ﷺ اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تأمینہ تأمین الملائکة غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وقال ابن شھاب و کان رسول اللہ ﷺ یقول آمین (د)(بخاری شریف، باب جہر الامام بالتامین ص ۱۰۷ نمبر ۷۸۰ رمسلم

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ان کی نماز ہی نہیں ہوئی جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے نماز پڑھی اور اس میں ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو وہ ناقص ہے۔ تین مرتبہ یہ مکمل نہیں ہے (ج) آپؐ نے فرمایا اس کی نماز نہیں ہوگی جس نے الحمد نہیں پڑھی اور سورة نہیں ملائی فرض نماز میں ہو یا اس کے علاوہ میں ہو (د) آپؐ نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ اس لئے کہ جس کی آمین فرشتے کی آمین کے موافق ہو جائے گی اس (باقی اگلے صفحہ پر)

ولا الضالین قال آمین ویقولها المأتم ویخفیها[۱۸۷](۱۷) ثم یکبر ویرکع [۱۸۸](۱۸) ویعتمد بیدیه علی رکبتیه ویفرج اصابعه ویبسط ظهره ولا یرفع رأسه ولا

شریف، باب التسمیع والتحمید والتأمین ص ۱۷۶ نمبر ۴۱۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین کہے۔اور آہستہ آمین کہنے کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) حضرت امام اعظم کی نگاہ اس بات کی طرف گئی کہ آمین دعا ہے اور نماز میں قرأت کے علاوہ جتنی دعائیں کی جاتی ہیں سب آہستہ ہیں۔اس لئے آمین بھی آہستہ ہونی چاہئے۔چنانچہ حضرت نے آہستہ والی حدیث پر عمل کیا۔آداب دعا یہ ہیں کہ گڑگڑا کر آہستہ کی جائے۔آیت یہ ہے **ادعوا ربکم تضرعا و خفیة انه لا یحب المعتدین** (الف) (آیت ۵۵ سورۃ الاعراف ۷) (۲) حدیث میں بھی ہے **عن علقمة بن وائل عن ابیه ان النبی ﷺ قرء غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال آمین و خفض بها صوته** (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی التأمین ص ۵۸ نمبر ۲۴۸/ دار قطنی، باب التأمین فی الصلوۃ بعد فاتحۃ الکتاب والجھر بہا، ج اول ،ص ۳۲۸ نمبر ۱۲۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا چاہئے۔بخاری، مسلم وغیرہ میں زور سے آمین کہنے کی باضابطہ حدیث نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی نزدیک آمین زور سے کہنا بہتر ہے۔ان کی دلیل (۱) اوپر کی حدیث سے امام بخاری اور امام مسلم نے استدلال کیا ہے کہ زور سے آمین کہے (اگرچہ اس میں زور کا لفظ نہیں ہے) (۲) **عن ابی هریرة قال ترک الناس التأمین و کان رسول الله اذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین حتی یسمعها اهل الصف الاول فیرتج بها المسجد** (ج) (ابن ماجہ شریف، باب الجھر بآمین ص ۱۲۱، نمبر ۸۵۳/ دار قطنی، باب التأمین فی الصلوۃ ج اول ص ۳۲۸ نمبر ۱۲۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین زور سے کہنا چاہئے۔لیکن خود ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے زور سے آمین کہنا چھوڑ دیا تھا۔

لغت یہ استحباب کا اختلاف ہے۔کوئی زور سے آمین کہتا ہو تو اس پر نکیر نہیں کرنا چاہئے۔

[۱۸۷] (۱۷) پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ آپؐ رکوع اور سجدے میں تکبیر کہتے **سمع ابا هریرة یقول کان رسول الله ﷺ اذا اقام الی الصلوة یکبر حین یقوم ثم یکبر حین یرکع** (د) (بخاری شریف، باب التکبیر اذا قام من السجود ص ۱۰۹ نمبر ۷۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہے۔

[۱۸۸] (۱۸) دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پر ٹیکے اور انگلیوں کو کشادہ کرے اور پیٹھ کو برابر کرے، سر کو نہ اٹھائے نہ زیادہ جھکائے۔

تشریح رکوع میں ہاتھ سے گھٹنوں کو اس طرح پکڑے جیسے اس پر ٹیک لگائے ہوئے ہو۔اور انگلیوں کو گھٹنے پر پھیلائے ہوئے رکھے۔پیٹھ کو

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کے لئے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضورؐ آمین کہا کرتے تھے (الف) اپنے رب کو گڑگڑا کر آہستہ سے پکارو۔وہ حد سے زیادہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے (ب) آپؐ نے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھا اور آمین کہا اور اس کے ساتھ آواز آہستہ کی (ج) آپؐ جب غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہتے تو آمین کہتے۔پہلی صف والے اس کو سنتے اور مسجد گونج اٹھتی (د) آپؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے جب کھڑے ہوتے۔پھر تکبیر کہتے جب رکوع میں جاتے۔

ینکسه [۱۸۹] (۱۹) ویقول فی رکوعه سبحان ربی العظیم ثلثا و ذلک ادناه [۱۹۰] (۲۰) ثم یرفع رأسه ویقول سمع الله لمن حمده ویقول المؤتم ربنا لک الحمد

سرین کے برابر رکھے۔ سرکو نہ زیادہ جھکائے اور نہ پیٹھ سے اٹھا کر رکھے۔ بلکہ پیٹھ کے برابر رکھے۔

وجہ (۱) یہ حدیث ہے فذکروا صلوۃ رسول الله ﷺ فقال ابو حمید انا اعلمکم بصلوۃ رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ رکع فوضع یدیه علی رکبتیه کانه قابض علیهما و وتر یدیه فنحاهما عن جنبیه (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء یجافی یدیہ عن جنبیہ فی الرکوع ص ۶۰ نمبر ۲۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ سے گھٹنوں کو اس طرح پکڑے کہ کمان کی رسی کی طرح معلوم ہو (۲) حدیث میں ہے عن ابی حمید الساعدی قال کان النبی ﷺ اذا رکع اعتدل فلم ینصب رأسه ولم یقنعه ووضع یدیه علی رکبتیه (ب) (نسائی شریف، باب الاعتدال فی الرکوع ص ۱۱۸ نمبر ۱۰۴۰ر ابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص ۱۳۲ نمبر ۸۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع میں نہ سرکو سرین کے برابر رکھے نہ جھکائے اور نہ زیادہ اٹھائے۔

لغت لاینکسہ : نہ زیادہ جھکائے۔

[۱۸۹] (۱۹) اور رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہے اور یہ اس کا ادنی درجہ ہے۔

تشریح کم سے کم تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہنا سنت ہے۔ اس سے زیادہ بھی کہہ سکتا ہے۔ لیکن طاق مرتبہ کہنا افضل ہے۔

وجہ عن ابن مسعود ان النبی ﷺ قال اذا رکع احدکم فقال رکوعه سبحان ربی العظیم ثلث مرات فقد تم رکوعه وذلک ادناه (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود ص ۶۰ نمبر ۲۶۱ر ابوداؤد شریف، باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ ص ۱۳۴ نمبر ۸۷۰)

[۱۹۰] (۲۰) پھر اپنے سرکو اٹھائے اور کہے سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی کہے ربنا لک الحمد۔

تشریح امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لک الحمد (د) (بخاری شریف، باب فضل اللھم ربنا لک الحمد ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۶ر ترمذی شریف، باب آخر و باب مایقول الرجل اذا رفع رأسہ ص ۶۱ نمبر ۲۶۷) اس سے معلوم ہوا کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔ البتہ منفرد ہو تو چونکہ وہ امام اور مقتدی دونوں ہے اس لئے وہ دونوں کہے گا۔

حاشیہ : (الف) کچھ صحابہ نے حضورؐ کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابوحمید ساعدی نے فرمایا میں آپ کو حضورؐ کی نماز بتاتا ہوں۔ حضورؐ جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھتے گویا کہ ان کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اور دونوں ہاتھوں کو کمان کی رسی کی طرح بناتے۔ اور دونوں ہاتھوں کو پہلو سے الگ رکھتے (ب) حضورؐ جب رکوع کرتے تو سرکو برابر رکھتے نہ سرکو اونچا اٹھاتے اور نہ نیچے جھکاتے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھتے (ج) نبیؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہے تو اس کا رکوع پورا ہو گیا اور یہ ادنی درجہ ہے (د) آپؐ نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم لوگ اللھم ربنا لک الحمد کہو۔

[۱۹۱](۲۱) فاذا استوی قائما کبر و سجد[۱۹۲] (۲۲) واعتمد بیدیه علی الارض و

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک امام دونوں کلمے کہے گا۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی هریرة قال کان النبی ﷺ اذا قال سمع الله لمن حمده قال اللهم لک الحمد** (الف) (بخاری شریف، باب مایقول الامام ومن خلفہ اذا رفع رأسہ من الرکوع ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۵ رترمذی شریف، باب مایقول الرجل اذا رفع رأسہ من الرکوع ص ۶۱ نمبر ۲۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام تسمیع اور تحمید دونوں کہے گا۔ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ جب تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو دونوں کہے گا۔

نوٹ دونوں حدیثوں کو دیکھتے ہوئے صاحبین فرماتے ہیں کہ امام تسمیع اور تحمید دونوں کہے۔

[۱۹۱] (۲۱) پس جب کہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اطمینان سے کھڑا ہونا جس کو تعدیل ارکان کہتے ہیں واجب ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول الله ﷺ لا تجزئ صلوة لا یقیم الرجل فیها صلبه فی الرکوع و فی السجود** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی من لایقیم صلبہ فی الرکوع ولا السجود ص ۶۱ نمبر ۲۶۵ رابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵ ربخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لایتم رکوعہ بالاعادۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳) ان احادیث سے امام ابو حنیفہ تعدیل الارکان کو واجب کہتے قرار دیتے ہیں۔کیونکہ اس کے بغیر نماز کافی نہیں ہوگی۔کیونکہ تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے حضورؐ نے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فرض ہے۔ان کی دلیل یہی اوپر کی حدیث ہے۔

نوٹ امام شافعیؒ کے یہاں فرض کے بعد سیدھا سنت کا درجہ ہے درمیان میں واجب کا درجہ نہیں ہے۔اس لئے جب کسی حدیث میں تاکید ہوتی ہے تو سیدھا وہ اس کی فرضیت کی طرف جاتے ہیں۔اور امام ابو حنیفہ کے یہاں فرض اور سنت کے درمیان واجب کا درجہ ہے اس لئے بہت زیادہ تاکید ہوتی ہے تو فرض ہوتا ہے۔اس سے کم تاکید ہوتی ہے تو واجب ہوتا ہے۔اور اس سے کم تاکید ہوتی ہے تو سنت ہوتا ہے۔اسی اصولی فرق کی بنا پر امام ابو حنیفہ اور شافعیؒ کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔

نوٹ ایک روایت ہے کہ تعدیل ارکان اور قومہ سنت ہیں۔

[۱۹۲] (۲۲) سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے اور اپنے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے۔

تشریح سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پیشانی اور ناک زمین پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر رکھے اس طرح کہ چہرہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ہو۔

وجہ (ا) حدیث میں ہے۔**قلت للبراء بن عازب این کان النبی ﷺ یضع وجهه اذا سجد بین کفیه فقال بین کفیه**

حاشیہ : (الف) آپؐ جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اللھم ربنا لک الحمد بھی کہتے (ب) آپؐ نے فرمایا نماز کافی نہیں ہوگی جب تک کہ آدمی رکوع اور سجدے میں ریڑھ کی ہڈی سیدھی نہ کرے (یعنی اطمینان سے پورے طور پر رکوع اور سجدہ نہ کرے۔

وضع وجهه بين كفيه [۱۹۳] (۲۳) وسجد على انفه وجبهته فان اقتصر على احدهما جاز عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى وقالا لا يجوز الاقتصار على الانف الا من عذر

(ترمذی شریف، باب ماجاء این وضع الرجل وجہہ اذا سجد ص ۶۲ نمبر ۲۷۱) فی ابوداؤد عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه عن النبى ﷺ فلما سجد وضع جبهته بين كفيه وجافى عن ابطيه (الف) (ابوداؤد شریف، باب افتتاح الصلوۃ ص ۱۱۴ نمبر ۷۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ کے وقت چہرہ ہتھیلی کے درمیان رکھے اور ہتھیلی کو زمین پر رکھ کر دونوں کہنیوں کو زمین سے اونچی رکھیں اور بغل سے علیحدہ رکھیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن البراء قال قال رسول الله ﷺ اذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك وفى حديث آخر اذا صلى فرج بين يديه حتى يبدو بياض ابطيه (ب) (مسلم شریف، باب الاعتدال فی السجود ووضع الکفین علی الارض ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۵ر بخاری شریف، باب یبدی ضبعیہ ویجافی فی السجود نمبر ۸۰۷)

[۱۹۳] (۲۳) اور سجدہ کرے اپنی ناک پر اور پیشانی پر۔ پس اگر دونوں میں سے ایک پر اکتفا کرلیا تو جائز ہے ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا نہیں جائز ہے اکتفا کرنا ناک پر مگر عذر کی بنا پر

تشریح ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرنا چاہئے۔ لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک پر یعنی صرف ناک پر یا صرف پیشانی پر اکتفا کیا تب بھی سجدہ ادا ہو جائے گا۔ البتہ کمی رہ جائے گی۔ لیکن امام صاحبین کے نزدیک پیشانی اصل ہے اس لئے صرف پیشانی پر سجدہ کرلیا تو سجدہ ہو جائیگا۔ اور اگر صرف ناک پر سجدہ کیا اور پیشانی پر کوئی عذر نہیں ہے تو سجدہ ادا نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اصل پر سجدہ نہیں کیا۔ ابوحنیفہ کی۔

وجہ (۱) وہ فرماتے ہیں کہ چہرے کو رکھ دینے سے سجدہ ادا ہو جائے گا چاہے پیشانی ٹیکے یا ناک ٹیکے سر کا زمین پر رکھنا پایا گیا (۲) چنانچہ حدیث میں پیشانی اور ناک دونوں کے رکھنے کا تذکرہ موجود ہے۔ حدیث میں ہے عن ابن عباس قال قال النبى ﷺ امرت ان اسجد على سبعة اعظم على الجبهة واشار بيده على انفه واليدين والركبتين واطراف القدمين (ج) (بخاری شریف، باب السجود علی الانف ص ۱۱۲ نمبر ۸۱۲ر مسلم شریف، باب اعضاء السجود والنہی عن کفی الشعر ص ۱۹۳ نمبر ۴۹۰ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی السجود علی الجبھۃ والانف ص ۶۱ نمبر ۲۷۰) اس لئے دونوں میں سے ایک پر اکتفا کرنا بھی کافی ہوگا۔

وجہ صاحبین فرماتے ہیں کہ سجدہ میں اصل پیشانی ہے۔ ناک فرع ہے اس لئے بغیر عذر کے پیشانی پر نہیں ٹکایا تو سجدہ ادا نہیں ہوگا (۲) بعض حدیث میں صرف پیشانی کا تذکرہ ہے۔ عن ابن عباس قال امر النبى ﷺ ان يسجد على سبعة اعضاء ولايكف شعرا ولاثوبا الجبهة واليدين والركبتين والرجلين (د) (بخاری شریف، باب السجود علی سبعۃ اعظم ص ۱۱۲ نمبر ۸۰۹ر مسلم شریف، باب

حاشیہ : (الف) وائل بن حجر نے بیان فرمایا کہ حضورؐ جب سجدہ کرتے تو اپنی پیشانی کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھتے اور ہاتھوں کو دونوں پہلوؤں سے الگ رکھتے (ب) آپؐ نے فرمایا جب سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلی کو رکھو اور دونوں کہنیوں کو اٹھاؤ۔ فی حدیث آخر جب نماز پڑھتے تو دونوں ہاتھوں کو بغل سے الگ رکھتے یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آتی (ج) آپؐ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔ پیشانی پر۔ اور اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا۔ اور دونوں ہاتھوں پر۔ دونوں گھٹنوں پر اور دونوں قدموں پر (د) نبی کو حکم دیا گیا کہ سات اعضاء پر سجدہ کریں اور نہ بال کو سمیٹیں اور نہ کپڑے کو سمیٹیں۔ اور (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۹۴](۲۴) فان سجد علی کور عمامته او علی فاضل ثوبه جاز [۱۹۵](۲۵) ویبدی ضبعیه ویجافی بطنه عن فخذیه[۱۹۶] (۲۶) ویوجه اصابع رجلیه نحو القبلة[۱۹۷]

اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر ص۱۹۳ نمبر ۴۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشانی اصل ہے اس لئے بغیر عذر کے پیشانی پر سجدہ نہ کرنے سے سجدہ ادا نہ ہوگا۔ اس میں پیشانی کا خاص تذکرہ ہے۔

[۱۹۴] (۲۴) اگر پگڑی کے کنارے پر یا زائد کپڑے پر سجدہ کیا تو جائز ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن انس بن مالک قال کنا نصلی مع النبی ﷺ فیضع احد نا طرف الثوب من شدة الحر فی مکان السجود** (الف) (بخاری شریف باب السجود علی الثوب فی شدة الحر ص۵۶ نمبر ۳۸۵ رنسائی شریف، باب السجود علی الثیاب ص۱۲۵ نمبر ۱۱۱۷ رابوداؤد شریف، باب الرجل یسجد علی ثوبہ ص۱۰۳ نمبر ۶۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمامہ کے کنارے پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا۔

لغت کور : عمامہ کا پیچ، کنارہ

[۱۹۵] (۲۵) دونوں بغلوں کو کشادہ رکھیں اور پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے۔

تشریح مرد اس طرح سجدہ کرے کہ بغل پیٹ سے دور رہے۔ اور ران بھی پیٹ سے الگ رہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن مالک ابن بحینة ان رسول اللہ ﷺ کان اذا صلی فرج بین یدیه حتی یبدو بیاض ابطیه** (ب) (بخاری شریف، باب یبدی ضبعیہ ویجافی جنبہ فی السجود ص۵۶ نمبر ۸۰۷ رمسلم شریف، باب الاعتدال فی السجود ووضع الکفین علی الارض ص۱۹۴ نمبر ۴۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغل کو ران سے اور پیٹ سے اتنا الگ رکھے کہ آدمی پیچھے سے اس کی بغل کی سفیدی دیکھ سکے۔

نوٹ عورت سکڑ کر سجدہ کرے گی۔ یہ اس کے ستر کے لئے بہتر ہے۔

لغت ضبع : ضبع تثنیہ کا صیغہ ہے بغل، یجافی : دور رکھے۔

[۱۹۶] (۲۶) (سجدہ کی حالت میں) دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رہیں۔

وجہ حدیث میں ہے **یستقبل باطراف رجلیه القبلة قال ابو حمید عن النبی ﷺ** (ج) (بخاری شریف، باب یستقبل باطراف رجلیہ القبلۃ ص۱۱۲) **فقال ابو حمید الساعدیؓ انا کنت احفظکم لصلوة رسول اللہ ﷺ فذکر الحدیث وفیه واذا سجد وضع یدیه غیر مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجلیه القبلة** (د) (بخاری شریف، باب سنۃ

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پیشانی اور دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں پر سجدہ کریں (الف) ہم حضور کے ساتھ نماز پڑھتے تو ہم میں سے ایک گرمی کی شدت کی وجہ سے کپڑے کے کنارے کو سجدہ کی جگہ پر رکھتے (ب) آپ جب نماز پڑھتے تو دونوں ہاتھوں کو پہلو سے کشادہ رکھتے یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آتی (ج) ابو حمید ساعدی نے حضورؐ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ دونوں پاؤں کی انگلیوں سے قبلہ کا استقبال کرے (د) ابو حمید نے فرمایا میں حضورؐ (باقی اگلے صفحہ پر)

(۲۷) ویقول فی سجوده سبحان ربی الاعلی ثلثا وذلک ادناه[۱۹۸](۲۸) ثم یرفع رأسه ویکبر[۱۹۹] (۲۹) واذا اطمئن جالسا کبر و سجد.

الجلوس فی التشہد ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۸ رسنن للبیہقی، باب ینصب قدمیہ ویستقبل باطراف اصابعھما القبلۃ، ج ثانی، ص ۱۶۷، نمبر ۲۷۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ کی حالت میں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھنا چاہئے۔

[۱۹۷](۲۷) سجدے میں سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ کہے اور یہ ادنی درجہ ہے۔

وجہ عن ابن مسعود ان النبی ﷺ قال ...اذا سجد فقال فی سجوده سبحان ربی الاعلی ثلث مرات فقد تم سجوده وذلک ادناه (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود ص ۶۰ نمبر ۲۶۱ رابوداؤد شریف، باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ ص ۱۳۳ نمبر ۸۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی کہنا چاہئے۔ اور یہ ادنی مرتبہ ہے اس سے زیادہ کہے تو بہتر ہے

نوٹ فرض سجدہ صرف سرزمین پر ٹیک دینے سے ادا ہو جائے گا باقی سب سنتیں ہیں۔

[۱۹۸](۲۸) پھر سر اٹھائے اور تکبیر کہے۔

تشریح تکبیر کہتے ہوئے جلسہ میں پورے اطمینان سے بیٹھے۔

وجہ عن انس ... کان رسول اللہ ﷺ اذا قال سمع لمن حمده قام حتی نقول قد اوهم ثم یسجد و یقعد بین السجدتین حتی نقول قد اوهم (ب) (مسلم شریف، باب اعتدال ارکان الصلوۃ وتخفیفھا فی تمام ص ۱۸۹ نمبر ۴۷۳) یعنی آپ دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھتے کہ لوگوں کو خیال ہوتا کہ شاید آپ بھول گئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ قومہ میں اطمینان سے بیٹھنا چاہئے۔ ان ہی احادیث کی وجہ سے بعض ائمہ کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے۔

نوٹ اتنا سر اٹھایا کہ بیٹھنے کے قریب ہو گیا تو پہلا سجدہ ادا ہو جائے گا۔

[۱۹۹](۲۹) اور جب اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔

وجہ دوسرے سجدے کی دلیل بہت سی احادیث میں ہے مثلا عن ابی هریرة ان النبی ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلی ... ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم افعل ذلک فی صلوتک کلها (الف) (بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لایتم رکوعہ بالاعادۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳) اس حدیث میں غلطی کرنے

حاشیہ: (پچھلے صفحے سے آگے) کی نماز تم سے زیادہ یاد کئے ہوئے ہوں۔ پھر لمبی حدیث ذکر کی اور اس میں ذکر کیا کہ جب آپ سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کو رکھتے نہ بچھاتے ہوئے اور نہ سکیڑے ہوئے۔ اور پاؤں کی انگلیوں کے کنارے سے قبلہ کا استقبال کرتے (الف) آپؐ نے فرمایا جب سجدہ کرے تو سجدے میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی کہے تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ ادنی مرتبہ ہے (ب) حضور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم کہتے شاید آپ کو وہم ہو گیا۔ پھر سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھتے یہاں تک کہ ہم کہتے آپ کو وہم ہو گیا (یعنی آپ اتنی دیر تک قومہ میں کھڑے رہتے اور جلسہ میں بیٹھتے) (الف) آپ مسجد میں داخل ہوئے۔ پھر ایک آدمی داخل ہوا اور نماز پڑھی... پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۰۰] (۳۰) فاذا اطمئن ساجدا كبر واستوى قائما على صدور قدميه ولا يقعد ولا يعتمد بيديه على الارض. [۲۰۱] (۳۱) ويفعل في الركعة الثانية مثل ما فعل في الاولى

والے صحابی کو دوسرا سجدہ کرنے کی بھی تلقین کی ہے۔اس لئے دوسرا سجدہ بھی فرض ہے جس طرح پہلا سجدہ فرض ہے۔

[۲۰۰] (۳۰) پس جب اطمینان سے سجدہ کر لے تو تکبیر کہے اور دونوں قدموں کے سینے کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے۔اور بیٹھے نہیں اور نہ دونوں ہاتھوں سے زمین کا سہارا لے۔

تشریح سجدہ سے کھڑے ہوتے وقت درمیان میں جلسۂ استراحت نہ کرے اور نہ زمین کا سہارا لے کر کھڑا ہو بلکہ دونوں ہاتھوں سے گھٹنے کا سہارا لے اور سیدھا کھڑا ہو جائے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی هريرة قال كان النبی ﷺ ينهض في الصلوة عن صدور قدميه (الف) (ترمذی شریف، باب منہ ایضا (کیف النھوض من السجود) ص ۶۴ نمبر ۲۸۸ رسنن للبیھقی، باب من قال یرجع علی صدور قدمیہ، ج ثانی، ص ۱۷۹، نمبر ۲۷۶۳) اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ بیٹھتے نہیں بلکہ پاؤں کے بل کھڑے ہو جاتے (۲) عن محمد بن حجادة اذا نهض على ركبتيه واعتمد على فخذيه (ب) (ابوداؤد شریف، باب افتتاح الصلوۃ ص ۱۱۴ نمبر ۷۳۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے یہاں سجدۂ اخیرہ کے بعد جلسۂ استراحت ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے اخبرنی مالک بن الحويرث الليثي انه رأى النبی ﷺ يصلي فاذا كان في وتر من صلوته لم ينهض حتى يستوي قاعدا (ج) (بخاری شریف، من استوی قاعدا فی وتر من صلوتہ ثم نھض ص ۱۱۳ نمبر ۸۲۳ رترمذی شریف، باب کیف النھوض من السجود ص ۶۴ نمبر ۲۸۷) (۲) جاء نا مالک بن الحويرث ... واذا رفع رأسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد على الارض ثم قام (د) (بخاری شریف، باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعۃ ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جلسۂ استراحت سنت ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ بڑھاپے کے وقت کیا ہے۔تاہم کوئی جلسۂ استراحت کرے گا تو سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا کیونکہ احادیث سے ثابت ہے۔

لغت صدور قدمیہ : قدم کے اوپر کا حصہ جس کے بل پر آدمی کھڑا ہوتا ہے۔

[۲۰۱] (۳۱) دوسری رکعت میں وہی کرے جو پہلی رکعت میں کیا جاتا ہے مگر یہ کہ ثنا نہ پڑھے اور اعوذ باللہ نہ پڑھے۔

وجہ ثنا صرف پہلی رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔اسی طرح اعوذ باللہ بھی پہلی رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔اس لئے دوسری رکعت میں یہ دونوں نہ پڑھے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ کرو۔پھر ایسا ہی تمام نمازوں میں کرو (الف) آپؐ نماز میں کھڑے ہوتے دونوں قدموں کے سینے پر (یعنی سیدھے کھڑے ہو جاتے) (ب) محمد بن حجادہ سے روایت ہے کہ آپؐ جب کھڑے ہوتے تو دونوں گھٹنوں کے بل کھڑے ہوتے اور دونوں رانوں پر ٹیک لگاتے (ج) آپ کو دیکھا کہ جب نماز کی طاق رکعت ہوتی تو نہیں کھڑے ہوتے یہاں تک کہ ٹھیک سے بیٹھ جاتے (د) جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر ٹیک لگاتے پھر کھڑے ہوتے۔

الا انہ لا یستفتح ولا یتعوذ [۲۰۲](۳۲)ولا یرفع یدیه الا فی التکبیرة الاولی [۲۰۳]
(۳۳) فاذا رفع رأسه من السجدة الثانية فی الرکعة الثانية افترش رجله اليسری فجلس

نوٹ دوسری رکعت میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھے گا۔ کیونکہ قرأت سے پہلے بسم اللہ آہستہ سے پڑھنا مسنون ہے۔ حدیث میں ہے عن ابن عباس قال کان النبی علیہ السلام یفتتح صلوته ببسم الله الرحمن الرحیم (ترمذی شریف، باب من رأی الجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم ص نمبر ۲۴۵) اس سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرنا چاہئے (دار قطنی نمبر ۱۱۴۳ میں بھی ہے)

[۲۰۲] (۳۲) ہاتھ نہیں اٹھائے گا مگر تکبیر اولی کے وقت۔

تشریح حنفیہ کے نزدیک تکبیر اولی کے علاوہ میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہے۔ نہ رکوع سے اٹھتے وقت اور نہ دوسری رکعت شروع کرتے وقت۔ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۹ میں نوٹ کے تحت گزر چکی ہے۔ دلیل یہ بھی یاد رکھیں کہ حدیث میں ہے۔ عن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول الله علیہ السلام فقال مالی اراکم رفعی ایدیکم کانها اذ ناب خیل شمس؟ اسکنوا فی الصلوة (الف) (مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنہی عن الاشارۃ بالید ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سکون اور اطمینان مطلوب ہے۔ اور بار بار ہاتھ اٹھانے میں سکون نہیں ہے۔ اس لئے بھی رفع یدین نہیں ہونا چاہئے (۲) عن علقمة عن عبد الله قال صلیت مع النبی علیہ السلام ومع ابی بکر و مع عمر فلم یرفع ایدیهم الا عند التکبیرة الاولی فی افتتاح الصلوة (ب) (دار قطنی، باب ذکر التکبیر ورفع الیدین الخ ص ۲۹۶ نمبر ۱۱۲۰ رترمذی شریف، باب ماجاء ان النبی ﷺ لم یرفع الا فی اول مرۃ ص ۵۰ نمبر ۲۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر اولی کے علاوہ کسی وقت بھی رفع یدین نہیں کرنا چاہئے۔

فائدہ امام شافعیؒ دوسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن نافع ان ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوة ... واذا قام من الرکعتین رفع یدیه و رفع ذلک ابن عمر الی النبی علیہ السلام (ج) (بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین ص ۱۰۲) اس لئے امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری رکعت شروع کرتے وقت بھی رفع یدین ہے۔

[۲۰۳] (۳۳) پس جبکہ سر دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اٹھائے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھائے اور اس پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے تشریح حنفیہ کے نزدیک دونوں تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا کرے گا اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے گا۔

وجہ فقال ابو حمید الساعدی فاذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجله الیسری و نصب الیمنی واذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم رجله الیسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدته (د) (بخاری شریف، باب سنۃ الجلوس فی التشہد ص ۱۱۴،

حاشیہ : (الف) جابر بن سمرۃ فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے سامنے آئے اور فرمایا کہ کیا بات ہے کہ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے ہوں۔ گویا کہ دوڑنے والے گھوڑے کی دم ہوں۔ نماز میں سکون سے رہو (ب) فرمایا میں نے نماز پڑھی نبیؐ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ، پس انہوں نے ہاتھ نہیں اٹھائے مگر صرف تکبیر اولی کے وقت نماز کے شروع میں (ج) ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے ... جب دونوں رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو ہاتھ اٹھاتے۔ ابن عمر نے اس حدیث کو حضور تک مرفوع کیا (د) ابو حمید ساعدی نے فرمایا... پس جب دو رکعتوں پر بیٹھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے۔ پس جب آخری رکعت (باقی اگلے صفحہ پر)

علیھا و نصب الیمنی نصبا[۲۰۴](۳۴)ووجّه اصابعه نحو القبلة و وضع یدیه علی

نمبر ۸۲۸/مسلم شریف، باب ما یجمع صفۃ الصلوۃ وما یفتتح بہ ص۱۹۴ نمبر ۴۹۸)(۲)عن وائل بن حجر قال قدمت المدینة قلت لانظرن الی صلوة رسول الله ﷺ فلما جلس یعنی للتشهد افترش رجله الیسری ووضع یده الیسری یعنی علی فخذه الیسری ونصب رجله الیمنی (الف)(ترمذی شریف، باب کیف الجلوس فی التشہد ص۶۵ نمبر۲۹۲)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنا چاہئے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا چاہئے۔اور دوسری حدیث میں قعدۂ اولی اور قعدۂ اخیرہ کی بھی قید نہیں ہے۔اس لئے دونوں قعدہ میں حنفیہ کے نزدیک ایک طرح بیٹھنا مسنون ہے۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک آخری تشہد میں تورک مسنون ہے۔تورک کا مطلب یہ ہے کہ دونوں پاؤں پیچھے کر دے اور مقعد پر بیٹھے۔ان کی دلیل بخاری والی اوپر کی حدیث ہے(بخاری شریف،نمبر ۸۲۸)(۲)حدیث میں ہے حتی اذا کانت السجدة التی فیھا التسلیم اخر رجله الیسری وقعد متورکا علی شقه الایسر (ب)(مسلم شریف، باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ وکیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین (۲۱۶ نمبر ۵۷۹/ابوداؤد شریف، باب من ذکر التورک فی الرابعۃ ص۱۴۵ نمبر ۹۶۳)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں تورک مسنون ہے۔

[۲۰۴](۳۴)پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ رکھے۔

وجہ پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن عمر قال من سنة الصلوة ان تنصب القدم الیمنی استقباله باصابعھا القبلة والجلوس علی الیسری (ج)(نسائی شریف، باب الاستقبال باطراف اصابع القدم القبلۃ عند القعود للتشہد،ص۱۶۱،نمبر ۱۱۵۹)(۲) واقبل بصدرة الیمنی علی قبلته (ابوداؤد شریف، باب من ذکر التورک فی الرابعۃ،نمبر ۹۶۷ اس باب کی آخری حدیث ہے)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں بیٹھتے وقت پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف ہونی چاہئے۔

ہاتھوں کی انگلیوں کو رانوں پر رکھنے کی دلیل اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے حلقہ بنا کر اشارہ کرنے کی دلیل اس حدیث میں ہے۔عن وائل بن حجر قال ... ثم جلس فافترش رجله الیسری ووضع یده الیسری علی فخذه الیسری وحد مرفقه الایمن علی فخذه الیمنی وقبض ثنتین و حلق حلقة ورأیته یقول ھکذا وحلق بشر الابھام والوسطی واشار بالسبابة (د)(ابوداؤد شریف، باب کیف الجلوس فی التشہد ص۱۴۵ نمبر ۹۵۷)عاصم بن کلیب الجرمی عن ابیه عن جده قال دخلت علی النبی

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پر بیٹھے تو بایاں پاؤں آگے کرے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور اپنی مقعد پر بیٹھے(یعنی تورک کرے)(الف) وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تا کہ حضور کی نماز دیکھوں۔پس جب کہ تشہد کے لئے بیٹھے تو بائیں پاؤں کو بچھایا اور اس پر بائیں ہاتھ کو رکھا یعنی بائیں ران پر اور دائیں پاؤں کو کھڑا کیا(ب) یہاں تک کہ جب وہ سجدہ ہوا جس میں سلام کرنا ہے تو بائیں پاؤں کو پیچھے کیا اور بائیں جانب میں تورک کر کے بیٹھے(ج) عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نماز کی سنت میں سے یہ ہے کہ دائیں قدم کو کھڑا کرے اور اپنی انگلیوں سے قبلے کا استقبال کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے(د) وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ...پھر بیٹھے اور اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دائیں کہنی کو حد کی طرح بنایا اور خنصر اور چھوٹی انگلیوں کو موڑا اور پورا حلقہ بنایا اور میں نے دیکھا کہ وہ اس طرح کر رہے تھے۔راوی بشر نے انگوٹھے اور درمیان کی انگلیوں سے حلقہ بنایا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔

فخذيه ويبسط اصابعه[۲۰۵] (۳۵) ثم يتشهد والتشهد ان يقول التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا و على

ﷺ **وهو يصلي وقد وضع يده اليسرى على فخذه اليسرى ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى وقبض اصابعه وبسط السبابة** (الف) (ترمذی شریف، باب ابواب الدعاء ج ثانی ص ۱۹۹ نمبر ۳۵۸۷ ابواب المناقب سے دو صفحے پہلے ہے ر نسائی شریف، باب قبض الثنتين من اصابع اليد اليمنى وعقد الوسطى ص ۴۲ نمبر ۱۲۶۹) اس باب میں بہت سی احادیث نقل کی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کو ران پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے لا الہ الا اللہ کے وقت اشارہ کرے۔

[۲۰۵] (۳۵) پھر تشہد پڑھے اور تشہد یہ ہے کہ کہے التحیات للہ الخ۔

وجہ یہ عبد اللہ بن مسعودؓ کا تشہد ہے اور حنفیہ کے نزدیک اس کا پڑھنا افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود کو اس تشہد کو پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ **قال عبد الله بن مسعود كنا اذا صلينا خلف النبى ﷺ قلنا السلام على جبرائيل ومكائيل السلام على فلان وفلان فالتفت الينا رسول الله ﷺ فقال ان الله هو السلام فاذا صلى احدكم فليقل اليتحيات لله الخ** (ب) (بخاری شریف، باب التشہد فی الآخرۃ ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۱ ر مسلم شریف، باب التشہد فی الصلوۃ ص ۱۷۳ نمبر ۴۰۲) اس حدیث میں فلیقل امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لئے عبد اللہ ابن مسعود کا تشہد ہمارے یہاں زیادہ بہتر ہے (۲) مسلم کی حدیث میں یہ بھی ہے **سمعت ابن مسعود يقول علمنى رسول الله ﷺ التشهد كفى بين كفيه كما علمنى السورة من القرآن** (ج) (مسلم شریف، باب التشہد فی الصلوۃ ص ۱۷۴ امبر ۴۰۲ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی التشہد ص ۶۵ نمبر ۲۸۹ ر نسائی شریف، باب تعلیم التشہد کتعلیم السورۃ، ص ۱۷۸، نمبر ۱۱۷۹) اس حدیث سے اور زیادہ اہمیت ہوگئی۔ کیونکہ جس طرح قرآن سکھاتے تھے اس طرح عبد اللہ بن مسعود کو حضورؐ نے تشہد سکھایا۔ اس لئے ہمارے یہاں یہی تشہد بہتر ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے یہاں عبد اللہ بن عباس کا تشہد بہتر ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عباس انه قال كان رسول الله ﷺ يعلمنا التشهد كما يعلمنا السورة من القرآن فكان يقول التحيات المباركات الخ** (د) (مسلم شریف، باب التشہد فی الصلوۃ ص ۱۷۴ نمبر ۴۰۳ ر ترمذی شریف، باب منہ، باب ماجاء فی التشہد ص ۶۵ نمبر ۲۹۰) اس حدیث سے ان کے یہاں عبد اللہ بن عباس والا

حاشیہ : (الف) میں آپؐ پر داخل ہوا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور حال یہ تھا کہ بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھے ہوئے تھے اور دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھے ہوئے تھے۔ اور انگلیوں کو موڑے ہوئے تھے۔ اور شہادت کی انگلی کو کھولے ہوئے تھے (ب) عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم جب حضور کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہم کہتے السلام علی جبرائیل ومیکائیل السلام علی فلان وفلان تو ہماری طرف حضورؐ متوجہ ہوئے اور فرمایا اللہ وہ سلام ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہنا چاہئے التحیات للہ الخ (ج) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضورؐ نے تشہد سکھلایا اس حال میں کہ میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا جیسا کہ قرآن کی سورۃ سکھلاتے تھے۔ (د) عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ہم کو تشہد سکھلاتے تھے جیسا کہ قرآن کی سورۃ سکھلاتے تھے۔ پس کہا کرتے تھے التحیات المبارکات الخ۔

عباد الله الصالحین اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله[۲۰۶] (۳۶) ولا یزید علی هذا فی القعدة الاولی[۲۰۷] (۳۷) و یقرأ فی الرکعتین الاخیرتین بفاتحة

تشہد مسنون ہے۔

نوٹ تشہد پڑھنا واجب ہے چاہے کوئی بھی تشہد ہو۔ کیونکہ اوپر کی حدیث میں امر کا صیغہ ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور سورۃ کی طرح سکھانے سے بھی تاکید ہوتی ہے۔

[۲۰۶] (۳۶) تشہد پر قعدۂ اولی میں زیادہ نہ کرے۔

تشریح قعدۂ اولی میں تشہد سے زیادہ نہ پڑھے۔ اتنا ہی پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔

وجہ عن عبد الله بن مسعود قال کان النبی ﷺ فی الرکعتین کانه علی الرضف قلت حتی یقوم قال ذلک یرید (الف) (نسائی شریف، باب التخفیف فی التشهد الاول، ص ۱۲۴، نمبر ۱۱۷۷ / ابوداؤد شریف، باب فی تخفیف القعود ص ۱۵۰ نمبر ۹۹۵) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ قعدۂ اولی میں اتنی جلدی اٹھتے تھے جیسے آپ گرم پتھر پر ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قعدۂ اولی میں تشہد سے زیادہ نہ پڑھے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک عقدۂ اولی میں بھی تشہد کے بعد درود پڑھے گا۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں تشہد کے بعد درود کی فضیلت آئی ہے۔

[۲۰۷] (۳۷) اور دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے گا خاص طور پر۔

تشریح ظہر اور عصر کی دوسری دو رکعتوں میں قرأت فرض نہیں ہے اس لئے سورۂ فاتحہ پڑھے تو یہ بہتر ہے۔ اور تسبیح پڑھے وہ بھی ٹھیک ہے۔

وجہ عن عبد الله بن ابی قتادة عن ابیه ان النبی ﷺ کان یقرأ فی الظهر فی الاولیین بام الکتاب و سورتین و فی الرکعتین الاخریین بام الکتاب و یسمعنا الآیة و یطول فی الرکعة الاولی ما لا یطیل فی الرکعة الثانیة وهکذا فی العصر (ب) (بخاری شریف، باب یقرأ فی الآخرین بفاتحۃ الکتاب ص ۱۰۷ نمبر ۷۷۶ / مسلم شریف، باب القرأۃ فی الظہر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۴۵۱) (۲) جابر بن سمرة قال قال عمر لسعد لقد شکوک فی کل شیء حتی الصلوة قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الآخرین ولا آلو ما اقتدیت به من صلوة رسول الله قال صدقت ذاک الظن بک (ج) (بخاری شریف

حاشیہ: (الف) حضور پہلی دو رکعت کے تشہد میں ایسے ہوتے جیسے گرم پتھر پر ہوں۔ میں نے کہا کہ کھڑے ہونے کے لئے کہا یہی مراد ہے (ب) حضور ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور دوسری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتے اور ہمیں کبھی کبھی آیت سناتے۔ پہلی رکعت لمبی کرتے جتنی دوسری رکعت لمبی نہ کرتے۔ اور ایسا ہی عصر میں کرتے (ج) حضرت عمرؓ نے حضرت سعد سے فرمایا آپ کی ہر چیز میں شکایت کی۔ یہاں تک کہ نماز میں بھی۔ حضرت سعد نے فرمایا میں پہلی دو رکعت لمبی کرتا ہوں اور دوسری میں مختصر کرتا ہوں۔ اور میں کوتاہی نہیں کرتا اس چیز میں جس بارے میں حضور کی نماز میں اقتدا کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ نے سچ کہا۔ آپ کے ساتھ میرا یہی گمان تھا۔

الکتاب خاصة[۲۰۸](۳۸) فاذا جلس فی آخر الصلوة جلس کما جلس فی الاولی وتشهد[۲۰۹](۳۹) وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم[۲۱۰] (۴۰) ودعا بما شاء

،باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الآخرین ص ۱۰۶ نمبر ۷۷۰ رمسلم شریف، باب القرأة فی الظھر والعصر ص ۱۸۶ نمبر ۴۵۳) پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا کافی ہے۔اور دوسری حدیث میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں اختصار کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔اس لئے دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک بعض روایت میں واجب ہے اور بعض روایت میں مستحب ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے (۱) اوپر کی حدیث کی بنا پر (۲) لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب کی حدیث کی بنا پر حوالہ گزر چکا ہے۔

[۲۰۸](۳۸) پس جبکہ نماز کے اخیر میں بیٹھے تو ایسے ہی بیٹھے جیسے قعدۂ اولی میں بیٹھا تھا اور تشہد پڑھے۔

تشریح قعدۂ اولی میں بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے ہیں اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے ہیں اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں بھی بیٹھے گا۔تورک نہیں کرے گا۔اور تشہد پڑھنے کی دلیل مسئلہ نمبر ۳۴ میں گزر چکی ہے۔

[۲۰۹](۳۹) اور حضورؐ پر درود پڑھے۔

تشریح قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد حضورؐ پر درود پڑھے۔درود پڑھنا سنت ہے اس کو پڑھنا چاہئے لیکن اگر نہیں پڑھے گا تب بھی سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا۔

وجہ نماز میں درود سنت ہونے کی دلیل یہ آیت ہے **ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما** (الف)(آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت سے زندگی میں ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے اور نماز میں پڑھنا سنت ہے (۲) حدیث میں ہے **عن کعب بن عجرۃ ... فقلنا قد عرفنا کیف نسلم علیک فکیف نصلی علیک؟ قال قولوا اللھم صلی علی محمد الخ** (ب)(مسلم شریف، باب الصلوۃ علی النبی بعد التشہد ص ۱۷۵ نمبر ۴۰۶ رابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی النبی بعد التشہد ص ۱۴۷ نمبر ۹۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کے بعد حضورؐ پر درود پڑھنا چاہئے (۳) **عن سھل بن سعد ان النبی ﷺ قال لا صلوۃ لمن یصل علی نبیہ ﷺ** (ج)(دار قطنی، باب ذکر وجوب الصلوۃ علی النبی فی التشھد ص ۳۴۷ نمبر ۱۳۲۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ پر درود پڑھنا چاہئے۔

[۲۱۰](۴۰) اور دعا کرے جو چاہے ایسی دعا جو الفاظ قرآن کے مشابہ ہو اور حدیث میں منقول دعائیں ہوں اور نہ دعا کرے ایسی جو کلام الناس کے مشابہ ہو۔

حاشیہ : (الف) اللہ اور فرشتے حضورؐ پر درود بھیجتے ہیں۔اے ایمان والو! تم بھی حضورؐ پر درود اور سلام بھیجو (ب) ہم نے کہا ہم جان گئے کہ آپؐ پر سلام کیسے کریں لیکن آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپؐ نے فرمایا اللھم صلی علی محمد الخ کہو (ج) آپؐ نے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں ہوگی جس نے اپنے نبی پر درود نہیں پڑھا۔

مم یشبه الفاظ القرآن والادعیة الماثورة ولا یدعو بما یشبه کلام الناس [۲۱۱] (۴۱) ثم یسلم عن یمینه ویقول السلام علیکم ورحمة الله ویسلم عن یساره مثل ذلک.

تشریح درود کے بعد وہ دعا کرے جو قرآن میں ہو یا احادیث میں منقول ہو۔

وجہ انسانی کلام کی دعا کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔اس لئے ایسی دعا نہ کرے جو انسانی کلام کے مشابہ ہو(۲) حدیث میں ہے عن عبد الله قال اذا کنا مع النبی ﷺ فی الصلوة ... ثم لیتخیر من الدعاء اعجبه الیه فیدعو به (الف) (بخاری شریف، باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشهد ولیس بواجب ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۵ / ابو داؤد شریف، باب التشهد ص ۱۴۶ نمبر ۹۶۸) عن عائشة زوج النبی ﷺ اخبرته ان رسول الله ﷺ کان یدعو فی الصلوة اللهم انی اعوذبک الخ (ب) (بخاری شریف، باب الدعاء قبل السلام ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام سے پہلے دعا کرنی چاہئے۔لیکن یہ مسنون ہے واجب نہیں ہے۔

لغت الماثورة : جو احادیث میں منقول ہوں

[۲۱۱] (۴۱) پھر سلام کرے دائیں جانب اور کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور سلام کرے بائیں جانب اسی طرح۔

وجہ حدیث میں ہے (ا) عن عبد الله ان النبی ﷺ کان یسلم عن یمینه وعن شماله حتی یری بیاض خده السلام علیکم ورحمة الله ،السلام علیکم ورحمة الله (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی السلام ص ۱۵۰ نمبر ۹۹۶ / بخاری شریف، باب التسلیم ص ۱۱۶ نمبر ۸۳۷ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی التسلیم فی الصلوۃ ص ۶۵ نمبر ۲۹۵) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سلام پھیرنا چاہئے اس طرح کہ کنارے والوں کو گال نظر آنے لگے (۲) عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ مفتاح الصلوة الطهور وتحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلها ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ / ابو داؤد شریف نمبر ۶۱۸) اس حدیث کی بنا پر حنفیہ کے نزدیک سلام کر کے نماز سے نکلنا واجب ہے۔اگر بغیر سلام کے نکلا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔البتہ فرض نہیں ہے۔کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپؐ نے تشہد کے بارے میں فرمایا اذا قلت هذا او قضیت هذا فقد قضیت صلوتک الخ (ہ) (ابو داؤد شریف، باب التشهد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ ص ۶۶ نمبر ۳۰۲) تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو نماز پوری ہوگئی۔اس سے معلوم ہوا کہ آگے سلام فرض نہیں ہے۔اسی طرح طحاوی میں ہے عن عمر بن العاص ان رسول الله ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوة فقعد فاحدث هو واحد ممن اتم الصلوة معه قبل ان یسلم الامام فقدتمت صلاته فلایعود فیها (و) (طحاوی شریف، باب السلام فی الصلوۃ هل هو من فروضها او من سننها ص ۱۹۴ / سنن للبیهقی، باب تحلیل الصلوۃ بالتسلیم ج ثانی ص ۲۵۰، نمبر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا دعا میں سے جو اچھی لگے وہ پسند کرے اور اس کے ذریعہ سے دعا کرے (ب) آپؐ نماز میں دعا کرتے تھے اللھم انی اعوذ بک الخ (ج) آپؐ سلام کرتے تھے دائیں جانب اور بائیں جانب یہاں تک کہ آپؐ کے گال کی سفیدی نظر آتی السلام علیکم ورحمۃ اللہ (د) آپؐ نے فرمایا نماز کے شروع کرنے کے لئے پاکی ہے، اور اس کا تحریمہ باندھنا تکبیر ہے اور اس کا کھولنا سلام کرنا ہے (ہ) جب تشہد کہہ لیا یا اس کو پورا کر لیا تو گویا کہ آپ نے نماز پوری کر لی (و) جب امام نے نماز پوری کی پھر بیٹھا پھر حدث کیا امام نے یا جس نے اس کے ساتھ نماز پوری کی امام کے سلام کرنے سے پہلے تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔

[۲۱۲](۴۲) ویجهر بالقراء ۃفی الفجر وفی الر کعتین الاولیین من المغرب والعشاء ان

۲۹۷۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں بیٹھ گیا اور حدث ہو گیا تو نماز پوری ہو گئی۔ چاہے سلام کرے یا نہ کرے تو معلوم ہوا کہ سلام کرنا فرض نہیں ہے۔ اگر سلام کرنا فرض ہوتا تو اس کی نماز پوری کیسے ہوتی۔ عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوۃ وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلوتہ ومن کان خلفہ ممن اتم الصلوۃ (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷) اس سے معلوم ہوا کہ سلام فرض نہیں ہے ورنہ حدث سے نماز کیسے پوری ہو جاتی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک تحلیلها التسلیم حدیث کی وجہ سے سلام کر کے نکلنا فرض ہے۔

[۲۱۲](۴۲) جہری قرأت کرے فجر میں، مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں اور عشا کی پہلی دونوں رکعتوں میں اگر امام ہو۔ اور قرأت پوشیدہ کرے گا پہلی دو کے بعد میں۔

تشریح فجر کی دونوں رکعتوں میں، مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت زور سے پڑھے گا۔ اور مغرب کی تیسری رکعت میں اور عشاء کی دوسری دو رکعتوں میں قرأت آہستہ پڑھے گا۔

وجہ حدیث میں عن ابن عباس قال انطلق النبی ﷺ... وھو یصلی باصحابہ صلوۃ الفجر فلما سمعوا القرآن استمعوا لہ (الف) (بخاری شریف، باب الجہر بقراءۃ صلوۃ الصبح ص ۱۰۶ نمبر ۷۷۳ رمسلم شریف، باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن ص ۱۸۴ نمبر ۴۴۹) اس باب میں جنات کے سامنے فجر کی نماز میں جہری قرأت کرنے کی کئی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز میں جہری قرأت ہے اگر خود امام ہو تو۔ مغرب میں جہری قرأت کی دلیل یہ ہے جبیر بن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ قرء فی المغرب بالطور (ب) (بخاری شریف، باب الجہر فی المغرب ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۵) سمعت کے لفظ سے پتہ چلا کہ آپؐ نے قرأت جہری کی ہے تب ہی تو راوی نے سورۂ طور سنی۔ عشا کی نماز میں جہری قرأت کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت البراء ان النبی ﷺ کان فی سفر فقرء فی العشاء فی احدی الرکعتین بالتین والزیتون (ج) (بخاری شریف، باب الجہر فی العشاء ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۷ رمسلم شریف، باب القراءۃ فی العشاء ص ۱۸۷ نمبر ۴۶۴) یہاں بھی سمعت کے لفظ سے معلوم ہوا کہ آپ نے عشا کی نماز میں قرأت جہری کی ہے۔

عشا کی دوسری دو رکعتوں میں جہری قرأت نہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے قال عمر لسعد شکوک فی کل شیء حتی الصلوۃ قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الآخرین (د) (بخاری شریف، باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الاخریین ص ۱۰۶ نمبر

حاشیہ : (الف) ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ گئے... آپ نے اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ پس جب جناتوں نے قرآن سنا تو کان لگا کر سننے لگے (ب) میں نے حضورؐ سے سنا کہ مغرب میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے (ج) آپؐ سفر میں تھے تو عشا میں پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں والتین والزیتون پڑھی (د) حضرت عمر نے حضرت سعد سے کہا آپ کی شکایت کی ہر چیز ہیں یہاں تک کہ نماز میں بھی۔ سعدؓ نے فرمایا بہر حال میں تو پہلی دو رکعت لمبی کرتا ہوں اور دوسری دو رکعتوں میں قرأت حذف کر دیتا ہوں یعنی چھوڑ دیتا ہوں۔

کان اماما ویخفی القراء ۃ فیما بعد الاولیین[۲۱۳] (۴۳) وان کان منفردا فھو مخیر ان شاء جھر واسمع نفسہ وان شاء خافت [۲۱۴](۴۴)و یخفی الامام القراء ۃ فی الظھر والعصر.

۷۷۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت نہ کرتے تھے یا آہستہ کرتے تھے۔کیونکہ حذف کے ایک ہی معنی ہے قرأت چھوڑ دینا۔اس لئے قرأت ہی نہیں کرتے تھے یا آہستہ کرتے تھے۔اسی پر مغرب کی تیسری رکعت کو قیاس کرنا چاہئے۔اوراس میں بھی یا قرأت نہیں ہے جیسا کہ پہلے گزرایا قرأت آہستہ کرتے تھے۔

[۲۱۳](۴۳)اوراگر تنہا نماز پڑھ رہا ہےتو اس کو اختیار ہے اگر چاہےتو زور سے پڑھے اوراپنے آپ کو سنائے اوراگر چاہےتو آہستہ پڑھے

تشریح اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہےتو وہ اپنے لئے امام بھی ہے اس لئے جہری نماز میں زور سے پڑھ سکتا ہے اوراپنے آپ کو سنا سکتا ہے۔لیکن اس کے پیچھے کوئی نہیں ہے جس کو سنائے اس لئے وہ آہستہ بھی پڑھ سکتا ہے۔بہتر یہ ہے کہ تھوڑا زور سے پڑھے تاکہ ہیئت جماعت پر نماز ادا ہو جائے وجہ اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن نافع ان عبد الله بن عمر كان اذا فاته شیء من الصلوة مع الامام فيما جهر فيه الامام بالقراءة انه اذا سلم الامام قام عبد الله فقرء لنفسه فيما يقضى و جهر** (الف)(مؤطا امام مالک،باب العمل فی القراءۃ ص۶۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہری نماز اکیلے پڑھتا ہوتو زور سے قرأت پڑھ سکتا ہے۔کیونکہ عبداللہ بن عمر زور سے پڑھتے تھے۔

[۲۱۴](۴۴)امام قرأت آہستہ پڑھے ظہر اور عصر میں۔

وجہ **عن ابی قتادة قال كان النبی ﷺ يقرأ فی الركعتين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورة سورة ويسمعنا الآية احيانا** (ب)(بخاری شریف،باب القراءۃ فی الظہر والعصر ص۱۰۵ نمبر ۷۶۲ رمسلم شریف،باب القراءۃ فی الظہر والعصر ص۱۸۵ نمبر ۴۵۱)یسمعنا الآیۃ احیانا سے معلوم ہوا کہ آپؐ پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت آہستہ کرتے تھے۔لیکن کبھی کبھار ایک دو آیت سنا بھی دیتے تھے۔اسی حدیث کے یقرأ فی الرکعتین سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت پڑھنا ضروری نہیں ہے۔کیونکہ آپؐ پہلی دو رکعتوں ہی میں قرأت کرتے تھے (۲) **عن الزهری قال عن رسول الله ﷺ ان يجهر بالقراءة فی الفجر فی الركعتين وفی الاوليين من المغرب والعشاء ويسر فيما عدا ذلك** (ج)(اخرجہ ابوداؤد فی مراسلہ درایۃ ص۹۱ راعلاء السنن ج رابع ص۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۳۹ فی قراءۃ النہار کیف ھی فی الصلوۃ، ج اول،ص ۳۰۲،نمبر ۳۶۶۱)اس سے بھی معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر میں قرأت سری ہونی چاہئے۔

حاشیہ : (الف)عبداللہ بن عمرؓ کا معاملہ یہ تھا کہ جب ان سے کوئی رکعت امام کی نماز میں سے چھوٹ جاتی تو جس میں امام جہری قرأت کرتے ہوں تو جب امام سلام کرتے تو عبداللہ بن عمر کھڑے ہوتے اور اپنے لئے پڑھتے وہ نماز جس کی قضا کرتے اور قرأت زور سے پڑھتے (یعنی فوت شدہ رکعت میں جہری قرأت فرماتے (ب)حضورؐ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے اور سورۃ سورۃ ملاتے اور کبھی کبھار ہمیں سنا بھی دیتے (ج)زہریؒ کی مرسل حدیث ہے کہ آپ فجر میں ،مغرب اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں زور سے قرأت پڑھتے اوران کے علاوہ میں آہستہ پڑھتے۔

[۲۱۵](۴۵) والوتر ثلث رکعاتلا یفصل بینھن بسلام.

﴿ وتر کا بیان ﴾

[۲۱۵](۴۵) وتر تین رکعت ہے۔اس کے درمیان سلام سے فصل نہ کرے۔

تشریح امام ابو حنیفہ کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے۔اور تین رکعتیں ایک ساتھ ہیں۔دو رکعت کے بعد سلام کر کے تیسری رکعت ایک سلام کے ساتھ نہ پڑھے۔بلکہ تینوں رکعتیں ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھے۔

وجہ (۱) وتر کی تاکید بہت سی احادیث میں ہے۔اور جب تاکید ہوتی ہے تو سنت سے اوپر اٹھا کر واجب میں لے جاتے ہیں۔لیکن چونکہ آیت سے ثابت نہیں ہے اور نہ اتنی تاکید ہے کہ فرض میں لے جایا جا سکے۔ورنہ تو پانچ کے بجائے چھ نمازیں فرض ہو جائیں گی۔اس لئے وتر کو واجب میں رکھا۔

نوٹ امام شافعیؒ کے نزدیک سنت کے بعد فرض کا درجہ ہے۔واجب کا درجہ نہیں ہے اس لئے وتر ان کے یہاں بھی مؤکد ہے۔لیکن سنت میں داخل ہے۔کیونکہ آگے واجب کا درجہ ان کے یہاں نہیں ہے (۲) واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **قال ابو الولید العدوی قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقال ان اللہ تعالی قد امدکم بصلۃ وھی خیر لکم من حمر النعم وھی الوتر فجعلھا لکم فیما بین العشاء الی طلوع الفجر** (الف) (ابو داؤد شریف، باب استحباب الوتر، باب تفریع ابواب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۸ ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی فضل الوتر ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۲ ر ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی الوتر ص ۱۶۴، نمبر ۱۱۶۸) فرض نمازوں پر زیادہ کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی فرض کی طرح ہی اہم ہے لیکن ہم فرض تو نہیں کرتے اس لئے واجب قرار دیتے ہیں (۳) **عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا** (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی من لم یوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۹ ر سنن للبیھقی، باب تاکید صلوۃ الوتر ج ثانی ص ۶۵۹، نمبر ۴۴۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر حق ہے یعنی واجب ہے (۴) **عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ یا اھل القرآن اوتروا فان اللہ وتر یحب الوتر** (ج) (ابو داؤد شریف، باب استحباب الوتر ص ۲۰۷ نمبر ۱۴۱۶ ر ترمذی شریف، باب ما جاء ان الوتر لیس بحتم ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۳) اس حدیث میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے۔اس سے بھی وتر کے واجب ہونے کا ثبوت ملتا ہے

فائدہ امام شافعیؒ اور صاحبین کے نزدیک وتر سنت ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن علی قال الوتر لیس بحتم کھیئۃ الصلوۃ المکتوبۃ ولکن سنۃ سنھا رسول اللہ ﷺ**

حاشیہ : (الف) ہمارے سامنے حضور تشریف لائے پھر فرمایا اللہ نے تم پر ایک نماز زیادہ کی ہے اور وہ تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے اور وہ وتر ہے۔تو اس کو تمہارے لئے عشاء اور طلوع فجر کے درمیان کیا (ب) حضورؐ سے کہتے سنا ہے کہ وتر حق ہے، جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔وتر حق ہے، جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔وتر حق ہے، جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے (ج) آپؐ نے فرمایا اے اہل قرآن! وتر پڑھو، اللہ وتر ہے، وتر کو پسند کرتے ہیں۔

(الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۴ رنسائی شریف، باب الامر بالوتر ص ۱۸۹ نمبر ۱۶۷۷) حضرت علی کے قول سے معلوم ہوا کہ وتر واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ فرض کی طرح تو ہم بھی وتر کو فرض نہیں مانتے۔ ہم تو صرف واجب مانتے ہیں۔ (۲) عن عبد الله عن النبی ﷺ قال ان الله وتر یحب الوتر فاوتروا یا اهل القرأن (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الوتر ص ۱۶۴، نمبر ۱۱۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ وتر کو پسند کرتے ہیں یہ سنت کی دلیل ہے۔

وتر ایک سلام کے ساتھ تین رکعتیں ہیں اس کی دلیل۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے عن علی قال کان رسول الله ﷺ یوتر بثلاث یقرأ فیهن بتسع سور من المفصل یقرأ فی کل رکعة بثلاث سور آخرهن قل هو الله احد (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوتر بثلاث ص ۱۰۶ نمبر ۴۵۹) (۲) عن ابی بن کعب ان رسول الله ﷺ کان یوتر بثلث رکعات کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیة بقل یا ایها الکافرون وفی الثالثة بقل هو الله احد ولا یسلم الا فی آخرهن (د) (نسائی شریف، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین بخبر ابی بن کعب فی الوتر ص ۱۹۱ نمبر ۱۷۰۰ رترمذی شریف، باب ماجاء مایقرأ فی الوتر ص ۱۰۶ نمبر ۴۶۳ رابوداؤد شریف، باب مایقرأ فی الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۲۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ تین رکعتیں وتر پڑھتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے۔ کیونکہ ابی بن کعب کی حدیث میں ہے ولا یسلم الا فی آخرھن (۳) مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ کی ایک لمبی حدیث ہے جس میں حضورؐ کی تہجد کی نماز کا ذکر ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپؐ وتر تین رکعت پڑھتے تھے انه سأل عائشة کیف کانت صلوة رسول الله ﷺ؟ ... ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثا (ہ) (مسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبیؐ فی اللیل ص ۲۵۴ نمبر ۷۳۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک تین رکعت وتر دو سلام کے ساتھ ہے۔ یعنی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے پھر ایک رکعت وتر پڑھے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے فقال رسول الله ﷺ صلوة اللیل مثنی مثنی فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعة واحدة توتر له ما قد صلی (و) (بخاری شریف، باب ماجاء فی الوتر ص ۱۳۵ نمبر ۹۹۰ رمسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل وان الوتر رکعۃ وان الرکعۃ صلوۃ صحیحۃ ص ۲۵۴ نمبر ۷۳۶) ان احادیث سے اور مسلم کی بہت سی احادیث کی بنا پر ان کے یہاں ایک رکعت وتر ہے۔ مسلم شریف کے اوپر کے باب ہی میں ہے عن ابن عمر قال قال رسول الله الوتر رکعة من آخر اللیل (ز)

حاشیہ : (الف) علیؓ نے فرمایا وتر ضروری نہیں ہے فرض نماز کی ہیئت کی طرح۔ لیکن سنت ہے۔ حضورؐ نے اس کو سنت قرار دیا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا اللہ وتر ہے، وتر کو پسند کرتا ہے۔ اے اہل قرآن وتر پڑھو (ج) آپ تین رکعتیں وتر پڑھتے تھے۔ اور اس میں مفصل میں سے نو سورتیں پڑھتے تھے، ہر رکعت میں تین سورتیں۔ اور اس کی آخری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔ (د) آپؐ وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی، دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔ اور نہیں سلام کرتے مگر آخری رکعت میں (ہ) حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور کی نماز کیسی تھی... پھر نماز پڑھتے چار رکعت، مت پوچھو اس کے حسن کی اور اس کی لمبائی کی حالت۔ پھر نماز پڑھتے تین رکعتیں (وتر کی) (و) آپؐ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔ پس اگر تم میں سے ایک صبح ہونے سے ڈرے تو ایک رکعت پڑھ لے۔ جو کچھ تہجد پڑھا ہے اس کو وتر بنا دے (ز) آپؐ نے فرمایا وتر ایک رکعت ہے آخری رات میں۔

[۲۱۶](۴۶) ويقنت فى الثالثة قبل الركوع فى جميع السنة.

(مسلم شریف ص ۲۵۷ نمبر ۷۵۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت ہے۔

نوٹ تہجد اور صلوۃ اللیل کو بھی وتر کہتے ہیں جیسا کہ حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے۔خود امام ترمذی نے فرمایا قال اسحق ابن ابراھیم معنی ماروی ان النبی ﷺ کان یوتر بثلاث عشرۃ ،قال انما معناہ انہ کان یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ مع الوتر فنسبت صلوۃ اللیل الی الوتر (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوتر بسبع ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۷)اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز کو بھی شامل کر کے وتر کہتے تھے۔اس لئے جہاں پانچ رکعت یا ایک رکعت وتر ہے وہ تہجد کی نماز کے ساتھ ہے۔وہ وتر نہیں ہے جو حنفیہ کے نزدیک تین رکعتیں ہیں۔

[۲۱۶](۴۶)قنوت پڑھی جائے گی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پورے سال میں۔

تشریح وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھیں گے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابی بن کعب ان رسول اللہ ﷺ قنت فی الوتر قبل الرکوع (ب)(ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الوتر ص ۲۰۹ نمبر ۱۴۲۷ رنسائی شریف، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین بخبر ابی بن کعب فی الوتر ص ۱۹۱ نمبر ۱۷۰۰ رابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع و بعدہ ص ۱۶، نمبر ۱۱۸۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر میں دعاء قنوت تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھی جائے گی۔اور جس حدیث سے رکوع کے بعد ہے یا فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے کا ثبوت ہے وہ قنوت نازلہ ہے جو کسی مصیبت کے وقت پڑھی جاتی ہے۔اسکا ثبوت یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال قنت رسول اللہ شھرا متتابعا فی الظھر و العصر والمغرب والعشاء وصلوۃ الصبح فی دبر کل صلوۃ اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من الرکعۃ الآخرۃ یدعو علی احیاء من بنی سلیم علی رعل و ذکوان و عصیۃ و یؤمن خلفہ (ج)(ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلوات ص ۲۱۱ نمبر ۱۴۴۳ ربخاری شریف، باب القنوت قبل الرکوع وبعدہ ص ۱۳۶ نمبر ۱۰۰۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد قنوت نازلہ مصیبت کے وقت تھا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک قنوت رکوع کے بعد ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے انس بن مالک اقنت النبی ﷺ فی الصبح قال نعم قیل اوقنت قبل الرکوع؟ قال بعد الرکوع یسیرا (د)(بخاری شریف، باب القنوت قبل الرکوع وبعدہ ص ۱۳۶ نمبر ۱۰۰۱ رابو داؤد شریف، باب القنوت فی الصلوۃ، ص ۲۰۹ نمبر ۱۴۴۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنا چاہئے۔ہم کہتے ہیں کہ صبح کی نماز مین جو ثبوت ہے وہ قنوت نازلہ ہے نہ کہ دعائے قنوت۔

حاشیہ : (الف)حضورؐ سے جو روایت ہے کہ وتر تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے اس کے معنی یہ ہے کہ آپؐ رات کی تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے وتر کے ساتھ۔تو رات کی نماز کو وتر کی طرف منسوب کر دیا ہے(ب) آپؐ نے وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی (ج) آپؐ نے مسلسل ایک ماہ تک قنوت پڑھی۔ظہر۔عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نماز میں۔ہر نماز کے بعد جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے آخری رکعت میں۔تو بنی سلیم ،رعل، زکوان ،عصیہ پر بددعا کرتے اور پیچھے کے لوگ آمین کہتے (د)انس بن مالکؓ سے پوچھا گیا کیا حضورؐ نے صبح کی نماز میں قنوت پڑھی؟ کہا ہاں کہا گیا کیا رکوع سے پہلے پڑھی؟ فرمایا رکوع کے تھوڑی دیر بعد۔

[۲۱۷](۴۷) ویقرأ فی کل رکعة من الوتر فاتحة الکتاب وسورة معها[۲۱۸](۴۸) فاذا

پورے سال میں قنوت پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے قال ابو ھریرة او صانی رسول اللہ ﷺ بالوتر قبل النوم (الف)(بخاری شریف، باب ساعات الوتر ص ۱۳۵ نمبر ۹۹۵ رابوداؤد شریف، باب فی الوتر قبل النوم ص ۲۱۰ نمبر ۱۴۳۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ پورے سال وتر پڑھنا ہے۔اس لئے پورے سال دعائے قنوت بھی اس میں پڑھنا واجب ہوگا۔کیونکہ ابی بن کعب کی حدیث میں گزری کہ قنت فی الوتر قبل الرکوع کہ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے اس لئے پورا سال قنوت پڑھی جائے گی (۲) اثر میں ہے۔عن ابراھیم قال : لاوتر الا بقنوت (مصنف ابن ابی شیبة ۵۹۳، من قال لاوتر الابقنوت، ج ثانی، ص ۱۰۲، نمبر ۶۹۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وتر میں قنوت پڑھنا لازمی ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف رمضان کے نصف آخر میں قنوت پڑھی جائے گی۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان ابی بن کعب امھم یعنی فی رمضان وکان یقنت فی النصف الاخیر من رمضان (ب)(ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الوتر ص ۲۰۹ نمبر ۱۴۲۸) اس سے معلوم ہوا کہ ابی بن کعب کا عمل یہ تھا کہ وہ صرف رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔لیکن ہم نے ثابت کیا کہ حضورؐ رکوع سے پہلے ہمیشہ قنوت پڑھا کرتے تھے (۲) یہ اثر ان کی دلیل ہے۔عن ابی ھریرةؓ قال نزلت علیه عشر سنین فما رأیته قنت فی وترہ (مصنف ابن ابی شیبة، ۵۸۸ من کان لایقنت فی الوتر، ج ثانی، ص ۱۰۰، نمبر ۶۹۴۳)

[۲۱۷](۴۷) وتر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورۃ ملائے گا۔

وجہ (۱) فاقرء ما تیسر من القرآن آیت کی وجہ سے قرأت تو فرض ہے لیکن وتر مکمل فرض کی طرح نہیں ہے کہ تیسری رکعت میں سورۃ نہ ملائی جائے۔بلکہ من وجہ سنت کی طرح ہے۔اس لئے اس کی تیسری رکعت میں بھی سورت ملائی جائے گی (۲) مسئلہ نمبر ۴۵ میں ابی بن کعبؓ کی حدیث گزری کہ حضورؐ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سبح اسم ربک الاعلی، دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔اس لئے ان احادیث کی بنا پر تینوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ ملائی جائے گی (ابوداؤد شریف، نمبر ۱۴۲۳ رترمذی شریف، نمبر ۴۶۳)

[۲۱۸](۴۸) پس جبکہ دعائے قنوت کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور ہاتھ اٹھائے پھر قنوت پڑھے۔

وجہ قرأت سے دعا کی طرف منتقل ہو رہا ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ ایک عمل سے دوسرے عمل کی طرف منتقل ہو تو تکبیر کہے۔اور ہاتھ اٹھانے کا ثبوت اس اثر میں ہے عن عبد اللہ (بن مسعود) انه کان یقرأ فی آخر رکعة من الوتر قل ھو اللہ احد ثم رفع یدیه فیقنت قبل الرکعة (ج)(جزء رفع ایدین للامام البخاری ص ۲۸، مصنف ابن ابی شیبة، ۵۹۱ فی رفع الیدین فی القنوت ج ثانی ص ۱۰۱، نمبر ۶۹۵۳) عبد

حاشیہ : (الف) ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت فرمائی (ب) حضرت ابی بن کعبؓ نے لوگوں کی امامت کی یعنی رمضان میں تو رمضان کے نصف کے بعد آخر میں قنوت پڑھا کرتے تھے (ج) عبد اللہ بن مسعودؓ وتر کی آخری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔پھر دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔

اراد ان یقنت کبر ورفع یدیه ثم قنت[۲۱۹] (۴۹) ولا یقنت فی صلوۃ غیرها [۲۲۰] (۵۰) ولیس فی شیء من الصلوۃ قراءۃ سورۃ بعینها لایجوز غیرها [۲۲۱] (۵۱) ویکرہ

الرحمن بن الاسود عن ابیه قال کان ابن مسعود یرفع یدیه فی القنوت الی ثدییه (سنن للبیھقی، باب رفع الیدین فی القنوت ،ج ثالث،ص ۵۹،نمبر ۴۸۶۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ قنوت پڑھنے سے پہلے ہاتھ اٹھائے گا۔

[۲۱۹](۴۹)اور قنوت نہ پڑھے وتر کے علاوہ میں۔

تشریح اوپر کی حدیث مسئلہ نمبر ۴۴ میں گزری کہ آپؐ نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھی جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے بعد یہ قنوت منسوخ ہوگئی۔اس لئے دوسری نمازوں میں اب قنوت نہ پڑھے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس بن مالک ان النبیؐ و قنت شهرا ثم ترکه (الف)(ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلوۃ ص ۲۱۱ نمبر ۱۴۴۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک ماہ کے بعد آپ نے قنوت نازلہ چھوڑ دی۔کیونکہ منسوخ ہوگئی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک ابھی بھی صبح کی نماز میں قنوت نازلہ مسنون ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن البراء ان النبی ﷺ کان یقنت فی صلوۃ الصبح زادابن معاذ وصلوۃ المغرب (ب)(ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلوۃ ص ۲۱۱ نمبر ۱۴۴۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا مسنون ہے۔

نوٹ ابھی حنفیہ کے یہاں بھی اس پر عمل ہے کہ مصیبت کے وقت صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔

[۲۲۰](۵۰)کسی نماز میں کوئی معین سورۃ نہیں ہے کہ اس کے علاوہ جائز نہ ہو۔

تشریح کسی نماز کے لئے کوئی متعین سورۃ نہیں ہے کہ وہی پڑھنا ضروری ہو،اس کے پڑھے بغیر نماز نہ ہوتی ہو۔

وجہ فاقرء وا ما تیسر من القرآن (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳)اس آیت میں ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو اس کو پڑھو۔اس لئے کسی ایک آیت کی تعیین اس کے خلاف ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ان کی دلیل لا صلوۃ الا بفاتحة الکتاب حدیث ہے۔ہمارے یہاں یہ حدیث وجوب کے لئے ہے کہ اگر فاتحہ نہیں پڑھا تو نماز میں کمی رہ جائے گی لیکن نماز ہو جائے گی۔

[۲۲۱](۵۱)اور مکروہ ہے کہ کسی نماز کے لئے کسی متعین سورۃ کو خاص کرے کہ اس میں اس کے علاوہ پڑھے ہی نہیں یہ مکروہ ہے۔

وجہ اس کی وجہ سے دوسری سورۃ کی اہمیت کم ہو جائے گی۔حالانکہ تمام سورتوں کی اہمیت برابر ہے۔اس لئے کسی نماز کے لئے کسی سورۃ کو ہمیشہ کے لئے متعین کر لینا مکروہ ہے۔البتہ فضیلت حاصل کرنے کے لئے کسی سورۃ کو کسی نماز میں اکثر و بیشتر پڑھے تو جائز ہے۔بشرطیکہ کبھی کبھار دوسری سورتوں کو بھی پڑھ لے۔جیسے حضورؐ وتر میں اکثر سبح اسم،قل یاایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔اس طرح سنت پر عمل

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ایک ماہ قنوت پڑھا پھر چھوڑ دیا(ب) آپ صبح کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ابن معاذ نے صلوۃ مغرب کا بھی اضافہ کیا ہے(کہ مغرب میں بھی قنوت پڑھا کرتے تھے۔

ان یتخذ قراء ۃ سورۃ بعینها للصلوۃ لایقرأ فیها غیرها[۲۲۲] (۵۲) وادنی ما یجزی من القراء ۃ فی الصلوۃ ما یتناولہ اسم القرآن عند ابی حنیفۃؒ وقال ابو یوسف و محمد رحمهما اللہ لا یجوز اقل من ثلث آیات قصار او آیۃ طویلۃ.

کرنے کے لئے یا برکت کے لئے کسی سورۃ کو اکثر و بیشتر پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

[۲۲۲] (۵۲) کم سے کم قرأت جو نماز میں کافی ہے اتنا ہے جس کو قرآن کا نام شامل ہو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ تین چھوٹی آیتیں یا ایک لمبی آیت اس سے کم جائز نہیں ہے۔

تشریح امام ابو حنیفہ کے نزدیک اتنا پڑھنے سے نماز ہو جائے گی جس کو قرآن کہتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آیت کی اہمیت ہے اور اس کو قرآن کہتے ہیں اس لئے ایک آیت نماز میں پڑھ دے تو چاہے وہ چھوٹی ہی آیت ہو نماز ہو جائے گی۔

وجہ کیونکہ فاقرءوا ما تیسر من القرآن کہا ہے۔ تو کم سے کم جتنی آیت کو قرآن کہا جاتا ہے اتنا پڑھنا کافی ہوگا۔ اور وہ ایک آیت ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ایک چھوٹی آیت مثلا صرف الرحمن یا صرف علم القرآن آیت تو ہے لیکن اس کے پڑھنے والے کو قرآن کا پڑھنے والا نہیں کہتے۔ اس لئے ایک آیت لمبی ہو یا تین آیتیں چھوٹی ہوں جس کے پڑھنے والے کو قرآن کا پڑھنے والا کہتے ہیں اس کے پڑھنے سے نماز ہوگی۔ اس سے کم پڑھے گا تو قرأت نہیں ہوگی اور اس کی وجہ سے نماز بھی نہیں ہوگی۔

نوٹ آیتوں کی قرأت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) فرض، جس سے جواز متعلق ہے وہ امام صاحب کے نزدیک ایک آیت تامہ ہے۔ اب اگر وہ دو کلموں پر مشتمل ہو جیسے ثم نظر تب تو جائز ہے، اور اگر صرف ایک کلمہ ہو جیسے مد ھامتان یا صرف ایک حرف ہو جیسے صٓ، نٓ، قٓ تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اصح عدم جواز ہے (۲) واجب، قرأت فاتحہ اور قرأت سورۃ واجب ہیں (۳) مسنون، وہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل ہے۔ یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک، عصر اور عشاء میں اوساط مفصل یعنی سورۂ بروج سے سورۂ لم یکن تک، مغرب میں قصار مفصل یعنی سورۂ زلزال سے آخر قرآن تک (۴) مستحب، وہ فجر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں سے چالیس آیتوں تک اور دوسری رکعت میں بیس سے تیس آیتوں تک سورۂ فاتحہ کے علاوہ (۵) مکرو، وہ یہ ہے کہ صرف سورۂ فاتحہ پڑھے یا فاتحہ کے ساتھ ایک آدھ آیت ملائے یا سورۃ پڑھے اور فاتحہ نہ پڑھے یا پہلی رکعت میں ایک سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ پڑھے۔ یہ سب صورتیں مکروہ کی ہیں۔

[۲۲۳] (۵۳) لا یقرأ المؤتم خلف الامام

﴿ قرأت خلف الامام ﴾

[۲۲۳] (۵۳) مقتدی امام کے پیچھے نہ پڑھے۔

تشریح حنفیہ کے نزدیک مقتدی کو قرأت کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ ان کا کام ہے مقتدی کی قرأت سننا اور خاموش رہنا۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی نظر آیت اور نص قطعی کی طرف گئی ہے۔

وجہ (۱) آیت میں ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتو لعلکم ترحمون (الف) (آیت ۲۰۴ سورۃ الاعراف ۷) آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔ اس لئے امام جب قرأت کرے گا تو مقتدی کا کام اس کو کان لگا کر سننا ہے اور سنائی نہ بھی دے تو چپ رہنا ہے۔ اس لئے قرأت خلف الامام صحیح نہیں ہے (۲) حدیث میں بھی ہے کہ امام قرأت کرے تو مقتدی کو چپ رہنا چاہئے عن ابی هریرة قال قال رسول الله انما جعل الامام لیوتم به فاذا کبر فکبرو واذا قرأ فانصتوا (ب) (ابن ماجہ شریف، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۴۶ / نسائی شریف تاویل قولہ عزوجل واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ ص ۱۰۷ نمبر ۹۲۲ / دار قطنی، باب ذکر قولہ ﷺ من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ ص ۳۲۳ نمبر ۱۲۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت کے وقت مقتدی کو چپ رہنا چاہئے (۳) بلکہ قرأت کرنے والوں کو آپؐ نے منع فرمایا عن عمران بن حصین ان رسول الله ﷺ صلی الظهر فجعل رجل یقرء خلفه سبح اسم ربک الاعلی فلما انصرف قال ایکم قرء او ایکم القاری؟ قال رجل انا فقال قد ظننت ان بعضکم خالجنیها (ج) (مسلم شریف، باب نہی الماموم عن جہرہ بالقراءۃ خلف الامام ص ۱۷۲ نمبر ۳۹۸) ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے مالی انازع القرآن قال فانتهی الناس عن القراءة مع رسول الله ﷺ فیما جهر فیه (د) (ابوداؤد شریف، باب من رأی القراءۃ اذا لم یجہر، ص ۱۲۷، نمبر ۸۲۶ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی ترک القراءۃ خلف الامام اذا جہر الامام بالقرائۃ ص ۷۱ نمبر ۳۱۲ / دار قطنی، باب ذکر قولہ من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ ص ۳۲۱ نمبر ۱۲۲۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرأت خلف الامام مناسب نہیں ہے۔ آپؐ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے (۴) مقتدیوں کو قرأت کرنے کی ضرورت اس لئے بھی نہیں ہے کہ امام مقتدیوں کی جانب سے قرأت کر رہا ہے۔ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ حدیث میں اس کا باضابطہ ذکر ہے۔ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من کان له امام فقراءة الامام له قراءة (ہ) ابن ماجہ شریف، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۵۰ / دار قطنی، باب ذکر قولہ من کان لہ

حاشیہ : (الف) قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر اس کو سنو اور چپ رہو شاید کہ رحم کئے جاؤ (ب) آپؐ نے فرمایا امام صرف اس لئے بنایا گیا ہے تا کہ تم اس کی اقتدا کرو۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت پڑھے تو چپ رہو (ج) آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو ایک آدمی آپ کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلی پڑھنے لگا۔ پس جب آپ فارغ ہوئے تو پوچھا تم میں سے کس نے قرأت کی؟ یا تم میں سے کون قاری ہے؟ ایک آدمی نے کہا میں، تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے گمان کیا تم میں سے بعض مجھ سے لڑ رہے ہیں (د) آپؐ نے فرمایا، کیا بات ہے کہ مجھ سے قرآن میں جھگڑ رہے ہو۔ راوی نے فرمایا کہ لوگ جہری نماز میں حضور کے ساتھ قرأت کرنے سے رک گئے (ہ) جن کا امام ہو تو امام کی قرأت ان کی قرأت ہے۔

[۲۲۴](۵۴) ومن اراد الدخول فی صلوة غیرہ یحتاج الی نیتین نیة الصلوة و نیة

امام ص۳۲۱ نمبر۱۲۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام نے فاتحہ پڑھ لی تو گویا کہ مقتدی نے بھی پڑھ لی وہ بغیر فاتحہ کے نہ رہے (۵) عن ابی درداء سمعه یقول سئل رسول اللہ ﷺ افی کل صلوة قراء ة ؟قال نعم قال رجل من الانصار وجبت ھذہ؟ فالتفت الی و کنت اقرب القوم منه فقال ما اری الامام اذا ام القوم الا قد کفا ھم (الف) (نسائی شریف، باب اکتفاء الماموم بقراءة الامام ص۱۰۷ نمبر۹۲۴ / دار قطنی ص۳۲۶ نمبر۱۲۴۸) اس سے بھی معلوم ہوا کہ مقتدیوں کو امام کی قرأت کافی ہے (۶) مؤطا امام مالک میں ہے کان عبد اللہ بن عمر لا یقرأ خلف الامام (ب) (مؤطا امام مالک، باب ترک القراءة خلف الامام فیما جہر ص۶۸) (۷) مقتدی رکوع میں امام کے ساتھ ملے تو تو مقتدی کو وہ رکعت مل گئی۔ لیکن فاتحہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا تو گویا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی اس صورت میں امام کا پڑھا ہوا فاتحہ مقتدی کے لئے کافی ہو گیا تو آخر ایک صورت میں وہ بھی حنفیوں کے ساتھ ہو گئے۔

فائدہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے گا۔ چاہے قرأت جہری کر رہا ہو یا سری۔ اور ایک روایت ہے کہ سری قرأت کر رہا ہو تو قرأت فاتحہ کرے گا اور جہری کر رہا ہو تو نہیں کرے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبادة بن صامت ان رسول اللہ ﷺ قال لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب (ج) (بخاری شریف، باب وجوب القراءة للامام والماموم فی الصلوات کلھا فی الحضر والسفر وما یجہر فیھا وما یخافت ص۱۰۴ نمبر۷۵۶ / مسلم شریف، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة ص۱۶۹ نمبر۳۹۴ / ابو داؤد شریف نمبر۸۲۳) اس حدیث سے ثابت کرتے ہیں کہ مقتدی کے لئے بھی فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ جواب: حنفیہ بھی فاتحہ واجب کرتے ہیں لیکن مقتدی کی جانب سے امام نے پڑھ لیا اس لئے مقتدی کی جانب سے کافی ہو گیا۔ جیسے کہ پہلے احادیث سے ثابت کیا گیا۔

نوٹ امام محمد سے روایت ہے کہ احادیث کی بنا پر سری نماز میں احتیاطاً فاتحہ پڑھ لے (ہدایہ اولین، فصل فی القراءة ص۱۰۱)

[۲۲۴](۵۴) جس نے دوسرے کی نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کیا وہ محتاج ہے دو نیتوں کا، نماز کی نیت کا اور اتباع کی نیت کا۔

تشریح کوئی آدمی دوسرے کی اقتدا کر رہا ہو تو اس کو دو قسموں کی نیت کرنی ہوگی۔ ایک اصل نماز پڑھنے کی نیت اور دوسری امام کی اقتدا کرنے کی نیت۔

وجہ (۱) کیونکہ امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہے اصلاح اور فساد میں۔ اس لئے اس کی اقتدا کرنے کی بھی نیت کرنی ہوگی۔ اگر اس کی اقتدا کرنے کی نیت نہیں کی اور صف میں کھڑے ہو کر اصل نماز کی نیت کی تو اقتدا نہیں ہوگی (۲) عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن (د) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص۵۱ نمبر۲۰۷) اس سے معلوم ہوا

حاشیہ: (الف) آپؐ سے پوچھا گیا کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! انصار کے ایک آدمی نے کہا یہ قرأت واجب ہو گئی تو حضورؐ میری طرف متوجہ ہوئے اور میں آپؐ سے قوم میں سے زیادہ قریب میں تھا۔ آپؐ نے فرمایا میں نہیں سمجھتا ہوں مگر یہ کہ امام نے قوم کی امامت کی تو ان کی قرأت ان کو کافی ہو گی (ب) عبد اللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے (ج) آپؐ نے فرمایا اس کی نماز ہی نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی (ب) آپؐ نے فرمایا امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے

المتابعة[۲۲۵](۵۵) والجماعة سنة مؤكدة [۲۲۶](۵۶) واولى الناس بالامامة اعلمهم

کہ امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہے اس لئے مقتدی کو امام کی نیت کرنے کی ضرورت ہوگی (۲)عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال انما جعل الامام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه (الف) (مسلم شریف، باب ائتمام المأموم بالامام ص ۱۷۶ نمبر ۴۱۴) اس حدیث سے بھی متابعت کی نیت کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

﴿ جماعت کا بیان ﴾

[۲۲۵](۵۵) جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

وجہ (۱)عن ابی هريرة ان رسول الله قال والذی نفسی بيده لقد هممت ان امر ليحطب ثم امر بالصلوة فيؤذن لها ثم امر رجلا فيؤم الناس ثم اخالف الى رجال فاحرق عليهم بيوتهم والذی نفسی بيده لو يعلم احدهم انه يجد عرقا سمينا او مرماتين حسنتين لشهد العشاء (ب) (بخاری شریف، باب وجوب صلوۃ الجماعۃ ص ۸۹ نمبر ۶۴۴ رابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ترک الصلوۃ ص ۸۸ نمبر ۵۴۸) آپ نے جماعت چھوڑنے پر گھروں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا جو جماعت کے وجوب کی دلیل ہے۔ تاہم وہ سنت مؤکدہ ہے (۲) عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من سمع المنادی فلم يمنعه من اتباعه عذر قالوا وما العذر؟ قال خوف او مرض لم تقبل منه الصلوة التی صلى (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ترک الجماعۃ ص ۸۸ نمبر ۵۵۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ بغیر عذر کے اس کے چھوڑنے سے نماز قبول نہیں ہوگی۔

[۲۲۶](۵۶) لوگوں میں سے امامت کا زیادہ حقدار جو ان میں سے سنت کو زیادہ جاننے والا ہو۔ پس اگر (سنت کے جاننے والوں میں) سب برابر ہوں تو ان میں سے اچھی قرأت کرنے والا، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو سب سے زیادہ پرہیزگار، اور اس میں بھی برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو۔

تشریح سنت سے مراد احکام نماز ہے۔ اس لئے جو موجودہ لوگوں میں سے احکام نماز اور مسائل سے زیادہ واقف ہوں ان کو امام بنایا جائے بشرطیکہ اتنی قرأت جانتا ہو جس سے نماز درست ہو جاتی ہو۔ پھر اگر سبھی مسائل کے جاننے میں برابر ہوں تو جس کی قرأت بہت اچھی ہو ان کو امام بنایا جائے۔ اور اگر قرأت بھی سبھی کی ہی اچھی ہو تو جو زیادہ پرہیزگار ہو ان کو امام بنایا جائے۔ اور سب پرہیزگار بھی برابر درجے کے ہوں تو جو عمر میں بڑے ہوں ان کو امامت کا حق ہے۔

نوٹ یہ اسوقت ہے کہ پہلے سے امام متعین نہ ہو۔ اور اگر پہلے سے امام متعین ہو تو ان کو امامت کا زیادہ حق ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے اس لئے اس سے اختلاف نہ کرو (ب) آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں ارادہ کرتا ہوں کہ لکڑی لانے کا حکم دوں تاکہ لکڑی جمع کی جائے، پھر نماز کا حکم دوں پس اس کے لئے اذان دی جائے، پھر ایک آدمی کو حکم دوں وہ لوگوں کی امامت کرائے، پھر میں لوگوں کے پاس جاؤں اور ان کے گھروں کو جلا دوں۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر ان میں سے ایک جان لے کہ وہ موٹی سی ہڈی یا دو اچھی کھر پائے گا تو عشا میں ضرور حاضر ہو جائیں (ج) آپ نے فرمایا جس نے اذان سنی اور کوئی عذر اس کی اتباع کرنے سے نہ روکے، لوگوں نے پوچھا عذر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خوف یا مرض تو اس کی وہ نماز قبول نہیں ہوگی جو اس نے پڑھی۔

بالسنة فان تساووا فاقرأهم وان تساووا فاورعهم وان تساووا فاسنهم.

وجہ (۱) مسئلہ زیادہ جاننے والے کوسب سے مقدم اس لئے کریں گے کہ اس کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے کہ کہاں سجدۂ سہو ہوگا اور کہاں نہیں ہوگا۔ اسی طرح کون سا رکن فرض ہے کون سا واجب اور کون سا سنت، اور اس کی رعایت کتنی کرنی چاہئے (۲) یوں بھی زیادہ جاننے والے کا رعب زیادہ پڑتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے جماعت کا معاملہ قابو میں رہتا ہے (۳) دور صحابہ میں اونچے قاری ابی بن کعبؓ تھے لیکن آپ نے آخر وقت میں اپنے مصلے پر حضرت ابو بکرؓ کو تاکید کر کے کھڑا کیا جو اعلم بالسنۃ تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اعلم بالسنۃ کو امامت کا حق زیادہ ہے۔ عن ابی موسی قال مرض النبی ﷺ فاشتد مرضة فقال مروا ابا بکر فلیصل بالناس (الف) (بخاری شریف، باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ ص ۹۳ نمبر ۶۷۸ رمسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر ص ۱۷۸ نمبر ۴۱۸) (۴) عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ لیلنی منکم اولوا الاحلام والنهی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم (ب) (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واقامتها وفضل الاول فالاول ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقل اور سمجھ رکھنے والے کو امام کے قریب رہنا چاہئے تاکہ ضرورت پر امامت کے کام آئے۔ یہ نہیں کہا کہ قاری کو حضورؐ کے قریب ہونا چاہئے (۵) حدیث میں ہے عن عقبة بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ یوم الناس اقدمهم هجرة وان کانوا فی الهجرة سواء فافقههم فی الدین وان کانوا فی الدین سواء فاقرؤهم للقرآن (ج) (دار قطنی، باب من احق بالامامۃ ص ۲۸۴ نمبر ۱۰۷۲) اس میں بھی افقہ کو زیادہ حق امامت دیا گیا ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جو اچھا قاری ہو ان کو امامت کا زیادہ حق ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول الله ﷺ یؤم القوم اقرؤهم لکتاب الله فان کانوا فی القراءة سواء فاعلمهم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقدمهم هجرة. وفی حدیث آخر فان کانوا فی الهجرة سواء فلیؤمهم اکبرهم سنا (د) (مسلم شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۲۳۶ نمبر ۶۷۳ رابو داؤد شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۹۴ نمبر ۵۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو زیادہ قاری ہو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ کے دور میں جو زیادہ قرآن پڑھنے والا ہوتا تھا وہ مسائل کو بھی زیادہ جاننے والا ہوتا تھا اس لئے اقرء بالقرآن فرمایا۔ زیادہ عمر والے کو امامت کا حق ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن مالک بن الحویرث قال قدمنا علی النبی ﷺ ... قال ... فاذا حضرت الصلوة فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم (ہ) بخاری شریف، باب اذا استووا فی القراءۃ فلیؤمهم اکبرهم ص ۹۴ نمبر ۶۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبھی ہجرت اور قرأت میں برابر ہوں تو عمر کے اعتبار سے جو

حاشیہ : (الف) حضورؐ بیمار ہوئے پھر ان کا مرض بڑھ گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے (ب) آپؐ نے فرمایا میرے قریب تمہارے بالغ اور عقل والے رہا کریں۔ پھر جو ان سے کم درجہ کے ہوں، پھر جو ان سے کم درجہ کے ہوں (ج) آپؐ نے فرمایا لوگوں کی امامت وہ کریں جو ان میں سے ہجرت کے اعتبار سے قدیم ہوں۔ اور اگر ہجرت میں برابر ہوں تو دین کے اعتبار سے جو زیادہ فقیہ ہوں۔ اور اگر دین میں برابر ہوں تو جو قرآن کا زیادہ قاری ہوں (د) آپ نے فرمایا قوم کی امامت وہ کریں جو اللہ کی کتاب کو زیادہ پڑھنے والا ہو۔ پس اگر وہ قرأت میں برابر ہوں تو جو ان میں سے سنت کو زیادہ جاننے والا ہو۔ پس اگر سنت میں برابر ہوں تو جو ان میں سے ہجرت کے اعتبار سے قدیم ہو۔ دوسری حدیث میں ہے جو ہجرت کے اعتبار سے برابر ہوں تو ان کی امامت کرے جو عمر کے اعتبار سے بڑا ہو (ہ) آپؐ نے فرمایا جب نماز کا وقت آئے تو تمہارے لئے کوئی اذان دے اور تم میں سے بڑا تمہاری امامت کرے۔

[۲۲۷] (۵۷) ویکرہ تقدیم العبد والاعرابی والفاسق والاعمی وولد الزنا فان تقدموا

زیادہ ہو اس کو امامت کا حق ہے۔

لغت اورع : جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

[۲۲۷] (۵۷) مکروہ ہے غلام کو امامت کے لئے آگے کرنا اور دیہاتی کو، فاسق کو، نابینا کو اور ولد الزنا کو آگے کرنا۔ پس اگر آگے کر دیا تو جائز ہے۔

وجہ (۱) ان لوگوں میں عموما جہل ہوتا ہے۔ اور لوگ اس کی امامت سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کی امامت مکروہ ہے۔ لیکن اگر ان لوگوں میں علم ہو اور لوگ ان کی امامت سے خوش ہوں تو ان کی امامت مکروہ نہیں ہے۔ نابینا میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ناپاکی سے بچ نہیں سکتا ہے۔ اگر وہ ناپاکی سے بچ سکتا ہو تو مکروہ نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان یقول ثلاثۃ لا یقبل اللہ منھم صلوۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون (الف) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یؤم القوم وھم لہ کارھون ص ۹۵ نمبر ۵۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قوم جن لوگوں کی امامت سے کراہیت کرے ان کی امامت مکروہ ہے۔ اور اوپر کے لوگوں کی امامت سے قوم کراہیت کرتی ہے اس لئے ان کی امامت مکروہ ہے۔ تاہم امامت جائز ہو جائے گی۔ غلام کی امامت جائز ہونے کی دلیل یہ اثر ہے وکانت عائشۃ یؤمھا عبدھا ذکوان من المصحف (ب) (بخاری شریف، باب امامۃ العبد والمولی ص ۹۶ نمبر ۶۹۲) فاسق کی امامت جائز ہے لیکن مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبید اللہ بن عدی بن خیار انہ دخل علی عثمان بن عفان وھو محصور فقال انک امام عامۃ ونزل بک ما تری و یصلی لنا امام فتنۃ و نتحرج فقال الصلوۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم واذا اساء فاجتنب اساتھم (ج) (بخاری شریف، باب امامۃ المفتون والمبتدع ص ۹۶ نمبر ۶۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے اگرچہ مکروہ ہے۔ وقال الزھری لا نری ان یصلی خلف المخنث الا من ضرورۃ لا بد منھا (د) (بخاری شریف، باب امامۃ المفتون والمبتدع ص ۹۶ نمبر ۶۹۵) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال صلوا خلف کل بر و فاجر و صلوا علی کل بر و فاجر (سنن للبیہقی، باب الصلوۃ علی من قتل فی نفسہ غیر مستحل لقتلھا ج رابع، کتاب الجنائز، ص ۲۹، نمبر ۶۸۳۲) نابینا کی امامت کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ عن انس ان النبی ﷺ استخلف ابن ام مکتوم یؤم الناس وھو اعمی (ہ) (ابوداؤد شریف، باب

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا اللہ تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں کرتے جو کسی قوم کی امامت کے لئے آگے بڑھے حالانکہ وہ ناپسند کرتے ہوں (ب) حضرت عائشہؓ کی امامت اس کے غلام ذکوان کرتے تھے قرآن سے (ج) عبید اللہ بن عدی، عثمان بن عفانؓ پر داخل ہوئے اس حال میں کہ وہ محبوس تھے۔ عبید اللہ نے کہا کہ آپ عوام کے امام ہیں اور آپ پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ اور ہمیں فتنہ کے امام نماز پڑھا رہے ہیں۔ اور ہم حرج محسوس کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا نماز اچھی چیز ہے جو لوگ عمل کرتے ہیں۔ پس اگر لوگ اچھا کریں تو تم بھی ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اگر برا معاملہ کریں تو تم ان کی برائی سے بچو (د) امام زہری نے فرمایا کہ مخنث کے پیچھے نماز پڑھنا اچھا نہیں سمجھتا مگر ضرورت کی بنا پر۔ (ہ) حضورؐ نے عبد اللہ بن مکتوم کو مدینہ کا خلیفہ بنایا۔ وہ لوگوں کی امامت کرتے تھے حالانکہ وہ نابینا تھے۔

جاز[۲۲۸] (۵۸) وینبغی للامام ان لا یطول بھم الصلوۃ[۲۲۹](۵۹) ویکرہ للنساء ان

امامۃ الاعمٰی ص ۹۵ نمبر ۵۹۵) اس سے معلوم ہوا کہ نابینا پاکی ناپاکی کا احتیاط رکھتا ہو اور قوم میں باعزت ہو تو ان کو امام بنایا جا سکتا ہے۔ مکروہ نہیں ہے۔

[۲۲۸] (۵۸) امام کے لئے مناسب ہے کہ مقتدیوں کے ساتھ نماز بہت لمبی نہ کرے۔

وجہ (۱) نماز بہت زیادہ لمبی کرنے میں کمزور اور بوڑھے لوگ پریشان ہونگے جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے مستحبات سے زیادہ قرأت لمبی نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں! اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو جتنی لمبی کرنا چاہے کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے **اخبرنی ابو مسعود ان رجلا قال واللہ یا رسول اللہ انی لاتأخر عن صلوۃ الغداۃ من اجل فلان مما یطیل بنا فما رأیت رسول اللہ ﷺ فی موعظہ اشد غضبا منہ یومئذ ثم قال ان منکم منفرین فایکم ما صلی بالناس فلیتجوز فان فیھم الضعیف والکبیر وذا الحاجۃ** (الف) (بخاری شریف، باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود ص ۹۷ نمبر ۷۰۲ رمسلم شریف، باب تخفیف الصلوۃ، نمبر ۴۶۶) اس کے آگے حدیث میں یہ جملہ بھی ہے واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ما شاء (بخاری شریف، نمبر ۷۰۳ رمسلم شریف، نمبر ۴۶۶) اس سے معلوم ہوا کہ امام ہو تو نماز زیادہ لمبی نہ کرے۔ اور اکیلا ہو تو جتنی لمبی کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

[۲۲۹] (۵۹) عورتوں کے لئے مکروہ ہے کہ تنہا عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، پس اگر جماعت کی تو امام ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی جیسے ننگے کھڑے ہوتے ہیں۔

تشریح صرف عورتیں نماز پڑھیں تو الگ الگ نماز پڑھیں گے۔ کیونکہ وہاں مرد نہیں ہے اس لئے عورت ہی کو امامت کرنی ہوگی۔ اور عورت کی امامت جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے۔ اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور عورت نے امامت کرائی تو امام عورت عورتوں کے درمیان کھڑی ہوگی۔ مرد کی طرح آگے کھڑی نہیں ہوگی۔

وجہ اس لئے کہ یہ عورتوں کے ستر کے خلاف ہے۔ اس لئے امام عورت درمیان میں کھڑی ہوگی جیسے تمام ننگے آدمیوں کا امام درمیان میں کھڑا ہوتا ہے (۲) **عن ریطۃ الحنفیۃ قالت امتنا عائشۃ فقامت بینھن فی الصلوۃ المکتوبۃ فی حدیث آخر امتنا ام سلمۃ فی صلوۃ العصر فقامت بیننا** (ب) (دار قطنی، باب صلوۃ النساء جماعۃ وموقف امامھن ص ۳۸۸ نمبر ۱۴۹۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت امام کو درمیان میں کھڑی ہونی چاہئے۔

حاشیہ : (الف) ابو مسعود نے فرمایا کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں دو پہر کی نماز سے فلاں آدمی کی وجہ سے پیچھے رہتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ لمبی نماز ہمیں پڑھاتا ہے۔ تو میں نے حضور کو کسی نصیحت میں اس دن کی طرح اتنا غصہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا تم میں سے کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں۔ تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو مختصر پڑھائے۔ اس لئے کہ اس میں کمزور ہوتے ہیں۔ بوڑھے ہوتے ہیں اور ضرورت مند ہوتے ہیں (ب) ریطہ حنفیہ کہتی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ہماری امامت کی تو وہ فرض نماز میں عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے ام سلمہؓ نے عصر کی نماز میں ہماری امامت کی تو ہمارے درمیان کھڑی ہوئی۔

یصلین وحدھن بجماعة فان فعلن وقفت الامامة وسطھن کالعراة [۲۳۰](۶۰) ومن صلی مع واحد اقامه عن یمینه[۲۳۱](۶۱) وان کانا اثنین تقدمھما.

عورت کی امامت مکروہ ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ خیر صفوف الرجال اولها وشرها آخرها و خیر صفوف النساء آخرها و شرها اولها (الف)(مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول الخ ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰رابوداؤد شریف، باب صف النساء والتأخر عن الصف الاول، ص ۱۰۶ نمبر ۶۷۸) جب عورت کو اگلی صف میں جانا مکروہ ہے تو امامت کرنا بھی مکروہ ہوگا کیونکہ اس میں آگے جانا ہوتا ہے۔عورت کی امامت مکروہ ہے اس کی دلیل یہ اثر بھی ہے۔عن علیؓ قال لاتؤم المرأة (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷۳ من کرہ ان تؤم المرأۃ النساء، ج اول، ص ۴۳۰، نمبر ۴۹۵۷)

لغت العراة : عاری کی جمع ہے ننگے۔

نوٹ ننگے لوگوں کا امام درمیان میں کھڑا ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے عن قتادة قال اذا خرج ناس من البحر عراة فامهم احدهم صلوا قعودا وکان امامهم معهم فی النصف ویأمون ایماء (مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ العریان ج ثانی ص ۵۸۳، نمبر ۴۵۶۴)

[۲۳۰](۶۰) اگر ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھے اس کو اپنی دائیں جانب کھڑا کرے۔

وجہ (۱) دائیں جانب افضل ہے اس لئے ایک آدمی مقتدی ہو تو امام اس کو اپنی دائیں جانب میں کھڑا کرے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال صلیت مع النبی ﷺ ذات لیلة فقمت عن یساره فاخذ رسول اللہ ﷺ برأسی من ورائی فجعلنی عن یمینه فصلی (ب)(بخاری شریف، باب اذا قام الرجل عن یسار الامام وحوله الامام خلفه الی یمینه تمت صلوته ص ۱۰۰ نمبر ۷۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مقتدی ہو تو اس کو دائیں جانب کھڑا کرنا چاہئے۔لیکن امام سے تھوڑا پیچھے کھڑا ہوگا۔

[۲۳۱](۶۱) اور اگر دو مقتدی ہوں تو امام دونوں سے آگے کھڑا ہوگا۔

وجہ عن انس بن مالک قال صلیت انا یتیم فی بیتنا خلف النبی وامی خلفنا ام سلیم (ج)(بخاری شریف، باب المرأۃ وحدھا تکون صفا ص ۱۰۱ نمبر ۷۲۷ رابوداؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثۃ کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۲) اس حدیث میں انس اور یتیم دو آدمی تھے تو حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔اس سے معلوم ہوا کہ دو مقتدی ہوں تو امام آگے کھڑا ہوگا اور دونوں مقتدی پیچھے کھڑے ہونگے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام دونوں مقتدیوں کے بیچ میں کھڑا ہوگا۔ان کا استدلال اس اثر سے ہے استأذن علقمة والاسود

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بری صف آخری صف ہے۔اور عورتوں کی بہترین صف آخری صف ہے اور بری صف پہلی صف ہے (ب) عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی تو میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔آپ نے میرے سر کو پیچھے سے پکڑا اور مجھ کو اپنی دائیں جانب کر دیا (الف) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں اور یتیم نے حضورؐ کے پیچھے میرے گھر میں نماز پڑھی اور میری ماں ام سلیم میرے پیچھے تھی۔

[٢٣٢](٦٢) ولا یجوز للرجال ان یقتدوا بامرأۃ او صبی.

علی عبد اللہ (بن مسعود) وقد کنا اطلنا القعود علی بابہ فخرجت الجاریۃ فاستأذنت لھما فاذن لھما ثم قام فصلی بینی وبینہ ثم قال ھکذا رأیت رسول اللہ ﷺ فعل (الف) (ابوداؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثۃ کیف یقومون ص ٩٧ نمبر ٦١٣) اس حدیث میں عبد اللہ بن مسعود علقمہ اور اسود کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بہتر ہے۔ امام اعظم کے نزدیک یہ بھی جائز ہے لیکن آگے کھڑا ہونا بہتر ہے۔

[٢٣٢](٦٢) نہیں جائز ہے مرد کے لئے کہ اقتدا کرے عورت کی یا بچے کی۔

تشریح مرد مقتدی ہو اور اس کا امام عورت ہو یا بچہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

وجہ مسئلہ نمبر ٥٧ میں (مسلم شریف نمبر ٤٤٠ / ابوداؤد شریف نمبر ٦٧٨) حدیث گزری ہے جس میں تھا کہ عورت کی اگلی صف بری ہے اور پچھلی صف اچھی ہے۔ اور امامت کرنے کی وجہ سے وہ مرد سے بھی آگے ہوگی اس لئے مرد کے لئے اس کی امامت درست نہیں ہے۔ مسئلہ نمبر ٥٧ میں جو عورت کی امامت کا مسئلہ گزرا وہ یہ تھا کہ عورت عورت کی امامت کر سکتی ہے نہ کہ مرد کی (٢) حدیث میں ہے عن جابر بن عبد اللہ قال سمعت رسول اللہ علی منبرہ یقول فذکر الحدیث وفیہ الا ولا تؤمن امرأۃ رجلا (ب) (سنن للبیہقی، باب لا یأتم رجل بامرأۃ ج ثالث ص ١٢٨، نمبر ٥١٣١) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت مرد کی امامت نہ کرے۔

نوٹ ابوداؤد شریف میں عورتوں کی امامت کے سلسلے میں ایک حدیث نقل کی ہے عن ام ورقۃ بنت عبد اللہ بن حارث بھذا الحدیث قال کان رسول اللہ یزورھا فی بیتھا و جعل لھا مؤذنا یؤذن لھا وامرھا ان تؤم اھل دارھا (ج) (ابوداؤد شریف، باب امامۃ النساء ص ٩٥ نمبر ٥٩٢) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت امامت کر سکتی ہے۔ لیکن اس میں اس کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ مرد کی امامت کرتی تھی۔ سنن للبیہقی اور دیگر احادیث کو ملانے سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کرتی تھی مرد کی نہیں۔

اور بچے کی اقتدا اس لئے جائز نہیں کہ اس کی نماز ہی نہیں ہے۔ وہ نماز توڑ دے تو اس پر قضا نہیں ہے۔ اور امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہوتا ہے اب امام کی نماز کمزور ہے تو مضبوط نماز کی ضامن وہ کیسے بن سکتی ہے۔ اس لئے بالغ مرد یا عورت کے لئے بچے کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے۔ عن الشعبی قال لایأم الغلام حتی یحتلم (مصنف ابن ابی شیبۃ، ١٢٢ فی امامۃ الغلام قبل ان یحتلم، ج اول ص ٣٠٦، نمبر ٣٥٠٥) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ لا یتقدم الصف الاول اعرابی ولا عجمی ولا غلام لم یحتلم (دار قطنی، باب من

حاشیہ : (الف) علقمہ اور اسود نے عبد اللہ ابن مسعود کے پاس آنے کی اجازت مانگی، اور ان کے دروازے پر بیٹھتے ہوئے بہت دیر ہو چکی تھی۔ پھر ایک باندی نکلی اور دونوں کے لئے اجازت لی اور عبد اللہ نے اجازت دیدی۔ پھر کھڑے ہوئے اور میرے اور ان کے درمیان نماز پڑھی۔ پھر فرمایا کہ میں نے اسی طرح حضور کو کرتے ہوئے دیکھا ہے (ب) حضور کو منبر پر کہتے ہوئے سنا ہے پھر لمبی حدیث ذکر کی اس میں یہ بھی تھا کہ سن لو! عورت مرد کی امامت نہ کرے (ج) آپؐ ام ورقہ کی ان کے گھر میں زیارت کے لئے جاتے۔ ان کے لئے ایک مؤذن متعین کیا جو اذان دیتا تھا اور ام ورقہ کو حکم دیا تھا کہ اپنے گھر والوں کی امامت کرے۔

[٢٣٣](٦٣) ويصف الرجال ثم الصبيان ثم الخنثى ثم النساء[٢٣٤] (٦٤) فان قامت امرأة الى جنب رجل وهما مشتركان فى صلوة واحدة فسدت صلوته.

یصلح ان یقوم خلف الامام۔ج اول ص ۲۸۵،نمبر ۱۰۷۶)

فائدہ بعض ائمہ کے نزدیک سنن اورنوافل میں بچے کی اقتدا کرنا جائز قرار دیا ہے۔اورانہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے عن عمرو بن سلمه كنا بحاضر ... فكنت اؤمهم وانا ابن سبع او ثمان سنين (الف)(ابوداؤدشریف،باب من احق بالامامۃ ص ۹۳ نمبر ۵۸۵) اس حدیث میں عمر بن سلمہ سات یا آٹھ سال کے بچے تھے۔اورانہوں نے اچھے قاری ہونے کی وجہ سے صحابہ کی امامت کرائی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بچے کی اقتدا جائز ہے۔جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور کو معلوم نہیں ہے کہ لوگوں نے بچوں کو امام بنالیا ہے۔کیونکہ یہ حدیث وليلنى منكم اولو الاحلام والنهى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (ب)(مسلم شریف،باب تسویۃ الصفوف واقامتہا ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۲) کے خلاف ہے۔

[۲۳۳](۶۳) صف بنائی جائے گی مردوں کی پھر بچوں کی پھر خنثی کی پھر عورتوں کی۔

وجہ حدیث میں اسی طرح صف بنانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔حدیث میں ہے عن انس بن مالک قال صليت انا ويتيم فى بيتنا خلف النبى ﷺ وامى ام سليم خلفنا ام سليم (ج)(بخاری شریف،باب المرأۃ وحدھا تکون صفا ص ۱۰۱ نمبر ۷۲۷/ابوداؤدشریف،باب اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد پہلے صف میں کھڑے ہونگے۔بچے دوسری صف میں اور خنثی چونکہ مرد اور عورت کے درمیان ہے اس لئے وہ عورت سے آگے اور بچوں سے پیچھے کھڑے ہونگے۔اور آخری صف میں عورت کھڑی ہوگی (۲) مسلم کی حدیث گزر چکی ہے عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ خير صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها و شرها اولها (د)(مسلم شریف،باب تسویۃ الصفوف واقامتہا وفضل الاول فالاول ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرد کو آگے کھڑا ہونا چاہئے اور عورتوں کو پیچھے صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔

[۲۳۴](۶۴) پس اگر کوئی عورت کسی مرد کی بغل میں کھڑی ہوگئی اور وہ دونوں ایک ہی نماز میں مشترک ہیں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی

تشریح عورت مرد کی بغل میں کھڑی ہو جائے اس سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے یہ خلاف قیاس ہے۔اس لئے فاسد ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں (۱) دونوں کی نماز ایک ہو (۲) بغیر پردہ کے عورت کھڑی ہو (۳) رکوع اور سجدہ والی نماز ہو (۴) عورت اہل شہوت ہو (۵) اور امام نے اس کی امامت کی نیت کی ہو تب مرد کی نماز فاسد ہوگی۔

حاشیہ : (الف) عمر بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں قوم میں حاضر تھا...میں ان کی امامت کرتا تھا۔حال یہ تھا کہ میں سات سال یا آٹھ سال کا لڑکا تھا (ب) میرے قریب تم میں سے بالغ اور عقلمند آدمی ہونا چاہئے۔پھر جو اس کے بعد ہو پھر جو اس کے بعد ہو (ج) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے اور یتیم نے میرے گھر میں نماز پڑھی حضورؐ کے پیچھے اور میری ماں ام سلیم میرے پیچھے تھی (د) آپؐ نے فرمایا مرد کی بہترین صف پہلی صف ہے اور اس کی بری صف آخری ص ہے۔اور عورت کی بہترین صف آخری صف ہے اور بری صف پہلی صف ہے۔

[۲۳۵](۶۵) ویکرہ للنساء حضور الجماعۃ.

وجہ (۱)مرد کا کام تھا کہ عورت کو نصیحت کر کے اس کو پیچھے کرتے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس لئے اس کی نماز فاسد ہوگی (۲) مسئلہ نمبر ۶۳ میں مسلم شریف کی حدیث گزری ہے کہ آخری صف عورت کے لئے بہتر ہے لیکن وہ صف میں آگئی اس لئے اس نے خلاف سنت کام کیا اس لئے نماز فاسد ہوگی (۳) عن الحارث بن معاویۃ انہ رکب الی عمر بن الخطاب یسألہ عن ثلاث خلال،قال فقدم المدینۃ فسألہ عمر ما اقدمک ؟ قال لاسئلک عن ثلاث خلال،قال وماھی قال ربما کنت والمرأۃ فی بناء ضیق فتحضر الصلوۃ فان صلیت انا وھی کانت بحذائی فان صلت خلفی خرجت من البناء قال تستر بینک و بینھا بثوب ثم تصلی بحذائک ان شئت (الف)(بمعناہ مصنف عبد الرزاق، باب الرجل والمرأۃ یصلیان احدھما بحذاء الآخر ج ثانی ص ۳۶، نمبر ۲۳۹۱ رمجمع الزوائد ج اول ص ۶۷ راعلاء السنن، باب فساد صلوۃ الرجال بمحاذاۃ النساء ج رابع ص ۲۵۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت اور مرد کے درمیان پردہ ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۴) اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابرھیم قال اذا صلت المرأۃ الی جانب الرجل وکانا فی صلوۃ واحدۃ فسدت صلوتہ.قال محمد و بہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ (ب)(کتاب الآثار لامام محمد، باب ما یقطع الصلوۃ،ص ۲۷،نمبر ۱۳۷)اس اثر سے معلوم ہو کہ حضرت ابراہیم کا فتوی یہ تھا کہ بغیر پردہ کے مرد اور عورت ایک ساتھ کھڑے ہو جائیں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورت کا مرد کے ساتھ کھڑا ہونا مکروہ تو ہے لیکن نماز فاسد نہیں ہوگی۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشۃ زوج النبی ﷺ انھا قالت کنت انام بین یدی رسول اللہ ﷺ ورجلائی فی قبلتہ فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتھا (ج)(بخاری شریف، باب التطوع خلف المرأۃ ص ۷۳،نمبر ۵۱۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت محاذات میں آجائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔کیوں کہ حضورؐ نماز کے درمیان حضرت عائشہ کو چھوتے تھے پھر بھی نماز بحال رہتی تھی۔

[۲۳۵](۶۵)عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

وجہ (۱)عورتوں کو مسجد کی جماعت میں شامل ہونا جائز ہے۔کیونکہ حضورؐ نے اجازت دی ہے۔لیکن جوان عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔کیونکہ مردوں کے ساتھ اختلاط سے فتنہ کا خطرہ ہے (۲) سمعت عائشہ زوج النبی ﷺ تقول لو ان رسول اللہ ﷺ رأی ما احدث

حاشیہ : (الف) حارث بن معاویہ عمر کے پاس تین باتیں پوچھنے کے لئے آئے۔مدینہ آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ کیوں آئے ہو،حارث نے کہا تین باتیں پوچھنے کے لئے آیا ہوں۔عمر نے کہا وہ کیا ہیں؟ حارث نے کہا کبھی میں اور میری بیوی تنگ گھر میں ہوتے ہیں تو نماز کا وقت آجاتا ہے۔پس اگر میں اور میری بیوی نماز پڑھے تو وہ میرے محاذات میں ہوتی ہے اور اگر وہ میرے پیچھے نماز پڑھے تو وہ مکان سے باہر ہو جائے گی۔حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کپڑے کا ستر کرلو۔پھر وہ تمہارے محاذات میں نماز پڑھے اگر تم چاہو (ب) امام ابوحنیفہ نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے خبر دی ہے کہ کہا جب عورت مرد کے پہلو میں نماز پڑھے اور دونوں ایک ہی نماز میں ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔راوی کہتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں یہ ابوحنیفہ کا قول ہے (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضورؐ کے سامنے سوتی تھی اور میرے دونوں پاؤں قبلہ کی طرف ہوتے تھے۔پس جب وہ سجدہ فرماتے تو مجھ کو ٹہو لتے تو میں دونوں پاؤں سکیڑ لیتی۔پس جب آپ کھڑے ہوتے تو میں ان کو پھیلا دیتی۔

[۲۳۶] (۶۶) ولا بأس بان تخرج العجوز فی الفجر والمغرب والعشاء عند ابی حنیفة رحمه الله وقال ابو یوسف و محمد یجوز خروج العجوز فی سائر الصلوة

النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل (الف) (مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ ص ۱۸۳ نمبر ۴۴۵ رابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد ص ۹۱ نمبر ۵۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کی عورتوں کو حضور منع فرماتے تو آج کل کی عورتوں کو کیوں نہ روکا جائے (۳) عن عبد الله عن النبی ﷺ قال صلوة المرأة فی بیتها افضل من صلوتها فی حجرتها وصلوتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد ص ۹۱ نمبر ۵۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔لیکن گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔اور یہی مسجد میں جانے کے مکروہ ہونے کی دلیل ہے۔مسجد جانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ قال : لا تمنعوا اماء الله مساجد الله ولکن لیخرجن وهن تفلات (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد، ص ۹۱، نمبر ۵۶۵ رمسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ، ص ۱۸۳، نمبر ۴۴۲)

[۲۳۶] (۶۶) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ بوڑھی عورتیں فجر، مغرب اور عشا میں مسجد کے لئے نکلیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔اور صاحبین نے فرمایا کہ تمام نمازوں میں بوڑھی عورتوں کا نکلنا جائز ہے۔

وجہ بوڑھی عورتوں میں رغبت کم ہوتی ہے اور خاص طور پر فجر، مغرب اور عشا میں شریر لوگ سوئے ہوتے ہیں اس لئے بوڑھیوں کے لئے جائز ہے کہ وہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے جائیں۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بوڑھیوں میں رغبت کم ہونے کی وجہ سے تمام ہی نمازوں میں جاسکتی ہیں۔دلیل یہ حدیث ہے قال رسول الله ﷺ ایما امرأة اصابت بخورا فلا تشهد معنا العشاء الآخرة (ج) (مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد ص ۱۸۳ نمبر ۴۴۴) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی عورت جس میں رغبت ہو وہ مسجد میں حاضر نہ ہوں۔دوسرا اثر یہ ہے عن عبد الله ابن مسعود قال والذی لا اله غیره ما صلت امرأة صلوة خیر لها من صلوة تصلیها فی بیتها الا ان یکون مسجد الحرام او مسجد الرسول ﷺ الا عجوزا فی منقلها (د) (سنن للبیہقی، باب خیر مساجد النساء قعر بیوتھن ج ثالث ص ۱۸۸، نمبر ۵۳۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بوڑھی عورت وہ بھی بغیر عطر اور بھڑ کیلے کپڑے کے مسجد میں جاسکتی ہے۔

فائدہ جن حضرات نے عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دی وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عبد الله بن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ یقول لا تمنعوا نسائکم المساجد اذا استأذنکم الیها فقال بلال بن عبد الله والله لنمنعهن (ہ)

حاشیہ : (الف) اگر حضورؐ دیکھ لیتے جو آج کل عورتوں نے پیدا کیا ہے تو ان کو مسجدوں سے روک دیتے۔جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں (ب) آپؐ نے فرمایا عورت کی نماز گھر میں زیادہ بہتر ہے اس کی نماز سے جو کمرے میں ہو۔اور اس کی نماز چھوٹی سی کوٹھری میں ہو تو زیادہ بہتر ہے جو گھر میں ہو (ج) آپؐ نے فرمایا کوئی عورت عطر لگائے تو وہ ہمارے ساتھ عشا کی نماز میں نہ آئے (د) عبد اللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا اللہ کی قسم نہیں پڑھی عورت نے کوئی بہتر نماز جو اس نے گھر میں پڑھی ہو۔مگر یہ کہ مسجد حرام میں یا مسجد رسولؐ میں پڑھی ہو۔مگر یہ کہ بوڑھی ہو جو بغیر نعل کے موزے میں آئی ہو (ہ) آپؐ نے فرمایا تم لوگ اپنی عورتوں کو (باقی اگلے صفحہ پر)

[٢٣٧](٦٧)ولا یصلی الطاھر خلف من بہ سلسل البول ولا الطاھرات خلف المستحاضۃ [٢٣٨](٦٨) ولا القارئ خلف الامی ولا المکتسی خلف العریان[٢٣٩] (٦٩) ویجوز ان یؤم المتیمم المتوضئین والماسح علی الخفین الغاسلین.

(مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد ص١٨٣ نمبر ٤٤٢) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں مسجد میں جانا چاہیں تو اس کو منع نہیں کرنا چاہئے۔لیکن خود اس حدیث میں ہے کہ راوی کے بیٹے بلال نے فرمایا کہ میں تو روکونگا تا کہ وہ اس کو دھوکا کی چیز نہ بنالیں۔رات میں عورتیں جماعت میں حاضر ہوں ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد (بخاری شریف، باب ھل علی من لایشھد الجمعۃ غسل من النساء والصبیان ص١٢٣، ابواب الجمعۃ نمبر ٨٩٩)

[٢٣٧](٦٧) پاک آدمی اس کی اقتدا میں نماز نہ پڑھے جس کو سلسل البول ہے اور نہ پاک عورتیں مستحاضہ عورت کے پیچھے۔

وجہ قاعدہ ہے کہ امام اعلی درجہ کا ہو یا مقتدی سے برابر درجہ کا ہو یا امام مقتدی سے تھوڑا سا کم ہو تو اقتدا جائز ہے۔اور اگر امام مقتدی سے بہت کم درجہ کا ہو تو ایسے امام کی اقتدا جائز نہیں ہے۔اب اس اصول پر بہت سے مسائل متفرع ہیں۔اب سلسل البول والا جس کو مسلسل پیشاب آتا ہو پاک آدمی سے بہت کم درجہ کا ہے۔کیونکہ سلسل البول والا معذور ہے اور پاک معذور نہیں ہے۔اس لئے پاک آدمی کے لئے سلسل البول کی اقتدا کرنا جائز نہیں ہے (٢) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص ٥١ نمبر ٢٠٧) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام ضامن ہے۔اس لئے ضامن کو مضبوط ہونا چاہئے اور اعلی درجہ کا ہونا چاہئے یا کم از کم برابر درجہ کا ہونا چاہئے۔اور سلسل البول یا مستحاضہ پاک آدمی سے نیچے درجے کے ہیں۔اس لئے اقتدا جائز نہیں ہے **اصول** (١) امام ضامن ہے (٢) امام کو اعلی یا برابر درجہ کا ہونا چاہئے

[٢٣٨](٦٨) اور نہیں جائز ہے اقتدا پڑھنے والے کی امی کے پیچھے اور نہ کپڑے پہننے والے کی ننگے کے پیچھے۔

تشریح جو آدمی اتنا قرآن شریف جانتا ہے جس سے نماز جائز ہو سکے وہ ایسے آدمی کی اقتدا کرے جو کچھ بھی آیت قرآنی نہیں جانتا ہے تو اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔کیونکہ امی معذور ہے اور قاری معذور نہیں ہے۔اس لئے اصل اور صحیح کی اقتدا معذور کے پیچھے جائز نہیں ہے۔اسی طرح جس کے پاس ستر ڈھکنے کا کپڑا ہے وہ ایسے آدمی کی اقتدا کرے جو بالکل ننگا ہے تو اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔کیونکہ ننگا معذور ہے اور کپڑے والا صحیح اور اصل ہے۔

فائدہ مسئلہ نمبر ٦٥ میں گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہے۔

[٢٣٩](٦٩) جائز ہے کہ تیمم کرنے والا وضو کرنے والے کی امامت کرے اور موزے پر مسح کرنے والا پاؤں کو دھونے والے کی امامت

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) مسجد میں آنے سے مت روکو اگر وہ تم سے اجازت چاہیں۔عبد اللہ کے بیٹے بلال نے کہا کہ ہم تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکیں گے (الف) آپؐ نے فرمایا امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے۔

[۲۴۰](۷۰) ویصلی القائم خلف القاعد.

کرے۔

وجہ (۱) تیمّم کرنے والا پانی نہ ہونے کے وقت وضو کرنے والے کے حکم میں ہے۔ اس لئے دونوں برابر درجے کے ہو گئے۔ اسی طرح موزے پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والے کی طرح ہے۔ اس لئے دونوں برابر درجے کے ہو گئے۔ اس لئے وضو کرنے والے تیمّم کرنے والے، اور پاؤں دھونے والے موزے پر مسح کرنے والے کی اقتدا کر سکتے ہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن عمرو بن العاص قال احتملت فی لیلة باردة فی غزوة ذات السلاسل فاشفقت ان اغتسل فاهلک فتیممت ثم صلیت باصحابی الصبح** (الف) (ابوداؤد شریف، باب اذا خاف الجنب البرد أیتیمم ص ۵۴ نمبر ۳۳۴ / بخاری شریف، باب اذا خاف الجنب علی نفسه المرض او الموت ص ۴۹ نمبر ۳۴۵) اس حدیث میں حضرت عمرو نے جنابت کا تیمّم کر کے ساتھیوں کو نماز پڑھائی ہے۔ جب کہ ساتھی وضو اور غسل والے تھے۔ اور آپ نے اس پر کچھ نہیں کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ تیمّم کرنے والے کے پیچھے وضو کرنے والوں کی اقتدا درست ہے۔ موزے پر مسح کر کے تو آپ نے بار بار وضو کرنے والوں کی امامت کرائی ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ تو عام ہے۔

[۲۴۰](۷۰) کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے گا۔

تشریح امام کو کوئی عذر ہو جس سے وہ بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو اور مقتدی کو کوئی عذر نہ ہو اس لئے وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہو تو بیٹھنے والے امام کی اقتدا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ بیٹھنے والا تقریباً کھڑا ہونے والے کے قریب قریب ہے۔ لیکن مقتدی بیٹھنے والے امام کے پیچھے بیٹھے گا نہیں بلکہ کھڑا رہے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے **دخلت علی عائشة فقلت الا تحدثینی عن مرض رسول الله ﷺ ... فجعل ابو بکر یصلی وهو قائم بصلوة النبی ﷺ والناس بصلوة ابی بکر والنبی قاعد** (ب) (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۷) مسلم شریف اور ابن ماجہ شریف کی حدیث میں تصریح ہے **وقام ابو بکر وکان ابو بکر یأتم بالنبی ﷺ والناس یأتمون بابی بکر قال ابن عباس واخذ رسول الله ﷺ من القراءة من حیث کان بلغ ابو بکر** (ج) (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی صلوۃ رسول اللہ ﷺ فی مرضہ ص ۱۷۴، نمبر ۱۲۳۵ / مسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر الخ ص ۱۷۸ نمبر ۴۱۸) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بیٹھنے والے امام کے پیچھے مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ امام بخاری نے فیصلہ دیا ہے کہ **ثم صلی بعد ذلک النبی ﷺ جالسا والناس خلفه قیام لم یأمر هم بالقعود وانما یوخذ بالآخر فالآخر**

حاشیہ: (الف) عمرو بن عاص فرماتے ہیں غزوۂ سلاسل میں ایک ٹھنڈی رات میں احتلام والا ہو گیا تو میں ڈرا کہ اگر میں غسل کروں گا تو ہلاک ہو جاؤں گا تو میں نے تیمّم کیا اور ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی (ب) راوی کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور کہا کہ کیا حضورؐ کے مرض کے بارے میں بیان نہیں کریں گے؟ ... تو ابو بکر نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ حضور کی اقتدا کرتے تھے اور لوگ ابو بکر کی اقتدا کرتے تھے۔ اور حضورؐ بیٹھے ہوئے تھے (ج) ابو بکر کھڑے تھے اور ابو بکر حضور کی اقتدا کرتے تھے اور لوگ ابو بکر کی۔ ابن عباسؓ نے کہا حضورؐ نے وہاں سے قرأت شروع کی جہاں ابو بکر پہنچے۔

[۲۴۱](۷۱) ولا یصلی الذی یرکع و یسجد خلف المؤمی[۲۴۲] (۷۲)ولا یصلی المفترض خلف المتنفل.

من فعل النبی ﷺ (الف) (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۶ نمبر ۶۸۹) اس سے بھی معلوم ہوا کہ بخاریؒ فرماتے ہیں مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ کیونکہ قیام فرض ہے بغیر عذر کے ساقط نہیں ہوتا۔

فائدہ بعض حضرات کی رائے ہے کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی کو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہئے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة ام المؤمنین انها قالت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی بیته و هو شاک فصلی جالسا وصلی ورائه قوم قیاما فاشار الیهم ان اجلسوا فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم به فاذا رکع فارکعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولک الحمد واذا صلی جالسا فصلوا جلوسا اجمعون (ب) (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۹ / ابو داؤد شریف، باب الامام یصلی من قعود ص ۹۶ نمبر ۶۰۱) اس حدیث میں آپؐ نے بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ خود بخاریؒ فرماتے ہیں کہ پہلا عمل منسوخ ہے۔

[۲۴۱] (۷۱) جو آدمی رکوع اور سجدہ کرتا ہو وہ اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

تشریح جو آدمی عذر کی بنا پر اشارہ کر کے نماز پڑھتا ہو، رکوع اور سجدہ نہ کر سکتا ہو وہ معذور ہے۔ اس لئے اس کے پیچھے رکوع سجدہ کرنے والا جو گویا کہ تندرست ہے کا اقتدا کرنا صحیح نہیں ہے۔ دلیل مسئلہ نمبر ۶۷ میں گزر گئی ہے۔

[۲۴۲] (۷۲) فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

وجہ پہلے مسئلہ نمبر ۶۷ میں گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہے اس لئے اس کو اعلی درجہ کا ہونا چاہئے۔ یا کم سے کم برابر درجہ کا ہونا چاہئے۔ اور فرض پڑھنے والا اعلی ہے اور نفل پڑھنے والا ادنی ہے اس لئے فرض پڑھنے والے کو نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے (۲) اس حدیث سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال انما جعل الامام لیوتم به فلاتختلفوا علیه (ج) (مسلم شریف، باب ائتمام الماموم بالامام ص ۱۷۷ نمبر ۴۱۴) اس حدیث میں ہے کہ امام اقتدا کرنے کے لئے ہے اس لئے اس سے اختلاف نہ کرو۔ اور یہاں اعلی کا ادنی درجہ سے اختلاف ہو جاتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک فرض پڑھنے والا کا نفل پڑھنے والی کی اقتدا کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) پھر حضورؐ نے اس کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ ان کے پیچھے کھڑے تھے۔ ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا۔ آپ کے فعل کا اخیر معاملہ لیا جائے گا (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ اپنے گھر میں بیمار تھے۔ پس بیٹھ کر نماز پڑھی اور ان کے پیچھے قوم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ تو آپؐ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ پس جب فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ امام اس لئے بنایا گیا تا کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ پس جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو۔ جب سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو ربنا لک الحمد کہو۔ اور جب بیٹھ کر نماز پڑھائے تو بیٹھ کر نماز پڑھو (ج) آپؐ نے فرمایا امام اس لئے بنایا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ اس لئے اس کے خلاف نہ کرو۔

[۲۴۳] (۷۳) ولا یصلی فرضا خلف من یصلی فرضا آخر [۲۴۴] (۷۴) ویصلی المتنفل

وجہ ان کے نزدیک امامت کا مطلب ضامن ہونا نہیں ہے بلکہ ایک جگہ مل کر نماز پڑھ لینا ہے۔اس لئے فرض اور نفل کے اختلاف سے فرق نہیں پڑتا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے ان معاذبن جبل کان یصلی مع رسول اللہ العشاء ثم یاتی قومہ فیصلی بھم تلک الصلوۃ (الف) (ابوداؤد شریف، باب امامۃ من صلی بقوم وقد صلی تلک الصلوۃ ص ۹۵ نمبر ۵۹۹) ان معاذا کا یصلی مع النبی ﷺ العشاء ثم ینصرف الی قومہ فیصلی بھم ھی لہ تطوع ولھم فریضۃ (دار قطنی، باب ذکر صلوۃ المفترض خلف المتنفل ج اول ص ۲۸۱ نمبر ۱۰۶۳) اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ حضورؐ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھ کر آتے تھے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فرض پڑھ کر آتے تھے اور قوم کو جب پڑھاتے تو نفل کی نیت کر کے پڑھاتے تھے۔اور خود قوم کی نماز فرض ہوتی تھی۔اس سے پتہ چلا کہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت معاذؓ حضورؐ کے ساتھ فرض کی نیت کر کے عشا کی نماز پڑھتے تھے اور قوم کو نفل کی نیت کر کے پڑھاتے تھے۔بلکہ ایسا بہت ممکن ہے کہ حضورؐ کے ساتھ برکت کے لئے نفل کی نیت کر کے پڑھتے ہوں اور قوم کو فرض کی نیت کر کے پڑھاتے ہوں۔

[۲۴۳] (۷۳) اور نہیں جائز ہے اقتدا کرنا اس کی جو نماز پڑھتا ہو فرض، اس کے پیچھے جو دوسرے فرض پڑھتا ہو۔

تشریح کوئی آدمی مثلا ظہر کا فرض پڑھ رہا ہے وہ ایسے آدمی کی اقتدا نہیں کر سکتا جو عصر کا فرض پڑھ رہا ہے۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہوتا ہے۔اس لئے دونوں کی نیت متحد ہونی چاہئے (۲) اسی طرح مسئلہ نمبر ۲۷ میں حدیث گزری فلا تختلفوا علیہ کہ امام اور مقتدی کے درمیان اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔نماز کا اتحاد ضروری ہے۔اس لئے ایک فرض پڑھنے والا دوسرے فرض پڑھنے والے کی اقتدا نہیں کر سکتا۔تفصیلی دلائل گزر چکے ہیں۔

[۲۴۴] (۷۴) نماز پڑھ سکتا ہے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے پیچھے۔

وجہ (۱) فرض پڑھنے والا اعلی درجہ کا ہوتا ہے اور نفل پڑھنے والا ادنی درجہ کا، اس لئے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتدا کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے عن جابر بن یزید انہ صلی مع رسول اللہ ﷺ وھو غلام شاب فلما صلی اذا رجلان لم یصلیا فی ناحیۃ المسجد فدعا بھما فجیئ بھما ترعد فرائصھما فقال ما منعکما ان تصلیا معنا؟ قالا قد صلینا فی رحالنا قال لا تفعلوا اذا صلی احدکم فی رحلہ ثم ادرک الامام ولم یصل فلیصل معہ فانھا لہ نافلۃ (ب) (ابوداؤد شریف، باب

حاشیہ : (الف) حضرت معاذ بن جبلؓ حضورؐ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھتے پھر اپنی قوم کے پاس آتے پھر ان کو وہی نماز پڑھاتے (ب) جابر بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھی، حضرت جابرؓ جوان تھے۔جب نماز پوری ہوگئی تو دو آدمی مسجد کے کنارے میں تھے۔جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی۔دونوں کو بلایا۔دونوں لائے گئے اس حال میں کہ دونوں کے مونڈھے کانپ رہے تھے۔آپؐ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے تم دونوں کو کس نے روکا؟ دونوں نے کہا کہ ہم نے اپنے کجاوے میں نماز پڑھ لی ہے۔آپؐ نے فرمایا ایسا مت کرو۔جب تم میں سے کوئی ایک کجاوے میں نماز پڑھ لے پھر امام کو پائے کہ انہوں نے نماز نہیں پڑھی ہے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لے، یہ نفل ہو جائے گی۔

خلف المفترض[۲۴۵] (۷۵)ومن اقتدی بامام ثم علم انه علی غیر طهارة اعاد الصلوة

فیمن صلی فی منزلہ ثم ادرک الجماعۃ یصلی معھم ص ۹۲ نمبر ۵۷۵رترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یصلی وحدہ ثم یدرک الجماعۃ ص ۵۲ نمبر ۲۱۹) اس حدیث میں آپؐ نے ترغیب دیدی کہ اگرتم نے پہلے فرض پڑھ لیا ہے پھر بھی اگر فرض کی جماعت ہو رہی ہو تو دوبارہ ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ تا کہ یہ تمہارے لئے نفل ہو جائے۔تو معلوم ہوا کہ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتدا کرسکتا ہے۔

نوٹ حنفیہ کے نزدیک فجر،عصر،مغرب میں فرض پڑھ چکا ہو تو دوبارہ نفل کی نیت کر کے اقتدا نہیں کرے گا۔کیونکہ فجر اور عصر کے بعد کوئی نفل نہیں ہے۔اور مغرب کے بعد نفل ہے لیکن تین رکعت نفل نہیں ہے۔اور مغرب کے فرض والوں کی اقتدا کرے گا تو تین رکعت نفل پڑھنا ہوگا۔ اس لئے ان میں فرض پڑھنے والوں کی اقتدا نہ کرے۔البتہ ظہر اور عشا کی نماز پڑھ چکا ہو پھر فرض کی جماعت ہو رہی ہو تو دوبارہ نفل کی نیت کر کے فرض والوں کی اقتدا کرسکتا ہے۔(۱)اس کی دلیل یہ اثر ہے **ان عبد الله بن عمر کان یقول من صلی المغرب او الصبح ثم ادرکهما مع الامام فلا یعد لهما** (الف)(مؤطا امام مالک، باب العمل فی صلوۃ الجماعۃ، کتاب الصلوۃ ص ۱۱۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مغرب اور صبح کی نماز پڑھ چکا ہو تو دوبارہ اس کی جماعت میں شامل نہیں ہوگا(۲)**عن ابن عباس ان النبی ﷺ نهی عن الصلوة بعد الصبح حتی تشرق الشمس و بعد العصر حتی تغرب** (ب)(بخاری شریف، باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترفع الشمس ص ۸۲ نمبر ۵۸۱)اس سے بھی معلوم ہوا کہ صبح اور عصر کے فرض پڑھنے کے بعد ان کی جماعت ہوتی ہو تو ان میں نفل کی نیت کر کے شریک نہ ہو۔

[۲۴۵](۷۵)اگر کسی نے امام کی اقتدا کی پھر علم ہوا کہ وہ طہارت پر نہیں تھا تو مقتدی بھی نماز لوٹائیں۔

تشریح امام نے جنابت کی حالت میں یا بغیر وضو کے نماز پڑھا دی تو امام کو بھی نماز لوٹانا ہوگی۔کیونکہ اس نے بغیر طہارت کے نماز پڑھائی۔لیکن ساتھ مقتدی کو بھی نماز دہرانی ہوگی۔

وجہ (۱)کیونکہ کہ مقتدی کی نماز امام کے ساتھ اصلاح اور فساد میں متضمن ہے جیسا کہ پہلے قاعدہ اور دلائل کے ساتھ گزر چکا ہے۔اس لئے امام کی نماز فاسد ہونے کی وجہ سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوگی۔اور قابل اعادہ ہوگی(۲)حدیث میں ہے **عن ابی هریرة قال اقیمت الصلوة فسوی الناس صفوفهم فخرج رسول الله ﷺ فتقدم وهو جنب ثم قال علی مکانکم فرجع فاغتسل ثم خرج ورأسه یقطر ماء فصلی بهم** (ج)(بخاری شریف، باب اذا قال الامام مکانکم حتی یرجع انتظروہ، ص ۸۹ نمبر ۶۴۰)اس حدیث سے اتنا معلوم ہوا کہ امام اگر جنبی ہو تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔اور دوسرے اثر میں ہے **عن علی انه صلی بالقوم وهو جنب فاعاد ثم امرهم فاعادوا** (د)(سنن للبیہقی، باب امامۃ الجنب ج ثانی ص ۵۶۰،نمبر ۴۰۷۸ردار قطنی، باب صلوۃ الامام وھو جنب او محدث ج اول

حاشیہ : (الف)عبد اللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جس نے مغرب یا صبح کی نماز پڑھی پھر دونوں نمازوں کو امام کے ساتھ پایا تو اس کو نہ لوٹائے(ب)آپؐ نے نماز سے روکا صبح کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ غروب ہو جائے(ج)ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ نماز کھڑی ہوگئی اور لوگوں نے صف کو سیدھی کی تو حضورؐ نکلے اس حال میں کہ وہ جنبی تھے۔پھر آپؐ نے فرمایا اپنی جگہ پر رہیں۔پھر واپس گئے پھر غسل کیا پھر نکلے اس حال میں کہ سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ پھر ان کو نماز پڑھائی(د)حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے جنبی ہونے کی حالت میں قوم کو نماز پڑھائی تو خود انہوں نے نماز لوٹائی اور قوم کو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۴۶] (۷۶)ویکرہ للمصلی ان یعبث بثوبہ او بجسدہ[۲۴۷](۷۷)ولا یقلب الحصی

ص۳۵۴نمبر۱۳۵۵)عن سعید بن مسیب ان رسول اللہ ﷺ صلی بالناس وھو جنب فاعاد واعادوا (الف)(دار قطنی، باب صلوۃ الامام وھو جنب او محدث ج اول ص۳۵۴ نمبر۱۳۵۴)اس اثر اور حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مقتدی بھی نماز لوٹائیں گے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی پاک ہیں اس لئے ان کی نماز پوری ہوگئی۔صرف امام کو نماز لوٹانا ہوگی۔کیونکہ اس نے بغیر طہارت کے نماز پڑھائی ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن النبی ﷺ ایما امام سھی فصلی بالقوم وھو جنب فقد مضت صلوتھم ثم لیغتسل ھو ثم لیعد صلوتہ وان صلی بغیر وضوء فمثل ذلک (ب)(دار قطنی، باب صلوا الامام وھو جنب او محدث ص۳۵۴ نمبر ۱۳۵۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی طہارت پر ہیں اس لئے ان کی نماز ہو جائے گی اور امام کو نماز لوٹانا ہوگی (۲) امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت کا مطلب یہ ہے کہ سب ایک ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔لیکن امام مقتدیوں کا مکمل ذمہ دار نہیں ہے۔اس لئے امام کے فساد سے مقتدیوں کی نماز کا فساد لازم نہیں آئیگا۔

﴿ مکروہات کا بیان ﴾

[۲۴۶](۷۶) مکروہ ہے نماز پڑھنے والے کے لئے کہ وہ اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھیلے۔

وجہ (۱) نماز میں خشوع وخضوع ہونا چاہئے۔آیت میں ہے قوموا للہ قانتین نماز میں عاجزی سے اور ادب سے اللہ کے سامنے کھڑے رہو۔اس لئے جسم اور کپڑے سے کھیلنا مکروہ ہے (۲) حدیث میں بھی ہے عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم لا اکف شعرا ولا ثوبا (ج)(بخاری شریف، باب لا یکف ثوبہ فی الصلوۃ ص۱۱۳ نمبر ۸۱۶ مسلم شریف، باب اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر والثوب ص۱۹۳ نمبر ۴۹۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑے کو بلا وجہ بار بار سمیٹنا مکروہ ہے تو اس سے کھیلنا بھی مکروہ ہوگا (۳) حدیث میں ہے قال ابو ذر قال رسول اللہ ﷺ لا یزال اللہ عز وجل مقبلا علی العبد وھو فی صلوتہ مالم یلتفت فاذا التفت انصرف عنہ (د)(ابوداؤد شریف، باب الالتفات فی الصلوۃ ص۱۳۸ نمبر ۹۰۹) کھیلنے میں نماز سے دوسری طرف متوجہ ہونا ہوتا ہے اس لئے مکروہ ہے۔اس سے نماز تو فاسد نہیں ہوگی البتہ اچھا نہیں ہے۔

[۲۴۷](۷۷) کنکری کو الٹ پلٹ نہ کرے مگر یہ کہ اس پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ایک مرتبہ کنکری کو برابر کر دے۔

وجہ (۱) کنکری کو بار بار ادھر ادھر کرنا کھیلنا ہے۔جس کو مسئلہ نمبر ۳۷ میں منع کیا گیا ہے (۲) حدیث میں ہے عن معیقیب قال سألت

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) بھی حکم دیا کہ وہ نماز لوٹائیں (الف) آپ نے جنابت کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھائی تو آپ نے بھی نماز لوٹائی اور لوگوں نے بھی نماز لوٹائی (ب) آپ سے روایت ہے کہ جو امام بھی بھول گیا اور قوم کو جنابت کی حالت میں نماز پڑھائی تو قوم کی نماز ہاگئی پھر امام کو غسل کرنا چاہئے پھر اپنی نماز لوٹانا چاہئے۔اور اگر بغیر وضو کے نماز پڑھائی تو اس کا حکم بھی اسی کے مثل ہے (ج) آپ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات عضو پر سجدہ کروں اور نہ بال کو سمیٹوں نہ کپڑے کو سمیٹوں (د) آپ نے فرمایا کہ اللہ ہمیشہ متوجہ رہتے ہیں بندے پر جب تک وہ نماز میں ہوتے ہیں۔اور ادھر ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔پھر جب ادھر ادھر توجہ کرتا ہے تو اللہ بھی رحمت کی توجہ پھیر لیتے ہیں۔

الا ان لا یمکنه السجود علیه فیسویه مرة واحدة [۲۴۸](۷۸)ولا یفرقع اصابعة ولا یتخصر [۲۴۹](۷۹)ولا یسدل ثوبه [۲۵۰](۸۰)ولا یعقص شعره.

رسول الله عن مسح الحصی فی الصلوة فقال ان کنت لا بد فاعلا فمرة واحدة . و فی حدیث آخر عن ابی ذر عن النبی ﷺ قال اذا قام احدکم الی الصلوة فلا یمسح الحصی فان الرحمة تواجهه (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ مسح الحصی فی الصلوۃ ص ۸۷ نمبر ۳۷۹ /ابوداؤد شریف، باب مسح فی مسح الحصی فی الصلوۃ ص ۱۴۳ نمبر ۹۴۶/۹۴۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنکری کو بار بار ہٹانا مکروہ ہے۔ البتہ ضرورت پڑے اور کنکری پر سجدہ کرنا ناممکن ہو تو نماز میں ایک بار اس کو درست کر لے۔

[۲۴۸](۷۸)نہ انگلیاں چٹخائے اور نہ کو لھے پر ہاتھ رکھے۔

تشریح انگلیاں چٹخانا جس کی وجہ سے انگلیوں سے آواز نکلتی ہے نماز میں مکروہ ہے۔ اسی طرح نماز میں کو لھے پر ہاتھ رکھنا یا کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے۔

وجہ عن علی ان رسول الله ﷺ قال لا تفقع اصابعک وانت فی الصلوة (ب)(ابن ماجہ شریف، باب ما یکرہ فی الصلوۃ ص ۱۳۶، نمبر ۹۶۴ /سنن للبیھقی، باب کراھیۃ تفقیع الاصابع فی الصلوۃ ج ثانی ص ۴۱۰، نمبر ۳۵۷۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے۔ کوکھ پر یا کو لھے پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی هريرة عن النبی ﷺ انه نهی ان یصلی الرجل مختصرا (ج)(مسلم شریف، باب کراھیۃ الاختصار فی الصلوۃ ص ۲۰۶ نمبر ۵۴۵ /ابوداؤد شریف، باب التخصر والاقعاء ص ۱۳۷ نمبر ۹۰۳)

[۲۴۹](۷۹)نہ کپڑا لٹکائے۔

تشریح کندھے پر کپڑا ڈال کر دونوں کناروں کو لٹکا ہوا چھوڑ دینا سدل ہے اور یہ مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ نهی عن السدل فی الصلوة وان یغطی الرجل فاه (د)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی السدل فی الصلوۃ ص ۱۰۱ نمبر ۶۴۳ /ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ السدل فی الصلوۃ ص ۸۷ نمبر ۳۷۸)

نوٹ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ایک ہی کپڑا جسم پر ہے اور اس طرح لٹکا ہوا ہو تو چونکہ ستر کھلنے کا خطرہ ہے اس لئے مکروہ ہے۔ اور اگر ازار یا قمیص ہے اور اس پر سدل کر دیا تو مکروہ نہیں (کما قال فی الترمذی فی الباب المذکور) ورنہ تو یہود کا طرز یہی تھا۔ اس کے ساتھ تشابہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔

[۲۵۰](۸۰)اور بالوں کو نہ گوندھے۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضورؐ سے نماز میں کنکری پونچھنے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا اگر ضروری ہو تو ایک مرتبہ ٹھیک کر لو، دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک نماز کے لئے کھڑا ہو تو کنکری نہ پونچھے۔ اس لئے کہ رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے (ب) آپؐ نے فرمایا انگلیاں مت چٹخاؤ جب کہ تم نماز میں ہو (ج) آپؐ نے روکا کہ آدمی کوکھ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھے (د) آپؐ نے روکا نماز میں کپڑا لٹکانے سے اور یہ کہ آدمی اپنے منہ کو نماز میں ڈھانکے۔

[۲۵۱] (۸۱)ولا یکف ثوبہ[۲۵۲] (۸۲)ولا یلتفت یمینا و شمالا[۲۵۳] (۸۳)ولا

تشریح عورتوں کی طرح بال گوندھ کرسر پر لپیٹ لے یہ مکروہ ہے۔کیونکہ عورت کی مشابہت ہے۔

وجہ حدیث میں ہے انہ رأی ابا رافع مولی النبی ﷺ ... انی سمعت رسول اللہ ذلک کفل الشیطان یعنی مغرز ضفرہ (الف)(ابوداؤد شریف، باب الرجل یصلی عاقصا شعرہ ص ۱۰۱ نمبر ۶۴۶)اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی طرح مرد کے لئے بال کا جوڑا بنا کر سر پر گھما کر باندھنا مکروہ ہے۔

[۲۵۱](۸۱) کپڑا نہ سمیٹے۔

تشریح بار بار کپڑا سمیٹنا مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال امرت ان اسجد علی سبعۃ لا اکف شعرا و لا ثوبا (ب)(بخاری شریف، باب لا یکف ثوبہ فی الصلوۃ ص ۱۱۳ نمبر ۸۱۶ رمسلم شریف، باب اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر والثوب وعقص الرأس فی الصلوۃ ص ۱۹۳ نمبر ۴۹۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بار بار کپڑا سمیٹنا مکروہ ہے۔

[۲۵۲](۸۲)نماز میں دائیں بائیں جانب متوجہ نہ ہو۔

تشریح اگر صرف نظریں پھرائیں تو مکروہ ہے۔اور چہرہ پھرایا تو مکروہ تحریمی ہے۔اور سینہ بھی پھر گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے عن عائشۃ قالت سألت رسول اللہ ﷺ عن الالتفات فی الصلوۃ فقال ھو اختلاس یختلسہ الشیطان من صلوۃ العبد (ج)(بخاری شریف، باب الالتفات فی الصلوۃ ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۱ رابوداؤد شریف، باب الالتفات فی الصلوۃ ص ۱۳۸ نمبر ۹۱۰)اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکنا مکروہ ہے۔البتہ بہت ضرورت کے موقع پر نظر پھیرنے کی گنجائش ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے قال سھل التفت ابو بکر فرأی النبی ﷺ وفی حدیث آخر عن ابن عمر انہ قال رأی رسول اللہ ﷺ نخامۃ فی قبلۃ المسجد و ھو یصلی بین یدی الناس فحتھا (د)(بخاری شریف، باب ھل یلتفت لامر ینزل بہ ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۳ رابوداؤد شریف، باب الرخصۃ (النظر فی الصلوۃ)ص ۱۳۹ نمبر ۹۱۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر نظریں پھرا کر دیکھنے کی کراہیت نہیں ہے۔پھر بھی خشوع وخضوع میں خلل آسکتا ہے اس لئے بلا ضرورت نہیں دیکھنا چاہئے۔

[۲۵۳](۸۳) کتے کی طرح نہ بیٹھے۔

حاشیہ : (الف)حضورؐ کے آزاد کردہ غلام ابورافع نے حسن بن علی کو دیکھا کہ وہ مینڈھیا بنائے ہوئے تھے...فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ یہ شیطان کا حصہ ہے یعنی بال گوندھ کر مینڈھیاں بنانا (ب) آپؐ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں اور بال کو نہ سمیٹوں اور کپڑے کو نہ سمیٹوں (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضورؐ سے نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ جھپٹنا ہے کہ شیطان بندہ کی نماز سے جھپٹ لیتا ہے (د)حضورؐ کے مرض وفات کے موقع پر ابو بکرؓ کے نماز پڑھانے کی لمبی حدیث اس میں سہل کی یہ عبارت ہے کہ ابو بکرؓ متوجہ ہوئے اور حضور کو دیکھا۔دوسری حدیث میں ابن عمرؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے مسجد کی قبلہ کی جانب رینٹ دیکھا اس حال میں کہ آپ لوگوں کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے۔پھر آپؐ نے اس کو کھرچا۔

یقعی کاقعاء الکلب[۲۵۴] (۸۴)ولا یرد السلام بلسانہ و یدہ.

تشریح سرین زمین پر رکھ دے اور دونوں گھٹنے سینے سے لگائے اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دے۔ اس انداز سے کتا عموما بیٹھتا ہے اس لئے نماز میں اس انداز سے بیٹھنا مکروہ ہے۔

وجہ عن سمرة بن جندب قال نهی رسول الله عن الاقعاء فی الصلوة (الف) (سنن للبیھقی، باب الاقعاء المکروہ فی الصلوۃ ج ثانی ص ۱۷۳، نمبر ۲۷۳۹) اس سے معلوم ہوا کہ کتے کی طرح بیٹھنا مکروہ ہے۔ حضرت وبوعبید نے بیہقی، نمبر ۲۷۴۳ کے اسی باب میں یہی تفسیر کی ہے۔

نوٹ سجدوں کے درمیان دونوں ایڑیوں کو کھڑی کر کے اس پر سرین رکھ کر بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے سمع طاؤسا یقول قلنا لابن عباس فی الاقعاء علی القدمین فقال هی السنة فقلنا له انا لنراه جفاء بالرجل فقال ابن عباس بل هی سنة نبیک ﷺ (ب) (مسلم شریف، باب جواز الاقعاء علی العقبین ص ۲۰۲ نمبر ۵۳۶/ سنن للبیھقی، باب القعود علی العقبین بین السجدتین ج ثانی ص ۱۷۱، نمبر ۲۷۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایڑیوں پر بیٹھنے کی گنجائش ہے۔

لغت الاقعاء : کتے کی طرح بیٹھنا۔

[۲۵۴] (۸۴) سلام کا جواب زبان سے بھی نہ دے اور ہاتھ کے اشارے سے بھی نہ دے۔

وجہ حدیث میں دونوں طرف کے جواب دینے سے منع فرمایا ہے عن زید ابن ارقم قال کنا نتکلم فی الصلوة یکلم الرجل صاحبه وهو الی جنبه فی الصلوة حتی نزلت و قوموا لله قانتین فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام (ج) (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص ۲۰۴ نمبر ۵۳۹/ ابا داؤد شریف، باب النہی عن الکلام فی الصلوۃ ص ۱۴۴/ ترمذی شریف، باب فی نسخ الکلام فی الصلوۃ ص ۹۲، نمبر ۴۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں زبان سے کلام کرنا جائز نہیں ہے۔ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ بھول سے بھی کلام کلام کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھول کر یا نماز کی اصلاح کے لئے کلام کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل یہ لمبی حدیث ہے جس کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں۔ عن عبد الله قال صلی رسول الله ﷺ فزاد او نقص قال ابراهیم الوهم منی فقیل یا رسول الله انه ازید فی الصلوة شیء؟ فقال انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون فاذا نسی احدکم فلیسجد سجدتین وهو جالس ثم تحول رسول الله فسجد سجدتین (ج) (مسلم شریف، فصل من صلی خمسا اونحوہ فلیسجد سجدتین وکلام الناس للصلوۃ والذی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے نماز میں کتے کی طرح بیٹھنے سے روکا (ب) حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے دونوں قدموں پر بیٹھنے کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا وہ نبی کی سنت ہے۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ پاؤں پر بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بلکہ وہ تیرے نبی کی سنت ہے (ج) زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں بات کیا کرتے تھے۔ آدمی اپنے ساتھی سے بات کرتا اس حال میں کہ وہ نماز میں اس کے پہلو میں ہوتا یہاں تک کہ قوموا للہ قانتین آیت نازل ہوئی تو ہم کو چپ رہنے کا حکم دیا۔ اور بات کرنے سے روک دیا گیا (ج) عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے نماز پڑھائی تو زیادہ کر دیا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۶۵](۸۵)ولا یتربع الا من عذر.

یظن انہ لیس فیھا لا یبطلھا ص ۲۱۳ نمبر ۵۷۲/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی سجدتی السھو بعد السلام والکلام ص ۹۰ نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں اصلاح نماز کے لئے یا بھول کر آپ نے کلام کیا ہے پھر سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کی ہے اس لئے امام شافعی فرماتے ہیں کہ بھول کر یا اصلاح نماز کے لئے کلام کیا ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ خود ترمذی اور مسلم نے باب باندھ کر بتایا ہے کہ کلام کرنا اب منسوخ ہو چکا ہے چاہے جیسا بھی ہو۔ اشارے سے سلام کا جواب دینے کی ممانعت اس حدیث میں ہے۔ عن جابر بن سمرة قال كنا اذا صلينا مع رسول الله ﷺ قلنا السلام عليكم ورحمة الله ،السلام عليكم ورحمة الله واشار بيده الى الجانبين فقال رسول الله ﷺ علام تؤمون بايديكم كانها اذناب خيل شمس انما يكفى احدكم اى يضع يده على فخذه ثم يسلم على اخيه من على يمينه و شماله (الف) (مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنہی عن الاشارۃ بیدہ الخ ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۱/ ابوداؤد شریف، باب رد السلام فی الصلوۃ ص ۱۴۰ نمبر ۹۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کے اشارے سے بھی سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے

فائدہ بعض ائمہ کے نزدیک تھوڑے سے اشارے سے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن صهيب قال مررت برسول الله ﷺ وهو يصلى فسلمت عليه فرد الى اشارة وقال لا اعلم الا انه قال اشارة باصبعه (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاشارۃ فی الصلوۃ ص ۸۵ نمبر ۳۶۷/ ابوداؤد شریف، باب رد السلام فی الصلوۃ ص ۱۴۰ نمبر ۹۲۵/ ابوداؤد شریف، باب الاشارۃ فی الصلوۃ ص ۱۴۳ نمبر ۹۴۳/ مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ نمبر ۵۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ پہلی احادیث کی وجہ سے منسوخ ہے۔ اس لئے مکروہ ہے۔ البتہ چونکہ نہ یہ کلام ہے اور نہ عمل کثیر ہے اس لئے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

[۲۵۵](۸۵) پالتی مار کر نہ بیٹھے مگر عذر سے۔

وجہ نماز میں پالتی مار کر بیٹھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس لئے یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ حدیث سے ثابت کیا کہ نماز میں افتراش سے بیٹھنا سنت ہے۔ حدیث میں ہے فقال ابو حميد الساعدى ... فاذا جلس فى الركعتين جلس على رجله اليسرى و نصب اليمنى فاذا جلس فى الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى و نصب الاخرى وقعد على مقعدته (ج) (بخاری شریف، باب سنۃ

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) یا کم کیا، ابراہیم نے کہا کہ یہ وہم میری جانب سے ہے۔ تو آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ کیا نماز میں زیادتی ہوگئی ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔ میں بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو۔ پس جب تم میں سے کوئی بھول جائے تو دو سجدۂ سہو کرنا چاہئے بیٹھے بیٹھے۔ پھر حضور پھرے اور دو سجدے کئے (الف) ہم حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھتے اور کہتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور دونوں جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے تو آپؐ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے کیوں اشارہ کرتے ہو۔ جیسے کہ بھاگنے والے گھوڑے کی دم ہو۔ تم میں سے کسی کے لئے اتنا کافی ہے کہ اپنے ہاتھ کو ران پر رکھے پھر اپنے بھائی پر دائیں جانب اور بائیں جانب سلام کرے (ب) حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے قریب سے گزرا اس حال میں کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے آپؐ پر سلام کیا تو آپؐ نے مجھ کو اشارے سے جواب دیا۔ راوی کہتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے انگلیوں سے اشارہ کیا (ج) ابوحمید ساعدی نے فرمایا... پس جب کہ دو رکعت میں بیٹھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کیا۔ پس جب کہ آخری رکعت میں بیٹھے تو بائیں پاؤں کو آگے کیا اور دوسرے پاؤں کو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۵۶] (۸۶)ولا يأكل ولا يشرب[۲۵۷](۸۷)فان سبقه الحدث انصرف وتوضأ وبنى على صلوته ان لم يكن اماما.

الجلوس فی التشہد ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۸ مسلم شریف، باب ما یجمع صفۃ الصلوۃ وما یفتتح بہ ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ افتراش بیٹھنا سنت ہے یا تورک بیٹھنا سنت ہے۔اس لئے نماز میں پالتی مار کر بیٹھنا مکروہ ہے قال عبد الله (بن مسعود) لان اجلس على رضفين خير من ان اجلس في الصلوة متربعا (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الاقعاء فی الصلوۃ ج ثانی ص ۱۹۶ نمبر ۳۰۵۲)

نوٹ کبھی کبھار حضورؐ اور صحابہ پالتی مار کر بیٹھتے تھے اس لئے یہ مکروہ تحریمی نہیں ہے۔عذر ہو تو ایسا بھی بیٹھنا جائز ہے۔

[۲۶۶] (۸۶) اور نہ کھائے اور نہ پیئے۔

وجہ جب نماز میں ادھر ادھو متوجہ ہونے سے منع فرمایا ہے تو کھانا پینا بدرجۂ اولی مکروہ ہوگا۔اور چنے کی مقدار سے زیادہ کھایا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

[۲۵۷] (۸۷) اگر خود بخود حدث ہو جائے تو واپس لوٹے گا اور وضو کرے گا اور پہلی نماز پر بنا کرے گا اگر امام نہ ہو۔

تشریح کسی کو خود بخود حدث ہو گیا ہو تو واپس جا کر وضو کرے گا اور واپس آ کر پہلی نماز پر بنا کرے گا۔اگر پہلے مثلا ظہر کی دو رکعت پڑھ چکا ہے تو وضو سے واپس آ کر دو رکعت اور پڑھ کر چار رکعت پوری کرے گا۔لیکن اس کے لئے چار شرطیں ہیں (۱) اس درمیان دوبارہ جان کر حدث نہ کیا ہو (۲) بات نہ کی ہو (۳) نماز توڑنے کا اور کوئی کام نہ کیا ہو (۴) اور ضرورت سے زیادہ نہ ٹھہرا ہے۔تو بنا کر سکتا ہے۔اور اگر ان میں سے کوئی ایک کام کر لیا تو شروع سے نماز پڑھے گا۔اور یہ جو آیا گیا، قبلہ سے سینہ پھرا یہ معاف ہے۔کیونکہ حدیث میں ہے اس لئے خلاف قیاس اس کو جائز قرار دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جو حدث بار بار ہو سکتا ہے اسی میں بنا کر سکتا ہے۔لیکن جو حدث کبھی کبھار ہوتا ہے جیسے احتلام ہوتا تو اس میں بنا نہیں کرے گا بلکہ شروع سے نماز پڑھے گا۔

وجہ عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ من اصابه قيء او رعاف او قلس او مذى فلينصرف فليتوضأ ثم ليبن على صلوته وهو في ذلك لا يتكلم (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی البناء علی الصلوۃ ص ۱۷۱، نمبر ۱۲۲۱ دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف الخ ص ۱۶۰ نمبر ۵۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنا کر سکتا ہے۔لیکن شروع سے نماز پڑھے تو بہتر ہے۔کیونکہ یہ مسئلہ خلاف قیاس ہے۔حدیث میں ہے عن على بن طلق قال قال رسول الله ﷺ اذا فساء احدكم في الصلوة فلينصرف فليتوضأ وليعد الصلوة (ج) (ابوداؤد شریف، باب اذا احدث فی الصلوۃ، ص ۱۵۱ نمبر ۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع سے پڑھنی چاہئے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کو کھڑا کیا اور اپنے مقعد پر بیٹھے (الف) دو انگارے پر بیٹھوں یہ بہتر ہے کہ نماز میں پالتی مار کر بیٹھوں (ب) آپؐ نے فرمایا کسی کو کوئی قے ہوئی ہو یا نکسیر پھوٹی ہو یا پانی کی قے ہوئی ہو یا مذی نکلی ہو تو واپس لوٹنا چاہئے اور وضو کرنا چاہئے پھر اپنی نماز پر بنا کرنا چاہئے، بشرطیکہ اس نے اس درمیان بات نہ کی ہو (ج) آپؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز میں حدث کر دے تو پھر جانا چاہئے اور وضو کرے اور اپنی نماز کو لوٹائے۔

[۲۵۸](۸۸)فان کان اماما استخلف وتوضأ وبنی علی صلوته مالم یتکلم والاستیناف افضل[۲۵۹] (۸۹)وان نام فاحتلم او جن او اغمی علیه او قهقه استأنف الوضوء والصلوة [۲۶۰](۹۰)وان تکلم فی صلوته ساهیا او عامدا بطلت صلوته.

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حدث ہونے کی صورت میں شروع سے نماز پڑھے اور ان کی دلیل یہی ابو داؤد شریف والی حدیث ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں احادیث جمع کرنے کے بعد ابو داؤد کی حدیث افضل ہونے پر محمول ہے۔

[۲۵۸](۸۸)اور اگر امام ہے تو خلیفہ بنائے گا اور وضو کرے گا اور بنا کرے گا اپنی نماز پر جب تک بات نہ کی ہو اور شروع سے نماز پڑھنا بہتر ہے۔

وجہ امام ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو اپنا خلیفہ بنانا پڑے گا تا کہ خلیفہ مقتدیوں کو نماز پڑھائے۔ اور اصلی امام وضو کر کے نماز پر بنا کرے گا۔ خلیفہ بنانے کے لئے یہ حدیث ہے دخلت علی عائشة فقلت لها الا تحدثینی عن مرض رسول الله ﷺ ... وکان ابو بکر یصلی وهو قائم بصلوة النبی ﷺ والناس یصلون بصلوة ابی بکر (الف)(مسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر ص ۱۷۷ نمبر ۴۱۸ ربخاری شریف، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر امام خلیفہ بنائے گا۔ کیونکہ ابو بکر کی جگہ پر حضورؐ نے نماز پڑھائی۔

نوٹ جب تک بات نہ کرنے کی شرط حدیث میں گزر گئی اور اسی سے معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر کوئی حدث کیا ہو تو بنا نہیں کرے گا۔ شروع سے نماز پڑھے گا۔

[۲۵۹](۸۹)اور اگر سو گیا اور احتلام ہوا یا جنون ہوا یا بے ہوشی طاری ہوئی یا قہقہہ مار کر ہنسا تو وضو دوبارہ کرے گا اور نماز بھی دوبارہ پڑھے گا

وجہ یہ سب امور کبھی کبھار پیش آتے ہیں اس لئے حدیث کی بنا پر اس میں بنا نہیں کرے گا۔ کیونکہ حدیث میں ان چیزوں میں بنا کرنے کا جواز ہے جو بار بار پیش آتے ہوں لغت اغمی : بے ہوشی طاری ہونا۔

نوٹ سویا اور احتلام ہوا کی قید اس لئے لگائی کہ تھوڑا سویا اور احتلام ہوا تو شروع سے کرے گا اور اگر بہت سویا تو خود سونا بھی ناقض وضو ہے۔

[۲۶۰](۹۰)اگر نماز میں بھول کر بات کی یا جان کر بات کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے عن زید بن ارقم قال کنا نتکلم فی الصلوة ،یکلم الرجل صاحبه وهو الی جنبه فی الصلوة حتی نزلت وقوموا لله قانتین فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام (ب)(مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوة ونسخ ما کان من

حاشیہ : (الف) میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور کہا حضورؐ کے مرض الوفات کے سلسلے میں آپ بیان کریں گے؟...ابو بکرؓ کھڑے ہو کر حضور کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اور لوگ ابو بکر کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے (ب) زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں بات کرتے تھے۔ آدمی نماز میں اپنے بغل والے ساتھی سے بات کرتا تھا یہاں تک کہ قوموا للہ قانتین آیت نازل ہوئی تو ہم کو چپ رہنے کا حکم دیا اور بات کرنے سے روک دیا گیا۔

[۲۶۱] (۹۱) وان سبقه الحدث بعد ما قعد قدر التشهد توضأ وسلم [۲۶۲] (۹۲) وان تعمد الحدث فی هذه الحالة او تکلم او عمل عملا ینافی الصلوة تمت صلوته.

اباحتہ ص۲۰۴ نمبر ۵۳۹ رابوداؤد شریف، باب النہی عن الکلام فی الصلوۃ ص۱۴۴ نمبر ۹۴۹ رترمذی شریف، باب فی نسخ الکلام فی الصلوۃ ص۹۲ نمبر ۴۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کرنا جائز نہیں ہے۔ اور چونکہ نماز کی حالت نماز کو یاد کرنے کی حالت ہے اس لئے اس میں بھول کر کلام کرنا بھی نماز کو فاسد کرے گا۔ چنانچہ دوسری حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے عن معاویة بن حکم السلمی قال بینا انا اصلی مع رسول الله ﷺ ... ثم قال ان هذه الصلوة لا یصلح فیها شیء من کلام الناس انما هو التسبیح والتکبیر وقراءة القرآن (الف) (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص۲۰۳ نمبر ۵۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز لوگوں کے کلام کی کچھ بھی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھول کر بولنا بھی نماز کو فاسد کرے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھول کر کلام کرنے سے اور امام مالکؒ کے نزدیک اصلاح نماز کے لئے کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

وجہ ان کی دلیل ذوالیدین والی مشہور حدیث ہے۔ جو مسئلہ نمبر ۸۴ میں گزر گئی۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ اب کلام کرنا منسوخ ہو گیا جیسا کہ مسلم نے اور امام ترمذی نے خود اپنی کتاب میں نسخ الکلام اور تحریم الکلام باب باندھ کر بتایا کہ بعد میں ہر قسم کا کلام منسوخ ہو گیا۔ اس لئے اب بھول کر بھی کلام کرے گا تو چونکہ نماز یاد دلانے والی حالت ہے اس لئے وہ فاسد ہو جائے گی۔

[۲۶۱] (۹۱) اور اگر حدث لاحق ہو گیا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد تو وضو کرے گا اور سلام کرے گا۔

وجہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خود بخود حدث ہو گیا تو تشہد کی مقدار بیٹھنا آخری فرض تھا جو پورا ہو گیا لیکن ابھی سلام کرنا جو واجب ہے وہ باقی ہے اس لئے اس کو دوبارہ وضو کر کے نماز پر بنا کرنا چاہئے اور سلام کرنا چاہئے۔

[۲۶۲] (۹۲) اور اگر جان بوجھ کر حدث کیا اس حالت میں یا بات کی یا ایسا عمل کیا جو نماز کے منافی ہے تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔

وجہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر حدث کرنے سے اس کے ذمہ کوئی فرض باقی نہیں رہا تھا صرف سلام کرنا واجب باقی رہا تھا۔ اس لئے نماز ایک حیثیت سے پوری ہو گئی تھی لیکن سلام چھوڑا اس لئے اچھا نہیں کیا تھا اور بنا اس لئے نہیں کر سکتا کہ جان بوجھ کر قاطع اور مانع لے آیا اس لئے نماز پر بنا بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہی کہا جائے گا کہ نماز پوری ہو گئی لیکن واجب کی کمی کے ساتھ (۲) نماز پوری ہونے کی دلیل حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوة وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلوته ومن کان خلفه ممن اتم الصلوة (ب) (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد یا یرفع رأسہ ص۹۸ نمبر ۶۱۷ ردار قطنی، باب من احدث قبل التسلیم فی آخر صلوتہ او احدث قبل تسلیم الامام فقد تمت صلوتہ ص۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کی

حاشیہ : (الف) ہم حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے... پھر آپؐ نے فرمایا یہ نماز صلاحیت نہیں رکھتی ہے اس میں لوگوں کے کلام کی۔ وہ صرف تسبیح، تکبیر اور قرأت قرآن ہے (ب) آپؐ نے فرمایا اگر امام نماز پوری کر دے اور بیٹھ جائے پھر حدث کرے بات کرنے سے پہلے (یعنی سلام کرنے سے پہلے) تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔ اور جو لوگ ان کے پیچھے ہیں ان میں سے ہوں گے جنہوں نے نماز پوری کر لی۔ یعنی ان کی بھی نماز پوری ہو گئی۔

[۲۶۳] (۹۳)وان رأی المتیمم الماء فی صلوته بطلت صلوته[۲۶۴](۹۴)وان راٰہ بعد

مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو نماز پوری ہوگئی۔ بلکہ کوئی آدمی امام کے پیچھے ہو اور امام کے سلام کرنے سے پہلے اس نے جان بوجھ کر حدث کر دیا تو اس کی آدمی کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اور چہ اس پر سلام کا واجب باقی رہا۔ حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال اذا جلس الامام فی آخر رکعۃ ثم احدث رجل من خلفہ قبل ان یسلم الامام فقد تمت صلوتہ (الف) (دار قطنی، باب من احدث قبل التسلیم ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی بھی مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد حدث کر دے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سلام فرض ہے اس لئے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو چونکہ فرض باقی رہ گیا اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی عن النبی ﷺ قال مفتاح الصلوۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء مفتاح الصلوۃ الطھور ص ۵ نمبر ۳ / ابو داؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ من آخر رکعتہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث کی وجہ سے جس طرح طہارت اور تکبیر تحریمہ فرض ہیں اسی طرح ان کے یہاں سلام بھی فرض ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ طہارت اور تکبیر تحریمہ فرض ہونے کی وجہ دوسری آیتیں ہیں صرف یہ حدیث نہیں ہے۔

[۲۶۳] (۹۳) اگر تیمم کرنے والے نے نماز کے درمیان پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

وجہ (۱) تیمم کرنے سے پہلے اس نے جان کر حدث کیا تھا پھر تیمم کرنا حدث کے لئے چھپانے کی چیز بن گئی لیکن تشہد سے پہلے پانی پر قدرت ہوئی تو جان کر حدث کیا ہوا واپس آ گیا۔ کیونکہ خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی اور ابھی فرض باقی ہے اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی شروع سے نماز پڑھے۔ (۲) اثر میں ہے عن الحسن انہ قال فی متیمم مر بماء غیر محتاج الی الوضوء فجاوزہ فحضرت الصلوۃ ولیس معہ ماء قال یعید التیمم لان قدرتہ علی الماء تنقض تیممہ الاول (مصنف بن ابی شیبۃ ۲۳۲ فی متیمم مر بماء جاوزہ، ج اول، ص ۱۶۷، نمبر ۲۰۲۶) وضو کر کے بنا اس لئے نہیں کر سکتا ہے کہ (۱) تیمم سے پہلے جان کر حدث کیا تھا اور پہلے گزر چکا ہے کہ جان کر حدث کرے گا تو بنا نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ قاطع اور مانع درمیان میں آ گیا۔ بنا اس لئے بھی نہیں کر سکتا کہ یہ معاملہ کبھی کبھار پیش آتا ہے۔

[۲۶۴] (۹۴) اور اگر پانی دیکھا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد (تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز باطل ہوگئی اور صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہو گئی)

وجہ (۱) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پانی پر قدرت ہوئی تو فرائض اگر چہ پورے ہو چکے ہیں لیکن ابھی بھی تین کام باقی ہیں، درود شریف، دعا اور سلام تو گویا کہ نماز باقی ہے اس لئے درمیان نماز میں خلیفہ کے بجائے اصل پر قادر ہو گیا اور اصل کی بنا کمزور پر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا امام آخری رکعت میں بیٹھ جائے پھر امام کے سلام کرنے سے پہلے پیچھے والا کوئی آدمی حدث کر دے تو اس آدمی کی نماز پوری ہو جائے گی (ب) آپؐ نے فرمایا نماز کا شروع پاکی ہے، اس کا تحریمہ باندھنا تکبیر کہنا ہے اور اس سے نکلنا سلام کرنا ہے۔

ما قعد قدر التشهد [۲۶۵](۹۵)او کان ماسحا فانقضت مدة مسحه او خلع خفيه بعمل قليل او كان اميا فتعلم سورة اوعريانا فوجد ثوبا.

نہیں ہوسکتی اس لئے نماز باطل ہوجائے گی اور شروع سے نماز پڑھنا ہوگا۔

وجہ صاحبین فرماتے ہیں کہ فرائض تو سارے پورے ہو چکے ہیں اب صرف واجب یاسنن باقی ہیں۔اور پہلے مسئلہ نمبر۹۲ میں گزر چکا ہے کہ تشہد کے بعد حدث کردے تو نماز پوری ہوجاتی ہے۔تو یہاں گویا کہ تشہد کے بعد حدث کیا اس لئے نماز پوری ہوجائے گی (۲) مسئلہ نمبر۹۲ کی حدیث کے علاوہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے **ان رسول الله ﷺ اخذ بيد عبد الله فعلمه التشهد فى الصلوة فذكر مثل دعاء حديث الاعمش اذا قلت هذا او قضيت هذا فقد قضيت صلوتك ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد** (الف)(ابوداؤد شریف، باب التشہد ص۱۴۶)اس حدیث نمبر۹۷۰ میں فرمایا گیا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے یا پڑھنے کے بعد نماز پوری ہوگئی۔اب چاہے تو بیٹھے رہے اور دعا پڑھے اور سلام کرے اور چاہے تو کھڑا ہوجائے۔اس لئے تشہد کے بعد پانی پر قدرت ہوئی تو اس سے پہلے نماز پوری ہوچکی ہے۔اس لئے تشہد کے بعد پانی دیکھنے سے تیمم کرنے والے کی نماز پوری ہوجائے گی۔

نوٹ یہی قاعدہ اور اصول اور اختلاف اگلے گیارہ مسئلوں میں ہیں۔

اصول امام ابوحنیفہ: سلام کرنے سے پہلے نماز میں خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی تو نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ ابھی نماز باقی ہے۔

اصول صاحبین : تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی تو چونکہ تمام فرائض پورے ہو چکے ہیں اس لئے نماز پوری ہوگئی کمی کے ساتھ۔

[۲۶۵](۹۵) یا موزے پر مسح کرنے والا تھا اور موزے کی مدت ختم ہوگئی یا دونوں موزے عمل قلیل سے کھل گئے یا امی تھا سورۃ سیکھ لی یا ننگا تھا اور کپڑے پالئے۔

تشریح موزے پر مسح کرنے والا تھا اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد مسح کی مدت ختم ہوگئی اور گویا کہ وضو ٹوٹ گیا یا دونوں موزے عمل قلیل سے کھل گئے۔کیونکہ عمل کثیر سے کھلے تو خود عمل کثیر سے نماز فاسد ہوجائے گی۔موزہ کھلنے کی بات تو بعد کی ہے۔اس لئے عمل قلیل سے کھلنے کی قید لگائی تا کہ یہ مسئلہ بن سکے کہ موزہ کھلنے کی وجہ سے اس کا وضو تشہد کے بعد ٹوٹ گیا۔یا ایک آیت بھی یاد نہیں تھی کہ قرأت کی وجہ سے نماز ہو سکے۔تشہد کے بعد اس نے تین آیتیں سیکھ لی اور اصل پر قدرت ہوگئی۔یا ننگا تھا اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اتنا کپڑا مل گیا جس سے نماز جائز ہوسکتی تھی۔اس میں بھی اصل پر قدرت ہوگئی تو امام اعظم کے نزدیک پچھلے دلائل کی وجہ سے نماز باطل ہوگی اور صاحبین کے نزدیک ان تمام صورتوں میں نماز پوری ہوجائے گی۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے عبداللہ بن مسعود کا ہاتھ پکڑا اور ان کو نماز میں پڑھنے کا تشہد سکھلایا۔پھر اعمش کی حدیث کی دعا کی طرح راوی نے ذکر کیا۔آپؐ نے فرمایا جب کہ تم یہ تشہد کرلو یا اس کو پوری کرلو تو تمہاری نماز پوری ہوگئی اگر کھڑا ہونا چاہو تو کھڑے ہوجاؤ اور اگر بیٹھے رہنا چاہو تو بیٹھے رہو (اور دعا پڑھو)

[۲۶۶](۹۶)او مومیا فقدر علی الرکوع والسجود او تذکر ان علیه صلوۃ قبل هذه [۲۶۷](۹۷)او احدث الامام القاریٔ فاستخلف امیا [۲۶۸] (۹۸)او طلعت الشمس فی صلوۃ الفجر[۲۶۹](۹۹)او دخل وقت العصر فی الجمعة.

لغت خلع : موزہ کھل گیا، امی : جو پڑھنا نہ جانتا ہو، ایک آیت بھی یاد نہ ہو، عریانا : ننگا۔

[۲۶۶](۹۶) یا اشارہ کرنے والا تھا اور رکوع سجدہ پر قدرت ہوگئی یا یاد آ گئی کہ اس پر اس سے پہلے کی نماز قضا تھی۔

تشریح آدمی صاحب ترتیب تھا اور اس پر پانچ نمازوں سے کم قضا تھی اور وقت میں گنجائش بھی تھی اور تشہد کے بعد اس کو یاد آ گیا کہ اس پر اس سے پہلے کی نماز قضا ہے تو گویا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہو جائے گی۔

لغت مومیا : جو اشارہ کر کے رکوع سجدہ کرتا ہو۔

[۲۶۷](۹۷) یا قاری امام نے حدث کیا اور امی کو خلیفہ بنایا۔

تشریح امام کو اتنی آیتیں یاد تھیں جس سے نماز جائز ہو سکے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اس کو حدث ہوا اور امی کو خلیفہ بنایا تو چونکہ امی قرأت پر قادر نہیں ہے تو گویا کہ عاجز کو خلیفہ بنایا ہے اس لئے نماز فاسد ہوگی۔

نوٹ فخر الاسلامؒ نے فرمایا کہ تشہد کے وقت قرأت کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لئے امی کو خلیفہ بنانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے اکثر کی رائے یہ ہے کہ اس وقت امی کو خلیفہ بنانے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

[۲۶۸](۹۸) یا فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو گیا۔

تشریح تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد سورج طلوع ہوا تو امام اعظم کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی هریرة قال نهی رسول الله ﷺ عن صلوتین بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس (الف) (بخاری شریف، باب لاتحری الصلوۃ قبل غروب الشمس ص ۸۳ نمبر ۵۸۸ رمسلم شریف، باب الاوقات التی نهی عن الصلوۃ فیها ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۵) (۲) ابو سعید الخدری یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول لا صلوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس (ب) (بخاری شریف، باب لاتحری الصلوۃ قبل الغروب ص ۸۲ نمبر ۵۸۶ رمسلم شریف، باب الاوقات التی نهی عن الصلوۃ فیها ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۷) ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ طلوع آفتاب کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے اس لئے اگر تشہد کے بعد آفتاب نکل گیا تو امام اعظم کی رائے ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔

[۲۶۹](۹۹) یا عصر کا وقت جمعہ میں داخل ہو گیا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے روکا دو نمازوں سے۔ فجر کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے (ب) آپ کہا کرتے تھے نہیں نماز ہے صبح کے بعد یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور نہیں نماز ہے عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غائب ہو جائے۔

[۲۷۰](۱۰۰) او کان ماسحا علی الجبیرة فسقطت عن برء[۲۷۱](۱۰۱) او کانت مستحاضة فبرأت بطلت صلوتهم فی قول ابی حنیفة وقال ابو یوسف و محمد تمت صلوتهم فی هذا المسائل کلها.

تشریح جمعہ پڑھا رہا تھا۔ تشہد کی مقدار بیٹھا تھا کہ عصر کا وقت داخل ہو گیا۔

وجہ چونکہ عصر کا وقت داخل ہونے کی وجہ سے قضا ہو گی۔ اس لئے قضا کی بنا ادا پر ہوئی۔ اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز فاسد ہو گی۔

[۲۷۰](۱۰۰) یا کھپچی پر مسح کرنے والا تھا وہ ٹھیک ہو کر گر گئی۔

تشریح ایک آدمی نے زخم پر پٹی باندھی تھی اور وہ اسی پر مسح کر کے نماز پڑھ رہا تھا۔ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد زخم مکمل ٹھیک ہو کر پٹی گر گئی۔ چونکہ زخم ٹھیک ہو کر پٹی گری ہے اس لئے وضو ٹوٹ گیا۔ کیونکہ وہ مسح جو نقل ہے اس کے بجائے اصل پر قادر ہو گیا۔ اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز باطل ہو گئی۔

لغت الجبیرۃ : زخم پر بندھی ہوئی پٹی، کھپچی، برء : زخم اچھا ہونا۔

[۲۷۱](۱۰۱) یا مستحاضہ تھی اور اچھی ہو گئی تو امام ابو حنیفہ کے قول میں نماز باطل ہو جائے گی۔ اور صاحبین نے فرمایا ان تمام مسائل میں ان کی نماز پوری ہو جائے گی۔

وجہ دلیل گزر گئی ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کوئی فرض باقی نہیں رہا صرف درود اور دعا سنت ہیں اور سلام واجب ہے جو باقی رہیں۔ اور احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کوئی حدث پیش آئے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اس لئے ان بارہ مسئلوں میں سب کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر چہ سنن اور واجب ہی باقی ہیں لیکن نماز ابھی بحال ہے۔ اور نماز کے دوران اصل کے بجائے خلیفہ یا خلیفہ کے بجائے اصل پیش آیا جس کی وجہ سے ماقبل پر بنا نہیں کر سکتے۔ اس لئے نماز فاسد ہو گی۔ امام ابو حنیفہ ان مسائل میں احتیاط کی طرف گئے ہیں۔ کیونکہ ان مسائل میں اضعف کی بنا اقوی پر یا اقوی کی بنا اضعف پر ہے (۲) امام شافعیؒ کے نزدیک سلام فرض ہے اس لئے ان کی بھی رعایت کی گئی ہے (۳) نماز کے اتمام کا حکم خلاف قیاس حدیث کی بنا پر کیا گیا ہے۔ اس لئے جو حدث بار بار پیش آتے ہیں اور حدیث میں بھی ان کی تصریح ہے تو ان کے بارے میں حکم ہو گا کہ اس پر بنا کر لیا جائے یا نماز پوری ہو گئی۔ لیکن جو مسائل بار بار پیش نہیں آتے اور حدیث میں بھی ان کی تصریح نہیں ہے ان میں احتیاط کا تقاضا ہے کہ نماز فاسد کر دی جائے اور شروع سے دوبارہ نماز پڑھے۔ اور صاحبین اس بات کی طرف گئے ہیں کہ حدیث کی بنا پر جب نماز پوری ہو گئی تو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿باب قضاء الفوائت﴾

[۲۷۲](۱) ومن فاتته صلوۃ قضاها اذا ذکرها[۲۷۳] (۲) وقدمها علی صلوۃ الوقت الا

﴿ باب قضاء الفوائت ﴾

ضروری نوٹ قضاء الفوائت : جو نماز فوت ہو جائے اور چھوٹ جائے اس کو فوائت کہتے ہیں۔اور اس کے پڑھنے کو قضا کہتے ہیں۔نماز قضا کرنا فرض ہے۔کیونکہ نماز کو وقت پر پڑھنا فرض تھا جب وقت پر نہ پڑھ سکا تو اب قضا کرنا فرض ہوگا۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس بن مالک عن النبی علیہ قال من نسی صلوۃ فلیصل اذا ذکر لا کفارۃ لها، الا ذلک و اقم الصلوۃ لذکری (الف) ،آیت ۱۴ سورۃ طہ ۲۰ (بخاری شریف، باب من نسی صلوۃ فلیصل اذا ذکر ص ۸۴ نمبر ۵۹۷ ر ابوداؤد شریف، باب فی من نام عن صلوۃ او نسیها ص ۷۰ نمبر ۴۳۵) اس حدیث اور آیت سے معلوم ہوا کہ فوت نماز پڑھنا فرض ہے۔

[۲۷۲](۱) جس کی نماز فوت ہوگئی اس کو قضا کرے گا جب یاد آئے۔

وجہ نماز فرض تھی اس کو چھوڑ دی ہے اس لئے اس کو قضا کرنا فرض ہوگا۔بلکہ جیسے ہی یاد آئے اس کو فورا ادا کرے۔کیونکہ اوپر کی حدیث بخاری میں ہے' فلیصل اذا ذکر لا کفارۃ لها الا ذلک' اس لئے یاد آتے ہی نماز قضا کرے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔کیونکہ مکروہ وقت میں نماز قضا کرنا جائز نہیں ہے۔اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

[۲۷۳](۲) اور فائتہ نماز کو مقدم کرے وقتیہ نماز پر، مگر یہ کہ وقتیہ نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو مقدم کی جائے گی وقتیہ نماز کو فائتہ نماز پر پھر فائتہ نماز کی قضا کی جائے گی۔

تشریح تین شرطیں پائی جائیں تو فائتہ نماز وقتیہ سے پہلے پڑھی جائے گی (۱) وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ فائتہ اور وقتیہ دونوں پڑھ سلکیں۔کیونکہ دونوں نمازیں پڑھنے کی گنجائش نہ ہو اور فائتہ پڑھنے لگ جائے گا تو وقتیہ بھی فوت ہو جائے گی تو فائدہ کیا ہوا (۲) یاد ہو کہ مجھ پر فائتہ نماز ہے۔کیونکہ اگر فائتہ نماز یاد نہ ہو اور وقتیہ پڑھ لی تو ترتیب ساقط ہو جائے گی۔کیونکہ یاد نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجبور ہے (۳) چھ نمازوں سے زیادہ قضا نہ ہوں۔کیونکہ چھ نمازوں سے زیادہ قضا ہو تو ان چھ نمازوں کو قضا کرتے کرتے ہی وقتیہ نماز فوت ہو جائے گی۔اور وقتیہ پڑھنے کا وقت نکل جائے گا۔اس لئے یہ تین شرطیں ہوں تو فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب ہے ورنہ نہیں۔

وجہ (۱) اوپر کی حدیث بخاری کے الفاظ ' فلیصل اذا ذکر' سے معلوم ہوا کہ فائتہ کا وقت یاد آتے ہی قضا واجب ہوا۔اور وقتیہ کا وقت اس کے بعد ہوگا۔اس لئے پہلے فائتہ ادا کی جائے گی بعد میں وقتیہ۔حدیث کی اس تاکید سے ترتیب واجب ہوتی ہے (۲) عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ علیہ قال من نسی صلوۃ فلم یذکرها الا وهو مع الامام فلیصل مع الامام فاذا فرغ من صلوته فلیعد الصلوۃ التی نسی ثم لیعد الصلوۃ التی صلی مع الامام (ب) (سنن للبیہقی، باب من ذکر صلوۃ وھو فی اخری ج ثانی

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جو نماز بھول گیا تو نماز پڑھنا چاہئے جب یاد آئے۔نہیں کفارہ ہے مگر یہی۔پھر راوی نے دلیل کے طور پر آیت اقم الصلوۃ لذکری پڑھی (ب) آپ نے فرمایا جو نماز بھول جائے۔پس یاد آئے اس حال میں کہ وہ امام کے ساتھ ہے تو وہ نماز پوری کرنا چاہئے پھر قضا کرے وہ (باقی اگلے صفحہ پر)

ان یخاف فوت صلوۃ الوقت فیقدم صلوۃ الوقت علی الفائتۃ ثم یقضیھا [۲۷۴](۳) ومن فاتتہ صلوات رتبھا فی القضاء کما وجبت فی الاصل الا ان تزید الفوائت علی خمس

ص۳۱۳،نمبر۳۱۹۳)اس حدیث میں ہے کہ امام کے ساتھ بھی وقتیہ نماز پڑھی ہے تو فائتہ قضا کرے۔ترتیب برقرار رکھنے کے لئے وقتیہ کو لوٹائے۔اس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب ہے(۳) فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب برقرار رکھنے کی حدیث بخاری میں ہے **عن جابر قال جعل عمر یوم الخندق یسب کفارھم وقال یا رسول اللہ ! ما کدت اصلی العصر حتی غربت الشمس قال فنزلنا بطحان فصلی رسول اللہ ﷺ بعد ما غربت الشمس ثم صلی المغرب** (الف)(بخاری شریف، باب قضاء الصلوات الاول فالاولی ص۸۴ نمبر ۵۹۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل تفوتہ الصلوات بایتھن یبدأ ص۴۳ نمبر ۱۷۹ر۱۸۰)اس حدیث میں عصر کی فائتہ پہلے پڑھی پھر مغرب کی وقتیہ پڑھی۔جس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب ضروری ہے۔ورنہ تو مغرب کو مؤخر نہ کرتے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک فائتہ اور وقتیہ کے درمیان اسی طرح بہت سی فائتہ کے درمیان ترتیب سنت ہے۔وہ بھی اوپر کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔اور ایک حدیث یہ بھی ہے جو سنت پر دلالت کرتی ہے **عن علی بن طالب انہ قال شغل رسول اللہ ﷺ یوم الاحزاب عن صلوۃ العصر حتی صلی ما بین المغرب والعشاء فقال شغلونا عن الصلوۃ الوسطی صلوۃ العصر ملأ اللہ قبورھم وبیوتھم نار** (ب)(سنن للبیھقی، باب من قال بترک الترتیب فی قضائھن وھو قول طاؤس والحسن ج ثانی ص۳۱۲،نمبر۳۱۸۹)اس حدیث میں آپؐ نے عصر کی نماز مغرب کے بعد پڑھی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب نہیں سنت ہے۔

[۲۷۴](۳)جس کی بہت سی نمازیں فوت ہوگئیں ان کو ترتیب وار قضا کرے گا۔جس طرح اصل میں واجب ہوئی تھیں۔مگر یہ کہ فوائت پانچ نمازوں سے زیادہ ہو جائیں تو ان میں ترتیب ساقط ہو جائے گی۔

تشریح جس طرح فائتہ اور وقتیہ میں ترتیب ضروری ہے اسی طرح بہت سے فوائت ہو جائیں تو ان کے درمیان میں بھی ترتیب ضروری ہے۔مثلا پہلے ظہر پھر عصر پھر مغرب پھر عشا پڑھے گا۔جس ترتیب سے اصل میں وقتیہ نماز واجب ہوئی تھی۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **قال عبد اللہ ان المشرکین شغلوا رسول اللہ عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذھب من اللیل ما شاء اللہ فامر بلالا فاذن**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے)نماز جو بھولا ہے۔پھر لوٹائے وہ نماز جو امام کے ساتھ پڑھی ہے(الف) حضرت عمرؓ جنگ خندق کے دن ان کے کفار کو برا بھلا کہنے لگے۔پھر کہا کہ میں نے اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔فرمایا ہم مقام بطحان میں اترے۔پس ان لوگوں نے اور حضورؐ نے سورج کے غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔پھر مغرب کی نماز پڑھی(ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جنگ احزاب کے دن عصر کی نماز سے مشغول کر دیئے گئے۔یہاں تک کہ اس کو مغرب اور عشا کے درمیان پڑھی۔پھر آپؐ نے فرمایا مجھے صلوۃ الوسطی صلوۃ عصر سے روک دیا گیا۔اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔

صلوات فیسقط الترتیب فیھا.

ثم اقام فصلی الظھر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل تفوتہ الصلوات بایتھن یبدأ ص ۴۳، نمبر ۱۷۹ رنسائی شریف، باب کیف یقضی الفوائت من الصلوۃ ص ۸۵، نمبر ۶۲۳) اس حدیث میں ترتیب کے ساتھ نماز پڑھی گئی ہے۔ پہلے ظہر پھر عصر پھر مغرب پھر عشا پڑھی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ترتیب ضروری ہے۔ لیکن اگر چھ نمازیں قضا ہو جائیں تو چونکہ اب ان کو قضا کرتے کرتے وقتیہ بھی فوت ہو جائے گی۔ اس لئے اب ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ تاہم وقت ملے تو ترتیب برقرار رکھے۔

حاشیہ : (الف) عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ مشرکین نے حضور کو جنگ خندق کے دن چار نمازوں سے مشغول کر دیا۔ یہاں تک کہ جتنا اللہ چاہے رات چلی گئی۔ پس حضرت بلال کو حکم دیا، پس اذان دی، پھر اقامت کہی۔ پس ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی پس عصر کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی پس مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی گئی پس عشا کی نماز پڑھی۔

﴿باب الاوقات التی تکرہ فیھا الصلوة﴾

[۲۷۵](۱)لا یجوز الصلوة عند طلوع الشمس ولا عند غروبھا الا عصر یومه ولا عند

﴿ باب الاوقت التی تکرہ فیھا الصلوة ﴾

ضروری نوٹ جن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہےاس کا بیان ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت عقبة بن عامر الجھنی یقول ثلاث ساعات کان رسول اللہ ﷺ ینھانا ان نصلی فیھن او ان نقبر فیھن موتانا حین تطلع الشمس بازغة حتی ترتفع وحین یقوم قائم الظھیرة حتی تمیل الشمس و حین تضیف الشمس للغروب حتی تغرب (الف)(مسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلوة فیھا ص ۲۷۶ نمبر ۱۹۳۱ ۸رنسائی شریف، باب الساعات التی نھی عن الصلوة فیھا ص ۶۵ نمبر ۵۶۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان تین اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

نوٹ تین قسم کے مکروہات ہیں(۱) طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور دو پہر کے وقت میں کراہیت شدید ہے۔اس میں کوئی فرض یا نفل نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے(۲) اور عصر کے فرض اور فجر کے فرض کے بعد کراہیت اس میں کم ہے۔اس میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے البتہ فرائض اور واجبات پڑھ سکتا ہے(۳) فجر طلوع ہونے کے بعد فجر کی دوسنتوں کے علاوہ کسی بھی نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے۔اس میں بھی کراہیت کم ہے۔

[۲۷۵](۱) نہیں جائز ہے نماز سورج طلوع ہوتے وقت اور نہ اس کے غروب ہوتے وقت مگر اس دن کی عصر اور نہ ٹھیک دو پہر کے وقت۔

وجہ (۱)ان تین اوقات میں غیر مسلم سورج کی عبادت کرتے ہیں اس لئے ان تین اوقات میں نماز پڑھنے سے روکا۔ قال عمر بن عنبسة السلمی ... اخبرنی عن الصلوة؟ قال رسول اللہ ﷺ صل صلوة الصبح ثم اقصر عن الصلوة حتی تطلع الشمس حتی ترتفع فانھا تطلع حین تطلع بین قرنی شیطان و حینئذ یسجد لھاالکفار ثم صل فان الصلوة مشھودة محضورة حتی یستقل الظل بالرمح ثم اقصر عن الصلوة فان حینئذ تسجر جھنم فاذا اقبل الفیئ فصل فان الصلوة مشھودة محضورة حتی تصلی العصر ثم اقصر عن الصلوة حتی تغرب الشمس فانھا تغرب بین قرنی شیطان و حینئذ یسجد لھا الکفار (ب)(مسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلوة فیھا ص ۲۷۶ نمبر ۱۹۳۲ ۸رنسائی شریف، باب النھی عن الصلوة بعد العصر ص

حاشیہ : (الف) عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ تین اوقات میں حضور ہم کو نماز پڑھنے اور اس میں اپنے مردوں کو قبر میں داخل کرنے (یعنی نماز جنازہ پڑھنے) سے روکا کرتے تھے۔ایک جب سورج چمکتا ہوئے نکل رہا ہو جب تک کہ بلند نہ ہو جائے۔دوم جس وقت کہ بالکل دو پہر ہو رہی ہو جب تک کہ ڈھل نہ جائے۔اور سوم جب سورج ڈوبنے کے لئے مائل ہوا ہو جب تک کہ ڈوب نہ جائے (ب) آپ نے فرمایا صبح کی نماز پڑھو پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے یا کہا کہ سورج بلند ہو جائے۔اس لئے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو شیطان کے دوسینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔اور اس وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں۔پھر نماز پڑھتے رہو اس لئے کہ نماز حاضر کی گئی ہے (یعنی نماز سے اللہ کے سامنے حاضری نصیب ہوتی ہے یا فرشتے اس وقت حاضر ہوتے ہیں) یہاں تک کہ ایک نیزہ کے برابر سایہ کم ہو جائے۔پھر نماز سے رک جاؤ۔اس لئے کہ اس وقت جہنم گرم کی جاتی ہے۔پس جب سایہ شروع ہو جائے تو نماز پڑھو۔اس لئے کہ نماز حاضر کی گئی ہے۔یہاں تک عصر پڑھو۔پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔اس لئے کہ سورج شیطان کی دوسینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے۔اور اس (باقی اگلے صفحہ پر)

قیامها فی الظهیرۃ۔

۶۶ نمبر۵۷۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان تین اوقات میں نماز عصر پڑھنا مکروہ ہے (۲) اوپر کی ضروری نوٹ میں بھی مسلم کی حدیث گزری (۳) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ قال لا تتحروا بصلوتکم طلوع الشمس ولا غروبها (فانها تطلع بین قرنی الشیطان) (الف) (بخاری شریف، باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ص ۸۲ نمبر ۵۸۲ رمسلم شریف، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۸ رنسائی شریف، باب نہی عن الصلوۃ بعد العصر ص ۶۶ نمبر ۵۷۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ان تین اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے (۴) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ اذا بدا حاجب الشمس فأخروا الصلوۃ حتی تبرزوا اذا غاب حاجب الشمس فأخروا الصلوہ حتی تغیب (ب) (مسلم شریف، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۹)

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بیت اللہ کے ارد گرد اوقات مکروہ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن جبیر بن مطعم ان النبی ﷺ قال یا بنی عبد مناف لا تمنعوا احدا طاف بهذا البیت وصلی ایة ساعة شاء من لیل او نها (ج) (نسائی شریف، باب اباحۃ الصلوۃ فی الساعات کلھا بمکۃ ص ۶۸ نمبر ۵۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ میں اوقات مکروہ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔

اس دن کی عصر غروب آفتاب کے وقت پڑھنے کی وجہ یہ ہے (۱) عن ابی هریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر (د) (بخاری شریف، باب من ادرک من الفجر رکعۃ ص ۸۲ نمبر ۵۷۹ رمسلم شریف، باب من ادرک رکعۃ من الصلوۃ فقد ادرک تلک الصلوۃ ص ۲۲۱ نمبر ۶۰۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس ص ۴۵ نمبر ۱۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز مل گئی تو گویا کہ وہ نماز مل گئی۔ چونکہ عصر کا آخری وقت مکروہ ہے اور وہی وقت اس کی نماز کے لئے سبب بنا اس لئے سورج کے غروب ہونے کی کراہیت درمیان نماز میں آگئی پھر بھی نماز ہو جائے گی۔ اس حدیث کو حنفیہ کے نزدیک صرف عصر کی نماز پر محمول کرتے ہیں۔ اور فجر کا پورا وقت کامل ہے اس لئے اس کے درمیان میں سورج نکل گیا تو نماز فاسد ہوگی۔ گویا کہ اوقات مکروہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت والی حدیث کو فجر کے وقت پر محمول کرتے ہیں۔

فائدہ دوسرے ائمہ کے نزدیک ان اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن پڑھ لیا تو فاسد نہیں ہوگی۔

لغت الظهیرۃ : ٹھیک دوپہر۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں (الف) آپؐ نے فرمایا اپنی نماز کے لئے سورج کے طلوع ہونے اور اس کے غروب ہونے کا انتظار کرو۔ اس لئے کہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جب سورج کا کنارہ ظاہر ہو تو نماز کو مؤخر کرو۔ یہاں تک کہ وہ بالکل نکل جائے۔ اور جب سورج کا کنارہ ڈوبنے لگ جائے تو نماز کو مؤخر کرو یہاں تک کہ ڈوب جائے (ج) آپؐ نے فرمایا اے عبد مناف کے لوگو! اس بیت اللہ کے طواف اور نماز پڑھنے سے کسی کو مت روکو رات اور دن کی جس گھڑی میں چاہیں (د) آپؐ نے فرمایا جس نے صبح کی ایک رکعت پالی سورج طلوع ہونے سے پہلے تو گویا کہ صبح کی نماز پالی۔ اور جس نے عصر کی ایک رکعت پالی سورج کے غروب ہونے سے پہلے تو گویا کہ عصر کی نماز پالی۔

[۲۷۶] (۲) ولا یصلی علی جنازة ولا یسجد للتلاوة[۲۷۷](۳) ویکره ان یتنفل بعد صلوة الفجر حتی تطلع الشمس وبعد صلوة العصر حتی تغرب الشمس.

---

[۲۷۶] (۲) اوران اوقات مکروہ میں جنازہ پر نماز نہ پڑھے اور نہ سجدۂ تلاوت کرے۔

وجہ (۱) نماز جنازہ نماز ہے اور اوقات مکروہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔اس لئے اوقات مکروہ میں نماز جنازہ بھی نہ پڑھے (۲) ضروری نوٹ میں مسلم شریف کی حدیث آئی تھی جس کا ایک ٹکڑا تھا او ان نقبر فیھن موتانا حین تطلع الشمس (الف) (مسلم شریف، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۶ نمبر ۸۳۱) جس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ ہم ان اوقات میں اپنے مردوں کو دفن نہ کریں۔لیکن مردوں کو دفن کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اس لئے اس کا طلب یہی ہوگا کہ جنازہ کی نماز ان اوقات میں نہ پڑھیں۔اور سجدۂ تلاوت میں بھی سجدہ کرنا نماز کا حصہ ہے اس لئے ان اوقات میں سجدۂ تلاوت بھی نہ کرے۔اثر میں ہے حدثنا ابو تمیمة الھجیمی قال لما بعثنا الرکب قال ابو داؤد یعنی المدینة قال کنت اقص بعد صلوة الصبح فاسجدفیھا فنھانی ابن عمر فلم انته ثلاث مرات ثم عاد فقال انی صلیت خلف رسول اللہ ﷺ ومع ابی بکر و عمر و عثمان فلم یسجدوا حتی تطلع الشمس (ب) (ابوداؤد شریف، باب من یقرأ السجدۃ بعد الصبح ص ۲۰۷ نمبر ۱۴۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اوقات مکروہ میں سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ اگر اسی اوقات مکروہ ہی میں جنازہ سامنے آیا یا اسی اوقات مکروہ ہی میں آیت سجدہ پڑھی تو چونکہ وقت مکروہ میں یہ اسباب پیش آیا تو مکروہ اوقات ان کے سبب بنے۔اس لئے ایسی صورت میں ان مکروہ اوقات میں نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے اور سجدۂ تلاوت بھی کر سکتا ہے۔

اصول نماز جنازہ جلدی پڑھنے کی تاکید ہے تا کہ مردہ پھول پھٹ نہ جائے اس لئے اوقات مکروہ میں جنازہ آیا تو اس وقت بھی پڑھ سکتا ہے۔
اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی بن ابی طالب ان رسول اللہ ﷺ قال لا تؤخروا الجنازة اذا حضرت (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الجنازۃ لاتؤخروا اذا حضرت ص ۲۱۲، نمبر ۱۴۸۶)

[۲۷۷] (۳) مکروہ ہے کہ نفل پڑھے فجر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔

تشریح فجر کے فرض کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نفل نہ پڑھے اسی طرح عصر کے فرض کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نفل نہ پڑھے۔

وجہ (۱) گویا کہ یہ فرض نماز ہی میں مشغول ہے اس کی فضیلت زیادہ ہوئی۔اب نفل میں مشغول ہونا گویا کہ کم درجہ میں مشغول ہونا ہے اس لئے نفل نماز نہ پڑھے (۲) حدیث میں بھی نفل پڑھنے سے منع فرمایا ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ نھی عن الصلوة بعد الصبح

حاشیہ : (الف) یا ہم اپنے مردوں کو دفن کریں (یعنی نماز جنازہ پڑھیں) جس وقت سورج طلوع ہو (الف) ابو تمیم ہجیمی فرماتے ہیں کہ جب قافلہ مدینہ روانہ کیا تو میں صبح کی نماز کے بعد تلاوت کیا کرتا تھا تو حضرت عمرؓ نے تین مرتبہ مجھے روکا تا ہم میں نہیں رکا تو فرمایا کہ میں حضورؐ اور ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی وہ لوگ سورج طلوع ہونے تک سجدہ نہیں کیا کرتے تھے۔

[۲۷۸](۴) ولا بأس بان یصلی فی ھذین الوقتین الفوائت[۲۷۹](۵) ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر.

حتی تشرق الشمس و بعد العصر حتی تغوب (الف)(بخاری شریف، باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ص ۸۲ نمبر ۵۸۱ مسلم شریف، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز فجر کے بعد سے آفتاب طلوع ہونے تک اور نماز عصر کے بعد سے آفتاب غروب ہونے تک نفل نماز نہیں پڑھنا چاہئے مکروہ ہے۔

[۲۷۸](۴) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دونوں وقتوں میں فائتہ پڑھے اور سجدۂ تلاوت کرے اور جنازہ کی نماز پڑھے۔

وجہ (۱) فائتہ نماز جو واجب ہے وہ نفل سے افضل ہے اس لئے فرض نماز میں تقدیری طور پر مشغول رہنا یہ کم درجہ ہے اور حقیقی طور پر مشغول رہنا یہ اعلیٰ درجہ ہے۔ اس لئے واجب میں حقیقی طور پر مشغول ہونا زیادہ بہتر ہوگا اور پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت واجب ہے اس لئے ان کو بھی فجر کے فرض کے بعد اور عصر کے فرض کے بعد ادا کر سکتے ہیں (۲) حدیث میں ہے عن ام سلمۃ صلی النبی ﷺ بعد العصر رکعتین وقال شغلنی ناس من عبد القیس عن الرکعتین بعد الظھر (ب)(بخاری شریف، باب مایصلی بعد العصر من الفوائت ص ۸۳ نمبر ۵۹۰ مسلم شریف، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۷ نمبر ۸۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فائتہ نماز عصر اور فجر کے بعد پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ ظہر کی جو سنت رہ گئی تھی وہ قضا کے طور پر آپ نے پڑھی تھی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک عصر کے فرض کے بعد سنت بھی پڑھ سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشۃ قالت رکعتان لم یکن رسول اللہ ﷺ یدعھما سرا ولا علانیۃ رکعتان قبل الصبح ورکعتان بعد العصر (ج)(بخاری شریف، باب مایصلی بعد العصر من الفوائت ونحوھا ص ۸۳ نمبر ۵۹۲ مسلم شریف، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا ص ۲۷۷ نمبر ۸۳۵/۱۹۳۵) اسی باب کی حدیث میں حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے ماکان النبی ﷺ یأتینی فی یوم بعد العصر الا صلی رکعتین (د)(بخاری شریف نمبر ۵۹۳ مسلم شریف نمبر ۸۳۵ ماقبل کا باب) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عصر کے بعد مسلسل یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

[۲۷۹](۵) مکروہ ہے کہ نفل پڑھے فجر کے طلوع ہونے کے بعد فجر کی دو سنتوں سے زیادہ۔

تشریح صبح صادق کے بعد فجر کی دو سنتیں پڑھے اور دو فرض پڑھے۔ اس سے زیادہ سنت پڑھنا مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن حفصۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا طلع الفجر لا یصلی الا رکعتین خفیفتین (ہ)(مسلم شریف، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر ص ۲۵۰ نمبر ۷۲۳) اور ترمذی میں ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال لا صلوۃ بعد

حاشیہ : (الف) آپ نے صبح کے بعد نماز سے روکا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ غروب ہو جائے (ب) ام سلمہ سے روایت ہے کہ آپ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھی اور آپ نے فرمایا عبد القیس کے کچھ لوگوں نے ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے مشغول کر دیا (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ دو رکعتیں حضورؐ نے کبھی بھی ان کو نہیں چھوڑا۔ نہ سر میں نہ اور نہ علانیہ میں، دو رکعتیں صبح کی فرض سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کے بعد (د) کوئی دن ایسا نہیں ہوا کہ حضورؐ میرے پاس آئے ہوں اور عصر کے بعد دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں (ہ) جب فجر طلوع ہوتی تو حضور نہیں پڑھتے تھے مگر دو ہلکی رکعتیں۔

[۲۸۰] (٦) ولا یتنفل قبل المغرب .

الفجر الا سجدتین (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء لاصلوۃ بعد طلوع الفجر الارکعتین ص ٩٦ نمبر ۴۱۹) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ طلوع فجر کے بعد صرف دو رکعتیں سنت پڑھنا چاہئے (۲) حضور کو نماز پر حرص کے باوجود دو رکعتوں کے علاوہ نہیں پڑھتے تھے۔ اس لئے بھی نہیں پڑھنا چاہئے۔

[۲۸۰] (٦) مغرب کے فرض سے پہلے نفل نہ پڑھے۔

وجہ مغرب کی اذان کے بعد فرض سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہے لیکن حنفیہ فرماتے ہیں کہ نہ پڑھے تو اچھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرض پڑھنے میں تاخیر ہوگی اور حدیث جبرئیل میں گزرا کہ دونوں دنوں میں مغرب کی نماز جلدی پڑھی۔ اس لئے مغرب کا فرض جلدی پڑھنا چاہئے (۲) سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال ما رأیت احدا علی عھد رسول اللہ یصلیھما (ب) (ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ قبل المغرب ص ۱۸۹ نمبر ۱۲۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کے زمانے میں مغرب کے فرض سے پہلے دو رکعت سنتوں کا خاص رواج نہیں تھا (۳) حدثنا عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان عند کل اذانین رکعتین ماخلا صلوۃ المغرب (ج) (دار قطنی، باب الحث علی الرکوع بین الاذانین ج اول ص ۲۷۲ نمبر ۱۰۲۸) اس سے بھی معلوم ہوا کہ مغرب کے فرض سے پہلے سنت نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مغرب کے فرض سے پہلے دو رکعت سنت ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ المزنی قال قال رسول اللہ ﷺ صلوا قبل المغرب رکعتین ثم قال صلوا قبل المغرب رکعتین لمن شاء خشیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ (د) (ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ قبل المغرب ص ۱۸۹ نمبر ۱۲۸۱ / بخاری شریف، باب الصلوۃ قبل المغرب ص ۱۵۷ نمبر ۱۱۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے فرض سے پہلے سنت ہے۔

نوٹ اس حدیث کی بنا پر حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی سنت پڑھ لے تو مکروہ نہیں ہے۔ طریقۂ حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سنت نہیں ہے نفل ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے فرمایا کہ فجر کے بعد نہیں ہے کوئی نماز مگر دو رکعتیں (ب) حضرت ابن عمرؓ سے مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ حضورؐ کے زمانے میں کسی کو نہیں دیکھا کہ ان دو رکعتوں کو پڑھتے ہوں (ج) آپؐ نے فرمایا ہر دو اذانوں یعنی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعتیں ہیں سوائے مغرب کے (د) آپؐ نے فرمایا مغرب سے پہلے دو رکعتیں نماز پڑھو۔ پھر کہا کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں نماز پڑھو جو چاہے۔ لمن شاء اس ڈر سے کہا کہ لوگ ان کو سنت نہ بنالیں۔

﴿باب النوافل﴾

[۲۸۱](۱)السنة فی الصلوة ان یصلی رکعتین بعد طلوع الفجر[۲۸۲](۲) واربعا قبل

﴿باب النوافل﴾

ضروری نوٹ النوافل سے مرادفرض کے علاوہ نماز ہے۔ یہاں نوافل میں سنت اورنوافل دونوں شامل ہیں۔ دلیل یہ حدیث ہے سالت عائشة عن صلوة رسول الله ﷺ عن تطوعه؟ فقالت کان یصلی فی بیتی قبل الظهر اربعا ثم یخرج فیصلی بالناس ثم یدخل فیصلی رکعتین وکان یصلی بالناس المغرب ثم یدخل فیصلی رکعتین ویصلی بالناس العشاء و یدخل بیتی فیصلی رکعتین ... وکان اذا طلع الفجر صلی رکعتین (الف)(مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۳۰/ابوداؤد شریف، ابواب التطوع ورکعات السنة ص ۱۸۵ نمبر ۱۲۵۱/ترمذی شریف، باب ماجاء فی من صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة من السنة ماله من الفضل ص ۹۴ نمبر ۴۱۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرض نماز سے پہلے اورفرض نماز کے بعد پورے دن اوررات میں سنت مؤکدہ ہیں اوروہ بارہ رکعتیں ہیں۔ان کی تاکید آئی ہے۔

[۲۸۱](۱)سنت نماز میں یہ ہے کہ دورکعتیں طلوع فجر کے بعد پڑھے۔

وجه حدیث میں ہے عن عائشة قالت لم یکن النبی ﷺ علی شیء من النوافل اشد تعاهدا منه علی رکعتی الفجر (ب)(بخاری شریف، باب تعاهد رکعتی الفجر ص ۱۵۶ نمبر ۱۱۶۹/مسلم شریف، باب استحباب رکعتی سنة الفجر ص ۲۵۰ نمبر ۱۶۸۶/۷۲۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت فجر سنت مؤکدہ ہے۔کیونکہ آپؐ اس کی بہت تاکید فرماتے تھے۔

[۲۸۲](۲)ظہر سے پہلے چار رکعتیں اورظہر کے بعد دورکعتیں سنت ہیں۔

وجه عن عائشة ان النبی ﷺ کان لا یدع اربعا قبل الظهر ورکعتین قبل الغداة (بخاری شریف نمبر ۱۱۸۲)دوسری حدیث میں ہے عن ابن عمر قال حفظت من النبی ﷺ عشر رکعات ،رکتین قبل الظهرو رکعتین بعدها ورکعتین بعد المغرب فی بیته و رکعتین بعد العشاء فی بیته ورکعتین قبل صلوة الصبح (ج)(بخاری شریف، باب رکعتین قبل الظهر ص ۱۵۷ نمبر ۱۱۸۰/ابوداؤدشریف، باب الاربع قبل الظهر وبعدها ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۶۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر سے پہلے چاراوراس کے بعد دو

حاشیہ : (الف)حضرت عائشہؓ سے حضورؐ کے نفل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپؐ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے پھر نکلتے اورلوگوں کو نماز پڑھاتے۔پھر گھر میں داخل ہوتے تو دورکعت نماز پڑھتے۔اورلوگوں کومغرب کی نماز پڑھاتے پھر داخل ہوتے اوردورکعت نماز پڑھتے۔اورعشا کی نماز لوگوں کو پڑھاتے اورمیرے گھر میں داخل ہوتے تو دورکعت نماز پڑھتے ...جب فجر طلوع ہوتی تو دورکعت پڑھتے (ب)حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نوافل میں سے کسی پراتنی تاکید نہیں فرماتے جتنی فجر کی دورکعتوں پر فرماتے (ج)آپؐ چار رکعت ظہر سے پہلے اوردورکعت فجر سے پہلے نہیں چھوڑتے۔دوسری حدیث میں ہے کہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے دس رکعتیں یاد کی ہیں۔دورکعت ظہر سے پہلے،دواس کے بعد،دومغرب کے بعدان کے گھر میں،دوعشا کے بعدان کے گھر میں اور دورکعتیں صبح کی نماز سے پہلے۔

الظهر وركعتين بعدها [٢٨٣](٣) واربعا قبل العصر وان شاء ركعتين [٢٨٤](٤) وركعتين بعد المغرب [٢٨٥](٥) واربعا قبل العشاء و بعدها اربعا وان شاء ركعتين.

رکعتیں سنت ہیں۔اورایک حدیث میں ظہر کے بعد بھی چار رکعت سنت کی حدیث ہے۔ قالت ام حبيبة قال رسول الله ﷺ من حافظ على اربع ركعات قبل الظهر واربع بعدها حرم على النار (الف)(ابوداؤدشریف، باب الاربع قبل الظہر وبعدھا ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۶۹ رترمذی شریف، باب آخر (باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظہر ص ۹۸ نمبر ۴۲۷) اس حدیث کی بنا پر اوراوپر کی حدیث کی بنا پر ظہر کے بعد چار رکعتیں سنت ہیں۔اسی لئے یہ عمل ہے کہ دو رکعت سنت کی نیت سے پڑھتے ہیں۔پھر دو رکعت نفل کی نیت سے پڑھتے ہیں۔

[۲۸۳] (۳) عصر سے پہلے چار رکعت اور چاہے تو دو رکعتیں پڑھے۔

وجہ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ رحم الله امرء صلى قبل العصر اربعا (ب) (ابوداؤدشریف، باب الصلوۃ قبل العصر ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۷۱ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاربع قبل العصر ص ۹۸ نمبر ۴۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر سے پہلے چار رکعت سنت ہیں۔لیکن دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو رکعتیں سنت ہیں۔حدیث میں ہے عن علی ان النبي ﷺ كان يصلي قبل العصر ركعتين (ج) (ابوداؤدشریف، باب الصلوۃ قبل العصر ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۷۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاربع قبل العصر ص ۹۸ نمبر ۴۲۹) اس حدیث کی بنا پر صاحب کتاب نے فرمایا کہ عصر کی سنت دو رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔

[۲۸۴] (۴) مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں۔

وجہ اس کی وجہ کئی حدیث میں اوپر گزر گئی ہے (مسلم شریف، باب جواز النافلۃ قائما ص ۲۵۲ نمبر ۷۳۰)

[۲۸۵] (۵) اورعشا سے پہلے چار رکعت اوراس کے بعد چار رکعت اور چاہے تو دو رکعت سنت پڑھے۔

وجہ عشا کے بعد دو رکعت کی تو کئی حدیثیں گزر گئی ہیں۔اورعشا کے بعد چار رکعت سنت پڑھنے کی حدیث یہ ہے عن عائشة قال سألتها عن صلوة رسول الله ﷺ فقالت ما صلى رسول الله العشاء قط فدخل على الا صلى اربع ركعات او ست ركعات (د) (ابوداؤدشریف، باب الصلوۃ بعد العشاء ص ۱۹۲ نمبر ۱۳۰۳ رسنن للبیہقی، باب من جعل بعد العشاء اربع رکعات اواکثر ج ثانی ص ۶۷۱، نمبر ۴۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشا کے بعد چار رکعت سنت ہے۔اور ضروری نوٹ کے تحت لمبی حدیث گزری جس میں تھا کہ ويصلى بالناس العشاء و يدخل بيتي فيصلى ركعتين (ہ) (مسلم شریف، باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا ص ۲۵۲، نمبر ۷۳۰ رابوداؤد شریف، ابواب التطوع ورکعات السنۃ ص ۱۸۵، نمبر ۱۲۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشا کے بعد دو رکعت سنت ہے۔اس لئے دونوں

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور چار ان کے بعد پر محافظت کی وہ آگ پر حرام کر دیا جائے گا (ب) آپؐ نے فرمایا اللہ اس آدمی پر رحم کرے جس نے عصر سے پہلے چار رکعت پڑھی (ج) آپ عصر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے (د) حضرت عائشہ کو حضور کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضورؐ عشا کی نماز پڑھ کر میرے پاس آئے ہوں مگر یہ کہ انہوں نے چار رکعت نماز پڑھی یا چھ رکعت نماز پڑھی (ہ) آپؐ عشا کی نماز پڑھا کر میرے گھر میں داخل ہوتے۔پس دو رکعت نماز پڑھتے۔

[۲۸۶] (۶) فان صلی باللیل صلی ثمانی رکعات [۲۸۷] (۷) ونوافل النھار ان شاء صلی رکعتین بتسلیمۃ واحدۃ وان شاء اربعا ویکرہ الزیادۃ علی ذلک.

حدیثوں کی بنا پر حنفیوں کا عمل یہ ہے کہ دو رکعت سنت کی نیت سے پڑھتے ہیں اور اس کے بعد دو رکعت نفل کی نیت سے عشا کے بعد پڑھتے ہیں۔

چونکہ عشا کی پہلی چار رکعت پڑھنے کی دلیل حدیث مشہورہ میں نہیں ہے اس لئے عشا سے پہلے چار رکعت مندوب ہے۔ اور چونکہ منع نہیں فرمایا اور حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن مغفل قال قال النبی ﷺ بین کل اذانین صلوۃ بین کل اذا نین صلوۃ ثم قال فی الثالثۃ لم شاء (الف) (بخاری شریف، باب بین کل اذانین صلوۃ ص ۸۷ باب الاذان نمبر ۶۲۷) اس اعتبار سے عشا کی اذان اور اقامت کے درمیان کچھ رکعتیں ہونی چاہئے۔ اسلئے عشا سے پہلے چار رکعت مندوب ہے، مستحب ہے۔

[۲۸۶] (۶) اگر رات میں نفل پڑھے تو ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔

وجہ اس لئے کہ حضورؐ نے ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھی ہے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ یوتر من ذلک بخمس لا یجلس فی شیء الا فی آخرھا (ب) (مسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی فی اللیل ص ۲۵۴ نمبر ۱۷۳۷) اس حدیث میں ہے کہ تیرہ رکعتیں پڑھی اور پانچ رکعت وتر ہے اور صرف اخیر میں بیٹھے ہیں تو معلوم ہوا کہ آٹھ رکعت ایک سلام کے ساتھ رات میں پڑھی ہے۔ اس لئے ایک سلام کے ساتھ رات میں آٹھ رکعت پڑھنا جائز ہے۔ اس سے زیادہ کا ثبوت نہیں اس لئے ایک سلام کے ساتھ اس سے زیادہ پڑھنا اچھا نہیں ہے۔

نوٹ یہ سب اختلاف استحباب میں ہے۔

[۲۸۷] (۷) دن کے نفل چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھے اور چاہے تو چار پڑھے۔ اس سے زیادہ کرنا مکروہ ہے۔

وجہ ظہر اور فجر کی سنتوں کا ثبوت دو دو رکعت کا ہے۔ اس لئے دو دو رکعت بھی نفل پڑھ سکتا ہے۔ اور چار چار رکعت بھی ظہر اور عصر کی سنتیں ہیں۔ اس لئے چار رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔ حدیث میں ہے قالت ام حبیبۃ زوج النبی ﷺ قال رسول اللہ ﷺ من حافظ علی اربع رکعات قبل الظھر واربع بعدھا حرم علی النار (ج) (ابوداؤد شریف، باب الاربع قبل الظہر وبعدھا ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دن کی سنت چار رکعتیں ہیں تو نفل بھی اسی کے مشابہ ہو کر چار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ اس سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ ثبوت نہیں ہے اس لئے مکروہ ہوگا۔ لیکن کراہیت تنزیہی ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ دو اذانوں کے درمیان نماز ہے (یعنی اذان اور اقامت کے درمیان) پھر تیسری مرتبہ فرمایا 'جو چاہے' (ب) آپؐ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے۔ ان میں سے پانچ رکعتیں وتر کی پڑھتے۔ ان میں سے صرف اخیر میں بیٹھتے (ج) آپؐ نے فرمایا جو شخص ظہر سے پہلے چار رکعتوں پر اور اس کے بعد چار رکعتوں پر محافظت کرے وہ آگ پر حرام کر دیا جائے گا۔

[۲۸۸](۸) فاما نوافل اللیل فقال ابو حنیفة رحمه الله تعالی ان صلی ثمانی رکعات بتسلیمة واحدة جاز ویکره الزیادة علی ذلک[۲۸۹] (۹) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله تعالی لا یزید باللیل علی رکعتین بتسلیمة واحدة [۲۹۰](۱۰) والقراءة

---

[۲۸۸](۸) بہر حال رات کے نوافل تو ابو حنیفہؒ نے فرمایا اگر آٹھ رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے اور اس سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے۔

وجہ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۶ میں گزر گئی۔

[۲۸۹](۹) اور صاحبینؒ نے فرمایا رات میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پر زیادہ نہ کرے۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ دن میں تو ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں بھی پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس کا ثبوت ہے۔لیکن رات میں ایک سلام کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوۃ اللیل مثنی مثنی (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان صلوۃ اللیل مثنی مثنی ص ۹۸ نمبر ۴۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات میں نفل نماز دو دو رکعتیں ہیں۔لیکن چونکہ دن کے بارے میں چار کا ثبوت ہے اس لئے دن میں تو چار کے قائل ہو گئے لیکن رات کے بارے میں فرمایا کہ دو دو رکعتیں ہی افضل ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ رات اور دن دونوں میں دو دو رکعتیں پڑھنا افضل ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوۃ اللیل والنهار مثنی مثنی ان تشهد فی کل رکعتین (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی صلوۃ النہار ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۵) (۲) حدیث میں ہے عن عائشة قالت کان رسول الله ﷺ یصلی فیما بین ان یفرغ من صلوۃ العشاء وهی التی یدعو الناس العتمة الی الفجر احدی عشر رکعت یسلم بین کل رکعتین (ج) (مسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل ص ۲۵۴ نمبر ۷۳۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رات کی نماز دو دو رکعت پڑھنی چاہئے۔اور دن کے بارے میں یہ حدیث ہے عن ام هانی بنت ابی طالب ان رسول الله ﷺ یوم الفتح صلی سبحة الضحی ثمانی رکعات یسلم من کل رکعتین (د) (ابو داؤد شریف، باب صلوۃ الضحی ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کی نماز دو دو رکعتیں پڑھنی چاہئے۔ان احادیث کی بنا پر شافعیؒ رات اور دن میں دو دو رکعت نفل پڑھنے کے قائل ہیں۔

﴿ فصل فی القرأۃ ﴾

[۲۹۰](۱۰) قرأت واجب ہے فرض کی پہلی دو رکعتوں میں اور اس کو اختیار ہے دوسری دو رکعتوں میں۔اگر چاہے تو سورۂ فاتحہ پڑھے اور اگر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا رات اور دن کی نماز میں دو دو رکعتیں ہیں (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ نماز پڑھتے تھے اس درمیان کہ فارغ ہوتے تھے نماز عشا سے جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں فجر تک میں گیارہ رکعتیں۔ہر دو رکعت کے درمیان سلام کرتے تھے (د) آپؐ نے فتح مکہ کے دن چاشت کی نماز آٹھ رکعتیں پڑھی۔ہر دو رکعت پر سلام فرماتے تھے۔

واجبة فی الرکعتین الاولیین وهو مخیر فی الاخریین ان شاء قرء الفاتحةوان شاء سکت

چاہے تو چپ رہے اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھے۔

تشریح فرض کی جو نماز چار رکعت والی ہے مثلا ظہر، عصر اور عشا یا تین رکعت والی ہے مثلا مغرب تو ان کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا فرض ہے۔ اگر ایک آیت بڑی بھی قرأت نہیں کی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ سورۂ فاتحہ پڑھنا اور سورۃ ملانا دونوں واجب ہیں۔ دلائل گزر چکے ہیں۔

وجہ (۱) اصل میں فرض میں پہلی دو رکعتیں اصل ہیں اور دوسری دو رکعتیں انکے تابع ہیں۔ اس لئے پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا فرض ہوگا (۲) حدیث میں ہے **عن عبد الله بن ابی قتادة عن ابیه ان النبی ﷺ کان یقرأ فی الظهر فی الاولیین بام الکتاب و سورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب ویسمعنا الآیة و یطول فی الرکعة الاولی ما لا یطیل فی الرکعة الثانیة وهکذا فی العصر** (الف) (بخاری شریف، باب یقرأ فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب ص ۱۰۷ نمبر ۷۷۶ رمسلم شریف، باب القراءۃ فی الظہر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۴۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہ ہمارے یہاں بطور سنت کے ہے وجوب کے نہیں (۳) **جابر بن سمرة قال قال عمر لسعد لقد شکوک فی کل شیء حتی الصلوة قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الاخریین ولا آلو ما اقتدیت به من صلوة رسول الله ﷺ قال صدقت ذلک الظن بک او ظنی بک** (ب) (بخاری شریف، باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الاخریین ص ۱۰۶ نمبر ۷۷۰ رمسلم شریف، باب القراءۃ فی الظہر والعصر ص ۱۸۶ نمبر ۴۵۳) احذف فی الاخریین کے دو ترجمے کر سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ بالکل قرأت نہیں کرتا ہوں۔ یہ ترجمہ حنفیہ کے مطابق ہوگا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت نہیں ہے۔ اور دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ مختصر قرأت کرتا ہوں یعنی سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں۔ اس ترجمہ سے سورۂ فاتحہ کا ثبوت ہوگا جو حنفیہ کے نزدیک فرض کی دوسری دو رکعتوں میں سنت ہے (۴) **عن عبد الله بن ابی رافع قال کان یعنی علیا یقرأ فی الاولیین من الظهر والعصر بام القرآن و سورة ولا یقرأ فی الاخریین** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب کیف القراءۃ فی الصلوۃ ج ثانی ص ۱۰۰، نمبر ۲۶۵۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۶ من کان یقول یسبح فی الاخریین ولا یقرأ، ج اول، ص ۳۲۷، نمبر ۳۷۴۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت کوئی ضروری نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

وجہ (۱) ان کے نزدیک ہر رکعت مستقل نماز ہے۔ اور نماز بغیر قرأت کے نہیں ہوتی اس لئے دوسری دو رکعتوں بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری

حاشیہ : (الف) آپ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے۔ اور کبھی کبھی ہمیں آیت سناتے۔ اور جتنی لمبی پہلی رکعت میں کرتے اتنی لمبی دوسری رکعت میں نہیں کرتے۔ اور ایسا ہی عصر میں کرتے (ب) حضرت عمر نے حضرت سعد سے فرمایا آپ کی ہر چیز میں شکایت کی ہے۔ یہاں تک کہ نماز میں بھی۔ حضرت سعد نے فرمایا بہر حال میں تو پہلی دو رکعتوں میں لمبی کرتا ہوں اور دوسری رکعتوں میں مختصر کرتا ہوں۔ اور حضور کی نماز کی جس طرح اقتدا کی ہے اس میں کمی نہیں کرتا ہوں۔ حضرت عمر نے فرمایا آپ نے سچ کہا۔ میرا آپ کے ساتھ یہی گمان تھا (ج) حضرت علیؓ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھتے تھے۔ اور دوسری دو رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

وان شاء سبح [۲۹۱](۱۱) والقراءة واجبة فی جمیع رکعات النفل و فی جمیع الوتر[۲۹۲](۱۲) ومن دخل فی صلوۃ النفل ثم افسدها قضاها.

ہے(۲) اسی مسئلہ میں بخاری کی حدیث گزری جس میں تھا کہ حضورؐ دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے(۳) پیچھے حدیث گزری لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب (بخاری شریف نمبر ۷۵۶ مسلم شریف نمبر ۳۹۴) اس حدیث کی وجہ سے بھی فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

[۲۹۱](۱۱) قرأت واجب ہے نفل کی تمام رکعتوں میں اور وتر کی تمام رکعتوں میں۔

وجہ نفل کی ہر دو رکعت ایک شفعہ ہے اور شفعہ مستقل نماز ہے۔یہی وجہ ہے کہ چار رکعت کی نیت باندھی تو دو رکعت ہی لازم ہوگی۔چار رکعت لازم نہیں ہوگی۔ہر دو رکعت الگ الگ شفعہ ہے اس کا اشارہ حدیث میں ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوۃ اللیل والنهار مثنی مثنی (ابو داؤد شریف، باب فی صلوۃ النہار ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۵) اس لئے ہر شفعہ میں قرأت کرنا لازم ہے۔اور ہر شفعہ کی ہر رکعت میں قرأت کرنا ضروری ہے(۲) وتر بھی من وجہ نفل ہے اس لئے اس کی تیسری رکعت میں قرأت کرے گا۔احتیاط کا بھی تقاضا یہی ہے(۳) وتر کی تیسری رکعت میں قرأت کرنے کا ثبوت حدیث میں ہے سألت عائشة بای شیء کان یوتر رسول الله؟ قالت کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی و فی الثانیة بقل یا ایها الکافرون وفی الثالثة بقل هوا الله احد والمعوذتین (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء مایقرأ فی الوتر ص ۱۰۶ نمبر ۴۶۳ / ابو داؤد شریف، باب مایقرأ فی الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۲۳) اس حدیث میں ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھی۔جس سے ثابت ہوتا ہے وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ ملانا واجب ہے۔اور جب وتر کی تیسری رکعت میں قرأت کی جائے گی تو نفل کی تیسری رکعت میں بدرجہ اولی قرأت کی جائے گی۔

[۲۹۲](۱۲) جو نفل نماز میں داخل ہو پھر اس کو فاسد کر دے تو اس کو قضا کرے گا۔

تشریح اگر کسی نے نفل کی نیت باندھی اور تحریمہ کے بعد اس کو توڑ دیا تو دو رکعت کی قضا لازم ہوگی۔

وجہ نفل جب تک شروع نہ کرے وہ نفل ہے، تبرع ہے۔لیکن شروع کرنے کے بعد وہ ایک قسم کی عملا نذر کی طرح ہو جاتی ہے اور نذر کو پوری کرنا ضروری ہے۔اس لئے نفل شروع کرنے کے بعد توڑ دے تو اس کو قضا کرنا واجب ہوگا۔نذر پوری کرنے کی دلیل یہ آیت ہے۔ثم لیقضوا تفثهم ولیوفوا نذورهم (ب) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر پوری کرنا چاہئے۔دوسری آیت میں ہے کہ عمل کو باطل نہیں کرنا چاہئے اس لئے نفل کی جب نیت باندھ لی تو وہ ایک عمل بن گیا۔اس لئے اس کو باطل نہیں کیا جائے گا۔اور توڑ دیا تو اس کی قضا لازم ہوگی۔آیت میں ہے یا ایها الذین آمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم (ج) (آیت ۳۳

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ سے میں نے پوچھا کہ حضور کن کن سورتوں سے وتر پڑھتے تھے۔حضرت عائشہ نے فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم اور دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق پڑھا کرتے تھے (ب) پھر بال وغیرہ کی گندگی ختم کرنا چاہئے اور اپنی نذر کو پوری کرنا چاہئے (ج) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

[۲۹۳](۱۳) فان صلى اربع ركعات وقعد فى الاوليين ثم افسد الاخريين قضى ركعتين [۲۹۴](۱۴) و يصلى النافلة قاعدا مع القدرة على القيام[۲۹۵] (۱۵) وان افتتحها

سورۂ محمد ۴۷) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اعمال کو باطل نہیں کرنا چاہئے اور باطل کر دیا تو اس کی قضا کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے یہاں نفل شروع کرنے کے بعد توڑ دے تب بھی وہ نفل ہی رہتی ہے۔ اس کی قضا کرنا واجب نہیں۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے ما على المحسنين من سبيل والله غفور رحيم (الف) (آیت ۹۱ سورۂ توبہ ۹) اس آیت میں ہے کہ احسان کرنے والے اور نفل کام کرنے والے پر کوئی راستہ نہیں ہے۔ یعنی واجب نہیں ہے۔ اس لئے نفل نماز شروع کرنے کے بعد توڑ دے تو قضا واجب نہیں ہے۔

[۲۹۳](۱۳) اگر چار رکعت نماز پڑھی اور دو رکعت میں بیٹھ گیا پھر دوسری دو رکعت فاسد کر دی تو دو رکعت ہی قضا کرے۔

تشریح چار رکعت نفل نماز کی نیت باندھی۔ پھر دو رکعت پڑھ کر تشہد میں بیٹھا پھر دوسری دو رکعت کو فاسد کر دیا تو دوسری دو رکعت ہی قضا کرے۔ پہلی دو رکعت پوری ہو گئی۔

وجہ یہ مسئلہ دو اصول پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ ہر دو رکعت الگ الگ شفعہ ہے۔ ایک کے فساد سے دوسرے میں کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ پہلی دو رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھ گیا تو وہ دونوں رکعتیں پوری ہو گئیں۔ اب صرف سلام باقی ہے۔ اس لئے دوسری دو رکعتوں کو فاسد کیا تو اس کو قضا کرے گا۔ البتہ پہلی دو رکعتیں پوری ہو گئیں۔ اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اصول (۱) نفل میں دو رکعت الگ الگ شفعہ ہیں (۲) ایک کے فساد سے دوسرے پر اثر نہیں پڑے گا۔ حدیث صلوة الليل والنهار مثنى مثنى (ابو داؤد شریف نمبر ۱۲۹۵) سے استدلال کر سکتے ہیں۔

[۲۹۴](۱۴) نفل نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود۔

تشریح نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کی قدرت ہے لیکن پھر بھی بیٹھ کر پڑھنا چاہتا ہے تو پڑھ سکتا ہے۔ البتہ اس کو ثواب آدھا ملے گا۔ اور فرض نماز میں کھڑے ہونے کی قدرت ہو پھر بھی بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ فرض نماز میں قیام فرض ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن عمران بن حصين قال سألت النبي ﷺ عن صلوة الرجل وهو قاعد فقال من صلى قائما فهو افضل ومن صلى قاعدا فله نصف اجر القائم ومن صلى نائما فله نصف الاجر القاعد (ب) (بخاری شریف، باب صلوة القاعد ص ۱۵۰، ابواب تقصیر الصلوة نمبر ۱۱۱۶ ر ترمذی شریف، باب ماجاء ان صلوة القاعد على النصف من صلوة القائم ص ۸۵ نمبر ۳۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل نماز قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔ البتہ اس کو ثواب کھڑے ہونے والے سے آدھا ملے گا۔

[۲۹۵](۱۵) اگر کھڑے ہو کر نفل شروع کی پھر بیٹھ گیا تو جائز ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے مگر عذر ہو تو

حاشیہ : (الف) محسنین پر کوئی الزام نہیں ہے (ب) میں نے حضور کو آدمی کی نماز کے بارے میں پوچھا جب کہ وہ بیٹھ کر پڑھے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے کھڑے ہو کر پڑھی وہ افضل ہے۔ اور جس نے بیٹھ کر پڑھی اس کے لئے کھڑے ہونے والے کا آدھا ثواب ہے۔ اور جس نے سو کر نماز پڑھی اس کو بیٹھنے والے کا آدھا ثواب ہے۔

قائما ثم قعد جاز عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی و قالا لا یجوز الا من عذر[۲۹۶] (۱۶) ومن کان خارج المصر یتنفل علی دابته الی ای جهة توجهت یأمی ایماء.

وجہ (۱) وجہ امام ابو حنیفہ : پہلے گزر چکا ہے کہ نفل میں کھڑا ہونا لازم نہیں ہے۔اس لئے جتنی دیر تک کھڑا رہا کھڑا رہا اور آگے کے کھڑے ہونے کو لازم نہیں کیا ہے۔اس لئے وہ بیٹھ سکتا ہے(۲) حدیث میں ہے **عن عائشة ان رسول الله ﷺ کان یصلی جالسا فیقرأ وهو جالس فاذا بقی من قرأته نحو من ثلثین آیة او اربعین آیة قام فقرأها وهو قائم ثم رکع ثم سجد یفعل فی الرکعة الثانیة مثل ذلک** (الف) (بخاری شریف، باب اذا صلی قاعدا ثم صح او وجد خفة تمم ما بقی، ص۱۵۰ نمبر۱۱۱۹ رمسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص۲۵۲ نمبر۷۳۱ رترمذی شریف، باب من تطوع جالسا ص۸۵ نمبر۳۷۴) اس حدیث میں آپ نے بیٹھ کر بھی نماز پڑھی اور کھڑے ہو کر بھی جس کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہو کر شروع کیا تو بیٹھ کر پوری کر سکتا ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر نفل شروع کیا تو گویا کہ اس نے اپنے اوپر کھڑے ہونے کو لازم کیا تو گویا کہ یہ عملا نذر ہو گئی۔اس لئے بغیر عذر کے بیٹھنا جائز نہیں ہے۔قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔حدیث میں ہے۔**سألنا عائشة عن صلوة رسول الله ﷺ فقالت کان رسول الله یکثر الصلوة قائما وقاعدا فاذا افتتح الصلوة قائما رکع قائما واذا افتتح الصلوة قاعدا رکع قاعدا** (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص۲۵۲ نمبر۷۳۰) اس حدیث میں ہے کہ کھڑے ہو کر نماز شروع کرے تو کھڑے ہو کر ہی رکوع سجدہ کرتے تھے۔تاہم حدیث کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑا تھا اور بیٹھ کر نماز پڑھی تو جائز ہوگی۔

[۲۹۶] (۱۶) جو شہر سے باہر ہو وہ نفل پڑھ سکتا ہے سواری پر جس جانب بھی متوجہ ہو اشارہ کرکے۔

تشریح شہر سے باہر ہو تو نفل نماز سواری پر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔اور سواری قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہو تو ظاہر ہے کہ قبلہ کی جانب رخ نہیں کر سکے گا اس لئے قبلہ کی خلاف جانب رخ کر کے بھی نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔نیز سواری پر رکوع وسجدہ بھی پورے طور پر نہیں کر سکے گا تو اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرے گا۔اس کی بھی گنجائش ہے۔

وجہ (۱) نفل نماز ہر وقت پڑھ سکتا ہے اس کو زیادہ سے زیادہ پڑھے اس لئے یہ تمام سہولتیں شریعت نے دی ہے کہ خلاف قبلہ ہو، رکوع اور سجدہ کا اشارہ ہو۔سواری پر ہو تب بھی نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔فرض کے لئے قدرت ہو تو سواری سے اترے گا(۲) حدیث میں ہے **جابر بن عبد الله اخبره ان النبی ﷺ کان یصلی التطوع وهو راکب فی غیر القبلة** (ب) (بخاری شریف، باب صلوة التطوع علی الدواب حیثما توجهت به ص۱۴۸ نمبر۱۰۹۴ رمسلم شریف، باب جواز صلوة النافلة علی الدابة فی السفر حیث توجهت ص۲۴۴ نمبر۷۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ کے رخ کے خلاف نفل نماز پڑھ لے تب بھی جائز ہوگی (۲) **عامر بن ربیعة اخبره قال رأیت النبی ﷺ وهو**

حاشیہ : (الف) آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تو قرأت کرتے بیٹھے ہونے کی حالت میں، پس جب کہ قرأت میں سے تقریبا تیس یا چالیس آیتیں باقی رہتی تو کھڑے ہوتے اور اس کو کھڑے ہونے کی حالت میں پڑھتے۔پھر رکوع پھر سجدہ کرتے، دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے (ب) آپ نفل نماز پڑھتے اس حال میں کہ سوار ہوتے قبلہ کے علاوہ کی جانب۔

علی الراحلة یسبح یؤمی برأسه قبل الی ای وجه توجه ولم یکن رسول الله ﷺ یصنع ذلک فی الصلوٰة المکتوبة (الف) (بخاری شریف، باب ینزل للمکتوبۃ ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۹۷ رمسلم شریف، باب جواز صلوٰۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث توجہت ص ۲۴۴ نمبر ۷۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل نماز میں سواری پر رکوع سجدے کا اشارہ کرے گا۔ اور فرض نماز میں اتر کر نماز پڑھنا ہوگی۔

شہر سے باہر کی قید اس لئے لگائی کہ بعض حدیث میں ہے کہ آپؐ نے شہر سے باہر نفل کی نماز سواری پر پڑھی تو قبلہ کے خلاف رخ پر پڑھی ہے۔ اس لئے حنفیہ نے قید لگائی کہ شہر سے باہر ایسا کر سکتا ہے۔ شہر میں سواری سے اتر کر نماز پڑھنی ہوگی۔ حدیث میں ہے **کان عبد الله بن عمر یصلی فی السفر علی راحلته اینما توجهت به یؤمی وذکر عبد الله ان النبی ﷺ کان یفعله** (ب) (بخاری شریف، باب الایماء علی الدابۃ ص ۱۴۸ ابواب تقصیر الصلوٰۃ نمبر ۱۰۹۶ رمسلم شریف، باب جواز صلوٰۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر ص ۲۴۴ نمبر ۷۰۰ /۱۶۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر سفر میں قبلہ کے خلاف رخ پر نماز پڑھتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ شہر میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اوپر کی بہت سے احادیث میں سفر کی قید اور شہر سے باہر کی قید نہیں ہے اس لئے شہر کے اندر سواری پر سوار ہو تو وہاں بھی خلاف قبلہ نماز پڑھ سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضور کو دیکھا کہ آپؐ سواری پر نفل پڑھ رہے تھے اور سر سے اس جانب اشارہ کر رہے تھے جس جانب متوجہ تھے۔ اور حضورؐ یہ فرض نماز میں نہیں کرتے (ب) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سفر میں سواری پر نماز پڑھتے جس طرف سواری متوجہ ہوتی اور اشارہ کرتے۔ اور عبد اللہ بن عمرؓ ذکر کرتے ہیں کہ حضورؐ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

﴿باب سجود السهو﴾

[۲۹۷](۱) سجود السهو واجب في الزيادة والنقصان بعد السلام يسجد سجدتين ثم

﴿ باب سجود السہو ﴾

ضروری نوٹ سجود السہو : کوئی واجب بھول جائے یا واجب کی زیادتی ہو جائے یا فرائض مکرر ادا ہو جائیں تو اس کو گویا کہ پورا کرنے کے لئے سجدۂ سہو واجب ہے۔ سنت کے چھوڑنے سے سجدۂ سہو نہیں ہے۔ فرض چھوٹ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ دلیل یہ حدیث ہے عن عمران بن حصين قال سلم رسول الله ﷺ في ثلاث ركعات من العصر ثم قام فدخل الحجرة فقام رجل بسيط اليدين فقال اقصرت الصلوة يا رسول الله فخرج مغضبا فصلى الركعة التي كان ترك ثم سلم ثم سجد سجدتي السهو ثم سلم (الف) (مسلم شریف، باب فصل من ترک الرکعتین اونحوھما فلیتم مابقی ویسجد سجدتین بعد التسلیم ص ۲۱۴ نمبر ۵۷۴/۱۲۹۴ / بخاری شریف، باب ھل یأخذ الامام اذا شک بقول الناس ص ۹۹ نمبر ۷۱۴ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الامام ینھض فی الرکعتین ناسیا ص ۸۳ نمبر ۳۶۴ / ابوداؤد شریف، باب السہو فی السجدتین ص ۱۵۳ نمبر ۱۰۱۸ اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی واجب بھول جائے تو سلام کرے پھر سجدۂ سہو کرے پھر سلام پھیرے۔

[۲۹۷](۱) سجدۂ سہو واجب ہے۔ واجبات کے زیادہ کر دینے میں یا کم کر دینے میں۔ سلام کے بعد دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھے اور سلام کرے۔

تشریح نماز میں واجب کی کمی رہ جائے یا زیادتی ہو جائے یا خلاف ترتیب ہو جائے تو اس کو پورا کرنے کے لئے سجدۂ سہو کرے گا۔ اور سلام پھیرے گا۔ حنفیہ کے نزدیک تشہد پڑھ کر دائیں جانب ایک سلام کرے پھر دو سجدۂ سہو کرے پھر دوبارہ تشہد پڑھے، درود پڑھے، دعا پڑھے اور دوبارہ دونوں جانب سلام کرے۔

وجہ (۱) اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ آپ نے کمی زیادتی میں سلام کیا ہے پھر سجدۂ سہو کیا ہے اور پھر دوبارہ سلام کیا ہے۔ زیادہ ہونے پر سجدۂ سہو کیا ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله قال صلى النبي ﷺ الظهر خمسا فقالوا ازيد في الصلوة؟ قال وما ذاك قالوا صليت خمسا قال فثنى رجله وسجد سجدتين (ب) (بخاری شریف، باب ماجاء فی القبلۃ ومن یر الاعادۃ علی من سہی ص ۵۸ نمبر ۴۰۴ / مسلم شریف، باب من صلی خمسا اونحوہ ص ۲۱۲ نمبر ۵۷۲) اس حدیث میں پانچ رکعت پڑھنے پر آپ نے سجدۂ سہو کیا ہے جو زیادہ کرنے پر سجدۂ سہو ہوا۔ کمی پر سجدۂ سہو کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن بحينة انه قال صلى لنا رسول الله ﷺ ركعتين

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے عصر کی تین رکعت میں سلام کر لیا۔ پھر کھڑے ہو گئے اور کمرے میں داخل ہوئے۔ پھر ایک آدمی کھڑا ہوا جسکے ہاتھ لمبے تھے تو پوچھا یا رسول اللہ کیا نماز میں کمی ہو گئی؟ تو آپ غصہ میں نکلے اور وہ رکعت پڑھائی جو چھوٹ گئی تھی پھر سلام کیا پھر سجدۂ سہو کیا پھر سلام کیا (ب) آپؐ نے ظہر کی پانچ رکعت پڑھائی تو لوگوں نے کہا کیا نماز میں زیادتی ہو گئی؟ تو آپؐ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ راوی کہتے ہیں آپؐ نے پاؤں موڑا اور دو سجدے کئے۔

یتشهد ویسلم [۲۹۸](۲) ویلزمه سجود السهو اذا زاد فی صلوته فعلا من جنسها لیس

ثم قام فلم یجلس فقام الناس معه فلما قضی صلوته وانتظر نا التسلیم کبر فسجد سجدتین وهو جالس قبل التسلیم ثم سلم صلی الله علیه وسلم (الف) (ابوداؤد شریف، باب من قام من ثنتین ولم یتشهد ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۴ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الامام ینھض فی الرکعتین ناسیا، ص ۸۳، نمبر ۳۶۴ رنسائی شریف، باب مایفعل من قام من اثنتین ناسیا ولم یتشهد ص ۱۳۷ نمبر ۱۲۲۳) اس حدیث میں کمی ہونے پر سجدہ کیا، قعدۂ اولی نہ کرنے اور تشہد نہ پڑھنے پر سجدہ کیا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ قعدۂ اولے اور تشہد کا پڑھنا واجب ہے تو واجب کے چھوڑنے پر سجدۂ سہو کیا۔ دوسلاموں کے درمیان دوبارہ تشہد پڑھے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عمران بن حصین ان النبی علیہ السلام صلی بهم فسها فسجد سجدتین ثم تشهد ثم سلم** (ب) (ابوداؤد شریف، باب سجدتی السھو فیھما تشھد وتسلیم ص ۱۵۶ نمبر ۱۰۳۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی التشھد فی سجدتی السھو ص ۹۰ نمبر ۳۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں سلاموں کے درمیان تشہد دوبارہ پڑھے گا۔ اور تشہد پڑھے گا تو اخیر میں درود شریف اور دعا بھی پڑھے۔ پہلا سلام نماز پوری ہونے کے لئے ہے اور دوسرا سلام اس لئے ہے کہ سجدۂ سہو نماز کے اندر ہو جائے تا کہ سجدۂ سہو کے اندر کوئی کمی بیشی ہو جائے تو اس کو سجدہ کے ذریعہ پوری کی جاسکے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرے گا۔ ان کی دلیل اوپر والی ابوداؤد کی حدیث ہے جس میں ہے۔ **فسجد سجدتین وهو جالس قبل التسلیم ثم سلم** (ابوداؤد شریف، باب من قام من ثنتین ولم یتشهد ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۴) اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں کمی ہوئی ہو تو سلام سے پہلے سجدۂ سہو کریگا اور زیادتی ہوئی ہو تو سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے گا۔ انہوں نے دیکھا کہ سلام سے پہلے اور سلام کے بعد دونوں طرح سجدۂ سہو ثابت ہے اس لئے انہوں نے یہ مسلک اختیار کیا۔

[۲۹۸](۲) مصلی کو سجدۂ سہو لازم ہوگا اگر زیادہ کردے نماز میں ایسا فعل جو نماز کی جنس سے ہو لیکن نماز میں سے نہ ہو یا کوئی فعل مسنون چھوڑ دے **تشریح** مثلا رکوع یا سجدہ نماز کے فعل میں سے ہیں لیکن ایک ہی رکعت میں دو مرتبہ رکوع کردے یا تین مرتبہ سجدہ کردے تو دوسری مرتبہ کا رکوع یا تیسرا سجدہ نماز میں سے نہیں ہے اگرچہ نماز کی جنس سے ہیں۔ اس لئے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اور فعل مسنون سے مراد فعل واجب ہے جو سنت نبوی سے ثابت ہے۔ کیونکہ سنت کو چھوڑ دیا تو نماز پوری ہو جائے گی اس کے لئے سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن عبد الله قال صلینا مع رسول الله علیہ السلام فاما زاد او نقص قال ابراهیم وایم الله ما جاء ذاک الا من قبلی قال قلنا یا رسول الله علیہ السلام احدث فی الصلوة شیء؟ فقال لا قال فقلنا له الذی صنع فقال اذا زاد الرجل او نقص فلیسجد سجدتین قال ثم سجد سجدتین** (ج) (مسلم شریف، باب من ترک الرکعتین اونحوھما فلیتم مابقی ویسجد سجدتین بعد

حاشیہ : (الف) فرمایا آپؐ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر کھڑے ہوئے اور نہیں بیٹھے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ پس جب آپؐ نے نماز پوری کی اور ہم نے سلام کا انتظار کیا تو آپؐ نے تکبیر کہی اور دو سجدے کئے اس حال میں کہ آپؐ بیٹھے ہوئے تھے سلام سے پہلے۔ پھر آپ نے سلام پھیرا (ب) آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پس آپ بھول گئے پس آپؐ نے دو سجدے کئے پھر تشہد پڑھی پھر سلام کیا (ج) آپؐ نے فرمایا نماز میں زیادتی ہو جائے یا کمی ہو جائے، ابراہیم راوی نے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہم میری جانب سے ہے، راوی نے فرمایا ہم نے کہا یا رسول اللہ نماز میں کوئی تبدیلی ہوگئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

منها او ترک فعلا مسنونا [۲۹۹](۳) او ترک قراء ۃ فاتحة الکتاب او القنوت او التشهد او تکبیرات العیدین او جهر الامام فیما یخافت او خافت فیما یجهر [۳۰۰](۴) وسهو الامام یوجب علی المؤتم السجود فان لم یسجد الامام لم یسجد المؤتم

التسلیم ص ۲۱۳ نمبر ۵۷۲/۱۲۸۷/ابوداؤد شریف، باب من قال یتم علی اکثر ظنہ ص ۱۵۴ نمبر ۱۰۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں زیادتی ہوجائے یا کچھ واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو کرے۔

[۲۹۹] (۳) یا سورۂ فاتحہ کی قرأت چھوڑ دی، یا دعائے قنوت چھوڑ دی یا تشہد چھوڑ دی، یا تکبیرات عیدین چھوڑ دی، یا امام نے قرأت جہری کردی جس میں سری کرنا چاہئے، یا سری کردی جس میں جہری کرنا چاہئے۔

تشریح تشہد چھوڑ دی کا مطلب یہ ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا چھوڑ دیا، یا تشہد پڑھنا چھوڑ دیا تو چونکہ دونوں واجب ہیں اس لئے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ا میں ابوداؤد شریف کی حدیث (نمبر ۱۰۳۴) گزر گئی ہے 'قام فلم یجلس' کہ آپؐ دو رکعت کے بعد کھڑے ہوگئے اور قعدۂ اولی میں نہیں بیٹھے تو سجدۂ سہو کیا۔ اسی پر باقی واجبات کو قیاس کرلیں۔ کوئی واجب بھول جائے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ قال صلی بنا علقمة الظهر خمسا ... فاذا نسی احدکم فلیسجد سجدتین (الف) (مسلم شریف، باب من صلی خمسا اونحوہ الخ ص ۲۱۳ نمبر ۵۷۲/۱۲۸۵) اس حدیث میں ہے کہ اگر بھول جاؤ تو سجدہ کرو۔ جہری قرأت میں سری کردی اور سری قرأت میں جہری کردی تو سجدۂ سہو لازم ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے عبد الرزاق عن الثوری قال اذا قمت فیما یجلس فیه او جلست فیما یقام فیه او جهرت فیما یخافت فیه او خافت فیما یجهر فیه ناسیا سجدت سجدتی السهو (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب اذا قام فیما یقعد فیہ او قعد فیما یقام او سلم فی ثنی ج ثانی ص ۳۱۳، ابواب السہو نمبر ۳۴۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں سری قرأت کردی اور سری نماز میں جہری قرأت کی تو سجدۂ سہو کرے گا۔

فائدہ بعض ائمہ کے نزدیک سری کو جہری اور جہری کو سری کرنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے عن قتادۃ کان النبی علیہ السلام یقرأ فی الرکعتین من الظهر والعصر بفاتحة الکتاب وسورة وسورة یسمعنا الآیة احیانا (بخاری شریف، باب القراءۃ فی العصر ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۲)

[۳۰۰] (۴) امام کے سہو سے مقتدی پر سجدہ واجب ہوگا۔ پس اگر امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ نہ کرے۔

وجہ امام ضامن ہے اس لئے امام پر سجدۂ سہو لازم ہوا اور اس نے سجدۂ سہو کیا تو چاہے مقتدی پر سجدۂ سہو لازم نہ ہوا ہو پھر بھی مقتدی پر سجدہ لازم

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) ہم نے آپؐ سے وہ بات کہی جو آپؐ نے کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اگر آدمی زیادہ کردے یا کمی کردے تو دو سجدے کرنا چاہئے۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر آپؐ نے دو سجدۂ سہو کئے (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھول جائے تو دو سجدۂ سہو کرنا چاہئے (ب) حضرت ثوری نے فرمایا اگر جہاں بیٹھنا ہو وہاں کھڑا ہو جائے یا تم بیٹھ گئے جس میں کھڑا ہونا تھا یا جہری قرأت کردی جس میں سری قرأت کرنی تھی یا سری قرأت کردی جس میں جہری قرأت کرنی تھی بھول کر دو سجدۂ سہو کرے گا۔

[۳۰۱](۵) فان سهی المؤتم لم یلزم الامام السجود[۳۰۲] (۶) ومن سهی عن القعدة الاولی ثم تذکر وهو الی حال القعود اقرب عاد فجلس وتشهد وان کان الی حال القیام

ہوگا(۲)اس کی دلیل حدیث میں ہے عن عبد الله بن لجینة انه قال صلی لنا رسول الله رکعتین ثم قام فلم یجلس فقام الناس معه فلما قضی صلوته وانتظرنا التسلیم کبر فسجد سجدتین وهو جالس قبل التسلیم ثم سلم صلی الله علیه وسلم (الف) (ابوداؤد شریف، باب من قام من ثنتین ولم یتشھد ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۴ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الامام ینھض فی الرکعتین ناسیا ص ۸۳ نمبر ۳۶۵ رمسلم شریف، باب اذا نسی الجلوس فی الرکعتین فلیسجد سجدتین قبل ای یسلم ص ۲۱۱ نمبر ۵۷۰)اس حدیث میں امام پر سجدۂ سہو تھا تو مقتدیوں کو بھی اس کی اقتدا میں کرنا پڑا۔اس سے معلوم ہوا کہ امام کی وجہ سے مقتدی پر بھی سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

[۳۰۱](۵) پس اگر مقتدی بھول جائے تو امام کو سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا اور نہ مقتدی کو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

وجہ (۱) مقتدی تابع ہے اس لئے امام کے خلاف ہو کر سجدۂ سہو نہیں کر سکتا اور نہ تابع کی وجہ اسے اصل پر لازم ہوگا(۲) حدیث میں ہے عن عمر عن النبی ﷺ قال لیس علی من خلف الامام سهو فان سها الامام فعلیه وعلی من خلفه السهو وان سها من خلف الامام فلیس علیه سهو والامام کافیه (ب) (دار قطنی، باب لیس علی المقتدی سہو وعلیہ سہو الامام ج اول ص ۳۶۵ نمبر ۱۳۹۸)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کے سہو سے امام پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا اور امام کے سہو سے مقتدی پر لازم ہوگا(۳)اس قسم کا اثر مصنف عبد الرزاق، باب ھل علی من خلف الامام سہو ج ثانی ص ۳۱۵ نمبر ۳۵۰۶)میں موجود ہے۔

[۳۰۲](۶) جو قعدۂ اولی بھول جائے پھر یاد آئے اس حال میں کہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہو تو لوٹ جائے اور بیٹھے اور تشہد پڑھے، اور اگر کھڑے ہونے کے زیادہ قریب ہو تو نہ لوٹے اور سجدۂ سہو کرے۔

تشریح قعدۂ اولی واجب ہے لیکن اس کو بھول کر کھڑا ہو گیا تو اور کھڑے ہونے کے قریب ہو گیا تب یاد آیا تو اب دوبارہ نہ بیٹھے بلکہ کھڑے ہو کر آگے والے اعمال کرے۔کیونکہ اب بیٹھنے میں قیام کی تاخیر ہوگی۔اور بیٹھنے کے قریب تھا کہ یاد آیا تو ابھی کھڑا نہیں ہوا ہے اس لئے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور سجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہوگا۔

وجہ حدیث میں ہے عن مغیرة بن شعبة قال قال رسول الله ﷺ اذا قام الامام فی الرکعتین فان ذکر قبل ان یستوی قائما فلیجلس فان استوی قائما فلا یجلس ویسجد سجدتی السهو (ج) (ابوداؤد شریف، باب من نسی ان یتشھد وھو جالس

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر کھڑے ہوئے اور نہیں بیٹھے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے پس جب آپ نے نماز پوری کی اور ہم نے سلام پھیرنے کا انتظار کیا تو آپؐ نے تکبیر کہی اور دو سجدے کئے اس حال میں کہ بیٹھے ہوئے تھے سلام سے پہلے پھر سلام پھیرا(ب) آپؐ نے فرمایا جو امام کے پیچھے ہو اس پر سجدۂ سہو نہیں ہے۔پس اگر امام بھول جائے تو اس پر سجدۂ سہو ہے اور جو اس کے پیچھے ہیں اس پر بھی سجدۂ سہو ہے۔اور اگر جو امام کی پیچھے ہے وہ بھول گیا تو اس پر سجدۂ سہو نہیں ہے۔امام اس کو کافی ہے(ج) آپؐ نے فرمایا جب امام دو رکعت پر کھڑا ہو جائے، پس اگر مکمل کھڑا ہونے سے پہلے یاد آجائے تو بیٹھ جانا چاہئے۔پس اگر مکمل کھڑا ہو چکا ہو تو نہ بیٹھے اور دو سجدۂ سہو کرے۔

اقرب لم یعد ویسجد للسھو [۳۰۳](۷) وان سھی عن القعدۃ الاخیرۃ فقام الی الخامسۃ رجع الی القعدۃ ما لم یسجد والغی الخامسۃ وسجد للسھو[۳۰۴] (۸) وان قید الخامسۃ بسجدۃ بطل فرضہ وتحولت صلوتہ نفلا وکان علیہ ان یضم الیھا رکعۃ سادسۃ [۳۰۵](۹) وان قعد فی الرابعۃ ثم قام ولم یسلم یظنھا القعدۃ الاولی عاد الی القعود مالم

ص ۲۵۵ نمبر ۱۰۳۶/دار قطنی ، باب الرجوع الی القعود قبل استتمام القیام ج اول ص ۳۶۷ نمبر ۱۴۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہونے کے قریب ہوتو نہ بیٹھے اور سجدۂ سہو کرے۔

[۳۰۳] (۷) اگر قعدۂ اخیرہ بھول گیا اور پانچویں رکعت کی طرف کھڑا ہو گیا تو قعدۂ اخیرہ کی طرف لوٹے گا جب تک سجدہ نہ کیا ہو اور پانچویں رکعت کو لغو کرے اور سجدۂ سہو کرے۔

وجہ (۱) باب صفۃ الصلوۃ کے مسئلہ نمبر ۶ میں گزر گیا ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے اب اس کو چھوڑ کر پانچویں رکعت کی طرف گیا جو گویا کہ نفل ہوگی اس لئے جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اور اس کو مضبوط نہ کیا ہو اس کو چھوڑ کر قعدۂ اخیرہ کی طرف آئے اور قعدۂ اخیرہ کر کے سلام پھیرے اور سجدۂ سہو کرے (۲) پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اب جو قعدہ کرے گا وہ نفل نماز کا قعدہ ہوگا اور فرض نماز کا قعدۂ اخیرہ چھوٹ گیا اور قاعدہ ہے کہ فرض چھوڑ دے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔اس لئے فرض فاسد ہو جائے گا اور نفل بن جائے گا۔اس لئے اس نماز کو دوبارہ پڑھے (۳) اثر میں ہے عن حماد قال اذا صلی الرجل خمسا ولم یجلس فی الرابعۃ فانہ یزید السادسۃ ثم یسلم ثم یستأنف صلوتہ (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یصلی الظھر اوالعصر خمسا ج ثانی ص ۳۰۳ نمبر ۳۴۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چھٹی رکعت ملالے تاکہ چھ رکعتیں نفل بن جائیں اور فاسد شدہ فرض دوبارہ پڑھے۔

اصول فرض چھوڑنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

لغت الغی : لغو کردے۔

[۳۰۴] (۸) اور اگر پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید کر دیا تو اس کا فرض باطل ہو جائے گا۔اور اس کی فرض نماز نفل میں تبدیل ہو جائے گی اور اس پر یہ ہے کہ پانچویں رکعت کے ساتھ چھٹی رکعت ملالے۔

تشریح فرض نماز تھی اور قعدۂ اخیرہ کئے بغیر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا اس لئے پانچویں رکعت جو نفل ہے فرض کے ساتھ مل گئی اور فرض کا قعدۂ اخیرہ جو فرض تھا چھوٹ گیا اس لئے نماز فاسد ہونی چاہئے لیکن نفل میں بدل جائے گی۔کیونکہ نفل کا قعدۂ اخیرہ بعد میں کر سکتا ہے۔اب اس کے لئے بہتر ہے کہ چھٹی رکعت ملالے تاکہ چھ رکعتیں نفل ہو جائیں اور پانچویں رکعت جو حقیقت میں ایک نفل ہے جو نماز بتیرہ ہے اس سے بچ جائے۔دلیل مسئلہ نمبر ۷ میں گزر چکی ہے (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۳۴۶۱)

[۳۰۵] (۹) اور اگر چوتھی رکعت میں بیٹھا پھر کھڑا ہوا اور سلام نہیں پھیرا، اس نے اس کو گمان کیا کہ یہ قعدۂ اولی ہے تو لوٹے گا قعدہ کی طرف

یسجد للخامسة وسلم وسجد للسهو[۳۰۶](۱۰) وان قید الخامسة بسجدة ضم الیها رکعة اخری وقد تمت صلوته والرکعتان نافلة [۳۰۷](۱۱) ومن شک فی صلوته فلم

جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے اور سلام کرے اور سجدۂ سہو کرے۔

وجہ قعدۂ اخیرہ کر چکا ہے اس لئے فرض تو مکمل ہو گیا ہے اب صرف سلام باقی ہے جو واجب ہے۔ اس لئے پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سلام کر کے سجدۂ سہو کرے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے۔ چونکہ پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے ہے اس لئے ایک رکعت مکمل نہیں ہوئی اس لئے اس کو چھوڑ سکتا ہے۔ ادھر چار رکعت فرض مکمل ہو جائے گی۔

[۳۰۶](۱۰) اور اگر پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملائے گا اور اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اور یہ دو رکعت نفل ہوں گی۔

تشریح چونکہ قعدۂ اخیرہ کر چکا ہے اس لئے چار رکعت فرض پورے ہو جائیں گے۔ البتہ پانچویں رکعت نفل کی نماز بتیراء ہے جس سے منع کیا گیا ہے اس لئے چھٹی رکعت ملالے تاکہ دو رکعت نفل ہو جائے (۲) اثر میں ہے **عن قتادة فی رجل صلی الظهر خمسا قال یزید الیها رکعة فتکون صلوة الظهر ورکعتین بعدها ... تطوعا** (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یصلی الظهر او العصر خمسا ج ثانی ص ۳۰۲ نمبر ۳۴۶۰) اس اثر میں گویا کہ چار رکعت پر بیٹھا ہے اس لئے چار رکعت ظہر پوری ہو گئی اور باقی دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔

اصول فرائض پورے ہو گئے ہوں اس کے بعد نوافل کو ملایا تو فرض فاسد نہیں ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پانچویں رکعت ملالی تو چار رکعت فرض مکمل ہو جائے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد الله قال صلی بنا رسول الله ﷺ خمسا فقلنا یا رسول الله ازید فی الصلوة؟ قال وما ذاک؟ قالوا صلیت خمسا قال انما انا بشر مثلکم اذکر کما تذکرون وانسی کما تنسون ثم سجد سجدتی السهو** (الف) (مسلم شریف، باب من صلی خمسا او نحوه فلیسجد سجدتین ص ۲۱۳ نمبر ۵۷۲/ابو داؤد شریف، باب اذا صلی خمسا ص ۱۵۳ نمبر ۱۰۱۹) اس حدیث میں اس کا ثبوت نہیں ہے کہ آپؐ چوتھی رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ کر کے پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تھے یا بغیر قعدۂ اخیرہ کئے ہوئے کھڑے ہوئے تھے۔ اور آپؐ نے دو سجدۂ سہو کر کے چار رکعت فرض پوری کی ہے۔ اس لئے قعدۂ اخیرہ میں بیٹھے یا نہ بیٹھے ہر حال میں سجدۂ سہو کرے گا تو چار رکعت فرض پورا ہو جائے گا۔

[۳۰۷](۱۱) جس کو شک ہو گیا نماز میں، پس نہیں جانتا ہے کہ تین رکعت پڑھی یا چار رکعت اور یہ پہلی مرتبہ اس کو پیش آیا ہے تو شروع سے نماز پڑھے گا۔

وجہ اثر میں ہے **عن ابن عمر فی الذی لایدری ثلاثا صلی او اربعا قال یعید حتی یحفظ** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۲۳۹

حاشیہ: (الف) آپؐ نے ہمیں پانچ رکعت نماز پڑھائی۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ کیا نماز میں زیادتی ہو گئی؟ آپؐ نے فرمایا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا آپؐ نے پانچ رکعت نماز پڑھی۔ آپؐ نے فرمایا میں تمہاری طرح انسان ہوں۔ یاد کرتا ہوں جیسا تم یاد کرتے ہو اور بھولتا ہوں جیسا تم بھولتے ہو۔ پھر دو سجدۂ سہو فرمائے (ب) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے اس شخص کے بارے میں جو نہیں جانتا ہے کہ تین رکعت پڑھی یا چار۔ فرمایا نماز لوٹائے گا یہاں تک کہ یاد ہو جائے۔

یدر اصلی ثلثا ام اربعا وذلک اول ما عرض له استأنف الصلوة [۳۰۸](۱۲) فان کان یعرض له کثیرا بنی علی غالب ظنه ان کان له ظن وان لم یکن له ظن بنی علی الیقین.

باب من قال اذا شک فلم یدر کم صلی اعاد، ج اول، ص ۳۸۵، نمبر۴۴۲۲) اس اثر کو ہم اس پر حمل کرتے ہیں کہ پہلی مرتبہ شک ہوا ہو تو شروع سے نماز پڑھے، اور بار بار شک ہوتا ہو تو ظن غالب پر عمل کرے اور یقین پر عمل کرے۔

لغت استأنف : شروع سے پڑھے۔

[۳۰۸] (۱۲) اور اگر اس کو بار بار شک پیش آتا ہو تو غالب گمان پر بنا کرے گا۔

تشریح مثلا تین رکعت اور چار رکعت میں شک ہو اور غالب گمان ہو کہ چار رکعت پڑھی ہے تو غالب گمان چار رکعت پر عمل کرے گا اور سلام پھیر دے گا۔ اور کسی طرف ظن غالب نہ ہو تو تین رکعت یقینی ہے اس لئے تین کو بنیاد بنا کر ایک رکعت ملائے گا۔ تا کہ چار رکعت ہو جائے۔ اور سجدۂ سہو بھی کرے گا۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ اذا شک احدکم فی صلوتہ فلم یدر کم صلی؟ ثلاثا ام اربعا؟ فلیطرح الشک ولیبن علی ما استیقن ثم یسجد سجدتین قبل ان یسلم (الف)** (مسلم شریف، باب السہو فی الصلوۃ والسجود ص ۲۱۱ نمبر ۱۲۷۱/ ابوداؤد شریف، باب اذا شک فی الثنتین والثلاث ص ۱۵۴ نمبر ۱۰۲۴/ بمعناہ ترمذی شریف، باب فیمن یشک فی الزیادۃ والنقصان ص ۹۱ نمبر ۳۹۸) اس حدیث میں ہے کہ ظن غالب نہ ہو بلکہ دونوں طرف شک ہو تو یقین پر بنا کرے، دوسری حدیث میں ہے کہ ظن غالب پر عمل کر سکتا ہے **قال عبد اللہ صلی رسول اللہ ... واذا شک احدکم فی صلوتہ فلیتحر الصواب فلیتم علیہ ثم یسجد سجدتین**۔ دوسری حدیث میں ہے **فلینظر احری ذلک للصواب (ب)** (مسلم شریف، باب من شک فی صلوتہ فلم یدر کم صلی فلیطرح الشک الخ ص ۲۱۱ نمبر ۱۲۷۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غور کرنا چاہئے کہ کتنی رکعت پڑھی ہے تا کہ جس طرف ظن غالب ہو اس پر عمل کیا جا سکے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی ایک کو نماز میں شک ہو اور نہیں جانتا ہو کہ تین پڑھی ہے یا چار رکعت تو شک کو چھوڑ دے اور یقین پر بنا کرے پھر سجدے کرے دو سجدے اس سے پہلے کہ سلام کرے (ب) عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ حضور نے نماز پڑھی... اور فرمایا اگر تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز میں شک ہو تو صحیح کی تحری کرنی چاہئے اور اس پر نماز پوری کرنی چاہئے پھر دو سجدے کرے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ درستگی کے قریب کون سی بات ہے۔

﴿باب صلوۃ المریض﴾

[۳۰۹](۱) اذا تعذر علی المریض القیام صلی قاعدا یرکع ویسجد فان لم یستطع الرکوع والسجود اومئ ایماء وجعل السجود اخفض من الرکوع[۳۱۰] (۲)ولا یرفع

﴿ باب صلوۃ المریض ﴾

ضروری نوٹ مریض کو اللہ نے گنجائش دی ہے کہ جتنی طاقت ہو اتنا کام کرے۔ اس سے زیادہ کا مکلف نہیں ہے۔ چنانچہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور بیٹھ کر نہ پڑھ سکتا ہو تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھے۔ البتہ جب تک ہوش وحواس ہے اور اشارہ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے تو نماز ساقط نہیں ہوگی۔ دلیل یہ آیت ہے لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج (الف) (آیت ۱۷ سورۃ الفتح ۴۸) اس آیت سے ثابت ہوا کہ قدرت کے مطابق آدمی کام کرتا رہے لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا (آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے ثابت ہوا کہ وسعت سے زیادہ اللہ تعالی مکلف نہیں بناتے۔

[۳۰۹](۱) بیمار پر کھڑا ہونا متعذر ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے گا، رکوع اور سجدہ کرے گا، پس اگر رکوع اور سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اشارہ کرے گا اور سجدہ زیادہ جھکائے گا رکوع سے۔

تشریح جو آدمی کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔ اور بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کرے گا۔ اور رکوع اور سجدہ بھی نہ کر سکتا ہو تو رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا۔ اور سجدہ کے لئے سر کو زیادہ جھکائے گا وجہ حدیث میں ہے عن عمران بن حصین قال کانت بی بواسیر فسألت رسول اللہ ﷺ عن الصلوۃ فقال صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنب (ب) (بخاری شریف، باب اذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب ص ۱۵۰ نمبر ۱۱۱۷ رترمذی شریف، باب ماجاء ان صلوۃ القاعد علی النصف من صلوۃ القائم ص ۸۵ نمبر ۳۷۲ رابو داؤد شریف، باب فی صلوۃ القاعد ص ۱۴۴ نمبر ۹۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بیٹھ نہ سکتا ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔ رکوع اور سجدہ کے لئے اشارہ کرے۔ اور سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ سر جھکائے اس کی دلیل یہ ہے قال علی کل حال مستلقیا ومنحرفا فاذا استقبل القبلۃ وکان لایستطیع الا ذلک فیومئ ایماء ویجعل سجودہ اخفض من رکوعہ (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ المریض ج ثانی ص ۴۷۵ نمبر ۴۱۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سجدہ کے لئے سر زیادہ جھکائے۔

لغت اومئ : اشارہ کرے۔

[۳۱۰](۲) اور اپنے چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے جس پر سجدہ کرے۔

حاشیہ : (الف) اندھے پر کوئی حرج نہیں، لنگڑے پر کوئی حرج نہیں اور مریض پر کوئی حرج نہیں ہے (ب) عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ مجھے بواسیر کا مرض تھا میں نے حضورؐ سے نماز کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ پس اگر طاقت نہ رکھتے ہو تو بیٹھ کر کے، پس اگر طاقت نہ رکھتے ہو تو پہلو کے بل نماز پڑھو (ج) حضرت قتادہؓ سے روایت ہے ہر حال میں کہ چت لیٹ کر کے یا قبلہ سے علاوہ کی حالت میں ہو، پس جب کہ قبلے کا استقبال کرو اور نہ طاقت رکھتا ہو مگر اسی کی تو اشارہ کرے اشارہ کرنا۔ اور سجدہ کو زیادہ جھکائے رکوع سے۔

الی وجهه شيئا يسجد عليه[۳۱۱] (۳) فان لم يستطع القعود استلقى على قفاه وجعل رجليه الى القبلة واومئ بالركوع والسجود [۳۱۲](۴) وان اضطجع على جنبه ووجهه

وجہ اوپر اثر میں آیا کہ رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا اس لئے لکڑی وغیرہ کوئی چیز چہرے کی طرف نہ اٹھائے کہ اس پر سجدہ کرے۔اس کو منع فرمایا گیا ہے۔اثر میں ہے ان ابن عمر کان یقول اذا کان احدکم مریضا فلم یستطع سجودا علی الارض فلا یرفع الی وجهه شيئا وليجعل سجوده ركوعا وليومئ برأسه (الف) (مصنف عبدالرزاق ، باب المریض ج ثانی ص ۴۷۵ نمبر ۴۱۳۷) سنن للبیھقی ، باب الایماء بالرکوع والسجود اذا عجز عنھما ج ثانی ص ۴۳۵، نمبر ۳۶۷۲، ابواب المریض) اس حدیث میں ہے اجعل سجودک اخفض من رکوعک ۔اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے بلکہ سر کے اشارہ سے نماز پڑھے۔اور رکوع میں کم جھکائے اور سجدہ میں زیادہ جھکائے۔

[۳۱۱] (۳) اگر بیٹھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو گدی کے بل چت لیٹے اور دونوں پاؤں کو قبلہ کی طرف کرے اور رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے۔

تشریح چت لیٹ کر پاؤں کو قبلہ کی طرف کرے گا تو اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ قبلہ رخ ہوگا۔جو نمازی کے لئے صحت کی حالت میں فرض ہے۔اگر چہ ایک کراہیت بھی ہے کہ پاؤں قبلہ کی طرف ہوئے۔حضرت مصنف نے قبلہ رخ کی وجہ سے اس طریق کو افضل قرار دیا ہے۔اثر میں ہے عن ابن عمر قال یصلی المریض مستلقیا علی قفاه تلی قدماه القبلة (ب) سنن للبیھقی ، باب روی فی کیفیۃ الصلوۃ علی الجنب اوالاستلقاء وفیہ نظر ج ثانی ص ۴۳۶، نمبر ۳۶۷۹)

[۳۱۲] (۴) اور اگر پہلو کے بل لیٹا اور اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارہ کرے تب بھی جائز ہے۔

وجہ مسئلہ نمبر ا میں بخاری کی حدیث گزری فان لم یستطع فعلی جنب کہ بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے (۲) علی بن ابی طالب عن النبی ﷺ قال یصلی المریض قائما ان استطاع فان لم یستطع صلی قاعدا فان لم یستطع ان یسجد أومأ وجعل سجوده اخفض من ركوعه فان لم يستطع ان يصلي قاعدا صلى على جنبه الايمن مستقبل القبلة فان لم يستطع ان يصلي على جنبه الايمن صلى مستلقيا رجله مما يلي القبلة (ج) (سنن للبیھقی ، باب ما روی فی کیفیۃ الصلوۃ علی الجنب اولاستلقاء ، ج ثانی ص ۳۰۶، نمبر ۳۶۷۸ دار قطنی ، باب صلوۃ المریض ومن رعف فی صلوتہ الخ ، ج ثانی ص ۳۱ نمبر ۱۶۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔اگر اس پر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تب چت لیٹ کر قبلہ کی طرف

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر کہا کرتے تھے تم میں سے کوئی ایک مریض ہو اور زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے اور سجدہ کو رکوع کی طرح کرے اور سر سے اشارہ کرے (ب) آپ نے فرمایا بیمار گدی کے بل چت لیٹ کر نماز پڑھے گا۔اس کے دونوں قدم قبلہ کی طرف ہوں گے۔

حاشیہ : (ج) آپؐ نے فرمایا مریض اگر طاقت رکھے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا۔پس اگر طاقت نہ رکھے تو بیٹھ کر کے، پس اگر طاقت نہ رکھتا ہو کہ سجدہ کرے تو اشارہ کرے گا۔اور سجدہ رکوع سے زیادہ جھکائے گا۔پس اگر طاقت نہ رکھتا ہو کہ نماز پڑھے بیٹھ کر تو نماز پڑھے گا دائیں پہلو کے بل قبلے کا استقبال کرتے ہوئے۔پس اگر دائیں پہلو پر نماز نہ پڑھ سکتا ہو نماز پڑھے گا چت لیٹ کر، اس کا پاؤں قبلہ کی جانب ہو۔

الی القبلة واومئ جاز[۳۱۳] (۵) فان لم یستطع الایماء برأسه اخر الصلوة ولا یومئ بعینیه ولا بقلبه ولا بحاجبیه [۳۱۴](۶) فان قدر علی القیام ولم یقدر علی الرکوع والسجود لم یلزمه القیام وجاز ان یصلی قاعدا یومئ ایماء [۳۱۵](۷) فان صلی الصحیح بعض صلوته قائما ثم حدث به مرض اتمها قاعدا یرکع ویسجد ویومئ ایماء ان

پاؤں کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہی ہے کہ دائیں پہلو کے بل لیٹ کرنماز پڑھے اوروہ نہ کرسکتا ہوتو لیٹ کرقبلہ رخ پاؤں کرے۔ان کی دلیل یہی دونوں احادیث ہیں۔ لغت استلقی : چت لیٹا، قفا : گدی۔

[۳۱۳](۵)پس اگرسر سے اشارہ کرنے کی طاقت نہ ہوتو نماز مؤخر ہو جائے گی ،اور نہ اشارہ کرے اپنی آنکھوں سے اور نہ دل سے اور نہ بھوؤں سے **تشریح** اگرسر سے بھی اشارہ کرنے کی طاقت نہ ہوتو نماز مؤخر ہوگی۔ چونکہ عقل دماغ موجود ہے اس لئے شریعت کا خطاب اس پر موجود ہے اس لئے نماز لازم ہوگی۔البتہ مؤخر کر کے نماز پڑھے گا۔

وجہ مسئلہ نمبر۴ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ سر سے اشارہ کرے گا۔اورسر سے اشارہ نہ کرسکےتو نماز مؤخر ہو جائے گی۔

لغت بحاجبیہ : دونوں بھوؤں سے۔

[۳۱۴](۶)اگر کھڑے ہونے پر قدرت رکھتا ہولیکن رکوع اور سجدے پر قدرت نہ رکھتا ہوتو اس کو کھڑا ہونا لازم نہیں ہے۔اوراس کے لئے جائز ہے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔

تشریح ایک آدمی کھڑا تو ہوسکتا ہے لیکن پیٹھ میں درد کی وجہ سے رکوع سجدہ نہیں کرسکتا تو اس کے لئے کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔وہ بیٹھ کر رکوع اور سجدے کا اشارہ کر کے نماز پڑھے۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کھڑا ہونا اس لئے تھا تا کہ صحیح طور پر رکوع اور سجدہ کر سکے۔لیکن جب رکوع اور سجدہ ہی نہیں کرسکا تو کھڑا ہونا جوفرض تھا اس سے ساقط ہو جائے گا۔اب چاہے تو کھڑا ہو چاہے تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔

[۳۱۵](۷)پس اگر تندرست آدمی نے بعض نماز کھڑے ہو کر پڑھی پھر اس کو مرض پیدا ہوا تو اس کو پوری کرے گا بیٹھ کر کے،رکوع کریگا اور سجدہ کریگا،اور اشارہ کرے گا اگر رکوع اور سجدے پر طاقت نہ رکھتا ہو۔یاچت لیٹے گا اگر بیٹھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

وجہ مسئلہ نمبر۱ میں بخاری کی حدیث گزر چکی ہے کہ کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہوتو پہلو کے بل لیٹ کرنماز پڑھے۔اور یہ بھی گزرا کہ رکوع اور سجدہ نہ کرسکتا ہوتو اشارہ سے نماز پڑھے گا(۲) آیت میں گزرا کہ مریض پر کوئی حرج نہیں ہے۔ جتنے پر قدرت ہوگی اتنا ہی کرے گا۔اس لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا تھا اور درمیان میں زیادہ بیمار ہو گیا اور بیٹھ گیا تو ادنی کو اعلی پر بنا کیا اس لئے جائز ہے۔اور رکوع سجدہ نہ کرسکا تو اشارہ سے نماز پڑھے گا۔

لم یستطع الرکوع والسجود او مستلقیا ان لم یستطع القعود[۳۱۶] (۸) ومن صلی قاعدا یرکع و یسجد لمرض ثم صح بنی علی صلوته قائما[۳۱۷] (۹) فان صلی بعض صلوته بایماء ثم قدر علی الرکوع والسجود استأنف الصلوة [۳۱۸](۱۰) ولمن اغمی

---

[۳۱۶] (۸) جس نے بیٹھ کر نماز پڑھی رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے مرض کی بنا پر پھر تندرست ہو گیا تو کھڑے ہو کر اپنی نماز پر بنا کرے گا۔

وجہ (۱) بیٹھنا آدھا کھڑا ہونا ہے اس لئے اگر بیٹھا ہوا رکوع وسجدہ کر رہا تھا اور کھڑے ہونے پر قدرت ہوگئی تو اسی پر بنا کرے گا اور باقی نماز کھڑے ہو کر پوری کرے گا (۲) کھڑے ہونے والے بیٹھنے والے کی اقتدا کر سکتے ہیں لیکن لیٹنے والے کی اقتدا نہیں کر سکتے اس سے بھی معلوم ہوا کہ بیٹھنا آدھا کھڑا ہونا ہے۔ اس لئے اسی پر بنا کرے گا۔ شروع نماز سے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن عائشة ان رسول الله کان یصلی جالسا فیقرأ وهو جالس فاذا بقی من قرأته قدر ما یکون ثلثین او اربعین آیة قام فقرأ وهو قائم ثم رکع ثم سجد ثم یفعل فی الثانیة مثل ذلک (الف) (مسلم شریف، باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۷۳۱) اس حدیث میں آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھی ہے پھر آخر میں کھڑے ہو کر اس پر بنا کیا ہے۔ یہ حدیث اگر چہ نوافل کے بارے میں ہے لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کی صورت میں فرائض میں بھی بیٹھنے پر کھڑا ہونے کو بنا کر سکتا ہے۔

[۳۱۷] (۹) پس اگر بعض نماز اشارہ سے پڑھی پھر رکوع اور سجدہ پر قدرت ہوگئی تو نماز شروع سے پڑھے گا۔

وجہ اشارہ کرنا بہت ہی کمزور حالت ہے۔ اس پر اعلی کی بنا نہیں کر سکتے (۲) یہی وجہ ہے کہ لیٹنے والے یا اشارہ کرنے والے کی اقتدا بیٹھنے والے یا کھڑے ہونے والے نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک بہت اعلی حالت ہے اور دوسری بہت ادنی حالت ہے۔ اس لئے اشارہ کر کے نماز پڑھ رہا تھا اور درمیان میں رکوع اور سجدہ پر قدرت ہوگئی تو اس پر بنا نہیں کرے گا بلکہ شروع سے نماز پڑھے گا (۳) اوپر کی حدیث سے ثابت ہوا کہ بیٹھنے پر کھڑے ہونے کو بنا آپؐ نے کیا ہے۔ لیکن اشارہ کرنے پر بنا کرنے کی حدیث نہیں ہے۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اشارہ کرنے پر رکوع وسجدہ کرنے کو بنا نہ کیا جائے۔

[۳۱۸] (۱۰) جس پر پانچ نمازیں یا اس سے کم کی بیہوشی طاری ہوئی تو ان کو قضا کرے گا جب تندرست ہوگا۔ اور اگر فوت ہوگئی ہے بیہوشی کی وجہ سے پانچ نمازوں سے زیادہ تو قضا نہیں کرے گا۔

تشریح بیہوشی کی وجہ سے پانچ نماز یا اس سے کم قضا ہوئی ہو تو اس کو قضا کرے گا۔ اور اس سے زیادہ قضا ہوگئی ہو تو اس کو قضا نہیں کرے گا۔ معاف ہے۔

وجہ (۱) بیہوشی طاری ہوئی تو عقل گویا کہ ختم ہوگئی اس لئے شریعت کا خطاب اس سے اٹھ گیا۔ لیکن ایک دن ایک رات سے کم بیہوشی رہی تو وہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نماز پڑھتے تھے بیٹھ کر تو قرأت کرتے اس حال میں کہ بیٹھے ہوتے، پس جب کہ آپؐ کی قرأت میں سے تیس یا چالیس آیتیں باقی رہتی تو کھڑے ہوتے پھر قرأت کرتے کھڑے ہو کر، پھر رکوع کرتے پھر سجدہ کرتے، پھر ایسا ہی دوسری رکعت میں کرتے۔

علیه خمس صلوات فما دونها قضاها اذا صح وان فاتته بالاغماء اکثر من ذلک لم یقض

نیند کے درجہ میں ہے۔اس لئے اس کی نماز قضا کرے گا۔اور ایک دن ایک رات سے زیادہ بیہوشی رہی تو اس سے خطاب اٹھا ہوا ہے۔اس لئے اب اس کی نماز قضا نہیں کرے گا (۲) اس طرح قضا کروائیں تو حرج لازم ہوگا تو جس طرح حائضہ سے نماز معاف ہے اسی طرح اس سے بھی نماز معاف ہوگی۔(۳) آثار میں ہے عن عبد الله بن عمر عن نافع قال اغمی علی ابن عمر یوما ولیلة فلم یقض ما فاته ... وفی حدیث آخر ... ان ابن عمر اغمی علیه شهرا فلم یقض ما فاته وصلی یومه الذی افاق فیه (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب صلوۃ المریض علی الدابۃ وصلوۃ المغمی علیہ ج ثانی ص ۴۷۹ نمبر ۴۱۵۲/۴۱۵۳) ان دونوں آثار سے معلوم ہوا کہ ایک دن ایک رات کی نماز سے قضا ہوئی ہو تو قضا کرے گا اور زیادہ ہوئی ہو تو قضا نہیں کرے گا۔معاف ہے ورنہ حرج لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) عبداللہ ابن عمر پر ایک دن ایک رات بیہوشی طاری ہوئی تو جو نمازیں فوت ہوئی اس کی قضا نہیں کی۔دوسری حدیث میں ہے کہ ابن عمر پر ایک ماہ تک بیہوشی طاری ہوئی تو جو نمازیں فوت ہوئیں ان کی قضا نہیں کی۔اور اس دن کی نماز پڑھی جس دن افاقہ ہوا۔

﴿باب سجود التلاوة﴾

[۳۱۹](۱) فی القرآن اربعة عشر سجدة فی آخر الاعراف وفی الرعد وفی النحل وفی بنی اسرائیل ومریم والاولی فی الحج والفرقان والنمل والانشقاق والعلق[۳۲۰](۲)

﴿ باب سجود التلاوۃ ﴾

ضروری نوٹ قرآن کریم میں چودہ آیتیں ہیں جن کے پڑھنے سے سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ ان کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔ سجدۂ تلاوت واجب ہونے کی یہ دلیل ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ سجد بالنجم وسجد معه المسلمون والمشرکون والجن والانس (الف) (بخاری شریف، باب سجدۃ النجم ص ۱۴۶ نمبر ۱۰۷۱ مسلم شریف، باب سجود التلاوۃ ص ۲۱۵ نمبر ۵۷۶) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آیت سجدہ پڑھنے سے سجدہ کرنا چاہئے۔ اور جو لوگ سنے ان کو بھی سجدہ کرنا چاہئے۔

[۳۱۹] (۱) قرآن کریم میں چودہ آیتوں پر سجدے ہیں (۱) سورۂ اعراف کے اخیر میں (۲) الرعد (۳) النحل (۴) بنی اسرائیل (۵) مریم (۶) سورۂ حج میں پہلا سجدہ (۷) الفرقان (۸) النمل (۹) الم تنزیل (۱۰) ص (۱۱) حم السجدۃ (۱۲) النجم (۱۳) الانشاق (۱۴) العلق۔ یہ چودہ آیتیں ہیں جن کے پڑھنے سے پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سورۂ حج میں جو پہلا سجدہ ہے اس کے پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے **وجہ** اس کی وجہ یہ اثر ہے عن سعید بن المسیب والحسن قالا فی الحج سجدة واحدة الاولی منها (ب) (مصنف بن ابی شیبۃ، باب ۲۱۵ من قال ھی واحدۃ وھی الاولی، ج اول، ص ۳۷۳ نمبر ۴۳۰۰) (۲) عن ابن عباس قال فی سورة الحج الاولی عزیمة والآخرة تعلیم وکان لایسجد فیها (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب کم فی القرآن من سجدۃ ص ۳۴۲ نمبر ۵۸۹۲) ان دونوں آثار سے معلوم ہوا کہ سورۂ حج میں پہلی آیت پر سجدہ ہے دوسری آیت تعلیم کے لئے ہے۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک دونوں جگہ سجدے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عقبة بن عامر حدثه قال قلت لرسول الله ﷺ فی سورة الحج سجدتان قال نعم ومن لم یسجد هما فلا یقرأهما (د) (ابو داؤد شریف، باب کم سجدۃ فی القرآن ص ۲۰۶ نمبر ۱۴۰۲ ر باب تفریع ابواب السجود رترمذی شریف، باب فی السجدۃ فی الحج ص ۱۲۸ نمبر ۵۷۸) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں۔ اس اعتبار سے کل سجدے پندرہ ہو جائیں گے۔ یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔

[۳۲۰] (۲) سجدہ واجب ہے ان جگہوں میں پڑھنے والے پر اور سننے والے پر چاہے قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا ارادہ نہ کیا ہو۔

تشریح ان آیتوں کے پڑھنے سے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔ چاہے سننے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

وجہ واجب ہونے کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن عباس قال صٓ لیس من عزائم السجود وقد رأیت النبی ﷺ یسجد فیها

حاشیہ : (الف) آپؐ نے سجدہ کیا سورۂ نجم میں اور آپ کے ساتھ مسلمان، مشرکین، جنات اور انسان نے بھی سجدہ کیا (ب) سعید بن مسیب اور حسن نے فرمایا کہ سورۂ حج میں ایک سجدہ ہے۔ ان میں سے پہلا سجدہ (ج) ابن عباس نے فرمایا سورۂ حج میں پہلا سجدہ تاکیدی ہے اور دوسرا سجدہ تعلیم کے لئے ہے۔ اور اس میں سجدہ نہیں کیا کرتے تھے (د) میں نے حضورؐ سے کہا کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا ہاں! اور جس نے دو سجدے نہیں کئے تو گویا کہ ان کو پڑھا ہی نہیں۔

والسجود واجب فی ھذہ المواضع علی التالی والسامع سواء قصد سماع القرآن او لم

(الف) (بخاری شریف، باب سجدۃ صٓ ۔ص ۱۴۶ نمبر ۱۰۶۹ رابوداؤدشریف باب السجود فی صٓ ۔ص ۲۰۷ نمبر ۱۴۰۹ رترمذی شریف، باب ما جاء فی السجدۃ فی صٓ ۔ص ۱۲۷ نمبر ۵۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ صٓ میں سجدہ تاکیدی نہیں ہے۔اس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ دوسری آیتوں کا سجدہ تاکیدی ہے اوراسی کا نام وجوب ہے۔اس لئے سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ایک اورحدیث سے اس کا اشارہ ملتا ہے **عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ یقرأ السجدۃ ونحن عندہ فیسجد ونسجد معہ فنزدحم حتی مایجد احدنا لجبھتہ موضعا یسجد علیہ** (ب) (بخاری شریف، باب ازدحام الناس اذا قرأ الامام السجدۃ ص ۱۴۶ نمبر ۱۰۷۶ رباب ماجاء فی سجود القرآن رمسلم شریف، باب سجود التلاوۃ ص ۲۱۵ نمبر ۵۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ واجب ہےاور سننے والوں پربھی واجب ہے۔اسی لئے تو سننے کے بعدتمام لوگ سجدہ کرتے تھے۔یہاں تک کہ سجدہ کے لئے جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آیت سجدہ سننے کا ارادہ نہ بھی رکھتا ہوتو بھی سننے سے سجدہ واجب ہوگا۔کیونکہ اس میں بہت سے لوگ وہ بھی ہوں گے جو سننے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں گے پھر بھی انہوں نے سجدہ کیا (۲) اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے **عن ابن عمر قال انما السجدۃ علی من سمعھا،سعید بن جبیر قال من سمع السجدۃ فعلیہ ان یسجد** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۰۷، باب من قال السجدۃ علی من جلس لھا ومن سمعہ، ج اول ص ۳۶۷، نمبر ۴۲۲۵ر۴۲۲۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو بھی آیت سجدہ سنے گا اس پر سجدہ کرنا واجب ہوگا چاہے سننے کا ارادہ کرے یا نہ کرے

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے۔ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن عمر بن الخطاب قرأ یوم الجمعۃ علی المنبر بسورۃ النحل حتی اذا جاء السجدۃ نزل فسجد و سجد الناس حتی اذا کانت الجمعۃ القابلۃ قرأ بھا حتی اذا جاء السجدۃ قال ایھا الناس انما نمر بالسجود فمن سجد فقد اصاب ومن لم یسجد فلا اثم علیہ ولم یسجد عمر** (د) (بخاری شریف، باب من رأی ان اللہ عزوجل لم یوجب السجود ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۷۷ رابوداؤدشریف، باب السجود فی صٓ ص ۲۰۷ نمبر ۱۴۱۰ رترمذی شریف، باب ماجاء من لم یسجد فیہ ص ۱۲۷ نمبر ۵۷۶) اس حدیث واثر سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے سنت ہے۔سجدہ کرے گا تو ثواب ملے گا اورنہیں کرے گا تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ سننے کے ارادے سے سنے تو سجدہ کرے گا اور اگر بغیر ارادہ کے سن لیا تو اس پر ضروری نہیں ہے۔ان کی دلیل یہ اثر ہے **قال سلمان ما لھذا غدونا وقال عثمان انما السجدۃ علی من استمعھا** (ہ) (بخاری شریف، باب من رأی ان اللہ عزوجل یاجب السجود ص ۱۴۶ نمبر ۱۰۷۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سننے کے

حاشیہ : (الف) ابن عباس نے فرمایا کہ سورۂ صٓ میں تاکیدی سجدہ نہیں ہے پھر بھی حضور کو دیکھا کہ اس میں سجدہ کیا کرتے تھے (ب) حضور آیت سجدہ پڑھتے اور ہم ان کے پاس ہوتے تو آپ سجدہ کرتے اور ہم لوگ بھی آپؐ کے ساتھ سجدہ کرتے تو ہم لوگ بھیڑ کر دیتے۔یہاں تک کہ ہم میں سے بعض پیشانی رکھنے کی جگہ نہیں پاتے کہ اس پر سجدہ کرے (ج) سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جو آیت سجدہ سنے اس پر یہ ہے کہ سجدہ کرے (د) عمر ابن خطاب نے جمعہ کے دن منبر پر سورۃ النحل پڑھی یہاں تک کہ جب آیت سجدہ آئی تو نیچے اترے اور سجدہ کیا۔اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا یہاں تک کہ جب اگلا جمعہ آیا تو اس کو پڑھا یہاں تک کہ جب آیت سجدہ آئی تو کہا اے لوگو! ہم سجدہ پر گزرتے ہیں تو جس نے سجدہ کیا اس نے ٹھیک کیا اور جس نے سجدہ نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔اور حضرت عمر نے سجدہ نہیں کیا (ہ) حضرت سلمان نے فرمایا ہم اس سجدہ کے لئے نہیں آتے ہیں ، حضرت عثمان نے فرمایا سجدہ اس پر ہے جو سجدہ کو کان لگا کر سنے۔

یقصد [۳۲۱](۳) فاذا تلا الامام آیة السجدة سجدها و سجد الماموم معه [۳۲۲](۴) فان تلا الماموم لم یلزم الامام ولا الماموم السجود[۳۲۳] (۵) وان سمعوا وهم فی الصلوة آیة سجدة من رجل لیس معهم فی الصلوة لم یسجدوها فی الصلوة فان سجدوها فی الصلوة لم تجز لهم ولم تفسد صلوتهم.

ارادے سے سنے تو سجدہ ضروری ہے ورنہ نہیں۔

[۳۲۱] (۳) پس اگر امام نے آیت سجدہ پڑھی تو اس کا سجدہ کرے گا اور مقتدی بھی اس کے ساتھ سجدہ کرے گا۔

وجہ (۱) پہلے گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہے اس لئے امام پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا تو مقتدی پر بھی واجب ہو جائے گا (۲) اس کے لئے دلیل یہ بھی ہے کہ مسئلہ نمبر۲ میں ہے **کان النبی ﷺ یقرأ السجدة و نحن عنده فیسجد ونسجد معه** (الف) (بخاری شریف، باب ازدحام الناس ص۱۴۶ نمبر۱۰۷۶) اس حدیث میں ہے کہ حضور سجدہ کرتے تھے اور ہم لوگ بھی ان کی اقتدا میں سجدہ کرتے تھے۔

[۳۲۲] (۴) پس اگر مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو نہ امام کو لازم ہوگا اور نہ مقتدی کو سجدہ لازم ہوگا۔

وجہ مقتدی امام کے تابع ہے اس لئے اگر مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو اس کی وجہ سے امام پر سجدہ لازم نہیں ہوگا۔ اور مقتدی امام کے خلاف کرکے سجدہ نہیں کر سکتا ورنہ امام کی مخالفت لازم ہوگی اس لئے نہ امام پر سجدہ لازم ہوگا اور نہ مقتدی پر لازم ہوگا (۲) امام ابو حنیفہ کے اعتبار سے مقتدی کو قرأت ہی نہیں کرنی چاہئے۔ اس نے جو قرأت کی ہے یہی خلاف قاعدہ کی ہے۔ اس لئے کسی پر سجدہ لازم نہیں ہوگا۔

[۳۲۳] (۵) اگر لوگ نماز میں ہوں اور انہوں نے آیت سجدہ ایسے آدمی سے سنی جو ان کے ساتھ نماز میں نہ ہو تو لوگ نماز میں اس کا سجدہ نہ کرے، اور اگر نماز ہی میں سجدہ کر لیا تو ان کو کافی نہ ہوگا، لیکن ان کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

تشریح کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک آدمی اس نماز میں نہیں تھا اس نے آیت سجدہ پڑھی اور نمازی لوگوں نے اس کو سنی تو نمازی لوگوں کو چاہئے کہ ابھی اس کا سجدہ نہ کرے بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کا سجدہ کرے۔ لیکن اگر انہوں نے نماز ہی میں سجدہ کر لیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ یہ سجدہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔ اس کا سبب نماز کے باہر سے آیا ہے۔ اس لئے اس کو نماز میں ادا نہیں کرنا چاہئے۔ نماز سے باہر ادا کرنا چاہئے۔ تاہم کر دیا تو چونکہ خلاف نماز کام نہیں ہے اس لئے نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے **عن طاؤس فی الرجل سمع المسجدة وهو فی الصلوة قال لا یسجد** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۱۶ باب یسمع السجدة قرأت وھو فی الصلوة من قال لا یسجد، ج اول، ص ۳۷۴، نمبر ۴۳۰۳ اس باب میں کئی اثر ہیں / مصنف عبد الرزاق، باب اذا سمعت السجدة وانت تصلی ج ثالث ص

حاشیہ : (الف) آپ آیت سجدہ پڑھتے اور ہم ان کے پاس ہوتے تو وہ بھی سجدہ کرتے اور ہم بھی ان کے ساتھ سجدہ کرتے (ب) حضرت طاؤس سے اس آدمی کے بارے میں روایت ہے جس نے آیت سجدہ سنی اس حال میں کہ وہ نماز میں ہے تو فرمایا کہ وہ ابھی سجدہ نہ کرے۔

[٣٢٤] (٦) ومن تلا آية سجدة خارج الصلوة ولم يسجدها حتى دخل فى الصلوة فتلاها وسجد لهما اجزأته السجدة عن التلاوتين [٣٢٥](٧) فان تلاها فى غير الصلوة فسجدها ثم دخل فى الصلوة فتلاها سجدها ثانيا ولم تجزه السجدة الاولى[٣٢٦] (٨) ومن كرر تلاوة سجدة واحدة فى مجلس واحد اجزأته سجدة واحدة.

٣٥١نمبر١٥٩٤)

[٣٢٤](٦) کسی نے نماز سے باہر سجدہ کی آیت پڑھی، اس کا ابھی سجدہ نہیں کیا کہ نماز شروع کر دی اور نماز میں دوبارہ اسی آیت کو پڑھی تو دونوں کے لئے نماز والا ایک ہی سجدہ کافی ہے بشرطیکہ مجلس نہ بدلی ہو۔

وجہ (ا) نماز کا سجدہ اعلی ہے اس لئے ادنی کے لئے کافی ہے۔ اور چونکہ مجلس ایک ہے اسلئے نماز والا ایک ہی سجدہ کافی ہوگا (۲) ایک ہی سجدہ کافی ہونے کے لئے یہ اثر ہے عن مجاهد قال اذا قرأت السجدة اجزأك ان تسجد بها مرة ، عن ابراهيم فى الرجل يقرأ السجدة ثم يعيد قرأتها قالا تجزيها السجدة الاولى (الف) (مصنف بن ابی شيبة ٢٠٤، باب الرجل يقرأ السجدة ثم يعيد قرأتها كيف يصنع ج اول ص ٣٦٥، نمبر ٤٢٠٠/٤١٩٩) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کئی مرتبہ آیت سجدہ پڑھنے سے اگر مجلس ایک ہو تو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

[٣٢٥](٧) پس اگر آیت سجدہ تلاوت کی نماز سے باہر اور اس کا سجدہ کر لیا پھر نماز میں داخل ہوا پھر اسی آیت کی تلاوت کی تو دوسری مرتبہ اس کا سجدہ کرے، اور اس کے لئے پہلا سجدہ کافی نہیں ہوگا۔

وجہ نماز سے باہر والا سجدہ ادنی ہے اور نماز کے اندر کا سجدہ اعلی ہے۔ اس لئے ادنی والا سجدہ اعلی کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ اس لئے نماز سے باہر جو سجدہ کر چکا ہے وہ نماز کے اندر والے کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ نماز کے اندر آیت سجدہ پڑھنے کی وجہ سے دوبارہ سجدہ کرنا ہوگا۔

[٣٢٦](٨) کسی نے ایک ہی آیت سجدہ کو ایک ہی مجلس میں مکرر تلاوت کی تو اس کو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

وجہ قیاس کے اعتبار سے ہر آیت پڑھنے کے لئے الگ الگ سجدہ واجب ہونا چاہئے۔ لیکن حرج کے لئے تداخل کر دیا جائے گا۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ مجلس ایک ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ ادنی اعلی میں داخل ہوگا لیکن اعلی ادنی میں داخل نہیں ہوگا۔ اب اوپر کی صورت میں ایک ہی آیت کئی مرتبہ پڑھی ہے تو اگر مجلس ایک ہے تو تداخل ہو کر ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔ اور مجلس بدل گئی تو کئی سجدے لازم ہونگے۔ (۲) اثر میں موجود ہے عن ابى عبد الرحمن انه كان يقرأ السجدة فيسجد ثم يعيدها فى مجلسه ذلك مرارا لا يسجد (الف) مصنف ابن ابی شيبة ٢٠٤، باب الرجل يقرأ السجدة ثم يعيد قرأتها كيف يصنع، ج اول، ص ٣٦٦، نمبر ٤٢٠١) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم سے فتوی ہے کہ آدمی آیت سجدہ پڑھے پھر اس کی قرأت کو لوٹائے۔ فرمایا اس کو پہلا ہی سجدہ کافی ہے (ب) ابو عبد الرحمن آیت سجدہ پڑھتے تھے اور سجدہ کرتے تھے۔ پھر اسی مجلس میں کئی مرتبہ لوٹاتے اور دوبارہ سجدہ نہیں کرتے۔

[۳۲۷](۹) ومن اراد السجود کبر ولا یرفع یدیه و سجد ثم کبر ورفع رأسه ولا تشهد علیه ولا سلام.

میں کئی مرتبہ آیت سجدہ پڑھا تو تداخل ہوگا اور ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔

[۳۲۷](۹) جس نے سجدۂ تلاوت کا ارادہ کیا تو تکبیر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ کرے، پھر تکبیر کہے اور اپنے سر کو اٹھائے۔ اس پر تشہد نہ پڑھے اور نہ سلام کرے۔

ج اثر میں ہے عن عبد الله بن مسلم قال کان ابی اذا قرأ السجدة قال الله اکبر ثم سجد (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۰۲، باب من قال اذا قرأت السجدة فکبر وسجد ج اول ص ۳۶۴، نمبر ۴۱۸۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے گا۔ تشہد نہیں پڑھے گا اس کے لئے یہ اثر دلیل ہے عن سعید بن جبیر انه کان یقرأ السجدة فیرفع رأسه ولا یسلم، قال کان الحسن یقرأ بنا سجود القرآن ولا یسلم (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۰۱، باب من کان لا یسلم من السجدة ج اول ص ۳۶۴، نمبر ۴۱۸۴ر۴۱۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت میں تشہد اور سلام نہیں ہیں۔ صرف تکبیر کہہ کر سجدہ کرے پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھائے بس اتنا ہی کافی ہے۔

ت سجدۂ تلاوت نماز کا حصہ ہے اس لئے اس کے لئے وضو ضروری ہے۔ اس کے لئے اثر ہے عن ابراهیم قال اذا سمعه وهو علی غیر وضوء فلیتوضأ ثم لیقرأ فلیسجد (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۲۰، باب فی الرجل یسجد السجدة وهو علی غیر وضوء ج اول ص ۳۶۷)

حاشیہ: (الف) عبداللہ بن مسلم کہتے ہیں کہ میرے والد جب آیت سجدہ پڑھتے تو کہتے اللہ اکبر پھر سجدہ کرتے (ب) سعید بن جبیر آیت سجدہ پڑھتے پھر سر اٹھاتے اور سلام نہیں کرتے، حسن ہمیں سجدۂ قرآن پڑھاتے اور سلام نہیں کرتے (ج) ابراہیم نے کہا جب آیت سجدہ سنے اور وہ وضو پر نہ ہو تو وضو کرے پھر پڑھے پھر سجدہ کرے۔

﴿باب صلوة المسافر﴾

[۳۲۸](۱) السفر الذی یتغیر به الاحکام ان یقصد الانسان موضعا بینه و بین المقصد

﴿ باب صلوٰۃ المسافر ﴾

ضروری نوٹ آدمی سفر میں چلا جائے تو اس کو مسافر کہتے ہیں۔ سفر کی حالت میں آدمی آدھی نماز پڑھے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **سمع ابن عمر یقول صحبت رسول الله فکان لایزید فی السفر علی رکعتین و ابا بکر و عمر و عثمان کذلک** (الف) (بخاری شریف، باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلوات ص۱۴۹ نمبر ۱۱۰۲ رمسلم شریف، باب صلوۃ المسافرین وقصرھا ص۲۴۲ نمبر ۶۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ اور صحابہ نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھی۔

[۳۲۸](۱) جس سفر سے احکام بدل جاتے ہیں یہ ہے کہ انسان ایسی جگہ کا ارادہ کرے کہ اس کے درمیان اور اس کے مقصد کے درمیان تین دن کا سفر ہو اونٹ کی چال سے یا قدم کی چال سے اور نہیں اعتبار ہے اس میں پانی میں چلنے کا۔

تشریح جس مقام سے جس مقام تک جانا ہے وہاں کا سفر تین دن کا راستہ ہو۔ درمیانی چال سے کہ صبح سے زوال تک چلے۔ اور اونٹ کی چال اور انسان کی پیدل چال کا اعتبار ہے۔ کیونکہ انسان عام طور پر اسی رفتار سے چلتا ہے۔ اس لئے شریعت نے اسی کی چال کا اعتبار کیا ہے۔ اس سے تیز رفتار کی چال کا اعتبار نہیں کیا۔ کیونکہ شریعت انسان کی عمومی حالت کا اعتبار کرتی ہے۔

نوٹ آدمی عموماً ایک دن میں اوسط چال سے صبح سے دو پہر تک میں سولہ (۱۶) میل چل سکتا ہے۔ اس اعتبار سے تین دن میں اڑتالیس (۴۸) میل ہوتے ہیں۔ اور حنفیوں کے یہاں اڑتالیس میل اسی حساب سے مشہور ہے۔

وجہ تین دن کے سفر کا اعتبار اس حدیث سے ہے **عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر ان تسافر سفرا یکون ثلاثه ایام فصاعدا الا و معها ابوها او ابنها او زوجها او اخوها او ذومحرم منها.** (ب) (مسلم شریف، باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ ص۴۳۴ ابواب الحج نمبر ۱۳۴۰ ربخاری شریف، باب کم اقام النبی فی حجتہ ص۱۴۷ ،ابواب تقصیر الصلوۃ نمبر ۱۰۸۸) اس حدیث میں جس مسافت کو سفر قرار دیا ہے وہ تین دن کی مسافت ہے۔ اس لئے تین دن کی مسافت پر نماز کے قصر کا حکم لگایا جائے گا (۲) موزے پر مسح میں بھی تین دن کے سفر کو سفر قرار دینے کا اشارہ ملتا ہے۔ حدیث یہ ہے **قال اتیت عائشة اسألها عن المسح علی الخفین ... فقال جعل رسول الله ﷺ ثلاثة ایام ولیالیهن للمسافر ویوما ولیلة للمقیم** (ج) (مسلم شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین ص۱۳۵ نمبر ۲۷۶ رابوداؤد شریف، باب التوقیت فی المسح ص۲۳ نمبر ۱۵۷) اس حدیث سے

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ رہا وہ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں کرتے۔ اور ابو بکر، عمر اور حضرت عثمان بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی عورت کے لئے حلال نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ سفر کرے ایسا سفر جو تین دن یا اس سے زیادہ کا ہو مگر اس کے ساتھ اس کا باپ، یا اس کا بیٹا یا اس کا شوہر یا اس کا بھائی یا اس کا ذی محرم ہو (ج) میں حضرت عائشہ کے پاس آیا مسح علی الخفین کے بارے میں پوچھنے کے لئے ... حضرت علی نے فرمایا کہ حضورؐ نے تین دن تین راتیں مسافر کے لئے اور ایک دن اور ایک رات مقیم کے لئے متعین کیا۔

مسیرۃ ثلثۃ ایام بسیر الابل و مشی الاقدام ولا معتبر فی ذلک بالسیر فی الماء.

معلوم ہوتا کہ سفر کی مدت تین دن ہونی چاہئے۔اسی کو سفر شرعی کہیں گے (۳) اس اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کان ابن عمر و ابن عباس یقصران ویفطران فی اربعة برد وھو ستة عشر فرسخا (الف) (بخاری شریف، باب فی کم یقصر الصلوۃ ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۶) ایک فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا ہے اس اعتبار سے سولہ فرسخ اڑتالیس میل ہوئے۔اور انگریزی میل چھوٹا ہوتا ہے اس لئے وہ ساڑھے چون میل انگریزی ہوئے۔ایک دن میں وسط چال کے ساتھ عموما سولہ میل سفر طے کر پاتے ہیں۔اس لئے تین دن میں اڑتالیس میل ہوئے

نوٹ اصل تین دن کا سفر ہے۔میل کو متعین کرنا سہولت کے لئے ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک دن ایک رات کی مسافت ہوتب بھی قصر کر سکتا ہے۔ان کی دلیل یہ قول ہے سمی النبی ﷺ السفر یوما و لیلة سفرا وفیه عن ابی ھریرۃ قال قال النبی ﷺ لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر یوم ولیلة لیس معھا حرمة (ب) (بخاری شریف، باب فی کم تقصیر الصلوۃ ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن اور ایک رات کے سفر کو بھی سفر کہتے ہیں۔اس لئے اس پر بھی قصر ہو سکتا ہے۔امام ابو حنیفہؒ دلائل کی روشنی میں احتیاط کی طرف گئے ہیں۔

لغت مقصد : جانے کی جگہ، قصد کرنے کی جگہ، مسیر : سیر سے مشتق ہے، سفر۔

﴿ فرسخ، میل اور کیلومیٹر کا حساب ﴾

پچھلے زمانے میں عرب میں برد، فرسخ اور غلوہ رائج تھے، بعد میں میل شرعی آیا اور ابھی دنیا میں انگریزی میل اور کیلومیٹر کا حساب رائج ہے۔اس لئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

ایک برد چار فرسخ کا ہوتا ہے۔اور ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہوتا۔اور ایک شرعی میل چار ہزار ہاتھ یعنی دو ہزار گز کا ہوتا ہے۔اس طرح ایک برد بارہ شرعی میل کا ہوا۔ایک برد چار فرسخ کا ہوتا ہے اس کا ذکر عبد اللہ بن عباسؓ کے اثر میں گزرا۔کان ابن عمر وابن عباس یقصران ویفطران فی اربعة برد وھو ستة عشر فرسخا (بخاری شریف، باب فی کم یقصر الصلوۃ، ص ۱۴۷، نمبر ۱۰۸۶) اس اثر میں ہے کہ چار برد سولہ فرسخ کا ہوتا تھا۔یعنی ایک برد چار فرسخ کا۔اور چار برد سولہ فرسخ کا ہوا جس پر عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس سفر کا حکم لگاتے تھے۔

اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔اور ایک میل شرعی چار ہزار ہاتھ کا۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ دو ہزار گز کا میل ہوا۔اس کی دلیل درمختار کی یہ عبارت ہے۔الفرسخ : ثلاثة امیال والمیل : اربعة آلاف ذراع (رد المحتار علی در المختار، باب صلوۃ المسافر، ج ثانی ص ۷۲۵) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔اور ایک میل شرعی دو ہزار گز کا ہوتا ہے۔اب بارہ فرسخ کو تین میل سے ضرب دیں تو 48 میل شرعی ہوئے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس نماز قصر کرتے اور روزے کا افطار کرتے چار برد کے سفر میں جو سولہ فرسخ ہوتے (ب) حضورؐ نے سفر ایک دن ایک رات کو قرار دیا ہے۔چنانچہ آپؐ نے فرمایا کسی عورت کے لئے حلال نہیں ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر سفر کرے کہ اس کے ساتھ محرم نہ ہو۔

(میل شرعی، میل انگریزی اور کیلو میٹر میں فرق)

میل انگریزی میل شرعی سے 1.1363 چھوٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ میل انگریزی 1760 گز کا ہوتا ہے۔ اور کیلو میٹر شرعی میل سے 1.828 چھوٹا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کیلو میٹر صرف 1093.69 گز کا ہوتا ہے۔ اور کیلو میٹر انگریزی میل سے 1.6092 فیصد چھوٹا ہوتا ہے۔ اس حساب سے 48 میل شرعی 54.545 میل انگریزی ہوگا۔ اور 87.782 کیلو میٹر ہوگا۔ جس پر قصر نماز کا حکم لگایا جا سکے گا۔ کلکیولیٹر سے حساب کرلیں۔

(برد، فرسخ، کیلو میٹر اور میل کا حساب ایک نظر میں)

کون	کتنا	کتنا چھوٹا
ایک میل شرعی	2000 گز	
ایک میل انگریزی	1760 گز	1.1363
ایک کیلو میٹر	1093.69 گز	1.8288
ایک کیلو میٹر	انگریزی میل سے چھوٹا ہوتا ہے	1.6092
ایک فرسخ	3	میل شرعی
ایک فرسخ	3.409	میل زنگریزی
ایک فرسخ	5.486	کیلو میٹر
ایک برد	4	فرسخ
ایک برد	12	میل شرعی
ایک برد	13.635	میل انگریزی
ایک برد	21.936	کیلو میٹر
16 فرسخ	48	میل شرعی
16 فرسخ	54.545	میل انگریزی
16 فرسخ	87.782	کیلو میٹر

[۳۲۹](۲)وفرض المسافر عندنا فی کل صلوة رباعیة رکعتان ولا یجوز له الزیادة

[۳۲۹](۲) مسافر کا فرض ہمارے نزدیک ہر چار رکعت والی نماز دو رکعت ہو جاتی ہے۔اوران دونوں پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) کئی احادیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اور صحابہ نے سفر میں چار رکعت والی نماز دو رکعت ہی پڑھی ہے۔اس لئے سفر کی نماز دو رکعت ہی ہے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے(۲) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال ان الله فرض الصلوة علی لسان نبیکم علی المسافر رکعتین و علی المقیم اربعا (الف)(مسلم شریف،کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا ص۲۴۱ نمبر ۶۸۷ / ابوداؤد شریف، باب صلوۃ المسافرص ۱۷۶ نمبر ۱۱۹۸ / بخاری شریف نمبر ۱۱۰۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں فرض نماز دو رکعت ہی ہے۔اس لئے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے(۳)سمعت انسا یقول خرجنا مع النبی ﷺ من المدینة الی مکة فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا الی المدینة قلت اقمتم بمکة شیئا قال اقمنا بها عشرا (ب)(بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۱)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ سفر میں دو رکعت ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔اور نوٹ میں ایک حدیث گزری سمع ابن عمر یقول صحبت رسول الله فکان لایزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر و عمر و عثمان کذلک (ج)(بخاری شریف، باب من یتطوع فی السفر دبر الصلوات ص ۱۴۹ نمبر ۱۱۰۲)مسلم شریف میں ہے یا ابن اخی انی صحبت رسول الله ﷺ فی السفر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وصحبت ابا بکر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وصحبت عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله ثم صحبت عثمان فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وقد قال الله تعالی لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة (مسلم شریف،کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا ص ۲۴۲ نمبر ۶۸۹)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔اس لئے سفر میں دو رکعت ہی نماز ہوگی۔اس سے زیادہ کرنا جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک دو رکعت پڑھنا رخصت ہے یعنی اگر پڑھ لیا تو جائز ہے لیکن چار رکعت پڑھنا عزیمت اور افضل ہے۔انکی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں صحابہ نے سفر میں چار رکعت نماز پڑھی ہے۔مثلا عن عبد الله قال صلیت مع النبی ﷺ بمنی رکعتین وابی بکر وعمر و مع عثمان صدرا من امارته ثم اتمها (د)(بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۲)اس حدیث میں حضرت عثمانؓ نے سفر میں اتمام فرمایا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتمام کرنا بھی جائز ہے۔آیت میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے واذا

حاشیہ : (الف) اللہ نے نماز فرض کی نبی کی زبان پر مسافر پر دو رکعت اور مقیم پر چار رکعت (ب) حضرت انسؓ سے سنا وہ کہا کرتے تھے ہم حضورؐ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کے لئے نکلے تو دو دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔یہاں تک مدینہ واپس آئے۔میں نے پوچھا کہ کیا مکہ میں کچھ ٹھہرے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا ہم وہاں دس دن ٹھہرے (ج) حضرت ابن عمرؓ کہا کرتے تھے میں حضورؐ کے ساتھ رہا تو وہ سفر میں نہیں زیادہ کرتے تھے دو رکعت پر،اور ابو بکر،عمر اور حضرت عثمانؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے (د) حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے ساتھ منی میں نماز پڑھی دو رکعت اور ابو بکر اور عمر اور عثمان کی شروع امارت کے زمانے میں بھی۔پھر انہوں نے اتمام کیا یعنی منی میں چار رکعت نماز پڑھی۔

علیھما[۳۳۰] (۳) فان صلی اربعا وقد قعد فی الثانیة مقدار التشھد اجزأته الرکعتان عن فرضه وکانت الاخریان له نافلة[۳۳۱] (۴) وان لم یقعد فی الثانیة مقدار التشھد فی الرکعتین الاولیین بطلت صلوته [۳۳۲](۵) ومن خرج مسافرا صلی رکعتین اذا فارق

ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ (الف) (آیت ۱۰۱ سورۃ النساء۴) نماز میں قصر کرو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اتمام کرے تو بہتر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دوسری دو رکعت کو چھوڑ دے تو ان کے یہاں بھی اس کی قضا نہیں ہے اور نہ اس کے چھوڑنے پر گناہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری دو رکعت سفر میں نفل کی طرح ہو جاتی ہے۔ اور نفل کو فرض کے ساتھ ملا کر پڑھنا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے دوسری دو رکعت ملا کر نہیں پڑھی جائے گی۔

[۳۳۰] (۳) پس اگر مسافر نے چار رکعت پڑھ لی اور دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار بیٹھا تو اس کو دو رکعت فرض سے کافی ہوگی اور دوسری دو اس کے لئے نفل ہوگی۔

تشریح مسافر کو دو ہی رکعت پڑھنی چاہئے تھی لیکن اس نے چار رکعت پڑھ لی تو گویا کہ دو رکعت فرض کے ساتھ دو رکعت نفل کو بھی ملا لیا، پس اگر دو رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھا ہے تو گویا کہ تمام فرائض پورے ہو گئے اور فرائض پورے ہونے کے بعد اس نے نوافل کو ملایا۔ اس لئے پہلی دو رکعتیں فرض ہوں گی اور دوسری دو رکعتیں نفل ہوں گی۔ اور کراہیت کے ساتھ نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ فرض کا سلام باقی تھا اور اس کی تاخیر کی ہے۔

اصول فرائض پورے ہونے کے بعد نوافل کو فرض کے ساتھ ملایا تو فرض کراہیت کے ساتھ ادا جائے گا۔

[۳۳۱] (۴) اور اگر دوسری رکعت میں نہیں بیٹھا تشہد کی مقدار پہلی دو رکعتوں کے بعد تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

تشریح دو رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ جو مسافر پر فرض تھا کرنا چاہئے تھا اور اس نے نہیں کیا اور دوسری رکعتوں کو ملا دیا جو نفل ہیں تو پہلی دو رکعت فرض فاسد ہو کر نفل ہو جائے گی۔

وجہ (۱) کیونکہ قعدۂ اخیرہ فرض تھا اس کو چھوڑ دیا اور نفل کو اس کے ساتھ ملا دیا (۲) اثر میں اس کا ثبوت موجود ہے ان ابن مسعود قال من صلی فی السفر اربعا اعاد الصلوۃ (ب) (مصنف بن عبد الرزاق، باب من اتم فی السفر ج ثانی ص ۵۶۲ نمبر ۴۴۶۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسافر نے چار رکعت نماز پڑھ لی تو نماز لوٹائے گا (اگر تشہد میں نہ بیٹھا تو)

[۳۳۲] (۵) جو مسافر بن کر نکلے تو اس وقت دو رکعت نماز پڑھنا شروع کرے گا جب شہر کے گھروں سے جدا ہو جائے۔

تشریح سفر کی نیت سے گھر سے نکل چکا ہے لیکن جب تک شہر اور فنائے شہر میں ہے تو گویا کہ گھر میں ہے اس لئے ابھی قصر نہ کرے بلکہ جب شہر کے گھروں سے نکل کر جدا ہو جائے اور نماز پڑھنے کی ضرورت پڑے تو قصر کرے۔

حاشیہ: (الف) جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ نماز میں قصر کرو (ب) حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا جس نے سفر میں چار رکعت نماز پڑھی تو نماز کو لوٹائے۔

بیوت المصر[۳۳۳] (٦) ولا یزال علی حکم المسافر حتی ینوی الاقامة فی بلدة خمسة

وجہ حدیث میں ہے عن انس بن مالک قال صلیت الظهر مع رسول الله ﷺ بالمدینة اربعا والعصر بذی الحلیفة رکعتین (الف) (بخاری شریف، باب یقصر اذا خرج من موضعہ ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۸۹) اس حدیث میں جب تک مدینہ میں رہے اس وقت تک چار رکعت نماز پڑھی اور مدینہ سے باہر مقام ذوالحلیفۃ چلے گئے تو چونکہ شہر سے نکل گئے تو دو رکعت نماز پڑھی (۲) اثر میں ہے ان علیا لما خرج الی البصرة رأی خصا فقال لولا هذا الخص لصلینا رکعتین فقلت ما خصا ؟ قال بیت من قصب (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب المسافر متی یقصر اذا خرج مسافرا ج ثانی ص ۵۲۹ نمبر ۴۳۱۹) کوفہ کے باہر بانس کے جھونپڑے تھے اس لئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان جھونپڑوں سے آگے بڑھتے تو دو رکعت نماز پڑھتے لیکن ان جھونپڑوں کے پاس ہیں اس لئے چار رکعت نماز پڑھیں گے۔ کیونکہ فنائے شہر میں ابھی موجود ہیں۔

[۳۳۳] (٦) ہمیشہ مسافرت کے حکم پر رہے گا۔ یہاں تک کہ کسی شہر میں پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرے یا زیادہ کی۔ پس اس کو اتمام لازم ہوگا۔ اور اگر اس سے کم اقامت کی نیت کی تو اتمام نہیں کرے گا۔

تشریح کسی ایک شہر میں پندرہ دن تک ٹھہرنے کی نیت کرے گا تو وہ وطن اقامت ہو جائے گا اس لئے اب وہ دو رکعت نماز کے بجائے چار رکعت نماز پڑھے گا اور اتمام کرے گا۔ اور اگر کسی شہر میں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی تو وہ قصر ہی کرے گا اتمام نہیں کرے گا۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک پندرہ دن سے کم وطن اقامت نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابن عباس قال اقام النبی ﷺ تسعة عشر یقصر فنحن اذا سافرنا تسعة عشر قصرنا وان زدنا اتممنا (ج) (بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر کم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۰ر ابو داؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں انیس روز رہے ہیں۔ ابوداؤد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارہ روز رہے ہیں۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ روز رہے ہیں اور پھر بھی قصر کرتے رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سترہ دن یا انیس دن سے کم اقامت کرے تو قصر کرے گا۔ اور بخاری شریف، مسلم شریف اور ابو داؤد شریف کی دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے۔ سمعت انسا یقول خرجنا مع النبی ﷺ من المدینة الی مکة فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا الی المدینة قلت اقمتم بمکة شیئا؟ قال اقمنا عشرا (د) (بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۱

حاشیہ : (الف) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے ساتھ ظہر کی نماز مدینہ میں چار رکعت پڑھی اور عصر کی نماز ذوالحلیفۃ میں دو رکعت پڑھی (ب) حضرت علیؓ جب بصرہ کی طرف نکلے تو بانس کا گھر دیکھا تو فرمایا اگر یہ بانس کا گھر نہ ہوتا تو میں دو رکعت نماز پڑھتا۔ میں نے کہا خص کیا چیز ہے؟ کہا بانس کا گھر (ج) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ انیس دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔ پس اگر ہم سفر کریں اور انیس دن ٹھہریں تو قصر کریں اور اگر زیادہ کریں تو اتمام کریں (د) حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ہم حضورؐ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کے لئے نکلے تو آپؐ دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ مدینہ واپس آئے۔ میں نے کہا کہ مکہ میں کچھ ٹھہرے؟ کہا کہ ہم دس دن ٹھہرے۔

عشر یوما فصاعدا فیلزمه الاتمام فان نوی الاقامة اقل من ذلک لم یتم [۳۳۴](۷) ومن دخل ولم ینو ان یقیم فیه خمسة عشر یوما وانما یقول غدا اخرج او بعد غد اخرج حتی

رمسلم شریف، فصل الی منی یقصر اذا اقام ببلدہ ص ۲۴۳ نمبر ۶۹۳ رابوداؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس دن سے زائد کی اقامت کی نیت کرے گا تو اتمام کرے گا۔لیکن حنفیہ نے دونوں کے درمیان کو لیا ہے جو اوسط ہے۔یعنی پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرے گا تو اتمام کرے گا۔اوران کی دلیل یہ حدیث ہے۔ (۱)عن ابن عباس قال اقام رسول الله بمکة عام الفتح خمس عشرة یقصر الصلوۃ (الف)(ابوداؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۳۱ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کم تقصر الصلوۃ ص ۱۲۲ نمبر ۵۴۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پندرہ دن تک ٹھہرنے کی نیت کرے تو اتمام کرے گا (۲)اس کی تائید میں یہ اثر بھی ہے قال کان ابن عمر اذا اجمع علی اقامة خمس عشرة سرح ظهره وصلی اربعا (ب)مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۴۱ ۷ باب من قال اذا اجمع علی اقامۃ خمسۃ عشرۃ اتم ج ثانی ص ۲۱۱، نمبر ۸۲۱۷ رمصنف بن عبدالرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوۃ ج ثانی ص ۵۳۴ نمبر ۴۳۴۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ وطن اقامت بننے میں پندرہ دن کا اعتبار ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو اتمام کرے گا۔

وجہ اوپر حدیث گزری کہ حضورؐ حج کے موقع پر مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے لیکن ایک ساتھ صرف مکہ میں تین دن ٹھہرے ہیں۔پانچواں، چھٹا اور ساتواں ذی الحجہ کو اور باقی دن منی، مزدلفہ اور عرفات میں ٹھہرے ہیں۔جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر ایک ساتھ مکہ میں چار دن ٹھہرے تو اتمام کرے (۲)ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن المسیب قال اذا اقمت بارض اربعا فصل اربعا (ج)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کم تقصیر الصلوۃ ص ۱۲۲ نمبر ۵۴۸ رمصنف عبدالرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوۃ ج ثانی ص ۵۳۴ نمبر ۴۳۴۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو چار رکعت نماز پڑھے گا۔

[۳۳۴](۷)اگر کوئی شہر میں داخل ہوا اور اس میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی صرف کہتا رہا کہ کل نکلونگا یا پرسوں نکلونگا یہاں تک کہ اسی پر کئی سال باقی رہا تو دو رکعت نماز پڑھے گا۔

وجہ (۱)جب تک کہ کسی ایک شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہ کرے اس وقت تک قصر کرتا رہے گا۔اگر یہ کہے کہ آج جاؤں گا یا کل جاؤں گا۔اس طرح کرتے کرتے کئی سال ٹھہر گیا تب بھی وہ مسافر ہی ہے۔قصر کرتا رہے گا (۲)اس کا ثبوت مسئلہ نمبر ۶ کے اثر میں ہے قال ابن عمر اذا اجمع علی اقامة خمس عشر سرح ظهره وصلی اربعا (د)(مصنب ابن ابی شیبۃ ص ۳۴۳)اس میں کہا گیا ہے کہ پندرہ رہنے کا پختہ ارادہ کرے تو اتمام کرے گا۔اور اگر پختہ ارادہ نہ کرے تو قصر کرے گا (۳)حضورؐ فتح مکہ کے موقع پر مکہ تشریف لائے

حاشیہ : (الف)ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور مکہ میں فتح مکہ کے دن پندرہ دن ٹھہرے اور نماز قصر کرتے رہے (ب)حضرت ابن عمرؓ کہا کرتے تھے جب کہ پندرہ دن کے ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کرے اور اپنی پیٹھ کو ہلکا کردے تو چار رکعت نماز پڑھے (ج)ابن مسیب نے فرمایا اگر کسی زمین میں چار روز ٹھہرے تو چار چار رکعت نماز پڑھے (د)ابن عمرؓ فرماتے تھے جب پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کرے اور پیٹھ ہلکی کرے تو چار رکعت نماز پڑھے۔

بقی علی ذلک سنین صلی رکعتین [۳۳۵](۸) واذا دخل العسکر ارض الحرب فنووا الاقامة خمسة عشر یوما لم یتموا الصلوۃ [۳۳۶](۹) واذا دخل المسافر فی صلوۃ المقیم مع بقاء الوقت اتم الصلوۃ [۳۳۷](۱۰) وان دخل معه فی فائتة لم تجز صلوته

اور پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تھا اس لئے انیس دن تک رہے اور قصر ہی کرتے رہیں (۴) عن جابر بن عبد اللہ قال اقام رسول اللہ ﷺ بتبوک عشرین یوما یقصر الصلوۃ (الف) (ابوداؤد شریف، باب اذا اقام بارض العدو یقصر ص ۱۸۱ نمبر ۱۲۳۵) فی حدیث آخر ان ابن عمر اقام بآذر بیجان ستة اشهر یقصر الصلوۃ وکان یقول اذا ازمعت اقامة فاتم (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوۃ ج ثانی ص ۵۳۲ نمبر ۴۳۳۹) اس اثر سے پتہ چلا کہ جب تک پختہ ارادہ نہ ہو پندرہ دن ٹھہرنے کا قصر کرتا رہے گا۔ کیونکہ صحابہ آذر بیجان میں چھ ماہ ٹھہرے رہے اور ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تو قصر کرتے رہے۔

[۳۳۵] (۸) جب لشکر کے لوگ دار الحرب کی زمین میں داخل ہوں اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی تب بھی اتمام نہیں کریں گے۔

وجہ دار الحرب میں لشکر ہے تو یہ یقینی بات ہے کہ کسی وقت شکست ہوگی اور بھاگنا پڑے گا۔ اس لئے پندرہ دن کی نیت بھی کی ہے تو پختہ ارادہ نہیں ہوسکتا اس لئے پندرہ دن کی نیت کا اعتبار نہیں رہا۔ اس لئے وہ قصر ہی کرتا رہے گا (۲) مسئلہ نمبر ۷ میں ابوداؤد شریف نمبر ۱۲۳۵ کی حدیث گزری جس میں حضورؐ تبوک میں تھے اور قصر کرتے رہے۔ حضرت ابن عمرؓ آذر بیجان دار الحرب میں چھ ماہ تھے اور قصر کرتے رہے۔

[۳۳۶] (۹) مسافر مقیم کی نماز میں داخل ہو وقت کے باقی رہنے کے ساتھ تو نماز پوری پڑھے گا۔

وجہ (۱) چونکہ وقت سبب ہے اور وہ باقی ہے اس لئے مسافر کی نماز مقیم امام کی وجہ سے تبدیل ہو کر چار رکعت ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کی اقتدا میں امام کی مخالفت نہیں کر سکتا اور پہلے سلام نہیں پھیر سکتا ہے۔ اس لئے اگر وقت باقی ہو اور مقیم امام کی اقتدا کر لے تو چار رکعت پڑھے گا (۲) اس کے لئے اثر موجود ہے ان عبد اللہ بن عمر کان یصلی وراء الامام بمنی اربعا فاذا صلی لنفسه صلی رکعتین (ج) (مؤطا امام مالک، باب صلوۃ المسافر اذا کان اماما او کان وراء امام ص ۱۳۳ رمصنف عبد الرزاق، باب المسافر یدخل فی صلوۃ المقیمین ج ثانی نمبر ۴۳۸۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقت کے اندر مقیم کی اقتدا میں مسافر کی نماز چار رکعت ہو جاتی ہے۔

[۳۳۷] (۱۰) اور اگر مسافر مقیم کی اقتدا میں فائتہ نماز میں داخل ہوا تو مسافر کی نماز مقیم کے پیچھے جائز نہیں ہے۔

تشریح وقت ختم ہو چکا ہے اور نماز فوت ہو چکی ہے۔ اس کی قضا کرتے وقت مسافر مقیم کی اقتدا کرے تو اقتدا ہی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مسافر پر اب دو رکعت ہی لازم ہے۔ اس کی تبدیلی ہو کر عصر، ظہر اور عشا کی نماز چار رکعت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اب مقیم امام کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھے گا۔ کیونکہ یا تو دو رکعت پر سلام پھیرے گا اس صورت میں امام کی مخالفت لازم آئے گی، یا چار رکعت پڑھے گا تو فرض کے ساتھ دو رکعت

حاشیہ : (الف) حضورؐ تبوک میں بیس دن ٹھہرے نماز کو قصر کرتے رہے (اس لئے کہ ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تھا) (ب) حضرت ابن عمرؓ آذر بیجان میں چھ ماہ تک ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے۔ اور کہا کرتے تھے جب اقامت کا پختہ ارادہ کرو تو اتمام کرو (ج) عبد اللہ ابن عمر منی میں امام کے پیچھے چار رکعت پڑھتے۔ پس جب اپنے طور پر پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے۔

خلفه [۳۳۸](۱۱) واذا صلى المسافر بالمقيمين صلى ركعتين وسلم ثم اتم المقيمون صلوتهم ويستحب له اذا سلم ان يقول لهم اتموا صلوتكم فانا قوم سفر [۳۳۹](۱۲) واذا دخل المسافر مصره اتم الصلوة وان لم ينو الاقامة فيه.

مزید نفل ملائے گا جو جائز نہیں۔ کیونکہ اس پر فرض دو رکعت ہی لازمی طور پر ہے۔ جو چار رکعت میں تبدیل نہیں ہوگی۔

اصول وقت گزرنے کے بعد مسافر کی نماز کی رکعتوں میں تبدیلی نہیں ہوگی۔

نوٹ اوپر کے مسئلہ میں وقت کے اندر تبدیلی ہوئی تھی۔

[۳۳۸](۱۱) اگر مسافر امام مقیم کو نماز پڑھائے تو دو رکعت نماز پڑھے اور سلام پھیر دے، پھر مقیم اپنی نماز پوری کرے۔ اور امام کے لئے مستحب ہے کہ جب سلام پھیرے تو مقتدیوں سے یوں کہے 'تم لوگ اپنی نماز پوری کرلو کیونکہ ہم مسافر لوگ ہیں'۔

وجہ مسافر پر دو رکعت ہی نماز ہے۔ اس لئے وہ دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیں گے۔ اور مقتدی مقیم ہے اس لئے اس پر چار رکعت ہیں۔ اس لئے وہ باقی دو رکعت بعد میں پوری کریں گے۔ مقتدی بعض مرتبہ بھول جاتے ہیں اس لئے وہ سلام پھیر دیتے ہیں۔ اس لئے امام اپنی مسافرت کا اعلان کردیں گے تو ان کو یاد آجائے گا۔ اس لئے مستحب ہے کہ کہے 'ہم مسافر لوگ ہیں آپ اپنی اپنی نمازیں پوری کرلیں' (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن عمران بن حصين قال غزوت مع رسول الله ﷺ وشهدت معه الفتح فاقام بمكة ثماني عشرة ليلة يصلى الا ركعتين ويقول يا اهل البلد صلوا اربعا فانا قوم سفر** (الف) (ابوداؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۲۹ رمصنف عبد الرزاق، باب مسافر ام مقیمین ج ثانی ص ۵۴۰ نمبر ۴۳۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام دو رکعت پوری کرکے سلام پھیرے گا اور کہے گا میں مسافر ہوں مقیم اپنی اپنی نماز پوری کرلیں۔

[۳۳۹](۱۲) مسافر اپنے شہر میں داخل ہوگیا تو نماز پوری پڑھے گا اگرچہ اس میں اقامت کی نیت نہ کی ہو۔

تشریح مثلا مسافر اپنے وطن اصلی میں واپس آیا اور چند دن کے بعد ہی پھر سفر پر جانا ہے تب بھی شہر یا فنائے شہر میں داخل ہوتے ہی پوری نماز پڑھے گا۔ کیونکہ فورا وہ مقیم ہوگیا۔

وجہ حدیث میں ہے **سمعت انسا يقول خرجنا مع النبى ﷺ من المدينة الى مكة فكان يصلى ركعتين ركعتين حتى رجعنا الى المدينة** (ب) (بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۱ رمسلم شریف، فصل الی متی یقصر اذا اقام ببلدہ ص ۲۴۳ نمبر ۶۹۳) اس حدیث میں ہے کہ مدینہ داخل ہوئے تو چار رکعت نماز پڑھی (چاہے وہاں اقامت کی نیت کرے یا نہ کرے)

حاشیہ : (الف) عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کے ساتھ غزوہ کیا۔ اور میں ان کے ساتھ فتح مکہ میں موجود تھا۔ تو مکہ میں اٹھارہ دن ٹھہرے۔ نہیں نماز پڑھتے تھے مگر دو رکعت اور فرماتے اے شہر والو تم لوگ چار رکعتیں پڑھ لو، ہم مسافر ہیں (ب) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ مدینہ سے مکہ کے لئے نکلے تو دو رکعت نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ مدینہ واپس آئے۔

[۳۴۰](۱۳) ومن کان له وطن فانتقل عنه واستوطن غیره ثم سافر فدخل وطنه الاول لم یتم الصلوۃ [۳۴۱](۱۴) واذا نوی المسافر ان یقیم بمکة و منی خمسة عشر یوما لم یتم الصلوۃ[۳۴۲] (۱۵) والجمع بین الصلوتین للمسافر یجوز فعلا ولا یجوز وقتا

---

[۳۴۰] (۱۳) جس کا وطن ہو اور اس سے منتقل ہو گیا اور دوسری جگہ کو وطن بنایا پھر سفر کیا اور پہلے وطن میں داخل ہوا تو نماز پوری نہیں پڑھے گا۔

وجہ (۱) پہلا وطن اب وطن نہیں رہا وہ اجنبی شہر بن گیا کیونکہ پہلے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ کو وطن بنالیا ہے اس لئے پہلے وطن میں داخل ہوگا تو پوری نماز پڑھے گا (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ جب مکہ سے ہجرت کر گئے تو جب دوبارہ مکہ آئے تو قصر نماز پڑھی۔ حدیث مسئلہ نمبر۱۲ میں گزر گئی۔

اصول دوسری جگہ وطن اصلی بنانے سے پہلا وطن اصلی باطل ہو جائے گا۔

[۳۴۱] (۱۴) اگر مسافر نے مکہ اور منی میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی پھر بھی نماز پوری نہیں پڑھے گا۔

وجہ (۱) ایک شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے اور رات گزارنے کی نیت کی ہو تب اتمام کرے گا۔ یہاں دو جگہ یعنی مکہ اور منی میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہے کسی ایک جگہ پر پندرہ دن مکمل نہیں ہوئے اس لئے اتمام نہیں کرے گا (۲) اثر میں موجود ہے کان ابن عمر اذا قدم مکة فاراد ان یقیم خمس عشرة لیلة سرح ظهره فاتم الصلوۃ (الف) (مصنف بن عبد الرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوۃ ص۵۳۴ نمبر۴۳۴۳) اس اثر میں صرف مکہ میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہے تب اتمام کیا ہے (۳) عن ابن عمر انه کان یقیم بمکة فاذا خرج الی منی قصر (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۷ باب فی اہل مکة یقصرون الی منی ج ثانی ص۲۰۸، نمبر۸۱۸۳) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ دو جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہو تو اتمام نہیں کرے گا قصر ہی کرتا رہے گا۔ کیونکہ ایک جگہ پندرہ دن نہیں ہوئے۔ اس حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے عن عبد الله بن عمر قال صلیت مع النبی ﷺ بمنی رکعتین وابی بکر و عمر و مع عثمان صدرا من امارته ثم اتمها (ج) (بخاری شریف، باب الصلوۃ بمنی ص۱۴۷ نمبر۱۰۸۲ رمسلم شریف نمبر۶۹۴)

[۳۴۲] (۱۵) مسافر کے لئے دو نمازوں کے درمیان جمع کرنا جائز ہے فعلا اور جائز نہیں ہے وقت کے اعتبار سے۔

تشریح ظہر کو مؤخر کرے اور اس کو اخیر وقت میں پڑھے اور عصر کو مقدم کرے اور اس کو عصر کے اول وقت میں پڑھے، اس کو جمع صوری کہتے ہیں۔ مصنفؒ نے اسی کو فعلا جمع کہا ہے جو جائز ہے۔ اور حدیث سے ثابت ہے۔ اور عصر کو ظہر کے وقت میں یا ظہر کو عصر کے وقت میں جمع وقتی اور حقیقی کر کے پڑھنا یہ جمع وقتی ہے جو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) آیت میں ہے ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا (د) (آیت ۱۰۳ سورۃ النساء۴) اس آیت میں تاکید کی گئی

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمرؓ جب مکہ آتے اور پندرہ راتیں ٹھہرنے کا ارادہ کرتے تو اپنی پیٹھ ہلکی کرتے اور نماز پوری پڑھتے (ب) حضرت ابن عمرؓ مکہ میں ٹھہرتے۔ پس جب منی کے لئے نکلتے تو قصر کرتے (ج) میں نے حضور کے ساتھ منی میں دو رکعت نماز پڑھی، اور ابو بکر، عمر اور عثمانؓ کے ساتھ بھی ان کی شروع خلافت میں، پھر انہوں نے اتمام کرنا شروع کیا (کیونکہ مکہ میں شادی کر کے مقیم ہو گئے تھے) (د) یقیناً نماز مومنین پر فرض ہے وقت کے ساتھ۔

[۳۴۳](۱۶) وتجوز الصلوۃ فی سفینة قاعدا علی کل حال عند ابی حنیفة و عندھما لا

ہے کہ نماز وقت متعین کے ساتھ مومنین پر فرض کی گئی ہے۔اس لئے وقت سے مقدم یا موخر کرنا جائز نہیں ہوگا۔حضرت امام اعظم کی نظر اسی آیت کی طرف گئی ہے اور احتیاط کی طرف گئے ہیں (۲) حدیث سے جمع صوری کی تائید ہوتی ہے عن انس عن النبی ﷺ اذا عجل علیہ السفر یؤخر الظھر الی اول وقت العصر فیجمع بینھما ویؤخر المغرب حتی یجمع بینھا و بین العشاء حین یغیب الشفق (الف) (مسلم شریف، باب جواز الجمع بین الصلوتین فی السفر ص ۲۴۵ نمبر ۱۶۲۷/۷۰۴) بخاری شریف میں ہے عن انس بن مالک قال کان رسول اللہ ﷺ اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس اخر الظھر الی وقت العصر ثم نزل فجمع بینھما فاذا زاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظھر ثم رکب (ب) (بخاری شریف، باب اذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس صلی الظھر ثم رکب ص ۱۵۰ نمبر ۱۱۱۲) ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ ظہر کو عصر کے وقت کے قریب موخر کر کے پڑھتے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ ظہر کو اپنے ہی وقت میں پڑھی۔البتہ سفر کی وجہ سے اول وقت کی فضیلت چھوڑ کر موخر کر کے پڑھی اور اس کے بعد عصر کو اسی کے وقت میں اول وقت میں پڑھی۔یہی جمع صوری ہے۔اسی بخاری کی حدیث میں ہے کہ ظہر کو اول وقت میں پڑھی تو صرف ظہر پڑھ کر آپ سوار ہو گئے اور عصر کو نہیں پڑھی تاکہ جمع حقیقی نہ ہو (۳) حضرت عبد اللہ بن عمر کا عمل بھی جمع صوری کا رہا جس کی تفصیل ابو داؤد شریف، باب الجمع بین الصلوتین ص ۱۷۸ نمبر ۱۲۱۲ پر موجود ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ سفر میں جمع حقیقی کے قائل ہیں۔ان کی دلیل اوپر کی احادیث جمع حقیقی پر محمول کرتے ہیں (۲) اور حدیث میں ہے عن ابن عباس قال کان رسول اللہ یجمع بین صلوۃ الظھر والعصر اذا کان علی ظھر سیر ویجمع بین المغرب والعشاء (ج) (بخاری شریف، باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء ص ۱۴۹ نمبر ۱۱۰۷ مسلم شریف، باب جواز الجمع بین الصلوتین فی السفر ص ۲۴۵ نمبر ۷۰۴/ ابو داؤد شریف، باب باب الجمع بین الصلوتین ص ۱۷۸ نمبر ۱۲۰۸) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کو ایک ساتھ اور مغرب وعشا کو ایک ساتھ سفر میں پڑھنا جائز ہے۔

[۳۴۳](۱۶) جائز ہے نماز کشتی میں بیٹھ کر ہر حال میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے مگر عذر کی بنا پر۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں کشتی اتنی اچھی نہیں ہوتی تھی۔تیز حرکت کی وجہ سے مسافر کے سر میں چکر رہتا تھا۔اس لئے گویا کہ ہر وقت سر چکرانے کا ڈر ہے۔اس لئے انہوں نے فرمایا کہ عذر نہ بھی ہو تب بھی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ان کی دلیل یہ اثر ہے صلی بنا انس بن مالک فی السفینة قعودا علی بساط وقصر الصلوۃ (د) (مصنف عبد الرزاق، باب ھل یصلی الرجل وھو یسوق دابتہ ص

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے روایت ہے کہ جب سفر کی جلدی ہوتی تو ظہر کو عصر کے اول وقت تک موخر کرتے پھر دونوں کو جمع کرتے، اور مغرب کو موخر کرتے یہاں تک کہ اس کے درمیان اور عشا کے درمیان جمع کرتے جب شفق غائب ہو جاتا (ب) آپؐ جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر تک موخر کرتے پھر اترتے اور دونوں کو جمع کرتے۔اور اگر سفر کرنے سے پہلے سورج ڈھل چکا ہوتا تو ظہر کی نماز پڑھتے پھر سوار ہوتے (ج) حضور ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کرتے جب سفر پر ہوتے۔اور مغرب اور عشا کے درمیان جمع کرتے (د) انس بن مالک نے ہم کو کشتی میں چٹائی پر بیٹھ کر نماز پڑھائی اور نماز قصر کی۔

تجوز الا بعذر [۳۴۴](۱۷) ومن فاتته صلوۃ فی السفر قضاھا فی الحضر رکعتین و من فاتته صلوۃ فی الحضر قضاھا فی السفر اربعا[۳۴۵](۱۸) والعاصی والمطیع فی السفر فی الرخصۃ سواء.

۵۸۰نمبر۴۵۴۶رمصنف ابن ابی شیبۃ۵۴۲باب من قال صلی فی السفینۃ جالساج ثانی ص۶۹،نمبر۶۵۵۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عذر نہ بھی ہوتب بھی کشتی میں بیٹھ کرنماز پڑھ سکتا ہے۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک عذر ہوتب ہی بیٹھ کرنماز پڑھ سکتا ہے۔ورنہ کھڑے ہوکرنماز پڑھے گا۔ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابراھیم قال تصلی فی السفینۃ قائما فان لم تستطع فقاعدا تتبع القبلۃ حیث مالت** (الف)(مصنف عبدالرزاق،باب الصلوۃ فی السفینۃ ج ثانی ص۵۸۱نمبر۴۵۵۲رمصنف ابن ابی شیبۃ۵۴۳من قال صلی فیھا قائماج ثانی ص۶۹،نمبر۶۵۷۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ آدمی کوعذر نہ ہو تو کشتی میں کھڑے ہوکرنماز پڑھنا چاہئے۔اور سر چکرانے کا خوف ہوتو بیٹھ کرنماز پڑھے۔آج کل کشتی اور جہاز میں سر کا چکر نہیں ہوتا اس لئے کھڑے ہوکرنماز پڑھے گا۔تاکہ قیام جوفرض ہے فوت نہ ہو۔

[۳۴۴](۱۷)جس کی نماز فوت ہوگئی سفر میں قضا کرے گا اس کو حضر میں دورکعت،اور جس کی فوت ہو جائے نماز حضر میں قضا کرے گا اس کو چار رکعت **تشریح** سفر میں قضا ہوئی تھی تو وہ دورکعت ہی تھی اس لئے اس کو اقامت کی حالت میں اور حضر میں قضا کرے گا تو دو ہی رکعت قضا کرے گا۔اور حضر کی نماز چار رکعت واجب ہوئی تھی اس لئے سفر کی حالت میں ان کو قضا کرے گا تو چار رکعت ہی قضا کرے گا۔

وجہ وقت کے بعد رکعت میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔اس لئے جیسی لازم ہوئی تھی ویسی ہی ادا کرنا ہوگا (۲)اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے **عن الثوری قال من نسی صلوۃ فی الحضر فذکر فی السفر صلی اربعا وان نسی صلوۃ فی السفر ذکر فی الحضر صلی رکعتین** (ب)(مصنف عبدالرزاق،باب من نسی صلوۃ الحضر ج ثانی ص۵۴۳نمبر۴۳۸۸)اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضر کی نماز سفر میں چار رکعت اور سفر کی نماز حضر میں دورکعت نماز پڑھی جائے گی۔

[۳۴۵](۱۸)نافرمان اور فرماں بردار سفر میں رخصت کے سلسلے میں برابر ہیں۔

تشریح جو رخصت اور سہولت فرماں بردار کو ملے گی وہی رخصت اور سہولت نافرمان کو بھی ملے گی۔

وجہ احادیث میں سہولت کے بارے میں فرماں برداراور نافرمان کا فرق نہیں ہے۔اس لئے دونوں کو برابر سہولت ملے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک نافرمان مسافر کو سہولت نہیں ملے گی۔مثلا چوری کرنے جارہا ہے تو اس کو دو رکعت نماز پڑھنے اور روزہ افطار کرنے کی سہولت نہیں ہوگی۔

وجہ ان کے یہاں معصیت نعمت کا سبب نہیں بن سکتی ہے۔اور چونکہ سفر معصیت کا ہے اس لئے سہولت کا سبب نہیں بنے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا نماز پڑھے کشتی میں کھڑے ہوکر۔پس اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو بیٹھ کر جدھر کشتی گھومے ویسے ہی قبلہ کی طرف متوجہ ہوتا جائے (ب) حضرت ثوری نے فرمایا جو حضر میں نماز بھول جائے اور سفر میں یاد آئے تو چار رکعت نماز پڑھے۔اور اگر سفر میں نماز بھول جائے اور حضر میں یاد آئے تو دو رکعت نماز پڑھے۔

﴿باب صلوة الجمعة﴾

[۳۴۶](۱) لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری

﴿ باب صلوۃ الجمعۃ ﴾

ضروری نوٹ جمعہ اہل شہر پر واجب ہے اور پہلی مرتبہ اس کو مدینہ میں قائم کیا تھا۔ اس کا ثبوت اس آیت سے ہے یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوة یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع (الف) (آیت ۹ سورۃ الجمعۃ ۶۲) اس آیت سے جمعہ کا ثبوت ہوتا ہے۔

[۳۴۶](۱) جمعہ صحیح نہیں ہے مگر شہر کی جامع مسجد میں یا شہر کی عیدگاہ میں۔ اور نہیں جائز ہے گاؤں میں۔

تشریح جمعہ جمعیت سے مشتق ہے اس لئے اس کے لئے یہ شرط یہ ہے شہر کی جامع مسجد ہو یا فناء شہر ہو۔ مصلی سے عیدگاہ یا فناء شہر مراد ہے۔ مصر جامع کا دوسرا ترجمہ ہے بڑے شہر میں، گاؤں میں نہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) حضرت علی سے اثر ہے عن علی قال لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع، وکان یعد الامصار البصرة والکوفة والمدینة والبحرین (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب القری الصغار ج ثالث ص ۱۶۷ نمبر ۵۱۷۵ / مصنف ابن ابی شیبة ۳۳۱ من قال لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع، ج اول، ص ۴۳۹، نمبر ۵۰۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بڑے شہر میں جمعہ جائز ہے (۲) اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مدینہ کے قرب وجوار میں بہت سے گاؤں تھے جس کو عوالی کہتے ہیں وہاں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ وہاں کے لوگ مدینہ آتے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے۔ اور اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو عوالی میں کیوں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ کیوں دھوپ اور گرمی میں مشقت برداشت کر کے لوگ مدینہ طیبہ آتے۔ حدیث میں ہے عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم والعوالی فیأتون فی الغبار فیصبهم الغبار والعرق (ج) (بخاری شریف، باب من این توتی الجمعۃ وعلی من تجب ص ۱۲۳ نمبر ۹۰۲ / ابوداؤد شریف، باب من تجب علیہ الجمعۃ ص ۱۵۸ نمبر ۱۰۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عوالی کے گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔ صرف مدینہ جیسے شہر میں جمعہ ہوتا تھا (۳) مدینہ طیبہ کے بعد پہلی مرتبہ جواثی جیسے قلعہ میں نماز جمعہ ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین (د) (بخاری شریف، باب الجمعۃ فی القری والمدن ص ۱۲۲ نمبر ۸۹۲ / ابوداؤد شریف، باب الجمعۃ فی القری ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۸) اس اثر میں ہے کہ مسجد عبد القیس میں مدینہ کے بعد پہلی مرتبہ جمعہ ہوا ہے جو بحرین میں تھی۔ اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو بحرین کے فتح سے پہلے کتنے گاؤں

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ دو اور خرید و فروخت چھوڑ دو (ب) حضرت علی نے فرمایا جمعہ اور تشریق نہیں ہے مگر جامع شہر میں (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ لوگ جمعہ پڑھنے اپنے گھروں سے اور عوالی سے باری باری آتے تو وہ غبار میں آتے تو ان کو غبار اور پسینہ لگتا (د) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ مسجد رسول کے جمعہ کے بعد سب سے پہلے جو جمعہ پڑھا گیا وہ جواثی کی مسجد عبد القیس میں پڑھا گیا جو بحرین میں تھی۔

[۳۴۷] (۲) ولا تجوز اقامتها الا للسلطان او لمن امره السطان.

فتح ہو گئے تھے ان میں جمعہ کیوں نہیں ہوا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں جمعہ جائز ہے گاؤں میں جائز نہیں ہے۔

نوٹ جواثی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک قلعہ کا نام ہے اور وہاں شہر تھا۔

فائدہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز ہے جہاں چالیس آدمی نماز پڑھنے والے ہوں۔ان کی دلیل ابوداؤد کی یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول الله ﷺ بالمدینة لجمعة جمعت بجواثی قریة من قری البحرین قال عثمان قریة من قری عبد القیس (الف) (ابوداؤد شریف، باب الجمعة فی القری ص۱۶۰ نمبر ۱۰۶۸) اس حدیث میں ہے کہ جواثی بحرین کے گاؤں کا نام ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ شہر کو بھی قری کہتے ہیں۔ جیسے مکہ مکرمہ کو قرآن نے قریۃ کہا ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ام عبد الله الدوسیة قالت سمعت رسول الله ﷺ یقول الجمعة واجبة علی اهل کل قریة وان لم یکونوا الا ثلاثة ورابعهم امامهم (ب) (دار قطنی، باب الجمعۃ علی اہل القریۃ ج ثانی ص ۷ نمبر ۱۵۷۸) اس حدیث میں ہے کہ گاؤں میں جمعہ واجب ہے (۲) عن ابی امامة ان النبی ﷺ قال علی الخمیس جمعة لیس فیما دون ذلک (دار قطنی، ذکر العدد فی الجمعۃ ج ثانی ص ۴ نمبر ۱۵۶۴ / ابوداؤد شریف، باب الجمعۃ فی القری ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۹)

مصر جامع کس کو کہتے ہیں اس کی تعریف اس اثر میں ہے قلت لعطاء ماالقریة الجامعة قال ذات الجماعة والامیر والقصاص والدور المجتمعة غیر المفترقة الآخذ بعضها ببعض کهیئة جده (ج) (مصنف عبدالرزاق ج ثالث ص ۱۶۸ نمبر ۵۱۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بڑی بستی اس کو کہتے ہیں جس میں امیر ہو، قصاص اور حدود نافذ کئے جاتے ہوں اور گھر قریب قریب ہوں، خیمہ زنوں کی طرح دور دور گھر نہ ہوں۔شہر کی دوسری تعریف یہ ہے سمعت عمر بن دینار یقول اذا کان المسجد یجمع فیه الصلوة فلتصل فیه الجمعة (د) مصنف عبدالرزاق، باب القری الصغار ج ثالث ص ۱۷۰ نمبر ۵۱۸۴) اس سے معلوم ہوا کہ اگر تمام آدمی جمع ہو کر ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہوں تو اس میں جمعہ جائز ہے۔

نوٹ آج کل بڑی بستی میں جمعہ جائز ہونے کا فتوی دیتے ہیں۔

[۳۴۷] (۲) اور نہیں جائز ہے جمعہ قائم کرنا مگر بادشاہ کے لئے یا جس کو بادشاہ نے حکم دیا ہو۔

وجہ چونکہ جمعہ میں بہت لوگ ہوتے ہیں، ان کو سنبھالنا سب کا کام نہیں ہے اس لئے بادشاہ یا بادشاہ کا مامور جمعہ قائم کرے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے سأل عبد الله بن عمر بن خطاب عن القری التی بین مکة والمدینة ماتری فی الجمعة قال نعم اذا کان

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا جمعہ جو اسلام میں پڑھا گیا مدینہ میں مسجد رسول کے جمعہ کے بعد وہ جواثی میں تھا جو بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔اور حضرت عثمان نے فرمایا کہ عبد القیس کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے (ب) حضور کہا کرتے تھے کہ جمعہ واجب ہے ہر گاؤں والوں پر، اگر چہ نہ ہوں مگر تین آدمی اور چوتھا ان کا امام (ج) میں نے عطاء سے پوچھا کہ قریہ جامعہ کیا ہے؟ فرمایا جماعت والے ہوں، وہاں امیر ہو، قصاص جاری کرتے ہوں، قریب قریب گھر ہوں متفرق نہ ہوں، بعض کے گھر بعض کے ساتھ ملے ہوئے ہوں جدہ شہر کی طرح (د) عمر بن دینار کہا کرتے تھے ایسی مسجد جس میں جماعت کی نماز ہوتی ہو اس میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔

[۳۴۸](۳) ومن شرائطها الوقت فتصح فی وقت الظهر ولا تصح بعده [۳۴۹](۴) ومن شرائطهاالخطبة قبل الصلوة يخطب الامام خطبتين يفصل بينهما بقعدة.

عليهم امير فليجمع (الف)(سنن للبيهقی، باب العدد الذين اذا كانوا فی قرية وجبت عليهم الجمعة، ج ثالث، ص ۲۵۴، نمبر ۵۶۱۳)عن عمر بن العزيز ... قال لهم حين فرغ من صلوته ان الامام يجمع حيث كان (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب الامام تجمع حيث كان ج ثالث ص ۱۶۱ نمبر ۵۱۴۷/مصنف ابن ابی شيبة، ۳۹۰ باب الامام يكون مسافرا فيمر بالموضع ج ثانی ص ۴۷۶، نمبر ۵۴۹۹/) بخاری میں یہ جملہ ہے حدثنا ابو خلدة صلی بنا امير الجمعة (بخاری شریف، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعة ص ۱۲۴ نمبر ۹۰۶) ان آثار سے معلوم ہوا کہ امیر اور بادشاہ جمعہ قائم کرے۔

نوٹ جہاں امیر اور بادشاہ نہیں ہے وہاں مسلمان جمع ہو کر جس کو امیر چن لے وہ قائم کرائے گا۔

[۳۴۸](۳) جمعہ کی شرط میں سے وقت ہونا ہے۔ اس لئے صحیح ہے ظہر کے وقت میں، اور نہیں صحیح ہے وقت کے بعد۔

تشریح ظہر کے وقت میں جمعہ صحیح ہے۔ اس کے بعد صحیح نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ كان يصلی الجمعة حين تميل الشمس (ج)(بخاری شریف، باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس ص ۱۲۳ نمبر ۹۰۴/مسلم شریف، باب فی وقت صلوة الجمعة ص ۲۸۳ نمبر ۸۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زوال کے بعد جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ وقت ظہر کا ہے اس لئے ظہر کے وقت میں پڑھا جائے گا۔ ظہر کا وقت نکل جائے تو پھر جمعہ نہیں پڑھے گا بلکہ ظہر کی قضا پڑھے گا۔ اثر میں ہے كان الحجاج يؤخر الجمعة فكنت انا اصلی وابراهيم و سعيد بن جبير فصليا الظهر ثم نتحدث وهو يخطب ثم نصلی معهم ثم نجعلها نافلة (د)(مصنف ابن ابی شيبة، ۱۳۸۷ الجمعة يؤخرها الامام حتی يذهب وقتها، ج اول، ص ۴۷۴، نمبر ۵۴۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ختم ہو جائے تو اب جمعہ نہیں پڑھے گا بلکہ ظہر کی نماز قضا پڑھے گا۔

[۳۴۹](۴) جمعہ کی شرائط میں سے نماز سے پہلے خطبہ ہے، امام خطبہ دے گا دو خطبے، دونوں کے درمیان فصل کرے گا بیٹھ کر۔

وجہ (۱) ظہر کی نماز چار رکعتیں ہیں اور جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں اس لئے دو رکعت کے بدلے میں دو خطبے ہیں۔ اس لئے خطبہ جمعہ کی شرط ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال كان النبی ﷺ يخطب قائما ثم يقعد ثم يقوم كما يفعلون الآن (ہ)(بخاری

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر سے پوچھا گیا ان گاؤں کے بارے میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہیں کہ جمعہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا ہاں! اگر ان پر امیر ہوں تو جمعہ قائم کرے (ب) جب نماز سے فارغ ہوئے تو عمر بن عبد العزیز نے ان لوگوں سے کہا امام جمعہ قائم کر سکتے ہیں جہاں بھی ہوں (ج) حضورؐ جمعہ پڑھا کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا (د) حجاج بن یوسف جمعہ کو مؤخر کرتا تو میں، ابراہیم اور سعید بن جبیر تھا تو ان دونوں نے ظہر کی نماز پڑھ لی تھی پھر ہم بات کرتے رہے۔ اس حال میں کہ حجاج خطبہ دے رہا تھا۔ پھر ہم نے اس کے ساتھ نماز پڑھی اور اس کو ہم نے نفل کر لیا (ہ) حضور کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے جیسا آج لوگ کرتے ہیں۔

[۳۵۰](۵) ویخطب قائما علی الطھارۃ فان اقتصر علی ذکر اللہ تعالی جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا لا بد من ذکر طویل یسمہ خطبۃ[۳۵۱](۶) فان خطب قاعدا او

شریف، باب الخطبۃ قائما ص۱۲۵ نمبر۹۲۰ر مسلم شریف، فصل یخطب الخطبتین قائما ص۲۸۳ کتاب الجمعہ نمبر۸۶۱رابوداؤد شریف، باب الخطبۃ قائما ص۱۶۳ نمبر۱۰۹۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو خطبے دیں گے اور دونوں کے درمیان امام بیٹھیں گے۔ اگر خطبہ نہیں پڑھا تو ظہر کی نماز پڑھے گا اس کا ثبوت اس اثر میں ہے عن مصعب بن عمیر قال و بلغنا انہ لا جمعۃ الا بخطبۃ فمن لم یخطب صلی اربعا (الف) (سنن للبیھقی، باب وجوب الخطبۃ وانہ اذا لم یخطب صلی ظہرا اربعا، ج ثالث، ص۲۷۸، نمبر۵۷۰۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر خطبہ نہیں پڑھا تو ظہر کی چار رکعت پڑھے گا۔

[۳۵۰](۵) خطبہ دے گا کھڑے ہو کر طہارت پر، پس اگر صرف ذکر اللہ پر اکتفا کیا تو ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا لمبا ذکر ضروری ہے جس کو خطبہ کہہ سکے۔

وجہ خطبہ کھڑے ہو کر دینے کی دلیل اوپر گزر گئی ہے۔ یہ حدیث بھی ہے عن جابر بن سمرۃ ان رسول اللہ کان یخطب قائما ثم یجلس ثم یقوم فیخطب قائما ممن حدثک انہ کان یخطب جالسا فقد کذب (ب) (ابوداؤد شریف، باب الخطبۃ قائما ص۱۶۳ نمبر۱۰۹۳) اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہئے۔ خطبہ کے لئے غسل بہتر ہے۔ کیونکہ حدیث میں غسل کی تاکید ہے تاہم وضو ضروری ہے۔ کیونکہ خطبہ دو رکعت نماز کے بدلے میں ہے اور اس کے بعد فورا نماز پڑھنا ہے اس لئے خطبہ کے لئے وضو ضروری ہے۔ ابو حنیفہ کے نزدیک مختصر سا خطبہ بھی کافی ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے حدثنا شعیب بن رزیق الطائفی ... فقام (رسول اللہ ﷺ) متوکئا علی عصا او قوس فحمد اللہ واثنی علیہ کلمات خفیفات طیبات مبارکات (ج) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یخطب علی قوس ص۱۶۳ نمبر۱۰۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کا خطبہ بہت مختصر ہوتا تھا (۲) اثر میں ہے۔ عن الشعبی قال یخطب یوم الجمعۃ ما قل او کثر (د) (مصنف عبد الرزاق، باب وجوب الخطبۃ ج ثالث ص۲۲۲ نمبر۵۴۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کم خطبہ ہو تب بھی کافی ہو جائے گا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اتنا لمبا خطبہ ہو جس کو خطبہ کہہ سکیں۔ اس لئے کہ حضورؐ نے عموما اتنا لمبا خطبہ دیا ہے جس کو خطبہ کہہ سکتے ہیں۔

[۳۵۱](۶) پس اگر بیٹھ کر خطبہ دیا یا بغیر طہورت کے دیا تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

وجہ پچھلی احادیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہئے لیکن بیٹھ کر خطبہ دے دیا تو خطبہ ہو جائے گا لیکن بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ

حاشیہ : (الف) مصعب بن عمیر فرماتے ہیں کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ جمعہ نہیں ہے مگر خطبہ کے ساتھ۔ پس اگر خطبہ نہیں دیا تو چار رکعت ظہر پڑھے (ب) آپؐ خطبہ دیتے کھڑے ہو کر پھر بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے، پس کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تو جس نے بیان کیا کہ آپ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے وہ جھوٹ بولا (ج) آپ لکڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے یا کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ کی تعریف کی اور چند ہلکے، اچھے اور مبارک کلمے کہے (د) آپ جمعہ کے دن تھوڑا اور زیادہ خطبہ دیا کرتے۔

علی غیر طهارة جاز ویکره [۳۵۲](۷) ومن شرائطها الجماعة واقلهم عند ابی حنیفة ثلثة سوی الامام وقالا اثنان سوی الامام[۳۵۳] (۸) ویجهر الامام بقرائته فی الرکعتین ولیس فیهما قراء ۃ سورة بعینها [۳۵۴](۹) ولا تجب الجمعة علی مسافر ولا امرأة ولا

ہے اس لئے کہ اصل خطبہ ذکر ہے اور وہ ہو گیا چاہے کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر ہو۔ بیٹھ کر خطبہ دینے کا ثبوت اثر میں ہے فلما کان معاویة استأذن الناس فی الجلوس فی احدی الخطبتین وقال انی قد کبرت وقد اردت اجلس احدی الخطبتین فجلس فی الخطبة الاولی (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الخطبة قائما ج ثالث ص ۱۸۸ نمبر ۵۲۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر خطبہ بیٹھ کر دے تو خطبہ ہو جائے گا۔

اسی طرح چونکہ خطبہ حقیقت میں نماز نہیں ہے بلکہ ذکر ہے اس لئے بغیر وضو کے خطبہ دے دیا تو خطبہ ہو جائے گا۔ البتہ مکروہ ہوگا۔ کیونکہ ذکر بغیر وضو کے جائز ہے۔ پہلے احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

[۳۵۲] (۷) جمعہ کے شرائط میں سے جماعت ہے اور کم سے کم ابو حنیفہ کے نزدیک تین آدمی ہوں امام کے علاوہ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ دو آدمی ہوں امام کے علاوہ۔

وجہ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے عن ام عبد الله الدوسية قالت سمعت رسول الله ﷺ یقول الجمعة واجبة علی اهل کل قرية وان لم یکونوا الا ثلثة ورابعهم امامهم (ب) (دار قطنی، باب الجمعة علی اہل قریۃ ج ثانی ص ۷ نمبر ۱۵۷۸) اس حدیث سے معلوم ہو کہ امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تب جمعہ ہوگا۔

فائدہ صاحبین نے دو آدمی اس لئے کہا کہ دو آدمی بھی جماعت ہوتے ہیں اور تیسرا امام ہے اس لئے جماعت تو ہوگی۔

[۳۵۳] (۸) امام دونوں رکعتوں میں قرأت زور سے پڑھے گا۔ البتہ اس میں کسی متعین سورۃ کا پڑھنا ضروری نہیں۔

وجہ حدیث میں ہے قال استخلف مروان ابا هریرة علی المدینة ... قال ابو هریرة انی سمعت رسول الله یقرأ بهما یوم الجمعة یعنی سورة الجمعة واذا جائک المنافقون (ج) (مسلم شریف، فصل فی قراءۃ سورۃ الجمعۃ ...فی صلوۃ الجمعۃ ص ۲۸۷ نمبر ۸۷۷/ابو داؤد شریف، باب ما یقرأ بہ فی الجمعۃ، ص ۱۶۷، نمبر ۱۱۲۴) اس حدیث میں ہے کہ میں نے جمعہ کی نماز میں ان دونوں سورتوں کو سنا جس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی دونوں رکعتوں میں قرأت آپؐ جہری کرتے تھے۔ البتہ جن سورتوں کو حضورؐ نے پڑھا انہیں سورتوں کا جمعہ کی نماز میں پڑھنا ضروری نہیں ہے، صرف مستحب ہے۔

[۳۵۴] (۹) جمعہ واجب نہیں ہے مسافر پر، نہ عورت پر، نہ مریض پر، نہ بچے پر، نہ غلام پر، نہ اندھے پر۔

حاشیہ : (الف) جب حضرت معاویہؓ نے لوگوں سے دو خطبوں میں سے ایک میں بیٹھنے کے بارے میں اجازت مانگی اور کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میں نے ارادہ کیا ہے کہ دو خطبوں میں سے ایک میں بیٹھوں، تو پہلے خطبہ میں بیٹھے (ب) حضور فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ واجب ہے ہر گاؤں والوں پر چاہے نہ ہو وہاں مگر تین آدمی اور چوتھا ان کا امام (ج) ابو ہریرۃ نے فرمایا کہ میں نے سنا کہ حضورؐ سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون کو جمعہ کے دن پڑھا کرتے تھے۔

مریض ولا صبی ولا عبد ولا اعمی[۳۵۵] (۱۰) فان حضروا و صلوا مع الناس اجزاهم عن فرض الوقت [۳۵۶](۱۱) ویجوز للعبد والمسافر والمریض ان یؤموا فی الجمعة [۳۵۷](۱۲) ومن صلی الظهر فی منزله یام الجمعة قبل صلوۃ الامام ولا عذر له کره له

وجہ حدیث میں ہے عن طارق بن شہاب عن النبی ﷺ قال الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا اربعة عبد مملوک او امرأة او صبی او مریض (الف) (ابوداؤد شریف، باب الجمعۃ للمملوک والمرأۃ ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۷) دارقطنی میں او مسافر کالفظ بھی ہے (دارقطنی، باب من تجب علیہ الجمعۃ ج ثانی ص ۳ نمبر ۱۵۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ جمعہ کے لئے بعض مرتبہ دور جانا پڑتا ہے جس کے لئے مذکورہ لوگوں کو جانے میں حرج ہوتا ہے۔ نابینا کو بھی جانے میں حرج ہے اس لئے اس پر بھی جمعہ واجب نہیں ہے۔

[۳۵۵] (۱۰) اگر یہ لوگ حاضر ہوئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی تو ان کو وقتی فرض سے کافی ہو جائے گا۔

تشریح ان لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے لیکن اگر ان لوگوں نے جمعہ پڑھ لیا تو ظہر ان سے ساقط ہو جائے گی۔

وجہ کیونکہ جمعہ اگر چہ واجب نہیں ہے لیکن ظہر اور جمعہ میں سے ایک ان پر واجب ہے۔ اس لئے اگر جمعہ پڑھ لیا تو ظہر کے بدلے میں ادا ہو جائے گا۔ یہ اثر ان کی دلیل ہے عن الحسن قال ان جمعن مع الامام اجزأهن من صلوة الامام (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۴۰، المرأۃ تشہد الجمعۃ اتجزیھا صلوۃ الامام، ص ۴۴۶، نمبر ۵۵۶۱) عن الزهری قال سألته عن المسافر یمر بقریة فینزل فیها یوم الجمعة قال اذا سمع الاذان فلیشهد الجمعة (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب من تجب علیہ الجمعۃ ص ۱۷۴ نمبر ۵۲۰۵/ ۵۱۷۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ جمعہ میں حاضر ہو جائے تو ظہر کی ادائیگی ہو جائے گی۔

[۳۵۶] (۱۱) غلام، مسافر اور مریض کے لئے جائز ہے کہ وہ جمعہ میں امامت کرے۔

وجہ یہ لوگ عاقل بالغ ہیں اور امامت کے قابل ہیں۔ البتہ ان لوگوں کی سہولت کے لئے ان لوگوں پر جمعہ واجب نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن مشقت برداشت کر کے جمعہ میں آ گئے اور جمعہ کی امامت بھی کر لی تو امامت صحیح ہو جائے گی۔ البتہ عورت اور بچہ عام نمازوں میں امامت کے قابل نہیں ہیں اس لئے جمعہ کی بھی امامت نہیں کر سکتے۔

[۳۵۷] (۱۲) اگر کسی نے جمعہ کے دن امام کی نماز سے پہلے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لی حالانکہ اس کو کوئی عذر نہیں تھا تو یہ اس کے لئے مکروہ ہے۔ لیکن ظہر کی نماز جائز ہو جائے گی۔

وجہ مکروہ ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی

حاشیہ: (الف) آپ نے فرمایا جمعہ ہر مسلمان پر واجب ہے جماعت میں مگر چار آدمی پر غلام، عورت، بچہ اور بیمار پر (ب) حسن نے فرمایا اگر عورتیں امام کے ساتھ جمعہ پڑھ لیں تو ان کو کافی ہو جائے گا امام کی نماز کے ساتھ (ج) زہری سے منقول ہے کہ میں نے مسافر کے بارے میں پوچھا جو کسی گاؤں سے گزرے اور اس میں جمعہ کے دن اترے تو فرمایا جب مسافر اذان سنے تو جمعہ میں حاضر ہو جائے۔

ذلک وجازت صلوته [۳۵۸](۱۳) فان بدا له ان یحضر الجمعة فتوجه الیها بطلت صلوة الظهر عند ابی حنیفة رحمه الله بالسعی الیها وقال ابو یوسف و محمد لا تبطل حتی یدخل مع الامام [۳۵۹](۱۴) ویکره ان یصلی المعذور الظهر بجماعة یوم الجمعة

جماعة (الف)(ابوداؤد شریف، باب الجمعۃ للمملوک والمرأۃ ص۱۶۰ نمبر ۱۰۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ ہر مسلمان پر بشرط مذکورہ واجب ہے۔اس لئے بغیر عذر کے ظہر کی نماز امام کی نماز سے پہلے پڑھی تو مکروہ ہے(۲) دوسری حدیث ہے عن ابی الجعد الضمری وکانت له صحبة ان رسول الله ﷺ قال من ترک ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله علی قلبه (ب)(ابوداؤد شریف، باب التشدید فی ترک الجمعۃ ص۱۵۸ نمبر ۱۰۵۲) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ کوئی تین جمعہ بغیر عذر کے چھوڑ دے تو اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔اس لئے بغیر عذر کے ظہر کی نماز امام سے پہلے پڑھ لی تو مکروہ ہے(۳) فاسعوا الی ذکر الله میں فاسعوا امر وجوب کے لئے ہے۔اورانہوں نے بغیر عذر کے امر کو چھوڑا اس لئے مکروہ ہے۔البتہ چونکہ اصل مین ظہر ہی ہے اس لئے ظہر کی ادائیگی ہو جائے گی۔

[۳۵۸](۱۳) پس اگر اس کا خیال ہوا کہ جمعہ میں حاضر ہو جائے۔پس اس کی طرف متوجہ ہوا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جمعہ کی طرف سعی کرتے ہی ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی۔اور صاحبین نے فرمایا نہیں باطل ہوگی یہاں تک کہ امام کے ساتھ داخل ہو جائے۔

تشریح ایک شخص نے امام کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی پھر جمعہ کا خیال ہوا کہ تو جمعہ کے لئے چل پڑا۔امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ گھر سے نکلتے ہی ظہر باطل ہو جائے گی۔اس لئے اگر جمعہ میں شریک ہو گیا تو جمعہ پڑھے گا اور شریک نہ ہو سکا تو دوبارہ ظہر پڑھنا ہوگا۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر امام کے ساتھ جمعہ کی نماز میں شریک ہوا تب ظہر کی نماز باطل ہوگی اور اگر نہ ہو سکا تو ظہر کی نماز صحیح رہے گی۔اور دوبارہ ظہر کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر اصل جمعہ تھا اور اس پر مکمل طور پر قادر ہو گیا اس لئے اصل پر قدرت کے وقت فرع باطل ہو جائے گی۔اور اگر اصل پر قدرت نہیں ہوئی تو فرع بحال رہے گی۔امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی طرف سعی کرنا گویا کہ جمعہ پا لینا ہے۔اس لئے گویا کہ اصل پر قدرت ہو گئی اس لئے ظہر باطل ہوگی۔

نوٹ یہ مسئلہ الگ الگ اصول پر مبنی ہے۔باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آیت فاسعوا الی ذکر الله کی وجہ سے اس پر جمعہ کی طرف سعی کرنا واجب تھا اور وہ نہیں کیا اس لئے جب سعی کیا تو ظہر باطل ہو کر نفل ہو گیا۔

[۳۵۹](۱۴) مکروہ ہے کہ معذور آدمی ظہر کی نماز جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ پڑھے۔ایسے ہی قیدی لوگ جماعت کے ساتھ پڑھے۔

وجہ معذور آدمی جماعت کے ساتھ ظہر پڑھے گا تو جمعہ کی جماعت میں کمی واقع ہوگی۔کیونکہ غلام، مسافر، عورت، بچے، مریض اور نابینا کو بھی کوشش کر کے جمعہ میں جانا چاہئے۔اس لئے یہ معذور لوگ شہر میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھے۔البتہ دیہات والوں پر جمعہ واجب

حاشیہ : (الف) جمعہ حق واجب ہے ہر مسلمان پر جماعت میں (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے تین جمعہ سستی سے چھوڑ دیئے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔

وکذلک اهل السجن [۳۶۰](۱۵) ومن ادرک الامام یوم الجمعة صلی معه ما ادرک وبنی علیها الجمعة [۳۶۱](۱۶) وان ادرکه فی التشهد او فی سجود السهو بنی علیها

نہیں ہے اور نہ وہاں کوئی جمعہ کی جماعت ہے اس لئے وہ لوگ ظہر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں (۲) اثر میں ہے عن الحسن انه کان یکره اذا لم یدرک قوم الجمعة ان یصلوا الجماعة (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب القوم یأتون المسجد یوم الجمعۃ بعد انصراف الناس، ج ثالث ص ۲۳۲ نمبر ۵۴۵۷) اور مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے قال علی لا جماعة یوم الجمعة الا مع الامام (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷۴ فی القوم یجمعون یوم الجمعۃ اذا لم یشھدوھا، ج ثانی، ص ۴۶۶، نمبر ۵۳۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن معذورین کو جماعت کے ساتھ ظہر نہیں پڑھنا چاہئے۔

فائدہ کچھ حضرات کے یہاں کراہیت نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ فذکر زرو التیمی فی یوم جمعة ثم صلوا الجمعة اربعا فی مکانهم وکانوا خائفین (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۷۴ فی القوم یجمعون یوم الجمعۃ اذا لم یشھدوھا ج ثانی ص ۴۶۶، نمبر ۵۳۹۵ / مصنف عبد الرزاق، باب القوم یأتون المسجد یوم الجمعۃ بعد انصراف الناس، ج ثالث ص ۲۳۱، نمبر ۵۴۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ معذورین جماعت کے ساتھ ظہر پڑھے تو اتنی کراہیت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں جمعہ ساقط ہے۔

لغت سجن : قیدی

[۳۶۰] (۱۵) جس نے امام کو جمعہ کے دن پایا تو ان کے ساتھ نماز پڑھے گا جتنا پایا اور اس پر جمعہ کا بنا کرے گا۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال اذا سمعتم الاقامة فامشوا الی الصلوة وعلیکم السکینة والوقار ولا تسرعوا فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا (ج) (بخاری شریف، باب لا یسعی الی الصلوۃ ولیاتھا بالسکینۃ والوقار، ص ۸۸، نمبر ۶۳۶) اس حدیث میں ہے وما فاتکم فاتموا کہ جو فوت ہو جائے تو اس کو پورا کرو یعنی پہلی نماز پر بنا کر لو۔ تو جمعہ کی نماز میں بھی یہی ہوگا۔ امام کے ساتھ جتنا پایا وہ ٹھیک ہے اور جتنا باقی رہا اس کو جمعہ ہی کے طور پر پورا کرے گا (۲) حدیث میں ہے عن ابی هریرة ان رسول الله قال من ادرک من الجمعة رکعة فلیضف الیها اخری (د) (دار قطنی باب فیمن یدرک من الجمعۃ رکعۃ او لم یدرکھا ج ثانی ص ۸ نمبر ۱۵۷۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ جتنی پائے وہ ٹھیک ہے باقی اسی پر بنا کر کے پوری کرے گا۔

[۳۶۱] (۱۶) اگر امام کو تشہد میں پایا یا سجدۂ سہو میں پایا تو اس پر جمعہ کا بنا کرے گا امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر پایا تو اس پر جمعہ کا بنا کرے گا اور اگر امام کے ساتھ کم پایا تو اس پر ظہر کا بنا کرے گا۔

تشریح شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ سلام پھیرنے سے پہلے امام کے ساتھ مل گیا تو امام کی اتباع میں جمعہ ہی پڑھے گا ظہر نہیں پڑھے گا۔ اور

حاشیہ : (الف) حضرت حسن سے منقول ہے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ جب قوم جمعہ نہ پڑھتے تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھے (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا جماعت نہیں ہے جمعہ کے دن مگر امام کے ساتھ (ج) آپؐ نے فرمایا جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف چلتے آؤ اور تم پر سکونت اور وقار ہو۔ اور تیزی سے مت چلو، جو پاؤ اس کو پڑھو اور جو فوت ہو جائے اس کو پورا کرے (د) آپؐ نے فرمایا جو جمعہ میں ایک رکعت پائے اس کے ساتھ دوسری ملا لے۔

الجمعة عند ابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد ان ادرک معه اکثر الرکعة الثانیة بنی علیها الجمعة وان ادرک معه اقلها بنی علیها الظهر[۳۶۲] (۱۷)واذا خرج الامام یوم

امام محمد کے نزدیک یہ ہے کہ دوسری رکعت کا اکثر حصہ امام کے ساتھ ملا ہے تب تو جمعہ پڑھے گا اور اگر اکثر نہیں ملا ہے تو چونکہ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے اور اکثر حصہ میں جماعت نہیں ملی اس لئے اب جمعہ نہیں پڑھے گا بلکہ ظہر کی چار رکعت پڑھے گا۔

وجہ شیخین کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۵ والی بخاری کی حدیث ہے کہ جتنا ملا وہ امام کے ساتھ پڑھو اور جتنا فوت ہو گیا اس کو اسی پر بنا کر لو، تو امام کے ساتھ سلام سے پہلے ملا تو اتنا امام کے ساتھ پڑھے گا اور باقی کا اسی پر بنا کرے گا۔ چاہے دوسری رکعت کا اکثر ملا ہو یا اقل ملا ہو (۲) سلام سے پہلے بھی امام کے ساتھ ملا ہو اس کی اتباع میں وہی نماز پڑھنی چاہئے جو انہوں نے پڑھی ہے یعنی جمعہ (۳) ایک حدیث میں ہے **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من ادرک الامام جالسا قبل ان یسلم فقد ادرک الصلوة** (الف) (دار قطنی، باب فیمن یدرک من الجمعۃ رکعۃ او لم یدرکھا ج ثانی ص ۱۰ نمبر ۱۵۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام سے پہلے بھی امام کے ساتھ مل جائے تو گویا کہ اس نے جمعہ پا لیا۔ اس لئے اب دو رکعت جمعہ ہی پڑھے گا۔

وجہ امام محمد کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۵ کی دار قطنی کی حدیث ہے جس میں کہا گیا کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت پائی وہ دوسری رکعت جمعہ کی ملائے۔ تو اکثر رکعت ایک رکعت کے قائم مقام ہے اس لئے اکثر رکعت پائی تو جمعہ پڑھے گا ورنہ ظہر پڑھے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من ادرک رکعة من الصلوة فقد ادرک الصلوة** (ب) (ابو داؤد شریف، باب من ادرک من الجمعۃ رکعۃ ص ۱۶۶ نمبر ۱۱۲۱) اس حدیث میں ایک رکعت پانے کا تذکرہ ہے تب ہی جمعہ پڑھے گا۔

[۳۶۲] (۱۷) جب امام جمعہ کے دن خطبہ کے لئے نکلے تو لوگ نماز اور کلام کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے اور صاحبین نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ بات کرے جب تک امام خطبہ نہ شروع کرے۔

تشریح منبر پر خطبہ کے لئے امام چڑھ جائے تو لوگ باتیں کرنا بھی بند کر دیں اور نماز پڑھنا بھی بند کر دیں۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ امام خطبہ شروع کر دیں تب بات کرنا اور نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اس سے پہلے بات کر لی تو حرج کی بات نہیں ہے تاہم نہیں کرنی چاہئے۔ کلام کی ممانعت کی دلیل یہ حدیث ہے **ان ابا هریرة اخبره ان رسول الله ﷺ قال اذا قلت لصحبک یوم الجمعة انصت والامام یخطب فقد لغوت** (ج) (بخاری شریف، باب الانصات یوم الجمعۃ والامام یخطب ص ۱۲۷ نمبر ۹۳۴ رمسلم شریف، فصل فی عدم ثواب من تکلم والامام یخطب ص ۲۸۱ کتاب الجمعۃ نمبر ۸۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنا ساتھی بات کر رہا ہو تو اس کو چپ رہو کہنا بھی غلط ہے۔ اس کو اشارہ سے چپ رہنے کے لئے کہنا چاہئے۔ اور الا ؛م یخطب کے لفظ سے صاحبین نے استدلال کیا ہے کہ امام خطبہ دے رہا ہو اس وقت کلام کرنا مکروہ ہے اس لئے پہلے بات کرنے کی گنجائش ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک منبر پر بیٹھنا بھی خطبہ کا حصہ ہے اس لئے منبر پر بیٹھتے ہی

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جس نے امام کو بیٹھے ہوئے پایا سلام سے پہلے تو گویا کہ نماز پا لیا (ب) آپ نے فرمایا جس نے نماز میں سے ایک رکعت پائی تو گویا کہ نماز پا لی (ج) آپ نے فرمایا جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا چپ رہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو یہ بھی لغو بات ہے۔

الجمعة ترک الناس الصلوة و الکلام حتی یفرغ من خطبته وقالا لا بأس بان یتکلم مالم

کلام کی ممانعت ہو جائے گی۔

نوٹ خود امام کو بولنے کی ضرورت ہو تو وہ امر و نہی وغیرہ کے لئے بول سکتے ہیں۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال لما استوی رسول اللہ ﷺ یوم الجمعة قال اجلسوا فسمع ذلک ابن مسعود فجلس علی باب المسجد فرآہ رسول اللہ ﷺ فقال تعال یا عبد اللہ بن مسعود (الف)(ابوداؤد شریف، باب الامام یکلم الرجل فی خطبته ص۱۶۳ نمبر ۱۰۹۱) اس حدیث میں آپؐ نے خطبہ کے دوران عبداللہ بن مسعود سے بات کی ہے اور آگے آنے کے لئے کہا ہے۔اس لئے ضرورت کے موقع پر امام بات کر سکتے ہیں۔

خطبہ کے وقت نماز نہ پڑھنے کی دلیل (۱) یہ آیت ہے اذ قرء القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون (ب)(آیت ۲۰۴ سورۃ الاعراف ۷) اس آیت میں قرآن پڑھتے وقت چپ رہنے اور کان لگا کر سننے کے لئے کہا ہے اور خطبہ میں قرآن پڑھا جائے گا، اب لوگ نماز پڑھیں گے تو وہ خود قرآن پڑھیں گے اور چپ نہیں رہیں گے اس لئے نماز پڑھنے کی بھی ممانعت ہوگی (۲) عن ابن عباس و ابن عمر انهما کانا یکرهان الصلوة و الکلام یوم الجمعة بعد خروج الامام (ج)(مصنف ابن ابی شیبة ۳۶۰ فی الکلام اذا صعد الامام المنبر وخطب ج ثانی ص۴۵، نمبر ۵۲۹۷) (۳) سألت قتادة عن الرجل یأتی و الامام تخطب یوم الجمعة ولم یکن صلی ا یصلی ؟فقال اما انا فکنت جالسا (د)(مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یجیئ والامام یخطب، ج ثالث،ص ۲۴۵، نمبر ۵۵۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ کے وقت دو رکعت مختصری نماز پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے سمع جابر قال دخل رجل یوم الجمعة والنبی ﷺ یخطب فقال اصلیت؟ قال لا! قال ثم فصل رکعتین (ہ)(بخاری شریف، باب من جاء والامام یخطب صلی رکعتین خفیفتین ص۱۲۷ نمبر ۹۳۱) مسلم شریف اور ابوداؤد کی روایت میں اس طرح حدیث ہے سمعت جابر بن عبد اللہ ان النبی ﷺ خطب فقال اذا جاء احدکم یوم الجمعة وقد خرج الامام فلیصل رکعتین (و)(مسلم شریف، فصل من دخل المسجد والامام تخطب فلیصل رکعتین ص۲۸۷ نمبر۸۷۵/۲۰۲۲/ابوداؤد شریف، باب اذا دخل والامام یخطب ص۱۶۶ نمبر ۱۱۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام خطبہ دے رہا ہو اور ابھی تک تحیۃ المسجد یا سنت جمعہ نہ پڑھی ہو تو دو رکعت پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔تاہم ہمیشہ ایسی عادت

حاشیہ : (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ گئے تو آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تو یہ بات عبداللہ بن مسعود نے سنی تو وہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئے تو حضورؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا عبداللہ بن مسعود ادھر آؤ (ب) جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور چپ رہو شاید کہ تم رحم کئے جاؤ گے (ج) عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے لئے نکلنے کے بعد نماز اور کلام مکروہ سمجھا کرتے تھے (د) میں نے حضرت قتادہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے وقت آیا ہو اور ابھی نماز نہ پڑھی ہو۔کیا وہ نماز پڑھے؟ فرمایا بہر حال میں تو بیٹھ جاؤں گا (یعنی نماز نہیں پڑھوں گا) (ہ) ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اور حضورؐ خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی؟ انہوں نے کہا نہیں، آپؐ نے کہا کھڑے ہو اور دو رکعت نماز پڑھو (و) آپؐ خطبہ دے رہے تھے اور فرمایا تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ کے لئے نکل چکا ہو تو دو رکعت نماز پڑھنی چاہئے۔

یبدأ بالخطبة. [۳۶۳](۱۸) واذا اذن المؤذنون یوم الجمعة الاذان الاول ترک الناس البیع والشراء و توجهوا الی الجمعة[۳۶۴] (۱۹) فاذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بین یدی المنبر ثم یخطب الامام.

نہیں بنالینی چاہئے۔

[۳۶۳](۱۸)جب مؤذن جمعہ کے دن پہلی اذان دے تو لوگ خرید وفروخت چھوڑ دے اور جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

وجہ خود آیت میں ہے **اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع** (الف)(آیت ۹ سورۃ الجمعۃ ۶۲)اس آیت سے معلوم ہوا کہ اذان دی جائے تو خرید وفروخت چھوڑ کر جمعہ کی طرف چل پڑنا چاہئے۔البتہ حضور کے زمانے میں دوسری اذان ہوتی تھی اور حضرت عثمان نے دیکھا کہ لوگوں کی بھیڑ زیادہ ہے تو ایک اذان کا اضافہ کر دیا جس کو پہلی اذان کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس حدیث سے ہے **عن السائب بن یزید قال کان النداء یوم الجمعة اوله اذا جلس الامام علی المنبر علی عهد النبی ﷺ وابی بکر و عمر فلما کان عثمان و کثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء قال ابو عبدالله الزوراء موضع بالسرق بالمدینة** (ب)(بخاری شریف، باب الاذان یوم الجمعۃ ص ۱۲۴ نمبر ۹۱۲ /ابو داؤد شریف، باب النداء یوم الجمعۃ ص ۱۶۲ نمبر ۱۰۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلی اذان حضرت عثمان نے اضافہ کیا ہے۔اور اس وقت بھی جمعہ کے لئے اذان دی جاتی ہے اس لئے اب اسی وقت جمعہ کے لئے سعی کرنا ہوگا۔اس کی تائید میں یہ اثر ہے **قال لی مسلم بن یسار اذا علمت ان النهار قد انتصفت یوم الجمعة فلا تبتاعوا شیئا** (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۷۲ الساعۃ التی یکرہ فیھا الشراء والبیع ج ثانی ص ۴۶۵، نمبر ۵۳۸۳)(۲)**قلت للزهری متی یحرم البیع والشراء یوم الجمعة فقال کان الاذان عند خروج الامام فاحدث امیر المؤمنین عثمان التأذینة الثالثة فاذن علی الزوراء لیجتمع الناس فاری ان یترک الشراء والبیع عند التأذینة** (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۷۲ الساعۃ التی یکرہ فیھا الشراء والبیع ج ثانی ص ۵۳۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اذان اول کے پاس پاس ہی خرید وفروخت چھوڑ دینا چاہئے۔کیونکہ وہی ندا ہے۔

[۳۶۴](۱۹)جب امام منبر پر چڑھ جائے تو منبر پر بیٹھے اور مؤذن منبر کے سامنے اذان دے پھر امام خطبہ دے۔

وجہ اس سب کی دلیل یہ حدیث ہے **عن سائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول الله ﷺ اذا جلس علی المنبر**

حاشیہ : (الف)جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور بیع چھوڑ دو(ب) سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن پہلی اذان تھی جب امام منبر پر بیٹھتے تھے۔حضورؐ، ابو بکر اور عمر کے زمانے میں۔پس جب عثمان کا زمانہ آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو مقام زوراء پر تیسری اذان کی زیادتی کی۔ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ زوراء مدینہ میں ایک بازار کا نام ہے(ج) مسلم بن یسار نے کہا کہ جب جان لو کہ جمعہ کے دن دوپہر ہو گئی تو خرید فروخت چھوڑ دو(د) میں نے زہری سے پوچھا جمعہ کے دن خرید وفروخت کب حرام ہوتے ہیں؟ تو فرمایا اذان امام کے نکلتے وقت ہوتی تھی تو حضرت عثمان نے تیسری اذان شروع کی تو مقام زوراء پر اذان دلوائی تا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔تو میں سمجھتا ہوں کہ اذان کے وقت خرید وفروخت چھوڑ دے۔

[۳۶۵](۲۰) واذا فرغ من خطبته اقاموا الصلوۃ.

یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر و عمر (الف)(ابوداؤدشریف، باب النداء یوم الجمعۃ ص۱۶۲ نمبر۱۰۸۸ر بخاری شریف، باب التأذین عند الخطبۃ ص۱۲۴ نمبر۹۱۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام منبر پر بیٹھے گا اس وقت اس کے سامنے اذان ثانی دی جائے گی۔اس کے بعد امام خطبہ دے گا۔

[۳۶۵](۲۰) جب امام خطبہ سے فارغ ہونگے تو لوگ جمعہ کی نماز کھڑی کریں گے۔

وجہ پہلے خطبہ دے پھر نماز کھڑی کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس قال رأیت رسول اللہ ﷺ ینزل من المنبر فیعرض لہ الرجل فی الحاجة فیقوم معه حتی یقضی حاجته ثم یقوم فیصلی (ب)(ابوداؤدشریف، باب الامام یتکلم بعد ما ینزل من المنبر ص۱۶۶ نمبر۱۱۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے بعد نماز جمعہ قائم کرے گا۔

حاشیہ : (الف) سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضور کے سامنے اذان دی جاتی تھی جب آپؐ جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتے مسجد کے دروازے پر اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں بھی (ب) میں نے حضور کو دیکھا کہ منبر سے اترتے تو آپ کے لئے کوئی آدمی ضرورت پیش کرتا تو آپؐ اس کے ساتھ کھڑے ہوتے یہاں تک کہ آپ ان کی ضرورت پوری کرتے پھر کھڑے ہوتے اور نماز پڑھتے۔

﴿باب صلوة العدين﴾

[۳۶۶](۱) يستحب يوم الفطر ان يطعم الانسان شيئا قبل الخروج الى المصلى[۳۶۷]

﴿ باب صلوٰۃ العیدین ﴾

ضروری نوٹ عید کی نماز واجب ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ عید مناتے تھے۔ بعد میں اسلام میں بھی اس کو برقرار رکھا۔ اس کا ثبوت اس آیت سے ہے ولتکملوا العدة ولتكبروا الله على ما هداكم ولعلكم تشكرون (الف) (آیت ۱۸۵ سورۃ البقرۃ ۲) تفسیر طبری میں ہے کہ اس آیت میں عید الفطر میں تکبیر کہنے کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ اسی آیت کے شروع میں روزے کا تذکرہ ہے۔ جس سے عید الفطر کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور فصل لربک وانحر (ب) (آیت ۲ سورۃ الکوثر ۱۰۸) اس آیت میں تذکرہ ہے کہ پہلے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھو پھر جانور کی قربانی کرو۔ اس لئے دونوں آیتوں سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا ثبوت ہوتا ہے۔

نماز عیدین کے وجوب کی دلیل اس حدیث کی دلالت ہے عن ابی سعید الخدری قال كان النبی ﷺ يخرج يوم الفطر والاضحى الى المصلى فاول شیء يبدأ به الصلوة ثم ينصرف فيقوم مقابل الناس والناس جلوس على صفوفهم فيعظهم ويوصيهم ويامرهم (ج) (بخاری شریف، باب الخروج الی المصلی بغیر منبر ص ۱۳۱ نمبر ۹۵۶) اس حدیث میں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا کرتے تھے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے نکلا کرتے تھے، یہ استمرار اور ہمیشگی وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ آپ نے کبھی عیدین کی نماز نہیں چھوڑی یہ وجوب کی دلیل ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ وجوب کا درجہ نہیں ہے اس لئے ان کے یہاں نماز عیدین سنت مؤکدہ ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے عن البراء بن عازب قال قال النبی ﷺ ان اول ما يبدأ فی يومنا هذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل ذلك اصاب سنتنا (د) (بخاری شریف، باب الخطبۃ بعد العید ص ۱۳۱ نمبر ۹۶۵) اس حدیث میں اصاب سنتنا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عیدین کی نماز سنت ہے۔

[۳۶۶](۱) عید الفطر کے دن مستحب یہ ہے کہ انسان عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ کھائے۔

وجہ حدیث میں ہے عن انس بن مالك قال كان رسول الله ﷺ لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات. وفي حديث آخر ويأكلهم وترا (ہ) (بخاری شریف، باب الاکل یوم الفطر قبل الخروج ص ۱۳۰ نمبر ۹۵۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ جانے سے

حاشیہ : (الف) تاکہ رمضان کے دن پورے کرو اور جو تم کو ہدایت دی اس پر اللہ کی تکبیر کرو اور شاید کہ تم شکریہ ادا کرو (ب) اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو (ج) حضور نکلا کرتے تھے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف، تو سب سے پہلی چیز جو شروع کرتے وہ نماز عید ہوتی، پھر وہاں سے ہٹ کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے تو آپ ان کو نصیحت کرتے، وصیت کرتے اور حکم دیتے (د) آپ نے فرمایا سب سے پہلی چیز جو شروع کریں گے اس دن وہ نماز پڑھیں گے، پھر واپس لوٹیں گے، پس قربانی کریں گے۔ پس جس نے یہ کیا اس نے ہماری سنت کو پایا (ہ) آپ عید الفطر کے دن عیدگاہ نہیں جاتے یہاں تک کہ چند کھجور کھاتے، دوسری حدیث میں ہے کہ طاق کھجور کھاتے۔

(۲) ویغتسل و یتطیب ویلبس احسن ثیابه[۳۶۸] (۳) ویتوجه الی المصلی ولایکبر فی طریق المصلی عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی ویکبر فی طریق المصلی عند ابی یوسف و

پہلے عیدالفطر میں کچھ میٹھی چیز کھانا چاہئے۔اور عیدالاضحیٰ میں نماز کے بعد کھانا مستحب ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن بریدة عن ابیه قال کان رسول الله لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یأکل یوم النحر حتی یذبح (سنن للبیھقی، باب یترک الاکل یوم النحر حتی یرجع ج ثالث ص ۴۰۱، نمبر ۶۱۵۹)

[۳۶۷] (۲) غسل کرے اور خوشبو لگائے اور اچھے کپڑے پہنے۔

تشریح یہ سب کام عید کے دن کرنا مستحب ہے۔غسل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمر انه کان یغتسل فی العیدین اغتسالا من الجنابة (الف) (سنن للبیھقی، باب الاغتسال للاعیاد ج اول ص ۴۴۷، نمبر ۱۴۲۸ رمصنف ابن ابی شیبة، ۴۲۶ فی الغسل یوم العیدین ج ثانی ص ۵۵۰، نمبر ۵۷۷۰) (۲) چونکہ عید بھی جمعہ کی طرح اجتماع ہے اس لئے جو چیزیں جمعہ میں سنت ہوں گی وہی کام عیدین میں سنت ہوں گے۔اور جمعہ میں یہ کام سنت ہیں حدیث یہ ہیں عن ابی سعید الخدری و ابی هریرة قالا قال رسول الله ﷺ من اغتسل یوم الجمعة و لبس من احسن ثیابه ومس من طیب ان کان عنده ثم اتی الجمعة (ب) (ابوداؤد شریف، باب الغسل للجمعة ص ۵۶ نمبر ۳۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرے۔اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو ملے اور عیدین بھی جمعہ کی طرح اجتماع ہیں اس لئے ان میں بھی یہ کام کرنا سنت ہوگا (۳) عید کے دن اچھے کپڑے پہننے کی حدیث موجود ہے ان عبد الله بن عمر قال اخذ عمر جبة من استبرق تباع فی السوق فاخذها فاتی بها رسول الله فقال یا رسول الله ابتع هذه تجمل بها للعید والوفود (ج) (بخاری شریف، باب ما جاء فی العیدین والتجمل فیهما ص ۱۳۰ نمبر ۹۴۸) اس حدیث میں ہے تجمل بها للعید والوفود جس سے معلوم ہوا کہ عید کے لئے اچھے کپڑے پہننا اور خوبصورت بننا سنت ہے۔

[۳۶۸] (۳) اور عید کی طرف متوجہ ہو۔اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک راستہ میں تکبیر نہ کہے اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے گا عیدگاہ کے راستہ میں زور سے۔

تشریح امام ابو حنیفہ کے نزدیک عیدالفطر میں راستہ میں تکبیر زور سے نہیں پڑھے گا بلکہ آہستہ پڑھے گا اور عیدالاضحیٰ کے وقت راستہ میں زور سے تکبیر پڑھے گا۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبیر ایک قسم کی دعا ہے اور دعا کو آہستہ پڑھنا چاہئے اس لئے عیدالفطر میں تکبیر آہستہ پڑھے گا۔ان کا استدلال اس اثر سے ہے عن شعبة قال کنت اقود ابن عباس یوم العید فیسمع الناس یکبرون فقال ما شأن الناس قلت یکبرون قال

حاشیہ : (الف) عبداللہ بن عمر عیدین کے دن جنابت کی طرح غسل کرتے (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، اور اس کے اچھے کپڑوں میں سے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائی اگر اس کے پاس ہو پھر جمعہ میں آیا (ج) عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت عمر نے ریشم کا جبہ لیا جو بازار میں بک رہا تھا تو اس کو لیکر حضورؐ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ آپ اس کو خرید لیں اس سے عید اور وفود کے وقت زینت حاصل کریں گے۔

محمد[۳۶۹] (۴) ولا یتنفل فی المصلی قبل صلوۃ العید ویتنفل بعدھا[۳۷۰] (۵) فاذا حلت الصلوۃ بارتفاع الشمس دخل وقتھا الی الزوال فاذا زالت الشمس خرج وقتھا

یکبرون؟ قال یکبر الامام؟ قلت لا قال امجانین الناس (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۱۳ فی التکبیر اذا خرج الی العید ج ثانی ص ۴۸۸، نمبر ۵۶۲۹) اس اثر میں حضرت ابن عباس نے زور سے تکبیر کہنے سے انکار کیا ہے۔البتہ عید الاضحیٰ میں زور سے تکبیر بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔اس لئے وہاں زور سے تکبیر پڑھے گا۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک دونوں میں تکبیر زور سے پڑھے گا۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عبد اللہ بن عمر اخبرہ ان رسول اللہ ﷺ کان یکبر یوم الفطر من حین یخرج من بیتہ حتی یأتی المصلی (الف) (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۱۶۹۸ / مستدرک للحاکم، کتاب صلوۃ العیدین، ج اول، ص ۴۳۸، نمبر ۱۱۰۵) (۲) عن ابن عمر انہ کان یخرج لعیدین من المسجد فیکبر حتی یأتی المصلی ویکبر حتی یأتی الامام (ب) (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۳ نمبر ۱۶۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کے راستے میں تکبیر زور سے کہی جائے گی۔

[۳۶۹] (۴) عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے نفل نہیں پڑھی جائے گی۔اور نفل پڑھی جائے گی نماز عید کے بعد۔

وجہ نفل میں مشغول ہوگا تو عید کی نماز پڑھنے میں دیر ہوگی۔حالانکہ اس کو سب سے پہلے کرنا ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ خرج یوم الفطر فصلی رکعتین لم یصل قبلھا ولا بعدھا ومعہ بلال (ج) (بخاری شریف، باب الصلوۃ قبل العید وبعدھا ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹ / ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ بعد صلوۃ العید ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے پہلے اور بعد میں بھی نماز نفل نہیں پڑھنا چاہئے۔لیکن دوسرے اثر میں ہے عن ابن عباس کرہ الصلوۃ قبل العید (د) (بخاری شریف، باب الصلوۃ قبل العید وبعدھا ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عید سے پہلے تو نفل مکروہ ہے بعد میں نہیں۔

[۳۷۰] (۵) پس جب نماز حلال ہو جائے سورج کے بلند ہونے سے تو نماز عید کا وقت داخل ہو جائے گا زوال تک، پس جب سورج زائل ہو گیا تو اس کا وقت نکل گیا۔

تشریح نماز عید کا وقت سورج تھوڑا اوپر اٹھنے کے بعد سے زوال تک ہے۔

وجہ قال خرج عبد اللہ بن بسر صاحب رسول اللہ ﷺ مع الناس فی یوم عید الفطر او اضحی فانکر ابطاء الامام فقال انا کنا قد فرغنا ساعتنا ھذہ وذلک حین التسبیح (ہ) (ابوداؤد شریف، باب وقت الخروج الی العید ص ۱۶۸ نمبر ۱۱۳۵) اس

حاشیہ : (الف) آپ تکبیر کہتے عید الفطر کے دن جس وقت گھر سے نکلتے یہاں تک کہ عیدگاہ آتے (ب) عبد اللہ بن عمر عیدین کے لئے مسجد سے نکلتے تو تکبیر کہتے یہاں تک کہ عیدگاہ آتے اور تکبیر کہتے رہتے امام کے آنے تک (ج) آپ عید الفطر کے دن نکلے پس دو رکعت نماز پڑھی، اس سے پہلے بھی نہیں پڑھی اور اس کے بعد بھی نہیں پڑھی، اور آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے (د) ابن عباسؓ عید سے پہلے نماز ناپسند فرماتے تھے (ہ) عبد اللہ بن بسر نے لوگوں کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی تو امام کے دیر کرنے کا انکار کیا پھر فرمایا ہم اس گھڑی فارغ ہو جایا کرتے تھے اور یہ نماز اشراق کا وقت تھا۔

[۳۷۱](۶) ویصلی الامام بالناس رکعتین [۳۷۲](۷) یکبر فی الاولی تکبیرۃ الاحرام

حدیث سے معلوم ہوا کہ تسبیح یعنی نماز اشراق کے وقت آپ ﷺ نماز عید سے فارغ ہو جایا کرتے تھے۔ اس لئے یہی وقت نماز عید کا ہوگا (۲) پہلے ضروری نوٹ میں ایک حدیث بخاری کی گزری جس میں یہ لفظ تھا عن البراء بن عازب قال قال سمعت النبی ﷺ یخطب فقال ان اول ما نبدأبه فی یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر (الف) (بخاری شریف، باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام ص ۱۲۱ نمبر ۹۵۱) جس سے معلوم ہوا کہ اس دن سورج نکلنے کے بعد پہلی چیز نماز عید پڑھنا ہے۔ اس لئے سورج بلند ہونے کے بعد عید کی نماز کا وقت ہوگا۔ اور زوال کے بعد وقت ختم ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عمومۃ له من اصحاب النبی ﷺ ان رکبا جاء وا الی النبی ﷺ یشھدون انھم روا الھلال بالامس فامرھم ای یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاھم (ب) (ابوداؤد شریف، باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومہ یخرج من الغد ص ۱۷۰ نمبر ۱۱۵۷) اس حدیث میں زوال کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی دی ہے تو اس دن نماز نہیں پڑھی بلکہ اگلے دن صبح کو نماز عید پڑھنے کے لئے کہا جو اس بات کی دلیل ہے کہ زوال کے بعد عید کا وقت نہیں رہتا۔

[۳۷۱] (۶) امام لوگوں کو نماز پڑھائے گا دو رکعت۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ خرج یوم الفطر فصلی رکعتین لم یصل قبلھا ولا بعدھا (ج) (بخاری شریف، باب الصلوۃ قبل العید وبعدھا ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹) اس حدیث میں ہے کہ آپ نے عید کی نماز صرف دو رکعت پڑھائی۔ اس لئے عید کی نماز صرف دو رکعت ہوگی۔

[۳۷۲] (۷) تکبیر کہے گا پہلی رکعت میں تکبیر احرام اور اس کے بعد تین تکبیریں پھر سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورۃ ملائے پھر تکبیر کہے اور رکوع میں جائے۔

تشریح تکبیر احرام کے بعد عیدین میں تین تکبیر زوائد ہیں۔ اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ سورۃ ملائے گا پھر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جائے گا۔

وجہ تین تکبیر زوائد کی دلیل یہ حدیث ہے سأل ابو موسی الاشعری و حذیفۃ بن الیمان کیف کان رسول اللہ یکبر فی الاضحی والفطر؟ فقال ابو موسی کان یکبر اربعا تکبیرۃ علی الجنائز فقال حذیفۃ صدق (د) (ابوداؤد شریف، باب التکبیر فی العیدین ص ۱۷۰ نمبر ۱۱۵۳ / سنن للبیہقی، باب ذکر الخبر الذی روی فی التکبیر اربعا ج ثالث ص ۲۸۹ / مصنف عبد الرزاق، باب التکبیر

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا سب سے پہلی چیز جو شروع کریں گے اس دن وہ یہ کہ نماز پڑھیں گے، پھر واپس ہونگے اور قربانی کریں گے (ب) راوی کے چچا نے خبر دی کہ کچھ سوار حضور کے پاس آئے اور گواہی دی کہ انہوں نے کل گذشتہ رات چاند دیکھا ہے تو آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ افطار کریں اور جب صبح ہو تو عید گاہ آئیں (ج) ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور عید الفطر کے دن نکلے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے پہلے بھی نماز نہیں پڑھی اور بعد میں بھی نہیں پڑھی (د) حضرت موسی اشعری نے فرمایا کہ حضور تکبیر کہا کرتے تھے عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں چار جیسے جنازہ پر تکبیر کہتے ہیں۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا سچ کہا۔

وثلثا بعدها ثم یقرأ فاتحة الکتاب وسورة معها ثم یکبر تکبیرة یرکع بها[۳۷۳](۸) ثم یبدئ فی الرکعة الثانیة بالقراءة فاذا فرغ من القراءة کبر ثلث تکبیرات وکبر تکبیرة رابعة یرکع بها[۳۷۴](۹) ویرفع یدیه فی تکبیرات العیدین.

فی الصلوۃ یوم العید ج ثالث ص ۲۹۳ نمبر ۵۶۸۶) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز میں پہلی رکعت میں تکبیر احرام کے بعد تین تکبیر کہی جائے گی۔تو تکبیر احرام کے ساتھ چار تکبیریں ہوگئیں۔اس طرح دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تین تکبیر زائد کہی جائے گی تو تکبیر رکوع کے ساتھ چار تکبیریں ہو جائیں گی۔اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد چار تکبیر کہی جائے گی اس کی دلیل یہ اثر ہے **فاسندوا امرھم الی ابن مسعود فقال تکبیر اربعا قبل القراءة ثم تقرأ فاذا فرغت کبرت فرکعت ثم تقوم فی الثانیة فتقرأ فاذا فرغت کبرت اربعا** (الف) (سنن للبیہقی، باب ذکر الخبر الذی روی فی التکبیر اربعا ج ثالث ص ۴۰۸، نمبر ۶۱۸۳) اس اثر میں موجود ہے کہ دوسری رکعت میں قرأت کے بعد چار تکبیر کہی جائے گی۔تین تکبیر زوائد کی اور ایک تکبیر رکوع کی ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیر اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیر کہی جائے گی اور دونوں میں قرأت کے پہلے تکبیر کہی جائے گی۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال قال نبی اللہ التکبیر فی الفطر سبع فی الاولی و خمس فی الآخرة والقراءة بعدھما کلیتھم** (ب) (ابوداؤد شریف، باب التکبیر فی العیدین ص ۱۷۰ نمبر ۱۱۵۱ ردار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۶ نمبر ۱۷۱۱) ان احادیث سے ثابت ہوا کہ پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی جائے گی۔اور قرأت سے پہلے کہی جائے گی۔یہ اختلاف استحباب کا ہے۔

[۳۷۳](۸) پھر شروع کرے گا دوسری رکعت میں قرأت کے ساتھ، پس جب فارغ ہو جائے قرأت سے تو تکبیر کہے تین تکبیریں اور چوتھی تکبیر کہے اور اس کے ساتھ رکوع میں جائے۔

وجہ پوری تفصیل اور دلیل گزر گئی ہے۔

[۳۷۴](۹) دونوں ہاتھ عیدین کی تکبیر میں اٹھائے گا۔

وجہ **ان عمر بن الخطاب کان یرفع یدیه مع کل تکبیرة فی الجنازة والعیدین وھذا منقطع** (ج) (سنن للبیہقی، باب رفع الیدین فی تکبیر العید ج ثالث ص ۴۱۲، نمبر ۶۱۸۹ رمصنف عبد الرزاق، باب التکبیر بالیدین ج ثالث ص ۲۹۷ نمبر ۵۶۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر زوائد کہتے وقت ہاتھ بھی کانوں تک اٹھائے گا۔

حاشیہ : (الف) راوی اپنی سند حضرت عبد اللہ ابن مسعود تک لے گئے۔حضرت ابن مسعود نے فرمایا چار تکبیر کہی جائے گی قرأت سے پہلے پھر قرأت کی جائے گی پس، جب قرأت سے فارغ ہو جائیں تو تکبیر کہیں اور رکوع کریں۔پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوں پس قرأت کریں پس جب قرأت سے فارغ ہو جائیں تو چار تکبیر کہیں (ب) آپ نے فرمایا تکبیر عید الفطر میں سات ہیں پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں، اور قرأت دونوں ہی کے بعد ہے (ج) حضرت عمر ابن خطابؓ ہاتھ اٹھایا کرتے تھے ہر تکبیر کے ساتھ جنازہ میں اور عیدین میں، یہ حدیث منقطع ہے۔

[۳۷۵] (۱۰) ثم یخطب بعد الصلوة خطبتین یعلم الناس فیهما صدقة الفطر واحكامها [۳۷۶] (۱۱) ومن فاتته صلوة العید مع الامام لم یقضها [۳۷۷] (۱۲) فان غم الهلال عن الناس وشهدوا عند الامام برؤیة الهلال بعد الزوال صلی العید من الغد [۳۷۸] (۱۳)

---

[۳۷۵] (۱۰) پھر نماز کے بعد خطبہ دیں گے دو خطبے، ان میں لوگوں کو صدقۂ فطر اور اس کے احکام سکھلائیں گے۔

تشریح جس طرح جمعہ میں دو خطبے دیئے جاتے ہیں اسی طرح عیدین میں بھی دو خطبے دیئے جائیں گے۔ اور عید الاضحیٰ کا موقع ہوگا تو قربانی کے مسائل سکھلائے جائیں گے۔ نماز کے بعد خطبہ دینے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ وابو بکر و عمر یصلون العیدین قبل الخطبة** (الف) (بخاری شریف، باب الخطبة بعد العید ص ۱۳۱ نمبر ۹۶۳) اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ نماز کے بعد دیا جائے گا، بخاری شریف، حدیث نمبر ۹۷۵ میں نماز کے بعد خطبہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ عبارت یہ ہے۔ **سمعت ابن عباسؓ قال خرجت مع النبی ﷺ یوم فطر او اضحی فصلی العید ثم خطب ثم اتی النساء فوعظهن** (بخاری شریف، باب خروج الصبیان الی المصلی، ص ۱۳۲، نمبر ۹۷۵) اس حدیث میں خطبے کا تذکرہ ہے، اور یہ بھی ہے کہ نماز کے بعد خطبہ دیا۔

[۳۷۶] (۱۱) جس کی عید کی نماز فوت ہو جائے امام کے ساتھ اس کو قضا نہیں کرے گا۔

وجہ (۱) نماز عید اجتماعیت کے ساتھ مشروع ہے اور جس کی نماز عید امام کے ساتھ چھوٹ گئی تو اب اجتماعیت نہیں ہوگی اس لئے اب نماز عید کو قضا نہیں کرے گا۔ البتہ دو رکعت نفل کے طور پر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ دلیل یہ قول ہے **قال عطاء اذا فاته العید صلی رکعتین** (ب) (بخاری شریف، باب اذا فاته العید صلی رکعتین ص ۱۳۴ نمبر ۹۸۷) (۲) **قال عبد الله من فاته العید فلیصل اربعا** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۲۹ الرجل تفوته الصلوة فی العید کم یصلی ج ثانی ص ۴، نمبر ۵۷۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس کی نماز عید فوت ہو جائے وہ نفلی طور پر چار رکعت پڑھے۔

[۳۷۷] (۱۲) پس اگر لوگوں کو چاند نظر نہ آئے اور امام کے پاس چاند دیکھنے کی گواہی زوال کے بعد دی تو عید کی نماز اگلی صبح کو پڑھے گا۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابی عمیر بن انس عن عمومة له من اصحاب النبی ﷺ ان رکبا جاء وا الی النبی ﷺ یشهدون انهم روا الهلال بالامس فامرهم ان یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلا هم** (د) (ابو داؤد شریف، باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومہ یخرج من الغد ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۵۷ رسنن للبیهقی، باب الشهود یشهدون علی رؤیة الهلال آخر النهار ج ثالث ص ۴۴۲، نمبر ۶۲۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زوال کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی آئے تو اگلے دن نماز عید پڑھی جائے گی۔

[۳۷۸] (۱۳) پس اگر کوئی عذر پیش آجائے کہ لوگوں کو دوسرے دن بھی نماز سے روک دے تو اس کے بعد نماز عید نہیں پڑھی جائے گی۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ، ابو بکرؓ اور عمرؓ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے (ب) حضرت عطا نے فرمایا اگر عید فوت ہو جائے تو دو رکعت نماز پڑھے (ج) حضرت عبد اللہ نے فرمایا جس کی عید فوت ہو جائے تو وہ چار رکعت نماز پڑھے (د) ابو عمیر بن انس فرماتے ہیں کہ کچھ سوار حضورؐ کے پاس آئے۔ انہوں نے کل چاند دیکھنے کی گواہی دی تو آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ افطار کرے اور جب صبح کرے تو عید گاہ کی طرف آئے۔

فان حدث عذر منع الناس من الصلوۃ فی الیوم الثانی لم یصلجها بعدہ [۳۷۹](۱۴) ویستحب فی یوم الاضحی ان یغتسل ویتطیب ویؤخر الاکل حتی یفرغ من الصلوۃ [۳۸۰](۱۵)و یتوجہ الی مصلی وھو یکبر [۳۸۱] (۱۶) ویصلی الضحی رکعتین کصلوۃ الفطر ویخطب بعدھا خطبتین یعلم الناس فیھا الاضحیۃ وتکبیرات التشریق

تشریح دوسرے دن بھی کسی عذر کی وجہ سے نماز عید نہیں پڑھ سکا تو اب تیسرے دن نماز عید نہیں پڑھی جائے گی۔

وجہ جمعہ کی نماز کی طرح عید کی بھی قضا نہیں ہونی چاہئے لیکن حدیث مذکور کی وجہ سے خلاف قیاس دوسرے دن قضا کروایا۔ لیکن تیسرے دن قضا کرنے کی حدیث نہیں ہے اس لئے تیسرے دن قضا نہیں کرے گا۔

[۳۷۹](۱۴) عید الاضحیٰ کے دن مستحب ہے کہ غسل کرے، خوشبو لگائے اور کھانا مؤخر کرے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے۔

وجہ عید الاضحیٰ عید الفطر کی طرح ہے۔ اس لئے اس میں بھی غسل کرے گا اور خوشبو لگائے گا۔ ان دونوں کی دلیل مسئلہ نمبر ۲ میں گزر چکی ہے۔ اور کھانا نماز کے بعد کھانا مستحب ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **حدثنا عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ ان النبی ﷺ کان لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم وکان لا یأکل یوم النحر شیئا حتی یرجع فیأکل من اضحیتہ (الف)** (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۱۶۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے موقع پر نماز عید کے بعد کھائے گا (۲) یوں بھی روز کھاتا رہا ہے تو آج تھوڑی دیر کے لئے نہ کھائے تاکہ عبادت ہو جائے۔

[۳۸۰](۱۵) عیدگاہ کی طرف متوجہ ہوگا تکبیر کہتے ہوئے۔

تشریح زور سے تکبیر کہتے ہوئے عیدگاہ جائے گا۔

وجہ حدیث مسئلہ نمبر ۳ میں گزر گئی۔ اثر بھی ہے۔ **عن ابن عمرؓ انہ کان غدا یام الاضحی ویوم الفطر یجھر بالتکبیر حتی یاتی المصلی ثم یکبر حتی یاتی الامام** (دار قطنی، کتاب العیدین، ج ثانی، ص ۳۴، نمبر ۱۷۰۰)

[۳۸۱](۱۶) عید الاضحیٰ کی نماز پڑھے گا دو رکعت عید الفطر کی نماز کی طرح اور اس کے بعد خطبہ دے گا دو خطبے اس میں لوگوں کو قربانی کے احکام اور تکبیر تشریق سکھائیں گے۔

تشریح عید الاضحیٰ کی نماز عید الفطر کی نماز کی طرح ہے۔ اور اس میں عید الفطر کی طرح دو خطبے دیئے جاتے ہیں۔ البتہ اس کے خطبے میں قربانی کے احکام اور تکبیر تشریق کے احکام سکھائے جائیں گے۔ کیونکہ خطبہ احکام سکھانے کے لئے مروج ہے اور یہ موقع قربانی اور تکبیر تشریق کا ہے۔ اس لئے یہی احکام سکھائے جائیں گے (۲) بخاری شریف، باب الاکل یوم النحر ص ۱۳۰ نمبر ۹۵۴ میں آپؐ نے عید الاضحیٰ کے خطبہ کے موقع پر قربانی کے احکامات بیان فرمائے ہیں۔

حاشیہ: (الف) آپؐ عید الفطر میں نہیں نکلتے یہاں تک کہ کھا لیتے اور یوم النحر میں نہیں کھاتے کچھ، یہاں تک کہ واپس لوٹتے اور قربانی کے گوشت میں سے کھاتے۔

[۳۸۲](۱۷) فان حدث عذر منع الناس من الصلوة یوم الاضحی صلاها من الغد و بعد الغد ولا یصلیها بعد ذلک[۳۸۳] (۱۸) وتکبیر التشریق اوله عقیب صلوة الفجر من یوم عرفة وآخره عقیب صلوة العصر یوم النحر عند ابی حنیفة[۳۸۴] (۱۹) وقال ابو یوسف و محمد الی صلوة العصر من آخر ایام التشریق [۳۸۵](۲۰) والتکبیر عقیب

[۳۸۲](۱۷) پس اگر کوئی عذر پیش آجائے کہ لوگوں کو عیدالاضحیٰ کی نماز سے روک دے تو نماز پڑھے گا کل اور پرسوں اور نہیں پڑھے گا اس کے بعد

تشریح عیدالاضحیٰ کی نماز دسویں تاریخ کو پڑھی جائے گی لیکن کوئی عذر پیش آجائے تو گیارہویں کو پڑھے اور اس پر بھی کوئی عذر پیش آجائے تو بارہویں کو پڑھے۔ البتہ تیرہویں کو نہیں پڑھ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی تین دن مشروع ہے اور یہ عید قربانی کی ہے اس لئے بارہویں تک قربانی مشروع ہے تو بارہویں تک عید کی نماز بھی عذر کی وجہ سے پڑھ سکتا ہے۔

[۳۸۳](۱۸) تکبیر تشریق اس کی ابتدا یوم عرفہ کی فجر کی نماز کے بعد سے یوم النحر کے عصر کی نماز کے بعد تک ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح تکبیر تشریق ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی فجر کی نماز کے بعد شروع کرے گا اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی عصر کی نماز کے بعد تک یعنی کل آٹھ نمازوں تک کہے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابی وائل عن عبد الله انه کان یکبر من صلوة الفجر یوم عرفة الی صلوة العصر من یوم النحر (الف) مصنف بن ابی شیبۃ ۴۱۴ التکبیر من ای یوم ھو الی ای ساعۃ ج اول ص ۴۸۸ نمبر ۵۶۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی عصر تک تکبیر تشریق کہی جائے گی۔

[۳۸۴](۱۹) اور صاحبین نے فرمایا (یوم عرفہ کی فجر سے) آخری ایام تشریق کی عصر کی نماز تک۔

تشریح نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں تاریخ کی عصر کے بعد تک تکبیر تشریق صاحبین کے نزدیک کہی جائے گی۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر بن عبد الله قال کان رسول الله ﷺ یکبر فی صلوة الفجر یوم عرفة الی صلوة العصر من آخر ایام التشریق حین یسلم من المکتوبات (ب) (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۷ نمبر ۱۷۱۹ رسنن للبیھقی، باب من استحب ان یبتدیٔ بالتکبیر خلف صلوۃ الصبح من یوم عرفۃ ج ثالث ص ۴۴۰، نمبر ۶۲۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں کی صبح سے تیرہویں کی عصر تک تکبیر تشریق ہر فرض نماز کے بعد کہی جائے گی۔ آج کل اسی پر فتوی ہے۔

لغت عقیب : بعد میں

[۳۸۵](۲۰) تکبیر فرض نماز کے بعد اس طرح ہے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن مسعود تکبیر تشریق کہتے تو یں تاریخ کی فجر کے بعد سے دسویں تاریخ کی عصر تک (ب) آپ تکبیر کہتے تھے نویں تاریخ کی فجر کے بعد سے آخری ایام تشریق کی عصر تک جس وقت فرض نماز کا سلام پھیرتے (نوٹ) آخری ایام تشریق تیرہویں ذی الحجہ تک ہے۔

الصلوات المفروضات الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد.

وجہ فرض نماز کے بعد تکبیر کہنے کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۹ کی حدیث ہے حین یسلم من المکتوبات (دار قطنی نمبر ۱۷۱۹)

﴿باب صلوۃ الکسوف﴾

[۳۸۶](۱)اذا انکسفت الشمس صلی الامام بالناس رکعتین کھیئة النافلة فی کل رکعة رکوع واحد.

﴿باب صلوۃ الکسوف﴾

ضروری نوٹ سورج گرہن کو کسوف کہتے ہیں۔اس وقت نماز سنت ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی بکرة قال کنا عند النبی ﷺ فانکسفت الشمس فقام رسول اللہ یجر رداءہ حتی دخل المسجد فدخلنا فصلی بنا رکعتین حتی انجلت الشمس فقال النبی ﷺ ان الشمس والقمر لا ینکسفان لموت احد فاذا رأیتموھا فصلوا وادعوا حتی ینکشف ما بکم (الف)(بخاری شریف، باب الصلوۃ فی کسوف الشمس ص ۱۴۱ نمبر ۱۰۴۰ رابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۵، اس باب کی آخری حدیث ہے)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج گرہن کے وقت نماز پڑھنی چاہئے۔

[۳۸۶](۱)جب سورج گرہن ہو جائے تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے گا نفل کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع۔

تشریح سورج گرہن ہو جائے تو امام جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے گا۔اور جس طرح عام نفل پڑھتے ہیں کہ ہر ایک رکعت میں ایک رکوع کرتے ہیں اور قرأت آہستہ کرتے ہیں۔اسی طرح نماز کسوف بھی پڑھائیں گے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں تھا کہ دو رکعت نماز پڑھائے گا۔اور اس میں دو رکوع کا ذکر نہیں تھا اس لئے ایک رکعت میں دو رکوع نہیں کریں گے(۲)عن قبیصة الھلالی قال کسفت الشمس علی عھد رسول اللہ فخرج فزعا یجر ثوبه وانا معه یومئذ بالمدینة فصلی رکعتین فاطال فیھما القیام ثم انصرف وانجلت فقال انما ھذہ الآیات یخوف اللہ عز و جل بھا فاذا رأیتموھا فصلوا کاحدث صلوۃ صلیتموھا من المکتوبة (ب)(ابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۵ سنن للبیھقی باب من صلی فی الخسوف رکعتین ج ثالث ص ۴۶۴، نمبر ۶۳۳۳)اس حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز میں جس طرح ایک رکوع کے ساتھ نماز پڑھی اسی طرح نماز سورج گرہن کی پڑھی جائیگی۔احدث صلوۃ من المکتوبة سے فجر کی نماز مراد ہے۔نیز اس حدیث میں دو مرتبہ رکوع کرنے کا تذکرہ نہیں ہے(۳)سمرۃ بن جندب کی لمبی حدیث ہے۔جس کا ٹکڑا اس طرح ہے فصلی فقام بنا کاطول ما قام بنا فی صلوۃ قط لا نسمع له صوتا قال ثم رکع بنا کاطول ما رکع بنا فی صلوۃ قط لا نسمع له صوتا قال ثم سجد بنا

حاشیہ : (الف)ابی بکرہ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے پاس تھے کہ سورج گرہن ہوا۔تو حضورؐ اپنی چادر کھینچتے ہوئے کھڑے ہوئے۔یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوئے تو ہم لوگ بھی داخل ہوئے تو ہمیں آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔یہاں تک کہ سورج کھل گیا۔پھر آپؐ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کے مرنے سے گرہن نہیں ہوتے۔اور جب کہ تم ایسی حالت دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو یہاں تک کہ کھل جائے جو ہو رہا ہے(ب)قبیصہ ہلالی فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو آپ گھبرا کر نکلے کپڑا کھینچتے ہوئے اور میں آپؐ کے ساتھ اس دن مدینہ میں تھا۔تو دو رکعت نماز پڑھائی اور ان دونوں میں لمبا قیام کیا۔پھر واپس لوٹے اور سورج کھل گیا۔پھر فرمایا یہ نشانیاں ہیں،اللہ عز و جل اس سے ڈراتے ہیں۔پس جب اس کو دیکھو تو نماز پڑھو ابھی جو نئی فرض نماز پڑھ چکے ہو یعنی فجر کی نماز کی طرح۔

[۳۸۷](۲) ویطول القراءۃ فیھما ویخفی عند ابی حنیفۃ وقال ابو یوسف و محمد

کاطول ما سجد بنا فی صلوۃ قط لا نسمع له صوتا ثم فعل فی الرکعۃ الاخری مثل ذلک (الف)(ابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۴) اس حدیث میں بھی اس بات کا تذکرہ ہے کہ ایک رکعت میں دو رکوع نہیں کئے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورج گرہن کی نماز میں ایک رکعت میں دو رکوع نہیں کریں گے۔ بلکہ ایک رکوع ہی کیا جائے گا (۴) صرف یہی ایک نماز ہے جس میں دو رکوع کا تذکرہ ہے باقی نمازوں میں ایک رکوع ہے۔ اس لئے امام ابوحنیفہ اس طرف گئے ہیں جس میں ایک رکوع کا تذکرہ ہے۔ البتہ کوئی دو رکوع کرے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ نماز صحیح ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سورج گرہن کی ہر رکعت میں دو رکوع ہوں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عائشۃ زوج النبی ﷺ اخبرته ان رسول الله ﷺ صلی یوم خسفت الشمس فقام فکبر فقرأ قراءۃ طویلۃ ثم رکع رکوعا طویلا ثم رفع رأسه فقال سمع الله لمن حمده وقام کما ھو ثم قرأ قراءۃ طویلۃ وھی ادنی من القراءۃ الاولی ثم رکع رکوعا طویلا وھی ادنی من الرکعۃ الاولی ثم سجد سجودا طویلا ثم فعل فی الرکعۃ الآخرۃ مثل ذلک ثم سلم وقد تجلت الشمس (ب)(بخاری شریف، باب ھل یقول کسفت الشمس او خسفت ص ۱۴۲ نمبر ۱۰۴۷ رمسلم شریف، کتاب الکسوف ص ۲۹۵ نمبر ۹۰۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر رکعت میں دو رکوع ہوں۔

[۳۸۷](۲) دونوں رکعتوں میں قرأت لمبی کی جائے گی اور آہستہ کی جائے گی امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور کہا صاحبین نے کہ زور سے پڑھی جائے گی **وجہ** (۱) مسئلہ نمبر ایک میں ابوداؤد شریف کی حدیث گزری جس میں یہ الفاظ تھے فقام بنا کاطول ماقام بنا فی صلوۃ قط لا نسمع له صوتا (ج)(ابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۴) اس حدیث میں راوی فرماتے ہیں کہ قیام کی حالت میں بھی آپ کی آواز ہم نہیں سنتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ قرأت سری کر رہے تھے (۲) اس ابوداؤد شریف کی دوسری حدیث ہے عن عائشۃ قالت کسفت الشمس علی عھد رسول الله ﷺ فخرج رسول الله فصلی بالناس فقام فحزرت قرأته فرأیت انه قرأ سورۃ البقرۃ (د)(ابوداؤد شریف، باب القراءۃ فی صلوۃ الکسوف ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۷) اس حدیث میں ہے کہ میں نے اندازہ لگایا کہ آپ کی قرأت سورۂ بقرہ اتنی لمبی تھی۔ اندازہ لگانے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپؐ نے قرأت زور سے نہیں کی۔ ورنہ تو صاف کہتے کہ

(ج) پس آپؐ نے نماز پڑھائی تو ہم کو اتنی لمبی دیر تک لیکر کھڑے ہوئے کہ کبھی بھی اتنی دیر تک لیکر کھڑے نہیں ہوئے۔ آپ کی کوئی آواز ہم نہیں سنتے تھے۔ پھر ہم کو اتنا لمبا رکوع کروایا کہ کسی نماز میں اتنا لمبا رکوع نہیں کروایا۔ ہم آپ کی کوئی آواز نہیں سنتے تھے۔ فرمایا پھر ہم کو اتنا لمبا سجدہ کروایا کہ اتنا لمبا سجدہ کسی نماز میں کبھی نہیں کروایا۔ ہم آپ کی کوئی آواز نہیں سنتے تھے۔ پھر دوسری رکعت میں ایسا ہی کیا (ب) آپؐ نے نماز پڑھی اس دن جب سورج گرہن ہوا۔ پس کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی اور لمبی قرأت کی، پھر لمبا رکوع کیا، پھر سر اٹھایا پھر کہا سمع اللہ لمن حمدہ پھر کھڑے ہوئے جیسے تھے پھر لمبی قرأت کی وہ پہلی قرأت سے کم تھی پھر لمبا رکوع کیا وہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر لمبا سجدہ کیا پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا پھر سلام پھیرا اور سورج کھل چکا تھا (ج) ہم کو بہت لمبی دیر تک لیکر کھڑے ہوئے کسی بھی نماز میں اتنی دیر تک لیکر کھڑے نہیں ہوئے۔ ہم آپ کی آواز نہیں سن رہے تھے (د) حضرت عائشہ نے فرمایا سورج حضورؐ کے زمانے میں گرہن ہوا تو حضورؐ نکلے اور لوگوں کو نماز پڑھائی، پس کھڑے ہوئے تو میں نے آپ کی قرأت کا اندازہ لگایا تو دیکھا کہ آپ نے سورۂ بقرہ کے مطابق پڑھی ہے۔

یـجهر [۳۸۸](۳) ثم یدعو بعدها حتی تنجلی الشمس[۳۸۹] (۴) ویصلی بالناس الامام الـذی یـصلی بهم الجمعة فان لم یحضر الامام صلّیهاالناس فرادی[۳۹۰] (۵) ولیس فی خسـوف الـقـمـر جـماعة وانما یصلی کل واحد بنفسه[۳۹۱] (۶) ولیس فی الکسوف

آپؐ نے سورۂ بقرہ پڑھی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ کسوف میں قرأت سری تھی۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ قرأت زور سے پڑھی جائے گی۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشة قالت جهر النبی ﷺ فی صلوۃ الخسوف بقراء ته (بخاری شریف، باب الجهر بالقراءۃ فی الکسوف ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۶۵/ابوداؤد شریف، باب القراءۃ فی صلوۃ الکسوف ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے قرأت جہری کی تھی۔اس لئے سورج گرہن کی نماز میں جہری قرأت سنت ہے۔

[۳۸۸] (۳) پھر دعا کریں گے یہاں تک کہ سورج کھل جائے۔

تشریح سورج گرہن کی نماز لمبی پڑھی جائے گی۔لیکن لمبی نماز پڑھنے کے بعد بھی گرہن ختم نہ ہو تو دعا کرتے رہیں گے۔یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی هریرۃ...... فقال ان الشمس والقمر آیتان من آیت الله وانهما لایخسفان لموت احد فاذا کان ذلک فصلوا وادعوا حتی یکشف ما بکم (الف) (بخاری شریف، باب الصلوۃ فی کسوف القمر ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۶۳)اس حدیث میں ہے کہ نماز پڑھو اور اس وقت تک دعا کرتے رہو جب تک گرہن ختم نہ ہو جائے۔

[۳۸۹] (۴) لوگوں کو وہ امام نماز پڑھائے جو لوگوں کو جمعہ پڑھاتے ہیں، پس اگر امام حاضر نہ ہو تو لوگ تنہا تنہا نماز پڑھیں گے۔

وجہ امام نہیں ہونگے تو لوگ انتشار پھیلائیں گے اور شور کریں گے اس لئے امام ہو تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے اور امام نہ ہو تو پھر الگ الگ نماز پڑھے (۲) سورج گرہن کے وقت حضورؐ نے نماز پڑھائی اس کا مطلب یہ ہے کہ امام نماز پڑھائیں گے۔

[۳۹۰] (۵) اور چاند گرہن میں جماعت نہیں ہے۔صرف ہر آدمی الگ الگ نماز پڑھے گا۔

وجہ چاند گرہن رات میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے اور زیادہ اندھیرا ہو جائے گا۔اس لئے اگر چاند گرہن میں جماعت کا التزام کرے تو لوگوں کو پریشانی ہوگی۔اور انتشار ہوگا۔اس لئے چاند گرہن کے موقع پر لوگ تنہا تنہا نماز پڑھیں گے (۲) ضروری نوٹ میں حدیث بخاری گزری فاذا کان ذلک فصلوا وادعوا حتی یکشف بکم (بخاری شریف ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۴۰)اس میں یہ ترغیب دی کہ اس قسم کی اللہ کی آیتیں ظاہر ہوں تو خود بخود نماز پڑھو اور دعا کرو۔اس لئے چاند گرہن میں لاگ الگ الگ نماز پڑھیں گے۔

[۳۹۱] (۶) اور نماز کسوف میں خطبہ نہیں ہے۔

حاشیہ (الف) آپؐ نے فرمایا سورج اور چاند اللہ کی آیتوں میں سے نشانیاں ہیں۔وہ کسی کے مرنے کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے، پس جب ہو تو نماز پڑھو اور دعا کرتے رہو یہاں تک کہ یہ کھل جائیں۔

خطبة.

تشریح حضورؐ نے نماز کسوف کے بعد خطبہ دیا ہے لیکن وہ ایک رسم کو دور کرنے کے لئے تھا کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کسی کے مرنے یا زندہ ہونے پر سورج گرہن ہوتا ہے اور اس دن آپ کا صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا۔ اس لئے آپؐ نے اس کی نفی کے لئے خطبہ دیا لیکن نماز عید اور نماز جمعہ کی طرح باضابطہ خطبہ دینا ضروری نہیں ہے۔ خطبہ کے بغیر بھی نماز ہو جائے گی۔ ایسے آیۃ من آیات اللہ کے وقت نماز پڑھنا دعا کرنا اور اپنے گناہوں کا استغفار کرنا اصل ہے۔ اس کی طرف خود راوی اشارہ فرما رہے ہیں عن ابی بکرۃ ... فقال (ﷺ) ان الشمس والقمر آیتان من آیات الله وانهما لا یخسفان لموت احد واذا کان ذلک فصلوا وادعوا حتی ینکشف ما بکم وذلک ان ابنا للنبی ﷺ مات یقال له ابراهیم فقال الناس فی ذلک (الف) (بخاری شریف، باب الصلوۃ فی کسوف القمر ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۶۳) اس حدیث میں نماز کے بعد فقال: سے اخیر تک خطبہ دیا ہے۔ لیکن راوی خود فرماتے ہیں کہ یہ خطبہ اس بنا پر تھا کہ آپؐ کے صاحبزادے ابراہیم کا اس دن انتقال ہوا تھا۔ اس لئے لوگوں کے اعتقادات کو ختم کرنے کے لئے خطبہ دیا تھا۔ ورنہ اصل تو فصلوا وادعوا ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے۔ فاذا رأیتم شیئا من ذلک فافزعوا الی ذکر الله ودعائه واستغفاره (ب) (بخاری شریف، باب الذکر فی الکسوف ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۵۹) کہ ان آیات کے وقت گھبرا کر اللہ کے ذکر اور استغفار کی طرف جاؤ۔ کبھی لوگوں کو یہ سب مسائل سمجھانے کی ضرورت پڑے تو سمجھا دیں۔ باضابطہ خطبہ ضروری نہیں کہ اس کے بغیر نماز کسوف نہیں ہوگی۔



حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا سورج اور چاند اللہ کی آیتوں میں سے نشانیاں ہیں۔ وہ کسی کے مرنے کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے۔ پس جب یہ ہو تو نماز پڑھو اور دعا کرتے رہو۔ یہاں تک کہ یہ کھل جائیں۔ اور یہ اس بنا پر کہا کہ حضورؐ کے صاحبزادے جنکو ابراہیم کہتے تھے کا انتقال ہوا تھا۔ تو لوگ اس کے بارے میں بہت سی بات کہتے تھے (ب) پس ان نشانیوں میں کوئی چیز دیکھو تو گھبرا کر دوڑو اللہ کے ذکر، دعا اور استغفار کی طرف۔

﴿باب صلوة الاستسقاء﴾

[۳۹۲](۱) قال ابو حنيفة ليس فى الاستسقاء صلوة مسنونة بالجماعة فان صلى الناس وحدانا جاز وانما الاستسقاء الدعاء والاستغفار [۳۹۳](۲) وقال ابو يوسف و محمد

﴿باب صلوة الاستسقاء﴾

ضروری نوٹ استسقاء کے معنی ہیں بارش طلب کرنا، ملک میں قحط سالی ہو جائے اور بارش نہ ہو تو استسقاء کیا جا سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز پڑھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ صرف دعا سے بھی استسقاء ہو سکتا ہے اور نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک نماز استسقاء مسنون ہے۔ دونوں کی دلیلیں نیچے آ رہی ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت بھی ہے فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا○ یرسل السماء علیکم مدرارا○ (ب) (آیت ۱۰/۱۱ سورۂ نوح ۷۱) اس آیت میں ہے کہ اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کرو تا کہ اللہ تعالی تم پر خوب بارش برسائے۔ اور چونکہ نماز استسقاء میں اپنے گناہوں سے توبہ کرنا ہے اس لئے اس آیت سے استسقاء ثابت ہوتا ہے۔

[۳۹۲](۱) امام ابو حنیفہ نے فرمایا استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز مسنون نہیں ہے۔ پس اگر تنہا تنہا نماز پڑھے تو جائز ہے، استسقاء صرف دعا اور استغفار کا نام ہے۔

تشریح آپؐ نے کبھی نماز استسقاء پڑھی ہے اور کبھی صرف جمعہ کے خطبہ کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے۔ اس لئے استسقاء دونوں طرح جائز ہے۔ صرف نماز ہی پڑھنا مسنون نہیں ہے۔

وجہ آیت اوپر گزری جس میں یہ حکم ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرو تو بارش خوب ہوگی۔ جس سے معلوم ہوا کہ گناہوں سے توبہ کر کے بارش مانگنا استسقاء ہے (۲) حدیث میں ہے کہ استسقاء کے لئے جمعہ کے خطبہ کے وقت آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے۔ اسی سے بارش ہوگئی عن انس بن مالک ان رجلا دخل المسجد يوم الجمعة ورسول الله ﷺ قائما يخطب ... فرفع رسول الله يديه قال اللهم اغثنا (الف) (بخاری شریف، باب الاستسقاء فی خطبۃ الجمعۃ غیر مستقبل القبلۃ ص ۱۳۸ نمبر ۱۰۱۴ / مسلم شریف، کتاب الاستسقاء ص ۱۹۳ نمبر ۸۹۷ / ابو داؤد شریف، باب رفع الیدین فی الاستسقاء ص ۱۷۳ نمبر ۱۱۷۵، اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے اس کے لئے مستقل نماز نہیں پڑھی صرف دعا پر اکتفا کیا۔ اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز ضروری نہیں، صرف دعا اور استغفار سے بھی استسقاء ہو جائے گا۔ اور نماز پڑھ لے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔

[۳۹۳](۲) امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا امام دو رکعت نماز پڑھائیں گے۔ اور اس میں قرأت زور سے پڑھیں گے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عباد بن تميم عن عمه قال خرج النبى ﷺ يستسقى فتوجه الى القبلة يدعو وحول

حاشیہ: (الف) میں نے کہا اپنے رب سے استغفار کرو، وہ بہت معاف کرنے والے ہیں۔ تم پر مسلسل بارش برسائے گا (ج) انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اور حضور کھڑے خطبہ دے رہے تھے... آپؐ نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اللھم اغثنا۔

رحمهما الله تعالى يصلى الامام ركعتين يجهر فيهما بالقرائة [۳۹۴](۳) ثم يخطب ويستقبل القبلة بالدعاء ويقلب الامام ردائه ولا يقلب القوم اردیتهم [۳۹۵](۴) ولا يحضر اهل الذمة للاستسقاء.

رداء ہ ثم صلى ركعتين يجهر فيهما بالقراءة (الف) (بخاری شریف، باب الجہر بالقراءۃ فی الاستسقاء ص۱۳۹ نمبر ۱۰۲۴ر مسلم شریف، کتاب صلوۃ الاستسقاء ص۲۹۳ نمبر ۸۹۴ر ابوداؤد شریف، ابواب صلوۃ الاستسقاء ص۱۷۱ نمبر ۱۱۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام دو رکعت نماز پڑھائیں گے۔ اور قرأت جہری کریں گے اور چادر کو بھی نیک فالی کے لئے پلٹیں گے کہ یا اللہ جس طرح چادر پلٹ رہا ہوں اس طرح میری حالت کو بھی پلٹ دے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کے وقت قبلہ کی طرف استقبال کرے۔

[۳۹۴] (۳) پھر امام خطبہ دے اور دعا کرتے ہوئے قبلہ کا استقبال کرے اور امام اپنی چادر کو پلٹے اور قوم اپنی اپنی چادر نہ پلٹے۔

وجہ باقی باتوں کے دلائل گزر گئے۔ خطبہ دینے کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة قالت شكا الناس الى رسول الله ﷺ قحوط المطر فامر بمنبر فوضع له فى المصلى ... فقعد على المنبر فكبر وحمد الله عز وجل الخ (ب) (ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین فی الاستسقاء ص۱۷۲ نمبر ۱۱۷۳) اس حدیث میں اس کا تذکرہ ہے کہ آپؐ کے لئے منبر رکھا گیا اور اس پر آپؐ بیٹھ گئے اور تکبیر و تحمید کی جس میں خطبہ کا اشارہ ہے۔ البتہ ایسا خطبہ نہیں دیا جو عیدین اور جمعہ میں دیا جاتا ہے۔ اسی لئے بعض حدیث میں ہے کہ اس طرح کا خطبہ نہیں دیا کرتے تھے (۲) عن عبد الله بن زيد قال خرج رسول الله ﷺ يستسقى فخطب الناس فلما اراد ان يدعو اقبل بوجهه الى القبلة حول رداء ہ (دارقطنی، کتاب الاستسقاء ج ثانی ص۵۴ نمبر ۱۷۸۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نماز استسقاء میں خطبہ دینا چاہئے۔ اور لوگوں کو استغفار اور توبہ کے بارے میں سمجھانا چاہئے۔

[۳۹۵] (۴) استسقاء میں ذمی حاضر نہ ہوں۔

وجہ ذمی کافر ہیں۔ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اس لئے پانی مانگنے کے موقع پر مغضوب آدمیوں کو حاضر نہیں کرنا چاہئے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ پانی مانگنے کے لئے نکلے، پس قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے دعا کرتے ہوئے اور اپنے چادر کو پلٹا۔ پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ ان دونوں میں زور سے قرأت پڑھی (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ لوگوں نے حضورؐ کے سامنے بارش نہ ہونے کی شکایت کی۔ پس منبر لانے کا حکم دیا گیا۔ پس آپؐ کے لئے عیدگاہ میں منبر رکھا گیا... آپؐ اس پر تشریف فرما ہوئے پھر تکبیر کہی، اللہ کی تعریف کی (پھر آگے لمبا خطبہ دینے کا ذکر ہے)

﴿باب قيام شهر رمضان﴾

[۳۹۶](۱) يستحب ان يجتمع الناس في شهر رمضان بعد العشاء فيصلى بهم امامهم

﴿باب قیام شہر رمضان﴾

ضروری نوٹ قیام رمضان سے مراد یہاں تہجد نہیں ہے بلکہ تراویح ہے۔ مسلم شریف میں 'باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح' باب باندھا ہے کہ قیام رمضان وہ تراویح ہے۔

[۳۹۶](۱) مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان کے مہینہ میں عشا کے بعد جمع ہوں اور امام ان کو پانچ ترویحہ پڑھائے۔اور ہر ترویحہ میں دو سلام ہوں **تشریح** ہر ترویحہ میں دو مرتبہ سلام پھیریں گے۔ دو رکعت اور دو رکعت چار رکعتیں ہوں گی۔ تو گویا کہ ہر ترویحہ میں چار رکعتیں ہوئیں تو پانچ ترویحہ میں بیس رکعتیں ہوئیں۔

وجہ تراویح پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے (ا) ان عائشة اخبرته ان رسول الله ﷺ خرج ليلة من جوف الليل فصلى في المسجد وصلى رجال بصلاته فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اكثر منهم فصلى فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فكثر اهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج رسول الله فصلى بصلوته فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن اهله حتى خرج لصلوة الصبح فلما قضى الفجر اقبل على الناس فتشهد ثم قال اما بعد! فانه لم يخف عليّ مكانكم لكني خشيت ان تفرض عليكم فتعجزوا عنها فتوفي رسول الله والامر على ذلك (الف) (بخاری شریف، باب فضل من قام رمضان ص ۲۶۹ نمبر ۲۰۱۲ رمسلم شریف، باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح ص ۲۵۹ نمبر ۱۷۸۴/۷۶۱ را بوداؤد شریف، کتاب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی قیام شہر رمضان ص ۲۰۲ نمبر ۱۳۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور تراویح کے لئے رمضان میں تین راتیں کھڑے ہوئے تھے اور لوگوں کو تراویح پڑھائی تھی۔ البتہ ہمیشہ اس لئے نہیں پڑھائی کہ کہیں فرض نہ ہو جائے۔

بیس رکعت تراویح کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال كان النبي ﷺ يصلى في شهر رمضان في غير جماعة بعشرين ركعة والوتر (ب) (سنن للبیہقی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ج ثانی ص ۶۸۹، نمبر ۴۶۱۵) (۲) ان عمر بن خطاب امر رجلا يصلى بهم عشرين ركعة (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۶۷۷ کم یصلی فی رمضان من رکعۃ، ج ثانی، ص

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ نے خبر دی کہ حضور ایک رات درمیان رات میں نکلے تو مسجد میں نماز پڑھائی اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی، صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے تو دوسری رات اس سے زیادہ جمع ہو گئے تو آپؐ نے نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے۔ تو مسجد والے تیسری رات زیادہ ہو گئے تو حضورؐ نکلے اور ان کو نماز پڑھائی تو لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس جب چوتھی رات ہوئی تو مسجد نمازیوں سے ناکافی ہو گئی۔ یہاں تک کہ آپ صبح کی نماز کے لئے نکلے۔ پس جب فجر کی نماز پڑھی تو لوگوں پر متوجہ ہوئے۔ آپؐ نے تشہد پڑھی پھر فرمایا امابعد! تمہارے حرکات مجھ پر پوشیدہ نہیں تھے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ تم پر تراویح فرض ہو جائے۔ اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ۔ پھر حضور کا انتقال ہوا اور معاملہ ایسا ہی تھا (ب) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضورؐ رمضان کے مہینہ میں بغیر جماعت کے بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے (ج) حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے۔

خمس ترويحات فی كل ترويحة تسليمتان.[۳۹۷] (۲) ويجلس بين كل ترويحتين

۱۶۵، نمبر ۷۶۸۱/ مصنف عبد الرزاق، باب قیام رمضان ج رابع ص ۲۶۰ نمبر ۷۷۳۰) اس حدیث اور عمل صحابہ سے معلوم ہوا کہ تراویح کی نماز بیس رکعتیں ہیں۔

نوٹ حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں آپ نے گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی اور اس حدیث کو امام بخاری وغیرہ نے باب قیام رمضان میں لایا ہے۔ یہ حدیث تراویح کی بیس رکعتوں کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ قیام اللیل سے مراد اس حدیث میں تہجد کی نماز ہے۔ کیونکہ (۱) اس حدیث کو مسلم شریف میں اور بخاری شریف میں تہجد اور وتر کے باب میں بھی نقل کیا ہے (۲) اس حدیث میں تذکرہ ہے کہ آپ چار رکعتیں ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے جن کے حسن کا کیا کہنا۔ اور تراویح کی نماز ایک ساتھ چار رکعت نہیں ہوتی۔ بلکہ دو دو رکعت کر کے ہوتی ہے۔ اس لئے وہ حدیث تراویح کے بارے میں نہیں ہے بلکہ تہجد کے بارے میں ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث کا ٹکڑا اس طرح ہے يصلي اربعا فلا تسأل عن حسنهن و طولهن ثم يصلي اربعا فلا تسأل عن حسنهن و طولهن ثم يصلي ثلثا (الف) (بخاری شریف، باب فضل من قام رمضان ص ۲۶۹ نمبر ۲۰۱۳/ مسلم شریف، نمبر ۷۳۸) اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپؐ چار رکعت ایک ساتھ پڑھتے تھے اور پھر چار رکعت ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ اور چار رکعت ایک ساتھ تراویح کی نہیں پڑھتے اس لئے یہ تہجد کے بارے میں ہے (۳) سنن للبیہقی نے دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ پہلے گیارہ رکعت تہجد پڑھتے ہوں گے۔ پھر بیس رکعت تراویح پڑھتے ہوں گے۔ ان کا جملہ اس طرح ہے ويمكن الجمع بين الروايتين فانهم كانوا يقومون باحدى عشرة ثم كانوا يقومون بعشرين ويوترون بثلاث (ب) (سنن للبیہقی، باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ج ثانی ص ۶۹۹، نمبر ۴۶۱۸)

[۳۹۷] (۲) ہر دو ترویحہ کے درمیان بیٹھے گا ترویحہ کی مقدار پھر لوگوں کو وتر پڑھائے گا۔ اور وتر رمضان کے علاوہ میں جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی جائے گی۔

وجہ دو ترویحہ کے درمیان بیٹھنے کے لئے اثر یہ ہے كان عمر بن خطاب يروحنا فی رمضان يعني بين الترويحتين قدر ما يذهب الرجل من المسجد الى سلع (ج) (سنن للبیہقی، باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ص ۷۰۰، نمبر ۴۶۲۲) اس عمل سے معلوم ہوا کہ دو ترویحہ کے درمیان تھوڑا آرام بھی کرنا چاہئے تاکہ لوگ پریشان نہ ہو جائیں۔ اور رمضان میں نماز وتر جماعت کے ساتھ پڑھائی جائے گی۔ اس کے لئے اثر یہ ہے مسئلہ نمبر ایک میں بیہقی کی حدیث گزر چکی ہے کہ وتر بھی تراویح کے ساتھ پڑھا کرتے تھے (۲) یہ اثر ہے عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامرهم منهم رجلا يصلي بالناس عشرين ركعة قال و كان علی

حاشیہ: (الف) آپؐ چار رکعت نماز پڑھتے تو اس کے حسن اور لمبائی کو مت پوچھو، پھر چار رکعت پڑھتے تو مت پوچھو اس کے حسن اور لمبائی کو، پھر تین رکعت پڑھتے (ب) ممکن ہے دونوں روایتوں کے درمیان اس طرح جمع کرنا کہ وہ لوگ گیارہ رکعت پڑھتے پھر کھڑے ہوتے اور بیس رکعت پڑھتے اور تین رکعت وتر پڑھتے (ج) عمر بن خطاب ہم کو رمضان میں آرام دیتے یعنی دو ترویحہ کے درمیان اتنی مقدار کہ آدمی مسجد سے مقام سلع جا سکے۔

مقدار ترویحة ثم یوتر بهم ولا یصلی الوتر بجماعة فی غیر شهر رمضان.

یوترھم (الف)(سنن للبیہقی ، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ص ۶۹۹، نمبر ۴۶۲۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رمضان میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھائی جائے گی ۔اور دنوں میں لوگ اپنے اپنے طور پر وتر پڑھیں گے ۔



(الف) حضرت علیؓ نے قراء کو بلایا رمضان میں اور ان میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت نماز پڑھائے ۔فرمایا کہ حضرت علی ان کو وتر پڑھایا کرتے تھے۔

﴿باب صلوۃ الخوف﴾

[۳۹۸](۱) اذا اشتد الخوف جعل الامام الناس طائفتین طائفة الی وجه العدو و طائفة خلفه فیصلی بهذه الطائفة رکعة و سجدتین فاذا رفع رأسه من السجدة الثانیة مضت هذه

﴿ باب صلوۃ الخوف ﴾

ضروری نوٹ نماز خوف کی صورت یہ ہے کہ تمام آدمی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں تو امام دو جماعتیں بنادیں گے۔ اور ہر ایک جماعت کو آدھی آدھی نماز پڑھائیں گے۔ لیکن اگر دو امام ہوں تو ہر ایک جماعت الگ الگ امام کے پیچھے پوری پوری نماز پڑھیں گے۔ پھر آدھی آدھی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ جب تک حضورؐ حیات رہے تو ہر ایک آدمی اپنی آخری نماز آپؐ کے پیچھے پڑھنا چاہتا تھا اس لئے آپ کی حیات میں نماز خوف تھی۔ لیکن آپؐ کے بعد اب اس طرح نماز پڑھنا منسوخ ہے۔ اب دو الگ الگ امام ہوں گے اور دونوں جماعتیں الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھے گی۔ ان کا استدلال اس آیت سے ہے جو صلوۃ خوف کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ واذا کنت فیهم فاقمت لهم الصلوة فلتقم طائفة منهم معک ولیأخذوا اسلحتهم فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتأت طائفة اخری لم یصلوا فلیصلوا معک ولیأخذوا حذرهم واسلحتهم (الف) (آیت ۱۰۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں حضور کو خطاب ہے کہ آپؐ موجود ہوں تو لوگوں کو نماز خوف پڑھائیں۔ جس کا مطلب یہ نکل سکتا ہے کہ آپ کے بعد نماز خوف اس طرح نہیں پڑھی جائے گی۔

فائدہ جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسی اشعری نے لوگوں کو نماز خوف پڑھائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں بھی صلوۃ خوف جائز ہے عن ابی العالیة قال صلی بنا ابو موسی الاشعری باصبهان صلوۃ الخوف (ب) (سنن للبیهقی، باب الدلیل علی ثبوت صلوۃ الخوف وانها لم تنسخ ج ثالث ص ۳۵۸، نمبر ۶۰۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بعد میں بھی نماز خوف پڑھائی جاسکتی ہے۔

نوٹ اوپر کی آیت اور یہ حدیث صلوۃ خوف کے جواز کی دلیل ہے۔

[۳۹۸](۱) جب خوف سخت ہو جائے تو امام لوگوں کو دو جماعت بنائے گا۔ ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں اور دوسر جماعت امام کے پیچھے۔ پس امام پہلی جماعت کو ایک رکعت اور دو سجدے پڑھائے گا، پس جب کہ دوسرے سجدہ سے سر اٹھائے پہلی جماعت چلی جائے گی دشمن کے مقابلہ پر، اور دوسری جماعت آئے گی تو اس کو امام نماز پڑھائے گا ایک رکعت اور دو سجدے۔ اور امام تشہد پڑھے گا اور سلام پھیرے گا لیکن دوسری جماعت سلام نہیں پھیرے گی بلکہ چلی جائے گی دشمن کے مقابلہ پر۔ اور پہلی جماعت آئے گی اور وہ ایک رکعت اور دو سجدے اکیلے نماز پڑھے گی بغیر قرأت کے (کیونکہ وہ لاحق ہے اور لاحق پر قرأت نہیں ہے اس لئے وہ قرأت نہیں کرے گی) اور تشہد پڑھے گی اور سلام پھیرے

حاشیہ : (الف) جب آپؐ لوگوں میں موجود ہوں تو آپ ان کے لئے نماز قائم کیجئے۔ تو ایک جماعت ان میں سے آپؐ کے ساتھ کھڑی ہونی چاہئے اور ان کو اپنے ہتھیار لینے چاہئے۔ پس جب وہ سجدہ کرلیں تو وہ آپؐ کے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت آئے۔ جس نے نماز نہیں پڑھی ہے تو وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور اپنا بچاؤ اختیار کریں اور ہتھیار لیں (ب) ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ ہم کو ابو موسی اشعریؓ نے اصفہان میں نماز خوف پڑھائی۔

الطائفة الی وجه العدو وجائت تلک الطائفة فیصلی بهم الامام رکعة و سجدتین و تشهد وسلم ولم یسلموا وذهبوا الی وجه العدوو جائت الطائفة الاولی فصلوا وحدانا رکعة وسجدتین بغیر قراء ۃ و تشهد وا وسلموا ومضوا الی وجه العدو وجائت الطائفة الاخری

گی اور چلی جائے گی دشمن کے مقابلہ پر۔اور دوسری جماعت آئے اور وہ ایک رکعت اور دو سجدے نماز پڑھیں قرأت کے ساتھ (اس لئے کہ یہ مسبوق ہیں اور مسبوق اپنی نماز پوری کرتے وقت قرأت کریں گے) اور تشہد پڑھیں اور سلام پھیر دیں۔پس اگر امام مقیم ہو تو پہلی جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائے گا اور دوسری جماعت کو دو رکعت۔

وجہ صلوۃ خوف کا جواز اس حدیث سے بھی ہوتا ہے۔ان عبد الله بن عمر قال غزوت مع رسول الله ﷺ قبل نجد فوازینا العدو فصافقنا لهم فقام رسول الله یصلی لنا فقامت طائفة معه و اقبلت طائفة علی العدو وفرکع رسول الله ﷺ بمن معه و سجد سجدتین ثم انصرفوا مکان الطائفة التی لم تصل فجاء وا فرکع رسول الله بهم رکعة و سجد سجدتین ثم سلم فقام کل واحد منهم فرکع لنفسه رکعة وسجد سجدتین (الف) (بخاری شریف، ابواب صلوۃ الخوف ص ۱۲۸ نمبر ۹۴۲ رابوداؤد شریف، باب من قال یصلی بکل طائفة رکعة ثم یسلم ص ۱۸۴، ابواب صلوۃ الخوف نمبر ۱۲۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز خوف میں دو جماعتیں بنائے گا اور امام ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھائے گا۔اور باقی ایک رکعت خود اپنے اپنے طور پر پڑھیں گے۔

نماز خوف پڑھنے کا جو طریقہ اوپر ذکر ہوا یہ حنفیہ کے یہاں مستحب ہے۔اگر اس کے خلاف اور طریقے جو حدیث میں منقول ہیں ان کے مطابق نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔اس طریقہ کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہیں (۱) امام ابو حنیفہ کی نظر آیت کے اس جملہ کی طرف گئی ہے فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتأت طائفة اخری لم یصلوا (ب) (آیت ۱۰۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ پہلی جماعت ایک رکعت کا سجدہ کر لے تو اس کو پیچھے چلے جانا چاہئے جس میں اشارہ ہے کہ دوسری رکعت اس کو فوراً نہیں پڑھنی چاہئے وہ بعد میں پوری کرے گی (۲) قاعدہ کے اعتبار سے حنفیہ کی بتائی ہوئی صورت میں پہلی جماعت نماز سے پہلے فارغ ہوگی اور دوسری جماعت بعد میں فارغ ہوگی اور قاعدہ کا تقاضا بھی یہی ہے (۳) اس صورت میں امام کو مقتدیوں کا انتظار کرنا پڑتا نہیں ہے اور اگر پہلی جماعت دوسری رکعت فوراً پوری کرے تو امام کو اتنی دیر تک دوسری جماعت کے آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔اور یہ امامت کے عہدے کے خلاف ہے۔اس لئے پہلی جماعت

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کے ساتھ غزوہ کیا نجد کی جانب تو ہم نے دشمن کا سامنا کیا تو ان کے لئے صف بنائی تو حضور کھڑے ہو کر ہمیں نماز پڑھانے لگے تو ایک جماعت ان کے ساتھ کھڑی ہوئی اور دوسری جماعت دشمن کے سامنے ہوئی تو حضورؐ نے ایک رکعت اور دو سجدے ان لوگوں کو پڑھائے جو ان کے ساتھ تھے۔پھر وہ لوگ پھر کر اس جماعت کی جگہ پر گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی۔پھر وہ لوگ آئے اور حضورؐ نے ان کو ایک رکعت اور دو سجدے پڑھائے۔پھر حضورؐ نے سلام پھیرا پھر ان میں سے ہر ایک کھڑے ہوئے اور اپنی اپنی ایک رکعت اور دو سجدے پورے کئے (ب) پس جب کہ پہلی جماعت سجدہ کر لے تو ان کو پیچھے ہو جانا چاہئے اور دوسری جماعت آئے جس نے نماز نہیں پڑھی۔

وصلوا رکعة و سجدتین بقراء ۃ وتشهدوا وسلموا فان کان مقیما صلی بالطائفة الاولی رکعتین وبالثانیة رکعتین [۳۹۹](۲) ویصلی بالطائفة الاولی رکعتین من المغرب وبالثانیة رکعة [۴۰۰](۳) ولا یقاتلون فی حال الصلوة فان فعلوا ذلک بطلت صلوتهم

ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جائے پھر دوسری جماعت ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جائے اور پہلی جماعت آ کر دوسری رکعت پوری کرے۔اس کے پورا کرنے کے بعد وہ دشمن کے سامنے جائے اور دوسری جماعت بعد میں اپنی پہلی رکعت پوری کرے (۳) محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم فی صلوة الخوف قال اذا صلی الامام باصحابه فلتقم طائفة منهم مع الامام وطائفة بازاء العدو فیصلی الامام بالطائفة الذین معه رکعة ثم تنصرف الطائفة الذین صلوا مع الامام من غیر ان یتکلموا حتی یقوموا مقام اصحابهم وتأتی الطائفة الاخری فیصلون مع الامام الرکعة الاخری ثم ینصرفون من غیر ان یتکلموا حتی یقوموا فی مقام اصحابهم و تأتی الطائفة الاولی حتی یصلوا رکعة وحدانا ثم ینصرفون فیقومون مقام اصحابهم و تأتی الطائفة الاخری حتی یقضوا الرکعة التی بقیت علیهم وحدانا (الف)(کتاب الآثار لامام محمد، باب صلوۃ الخوف ص ۳۹، نمبر ۱۹۴) اس اثر سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔

فائدہ امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک ابوداؤد شریف کی حدیث کی وجہ سے یہ ہے کہ پہلی جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کے بعد دوسری رکعت اسی وقت پوری کر لے اور سلام پھیر دے۔ پھر دشمن کے سامنے جائے اور امام اتنی دیر دوسری جماعت کا انتظار کریں گے۔ پھر دوسری جماعت آئے اور امام کے ساتھ ایک پڑھ کر امام سلام پھیریں گے اور دوسری جماعت دوسری رکعت پوری کر کے سلام پھیرے گی (ابو داؤد، باب صلوۃ الخوف ص ۱۸۱ نمبر ۱۲۴۰ میں یہ حدیث موجود ہے)

[۳۹۹](۲) اور نماز پڑھائے گا پہلی جماعت کو مغرب کی دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت۔

وجہ تین رکعت کا آدھا نہیں ہوتا اس لئے پہلی جماعت کو امام صاحب دو رکعتیں نماز پڑھائیں گے۔ اور دوسری جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائیں گے۔

[۴۰۰](۳) اور نماز کی حالت میں قتال نہیں کریں گے۔ پس اگر قتال کیا تو ان کی نماز باطل ہو جائے گی۔

وجہ (۱) قتال کرنا عمل کثیر ہے اس لئے قتال کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور دوبارہ نماز پڑھنا ہوگی (۲) اس کی دلیل یہ حدیث ہے

حاشیہ : (الف) امام محمد نے فرمایا کہ مجھ کو ابو حنیفہ نے حماد سے اور وہ ابراہیم سے خبر دی نماز خوف کے بارے میں کہا جب امام اپنے ساتھی کو نماز پڑھائے تو ان میں سے ایک جماعت امام کے ساتھ کھڑی ہو۔ اور ایک جماعت دشمن کے مقابلہ پر۔ تو امام نماز پڑھائے گا اس جماعت کو جو اس کے ساتھ ہے ایک رکعت، پھر وہ جماعت جس نے امام کے ساتھ نماز پڑھی پھر جائے گی بغیر کلام کئے ہوئے یہاں تک کہ اپنے ساتھی کی جگہ پر کھڑی ہو جائے اور دوسری جماعت آئے اور امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے۔ پھر واپس لوٹ جائے بغیر کلام کئے ہوئے یہاں تک کہ اپنے ساتھی کی جگہ پر کھڑی ہو جائے۔ اور پہلی جماعت آئے یہاں تک کہ وہ ایک رکعت علیحدہ علیحدہ ہو کر نماز پڑھے۔ پھر واپس لوٹیں اپنے ساتھی کی جگہ پر کھڑے ہو جائیں۔ اور دوسری جماعت آئے وہ رکعت پوری کرے جو اس پر باقی ہے علیحدہ علیحدہ ہو کر۔

[۴۰۱](۴) وان اشتد الخوف صلوا رکبانا وحدانا یومؤن بالرکوع والسجود الی ای

قال جاء عمر یوم الخندق فجعل یسب کفار قریش ویقول یا رسول اللہ ما صلیت العصر حتی کادت الشمس ان تغیب فقال النبی علیہ السلام وانا واللہ ما صلیتھا بعد قال فنزل الی بطحان فتوضأ وصلی العصر بعد ما غابت الشمس ثم صلی المغرب بعدھا (الف) (بخاری شریف، باالصلوۃ عند مناھضۃ الحصون ولقاء العدوص ۱۲۹ نمبر ۹۴۵) اس حدیث میں ہے کہ قتال چل رہا تھا اس لئے نماز نہیں پڑھی۔ اسی طرح نماز پڑھ رہا ہو اور قتال شروع ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی (۳) قال انس بن مالک حضرت عند مناھضۃ حصن تستر عند اضائۃ الفجر واشتد اشتغال القتال فلم یقدروا علی الصلوۃ فلم نصل الا بعد ارتفاع النھار (ب) (بخاری شریف، باب الصلوۃ عند مناھضۃ الحصون ولقاء العدوص ۱۲۹ نمبر ۹۴۵) اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ اور قتال کے وقت نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ بلکہ نماز مؤخر کر دی جائے گی۔

[۴۰۱] (۴) اگر خوف زیادہ سخت ہو تو نماز پڑھو سوار ہو کر اکیلا اکیلا، اشارہ کرے گا رکوع کا اور سجدے کا جس جانب چاہے اگر قبلہ کی جانب توجہ کرنے کی قدرت نہ ہو۔

تشریح اگر خوف زیادہ ہو اور سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کی گنجائش نہ ہو تو سواری ہی پر نماز پڑھے گا۔ اور رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا۔ جس طرح نوافل نماز سواری پر پڑھ رہا ہو تو رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا۔ اور قبلہ کی جانب توجہ نہ کر سکتا ہو تو جس جانب ممکن ہو اسی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھ لے۔

وجہ نفل نماز میں قیام ساقط ہو جاتا ہے اور رکوع اور سجدوں کا اشارہ کرتا ہے اسی طرح یہاں بھی خوف کی مجبوری کی وجہ سے قیام ساقط ہوگا اور رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ مریض اور معذور لوگوں سے قبلہ کی طرف توجہ کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ بھی معذور ہے اس لئے ان سے بھی خوف کی وجہ سے قبلہ کی طرف توجہ کرنا ساقط ہو جائے گا (۲) اس کی دلیل یہ آیت بھی ہے فان خفتم فرجالا او رکبانا (ج) (آیت ۲۳۹ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ خوف ہو تو سواری پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اور اس کے مطابق تمام رعایتیں مل جائیں گی (۳) عن ابن سیرین انہ کان یقول فی صلوۃ المسایفۃ یومی ایماء حیث کان وجھہ (د) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷۶ فی لاصلوۃ عند المسایفۃ، ج ثانی، ص ۲۱۵، نمبر ۸۲۶) اس اثر میں موجود ہے کہ جس جانب چہرہ متوجہ ہو اسی جانب اشارہ کر کے نماز پڑھے گا۔ قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور باضابطہ رکوع اور سجدہ کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شدت خوف کی وجہ سے مجبور

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ جنگ خندق کے دن آئے۔ پس کفار قریش کو گالی دینے لگے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ قریب ہے کہ سورج ڈوب جائے۔ تو آپؐ نے فرمایا میں نے بھی خدا کی قسم نماز نہیں پڑھی ہے۔ پس آپ مقام بطحان میں اترے اور وضو کیا اور سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی، پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی (ب) انسؓ نے فرمایا میں تستر کے قلعہ کی لڑائی کے وقت فجر روشن ہوتے وقت حاضر ہوا اور قتال کا اشتغال سخت ہو گیا تو لوگ نماز پڑھنے پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔ تو ہم نے نماز نہیں پڑھی مگر دن بلند ہونے کے بعد (ج) پس اگر تم کو دشمن کا خوف ہو تو پیدل یا سواری پر نماز پڑھو (د) ابن سیرین سے منقول ہے کہ مقابلہ کے وقت نماز میں اشارہ کرے گا جس طرف اس کا چہرہ متوجہ ہو۔

جهة شائوا اذا لم يقدروا على التوجه الى القبلة.

ہے۔

لغت رکبانا : سوارہوکر، یومون : اشارہ کرتے ہوئے۔

﴿باب الجنائز﴾

[۴۰۲](۱) اذا احتضر الرجل وجه الی القبلة علی شقه الایمن[۴۰۳] (۲) ولقن الشهادتین[۴۰۴] (۳) واذا مات شدوا لحییه وغضوا عینیه.

﴿باب الجنائز﴾

ضروری نوٹ جنائز جمع ہے جنازۃ کی۔جیم کے فتحہ کے ساتھ۔میت کو جنازہ کہتے ہیں۔نماز جنازہ کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے **لا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره** (الف) (آیت ۸۴ سورۃ التوبۃ) اس آیت میں منافق کی نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ مومن کی نماز جنازہ پڑھنا چاہئے۔چنانچہ نماز جنازہ پڑھنی فرض کفایہ ہے۔

[۴۰۲](۱) جب آدمی پر موت کا وقت آجائے تو اس کو دائیں جانب قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔

وجہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر سونا مستحب اور سنت ہے اس لئے موت کے وقت بھی قبلہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے (۲) حدیث میں ہے **عن ابی قتادة عن ابیه ... فقالوا توفی و اوصی بثلثه لک یا رسول الله واوصی ای یوجهه الی القبلة لما احتضر فقال رسول الله اصاب الفطرة** (ب) (سنن للبیہقی، باب ما یستحب من توجیہ نحو القبلۃ ج ثالث ص ۵۳۹، نمبر ۶۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت میت کو قبلہ کی جانب متوجہ کر دینا چاہئے۔

[۴۰۳](۲) شہادتین کی تلقین کرے۔

تشریح موت کے وقت حاضرین مجلس کو چاہئے کہ دھیمی آواز میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے۔تا کہ میت کو بھی پڑھنے کی توفیق ہو جائے اور ایمان پر خاتمہ ہو۔حدیث میں اس کی ترغیب ہے۔ **عن ابی هریرة قال قال رسول الله لقنوا موتاکم لا اله الا الله** (ج) (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی تلقین المحتضر لا الہ الا اللہ ص ۳۰۰ نمبر ۹۱۷ رابو داؤد شریف، باب فی التلقین ج ثانی ص ۸۸ نمبر ۳۱۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کو تلقین کرنا چاہئے۔البتہ اس کو پڑھنے کے لئے نہیں کہنا چاہئے کیونکہ انکار کر دیا تو کفر پر خاتمہ ہوگا۔

[۴۰۴](۳) اگر انتقال ہو جائے تو اس کی ڈاڑھی باندھ دی جائے اور اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔

وجہ انتقال کے وقت منہ کھلا رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے دیکھنے والوں کو کراہیت ہوتی ہے اس لئے ڈاڑھی کو سر کے ساتھ لگا کر باندھ دیا جائے گا تو منہ کھلا ہوا نہیں رہے گا اور بدنما معلوم نہیں ہوگا اس لئے ڈاڑھی باندھ دی جائے گی۔اسی طرح موت کے وقت آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں جو بدنما معلوم ہوتی ہیں اس لئے آنکھیں بھی فورا بند کر دی جائیں۔حدیث میں ہے۔ **عن ام سلمة قالت دخل رسول الله علی ابی**

حاشیہ : (الف) اگر منافق میں سے کوئی مر گیا ہو ان میں سے کسی ایک پر آپ نماز نہ پڑھیں کبھی بھی اور آپ ان کی قبر پر کھڑے نہ ہوں (ب) قتادہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں ...لوگوں نے کہا کہ براء ابن معرور کا انتقال ہوا اور انہوں نے آپ کے لئے اے اللہ کے رسول تہائی مال کی وصیت کی، انہوں نے وصیت کی کہ موت کے وقت ان کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے۔آپ نے فرمایا فطرت کے مناسب بات کہی (ج) آپ نے فرمایا اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو

[۴۰۵](۴) فاذا ارادوا غسله وضعوه علی سریر وجعلوا علی عورته خرقة ونزعوا ثيابه[۴۰۶] (۵) ووضؤه ولا يمضمض ولا يستنشق [۴۰۷](۶) ثم يفيضون الماء عليه

سلمة وقد شق بصره فاغمضه ثم قال ان الروح اذا قبض تبعه البصر (الف) (مسلم شریف، فصل فی القول الخیر عند المحتضر ص ۳۰۰ کتاب الجنائز نمبر ۹۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت میت کی آنکھیں بند کر دینی چاہئے۔

[۴۰۵](۴) جب میت کے غسل کا ارادہ کرے تو اس کو تخت پر رکھے اور اس کے ستر عورت پر چھوٹا سا کپڑا رکھ دے اور اس کا کپڑا کھول دے۔

وجہ غسل کے وقت تخت پر اس لئے رکھے گا تا کہ پانی نیچے گر جائے اور غسل دینے میں آسانی ہو۔ اور اس کے ستر پر چھوٹا سا کپڑا اس لئے رکھے گا تا کہ اس کا ستر نظر نہ آئے۔ البتہ غسل دینے میں پریشانی ہوگی اور کپڑا بھیگ جائے گا اس لئے دیگر تمام کپڑے کھول دیئے جائیں گے (۲) الحدیث میں ہے کہ مردوں کا ستر غلیظ نہیں دیکھنا چاہئے عن علی ان النبی ﷺ قال لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی ستر المیت عند غسلہ ج ثانی ص ۹۲ نمبر ۳۱۴۰) جس سے معلوم ہوا کہ غسل دیتے وقت میت کا ستر نہیں دیکھنا چاہئے (۳) اثر میں ہے عن ایوب قال رأیته یغسل میتا فالقی علی فرجه خرقة و علی وجهه خرقة اخری ووضأه وضوء الصلوة ثم بدأ بمیامنه (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب غسل المیت ج ثالث ص ۳۹۸ نمبر ۶۰۸۱ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰، فی المیت یغسل من قال یستر ولا یجرد، ج ۲، ص ۴۴۸، نمبر ۱۰۸۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے ستر پر چھوٹا کپڑا رکھنا چاہئے تا کہ اس کا ستر نظر نہ آئے۔

[۴۰۶](۵) اور میت کو وضو کرائے لیکن کلی نہ کرائے اور نہ ناک میں پانی ڈالے۔

وجہ (۱) کلی کرانا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے لیکن میت کے منہ اور ناک سے پانی نکالنا مشکل ہوگا اس لئے روئی کو پانی سے بھگو کر منہ اور ناک میں ڈال دیا جائے تا کہ ایک طرح کی کلی اور ناک میں پانی دالنا ہو جائے۔ حیات کی طرح با ضابطہ پانی نہ ڈالا جائے۔ زندگی میں بھی ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا سنت تھا، موت کے وقت اس کا طریقہ تھوڑا بدل جائے گا (۲) اثر میں ہے۔ عن سعید بن جبیر قال یوضأ المیت وضوءه لصلوة الا انه لا یمضمض ولا یستنشق (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲، اما اول ما یبدأ به من غسل المیت، ج ثانی، ص ۴۴۹، نمبر ۱۰۸۹۷)

[۴۰۷](۶) پھر میت پر پانی بہائے۔

تشریح غسل دینے کے لئے میت پر طاق مرتبہ پانی بہائے تا کہ ہر عضو دھل جائے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ام عطیة قالت دخل علینا رسول الله ﷺ حین توفیت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا او

حاشیہ : (الف) حضورؐ ابی سلمہ پر داخل ہوئے اور ان کی نگاہ کھلی ہوئی تھی تو آپؐ نے اس کو بند کر دیا۔ پھر فرمایا روح جب مقبوض ہوتی ہے تو نگاہ اس کے پیچھے دیکھتی رہتی ہے (ب) آپؐ نے فرمایا اپنی ران کو نہ کھولو اور نہ کسی زندہ یا مردہ کی ران کو دیکھو (ج) میں نے راوی کو دیکھا کہ مردے کو غسل دے رہے تھے تو اس کی شرمگاہ پر کپڑے کا ٹکڑا ڈالا اور اس کے چہرے پر دوسرا ٹکڑا ڈالا اور نماز کے وضو کی طرح وضو کرایا اور اس کی دائیں جانب سے شروع کی۔

[۴۰۸](۷) ويجمر سريره وترا[۴۰۹] (۸) ويغلى الماء بالسدر او بالحرض فان لم يكن فالماء القراح [۴۱۰](۹) ويغسل رأسه ولحيته بالخطمى.

اكثر من ذلك ان رأيتن ذلك بماء وسدر واجعلن فى الآخرة كافورا او شيئا من كافور (نمبر ۱۲۵۳)و فى حديث اخرى قال ابدأن بميامنها و مواضع الوضوء منها (الف)(بخاری شریف، باب غسل المیت ووضوءہ بالماء والسدر ص ۱۶۷ نمبر ۱۲۵۴)اس حدیث سے یہ باتیں معلوم ہوئیں۔غسل طاق مرتبہ دے،غسل میں بیری کے پتے استعمال کرے،اخیر میں میت پر کافور ڈالے تا کہ خوشبو مہکتی رہے اور جلدی کیڑے نہ لگے،غسل دائیں جانب سے شروع کرے۔اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میت پر پورا پانی بہائے جس سے ہر جگہ پانی پہنچ جائے۔

[۴۰۸](۷) تخت کو دھونی دے طاق مرتبہ۔

وجہ تخت کو دھونی دینے سے تخت پر خوشبو ہوگی تا کہ میت کی بدبو محسوس نہ ہو۔اسی طرح کپڑے پر بھی طاق مرتبہ دھونی دے تا کہ خوشبو رہے(۲) اثر میں موجود ہے عن اسماء بنت ابی بکر انها قالت لاهلها اجمروا ثيابى اذا انا مت ثم كفنونى ثم حنطونى ولا تذروا على كفنى حناطا(ب)(مصنف عبد الرزاق، باب المیت لا یتبع بالمجمرۃ ج ثالث ص ۴۱۷ نمبر ۶۱۵۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ،نمبر ۱۱۰۲۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے کپڑے کو لبان کی دھونی دینی چاہئے۔اور اس کے تخت کو بھی دھونی دینی چاہئے۔البتہ دھونی لیکر میت کے پیچھے نہیں جانا چاہئے۔کیونکہ اس میں آگ کا اثر ہے اور لوگ اس کو بت پرستی کے مشابہ سمجھیں گے۔

[۴۰۹](۸) پانی کو جوش دیا جائے بیری کے پتے یا اشنان گھاس سے،پس اگر یہ نہ ہوں تو خالص پانی سے۔

وجہ بیری کے پتے یا اشنان گھاس سے صفائی زیادہ ہوتی ہے۔اس لئے ان دونوں میں سے ایک کو ڈال کر پانی کو جوش دیا جائے اور اس پانی سے میت کو غسل دیا جائے۔اور اگر وہ نہ ملیں تو خالص پانی سے میت کو غسل دیا جائے(۲) اس کے لئے بخاری شریف کی حدیث(نمبر ۱۲۵۳ر مسلم شریف، باب فی غسل المیت ص ۳۰۴ نمبر ۹۳۹)مسئلہ نمبر ۶ میں بماء وسدر گزر چکی ہے۔جس کا مطلب یہ تھا کہ بیری کے پتے ڈال کر جوش دیا جائے۔

[۴۱۰](۹) میت کا سر اور اس کی ڈاڑھی خطمی سے دھوئی جائے۔

وجہ اثر میں ہے عن الاسود قال قلت لعائشة يغسل رأس الميت بخطمى فقالت لا تعنتوا ميتكم (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۴، فی المیت اذا لم یوجد لہ سدر یغسل بغیرہ خطمی او اشنان، ج ثانی ص ۴۴۵، نمبر ۱۰۹۱۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے سر کو خطمی سے دھونا

حاشیہ : (الف)ام عطیہ فرماتی ہیں کہ جس وقت حضور کی بیٹی کا انتقال ہوا تو آپ نے فرمایا ان کو تین مرتبہ غسل دو یا پانچ مرتبہ غسل دو یا اس سے زیادہ اگر تم مناسب سمجھو پانی سے اور بیری کے پتے سے۔اور اخیر میں کافور ڈالو یا کافور میں سے کچھ ڈالو۔دوسری حدیث میں ہے کہ میت کی دائیں جانب سے شروع کرو اور اس کی وضو کی جگہ سے شروع کرو(ب) اسماء بنت ابی بکر نے اپنے گھر والوں سے کہا جب میں مرجاؤں تو میرے کپڑے کو دھونی دینا پھر مجھ کو کفن دینا پھر مجھ کو حنوط دینا اور میرے کفن پر حنوط نہ چھڑکنا(ج) میں نے عائشہ سے پوچھا کیا میت کا سر خطمی سے دھویا جائے؟ تو فرمایا میت پر سختی نہ کرنا(جس کا مطلب یہ ہے کہ خطمی اس پر عمل کر سکتے ہو)

[۴۱۱] (۱۰) ثم یضجع علی شقه الایسر فیغسل بالماء والسدر حتی یری ان الماء قد وصل الی ما یلی التحت منه ثم یضجع علی شقه الایمن فیغسل بالماء حتی یری ان الماء قد وصل الی ما یلی التحت منه [۴۱۲] (۱۱) ثم یجلسه ویسند الیه و یمسح بطنه مسحا

مستحب ہے اور بہتر ہے تاکہ صفائی ہو اور خوشبو بھی ہو۔ اور اگر ان چیزوں سے نہیں دھویا تو بھی غسل ہو جائے گا۔

[۴۱۱] (۱۰) پھر بائیں پہلو پر لٹایا جائے گا اور پانی اور بیری کے پتے سے دھویا جائے گا یہاں تک کہ دیکھ لے کہ پانی پہنچ چکا ہے میت کے نیچے تک، پھر لٹایا جائے گا دائیں پہلو پر، پس پانی سے دھویا جائے گا یہاں تک کہ دیکھ لے کہ پانی پہنچ چکا ہے میت کے نیچے تک۔

وجہ (۱) میت کو پہلے بائیں پہلو پر اس لئے لٹایا جائے کہ دایاں پہلو اوپر ہو جائے گا۔ اور دائیں پہلو کو پہلے غسل دیا جائے گا۔ اور مستحب یہی ہے کہ دائیں جانب سے شروع کرے۔ حدیث میں ہے عن ام عطیة قالت قال رسول الله و فی غسل ابنته ابدأن بمیامنها ومواضع الوضوء منها (الف) (بخاری شریف، باب یبدأ بمیامن المیت ص ۱۶۷ نمبر ۱۲۵۵/ ابوداؤد شریف، باب کیف غسل المیت ج ثانی ص ۹۲ نمبر ۳۱۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی دائیں جانب سے شروع کیا جائے، اسی طرح جب بعد میں دائیں پہلو پر لٹایا جائے گا تو بائیں پہلو بعد میں غسل دیا جائے گا۔ اور نیچے تک پانی پہنچنے کی شرط اس لئے ہے کہ مکمل غسل ہو جائے، کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

لغت یضجع : پہلو کے بل لٹایا جائے۔

[۴۱۲] (۱۱) پھر میت کو بٹھائے گا اور اپنی طرف سہارا دیگا اور اس کے پیٹ کو تھوڑا سا پوچھے گا، پس اگر اس سے کوئی چیز نکلے تو اس کو دھوئے گا اور اس کے غسل کو نہیں لوٹائے گا۔

وجہ میت کو اپنی طرف سہارا دے کر اس لئے بٹھائے گا تاکہ اگر پیٹ سے کچھ نکلنا ہو تو نکل جائے، پھر ہلکے انداز میں پیٹ کو پوچھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ پیشاب پاخانہ کچھ نکلنا ہو تو ابھی نکل جائے بعد میں کپڑے گندے نہ کریں (۲) اثر میں ہے عن ابراهیم قال یعصر بطن المیت عصرا رقیقا فی الاولی والثانیة (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۷، فی عصر بطن المیت، ج ثانی ص ۴۵۲، نمبر ۱۰۹۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے پیٹ کو تھوڑا سا پوچھا جائے گا۔ اور غسل دینے کے بعد کوئی نجاست نکلے تو دوبارہ غسل کو لوٹایا نہ جائے۔ کیونکہ غاسل کو مشقت ہوگی اور مردہ خراب ہونے کا ڈر ہے (۲) اس کے لئے اثر ہے قلت لحماد المیت اذا خرج منه الشیء بعد ما یفرغ منه قال یغسل ذلک المکان (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۶، فی المیت یخرج منه الشیء بعد غسله ج ثانی ص ۴۵۲، نمبر ۱۰۹۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غسل کے بعد کچھ نجاست نکلے تو صرف اس جگہ کو دھویا جائے گا۔ غسل کو نہیں لوٹایا جائے گا۔

نوٹ غسل کے درمیان نجاست نکلے تو بہتر یہ ہے کہ غسل دوبارہ دیدے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اپنی لڑکی کے غسل کے بارے میں دائیں جانب سے شروع کرنا اور اس کی وضو کی جگہ سے شروع کرنا (ب) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میت کے پیٹ کو آہستہ سے پوچھا جائے گا پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ (ج) میں حضرت حماد سے پوچھا غسل سے فارغ ہونے کے بعد میت سے کچھ نکلے۔ تو انہوں نے فرمایا صرف وہ جگہ دھوئی جائے گی۔

رفیقا فان خرج منه شیء غسله ولا یعید غسله ۴۱۳](۱۲) ثم ینشفه بثوب ویدرج فی اکفانه[۴۱۴] (۱۳) ویجعل الحنوط علی رأسه و لحیته والکافور علی مساجده[۴۱۵](۱۴) والسنة ان یکفن الرجل فی ثلثة اثواب ازار و قمیص و لفافة فان

[۴۱۳](۱۲) پھر کپڑے سے میت کا پانی خشک کیا جائے گا اور اس کو کفن میں لپیٹ دیا جائے گا۔

وجہ کپڑے سے غسل کا پانی اس لئے خشک کیا جائے تا کہ کفن گیلا نہ ہو جائے، اور کفن میں لپیٹنے کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۴۱۴](۱۳) حنوط لگایا جائے گا میت کے سر پر، اور اس کی ڈاڑھی پر اور کافور لگایا جائے گا اس کے سجدے کی جگہ پر۔

تشریح کئی چیزوں کو ملا کر حنوط ایک قسم کی خوشبو بناتے ہیں۔ جس کو مردوں پر ملتے ہیں۔ غسل کے بعد اس کو ڈاڑھی اور سر پر ملنا مستحب ہے، اور سجدے کی جگہ مثلا چہرہ، دونوں ہتھیلی، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں جو سجدے کے وقت زمین پر ٹکتے ہیں ان پر ملا جائے تا کہ یہ جگہیں چکنی رہیں اور خوشبودار بھی رہیں۔ اثر میں ہے **عن ابن مسعود قال یوضع الکافور علی موضع سجود المیت ، عن ابراھیم فی حنوط المیت قال یبدأ بمساجده** (الف) مصنف ابن ابی شیبة ۳۳، فی الحنوط کیف یضع بہ واین یجعل ج ثانی ص ۴۶۰، نمبر ۱۱۰۲۳/۱۱۰۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کافور اور حنوط میت کے سجدے کی جگہ پر ملے جائیں گے (۲) حدیث میں گزر چکا ہے کہ **واجعلن فی الآخرة فورا** (بخاری شریف، نمبر ۱۲۵۴) کہ اخیر میں میت کو کافور لگاؤ۔

﴿ کفن کا بیان ﴾

[۴۱۵](۱۴) سنت یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے گا (۱) ازار (۲) قمیص (۳) اور چادر، پس اگر دو کپڑوں پر اکتفا کرے تب بھی جائز ہے۔

وجہ (۱) مرد عموما زندگی میں تین کپڑے پہنتا ہے اس لئے تین کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے (۲) حدیث میں ہے **عن عائشة ان رسول الله ﷺ کفن فی ثلثة اثواب یمانیة بیض سحولیة من کرسف لیس فیھن قمیص ولا عمامة** (ب) (بخاری شریف، باب الثیاب البیض للکفن ص ۱۶۹ نمبر ۱۲۶۴/ ابو داؤد شریف، باب فی الکفن ج ثانی ص ۹۳ نمبر ۳۱۵۱/ مسلم شریف، باب الجنائز ص ۳۰۵ نمبر ۹۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے۔ قمیص کے لئے یہ حدیث ہے **ان عبد الله بن ابی لما توفی جاء ابنه الی النبی ﷺ فقال اعطنی قمیصک اکفنه فیه** (ج) (بخاری شریف، باب الکفن فی قمیص الذی یکف ص ۱۶۹ نمبر ۱۲۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک ایسا کپڑا بھی کفن میں دیا جائے گا جس کو قمیص کہتے ہیں۔ لیکن اس میں آستین نہیں ہوگی اور نہ دامن اور کلی ہوگی۔ بلکہ درمیان میں پھاڑ کر سر گھسانے کا بنا دیا جائے گا۔ اور اس کو سیا بھی نہیں جائے گا۔ اس طرح تین کپڑے پورے کر دیئے

حاشیہ : (الف) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ کافور میت کے سجدے کی جگہ پر رکھا جائے گا، حضرت ابراہیم سے میت کے حنوط کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اس کے سجدے کی جگہ سے شروع کیا جائے گا، یعنی پہلے سجدے کی جگہ پر لگایا جائے گا (ب) حضور تین یمنی، سفید سحولیہ کپڑے میں کفن دیئے گئے جو سوت کے تھے۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا (ج) عبد اللہ بن ابی بن سلول جب مرا تو اس کا بیٹا حضورؐ کے پاس آئے اور کہا آپؐ اپنا قمیص عنایت فرمایئے اس میں اس کو کفن دوں گا۔

اقتصروا علی ثوبین جاز [۴۱۶](۱۵) واذا ارادوا لف اللفافة علیه ابتدأوا بالجانب الایسر فالقوه علیه ثم بالایمن فان خافوا ان ینتشر الکفن عنه عقدوه [۴۱۷](۱۶) وتکفن المرأة فی خمسة اثواب ازار و قمیص و خمار وخرقة تربط بها ثدیاها ولفافة فان

جائیں گے (۲) عن عبد الرحمن بن عمر و بن العاص انه قال المیت یقمص ویوزر و یلف بالثوب الثالث فان لم یکن الا ثوب واحد کفن فیه (الف) (مؤطا امام مالک، ماجاء فی کفن المیت ص ۲۰۶)
کپڑے میسر نہ ہوتو دو کپڑوں میں کفن دے۔ اور اگر وہ بھی میسر نہ ہوتو جتنا کپڑا ہوا تنے میں ہی کفن دیدے۔ دو کپڑوں میں کفن دینے کی حدیث یہ ہے عن ابن عباس قال بینما رجل واقف بعرفة اذ وقع عن راحلته فوقصته او قال فاو قصته قال النبی ﷺ اغسلوه بماء و سدر و کفنوه فی ثوبین ولا تحنطوه ولا تخمروا رأسه فانه یبعث یوم القیامة ملبیا (ب) (بخاری شریف، باب الکفن فی ثوبین ص ۱۶۹ نمبر ۱۲۶۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم آدمی کو صرف دو کپڑے دیئے گئے۔ اس لئے کفن میں دو کپڑے بھی کافی ہیں۔

لغت ازار : لنگی (یہ ایک کپڑا ہوتا ہے جو سر کے پاس سے پاؤں تک ہوتا ہے) قمیص : یہ کپڑا آدمی کے قد سے دوگنا ہوتا ہے اور درمیان میں پھاڑ کر اس میں سر گھسا دیتے ہیں اور گردن سے پاؤں تک ہوتا ہے۔ اللفافۃ : یہ کپڑا لمبی چادر کی طرح ہوتا ہے اور تمام کفن سے اوپر لپیٹا جاتا ہے۔

[۴۱۶] (۱۵) جب میت پر لفافہ ڈالنے کا ارادہ کرے تو بائیں جانب سے شروع کرے تو لفافہ اس پر ڈال دے، پھر دائیں جانب سے ڈالے، پس اگر خوف ہو کہ کفن کھل جائے گا تو اس پر گرہ لگا دے۔

تشریح کفن دیتے وقت پہلے تخت پر چادر لفافہ پھیلائے گا۔ اس کے اوپر ازار، اور ازار کے اوپر قمیص پھیلائے گا۔ پھر میت کو قمیص پر رکھ کر سر کو قمیص کی چیر میں گھسا دے۔ اور قمیص کا اوپر کا حصہ میت پر ڈال دے، اور پھر قمیص پر ازار لپیٹے اور پھر لفافہ لپیٹے۔ پہلے بائیں طرف کو لپیٹے اور پھر دائیں طرف کو لپیٹے تاکہ دایاں کنارہ اوپر ہو جائے اور اخیر میں لپیٹا جائے۔ دائیں طرف سے کرنے کی اہمیت پہلے گزر چکی ہے۔

[۴۱۷] (۱۶) عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا (۱) ازار (۲) قمیص (۳) اوڑھنی (۴) کپڑے کا ٹکڑا جس سے اس کے پستان باندھے جائے (۵) اور چادر، پس اگر تین کپڑوں پر اکتفا کرے تو جائز ہے۔

وجہ عورت زندگی میں انہیں کپڑوں کو استعمال کرتی ہے کہ ازار، قمیص اور چادر کے ساتھ اوڑھنی اور پستان بند استعمال کرتی ہے۔ اس لئے کفن

حاشیہ : (الف) عمرو بن عاص نے فرمایا میت کو پہلے قمیص پہنایا جائے گا، پھر ازار پہنائی جائے گی پھر تیسرے کپڑے سے لپیٹا جائے گا۔ پس اگر کپڑے نہ ہو تو ایک ہی کپڑے میں کفن دیا جائے گا (ب) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی عرفہ میں وقوف کر رہا تھا کہ اپنے کجاوے سے گر گیا۔ اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ آپؐ نے فرمایا اس کو پانی اور بیری کے پتے سے غسل دو اور دو کپڑوں میں کفن دو۔ اور حنوط مت لگاؤ۔ اور اس کے سر کو مت ڈھانکو۔ اس لئے کہ وہ قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھایا جائے گا۔

اقتصروا علی ثلاثة اثواب جاز[۴۱۸] (۱۷) ویکون الخمار فوق القمیص تحت اللفافة [۴۱۹](۱۸) ویجعل شعرها علی صدرها ولا یسرح شعر المیت ولا لحیته

میں بھی اتنے ہی کپڑے دیئے جائیں (۲) حدیث میں ہے عن رجل من بنی عروة بن مسعود ... فکان اول ما اعطانا رسول الله ﷺ الحقاء ثم الدرع ثم الخمار ثم الملحفة ثم ادرجت بعد فی الثوب الا خر قالت ورسول الله جالس عند الباب معه کفنها یناولناها ثوبا ثوبا (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی کفن المرأة ج ثانی ص ۹۴ نمبر ۳۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے پانچ کپڑے ہیں (۲) اثر میں ہے عن عمر قال تکفن المرأة فی خمسة اثواب فی المنطق و فی الدرع و فی الخمار وفی اللفافة والخرقة التی تشد علیها (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۹، ما قالوا فی کم تکفن المرأة، ج ثانی ص ۴۶۵، نمبر ۱۱۰۸۸) اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے کفن کے لئے پانچ کپڑے ہیں۔ تین کپڑے پر اکتفا کرنے کی دلیل یہ اثر ہے عن محمد انه کان یقول کتفن المرأة التی حاضت فی خمسة اثواب او ثلاثة (ج) (مصنف بن ابی شیبة ۳۹، ما قالوا فی کم تکفن المرأة، ج ثانی ص ۴۶۵، نمبر ۱۱۰۸۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین کپڑوں پر اکتفا کرے تو جائز ہے۔ پستان بند سے پستان، پیٹ اور ران تینوں کو ڈھانپا جائے گا۔ اور قمیص کے اوپر لپیٹا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن سیرین قال توضع الخرقة علی بطنها و تعصب بها فخذیها (د) (مصنف بن ابی شیبة ۴۰، فی الخرقة این توضع فی المرأة ج ثانی ص ۴۶۵، نمبر ۱۱۰۹۲)

[۴۱۸] (۱۷) اور اوڑھنی قمیص کے اوپر ہو اور چادر کے نیچے ہو وجہ زندگی میں جب اوڑھنی سر پر ڈالا کرتی تھی تو قمیص کے اوپر لٹکتی تھی۔ اور چادر کے اندر رہا کرتی تھی۔ موت کے بعد بھی اسی کیفیت سے کفن دیا جائے گا۔ اس کے لئے یہ اثر ہے سألت ام الحمید ابنة سیرین هل رأیت حفصة اذا غسلت کیف تصنع بخمار المرأة؟ قالت نعم کانت تخمر ها کما تخمر الحیة ثم یفضل من الخمار قدر ذراع فتفرشه فی مؤخرها ثم تعطف تلک الفضلة فتغطی بها وجهها (ہ) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۳، فی المرأة کیف تخمر ج ثانی ص ۴۶۶، نمبر ۱۱۱۰۷) اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کی طرح اوڑھنی ڈالی جائے گی۔

[۴۱۹] (۱۸) عورت کے بال کو اس کے سینے پر ڈال دیا جائے گا۔ اور میت کے بال اور اس کی ڈاڑھی میں کنگی نہیں کی جائے گی۔

وجہ عن ام عطیة ... فضفرنا شعرها ثلثة قرون والقیناها خلفها (و) (بخاری شریف، باب یلقی شعر المرأة خلفها، ص ۱۶۸

حاشیہ : (الف) عروہ بن مسعود سے روایت ہے کہ... سب سے پہلے جو ہم کو حضورؐ نے کفن دیا وہ ازار تھی۔ پھر قمیص پھر اوڑھنی، پھر چادر، پھر لپیٹ دی گئی دوسرے کپڑے میں۔ فرمایا حضورؐ دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس اس کی بیٹی کا کفن تھا وہ ایک ایک کپڑا دے رہے تھے (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے ازار، قمیص، اوڑھنی، چادر اور ایک ٹکڑے میں جو عورت پر باندھا جائے (ج) محمد کہا کرتے تھے کہ عورت جو بالغ ہو چکی ہو اس کو کفن دیا جائے گا پانچ کپڑوں میں یا تین کپڑوں میں (د) ابن سیرین فرماتے ہیں کہ کپڑے کا ٹکڑا رکھا جائے گا عورت کے پیٹ پر اور اس سے اس کی ران لپیٹی جائے گی۔ (ہ) کیا تم نے دیکھا تھا جب حضرت حفصہ کو غسل دیا جارہا تھا تو عورت کی اوڑھنی کے ساتھ کیسا کیا؟ کہا ہاں! اوڑھنی ڈالی گئی جیسے زندوں پر اوڑھنی ڈالی گئی۔ پھر اوڑھنی میں سے ایک ہاتھ کی مقدار بچ گیا تو اس کو نیچے بچھا دیا گیا۔ پھر اس باقی حصے کو لپیٹ دیا گیا اور اس سے اس کا چہرہ ڈھانک دیا گیا (و) ام عطیہ سے روایت ہے کہ... ہم نے آپ کی بیٹی کے بالوں کے تین جوڑے بنائے اور اس کو اس کے پیچھے ڈال دیا۔

[۴۲۰](۱۹) ولا یقص ظفرہ ولا یعقص شعرہ[۴۲۱] (۲۰) وتجمر الاکفان قبل ان یدرج فیھا وترا فاذا فرغوا منہ صلوا علیہ[۴۲۲] (۲۱) واولی الناس بالامامۃ علیہ

،نمبر۱۲۶۳/ابوداؤد شریف، باب کیف غسل المیت ج ثانی ص۹۲ نمبر۳۱۴۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے بال کو تین حصے کر کے اس کے پیچھے ڈال دے۔ بال میں کنگی اس لئے نہیں کی جائے گی کہ یہ انتہائی زینت کی چیز ہے اور میت اب بکھرنے کے لئے تیار ہے۔ اس لئے بال میں نہ کنگی کرنا مستحب ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے ان عائشۃ رأت امرأۃ یکدون رأسھا فقالت علام لتنصون میتکم (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب شعر المیت واظفارہ ج ثالث ص ۴۳۷ نمبر۶۲۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کو کنگی کر کے بال سنوارنے کی اب ضرورت نہیں رہی۔

[۴۲۰] (۱۹) میت کے ناخن نہیں کاٹے جائیں گے اور نہ اس کے بال کاٹے جائیں گے۔

وجہ ناخن اور بال کاٹنا بھی زینت میں سے ہے جس کی اب اس کو ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے بال اور ناخن نہیں کاٹے جائیں گے۔ البتہ بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہوں کہ دیکھنے میں بدنما معلوم ہوتے ہوں تو کاٹے بھی جا سکتے ہیں (۲) اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ایک اثر تو حضرت عائشہ کا مسئلہ نمبر ۱۸ میں گزر چکا ہے نمبر۶۲۳۲ (۳) سئل حماد عن تقلیم اظفار المیت قال أرأیت ان کان اقلف اتختنہ وقال الحسن ان کان فاحشا اخذ منہ (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب شعر المیت واظفارہ ج ثالث ص ۴۳۷ نمبر۶۲۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زینت کے طور پر تو کاٹے نہیں جائیں گے لیکن بہت زیادہ بدنما معلوم ہوتے ہوں تو کاٹے بھی جا سکتے ہیں۔

اصول میت کو بہت زیادی زینت نہیں کرائی جائے گی۔

[۴۲۱] (۲۰) کفن میں لپیٹنے سے پہلے طاق مرتبہ دھونی دی جائے گی۔ پس جب اس سے فارغ ہو تو اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

تشریح جن کپڑوں میں کفن دینا ہے میت کو اس میں لپیٹنے سے پہلے اس کو لبان سے تین مرتبہ دھونی دے تا کہ کپڑا خوشبودار رہے۔ اور جلدی کیڑے نہ لگے۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اجمر تم المیت فاوتروا وروی اجمروا کفن المیت ثلاثا (ج) (سنن للبیھقی، باب الحنوط للمیت ج ثالث ص ۵۶۸، نمبر۶۷۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ کفن کو دھونی دینا چاہئے۔

[۴۲۲] (۲۱) میت پر نماز پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار بادشاہ ہے۔ اگر وہ حاضر نہ ہو تو گاؤں کے امام کو آگے بڑھانا بہتر ہے پھر ولی کو۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ میت کے سر کو کنگھی کر رہی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے میت کے بال کو کیوں سنوارتے ہو؟ (ب) حماد کو میت کے ناخن کاٹنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا تمہاری کیا رائے ہے کہ اگر وہ بغیر ختنہ کے ہو تو ختنہ کروگے؟ (مطلب یہ ہے کہ ختنہ نہیں کروگے تو ناخن بھی نہ کاٹو) حسنؒ نے فرمایا اگر بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہو تو کاٹنا چاہئے (ج) آپؐ نے فرمایا اگر تم میت کو دھونی دو تو طاق مرتبہ دو۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ میت کے کفن کو تین مرتبہ دھونی دو۔

السلطان ان حضر فان لم یحضر فیستحب تقدیم امام الحی ثم الولی.

ترجمہ بادشاہ موجود ہو پھر بھی دوسرا آدمی نماز پڑھائے تو اس میں بادشاہ کی توہین ہے۔ اس لئے بادشاہ کو نماز پڑھانے کا زیادہ حق ہے۔ وہ نہ ہو تو گاؤں کا امام، کیونکہ کہ زندگی میں اس کو اپنی نماز کا امام مانا ہے تو موت کے بعد بھی اپنی نماز کے لئے اسی پر راضی ہوگا۔ اور وہ بھی نہ ہو تو اس کا ولی نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔ اور ولی میں بھی وراثت میں ولی عصبہ کی ترتیب ہوگی۔ البتہ ولی اگر کسی اور کو نماز پڑھانے کی اجازت دے تو دے سکتا ہے (۲) عن عمران بن حصین قال قال لنا رسول الله ﷺ ان اخاکم النجاشی قد مات فقوموا فصلوا علیه فقمنا فصففنا کما یصف علی المیت و صلینا علیه کما یصلی علی المیت (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی صلوۃ النبی ﷺ علی النجاشی ص ۲۰۱ نمبر ۱۰۳۹ ر بخاری شریف، باب الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ص ۱۷۷ نمبر ۱۳۲۷) اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضورؐ سب کے امیر تھے اس لئے آپ نے نجاشی پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس لئے آپ سب سے زیادہ حقدار تھے۔ اور دوسری بات یہ کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ اس میں امر کا صیغہ فقوموا فصلوا علیه کا لفظ ہے (۲) والی اور امیر نماز جنازہ کا زیادہ حقدار ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے سمعت ابا حازم یقول انی لشاهد یوم مات الحسن بن علی فرأیت الحسین ابن علی یقول لسعید بن العاص ویطعن فی عنقه تقدم فلولا انها سنة ما قدمت و کان بینهم شیء (ب) (سنن للبیہقی، باب من قال الوالی احق بالصلوۃ علی المیت من الولی ج رابع ص ۴۶، نمبر ۶۸۹۴) اس اثر میں حضرت حسینؓ حضرت حسنؓ کے ولی تھے۔ لیکن سعید بن عاص کو نماز جنازہ کے لئے آگے بڑھایا۔ کیونکہ وہ اس وقت والی اور امیر تھے۔ اور حضرت حسینؓ نے فرمایا یہ سنت ہے اس لئے والی اور امیر نماز پڑھانے کا ولی سے زیادہ حقدار ہیں۔ اور گاؤں کا امام اس کے بعد حقدار ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے عن علی قال الامام احق من صلی جنازة، ذهبت مع ابراهیم الی جنازة وهو ولیها فارسل الی امام الحی فصلی علیها (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۷۳، ما قالوا فی تقدم الامام علی الجنازۃ ج ثانی ص ۴۸۳، نمبر ۱۱۳۰۵/۱۱۳۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسجد کا امام نماز کا حقدار ہے۔ اس کے بعد ولی نماز جنازہ کا زیادہ حقدار ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے عن عمر انه قال الولی احق بالصلوة علیها (نمبر ۶۳۷۳) وفی اثر آخر عن الحسن قال اولی الناس بالصلوة علی المرأة الاب ثم الزوج ثم الابن ثم الاخ (د) (مصنف عبد الرزاق، باب من احق بالصلوۃ علی المیت ص ۴۷۲ نمبر ۶۳۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ امام گاؤں کے بعد ولی زیادہ حقدار ہے اور ولی میں ترتیب یہ ہے کہ باپ پھر شوہر پھر بیٹا

حاشیہ: (الف) آپؐ نے ہم سے فرمایا تمہارے نجاشی بھائی کا انتقال ہو گیا ہے تو کھڑے ہو اور اس پر نماز پڑھو۔ تو ہم کھڑے ہوئے اور صف بنائی جیسے میت پر صف بناتے ہیں۔ اور ہم نے اس پر نماز پڑھی جیسے میت پر نماز پڑھتے ہیں (ب) میں نے ابو حازم سے کہتے ہوئے سنا کہ میں حاضر تھا جس دن حسن بن علی کا انتقال ہوا۔ میں نے حسین بن علی کو دیکھا کہ وہ سعد بن عاص کو کہہ رہے ہیں اور ان کی گردن میں کچوکے بھی لگا رہے ہیں کہ نماز کے لئے آگے بڑھو۔ اگر یہ سنت نہ ہوتی تو میں آپ کو جنازہ نماز کے لئے آگے نہ بڑھاتا۔ اور حسین اور حضرت سعید میں کچھ اختلاف تھا (ج) حضرت علی نے فرمایا کہ امام جنازہ پر نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔ میں ابراہیم کے ساتھ جنازہ کے پاس گیا اور وہ اس جنازہ کے ولی تھے تو انہوں نے گاؤں کے امام کے پاس خبر بھیجی اور انہوں نے اس پر نماز پڑھائی (د) حضرت عمرؓ نے فرمایا ولی جنازہ پر نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔ دوسرے اثر میں ہے کہ حسن نے فرمایا عورت پر نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار باپ ہے، پھر شوہر پھر بیٹا پھر بھائی۔

[۴۲۳](۲۲) فان صلی علیه غیر الولی و السلطان اعادالولی و ان صلی علیه الولی لم یجز ان یصلی احد بعده [۴۲۴](۲۳) فان دفن ولم یصل علیه صلی علی قبره الی ثلثة

پھر بھائی نماز پڑھانے کا حقدار ہے۔

[۴۲۳](۲۲) اگر میت پر ولی اور بادشاہ کے علاوہ نے نماز پڑھی تو ولی دوبارہ نماز لوٹا سکتا ہے۔ اور اگر اس پر ولی نے نماز پڑھ لی تو کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے بعد کوئی اس پر نماز پڑھے۔

تشریح امام اور ولی نماز پڑھانے کے حقدار تھے اس لئے اگر انہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی اور دوسروں نے پڑھ لی تو اگر ولی دوبارہ نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ اور اگر ولی نے پڑھ لی تو اب کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ وہ اب نماز پڑھے۔

وجہ (۱) حضور کی لوگ نماز پڑھتے رہے۔ اخر میں امیر المؤمنین حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھی۔ اب اس کے بعد کوئی بھی آدمی حضور کی نماز جناز نہیں پڑھ رہا ہے۔ حالانکہ آپ قبر میں زندہ ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ولی اور امیر کے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد کوئی نماز نہ پڑھے۔ امیر اور ولی نے نماز نہ پڑھی ہوں تو نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی هريرة ان اسود رجلا او امرأة كان يقيم المسجد فمات ولم يعلم النبی ﷺ بموته فذكره ذات يوم فقال ما فعل ذلک الانسان قالوا مات يا رسول الله قال افلا اذنتمونی فقالوا انه كان كذا كذا قصته قال وفحقروا شانه قال فدلونی علی قبره قال فاتی قبره فصلی عليه (الف) (بخاری شریف، باب الصلوۃ علی القبر بعد ما یدفن ص ۱۷۸ نمبر ۱۳۳۷ / ابو داؤد شریف، باب الصلوۃ علی القبر ج ثانی ص ۱۰۱ نمبر ۳۲۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور سب کے امیر تھے اور اس کالی عورت پر نماز نہیں پڑھی تھی تو آپ نے نماز کو دوبارہ پڑھی۔

[۴۲۴](۲۳) پس اگر دفن کر دیا اور اس پر نماز نہیں پڑھی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی تین دن تک اور نہیں پڑھی جائے گی اس کے بعد۔

تشریح جب تک میت پھول نہ گئی ہو اس وقت تک اس پر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ اور عموما میت تین دن میں پھول پھٹ جاتی ہے۔ اس لئے تین دن کے بعد نماز جنازہ نہ پڑھے۔ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کی دلیل مسئلہ نمبر ۲۲ کی حدیث بخاری ہے کہ کالی عورت پر دفن کے بعد آپؐ نے نماز پڑھی۔ تین دن کی دلیل یہ اثر ہے توفی عاصم بن عمر و ابن عمر غائب فقدم بعد ذلک قال ايوب احسبه قال بثلاث قال فقال ارونی قبر اخی فاروه فصلی عليه (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۶۲، فی المیت یصلی علیہ بعد دفن من فعلہ ج ثالث ص ۴۴، نمبر ۱۱۹۳۳ / سنن للبیھقی، باب الصلوۃ علی القبر بعد ما یدفن المیت ج رابع ص ۸۱، نمبر ۷۰۰۳ / ۷۰۲۵) اس اثر میں تین دن کا اشارہ ہے۔ اسی سے ہمارا استدلال ہے۔

حاشیہ : (الف) ایک کالا مرد یا عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ ان کا انتقال ہوا اور حضور کو اس کی موت کی خبر نہیں ہوئی تو ایک دن اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس انسان کا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ انتقال ہو گیا یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ لوگوں نے بتایا وہ ایسے ایسے تھے۔ گویا کہ اس کی شان کو حقیر سمجھا تو آپ نے فرمایا اس کی قبر بتاؤ۔ راوی فرماتے ہیں کہ آپؐ اس کی قبر پر آئے اور اس پر نماز پڑھی (ب) عاصم بن عمر کا انتقال ہوا اور حضرت ابن عمر غائب تھے۔ اس کے بعد وہ آئے۔ ایوب فرماتے ہیں کہ تین دن کے بعد آئے۔ فرمایا میرے بھائی کی قبر بتاؤ تو ان کو قبر دکھلائی تو ابن عمر نے اس پر نماز پڑھی۔

ایام ولا یصلی بعد ذلک [۴۲۵](۲۴) ویقوم المصلی بحذاء صدر المیت[۴۲۶] (۲۵) والصلوۃ ان یکبر تکبیرۃ یحمد اللہ تعالی عقیبھا ثم یکبر تکبیرۃ و یصلی علی

فائدہ بعض لوگوں نے فرمایا کہ ایک ماہ تک نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ان کا استدلال اس حدیث سے ہے ان البراء بن معرور توفی فی صفر قبل قدوم رسول اللہ ﷺ المدینۃ بشھر فلما قدم صلی علیہ (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۶۲، فی المیت یصلی علیہ بعد ما دفن من فعلہ ج ثالث ص ۴۳، نمبر ۱۱۹۳۲ رسنن للبیہقی، نمبر ۷۰۲۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ایک ماہ بعد نماز جنازہ قبر پر پڑھی۔اور اس کے بعد اس لئے نہیں پڑھی جائے کہ کتنے رسول اور صحابہ اب تک گزرے، کسی پر بھی ابھی نماز نہیں پڑھی جاتی ہے۔اگر بعد میں بھی پڑھنا جائز ہوتا تو لوگ ضرور پڑھتے۔چنانچہ اس کی ممانعت کے لئے اثر موجود ہے۔عن ابراھیم قال لا یصلی علی المیت مرتین (ب) مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۶۳، من کان لا یری الصلوۃ علیھا اذا دفنت وقد صلی علیھا ج ثالث ص ۴۵، نمبر ۱۱۹۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ نماز پڑھی گئی ہو اور ولی پڑھ چکا ہو تو دوبارہ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔اسی پر امام ابوحنیفہ کا عمل ہے۔

﴿ نماز جنازہ کا بیان ﴾

[۴۲۵] (۲۴) نماز پڑھانے والا میت کے سینے کے پاس کھڑا ہوگا۔

وجہ سینہ کے پاس کھڑے ہونے کی دلیل یہ اثر ہے عن عطاء قال اذا صلی الرجل علی الجنازۃ قام عند الصدر (ج) (مصنف بن ابی شیبۃ ۱۰۲، فی المرأۃ این یقام منھا فی الصلوۃ والرجل علی الجنازۃ این یقام منہ ج ثالث ص ۶ نمبر ۱۱۵۵۱ رمصنف عبد الرزاق، باب این یقوم الامام من الجنازۃ ج ثالث ص ۴۶۹ نمبر ۶۳۵۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے سینہ کے پاس کھڑا ہونا چاہئے (۲) اس لئے بھی کہ سینہ میں نور ایمان ہے تو وہاں کھڑے ہو کر گویا کہ نور ایمان کی گواہی دینا ہے۔

فائدہ امام اعظم کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ عورت کے درمیان امام کھڑا ہو۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے حدثنا سمرۃ بن جندب قال صلیت وراء النبی ﷺ علی امرأۃ ماتت فی نفاسھا فقام علیھا وسطھا (د) (بخاری شریف، باب این یقوم من المرأۃ والرجل ص ۱۷۷ نمبر ۱۳۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے درمیان کھڑا ہو تاکہ عورت کے لئے امام ستر ہو جائے۔

[۴۲۶] (۲۵) اور نماز کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر کہے اس کے بعد اللہ کی حمد بیان کرے (یعنی ثنا پڑھے) پھر تکبیر کہے اور نبی ﷺ پر درود شریف پڑھے، تیسری تکبیر کہے اور اس میں اپنے لئے اور میت کے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعا پڑھے، پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔

تشریح نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جاتی ہیں۔پہلی کے بعد ثنا پڑھے، دوسری کے بعد نبی ﷺ پر درود شریف پڑھے، تیسری کے بعد دعائے

حاشیہ : (الف) براء بن معرور کا صفر میں انتقال ہوا حضورؐ کے مدینہ آنے سے ایک مہینہ پہلے۔پس جب وہ آئے تو ان پر نماز پڑھی (ب) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میت پر دو مرتبہ نماز نہ پڑھی جائے (ج) عطاء نے فرمایا جب آدمی جنازہ پر نماز پڑھے تو سینہ کے پاس کھڑا ہو (د) سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے پیچھے ایک عورت پر نماز پڑھی جس کا نفاس میں انتقال ہوا تھا۔تو آپ عورت کے درمیان کھڑے ہوئے۔

النبی علیہ السلام ثم یکبر تکبیرۃ ثالثۃ یدعو فیھا لنفسہ وللمیت وللمسلمین ثم یکبر تکبیرۃ رابعۃ ویسلم.

جنازہ پڑھے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔

وجہ چار تکبیر کہنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ وخرج بھم الی المصلی فصف بھم وکبر علیہ اربع تکبیرات** (الف) (بخاری شریف، باب التکبیر علی الجنازۃ اربعا ص ۱۷۸ نمبر ۱۳۳۳ رابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی المسلم یموت فی بلاد المشرک ص ۱۰۱ نمبر ۳۲۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیر کہی جائے گی۔ ہر تکبیر کے بعد کیا پڑھے گا اس کی تفصیل اس اثر میں ہے **سأل ابا ھریرۃ کیف تصلی علی الجنازۃ فقال ابو ھریرۃ انا لعمر اللہ اخبرک اتبعھا من اھلھا فاذا وضعت کبرت وحمدت اللہ و صلیت علی نبیہ ثم اقول اللھم عبدک وابن عبدک الخ** (ب) (مؤطا امام مالک، باب مایقول المصلی علی الجنازۃ ص ۲۰۹) اس اثر میں ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد ثنا، دوسری تکبیر کے بعد درود اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا پڑھے۔ اگر سورۂ فاتحہ ثنا کے طور پر پڑھے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ البتہ قرأت کے طور پر پڑھے تو حنفیہ کے نزدیک ٹھیک نہیں ہے۔

وجہ نماز جنازہ ایک قسم کی دعا ہے۔ اس لئے اس میں قرأت نہیں ہوگی (۲) اثر میں اس کی ممانعت موجود ہے۔ **ان عبد اللہ بن عمر کان لا یقرأ فی الصلوۃ علی الجنازۃ** (ج) (مؤطا امام مالک، باب مایقول المصلی علی الجنازۃ ص ۲۰۱ رمصنف عبد الرزاق، باب القراءۃ والدعاء فی الصلوۃ علی المیت ص ۴۹۱ نمبر ۶۴۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی۔

فائدہ امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن طلحۃ بن عبد اللہ بن عوف قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتاب وقال لیتعلموا انھا السنۃ** (د) (بخاری شریف، باب قراءۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ ص ۱۷۸ نمبر ۱۳۳۵ رابوداؤد شریف، باب مایقرأ علی الجنازۃ ج ثانی ص ۱۰۰ نمبر ۳۱۹۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے۔

حنفیہ کے نزدیک عموما بڑوں کے لئے یہ دعا پڑھتے ہیں۔ **عن ابی ھریرۃ قال صلی رسول اللہ ﷺ علی جنازۃ فقال اللھم اغفر لحینا ومیتنا الخ** (ہ) (ابوداؤد شریف، باب الدعاء للمیت ج ثانی ص ۱۰۰ نمبر ۳۲۰۱ رترمذی شریف، باب مایقول فی الصلوۃ علی المیت ص

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے نجاشی کی موت کی خبر اس دن دی جس دن وہ انتقال کر گئے اور لوگوں کو لیکر عیدگاہ کی طرف گئے پس لوگوں کے ساتھ صف بنائی اور ان پر چار تکبیریں کہی (ب) حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا کہ جنازہ پر نماز کیسے پڑھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم میں تم کو خبر دوں گا اور اہل جنازہ کے پیچھے میں چلوں گا۔ پس جب جنازہ رکھو تو تکبیر کہتا ہوں، ثنا پڑھتا ہوں، نبی پر درود پڑھتا ہوں اور کہتا ہوں اللھم عبدک وابن عبدک الخ پوری دعا پڑھتا ہوں (ج) عبد اللہ بن عمر جنازہ کی نماز میں قرأت نہیں کیا کرتے تھے (د) میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی اور کہا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے (ہ) حضورؐ نے جنازہ پر نماز پڑھی۔ پس کہا اللھم اغفر لحینا ومیتنا الخ۔

[۴۲۷] (۲۶) ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة [۴۲۸] (۲۷) فاذا حملوه علی

۱۹۸نمبر۱۰۲۴)

[۴۲۷] (۲۶) اور نہ نماز پڑھے میت پر جماعت والی مسجد میں۔

وجہ (۱) میت مسجد میں رکھی جائے تو ممکن ہے کہ مسجد کے تلویث ہونے کا خطرہ ہو۔اس لئے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔البتہ پڑھ لیا تو ہو جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شیء له (الف) (ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد ج ثانی ص ۹۸ نمبر ۳۱۹۱ رسنن للبیھقی ، باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد ج رابع ص ۸۶، نمبر ۷۰۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز پڑھنے سے ثواب نہیں ملے گا (۳) خود مدینہ طیبہ میں نماز جنازہ کے لئے الگ جگہ تھی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے یہاں مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة لما توفی سعد بن ابی وقاص ... فبلغهن ان الناس عابوا ذلک و قالوا ما کانت الجنائز یدخل بها المسجد فبلغ عائشة فقالت ما اسرع الناس الی ان یعیبوا مالا علم لهم به ،عابوا علینا ان یمر بجنازة فی المسجد وما صلی رسول الله علی سهیل بن بیضاء الا فی جوف المسجد (ب) (مسلم شریف، ابواب الجنائز، فصل فی جواز الصلوۃ علی المیت فی المسجد ص ۳۱۳ نمبر ۹۷۳ رابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد ج ثانی ص ۹۸ نمبر ۳۱۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔

نوٹ لیکن حدیث کے انداز ہی سے پتہ چلتا ہے کہ عام صحابہ نے مسجد میں میت لانے سے کراہیت کا اظہار فرمایا تھا۔اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔

[۴۲۸] (۲۷) پس جب میت کو چارپائی پر اٹھائے تو اس کے چاروں پایوں کو پکڑے اور اس کو تیزی سے لیکر چلے لیکن دوڑے نہیں۔

تشریح میت کو کفن دیکر چارپائی پر لٹائے اور چارپائی کے چاروں پایوں کو پکڑ کر قبرستان کی طرف چلے۔لیکن اس انداز سے کہ تیزی کے ساتھ قبرستان کی طرف جائے لیکن دوڑے نہیں۔کیونکہ یہ میت کی شان کے خلاف ہے۔اور میت کے گرنے کا خطرہ ہے۔

وجہ جلدی کرنے کے لئے یہ حدیث ہے عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال اسرعوا بالجنازة فان تک صالحة فخیر تقدمونها وان تک سوی ذلک فشر تضعونه عن رقابکم (ج) (بخاری شریف، باب السرعۃ بالجنازۃ ص ۱۷۶ نمبر ۱۳۱۵)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے جنازہ پر نماز مسجد میں پڑھی اس کے لئے کچھ نہیں ہے (ب) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب سعد بن وقاص وفات پائے...حضرت عائشہ کو خبر پہنچی کہ لوگ اس پر عیب لگا رہے ہیں اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ جنازہ ایسا نہیں ہے کہ اس کو مسجد میں داخل کیا جائے۔یہ خبر حضرت عائشہ کو پہنچی تو حضرت عائشہ نے فرمایا کتنی جلدی لوگ عیب لگاتے ہیں ایسی چیز کا جس کا ان کو علم نہیں ہے۔وہ ہم پر عیب لگاتے ہیں کہ جنازہ مسجد میں گزرے۔حالانکہ حضورؐ نے سہل بن بیضاء پر مسجد کے اندر ہی نماز پڑھی ہے (ج) حضورؐ نے فرمایا جنازہ کو جلدی لے جاؤ اگر وہ نیک ہے تو اچھی چیز ہے جس کو تم آگے کر رہے ہو۔اور اگر اس کے علاوہ ہے تو بری چیز ہے جس کو تم اپنی گردن سے رکھ دو۔

سریرہ اخذوا بقوائمه الاربع ویمشون به مسرعین دون الخبب [۴۲۹](۲۸) فاذا بلغوا الی قبرہ کرہ للناس ان یجلسوا قبل ان یوضع من اعناق الرجال [۴۳۰](۲۹) ویحفر

وفی ابی داؤد' عن ابن مسعود قال سألنا نبینا ﷺ عن المشی مع الجنازة فقال مادون الخبب (الف)(ابوداؤد شریف ،باب الاسراع بالجنازۃ ج ثانی ص ۹۷ نمبر ۳۱۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنازہ کو تیزی سے قبرستان کی طرف لے جانا چاہئے۔لیکن دوڑنا نہیں چاہئے۔اور چاروں پائے پکڑنے کے لئے یہ اثر ہے قال عبد اللہ بن مسعود من اتبع جنازة فلیحمل بجوانب السریر کلها فانه من السنة (ب)(ابن ماجہ شریف،باب ماجاء فی شھود الجنائز ص ۲۱۱،نمبر ۱۴۷۸)اور اثر میں ہے رأیت ابن عمر فی جنازة فحملوا بجوانب السریر الاربع فبدأ بالمیامن ثم تنحی عنها (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۸،بای جوانب السریر یبدأ فی الحمل ،ج ثانی،ص ۴۸۰،نمبر ۱۱۲۷۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چاروں پایوں کو پکڑنا چاہئے۔اور میت کی دائیں جانب سے پکڑنا شروع کرنا چاہئے۔

لغت الخبب : دوڑنا۔

[۴۲۹](۲۸) پس جب قبر تک پہنچ جائے تو لوگوں کے لئے مکروہ ہے کہ بیٹھے مردوں کے گردنوں سے رکھنے سے پہلے۔

تشریح ابھی میت کو اٹھانے والوں نے اپنے کندھے سے زمین پر رکھا نہیں ہے اس سے پہلے عام لوگ بیٹھ جائیں یہ مکروہ ہے۔

وجہ (۱) یہ میت کی شان کے خلاف ہے (۲) اٹھانے والوں کو ضرورت پڑ سکتی ہے کہ چارپائی کو پکڑے۔اس لئے میت کو رکھنے سے پہلے عام لوگوں کو نہیں بیٹھنا چاہئے۔البتہ مجبوری ہو تو بیٹھ سکتا ہے۔اس کی دلیل یہ اثر ہے عن ابی هریرۃ انه لم یکن یقعد حتی یوضع السریر ،و عن ابی سعید قال اذا کنتم فی جنازة فلا تجلسوا حتی یوضع السریر (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۹،فی الرجل یکون مع الجنازۃ من قال لا یجلس حتی یوضع ج ثالث،ص ۳،نمبر ۱۱۵۱۰/۱۱۵۱۱)اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے رکھنے سے پہلے نہیں بیٹھنا چاہئے۔

[۴۳۰](۲۹) قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے۔

تشریح قبر دو طرح سے کھودی جاتی ہے۔ایک لحد یعنی سیدھی کھود کر پھر دائیں جانب کنارہ کھود کر میت کو رکھنے کی جگہ بنائی جائے اور اس میں میت کو رکھ کر کنارہ پر کچی اینٹ رکھ دی جائے۔اور دوسری شکل شق کی ہے یعنی سیدھی کھودی جائے اور گہرا کر کے اس میں میت کو رکھا جائے اور اوپر سے لکڑی ڈال کر پاٹ دی جائے۔دونوں قسم جائز ہے۔اور مٹی حالت دیکھ کر قبر کھودی جاتی ہے۔البتہ لحد زیادہ بہتر ہے اور اس میں خرچ

حاشیہ : (الف) میں نے حضور کو جنازہ کے ساتھ چلنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا دوڑنے سے تھوڑا کم (لے کر چلو) (ب) عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا جو جنازہ کے پیچھے چلے تو چارپائی کے چاروں جانب اٹھائے اس لئے کہ وہ سنت ہے (ج) حضرت ابن عمر کو جنازہ میں دیکھا کہ وہ چارپائی کے چاروں جانب اٹھاتے تھے اور دائیں جانب سے شروع کرتے پھر اس سے الگ ہو جاتے (د) ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ وہ نہیں بیٹھتے تھے یہاں تک کہ چارپائی رکھی جائے۔اور ابو سعید سے منقول ہے کہ فرمایا کہ جب تم جنازہ میں ہو تو مت بیٹھو جب تک کہ چارپائی نہ رکھی جائے۔

القبر ویلحد[۴۳۱] (۳۰) ویدخل المیت مما یلی القبلة [۴۳۲](۳۱) فاذا وضع فی لحده قال الذی یضعه بسم الله و علی ملة رسول الله [۴۳۳](۳۲) ویوجهه الی

بھی کم ہے۔لحد مسنون ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے ان سعد بن وقاص قال فی مرضه الذی هلک فیه الحدوا لی لحدا وانصبوا علی اللبن نصبا کما صنع برسول الله ﷺ (الف)(مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی استحباب اللحد ص ۳۱۱ نمبر ۹۶۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لحد زیادہ بہتر ہے اور سنت ہے (۲) ترمذی میں ہے عن ابن عباس قال النبی ﷺ اللحد لنا والشق لغیرنا (ب)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی قول النبی اللحد لنا والشق لغیرنا ص ۲۰۳ نمبر ۱۰۴۵ ر ابوداؤد شریف، باب فی اللحد ج ثانی ص ۱۰۲ نمبر ۳۲۰۸)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ لحد مسنون ہے۔

[۴۳۱](۳۰) میت کو قبلہ کی جانب سے داخل کیا جائے۔

تشریح میت کو قبر میں داخل کرنے کی دو شکلیں ہیں (ا) یہ کہ میت کو قبر کے قبلہ کی جانب رکھی جائے اور وہاں سے قبر میں داخل کرے۔یہی حنفیہ کے یہاں مستحب ہے۔اور دوسری شکل یہ ہے کہ میت کو قبر کی پاتانے کی طرف رکھی جائے اور وہاں سے سرکا کر قبر میں داخل کیا جائے۔

وجہ عن ابن عباس ان النبی ﷺ دخل قبرا لیلا فاسرج لی سراج فاخذه من قبل القبلة (ج)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الدفن باللیل ص ۲۰۴ نمبر ۱۰۵۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ کی جانب سے میت کو قبر میں داخل کیا جائے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک پاتانے کی جانب سے میت کو ڈالا جائے گا۔ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابی اسحاق قال اوصی الحارث ان یصلی علیه عبد الله بن یزید فصلی علیه ثم ادخله القبر من قبل رجلی القبر وقال هذا من السنة (د)(ابوداؤد شریف ،باب کیف یدخل المیت قبرہ ص ۱۰۲ نمبر ۳۲۱۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ پاؤں کی جانب سے داخل کیا جائے۔

[۴۳۲](۳۱) پس جب قبر میں رکھے تو رکھنے والا کہے بسم الله و علی ملة رسول الله.

وجہ عن ابن عمر ان النبی ﷺ اذا ادخل المیت القبر قال مرة بسم الله وبالله و علی ملة رسول الله وقال مرة وباسم الله وعلی سنه رسول الله ﷺ (ہ)(ترمذی شریف، باب ماجاء مایقول اذا ادخل المیت قبرہ ص ۲۰۲ نمبر ۱۰۴۶ ر ابوداؤد شریف، باب فی الدعاء للمیت اذا وضع فی قبرہ ج ثانی ص ۱۰۲ نمبر ۳۲۱۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر میں رکھنے والا بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ پڑھے۔

[۴۳۳](۳۲) اور میت کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دے۔

حاشیہ : (الف) سعد بن وقاص نے فرمایا اس مرض میں جس میں ان کا انتقال ہوا، میرے لئے لحد بناؤ اور میری لحد پر کچی اینٹ رکھ دینا جیسا کہ حضورؐ کے ساتھ کیا گیا (ب) آپؐ نے فرمایا لحد ہمارے لئے ہے اور شق ہمارے علاوہ کے لئے ہے (ج) حضور قبر میں رات میں داخل ہوئے۔آپؐ کے لئے چراغ جلایا گیا تو میت کو قبلہ کی جانب سے لیا (د) حضرت حارث نے وصیت کی کہ ان پر عبداللہ بن زید نماز پڑھائے۔پس ان پر نماز پڑھائی پھر قبر میں قبر کے پاؤں کی جانب سے داخل کیا اور فرمایا یہ سنت ہے (ہ) آپؐ جب میت کو قبر میں داخل فرماتے تو کبھی بسم اللہ و باللہ وعلی ملة رسول اللہ پڑھتے اور کبھی بسم اللہ و باللہ وعلی سنة رسول اللہ پڑھتے۔

القبلة[۴۳۴](۳۳) ویحل العقدة[۴۳۵] (۳۴) و یسوی اللبن علی اللحد[۴۳۶](۳۵) ویکرہ الآجر والخشب ولا بأس بالقصب.

وجہ زندگی میں قبلہ کی طرف نماز پڑھتا رہا اب موت کے بعد بھی قبلہ ہی کی طرف چہرہ ہو(۲)ان رجلا سأله فقال یا رسول اللہ ﷺ ما الکبائر ؟ قال هن تسع فذکر معناه وزاد وعقوق الوالدین المسلمین واستحلال البیت الحرام قبلتکم احیاء و امواتا (الف)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی التشدید فی اکل مال الیتیم ج ثانی ص ۴۱ نمبر ۲۸۷۵ سنن للبیھقی، باب ماجاء فی استقبال القبلة بالموتی ج ثالث ص ۵۷۳، نمبر ۶۷۲۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کو بھی قبلہ کی طرف لٹایا جائے۔

[۴۳۴](۳۳) گرہ کھول دے۔

تشریح کفن دیتے وقت کھلنے کا خطرہ ہو تو گرہ لگانے کے لئے کہا تھا۔اب قبر میں میت کو لٹانے کے بعد کفن کے گرہ کھول دے۔اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابراهیم قال اذا ادخل المیت القبر حل عنه العقد کلها (ب)(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲۰، ما قالوا فی حل العقد عن المیت ج ثالث ص ۱۷، نمبر ۱۱۶۶۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ کفن کی گرہ کھول دی جائے۔

[۴۳۵](۳۴)اور لحد میں کچی اینٹ برابر کر کے ڈالی جائے۔

تشریح لحد کے دائیں کنارے میں میت کو رکھ دی جاتی ہے اس لئے لحد کے منہ پر کچی اینٹ برابر کر کے ڈالی جائے جس سے لحد کا منہ بند ہو جائے۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے ان سعد بن ابی وقاص قال فی مرضه الذی هلک فیه الحدوا لحدا وانصبوا علی لبنا نصبا کما صنع برسول اللہ ﷺ (ج)(مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی استحباب اللحد ص ۳۱۱ نمبر ۹۶۶)عن علی ابن حسین انهم علی قبر رسول اللہ ﷺ نصبوا اللبن نصبا (د)(مصنف ابن ابی شیبة ۱۲۹، فی اللبن ینصب علی القبر اویبنی بناءج ثالث ص ۲۳، نمبر ۱۱۷۲۹)اس اثر سے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ لحد میں کچی اینٹ ڈالی جائے۔

[۴۳۶](۳۵)مکروہ ہے پکی اینٹ اور تختے، اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے بانس ڈالنے میں۔

تشریح قبر بوسیدہ ہونے اور ویران ہونے کے لئے ہے۔اس لئے اس پر ایسی چیزیں بنانا جو دیرپا ہو اور آگ سے پکی ہو وہ مکروہ ہے۔اس لئے پکی اینٹیں دینا مکروہ ہے۔کیونکہ اس میں آگ کا اثر ہے اور دیرپا ہوتی ہے۔اسی طرح مضبوط قسم کا تختہ دینا مکروہ ہے کیونکہ وہ دیرپا رہتا ہے۔البتہ بانس چونکہ دیرپا نہیں ہے اس لئے وہ جائز ہے۔

حاشیہ : (الف)ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ کبائر کیا ہیں؟ کہا وہ نو ہیں۔پس اوپر کے معنی کو ذکر کیا اور زیادہ کیا مسلمان والدین کی نافرمانی اور بیت حرام کو حلال کرنا جو تمہارے زندوں اور مردوں کا قبلہ ہے(ب)ابراہیم نے فرمایا جب میت قبر میں داخل کر دیا جائے تو اس کے تمام گرہ کھول دیئے جائیں(ج)سعد بن وقاص نے اس مرض میں کہا جس میں وہ ہلاک ہوئے میرے لئے لحد بنانا اور میرے اوپر کچی اینٹ ڈالنا جیسا کہ حضورؐ کے ساتھ کیا گیا ہے(د)حسین نے فرمایا کہ حضور کی قبر پر کچی اینٹ ڈالی گئی ہے۔

[۴۳۷](۳۶) ثم یھال التراب علیه ویسنم القبر ولا یسطح [۴۳۸](۳۷) ومن استھل

وجہ حدیث میں ہے عن جابر قال نھی رسول اللہ ﷺ ان یجصص القبر وان یقعد علیه وان یبنی علیه (الف)(مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی النھی عن تجصیص القبور ص۳۱۲ نمبر ۹۷۰ رابوداؤد شریف، باب فی البناء علی القبر ج ثانی ص۱۰۴ نمبر ۳۲۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر پر پکی اینٹ اور تختہ نہ دیا جائے۔عن ابراھیم قال کانوا یستحبون اللبن و یکرھون الآجر ویستحبون القصب ویکرھون الخشب (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۷، فی تجصیص القبر والآجر یجعل لہ ج ثالث ص ۲۷، نمبر ۱۱۷۶۹) اس اثر سے بھی مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔

لغت الآجر : پکی اینٹ، خشب : لکڑی، القصب : بانس۔

[۴۳۷](۳۶) پھر قبر میں مٹی ڈال دی جائے اور قبر کو ہان نما بنائی جائے۔

تشریح جس طرح اونٹ کی کوہان ہوتی ہے اسی انداز کی قبر کی شکل بنائی جائے۔لیکن قبر بہت اونچی نہ کی جائے۔البتہ چوکور بنا کر زمین کی سطح کے قریب نہ کی جائے کوہان نما اونچی رہے۔

وجہ عن سفیان التمار قال دخلت البیت الذی فیه قبر النبی ﷺ فرأیت قبر النبی ﷺ وقبر ابی بکر و عمر مسنمة (ج) (بخاری شریف، باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ وابوبکر وعمر ص ۱۸۶ نمبر ۱۳۹۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۰، ما قالوا فی القبر یسنم ص ۲۳، نمبر ۱۱۷۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قبر کو ہان نما بنائی جائے۔قبر اونچی نہ ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیه رسول اللہ ﷺ ان لا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سویته (د)(مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی طمس التمثال وتسویۃ القبر المشرف ص ۳۱۲ نمبر ۹۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت ابھری ہوئی قبر کو نیچی کی جائے۔

لغت یھال : مٹی ڈالی جائے۔یسنم : کوہان نما بنائی جائے۔ یسطح : چوکور، زمین کی سطح سے ملی ہوئی۔

[۴۳۸](۳۷) ولادت کے بعد جو رویا ہو تو اس کا نام رکھا جائے گا اور غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔اور اگر نہیں رویا تو ایک ٹکڑے میں لپیٹ دیا جائے گا اور دفن کر دیا جائے گا اور اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

وجہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ زندہ پیدا ہوا ہو اور بعد میں مرا ہو تو اس پر میت کے سارے احکام جاری ہوں گے۔اور اگر مردہ پیدا ہوا ہو تو وہ گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہے اس پر میت کے احکام جاری نہیں ہونگے رونا زندگی کی علامت ہے، اسی طرح کوئی اور علامت سے زندگی کا پتہ چل جائے تو اس پر میت کے احکام جاری ہونگے ورنہ نہیں۔اگر زندگی کا پتہ چلا تو اس بچے کا نام رکھا جائے گا۔اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے منع کیا ہے کہ قبر پر چونا اور گچ ڈالا جائے اور اس پر بیٹھا جائے اور اس پر تعمیر کی جائے (ب) ابراہیم سے روایت ہے کہ وہ قبر پر کچی اینٹ ڈالنا مستحب سمجھتے تھے اور پکی اینٹ ڈالنا مکروہ سمجھتے تھے۔اور بانس ڈالنا مستحب سمجھتے تھے اور تختہ ڈالنا مکروہ سمجھتے تھے (ج) سفیان فرماتے ہیں کہ میں اس گھر میں داخل ہوا جس میں حضور کی قبر ہے تو حضورؐ، ابوبکرؓ اور عمرؓ کی قبروں کو دیکھا کہ وہ کوہان نما ہیں (د) مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا، کیا تم کو نہ بھیجوں جس پر مجھ کو رسول اللہ نے بھیجا، یہ کہ کسی مورت کو نہ دیکھوں مگر اس کو مٹا دوں۔اور نہ اونچی قبر کو دیکھوں مگر اس کو زمین کے برابر کر دوں۔

بعد الولادة سمی و غسل و صلی علیه وان لم یستهل ادرج فی خرقة ودفن ولم یصل علیه.

بھی پڑھی جائے گی۔دلیل یہ حدیث ہے عن المغیرة بن شعبة انه ذکر ان رسول الله قال الراکب خلف الجنازة والماشی حیث شاء منها والطفل یصلی علیه (الف)(نسائی شریف، باب الصلوۃ علی الاطفال ص ۲۱۴ ،نمبر ۱۹۵۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کا انتقال ہوجائے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی۔اور طفل اسی وقت کہتے ہیں جب کہ اس میں زندگی ہو ورنہ تو وہ گوشت کا لوتھڑا ہے۔عن عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ اذا استهل الصبی صلی علیه وورث (ب)(ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ علی الطفل ،ص ۲۱۵ ،نمبر ۱۵۰۸ / مصنف عبد الرزاق، باب الصلوۃ علی الصغیر والسقط ومیراثہ ص ۵۳۰ نمبر ۶۵۹۵ / سنن للبیھقی ، باب السقط یغسل ویکفن ویصلی علیہ ان استھل او عرفت لہ الحیاۃ ج رابع ص ۱۳ ،نمبر ۶۷۸۳)اس اثر سے اوپر کے مسئلے کی تائید ہوتی ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا سوار جنازہ کے پیچھے رہے اور پیدل چلنے والا جدھر چاہے چلے،اور بچے پر نماز پڑھی جائے گی (ب) رسول اللہؐ نے فرمایا جب بچہ روئے تو اس پر نماز پڑھی جائے اور وہ وارث ہوگا۔

﴿باب الشهيد﴾

[۴۳۹](۱) الشهيد من قتله المشركون او وجد في المعركة وبه اثر الجراحة او قتله المسلمون ظلما ولم يجب بقتله دية [۴۴۰](۲) فيكفن و يصلى عليه ولا يغسل

﴿ باب الشہید ﴾

ضروری نوٹ اس شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا جو شہدائے احد کی طرح ہو۔یعنی کافروں نے ظلماً قتل کیا ہو اور زخم لگنے کے بعد دنیا سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو اور انتقال ہو گیا ہو۔اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت، قصاص یا کوئی معاوضہ بھی نہ لیا جا سکا ہو تا کہ مکمل مظلوم ہو کر مرے۔ایسا شہید کامل شہید ہے۔اس کے یہ احکام ہیں جو آگے آرہے ہیں۔

[۴۳۹](۱) شہید (کامل) وہ ہے (۱) جس کو مشرکین نے قتل کیا ہو (۲) یا میدان جنگ میں پایا گیا ہو اور اس پر زخم کا اثر ہو (۳) یا مسلمان نے ظلماً قتل کیا ہو اور اس کے قتل کی وجہ سے کوئی دیت لازم نہ ہوئی ہو۔

تشریح یہاں شہید کی تین تعریفیں ہیں یا تین قسمیں ہیں جو کامل شہید شمار کئے جاتے ہیں۔پہلا یہ ہے کہ مشرک نے اس کو قتل کیا ہو۔دوسری شکل یہ ہے کہ مشرک نے مکمل قتل تو نہ کیا ہو لیکن میدان جنگ میں زخمی پایا گیا ہو پھر دنیا سے فائدہ اٹھائے بغیر انتقال ہو گیا ہو۔میدان جنگ میں پایا جانا دلیل ہے کہ اس کو کفار نے قتل کیا ہے۔تیسری شکل یہ ہے کہ قتل تو مسلمان نے ہی کیا ہے لیکن قتل اس انداز سے کیا ہے کہ اس کی وجہ سے دیت اور مال لازم نہیں آتا ہے بلکہ قصاص لازم آتا ہے۔اگر دیت اور مال لازم آتا تو دیت لینے کی وجہ سے ظلم میں کمی واقع ہو گئی اس لئے مکمل مظلوم نہیں رہا اور نہ مکمل شہید ہوا اس لئے اس کو غسل دیا جائے گا۔لیکن اگر دیت لازم نہیں ہوئی ہو تو مال نہ لینے کی وجہ سے مکمل مظلوم ہوا۔اس لئے اب وہ شہدائے احد کے درجہ میں ہوا اس لئے اس کو غسل نہیں جائیگا۔

[۴۴۰](۲) پس کفن دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی اور غسل نہیں دیا جائے گا۔

وجہ کفن دیا جائے گا اور غسل نہیں دیا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال النبی ﷺ ادفنوهم فی دمائهم يعنی يوم احد ولم يغسلهم (الف) بخاری شریف، باب من لم یر غسل الشہید ص ۱۷۹ نمبر ۱۳۴۶/ابوداؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔اسی کے کپڑے کے ساتھ کفن دیکر دفن کیا جائے۔اور جو زیادہ ہو اس کو نکال لیا جائے۔اور جو کم ہو اس کا اضافہ کیا جائے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال امر رسول الله ﷺ بقتلى احد ان ينزع عنهم الحديد والجلود وان يدفنوا بدمائهم و ثيابهم (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفن کے لائق جو کپڑے یا چیزیں نہ ہوں ان کو نکال دیئے جائیں اور جو کپڑے کفن کے لائق ہوں وہ ان

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا شہیدوں کو اس کے خون میں دفن کرو یعنی جنگ احد کے دن اور ان کو غسل نہیں دیا (ب) آپؐ نے احد کے مقتولین کے بارے میں حکم دیا کہ ان سے لوہے کا سامان اور چمڑے کا سامان نکال دو، اور ان کے خون اور ان کے کپڑوں میں دفن کرو۔

[۱ ۴۴](۳) واذا استشهد الجنب غسل عند ابی حنیفة رحمه الله و کذلک الصبی وقال

کے ساتھ ہی رکھے جائیں۔اور کفن میں جو کمی رہ جائے اس کو پوری کی جائے۔

شہید پر نماز پڑھی جائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال اتی بھم رسول اللہ ﷺ یوم احد فجعل یصلی علی عشرة عشرة و حمزة ھو کما ھو یرفعون وھو کما ھو موضوع (الف)(ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ علی الشہداء و دفنھم ص ۲۱۶، نمبر ۱۵۱۳ رسنن للبیھقی، باب من زعم ان النبی ﷺ علی شہداء احد ج رابع ص ۱۸، نمبر ۶۸۰۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہداء احد پر آپ نے نماز پڑھی (۲) نماز ترقی درجات کے لئے اور استغفار کے لئے ہے۔اور یہ بچوں اور نبی کے لئے بھی جائز ہے۔اس لئے شہید کے لئے بھی کیا جائے (۳) خود بخاری میں اس حدیث میں موجود ہے۔ عن عقبة بن عامر ان النبی ﷺ خرج یوما فصلی علی اھل احد صلوته علی المیت ثم انصرف الی المنبر (ب)(بخاری شریف، باب الصلوۃ علی الشہید ص ۱۷۹ نمبر ۱۳۴۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید پر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔مصنف عبد الرزاق، باب الصلوۃ علی الشہید وغسلہ ج ثالث ص ۵۴۲ نمبر ۶۶۳۶ / ۶۶۳۷ میں شہید پر نماز پڑھنے کے بارے میں تفصیل موجود ہے. فلیراجع!

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ ... وامر بدفنھم فی دمائھم ولم یغسل ولم یصل علیھم (ج)(بخاری شریف، باب الصلوۃ علی الشہید ص ۱۷۹ نمبر ۱۳۴۳ رابوداؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

نوٹ ہمارا عمل پہلی احادیث پر ہے۔

[۴۴۱](۳) جنبی اگر شہید ہو جائے تو غسل دیا جائے گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ایسے بچے کو بھی اور صاحبین نے فرمایا دونوں کو غسل نہیں دیا جائے گا **وجہ** امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس لئے غسل دیا جائے گا کہ اگر چہ وہ شہید ہے لیکن غسل جنابت واجب ہے اس لئے غسل جنابت دیا جائے گا۔کیونکہ حضرت حنظلہ کو فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ان کی بیوی نے بتایا کہ وہ جنبی تھے۔حدیث میں ہے حدثنی یحیی بن عباد بن عبد اللہ ... حنظلة بن ابی عامر قال فقال رسول اللہ ان صاحبکم تغسله الملائکة فاسئلوا صاحبته فقالت خرج وھو جنب لما سمع الھائعة فقال رسول اللہ ﷺ لذلک غسلته الملائکة (د)سنن للبیھقی، باب الجنب یستشھد فی المعرکة ج رابع ص ۲۲، نمبر ۶۸۱۴، کتاب الجنائز)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت حنظلہ جنبی تھے اور فرشتوں نے ان کو غسل دیا اسلئے حنفیہ کے

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا شہداء احد کو حضورؐ کے پاس لائے گئے تو ان پر دس دس آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھتے اور حضرت حمزہؓ رکھے ہی رہتے اور باقی شہداء اٹھائے جاتے اور حمزہؓ رکھے ہی رہتے (ب) آپ ایک دن نکلے اور شہداء احد پر نماز پڑھی جیسے میت پر نماز پڑھتے ہیں پھر آپ منبر کے پاس آئے (ج) جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ... حضورؐ نے شہداء احد کو ان کے خون میں دفن کرنے کا حکم دیا اور نہ غسل کیا اور نہ ان پر نماز پڑھی (د) آپ نے فرمایا تمہارے ساتھی حضرت حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔اس لئے ان کی بیوی سے پوچھو۔تو ان کی بیوی نے کہا وہ نکلے ہیں اس حال میں کہ وہ جنبی تھے جب اعلان سنا۔آپ نے فرمایا اسی لئے ان کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔

ابو یوسف و محمد رحمهما الله لا یغسلان[۴۴۲] (۴) ولا یغسل عن الشهید دمه ولا ینزع عنه ثیابه وینزع عنه الفرو والحشو والخف والسلاح [۴۴۳](۵) ومن ارتث غسل

نزدیک جنبی شہید کوغسل دیا جائے گا۔صاحبین کے نزدیک غسل نہیں دیا جائے گا۔ان کی دلیل اوپر کی وہ تمام احادیث ہے جن میں ہے کہ شہیدوں کوغسل نہ دیا جائے۔ بچے چونکہ گناہوں سے معصوم ہیں جس طرح شہید معصوم ہونگے ،اس لئے شہید کوغسل نہیں دیا جائے گا۔اسی پر قیاس کر کے بچے کوبھی صاحبین کے نزدیک غسل نہیں جائے گا۔

[۴۴۲] (۴) شہید سے اس کا خون نہیں دھویا جائے گا،اور اس سے اس کے کپڑے نہیں نکالے جائیں گے،اور پوستین اور زائد کپڑے اور موزے اور ہتھیار نکال دیئے جائیں گے۔

تشریح شہید کے ساتھ جو کپڑے ہیں اس کو ان کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے گا۔البتہ جو چیزیں کفن کے لائق نہیں ہیں جیسے چمڑے کا پوستین،صدری اور کوٹ، چمڑے کے موزے اور ہتھیار ان کو الگ کر دیا جائے گا۔اور اگر کفن میں کمی رہ جائے تو تین کپڑے کفن کے پورے کئے جائیں گے۔

وجہ **عن ابن عباس قال امر رسول الله ﷺ بقتلی احد ان ینزع عنهم الحدید والجلود وان یدفنوا بدمائهم و ثيابهم** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زائد چیزیں نکال دی جائیں گی۔اور شہید کے کپڑوں کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔

لغت الفرو : چمڑے کا لباس، الحشو : ایسا لباس جس میں روئی بھری ہو،کوٹ وغیرہ، السلاح : ہتھیار

[۴۴۳] (۵) جس نے فائدہ اٹھایا اس کوغسل دیا جائے گا اور ارتثاث کی شکلیں یہ ہیں زخم لگنے کے بعد کھائے، پیئے یا دوا کرائے یا زندہ باقی رہے یہاں تک کہ اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے اس حال میں کہ اس کو ہوش ہو یا میدان جنگ سے زندہ منتقل کیا جائے۔

تشریح اصل قاعدہ یہ ہے کہ زخم لگنے کے بعد کچھ دیر تک ہوش کی حالت میں زندہ رہا ہو اور دنیا سے فائدہ اٹھایا تو وہ شہید کامل نہیں رہا اس لئے اس کوغسل دیا جائے گا چاہے اخروی اعتبار سے وہ شہید ہو۔اب ہوش کے عالم میں تھا اور زخم لگنے کے بعد اس پر نماز کا ایک وقت گزر گیا تو گویا کہ وہ نماز اس کے ذمہ قرض ہوگئی اس لئے یہ بھی دنیا سے فائدہ اٹھانا ہوا اس لئے اس کوغسل دیا جائے گا۔ارتثاث والے کوغسل دیا جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن عمر بن میمون فی قصة قتل عمر حین طعنه قال فطار العلج بالسكين ذات طرفين لا یمر علی احد یمینا ولا شمالا الا طعنه وفی ذلک دلالة علی انه قتل بمحدد ثم غسل وکفن وصلی علیه** (الف) (سنن للبیہقی،

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے شہدائے احد کے بارے میں حکم دیا کہ ان سے ہتھیار اور چمڑے کے لباس کھول دیئے جائیں۔اور یہ کہ ان کے خون اور کپڑوں کے ساتھ دفن کئے جائیں (ب) عمر بن میمون سے حضرت عمرؓ کے قتل کے سلسلے میں منقول ہے کہ جس وقت ان کو نیزہ مارا، کہ موٹا کافر دو دھاری چھری لیکر اڑا دائیں بائیں جانب کسی پر بھی نہیں گزرا مگر اس کو نیزہ مارتا چلا گیا۔اس میں دلالت ہے کہ حضرت عمر تیز دھار والی چیز سے قتل کئے گئے ہیں۔پھر غسل دیئے گئے ہیں،کفن دیئے گئے ہیں اور ان پر نماز پڑھی گئی۔

والارتثاث ان یأكل او یشرب او یداوی او یبقی حیا حتی یمضی علیه وقت صلوة وهو یعقل وینقل من المعركة حیا[۴۴۴] (۶) ومن قتل فی حد او قصاص غسل و صلی علیه [۴۴۵](۷) ومن قتل من البغاة او قطاع الطریق لم یصل علیه.

باب الرتث الخ ج رابع ص ۲۵، نمبر ۶۸۲۰) اس اثر میں حضرت عمر کو زخم لگنے کے بعد انہوں نے کھایا پیا ہے، اس لئے ان کو غسل دیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ زخم لگنے کے بعد جس نے دنیا سے فائدہ اٹھایا اس کو غسل دیا جائے گا۔

[۴۴۴] (۶) جو حد قصاص میں قتل کیا گیا اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

وجہ غسل تو اس لئے دیا جائے گا کہ وہ شہید نہیں ہے بلکہ عام میت کی طرح ہے۔ اور نماز اس لئے پڑھی جائے گی کہ یہ مؤمن ہے (۲) حضرت ماعز اسلمی جو حد میں قتل ہوئے تھے ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی تھی (ابو داؤد شریف، باب الصلوۃ علی من قتلہ الحدود ج ثانی ص ۹۸ نمبر ۳۱۸۶) (۳) جہینہ کی عورت زنا کی حد میں رجم کی گئی تو آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی **عن عبد الله بن بریدة عن ابیه فی قصة الغامدیة التی رجمت فی الزنا قال النبی ﷺ فوالذی نفسی بیده لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له ثم امر لها فصلی علیها و دفنت** (الف) (سنن للبیہقی، باب الصلوۃ علی من قتلہ الحدود ج رابع ص ۲۵، نمبر ۶۸۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد میں قتل ہونے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

[۴۴۵] (۷) اگر باغیوں میں سے قتل کیا گیا ہو یا ڈاکوؤں سے قتل کیا گیا ہو تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

وجہ تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو کہ ایسا کرنے سے نماز جنازہ سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے **عن جابر بن سمرة قال اتی النبی ﷺ برجل قتل نفسه بمشاقص فلم یصل علیه** (ب) (سنن للبیہقی، باب الصلوۃ علی من قتل نفسہ غیر مستحل لقتلہا ج رابع ص ۲۹، نمبر ۶۸۳۳) اس حدیث میں اپنے کو قتل کرنے والے پر حضورؐ نے نماز نہیں پڑھی تو اسی طرح ڈاکوؤں اور باغیوں پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

نوٹ چونکہ میت مومن ہے اس لئے اور لوگ نماز پڑھ لیں۔

حاشیہ : (الف) غامدیہ کے سلسلے میں روایت ہے جو زنا کے سلسلے میں رجم کی گئی۔ آپؐ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ایسی توبہ کی کہ اگر چنگی وصول کرنے والا ایسی توبہ کرے تو اللہ اس کو معاف کر دے۔ پھر حکم دیا گیا اور اس پر نماز پڑھی گئی اور دفن کی گئی (ب) حضورؐ کے سامنے ایسا آدمی لایا گیا کہ اس نے اپنے آپ کو چھری سے قتل کیا تھا تو آپؐ نے اس پر نماز نہیں پڑھی۔

﴿باب الصلوة فی الکعبة﴾

[۴۴۶](۱) الصلوۃ فی الکعبة جائزة فرضها ونفلها [۴۴۷](۲) فان صلی الامام فیها بجماعة فجعل بعضهم ظهره الی ظهر الامام جاز [۴۴۸](۳) ومن جعل منهم وجهه الی وجه الامام جاز ویکره[۴۴۹](۴) ومن جعل منهم ظهره الی وجه الامام لم تجز صلوته

﴿ باب الصلوۃ فی الکعبۃ ﴾

ضروری نوٹ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بیت اللہ کا کچھ نہ کچھ حصہ سامنے ہوگا جو قبلہ ہو جائے گا۔اور قبلہ بننے کے لئے اتنا کافی ہے۔باقی دلائل آگے آرہے ہیں۔

[۴۴۶](۱) کعبہ میں نماز جائز ہے،فرض بھی اور نفل بھی۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابن عمر قال دخل النبی ﷺ البیت واسامة بن زید و عثمان بن طلحه و بلال فاطال ثم خرج وكنت اول الناس دخل على اثره فسألت بلالا این صلی فقال بین العمودین المقدمین (الف)(بخاری شریف، باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ ،کتاب الصلوۃ،ص ۷۲ نمبر ۵۰۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے۔

[۴۴۷](۲)اگر امام نے بیت اللہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور بعض نے اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کی تو نماز جائز ہو جائے گی۔

وجہ مقتدی نے اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کر لی تو مقتدی امام کے آگے نہیں ہوا بلکہ امام کی پیچھے ہی رہا،اور مقتدی کے سامنے بھی قبلہ موجود ہے اس لئے نماز ہو جائے گی۔

[۴۴۸](۳)اور جس مقتدی نے اپنا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف کیا تو بھی نماز جائز ہوگی لیکن مکروہ ہوگی۔

وجہ اس صورت میں بھی امام کے چہرے کی طرف مقتدی کی پیٹھ نہیں ہوئی اس لئے نماز جائز ہو جائے گی۔لیکن امام کے چہرہ کی طرف چہرہ کرنا اچھا نہیں ہے اس لئے مکروہ ہے۔

[۴۴۹](۴)مقتدی میں سے جس نے اپنی پیٹھ امام کے چہرہ کی طرف کی اس کی نماز جائز نہیں ہوگی۔

وجہ امام کے چہرہ کی طرف مقتدی کی پیٹھ ہوگئی تو مقتدی امام کے بالکل آگے ہو گیا اور پہلے قاعدہ گزر گیا ہے کہ مقتدی امام کے آگے ہو جائے تو مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔یہ مسئلہ قاعدہ پر مستنبط ہے۔

نوٹ اوپر کی چار شکلیں بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کی ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ اور بلال داخل ہوئے پھر نکلے۔تو میں سب سے پہلے ان کے پیچھے داخل ہوا اور حضرت بلال سے پوچھا کہ کہاں نماز پڑھی تو فرمایا کہ اگلے دو ستونوں کے درمیان۔

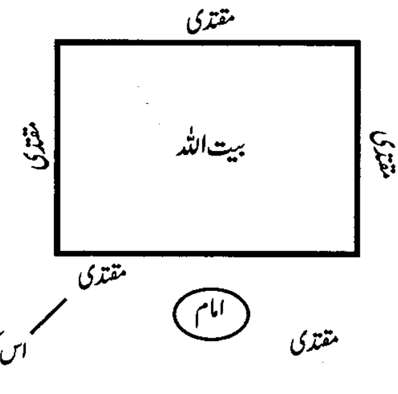
[۴۵۰](۵) واذا صلى الامام في المسجد الحرام تحلق الناس حول الكعبة و صلوا بصلوة الامام فمن كان منهم اقرب الى الكعبة من الامام جازت صلوته اذا لم يكن في جانب الامام[۴۵۱](۶) ومن صلى على ظهر الكعبة جازت صلوته.

[۴۵۰](۵) اگر مسجد حرام میں نماز پڑھائے اور سب لوگ کعبہ کے اردگرد حلقہ بنائے اور امام کے ساتھ نماز پڑھے تو جو ان میں سے کعبہ سے زیادہ قریب ہو امام سے بھی تو اس کی نماز جائز ہے جب کہ امام کی جانب نہ ہو۔

تشریح امام کی جانب جو لوگ ہو اور امام سے بھی زیادہ بیت اللہ کے قریب ہو جائے تو امام کی جانب امام سے بھی آگے ہو جائیں گے اس لئے اس آدمی کی نماز جائز نہیں ہوگی۔ اور جو لوگ امام کی جانب نہیں ہیں دوسری جانب ہیں وہ لوگ اگر کعبہ کے زیادہ قریب ہو گئے تو چونکہ وہ امام کی جانب نہیں ہیں اس لئے امام سے آگے نہیں ہوئے اس لئے ان کی نماز ہو جائے گی۔

اصول امام سے آگے مقتدی ہو جائے تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی ورنہ ہو جائے گی۔ نقشہ اس طرح ہے۔

(بیت اللہ کے اردگرد نماز پڑھنے کا نقشہ)



[۴۵۱](۶) جس نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھی اس کی نماز جائز ہے۔

وجہ بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اس کی شان اور عظمت کے خلاف ہے۔ لیکن اگر پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ بیت اللہ کی محاذات کی فضا اس کے سامنے ہوگی جو قبلہ ہو جائے گی۔ قبلہ ہونے کے لئے بیت اللہ کی دیوار سامنے ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی فضا سامنے ہونا ضروری ہے۔ جیسے کوئی ہوائی جہاز میں نماز پڑھے تو جہاز کی بلندی کی وجہ سے بیت اللہ کی دیوار اس کے سامنے نہیں ہوگی۔ صرف بیت اللہ کے محاذات کی فضا اس کے سامنے ہوگی اور نماز ہو جائے گی۔ بیت اللہ کے اوپر نماز پڑھنا مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر ان النبی ﷺ نهى ان يصلى في سبعة مواطن في المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق وفي الحمام

ومعاطن الابل و فوق ظهر بیت الله (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ مایصلی الیہ وفیہ، کتاب الصلوۃ ص ۸۱ نمبر ۳۴۶/ ابن ماجہ شریف، باب المواضع التی تکرہ فیھا الصلوۃ ص ۱۰۶، نمبر ۷۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، تاہم نماز پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک نماز ہوگی ہی نہیں۔ ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے کہ بیت اللہ پر نماز مکروہ ہے۔ تو گویا کہ ہوگی ہی نہیں۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے روکا اس بات سے کہ سات جگہ نماز پڑھے (۱) کوڑا ڈالنے کی جگہ (۲) اونٹ ذبح کرنے کی جگہ میں (۳) قبرستان (۴) راستہ میں (۵) غسل خانہ میں (۶) اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ (۷) بیت اللہ کی چھت پر۔

﴿کتاب الزکوۃ﴾

[۴۵۲](۱) الزکوۃ واجبۃ علی الحر المسلم البالغ العاقل اذا ملک نصابا ملکا تاما و

﴿کتاب الزکوۃ﴾

ضروری نوٹ زکوۃ کو نماز کے بعد لائے کیوں کہ تقریبا ب‍راسی آیتوں میں نماز کے بعد زکوۃ کا ذکر ہے۔اس لئے نماز کے ابحاث ختم ہونے کے بعد زکوۃ کا تذکرہ لائے۔زکوۃ کے معنی پاکی ہیں اور چونکہ زکوۃ دینے سے مال پاک ہوتا ہے اس لئے اس کو زکوۃ کہتے ہیں۔یا زکوۃ کے معنی بڑھنا ہیں اور چونکہ زکوۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اس لئے اس کو زکوۃ کہتے ہیں۔اس کا ثبوت بہت سی آیتوں میں ہے۔مثلا یقیمون الصلوۃ و یؤتون الزکوۃ و یطیعون اللہ ورسولہ (الف)(آیت ۷۱ سورۂ توبہ)اسی آیت سے زکوۃ دینا فرض ثابت ہوتا ہے۔

[۴۵۲](۱) زکوۃ واجب ہے ہر وہ آزاد پر جو مسلمان ہو، بالغ ہو، عاقل ہو جب کہ نصاب کا پورا مالک ہو، اور اس پر سال گزر گیا ہو، اسی لئے بچے پر، مجنوں پر اور مکاتب پر زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح زکوۃ عبادت مالیہ ہے۔اس لئے کافر پر زکوۃ واجب نہیں اس سے جو کچھ لیا جائے گا وہ ٹیکس لیا جائے گا۔چنانچہ زکوۃ واجب ہونے کے کچھ شرطیں ہیں (۱) آزاد ہو، اس لئے غلام اور مکاتب پر زکاۃ واجب نہیں ہے۔کیونکہ یہ مال اس کے مولی کا ہے۔غلام کا نہیں ہے۔چنانچہ حدیث میں ہے عن جابر قال قال رسول اللہ لیس فی مال المکاتب زکوۃ حتی یعتق (ب)(دار قطنی ۱۰، باب لیس فی مال المکاتب زکوۃ حتی یعتق ج ثانی ص ۹۳ نمبر ۱۹۴۱ر سنن للبیہقی ، باب من قال لیس فی مال العبد زکوۃ ج رابع ص ۱۸۲، نمبر ۷۳۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکاتب کے مال میں زکوۃ نہیں ہے۔کیونکہ وہ آزاد نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مال کا پورا مالک بننا ضروری ہے اور غلام کا مال نہیں ہے اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ اس کے مولی کا مال ہے۔دوسری شرط مسلمان ہونا ہے اس کی وجہ گزر چکی۔تیسری شرط بالغ ہونا ہے۔چنانچہ بچے کے مال میں زکوۃ نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق اویصیب حدا ج ثانی ص ۲۵۶ کتاب الحدود، نمبر ۴۴۰۳ر ابن ماجہ شریف ، باب طلاق المعتوہ والصغیر والنائم ، کتاب الطلاق ص ۱۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے تو زکوۃ بھی اس کے مال میں واجب نہیں ہوگی۔اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجنون وہ آدمی ہے جس کی عقل بالکل ختم ہوگئی ہو اس پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی (۲) چنانچہ اثر میں ہے عن ابراھیم قال لیس فی مال الیتیم زکوۃ حتی یحتلم (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳ من قال لیس فی مال الیتیم زکوۃ حتی یبلغ ج ثانی ص ۳۷۹، نمبر ۱۰۱۲۶) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ بچے کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔کذا قال ابن مسعود فی مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۱۰۱۲۵۔

حاشیہ : (الف) نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (ب) آپؐ نے فرمایا مکاتب کے مال میں زکوۃ نہیں ہے یہاں تک کہ وہ آزاد ہو جائے (ج) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے یعنی کچھ واجب نہیں ہے سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، اور بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور مجنوں سے یہاں تک کہ عقلمند ہو جائے (د) ابراہیم کا قول ہے: فرمایا یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں ہے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے۔

حال عليه الحول وليس على صبى ولا مجنون ولا مكاتب زكوة.

فائده امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بچے کے مال میں زکوۃ ہے۔

وجہ اس لئے کہ یہ وجوب مالیہ ہے اور مال میں جس طرح ٹیکس وجب ہوتا ہے اسی طرح زکوۃ بھی واجب ہوگی (۲) حدیث میں ہے **عن عمر بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبى ﷺ خطب الناس فقال الا من ولى يتيما له مال فليتجر فيه ولايتركه حتى تاكله الصدقة** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ مال الیتیم ص ۱۳۹ نمبر ۶۴۱ ر دار قطنی نمبر ۱۹۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یتیم کے مال میں زکوۃ ہے اور یتیم اس کو کہتے ہیں جو نابالغ ہو اس لئے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بچے کے مال میں زکوۃ ہے (۲) اثر میں ہے **ان عمر بن خطاب قال ابتغوا بالموال اليتمى لا تأكلها الصدقة** (ب) (دار قطنی ۱۱، باب وجوب الزکوۃ فی مال الصبی والیتیم ج ثانی ص ۹۵ نمبر ۱۹۵۴ ر سنن للبیہقی، نمبر ۷۳۴۰) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ بچے کے مال میں زکوۃ ہے۔ زکوۃ واجب ہونے کے لئے چوتھی شرط عقل کی ہے۔ اس کے بارے میں حدیث گزر چکی۔ پانچویں شرط ہے نصاب کا مکمل مالک ہو۔ کیونکہ تھوڑے سے مال کا مالک ہوگا اور اس میں زکوۃ دے گا تو آج زکوۃ دے گا اور کل لوگوں سے زکوۃ مانگے گا۔ اس لئے شرط لگائی کہ نصاب کا مالک ہو۔ اور نصاب یہ ہے کہ سال بھر کھا پی کر دو سو درہم بچے، یا بیس مثقال سونا بچے تو اس میں چالیسواں حصہ زکوۃ ہے یعنی چالیس درہم میں ایک درہم لازم ہوگا۔ اور اونٹ، گائے، بکری اور کاشتکاروں کا نصاب الگ الگ ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ دلیل اس حدیث میں ہے۔ **سمعت ابا سعيد الخدرى يقول قال رسول الله ﷺ ليس فيما دون خمس ذود صدقة وليس فيمادون خمس اواق صدقة وليس فيما دون خمسة اوسق صدقة** (ج) (ابوداؤد شریف، باب ماتجب فیہ الزکوۃ ص ۲۲۴ نمبر ۱۵۵۸ ر بخاری شریف، باب زکوۃ الورق ص ۱۹۴ کتاب الزکوۃ نمبر ۱۴۴۷) ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ اوقیہ دو سو درہم ہوئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو سو درہم سے کم میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پانچ وسق سے کم غلہ پیدا ہو تو زکوۃ یعنی عشر نہیں ہے۔ البتہ دوسری حدیث کی وجہ سے حنفیہ کا اس بارے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

نوٹ ملک تام کی قید اس لئے لگائی کہ مکاتب چیز کا مالک ہوتا ہے لیکن اس کی ملکیت اس پر تام نہیں ہے اس لئے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ زکوۃ واجب ہونے کے لئے چھٹی شرط یہ ہے کہ اس مال پر سال گزرے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن على عن النبى ﷺ ببعض اول الحديث قال فاذا كانت لك مائتا درهم و حال عليه الحول ففيها خمسة دراهم وليس عليك شىء يعنى فى الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا فاذا كانت لك عشرون دينارا و حال عليه الحول ففيها نصف دينارا فما زاد فبحساب ذلك** (د) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۳، نمبر ۱۵۷۳) **عن ابن عمر قال قال**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا سن لو! جو یتیم کی نگہبانی کرے اور یتیم کا مال ہو تو اس میں تجارت کرنی چاہئے۔ اور اس کو اسطرح نہ چھوڑ دو کہ صدقہ اس کو کھا جائے (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا یتیم کے مال کے ذریعہ تجارت تلاش کرو تاکہ صدقہ اس کو کھا نہ جائے (ج) آپؐ نے فرمایا پانچ اونٹ سے کم میں صدقہ یعنی زکوۃ نہیں ہے، اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوۃ نہیں، اور پانچ وسق غلے سے کم میں صدقہ نہیں ہے (د) آپ کی بعض حدیث کا ٹکڑا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۴۵۳](۲) ومن کان علیه دین محیط بماله فلا زکوة علیه[۴۵۴] (۳) وان کان ماله اکثر من الدین زکّی الفاضل اذا بلغ نصابا[۴۵۵](۴) ولیس فی دور السکنی و ثیاب

رسول الله ﷺ لا زکوة فی مال امرئ حتی یحول علیه الحول (الف)(دار قطنی ،باب وجوب الزکوۃ بالحول ج ثانی ص ۷۶ نمبر ۱۸۷۰)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زکوۃ مال نصاب پر سال گزرنے کے بعد واجب ہوتی ہے۔

[۴۵۳](۲) جس پر ایسا قرض ہو کہ اس کے مال کو گھیرے ہوئے ہو تو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح مثلا ایک آدمی کے پاس پانچ سو درہم موجود ہیں لیکن اس پر پانچ سو قرض بھی ہے تو اگر قرض ادا کرے گا تو کچھ نہیں بچے گا اس لئے گویا کہ اس کے پاس مال نصاب ہی نہیں ہے اس لئے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے ان عثمان بن عفان کان یقول هذا شهر زکوتکم فمن کان علیه دین فلیؤد دینه حتی تحصل اموالکم فتؤدون منها الزکوة (ب)(مؤطا امام مالک ،الزکوۃ فی الدین ص ۲۸۴ ،سنن للبیھقی ، باب الدین مع الصدقۃ ج رابع ص ۲۴۹ ،نمبر ۷۶۰۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ قرض ادا کر کے جو باقی بچے اگر وہ نصاب تک پہنچے اور اس پر سال گزر جائے تو اس باقی ماندہ مال میں زکوۃ ہے ورنہ نہیں۔

[۴۵۴](۳) اور اگر اس کا مال قرض سے زیادہ ہو تو زیادہ مال کی زکوۃ واجب ہوگی اگر وہ نصاب تک پہنچ جائے۔

وجہ اثر میں ہے عن ابن عباس و ابن عمر فی الرجل یستقرض فینفق علی ثمرته و علی اهله قال قال ابن عمر یبدأ بما استقرض فیقضیه و یزکی ما بقی، قال قال ابن عباس یقضی ما انفق علی الثمرة ثم یزکی ما بقی (ج)(سنن للبیھقی ، باب الدین مع الصدقۃ ج رابع ص ۲۴۹ ،نمبر ۷۶۰۸ ، کتاب الزکوۃ)اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہلے قرض ادا کرے گا پھر جو بچے گا اگر وہ نصاب تک پہنچ جائے تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

[۴۵۵](۴) زکوۃ واجب نہیں ہے رہنے کے گھر میں ، بدن کے کپڑے میں ، گھر کے سامان میں ، سواری کے جانور میں ، خدمت کے غلام میں اور استعمال کے ہتھیار میں۔

تشریح وہ چیزیں جو انسانی زندگی میں ضرورت کے لئے ہیں اور روزمرہ کے استعمال میں آتی ہیں ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ بلکہ ضرورت

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) یہ ہے کہ جب تمہارے پاس دوسو درہم ہو جائیں اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں پانچ درہم ہیں۔ اور سونے میں کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ بیس دینار ہو جائیں۔ پس جب کہ بیس دینار ہو جائیں اور سال گزر جائے تو اس میں آدھا دینار ہے۔ اور جو زیادہ ہو وہ اسی حساب سے ہے (الف) آپؐ نے فرمایا کسی انسان کے مال میں زکوۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے (ب) حضرت عثمانؓ کہا کرتے تھے کہ یہ تمہاری زکوۃ کا مہینہ ہے۔ تو جس پر قرض ہو تو وہ اپنا قرض ادا کر دے یہاں تک کہ تمہارا مال خالص ہو جائے اور اس سے تم زکوۃ ادا کر سکو (ج) حضرت ابن عمر سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جو قرض لے اور اپنے پھل یا اہل پر خرچ کر دے تو ابن عمر نے فرمایا جو قرض لیا ہے اس سے شروع کرے اور اس کو ادا کرے پھر جو باقی رہے اس کی زکوۃ دے۔ اور حضرت ابن عباس نے فرمایا جو پھل پر خرچ کیا اس کو ادا کرے پھر جو باقی رہے اس کی زکوۃ دے۔

البدن واثاث المنازل ودواب الركوب و عبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكوة[٤٥٦]

(٥) ولا يجوز اداء الزكوة الا بنيته مقارنة للاداء او مقارنة لعزل مقدار الواجب.

اصلیہ سے خارج ہوگی یا اوپر کی چیزیں تجارت کے لئے اور بیچنے خریدنے کے لئے ہوں توان کی قیمت میں زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ (۱) حاجت اصلیہ کی چیزوں میں شریعت زکوۃ واجب نہیں کرتی ہے (۲) حدیث میں ہے سمع ابا هريرة عن النبی ﷺ قال خير الصدقة ماكان عن ظهر غنى وابدأ بمن تعول (بخاری شریف، باب لاصدقۃ الا عن ظہر غنی ص ۱۹۲ نمبر ۱۴۲۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے زیادہ ہونے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی ۳۰) عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال ليس على المسلم فی عبده ولا فی فرسه صدقة (الف) (مسلم شریف، کتاب الزکوۃ، ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدمت کے غلام اور سواری کے گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں لوگوں کی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ انہیں پر اوپر کی تمام ضروریات کی چیزوں کو قیاس کرلیں (۲) حدیث میں ہے عن علی قال زهيرا حسبه عن النبی ﷺ ... وفي البقر في كل ثلاثين تبيع والاربعين مسنة وليس على العوامل شيء (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۲) (۳) عن عمر ابن شعيب عن ابيه عن جده عن النبی ﷺ قال ليس فی الابل العوامل صدقة (ج) (دار قطنی ۶ باب لیس فی العوامل صدقۃ ج ثانی ص ۸۸ نمبر ۱۹۲۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ وہ جانور جو روزمرہ کے کام آتے ہیں اور ضرورت کی چیز ہے مثلا ہل جوتنا اور سواری کرنا اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

اصول حاجت اصلیہ کی چیزوں میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

لغت دور السکنی : وہ گھر جس میں آدمی بسیرا کرتا ہو، اثاث : گھر کا سامان، فرنیچر۔

[۴۵۶] (۵) زکوۃ کی ادائیگی جائز نہیں ہے مگر ایسی نیت کے ساتھ جو ادائیگی کے ساتھ ملی ہوئی ہو یا مقدار واجب کو الگ کرتے وقت ملی ہوئی ہو۔ **تشریح** جس وقت زکوۃ فقیر کے ہاتھ میں دے رہا ہو اس وقت زکوۃ دینے کی نیت ہونی چاہئے تب زکوۃ ادا ہوگی۔ اگر اس وقت مثلا قرض دینے کی نیت ہے اور بعد میں زکوۃ کی نیت کرلی تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ یا اس وقت کچھ نیت نہیں تھی روپیہ دینے کے بعد زکوۃ دینے کی نیت کی تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ یا جس وقت حساب کر کے جتنا روپیہ زکوۃ دیا ہے اس کو اپنے مال سے الگ کیا اس وقت زکوۃ کی نیت ہو تب بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ اس صورت میں چاہے زکوۃ فقیر کے ہاتھ میں دیتے وقت زکوۃ کی نیت نہیں کی ہو۔ کیونکہ جس وقت اس مال کو اپنے مال سے الگ کر رہا تھا اس وقت زکوۃ کی نیت کر چکا تھا اور وہی مال اس وقت دے رہا ہے اس لئے پہلی نیت ہی کافی ہو جائے گی۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ عبادات اصلیہ اس وقت ادا ہوگی جب عبادات کی نیت کی ہو۔ اور زکوۃ عبادت ہے اس لئے اس کی ادائیگی کے وقت

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا مسلمان پر اس کے غلام اور اس کے گھوڑے میں صدقہ نہیں ہے (ب) حضرت علی سے روایت ہے کہ زہیر نے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ حضورؐ سے منقول ہے ... کہ ہر تیس گائے میں ایک سال کا بچھڑا اور چالیس میں دو سال کا بچھڑا، اور کام کرنے والے جانوروں پر کچھ نہیں ہے (ج) حضورؐ نے فرمایا کام کرنے والے اونٹوں میں صدقہ نہیں ہے۔

[۴۵۷] (٦) ومن تصدق بجميع ماله ولا ينوى الزكوة سقط فرضها عنه.

بھی نیت ہونی چاہئے (۲) حدیث میں ہے انما الاعمال بالنیات الخ (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ص ۲ نمبرا) اس حدیث کی وجہ سے تمام عبادات اصلیہ کی ادائیگی کے لئے عبادت کے ساتھ ہی نیت کرنا ضروری ہے۔

[۴۵۷] (٦) جس نے اپنے تمام مال کو صدقہ کر دیا اور زکوۃ کی نیت نہیں کی تو اس کا فرض ساقط ہو جائے گا۔

تشریح تمام مال کو صدقہ کی نیت سے دیدیا لیکن اس میں زکوۃ کی نیت نہیں کی تو جتنا مال زکوۃ میں دینا تھا اس کی ادائیگی ہو گئی اور فرض ساقط ہو گیا۔

وجہ تمام مال کے صدقۂ نافلہ میں فرض داخل ہو گیا اس لئے الگ سے نیت کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

﴿باب زکوة الابل﴾

[۴۵۸](۱) لیس فی اقل من خمس ذود من الابل صدقة فاذا بلغت خمسا سائمة وحال علیھا الحول ففیھا شاة الی تسع فاذا کانت عشرا ففیھا شاتان الی اربع عشرة فاذا کانت خمس عشرة ففیھا ثلث شیاة الی تسع عشرة فاذا کانت عشرین ففیھا اربع شیاة الی اربع و عشرین فاذا بلغت خمسا و عشرین ففیھا بنت مخاض الی خمس و ثلثین فاذا

﴿ باب زکوۃ الابل ﴾

ضروری نوٹ عرب میں چونکہ اونٹ زیادہ تھے اس لئے مصنف اونٹ کی زکوۃ کے احکام پہلے لا رہے ہیں۔ اور سونا چاندی کم تھے اس لئے ان کے احکام بعد میں لا رہے ہیں۔

نوٹ جانوروں میں زکوۃ اس وقت ہوگی جب کہ وہ سال کا اکثر حصہ چر کر زندگی گزارتے ہوں اور گھر پر کم کھاتے ہوں۔ لیکن اگر جانور کو گھر پر کھلا کر پالا جاتا ہو اور تجارت کے بھی نہ ہوں تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ حدیث میں ہے بھز بن حکیم یحدث عن ابیه عن جده قال سمعت رسول الله ﷺ یقول فی کل ابل سائمة من کل اربعین ابنة لبون (الف) (نسائی شریف، باب سقوط الزکوۃ عن الابل اذا کانت رسلا لاھلھا ولحمولتھم ص ۳۳۸ نمبر ۲۴۵۱ ر ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چرنے والے جانور ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہے۔ کام کا ہو یا علوفہ ہو تو اس میں زکوۃ واجب نہیں۔ ابوداؤد میں یہ عبارت ہے۔ وفی سائمة الغنم فذکر نحو حدیث سفیان (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۶۷ ر بخاری شریف نمبر ۱۴۵۴) یہ جملہ من ثمامة بن عبداللہ بن انس کی حدیث کے درمیان ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ چرنے والے جانور میں زکوۃ ہے علوفہ میں نہیں۔

لغت العلوفہ : وہ جانور جو سال کا اکثر حصہ گھر پر کھا کر پلتا ہو۔

[۴۵۸](۱) پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔ پس جب کہ چرنے والے پانچ اونٹ تک پہنچ جائے اور ان پر سال گزر جائے تو اس میں ایک بکری ہے نو اونٹ تک۔ پس جب دس اونٹ ہو جائے تو اس میں دو بکریاں ہیں چودہ اونٹ تک۔ پس جبکہ پندرہ اونٹ ہو جائیں تو ان میں تین بکریاں ہیں انیس اونٹ تک۔ پس جبکہ بیس اونٹ ہو جائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں چوبیس اونٹ تک۔ پس جب کہ پچیس اونٹ ہو جائیں تو ان میں ایک بنت مخاض ہے پینتیس اونٹ تک۔ پس جب کہ پہنچ جائے چھتیس تک تو ان میں ایک بنت لبون ہے پینتالیس تک۔ پس جب کہ چھیالیس پہنچ جائیں تو ان میں ایک حقہ ہے ساٹھ تک۔ پس جب کہ اکسٹھ ہو جائیں تو اس میں ایک جزعہ ہے پچھتر تک پس جب کہ چھہتر اونٹ ہو جائیں تو ان میں دو بنت لبون ہیں نوے اونٹ تک۔ پس جب کہ اکانوے ہو جائیں تو ان میں دو حقے ہیں ایک سو بیس تک۔ پھر

حاشیہ : (الف) آپ فرمایا کرتے تھے کہ چرنے والے اونٹوں میں ہر چالیس میں سے ایک بنت لبون ہوگا (ب) چرنے والی بکری میں، پھر حضرت سفیان کی حدیث کی طرح ذکر کیا۔

بلغت ستا و ثلثين ففيها بنت لبون الى خمس واربعين فاذا بلغت ستا و اربعين ففيها حقة الى ستين فاذا بلغت احدى و ستين ففيها جذعه الى خمس و سبعين فاذا بلغت ستا و سبعين ففيها بنتا لبون الى تسعين واذا كانت احدى و تسعين ففيها حقتان الى مائة و عشرين ثم تستانف الفريضة.

فرض شروع سے شروع ہوگا۔

وجہ اس حساب کا ثبوت اس حدیث میں موجود ہے عن سالم عن ابيه ان رسول الله ﷺ كتب كتاب الصدقة فلم يخرجه الى عماله حتى قبض فقرنه بسيفه فلما قبض عمل به ابو بكر حتى قبض و عمر حتى قبض و كان فيه في خمس من الابل شاة وفي عشر شاتان و في خمس عشرة ثلث شياه و في عشرين اربع شياه و في خمس وعشرين بنت مخاض الى خمس و ثلثين فاذا زادت ففيها بنت لبون الى خمس و اربعين فاذا زادت ففيها حقة الى ستين فاذا زادت ففيها جذعة الى خمس و سبعين فاذا زادت ففيها بنتا لبون الى تسعين فاذا زادت ففيها حقتان الى عشرين و مائة فاذا زادت على عشرين و مائة ففي كل خمسين حقة وفي كل اربعين ابنة لبون (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ الابل والغنم ص ۱۳۵ نمبر ۶۲۱ رابوداؤدشریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۷۰ ربخاری شریف، باب شکوۃ الغنم ص ۱۹۵ نمبر ۱۴۵۴) اس حدیث سے اوپر کا پورا حساب ثابت ہوتا ہے کہ کتنے اونٹ میں کتنے جانور دیئے جائیں گے۔اور کب بکری دیجائے گی اور کب اونٹ کا بچہ دیا جائے گا۔

لغت سائمۃ : چرکر زندگی گزارنے والا جانور۔ بنت مخاض : مخاض کہتے ہیں اس اونٹنی کو جو حاملہ ہو، تو بنت مخاض کے معنی ہوئے حاملہ اونٹنی کی بچی، یہ اس بچے کو کہتے ہیں جس پر ایک سال گزر کر دوسرا سال چڑھ چکا ہو۔ بنت لبون : دودھ دینے والی اونٹنی کا بچہ، یعنی وہ بچہ جس پر دو سال گزر کر تیسرا سال چڑھ چکا ہو۔ حقۃ : وہ بچہ جس پر سوار ہونے کا حق ہوگیا ہو، یعنی تین سال گزر کر چوتھے سال میں قدم رکھا ہو۔ جذعۃ : جس کے اگلے دونوں دانت نکل گئے ہوں، یعنی چار سال گزر کر پانچویں سال میں قدم رکھا ہو۔ایسے بچے کا دانت نکل کر دوسرا نیا دانت نکل آتا ہے اور بالغ ہوجاتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے زکوۃ کے لئے خط لکھوایا اس کو عمال کے لئے ابھی نہیں نکالا تھا کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔اس لئے اس خط کو تلوار کے ساتھ رکھ دیا پس جب آپ کا انتقال ہوا تو اس خط پر حضرت ابو بکر نے عمل کیا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔اور حضرت عمر نے بھی عمل کیا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔اس خط میں یہ بات تھی کہ پانچ اونٹ میں ایک بکری، اور دس میں دو بکریاں، اور پندرہ میں تین بکریاں، اور بیس میں چار بکریاں، اور پچیس میں ایک بنت مخاض پینتیس تک، پس جب کہ زیادہ ہوجائے تو اس میں بنت لبون ہے پینتالیس تک، پس چھیالیس میں ایک حقہ اونٹ ہے ساٹھ تک، پس جب کہ زیادہ ہوجائے تو اس میں ایک جذعہ ہے پچھتر تک، پس جب کہ زیادہ ہوجائے تو اس میں دو بنت لبون ہے نوے تک، پس جب کہ زیادہ ہوجائے تو اس میں دو حقے ہیں ایک سو بیس اونٹ تک، پس جب کہ زیادہ ہوجائے ایک سو بیس پر تو ہر پچاس میں ایک حقہ اور ہر چالیس میں ایک بنت لبون ہے

[۴۵۹](۲) فیکون فی الخمس شاۃ مع الحقتین و فی العشر شاتان و فی خمس عشرۃ ثلث شیاہ و فی عشرین اربع شیاھو فی خمس و عشرین بنت مخاض الی مائۃ و خمسین فیکون فیھا ثلث حقاق[۴۶۰](۳) ثم تستانف الفریضۃ ففی الخمس شاۃ و فی العشر شاتان و فی خمس عشرۃ ثلث شیاہ و فی عشرین اربع شیاہ و فی خمس و عشرین بنت

---

[۴۵۹](۲) پس ہوگا پانچ اونٹ میں ایک بکری دو حقہ کے ساتھ اور دس اونٹ میں دو بکریاں اور پندرہ اونٹ میں تین بکریاں اور بیس اونٹ میں چار بکریاں اور پچیس اونٹ میں ایک بنت مخاض ایک سو پچیس تک، پس ایک سو پچاس اونٹ میں تین حقے ہوں گے۔ پھر فرض شروع سے کیا جائے گا۔

تشریح ایک سو بیس کے بعد ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری لازم ہوگی۔ اور پچیس اونٹ میں اونٹنی کا بچہ لازم ہوگا جس کو بنت مخاض کہتے ہیں یعنی ایک سال گزر کر دوسرے سال میں قدم رکھا ہو۔ اب اوپر کا ایک سو بیس اور پچیس مل کر ایک سو پینتالیس ہوئے۔ لیکن جوں ہی دونوں ملا کر ڈیڑھ سو ہوں گے تو تین حقے لازم ہو جائیں گے۔ کیونکہ شروع میں چھیالیس پر ایک حقہ لازم ہوا تھا۔ اور اکانوے میں دو حقے تھے تو گویا کہ ہر پچاس میں ایک حقہ لازم ہوا۔ اس اعتبار سے ایک سو پچاس تین مرتبہ پچاس ہوئے تو تین حقے لازم ہوں گے۔

وجہ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے جو اوپر گزری۔ اس کا آخری جملہ ہے ففی کل خمسین حقۃ و فی کل اربعین ابنۃ لبون (حوالہ بالا) اور ابوداؤد شریف میں ہے فاذا کانت خمسین ومائۃ ففیھا ثلاث حقاق ... فاذا کانت مائتین ففیھا اربع حقاق او خمس بنت لبون (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۰، حدیث حدثنا محمد بن العلاء انا ابن المبارک کا ٹکڑا ہے) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر پچاس اونٹ میں ایک حقہ لازم ہوگا اور ایک سو پچاس میں تین حقے اور دو سو اونٹ میں چار حقے لازم ہوں گے۔ اور ایک سو بیس کے بعد ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری اور پچیس اونٹ میں ایک بنت مخاض لازم ہوگا۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے عن علی قال اذا زادت علی عشرین و مائۃ یستقبل بھا الفریضۃ (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۱ من قال اذا زادت علی عشرین و مائۃ استقبل بھا الفریضۃ ج ثانی، ص ۳۶۱، نمبر ۹۹۱۱) اس استقبل بھا الفریضۃ سے معلوم ہوا کہ ایک سو بیس اونٹ کے بعد پھر شروع سے حساب کیا جائے گا یعنی ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری اور پچیس اونٹ میں ایک بنت مخاض لازم ہوگا۔

[۴۶۰](۳) پھر فرض شروع سے کیا جائے گا، پس پانچ اونٹ میں ایک بکری، دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں ایک بنت لبون پس جبکہ پہنچ جائے ایک سو چھیانوے تو اس میں چار حقے ہیں دو سو اونٹ تک۔ **تشریح** ایک سو پچاس اونٹ کے بعد پھر شروع سے حساب کیا جائے گا یعنی ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری اور پچیس میں ایک بنت مخاض

حاشیہ : (الف) پس جب کہ ایک سو پچاس ہو تو اس میں تین حقے ہیں۔ پس جب کہ دو سو ہوں تو اس میں چار حقے یا پانچ بنت لبون ہوں گے (ب) حضرت علیؓ سے منقول ہے فرمایا جب ایک سو بیس اونٹ پر زیادہ ہو جائے تو حساب شروع سے کیا جائے گا۔

مخاض و فی ست و ثلثین بنت لبون فاذا بلغت مائة و ستا و تسعین ففیها اربع حقاق الی مائتین[۴۶۱] (۴) ثم تستانف الفریضة ابدا کما تستانف فی الخمسین التی بعد المائة والخمسین[۴۶۲] (۵) والبخت والعِراب سواء.

اور چھتیس میں ایک بنت لبون۔ پس ایک سو پچاس اور چھتیس مل کر ایک سو چھیاسی ہوئے، تو گویا کہ ایک سو چھیاسی میں تین حقے اور ایک بنت لبون لازم ہوتے ہیں اور ایک سو چھیانوے میں چار حقے لازم ہوئیں۔ اور دو سو تک چار حقے ہی لازم ہوتے رہیں گے۔

وجہ دلیل اوپر گزر گئی ہے۔

[۴۶۱] (۴) پھر فرض شروع کیا جائے گا جیسا کہ ایک سو پچاس کے بعد پچاس میں شروع کیا گیا تھا۔

تشریح جس طرح ایک سو پچاس کے بعد جو پچاس تھا اس میں ہر پانچ میں ایک بکری لازم ہوئی تھی اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں ایک بنت لبون اور پچاس میں ایک حقہ لازم ہوا تھا اسی طرح دو سو اونٹ کے بعد جو پچاس ہے اس میں کیا جائے گا۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک سو بیس کے بعد ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس اونٹ میں ایک حقہ ہے۔ اور اس کے درمیان میں کچھ نہیں ہے۔ ان کی دلیل مسئلہ نمبر ایک کی حدیث ہے جس کے اخیر میں تھا فاذا زادت علی عشرین و مائة ففی کل اربعین بنت لبون و فی کل خمسین حقة (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۶ نمبر ۱۵۶۷) اس حدیث میں تصریح ہے کہ ایک سو بیس کے بعد ہر چالیس اونٹ میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ لازم ہوگا۔ اور چونکہ درمیان میں جو پانچ یا دس یا پندرہ یا بیس اونٹ ہیں اس کی زکوۃ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اس لئے اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

[۴۶۲] (۵) بختی اور عربی اونٹ برابر ہیں۔

تشریح دونوں چونکہ اونٹ ہی ہیں اس لئے دونوں کا مسئلہ ایک ہی ہے۔

(اونٹ کی زکوۃ کے نصاب کا نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

حاشیہ : (الف) پس جب ایک سو بیس پر زیادہ ہو جائے تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ لازم ہوگا۔

﴿ اونٹ کی زکوۃ کا نصاب ﴾

						اب مجموعہ اس طرح ہوگا	
اونٹ	زکوۃ		اونٹ	زکوۃ		اونٹ	زکوۃ
۵	ایک بکری		۵	ایک بکری		۱۲۵	۲ حقہ اور ایک بکری
۱۰	۲ بکریاں		۱۰	۲ بکریاں		۱۳۰	۲ حقہ اور ۲ بکریاں
۱۵	۳ بکریاں		۱۵	۳ بکریاں		۱۳۵	۲ حقہ اور ۳ بکریاں
۲۰	۴ بکریاں		۲۰	۴ بکریاں		۱۴۰	۲ حقہ اور ۴ بکریاں
۲۵	ایک بنت مخاض		۲۵	ایک بنت مخاض		۱۴۵	۲ حقہ اور ایک بنت مخاض
۳۶	ایک بنت لبون		۳۰	ایک حقہ		۱۵۰	۳ حقہ
۴۶	ایک حقہ		شروع سے				
۶۱	ایک جذعہ		۵	ایک بکری		۱۵۵	۳ حقہ اور ایک بکری
۷۶	۲ بنت لبون		۱۰	۲ بکریاں		۱۶۰	۳ حقہ اور ۲ بکریاں
۹۱	۲ حقہ		۱۵	۳ بکریاں		۱۶۵	۳ حقہ اور ۳ بکریاں
۱۲۰	۲ حقہ		۲۰	۴ بکریاں		۱۷۰	۳ حقہ اور ۴ بکریاں
شروع سے			۲۵	ایک بنت مخاض		۱۷۵	۳ حقہ اور ایک بنت مخاض
			۳۶	ایک بنت لبون		۱۸۶	۳ حقہ اور ایک بنت لبون
			۴۶	ایک حقہ		۱۹۶	۴ حقہ
			۵۰	ایک حقہ		۲۰۰	۴ حقہ

﴿باب صدقة البقر﴾

[۴۶۳](۱)لیس فی اقل من ثلثین من البقر صدقة فاذا کانت ثلثین سائمة وحال علیها الحول ففیها تبیع او تبیعة وفی اربعین مسن او مسنة [۴۶۴](۲) فاذا زادت علی

﴿باب صدقة البقر﴾

ضروری نوٹ اونٹ کے احکام کے بعد گائے کے احکام لائے۔ کیونکہ جسامت کے اعتبار سے اونٹ کے بعد اس کا درجہ ہے۔اس کا ثبوت احادیث سے ہے جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

[۴۶۳](۱)تیس گایوں سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔پس جب کہ تیس چرنے والی گائیں ہو جائیں اوران پر سال گزر جائے تو اس میں ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی ہے۔اور چالیس گایوں میں ایک مسن یا مسنہ ہے۔

وجہ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے عن عبد الله بن مسعود عن النبی ﷺ قال فی ثلثین من البقر تبیع او تبیعة وفی کل اربعین مسنة (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ البقرص ۱۳۶ نمبر ۶۲۲)ابوداؤد شریف میں ہے عن ابی وائل عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجه الی الیمن امره ان یاخذ من البقر من کل ثلثین تبیعا او تبیعة ومن کل اربعین مسنة (ابوداؤد شریف ، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیس گایوں میں ایک بچھڑا ہے یا بچھڑی ہے۔ جو ایک سال کا ہوتا ہے۔اور چالیس گایوں میں ایک مسنہ ہے جو دو سال کا ہوتا ہے۔باقی دلائل پہلے گزر گئے۔

لغت تبیع : ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں قدم رکھا ہوا ایسا بچھڑا یا بچھڑی، مسنۃ : دو سال پورے ہو کر تیسرے سال میں قدم رکھا ہوا ایسا بچھڑا یا بچھڑی۔

[۴۶۴](۲)پس جب کہ زیادہ ہو جائے چالیس پر تو واجب ہے زیادتی میں اس کے حساب سے ساٹھ تک ابو حنیفہ کے نزدیک پس ایک گائے میں مسنہ کا ایک چالیسواں حصہ اور دو گائے میں مسنہ کا دو چالیسواں حصہ اور تین گائے میں تین چالیسواں حصہ۔

تشریح چالیس سے اوپر ساٹھ تک نہ دوسری تیس گائے بنتی ہے اور نہ چالیس گائے بنتی ہے، ساٹھ میں جا کر دو تیس بنتی ہے اس لئے چالیس سے لیکر ساٹھ تک میں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر گائے میں ایک مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوگا۔اب جتنی گائے ہوتی جائے ہر گائے میں مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوتا جائے گا۔چنانچہ ایک گائے میں ایک چالیسواں حصہ اور دو گائے میں دو چالیسواں حصہ اور تین گائے میں تین چالیسواں حصہ لازم ہونگے۔

وجہ اثر میں ہے عن مکحول قال ما زاد فبالحساب (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ۱۵ فی الزیادة فی الفریضة ج ثانی،ص ۳۶۴،نمبر ۹۹۴۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چالیس گائے سے جو زیادہ ہو اس کو اس کے حساب سے کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا تیس گایوں میں ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی ہے اور ہر چالیس میں ایک مسنہ ہے(ب) حضرت مکحول سے منقول ہیں کہ چالیس سے جو زیادہ ہو تو اس کے حساب سے ہوگا۔

الاربعین وجب فی الزیادۃ بقدر ذلک الی ستین عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ففی الواحدۃ ربع عشر مسنۃ و فی الاثنین نصف عشر مسنۃ و فی الثلاثۃ ثلثۃ ارباع عشر مسنۃ [۴۶۵](۳) وقال ابو یوسف و محمد لا شیء فی الزیادۃ حتی تبلغ ستین فیکون فیھا تبیعان او تبیعتان[۴۶۶](۴) وفی سبعین مسنۃ وتبیع[۴۶۷] (۵) وفی ثمانین مسنتان[۴۶۸] (۶) وفی تسعین ثلثۃ اتبعۃ.

لغت ربع عشر : دسویں حصہ کی چوتھائی یعنی چالیسواں حصہ، نصف عشر : دسویں حصہ کا آدھا یعنی بیسواں حصہ، جس کو میں نے دو چالیسواں حصہ کہا، دو چالیسواں حصہ ملا کر بیسواں حصہ بن جاتا ہے۔ ثلثۃ ارباع : تین چالیسواں حصہ۔

[۴۶۵](۳) حضرت امام ابو یوسف اور محمد نے فرمایا زیادتی میں کوئی چیز نہیں ہے یہاں تک کہ ساٹھ تک پہنچ جائے، پس ساٹھ میں دو بچھڑے یا دو بچھڑیاں ہیں۔

تشریح ساٹھ دو مرتبہ تیس تیس ہو جاتے ہیں اور ایک تیس میں بچھڑا ہے اس لئے دو مرتبہ تیس میں دو بچھڑے لازم ہونگے۔

وجہ عن ابن عباس قال لما بعث رسول اللہ معاذا الی الیمن قیل لہ بما امرت قال امرت ان اخذ من البقر من کل ثلاثین تبیعا او تبیعۃ ومن کل اربعین مسنۃ قیل لہ امرت فی الاوقاص بشیء ؟ قال لا وسأسال النبی ﷺ فسالہ فقال لا وھو مابین السنین یعنی لا تأخذ من ذلک شیئا (الف) (دار قطنی ۳ باب لیس فی الکسر شیء ج ثانی ص ۸۰، نمبر ۱۸۸۷ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۵۰ فی الزیادۃ فی الفریضۃ، ج ثانی، ص ۳۶۴، نمبر ۹۹۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقص میں کوئی زکوۃ نہیں ہے اور چالیس سے لیکر ساٹھ تک وقص ہے اس لئے اس میں بھی کچھ لازم نہیں ہوگا۔

لغت وقص : دو عمروں کے درمیان یا دو عددوں کے درمیان جو عدد ہو اس کو اوقاص کہتے ہیں۔

[۴۶۶](۴) اور ستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیعہ ہوں گے۔

وجہ اس لئے کہ ایک تیس اور ایک چالیس کا مجموعہ ستر ہے۔

[۴۶۷](۵) اور اسی (۸۰) میں دو مسنہ ہوں گے۔

وجہ اسی میں دو مرتبہ چالیس چالیس ہوتے ہیں اور چالیس میں ایک مسنہ ہے اس لئے اسی میں دو مسنہ ہوں گے۔

[۴۶۸](۶) اور نوے میں تین بچھڑے ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے جب حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا تو حضرت معاذ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس چیز کا حکم دیا گیا؟ فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ گائے میں سے ہر تیس میں ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی اور چالیس میں سے ایک مسنہ لوں۔ پوچھا گیا کہ اوقاص میں سے کسی چیز کا حکم دیا گیا ہے؟ تو حضرت معاذ نے حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا اوقاص میں کچھ لازم نہیں ہے۔ اوقاص کہتے ہیں دو عمروں کے درمیان جو جانور ہو یعنی اوقاص میں کچھ مت لو۔

[۴۶۹](۷) وفی مائة تبیعتان و مسنة[۴۷۰] (۸) وعلی هذا یتغیر الفرض فی کل عشرة من تبیع الی مسنة[۴۷۱](۹) والجوامیس والبقر سواء.

وجہ نوے میں تین مرتبہ تیس تیس ہوتے ہیں اور تیس میں ایک بچھڑا ہے اس لئے نوے میں تین بچھڑے لازم ہوں گے۔

[۴۶۹](۷) اور ایک سو گائے میں دو بچھڑے اور ایک مسنہ لازم ہوں گے۔

وجہ ایک سو دو مرتبہ تیس تیس ہوتے ہیں یعنی ساٹھ اور ایک مرتبہ چالیس ہوتا ہے۔ مجموعہ سو ہوا اس لئے دو بچھڑے اور ایک مسنہ لازم ہوں گے۔

[۴۷۰](۸) اسی طرح حساب بدلتا رہے گا ہر دس میں بچھڑا سے مسنہ کی طرف۔

تشریح تیس اور چالیس کے درمیان دس عدد کا فرق ہے اس لئے ہر دس عدد بڑھنے پر مسنہ لازم ہوتا تھا تو بچھڑا لازم ہو جائے گا۔ اور بچھڑا لازم ہوتا تھا تو مسنہ لازم ہو جائے گا۔ اس طرح ہر دس میں بچھڑا سے مسنہ اور مسنہ سے بچھڑا کی طرف تبدیل ہوتا رہے گا۔

نوٹ تبیع : بچھڑا کو کہتے ہیں۔

[۴۷۱](۹) مسئلہ میں بھینس اور گائے برابر ہیں۔

تشریح جو حساب گائے کی زکوۃ کے بارے میں پیش کیا وہی حساب بھینس کی زکوۃ کے سلسلے میں ہے۔ کیونکہ دونوں کی جنس قریب قریب ہی ہے۔

﴿ گائے اور بھینس کی زکوۃ ایک نظر میں ﴾

گائے	کتنی زکوۃ	مسنہ یا تبیعہ		گائے	کتنی زکوۃ	مسنہ	یا تبیعہ
30	1	تبیعہ		60	2	تبیعہ	
40	1	مسنہ		70	1	مسنہ	ایک تبیعہ
41	1.025	مسنہ		80	2	مسنہ	
42	1.050	مسنہ		90	3	تبیعہ	
43	1.075	مسنہ		100	2	تبیعہ	ایک مسنہ
44	1.1	مسنہ		110	2	مسنہ	ایک تبیعہ
45	1.125	مسنہ		120	3	مسنہ	
46	1.15	مسنہ		130	3	تبیعہ	ایک مسنہ

اسی پر قیاس کرتے جائیں۔

نوٹ ایک گائے میں مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوتا ہے اس لئے 40 کو ایک میں تقسیم دیں تو 0.025 نکلے گا۔ اسی 0.025 کو ایک گائے ، دو گائے جو چالیس سے زیادہ ہو ضرب دیتے جائیں تو حساب نکلتا جائے گا جو اوپر درج ہے۔ یہ حساب کلکیو لیٹر سے کیا ہے۔

﴿باب صدقة الغنم﴾

[۴۷۲](۱) ليس فى اقل من اربعين شاة صدقة فاذا كانت اربعين شاة سائمة وحال عليها الحول ففيها شاة الى مائة و عشرين فاذا زادت واحدة ففيها شاتان الى مائتين فاذا زادت واحدة ففيها ثلث شياة فاذا بلغت اربع مائة ففيها اربع شاة ثم فى كل مائة شاة.

﴿ باب صدقة الغنم ﴾

ضروری نوٹ بکری کی زکوۃ کے سلسلہ میں یہ باب ہے۔اس لئے حدیث آگے آرہی ہے۔

[۴۷۲](۱) چالیس بکری سے کم میں کوئی زکوۃ نہیں ہے۔پس جب کہ چالیس چرنے والی بکری ہو جائے اوراس پر سال گزر جائے تو اس میں ایک بکری ہے ایک سوبیس بکری تک۔پس جب کہ اس میں ایک زیادہ ہو جائے (یعنی ایک سو اکیس ہو جائے) تو اس میں دو بکریاں ہیں دوسو تک۔پس جب کہ زیادہ ہو جائے اس میں ایک بکری (یعنی دوسوایک ہو جائے) تو اس میں تین بکریاں ہیں۔پس جب کہ پہنچ جائے چارسوتو اس میں چار بکریاں ہیں۔پھر ہر ایک سو میں ایک بکری زکوۃ ہے۔

تشریح چالیس سے ایک سوبیس کے درمیان بکریوں میں ایک بکری زکوۃ کی ہے پھر ایک سو اکیس سے دوسوتک میں دو بکریاں ہیں۔اور دوسو ایک سے تین سوناوے تک تین بکریاں ہیں۔اور چارسو بکریوں میں چار بکریاں زکوۃ ہیں۔پھر ہر اک سو میں ایک بکری زکوۃ لازم ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے ان انسا حدثه ان ابا بكر كتب له هذا الكتاب لما وجهه الى البحرين بسم الله الرحمن الرحيم هذه فريضة الصدقة التى فرض رسول الله على المسلمين والتى امر الله به رسوله ... وفى صدقة الغنم فى سائمتها اذا كانت اربعين الى عشرين و مائة: شاةٌ، فاذا زادت على عشرين و مائة الى مائتين شاتان، فاذا زادت على مائتين الى ثلث ماة ففيها ثلاث، فاذا زادت على ثلث مائة ففى كل مائةٍ شاةٌ ،فاذا كانت سائمة الرجل ناقصة من اربعين شاة واحدة فليس فيها صدقة الا ان يشاء ربها (الف) (بخاری شریف، باب زکوۃ الغنم ص ۱۹۵/۱۹۶ نمبر ۱۴۵۴/ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۶ نمبر ۱۵۶۷)اس حدیث سے اوپر کے حساب کی تائید ہوتی ہے۔البتہ حدیث میں ہے کہ دوسوایک سے تین سوتک تین بکریاں ہوں گی اور تین سو کے بعد ہر سو میں ایک بکری لازم ہوگی۔اور متن میں تھا کہ چارسو کے بعد ہر سو میں ایک بکری لازم ہوگی۔اس

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے یہ خط لکھا جب امیر کو بحرین کی طرف روانہ کیا۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ صدقہ کا حساب ہے جس کو حضورؐ نے فرض کیا مسلمانوں پر اور جس کا اللہ اوراس کے رسول نے حکم دیا... چرنے والی بکریوں کی زکوۃ میں یہ ہے کہ جب کہ چالیس بکریوں سے ایک سوبیس تک ہو تو ایک بکری، پس جب کہ زیادہ ہو ایک سوبیس بکری پر (یعنی ایک سو اکیس ہو جائے) تو دوسو بکری تک میں دو بکریاں ہیں۔پس جب زیادہ ہو جائے دوسو پر (یعنی دوسوایک بکری ہو) تو تین سوتک میں تین بکریاں ہیں۔پس جب زیادہ ہو تین سو پر تو ہر ایک سو میں ایک بکری ہے۔پس جب کہ آدمی کی چرنے والی بکریوں میں سے چالیس میں ایک بھی کم ہو تو اس میں زکوۃ نہیں ہے۔مگر یہ کہ بکری کا مالک دینا چاہے۔

[۴۷۳] (۲) والضان والمعز سواء.

تھوڑے سے اختلاف کے بعد مسئلہ ایک جیسا ہی ہوجاتا ہے۔

[۴۷۳] (۲) بھیڑ اور بکری کا مسئلہ برابر ہے۔

وجہ بھیڑ اور بکری تقریبا ایک جنس شمار کئے جاتے ہیں اس لئے دونوں کی زکوۃ کا حساب ایک ہی جیسا ہے۔

لغت الضأن : بھیڑ، المعز : بکری

﴿ بکریوں کی زکوۃ ایک نظر میں ﴾

بکریاں	زکوۃ
40	ایک بکری
121	دو بکریاں
201	تین بکریاں
400	چار بکریاں
500	پانچ بکریاں

﴿باب زكوة الخيل﴾

[۴۷۴](۱) اذا كانت الخيل سائمة ذكورا و اناثا و حال عليها الحول فصاحبها بالخيار ان شاء اعطى عن كل فرس دينار او ان شاء قومها فاعطى عن كل مائتى درهم خمسة دراهم[۴۷۵](۲) وليس فى ذكورها منفردة زكوة عند ابى حنيفة[۴۷۶] (۳) وقال ابو

﴿ باب زکوۃ الخیل ﴾

ضروری نوٹ گھوڑے کے سلسلہ میں کئی قسم کی احادیث ہیں۔اس لئے علماء میں اختلاف ہے کہ گھوڑے میں زکوۃ واجب ہے یا نہیں۔یہ بات طے ہے کہ جہاد کے گھوڑے میں اور خدمت کے گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔اور تجارت کے گھوڑے میں اس کی قیمت میں ہر دوسو درہم میں پانچ درہم لازم ہے۔البتہ جو گھوڑے نسل بڑھانے کے لئے ہیں ان ہی میں اختلاف ہے کہ زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟اور ہر ایک امام کا مسئلہ اور اس کی دلیل آگے آرہی ہے۔

[۴۷۴](۱)جب کہ گھوڑے چرنے والے ہوں اور نر اور مادہ دونوں ہوں اور ان پر سال گزر چکا ہو تو اس کے مالک کو اختیار ہے(۱) چاہے تو ہر گھوڑے کے بدلہ میں ایک دینار دے(۲) اور چاہے تو اس کی قیمت لگائے اور ہر دوسو درہم کے بدلے پانچ درہم دے۔

تشریح چونکہ یہ گھوڑے جہاد کے نہیں ہیں اور روز مرہ کام آنے والے بھی نہیں ہیں بلکہ چرنے والے ہیں اور نسل بڑھانے کے لئے ہیں اس لئے اس کی زکوۃ دینے کی دو شکلیں ہیں۔ایک یہ ہے کہ ہر گھوڑے کے بدلے ایک دینار دیدے۔اور دوسری شکل یہ ہے کہ گھوڑے کی قیمت لگائے اور جتنی اس کی قیمت ہو اس کے ہر دوسو درہم میں پانچ درہم زکوۃ دیدے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال قال رسول الله ﷺ فى الخيل السائمة فى كل فرس دينار تؤديه (الف) (دار قطنی ۱۸، باب زکوۃ مال التجارۃ وسقوطھا عن الخیل والرقیق ج ثانی ص ۱۰۹ نمبر ۲۰۰۰ رسنن للبیہقی ، باب من رأی فی الخیل صدقۃ ج رابع ، کتاب الزکوۃ ص ۲۰۲، نمبر ۷۴۱۹) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چرنے والے گھوڑے کے ہر گھوڑے کے بدلے میں ایک دینار زکوۃ دے۔اور چونکہ دوسو درہم میں پانچ درہم زکوۃ لازم ہے اس لئے مالک کو اختیار ہے کہ قیمت لگا کر ہر دوسو درہم میں پانچ درہم دیدیا کرے۔

[۴۷۵](۲) امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف مذکر گھوڑے میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

تشریح صرف مذکر گھوڑے ہوں تو توالد اور تناسل نہیں ہوگا اور نسل نہیں بڑھے گی اس لئے اس میں زکوۃ واجب نہیں۔اور مذکر اور مؤنث دونوں ہوں تو نسل بڑھے گی تب زکوۃ واجب ہوگی۔

[۴۷۶](۳) صاحبین فرماتے ہیں کہ گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح نسل بڑھانے والے گھوڑوں میں زکوۃ نہیں ہے۔البتہ اگر تجارت کے لئے گھوڑے ہوں تو اس کی قیمت میں ہر دوسو درہم میں پانچ

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا چرنے والے گھوڑے میں ہر گھوڑے میں ایک دینار ادا کیا جائے گا۔

یوسف و محمد لا زکوۃ فی الخیل[۴۷۷] (۴) ولا شیء فی البغال والحمیر الا ان تکون للتجارۃ[۴۷۸](۵) ولیس فی الفصلان ولاالحملان والعجاجیل زکوۃ عند ابی حنیفۃ و محمد الا ان یکون معھا کبار .

دراہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ اب یہ تجارت کا مال ہو گیا اور تجارت کے مال میں زکوۃ ہے

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لیس علی المسلم فی فرسہ و غلامہ صدقۃ (الف) (بخاری شریف، باب لیس علی المسلم فی فرسہ صدقۃ ص ۱۹۷ نمبر ۱۴۶۳ ابوداؤد شریف، باب صدقۃ الرقیق ص ۲۳۲ نمبر ۱۵۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے گھوڑوں میں زکوۃ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جہاد کے گھوڑے اور روزانہ کام آنے والے گھوڑے کے بارے میں ہے۔

[۴۷۷] (۴) خچر میں اور گدھے میں زکوۃ نہیں ہے مگر یہ کہ تجارت کے لئے ہو۔

تشریح گدھے اور خچر تجارت کے لئے ہوں تب تو وہ مال تجارت ہو گئے اس لئے مال تجارت کے اعتبار سے ان کی قیمت میں ہر دو سو درہم میں پانچ درہم زکوۃ ہے۔ لیکن اگر تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ نسل بڑھانے کے لئے ہوں تو اس میں زکوۃ نہیں ہے وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ھریرۃ یقول قال رسول اللہ ﷺ ... قیل یا رسول اللہ ﷺ فالحمر قال ما انزل علی فی الحمر شیء الا ھذہ الآیۃ الفاذۃ الجامعۃ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (ب) (مسلم شریف، باب اثم مانع الزکوۃ ص ۳۱۹ نمبر ۹۸۷ مصنف بن عبدالرزاق، باب الحمر ج رابع ص ۳۱ نمبر ۶۸۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گدھے میں زکوۃ نہیں ہے اور خچر بھی گدھے کی ایک قسم ہے اس لئے اس میں بھی زکوۃ نہیں ہے۔

[۴۷۸] (۵) اونٹنی کے بچے، بکری کے بچے اور گائے کے بچے میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک زکوۃ نہیں ہے مگر یہ کہ ان کے ساتھ بڑے ہوں تشریح ان بچوں کے ساتھ بڑے ہوں تو بچوں کو بڑوں کے تابع کر کے زکوۃ واجب ہوگی۔ لیکن اگر بڑے نہ ہوں تو نسل بڑھنے کا امکان نہیں ہے بلکہ بچے بڑے ہوں گے لیکن تعداد کی زیادتی نہیں ہوگی اس لئے اس میں زکوۃ نہیں ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن الحسن قالا لایعتد بالسخلۃ ولا توخذ فی الصدقۃ (ج) مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۴ السخلۃ تحسب علی صاحب الغنم ج ثانی ص ۳۶۷، نمبر ۹۹۸۲ سنن للبیھقی، باب یعد علیھم بالسخال التی نتجت ج رابع ص ۱۷۲، نمبر ۷۳۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بکری کے چھوٹے زکوۃ میں شمار نہیں ہوں گے۔ اور اسی پر قیاس کر کے اونٹنی کے بچے اور گائے کے بچے پر بھی زکوۃ نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے ساتھ بڑے نہ ہوں۔

حاشیہ : (الف) مسلمان پر اس کے گھوڑے اور اس کے غلام میں زکوۃ نہیں ہے (ب) آپؐ نے فرمایا... پوچھا گیا یا رسول اللہ گدھے میں کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا مجھ پر گدھے کی زکوۃ کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہے مگر یہ جامع آیت ہے۔ جو ذرہ برابر خیر کا عمل کرے گا اس کو وہ دیکھے گا اور جو ذرہ برابر برا عمل کرے گا وہ اس کو دیکھے گا (ج) حسنؒ سے منقول ہے فرمایا بکری کے چھوٹے بچے کو شمار نہ کیا جائے اور نہ اس کو زکوۃ میں لیا جائے۔

[۴۷۹](۶) **وقال ابو یوسف تجب فیھا واحدۃ منھا** [۴۸۰](۷) **ومن وجب علیه مسن فلم یوجد اخذ المصدق اعلی منھا ورد الفضل او اخذ دونھا واخذ الفضل.**

لغت : الفصلان : فصیل کی جمع ہے اونٹنی کے بچے۔ الحملان : حمل کی جمع ہے بکری کے بچے۔ العجاجیل : عجول کی جمع ہے گائے کے بچے۔

[۴۷۹](۶) امام ابو یوسف نے فرمایا ان میں ایک بچہ لازم ہوگا۔

تشریح یعنی اگر تیس گائے کے بچے ہوں تو ان میں ایک بچہ لازم ہوگا اس سے کم میں نہیں۔ کیونکہ اگر تیس عدد سے کم بڑی گائیں ہوں تب بھی زکوۃ واجب نہیں ہوتی تو چھوٹے بچے تیس سے کم ہوں تو کیسے زکوۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح چالیس بکری کے بچے ہوں تو ان میں ایک بچہ لازم ہوگا۔ کیونکہ بڑی بکری کا نصاب یہی ہے۔ اور اگر بکری کے چالیس بچوں سے کم ہوں تو زکوۃ لازم نہیں ہوگی۔ اسی طرح پچیس اونٹنی کے بچے ہوں تو ان میں ایک بچہ لازم ہوگا اس سے کم ہو تو لازم نہیں ہوگا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے **عن عطاء قال قلت له یعتد بالصغار اولاد الشاۃ؟ قال نعم** (الف) مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۴ السخلۃ تحسب علی صاحب الغنم۔ ج ثانی، ص ۳۶۸، نمبر ۹۹۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بکری کے بچوں کا بھی شمار ہوگا اور اس کی زکوۃ لازم ہوگی۔

[۴۸۰](۷) کسی پر مسنہ واجب تھا اور مالک کے پاس مسنہ نہیں ہے تو زکوۃ لینے والا اس سے اعلی درجہ کا جانور لے اور جو زیادہ لیا اس کے روپے واپس کرے۔ یا مسنہ سے ادنی لے لے اور جو زیادہ ہو امالک سے وہ لے لے۔

تشریح مثلا ایک سال کی اونٹنی کا بچہ بنت مخاض لازم تھا لیکن مالک کے پاس بنت مخاض نہیں تھا البتہ دو سال کا بچہ بنت لبون تھا جس کی قیمت عموما بنت مخاض سے بیس درہم زیادہ یا دو بکریاں زیادہ ہوتی تھی تو زکوۃ لینے والا مالک سے بنت لبون لے لے اور بنت مخاض سے جو زیادہ بیس درہم آئے اس کو مالک کی طرف واپس کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بنت مخاض سے ادنی مالک لے لے اور بنت مخاض اور اس ادنی کے درمیان جو قیمت کا فرق ہے مثلا بیس درہم یا دو بکریاں وہ بھی مالک سے وصول کرے تاکہ زکوۃ برابر سرابر ہو جائے۔ اور اس طرح قیمت سے زکوۃ وصول کرنا جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **ان ابا بکر کتب له التی امر الله رسوله ومن بلغت صدقته بنت مخاض ولیست عنده وعنده بنت لبون فانھا تقبل منه ویعطیه المصدف عشرین درھما او شاتین فان لم یکن عنده بنت مخاض علی وجھھا و عنده ابن لبون فانه یقبل منه ولیس معه شیء** (ب) (بخاری شریف، باب العروض فی الزکوۃ ص ۱۹۴/۱۹۵ نمبر ۱۴۴۸/ ابو داؤد شریف، باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۷، پہلی حدیث میں ہے / بخاری شریف، باب من بلغت عنده صدقۃ

حاشیہ : (الف) حضرت عطاء نے فرمایا میں نے پوچھا کیا بکری کے چھوٹے بچوں کو شمار کیا جائے گا؟ فرمایا ہاں! (ب) حضرت ابو بکرؓ نے وہ لکھا جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا تھا کہ جس کی زکوۃ بنت مخاض کو پہنچی ہو اور اس کے پاس بنت مخاض نہ ہو بلکہ اس کے پاس بنت لبون ہو تو وہ قبول کر لیا جائے گا اور زکوۃ لینے والا مالک کو بیس درہم واپس دے گا یا دو بکریاں دے گا۔ اور اگر اس کے پاس بنت مخاض اس طرح کا نہ ہو بلکہ ابن لبون ہو تو اس کو قبول کر لیا جائے گا اور اس کے ساتھ کچھ نہیں ہوگا۔

[۴۸۱] (۸) ویجوز دفع القیم فی الزکوۃ [۴۸۲] (۹) و لیس فی العوامل والحوامل والعلوفۃ زکوۃ۔

بنت مخاض ولیست عندہ ص ۱۹۵ نمبر ۱۴۵۳)) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالک پر بنت مخاض لازم ہو اور اس کے پاس بنت مخاض نہ ہو تو اس سے بنت لبون لے لے اور زکوۃ لینے والا مالک کو بیس درہم دے یا دو بکریاں دیدے تا کہ بنت مخاض گویا کہ ہو جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو جانور واجب ہوا ہو اس کے بدلے میں اس کی قیمت بھی دے سکتے ہیں (۲) ایک اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ **قال معاذ لاھل الیمن ائتونی بعرض ثیاب خمیص او لبیس فی الصدقۃ مکان الشعیر والذرۃ اھون علیکم وخیر لاصحاب النبی ﷺ بالمدینۃ** (الف) (بخاری شریف، باب العروض فی الزکوۃ ص ۱۹۴ نمبر ۱۴۴۸) اس اثر میں حضرت معاذ نے جو اور باجرے کے بدلے میں کپڑے لئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو چیز واجب ہو اس کی قیمت لگا کر دوسری چیز یا روپیہ لے سکتے ہیں۔

لغت المصدق : زکوۃ لینے والا، الفضل : جو قیمت زیادہ ہو۔

[۴۸۱] (۸) زکوۃ میں چیز کی قیمت دینا جائز ہے۔

وجہ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۷ میں گزر گئی ہے۔

[۴۸۲] (۹) کام کرنے والے، بوجھ اٹھانے والے اور گھر پر کھانے والے جانوروں میں زکوۃ نہیں ہے۔

وجہ وہ جانور جو گھر میں کام کرنے کے لئے ہوں یا بوجھ اٹھانے کے لئے ہوں ان میں زکوۃ نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن علی قال زھیر احسبہ عن النبی ﷺ ... ولیس علی العوامل شیء** (ب) (ابوداؤد شریف، باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۲ / دار قطنی ۶ لیس فی العوامل صدقۃ ج ثانی ص ۸۸ نمبر ۱۹۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کام کرنے والے جانور میں زکوۃ نہیں ہے۔ اور علوفہ یعنی سال کے زیادہ مہنوں میں گھر پر کھا کر زندگی گذارتے ہوں ان پر زکوۃ نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابراھیم قال لیس فی غنم الربائب صدقۃ** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۳ فی الرجل تکون لہ الغنم فی المصر یحتلبھا ج ثانی، ص ۳۶۷، نمبر ۹۹۸۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس بکری کو گھر میں کھلا کر پالتے ہوں اس پر زکوۃ نہیں ہے۔ اور اسی پر قیاس کر کے دوسرے جانوروں میں بھی جن کو گھر میں کھلا کر پال رہا ہے اس سے بھی مال بڑھ نہیں رہا ہے بلکہ مالک کا مال جانور میں شامل ہو رہا ہے اس لئے اس میں زکوۃ نہیں ہے۔ زکوۃ والی حدیث میں ہر جگہ سائمہ کا لفظ گزرا اس سے بھی معلوم ہوا کہ چرنے والے جانور میں زکوۃ ہے۔ گھر پر کھانے والے جانور میں زکوۃ نہیں ہے۔ (بخاری شریف، نمبر ۱۴۵۴)

لغت العوامل : جمع ہے عامل کی کام کرنے والے جانور۔ الحوامل : جمع ہے حامل کی بوجھ اٹھانے والے جانور۔ العلوفۃ : جن جانوروں

حاشیہ : (الف) حضرت معاذؓ نے اہل یمن سے کہا کہ مجھے خمیص، کپڑا پہننے والے کپڑے کا سامان دو جو اور باجرے کی جگہ میں۔ یہ تمہارے لئے آسان ہے اور مدینہ میں اصحاب رسول کے لئے بہتر ہے۔ (ب) آپؐ نے فرمایا کام کرنے والے جانور پر کچھ نہیں ہے (ج) حضرت ابراہیم نے فرمایا پالی ہوئی بکریوں میں زکوۃ نہیں ہے۔

[۴۸۳](۱۰) ولا یأخذ المصدق خیار المال ولا رذالته و یأخذ الوسط[۴۸۴](۱۱) ومن کان له نصابا فاستفاد فی اثناء الحول من جنسه ضمه الی ماله وزکاه به.

کو گھر میں کھلا کر پالا جاتا ہو۔

[۴۸۳](۱۰) زکوۃ لینے والا نہ اعلی درجہ کا مال لے گا اور نہ گھٹیا درجے کا بلکہ اوسط درجے کا مال لیگا۔

وجہ (۱) یہ شریعت کا انصاف ہے کہ نہ اعلی درجے کا مال لے اور نہ گھٹیا درجے کا بلکہ اوسط درجے کا مال لے (۲) ان انسا حدثه ان ابا بکر کتب له التی امر الله رسوله ﷺ ولا یخرج فی الصدقة هرمة ولا ذات عوار ولا تیس الا ماشاء المصدق (الف) (بخاری شریف، باب لا یوخذ فی الصدقۃ ہرمۃ ولا ذات عوار ولا تیس الا ماشاء المصدق ص ۱۹۶ نمبر ۱۴۵۵ / ابو داؤد شریف، باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۶ نمبر ۱۵۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعلی اور ادنی مال نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ اوسط جانور لیا جائے گا (۲) عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ لما بعث معاذا علی الیمن ... وتوق کرائم اموال الناس (ب) (بخاری شریف، باب لا تؤخذ کرائم اموال الناس فی الصدقۃ ص ۱۹۶ نمبر ۱۴۵۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زکوۃ لینے والا اچھا اور اعلی درجہ کا مال نہ لے۔

[۴۸۴](۱۱) جس کے پاس نصاب کا مال ہو پھر سال کے درمیان میں اسی نصاب کی جنس سے فائدہ حاصل کیا تو اس کو مال کے ساتھ ملائے گا اور اس کی زکوۃ دے گا۔

تشریح مثلا چالیس گائے موجود ہیں جو گائے کا نصاب ہے اور درمیان سال میں گائے کے بیس بچھڑے ہوئے اب چالیس گایوں کی زکوۃ نصاب میں دینا تھی لیکن بیس بچھڑوں پر سال پورا نہیں ہوتا صرف چھ ماہ ہوتے ہیں تو ان بیس بچھڑوں کو بھی چالیس گایوں کے ساتھ ملا کر رمضان میں ساٹھ گایوں کی زکوۃ دے۔ چاہے بیس بچھڑوں پر سال نہ گزرا ہو۔

وجہ یہ بیس بچھڑے درمیان سال میں مال مستفاد ہیں۔ اور اس کی جنس بھی وہی ہے جو مال نصاب پہلے سے ہے یعنی گائے اس لئے دونوں کی زکوۃ رمضان میں ادا کرے (۲) اثر میں موجود ہے عن الزهری انه کان یقول اذا استفاد الرجل ما لا فاراد ان ینفقه قبل مجیء شهر زکوته فلیزکه ثم لینفقه وان کان لایرید ان ینفق فلیزکه مع ماله (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۹ من قال یزکیہ اذا استفادہ ج ثانی ص ۳۸۷، نمبر ۱۰۲۲۷ / مصنف عبد الرزاق، باب وجوب الصدقۃ فی الحول ج رابع ص ۳۲ نمبر ۶۸۷۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مال مستفاد میں مال نصاب کے ساتھ زکوۃ واجب ہے۔

نوٹ اگر نصاب کے علاوہ کوئی مال درمیان میں مستفاد ہوا تو اس پر سال گزرنے کے بعد ہی زکوۃ واجب ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے لکھا جس کا اللہ نے اس کے رسول کو حکم دیا ہے کہ زکوۃ میں بوڑھا اور اندھا نہ نکالے اور نہ سانڈ کو نکالے مگر جو زکوۃ لینے والے چاہے (ب) حضورؐ نے جب حضرت معاذ کو یمن روانہ فرمایا تو فرمایا...لوگوں کے اعلی مال سے بچتے رہو (ج) حضرت زہری فرمایا کرتے تھے کہ آدمی مال کا استفادہ کرے پھر ارادہ کرے کہ زکوۃ کا مہینہ آنے سے پہلے خرچ کرے تو اس کی زکوۃ دے پھر خرچ کرے اور اگر خرچ کرنا نہیں چاہتا ہے تو اپنے مال کے ساتھ مستفاد کی بھی زکوۃ دے۔

[۴۸۵] (۱۲) والسائمة هي التي تكتفي بالرعي في اكثر الحول فان علفها نصف الحول او اكثر فلا زكوة فيها [۴۸۶](۱۳) والزكوة عند ابي حنيفة وابي يوسف في النصاب

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک مال مستفاد پر سال نہ گزر جائے زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من استفاد مالا فلا زكوة عليه حتى يحول عليه الحول (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء لازکوۃ علی المال المستفاد حتی حال علیہ الحول ص ۱۳۷ نمبر ۶۳۱ ر دار قطنی ا، باب وجوب الزکوۃ بالحول ج ثانی ص ۷۷ نمبر ۱۸۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک خود مال مستفاد پر سال نہ گزر جائے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

[۴۸۵] (۱۲) سائمہ، چرنے والے جانوران کو کہتے ہیں کہ وہ سال کے اکثر حصہ میں چرنے پر اکتفا کرے، پس اگر جانور کو آدھا سال یا زیادہ چارہ کھلایا تو ان میں زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح اوپر جو آیا کہ سائمہ جانور میں زکوۃ ہے تو اب سائمہ جانور کی تشریح فرماتے ہیں۔سائمہ جانور یعنی چرنے والے جانور اس کو کہیں گے جو سال کے آدھے یا آدھے سے زیادہ مہینوں میں گھاس چر کر زندگی گزارتا ہو۔لیکن اگر سال کے آدھے یا آدھے سے زیادہ مہینوں میں گھر کا چارہ کھا کر زندگی گزارتے ہوں تو اس کو علوفہ کہتے ہیں۔اور علوفہ میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔دلیل پہلے گزر چکی ہے۔اور یہ دلیل بھی ہے حدثني ثمامة ابن عبد الله بن انس ان انسا حدثه ... فاذا كانت سائمة الرجل ناقصة من اربعين شاة واحدة فليس فيها صدقة (بخاری شریف، باب زکوۃ الغنم ص ۱۹۵، نمبر ۱۴۵۴ را بوداؤد شریف نمبر ۱۵۷۰) اس حدیث میں سائمہ کا لفظ ہے اس لئے سائمہ میں زکوۃ واجب ہوگی۔

لغت الرعی : گھاس چرنا۔ علف : گھر کا چارہ کھانا۔

[۴۸۶] (۱۳) زکوۃ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نصاب میں ہے عفو نہیں ہے اور امام محمد اور زفر نے فرمایا دونوں میں واجب ہے۔

تشریح مثلا دو سو درہم پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور کسی کے پاس دو سو تیس درہم ہیں تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ زکوۃ دو سو درہم ہی پر پانچ درہم واجب ہوئی، باقی تیس درہم عفو ہے زیادہ ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی وہ معاف ہے۔چنانچہ سال گزرنے کے بعد تیس درہم ہلاک ہو جائے تو دو سو درہم پر جو پانچ درہم زکوۃ واجب ہوئی تھی اس میں کچھ کم نہیں ہوگی پانچ درہم ہی دینا ہوگی۔اور امام محمد اور امام زفر کے نزدیک عفو پر بھی زکوۃ واجب ہے تو گویا کہ دو سو تیس درہم پر پانچ درہم واجب ہوئی اس لئے تیس درہم ہلاک ہو گئے تو اس حساب سے پانچ درہم زکوۃ میں پینسٹھ (۶۵) پیسے کی کمی آئے گی۔اور چار درہم پینتیس (۳۵) پیسے زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ امام شیخین کی دلیل یہ حدیث ہے عن معاذ ان رسول الله ﷺ امره حين وجهه الى اليمن ان لاتأخذ من الكسر شيئا اذا كانت الورق مائتي درهم فخذ منها خمسة دراهم ولا تأخذ مما زاد شيئا حتى تبلغ اربعين درهما واذا بلغ

(ج) آپؐ نے فرمایا کسی نے مال کا استفادہ کیا تو اس پر زکوۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے۔

دون العفو وقال محمد وزفر تجب فيهما[۴۸۷] (۱۴) واذا هلک المال بعد وجوب الزکوۃ سقطت [۴۸۸](۱۵) وان قدم الزکوۃ علی الحول وهو مالک للنصاب جاز.

اربعین درھما فخذ منه درھما (الف)(دار قطنی ۳ باب لیس فی الکسر شیء ص ۸۰ نمبر ۱۸۸۶) اس حدیث سے پتہ چلا کہ دوسو درہم کے بعد جب تک چالیس درہم نہ ہو جائے تو زکوۃ میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔

فائدہ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اصل نصاب اور عفو دونوں اللہ کی نعمت ہیں اس لئے زکوۃ دونوں پر لازم ہوئی۔ اس لئے جب عفو ہلاک ہوا تو زکوۃ کا کچھ حصہ اس کے حساب سے ساقط ہوا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ فاذا کانت مائتی دراھم ففیھا خمسة دراھم فمازاد فعلی حساب ذلک (ابو داؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ، نمبر ۱۵۷۲ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۵ فی الزیادۃ فی الفریضۃ، ج ثانی، ص ۳۶۴، نمبر ۹۹۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو زیادہ ہو زکوۃ میں اس کا بھی حساب ہوگا۔

[۴۸۷] (۱۴) زکوۃ واجب ہونے کے بعد اگر مال ہلاک ہو جائے تو زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔

تشریح نصاب پر سال گزر گیا جس کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوئی اور ادا کرنے کی بھی قدرت ہوئی لیکن آجکل کرتا رہا اور اس درمیان مال ہلاک ہو گیا تو حنفیہ کے نزدیک زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر جان کر مال کو ہلاک کر دیا تو زکوۃ واجب رہے گی۔

وجہ زکوۃ کا محل مال تھا اور اب محل ہی باقی نہیں رہا تو زکوۃ کس پر لازم کریں۔ جیسے جنایت کرنے والا غلام مرجائے تو مولی اب کس کو سپرد کرے گا۔ مولی سے ضمان ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مال کی ہلاکت کے بعد زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر آدھا مال ہلاک ہوا تو آدھی زکوۃ ساقط ہوگی۔ اس کی ایک مثال یہ قول بھی ہے عن عطا فی الرجل اذا اخرج زکوۃ ماله فضاعت انھا تجزی عنه (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸۹ ما قالوا فی الرجل اخرج زکوۃ ماله فضاعت ج ثانی، ص ۴۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زکوۃ کا مال نکال چکا ہو پھر ضائع ہو گیا ہو تو وہ کافی ہوگا تو پورا مال ہی ہلاک ہو گیا ہو تو بدرجۂ اولی زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ زکوۃ واجب ہو چکی تھی اس لئے مال ہلاک ہونے کے بعد بھی واجب ہی رہے گی۔ جس طرح صدقۂ فطر واجب ہونے کے بعد مال ہلاک ہو جائے پھر بھی صدقۃ الفطر واجب ہی رہتا ہے۔

وجہ عن مغیرۃ عن اصحابه قالوا: اذا اخرج زکوۃ ماله فضاعت فلیزک مرۃ اخری (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸۹ ما قالوا فی الرجل اخرج زکوۃ ماله فضاعت، ج ثانی، ص ۴۰۸، نمبر ۱۰۴۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوبارہ ادا کرے۔

[۴۸۸] (۱۵) اگر سال مکمل ہونے سے پہلے زکوۃ دیدی اور حال یہ ہے کہ وہ نصاب کا مالک ہے تو جائز ہے۔

حاشیہ: (الف) حضورؐ نے جب حضرت معاذ کو یمن کی طرف متوجہ کیا تو آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ کسر میں کچھ نہ لے۔ جب چاندی دوسو درہم ہو جائے تو اس میں پانچ درہم لو۔ اور جو زیادہ ہو جائے اس میں کچھ نہ لو۔ یہاں تک کہ چالیس درہم کو پہنچ جائے۔ اور جب چالیس درہم پہنچ جائے تو اس سے ایک درہم لو (ب) حضرت عطا سے منقول ہے کہ کوئی آدمی اپنے مال کی زکوۃ نکالے پھر زکوۃ ضائع ہو جائے تو اس سے کافی ہو جائے گی۔

تشریح ایک آدمی نصاب کا مالک ہے لیکن اس نصاب پر سال نہیں گزرا ہے اور وہ ابھی زکوۃ ادا کر دینا چاہتا ہے تو جائز ہے۔ اکوۃ ادا ہو جائیگی۔

وجہ مال نصاب اصل سبب ہے اور وہ پایا گیا تو گویا کہ سبب پایا گیا اس لئے زکوۃ کی ادائیگی ہو جائیگی (۲) حدیث میں ہے عن علی ان العباس سأل النبی علیہ السلام فی تعجیل الصدقة قبل ان تحل فرخص له فی ذلک (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تعجیل الزکوۃ ص ۲۳۶ نمبر ۱۶۲۴ رترمذی شریف، باب ماجاء فی تعجیل الزکوۃ ص ۱۴۶ نمبر ۶۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سال گزرنے سے پہلے زکوۃ ادا کرسکتا ہے کیونکہ حضرت عباسؓ کو اس کی اجازت دی تھی۔

حاشیہ: (الف) حضرت عباسؓ نے حضورؐ سے زکوۃ جلدی دینے کے بارے میں پوچھا وقت آنے سے پہلے تو آپؐ نے اس بارے میں رخصت دیدی۔

﴿باب زکوۃ الفضۃ﴾

[۴۸۹](۱)لیس فیما دون مائتی درھم صدقة فاذا کانت مائتی درھم وحال علیھا الحول ففیھا خمسة دراھم[۴۹۰] (۲) ولا شیء فی الزیادة حتی تبلغ اربعین درھما فیکون فیھا درھم ثم فی کل اربعین درھمادرھم عند ابی حنیفة.

﴿ باب زکوۃ الفضۃ ﴾

ضروری نوٹ فضۃ کے معنی چاندی کے ہیں۔ یہاں فضۃ سے مراد درہم، چاندی کا زیور اور چاندی کا برتن مراد ہے۔حنفیہ کے نزدیک ان ساری چیزوں میں زکوۃ ہے۔دلیل یہ حدیث ہے ان امرأة اتت رسول الله و معھا ابنة لھا وفی ید ابنتھا مسکتان غلیظتان من ذھب فقال اتعطین زکوۃ ھذا؟ قالت لا قال ایسرک ان یسورک الله بھما یوم القیامة سوارین من نار؟ قال فخلعتھما والقتھما الی النبی ﷺ وقالت ھما لله ورسوله (الف)(ابوداؤدشریف، باب الکنز ماھو وزکوۃ الحلی ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیور کی بھی زکوۃ لازم ہے۔

[۴۸۹](۱) دوسو درہم سے کم میں زکوۃ نہیں ہے، پس جب کہ دوسو درہم ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں پانچ درہم ہے۔

وجہ حدیث میں موجود ہے کہ دوسو درہم سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔سمعت ابا سعید الخدری قال قال رسول الله لیس فیما دون خمس زود صدقة من الابل و لیس فیما دون خمس اواق صدقة (ب)(بخاری شریف، باب زکوۃ الورق ص ۱۹۴ نمبر ۱۴۴۷ر ابوداؤدشریف، نمبر ۱۵۷۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسو درہم سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔اس لئے کہ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ اوقیہ دوسو درہم کے ہوں گے۔

[۴۹۰](۲) پھر دوسو درہم سے زیادہ میں کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ چالیس درہم ہو جائے، پس چالیس درہم میں ایک درہم ہے۔پھر ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح امام ابوحنیفہ کے نزدیک دوسو درہم کے بعد اس وقت تک کچھ لازم نہیں ہوگا جب تک کہ چالیس درہم نہ ہو جائے، البتہ چالیس درہم ہو جائے تو پھر اس میں ایک درہم لازم ہوگا۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن معاذ ان رسول الله ﷺ امرہ حین وجھه الی الیمن ان لا تاخذ من الکسر شیئا اذا کانت الورق مائتی درھم فخذ منھا خمسة دراھم، ولا تاخذ مما زاد شیئا حتی تبلغ اربعین درھما، واذا بلغ اربعین

حاشیہ : (الف) ایک عورت آئی رسول اللہؐ کے پاس اور اس کے ساتھ ایک بچی تھی اور اس کی بچی کے ہاتھ پر سونے کے دو موٹے موٹے کنگن تھے تو آپؐ نے فرمایا کیا اس کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ کہنے لگی نہیں۔آپؐ نے فرمایا کیا یہ تم کو اچھا لگے گا کہ اللہ اس کی وجہ سے دو آگ کے کنگن پہنائے۔راوی فرماتے ہیں کہ اس عورت نے دونوں کنگنوں کو کھولا اور حضورؐ کے سامنے ڈال دیا اور کہنے لگی یہ کنگن اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں (الف) آپؐ نے فرمایا پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔

[۴۹۱] (۳) وقال ابو یوسف و محمد مازاد علی المائتین فزکوتہ بحسابہ [۴۹۲] (۴) وان کان الغالب علی الورق الفضة فھو فی حکم الفضة [۴۹۳] (۵) واذا کان الغالب

درھما فخذ منھا درھما (الف) (دار قطنی ۳، باب لیس فی الکسر شیء ج ثانی ص ۸۰ نمبر ۱۸۸۶ رسنن للبیھقی، باب ذکر الخبر الذی روی فی وقص الورق ج رابع ص ۲۲۸، نمبر ۷۵۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسو درہم کے بعد جب تک چالیس درہم نہ ہو جائے تو اس کسر میں کچھ لازم نہیں ہے۔ البتہ چالیس درہم ہو جائے تو اس میں ایک درہم ہے۔ ابوداؤد میں ہے۔ عن علی ... ھاتو اربع العشور من کل اربعین درھما درھم (ابوداؤد شریف ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۲)

[۴۹۱] (۳) اور صاحبین نے فرمایا کہ دوسو درہم سے جو کچھ زیادہ ہو تو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے ہوگی۔

تشریح مثلا دوسو درہم سے ایک درہم زیادہ ہو گیا تو ایک درہم میں ایک درہم کا چالیسواں حصہ لازم ہوگا۔ اور دس درہم میں ایک درہم کی چوتھائی لازم ہوگی۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عاصم بن حمزة وعن الحارث الاعور عن علی رضی اللہ عنہ قال زھیر احسبہ عن النبی ﷺ قال ھاتو ربع العشور من کل اربعین درھما درھم ولیس علیکم شیء حتی تتم مائتی درھم فاذا کانت مائتی درھم ففیھا خمسة دراھم فمازاد فعلی حساب ذلک (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۲ ر سنن للبیھقی، باب وجوب ربع العشر فی نصابھا وفیما زاد علیہ وان قلت الزیادۃ ج رابع ص ۲۲۷، نمبر ۷۵۲۱) اس حدیث میں ہے کہ دوسو درہم سے جو کچھ زیادہ ہو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے لازم ہوگی۔ اس لئے ہر روپیہ میں اس کے حساب سے چالیسواں حصہ لازم ہوگی۔ کلکیولیٹر سے چالیسواں حصہ 0.025 ہوگا۔

[۴۹۲] (۴) اگر غالب چاندی ہے تو وہ چاندی کے حکم میں ہے۔

تشریح درہم اور دنانیر بنانے کے لئے خالص چاندی کام نہیں آتی بلکہ اس میں کچھ نہ کچھ کھوٹ ڈالنا پڑتا ہے تاکہ سخت ہو جائے اور درہم یا دنانیر ڈھال سکے اس لئے اصل معیار یہ رکھا گیا ہے کہ زیادہ چاندی یا سونا ہو تو وہ مکمل چاندی اور سونے کے حکم میں ہیں۔ اور اگر زیادہ کھوٹ ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہے۔

لغت الورق : چاندی سکہ۔

[۴۹۳] (۵) اور اگر چاندی یا سونے پر غالب کھوٹ ہے تو وہ سامان کے حکم میں ہیں۔ ان میں یہ اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی قیمت نصاب تک

حاشیہ : (الف) جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو آپؐ نے فرمایا کہ کسر میں کچھ نہ لینا، جب چاندی دوسو درہم ہو جائیں تو ان میں پانچ درہم لو، اور جو زیادہ ہو جائے ان میں سے کچھ مت لو۔ یہاں تک کہ چالیس درہم پہنچ جائے، اور جب چالیس درہم پہنچ جائے تو ان میں ایک درہم لو (ب) آپؐ نے فرمایا لاؤ چالیسواں حصہ، ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم، اور تم پر کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ دوسو درہم پورے ہو جائیں۔ پس جب کہ دوسو درہم ہوں تو ان میں پانچ درہم ہیں۔ اور جو زیادہ ہو تو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے ہوگی۔

علیه الغش فهو فی حکم العروض و یعتبر ان تبلغ قیمتها نصابا.

پہنچ جائے۔

تشریح کھوٹ غالب ہے لیکن اس میں سے چاندی نکالی جائے تو اندازہ ہے کہ دوسو درہم تک کی چاندی نکلے گی اور نصاب تک پہنچ جائے گی تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ اگر چہ کھوٹ غالب ہونے کی وجہ سے سامان کے حکم میں ہے لیکن اندر کی چاندی نکالی جائے تو وہ نصاب تک پہنچ رہی ہے تو حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے زکوۃ واجب کریں گے۔

نوٹ سونے اور چاندی میں تجارت کی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بغیر اس کے بھی ان میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ شریعت نے بغیر تجارت کی نیت کے بھی ان کو مال نامی بڑھنے والا مال قرار دیا ہے۔

﴿باب زکوۃ الذهب﴾

[۴۹۴](۱) لیس فیما دون عشرین مثقالا من الذهب صدقة فاذا کانت عشرین مثقالا و حال علیها الحول ففیها نصف مثقال[۴۹۵] (۲) ثم فی کل اربعة مثاقیل قیراطان ولیس فیما دون اربعة مثاقیل صدقة عند ابی حنیفة وقالا مازاد علی العشرین فزکوته بحسابها[۴۹۶](۳) وفی تبر الذهب والفضة وحلیهما والآنیة منهما زکوة.

﴿باب زکوۃ الذهب﴾

[۴۹۴](۱) بیس مثقال سونے سے کم میں زکوۃ نہیں ہے، پس جب کہ بیس مثقال ہواور اس پر سال گزر جائے تو اس میں آدھا مثقال زکوۃ ہے

وجہ حدیث میں ہے عن عاصم بن ضمزة والحارث الاعور عن علی عن النبی ﷺ ... ولیس علیک شیء یعنی فی الذهب حتی تکون لک عشرون دینار فاذا کانت لک عشرون دینارا و حال علیها الحول ففیها نصف دینار فمازاد فبحساب ذلک (الف) (ابوداؤدشریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۳ رسنن للبیہقی، باب نصاب الذہب وقدر الواجب فیہ، ج رابع، ص ۲۳۲، نمبر ۷۵۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیس مثقال سونا ہو تو اس میں سے آدھا مثقال واجب ہوگا جو چالیسواں حصہ ہوا۔

[۴۹۵](۲) پھر ہر چار مثقال میں دو قیراط زکوۃ ہے اور چار مثقال سے کم میں زکوۃ نہیں ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا بیس مثقال پر جو کچھ زیادہ ہو تو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے ہے۔

تشریح اوپر گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیس مثقال کے بعد جب تک چار مثقال سونا نہ ہو جائے کچھ لازم نہیں ہوگا۔ چار مثقال میں دو قیراط سونا لازم ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک بیس مثقال سونے سے جتنا بھی زیادہ ہوگا اس میں اسی حساب سے زکوۃ واجب ہوتی چلی جائے گی۔ دونوں کے دلائل باب زکوۃ الفضة میں گزر چکے ہیں۔

[۴۹۶](۳) سونے اور چاندی کے ڈلے، ان دونوں کے زیور اور ان دونوں کے برتن میں زکوۃ واجب ہے۔

تشریح سونا اور چاندی کسی حال میں ہو، چاہے درہم اور دنانیر کی شکل میں ہو، ڈلے کی شکل میں ہو یا برتن اور زیور کی شکل میں ہو ہر حال میں حنفیہ کے نزدیک زکوۃ واجب ہے۔ اس کی دلیل باب زکوۃ الفضة کے شروع میں گزر چکی ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے ایک قول میں زیور میں زکوۃ نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عائشة زوج النبی ﷺ تلی بنات اخیها یتامی فی حجرها لهن الحلی فلا تخرج منه الزکوة (الف) (سنن للبیہقی باب من قال لا زکوۃ فی الحلی ج رابع ص

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا... اور تم پر کچھ نہیں ہے یعنی سونے میں یہاں تک کہ تمہارے لئے بیس دینار ہو جائے، پس جب کہ تمہارے لئے بیس دینار ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں آدھا دینار ہے۔ پس جو زیادہ ہو تو اس کے حساب سے ہوگا (ب) حضرت عائشہؓ اپنے بھائی کی بیٹیوں کی (باقی اگلے صفحہ پر)

﴿باب زکوة العروض﴾

[۴۹۷](۱)الزکوۃ واجبة فی عروض التجارۃ کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصابا من الورق او المذهب[۴۹۸] (۲) یقومها بما هو انفع للفقراء والمساکین منها[۴۹۹] (۳) واذا کان النصاب کاملا فی طرفی الحول فنقصانه فیما بین ذلک لا یسقط الزکوۃ

۲۳۲،نمبر۷۵۳۵)

﴿ باب زکوۃ العروض ﴾

[۴۹۷](۱)زکوۃ واجب ہے تجارت کے سامان میں جو سامان بھی ہو، جب کہ پہنچ جائے چاندی یا سونے کے نصاب کو۔

تشریح تجارت کا کوئی بھی سامان ہو اس کی قیمت لگائی جائے گی، چاہے سونے سے اس کی قیمت لگائے یا چاندی سے اس کی قیمت لگائے۔ اگر یہ قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے عن سمرة بن جندب قال اما بعد ! فان رسول الله ﷺ کان یأمرنا ان نخرج الصدقة من الذی نعد للبیع (الف)(ابوداؤد شریف، باب العروض اذا کانت للتجارۃ ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۲)وفی دار قطنی عن سمرة بن جندب ... وکان یأمرنا ان نخرج من الرقیق الذی یعد للبیع (ب)(دارقطنی ۸، باب زکوۃ مال التجارۃ وسقوطها عن الخیل والرقیق ج ثانی ص ۱۱۱ نمبر ۲۰۰۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال تجارت میں زکوۃ واجب ہے لیکن جو سامان تجارت کے لئے نہ ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

[۴۹۸](۲) سامان تجارت کی قیمت لگائی جائے گی اس چیز سے جو فقراء اور مساکین کے لئے زیادہ نفع بخش ہو۔

تشریح سونا یا چاندی جو فقراء اور مساکین کے لئے زیادہ نفع بخش ہو اس سے سامان تجارت کی قیمت لگائی جائے گی۔ اور وہ قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو اس کی زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ کسی چیز کی قیمت لگا کر زکوۃ دینے کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔(بخاری شریف، باب العروض فی الزکوۃ ص ۱۹۴ نمبر ۱۴۴۸ ر ابوداؤد شریف، باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۷ / ۱۵۷۲)

[۴۹۹](۳) اگر نصاب سال کے دونوں کناروں میں کامل ہو تو سال کے درمیان نقصان ہونا زکوۃ ساقط نہیں کرتا۔

تشریح مثلا رمضان میں کسی مال کا مکمل نصاب ہے اور محرم میں نصاب سے کم ہو گیا پھر رمضان میں نصاب مکمل ہو گیا تو زکوۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر درمیان سال میں مکمل ہی نصاب کا مال ختم ہو گیا تو چونکہ بالکل جڑ سے مال نہیں رہا اس لئے اب جب سے نصاب ہوگا اس وقت سے زکوۃ کا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) نگرانی کرتی تھی جو یتیم تھیں اور ان کی گود میں تھیں۔ ان کے پاس زیورات تھے تو حضرت عائشہ اس کی زکوۃ نہیں نکالتی تھی (الف) آپ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم زکوۃ اس چیز کی نکالیں جو بیع کے لئے تیار کی گئی ہو (ب) سمرہ بن جندب فرماتے ہیں ... آپ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اس غلام کی زکوۃ نکالیں جو بیع کے لئے تیار کیا گیا ہو یعنی تجارت کے لئے۔

[۵۰۰](۴) ویضم قیمة العروض الی الذهب والفضة وکذلک یضم الذهب الی الفضة بالقیمة حتی یتم النصاب عند ابی حنیفة [۵۰۱](۵) وقالا لا یضم الذهب الی الفضة بالقیمة ویضم بالاجزاء.

مہینہ شروع ہوگا۔

وجہ شروع میں نصاب ہونا زکوۃ کے انعقاد کے لئے ہے اور اخیر میں نصاب ہونا زکوۃ واجب ہونے کے لئے ہے، اور درمیان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

[۵۰۰](۴) سامان تجارت کی قیمت سونے کی طرف اور چاندی کی طرف ملائی جائے گی، ایسے ہی سونے کو چاندی کی طرف قیمت کے ساتھ ملایا جائے گا تاکہ نصاب پورا ہو جائے ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح سونے کو چاندی کے ساتھ ملانے کے دو طریقے ہیں تاکہ نصاب مکمل ہو جائے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ سونے کی قیمت لگا کر یا چاندی کی قیمت لگا کر سونے کے ساتھ ملایا جائے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ وزن کے اعتبار سے ملایا جائے۔ مثلا ایک آدمی کے پاس ایک سو درہم ہے اور نو مثقال سونا ہے تو درہم کا نصاب آدھا ہے لیکن سونے کا نصاب آدھا یعنی دس مثقال سے ایک مثقال کم ہے لیکن نو مثقال کی قیمت ایک سو درہم دے رہا ہے تو قیمت کے اعتبار سے ایک سو درہم اور نو مثقال سونے کی قیمت ایک سو درہم دونوں ملا کر دو سو درہم ہو جاتے ہیں اور نصاب پورا ہو جاتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا اور زکوۃ واجب ہوگی۔ چاہے وزن کے اعتبار سے نصاب پورا نہ ہوتا ہو۔

نوٹ سامان تجارت کی بھی قیمت لگائی جائے گی اور اس کو سونے یا نقد چاندی کے ساتھ ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو زکوۃ واجب کریں گے۔

[۵۰۱](۵) صاحبین فرماتے ہیں کہ سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ اور وزن کے ساتھ ملایا جائے گا۔

تشریح اوپر کی مثال میں ایک سو درہم ہے اور نو مثقال سونا ہے تو وزن کے اعتبار سے سونا آدھے نصاب سے کم ہے چاہے اس کی قیمت ایک سو درہم ہو اس لئے سونا چاندی ملا کر نصاب پورا نہیں ہوا اس لئے زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اجزاء اور وزن کے اعتبار سے دونوں کو ملا کر بھی نصاب پورا نہیں ہوا، ہاں! اگر سونا دس مثقال ہوتا تو آدھا نصاب اس کا ہوا اور آدھا نصاب چاندی کا ایک سو درہم ہے۔

لغت الاجزاء : جزء کی جمع ہے، جز کے اعتبار سے، جس کا میں نے ترجمہ کیا ہے وزن کے اعتبار سے۔

﴿باب زکوۃ الزروع والثمار﴾

[۵۰۲](۱) قال ابو حنیفة رحمه الله فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیره العشر واجب سواء سقیَ سیحا او سقته السماء الا الحطب والقصب والحشیش[۵۰۳] (۲) وقال ابو

﴿باب زکوۃ الزروع والثمار﴾

ضروری نوٹ غلہ اور پھل میں زکوۃ ہے۔اس کی دلیل اور مقدار کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۵۰۲](۱)امام ابوحنیفہ نے فرمایا، زمین تھوڑا غلہ نکالے یا زیادہ اس میں عشر واجب ہے چاہے پانی سے سیراب کی گئی ہو یا اس کو آسمان نے سیراب کیا ہو، مگر جلانے کی لکڑی اور بانس اور گھاس۔

تشریح زمین سے جتنے غلے یا پھل نکلتے ہیں حنفیہ کے نزدیک اس تمام میں عشر واجب ہے۔چاہے اس کی مقدار پانچ وسق پہنچے یا نہ پہنچے۔اور چاہے وہ سال بھر تک رہ سکتا ہو یا نہ رہ سکتا ہو۔البتہ ایسی چیز جو قابل التفات نہیں سمجھی جاتی اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔جیسے جلانے کی لکڑی، نرکٹ اور گھاس کہ ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ لوگ ان کو قصد وارادہ کر کے بوتے ہوں۔بلکہ خودرو ہیں۔اور اگر یہ چیزیں باضابطہ بوئیں اور قابل حیثیت ہو تو پھر اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ عن سالم بن عبد الله بن ابیه عن النبی ﷺ قال فیما سقت السماء والعیون او کان عشر یا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر (الف) (بخاری شریف، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری ص ۲۰۱ نمبر ۱۴۸۳ رمسلم شریف، کتاب الزکوۃ ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۱ رابوداؤد شریف، باب صدقة الزرع ص ۲۳۲ نمبر ۱۵۹۶) اس حدیث میں کوئی قید نہیں ہے نہ پانچ وسق کی قید ہے اور نہ سال بھر رہنے کی قید ہے، بلکہ مطلق یہ ہے کہ آسمان کی بارش اور نہروں کی سیرابی سے جو کچھ پیدا ہوا ہو اس میں عشر ہے(۲) کتب عمر بن عبد العزیز ان یوخذ مما انبتت الارض من قلیل او کثیر العشر (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الخضر ج رابع ص ۱۲۱ نمبر ۷۱۹۶ رمصنف ابن ابی شیبة ۳۰، کل شیء اخرجت الارض زکوۃ، ج ثانی، ص ۳۷۱، نمبر ۱۰۰۲۸) اس اثر میں ہے کہ جو کچھ بھی زمین پیدا کرے اس میں عشر ہے۔

لغت سیحا : بارش سے۔ الحطب : جلانے کی لکڑی۔ القصب : بانس، نرکٹ۔ الحشیش : گھاس۔

[۵۰۳](۲)صاحبین نے فرمایا عشر واجب نہیں ہے مگر پھل میں جو باقی رہتا ہو جب کہ پانچ وسق پہنچ جائے۔

تشریح سبزی وغیرہ جو زیادہ دیر تک باقی نہ رہتے ہوں ان میں صاحبین کے نزدیک عشر نہیں ہے۔اسی طرح جب تک کہ غلے کی مقدار پانچ وسق نہ ہو جائے تو اس میں عشر نہیں ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن معاذ انه کتب الی النبی ﷺ یسأله عن الخضروات و

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا بارش اور چشمے جس چیز کو سیراب کریں، یا سیرابی زمین ہو تو ان میں عشر ہے، اور پانی اونٹنی کے ذریعہ پلایا ہو تو بیسواں حصہ لازم ہے (ب) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے لکھا کہ جو کچھ زمین اگائے تھوڑا ہو یا زیادہ اس سے عشر لیا جائے گا۔

یوسف و محمد رحمهما الله لا یجب العشر الا فیما له ثمرة باقیة اذا بلغت خمسة اوسق

[۵۰۴](۳) والوسق ستون صاعا بصاع النبی علیه السلام.

ھی البقول فقال لیس فیھا شیء (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ الخضر وات ص ۱۳۸ نمبر ۶۳۸ رسنن للبیھقی ، باب الصدقۃ فیما یزرعہ الآدمیون ج رابع ص ۲۱۶ ، نمبر ۷۴۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔اور پانچ وثق ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال لیس فیما اقل من خمسة اوسق صدقة (ب) (بخاری شریف، باب لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ ص ۲۰۱ نمبر ۱۴۸۴ رمسلم شریف، باب الزکوۃ ص ۳۱۶ نمبر ۹۷۹ رابوداؤد شریف، باب ماتجب فیہ الزکوۃ ص ۲۲۴ نمبر ۱۵۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔ یہ حدیث کئی مرتبہ پہلے گزر چکی ہے۔

[۵۰۴](۳) وسق ساٹھ صاع ہے حضورؐ کے صاع سے۔

تشریح ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوا تو پانچ وسق کے تین سو (300) صاع ہوئے۔صاع سے وزن کا طریقہ یہ ہے کہ ایک برتن میں جو یا گیہوں یا ماش ڈال دیں جو ایک صاع کی مقدار ہو اس کو صاع کہتے ہیں۔ جیسے آج کل دودھ وغیرہ برتن میں ناپ کر دیتے ہیں۔لیکن اب اس زمانے میں یہ ساری چیزیں کیلو سے وزن کرنے لگے ہیں۔ چونکہ گیہوں، جو اور ماش مختلف قسم کے بھاری ہوتے ہیں اس لئے وزن کے اعتبار سے ہر غلہ الگ الگ وزن کا ہوگا۔تاہم ایک صاع جو 3.538 کیلو کا ہوتا ہے۔اور گیہوں 4.498 کیلو اور ماش 4.9726 کیلو ہوتا ہے۔ یعنی چار کیلو نو سو بہتر گرام ہوتا ہے۔اس اعتبار سے تین سو صاع جو 1061.40 کیلو ہوگا۔یعنی دس کوئنٹل ، اکسٹھ کیلو اور چالیس گرام ہوگا۔اور تمام کا لیٹر 2.94 ہوتا ہے۔

وجہ عن ابی سعید قال الوسق ستون صاعا (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۸ فی الوسق کم ھو؟، ج ثانی ،ص ۳۷۰، نمبر ۱۰۰۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔

﴿ جدید اور قدیم اوزان کی تفصیل ﴾

پرانے زمانے میں عرب میں سونا اور چاندی ناپنے کے لئے مثقال، استار اور قیراط رائج تھے۔اور غلوں کو ناپنے کے لئے برتن رائج تھا جس میں ڈال کر لوگ غلہ ناپتے تھے۔اس کو رطل، مد، صاع اور وسق کہتے تھے۔آج کل کی طرح غلوں کو وزن کر کے نہیں ناپتے تھے۔اس لئے جب سے ان غلوں کو کیلو گرام سے وزن کرنے لگے ہیں رطل، مد، صاع اور وسق کو کیلو سے موازنہ کرنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔تاہم علماء کے اقوال کی روشنی میں عرب کے پرانے اوزان کو ہندوستانی نئے اوزان میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عوام کو سہولت ہو۔

(درہم کا وزن)

ہندوستان میں سونا اور چاندی کے وزن کے لئے رتی، ماشہ، اور تولہ چلتے تھے اس لئے ان کا حساب اس طرح ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت معاذؓ نے حضور کو لکھا اور سبزیوں کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا اس میں کچھ نہیں ہے (ب) آپؐ نے فرمایا پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں ہے

8رتی = ایک ماشہ اور 12ماشہ = ایک تولہ، یعنی 96رتی کا ایک تولہ ہوتا ہے۔

ایک درہم کا وزن ایک مثقال سے تھوڑا کم ہے۔ دس درہم ملائیں تو سات مثقال ہوتا ہے۔ اس کو وزن سبعہ کہتے ہیں۔ کلکیولیٹر میں اس طرح لکھتے ہیں (0.70 مثقال) چونکہ 200 درہم میں زکوۃ لازم ہے اس لئے 200 کو 0.70 سے ضرب دیں تو 140 مثقال ہوتے ہیں۔ یعنی 140 مثقال چاندی ہو تو زکوۃ لازم ہوگی۔

ایک درہم کا وزن 25.20 رتی ہوتا ہے یا 3.15 ماشہ یا 0.26 تولہ یا 3.061 گرام ہوتا ہے۔

200 درہم جو نصاب زکوۃ ہے اس کا وزن 5040 رتی ہوتا ہے یا 630 ماشہ یا 52.50 تولہ یا 612.36 گرام ہوتا ہے۔

قیراط کے اعتبار سے ایک درہم کا وزن 14 قیراط ہوتا ہے۔ اور 200 درہم کا وزن 2800 قیراط ہوگا۔

(دینار کا وزن)

ایک دینار ایک مثقال کا ہوتا ہے اس لئے ایک دینار 36 رتی کا ہوگا یا 4.50 ماشہ یا 0.375 تولہ یا 4.374 گرام وزن کا ہوگا۔

20 مثقال یعنی 20 دینار سونے میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اس کا وزن 720 رتی یا 90 ماشہ یا 7.50 تولہ یا 87.48 گرام ہوگا۔

قیراط کے اعتبار سے ایک دینار کا وزن 20 قیراط ہوتا ہے۔ اور 20 دینار کا وزن 400 قیراط ہوتا ہے۔

نوٹ 1000 گرام کا ایک کیلو گرام ہوتا ہے۔

(صاع کا وزن)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک صاع 8 رطل کا ہوتا ہے۔ لیکن یہ رطل چھوٹا ہے، یہ 20 استار کا ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک 5.33 یعنی پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا ایک صاع ہوتا ہے، لیکن یہ رطل بڑا ہے یعنی 30 استار کا ایک رطل ہے۔ اس لئے دونوں کو استار سے ضرب دیں تو حاصل 160 استار ہوتے ہیں۔ اس لئے دونوں رطلوں کے صاع میں کوئی فرق نہیں ہے۔

وجہ درمختار میں عبارت یوں ہے۔ **فقال الطرفان : ثمانية ارطال بالعراقی وقال الثانی خمسة ارطال وثلث، وقيل لاخلاف لان الثانی قدره برطل المدينة، لانه ثلاثون استاروالعراقی عشرون. واذا قابلت ثمانية بالعراقی بخمسة وثلث بالمدينی وجدتهما سواء** (ردالمحتار علی الدر المختار، مطلب فی تحریر الصاع والمد والمن والرطل، ج ثالث ص ۳۷۳) اس عبارت میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا عراقی رطل بیس استار کا ہے اور صاحبینؒ کا مدینی رطل تیس استار کا ہے۔ اس لئے دونوں کا حاصل ایک قسم کا صاع ہے۔

نوٹ رطل عراقی 442.25 گرام اور رطل مدینی 663.41 گرام کا ہوتا ہے۔

ساٹھ صاع کا ایک وسق ہوتا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک پانچ وسق میں عشر یعنی دسواں حصہ لازم ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ پانچ وسق میں 30 صاع اور بیسواں حصہ ہو تو 15 صاع لازم ہوگا۔

احسن الفتاوی میں ہے کہ ایک صاع 3.538 کیلو اور آدھا صاع 1.769 کیلو ہوگا یعنی ایک کیلو اور 769 گرام ہوگا۔ یہی آدھا صاع صدقۃ الفطر میں لازم ہوتا ہے۔ اس کو لیٹر سے ناپیں تو 2.94 لیٹر ہوگا۔

ایک وسق یعنی 60 صاع 212.28 کیلو ہوگا۔اور پانچ وسق یعنی 300 صاع 1061.40 کیلو ہوگا۔جس کو دس کوئنٹل اکسٹھ کیلو اور چالیس گرام کہتے ہیں۔(احسن الفتاوی، ج رابع، ص ۴۱۶)

البتہ درمختار میں لکھا ہے کہ ایک صاع 1040 درہم کا ہوتا ہے۔عبارت یہ ہے۔**الصاع المعتبر ما یسع الفا واربعین درهما من ماش وعدس** (ردالمحتار علی الدر المختار، باب صدقۃ الفطر، ج ثالث، ص ۳۷۴) اس سے معلوم ہوا کہ ایک صاع کا وزن ایک ہزار چالیس درہم ہے۔اور ایک درہم کا وزن 3.061 گرام ہے۔اس لئے ایک صاع کا وزن 1040×3.061=3183.44 گرام ہوا۔اور آدھا صاع 1.591 کیلو ہوا۔یعنی آدھا صاع ایک کیلو پانچ سو اکیانوے گرام ہوئے۔

نوٹ احتیاط کے لئے میں نے احسن الفتاوی کا حساب لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿ نصاب اور اوزان ایک نظر میں ﴾

(فارمولہ)

کتنے	برابر	کتنے کے
8 رتی	=	ایک ماشہ
12 ماشہ	=	ایک تولہ
11.664 گرام	=	ایک تولہ
0.218 گرام	=	ایک قیراط
4.374 گرام	=	ایک مثقال
442.25 گرام	=	ایک رطل
3538 گرام	=	ایک صاع
1769 گرام	=	آدھا صاع
1000 گرام	=	ایک کیلو
3.061 گرام	=	ایک درہم
612.36 گرام	=	نصاب چاندی
4.374 گرام	=	ایک دینار
87.48 گرام	=	نصاب سونا

(چاندی کانصاب)

درہم	مثقال	قیراط	تولہ	گرام	کتنی زکوۃ ہوگی
1درہم	0.7	14	0.262	3.061	-------
200درہم	140	2800	52.50	612.36	15.309 گرام

(سونے کانصاب)

دینار	مثقال	قیراط	تولہ	گرام	کتنی زکوۃ ہوگی
1دینار	1مثقال	20	0.375	4.375	-------
20دینار	20مثقال	400	7.50	87.48	2.189 گرام

(رتی اور ماشہ کا حساب)

درہم	رتی	ماشہ	تولہ	گرام	کتنی زکوۃ ہوگی
1درہم	25.20	3.15	0.262	3.061	
200درہم	5040	630	52.50	612.36	1.312تولہ
1دینار	36	4.50	0.375	4.374	
20دینار	720	90	7.50	87.48	0.187تولہ

نوٹ کسی نصاب کو بھی چالیس سے تقسیم کریں تو کتنا گرام یا کتنا تولہ زکوۃ لازم ہوگی وہ نکل آئے گا۔

(صاع کانصاب)

صاع	رطل	وسق	کیلو	لیٹر	کتنا واجب ہوگا
1صاع	8	-----	3.538	5.88	صدقۃ الفطر
آدھا صاع	4	-----	1.769	2.94	1.769 کیلو
60صاع	-----	1وسق	212.28	352.80	عشر
300صاع	-----	5وسق	1061.40	1764	106.14 کیلو

یعنی پانچ وسق، دس کوینٹل اکسٹھ کیلو چالیس گرام ہوگا۔ جس میں عشر ایک سو چھ کیلو اور چودہ گرام لازم ہوگا۔

نوٹ یہ حساب احسن الفتاوی، ج رابع، ص ۴۱۶، باب صدقۃ الفطر سے لیا گیا ہے۔ پوری دنیا میں کیلو اور گرام کا رواج ہے اس لئے تمام

[۵۰۵](۴) وليس في الخضروات عندهما عشر [۵۰۶](۵) وما سقى بغرب او دالية او سانية ففيه نصف العشر على القولين [۵۰۷](٦) وقال ابو يوسف فيما لا يوسق كالزعفران والقطن يجب فيه العشر اذا بلغت قيمته قيمة خمسة اوسق من ادنى ما يدخل تحت الوسق.

حسابات کواسی پرسیٹ کیا ہوں۔

نوٹ اگر آٹھ رطل کا ایک صاع ہوتو رطل چھوٹا ہوگا اور 442.25 گرام کا ایک رطل ہوگا۔اور اگر پانچ رطل اور تہائی رطل کا صاع ہوتو کا صاع ہوتو رطل بڑا ہوگا اور 663.37 گرام کا رطل ہوگا۔اور دونوں رطلوں کا مجموعی صاع 3.538 کیلو ہوگا۔

[۵۰۵](۴) سبزیوں میں صاحبین کے نزدیک عشر نہیں ہے۔

وجہ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۲ میں گزر چکی ہے(۲) عن علی قال لیس فی الخضر صدقه البقل ، والتفاح والقثاء (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب الخضر ج رابع ص ۱۲۰ نمبر ۷۱۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔

[۵۰۶](۵) جس زمین کو بڑے ڈول، رہٹ اور اونٹنی کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے دونوں قولوں پر۔

تشریح جو زمین قدرتی پانی مثلا بارش، نہر اور چشموں کے ذریعہ سیراب نہ ہوئی ہو بلکہ زیادہ تر اس کو ذاتی آلات کے ذریعہ سیراب کیا ہو مثلا بڑے ڈول یا رہٹ یا اونٹنی یا مشین کے ذریعہ سیراب کیا ہو تو اس زمین کی پیداوار میں بیسواں حصہ لازم ہوگا۔یعنی بیس کیلو میں ایک کیلو غلہ لازم ہوگا۔

وجہ چونکہ اس میں مشقت اور خرچ زیادہ ہوا ہے اس لئے شریعت نے عشر کم کر کے آدھا کر دیا(۲) عن عبد الله عن ابيه عن النبی ﷺ قال فيما سقت السماء والعيون او كان عثريا العشر وما سقى بالنضح نصف العشر (ب)(بخاری شریف، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری ص ۲۰۱ نمبر ۱۴۸۳ ر ابوداؤد شریف، باب صدقۃ الزرع ص ۲۳۲ نمبر ۱۵۹۶ ر مسلم شریف، کتاب الزکوۃ، باب مافیہ العشر او نصف العشر ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشین وغیرہ سے زمین کو سیراب کیا ہو تو بیسواں حصہ لازم ہوگا۔یہ مسئلہ بالاتفاق ہے۔

لغت نصف العشر : دسویں حصہ کا آدھا یعنی بیسواں حصہ۔

[۵۰۷](٦) امام ابو یوسف نے فرمایا ان چیزوں میں جو وسق میں نہ آتی ہوں جیسے زعفران اور روئی کہ ان میں عشر واجب ہوگا جب کہ اس کی قیمت ادنی درجہ کے غلہ کے وسق کی قیمت پہنچ جائے جو وسق میں داخل ہوتا ہو۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا سبزی میں زکوۃ نہیں ہے۔یعنی سبزی، سیب ککڑی میں (ب) آپؐ نے فرمایا آسمان یا چشمہ سیراب کرے یا سیرابی زمین ہو تو اس میں عشر ہے۔اور جو اونٹنی کے ذریعہ سیراب کی گئی ہو اس میں بیسواں حصہ ہے۔

[۵۰۸](۷) وقال محمد یجب العشر اذا بلغ الخارج خمسة امثال من اعلی ما یقدر به نوعه فاعتبر فی القطن خمسة احمال وفی الزعفران خمسة امناء[۵۰۹] (۸) وفی العسل العشر اذا اخذ من ارض العشر قل او کثر.

تشریح ادنی درجہ کا غلہ جیسے جوار، باجرہ جنکی قیمت بہت کم ہوتی ہے اور یہ وسق کے ذریعہ ناپے جاتے ہیں۔ اب زعفران اور روئی جو وسق میں نہیں ناپے جاتے کیونکہ زعفران بہت کم پیدا ہوتا ہے اور قیمتی ہوتا ہے۔ پوری کھیت میں دو چار کیلو ہی ہوگا۔ پانچ وسق، دس کوئنٹل تو ہوگا ہی نہیں ، اسی طرح روئی کی گانٹھ بناتے ہیں وسق میں وزن نہیں کرتے۔ لیکن لیکن پیدا شدہ زعفران کی قیمت پانچ وسق جوار یا باجرے کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اب زعفران پر عشر لازم ہوگا۔ اسی طرح پیدا شدہ روئی کی قیمت پانچ وسق جوار یا باجرے کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اب روئی میں عشر لازم ہوگا۔

وجہ امام ابو یوسفؒ نے معنی اور قیمت کا اعتبار کیا ہے کہ ادنی درجہ کے غلہ کی قیمت کے برابر ہو جائے تو گویا کہ معنوی اعتبار سے پانچ وسق ہو گیا۔ اور اتنا ہی کافی سمجھا گیا۔

[۵۰۸] (۷) امام محمد نے فرمایا جب نکلنے والا غلہ پانچ مثل پہنچ جائے اعلی پیمانہ سے جس کے ذریعہ سے اس قسم کا غلہ ناپا جاتا ہے تو اعتبار کیا جائے گا روئی میں پانچ گانٹھ کا اور زعفران میں پانچ من کا۔

تشریح امام محمد کی رائے یہ ہے کہ وہ غلہ جو وسق میں نہیں ناپا جاتا ہو تو یہ دیکھا جائے کہ اس کے ناپنے کا بڑے سے بڑا پیمانہ کیا ہے۔ اس بڑے سے بڑے پیمانے سے پانچ پیمانہ وہ غلہ ہو جائے تو گویا کہ پانچ وسق کی طرح ہو گیا۔ اس لئے اب اس میں عشر لازم ہوگا۔ مثلا زعفران کے ناپنے کا بڑے سے بڑا پیمانہ من ہے جو 795.86 گرام کا ہوتا ہے۔ اس لئے پانچ کیلو زعفران ہو جائے تو گویا کہ پانچ وسق گیہوں کی طرح ہو گیا۔ اس لئے اب اس میں عشر واجب ہے۔ یا روئی کو گانٹھ سے ناپتے ہیں اس کا بڑا پیمانہ وہی ہے اس لئے پانچ گانٹھ روئی ہو جائے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

اصول امام محمد نے ایسے غلے کے بڑے پیمانے کا اعتبار کیا۔

لغت احمال : حمل کی جمع ہے بوجھ، گانٹھ۔ امناء : جمع ہے من کی، ایک وزن ہے جو 795.86 گرام کا ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ والمن بالدراهم مائتان وستون درهما (ردالمحتار علی الدر المختار، باصدقة الفطر، مطلب فی تحریر الصاع والمد والمن والرطل، ج ثالث نمبر ۳۷۳) اس عبارت میں دو سو ساٹھ درہم کا ایک من بتایا۔ اور ایک درہم کا وزن 3.061 گرام ہے۔ اس لئے 260 درہم کو 3.061 سے ضرب دیں تو 795.86 گرام من کا وزن ہوگا۔

[۵۰۹] (۸) اور شہد میں عشر ہے جب کہ عشری زمین سے حاصل کیا جائے، کم شہد ہو یا زیادہ شہد ہو۔

تشریح امام ابو حنیفہ کے نزدیک کم شہد ہو یا زیادہ شہد ہو ہر حال میں اس میں عشر ہوگا جب کہ عشری زمین سے شہد حاصل کیا جائے، چاہے وہ دس

[۵۱۰](۹) وقال ابو یوسف لا شیء فیه حتی تبلغ عشرة ازقاق [۵۱۱](۱۰) وقال محمد خمسة افراق والفرق ستة و ثلثون رطلا بالعراقی [۵۱۲](۱۱) ولیس فی الخارج

مشک ہوں یا کم ہو۔

وجہ قال جاء ھلال احد بنی متعان الی رسول الله بعشور نحل له و کان سأله ان یحمی وادیا یقال له سبلة فحمی رسول الله ذلک الوادی فلما ولی عمر ابن الخطاب کتب سفیان بن وھب الی عمر بن خطاب یسأله عن ذلک فکتب عمر ان ادی الیک ما کان یودی الی رسول الله من عشور نحله فاحم له سلبه والا فانما هو ذباب غیث یاکله من یشاء (الف) (ابوداؤد شریف، باب زکوۃ العسل ص ۲۳۳ نمبر ۱۶۰۰ / سنن للبیہقی، باب ماورد فی العسل ج رابع ص ۲۱۲، نمبر ۷۴۶۰) اس حدیث میں شہد کی زکوۃ دینے کا تذکرہ ہے اور مطلق ہے۔ اس میں دس مشک شہد ہونے کی قید نہیں ہے۔ اس لئے جتنا بھی شہد حاصل ہو اس میں دسواں حصہ لازم ہوگا۔

اصول شہد کے بارے میں بھی وہی اصول ہے جو اوپر غلوں کے بارے میں گزرا کہ کم و بیش تمام میں عشر ہے۔

[۵۱۰] (۹) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا یہاں تک کہ دس مشک پہنچ جائے۔

تشریح یعنی دس مشک یا اس سے زیادہ شہد وصول ہوگا تو اس میں عشر لازم ہوگا اور اس سے کم ہوا تو اس میں عشر نہیں ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ فی العسل فی کل عشرة ازقاق زق (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ العسل ص ۱۳۷ نمبر ۶۲۹ / ابوداؤد شریف، باب زکوۃ العسل ص ۲۳۳ نمبر ۱۶۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس مشک ہو تب ایک مشک لازم ہوگا۔

لغت ازقاق : زق کی جمع ہے مشک۔

[۵۱۱] (۱۰) امام محمد نے فرمایا یہاں تک کہ شہد پانچ فرق کو پہنچے اور ایک فرق چھتیس رطل کا ہوگا عراقی رطل کے ساتھ۔

تشریح امام محمد فرماتے ہیں کہ شہد کم سے کم پانچ فرق نکلے تو اس میں عشر لازم ہے اور اگر اس سے کم وصول ہو تو عشر لازم نہیں۔ اور ایک فرق چھتیس (63) رطل کا ہوتا ہے۔ اب اگر ایک رطل 442.25 گرام کا لیں تو ایک فرق 15.921 کیلو کا ہوگا۔ اور پانچ فرق 79.605 کیلو کے ہوں گے۔ اور اگر ایک رطل 663.41 گرام کا لیں تو ایک فرق 23.882 کیلو کا ہوگا۔ اور پانچ فرق 119.413 کیلو کے ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) منی متعان کا ایک آدمی ہلال حضورؐ کے پاس آئے شہد کا عشر لے کر اور یہ سوال کیا کہ ایک وادی جس کا نام سلبہ ہے اس کو ان کے لئے محفوظ کر دیا جائے۔ تو حضورؐ نے اس وادی کو ہلال کے لئے محفوظ کر دیا۔ پس جب عمر بن خطاب امیر المومنین بنے تو سفیان بن وہب نے ان کو اس بارے میں پوچھنے کے لئے خط لکھا تو حضرت عمر نے جواب دیا کہ شہد کا جتنا عشر حضور کو ادا کیا کرتے تھے اتنا ہی ادا کریں۔ اور حضرت ہلال کے لئے سلبہ وادی محفوظ کر دیں۔ ورنہ تو وہ بارش کا گھاس ہے جو چاہے اس کو کھائے (ب) آپؐ نے فرمایا شہد کے بارے میں کہ ہر دس مشک میں ایک مشک ہے۔

من ارض الخراج عشر.

نوٹ صاع کے وزن میں اختلاف ہے۔ آٹھ رطل کا صاع ہوتا ہے جو حنفیہ کے نزدیک مروج ہے۔ اور پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا صاع ہوتا ہے جو دوسرے ائمہ کے نزدیک مروج ہے۔

وجہ امام محمد فرماتے ہیں کہ شہد کو ناپنے کا زیادہ سے زیادہ بڑا پیمانہ فرق ہے۔ اس لئے پانچ فرق ہو جائے تو عشر لازم ہوگا۔ امام محمد اپنے پرانے اصول پر گئے ہیں کہ جس چیز کو وسق سے نہیں ناپتے ہیں اس میں یہ دیکھیں کہ ان کو ناپنے کا بڑا پیمانہ کیا ہے؟ اگر اس بڑے پیمانے سے پانچ پیمانے ہو جائیں تو اس پر عشر لازم ہوگا۔ اور شہد کو ناپنے کا بڑا پیمانہ فرق ہے، اس لئے پانچ فرق ہوگا تو عشر لازم ہوگا۔

[۵۱۲] (۱۱) اور خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔

وجہ خراجی زمین میں خراج لازم ہوتا ہے۔ اب اس پر عشر لازم کریں تو مؤنت دوگنی ہو جائے گی اور شریعت ایک زمین پر دو مرتبہ خراج یا عشر وصول نہیں کرتی۔ اس لئے زمین کی پیداوار میں عشر لازم نہیں ہے۔ صرف خراج لازم ہوگا۔

﴿باب من يجوز دفع الصدقة اليه ومن لايجوز﴾

[۵۱۳](۱) قال الله تعالى انما الصدقات للفقراء والمساكين الآية فهذه ثمانية اصناف[۵۱۴](۲) فقد سقط منها المؤلفة قلوبهم لان الله تعالى اعز الاسلام واغنى عنهم[۵۱۵] (۳) والفقير من له ادنى شیء[۵۱۶] (۴) والمسكين من لا شیء له[۵۱۷] (۵)

﴿ باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ ومن لا یجوز ﴾

ضروری نوٹ کن لوگوں کو زکوۃ دینا جائز ہے جس سے زکوۃ کی ادائیگی ہوگی اس کی پوری تفصیل ہے۔

[۵۱۳](۱) اللہ تعالی نے فرمایا انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم و فی الرقاب والغارمين و فی سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم (الف) (آیت ۶۰ سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں آٹھ قسم کے آدمیوں کو مستحق زکوۃ قرار دیا ہے۔

[۵۱۴](۲) ان میں سے مؤلفت قلوب ساقط ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالی نے اسلام کو عزت دی اور مؤلفت قلوب سے اسلام کو بے نیاز کر دیا

تشریح مؤلفت قلوب اس کو کہتے ہیں کہ کافر کو زکوۃ کا روپیہ دے کر اس کو دین اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔ شروع اسلام میں یہ جائز تھا لیکن بعد میں یہ قسم منسوخ ہو گئی۔ اس لئے کہ اب اسلام کو اللہ نے عزت دیدی۔ اب مؤلفت قلوب کو زکوۃ دینا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

وجہ یہ اثر ہے عن عامر قال انما كانت المؤلفة قلوبهم على عهد رسول الله ﷺ فلما ولى ابو بكر انقطعت (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۴۵، فی المؤلفۃ قلوبھم یوجدون الیوم اوذھبواج ثانی ص ۴۳۵، نمبر ۱۰۷۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ابو بکرؓ کے زمانے میں مؤلفت قلوب کا حق ساقط ہو گیا۔

[۵۱۵](۳) فقیر اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو۔

تشریح کسی کے پاس کچھ مال ہو لیکن نصاب کے برابر نہ ہو تو اس کو فقیر کہتے ہیں۔

نوٹ اس کے خلاف بھی فقیر کی تفسیر ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اس کو فقیر کہتے ہیں۔

[۵۱۶](۴) اور مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

تشریح جس کے پاس کچھ مال نہ ہو اس کو مسکین کہتے ہیں۔

[۵۱۷](۵) اور عامل کو امام دے گا اگر عمل کیا ہو اس کے عمل کے مطابق۔

حاشیہ : (الف) زکوۃ صرف (۱) فقراء (۲) مساکین (۳) زکوۃ پر کام کرنے والے (۴) مؤلفت قلوب (۵) مکاتب غلام کی گردن چھڑانے (۶) مقروض (۷) جو اللہ کے راستے میں جہاد میں ہو (۸) اور مسافر کے لئے ہے۔ یہ فرض ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے (ب) حضرت عامر نے فرمایا مؤلفۃ قلوب حضورؐ کے زمانے میں تھا۔ پس جب حضرت ابو بکر والی بنے تو مؤلفۃ قلوب ساقط ہو گئے۔

والعامل یدفع الیه الامام ان عمل بقدر عمله [۵۱۸](٦) وفی الرقاب ان یعان المکاتبون

تشریح جتنا کام کیا ہواس کے مطابق حاکم کام کرنے والے کواس کے کام کے مطابق زکوۃ میں سے رقم دے گا۔اوراس سے بھی زکوۃ کی ادائیگی ہوجائے گی۔

فائدہ آل رسول اورآل رسول کے آزاد کردہ غلام کوزکوۃ کے روپے سے مزدوری دینا اچھانہیں ہے۔کیونکہ زکوۃ اورصدقہ انسانوں کا میل ہے اور یہ آل رسول اوراس کے آزاد کردہ غلام کے لئے مناسب نہیں ہے۔کیونکہ آزاد کردہ غلام بھی آل رسول کی قوم میں داخل ہے۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **حدثنا بهز بن حکیم عن ابیه عن جده قال کان رسول الله اذا اتی بشیء سأل اصدقه هی ام هدیة؟ فان قالوا صدقة لم یأکل و ان قالوا هدیة اکل** (الف) ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی واہل بیتہ وموالیہ ص۱۴۱ نمبر ۶۵۶ / بمعناہ ابوداؤد شریف، باب الصدقۃ علی بنی ھاشم ص ۲۴۰ نمبر ۱۶۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل بیت کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔اورزکوۃ کے مال سے اجرت لینے کی کراہیت اس حدیث سے معلوم ہوئی۔اورآل محمد کے آزاد کردہ غلام کے لئے زکوۃ کے مال سے مزدوری لینے کی کراہیت اس حدیث سے معلوم ہوئی **عن ابی رافع ان رسول الله ﷺ بعث رجلا من بنی مخزوم علی الصدقة فقال لابی رافع اصحبنی کیما تصیب منها فقال لا حتی اتی رسول الله ﷺ فاسأله فانطلق الی النبی ﷺ فسأله فقال ان الصدقة لا تحل لنا و ان مولی القوم من انفسهم** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی ﷺ واہل بیتہ وموالیہ ص۱۴۲ نمبر ۶۵۷ / ابوداؤد شریف، باب الصدقۃ علی بنی ھاشم ص ۲۴۰ نمبر ۱۶۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام کا شمار بھی اسی قوم میں ہوتا ہے۔اوران کوبھی زکوۃ کے مال میں سے مزدوری نہیں لینی چاہئے۔یہ تقوی کا تقاضا ہے۔لیکن لے لے تو جائز ہے۔اس لئے کہ آپ کے آل نے زکوۃ کے مال میں سے مزدوری لی ہے۔ابوداؤد کی حدیث نمبر ۱۶۵۳ میں ہے۔**عن کویب مولی ابن عباس عن ابن عباسؓ قال : بعثنی ابی الی النبی ﷺ فیابل اعطاها ایاه من الصدقة** (ابوداؤد شریف، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ص ۲۴۰، نمبر ۱۶۵۳) اس حدیث میں ہے کہ صدقہ کا اونٹ ابن عباس کو دیا۔

[۵۱۸](٦) اورگردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ مکاتب غلام کواس کی گردن چھڑانے میں مدد کی جائے۔

تشریح مکاتب غلام پر مال کتابت واجب ہوتو مال کتابت ادا کرنے کے لئے مکاتب کوزکوۃ کا مال دیا جائے تا کہ وہ مال کتابت ادا کرے۔کیونکہ یہ بھی غریب ہے اوراسی طرح یہ بھی مستحق زکوۃ ہے۔

لغت فک رقاب : مکاتب کی گردن چھڑوانا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ کے پاس جب صدقہ لیکر آتے تو آپؐ پوچھتے یہ صدقہ ہے یا ہدیہ ہے؟ اگر کہتے یہ صدقہ ہے تو نہیں کھاتے اور گر کہتے یہ ہدیہ ہے تو اس کو کھاتے (ب) بنی مخزوم کے ایک آدمی کوصدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے ابورافع سے کہا کہ تم میرے ساتھ ہوجاؤ تا کہ تم کوبھی کچھ ملے۔فرمایا نہیں! یہاں تک کہ میں حضورؐ کے پاس جاؤں اورسوال کروں تو وہ حضورؐ کے پاس گئے اور پوچھا تو فرمایا کہ صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے اورقوم کا آزاد کردہ غلام بھی قوم میں سے ہے۔

فی فک رقابھم [۵۱۹] (۷) والغارم من لزمه دین[۵۲۰] (۸) وفی سبیل الله منقطع الغزاۃ[۵۲۱] (۹) وابن السبیل من کان له مال فی وطنه وھو فی مکان آخر لا شیء له فیه فھذہ جھات الزکوۃ[۵۲۲] (۱۰) وللمالک ان یدفع الی کل واحد منھم وله ان یقتصر علی صنف واحد[۵۲۳] (۱۱) ولا یجوز ان یدفع الزکوۃ الی ذمی ولا یبنی بھا مسجد

---

[۵۱۹] (۷) غارم، مقروض وہ ہے جس پر دین لازم ہو گیا ہو۔

تشریح جس پر قرض لازم ہوا ہو اور اتنے روپے اس کے پاس نہ ہو جس سے قرض ادا کر کے نصاب کے مطابق بچے، تو چونکہ وہ غریب ہے اس لئے وہ بھی مستحق زکوۃ ہے۔

[۵۲۰] (۸) اور اللہ کے راستے میں، کا مطلب یہ ہے کہ غازیوں سے پیچھے رہ گیا ہو۔

تشریح غازیوں اور مجاہدوں کے پیچھے جو لوگ رہ گئے ہوں ان کو منقطع الغزاۃ کہتے ہیں۔ اور ان کو بھی زکوۃ کا مال دیکر امداد کرنا جائز ہے۔

[۵۲۱] (۹) ابن السبیل، جس کا مال اس کے وطن میں ہو اور وہ دوسری جگہ میں ہو اور وہاں اس کے لئے کچھ نہ ہو۔

تشریح ابن السبیل : راستے کا بیٹا یعنی مسافر، جس کے گھر میں مال نصاب ہو لیکن اس کے پاس ابھی کچھ نہ ہو تو اس کو زکوۃ کا مال دیا جا سکتا ہے۔ تا کہ وہ گھر تک پہنچ جائے۔

[۵۲۲] (۱۰) مالک کے لئے جائز ہے کہ زکوۃ کے ہر صنف والوں کو دے۔ اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ایک قسم پر اکتفا کرے۔

تشریح آیت میں آٹھ قسموں کو زکوۃ دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اگر ایک قسم کو تمام زکوۃ دیدے تب بھی زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

وجہ اس اثر میں ہے عن حذیفة قال اذا اعطاھا فی صنف واحد من الاصناف الثمانیة التی سمی الله تعالی اجزأہ (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۵، ما قالوا فی الرجل اذا وضع الصدقۃ فی صنف واحد ج ثانی ص ۴۰۵، نمبر ۱۰۴۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک قسم کو بھی زکوۃ دی دیگا تو کافی ہو جائیگا۔

فائدہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آیت میں جمع کا صیغہ ہے اس لئے کم از کم تین آدمی ہونے چاہئے۔ اور ہر قسموں کو انما کے ذریعہ گھیرا ہے اس لئے تمام قسموں کو زکوۃ دے، اور ہر قسم کے تین تین آدمیوں کو دے۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن نے ان قسموں کو بیان کیا کہ یہ سب مصرف ہیں۔ چاہے سبھی کو دیں چاہے کسی ایک کو بقدر ضرورت دیں۔ البتہ ضرورت سے زائد کسی ایک کو اتنا دیں کہ وہ مالدار بن جائیں یہ مکروہ ہے۔

[۵۲۳] (۱۱) نہیں جائز ہے کہ زکوۃ ذمی کو دے، اور نہ اس سے مسجد بنائے، اور نہ اس سے میت کو کفن دے، اور نہ اس سے غلام خریدے جس کو آزاد کیا جائے۔

وجہ (۱) زکوۃ کا کسی غریب مسلمان کو مالک بنانا ضروری ہے۔ کسی کافر کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ اسی طرح کسی غریب کو یا

حاشیہ : (الف) حضرت حذیفہؓ سے منقول ہیں کہ اگر آٹھ قسموں میں سے ایک قسم کو دے دیا جس کا اللہ نے نام لیا ہے تو اس کو کافی ہو جائے گا۔

ولا یکفن بها میت ولا یشتری بها رقبة یعتق [۵۲۴](۱۲)ولا تدفع الی غنی.

مستحق زکوۃ کو مالک نہیں بنایا تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ مذکورہ صورتوں میں کسی غریب کو مالک بنانا نہیں ہوتا ہے اس لئے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ مثلا مسجد بنانے میں کسی غریب کو مالک بنانا نہیں پایا گیا۔ اسی طرح میت کو کفن دینے میں میت کو مالک بنانا نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرنے کے بعد اس کو مالک بنانا کیسے ہوگا؟ اسی طرح غلام کو خریدنے میں غلام کو مالک بنانا نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے مالک کو مالک بنانا ہوتا ہے۔ اور مالک مالدار ہے اس لئے غلام خرید کر آزاد کرنے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لمعاذ بن جبل ... ان الله قد افترض علیهم صدقة توخذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم** (الف) (بخاری شریف، باب اخذ الصدقة من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانوا ص ۲۰۲ر۲۰۳ نمبر ۱۴۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان مالداروں سے لیکر اسی کے یعنی مسلمان غرباء پر تقسیم کی جائے گی۔ اس لئے غیر مسلم کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے (۳) اس اثر سے اوپر کے سارے مسئلوں کی تائید ہوتی ہے۔ **عن الثوری قال الرجل لایعطی زکوة ماله من یحبس علی النفقة من ذوی ارحامه ولا یعطیها فی کفن میت ولا دین میت ولا بناء مسجد ولا شراء مصحف ولا یحج بها ولا تعطیها مکاتبک ولا تتباع بها نسمة تحررها ولا تعطیها فی الیهود والنصاری ولا تستأجر علیها منها یحملها لیحملها من مکان الی مکان** (ب) مصنف عبد الرزاق ،باب لمن الزکوۃ ج رابع ص ۱۱۳ نمبر ۷۱۷۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ ، ۷ ما قالوا فی الصدقۃ یعطی منها اہل الذمۃ ج ثانی ،ص ۴۰۲، نمبر ۱۰۴۱۰) اس حدیث سے اوپر کے تمام مسئلوں کی تائید ہوتی ہے (۴) آیت میں انما کے حصر کے ساتھ آٹھ قسموں کا تذکرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں آٹھ قسموں کو زکوۃ دینے سے ادائیگی ہوگی۔

اصول مسلمان غریب کو مالک بنانا ضروری ہے۔

نوٹ ذمی کو نفل صدقہ دینا جائز ہے۔

نوٹ **عن اسماء قالت قدمت علی امی راغبة فی عهد قریش وهی راغمة مشرکة فقلت یا رسول الله ان امی قدمت علی وهی راغمة مشرکة افاصلها؟ قال نعم فصلی امک** (ج) (ابوداؤد شریف، باب الصدقۃ علی اہل الذمۃ ص ۲۴۳ نمبر ۱۶۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک کے ساتھ صلہ رحمی کرنا نفلی صدقہ دینا جائز ہے۔

[۵۲۴] (۱۲) زکوۃ کسی مالدار کو نہ دی جائے۔

حاشیہ : (الف) اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر تقسیم کی جائے گی (ب) حضرت ثوری سے منقول ہے کہ کوئی آدمی اپنے ذوی الارحام کے نفقہ کا ذمہ دار ہو اس پر اپنی زکوۃ خرچ نہ کرے۔ اور نہ دے میت کے کفن میں۔ اور نہ میت کے قرض میں۔ اور نہ مسجد کے بنانے میں۔ اور نہ قرآن کے خریدنے میں۔ اور نہ اس سے حج کیا جائے اور اس کو اپنے مکاتب کو دیں۔ اور نہ اس سے کوئی غلام خریدے جس کو آزاد کرے۔ اور نہ یہود اور نصاری کو دے۔ اور نہ زکوۃ ہی سے اجرت پر کسی کو لیا جائے جو اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے (ج) حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میرے پاس میری ماں آئی اس حال میں کہ عہد قریش کو چاہتی تھی اور غضبناک تھی کہ مشرکہ تھی۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میری ماں میرے پاس آئی ہے اس حال میں کہ وہ غضبناک ہے، مشرکہ ہے۔ کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

[۵۲۵](۱۳) ولا یدفع المزکی زکوته الی ابیه وجده وان علا ولا الی ولده وولد ولده وان سفل ولا الی امه وجداته وان علت ولا الی امرأته[۵۲۶] (۱۴) ولا تدفع المرأة الی زوجها عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا تدفع الیه.

وجہ حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسول الله لا تحل الصدقة لغنی الا فی سبیل الله او ابن السبیل او جار فقیر یتصدق علیه فیهدی لک او یدعوک (الف) (ابوداؤد شریف، باب من یجوز لہ اخذ الصدقۃ وھوغنی ص ۲۳۸ نمبر ۱۶۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالدار کے لئے عام حالات میں زکوۃ لینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مجاہد ہو یا مسافر ہو۔

[۵۲۵] (۱۳) زکوہ دینے والا زکوۃ نہ دے اپنے باپ کو، اپنے دادا کو اگر چہ اوپر تک ہو، اپنی اولاد کو نہ اولاد کی اولاد کو اگر چہ نیچے تک ہو، نہ اپنی ماں کو نہ اپنی دادی کو اگر چہ اوپر تک ہو، اور نہ اپنی بیوی کو۔

وجہ (۱) ان لوگوں کے ساتھ اتنا گہرا رابطہ ہوتا ہے کہ ان کا نان ونفقہ بھی اپنے ہی ذمہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو دینا گویا کہ زکوۃ کا مال اپنے ہی پاس رکھ لینا ہے۔ اس لئے زکوۃ کا مال ان لوگوں کو دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے کہ جن لوگوں کی کفالت کرتا ہو اور اصول وفروع میں سے ہوں ان کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی عن ابن عباس قال لا بأس ان تجعل زکوتک فی ذوی قرابتک مالم یکونوا فی عیالک (ب) (مصنف ابی ابی شیبۃ ۹۶ ما قالوا فی الرجل یدفع زکوتہ الی قرابتہ ج ثانی ص ۴۱۲، نمبر ۱۰۵۳۱ ر مصنف عبد الرزاق، باب لمن الزکوۃ ج رابع ص ۱۱۲ نمبر ۷۱۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو قریب کے رشتہ دار ہوں اور اس کی قدرتی طور پر کفالت بھی کرتا ہو تو اس کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی نوٹ باپ، دادا، ماں، دادی اصول ہیں اور بیٹا، پوتا فروع ہیں۔

[۵۲۶] (۱۴) اور زکوۃ نہ دے عورت اپنے شوہر کو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ شوہر کو دے۔

وجہ (۱) امام اعظم کی دلیل اوپر کے مسئلہ نمبر ۱۳ کا اثر ہے کہ جو کفالت میں ہو ان کو زکوۃ نہیں دے سکتے۔ اور بیوی شوہر کی کفالت میں ہے اس لئے زکوۃ اس پر ہی لوٹ آئے گی۔ اس لئے اس کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) شوہر کو دینے سے نان ونفقہ کے طور پر مال خود بیوی پر لوٹ آئے گا۔ اور بعد میں خود بیوی اس مال سے کھائے گی۔ اس لئے گویا کہ اپنی ہی جیب میں زکوۃ کا رکھنا ہوا۔ اس لئے شوہر کو زکوۃ کا مال دینا جائز نہیں۔ البتہ نفلی صدقہ شوہر کو دے سکتی ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بیوی اپنی زکوۃ شوہر کو دے سکتی ہے۔

وجہ (۱) شوہر بیوی کے عیال میں نہیں ہے۔ یعنی بیوی پر شوہر کا نان ونفقہ لازم نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابی سعید الخدری ... قالت یا نبی الله انک امرت الیوم بالصدقة وکان عندی حلی لی فاردت ان اتصدق به فزعم ابن مسعود انه

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا زکوۃ حلال نہیں ہے مالدار کے لئے مگر اللہ کے راستے میں ہو یا مسافر ہو یا فقیر پڑوسی ہو اس پر صدقہ کیا جائے تو وہ آپ کو ہدیہ دے یا آپ کو کھلائے پلائے تو حلال ہے (ب) ابن عباس نے فرمایا ہاں جب کہ وہ رشتہ دار اس کے عیال میں نہ ہوں۔

[۵۲۷](۱۵) ولا یدفع الی مکاتبہ ولا مملوکہ[۵۲۸] (۱۶) ولا مملوک غنی ولا ولد

وولدہ احق من تصدقت بہ علیہم فقال رسول اللہ صدق ابن مسعود زوجک وولدک احق من تصدقت بہ علیہم
(الف) (بخاری شریف، باب الزکوۃ علی الاقارب ص ۱۹۷ نمبر ۱۴۶۲) اس حدیث میں آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی سے فرمایا کہ تمہاری اولاد اور تمہارا شوہر تمہارے صدقے کا زیادہ حقدار ہے یعنی زکوۃ کا، اس لئے بیوی شوہر کو زکوۃ دے تو جائز ہے۔ امام اعظم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ صدقۂ نافلہ کے بارے میں ہے جو ہم بھی جائز کہتے ہیں۔

[۵۲۷] (۱۵) اور زکوۃ نہ دے اپنے مکاتب غلام کو اور اپنے مملوک کو۔

وجہ (۱) مکاتب نے جب تک مال کتابت ادا کیا نہ ہو وہ غلام ہی باقی رہتا ہے۔ اور غلام کا سارا مال بلکہ اس کی جان بھی مولی کی ہوتی ہے۔ اس لئے اپنے مکاتب اور اپنے غلام کو زکوۃ کا مال دینا گویا کہ خود کے پاس رکھ لینا ہے۔ اس لئے اپنے مولی اور اپنے مملوک کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) پہلے ایک اثر گزر چکا ہے جس میں یہ تھا **عن الثوری قال ولا تعطیھا مکاتبک** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب لمن ا؛ زکوۃ ج رابع ص ۱۱۳ نمبر ۷۰۱۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اپنے مکاتب کو زکوۃ مت دو اس لئے کہ وہ اس کا غلام ہے۔ اس لئے اپنے غلام کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہوگا۔

[۵۲۸] (۱۶) اور مالدار کے ملوک کو اور مالدار کی اولاد کو زکوۃ نہ دے جب کہ وہ چھوٹے ہوں۔

وجہ پیچھے گزر چکا ہے کہ مملوک کا مال مولی کا مال ہوتا ہے۔ اس لئے مالدار کے مملوک کو زکوۃ دی تو وہ مالدار مولی کے ہاتھ میں پہنچ جائے گی اور مالدار کو زکوۃ دینا جائز نہیں اس لئے مالدار کے مملوک کو بھی زکوۃ دینا جائز نہیں۔ ہاں غریب آدمی کا مملوک ہو تو اس کو دینا جائز ہے۔ کیونکہ وہ غریب مولی کے ہاتھ میں پہنچے گی۔ اسی طرح مالدار آدمی کا چھوٹا بچہ مالدار کی کفالت میں ہوتا ہے اور گویا کہ باپ ہی اس کے مال کا مالک ہوتا ہے اس لئے مالدار کے بچے کے ہاتھ میں زکوۃ دینا گویا کہ مالدار کے ہاتھ میں مال دینا ہے۔ اس لئے مالدار کے چھوٹے بچے کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے (۲) چھوٹا بچہ باپ کی مالداری کی وجہ سے مالدار شمار کیا جاتا ہے اس لئے بھی مالدار کے بچے کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔ مالدار کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے **عن عطاء بن یسار ان رسول اللہ ﷺ قال لا تحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ (۱) لغاز فی سبیل اللہ (۲) او لعامل علیھا (۳) او لغارم (۴) او لرجل اشتراھا بمالہ (۵) او لرجل کان لہ جار مسکین فتصدق علی المسکین فاھدھا المسکین للغنی** (ابو داؤد شریف، باب من یجوز لہ اخذ الصدقۃ وھو غنی ص ۲۳۸ نمبر ۱۶۳۵/۱۶۳۴)۔

نوٹ بڑے بچے باپ کے تحت نہیں ہوتے اس لئے اگر باپ مالدار ہو اور اس کا بڑا بچہ غریب ہو تو اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ

حاشیہ : (الف) ابو سعید خدری سے روایت ہے... کہ عبداللہ بن مسعود کی بیوی کہنے لگی اے اللہ کے نبی! آپؐ نے آج صدقے کا حکم دیا۔ اور میرے پاس کچھ زیورات ہیں تو میں چاہتی ہوں کہ اس کو صدقہ کروں۔ عبداللہ بن مسعود کا گمان ہے کہ وہ اور ان کی اولاد زیادہ حقدار ہے کہ میں ان پر صدقہ کروں۔ آپؐ نے فرمایا عبد اللہ بن مسعود صحیح کہتے ہیں۔ تمہارا شوہر اور تمہاری اولاد زیادہ حقدار ہیں آپ ان پر صدقہ کریں (ب) حضرت ثوری نے فرمایا اپنے مکاتب کو زکوۃ مت دو۔

غنی اذا کان صغیرا[۵۲۹] (۱۷) ولا یدفع الی بنی ہاشم وھم آل علی و آل عباس و آل جعفر و آل عقیل وآل الحارث بن عبد المطلب وموالیھم[۵۳۰] (۱۸) وقال ابو حنیفة و

غریب کے ہاتھ میں زکوۃ دی۔

اصول چھوٹا بچہ باپ کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے۔

[۵۲۹] (۱۷) اور زکوۃ نہ دے بنی ہاشم کو اور وہ آل علیؓ، آل عباسؓ، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث بن عبد المطلب ہیں اور ان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

وجہ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ آل ہاشم اور ان کے آزاد کردہ غلام کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگوں کا میل ہے اور میل آل رسول کے لئے کھانا اچھا نہیں ہے (۲) عن عبد اللہ بن نوفل الھاشمی ... ثم قال رسول اللہ لنا ان ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانھا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد (الف) (مسلم شریف، باب تحریم الزکوۃ علی رسول اللہ ﷺ وعلی آلہ وھم بنو ہاشم وبنو عبد المطلب دون غیرھم ص ۳۴۵ نمبر ۱۰۷۲ ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی ﷺ واہل بیتہ وموالیہ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ جس کا تذکرہ اوپر ہوا ان کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے۔

اور ان کے آزاد کردہ غلام کے لئے ناجائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی رافع ان رسول اللہ ﷺ بعث رجلا من بنی مخزوم علی الصدقة ... فقال ان الصدقة لا تحل لنا وان موالی القوم من انفسھم (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی واہل بیتہ وموالیہ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۷) اس سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام کا شمار اسی قوم میں ہوتا ہے۔ اس لئے بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام کے لئے زکوۃ جائز نہیں۔

نوٹ اس زمانے میں حالت ابتر ہوگئی ہے اور کوئی راستہ نہیں ہو تو بنو ہاشم کو زکوۃ دینے کی گنجائش بعض مفتیان کرام نے دی ہے۔ آزاد کردہ غلام باندی کو صدقہ دینے کی یہ حدیث ہے عن انس ان النبی ﷺ اتی بلحم تصدق به علی بریرة فقال ھو علیھا صدقة وھو لنا ھدیة (بخاری شریف، باب اذا تحولت الصدقۃ ص ۲۰۲ نمبر ۱۴۹۵)

لغت آل علی : علیؓ کے خاندان کے لوگ۔ موالی : جمع ہے مولی کی آزاد کردہ غلام۔

[۵۳۰] (۱۸) امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے فرمایا اگر زکوۃ ایک آدمی کو دے یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ فقیر ہے پھر ظاہر ہوا کہ وہ مالدار ہے، یا ہاشمی ہے، یا کافر ہے، یا اندھیرے میں فقیر کو دیا پھر ظاہر ہوا کہ وہ اس کا باپ ہے، یا اس کا بیٹا ہے تو اس پر زکوۃ کا لوٹانا نہیں ہے۔

تشریح کسی نے فقیر گمان کرتے ہوئے دیا کہ یہ مستحق ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مستحق نہیں ہے پھر بھی اگر تحقیق کے بعد دیا تھا اور بعد میں خطا ظاہر ہوگئی تو زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔ حنفیہ کے نزدیک دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ہم سے کہا یہ صدقات لوگوں کے میل ہیں وہ محمد اور آل محمد کے لئے حلال نہیں ہے (الف) آپؐ نے بنی مخزوم کے ایک آدمی کو زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا... تو آپؐ نے فرمایا صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے اور یہ کہ قوم کا آزاد کردہ غلام قوم ہی میں سے شمار ہوتا ہے۔

محمد رحمهما اللہ تعالی اذا دفع الزکوۃ الی رجل یظنہ فقیرا ثم بان انہ غنی او ھاشمی او کافر او دفع فی ظلمۃ الی فقیر ثم بان انہ ابوہ او ابنہ فلا اعادۃ علیہ [۵۳۱](۱۹) وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی وعلیہ الاعادۃ[۵۳۲] (۲۰) ولو دفع الی شخص ثم علم انہ عبدہ او مکاتبہ لم یجز فی قولھم جمیعا.

وجہ ان معن بن یزید حدثہ ... وکان ابی یزید اخرج دنانیر یتصدق بھا فوضعھا عند رجل فی المسجد فجئت فاخذتھا فاتیتہ بھا فقال واللہ ما ایاک اردت فخاصمتہ الی رسول اللہ فقال لک مانویت یا یزید ولک ما اخذت یا معن (الف) (بخاری شریف، باب اذا تصدق علی ابنہ وھو لایشعر ص ۱۹۱ نمبر ۱۴۲۲) اس حدیث میں باپ کی زکوۃ بھول سے بیٹے کو پہنچ گئی پھر بھی آپؐ نے باپ سے فرمایا کہ تم نے جو نیت کی ہے اس کی ادائیگی ہو جائے گی (۲) عن الحسن فی الرجل یعطی زکوتہ الی فقیر ثم یتبین لہ انہ غنی قال اجزی عنہ (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۷ ما قالوا فی الرجل یعطی زکوتہ لغنی وھو لا یعلم ج ثانی ص ۴۱۳، نمبر ۱۰۵۴۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھول سے غریب سمجھ کر مالدار کو زکوۃ دے تو زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

[۵۳۱] (۱۹) امام ابو یوسف نے فرمایا اس پر زکوۃ کو لوٹانا ہے۔

تشریح یعنی بھول کر غیر مستحق کو دی اور بعد میں ظاہر ہوا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی، دوبارہ ادا کرنی ہوگی۔

وجہ (۱) غریب کو مالک بنانا ضروری تھا اور وہ نہیں ہوا اور مستحق تک زکوۃ نہیں پہنچی اس لئے زکوۃ دوبارہ ادا کرنی ہوگی (۲) عن ابراھیم فی الرجل یعطی زکوتہ الغنی وھو لایعلم قال لایجزیہ (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۵ ما قالوا فی الرجل یعطی زکوتہ لغنی وھو لا یعلم ج ثانی ص ۴۱۳، نمبر ۱۰۵۴۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زکوۃ بھول کر غیر مستحق کو دیدی تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

اصول زکوۃ مستحق کو نہ پہنچے چاہے بھول کر بھی ہو تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

[۵۳۲] (۲۰) اور اگر زکوۃ کسی شخص کو دی پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کا غلام ہے یا اس کا مکاتب ہے تو بالاتفاق جائز نہیں ہوگی۔

وجہ اپنے غلام یا مکاتب کے ہاتھ میں زکوۃ گئی تو گویا کہ اپنے ہی ہاتھ میں رہی کیونکہ غلام کی ملکیت خود اپنی ملکیت ہے۔ اس لئے گویا کہ ایک جیب سے نکال کر دوسری جیب میں رکھی۔ اس لئے زکوۃ کی ادائیگی بالاتفاق نہیں ہوگی۔

اصول غلام کی ملکیت خود مولی کی ملکیت ہے۔

حاشیہ : (الف) معن بن یزید نے بیان کیا... میرے باپ یزید نے کچھ دنانیر صدقہ کے لئے نکالے اور اس کو مسجد میں ایک آدمی کے پاس رکھا تو میں گیا اور اس زکوۃ کو لے لیا۔ اس کو لیکر آیا تو باپ نے کہا خدا کی قسم تم کو دینے کی نیت نہیں تھی۔ تو میں والد صاحب کو حضورؐ کے پاس لے گیا۔ تو آپؐ نے فرمایا اے یزید تم نے جو نیت کی وہ مل گئی اور اے معن تم نے جو لیا وہ ٹھیک ہے (ب) ایک آدمی کے بارے میں حضرت حسنؓ سے پوچھا کہ اس کو فقیر سمجھ کر زکوۃ دی پھر پتہ چلا کہ وہ مالدار ہے تو فرمایا کہ کافی ہو جائے گا (ج) حضرت ابراہیم سے پوچھا گیا ایک آدمی کے بارے میں کہ زکوۃ مالدار کو دیدے اور وہ جانتا نہیں ہے، حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ اس کو کافی نہیں ہوگی۔

[۵۳۳](۲۱) ولا یجوز دفع الزکوۃ الی من یملک نصابا من ای مال کان[۵۳۴] (۲۲) ویجوز دفعھا الی من یملک اقل من ذلک وان کان صحیحا مکتسبا[۵۳۵] (۲۳) ویکرہ نقل الزکوۃ من بلد الی بلد آخر.

---

[۵۳۳](۲۱) زکوۃ کا دینا جائز نہیں ہے اس آدمی کو جو نصاب کا مالک ہو چاہے جس مال کا ہو۔

تشریح اپنی حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور کوئی بھی مال نصاب زکوۃ کے برابر ہو تو اس کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

وجہ کیونکہ وہ غنی اور مالدار ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ غنی کو دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ **عن عطاء بن یسار ان رسول اللہ ﷺ قال لا تحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ** (ابوداؤد شریف نمبر ۱۶۳۴/۱۶۳۵)

[۵۳۴](۲۲) اور جائز ہے زکوۃ دینا ایسے آدمی کو جو نصاب سے کم کا مالک ہو چاہے وہ تندرست ہو اور کمانے والا ہو۔

تشریح جو آدمی نصاب سے کم کا مالک ہو وہ شریعت کی نگاہ میں غنی نہیں ہے بلکہ وہ فقیر ہے اس لئے اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔ چاہے وہ تندرست ہو اور کما کر کھا سکتا ہو۔ کیونکہ فی الحال وہ فقیر ہے اور فقیر کے لئے زکوۃ جائز ہے۔

وجہ **سمعت حمادا یقول من لم یکن عندہ مال یبلغ فیہ الزکوۃ اعطی من الزکوۃ** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۱ من قال لا تحل لہ الصدقۃ اذا ملک خمسین درھما ج ثانی، ص ۴۰۴، نمبر ۱۰۴۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو نصاب کا مالک نہ ہو اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے

نوٹ البتہ ایک آدمی کو اتنا روپیہ دے کہ وہ خود صاحب نصاب ہو جائے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

وجہ اثر میں ہے **عن عامر قال اعط من الزکوۃ ما دون ان یحل علی من تعطیہ الزکوۃ** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۰ ما قالوا فی الزکوۃ قدر ما یعطی منھا ج ثانی ص ۴۰۳، نمبر ۱۰۴۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک آدمی کو اتنی زکوۃ نہ دے کہ خود اس پر زکوۃ واجب ہو جائے

لغت مکتسبا : کسب سے اسم فاعل ہے، کام کرنے والا۔

[۵۳۵](۲۳) مکروہ ہے زکوۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے کہ مالداروں سے زکوۃ لو اور انہیں لوگوں کے غرباء پر تقسیم کر دو۔ اس لئے زکوۃ کو پہلے اسی شہر کے غرباء پر تقسیم کی جائے گی۔ وہاں سے بچے تب دوسرے شہر کے غرباء کو دیں۔ البتہ اگر دوسرے شہر کے غرباء اس شہر سے زیادہ محتاج ہوں تو اس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر کے غرباء پر زکوۃ تقسیم کی جا سکتی ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال قال رسول اللہ لمعاذ بن جبل حین بعثہ الی الیمن ... قد افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم** (ج) (بخاری شریف، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانوا ص ۲۰۲/۲۰۳ نمبر ۱۴۹۶) اس حدیث میں ہے کہ اس شہر کے مالداروں سے لیں اور انہیں کے غرباء پر تقسیم کر دیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت حمادؒ نے فرمایا جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس میں زکوۃ واجب ہو تو اس کو زکوۃ کے مال سے دیا جائے گا (ب) حضرت عامر نے فرمایا کہ زکوۃ کی رقم اتنی کم دو کہ جس کو زکوۃ دی اس پر زکوۃ واجب نہ ہو جائے (ج) آپؐ نے معاذ بن جبل کو یمن روانہ کرتے ہوئے فرمایا... ان لوگوں پر زکوۃ فرض کی گئی ہے۔ ان کے مالداروں سے لی جائے اور انہیں کے فقراء پر تقسیم کر دی جائے۔

[۵۳۶] (۲۴) وانما یفرق صدقة کل قوم فیهم الا ان یحتاج ان ینقلها الانسان الی قرابته او الی قوم هم احوج الیه من اهل بلده.

جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے شہر کی طرف زکوۃ منتقل کرنا مکروہ ہے۔

[۵۳۶] (۲۴) ہر قوم کا صدقہ اسی میں تقسیم کیا جائے۔ مگر یہ کہ محتاج ہو کہ انسان اپنے رشتہ داروں کی طرف منتقل کرے، یا ایسی قوم کی طرف منتقل کرے جو اس شہر کے لوگوں سے زیادہ محتاج ہو۔

تشریح بہتر تو یہی ہے کہ جس شہر کے مالداروں سے زکوۃ لی اسی شہر کے غرباء پر تقسیم کردی جائے۔ لیکن اگر دوسرے شہر میں ان کے رشتہ دار ہیں تو دوسرے شہر میں رشتہ داروں کی طرف زکوۃ منتقل کر سکتے ہیں۔ یا دوسرے شہر کے لوگ زیادہ محتاج ہیں تو پھر وہاں منتقل کی جاسکتی ہے۔ وقال النبی ﷺ له اجران اجر القرابة واجر الصدقة (الف) (بخاری شریف، باب الزکوۃ علی الاقارب ص ۱۹۶ نمبر ۱۴۶۶ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الصدقة علی ذی القرابة ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۸)

نوٹ دوسرے شہر کے لوگ زیادہ محتاج نہ بھی ہوں اور دے دے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ وہ لوگ فقراء ہیں اور مصرف ہیں البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ان کے لئے دو قسم کے اجر ہیں رشتہ داری کا اجر اور صدقے کا اجر۔

﴿باب صدقة الفطر﴾

[۵۳۷](۱) صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم اذا كان مالكا لمقدار النصاب فاضلا

﴿باب صدقۃ الفطر﴾

ضروری نوٹ عید کے دن جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں۔ چونکہ پورے رمضان روزے رکھ کروہ افطار کا دن ہوتا ہے اس لئے اس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں۔اس کی دلیل آگے آئے گی۔

[۵۳۷](۱) صدقۃ الفطر واجب ہے ہر آزاد، مسلمان پر جب کہ نصاب کی مقدار کا مالک ہو اور اپنے رہنے کے مکان اور اپنے کپڑے اور اپنے سامان گھوڑے، ہتھیار اور خدمت کے غلام سے زیادہ ہو۔

تشریح حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو تب ہی صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے۔ اور اوپر کی ساری چیزیں حاجت اصلیہ کی ہیں۔ مثلا رہنے کے لئے ایک مکان، روزانہ پہننے کے کپڑے، گھر کا فرنیچر، جہاد کے لئے گھوڑے، ہتھیار اور خدمت کے غلام یہ چیزیں انسان کے لئے ضروریات زندگی میں سے ہیں۔اس لئے ان چیزوں سے فارغ ہو کر اور سال بھر تک کھانے پینے سے فارغ ہو کر مقدار نصاب کے برابر مال کا مالک ہو تب صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے۔

وجہ غنی کی دلیل پہلے گزر چکی ہے **تؤخذ من اغنيائهم وترد على فقرائهم** (الف) (بخاری شریف، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث ما کانوا ص۲۰۳ نمبر ۱۴۹۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوۃ یا صدقہ مالداروں سے لیا جائے گا۔ اور مالدار اس کو کہتے ہیں کہ حاجت اصلیہ سے مقدار نصاب مال زیادہ ہو۔ حدیث میں ہے **وقال النبی ﷺ لا صدقة الا عن ظهر غنی** (بخاری شریف، باب تاویل قولہ من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین، کتاب الوصایا ص ۳۸۴ نمبر ۲۷۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجت اصلیہ سے فارغ ہونے کے بعد زکوۃ یا صدقۃ الفطر ادا کرے (۲) حاجت اصلیہ کی تفصیل کا پتہ اس اثر سے ہوتا ہے **عن سعيد بن جبير قال يعطى من الزكوة من له الدار والخادم والفرس** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۷ من لہ دار وخادم یعطی من الزکوۃ ج ثانی ص ۴۰۲، نمبر ۱۰۴۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس رہنے کا گھر ہو اور خدمت کا غلام ہو اور جہاد کا گھوڑا ہو وہ غنی نہیں ہے۔ اگر وہ محتاج ہو تو اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔اس لئے کہ یہ سب چیزیں حاجت اصلیہ میں داخل ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی ایک دن رات کے کھانے سے زیادہ مال رکھے وہ صدقۃ الفطر ادا کرے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن ابی صعير عن ابيه قال قال رسول الله ادوا صدقةالفطر صاعا من بر او قمح عن كل رأس صغير او كبير حر او عبد ذكر او انثى اما غنيكم فيزكيه الله واما فقيركم فيرد الله عليه اكثر بما اعطاه** (ج) (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر، ج ثانی ص ۱۲۸/۱۲۹ نمبر ۲۰۸۸/ سنن للبیھقی ، باب من قال بوجوبھا علی الغنی والفقیر ج رابع ص

حاشیہ : (الف) ان کے مالداروں سے زکوۃ لی جائے گی اور ان کے فقراء پر تقسیم کی جائے گی (ب) سعید بن جبیر نے فرمایا کہ زکوۃ دی جائے گی جس کو گھر ہو، خادم ہو اور گھوڑا ہو (ج) آپؐ نے فرمایا صدقۃ الفطر ادا کرو ایک صاع گیہوں سے چھوٹے، بڑے، آزاد ہو یا غلام، مذکر اور مؤنث کی جانب سے، بہر (باقی اگلے صفحہ پر)

عن مسکنه و ثیابه و اثاثه وفرسه وسلاحه و عبیده للخدمة[۵۳۸](۲) یخرج ذلک عن نفسه وعن اولاده الصغار وعبیده للخدمة[۵۳۹] (۳) ولا یودی عن زوجته ولا عن اولاد

۲۷۶ نمبر ۷۶۹۵/ابوداؤد شریف، باب من روی نصف صاع من قمح ص ۲۳۵ نمبر ۱۶۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقیر پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے **فیرد الله علیه اکثر مما اعطاه** اس نے جتنا دیا ہے اس سے زیادہ اس پر واپس ہوگا۔

صدقۃ الفطر واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر قال فرض رسول الله ﷺ زکوة الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعیر علی العبد والحر والذکر والانثی والصغیر والکبیر من المسلمین وامر بها ان تودی قبل خروج الناس الی الصلوة** (الف) (بخاری شریف، باب فرض صدقۃ الفطر ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۳/مسلم شریف، باب زکوۃ الفطر ص ۳۱۷ نمبر ۹۸۴)

اس حدیث میں فرض کے لفظ سے حنفیہ صدقۃ الفطر دینا واجب قرار دیتے ہیں۔

لغت مسکن : رہنے کی جگہ، رہنے کا مکان۔ اثاثة : گھر کا سامان، گھر کا فرنیچر۔ سلاح : ہتھیار۔

[۵۳۸] (۲) صدقۃ الفطر نکالے گا اپنی ذات کی جانب سے اور اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے اور خدمت کے غلام کی جانب سے۔

تشریح آدمی اپنی ذات کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے گا اور جس کی کفالت کرتا ہے اور مکمل ذمہ دار ہے ان کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے گا۔ مثلا چھوٹی اولاد، خدمت کے غلام۔ آدمی ان لوگوں کی کفالت کرتا ہے اس لئے ان لوگوں کی جانب سے آدمی صدقۃ الفطر نکالے گا۔

وجہ (۱) اوپر مسئلہ نمبر ایک میں بخاری شریف کی حدیث گزر گئی جس میں علی العبد اور الصغیر کے الفاظ موجود ہیں (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عمر قال امر رسول الله بصدقة الفطر عن الصغیر والکبیر والحر والعبد ممن تمونون** (ب) (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر ج ثانی ص ۱۲۳ نمبر ۲۰۵۹/سنن للبیھقی، باب اخراج زکوۃ الفطر عن نفسه وغیرہ، ج رابع، ص ۲۷۲، نمبر ۷۶۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جس آدمی کی کفالت کرتا ہے اس کا صدقۃ الفطر بھی خود ادا کرے گا۔ تمونون کے معنی ہیں جس کی تم کفالت کرتے ہو۔

[۵۳۹] (۳) اپنی بیوی کی جانب سے اور بڑی اولاد کی جانب سے ادا نہیں کرے گا چاہے وہ اسی کی کفالت میں ہو۔

وجہ بیوی کا نان ونفقہ اگر چہ شوہر کے ذمہ ہوتا ہے لیکن یہ شوہر کے گھر میں احتباس کی وجہ سے شوہر پر نفقہ لازم ہے۔ کفالت کی وجہ سے نہیں ہے اسی لئے بیوی کی ملکیت الگ شمار کی جاتی ہے اور شوہر کی ملکیت الگ شمار کی جاتی ہے۔ اس لئے شوہر پر بیوی کا صدقۃ الفطر لازم نہیں ہے۔ اسی طرح بڑے لڑکے کی ملکیت باپ سے الگ ہو جاتی ہے اور وہ خود ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ چاہے کسی محتاجگی کی وجہ سے لڑکے کا نفقہ باپ پر لازم ہو۔ اس لئے بڑے لڑکے کا صدقۃ الفطر باپ پر لازم نہیں۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) حال تمہارا مالدار تو اللہ اس کو پاک کرے گا۔ اور بہر حال تمہارا فقیر تو اللہ تعالی اس سے زیادہ اس پر لوٹائے گا جو اس نے دیا (الف) فرض کیا حضورؐ نے صدقۃ الفطر میں ایک صاع کھجور، یا ایک صاع جو، غلام پر اور آزاد پر، مذکر پر اور مؤنث پر، چھوٹے پر اور بڑے پر مسلمانوں میں سے، اور اس کا حکم دیا کرتے تھے کہ نکالے نماز کی طرف لوگوں کے نکلنے سے پہلے (ب) آپؐ نے حکم دیا صدقۃ الفطر نکالنے کا چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام کی جانب سے جنکی کفالت کرتا ہو۔

الکبار وان کانوا فی عیاله[۵۴۰] (۴) ولا یخرج عن مکاتبه [۵۴۱](۵) ولا عن ممالیکه للتجارة[۵۴۲] (۶) والعبد بین الشریکین لا فطرة علی واحد منهما[۵۴۳] (۷) ویودی

نوٹ اگر باپ نے یا شوہر نے لڑکے اور بیوی کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ دونوں کے درمیان وسعت ہوتی ہے۔ بیوی اور بڑا لڑکا اگر صاحب نصاب ہیں تو خود ادا کریں گے۔

[۵۴۰](۴) اپنے مکاتب غلام کی جانب سے صدقۃ الفطر نہیں نکالے گا۔

وجہ (۱) مولی مکاتب غلام کی کفالت نہیں کرتا بلکہ مکاتب خود کفیل ہوتا ہے اس لئے مکاتب مالدار ہو تو خود مکاتب پر صدقۃ الفطر نکالنا واجب ہوگا (۲) اثر میں ہے عن ابن عمر انه کان یودی زکوة الفطر عن کل مملوک له فی ارضه و غیر ارضه وعن کل انسان یعوله من صغیرا و کبیر وعن رقیق امرأته وکان له مکاتب بالمدینة فکان لا یودی عنه (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال لا یودی عن مکاتبہ ج رابع ص ۲۷۲، نمبر ۷۶۸۶ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷۳، ما قالوا فی المکاتب یعطی عنه سیده ام لا ج ثانی ص ۴۰۰، نمبر ۱۰۳۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر مکاتب کا صدقۃ الفطر خود ادا نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ان کی مؤنت میں نہیں تھا۔

[۵۴۱](۵) نہ تجارت کے غلاموں کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے۔

وجہ تجارت کے غلام کی قیمت میں زکوۃ ہے اس لئے اس کے لئے صدقۃ الفطر دینے کی ضرورت نہیں، ورنہ دو مرتبہ اس کی زکوۃ نکالنی ہو جائے گی۔

[۵۴۲](۶) اور جو غلام دو شریکوں کے درمیان میں ہو ان دونوں میں سے کسی پر صدقۃ الفطر نہیں ہے۔

وجہ (۱) دونوں شریکوں میں سے کوئی بھی پورا پورا مالک نہیں ہے اور نہ پوری پوری کفالت کر رہے ہیں بلکہ دونوں کی کفالت اور مؤنت آدھی آدھی ہے۔ اس لئے کسی شریک پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے عن ابی هریرة قال لیس فی المملوک زکوة الا مملوک تملکه (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۱۸ فی المملوک یکون بین رجلین علیہ صدقۃ الفطر ج ثانی ص ۴۲۳، نمبر ۱۰۶۵۱) اس اثر میں الا مملوک تملکه کا مطلب یہی ہے کہ تم مملوک کے مکمل مالک ہو تو زکوۃ یعنی صدقۃ الطفر واجب ہے، اور مکمل مالک نہیں ہو بلکہ شرکت میں مملوک ہے تو صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے۔

[۵۴۳](۷) مسلمان مولا صدقۃ الفطر ادا کرے گا اپنے کافر غلام کی جانب سے۔

وجہ (۱) حنفیہ کے نزدیک غلام کا صدقہ مولی پر واجب ہوتا ہے اور مولی چونکہ مسلمان ہے اس لئے اس پر واجب ہوگا (۲) بخاری میں دوسری

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمرؓ صدقۃ الفطر ادا کرتے تھے ہر مملوک کی جانب سے جو اس کی زمین میں ہو اور دوسری زمین میں ہو۔ اور ہر انسان کی جانب سے جن کی وہ کفالت کرتے تھے، چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور اپنی بیوی کے غلام کی جانب سے۔ اور ان کا مکاتب غلام مدینہ طیبہ میں تھا تو ان کی جانب سے ادا نہیں کرتے تھے۔ (ب) حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا مملوک میں صدقہ نہیں ہے مگر وہ مملوک جس کے تم پورے مالک ہو۔

المسلم الفطرة عن عبده الكافر [۵۴۴](۸) والفطرة نصف صاع من بر او صاع من تمر او زبيب او شعير.

حدیث مطلق ہے اس میں من المسلمین کی قید نہیں ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ مملوک مسلمان ہو یا کافر دونوں صورتوں میں اس کا صدقۃ الفطر نکالنا واجب ہوگا عن ابن عمر قال فرض رسول الله ﷺ صدقة الفطر صاعا من شعير او صاعا من تمر على الصغير والكبير والحر والمملوك (الف) (بخاری شریف، باب صدقۃ الفطر علی الصغیر والکبیر ص ۲۰۵ نمبر ۱۵۱۲) اس حدیث میں والمملوک مطلق ہے۔ یعنی کافر اور مسلمان دونوں قسم کے غلاموں پر صدقۃ الفطر واجب ہے (۳) عن ابن عباس قال قال رسول الله صدقة الفطر عن كل صغير وكبير ذكر و انثى يهودى او نصرانى حر او مملوك نصف صاع من بر (ب) (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر ج ثانی ص ۱۳۱ نمبر ۲۱۰۰) اس حدیث میں ہے کہ یہودی ہو یا نصرانی ہو اس مملوک کا صدقۃ الفطر واجب ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک کافر غلام کا صدقۃ الفطر اس کے مولی پر واجب نہیں ہے۔

وجہ ان کے یہاں خود غلام پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے اور غلام کافر ہے اور کافر صدقہ کا اہل نہیں ہے۔ کیونکہ صدقہ تو عبادت ہے اس لئے ان کے یہاں کافر غلام کا صدقۃ الفطر مولی پر واجب نہیں ہے (۲) پہلے مسئلہ میں بخاری شریف کی حدیث گزری جس میں ذکر او انثى من المسلمين کی قید ہے (بخاری شریف، باب صدقۃ الفطر علی العبد وغیرہ من المسلمین ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۴) اس لئے مسلمان غلام کا واجب ہوگا غیر مسلم کا نہیں ہوگا۔

[۵۴۴] (۸) صدقۃ الفطر آدھا صاع ہے گیہوں سے یا ایک صاع ہے کھجور سے یا کشمش سے یا جو سے۔

تشریح صدقۃ الفطر گیہوں سے آدھا صاع دینا ہوگا، اور کھجور سے ایک صاع اور کشمش سے ایک صاع اور جو سے ایک صاع دینا ہوگا۔

وجہ (۱) عن عبد الله بن عمر قال امر النبى ﷺ بزكوة الطفر صاعا من تمر او صاعا من شعير قال عبد الله فجعل الناس عدله مدين من حنطة (ج) (بخاری شریف، باب صدقۃ الفطر صاع من تمر ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے کھجور اور جو ایک صاع دینے کا حکم دیا اور لوگوں نے آدھا صاع گیہوں کو ایک صاع کھجور کے برابر قرار دیا۔ اور حضورؐ نے اس کو قبول کیا اس لئے آدھا صاع گیہوں دینا کافی ہے (۲) عن ابى صعير قال قال رسول الله صاع من بر او قمح على كل اثنين صغير او كبير (د) (ابو داؤد شریف، باب من روی نصف صاع من قمح ص ۲۳۵ نمبر ۱۶۱۹) اس حدیث سے اور اوپر بخاری شریف کی حدیث سے معلوم ہوا کہ آدھا صاع گیہوں صدقۃ الفطر میں دینا کافی ہے۔ کیونکہ ایک صاع دو آدمیوں کی جانب سے ہوا تو آدھا صاع ایک

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرض کیا صدقۃ الفطر ایک صاع جو میں سے یا ایک صاع کھجور میں سے چھوٹے پر اور بڑے پر، آزاد پر اور مملوک پر (ب) آپؐ نے فرمایا صدقۃ الفطر ہے ہر چھوٹے بڑے اور مذکر مؤنث اور یہودی اور نصرانی اور آزاد اور مملوک کی جانب سے آدھا صاع گیہوں (ج) آپؐ نے صدقۃ الفطر کا حکم دیا ایک صاع کھجور، ایک صاع جو تو لوگوں نے دو مد گیہوں کو اس کے برابر قرار دیا۔ نوٹ دو مد آدھا صاع ہوتا ہے (د) آپؐ نے فرمایا ایک صاع گیہوں دو آدمیوں پر ہے چھوٹے ہو یا بڑے۔

[۵۴۵] (۹) والصاع عند ابی حنیفة و محمد ثمانیة ارطال بالعراقی و قال ابو یوسف

آدمی کی جانب سے ہوگا۔

[۵۴۵] (۹) اور صاع امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک آٹھ رطل کا ہے عراقی رطل کے ساتھ اور امام ابو یوسف نے فرمایا پانچ رطل اور ایک تہائی رطل۔

وجہ اس کی کچھ تفصیل کتاب الزکوۃ میں گزر چکی ہے۔ چار مد کا ایک صاع ہوتا ہے یہ بالاتفاق ہے۔ البتہ کتنے رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اس میں اختلاف ہوگیا۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک آٹھ رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اور امام امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک پانچ رطل اور تہائی رطل کا صاع ہوتا ہے (۲) آٹھ رطل کا صاع ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس بن مالک ان النبی ﷺ کان یتوضأ برطلین ویغتسل بالصاع ثمانیة ارطال (الف) (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطرج ثانی ص ۱۳۴ نمبر ۲۱۱۹ /۲۱۲۰ رسنن للبیھقی، باب مادل علی ان صاع النبی کان عیارۃ خمسۃ ارطال وثلث ج رابع ص ۲۸۷، نمبر ۷۷۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صاع آٹھ رطل کا ہونا چاہئے **فائدہ** امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ کی دلیل یہ حدیث ہے حدثنی ابی عن امه انها ادت بهذا الصاع الی رسول الله قال مالک انا حرزت هذه فوجدتها خمسة ارطال و ثلث (ب) (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر ص ۱۳۲ نمبر ۲۱۰۵ رسنن للبیھقی، باب مادل علی ان صاع النبی ﷺ کان عیارہ خمسۃ ارطال وثلث ص ۲۸۷، نمبر ۷۷۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کا صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل تھا۔ اسی پر جمہور ائمہ کا عمل ہے۔

نوٹ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر چہ آٹھ رطل کا صاع ہے لیکن ان کا رطل چھوٹا ہے اور صرف 20 استار کا صاع ہے جو 442.25 گرام کا ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک پانچ رطل اور تہائی رطل کا صاع ہے لیکن ان کا رطل بڑا ہے۔ 30 استار کا صاع ہے جو 663.413 گرام کا ایک رطل ہوگا۔ اور دونوں کا صاع 160 استار کا ہوگا اور 3538 گرام ہوگا۔ دلیل یہ عبارت ہے۔ فقال لطرفان ثمانیة ارطال بالعراقی، وقال الثانی خمسة ارطال وثلث وقیل لا خلاف لان الثانی قدره برطل المدینة لانه ثلاثون استارا والعراقی عشرون، واذا قابلت ثمانیة بالعراقی بخمسة وثلث بالمدینی وجدتهما سواء (ردالمختار علی الدرالمختار، باب صدقۃ الفطر، ج ثالث، ص ۳۷۴) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دونوں رطلوں کا حاصل ایک ہی ہے یعنی 3538 گرام کا صاع ہے۔ اور آدھا صاع گیہوں 1.769 گرام صدقۃ الفطر ہوگا۔ یعنی ایک کیلو سات سو انہتر گرام، اور صاع کا برتن 2.94 لیٹر کا ہوگا۔

یہ حساب احسن الفتاوی، باب صدقۃ الفطر، ج رابع، ص ۴۱۶ سے لیا گیا ہے۔ البتہ درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صاع کا وزن اس سے بھی چھوٹا ہے۔ کیونکہ اس میں ہے کہ ایک صاع کا وزن 1040 درہم ہے۔ اور ایک درہم کا وزن 3.061 گرام ہے۔ تو ایک صاع کا وزن 1040×3.061 گرام برابر 3183.44 گرام ہوگا۔

حاشیہ : (الف) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضورؐ وضو فرماتے تھے دو رطل سے اور غسل کرتے تھے ایک صاع سے جو آٹھ رطل کا ہوتا ہے (ب) حضرت مالک نے اپنی ماں سے نقل کیا کہ انہوں نے اس صاع سے حضورؐ کو صدقہ ادا کیا۔ حضرت مالک نے فرمایا میں نے اس کو ناپا تو اس کو پانچ رطل اور تہائی رطل پایا۔

خمسة ارطال و ثلث رطل [۵۴۶](۱۰) ووجوب الفطرة يتعلق بطلوع الفجر الثانی من يوم الفطر [۵۴۷](۱۱) فمن مات قبل ذلک لم تجب فطرته[۵۴۸] (۱۲) ومن اسلم او ولد بعد طلوع الفجر لم تجب فطرته.

وجہ یہ عبارت ہے۔ الصاع المعتبر مايسع الفا واربعين درهما من ماش او عدس (ردالمحتار علی الدر المختار، باب صدقۃ الفطر، ج ثالث، ص ۳۷۴) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ایک صاع 1040 درہم کے وزن کا ہے جس کا گرام 3183.44 ہوگا۔ اور آدھا صاع 1591.72 گرام کا ہوگا۔ احتیاط کے لئے 1.769 کا وزن لینا بہتر ہے۔ پوری تفصیل باب زکوۃ الزرع والثمار' مسئلہ نمبر ۳ پر دیکھیں۔

[۵۴۶] (۱۰) صدقۃ الفطر کا وجوب متعلق ہے عید الفطر کے دن صبح صادق کے طلوع ہونے سے۔

وجہ روزہ صبح صادق کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور رمضان کے بعد یہ پہلا دن ہے جب کہ افطار کیا اور روزہ نہیں رکھا، اور صدقۃ الفطر کی نسبت افطار کی طرف ہے اس لئے جس وقت سے حقیقت میں افطار شروع ہوا یعنی صبح صادق کا وقت وہ وقت صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب بنے گا۔ اس لئے عید کے دن صبح صادق کا وقت صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب بنے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کا استدلال اس حدیث کے اشارے سے ہے۔ عن ابن عمرؓ قال فرض رسول الله ﷺ زكوة الفطر صاعا من تمر ... وامر بها ان تؤدى قبل خروج الناس الى الصلوة (بخاری شریف، باب فرض صدقۃ الفطر، ص ۲۰۴، نمبر ۱۵۰۳) اس حدیث میں عید کی نماز سے پہلے صدقۃ الفطر نکالنے کا حکم دیا۔ جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ اس سے قریب کا وقت یعنی صبح صادق اس کے نکالنے کا سبب ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک عید کے دن سے پہلے جو رات ہے اس کی مغرب کا وقت صدقۃ الفطر واجب ہونے کا سبب ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ اسی مغرب کے وقت ہی سے افطار شروع ہو گیا ہے اس لئے مغرب کا وقت ہی سبب بنے گا۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ مغرب کے وقت تو ہمیشہ ہی افطار کا تھا اس لئے صبح صادق کا وقت صدقۃ الفطر واجب ہونے کا سبب بنے گا۔

لغت الفجر الثانی : سے مراد صبح صادق ہے۔ کیونکہ الفجر الاول صبح کاذب ہے۔

[۵۴۷] (۱۱) جو آدمی صبح صادق سے پہلے مر گیا اس کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا۔

وجہ صبح صادق صدقۃ الفطر واجب ہونے کا سبب تھا اور وہ سبب واقع ہونے سے پہلے مر گیا اس لئے صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا۔

[۵۴۸] (۱۲) اور جو اسلام لایا، یا بچہ پیدا ہوا صبح صادق طلوع ہونے کے بعد تو اس کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا۔

وجہ جو صبح صادق طلوع ہونے کے بعد مسلمان ہوا تو وہ صبح صادق کے وقت مسلمان ہی نہیں تھا۔ اس پر سبب واقع نہیں ہوا۔ اسی طرح صبح صادق کے بعد بچہ پیدا ہوا تو اس بچے پر سبب واقع نہیں ہوا اس لئے اس پر بھی صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ سبب کے بعد یہ لوگ وجود میں آئے۔

اصول سبب نہ پایا جائے تو حکم لازم نہیں ہوگا۔

[۵۴۹] (۱۳) والمستحب ان یخرج الناس الفطرۃ یوم الفطر قبل الخروج الی المصلی فان قدموھا قبل یوم الفطر جاز [۵۵۰] (۱۴) وان اخروھا عن یوم الفطر لم تسقط وکان علیھم اخراجھا.

---

[۵۴۹] (۱۳) اور مستحب ہے کہ آدمی صدقۃ الفطر عید کے دن عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے نکالے۔پس اگر عید الفطر کے دن سے پہلے نکالے تو جائز ہے۔

وجہ (۱) عن ابن عمر ان النبی ﷺ امر بزکوۃ الفطر قبل خروج الناس الی الصلوۃ (الف) (بخاری شریف، باب الصدقۃ قبل العید ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے عید کے دن صدقۃ الفطر نکالے، اس سے بھی پہلے نکالے تو جائز ہے کیونکہ صدقۃ الفطر کا سبب اصلی مالداری ہے اور وہ موجود ہے اس لئے اگر صبح صادق سے پہلے ادا کر دیا تو ادائیگی ہو جائے گی۔ جیسے زکوۃ جلدی دے تو ادا ہو جاتی ہے۔ (۲) اثر میں ہے فکان ابن عمر یودیھا قبل ذلک بالیوم والیومین (ب) (ابوداؤد شریف، باب متی تودی ص ۲۳۴ نمبر ۱۶۱۰) اس اثر میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر صدقۃ الفطر عید کے ایک دن یا دو دن قبل ہی نکال دیتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سبب تو عید الفطر کے صبح صادق کا وقت ہے لیکن اگر دو چار روز قبل ہی نکال دے تو ادائیگی ہو جائے گی۔

[۵۵۰] (۱۴) اور اگر صدقۃ الفطر کو عید الفطر کے دن سے مؤخر کیا تو وہ ساقط نہیں ہوگا اور ان پر اس کا نکالنا ضروری ہوگا۔

تشریح اگر عید الفطر کے دن تک صدقۃ الفطر نہیں نکالا تو واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوگا۔ جیسے نماز واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور بعد میں بھی اس کا نکالنا واجب ہوگا۔ اور چونکہ ایک صاع یا آدھا صاع گیہوں ہی دینا پڑے گا اس لئے بوجھ بھی کوئی زیادہ نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے صدقۃ الفطر نکالنے کا حکم دیا نماز کی طرف لوگوں کے نکلنے سے پہلے (ب) ابن عمرؓ صدقۃ الفطر ادا کیا کرتے تھے عید الفطر سے ایک دن یا دو دن پہلے۔

﴿کتاب الصوم﴾

[۵۵۱](۱) الصوم ضربان واجب و نفل فالواجب ضربان ما يتعلق بزمان بعينه كصوم رمضان والنذر المعين [۵۵۲] (۲) فيجوز صومه بنية من اليل فان لم ينو حتى اصبح

﴿کتاب الصوم﴾

ضروری نوٹ صوم کے معنی رکنا ہے۔روزہ میں کھانے، پینے اور جماع سے رکنا ہے اس لئے اس کو صوم کہتے ہیں۔روزہ فرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے یا ایها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (الف) (آیت ۱۸۳ سورۃ البقرۃ ۲) اور حدیث میں ہے ان اعرابیا جاء الی رسول الله ﷺ ... فقال اخبرنی ماذا فرض الله علی من الصیام فقال شهر رمضان الا ان تطوع شیئا (ب) (بخاری شریف، کتاب الصوم، باب وجوب صوم رمضان ص ۲۵۴ نمبر ۱۸۹۱) اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔

[۵۵۱] (۱) روزے کی دو قسمیں ہیں واجب اور نفل، پس واجب کی دو قسمیں ہیں، ان میں سے ایک جو تعلق رکھتی ہے متعین زمانے کے ساتھ جیسے رمضان کے روزے اور نذر معین۔

تشریح روزے کی چھ قسمیں ہیں (۱) رمضان کے روزے (۲) نذر معین کا روزہ (۳) قضاء رمضان (۴) نذر غیر معین (۵) کفارات کے روزے (۶) نفل روزے۔ان چھ قسموں میں سے پہلی دو قسمیں رمضان کے روزے اور نذر معین وقت متعین کے ساتھ ہیں اور باقی چار قسمیں وقت کے ساتھ متعین نہیں ہے۔کسی دن بھی رکھ سکتے ہیں۔

[۵۵۲] (۲) وقت متعین کا روزہ رات کی نیت کے ساتھ جائز ہے، پس اگر نیت نہ کی ہو یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو اس کو کافی ہو گی وہ نیت جو رات اور زوال کے درمیان کی گئی ہے۔

تشریح اگر رات کو نیت نہ کی ہو تو زوال سے پہلے نیت کر لی تو وہ نیت بھی رمضان کے روزے کے لئے اور نذر معین کے ادا ہونے کے لئے کافی ہے۔کیونکہ رمضان کا مہینہ ہونے کی وجہ سے یہ طے ہے کہ ایک مسلمان کو روزہ رکھنا ہے اور صبح سے زوال تک کھایا پیا بھی نہیں ہے اس لئے اکثر دن میں نیت کر لی تو روزہ ادا ہو جائے گا۔اور زوال سے پہلے نیت کر لی تو آدھا دن سے زیادہ نیت پائی گئی للاکثر حکم الکل کے قاعدہ کے اعتبار سے کافی ہو جائے گی۔یہی حال نذر معین کا ہے کہ پہلے سے روزہ رکھنے کے لئے دن متعین ہے اس لئے یہی گمان ہے کہ اپنے وعدے کے مطابق روزہ رکھے گا۔

نوٹ روزہ کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اس لئے صبح صادق سے آدھا دن سے زیادہ کا اعتبار کرنا ہوگا۔

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا ہے، شاید کہ تم تقوی اختیار کرو (ب) دیہاتی نے کہا مجھ کو خبر دیجئے اللہ نے مجھ پر روزے میں کیا فرض کیا ہے۔آپ نے فرمایا رمضان کے روزے۔مگر یہ کہ تم نفلی روزے رکھنا چاہو۔

اجزأته النية ما بينه وبين الزوال [۵۵۳](۳) والضرب الثانى ما يثبت فى الذمة كقضاء رمضان والنذر المطلق والكفارات فلا يجوز صومه الا بنية من الليل وكذلک صوم الظهار.[۵۵۴] (۴) والنفل كله يجوز بنية قبل الزوال.

لغت النذر المعین : کوئی آدمی نذر مانے کہ مثلا جمعہ کے دن روزہ رکھوں گا تو چونکہ جمعہ کا دن روزہ رکھنے کے لئے متعین کیا اس لئے یہ نذر معین ہوئی، نذر واجب ہونے کی دلیل یہ آیت ہے ثم لیقضوا تفثهم ولیوفوا نذورهم (الف) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر مانی ہو تو اس کو پوری کرنا چاہئے۔ روزہ متعین ہے، دن کو بھی نیت کر لے تو جائز ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن حفصة زوج النبی ﷺ ان رسول الله قال من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام له (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی النیۃ فی الصوم ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۴ رترمذی شریف، باب ماجاء لا صیام لمن لم یعزم من اللیل ص ۱۴۵ نمبر ۷۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات سے روزے کی نیت کرنی چاہئے (۲) دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ متعین روزہ اور نفل روزہ کی نیت زوال سے پہلے بھی کرے گا تو روزہ درست ہو جائے گا عن سلمة بن اکوع ان النبی ﷺ بعث رجلا ینادی فی الناس یوم عاشوراء ان من اکل فلیتم او فلیصم ومن لم یأکل فلا یأکل (ج) (بخاری شریف، باب اذا نوی بالنہار صوما (۲۵۷ نمبر ۱۹۲۴ رابو داؤد شریف، باب فی الرخصۃ فیہ (ای فی النیۃ) ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۵) اس حدیث میں جس نے دوپہر تک کھایا نہیں تھا اس کو نیت کر کے روزہ رکھنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ دوپہر سے پہلے روزہ کی نیت کر سکتا ہے۔ حدیث میں یہ حکم سنت روزے کا ہے لیکن متعین روزے کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا۔

[۵۵۳] (۳) دوسری قسم وہ روزہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے رمضان کی قضا اور نذر مطلق اور کفارات کے روزے، پس جائز نہیں ہے اس کے روزے مگر رات کی نیت کے ساتھ، اور ایسے ہی کفارۂ ظہار کے روزے۔

تشریح وہ روزے جو وقت کے ساتھ متعین نہیں ہیں اور نفل بھی نہیں ہیں ان روزوں کی نیت رات سے ہی کرنی ہوگی، تب روزے درست ہونگے۔

وجہ چونکہ یہ روزے مطلق وقت کے ساتھ ہیں، کسی وقت کے ساتھ متعین نہیں ہے اس لئے رات ہی سے نیت کر کے واجب روزہ متعین کرنا ہوگا۔ اور رات ہی سے نیت کرنی ہوگی۔

وجہ اوپر ابو داؤد کی حدیث ہے۔ ان رسول الله ﷺ قال من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام له (ابو داؤد شریف، نمبر ۲۴۵۴ رترمذی شریف، نمبر ۷۳۰)

[۵۵۴] (۴) اور نفل کل کے کل جائز ہے زوال کے پہلے کی نیت سے۔

حاشیہ : (الف) پھر اپنی پراگندگی کو دور کرو اور اپنی نذر پوری کرو (ب) آپ نے فرمایا جو آدمی فجر سے پہلے روزے کا پختہ ارادہ نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوا (ج) آپ نے ایک آدمی کو عاشورہ کے دن لوگوں میں اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ جس نے کھانا کھایا وہ روزہ پورا کرے یا روزہ رکھے۔ فرمایا اور جس نے کھانا نہیں کھایا تو اب نہ کھائے یعنی روزہ رکھے۔

[۵۵۵](۵) وینبغی للناس ان یلتمسوا الهلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان فان راوہ صاموا وان غم علیهم اکملوا عدۃ شعبان ثلثین یوما ثم صاموا[۵۵۶] (۶) ومن رای

تشریح زوال سے پہلے پہلے نیت کرے تب بھی نفل روزہ جائز ہے۔

وجہ (۱) نفل روزہ چونکہ ذمے میں نہیں ہے۔اس لئے اگر صبح سے ابھی تک کھایا پیا نہ ہو اور زوال سے پہلے روزے کی نیت کر لے تو چونکہ آدھا دن سے زیادہ روزہ کی نیت ہوئی اس لئے روزہ درست ہو جائے گا (۲) عن عائشة رضی الله عنها قالت کان النبی ﷺ اذا دخل علی قال هل عندکم طعام فاذا قلنا لا قال انی صائم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصۃ فیہ ص۳۴۰ نمبر ۲۴۵۵ رمسلم شریف ،باب جواز صوم النافلة بنیۃ من النہار قبل الزوال ص ۳۶۴ نمبر ۱۱۵۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دن میں کھانے کا انتظام نہیں ہوا تو آپؐ نے روزہ کی نیت کر لی جس سے معلوم ہوا کہ نفل روزے کی نیت زوال سے پہلے پہلے کر لینے سے روزہ درست ہو جاتا ہے۔

﴿ رویت ہلال کا مسئلہ ﴾

[۵۵۵](۵) انسان کے لئے مناسب ہے کہ چاند کو انتیسویں شعبان کو تلاش کرے، پس اگر چاند دیکھ لیا تو سب روزہ رکھیں اور اگر لوگوں پر پوشیدہ رہا تو شعبان کے تیس دن پورے کریں اور پھر روزہ رکھیں۔

تشریح شعبان کی انتیسویں تاریخ کو چاند تلاش کرنا چاہئے۔اگر نظر آجائے تو روزہ رکھے اوت نظر نہ آئے تو شعبان کی تیس پوری کر کے روزہ رکھے۔

وجہ حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمران رسول الله ﷺ قال الشهر تسع و عشرون لیلة فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین (ب) (بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ اذا رایتم الھلال فصوموا واذا رایتموہ فافطروا، ص ۲۵۶، نمبر ۱۹۰۷ رمسلم شریف، باب وجوب صوم رمضان لرویۃ الہلال ص ۳۴۷ نمبر ۱۰۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چاند دیکھ کر رزہ رکھنا چاہئے اور انتیس کو چاند نظر نہ آئے تو تیس پورے کرے۔

نوٹ مراکش کو چھوڑ کر عرب کے تقریبا سارے ملک وجود قمر پر یعنی نیو مون کے فورا بعد پر کیلنڈر بناتے ہیں جو چاند نظر آنے سے ایک دن مقدم ہوتا ہے۔اس پر نہ چاند نظر آئے گا اور نہ آسکتا ہے۔اللہ تعالی ان کو ہدایت دے۔برصغیر کے علماء محقق رویت بصری کرتے ہیں اور صحیح تاریخ پر ہمیشہ اعلان کرتے ہیں۔اللہ ان کو جزائے خیر سے نوازے۔

لغت غم علیکم : چاند چھپ جائے، چاند نظر نہ آئے۔

[۵۵۶](۶) کسی نے رمضان کا چاند اکیلے دیکھا تو روزہ رکھے اگر چہ امام نے اس کی گواہی قبول نہ کی ہو۔

تشریح ایک اکیلے آدمی نے رمضان کا چاند دیکھا اور قاضی نے کسی وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں کی تو وہ آدمی خود روزہ رکھ لے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ ہمارے پاس تشریف لاتے تو پوچھتے کیا تمہارے پاس کھانا ہے؟ پس جب ہم کہتے نہیں تو فرماتے میں اب روزہ دار ہوں (ب) آپؐ نے فرمایا مہینہ انتیس راتوں کا ہوتا ہے تو مت روزہ رکھو جب تک چاند دیکھ نہ لو، پس اگر تم پر چاند چھپ جائے تو تیس دن پورے کرو۔

هلال رمضان وحده صام وان لم يقبل الامام شهادته[۵۵۷] (۷) واذا كان فى السماء علة قبل الامام شهادة الواحد العدل فى روية الهلال رجلا كان او امرأة، حرا كان او

وجہ چونکہ وہ آدمی چاند دیکھ چکا ہے اس لئے اس کے حق میں رمضان ہے اس لئے وہ خود روزہ رکھے۔ حدیث میں گزرا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور اس نے چاند دیکھا ہے اس لئے اس کو روزہ رکھنا چاہئے۔

نوٹ اگر اس نے روزہ نہیں رکھا تو قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں۔ کیونکہ قاضی کے انکار کرنے کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا اور کفارہ شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

اصول خود کسی بات پر یقین کرتا ہو تو اس کو کرنا چاہئے، لیکن دوسروں پر لازم نہیں کر سکتا جب تک کہ قضاء قاضی یا شہادت ملزمہ نہ ہو۔

[۵۵۷] (۷) اگر آسمان میں کوئی علت ہو تو چاند دیکھنے کے بارے میں امام ایک عادل آدمی کی گواہی قبول کریں گے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔

تشریح آسمان میں علت کا مطلب یہ ہے کہ افق پر غبار ہو، کہر ہو یا بادل ہو تو ممکن ہے کہ کسی کو چاند نظر آجائے اور کسی کو نظر نہ آئے اس لئے ایک آدمی کی گواہی بھی قبول ہوگی۔

وجہ چاند دیکھنے کا معاملہ امر دینی ہے۔ معاملات نہیں ہے اس لئے ایک آدمی کی گواہی بھی قابل قبول ہے۔ اور تکمیل شہادت یعنی دو گواہی کی ضرورت نہیں (۲) حدیث میں ہے **عن ربعی بن حراش عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشهدا عند النبی ﷺ بالله لا هلا الهلال امس عشية فامر رسول الله ﷺ الناس ان يفطروا** (الف) (ابوداؤد شریف، باب شہادۃ رجلین علی رویۃ ہلال شوال ص ۳۲۶ نمبر ۲۳۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید الفطر کے چاند کے لئے دو گواہ ضروری ہیں، دار قطنی میں ہے **قالا و كان رسول الله ﷺ لا يجيز شهادة الافطار الا بشهادة رجلين** (ب) (دار قطنی، کتاب الصوم ج ثانی ص ۱۳۷ نمبر ۲۱۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آسمان پر علت ہو تو عید کے لئے دو گواہوں سے عید کا فیصلہ کریں گے اس سے کم کا نہیں۔ کیوں کہ اس پر فرض روزہ چھوڑنے کا مدار ہے۔ اور لوگوں کا فائدہ ہے اس لئے یہ معاملات کی طرح ہو گیا اور معاملات میں دو آدمیوں کی گواہی کی ضرورت ہے۔ اس لئے عید اور بقرہ عید کے چاند کے لئے دو گواہوں کی ضرورت ہے۔ اور رمضان کا روزہ شروع کرنے کے لئے ایک گواہ کی ضرورت ہے کیوں کہ یہ امر دینی ہے اور امر دینی کے ثبوت کے لئے ایک گواہ کافی ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فقال انی رایت الهلال قال الحسن فی حديثه يعنی رمضان فقال اتشهد ان لااله الا الله؟ قال نعم قال اتشهد ان محمدا رسول الله قال نعم قال يا بلال اذن فی الناس فليصوموا غدا** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی شہادۃ الواحد علی رویۃ ہلال رمضان ص ۳۲۷ نمبر ۲۳۴۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الصوم بالشہادۃ ص ۱۴۸

حاشیہ : (الف) لوگوں نے رمضان کے آخری دن میں اختلاف کیا، پس دو دیہاتی آئے اور حضورؐ کے سامنے گواہی دی خدا کی قسم کل شام کو چاند دونوں نے دیکھا ہے۔ پس حضورؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ افطار کریں (ب) آپؐ افطار کی گواہی جائز نہیں قرار دیتے تھے مگر دو آدمی کی گواہی سے (ج) ایک دیہاتی (باقی اگلے صفحہ پر)

عبدا[۵۵۸](۸) فان لم یکن فی السماء علة لم تقبل الشهادة حتی یراہ جمع کثیر یقع العلم بخبرھم [۵۵۹](۹) ووقت الصوم من حین طلوع الفجر الثانی الی غروب

نمبر ۱۶۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کے ثبوت کے لئے ایک آدمی کی گواہی کافی ہے۔

[۵۵۸](۸)اور اگر آسمان میں علت نہ ہو تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ ایک بڑی جماعت دیکھے جس کی خبر سے علم یقینی واقع ہو

وجہ اگر آسمان پر بادل، غبار، کہر، دھواں وغیرہ نہیں ہے اور چاند نظر آنے کے قابل ہو گیا ہے تو ہر ڈھونڈنے والے کو نظر آئے گا اور کافی آدمی اس کو دیکھیں گے۔لیکن اس کے باوجود ایک دو آدمیوں نے دیکھنے کا دعوی کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔اور محال عادی ہے اس لئے ایک دو آدمیوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔بلکہ اتنے آدمی دیکھیں کہ اس کی خبر سے علم یقینی ہو اور جھوٹ پر محمول نہ کیا جا سکے۔ اثر میں ہے **قلت لعطاء ارایت لو ان رجلا رای ھلال رمضان قبل الناس بلیلة ایصوم قبلھم ویفطر قبلھم ؟ قال لا الا ان راہ الناس اخشی یکون شبه علیه** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب کم یجوز من الشهود علی رویۃ الھلال ج رابع ص ۱۶۷ نمبر ۷۳۴۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ رویت عامہ ہو تب قبول کیا جائے گا۔

تجربہ زمانے کا تجربہ یہ ہے کہ جب چاند دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے اور مطلع صاف ہو تو ہر آدمی کو نظر آتا ہے۔لیکن دیکھنے کے قابل نہ ہو تو کسی کو نظر نہیں آتا۔ایسے موقع پر ایک دو گواہی گزرتی ہے اور وہ جھوٹی گواہی ہوتی ہے۔اس وقت چاند آسمان پر ہلال ہی بنا نہیں ہوتا۔چاند نیومون سے اٹھارہ گھنٹے کے بعد دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔جو لوگ اس سے قبل دیکھنے کا دعوی کرتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

نوٹ عرب کے علماء نے ایک گواہی اور دو گواہی پر چاند ہونے کا فیصلہ دیا اور رویت عامہ کا اعتبار نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کیلنڈر ایک دن مقدم اور ڈیڑھ دن مقدم تاریخ پر بنائی گئی۔اور اسی پر ایک دو گواہی لیکر رویت کا اعلان کرتے ہیں۔اور ساڑھے ستائیس پر یا اٹھائیس پر گواہی لیتے ہیں۔اور اعلان رویت کر لیتے ہیں ان کا کبھی بھی حقیقت میں انتیس اور تیس پورے نہیں ہوتے۔صرف مقدم کیلنڈر کا انتیس اور تیس پورا کرتے ہیں جو قطعا جائز نہیں ہے۔ اور ایک روز فرض روزہ ضائع کرتے ہیں۔العیاذ والحفیظ! اس لئے مطلع صاف ہو تو رویت عامہ پر رویت کا فیصلہ کرنا چاہئے۔

[۵۵۹](۹)روزہ کا وقت صبح صادق طلوع ہونے کے وقت سے سورج غروب ہونے تک ہے۔

تشریح صبح صادق کے وقت سے لیکر غروب آفتاب تک روزہ کا وقت ہے۔

وجہ آیت میں ہے **وکلوا واشربوا حتی تبیین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے)حضورؐ کے پاس آیا اور کہا میں نے چاند دیکھا ہے۔حضرت اپنی حدیث میں کہتے ہیں یعنی رمضان کا چاند دیکھا ہے تو آپؐ نے پوچھا لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتے ہو؟ کہا ہاں! آپؐ نے پوچھا محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے ہو؟ کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل روزہ رکھیں (الف) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا اگر کوئی آدمی لوگوں سے ایک رات پہلے رمضان کا چاند دیکھے تو آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اس کے پہلے روزہ رکھے اور اس کے پہلے افطار کرے؟ حضرت عطاء نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ لوگ دیکھیں۔ہو سکتا ہے کہ اس کو شبہ ہوا ہو۔

الشمس[۵۶۰] (۱۰) والصوم ھو الامساک عن الاکل والشرب والجماع نھارا مع النیة[۵۶۱](۱۱) فان اکل الصائم او شرب او جامع ناسیا لم یفطر[۵۶۲] (۱۲) وان

اللیل (الف) (آیت ۱۸۷ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ صبح صادق کے پہلے پہلے تک کھاتا رہے گا اور صبح صادق کے وقت سے روزہ شروع ہوگا اور غروب آفتاب تک رہے گا۔ خیط ابیض سے مراد صبح صادق ہے۔ حدیث میں ہے **سمرۃ بن جندب یقول سمعت محمدا ﷺ یقول لا یغرن احدکم نداء بلال من السحور ولا ھذا البیاض حتی یستطیر** (ب) (مسلم شریف، باب ان الدخول فی الصوم تحصل بطلوع الفجر ص ۳۵۰ نمبر ۱۰۹۴ ر بخاری شریف نمبر ۱۹۱۷ ر ابوداؤد شریف، باب وقت السحور ر ص ۳۴۱ نمبر ۲۳۴۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ صبح صادق سے روزہ شروع ہوگا۔ **عن عمر ابن خطاب قال قال رسول اللہ اذا اقبل اللیل من ھھنا وادبر النھار من ھھنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم** (ج) (بخاری شریف، باب متی یحل فطر الصائم ص ۲۶۲ نمبر ۱۹۵۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کرے۔

﴿ جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا ان کا بیان ﴾

[۵۶۰] (۱۰) روزہ وہ دن میں نیت کے ساتھ کھانے اور پینے اور جماع سے رکنا ہے۔

تشریح کھانے، پینے اور جماع سے دن میں روزے کی نیت سے رکا رہے تو اس کو روزہ کہتے ہیں۔ ہر جز کی تفصیل اور دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔

[۵۶۱] (۱۱) پس اگر روزہ دار نے کھانا کھایا یا پیا یا جماع کیا بھول کر تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

وجہ بھول کر کھانے۔ پینے اور جماع کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ بھول کرنا وغیرہ معاف ہے۔ **عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا فاکل او شرب فلیتم صومہ فانما اطعمہ اللہ وسقاہ** (د) (بخاری شریف، باب الصائم اذا اکل او شرب ناسیا ص ۲۵۹ نمبر ۱۹۳۳ ر ابوداؤد شریف، باب من اکل ناسیا ص ۳۴۳ نمبر ۲۳۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھول سے کھایا یا پیا تو روزہ نہیں ٹوٹا اس کو پورا کرے (۲) **عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال من افطر فی شھر رمضان ناسیا فلا قضاء علیہ ولا کفارۃ ولیتم صومہ** (ہ) (دار قطنی ۳ کتاب الصوم، ج ثانی ص ۱۵۸ نمبر ۲۲۲۳) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بھول سے کھایا پیا تو روزہ نہیں ٹوٹا اور نہ اس کی قضا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ کفارہ دینے کی ضرورت ہے۔

[۵۶۲] (۱۲) اگر سو گیا اور احتلام ہوا (۲) یا عورت کی طرف دیکھا اور انزال ہوا (۳) یا تیل لگایا (۴) یا پچھنا لگایا (۵) یا سرمہ لگایا (۶) یا بوسہ

حاشیہ : (الف) کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ سفید دھاگا کالے دھاگے سے ظاہر ہو جائے فجر میں سے (یعنی صبح صادق ہو جائے) پھر روزے کو رات تک پورا کرو (ب) حضور کو کہتے سنا تم لوگوں کو بلال کی اذان سحری کھانے سے دھوکا نہ دے اور نہ یہ سفیدی جب تک کہ یہ پھیل نہ جائے (ج) آپ نے فرمایا جب رات اس طرف سے آئے اور دن یہاں سے چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار افطار کرے (د) آپ نے فرمایا جب بھول جائے اور کھالے یا پی لے تو اپنا روزہ پورا کرے اس لئے کہ اللہ نے اس کو کھلایا ہے اور اس کو پلایا ہے (ہ) آپ سے منقول ہے جس نے رمضان کے مہینہ میں بھول کر افطار کیا تو اس پر نہ (باقی اگلے صفحہ پر)

نام فاحتلم او نظر الی امرأته فانزل او ادھن او احتجم و اکتحل او قبل لم یفطر[۵۶۳] (۱۳) فان انزل بقبلة او لمس فعلیه القضاء ولا کفارة علیه.

لیا تو روزہ نہیں ٹوٹا۔

وجہ (۱) روزہ ٹوٹتا ہے کسی چیز کے پیٹ کے اندر یا دماغ کے اندر جانے سے یا جماع کرنے سے، اوپر کی صورتوں میں نہ جماع کرنا پایا گیا اور نہ پیٹ میں یا دماغ میں کوئی چیز گئی ہے اس لئے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اثر میں ہے (۲) قال ابن عباس و عکرمة الصوم مما دخل ولیس مما خرج (الف) (بخاری شریف، باب الحجامة والقیئ للصائم ص ۲۶۰ نمبر ۱۹۳۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز داخل ہونے سے روزہ ٹوٹتا ہے کسی چیز کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ جماع میں منی نکلتی ہے پھر بھی اس لئے ٹوٹتا ہے کہ اس میں لذت کاملہ ہوتی ہے۔ جس کے ٹوٹنے کے بارے میں حدیث ہے (۳) احتلام ہونے سے نہ ٹوٹنے کے بارے میں یہ حدیث ہے عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال قال رسول اللہ لا یفطر من قاء ولا من احتلم ولا من احتجم (ب) (ابوداؤد شریف، فی الصائم یحتلم نھارا فی شھر رمضان ص ۳۳۰ نمبر ۲۳۷۶ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الصائم یذرعہ القیئ ص ۱۵۲ نمبر ۷۱۹ / بخاری شریف، باب الحجامة والقیئ للصائم، نمبر ۱۹۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احتلام ہونے، خود سے قے ہونے اور پچھنا لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور اسی پر دوسرے مسئلوں کو قیاس کر لیں (۴) سرمہ لگانے سے روزہ نہ ٹوٹنے کی یہ حدیث ہے عن عائشة قالت ربما اکتحل النبی ﷺ وھو صائم (ج) (سنن للبیھقی، باب الصائم یکتحل ج رابع ص ۴۳۷، نمبر ۸۲۵۹) عن انس بن مالک انہ کان یکتحل وھو صائم (د) (ابوداؤد شریف، باب فی الکحل عند النوم، کتاب الصائم ص ۳۳۰ نمبر ۲۳۷۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الکحل للصائم ص ۱۵۴ نمبر ۷۲۶) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ سرمہ لگانے سے دماغ کے اندر کوئی چیز نہیں جاتی ہے۔ بوسہ لینے سے اگر انزال نہیں ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اس کی یہ حدیث ہے عن عائشة قالت ان کان رسول اللہ لیقبل بعض ازواجہ وھو صائم ثم ضحکت (ہ) (بخاری شریف، باب القبلة للصائم ص ۲۵۸ نمبر ۱۹۲۸ / ابوداؤد شریف، باب القبلة للصائم ص ۳۳۱ نمبر ۲۳۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف بوسہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لغت ادھن : دھن سے مشتق ہے تیل لگایا، احتجم : حجامت سے مشتق ہے پچھنا لگوایا، اکتحل : کحل سے مشتق ہے سرمہ لگایا، قبل : باب تفعیل سے بوسہ لیا۔

[۵۶۳] (۱۳) پس اگر بوسہ لینے سے یا چھونے سے انزال ہو گیا تو اس پر قضا ہے۔ اس پر کفارہ نہیں ہے۔

حاشیہ (پچھلے صفحہ سے آگے) قضا ہے اور نہ کفارہ ہے۔ یعنی روزہ صحیح رہا۔ چاہئے کہ وہ اپنا روزہ پورا کرے (الف) روزہ داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے نہ کہ کسی چیز کے نکلنے سے (ب) آپؐ نے فرمایا روزہ نہیں ٹوٹے گا جس نے قے کی، اور نہ جس نے احتلام کیا اور نہ جس نے پچھنا لگوایا (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کبھی آپؐ سرمہ لگاتے اس حال میں کہ آپؐ روزہ دار ہوتے (د) انس بن مالک سرمہ لگاتے اس حال میں کہ وہ روزہ دار ہوتے (ہ) آپؐ اپنی بعض بیوی کا بوسہ لیتے اس حال میں کہ وہ روزہ دار ہوتے۔ پھر وہ ہنس پڑی۔

[۵۶۴] (۱۴) ولا بأس بالقبلة اذا امن علی نفسه [۵۶۵] (۱۵) ویکره ان لم یامن [۵۶۶] (۱۶) وان ذرعه القیئ لم یفطر وان استقاء عامدا ملأ فمه فعلیه القضاء

وجہ چونکہ مکمل جماع صورۃ اور معنیً نہیں پایا گیا اس لئے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ کفارہ شبہات سے ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن جماع کی شکل پائی گئی اور منی نکالنے میں اس کو دخل ہے اس لئے قضا لازم ہوگی (۲) اثر میں ہے عن الحسن فی الرجل یقبل نهارا فی رمضان ... وقال قتادة ان خرج منه الدافق فلیس علیه الا ان یصوم یوما (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الرفث واللمس وھو صائم ج رابع ص ۱۹۲ نمبر ۸۴۵۰) (۲) عن میمونة مولاة النبی ﷺ ان النبی ﷺ سئل عن صائم قبل فقال افطر (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۶۰ من کرہ القبلة للصائم ولم یرخص فیھا ج ثانی ص، ۳۱۷، نمبر ۹۴۲۶/۶۹ ما قالوا فی الصائم یفطر حین یمنی ص، ۳۲۲، نمبر ۹۴۷۹) ان اثر اور حدیث سے معلوم ہوا کہ بوسہ لینے سے انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

[۵۶۴] (۱۴) بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر اپنی ذات پر قابو ہو۔

وجہ پہلے مسئلہ نمبر ۱۲ میں حدیث اور وجہ گزر گئی ہے۔

[۵۶۵] (۱۵) بوسہ لینا مکروہ ہے اگر نفس پر اعتماد نہ ہو۔

وجہ (۱) اگر جوان ہے اور نفس پر اعتماد نہیں ہے تو روزہ کی حالت میں بوسہ لینا مکروہ ہے۔ کیونکہ خطرہ ہے کہ کہیں جماع میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور کفارہ اور قضا نہ کرنا پڑے اس لئے نفس پر قابو نہ ہو تو اس کے لئے بوسہ لینا مکروہ ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابی هریرة ان رجلا سال النبی ﷺ عن المباشرة للصائم فرخص له واتاه اخر فنهاه فاذا الذی رخص له شیخ والذی نهاه شاب (ج) (ابو داؤد شریف، باب کراھیۃ للشاب ص ۳۳۱ نمبر ۲۳۸۷) حدیث میں جوان کو روکنے کی وجہ یہی تھی کہ اس کو نفس پر قابو نہیں ہے۔ اس لئے مکروہ ہوگا۔

[۵۶۶] (۱۶) اگر کسی کو خود بخود قے آگئی تو روزہ نہیں ٹوٹا اور اگر قے جان بوجھ کر کی منہ بھر کر تو اس پر قضا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال من ذرعه القیئ فلیس علیه قضاء ومن استقاء عمدا فلیقض (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی من استقاء عمدا ص ۱۵۳ نمبر ۷۲۰/ ابو داؤد شریف، باب الصائم یستقی عامدا ص ۳۳۱ نمبر ۲۳۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود بخود قے ہوئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ کوئی چیز نکلی ہے داخل نہیں ہوئی ہے۔ لیکن جان کر کے باہر نکالی اور کی تو چونکہ ان کو قے کرنے میں دخل ہے اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حسن سے آدمی کے بارے میں پوچھا جو رمضان میں دن میں بوسہ لیتا ہو... حضرت قتادہ نے فرمایا اگر اس سے کودنے والا پانی نکل گیا تو اس پر کچھ نہیں ہے مگر یہ کہ ایک دن روزہ رکھے (ب) آپ نے روزہ دار کے بارے میں پوچھا کہ وہ بوسہ لے لے تو فرمایا کہ روزہ ٹوٹ گیا (ج) ایک آدمی نے حضورؐ سے روزہ دار کے لئے مباشرت کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے اس کو مباشرت کی اجازت دی، اور دوسرا اجازت کے لئے آیا تو آپؐ نے اس کو منع فرمایا۔ پس جس کو اجازت دی وہ بوڑھا تھا اور جس کو روکا وہ جوان تھا (د) آپؐ نے فرمایا جس کو قے آگئی ہو اس پر قضا نہیں ہے اور جس نے قے کی جان کر تو وہ قضا کرے۔

[۵۶۷](۱۷) ومن ابتلع الحصاة او الحديد او النواة افطر وقضى[۵۶۸](۱۸) ومن جامع عامدا فی احد السبيلين او اكل او شرب ما يتغذى به او يتداوى به فعليه القضاء

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ حدیث میں مطلق قے کرنے سے روزہ ٹوٹنے کا حکم ہے اس لئے تھوڑی قے بھی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

نوٹ کفارہ لازم اس لئے نہیں ہوگا کہ باضابطہ کھانا کھانا نہیں پایا گیا۔

[۵۶۷](۱۷) کسی نے کنکری نگلی یا لوہا یا گٹھلی نگلی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا کرے۔

وجہ اگر چہ یہ چیزیں کھانے کی نہیں ہیں لیکن صورۃً کھانا ہے اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا۔لیکن حقیقت میں یہ چیزیں کھانے کی نہیں ہے اس لئے مکمل کھانا نہیں پایا گیا اس لئے کفارہ لازم نہیں ہوگا (۲) اثر میں یہ الفاظ ہیں۔ عن ابراهيم انه رخص فی مضغ العلک للصائم مالم يدخله حلقه (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۱ من رخص فی مضغ العلک للصائم ج ثانی ص ۲۹۷، نمبر ۹۱۷۹) اس اثر میں ہے کہ علک چبائے اور حلق میں نہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے جس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ اگر حلق میں گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔اور علک دانت صاف کرنے کے لئے چبانے کی چیز ہے۔عام طور پر غذا یا دوا کے طور پر کھانے کی چیز نہیں ہے۔اور اسی پر ان تمام چیزوں کو قیاس کیا جائے جو عام طور پر غذا یا دوا کے طور کھانے کی چیز نہیں ہے۔

لغت الحصاة : کنکری۔ النواة : گٹھلی۔

[۵۶۸](۱۸) کسی نے جماع کیا جان بوجھ کر دو راستوں میں سے ایک میں یا کھایا یا پیا ایسی چیز جس سے غذا حاصل کی جاتی ہو یا اس سے دوا کی جاتی ہو تو اس پر قضا ہے اور کفارہ ہے۔

تشریح شرمگاہ میں یا پاخانہ کے راستہ میں روزے کی حالت میں جان بوجھ کر جماع کیا تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

وجہ ان دونوں مقامات پر شہوت کاملہ ہوتی ہے۔اس لئے روزہ بھی ٹوٹے گا اور کفارہ بھی لازم ہوگا (۲) حدیث میں ہے ان ابا هريرة قال بينما نحن جلوس عند النبی ﷺ اذ جاءه رجل فقال يا رسول الله هلكت قال مالک قال وقعت علی امرأتی وانا صائم فقال رسول الله ﷺ هل تجد رقبة تعتقها قال لا قال فهل تستطيع ان تصوم شهرين متتابعين قال لا قال فهل تجد اطعام ستين مسكينا قال لا قال فمكث الخ (ب) (بخاری شریف، باب اذا جامع فی رمضان ولم یکن لہ شیء فتصدق علیہ فلیکفر ص ۲۵۹ نمبر ۱۹۳۶ رابوداؤد شریف، کفارۃ من اتی اہلہ فی رمضان ص ۳۴۲ نمبر ۲۳۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے میں جماع کر کے روزہ توڑے تو اس پر کفارہ لازم ہے (۳) اور اسی پر کھانے پینے کو قیاس کیا جائے کیونکہ اس صورت میں بھی جان بوجھ کر روزہ

حاشیہ : (الف) ابراہیم سے منقول ہے کہ انہوں نے روزہ دار کو علک چبانے کے بارے میں رخصت دی جب تک کہ وہ حلق میں داخل نہ ہو جائے (ب) اس درمیان کے ہم حضورؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک آدمی آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہو گیا۔آپؐ نے فرمایا کیا ہوا؟ کہا میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔آپؐ نے فرمایا کیا تمہارے پاس غلام ہے جس کو آزاد کر سکو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم طاقت رکھتے ہو کہ دو ماہ مسلسل روزے رکھو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔آپؐ نے فرمایا کیا کھانا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ؟ انہوں نے کہا نہیں۔

والکفارۃ[۵۶۹] (۱۹)والکفارۃ مثل کفارۃ الظھار[۵۷۰] (۲۰)ومن جامع فیما دون

توڑنا پایا گیا(۴)اس بارے میں مطلق حدیث ہے کہ کسی بھی طرح افطار کرے تو کفارہ لازم ہے۔حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃ ان رجلا افطر فی رمضان فامرہ رسول اللہ ﷺ ان یعتق رقبۃ او یصوم شھرین متتابعین او یطعم ستین سکینا الخ (الف) (ابو داؤد شریف، کفارۃ من اتی اھلہ فی رمضان ص ۳۳۲ نمبر ۲۳۹۲) دار قطنی، باب القبلۃ للصائم ج ثانی ص ۱۷۰ نمبر ۲۲۸۳ر ۲۲۸۴)اس حدیث میں ہے کہ کسی بھی طرح رمضان کا روزہ توڑا ہو چاہے کھا پی کر اس پر کفارہ لازم ہے۔دار قطنی کی حدیث نمبر ۲۲۸۴ میں ان رجلا اکل فی رمضان فامرہ النبی ﷺ ان یعتق رقبۃ الخ کی عبارت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کھانے سے بھی کفارہ لازم ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف جماع سے توڑا ہو تو کفارہ لازم ہوگا۔اور کھا پی کر توڑا ہو تو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔صرف قضا لازم ہوگی۔

وجہ پہلی حدیث میں جماع کر کے توڑنے پر کفارہ لازم کیا گیا ہے۔اور دوسری حدیث میں بھی اسی کا جز ہے اس لئے کھانے پینے سے توڑنے کو جماع پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ امام ابو حنیفہ کی ایک روایت یہ ہے کہ پاخانہ کے مقام میں جماع کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس میں اتنی شہوت پوری نہیں ہوتی جتنی شرمگاہ میں ہوتی ہے(۲)اور جس طرح اس میں جماع کرنے سے حد لازم نہیں ہوتی اسی طرح کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا۔

[۵۶۹] (۱۹)اور روزہ توڑنے کا کفارہ ظہار کے کفارہ کی طرح ہے۔

تشریح کفارۂ ظہار غلام آزاد کرنا ہے،وہ نہ ہو تو ساٹھ روز مسلسل روزے رکھنا ہے،اور وہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔رمضان کا روزہ توڑنے میں بھی یہی کفارہ لازم ہوگا۔

وجہ مسئلہ نمبر ۱۸ میں بخاری شریف کی حدیث گزری جس میں کفارہ کی یہ تفصیل موجود تھی۔اسی سے کفارہ کی تفصیل لازم ہے۔اور کفارۂ ظہار کی تفصیل سورہ مجادلۃ ۵۸ آیت نمبر ۳ اور ۴ میں ہے۔

[۵۷۰] (۲۰)جس نے جماع کیا فرج کے علاوہ میں اور انزال ہوا تو اس پر قضا ہے کفارہ نہیں ہے۔

وجہ یہاں فرج سے مراد شرمگاہ اور پاخانہ کے راستے کے علاوہ ہے۔اس لئے ان دونوں کے علاوہ جگہ مثلا ران وغیرہ میں جماع کیا اور انزال ہوا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہوگی۔کفارہ لازم نہیں ہوگا۔کیونکہ ان مقامات پر شہوت کاملہ نہیں ہے۔حدیث میں ہے عن میمونۃ مولاۃ النبی ﷺ ان النبی ﷺ سئل عن صائم قبل فقال افطر (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۰ من کرہ القبلۃ للصائم ولم یرخص فیھا ج ثانی ص ۳۱۷، نمبر ۹۴۲۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بوسہ لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا تو غیر فرج میں جماع کرے اور انزال ہو جائے تو بدرجۂ اولی روزہ ٹوٹے گا۔کیونکہ یہ تو اعلی درجہ کی حرکت ہوئی(۲)اثر میں ہے ان ابن مسعود قال فی القبلۃ للصائم قولا

حاشیہ : (الف)ایک آدمی نے رمضان کے مہینہ میں روزہ توڑا تو حضورؐ نے ان کو حکم دیا کہ غلام آزاد کرے،یا دو ماہ مسلسل روزے رکھے یا ساٹھ مسکین کو کھانا کھلائے۔(ب)آپؐ سے پوچھا گیا روزہ دار کے بارے میں کہ بوسہ لے لے تو کہا روزہ ٹوٹ گیا۔

الفرج فانزل عليه القضاء ولا كفارة عليه[۵۷۱](۲۱) وليس فی افساد الصوم فی غير رمضان كفارة [۵۷۲](۲۲) ومن احتقن او استعط او اقطر فی اذنه او داوی جائفة او آمة

شديدا يعنى يصوم يوما مكانه و هذا عندنا فيه اذا قبل فانزل (الف)(سنن للبیہقی ، باب وجوب القضا علی من قبل فانزل ج رابع ص ۳۹۵، نمبر ۸۱۰۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ فرج کے علاوہ میں جماع کرنے سے منی نکل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

[۵۷۱](۲۱) رمضان کے علاوہ کے روزے توڑنے میں کفارہ نہیں ہے۔

وجہ (۱) رمضان کا روزہ فرض ہے اس کے علاوہ کا روزہ فرض نہیں ہے۔اور نہ اس کی اتنی اہمیت ہے۔اس لئے رمضان کے علاوہ کا روزہ توڑدے تو صرف قضا لازم ہوگی۔کفارہ لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں جو کفارہ کا ذکر ہے وہ رمضان کے روزے توڑنے میں ہے دوسرے روزے میں نہیں۔اس لئے دوسرے روزے کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔اور کفارہ لازم نہیں ہوگا۔غیر رمضان میں روزہ توڑنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا صرف قضا لازم ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشة قالت ... فقال رسول الله** ﷺ **لا عليكما صوما مكانه يوما آخر** (ابوداؤد شریف، باب من رای علیہ القضاء ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۷ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ایجاب القضاء علیہ، ص ۱۵۵، نمبر ۷۳۵)اس حدیث میں نفلی روزہ توڑنے پر صرف قضا لازم کی گئی ہے۔

[۵۷۲](۲۲) جس نے حقنہ لیا یا ناک میں دوا ڈالی یا کان میں قطرہ ٹپکایا یا پیٹ کے زخم کی دوا کی یا دماغ کے زخم کی تر دوا کی اور وہ پیٹ تک پہنچ گئی یا دماغ تک پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وجہ کوئی بھی کھانے پینے کی چیز یا دوا کی چیز دماغ تک یا آنت تک پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔اوپر کی صورتوں میں منفذ اور سوراخ کے ذریعہ دوا یا پانی آنت اور دماغ تک پہنچ رہے ہیں اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا (۲) اثر میں ہے **قال ابن عباس و عكرمة الصوم مما دخل وليس مما خرج** (بخاری شریف، باب الحجامة والقیئ للصائم ص ۲۶۰ نمبر ۱۹۳۸ رسنن للبیہقی ، باب الافطار بالطعام وبغیر الطعام اذا ازدردہ عامدا او بالسعوط والاحتقان وغیر ذلک مما یدخل جوفہ باختیارہ ج رابع ص ۲۶۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز داخل ہو جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور داخل ہونے کا مطلب پیٹ میں یا دماغ میں داخل ہونا ہے جو اصل ہیں۔حقنہ کے بارے میں اثر موجود ہے **عن الثوری قال يفطر الذی يحتقن بالخمر ولا يضرب الحد** (ب)(مصنف عبدالرزاق، باب الحقنۃ فی رمضان والرجل یصیب اہلہ ج رابع ص ۱۹۹ نمبر ۷۴۷۸)**عن عطاء كره ان يستدخل الانسان شيئا فی رمضان بالنهار فان فعل فليبدل يوما ولا يفطر ذلك اليوم** (ج)(مصنف عبدالرزاق، باب الحقنۃ فی رمضان والرجل یصیب اہلہ ص ۱۹۹ نمبر ۷۴۷۷)اس

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ ابن مسعود نے روزہ دار کے لئے بوسہ لینے کے بارے میں سخت بات کہی۔یعنی اس کی جگہ ایک روزہ رکھے گا اور یہ ہمارے نزدیک اس وقت ہے جب بوسہ لے اور انزال ہو جائے (ب) حضرت ثوری سے منقول ہے کہ فرمایا روزہ ٹوٹ جائے گا اس کا جس نے شراب کے ذریعہ حقنہ لگوایا لیکن حد نہیں لگائی جائے گی (ج) حضرت عطاء سے منقول ہے کہ مکروہ ہے کہ انسان کوئی چیز رمضان کے دن میں داخل کرے۔پس اگر کیا تو ایک دن بدل لے یعنی دوسرے دن روزہ رکھے اور اس دن افطار نہ کرے۔

بدواء رطب فوصل الی جوفه او دماغه افطر [٥٧٣](٢٣) وان اقطر فی احلیله لم یفطر عند ابی حنفة و محمد وقال ابو یوسف یفطر [٥٧٤](٢٤) ومن ذاق شیئا بفمه لم یفطر ویکره له ذلک.

اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز بدن میں داخل کرنے سے دوسرے دن روزہ قضا رکھے۔البتہ اس دن بھی روزہ پورا کرے چھوڑے نہیں۔

لغت احتقن : پاخانہ کے راستے سے دوا پیٹ میں ڈالنا۔ آمۃ : دماغ کا گہرا زخم جو دماغ کے اندر تک پہنچ رہا ہو۔ رطب : تر۔تر دوا کی قید اس لئے لگائی کہ تر دوا زخم کی رطوبت کے ساتھ مل کر پیٹ یا دماغ تک پہنچ جاتی ہے۔جب کہ خشک دوا زخم کی رطوبت کو اور مزید خشک کر دیتی ہے اس لئے وہ آنت تک نہیں پہنچ پاتی۔اس لئے خشک کے لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک تر دوا لگانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ آنت تک پہنچنا اور دماغ تک پہنچنا کوئی یقینی نہیں ہے۔

اصول دوا یا غذا دماغ یا پیٹ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

[٥٧٣](٢٣) اگر پیشاب گاہ میں قطرہ ڈالا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وجہ امام ابو حنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ پیشاب گاہ کے سوراخ کا منفذ آنت تک نہیں ہے۔بلکہ درمیان میں مثانہ حائل ہے اس سے مترشح ہو کر پیشاب آتا ہے۔اس لئے کوئی دوا یا پانی پیشاب گاہ کے سوراخ میں ڈالے تو وہ آنت تک نہیں پہنچے گی۔اس لئے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

فائدہ امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ پیشاب گاہ کا سوراخ برارہ راست آنت تک پہنچتا ہے۔اسی لئے آنت میں گیا ہوا پانی پیشاب کے راستہ سے نکلتا ہے۔اس لئے جو پانی یا دوا پیشاب گاہ کے سوراخ میں ڈالے گا وہ آنت تک پہنچ جائے گی۔اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

نوٹ اس مسئلہ کا دارو مدار ڈاکٹری تحقیق پر ہے اور ڈاکٹری تحقیق یہ ہے کہ پیشاب گاہ کا سوراخ برارہ راست آنت تک نہیں ہے اس لئے طرفین کے مسلک کے موافق روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لغت احلیل : پیشاب گاہ کا سوراخ۔

[٥٧٤](٢٤) اگر کسی نے منہ سے کچھ چکھ لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن یہ مکروہ ہے۔

وجہ صرف منہ سے چکھنے سے پیٹ میں کوئی چیز نہیں گئی اس لئے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن ممکن ہے کہ کبھی کوئی چیز پیٹ میں چلی جائے اور روزہ ٹوٹ جائے اس لئے بغیر ضرورت کے ایسا کرنا مکروہ ہے (٢) اثر میں ہے عن ابن عباس قال لا بأس ان یتطاعم الصائم بالشیء یعنی المرقة و نحوها (الف) (سنن للبیہقی، باب الصائم یذوق شیاج رابع ص ٤٣٥، نمبر ٨٢٥٤) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شوربہ وغیرہ چکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا بشرطیکہ پیٹ میں کوئی چیز نہ جائے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ روزہ دار کوئی چیز چکھے یعنی شوربہ وغیرہ۔

[۵۷۵] (۲۵) ویکرہ للمرأة ان تمضغ لصبیها الطعام اذا کان لها منه بد[۵۷۶] (۲۶) ومضغ العلک لا یفطر الصائم ویکرہ[۵۷۷] (۲۷) ومن کان مریضا فی رمضان فخاف

---

[۵۷۵] (۲۵) عورت کے لئے مکروہ ہے کہ اپنے بچے کے لئے کھانا چبائے جب کہ اس کے لئے کوئی راستہ موجود ہو۔

تشریح اگر بچے کے کھانے کو چبانے کی ضرورت نہیں ہے تو اس کو چبانا مکروہ ہے۔ اور اگر اشد ضرورت پڑ جائے تو چبا سکتی ہے بشرطیکہ پیٹ میں کھانا نہ جائے۔

وجہ اثر میں ہے عن ابراهیم قال لا بأس ان تمضغ المرأة لصبیها وهی صائمة مالم تدخل حلقها (الف) (مصنف ابن ابی شیبة، ۵۰ فی الصائمة تمضغ لصبیھا ج ثانی ص ۳۰۶، نمبر ۹۲۹۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ضرورت پڑے تو عورت اپنے بچے کے لئے کھانا چبا سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کے حلق میں کھانا نہ پہنچے۔

لغت مضغ : چبانا۔

[۵۷۶] (۲۶) علک کے چبانے سے روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن مکروہ ہے۔

وجہ علک دانت صاف کرنے کے لئے عورتیں چباتی ہیں۔ اس لئے اگر صرف دانت صاف کرنے کے لئے چبا کر پھینک دیا اور حلق میں اس کا دانہ نہیں گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ پیٹ میں کوئی چیز نہیں گئی لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے (۲) اثر میں ہے عن ابراهیم انه رخص فی مضغ العلک للصائم مالم یدخله حلقه (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۱ من رخص فی مضغ العلک للصائم، ج جلد ثانی ص ۲۹۷، نمبر ۹۱۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ علک چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا بشرطیکہ کوئی چیز حلق میں نہ جائے۔

لغت العلک : چبانے کا گوند۔

[۵۷۷] (۲۷) جو رمضان میں بیمار ہو، پس خوف کرتا ہو کہ اگر وہ روزہ رکھے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو افطار کرے اور قضا کرے،

تشریح بیمار کو روزہ رکھنے سے بیماری بڑھنے کا خطرہ ہو تو روزہ توڑ سکتا ہے اور بعد میں قضا کرے۔

وجہ یہ آیت ہے فمن شهد منکم الشهر فلیصمه ومن کان مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (ج) (آیت ۱۸۵ سورة البقرة ۲) آیت سے معلوم ہوا کہ مرض ہو یا سفر ہو تو روزہ توڑے گا اور دوسرے دنوں میں اس کی قضا کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک جان جانے کا یا عضو جانے کا خطرہ ہو تب افطار کرنے کی اجازت ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ عورت اپنے بچے کے لئے چبائے اس حال میں کہ وہ روزہ دار ہو۔ جب تک کہ اس کے حلق میں کوئی چیز داخل نہ ہو جائے (ب) حضرت ابراہیم سے منقول ہے کہ روزہ دار کے لئے علک چبانے مین رخصت دی۔ بشرطیکہ اس کے حلق میں کچھ داخل نہ ہو جائے (ج) جس کو رمضان کا مہینہ ملے اس کو روزہ رکھنا چاہئے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دن گنیں۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں۔ اللہ تمہارے ساتھ تنگی نہیں چاہتے۔

ان صام ازداد مرضة افطر وقضی [۵۷۸](۲۸) وان كان مسافرا لا يستضر بالصوم فصومه افضل وان افطر و قضی جاز [۵۷۹](۲۹) وان مات المريض اوالمسافر وهما

[۵۷۸](۲۸) اگر مسافر ہے اور روزہ اس کو نقصان نہیں دیتا ہے تو اس کو روزہ رکھنا افضل ہے۔ اور اگر روزہ توڑ دیا اور قضا کیا تو بھی جائز ہے

وجہ (۱) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال حرج رسول الله ﷺ من المدينة الى مكة فصام حتى بلغ عسفان ثم دعا بماء فرفعه الى يده ليره الناس فافطر حتى قدم مكة وذلك فى رمضان فكان ابن عباس يقول قد صام رسول الله وافطر ممن شاء صام ومن شاء افطر (الف) (بخاری شریف، باب من افطر فی السفر لیراہ الناس ص ۲۶۱ نمبر ۱۹۴۸ رمسلم شریف، باب جواز الصوم والافطار فی شہر رمضان للمسافر ص ۱۱۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشقت نہ بھی ہو تب بھی مسافر کے لئے گنجائش ہے کہ افطار کرے یا روزہ رکھے (۲) سفر میں عموما مشقت ہوتی ہے اس لئے سفر کو مشقت کے درجہ میں رکھ دیا اس لئے مسافر کو روزہ رکھنے میں مشقت نہ بھی ہو تب بھی افطار کر سکتا ہے۔ اور مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے کیونکہ رمضان کی فضیلت بہت بڑی چیز ہے جو بعد میں نہیں ملے گی (۲) بعد میں تنہا روزہ قضا کرنے میں پریشانی ہوتی ہے اس لئے بہتر ہے کہ ابھی سب کے ساتھ ادا کر لے۔ حدیث میں ہے عن ابی درداء قال خرجنا مع رسول الله ﷺ فی شهر رمضان فی حر شديد حتى كان احدنا ليضع يده على رأسه من شدة الحر وما فينا صائم الا رسول الله ﷺ وعبد الله بن رواحة (ب) (مسلم شریف، باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان للمسافر ص ۳۵۷ نمبر ۱۱۲۲ رابوداؤد شریف، باب فی اختیار الصیام ص ۳۳۴ نمبر ۲۴۰۹) اس حدیث میں سخت گرمی کے باوجود حضورؐ اور عبد اللہ بن رواحہ نے روزہ رکھا۔ اسی لئے کہ رمضان میں مشقت شدیدہ نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔

نوٹ مشقت شدیدہ ہو تو افطار کرنا بہتر ہے۔ حدیث میں ہے عن جابر بن عبد الله عن النبی ﷺ رای رجلا يظلل عليه والزحام عليه فقال ليس من البر الصيام فى السفر (ج) (ابوداؤد شریف، باب اختیار الفطر ص ۳۳۴ نمبر ۲۴۰۷ رمسلم شریف، باب جواز الصوم فی شہر رمضان للمسافر ص ۳۵۶ نمبر ۱۱۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشقت شدیدہ میں افطار کرنا افضل ہے۔

لغت یستضر : ضرر سے مشرق ہے نقصان دینا۔

[۵۷۹](۲۹) اگر مریض اور مسافر مر گئے اور دونوں اپنی اپنی حالت پر تھے تو ان دونوں کو قضا لازم نہیں ہے۔

تشریح مریض کا مثلا دس روز رمضان کے روزے چھوٹے تھے اور ابھی مرض کی ہی حالت میں تھا، اس کو اس روزے کی قضا کرنے کا موقع

حاشیہ : (الف) آپؐ مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے۔ پس روزہ رکھا یہاں تک کہ مقام عسفان پہنچے پھر پانی منگوایا اور اس کو اپنے ہاتھ کی طرف اٹھایا تا کہ لوگ دیکھ لیں اور آپؐ نے روزہ توڑا۔ یہاں تک کہ مکہ تشریف لائے اور یہ رمضان کے مہینہ میں تھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے سفر میں روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا۔ پس جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے (ب) ہم حضورؐ کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں سخت گرمی میں نکلے۔ یہاں تک کہ ہم میں سے ایک سخت گرمی کی وجہ سے اپنے ہاتھ کو اپنے سر پر رکھتا تھا۔ ہم میں سے کوئی روزہ دار نہیں تھا سوائے رسول اللہ ﷺ اور عبد اللہ بن رواحہ کے (ج) آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس پر سایہ کیا جا رہا تھا اور اس پر بھیڑ تھی تو آپؐ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی میں نہیں ہے (یعنی مشقت شدیدہ ہو تو)

وهما علی حالهما لم یلزمهما القضاء [۵۸۰](۳۰) وان صح المریض او اقام المسافر ثم ماتا لزمهما القضاء بقدر الصحة والاقامة[۵۸۱] (۳۱) وقضاء رمضان ان شاء فرقه وان

نہیں ملا اور انتقال ہو گیا تو اس دس روزے کا کفارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ رمضان میں اس کے لئے روزہ رکھنا معاف تھا۔ اور بعد میں اس کو موقع ہی نہیں ملا کہ قضا کر سکے اس لئے اس دس روزے کی قضا کرنا لازم نہیں۔ اور اب موت کے بعد قضا تو نہیں کر سکے گا تو اس کے بدلے ورثہ پر فدیہ دینا بھی لازم نہیں ہوگا۔ یہی حال مسافر کا ہے کہ سفر میں کچھ روزے چھوٹے تھے اور ابھی سفر کی حالت میں تھا کہ انتقال ہو گیا تو چھوٹے ہوئے دنوں کا فدیہ ورثہ پر دینا لازم نہیں ہوگا۔

اصول قضا کا وقت نہ ملے تو قضا کرنا لازم نہیں ہے۔

[۵۸۰] (۳۰) اگر مریض تندرست ہو جائے یا مسافر مقیم ہو جائے پھر دونوں مر جائے تو دونوں کی صحت کی مقدار اور اقامت کی مقدار قضا لازم ہوگی۔

تشریح مثلا مرض کی حالت میں دس روز رمضان کے روزے چھوٹے تھے۔ اب وہ پانچ روز صحت یاب ہوا اور روزہ قضا کر سکتا تھا لیکن قضا نہیں کیا اور انتقال ہو گیا تو پانچ روز کی قضا لازم ہے۔ لیکن موت کے بعد قضا نہیں کر سکتا تو ورثہ پر ان پانچ روزوں کا فدیہ دینا لازم ہوگا۔ یہی حال مسافر کا ہے۔

وجہ آیت میں ہے **ومن کان مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر** (الف) (آیت ۱۸۵ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھ سکے تو جب فرصت ہو تو روزہ رکھے۔ اور اس کو فرصت ہو چکی تھی، تندرستی آ چکی تھی اس لئے روزہ رکھنا چاہئے تھا۔ اور نہیں رکھا تو قضا لازم ہوگی (۲) حدیث میں ہے **عن عبادة بن نسی قال قال النبی ﷺ من مرض فی رمضان فلم یزل مریضا حتی مات لم یطعم عنه وان صح فلم یقضه حتی مات اطعم منه** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب المریض فی رمضان وقضاءہ ج رابع ص ۲۳۷ نمبر ۷۶۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے رمضان کی قضا کرنا چاہئے۔ اور نہ کر سکا تو ورثہ اس کا فدیہ دیں گے۔ کیونکہ قضا کا وقت ملا تھا۔

[۵۸۱] (۳۱) قضاء رمضان چاہے تو الگ الگ کر کے رکھے چاہے تو مسلسل رکھے۔

تشریح مثلا دس روز رمضان کے روزے قضا ہوئے تھے تو یہ بھی جائز ہے کہ مسلسل دس روز روزے رکھ کر پورے کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ دو روز رکھے پھر کچھ دنوں کے بعد چار روزے رکھے اور تفریق کر کے دس روز پورے کرے۔

وجہ **عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال فی قضاء رمضان ان شاء فرق وان شاء تابع** (ج) (دار قطنی ۲ باب القبلة للصائم ص

حاشیہ : (الف) جو مریض ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھ کر گنیں (ب) آپؐ نے فرمایا جو رمضان میں بیمار ہوا اور ہمیشہ بیمار ہی رہا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا تو اس کی جانب سے کھانا نہیں کھلائے گا۔ اور اگر تندرست ہوا اور ادا نہیں کیا یہاں تک کہ مر گیا تو اس کی جانب سے کھانا کھلائے گا (ج) آپؐ نے قضائے رمضان کے بارے میں فرمایا اگر چاہے تو الگ الگ قضا کرے اور چاہے تو مسلسل قضا کرے۔

شاء تابعه[۵۸۲] (۳۲)وان اخره حتی دخل رمضان آخر صام رمضان الثانی وقضی الاول بعده ولا فدیة علیه[۵۸۳] (۳۳) والحامل والمرضع اذا خافتا علی ولدیهما

۱۷۴نمبر۲۳۰۵/۲۳۰۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تفریق کر کے اور مسلسل رکھ کر قضا کرنا دونوں کی گنجائش ہے۔البتہ مسلسل روزہ رکھ کر جلدی فرض سے سبکدوش ہونا زیادہ بہتر ہے۔

وجہ حدیث میں ہے **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من کان علیه صوم من رمضان فلیسرده ولا یقطعه** (الف) (دار قطنی ۴ باب القبلۃ للصائم ج ثانی ص ۱۷۱ نمبر۲۲۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منقطع نہ کرے بلکہ مسلسل روزہ رکھ کر جلدی اس کو پورا کرے۔

[۵۸۲] (۳۲) رمضان کی قضا کو مؤخر کرتا رہا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آ گیا تو دوسرے رمضان کا روزہ رکھے گا اور پہلے رمضان کی قضا بعد میں کرے گا اور اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔

تشریح ایک آدمی پر رمضان کے کچھ روزے قضا تھے لیکن سستی سے اس کو مؤخر کرتا رہا یہاں تک کہ دوسرے سال کا رمضان آ گیا تو دوسرے سال کے رمضان کے روزے ابھی ادا کرے گا اور پہلے سال کی قضا اس رمضان کے بعد کرے گا۔

وجہ (۱) پہلے سال کے روزے قضا ہو ہی گئے ہیں۔اب دوسرے سال کو مؤخر کرتے ہیں تو یہ بھی قضا ہو جائیں گے۔اس لئے دوسرے سال کے روزے کو اپنے وقت پر ادا کرے اور پہلے سال کے روزے کی قضا کو بعد میں قضا کرے (۲) اثر میں ہے **عن ابی هریرة قال ان انسانا مرض فی رمضان ثم صح فلم یقضه حتی ادرکه شهر رمضان اخر فلیصم الذی احدث ثم یقضی الآخر ویطعم مع کل یوم مسکینا** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب المریض فی رمضان وقضاءہ ج رابع ص ۲۳۴ نمبر ۷۶۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوسرے رمضان کے روزے پہلے ادا کرے گا اور پہلے رمضان کے روزے بعد میں قضا کرے گا۔اور فدیہ اس لئے لازم نہیں ہوگا کہ قضا ہونے کے بعد کبھی بھی قضا کرے وہ قضا ہی ہے اس لئے اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔اثر میں ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھلانے کا جو تذکرہ ہے بطور استحباب کے ہے۔بطور فدیہ اور وجوب کے نہیں ہے۔

[۵۸۳] (۳۳) حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت اگر اپنے بچوں پر خوف کرے تو افطار کرے اور قضا کرے اور ان دونوں پر فدیہ نہیں ہے

وجہ چونکہ یہ دونوں عورتیں بعد میں قضا کر سکتی ہیں اس لئے ان دونوں پر فدیہ نہیں ہے۔تاخیر کے ساتھ روزے قضا ہی کریں گی۔اور شیخ فانی کو اب تندرست ہونے کی امید نہیں ہے اس لئے وہ فدیہ دیں گے۔البتہ چونکہ بچہ ضائع ہو جانے کا خوف ہے اس لئے یہ عورتیں بیمار اور مسافر کے درجے میں ہوئیں اس لئے ابھی افطار کریں گی اور بعد میں قضا کریں گی (۲) حدیث میں ہے **عن انس بن مالک رجل من بنی**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس پر رمضان کے روزے ہوں تو اس کو مسلسل رکھے اور درمیان میں منقطع نہ کرے (ب) حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ انسان رمضان میں بیمار ہو جائے پھر تندرست ہو۔پس قضا نہیں کیا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آ گیا تو روزہ رکھے اس کا جو ابھی آیا پھر پہلے رمضان کا بعد میں قضا کرے۔اور ہر دن کے بدلے مسکین کو کھانا کھلائے۔

افطرتا وقضتا ولا فدیة علیهما[۵۸۴] (۳۴) والشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام

عبد الله بن کعب ... احدثک عن الصوم او الصیام ان الله وضع عن المسافر شطر الصلوۃ وعن الحامل او المرضع الصوم او الصیام قالها النبی ﷺ کلیهما او احدهما (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرخصۃ فی الافطار للحبلی والمرضع ص۱۵۲ نمبر۷۱۵/ابوداؤد شریف، باب من قال ھی مثبتۃ للشیخ والحبلی ص۳۲۴ نمبر۲۳۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں پر روزہ نہیں ہے۔ اور بعد میں قضا کرے گی اور فدیہ نہیں دے گی۔ اس کی وجہ یہ اثر ہے عن ابن عباس قال تفطر الحامل والمرضع فی رمضان وتقضیان صیاما ولا تطعمان (ب) (مصنف ابن عبد الرزاق، باب الحامل والمرضع ج رابع ص ۲۱۸ نمبر۷۵۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وہ فدیہ نہیں دیگی بلکہ قضا کرے گی (۲) چونکہ وہ بعد میں قضا کرنے کی طاقت رکھتی ہے اس لئے قضا ہی کرے گی۔ فدیہ تو اس وقت ہوتا ہے جب زندگی بھر اس کو قضا نہ کر سکے۔ جیسے شیخ فانی زندگی بھر روزہ کو قضا نہیں کر سکتا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ فدیہ دیگی اور قضا نہیں کرے گی۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن سعید بن جبیر قال تفطر الحامل التی فی شهرها والمرضع التی تخاف علی ولدها تفطران وتطعمان کل واحدة منهما کل یوم مسکینا ولا قضاء علیهما (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الحامل والمرضع ج رابع ص۲۱۶ نمبر۷۵۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حاملہ اور مرضعہ عورت ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گی اور قضا نہیں کرے گی۔ انکی دلیل یہ آیت بھی ہے وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین (د) (آیت۱۸۴ سورۃ البقرۃ) آیت سے معلوم ہوا کہ جو طاقت نہ رکھتے ہوں وہ فدیہ دیں گے۔ اس آیت میں شیخ فانی داخل ہیں۔ لیکن ابن عباس کے قول کے مطابق حاملہ اور مرضعہ بھی داخل ہیں۔ عن ابن عباس وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین قال کانت رخصة للشیخ الکبیر والمرأة الکبیرة وهما یطیقان الصیام ان یفطرا ویطعما مکان کل یوم مسکینا والحبلی والمرضع اذا خافتا (ہ) (ابوداؤد شریف، باب من قال ھی مثبتۃ للشیخ والحبلی ص۳۲۴ نمبر۲۳۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حبلہ اور مرضعہ بھی ہر دن کے روزے کے بدلے فدیہ دیں گی۔

[۵۸۴] (۳۴) اور شیخ فانی جو روزے پر قدرت نہ رکھتا ہو افطار کرے گا۔ اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا جیسا کہ کفارات میں کھلاتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن کعب فرماتے ہیں... میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں کہ آپؐ نے صوم فرمایا یا صیام فرمایا کہ اللہ نے مسافر سے نماز کا آدھا حصہ ساقط فرمایا اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت سے روزہ ساقط فرمایا۔ حضورؐ نے صوم یا صیام دونوں کہا یا دونوں میں سے ایک کہا (ب) ابن عباس فرماتے ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ رمضان میں افطار کرے گی اور روزے کی قضا کرے گی اور کھلائے گی نہیں (ج) سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حاملہ جو رمضان کے مہینہ میں ہو اور دودھ پلانے والی جو اپنے بچے پر خوف کرتی ہو اور دونوں میں سے ہر ایک ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گی اور دونوں پر قضا نہیں ہے (د) جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ دے (ہ) حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آیت وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین، فرمایا بہت بوڑھے کے لئے اور بڑی عورت کے لئے رخصت تھی کہ وہ طاقت رکھتے ہوں روزے کی پھر بھی افطار کرے اور ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی اگر خوف کرتی ہوں تو ان کا بھی یہ حال ہے۔

یفطر ویطعم لکل یوم مسکینا کما یطعم فی الکفارات [۵۸۵](۳۵) ومن مات وعلیه قضاء رمضان فاوصی به اطعم عنه ولیه لکل یوم مسکینا نصف صاع من بر او صاعا من تمر او شعیر[۵۸۶](۳۶) ومن دخل فی صوم التطوع ثم افسده قضاه.

وجہ (۱)اوپر آیت گزر گئی جس میں تھا کہ جو طاقت نہ رکھتا ہو وہ ہر روز کے بدلے میں کفارہ ایک مسکین کا کھانا دے۔اثر میں ہے عن ابن عباس انہ کان یقرأها وعلی الذین یطیقونه ویقول هو الشیخ الکبیر الذی لا یستطیع الصیام فیفطر ویطعم عن کل یوم مسکینا نصف صاع من حنطة (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب الشیخ الکبیر ج رابع ص ۲۲۱ نمبر ۷۵۷۴ر بخاری شریف، باب قولہ تعالی ایاما معدودات فمن کان منکم مریضا الخ ج ثانی ص ۶۴۷ کتاب التفسیر، نمبر ۴۵۰۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ شیخ فانی قضا نہیں کرے گا۔اور ہر دن کے بدلے آدھا صاع گیہوں مسکین کو فدیہ دے گا۔

[۵۸۵](۳۵)جو مر گیا اور اس پر رمضان کی قضا ہو پس اس نے اس کی وصیت کی تو اس کی جانب سے اس کا ولی کھلائے گا ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو۔

تشریح کوئی مر گیا اور اس پر رمضان کا روزہ قضا تھا اور اس نے اس کی ادائیگی کی وصیت بھی کی تو ولی اس کی قضا میں ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے جس کی مقدار آدھا صاع گیہوں ہوگی۔

وجہ (۱)عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال من مات وعلیه صیام شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکینا (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الکفارة ص ۱۵۲ نمبر ۷۱۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی جانب سے ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا

فائدہ امام احمد فرماتے ہیں کہ ولی اس کی جانب سے روزہ رکھ کر قضا کرے گا۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة ان النبی ﷺ قال من مات وعلیه صیام صام عنه ولیه (ب)(ابوداؤد شریف، باب فیمن مات وعلیہ صیام ص ۳۳۲ نمبر ۲۴۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی میت کی جانب سے روزے رکھے گا۔

نوٹ اگر میت نے وصیت کی تب ولی پر فدیہ دینا واجب ہے۔اگر وصیت نہیں کی تو ولی پر فدیہ دینا واجب نہیں ہے۔

[۵۸۶](۳۶)جو نفلی روزے میں داخل ہوا پھر اس کو توڑ دیا تو قضا کرے گا۔

وجہ (۱)نفل شروع کرنے سے پہلے پہلے نفل رہتا ہے۔شروع کرنے کے بعد وہ نذر نفلی ہو جاتا ہے۔اور نذر کو پورا کرنا واجب ہے اس لئے وہ واجب ہو جاتا ہے(۲)حدیث میں ہے عن عائشة قالت اهدی لی ولحفصة طعام وکنا صائمتین فافطرنا ثم دخل رسول الله فقلنا له یا رسول الله انا اهدیت لنا هدیة فاشتهیناها فافطرنا فقال رسول الله لا علیکما صوما مکانه یوما آخر

حاشیہ : (الف)حضرت ابن عباسؓ 'وعلی الذین یطیقونه' آیت پڑھتے اور فرماتے کہ بہت بوڑھے جو روزے کی طاقت نہ رکھتے ہوں افطار کرے اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں کھانے دے(ب)آپؐ نے فرمایا جو مر جائے اور اس پر روزہ ہو تو اس کا ولی اس کی جانب سے روزہ رکھے۔

[۵۸۷](۳۷) واذا بلغ الصبی او اسلم الکافر فی رمضان امسکا بقیة یومهما وصاما بعده

(الف) (ابو داؤد شریف، باب من رای علیہ القضاء، کتاب الصوم ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۷ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ایجاب القضاء علیہ ،کتاب الصوم ص ۱۵۵ نمبر ۷۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ دے تو اس کے بدلے میں روزہ رکھے کیونکہ گویا کہ نذر نفلی کو توڑا۔حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھو۔

نوٹ اسی پر نفلی نماز کو بھی قیاس کیا جائے گا کہ وہ بھی توڑ دے تو قضا کرنا لازم ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نفلی روزہ یا نفلی عبادت توڑ دے تو اس کی قضا لازم نہیں ہے۔

وجہ (۱) یہ تبرع ہے اور تبرع میں لزوم نہیں ہوتا ہے۔اس لئے نفلی روزہ یا نفلی عبادت توڑ دے تو قضا لازم نہیں۔البتہ قضا کرے تو بہتر ہے (۲) حدیث میں ہے عن ام ھانی قالت لما کان یوم الفتح ... فقالت یا رسول اللہ لقد افطرت و کنت صائمة فقال لها اکنت تقضین شیئا قالت لا قال فلا یضرک ان کان تطوعا (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الرخصة فیہ ای فی الصوم ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۶ رترمذی شریف، باب ماجاء فی افطار الصائم المتطوع ص ۱۵۵ نمبر ۷۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ ہو تو توڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) دار قطنی میں ہے۔عن ام ھانی قالت قال رسول اللہ ﷺ ... ان کان قضاء من رمضان فصومی یوما مکانه وان کان تطوعا فان شئت فاقضیه وان شئت فلا تقضیه (ج) (دار قطنی ۳ باب، ج ثانی، کتاب الصوم ص ۱۵۴ نمبر ۲۲۰۶ رسنن للبیہقی، باب التخییر فی القضاء ان کان صومہ تطوعا ج رابع ص ۴۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑنے کے بعد چاہے تو قضا کرے چاہے تو نہ کرے۔

[۵۸۷](۳۷) رمضان میں بچہ بالغ ہو جائے یا کافر مسلمان ہو جائے تو دن کا باقی حصہ رکے رہیں اور اس کے بعد والے دن کی قضا کریں اور جو دن گزر چکے ہیں اس کی قضا نہ کریں۔

تشریح جس دن بالغ ہوا یا جس دن مسلمان ہوا اس دن سے روزہ ان پر فرض ہوا اس لئے اس کے بعد والے دن کی قضا کریں گے۔اور جس وقت بالغ یا مسلمان ہوا اس وقت سے لیکر دن کے باقی حصے میں کھانا نہ کھائے اور نہ پانی پیئے تاکہ رمضان کا احترام باقی رہے۔اور اس دن سے پہلے جو دن گزر گئے اس کا روزہ ان پر فرض نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ بالغ نہیں ہوا تھا یا مسلمان نہیں ہوا تھا۔اس لئے گزرے ہوئے دنوں کی قضا ان پر لازم نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن سلمة بن اکوع قال امر النبی ﷺ رجلا من اسلم ان اذن فی الناس ان من کان اکل فلیصم

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے اور حفصہ کو کھانا ہدیہ دیا گیا اور ہم روزہ دار تھے تو ہم نے افطار کر لیا۔پھر حضورؐ داخل ہوئے تو ہم نے ان سے کہا کہ یا رسول اللہ ہم کو ہدیہ دیا گیا اور ہم کو خواہش ہوئی تو ہم نے افطار کر لیا۔آپؐ نے فرمایا تم دونوں اس کی جگہ پر دوسرے دن روزہ رکھ لینا (ب) حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ جب فتح مکہ کا دن ہوا ...فرمایا اے اللہ کے رسول میں نے افطار کر لیا اور میں روزہ دار تھی تو فرمایا کیا تم قضا کر رہی تھی؟ کہا نہیں۔آپؐ نے فرمایا تم کو کچھ نقصان نہیں اگر نفلی روزہ ہے (ج) آپؐ نے فرمایا...اگر رمضان کی قضا ہے تو اس کی جگہ ایک دن روزہ رکھو اور اگر نفلی روزہ ہے تو اگر چاہے تو اس کی قضا کریں اور اگر چاہے تو قضا نہ کریں۔

ولم یقضیا ما مضی [۵۸۸](۳۸) ومن اغمی علیه فی رمضان لم یقض الیوم الذی حدث فیه الاغماء وقضی ما بعدہ.

بقیة یومه ومن لم یکن اکل فلیصم فان الیوم یوم عاشوراء (الف) (بخاری شریف، باب صیام یوم عاشوراء ص ۲۶۸/۲۶۹ نمبر ۲۰۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو دن میں مسلمان ہوا اور روزے کا دن ہو تو اگر کھانا کھا چکا ہو تو روزے کے احترام میں دن کے باقی حصے میں کھانا نہیں کھانا چاہئے (۲) حدیث میں ہے عطیة بن ربیعة الثقفی قال قدم وفدنا من ثقیف علی النبی ﷺ فضرب لهم قبة واسلموا فی النصف من رمضان فامرهم رسول الله فصاموا منه ما استقبلوا منه ولم یأمرهم بقضاء ما فاتهم (ب) (سنن للبیہقی، باب الرجل یسلم فی خلال شہر رمضان ج رابع ص ۴۴۸، نمبر ۸۳۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آگے کی قضا کرے ما مضٰی کی نہیں۔ اور جس دن بالغ ہوا اس کے شروع دن میں بالغ نہیں تھا اس لئے اس دن کا روزہ اس پر فرض نہیں ہوا۔

لغت ولم یقضیا ما مضٰی : کا مطلب یہ ہے کہ بالغ ہونے یا مسلمان ہونے سے پہلے کے دن کی قضا نہ کرے۔

[۵۸۸](۳۸) اور جس پر رمضان میں بیہوشی طاری ہوئی تو اس دن کی قضا نہیں کرے گا جس دن بیہوشی پیدا ہوئی ہے اور اس دن کے بعد کی قضا کرے گا۔

وجہ ایک مسلمان سے یہی امید ہے کہ جس دن یا رات میں بیہوشی طاری ہوئی اس دن اس کے روزہ رکھنے کی نیت تھی اس لئے گویا کہ وہ روزہ کی نیت کے ساتھ کھانے پینے سے رکا رہا اس لئے اس دن کا روزہ ہو گیا۔ اور کئی دنوں تک بیہوش رہا تو باقی دنوں میں روزہ کی نیت نہیں پائی گئی اس لئے بغیر نیت کے کھانے پینے سے رکا رہا تو اس سے روزہ ادا نہیں ہوگا۔

نوٹ بیہوشی کے عالم میں لوگوں نے کچھ کھلایا پلایا تو مریض نے جان کر اپنے ارادہ سے نہیں کھایا ہے بلکہ گویا کہ بھول کر کھایا ہے اور بھول کر کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اس لئے بیہوشی کے عالم میں لوگوں کے کھلانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس دن کا روزہ ادا ہو جائے گا۔ نیت کرنے کی حدیث انما الاعمال بالنیات پہلے گزر چکی ہے۔ (۲) اثر میں ہے عن نافع قال کان ابن عمر یصوم تطوعا فیغشی علیه فلا یفطر، قال الشیخ هذا یدل علی ان الاغماء خلال الصوم لایفسده (ج) (سنن للبیہقی، باب من اغمی علیہ فی ایام من اشہر رمضان ج رابع ص ۳۹۶، نمبر ۸۱۱۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیہوشی سے روزہ نہیں ٹوٹیگا۔ جیسے سونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ اور بعد کے دنوں کی قضا اس لئے کرنا ہوگی کہ اس کو عقل ہے البتہ عقل گویا کہ سو گئی ہے تو جیسے سونے والوں پر رمضان کا روزہ فرض رہتا ہے اسی طرح بیہوشی والے پر بھی روزہ فرض رہے گا۔ لیکن چونکہ بیہوشی کی وجہ سے باقی دنوں میں نیت نہیں کرے گا اس لئے اس کی قضا کرنی ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ایک آدمی کو حکم دیا جو قبیلہ اسلم کا تھا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس نے کھایا تو باقی دن روزہ رکھے اور جس نے نہیں کھایا ہے تو روزہ رکھے اس لئے کہ آج عاشورہ کا دن ہے (ب) میرا وفد قبیلہ ثقیف سے آپؐ کے پاس آیا۔ آپؐ نے ان کے لئے قبہ بنوایا۔ وہ لوگ نصف رمضان میں مسلمان ہوئے۔ آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ جتنا رمضان آگے ہے اس کے روزے رکھو اور جو فوت ہو گیا اس کے قضا کرنے کا ان کو حکم نہیں دیا (الف) حضرت ابن عمر نفلی روزہ رکھتے۔ پس ان پر بیہوشی طاری ہوتی تو روزہ نہیں توڑتے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روزے کے درمیان بیہوشی روزے کو نہیں توڑتی ہے۔

[۵۸۹] (۳۹) واذا افاق المجنون فی بعض رمضان قضی ما مضی منه و صام ما بقی[۵۹۰] (۴۰) واذا حاضت المرأ ۃ او نفست افطرت وقضت اذا طهرت

[۵۸۹] (۳۹) اگر بعض رمضان میں مجنون کوافاقہ ہواتو قضا کرے گا جوگزر گیا،اور جو باقی ہے اس کا روزہ رکھے گا۔

تشریح مثلاً گیارہ رمضان کو جنونیت سے افاقہ ہوا اور عقل آگئی تو بارہ رمضان سے روزے رکھے گا اور پچھلے گیارہ رمضان تک بعد میں قضا کرے گا۔

وجہ پورا رمضان روزے فرض ہونے کا سبب پایا گیا اس لئے پچھلے روزے بھی ادا کرے گا۔

نوٹ اگر پورا رمضان مجنون رہا تو اب کچھ بھی روزے قضا نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کے حق میں رمضان گویا کہ پایا ہی نہیں گیا اور سبب متحقق نہیں ہوا۔ اس لئے وہ کچھ بھی قضا نہیں کرے گا (۲) پورے رمضان کے قضا کروانے میں حرج ہے اس لئے کچھ لازم نہیں ہوگا۔ اور کچھ میں مجنون رہا اور کچھ میں افاقہ ہوا تو کچھ روزہ ہی قضا کرنے پڑیں گے اس لئے زیادہ حرج نہیں ہے۔ (۳) اس کے لئے ابوداؤد کی اگلی حدیث ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جتنے دن تک مجنون رہا اس کی قضا واجب نہیں ہوگی۔

وجہ (۱) کیونکہ جنونیت کی وجہ سے وہ مخاطب ہی نہیں رہا اس لئے ان دنوں میں وہ بچے کی طرح ہو گیا اس لئے اس پر جنونیت کے عالم کی قضا واجب نہیں (۲) اثر میں ہے **عن ابن عباس قال مر علی بمجنونة بنی فلان قد زنت وهی ترجم فقال علی لعمر یا امیر المؤمنین امرت برجم فلانة قال نعم قال اما تذکر قول رسول الله رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یفیق قال نعم فامر بها فخلی عنها** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حداج ثانی ص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۱ رسنن للبیہقی، باب الصبی لا یلزمہ فرض الصوم حتی یبلغ ولا المجنون حتی یفیق ج رابع ص ۴۴۸، نمبر ۸۳۰۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مجنون پر جنونیت کے زمانے کے روزے فرض نہیں ہے۔

[۵۹۰] (۴۰) اگر عورت حائضہ ہو جائے یا نفسہ ہو جائے تو روزہ توڑ دے گی اور جب پاک ہوگی تو قضا کرے گی۔

وجہ (۱) حیض اور نفاس کی حالت میں عورت روزے کے قابل نہیں رہتی ہے اس لئے روزہ رکھی ہوئی ہو تب بھی روزہ توڑ دے گی اور بعد میں قضا کرے گی۔ حدیث میں ہے **عن ابی سعید قال قال النبی ﷺ الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم؟ فذلک من نقصان دینها** (ب) (بخاری شریف، باب الحائض تترک الصوم والصلوۃ ص ۲۶۱ نمبر ۱۹۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت نہ

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کے سامنے بنی فلاں کی ایک مجنونہ گزری جس نے زنا کیا تھا۔ اس حال میں کہ اس پر رجم کا حکم لگا تھا۔ تو حضرت علی نے حضرت عمر سے فرمایا اے امیر المؤمنین آپ نے فلاں پر رجم کا حکم لگایا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! حضرت علی نے فرمایا حضور کا قول یاد نہیں ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ سونے والے سے جب تک کہ بیدار نہ ہو جائے۔ اور بچے سے جب تک کہ بالغ نہ ہو جائے۔ اور مجنون سے جب تک کہ افاقہ نہ ہو جائے۔ حضرت عمر نے فرمایا ہاں! اور مجنونہ کو چھوڑ دینے کا حکم فرمایا۔ (ب) آپؐ نے فرمایا کیا حائضہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے یہ اس کے دین کا نقصان ہے۔

[۵۹۱](۴۱) واذا قدم المسافر او طهرت الحائض فی بعض النهار امسکا عن الطعام والشراب بقیة یومهما[۵۹۲] (۴۲)ومن تسحر وهو یظن ان الفجر لم یطلع او افطر وهو یری ان الشمس قد غربت ثم تبین ان الفجر کان قد طلع او ان الشمس لم تغرب قضی

روزہ رکھے گی اور نہ نماز پڑھے گی۔اور قضا کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة قالت کنا نحیض عند رسول اللہ ﷺ ثم نطهر فیأمرنا بقضاء الصیام ولا یأمرنا بقضاء الصلوة (ترمذی شریف، باب ماجاء فی قضاء الحائض الصیام دون الصلوة ص ۱۶۳ نمبر ۷۸۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ قضا کرنے کا حکم دیا جائے گا اور نماز قضا کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

[۵۹۱] (۴۱) مسافر گھر آئے یا حائضہ عورت پاک ہو دن کے بعض حصہ میں تو دونوں باقی دن کھانے پینے سے رک جائیں۔

تشریح مثلا حائضہ عورت دو پہر کو پاک ہوئی یا مسافر دو پہر کو گھر آیا تو اب دو پہر سے شام تک رمضان کے احترام میں کھانا پینا نہیں کھانا چاہئے۔تاکہ رمضان کا احترام باقی رہے۔چونکہ دن کے شروع حصے میں روزہ کا اہل نہیں ہے اس لئے روزہ تو نہیں رکھ سکتی البتہ جب حائضہ پاک ہو کر اہل ہوئی تو اس وقت سے کھانا پینا نہیں کھائے گی۔

وجہ عن سلمة بن اکوع قال امر النبی ﷺ رجلا من اسلم ان اذن فی الناس ان من کان اکل فلیصم بقیة یومه ومن لم یکن اکل فلیصم فان الیوم یوم عاشوراء (الف) (بخاری شریف، باب صیام یوم عاشوراء ص ۲۶۹ نمبر ۲۰۰۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگ جو درمیان دن میں روزے کے اہل ہوئے ہوں وہ روزے کے احترام میں باقی دن کھانا نہ کھائے۔

[۵۹۲] (۴۲) جس نے سحری کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی ہے یا افطار کرلیا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔پھر ظاہر ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی یا سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا تو اس دن کی قضا کرے گا۔اور اس پر کفارہ نہیں ہے۔

تشریح سحری کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ ابھی صبح صادق نہیں ہے حالانکہ فجر طلوع ہو چکی تھی۔اسی طرح افطار کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے حالانکہ ابھی آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو چونکہ دن میں کھانا کھایا ہے اس لئے روزہ تو نہیں ہوا۔لیکن چونکہ بھول کر کھانا کھایا ہے اس لئے صرف قضا کرنا ہوگا کفارہ لازم نہیں ہوگا۔کیونکہ بھول سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔

وجہ عن اسماء بنت ابی بکر قالت افطرنا علی عهد النبی ﷺ فی یوم غیم ثم طلعت الشمس قیل لهشام فامروا بالقضاء ؟قال بد من قضاء (ب) (بخاری شریف، باب اذا افطر فی رمضان ثم طلعت الشمس ص ۲۶۳ نمبر ۱۹۵۹ رابوداؤد شریف، الفطر قبل غروب الشمس ص ۳۲۹ نمبر ۲۳۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج غروب ہونے سے پہلے افطار کرلیا تو اس دن کی قضا کرے گا۔البتہ بھول سے کیا ہے اس لئے کفارہ لازم نہیں ہوگا اور اسی پر صبح صادق طلوع ہونے کے بعد سحری کرنے کے مسئلہ کو قیاس کرلیں (۲) اثر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے قبیلہ اسلم کے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کردو کہ جس نے کھانا کھایا وہ باقی دن روزہ رکھے۔اور جس نے کھانا نہیں کھایا وہ روزہ پورا کرے اس لئے کہ یہ دن عاشورہ کا دن ہے۔(ب) اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ ہم نے حضورؐ کے زمانے میں بادل کے دن افطار کرلیا پھر سورج نکل آیا تو ہشام سے پوچھا کیا ان سب کو قضا کرنے کا حکم دیا گیا؟

ذلک الیوم ولا کفارۃ علیہ[۵۹۳](۴۳) ومن رای ھلال الفطر وحدہ لم یفطر[۵۹۴] (۴۴) واذا کانت بالسماء علۃ لم یقبل الامام فی ھلال الفطر الا شھادۃ رجلین او رجل و

میں ہے **فقال عمر ... من کان افطر فان قضاء یوم یسیر** (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب الافطار فی یوم مغیم ج رابع ص ۱۷۸ نمبر ۷۳۹۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک دن کی قضا کرنا آسان ہے اور کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

لغت تسحر : سحری کر لی۔

[۵۹۳](۴۳) کسی نے تنہا عید الفطر کا چاند دیکھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح ایک آدمی نے تنہا عید الفطر کا چاند دیکھا تو روزہ نہیں توڑے گا بلکہ روزہ رکھے گا اور بعد میں سب کے ساتھ عید کرے گا۔

وجہ (۱) یہاں روزہ توڑنے میں ایک روز کی عبادت کا نقصان ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ روزہ رکھے اور سب کے ساتھ عید کرے (۲) ہو سکتا ہے کہ چاند دیکھنے کا وہم ہوا ہو اور قاضی نے اس کی گواہی نہ مانی تو یہ وہم اور مضبوط ہو گیا کہ شاید اس نے چاند نہیں دیکھا ہے اس لئے دیکھنے والے کو بھی روزہ رکھ لینا چاہئے (۳) حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ قال الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحی یوم تضحون** (ب)(ترمذی شریف، باب ماجاء ان الفطر یوم تفطرون والاضحیٰ یوم تضحون ص ۱۵۰ نمبر ۶۹۷/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الفطر والاضحیٰ متی یکون ص ۱۶۵ نمبر ۸۰۲/ابوداؤد شریف، باب اذا اخطأ القوم الھلال نمبر ۲۳۲۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب کے ساتھ عید اور بقرہ عید کرنی چاہئے۔

اصول عید الفطر اور بقرہ عید میں اجتماعیت مطلوب ہے۔

نوٹ بشرطیکہ جان بوجھ کر ساڑھے ستائیس پر یا اٹھائیس پر گواہی نہ لیتے ہوں جو عرب ممالک کر رہے ہیں۔ مقدم کیلنڈر پر جھوٹی گواہی لیکر اعلان کرنے والوں کا ساتھ دینا صحیح نہیں ہے۔

[۵۹۴](۴۴) اگر آسمان میں علت ہو تو امام عید الفطر کے چاند میں نہیں قبول کرے گا مگر دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی

وجہ عید الفطر کے موقع پر جلدی اعلان کرتے ہیں تو ایک روزے کا توڑنا لازم آئے گا اور اس میں بندوں کا نفع ہے اس لئے یہ معاملات کی طرح ہو گیا اور معاملات میں دو مرد کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے۔ اسی طرح عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رویت میں دو مرد یا دو عورتیں اور ایک مرد کی گواہی قابل قبول ہوگی (۲) اس کے لئے حدیث میں موجود ہے **عن ربعی بن حراش عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشھدا عند النبی ﷺ باللہ لا ھلا الھلال امس عشیۃ فامر رسول اللہ الناس ان یفطروا** (ج)(ابوداؤد شریف، باب شھادۃ رجلین علی رویۃ ھلال شوال ص ۳۲۷ نمبر

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے فرمایا... جس نے افطار کیا تو ایک دن کی قضا کرنا آسان ہے (یعنی ایک دن کی قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں) (ب) آپؐ نے فرمایا روزہ اس دن صحیح ہوگا جس دن تم سب رکھو اور عید الفطر اس دن ہوگی جس دن تم سب کرو اور قربانی اس دن صحیح ہوگی جس دن سب قربانی کرو (ج) رمضان کے آخری دنوں میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ پس حضورؐ کے پاس دو دیہاتی آکر گواہی دی کہ انہوں نے کل شام چاند دیکھا ہے تو حضورؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں۔

امرأتین [۵۹۵](۴۵) وان لم تکن بالسماء علة لم یقبل الا شهادة جماعة یقع العلم بخبرهم.

۲۳۳۹)اوردارقطنی میں ہے قالا (ابن عمر و ابن عباس) وکان رسول الله لا یجیز شهادة الافطار الا بشهادة رجلین (دار قطنی، کتاب الصوم ج ثانی ص ۱۳۷ نمبر ۲۱۲۹) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے آسمان میں علت یعنی دھواں، کہر، غبار اور بادل وغیرہ ہو تو دو گواہوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اس سے کم کی نہیں۔

[۵۹۵](۴۵)اور اگر آسمان میں علت نہ ہو تو نہیں قبول کی جائے گی مگر ایک جماعت کی گواہی کہ ان کی خبر سے علم یقینی واقع ہو۔

وجہ آسمان صاف ہو اور چاند دیکھنے کے قابل ہو گیا ہو تو ہر دیکھنے والے کو چاند نظر آتا ہے اس کے باوجود ایک دو آدمی چاند دیکھنے کا دعوی کرتے ہیں تو غالب گمان یہ ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس لئے ایک جماعت کی رویت قبول کی جائے گی۔ جس کے دیکھنے سے علم یقینی حاصل ہو۔ اور بڑی جماعت کی ایک تعریف یہ ہے کہ ہر محلے کے ایک دو آدمی چاند دیکھ لیں۔ درمختار میں یہ عبارت ہے۔ عن ابی یوسف : خمسون رجلا کالقسامة قبل اکثر اهل المحلة وقیل من کل مسجد واحد او اثنان (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصوم، مطلب ما قالہ السبکی من الاعتماد علی قول الحساب مردود، ج ثالث، ص ۴۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ ہر محلے کے ایک دو آدمی دیکھ لے تو اس کو رویت عامہ کہتے ہیں۔ تجربہ بھی یہی ہے کہ چاند نظر آنے کے قابل ہوتا ہے تو ہر آدمی کو نظر آتا ہے (۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ قلت لعطاء ارأیت لو ان رجلا رأی هلال رمضان قبل الناس بلیلة ایصوم قبلهم ویفطر قبلهم ؟ قال : لا الا ان اراه الناس ،اخشی ان یکون شبه علیه (مصنف عبد الرزاق، باب کم یجوز الشهود علی رویۃ الہلال، ج رابع ص ۱۶۷، نمبر ۷۳۴۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رویت عامہ ہو۔

﴿باب الاعتکاف﴾

[۵۹۶](۱) الاعتکاف مستحب وھو اللبث فی المسجد مع الصوم و نیة الاعتکاف

﴿ باب الاعتکاف ﴾

ضروری نوٹ الاعتکاف : عکف سے مشتق ہے کسی جگہ ٹھہرنا اور لازم پکڑنا، اعتکاف سنت ہے اس کی دلیل آگے آرہی ہے۔

نوٹ اعتکا کی چار قسمیں ہیں (۱) سنت مؤکدہ کفایہ۔ اکیس رمضان سے تیس رمضان تک جو اعتکاف کرتے ہیں اس کو سنت مؤکدہ کفایہ کہتے ہیں (۲) نذر، کوئی آدمی اعتکاف کرنے کی نذر مانے تو وہ نذر کا اعتکاف ہے (۳) ایک دن رات کا نفلی اعتکاف کرنا (۴) چند منٹ یا چند گھنٹے کا اعتکاف کرنا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے **ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد تلک حدود اللہ فلا تقربوھا** (الف) (آیت ۱۸۷ سورۃ البقرۃ ۲)

[۵۹۶](۱) اعتکاف سنت ہے، اور وہ مسجد میں ٹھہرنا ہے روزے کے ساتھ اور اعتکاف کی نیت کے ساتھ۔

تشریح مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ اس کے لئے تین شرطیں ہیں (۱) روزہ ہو (۲) اعتکاف کی نیت ہو (۳) اور مسجد میں ٹھہرنا ہو۔ تب اعتکاف ہوگا۔

وجہ اعتکاف سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشة زوج النبی ﷺ ان النبی ﷺ کان یعتکف العشر الاواخر من رمضان حتی توفاہ اللہ ثم اعتکف ازواجه من بعدہ** (ب) (بخاری شریف، باب الاعتکاف فی العشر الاواخر ص ۲۷۱ نمبر ۲۰۲۶/ مسلم شریف، کتاب الاعتکاف ص ۳۷۱ نمبر ۲۷۸۴/۱۱۷۲) مسلسل اعتکاف کرنا سنت ہونے کی دلیل ہے۔ اور کفایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے اعتکاف کرلیا تو محلہ کے باقی لوگوں سے ساقط ہوجائے گا۔ اور تینوں شرطوں کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عائشة انھا قالت السنة علی المعتکف ان لا یعود مریضا ولا یشھد جنازة ولا یمس امرأة ولا یباشرھا ولا یخرج لحاجة الا لما لا بد منه ولا اعتکاف الا بصوم ولا اعتکاف الا فی مسجد جامع** (ج) (ابوداؤد شریف، المعتکف یعود المریض ص ۳۴۲ نمبر ۲۴۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے اور اعتکاف کے لئے مسجد ہو (۲) دار قطنی میں ہے **عن عائشة ان النبی ﷺ قال لا اعتکاف الا بصیام** (د) دار قطنی، باب الاعتکاف ج ثانی ص ۱۷۹ نمبر ۲۳۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے۔

حاشیہ : (الف) مسجد میں اعتکاف کی حالت میں اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت مت کرو۔ یہ اللہ کے حدود ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ (ب) آپؐ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ نے وفات دیدی۔ پھر آپ کے بعد آپ کی بیویوں نے اعتکاف کیا (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ معتکف پر سنت یہ ہے کہ (۱) مریض کی عیادت نہ کرے (۲) جنازے میں حاضر نہ ہو (۳) بیوی کو نہ چھوئے (۴) بیوی سے مباشرت نہ کرے (۵) ضرورت کے لئے نہ نکلے مگر جو ضروری ہے (۶) اور نہیں اعتکاف ہے مگر روزے کے ساتھ (۷) اور نہیں اعتکاف ہے مگر جامع مسجد میں۔ (د) آپؐ نے فرمایا نہیں اعتکاف ہے مگر روزے کے ساتھ۔

[۵۹۷](۲) ویحرم علی المعتکف الوطئ واللمس والقبلة [۵۹۸](۳) وان انزل بالقبلة او لمس فسد اعتکافه وعلیه القضاء.

فائدہ امام محمد نے فرمایا کہ چند منٹوں بھی نفلی اعتکاف ہوسکتا ہے۔اس اعتکاف کے لئے روزے کی شرط نہیں ہوگی۔اس اثر سے اس کا ثبوت ہے عن یعلی بن امیة انه کان یقول لصاحبه انطلق بنا الی المسجد فنعتکف فیه ساعة (مصنف ابن ابی شیبة ۸۷ ما قالوا فی المعتکف یاتی اہلہ بالنھار ج ثانی ص ۳۳۶، نمبر ۹۶۵۲) اس اثر میں ایک گھنٹہ کے اعتکاف کے لئے کہا گیا ہے۔اور مسجد کے سلسلہ میں یہ حدیث ہے عن حذیفة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول کل مسجد له مؤذن وامام فالاعتکاف فیه یصلح (الف) (دار قطنی، باب الاعتکاف ج ثانی ص ۱۷۹ نمبر ۲۳۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی مسجد میں جس میں پنج وقتہ نماز ہوتی ہو اس میں اعتکاف جائز ہے (۲) چونکہ جماعت کے ساتھ معتکف کو نماز پڑھنی ہوگی اس لئے جس مسجد میں پنج وقتہ نماز نہ ہوتی ہو وہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں دقت ہوگی۔اس لئے پنج وقتہ جماعت والی مسجد میں اعتکاف کرے۔البتہ اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو معتکف جمعہ کے لئے جامع مسجد جاسکتا ہے۔اور نیت کی شرط اس لئے ہے کہ اعتکاف عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت کے نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر کوئی آدمی بغیر نیت کے مسجد میں ٹھہرا رہے تو اس کا اعتکاف نہیں ہوگا۔

[۵۹۷](۲) اعتکاف کرنے والے پر وطی کرنا، عورت کو شہوت سے چھونا اور بوسہ لینا حرام ہے۔

وجہ مسئلہ نمبر ایک میں حضرت عائشہ کی حدیث گزری جس میں تھا و لا یمس امرأة ولا یباشرها (ب) (ابوداؤد شریف، المعتکف یعود المریض ص ۳۴۲ نمبر ۲۴۷۳، دار قطنی، باب الاعتکاف ج ثانی ص ۱۸۱ نمبر ۲۳۳۸/ ۲۳۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں دن یا رات میں عورت کو نہ شہوت سے چھوئے نہ بوسہ دے اور نہ وطی کرے (۳) آیت ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد (ج) (آیت ۱۸۷ سورة البقرة ۲) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں عورت کو شہوت سے چھویا نہ جائے۔

[۵۹۸](۳) اور اگر بوسہ لینے یا چھونے سے انزال ہو گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اس پر قضا لازم ہوگی۔

وجہ بوسہ لینے یا چھونے سے انزال ہو گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں ہوتا اس لئے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اور نفلی اعتکاف کر لینے کے بعد نذر نفلی ہو گیا۔اس لئے کم از کم ایک دن رات کا اعتکاف لازم ہوگا (۲) اثر میں ہے عن ابن عباس قال اذا وقع المعتکف علی امرأته استانف اعتکافه (د) (مصنف عبد الرزاق، باب وقوعہ علی امرأتہ ج رابع ص ۳۶۳ نمبر ۸۰۸۱، مصنف ابن ابی شیبة ۹۲ ما قالوا فی المعتکف یجامع ما علیہ فی ذلک ج ثانی ص ۳۳۸، نمبر ۹۶۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شہوت سے عورت کو چھونے سے اور انزال ہونے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔اور فاسد ہوگا تو اس کی قضا لازم ہوگی۔اس حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ عن

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ہر وہ مسجد جس کے لئے مؤذن ہو اور امام ہو تو وہ اعتکاف کے قابل ہے (ب) معتکف عورت کو شہوت سے نہ چھوئے اور نہ اس سے مباشرت کرے (ج) عورت سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے ہوں (د) ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب عورت سے جماع کیا تو شروع سے اعتکاف کرے۔

[۵۹۹] (۴) ولا يخرج المعتكف من المسجد الا لحاجة الانسان او للجمعة[۶۰۰] (۵) ولا بأس بان يبيع و يبتاع فی المسجد من غير ان يحضر السلعة.

عائشة قالت كان رسول الله ﷺ ... ثم اخر الاعتكاف الى العشر الاول يعنى من شوال (الف) (ابوداؤد شریف، باب الاعتکاف ص ۳۴۱ نمبر ۲۴۶۴) آپؐ نے رمضان میں اعتکاف نہیں کیا تو اس کی قضا شوال میں کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کی قضا ہے۔ حدیث میں ہے کہ نفلی روزہ توڑ دے تو اس کی قضا لازم ہوگی اسی طرح نفلی اعتکاف پوڑ دے۔

[۵۹۹] (۴) اور معتکف مسجد سے نہیں نکلے گا مگر انسانی ضرورت کے لئے یا جمعہ کے لئے۔

تشریح ضرورت چاہے شرعی ہو یا طبعی دونوں کے لئے معتکف نکلے گا طبعی ضرورتوں میں کھانا، پینا، پیشاب، پاخانہ، جنابت کا غسل اور وضو کرنا وغیرہ ہے۔ اور شرعی ضرورت میں مثلا جمعہ کے لئے جامع مسجد کے لئے نکلنا ہے۔ ان ضرورتوں کے لئے بقدر ضرورت نکل سکتا ہے۔ اور ضرورت پوری ہونے کے بعد فورا مسجد واپس ہو جائے۔

وجہ ان عائشة زوج النبی ﷺ قالت ... وكان لا يدخل البيت الا لحاجة اذا كان معتكفا (ب) (بخاری شریف، باب المعتکف لا یدخل البیت الا لحاجۃ ص ۲۷۲ نمبر ۲۰۲۹ / ترمذی شریف، باب المعتکف یخرج لحاجتہ ام لا ص ۱۶۵ نمبر ۸۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتکف ضرورت انسانی کے لئے نکل سکتا ہے۔ اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔

نوٹ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ بغیر ضرورت کے ایک گھنٹہ مسجد سے باہر رہے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ آدھا دن سے زیادہ بغیر ضرورت کے باہر رہے تو اعتکاف ٹوٹے گا۔ کیونکہ اکثر کا کل حکم ہوتا ہے۔

[۶۰۰] (۵) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ مسجد میں بیچے یا خریدے بغیر اس کے کہ سامان بیع حاضر کرے۔

تشریح خرید و فروخت کا سامان حاضر کئے بغیر معتکف کا بیچنا اور خریدنا جائز ہے۔ البتہ اچھا نہیں ہے۔

وجہ (۱) بعض مرتبہ معاشیت کے ٹھیک رکھنے کے لئے آدمی کو خرید و فروخت کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اس لئے اس کی گنجائش ہے۔ البتہ مسجد میں سامان کا حاضر کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے توحش ہوگا (۲) قلت لعطاء ... فاتى مجاوره ايبتاع فيه ويبيع؟ قال لا بأس بذلك (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب المعتکف وابتیاعہ وطلب الدنیا ج رابع ص ۳۶۳ نمبر ۸۰۷۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ معتکف کے لئے خریدنے بیچنے کی گنجائش ہے۔ لیکن اچھا نہیں ہے۔ اس کی وجہ عن عطاء قال لا يبيع المعتكف ولا يبتاع (د) (مصنف عبد الرزاق، باب المعتکف وابتیاعہ وطلب الدنیا ج رابع ص ۳۶۱ نمبر ۸۰۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں خرید و فروخت کرنا اچھا نہیں ہے۔

لغت يبتاع : خریدے۔ سلعۃ : بیچنے کا سامان۔

حاشیہ : (الف) پھر اعتکاف کو عشرہ اول تک مؤخر کیا یعنی شوال کے عشرۂ اول تک مؤخر کیا (ب) حضرت عائشہ نے فرمایا... آپ گھر میں داخل نہیں ہوتے مگر ضرورت کی بنا پر جبکہ معتکف ہوتے (ج) میں نے عطا سے پوچھا... کیا معتکف مسجد میں خرید سکتا ہے؟ اور بیچ سکتا ہے؟ حضرت عطاء نے فرمایا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے (د) حضرت عطا نے فرمایا معتکف نہ بیچے اور نہ خریدے۔

[٦٠١] (٦) ولا يتكلم الا بخير ويكره له الصمت[٦٠٢] (٧) فان جامع المعتكف ليلا او نهارا ، ناسيا او عامدا بطل اعتكافه[٦٠٣] (٨) ولو خرج من المسجد ساعة بغير عذر فسد اعتكافه عند ابی حنيفة وقالا لا يفسد حتى يكون اكثر من نصف يوم.

---

[٦٠١] (٦) اور معتکف نہ بات کرے مگر خیر کی اور مکروہ ہے اس کے لئے چپ رہنا۔

تشریح مستقل چپ رہنا اسلام میں عبادت نہیں ہے اس لئے عبادت کے طور پر چپ رہنا مکروہ ہے۔ خیر کی بات کرنی چاہئے۔

وجہ حدیث میں ہے عن صفية قالت كان رسول الله ﷺ معتكفا فاتيته ازوره ليلا فحدثته ثم قمت الخ (الف) (ابو داؤد شریف، المعتکف یدخل البیت لحاجتہ ص ٣٤١ ر ٣٤٢ نمبر ٢٤٧٠) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتکف بات کر سکتا ہے۔ اس لئے خیر کی بات کرے۔

[٦٠٢] (٧) اگر معتکف نے رات یا دن کو بھول کر یا جان کر جماع کر لیا تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

تشریح رات میں بھی معتکف ہے۔ اس لئے رات میں بھی جماع کرے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اعتکاف یاد دلانے والی چیز ہے اس لئے اس حال میں بھول معاف نہیں ہے۔ اور بھول کر بھی اعتکاف میں جماع کرے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

وجہ ولا تباشروهن وانتم عاكفون في المساجد اس آیت سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں مباشرت کرنے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اثر میں ہے عن ابن عباس قال اذا جامع المعتكف ابطل اعتكافه واستأنف ((ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ٩٢ ما قالوا فی المعتکف یجامع ما علیہ فی ذلک ج ثانی ص ٣٣٨، نمبر ٩٦٨٠) اس اثر میں بھول کر اور جان کر کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے بھول کر بھی جماع کرے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

[٦٠٣] (٨) اگر معتکف مسجد سے ایک گھڑی بغیر عذر کے نکل جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ اور صاحبین نے فرمایا نہیں فاسد ہوگا یہاں تک کہ آدھا دن سے زیادہ ہو جائے۔

وجہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ معتکف کے لئے مسجد سے نکلنا خلاف قیاس ہے۔ البتہ مجبوری کے طور پر ضرورت سے نکلنے کی گنجائش دی گئی ہے۔ اس لئے ضرورت سے زیادہ ایک گھنٹہ بھی نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ تھوڑی بہت دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے اگر تھوڑی سی دیر ہونے پر یا تھوڑی دیر کے لئے نکلنے پر اعتکاف فاسد کریں تو بہت تنگی ہو جائے گی۔ البتہ آدھا دن کوئی نہیں نکلتا اس لئے آدھے دن کا معیار ٹھیک ہے کہ آدھا دن سے زیادہ نکلے تو اعتکاف فاسد ہوگا (٢) اوپر حدیث گزر چکی ہے ولا يخرج لحاجته الا لما لا بد منه (ج) (ابو داؤد شریف، المعتکف یعود المریض ص ٣٤٢ نمبر ٢٤٧٣) اس سے معلوم ہوا کہ بہت ضروری حاجت کے لئے نکلے۔

حاشیہ : (الف) حضور معتکف تھے تو رات میں آپ کی زیارت کرنے کے لئے میں آئی۔ میں آپ سے بات کرتی رہی پھر کھڑی ہوئی (ب) حضرت ابن عباس نے فرمایا معتکف جماع کرے تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا اور شروع سے اعتکاف کرے (ج) نہ نکلے مگر ایسی ضرورت کے لئے جس کا کوئی چارہ نہ ہو۔

[۶۰۴] (۹) ومن اوجب علی نفسه اعتکاف ایام لزمه اعتکافها بلیالیها وکانت متتابعة وان لم یشترط التتابع فیها.

اس لئے بغیر ضرورت سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوگا (۳) حدیث میں ہے عن عائشة قال النفیلی قالت کان النبی ﷺ یمر بالمریض وھو معتکف فیمر کما ھو ولا یعرج یسأل عنه (الف) (ابوداؤد شریف، المعتکف یعود المریض ص ۳۴۲ نمبر ۲۴۷۲) اس حدیث میں حضور لوگوں کی عیادت کرتے جاتے اور چلتے جاتے، کہیں ٹھہرتے نہیں تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ دیر ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اور اسی سے امام ابوحنیفہ نے استدلال کیا کہ بغیر ضرورت کے زیادہ ٹھہرنے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

[۶۰۴] (۹) کسی نے اپنی ذات پر چند دنوں کا اعتکاف لازم کیا تو اس پر ان کی راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہوگا۔ اور اعتکاف پے در پے کرنا ہوگا چاہے اس میں پے در پے کی شرط نہ لگائی ہو۔

تشریح مثلا چھ دنوں کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کیا تو ان کی چھ راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہوگا۔ اور چھ کے چھ دن پے در پے اعتکاف کرنا ہوگا۔ چاہے پے در پے کی نیت نہ کی ہو۔

وجہ محاورے میں دن بولتا ہے تو اس میں رات بھی شامل ہوتی ہے۔ اس لئے نیت کرنے والوں نے دن بولا تو اس کی رات بھی شامل ہوگی۔ اس لئے جتنے دنوں کی نیت کی ہے اس کی راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہوگا (۲) روزہ متفرق طور پر ہوتا ہے۔ کیونکہ روزہ صرف دن میں ہوتا ہے اس کے بعد رات آتی ہے جس میں روزہ نہیں ہے اور دونوں کے درمیان فاصل ہے۔ اس لئے روزہ متفرق طور پر ہوگا۔ لیکن اعتکاف رات اور دن دونوں میں ہوتا ہے اس لئے وہ مسلسل ہوتا ہے۔ اس لئے اعتکاف میں مسلسل ہے۔ چاہے مسلسل کی نیت نہ کی ہو (۳) اثر میں ہے عن عطاء فی المعتکف یشترط ان یعتکف بالنھار ویأتی اھله باللیل قال لیس ھذا باعتکاف (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۸۷ ما قالوا فی المعتکف یأتی اہلہ بالنھار ج ثانی ص ۳۳۶، نمبر ۹۶۴۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دن کے ساتھ رات بھی شامل ہوگی۔ اور جب رات شامل ہوگی تو پے در پے بھی ہو جائے گی **نوٹ** چند گھنٹوں کا اعتکاف بغیر روزے کے بھی ہوگا۔ اثر میں ہے عن یعلی بن امیة انه کان یقول لصاحبه انطلق بنا الی المسجد فنعتکف فیه ساعة (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۸۷ ما قالوا فی المعتکف یأتی اھله بالنھار ص ۳۳۶، نمبر ۹۶۵۲)

حاشیہ : (الف) حضورؐ مریض کے پاس سے گزرتے اس حال میں کہ آپ معتکف ہوتے تو گزرتے ہی چلے جاتے اور ٹھہرتے نہیں ان کا حال پوچھتے جاتے (ب) حضرت عطاء سے منقول ہے اس معتکف کے بارے میں کہ شرط لگائے کہ اعتکاف کرے دن میں اور رات میں اہل کے پاس آئے تو فرمایا یہ اعتکاف نہیں ہے (ج) یعلی بن امیہ اپنے ساتھی سے کہتے ہمارے ساتھ مسجد چلو ایک گھنٹہ کا اعتکاف کرلیں۔

﴿ کتاب الحج ﴾

[۶۰۵](۱) الحج واجب علی الاحرار المسلمین البالغین العقلاء الاصحاء اذا قدروا

﴿ کتاب الحج ﴾

ضروری نوٹ حج کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔ یہاں بیت اللہ کا ارادہ خاص انداز سے کرنے کا نام حج ہے۔ حج کا ثبوت اس آیت سے ہے وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا (الف) (آیت ۹۷ سورۂ آل عمران ۳) آیت سے ثابت ہوا کہ جس کو بیت اللہ تک جانے کی طاقت ہو اس پر حج فرض ہے۔ حج مالی اور بدنی دونوں عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ اسی لئے مجبوری کے وقت حج بدل جائز ہے۔ بغیر مجبوری کے خود حج کرے۔

[۶۰۵] (۱) حج واجب ہے آزاد، مسلمان، بالغ، عاقل، تندرست پر جب کہ توشے اور کجاوے پر قادر ہو۔ گھر کی ضروریات اور واپس لوٹنے تک اہل وعیال کے نفقہ سے زیادہ ہو اور راستہ مامون ہو۔

تشریح حج فرض ہونے کے لئے یہاں دس شرطیں بیان کی گئی ہیں (۱) آزاد ہونا (۲) مسلمان ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) عاقل ہونا (۵) تندرست ہونا (۶) توشے پر قدرت ہونا (۷) کجاوے اور سواری پر قدرت ہونا (۸) گھر کی ضروریات سے زیادہ ہونا (۹) واپس لوٹنے تک اہل وعیال جس کا نان ونفقہ حاجی کے ذمہ ہے اس سے زیادہ ہونا یا کم ازکم اس کا انتظام ہونا (۱۰) راستہ کا امن والا ہونا۔ اور عورت کے لئے ایک شرط اور ہے۔ اس کے ساتھ ذی رحم محرم کا ہونا۔ یہ سب شرطیں پائی جائیں تو حج فرض ہوگا۔ اور یہ شرطیں حاجی کے پاس نہیں ہیں تو اس پر حج فرض نہیں ہوگا۔ البتہ جاکر کرلیا تو حج فرض کی ادائیگی ہوجائے گی۔

تمام شرطوں کے دلائل : آزاد، مسلمان، بالغ اور عاقل ہو تو عبادت فرض ہے ورنہ نہیں۔ ان کے دلائل پہلے گزر چکے ہیں (۲) سنن بیہقی میں ہے **عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ ایما صبی حج ثم بلغ الحنث فعلیہ حجۃ اخری، وایما اعرابی حج ثم ھاجر فعلیہ حجۃ اخری، وایما عبد حج ثم اعتق فعلیہ حجۃ اخری** (ب) (سنن للبیہقی، باب اثبات فرض الحج ج رابع ص ۵۳۳، نمبر ۸۶۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ بچے اور غلام پر حج فرض نہیں ہے۔ تندرست ہو تو حج فرض ہوتا ہے ورنہ نہیں کیونکہ تندرست نہ ہو تو بیت اللہ تک کیسے جائے گا۔

وجہ (۱) آیت میں من استطاع فرمایا گیا ہے کہ جو بیت اللہ تک جاسکتا ہو۔ اور مریض آدمی بیت اللہ تک جانہیں سکتا اس لئے اس پر فرض نہیں ہے۔ البتہ اگر پہلے تندرست تھا جس کی وجہ سے حج فرض ہوا بعد میں مریض ہوا تو اس پر حج بدل کرنے کی وصیت کرنا لازم ہے۔ صحت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد اللہ ابن عباس قال کان الفضل بن عباس ردیف رسول اللہ فجائتہ امرأۃ من خثعم**

حاشیہ : (الف) اللہ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا ہے جو اس کی طرف جانے کی طاقت رکھتا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جس بچے نے بھی حج کیا ہو پھر بالغ ہوا تو اس پر یہ ہے کہ دوسری مرتبہ حج کرے۔ اور جو دیہاتی حج کر چکا ہو پھر ہجرت کی تو اس پر یہ ہے کہ دوسری مرتبہ حج کرے، اور جس غلام نے حج کیا ہو پھر آزاد کیا گیا تو اس پر دوسرا حج ہے **نوٹ** دیہاتی کو دوسری مرتبہ حج کرنے کا حکم اس وقت تھا جب ہجرت کے بغیر اسلام مقبول نہیں تھا، اب نہیں۔

علی الزاد والراحلة فاضلا عن المسکن ومالا بد منه وعن نفقة عیاله الٰی حین عوده وکان الطریق آمنا[۶۰۶] (۲) ویعتبر فی حق المرأة ان یکون لها محرم یحج بها او زوج ولا

... فقالت یا رسول الله ان فریضة الله عزوجل علی عباده فی الحج ادرکت ابی شیخا کبیرا لا یستطیع ان یثبت علی الراحلة افاحج عنه قال نعم وذلک فی حجة الوداع (الف) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یحج عن غیرہ ص ۲۵۹ نمبر ۱۸۰۹ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الحج عن الشیخ الکبیر والمیت ص ۱۸۵ نمبر ۹۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تندرست ہو تو حج کرے گا ورنہ اس پر حج فرض نہیں ہے۔ البتہ فرض ہو گیا ہو بعد میں بیمار ہوا ہو تو اس کی جانب سے ولی حج بدل کرے۔ توشہ اور کجاوہ ہو تب حج فرض ہوتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال یا رسول الله مایوجب الحج قال الزاد والراحلة (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ایجاب الحج بالزاد والراحلة ص ۱۶۸ نمبر ۸۱۳ ر دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۱۹۳ نمبر ۲۳۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر کا توشہ ہو اور سواری پر سوار ہونے کا خرچ ہو تب حج فرض ہوتا ہے۔ مکان سے اور مکان کی ضروری اشیاء سے فاضل ہو اور واپس لوٹنے تک اہل وعیال کے نفقہ سے زیادہ ہو۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب انسان کی حاجت اصلیہ ہیں اور حج کے لئے حاجت اصلیہ سے فارغ ہو۔ کیونکہ یہ حقوق العباد ہیں اور حج حقوق اللہ ہے اور حقوق العباد حقوق اللہ سے مقدم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سب ضروریات سے فارغ ہو تب حج واجب ہوگا۔ اور راستہ مامون ہو تب حج فرض ہوتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ راستہ مامون نہیں ہوگا تو حج کرنے کیسے جائے گا۔ من استطاع الیه سبیلا میں یہ داخل ہے کہ راستہ مکہ مکرمہ تک مامون ہو تاکہ بیت اللہ تک جا سکے (۲) جب تک مکہ مکرمہ تک جانے کا راستہ مامون نہ ہوا اس وقت تک حضور حج کرنے تشریف نہیں لے گئے۔ حدیث میں ہے عن ابی امامة عن النبی ﷺ قال من لم یحبسه مرض او حاجة ظاهرة او سلطان جائر ولم یحج فلیمت ان شاء یهودیا او نصرانیا (سنن للبیہقی، باب امکان الحج ج رابع ص ۵۴۶، نمبر ۸۶۶۰) اس حدیث میں ہے کہ ظالم بادشاہ نہ روکے جس سے راستہ کے مامون ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

لغت الزاد : توشہ۔ راحلة : کجاوہ، سواری۔ عود : لوٹنا، واپس ہونا۔

[۶۰۶] (۲) اور عورت کے حق میں اعتبار کیا جائے گا کہ اس کے لئے محرم ہو جو اس کو حج کرائے، یا شوہر ہو۔ اور نہیں جائز ہے عورت کے لئے کہ ان دونوں کے بغیر حج کرے جب کہ عورت کے درمیان اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین دن کا سفر ہو یا زیادہ کا سفر ہو۔

تشریح عورت جس مقام سے حج کرنا چاہتی ہے وہاں سے مکہ مکرمہ تک تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر ہو تو بغیر محرم کے حج فرض نہیں ہوگا۔ یا محرم ہو یا شوہر ہو جو اس کو حج کرا سکے تب حج فرض ہوگا۔ اگر کوئی محرم اپنے خرچ سے حج کے لئے تیار نہ ہو تو عورت کے پاس اتنا خرچ ہونا چاہئے

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ فضل بن عباس حضورؐ کے پیچھے بیٹھے تھے کہ قبیلۂ خثعم کی ایک عورت آئی ... کہنے لگی اے اللہ کے رسول حج کے بارے میں اللہ کا فرض بندوں پر نازل ہوا ہے، میرے باپ کو بوڑھاپا آ گیا ہے، کجاوے پر ٹھہر نہیں سکتا تو کیا میں ان کی جانب سے حج کروں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! یہ معاملہ حجۃ الوداع کا تھا (ب) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ! حج کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا توشہ اور کجاوہ کے مالک ہونے سے۔

یجوز لها ان یحج بغیرهما اذا کان بینها وبین مکة مسیرة ثلثة ایام فصاعدا[۶۰۷] (۳) والمواقیت التی لا یجوز ان یتجاوزها الانسان الا محرما لاهل المدینة ذو الحلیفة ولاهل

کہ محرم کو بھی خرچ دیکر حج کے لئے لے جاسکے۔

نوٹ بعض علماء نے فرمایا کہ محرم نہ ہو تو حج ہی فرض نہیں ہوگا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ حج فرض ہو جائے گا۔ لیکن حج میں جانا فرض نہیں ہوگا۔ وہ حج بدل کے لئے وصیت کرے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ لا یحل لامرأة تومن باللہ والیوم الآخر ان تسافر سفرا فوق ثلثة ایام فصاعدا الا و معها ابوها او اخوها او زوجها او ابنها او ذومحرم منها (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی المرأة تحج بغیر محرم ص ۲۴۹ نمبر ۱۷۲۶ رمسلم شریف، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ ص ۴۳۲ نمبر ۱۳۴۰)(۲) دارقطنی میں ہے عن ابی امامة قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا تسافر امرأة سفرا ثلاثة ایام او تحج الا و معها زوجها (ب)(دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۱۹۹ نمبر ۲۴۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے ساتھ محرم ہو تب حج فرض ہوگا۔ کیونکہ بغیر محرم کے تین دن سے زیادہ کا سفر کرنا جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ معتمد عورت ہو تو حج میں عورت جاسکتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ عورت کے ساتھ جانے سے خرافات کا خطرہ ہے اس لئے منع کیا جائے اور حدیث میں بھی منع فرمایا ہے۔

نوٹ تاہم اگر عورت نے بغیر محرم کے حج کر لیا تو حج فرض ادا ہو جائے گا، اگر چہ ناجائز کا ارتکاب کیا۔

[۶۰۷] (۳) اور وہ میقات جو نہیں جائز ہے کہ انسان ان سے آگے گزرے مگر احرام باندھ کر۔ اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل عراق کے لئے ذات عرق، اہل شام کے لئے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن اور اہل یمن کے لئے یلملم ہے۔

تشریح مکہ مکرمہ سے کافی دوری پر یہ مقامات ہیں۔ مکہ مکرمہ کی تعظیم کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب ان میقات سے باہر سے لوگ مکہ مکرمہ آئیں تو ان مقامات پر حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آئیں۔ اور حج یا عمرہ کریں۔ پھر اپنا کام کریں یہ بیت اللہ کی عظمت کا تقاضا ہے۔ اور اگر احرام باندھے بغیر آگئے تو اس کو دم لازم ہوگا۔ جس طرح کوئی مسجد میں آئے تو مسجد کی عظمت کا تقاضا ہے کہ پہلے دو رکعت تحیة المسجد پڑھے یا اور کوئی نماز پڑھے۔

وجہ (۱) ان مقامات کی تصریح حدیث میں ہے عن ابن عباس قال وقت رسول اللہ ﷺ لاهل المدینة ذا الحلیفة، ولاهل الشام الجحفة، ولاهل نجد قرن المنازل، ولاهل الیمن یلملم هن لهن ولمن اتی علیهن من غیر هن ممن اراد

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا باپ ہو یا اس کا بھائی ہو یا اس کا شوہر ہو یا اس کا بیٹا ہو یا اس کا ذی رحم محرم ہو (ب) آپؐ فرمایا کرتے تھے عورت نہ سفر کرے تین دن کا سفر یا حج نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر ہو۔

العراق ذات عرق ولاهل الشام الجحفة ولاهل النجد قرن ولاهل اليمن يلملم[۲۰۸](۴) فان قدم الاحرام على هذه المواقيت جاز[۲۰۹] (۵) ومن كان منزله

الحج والعمرة ومن كان دون ذلك فمن حيث انشاء حتى اهل مكة من مكة (الف) (بخاری شریف، باب محصل اہل مکۃ للحج والعمرۃ ص ۲۰۶ نمبر ۱۵۲۴/ مسلم شریف، باب مواقیت الحج ص ۳۷۴ نمبر ۱۱۸۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ مقامات ان لوگوں کے لئے میقات ہیں۔ بغیر احرام کے ان سے آگے گزرنا جائز نہیں (۲) عن عائشة ان رسول الله ﷺ وقت لاهل العراق ذات عرق (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی المواقیت ص ۲۵۰ نمبر ۱۷۳۹/ بخاری شریف، باب ذات عرق لاہل العراق ص ۲۰۷ نمبر ۱۵۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل عراق کے لئے میقات مقام ذات عرق ہے۔

﴿ میقات ﴾

ذوالحلیفہ	یہ مقام اہل مدینہ کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 410 کیلومیٹر دور شمال کی جانب ہے
ذات عراق	یہ مقام اہل عراق کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 90 کیلومیٹر دور مشرق کی جانب ہے
جحفہ	یہ مقام اہل شام کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 187 کیلومیٹر دور شمال کی جانب ہے
قرن	یہ مقام اہل نجد کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 80 کیلومیٹر دور جنوب کی جانب ہے
یلملم	یہ مقام اہل یمن کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 130 کیلومیٹر دور جنوب کی جانب ہے

[۲۰۸] (۴) پس اگر احرام ان مقامات سے پہلے باندھ لیا تو جائز ہے۔

تشریح اوپر جو پانچ جگہ میقات کی بیان کی گئی ہیں ان مقامات سے پہلے بھی احرام باندھ لیا تو جائز ہے، بلکہ صبر کر سکے تو افضل ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قوله عزوجل واتموا الحج والعمرة لله ،قال من تمام الحج ان تحرم من دويرة اهلک (ج) (سنن للبیہقی، باب من استحب الاحرام من دویرۃ اہلہ ج خامس ص ۴۵، نمبر ۸۹۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر گھر سے احرام باندھے تو زیادہ بہتر ہے۔

[۲۰۹] (۵) جس کا گھر میقات کے بعد ہو تو اس کی میقات حل ہے۔

تشریح مقام میقات کے اندر اور بیت اللہ کے ارد گرد جو حرم کا حصہ ہے اس سے باہر کو حل کہتے ہیں۔ جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں ان کے لئے حج اور عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے جگہ حل ہے۔ وہ حل سے اپنا احرام باندھے۔ اس کو واپس میقات پر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے میقات متعین کیا۔ مدینہ والوں کے لئے ذوالحلیفہ، شام والوں کے لئے جحفہ، نجد والوں کے لئے قرن المنازل، یمن والوں کے لئے یلملم۔ یہ میقات ان لوگوں کے لئے ہیں اور ان کے علاوہ جو ان میقات سے گزریں ان میں سے جو حج اور عمرہ کا ارادہ کرتے ہوں۔ اور جو ان میقات کے اندر ہوں تو جہاں سے شروع کر رہا ہو (وہ جگہ اس کی میقات ہے) یہاں تک کہ مکہ والوں کے لئے مکہ سے میقات ہے (ب) آپؐ نے میقات متعین کیا عراق والوں کے لئے ذات عرق (ج) حضورؐ سے مروی ہے کہ اللہ کا قول اتمو الحج لله والعمرة لله، آپؐ نے فرمایا کہ حج کے اتمام میں سے یہ ہے کہ اپنے اہل کے گھر سے احرام باندھے۔

بعد المواقیت فمیقاته الحل[۶۱۰] (۶) ومن کان بمکة فمیقاته فی الحج الحرم وفی

مسئلہ نمبر۳ میں حدیث بخاری شریف گزر چکی ہے جس کا حصہ تھا ومن کان دون ذلک فمن حیث انشأ حتی اهل مکة من مکة (بخاری شریف، نمبر۱۵۲۴ر مسلم شریف، نمبر۱۱۸۱) اور دوسری حدیث میں ہے فمن کان دونهن فمهله من اهله و کذلک حتی اهل مکة یهلون منها (الف) (بخاری شریف، باب مہل اہل الشام ص۲۰۶ر۲۰۷ نمبر۱۵۲۶ر مسلم شریف، باب مواقیت الحج ص ۳۷۴ نمبر۱۱۸۱) اس حدیث میں ہے کہ جو میقات کے اندر ہو وہ حج اور عمرہ کا احرام وہیں سے باندھیں جہاں سے وہ چل رہے ہیں یعنی حل سے۔

لغت منزل : رہنے کی جگہ، گھر۔

[۶۱۰] (۶) جو مکہ مکرمہ میں ہو اس کی میقات حج کے لئے حرم ہے اور عمرہ کے لئے حل ہے۔

وجہ اہل مکہ کے لئے اور وہ لوگ جو مکہ میں آکر کچھ دنوں ٹھہر گئے ہیں ان کے لئے حج کے لئے میقات حرم ہے۔ اس کی دلیل اوپر حدیث میں گزری فمن کان دونهن فمهله من اهله و کذالک حتی اهل مکة یهلون منها (بخاری شریف، باب مہل اہل الشام ص ۲۰۷ نمبر ۱۵۲۶ر مسلم شریف نمبر۱۱۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ حج کا احرام مکہ ہی سے باندھیں گے۔ ان کو حل جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن عمرہ کا احرام حل سے باندھیں گے۔ کیونکہ حضرت عائشہ جو مکہ میں آکر مقیم ہوئیں اور گویا کہ مکی ہو گئیں لیکن عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے ان کو تنعیم جانے کے لئے کہا جو حرم سے باہر حل میں ہے۔ اور آج کل وہاں مسجد عائشہ موجود ہے۔ حدیث میں ہے حدثنی جابر بن عبد الله ان النبی ﷺ اهل و اصحابه ... قالت یا رسول الله اتنطلقون بحجة وعمرة و انطلق با لحج؟ فامر عبد الرحمان بن ابی بکر ان یخرج معها الی التنعیم فاعتمرت بعد الحج فی ذی الحجة (ب) (بخاری شریف، باب عمرة التنعیم، کتاب العمرہ ص ۲۴۰ نمبر ۱۷۸۵ر ابو داؤد شریف، باب المہلۃ بالعمرۃ تحیض ص ۲۸۰ نمبر ۱۹۹۵) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ نے عمرہ کے لئے تنعیم سے جا کر احرام باندھا جو حل میں ہے۔ اس لئے مکی عمرہ کے لئے حل سے احرام باندھیں گے۔

نوٹ میقات سے بغیر احرام کے گزرے گا تو دم لازم ہوگا۔

وجہ رای ابن عباس یرد من جاوز المواقیت غیر محرم (ج) (سنن للبیہقی، باب من مر بالمیقات یرید حجا او عمرة ج خامس ص ۴۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میقات سے گزر جائے اس کو میقات پر واپس کیا جائے۔ کیونکہ بغیر احرام کے آگے نہیں گزرنا چاہئے۔ دوسرے اثر میں ہے عن عبد الله بن عباس انه قال من نسی من نسکه شیئا اوترکه فلیهرق دما (د) (سنن للبیہقی، باب من مر بالمیقات

حاشیہ : (الف) اور جو میقات کے اندر ہو تو جہاں سے چلے گا وہاں سے احرام باندھے۔ یہاں تک کہ اہل مکہ مکہ سے احرام باندھے۔ (ب) حضرت عائشہ فرمانے لگی اے اللہ کے رسول! آپ حضرات حج اور عمرہ کے ساتھ جائیں گے اور میں صرف حج کے ساتھ جاؤں گی۔ تو آپ نے عبد الرحمٰن بن ابو بکر کو حکم دیا کہ وہ حضرت عائشہ کے ساتھ تنعیم تک جائے تو میں نے حج کے بعد ذی الحجہ میں عمرہ کیا (ج) حضرت ابن عباس کی رائے ہے کہ بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھ جائے اس کو واپس کیا جائے (د) عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جو حج کے نسک میں سے کچھ بھول جائے یا چھوڑ دے تو خون بہانا چاہئے یعنی دم دے۔

العمرة الحل [۱۱۲](۷) واذا اراد الاحرام اغتسل او توضأ والغسل افضل ولبس ثوبين جديدن او غسيلين ازارا و رداء ومس طيبا ان كان له وصلى ركعتين وقال اللهم انى اريد الحج فيسره لى وتقبله منى ثم يلبى عقيب صلوته.

یرید حجا او عمرۃ ج خامس ص ۴۴، نمبر ۸۹۲۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر میقات پر احرام باندھے بغیر گزرا تو اس کو دم دینا ہوگا۔

[۱۱۲] (۷) جب احرام کا ارادہ کرے تو غسل کرے یا وضو کرے البتہ غسل افضل ہے۔ اور دو نئے کپڑے پہنے یا دونوں دھوئے ہوئے ہو۔ لنگی ہو اور چادر ہو۔ اور خوشبو لگائے اگر اس کے پاس ہو اور دو رکعت نماز پڑھے۔ اور اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی پڑھے، پھر نماز کے بعد تلبیہ پڑھے۔

تشریح احرام باندھتے وقت یہ چھ سنتیں ہیں۔ (۱) وضو کرے یا غسل کرے۔ البتہ غسل بہتر ہے (۲) دو نئے کپڑے پہنے (۳) خوشبو لگائے (۴) دو رکعت نماز پڑھے (۵) اور حج یا عمرہ کی نیت کرے (۶) نماز کے بعد تلبیہ پڑھے۔

وجہ حدیث میں ہے آپ نے احرام کے لئے غسل فرمایا **عن ابن عباس قال اغتسل رسول الله ثم لبس ثيابه فلما اتى ذالحليفة صلى ركعتين ثم قعد على بعيره فلما استوى به على البيداء احرم بالحج (الف)** (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۱۹۷ نمبر ۲۴۰۸ رسنن للبیہقی، باب الغسل للاہلال ج خامس ص ۴۹، نمبر ۸۹۴۵ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاغتسال عند الاحرام ص ۱۷۱ نمبر ۸۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے لئے غسل کرے یہ بہتر ہے۔ البتہ سہولت نہ ہونے پر وضو بھی کافی ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ احرام کے کپڑے پہنے (۲) حدیث میں ہے **عن عبد الله بن عباس قال انطلق النبى عَلَيْهِ السَّلَامُ من المدينة بعد ما ترجل وادهن ولبس ازاره ورداءه هو واصحابه فلم ينه عن شىء من الاردية والازر (ب)** (بخاری شریف، باب مایلبس المحرم من الثیاب والاردیۃ والازار ص ۲۰۹ نمبر ۱۵۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑے ازار اور چادر پہنے۔ کنگی کرے اور تیل یعنی خوشبو لگائے **عن عائشة زوج النبى عَلَيْهِ السَّلَامُ قالت كنت اطيب رسول الله لاحرامه حين يحرم ولحله قبل ان يطوف بالبيت (ج)** (بخاری شریف، باب الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام سے پہلے خوشبو لگائے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسی خوشبو نہ لگائے جس کا جرم احرام کے بعد رہے۔ کیونکہ اگر خوشبو کا جرم احرام کے بعد باقی رہا تو احرام کے بعد خوشبو سے فائدہ اٹھانا لازم آئے گا جو صحیح نہیں ہے۔ اس لئے ایسی خوشبو لگانا جائز نہیں جس کا جرم بعد میں باقی رہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے **عن عائشة قالت كانى انظر الى وبيض الطيب فى مفارق رسول الله عَلَيْهِ السَّلَامُ وهو محرم (د)** (بخاری شریف،

حاشیہ : (الف) آپؐ نے غسل کیا پھر کپڑے پہنے۔ پس جب ذوالحلیفہ آئے تو دو رکعت نماز پڑھی پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ پس جب مقام بیداء پر چڑھے تو حج کا احرام باندھا (ب) آپؐ مدینہ سے چلے اس کے بعد کہ کنگی کی، تیل لگایا اور ازار پہنی اور چادر پہنی، وہ اور اس کے ساتھی تو آپؐ نے ازار اور چادر سے نہیں روکا (ج) میں حضور کو احرام کے لئے خوشبو لگاتی جس وقت آپ احرام باندھتے اور اس سے حلال ہونے کے لئے بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے (د) گویا کہ میں حضور کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اس حال میں کہ آپ محرم تھے۔

[۶۱۲] (۸) فان کان مفردا بالحج نوی بتلبیتة الحج والتلبیة ان یقول لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک ولا ینبغی ان یخل بشیء من ھذہ الکلمات فان زاد فیھا جاز [۶۱۳] (۹) فاذا لبی

باب الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے بعد خوشبو کا جرم باقی رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ دو رکعت نماز پڑھے اس کی دلیل پیچھے دار قطنی کی حدیث گزری عن ابن عباس ان النبی ﷺ اھل فی دبر الصلوۃ (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء متی احرم النبی ﷺ ص ۱۶۹ نمبر ۸۱۹ / ابو داؤد شریف، باب فی وقت الاحرام ص ۲۵۳ نمبر ۱۷۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام باندھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنا سنت ہے۔ اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی الخ یہ نیت ہے اور ہر عبادت کے لئے نیت ضروری ہے۔ اس لئے یہ نیت کرے اور آسانی اور قبولیت کے لئے دعا بھی کرے۔ اوپر کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے بعد تلبیہ پڑھے۔

[۶۱۲] (۸) پس اگر مفرد بالحج ہے تو تلبیہ پڑھ کر حج کی نیت کرے، اور تلبیہ یہ ہے کہ لبیک اللھم لبیک الخ (ترجمہ اے اللہ حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں آپ کے لئے کوئی شریک نہیں ہے، حاضر ہوں۔ تمام تعریفیں اور نعمت آپ کے لئے ہے اور ملک آپ کے لئے ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں) نہیں مناسب ہے کہ ان کلمات میں سے کچھ کم کرے، پس اگر زیادہ کرے تو جائز ہے۔

تشریح حج کی نیت کر کے تلبیہ پڑھیگا تو احرام باندھا چکلا جائے گا۔

نوٹ اوپر جو تلبیہ ذکر کیا گیا ہے اس میں زیادتی بھی کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ذکر ہے۔ اور ذکر میں زیادتی کرنا جائز ہے البتہ کمی کرنا ٹھیک نہیں۔

وجہ عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان اذا استوت بہ راحلتہ قائمة عند مسجد ذو الحلیفة اھل فقال لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک. قالوا وکان عبد اللہ بن عمر یقول ھذہ تلبیة رسول اللہ ﷺ قال قال نافع کان عبد اللہ یزید مع ھذا لبیک لبیک وسعدیک والخیر بیدیک لبیک والرغباء الیک والعمل (ب) (مسلم شریف، باب التلبیۃ وصفتھا ووقتھا ص ۳۷۵ نمبر ۱۱۸۴ / بخاری شریف، باب التلبیۃ ص ۲۱۰ نمبر ۱۵۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلبیہ کس طرح پڑھے۔ اور عبد اللہ بن عمر کے عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کی تلبیہ کے علاوہ کچھ کلمات کی زیادتی بھی کی جا سکتی ہے۔

[۶۱۳] (۹) پس جب کہ تلبیہ پڑھا تو احرام باندھ لیا۔

تشریح احرام کے کپڑے پہن کر حج یا عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ پڑھے گا تو احرام باندھا چلا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ احرام باندھتے نماز کے بعد (ب) حضورؐ جب سواری پر ٹھیک سوار ہو جاتے مسجد ذو الحلیفہ کے پاس تو احرام باندھتے اور کہتے لبیک الخ۔ عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ یہ حضور کا تلبیہ ہے۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر اس کے ساتھ لبیک سعدیک والخیر بیدیک لبیک والرغباء الیک والعمل زیادہ کرتے۔

فقد احرم[۶۱۴] (۱۰) فلیتق ما نهی الله عنه من الرفث والفسوق والجدال [۶۱۵](۱۱) ولا یقتل صیدا ولا یشیر الیه ولا یدل الیه.

وجہ تلبیہ پڑھنے کو ہی احرام باندھنا کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت خرجنا مع النبی ﷺ فی حجة الوداع ... واهلی بالحج ودعی العمرة (الف) (بخاری شریف، باب کیف تھل الحائض والنفساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث میں اهلی بالحج کا ترجمہ ہے کہ حج کا احرام باندھ لو اور یہ بھی ہے کہ حج کا تلبیہ پڑھو۔ اس لئے احرام باندھنے کے لئے تلبیہ پڑھنا واجب ہے۔ تفسیر طبری میں فمن فرض فیهن الحج قال من اهل بحج (ب) تفسیر طبری ج ثانی ص ۱۵۲) اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ تلبیہ پڑھا ہی احرام باندھنا ہے۔ اس لئے احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھے گا تو احرام باندھا چلا جائے گا۔

[۶۱۴] (۱۰) پس بچے ان چیزوں سے جس سے اللہ نے منع کیا ہے، مثلا جماع کی باتیں، فسق کی باتیں اور جھگڑے کی باتیں۔

تشریح اللہ نے محرم کو جماع، جھگڑے اور فسق کی باتیں کرنے سے منع کیا ہے۔ محرم احرام کی حالت میں ان باتوں سے پرہیز کرے۔

وجہ فمن فرض فیهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (ج) (آیت ۱۹۷ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو احرام باندھے اس کو جماع کی باتیں، فسق کی باتیں اور جھگڑے کی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

لغت الرفث : جماع کی باتیں۔ الفسوق : فسق کی باتیں۔ الجدال : جھگڑے کی باتیں۔

[۶۱۵] (۱۱) شکار کو نہ قتل کرے نہ اس کی طرف اشارہ کرے اور نہ اس پر رہنمائی کرے۔

تشریح شکار کا قتل کرنا، اس کی طرف اشارہ کرنا اور اس کی طرف رہنمائی کرنا سب محرم کے لئے حرام ہیں۔

وجہ احرام کی حالت میں شکار کرنا اس آیت سے حرام ہے احل لکم صید البحر وطعامه متاعا لکم وللسیارة وحرم علیکم صید البر مادمتم حرما (د) (آیت ۹۶ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ سمندر کا شکار کرنا احرام کی حالت میں جائز ہے۔ لیکن خشکی کا شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ اور شکار کی طرف اشارہ کرنا یا رہنمائی کرنا جائز نہیں اس کی دلیل ان احادیث میں ہے عبد الله بن ابی قتادة ان اباه اخبره ان رسول الله خرج حاجا فخرجوا معه ... فاکلنا من لحمها (لحم الصید) ثم قلنا انأکل لحم صید و نحن محرمون فحملنا ما بقی من لحمها قال امنکم احد امره ان یحمل علیها او اشار الیها؟ قالوا لا قال فکلوا ما بقی من لحمها (د) (بخاری شریف، باب لا یشیر المحرم الی الصید لکی یصتاده الحلال ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۴) اور مسلم میں ہے هل منکم احد امره او

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے... آپؐ نے فرمایا حج کا احرام باندھو اور عمرہ چھوڑ دو (ب) تفسیر طبری میں ہے فمن فرض فیھن الحج میں فرمایا کہ جس نے حج کا احرام باندھا (ج) جس نے حج فرض کیا تو نہ جماع کی بات کرے نہ فسق کی بات کرے اور نہ حج میں جھگڑا کرے (د) تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا حلال کیا گیا ہے جو تمہارے لئے سامان ہے اور سفر کرنے والوں کے لئے۔ اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم محرم رہو (د) حضورؐ حج کے لئے نکلے تو لوگ بھی ان کے ساتھ نکلے۔ ہم نے شکار کا گوشت کھایا تو ہم نے کہا کہ ہم نے شکار کا گوشت کھایا حالانکہ ہم محرم ہیں۔ تو جو گوشت باقی تھا اس کو لیکر حضور کے پاس گئے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابو قتادہ کو حکم دیا تھا کہ شکار پر حملہ کرے یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ صحابہ نے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۶۱۶](۱۲) ولا يلبس قميصا ولا سراويل ولا عمامة ولا قلنسوة ولا قباء ولا خفين الا ان لايجد نعلين فيقطعهما من اسفل الكعبين [۶۱۷](۱۳) ولا يغطى رأسه ولا وجهه.

اشار اليه بشيء قال قالوا لا قال فكلوا ما بقى من لحمها (الف) (مسلم شریف، باب تحریم الصید الماکول البری او ما اصلہ ذلک علی المحرم، کتاب الحج ص ۳۸۱ نمبر ۱۱۹۶ / ۲۸۵۵) احادیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے شکار کی طرف اشارہ کرنا یا رہنمائی کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

[۶۱۶](۱۲) محرم نہ پہنے قمیص، نہ پائجامہ، نہ عمامہ، نہ ٹوپی، نہ قبا، نہ موزے مگر یہ کہ نہ پائے چپل تو اس کو ٹخنے کے نیچے سے کاٹ دے۔

تشریح اصول یہ ہے کہ مرد محرم سلا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ یہ سب سلے ہوئے کپڑے ہیں اس لئے ان کو نہ پہنے۔ اس میں ہے کہ موزہ بھی نہ پہنے کیونکہ موزہ بھی سلا ہوا ہوتا ہے۔ البتہ چپل نہ ہو تو موزہ کو ٹخنے سے نیچے کاٹ دے تا کہ چپل کی طرح ہو جائے پھر اس کو پہن سکتا ہے۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن عمر ان رجلا قال يا رسول الله مايلبس المحرم من الثياب؟ قال رسول الله ﷺ لا يلبس القميص ولا العمائم ولا السراويلات ولا البرانس ولا الخفاف الا احد لايجد نعلين فليلبس خفين وليقطعهما اسفل من الكعبين ولا تلبسوا من الثياب شيئا مسه زعفران او ورس (ب) (بخاری شریف، باب ما لا یلبس المحرم من الثیاب ص ۲۰۹ نمبر ۱۵۴۲ / مسلم شریف، باب ما یباح للمحرم بحج او عمرة لبسه وما لا یباح ص ۳۷۲ / ۳۷۳ نمبر ۱۱۷۷ / ابو داؤد شریف، باب ما یلبس المحرم نمبر ۱۸۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قمیص، عمامہ، پائجامہ اور ٹوپی پہننا جائز نہیں ہے۔ عمامہ اگر چہ سلا ہوا نہیں ہوتا لیکن اس سے سر ڈھنکا جاتا ہے اور مرد محرم کے لئے سر ڈھانکنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے پگڑی پہننا جائز نہیں۔ اسی طرح زعفران اور ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں خوشبو ہوتی ہے اور محرم کے لئے خوشبو لگانا جائز نہیں۔ البتہ اس کو دھو کر خوشبو ختم کر دی جائے تو پھر پہننا جائز ہوگا۔ اسی طرح موزے پہننا جائز نہیں ہے البتہ اگر چپل نہ ملے تو اس کو کاٹ کر چپل کی طرح بنا لے اور پہن لے۔

[۶۱۷](۱۳) محرم نہ سر ڈھانکے اور نہ چہرہ ڈھانکے

وجہ سر نہ ڈھانکنے کی حدیث مسئلہ نمبر ۱۲ میں گزر چکی ہے ولا العمائم ولا البرانس کہ پگڑی نہ پہنے اور ٹوپی نہ پہنے۔ کیونکہ ان سے سر ڈھنک جاتا ہے (۲) اور عورت کے چہرے پر کپڑا نہ آئے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ المحرمة لا تنتقب ولا تلبس القفازين (ج) (ابو داؤد شریف، باب ما یلبس المحرم ص ۲۶۱ نمبر ۱۸۲۶) اس حدیث میں ہے کہ محرمہ عورت نقاب نہ

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا نہیں! آپ نے فرمایا جو اس کا گوشت باقی رہ گیا ہے اس کو کھاؤ (الف) کیا تم میں سے کسی نے ابو قتادہ کو حکم دیا تھا یا شکار کی طرف کچھ اشارہ کیا تھا؟ صحابہ نے فرمایا نہیں! آپ نے فرمایا جو گوشت باقی رہا ہے اس کو کھاؤ۔ (ب) ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! محرم کون سا کپڑا پہنے؟ آپ نے فرمایا قمیص نہ پہنے، نہ پگڑی باندھے، نہ پائجامہ پہنے، نہ ٹوپی پہنے، نہ موزہ پہنے مگر یہ کہ کوئی چپل نہ پائے تو دونوں موزے پہنے اور دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے۔ اور کوئی بھی ایسا کپڑا نہ پہنے جس کو زعفران یا ورس لگا ہو (ج) حضرت عبد اللہ بن عمر حضورؐ سے نقل کرتے ہیں کہ محرمہ عورت نہ نقاب ڈالے اور نہ دستانے پہنے۔

[۶۱۸](۱۴) ولا یمس طیبا [۶۱۹](۱۵) ولا یحلق رأسه ولا شعر بدنه ولا یقص من لحیته ولا من ظفره[۶۲۰](۱۶) ولا یلبس ثوبا مصبوغا بورس ولا بزعفران ولا بعصفر

کرے کیونکہ اس سے چہرہ ڈھنک جاتا ہے(۳) حدیث میں ہے عن عائشة قالت کان الرکبان یمرون بنا و نحن مع رسول الله ﷺ محرمات، فاذا حاذوا بنا سدلت احدانا جلبابها من رأسها علی وجهها فاذا جاوزونا کشفناه (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی المحرمة تغطی وجهها ص ۲۶۱ نمبر ۱۸۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرمہ عورت کے سامنے اجنبی مرد آئے تو چہرہ پر اس طرح دور سے کپڑا ڈالے کہ چہرے پر کپڑا نہ لگے، پھر مرد کے جانے کے بعد چہرہ سے کپڑا اٹھالے۔

[۶۱۸](۱۴) اور محرم خوشبو نہ لگائے۔

وجہ اخبرنی صفوان بن یعلی عن ابیه قال کنا مع رسول الله فاتاه رجل علیه جبة بها اثر من خلوق فقال یا رسول الله ﷺ انی احرمت بعمرة فکیف افعل ... فقال انزع عنک جبتک واغسل اثر الخلوق الذی بک (ب)(مسلم شریف، باب ما یباح للمحرم و بیان تحریم الطیب علیه ص ۳۷۴ نمبر ۱۱۸۰ بخاری شریف، باب غسل الخلوف ثلث مرات من الثیاب ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے خوشبو لگانا جائز نہیں ہے۔ اوپر بھی ایک حدیث گزری جس میں تھا ولا تلبسوا من الثیاب شیئا مسه زعفران او ورس جس سے معلوم ہوا کہ زعفران اور ورس میں خوشبو ہوتی ہے۔ اس لئے ایسا کپڑا پہننا جائز نہیں۔

[۶۱۹](۱۵) سر کو حلق نہ کرائے اور نہ بدن کے بال کو کاٹے اور نہ ڈاڑھی کو کتروائے اور نہ ناخن کتروائے۔

وجہ آیت میں ہے ولا تحلقوا رؤوسکم حتی یبلغ الهدی محله فمن کان منکم مریضا او به اذا من رأسه ففدیة من صیام او صدقة او نسک (ج)(آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ محرم کو سر کے بال یا بدن کے بال نہیں کٹوانا چاہئے۔ اگر بال کٹوائے تو صدقہ دینا ہوگا یا روزے رکھنے ہونگے یا دم دینا ہوگا۔ ناخن کے بارے میں یہ اثر ہے عن الحسن و عطاء قال اذا انکسر طفره قلمه من حیث انکسر ولیس علیه شیء فان قلمه من قبل ان انکسر فعلیه دم (مصنف ابن ابی شیبة ۱۲ فی المحرم یقص ظفره ج ثالث، ص ۱۳۰، نمبر ۱۲۷۵۶)

لغت یقص : کتروانا، کاٹنا۔

[۶۲۰](۱۶) اور نہ پہنے ورس سے رنگا ہوا کپڑا اور نہ زعفران سے اور نہ کسم سے رنگا ہوا مگر یہ کہ دھویا ہوا ہو چاہے رنگ نہ جھڑا ہو **تشریح** ان رنگوں میں خوشبو ہوتی ہے اور محرم کے لئے خوشبو لگانا جائز نہیں اس لئے ان رنگوں سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ البتہ کپڑا دھو دیا گیا ہو تو جائز ہے

حاشیہ (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہمارے سامنے سے سوار گزرتے اور ہم محرمہ ہوتیں حضورؐ کے ساتھ، پس جب وہ ہمارے سامنے ہوتے تو ہم میں سے ہر ایک اپنی چادر لٹکا لیتی اپنے سر سے اپنے چہرے پر۔ پس جب ہم سے گزر جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے (ب) آپؐ نے فرمایا اپنا جبہ کھول لو اور جو تمہارے اوپر خلوق کا اثر ہو اس کو دھولو (ج) اپنے سر کو حلق مت کراؤ یہاں تک کہ ہدی اپنی جگہ پر پہنچ جائے تو تم میں سے جو مریض ہو یا اس کو سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دینا ہے روزے سے ،صدقہ سے یا دم سے۔

الا ان یکون غسیلا ولا ینفض الصبغ [۶۲۱] (۱۷) ولا بأس بان یغتسل ویدخل الحمام [۶۲۲] (۱۸) ویستظل بالبیت والمحمل.

چاہے رنگ نہ گیا ہو لیکن خوشبو ختم ہوگئی ہو تو جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ مقصود خوشبو کا ختم کرنا ہے رنگ کا جرم ختم کرنا نہیں ہے۔

وجہ (۱) عن عبد اللہ بن عمر ان رجلا قال یا رسول اللہ ما یلبس المحرم من الثیاب ... ولا تلبسوا من الثیاب شیئا مسہ زعفران او ورس (الف) (بخاری شریف، باب مالا یلبس المحرم من الثیاب ص ۲۰۹ نمبر ۱۵۴۲ رمسلم شریف، باب ما یباح للمحرم وبیان تحریم الطیب علیہ ص ۳۷۲ / ۳۷۲ نمبر ۱۱۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ورس اور زعفران اور عصفر سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ البتہ خوشبو دھل گئی ہو تو پہننا جائز ہے۔ اس کی دلیل اس حدیث میں ہے (۲) ان صفوان بن یعلی قال لعمر ارنی النبی ﷺ ... فقال اغسل الطیب الذی بک ثلث مرات وانزع عنک الجبة (ب) (بخاری شریف، باب غسل الخلوف ثلث مرات من الثیاب ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑا دھولے جس سے خوشبو ختم ہو جائے تو پہن سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں عصفر سے رنگا ہوا کپڑا پہن سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عصفر میں خوشبو نہیں ہوتی (۲) ولبست عائشة الثیاب المعصفر ۃ وھی محرمة وقال جابر لا اری المعصفر طیبا (ج) (بخاری شریف، باب ما یلبس المحرم من الثیاب والاردیة ص ۲۰۹ نمبر ۱۵۴۵) اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ عصفر رنگ میں خوشبو نہیں ہوتی۔

[۶۲۱] (۱۷) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ محرم غسل کرے اور غسلخانہ میں داخل ہو۔

وجہ ان عبد اللہ بن عباس والمسور بن مخرمة اختلفا بالابواء فقال ابن عباس یغسل المحرم رأسہ ... قال فصب علی رأسہ ثم حرک ابو ایوب رأسہ بیدیہ فاقبل بھما وادبر ثم قال ھکذا رأیتہ یفعل (د) (ابوداؤد شریف، باب المحرم یغتسل ص ۲۶۲ نمبر ۱۸۴۰ رمسلم شریف، باب جواز غسل المحرم بدنہ ورأسہ ص ۳۸۳ نمبر ۱۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم غسل کر سکتا ہے۔ اور غسل کر سکتا ہے تو غسلخانہ میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔

[۶۲۲] (۱۸) گھر سے اور کجاوہ سے سایہ حاصل کر سکتا ہے۔

وجہ گھر سے یا کجاوہ سے سایہ حاصل کرنے میں سر پر کپڑا رکھنا نہیں ہے۔ خیمہ بھی ہوگا تو سر سے دور ہوگا اس لئے سایہ حاصل کرنا جائز ہے۔ نیز اس کی ضرورت بھی پڑتی ہے (۲) حدیث میں ہے عن ام الحصین حدثتہ قالت حججنا مع النبی ﷺ حجة الوداع فرأیت اسامة وبلالا واحدھما اخذ بخطام ناقة النبی ﷺ والآخر رافع ثوبہ یسترہ من الحر حتی رمی جمرة العقبة

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! محرم کون سا کپڑا پہنے... مت پہنو ایسا کپڑا جس میں زعفران یا ورس رنگ لگا ہو (ب) آپ نے فرمایا اس خوشبو کو جو لگی ہے تین مرتبہ دھوؤ۔ اور اپنے سے جبہ کھول دو (ج) حضرت عائشہ نے عصفر لگا ہوا کپڑا پہنا حال یہ ہے کہ وہ محرمہ تھی، اور جابرؓ نے فرمایا عصفر میں خوشبو نہیں سمجھتا (د) حضرت عبد اللہ ابن عباس اور مسور بن مخرمہ نے مقام ابواء میں اختلاف کیا۔ عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ محرم سر کو دھو سکتا ہے... حضرت ابو ایوب نے سر پر پانی بہایا پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر حرکت دی پھر اس کو آگے پیچھے کیا پھر فرمایا اس طرح حضور کو کرتے ہوئے دیکھا۔

[۶۲۳](۱۹) ویشد فی وسطه الهمیان[۶۲۴] (۲۰) ولا یغسل رأسه ولا لحیته بالخطمی [۶۲۵](۲۱) ویکثر من التلبیة عقیب الصلوات کلما علا شرفا او هبط وادیا

(الف)(ابوداؤد شریف، باب فی المحرم یظلل ص۲۶۱/۲۶۲ نمبر۱۸۳۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم سایہ حاصل کرسکتا ہے۔ کیونکہ حضورؐ نے کپڑے سے سایہ حاصل کیا۔

[۶۲۳](۱۹)محرم کمر میں ہمیانی باندھ سکتا ہے۔

تشریح ہمیانی سلی ہوئی تھیلی ہوتی ہے جس میں محرم روپیہ رکھتا ہے۔ چونکہ روپیہ رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس کی گنجائش ہے(۲) ہمیانی جسم میں پہنی نہیں جاتی صرف باندھی جاتی ہے۔اس لئے کوئی حرج نہیں ہے(۳)اثر میں ہے سألت ابا جعفر وعطاء عن الھمیان للمحرم فقال لا بأس به (ب)(بخاری شریف، باب الطیب عند الاحرام ص۲۰۸ نمبر۱۵۳۷ رمصنف ابن ابی شیبة ۴۳۴ فی الھمیان للمحرم ج ثالث ص۳۹۳، نمبر۱۵۴۴۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ محرم ہمیانی باندھ سکتا ہے۔

[۶۲۴](۲۰)اپنے سر کو اور ڈاڑھی کو خطمی سے نہ دھوئے۔

وجہ خطمی سے صفائی بہت ہوتی ہے اور حاجی کو پراگندہ رہنا بہتر ہے اس لئے سر اور ڈاڑھی کو خطمی سے نہ دھوئے۔ نیز اس میں تھوڑی خوشبو بھی ہوتی ہے اس لئے بھی اس کو استعمال کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ پراگندہ رہنے کے لئے یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال قام رجل الی النبی ﷺ فقال یا رسول الله ما یوجب الحج؟ قال الزاد والراحلة قال یا رسول الله فما الحج قال الشعث التفل (ج) (ابن ماجہ شریف، باب ما یوجب الحج ص۴۱۹، نمبر۲۸۹۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجی کو پراگندہ ہونا چاہئے۔

لغت الخطمی : ایک قسم کی چیز ہے جس کو اردو میں گل خیرو کہتے ہیں۔اس سے بال وغیرہ صاف کئے جاتے ہیں اور تھوڑی سے خوشبو بھی ہوتی ہے۔

[۶۲۵](۲۱)نماز کے بعد کثرت سے تلبیہ پڑھے، جب کسی بلندی پر چڑھے، یا وادی میں اترے یا قافلہ والوں سے ملاقات ہو اور صبح کے وقت

تشریح دو رکعت نماز کے بعد جب احرام باندھے اس کے بعد کثرت سے ہر وقت تلبیہ پڑھتا رہے۔ بلندی پر چڑھتے وقت، وادی میں نیچے اترتے وقت، قافلوں سے ملاقات کے وقت اور سحری کے وقت خصوصی طور بار بار تلبیہ پڑھے۔

وجہ احرام میں تلبیہ نماز میں تکبیر کی طرح ہے۔ جس طرح نماز میں اٹھتے اور بیٹھتے وقت تکبیر کہی جاتی ہے اسی طرح اٹھتے اور بیٹھتے وقت تلبیہ پڑھی جائے گی(۲)حدیث میں ہے عن ابن عمر قال قام رجل الی النبی ﷺ فقال یا رسول الله ما یوجب الحج؟ قال

حاشیہ : (الف)ام الحصین بیان کرتی ہیں کہ ہم نے حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں حج کیا تو اسامہ اور بلال اور ان میں سے ایک کو دیکھا کہ حضور کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے ہیں۔اور دوسرا کپڑا اٹھائے گرمی سے آپ کو پردہ کررہے ہیں۔ یہاں تک کہ جمرۃ العقبہ کیا(ب) حضرت ابو جعفر اور عطاء سے محرم کے لئے ہمیانی کے بارے میں پوچھا؟ تو فرمایا کہ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے(ج)ایک آدمی حضور کے سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ حج کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟ فرمایا توشہ اور کجاوہ کے مالک ہونے سے۔ پوچھا حج کیسا ہونا چاہئے؟ فرمایا پراگندہ اور بکھرے بالوں والا۔

او لقی رکبانا وبالاسحار [۶۲۶](۲۲) فاذا دخل بمکة ابتدأ بالمسجد الحرام فاذا عاین البیت کبر وهلل ثم ابتدأ بالحجر الاسود فاستقبله و کبر وهلل.

الزاد والراحلة قال یا رسول الله فما الحج؟ قال الشعث التفل وقام آخر فقال یا رسول الله وما الحج قال العج والثج قال وکیع یعنی بالعج العجیج بالتلبیة والثج نحر البدن (الف)(ابن ماجہ شریف، باب مایوجب الحج ص ۴۱۹، نمبر ۲۸۹۶)اس حدیث میں ہے العج جس کا ترجمہ خود حضرت وکیع نے فرمایا بار بار تلبیہ پڑھنا۔ اس لئے بار بار تلبیہ پڑھنا بہتر ہے۔

لغت شرفا : بلند مقام۔ ھبط : نیچے اترا۔

[۶۲۶](۲۲) پس جبکہ مکہ میں داخل ہو تو مسجد حرام سے شروع کرے، پس جبکہ بیت اللہ نظر آئے تو تکبیر کہے اور لا الہ الا اللہ پڑھے پھر حجر اسود سے شروع کرے اور اس کا استقبال کرے اور تکبیر کہے اور تہلیل کہے۔

تشریح مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا کام طواف قدوم کی تیاری کرنا ہے۔ اس لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد مسجد حرام جائے اور بیت اللہ نظر آئے تو اس کی تعظیم کے لئے تکبیر اور تہلیل کہے پھر حجر اسود کا استقبال کرے اور تکبیر و تہلیل کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے اور حجر اسود کو چومے۔

وجہ اخبرتنی عائشة ان اول شیء بدأ به حین قدم النبی ﷺ انه توضأ ثم طاف (ب)(بخاری شریف، باب من طاف بالبیت اذا قدم مکة قبل ان یرجع الی بیتہ ص ۲۱۹ نمبر ۱۶۱۴ر مسلم شریف، باب بیان ان المحرم بعمرة لا یتحلل بالطواف قبل السعی ص ۴۰۵ نمبر ۱۲۳۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ آنے کے بعد سب سے پہلے طواف بیت اللہ کرے۔ بیت اللہ دیکھتے ہی تکبیر و تہلیل کہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن جریج ان النبی ﷺ کان اذا رای البیت رفع یدیه وقال اللهم زد هذا البیت تشریفا و تعظیما الخ (ج)(سنن للبیہقی، باب القول عند رویة البیت ج خامس ص ۱۱۸، نمبر ۹۲۱۳ر ترمذی شریف، باب ماجاء کراہیة رفع الید عند رویة البیت ص ۱۷۴ نمبر ۸۵۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ دیکھتے وقت ہاتھ اٹھانا چاہئے۔

فائدہ دوسری حدیث میں ہے کہ بیت اللہ دیکھتے وقت ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے (ترمذی شریف، باب فی کراہیة رفع الید عند رویة البیت ص ۱۷۴ نمبر ۸۵۵ر سنن للبیہقی، نمبر ۹۲۱۱)(۲) دوسری حدیث میں ہے عن عمر بن خطاب قال قال رسول الله ﷺ یا عمر! انک رجل قوی لا تؤذ الضعیف اذا اردت استلام الحجر فان خلالک فاستلمه والا فاستقبله و کبر (د)(سنن للبیہقی، باب

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضور کے سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ! حج کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟ فرمایا توشہ اور کجاوہ سے۔ پوچھا اے اللہ کے رسول حاجی کیسا ہونا چاہئے؟ فرمایا پراگندہ اور بکھرے بالوں والا۔ دوسرے صحابی کھڑے ہوئے اور پوچھا یا رسول اللہ! حج کیا ہے؟ فرمایا تلبیہ پڑھنا اور خون بہانا (ب حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ جب مکہ تشریف لائے تو سب سے پہلی چیز جو شروع کی یہ کہ وضو کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا (ج) حضورؐ جب بیت اللہ دیکھتے تو ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعا پڑھتے اللھم الخ (د) آپؐ نے فرمایا اے عمر! تم طاقتور آدمی ہو، کمزور کو تکلیف نہ دینا۔ جب تم پتھر کو چومنا چاہو پس اگر جگہ خالی ہو تو حجر اسود کو چوم لو ورنہ تو اس کا استقبال کرو اور تکبیر کہو۔

[۶۲۷](۲۳) و رفع یدیه مع التکبیر واستلمه وقبله ان استطاع من غیر ان یؤذی مسلما[۶۲۸] (۲۴) ثم اخذ عن یمینه ما یلی الباب[۶۲۹] (۲۵) وقد اضطبع رداء ہ قبل ذلک.

الاستلام فی الزحام ج خامس ص ۱۳۰، نمبر ۹۲۶۱ ر بخاری شریف، باب تقبیل الحجر، ص ۲۱۹ نمبر ۱۶۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ حجر اسود کا استقبال کرے اور تکبیر کہے اور موقع ہو تو حجر اسود کو چومے۔

[۶۲۷] (۲۳) تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے اور حجر اسود کو چومے اور اس کو بوسہ دے اگر کسی مسلمان کو تکلیف دیئے بغیر ممکن ہو۔

تشریح کسی مسلمان کو تکلیف دیئے بغیر حجر اسود کو چومنا ممکن ہو تو چومے اور اگر تکلیف دیئے بغیر ممکن نہ ہو تو نہ چومے صرف ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے اور آگے بڑھ جائے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں گزرا کہ حضرت عمر کو آپؐ نے فرمایا یا عمر انک رجل قوی لا تؤذ الضعیف اذا اردت استلام الحجر فان خلالک فاستلمه والا فاستقبله و کبر (الف) (سنن للبیھقی، باب الاستلام فی الزحام ج خامس ص ۱۳۰، نمبر ۹۲۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھیڑ نہ ہو تو حجر اسود کو چومے اور اگر بھیڑ ہو اور لوگوں کو تکلیف ہونے کا خطرہ ہو تو ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے اور آگے چلا جائے۔

[۶۲۸] (۲۴) پھر بیت اللہ کے دروازہ کے پاس سے دائیں جانب سے شروع کرے۔

وجہ عن جابر قال لما قدم رسول الله مكة دخل المسجد فاستلم الحجر ثم مضى على يمينه فرمل ثلاثا ومشى اربعا (ب) (نسائی شریف، باب کیف یطوف اول مایقدم وعلی ای شقیه یأ خذ ج ثانی ص ۳۰ نمبر ۲۹۴۲ ر بخاری شریف، باب استلام الحجر الاسود حین یقدم ص ۲۱۸ نمبر ۱۶۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حجر اسود کی دائیں جانب سے طواف شروع کرے اور طواف قدوم میں تین پہلے میں رمل کرے اور باقی چار میں اپنی ہیئت پر چلے۔

[۶۲۹] (۲۵) اس سے پہلے اپنی چادر کا اضطباع کیا ہو۔

تشریح جب طواف قدوم کرے گا تو اپنی چادر کا اضطباع کرے گا۔ اضطباع کا مطلب یہ ہے کہ چادر دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال دے۔

وجہ عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ واصحابه اعتمروا من الجعرانة فرملوا بالبيت وجعلوا اردیتهم تحت اباطهم قد قذفوها علی عواتقهم الیسری (ج) (ابوداؤد شریف، باب الاضطباع فی الطواف ص ۲۶۶ نمبر ۱۸۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف شروع کرنے سے پہلے اپنی چادر کا اضطباع کرے۔

حاشیہ : (الف) اے عمر! تم طاقتور آدمی ہو، کمزور کو تکلیف نہ دینا۔ جب تم پتھر کو چومنا چاہو پس اگر جگہ خالی ہو تو حجر اسود کو چوم لو ورنہ تو اس کا استقبال کرو اور تکبیر کہو (ب) جب حضور مکہ آئے تو مسجد حرام میں داخل ہوئے اور حجر اسود کو چوما اور دائیں جانب سے گزرے۔ پس تین پہلے شوط میں رمل کیا اور چار میں اپنی ہیئت پر چلے (ج) حضورؐ اور ان کے ساتھیوں نے مقام جعرانیہ سے عمرہ کیا اور بیت اللہ کے طواف میں رمل کیا اور اپنی چادروں کو بغل کے نیچے کیا اور اس کو بائیں کندھے پر ڈال دیا

[۶۳۰] (۲۶) فیطوف بالبیت سبعة اشواط ویجعل طوافه من وراء الحطیم [۶۳۱] (۲۷) ویرمل فی الاشواط الثلث الاول ویمشی فی ما بقی علی هینته.

[۶۳۰] (۲۶) بیت اللہ کا سات شوط طواف کرے اور اپنا طواف حطیم سے شروع کرے۔

وجہ سات شوط طواف کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر قال سعی النبی ﷺ ثلثة اشواط ومشی اربعة فی الحج والعمرة (الف)** (بخاری شریف، باب الرمل فی الحج والعمرۃ ص ۲۱۸ نمبر ۱۶۰۴/۱۶۰۳ ابوداؤد شریف، باب فی الرمل ص ۲۶۶ نمبر ۱۸۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف میں سات مرتبہ بیت اللہ کے چاروں طرف چکر لگائے جس کو سات شوط کہتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تین پہلے میں رمل کرے گا اور باقی چار میں اپنی ہیئت پر چلے گا۔ اور حطیم کے پیچھے سے طواف کرنے کی دلیل یہ ہے کہ حطیم بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ قریش جب بیت اللہ تعمیر کر رہے تھے تو خرچ کی کمی کی وجہ سے اس حصے کو چھوڑ دیا اس لئے وہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اس لئے اس کے پیچھے سے طواف کرے گا (۲) **عن عائشة قالت کنت احب ان ادخل البیت فاصلی فیه فاخذ رسول الله ﷺ بیدی فادخلنی الحجر وقال صلی فی الحجر ان اردت دخول البیت فانما هو قطعة من البیت ولکن قومک استقصروه حین بنوا الکعبة فاخرجوه من البیت (ب)** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ فی الحجر ص ۱۷۷ نمبر ۸۷۶/ ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ فی الحجر ص ۲۸۴ نمبر ۲۰۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حطیم جس کو حجر بھی کہتے ہیں بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اس میں نماز پڑھنا گویا کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا ہے۔ اس لئے حطیم کے پیچھے سے طواف کرنا چاہئے (۳) **عن عطاء فی رجل طاف فکان من طوافه دخولا فی الحجر قال لا یعتد بما کان من دخول الحجر** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸۹ فی الرجل یطوف بالبیت فیکون من طوافہ دخولا فی الحجر ج ثالث ص ۲۷۷، ۱۱۹۳۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حطیم میں داخل ہو کر طواف کیا جائے گا اس کا اعتبار نہیں اس لئے حطیم کے باہر سے طواف کرے۔

[۶۳۱] (۲۷) تین پہلے شوط میں رمل کرے اور باقی میں اپنی ہیئت پر چلے۔

تشریح طواف قدوم کے پہلے تین چکروں میں اکڑ اکڑ کر چلے اور باقی چار چکر میں اپنی حالت پر چلے۔

وجہ رمل کرنے کی وجہ مسئلہ نمبر ۲۶ میں حدیث گزر چکی ہے۔ البتہ اکڑ اکڑ کر چلنے کی وجہ یہ تھی کہ جب صحابہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ عمرہ کرنے آئے تو کفار مکہ نے کہا کہ ان کو مدینہ کی آب وہوا نے کمزور کر دیا ہے۔ آپؐ نے یہ سنا تو صحابہ کو حکم دیا کہ اکڑ اکڑ کر طواف کرو تو صحابہ کرام اکڑ اکڑ کر طواف کرنے لگے۔ تین طواف کے بعد کفار مکہ بھاگ گئے تو باقی چار طوافوں میں اپنی حالت پر چلنے کا حکم دیا (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال قدم رسول الله واصحابه فقال المشرکون انه یقدم علیکم وفد وهنهم حمی یثرب فامرهم النبی**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے سعی کی تین شوط میں اور چلے چار میں حج میں اور عمرہ میں (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں چاہتی تھی کہ بیت اللہ میں داخل ہوں اور نماز پڑھوں تو حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو حطیم میں داخل کر دیا اور فرمایا حطیم میں نماز پڑھو۔ اگر تم بیت اللہ میں داخل ہونا چاہتی ہو اس لئے کہ وہ بھی بیت اللہ کا ٹکڑا ہے۔ لیکن تمہاری قوم کا خرچ کم ہو گیا جب اس کو بنایا تو انہوں نے بیت اللہ سے باہر نکال دیا۔

[۶۳۲] (۲۸) ویستلم الحجر کلما مر به ان استطاع[۶۳۳] (۲۹) ویختم بالاسلام الطواف [۶۳۴](۳۰) ثم یأتی المقام فیصلی عندہ رکعتین او حیث ما تیسر من

علیہ السلام ان یرملوا الاشواط الثلثة وان یمشوا ما بین الرکنین (الف) (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الرمل ص ۲۱۸ نمبر ۱۶۰۲/ ابوداؤد شریف، باب فی الرمل ص ۲۶۶ نمبر ۱۸۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کس طرح رمل کی ابتدا ہوئی۔

لغت رمل : اکڑ اکڑ کر چلنا۔ الاشواط : شوط کی جمع ہے طواف کے ایک چکر کو شوط کہتے ہیں۔ ھیئة : اپنی حالت پر

[۶۳۲] (۲۸) حجر اسود کو چومے جب جب بھی اس کے پاس سے گزرے اگر ہو سکتا ہو۔

تشریح جب جب حجر اسود کے پاس سے گزرے تو اگر چوم سکے تو اس کو چومے اور نہ چوم سکے تو ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے اور تکبیر کہے عن ابن عباس قال طاف النبی علیہ السلام بالبیت علی بعیر کلما اتی الرکن اشار الیه بشیء عندہ وکبر (ب) (بخاری شریف، باب من اشار الی الرکن اذا اتی الیه ص ۲۱۹ نمبر ۱۶۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب جب حجر اسود سے گزرے تو اس کو چومے۔ اور چوم نہ سکتا ہو تو اس کی طرف اشارہ کرکے تکبیر کہے عن ابن عمر قال کان رسول اللہ علیہ السلام لا یدع ان یستلم الرکن الیمانی والحجر فی کل طوافه قال وکان عبد اللہ بن عمر یفعله (ج) (ابوداؤد شریف، باب استلام الارکان ص ۲۶۵ نمبر ۱۸۷۶/ بخاری شریف نمبر ۱۶۱۱)

نوٹ رکن سے مراد یہاں حجر اسود ہے۔

[۶۳۳] (۲۹) اور طواف چوم کر ختم کرے۔

تشریح جب ساتوں طواف ختم ہو تو اخیر میں بھی حجر اسود کو چومے اور چومنے پر طواف ختم کرے۔

وجہ عن عبد الرحمن بن صفوان ... فرایت النبی علیہ السلام قد خرج من الکعبة ھو واصحابه قد استلموا البیت من الباب الی الحطیم وقد وضعوا خدودھم علی البیت ورسول اللہ علیہ السلام وسطھم (د) (سنن للبیھقی، باب الملتزم ج خامس ص ۱۵۰، نمبر ۹۳۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر میں بھی بیت اللہ کو چومنا چاہئے۔

[۶۳۴] (۳۰) پھر مقام ابراہیم پر آئے اور اس کے پاس دو رکعت نماز پڑھے یا مسجد مین جہاں آسان ہو۔

تشریح طواف کے سات شوط پورا کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس آئے اور دو رکعت نماز پڑھے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ اور ان کے ساتھی مکہ آئے تو مشرکین نے کہا تمہارے سامنے ایسا وفد آیا ہے جس کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ تو حضورؐ نے ان کو حکم دیا کہ تین پہلے شوط میں اکڑ کر چلیں اور رکن یمانی اور رکن شامی کے درمیان آہستہ چلیں (ب) آپؐ نے بیت اللہ کا طواف اونٹ پر سوار ہو کر کیا، جب جب حجر اسود کے پاس آتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے اور تکبیر کہتے (ج) حضورؐ ہر طواف میں رکن یمانی اور حجر اسود کے استیلام کو نہ چھوڑتے اور فرمایا عبد اللہ بن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے (د) میں نے حضور کو دیکھا کہ وہ اور ان کے ساتھی بیت اللہ سے نکلے اور انہوں نے بیت اللہ کا کے دروازہ سے حطیم تک چوما اور اپنے گالوں کو بیت اللہ پر رکھا اور حضور صحابہ کے درمیان تھے۔

المسجد[۶۳۵] (۳۱) وهذا الطواف طواف القدوم وهو سنة وليس بواجب وليس على اهل مكة طواف القدوم.

وجہ سمعت ابن عمر يقول قدم النبی ﷺ فطاف بالبيت سبعا وصلى خلف المقام ركعتين ثم خرج الى الصفا (الف) (بخاری شریف باب من صلی رکعتی الطواف خلف المقام ص ۲۲۰ نمبر ۱۶۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف کے سات شوط کے بعد مقام ابراہیم پر آئے اور دو رکعت طواف کی پڑھے۔ آیت میں ہے واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى (ب) (آیت ۱۲۵ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں حکم ہے کہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھی جائے۔ یہ دو رکعت واجب ہے۔ اس کی دلیل حضور کی مواظبت ہے۔ اثر میں ہے قلت للزهرى ان عطاء يقول تجزئه المكتوبة من ركعتى الطواف فقال السنة افضل لم يطف النبی ﷺ سبوعا قط الا صلى ركعتين (ج) (بخاری شریف، باب طاف النبی ﷺ وصلی لسبوعہ رکعتین ص ۲۲۰ نمبر ۱۶۲۳) اس حدیث میں ہے کہ جب جب آپ نے طواف کے سات شوط پورے کئے تو آپ نے دو رکعت طواف پڑھی۔ اس ہمیشگی کی وجہ سے رکعت طواف حنفیہ کے نزدیک واجب ہے **فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک اوپر کی حدیث کی وجہ سے رکعت طواف سنت ہے۔

نوٹ مقام ابراہیم کے پاس جگہ نہ ملے تو مسجد حرام کی کسی جگہ بھی رکعت طواف پڑھ سکتے ہیں۔

[۶۳۵] (۳۱) اس طواف کا نام طواف قدوم ہے یہ سنت ہے واجب نہیں ہے اور اہل مکہ پر طواف قدوم نہیں ہے۔

تشریح باہر سے آتے ہی جو طواف کرتے ہیں اس کو طواف قدوم آنے کا طواف کہتے ہیں۔ یہ آفاقی کے لئے سنت ہے۔

وجہ قدوم کے معنی باہر سے آنا، چونکہ آفاقی باہر سے آتے ہیں اس لئے اس کے لئے سنت ہے۔ مکی باہر سے نہیں آتے ہیں اس لئے اس کے لئے سنت نہیں ہے۔ البتہ کر لے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ یوں بھی ہر وقت طواف کرنا بہتر ہے (۲) حدیث میں ہے عن وبرة قال كنت جالسا عند ابن عمر فجائه رجل فقال ايصلح لى ان اطوف بالبيت قبل ان اتى الموقف فقال نعم فقال فان ابن عباس يقول لا تطف بالبيت حتى تأتى الموقف فقال ابن عمر فقد حج رسول الله فطاف بالبيت قبل ان ياتى الموقف فبقول رسول الله احق ان تأخذ او بقول ابن عباس ان كنت صادقا (د) (مسلم شریف، باب استحباب طواف القدوم للحاج والسعی بعدہ ص ۴۰۵ نمبر ۱۲۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے حج کا احرام باندھا اس کے باوجود عرفہ جانے سے پہلے طواف

حاشیہ : (الف) حضور مکہ آئے اور سات شوط بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی پھر صفا پہاڑی کی طرف نکلے (ب) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ (ج) میں نے زھری سے کہا کہ حضرت عطا فرماتے ہیں فرض نماز طواف کی دو رکعتوں کے لئے کافی ہے۔ حضرت زھری نے فرمایا سنت افضل ہے۔ حضور نے جب بھی سات شوط طواف کیا تو دو رکعت نماز پڑھی (د) حضرت وبرہ حضرت ابن عمر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو اس کے پاس ایک آدمی آیا اور پوچھا کہ میرے لیے یہ صحیح ہے کہ میں بیت اللہ کا طواف کروں موقف یعنی عرفہ آنے سے پہلے تو ابن عمر نے فرمایا ہاں! کہنے لگے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف نہ کروں یہاں تک کہ عرفہ آجاؤ۔ پس ابن عمر نے فرمایا کہ حضورؐ نے حج کیا اور عرفہ آنے سے پہلے طواف کیا تو حضور کا قول زیادہ حقدار ہے کہ کیا جائے یا ابن عباس کا قول اگر تم سچے ہیں۔

[٦٣٦](٣٢) ثم خرج الى الصفا فيصعد عليه ويستقبل البيت ويكبر ويهلل ويصلى على النبى صلى الله عليه وسلم ويدعو الله تعالى لحاجته [٦٣٧](٣٣) وينحط نحو المروة

قدوم کیا جو آفاقی کے لئے مستحب ہے۔

[٦٣٦](٣٢) پھر صفا پہاڑی کی طرف نکلے اور اس پر چڑھے اور بیت اللہ کا استقبال کرے اور تکبیر کہے اور تہلیل کہے اور حضورؐ پر درود بھیجے اور اللہ تعالی سے اپنی ضرورت کے لئے دعا کرے۔

تشریح طواف اور طواف رکعت سے فارغ ہونے کے بعد اب سعی کرنے کے لئے صفا پہاڑی کی طرف جائے اور وہاں چڑھ کر بیت اللہ کی طرف استقبال کرے، تکبیر کہے، تہلیل کہے، درود اور دعا پڑھے۔

وجہ قال دخلنا على جابر بن عبد الله ... ثم خرج من الباب الى الصفا فلما دنى من الصفا قرء ان الصفا والمروة من شعائر الله نبدأ بما بدء الله به فبدأ بالصفا فرقى عليه حتى راى البيت فاستقبل القبلة فوحد الله وكبره وقال لا اله الا الله وحده لا شريک له له الملک وله الحمد وهو على كل شىء قدير لا اله الا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده ثم دعا بين ذلک قال مثل هذا ثلاث مرات ثم نزل الى المروة (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ﷺ ص ۳۹۵ نمبر ۱۲۱۸ / ابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ ص ۲۶۹ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفا پہاڑی پر آ کر تکبیر و تہلیل کرے اور دعائیں کرے (۳) اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ ان الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما (ب) (آیت ۱۵۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا چاہئے۔ چنانچہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، چھوڑنے سے دم لازم ہوگا۔ صفا پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آنے لگے، چنانچہ بیت اللہ کی طرف استقبال کر کے دعائیں پڑھے۔ حدیث میں ہے۔ حدثنا جابر ان رسول الله رقى على الصفا حتى اذا نظر الى البيت كبر (ج) (نسائی شریف، باب موضع القیام علی الصفاج ثانی ص ۴۰۹، نمبر ۲۹۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفا پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آنے لگے پھر تکبیر وغیرہ کہے۔ اس کے لئے حدیث ہے (نسائی شریف، باب التکبیر علی الصفاص ۳۲ نمبر ۲۹۷۵) اور پر بھی مسلم شریف کی حدیث گزری جس میں صفا پر تکبیر کہنے کا ذکر ہے۔

[٦٣٧](٣٣) اور نیچے مروہ کی طرف اترے گا اور چلے گا اپنی ہیئت پر۔ پس جب بطن وادی میں پہنچے تو میلین اخضرین کے درمیان زور سے

حاشیہ : (الف) پھر دروازہ سے صفا کی طرف گئے، پس جب صفا کے قریب ہوئے تو ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ آپ نے پڑھا۔ پھر فرمایا وہاں سے شروع کروں گا جہاں سے اللہ نے شروع کیا ہے۔ پس صفا سے سعی شروع کی اور صفا پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ دیکھا اور قبلے کا استقبال کیا پھر توحید بیان کی اور تکبیر کہی پھر لا الہ الا اللہ الخ پڑھا۔ پھر اس درمیان دعا کرتے رہے۔ پھر اس طرح تین مرتبہ دعا کی۔ پھر مروہ کی طرف اتر آئے (ب) صفا اور مروہ اللہ کے شعائر ہیں۔ تو جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا تو اس پر کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دونوں کا طواف کرے (ج) حضورؐ صفا پر چڑھے یہاں تک کہ جب بیت اللہ پر نظر پڑی تو تکبیر کہی۔

ویمشی علی هینته فاذا بلغ الی بطن الوادی سعی بین المیلین الاخضرین سعیا حتی یأتی المروۃ فیصعد علیها ویفعل کما فعل علی الصفا.

دوڑے یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آجائے۔ اور اس پر چڑھے۔ اور اس پر ایسے ہی تکبیر وتہلیل اور دعائیں کرے جیسے صفا پر کیا۔

تشریح صفا اور مروہ کے درمیان پہلے نشیبی جگہ تھی جس کو میلین اخضرین کہتے ہیں۔ اس وقت یہ جگہ بالکل برابر ہے۔ البتہ ابتدا اور انتہا میں دوہری بتیاں لگی ہوئی ہیں۔ وہاں پہنچے تو ذرا دوڑ کر چلے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام وہاں اپنے بیٹے اسمعیل کے لئے دوڑ کر چلی۔ اس جگہ کو بطن وادی بھی کہتے ہیں۔

وجہ اوپر کی حدیث کے سلسلے میں یہ ہیں کہ قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ... ثم نزل الی المروۃ حتی اذا انصبت قدماہ رمل فی بطن الوادی حتی اذا صعد مشی حتی اتی المروۃ فصنع علی المروۃ مثل ما صنع علی الصفا (الف) (ابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۷۰ نمبر ۱۹۰۵ر مسلم شریف، باب حضۃ النبی ﷺ ص ۳۹۶ نمبر ۱۲۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بطن وادی میں تیز قدم چلے اور باقی مقامات پر اپنی حالت پر چلے (۲) سعی واجب ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے عن برۃ بنت ابی تجراۃ قال رایت رسول الله حین انتھی الی المسعی قال اسعوا فان الله کتب علیکم السعی فرایتہ یسعی حتی بدت رکبتاہ من انکشف ازارہ (ب) دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۲۴ نمبر ۲۵۶۰/۲۵۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سعی واجب ہے۔ کیونکہ آیت میں فلا جناح علیہ ان یطوف بھما ہے۔ اس سے معلوم ہو کہ اس سعی کی اہمیت فرض کی طرح نہیں ہے۔ آیت اور حدیث دونوں کو ملانے سے واجب کا اندازہ ہوتا ہے (۳) اس حدیث سے بھی وجوب کا پتا چلتا ہے عن عروۃ عن عائشۃ قال قلت لھا انی لاظن رجلا لو لم یطف بین الصفا والمروۃ ما ضرہ قالت لم؟ قلت لان الله یقول ان الصفا والمروۃ من شعائر الله الخ فقالت ما تم الله حج امرء ولا عمرتہ لم یطف بین الصفا والمروۃ ولو کان کما تقول لکان فلا جناح علیہ ان لا یطوف بھما (ج) (مسلم شریف، باب بیان ان السعی بین الصفا والمروۃ رکن ص ۴۱۴ نمبر ۱۲۷۷ر ابو داؤد شریف، باب امر الصفا والمروۃ ص ۲۶۹ نمبر ۱۹۰۱) اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ سعی واجب ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ دار قطنی اور مسلم شریف کی اوپر کی حدیث کی وجہ سے سعی فرض کہتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) پھر مروہ کی طرف اترے، یہاں تک کہ جب آپ کا قدم نیچے جما تو بطن وادی میں رمل کیا، جب اوپر چڑھے تو آہستہ چلنے لگے یہاں تک کہ مروہ پر آئے اور مروہ پر ایسا ہی کیا جیسا صفا پر کیا (ب) حضور کو دیکھا کہ جب سعی کرنے کی جگہ پر آئے تو فرمایا سعی کرو، اللہ نے تم پر سعی فرض کی ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ سعی فرما رہے ہیں یہاں تک کہ ازار کھلنے کی وجہ سے آپ کے گھٹنے کھل گئے۔ (ج) حضرت عروہ نے حضرت عائشہ سے کہا میں گمان کرتا ہوں کہ صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہ کرے تو کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کیوں نہیں؟ میں نے کہا اس لئے کہ اللہ تعالی نے فرمایا اگر صفا اور مروہ کا طواف نہ کرے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ تو حضرت عائشہ نے فرمایا کسی انسان کا حج اور عمرہ پورا نہیں ہوگا اگر اس نے صفا اور مروہ کا طواف نہیں کیا۔ اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو آیت کی عبارت یوں ہونی چاہئے فلا جناح علیہ ان لا یطوف بھما۔

[۶۳۸](۳۴) وهذا شوط فيطوف سبعة اشواط يبتدى بالصفا ويختم بالمروة [۶۳۹] (۳۵) ثم يقيم بمكة محرما فيطوف بالبيت كلما بدا له.

نوٹ جس طرح صفا پر بیت اللہ کا استقبال کر کے تکبیر، تہلیل، درود اور دعا پڑھے گا اسی طرح مروہ پر بھی کرے گا۔ اوپر کی حدیث سے اس کا پتہ چلا۔

لغت بطن الوادی : صفا اور مروہ کے درمیان نشیبی جگہ کو بطن الوادی کہتے ہیں۔ ابھی اس پر ہری بتیاں ڈال دی گئی ہیں۔ یہاں لوگ دوڑ کر چلتے ہیں۔ هینته : اپنی ہیئت پر۔

[۶۳۸](۳۴) یہ ایک شوط ہے۔ پس طواف کرے گا سات شوط، شروع کرے گا صفا سے اور ختم کرے گا مروہ پر۔

تشریح صفا سے سعی شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے۔ اور صفا سے مروہ تک ایک شوط، اور مروہ سے صفا تک دوسرا شوط ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک ایک شوط ہو۔ اس طرح تو حنفیہ کے نزدیک چودہ شوط ہو جائیں گے۔

وجہ فقال ابن عمر قدم رسول الله فطاف بالبيت سبعا وصلى خلف المقام ركعتين وطاف بين الصفا والمروة سبعا وقد كان لكم فى رسول الله ﷺ اسوة حسنة (الف) (سنن للبیہقی، باب وجوب الطواف بین الصفا والمروۃ وان غیرہ لا یجزی عنہ ج خامس ص ۱۵۸، نمبر ۹۳۶۳) ابو داؤد میں ہے ثم اتى الصفا والمروة فسعى بينهما سبعا ثم حلق رأسه (ب) (ابو داؤد شریف، باب امر الصفا والمروۃ ص ۲۶۸ نمبر ۱۹۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفا سے مروہ تک میں ایک شوط ہو جاتا ہے۔

فائدہ بعض ائمہ کے نزدیک صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک میں ایک شوط ہوگا۔

وجہ ان کی دلیل اس اثر کا اشارہ ہے عن عطاء قال سألت عطا عن رجل سعى بين الصفا والمروة اربعة عشرة مرة قال يجزيه (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۱۸ فی الرجل یسعی بین الصفا والمروۃ اربعۃ عشر مرۃ ج خامس ص ۵۰) ہماری دلیل اسی اثر کے ایک جز میں یعید کا لفظ ہے یعنی اس کو دوبارہ لوٹانا ہوگا۔ چودہ شوط کافی نہیں ہے۔

[۶۳۹](۳۵) پھر مکہ مکرمہ میں احرام کے ساتھ ٹھہرا رہے اور جب جب خیال ہو بیت اللہ کا طواف کرتا رہے۔

تشریح حج کا احرام باندھا تھا تو طواف فرض کے بعد احرام کھلے گا اور یہ طواف قدوم تھا اس لئے اس طواف کے بعد محرم ہو کر مکہ مکرمہ میں ٹھہرا رہے۔ اور جب جب موقع ہو بیت اللہ کا خوب طواف کرتا رہے۔

وجہ طواف کی بہت فضیلت ہے اس لئے جب جب موقع ہو طواف کرے (۲) حدیث میں ہے عن طاؤس عن رجل ادرك النبى ﷺ قال الطواف بالبيت صلوة فاقلوا من الكلام (ج) (نسائی شریف، اباحۃ الکلام فی الطواف، ص ۴۰۲، نمبر ۲۹۲۵) نماز طواف

حاشیہ : (الف) آپ مکہ تشریف لائے اور بیت اللہ کے سات طواف فرمائے اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور صفا مروہ کے درمیان سات طواف کئے۔ اور رسول اللہ ﷺ تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے (ب) پھر آپ صفا مروہ پر آئے اور دونوں کے درمیان سات سعی کی، پھر سر کا حلق کرایا (ج) ایک آدمی جس نے حضور کو پایا ان سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے اس لئے کلام کم کریں۔

[۶۴۰](۳۶) واذا كان قبل يوم التروية بيوم خطب الامام خطبة يعلم الناس فيها الخروج الى منى والصلوة بعرفات والوقوف والافاضة.

کی طرح ہے اس لئے نفلی نماز کی طرح بار بار طواف کرتا رہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله من طاف بالبيت خمسين مرة خرج من ذنوبه كيوم ولدته امه (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الطواف ص ۱۷۵ نمبر ۸۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف کا ثواب بہت ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ طواف کرتا رہے اور حج کے احرام باندھنے والے کو محرم ہو کر رہنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة انها قالت خرجنا مع رسول الله عام حجة الوداع فمنا من اهل بعمرة ومنا من اهل بحج وعمرة ومنا من اهل بالحج واهل رسول الله ﷺ بالحج فاما من اهل بعمرة فحل واما من اهل بحج او جمع الحج والعمرة فلم يحلوا حتى كان يوم النحر (ب) (سنن للبیہقی، باب المفرد یقیم علی احرامہ حتی یتحلل منہ یوم النحر ج خامس ص ۱۷۸، نمبر ۹۴۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے حج کا احرام باندھا یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ کر قران کیا وہ طواف قدوم کے بعد احرام نہیں کھولے گا۔ بلکہ مکہ مکرمہ میں محرم ہو کر ٹھہرے گا۔ البتہ جس نے عمرہ کا احرام باندھا اس کا عمرہ پورا ہو جائے گا۔ اس لئے وہ احرام کھول دے گا اور حلال ہو کر مکہ مکرمہ میں قیام کرے گا۔

[۶۴۰](۳۶) اور جبکہ یوم ترویہ سے ایک دن پہلے ہو تو امام خطبہ دے گا ایسا خطبہ کہ لوگوں کو اس میں سکھلائیں گے منی کی طرف نکلنا اور عرفات میں نماز اور وقوف عرفہ اور افاضہ کے احکام۔

تشریح یوم ترویہ آٹھویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں۔ اس سے ایک دن قبل ساتویں ذی الحجہ ہوگی۔ تو ساتویں ذی الحجہ کو امام خطبہ دے جس میں لوگوں کو منی کی طرف نکلنے کے احکام، عرفات میں نماز کے احکام سکھلائے۔ اسی طرح وقوف عرفہ کس طرح کریں، طواف وداع کس طرح کریں یہ سب احکام سکھلائیں۔

وجہ (۱) ان احکام کے سکھلانے کی ضرورت ہے اس لئے یہ احکام سکھلائے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال كان رسول الله ﷺ اذا كان قبل التروية خطب الناس فاخبرهم بمناسكهم (ج) (سنن للبیہقی، باب الخطبۃ التی یستحب للامام ان یاتی بھا فی الحج اولھا یوم السابع ج خامس ص ۱۸۰، نمبر ۹۴۳۶ رنسائی شریف، الخطبۃ قبل یوم الترویۃ ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۲۹۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ کو خطبہ دینا چاہئے اور اس میں مناسک حج کے تمام پہلو اجاگر کرنا چاہئے۔

لغت الافاضۃ : عرفات میں ٹھہرنے کو اور طواف فرض کو افاضۃ کہتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے پچاس مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا گناہ سے اس طرح نکل جائے گا جیسے آج ہی اس کی ماں نے جنا ہو (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع کے دن نکلے تو ہم میں سے کچھ نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہم میں سے کچھ نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا۔ اور ہم میں سے کچھ نے حج کا احرام باندھا۔ اور حضورؐ نے حج کا احرام باندھا۔ پس جس نے عمرہ کا احرام باندھا وہ حلال ہو گیا۔ اور جس نے حج کا احرام باندھا یا حج اور عمرے کو جمع کیا تو وہ حلال نہیں ہوئے یہاں تک کہ دسویں تاریخ ہو گئی (ج) حضور نے آٹھویں تاریخ سے پہلے لوگوں کو خطبہ دیا اور ان کو ان کے مناسک حج کے بارے میں خبر دی۔

[۶۴۱] (۳۷) فاذا صلی الفجر یوم الترویة بمکة خرج الی منی واقام بها حتی یصلی الفجر یوم عرفة ثم یتوجه الی عرفات فیقیم بها [۶۴۲] (۳۸) فاذا زالت الشمس من یوم عرفة صلی الامام بالناس الظهر والعصر ثم یبتدی فیخطب خطبتین قبل الصلوٰة یعلم

[۶۴۱] (۳۷) پس جب آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ میں فجر کی نماز پڑھے تو منی کی طرف نکلے اور وہاں ٹھہرے یہاں تک کہ نویں تاریخ کو فجر کی نماز پڑھے پھر عرفات کی طرف متوجہ ہو اور وہاں ٹھہرے۔

تشریح ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو مکہ مکرمہ میں فجر کی نماز پڑھ کر منی کی طرف روانہ ہو جائے اور وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز پڑھے۔ اور اس درمیان تکبیر، تہلیل اور تلبیہ پڑھتا رہے۔ اور نویں تاریخ کو فجر کی نماز پڑھ کر منی سے عرفات کے لئے روانہ ہو جائے اور عرفات میں جا کر ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی پڑھے۔

وجہ حضور ﷺ کے حج کی جو لمبی حدیث مسلم شریف اور ابوداؤد شریف میں ہے اس میں اس کی تفصیل ہے۔ دخلنا علی جابر بن عبد الله فسال عن القوم حتی انتهی الی ... فلما کان یوما الترویة توجهوا الی منی فاهلوا بالحج ورکب رسول الله فصلی بها الظهر والعصر والمغرب والعشاء والفجر ثم مکث قلیلا حتی طلعت الشمس وامر بقبة من شعر تضرب له بنمرة فسار رسول الله ولا تشک قریش الا انه واقف عند المشعر الحرام کما کانت قریش تصنع فی الجاهلیة فاجاز رسول الله حتی اتی عرفة فوجد القبة قد ضربت له بنمرة فنزل بها (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ﷺ ص ۳۹۶ نمبر ۱۲۱۸ / ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ ص ۲۷۰ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آٹھویں ذی الحجہ کو منی آئے اور وہاں پانچ نمازیں پڑھے اور نویں ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد عرفہ آ جائے۔

[۶۴۲] (۳۸) پس جب کہ نویں تاریخ کو سورج ڈھل جائے تو امام لوگوں کو نماز پڑھائے ظہر اور عصر کی۔ پس نماز سے پہلے دو خطبے لوگوں کو دیں۔ ان دونوں میں نماز، وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، رمی جمار، نحر، حلق اور طواف زیارت کے احکام سکھلائے۔

تشریح سورج ڈھل جانے کے بعد پہلے دو خطبے دے جن میں وقوف عرفہ کے احکام، مزدلفہ میں ٹھہرنے کے احکام، رمی جمار کے احکام، قربانی کیسے کریں گے اس کے احکام، حلق کیسے کریں گے اس کے احکام اور طواف زیارت کے احکام کو تفصیل سے بیان کرے۔ اور حاجیوں کو سمجھائے۔ کیوں کہ اس کی ضرورت ہے۔

وجہ حدیث میں ہے دخلنا عن جابر بن عبد الله سأل عن القوم حتی انتهی الی ... حتی اذا زاغت الشمس امر

حاشیہ : (الف) پس جب ترویہ کا دن ہوا (یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ) تو لوگ منی کی طرف متوجہ ہوئے اور حج کا احرام باندھا اور حضور سوار ہوئے، پس منی میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز پڑی، پھر تھوڑی دیر ٹھہرے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا اور بال کے خیمے کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو مقام نمرہ میں (عرفات میں نمرہ ایک جگہ ہے) لگایا جائے۔ پس حضورؐ چلے، قریش کو یقین تھا کہ وہ مشعر حرام مزدلفہ میں ٹھہریں گے۔ جیسا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ لیکن حضور آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ عرفات آ گئے تو خیمہ کو پایا کہ مقام نمرہ میں لگایا گیا ہے۔ تو آپ وہاں اترے۔

الناس فيهما الصلوة والوقوف بعرفة والمزدلفة ورمی الجمار والنحر والحلق وطواف الزيارة[۶۴۳] (۳۹) ويصلی بهم الظهر والعصر فی وقت الظهر باذان واقامتين[۶۴۴] (۴۰) ومن صلی الظهر فی رحله وحده صلی كل واحدة منهما فی وقتها عند ابی حنيفة

بالقصواء فرحلت له فاتی بطن الوادی فخطب الناس وقال ان دمائكم واموالكم حرام عليكم الخ (الف)(مسلم شریف ، باب حجۃ النبی ﷺ ص ۳۹۷ نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ ص ۲۷۰ نمبر ۱۹۰۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے خطبہ دے اور احکام حج تفصیل سے سمجھائے۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک نماز کے بعد خطبہ دیں گے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر ... حتی اذا كان عند صلوة الظهر راح رسول الله مهجرا فجمع بين الظهر والعصر ثم خطب الناس ثم راح فوقف (ب)(ابوداؤد شریف،باب الخروج الی عرفۃ ص ۲۷۲ نمبر ۱۹۱۳)نماز کے بعد خطبہ کا ذکر ہے اس لئے نماز کے بعد عیدین کی طرح خطبہ دے۔

[۶۴۳](۳۹)لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز ظہر کے وقت میں پڑھائے ایک اذان اور دو اقامت سے۔

تشریح حنفیہ کے نزدیک تین شرطیں ہوں تو جمع بین الصلوۃ کر سکتے ہیں (۱) عرفہ کا میدان ہو (۲) امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو (۳) احرام باندھا ہوا ہو تو ظہر اور عصر کو جمع کر سکتا ہے۔ ورنہ نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھی جائے گی۔

وجہ کیونکہ حدیث میں خلاف قیاس جمع بین الصلوۃ ثابت ہے (۲) حدیث میں ہے قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ... ثم اذن ثم اقام فصلی الظهر ثم اقام فصلی العصر ولم يصل بينهما شيئا ثم ركب رسول الله حتی اتی الموقف (ج)(مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۷ نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۷۰/۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵)اس سے معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھیں گے۔اور پہلے حدیث سے معلوم ہوا کہ زوال کے فورا بعد ظہر کی نماز کے لئے آپ تشریف لائے۔جس سے معلوم ہوا کہ عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان ایک ہوگی اور اقامت دو ہوگی، ایک ظہر کے لئے اور ایک اقامت عصر کے لئے۔ اور دونوں کے درمیان کوئی سنت نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ جلدی وقوف عرفہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

[۶۴۴](۴۰)جس نے کجاوے میں تنہا نماز پڑھی تو ہر ایک نماز کو اپنے اپنے وقت میں پڑھے گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا منفرد بھی دونوں نمازوں کو جمع کرے گا۔

تشریح اوپر گزر چکا ہے کہ تین شرطیں ہوں تو میدان عرفات میں جمع بین الصلوتین کرے گا۔یعنی ظہر اور عصر کو ایک ساتھ ظہر کے وقت میں

حاشیہ : (الف) یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا تو حکم دیا کہ قصواء اونٹنی کو چلایا جائے تو بطن وادی آئے اور لوگوں کو خطبہ دیا ان دمائکم واموالکم آخر تک (ب) ابن عمر سے روایت ہے کہ... یہاں تک کہ جب ظہر کا وقت ہوا تو حضور اول وقت میں نکلے اور ظہر اور عصر کو جمع کیا پھر لوگوں کو خطبہ دیا پھر چلے اور وقوف عرفہ کیا (ج) پھر اذان دی پھر اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عصر کی نماز پڑھی اور دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی، پھر حضورؐ سوار ہوئے یہاں تک کہ موقف کے پاس آئے۔

رحمہ اللہ تعالی وقال ابو یوسف و محمد یجمع بینھما المنفرد [۶۴۵](۴۱)ثم یتوجہ

پڑھے گا ورنہ نہیں۔

وجہ اپنے اپنے وقت پر نماز پڑھنا آیت کی وجہ سے فرض ہے۔آیت میں ہے ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا (الف) (آیت ۱۰۳ سورۃ النساء) آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اپنے اپنے وقت کے ساتھ متعین ہے اس لئے بغیر مظبوط دلیل کے نماز اپنے وقت سے مقدم و موخر نہیں ہوسکتی۔اور عرفات میں عصر مقدم ہوئی لیکن جن شرائط کے ساتھ مقدم ہوئی ہے انہیں شرائط کے ساتھ مقدم ہوگی، اگر وہ شرطیں نہ پائی جائیں تو مقدم نہیں ہوگی۔اور امام کے ساتھ نماز پڑھنا شرط تھی اس لئے امام کے ساتھ نماز نہیں پڑھی اور تنہا اپنے کجاوے میں نماز پڑھی تو مقدم نہیں کرے گا بلکہ عصر کی نماز اپنے وقت میں پڑھے گا (۲) امام کے ساتھ نماز پڑھنے میں جمع اس لئے بھی کرے گا کہ عرفات کے میدان میں بکھرنے کے بعد دوبارہ جمع ہونا مشکل ہوگا اس لئے سہولت کے لئے جمع بین الصلوتین کیا۔اور تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو اس سہولت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے جمع بین الصلوتین کی ضرورت نہیں۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ حدیث میں عرفات میں جمع بین الصلوتین کا ذکر کثرت سے ہے اور بغیر کسی شرط کے ہے۔اس لئے جو لوگ امام سے الگ نماز پڑھیں گے وہ بھی جمع بین الصلوتین کریں گے۔انکی دلیل یہ اثر ہے ان ابن عمر کان یجمع بینھما اذا فاتہ مع الامام یوم عرفۃ (سنن للبیھقی ، باب الخطبۃ یوم عرفۃ والجمع بین الظھر والعصر) ج خامس ص ۱۸۶، نمبر ۹۴۵۶)

[۶۴۵] (۴۱) پھر موقف کی طرف متوجہ ہو اور جبل رحمت کے قریب ٹھہرے اور عرفات کل کا کل ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

تشریح عرفات کے میدان کے چاروں طرف اشارے لگے ہوئے ہیں۔اس کے اندر کہیں بھی ٹھہرے گا تو حج ادا ہو جائے گا۔بہتر یہ ہے کہ جبل رحمت کے پاس ٹھہرے۔کیونکہ حضور ﷺ جبل رحمت کے پاس ٹھہرے تھے۔اور بطن عرنہ کے پاس نہ ٹھہرے کیونکہ یہاں پہلی قوموں کو عذاب ہوا ہے۔

وجہ عرفات کا پورا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی ابن طالب قال وقف رسول اللہ بعرفۃ فقال ھذہ عرفۃ وھو الموقوف و عرفۃ کلھا موقف ثم افاض حین غربت الشمس (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان عرفۃ کلھا موقف ص ۱۷۷ نمبر ۸۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عرفات کا پورا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے۔اور بطن عرنہ میں نہ ٹھہرے اس کی وجہ یہ حدیث ہے اخبرنی محمد بن منکدر ان النبی ﷺ قال عرفۃ کلھا موقف وارتفعوا عن بطن عرنۃ والمزدلفۃ کلھا موقف وارتفعوا عن محسر (ج) (سنن للبیھقی ، باب حیث ما وقف من عرفۃ اجزأہ ص ۱۸۶، ۹۴۵۹ رسنن ابن ماجہ شریف باب الموقف بعرفات ص ۲۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بطن عرنہ میں نہیں ٹھہرنا چاہئے۔اور جبل رحمت کے پاس ٹھہرنے کی وجہ یہ حدیث ہے قال

حاشیہ : (الف) یقینا نماز مومنین پر فرض ہے وقت متعین کے ساتھ (ب) حضور عرفہ میں ٹھہرے پس فرمایا یہ عرفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔اور عرفہ پورا ٹھہرنے کی جگہ ہے۔پھر سورج غروب ہونے کے بعد چلے (ج) آپ نے فرمایا پورا عرفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔البتہ بطن عرنہ سے دور رہو۔اور پورا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے البتہ محسر سے دور رہو۔

الی الموقف فیقف بقرب الجبل وعرفات کلها مواقف الا بطن عرنة[۶۴۶](۴۲) وینبغی للامام ان یقف بعرفة علی راحلته ویدعو ویعلم الناس المناسک [۶۴۷](۴۳) ویستحب

دخلنا علی جابر بن عبد الله ... ثم رکب رسول الله ﷺ حتی اتی الموقف فجعل بطن ناقته القصواء الی الصخرات وجعل حبل المشاة بین یدیه واستقبل القبلة فلم یزل واقفا حتی غربت الشمس وذهبت الصفرة قلیلا حتی غاب القرص (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۸ نمبر ۱۲۱۸ رابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبل رحمت کے پاس ٹھہرنا زیادہ افضل ہے۔

[۶۴۶] (۴۲) اور امام کے لئے مناسب ہے کہ عرفہ میں اپنی سواری پر ٹھہرے اور دعا کرتے رہیں اور لوگوں کو مناسک حج سکھاتے رہیں

تشریح امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنی سواری پر وقوف کرے۔

وجہ تا کہ لوگ آسانی سے امام کو دیکھ سکے اور ان کو دیکھ دیکھ کر عوام مناسک ادا کر سکیں (۲) حضورؐ عرفات میں قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر وقوف عرفہ فرمایا تھا۔ اس لئے مستحب یہ ہے کہ امام اپنی سواری پر وقوف کرے۔ البتہ عوام نیچے رہے۔ عن ام الفضل بنت الحارث ان اناسا اختلفوا عندها یوم عرفة فی صوم النبی ﷺ فقال بعضهم هو صائم وقال بعضهم لیس بصائم فارسلت الیه بقدح لبن وهو واقف علی بعیره فشربه (ب)) (بخاری شریف، باب الوقوف علی الدابۃ بعرفۃ (۲۲۵ نمبر ۱۶۶۱ر) اوپر کی حدیث مسلم شریف نمبر ۱۲۱۸ سے بھی معلوم ہوا کہ آپ قصواء اونٹنی پر سوار تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے سوار ہو کر وقوف عرفہ فرمایا تھا۔ اور دعا کرتے رہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ قال خیر الدعاء یوم عرفة (ج) (ترمذی شریف، باب فی دعاء یوم عرفۃ ج ثانی ص ۱۹۵ نمبر ۳۵۸۵) اور دوسری حدیث میں ہے عن ابن عباس قال رایت رسول الله یدعو بعرفة یداه الی صدره کاستطعام المسکین (د) (سنن للبیھقی، باب افضل الدعاء یوم عرفۃ ج خامس ص ۱۹۰، نمبر ۹۴۷۴) ان حدیث سے معلوم ہوا کہ میدان عرفات میں دعا میں مشغول رہنا چاہئے۔ یوں بھی جمع بین الصلوتین اس لئے کیا گیا ہے کہ جلدی موقف پر جا کر دعا کریں۔ تکبیر و تہلیل کریں۔

[۶۴۷] (۴۳) مستحب ہے کہ وقوف عرفہ سے پہلے غسل کرے۔

وجہ غسل کرنا پاکی کی چیز ہے اس لئے وقوف عرفہ سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ سوار ہوئے یہاں تک کہ موقف پر آئے اور اپنی قصواء اونٹنی کا پیٹ چٹان کی طرف کیا اور جبل المشاۃ کو سامنے رکھا اور قبلہ کا استقبال کیا اور سورج غروب ہونے تک ٹھہرے۔ اور تھوڑی زردی چلی گئی یہاں تک کہ ٹکیہ غائب ہو گئی (ب) ام الفضل سے روایت ہے کہ ان کے پاس یوم عرفہ میں حضور کے روزے کے بارے میں اختلاف کیا۔ تو بعض نے کہا کہ آپ روزہ دار ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ روزہ دار نہیں ہے۔ پس آپ کے پاس دودھ کا پیالہ بھیجا اور آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ اور آپ نے دودھ نوش فرمایا (ج) آپ نے فرمایا بہترین دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے (د) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور کو عرفہ میں دعا کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ کے ہاتھ سینے تک تھے جیسے کوئی مسکین مانگ رہا ہو۔

ان یغتسل قبل الوقوف بعرفة [۶۴۸] (۴۴) ویجتهد فی الدعاء [۶۴۹] (۴۵) فاذا غربت الشمس افاض الامام والناس معه علی هینتهم حتی یأتو المزدلفة فینزلون بها [۶۵۰] (۴۶) والمستحب ان ینزلوا بقرب الجبل الذی علیه المیقدة یقال له قزح.

---

[۶۴۸] (۴۴) اور دعا میں خوب کوشش کرے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں گزرا کہ حضورؐ اس طرح دعا کرتے اور ہاتھ اٹھاتے جیسے مانگنے والے مسکین ہوں، اس لئے عرفہ میں خوب دعا کریں۔

[۶۴۹] (۴۵) پس جب سورج غروب ہو جائے تو امام عرفہ سے چلے اور لوگ بھی ان کے ساتھ چلے اپنی ہیئت پر یہاں تک کہ مزدلفہ آئے اور وہاں اترے۔

تشریح میدان عرفات میں شام تک رہے اور غروب آفتاب کے بعد وہاں سے چلے۔ پہلے امام چلے پھر عوام اس کے ساتھ چلے اور دوڑے نہیں۔ بلکہ اپنی ہیئت پر چلے۔

وجہ قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ... فلم یزل واقفا حتی غربت الشمس وذهبت الصفرة قلیلا حتی غاب القرص واردف اسامة خلفه ودفع رسول الله ﷺ وقد شنق للقصواء الزمام حتی ان رأسها لیصیب مورک رحله ویقول بیده الیمنی ایها الناس السکینة السکینة کلما اتی جبلا من الحبال ارخی لها قلیلا حتی تصعد حتی اتی المزدلفة (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۸ نمبر ۱۲۱۸ رابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵ وباب الدفعۃ من عرفۃ ص ۲۷۷ نمبر ۱۹۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے بعد عرفہ سے چلے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اطمینان سے چلے تیزی نہ کرے۔

[۶۵۰] (۴۶) مستحب یہ ہے کہ اس پہاڑ کے قریب ٹھہرے جس پر میقدہ ہے جس کو قزح کہا جاتا ہے۔

تشریح مزدلفہ میں مستحب یہ ہے کہ جبل قزح کے قریب ٹھہرے۔ یوں تو وادی محسر کے علاوہ پورا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ لیکن جبل قزح کے قریب ٹھہرنا مستحب ہے۔

وجہ کیونکہ حضور وہیں ٹھہرے تھے۔ آیت میں ہے فاذا افضتم من عرفات فاذکروا الله عند المشعر الحرام (آیت ۱۹۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ عرفات سے چلو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو خوب یاد کرو اور جبل قزح کو مشعر الحرام کہتے ہیں (۲) حدیث میں ہے قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ... ثم رکب القصواء حتی اتی المشعر الحرام فاستقبل القبلة فدعاه وکبره وهلله ووحده فلم یزل واقفا حتی اسفر جدا فدفع قبل ان تطلع الشمس (ب) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۹ نمبر

حاشیہ: (الف) آپ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور تھوڑی زردی چلی گئی یہاں تک کہ سورج کا ٹکیہ غائب ہو گیا۔ اور اسامہ کو پیچھے بٹھایا اور حضور چلے۔ قصواء اونٹنی کی لگام پیچھے کھینچتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کا سر کجاوے کے اگلے حصے پر لگتا رہا۔ اور اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے کہ اے لوگو! سکون سے چلو سکون سے چلو۔ کہیں ٹیلہ آتا تو آپ قصواء کی لگام کو تھوڑی ڈھیلی کرتے تا کہ اس پر چڑھ جائے۔ یہاں تک کہ آپ مزدلفہ تشریف لائے (ب) پھر قصواء پر سوار ہوئے یہاں تک کہ مزدلفہ آئے۔ پھر قبلے کا استقبال کیا، پھر اللہ کی تعریف بیان کی، تکبیر کہی، تہلیل کہی اور توحید بیان کی۔ ہمیشہ ٹھہرے رہے یہاں تک (باقی اگلے صفحہ پر)

[۶۵۱] (۴۷) ویصلی الامام بالناس المغرب والعشاء فی وقت العشاء باذان واقامة

[۶۵۲] (۴۸) ومن صلی المغرب فی الطریق لم یجز عند ابی حنیفة و محمد رحمهما

۱۲۱۸/ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) عن علی قال فلما اصبح یعنی النبی علیہ السلام و وقف علی قزح فقال هو قزح وهو الموقف و جمع کلها موقف (الف) (ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ بجمع ص ۲۷۴ نمبر ۱۹۳۵) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جبل قزح کے پاس ٹھہرنا زیادہ بہتر ہے۔

لغت المقیدۃ : آگ جلنے کی جگہ، زمانۂ جاہلیت میں اس پہاڑ کے قریب آگ جلانے کی جگہ تھی جس کو مقیدہ کہتے ہیں۔

[۶۵۱] (۴۷) اور امام لوگوں کو نماز پڑھائیں گے مغرب اور عشاء کی عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ۔

تشریح امام مزدلفہ میں بھی جمع بین الصلوتین کریں گے اور یہ جمع تاخیر کریں گے۔ اور عشا کے وقت میں مغرب کی نماز پڑھیں گے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابن عمر قال جمع رسول الله علیہ السلام بین المغرب والعشاء بجمع صلی المغرب ثلاثا والعشاء رکعتین باقامة واحدة (ب) (مسلم شریف، باب الافاضۃ من عرفات الی المزدلفۃ واستحباب صلوتی المغرب والعشاء جمیعا بالمزدلفۃ فی ہذہ اللیلۃ ص ۴۱۷ نمبر ۱۲۸۸/۳۱۱۴) اس حدیث میں ہے کہ ایک اذان اور اقامت سے دونوں نماز پڑھے (۲) چونکہ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد تمام نمازی وہیں موجود ہیں اور نماز عشا اپنے وقت پر پڑھی جارہی ہے اس لئے دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشا کو جمع کر کے پڑھیں گے۔

نوٹ دوسری حدیث میں دومرتبہ اقامت کہنے کا تذکرہ ہے (مسلم شریف نمبر ۱۲۱۸) حتی اتی المزدلفة ،فصلی بها المغرب والعشاء باذان واحد واقامتین (مسلم شریف، نمبر ۱۲۱۸)

[۶۵۲] (۴۸) جس نے مغرب کی نماز مزدلفہ کے راستے میں پڑھی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

تشریح عرفات سے چل کر مزدلفہ آرہا ہو اور مزدلفہ سے پہلے راستہ میں مغرب کی نماز پڑھ لی تو طرفین کے نزدیک نماز کو دوبارہ لوٹانا ہوگا۔

وجہ (۱) اس لئے کہ آج کے دن کی مغرب کی نماز کا وقت بدل گیا اور مزدلفہ جانے کے بعد اس کا وقت ہوگا۔ اس لئے وقت سے پہلے نماز پڑھی ہے (۲) حدیث میں ہے اس دن نماز کا وقت حاجیوں کا بدل گیا۔ عن اسامة بن زید انه سمعه یقول دفع رسول الله من عرفة ... فقلت له الصلوة قال الصلوة امامک فجاء المزدلفة فتوضأ فاسبغ ثم اقیمت الصلوة فصلی المغرب (ج) (بخاری شریف، باب الجمع بین الصلوۃ بالمزدلفۃ ص ۲۲۷ نمبر ۱۶۷۲/مسلم شریف، باب استحباب ادامۃ الحاج التلبیۃ ص ۴۱۶ نمبر ۱۲۸۰) اس حدیث سے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کہ بہت اسفار ہوگیا، پس سورج طلوع ہونے سے پہلے آپ چلے (الف) حضورؐ نے صبح کی تو جبل قزح کے پاس ٹھہرے اور وہی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور مزدلفہ پورا ٹھہرنے کی جگہ ہے (ب) حضور نے مزدلفہ میں مغرب اور عشا کو جمع کیا، مغرب کی نماز پڑھی تین رکعت اور عشا کی دو رکعت ایک ہی اقامت کے ساتھ (ج) حضور عرفہ سے چلے... میں نے کہا نماز کا وقت ہوگیا۔ آپؐ نے فرمایا نماز کا وقت آگے ہے۔ پھر مزدلفہ آئے اور اچھی طرح وضو کیا پھر نماز کی اقامت کی اور مغرب کی نماز پڑھی۔

الله تعالی[۶۵۳] (۴۹) فاذا طلع الفجر صلی الامام بالناس الفجر بغلس.

معلوم ہوا کہ نماز کا وقت آگے ہے یعنی مزدلفہ پہنچ کر ہے (۳) ایک اثر میں ہے قال عبد الله بن مسعود هما صلوتان تحولان عن وقتهما صلوة المغرب بعد ما یأتی الناس المزدلفة والفجر حین یبزغ الفجر قال رایت النبی ﷺ یفعله (الف) (بخاری شریف، باب من اذن واقام لکل واحد منهما ص ۲۲۷ نمبر ۱۶۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آج کے دن مغرب کی نماز کا وقت ہی بدل گیا ہے اس لئے وقت سے پہلے نماز پڑھے گا تو اس کو لوٹانا ہوگا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مزدلفہ کے اندر نماز مغرب پڑھنا سنت ہے۔ اس لئے اگر مزدلفہ کے اندر نماز نہیں پڑھی تو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اس لئے سنت کے خلاف کیا۔ لیکن نماز ہو گئی۔ نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن عبد الله بن زبیر قال من سنة الحج ... ثم یفیض فیصلی بالمزدلفة او حیث قضی الله عزوجل ثم یقف بجمع (ب) (سنن للبیہقی، باب من قال یصلیهما بالمزدلفة او حیث قضی اللہ عزوجل ج خامس ص ۱۹۹، نمبر ۹۵۰۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہاں موقع ملے اور مغرب کا وقت ہو جائے تو نماز پڑھ سکتا ہے۔

[۶۵۳] (۴۹) پس جب فجر طلوع ہو تو امام لوگوں کو فجر کی نماز غلس میں پڑھائے۔

وجہ عام دنوں میں حنفیہ کے نزدیک نماز فجر اسفار میں پڑھنا سنت ہے لیکن اس دن وقوف مزدلفہ کی وجہ سے اور رمی جمار کی وجہ سے غلس میں ہی نماز پڑھی جائے گی (۲) عن عبد الرحمن بن یزید قال خرجت مع عبد الله (بن مسعود) الی مکة ثم قدمنا جمعا فصلی الصلوتین کل صلوة وحدها باذان واقامة والعشاء بینهما ثم صلی الفجر حین طلع الفجر قائل یقول طلع الفجر وقائل یقول لم یطلع الفجر ثم قال ان رسول الله قال ان هاتین الصلوتین حولتا عن وقتهما فی هذا المکان المغرب والعشاء فلایقدم الناس جمعا حتی یقیموا وصلوة الفجر هذه الساعة (ج) (بخاری شریف، متی یصلی الفجر بجمع ص ۲۲۸ نمبر ۱۶۸۳) مسلم شریف، باب استحباب زیادة التغلیس بصلوة الصبح یوم النحر بالمزدلفة ص ۴۱۷ نمبر ۱۲۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں صبح کی نماز غلس میں پڑھی جائے گی۔

نوٹ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دن نماز فجر کا وقت بدل گیا ہے۔ اس لئے غلس میں نماز پڑھی تو عام دنوں میں اصلی وقت اسفار کے وقت ہے۔ جو حنفیہ کا فجر کی نماز کا سلسلے میں مسلک ہے۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا وہ دونوں نمازیں اپنے وقت سے بدل گئی ہیں۔ مغرب کی نماز لوگوں کے مزدلفہ آنے کے بعد اور فجر کی نماز جیسے ہی طلوع فجر ہو۔ حضور کو ایسا کرتے دیکھا (ج) پھر عرفہ سے چلے اور مزدلفہ میں نماز پڑھے یا اللہ تعالی نے جہاں مقدر میں لکھا ہو وہاں نماز پڑھے۔ پھر مزدلفہ مین ٹھہرے (د) میں عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ مکہ مکرمہ گیا، پھر مزدلفہ آئے، پس دو نمازیں پڑھی، ہر نماز الگ الگ اذان اور اقامت کے ساتھ، اور عشا کا کھانا ان کے درمیان تھا، پھر فجر کی نماز طلوع فجر کے وقت پڑھی اتنی جلدی کہ کچھ کہتے تھے کہ صبح صادق ہوگئی اور کچھ کہتے تھے کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی۔ پھر فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ دونوں نمازیں اس مقام میں اپنے اپنے وقت سے بدل گئی ہے، مغرب اور عشا کی نمازیں۔

[۶۵۴](۵۰) ثم وقف الامام ووقف الناس معه فدعا [۶۵۵](۵۱) والمزدلفة کلها موقف الا بطن محسر[۶۵۶] (۵۲) ثم افاض الامام والناس معه قبل طلوع الشمس حتی

[۶۵۴](۵۰) پھر امام ٹھہرا رہے اور لوگ اس کے ساتھ ٹھہرے رہیں اور دعا کرتے رہیں۔

تشریح نماز فجر غلس میں پڑھ کر مزدلفہ ہی میں سب لوگ ٹھہرے رہیں اور اپنے لئے دعا کرتے رہیں۔ کیونکہ طلوع شمس سے پہلے یہاں سے نکلنا ہے تو اس وقت تک دعا اور استغفار کرتے رہے۔

وجہ پہلے حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ تھا کہ حضورؐ اسفار تک تکبیر وتہلیل کرتے رہے۔ اور دعا کرتے رہے۔ قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ... ثم رکب القصواء حتی اتی المشعر الحرام فاستقبل القبلة فدعاه وکبره وهلله ووحده فلم یزل واقفا حتی اسفر جدا فدفع قبل ان تطلع الشمس (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸ رابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) معلوم ہوا کہ اسفار تک رکبیر تہلیل، توحید کرتا رہے اور دعائیں کرتا رہے، اور طلوع شمس سے قبل مزدلفہ سے منی کے لئے چلے۔

[۶۵۵](۵۱) اور مزدلفہ کل کی کل ٹھہرنے کی جگہ ہے مگر وادی محسر۔

وجہ وادی محسر میں اصحاب فیل والوں کو اللہ نے عذاب دیا تھا اس لئے وادی محسر میں نہ ٹھہرے، وادی محسر مزدلفہ میں ایک وادی کا نام ہے (۲) عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ کل عرفة موقف وارفعوا عن بطن عرنة و کل المزدلفة موقف وارفعوا عن بطن محسر و کل منی منحر الا ماوراء العقبة (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الموقف بفرفات ص ۴۳۶، نمبر ۳۰۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں بطن محسر ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے۔ باقی جگہ ٹھہر سکتا ہے۔ یوں بھی جب آپؐ وادی محسر سے گزرے تو اونٹنی کو تیز کر دیا تھا (نسائی شریف نمبر ۳۰۵۵)

[۶۵۶](۵۲) پھر امام اور لوگ ان کے ساتھ سورج طلوع ہونے سے پہلے چلے یہاں تک کہ منی آئے۔

تشریح سورج کے طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے منی کے لئے روانہ ہو جائے۔

وجہ (۱) مشرکین سورج کے طلوع ہونے کے بعد مزدلفہ سے چلا کرتے تھے۔ لیکن آپؐ نے ان کی مخالفت کی اور سورج طلوع ہونے سے پہلے وہاں سے منی کے چل پڑے (۲) سمعت عمر بن میمون یقول شهدت عمر صلی بجمع الصبح ثم وقف فقال ان المشرکین کانوا لا یفیضون حتی تطلع الشمس ویقولون اشرق ثبیر وان النبی ﷺ خالفهم ثم افاض قبل ان تطلع الشمس (ج) (بخاری شریف، باب متی یدفع من جمع ص ۲۲۸ نمبر ۱۶۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ

حاشیہ : (الف) پھر قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ مشعر حرام کے پاس آئے، پس قبلہ کا استقبال کیا، دعا کی، تکبیر کہی، توحید بیان کی، ٹھہرے رہے یہاں تک کہ بہت اسفار ہو گیا پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے چلے (ب) آپؐ نے فرمایا عرفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن بطن عرنہ سے دور رہو، پورا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن بطن محسر سے دور رہو، پورا منی نحر کی جگہ ہے سوائے عقبہ گھاٹی کے پیچھے۔ (ج) عمر بن میمون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ مزدلفہ (باقی اگلے صفحہ پر)

یاتو منی[۶۵۷] (۵۳) فیبتدأ بجمرة العقبة فیرمیها من بطن الوادی بسبع حصیات مثل حصاة الخذف[۶۵۸] (۵۴) ویکبر مع کل حصاة [۶۵۹](۵۵) ولا یقف عندها

سے منٰی کے لئے روانہ ہو۔مسئلہ نمبر ۵۰ میں بھی مسلم شریف کی حدیث (مسلم شریف نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف نمبر ۱۹۰۵) گزری کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے آپ منٰی کے لئے روانہ ہوئے۔

[۶۵۷] (۵۳) پس جمرۂ عقبہ سے شروع کرے اور جمرۂ عقبہ کی رمی کرے بطن وادی سے سات کنکری کے ساتھ ٹھیکری کی کنکری کی طرح

تشریح تین جمرات ہیں۔اوراس وقت تینوں جگہ سمنٹ کے کھمبے کھڑے ہیں۔جمرہ اولی، جمرہ وسطی اور عقبہ، دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرے گا اور بطن وادی سے سات کنکری مارے گا۔جس طرح ٹھیکرے پھینکتے ہیں اس طرح پھینک کر مارے۔کھمبے کو لگ جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ورنہ کم سے کم جو چاروں طرف تین تین فٹ کے حدود ہیں کنکری اس میں گرے تو کافی ہو جائے گا۔

وجہ **قال دخلنا علی جابر بن عبد اللہ ... ثم سلک الطریق الوسطی التی تخرج علی الجمرة الکبری حتی اتی الجمرة التی عند الشجرة فرماها بسبع حصیات یکبر مع کل حصاة منها مثل حصی الخذف رمی من بطن الوادی ثم انصرف الی المنحر (الف)** (مسلم شریف، باب حجة النبی ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف، باب صفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بطن وادی سے جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں مارے۔

لغت العقبة : آخری، پیچھے، چونکہ یہ آخری جمرہ ہے اور دو جمروں کے پیچھے ہے اس لئے اس کو جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔ رمی : یرمی کنکری پھینکنا۔بطن وادی : جمرہ عقبہ کے پاس جگہ کا نام ہے۔ حصیات : حصاة کی جمع ہے کنکری۔ الخذف : ٹھیکرا پھینکنا۔

[۶۵۸] (۵۴) اور تکبیر کہے ہر کنکری کے ساتھ۔

تشریح رمی جمار کے وقت جب کنکری پھینکے تو ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے۔

وجہ اوپر حدیث میں گزرا یکبر مع کل حصاة منها (مسلم شریف، ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف نمبر ۱۹۰۵) باقی دلیل آگے آرہی ہے۔

[۶۵۹] (۵۵) اور جمرۂ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرے گا۔

تشریح جمرہ اولی، جمرہ وسطی پر کنکری مارنے کے بعد ٹھہرے اور دعا کرے لیکن جمرہ عقبہ پر جب بھی کنکریں مارے تو ٹھہرے نہیں بلکہ آگے چلے جائے۔

وجہ تا کہ وہاں بھیڑ نہ ہو جائے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عمر انه کان یرمی الجمرة الدنیا بسبع حصیات یکبر علی اثر**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔پھر وہاں ٹھہرے اور فرمایا کہ مشرکین مزدلفہ سے کوچ نہیں کرتے جب تک سورج طلوع نہ ہو جاتا اور کہتے ثبیر پہاڑ تو چمک اٹھا (تب کوچ کرتے) اور حضورؐ نے اس کی مخالفت کی اور سورج طلوع ہونے سے پہلے چلے (الف) پھر آپؐ درمیان کے راستے سے چلے جو جمرہ عقبہ پر نکلتا تھا۔یہاں تک کہ اس جمرہ کے پاس آئے جو درخت کے پاس ہے یعنی جمرہ عقبہ تو اس کی رمی سات کنکریوں سے کی۔ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے ٹھیکری کی طرح بطن وادی سے رمی کی پھر مذبح کی طرف واپس لوٹے۔

[۶۶۰](۵۶) ویقطع التلبیة مع اول حصاۃ [۶۶۱](۵۷) ثم یذبح ان احب.

کل حصاۃ ثم یتقدم حتی یسھل فیقوم مستقبل القبلة فیسھل فیقوم طویلا ویدعو ویرفع یدیه وثم یرمی الوسطی ثم یاخذ ذات الشمال فیستھل ویقوم مستقبل القبلة فیقوم طویلا ویدعوویرفع یدیه ویقوم طویلا ثم یرمی جمرۃ ذات العقبة من بطن الوادی ولایقف عندھا ثن ینصرف ویقول ھکذا رایت النبی ﷺ یفعله (الف)(بخاری شریف، باب اذا رمی الجمرتین یقوم مستقبل القبلة ویسھل ص ۲۳۶ نمبر ۱۷۵۱) اس حدیث میں ہے کہ جمرہ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے۔البتہ جمرہ اولی اور جمرہ وسطی کی کی کنکری مارنے کے بعد کنارے پر ہٹ کر دعا کرے تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

نوٹ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔

[۶۶۰](۵۶) اور تلبیہ پہلی کنکری کے ساتھ منقطع کر دے۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ اردف الفضل فاخبر الفضل انه لم یزل یلبی حتی رمی الجمرة العقبة (ب)(بخاری شریف، باب التلبیة والتکبیر غداۃ النحر حین حتی یرمی الجمرۃ العقبة ص ۲۲۸ نمبر ۱۶۸۵) ابن ماجہ شریف میں یہ زیادتی ہے فلما رماھا قطع التلبیة (ج)(ابن ماجہ شریف، باب متی یقطع الحاج التلبیة ص ۴۴۰، نمبر ۳۰۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمرہ عقبہ تک تلبیہ پڑھے گا اور پہلی کنکری مارتے ہی تلبیہ ختم کر دے گا (۲) تلبیہ کا مطلب ہے کہ میں حاضر ہوں۔اب شیطان کے پاس کہے کہ میں حاضر ہوں تو یہ الٹی بات ہو جائے گی۔اس لئے شیطان کو مارتے وقت تلبیہ ختم کر کے اللہ کی بڑائی بیان کرے اور تکبیر کہے۔

[۶۶۱](۵۷) پھر ذبح کرے اگر پسند ہو تو۔

وجہ چونکہ کلام مفرد بالحج کے بارے میں چل رہا ہے اور مفرد پر ہدی واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اس لئے اگر چاہے تو ہدی ذبح کرے اور چاہے تو نہیں کرے اس لئے مصنفؒ نے فرمایا اگر پسند ہو تو رمی کے بعد ذبح کرے۔یوں حضورؐ نے ذبح کیا ہے۔البتہ اگر متمتع یا قارن ہو تو ذبح کرنا واجب ہے (۲) حدیث میں ہے دخلنا علی جابر بن عبد الله ... ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلاثا و ستین بیدہ ثم اعطی علیا فنحر ما غبر و واشرکه فی ھدیه (د)(مسلم شریف، باب حجة النبی ص ۲۹۹ نمبر ۱۲۱۸/ ابو داؤد شریف، باب صفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمی کے بعد مفرد کو ہو سکے تو ذبح کرنا چاہئے (۲) یہ ہدی حج کرنے کے شکریہ کے طور پر ہے۔اس لئے اللہ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ہدی ذبح کرنا چاہئے۔

حاشیہ : (الف) عبداللہ بن عمر جمرہ اولی پر رمی فرماتے سات کنکریوں کے ساتھ اور ہر کنکری پر تکبیر کہتے پھر آگے بڑھتے یہاں تک کہ نرم زمین میں آتے پھر قبلہ کا استقبال کر کے کھڑے ہوتے اور دیر تک کھڑے رہتے اور دعا کرتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے پھر جمرہ وسطی کی رمی کرتے پھر بائیں طرف ہٹتے اور نرم زمین پر جاتے اور قبلہ رخ کھڑے ہوتے پھر دعا کرتے۔اور ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک کھڑے رہتے۔پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرتے بطن وادی سے اور اس کے پاس نہیں ٹھہرتے۔پھر واپس لوٹتے اور فرماتے کہ اس طرح حضور کو کرتے دیکھا ہے (ب) حضورؐ نے فضل ابن عباس کو پیچھے بٹھایا تو انہوں نے خبر دی کہ آپؐ جمرہ عقبہ کی رمی تک ہمیشہ تکبیر کہتے رہے (ج) جب رمی کی تو تلبیہ پڑھنا چھوڑ دیا (د) پھر آپ مذبح کی طرف واپس لوٹے اور اپنے ہاتھ سے تریسٹھ اونٹ ذبح فرمائے۔پھر حضرت علی کو دیا اور باقی انہوں نے نحر فرمائے۔اور حضرت علی کو ہدی میں آپ نے شریک فرمایا۔

[۲۶۲] (۵۸) ثم یحلق او یقصر والحلق افضل[۲۶۳] (۵۹) وقد حل له کل شیء الا النساء[۲۶۴] (۶۰) ثم یاتی مکة من یومه ذلک او من الغد او من بعد الغد فیطوف

[۲۶۲] (۵۸) پھر حلق کرائے یا قصر کرائے اور حلق افضل ہے۔

تشریح رمی کے بعد حلق کرائے یا قصر کرائے۔

وجہ (۱) اب تک حج میں پراگندہ بال والا رہا ہے، اب بال صاف کر کے پراگندگی ختم کرے (۲) آیت میں ہے لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین محلقین رء وسکم ومقصرین (الف) (آیت ۲۷ سورۃ الفتح ۴۸) اس آیت میں اشارہ ہے کہ عمرہ یا حج کے بعد حلق کرائے یا قصر کرائے (۳) حدیث میں ہے عبد اللہ قال حلق رسول اللہ و حلق طائفة من اصحابه وقصر بعضهم قال عبد اللہ ان رسول اللہ قال رحم اللہ المحلقین مرة او مرتین ثم قال والمقصرین (ب) (مسلم شریف، باب تفضیل الحلق علی التقصیر وجواز التقصیر ص ۴۲۰ نمبر ۱۳۰۱ / ابوداؤد شریف، باب الحلق والتقصیر ص ۲۷۸ نمبر ۱۹۷۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمی کے بعد حلق بہتر ہے اور قصر بھی جائز ہے۔ کیونکہ آپؐ نے حلق کرانے والے کو تین مرتبہ دعا دی اور قصر کرانے والے کو ایک مرتبہ دعا دی (۲) قصر میں کم پراندگی دور ہوگی اس لئے قصر کم بہتر ہے۔

نوٹ عورتوں کے لئے صرف قصر کرانا جائز ہے۔ کیونکہ حلق اس کی زینت کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے ان ابن عباس قال قال رسول اللہ لیس علی النساء حلق انما علی النساء التقصیر (ابوداؤد شریف، باب الحلق والتقصیر ص ۲۷۹ نمبر ۱۹۸۵)

[۲۶۳] (۵۹) اور حلال ہوگئی ان کے لئے ہر چیز سوائے عورتوں کے۔

تشریح دسویں تاریخ کو رمی جمار کے بعد بیویوں کے علاوہ خوشبو، سلا ہوا کپڑا وغیرہ سب کچھ حلال ہوگئے۔

وجہ عن ابن عباس قال اذا رمیتم الجمرة فقد حل لکم کل شیء الا النساء فقال له رجل یا ابن عباس والطیب؟ فقال اما انا فقد رایت رسول اللہ ﷺ یضمخ رأسه بالمسک افطیب ذلک ام لا ؟ (ج) (ابن ماجہ شریف، باب ما یحل للرجل اذا رمی جمرة العقبة ص ۴۲۴ / نسائی شریف، باب ما یحل للمحرم بعد رمی الجمار ج ثانی ص ۴۲ نمبر ۳۰۸۶ / ابوداؤد شریف، باب الافاضة فی الحج ص ۲۸۱ نمبر ۱۹۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے علاوہ تمام چیزیں حلال ہوگئیں جو احرام کی وجہ سے حرام ہوئی تھیں۔

[۲۶۴] (۶۰) پھر اسی دن مکہ مکرمہ آئے یا دوسرے دن یا تیسرے دن پھر بیت اللہ کا سات شوط طواف زیارت کرے۔

تشریح حاجی کو اختیار ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو رمی، ذبح اور حلق کے بعد مکہ مکرمہ آکر طواف زیارت جو فرض ہے وہ کرے اور یہ بھی اختیار ہے کہ

حاشیہ : (الف) ان شاء اللہ مسجد میں داخل ہونگے امن کے ساتھ اپنے سر کو منڈاتے ہوئے یا قصر کراتے ہوئے (ب) آپؐ نے حلق کرایا اور آپ کے ساتھیوں نے حلق کرایا اور بعض نے قصر کرایا۔ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے دعا دی اے اللہ! حلق کرانے والوں پر رحم فرما ایک مرتبہ یا دو مرتبہ۔ پھر فرمایا قصر کرنے والوں پر رحم فرما۔ حاشیہ : (ج) آپ نے فرمایا جب تم جمرہ کی رمی کرو تو تمہارے لئے ہر چیز حلال ہوگئی سوائے بیوی کے، ایک آدمی نے کہا اے عبد اللہ بن عباس! کیا خوشبو بھی؟ فرمایا بہرحال میں نے حضور کو دیکھا مشک سے سر کو مل رہے تھے تو کیا یہ خوشبو نہیں ہے؟

بالبیت طواف الزیارة سبعة اشواط [٦٦٥](٦١) فان کان سعی بین الصفا والمروة عقیب طواف القدوم لم یرمل فی هذا الطواف ولا سعی علیه وان لم یکن قدم السعی رمل فی هذا الطواف ویسعی بعده علی ما قدمناه [٦٦٦] (٦٢) وقد حل له النساء .

گیارہویں یا بارہویں کو آئے۔البتہ دسویں کو آنا زیادہ بہتر ہے۔کیونکہ اس میں جلدی عبادت کو پورا کرنا ہے۔اور حضورؐ دسویں ہی کو مکہ تشریف لائے تھے اور طواف زیارت فرمایا تھا۔

وجہ دخلنا علی جابر بن عبد اللہ...ثم رکب رسول اللہ فافاض الی البیت فصلی بمکة الظهر (الف) (مسلم شریف، باب حجة النبی ص ۴۰۰ نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف، باب صفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ دسویں ذی الحجہ کو ظہر تک مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے۔اس لئے دسویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ آ کر طواف زیارت کرنا زیادہ بہتر ہے (۲) عن ابن عمران النبی علیہ السلام افاض یوم النحر ثم صلی الظهر بمنی یعنی راجعا (ب) (ابوداؤد شریف، باب الافاضة فی الحج ص ۲۸۱ نمبر ۱۹۹۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ نے طواف دسویں ذی الحجہ کو کیا ہے۔

[٦٦٥] (٦١) پس اگر طواف قدوم کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی ہو تو اس طواف زیارت میں رمل نہیں کرے گا اور نہ اس پر سعی ہے۔اور اگر پہلے سعی نہیں کی ہے تو اس طواف میں رمل کرے گا اور اس کے بعد سعی کرے گا جیسا کہ پہلے بیان کیا۔

تشریح حج یا عمرہ میں ایک مرتبہ سعی اور ایک ہی مرتبہ اکڑ کر چلنا ہے۔پس اگر حج کے طواف قدوم میں سعی اور رمل کر چکا ہے تو اس طواف زیارت میں سعی اور رمل نہیں ہے۔اور اگر پہلے سعی اور رمل نہیں کیا ہے تو طواف زیارت کے بعد سعی بین الصفا والمروۃ بھی کرے گا اور طواف میں اکڑ کر بھی چلے گا۔

وجہ سمع جابر بن عبد اللہ یقول لم یطف النبی علیہ السلام ولا اصحابه بین الصفا والمروة الا طوافا واحدا ... وقال الا طوافا واحدا طوافه الاول (ج) (مسلم شریف، بیان ان السعی لا یتکرر ص ۴۱۴ نمبر ۱۲۷۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج میں یا عمرہ میں ایک ہی سعی کرے گا۔کیونکہ حضورؐ اور صحابہ نے ایک ہی سعی کی تھی اور انہوں نے پہلی مرتبہ سعی کی تھی۔

لغت عقیب : بعد میں۔ رمل : اکڑ کر چلنا، طواف کے پہلے تین شوط میں اکڑ کر چلتے ہیں اس کو رمل کہتے ہیں۔

[٦٦٦] (٦٢) اور حلال ہو گئیں اس کے لئے بیویاں اس طواف کے بعد۔

تشریح طواف زیارت سے پہلے بیوی حرام تھی لیکن طواف زیارت کیا تو اس طواف کی وجہ سے اب بیویاں حلال ہو گئیں۔

وجہ ان عبد اللہ بن عمر قال فذکر الحدیث ... حتی قضی حجه و نحر هدیه یوم النحر وافاض فطاف بالبیت ثم

حاشیہ : (الف) پھر حضورؐ سوار ہوئے اور بیت اللہ تشریف لے گئے اور ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی (ب) حضورؐ دسویں ذی الحجہ کو چلے پھر واپس آ کر منی میں ظہر کی نماز پڑھی یعنی طواف زیارت کر کے واپس آئے (ج) جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں نے صفا اور مروہ کے درمیان ایک ہی مرتبہ سعی کی ہے ...یہ بھی فرمایا کہ پہلی ہی مرتبہ سعی کی ہے۔

[۶۶۷](۶۳) وھذا الطواف ھو المفروض فی الحج [۶۶۸](۶۴) ویکرہ تاخیرہ عن ھذہ الایام فان اخرہ عنھا لزمہ دم عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی وقالا لا شیء علیہ[۶۶۹] (۶۵) ثم یعود الی منی فیقیم بھا.

حل من کل شیء حرم منہ (الف)(سنن للبیہقی، باب التحلل بالطواف اذا کان قدسعی عقیب طواف القدوم ج خامس ص ۲۳۷، نمبر ۹۶۴۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت کے بعد عورت بھی حلال ہو جائے گی۔اس سے پہلے خوشبو، سلا ہوا کپڑا اور شکار حلال ہوئے تھے، اب بیوی بھی حلال ہوگئی۔

[۶۶۷](۶۳)حج میں یہ طواف فرض ہے۔

وجہ یہ طواف فرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا بالبیت العتیق (ب)(آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲)اس آیت میں امر کے صیغے کے ساتھ بیت عتیق یعنی بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا گیا ہے۔اس لئے یہ طواف فرض ہے۔

[۶۶۸](۶۴)مکروہ ہے طواف زیارت کو مؤخر کرنا ان دنوں سے، پس اگر مؤخر کیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو دم لازم ہوگا۔اور صاحبین فرماتے ہیں اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

وجہ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ طواف زیارت کو ایام نحر سے مؤخر کرے گا تو دم لازم ہوگا۔(۱) کیونکہ یہ چیزیں وقت کے ساتھ موقت ہیں اس لئے ان کو وقت سے مؤخر کرنے پر دم لازم ہوگا (۲) اثر میں ہے ان عبد اللہ بن عباس قال من نسی من نسکہ شیئا او ترکہ فلیھرق دما (ج)(سنن للبیہقی، باب من ترک شیئا من الرمی حتی یذہب ایام منی ج خامس ص ۲۴۸، نمبر ۹۶۸۸)اس اثر میں ہے کہ کچھ بھول جائے یا چھوڑ دے تو دم لازم ہوگا۔اور چونکہ اس نے وقت پر طواف زیارت کو چھوڑ دیا چاہے بعد میں ادا کیا اس لئے اس کو دم لازم ہوگا ۔ایک اور اثر ہے۔عن عباس قال من قدم شیئا من حجہ او اخرہ فلیھرق لذلک دما (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۵۳ فی الرجل یحلق قبل ان یذبح، ج ثالث، ص ۹۴۵، نمبر ۱۴۹۵۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقت سے مؤخر کیا تو دم لازم ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ عمر میں کبھی بھی طواف کرے گا وہ ادا ہی ہوگا اس لئے تاخیر کرنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔

[۶۶۹](۶۵)پھر منی کی طرف مڑے اور وہاں قیام کرے۔

تشریح دسویں ذی الحجہ کو طواف زیارت کر کے واپس منی آئے اور وہاں ٹھہرا رہے اور رمی جمار کرتا رہے۔

وجہ (۱)عن ابن عمر ان رسول اللہ افاض یوم النحر ثم رجع فصلی الظھر بمنی (د)(مسلم شریف، باب استحباب طواف الافاضۃ یوم النحر ص ۴۲۲ نمبر ۱۳۰۸)(۲) یسأل ابن عمر قال انا نبتاع باموال الناس فیأتی احدنا مکۃ فیبیت علی المال

حاشیہ : (الف) یہاں تک کہ آپ نے اپنا حج پورا کیا اور دسویں تاریخ کو اپنی ہدی کی نحر کی اور چلے۔پس بیت اللہ کا طواف کیا پھر وہ تمام چیزیں حلال ہوگئیں جو آپ سے حرام ہوئی تھیں (ب) پھر اپنی پراگندگی دور کرے اور اپنی نذر پوری کرے اور بیت اللہ کا طواف کرے (ج) عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا جو ارکان حج میں سے کچھ بھول جائے یا اس کو چھوڑ دے تو خون بہانا چاہئے (د) آپ نے یوم نحر میں طواف زیارت کیا پھر واپس ہوئے اور ظہر کی نماز منی میں پڑھی۔

[۶۷۰](۶۶) فاذا زالت الشمس من اليوم الثانی من ايام النحر رمی الجمار الثلث يبتدئ بالتی تلی المسجد[۶۷۱] (۶۷)فیرمیھا بسبع حصیات یکبر مع کل حصاۃ ثم یقف

فقال اما رسول الله ﷺ فبات بمنی وظل (الف) (ابوداؤد شریف، باب بیبت بمکة لیالی منی ص ۲۷۷ نمبر ۱۹۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دسویں، گیارہویں اور بارہویں ایام تشریق میں منی میں رات گزارنا سنت ہے۔

[۶۷۰] (۶۶) گیارہویں تاریخ کو سورج ڈھل جائے تو تینوں جمرات کی رمی کرے، شروع کرے مسجد کے پاس سے۔

تشریح دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی تھی لیکن گیارہویں ذی الحجہ (جو دسویں ذی الحجہ کا دوسرا دن ہے) کو تینوں جمرات کی رمی کرے اور زوال کے بعد رمی کرے، پہلے جمرہ سے شروع کرے جو مسجد خیف کے قریب ہے، وہاں سات کنکری مارے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرے اور تیسرے جمرے کے بعد کھڑا نہ رہے اور دعا نہ کرے تاکہ وہاں بھیڑ نہ ہو۔

وجہ سألت ابن عمر متی ارمی الجمار؟ قال اذا رمی امامک فارمه فاعددت علیه المسئلة قال کنا نتحین فاذا زالت الشمس رمینا (ب) (بخاری شریف، باب رمی الجمار ص ۲۳۵ نمبر ۱۷۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زوال کے بعد رمی کرے (۲) ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے عن عائشة قالت افاض رسول الله ﷺ من آخر یومه حین صلی الظهر ثم رجع الی منی فمکث بها لیالی ایام التشریق یرمی الجمرة اذا زالت الشمس کل جمرة بسبع حصیات یکبر مع کل حصاة ویقف عند الاولی والثانية فیطیل القیام ویتضرع ویرمی الثالثة ولا یقف عندها (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی رمی الجمار ص ۲۸۰ نمبر ۱۹۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے اور تیسرے اور چوتھے دن کی رمی زوال کے بعد کرے۔ اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس کھڑے رہ کر دعا کرے اور تیسرے جمرے کے پاس کھڑا نہ رہے۔

لغت الیوم الثانی من ایام النحر : یوم نحر کا دسرا دن گیارہویں ذی الحجہ ہوتا ہے۔ المسجد : اس مسجد سے مسجد خیف مراد ہے جو جمرہ اولی سے کافی پیچھے کی جانب تھوڑی اونچائی پر ہے۔ اس وقت یہ بہت بڑی مسجد بنا دی گئی ہے۔

[۶۷۱] (۶۷) پس ان کی رمی کرے سات سات کنکریوں کے ساتھ، تکبیر کہے ہر کنکری کے ساتھ پھر ٹھہرے جمرہ اولی کے پاس اور دعا کرے پھر رمی کرے جو اس کے بعد جمرہ ہے اسی طرح اور اس کے پاس ٹھہرے پھر رمی کرے جمرہ عقبہ کے پاس ایسے ہی اور اس کے پاس نہ ٹھہرے

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ ابن عمر سے پوچھا کہ ہم لوگوں کے مال بیچتے ہیں تو ہم میں بعض مکہ آتے ہیں اور وہاں مال کے لئے رات گزارتے ہیں؟ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا بہر حال حضور تو منی میں رات گزارتے اور وہیں ٹھہرتے۔ (ب) میں نے ابن عمر سے پوچھا کہ کب رمی جمار کریں؟ فرمایا جب تمہارا امام رمی کرے تو تم اس کی رمی کرو۔ میں نے دوبارہ سوال کیا، حضرت ابن عمر فرمانے لگے ہم انتظار کرتے، پس جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے (ج) حضورؐ نے اس دن کے آخر میں طواف زیارت کیا جس وقت ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر منی کی طرف واپس لوٹے، پس وہاں ایام تشریق کی رات میں ٹھہرے، جب سورج ڈھل جاتا تو جمرات کی رمی کرتے ہر جمرے پر سات کنکریوں کے ساتھ، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے۔ اور پہلے جمرے کے پاس اور دوسرے جمرے کے پاس ٹھہرتے، اور لمبا قیام کرتے اور گڑگڑاتے اور تیسرے جمرے پر رمی کرتے تو اس کے پاس نہیں ٹھہرتے۔

عندها فيدعو ثم يرمي التي تليها مثل ذلك ويقف عندها ثم يرمي جمرة العقبة كذلك ولا يقف عندها [۶۷۲](۶۸) فاذا كان من الغد رمي الجمار الثلث بعد زوال الشمس كذلك[۶۷۳] (۶۹) واذا اراد ان يتعجل النفر نفر الى مكة وان اراد ان يقيم رمي

تشریح اس مسئلہ کی تفصیل اور وجہ سب اوپر گزر گئی ہے (ابوداؤد شریف نمبر ۱۹۷۳)(۲) عن ابن عمر انه كان يرمي الجمرة الدنيا بسبع حصيات يكبر على اثر كل حصاة ثم يتقدم حتى يسهل فيقوم مستقبل القبلة فيقوم طويلا ويدعو و يرفع يديه ثم يرمي الوسطى ثم ياخذ ذات الشمال فيستهل ويقوم مستقبل القبلة فيقوم طويلا ويدعو ويرفع يديه ويقوم طويلا ثم يرمي جمرة ذات العقبة من بطن الوادي ولا يقف عندها ثم ينصرف ويقول هكذا رايت النبي ﷺ يفعله (الف) (بخاری شریف، باب اذا رمی الجمرتین یقوم مستقبل القبلۃ ویسہل ص ۲۳۶ نمبر ۱۷۵۱)

[۶۷۲] (۶۸) پس جب کہ اگلا دن ہو تو تینوں جمرات کی زوال کے بعد رمی کرے اسی طرح۔

تشریح اگلے دن سے مراد بارہویں ذی الحجہ ہے۔ یعنی بارہویں ذی الحجہ کو بھی گیارہویں ذی الحجہ کی طرح تینوں جمرات کی رمی کرے اور زوال شمس کے بعد کرے اور جمرہ اولی اور جمرہ وسطی پر ٹھہرے اور دعا کرے اور جمرہ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرے۔

وجہ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۶۶ میں گزر چکی۔

[۶۷۳] (۶۹) اگر جلدی کوچ کرنے کا ارادہ کرے تو کوچ کر جائے مکہ مکرمہ کی طرف اور اگر ٹھہرنا چاہے تو چوتھے دن رمی جمار کرے زوال کے بعد۔

تشریح اگر تین دن تک یعنی بارہویں تاریخ تک رمی جمار کر کے منیٰ سے مکہ مکرمہ جانا چاہے تو جا سکتا ہے اور اگر بارہویں تاریخ کی شام تک منی میں ٹھہر گیا تو تیرہویں تاریخ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے پھر واپس مکہ مکرمہ واپس آئے۔

وجہ آیت میں ہے واذکروا اللہ فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تأخر فلا اثم علیہ لمن اتقی (آیت ۲۰۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو دن یعنی بارہویں تاریخ کو مکہ مکرمہ آئے تب بھی کوئی بات نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے عن عبد الرحمن يعمر الديلي قال اتيت النبي ﷺ هو بعرفة ... ايام منى ثلثة فمن تعجل في يومين فلا اثم عليه ومن تأخر فلا اثم عليه (ب) (ابوداؤد شریف، باب من لم یدرک عرفۃ ص ۱۹۴۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ منی میں ٹھہرنے کے تین دن ہیں۔ لیکن دو دن

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمرؓ جمرہ اولی کی رمی سات کنکریوں کے ساتھ کرتے۔ ہر کنکری پر تکبیر کہتے، پھر آگے بڑھ کر نرم زمین پر جاتے اور قبلے کی طرف استقبال کر کے دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے۔ پھر جمرۂ وسطی کی رمی کرتے، پھر بائیں طرف نرم زمین پر کھڑے ہوتے اور قبلہ کی طرف استقبال کر کے ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک دعا کرتے رہتے۔ پھر بطن وادی سے جمرۂ عقبی کی رمی کرتے اور اس کے پاس نہ ٹھہرتے پھر واپس لوٹ جاتے اور فرماتے کہ حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا (ب) آپؐ نے فرمایا... منی میں ٹھہرنے کے تین دن ہیں۔ پس جس نے دو دنوں میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جس نے مؤخر کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

الجمار الثلث فی الیوم الرابع بعد زوال الشمس کذلک[۶۷۴] (۷۰) فان قدم الرمی فی ھذا الیوم قبل الزوال بعد طلوع الفجر جاز عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا لا

میں بھی یعنی گیارہوں اور بارہویں دن رمی جمار کر کے واپس آ سکتا ہے (۳) اثر میں ہے عن ابن عمر کان یقول من غربت علیه الشمس وھو بمنی اوسط ایام التشریق فلا ینفرن حتی یرمی الجمار من الغد (الف) (۴) عن ابن عباس قال اذا انفتح النھار من یوم النفر الآخر فقد حل الرمی والصدر (ب) (سنن للبیھقی، باب من غربت له الشمس یوم النفر الاول بمنی حتی یرمی الجمار یوم الثالث بعد الزوال ج خامس ص ۲۴۸، نمبر ۹۶۸۶/۹۶۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بارہویں کی شام ہو جائے تو منی سے کوچ نہ کرے بلکہ تیرہویں تاریخ کو زوال کے بعد رمی کر کے واپس آئے۔

[۶۷۴] (۷۰) پس اگر اس دن (تیرہویں) کو زوال سے پہلے رمی مقدم کی طلوع فجر کے بعد تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا جائز نہیں۔

تشریح تیرہویں ذی الحجہ کو زوال سے پہلے اور طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنا چاہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔

وجہ (۱) جب اس بات کی گنجائش ہے کہ تیرہویں تاریخ کو رمی کرے ہی نہیں تو اس بات کی بھی گنجائش ہوگی کہ زوال سے پہلے رمی کر لے (۲) اثر میں اوپر گزرا عن ابن عباس قال اذا انفتح النھار من یوم النفر الآخر فقد حل الرمی والصدر (سنن للبیھقی، باب من غربت الشمس یوم النفر الاول بمنی الخ ج خامس ص ۲۴۸، نمبر ۹۶۸۷) اس حدیث میں ہے کہ دن پھوٹ پڑے تو رمی کرنا حلال ہے۔ اور دن پھوٹ پڑنے سے مراد آفتاب کا طلوع ہونا ہے۔ اس طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنا چاہے تو تیرہویں تاریخ کو کر سکتا ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ تیرہویں تاریخ کو بھی زوال کے بعد ہی رمی کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ دسویں تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد آپؐ نے رمی کی اور باقی دنوں میں زوال کے بعد رمی کی ہے۔ حدیث میں ہے سمعت جابر بن عبد الله یقول رایت رسول الله ﷺ یرمی علی راحلته یوم النحر ضحی فاما بعد ذلک فبعد زوال الشمس (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی رمی الجمار ص ۲۷۸ نمبر ۱۹۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد رمی کرے اور اس کے بعد باقی دنوں میں زوال کے بعد آپ رمی کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ نکلا کہ تیرہویں ذی الحجہ کو بھی زوال کے بعد ہی رمی کرے گا۔

نوٹ حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کی وجہ سے امام ابوحنیفہ طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنے کے قائل ہوئے ہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر نے فرمایا ایام تشریق کے درمیان (یعنی بارہویں ذی الحجہ کو) جس پر منی میں سورج غروب ہو جائے تو وہ کوچ نہ کریں یہاں تک کہ اگلے دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ کو رمی کر لیں (ب) حضرت ابن عباس نے فرمایا جب تیرہویں ذی الحجہ کو دن پھوٹ پڑے تو رمی کرنا بھی حلال اور واپس جانا بھی حلال ہے نوٹ : یوم النفر الآخر تیرہویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں (ج) حضور کو دیکھا کہ دسویں تاریخ کو چاشت کے وقت اپنی سواری پر رمی کر رہے تھے۔ اور دسویں ذی الحجہ کے بعد تو زوال شمس کے بعد رمی کرتے۔

یجوز [۶۷۵](۷۱) ویکرہ ان یقدم الانسان ثقلہ الی مکۃ ویقیم بھا حتی یرمی [۶۷۶](۷۲) فاذا نفر الی مکۃ نزل بالمحصب[۶۷۷] (۷۳) ثم طاف بالبیت سبعۃ اشواط لا یرمل فیھا وھذا طواف الصدر.

[۶۷۵](۷۱)مکروہ ہے کہ انسان اپنے سامان کو مکہ مکرمہ منتقل کرے اور خود منی میں ٹھہرا رہے تا کہ رمی کرے۔

تشریح خود منی میں ٹھہر کر رمی کرے اور اپنا سامان مکہ مکرمہ منتقل کردے ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

وجہ (۱)اثر میں ہے قال عمر من تقدم ثقلہ لیلۃ ینفر فلا حج لہ (الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۲۲ من کرہ ان یقدم ثقلہ من منی، ج ثالث ،ص ۳۸۷،نمبر ۱۵۳۸۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ اپنا سامان مکہ مکرمہ منتقل کرنا مکروہ ہے تا ہم اگر کر لیا تو دم لازم نہیں ہوگا۔پچھلے زمانے میں آدمی اپنا سامان ساتھ رکھتے تھے۔ہوٹل وغیرہ میں نہیں رکھتے تھے اس لئے سامان مکہ مکرمہ بھیج دے اور خود منی میں ٹھہرنے سے آدمی کا دل سامان پر لگا رہے گا اس لئے بھی مکروہ ہے۔لیکن آج کل کی طرح پہلے سے سارا سامان مکہ مکرمہ کے ہوٹل میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

[۶۷۶](۷۲)پس جب مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کرے تو مقام محصب پر اترے۔

تشریح حضور نے منی سے واپسی پر مکہ کے قریب مقام محصب پر پڑاؤ ڈالا تھا۔

وجہ (۱) آپؐ نے فرمایا کہ اس مقام پر کافروں نے مل کر فیصلہ کیا تھا کہ اسلام مٹا دیں گے اس لئے اس مقام پر پڑاؤ ڈال کر بتلائیں گے کہ اسلام پھل پھول کر مکہ میں واپس آگیا،اسی شکرانہ میں آپؐ اور صحابہ مقام محصب میں قیام پذیر ہوئے (۲) ان انس بن مالک حدثہ عن النبی ﷺ انہ صلی الظھر والعصر والمغرب والعشاء ورقد رقدۃ بالمحصب ثم رکب الی البیت فطاف بہ (ب)(بخاری شریف، باب من صلی العصر یوم النفر بالابطح ص ۲۳۷ نمبر ۱۷۶۴ر مسلم شریف، باب استحباب نزول المحصب یوم النفر وصلوۃ الظھر وما بعدھا ص ۴۲۲ نمبر ۱۳۰۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منی سے نکلنے کے بعد مقام محصب میں ٹھہرنا چاہئے۔

لغت المحصب : مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

[۶۷۷](۷۳)پھر بیت اللہ کا طواف کرے سات شوط،اس میں رمل نہ کرے اور یہ طواف صدر ہے۔

تشریح یوں تو مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے جتنے طواف کرے بہتر ہے،البتہ مکہ مکرمہ سے واپس ہوتے وقت آخری طواف کرے جس کو طواف صدر اور طواف وداع کہتے ہیں۔اس طواف میں رمل نہ کرے۔

وجہ اب مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کو الوداع کہہ رہا ہے اس لئے وداعی طواف کرے اور اس میں رمل اس لئے نہیں کرے گا کہ رمل اور سعی ہر حج اور عمرہ میں ایک ہی مرتبہ سنت ہے دوبارہ نہیں۔اور طواف قدوم یا طواف زیارت میں ایک مرتبہ رمل اور سعی کر چکا ہے اس لئے اب دوبارہ نہیں کرے گا(۲)اس طواف کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال امر الناس ان یکون آخر عھدھم بالبیت الا انہ خفف

حاشیہ : (الف)حضرت عمر نے فرمایا جس نے اپنا سامان بارھویں ذی الحجہ کی رات کو مکہ مکرمہ منتقل کر دیا تو گویا کہ اس کا حج ہی نہیں ہے(ب) آپؐ نے ظہر،عصر، مغرب اور عشا کی نماز محصب میں پڑھی اور تھوڑی دیر سوئے پھر بیت اللہ کے لئے سوار ہوئے اور اس کا طواف کیا۔

[۶۷۸] (۷۴) وھو واجب الا علی اھل مکۃ ثم یعود الی اھلہ[۶۷۹] (۷۵) فان لم یدخل المحرم مکۃ وتوجہ الی عرفات ووقف بھا علی ما قدمناہ سقط عنہ طواف القدوم ولا

عن الحائض (الف) (بخاری شریف، باب طواف الوداع ص ۲۳۶ نمبر ۱۷۵۵ رمسلم شریف، باب وجوب طواف الوداع وسقوطہ عن الحائض ص ۴۲۷ نمبر ۱۳۲۷) اس حیث سے معلوم ہوا کہ آفاقی پر طواف وداع واجب ہے۔

[۶۷۸] (۷۴) یہ طواف وداع واجب ہے مگر اہل مکہ پر واجب نہیں ہے۔ پھر اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے۔

تشریح طواف وداع کا مطلب ہے بیت اللہ چھوڑنے کا طواف۔ لیکن اہل مکہ چونکہ مکہ ہی میں ہیں اس لئے وہ بیت اللہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس لئے ان کے لئے طواف وداع واجب نہیں ہے۔ وہ تو جب جب موقع ملے طواف کرتے رہیں گے۔

وجہ واجب ہونے کی دلیل اوپر کی حدیث ہے (۲) عن ابن عباس قال کان الناس ینصرفون فی کل وجہ فقال رسول اللہ لا ینفرن احد حتی یکون آخر عھدہ بالبیت (ب) (مسلم شریف، باب وجوب طواف الوداع وسقوطہ عن الحائض ص ۴۲۷ نمبر ۱۳۲۷ رابوداؤد شریف، باب طواف الوداع، ص ۲۸۱، نمبر ۲۰۰۵) اس حدیث میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے بھی طواف وداع آفاقی کے لئے واجب ہوگا۔

[۶۷۹] (۷۵) اگر محرم مکہ میں داخل نہ ہو اور عرفات کی طرف متوجہ ہو جائے اور وہاں اس طرح وقوف عرفہ کر لے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا تو اس سے طواف قدوم ساقط ہو جائے گا اور طواف قدوم کے چھوڑنے سے اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

تشریح کوئی محرم مکہ نہ آیا اور احرام باندھ کر سیدھا عرفات چلا گیا تو اس کا حج ہو گیا۔ اب اس پر طواف قدوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور طواف قدوم کے چھوڑنے سے دم بھی لازم نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) طواف قدوم مکہ آنے پر ہوتا ہے اور وہ مکہ آیا ہی نہیں اس لئے اس پر طواف قدوم نہیں ہے جیسے کوئی مسجد میں داخل ہوا ہی نہیں تو اس پر تحیۃ المسجد لازم نہیں ہوگی۔ اور چونکہ طواف قدوم سنت ہے اس لئے سنت چھوڑنے پر دم لازم نہیں ہوگا (۲) اخبرنی عروۃ بن مضرس الطائی قال اتیت رسول اللہ بالموقف یعنی بجمع قلت جئت یا رسول اللہ من جبلی طی اکللت مطیتی واتعبت نفسی واللہ ماترکت من حبل الا وقفت علیہ فھل لی من حج فقال رسول اللہ من ادرک معنا ھذہ الصلوۃ واتی عرفات قبل ذلک لیلا او نھارا فقد تم حجہ و قضی تفثہ (ج) (ابوداؤد شریف، باب من لم یدرک عرفۃ ص ۲۷۶ نمبر ۱۹۵۰ ر

حاشیہ : (الف) آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کا آخری عہد یعنی وقت بیت اللہ کے ساتھ ہو۔ مگر یہ کہ حائضہ عورت کے لئے تخفیف کر دی (ب) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لوگ ادھر ادھر جا رہے تھے تو حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ادھر ادھر نہ جائے یہاں تک کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے طواف میں ہو (ج) عروہ بن مضرس طائی فرماتے ہیں کہ میں حضور کے پاس مزدلفہ میں آیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ طی پہاڑ سے میں آیا ہوں اور اپنی سواری اور اپنے آپ کو تھکا چکا ہوں۔ اور کسی ٹیلے کو نہیں چھوڑا ہے مگر میں نے اس پر وقوف کیا ہے تو کیا میرا حج ہو گیا؟ آپ نے فرمایا جس نے ہمارے ساتھ یہ نماز پائی اور اس سے پہلے رات میں یا دن میں عرفہ آیا تو اس کا حج پورا ہو گیا اور اپنی پراگندگی دور کرے۔

شيء عليه لتركه[۶۸۰] (۷۶) ومن ادرك الوقوف بعرفة ما بين زوال الشمس من يوم عرفة الى طلوع الفجر من يوم النحر فقد ادرك الحج[۶۸۱] (۷۷) ومن اجتاز بعرفة

ترمذی شریف، باب ماجاء من ادرک الامام بجمع فقد ادرک الحج ص ۱۷۹ نمبر ۸۹۱) اس حدیث میں صحابی نے طواف قدوم نہیں کیا بلکہ براہ راست عرفہ چلے گئے اور مزدلفہ میں آکر حضور سے ملے پھر بھی آپؐ نے فرمایا کہ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو ٹھہر گیا تو حج ہو گیا۔ نیز آپؐ نے طواف قدوم چھوڑنے پر دم لازم نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو سیدھا عرفہ چلا گیا اس پر طواف قدوم لازم نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ طواف قدوم سنت ہے۔ اس کو چھوڑنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔

[۶۸۰] (۷۶) جس نے وقوف عرفہ پایا نویں ذی الحجہ کے سورج کے زوال کے بعد سے دسویں تاریخ کے طلوع فجر سے پہلے تک تو اس نے حج پالیا۔

تشریح وقوف عرفہ فرض ہے اور اس کا وقت نویں ذی الحجہ کے سورج کے ڈھلنے کے بعد سے دسویں ذی الحجہ کے طلوع فجر سے پہلے پہلے تک ہے۔ اس لئے اس دوران جس نے احرام کے ساتھ ایک منٹ کے لئے بھی وقوف عرفہ کر لیا اس کا حج ہو گیا۔ اب فرض میں سے طواف زیارت باقی ہے جو کبھی بھی کرے گا تو فرض ادا ہو جائے گا اگر چہ بے وقت کرنے سے دم لازم ہوگا۔

وجہ (۱) ایک حدیث تو اوپر مسئلہ نمبر ۷۵ میں گزری جس میں تھا یہ تھا کہ دسویں ذی الحجہ سے پہلے دن یا رات میں وقوف عرفہ کر لیا تو اس کا حج ہو گیا (۲) عن عبد الرحمن بن يعمر الديلي قال اتيت النبي ﷺ ص هو بعرفة فجاء ناس او نفر من اهل نجد فامروا رجلا فنادى رسول الله كيف الحج فامر رجلا فنادى الحج الحج يوم عرفة ومن جاء قبل صلوة الصبح من ليلة جمع فتم حجه (الف) (ابوداؤد شریف، باب من لم یدرک عرفۃ ص ۲۷۶ نمبر ۱۹۴۹ رترمذی شریف، باب ماجاء من ادرک الامام بجمع فقد ادرک الحج ص ۱۷۸ نمبر ۸۸۹) اس حدیث میں لیلۃ جمع سے مراد عرفات کے بعد کی رات ہے۔ اس لئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں ذی الحجہ کا دن اور دسویں ذی الحجہ کی رات میں طلوع فجر سے پہلے ایک منٹ کے لئے وقوف عرفہ کر لیا تو حج پالیا۔

لغت لیلۃ جمع : مزدلفہ کی رات۔

[۶۸۱] (۷۷) جو عرفہ سے گزر گیا اس حال میں کہ وہ سویا ہوا ہے یا اس پر بیہوشی طاری ہے یا وہ نہیں جانتا ہے کہ یہ عرفہ ہے تو یہ گزرنا وقوف عرفہ کے لئے کافی ہو جائے گا۔

تشریح احرام کے ساتھ عرفات کے اوقات میں عرفات سے گزر گیا لیکن اس کو پتہ نہیں چلا کہ یہ میدان عرفات ہے۔ مثلا وہ سواری پر سویا ہوا تھا یا اس پر بیہوشی طاری تھی یا اس کو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ میدان عرفات ہے پھر بھی چونکہ احرام کے ساتھ اوقات عرفہ میں گزرا ہے اس لئے

حاشیہ : (الف) حضرت عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس آیا اس حال میں کہ آپؐ عرفہ میں تھے۔ پس اہل نجد کے کچھ لوگ یا افراد آئے، انہوں نے ایک آدمی سے کہا اس نے حضور کو آواز دے کر پوچھا کہ حج کیسے کہتے ہیں؟ پس آپؐ نے ایک آدمی کو حکم دیا، اس نے اعلان کیا کہ حج عرفہ کے دن کا نام ہے۔ جو مزدلفہ کی رات کے صبح سے پہلے عرفہ آیا اس کا حج پورا ہو گیا۔

وھو نائم او مغمی علیه او لم یعلم انها عرفة اجزأه ذلک عن الوقوف[۶۸۲] (۷۸) والمرأة فی جمیع ذلک کالرجل غیر انها لا تکشف رأسها وتکشف وجهها.

وقوف عرفہ ہوگیا اور اس نے حج پالیا۔

وجہ (۱) مسئلہ نمبر ۷۵ میں عروۃ بن مضرس الطائی کی حدیث گزری جس میں ہے کہ میں نے کتنے پہاڑوں کو چھان مارا تو کیا میرا حج اور وقوف عرفہ ہوگیا، عبارت یہ ہے واللہ ما ترکت من جبل الا وقفت علیه فهل لی من حج (الف) (ابوداؤد شریف، باب من لم یدرک عرفة ص ۲۷۶ نمبر ۱۹۵۰) اور آپ نے فرمایا کہ اس دوران میدان عرفات سے گزر گیا تو حج ہوجائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر جانے کہ یہ میدان عرفات ہے وہاں سے گزر گیا تو حج ہوجائے گا (۲) اصل وقوف ہے چاہے میدان کا علم ہو یا نہ ہو (۳) عن عبد اللہ بن عمر قال اذا وقف الرجل بعرفة بلیل قد تم حجه وان لم یدرک الناس بجمع (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۵۱ من قال اذا وقف بعرفة قبل ان یطلع الفجر فقد ادرک، ج ثالث، ص ۲۱۸، نمبر ۱۳۶۷۳) اس اثر میں ہے کہ عرفہ میں لوگوں کو نہ پایا اور وہاں سے گزر گیا تو حج پورا ہوگیا

نوٹ بیہوشی کے عالم میں یا سونے کے عالم میں محرم ہونا چاہئے۔ یا کم از کم ساتھی دوست ان کی جانب سے احرام باندھ لے تو حج ہوگا۔ اور اگر ساتھی دوست نے بھی ان کی جانب سے احرام نہیں باندھا اور خود بھی احرام نہیں باندھ پایا تھا تو وقوف عرفہ کرنے سے حج نہیں ہوگا۔

لغت : مغمی علیہ : بیہوشی طاری ہوگئی اس پے، اغماء سے مشتق ہے۔ اجتاز : تجاوز سے مشتق ہے گزر گیا، تجاوز کرگیا۔

[۶۸۲] (۷۸) عورت ان تمام مسائل میں مرد کی طرح ہے علاوہ یہ کہ وہ اپنا سر نہیں کھولے گی اور اپنا چہرہ کھولے گی۔

تشریح جس طرح احکام مردوں پر لازم ہیں اسی طرح عورتوں پر بھی لازم ہیں۔ البتہ جہاں ان کے ستر یا نسوانیت کے خلاف ہے وہاں عورتوں کا مسئلہ مردوں سے الگ ہے۔ اسی میں یہ چند مسائل ہیں جو ذکر کئے جا رہے ہیں کہ مرد احرام کی حالت میں سر کھولے گا لیکن عورت سر ڈھانکے گی۔ کیونکہ سر کھولنا ستر کے خلاف ہے۔ البتہ چہرہ کھولے گی۔ لیکن مرد سامنے آجائے تو چہرہ پھرا لیگی۔ تا کہ اجنبی مرد اس کے چہرے کو نہ دیکھے۔ یا چہرہ سے دور ہٹا کر اس طرح کپڑا لٹکائے گی کہ چہرے کے ساتھ مس نہ کرے البتہ مردوں سے پردہ بھی ہوجائے۔

حکمت اس کی حکمت یہ ہے کہ باندی کے لئے چہرے پر کپڑا ڈالنا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے شریف اور آزاد عورت بھی اللہ کے دربار میں چہرہ کھول کر جائے تا کہ باندی اور آزاد دونوں اللہ کے حضور میں برابر ہوجائیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آزاد عورتیں ہر جگہ اپنا چہرہ کھولے پھریں اور ستر کے خلاف کام کریں۔

وجہ عن عائشة قالت کان الرکبان یمرون بنا ونحن مع رسول اللہ ﷺ فاذا محرمات حاذوا بنا سدلت احدینا جلبابها من رأسها علی وجهها فاذا جاوزونا کشفناه (ج) (ابوداؤد، باب فی المحرمة تغطی وجهها ص ۲۶۱ نمبر ۱۸۳۳) اس حدیث

حاشیہ : (الف) خدا کی قسم کوئی ٹیلہ نہیں چھوڑا جس پر وقوف نہیں کیا ہو تو کیا میرا حج ہوگیا؟ (ب) حضرت ابن عمر نے فرمایا اگر آدمی رات میں عرفہ میں ٹھہرے تو اس کا حج پورا ہوگیا چاہے عرفہ میں لوگوں کو نہ پایا ہو (دوسرا ترجمہ ہے چاہے مزدلفہ میں لوگوں کو نہ پا سکے (ج) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ قافلے والے ہمارے سامنے سے گزرتے تھے اس حال میں کہ ہم حضور کے ساتھ محرم تھے۔ پس جب مرد ہمارے سامنے آتے تو ہم میں سے ہر ایک سر سے اپنا نقاب چہرے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۶۸۳] (۷۹) ولا ترفع صوتها بالتلبية [۶۸۴] (۸۰) ولا ترمل فی الطواف ولا تسعی بین المیلین الاخضرین [۶۸۵] (۸۱) ولا تحلق ولکن تقصر.

سے معلوم ہوا کہ محرمہ عورت چہرہ کھلا رکھے اور کوئی اجنبی مرد سامنے آئے تو چہرہ سے دور کر کے چادر وغیرہ چہرہ پر لٹکا دے اس طرح سے کہ کپڑا چہرے سے مس نہ ہو (۲) عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال لیس علی المرأۃ احرام الا فی وجھھا (الف) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۷ نمبر ۲۷۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے اس لئے وہ کپڑا چہرے سے دور رکھے گی۔

[۶۸۳] (۷۹) اور تلبیہ میں اپنی آواز بلند نہ کرے۔

وجہ عورت کی آواز میں مرد کے لئے کشش ہوتی ہے اس لئے وہ زور سے تلبیہ پڑھے گی تو اجنبی مرد اس کی طرف متوجہ ہونگے۔ اس لئے عورت زور سے تلبیہ نہ پڑھے وہ آہستہ آہستہ پڑھے (۲) عن ابن عمر قال لا تصعد المرأۃ فوق الصفا والمروۃ ولا ترفع صوتھا بالتلبیۃ (ب) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۹ نمبر ۲۷۴۱ رسنن للبیہقی، باب المرأۃ لا ترفع صوتھا بالتلبیۃ ج خامس ص ۷۲، نمبر ۹۰۳۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت تلبیہ میں آواز بلند نہیں کرے گی۔

[۶۸۴] (۸۰) طواف میں اکڑ کر نہیں چلے گی اور نہ میلین اخضرین کے درمیان دوڑے گی۔

تشریح مرد طواف قدوم میں پہلے تین شوط میں رمل کرتے ہیں اور اکڑ کر چلتے ہیں لیکن اکڑ کر چلنا عورت کے ستر کے خلاف ہے اس لئے وہ رمل نہیں کرے گی۔ اسی طرح صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت میلین اخضرین میں عورت نہیں دوڑے گی کیونکہ یہ اس کے ستر کے خلاف ہے۔

وجہ (۱) عن ابن عمر قال لیس علی النساء رمل بالبیت ولا بین الصفا والمروۃ (ج) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۶۸ نمبر ۲۷۰۴ رباب نمبر ۲۹۴ رسنن للبیہقی، باب المرأۃ تطوف وتسعی لیلا اذا کانت مشھورۃ بالجمال ولا رمل علیھا ج خامس ص ۷۷، نمبر ۹۰۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت نہ رمل کرے گی اور نہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑے گی۔

لغت میلین اخضرین : صفا اور مروہ کے درمیان دوہری بتیاں لگی ہوئی ہیں جہاں سعی کرنے والے تیز چلتے ہیں۔

[۶۸۵] (۸۱) اور عورت سر کا حلق نہ کرائے گی۔

تشریح حج میں رمی یا ذبح کے بعد محرم سر منڈاتے ہیں یا عمرے میں سعی کے بعد سر منڈواتے ہیں لیکن عورت اس وقت سر نہیں منڈوائے گی بلکہ صرف ایک انگلی کے برابر اپنے بال کاٹ کر احرام کھولیگی **وجہ** (۱) بال منڈوانے سے عورت گنجی ہو جائے گی جو اس کی زینت کے خلاف ہے اس لئے صرف قصر کرے گی (۲) ان ابن عباس قال قال رسول اللہ لیس علی النساء حلق انما علی النساء التقصیر (د) ابو

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پر ڈال لیتے، پس جب وہ گزر جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے (الف) آپ نے فرمایا عورت پر احرام نہیں ہے مگر اس کے چہرے میں یعنی چہرے پر کپڑا نہ ڈالے (ب) حضرت ابن عمر نے فرمایا عورت صفا اور مروہ پر نہ چڑھے اور نہ تلبیہ میں اپنی آواز بلند کرے (ج) حضرت عمر نے فرمایا عورت پر بیت اللہ کے طواف میں رمل نہیں ہے اور نہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا ہے (د) آپ نے فرمایا عورت پر حلق نہیں ہے عورت پر صرف قصر ہے۔

داؤد باب الحلق والتقصیر ص ۲۷۹ نمبر ۱۹۸۴ / ترمذی شریف باب ماجاء فی کراہیۃ الحلق للنساء ص ۱۸۲ نمبر ۹۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت حلق نہ کرائے وہ صرف تقصیر کرائے اور پورے بھر بال کٹوا کر حلال ہو جائے۔

لغت حلق: سر کو منڈوانا۔ قصر: کچھ بال رکھنا کچھ کو کٹوانا۔

﴿باب القران﴾

[۶۸۶](۱)القران افضل عندنا من التمتع والافراد.

﴿باب القران﴾

ضروری نوٹ حج اور عمرہ دونوں کو ایک ہی سفر میں جمع کرے اور حج کے ساتھ عمرے کا احرام باندھ لے اس کو قران کہتے ہیں۔قران کے معنی ہیں ملانا، چونکہ حج اور عمرہ کو ایک ساتھ ملایا اس لئے اس کو قران کہتے ہیں۔

[۶۸۶](۱)قران ہمارے نزدیک تمتع اور افراد سے افضل ہے۔

تشریح صرف حج کا احرام باندھے تو اس کو حج افراد کہتے ہیں۔ پہلے عمرے کا احرام باندھے اس کو پورا کر کے احرام کھول دے اور میقات کے حدود میں ٹھہرا رہے پھر اشہر حج میں حج کا احرام باندھے اور حج پورا کرے تو اس کو حج تمتع کہتے ہیں۔تمتع کے معنی ہیں فائدہ اٹھانا، چونکہ اس نے عمرہ کے بعد احرام کھولنے کا فائدہ اٹھایا اس لئے اس حج کو حج تمتع کہتے ہیں۔اور قران کے معنی اوپر گزرے، ہمارے نزدیک قران افضل ہونے کی۔

وجہ (۱) یہ ہے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے اور زیادہ مشقت میں ثواب زیادہ ہوتا ہے اس لئے حج قران افضل ہے(۲)سمع عمر یقول سمعت النبی ﷺ بوادی العقیق یقول اتانی اللیلة آتٍ من ربی فقال صل فی ھذا الوادی المبارک وقل عمرة فی حجة (الف)(بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ العقیق واد مبارک ص ۲۰۷ نمبر ۱۵۳۴ ر ابوداؤد شریف، باب فی الاقران ص ۲۵۷ نمبر ۱۸۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کو باضابطہ عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کا حکم دیا اس لئے قران افضل ہوگا(۳)عن انس بن مالک انھم سمعوه یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یلبی بالحج والعمرة جمیعا یقول لبیک عمرة و حجا لبیک عمرة و حجا (ب)(ابوداؤد شریف، باب الاقران ص ۲۵۷ نمبر ۱۷۹۵ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الجمع بین الحج والعمرة ص ۱۶۹ نمبر ۸۲۱ ر مسلم شریف، باب فی الافراد والقران ص ۴۰۴ نمبر ۱۲۳۲)اس حدیث میں ہے کہ حضور نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا جس سے معلوم ہوا کہ قران افضل ہے(۴)فدخلت علی ام سلمة ... سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اھلوا یا آل محمد بعمرة فی حج (ج)(سنن للبیہقی، باب العمرة قبل الحج والحج قبل العمرة ج رابع ص ۵۷۹، نمبر ۸۷۸۶)اس حدیث میں بھی قران کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک قران افضل ہے۔

فائدہ امام شافعی کے نزدیک افراد افضل ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔عن عائشة انھا قالت خرجنا مع رسول اللہ عام حجة الوداع فمنا من اھل بعمرة ومنا

حاشیہ : (الف) میں نے حضور سے وادی عقیق میں سنا فرماتے تھے، میرے پاس آج میرے رب کی جانب سے آنے والے آئے اور فرمایا اس مبارک وادی میں نماز پڑھئے اور کہو عمرہ حج کے اندر ہے(ب) میں نے حضور سے سنا حج اور عمرہ دونوں کا ساتھ تلبیہ پڑھتے تھے، فرماتے تھے لبیک عمرہ اور حج، لبیک عمرہ اور حج (ج) میں حضور سے کہتے ہوئے سنا اے آل محمد عمرہ کو حج میں داخل کر کے احرام باندھو۔

[۶۸۷](۲) وصفة القران ان یهل بالعمرة والحج معا من المیقات ویقول عقیب الصلوة اللهم انی ارید الحج والعمرة فیسرهما لی وتقبلهما[۶۸۸] (۳) فاذا دخل مکة ابتدأ

من اهل بحج و عمرة ومنا من اهل بالحج واهل رسول الله بالحج فاما من اهل بالحج او جمع الحج والعمرة لم یحل حتی کان یوم النحر (الف)(بخاری شریف، باب التمتع والاقران والافراد بالحج ص ۲۱۲ نمبر ۱۵۶۲/ابوداؤد شریف، باب فی افراد الحج ص ۲۵۴ نمبر ۱۷۷۹/۱۷۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور حجۃ الوداع میں مفرد تھے اس لئے مفرد زیادہ بہتر ہوگا۔ امام مالکؒ کے نزدیک تمتع زیادہ افضل ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ قرآن میں تمتع کا ذکر ہے۔ آیت میں ہے فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الهدی (ب)(آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں تمتع کی طرف اشارہ ہے اس لئے تمتع افضل ہے (۲) حضورؐ نے ان صحابہ کو جو ہدی ساتھ نہیں لے گئے عمرہ کر کے حلال ہونے کے لئے فرمایا ارشاد ہے عن جابر قال قدم رسول الله و اصحابه لا ربع لیال خلون ... قال رسول الله اجعلوها عمرة الا من کان معه الهدی (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی افراد الحج ص ۲۵۶ نمبر ۱۷۸۸)(۳) عن عائشة قالت خرجنا مع النبی ﷺ ولا نری الا انه الحج فلما قدمنا تطوفنا بالبیت فامر النبی ﷺ من لم یکن ساق الهدی ان یحل فحل من لم یکن ساق الهدی (د)(بخاری شریف، باب التمتع والاقران والافراد بالحج ص ۲۱۲ نمبر ۱۵۶۱) اس حدیث میں حضورؐ نے صحابہ کو عمرہ کر کے حلال ہونے کا حکم دیا اس لئے بھی تمتع افضل ہے۔ یہ بھی حضرت امام مالکؒ کی دلیل ہے کہ تمتع افضل ہے۔ یہ اختلاف صرف افضلیت کا ہے۔

[۶۸۷](۲) اور قران کی شکل یہ ہے کہ میقات سے عمرہ اور حج کا ایک ساتھ احرام باندھے اور نماز کے بعد کہے اے اللہ! میں نے حج اور عمرہ کا ارادہ کیا ہے اس لئے ان دونوں کو آسان کر دے اور مجھ سے دونوں قبول کر۔

تشریح قران کی صورت یہ ہے کہ عمرہ اور حج کا احرام ایک ساتھ باندھے اور دسویں ذی الحجہ کو دونوں احراموں سے ایک ساتھ ذبح کرنے کے بعد حلال ہو۔ چونکہ حج اور عمرہ دونوں کو ملایا اس لئے یہ قران ہوا۔ اور دونوں کو جمع کیا ہے اس لئے دونوں کی آسانی کے لئے دعا کرے۔

[۶۸۸](۳) پس جبکہ مکہ میں داخل ہو تو طواف سے شروع کرے، پس بیت اللہ کا طواف کرے سات شوط، تین پہلے میں رمل کرے اور باقی میں اپنی حالت پر چلے اور اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے اور یہ عمرہ کے افعال ہیں۔

تشریح عمرہ میں تین کام ہوتے ہیں (۱) احرام باندھنا (۲) سات شوط طواف کرنا (۳) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔ چونکہ یہ تینوں اعمال

حاشیہ : (الف) ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے تو ہم میں سے کچھ عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے، اور ہم میں سے کچھ حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھے ہوئے تھے، اور ہم میں سے کچھ صرف حج کا احرام باندھے ہوئے تھے، اور حضور نے حج کا احرام باندھا۔ بہر حال جس نے حج کا احرام باندھا یا حج اور عمرہ کو جمع کیا تو نہیں حلال ہوئے مگر یوم نحر میں (ب) پس جب بے خوف ہو جاؤ تو جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا تو جو ہدی میں سے آسان ہو وہ دے (ج) آپؐ اپنے صحابہ کے ساتھ چار ذی الحجہ کو مکہ تشریف لائے ... آپؐ نے فرمایا حج کو عمرہ بنا دو مگر جس کے ساتھ ہدی ہو (د) ہم حضور کے ساتھ نکلے، ہماری نیت نہیں تھی مگر حج ہی کی، پس جب ہم آئے اور بیت اللہ کا طواف کیا تو جس نے ہدی نہیں ہانکی تھی ان کو حضورؐ نے حکم دیا کہ حلال ہو جائیں۔ تو جس نے ہدی نہیں ہانکی تھی وہ حلال ہو گئے۔

بالطواف فطاف بالبيت سبعة اشواط يرمل فى الثلثة الاول منها و يمشى فى ما بقى على هينته ويسعى بعدها بين الصفا والمروة وهذه افعال العمرة[۶۸۹] (۴) ثم يطوف بعد السعى طواف القدوم ويسعى بين الصفا والمروة للحج كما بيناه فى حق المفرد .

عمرہ کے ہیں اور عمرہ کا احرام باندھا ہے اس لئے یہ تینوں اعمال پہلے کریں گے اور عمرہ پورا کریں گے۔

نوٹ پہلے گزر چکا ہے کہ ہر عمرہ اور ہر حج میں پہلے طواف کے پہلے تین شوط میں رمل کرتے ہیں اور باقی چار شوط میں اپنی حالت پر چلتے ہیں

وجہ عن جابر قال قدم رسول الله واصحابه لا ربع ليال خلون من ذى الحجة فلما طافوا بالبيت وبالصفا والمروة قال رسول الله ﷺ اجعلوها عمرة (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی افراد الحج ص۲۵۶ نمبر ۱۷۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ کے لئے طواف اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے اور احرام باندھنے کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ احرام بغیر عمرہ ہی نہیں ہوگا۔

[۶۸۹] (۴) پھر طواف کرے گا سعی کے بعد طواف قدوم اور سعی کرے گا صفا اور مروہ کے درمیان حج کے لئے جیسا کہ میں نے بیان کیا مفرد کے حق میں۔

تشریح عمرہ پورا کرنے کے بعد اب حج کے اعمال شروع کرے، اور حج کے اعمال میں سے طواف قدوم ہے اس لئے پہلے طواف قدوم کرے۔ اور چونکہ یہ طواف حج کے لئے پہلا طواف ہے اس لئے اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے۔

نوٹ حنفیہ کے نزدیک عمرہ کے لئے الگ طواف اور سعی ہے اور حج کے لئے الگ طواف اور سعی ہے۔ اس لئے قارن دو مرتبہ طواف کرے گا اور دو مرتبہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے گا۔

وجہ (۱) چونکہ دو الگ الگ عبادتیں ہیں اس لئے دونوں کے لئے الگ الگ سعی کی جائیگی (۲) عن على ان النبى ﷺ كان قارنا فطاف طوافين و سعى سعيين (ب) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص۲۳۲ نمبر ۲۶۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قارن دو طواف اور دو سعی کرے گا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قارن عمرہ اور حج کے لئے ایک طواف اور ایک ہی سعی کرے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب عمرہ حج میں داخل ہو گیا تو عمرہ کے اعمال بھی حج کے عمل میں داخل ہو گئے اس لئے ایک طواف اور ایک سعی دونوں کے لئے کافی ہوں گے (۲) حدیث میں ہے عن عائشة قالت خرجنا مع رسول الله فى حجة الوداع ... واما الذين جمعوا بين الحج والعمرة فانما طافوا طوافا واحدا (ج) (بخاری شریف، باب طواف القارن ص۲۲۱ نمبر ۱۶۳۸ مسلم شریف، جواز التحلل بالاحصار وجواز القران واقتصار القارن علی طواف واحد وسعی واحد ص۴۰۴ نمبر ۱۲۳۰/۲۹۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قارن ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کرے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ اپنے صحابہ کے ساتھ چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے، پس جب بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کیا تو آپؐ نے فرمایا اس کو عمرہ بنا دو (ب) آپؐ قارن تھے پس آپؐ نے دو طواف کئے اور دو سعی کی (ج) ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے... بہر حال جنہوں نے حج اور عمرہ کو جمع کیا تو انہوں نے صرف ایک طواف کیا۔

[۶۹۰](۵) فاذا رمی الجمرة یوم النحر ذبح شاة او بقرة او بدنة او سبع بدنة او سبع بقرة فهذا دم القران [۶۹۱](۶) فان لم یکن له ما یذبح صام ثلثة ایام فی الحج آخرها یوم

[۶۹۰](۵) پس جب دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی کرے تو ایک بکری ذبح کرے یا ایک گائے یا ایک اونٹ یا اونٹ کا ساتواں حصہ یا گائے کا ساتواں حصہ، پس یہ قران کا دم ہے۔

تشریح قارن اور متمتع پر ہدی لازم ہے۔اور ہدی کی صورت یہ ہے کہ ایک بکری ہو یا ایک گائے ہو یا ایک اونٹ ہو یا گائے کا ساتواں حصہ یا اونٹ کا ساتواں حصہ ہو۔

وجہ قارن اور متمتع پر ہدی لازم ہونے کی وجہ یہ آیت ہے **فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الهدی فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملة ذلک لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام** (الف) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملایا چاہے تمتع کر کے ملایا ہو چاہے قران کر کے ملایا ہو اس پر ہدی لازم ہے۔اور ہدی نہ دے سکے تو تین دن حج سے پہلے روزے رکھے اور سات دن حج کے بعد روزے رکھے، کل ملا کر دس دن روزے رکھے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس انه سئل عن متعة الحج فقال ... ثم امرنا عشیة الترویة ان نهل بالحج فاذا فرغنا من المناسک جئنا فطفنا بالبیت وبالصفا والمروة فقد تم حجنا وعلینا الهدی کما قال الله عز وجل فما استیسر من الهدی** (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ عز وجل ذلک لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام ص ۲۱۳ نمبر ۱۵۷۲) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا متمتع اور قارن پر ہدی لازم ہے۔اور گائے یا اونٹ کے ساتویں حصے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن جابر بن عبد الله انه قال نحرنا مع رسول الله ﷺ بالحدیبیة البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة** (ج) (ابوداؤد شریف، باب البقرۃ والجزور عن کم تجزئ ج ثانی ص ۳۲ نمبر ۲۸۰۹ رمسلم شریف، باب جواز الاشتراک فی الهدی واجزاء البدنة والبقرة کل واحد منهما عن سبعة نمبر ۱۳۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گائے اور اونٹ سات آدمیوں کی جانب سے کافی ہے۔

[۶۹۱](۶) پس اگر اس کے پاس ہدی نہ ہو جو ذبح کر سکے تو روزے رکھے، تین دن حج میں اور اس کا آخری دن نویں ذی الحجہ ہو۔

تشریح قارن اور متمتع پر ہدی واجب ہے لیکن اگر ہدی ذبح نہ کر سکے روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے یا جانور نہ ملنے کی وجہ سے تو حج سے پہلے تین روزے رکھے اور باقی سات روزے حج کے بعد رکھے۔

حاشیہ : (الف) جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا تو ہدی میں سے جو آسان ہو۔اور جو ہدی نہ پائے تو تین روزے رکھے حج کے زمانے میں اور سات جب لوٹے، یہ دس روزے کامل ہو گئے۔ یہ تمتع اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے پاس نہ ہو (ب) حضرت عبد اللہ بن عباس سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا... ہم کو آٹھویں کی شام کو حکم دیا کہ ہم حج کا احرام باندھیں، پس جب ہم مناسک حج سے فارغ ہوئے تو ہم آئے اور بیت اللہ کا اور صفا مروہ کا طواف کیا اور ہمارا حج پورا ہو گیا اور ہم پر ہدی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا فما استیسر من الهدی (ج) حضرت جابرؓ نے فرمایا ہم نے رسول اللہؐ کے ساتھ حدیبیہ میں ایک اونٹ سات کی طرف سے ذبح کیا اور ایک گائے سات کی طرف سے۔

عرفة [۶۹۲](۷) فان فاته الصوم حتی یدخل یوم النحر لم یجزه الا الدم.

وجہ پہلے آیت گزر گئی کہ ہدی نہ ہو تو روزے رکھے، **فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الهدی فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج و سبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملة** (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ ہدی نہ دے سکو تو روزے رکھو۔ تین روزے حج سے پہلے اور سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد۔ آخری دن یوم عرفہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس سے پہلے ہدی پر قدرت ہو جائے جو اصل ہے اس لئے روزہ جو فرع ہے اس کی تاخیر کرے۔ اور یوم النحر یعنی عید کے دن اور ایام تشریق یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کو روزہ اس لئے نہیں رکھے کہ یہ دن کھانے پینے کے ہیں۔ اور روزہ ان دنوں میں ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے **عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله یوم عرفة ویوم النحر وایام التشریق عیدنا اهل الاسلام وهی ایام اکل و شرب** (الف) (ابوداؤد شریف، باب صیام ایام التشریق ص ۳۳۵ نمبر ۲۴۱۹ رمسلم شریف، باب تحریم صوم ایام التشریق ص ۳۶۰ نمبر ۱۱۴۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ یوم عرفہ اور ایام تشریق سے پہلے پہلے تین روزے رکھ لے (۲) **قال ان رسول الله ﷺ نهی عن صیام هذین الیومین اما یوم الاضحی فتأکلون من لحم نسککم واما یوم الفطر ففطرکم من صیامکم** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی صوم العیدین ص ۳۳۵ نمبر ۲۴۱۶ رمسلم شریف، باب تحریم صوم یومی العیدین ص ۳۶۰ نمبر ۱۱۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں روزہ رکھنا منع ہے۔ اس لئے دسویں ذی الحجہ میں روزہ نہیں رکھے گا۔

[۶۹۲] (۷) پس اگر اس سے روزہ فوت ہو گیا یہاں تک کہ دسویں ذی الحجہ داخل ہو گیا تو نہیں کافی ہوگا مگر ہدی دینا۔

تشریح قارن یا متمتع کو ہدی دینا تھا لیکن ہدی نہیں دے سکا اور دسویں ذی الحجہ تک روزہ بھی تین دن تک نہیں رکھ سکا تو اب دم ہی دینا ہوگا۔ روزے رکھنا کافی نہیں۔

وجہ (۱) کیونکہ آیت میں صیام ثلثۃ فی الحج ہے اور اس کا وقت دسویں ذی الحجہ سے پہلے پہلے ہے اور وہ فوت ہو گیا اس لئے اب اصل ہی لازم ہوگا یعنی ہدی لازم ہوگی (۲) اثر میں ہے **عن ابن عباس قال اذا لم یصم المتمتع فعلیه الدم ... وعن عبراهیم قال لا بد من دم ولو یبیع ثوبه** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳ فی المتمتع اذا فاتہ الصوم ج ثالث، ص ۱۵۰، نمبر ۱۲۹۸۳ ر ۱۲۹۸۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ تک روزے نہ رکھ سکا تو اس پر اب دم ہی لازم ہے۔

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ گیارہویں، بارہویں اور تیرہوٰ ذی الحجہ کو روزہ رکھ لے گا، کیونکہ اگرچہ اس دن کے روزے مکروہ ہیں لیکن ان کے لئے گنجائش ہے کیونکہ کہ یہ مجبور ہے (۲) اثر میں ہے **عن ابن عمر قال الصیام لمن تمتع بالعمرة الی الحج الی یوم عرفة**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا عرفہ کا دن، اور دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق یعنی گیارہوٰن، بارہویں اور تیرہویں تاریخ ہمارے اہل اسلام کی عید ہے اور وہ کھانے پینے کے دن ہے (ب) حضورؐ نے ان دونوں دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا، بہرحال عید الاضحیٰ کے دن تو اپنی قربانی کا گوشت کھاؤ، بہرحال عید الفطر کے دن تو تمہارے روزے سے افطار کا دن ہے (ج) ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر تمتع کرنے والا روزہ نہ رکھ سکے تو اس پر دم لازم ہے... اور ابراہیم نے فرمایا کہ دم ضروری ہے اگرچہ کپڑے ہی بیچنا پڑے۔

[۶۹۳] (۸) ثم یصوم سبعة ایام اذا رجع الی اهله فان صامها بمکة بعد فراغه من الحج جاز[۶۹۴] (۹) فان لم یدخل القارن بمکة وتوجه الی عرفات فقد صار رافضا لعمرته

فان لم یجد هدیا ولم یصم صام ایام منی (الف) (بخاری شریف، باب صیام ایام التشریق ص ۲۶۸ نمبر ۱۹۹۹ر مصنف ابن ابی شیبة ۴۴ من رخص فی الصوم ولم یر علیہ ھدیا ج ثالث، ص ۱۵۱، نمبر ۱۲۹۹۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر ہدی نہ پائے اور روزے بھی نہ رکھ سکے تو ایام تشریق میں روزے رکھ لے، اور باقی سات روزے حج کے بعد رکھے۔

[۶۹۳] (۸) پھر سات روزے رکھے جب اپنے گھر واپس آئے، پس اگر مکہ مکرمہ میں روزے رکھے حج سے فارغ ہونے کے بعد تو بھی جائز ہے۔

تشریح جو ہدی نہ پائے اور حج کے بعد سات روزے رکھنا ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ سات روزے گھر آ کر بھی رکھ سکتا ہے اور مکہ مکرمہ میں رکھنا چاہے تو وہاں بھی رکھ سکتا ہے۔ آیت میں وسبعة اذا رجعتم کا مطلب ہے اذا رجعتم من الحج کہ جب حج سے فارغ ہو جاؤ تو روزہ رکھو چاہے مکہ مکرمہ میں چاہے گھر واپس آنے کے بعد چاہے راستہ میں رکھ لو۔

وجہ عن عطاء قال وسبعة اذا رجعتم (الآیة) قال ان شاء صامها فی الطریق وان شاء بمکة (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۵ فی قضاء السبعة الفرق اوالوصل ج ثالث، ص ۱۵۱، نمبر ۱۲۹۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے اور راستے میں رکھ سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ گھر واپس آ کر ہی روزے رکھے۔

وجہ ان کا استدلال ہے کہ آیت میں وسبعة اذا رجعتم ہے، یعنی جب واپس آ جاؤ گھر کو۔ اس لئے گھر واپس آنے کے بعد ہی روزے رکھے (۲) اثر میں ہے عن سعید بن المسیب قال ... فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام وسبعة اذا رجع الی اهله (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۶ من قال یصوم اذا رجع الی اهلہ ج ثالث، ص ۱۵۲، نمبر ۱۳۰۰۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ گھر واپس آنے کے بعد روزے رکھے۔

[۶۹۴] (۹) پس اگر قارن مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوا اور عرفات کی طرف متوجہ ہو گیا، پس وقوف عرفہ کی وجہ سے عمرہ چھوڑنے والا ہو گیا اور اس سے دم قران ساقط ہو جائے گا، اور اس پر عمرہ کے چھوڑنے کا دم لازم ہوگا اور اس پر عمرہ کی قضا لازم ہوگی۔

تشریح قارن بننے کے لئے ضروری ہے کہ حج سے پہلے عمرہ کیا ہو، اگر حج کے بعد عمرہ کیا تو وہ قارن نہیں بنے گا اور نہ اس پر دم قران لازم ہوگا۔ کیونکہ وہ قارن ہی نہیں بنا۔ اب جو آدمی مکہ مکرمہ ہی نہیں آیا سیدھا عرفات چلا گیا تو یقینی بات ہے کہ وہ حج سے پہلے عمرہ نہ کر سکا اس کا عمرہ

حاشیہ : (الف) ابن عمر نے فرمایا روزہ اس آدمی کے لئے ہے جو عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کرے عرفہ کے دن تک، پس اگر ہدی نہ پائے اور روزہ نہ رکھ سکے تو منی کے دنوں میں روزے رکھے (یعنی ایام تشریق میں روزے رکھے) (ب) عطاء اس آیت وسبعة اذا رجعتم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر چاہے تو راستے میں روزے رکھے اور اگر چاہے تو مکہ میں روزے رکھے (ج) سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ جو ہدی نہ پائے تو وہ تین دن روزے رکھے اور سات دن جب گھر واپس آئے۔

بالوقوف وسقط عنه دم القران وعليه دم لرفض العمرة وعليه قضاؤها.

چھوٹ گیا اس لئے وہ قارن نہیں بنا۔البتہ عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے عمرہ کی قضا لازم ہوگی اور احرام باندھنے کے بعد عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے دم رفض لازم ہوگا۔

وجہ اخبرتنی عائشة قالت خرجنا مع رسول الله ﷺ موا فين لهلال ذی الحجة ...ارسل معی عبد الرحمان الی التنعيم فارد فها فاهللت بعمرة مكان عمرتها فقضى الله حجها وعمرتها ولم يكن فی شیء من ذلک هدی ولا صدقة ولا صوم (الف) (بخاری شریف، باب الاعتمار بعد الحج بغیر ہدی ص ۲۴۰ نمبر ۱۷۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ چھوڑنے کے بدلے عمرہ کرنا ہوگا۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حج کے بعد عمرہ کرنے کی وجہ سے دم قران لازم نہیں ہوگا البتہ عمرہ چھوڑنے سے عمرہ چھوڑنے کا دم لازم ہوگا۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال ذبح رسول الله ﷺ عن عائشة بقرة يوم النحر (ب) (مسلم شریف، باب جواز الاشتراک فی الھدی الخ ص ۴۲۴ نمبر ۱۳۱۹) اس حدیث میں حضرت عائشہ کی جانب سے حضورؐ نے گائے ذبح کی، اور حضرت عائشہ قارن تو تھی نہیں کیونکہ حیض آنے کی وجہ سے وہ عمرہ چھوڑ چکی تھیں، پھر بھی آپؐ نے ان کی جانب سے ایک گائے ذبح کی۔اس کا مطلب یہ کہ یہ عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے دم تھا، اس لئے عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے دم لازم ہوگا (۲) اثر میں ہے۔عن طاؤس فی الحرم لعمرة اعترض له قال يبعث بهدی ثم يحسب كم يسير ثم يحتاط بايام ثم يحل (مصنف ابن ابی شیبة، ۵۷ فی الرجل اذا اھل بعمرة فاحصر، ج ثالث، ص ۱۵۹، نمبر ۱۳۰۷۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عمرہ نہ کر سکے تو اس کی ہدی بھیجے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ ذی الحجہ کے چاند کے وقت نکلے ...میرے ساتھ عبد الرحمان کو تنعیم تک بھیجا، پس انہوں نے حضرت عائشہ کو پیچھے بٹھایا، پس عمرہ کی جگہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا، پس اللہ نے ان کے حج اور عمرہ کو پورا کیا اور اس کی وجہ سے ہدی، صدقہ اور روزے بھی لازم نہیں ہوئے (ب) حضورؐ نے عائشہ کے لئے دسویں ذی الحجہ کو گائے ذبح کی۔

﴿ باب التمتع ﴾

[۶۹۵](۱) التمتع افضل من الافراد عندنا[۶۹۶](۲) والمتمتع علی وجھین متمتع یسوق الھدی ومتمتع لا یسوق الھدی [۶۹۷](۳) وصفۃ التمتع ان یبتدأ من المیقات فیحرم بالعمرۃ ویدخل مکۃ فیطوف لھا ویسعی ویحلق او یقصر وقد حل من عمرتہ

﴿ باب التمتع ﴾

ضروری نوٹ حج کے مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ میں عمرے کا احرام باندھے پھر عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور حج کے زمانے میں حج کا احرام باندھ کر حج پورا کرے اس کو تمتع کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی (الف) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے تمتع ثابت ہوتا ہے (۲) حجۃ الوداع میں وہ احادیث ہیں جن میں آپ نے صحابہ کو عمرہ کر کے احرام کھلوایا۔

[۶۹۵](۱) ہمارے نزدیک تمتع افراد سے افضل ہے۔

وجہ تمتع میں دو عبادتیں ایک سفر میں ادا کی جاتی ہیں عمرہ اور حج اس لئے یہ افضل ہوگا (۲) صحابہ کو حجۃ الوداع میں عمرہ کر کے حلال ہونے کے لئے آپؐ نے فرمایا عن عائشۃ قالت خرجنا مع النبی ﷺ ... فامر النبی ﷺ من لم یکن ساق الھدی ان یحل فحل من لم یکن ساق الھدی (ب) (بخاری شریف، باب التمتع والاقران والافراد بالحج ص ۲۱۲ نمبر ۱۵۶۱) اس حدیث میں آپؐ نے صحابہ کو عمرہ کر کے حلال ہونے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمتع افضل ہے۔

فائدہ امام ابو حنیفہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ افراد افضل ہے۔ کیونکہ اس میں صرف حج کے لئے سفر ہوتا ہے اور حج کے لئے تلبیہ اور تکبیر کی کثرت ہوتی ہے۔

[۶۹۶](۲) متمتع کی دو قسمیں ہیں (۱) متمتع جو ہدی ہانکے اور دوسرا متمتع جو ہدی نہ ہانکے۔

تشریح قریب کے لوگ میقات سے ہی ہدی لیکر جاتے ہیں تو وہ ہدی ہانکنے والا متمتع ہوا اور جو لوگ ہدی ساتھ نہ لے جائے بلکہ بعد میں ہدی خرید کر ذبح کرے وہ متمتع ہے جو ہدی ساتھ نہ لے جائے۔ حضور حجۃ الوداع میں ہدی ساتھ لیکر تشریف لے گئے تھے۔

[۶۹۷](۳) تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے عمرے کا احرام شروع کرے اور مکہ میں داخل ہو۔ پس عمرے کا طواف کرے، سعی کرے اور حلق یا قصر کرائے اور اپنے عمرے سے حلال ہو جائے۔

تشریح اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حاشیہ : (الف) جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا تو جو کچھ ہدی میں سے آسان ہو وہ لازم ہے (ب) حضورؐ نے ان کو حکم دیا جس نے ہدی نہ ہانکی ہو یہ کہ حلال ہو جائے۔ تو جس نے ہدی نہ ہانکی تھی وہ حلال ہو گئے۔

[۶۹۸] (۴) یقطع التلبیة اذا ابتدأ بالطواف[۶۹۹] (۵) ویقیم بمکة حلال.[۷۰۰] (۶) فاذا کان یوم الترویة احرم بالحج من المسجد الحرام وفعل ما یفعله الحاج المفرد وعلیه دم التمتع.

---

[۶۹۸] (۴) اورتلبیہ ختم کردیگا جب طواف شروع کرے۔

تشریح جب عمرے کا طواف شروع کرے تو اب تلبیہ پڑھنا ختم کردے۔

وجہ لبیک کے معنی ہیں میں حاضر ہوں۔اور وہ حاضر ہوگیا تو اب دوبارہ میں حاضر ہوں کہنا اچھا نہیں ہے۔اس لئے اب تلبیہ پڑھنا چھوڑ دے

وجہ عن ابن عباس عن النبی و قال یلبی المعتمر حتی یستلم الحجر (الف) (ابوداؤد شریف، باب متی یقطع المعتمر التلبیة ص ۲۵۹ نمبر ۱۸۱۷ رترمذی شریف، باب ماجاء متی یقطع التلبیة فی العمرة ص ۱۸۵ نمبر ۹۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حجر اسود کا بوسہ دے اور طواف شروع کرے تو تلبیہ پڑھنا چھوڑ دے۔

[۶۹۹] (۵) اور مکہ مکرمہ میں حلال ہو کر مقیم رہے۔

وجہ (۱) چونکہ یہ عمرہ سے حلال ہو چکے ہیں اس لئے اب مکہ مکرمہ میں حلال ہو کر ٹھہرے رہیں (۲) حدیث میں ہے حدثنی جابر بن عبد الله انه حج مع رسول الله ﷺ یوم ساق البدن معه وقد اهلوا بالحج مفردا فقال لهم اهلوا من احرامکم بطواف البیت وبین الصفا والمروة وقصروا ثم اقیموا حلالا حتی اذا کان یوم الترویة فاهلوا بالحج واجعلوا التی قدمتم بها متعة (ب) (بخاری شریف، باب التمتع والقران والافراد بالحج ص ۲۱۲ ،نمبر ۱۵۶۸) اس حدیث میں عمرہ سے حلال ہونے کے بعد ٹھہرنے کے لئے کہا ہے۔

[۷۰۰] (۶) پس جبکہ ساتویں تاریخ ہو تو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھے اور وہی اعمال کرے جو حج افراد والے کرتے ہیں۔اور اس پر دم تمتع ہے۔

تشریح چونکہ یہ مکی کی طرح ہو گئے اور مکی حج کا احرام حرم سے باندھتے ہیں اس لئے یہ بھی ساتویں تاریخ کو حج کا احرام حرم سے باندھیں گے۔ اور مفرد بالحج جو اعمال کرتے ہیں مثلا عرفات جاتے ہیں، مزدلفہ میں ٹھہرتے ہیں، رمی جمار کرتے ہیں اور طواف زیارت کرتے ہیں وہی اعمال یہ آدمی بھی کرے گا۔ کیونکہ یہ بھی مفرد بالحج کی طرح ہو گیا ہے۔اور چونکہ یہ متمتع ہوا اس لئے اس پر دم تمتع لازم ہوگا۔

وجہ مسجد حرام سے یا حرم سے احرام باندھنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال وقت رسول الله ﷺ لاهل المدینة ذا الحلیفة ولاهل الشام الجحفة ولاهل نجد قرن المنازل ولاهل الیمن یلملم فهن لهن ولمن اتی علیهن من غیر

حاشیہ : (الف) آپ سے روایت ہے کہ عمرہ کرنے والا حجر اسود کے چومنے تک تلبیہ پڑھے (ب) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضورؐ کے ساتھ اس وقت حج کیا جب وہ ہدی لے کر چل رہے تھے۔لوگوں نے مفرد بالحج کا احرام باندھا۔آپؐ نے فرمایا طواف بیت اللہ اور سعی بین الصفا والمروۃ کے بعد حلال ہو جاؤ اور بال کا قصر کرو، پھر حلال ہو کر ٹھہرے رہو۔یہاں تک کہ جب آٹھویں تاریک ہو تو حج کا احرام باندھو اور جو پہلے عمرہ کیا اس کو متعہ بناؤ۔

[۷۰۱] (۷) فان لم یجد ما یذبح صام ثلثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجع الی اهله[۷۰۲](۸) وان اراد المتمتع ان یسوق الهدی احرم وساق هدیه

اهلهن لمن کان یرید الحج والعمرة فمن کان دونهن فمهله من اهله وکذلک حتی اهل مکة یهلون منها (الف) (بخاری شریف، باب مہل اہل الشام ص ۲۰۶ نمبر ۱۵۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ مکہ سے احرام باندھیں گے اور متمتع احرام کھولنے کے بعد مکی کی طرح ہو گئے اس لئے وہ بھی مکہ سے احرام باندھیں گے (۲) مسلم شریف میں ہے عن جابر بن عبد اللہ قال امرنا النبی ﷺ لما احللنا ان نحرم اذا توجھنا الی منی قال فاھللنا من الابطح (ب) (مسلم شریف، باب بیان وجوہ الاحرام وانہ یجوز افراد الحج والتمتع والقران الخ ص ۳۹۲ نمبر ۱۲۱۴) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے حجۃ الوداع میں ابطح جو مکہ مکرمہ میں ایک جگہ ہے وہاں سے حج کا احرام باندھا۔ اور متمتع پر دم تمتع ہے اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے تاہم یہ آیت نص ہے فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الھدی فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج و سبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملة ذلک لمن لم یکن اھله حاضری المسجد الحرام (ج) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جس نے تمتع کیا اس پر ہدی لازم ہے اور ہدی نہ دے سکا تو تین روزے حج سے پہلے رکھے اور سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھے۔

[۷۰۱] (۷) پس اگر نہ پائے ایسا جانور جو ذبح کر سکے تو تین دن روزے رکھے حج میں اور سات دن جب اپنے گھر لوٹے۔

تشریح اس کی پوری تفصیل اور دلیل باب القران میں گزر چکی ہے۔

[۷۰۲] (۸) اگر تمتع کرنے والا ہدی ہانکنے کا ارادہ کرے تو اپنے ساتھ ہدی لے جائے۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ تمتع کرنے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ گھر سے ساتھ ہدی لے جائے۔ اس لئے اگر ہدی ساتھ لے جائے تو یہ بہتر ہے۔

وجہ حضور حجۃ الوداع میں ہدی ساتھ لیکر تشریف لے گئے تھے۔ ان ابن عمر قال تمتع رسول اللہ ﷺ فی حجة الوداع بالعمرة الی الحج واھدی فساق معه الھدی من ذی الحلیفة وبدا رسول اللہ ﷺ فاھل بالعمرة ثم اھل بالحج فتمتع الناس مع النبی ﷺ بالعمرة الی الحج (د) (بخاری شریف، باب من ساق البدن معہ ص ۲۲۹ نمبر ۱۶۹۱ر مسلم شریف، باب وجوب الدم علی

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضورؐ نے میقات متعین کیا، اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لئے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن المنازل، اہل یمن کے لیے یلملم، پس یہ مقامات ان لوگوں کے لئے اور ان پر جو آئے، اس کے علاوہ اور جو ان میقات کے اندر ہو تو اس کے لئے میقات اس کے اہل میں سے ہے اور ایسا ہی یہاں تک کہ اہل مکہ احرام باندھے گا مکہ سے (ب) جب ہم عمرہ سے حلال ہوئے تو حضورؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم احرام باندھ لیں جب ہم منی کی طرف جانے لگے، فرمایا کہ ہم نے مقام ابطح سے احرام باندھا (ج) جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا تو جو آسان ہدی میں سے، پس جو ہدی نہ پائے تو وہ تین دن روزے رکھے حج میں اور سات دن جب تم واپس لوٹو۔ یہ دس دن ہوئے۔ یہ تمتع اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے پاس نہ ہو (د) حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضورؐ حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔ اور ہدی ذوالحلیفہ سے ساتھ لے گئے۔ اور حضورؐ نے شروع کیا پس عمرے کا احرام (باقی اگلے صفحہ پر)

[۷۰۳](۹) فان کانت بدنة قلدها بمزادة او نعل واشعر البدنة عند ابی یوسف و محمد رحمهما الله تعالی وھو ان یشق سنامها من الجانب الایمن ولا یشعر عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی [۷۰۴](۱۰)فاذا دخل مکة طاف وسعی ولم یتحلل حتی یحرم بالحج

المتمتع الخ ص۳۰۳ نمبر۱۲۲۷)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ حجۃ الوداع میں متمتع تھے اور آپؐ نے ہدی ساتھ لی تھی۔

[۷۰۳](۹) پس اگر اونٹ ہو تو اس کو پرانے چمڑے یا جوتے کا ہار پہنائیں گے اور صاحبین کے نزدیک اونٹ کو شعار کریں گے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونٹ کی کوہان کو دائیں جانب سے پھاڑ دے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک شعار نہیں ہے۔

تشریح ہدی لے چلے تو اس پر ہدی کی علامت لگائے، اونٹ کے لئے ہدی کی علامت دو ہیں۔ کوہان کو پھاڑ کر اس کے خون کو کوہان پر مل دینا (۲) پرانا چمڑا یا جوتا گردن میں لٹکا دینا تا کہ لوگ دیکھ کر اس کا احترام کریں اور چور ڈاکو ہدی کو نہ چھیڑیں۔ حضورؐ نے ہدی کے لئے دونوں کام کئے ہیں۔ عن عائشة قالت فتلت قلائد ھدی النبی ﷺ ثم اشعرھا وقلدھا او قلدتها ثم بعث بها الی البیت (الف)(بخاری شریف، باب اشعار البدن ص ۲۳۰ نمبر ۱۶۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ کی گردن میں قلادہ ڈالنا بھی سنت ہے اور شعار کرنا بھی (۲) کان ابن عمر اذا اھدی ھدیا من المدینة قلده و اشعره بذی الحلیفة یطعن فی شق سنامه الایمن بالشفرة ووجهها قبل القبلة بارکة (ب)(بخاری شریف، باب من اشعر وقلد بذی الحلیفة ثم احرم ص ۲۲۹ نمبر ۱۶۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اونٹ کی دائیں کوہان میں چھری مار کر خون نکالے۔ صاحبین کے نزدیک یہی سنت ہے۔ کیونکہ حدیث سے ثابت ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اشعار ضروری نہیں ہے کیونکہ اس میں تعذیب حیوان ہے اور قلادہ ڈالنے کا طریقہ بھی ہے اس لئے اشعار کرنا ضروری نہیں۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن عباس قال ان شئت فاشعر الھدی وان شئت فلا تشعر (ج)(مصنف ابن ابی شیبة ۷۵ فی الاشعار واجب ھو ام لا ج ثالث، ص ۱۷۲، نمبر ۱۳۲۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشعار ضروری نہیں ہے۔

نوٹ امام صاحب کے اہل علاقہ بہت گہرائی کے ساتھ اشعار کرتے تھے جس سے حیوان کو زیادہ تکلیف ہوتی تھی اس لئے اپنے اہل زمانہ کے اشعار کا انکار کیا ہے۔ اصل اشعار کا انکار نہیں ہے۔

لغت مزادة : پرانا چمڑا۔ اشعر : چھری مار کر کوہان پھاڑنا۔

[۷۰۴](۱۰) پس جب کہ مکہ مکرمہ داخل ہو تو طواف کرے اور سعی کرے اور حلال نہ ہو یہاں تک کہ آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے

تشریح چونکہ اس متمتع نے اپنے ساتھ ہدی ہانکی ہے اس لئے عمرہ کرنے کے بعد بال نہیں منڈوائے گا اور نہ سلا ہوا کپڑا پہنے گا اور نہ خوشبو لگائے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) باندھا پھر حج کا احرام باندھا۔ پس لوگوں نے بھی عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں حضور کی ہدی کا قلادہ بانٹتی تھی پھر آپ ہدی کا اشعار کرتے اور قلادہ ڈالتے یا صرف قلادہ ڈالتے پھر اس کو بیت اللہ بھیجتے (ب) حضرت ابن عمر جب مدینہ طیبہ سے ہدی بھیجتے تو اس کو قلادہ ڈالتے اور ذو الحلیفہ میں اس کا اشعار کرتے اس طرح کہ اس کے دائیں کوہان کو نیزہ مار کر پھاڑتے اور جانور کو بٹھا کر قبلہ کی طرف متوجہ کرتے (ج) عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں اگر چاہے تو ہدی کا اشعار کرے اور چاہے تو نہ شعار کرے۔

یوم التروية [۷۰۵] (۱۱) فان قدم الاحرام قبله جاز وعليه دم التمتع [۷۰۶] (۱۲) فاذا حلق يوم النحر فقد حل من الاحرامين [۷۰۷] (۱۳) وليس لاهل مكة تمتع وولا قران

گا بلکہ احرام ہی کی حالت میں رہے گا اور دوبارہ آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے گا۔

وجہ حضورؐ اپنے ساتھ ہدی لے گئے تھے تو درمیان میں حلال نہیں ہوئے تھے۔ عن ابن عمر قال قال تمتع رسول الله فی حجة الوداع بالعمرة الی الحج واهدی فساق معه الهدی من ذی الحليفة وبدأ رسول الله فاهل بالعمرة ثم اهل بالحج فتمتع الناس مع النبی ﷺ بالعمرة الی الحج فكان من الناس من اهدی فساق الهدی ومنهم من لم يهد فلما قدم النبی ﷺ مكة قال للناس، من كان منكم اهدی فانه لا يحل من شیء حرم منه حتی يقضی حجه (الف) (بخاری شریف، باب من ساق البدن معہ ص ۲۲۹ نمبر ۱۶۹۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ان لوگوں کو حکم دیا جو ہدی ساتھ لے گئے تھے کہ عمرہ اور حج کے احرام سے اکٹھے دسویں تاریخ کو حلال ہوں۔

[۷۰۵] (۱۱) پس اگر آٹھ تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھ لے تو جائز ہے اور اس پر تمتع کا دم لازم ہوگا۔

تشریح اوپر یہ گزرا کہ آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے لیکن اگر آٹھ تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھے تو جائز ہے بلکہ افضل ہے کیونکہ عبادت کی طرف جلدی کر رہا ہے۔

[۷۰۶] (۱۲) پس جب دسویں ذی الحجہ کو حلق کرائے تو دونوں احراموں سے حلال ہو جائے گا۔

تشریح چونکہ عمرے کا احرام نہیں کھولا تھا اور حج کا احرام باندھ لیا تھا اس لئے دسویں تاریخ کو دونوں احراموں سے حلال ہوگا۔

وجہ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۰ میں گزر گئی ہے۔ ثم لم يحلل من شیء حرم منه حتی يقضی حجه نحرهدية يوم النحر (بخاری شریف نمبر ۱۶۹۱)

[۷۰۷] (۱۳) اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے اور نہ قران ہے صرف ان کے لئے حج افراد ہے۔

وجہ (۱) آیت میں ہے ذلک لمن لم يكن اهله حاضری المسجد الحرام (ب) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ذلک کا اشارہ تمتع اور اس کے تحت میں قران ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمتع اور قران اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے قریب نہ ہو یعنی مکی نہ ہو۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک مکی اور میقات کے اندر والوں کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے (۲) ایک سفر میں حج اور عمرہ کر کے فائدہ اٹھانے کو تمتع کرنا کہتے ہیں۔ لیکن سفر ہی نہ ہو تو فائدہ اٹھانا کیا ہوگا۔ اس لئے اہل مکہ کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس کی یہی

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا اور ہدی ہانکی اور ذی الحلیفہ سے ہدی ہانکی۔ اور حضورؐ نے شروع کیا پس عمرے کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا اور لوگوں نے حضور کے ساتھ عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔ پس لوگوں میں سے کچھ نے ہدی کو ہانکا، اور ان میں سے کچھ نے ہدی نہیں ہانکا۔ پس جب حضور مکہ آئے تو لوگوں سے کہا کہ تم میں سے جس نے ہدی ہانکا اس سے کوئی چیز حلال نہیں ہوگی جو حرام ہوئی ہے جب تک کہ حج پورا نہ ہو جائے (ب) تمتع اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے قریب نہ ہو۔

انما لهم الافراد خاصة [۷۰۸](۱۴) واذا عاد المتمتع الی بلده بعد فراغه من العمرة ولم یکن ساق الهدی بطل تمتعه[۷۰۹] (۱۵) ومن احرم بالعمرة قبل اشهر الحج فطاف لها اقل من اربعة اشواط ثم دخلت اشهر الحج فتممها واحرم بالحج کان متمتعا فان طاف

تفسیر ہے کہ اہل مکہ کے علاوہ کے لئے تمتع اور قران ہے۔ عن ابن عباس انه سئل عن متعة الحج ... واباحه للناس غیر اهل مکة قال الله تعالی ذلک لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی ذلک لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام ص ۲۱۴ نمبر ۱۵۷۲ ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۸۱ من کان لا یری علی اہل مکۃ متعۃ، ج ثالث، ص ۴۱۶، نمبر ۱۵۶۹۰)

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک آیت میں ذلک کا اشارہ تمتع نہیں ہے بلکہ ہدی ہے اس لئے ان کے نزدیک مکی تمتع اور قران تو کر سکتا ہے البتہ اس پر ہدی لازم نہیں ہے۔

وجہ قال یحیی سئل مالک عن رجل ... وانما الهدی او الصیام علی من لم یکن من اهل مکة (الف) (موطا امام مالک ماجاء فی التمتع ص ۳۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکی پر ہدی اور روزہ نہیں ہے۔

[۷۰۸] (۱۴) اگر تمتع کرنے والا عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے شہر آجائے اور ہدی نہ ہانکی ہو تو اس کا تمتع باطل ہو جائے گا۔

وجہ (۱) ہدی نہ ہانکی ہو تو اپنے اہل وعیال کے ساتھ ملنے اور اپنے شہر جانے سے پہلا سفر باطل ہو گیا۔ شہر کے ساتھ المام صحیح ہو گیا۔ اور ایک سفر میں عمرہ اور حج ادا نہ کیا تو تمتع اور قران نہ ہوئے اس لئے تمتع باطل ہو گیا (۲) اثر میں ہے .عن عطاء قال من اعتمر فی شهر الحج ثم رجع الی بلده ثم حج من عامه فلیس بمتمتع، انما المتمتع من اقام ولم یرجع (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۷ فی الرجل یعتمر فی اشہر الحج ثم یرجع ثم یحج، ج ثالث، ص ۵۲، نمبر ۱۳۰۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عمرہ کر کے گھر چلا گیا تو تمتع فاسد ہو گیا۔

نوٹ اگر ہدی ساتھ لایا تھا اور پھر عمرہ کر کے گھر چلا گیا تو ہدی کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں واپس آنا ضروری ہے اس لئے پہلا سفر باطل نہیں ہوا اور گھر کے ساتھ المام صحیح نہیں ہوا اس لئے تمتع باطل نہیں ہوگا۔

[۷۰۹] (۱۵) جس نے حج کے مہینے سے پہلے عمرے کا احرام باندھا اور چار شوط سے کم طواف کیا پھر حج کا مہینہ داخل ہوا اور عمرہ کو پورا کیا اور حج کا احرام باندھا تو تمتع کرنے والا ہوگا۔ اور اگر حج کے مہینے سے پہلے عمرے کا طواف چار شوط کیا یا اس سے زیادہ کیا پھر اسی سال حج کیا تو یہ تمتع کرنے والا نہیں ہوگا۔

تشریح تمتع ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ حج سے پہلے عمرہ کیا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ عمرہ حج کے مہینے میں ادا کیا ہو۔ حج کا مہینہ پہلی شوال سے دس ذی الحجہ تک ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ اکثر شوط کا اعتبار ہے تو سات میں اکثر شوط چار ہیں اور اقل شوط تین ہیں۔ پس اگر

حاشیہ : (الف) حضرت یحیی سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا... فرمایا ہدی یا روزہ اس پر ہے جو اہل مکہ میں سے نہ ہو، یعنی میقات کے اندر میں سے نہ ہو (ب) حضرت امام عطاؒ نے فرمایا جس نے شوال، ذی قعدہ یا ذی الحجہ میں عمرہ کیا پھر اپنے اہل کی طرف لوٹا پھر اسی سال حج کیا تو اس پر ہدی نہیں ہے۔ ہدی اس پر ہے جس نے اشہر حج میں عمرہ کیا پھر مکہ میں حج تک ٹھہرا رہا پھر حج کیا۔

لعمرته قبل اشهر الحج اربعة اشواط فصاعدا ثم حج من عامه ذلک لم یکن متمتعا [۷۱۰](۱۶)واشهر الحج شوال و ذوالقعدة وعشر من ذی الحجة[۷۱۱] (۱۷) فان

اکثر شوط یعنی عمرے کے چار شوط شوال سے پہلے ادا کر لئے تو تمتع نہیں ہوگا۔ کیونکہ عمرہ اشہر حج سے پہلے ادا ہو گیا۔ اور عمرہ حج کے مہینے سے پہلے ادا ہو تو تمتع نہیں ہوتا۔ اور اگر اکثر شوط یعنی چار شوط شوال میں ادا کئے تو چونکہ عمرہ حج کے مہینے میں ادا کیا اس لئے تمتع ہوگا۔

وجہ عن عبد الله بن عمر انه کان یقول من اعتمر فی اشهر الحج فی شوال او ذی القعدةاو ذی الحجة قبل الحج ثم اقام بمکة حتی یدرکه الحج فهو متمتع ان حج و علیه ما استیسر من الهدی (الف) (موطا امام مالک، باب ماجاء فی التمتع ص۳۵۵ رمصنف ابن ابی شیبة، نمبر ۱۳۰۰۰) عن ابن عباس انه سئل عن متعة الحج فقال ... اشهر الحج التی ذکر الله تعالی فی کتابه شوال و ذوالقعدة وذوالحجة فمن تمتع فی هذه الاشهر فعلیه دم (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ عز وجل ذلک لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام ص ۲۱۴ نمبر ۱۵۷۲) اس دونوں اثر سے شرطوں کا پتہ چلا، ایک یہ کہ حج کے مہینہ میں عمرہ کیا ہو اور دوسرا یہ کہ حج سے پہلے کیا ہو تب تمتع ہوگا۔ اور اگر حج کے بعد عمرہ کیا تو تمتع نہیں ہوگا اور نہ اس پر دم تمتع لازم ہوگا۔

لغت شوط : بیت اللہ کے گرد ایک چکر لگا کر ایک طواف کرنے کو ایک شوط کہتے ہیں۔

[۷۱۰] (۱۶) حج کا مہینہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ تک ہے۔

وجہ اس کی وجہ مسئلہ نمبر ۱۵ میں حدیث گزر گئی (۲) آیت میں ہے الحج اشهر معلومات فمن فرض فیهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (ج) (آیت ۱۹۶ سورة البقرة) اس آیت میں ہے کہ حج کے کچھ مہینے معلوم ہیں جس میں حج کا احرام باندھے۔ اور عبد اللہ بن عباس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ ہیں۔ جیسا کہ مسئلہ نمبر ۱۵ میں گزرا (بخاری شریف، باب قول اللہ عز وجل ذلک لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام ص ۲۱۴ نمبر ۱۵۷۲ رسنن للبیہقی، باب بیان اشہر الحج ج رابع ص ۵۵۹، نمبر ۸۷۱۱) اس سے معلوم ہو کہ حج کے مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ تک ہیں۔ سنن بیہقی میں دس ذی الحجہ تک کی تصریح موجود ہے۔

[۷۱۱] (۱۷) پس اگر حج کا احرام ان مہینوں سے پہلے باندھا تو اس کا حج منعقد ہو جائے گا۔

تشریح حج کے مہینے سے پہلے یعنی شوال سے پہلے رمضان ہی میں حج کا احرام باندھ لیا تو احرام منعقد ہو جائے گا اور حج کرنا صحیح ہوگا۔

وجہ (۱) احرام حج کے لئے شرط کے درجہ میں ہے اور شرط مقدم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسے وضو نماز کے وقت سے پہلے کر سکتا ہے اسی طرح حج کا احرام حج کے مہینے سے پہلے باندھے تو باندھ سکتا ہے۔ البتہ اتنا پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے (۲) عن ابن عباس فی الرجل

حاشیہ : (الف) ابن عمر فرماتے ہیں کہ جس نے اشہر حج شوال، ذی قعدہ یا ذی الحجہ میں عمرہ کیا حج سے پہلے پھر مکہ مکرمہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ اس کو حج نے پالیا تو وہ تمتع کرنے والا ہے۔ اگر حج کیا اور اس پر جو آسان ہو وہ ہدی لازم ہے (ب) تمتع کے بارے میں حضرت ابن عباس سے پوچھا... اشہر حج وہ ہیں جن کو اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ تو جس نے ان مہینوں میں تمتع کیا تو اس پر دم ہے (ج) حج کے مہینے معلوم ہیں۔ پس جس نے ان میں حج فرض کیا تو جماع کی اور فسق کی باتیں نہ کریں اور نہ حج میں جھگڑا ہے۔

قدم الاحرام بالحج علیھا جاز احرامه وانعقد حجه [۲۱۷](۱۸) واذا حاضت المرأة عند الاحرام اغتسلت واحرمت وصنعت کما یصنع الحاج غیر انھا لا تطوف بالبیت حتی تطھر[۲۱۳](۱۹) واذا حاضت بعد الوقوف بعرفة و بعد طواف الزیارة انصرفت

یحرم بالحج فی غیر اشھر الحج قال لیس ذلک من السنة (الف)(سنن للبیھقی، باب لایھل بالحج فی غیر اشہر الحج ج رابع ص۵۶۱،نمبر۸۷۲۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشہر حج سے پہلے حج کا احرام باندھے تو وہ سنت کے خلاف ہے یعنی مکروہ ہے۔تاہم حج کا احرام ہوجائے گا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اشہر حج سے پہلے احرام باندھا تو حج نہیں ہوگا وہ عمرہ کے احرام میں تبدیل ہو جائے گا۔ان کی دلیل یہ اثر ہے عن عطاء قال من احرم بالحج فی غیر اشھر الحج جعلھا عمرة (ب)(سنن للبیھقی، باب لایھل بالحج فی غیر اشہر الحج ج رابع ص۵۶۱،نمبر۸۷۲۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشہر حج کے علاوہ میں حج کا احرام باندھے تو اس کو عمرہ بنادے (۲)اوپر کا عبداللہ بن عباس کا اثر بھی امام شافعیؒ کی دلیل ہے۔

[۲۱۷](۱۸)اگر عورت احرام کے وقت حائضہ ہوجائے تو غسل کرے اور احرام باندھے اور وہی اعمال کرے جو حاجی کرتے ہیں،علاوہ یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے جب تک کہ پاک نہ ہوجائے۔

وجہ طواف کے علاوہ حج کے تمام کام صحرا میں ہوتے ہیں اس لئے حائضہ عورت وہ کرسکتی ہے البتہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اور حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی اس لئے طواف نہیں کرے گی۔اور باقی حج کے تمام کام کرے گی (۲) حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے عن عائشة قالت خرجنا مع النبی ﷺ... فقال انفست یعنی الحیضة قالت قلت نعم قال ان ھذہ شیء کتبه الله علی بنات آدم فاقضی ما یقضی الحج غیر ان لا تطوفی بالبیت حتی تغتسلی قالت و ضحی رسول الله نسائه بالبقرة (ج)(مسلم شریف، باب بیان وجوہ الاحرام وانہ یجوز افراد الحج والتمتع والقران ص ۳۸۸ نمبر ۱۲۱۱/۲۹۱۸ر بخاری شریف، باب کیف تھل الحائض والنفساء ص۲۱۱نمبر ۱۵۵۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور نفساء عورت حج کا احرام باندھے گی البتہ طواف نہیں کرے گی۔

[۲۱۳](۱۹)اگر وقوف عرفہ اور طواف زیارت کے بعد حائضہ ہوگئی تو مکہ مکرمہ سے واپس ہوجائے گی اور طواف وداع چھوڑنے پر اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

تشریح طواف زیارت کرنے کے بعد عورت کو حیض آگیا تو چونکہ فرض کی ادائیگی ہوگئی اور اب صرف طواف وداع واجب باقی ہے اس لئے اس

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ وہ آدمی جو اشہر حج کے علاوہ میں احرام باندھے،فرمایا یہ سنت میں سے نہیں ہے(ب) حضرت عطا فرماتے ہیں کہ جس نے اشہر حج کے علاوہ میں حج کا احرام باندھا تو اس کو عمرہ بنادے (ج) حضرت عائشہ نے فرمایا ہم حضور کے ساتھ نکلے...حضورؐ نے فرمایا کیا تم حائضہ ہوگئی ہو۔میں نے کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا یہ چیز اللہ نے بنات آدم پر فرض کی ہے۔پس حاجی جیسا ادا کرتے ہیں تم بھی ادا کرو البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا جب تک کہ پاک ہو کر غسل نہ کرلو،حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کے لئے گائے ذبح کی۔

من مكة ولا شيء عليها لترك طواف الصدر.

کو چھوڑ دے اور مکہ مکرمہ سے گھر واپس چلی جائے۔ چونکہ طواف وداع واجب ہے اس لئے اس کو چھوڑنے پر دم لازم نہیں ہوگا۔

وجہ عن عائشة قالت خرجنا مع النبی ﷺ ولا نری الا الحج ... وحاضت صفية بنت حيي فقال النبی ﷺ عقری حلقٰی انک لحابستنا اما کنت طفت یوم النحر؟ قالت بلی قال فلا بأس انفری (الف) (بخاری شریف، باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت ص ۲۳۷ نمبر ۱۷۶۲ مسلم شریف، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض ص ۴۲۷ نمبر ۱۷۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت کے بعد حیض آجائے اور طواف وداع کا موقع نہ ہو تو طواف وداع حائضہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر طواف زیارت نہیں کی کہ حیض آگیا تو چونکہ وقوف عرفہ کر چکی ہے اس لئے حج تو ہو گیا۔ البتہ طواف زیارت جو فرض ہے وہ رہ گیا۔ اس لئے طواف زیارت کے لئے رکے۔ یا جب موقع ہو طواف کرے اور دم دے۔ اور اس کا بھی موقع نہ مل سکے تو اس کے بدلے میں کسی سے طواف زیارت کروائے۔

وجہ اوپر حدیث میں حضرت صفیہ کے بارے میں پتا چلا کہ حائضہ ہو گئی تو آپؐ نے افسوس کا اظہار کیا کہ اگر طواف زیارت نہیں کیا تو ہمیں رکنا پڑے گا۔ لیکن جب پتا چلا کہ طواف زیارت کر چکی ہے تو فرمایا اب کوئی بات نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت کے لئے رکنا پڑیگا کیونکہ وہ فرض ہے۔ اور طواف زیارت رہ جائے تو اس کا بدل کروانا پڑے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن الحسن فی الرجل یحج فیموت قبل ان یقضی نسکہ قال یقضی عنہ ما بقی من نسکہ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۱۶ فی الرجل یموت وقد بقی علیہ من نسکہ شیء، ج ثالث، ص ۲۶۱، نمبر ۱۴۱۱۷)

حاشیہ : (الف) حضرت صفیہؓ حائضہ ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا تیرا بھلا ہو تو نے مجھے روک لیا۔ کیا تم نے طواف زیارت کر لیا؟ حضرت صفیہؓ نے فرمایا ہاں! آپؐ نے فرمایا پھر تو کوئی حرج نہیں ہے، واپس چلو۔

﴿ باب الجنايات ﴾

[۷۱۴](۱) اذا تطيب المحرم فعليه الكفارة فان طيب عضوا كاملا فمازاد فعليه دم.

﴿ باب الجنايات ﴾

ضروری نوٹ جنایات جنایۃ کی جمع ہے۔ حج میں جوغلطیاں کی جاتی ہیں ان کو جنایت کہتے ہیں۔

[۷۱۴](۱) محرم خوشبولگائے تواس پر کفارہ ہے۔ پس اگر پورا عضو خوشبولگائی یااس سے زیادہ تواس پرایک دم لازم ہے۔

تشریح احرام کی حالت میں خوشبولگانا جائز نہیں ہے۔ اس لئے اگر ایک پورے عضو پرخوشبولگائی مثلا پورے سریا پورے ہاتھ پرخوشبولگائی تو اس پردم لازم ہوگا۔ اور اگر ایک عضو سے زیادہ پرخوشبولگائی تو یہ ایک عضو میں تداخل ہوجائے گا۔ کیونکہ ایک ہی قسم کی جنایت ہے اس لئے دونوں ملاکر ایک ہی دم لازم ہوگا۔

وجہ عن جابر قال اذا شم المحرم ريحانا او مس طيبا اهرق لذلک دما (الف) مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۹۶ ما قالوا فیہ اذا شم الریحان ج ثالث، ص ۳۰۸، نمبر ۱۴۶۰۷) (۲) عن عطاء قال اذا وضع المحرم على شيء منه دهنا فيه طيب فعليه الكفارة (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۹۶ ما قالوا فیہ اذا شم الریحان ج ثالث، ص ۳۰۸، نمبر ۱۴۶۱۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خوشبولگالے تو دم لازم ہوگا۔ محرم کے لئے خوشبولگانے کی ممانعت اس حدیث میں ہے عن يعلى ان رجلا اتى النبي ﷺ وهو بالجعرانة وعليه جبة و عليه اثر الخلوق او قال صفرة فقال كيف تأمرني ان اصنع في عمرتي ... قال اين السائل عن العمرة؟ اخلع عنک الجبةواغسل اثر الخلوق عنک وانق الصفرة واصنع في عمرتک كما تصنع في حجک (ج) (بخاری شریف، باب یفعل بالعمرۃ ما یفعل بالحج ص ۲۴۱ نمبر ۱۷۸۹، ابواب العمرۃ رمسلم شریف، باب ما یباح للمحرم ...و بیان تحریم الطیب علیہ ص ۳۷۳ نمبر ۱۱۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کوخوشبونہیں لگانا چاہئے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر قال قال رجل فقال يا رسول الله ﷺ ماذا تأمرنا ان نلبس من الثياب في الاحرام؟ فقال رسول الله ... ولا تلبسوا شيئا مسه زعفران ولا الورس (د) (بخاری شریف، باب ما ینھی من الطیب لمحرم والمحرمۃ ص ۲۴۸ نمبر ۱۸۳۸، ابواب العمرۃ) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خوشبو نہیں لگانا چاہئے۔

حاشیہ: (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں جب محرم خوشبو سونگھے یا خوشبو ملے تو اس کی وجہ سے دم ہے (ب) حضرت عطا فرماتے ہیں جب محرم کسی تیل پر ہاتھ رکھے جس میں خوشبو ہو تو اس پر کفارہ لازم ہے (ج) ایک آدمی حضور کے پاس آیا اس حال میں کہ آپ مقام جعرانہ میں تھے، اس آدمی پر جبہ تھا اس میں خلوق کا اثر تھا یا فرمایا صفرہ تھا، انہوں نے پوچھا مجھے میرے اعمال میں کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں... آپ نے فرمایا عمرہ کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ جبہ جسم سے کھول دو، اور اپنے سے خلوق کا اثر دھودو، اور صفرہ صاف کردو اور عمرہ میں ایسا ہی کرو جیسا حج میں کرتے ہو (د) آپ نے فرمایا ایسا کپڑا مت پہنو جس کو زعفران نے چھویا ہو یا ورس نے چھویا ہو۔

[۷۱۵](۲) ان طیب اقل من عضو فعلیه صدقة [۷۱۶](۳) وان لبس ثوبا مخیطا او اغطی رأسه یوما کاملا فعلیه دم [۷۱۷](۴) وان کان اقل من ذلک فعلیه صدقة.

---

[۷۱۵](۲) اور ایک عضو سے کم خوشبو لگائی تو اس پر صدقہ ہے۔

وجہ ایک عضو خوشبو لگانا ارتفاق کامل ہے اس لئے دم لازم ہوا اور اس سے کم لگانے میں ارتفاق کامل نہیں ہے تاہم اچھا نہیں ہے۔ اس لئے آدھا صاع گیہوں صدقہ کرے۔ مطلق صدقہ سے آدھا صاع گیہوں مراد ہے۔

[۷۱۶](۳) اگر سلا ہوا کپڑا پہنا یا اپنے سر کو پورا ڈھانکا تو اس پر دم لازم ہوگا۔

وجہ محرم کو سلا ہوا کپڑا پہننا ممنوع ہے اسی طرح مرد کے کے لئے سر ڈھانکنا ممنوع ہے۔ اس لئے اگر پورا دن سلا ہوا کپڑا پہنا یا پورا دن سر ڈھانکا تو اس پر دم لازم ہوگا۔ سلا ہوا کپڑا پہننے اور سر ڈھانکنے کی ممانعت اس حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن عمر قال قام رجل فقال یا رسول اللہ ماذا تأمرنا ان نلبس من الثیاب فی الاحرام؟ فقال النبی ﷺ لا تلبسوا القمیص ولا السراویلات ولا العمائم ولا البرانس الا ان یکون احد لیست له نعلان فلیلبس الخفین ولیقطع اسفل من الکعبین ولا تلبسوا شیئا مسه زعفران ولا الورس ولا تنقب المرأة المحرمة ولا تلبس القفازین (الف) (بخاری شریف، باب ما ینہی من الطیب للمحرم والمحرمۃ ص ۲۴۸ نمبر ۱۸۳۸ / مسلم شریف، باب ما یباح للمحرم بحج او عمرۃ لبسہ ص ۳۷۲ نمبر ۱۱۷۷) اس حدیث میں جتنے کپڑے پہننا ممنوع قرار دیا ہے وہ سب سلے ہوئے ہیں اس لئے سلے ہوئے کپڑے پہننا ممنوع ہے۔ اور عمامہ نہ پہنو اور برنس ٹوپی نہ پہنو اس سے معلوم ہوا کہ سر ڈھانکنا ممنوع ہے (۲) ایک دوسری حدیث سے بھی سر ڈھانکنا ممنوع معلوم ہوتا ہے وہ حدیث یہ ہے عن ابن عباس قال بینما رجل واقف مع النبی ﷺ بعرفة اذ وقع عن راحلته فوقصته او قال فاوقصته فقال النبی ﷺ اغسلوه بماء وسدر وکفنوه فی ثوبین ولا تمسوه طیبا ولا تخمروا رأسه ولا تحنطوه فان اللہ یبعثه یوم القیامة ملبیا (ب) (بخاری شریف، باب المحرم یموت بعرفۃ ص ۲۴۹ نمبر ۱۸۵۰) اس حدیث میں ہے کہ محرم کے لئے سر ڈھانکنا ممنوع ہے۔

نوٹ جب یہ دونوں کام ممنوع ہیں تو ان کو کرنے سے دم لازم ہوگا، کیونکہ حج کی جنایت کا کفارہ دم ہے۔

[۷۱۷](۴) اگر ایک دن سے کم سلا ہوا کپڑا پہنا تو اس پر صدقہ ہے۔

وجہ ارتفاق کامل اس وقت ہوگا جب کہ ایک دن پہنا ہو، کیونکہ تھوڑی دیر کے لئے پہننا سردی گرمی سے بچنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ صرف جسم پر

حاشیہ : (الف) ایک آدمی کھڑا ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ کہ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں کہ احرام کی حالت میں کپڑا پہنیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ قمیص نہ پہنو، نہ پائجامہ پہنو، نہ پگڑی پہنو، نہ ٹوپی پہنو، مگر یہ کہ کسی کے پاس چپل نہ ہو تو دونوں موزے پہنے اور ٹخنے سے نیچے کاٹ لے۔ اور ایسی کوئی چیز نہ پہنو جس میں زعفران لگا ہو۔ نہ ورس لگا ہو۔ محرمہ عورت نقاب نہ ڈالے اور نہ دستانے پہنے (ب) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک آدمی عرفات میں حضور کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے اچانک کجاوے سے گر گئے اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ تو آپؐ نے فرمایا اس کو پانی اور بیری کی پتی سے غسل دو اور دو کپڑوں میں کفن دو اور اس کو خوشبو نہ لگاؤ اور اس کے سر کو نہ ڈھانکو اور نہ اس کو حنوط لگاؤ اس لئے کہ اللہ اس کو قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے اٹھائے گا۔

[۸ا۷] (۵) وان حلق ربع رأسه فصاعدا فعليه دم وان حلق اقل من الربع فعليه صدقة.

رکھنا مقصود ہوتا ہے اس لئے اس سے ارتفاق کامل نہیں ہوا اس لئے دم نہیں لازم ہوگا۔اسی طرح ایک دن سر کو نہیں ڈھانکا تو ارتفاق کامل نہیں ہوا اس لئے دم لازم نہیں ہوگا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اکثر کل کے حکم میں ہے۔اس قاعدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے دن کا اکثر حصہ سلا ہوا کپڑا پہنا تو دم لازم ہوگا۔

[۸ا۷] (۵) اگر چوتھائی سر یا اس سے زیادہ منڈوایا تو اس پر دم لازم ہوگا،اور اگر چوتھائی سر سے کم کا حلق کرایا تو اس پر صدقہ ہے۔

تشریح چوتھائی سر کل سر کے حکم میں ہے کیونکہ لوگ چوتھائی سر منڈواتے ہیں،اس لئے چوتھائی سر مندوایا تو گویا کہ کل سر منڈوایا اس لئے چوتھائی سر منڈوانے میں دم لازم ہوگا۔

وجہ آیت میں ہے فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من رأسه ففدية من صيام او صدقة او نسك (الف) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) آیت میں ہے کہ سر میں تکلیف ہو اور سر منڈوانے کی ضرورت پڑے تو سر منڈوالے اور روزہ یا صدقہ یا ہدی میں سے کچھ ادا کرے۔لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ مجبوری ہو۔لیکن اگر مجبوری نہ ہو اور سر منڈوالیا تو ہدی ہی دینا ہوگا۔اس کا اشارہ اس حدیث میں ہے عن عبد الله بن معقل قال جلست الى كعب بن عجرة فسألته عن الفدية فقال نزلت في خاصة وهي لكم عامة حملت الى رسول الله ﷺ والقمل يتناثر على وجهي فقال ما كنت ارى لو جع بلغ بك ما ارى او ما كنت ارى الجهد بلغ ما ارى تجد شاة؟ فقلت لا قال فصم ثلثة ايام او اطعام ستة مساكين لكل مسكين نصف صاع (ب) (بخاری شریف ، باب الاطعام فی الفدیۃ نصف صاع ص ۲۴۴ نمبر ۱۸۱۶ر مسلم شریف ، باب جواز حلق الرأس للمحرم اذا کان بہ اذی ص ۳۸۲ نمبر ۲۸۸۳/۱۲۰۱) اس حدیث میں ہے کہ آپ نے پہلے پوچھا کہ تمہارے پاس بکری ہے؟ تو کعب بن عجرہ نے فرمایا نہیں۔تب آپ نے فرمایا کہ تین روز روزہ رکھو۔یا چھ مسکین کو کھانا دو اور ہر مسکین کو آدھا صاع دو۔اس سے معلوم ہوا کہ پہلے ہدی بکری لازم ہوگی وہ نہ ہو تو روزہ اور صدقہ لازم ہے۔اور یہ جب ہے کہ مجبوری ہو،اور مجبوری نہ ہو تو بکری ہی لازم ہوگی۔

نوٹ ہدی کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہوگا۔کیونکہ آیت میں ہے هديا بالغ الكعبة (ج) (آیت ۹۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس لئے ان ہدی کو حدود حرم میں ہی ذبح کرنا ہوگا۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پورا سر منڈوائے تب دم لازم ہوگا۔

وجہ آیت میں سر مطلق ہے اور مطلق سے پورا مراد ہوتا ہے اس لئے پورا سر منڈوائے گا تب دم لازم ہوگا۔امام شافعیؒ کے نزدیک تین چار بال

حاشیہ : (الف) تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دینا ہے روزے کا یا صدقہ دینا ہے یا قربانی دینا ہے (ب) میں نے کعب بن عجرہ کو فدیہ کے بارے میں پوچھا،فرمایا میرے بارے میں خاص نازل ہوا ہے اور تم لوگوں کے بارے میں عام ہے،فرمایا مجھے حضور کے پاس اٹھا کر لے جایا گیا۔حال یہ کہ میرے چہرے پر جوئیں رینگ رہی تھی۔آپؐ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں جو مشقت تم کو پہنچتی ہے،کیا تم بکری رکھتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔آپؐ نے فرمایا تین دن روزہ رکھو یا چھ مسکین کو کھانا کھلاؤ،ہر مسکین کو آدھا صاع (ج) ہدی جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو۔

[۷۱۹](۶) وان حلق مواضع المحاجم من الرقبة فعليه دم عند ابی حنيفة وقال ابو يوسف و محمد عليه صدقة[۷۲۰] (۷) وان قص اظافير يديه ورجليه فعليه دم.

منڈوائے تو دم لازم ہوگا ان کی دلیل یہ اثر ہے عن الحسن وعطاء انهما قالا فی ثلث شعرات دم ،الناسی والمعتمد سواء (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۳۸ فی المحرم ثلث شعرات علیہ فیہ شیء ام لا ج ثالث، ص ۲۱۰، نمبر ۱۳۵۸۷) س اثر سے معلوم ہوا کہ تین بال بھی منڈوادے تو دم لازم ہوگا اور بھول کر یا جان کر منڈائے دونوں برابر ہیں۔ اس اثر کی وجہ سے حنفیہ کے مسلک کی بھی تائید ہوتی ہے کہ چوتھائی سر منڈوایا تو دم لازم ہوگا، اور بھول کر بھی منڈوائے گا تو دم لازم ہوگا۔ کیونکہ احرام یاد دلانے والا ہے۔

[۷۱۹] (۶) اور اگر گردن کی جگہ پچھنے کے لئے حلق کرائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر دم ہے اور صاحبین کے نزدیک اس پر صدقہ ہے

تشریح گردن پر بال ہوتے ہیں اس پر پچھنا لگوانے کے لئے بال صاف کیا تو چونکہ محرم کے بال کٹے اس لئے اس پر دم لازم ہوگا۔

وجہ اوپر کی حدیث میں مجبوری کی وجہ سے سر منڈوایا تھا تو بکری لازم ہوئی تھی اسی طرح یہاں بھی بکری لازم ہوگی (۲) گردن مستقل عضو ہے اس لئے اس کے بال کاٹنے سے دم لازم ہوگا۔ اثر میں ہے قال مالک ومن نتف شعرا من انفه او ابطه او طلى جسده بنورة او يحلق عن شجة في رأسه بضرورة او يحلق قفاه لموضع المحاجم وهو محرم ناسيا او جاهلا ان من فعل شيئا من ذلک فعليه في ذلک كله فدية ولا يبقى له ان يحلق موضع المحاجم (ب) (موطا امام مالک، باب فدیة من حلق قبل ان ینحر ص ۴۵۰)

وجہ صاحبین : صاحبین کے نزدیک گردن کے منڈنے سے صدقہ لازم ہے دم لازم نہیں ہے۔

وجہ (۱) اصل مقصود پچھنا لگوانا ہے بال منڈوانا مقصود نہیں، اور پچھنا لگوانے سے دم لازم نہیں ہوتا اس لئے غیر مقصود بال کٹوانے سے بھی دم لازم نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن بحينة قال احتجم النبي ﷺ وهو محرم (ج) (بخاری شریف، باب الحجامة للمحرم ص ۲۴۷ نمبر ۱۸۳۵ رمسلم شریف، باب جواز الحجامة للمحرم ص ۳۸۳ نمبر ۱۲۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں پچھنا لگوانا جائز ہے۔ اور جب پچھنا لگوانا جائز ہے تو جو غیر مقصود ہے یعنی گردن کے بال کٹوانا اس پر صدقہ لازم ہوگا۔

[۷۲۰] (۷) اگر دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کے ناخن کاٹے تو اس پر ایک دم ہے۔

تشریح ایک ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں۔ اس لئے اگر ایک ہاتھ کے پانچوں انگلیوں کے ناخن کاٹے تو ایک دم لازم ہوگا لیکن اگر دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے بیسوں انگلیوں کے ناخن کاٹے تب بھی ایک ہی دم لازم ہوگا اور تداخل ہو جائے گا۔

وجہ کیونکہ ایک ہی قسم کے گناہ ہیں اس لئے ایک میں تداخل ہو جائیں گے (۲) ناخن کاٹنے سے دم اس لئے لازم ہوگا کہ وہ ارتفاق کامل ہے

حاشیہ : (الف) حسن اور عطاء نے فرمایا تین بال میں دم ہے، اور بھول کر اور جان کر برابر ہے (ب) حضرت مالکؒ نے فرمایا کسی نے ناک کا بال یا بغل کا بال اکھیڑا یا جسم پر بال صاف کرنے کے لئے چونا لگایا یا ضرورت کی بنا پر سر میں زخم لگوایا یا گردن کا حلق کروایا پچھنے کی جگہ حال یہ ہے کہ وہ محرم تھا جان کر یا بھول کر یہ کام کئے تو ان تمام کاموں میں فدیہ ہے۔ اس کو پچھنے کی جگہ حلق کی اجازت نہیں دی جائے گی (ج) ابن بحینہ فرماتے ہیں کہ حضور نے احرام کی حالت میں پچھنا لگوایا۔

[۷۲۱] (۸) وان قص یدا او رجلا فعلیه دم[۷۲۲] (۹) وان قص اقل من خمسة اظافیر فعلیه صدقة[۷۲۳] (۱۰) وان قص من خمسة اظافیر متفرقة من یدیه ورجلیه فعلیه صدقة عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله وقال محمد رحمه الله تعالی علیه دم

---

(۳) حج میں پراگندہ ہونا چاہئے اور ناخن کاٹنا پراگندگی کے خلاف ہے اس لئے ناخن کاٹنے سے دم لازم ہوگا (۴) اثر میں ہے قال مالک لا یصلح للمحرم ان ینتتف من شعرہ شیئا ولا یحلقه ولا یقصرہ حتی یحل الا ان یصیبه اذی فی رأسه فعلیه فدیة کما امرہ الله تعالی ولا یصلح له ان یقلم اظفارہ ولا یقتل قمله (موطا امام مالک، باب فدیۃ من حلق قبل ان ینحر ص ۴۵۰)

[۷۲۱] (۸) اگر ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹے تو اس پر دم ہے۔

تشریح دونوں ہاتھ، دونوں پیر چاروں کے ایک ساتھ ناخن نہیں کاٹے بلکہ صرف ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے یا صرف ایک پاؤں کے کے ناخن کاٹے تب بھی ایک دم لازم ہے۔

وجہ کیونکہ یہ بیس انگلیوں کی چوتھائی ہے (۲) عن الحسن وعطاء قال اذا انکسر ظفرہ قلمه من حیث انکسر ولیس علیه شیء فان قلمه من قبل ان انکسر فعلیه دم (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲ فی المحرم ینقص ظفرہ ویبط الجرح ج ثالث، ص ۱۳۰، نمبر ۱۲۷۵۶) اس اثر میں ہے کہ ناخن کاٹے تو دم لازم ہوگا۔

اصول اس مسئلہ میں چوتھائی کوکل کے قائم مقام کیا گیا ہے۔

[۷۲۲] (۹) اور اگر پانچ انگلیوں سے کم کے ناخن کاٹے تو اس پر صدقہ ہے۔

وجہ ایک ہاتھ کے پانچ انگلیوں سے کم کے ناخن کاٹے تو اس پر اس لئے صدقہ ہے کہ بیس انگلیوں کی چوتھائی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کم ہے اس لئے صدقہ لازم ہوگا۔ یعنی ایک صاع جو یا آدھا صاع گیہوں۔

[۷۲۳] (۱۰) اور اگر مختلف ہاتھ اور مختلف پیر کے پانچ ناخن کاٹے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر صدقہ ہے اور امام محمد نے فرمایا اس پر دم لازم ہے۔

تشریح ایک ہاتھ کے پانچ ناخن نہیں کاٹے بلکہ مختلف ہاتھ اور پاؤں کے پانچ ناخن کاٹے تو شیخین کے نزدیک اس پر صدقہ لازم ہوگا۔ اور امام محمد کے نزدیک اس پر دم لازم ہوگا۔

وجہ شیخین فرماتے ہیں کہ مختلف ہاتھ، پیر سے ناخن کاٹنا زینت نہیں ہے بلکہ بدنمائی ہے اور شریعت میں احرام کے موقع پر زینت جائز نہیں ہے اور یہ بدنمائی ہوگی اس لئے اس کو پورے بیس ناخنوں کی چوتھائی قرار نہیں دیا جا سکتا اس لئے صدقہ لازم ہوگا۔

(ب) حضرت حسن اور عطا نے فرمایا اگر ناخن ٹوٹ جائے تو کاٹ دے جہاں سے ٹوٹا ہے تو اس پر کچھ نہیں ہے۔ پس اگر ناخن ٹوٹنے سے پہلے اس کو کاٹ دے تو اس پر دم لازم ہے۔

[۷۲۴](۱۱) وان تطیب او حلق او لبس من عذر فهو مخیر ان شاء ذبح شاۃ وان شاء تصدق علی ستة مساكين بثلثة اصوع من الطعام وان شاء صام ثلثة ايام[۷۲۵] (۱۲) وان قبل او لمس بشهوة فعليه دم انزل او لم ينزل[۷۲۶] (۱۳) ومن جامع فی احد السبيلين

وجہ امام محمد فرماتے ہیں کہ مختلف ہاتھ پاؤں کے پانچ ناخن ہوں یا ایک ہاتھ کے، ہے یہ پورے ناخنوں کی چوتھائی اس لئے چوتھائی کو کل کے حکم کے قائم مقام کرتے ہوئے ایک دم لازم ہوگا (۲) جس طرح سر کے بال مختلف جگہ سے چوتھائی سر کاٹے تو ایک دم لازم ہوتا ہے۔

[۷۲۴] (۱۱) اگر عذر کی وجہ سے خوشبو لگائی یا حلق کرایا یا سلا ہوا کپڑا پہنا تو اس کو اختیار ہے چاہے بکری ذبح کرے اور چاہے تو چھ مسکین پر تین صاع کھانا صدقہ کرے اور چاہے تو تین روزے رکھے۔

وجہ آیت میں موجود ہے کہ عذر کی وجہ سے سر منڈوایا تو ان تینوں میں سے ایک کام کرنے کا اختیار ہے یا بکری ذبح کرے یا تین صاع گیہوں چھ مسکین پر صدقہ کرے یا تین روزے رکھے (۲) آیت یہ ہے فمن كان منكم مريضا او به اذى من رأسه ففدية من صيام او صدقة او نسک (الف) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ذکر ہے کہ سر میں تکلیف ہو تو سر منڈوادے اور تینوں کاموں سے ایک کرے (۳) حدیث میں ہے ان كعب بن عجرة حدثه قال وقف على رسول الله بالحديبية ورأسي يتهافت قملا فقال يوذيک هو امک؟ قلت نعم قال فاحلق رأسک او احلق قال فی نزلت هذه الآية فمن كان منكم مريضا الخ فقال النبی ﷺ صم ثلثة ايام او تصدق بفرق بين ستة او نسک مما تيسر (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ او صدقة وھی ستة مساكين ص ۲۴۴ نمبر ۱۸۱۵ مسلم شریف، باب جواز حلق الرأس للمحرم اذا کان بہ اذی ص ۳۸۲ نمبر ۱۲۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عذر ہو اور خلاف احرام کام کیا تو صدقہ، روزہ یا ہدی میں سے کوئی ایک کرنے کا اختیار ہے۔

[۷۲۵] (۱۲) اگر بیوی کو بوسہ لے لیا یا شہوت سے چھو لیا تو اس پر دم لازم ہے انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

وجہ اثر میں ہے عن ابی جعفر عن علی قال من قبل امرأته وهو محرم فليهرق دما (ج) (سنن للبیہقی، باب المحرم یصیب امرأتہ مادون الجماع ج خامس ص ۲۷۵، نمبر ۹۷۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت کو بوسہ لے لے تو دم لازم ہوگا (۲) امام محمد کے کتاب الآثار ص ۵۳ پر بھی ابن عباس کا اثر ہے کہ دم لازم ہوگا۔

[۷۲۶] (۱۳) وقوف عرفہ سے قبل جس نے دونوں راستوں میں سے ایک میں جماع کیا تو اس کا حج فاسد ہو گیا اور اس پر بکری لازم ہے۔ اور

حاشیہ : (الف) پس تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دینا ہے روزہ سے یا صدقہ دینے سے یا ذبح کرنے سے (ب) کعب بن عجرۃ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ میں حضورؐ میرے سامنے آئے اور میرے سر پر جوئیں رینگ رہی تھی۔ تو آپؐ نے فرمایا کیا جوئیں تم کو تکلیف دے رہی ہے؟ میں نے کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا اپنے سر کا حلق کرالو یا یوں فرمایا حلق کرالو۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں فمن كان منكم مريضا نازل ہوئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تین روز روزے رکھو یا ایک فرق چھ مسکین میں تقسیم کردیا جو آسان ہو اس کو ذبح کرو (ج) حضرت علی سے روایت ہے فرمایا جس نے احرام کی حالت میں بیوی کو بوسہ دیا تو خون بہائے یعنی دم دے۔

قبل الوقوف بعرفة فسد حجه و عليه شاة ويمضى فى الحج كما يمضى من لم يفسد حجه وعليه القضائط.

وہ حج میں گزرتا رہے جیسے وہ گزرتا ہے جس نے حج فاسد نہیں کیا اور اس پر قضا ہے۔

تشریح کسی نے حج کا احرام باندھا پھر آگے یا پیچھے کے مقام میں جماع کیا تو حج فاسد ہو جائے گا۔ البتہ وہ اسی احرام کے ساتھ عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور جو جو کام حاجی کرتے ہیں وہی کام یہ کرتا رہے اور آئندہ سال حج کی قضا کرے۔ اور حج کے توڑنے کی وجہ سے بکری لازم ہوگی۔ بکری اس لئے لازم ہوگی کہ حج کی قضا لازم ہوگی تو جنایت اتنی شدید نہیں رہی بلکہ ہلکی ہوگئی، اور وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو حج مکمل ہو گیا اس لئے اس کی قضا نہیں ہے اس لئے جنایت شدید نہیں رہی اس لئے اونٹ لازم ہوگا وجہ حدیث میں ہے اخبرنی يزيد بن نعيم ان رجلا من جذام جامع امرأته وهما محرمان فسأل الرجل رسول الله ﷺ فقال لهما اقضيا نسككما واهديا هديا ثم ارجعا حتى اذا جئتما المكان الذى اصبتما فيه ما اصبتما فتفرقا ولا يرى واحد منكما صاحبه و عليكما حجة اخرى فتقبلان حتى اذا كنتما بالمكان الذى اصبتما فيه ما اصبتما فاحرما واتما نسككما و اهديا (الف) (سنن للبیھقی، باب مایفسد الحج خامس ص۲۷۲، نمبر ۹۷۷۸) (۲) عن ابن عباس فى رجل وقع على امرأته وهو محرم قال اقضيا نسككما وارجعا الى بلدكما فاذا كان عام قابل فاخرجا حاجين فاذا احرمتما فتفرقا ولا تلقيا حتى تقضيا نسككما واهديا هديا (سنن للبیھقی، باب مایفسد الحج خامس ص۲۷۳، نمبر ۹۷۸۲) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ وقوف عرفہ سے پہلے جماع کر کے حج فاسد کر دیا تو اگلے سال قضا کرنا ہوگا اور ہدی دینا ہوگا۔ حج فاسد ہونے کی دلیل یہ حدیث بھی ہے عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من ادرک عرفات فوقف بها والمزدلفة فقدتم حجه ومن فاته عرفات فقد فاته الحج فليحل بعمرة وعليه الحج من قابل (دارقطنی، کتاب الحج نمبر ۲۴۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقوف عرفہ سے پہلے حج فاسد ہو جائے تو عمرہ کر کے حلال ہو اور آئندہ سال حج کرے۔ اور چونکہ ہدی مطلق ہے اس لئے بکری سے کام چل جائے گا (۳) حج فاسد ہونے کا اشارہ آیت سے بھی ملتا ہے فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (آیت ۱۹۷ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جماع کی بات بھی نہ کرے اور اس نے جماع کر لیا اس لئے حج فاسد ہو جائے گا۔ مطلق ہدی سے بکری مراد ہوتی ہے حدیث میں ہے عن كعب بن عجرة ان رسول الله راه وانه يسقط على وجهه ... او يهدى شاة او يصوم ثلثة ايام (ب) بخاری شریف، باب النسک شاۃ ص ۲۴۴ کتاب العمرۃ نمبر ۱۸۱۷) اس حدیث میں بکری کو ہدی کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مطلقا ہدی کہا جائے تو اس سے بکری مراد ہوتی ہے۔

حاشیہ: (الف) قبیلہ جذام کے ایک آدمی نے اپنی بیوی سے جماع کیا اور وہ دونوں محرم تھے۔ اس آدمی نے حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے دونوں سے فرمایا، دونوں حج کی قضا کریں، اور دونوں ہدی دیں، پھر گھر لوٹ جائیں، یہاں تک کہ جب اس مکان پر آئیں جس میں یہ حرکتیں کی ہیں تو دونوں الگ الگ ہو جائیں اور دونوں میں سے کوئی دوسرے کو نہ دیکھے اور تم دونوں پر دوسرا حج ہے۔ پس دونوں آؤ یہاں تک کہ جب اس مکان پر آؤ جہاں یہ مصیبت پہنچی ہے تو دونوں احرام باندھو اور دونوں حج پورا کرو (ب) آپؐ نے کعب بن عجرہ کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر جوئیں گر رہی ہیں، آپ نے فرمایا ایک بکری ہدی دیں یا تین دن روزے رکھیں۔

[۷۲۷](۱۴) ولیس علیہ ان یفارق امرأته اذا حج بها فی القضاء عندنا[۷۲۸] (۱۵) ومن جامع بعد الوقوف بعرفة لم یفسد حجه وعلیه بدنة[۷۲۹] (۱۶) ومن جامع بعد

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اونٹ لازم ہوگا۔ جس طرح وقوف عرفہ کے بعد جماع کرے تو اونٹ لازم ہوتا ہے۔

[۷۲۷] (۱۴) اور اس پر لازم نہیں ہے کہ بیوی کو جدا کرے جبکہ بیوی کے ساتھ قضاء حج کر رہا ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح جس وقت فاسد شدہ حج کی قضا کر رہا ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس حج میں بیوی کو جدا کرنا ضروری نہیں ہے۔ ساتھ رکھے گا تب بھی حج ادا ہو جائے گا۔

وجہ اوپر کی حدیث میں احرام باندھنے سے لیکر طواف زیارت تک بیوی کو جدا رکھنے کا حکم ہے وہ احتیاط کے لئے ہے تاکہ دوبارہ بیوی کے ساتھ جماع نہ کر بیٹھے۔ یہ احتیاط کرلے تو بہتر ہے۔ لیکن اگر بیوی کو ساتھ رکھے تو حج پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ اثر میں ہے۔ عن مجاهد وعطاء قالا وعليهما الحج من قابل ولا يفترقان (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۵۸ فی الرجل یواقع اهله وهو محرم، ج ثالث، ص ۱۶۰، نمبر ۱۳۰۸۵)

فائدہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک یہ ہے کہ احرام باندھنے کے بعد سے طواف زیارت تک بیوی کو جدا رکھے۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے جس میں حکم ہے کہ بیوی کو حج کی قضا کرتے وقت علیحدہ رکھے۔

[۷۲۸] (۱۵) جس نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو اس کا حج فاسد نہیں ہوگا اور اس پر اونٹ لازم ہے۔

تشریح وقوف عرفہ کے بعد اور حلق سے پہلے بیوی سے جماع کیا تو حج تو ہو گیا کیونکہ وقوف عرفہ تو کر لیا ہے لیکن حلق سے پہلے بیوی حلال نہیں تھی اور نہ سلا ہوا کپڑا اور خوشبو حلال تھے اس لئے اس وقت جماع کیا تو جنایت سنگین ہے اس لئے اونٹ ذبح کرنا ہوگا۔

وجہ (۱) عن ابن عباس ان رجلا اصاب من اهله قبل ان يطوف بالبيت يوم النحر فقال ينحران جزورا بينهما وليس عليهما الحج من قابل (الف) (سنن للبیہقی، باب الرجل یصیب امرأته بعد التحلل الاول وقبل الثانی ج خامس ص ۲۷۹، نمبر ۹۸۰۱ رموطا امام مالک باب ھدی من اصاب اهله قبل ان یفیض ص ۴۰۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ ،۵۹ کم علیہما ھدی واحدا او اثنین؟، ج ثالث، ص ۱۶۱، نمبر ۱۳۰۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقوف عرفہ کے بعد اور حلق سے پہلے جماع کرلے تو بدنہ یعنی اونٹ لازم ہوگا اور حج مکمل ہو جائے گا۔ اس کی قضا لازم نہیں ہے (۲) وقوف عرفہ کے بعد جماع کرنے سے حج فاسد نہیں ہوگا اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۳ کی دار قطنی کی حدیث بھی ہے من ادرک عرفات فوقف بها والمزدلفة فقد تم حجه (دار قطنی نمبر ۲۴۹۷ رترمذی شریف نمبر ۸۸۹)

[۷۲۹] (۱۶) جس نے حلق کرانے کے بعد جماع کیا اس پر بکری لازم ہے۔

تشریح حج میں حلق کرا چکا تھا لیکن ابھی طواف زیارت نہیں کیا تھا اور جماع کر لیا تو چونکہ ابھی عورت حلال نہیں ہوئی تھی اس لئے دم لازم ہوگا۔ لیکن خوشبو اور سلا ہوا کپڑا حلال ہو چکے تھے اس لئے جنایت میں تخفیف ہوگئی۔ اس لئے اونٹ کی بجائے بکری لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) ابن عباس نے فرمایا کوئی آدمی دسویں ذی الحجہ کو بیت اللہ کے طواف سے پہلے جماع کرلے تو فرمایا کہ دونوں اونٹ ذبح کرے اور دونوں پر اگلے سال حج کرنا ضروری نہیں ہے۔

الحلق فعلیه شاة [۷۳۰](۱۷) ومن جامع فی العمرة قبل ان یطوف اربعة اشواط افسدها ومضی فیها وقضاها وعلیه شاة[۷۳۱] (۱۸) وان وطئ بعد ما طاف اربعة اشواط فعلیه

وجہ حضرت عبداللہ بن عباس کے اثر میں اس کا اشارہ ملتا ہے عن ابن عباس انه قال فی الذی یصیب اهله قبل ان یفیض یعتمر ویهدی (الف) (سنن للبیهقی، باب الرجل یصیب امرأته بعد التحلل الاول وقبل الثانی ج خامس ص ۲۷۹، نمبر ۹۸۰۲) اس اثر میں ہدی مطلق ہے اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حلق کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے جماع کیا تو مطلق ہدی سے بکری مراد ہے۔

[۷۳۰](۱۷) جس نے چار شوط طواف کرنے سے پہلے عمرہ میں جماع کیا تو اس نے عمرہ فاسد کر دیا اس لئے وہ عمرہ میں گزرتا رہے گا اور اس کو قضا کرے گا اور اس پر ایک بکری لازم ہے۔

تشریح چار شوط طواف کر لے تو سات طواف میں سے اکثر ہو گیا تو گویا کہ فرض کی ادائیگی ہو گئی۔ لیکن اگر چار شوط سے کم طواف کیا تو گویا کہ طواف کیا ہی نہیں اور فرض کی ادائیگی نہیں ہوئی اس لئے اگر چار شوط سے پہلے جماع کر لیا تو عمرہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ سات شوط طواف عمرہ میں فرض ہیں اس لئے اس کی قضا لازم ہوگی۔ اور عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے بکری لازم ہوگی۔ بکری لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عمرہ حج سے کم درجہ کا ہے اس لئے کم درجہ کا دم لازم ہوگا۔

وجہ عن سعید بن جبیر ان رجلا اهل هو وامرأته جمیعا بعمرة فقضت مناسکها الا التقصیر فغشیها قبل ان تقصر فسئل ابن عباس عن ذلک فقال انها لشبقه ... وقال لها اهریقی دما قالت ماذا قال انحری ناقة او بقرة او شاة قالت ای ذلک افضل قال ناقة (ب) (سنن للبیهقی، باب المعتمر لایقرب امرأته ج خامس ص ۲۸۰، نمبر ۹۸۰۶) اس اثر میں ہے کہ حلق سے پہلے جماع کیا تو دم لازم ہوگا۔ اسی طرح طواف کرنے سے پہلے جماع کیا تو عمرہ فاسد ہوگا۔ اور اس کی قضا کرنی ہوگی اور دم بھی لازم ہوگا۔ کیونکہ جب حلق سے پہلے جماع کرنے سے دم لازم ہوا تو طواف کرنے سے پہلے بدرجۂ اولی دم لازم ہوگا۔ اور جس طرح وقوف عرفہ سے پہلے جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے اسی طرح عمرہ میں طواف کرنے سے پہلے جماع کرنے سے عمرہ فاسد ہو جائے گا۔

فائدہ امام شافعی کے نزدیک عمرہ فاسد ہونے میں بھی اونٹ لازم ہوگا۔ جس طرح حج فاسد ہونے میں اونٹ لازم ہوتا ہے۔ کیونکہ اوپر کے اثر میں اونٹ کا تذکرہ ہے۔

[۷۳۱](۱۸) اور اگر عمرہ میں چار شوط طواف کرنے کے بعد جماع کیا تو اس پر بکری لازم ہے اور اس کا عمرہ فاسد نہیں ہوگا اور نہ اس کی قضا لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا جو طواف زیارت سے پہلے جماع کر لے وہ عمرہ کرے گا اور ہدی دے گا (ب) سعید بن جبیر فرماتے ہیں ایک آدمی اور اس کی بیوی دونوں نے عمرہ کا احرام باندھا پھر سارے مناسک ادا کیا سوائے تقصیر کرانے کے، پس تقصیر سے پہلے اس سے جماع کر لیا پس ابن عباس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اس نے جماع جلدی کیا... ابن عباس نے عورت سے فرمایا خون بہاؤ۔ عورت پوچھنے لگی کیا ذبح کروں؟ فرمایا اونٹ یا گائے یا بکری۔ پوچھا کیا افضل ہے؟ فرمایا اونٹ۔

شاة ولا تفسد عمرته ولا يلزمه قضاؤها[۷۳۲] (۱۹) ومن جامع ناسيا كمن جامع عمدا في الحكم[۷۳۳] (۲۰) ومن طاف طواف القدوم محدثا فعليه صدقة .

تشریح عمرہ میں سات شوط طواف کرنا فرض ہے۔البتہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا حنفیہ کے نزدیک فرض نہیں ہے واجب ہے۔اس لئے چار شوط جو سات کے آدھے کا اکثر ہے کرلیا تو گویا کہ عمرہ کا رکن طواف کرلیا اس لئے عمرہ فاسد نہیں ہوگا۔لیکن سعی کرنا اور حلق کرنا باقی ہے اور جماع کرلیا اس لئے اس پر دم لازم ہوگا۔

وجہ اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

فائدہ امام شافعی کے نزدیک چار شوط طواف کے بعد جماع کیا تب بھی عمرہ فاسد ہو جائے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے سألنا جابر بن عبد الله فقال لا يقربنها حتى يطوف بين الصفا والمروة(الف) بخاری شریف، باب متی یحل المعتمر ص ۲۴۱ نمبر ۱۷۹۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صفا اور مروہ کی سعی سے قبل جماع نہ کرے اور کرلیا تو گویا کہ فرض چھوڑا اس لئے عمرہ فاسد ہوگا۔

[۷۳۲] (۱۹) جس نے بھول کر جماع کیا تو اس کا حکم ایسا ہے جیسے جان کر جماع کیا۔

تشریح جان کر جماع کرنے سے جو جنایت لازم ہوتی ہے حج اور عمرہ میں بھول کر جماع کرنے سے بھی وہی جنایت لازم ہوگی۔یعنی حج اور عمرہ میں بھول کر اور جان کر جنایت کرنے کا حکم ایک ہے۔

وجہ (۱) نصوص عام ہیں ان میں جان کر،اور بھول کر کرنے میں فرق نہیں کیا گیا ہے اس لئے دونوں کے احکام ایک ہوں گے۔صرف روزے میں بھول کر کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔وہاں اس کی تصریح کر دی گئی ہے (۲) حج اور عمرہ کی حالت یاد دلانے والی ہے س لئے ان میں بھول کا اعتبار نہیں ہے (۳) ان میں جنایت کا مدار ارتفاق اور فائدہ حاصل کرنے پر ہے،اور فائدہ حاصل کیا ہے چاہے بھول کر کیا ہو اس لئے دم لازم ہوگا۔(۴) بھول کر اور جان کر دونوں کا حکم ایک ہے اس کے لئے یہ اثر ہے قال مالک ... او يحلق قفاه لموضع المحاجم وهو محرم ناسيا او جاهلا ان من فعل شيئا من ذلك فعليه في ذلك كله الفدية موطا امام مالک باب فدية من حلق قبل ان ينحر (ص ۴۵۰) عن الحسن وعطاء انهما قالا في ثلاث شعرات دم الناسي والمعتمد فيها سواء (سنن للبیہقی، باب المحرم لا یحلق شعرہ ج خامس ص ۹۸، نمبر ۹۱۲۴ ر دار قطنی، نمبر ۲۵۱۲) ان اثر میں بھول اور جان کر جنایت کرنے کو برابر قرار دیا گیا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھول کر کرنے سے جنایت لازم نہیں ہوگی۔ان کے نزدیک بھول سے کچھ لازم نہیں ہوتا کیونکہ امت سے خطا اور نسیان معاف کر دیا گیا ہے۔اس کی دلیل اوپر گزر چکی ہے۔

[۷۳۳] (۲۰) جس نے طواف قدوم محدث ہو کر کیا تو اس پر صدقہ ہے۔

حاشیہ : (الف) میں نے جابر بن عبداللہ سے پوچھا تو فرمایا کہ عورت کے قریب نہ جائے جب تک کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرلے۔

[۷۳۴](۲۱)وان کان جنبا فعلیه شاة [۷۳۵](۲۲) وان طاف طواف الزیارة محدثا فعلیه

تشریح طواف قدوم وضو کی حالت میں کرنا چاہئے لیکن کسی نے حدث کی حالت میں طواف قدوم کرلیا تو اس پر صدقہ لازم ہوگا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ طواف نماز کی طرح ہے اور نماز میں وضو ضروری ہے اس لئے طواف میں بھی وضو ضروری ہوگا۔ اس لئے اگر بغیر وضو کے طواف قدوم کیا تو صدقہ لازم ہوگا۔ حدیث میں ہے **عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال الطواف حول البیت مثل الصلوۃ الا انکم تتکلمون فیه فمن تکلم فیه فلا یتکلم الا بخیر** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الکلام فی الطواف ص ۱۹۰ حدیث نمبر ۹۶۰ رنسائی شریف، باب اباحۃ الکلام فی الطّواف ج ثانی ص ۲۸ نمبر ۲۹۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف نماز کی طرح ہے اس لئے طواف میں بھی وضو شرط ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے **عن عائشة انها قالت قدمت مکة وانا حائض ولم اطف بالبیت ولا بین الصفا والمروة قالت فشکوت ذلک الی رسول الله فقال افعلی کما یفعل الحاج غیر ان لا تطوفی بالبیت حتی تطهری** (ب) (بخاری شریف، باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطّواف بالبیت ص ۲۲۳ نمبر ۱۶۵۰) اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ طہارت کے بغیر طواف نہ کرے۔

نوٹ تاہم طواف کی ادائیگی ہو جائے گی۔ کیونکہ قرآن نے جو طواف کا تذکرہ کیا ہے اس میں طہارت کی شرط نہیں لگائی ہے اس لئے بغیر وضو کے طواف کیا تو طواف ادا ہو جائے گا۔ آیت ہے **ولیطوفوا بالبیت العتیق** (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں طواف کرنے کا حکم دیا لیکن طہارت کی شرط نہیں لگائی اس لئے بغیر طہارت کے بھی طواف ہو جائے گا البتہ صدقہ یا دم لازم ہوگا۔

نوٹ صدقہ سے مراد صدقۃ الفطر کی مقدار آدھا صاع ہے۔ کیونکہ مطلق صدقہ سے صدقۃ الفطر کی مقدار مراد ہوتی ہے۔

[۷۳۴](۲۱) اور اگر طواف قدوم جنبی ہو کر کرلیا تو اس پر بکری لازم ہے۔

وجہ جنابت کی حالت میں طواف قدوم کیا تو طواف میں حدث کی بنسبت زیادہ نقص ہوا اس لئے بکری لازم ہوگی۔ باقی وجہ مسئلہ نمبر ۲۰ میں گزر چکی (۲) دم لازم ہونے کی دلیل یہ اثر ہے **ان عبد الله بن عباس قال من نسی من نسکه شیئا او ترکه فلیهرق دما** (الف) (موطا امام مالک، باب ما یفعل من نسی من نسکہ شیئا ص ۴۵۰ رسنن للبیھقی، باب من ترک شیئا من الرمی حتی یذھب ایام منی، ج خامس، ص ۱۵۲ ردار قطنی، ج ثانی ص ۲۱۵ نمبر ۲۵۱۲ر۲۵۱۴) اس اثر میں ہے کہ کچھ چھوٹ جائے تو دم لازم ہوگا۔ اور جنابت کی حالت میں طواف کرنا سے گویا کہ طواف چھوٹ گیا اس لئے دم لازم ہوگا۔

[۷۳۵](۲۲) اور اگر طواف زیارت محدث ہو کر کیا تو اس پر بکری لازم ہے۔

وجہ چونکہ طواف زیارت اہم ہے اور فرض ہے اور اس کو محدث ہو کر کرلیا تو کمی رہی اس لئے اس کمی کو بکری ذبح کر کے پوری کرے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بیت اللہ کے ارد گرد طواف نماز کی طرح ہے۔ مگر یہ کہ تم طواف میں بات کرتے ہو تو جو طواف کے دوران بات کرے وہ خیر ہی کی بات کرے (ب) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں مکہ آئی اس حال میں کہ میں حائضہ تھی، نہ بیت اللہ کا طواف کر پائی اور نہ صفا مروہ کا۔ میں نے حضور کو اس کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا جیسا حاجی کرتے ہیں ویسا ہی کرو علاوہ یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو جب تک کہ پاک نہ ہو جاؤ۔

شاة[۷۳۶](۲۳) وان کان جنبا فعلیه بدنة والافضل ان یعید الطواف مادام بمکة ولا ذبح علیه[۷۳۷] (۲۴) ومن طاف طواف الصدر محدثا فعلیه صدقة وان کان جنبا فعلیه شاة [۷۳۸](۲۵) وان ترک طواف الزیارة ثلثة اشواط فمادونها فعلیه شاة[۷۳۹] (۲۶) وان ترک اربعة اشواط بقی محرما ابدا حتی یطوفها.

---

[۷۳۶](۲۳)اور اگر طواف زیارت جنبی ہو کر کر لیا تو اس پر اونٹ لازم ہے۔اور افضل یہ ہے کہ طواف کو لوٹا لے جب تک مکہ میں رہے۔ پھر اس پر ذبح نہیں ہے۔

تشریح اگر طواف لوٹایا تو دم لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس میں نقص تھا اس کو پورا کر لیا اس لئے دم لازم نہیں ہوگا۔اور افضل یہی ہے کہ ایسے نقص والے طواف کو دوبارہ کر لے۔

نوٹ طواف زیارت کو جنبی ہو کر کیا تو یہ بڑی جنایت ہے اس لئے اس میں دم بھی بڑا یعنی اونٹ لازم ہوگا۔

[۷۳۷](۲۴) جس نے طواف وداع حدث کی حالت میں کیا اس پر صدقہ ہے اور اگر جنابت کی حالت میں کیا تو اس پر بکری ہے۔

وجہ طواف وداع طواف زیارت سے کم درجہ ہے اس لئے اس کا حکم طواف قدوم کی طرح ہوگا۔یعنی حدث کی حالت میں کیا تو صدقہ لازم ہوگا اور جنابت کی حالت میں کیا تو بکری لازم ہوگی۔ کیونکہ جنابت کی حالت میں جنایت زیادہ ہے۔

لغت طواف صدر : طواف وداع جو آخری وقت میں کیا جاتا ہے،اس کو طواف صدر بھی کہتے ہیں۔

[۷۳۸](۲۵) اگر طواف زیارت میں سے تین شوط یا اس سے کم چھوڑ دیئے تو اس پر بکری ہے۔

تشریح طواف زیارت فرض ہے۔پس اگر زیادہ شوط یعنی چار شوط طواف کیا اور اس سے کم چھوڑے تو اس پر بکری لازم ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے ان عبد اللہ بن عباس قال من نسی من نسکه شیئا او ترکه فلیهرق دما (الف)(موطا امام مالک، باب ما یفعل من نسی من نسکه شیئا ص ۴۵۰ ،سنن للبیھقی ، باب من ترک شیئا من الرمی حتی یذھب ایام منی ، ج خامس ص ۲۴۸، نمبر ۹۶۸۸ ،سنن دار قطنی ، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۵ نمبر ۲۵۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نسک میں سے کچھ چھوٹ جائے تو دم لازم ہوگا۔اور یہاں فرض طواف میں سے چھوٹا ہے اس لئے دم لازم ہوگا۔

[۷۳۹](۲۶) اگر طواف زیارت میں سے چار شوط چھوڑ دیئے تو ہمیشہ محرم باقی رہے گا یہاں تک کہ طواف کرے۔

تشریح طواف زیارت میں سے چار شوط نہیں کیا تو اکثر طواف نہیں کیا تو گویا کہ طواف کیا ہی نہیں اس لئے جب تک طواف فرض نہ کرے بیوی کے بارے میں محرم ہی باقی رہے گا کیونکہ جب تک طواف زیارت نہ کرے آدمی کے لئے بیوی حلال نہیں ہوتی۔

وجہ اثر میں ہے۔حدثنا ابی الزناد عن الفقهاء الذین ینتهی الی قولهم من اهل المدینة کانوا یقولون من نسی ان یفیض

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا جو حج کی عبادت میں سے کچھ بھول جائے یا اس کو چھوڑ دے تو اس کو خون بہانا چاہئے۔

[۷۴۰] (۲۷) ومن ترک ثلثة اشواط من طواف الصدر فعلیه صدقة[۷۴۱](۲۸) وان ترک طواف الصدر او اربعة اشواط منه فعلیه دم[۷۴۲] (۲۹) ومن ترک السعی بین الصفا والمروة فعلیه شاة وحجه تام [۷۴۳](۳۰) ومن افاض من عرفات قبل الامام فعلیه

حتی رجع الی بلادہ فھو حرام حین یذکر حتی یرجعُ الی البیت فیطوف به،فان اصاب النساء اھدی بدنة (سنن للبیہقی ، باب التحلل بالطّواف اذا کان قد سعی عقیب طواف القدوم، ج خامس، ص ۲۳۸،نمبر ۹۶۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت نہ کیا ہو تو ہمیشہ باقی رہے گا اور اس درمیان بیوی سے صحبت کی تو اونٹ کا دم دینا ہوگا۔

[۷۴۰] (۲۷) کسی نے طواف وداع کے تین شوط چھوڑے تو اس پر صدقہ ہے۔

وجہ طواف وداع واجب ہے اور تین شوط یا اس سے کم چھوڑا ہے تو گویا کہ طواف وداع ادا کر دیا اس لئے تین شوط چھوڑنے میں صدقہ لازم ہوگا۔

[۷۴۱] (۲۸) اگر طواف صدر چھوڑ دیا یا اس کے چار شوط چھوڑ دیئے تو اس پر بکری لازم ہے۔

تشریح چار شوط چھوڑے تو گویا کہ پورا طواف صدر چھوڑ دیا۔ اور طواف صدر واجب ہے اس لئے اس کے چھوڑنے سے بکری لازم ہوگی۔

وجہ بکری لازم ہونے کی وجہ عبداللہ بن عباس کا قول ہے جو اوپر گزر چکا ہے (دار قطنی نمبر ۲۵۱۲)

[۷۴۲] (۲۹) کسی نے صفا اور مروہ کی سعی چھوڑ دی تو اس پر بکری لازم ہے اور اس کا حج مکمل ہو گیا۔

وجہ سعی واجب ہے۔ اس لئے اس کے چھوڑنے سے دم واجب ہوگا۔ پہلے عبداللہ بن عباس کا قول گزر چکا ہے (دار قطنی نمبر ۲۵۱۲/۲۵۱۴) کہ نسک چھوڑنے سے دم لازم آتا ہے۔ اور حج اس لئے مکمل ہو جائے گا کہ تمام فرائض ادا ہو گئے اور سعی ہمارے نزدیک واجب ہے اس لئے حج مکمل ہو جائے گا۔ اثر میں ہے عن الحسن فی الرجل یترک الصفا والمروة قال علیه دم (مصنف ابن ابی شیبة ۲۳۴ فی الرجل یترک الصفا والمروة ما علیه، ج ثالث، ص ۲۶۹، نمبر ۱۴۲۰۰)

[۷۴۳] (۳۰) جو عرفات سے امام سے پہلے نکل جائے اس پر دم ہے۔

تشریح امام ٹھیک غروب آفتاب کے بعد نکلیں، پس اگر کوئی آدمی امام سے پہلے نکلا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ غروب آفتاب سے پہلے نکلا۔ اس لئے غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے نکلا تو اس پر دم لازم ہوگا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضور غروب آفتاب کے بعد عرفات سے نکلے تھے قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ... فلم یزل واقفا حتی غربت الشمس وذھبت الصفرة قلیلا حتی غاب القرص (الف) (مسلم شریف، باب حجة النبی ﷺ ص ۳۹۸ نمبر ۱۲۱۸/ ترمذی شریف، باب ما جاء ان عرفة کلھا موقف ص ۱۷۷ نمبر ۸۸۵) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور مغرب کے بعد عرفات سے چلے تھے اور

حاشیہ : (الف) آپ سورج غروب تک وقوف عرفہ کرتے رہے اور تھوڑی زردی چلی گئی یہاں تک کہ سورج کی ٹکیہ غائب ہو گئی۔

دم[۷۴۴] (۳۱) ومن ترک الوقوف بمزدلفة فعلیه دم [۷۴۵](۳۲) ومن ترک رمی

مغرب سے پہلے کوئی عرفات سے نکلا تو گویا کہ نسک کی تقدیم کی تو نسک کی تقدیم کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ **عن ابن عباس قال من قدم شیئا من حجه او اخره فلیهرق لذلک دما** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۵۳ فی الرجل یحلق قبل ان یذبح، ج ثالث، ص ۳۴۵، نمبر ۱۴۹۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نسک مقدم مؤخر کرنے سے دم لازم ہوگا۔ اور یہاں نکلنے کو مقدم کیا اس لئے دم لازم ہوگا۔

نوٹ غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے باہر نکلا گیا پھر غروب سے پہلے عرفات میں آ گیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔

[۷۴۴] (۳۱) جس نے مزدلفہ کا وقوف چھوڑا اس پر دم لازم ہے۔

وجہ مزدلفہ کا وقوف واجب ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ واجب چھوڑنے سے دم لازم ہوتا ہے۔ اس لئے مزدلفہ کا وقوف چھوڑنے سے دم لازم آئے گا۔ مزدلفہ میں وقوف واجب ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے **فاذا افضتم من عرفات فاذکروا الله عند المشعر الحرام** (ب) (آیت ۱۹۸ سورۃ البقرۃ ۲) (اس آیت میں امر کا صیغہ ہے کہ مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور مشعر حرام مزدلفہ میں ہے اس لئے مزدلفہ کا وقوف واجب ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عروۃ بن مضرس قال اتیت رسول الله بالمزدلفة ... فقال رسول الله من شهد صلوتنا هذه ووقف معنا حتی یدفع وقدوقف بعرفة قبل ذلک لیلا او نهارا فقدتم حجه وقضی تفثه** (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء من ادرک الامام بجمع فقدادرک الحج ص ۱۷۹ نمبر ۸۹۱) اس حدیث میں ہے کہ جو مزدلفہ کی نماز مین حاضر ہوا اور وہاں کا وقوف کیا اور اس سے پہلے عرفہ کا وقوف کیا تو حج مکمل ہو گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وقوف مزدلفہ واجب ہے۔ اور حضرت ابن عباس کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ واجب چھوڑنے سے دم لازم ہوگا (دار قطنی ج ثانی ص ۲۱۵ نمبر ۲۵۱۲/۲۵۱۴)

[۷۴۵] (۳۲) کسی نے تمام دنوں کی رمی جمار چھوڑ دی تو اس پر دم ہے۔ اور اگر ایک دن کی تمام رمی چھوڑ دی تب بھی اس پر دم ہے۔

وجہ ہر دن کی الگ الگ رمی جمار واجب ہے اس لئے اگر ایک دن کی تمام رمی چھوڑ دی تو دم لازم ہوگا۔ لیکن اگر تینوں دنوں کی تمام رمی چھوڑ دی تو ایک دوسرے میں تداخل ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک ہی قسم کی جنایت ہے اس لئے تمام رمی کو چھوڑنے پر ایک ہی دم لازم ہوگا۔ رمی جمار واجب ہے اس لئے اس کے چھوڑنے پر دم لازم ہوگا۔ اثر میں ہے **عن الزهری عن ابان ابن عثمان قال والله ان الصلوة لتقضی فکیف لا تقضی رمی الجمار** (د) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۰۵ فی الرجل ینسی ان یرمی الجمار یقضیه او یهرق دما، ج ثالث ص ۳۷۹، نمبر ۱۵۳۰۲) اس اثر سے رمی جمار کی اہمیت معلوم ہوتی ہے (۲) **عن عطاء بن ابی رباح انه قال من نسی جمرة واحدة او الجمار کلها حتی یذهب ایام التشریق فدم واحد یجزیه** (ہ) (سنن للبیہقی، باب من ترک شیئا من الرمی حتی یذهب ایام منی ص ۲۴۸،

حاشیہ: (الف) عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کسی نے حج میں سے کچھ مقدم کیا یا مؤخر کیا تو اس کی وجہ سے خون بہائے (ب) جب تم عرفات سے چلو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو (ج) آپ نے فرمایا جو اس نماز میں حاضر ہو اور ہمارے ساتھ یہاں سے چلنے تک ٹھہرا ہے اور اس سے پہلے رات مین یا دن میں عرفہ مین ٹھہرے تو اس کا حج پورا ہو گیا اور اس کی پراگندگی دور کرنی چاہئے (د) ابان بن عثمان نے فرمایا خدا کی قسم نماز قضا کرتے ہیں تو رمی جمار کیوں نہ قضا کی جائے (ہ) عطاء بن ابی رباح نے فرمایا جو ایک جمرہ بھول جائے یا تمام جمرات بھول جائے یہاں تک کہ ایام تشریق ختم ہو جائیں تو ایک دم سب کو کافی ہے۔

الجمار فی الایام کلها فعلیه دم [۷۴۶](۳۳) وان ترک رمی احدی الجمار الثلث فعلیه صدقة[۷۴۷] (۳۴) وان ترک رمی جمرة العقبة فی یوم النحر فعلیه دم[۷۴۸] (۳۵) ومن اخر الحلق حتی مضت ایام النحر فعلیه دم عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی.

نمبر۹۶۸۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ رمی چھوڑ دے تو دم لازم ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام رمی چھوٹ جائے تو تداخل ہو جائیں گے اور ایک ہی دم لازم ہوگا۔

[۷۴۶](۳۳)اور اگر تین رمی جمار میں سے ایک چھوڑ دیا تو اس پر صدقہ ہے۔

وجہ گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں کو تینوں کھمبوں کی رمی کی جاتی ہے۔ پس اگر تینوں میں سے ایک کھمبے کی رمی چھوڑ دی تو صدقہ لازم ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تین کھمبوں کے چھوڑنے پر دم ہے اور ایک کھمبا اس کا آدھا بھی نہیں ہے اس لئے صدقہ لازم ہوگا۔

[۷۴۷](۳۴)اگر دسویں تاریخ کو جمرہ عقبہ کی رمی چھوڑ دی تو اس پر دم ہے۔

وجہ دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ یعنی آخری کھمبے کی رمی کرتے ہیں اس لئے اگر دسویں کو جمرہ عقبہ کی رمی چھوڑ دی تو گویا کہ پورے ایک دن کی رمی چھوڑ دی اور پورے دن کی رمی چھوڑنے پر دم لازم ہوگا۔ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۳۲ میں حضرت عطاء کا قول گزر گیا ہے (۲) کسی نسک کے چھوڑنے پر دم لازم ہوگا اس کی دلیل دار قطنی نمبر ۲۵۱۲ میں گزر گئی)

[۷۴۸](۳۵) جس نے حلق کو مؤخر کیا یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے تو اس پر امام ابو حنیفہ کے نزدیک دم ہے۔

تشریح کسی نے حلق نہیں کرایا تھا یہاں تک کہ بارہویں تاریخ گزر گئی تو چونکہ وقت سے مؤخر کیا اس لئے دم لازم ہوگا۔

وجہ عن ابن عباس قال من قدم شیئا من حجه او اخره فلیهرق لذلک دما (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۵۳ فی الرجل یحلق قبل ان یذبح، ج ثالث، ص ۳۴۵، نمبر ۱۴۹۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی نسک وقت سے مؤخر کر دے تو اس پر دم لازم ہوگا۔ اور اس شخص نے حلق کو اپنے وقت سے مؤخر کیا اس لئے اس پر دم لازم ہوگا۔ حلق کے لئے ایام نحر متعین ہے۔ کیونکہ کوئی چیز وقت کے ساتھ عبادت ہوتی ہے وقت کے بعد نہیں۔ اس لئے وقت سے حلق مؤخر کرے گا تو دم لازم ہوگا۔ اثر میں ہے۔ عن عامر فی امرأة نسیت تقصر حتی خرجت، فقال عبد الرحمن بن الاسود وعامر تقصر وتهرق دما (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۵۶، نمبر فی الرجل والمرأة نسیا ان تقصرا (ج ثالث، ص ۴۰۱، نمبر ۱۵۵۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یوم نحر سے مؤخر کرنے سے دم لازم ہوگا۔ ترتیب واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث بھی ہے عن انس بن مالک ان رسول الله اتی منی فاتی الجمرة فرماها ثم اتی منزله بمنی ونحر ثم قال للحلاق خذ واشار الی جانبه الایمن (ب) (مسلم شریف، بیان ان السنة یوم النحر یرمی ثم ینحر ثم یحلق ص ۴۲۱ نمبر ۱۳۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ترتیب سے کرنا چاہئے۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا حج میں سے کسی نے کوئی چیز مقدم کی یا اس کو مؤخر کی تو اس کی وجہ سے خون بہائے (ب) حضور منی آئے۔ پس جمرہ کے پاس آئے اور اس کی رمی کی پھر منی میں اپنی جگہ پر آئے اور قربانی کی پھر سر مونڈنے والے سے کہا کہ لو اور دائیں جانب اشارہ فرمایا۔

[۷۴۹] (۳۶) وکذلک ان اخر طواف الزیارۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی.

فائدہ امام صاحبین کے نزدیک مقدم مؤخر کرنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال قال رجل للنبی ﷺ زرت قبل ان ارمی قال لا حرج قال حلقت قبل ان اذبح قال لا حرج قال ذبحت قبل ان ارمی قال لا حرج (الف) (بخاری شریف، باب الذبح قبل الحلق ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۲۲ رمسلم شریف، باب جواز تقدیم الذبح علی الرمی والحلق علی الذبح ص ۴۲۱ نمبر ۱۳۰۶) مسلم کی حدیث میں یہ زیادتی بھی ہے قال فما سئل رسول اللہ ﷺ عن شیء قدم ولا اخر الا قال افعل ولا حرج (نمبر ۱۳۰۶) اس حدیث میں ہے کہ کوئی عمل مقدم ومؤخر کرنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔اس لئے حلق کو ایام نحر سے مؤخر کرنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔

[۷۴۹] (۳۶) ایسے ہی اگر طواف زیارت ایام نحر سے مؤخر کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دم لازم ہوگا۔

وجہ اوپر حضرت عبد اللہ بن عباس کا قول گزر چکا ہے۔اس اثر میں بھی اس کا اشارہ ہے۔عن ابی الزناد عن الفقہاء الذین ینتھی الی قولھم من اھل المدینۃ کانوا یقولون من نسی ان یفیض حتی رجع الی بلادہ فھو حرام حین یذکر حتی یرجع الی البیت فیطوف بہ فان اصاب النساء اھدی بدنۃ (سنن للبیہقی، باب التحلل بالطواف اذا کان قد سعی عقیب طواف القدوم، ج خامس، ص ۲۳۸، نمبر ۹۶۵۰) اس میں ہے کہ بھول کر بھی طواف زیارت نہیں کیا اور بیوی سے مل لیا تو اونٹ لازم ہوگا۔اور صاحبینؒ کا مسلک یہ ہے کہ دم لازم نہیں ہوگا۔ان کی دلیل مسئلہ نمبر ۳۵ میں حدیث گزر چکی ہے (بخاری شریف، نمبر ۱۷۲۲ رمسلم شریف نمبر ۱۳۰۶)

﴿ شکار کا بیان ﴾

ضروری نوٹ احرام کی حالت میں خشکی کا شکار کرنا حرام ہے، البتہ سمندری شکار کرنا جائز ہے۔اور اگر کوئی محرم شکار کرے تو اس کو شکار کا بدلہ ادا کرنا ہوگا۔اس کی دلیل یہ آیت ہے یا ایھا الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتلہ منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم بہ ذوا عدل منکم ھدیا بالغ الکعبۃ او کفارۃ طعام مساکین او عدل ذلک صیاما (آیت ۹۴ سورۃ المائدۃ ۵) آیت میں ہے احل لکم صید البحر و طعامہ متاعا لکم وللسیارۃ وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما (ب) (آیت ۹۶ سورۃ المائدۃ ۵) ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے خشکی کا شکار کرنا حرام ہے اور سمندری جائز ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ شکار کرے گا تو اس کی جزا دینی ہوگی۔یا اس کے کفارہ کے طور پر مساکین کو کھلانا ہوگا یا اس کی قیمت لگا کر جو گیہوں ہو ہر آدھے ساع گیہوں کے بدلے میں ایک روزہ رکھے (۲) اس کے لئے حدیث یہ ہے عن عائشۃ ان رسول اللہ ﷺ قال خمس من الدواب کلھن فاسق یقتلھن فی الحرم الغراب والحدأۃ والعقرب والفارۃ والکلب العقور (الف) (بخاری شریف، باب

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے حضور سے کہا میں نے رمی سے پہلے طواف زیارت کر لیا۔آپ نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔کہا ذبح کرنے سے پہلے حلق کرا لیا۔آپؐ نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔کہا رمی کرنے سے پہلے ذبح کر لیا۔آپؐ نے فرمایا کچھ حرج نہیں ہے (ب) تمہارے لئے سمندری شکار حلال کیا گیا ہے اور اس کا کھانا تمہارے لئے اور مسافروں کے لئے سامان ہے۔اور خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم محرم ہو (الف) آپؐ نے فرمایا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۷۵۰](۳۷) واذا قتل المحرم صیدا او دل علیه من قتله فعلیه الجزاء وسواء فی ذلک العامد والناسی والمبتدی والعائد.

ما یقتل المحرم من الدواب ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۹ مسلم شریف، باب ما یندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الداب فی الحل والحرم ص ۳۸۱ نمبر ۲۸۶۳/۱۱۹۸) اس حدیث میں ان پانچ جانوروں کو احرام کی حالت میں مارنا جائز ہے تو معلوم ہوا کہ باقی شکاری جانور کو مارنا جائز نہیں ہے۔

[۷۵۰](۳۷) اگر محرم نے شکار کو قتل کر دیا یا ایسے آدمی کو بتایا جو اس کو قتل کرے تو اس پر شکار کا بدلہ ہے، اور اس بارے میں جان کر اور بھول کر ،شروع میں یا آخر میں قتل کرنے والے برابر ہیں۔

تشریح محرم شکار کو خود قتل کرے تب بھی شکار کا بدلہ اس کو لازم ہوگا۔ اور دوسرے کو بتلائے کہ شکار وہاں ہے اور اس نے شکار کو قتل کر دیا تب بھی بتلانے والے محرم پر بدلہ لازم ہے۔ اسی طرح بھول کر قتل کر دیا یا جان کر قتل کر دیا تب بھی بدلہ لازم ہے۔ اور شروع میں قتل کر دیا یا کسی نے شکار کو زخمی کیا تھا اور محرم نے اس کو قتل کر دیا تب بھی بدلہ لازم ہے۔

وجہ شکاری کو بتلا کر شکار کی محافظت کو برباد کیا اس لئے بتلانے والے پر بھی بدلہ لازم ہوگا (۲) اس حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے اخبرنی عبد اللہ بن ابی قتادۃ ثم ... قلنا انا کل لحم صید و نحن محرمون؟ فحملنا ما بقی من لحمہا قال امنکم احد امرہ ان یحمل علیہا او اشار الیہا؟ قالوا لا قال فکلوا ما بقی من لحمہا (الف) (بخاری شریف، باب لا یشیر المحرم الی الصید لکی یصطادہ الحلال ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۴ مسلم شریف، باب تحریم الصید الماکول البری وما اصلہ ذلک علی المحرم ص ۳۸۰ نمبر ۲۸۵۵/۱۱۹۶) اس حدیث میں ہے کہ کیا تم نے شکار کرنے کا اشارہ کیا ہے؟ جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے آدمی کو شکار کرنے کا اشارہ بھی خود شکار کرنے کی طرح ہے۔ اس لئے شکار کرنے کا اشارہ کرنے سے بھی بدلہ لازم ہو جائے گا۔ اثر میں ہے عن الحسن والعطاء فی المحرم اشار الی صید فاصابہ محرم قالا علیہ الجزاء (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۵۴ فی المشیر الی الصید قال علیہ الجزاء، ج ثالث، ص ۴۰۰، نمبر ۱۵۵۱۳) اس اثر میں ہے کہ اشارہ کرنے والے پر شکار کا بدلہ لازم ہے۔ اور بھول کر اور جان کر برابر ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے عن ابی عبیدۃ بن عبد اللہ بن مسعود ان محرما القی جوالق فاصاب یربوعا فقتلہ فقضی فیہ ابن مسعود بجفر او جفرۃ (ج) (سنن للبیھقی، باب قتل المحرم الصید عمدا او خطاء ج خامس ص ۲۹۴، نمبر ۹۸۵۸) اس اثر میں غلطی سے یربوع پر جل گر گیا اور مر گیا تب بھی اس پر بکری کا بچہ لازم کیا گیا۔ اسی قسم کا فیصلہ حضرت عمر نے بھی کیا ہے قال مالک ... او یحلق قفاہ لموضع المحاجم وھو

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا پانچ جانور کل کے کل فاسق ہیں۔ حرم میں بھی قتل کئے جائیں گے۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا اور باولا کتا (الف) عبد اللہ بن ابی قتادہ سے مروی ہے... ہم نے پوچھا کیا شکار کا گوشت کھا سکتے ہیں جبکہ ہم محرم ہیں؟ پس گوشت کا باقی حصہ ہم لے کر گئے۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے اس کو حکم دیا تھا کہ شکار پر حملہ کرے یا اس کی رہنمائی کی تھی؟ لوگوں نے کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا جو باقی گوشت ہے اس کو کھاؤ (ب) حضرت حسن اور عطا سے محرم کے بارے میں منقول ہے، اس نے شکار کی طرف رہنمائی کی اور دوسرے محرم نے اس کو مار دیا۔ دونوں نے فرمایا اس پر بدلہ لازم ہے (ج) عبد اللہ بن مسعود کے بیٹے نے فرمایا کہ ایک محرم کا جل گر گیا اور یربوع کو لگا اور وہ مر گیا تو عبد اللہ بن مسعود نے اس میں بکری کے بچے کا فیصلہ کیا۔

[۷۵۱] (۳۸) والجزاء عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله ان یقوم الصید فی

محرم ناسیا او جاهلا ان من فعل شیئا من ذلک فعلیه فی ذلک کله الفدیة (موطا امام مالک، باب فدیۃ من حلق قبل ان ینحر ص ۴۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھول سے بھی کوئی کام کرے گا تو اس پر جان کر کرنے کی طرح فدیہ لازم ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بتلانے والے پر فدیہ لازم نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے خود شکار کو ہلاک نہیں کیا ہے۔ اوپر کی آیت میں ومن قتله منکم متعمدا ہے یعنی جان کر قتل کیا ہو بھول کر نہیں تب ہی بدلہ لازم ہے۔

[۷۵۱] (۳۸) شکار کا بدلہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ شکار کی قیمت اس جگہ لگائی جائے جہاں اس کو قتل کیا ہے۔ یا اس جگہ کے قریب کی جگہ کی اگر اس کو صحرا میں قتل کیا ہو تو اس کی قیمت لگائیں گے دو انصاف ور آدمی۔

تشریح جس جگہ شکار قتل ہوا ہے اس جگہ میں اس شکار کی جو قیمت ہوگی وہ لگائی جائے گی۔ اور اگر شکار صحرا میں قتل ہوا ہے تو اس صحرا سے قریب میں جو آبادی ہے وہاں اس شکار کی جو قیمت ہو سکتی ہے وہ قیمت لگائی جائے گی۔

وجہ آیت میں ہے یا ایھا الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتله منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم (الف) (آیت ۹۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ دو انصاف ور آدمی شکار کے بدلے کا فیصلہ کریں گے۔ اب بدلے کے فیصلے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس قسم کا شکار ہے اس کی جسمانی ساخت کو دیکھ کر اس کے مناسب اونٹ، گائے، بکری یا بکری کے بچے کا فیصلہ کرے۔ مثلا ہرن کی جسمانی ساخت کے برابر بکری ہے اس لئے ہرن کے بدلے میں بکری لازم کرے اور اس سے بڑے جانور کے بدلے گائے لازم کرے اور یہ مسلک امام محمد اور امام شافعی کا ہے۔ اور شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ شکار کی قیمت لگائی جائے گی پھر اس قیمت سے یا ہدی خریدے اور اس کو حرم میں ذبح کرے کیونکہ آیت میں ھدیا بالغ الکعبۃ کی قید ہے۔ یا اس قیمت سے گیہوں خریدے اور ہر مسکین کو آدھا آدھا صاع گیہوں دے۔ یا جتنے صاع گیہوں اس قیمت سے آسکتے ہیں اس کے ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے مثلا دس صاع گیہوں شکار کی قیمت سے خریدا جا سکتا ہے تو بیس دن روزے رکھے، شکار کی قیمت لگانے کے بعد شکار کرنے والے کو یہ تینوں اختیار ہیں جیسا کہ آیت میں اس کو اختیار دیا گیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یحکم ذوا عدل کا مطلب یہی ہے کیونکہ جب آپ شکار کی قیمت سے کھانا خریدیں گے یا روزے رکھیں گے تو آخر شکار کی قیمت لگانی ہی ہوگی۔ اس لئے پہلے ہی سے شکار کی قیمت لگائی جائے اور اس قیمت سے ہدی خریدی جائے اور آیت میں مثل سے مراد مثل معنوی لی جائے (۲) ذوا عدل کی ضرورت بھی اسی وقت زیادہ پڑے گی جب شکار کی قیمت لگانے کی ضرورت ہو۔ اور قرآن نے ذوا عدل کی قید لگا کر اس طرف اشارہ کیا ہے (۳) اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن کعب بن عجرہ ان النبی ﷺ قضی فی بیض نعام اصابه محرم بقدر ثمنه (ب) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۸ نمبر ۲۵۲۸ رسنن للبیھقی، باب بیض النعام یصیبھا المحرم ج خامس ص ۳۴۰، نمبر ۱۰۰۲۱) اس حدیث میں حضورؐ نے شتر مرغ کے انڈے کی

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو شکار کو احرام کی حالت میں قتل نہ کرو۔ تم مین سے جو جان کر قتل کرے گا تو جیسا شکار قتل کرے گا چوپایوں میں سے ویسا ہی بدلہ دینا ہوگا۔ تم میں سے دو انصاف ور اس کا فیصلہ کریں گے (ب) آپؐ نے شتر مرغ کے انڈے جس کو محرم نے توڑا ہو اس کی قیمت کی مقدار کا فیصلہ کیا ہے۔

المکان الذی قتلہ فیہ او فی اقرب المواضع منہ ان کان فی بریۃ یقومہ ذوا عدل [۷۵۲](۳۹) ثم ھو مخیر فی القیمۃ ان شاء ابتاع بھا ھدیا فذبحہ ان بلغت قیمتہ ھدیا وان شاء اشتری بھا طعاما فتصدق بہ علی کل مسکین نصف صاع من بر او صاعا من تمراو صاعا من شعیر وان شاء صام عن کل نصف صاع من بر یوما وعن کل صاع من شعیر یوما[۷۵۳] (۴۰) فان فضل من الطعام اقل من نصف صاع وھو مخیر ان شاء

قیمت لگائی ہے جس سے معلوم ہوا کہ شکار کی قیمت لگائی جائے گی۔

نوٹ اگر قیمت سے جانور خریدا تو اس کو حرم کی حدود میں ذبح کرنا ہوگا۔ کیونکہ آیت میں ھدیا بالغ الکعبۃ کی قید ہے۔ اس لئے اگر حرم سے باہر جانور ذبح کیا تو کافی نہیں ہے۔

لغت بریۃ : خشکی، صحرا۔ ذواعدل : انصاف کرنے والا آدمی، ماہر اور تجربہ کار آدمی۔

[۷۵۲](۳۹) پھر شکار کرنے والے کو قیمت میں اختیار ہے چاہے اس سے ہدی خریدے اور اس کو ذبح کرے اگر اس کی قیمت ہدی کی حد تک پہنچ جائے۔ اور چاہے تو اس کی قیمت سے کھانا خریدے اور ہر مسکین پر آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ کرے۔ اور چاہے تو ہر آدھے صاع گیہوں کے بدلے ایک دن روزہ رکھے اور ہر ایک صاع جو کے بدلے ایک دن روزہ رکھے۔

تشریح شکار کی قیمت لگنے کے بعد شکار کرنے والے کو تین اختیار ہیں۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

وجہ تینوں اختیار کی وجہ آیت ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ اور اس کی تفسیر حضرت ابن عباس سے اس طرح ہے۔ عن ابن عباس فی قولہ آیت فجزاء مثل ما قتل من النعم ،قال اذا اصاب المحرم الصید یحکم علیہ جزاءہ فان کان عندہ جزاءہ ذبحہ وتصدق بلحمہ فان لم یکن عندہ جزاءہ قوم جزاءہ دراھم ثم قومت الدراھم طعاما فصام مکان کل نصف صاع یوما وانما ارید بالطعام الصیام انہ اذا وجد الطعام وجد جزاءہ (الف) (سنن للبیہقی، باب من عدل صیام یوم بمد ین ج خامس ص ۳۰۴، نمبر ۹۸۹۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قیمت لگانے کے بعد یا ہدی خریدے یا کھانا خرید کر آدھا آدھا صاع گیہوں مساکین پر تقسیم کرے یا ہر آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو کے بدلے ایک دن روزہ رکھے۔

[۷۵۳](۴۰) پس اگر گیہوں میں سے آدھے صاع سے کم بچ گیا تو جنایت کرنے والے کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو صدقہ کردے اور چاہے تو اس کے بدلے ایک دن مکمل روزہ رکھے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے روایت ہے فجزاءہ مثل ما قتل من النعم کے بارے میں اگر مثل نہ پائی جائے تو اس کی مثل قیمت ہے۔ جتنی اس کی قیمت ہے اس کے قیمت کے بدلے میں کھانا متعین کیا جائے۔ پھر ہر آدھا صاع کے بدلے میں ایک دن روزہ ہے یا مسکین کے کھانے سے کفارہ یا اس کے بدلے میں روزہ، پھر کھانا روزے کے بدلے میں ہے۔ پس جب کھانا پایا جائے تو اس کا بدلہ پایا گیا۔

تصدق بی وان شاء صام عنه یوما کاملا [۷۵۴](۴۱) وقال محمد رحمه الله یجب فی الصید النظیر فیما له نظیر ففی الظبی شاة وفی الضبغ شاة وفی الارنب عناق وفی النعامة بدنة وفی الیربوع جفرة[۷۵۵] (۴۲) ومن جرح صید او نتف شعره او قطع عضوا منه

تشریح آدھا صاع سے کم گیہوں بچ گیا اس لئے یا تو اس کو صدقہ کردے اور اگر روزہ رکھنا چاہے تو ایک دن سے کم کا روزہ نہیں ہوتا ہے اس لئے پورے ایک دن کا روزہ رکھے۔

[۷۵۴](۴۱) امام محمد نے فرمایا شکار میں جسمانی مثل واجب ہے جس کی مثل ہو۔ اس لئے ہرن کے بدلے بکری، اور گوہ میں بکری، اور خرگوش میں بکری کا بڑا بچہ، اور شتر مرغ میں اونٹ اور چوہے میں بکری کا چھوٹا بچہ۔

تشریح امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک شکار کی جسمانی مثل کا اعتبار ہے۔ یعنی جو پالتو جانور جس شکار کے برابر ہے وہی پالتو جانور بدلے میں لازم ہوگا۔ مثلا ہرن کے برابر بکری ہے اس لئے ہرن شکار کیا تو اس کے بدلے میں بکری لازم ہوگی۔ خرگوش کے برابر بکری کا بچہ ہے اس لئے خرگوش شکار کیا تو بکری کا بچہ لازم ہوگا۔

وجہ (۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں **فجزاء مثل ما قتل من النعم** کہا ہے۔ اس لئے نعم کا لفظ اس طرف اشارہ ہے کہ جانور سے مثل کا اعتبار کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے **عن جابر قال قضی رسول الله ﷺ فی الظبی شاة و فی الضبع کبشا و فی الارنب عناقا وفی الیربوع جفرة فقلت لابن الزبیر وما الجفرة قال التی قد فطمت ورعت** (الف) (سنن دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۷ نمبر ۲۵۲۷ رسنن للبیھقی، باب فدیۃ الضبع ج خامس ص ۲۹۹، نمبر ۹۸۷۹) اس حدیث میں حضورؐ نے ہرن میں بکری لازم کی جس سے معلوم ہوا کہ شکار کی جسمانی برابری کا اعتبار ہے۔ اسی طرح دوسرے شکاری جانور کا بھی جسمانی مثل کا ہی اعتبار کر کے اس حدیث میں فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کس شکار میں کونسا پالتو جانور لازم ہوگا۔

لغت الظبی : ہرن، الضبع : بجو، الارنب : خرگوش، عناق : بکری کا بڑا بچہ، النعامۃ : شتر مرغ، بدنۃ : اونٹ، الیربوع : چوہے کی طرح چھوٹا سا جانور، جفرۃ : بکری کا چھوٹا بچہ۔

[۷۵۵](۴۲) کسی نے شکار کو زخمی کیا یا اس کا بال اکھیڑا یا اس کا عضو کاٹا تو اس کی قیمت میں جتنی کمی ہوئی ہے اس کا ضامن ہوگا۔

وجہ شکار کو مارنا ناجائز تھا اس لئے اگر اس کو مارا نہیں لیکن زخمی کر کے یا بال اکھیڑ کر اس کو نقصان پہنچایا تو جتنا نقصان ہوا اس کی قیمت لازم ہوگی۔ مثلا شکار کی قیمت پچاس پونڈ تھی اور زخمی ہونے کے بعد چالیس پونڈ رہ گئی تو دس پونڈ کی کمی واقع ہوئی اس لئے کمی واقع کرنے والے پر دس پونڈ لازم ہوں گے (۲) اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشة ان رسول الله قال فی بیضة نعام کسره رجل محرم صیام**

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ہرن کے بارے میں بکری کا فیصلہ کیا اور بجو کے بارے میں مینڈھے کا اور خرگوش کے بارے میں بکری کے بڑے بچے کا اور چوہے کے بدلے بکری کے چھوٹے بچے کا۔ میں نے ابن زبیر سے کہا جفرۃ کیا ہے؟ فرمایا بکری کا جو بچہ دودھ چھوڑ چکا ہو اور چرنے لگا ہو۔

ضمن ما نقص من قیمته [۷۵۶](۴۳) وان نتف ریش طائر او قطع قوائم صید فخرج به من حیز الامتناع فعلیه قیمته کاملة [۷۵۷](۴۴) ومن کسر بیض صید فعلیه قیمته [۷۵۸](۴۵) فان خرج من البیضة فرخ میت فعلیه قیمته حیا.

یوم فی کل بیضة (الف) (دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۹ نمبر ۲۵۳۷) اس حدیث میں شترمرغ کے انڈے کو توڑنے پر ایک روزہ لازم کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ کسی شکار کو نقصان کرنے پر نقصان کی مناہی دینی ہوگی۔

[۷۵۶](۴۳) اگر پرندے کا پر اکھیڑا یا اس کا پاؤں کاٹا جس کی وجہ سے وہ حفاظت کے دائرے سے نکل گیا تو ایسا کرنے والے پر جانور کی پوری قیمت لازم ہوگی۔

تشریح محرم نے کسی شکار کا پر اتنا اکھیڑ دیا کہ وہ انسانوں اور جانوروں سے اڑ کر اپنی حفاظت نہیں کر سکتا یا جانور کا پاؤں توڑ دیا جس کی وجہ سے اب اپنی حفاظت نہیں کر سکتا ہے تو ایسا کرنے والے پر پورے پرندے اور پورے جانور کی قیمت دینی ہوگی۔

وجہ پر اکھیڑنے یا پاؤں کاٹنے کی وجہ سے گویا کہ ہلاکت تک پہنچا دیا تو گویا کہ محرم نے شکار کو ہلاک کیا یا اس کا سبب بنا اس لئے پوری قیمت لازم ہوگی (۲) **عن طارق ان اربد اوطأ ضبا ففزر ظهره فاتى عمر فسأله فقال عمر ما ترى فقال جديا قد جمع الماء والشجر فقال عمر فذلک فيه** (ب) (سنن للبیہقی، باب فدیۃ الضب ج خامس ص ۳۰۱، نمبر ۹۸۹۰) اس اثر میں ہے کہ گوہ کی پیٹھ توڑ دی تو بکری کا بچہ لازم کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اس انداز کا نقصان ہوا کہ وہ اب لوگوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا تو پوری قیمت لازم ہوگی

لغت نتف : پر اکھیڑنا، ریش : پر، حیز الامتناع : محفوظ رہنے کی جگہ سے نکلا گیا، یعنی خود محفوظ نہ رہ سکا۔

[۷۵۷](۴۴) کسی نے شکار کے انڈے کو توڑ دیا تو اس پر اس کی قیمت لازم ہے۔

وجہ شکار کا انڈا شکار کے درجے میں ہے۔ تو جس طرح شکار کے ہلاک کرنے سے قیمت لازم ہوگی اس کے انڈے توڑنے سے بھی قیمت لازم ہوگی (۲) **عن کعب بن عجرة ان النبی ﷺ قضی فی بیض نعام اصابه محرم بقدر ثمنه** (ج) (دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۸ نمبر ۲۵۲۸ سنن للبیہقی، باب بیض النعامۃ یصیبھا المحرم، ج خامس ص ۳۴۰، نمبر ۱۰۰۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ انڈا توڑنے سے اس کی قیمت لازم ہوگی۔

[۷۵۸](۴۵) پس اگر انڈے سے مردہ بچہ نکلا تو اس پر زندہ بچے کی قیمت لازم ہوگی۔

وجہ انڈا سے مردہ بچہ نکلا تو گمان یہی ہے کہ انڈا توڑنے والے کی حرکت سے بچہ مردہ ہوا ہے۔ کیونکہ انڈے کے اندر عموما بچہ زندہ رہتا ہے۔ اس لئے انڈا توڑنے والے پر زندہ بچہ کی قیمت لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے شترمرغ کے انڈے کے بارے میں فرمایا جس کو کسی محرم آدمی نے توڑ دیا ہو ہر انڈے کے بدلے میں ایک دن کا روزہ ہے (ب) حضرت اربد نے گوہ کو روند دیا اور اس کی پیٹھ توڑ دی پھر حضرت عمر کے پاس آئے اور ان کو پوچھا تو حضرت عمر نے فرمایا آپ کی کیا رائے ہے؟ کہا بکری کا بچہ کہ پانی اور گھاس کھاتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا ٹھیک ہے (ج) آپؐ نے شترمرغ کے انڈے میں فیصلہ کیا جو محرم نے توڑا تھا اس کی قیمت کے مقدار۔

[۷۵۹] (۴۶) ولیس فی قتل الغراب والحدأة والذئب والحیة والعقرب والفارة والکلب والعقور جزاء[۷۶۰] (۴۷) ولیس فی قتل البعوض والبراغیث والقراد شیء[۷۶۱] (۴۸) ومن قتل قملة تصدق بما شاء.

---

[۷۵۹] (۴۶) کوا کے قتل کرنے اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور چوہا اور باولا کتا کے قتل کرنے میں بدلا لازم نہیں ہے۔

وجہ (۱) یہ جانور فطری طور پر دوسروں پر حملہ کرنے والے ہیں اور تکلیف دینے والے ہیں۔ تو چونکہ فطرۃً موذی ہیں اس لئے اس کے قتل کرنے سے بدلا لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے عن عائشة ان رسول الله قال خمس من الدواب کلهن فاسق یقتلن فی الحرم الغراب والحدأة والعقرب والفارة والکلب العقور (الف) (بخاری شریف، باب مایقتل المحرم من الدواب ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۹ رمسلم شریف، باب ماینذب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب فی الحل والحرم ص ۳۸۱ نمبر ۱۱۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان جانوروں کو محرم قتل کرسکتا ہے۔ کیونکہ یہ فطری طور پر موذی ہیں۔

نوٹ الکلب العقور سے جنگلی کتا مراد ہے۔ کیونکہ پالتو کتا تو شکار نہیں ہے اس لئے اس کے قتل کرنے سے بدلہ لازم نہیں ہوگا۔ کتے میں تمام درندے شامل ہیں۔ کیونکہ وہ بھی فطری طور پر موذی ہیں اس لئے ان کے قتل سے بھی بدلہ لازم نہیں ہے۔ قال مالک الکلب العقور الذی امر المحرم بقتله ان کل ما عقر الناس و عدا علیهم واخافهم مثل الاسد والنمر والفهد والذئب فهو الکلب العقور (سنن للبیہقی، باب ماللمحرم قتلہ من دواب البر فی الحل والحرم ج خامس ص ۳۴۶، نمبر ۱۰۰۵۱)

[۷۶۰] (۴۷) مچھر، پسو اور چچڑی کے مارنے میں کچھ لازم نہیں ہے۔

وجہ (۱) یہ سب شکار نہیں ہیں (۲) یہ سب عادی اور فطری موذی ہیں اس لئے ان کے قتل کرنے اور مارنے سے کچھ لازم نہیں ہوگا۔ اثر میں ہے۔ عن عائشة قالت یقتل المحرم الهوام کلها الا القملة فانها منه (مصنف عبدالرزاق، باب القمل، ج رابع ص ۴۱۳، نمبر ۸۲۵۹ رص ۳۵۰، نمبر ۱۰۰۶۷) اس اثر میں ہے کہ جوئیں کے علاوہ مچھر، پسو کو مارے تو کچھ لازم نہیں ہے۔

لغت البعوض : مچھر، البراغیث : پسو، القراد : چچڑی یہ کھٹمل کی طرح ہوتا ہے اور جانوروں کے جسم سے چپکا ہوتا ہے۔

[۷۶۱] (۴۸) کسی نے جوں ماری تو صدقہ کرے جتنا چاہے۔

وجہ (۱) جوئیں جسم کے میل سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور احرام کی حالت میں میل صاف کرنا جائز نہیں اس لئے اس سے پیدا شدہ جوئیں کو مارنا بھی جائز نہیں۔ اور مارے گا تو اس کے بدلے میں صدقہ دے۔ کیونکہ بہت چھوٹا جانور ہے (۲) اثر میں ہے قال مالک ... ولا یقتل قملة ولا یطرحها من رأسه الی الارض ولا من جلده ولا من ثوبه فان طرحها المحرم من جلده او من ثوبه فلیطعم حفنة

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا پانچ جانور سب کے سب فاسق ہیں حرم میں بھی وہ قتل کئے جائیں گے۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا اور باولا کتا۔

[۷۶۲](۴۹) ومن قتل جرادة تصدق بما شاء و تمرة خير من جرادة [۷۶۳](۵۰) ومن قتل ما لا يؤكل لحمه من السباع ونحوها فعليه الجزاء ولا يتجاوز بقيمتها شاه.

من الطعام (الف) موطا امام مالک، باب فدیۃ من حلق قبل ان ینحر ص ۴۵۰ سنن للبیہقی، باب قتل القمل ج خامس ص ۳۵۰، نمبر ۱۰۰۶۷) فیہ قول عبداللہ بن عمر۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ جوئیں مارنے سے کچھ کھانا صدقہ کرے۔ ایک ایک مٹھی کھانا صدقہ کرے۔

[۷۶۲](۴۹) کسی نے ٹڈی قتل کر دی تو جتنا چاہے صدقہ کرے اور ایک کھجور ٹڈی سے بہتر ہے۔

وجہ اثر میں ہے عن زید بن اسلم ان رجلا جاء الی عمر بن الخطاب فقال یا امیر المؤمنین انی اصبت جرادات بسوطی وانا محرم فقال له عمر اطعم قبضة من طعام اور دوسرے اثر میں ہے فقال عمر انک لتجد دراهم لتمرة خير من جرادة (ب) (موطا امام مالک، باب فدیۃ من اصاب شیئا من الجراد وھو محرم ص ۴۴۸ سنن للبیہقی، باب ما ورد فی جزاء ما دون الحمام ج خامس، ص ۳۳۸، نمبر ۱۰۰۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کچھ کھانا صدقہ کرے۔ اور ایک کھجور ٹڈی سے کے بدلے بہتر ہے۔ اس لئے ٹڈی کے بدلے کھجور بھی دیدے تو کافی ہے۔

[۷۶۳](۵۰) کسی نے ایسے جانور کو قتل کیا جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو یا پھاڑ کھانے والے جانور کے مانند جانور کو قتل کیا تو قتل کرنے والے محرم پر بدلہ ہے۔ لیکن اس کی قیمت بکری سے آگے نہ بڑھے۔

تشریح پھاڑ کھانے والے جانور کو قتل کیا جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو یا پھاڑ کھانے والا جانور تو نہیں ہے لیکن اس کا گوشت کھانا حلال نہیں ہے اس کو قتل کیا تو چونکہ وہ شکار کا جانور ہے اس لئے اس کا بدلہ لازم ہوگا۔ البتہ چونکہ اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اس لئے اس کی قیمت بکری سے زیادہ نہ لگائی جائے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ غیر ماکول شکار کی قیمت بکری سے کم لگائی گئی ہے۔ عن جابر عن النبی ﷺ قال فی الضبع اذا اصابه المحرم كبش وفي الظبي شاة و في الارنب عناق وفي اليربوع جفرة (ج) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۷ نمبر ۲۵۲۴) اس حدیث میں یربوع جو چوہے کی قسم کا جانور ہے اور اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اس کی قیمت بکری کا بچہ لگائی گئی ہے۔ اسی طرح گوہ کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اور اس کا بدلہ مینڈھا لگایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ غیر ماکول اللحم شکار کا بدلہ لازم ہوگا۔ اور اس کی قیمت بکری سے زیادہ نہ بڑھے۔

حاشیہ : (الف) حضرت امام مالکؒ نے فرمایا... جوئیں قتل نہ کی جائیں۔ اور نہ اس کو سر سے زمین پر ڈالے اور نہ اپنے جسم سے اور نہ کپڑے سے، پس اگر محرم نے اپنے جسم یا کپڑے سے ڈالا تو ایک لپ کھانا کھلانا چاہئے (ب) زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ایک آدمی عمر بن خطاب کے پاس آیا اور کہا اے امیر المؤمنین میں نے احرام کی حالت میں کوڑے سے کچھ ٹڈیاں ماری ہیں۔ تو حضرت عمر نے فرمایا ایک مٹھی کھانا کھلاؤ۔ دوسری اثر میں ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا تم لوگ بہت درہم رکھتے ہو۔ ایک کھجور ٹڈی سے بہتر ہے (ج) آپؐ نے بجو کے بارے میں فرمایا جبکہ محرم اس کو مارے تو مینڈھا لازم ہے، اور ہرن میں بکری اور خرگوش میں بکری کا بچہ اور چوہے میں بکری کا چھوٹا بچہ۔

[۷۶۴] (۵۱) وان صال السبع علی محرم فقتله فلا شیء علیه [۷۶۵](۵۲) وان اضطر المحرم الی اکل لحم الصید فقتله فعلیه الجزاء[۷۶۶] (۵۳) ولا بأس بان یذبح المحرم

[۷۶۴](۵۱)اگر پھاڑ کھانے والا جانور محرم پر حملہ آور ہو گیا اور محرم نے اس کو قتل کر دیا تو محرم پر کچھ بھی لازم نہیں ہے۔

وجہ (۱)اوپر بخاری شریف کی حدیث گزری عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال خمس من الدواب کلهن فاسق یقتلهن فی الحرم (الف)(بخاری شریف، باب ما یقتل المحرم من الدواب ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۹ر مسلم شریف نمبر ۱۱۹۸)اس حدیث میں ہے کہ یہ پانچ جانور فطری طور پر موذی ہیں۔اس لئے ان کو قتل کر سکتے ہیں۔پس اگر صرف حملہ کرنے کے وہم پر قتل کر سکتے ہیں تو جو جانور باضابطہ محرم پر حملہ کر چکا ہو اس کو بدرجہ اولی قتل کر سکتا ہے۔اور قتل کرنے والے پر کچھ لازم نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے عن عطاء قال کل عدو عدا علیک فاقتله وانت محرم (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ۳۳۹ ما یقتل المحرم ج ثالث،ص ۳۳۳،نمبر ۱۴۸۲۵)اس اثر میں ہے کہ اگر جانور آپ پر حملہ کر دے تو آپ اس کو قتل کر سکتے ہیں۔

لغت صال : حملہ کیا۔

[۷۶۵](۵۲)اگر محرم شکار کا گوشت کھانے کی طرف مجبور ہوا اس لئے شکار کو قتل کیا تو محرم پر اس کا بدلہ ہے۔

تشریح محرم کو شکار کے گوشت کھانے کی مجبوری تھی۔جس کی وجہ سے اس نے شکار کو قتل کیا۔پھر بھی چونکہ شکار کو قتل کیا ہے اس لئے اس کا بدلہ لازم ہوگا۔

وجہ اوپر گزر چکا ہے کہ بھول کر کرے یا جان کر کرے تب بھی جنایت کا بدلہ لازم ہے (۲) فمن کان منکم مریضا او به اذی من رأسه ففدیة من صیام او صدقة او نسک (ج)(آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں ہے کہ مرض یا سر کی تکلیف کی وجہ سے بھی سر منڈوایا تو فدیہ لازم ہوگا۔جس سے معلوم ہوا کہ مجبوری کی وجہ سے شکار کو قتل کیا تب بھی اس کا بدلہ لازم ہوگا۔

[۷۶۶](۵۳)کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ محرم بکری، گائے، اونٹ، مرغی اور کسکری بطخ کو ذبح کرے۔

وجہ اس لئے کہ شکار کو قتل کرنا آیت کی وجہ سے ممنوع ہے اور یہ جانور شکار نہیں ہیں بلکہ پالتو ہیں اس لئے احرام کی حالت میں ان کو ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اثر میں ہے ولم یر ابن عباس وانس بالذبح باسا وهو غیر الصید نحو الابل والغنم والبقر والدجاج والخیل (د)(بخاری شریف، باب اذا اصاد الحلال فاهدی للمحرم الصید ص ۲۴۵،نمبر ۱۸۲۱)

لغت الکسکری : کسکر ایک گاؤں کا نام ہے جس کی طرف بطخ کی نسبت کی گئی ہے اور کسکری بطخ کہا گیا ہے۔

نوٹ جنگلی بطخ شکار ہے اس لئے اس کو ذبح کرنے سے دم لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا پانچ جانور سب کے سب فاسق ہیں ان کو حرم میں بھی قتل کئے جائیں (ب) عطاء نے فرمایا ہر دشمن جو تم پر حملہ کرے اس کو قتل کر دو چاہے تم محرم ہو (ج) تم میں سے جو مریض ہوں یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو روزے کا فدیہ دینا ہے، یا صدقہ دینا ہے یا قربانی دینا ہے (د) حضرت ابن عباس اور حضرت انس ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے جبکہ وہ جانور شکار کے علاوہ ہو جیسے اونٹ، بکری، گائے، مرغی اور گھوڑا۔

الشاة والبعیر والدجاج والبط الکسکری[۷۶۷] (۵۴) وان قتل حماما مسرولا او ظبیا مستانسا فعلیه الجزاء [۷۶۸] (۵۵) وان ذبح المحرم صیدا فذبیحته میتة لا یحل اکلها[۷۶۹] (۵۶) ولا بأس بان یأکل المحرم لحم صید اصطادہ حلال وذبحه اذا لم

---

[۷۶۷] (۵۴) اگر قتل کر دیا موزے والے کبوتر کو، یا مانوس ہرن کو تو اس پر بدلہ ہے۔

تشریح وہ کبوتر جس کے پاؤں میں بھی پر نکلے ہوتے ہیں اور اڑنے مین سست ہوتا ہے اس کو محرم نے مار دیا تو اس کا بدلہ لازم ہوگا۔ اسی طرح ہرن شکار ہے لیکن مانوس کر لیا گیا اور گھر میں رہنے لگا تب بھی محرم نے اس کو مارا تو بدلہ لازم ہوگا۔

وجہ یہ دنوں جانور اصل خلقت کے اعتبار سے متوحش ہیں اور شکار ہیں۔ لیکن کبوتر سست اڑنے کی وجہ سے مانوس جیسا لگتا ہے اسی طرح ہرن کو مانوس کر لینے کی وجہ سے پالتو کی طرح لگتا ہے۔ لیکن اصل خلقت میں شکار ہین اس لئے ان کو مارنے سے بدلہ لازم ہوگا۔ اثر میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال فی الحمامة شاة (مصنف عبد الرزاق، باب فی الحمام وغیرہ، ج رابع ص ۴۱۵، نمبر ۸۲۷۰) اور ہرن کے بارے میں یہ اثر ہے۔ عن عکرمة ان رجلا اصاب ظبیا وھو محرم فاتی علیاؓ فسأله فقال اھد کبشا من الغنم (مصنف عبد الرزاق، باب ابو بر والظبی، ج رابع ص ۴۰۶، ۸۲۳۸) اس اثر میں ہے کہ ہرن کے بدلے بکری دے۔

لغت حمام مسرول : سرول سراویل سے مشتق ہے، پاجامہ پہنا ہوا یعنی وہ کبوتر جس کے پاؤں میں پر نکلا ہوا ہو۔ یہ کبوتر اڑنے میں سست ہوتا ہے اور گھر میں زیادہ تر رہتا ہے۔ لیکن متوحش ہے اور شکار ہے۔ ظبی : ہرن

[۷۶۸] (۵۵) اگر محرم نے شکار کو ذبح کیا تو اس کا ذبیحہ مردہ ہے۔ اس کا کھانا کسی کے لئے جائز نہیں۔

تشریح احرام کی وجہ سے محرم شکار کو ذبح کرنے کے قابل ہی نہیں رہا اس لئے اگر اس نے ذبح کیا تو گویا کہ مجوسی نے ذبح کیا اس لئے اس ذبیحہ کا کھانا نہ محرم کے لئے جائز ہے اور نہ حلال کے لئے جائز ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن عطاء انه قال لا یحل اکله لاحد (مصنف عبد الرزاق، باب الصید وذبحه، ج رابع ص ۴۳۹، نمبر ۸۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ محرم شکار ذبح کرے تو کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ محرم شکار کو ذبح کر دے تو کسی محرم کے لئے تو جائز نہیں لیکن حلال کے لئے جائز ہے۔

وجہ محرم مسلمان ہے اس لئے شکار کو ذبح کر سکتا ہے اس لئے اس کا ذبیحہ غیر محرم کی طرح حلال ہے۔ البتہ آیت کی وجہ سے کسی محرم کے لئے کھانا جائز نہیں ہے۔ اس لئے غیر محرم کے لئے جائز ہوگا۔

[۷۶۹] (۵۶) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ محرم اس شکار کا گوشت کھائے جس کو حلال نے شکار کیا ہو اور اس کو حلال ہی نے ذبح کیا ہو۔ جبکہ محرم نے ذبح نہ کیا ہو اور نہ اس کے شکار کرنے کا حکم دیا ہو۔

تشریح محرم اس شکار کا گوشت کھا سکتا ہے جس کو کسی حلال نے شکار کیا ہو اور حلال ہی نے ذبح کیا ہو بشرطیکہ محرم نے نہ اس کو ذبح کیا ہو اور نہ

یدل علیه المحرم ولا امره بصیده [۷۷۰] (۵۷) و فی صید الحرم اذا ذبحه الحلال الجزاء [۷۷۱] (۵۸) وان قطع حشیش الحرم او شجرة الذی لیس بمملوک ولا هو مما

محرم نے اس کو شکار کرنے کا حکم دیا ہو اور نہ شکار کرنے کا اشارہ کیا ہو۔

وجہ شکار ذبح ہونے کے بعد اب شکار نہیں رہا بلکہ گوشت ہو گیا۔ اور محرم کے لئے گوشت کھانا جائز ہے اس لئے شکار کا گوشت کھا سکتا ہے (۲) ابو قتادہ والی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ذبح کر کے حضور کی خدمت میں گوشت پیش کیا اور آپ نے اور صحابہ نے اس کو کھایا۔ حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن ابی قتادة قال انطلق ابی عام الحدیبیة ... قلت یا رسول اللہ اصبت حمار وحش وعندی منہ فاضلة فقال للقوم کلوا وھم محرمون (الف) (بخاری شریف، باب واذا اصاد الحلال فاھدی للمحرم الصید اکلہ ص ۲۴۵ نمبر ۱۸۲۱ مسلم شریف، باب تحریم الصید الماکول البری الخ نمبر ۱۱۹۶/۲۸۵۴) اس حدیث میں حلال نے شکار کیا تھا اور اسی نے ذبح کیا تھا اور گوشت محرم کو دیا اور آپ نے اس کے کھانے کو حلال قرار دیا۔

[۷۷۰] (۵۷) حرم کے شکار میں جبکہ اس کو حلال آدمی ذبح کرے تو بدلہ ہے۔

تشریح حرم کے اندر شکار محفوظ ہو جاتا ہے اس کو نہ محرم چھیڑ سکتا ہے اور نہ حلال آدمی چھیڑ سکتا ہے۔ اس لئے اگر حلال آدمی نے حرم کے شکار کو قتل کر دیا تو حلال آدمی پر اس کا بدلہ لازم ہوگا۔

وجہ حدیث میں ہے عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لا یعضد عضاھا ولا ینفر صیدھا ولا تحل لقطتھا الا لمنشد ولا یختلی خلاھا فقال عباس یا رسول اللہ الا الاذخر فقال الا الاذخر (ب) (بخاری شریف، کیف تعرف لقطة اہل مکة ص ۳۲۸ نمبر کتاب اللقطة نمبر ۲۴۳۳ مسلم شریف، باب تحریم مکة وتحریم صیدھا ص ۴۳۷ نمبر ۱۳۵۳) اس حدیث میں ہے کہ مکہ مکرمہ کے شکار کو بھگایا نہ جائے۔ اس لئے اس کے شکار کو ذبح کیا تو اس کا بدلہ لازم ہوگا (۲) عن عطاء ان رجلا اغلق بابہ علی حمامة وفرخیھا ثم انطلق الی عرفات ومنی فرجع وقد موتت فاتی ابن عمر فذکر لہ ذلک فجعل علیہ ثلاثا من الغنم وحکم معہ رجل (ج) (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی جزاء الحمام وما فی معناہ ج خامس ص ۳۳۷، نمبر ۱۰۰۰۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کے شکار کو قتل کرنے سے بدلہ لازم ہوگا۔

[۷۷۱] (۵۸) اگر حرم کے گھاس کو کاٹا یا اس کے درخت کو کاٹا جو مملوک نہیں ہے اور نہ ایسا ہے جس کو لوگ اگاتے ہوں تو اس پر اس کی قیمت

حاشیہ: (الف) میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے وحشی گدھا شکار کیا ہے اور میرے پاس کچھ بچا ہوا ہے۔ آپ نے قوم سے فرمایا کھاؤ حالانکہ وہ محرم تھے (ب) آپ نے فرمایا حرم کے کانٹوں کو نہ کاٹے، اس کے شکار کو نہ بھگائے، اس کے لقطے کو نہ اٹھائے مگر اعلان کرنے کے لئے نہ اس کا گھاس اکھیڑے۔ حضرت عباس نے کہا یا رسول اللہ! مگر اذخر گھاس تو آپ نے فرمایا مگر اذخر گھاس اکھاڑ سکتے ہو (ج) حضرت عطاء نے فرمایا ایک آدمی نے کبوتر اور اس کے دو بچے پر دروازہ بند کر دیا پھر عرفات اور منی چلا گیا پھر واپس آیا تو کبوتر مر چکے تھے۔ پس حضرت عبد اللہ بن عمر کے پاس آئے اور اس کا تذکرہ کیا تو حضرت ابن عمر نے اس پر تین بکریاں لازم کی اور ان کے ساتھ ایک آدمی نے بھی فیصلہ کیا۔

ینبتہ الناس فعلیہ قیمتہ [۲۷۷](۵۹) وکل شیء فعلہ القارن مما ذکرنا ان فیہ علی

لازم ہے۔

وجہ مسئلہ نمبر ۵۷ میں حدیث گزری (بخاری شریف نمبر ۲۴۳۳ رمسلم شریف نمبر ۱۳۵۳) جس میں تھا ولا یختلی خلاھا یعنی حرم کی گھاس کو نہ اکھاڑا جائے۔ اس لئے کہ اس کے درخت اور گھاس بھی محترم ہیں۔ اس لئے اس کا گھاس اکھیڑا یا درخت کاٹا تو اس کی قیمت لازم ہوگی (۲) دوسری حدیث میں ہے فلا یحل لامرء یومن باللہ والیوم الآخر ان یسفک بھا دما ولا یعضد بھا شجرۃ (الف) (مسلم شریف، باب تحریم مکۃ وتحریم صیدھا وخلاھا وشجرھا ص ۴۳۸ نمبر ۱۳۵۴) اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مکہ کے درخت اور گھاس نہ کاٹے جائیں (۳) قال الشافعی من قطع من شجر الحرم شیئا جزاہ حلالا کان او محرما فی الشجرۃ الصغیرۃ شاۃ وفی الکبیر بقرۃ. وعن عطاء فی الرجل یقطع من شجر الحرم قال فی القضیب درھم وفی الدوحۃ بقرۃ یروی ھذا عن ابن الزبیر وعطاء (ب) (سنن للبیہقی، باب لا ینفر صید الحرم ولا یعضد شجرۃ ولا یختلی خلاھا الا الاذخر ج خامس ص ۳۲۰، نمبر ۹۹۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرم کے بڑے درخت کو کاٹا جائے تو گائے لازم ہوگی اور چھڑی وغیرہ کاٹی جائے تو ایک درہم لازم ہوگا۔

نوٹ ایسا درخت یا ایسی زراعت جو کسی کی مملوک ہو تو اس کو کاٹنے سے کچھ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ بندے کی ملکیت ہوگئی۔ اسی طرح امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ حرم کی گھاس چرا سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی فی قصۃ حرم المدینۃ عن النبی ﷺ ... ولا یصلح لرجل ان یقطع منھا شجرۃ الا ان یعلف رجل بعیرہ (ج) (سنن للبیہقی، باب جواز الرعی فی الحرم ج خامس ص ۳۳۰، نمبر ۹۹۸۳) اس حدیث میں ہے کہ جانور کو چارہ کھلانے کے لئے گھاس کاٹا جا سکتا ہے۔

[۲۷۷](۵۹) ہر وہ کام جو قارن کرے جن کا میں نے ذکر کیا ان میں مفرد پر ایک دم ہے تو قارن پر دو دم ہیں۔ ایک دم اس کے حج کے لئے اور ایک دم اس کے عمرہ کے لئے۔

تشریح جن کاموں میں مفرد بالحج پر ایک دم لازم ہوتا ہے ان جنایات میں قارن کو دو دم لازم ہوں گے۔

وجہ قارن بیک وقت دو احرام باندھے ہوئے ہیں۔ ایک حج کا اور ایک عمرے کا۔ اس لئے وہ بیک وقت گویا کہ دو احرام کی بے احترامی کرتے ہیں اس لئے اس پر دو دم لازم ہوں گے۔ ایک حج کے احرام کے لئے اور دوسرا عمرہ کے احرام کے لئے۔

وجہ اثر میں ہے۔ قال مالک ومن قرن الحج والعمرۃ ثم فاتہ الحج فعلیہ ان یحج قابلا ویقرن بین الحج والعمرۃ ویھدی ھدیین ھدیا لقرانہ الحج مع العمرۃ وھدیا لمافاتہ من الحج (موطا امام مالک ھدی من فاتہ الحج ص ۴۰۶) اور مصنف

حاشیہ : (الف) جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ حرم میں خون بہائے اور نہ وہاں کے درخت کاٹے (ب) امام شافعیؒ نے فرمایا جس نے حرم کے درخت کو کاٹا اس پر اس کا بدلہ ہے چاہے حلال ہو یا محرم، چھوٹے درخت میں بکری اور بڑے درخت میں گائے۔ اور حضرت عطا سے روایت ہے جو حرم کے درخت کو کاٹے تو چھڑی میں ایک درہم ہے اور بڑے درخت میں گائے (ج) مدینہ کے حرم ہونے کے سلسلہ میں حضرت علی سے روایت ہے کہ آپؐ سے مروی ہے کہ... کسی آدمی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے درخت کاٹے مگر یہ کہ آدمی اپنے اونٹ کو چرا سکتا ہے۔

المفرد دما فعليه دمان دم لحجته و دم لعمرته[۴۷۳] (٦٠) الا ان يتجاوز الميقات من غير احرام ثم يحرم بالعمره والحج فيلزمه دم واحد[۴۷۴] (٦١) واذا اشترک محرمان فی قتل صيد الحرم فعلى كل واحد منهما الجزاء كاملا[۴۷۵] (٦٢) واذا اشترک حلالان فی قتل صيد الحرم فعليهما جزاء واحد [۴۷۶](٦٣) واذا باع المحرم صيدا او

ابن ابی شیبۃ میں ہے۔ عن ابراهيم قال هديان (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۸ ما یجب علیہ من الھدی اذا جمع بینھما فاحصر، ج ثالث، ص ۱۳۳، نمبر ۱۲۷۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قارن پر دو ہدی ہے۔

[۴۷۳] (۶۰) مگر یہ کہ میقات سے بغیر احرام کے گزر جائے پھر عمرہ اور حج کا احرام باندھے تو اس کو ایک ہی دم لازم ہوگا۔

وجہ اس صورت میں ایک ہی دم اس لئے لازم ہے کہ میقات سے گزرتے وقت وہ قارن نہیں تھا۔ قارن تو بعد میں بنا ہے اور بعد میں حج اور عمرہ کا احرام باندھا ہے اس لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنے کا ایک دم لازم ہوگا۔

[۴۷۴] (۶۱) اگر دو محرم ایک شکار کے قتل میں شریک ہو جائے تو ان دونوں میں سے ہر ایک پر پورا پورا بدلہ لازم ہوگا۔

وجہ (۱) یہاں احرام کے احترام کی وجہ سے شکار کا بدلہ لازم ہوتا ہے اور دونوں کا احرام ہے اور دونوں نے اپنے اپنے احرام کی بے احترامی کی ہے اس لئے دونوں پر الگ الگ پورا پورا دم لازم ہوگا۔ چاہے شکار ایک ہی ہو (۲) مسئلہ نمبر ۳۷ میں حدیث گزری کہ اگر شکار کے لئے اشارہ بھی کیا اور دوسرے حلال نے اس کو قتل کیا تو محرم پر بدلہ لازم ہے۔ یہاں تو اشارہ سے بڑھ کر شکار کے قتل کرنے میں شریک ہوا اس لئے بدرجۂ اولی شکار کا بدلہ لازم ہوگا (۳) اثر میں ہے قال مالک فی القوم يصيبون الصيد جميعا وهم محرمون او فی الحرم قال ارى ان كل انسان منهم جزاء ان حكم عليهم بالهدى فعلى كل انسان منهم هدى (الف) (موطا امام مالک، باب جامع الفدیہ ص ۲۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر ایک محرم پر الگ الگ شکار کا بدلہ لازم ہوگا۔

[۴۷۵] (۶۲) اگر دو حلال حرم کے شکار کے قتل میں شریک ہوئے تو دونوں پر ایک ہی بدلہ ہے۔

وجہ یہاں دونوں حلال ہیں اس لئے احرام کی وجہ سے بدلہ نہیں ہے بلکہ حرم کے احترام میں شکار کا بدلہ لازم ہے۔ اس لئے محل ایک ہے اس لئے دونوں حلال پر ایک شکار کا بدلہ لازم ہوگا اور دونوں پر آدھا آدھا بدلہ ہوگا۔

اصول محل ایک ہو تو ایک بدلہ لازم ہوتا ہے۔

[۴۷۶] (۶۳) اگر محرم نے شکار بیچا یا خریدا تو بیع باطل ہے۔

وجہ احرام کی وجہ سے محرم شکار کا مالک ہی نہیں بنا اور نہ بن سکے گا اس لئے اس کا خریدنا یا بیچنا باطل ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے

حاشیہ : (الف) حضرت امام مالکؒ نے فرمایا تمام ہی قوم نے شکار پر حملہ کیا اور وہ محرم تھے یا شکار حرم میں تھا تو فرمایا میں سمجھتا ہوں ہر ایک پر بدلہ لازم ہے۔ اگر ان پر ہدی کا فیصلہ کیا جائے تو ہر ایک پر ہدی لازم ہوگی۔

ابتاعه فالبيع باطل.

عن الصعب بن جثامة الليثی انه اهدی لرسول الله ﷺ حمارا وحشيا وهو بالابواء اوبودان فرده عليه فلما رای ما فی وجهه قال انا لم نرده عليک الا انا حرم (ب)(بخاری شریف، باب اذا اهدی للمحرم حمراوحشیالم یقبل ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۵)اس حدیث میں ہے کہ آپ کو وحشی گدھا زندہ ہدیہ دیا گیا تو آپؐ نے صرف اس وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا کہ آپ محرم تھے۔اس سے اشارہ ملتا ہے کہ محرم شکار کا مالک نہیں ہوتا۔اس لئے یہ نہ بیع کر سکتا ہے اور نہ اس کو خرید سکتا ہے (۲) ہدیہ میں لیکر بھی مالک بنتا ہے اور خریدنے سے بھی مالک بنتا ہے اس لئے جب ہدیہ میں قبول کر کے مالک نہیں بنا تو خرید کر کے بھی مالک نہیں بن سکتا۔

حاشیہ : (الف) صعب بن جثامہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور کو وحشی گدھا مقام ابواء یا مقام ودان میں ہدیہ دیا تو آپؐ نے اس کو واپس کر دیا۔پس جب اس کے چہرے پر غمگینی کے اثرات دیکھے تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کو آپ پر واپس نہیں کیا مگر یہ کہ میں محرم ہوں۔

﴿باب الاحصار﴾

[۷۷۷](۱)اذا احصر المحرم بعدو او اصابه مرض یمنعه من المضی جاز له التحلل

﴿باب الاحصار﴾

ضروری نوٹ احصار حج یا عمرہ سے روک دیئے جانے کو کہتے ہیں۔اس کی دلیل یہ آیت ہے واتموا الحج والعمرة لله فان احصرتم فما استیسر من الهدی ولا تحلقوا رؤوسکم حتی یبلغ الهدی لمحله (الف)(آیت ۱۹۶سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت سے معلوم ہوا کہ احصار ہو جائے تو ہدی بیت اللہ بھیجے اور حلال ہو جائے (۲) حدیث احصار کی دلیل یہ ہے فقال ابن عباس قد احصر رسول الله فحلق رأسه وجامع نسائه ونحر هدیه حتی اعتمر عاما قابلا (ب)(بخاری شریف، باب اذا احصر المعتمر ص ۲۴۳ نمبر ۱۸۰۹)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عمرہ میں احصار ہو سکتا ہے۔کیونکہ حضور کو صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش نے روکا تھا اور عمرہ سے احصار کیا تھا۔

[۷۷۷](۱)جب محرم دشمن کی وجہ سے محصر ہو جائے یا اس کو مرض لاحق ہو جائے جو اس کو آگے بڑھنے سے روک دے تو جائز ہے اس کو حلال ہونا۔اور اس کو کہا جائے گا کہ بکری بھیجو جو حرم میں ذبح کی جائے۔

تشریح احصار دشمن کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور مرض کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔بہر حال کسی وجہ سے بھی اعمال حج یا عمرہ ادا نہ کر سکتا ہو تو احصار ہوگا۔اب اس کے لئے یہ ہے کہ بکری حرم بھیجے جو وہاں ذبح کی جائے۔یا کسی جانے والے کو بکری دیدے اور متعین دن میں ذبح کرنے کا وعدہ کروالے اور اس دن محصر حلال ہو جائے۔

وجہ جس طرح دشمن سے احصار ہوتا ہے اسی طرح مرض سے بھی احصار ہوتا ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت الحجاج ابن عمرو الانصاری قال قال رسول الله ﷺ من کسر او عرج فقد حل وعلیه الحج من قابل قال عکرمة فسألت ابن عباس وابا هریرة عن ذلک فقالا صدق وفی روایة آخر او مرض (ج)(ابو داؤد شریف، باب الاحصار ص ۲۶۴ نمبر ۱۸۶۲ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الذی یھل بالحج فیکسر او یعرج ص ۱۸۷ نمبر ۹۴۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف دشمن ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ مرض اور پاؤں ٹوٹنے کی وجہ سے بھی احصار ہو سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف دشمن کی وجہ سے احصار ہوتا ہے۔ان کی دلیل عمرہ اور صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے جس میں صرف دشمن کفار مکہ کی وجہ سے احصار ہوا ہے(۲)عن ابن عباس قال لا حصر الا حصر العدو (د)(سنن للبیہقی، باب من لم یر الاحلال بالاحصار بالمرض ج

حاشیہ : (الف) حج اور عمرہ کو پورا کرو۔پس اگر تم روک دیئے گئے تو جو ہدی آسان ہو۔اور سر کا حلق مت کراؤ یہاں تک کہ ہدی اپنی جگہ تک پہنچ جائے (ب) ابن عباس نے فرمایا حضور کو احصار کیا تو آپؐ نے اپنا سر حلق کرایا۔اور اپنی بیوی سے جماع کیا اور ہدی کا نحر کیا یہاں تک کہ اگلے سال عمرہ کیا۔(ج) آپؐ نے فرمایا جس کا کچھ ٹوٹ گیا یا لنگڑا ہو گیا تو حلال ہو جائے اور اس پر اگلے سال حج ہے۔حضرت عکرمہ نے فرمایا میں نے ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ کو اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ سچ فرمایا (د) ابن عباس نے فرمایا حصر نہیں ہے مگر دشمن کی جانب سے حصر ہو سکتا ہے۔

وقيل له ابعث شاة تذبح فی الحرم.

خامس ص ۲۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف دشمن سے حصر ہوتا ہے۔ بکری حرم میں ذبح ہو تب احرام کھولے اس کی دلیل یہ آیت ہے فان احصرتم فما استیسر من الهدی ولا تحلقوا رؤوسكم حتى تبلغ الهدى محله (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ جب تک ہدی اپنی جگہ یعنی حرم میں نہ پہنچ جائے اپنا سر نہ منڈاواؤ۔ ہدی کی جگہ حرم ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے ومن قتله منكم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم يحكم به ذوا عدل منكم هديا بالغ الكعبة (الف) (آیت ۹۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے پتہ چلا کہ ہدی کعبہ تک پہنچے اور وہیں ذبح ہو۔ اس لئے احصار کی ہدی بھی حرم میں ذبح ہو تب حلال ہوگا (۲) حدیث میں ہے يحدث ابی میمون بن مهران قال خرجت معتمرا ... فاتيت ابن عباس فسألته فقال ابدل الهدى فان رسول الله ﷺ امر اصحابه ان يبدلوا الهدى الذى نحروا عام الحديبية فی عمرة القضاء (ب) (ابو داؤد شریف، باب الاحصار ص ۲۶۴ نمبر ۱۸۶۴) اس حدیث میں ہے کہ صحابہ نے صلح حدیبیہ میں جو قربانیاں حدیبیہ میں ذبح کی تھی اس کو دوبارہ ذبح کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ قربانی ادا نہیں ہوئی۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک احصار کی ہدی حرم ہی میں ذبح کرنا ہوگا (۳) عن ابن مسعود فی الذی لدغ وهو محرم بالعمرة فاحصر فقال عبد الله ابعثوا بالهدى واجعلوا بينكم وبينه يوم امار فاذا ذبح الهدى بمكة حل هذا قال ابو عبيد قال الكسائی الامار العلامة (ج) (سنن للبیہقی، باب من رأی الاحلال بالاحصار بالمرض ج خامس ص ۳۶۱، نمبر ۱۰۱۰۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکہ جانے والے کو ہدی دیدے اور کسی خاص دن کا وعدہ لے لے اور اس دن حلال ہو جائے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ جس جگہ محصر ہوا ہے اسی جگہ ہدی ذبح کردے، حرم بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے وقال مالک وغيره ينحر هديه ويحلق فی ای موضع كان ولا قضاء عليه لان النبی ﷺ واصحابه بالحديبية نحروا وحلقوا وحلوا من كل شیء قبل الطواف وقبل ان يصل الهدى الى البيت ثم لم يذكر ان النبی ﷺ امر احدا ان يقضى شيئا ولا يعودوا له والحديبية خارج من الحرم (د) (بخاری شریف، باب من قال لیس علی المحصر بدل ص ۲۴۴ نمبر ۱۸۱۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہاں احصار ہوا ہے وہیں ہدی ذبح کرے گا۔ کیونکہ صحابہ اور حضورؐ نے حدیبیہ میں ہدی ذبح کی اور حدیبیہ حرم میں نہیں

حاشیہ : (الف) اور جو تم میں سے جان کر شکار کو قتل کرے تو اس کا بدلہ اس کے مثل ہے جو قتل کیا جانور میں سے اس کا فیصلہ کرے دو انصاف ور آدمی ہدی جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو (ب) ابی میمون بن مہران بیان فرماتے ہیں کہ میں عمرہ کے لئے نکلا... پس ابن عباس کے پاس آیا اور ان کو پوچھا، انہوں نے فرمایا ہدی کو بدلو اس لئے کہ حضورؐ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ہدی بدل دیں جو نحر فرمایا تھا حدیبیہ کے سال عمرۃ القضا میں۔ یعنی دوبارہ ہدی ذبح کیا (ج) عبد الرحمن بن یزید نے فرمایا ہمارے ساتھ ایک آدمی نے عمرہ کا احرام باندھا۔ پس اس کو بچھو نے کاٹ لیا۔ پس کچھ سوار ظاہر ہوئے ان میں عبد اللہ بن مسعود تھے ان سے لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ۔ ہدی بھیجو اور تمہارے اور ان کے درمیان ایک دن متعین کرلو۔ پس جب وہ دن گزر جائے تو حلال ہو جائے (د) امام مالک اور ان کے علاوہ نے فرمایا ہدی نحر کرے اور جس جگہ چاہے حلق کرائے اور اس محصر پر قضا نہیں ہے۔ کیونکہ حضورؐ اور ان کے اصحاب نے حدیبیہ میں نحر کیا اور ہر چیز سے حلال ہوئے طواف سے پہلے۔ اور بیت اللہ تک ہدی پہنچنے سے پہلے۔ پھر کسی نے ذکر نہیں کیا کہ حضور نے کسی کو کچھ قضا کرنے کا حکم دیا ہو۔ اور نہ اس کی قضا کے لئے واپس ہوئے ہوں۔ اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے۔

[۷۷۸](۲) وواعد من يحملها يوما بعينه يذبحها فيه ثم تحلل [۷۷۹](۳) فان كان قارنا بعث دمين[۷۸۰] (۴) ولا يجوز ذبح دم الاحصار الا فی الحرم[۷۸۱] (۵) ويجوز ذبحه قبل يوم النحر عند ابی حنيفة وقالا لا يجوز الذبح للمحصر الا فی يوم النحر

ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حرم کے علاوہ میں احصار کی ہدی ذبح کی جا سکتی ہے۔

[۷۷۸](۲) یا وعدہ کرائے اس آدمی کو جو بکری لے جائے ایک متعین دن کا جس میں بکری ذبح کرے پھر محصر حلال ہو جائے۔

تشریح محصر کسی آدمی کے ساتھ بکری حرم تک بھیجے اور اس سے وعدہ لے لے کہ کس دن اس بکری کو حرم میں ذبح کرے گا اس دن وہ حلال ہو جائے۔کیونکہ بکری ذبح ہونے سے پہلے حلال ہونا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ آیت میں ہے ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محله (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جب تک ہدی ذبح نہ ہو سر مت منڈاؤ (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے پہلے ہدی نحر کی پھر حلق کروایا عن المسور ان رسول الله ﷺ نحر قبل ان يحلق وامر اصحابه بذلك (الف) (بخاری شریف، باب النحر قبل الحلق فی الحصر ص ۲۴۳ نمبر ۱۸۱۱) اس حدیث میں آپ نے فرمایا پہلے ہدی کا نحر کرو پھر سر منڈواؤ۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک پہلے نحر کرے پھر حلق کرائے (۳) اوپر عبد اللہ بن مسعود کا اثر گزرا جس میں ہے کہ جس کے ساتھ ہدی بھیجے اس سے متعین دن کا وعدہ لے لے، اور اس دن محصر حلال ہو جائے (سنن للبیہقی، نمبر ۱۰۱۰)

[۷۷۹](۳) پس اگر محصر قارن ہو تو دو دم بھیجے۔

وجہ قارن دو احرام باندھے ہوئے ہے۔ایک احرام حج کا اور ایک احرام عمرے کا اس لئے دو احرام سے حلال ہونے کے لئے دو دم بھیجنا پڑے گا۔قال مالك ومن قرن الحج والعمرة ثم فاته الحج فعليه ان يحج قابلا ويقرن بين الحج والعمرة ويهدى هدين هديا لقرانه الحج مع العمرة وهديا لما فاته من الحج (موطا امام مالک، باب ہدی من فاتہ ص ۴۰۶ (۲) دوسرے اثر میں ہے عن ابراهيم قال هديان (ب) مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸ ما یجب علیہ من الھدی اذا جمع بینھما فاحصر، باب الاحصار ص ۵۹، ج ثالث، ص ۱۳۳، نمبر ۱۲۷۹۶) اس اثر میں ہے کہ قارن محصر ہو جائے تو دو ہدی لازم ہوگی۔

[۷۸۰](۴) اور نہیں جائز ہے احصار کے دم کا ذبح کرنا مگر حرم میں۔

تشریح احصار کا دم حرم میں ذبح کرے، اس کے علاوہ میں ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر گزر چکی ہے آیت بھی اور حدیث بھی۔ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محله (آیت ۹۶، سورۃ البقرۃ ۲)

[۷۸۱](۵) اور جائز ہے احصار کی ہدی کا ذبح کرنا یوم النحر سے پہلے ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا حج کے محصر کی ہدی کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے مگر دسویں ذی الحجہ کو۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے حلق کرنے سے پہلے نحر فرمایا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم فرمایا (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا قارن پر دو ہدی ہیں۔

[۷۸۲](۶) ویجوز للمحصر بالعمرة ان یذبح متی شاء [۷۸۳](۷) والمحصر بالحج

تشریح حج کے احرام میں محصر ہوا تو دسویں ذی الحجہ سے پہلے بھی ہدی ذبح کرسکتا ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ حج کے احرام میں محصر ہوا تو دسویں ذی الحجہ سے پہلے ہدی ذبح نہیں کرسکتا ہے۔

وجہ ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک قسم کا دم کفارہ ہے۔ اسی وجہ سے اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ اور دم کفارہ حرم کے ساتھ تو خاص ہے، کسی متعین دن کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس لئے دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص نہیں ہوگا۔ اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح دم قران اور دم تمتع دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے پہلے ان کا ذبح کرنا جائز نہیں اسی طرح حج کا دم احصار بھی دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص ہوگا کہ اس سے پہلے اس کا ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

[۷۸۲](۶) اور عمرہ کے محصر کے لئے جائز ہے کہ ہدی ذبح کرے جب چاہے۔

وجہ عمرہ کسی زمانے میں ہوسکتا ہے اس لئے اس کا احصار ہوا تو اس کی ہدی جب چاہے ذبح کرسکتا ہے۔ دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص نہیں ہے (۲) حضورؐ اور صحابہ صلح حدیبیہ کے موقع پر محصر ہوئے تو اسی وقت ہدی ذبح کردیا جبکہ یہ احصار ذی قعدہ میں تھا (بخاری شریف نمبر ۱۷۷۸) کم اعتمر النبی ﷺ ؟ قال اربع : عمرة الحدیبیة فی ذی القعدة حیث صده المشرکون (بخاری شریف، باب کم اعتمر النبیؐ، نمبر ۱۷۷۸)

[۷۸۳](۷) حج کا محصر اگر حلال ہوجائے تو اس پر حج ہے اور عمرہ ہے۔

تشریح حج کا احرام باندھا تھا اور احصار ہوگیا تو حج کے احصار کے بعد عمرہ کرے اور عمرہ نہ کرسکا تو آئندہ عمرہ کرے اور حج کے بدلے حج کی قضا کرے۔ تو گویا کہ حج کا محصر حج بھی کرے گا اور عمرہ بھی کرے گا۔

وجہ قال مالک وقد امر بن الخطاب ابا ایوب الانصاری وهبار بن الاسود حین فاتهما الحج واتیا یوم النحر ان یحلا بعمرة ثم یرجعان حلالا ثم یحجان عاما قابلا ویهدیان فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج و سبعة اذا رجع الی اهله (موطا امام مالک، باب ماجاء فیمن احصر بغیر عدو ص ۳۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حج فوت ہوجائے اور محصر مکہ مکرمہ میں ہو اور عمرہ کرسکتا ہو تو عمرہ کرکے حلال ہوجائے اور آئندہ سال حج قضا کرے۔ عمرہ کی قضا کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة قالت خرجنا مع النبی ﷺ ... ارسلنی النبی مع عبد الرحمن بن ابی بکر الی التنعیم فاعتمرت فقال هذه مکان عمرتک (الف) (بخاری شریف، باب کیف تفعل الحائض والنفساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ چھوٹ جائے تو قضا کرنا ہوگا (۳) حدیث میں ہے عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال من وقف بعرفات بلیل فقد ادرک الحج ومن فاته عرفات بلیل فقد فاته الحج فلیحل بعمرة وعلیه الحج من قابل (ب) (دار قطنی، کتاب الحج ثانی ص ۲۱۲ نمبر ۲۴۹۶ رسنن للبیہقی، باب ما

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں حضور کے ساتھ نکلی... مجھ کو حضورؐ نے عبدالرحمن کے ساتھ تنعیم بھیجا، پس میں نے عمرہ کیا۔ پس آپؐ نے فرمایا یہ تیرے عمرہ کی جگہ پر ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جو عرفات میں رات میں ٹھہرا ہو تو حج پالیا۔ اور جس سے رات تک میں عرفات فوت ہوگیا تو اس سے حج (باقی اگلے صفحہ پر)

اذا تحلل علیه حجة و عمرة[۷۸۴] (۸) وعلی المحصر بالعمرة القضاء.

یفعل من فاتہ الحج خامس ص۲۸۴، نمبر ۹۸۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج فوت ہو جائے تو عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج کرے۔

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک حج فرض ہو تو اس کی قضا ہے ورنہ نہیں۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن عباس انما البدل علی من نقص حجه بالتلذذ فاما من حبسه عذر او غیر ذلک فانه یحل ولا یرجع واذا کان معه هدی وهو محصر نحره ان کان لا یستطیع ان یبعث به، وان استطاع ان یبعث به لم یحل حتی یبلغ الهدی محله، وقال مالک وغیره ینحره هدیه ویحلق فی ای موضع کان ولا قضاء علیه لان النبی ﷺ واصحابه بالحدیبیة نحروا و حلقوا وحلوا من شیء قبل الطواف وقبل ان یصل الهدی الی البیت ثم لم یذکر ان النبی ﷺ امر احدا ان یقضوا شیئا ولا یعودوا له والحدیبیة خارج من الحرم (الف) (بخاری شریف، باب من قال لیس علی المحصر بدل ص۲۴۳ نمبر ۱۸۱۳) اس اثر میں ہے کہ حضورؐ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ چھوڑا اور بعد میں کسی کو قضا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور کئی صحابہ ایسے تھے جو اگلے سال عمرہ کے لئے نہیں آسکے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ قضا واجب نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے قضا نہیں کی۔

نوٹ حج فرض میں احصار ہو جائے تو بالاتفاق اس کی قضا لازم ہے۔

[۷۸۴] (۸) اور عمرہ کے محصر پر قضا لازم ہے۔

وجہ مسئلہ نمبر ۷ میں حضرت عائشہ کی حدیث گزری جس میں تھا عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت خرجنا مع النبی ﷺ فی حجة الوداع ... ارسلنی النبی ﷺ مع عبد الرحمن بن ابی بکر الی التنعیم فاعتمرت فقال هذه مکان عمرتک (ب) (بخاری شریف، باب کیف تفعل الحائض والنفساء ص۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ چھوٹ جائے تو عمرہ چاہے نفل ہے لیکن احرام باندھنے کے بعد واجب ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی قضا کرنی ہوگی۔ کیونکہ حضرت عائشہ نے عمرہ چھوڑا تھا تو آپؐ نے عمرہ کروایا اور فرمایا یہ اس عمرے کے بدلے میں ہے۔

فائدہ امام مالکؒ کا مسلک اور اس کے دلائل اوپر مسئلہ نمبر ۷ میں گزر گئے کہ حج فرض کے علاوہ کی قضا نہیں ہے۔ (بخاری شریف نمبر ۱۸۱۳)

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فوت ہو گیا۔ اس لئے عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور اس پر اگلے سال حج ہے (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا بدل اس پر ہے جس نے لذت اٹھانے لئے حج توڑا بہر حال جس کو عذر نے روک لیا یا اس کے علاوہ ہو وہ حلال ہو جائے اور واپس نہ لوٹے۔ اور اگر اس کے ساتھ ہدی ہو اور محصر ہو جائے تو اس کو نحر کر دے اگر اس کو حرم تک نہ بھیج سکتا ہو۔ اور اگر بھیج سکتا ہو تو نہ حلال ہو یہاں تک کہ ہدی اپنے محل تک پہنچ جائے۔ اور حضرت مالک اور ان کے علاوہ نے فرمایا ہدی کو نحر کرے اور جہاں چاہے حلق کرائے اور اس پر قضا نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضورؐ اور ان کے صحابہ نے حدیبیہ میں نحر کیا اور حلق کرایا اور طواف سے پہلے ہر چیز سے حلال ہو گئے۔ اور بیت اللہ تک ہدی پہنچنے سے پہلے حلال ہو گئے۔ پھر کسی نے ذکر نہیں کیا کہ حضورؐ نے کسی کو کچھ قضا کرنے کا حکم دیا ہو اور نہ قضا کے لئے واپس لوٹے۔ اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے (الف) مجھے حضورؐ نے عبد الرحمٰن کے ساتھ تنعیم تک بھیجا۔ پس میں نے عمرہ کیا، پس آپؐ نے فرمایا یہ تیرے عمرہ کی جگہ پر ہے۔

[۷۸۵] (۹) وعلی القارن حجة و عمرتان[۷۸۶] (۱۰) واذا بعث المحصر هدیا وواعد هم ان یذبحوه فی یوم بعینه ثم زال الاحصار فان قدر علی ادراک الهدی والحج لم یجز له التحلل ولزمه المضی[۷۸۷](۱۱) وان قدر علی ادراک الهدی دون الحج تحلل [۷۸۸](۱۲) وان قدر علی ادراک الحج دون الهدی جاز له التحلل استحسانا

---

[۷۸۵] (۹) اور قارن پر حج اور دو عمرے ہیں۔

تشریح قارن نے حج اور عمرے کا احرام ایک ساتھ باندھا ہے اس لئے جب وہ محصر ہوئے تو ایک عمرہ احصار کی وجہ سے لازم ہوگا اور ایک حج اور ایک عمرہ قران کی وجہ سے لازم تھے۔ اس لئے ایک حج اور دو عمرے لازم ہوئے۔

نوٹ حج فوت ہو جائے تو عمرہ کر کے حلال ہو اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۷ میں گزر گئی (دار قطنی نمبر ۲۴۹۶ بیہقی ج خامس ص ۲۸۴، نمبر ۹۸۲۰) عن حماد فی رجل اہل بعمرة وحجة فاحصر قال یبعث بالھدی فاذا بلغ الھدی محله احل و علیه حجة و عمرتان وقال الحکم علیه حجة و ثلاث عمر (مصنف ابی ابن شیبہ ۷ فی الرجل یجمع بین الحج والعمرة فیحصر ماعلیہ فی قابل ج ثالث، ص ۱۳۳، نمبر ۱۲۷۹۵)

[۷۸۶] (۱۰) اگر محصر نے ہدی بھیجی اور لوگوں سے وعدہ کروایا کہ اس کو متعین دن میں ذبح کرے گا پھر احصار زائل ہو گیا۔ پس اگر ہدی پانے پر اور حج پانے پر قدرت ہو تو اس کے لئے حلال ہونا جائز نہیں، اور اس کو آگے بڑھنا لازم ہے۔

تشریح محصر ہدی بھیج چکا ہے لیکن اس درمیان احصار زائل ہو گیا۔ اور حج اور ہدی دونوں پانے پر قادر ہے تو حلال نہ ہو بلکہ آگے بڑھے اور حج کرے اور ہدی بعد میں خود سے ذبح کرے۔

وجہ چونکہ اصل پر قادر ہو گیا اس لئے اب فرع پر عمل نہیں کرے گا۔

اصول اصل پر قادر ہو تو فرع پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

[۷۸۷] (۱۱) اور اگر ہدی پانے پر قدرت ہو لیکن حج پانے پر قدرت نہ ہو تو حلال ہو جائے۔

وجہ حج اصل ہے اور اصل پر قدرت نہیں ہوئی تو جا کر کیا کرے گا اس لئے اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے۔

[۷۸۸] (۱۲) اور اگر حج کے پانے پر قدرت ہو نہ کہ ہدی پانے پر تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے استحسانا۔

تشریح محصر کا احصار زائل ہو گیا اور حج تو پا سکتا ہے لیکن ہدی نہیں پا سکتا ہو تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے۔ اگر چہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو حلال نہیں ہونا چاہئے اور جا کر حج کرنا چاہئے۔

وجہ کیونکہ اصل پر قادر ہے اور ہدی ایک فروعی چیز ہے جس پر قادر نہیں ہے اس لئے قیاس کا تقاضا ہے کہ اس کو حلال نہیں ہونا چاہئے بلکہ جا کر حج کر لینا چاہئے۔ لیکن ہدی یعنی مال کی بھی ایک حیثیت ہے اس لئے وہ ضائع نہ ہو اس لئے اس کے حلال ہونے کی گنجائش ہے، تاہم حلال نہ

[۷۸۹](۱۳) ومن احصر بمكة وهو ممنوع عن الحج والوقوف والطواف كان محصرا

[۷۹۰](۱۴) وان قدر على ادراك احدهما فليس محصر.

ہو اور جا کر حج کرے تو بہتر ہے تاکہ احرام باندھ کر جس کام کا عہد کیا تھا وہ پورا کرے، اسی لئے مصنف نے فرمایا کہ استحسانا ایسا کرنا جائز ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ نہیں ہے۔

[۷۸۹](۱۳) جو مکہ مکرمہ میں محصور ہو گیا اور وہ حج کرنے سے اور وقوف عرفہ کرنے سے اور طواف کرنے سے روک دیا گیا تو وہ محصر ہے

تشریح وقوف عرفہ کرنا اور طواف زیارت کرنا حج کے یہ دو ارکان اصل ہیں اور ان دونوں سے روک دیئے گئے تو مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بھی محصر ہو جائے گا۔

وجہ (۱) کیونکہ وقوف عرفہ نہیں کیا تو حج نہیں ہوا اور طواف نہ کر سکا تو عمرہ کر کے بھی حلال نہیں ہو سکے گا تو گویا کہ وہ لوگ جو حل میں محصر ہوتے ہیں ان کی طرح محصر ہو گئے (۲) سئل مالک عن من اهل من اهل مكة بالحج ثم اصابه كسر او بطن متخرق او امرأة تطلق قال من اصابه هذا منهم فهو محصر يكون عليه مثل ما يكون على اهل الآفاق اذا هم احصروا (الف) موطا امام مالک، باب ماجاء فیمن احصر بغیر عدو ص ۳۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ حج کرنے سے اور طواف کرنے سے روک دیئے گئے تو وہ بھی آفاقی کی طرح محصر ہوں گے۔

[۷۹۰](۱۴) اور اگر وقوف عرفہ یا طواف بیت اللہ کے پانے پر قدرت ہو تو محصر نہیں ہے۔

تشریح وقوف عرفہ کر سکتا ہو تو حج ہو گیا، اب طواف زیارت باقی ہے تو وہ کبھی بھی کر سکتا ہے، اس لئے گویا کہ وہ محصر نہیں ہے۔ اور اگر طواف بیت اللہ کر سکتا ہے اور وقوف عرفہ نہیں کر سکتا تو حج تو فوت ہو جائے گا لیکن عمرہ کا طواف اور سعی کر کے حلال ہو سکتا ہے۔ اس لئے اب اس کو احصار کی ہدی لازم نہیں ہوگی تو گویا کہ محصر نہیں ہوا۔ یہی مطلب ہے فليس بمحصر کا کہ اس کو احصار کی ہدی لازم نہیں ہوگی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا حج ہو گیا اور وہ واقعی محصر نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک وقوف عرفہ، یا طواف دونوں میں سے ایک سے روک دیا جائے تو محصر ہوگا۔ ان کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۳ میں اثر امام مالکؒ ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت مالکؒ سے پوچھا گیا جس نے اہل مکہ میں حج کا احرام باندھا پھر اس کا پاؤں ٹوٹ گیا یا پیچش ہو گئی یا عورت کو طلاق دیدی گئی؟ فرمایا ان میں جن کو یہ عوارض لاحق ہوں وہ محصر ہیں۔ ان پر ایسے ہی ہے جیسے آفاقی پر ہے جب آفاقی محصر ہو جائیں۔

﴿ باب الفوات ﴾

[۷۹۱](۱) ومن احرم بالحج ففاته الوقوف بعرفة حتى طلع الفجر من يوم النحر فقد فاته الحج[۷۹۲] (۲) وعليه ان يطوف ويسعى ويتحلل ويقضى الحج من قابل ولا دم عليه

﴿ باب الفوات ﴾

ضروری نوٹ حج کے فوت ہونے کو فوات کہتے ہیں۔

[۷۹۱](۱) جس نے حج کا احرام باندھا اور اس کا وقوف عرفہ فوت ہو گیا یہاں تک کہ دسویں ذی الحجہ کی فجر طلوع ہو گئی پس اس کا حج فوت ہو گیا

تشریح دسویں ذی الحجہ کی فجر طلوع ہونے سے پہلے پہلے وقوف عرفہ کر لینا چاہئے اس سے حج ہو جائیگا۔ اب وہ طلوع فجر سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کا حج فوت ہو گیا، وقوف عرفہ فرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے ثم افيضوا من حيث افاض الناس (آیت ۱۹۹ سورۃ البقرۃ ۲) حدیث میں ہے عن عروة بن مضرس ... فقال رسول الله من شهد صلوتنا هذه ووقف معنا حتى يدفع وقد وقف بعرفة قبل ذلک ليلا او نهارا فقد تم حجه (ترمذی شریف، باب ماجاء فی من ادرک الامام بجمع فقد ادرک الحج ص ۱۷۸ نمبر ۸۹۱ ر ابو داؤد شریف، باب من لم یدرک عرفۃ، ص ۲۷۶، نمبر ۱۹۴۹)

[۷۹۲](۲) اور اس پر لازم ہے کہ طواف کرے اور سعی کرے اور حلال ہو جائے اور اگلے سال حج کرے اور اس پر حج چھوڑنے کا دم نہیں ہے

تشریح قاعدہ یہ ہے کہ جس سے حج فوت ہو جائے تو اگر وہ اعمال عمرہ یعنی طواف اور سعی کر سکتا ہو تو وہ کر کے حلال ہو جائے اور اگلے سال حج کرے۔ اور چونکہ عمرہ کر لیا تو اب اس پر ہدی ذبح کرنا لازم نہیں ہے۔ البتہ اگر عمرہ نہ کر پاتا تو ہدی لازم ہوتی۔

وجہ ان دونوں مسئلوں کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال من وقف بعرفات بليل فقد ادرک الحج ومن فاته عرفات بليل فقد فاته الحج فليحل بعمرة وعليه الحج من قابل (الف) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۲ نمبر ۲۴۹۶) اور دوسری حدیث میں یہ عبارت ہے من ادرک عرفة قبل طلوع الفجر فی يوم النحر فقد تم حجه (ب) (دار قطنی، کتاب الحج، ج ثانی، ص ۲۱۲ نمبر ۲۴۹۴ ر سنن للبیھقی، باب ادرک الحج بادراک عرفۃ قبل طلوع الفجر من یوم النحر ج خامس ص ۲۸۲، نمبر ۹۸۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کا وقوف عرفہ چھوٹ گیا تو حج فوت ہو گیا اب اس کو اعمال عمرہ کر کے حلال ہونا چاہئے۔ اس صورت میں اس پر ہدی لازم نہیں ہوگی۔ اور عمرہ کرنے پر ہدی لازم نہیں ہوگی کیونکہ مذکورہ حدیث میں ہدی کا تذکرہ نہیں ہے (۲) عمر ابن خطاب کے فیصلے میں یہ الفاظ ہیں ان هبار بن الاسود جاء يوم النحر وعمر ينحر ... ثم انحر هديا ان كان معک ثم احلقوا او قصروا وارجعوا (ج) (سنن للبیھقی، باب ما یفعل من فاتہ الحج، ج خامس، ص ۲۸۴، نمبر ۹۸۲۲) اس اثر میں ہے کہ اگر ہدی ہو تو ذبح کرو

حاشیہ: (الف) آپ نے فرمایا جو عرفات میں رات میں ٹھہرے تو اس نے حج پا لیا، اور جس سے رات میں عرفات فوت ہو گیا تو اس سے حج فوت ہو گیا۔ پس عمرہ کر کے حلال ہونا چاہئے۔ اور اس پر اگلے سال حج ہے (ب) جس نے دسویں تاریخ کی فجر طلوع ہونے سے پہلے عرفہ پا لیا تو اس کا حج پورا ہو گیا (ج) ہبار بن اسود دسویں ذی الحجہ کو حضرت عمر کے پاس آئے اس حال میں کہ وہ اونٹ نحر کر رہے تھے... پھر ہدی نحر کرو اگر تمہارے پاس ہو، پھر حلق کراؤ یا قصر کراؤ اور واپس ہو جاؤ۔

[۷۹۳](۳) والعمرة لا تفوت [۷۹۴](۴)وهی جائزة جی جمیع السنة الا خمسة ایام یکره فعلها فیها یوم عرفة و یوم النحر وایام التشریق[۷۹۵] (۵) والعمرة سنة

اور نہ ہوتو ذبح نہ کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال عمرہ کرے تو حج فوت کرنے والے پر ہدی لازم نہیں ہے۔

[۷۹۳](۳) عمرہ فوت نہیں ہوتا ہے۔

تشریح حج کا معاملہ یہ ہے کہ نویں ذی الحجہ کو عرفات کا وقوف کرے گا تو حج ہوگا اور اس وقت عرفات کا وقوف نہ کرسکا تو اب حج نہیں ہوگا۔ اب آئندہ سال حج کا احرام باندھ کر پھر نویں ذی الحجہ میں وقوف کرے تو حج ہوگا۔ لیکن عمرہ کا معاملہ کسی دن کے ساتھ خاص نہیں ہے، وہ کسی دن میں بھی کرسکتا ہے۔ اس لئے عمرہ میں احصار تو ہوگا لیکن فوت نہیں ہوگا، وہ جب بھی ادا کرے گا ادا ہی ہوگا۔

[۷۹۴](۴) عمرہ جائز ہے پورے سال میں مگر پانچ دنوں میں کہ ان میں اس کا کرنا مکروہ ہے۔ عرفہ کا دن دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق کے تین دن۔

تشریح عمرہ پورے سال میں جائز ہے لیکن نویں ذی الحجہ، دسویں ذی الحجہ، گیارہویں ذی الحجہ، بارہویں ذی الحجہ اور تیرہویں ذی الحجہ کو گویا کہ پانچ دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے۔

وجہ (۱) اثر میں ہے عن عائشة قالت حلت العمرة الدهر الا ثلاثة ایام یوم النحر ویومین من ایام التشریق اور دوسرے اثر میں ہے عن العمرة قال اذا مضت ایام التشریق فاعتمر متی شئت الی قابل (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۸ فی العمرة من قال فی کل شهر و من قال متی ماشئت ج ثالث، ص ۱۲۶، نمبر ۱۲۷۲۱/۱۲۷۲۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں عمرہ مکروہ ہے۔ اور اس کے بعد سارے سال میں جب چاہے عمرہ کرسکتا ہے۔

[۷۹۵](۵) عمرہ سنت ہے۔

وجہ عمرہ سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر عن النبی ﷺ سئل عن العمرة اواجبة هی قال لا و ان یعتمروا هو افضل (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی العمرة اواجبة هی ام لا ص ۱۸۶ نمبر ۹۳۱ / دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۱ نمبر ۲۷۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ سنت ہے واجب نہیں ہے۔

فائدہ بعض اصحاب ظواہر اس کو واجب کہتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن زید بن ثابت قال قال رسول الله ﷺ ان الحج والعمرة فریضتان لا یضرک بایهما بدأت (ج) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۰ نمبر ۲۶۹۲) (۲) ان ابن عباس قال

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پورے زمانے میں عمرہ حلال ہے مگر تین دن میں، دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق کے دو دن۔ دوسرے اثر میں ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب ایام تشریق گزر جائیں تو اگلے سال تک جب چاہیں عمرہ کرتے رہیں (ب) آپ سے عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا، کیا وہ واجب ہے؟ فرمایا نہیں، اور اگر عمرہ کرو تو زیادہ افضل ہے (ج) آپ نے فرمایا حج اور عمرہ دونوں فرض ہیں، کوئی حرج کی بات نہیں کس کو پہلے کریں حج کو یا عمرہ کو۔

[۷۹۶](۶) وهی الاحرام والطواف والسعی.

العمرة واجبة کوجوب الحج من الستطاع الیه سبیلا (الف) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۰ نمبر ۲۶۹۴) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ عمرہ واجب ہے۔

نوٹ لیکن دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ سنت ہے اور پورے سال میں جائز ہے۔

[۷۹۶](۶) عمرہ کا احرام باندھنا، طواف کرنا اور سعی کرنا ہے۔

تشریح تین ارکان کے مجموعے کا نام عمرہ ہے(۱) احرام باندھے (۲) بیت اللہ کا سات شوط طواف کرے (۳) صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرے۔ اسی تین چیز کے مجموعے کا نام عمرہ ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت خرجنا مع النبی فی حجة الوداع ... قالت فطاف الذین کانوا اهلوا بالعمرة بالبیت وبین الصفا والمروة ثم حلوا (ب) (بخاری شریف، باب کیف تهل الحائض والنفساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ میں احرام باندھے اور طواف بیت اللہ کرے اور صفا اور مروہ کی سعی کرے۔ دوسری حدیث میں ہے حدثنا ابو نعیم حدثنا ابو شهاب ... فقال لهم احلوا من احرامکم بطواف البیت وبین الصفا والمروة و قصروا ثم اقیموا حلالا (ج) (بخاری شریف، باب التمتع والاقران والافراد بالحج ص ۲۱۳ نمبر ۱۵۶۸) اس حدیث میں بھی ہے کہ عمرہ میں طواف اور سعی کر کے حلال ہو جائے یہی اعمال عمرہ ہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا عمرہ حج کی طرح واجب ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے... فرمایا ان لوگوں نے بیت اللہ کا طواف کیا جنہوں نے عمرے کا احرام باندھا، اور صفا مروہ کی سعی کی، پھر حلال ہو گئے (ج) ابو شہاب نے حدیث بیان کی... لوگوں سے کہا تمہارے عمرے کے احرام سے حلال ہو جاؤ۔ بیت اللہ کا طواف کر کے اور صفا مروہ کے درمیان سعی کر کے اور سر کا قصر کرا لو پھر حلال ہو کر ٹھہرے رہو۔

﴿ باب الهدی ﴾

[۷۹۷](۱) الهدی ادناہ شاۃ وھو من ثلثة انواع من الابل والبقر والغنم [۷۹۸](۲) یجزئ فی ذلک کله الثنی فصاعدا الا من الضأن فان الجذع منه یجزئ فیه.

﴿ باب الہدی ﴾

ضروری نوٹ ہدی، جو جانور ذبح ہونے کے لئے حرم بھیجا جائے اس کو ہدی کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی (الف) (آیت ۱۹۶ سورۂ بقرۃ ۲) اس آیت سے ہدی کا ثبوت ہوا۔

[۷۹۷](۱) ہدی کا ادنی بکری ہے اور وہ تین قسم پر ہے۔اونٹ، گائے اور بکری۔

وجہ چونکہ کسی حدیث میں بکری سے کم ہدی دینے کا ثبوت نہیں ہے اس لئے بکری ادنی ہے (۲) اخبرنا ابو جمرۃ قال سألت ابن عباس عن المتعة فامرنی بھا وسألته عن الھدی فقال فیھا جزور او بقرۃ او شاۃ او شرک فی دم (ب) (بخاری شریف، باب فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الہدی ص ۲۲۸ نمبر ۱۶۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اونٹ، گائے اور بکری ہدی ہیں۔یا اونٹ اور گائے کا ساتواں حصہ ہو۔

[۷۹۸](۲) ان تمام میں ثنی یا اس سے زیادہ عمر کا جانور کافی ہے مگر بھیڑ میں کہ اس کا جذع بھی ہدی میں کافی ہے۔

تشریح جانور کو جوانی کے دو دانت آنے کے بعد اس کو ثنی کہا جاتا ہے۔اور بھیڑ چھ ماہ کا ہو تو اس کو جذع کہتے ہیں۔ہدی اور قربانی میں تمام جانور کا ثنی ذبح کیا جائے گا لیکن بھیڑ میں اس کی گنجائش ہے کہ موٹا تگڑا ہو تو جذع یعنی دانت سے پہلے کا جانور بھی کافی ہوگا۔کیونکہ حدیث میں اس کی خصوصیت وارد ہوئی ہے۔

وجہ حدیث میں ہے عن جابر قال قال رسول اللہ لاتذبحوا الامسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضأن (ج) (ابوداؤد شریف، باب ما یجوز فی الضحایا من السن ج ثانی ص ۳۰ کتاب الضحایا نمبر ۲۷۹۷ رترمذی شریف، باب فی الجذع من الضأن فی الاضاحی، ص ۲۷۶ ابواب الاضاحی نمبر ۱۴۹۹ رمسلم شریف، باب سن الاضحیۃ نمبر ۵۰۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اور جانوروں میں ثنی ضروری ہے۔اور بھیڑ میں چھ ماہ کا بچہ جس کو جذع کہتے ہیں وہ بھی کافی ہوگا بشرطیکہ موٹا تگڑا ہو۔

لغت الثنی : نیا دانت آیا ہو، بکری دوسرے سال میں قدم رکھے تو ثنی ہوتی ہے۔گائے۔بھینس دو سال کے بعد تیسرے میں قدم رکھے تو ثنی ہوتی ہیں۔اونٹ چار سال پورے کر کے پانچویں سال میں قدم رکھے تو نیا دانت آتا ہے اور ثنی ہوتا ہے۔

حاشیہ : (الف) پس جب تم امن میں ہو جاؤ تو جس نے عمرے کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ حاصل کیا۔پس ہدی میں سے جو آسان ہو وہ دو (ب) میں حضرت ابن عباس سے تمتع کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مجھے اس کا حکم دیا۔اور ان کو ہدی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اس میں اونٹ ہے یا گائے ہے یا بکری ہے یا جانور میں شرکت ہے (ج) آپؐ نے فرمایا مت ذبح کرو مگر مسنہ مگر تم پر تنگ دستی ہو تو بھیڑ کا جذع ذبح کرو۔

[۷۹۹](۳) ولا یجوز فی الهدی مقطوع الاذن ولا اکثر ها ولا مقطوع الذنب ولا مقطوع الید ولا الرجل ولا ذاهبة العین ولا العفجاء ولا العرجاء التی لا تمشی الی

[۷۹۹](۳) نہیں جائز ہے ہدی میں کان مکمل کٹا ہوا اور نہ اس کا اکثر کٹا ہوا اور نہ دم کٹی ہوئی اور نہ ہاتھ کٹا ہوا اور نہ پاؤں کٹا ہوا اور نہ آنکھ گئی ہوئی اور نہ دبلا اور نہ لنگڑا جو مذبح تک نہ جا سکتا ہو۔

وجہ (۱) ہدی اللہ کے بارگاہ میں پیش ہوتی ہے اس لئے اچھا جانور ہو، عیب دار جانور انسان بھی پسند نہیں کرتا تو اللہ کی بارگاہ میں کیسے پیش کیا جائے؟ (۲) حدیث میں ہے سألت براء بن عازب مالا یجوز فی الاضاحی فقال قام فینا رسول الله ... فقال اربع لاتجوز فی الاضاحی العوراء بین عورها والمریضة بین مرضها والعرجاء بین ظلعها والکسیرة التی لا تنقی (الف) (ابو داؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ج ثانی ص ۳۱ کتاب الضحایا نمبر ۲۸۰۲ / ترمذی شریف، باب مالا یجوز من الاضاحی ص ۲۶۴ نمبر ۱۴۹۷) دوسری حدیث میں ہے قال اتیت عتبة بن عبد سلمی ... انما نهی رسول الله عن المصفرة والمستأصلة والبخقاء والمشیعة والکسراء، فالمصفرة التی تستاصل اذنها حتی یبدو سماخها، والمستأصلة التی استؤصل قرنها من اصله، والبخقاء التی تبخق عینها المشیعة التی لا تتبع الغنم عجفا و ضعفا والکسراء الکسیرة (ب) (نمبر ۲۸۰۳) (۳) تیسری حدیث میں ہے عن علی قال امرنا رسول الله ان نستشرف العین والاذن ولا نضحی بعوراء ولا مقابلة ولا مدابرة ولا خرقاء ولا شرقاء قال زهیر فقلت لابی اسحاق اذکر عضباء وقال لا قلت فما المقابلة ؟ قال یقطع طرف الاذن فقلت فما المدابرة ؟ قال یقطع من مؤخر الاذن قلت فما الشرقاء ؟ قال تشق الاذن قلت فما الخرقاء ؟ قال تخرق اذنها للسمة (ج) (ابو داؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ج ثانی ص ۳۱/۳۲ کتاب الضحایا نمبر ۲۸۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کان کٹا ہوا، دم کٹی ہوئی، ہاتھ کٹا ہوا۔ پاؤں کٹا ہوا، نابینا، لنگڑا اور عضو کٹا ہوا یا خراب ہو تو قربانی اور ہدی میں نہیں چلے گا۔ اور تہائی سے کم ہو تو وہ چل جائے گا۔

نوٹ حدیث کے ترجمہ میں عیب کا ترجمہ بھی آگیا ہے۔

حاشیہ : (الف) ہمارے درمیان حضور کھڑے ہوئے.. فرمایا چار جانور قربانی میں جائز نہیں (۱) کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو (۲) بیمار جس کا مرض ظاہر ہو (۳) لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو (۴) اور اتنا بوڑھا کہ ہڈی ظاہر ہوتی ہو (ب) حضورؐ نے بالکل کان کٹے ہوئے جانور کی قربانی کرنے سے منع فرمایا (۲) اور جڑ سے سینگ نکلا ہوا (۳) اندھا (۴) دبلا (۵) کوئی عضو ٹوٹا ہوا جانور قربانی سے منع فرمایا، مصفرہ وہ ہے جس کا کان جڑ سے نکلا ہوا ہو یہاں تک کہ دماغ نظر آتا ہو، اور مستاصلہ وہ ہے جسکا سینگ جڑ سے نکلا ہوا ہو، اور بخقاء وہ ہے جس کی آنکھ اندھی ہو، اور مشیعہ وہ ہے جو دبلے پن کی وجہ سے بکریوں کے پیچھے نہ جا سکتا ہو، اور کسراء وہ ہے جس کا کوئی عضو ٹوٹا ہوا ہو (ج) ہم کو حضورؐ نے حکم دیا کہ آنکھ کو اور کان کو جھانک کر دیکھ لیں اور کانا جانور ذبح نہ کریں۔ اور نہ کنارے پر کٹے ہوئے کان والے کو، اور نہ پیچھے کٹے ہوئے کان والے کو، اور نہ پھاڑے ہوئے کان والے کو، اور نہ علامت کے لئے شگاف ڈالے ہوئے کان والے کو۔ زہیر نے ابو اسحاق سے پوچھا کیا عضباء کا ذکر کیا ہے؟ فرمایا نہیں۔ میں نے کہا مقابلہ کیا ہے؟ فرمایا کان کا کنارہ کٹا ہوا۔ میں نے کہا مدابرہ کیا ہے؟ فرمایا کان کا پچھلا حصہ کٹا ہوا۔ میں نے پوچھا شرقاء کیا ہے؟ فرمایا کان پھٹا ہوا ہو۔ میں نے کہا خرقاء کیا ہے؟ فرمایا علامت کے لئے کان پھاڑا ہو۔

المنسک[۸۰۰] (۴) والشاة جائزة فی کل شیء الا فی موضعین من طاف طواف الزیارة جنبا ومن جامع بعد الوقف بعرفة فانه لا یجوز فیهما الا بدنة.

لغت العجفاء : جو بہت دبلا پتلا جانور ہو۔ العرجا : لنگڑا۔ المنسک : نسک سے مشتق ہے جہاں جانور ذبح کیا جاتا ہے۔

[۸۰۰] (۴) بکری ہر چیز میں جائز ہے مگر دو جگہوں میں (۱) جس نے طواف زیارت جنبی ہو کر کیا (۲) اور جس نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا۔ پس ان دونوں میں اونٹ کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

تشریح یہ دونوں مسئلے اوپر گزر چکے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے کہ طواف میں وضو اور طہارت شرط ہے لیکن اس کے برخلاف طواف زیارت جو فرض ہے اس کو جنابت کی حالت میں کیا اس لئے طواف تو ہو جائے گا لیکن اغلظ جنابت ہے اس لئے بکری کی بجائے اونٹ لازم ہوگا، اور بہتر یہ ہے کہ اس طواف کو دوبارہ لوٹا لے تو کچھ لازم نہیں ہوگا۔

وجہ طہارت کے بغیر طواف زیارت کیا ہو تو گویا کہ طواف کیا ہی نہیں اس لئے طواف زیارت جو اہم ہے اس میں اہم جانور اونٹ لازم ہوگا۔ طہارت کی وجہ یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال الطواف حول البیت مثل الصلوة الا انکم تتکلمون فیہ فمن تکلم فیہ فلا یتکلم الا بخیر** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الکلام فی الطواف ص ۱۹۰ نمبر ۹۶۰ رنسائی شریف، باب اباحة الکلام فی الطواف ج ثانی ص ۲۸ نمبر ۲۹۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف نماز کی طرح ہے۔ اور نماز بغیر طہارت کے نہیں ہوتی اس لئے طواف بھی بغیر طہارت کے نہیں ہوگا۔ اور کر لیا تو دم دینا ہوگا (۲) دوسری حدیث میں ہے **عن عائشة انها قالت قدمت مکة وانا حائض ولم اطف بالبیت ولا بین الصفا والمروة قالت فشکوت ذلک الی رسول اللہ ﷺ فقال افعلی کما یفعل الحاج غیر ان لا تطوفی بالبیت حتی تطہری** (ب) (بخاری شریف، باب تقضی الحائض المناسک کلها الا الطواف بالبیت ص ۲۲۳ نمبر ۱۶۵۰) اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ بغیر طہارت کے طواف نہ کرے اور کیا تو دم یا صدقہ لازم ہوگا۔ البتہ چونکہ طواف کا درجہ نماز سے کم ہے اس لئے طواف کی ادائیگی ہو جائے گی۔ تاہم جب تک مکہ مکرمہ میں ہو تو اس طواف کو دوبارہ لوٹا لینا چاہئے پھر دم یا صدقہ لازم نہیں ہوگا۔ اور وقوف عرفہ کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے جماع کرنے پر اونٹ لازم ہوگا۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابن عباس اتاہ رجل فقال وطئت امرأتی قبل ان اطوف بالبیت قال عندک شیء؟ قال نعم انی موسر قال فانحر ناقة سمینة فاطعمها المساکین** (ج) (سنن للبیہقی، باب الرجل یصیب امرأتہ بعد التحلل الاول وقبل الثانی ج خامس ص ۲۷۹، نمبر ۹۷۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت سے پہلے جماع کر لیا تو ایک اونٹ دینا ہوگا۔ اسی طرح دوسرے اثر میں ہے **عن ابن عباس انہ سئل عن رجل**

(الف) آپ نے فرمایا بیت اللہ کے گرد طواف نماز کی طرح ہے۔ مگر اس میں بات کرتے ہو۔ اس لئے جو بات کرے وہ خیر ہی کی بات کرے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں مکہ مکرمہ آئی اور حائضہ تھی۔ اور بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا اور نہ صفا مروہ کے درمیان، فرمایا میں نے حضور سے اس کی شکایت کی تو فرمایا جیسا حاجی کرتے ہیں ویسا ہی کرو مگر یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو جب تک پاک نہ ہو جاؤ (ج) حضرت ابن عباس کے پاس ایک آدمی آیا۔ کہا میں نے اپنی بیوی سے بیت اللہ کے طواف سے پہلے وطی کی۔ ابن عباس نے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہا ہاں! میں مالدار ہوں۔ کہا موٹی اونٹنی ذبح کرو اور مسکین کو کھلاؤ۔

[۸۰۱](۵) والبدنة والبقرة یجزئ کل واحد منهما عن سبعة انفس اذا کان کل واحد من الشرکاء یرید القربة فاذا اراد احدهم بنصیبه اللحم لم یجز للباقین عن القربة

[۸۰۲](۶)و یجوز الاکل من هدی التطوع والمتعة والقران

وقع علی اهله وهو محرم وهو بمنی قبل ان یفیض فامره ان ینحر بدنة قال الشافعی وبهذانا خذ قال مالک علیه عمرة وبدنة وحجة تامة (الف)(سنن للبیھقی، باب الرجل یصیب امرأته بعد التحلل الاول وقبل الثانی ج خامس ص ۲۸۰، نمبر ۹۸۰۳/ موطا امام مالک، باب ھدی من اصاب اھلہ قبل ان یفیض ص ۴۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت سے پہلے جماع کرلیا تو اونٹ لازم ہوگا۔

[۸۰۱](۵) اونٹ اور گائے ان دونوں میں سے ہر ایک کافی ہے سات آدمیوں کی جانب سے جبکہ ہر ایک شریک قربت کا ارادہ رکھتا ہو۔ پس جبکہ ان میں سے ایک اپنے حصے سے گوشت کا ارادہ کیا ہو تو باقی کا بھی قربت سے کافی نہیں ہوگا۔

تشریح اونٹ اور گائے سات سات آدمیوں کی جانب سے کافی ہیں۔ اس سے زیادہ کی جانب سے نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تمام شرکاء نے قربت کی نیت کی ہو۔ مثلا ہدی یا قربانی یا عقیقہ ادا کرنا چاہتے ہوں، اگر ان میں سے ایک نے بھی گوشت کھانے کی نیت کی تو ایک کے فساد کی وجہ سے باقی شرکاء کا بھی فساد لازم آئے گا اور کسی کی بھی قربت یعنی ہدی یا قربانی یا عقیقہ ادا نہیں ہوگا۔

وجہ جانور ایک ہے اس لئے ایک حصہ دار کی خامی سے پورے جانور میں خامی آئے گی اور ایک حصہ کے قربت کی ادائیگی نہ ہونے سے کسی کی بھی قربت کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ جیسے نماز کے ایک رکن کی کمی سے پوری نماز فاسد ہوتی ہے۔ ایک اونٹ میں سات آدمی اور ایک گائے میں سات آدمی شریک ہونے کی حدیث یہ ہے عن جابر بن عبد اللہ قال نحرنا مع رسول اللہ ﷺ عام الحدیبیة البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة (ب) (مسلم شریف، باب جواز الاشتراک فی الھدی واجزاء البدنة والبقرة کل واحدة منھا عن سبعة، کتاب الحج ص ۴۲۴ نمبر ۱۳۱۸/ ابوداؤد شریف، باب البقر والجزور عن کم تجزی ج ثانی ص ۳۲ نمبر ۲۸۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ اور گائے اور بھینس سات حصہ داروں کی جانب سے کافی ہو سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کے نہیں۔

لغت نصیب : حصہ

[۸۰۲](۶) جائز ہے کھانا نفلی ہدی سے اور تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی سے۔

تشریح نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی جرمانے کے طور پر نہیں ہیں بلکہ انعام اور خوشی کے طور پر ہین اس لئے ان کا گوشت خود ہدی کرنے والا کھا سکتا ہے۔ اور غرباء و مساکین کو بھی کھلا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) ابن عباس سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی سے جماع کیا اس حال میں کہ وہ محرم تھا اور وہ منی میں تھا طواف زیارت سے پہلے تو اس کو حکم دیا کہ اونٹ نحر کرے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہم اسی کو لیتے ہیں۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا اس پر عمرہ ہے اور اونٹ ہے اور حج مکمل ہوگیا (ب) جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ حدیبیہ کے سال اونٹ کو سات آدمیوں کی جانب سے اور گائے کو سات آدمیوں کی جانب سے ذبح کیا۔

[۸۰۳](۷) ولا یجوز الاکل من بقیة الھدایا.

وجہ (۱) جیسے قربانی کا گوشت انعام کے طور پر ہے۔اس لئے اس کو خود کھا سکتا ہے اور غرباء و مساکین کو بھی کھلا سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ہدی کے گوشت میں سے کھایا قال دخلنا علی جابر بن عبد اللہ فسأل عن القوم ... ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلثا وستین بیدہ ثم اعطی علیا فنحر ما غبر واشرکہ فی ھدیہ ثم ام من کل بدنة ببضعة فجعلت فی قدر فطبخت فاکلا من لحمھما وشربا من مرقھا (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸ / ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی، ص ۲۷۱، نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے ہدی کا گوشت کھایا اس لئے نفلی ہدی، قران اور تمتع کی ہدی کا گوشت کھانا جائز ہے۔اور جنایات اور شکار کے بدلے کا گوشت خود جنایت دینے والے کو کھانا جائز نہیں ہے۔اس کے لئے یہ اثر ہے عن ابن عمر لا یوکل من جزاء الصید والنذر ویوکل مما سوی ذلک وقال عطاء یأکل ویطعم من المتعة (ب) (بخاری شریف، باب اذ ابوانا لابراہیم مکان البیت ان لا تشرک بی شیئا ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۱۹) (۳) عن ابن عباس انہ قال فی الحمامة شاة لا یوکل منھا یتصدق بھا، روینا عنہ فی الذی یطأ امرأتہ قبل الطواف انحر ناقة سمینة فاطعمھا المساکین وروینا عن طاؤس وسعید بن جبیر انھما قالا لا یأکل من جزاء الصید ولا من الفدیة (ج) (سنن للبیھقی، باب لا یأ کل من کل ہدی کان اصلہ واجبا علیہ الخ ج خامس ص ۳۹۶، نمبر ۱۰۲۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جنایت کا بدلے کا گوشت خود نہ کھائے بلکہ مساکین کو کھلا دے۔

[۸۰۳](۷) باقی ہدی کو کھانا جائز نہیں ہے۔

تشریح جنایت کا بدلہ، شکار کا بدلہ ان قسم کی ہدی کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔

وجہ یہ جرم ہیں دم انعام نہیں ہے اس لئے خود نہ کھائے ذبح کر کے غرباء و مساکین کو کھانے کے لئے چھوڑ دے۔دلیل مسئلہ نمبر ۶ میں گزر چکی ہے (بخاری شریف نمبر ۱۷۱۹) (۲) یہ حدیث بھی اسکی دلیل ہے حدثنی موسی بن سلمة الھذلی ... فقال یا رسول اللہ ﷺ کیف اصنع بما ابدع علی منھا قال انحر ھا ثم اصبغ نعلیھا فی دمھا ثم اجعلھا علی صفحتھا فلا تأکل منھا انت ولا احد من اھل رفقتک (د) (ابوداؤد شریف، باب فی الہدی اذا اعطب قبل ان یبلغ ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۶۳ / ترمذی شریف، باب ماجاء اذا عطب الھدی ما یصنع بہ ص ۱۸۱ نمبر ۹۱۰ / موطا امام مالک، باب فی الھدی اذا اعطب اوضل ص ۴۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنایات کی

حاشیہ : (الف) پھر حضور نحر کرنے کی جگہ کی طرف واپس لوٹے اور تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر فرمائے، پھر حضرت علی کو دیا پس انہوں نے باقی اونٹ نحر کئے، اور ہدی میں ان کو شریک کیا، پھر حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت کے ٹکڑے کو ہانڈی میں کیا جائے پھر سب کو پکایا گیا پھر دونوں نے اس کے گوشت کو کھایا اور اس کے شوربہ سے پیا (ب) ابن عمر سے منقول ہے کہ نہ کھایا جائے شکار کے بدلے کا گوشت اور نذر کی ہدی کا گوشت اور ان کے علاوہ کھایا جائے، اور حضرت عطا نے فرمایا تمتع کا گوشت کھائے اور دوسروں کو کھلائے (ج) حضرت ابن عباس نے فرمایا کبوتر کے بدلے میں ایک بکری ہے۔اس کو کھایا نہ جائے، اس کو صدقہ کر دیا جائے۔انہیں سے روایت ہے اس شخص کے بارے میں جو طواف سے پہلے وطی کر لے نحر کرے موٹا اونٹ اور اس کو مسکین کو کھلائے۔طاؤس اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ شکار کا بدلہ نہ کھائے اور نہ فدیہ کا بدلہ کھائے (د) پوچھا یا رسول اللہ! کیسے کروں اگر ہدی میں سے کچھ عیب دار ہو جائے؟ آپؐ نے فرمایا اس کو نحر کر دو پھر اس کے کھر کو اس کے خون میں رنگ دو، پھر کھر کو اس کی ایک جانب پر رکھ دو۔پھر تم اور تمہارے ساتھی میں سے کوئی اس کو نہ کھائے۔

[۸۰۴] (۸) ولا یجوز ذبح هدی التطوع والمتعة والقران الا فی یوم النحر[۸۰۵] (۹) ویجوز ذبح بقیة الهدایا فی ای وقت شاء [۸۰۶](۱۰) ولا یجوز ذبح الهدایا الا فی

ہدی ذبح کر کے چھوڑ دے اور خود نہ کھائے اور نہ اس کے ساتھی کھائے بلکہ غرباء کے لئے چھوڑ دے۔ کیونکہ پھاڑ کھانے والے جانوروں کے لئے چھوڑ نا اچھا نہیں ہے۔

[۸۰۴] (۸) نہیں جائز ہے نفلی، تمتع اور قران کی ہدی کا ذبح کرنا مگر دسویں ذی الحجہ کو۔

وجہ چونکہ رمی جمار کے بعد ہی نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی ذبح کرے گا اور وہ دسویں ذی الحجہ کو ہوگا اس لئے ان ہدی کو بھی دسویں ذی الحجہ ہی کو ذبح کرے گا (۲) آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے فکلوا منها واطعموا البائس الفقير ٥ ثم ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم وليطوفوا بالبيت العتيق (الف) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ہے کہ ہدی کا گوشت غرباء کو کھلاؤ پھر سر منڈواؤ اور بیت اللہ کا طواف کرو۔ تو سر منڈوانا دسویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے اس لئے ہدی کو ذبح کرنا بھی دسویں ذی الحجہ کو ہوگا۔

[۸۰۵] (۹) اور باقی ہدی کو جب چاہے ذبح کرو۔

تشریح نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی کے علاوہ جو ہدی ہوں گی وہ جنایات کی ہدی، احصار کی ہدی اور شکار کے بدلہ کی ہدی ہوں گی۔ چونکہ یہ ہدی کسی دن کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لئے کسی دن بھی ان کو ذبح کی جا سکتی ہیں۔ دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں

وجہ حضور صلح حدیبیہ کے عمرہ کے موقع پر محصر ہوئے اور ہدی ذبح کی حالانکہ وہ دسویں ذی الحجہ کا دن نہیں تھا بلکہ ذی قعدہ کا دن تھا اس لئے معلوم ہوا کہ باقی ہدی کو کسی دن ذبح کر سکتا ہے۔

[۸۰۶] (۱۰) نہیں جائز ہے کسی ہدی کو ذبح کرنا مگر حرم میں۔

تشریح نفلی ہدی، تمتع کی ہدی، قران کی ہدی، شکار کا بدلہ ہدی، جنایات کی ہدی اور احصار کی ہدی ان سب کو حنفیہ کے نزدیک حرم ہی میں ذبح کرنا ضروری ہے۔

وجہ آیت میں ہے ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محله (ب) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ) دوسری آیت میں ہے يحكم به ذوا عدل منكم هديا بالغ الكعبة (ج) (آیت ۹۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے پتہ چلا کہ ہدی کعبہ تک پہنچے اور وہاں ذبح ہو (۳) اثر میں ہے قال مالك والذى يحكم عليه بالهدى فى قتل الصيد او يجب عليه الهدى فى غير ذلك فان هديه لا يكون الا بمكة كما قال الله تعالى هديا بالغ الكعبة (د) (موطا امام مالک، باب جامع الہدی ص ۴۰۹) اس اثر میں ہے کہ شکار

حاشیہ : (الف) ہدی سے کھاؤ اور فقیروں کو کھلاؤ اور گندگی کو ختم کرو اور اپنی نذر پوری کرو اور پرانے گھر کا طواف کرو (ب) سر مت منڈواؤ جب تک ہدی مقام تک نہ پہنچ جائے یعنی حرم نہ پہنچ جائے (ج) شکار کے بدلہ کا فیصلہ کریں گے دو انصاف ور آدمی ہدی کا جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو (د) حضرت امام مالکؒ نے فرمایا جو ہدی کا فیصلہ کیا جائے شکار کے قتل میں یا اس پر ہدی واجب ہو اس کے علاوہ میں تو اس کی ہدی نہ ذبح ہو مگر مکہ مکرمہ میں، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہدی جو مکہ مکرمہ تک پہنچنے والی ہو۔

الحرم[۸۰۷] (۱۱) ویجوز ان یتصدق بها علی مساکین الحرم وغیرهم [۸۰۸](۱۲) ولا یجب التعریف بالهدایا [۸۰۹] (۱۳) والافضل فی البدن النحر وفی البقرۃ والغنم

کا بدلہ یا اور جو ہدی واجب ہو وہ مکہ مکرمہ میں ذبح کی جائیں (۴) جانور کا ذبح کرنا اس وقت قربت ہوگا جبکہ وقت کے ساتھ خاص ہو جیسے قربانی کا جانور یا مکان کے ساتھ خاص ہو۔ یہاں زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے تو مکان یعنی حرم کے ساتھ خاص ہونا چاہئے۔

فائدہ امام مالکؒ کا مسلک پہلے گزر چکا ہے کہ احصار کی ہدی جہاں احصار ہوا ہو وہیں ذبح کردی جائے۔

وجہ کیونکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے اور صحابہ نے حدیبیہ میں ہدی ذبح کی اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ احصار کی ہدی حرم سے باہر ذبح کر سکتا ہے۔ تفصیل مسئلہ نمبر ایک باب الاحصار میں گزر چکی ہے۔

[۸۰۷] (۱۱) اور جائز ہے حرم کے مسکینوں پر گوشت کو صدقہ کردے اور اس کے علاوہ کے مسکینوں پر بھی۔

تشریح کسی قسم کی ہدی کے گوشت کو حرم کے مسکینوں پر بھی صدقہ کر سکتے ہیں اور حرم کے علاوہ کے مسکینوں پر بھی صدقہ کر سکتے ہیں۔

وجہ آیت میں ہدی کے گوشت کو کھانے کے لئے عام رکھا ہے صرف حرم کے مساکین کی تخصیص نہیں کی ہے اس لئے دونوں قسم کے مساکین اس کے گوشت کھا سکتے ہیں۔ آیت ہے **فکلوا منها واطعموا البائس الفقیر** (الف) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ہے کہ ہدی کا گوشت البائس اور فقیر کو کھلاؤ چاہے جہاں کا ہو (۲) فقیر کو کھلانا قابل ثواب ہے اس لئے مطلق فقیر داخل ہوگا۔

نوٹ حرم کے فقیر زیادہ محتاج ہوں تو ان کو کھلانا زیادہ افضل ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک حرم کے فقیروں کو کھلانا ہوگا۔

[۸۰۸] (۱۲) ہدی کو عرفات لے جانا واجب نہیں۔

وجہ جنایات، احصار اور شکار کے بدل کی ہدی تو کسی دن بھی ذبح کی جا سکتی ہے اس لئے ان کو عرفہ کے دن عرفات کیسے لے جائیں گے۔ البتہ نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی دسویں ذی الحجہ کو ذبح کی جائے گی اس لئے ان کو عرفات لے جانا ممکن ہے۔ بلکہ نعمت کی چیز ہے اس لئے ان کی تشہیر کی جا سکتی ہے۔ لیکن عرفات ساتھ لے جانا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ ساتھ لے جانے میں مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر ان کو سنبھالنے والا نہ ہو تو ساتھ لے جائے۔

لغت التعریف : عرفات لے جانا

[۸۰۹] (۱۳) اونٹ میں افضل نحر کرنا ہے اور گائے اور بکری میں ذبح کرنا۔

تشریح آیت میں ہے **فصل لربک وانحر** (ب) (آیت ۲ سورۃ الکوثر ۱۰۸) اس میں حکم ہے کہ اونٹ کا نحر کرو (۲) حدیث میں ہے **عن انس قال صلی النبی ﷺ الظهر بالمدینة اربعا ... ونحر النبی ﷺ بیده سبعة بدن قیاما وضحی بالمدینة کبشین املحین اقرنین** (ج) (بخاری شریف، باب نحر البدن قائمۃ ص ۲۳۱ نمبر ۱۷۱۴) ابوداؤد شریف، باب کیف تحر البدن ص ۲۵۳ نمبر

حاشیہ : (الف) اس ہدی سے کھاؤ اور مسکین کو کھلاؤ (ب) اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور نحر کرو (ج) آپؐ نے ظہر کی نماز مدینہ میں چار رکعت (باقی اگلے صفحہ پر)

الذبح[۸۱۰] (۱۴) والاولی ان یتولی الانسان ذبحها بنفسه اذا کان یحسن ذلک [۸۱۱](۱۵) ویتصدق بجلالها وخطامها ولا یعطی اجرة الجزار منها.

۱۷۶۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو کھڑا کرکے نحر کرنا افضل ہے۔اور اگر ذبح کر دیا تب بھی کافی ہے (۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بکرے کو ذبح کرے (۲) گائے کو ذبح کرے۔اس سلسلے میں یہ حدیث ہے **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ ذبح عمن اعتمر من نسائه بقرة بیھن** (الف)(ابو داؤد شریف، باب فی ہدی البقر ص ۲۵۱ نمبر ۱۷۵۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گائے کو ذبح کرے نحر نہ کرے۔

لغت النحر : اونٹ کے پاؤں کو الٹا باندھ دے اور اس کو کھڑا کرے اور اس کی گردن میں چھری مار کر کھانے کی نالی کو پھاڑ دے اس کو نحر کرنا کہتے ہیں۔

[۸۱۰](۱۴) زیادہ بہتر یہ ہے کہ انسان خود ہدی ذبح کرے اگر یہ اچھا کر سکتا ہو تو۔

تشریح اگر اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ آدمی خود اپنی ہدی اور قربانی ذبح کرے۔

وجہ اس میں عبادت کو احسن طریقہ سے ادا کر سکتا ہے (۲) حضورؐ نے خود ذبح کیا ہے **عن انس قال ضحی النبی ﷺ بکبشین املحین فرأته واضعا قدمه علی صفاحھما یسمی ویکبر فذبحھما بیده** (ب)(بخاری شریف، باب من ذبح الاضاحی بیدہ ص ۸۳۴ کتاب الاضاحی نمبر ۵۵۵۸ رمسلم شریف باب استحسان الاضحیۃ وذبحھا مباشرۃ بلا توکیل ج ثانی ص ۱۵۵، کتاب الاضاحی نمبر ۱۹۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر خود اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو تو خود جانور ذبح کرے۔اور کوئی مجبوری ہو تو دوسرے کو ذبح کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے۔حضرت جابر کی لمبی حدیث میں اس کا تذکرہ ہے **دخلنا علی جابر بن عبد اللہ ... فنحر ثلاثا وستین بیده ثم اعطی علیا فنحر ما غبر واشرکه فی ھدیه** (ج)(مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸ رابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ۲ ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵)اس حدیث میں ہے کہ تریسٹھ اونٹ کے بعد باقی اونٹ حضرت علی کو نحر کرنے دیا اور ان کو نحر کرنے کا وکیل بنایا۔

[۸۱۱](۱۵) اور ہدی کے جھول کو اور اس کی لگام کو صدقہ کرے اور قصائی کی اجرت ہدی سے نہ دے۔

تشریح قصائی کی اجرت ہدی کے گوشت یا اس کی کھال سے نہ دے۔

وجہ (۱) ہدی کا جانور صدقہ ہو گیا اس لئے اس میں سے کسی چیز کو اجرت میں نہ دے بلکہ صدقہ کر دے (۲) حدیث میں ہے **ان علیا اخبره ان النبی ﷺ امره ان یقوم علی بدنه وان یقسم بدنه کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا ولا یعطی فی جزارتھا شیئا**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پڑھی... حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے سات اونٹ ذبح کئے کھڑے کھڑے۔اور مدینہ میں دو چتکبرے، سینگ والے مینڈھے ذبح کئے (الف) آپؐ نے عمرہ کرنے والی بیویوں کی جانب سے گائے ذبح کی (ب) آپؐ نے دو چتکبرے مینڈھے ذبح کئے تو میں نے دیکھا کہ اپنے قدم کو ان کے پہلو پر رکھے ہوئے تھے۔پس بسم اللہ پڑھے اور تکبیر کہی۔اور دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کئے (ج) آپؐ نے تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کئے پھر حضرت علی کو دیا اور باقی ماندہ انہوں نے نحر کئے۔اور ان کو ہدی میں آپ نے شریک کیا۔

[۸۱۲] (۱۶) ومن ساق بدنة فاضطر الی رکوبها رکبها وان استغنی عن ذلک لم یرکبها [۸۱۳] (۱۷) وان کان لها لبن لم یحلبها ولکن ینضح ضرعها بالماء البارد حتی ینقطع اللبن.

(الف) (بخاری شریف، باب یتصدق بجلود الهدی ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۱۷ مسلم شریف، باب الصدقۃ بلحوم الهدایا وجلودها وجلالها ص ۴۲۳ نمبر ۱۳۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہدی کا گوشت تقسیم کردے اور اس کی کھال، جھول صدقہ کردے اور قصائی کو ہدی میں سے اجرت نہ دے

لغت جلال : جھول۔ خطام : لگام۔ الجزار : قصائی۔

[۸۱۲] (۱۶) کسی نے اونٹ ہانکا پس اس پر سوار ہونے کے لئے مجبور ہوا تو اس پر سوار ہو جائے۔ اور اگر سوار ہونے سے بے نیاز ہو تو سوار نہ ہو

تشریح پس اگر اس پر سوار ہونے کی مجبوری نہ ہو تو اس پر سوار نہ ہو اور اگر مجبوری ہو جائے تو سوار ہو سکتا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے سمعت جابر بن عبد اللہ سئل عن رکوب الهدی؟ فقال سمعت النبی ﷺ یقول ارکبها بالمعروف اذا الجئت الیها حتی تجد ظهرا (ب) (مسلم شریف، باب جواز رکوب البدنۃ المهداۃ لمن احتاج الیها ص ۴۲۶ نمبر ۱۳۲۴ ابوداؤد شریف، باب فی رکوب البدن ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجبوری ہو تو دوسری سواری پانے تک مناسب انداز میں سوار ہو سکتا ہے۔ البتہ سوار ہونے کی ضرورت نہ ہو تو چونکہ وہ صدقہ کی چیز ہے اس لئے حتی الوسع اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔

[۸۱۳] (۱۷) اور اگر ہدی کو دودھ ہو تو اس کو نہ دوہے۔ لیکن اس کے تھن پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دے یہاں تک کہ دودھ منقطع ہو جائے

تشریح اگر ہدی دودھ دینے والی ہو اور دن ذبح کرنے کے قریب ہو تو اس کے تھن پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے اس سے دودھ تھن میں سکڑ جائے گا۔ اور آہستہ آہستہ دودھ ختم ہو جائے گا۔ اور اگر ذبح کرنے میں بہت دن باقی ہو تو دودھ دوہ کر اس کو صدقہ کر دے۔ کیونکہ یہ صدقہ کا جانور ہے۔ اس لئے اس کی ہر چیز صدقہ میں جائے۔ اور اگر اس دودھ کو خود استعمال کیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔

وجہ مسئلہ نمبر ۱۵ میں حدیث گزری ہے (بخاری شریف نمبر ۱۷۱۷ مسلم شریف نمبر ۱۳۱۷) کہ ہدی کی جھول، لگام وغیرہ صدقہ کرے۔ جب ہدی سے خارج چیز صدقہ کرے تو ہدی کا جزو بدرجہ اولی صدقہ کرے اور دودھ ہدی کا جزو ہے اس لئے اس کو صدقہ کرے (۲) اس کی تائید میں ایک اثر بھی ہے۔ سمع رجلا من همدان سأل علیا عن رجل اشتری بقرة لیضحی بها فنتجت فقال لا تشرب لبنها الا فضلا (ج) (سنن للبیہقی۔ باب لبن البدن لا یشرب ج خامس ص ۳۸۸، نمبر ۱۰۲۱۰) اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ دودھ صدقہ کر کے بچ جائے تو پیئے۔ تاہم اس کو استعمال نہ کرے صدقہ کر دے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علی نے خبر دی کہ حضورؐ نے ان کو حکم دیا تھا کہ اونٹ کی نگرانی کرے اور تمام اونٹ کو تقسیم کرے ان کے گوشت کو، ان کی کھال کو اور ان کے جھول کو تقسیم کرے۔ اور ان کی گوشت بنائی میں کچھ نہ دے (ب) جابر بن عبد اللہ کو ہدی پر سوار ہونے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے مناسب انداز میں اس پر سوار ہو اگر آپ کو مجبوری ہو تو جب تک سواری نہ ملے (ج) ہمدان کے ایک آدمی نے حضرت علی کو پوچھا، ایک آدمی نے قربانی کرنے کے لئے گائے خریدی پس اس نے بچہ جن دیا؟ حضرت علی نے فرمایا اس کے دودھ کو مت پیو مگر جو باقی رہ جائے۔

[۸۱۴] (۱۸) ومن ساق هديا فعطب فان كان تطوعا فليس عليه غيره[۸۱۵] (۱۹) وان كان عن واجب فعليه ان يقيم غيره مقامه [۸۱۶](۲۰) وان اصابه عيب كثير اقام غيره مقامه وصنع بالمعيب ما شاء[۸۱۷](۲۱) واذا عطبت البدنة فی الطريق فان كان تطوعا نحرها وصبغ نعلها بدمها وضرب بها صفحتها ولم يأكل منها هو ولا غيره من

---

[۸۱۴] (۱۸) کسی نے ہدی ہانکی پس وہ ہلاک ہوگئی، پس اگر نفلی ہدی ہے تو اس پر اس کے علاوہ نہیں ہے۔

تشریح اگر نفلی ہدی ہو تو اس کے ہلاک ہونے پر اس کے بدلے میں دوسری لازم نہیں ہے۔

وجہ نفلی ہدی کا دینا پہلے بھی واجب نہیں تھا اس لئے ہلاک ہونے کے بعد بھی واجب نہیں رہے گا (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال قال رسول الله من اهدى بدنة تطوعا فعطبت فليس عليه بدل وان كان نذرا فعليه البدل (الف) (سنن للبیہقی، باب ما یکون علیہ البدل من الھدایا اذا عطب اوضل ج خامس ص ۳۹۹، نمبر ۱۰۲۵۷ رموطا امام مالک، باب فی الھدی اذا عطب اوضل ص ۴۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی ہدی ہو تو ہلاک ہونے پر دوسری دینا لازم نہیں اور نذر اور بدل کی ہدی ہو یا واجب ہدی ہو تو اس کے بدلے میں دینا واجب ہے۔

[۸۱۵] (۱۹) اور اگر واجب ہدی ہو تو اس پر لازم ہے کہ دوسری ہدی اس کی جگہ لازم کرے۔

تشریح اگر واجب ہدی ہو اور ہلاک ہو جائے تو اس کی جگہ دوسری ہدی دینا لازم ہے۔

وجہ ہدی اس کے ذمہ واجب ہے اور ادائیگی نہیں ہوئی اس لئے ادائیگی کرنی ہوگی (۲) حدیث مسئلہ نمبر ۱۸ میں گزر گئی۔ وان كان نذرا فعليه البدل (سنن للبیہقی ج خامس ص ۳۹۹، نمبر ۱۰۲۵۷)

[۸۱۶] (۲۰) اور اگر ہدی میں عیب آگیا ہو تو اس کی جگہ دوسری ہدی قائم کرے اور عیب دار کو جو چاہے کرے۔

وجہ ہدی میں اتنا عیب آگیا ہو کہ اس عیب کی وجہ سے ہدی قربانی نہیں کی جا سکتی ہو اور ہدی واجب ہو تو اس کی جگہ دوسری ہدی دینا ضروری ہے۔ اور عیب دار ہدی اس کی ہوگئی اس لئے اس کو جو چاہے کرے۔

[۸۱۷] (۲۱) اگر اونٹ راستے میں تھک جائے پس اگر نفلی ہو تو اس کو نحر کر دے اور اس کے کھروں کو اسی کے خون سے رنگ دے اور اس کے شانے پر مار دے اور اس کو خود نہ کھائے اور نہ اس کے علاوہ مالدار لوگوں میں سے کھائے۔

تشریح ہدی کا اونٹ راستے میں ہلاک ہونے کے قریب ہو جائے۔ پس اگر وہ اونٹ نفلی ہدی تھا تو اس کو وہیں ذبح کر دے اور نشان کے لئے کہ یہ اونٹ نفلی ہدی کا ہے اور صرف غرباء کے لئے حلال ہے یہ کرے کہ اس کے کھروں کو اس کے خون سے رنگ دے۔ یا مطلب یہ ہے کہ اس کی گردن میں جو قلادہ ہے اس کو خون سے رنگ دے اور اس کو ہدی کی ایک جانب ڈال دے تاکہ لوگ سمجھ جائے کہ یہ نفلی ہدی ہے جو راستے میں

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے نفلی اونٹ ہدی بھیجا، وہ تھک گیا تو اس پر بدل نہیں ہے۔ اور اگر نذر کی ہو تو اس پر بدل ہے۔

الاغنیاء[۸۱۸] (۲۲) وان کانت واجبة اقام غیرها مقامها وصنع بها ماشاء[۸۱۹] (۲۳)

ہلاک ہونے کے قریب ہوگئی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کو ذبح کر دیا اور اب صرف غرباء کے لئے حلال ہے۔

وجہ یہ ہدی نفلی تھی اس لئے اگر حرم میں پہنچ کر ذبح ہوتی تو خود ذبح کرنے والا کھا سکتا تھا لیکن حرم میں پہنچنے سے پہلے ذبح ہوئی تو ایک قسم کی جنایت ہوگئی اس لئے اس کو صرف غرباء کھائیں گے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال بعث رسول الله ﷺ فلانا الاسلمی وبعث معه بثمان عشرة بدنة فقال ارایت ان ازحف علی منها شیء قال تنحرها ثم تصبغ نعلها فی دمها ثم اضربها علی صفحتها ولا تأکل منها انت ولا احد من اصحابک او قال من اهل رفقتک (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الهدی اذا عطب قبل ان یبلغ ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۶۳ ر ترمذی شریف، باب ماجاء اذا عطب الهدی ما یصنع به ص ۱۸۱ نمبر ۹۱۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود اور ساتھی اس کو نہ کھائیں بلکہ اس کی کھر کو رنگ کر غرباء کے لئے چھوڑ دے۔

نوٹ کیونکہ یہ ہدی نفلی ہے اس لئے اس کے بدلے دوسری ہدی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

لغت عطب : جانور کا تھک جانا اور ہلاکت کے قریب پہنچ جانا۔ نعل : کھر، قلادہ کا جوتا۔ صفحة : ایک جانب، ایک کنارہ۔

[۸۱۸] (۲۲) اور اگر ہدی واجب ہے تو اس کی جگہ دوسری ہدی قائم مقام کرے اور پہلی ہدی کو جو چاہے کرے۔

تشریح اگر واجب ہدی ہے تو اس کو حرم میں ذبح کرنا چاہئے اور وہاں ذبح نہ کر سکا، اور ہلاک ہوگئی یا ہلاکت کے قریب ہوگئی تو واجب اس کے ذمہ رہ گیا اس لئے اس کی جگہ دوسری ہدی دے اور یہ خراب ہدی اس کا مال ہوگیا اس لئے اس کو جو چاہے کرے۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ من اهدی بدنة تطوعا فعطبت فلیس علیه بدل وان کان نذرا فعلیه البدل (سنن للبیہقی، باب ما یکون علیہ البدل من الہدایا اذا عطب او ضل، ج خامس، ص ۳۹۹، نمبر ۱۰۲۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واجب ہدی ہو تو اس کا بدل دینا ضروری ہے۔

[۸۱۹] (۲۳) نفلی، تمتع اور قران کی ہدی کو قلادہ ڈالے اور احصار کے دم کو قلادہ نہ ڈالے اور نہ جنایات کی ہدی کو۔

وجہ نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی نعمت ہیں اس لئے اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ اور قلادہ ڈالنے سے اس کا اظہار ہوگا کہ یہ نعمت کی ہدی ہے۔ اور احصار کی ہدی اور جنایت کی ہدی جرم کی ہدی ہیں ان کا اظہار کرنا معیوب ہے۔ اور قلادہ ڈالنے سے اس کا اظہار ہوگا اس لئے ان ہدی کی گردن میں قلادہ نہ ڈالے (۲) حدیث میں ہے فقالت عائشة لیس کما قال ابن عباس انا فتلت قلائد هدی رسول الله بیدی ثم قلدها رسول الله بیدیه ثم بعث بها مع ابی (الف) (بخاری شریف، باب من قلد القلائد بیدہ ص ۲۳۰ نمبر ۱۷۰۰ ر مسلم

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ناجیہ اسلمی کو بھیجا اور ان کے ساتھ اٹھارہ اونٹ بھیجے۔ انہوں نے کہا اگر اونٹ ہلاک ہو جائے تو کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا اس کو نحر کرو پھر اس کے کھر کو خون میں رنگ دو۔ پھر اس کو اس کے کنارے پر مار دو۔ اور ان میں سے تم اور تمہارے ساتھی نہ کھائیں یا فرمایا تمہارے دوست نہ کھائیں (ب) حضرت عائشہ نے فرمایا ایسی بات نہیں ہے جیسا کہ ابن عباس نے کہا۔ میں حضور کی ہدی کا ہار بانٹا کرتی تھی اپنے ہاتھ سے پھر حضور ہدی کو اپنے ہاتھ سے قلادہ ڈالتے، پھر اس کو میرے باپ ابوبکر کے ساتھ روانہ کرتے۔

ویقلد هدی التطوع والمتعة والقران ولا یقلد دم الاحصار ولا دم الجنایات.

شریف باب استحباب بعث الھدی الی الحرم لمن لا یرید الذھاب بنفسہ واستحباب تقلیدہ ص ۴۲۵ نمبر ۳۲۰۵/۱۳۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی ہدی کی گردن میں جوتے کا ہار ڈالے تاکہ ڈاکو یا لوگ اس ہدی کا احترام کرے اور اس کو نقصان نہ پہنچائے۔

لغت یقلد : جوتے یا چمڑے کا ہار بنا کر ہدی کی گردن میں ڈالنا۔

نوٹ بکری کی گردن میں قلادہ ڈالنا اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ چلنا مشکل ہو جائے گا۔ البتہ بکری کو قلادہ ڈالنے کا ثبوت ہے (بخاری شریف نمبر ۱۷۰۲) **عن عائشةؓ قالت کنت افتل القلائد للنبی ﷺ فیقلد الغنم ویقیم فی اھلہ حلالا** (بخاری شریف، باب تقلید الغنم، ص ۲۳۰، نمبر ۱۷۰۲)

ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

مختصر تعارف

قصرِ نبوت پر نقب لگانے والے راہزن دورِ نبوت سے لے کر دورِ حاضر تک مختلف انداز کے ساتھ وجود میں آئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت ﷺ کا تاج صرف اور صرف آمنہ اور عبداللہ کے بیٹے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے سر پر سجایا اور دیگر مدعیان نبوت مسیلمہ کذاب سے لے کر مسیلمہ قادیان تک سب کو ذلیل و رسوا کیا۔ امت کے ہر طبقہ میں ایسے اشخاص منتخب کئے جنہوں نے ختم نبوت ﷺ کے دفاع میں اپنی جانوں تک کے نذرانے دیئے اور شب و روز اپنی محنتوں اور صلاحیتوں کو بفضل اللہ تعالیٰ ناموس رسالت و ختم نبوت ﷺ کے مقدس رشتے کے ساتھ منسلک کر دیا۔

ختم نبوت اکیڈمی (لندن) کے قیام کا مقصد بھی من جملہ انہی اغراض و مقاصد پر محیط ہے، چنانچہ عالمی مبلغ ختم نبوت ''حضرت عبدالرحمٰن یعقوب باوا'' نے قادیانیت کی حقیقت سے مسلمانوں کو خبردار کرنے کے لئے جس طرح اپنی زندگی کو اس کارِ خیر کے لئے وقف کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، انہی کی انتھک محنت و کاوشوں سے اکیڈمی کا وجود ظہور پذیر ہوا۔

الحمدللہ اس ادارہ نے عالمی سطح پر ختم نبوت کے دفاع کو مضبوط کیا ہے۔ تقاریر، لٹریچر، اخبارات و جرائد اور انٹرنیٹ کے ذریعہ مسلمانوں کو قادیانیت اور ان کی ریشہ دوانیوں سے باخبر کیا اور پوری دنیا میں ختم نبوت ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو اخلاص کے ساتھ مزید ترقیاں نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

مسلمانوں سے درخواست ہے کہ وہ اس ادارہ کے ساتھ بھرپور تعاون فرمائیں۔

انتظامیہ: ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.

الشرح الثمیری

على المختصر للقدوری

٣٦٢ھ - ٤٢٨ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

الجزء الثانی

از کتاب البیوع تا والمساقاۃ

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.

الشرح الثميري

علی المختصر للقدوری

۳۶۲ھ - ۴۲۸ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

الجزء الثانی

(اس جلد میں ہیں)

کتاب البیوع والرہن والحجر والاقرار والاجارۃ والشفعۃ والشرکۃ والمضاربۃ والوکالۃ والکفالۃ والحوالۃ والصلح والہبۃ والوقف والغصب والدیعۃ والعاریۃ واللقیط واللقطۃ والخنثی والمفقود والاباق واحیاء الموات والماذون والمزارعۃ والمساقاۃ

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.
Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404
E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

نام کتاب : الشرح الثمیری علی المختصر القدوری (الجزء الثّانی)

نام شارح : مولانا ثمیر الدین قاسمی

ناشر : ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

باہتمام : (مولانا) سہیل عبد الرحمٰن باوا (لندن)

(فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

مطبوعہ : مبشر پرنٹر۔ بشیر مارکیٹ ناظم آباد نمبر 2، کراچی۔ موبائل: 0334-3218149

شارح کا پتہ:

MOULANA SAMIRUDDIN QASIMI

70 Stamford Street, Old Trafford
Manchester M16 9LL, United Kingdom.

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.
Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404
E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

ملنے کے پتے

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.

Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404

E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

اسلامی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ 74800

فون: 34927159 (021)

عرضِ ناشر

تفسیر وحدیث کے بعد علوم دینیہ میں علم فقہ کا جو مرتبہ ومقام ہے، کوئی اور علم اس کے درجہ کا نہیں۔ فقہائے کرام اس امت کے لئے روحانی اطباء کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جنہوں نے قرآن وحدیث سے علوم کے چشموں کو جاری کیا اور تشنگانِ علوم کی سیرابی کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فقہائے احناف کو علم فقہ میں جو دسترس اور جامعیت عطا فرمائی، سب ہی اس کے معترف ہیں۔ چنانچہ فقہ حنفی میں تصانیف کا ایک پہاڑ بلند ہے جن میں "مختصر القدوری" کا نام ایک چمکتے دمکتے ستارے کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو جو جامعیت اور شرف قبولیت عطا فرمائی وہ روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ اگرچہ اس کتاب کی عربی میں بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں، لیکن اردو میں اب تک اس عظیم الشان کتاب کی شرح اس کے شایان شان پر نہیں لکھی گئی، لیکن "دیر آید درست آید" کے قاعدے موافق دارالعلوم دیوبند کے ایک سپوت "مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم" (مقیم برطانیہ) نے اس کتاب کی شرح جامع انداز میں کر کے جس کا نام "الشرح الثميری علی المختصر للقدوری" ہے، گویا تشریح کا حق ادا کر دیا۔

مولانا موصوف نے ہر ہر مسئلہ سے متعلق حدیث کا حوالہ اور پھر اس کی سلیس انداز میں دلنشین تشریح کی ہے جو یقیناً مبتدی طالبعلم کے لئے رسوخ فی علم الفقہ کا سبب بنے گا۔

الحمدللہ "ختم نبوت اکیڈمی" (لندن) کو اس منفرد وشاہکار تالیف کی طباعت واشاعت کا شرف حاصل ہوا جو کہ اب ہدیہ قارئین ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ تالیف مؤلف قارئین اور ناشر سب کے لئے ذخیرۂ آخرت ہو جائے۔ آمین ثم آمین!

عبدالرحمٰن یعقوب باوا

(ڈائریکٹر: "ختم نبوت اکیڈمی" لندن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ خصوصیات شرح ثمیری ﴾

(۱) ہر مسئلہ کو الگ الگ لکھا گیا ہے اور اس پر نمبر ڈال دیا گیا ہے تاکہ مسئلہ سمجھنے اور نکالنے میں آسانی ہو۔

(۲) ہر مسئلہ کا با محاورہ ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

(۳) ہر مسئلہ کی وجہ یعنی دلیل عقلی اور دلیل نقلی پیش کی گئی ہے۔

(۴) ہر مسئلہ کے تحت احادیث کا ذخیرہ پیش کیا گیا ہے تاکہ ہر ہر مسئلہ کو احادیث سے نکالنے میں آسانی ہو۔

(۵) کونسا مسئلہ کس اصول پر ثابت ہوتا ہے وہ اصول بیان کیا گیا ہے۔

(۶) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

(۷) فائدہ کے تحت ائمہ کرام کا اختلاف مختصر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(۸) تشریح کے تحت پیچیدہ مسئلہ کو سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(۹) دلیل وغیرہ کو بہت طول نہیں دیا گیا ہے تاکہ طلباء تنگ نہ آجائیں۔

(۱۰) زبان سلیس اور آسان استعمال کی گئی ہے۔

(۱۱) دلیل اور اصول وغیرہ ہدایہ اور صحاح ستہ جیسی اہم کتابوں سے لئے گئے ہیں۔

(۱۲) وراثت کے مسئلے کو کلکیو لیٹر کی مدد سے نئے انداز میں سیٹ کیا ہے جس سے پورا مناسخہ دو منٹ میں حل ہو جاتا ہے۔

شارح : حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم
(سابق استاد حدیث، جامعہ اسلامیہ، مانچسٹر

فہرست مضامین الشرح الثمیری

﴿ کتاب البیوع ﴾

[۸۲۰](۱) البیع ینعقد بالایجاب و القبول اذا کانا بلفظ الماضی.

﴿ کتاب البیوع ﴾

ضروری نوٹ بیع : باع یبیع بیعا سے مشتق ہے، بیچنا۔ مال کو مال کے بدلے میں دینا۔ ماخذ اشتقاق باع ہے۔ بیع ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتی ہے چاہے خریدنے والا پہلے ایجاب کرے چاہے بیچنے والا پہلے ایجاب کرے۔ بیع جائز ہونے کی دلیل یہ آیت ہے **واحل اللہ البیع وحرم الربوا** (الف) (آیت ۲۷۵ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیع جائز ہے۔

نوٹ کتاب البیوع معاملات میں سے ہے۔ اس لئے ان میں بہت سے مسئلے تعامل الناس پر مبنی ہیں۔ اس لئے ان مسائل کے لئے حدیث یا قول صحابی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہ مسائل صرف اصول پر متفرع ہیں۔ البتہ اصول متیعن ہونے کے لئے حدیث یا قول صحابی پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

[۸۲۰](۱) بیع ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتی ہے جبکہ دونوں فعل ماضی کے صیغے سے ہوں۔

تشریح بیع ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتی ہے یعنی ایک آدمی کہے کہ میں نے خریدا اور دوسرا آدمی کہے کہ میں نے بیچ دیا تو اس ایجاب اور قبول سے بیع منعقد ہو جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ فعل ماضی کے ہوں۔

وجہ (۱) فعل ماضی کے استعمال کرنے سے بات پکی ہوتی ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں یا فعل ماضی ہے یا فعل مضارع ہے اور فعل مضارع کا ترجمہ حال ہے یا استقبال، پس اگر استقبال کے معنی لے لے تو بیچنے یا خریدنے کا صرف وعدہ ہوگا، باضابطہ بیچنا اور خریدنا نہیں ہوگا اس لئے بات پکی کرنے کے لئے فعل ماضی ہی کا صیغہ استعمال کرنا ہوگا (۲) حدیث میں ہے **قال لی العداء بن خالد بن ھوذہ الا اقرئک کتابا کتبہ لی رسول اللہ قال قلت بلی فاخرج لی کتابا ھذا ما اشتری العداء بن خالد بن ھوذہ من محمد رسول اللہ ﷺ اشتری منہ عبدا او امۃ لاداء ولا غائلۃ ولا خبثۃ** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کتابۃ الشروط ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۶) اس حدیث میں اشتری فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تاکہ بات پکی ہو۔ پھر خرید و فروخت کو لکھ لیا گیا تاکہ اور پکے ہو جائیں (۳) اور ایک حدیث میں فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے **عن انس بن مالک ان رسول اللہ باع حلسا و قدحا وقال من یشتری ھذا الحلس والقدح؟ فقال رجل اخذتھما بدرھم** (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی بیع من یزید ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۸) اس حدیث میں خریدنے والے نے اخذتھما بدرھم کہا ہے اور فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس لئے بیع میں فعل ماضی استعمال کرنا ضروری ہے

اصول معاملات میں بات پکی ہونا ضروری ہے (۲) بیع اور شراء فعل ماضی کے صیغے سے ادا کرے، اور ایجاب اور قبول ہو اس کی وجہ یہ ہے

حاشیہ : (الف) اللہ تعالی نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا ہے (ب) مجھے عداء بن خالد بن ھوذہ نے فرمایا کیا میں آپ کے سامنے ایسا خط نہ پڑھوں جس کو میرے لئے لکھوایا ہے۔ میں نے کہا ہاں! تو ایک خط نکالا (جس میں یہ لکھا تھا) یہ وہ ہے کہ عداء بن خالد بن ھوذہ نے محمد سے غلام یا باندی خریدی جس میں بیماری نہیں، دھوکہ نہیں اور خباثت نہیں (ج) حضورؐ نے جھول اور پیالہ بیچا، فرمایا اس جھول اور پیالے کو کون خریدے گا؟ ایک نے کہا ان دونوں کو ایک درہم کے بدلے میں نے خریدا۔

[۸۲۱](۲) فاذا اوجب احد المتعاقدين البيع فالآخر بالخيار ان شاء قبل فی المجلس وان شاء رده[۸۲۲] (۳) فايهما قام من المجلس قبل القبول بطل الايجاب.

کہ بائع اور مشتری کی رضامندی کے بغیر بیع نہیں ہوگی اور اس رضامندی کا اظہار ایجاب اور قبول سے ہوگا۔ اس لئے ایجاب اور قبول کی ضرورت ہے۔ حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے عن ابن عمر قال کنا مع النبی ﷺ فی سفر فکنت علی بکر صعب لعمر ... فقال النبی لعمر بعنيه قال هو لک يا رسول الله ﷺ (الف) (بخاری شریف، باب اذا اشتری شیئا فوهب من ساعتہ قبل ان یتفرقا ص ۲۸۴ نمبر ۲۱۱۵) اس حدیث میں حضورؐ نے بعنيه کہہ کر ایجاب کیا اور حضرت عمر نے هو لک يا رسول الله کہہ کر قبول کیا۔ اس لئے بیع میں ایجاب اور قبول ضروری ہیں۔

نوٹ اگر بائع مبیع دیدے اور مشتری لے لے اور قیمت معلوم ہو اور کچھ ایجاب وقبول نہ کرے تو یہ بیع تعاطی ہے۔ اس سے بھی بیع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رضامندی ہوگئی اور دلالۃ ایجاب اور قبول ہو گئے۔

[۸۲۱] (۲) پس جبکہ خرید وفروخت کرنے والوں میں سے ایک نے بیع کا ایجاب کیا تو دوسرے کو اختیار ہے چاہے مجلس میں قبول کرے اور اگر چاہے تو اس کو رد کر دے۔

تشریح ایک کے بیع کے ایجاب کرنے کے بعد دوسرے کو اختیار ہے چاہے اس کو قبول کرے چاہے اس کو رد کر دے لیکن قبول کرنے کا اختیار مجلس باقی رہنے تک ہی ہوگا۔ اگر مجلس ختم ہوگئی تو اب قبول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

وجہ مجلس چاہے کتنی لمبی ہو اس کو جمع للمتفرقات قرار دیا ہے۔ کیونکہ فورا قبول کرنے کی شرط لگا دے تو قبول کرنے والے کو سوچنے کا موقع نہیں ہوگا، اور مجلس کے بعد قبول کرنے کا اختیار ہو تو ایجاب کرنے والے کو بہت انتظار کرنا ہوگا جس سے حرج پیدا ہوگا۔ اس لئے دونوں کے درمیان کی چیز مجلس کو قبول کرنے کا معیار شریعت نے رکھا۔ اس قبول کو خیار قبول کہتے ہیں (۲) اوپر کی حدیث میں حضورؐ نے بعنيه کہا اور حضرت عمرؓ نے مجلس ہی میں هو لک يا رسول الله کہہ کر قبول کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس میں ہی قبول کرے۔

نوٹ اگر مجلس کے بعد قبول کیا اور ایجاب کرنے والے نے اس کو مان لیا تب بھی بیع ہو جائے گی کیونکہ رضامندی ہوگئی۔

نوٹ خط میں اور کسی کو پیغام بھیجنے میں خط کے پہنچنے کی مجلس اور پیغام کے پہنچنے کی مجلس کا اعتبار ہے کہ اس مجلس میں مرسل الیہ نے قبول کر لیا تو بات طے ہو جائے گی۔

اصول مجلس تک قبول کر سکتا ہے اس کے بعد نہیں۔

[۸۲۲] (۳) بائع اور مشتری میں سے جو بھی قبول سے پہلے مجلس سے اٹھ جائیں گے تو ایجاب باطل ہو جائے گا۔

وجہ چونکہ قبول کرنے کا اختیار مجلس تک ہی تھا اس لئے مجلس ختم ہونے کے بعد قبول کا اختیار نہیں ہوگا اور ایجاب ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ مجلس سے

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ میں حضرت عمرؓ کے ایک جوان اونٹ پر سوار تھا۔ حضورؐ نے عمرؓ سے فرمایا اس کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ وہ آپ کے لئے ہے۔

[٨٢٣] (۴) فاذا حصل الایجاب و القبول لزم البیع و لا خیار لواحد منهما الا من عیب او

اٹھ جانا ایجاب سے اعراض کرنے کی دلیل ہے۔

نوٹ ہر وہ عمل جو اعراض پر دلالت کرتا ہے اس سے بھی مجلس ختم ہو جائے گی اور ایجاب باطل ہو جائے گا۔ مثلا ایجاب کے بعد قبول کرنے والا مجلس ہی میں کسی اور کام مین مشغول ہو گیا تو ایجاب کی مجلس ختم ہو جائے گی۔

اصول اعراض سے مجلس ختم ہو جاتی ہے۔

[٨٢٣] (۴) پس جب ایجاب اور قبول حاصل ہو جائے تو بیع لازم ہو جائے گی اور بائع اور مشتری دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار نہیں ہوگا۔ مگر عیب اور نہ دیکھنے کی وجہ سے۔

تشریح بائع اور مشتری دونوں نے ایجاب قبول کر لئے اب بیع مکمل ہو گئی۔ چاہے مجلس موجود ہو پھر بھی کسی کو بیع توڑنے کا اختیار نہیں ہے ہاں! مبیع میں عیب ہو یا مبیع کو دیکھا نہ ہو تو خیار عیب اور خیار رویت کی وجہ سے بیع توڑنے کی اجازت ہوگی۔ مجلس باقی رہنے کی وجہ سے خیار مجلس کی بنیاد پر بیع توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا، یعنی حنفیہ کے نزدیک خیار مجلس کسی کو نہیں ہوگا۔

وجہ حدیث میں عن حکیم بن حزام قال قال رسول اللہ البیعان بالخیار مالم یتفرقا (الف) (بخاری شریف، باب اذا بین البیعان ولم یکتما ونصحا ص ٢٧٩ نمبر ٢٠٧٩ / مسلم شریف، باب ثبوت خیار المجلس للمتبایعین ج ثانی ص ٣١ نمبر ١٥٣١ / ابو داؤد شریف نمبر ٣٤٥٩ / ترمذی شریف نمبر ١٢٤٦) اس حدیث میں ہے کہ بائع اور مشتری کو بیع توڑنے کا اختیار ہوگا جب تک تفرق نہ کرے یعنی قبول نہ کرے۔ تفرق کا ترجمہ قبول کرنا اور بات پر بات جمانا ہے۔ جب ایجاب کے بعد قبول کر لیا تو بیع مستحکم ہو گئی اب توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا چاہے بیع کی مجلس بر قرار ہو۔ حضرت عمرؓ نے تفرق کی یہی تفسیر کی ہے وقال عمر البیع عن صفقة او خیار (ب) مصنف عبد الرزاق، باب البیان بالخیار مالم یتفرقا ج ثامن ص ٥٣ نمبر ١٤٢٧٤ / مصنف ابن ابی شیبة ٣٧٩ من کان یوجب البیع اذا تکلم بہ، ج رابع، ص ٥٠٧، نمبر ٢٢٥٦٩) حضرت سفیان نے بھی تفرق کی یہی تفسیر کی ہے قال سفیان و الصفقة باللسان (ج) مصنف عبد الرزاق ج ثامن ص ٥٣ نمبر ١٤٢٧٣) کہ بیع زبان سے طے ہو جائے گی (٢) حدیث میں المتبایعان (بیع کرنے والے) ہے۔ اور بیع کرنے والے اسی وقت کہے جاتے ہیں جب ایجاب اور قبول کر رہے ہوں۔ اور اسی حالت میں ان کو نہ قبول کرنے کا یا قبول سے پہلے ایجاب کرنے والے کو اپنی بات واپس لینے کا اختیار رہوگا۔ اور جب قبول کر لیا تو متبایعان کی صفت ختم ہو گئی اس لئے حدیث کی رو سے اب ان کو بات واپس لینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ عن ابی ریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ البیعان بالخیار ما لم یتفرقا من بیعھما (مصنف ابن ابی شیبة ٣٧٨ من قال البیعان بالخیار مالم یتفرقا ج رابع، ص ٥٠٦، نمبر ٢٢٥٦٠)

فائدہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کی رائے ہے کہ قبول کرنے کے بعد اور بیع مکمل ہونے کے بعد بھی مجلس بیع موجود ہو تو دونوں کو اپنی اپنی بات واپس

حاشیہ: (الف) آپ نے فرمایا بائع اور مشتری کو اختیار ہے جب تک قول کا تفرق نہ ہو یعنی قبول نہ کر لے یا جب تک دونوں جدا نہ ہوں (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا بیع صفقہ سے پوری ہو جاتی ہے یعنی قبول کرنے سے، یا بیع کو اختیار کرنے سے پوری ہو جاتی ہے (ج) حضرت سفیان نے فرمایا زبان سے صفقہ ہو تو بیع پوری ہو جائے گی۔

عدم رویة [۸۲۴](۵) والاعواض المشار الیها لا یحتاج الی معرفة مقدارها فی جواز

لینے اور بیع توڑنے کا اختیار ہوگا اور دونوں کو خیار مجلس ہوگا۔

وجہ وہ بھی اوپر کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مالم یتفرقا سے مراد تفرق بالابدان ہے۔ یعنی جسمانی طور پر دونوں جدا ہو جائیں اس وقت تک دونوں کو اپنی اپنی بات واپس لینے کا اختیار ہوگا۔ چنانچہ اس حدیث کے راوی عبد اللہ بن عمر یہ کرتے تھے کہ کسی چیز کو خریدنے کے بعد اگر اس بیع کو توڑنے کا ارادہ نہ ہو تو کھڑے ہو کر تھوڑا سا چل لیتے تھے تاکہ مجلس بدل جائے اور بائع کو خیار مجلس کے تحت بیع کو توڑنے کا اختیار نہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ خود راوی تفرق سے تفرق بالاقوال نہیں بلکہ تفرق بالابدان مراد لیتے تھے۔ روایت ہے کہ **زاد ابن عمر فی روایته قال نافع فکان اذا بایع رجلا فاراد ان لا یقیله قام فمشی هنیئة ثم رجع الیه** (الف) مسلم شریف، باب ثبوت خیار المجلس للمتبایعین ص ۳۱ نمبر ۱۵۳۱ ر ابو داؤد شریف، باب فی خیار المتبایعین ج ثانی ص ۱۳۳، نمبر ۳۴۵۷) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمر تھوڑا چل لیتے تاکہ مجلس بدل جائے اور بائع کو بیع توڑنے کا اختیار نہ رہے۔

اصول حنفیہ کے نزدیک خیار مجلس کا حق نہیں ہوتا۔

[۸۲۴](۵) بدلے کی چیز جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو بیع کے جائز ہونے میں اس کی مقدار پہچاننے کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح الاعواض سے مراد ہے مبیع یا ثمن جو بدلے میں دیئے جاتے ہیں۔ اگر مبیع یا ثمن سامنے موجود ہو اور بیع کے وقت اس کی طرف اشارہ کر دیا ہو تو اس کی مقدار کتنی ہے، کتنے کیلو ہے یا کتنی تعداد ہے بیع کے جائز ہونے میں اس کو جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے متعین کئے بغیر بھی بیع جائز ہو جائے گی۔

وجہ پچھلے زمانے میں کوئی چیز سامنے ہو تو اس کی مقدار جانے بغیر بیع کر لیا کرتے تھے۔ کیونکہ مشتری اس کو اسی حال میں خریدنے کے لئے راضی ہے۔ اور جہاں تک اچھا یا خراب ہونے کی بات ہے تو مشتری خود اس کو آنکھوں سے دیکھ کر خرید رہا ہے اور اس پر راضی ہے۔ اس لئے بیع ہو جائے گی حدیث میں ہے **سمعت ابا هریرة یقول قال رسول الله ﷺ لا یفترقن اثنان الا عن تراض** (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی خیار المتبایعین ج ثانی ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۸) معلوم ہوا کہ چیز سامنے ہو اور رضامندی سے خرید رہا ہو تو بیع جائز ہے۔ اٹکل سے بیع بیچنے کی دلیل حدیث میں ہے **ان ابن عمر قال رایت الناس فی عهد رسول الله ﷺ یبتاعون جزافا یعنی الطعام** (ج) (بخاری شریف، باب من رای اذا اشتری طعاما جزافا ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۷ ر مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ج ثانی ص ۵ نمبر ۱۵۲۷ ر ۳۸۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مبیع سامنے ہو تو اٹکل سے بیچ سکتا ہے چاہے مقدار کا پتہ نہ ہو۔

اصول بیع کے لئے غائب چیز کی مقدار اور صفت بیان کی جاتی ہے۔ موجود کی نہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر جب کسی سے بیع کرنے اور اقالہ کرنے کی نیت نہ ہوتی تو کھڑے ہو کر چلتے پھر واپس لوٹ آتے تاکہ خیار مجلس سے بیع توڑ نہ دے (ب) آپ نے فرمایا دونوں آدمی جدا نہ ہوں مگر رضامندی کے ساتھ (ج) عبد اللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو حضور کے زمانے میں دیکھا وہ غلوں کو اٹکل سے بیچتے تھے۔

البیع[۸۲۵] (٦) والاثمان المطلقة لا تصح الا ان تکون معروفة القدر والصفة [۸۲۶]

(۷) ویجوز البیع بثمن حال و مؤجل اذا کان الاجل معلوما.

لغت الاعواض : عوض کی جمع ہے بدلے کی چیز، یہاں مبیع یا ثمن مراد ہے۔

[۸۲۵] (٦) اور مطلق ثمن نہیں صحیح ہے اس سے بیع مگر یہ کہ مقدار معلوم ہو اور صفت معلوم ہو۔

تشریح وہ ثمن اور قیمت جو سامنے نہ ہو بلکہ غائب ہو اور اس کی طرف اشارہ نہ کیا جا رہا ہو، اس کی مقدار کہ کتنے کیلو ہیں یا کتنے لیٹر ہیں یا کتنی تعداد ہے اور صفت یعنی اچھا ہے یا خراب ہے معلوم نہ ہو اس وقت تک اس سے بیع کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ جو چیز سامنے نہ ہو اس کو بائع دیکھ کر رضامندی کا اظہار نہیں کر سکے گا۔ اس لئے اس میں دھوکہ ہے اس لئے اس سے بیع جائز نہیں۔ حدیث میں ہے عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینة وهم یسلفون بالثمر السنتین والثلاث فقال من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم (الف) (بخاری شریف، باب السلم الی اجل معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰ رمسلم شریف ج ثانی ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو بیع یا ثمن سامنے موجود نہ ہو اس کا کیل یا وزن اور مدت معلوم ہو تب بیچنا خریدنا جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ (۲) رضامندی کے بغیر بیع جائز نہیں ہوگی اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۵ میں حدیث ابو داؤد نمبر ۳۴۵۸ گزری۔ (۳) اور جس میں دھوکہ ہو اس ثمن یا مبیع سے بیع جائز نہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی هریرة قال نهی رسول الله ﷺ عن بیع الحصاة وعن بیع الغرر (ب) (مسلم شریف، باب بطلان بیع الحصاة والبیع الذی فیہ غرر ص [illegible] نمبر ۱۵۱۳ رابوداؤد شریف، باب فی بیع الغرر ج ثانی ص ۱۲۳ نمبر ۳۳۷٦) اس سے معلوم ہوا کہ جس بیع میں دھوکہ ہو وہ جائز نہیں۔ چیز معلوم نہ ہو تو اس کی بیع جائز نہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله عن رسول الله ﷺ انه نهی عن بیع حبل الحبلة (ج) (مسلم شریف، باب تحریم بیع حبل الحبلة ج ثانی ص ۲ نمبر ۱۵۱۴ ربخاری شریف، باب بیع الغرر وحبل الحبلة ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۳) اس حدیث میں حاملہ جانور کے اندر کا بچہ دیکھا نہیں جا سکتا۔ اس کی صفت مجہول ہے اور مقدار بھی معلوم نہیں ہے اس لئے اس کو بیچنا ناجائز قرار دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس غائب کی مقدار اور صفت معلوم نہ ہو اس کو بیچنا یا اس سے کوئی چیز خریدنا جائز نہیں۔

اصول غائب ثمن کی مقدار اور صفت بیان کرنا ضروری ہے (۲) دھوکے کی چیز نہ مبیع بن سکتی ہے اور نہ ثمن۔

لغت الاثمان المطلقة : جو ثمن غائب ہو یا اس کی مقدار اور صفت معلوم نہ ہو۔ القدر : مقدار مثلا کتنے کیلو ہیں۔

[۸۲٦] (۷) بیع نقد ثمن سے بھی جائز ہے اور ادھار ثمن سے بھی جائز ہے جبکہ تاریخ متعین ہو۔

وجہ ثمن ادا کرنے کی تاریخ متعین نہ ہو تو مشتری ثمن ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے گا اور جھگڑا کرے گا۔ اس لئے بیع کے وقت ہی ثمن دینے کی تاریخ متعین کر لے (۲) دونوں طرح اس لئے جائز ہے کہ آیت میں مطلق بیع کرنے کے لئے کہا ہے۔ آیت ہے احل الله البیع

حاشیہ : (الف) حضور مدینہ تشریف لائے تو لوگ دو سال اور تین سال تک ادھار بیع کیا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا جو کسی چیز کی ادھار بیع کرے تو کیل معلوم ہو وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو (ب) آپ نے کنکری مار کر بیع کرنے سے اور دھوکے کی بیع سے روکا (ج) آپ نے حاملہ جانور کے حمل کی بیع سے منع فرمایا۔

[۸۲۷] (۸) [illegible] اطلق الثمن فی البیع کان علی غالب نقد البلد فان کانت النقود مختلفة فالبیع فاسد [illegible] ان یبین احدها [۸۲۸] (۹) ویجوز بیع الطعام و الحبوب کلها مکائلة و

وجرم الربوا (آیت ۲۷۵ سورۃ البقرۃ ۲) اس میں ادھار اور نقد کی قید نہیں لگائی ہے اس لئے نقد اور ادھار دونوں طرح سے بیع جائز ہوگی (۳) ادھار [illegible] کی دلیل اس حدیث میں ہے عن عائشة ان النبی اشتری طعاما من یہودی الی اجل ورھنه درعا من حدید [illegible] بخاری شریف، باب شراء النبی ﷺ بالنسیۃ ص ۲۷۷ نمبر ۲۰۶۸ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرخصۃ فی الشراء الی اجل ص [illegible] حدیث سے معلوم ہوا کہ ادھار ثمن کے ساتھ مبیع خرید سکتا ہے۔ مدت متعین ہو اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۶ میں بخاری شریف نمبر [illegible] شریف نمبر ۱۶۰۴ کی حدیث گزر گئی۔

اصول دھوکہ [illegible] ثمن ادا کرنے کی تاریخ متعین ہونا ضروری ہے۔

نوٹ اگر [illegible] کی اور بعد میں جھگڑا بھی نہیں ہوا تو بیع جائز ہو جائے گی۔ اوپر کی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

لغت مؤجل [illegible] الاجل : مدت۔

[۸۲۷] (۸) [illegible] ثمن مطلق رکھا تو وہ شہر کے غالب نقد پر ہوگا۔ پس اگر نقود مختلف ہوں تو بیع فاسد ہوگی مگر یہ کہ ایک نقد کو بیان کر دے۔

تشریح شہر میں [illegible] رائج ہوں اور بیع کرتے وقت کسی ایک کو متعین نہیں کیا تو اگر کسی ایک سکے کا رواج زیادہ ہو تو وہی سکہ مراد ہوگا۔

وجہ کیونکہ [illegible] ج زیادہ ہوتا ہے بیع کرتے وقت دونوں کا ذہن اسی طرف جاتا ہے۔ اس لئے وہی مراد ہوگا اور بیع جائز ہو جائے گی۔ لیکن اگر [illegible] رواج برابر ہے اور ہر ایک کی مالیت مختلف ہے تو اب جہالت کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی۔ کیونکہ بائع اعلی سکہ طلب کرے گا اور [illegible] دینا چاہے گا۔ اور کوئی سکہ متعین نہیں ہے اس لئے نزاع ہوگا۔ اس لئے بیع فاسد ہو جائے گی۔ البتہ اگر مجلس ختم ہونے سے [illegible] کی نشان دہی کر دی جائے تو وہی سکہ متعین ہو کر بیع جائز ہو جائے۔

اصول تعین [illegible] ب کا اعتبار کیا جائے گا۔

لغت نقد البلد [illegible]۔

[۸۲۸] (۹) جائز ہے کھانے اور غلوں سب کو بیچنا کیل کر کے اور اٹکل سے اور متعین برتن سے جس کی مقدار معلوم نہ ہو یا متعین پتھر کے وزن سے جس کی مقدار معلوم نہ ہو۔

تشریح جو مبیع [illegible] ہو اور غلہ اور کھانے کی جنس سے ہو، درہم اور دنانیر نہ ہوں تو اس کو چار طریقوں سے بیچنا جائز ہے جن کا تذکرہ متن میں ہے (۱) کیل کر کے بیچے (۲) اٹکل سے ویسے ہی بیچ دے یہ بھی جائز ہے (۳) ایک برتن ہے جس کا وزن یا کیل معلوم نہیں ہے کہ اس میں کتنے گیہوں [illegible] لیکن بائع اور مشتری کے درمیان یہ طے ہو گیا کہ ایک برتن کے بدلے پانچ پونڈ دوں گا تو بیع جائز ہو جائے

حاشیہ : (الف) [illegible] سے ایک مدت تک کے لئے غلہ خریدا اور اس کے بدلے لوہے کی زرہ رہن رکھی۔

مجازفة وباناء بعینه لا یعرف مقداره او بوزن حجر بعینه لا یعرف مقداره[۸۲۹] (۱۰) ومن باع صبرة طعام کل قفیز بدرهم جاز البیع فی قفیز واحد عند ابی حنیفة رحمه الله

گی۔ مقدار کی جہالت سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

وجہ کیونکہ مبیع سامنے موجود ہے اس لئے اس کی مقدار نہ بھی معلوم ہو صرف انکل سے بیچے تب بھی جائز ہے (۴) اسی طرح ایک پتھر ہے جس کی مقدار معلوم نہیں ہے کہ کتنے کیلو وزن کا یہ پتھر ہے پھر بھی دونوں کے درمیان یہ طے ہو جائے کہ ہر پتھر وزن کے بدلے پانچ پونڈ دوں گا تو بیع جائز ہو جائے گی۔

وجہ (۱) جب انکل سے بیچنا جائز ہے تو اس طرح بھی بیچنا جائز ہوگا (۲) انکل سے بیچنے کی حدیث یہ ہے **ان ابن عمر قال لقد رایت الناس فی عهد رسول الله ﷺ یبتاعون جزافا یعنی الطعام یضربون ان یبیعوا فی مکانهم حتی یؤوه الی رحالهم** (الف) (بخاری شریف، باب من رای اذا اشتری طعاما جزافا ان لا یبیعہ حتی یؤویہ الی رحلہ ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۷ رمسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ج ثانی ص ۵ نمبر ۱۵۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انکل سے کھانا اور غلہ بیچنا جائز ہے اور اس وقت انکل سے نہیں بیچتے تھے جب تک کجاوے تک غلہ نہ آ جائے اس سے معلوم ہوا کہ غلہ سامنے موجود ہو تب ہی انکل سے بیچ سکتا ہے۔ اور سامنے موجود نہ ہو تو اس کی مقدار اور صفت کا متعین ہونا ضروری ہے۔ جیسے بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث گزری **من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم الی اجل معلوم** (بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰ رمسلم شریف نمبر ۱۶۰۴) نوٹ حدیث میں طعام کے لفظ سے یہ بھی پتہ چلا کہ درہم اور دنانیر کو بغیر وزن کئے ہوئے بیچے تو اس میں تفصیل ہے۔

لغت مکایلة : کیل کر کے۔ مجازفة : انکل سے۔

[۸۲۹] (۱۰) کسی نے کھانے کا ڈھیر بیچا ہر قفیز ایک درہم کے بدلے میں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک قفیز کی بیع ہوگی اور باقی میں باطل ہوگی مگر یہ کہ تمام قفیز متعین کر دے۔ اور صاحبین نے فرمایا دونوں صورتوں میں بیع جائز ہے۔

تشریح غلے کا ڈھیر ہے لیکن پورے غلے کی قیمت یک وقت نہیں لگائی اور نہ یہ معلوم ہے کہ ڈھیر میں کتنے قفیز غلہ ہے اور اس کی مجموعی قیمت کتنے پونڈ ہیں۔ یہ تو ناپنے کے بعد معلوم ہوگا کہ کتے قفیز ہیں اور اس کی مجموعی قیمت کتنی ہوئی۔ ایسی صورت میں بائع کہتا ہے کہ ہر قفیز ایک درہم کا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف ایک قفیز کی بیع فی الحال ہوگی۔

وجہ ابھی پورے ڈھیر کی نہ مقدار معلوم ہے اور نہ اس کی مجموعی قیمت معلوم ہے اس لئے اقل درجے کی طرف پھیرا جائے گا اور ایک قفیز کی بیع ہوگی اسی پر جھگڑا ہو جائے تو قانونی حیثیت سے ایک قفیز ہی لینا ہوگا۔

نوٹ پورا ڈھیر ناپ دے اور اس کی مجموعی قیمت گنا دے اور اس پر بعد میں بائع مشتری راضی ہو جائے تو اب پورے ڈھیر کی بیع ہوگی۔ امام

حاشیہ : (الف) میں نے لوگوں کو حضور کے زمانے میں انکل سے غلہ خریدتے اور بیچتے دیکھا اور مجبورا اس کی جگہ میں بیچنے سے احتراز کرتے تھے یہاں تک کہ وہ کجاوے تک نہ پہنچ جائے۔

وبطل فی الباقی الا ان یسمی جملة قفزانها وقال ابو یوسف و محمد یصح فی الوجهین[۸۳۰] (۱۱) ومن باع قطیع غنم کل شاة بدرهم فالبیع فاسد فی جمیعها

ابو حنیفہ کا قاعدہ یہ ہے کہ ایجاب وقبول سے پہلے پوری مبیع اور اس کی پوری قیمت معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ ایجاب کے وقت جہالت نہ رہے۔ پورے ڈھیر کی مقدار کی جہالت ہو تو بیچنا ممنوع ہے اس کا ثبوت حدیث میں ہے سمعت جابر بن عبد اللہ یقول نھی رسول اللہ عن بیع الصبرة من التمر لا یعلم مکیلھا بالکیل المسمی من التمر (الف) مسلم شریف، باب تحریم بیع صبرۃ التمر المجہولۃ القدر بتمر ج ثانی ص ۶ نمبر ۱۵۳۰) اس حدیث میں ہے کہ ڈھیر کی مقدار معلوم نہ ہو تو اس کو کھجور کے بدلے نہ بیچے تاکہ ربوا نہ ہو تاہم اس کا بھی ثبوت ہوا کہ ڈھیر کی مقدار معلوم نہ ہو تو جہالت کی وجہ سے پورے ڈھیر کی بیع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ مر برجل یبیع طعاما فسألہ کیف تبیع فاخبرہ فاوحی الیہ ان ادخل یدک فیہ فادخل یدہ فیہ فاذا ھو مبلول فقال رسول اللہ ﷺ لیس منا من غش (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی النھی عن الغش ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الغش فی البیوع ص ۲۴۵ نمبر ۱۳۱۵) اس حدیث میں بھیگا ہوئے گیہوں نیچے تھے اور صفت کی جہالت تھی تو آپ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے قبول کے وقت ڈھیر کی مقدار معلوم نہ ہو اور اس کی مجموعی قیمت معلوم نہ ہو تو پورے ڈھیر کی بیع نہیں ہوگی۔

اصول قبول کے وقت مبیع کی مقدار اور اس کی قیمت معلوم ہونا ضراری ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ناپ کر پورے ڈھیر کی مقدار اور اس کی مجموعی قیمت کا معلوم کرنا بائع اور مشتری کے ہاتھ میں ہے۔ وہ فورا ناپ لیں گے اور مجموعی قیمت معلوم کرلیں گے اور مجلس ختم ہونے سے پہلے یہ کام ہو جائے گا تو کوئی جھگڑا نہیں ہوگا اس لئے ان کے نزدیک قبول سے پہلے پورے ڈھیر کی مقدار بیان کردے تب بھی پورے ڈھیر کی بیع ہوگی۔ اور پورے ڈھیر کی مقدار نہ بتائے تب بھی پورے ڈھیر کی بیع ہو جائیگی۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ مجلس ختم ہونے سے پہلے ڈھیر کی مقدار اور اس کی مجموعی قیمت معلوم ہو جانے کا امکان ہو تب بھی جواز بیع کے لئے کافی ہے۔

لغت صبرۃ : ڈھیر۔ قفیز : ناپنے کا ایک پیمانہ اس کی جمع قفزان ہے۔

[۸۳۰] (۱۱) کسی نے بکری کا ریوڑ بیچا اس طرح کہ ہر بکری ایک درہم کی تو تمام ہی بکری میں بیع فاسد ہے۔

وجہ بکری میں تفاوت ہے کوئی موٹی ہے کوئی دبلی ہے اس لئے اوپر کے قاعدے کے اعتبار سے اگر ایک بکری کی بیع جائز قرار دیں تو جھگڑا ہوگا

حاشیہ : (الف) آپ نے کھجور کے اس ڈھیر کو بیچنے سے روکا جس کا کیل معلوم نہ ہو کیل کے ذریعہ متعین کھجور کے بدلے میں، یعنی کھجور کے متعین کیل کے بدلے میں ایسے ڈھیر کو بیچنا جس کا کیل معلوم نہ ہو اس سے منع فرمایا (ب) حضورؐ ایسے آدمی کے سامنے سے گزرے جو گیہوں بیچ رہے تھے، آپ نے پوچھا کیسے بیچ رہے ہو تو انہوں نے حضور کو بتایا۔ آپ کو اللہ نے وحی آئی کہ اپنے ہاتھ کو گیہوں میں داخل کرے۔ تو آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو گیہوں بھیگے ہوئے تھے۔ پس آپ نے فرمایا جو دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

[۸۳۱](۱۲) وکذلک من باع ثوبا مذارعة کل ذراع بدرھم ولم یسم جملة الذرعان[۸۳۲] (۱۳) ومن ابتاع صبرة طعام علی انھا مائة قفیز بمائة درھم فوجدھا اقل من ذلک کان المشتری بالخیار ان شاء اخذ الموجود بحصته من الثمن وان شاء فسخ

،بائع دبلی دینا چاہے گا اور مشتری موٹی لینا چاہے گا۔اس لئے ایک بکری بھی کی بیع نہیں ہوگی۔اور پورے ریوڑ کی بیع اسلئے نہیں ہوگی کہ تمام ریوڑ کی تعداد معلوم نہیں اور نہ پورے ریوڑ کی بیع ہوئی ہے۔اور گیہوں کے ڈھیر میں ایک قفیز کی بیع اس لئے جائز ہوگئی تھی کہ گیہوں میں تفاوت نہیں تمام گیہوں برابر ہیں اس لئے ایک قفیز جائز قرار دینے میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

اصول افراد میں تفاوت ہو اور مجموعہ کی بیع نہ ہوئی ہو تو تفاوت کی وجہ سے ایک فرد کی بھی بیع نہیں ہوگی۔

لغت قطیع : بکریوں کا مجموعہ، بکریوں کا ریوڑ۔

[۸۳۱](۱۲) کسی نے کپڑا بیچا گزوں کے حساب سے، ہر گز ایک درہم کا اور تمام گز بیان نہیں کئے تو ایسے ہی کسی گز کی بیع جائز نہیں ہوگی۔

تشریح کپڑے کے تھان میں تفاوت تھا۔ہر گز الگ الگ انداز کا تھا۔اور پورے تھان میں کتنے گز ہیں یہ بیان نہیں کیا اور نہ پورے تھان کی بیع کی اور یوں کہا کہ ہر ایک گز ایک درہم کا تو پورے تھان کی بیع اس لئے نہیں ہوگی کہ نہ اس کی پوری مقدار معلوم ہے اور نہ مجموعی قیمت معلوم ہے۔اور ایک گز کی بیع اس لئے نہیں ہوگی کہ ہر گز میں تفاوت ہے، بائع خراب اور گھٹیا گز دینا چاہے گا اور مشتری اعلی گز لینا چاہے گا اس لئے نزاع کی وجہ سے ایک گز کی بھی بیع نہیں ہوگی۔

اصول اوپر گزر گیا۔

نوٹ آج کل کی طرح تمام کپڑا ایک ہی انداز کا ہو تو ایک گز کی بیع ہو جائے گی، یا دوبارہ پورا تھان ناپ کر پورے تھان کی بیع کر لے تب بھی ازسرنو رضامندی کی وجہ سے پورے تھان کی بیع ہو جائے گی۔اوپر کا فیصلہ تو اختلاف کے وقت ہوگا۔

لغت مذارعة : ذراع سے مشتق ہے ہاتھ سے ناپ کر۔

[۸۳۲](۱۳) کسی نے کھانے کا ڈھیر بیچا اس طرح کہ سو قفیز ہے سو درہم کے بدلے۔پس اس کو اس سے کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو موجود کو اس کے حصے کے مطابق ثمن سے لے لے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے اور اگر سو قفیز سے زیادہ پایا تو زیادہ بائع کے لئے ہے۔

تشریح غلے کا ڈھیر ہے اور بائع یوں کہہ رہا ہے کہ اس میں سو قفیز گیہوں ہے سو درہم کے بدلے دوں گا۔تو چونکہ پوری مقدار معلوم ہے اور مجموعی قیمت بھی سو درہم معلوم ہے اس لئے پورے ڈھیر کی بیع ہوئی۔لیکن جب ناپا تو سو قفیز سے کم نکلا تو چونکہ بائع نے یہ بھی کہا تھا کہ سو قفیز ہے اور سو درہم کے بدلے میں دوں گا تو ایک قفیز ایک درہم کا ہوا اس لئے اگر مثلا نوے قفیز نکلے تو نوے درہم لازم ہونگے۔جتنا حصہ گیہوں ہے اتنا ہی حصہ ثمن لازم ہوگا۔لیکن چونکہ سو قفیز کی بات تھی اور مشتری کو اس سے کم ملا تو وعدہ کے مطابق نہیں ملا اس لئے اس کو اختیار ہوگا چاہے تو نوے درہم سے نوے قفیز لے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے۔اور اگر گیہوں سو قفیز سے زیادہ نکلے تو چونکہ سو قفیز ہی دینے کی بات تھی زیادہ کی نہیں اس

البیع وان وجدھا اکثر من ذلک فالزیادۃ للبائع[۸۳۳] (۱۴) ومن اشتری ثوبا علی انه عشرۃ اذرع بعشرۃ دراھم او ارضا علی انھا مائة ذراع بمائة دراھم فوجدھا اقل من ذلک فالمشتری بالخیار ان شاء اخذھا بجملة الثمن وان شاء ترکھا وان وجدھا اکثر من الذراع الذی سماہ فھی للمشتری ولا خیار للبائع[۸۳۴] (۱۵) وان قال بعتکھا علی

لئے یہ زیادہ گیہوں بائع کے ہوں گے۔

اصول اس میں اصول یہ ہے کہ گیہوں ایک جیسے ہیں اس میں تفاوت نہیں ہے اس لئے ہر قفیز اصل ہے صفت نہیں ہے اس لئے ہر قفیز کے بدلے میں ایک درہم لازم ہوگا۔ اور زائد قفیز کی قیمت نہیں ملی اس لئے وہ بائع کے ہوں گے۔ اثر میں ہے سمع عکرمة یقول ان ابتعت طعاما فوجدته زائدا فالزیادۃ لصاحب الطعام والنقصان علیک (مصنف عبد الرزاق، باب اشتریت طعاما فوجدته زائدا ج ثامن ص ۱۳۳ نمبر ۱۴۶۱۰) اس اثر میں ہے کہ جو کھانا زیادہ ہو وہ بائع کا ہوگا۔

اصول غلہ میں قفیز اصل ہے صفت نہیں ہے۔

لغت ابتاع : باع سے مشتق ہے خریدا۔

[۸۳۳] (۱۴) کسی نے کپڑا خریدا اس طرح کہ وہ دس گز ہے دس درہم میں، یا زمین خریدی اس طرح کہ وہ سو گز ہے سو درہم میں پھر اس کو اس سے کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو اس زمین اور کپڑے کو پوری ہی قیمت میں لے اور چاہے تو اس کو چھوڑ دے، اور اگر اتنے گز سے زیادہ پایا جتنا متعین کیا تھا تو وہ سب مشتری کا ہے۔ اور بائع کو روک لینے کا اختیار نہیں ہے۔

تشریح یہ مسئلہ اوپر جیسا ہی ہے لیکن حکم میں فرق اس لئے ہے کہ کپڑے میں اور زمین میں گز سے ناپنا ایک صفت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ صفت کے مقابلہ میں الگ سے کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے دس گز یا سو گز زمین صرف ترغیب کے لئے ہوئی ہر گز کے بدلے ایک درہم نہیں ہوا تو گویا کہ پورے تھان کپڑے کی قیمت دس درہم اور پورے زمین کے ٹکڑے کی قیمت سو درہم ہوئی چاہے تھان میں اور زمین میں گز زیادہ ہو یا کم ہو۔ اس لئے لینا چاہے تو پورے دس درہم اور سو درہم دے کر پورا تھان اور پورا ٹکڑا زمین لے۔ چاہے گز کم ہو چاہے زیادہ ہو۔ البتہ کم گز ہونے کی صورت میں مشتری کی رغبت کم ہے اس لئے اس کو چھوڑنے کا اختیار ہوگا اور زیادہ گز ہو جائے تو بائع کو روکنے کا اختیار اس لئے نہیں ہوگا کہ پورے تھان اور پورے ٹکڑے زمین کی بیع کر چکا ہے، چاہے جتنا ہو۔

اصول کپڑے اور زمین میں گز صفت ہے اور صفت کے مقابلہ میں الگ سے قیمت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کو اصل نہ بنا دیا جائے۔

[۸۳۴] (۱۵) اور کہا کہ اس زمین کو آپ سے بیچتا ہوں اس طرح کہ سو گز ہے سو درہم کے بدلے میں، ہر گز ایک درہم کے بدلے، پھر اس کو کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس زمین کو اس کے حصے کے مطابق ثمن سے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔ اور اگر زمین کو زیادہ پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو پوری زمین کو لے ہر گز ایک درہم کے بدلے میں اور چاہے تو بیع توڑ دے۔

انها مائة ذراع بمائة درهم كل ذراع بدرهم فوجدها ناقصة فهو بالخيار ان شاء اخذها بحصتها من الثمن وان شاء تركها وان وجدها زائدة كان المشترى بالخيار ان شاء اخذ الجميع كل ذراع بدرهم وان شاء فسخ البيع[۸۳۵] (۱۶) ولو قال بعت منک هذه الرزمة على انها عشرة اثواب بمائة درهم كل ثوب بعشرة فان وجدها ناقصة جاز البيع بحصته وان وجدها زائدة فالبيع فاسد[۸۳۶] (۱۷) ومن باع دارا دخل بناؤها فى البيع

تشریح کپڑے اور زمین میں گز صفت ہے لیکن اگر صفت کو اصل بنا دیا جائے تو اس کے مقابلے میں الگ سے قیمت ہوگی۔ یہاں بائع نے جب یہ کہا کہ ہر گز ایک درہم کے بدلے میں تو ہر گز کو اصل بنا دیا اور اب ہر گز کے بدلے میں ایک درہم ہوگا۔ اب پورے ٹکڑے زمین کی بیع نہیں ہے بلکہ ہر گز کی بیع ہے۔ اس لئے جتنے گز ہوں گے اتنے ہی درہم لازم ہوں گے۔ کم ہوں گے تو اس کے حساب سے کم درہم اور زیادہ ہوں گے تو اس کے حساب سے زیادہ درہم۔ البتہ کم گز ہونے کی شکل میں مشتری کو وعدہ شدہ زمین نہیں ملی اس لئے رغبت کم ہوئی اس لئے اس کو لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

اصول گز صفت ہے لیکن اگر اس کو اصل بنا دیا جائے تو ہر گز کے بدلے اس کی الگ الگ قیمت لگے گی۔

نوٹ یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ بائع پورے ٹکڑے کی مجموعی قیمت لگا رہا ہے یا ہر ہر گز کی الگ الگ قیمت لگا رہا ہے۔ اگر پورے ٹکڑے کی قیمت لگا رہا ہے تو گز زیادہ ہو یا کم پورے ٹکڑے کی پوری قیمت دینی ہوگی۔ اور اگر ہر ہر گز کی قیمت لگا رہا ہے تو گز کے حساب سے اس کی قیمت طے کی جائے گی۔ ان ہی اصولوں پر یہ سب مسائل متفرع ہیں۔

[۸۳۵] (۱۶) میں نے آپ سے یہ گٹھری بیچی اس طرح کہ دس کپڑے ہیں سو درہم کے بدلے، ہر کپڑا دس درہم کے بدلے، پس اگر ان کو کم پایا تو بیع ان کے حصے کے حساب سے جائز ہوگی اور اگر ان کو زیادہ پایا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح ایک گٹھری میں دس تھان کپڑے تھے اور ہر تھان الگ الگ انداز کے تھے۔ بائع نے اب کہا کہ پوری گٹھری بیچتا ہوں اس شرط پر کہ دس تھان کپڑے ہیں اور ہر تھان دس روپے کا ہے۔ پس اگر کم کپڑا پایا مثلا نو کپڑے نکلے تو دس درہم کے حساب سے نوے درہم کے نو کپڑے لے۔ اور چونکہ کم کپڑے ہیں اس لئے چھانٹنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور اختلاف بھی نہیں ہوگا۔ اور اگر گیارہ کپڑے نکلے تو ایک کپڑا کے چھانٹنے میں اختلاف ہوگا۔ بائع گھٹیا دینا چاہے گا اور مشتری اعلی لینا چاہے گا اور اختلاف و نزاع ہوگا اس لئے اس صورت میں بیع فاسد ہوگی۔

اصول کپڑے یا کسی چیز کے افراد میں تفاوت ہو اور اس کو چھانٹنے میں اختلاف ہو سکتا ہو تو بیع فاسد ہوگی۔

لغت الرزمة : گٹھری۔ ثوب : کپڑا، تھان۔

[۸۳۶] (۱۷) کسی نے گھر خریدا تو اس کی دیوار بیع میں داخل ہوگی چاہے اس کا نام نہ لیا ہو۔

تشریح کسی نے گھر خریدا تو وہ چیزیں جو گھر کے ساتھ عرف میں شامل ہوتی ہیں اور ہمیشہ اور دوام کے طور پر اس کے ساتھ چپکی رہتی ہیں وہ

وان لم یسمه [۸۳۷](۱۸) ومن باع ارضا دخل ما فیها من النخل والشجر فی البیع وان لم یسمه[۸۳۸](۱۹) ولا یدخل الزرع فی بیع الارض الا بالتسمیة[۸۳۹](۲۰) ومن

تمام چیزیں بیع میں خود بخود داخل ہو جائیں گی۔ چاہے بیع کرتے وقت ان کا نام نہ لیا ہو۔

اصول جو چیز مبیع کے ساتھ دائمی طور پر متصل ہو وہ چیز بیع میں بغیر اس کا نام لئے ہی داخل ہو جائے گی۔

[۸۳۷](۱۸) کسی نے زمین بیچی تو اس میں جو کھجور کے درخت اور دوسرے درخت ہیں سب بیع میں داخل ہوں گے چاہے ان کا نام نہ لیا ہو

تشریح زمین بیچی تو اس میں جو کھجور وغیرہ کے درخت ہیں وہ سب خود بخود بیع میں داخل ہو جائیں گے چاہے بیع کرتے وقت یہ نہ کہا ہو کہ زمین کے ساتھ درخت بھی خریدتا ہوں۔

وجہ کھجور کے درخت اور دوسرے درخت ہمیشہ کے لئے زمین پر لگے رہتے ہیں۔ کھیتی اور کاشتکاری کی طرح چار چھ ماہ میں کاٹ نہیں لیتے اس لئے وہ زمین کے جزء کی طرح ہیں۔ اس لئے جب زمین کی بیع کی تو درخت بھی خود بخود بیع میں داخل ہو جائیں گے۔ ہاں ان کو باضابطہ بیع سے الگ کر دے تو پھر بیع میں داخل نہیں ہوں گے۔

اصول جو چیز مبیع کے ساتھ دائمی طور پر متصل ہوں وہ چیزیں بیع میں بغیر ان کا نام لئے بھی داخل ہو جائیں گی۔

لغت نخل : کھجور کا درخت۔

[۸۳۸](۱۹) کاشتکاری زمین کی بیع میں داخل نہیں ہوگی مگر اس کا نام لینے کے بعد۔

تشریح جب تک یہ نہ کہے کہ کاشتکاری بھی زمین کے ساتھ خریدتا ہوں تب تک زمین کی بیع میں کاشتکاری داخل نہیں ہوگی۔

وجہ کاشتکاری اور کھیتی زمین کے ساتھ ہمیشہ کے لئے متصل نہیں ہے، وہ تو دو چار ماہ میں کٹ جائے گی اور الگ ہو جائے گی، وہ تو وقتی طور پر زمین کے ساتھ متصل ہے اس لئے زمین کی بیع میں کاشتکاری داخل نہیں ہوگی جب تک کہ اس کا بیع میں نام نہ لیا جائے۔ حدیث میں اس کا اشارہ ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال من باع نخلا قد ابرت فثمرها للبائع الا ان یشترط المبتاع (الف) (مسلم شریف، باب من باع نخلا علیہا تمر ج ثانی ص ۱۰ نمبر ۱۵۴۳ ربخاری شریف، باب من باع نخلا قد ابرت او ارضا مزروعۃ او باجارۃ ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۴) اس حدیث میں کھجور کا درخت بیچا تو فرمایا کھجور کے بائع کے لئے ہیں مگر یہ مشتری خریدنے کے وقت شرط لگائے۔ اور کھجور درخت پر وقتی طور پر لگا رہتا ہے پھر کٹ جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وقتی طور پر کوئی چیز مبیع کے ساتھ متصل ہو تو وہ چیز بیع میں داخل نہیں ہوگی مگر یہ کہ شرط کرے۔

اصول جو چیز مبیع کے ساتھ وقتی طور پر متصل ہو وہ چیز بیع میں داخل نہیں ہوگی۔

لغت الزرع : کھیتی، کاشتکاری۔

[۸۳۹](۲۰) کسی نے کھجور کا درخت بیچا یا کوئی اور درخت بیچا جس پر پھل تھے تو پھل بائع کے لئے ہوں گے مگر یہ کہ مشتری اس کی شرط لگالے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے کھجور کا ایسا درخت بیچا جس پر پھل آچکا ہو تو اس کا پھل بائع کے لئے ہے مگر یہ کہ مشتری اس کی شرط لگائے۔

باع نخلا او شجرا فيه ثمرة فثمرته للبائع الا ان يشترطها المبتاع[٨٤٠] (٢١)ويقال للبائع اقطعها وسلم المبيع [٨٤١](٢٢) ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها او قد بدا جاز

کہ یہ بھی بیع میں داخل ہوں گے۔

تشریح درخت بیچا تو پھل بیع میں داخل نہیں ہوں گے۔ ہاں! مشتری شرط لگالے کہ پھل بھی درخت کے ساتھ خرید رہا ہوں تو پھر پھل درخت کی بیع میں داخل ہوں گے۔

وجہ پھل درخت کے ساتھ ہمیشہ کے طور پر متصل نہیں ہے بلکہ چند مہینوں میں کاٹ کر درخت سے الگ کر دیئے جائیں گے۔اور حدیث کی رو سے مسئلہ نمبر ۱۹ میں معلوم ہوا کہ جو چیز مبیع کے ساتھ دائمی طور پر متصل نہ ہو وہ مبیع میں داخل نہیں ہوگی۔ حدیث گزری عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال من باع نخلا قد ابرت فثمرتها للبائع الا ان يشترط المبتاع (الف) (بخاری شریف، باب من باع نخلا قد ابرت او ارضا مزروعة او باجارة ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۴ رمسلم شریف، نمبر ۱۵۴۳) اس حدیث میں مذکور ہے کہ کھجور کا درخت بیچا تو کھجور بیع میں داخل نہیں ہوگا۔

لغت نخل : کھجور کا درخت۔

[۸۴۰] (۲۱) بائع سے کہا جائے گا کہ پھل کو کاٹو اور مبیع کو سپرد کرو۔

تشریح جب پھل درخت کی بیع میں داخل نہیں ہوا تو پھل بائع کا رہا اور درخت مشتری کا ہو گیا۔اور بائع کی ملکیت نے مشتری کی ملکیت کو مشغول کر رکھا ہے حالانکہ دونوں کی ملکیت الگ الگ ہونی چاہئے۔اس لئے بائع سے کہا جائے گا کہ پھل کاٹو اور درخت خالی کر کے مشتری کے حوالے کردو۔

وجہ بغیر ضمان کے دوسرے کی چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال لا يحل سلف و بيع ولا شرطان في بيع ولا ربح مالم يضمن ،ولا بيع ماليس عندک (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیة بیع مالیس عندہ ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۴ رسنن للبیھقی ، باب الشرط الذی یفسد البیع ج خامس ص ۵۴۸، نمبر ۱۰۸۳۸) اس حدیث میں ہے کہ جس چیز کا ضمان نہ دیتا ہو اس سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں۔اس لئے بائع سے کہا جائے گا کہ مشتری کے درخت سے مزید فائدہ نہ اٹھاؤ اور پھل کاٹ کر درخت مشتری کے حوالے کردو۔

اصول بغیر اجازت اور بغیر ضمان کے دوسرے کی ملکیت سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

[۸۴۱] (۲۲) کسی نے پھل بیچے جس کی صلاحیت ظاہر ہو چکی ہو یا ظاہر نہ ہوئی ہو تو بیع جائز ہے،اور مشتری پر واجب ہوگا اس کو فی الحال

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جس نے کھجور کا ایسا درخت بیچا جس میں پھل آچکا ہو تو اس کا پھل بائع کے لئے ہے مگر یہ کہ مشتری شرط لگادے کہ میں پھل لوں گا (تو مشتری کا ہو جائے گا) (ب) آپ نے فرمایا نہیں حلال ہے ادھار بیع کرنا اور اس میں بیع گھسا دینا۔اور نہ بیع میں دو شرطیں لگانا۔اور نہ جس چیز کا ضمان لیا ہو اس سے فائدہ اٹھانا۔اور نہیں جائز ہے ایسی چیز کا بیچنا جو تمہارے پاس نہ ہو۔

البيع ووجب على المشتري قطعها في الحال فان شرط تركها على النخل فسد البيع

کاٹے۔پس اگراس کودرخت پر چھوڑ دینے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

تشریح ایسے پھل بیچے جو کار آمد ہو چکے ہوں مثلا کھا سکتا ہو یا جانور کو کھلا سکتا ہو تو اس کو بیچنا جائز ہے بلکہ حدیث میں اسی کی ترغیب ہے کہ پھل کار آمد ہو جائے تب بیچو اس کے پہلے بیچنا اچھا نہیں ہے۔حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها نهى البائع والمبتاع (الف) (بخاری شریف، باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحها ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۹۵ رمسلم شریف، باب النهی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحها بغیر شرط القطع ج ثانی ص ۷ نمبر ۱۵۳۴) اس حدیث میں ترغیب ہے کہ پھل پکنے سے پہلے اور آفات سے محفوظ ہونے سے پہلے نہ بیچے۔

اور آفات سے محفوظ ہونے سے پہلے پھل کو بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ (۱) یہ بائع کا مال ہے اور اپنا مال وہ بیچ سکتا ہے۔اور کسی نہ کسی کام میں آئے گا تب ہی تو مشتری اس کو خرید رہا ہے۔اس لئے جو پھل کار آمد نہ ہو اس کو بھی بائع بیچ سکتا ہے۔البتہ حدیث کی بنیاد پر اچھا نہیں ہے (۲) بخاری کی حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ حضور کے سامنے بائع اور مشتری کے بہت سے جھگڑے آئے اس لئے آپؐ نے مشورہ کے طور پر فرمایا کہ پھل کار آمد ہونے سے پہلے مت بیچو تا کہ مشتری کا گھاٹا نہ ہو۔اور پھل کی قیمت دینے میں ٹال مٹول نہ کرے عن زيد بن ثابت قال كان الناس في عهد رسول الله ﷺ يبتاعون الثمار فاذا جذ الناس وحضر تقاضيهم قال المبتاع انه اصاب الثمر الدمان اصابه مرض اصابه قشام عاهات يحتجون بها فقال رسول الله ﷺ لما كثرت عنده الخصومة في ذلك فاما لا فلا تبتاعوا حتى يبدو صلاح الثمرة كالمشورة يشير بها لكثرة خصومتهم (ب) (بخاری شریف، باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحها نمبر ۲۱۹۳) اس حدیث میں تصریح ہے کہ کار آمد ہونے سے پہلے پھل بیچ دیا کرتے تھے پھر اس میں آفت آتی تھی اور پھل برباد ہو جاتے تھے تو مشتری اس کی قیمت دینے میں ٹال مٹول کرتا تھا۔یہ جھگڑے بہت زیادہ حضور کے سامنے آئے تو آپؐ نے مشورہ کے طور پر کہا کہ کار آمد ہونے سے پہلے پھل مت بیچو۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل میں بیچنا جائز ہے۔اور یہی امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔

اصول اپنی چیز بائع بیچ سکتا ہے۔

مشتری سے کہا جائے گا کہ فوری طور پر پھل کاٹ لیجئے اور درخت بائع کو حوالے کر دیجئے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے پھل کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے یعنی کار آمد نہ ہو جائے،اور روکا بائع کو اور مشتری کو (ب) لوگ حضور کے زمانے میں پھل بیچا کرتے تھے۔پس جب لوگوں کا شور زیادہ ہوا اور ان کا تقاضا آیا،مشتری کہنے لگا کہ پھل کو بیماری لگ گئی۔اس کو مرض لگ گیا،اس کو آفت لگ گئی اور اس سے وہ کم قیمت کروانے کی حجت پکڑتے تھے۔پس جب اس بارے میں جھگڑے بہت ہونے لگے تو آپؐ نے فرمایا اگر جھگڑے سے نہیں رکتے ہو تو مت بیچو جب تک کہ کھجور کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے یعنی پکنے کے قریب نہ ہو جائے۔یہ حکم مشورہ کے طور پر تھا جس کی طرف اشارہ کیا ان لوگوں کے جھگڑے کے زیادہ ہونے کی وجہ سے۔

[۸۴۲](۲۳) ولا یجوز ان یبیع ثمرۃ و یستثنی منھا ارطالا معلومۃ.

وجہ کیونکہ درخت بائع کی ملکیت ہے اور دوسرے کی ملکیت سے بغیر ضمان کے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ پہلے ترمذی کی حدیث نمبر۱۲۳۴، ولا ربح مالم یضمن گزر چکی ہے۔

اور اگر مشتری نے شرط لگائی کہ یہ پھل درخت پر کچھ دنوں کے لئے رکھوں گا تا کہ پھل مکمل ہو جائے، اس شرط کے ساتھ خریدا تو اس شرط کے لگانے سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

وجہ یہ بیع کے ساتھ الگ شرط ہے جس میں مشتری کا فائدہ ہے۔ اور بیع کے ساتھ اس قسم کی شرط لگانے سے جس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ اوپر ترمذی کی حدیث میں ایسی شرط والی بیع کو ناجائز کہا ہے عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال لایحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح مالم یضمن (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ بیع ما لیس عندہ نمبر۱۲۳۴) اس حدیث میں ولا شرطان ہے جس کی تفسیر یہی ہے کہ بیع کے ساتھ فائدہ کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جائے گی (۲) اثر میں اس کو سود کہا ہے۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال الصفقتان فی الصفقۃ ربا ان یقول ھو بالنسیۃ بکذا و بکذا (مصنف عبد الرزاق، باب بیعتان فی بیعۃ ج ثامن ص۱۳۸/۱۳۹ نمبر۱۴۶۳۶/۱۴۶۳۳)

نوٹ اگر بیع کے وقت پھل کو درخت پر رکھنے کی شرط نہ لگائے۔ البتہ بعد میں بائع کی اجازت سے پھل پکنے کے لئے چھوڑ دے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے بلکہ بائع کا احسان ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ پھل کار آمد ہونے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔ ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے جن میں کار آمد ہونے سے پہلے پھل بیچنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ (بخاری شریف نمبر۲۱۹۸ رمسلم شریف نمبر۱۵۳۵) حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

لغت لم یبد صلاحھا : جو پھل کار آمد نہ ہوا ہو، اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہوئی ہو۔

[۸۴۲](۲۳) اور نہیں جائز ہے کہ پھل بیچے اور اس میں سے کچھ متعین رطل مستثنی کر لے۔

تشریح مثلا پانچ درختوں کے پھل بیچ رہا ہے اور معلوم نہیں اس پر کتنے پھل ہیں۔ ساتھ کہہ رہا ہے اس میں سے سو کیلو پھل نہیں بیچوں گا تو ایسا استثناء کرنا جس سے باقی بیع مجہول ہو جائے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سو درخت کے پھل بیچ رہا ہے لیکن اس میں سے پانچ نہیں بیچ رہا اور نہیں متعین کر رہا کہ کونسے پانچ درخت ہیں۔ تو پچانوے مجہول ہو گئے۔ بائع پانچ اعلی درخت لینا چاہے گا اور مشتری پانچ ادنی درخت دینا چاہے گا۔ تو ایسا استثناء جس سے مبیع مجہول ہو جائے جائز نہیں ہے۔ ہاں! استثناء کے بعد مبیع معلوم رہے تو جائز ہے حدیث میں ہے عن جابر بن عبد اللہ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن المزابنۃ و عن المحاقلۃ و عن الثنیا الا ان یعلم (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المخابرۃ ص ۱۲۷ نمبر۳۴۰۵ رترمذی شریف، باب ماجاء فی النھی عن الثنیا ص۲۴۲ نمبر۱۲۹۰) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے استثناء کرنے سے منع فرمایا، مگر

حاشیہ : (الف) ادھار بیچنا اور اس میں دوسری بیع کو گھسا دینا، اور ایک ہی بیع میں دو شرطیں لگانا حلال نہیں۔ اور جس چیز کا ضمان نہیں لیا جائے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں (ب) حضورؐ نے بیع مزابنہ، بیع محاقلہ سے روکا اور استثناء کرنے سے روکا، مگر یہ کہ استثناء معلوم ہو تو جائز ہے۔

[۸۴۳] (۲۴) ویجوز بیع الحنطة فی سنبلها والباقلیٰ فی قشرها[۸۴۴] (۲۵) ومن باع دارا دخل فی البیع مفاتیح اغلاقها [۸۴۵](۲۶) واجرة الکیال وناقد الثمن علی البائع

استثناء سے مبیع مجہول نہ ہو بلکہ معلوم رہے تو جائز ہے الا ان یعلم کا یہی مطلب ہے۔

اصول استثناء مجہول ہو تو بیع جائز نہیں۔

[۸۴۳] (۲۴) جائز ہے گیہوں کی بیع اس کے خوشے میں، اور مونگ پھلی کی بیع اس کے چھلکے میں۔

تشریح ہر وہ دانہ جو چھلکے میں ہو اور بہت زیادہ چھپا ہوا نہ ہو، تھوڑا بہت چھپا ہوا ہو تو اس کو چھلکے کے ساتھ بیچنے کی اجازت ہے۔

وجہ (۱) تھوڑی بہت جہالت سے بیع فاسد نہیں ہوگی، عموم بلوا کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے (۲) حدیث میں خوشے میں گیہوں بیچنے کی اجازت ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ نهی عن بیع النخل حتی یزهو وعن بیع السنبل حتی یبیض ویأمن العاهة (الف) (مسلم شریف، باب نهی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحها ج ثانی ص ۷ نمبر ۱۵۳۵ رابوداؤد شریف، باب فی بیع الثمار قبل ان یبد وصلاحها ج ثانی ص ۱۲۲ نمبر ۳۳۶۸ رترمذی شریف، نمبر ۱۲۲۷) اس حدیث میں خوشے کو بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ وہ پک کر سفید نہ ہو جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ گیہوں کو خوشے میں بیچنا جائز ہے چاہے گیہوں مستور اور چھپا ہوا ہو۔ اور یہی حال مونگ پھلی کا ہوگا اس کے چھلکے کے ساتھ

اصول مبیع چھلکے میں چھپی ہوئی ہو تو بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔ چھلکے کی تھوڑی جہالت معاف ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مونگ پھلی کو اس کے چھلکے کے اندر بیچنا جائز نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مبیع چھلکے میں چھپی ہوئی ہے اس لئے مبیع مجہول ہوگئی اس لئے جائز نہیں۔

لغت سنبل : خوشہ۔ باقلی : مونگ پھلی۔ قشر : چھلکا۔

[۸۴۴] (۲۵) کسی نے گھر بیچا تو بیع میں اس کے تالے کی کنجی داخل ہوگی۔

تشریح وہ تالا جو دروازے کے ساتھ چپکا ہوتا ہے وہ تالا دروازے کا جز ہوگیا۔ اور جز بغیر نام لئے بھی بیع میں داخل ہوتا ہے۔ اس لئے گھر کی بیع میں تالا داخل ہوگا۔ اور کنجی تالے کا حصہ ہے اس لئے کنجی بھی بیع میں داخل ہوگی۔

اصول بیع میں مبیع کا جز بغیر نام لئے بھی داخل ہوگا۔

[۸۴۵] (۲۶) مبیع کے کیل کرنے کی اجرت اور ثمن کو پرکھنے کی اجرت بائع پر ہے۔ اور ثمن کو وزن کرنے کی اجرت مشتری پر ہے۔

تشریح بائع کی ذمہ داری ہے کہ کیلی مبیع کو کیل کر کے مشتری کے حوالے کرے۔ اس لئے بائع کو ہی کیل کروانا ہوگا۔ اس لئے کیل کرنے والے کی اجرت بائع پر ہوگی کیونکہ اسی کے لئے کیل کیا ہے۔ اثر میں ہے عن بردان ابی النضر قال کنت بعثُ من رجل طعاما فاعطی الرجل اجر الکیال فسألت الشعبی عن ذلک فقال اعطه انت فانما هو علیک (مصنف ابن ابی شیبة ۲۵۰ الرجل یبیع

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے کھجور کی بیع سے روکا جب تک کہ پک نہ جائے اور خوشے کی بیع سے روکا جب تک سفید نہ ہو جائے اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائے۔

واجرة وزان الثمن علی المشتری [۸۴۶](۲۷) ومن باع سلعة بثمن قیل للمشتری ادفع الثمن اولا فاذا دفع قیل للبائع سلم المبیع.

الطعام علی من یکون اجر الکیال ج رابع، ص ۴۴۵، نمبر ۲۱۹۳۱) اثر میں کیل کرنے والے کی اجرت بائع پر لازم کی ہے۔اسی طرح ثمن کو پرکھوانے کی ضرورت پڑی تو بائع تجربہ کار آدمی کو بلا کر لائے گا کہ میرا ثمن پرکھ دے کہ کھرا ہے یا کھوٹا تو بائع کے لئے ثمن کے کھرے کھوٹے کو پرکھا۔اس لئے ثمن پرکھنے کی اجرت بائع پر ہوگی۔اور ثمن چونکہ مشتری کو ادا کرنا ہے اس لئے وہ ثمن کو وزن کروائے گا۔لہذا وزن کرنے والے کو اجرت بھی اسی کو دینا ہوگی۔اس لئے کہ وزن کرنے والے نے کام اس کے لئے کیا ہے۔جس کے لئے کام کیا اجرت اسی پر ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال احتجم النبی ﷺ واعطی الحجام اجره (الف) (بخاری شریف، باب خراج الحجام ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۷۸) اس حدیث میں حضور کے لئے حجامت کی تو آپؐ نے ہی حجام کو اس کی اجرت دی۔

اصول جس کے لئے کام کرے گا اجرت اسی پر لازم ہوگی۔

لغت کیال : کیل کرنے والا آدمی۔ ناقد : ثمن، درہم، دنانیر کو پرکھنے والا کہ کھرا ہے یا کھوٹا۔ وزان : گیہوں وغیرہ کو وزن کرنے والا۔

[۸۴۶](۲۷) اگر کسی نے سامان کو ثمن کے بدلے بیچا تو مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے ثمن پیش کرے، پس جب مشتری نے ثمن دے دیا تو بائع سے کہا جائے کہ مبیع سپرد کرے۔

تشریح قاعدہ یہ ہے درہم اور دینار جن کو پیدائشی ثمن کہتے ہیں وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔مثلا پانچ کے نوٹ سے بیع کی اور بعد میں پانچ کا سکہ دیا تو بیع درست رہے گی۔کیونکہ پانچ کے نوٹ اور پانچ کے سکے دونوں کی مالیت برابر ہے۔اور چونکہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اس لئے کوئی بھی دے سکتا ہے۔البتہ قبضہ کرنے کے بعد درہم اور دنانیر متعین ہوتے ہیں۔دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ سامان مثلا غلہ ،دانہ متعین کرنے سے متعین ہوتے ہیں۔مثلا پانچ کیلو گیہوں دینا طے پایا تو دوسرا پانچ کیلو گیہوں نہیں دے سکتا۔کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ گیہوں خراب ہو۔جب یہ دو قاعدے سمجھ گئے تو یہ سمجھیں کہ سامان کو درہم یا دنانیر کے بدلے میں بیچا تو سامان تو پہلے سے متعین ہے۔اور ثمن یعنی درہم اور دنانیر اور نوٹ پہلے سے متعین نہیں ہیں اس لئے مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے آپ ثمن پیش کر دیں تا کہ درہم و دنانیر قبضہ کرنے سے متعین ہو جائیں اور بائع اور مشتری دونوں کے حق برابر ہو جائیں۔بعد میں بائع سے کہا جائے گا کہ آپ سامان دیں۔

نوٹ یہ فیصلہ جھگڑے کے وقت ہے کہ کون پہلے دے ورنہ رضامندی سے کوئی بھی پہلے دیگا تو بیع جائز ہو جائے گی۔

وجہ درہم اور دنانیر متعین نہ ہونے کی دلیل اس حدیث کا اشارہ ہے عن عمر قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالفضة ربا الا هاء و هاء ،وفی حدیث آخر یدا بید (ب) (ابو داؤد شریف، باب الصرف ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۸/۳۳۴۹/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے پچھنا لگوایا اور آپؐ نے حجام کو اس کی اجرت دی (ب) آپؐ نے فرمایا سونا چاندی کے بدلے سود ہے مگر ہاتھوں ہاتھ ہو۔

[۸۴۷](۲۸) ومن باع سلعة بسلعة او ثمنا بثمن قیل لهما سلما معا.

الصرف ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۳) اس حدیث میں فرمایا کہ ھاء وھاء لو یعنی ایک ہاتھ سے لو اور دوسرے ہاتھ سے دو یعنی مجلس میں قبضہ کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ دراہم اور دنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں۔

اصول سامان متعین ہوتے ہیں (۲) ثمن یعنی دراہم و دنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔

لغت سلعۃ : سامان۔ ثمن : دراہم اور دنانیر کو پیدائشی ثمن کہتے ہیں۔

[۸۴۷](۲۸) اگر سامان کو سامان کے بدلے میں بیچا، یا ثمن کو ثمن کے بدلے میں بیچا تو دونوں سے کہا جائے گا کہ ساتھ ساتھ لو اور ساتھ ساتھ دو۔

تشریح مبیع بھی سامان کی قسم ہے اور ثمن بھی سامان کی قبیل سے ہے اس لئے دونوں متعین ہیں۔ اس لئے دونوں کے درجے برابر ہیں۔ اس لئے بائع اور مشتری دونوں سے کہا جائے گا ساتھ ساتھ لو اور ساتھ ساتھ دو۔ ایک کو پہلے اور دوسرے کو بعد میں لینے کا حق نہیں ہے۔ یہی حال ہے جب مبیع بھی دراہم یا دنانیر ہیں اور ثمن بھی دراہم یا دنانیر ہیں۔ تو دونوں متعین نہیں ہے اس لئے ایک ساتھ لینے اور ایک ساتھ دینے کے لئے کہا جائیگا۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن عبادة بن الصامت عن النبی ﷺ قال ... بیعوا الذهب بالفضة کیف شئتم یدا بید وبیعوا البر بالتمر کیف شئتم یدا بید (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان الحنطة بالحنطة مثلا بمثل وکراہیۃ التفاضل فیہ ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰ / ابوداؤد شریف، باب فی الصرف نمبر ۳۳۴۸) اس حدیث میں سونا اور چاندی ایک طرح کے ثمن ہیں، اسی طرح گیہوں اور کھجور ایک طرح کے سامان ہیں تو ایک ہاتھ سے لینے اور دوسرے ہاتھ سے دینے کے لئے کہا۔ اس لئے یدا بید فرمایا گیا۔ چاہے کمی بیشی کے ساتھ بیچے۔

حاشیہ : (الف) نبی نے فرمایا کہ تم سونے کو چاندی کے بدلے میں بیچو جس طرح تم چاہو ہاتھوں ہاتھ اور تم گیہوں کو بیچو کھجور کے بدلے میں جس طرح تم چاہو ہاتھوں ہاتھ۔

﴿باب خیار الشرط﴾

[۸۴۸](۱) خیار الشرط جائز فی البیع للبائع والمشتری[۸۴۹] (۲) ولهما الخیار ثلثة ایام فما دونها ولا یجوز اکثر من ذلک عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقال ابو یوسف و

﴿باب خیار الشرط﴾

ضروری نوٹ خیار شرط کا مطلب یہ ہے کہ ایجاب وقبول ہونے کے بعد مجلس میں رہتے ہوئے بائع یا مشتری دونوں یہ کہے کہ ہمیں تین دن کا اختیار دیں اس تین دن میں چاہوں تو مبیع لو اور چاہوں تو بیع رد کر دوں۔ اور سامنے والا اس پر ہاں کہہ دے تو اس کو خیار شرط کہتے ہیں۔ اب اس کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو بائع جائز قرار دے اور چاہے تو بیع توڑ دے۔ البتہ اگر تین دن تک بیع کو نہیں توڑا تو بیع برقرار رہے گی۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ان المتبایعین بالخیار فی بیعهما مالم یتفرقا او یکون البیع خیارا (الف) (بخاری شریف، باب کم یجوز الخیار ص ۲۸۳ نمبر ۲۱۰۷ رمسلم شریف، باب ثبوت خیار المجلس للمتبایعین ج ثانی ص ۶ نمبر ۱۵۳۱ رابو داؤد شریف، باب فی خیار المتبایعین ج ثانی ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۴) اس حدیث کے لفظ او یکون البیع خیارا سے معلوم ہوا کہ بائع اور مشتری کو خیار شرط ملے گا۔

[۸۴۸] (۱) خیار شرط جائز ہے بیع میں بائع کے لئے اور مشتری کے لئے۔

تشریح ایجاب اور قبول ہونے کے بعد اگر دونوں یا ایک خیار شرط لے لے تو اس کو خیار شرط ملے گا۔

وجہ اوپر حدیث گزر گئی ہے کہ متبایعین یعنی بائع اور مشتری دونوں کو خیار شرط لینے پر خیار شرط ملے گا۔

[۸۴۹] (۲) بائع اور مشتری دونوں کو تین دن یا اس سے کم کا اختیار ہوگا۔ اور نہیں جائز ہے اس سے زیادہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور کہا امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہ جائز ہے جبکہ مدت معلوم متعین کر دے۔

تشریح تین دن سے زیادہ کا اختیار لے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین دن سے زیادہ کا اختیار نہیں ملے گا۔

وجہ (۱) تین دن سے زیادہ کا اختیار لینے میں سامنے والے آدمی کو نقصان ہوگا کہ بہت دنوں تک اس کو انتظار کرنا ہوگا کہ بیع ہوئی یا نہیں۔ اس لئے تین دن سے زیادہ اختیار نہیں دیا جائے (۲) حدیث میں تین دن کے ہی اختیار کا ثبوت ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال الخیار ثلاثة ایام (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۴۸ نمبر ۲۹۹۳ رسنن للبیهقی، باب الدلیل علی ان لا یجوز شرط الخیار فی البیع اکثر من ثلاثة ایام ج خامس ص ۴۵۰، نمبر ۱۰۴۶۱ رترمذی شریف، باب ماجاء فی المصراة ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف تین دن کا اختیار ملے گا۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ خیار شرط کا معاملہ بائع اور مشتری کے اختیار پر ہے اس لئے اگر وہ دونوں زیادہ دنوں تک اختیار دینے پر راضی ہیں تو کسی

حاشیہ : آپؐ نے فرمایا بائع اور مشتری کو اختیار ہے بیع میں جب تک کہ دونوں جدا نہ ہو جائیں یا بیع میں خیار شرط ہو (ب) آپؐ نے فرمایا خیار شرط تین دن تک ہوتا ہے۔

محمد یجوز اذا سمی مدة معلومة[۸۵۰] (۳) و خیار البائع یمنع خروج المبیع من ملکه [۸۵۱](۴) فان قبضه المشتری فهلک بیده فی مدة الخیار ضمنه بالقیمة

کوکوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے بشرطیکہ مدت معلوم ہو کہ کتنے دنوں کا اختیار لینا چاہتے ہیں، مجہول نہ ہو۔ ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے جس میں تین دن کی قید نہیں ہے مطلقا اختیار دیا گیا ہے۔

[۸۵۰] (۳) بائع کا اختیار روکتا ہے مبیع کے نکلنے کو اس کی ملکیت سے۔

تشریح بائع نے خیار شرط لیا تو چاہے مبیع مشتری کے ہاتھ میں جا چکی ہو لیکن ابھی بھی وہ بائع کی ملکیت ہی میں ہے۔ اس کی ملکیت سے نکلی نہیں ہے۔

وجہ بائع نے اختیار لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بیع کرنے کے باوجود وہ ابھی اپنی ملکیت میں رکھنا چاہتا ہے۔ جب وہ بیع نافذ کرے گا تب اس کی ملکیت سے مبیع نکلے گی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس دوران مبیع کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد کر سکتا ہے، اور مشتری آزاد کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی ملکیت میں ابھی مبیع نہیں گئی ہے۔

اصول بائع کی پوری رضامندی کے بغیر مبیع اس کے ہاتھ سے نہیں نکلے گی۔ حدیث میں اس کا اشارہ ہے **عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال لا یفترقن عن بیع الا عن تراض** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی خیار المتبایعین ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۴۸ رابوداؤد شریف، باب خیار المتبایعین ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۸) اس حدیث میں ہے کہ رضامندی کے بغیر بائع اور مشتری جدا نہ ہوں۔ اس لئے خیار شرط کی وجہ سے بائع کی ملکیت سے مبیع نہیں نکلے گی۔

[۸۵۱] (۴) پس اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا اور مدت خیار میں اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو مشتری قیمت کا ضامن ہوگا۔

تشریح بائع نے تین دن کا خیار شرط لیا تھا اور مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کر لیا اور بعد میں مشتری کے ہاتھ میں مبیع ہلاک ہوگئی تو جو ثمن بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوا تھا وہ تو لازم نہیں ہوگا۔ لیکن بازار میں اس مبیع کی جو قیمت ہوگی وہ ادا کرنا ہوگا۔

وجہ بائع کا خیار تھا اس لئے بائع کی ملکیت سے وہ چیز نہیں نکلی اور بیع بھی نہیں ہوئی لیکن مشتری نے بھاؤ کے طور پر وہ چیز لی تھی اور ہلاک ہوگئی اس لئے بازار کی جو قیمت ہو سکتی ہے وہ قیمت مشتری پر لازم ہوگی (۲) اس کا ثبوت اثر میں ہے۔ حضرت عمر نے ایک آدمی سے گھوڑا خریدا اگر پسند آئے گا تو رکھ لوں گا۔ پھر ایک آدمی کو اس پر سوار کیا جس کی وجہ سے گھوڑا عیب دار ہو گیا۔ حضرت عمر نے قاضی شریح کو فیصل مانا تو قاضی شریح نے فرمایا کہ آپ نے صحیح سالم لیا تھا اس لئے یا تو صحیح سالم گھوڑا واپس کر دیا اس کی قیمت ادا کریں۔ **فقال شریح لعمرؓ اخذته صحیحا سلیما وانت له ضامن حتی ترده صحیحا سلیما** (ب) (سنن للبیہقی، باب الماخوذ علی طریق السوم وعلی بیع شرط فیہ الخیار ج خامس ص ۵۰، ۴ نمبر ۱۰۴۶۳ مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یشتری الشیء علی ان یجربہ فیھلک ج ثامن ص ۲۲۴ نمبر ۱۴۹۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بیع کر کے جدا نہ ہوں مگر رضامندی کے بعد (ب) قاضی شریح نے حضرت عمر سے فرمایا آپ نے صحیح سالم گھوڑا لیا تھا اس لئے آپ اس کی قیمت کے ضامن ہیں یا یہ کہ اس کو صحیح سالم گھوڑا واپس کریں (نوٹ) اور صحیح سالم گھوڑا واپس کر نہیں سکتے تو اس کی قیمت ادا کریں۔

[۸۵۲](۵) وخیار المشتری لا یمنع خروج المبیع من ملک البائع الا ان المشتری لا یملکه عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف و محمد یملکه[۸۵۳] (۶) فان هلک بیده هلک بالثمن[۸۵۴] (۷) وکذلک ان دخله عیب.

کہ مشتری کو قیمت دینی ہوگی، کیونکہ اس کے کرتوت سے مبیع ہلاک ہوئی ہے۔

[۸۵۲](۵) مشتری کا خیار شرط نہیں روکتا ہے مبیع کے نکلنے سے بائع کی ملکیت سے، مگر یہ کہ مشتری اس کا مالک نہیں ہوگا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ مبیع کا مالک ہوگا۔

تشریح خیار شرط مشتری نے لیا ہے، بائع نے نہیں لیا ہے۔ اس لئے بائع نے تو اپنی جانب سے بیع طے کردی ہے اس لئے بائع کی ملکیت سے مبیع نکل جائے گی۔ لیکن مشتری نے خیار شرط لیا ہے تو گویا کہ مشتری نے ابھی مکمل بیع طے نہیں کی اس لئے اس کی ملکیت میں مبیع داخل نہیں ہوگی۔ نیز اگر اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے تو مشتری کا نقصان ہے۔ مثلا اگر اپنے بھائی کو خریدا تھا اور خیار شرط لیا اس کے باوجود بھائی اس کی ملکیت میں داخل ہو گیا تو چونکہ وہ ذی رحم محرم ہے اس لئے بھائی آزاد ہو جائے گا۔ اب مشتری کے نہ چاہتے ہوئے بھی بھائی آزاد ہو گیا۔ اس لئے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مشتری کے خیار شرط کے وقت مبیع مشتری کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی۔

لغت ثمن : وہ ہے جو بائع اور مشتری کے درمیان قیمت طے ہو۔ قیمت : جو قیمت بازار میں لگ سکتی ہو اس کو قیمت کہتے ہیں۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

وجہ کیونکہ بائع کی ملکیت سے نکل گئی تو مملوک شی کسی نہ کسی کی ملکیت میں داخل ہونی چاہئے ورنہ وہ مملوک کیسے ہوگی۔ اس لئے چاہے مشتری نے خیار لیا ہو پھر بھی اس کی ملکیت میں مبیع داخل ہو جائے گی۔

[۸۵۳](۶) پس اگر مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو ثمن کے بدلے میں ہلاک ہوگی۔

تشریح مشتری نے خیار شرط لیا اس لئے اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی تھی لیکن جب مبیع ہلاک ہونے لگی تو ہلاک ہونے سے پہلے وہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہوگئی اور بیع مکمل ہوگئی۔ اور جب بیع مکمل ہوگئی تو مشتری پر ثمن لازم ہوگا۔ یعنی وہ قیمت جو بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوئی تھی۔

اصول بیع مکمل ہوگئی ہو تو ثمن لازم ہوتا ہے۔

[۸۵۴](۷) ایسے ہی اگر مبیع میں عیب پیدا ہو گیا۔

تشریح یعنی مشتری نے خیار لیا تھا اور مبیع پر بھی قبضہ کیا تھا۔ مبیع مشتری کے ہاتھ میں رہتے ہوئے عیب دار ہوگئی تو بیع تام ہوگئی۔ اس لئے مشتری کو ثمن دینا ہوگا جو آپس میں طے ہوا تھا۔ کیونکہ مشتری کے ہاتھ میں رہتے ہوئے مبیع کے عیب دار ہونے سے بیع مکمل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مبیع صحیح سالم لی تھی تو اب عیب دار کیسے واپس کرے گا۔

[۸۵۵] (۸) ومن شرط له الخیار فله ان یسفخ فی مدة الخیار وله ان یجیزه[۸۵۶] (۹) فان اجازه بغیر حضرة صاحبه جاز وان فسخ لم یجز الا ان یکون الآخر حاضرا.

وجہ مسئلہ نمبر ۴ میں قاضی شریح کا جملہ گزرا فقال شریح لعمر اخذته صحیحا سلیما وانت له ضامن حتی ترده صحیحا سلیما (الف) (سنن للبیہقی، باب الماخوذ علی طریق السوم وعلی بیع شرط فیہ خیار ج خامس ص ۴۵۰، نمبر ۱۰۴۶۳، مصنف عبدالرزاق نمبر ۱۴۹۷۹) اس سے معلوم ہوا کہ مشتری کے ہاتھ میں مبیع عیب دار ہو جائے تو اس کو اس کی قیمت دینی ہوگی اور مبیع مشتری کی ہوگی اور بیع تام ہو جائے گی۔

[۸۵۵] (۸) جس نے خیار شرط لیا اس کے لئے جائز ہے کہ مدت خیار میں بیع فسخ کر دے اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اس کو جائز کر دے۔

وجہ چونکہ اس نے بیع جائز قرار دینے اور بیع کے توڑنے کا اختیار لیا ہے اس لئے اس کو دونوں اختیار ہیں۔ چاہے تو تین دن کے اندر بیع توڑ دے، چاہے تو جائز قرار دے۔

[۸۵۶] (۹) پس اگر سامنے والے کی غیر حاضری میں بیع جائز قرار دی تو جائز ہے، اور اگر بیع فسخ کی تو جائز نہیں ہے مگر یہ کہ دوسرا حاضر ہو

تشریح مثلا بائع نے خیار شرط لیا تو مشتری سامنے نہ بھی ہو یا اس کو علم نہ بھی ہو تب بھی بیع جائز قرار دینا چاہے تو جائز قرار دے سکتا ہے۔

وجہ کیونکہ بیع جائز قرار دینے میں مشتری کا نقصان نہیں ہے وہ تو چاہ ہی رہا ہے کہ بیع جائز ہو جائے تب ہی تو اس نے خیار شرط نہیں لیا۔ اس لئے مشتری کو علم نہ بھی ہوا ہو تب بھی بیع جائز قرار دے سکتا ہے۔ اور اگر بائع بیع فسخ کرنا چاہتا ہو تو جب تک مشتری کو اس کی خبر نہ دے فسخ کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ مشتری کو فسخ کرنے سے نقصان ہوگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ بیع جائز کر دیگا لیکن اس نے فسخ کر دیا۔ اب اس نے دوسری مبیع تلاش نہیں کی اور انتظار میں بیٹھا رہا۔ اس لئے اگر فسخ کرنا ہو تو دوسرے فریق کو اس کی اطلاع دینا ضروری ہے۔ تا کہ اس کو نقصان نہ ہو (۲) حدیث میں اس کی تصریح ہے عن عائشة عن النبی ﷺ قال لا ضرر ولا ضرار (ب) (دار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام ج رابع ص ۱۴۶ نمبر ۴۴۹۳/۳۰۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو نقصان دینے سے بچنا چاہئے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے فریق کو اطلاع دیئے بغیر بھی فسخ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

وجہ دوسرے فریق نے اختیار لینے والے کو بیع توڑنے کا بھی اختیار دیا ہے اس لئے وہ جس طرح غائبانہ میں بیع جائز قرار دے سکتا ہے اسی طرح توڑ بھی سکتا ہے۔

لغت الا ان یکون الحاضر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرا فریق حاضر ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ حاضر نہ ہو لیکن اس کو بیع فسخ

حاشیہ : (الف) حضرت قاضی شریح نے حضرت عمر سے فرمایا کہ آپ نے گھوڑے کو صحیح سالم لیا اس لئے آپ ضامن ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو صحیح سالم واپس کریں (ب) آپؐ نے فرمایا نہ نقصان اٹھانا چاہئے اور نہ نقصان دینا چاہئے

[۸۵۷](۱۰) فاذا مات من له الخیار بطل خیاره ولم ینتقل الی ورثته[۸۵۸](۱۱) ومن

کرنے کی اطلاع دیدی جائے۔

[۸۵۷](۱۰)پس اگر جس کو خیار شرط تھا وہ مرگیا تو اس کا اختیار باطل ہوجائے گا۔اور یہ اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔

تشریح بائع یا مشتری جس نے خیار شرط لیا تھا وہ مرگیا تو اب یہ اختیار اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔اور وارث کو اس بیع کا خیار شرط نہیں ہوگا۔بلکہ چونکہ پہلے ایجاب اور قبول ہو چکے ہیں اس لئے بیع لازم ہوجائے گی۔

وجہ یہ اختیار، ارادے اور چاہت کا نام ہے کہ بیع جائز قرار دیں یا نہ دیں۔ورنہ ایجاب اور قبول پہلے ہو چکے ہیں۔اور ارادے معنوی شی ہیں وہ منتقل نہیں ہوتے اس لئے اختیار ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا (۲) حدیث میں اشارہ ہے **عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال المتبایعان کل واحد منھما بالخیار علی صاحبہ مالم یتفرقا الا بیع الخیار** (الف)(بخاری شریف، باب البیعان بالخیار مالم یتفرقا ص۲۸۳ نمبر ۲۱۱۱)اس حدیث میں صرف المتبایعان یعنی بائع اور مشتری کو اختیار دیا گیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی اور کو یہ اختیار نہیں ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جسطرح خیار عیب اور خیار تعیین ورثہ کی طرف منتقل ہوتا ہے اسی طرح خیار شرط بھی ورثہ کی طرف منتقل ہوگا۔اور اس کو بھی بیع توڑنے اور جائز قرار دینے کا حق ہوگا۔

[۸۵۸](۱۱) کسی نے غلام بیچا یہ کہہ کر کہ یہ روٹی پکانے والا یا کاتب ہے پس اس کو اس کے خلاف پایا تو مشتری کو اس کا اختیار ہے کہ اگر چاہے تو پورا ثمن دے کرلے اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے۔

تشریح غلام بیچا یہ کہہ کر کہ یہ روٹی پکانے والا ہے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ صفت اس غلام میں نہیں ہے تو اس صفت کے نہ ہونے کی وجہ سے مشتری کو بیع جائز قرار دینے اور بیع کے توڑنے کا اختیار ہوگا۔کیونکہ وہ صفت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی رغبت کم ہوگئی اور بائع نے خلاف وعدہ کیا اس لئے اس کو توڑنے کا حق ہوگا۔اور اگر غلام لینا چاہے تو جو قیمت آپس میں طے ہوئی تھی وہی قیمت دے کر لینا ہوگا۔

وجہ روٹی پکانا، کاتب ہونا یہ صفت ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ صفت کے مقابلے میں مستقل قیمت نہیں ہوتی اس لئے اس صفت کی کمی کی وجہ سے قیمت میں کمی نہیں ہوگی۔

نوٹ ہاں! بائع قیمت کم کرنے پر راضی ہوجائے تو گویا کہ الگ صفقہ کے ماتحت کم ہوئی جس کی گنجائش ہے۔البتہ قانونی طور پر پہلی ہی قیمت میں لینا ہوگا۔اس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے **عن عبد اللہ بن عمر ان رجلا ذکر للنبی ﷺ انہ یخدع فی البیوع فقال اذا بایعت فقل لا خلابۃ** (ب)(بخاری شریف، باب ما یکرہ من الخداع فی البیع ص۲۸۴ نمبر ۲۱۱۷/ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن یخدع فی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بائع اور مشتری، دونوں کو اپنے صاحب پر اختیار ہے جب تک کہ جدا نہ ہوجائے مگر خیار شرط کے بیع میں (ب) آپؐ کے سامنے تذکرہ آیا کہ ایک آدمی بیع میں دھوکہ کھا جاتا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ جب آپ بیع کریں تو کہہ دیا کریں کہ دھوکہ نہیں (نوٹ) دوسری حدیث میں آپ کو تین دن کا اختیار لینے کو فرمایا تھا)

باع عبدا علی انه خباز او کاتب فوجده بخلاف ذلک فالمشتری بالخیار ان شاء اخذه بجمیع الثمن وان شاء ترکه.

البیع ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۵۰)اس حدیث میں صحابی بیع میں دھوکہ کھاتے تھے تو اس کو اختیار لینے کے لئے کہا گیا ہے۔اس لئے جو لوگ صفت میں دھوکہ کھا جائے اس کو بیع توڑنے کا اختیار ہوگا۔

اصول صفت مرغوب فیہ کے فوت ہونے سے مشتری کو بیع توڑنے کا اختیار ہوگا۔

لغت خباز : روٹی پکانے والا،خبز کا اسم فاعل ہے۔

﴿ باب خيار الرؤية ﴾

[۸۵۹](۱) ومن اشترى مالم يره فالبيع جائز [۸۶۰](۲) وله الخيار اذا راٰه ان شاء اخذه وان شاء رده [۸۶۱](۳) ومن باع مالم يره فلا خيار له.

﴿ باب خیار الرؤیۃ ﴾

ضروری نوٹ کسی چیز کو دیکھے بغیر خرید لے تو اس وقت دیکھنے کے بعد چاہے تو خریدے اور چاہے تو نہ خریدے ایسے اختیار کو خیار رویت کہتے ہیں۔ خیار رویت جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی هريرة قال قال رسول الله من اشترى شيئا لم يره فهو بالخيار اذا راٰه** (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵ نمبر ۲۷۷۹ رسنن للبیہقی، باب من قال یجوز بیع العین الغائبۃ ج خامس ص ۴۴۰، نمبر ۱۰۴۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مبیع کو نہ دیکھا ہو تو دیکھنے کے بعد اس کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

[۸۵۹](۱) کسی نے خریدا ایسی چیز کو جس کو دیکھا نہیں تو بیع جائز ہے۔

وجہ بغیر دیکھے بھی کسی چیز کو بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ مال ہے اور جھگڑا بھی نہیں ہوگا، کیونکہ دیکھ لینے کے بعد پسند نہ آئے تو بیع توڑ دے گا (۲) اوپر کی حدیث سے بھی پتہ چلا کہ بغیر دیکھے چیز خرید سکتا ہے۔

[۸۶۰](۲) اور مشتری کو اختیار ہوگا جب مبیع کو دیکھے چاہے تو اس کو لے لے اور چاہے تو اس کو واپس کر دے۔

تشریح دیکھنے کے بعد مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

وجہ کیونکہ دیکھنے سے پہلے اس کی رغبت کاملہ نہیں ہے اور نہ وہ اس پر راضی ہے۔ اور پہلے گزر گیا کہ رضامندی کے بغیر بیع نہیں ہوگی (۲) اوپر حدیث گزری **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من اشترى شيئا لم يره فهو بالخيار اذا راٰه** (ب) دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵ نمبر ۲۷۷۹ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۲ فی الرجل اشتری ولا ینظر الیہ من قال ہو بالخیار اذا راٰہ ان شاء اخذ وان شاء ترک، ج رابع ص ۲۷۳، نمبر ۱۹۹۶۷) اس حدیث سے پتہ چلا کہ دیکھنے کے بعد مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

[۸۶۱](۳) کسی نے بیچا ایسی چیز کو جس کو دیکھا نہیں تو اس کو اختیار نہیں ہوگا۔

تشریح بائع نے بغیر دیکھے مبیع بیچ دی اور بعد میں خیار رویت لینا چاہتا ہے۔ اور دیکھنے کے بعد خیار رویت کے ماتحت بیع توڑنا چاہتا ہے تو اس کو خیار رویت کے ماتحت بیع توڑنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔

وجہ (۱) مبیع تو اسی کے پاس تھی۔ اس نے بیع سے پہلے کیوں نہیں دیکھی؟ نہ دیکھنا یہ اس کی غلطی تھی اس لئے اس کو خیار رویت نہیں دیا جائے گا (۲) اوپر کی حدیث میں من اشتری شیئا فرمایا ہے کہ جس نے خریدا، جس سے معلوم ہوا کہ خریدنے والے کو اختیار ہوگا۔ من باع نہیں فرمایا

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جس نے کسی ایسی چیز کو خریدا جس کو دیکھا نہیں ہے تو اختیار ہے جب اس کو دیکھ لے (ب) آپ نے فرمایا جس نے کسی ایسی چیز کو خریدا جس کو دیکھا نہیں ہے تو اختیار ہے جب اس کو دیکھ لے۔

[۸۶۲] (۴) وان نظر الی وجه الصبرة او الی ظاهر الثوب مطویا او الی وجه الجاریة او الی وجه الدابة و کفلها فلا خیار له [۸۶۳](۵) وان رأی صحن الدار فلا خیار له وان لم

جس سے معلوم ہوا کہ بیچنے والے کو خیار رویت نہیں ہوگا (۳) اثر سے پتہ چلتا ہے کہ بائع کو خیار رویت نہیں ملے گا عن ابن ابی ملیکة ان عثمان ابتاع من طلحة بن عبید الله ارضا بالمدینة ناقله بارض له بالکوفة فلما تباینا ندم عثمان ثم قال بایعتک مالم اره فقال طلحة انما النظر لی انما ابتعت مغیبا و اما انت فقد رایت ما ابتعت فجعلا بینهما حکما فحکما جبیر ابن مطعم فقضی علی عثمان ان البیع جائز وان النظر لطلحة انه ابتاع مغیبا (الف)(سنن للبیہقی، باب من قال یجوز بیع العین الغائبة ج خامس ص ۴۳۹، نمبر ۱۰۴۲۴) اس اثر میں جبیر بن مطعم نے بائع حضرت عثمان کو خیار رویت نہیں دیا بلکہ مشتری حضرت طلحہ کو خیار رویت دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بائع کو خیار رویت نہیں ملے گا۔

اصول بائع کے لئے خیار رویت نہیں ہے۔

[۸۶۲] (۴) اگر ڈھیر کے اوپر کا حصہ دیکھا یا لپیٹے کپڑے کے ظاہری حصے کو دیکھا یا باندی کا چہرہ دیکھا یا جانور کا چہرہ دیکھا اور اس کا پچھلا حصہ دیکھا تو اس کے لئے خیار رویت نہیں ہے۔

تشریح مبیع کے ہر ہر عضو کو دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ عرف میں جس عضو یا جس حصے کو دیکھنا شمار کیا جاتا ہے اس حصے کو دیکھنا کافی سمجھا جائے گا۔ اور اسی کو دیکھنے سے خیار رویت ختم ہو جائے گا۔ مثلا ڈھیر کے اوپر کے حصے کو دیکھنے سے پورے ڈھیر کی معلومات ہو جاتی ہے۔ اس لئے اوپر کے حصے کو دیکھنا کافی ہوگا۔ اسی طرح باندی کے چہرے کو دیکھنے سے پوری باندی کا علم ہو جاتا ہے اس لئے چہرہ دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔ جانور کے چہرے اور سرین کو دیکھنے سے پورا علم ہوتا ہے اور اس لئے انہیں کو دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔

اصول جس حصے کے دیکھنے سے پوری مبیع کا علم ہو جائے اس حصے کے دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔

لغت مطویا : لپیٹا ہوا۔ کفل : جانور کی سرین۔

[۸۶۳] (۵) اور اگر گھر کے صحن کو دیکھا تو مشتری کو اختیار نہیں ہوگا چاہے اس کے کمروں کو نہ دیکھا ہو۔

تشریح مصنف کے ملک میں کمرے ایک طرح کے ہوا کرتے تھے اور صحن کو دیکھنے سے کمروں کا اندازہ ہو جاتا تھا اس لئے فرمایا کہ صحن کے دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔ چاہے کمروں کو نہ دیکھا ہو۔ لیکن جن ملکوں میں کمرے کے اندر کا حصہ الگ الگ انداز کا ہو ان ملکوں میں کمرے کے اندر دیکھنا ہوگا۔ اس کے بغیر خیار رویت ساقط نہیں ہوگا وجہ اور اصول اوپر گزر گئے۔

حاشیہ : (ب) ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے طلحہ بن عبید اللہ سے مدینہ میں زمین خریدی کوفہ میں زمین کی بدلے میں مال غنیمت میں ملی تھی۔ پس جب دونوں جدا ہوئے تو حضرت عثمان کو ندامت ہوئی پھر فرمایا میں نے ایسی چیز بیچی جو دیکھی نہیں ہے تو حضرت طلحہ نے فرمایا خیار رویت مجھے ہوگی۔ اس لئے کہ میں نے غائبانہ کی چیز خریدی ہے۔ بہر حال آپ نے دیکھا ہے جس کو بیچا ہے۔ تو دونوں نے حضرت جبیر بن مطعم کو حکم بنایا تو انہوں نے حضرت عثمان کے خلاف فیصلہ فرمایا کہ بیع جائز ہے اور خیار رویت حضرت طلحہ کے لئے ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے غیوبت کی چیز خریدی ہے۔

یشاھد بیوتھا [۸۶۴] (٦) وبیع الاعمی وشراؤہ جائز ولہ الخیار اذا اشتری [۸٦۵] (۷) ویسقط خیارہ بان یجس المبیع اذا کان یعرف بالجس او یشمہ اذا کان یعرف بالشم او یذوقہ اذا کان یعرف بالذوق کما فی البصر [۸٦٦] (۸) ولا یسقط خیارہ فی العقار حتی یوصف لہ [۸٦۷] (۹) ومن باع ملک غیرہ بغیر امرہ فالمالک بالخیار ان شاء اجاز

---

[۸٦۴] (٦) نابینا کا بیچنا اور اس کا خریدنا جائز ہے لیکن اس کے لئے خیار رویت ہوگا جب خریدے۔

تشریح نابینا کا خریدنا اور بیچنا اس لئے جائز ہے کہ وہ آدمی ہے، عاقل و بالغ ہے۔ انسانی ضرورت اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اس لئے اس کا خریدنا اور بیچنا دونوں جائز ہیں۔ لیکن چونکہ آنکھ نہ ہونے کی وجہ سے مبیع کو دیکھا نہیں ہے اس لئے اس کو خیار رویت ہوگا۔ اس کے خیار رویت ساقط ہونے کے مختلف طریقے ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۸٦۵] (۷) نابینا کا خیار ساقط ہو جائے گا اس طرح کہ مبیع کو ٹٹولے اگر ٹٹولنے سے معلوم ہو سکتا ہو، یا اس کو سونگھ لے اگر سونگھنے سے معلوم ہو سکتا ہو، یا چکھ لے اگر چکھنے سے معلوم ہو سکتا ہو جیسا کہ دیکھنے والے آدمی میں ہوتا ہے۔

تشریح نابینا مشتری دیکھ نہیں سکتا ہے اس لئے مبیع کی حقیقت کو پہچاننے کے لئے جو دوسرے طریقے ہو سکتے ہیں ان کو استعمال کرنے سے اس کا خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر سونگھ کر مبیع کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے اور سونگھ کر دیکھ لیا تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ اور چکھ کر معلوم کی جا سکتی ہو تو چکھ کر دیکھ لیا تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ جس طرح آدمی دیکھنے والا ہو اور ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر دیکھ لے تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح نابینا بھی ایسا کرلے تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ یا پھر مبیع دیکھنے کا کسی کو وکیل بنا لے اور وکیل دیکھ لے تو نابینا کا دیکھنا شمار کیا جائے گا اور اس کا خیار ساقط ہو جائے گا۔

اصول اصل پر عمل نہ کرسکتا ہو تو اس کے نائب پر عمل کرنا کافی ہوگا۔ جس طرح وضو پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرنا کافی ہوگا۔

لغت یجس : ٹٹول لے، چھو کر دیکھ لے۔ یشم : سونگھ لے۔ البصر : دیکھنے والے۔

[۸٦٦] (۸) اور زمین میں اس کا خیار ساقط نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کا وصف بیان کر دے۔

تشریح نابینا نے زمین خریدی اب اس کو ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر معلوم نہیں کر سکتا اس لئے اس کی خیار کے ساقط کرنے اور مکمل رضامندی کا طریقہ یہ ہے کہ بائع زمین کی پوری حقیقت بیان کرے اور پورا وصف بیان کرے۔ ان کو سن کر نابینا راضی ہو جائے تو خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔

لغت العقار : زمین۔

[۸٦۷] (۹) جس نے غیر کی ملکیت کو اس کے حکم کے بغیر بیچا تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو بیع کو جائز قرار دے اور چاہے تو فسخ کر دے۔ اور اس کو اجازت دینے کا حق ہے جب تک معقود علیہ یعنی مبیع باقی ہو اور بائع اور مشتری اپنی حالت پر ہوں۔

البیع وان شاء فسخ وله الاجازة اذا کان المعقود علیه باقیا والمتعاقدان بحالھما[۸٦۸]

(۱۰) ومن رأی احد الثوبین فاشتراھما ثم رای الآخر جاز له ان یردھما.

تشریح کسی نے دوسرے کی چیز اس کے حکم کے بغیر بیچ دی تو اس کا بیچنا جائز ہے۔

وجہ کیونکہ یہ آدمی عاقل و بالغ ہے اور چیز مملوک اور مبیع ہے۔ اور خود اپنے لئے نہیں بیچا مالک ہی کے لئے بیچا ہے۔ اب مالک چاہے تو اس بیع کو جائز قرار دے اور پسند نہ ہو تو فسخ کر دے۔ اس بیع کو بیع فضولی کہتے ہیں۔ اس بیع کا ثبوت اس حدیث میں ہے **عن عروۃ ان النبی ﷺ اعطاہ دینارا یشتری له به شاة فاشتری له به شاتین فباع احدھما بدینار فجائه بدینار وشاة فدعا له بالبرکة فی بیعه** (الف) (بخاری شریف، کتاب المناقب ص ۵۱۴ نمبر ۳۶۴۲) اس حدیث میں حضرت عروۃ نے بغیر حضور کے حکم کے ایک دینار سے دو بکریاں خریدی، پھر بغیر حکم ہی کے ایک بکری بیچ دی اور ایک دینار نفع لیکر واپس آئے۔ اور آپؐ نے اس پر دعا دی جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو پسند فرما کر اس بیع کو جائز قرار دی۔ حالانکہ بغیر حکم کے بیع کرنا فضولی کی بیع تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فضولی کی بیع جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مالک کو بعد میں بیع بحال رکھنے اور توڑنے کا اختیار ہے۔

اصول فضولی کی بیع جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فضولی کی بیع جائز نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ اس کے پاس مبیع نہیں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس کے پاس مبیع نہ ہو اس کے لئے بیچنا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے **ذکر عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن ولا بیع ما لیس عندک** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۰۴ رترمذی شریف نمبر ۱۲۳۲) اس حدیث سے پتہ چلا کہ جو مبیع آدمی کے پاس نہ ہو اس کا بیچنا جائز نہیں۔ اس لئے فضولی کی بیع جائز نہیں ہے۔

مبیع موجود ہو تب اجازت دے سکتا ہے اس کی قید اس لئے ہے کہ مالک کی اجازت کے بعد بیع ہوگی۔ پس اگر مبیع موجود نہ ہو تو بیع کس پر ہوگی؟ اس لئے اجازت کے لئے مبیع کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر بائع موجود ہوگا اور مشتری موجود ہوگا اور وہ اپنی حالت پر ہوں یعنی اجازت کے وقت عاقل، بالغ اور مالک ہوں تب بیع ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ اسی لئے متعاقدین یعنی بائع اور مشتری کو اپنی حالت پر ہونا ضروری ہے۔ مثلا وہ عاقل ہی نہ رہے، مجنون ہو جائے تو اب اس کی جانب سے بیع کیسے ہوگی۔

لغت معقود علیہ : جس پر عقد ہوا ہو یعنی مبیع۔ المتعاقدین : عقد کرنے والے یعنی بائع اور مشتری۔

[۸٦۸] (۱۰) کسی نے دو کپڑوں میں سے ایک کو دیکھا پھر دونوں کو خرید لیا پھر دوسرے کپڑے کو دیکھا تو اس کے لئے جائز ہے کہ دونوں

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حضرت عروہ کو ایک دینار دیا تا کہ اس سے ایک بکری خریدے۔ انہوں نے اس ایک دینار سے دو بکریاں خرید لی، پھر ایک بکری کو ایک دینار میں بیچا۔ پس حضور کے پاس ایک دینار اور ایک بکری لے کر آئے۔ آپؐ نے ان کے لئے بیع میں برکت کی دعا کی (ب) آپؐ نے فرمایا ادھار بیچنا اور ساتھ ہی بیع کرنا حلال نہیں۔ بیع میں مخالف قسم کی دو شرطیں لگانا صحیح نہیں، جب تک ضامن نہ ہو اس سے نفع اٹھانا صحیح نہیں۔ اور جو کچھ تمہارے پاس نہ ہو اس کا بیچنا صحیح نہیں۔

[۸۶۹] (۱۱) ومن مات وله خیار الرؤیة بطل خیاره[۸۷۰] (۱۲) ومن رای شیئا ثم

کپڑوں کو واپس کر دے۔

تشریح صرف ایک کپڑے کو دیکھا تھا اور ایک ہی بیع میں دوسرے کپڑے کو بھی خرید لیا جس کو دیکھا نہیں تھا تو دوسرے کپڑے کے خیار رویت کے ماتحت دونوں کپڑوں کو واپس کر سکتا ہے۔

وجہ دونوں کپڑے مختلف ہیں۔ایک کو دیکھنا دوسرے کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے دوسرے کپڑے میں خیار رویت ملے گا اور چونکہ بیع ایک ہی ہے اور ایک کپڑے کو واپس کرے گا تو آدھی مبیع رہ جائے گی اور آدھی واپس ہوگی اس لئے واپس کرے گا تو دونوں اور رکھے گا تو دونوں کپڑے۔اثر میں ہے **عن الشعبی فی رجل اشتری رقیقا جملة فوجد بعضھم عیبا قال یردھم جمیعا او یأخذھم جمیعا** (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یشتری المبیع جملة فیجد فی بعضہ عیبا ج ثامن ص ۱۵۶ نمبر ۱۴۶۹۹) اس اثر میں ہے کہ تمام مبیع لے یا تمام چھوڑ دے۔

اصول یہاں یہ اصول جاری ہے کہ مبیع مختلف ہیں اس لئے ایک کو دیکھنا دوسرے کے لئے کافی نہیں۔اس لئے دوسرے میں خیار رویت ملے گا (۲) پوری مبیع واپس ہوگی آدھی نہیں۔

[۸۶۹] (۱۱) کوئی مرا اور اس کے لئے خیار رویت تھا تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا۔

وجہ خیار رویت ایک معنوی چیز ہے اور اختیار اور ارادے کا نام ہے۔اور معنوی چیز دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتی ہے۔اس لئے مرنے کے بعد یہ اختیار ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔باطل ہو جائے گا۔

[۸۷۰] (۱۲) کسی نے کوئی چیز دیکھی پھر اس کو ایک مدت کے بعد دیکھا پس اگر اسی صفت پر ہے جیسا دیکھا تھا تو اس کے لئے اختیار نہیں ہے۔اور اگر اس کو بدلا ہوا پایا تو مشتری کے لئے خیار رویت ہے۔

تشریح اس رویت سے خیار رویت ساقط ہوگا جس سے مبیع کی حقیقت کا علم ہو جائے۔اور اگر مبیع کی حقیقت کا علم نہ ہو تو وہ رویت اختیار کے ساقط کرنے کے لئے کافی نہیں۔اب اگر مثلا چھ ماہ پہلے ایک چیز کو دیکھا تھا اور اسی حال پر وہ مبیع موجود ہے تو پہلی رویت حقیقت معلوم کرنے کے لئے کافی ہے۔اس لئے مشتری کو خیار رویت نہیں ملے گا۔اس اثر میں اس کا ثبوت ہے **عن ابن سیرین قال اذا ابتاع رجل منک شیئا علی صفة فلم تخالف ما وصفت له فقد وجب علیه البیع** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب البیع علی الصفة وہی غائبة ج ثامن ص ۴۴ نمبر ۱۴۲۲۳) اس اثر میں ہے کہ اسی صفت پر موجود ہے تو خیار رویت نہیں ملے گا۔بیع واجب ہوگی۔اور اگر مبیع کی حالت بدل گئی ہے تو پہلی رویت حقیقت معلوم کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔اس لئے مشتری کو خیار رویت ملے گا۔اور اس کے ماتحت مبیع کو واپس کرنے کا حق ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرین سے مروی ہے کہ کوئی آدمی آپ سے کوئی چیز خریدے کسی صفت پر اور جو صفت بیان کی اس کے خلاف نہیں کیا تو اس پر بیع واجب ہوگئی۔

اشتراه بعد مدة فان كان على الصفة التى راٰه فلا خيار له وان وجده متغيرا فله الخيار.

اصول حقیقت کو معلوم کرنے والی رویت خیار رویت ساقط کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے (۲) جو رویت حقیقت کا علم نہ دے وہ خیار رویت ساقط کرنے کے لئے کافی نہیں۔

﴿باب خيار العيب﴾

[۸۷۱](۱) اذا اطلع المشترى على عيب فى المبيع فهو بالخيار ان شاء اخذه بجميع الثمن وان شاء رده وليس له ان يمسكه ويأخذ النقصان.

﴿باب خیار العیب﴾

ضروری نوٹ مبیع میں عیب ہو جائے جس کے ماتحت مبیع کو واپس کرنے کا اختیار ہو اس کو خیار عیب کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے عن عائشة ان رجلا ابتاع غلاما فاقام عنده ماشاء الله ان يقيم ثم وجد به عيبا فخاصمه الى النبى ﷺ فرده عليه فقال الرجل يا رسول الله قد استغل غلامي فقال رسول الله ﷺ الخراج بالضمان (الف)(ابوداؤد شریف، باب فیمن اشتری عبدا فاستعملہ ثم وجد بہ عیبا ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۱۰/ابن ماجہ شریف، باب الخراج بالضمان ص ۳۲۱ نمبر ۲۲۴۳/سنن للبیہقی، باب المشتری یجد بما اشتراہ عیبا وقد استعملہ زمانا ج خامس ص ۵۲۶، نمبر ۱۰۷۴۲) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ غلام میں عیب پایا تو اس کو بائع کی طرف واپس کر دیا۔

[۸۷۱](۱) اگر مشتری مبیع میں عیب پر مطلع ہو گیا تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو پورے ثمن سے اس کو لے اور اگر چاہے تو مبیع کو واپس کر دے۔لیکن مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ مبیع کو روک لے اور نقصان لے۔

تشریح مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا یہ سمجھ کر کہ اس میں عیب نہیں ہے بعد میں عیب کا پتہ چلا تو اس کے لئے خیار عیب کے ماتحت یہ اختیار ہے کہ پوری مبیع واپس کر دے۔لیکن یہ نہیں ہوگا کہ مبیع رکھ لے اور عیب کا جو نقصان ہے وہ نقصان بائع سے واپس لے لے۔واپس اس وقت کر سکتا ہے جب خریدتے وقت اس عیب کو دیکھا نہ ہو اور اس عیب پر راضی نہ ہوا ہو۔دوسری شرط یہ ہے کہ ایسا عیب ہو جس کو تجار عیب کہتے ہیں تب عیب کے ماتحت مبیع واپس کر سکتا ہے۔

وجہ (۱) مبیع واپس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشتری کا حق ضائع ہوا اس لئے مبیع واپس کر کے اپنا پورا حق وصول کرے گا (۲) اوپر حدیث میں تھا کہ عیب کے ماتحت صحابی نے غلام واپس کیا جس سے پتہ چلا کہ عیب کے ماتحت مبیع واپس کر سکتا ہے عن عائشة ان رجلا ابتاع غلاما فاقام عنده ماشاء الله ان يقيم ثم وجد به عيبا فخاصمه الى النبى ﷺ فرده عليه (ب)(ابوداؤد شریف، باب فیمن اشتری عبدا فاستعملہ ثم وجد بہ عیبا ج ثانی ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۱۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیب کے ماتحت مبیع واپس کر سکتا ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پوری مبیع واپس کرے۔مبیع میں کوئی اضافہ نہ ہوا ہو تو نقصان وصول نہ کرے۔اس اثر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پوری مبیع واپس کرے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے غلام خریدا۔پس اس کے پاس جب تک اللہ نے چاہا ٹھہرا رہا پھر اس میں عیب پایا تو حضور کے پاس جھگڑا لے گیا تو غلام کو بائع پر واپس کر دیا گیا۔بائع نے فرمایا حضور اس نے میرے غلام کو قرض میں مبتلا کر دیا تو آپ نے فرمایا ضمان کی وجہ سے خراج لازم ہوتا ہے (ب) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے غلام خریدا۔پس اس کے پاس جب تک اللہ نے چاہا ٹھہرا رہا پھر اس میں عیب پایا تو حضور کے پاس جھگڑا لے گیا تو غلام کو بائع پر واپس کر دیا گیا۔

[۸۷۲](۲) وکل ما اوجب نقصان الثمن فی عادة التجار فهو عیب[۸۷۳] (۳) والاباق والبول فی الفراش والسرقة عیب فی الصغر مالم یبلغ فاذا بلغ فلیس ذلک عیب حتی

عن الشعبی فی رجل اشتری رقیقا جملة فوجد ببعضهم عیبا قال یردهم جمیعا او یأخذهم جمیعا (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یشتری البیع جملة فیجد فی بعضه عیبا ج ثامن ص ۱۵۶ نمبر ۱۴۶۹۹) اس اثر میں ہے کہ پوری مبیع واپس کرے یا پوری مبیع رکھ لے۔نقصان نہ لے۔نقصان نہ وصول کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عیب ایک صفت ہے اور صفت کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوتی۔اس لئے عیب کے لئے کوئی الگ سے قیمت نہیں دی جائے گی۔

[۸۷۲](۲) ہر وہ عیب جو ثمن کا نقصان واجب کرتا ہو تاجروں کی عادت میں وہ عیب ہے۔

تشریح تاجر جس کو عیب کہتے ہوں اور جس عیب کی وجہ سے قیمت میں کمی واقع ہو جاتی ہو وہ عیب ہے۔

اصول عیب میں وہاں کے محاورے کا اعتبار ہے۔

[۸۷۳](۳) بھاگنا اور چارپائی میں پیشاب کرنا اور بچپنے میں چوری کرنا عیب ہیں جب تک بالغ نہ ہو۔پس جب بالغ ہو جائے تو پہلے والا عیب نہیں ہے جب تک کہ بالغ ہونے کے بعد پھر نہ کرے۔

تشریح یہاں عبارت میں اضطراب ہے۔مصنف کہنا یہ چاہتے ہیں کہ بچپنے میں پیشاب کرنا، بھاگنا اور چوری کرنا کسی اور سبب کی وجہ سے ہوتے ہیں۔اور بالغ ہونے کے بعد یہ سب کرنا کسی اور سبب کی وجہ سے ہوتے ہیں۔اس لئے اگر بچپنے میں یہ سب عیب ہوئے اور مشتری نے بچپنے میں خرید لیا پھر بالغ ہونے کے بعد مشتری کے یہاں دوبارہ یہ سب عیب ظاہر ہوئے تو مشتری ان عیبوں کے ماتحت بائع کی طرف غلام واپس نہیں کر سکتا۔کیونکہ مشتری کے یہاں نئے عیب ظاہر ہوئے ہیں۔بائع کے یہاں کے عیوب نہیں ہیں۔ہاں بالغ ہونے کے بعد بائع کے یہاں یہ عیوب ہوتے اور بالغ ہونے کے بعد ہی مشتری نے غلام خریدا اور دوبارہ مشتری کے یہاں یہ عیوب ظاہر ہوتے تو چونکہ بائع کے یہاں ہی یہ عیوب بالغ ہونے کے بعد پیدا ہو چکے تھے اور مشتری کے یہاں وہی عیوب ظاہر ہوئے تو چونکہ دونوں عیب ایک ہی ہیں اس لئے اب مشتری مبیع کو واپس کر سکتا ہے۔چارپائی میں پیشاب کرنا بچپنے میں مثانہ کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔اور بالغ ہونے کے بعد پیٹ میں بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے۔بچپنے میں بھاگنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس کو کھیل سے محبت ہے اور بالغ ہونے کے بعد سمجھدار ہو گیا ہے اب بھاگنا فطری خباثت کی وجہ سے ہے۔بچپنے میں چوری کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس کو پرواہ نہیں ہے اور بالغ ہونے کے بعد فطری خباثت کی وجہ سے ہوتا ہے۔اس لئے بچپنے میں یہ عیوب کوئی اور ہیں اور بالغ ہونے کے بعد یہ عیوب بالکل دوسرے ہیں۔اس لئے بچپنے میں یہ عیوب بائع کے پاس ہوتے تھے اور مشتری کے پاس جانے کے بعد بچپنے میں یہ عیوب ظاہر نہیں ہوئے بلکہ بالغ ہونے کے بعد ظاہر ہوئے تو مشتری عیب کے ماتحت ان غلاموں کو واپس نہیں کر سکتا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے کئی غلام خریدے پھر ان کے بعض میں عیب پایا۔حضرت شعبی نے فرمایا سب غلاموں کو واپس کر دیا سب کو لئے رکھو۔

یعاوده بعد البلوغ[۸۷۴] (۴) والبخر والذفر عیب فی الجاریة ولیس بعیب فی الغلام الا ان یکون من داء [۸۷۵](۵) والزنا وولد الزنا عیب فی الجاریة دون الغلام [۸۷۶](۶) واذا حدث عند المشتری عیب ثم اطلع علی عیب کان عند البائع فله ان یرجع بنقصان

وجہ کیونکہ بائع کے پاس سے یہ عیوب آئے ہی نہیں ہیں۔اثر میں ہے عن حماد فی رجل اشتری عبدا فاخبرانه ابق وهو صغیر قال لا یرد من ذلک ،انما یرد من ذلک اذا فعله وهو کبیر (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب ھل یرد من العسر والشین والحمق والاباق ج ثامن ص ۱۶۷ نمبر ۱۴۷۴۰)اس اثر میں بچپنے میں بھاگنے سے لوٹانے کی اجازت نہیں دی۔

اصول بائع کے یہاں سے عیب نہ آیا ہو تو مشتری واپس نہیں کرسکتا۔

لغت الاباق : بھاگنا۔ السرقۃ : چوری کرنا۔ یعاوده : دوبارہ ظاہر ہو۔

[۸۷۴](۴)منہ کی بدبو اور بغل کی بدبو عیب ہے باندی میں اور نہیں ہے عیب غلام میں مگر یہ کہ بیماری کی وجہ سے ہو۔

تشریح باندی کے ساتھ مولی رات گزارے گا۔پس اگر باندی میں منہ کی بدبو یا بغل کی بدبو ہو تو رات گزارنا مشکل ہوگا۔اور نفع اٹھانے سے محروم رہے گا اس لئے باندی میں یہ عیب ہے۔ان کی وجہ سے باندی کو واپس کرسکتا ہے۔البتہ غلام کے ساتھ رات گزارنا نہیں ہے اس لئے اس میں بدبو ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ہاں اگر بیماری کی وجہ سے بدبو ہو تو بیماری خود عیب ہے اس لئے بیماری کی وجہ سے غلام واپس کرسکتا ہے

لغت البخر : منہ کی بدبو۔ الذفر : بغل کی بدبو۔ الجاریۃ : باندی۔ داء : بیماری۔

[۸۷۵](۵) زنا اور ولد الزنا ہونا عیب ہے باندی میں نہ کہ غلام میں۔

وجہ (۱) زنا والی عورت ہوگی تو اس سے جو نسل چلے گی وہ خراب عادت کی ہوگی۔اور باندی سے نسل بڑھانا ہے تو گویا کہ خراب عادت ڈالنے والی عورت آگئی اس لئے باندی میں زنا کار ہونا عیب ہے۔اسی طرح باندی تو خود زنا کار نہیں ہے لیکن اس کی ماں نے زنا کرکے اس کو پیدا کیا ہے اور یہ باندی حرامی ہے اب اس سے جو نسل ہوگی وہ بھی حرامی اور عیب دار کہلائے گی۔اس لئے باندی میں زنا کار ہونا، حرامی ہونا عیب ہے۔غلام سے نسل نہیں بڑھانا ہے اس لئے اس میں یہ دونوں باتیں عیب نہیں ہیں۔ہاں غلام زنا میں اتنا مشغول ہے کہ خدمت کرنے میں خلل انداز ہوتا ہے تو پھر یہ عیب شمار ہوگا۔اور اس کے ماتحت بائع کو واپس کیا جائے گا (۲) دلیل یہ اثر ہے عن شریح اختصم الیه فی امة زنت فقال الزنا یرد منه (ب)(مصنف عبدالرزاق، باب یرد من الزنا والحبل، ج ثامن ص ۱۶۶ نمبر ۱۴۷۳۴)اس اثر میں باندی زنا کی وجہ سے لوٹائی گئی۔

[۸۷۶](۶) اگر مشتری کے پاس نیا عیب پیدا ہو جائے پھر اس عیب پر مطلع ہو تو جو بائع کے پاس تھا تو مشتری کے لئے جائز ہے کہ عیب کے

حاشیہ : (الف) حضرت حماد سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے غلام خریدا۔پس اس کو خبر دی گئی کہ بچپنے میں وہ بھاگتا تھا۔فرمایا اس کی وجہ سے لوٹایا نہیں جائے گا۔لوٹایا جائے گا اس وجہ سے جب وہ بڑے ہونے کی حالت میں بھاگا ہو (ب) حضرت قاضی شریح کے سامنے ایک فیصلہ آیا۔ایک باندی نے زنا کی تھی، زنا کی وجہ سے بائع کی طرف واپس کی جائے گی۔

العیب ولا یرد المبیع الا ان یرضی البائع ان یأخذه بعیبه[۸۷۷] (۷) وان قطع المشتری

نقصان کا رجوع کرے اور مبیع واپس نہ لوٹائے مگر یہ بائع راضی ہو کہ اس کو بعینہ واپس لے لے۔

تشریح مشتری نے مبیع خریدی، پھر اس کے یہاں نیا عیب پیدا ہو گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ بائع کے یہاں بھی ایک عیب تھا۔ اب مبیع واپس کرتے ہیں تو نئے عیب والی مبیع واپس کرنا ہوگی۔ اور نہیں کرتے ہیں تو مشتری کا حق ضائع ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ صحیح سالم مبیع اور عیب دار مبیع کے درمیان جو فرق ہے وہ فرق بائع سے وصول کرے اور مبیع اپنے پاس رکھ لے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر بائع راضی ہو تو نئے عیب کے باوجود مبیع کو واپس کر دے۔ لیکن اس صورت میں اس عیب دار مبیع کو لینے کے لئے بائع کا راضی ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ مشتری کے یہاں بھی ایک عیب پیدا ہو چکا ہے۔

وجہ اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابراهيم في الرجل يشترى عبدا به عيب فيحدث عند المشترى عيبا، قال يرد الداء بدائه، واذا حدث به حدث فهو من مال المشترى ويرد البائع فضل ما بين الصحة والداء** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب العیب یحدث عند المشتری وکیف ان کان یعرف انہ قدیم ج خامس ص ۱۵۷ نمبر ۱۴۷۰۳) اس اثر میں ہے کہ مشتری عیب کا نقصان وصول کر سکتا ہے۔ عبارت میں **یرد الداء بدائه** ہے اس لئے بائع راضی ہو تو مبیع واپس کر سکتا ہے (۲) عیب دار لینا بائع کا اپنا حق ہے اس لئے وہ اپنا حق ساقط کر سکتا ہے۔ یہ مسئلہ اس بات پر متفرع ہے کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔ اثر میں ہے **عن شريح قال عهدة السلم وان لم يشترط لا داء ولا غائلة ولا خبث، ولا شين** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۴۲ فی الرجل یشتری السلعۃ ولا تبرأ الیہ ج خامس ص ۵، نمبر ۲۳۱۶۸) اس اثر میں ہے کہ چاہے شرط بھی نہ لگائے تب بھی مسلمان دوسرے کو نہ بیماری والی مبیع دے نہ ہلاکت والی دے نہ خباثت والی دے اور نہ عیب دار مبیع دے (۳) ایک اور حدیث میں ہے کہ دھوکہ دینا ٹھیک نہیں **عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ مر على صبرة من طعام فادخل يده فيها فنالت اصابعه بللا فقال يا صاحب الطعام ما هذا؟ قال اصابته السماء يا رسول الله قال افلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس ثم قال من غش فليس منا** (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ الغش فی البیوع ص ۲۴۵ نمبر ۱۳۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اندر جو عیب ہو اس کو ظاہر کر دینا چاہئے اور کسی کو دھوکہ نہ دینا چاہئے۔ اس لئے بائع یا مشتری کسی کو نقصان ہوا ہو تو حتی الامکان اس نقصان کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اصول حتی الامکان نقصان ادا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

[۸۷۷] (۷) اگر مشتری نے کپڑا کاٹا اور اس کو سی لیا یا کپڑے کو رنگ دیا یا ستو کو گھی میں ملا دیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس کے نقصان کا رجوع

حاشیہ: (الف) حضرت ابراہیم سے مروی ہے کہ ایک نے غلام خریدا اس میں عیب تھا۔ پھر مشتری کے پاس دوسرا عیب پیدا ہوا۔ فرمایا عیب دار کو پہلے عیب کے ماتحت لوٹایا جاتا، لیکن جب اس میں نیا عیب پیدا ہوا تو مبیع مشتری کا مال ہے اور بائع وہ فرق واپس کرے گا جو صحیح سالم مبیع اور عیب دار کے درمیان ہے (ب) آپؐ غلے کے ایک ڈھیر پر سے گزرے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا تو آپ کی انگلیوں پر اس کی تری لگی۔ آپؐ نے پوچھا غلہ والے یہ کیا ہے؟ فرمایا یا رسول اللہ بارش ہو گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا تر غلہ کو اوپر کیوں نہ کر دیا؟ تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیتے۔ پھر آپؐ نے فرمایا جو دھوکہ دے ہم میں سے نہیں ہے۔

الثوب وخاطه او صبغه او لتّ السويق بسمن ثم اطلع على عيب رجع بنقصانه وليس للبائع ان يأخذه بعينه [۸۷۸](۸) ومن اشترى عبدا فاعتقه او مات عنده ثم اطلع على

کرے گا۔اور بائع کے لئے جائز نہیں ہے کہ بعینہ مبیع کو لے لے۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مشتری کے پاس جانے کے بعد مبیع میں ایسی زیادتی ہوگئی کہ مبیع سے الگ نہیں ہوسکتی۔اب اگر مبیع کو واپس کرتے ہیں تو زیادتی کے ساتھ واپس ہوتی ہے۔اس صورت میں سود کا شائبہ ہیکہ بائع نے سود لیا۔اس لئے یہی ایک صورت ہے کہ صحیح اور عیب دار مبیع میں جو فرق ہے وہ وصول کرے۔

وجہ (۱) اثر میں اس کا ثبوت ہے **عن علی فی رجل اشتری جاریة فوطئها فوجد بها عیبا قال لزمته ویرد البائع ما بین الصحة والداء وان لم یکن وطئها ردها** (الف) (سنن للبیھقی، باب ماجاء فیمن اشتری جاریۃ فاصابھا ثم وجد بھا عیبا،ج خامس ص ۵۲۶،نمبر ۱۰۷۴۵رمصنف عبد الرزاق، باب الذی یشتری الامۃ فیقع علیھا ج ثامن ص ۱۵۲ نمبر ۱۴۶۸۴)اس اثر میں باندی سے وطی کرنے کے بعد عیب کا پتہ چلا تو باندی کو واپس نہیں کرسکتا بلکہ نقصان واپس لینے کا حکم دیا۔اسی طرح کپڑا کاٹ کرسی لیا تو کپڑے میں زیادتی ہوگئی۔یا رنگ دیا تو زیادتی ہوگئی یا ستو کو گھی میں ملا لیا تو ستو میں ایسی زیادتی ہوگئی کہ الگ نہیں ہوسکتی۔اس لئے نقصان کا رجوع کرے گا۔اور بائع اس مبیع کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا کیونکہ اس مبیع میں زیادتی ہوگئی۔اب اگر اس کو واپس لیگا تو زیادتی ہونے کی وجہ سے ربوا اور سود کا شائبہ ہوگا۔اس لئے اس مبیع کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔

اصول مبیع میں زیادتی ہوجائے پھر عیب دیکھے تو رجوع بالنقصان کرے گا۔

[۸۷۸](۸) کسی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا یا مشتری کے پاس مرگیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو نقصان کا رجوع کرے گا۔

تشریح کسی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا یا اس کے پاس مرگیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو نقصان کا رجوع کرے گا۔

تشریح غلام مرگیا اس کے بعد عیب کی اطلاع ہوئی تو غلام کو واپس نہیں کرسکتا لیکن مشتری کا حق بائع کے پاس رہ گیا جس کو واپس کرنا ہے تو یہی ہوسکتا ہے کہ نقصان کا رجوع کرے۔یہ بھی نہیں ہے کہ مشتری نے جان کر مارا ہے کہ یہ کہہ سکے کہ مشتری اس عیب پر راضی تھا بلکہ یہ قدرتی طور پر مرا ہے اس لئے رجوع بالنقصان کرے گا۔اثر میں ہے **عن الزھری فی العھدة بعد الموت قال ینقص عنه بقدر العیب** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب العھدۃ بعد الموت والعتق ج ثامن ص ۱۶۳ نمبر ۱۴۷۲۴)اس اثر میں ہے کہ مرنے کے بعد عیب کی مقدار نقصان کا رجوع کرے گا۔اس طرح غلام آزاد کیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو نقصان کا رجوع کرے گا۔

وجہ (۱) آزاد ہونا انسان کا انسانی حق ہے اس لئے مولی نے آزاد کیا تو اس کو اس کا انسانی حق دیا تو جو ہونا چاہئے وہی کیا تو آزاد کرنا غلام کے

حاشیہ : (الف) حضرت علی سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے باندی خریدی اور اس سے وطی کی۔پھر اس میں عیب پایا تو فرمایا کہ باندی مشتری کو لازم ہوگئی۔اور بائع تندرست اور عیب کے درمیان جو فرق ہے وہ واپس کرے۔اور اگر باندی سے وطی نہ کی ہوتی تو باندی واپس کرسکتا تھا (ب) حضرت زہری سے غلام کی موت کے بعد عہدے کے بارے میں یہ ہے، فرمایا عیب کی مقدار اس سے کم کر دیا جائے گا۔

عیب رجع بنقصانه [۸۷۹](۹) فان قتل المشتری العبد او كان طعاما فاكله ثم اطلع علی عیبه لم یرجع علیه بشیء فی قول ابی حنیفة رحمه الله وقالا یرجع بنقصان العیب[۸۸۰] (۱۰) ومن باع عبدا فباعه المشتری ثم رُدَّ علیه بعیب فان قبله بقضاء القاضی فله ان یرده

خود بخود مرنے کی طرح ہو گیا اس لئے اس صورت میں بھی نقصان وصول کرے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے عن الشعبی ان رجلا ابتاع عبدا فاعتقه ووجد به عیبا فقال یرد علی صاحبه فضل ما بینهما ویجعل ما رد علیه فی رقاب لانه قد کان وجهه (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب العهدة بعد الموت والعتق ج ثامن ص ۱۶۴ نمبر ۱۴۷۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے کے بعد عیب کا پتہ چلا تو نقصان وصول کرے گا۔

اصول خود بخود مبیع ہلاک ہو جائے اور بعد میں عیب کا پتہ چلے تو چونکہ یہ شائبہ نہیں ہے کہ مشتری اس عیب سے راضی تھا اس لئے بائع سے نقصان وصول کرے گا۔

[۸۷۹] (۹) پس اگر مشتری نے غلام کو قتل کر دیا یا کھانا تھا تو اس کو کھا لیا پھر اس کے عیب پر مطلع ہوا تو امام ابو حنیفہ کے قول میں بائع پر کچھ بھی رجوع نہیں کرے گا۔ اور صاحبین نے فرمایا نقصان وصول کرے گا۔

تشریح مشتری نے غلام کو قتل کر دیا، یا مبیع کھانا تھی اس کو کھا لیا پھر پتہ چلا کہ اس میں عیب ہے تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بائع سے نقصان وصول نہیں کرے گا۔

وجہ کیونکہ جب خود قتل کر دیا اور کھا لیا تو اب اگر بائع اس مبیع کو واپس مانگے تو مشتری نہیں دے سکے گا۔ اور یہ مشتری کے کرتوت سے ہوا تو گویا کہ مشتری کا عمل نے مبیع کو واپس نہیں ہونے دیا۔ اس لئے مشتری کو نقصان لینے کا حق نہیں ہوگا (۲) قتل کرنا اس بات پر دلیل ہو سکتا ہے کہ وہ اس عیب سے راضی تھا۔ اس لئے بھی نقصان نہیں لے سکتا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نقصان لے گا۔

وجہ کیونکہ مشتری کو کیا پتہ کہ مبیع میں عیب تھا اس لئے وہ عیب سے راضی نہیں تھا۔ اور مشتری کا حق عیب بائع کے یہاں محبوس ہے۔ اس لئے وہ عیب کا نقصان بائع سے لے گا (۲) صاحبین کی دلیل اوپر حضرت علی کا اثر ہے کہ عیب کا نقصان لے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مشتری نے خود مبیع کو ہلاک کیا ہو پھر عیب دیکھے تو نقصان لیگا یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نہیں لے گا، صاحبین کے نزدیک لے گا۔

[۸۸۰] (۱۰) کسی نے غلام بیچا۔ پھر اس غلام کو مشتری نے دوسرے کے پاس بیچ دیا۔ پھر عیب کے ماتحت غلام مشتری پر واپس کر دیا گیا۔ پس اگر مشتری نے اس غلام کو قاضی کے فیصلہ سے قبول کیا تو اس کو حق ہے کہ اس غلام کو بائع اول کو واپس کر دے۔ اور اگر اس کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر قبول کیا تو مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو بائع اول پر واپس کرے۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی سے منقول ہے کہ کسی آدمی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا۔ بعد میں اس میں عیب پایا۔ فرمایا بائع پر دونوں کے درمیان فرق لوٹایا جائے گا (یعنی صحیح اور عیب دار کے درمیان قیمت کا جو فرق ہو وہ بائع سے لیا جائے گا) پھر جو کچھ لوٹایا وہ غلام کی گردن پر ڈالا جائے گا۔ اس لئے کہ وہی اس کا سبب بنا۔

علی بائعہ الاول وان قبلہ بغیر قضاء القاضی فلیس لہ ان یردہ علی بائعہ الاول[۱۸۸] (۱۱) ومن اشتری عبدا و شرط البائع البراء ۃ من کل عیب فلیس لہ ان یردہ بعیب وان

تشریح مثلا زید مشتری نے غلام خریدا، پھراس کو دوسرے کے پاس بیچا، پھر مشتری ثانی خالد نے اسی عیب کے ماتحت جو پہلے بائع کے پاس تھا مشتری اول زید کو واپس کر دیا، تو زید بائع اول رحیم کے پاس واپس کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ زید نے عیب کا انکار کیا پھر قاضی نے عیب کے ماتحت غلام کو واپس کرنے کا فیصلہ دیا جس سے مجبور ہوکر زید نے غلام کو قبول کیا تو اس صورت میں زید کو حق ہے کہ اس عیب کی وجہ سے غلام کو بائع اول رحیم کی طرف واپس کر دے۔

وجہ قاضی نے جب غلام واپس کرنے کا فیصلہ دیا تو زید اور خالد کے درمیان کی بیع بالکل ختم ہوگئی گویا کہ کوئی بیع ہوئی ہی نہیں۔ اور مشتری نے گویا کہ کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے مبیع بائع اول رحیم کی طرف لوٹانا متعذر ہو۔ قاعدہ یہ ہے کہ مشتری کوئی ایسا کام کرے جس سے مبیع بائع کی طرف لوٹانا متعذر ہوجائے تو پھر مشتری عیب کی وجہ سے بائع کی طرف نہیں لوٹا سکتا۔ یہاں تو قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے دوسری بیع نسیا منسیا ہوگئی۔ اس لئے مشتری نے گویا کہ کوئی ایسا کام کیا ہی نہیں جس کی وجہ سے مبیع کا واپس ہونا متعذر ہو۔ اس لئے مشتری زید بائع اول رحیم کی طرف مبیع واپس کر دے گا۔

اور قاضی کے فیصلہ کے بغیر مشتری زید نے خالد سے مبیع واپس لے لی تو زید اور خالد کی درمیان کی بیع بالکل ختم نہیں ہوئی۔ اس کے اثرات باقی ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ زید کے بیچنے کی وجہ سے مبیع کو بائع اول رحیم کی طرف واپس کرنا متعذر ہوگیا۔ اور قاعدہ گزر گیا کہ مشتری کے عمل سے مبیع کو بائع کی طرف واپس کرنا متعذر ہوجائے تو مشتری مبیع کو بائع کی طرف واپس نہیں کرسکتا۔ اور اس صورت میں یہی ہوا کہ مشتری زید کے بیچنے کی وجہ سے مبیع کو بائع اول رحیم کی طرف واپس کرنا متعذر ہوگیا۔ اور قاضی کا فیصلہ بھی نہیں ہے کہ بیع نسیا منسیا ہوجائے۔ اس لئے زید مبیع کو بائع اول رحیم کی طرف واپس نہیں کرسکتا

نوٹ اگر عیب دیکھنے کے بعد بیچا ہو تو مبیع واپس نہیں کرسکتا۔ کیونکہ عیب دیکھنے کے بعد بیچنا اس بات پر دلیل ہے کہ وہ اس عیب پر راضی ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن عامر فی الرجل یشتری السلعۃ فیری بھا العیب ثم یعرضھا علی البیع لیس لہ ان یردھا** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۷ فی الرجل یشتری السلعۃ فیجد بھا عیبا ج خامس ص ۱۱، نمبر ۲۳۲۴۱) اس اثر میں ہے کہ عیب دیکھنے کے بعد سامان کو بیچنے کے لئے پیش کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عیب سے راضی ہے۔ اس لئے اب اس کو بائع کی طرف واپس نہیں کرسکتا۔

اصول اگر مشتری کے عمل سے مبیع کو واپس کرنا متعذر ہوگیا تو مبیع کو بائع کی طرف واپس نہیں کرسکتا۔

[۸۸۱] (۱۱) کسی نے غلام خریدا اور بائع نے ہر عیب سے بری ہونے کی شرط لگائی تو مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ عیب کے ماتحت اس کو واپس کرے۔ چاہے تمام عیوب کا نام نہ لیا ہو اور نہ ان کو گنوایا ہو۔

تشریح بائع نے مبیع بیچی اور کہا کہ مبیع دیکھ لیں اور خرید لیں۔ میں تمام عیوب سے بری ہوں کہ پھر واپس نہیں کروں گا۔ تو چاہے ہر ہر عیب کو نہ

حاشیہ : (الف) حضرت عامر کا اثر ہے کہ ایک آدمی نے سامان خریدا، پس اس میں عیب دیکھا پھر اس کو بیع پر پیش کیا تو اس کے لئے مبیع کو لوٹانے کا حق نہیں ہے۔

لم يسم جملة العيوب ولم يعدها.

گنایا ہواور نہ تمام عیوب کا نام لیا ہو پھر بھی وہ تمام عیوب سے بری ہوگا۔اور مشتری کسی بھی عیب کی وجہ سے بائع کے پاس واپس نہیں کر سکے گا

وجہ (۱)عیب سے براءت کے ساتھ خریدنے کی دلیل یہ حدیث ہے **قال لی العداء بن خالد بن هوذة الا اقرئک کتابا کتبه لی رسول الله ﷺ؟ قال قلت بلی! فاخرج لی کتابا ،هذاما اشتری العداء بن خالد بن هوذة من محمد رسول الله ﷺ اشتری منی عبدا او امة لا داء ولا غائلة ولا خبثة بیع المسلم المسلم** (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کتابة الشروط ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۶)اس حدیث میں آپؐ نے **لا داء ولا غائلة ولا خبثة** کی براءت لکھ کر صحابی کو دی ہے کہ یہ عیوب نہیں ہوں گے۔جس سے معلوم ہوا کہ عیب سے براءت کی شرط کے ساتھ بیع کی جا سکتی ہے۔اور چاہے تمام عیوب نہ گنوائے ہو تب بھی تمام عیوب سے بری ہو جائے گا۔بشرطیکہ عیب کو جانتے ہوئے جھوٹ نہ بولا ہو۔اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **ان عبد الله بن عمر باع غلاما له بثمانی مائة درهم فباعه بالبراء ة فقال الذی ابتاعه لعبد الله بن عمر بالغلام داء لم تسمه لی فاختصما الی عثمان بن عفان فقال الرجل باعنی عبدا وبه داء لم یسمه لی وقال عبد الله بعته بالبراء ةفقضی عثمان علی عبد الله بن عمر ان یحلف له لقد باعه العبد وما به داء یعلمه فابی عبد الله ان یحلف وارتجع العبد** (ب)(موطا امام مالک، باب العیب فی الرقیق ص ۵۷۱)اس اثر میں حضرت عبداللہ بن عمر نے تمام عیوب سے براءت کی شرط سے غلام بیچا تھا اور ہر ہر عیب کا نام نہیں گنوایا تھا۔اس لئے حضرت عثمان نے اس کو مان لیا۔صرف یہ قسم کھلائی کہ آپ کو بیچتے وقت اس عیب کا علم نہیں تھا اس پر قسم کھائیں۔تاہم حضرت عبداللہ نے اس پر بھی قسم نہیں کھائی جس کی وجہ سے غلام حضرت عبداللہ کی طرف واپس کر دیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ تمام عیوب سے براءت کا نام لیا اور ہر ہر عیب کا نام نہیں لیا تب بھی تمام عیوب سے براءت ہو جائے گی (۳) یہ اثر بھی اس کی دلیل ہے **عن عبد الله بن عامر عن زید بن ثابت انه کان یری البراء ة من کل عیب جائزا** (سنن للبیہقی، باب بیع البراءۃ ج خامس ص ۵۳۶،نمبر ۱۰۷۸۴)اس اثر میں حضرت عبداللہ تمام عیوب سے براءت کو جائز سمجھتے تھے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ عیب سے بری ہونا گویا کہ اچھی مبیع کا مالک بنانا ہے اس لئے اس میں جہالت نہیں چلے گی۔اس لئے جن جن عیوب کا نام لے گا انہیں عیوب سے بری ہوگا۔اور جن عیوب کا نام نہیں لے گا ان عیوب سے بائع بری نہیں ہوگا۔ان عیوب کی وجہ سے مشتری کو مبیع لوٹانے کا حق ہوگا۔

حاشیہ : (الف)خالد بن ہوذہ نے مجھ سے کہا، کیا میں ایسا خط پڑھوں جو مجھ کو حضورؐ نے لکھوا کر دیا ہے؟ میں نے کہا ہاں! تو میرے لئے ایک خط نکالا۔یہ وہ ہے کہ عداء بن خالد بن ہوذہ نے محمد رسول اللہ سے خریدا ہے غلام یا باندی۔نہ اس میں بیماری ہو، نہ ہلاکت کی ہو اور نہ خباثت ہو، مسلمان کی بیع مسلمان سے ہے (ب)عبد اللہ بن عمر نے غلام بیچا آٹھ سو درہم میں تو بیچا اس کو براءت کے ساتھ۔جس نے خریدا تھا اس نے عبد اللہ بن عمر سے کہا غلام میں بیماری ہے جس کی آپ نے اطلاع نہیں دی۔دونوں عثمان کے پاس جھگڑا لے گئے۔آدمی نے کہا مجھ سے غلام بیچا اور اس میں بیماری ہے۔جس کی اطلاع نہیں دی۔حضرت عبداللہ نے فرمایا میں نے اس کو براءت کے ساتھ بیچا ہے۔حضرت عثمان نے عبداللہ بن عمر پر فیصلہ کیا کہ وہ قسم کھائیں کہ غلام کو بیچا ہے اور اس کو بیماری کا علم نہیں تھا۔حضرت عبداللہ بن عمر نے قسم کھانے سے انکار کیا تو ان کو غلام واپس لوٹا دیا گیا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابراهيم النخعي في الرجل يبيع السلعة ويبرأ من الداء قال هو برئ مما سمى (الف) (سنن للبیھقی، باب بیع البراءۃ ج خامس ص ۵۳۷، نمبر ۱۰۷۸۸) اس اثر میں ہے کہ جن جن عیوب کا نام لے گا انہیں سے براءت ہوگی باقی سے نہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا جو آدمی سامان بیچتا ہو اور بیماری سے براءت لی ہو تو جن جن کا نام لیا ہو ان عیوب سے بری ہوگا۔

﴿ باب البیع الفاسد ﴾

[۸۸۲](۱)اذا کان احد العوضین او کلاهما محرما فالبیع فاسد کالبیع بالمیتة او بالدم او بالخمر او بالخنزیر[۸۸۳](۲) وکذلک اذا کان المبیع غیر مملوک کالحر وبیع ام

﴿ باب البیع الفاسد ﴾

ضروری نوٹ اس باب میں بیع باطل اور بیع فاسد دونوں کو بیان کیا ہے۔اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

بیع باطل جس بیع میں مبیع مال ہی نہ ہو یا ثمن مال نہ ہو تو وہ بیع باطل ہے۔یعنی اس بیع کا وجود ہی نہیں ہے۔جیسے کوئی آزاد کو بیچ دے تو آزاد مال نہیں ہے اس لئے یہ بیع ہوگی ہی نہیں۔اس کا حکم یہ ہے کہ نہ بائع اس ثمن کا مالک ہوگا جو مشتری سے لیا ہے،اور نہ مشتری مبیع کا مالک ہوگا۔کیونکہ یہ بیع سرے سے ہے ہی نہیں۔

بیع فاسد جس بیع میں مبیع مال ہو اور ثمن بھی مال ہو لیکن کسی غلط شرط لگانے کی وجہ سے بیع خراب ہوئی ہو تو اس کو بیع فاسد کہتے ہیں۔جیسے گھر بیچے اور کہے کہ دو ماہ تک میں اس میں رہوں گا تو یہ بیع شرط فاسد لگانے کی وجہ سے فاسد ہوگی۔اس کا حکم یہ ہے کہ حتی الامکان اس بیع کو توڑ دینا چاہئے۔لیکن بائع نے ثمن پر قبضہ کر لیا اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا اور بیع کو بحال رکھا اور کوئی جھگڑا نہیں ہوا تو کراہیت کے ساتھ اس بیع کو جائز قرار دیں گے۔اور مبیع مشتری کا مالک بن جائے گا اور بائع ثمن کا مالک ہو جائے گا۔بیع باطل اور بیع فاسد کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر بن عبد اللہ انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول عام الفتح وھو بمکة ان اللہ و رسول اللہ ﷺ حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والاصنام (الف) (مسلم شریف، باب تحریم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والاصنام ص ۲۳ نمبر ۱۵۸۱ / بخاری شریف، باب بیع المیتة والاصنام، ص ۲۹۸، نمبر ۲۲۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شراب، مردہ، سور اور بت کی بیع حرام ہے اور باطل ہے۔

[۸۸۲](۱) جب دونوں عوض میں سے ایک یا دونوں حرام ہوں تو بیع فاسد ہے جیسے مردے کی بیع یا خون کی بیع یا شراب کی بیع یا سور کی بیع

تشریح مردہ اور خون اور شراب اور سور شریعت کے نزدیک مال نہیں ہے اس لئے ان چیزوں کی بیع باطل ہے۔اگر درہم، دنانیر یا روپے کے عوض بیچا تو مشتری ان چیزوں کا مالک نہیں ہوگا۔کیونکہ جو چیزیں مال نہیں ہیں ان کو بیچنے سے بیع باطل ہوتی ہے۔ان چیزوں کے مال نہ ہونے کی دلیل اوپر مسلم شریف کی حدیث گزر چکی ہے۔

[۸۸۳](۲) ایسے ہی بیع باطل ہے اگر مبیع مملوک نہ ہو جیسے آزاد کی بیع، ام ولد اور مدبر اور مکاتب کی بیع فاسد ہے۔

تشریح آزاد آدمی کی بیع کرے تو آزاد آدمی مملوک ہی نہیں ہے اس لئے اس کی بیع باطل ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال اللہ ثلاثا انا خصمھم یوم القیامة رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنہ (الف)

حاشیہ : (الف) آپؐ سے سنا اس حال میں کہ وہ فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں تھے کہ آپؐ نے شراب، مردار، سور اور بت کو بیچنے کو حرام فرمایا (ب) آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے کہا قیامت کے دن تین آدمیوں کا خصم ہوں گا۔ایک آدمی جس نے مجھے عہد دیا اور دھوکہ دیا۔دوسرا جس نے آزاد آدمی کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔

الولد والمدبر والمکاتب فاسد.

(بخاری شریف، باب اثم من باع حراص ۲۹۷ نمبر ۲۲۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد آدمی کو بیچنا حرام ہے۔ اور اس کا ثمن کھانا بھی حرام ہے۔ بلکہ آزاد آدمی تو مال ہی نہیں ہے۔ ام ولد اور مدبر اور مکاتب کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ان کا بیچنا جائز ہے۔ اس لئے کہ ان کے یہاں یہ مال ہیں۔ اس لئے اس کی بیع فاسد نہیں ہوگی بلکہ جائز ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک یہ مال نہیں ہیں۔ اس۔ لئے ان کی بیع باطل ہے۔

وجہ (۱) ام ولد میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے وہ مولی کے مرتے ہی آزاد ہو جائے گی۔ اب اگر اس کو بیچنا جائز قرار دیں تو بکنے کے بعد اس کی آزادگی کا شائبہ ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس غلام یا باندی میں آزادگی کا شائبہ آجائے وہ ختم نہیں ہوتا۔ اس لئے ام ولد یا مدبر کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ وہ گویا کہ مال ہی نہیں ہے۔ ام ولد کے لئے حدیث یہ ہے **عن ابن عباس قال قال رسول الله ایما رجل ولدت امته منه فهی معتقة عن دبر منه** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب امہات الاولاد ص ۳۶۱ نمبر ۲۵۱۵ رابوداؤد شریف، باب عتق امہات الاولاد ج ثانی ص ۱۹۴ نمبر ۳۹۵۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ام ولد مولی کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔ اس لئے اس میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔ اور آزاد عورت مال ہی نہیں ہے اس لئے اس کی بیع باطل ہوگی (۲) دوسری حدیث میں اس کی بیع کو منع فرمایا ہے۔ حدیث میں ہے **عن ابن عمر ان النبی ﷺ نهی عن بیع امهات الاولاد وقال لا یبعن ولا یوهبن ولا یورثن یستمتع بها سیدها مادام حیا فاذا مات فهی حرة** (ب) (دار قطنی، کتاب المکاتب ج رابع ص ۷۵ نمبر ۴۲۰۳) اس حدیث میں ام ولد کو بیچنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ مدبر کی بیع ممنوع ہونے کی۔

وجہ (۱) یہ ہے کہ وہ بھی مولی کے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ اس لئے اس میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔ اس لئے اس کی بیع باطل ہوگی (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال المدبر لا یباع ولا یوهب وهو حر من الثلث** (ج) (دار قطنی، کتاب المکاتب ج رابع ص ۷۸ نمبر ۴۲۲۰ رموطا امام مالک، باب بیع المدبر ص ۵۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر غلام بیچا نہیں جائے گا۔ کیونکہ مرنے کے بعد وہ آزاد ہوگا۔

نوٹ اگر مدبر مقید ہے مثلا مولی نے یوں کہا کہ اس بیماری میں مرگیا تو تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے تو یہ مدبر مقید ہے۔ ایسا مدبر حنفیہ کے نزدیک بیچا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مدبر غلام بیچا جا سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سمعت جابر بن عبد الله قال اعتق رجل منا عبدا له عن دبر فدعا النبی ﷺ فباعه** (الف) (بخاری شریف، باب بیع المدبر ص ۲۹۷ نمبر ۲۵۳۴ رابوداؤد شریف، باب فی بیع المدبر ج

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی بھی آدمی اس سے اس کی باندی بچہ جنے تو وہ باندی اس کے مرنے کے بعد آزاد ہے (ب) آپؐ نے ام ولد کو بیچنے سے منع فرمایا اور فرمایا نہ وہ بیچی جا سکتی ہے، نہ ہبہ کی جا سکتی ہے، اور نہ کوئی اس کا وارث بن سکتا ہے۔ اس کا مولی اس سے فائدہ اٹھائے گا جب تک وہ زندہ رہے۔ پس جب مولی مر جائے تو ام ولد آزاد ہوگی (ج) آپؐ نے فرمایا مدبر نہ بیچا جا سکتا ہے نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ تہائی مال سے آزاد ہوگا (د) ایک آدمی نے مدبر غلام (باقی اگلے صفحہ پر)

[۸۸۴](۳) ولا یجوز بیع السمک فی الماء قبل ان یصطادہ ولا بیع الطائر فی الھواء.

ثانی ص۱۹۵نمبر۳۹۵۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر غلام بیچا جا سکتا ہے کیونکہ حضورؐ نے بیچا ہے۔

مکاتب کو بھی بیچنا اس لئے جائز نہیں ہے کہ اس میں بھی آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے کچھ روپیہ مال کتابت ادا کر کے مولی سے اپنے آزاد ہونے کا پروانہ اور عہد لے لیا ہے۔اب اگر اس کو بیچ دیا جائے تو عہد کے خلاف ہوگا اور آزادگی کا شائبہ ختم ہو جائے گا۔اس لئے مکاتب کو بیچنا جائز نہیں۔ہاں !اگر وہ خود راضی ہو کہ مجھے بیچ دیا جائے اور مکاتبت توڑ دیا جائے تو ایسا ہوگا کہ وہ گویا کہ مکمل غلامیت کی طرف لوٹ رہا ہے اور اپنی مرضی سے بکنے پر راضی ہے۔چنانچہ حضرت بریرۃؓ مکاتبہ تھی۔اور اپنی مرضی سے بکنے پر راضی ہوئی تھی۔ اور حضرت عائشہ نے ان کو خریدا تھا۔حدیث میں ہے دخلت بریرۃ وھی مکاتبۃ فقال اشترینی فاعتقینی قالت (عائشۃ) نعم (الف) (بخاری شریف، باب اذا قال المکاتب اشترنی واعتقنی فاشتراہ لذلک ص۳۴۹نمبر۲۵۶۵رابوداؤد شریف، باب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبۃ ج ثانی ص۱۹۲نمبر۳۹۲۹)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مکاتب خود بکنے پر راضی ہو جائے اور مکاتب توڑ دے تو اس کو بیچا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

اصول جو چیز مال نہ ہو اس کی بیع باطل ہے۔

[۸۸۴](۳)نہیں جائز ہے مچھلی کی بیع پانی میں اس کو شکار کرنے سے پہلے اور نہ پرندے کی بیع ہوا میں۔

تشریح مبیع اگر چہ مال ہو لیکن قبضہ میں نہ ہو کہ فورا مشتری کے حوالے کر سکے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے۔کیونکہ اس کو حوالے کرنا مشکل ہے۔اسی قاعدے پر مچھلی پانی میں ہو ابھی اس کو شکار نہ کیا ہو۔اسی طرح پرندہ ہوا میں ہو اس کو شکار نہ کیا ہو یا وہ قبضہ میں نہ ہو تو اس کی بیع کرنا فاسد ہے (۲)اس حدیث میں قبضہ سے پہلے مبیع کو بیچنا منع فرمایا ہے۔سمعت ابن عباس یقول اما الذی نھی عنہ النبی ﷺ فھو الطعام ان یباع حتی یقبض، قال ابن عباس ولا احسب کل شیء الا مثلہ (ب) (بخاری شریف، باب بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع مالیس عندک ص۲۸۶نمبر۲۱۳۵رمسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص۵نمبر۱۵۲۵/۳۸۳۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مبیع قبضہ میں نہ ہو اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔حدیث میں ہے۔عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ لاتشتروا السمک فی الماء فانہ غرر (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی النہی عن بیع السمک فی الماء ج خامس ص۵۵۵،نمبر۱۰۸۵۹)اس حدیث سے پانی میں مچھلی بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

نوٹ چونکہ مچھلی اور پرندہ مال ہیں اس لئے بیع فاسد ہوگی۔لیکن اگر اس پر قبضہ کر کے بعد میں مشتری کے حوالے کر دیا اور کوئی جھگڑا نہیں ہوا اور مشتری نے قبول کر لیا تو بیع پلٹ کر جائز ہو جائے گی۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) بیچا تو حضورؐ نے اس کو بلایا اور اس کو بیچا (الف) حضرت بریرہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئی۔وہ مکاتبہ تھی۔فرمایا مجھے خرید لیں اور آزاد کر دیں۔حضرت عائشہ نے فرمایا ہاں (ب) جس سے حضور نے روکا ہے وہ غلہ ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچے۔حضرت عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا میرا گمان ہے کہ ہر چیز کا حال ایسے ہی ہے (ج) آپؐ نے فرمایا مچھلی کو پانی میں مت خرید و اس لئے کہ یہ دھوکہ ہے۔

[۸۸۵](۴)ولا یجوز بیع الحمل فی البطن ولا النتاج [۸۸۶](۵) ولا الصوف علی ظهر الغنم [۸۸۷](۶) ولا بیع اللبن فی الضرع.

اصول جو مبیع قبضہ میں نہ ہو اس کی بیع فاسد ہے۔

لغت السمک : مچھلی۔ یصطاد : شکار کرے۔

[۸۸۵](۴) اور نہیں جائز ہے حمل کی بیع پیٹ میں اور نہ حمل کے حمل کی بیع۔

تشریح ابھی حمل پیٹ میں ہو اور اس کی بیع کرے تو جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حمل میں جو بچہ ہے اس بچہ کے بچے کی بیع کرے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) یہ مبیع بالکل مجہول ہے۔ پتہ ہی نہیں ہے کہ مبیع کیسی ہے۔ اس لئے بیع جائز نہیں ہے، یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع مجہول ہو تو اس کی بیع جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ اہل عرب حمل کا جو بچہ ہے اس کے بچے کی بیع کرتے تھے اس لئے آپؐ نے منع فرمایا **عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع حبل الحبلة، وكان بيعا يتبايعه اهل الجاهلية كان الرجل يبتاع الجزور الى ان تنتج الناقة ثم تنتج التي في بطنها** (الف) (بخاری شریف، باب بیع الغرور وحبل الحبلۃ ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۳ / مسلم شریف، باب تحریم بیع حبل الحبلۃ ج ثانی ص ۲ نمبر ۱۵۱۴) اس حدیث میں حمل اور حمل کے بچے کو بیچنا ناجائز قرار دیا ہے۔

اصول مجہول مبیع کی بیع فاسد ہے۔

لغت النتاج : حمل کا جو بچہ ہو اس کو النتاج کہتے ہیں۔

[۸۸۶](۵) اور نہیں جائز ہے اون کا بیچنا بکری کی پیٹھ پر۔

تشریح بکری یا بھیڑ کی پیٹھ پر اون موجود ہے ابھی کاٹا نہیں، اسی حال میں اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

وجہ کتنا کاٹے گا اور کتنا نہیں کاٹے گا اس کا اندازہ نہیں ہے۔ کمی بیشی ہو سکتی ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع کے حدود متعین نہ ہوں تو بیچنا جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کی ممانعت موجود ہے **عن ابن عباس قال نهى رسول الله ﷺ ان تباع الثمرة حتى يبدو صلاحها او يباع صوف على ظهر او سمن في لبن او لبن في ضرع** (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی النہی عن بیع الصوف علی ظہر الغنم واللبن فی ضروع الغنم والسمن فی اللبن ج خامس ص ۵۵۵، نمبر ۱۰۸۵۷ / دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۱۱ نمبر ۲۸۱۱) اس حدیث میں اون کو بکری کی پیٹھ پر بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

[۸۸۷](۶) اور نہیں جائز ہے دودھ کی بیع تھن میں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حمل کے بچے کی بیع سے روکا، جاہلیت کے لوگ ایسی بیع کیا کرتے تھے۔ لوگ اس طرح بیع کرتے تھے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ جب بچہ جنے اس کی بیع کرتا ہوں (ب) آپؐ نے روکا کہ پھل کو اس کے کارآمد ہونے سے پہلے بیچے یا اون کو پیٹھ پر بیچے یا گھی کو دودھ میں بیچے یا دودھ کو تھن مین بیچے۔

[۸۸۸] (۷) ولا یجوز بیع ذراع من ثوب ولا بیع جذع من سقف [۸۸۹](۸) وضربة

وجہ تھن میں دودھ ہے، ابھی اس کو نکالا نہیں ہے اور بیچ رہا ہے تو دودھ مجہول ہے اور مبیع مستور ہے اس لئے اس کی بیع جائز نہیں۔ البتہ اگر اس کو نکال دے اور دوبارہ سکوتی طور پر ایجاب وقبول کر لے یعنی بائع دے اور مشتری لے لے تو بیع پلٹ کر جائز ہو جائے گی (۲) حدیث مسئلہ نمبر ۵ میں گزر چکی ہے او لبن فی الضرع (دار قطنی نمبر ۲۸۱۱ رسنن للبیہقی، نمبر ۱۰۸۵۷)

اصول مجہول مبیع کی بیع جائز نہیں ہے۔

لغت الضرع : تھن

[۸۸۸] (۷) اور نہیں جائز ہے گز کی بیع تھان میں سے اور نہ شہتیر کی بیع چھت میں سے۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع بائع کے مال کے ساتھ ملی ہوئی ہو اس لئے مبیع کو اس سے الگ کرنے میں بائع کے مال کا نقصان ہوتا ہو۔ اب اس مبیع میں بائع کے مال کا بلا وجہ نقصان ہے اس لئے یہ بیع فاسد ہے۔ مثلا ایک گز کو تھان سے کاٹنے میں باقی تھان کا نقصان ہے کیونکہ وہ کسی کام کا نہیں رہے گا تو تھان میں سے ایک گز کی بیع جائز نہیں ہوگی۔ لیکن اگر گز کو الگ کرنے سے تھان کا نقصان نہیں ہے جیسا کہ اس زمانے میں ہوتا ہے تو ایک دو گز کی بیع جائز ہوگی۔ اسی طرح شہتیر چھت میں لگا ہوا ہے اس کو نکالنے سے پوری چھت کے گرنے کا یا کمزور ہونے کا خطرہ ہے تو ایسے شہتیر کی بیع جائز نہیں ہوگی۔

وجہ حدیث میں لا ضرر ولا ضرار ہے۔ (دار قطنی نمبر ۳۰۶۰) اس میں ہے کہ نہ نقصان دو اور نہ کسی سے نقصان اٹھاؤ۔ اور اس بیع میں بائع کا نقصان ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

لغت جذع : شہتیر جو چھت میں لگی ہوتی ہے اور ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے۔ سقف : چھت۔

[۸۸۹] (۸) اور نہیں جائز ہے جال کا ایک پھینک۔

تشریح یوں کہا کہ ایک مرتبہ پانی میں جال پھینکتا ہوں اس میں جتنی مچھلی آجائے اس کی قیمت مثلا پانچ پونڈ ہوگی تو اس طرح کی بیع جائز نہیں ہے۔

وجہ اس میں مبیع مجہول ہے معلوم نہیں کتنی مچھلی آئے گی اور نہیں آئے گی۔ اور یہ بھی یہ ہو سکتا ہے کہ تھوڑی سی مچھلی آئے اور مفت میں پانچ پونڈ دینا پڑے اس لئے یہ بیع جائز نہیں عن ابی ھریرۃ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الغرر وبیع الحصاۃ (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ بیع الغرر ص ۲۳۲ نمبر ۱۲۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دھوکے کی بیع جائز نہیں ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال رسول اللہ ﷺ ... وعن شراء ضربة الغائص (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۱۲ نمبر ۲۸۱۵) اس حدیث میں ضربۃ الغائص کو باضابطہ منع فرمایا ہے۔

اصول جس بیع میں دھوکہ ہو وہ جائز نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے دھوکہ کی بیع سے روکا اور کنکری مارنے کی بیع سے روکا۔

الغائض [۸۹۰](۹) ولا بیع المزابنة وهو بیع التمر علی النخل بخرصة تمرا.

لغت الغائص : غوطہ لگانے والا۔

[۸۹۰](۹)اور نہیں جائز ہے بیع مزابنہ ، وہ یہ ہے کہ کھجور کی بیع کھجور کے درخت پر ٹوٹے ہوئے کھجور سے اندازہ کر کے۔

تشریح کھجور کے درخت پر کھجور لگا ہوا اس کو ٹوٹے ہوئے کھجور کے بدلے میں بیچے تو یہ بیع فاسد ہے۔

وجہ (۱) ادھر بھی کھجور ہے اور درخت پر بھی کھجور ہے لیکن درخت پر کھجور کتنا ہے اس کا اندازہ نہیں ہے اس لئے کھجور کے بدلے میں کھجور کی بیشی ہوگی تو ربوا اور سود ہو جائے گا اس لئے جائز نہیں ہے (۲) مزابنہ کے ناجائز ہونے کی یہ دلیل یہ حدیث ہے عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ نھی عن المزابنة والمحاقلة ،والمزابنة اشتراء التمر بالتمر علی رؤوس النخل (الف) (بخاری شریف، بیع المزابنة وھی بیع التمر بالثمر ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۶ رمسلم شریف، باب النھی عن المحاقلة والمزابنة ج ثانی ص ۱۰ نمبر ۱۵۳۹) اس حدیث میں مزابنہ کو حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں جائز ہے۔

وجہ کیونکہ عرایا میں حضورؐ نے اجازت دی ہے۔ اور عرایا کی شکل یہ ہے کہ ٹوٹے ہوئے کھجور کے بدلے درخت پر لگے ہوئے کھجور کو خریدے۔ حدیث میں ہے عن ابی ھریرة ان النبی ﷺ رخص فی بیع العرایا فی خمسة اوسق او دون خمسة اوسق قال نعم (ب) (بخاری شریف، باب بیع التمر علی رؤوس النخل بالذھب والفضة ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۹۰ رمسلم شریف، باب تحریم بیع الرطب بالتمر الا فی العرایا ص ۸ نمبر ۱۵۴۱) اس حدیث میں آپؐ نے عرایا کی بیع کرنے کی اجازت دی اگر پانچ وسق سے کم ہو، اور بعض حدیث میں ہے کہ ایک دو درخت ہو تو جائز ہے۔

حنفیہ کے نزدیک عرایا اصل میں درخت کے مالک کی جانب سے ہدیہ ہے بیع نہیں ہے۔ صرف بیع کی صورت ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب مساکین کو ایک دو درخت کھانے کے لئے ہدیہ دے دیا کرتے تھے۔ لیکن غربت کی وجہ سے وہ کھجور پکنے تک صبر نہیں کر پاتے تو اس درخت کے کھجور کے بدلے مالک درخت سے کٹے ہوئے کھجور دے دیا کرتے تھے۔ جو صورت میں بیع ہے لیکن حقیقت میں پہلے والا ہدیہ ہی کٹے ہوئے کھجور کی صورت میں دینا ہے۔ خود امام بخاریؒ نے سفیان بن حسین کے واسطے سے عرایا کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ عبارت یہ ہے عن سفیان بن حسین العرایا نخل کانت توھب للمساکین فلا یستطیعون ان ینتظروا بھا فرخص لھم ان یبیعوا اھابما شاء وا من التمر (ج) (بخاری شریف، باب تفسیر العرایا ص ۲۹۲ نمبر ۲۱۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہدیہ کے بدلے درخت کا مالک ہدیہ دے رہا ہے یہی عرایا ہے۔ اور اس کی گنجائش ہمارے یہاں بھی ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے مزابنہ اور محاقلہ کی بیع سے روکا، مزابنہ کی تفسیر یہ ہے کہ کھجور کے درخت پر کھجور ہو اس کے بدلے میں کھجور خریدے (ب) آپؐ نے عرایا کی بیع میں رخصت دی پانچ وسق یا اس سے کم میں فرمایا ہاں (ج) سفیان بن حسین نے فرمایا عرایا کھجور کا درخت ہوتا ہے۔ اس کو مساکین کو ہبہ کر دے پھر وہ انتظار نہ کر سکے تو ان مسکینوں کے لئے رخصت ہے کہ اس کو جتنے کھجور میں چاہے بیچے۔

[۸۹۱](۱۰) ولا یجوز البیع بالقاء الحجر والملامسة[۸۹۲](۱۱) ولا یجوز بیع ثوب

نوٹ امام ابوحنیفہ کی نظر اس بات کی طرف گئی ہے کہ اٹکل سے کھجور کے بدلے کھجور بیچنا سود ہے اس لئے پانچ وسق سے کم میں بھی جائز نہیں ہے۔حدیث میں ہے فقال له معمر لم فعلت ذلک انطلق فرده ولا تأخذن الا مثلا بمثل فانی کنت اسمع رسول الله ﷺ یقول الطعام بالطعام مثلا بمثل (الف) (مسلم شریف، باب بیع الطعام مثلا بمثل ص ۲۶ نمبر ۱۵۹۲ / بخاری شریف، باب بیع الشعیر بالشعیر ص ۲۹۰ نمبر ۲۱۷۴) اس حدیث میں ایک جنس کی کوئی چیز کیلی یا وزنی ہو ان کو کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا منع فرمایا ہے۔اس لئے ٹوٹے ہوئے کھجور کے بدلے لگے ہوئے کھجور کو کمی زیادتی کے ساتھ خریدنا جائز نہیں ہوگا۔چاہے پانچ وسق سے کم ہو یا چاہے عرایا کی دوسری شکل ہو۔ اصول کیلی اور وزنی چیزوں کو کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ درخت پر لگے ہوئے کھجور کو کھجور کے علاوہ کسی اور چیز سے خریدے تو جائز ہے۔کیونکہ خلاف جنس ہونے کی وجہ سے سود نہیں ہوگا۔

لغت خرص : اندازہ کرکے،اٹکل سے

[۸۹۱](۱۰) نہیں جائز ہے پتھر ڈالنے کی بیع اور چھونے کی بیع۔

تشریح یہ سب بیع زمانہ جاہلیت کی تھیں۔کسی جگہ مبیع رکھی ہوئی ہے،مشتری نے پتھر پھینکا اور ایک مبیع پر لگ گیا،جس مبیع پر پتھر لگا وہ مشتری کی ہوگئی اور گویا کہ ایجاب وقبول ہوگئے۔یہ القائے حجر کی بیع ہے۔اور ملامسہ کی صورت یہ ہے کہ کئی قسم کی مبیع رکھی ہوئی ہیں مشتری نے ایک کو چھو دیا تو وہ مبیع مشتری کی ہوگئی۔یا کئی مشتری کھڑے ہیں بائع نے ایک مشتری کو چھولیا تو اس مشتری کو مبیع کا لینا ضروری ہوگیا یہ ملامسہ کی بیع ہوئی۔یہ دونوں بیع ناجائز ہیں۔

وجہ ان دونوں بیوع میں دھوکہ ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ دھوکہ کی بیع جائز نہیں (۲) حدیث میں ان دونوں بیعوں سے منع فرمایا ہے۔ان ابا سعید اخبره ان رسول الله نهی عن المنابذة وهی طرح الرجل ثوبه بالبیع الی رجل قبل ان یقلبه او ینظر الیه ونهی عن الملامسة ،والملامسة لمس الثبو لا ینظر الیه (ب) (بخاری شریف، باب بیع الملامسۃ ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۴ / مسلم شریف، باب ابطال بیع الملامسۃ والمنابذۃ ج ثانی ص ۲ نمبر ۱۵۱۲) اس حدیث میں ملامسہ اور منابذہ کی تفسیر کی گئی ہے۔اور دونوں بیعوں سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔

اصول جہاں دھوکہ ہو کہ کون سی مبیع ہے اور کیسی ہے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے۔

نوٹ جوا میں یہی ساری شکلیں ہوتی ہیں اس لئے جوا حرام ہے۔

[۸۹۲](۱۱) اور نہیں جائز ہے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع۔

حاشیہ : (الف) معمر نے اس سے کہا کیوں کیا یہ؟ جاؤ اس کو لوٹا دو اور مت لو مگر برابر سرابر اس لئے کہ میں حضورؐ سے سنا کرتا تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ غلہ غلے کے بدلے میں بیچو برابر سرابر (ب) آپؐ نے منع فرمایا بیع منابذہ سے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کپڑا بیع کے لئے پھینکے آدمی کی طرف اس سے پہلے کہ اس کو پلٹے یا اس کو دیکھے۔ اور منع فرمایا بیع ملامسہ سے اور ملامسہ یہ ہے کہ کپڑا چھوئے اور اس کو دیکھے نہیں اور بیع لازم ہو جائے۔

من ثوبین[۸۹۳](۱۲) ومن باع عبدا علی ان یعتقه المشتری او یدبره او یکاتبه او باع

تشریح دو کپڑے مختلف انداز کے ہیں اور ایجاب کرتے وقت یہ نہیں بتا رہا ہے کہ دونوں میں سے کس کپڑے کی بیع ہو رہی ہے، صرف یوں کہہ رہا ہے کہ دونوں کپڑوں میں سے ایک کی بیع ہو رہی ہے تو چونکہ مبیع مجہول ہے بعد میں کپڑا اسپرد کرنے میں جھگڑا ہوگا اس لئے یہ بیع فاسد ہوگی۔ حدیث گزر چکی ہے۔

نوٹ مجلس ختم ہونے سے پہلے ایک کپڑے کی تعیین ہو جائے تو بیع جائز ہو جائے گی۔

اصول مجہول مبیع کی بیع فاسد ہے۔

[۸۹۳](۱۲) کسی نے غلام بیچا اس شرط پر کہ مشتری اس کو آزاد کرے گا یا اس کو مدبر بنائے گا یا اس کو مکاتب بنائے گا یا باندی بیچی اس شرط پر کہ اس کو ام ولد بنائے گا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ بیع کے ساتھ ایسی شرط لگائی جو بیع کے موافق نہیں ہے تو وہ بیع فاسد ہو جائے گی۔ شرط لگانے کی چار صورتیں ہیں (۱) ایسی شرط جو خود بیع کے موافق ہے، مثلا بیع اس لئے کرتا ہوں کہ مشتری کا قبضہ ہو جائے تو شرط خود بیع کا مقتضاء ہے اس لئے اس سے بیع فاسد نہیں ہوگی (۲) ایسی شرط لگائی جو بیع کے موافق نہیں ہے البتہ بائع کا فائدہ ہے، مثلا اس شرط پر گھر بیچتا ہوں کہ دو ماہ تک اس میں رہوں گا۔ اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی (۳) اس شرط پر بیع کرے کہ مشتری کا فائدہ ہو مثلا اس شرط پر خریدتا ہوں کہ مجھے مزید قرض دیں گے۔ اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی (۴) اور شرط کی چوتھی صورت یہ ہے کہ ایسی شرط لگائے جس میں خود مبیع کا فائدہ ہو اور مبیع غلام یا باندی ہو جو قاضی کے قضا تک پہنچ سکتا ہو۔ اس صورت میں مبیع کا فائدہ ہے اور مبیع جھگڑا کر سکتا ہے اس لئے اس صورت میں بھی بیع فاسد ہوگی۔ اوپر کا مسئلہ اسی چوتھی قسم کی شرط پر متفرع ہے۔ کیونکہ غلام کو آزاد کرنے، اس کو مدبر بنانے اور اس کو مکاتب بنانے میں خود مبیع کا فائدہ ہے اور مبیع انسان ہے اس لئے جھگڑا بھی کر سکتا ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

وجہ شریعت کے خلاف شرط لگانے سے حدیث میں منع فرمایا **عن عائشة قالت ... ثم قال علیہ السلام اما بعد ما بال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب الله ؟ ما کان من شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل وان کان مائة شرط قضاء الله احق وشرط الله اوثق** (الف) (بخاری شریف، باب اذا اشترط فی البیع شروطا لاتحل ص ۲۹۰ نمبر ۲۱۶۸ رمسلم شریف، باب بیان ان الولاء لمن اعتق ج اول ص ۴۹۳ نمبر ۱۵۰۴/۳۷۷۷) اس حدیث میں بتایا گیا ہے شریعت کے خلاف جو بھی شرط لگائے اس کا اعتبار نہیں ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے **عبد الله بن عمر قال قال رسول الله علیہ السلام لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع** (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ ج ثانی ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۰۴) اس حدیث میں ہے کہ دو شرطیں لگانا ممنوع ہے۔ اور خاص طور پر جس شرط لگانے سے جھگڑے کا خطرہ ہو اس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا اما بعد! لوگوں کو کیا ہوا کہ شرط لگاتے ہیں ایسی شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے، جو شرط اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ حقدار ہے اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے (ب) آپؐ نے فرمایا نہیں حلال ہے ادھار بیچنا اور بیع کرنا اور نہ دو شرطیں ایک بیع میں۔

امة علی ان یستولدها فالبیع فاسد[۸۹۴] (۱۳)وکذلک لو باع عبدا علی ان یستخدمه البائع شهرا او دارا علی ان یسکنها البائع مدة معلومة او علی ان یقرضه المشتری درهما

اصول ایسی شرط جو بیع کے مخالف ہو اور بائع یا مشتری یا مبیع کا فائدہ ہو اور مبیع انسان ہو تو اس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں انسان کا فطری فائدہ ہے اس لئے ایسی شرط لگا کر بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ کو آزاد کرنے کی شرط سے خریدا تھا جیسا کہ اوپر حدیث گزری (بخاری شریف، نمبر ۲۱۶۸، مسلم شریف نمبر ۱۵۰۴)

لغت یدبرہ : مدبر بنادے، مولی غلام سے کہے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو۔ یکاتبہ : مکاتب بنائے، مولی غلام سے کہے کہ اتنے روپے ادا کرو تو تم آزاد ہو جاؤ گے اس کو مکاتب بنانا کہتے ہیں۔ لیستولدھا : ام ولد بنائے، باندی سے وطی کرے پھر اس سے مولی کا بچہ پیدا ہو تو اس کی ماں یعنی باندی ام ولد ہو جاتی ہے۔ اور مولی کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گی۔ ایسی باندی کو ام ولد کہتے ہیں۔

[۸۹۴] (۱۳) ایسے ہی غلام بیچا اس شرط پر کہ اس سے بائع ایک ماہ تک خدمت لے گا یا گھر بیچا اس شرط پر کہ اس میں بائع ایک مدت معلوم تک ٹھہرے گا یا اس شرط پر کہ مشتری اس کو کچھ درہم قرض دے گا یا اس شرط پر کہ مشتری اس کو ہدیہ دے گا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح اس عبارت میں چار مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ اور چاروں بیوع کے فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بائع بیع کے خلاف شرطیں لگا رہا ہے جس میں بائع کا فائدہ ہے اور پہلے اصول گزر چکا ہے کہ بیع کے خلاف شرط ہو اور بائع یا مشتری کا فائدہ ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ مثلا بائع نے غلام بیچا اس شرط پر کہ غلام ایک ماہ تک بائع کی خدمت کرے گا تو بیع فاسد ہوگی۔ کیونکہ غلام تو بکتے ہی مشتری کا ہو جائے گا تو بائع کی خدمت کیوں کرے؟ یا اس شرط پر گھر بیچا کہ بائع اس میں ایک مدت معلوم مثلا ایک ماہ تک مقیم رہے گا۔ یا اس شرط پر بیچا کہ مشتری بائع کو کچھ پونڈ قرض دے گا یا ہدیہ دیگا تو یہ شرطیں فاسد ہیں اس لئے ان سے بیع فاسد ہو جائے گی۔ اس اثر سے بھی خدمت کی شرط لگانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے **ان عمر ابن الخطاب اعطی امرأة عبد الله بن مسعود جاریة من الخمس فباعتها من عبد الله بن مسعود بالف درهم واشترطت علیها خدمتها فبلغ عمر بن خطاب فقال یا ابا عبد الرحمن اشتریت جاریة امرأتک فاشترطت علیک خدمتها فقال نعم فقال لا تشترها وفیها مثنویة** (سنن للبیہقی، باب من باع حیوانا او غیرہ واستثنی منافعہ مدة ج خامس ص ۵۴۹، نمبر ۱۰۸۳۵) حدیث اور اصول پہلے گزر چکے ہیں۔ اس مسئلہ میں بائع کے فائدے کی شرط ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

فائدہ بعض حضرات کی رائے ہے کہ ایسی شرط پر بائع اور مشتری راضی ہو جائیں تو جائز ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے جابر بن عبد اللہ سے اونٹ خریدا اور حضرت نے شرط لگائی کہ گھر تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا پھر اونٹ آپ کے حوالے کروں گا۔ **حدثنی جابر بن عبد الله انه کان یسیر علی جمل له قد اعیا ... ثم قال بعنیه فبعته بوقیة و استثنیت علیه حملانه الی اهلی فلما بلغت اتیته بالجمل فنقدنی ثمنه (الف)** (مسلم شریف، باب العیر واستثناء رکوبہ ج ثانی

حاشیہ : (الف) حضرت جابر بیان فرماتے ہیں کہ وہ ایک اونٹ پر سوار تھے جو تھک چکا تھا... پھر آپؐ نے فرمایا اس اونٹ کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ حضرت فرماتے ہیں کہ چالیس درہم میں میں نے اس کو بیچ دیا اور میرے اہل یعنی مدینہ تک اس پر سوار ہونا مستثنی کر لیا۔ پس جب مدینہ پہنچا تو اونٹ لیکر آپ کے (باقی اگلے صفحہ پر)

او علی ان یھدی لہ[۸۹۵] (۱۴) ومن باع عینا علی ان یسلمھا الی رأس الشھر فالبیع فاسد[۸۹۶] (۱۵) ومن باع جاریة او دابة الا حملھا فسد البیع [۸۹۷] (۱۶) ومن

نمبر ۱۶۰۰/۴۰۹۸) اس حدیث میں حضرت جابر نے اونٹ بیچا اور اس کی خدمت مدینہ تک سوار ہونے کی اپنے لئے مخصوص کی۔ اور حضورؐ نے جائز کیا اس لئے بائع اور مشتری راضی ہو جائیں تو ایسی شرط سے بیع فاسد نہیں ہوگی۔

[۸۹۵] (۱۴) کسی نے کوئی عینی چیز بیچی اس شرط پر کہ اس کو ایک مہینے میں سپرد کرے گا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح ایک ہے بیع سلم اس میں مبیع مہینوں کے بعد دی جاتی ہے لیکن یہ فوری بیع ہے۔ مبیع سامنے موجود ہے جس کو بیع عین کہتے ہیں۔ اس میں جیسے ہی بیع ہوئی مشتری مبیع کا مالک بن گیا۔ اس لئے اب یہ شرط لگانا کہ ایک مہینے کے بعد مبیع سپرد کریں گے شرط فاسد ہے اور بائع کا اس میں فائدہ ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔ اس حدیث میں اس کی ممانعت ہے عن جابر بن عبد اللہ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن المحاقلة ... وقال آخر بیع السنین ثم اتفقوا وعن الثنیا (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المخابرة ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۴)

لغت عین : بیع سلم کے خلاف فوری بیع۔ رأس الشھر : مہینے کے شروع میں یا ایک مینہ پر۔

[۸۹۶] (۱۵) کسی نے باندی بیچی یا جانور بیچا مگر ان کا حمل تو بیع فاسد ہے۔

تشریح باندی بیچی اور کہا کہ مگر اس کا حمل نہیں بیچتا ہوں، اس کو بیع سے استثناء کر دیا۔ اسی طرح جانور بیچا لیکن اس کے حمل بیع سے استثناء کر دیا تو بیع فاسد ہوگی۔

وجہ (۱) بچہ جب تک پیدا نہیں ہوا ہے ماں کے عضو کی طرح جز ہے۔ اس لئے جب ماں کی بیع ہوگی تو عضو اور جز کی بھی بیع ہوگی۔ اس لئے یہ شرط لگانا کہ ماں کی بیع کرتا ہوں اور اس کے حمل کی بیع نہیں کرتا ہوں شرط فاسد ہے۔ اس لئے بیع فاسد ہوگی (۲) حدیث میں گزرا عن جابر بن عبد اللہ قال نھی رسول اللہ ﷺ ... وعن الثنیا ورخص فی العرایا (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المخابرة ج ثانی ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۴ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی النھی عن الثنیا ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلاف شریعت استثناء کرنا صحیح نہیں ہے اس سے بیع فاسد ہوگی۔

نوٹ وراثت اور وصیت میں باندی کا حمل الگ جز شمار کیا جاتا ہے۔

[۸۹۷] (۱۶) کسی نے کپڑا خریدا اس شرط پر کہ بائع اس کو کاٹ دیگا اور اس کا قمیص سی دے گا یا قبا سی دے گا، یا چپل خریدی اس شرط پر کہ اس کو برابر کر دے گا یا پٹی لگا دے گا تو بیع فاسد ہوگی۔

تشریح کپڑا خریدا اور یہ بھی شرط لگائی کہ بائع اس کو کاٹ کر قمیص سی دیگا یا قبا سی دیگا تو خریدنے کے علاوہ یہ الگ شرط ہے جس میں مشتری کا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پاس آیا تو آپؐ نے مجھے اس کی نقد قیمت دی (الف) آپؐ نے محاقلہ کی بیع سے منع فرمایا۔ اور دوسرے راوی نے فرمایا کئی سال کی مدت پر بیع کرنے سے منع فرمایا۔ پھر راوی متفق ہیں کہ مبیع کے استثناء کرنے سے منع فرمایا (ب) آپؐ نے بیع میں استثناء کرنے سے منع فرمایا اور عرایا میں رخصت دی۔

اشتری ثوبا علی ان یقطعه البائع ویخیطه قمیصا او قباء او نعلا علی ان یحذوها او یشرکها فالبیع فاسد [۸۹۸](۱۷) والبیع الی النیروز والمهرجان وصوم النصاری وفطر

فائدہ ہے۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ بیع کے خلاف ایسی شرط لگائی جس میں کسی کا فائدہ ہوتو بیع فاسد ہو جائے گی۔یہاں مشتری کا فائدہ ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

وجہ اس صورت میں ایک تو بیع ہوئی اور الگ سے کاٹنے اور سینے کی شرط لگائی تو یہ اجارہ ہوا اور ایک ہی بیع میں دو معاملہ کرنا ممنوع ہے۔یہ تو ایک بیع میں دو بیع کرنے کی طرح ہوا۔اور حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من باع بیعتین فی بیعة فله او کسهما او الربا** (الف) (ابوداؤد، باب فیمن باع بیعتین فی بیعۃ ص ۱۳۴ نمبر ۳۴۶۱ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۱) اس حدیث میں ایک بیع دو بیوع گھسانے سے منع فرمایا گیا ہے۔اس لئے بیع کے ساتھ اجارہ کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

نوٹ اس مسئلہ کی شرط میں مشتری کا فائدہ ہے اور ایک بیع کے ساتھ دوسری بیع یعنی اجارہ کی شرط لگائی ہے اس لئے بیع فاسد ہوئی۔

فائدہ کچھ ملکوں میں یہ رواج ہے کہ چپل کو برابر کر کے اور تسمہ لگا کر ہی دیتے ہیں۔اور یہ عام متعارف ہے کہ دکان سے چپل یا جوتا اسی وقت خریدے گا جب وہ بنا کر اور تسمہ لگا کر دے اس لئے ان ملکوں میں عام تعارف کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوگی۔اس کو بیٹھ بنوانا کہتے ہیں۔

لغت نعل : جوتا یا چپل۔ یحذو : ایک چپل کو دوسرے چپل کے برابر کاٹنے کو یحذو کہتے ہیں۔ یشرک : چپل میں پٹی لگانا یا چپل کو گانٹھنا۔

[۸۹۸](۱۷) اور بیچنا نیروز کے دن تک اور مہرجان کے دن تک اور نصاری کے روزے کے دن تک اور یہودی کے افطار کے دن تک جبکہ بائع اور مشتری ان دونوں کو نہ جانتے ہوں تو بیع فاسد ہے۔

تشریح یوں کہا کہ میں نیروز کے دن بیع کرتا ہوں، شمسی سال کے پہلے دن کو نیروز کہتے ہیں۔اور پارسیوں کے عید کے دن کو مہرجان کہتے ہیں۔اب ان دنوں میں بیع کیا اور بائع اور مشتری کو یہ معلوم نہیں ہے کہ نیروز کس دن ہے اور مہرجان کس دن ہے تو وقت مجہول ہو گیا اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

وجہ حدیث میں گزر چکا ہے کہ بیع میں اجل معلوم ہونا چاہئے۔**عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینة وهم یسلفون فی الثمار السنتین والثلاث فقال اسلفوا فی الثمار فی کیل معلوم الی اجل معلوم** (ب) (بخاری شریف، باب السلم الی اجل معلوم ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۳ر مسلم شریف، باب السلم ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع میں اجل معلوم ہو تب بیع جائز ہوگی۔ ورنہ مشتری جلدی مانگے گا اور بائع مبیع دیر کر کے دے گا۔اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے ایک بیع میں دو بیع کی تو اس کے لئے کم درجہ والی ہے یا سود کی شکل والی ہے (ب) آپؐ مدینہ تشریف لائے تو وہ لوگ دو سال تین سالوں کے لئے پھلوں کی بیع کرتے تھے تو آپؐ نے فرمایا پھلوں میں بیع کرو، کیل معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

اليهود اذا لم يعرف المتبايعان ذلك فاسد[٨٩٩] (١٨) ولا يجوز البيع الى الحصاد والدياس والقطاف وقدوم الحاج فان تراضيا باسقاط الاجل قبل ان يأخذ الناس فى الحصاد والدياس وقبل قدوم الحاج جاز البيع [٩٠٠](١٩) واذا قبض المشترى المبيع

اصول اجل مجہول ہوتو بیع فاسد ہوگی۔

نوٹ اگر بائع یا مشتری کو نیروز اور مہر جان یا صوم نصاری یا افطار یہود کا وقت اور تاریخ معلوم ہو تو اجل معلوم ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہوگی۔

[٨٩٩](١٨) نہیں جائز ہے بیع کھیتی کٹنے تک اور گاہنے تک اور پھل توڑنے تک اور حاجی کے آنے تک، پس اگر ان مدتوں کے ساقط کرنے پر بائع اور مشتری راضی ہو جائیں لوگوں کے کٹنے میں لگنے سے پہلے اور گاہنے میں لگنے سے پہلے اور حاجی کے آنے سے پہلے تو بیع جائز ہو جائیگی۔

تشریح کسی نے یوں کہا کہ کھیتی کٹنے کے دن مبیع دوں گا، یا کھتی کٹنے کے دن بیع کروں گا یا گیہوں گاہنے کے دن مبیع دونگا یا گیہوں گاہنے کے دن بیع کروں گا یا پھل توڑنے کے دن بیع کروں گا یا مبیع دوں گا یا حاجی آنے کے دن بیع کروں گا یا مبیع دوں گا تو یہ دن متعین نہیں ہیں۔ پہلے بھی ہو سکتے ہیں اور بعد میں بھی۔ کس دن کھیتی کاٹے گا معلوم نہیں۔ اس لئے اجل اور مدت مجہول ہونے کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہے۔ اگر یہ دن متعین ہو جائے تو جائز ہو جائے گی۔ ہاں! اگر یہ دن آنے سے قبل ان مدتوں کو ساقط کر دے تو فساد شامل ہونے سے پہلے ساقط ہو گیا اس لئے بیع جائز ہو جائے گی۔ اصل قاعدہ یہ ہے کہ مدت میں جہالت ہوگی تو بیع فاسد ہوگی اور جھگڑا ہونے سے پہلے یا فساد کے گھسنے سے پہلے جہالت ساقط ہو جائے تو بیع جائز ہو جائے گی۔ مسئلہ نمبر ١٧ کی حدیث (بخاری شریف نمبر ٢٢٥٣ رمسلم شریف نمبر ١٦٠۴) کے علاوہ یہ اثر بھی ہے۔ عن ابن عباس قال لا سلف الى العطاء ولا الى الحصاد ولا الى الاندر (الف) (سنن للبیہقی، باب لا یجوز السلف حتی یکون بثمن معلوم فی کیل او وزن معلوم الی اجل ج سادس، ص ۴١، نمبر ١١١١۵) اس اثر میں ہے کہ کاٹنے تک اور گاہنے تک کی بیع صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ متعین نہیں ہے کہ کس دن کھیتی کاٹے گا اور کس دن گاہے گا۔

نوٹ ان شرطوں میں اجل مجہول تو ہے لیکن کم مجہول ہے اس لئے اگر وقت سے پہلے جہالت ساقط کر دے تو بیع جائز ہو جائے گی۔

لغت الحصاد : کھیتی کاٹنا۔ دیاس : کھیتی کو گاہنا۔ قطاف : پھل توڑنا۔

﴿ حکم البیع الفاسد ﴾

[٩٠٠](١٩) اگر مشتری نے بیع فاسد میں بائع کے حکم سے مبیع پر قبضہ کر لیا اور عقد میں دونوں عوض مال ہیں تو مشتری بیع کا مالک ہو جائے گا۔ اور اس پر مبیع کی قیمت لازم ہوگی۔ اور بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ بیع کو فسخ کر دے۔ پس اگر مشتری نے مبیع کو بیچ دیا تو اس کی بیع نافذ ہو جائے گی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا عطیہ ملنے تک بیع نہ کریں نہ کھیتی کٹنے تک اور نہ گاہنے تک۔ الاندر : کاشت کو گاہنا۔

فی البیع الفاسد بامر البائع وفی العقد عوضان کل واحد منهما مال ملک المبیع ولزمته قیمتہ ولکل واحد من المتعاقدین فسخه فان باعه المشتری نفذ بیعه[۱۹۰](۲۰) ومن

تشریح تین شرطیں پائی جائیں تو بیع فاسد میں مشتری مبیع کا مالک بنتا ہے (۱) مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا ہو (۲) بائع کی رضامندی سے قبضہ کیا ہو (۳) مبیع اور ثمن دونوں ہی مال ہوں۔ یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو مشتری مبیع کا مالک بنتا ہے۔ اور اس پر مبیع کی بازاری قیمت لازم ہوگی

وجہ (۱) بیع فاسد میں صلب عقد اور اصل عقد میں خامی نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں جانب مال ہیں۔ اس لئے مالک ہو جائیں گے۔ یہاں خامی تو شرط میں ہے کہ کہیں مدت مجہول ہے۔ کسی بیع میں بائع کا فائدہ تو کسی بیع میں مشتری کا فائدہ ہے۔ اور کسی بیع میں مبیع بائع کی ملکیت سے علیحدہ نہیں ہے جس کی وجہ سے بیع فاسد کی گئی ہے۔ کیونکہ کسی میں دھوکہ ہے اور کہیں جھگڑا ہونے کا خطرہ ہے۔ اس کی پیش بندی کی وجہ سے بیع فاسد کی گئی۔ لیکن اگر جھگڑا نہیں ہوا اور آخر مشتری نے قبضہ کر ہی لیا تو آخر بیع جائز قرار دیدی جائے گی (۲) اس کا ثبوت حدیث میں ہے کہ آپؐ جنازے سے واپس آرہے تھے۔ ایک عورت نے دعوت کی۔ انہوں نے بکری خریدنے کے لئے آدمی بھیجا لیکن نہیں ملی۔ آخر ایک عورت نے اپنے شوہر کی بکری بغیر اس کی اجازت کے بیچ دی۔ اور دعوت کرنے والی نے ذبح کر کے حضور کو کھلانے کے لئے پیش کی۔ آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اس بکری کے خریدنے میں خامی ہے۔ عورت کو پوچھنے پر معلوم ہوا مالک کی اجازت کے بغیر بکری دی گئی ہے۔ اور بیع فاسد ہے۔ لیکن آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ عورت کی ملکیت نہیں ہوئی بلکہ یوں فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ قبضہ کے بعد عورت کی ملکیت تو ہوگئی اس لئے قیدیوں کو کھلا دو۔ لیکن اس میں کراہیت ضرور ہے اس لئے خود آپؐ نے نوش نہیں فرمایا۔ عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی جنازة ... فارسلت الی امرأته فارسلت الی بها فقال رسول اللہ ﷺ اطعمیه الاساری (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی اجتناب الشبہات ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۳۲) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ بیع فاسد میں قبضہ کے بعد مشتری مبیع کا مالک بن جائے گا۔

بیع فاسد میں مشتری نے قبضہ کی ہوئی مبیع کو دوسرے کے ہاتھ میں بیچ دیا تو دوسری بیع نافذ ہوگی۔ کیونکہ پہلی بیع کے اصل عقد میں خامی نہیں تھی۔ صرف اس کے وصف اور شرط میں خامی تھی اور وہ بھی جھگڑا اٹھے بغیر نمٹ گئی تو پہلی بیع بھی نافذ ہوگئی (۲) پہلی بیع کی خامی میں شریعت کا حق تھا اور دوسری بیع میں بندے کا حق ہے۔ اور بندے کا حق مقدم ہے اس لئے بندے کے حق کی وجہ سے شریعت کا چھوٹا موٹا حق ساقط ہو جائے گا۔ اس لئے مشتری کی بیع نافذ ہو جائے گی۔

نوٹ اور صلب عقد اور اصل عقد میں خامی ہو تو بیع باطل ہوگی۔ اس صورت میں بائع اور مشتری کی رضامندی کے باوجود بھی مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوگا۔ بلکہ بیع ہوئی ہی نہیں۔

[۹۰۱] (۲۰) کسی نے بیع میں آزاد اور غلام کو جمع کیا یا ذبح شدہ بکری اور مردہ بکری کو جمع کیا تو بیع دونوں میں باطل ہے۔

حاشیہ : (الف) فرمایا ہم حضور کے ساتھ ایک جنازے میں نکلے... میں نے اس کی بیوی کے پاس خبر بھیجی کہ بکری دے دو تو انہوں نے بکری میرے پاس بھیج دی۔ پس آپؐ نے فرمایا یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔

جمع بين حر و عبد او شاة ذكية و ميتة بطل البيع فيهما[۹۰۲](۲۱) ومن جمع بين عبد ومدبر او بين عبده وعبد غيره صح البيع فى العبد بحصته من الثمن.

وجہ آزاد مبیع ہی نہیں ہے۔اسی طرح مردہ بکری مبیع ہی نہیں ہے اس لئے ان کی بیع ہی نہیں ہوئی۔اور عقد ایک ہے اس لئے اس کا اثر دوسری مبیع یعنی غلام اور ذبح شدہ بکری پر بھی پڑے گا اور ان کی بیع بھی نہیں ہوگی (۲) آزاد اور مردہ بکری کی بیع نہ ہونے کی وجہ سے غلام اور ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جہالت آگئی اس لئے غلام اور ذبح شدہ بکری کی بیع بھی نہیں ہوگی۔

اصول یہاں یہ اصول ہے کہ آزاد اور مردہ بکری کی بیع ہوئی ہی نہیں اس لئے ان کے اثر سے غلام اور ذبح شدہ بکری کی بیع بھی فاسد ہوگی۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام کی قیمت الگ بیان کی ہو اور آزاد کی قیمت الگ بیان کی ہو تو غلام کی بیع ہو جائے گی چاہے دونوں ایک عقد میں بکے ہوں۔

وجہ کیونکہ دونوں کی قیمت الگ الگ ہونے کی وجہ سے آزاد کی بیع نہیں ہوئی تو غلام کی قیمت میں جہالت نہیں رہی اس لئے غلام کی بیع فاسد نہیں ہوگی۔اسی طرح ذبح شدہ بکری کی قیمت الگ بیان کی گئی ہو تو مردہ بکری کی بیع نہیں ہوئی تب بھی ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جہالت نہیں رہی اس لئے ذبح شدہ بکری کی بیع ہا جائے گی۔

لغت ذکیۃ : ذبح کی ہوئی۔

[۹۰۲](۲۱) کسی نے غلام اور مدبر کو جمع کیا یا اپنے غلام اور غیر کے غلام کو بیع میں جمع کیا تو غلام میں بیع صحیح ہوگی اس کی قیمت کے حصے کے ساتھ۔

تشریح غلام اور مدبر غلام دونوں کو ایک بیع میں جمع کر دیا۔یا اپنے غلام کو اور دوسرے کے غلام کو بغیر اس کی اجازت کے ایک بیع میں جمع کر دیا تو مدبر کی بیع تو نہیں ہوگی لیکن خالص غلام کی بیع ہو جائے گی۔اور جو قیمت اس کے حصے کی ہوگی وہ لازم ہوگی۔مثلا دو ہزار کے غلام اور مدبر تھے تو خالص غلام کی قیمت ایک ہزار رہ گئی تو ایک ہزار لازم ہوں گے۔اسی طرح دوسرے کا غلام اس کی اجازت کے بغیر بیع میں داخل نہیں ہوگا۔لیکن اپنے غلام کی بیع ہو جائے گی۔اور جو اس کے حصے کی قیمت ہے، وہ مشتری پر لازم ہوگی۔

وجہ مدبر کسی نہ کسی امام کے نزدیک غلام کی طرح بکنے کے قابل ہے اس لئے وہ مال ہے۔حدیث میں ہے عن جابر قال باع النبی ﷺ المدبر (الف) (بخاری شریف، باب بیع المدبر ص ۲۹۷ نمبر ۲۲۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر غلام بکنے کے قابل ہے۔اس لئے اس کو خالص غلام کے ساتھ ملایا تو بیع ہو گئی۔اب بعد میں مدبر کی بیع نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت الگ ہوگی اور کم ہوگی۔اس لئے غلام کی بیع ہو گئی۔یہی حال اپنے غلام اور دوسرے غلام کو ملانے کا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع کے ساتھ دوسری مبیع مال ہے اور بکنے کے قابل ہے۔اس لئے دونوں مبیع بکی لیکن کسی وجہ سے دوسری مبیع نہ بک سکی تو پہلی مبیع بیع میں داخل ہوگی۔اور اس کی قیمت اس کے حصے کے مطابق لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آپ نے مدبر غلام کو بیچا ہے۔

[۹۰۳](۲۲) ونهی رسول الله ﷺ عن النجش [۹۰۴] (۲۳) وعن السوم علی سوم

نوٹ مسئلہ نمبر ۲۰ کا اصول یہ تھا کہ از سرِ نو آزاد کی بیع ہی نہیں ہوئی تھی اس لئے اس کے ساتھ غلام کی بیع فاسد ہوئی۔ اور یہاں یہ ہے کہ مدبر من وجہ مال ہونے کی وجہ سے بیع ہوگئی اور بعد میں قیمت کی تقسیم ہوئی۔

[۹۰۳] (۲۲) اور روکا حضورؐ نے نجش کرنے سے۔

تشریح نجش کا مطلب یہ ہے کہ خود کو خریدنا نہیں ہے لیکن قیمت لگا کر خواہ مخواہ اس کی قیمت بڑھا رہا ہے تاکہ دوسرا آدمی مہنگا خریدے۔ اس کو دلالی کرنا کہتے ہیں ایسا کرنا مکروہ ہے۔

وجہ (۱) اس میں دوسرے کو نقصان دینا ہے اس لئے مکروہ ہے (۲) حدیث میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے عن ابن عمر قال نهی النبی ﷺ عن النجش (الف) (بخاری شریف، باب النجش ومن قال لا یجوز ذلک البیع ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۲ رمسلم شریف، باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیہ وسومہ علی سومہ وتحریم النجش وتحریم التصریۃ ص ۳ نمبر ۱۵۱۶ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ النجش ص ۲۴۴ نمبر ۱۳۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دلالی کرنا ممنوع ہے تاہم بیع ہو جائے گی۔ کیونکہ صلب عقد میں خامی نہیں ہے۔

[۹۰۴] (۲۳) اور روکا دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ کرنے سے۔

تشریح دوسرا آدمی بیع کے لئے بھاؤ کر رہا ہے۔ اب وہ خریدنے کے قریب ہے کہ آپ نے بھاؤ کر دیا یہ مکروہ ہے۔

وجہ پہلے بھاؤ کرنے والے کو متوحش کرنا ہے اور نقصان دینا ہے اس لئے مکروہ ہے (۲) حدیث میں ایسا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ عن ابی هریرة قال نهی رسول الله ﷺ ان یبیع حاضر لباد ولا تناجشوا ولا یبیع الرجل علی بیع اخیه (ب) (بخاری شریف، باب لا یبیع علی بیع اخیہ ولا یسوم علی سوم اخیہ حتی یأذن لہ او یترک ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۰ رمسلم شریف، باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیہ وسومہ علی سومہ ص ۳ نمبر ۱۵۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بھاؤ کر رہا ہو اور مائل ہو چکا ہو تو اس پر بھاؤ کرنا مکروہ ہے۔

نوٹ اگر ابھی مائل نہ ہوا ہو تو دوسرا آدمی بھاؤ کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بیع من یزید ہے۔ اور حدیث میں اس کی اجازت ہے۔ عن انس بن مالک ان رسول الله باع حلسا وقدحا وقال من یشتری هذا الحلس والقدح فقال رجل اخذ تهما بدرهم فقال النبی ﷺ من یزید علی درهم ؟من یزید علی درهم ؟ فاعطاه رجل درهمین فباعهما منه (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی بیع من یزید ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۸) اس حدیث میں آپؐ نے بیع من یزید کی اور کئی آدمیوں نے بھاؤ پر بھاؤ کئے لیکن چونکہ کوئی آدمی بالکل خرید لینے پر مائل نہیں تھا اس لئے دوسرے کے لئے بھاؤ کرنا جائز تھا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے نجش یعنی دلالی کرنے سے منع فرمایا (ب) آپؐ نے منع فرمایا اس بات سے کہ شہر والے دیہات والے سے بیچے اور نہ دلالی کرے۔ اور نہ آدمی بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ کرے (ج) آپؐ نے جھول اور پیالہ بیچا اور فرمایا اس جھول اور پیالے کو کون خریدے گا؟ ایک آدمی نے کہا میں نے ان دونوں کو ایک درہم میں لیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟ ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟ تو ایک آدمی نے آپ کو دو درہم دیئے تو آپؐ نے ان دونوں کو اس آدمی سے بیچ دیا۔

غیرہ[۹۰۵] (۲۴) وعن تلقی الجلب[۹۰۶] (۲۵) وعن بیع الحاضر للبادی.

اصول کسی کو نقصان دینا یا متوحش کرنا مکروہ ہے۔ حدیث لاضرر ولا ضرار گزر چکی ہے۔

لغت السوم : بھاؤ کرنا۔

[۹۰۵](۲۴)اور روکا آپؐ نے سوداگروں سے مل جانے سے۔

تشریح تلقی کا ترجمہ ہے آگے بڑھ کر کسی سے ملنا۔ اور جلب کا ترجمہ ہے کھینچنا یا منفعت کو کھینچنا۔ یہاں تلقی الجلب کا مطلب یہ ہے کہ باہر سے سوداگر سامان بیچنے آئے تو شہر سے باہر جا کر ان سے ملاقات کرے اور کم داموں میں تمام سامان خرید لے۔ تاکہ بعد میں وہ سامان شہر والوں کو مہنگی قیمت میں بیچے۔ اس کو 'تلقی الجلب' کہتے ہیں۔ اس کے مکروہ ہونے کی۔

وجہ (۱) کبھی سوداگر کو دھوکہ دیا جاتا ہے کہ شہر کی صحیح قیمت سے آگاہ نہیں کیا جاتا اور سوداگر سے مال سستا خرید لیتا ہے۔ اس میں سوداگروں کا نقصان ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے مکروہ ہے (۲) کبھی یہ ہوتا ہے کہ شہر والوں کو مثلا غلوں کی سخت ضرورت ہے، باہر سے آیا ہوا غلہ کچھ مخصوص تاجروں نے خرید لیا اب شہر والوں کو غلہ نہیں ملے گا یا بہت مہنگا ملے گا۔ اس صورت میں شہر والوں کا نقصان ہوگا۔ اس لئے بھی تلقی الجلب مکروہ ہے (۳) حدیث میں تلقی الجلب سے منع فرمایا گیا ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال نھی النبی ﷺ عن التلقی وان یبیع حاضر لباد (الف) (بخاری شریف، باب النھی عن تلقی الرکبان ص ۲۸۹ نمبر ۲۱۶۲ رمسلم شریف، باب تحریم تلقی الجلب ص ۴ نمبر ۱۵۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے تلقی الجلب سے منع فرمایا ہے۔

اصول اہل شہر کو نقصان ہو تو یہ بیع مکروہ ہے۔

نوٹ اگر اہل شہر کو اس غلے کی ضرورت نہیں اور آنے والے قافلے کو بھی قیمت بتانے میں دھوکہ نہیں دیا تو پھر تلقی الجلب مکروہ نہیں ہے۔

[۹۰۶](۲۵)اور آپؐ نے منع فرمایا شہر والوں کی بیع دیہات والوں سے۔

تشریح شہر والوں کو مثلا غلوں کی سخت ضرورت ہے اس کے باوجود تاجر دیہات سے آنے والے لوگوں سے زیادہ قیمت میں غلہ بیچ رہے ہیں تو یہ مکروہ ہے۔

وجہ کیونکہ اس سے شہر والوں کو نقصان ہوگا۔ وہ محتاج ہیں اور ان کا زیادہ حق ہے (۲) حدیث میں منع فرمایا گیا ہے عن ابی ہریرۃ قال نھی النبی ﷺ عن التلقی وان یبیع حاضر لباد (ب) (بخاری شریف، باب النھی عن تلقی الرکبان ص ۲۸۹ نمبر ۲۱۶۲ رمسلم شریف، باب تحریم بیع الحاضر للبادی ص ۴ نمبر ۱۵۲۰) اس حدیث میں منع فرمایا گیا ہے کہ شہر والے دیہات والوں سے ضرورت کے وقت سامان فروخت کرے۔ اور شہر والوں کو ضرورت نہ ہو تو دیہات والوں سے بیچ سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے سألت ابن عباس ما معنی قولہ لا یبیعن حاضر لباد؟ قال لا یکون لہ سمسار (ج) (بخاری شریف، باب النھی عن تلقی الرکبان ص ۲۸۹ نمبر ۲۱۶۳ رمسلم شریف، باب

حاشیہ : (الف) آپؐ نے تلقی بالجلب سے روکا اور اس سے بھی کہ شہر والے دیہات والے سے بیچے (ب) آپؐ نے تلقی بالجلب سے روکا اور اس سے بھی کہ شہر والے دیہات والے سے بیچے (ج) حضرت عبداللہ بن عباس سے لا یبیعن حاضر لباد کا مطلب پوچھا تو فرمایا کہ ان کے لئے دلال نہ بنے، سمسار دلال کو کہتے ہیں۔

[۹۰۷] (۲۶) والبیع عند اذان الجمعة [۹۰۸] (۲۷) و کل ذلک یکرہ ولا یفسد به البیع [۹۰۹] (۲۸) ومن ملک مملوکین صغیرین احدهما ذو رحم محرم من الآخر لم

تحریم بیع الحاضر للبادی ص۴ نمبر ۱۵۲۱) اس اثر میں عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ بیچنے والا تاجر دلال نہ بنے کہ زیادہ قیمت میں بیچے، پس اگر دلال نہیں بنتا ہے تو شہر والے دیہات والوں سے سامان بیچے تو جائز ہوگا مکروہ نہیں ہوگا۔

لغت حاضر : شہر والے جو حاضر رہتے ہیں۔ باد : دیہات والے۔

[۹۰۷] (۲۶) اور منع کیا جمعہ کی اذان کے وقت بیع کرنے سے۔

تشریح جمعہ کی اذان ہوگئی ہو اس وقت بیع کرنا مکروہ ہے۔

وجہ آیت میں کہا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے وقت بیع چھوڑ دینا چاہئے اور جمعہ کی طرف دوڑ پڑنا چاہئے۔ یا ایها الذین آمنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع (الف) (آیت ۹ سورۃ الجمعۃ ۶۲) اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے وقت بیع چھوڑ دے۔ اس لئے اسوقت بیع مکروہ ہے۔

[۹۰۸] (۲۷) یہ سب مکروہ ہیں لیکن ان سے بیع فاسد نہیں ہوگی۔

تشریح اوپر پانچ صورتیں بیان کی گئی ہیں جن سے بیع مکروہ ہوگی لیکن بیع فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ اوپر کی پانچوں صورتوں میں خامی صلب عقد اور اصل عقد میں نہیں ہے بلکہ شرائط اور دیگر چیزوں میں ہے اس لئے بیع فاسد نہیں ہوگی بلکہ صرف مکروہ ہوگی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مشتری مبیع پر قبضہ کر لے تو مشتری مبیع کا مالک ہو جائے گا البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے نہیں کرنا چاہئے۔ ہر ایک مسئلے کی وجہ اور تشریح گزر چکی ہے۔

[۹۰۹] (۲۸) کوئی دو چھوٹے مملوک کا مالک بنا، ان میں سے ایک دوسرے کا ذی رحم محرم ہے تو دونوں کے درمیان تفریق نہ کی جائے۔ ایسے ہی جبکہ ان میں سے ایک بڑا ہو اور دوسرا چھوٹا ہو۔ پس اگر دونوں کو علیحدہ کیا تو یہ مکروہ ہے۔ اور بیع جائز ہوگی۔ اور دونوں بڑے ہوں تو دونوں کو جدا کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

تشریح دونوں مملوک چھوٹے ہوں، یا ایک چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا ہو اور دونوں ذی رحم محرم ہوں تو ان کو بیچ کر یا ہبہ کر کے جدا کرنا مکروہ ہے۔

وجہ (۱) چھوٹا دوسرے سے انسیت حاصل کرتا ہے مثلا ماں اور بیٹا ہے تو ماں کو بیٹے سے انسیت ہوتی ہے اور پرورش کرتی ہے، اب اگر جدا کر دیں تو دونوں پریشان ہوں گے اور پرورش میں بھی کمی آئے گی۔ اس لئے دونوں کو جدا کرنا مکروہ ہے، تاہم دونوں مولی کے مملوک ہیں اس لئے بیچا اور ہبہ کیا تو جائز ہو جائے گا (۲) اس میں مملوک کو ضرر ہے اس لئے مکروہ ہے (۳) حدیث میں ہے عن ابی ایوب قال سمعت رسول الله ﷺ یقول من فرق بین الوالدة وولدها فرق الله بینه وبین احبته یوم القیامة (نمبر ۱۲۸۳) دوسری حدیث میں ہے عن علی قال وهب لی رسول الله ﷺ غلامین اخوین فبعت احدهما فقال لی رسول الله ﷺ یا علی ما فعل

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ و اور بیع چھوڑ دو۔

يفرق بينهما وكذلك اذاكان احدهما كبيرا والآخر صغيرا فان فرق بينهما كره ذلك وجاز البيع وان كانا كبيرين فلا بأس بالتفريق بينهما.

غلامک فاخبرته فقال رده رده (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ الفرق بین الاخوین او بین الوالدۃ و ولدھا فی البیع ص ۲۴۱ نمبر ۱۲۸۴) اس حدیث میں والدہ اور بھائی کو جدا کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے چھوٹے مملوک کے درمیان جدائیگی کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر دونوں غلام بڑے ہوں تو جدا کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضورؐ سے کہتے سنا، جس نے والدہ اور اس کے بچے کے درمیان تفریق کی اللہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان قیامت میں تفریق کرے گا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے دو غلام دیئے جو دونوں بھائی تھے۔ پس میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا۔ حضورؐ نے مجھے کہا اے علی! اپنے غلام کو کیا کیا؟ میں نے ان کو بیچنے کی خبر دی، آپؐ نے فرمایا اس کو واپس کرلو اس کو واپس کرلو۔

﴿باب الاقالة﴾

[٩١٠](١)الاقالة جائزة فی البیع للبائع والمشتری بمثل الثمن الاول[٩١١] (٢) فان

﴿باب الاقالة﴾

ضروری نوٹ اقالہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع بیچنے کے بعد نادم ہو جائے کہ میں نے غلط بیچ دیا، پھر مشتری سے کہے کہ مجھے مبیع واپس کر دیں اور ثمن واپس لے لیں اور مشتری ایسا کر دے تو اس کو اقالہ کہتے ہیں۔ یا مشتری خریدنے پر نادم ہو جائے اور بائع سے کہے کہ مبیع واپس لے لیں اور ثمن دے دیں اور بائع ایسا کرے تو اس کو اقالہ کہتے ہیں۔ ایسا کرنا جائز ہے بلکہ افضل ہے۔ حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن ابی هریرة قال قال رسول الله من اقال مسلما اقاله الله عثرته (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی فضل الاقالة ج ثانی ص ١٣٤ نمبر ٣٤٦٠ / ابن ماجہ شریف، باب الاقالة ص ٣١٥ نمبر ٢١٩٩) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقالہ کرنا جائز ہے بلکہ سامنے والے کی مجبوری ہو تو اقالہ یعنی مبیع واپس کرنے میں ثواب ملے گا۔

[٩١٠](١) اقالہ جائز ہے بیع میں بائع کے لئے اور مشتری کے لئے ثمن اول کے مثل سے۔

تشریح بائع اور مشتری دونوں کے لئے اقالہ جائز ہے۔ لیکن جس قیمت میں بیع ہوئی تھی بائع اتنی ہی قیمت واپس کریگا، کم بھی نہیں اور زیادہ بھی نہیں۔ بائع نے جتنی قیمت پہلے لی ہے وہی قیمت واپس کرے، اسی کو بمثل الثمن الاول کہا ہے۔

وجہ (١) بائع اور مشتری کے درمیان کوئی نئی بیع نہیں ہے کہ قیمت زیادہ لے یا کم لے بلکہ اقالہ کا مطلب ہے۔ پہلے ہی بیع کو توڑنا ہے اس لئے پہلی ہی قیمت واپس کرے گا (٢) عن ابن عباس انه كره ان يبتاع البيع ثم يرده ويرد معه دراهم وفی هذا دلالة علی ان الاقالة فسخ فلا تجوز الا برأس المال (ب) (سنن للبیہقی، باب من اقال المسلم الیہ بعض المسلم وقبض بعضا ج سادس ص ٤٥، نمبر ١١١٣٣) عن الاسود انه كره ان يردها و يرد معها شيئا (ج) (مصنف عبد الرزاق ج ثامن ص ١٩ نمبر ١٤١٣١) اس اثر میں حضرت عبد اللہ بن عباس نے ثمن کے ساتھ مزید کچھ دینے سے کراہیت کا اظہار کیا ہے۔

اصول اقالہ بیع اول کا فسخ ہے۔

[٩١١](٢) پس اگر پہلی قیمت سے زیادہ کی شرط لگائی یا اس سے کم کی تو شرط باطل ہے، اور ثمن اول ہی لوٹایا جائے گا۔

تشریح مثلا چار سو میں مبیع خریدی تھی اور مشتری نے اقالہ کے لئے پانچ سو درہم مانگے یا بائع نے کہا کہ اقالہ کے لئے تین سو دوں گا تو یہ کمی زیادتی کی شرط باطل ہے۔ البتہ اس میں شرط لگانے سے اقالہ باطل نہیں ہوگا بلکہ ثمن اول ہی پر اقالہ ہوگا۔

وجہ اوپر ابن عباس کا اثر گزر چکا ہے کہ زیادہ دینا وہ مکروہ سمجھتے تھے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی نے مسلمان سے اقالہ کیا تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا (ب) حضرت عبد اللہ ابن عباس ناپسند کرتے تھے کہ آدمی بیع کرے پھر اس کو واپس لوٹائے اور اس کے ساتھ کچھ درہم لوٹائے۔ اس قول میں اس بات پر دلالت ہے کہ اقالہ کرنا بیع کو فسخ کرنا ہے۔ اس لئے نہیں جائز ہے مگر رأس المال یعنی پہلی قیمت کے ساتھ (ج) حضرت اسود ناپسند فرماتے تھے کہ مبیع واپس کرے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی واپس کرے۔

شرط اکثر منہ فالشرط باطل ویرد بمثل الثمن الاول[۹۱۲] (۳) وھی فسخ فی حق المتعاقدین بیع جدید فی حق غیرھما فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ[۹۱۳] (۴) وھلاک الثمن لا یمنع صحۃ الاقالۃ وھلاک المبیع یمنع صحتھا[۹۱۴] (۵) وان

نوٹ ثمن پر اس وقت اقالہ ہوگا جبکہ مبیع میں کوئی عیب نہ ہوا ہو۔ اگر مبیع میں عیب ہوگیا تو مشتری کم قیمت واپس کرسکتا ہے۔

[۹۱۲] (۳) اقالہ متعاقدین کے حق میں فسخ ہے اور ان دونوں کے علاوہ کے حق میں بیع جدید ہے امام ابو حنیفہ کے قول میں۔

تشریح جب اقالہ کیا تو بائع اور مشتری کے درمیان پہلے ہی بیع کا فسخ ہے۔ وہی بیع ٹوٹی ہے لیکن ان دونوں کے علاوہ جو لوگ ہیں ان کے حق میں بیع جدید ہے۔ گویا کہ مشتری بائع سے نئی بیع کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ مبیع مشتری کے ہاتھ سے نکل کر بائع کے ہاتھ میں جا رہی ہے اور ایجاب اور قبول بھی ہو رہے ہیں۔ اس لئے تیسرے آدمی کے حق میں بیع جدید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر کوئی حق شفعہ کا دعوی کرے نا چاہے تو کرسکتا ہے۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے کہ متعاقدین کے حق میں فسخ ہے عن ابن عباس انہ کرہ ان یبتاع البیع ثم یردہ و یردمعہ دراھم وفی ھذا دلالۃ علی ان الاقالۃ فسخ فلا تجوز الا برأس المال (الف) (سنن للبیھقی، باب من اقال المسلم الیہ بعض المسلم وقبض بعضا ج سادس ص ۴۵، نمبر ۱۱۱۳۳) اس اثر میں ہے کہ اقالہ متعاقدین کے حق میں فسخ ہے۔ البتہ تیسرے کے حق میں بیع جدید ہوگی۔

[۹۱۳] (۴) اور ثمن کا ہلاک ہونا اقالہ کے صحیح ہونے کو نہیں روکتا اور مبیع کا ہلاک ہونا اس کے صحیح ہونے کو روکتا ہے۔

تشریح ثمن ہلاک ہوجائے، بائع کے پاس نہ رہے تب بھی اقالہ ہوسکتا ہے۔ لیکن مشتری کے پاس مبیع ہلاک ہوجائے تو اقالہ نہیں ہوسکے گا۔

وجہ (۱) اصل واپسی مبیع کی ہے۔ وہی متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے۔ قیمت اور روپیہ تو کوئی سا بھی دے گا۔ اس لئے اگر مبیع ہلاک ہوجائے تو کس چیز کو واپس کرے گا؟ اس لئے مبیع ہلاک ہونے کے بعد اقالہ نہیں ہوسکے گا۔ اور ثمن ہلاک ہوجائے تو یہ پونڈ نہیں دوسرے پونڈ بائع واپس کر دے گا۔ اس لئے ثمن کے ہلاک ہونے کے باوجود اقالہ ہوسکتا ہے۔

اصول اقالہ میں اصل واپسی مبیع کی ہوتی ہے۔

[۹۱۴] (۵) اگر بعض مبیع ہلاک ہوجائے تو باقی میں اقالہ جائز ہے۔

وجہ مثلا چھ کیلو گیہوں دس روپے میں خریدے تھے۔ پھر تین کیلو گیہوں ہلاک ہوگئے تو باقی ماندہ تین کیلو گیہوں واپس کرسکتا ہے اور پانچ روپے واپس لے سکتا ہے۔

وجہ اقالہ اتنے ہی میں ہو رہا ہے جتنی مبیع موجود ہے اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ ابن عباس ناپسند کرتے تھے کہ آدمی بیع کرے پھر اس کو واپس لوٹائے اور اس کے ساتھ کچھ درہم لوٹائے۔ اور اس میں اشارہ ہے اس بات کا کہ اقالہ فسخ بیع ہے۔ اس لئے نہیں جائز ہے اقالہ مگر رأس المال یعنی پہلی قیمت کے ساتھ۔

هلک بعض المبیع جازت الاقالة فی باقیه.

نوت اگر دونوں طرف سامان ہی تھا مثلا مبیع گیہوں اور ثمن میں جو تھا تو چونکہ دونوں مبیع بن سکتے ہیں۔اور دونوں متعین ہوتے ہیں اس لئے اگر مبیع مثلا گیہوں ہلاک ہوگیا تو جو مبیع بن سکتا ہے اس لئے اس صورت میں بھی اقالہ صحیح ہو سکے گا۔

﴿باب المرابحة والتولية﴾

[۹۱۵](۱) المرابحة نقل ما ملكه بالعقد الاول بالثمن الاول مع زيادة ربح[۹۱۶](۲) والتولية نقل ما ملكه بالعقد الاول بالثمن الاول من غير زيادة ربح.

﴿باب المرابحة والتولية﴾

ضروری نوٹ مرابحہ : کا مطلب یہ ہے کہ جتنے میں خریدا بائع مشتری کو صاف بتائے کہ میں نے مثلا دس پونڈ میں یہ مبیع خریدی ہے اور دو پونڈ نفع لیکر بارہ پونڈ میں آپ کے ہاتھ بیچتا ہوں۔ اس میں دو پونڈ نفع لیا اس لئے اس کو مرابحہ کہتے ہیں۔ اگر بائع نفع لے لیکن مشتری کو یہ نہ بتائے کہ کتنے میں خریدا ہے تو یہ عام بیع ہے۔ اس کو مرابحہ نہیں کہیں گے۔ مرابحہ میں پہلی قیمت بتانا ضروری ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے تا کہ مشتری کو اعتماد ہو اور دھوکہ نہ ہو۔ اس کا ثبوت اس اثر میں ہے۔ **رایت علی علیؓ ازارا غليظا قال اشتريت بخمسة دراهم فمن اربحني فيه درهما بعته اياه** (سنن للبیہقی، باب المرابحۃ ج خامس ص ۵۳۸، نمبر ۱۰۷۹۴) اس اثر میں پانچ درہم میں ازار خریدی تھی اور ایک درہم مرابحہ پر حضرت علی بیچنا چاہتے تھے۔ جس سے بیع مرابحہ کا ثبوت ہوا۔

تولیہ : کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری کو بتائے کہ میں نے مثلا دس پونڈ میں یہ مبیع خریدی ہے اور دس ہی پونڈ میں بیچتا ہوں۔ جتنے میں خریدی اتنے ہی میں مبیع کا ولی بنا دینے کو تولیہ کہتے ہیں۔ اگر نہیں بتایا کہ کتنے میں خریدی تو یہ تولیہ نہیں ہے، عام بیع ہے۔ اس بیع کا ثبوت اس حدیث میں ہے **قالت عائشة فبينما نحن يوما جلوس في بيت ابي بكر ... قال ابو بكر فخذ بابي انت يا رسول الله احدى راحلتي هاتين قال رسول الله بالثمن** (الف) (بخاری شریف، باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینۃ ص ۵۵۳ نمبر ۳۹۰۵ ر بخاری شریف، باب اذا اشتری متاعا او دابۃ فوضعہ عند البائع ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۳۸) اس حدیث میں حضورؐ نے ابو بکر سے فرمایا کہ جتنے میں اونٹنی خریدی ہے اتنے ہی میں دیدے۔ اس لئے آپؐ نے فرمایا بالثمن، یعنی بالثمن الاول، اس لئے اس سے بیع تولیہ کا ثبوت ہوا۔

[۹۱۵](۱) بیع مرابحہ منتقل کرنا ہے جس چیز کا مالک بنا عقد اول میں ثمن اول سے نفع کی زیادتی کے ساتھ۔

تشریح پہلی بیع میں جس مبیع کا جتنی قیمت سے مالک بنا ہے اسی قیمت پر کچھ نفع لیکر بیچنے کو مرابحہ کہتے ہیں۔

وجہ مرابحہ ربح سے مشتق ہے۔ جس کے معنی نفع لینا ہے۔ اس لئے پہلی قیمت پر نفع لے گا۔ اس لئے اس کو مرابحہ کہتے ہیں۔

[۹۱۶](۲) اور بیع تولیہ وہ منتقل کرنا ہے جس کا مالک بنا عقد اول سے ثمن اول کے ساتھ بغیر نفع کی زیادتی کے۔

تشریح جتنے میں پہلی بیع میں خریدا ہے اتنی قیمت میں بیچ دینے کو تولیہ کہتے ہیں۔

وجہ چونکہ پہلی ہی قیمت میں مشتری کو مبیع کا ولی بنانا ہے اور اس پر کچھ نفع نہیں لینا ہے اس لئے اس بیع کو تولیہ کہتے ہیں (۲) مرابحہ اور تولیہ دونوں بیوع کی دلیل ضروری نوٹ میں گزر گئی (بخاری شریف نمبر ۳۹۰۵ ر سنن بیہقی، نمبر ۱۰۷۹۴)

حاشیہ : (الف) حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیں۔ آپؐ نے فرمایا پہلی قیمت سے لوں گا۔

[۹۱۷](۳) ولا تصح المرابحة والتولية حتى يكون العوض مما له مثل[۹۱۸] (۴) ويجوز ان يضيف الى رأس المال اجرة القصار والصباغ والطراز والفتل واجرة حمل

[۹۱۷](۳) نہیں صحیح ہے مرابحہ اور تولیہ یہاں تک عوض اس میں ہے ہو جس کی مثل ہو۔

تشریح مرابحہ اور تولیہ اسی وقت ہوگا جبکہ اس کا ثمن مثلی ہو۔ اگر ثمن مثلی نہ ہو تو مرابحہ اور تولیہ نہیں ہو سکے گا۔ مثلا گیہوں، چاول، درہم اور دنانیر ہوں جو دنیا میں اس جیسا دوسرا مل سکتا ہو۔ گائے، بھینس وغیرہ نہ ہو کہ اس جیسا دنیا میں نہیں مل سکتا ہو، بڑا چھوٹا ضرور ہوتا ہے۔

وجہ اس جیسا دوسرا مل سکتا ہو تب ہی اگلا مشتری اس جیسا ثمن دیکر مبیع خریدے گا۔ اور اگر اس جیسا نہیں مل سکتا ہو تو اگلا مشتری کیا دیکر خریدے گا اور کیسے اس پر نفع دیگا یا وہی قیمت دے گا؟ اس لئے مرابحہ اور تولیہ کے لئے ضروری ہے کہ مثلی ثمن سے مبیع خریدی ہو۔

[۹۱۸](۴) جائز ہے کہ رأس المال میں جمع کرے دھوبی کی اجرت، رنگنے والے کی اجرت، کشیدہ کرنے والے کی اجرت، باٹنے والے کی اجرت اور کھانا اٹھانے والے کی اجرت۔

تشریح جتنے میں مبیع خریدی ہے اس کے لئے جن جن کاموں سے مبیع میں بڑھوتری ہوگی اس کی اجرت بھی ثمن اور قیمت میں شامل کی جائے گی۔ اور مرابحہ کرتے وقت کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ مبیع اتنے میں پڑی ہے۔ مثلا دس پونڈ میں کپڑا خریدا، دو پونڈ اس کی دھلائی کے دیئے تو اب ثمن بارہ پونڈ ہو گئے۔ مرابحہ یا تولیہ کرتے وقت کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ کپڑا بارہ پونڈ میں پڑا ہے۔ اور تولیہ میں بارہ پونڈ میں دوں گا اور مرابحہ میں بارہ پونڈ پر تین پونڈ نفع لیکر مثلا پندرہ پونڈ میں دوں گا۔

نوٹ دھوبی کی دھلائی سے کپڑے کی چمک زیادہ ہوتی ہے جس سے گویا کہ کپڑے میں بڑھوتری ہوئی۔ اسی طرح رنگریز کی رنگائی سے، نقش و نگار کرنے والے کی نقش ونگار کرنے سے، اور رسی کو باٹنے سے ان کی قیمت میں زیادتی ہوتی ہے۔ اسی طرح غلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنے سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے مثلا اس شہر میں پانچ پونڈ کیلو ہے تو دوسرے شہر میں چھ پونڈ کیلو ہے۔ اس لئے غلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنے کی اجرت بھی اصل ثمن میں ملائی جائے گی۔ اثر میں اس کا ثبوت ہے قلت لابراھیم انا نشتری المتاع ثم نزید علیه القصارة والکراء ثم نبیعه بدینار زیادة قال لا بأس (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۷ فی النفقة تضم الی رأس المال ج رابع، ص ۳۰۸، نمبر ۲۰۴۰۴) اس اثر میں فرمایا کہ دھلائی اور کرایہ کو اصل میں شامل کر سکتا ہے۔

اصول جن کاموں سے قیمت میں بڑھوتری ہوتی ہے ان کی اجرت ثمن میں شامل کی جائے گی۔

لغت القصار: دھوبی۔ الصباغ: رنگریز۔ الطراز، نقش ونگار بنانے والا۔ الفتل: رسی باٹنا۔

حاشیہ: (الف) میں نے حضرت ابراہیم سے کہا ہم سامان خریدتے ہیں۔ پھر اس پر دھلائی کی قیمت اور کرایہ لگاتے ہیں پھر اس کو ایک دینار زیادہ سے بیچتے ہیں تو حضرت ابراہیم نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

الطعام[۹۱۹] (۵) ویقول قام علی بکذا ولا یقول اشتریته بکذا[۹۲۰] (٦) فان اطلع المشتری علی خیانة فی المرابحة فھو بالخیار عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی ان شاء اخذہ بجمیع الثمن وان شاء ردہ.

---

[۹۱۹] (۵) اور کہے گا مجھکو اتنے میں پڑی ہے اور یہ نہ کہے کہ میں نے اس کو اتنے میں خریدی ہے۔

تشریح اجرت وغیرہ جو کچھ اصل ثمن میں شامل کی جائے گی اس کو شامل کرنے کے بعد یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدی ہے۔ کیونکہ یہ تو جھوٹ ہوگا اتنے میں تو اس نے خریدی نہیں ہے۔ اس لئے یوں کہے کہ مجھے یہ مبیع اتنے میں پڑی ہے۔

اصول آدمی ہر حال میں سچ بولے۔ تاکہ اعتماد بحال رہے۔

لغت قام علی کذا : مجھ کو اتنی میں پڑی ہے۔

[۹۲۰] (٦) پس اگر مشتری بیع مرابحہ میں خیانت پر مطلع ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو اختیار ہے چاہے تو پوری قیمت سے لے چاہے تو اس کو رد کر دے۔

تشریح مثلا دس پونڈ میں کپڑا خریدا تھا اور اس نے خیانت کی اور کہا کہ بارہ پونڈ میں خریدا ہے۔ اور تین پونڈ نفع لیکر پندرہ پونڈ میں بیچتا ہوں۔ مشتری نے اعتماد کر کے خرید لیا بعد میں پتہ چلا کہ بائع نے جھوٹ بولا ہے۔ اس نے دس پونڈ ہی میں خریدا تھا اور مجھ سے تین پونڈ نہیں پانچ پونڈ نفع لیا ہے۔ تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے کہ لے یا رد کر دے۔ لیکن لے گا تو پندرہ پونڈ میں لے گا۔ دس پر تین پونڈ نفع ملا کر تیرہ پونڈ میں قانونی طور پر نہیں لے سکے گا۔

وجہ تیرہ پونڈ میں لے تب بھی مرابحہ ہوگا اور پندرہ پونڈ میں لے تب بھی مرابحہ ہے۔ دونوں صورتوں میں مرابحہ ہی ہے۔ اور بائع نے لفظ مرابحہ بولا ہے جس میں وہ سچ ہے اس لئے خریدے تو پندرہ میں خریدے۔ البتہ دو پونڈ کا جھوٹ بولا ہے اس لئے مشتری کو اختیار ہے لے یا نہ لے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بائع جو لفظ مرابحہ بولا ہے اس میں وہ سچ ہے۔ جھوٹ بولنے پر مشتری کو رد کرنے کا خیار ہوگا۔ اس کا اشارہ اس حدیث میں ہے **عن ابی ذر عن النبی ﷺ قال ثلاثة لا ینظر الله الیھم یوم القیامة ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم. قلنا من ھم یا رسول الله؟ فقد خابوا وخسروا فقال المنان والمسبل ازارہ والمنفق سلعته بالحلف الکاذب** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن حلف علی سلعتہ کاذبا ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۱) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جو جھوٹی قسم کھا کر اپنے سامان کا بھاؤ بڑھائے اس پر اللہ کا عذاب ہے۔

نوٹ اگر دونوں جھوٹ کے تین پونڈ کم کر کے لینے دینے پر راضی ہو جائیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ البتہ قانونی طور پر بائع کو اس پر مجبور نہیں کر سکتے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں کو اللہ قیامت کے روز نہیں دیکھے گا اور نہ ان کو پاک صاف کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول خائب و خاسر ہو جائیں وہ کون ہیں؟ پس آپؐ نے فرمایا احسان جتانے والا، ازار لٹکانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والا۔

[۹۲۱](۷) وان اطلع علی خیانة فی التولیة اسقطها من الثمن[۹۲۲] (۸) وقال ابو یوسف رحمه الله تعالی یحط فیهما وقال محمد رحمه الله تعالی لا یحط فیهما لکن یخیر فیهما [۹۲۳](۹) ومن اشتری شیئا مما ینقل ویحول لم یجز له بیعه حتی یقبضه

---

[۹۲۱](۷)اور اگر خیانت پر مطلع ہوا بیع تولیہ میں تو ثمن میں سے اتنا کم کرے گا۔

تشریح مثلا دس پونڈ میں کپڑا خریدا تھا اور جھوٹ بولا کہ تیرہ پونڈ میں خریدا ہوں اور تیرہ پونڈ ہی پر تولیہ کرتا ہوں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں تین پونڈ کم کر کے دس پونڈ ہی میں لے گا۔

وجہ تولیہ کہتے ہیں اس بیع کو کہ جتنے میں خریدا ہے اتنے میں ہی دوں گا اور حقیقت میں دس پونڈ ہی میں خریدا تھا۔ جھوٹ بولا تھا کہ تیرہ پونڈ میں خریدا تھا۔ اس لئے جتنے میں خریدا تھا اتنے ہی میں مشتری لے گا۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو لفظ تولیہ بولا ہے اسی کی حقیقت پر فیصلہ کیا جائے گا اور اسی قیمت پر مشتری کو لینے کا حق ہوگا۔ اور وہ ہے کم قیمت یعنی دس پونڈ۔ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

اصول بیع مرابحہ اور تولیہ کا مدار ان کے الفاظ پر ہوگا۔

[۹۲۲](۸)اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا دونوں صورتوں میں کم کیا جائے گا، اور امام محمدؒ نے فرمایا دونوں صورتوں میں کم نہیں کیا جائے گا لیکن دونوں کو اختیار دیا جائے گا۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تولیہ اور مرابحہ دونوں صورتوں میں جتنی قیمت جھوٹ بول کر لی ہے اتنی قیمت کم کر کے مشتری کو لینے کا اختیار ہوگا۔ مثلا مثال مذکور میں دس پونڈ میں خریدا تھا اور جھوٹ بولا تھا کہ تیرہ پونڈ میں خریدا ہے تو تین پونڈ جھوٹ بول کر لئے تھے اس لئے مرابحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں تین پونڈ کم کر کے لے گا۔ اس لئے مرابحہ کی شکل میں پندرہ کی بجائے بارہ پونڈ دے گا اور تولیہ کی شکل میں دس پونڈ ہی دے گا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مرابحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں کم نہیں کیا جائے گا۔

وجہ بائع نے ترغیب دینے کے لئے مرابحہ اور تولیہ کی بات کی ہے۔ اصل مقصود تو وہ قیمت ہے جس پر بات طے ہوئی ہے۔ بائع مرابحہ میں مثلا پندرہ پونڈ اور تولیہ میں مثلا تیرہ پونڈ سے کم پر دینے کے لئے راضی نہیں ہے۔ اور اسی پر بات بھی طے ہوئی ہے اس لئے اس سے کم نہیں کیا جائے گا۔ البتہ چونکہ بائع جھوٹ بولا ہے اس لئے مشتری کو لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا۔ انکا اصول یہ ہے کہ جس قیمت پر بات طے ہوئی ہے وہی لازم ہوگی۔ مرابحہ اور تولیہ کا لفظ ترغیب کے لئے ہے۔

لغت یحط : کم کیا جائے گا، مشتق ہے حط سے کم کرنا۔

[۹۲۳](۹) کسی نے کوئی ایسی چیز خریدی جو منتقل ہو سکتی ہے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے۔

وجہ منتقل ہونے والی چیز پر قبضہ کرے تب اس کو آگے بیچے۔ کیونکہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچے گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ چیز ضائع ہو جائے اور اس کے پاس نہ آئے تو کیسے بیچے گا (۲) پہلے حدیث گزر چکی ہے جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کو نہ بیچو، لا تبع ما لیس عندک (ابو داؤد شریف

[۹۲۴](۱۰)ويجوز بيع العقار قبل القبض عند ابی حنيفة وابی يوسف رحمهما الله وقال محمد رحمه الله تعالى لا يجوز [۹۲۵](۱۱) ومن اشترى مكيلا مكايلة او موزونا موازنة فاكتاله او اتزنه ثم باعه مكايلة او موازنة لم يجز للمشترى منه ان يبيعه ولا ان يأكله حتى يعيد الكيل والوزن.

،نمبر ۳۵۰۳)(۳)حدیث میں ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے مت بیچو عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبيعه حتى يستوفيه زاد اسمعيل فلا يبعه حتى يقبضه (الف) (بخاری شریف، بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع مالیس عندک ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۶ رمسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص ۵ نمبر ۱۵۲۵ رابوداؤد شریف، نمبر ۳۴۹۲)اس حدیث میں ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو مت بیچو،اس لئے منقولی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

[۹۲۴](۱۰)اور جائز ہے زمین کو بیچنا قبضہ کرنے سے پہلے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا جائز نہیں۔

وجہ زمین منقولی چیز نہیں ہے۔اس لئے اس میں ہلاکت کا خطرہ نہیں ہے اس لئے اس کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچ دیا تو جائز ہے (۲) حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ قبضہ کرنے کی شرط غلہ وغیرہ میں ہے۔جس سے اندازہ ہوا کہ زمین وغیرہ پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز ہے سمعت ابن عباس يقول اما الذى نهى عنه النبى فهو الطعام ان يباع حتى يقبض (ب) (بخاری شریف، باب بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع مالیس عندک ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۵)اس اثر میں ہے کہ غلے کے بارے میں ہے قبضہ کرنے سے پہلے نہ بیچے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین وغیرہ کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچ سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔عن ابن سيرين قال لا بأس ان يشترى شيئا لا يكال ولا يوزن بنقدثم يبيعه قبل ان يقبضه (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یشتری الشیء ممالا یکال ولا یوزن ھل یبیعہ قبل ان یقبضہ، ج ثامن، ص ۴۳، نمبر ۱۴۲۲۳۰)امام محمد فرماتے ہیں کہ زمین کو بھی قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔

وجہ ان کی دلیل پہلی والی حدیث ہے جس میں مطلقا قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔

[۹۲۵](۱۱) کسی نے کیلی چیز کیل کرکے خریدی یا وزنی چیز وزن کر کے خریدی پھر اس کو کیل کیا یا وزن کیا پھر اس کو کیل سے یا وزن سے بیچا تو مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو بیچے اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کو کھائے یہاں تک کہ دوبارہ کیل یا وزن کرلے۔

تشریح کیلی چیز مثلا گیہوں چاول اور وزنی چیز مثلا درہم اور دنانیر کیل اور وزن سے خریدا۔اور کیل یا وزن کر کے بائع سے لیا۔اب اس کو دوبارہ کیل کر کے یا وزن کر کے بیچنا چاہتا ہے اٹکل سے نہیں تو پہلا کیل کیا ہوا یا وزن کیا ہوا کافی نہیں ہے۔بلکہ اگلے مشتری کے سامنے دوبارہ کیل کرنا ہوگا۔یا وزنی چیز ہے تو وزن کرنا ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جس نے غلہ بیچا تو اس کو نہ بیچے یہاں تک کہ اس کو پورا لے لے،راوی اسمعیل نے یہ بھی فرمایا کہ اس کو نہ بیچے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلے (ب) بہر حال جس سے حضور نے روکا ہے وہ غلہ جات ہیں کہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچا جائے (ج) حضرت ابن سیرین نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی کوئی ایسی چیز خریدے جو نہ کیل کی جاتی ہو اور نہ وزن کی جاتی ہو نقد کے ذریعہ پھر اس کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچے۔

[۹۲۶](۱۲) والتصرف فی الثمن قبل القبض جائز.

وجہ (۱) پہلا کیل کرنا یا وزن کرنا پہلے مشتری کو حوالے کرنے کے لئے تھا۔ یہ وزن اگلے مشتری کے لئے کافی نہیں ہے۔ اگر کیل یا وزن سے اس نے خریدا ہے تو اس کے سامنے دوبارہ کیل یا وزن کرنا ہوگا۔ تاکہ اس کو اطمینان ہو۔ اور کمی زیادتی نہ ہونے پائے (۲) آیت میں اس کی تاکید ہے الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون (الف) (آیت ۲/۳ سورۃ المطففین ۸۳) اس آیت میں کیل اور وزن پورا دینے کی تاکید ہے (۳) حدیث میں ہے عن عثمان ان النبی ﷺ قال اذا بعت فکل واذا ابتعت فاکتل (ب) (بخاری شریف، باب الکیل علی البائع والمعطی ص ۲۸۵ نمبر ۲۱۲۶ / مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص ۵ نمبر ۱۵۲۸) (۳) ابن ماجہ شریف میں ہے عن جابر قال نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الطعام حتی یجری فیہ الصاعان صاع البائع و صاع المشتری (ج) ابن ماجہ شریف، باب النھی عن بیع الطعام قبل ما لم یقبض ص ۳۱۹ نمبر ۲۲۲۸) اس حدیث میں ہے کہ مشتری جب تک دوبارہ کیل نہ کرے اگلے مشتری کو نہ بیچے۔

نوٹ اس حدیث کی بنیاد پر کھانے کے وقت دوبارہ کیل کرنا استحبابی ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ غلہ زیادہ آگیا ہو تو بائع کو واپس کر سکے، یا کم آیا ہو تو اس سے لے سکے۔

نوٹ اگر کیل یا وزن کر کے نہ بیچے بلکہ اٹکل سے بیچے تو دوبارہ کیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اصول کسی کو مال پورا دینا چاہئے اور پورا لینا چاہئے۔ اسی اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

[۹۲۶] (۱۲) اور تصرف کرنا ثمن میں قبضہ کرنے سے پہلے جائز ہے۔

تشریح بائع نے بیچنے کی ابھی بات کی ہے اور مبیع دی تھی لیکن مشتری نے ابھی ثمن نہیں دیا ہے اور نہ بائع نے اس پر قبضہ کیا ہے۔ اس سے پہلے اس ثمن کے ذریعہ کوئی چیز خریدنا چاہے تو خرید سکتا ہے۔ یا ثمن کو ہبہ کرنا چاہے تو ہبہ کر سکتا ہے۔

وجہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے یہ ثمن نہیں دے سکے گا تو اپنی طرف سے کوئی دوسرا پونڈ یا روپیہ دے دے گا۔ یہی ثمن دینا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اس ثمن کی تعیین تو بائع کو بھروسہ دینے کے لئے کی ہے۔ اثر میں ہے کہ ثمن کے بدلے کوئی اور چیز بھی لے سکتا ہے۔ عن ابن سیرین قال اذا بعت شیئا بدینار فحل الاجل فخذ بالدینار ما شئت من ذلک النوع و غیرہ (د) (مصنف عبد الرزاق، باب السلعۃ یسلفھا فی دینار ھل یأخذ غیر الدینار ج ثامن ص ۱۶ نمبر ۱۴۱۱۶) اس اثر میں ہے کہ ثمن دینار ہو تو اس کے بدلے کوئی اور چیز لے سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کو قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کر سکتا ہے۔

نوٹ ثمن اگر سامان ہے جو متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچ نہیں سکتا۔ دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔

حاشیہ : (الف) وہ لوگ جو لوگوں سے کیل کر کے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں۔ اور جب کیل کر کے دیتے ہیں یا وزن کر کے دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا جب بیچو تو کیل کر کے بیچو اور جب خریدو تو کیل کرو (ج) آپؐ نے غلوں کو بیچنے سے روکا یہاں تک کہ اس میں دو صاع جاری ہوں، بائع کا صاع اور مشتری کا صاع (د) ابن سیرین نے فرمایا اگر آپ نے کسی چیز کو دینار کے بدلے بیچا پس وقت آیا تو دینار کے بدلے جو چاہے لو اسی قسم میں سے یا اس کے علاوہ۔

[۹۲۷](۱۳) ویجوز للمشتری ان یزید البائع فی الثمن[۹۲۸] (۱۴) ویجوز للبائع ان یزید فی المبیع ویجوز ان یحط من الثمن[۹۲۹] (۱۵) ویتعلق الاستحقاق بجمیع

[۹۲۷](۱۳)اور مشتری کے لئے جائز ہے کہ بائع کو ثمن میں زیادہ دے۔

تشریح مثلا دس پونڈ میں کپڑا خریدا ہے اب مشتری خوش ہو کر بارہ پونڈ دینا چاہتا ہے تو دے سکتا ہے۔

وجہ یہ مشتری کی ملکیت ہے اس کو جیسا چاہے خرچ کر سکتا ہے (۲) حدیث میں قیمت زیادہ دی گئی ہے۔ **عن ابی رافع قال استسلف رسول اللہ بکرا فجائتہ ابل من الصدقۃ فامر نی ان اقضی الرجل بکرہٗ فقلت لم اجد فی الابل الا جملا خیارا رباعیا فقال النبی ﷺ اعطہ ایاہ فان خیار الناس احسنھم قضاء** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی حسن القضاء ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۶) اس حدیث میں جوان اونٹ لیا تھا اور اس کے بدلے اچھے قسم کا اونٹ واپس دیا اور فرمایا کہ حسن ادا کرنے والا اچھا آدمی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مشتری زیادہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

[۹۲۸](۱۴)اور بائع کے لئے جائز ہے کہ مبیع میں زیادہ کر دے اور جائز ہے کہ ثمن میں کمی کر دے۔

تشریح بائع کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ جتنی مبیع طے ہوئی ہے اس سے زیادہ دے اور یہ بھی جائز ہے کہ جتنا ثمن طے ہوا ہیں اس سے کم لے۔

وجہ اس کی ملکیت ہے وہ ایسا کر سکتا ہے (۲) مبیع زیادہ دینے کی ترغیب حدیث میں ہے۔ **حدثنا سوید بن قیس ... وثم رجل یزن بالاجر فقال لہ رسول اللہ ﷺ زن وارجح** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجحان فی الوزن ص ۱۱۸ نمبر ۳۳۳۶) اس حدیث میں ہے کہ بائع کو چاہئے کہ مبیع کو وزن میں کچھ زیادہ ہی دینا چاہئے۔

[۹۲۹](۱۵)اور استحقاق ان تمام کے ساتھ متعلق ہونگے۔

تشریح مشتری نے دس پونڈ قیمت کی تھی اس کے بجائے بارہ پونڈ دیئے تو اب مرابحہ اور تولیہ جو کرے گا وہ بارہ پونڈ پر کرے گا۔ اسی طرح بائع نے ایک مبیع کے بجائے دو مبیع دس پونڈ میں دیدی تو اب یوں کہے گا کہ دو مبیع دس پونڈ میں لی ہیں۔ یوں نہیں کہے گا کہ ایک مبیع دس پونڈ میں لی ہے۔ اسی طرح بائع نے دس پونڈ کے بجائے آٹھ پونڈ لئے تو لینے والا یوں کہے گا کہ آٹھ پونڈ میں مبیع خریدی ہے۔ اور اسی آٹھ پونڈ پر مرابحہ اور تولیہ کرے گا۔ اب دس پونڈ پر مرابحہ یا تولیہ نہیں کرے گا۔ اسی طرح جو آدمی شفعہ کا دعوی کرے گا وہ اب موجودہ قیمت اور موجودہ مبیع پر شفعہ کا دعوی کرے گا۔

وجہ کیونکہ اب یہی قیمت اصل بن گئی اور زیادہ دی ہوئی قیمت یا بائع کی جانب سے کم کی ہوئی قیمت ہی اصل بن گئی۔ اس لئے اب تمام حقوق اسی پر منحصر ہونگے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے جوان اونٹ کا سودا کیا پھر آپ کے پاس صدقہ کا اونٹ آیا تو مجھے حضورؐ نے حکم دیا کہ جوان اونٹ ادا کردوں تو میں اونٹ میں نہیں پایا مگر اس سے اچھا اونٹ چار دانت والا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا اونٹ اس کو دیدو۔ اچھے لوگ وہ ہیں جو اچھے انداز سے ادا کرے (ب) وہاں ایک آدمی تھا جو اجرت پر وزن کرتا تھا تو آپؐ نے فرمایا جھکا کر تولا کرو۔

ذلک [۹۳۰](۱۶) ومن باع بثمن حال ثم اجله اجلا معلوما صار مؤجلا[۹۳۱](۱۷) وکل دین حال اذا اجله صاحبه صار مؤجلا الا القرض فان تأجیله لایصح.

اصول زیادہ دی ہوئی قیمت یا کم کی ہوئی قیمت یا زیادہ دی ہوئی مبیع اصل کے ساتھ لاحق ہو کر اب یہ اصل بن جائیگی (۲) اب تمام حقوق ان ہی کے ساتھ متعلق ہونگے۔

فائدہ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ شروع میں جو قیمت یا مبیع طے ہوئی تھی وہی اصل ہے۔ اسی کے ساتھ تمام حقوق متعلق ہوں گے۔ اور بعد میں جو مبیع زیادہ کی یا ثمن زیادہ کئے وہ بعد کا ہدیہ اور ہبہ ہے اس کا تعلق اصل مبیع اور ثمن کے ساتھ نہیں ہے۔ اس لئے اس زیادتی کے ساتھ حقوق متعلق نہیں ہونگے۔

[۹۳۰](۱۶) کسی نے فوری ثمن کے ساتھ بیچا پھر اس کو مؤخر کر دیا اجل معلوم کے ساتھ تو مؤجل ہو جائے گا۔

تشریح کسی نے اس طرح بیع کی کہ ابھی قیمت دے گا لیکن بعد میں متعین تاریخ کے ساتھ مؤخر کر دیا تو اب مؤخر ہو جائے گا۔ اور متعین تاریخ پر قیمت دینی ہوگی۔

وجہ حدیث میں قیمت مؤخر کرنے کی ترغیب ہے۔ ان حذیفةؓ قال قال النبی ﷺ تلقت الملائکة روح رجل ممن قبلکم فقالوا اعملت من الخیر شیئا؟ قال کنت آمر فتیانی ان ینظروا ویتجاوزوا عن الموسر قال فتجاوزوا عنہ (الف) (بخاری شریف، باب من انظر موسرا ص ۲۷۹ نمبر ۲۰۷۷) اس حدیث میں پچھلے زمانے کے ایک آدمی کو اس بنا پر اللہ نے معاف کر دیا کہ وہ قیمت لینے میں مہلت دیا کرتا تھا۔ اس لئے قیمت لینے میں مہلت دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ تاریخ معلوم ہو ورنہ جھگڑا ہوگا (۲) تاخیر دینا بائع کا اپنا اختیار ہے اس لئے وہ استعمال کر سکتا ہے۔

لغت حال : ابھی فوری۔ اجلا : تاخیر کے ساتھ۔

[۹۳۱](۱۷) ہر وہ دین جو فوری ہو اگر اس کو مؤخر کر دیا جائے تو مؤخر ہو جائے گا مگر قرض کہ اس کی تاخیر صحیح نہیں ہے۔

تشریح مثلا مبیع کی قیمت مشتری پر فوری ہو اس کو مؤخر کر دیا تو وہ مؤخر ہو جائے گی۔ اب بائع تاریخ سے پہلے لینا چاہے تو نہیں لے سکے گا۔

وجہ تاخیر کرنے میں مبیع کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے تاخیر کی بھی قیمت ہوئی اس لئے اس کو تاریخ سے پہلے نہیں لے سکتا۔ لیکن قرض تو شروع سے تبرع اور احسان ہے اس لئے جب چاہے قرض دینے والا واپس لے سکتا ہے۔ تاریخ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگی۔ قانونی طور پر پہلے بھی لے سکتا ہے۔ البتہ تاریخ پر لے تو بہتر ہے۔ اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابراھیم قال والقرض حال وان کان الی اجل (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۶۴ من قال القرض حال وان کان الی اجل، ج رابع، ص ۳۲۴، نمبر ۲۰۵۷۸)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم سے پہلی قوم میں ایک آدمی کی روح فرشتہ نے قبضہ کرنا چاہا تو انہوں نے کہا تم نے کوئی خیر کا کام کیا ہے؟ اس آدمی نے کہا کہ میں نوجوان کو حکم دیتا تھا کہ تنگدستوں کو مہلت دیں اور درگذر کریں۔ حضورؐ نے فرمایا تو اللہ نے ان کو معاف کر دیا (ب) قرض فوری ہوتا ہے چاہے مؤخر کر کے لینے کا وعدہ ہو۔

﴿باب الربوا﴾

[۹۳۲](۱)الربوا محرم فی کل مکیل او موزون اذا بیع بجنسه متفاضلا [۹۳۳](۲)

﴿باب الربوا﴾

ضروری نوٹ ایسی زیادتی جوعوض سے خالی ہواس کو ربوا کہتے ہیں۔یہاں مخصوص زیادتی کو ربوااور سود کہا ہے جوحرام ہے۔اس کے حرام ہونے کی دلیل یہ آیت ہے واحل اللہ البیع وحرم الربوا (آیت ۲۷۵سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں سودکوحرام کہا گیا ہے۔اوراس کا اصول اس حدیث میں ہے عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل یدا بید فمن زاد او استزاد فقد اربی الآخذ والمعطی فیه سواء (الف)(مسلم شریف،باب الصرف وبیع الذهب بالورق ص۲۴ نمبر ۱۵۸۷/۴۰۶۴ربخاری شریف،باب بیع الفضۃ بالفضۃ ص ۲۹۰ نمبر ۲۱۷۶،۲۱۷۷ رابوداؤد شریف،باب فی الصرف ص۱۱۹نمبر ۳۳۴۹ رترمذی شریف،باب ماجاء ان الحنطۃ بالحنطۃ مثلا بمثل وکراھیۃ التفاضل فیہ ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰)ان احادیث میں ایک جنس کی چیز ہواور کیلی یا وزنی ہوتو کمی بیشی کرکے بیچنا حرام قرار دیا ہے۔

[۹۳۲](۱) ربواحرام ہے کیلی یا وزنی چیز میں جبکہ بیچا جائے اسی جنس سے کمی بیشی کرکے۔

تشریح کیلی چیز وہ ہے جو پچھلے زمانے میں کیلی اور صاع میں رکھ کر بیچتے تھے۔جیسے گیہوں،چاول اور غلہ وغیرہ۔اوروزنی جوترازو سے وزن کیا جاتا ہے جیسے درہم اور دنانیر اور لوہا وغیرہ۔پس کیلی چیز ہو اور مبیع اور ثمن ایک جنس کے ہوں مثلا دونوں طرف گیہوں ہو کہ گیہوں کے بدلے گیہوں لے رہا ہو یا چاول کے بدلے چاول لے رہا ہو یا درہم کے بدلے درہم لے رہا ہو یا دینار کے بدلے دینار لے رہا ہوتو چونکہ ان بیوع میں دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے اس لئے برابر سرابر لینا ہوگا۔کمی بیشی کرے گا تو سود ہوگا اور حرام ہوگا۔اور نقد قبضہ کرنا ہوگا۔دونوں میں سے ایک بھی ادھار ہوگا تو سود ہو جائے گا۔حرام ہونے کی وجہ اوپر کی حدیث ہے۔

لغت بجنسہ : ایک ہی قسم کی چیز دونوں طرف ہوں،مثلا مبیع میں بھی گیہوں اور ثمن بھی گیہوں ہو۔

[۹۳۳](۲) پس علت ربوا میں کیل ہے جنس کے ساتھ اور وزن ہے جنس کے ساتھ۔

تشریح ربوا ہونے کے لئے دو علتیں ہیں (۱) دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہو تب کمی بیشی حرام ہے پس اگر ایک طرف گیہوں ہو اور دوسری طرف چاول ہو تو کمی بیشی جائز ہے۔ایک کیلو گیہوں دیکر دو کیلو چاول لے سکتا ہے(۲) اور دوسری علت یہ ہے کہ وہ چیز کیل سے ناپی جاتی ہو جیسے تمام غلے کہ پچھلے زمانے میں ان کو کیل سے ناپتے تھے۔اس زمانے مین ان کو ترازو سے وزن کرتے ہیں۔یا وزن کئے جاتے ہوں جیسے درہم اور دنانیر۔پس اگر ایسی چیز ہو جو نہ کیل کی جاتی ہے اور نہ وزن کی جاتی ہو مثلا عددی ہو یا ذراعی ہو کہ ہاتھ سے ناپی جاتی ہو تو ایک ہاتھ کپڑا

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا (۱) سونا سونے کے بدلے میں (۲) چاندی چاندی کے بدلے میں (۳) گیہوں گیہوں کے بدلے میں (۴) جو جو کے بدلے میں (۵) کھجور کھجور کے بدلے میں (۶) اور نمک نمک کے بدلے برابر سرابر،ہاتھوں ہاتھ،پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو سود لینے والا اور دینے والا گناہ میں برابر ہے۔

فالعلة فیه الکیل مع الجنس والوزن مع الجنس[۹۳۴] (۳) فاذا بیع المکیل بجنسه او الموزون بجنسه مثلا بمثل جاز البیع وان تفاضلا لم یجز.

دے کر دو ہاتھ کپڑا لے سکتا ہے۔ یا ایک اخروٹ دے کر دو اخروٹ لے سکتا ہے۔ اس لئے کہ احادیث میں عددی یا ذراعی کے ربوا کے سلسلے میں کچھ وارد نہیں ہوا ہے۔ اوپر جو ابو سعید خدری کی حدیث گزری اس میں درہم و دنانیر کا ذکر ہے جو وزنی ہیں اور گیہوں، جو، کھجور اور نمک کو برابر سرابر لینے کا تذکرہ ہے جو کیلی ہیں۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک چیز یا وزنی ہو یا کیل ہو تب سود ہوگا۔

وجہ (۱) وزن کو علت بنانے کی وجہ اس حدیث کا اشارہ بھی ہے۔ **عن فضالة بن عبید قال کنا مع رسول الله یوم خیبر نبایع الیهود الاوقیة الذهب بالدینارین والثلاثة فقال رسول الله لا تبیعوا الذهب بالذهب الا وزنا بوزن (الف)** (مسلم شریف، باب بیع القلادة فیھا خرز و ذھب ص ۲۵ نمبر ۱۵۹۱/۴۰۷۸) اس حدیث میں ہے وزنا بوزن، اس سے بھی اس علت کا اشارہ ملتا ہے کہ چیز وزنی ہو تب سود ہوگا (۲) دارقطنی کی حدیث میں وزنی اور کیلی چیزیں سود ہونے کی صراحت ہے۔ **عن سعید بن المسیب ان رسول الله ﷺ قال لا ربوا الا فی ذهب او فضة او مما یکال او یوزن و یؤکل و یشرب (ب)** (دارقطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۱۱، نمبر ۲۸۱۰) اس حدیث مرسل میں صراحت ہے کہ سونا، چاندی یا کیلی اور وزنی چیزیں سود ہیں جو کھائی اور پی جاتی ہوں۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سود کی علت کیلی اور وزنی نہیں ہے بلکہ ایک جنس ہو اور ثمنیت ہو یا کھانے کی چیز ہو تو اس میں ربوا ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ ضروری نوٹ میں حضرت ابو سعید خدری کی حدیث میں سونا اور چاندی ہیں جن میں ثمنیت ہے یعنی ثمن اور قیمت بننے کی صلاحیت ہے۔ اور گیہوں، جو، کھجور اور نمک کھانے کی چیزیں ہیں اس لئے ثمنیت اور کھانا سود کی علت ہوگی (۲) دارقطنی کی حدیث جو اوپر گزری اس میں سونا اور چاندی کے ساتھ یؤکل و یشرب کی تصریح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کھانا سود کی علت ہے۔ اس لئے ان کے یہاں مبیع اور ثمن ایک ہی چیز ہوں اور وہ چیز یا ثمن میں سے ہو یا کھانے میں سے ہو تب سود ہوگا۔ اس لئے چونا اور لوہے میں ان کے یہاں سود نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ نہ ثمن ہیں اور نہ کھائے جاتے ہیں۔

اصول سود کی علت (۱) جنس ایک ہو (۲) اور ثمن بننے کی یا کھانے کی چیز ہو۔

[۹۳۴] (۳) پس اگر کیلی چیز اس کے جنس کے ساتھ بیچی جائے، یا وزنی چیز اس کے جنس کے ساتھ بیچی جائے برابر سرابر تو بیع جائز ہے اور اگر کمی بیشی کرے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح مبیع او ثمن دونوں ایک قسم کی چیزیں ہوں مثلا دونوں طرف گیہوں ہوں یا دونوں طرف وزنی چیز سونا ہوں تو دونوں کو برابر سرابر بیچے تو جائز ہے اور کمی بیشی سے بیچے تو جائز نہیں ہے۔ حدیث گزر چکی ہے۔ **عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل یدا بید فمن زاد او**

حاشیہ : (الف) ہم حضور کے ساتھ خیبر میں تھے، یہود کے ساتھ بیع کرتے تھے سونے کو دو دینار اور تین دینار کے بدلے تو حضورؐ نے فرمایا مت بیچو سونے کو سونے کے بدلے مگر برابر سرابر وزن کر کے (ب) آپؐ نے فرمایا نہیں ربوا ہے مگر سونے میں اور چاندی میں یا جو کیل کیا جاتا ہو یا وزن کیا جاتا ہے یا کھایا جاتا ہو یا پیا جاتا ہو۔

[۹۳۵] (۴) ولا یجوز بیع الجید بالردی مما فیه الربوا الا مثلا بمثل[۹۳۶](۵) واذا

استزاد فقد اربی الاخذ والمعطی فیه سواء (الف) مسلم شریف، باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقداص ۲۴ نمبر ۱۵۸۷ر ترمذی شریف، باب ماجاء ان الحنطۃ بالحنطۃ مثلا بمثل وکراہیۃ التفاضل فیہ ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰ر ابوداؤد شریف، باب فی الصرف ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۹) اس حدیث میں ہے کہ برابر سرابر بیچو تو ٹھیک ہے اور جائز ہے۔ اور کمی بیشی کی تو جائز نہیں ہے۔ اسی طرح نقد ہو تو جائز ہے اور ادھار ہو تو جائز نہیں ہے۔

[۹۳۵] (۴) اور نہیں ہے عمدہ کی بیع ردی کے ساتھ جس میں ربوا ہے مگر برابر سرابر۔

تشریح جن چیزوں میں ربوا جاری ہوتا ہے مثلا گیہوں تو چاہے عمدہ گیہوں کو گھٹیا گیہوں کے بدلے میں بیچے پھر بھی برابر سرابر ہی بیچنا پڑے گا ورنہ سود ہو جائے گا۔

وجہ ان چیزوں میں عمدہ اور گھٹیا تو ہوتا ہی ہے۔ اسی لئے تو بیع کرتا ہے۔ پس اگر کمی بیشی جائز قرار دیدے تو ربوا کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس لئے ان میں صفت کے اعلی اور ادنی کا اعتبار نہیں ہے۔ برابر سرابر ہی بیچنا پڑے گا۔ اور اگر برابر سرابر نہیں بیچنا چاہتا ہے تو یوں کرے کہ مثلا گھٹیا کھجور ایک پونڈ کے دو کیلو مشتری کے ہاتھ بیچ دے اور اسی مشتری سے ایک پونڈ کا ایک کیلو عمدہ کھجور خرید لے۔ اس صورت میں کھجور کھجور کے بدلے میں نہیں ہوا بلکہ دو کیلو گھٹیا کھجور کے بدلے ایک پونڈ آیا اور ایک کیلو عمدہ کھجور ایک پونڈ کے بدلے لیا گیا۔ اس لئے پونڈ سے کھجور کی قیمت لگی اس لئے جائز ہو جائے گی (۲) حدیث میں عمدہ کھجور کو گھٹیا کھجور کے بدلے کمی بیشی کر کے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ اور کھجور کو درہم کے بدلے بیچنے کی صورت بتلائی ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ استعمل رجلا علی خیبر فجاءہ بتمر جنیب فقال رسول اللہ اکل تمر خیبر ھکذا؟ قال لا واللہ یا رسول اللہ انا لنأخذ الصاع من ھذا بالصاعین والصاعین بالثلاث فقال رسول اللہ لا تفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا (ب) (بخاری شریف، باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۱ر مسلم شریف، باب بیع الطعام مثلا بمثل ص ۲۴ نمبر ۱۵۹۳ر ۴۰۸۲) اس حدیث میں خیبر کے جنیب کھجور کو جمع کھجور کے بدلے کمی بیشی کر کے خریدا اور حضور کے سامنے لایا تو آپؐ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ کھجور کو درہم کے بدلے بیچو پھر اس درہم سے عمدہ کھجور خرید لو۔ چاہے اسی مشتری سے کیوں نہ خریدو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ربوی چیزوں میں عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔ برابر سرابر ہی بیچنا ہوگا ورنہ سود ہوگا۔

[۹۳۶] (۵) اگر دونوں وصف نہ ہوں یعنی جنس اور وہ معنی جو اس کے ساتھ ملائی گئی ہو تو کمی بیشی حلال ہے اور ادھار بھی حلال ہے۔

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے برابر سرابر ہاتھوں ہاتھ، پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو ربوا کا کام کیا۔ لینے والا اور دینے والا گناہ میں برابر ہیں (ب) آپؐ نے ایک آدمی کو خیبر کا عامل بنایا پس وہ عمدہ کھجور لے کر آیا۔ پس آپؐ نے فرمایا کیا خیبر کے تمام کھجور ایسے ہی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! خدا کی قسم یا رسول اللہ! لیکن ہم لوگ ایک صاع کو دو صاع کے بدلے میں لیتے ہیں۔ اور دو صاع کو تین صاع کے بدلے میں۔ آپؐ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ جمع کھجور کو درہم کے بدلے بیچو پھر درہم کے بدلے جنیب کھجور خریدو۔

عدم الوصفان الجنس والمعنی المضموم الیہ حل اتفاضل والنّساء [۹۳۷](۶) و اذا وجدا حرم التفاضل والنساء [۹۳۸](۷) واذا وجد احدھما وعدم الآخر حل التفاضل

تشریح سود کی دو علتیں تھیں۔ یہ دونوں علتیں نہ ہوں تو کمی بیشی بھی حلال ہوگی اور ادھار لینا بھی حلال ہوگا۔ مجلس میں مبیع اور ثمن پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہوگا۔ سود کی ایک علت تھی کہ دونوں مبیع اور ثمن ایک ہی چیز ہوں، مثلا دونوں گیہوں ہوں یا دونوں چاول ہوں۔ اور دوسری علت تھی کہ دونوں کیلی ہوں یا دونوں وزنی ہوں۔ پس اگر گیہوں کو جو کے بدلے بیچے تو کمی زیادتی کرکے بیچ سکتا ہے۔ اسی طرح سونا کو چاندی کے بدلے بیچے تو کمی بیشی کرکے بیچ سکتا ہے۔ حدیث میں ہے **عن ابی بکرۃ قال نھی النبی ﷺ عن الفضۃ بالفضۃ والذھب بالذھب الا سواء بسواء وامرنا ان نبتاع الذھب بالفضۃ کیف شئنا والفضۃ فی الذھب کیف شئنا** (الف) (بخاری شریف، باب بیع الذھب بالورق یدا بید ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۲) مسلم شریف میں یہ جملہ زیادہ ہے **فاذا اختلفت ھذہ الاوصاف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید** (ب) (مسلم شریف، باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا ص ۲۴ نمبر ۱۵۸۷ر ترمذی شریف، باب ما جاء ان الحنطۃ بالحنطۃ مثلا بمثل ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰) اس حدیث میں ہے کہ جنس بدل جائے یعنی دونوں ایک ہی قسم کی چیز نہ ہوں اور کیلی اور وزنی بھی نہ ہوں تو ادھار بھی جائز ہے۔

[۹۳۷](۶) اور اگر دونوں علتیں پائی جائیں تو کمی بیشی بھی حرام اور ادھار بھی حرام۔

تشریح دونوں ایک جنس کے ہوں اور دونوں کیلی اور وزنی ہوں تو کمی بیشی بھی حرام اور ادھار بھی حرام ہوگا۔ دلیل اوپر گزر چکی ہے۔ **مثلا بمثل** اور **یدا بید**۔

[۹۳۸](۷) اور اگر دو علتوں میں سے ایک پائی جائے اور دوسری نہ پائی جائے تو کمی بیشی حلال ہے اور ادھار حرام ہے۔

تشریح مثلا مبیع اور ثمن دونوں ایک جنس کے نہیں ہیں لیکن دونوں کیلی ہیں یا دونوں وزنی ہیں۔ مثلا گیہوں کے بدلے چاول ہے یا سونے کے بدلے چاندی ہے تو کمی بیشی حلال ہے لیکن ادھار حرام ہوگا۔ دونوں پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔

وجہ حدیث میں ہے، **عن عبادۃ بن سامت قال قال رسول اللہ ﷺ ... فاذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید** (ج) (مسلم شریف، باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا، ص ۴۴ نمبر ۱۵۸۷/۴۰۶۳ر ترمذی شریف، نمبر ۱۲۴۰) بخاری شریف میں ہے **نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الذھب بالورق دینا** (د) (بخاری شریف، باب بیع الورق بالذھب نسیۃ ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۰) اس حدیث میں سونا اور چاندی دونوں وزنی ہیں اس لئے ادھار حرام قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ کمی زیادت کو جائز قرار دیا۔

اور اگر بیع اور ثمن کیلی اور وزنی نہ ہوں البتہ ایک ہی قسم کی دونوں چیزیں ہوں تو کمی زیادتی جائز ہے۔ لیکن اس صورت میں ادھار حرام ہوگا۔ مثلا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے روکا بیچنے سے چاندی کو چاندی کے بدلے، سونا کو سونا کے بدلے مگر برابر سرابر اور حکم دیا کہ ہم بیچیں سونے کو چاندی کے بدلے جیسا چاہیں، اور چاندی کو سونے کے بدلے جیسا چاہیں (ب) پس جب یہ صنف الگ الگ ہو جائیں تو بیچو جیسے تم چاہو جبکہ ہاتھوں ہاتھ ہو (ج) آپؐ نے فرمایا... پس جب یہ صنف الگ الگ ہو جائیں تو بیچو جیسے چاہو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو (ج) آپؐ نے سونا کو چاندی کے بدلے ادھار بیچنے سے روکا۔

وحرم النساء[٩٣٩] (٨) وكل شيء نص رسول الله صلى الله عليه وسلم على تحريم التفاضل فيه كيلا فهو مكيل ابدا وان ترك الناس فيه الكيل مثل الحنطة والشعير والتمر

اخروٹ کے بدلے میں اخروٹ خریدے تو اخروٹ عددی ہے اس لئے ایک اخروٹ دیکر دو اخروٹ لے سکتا ہے۔لیکن ادھار جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ مجلس میں قبضہ کرنا ہوگا۔کیونکہ دونوں طرف جنس ایک ہے۔حدیث میں ہے۔عن جابر قال جاء عبد فبایع النبی ﷺ علی الھجرۃ ولم یشعر انه عبد فجاء سیدہ یریدہ فقال له النبی ﷺ بعنیه فاشتراہ بعبدین اسودین (الف)(مسلم شریف ،باب جواز بیع الحیوان بالحیوان من جنسہ متفاضلاص ۳۰ نمبر ۱۶۰۲ر بخاری شریف، باب بیع العبد والحیوان نسیئۃ ص ۲۹۷ نمبر ۲۲۲۸) اس حدیث میں ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں خریدا ہے۔اور ادھار حرام ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن سمرۃ بن جندب عن النبی ﷺ انه نھی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئة (ب)(سنن للبیھقی ،باب ماجاء فی النھی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ، ج خامس،ص ۴۷۲،نمبر ۱۰۵۳۲) اس حدیث میں عددی چیزوں کی جنس ایک ہوتو ادھار بیچنا حرام قرار دیا۔

لغت النساء : ادھار۔

[۹۳۹](۸) ہر وہ چیز جس میں حضور ﷺ نے تصریح کی کمی بیشی کے حرام ہونے پر کیل کے اعتبار سے وہ چیز ہمیشہ کیلی ہے اگر چہ لوگ اس کو کیل کرنا چھوڑ دے۔مثلا گیہوں، جو، کھجور اور نمک۔اور ہر وہ چیز کہ تصریح کی اس میں کمی بیشی کے حرام ہونے پر وزن کے اعتبار سے تو وہ ہمیشہ وزنی ہے اگر چہ لوگ اس کو وزن کرنا چھوڑ دے۔جیسے سونا اور چاندی۔

تشریح حضور کے زمانے میں جو چیزیں کیلی تھیں وہ قیامت تک کیلی ہی رہیں گی۔اور کمی بیشی کا اعتبار کیل کے اعتبار سے ہوگا۔چاہے بعد میں لوگوں نے ان چیزوں کو کیل کرنا چھوڑ دیا ہو۔مثلا گیہوں، جو، کھجور اور نمک وغیرہ حضور کے زمانے میں کیل سے بیچے جاتے تھے اور حضورؐ نے تصریح کی ہے کہ یہ کیلی ہیں اس لئے وہ ہمیشہ کیلی ہی رہیں گی۔چاہے آج کل لوگوں نے ان چیزوں کو وزن کر کے بیچنا شروع کر دیا ہے۔اور جو چیزیں حضور کے زمانے میں وزنی تھیں اور آپؐ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ وزنی ہیں تو وہ قیامت تک وزنی ہی کے اعتبار سے سود کا اعتبار ہوگا۔مثلا سونا اور چاندی حضور کے زمانے میں وزنی تھے اور آپؐ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ وزنی ہیں اس لئے قیامت تک وزنی رہیں گے

وجہ آپ کی حدیث قیامت تک کے لئے ہے اور آپ کا دین قیامت تک کے لئے ہے اس لئے آپ کی تصریح کا اعتبار بھی قیامت تک رہے گا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ الوزن وزن اھل مکة والمکیال مکیال اھل المدینه (ج)(ابو داؤد شریف ،باب فی قول النبی ﷺ المکیال مکیال المدینۃ ص ۱۱۸ نمبر ۳۳۴۰) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ وزن میں اہل مکہ کا اعتبار ہے اور کیل میں اہل مدینہ کا اعتبار ہے۔اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس معیار اور قدر کا کیل اہل مدینہ کا ہے اسی کا

حاشیہ : (الف) ایک غلام آیا اور حضورؐ نے اس سے ہجرت کرنے پر بیعت کی اور معلوم نہیں تھا کہ وہ غلام ہے۔پھر اس کا مالک آکر مانگنے لگا تو آپؐ نے فرمایا اس کو بیچ دو۔تو آپؐ نے اس کو دو کالے غلام کے بدلے خریدا (ب) آپؐ نے حیوان کو حیوان کے بدلے میں ادھار بیچنے سے روکا (ج) آپؐ نے فرمایا وزن میں اہل مکہ کے وزن کا اعتبار ہے اور کیل میں اہل مدینہ کے کیل کا اعتبار ہے۔

والملح وكل شيء نص على تحريم التفاضل فيه وزنا فهو موزون ابدا وان ترك الناس الوزن فيه مثل الذهب والفضة [۹۴۰](۹) ومالم ينص فهو محمول على عادات الناس [۹۴۱](۱۰) وعقد الصرف ما وقع على جنس الاثمان يعتبر فيه قبض عوضيه في

اعتبار ہوگا۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اہل مدینہ کیلی قرار دے وہ کیلی ہے۔اور جس چیز کو اہل مکہ وزنی قرار دے وہ وزنی ہے۔اور مکہ میں بھی آپ کا ہی حکم چلتا تھا اس لئے گویا کہ آپؐ نے جس چیز کو وزنی قرار دیا وہ وزنی ہے اور جس چیز کو کیلی قرار دیا وہ کیلی ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عادت بدل گئی ہو تو اب عادت کے مطابق فیصلہ ہوگا۔مثلا لوگ اب گیہوں کو کیل کے بجائے کیلو سے بیچنے لگے ہیں تو اب سود کا مدار کیلو پر ہوگا کیل پر نہیں ہوگا۔

وجہ حضور کے زمانے میں لوگوں کی عادت کے مطابق فیصلہ کیا گیا تھا۔اس لئے اب عادت بدل گئی تو فیصلہ بدل جائے گا۔

[۹۴۰](۹) اور جس پر تصریح نہیں ہے تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہے۔

تشریح جن چیزوں کے بارے میں شریعت کی تصریح نہیں ہے کہ وہ کیلی ہیں یا وزنی ہیں تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہونگے۔وہ اس کو کیلی طور پر استعمال کرتے ہیں تو کیلی ہوگی اور وزنی طور پر استعمال کرتے ہیں تو وزنی ہوگی۔

[۹۴۱](۱۰) عقد صرف جو ثمن کے جنس پر واقع ہو تو اس میں اعتبار ہے مجلس میں دونوں عوض کے قبضے کا۔اور جو اس کے علاوہ ہے جن میں ربوا ہے ان میں اعتبار کیا جائے گا تعین کا اور نہیں اعتبار کیا جائے گا قبضے کا۔

تشریح جن جن صورتوں میں سود ہوتا ہے ان صورتوں میں دونوں طرف سونا ہو یا چاندی ہو یا ایک طرف سونا ہو اور دوسری طرف چاندی ہو تو مسئلہ گزرا کہ ادھار جائز نہیں ہے۔نقد ضروری ہے۔اور نقد میں بھی یہ ہے کہ مجلس میں دونوں پر قبضہ کر لے،صرف تعین کرنا کافی نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ ثمن یعنی سونا چاندی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں جب تک کہ قبضہ نہ کر لیا جائے۔سود اور ادھار سے بچنے کے لئے ان دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہوگا۔

ان کے علاوہ جو غلہ جات ہیں جن میں سود ہوتا ہے ادھار سے بچنے کے لئے ان پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔مجلس میں صرف متعین ہو جائے کہ یہ گیہوں یا یہ کھجور دینا ہے اتنا ہی کافی ہے۔

وجہ (۱) غلہ جات متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔اور نقد بیچنے کے لئے اتنا کافی ہے۔مثلا گیہوں کے بدلے میں گیہوں بیچے تو برابر سرابر کے ساتھ یہ متعین کر لے کہ یہ گیہوں دینا ہے اور یہ گیہوں لینا ہے۔بس اتنا کافی ہے باضابطہ قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے **فبلغ عبادة بن صامت فقام فقال انی سمعت رسول الله ينهى عن بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح الا سواء بسواء عينا بعين** (الف)(مسلم شریف،

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے روکا سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے مگر برابر سرابر متعین کر کے۔

المجلس وماسواه مما فيه الربوا يعتبر فيه التعيين ولا يعتبر فيه التقابض [۹۴۲](۱۱) ولا يجوز بيع الحنطة بالدقيق ولا بالسويق وكذلک الدقيق بالسويق.

باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا ص۲۴ نمبر ۱۵۸۷) اس حدیث میں یدا بید کے بجائے عینا بعین ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز متعین ہو جائے اور عین شی ہو جائے۔ اس لئے حنفیہ اس حدیث کو غلہ جات پر محمول کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ غلہ جات میں صرف تعین ہو جائے تو ادھار سے بیچنے کے لئے کافی ہے۔ اور یدا بید کو ثمن پر محمول کرتے ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ غلہ جات میں بھی ادھار سے بیچنے کے لئے قبضہ کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل احادیث یدا بید والی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ کرنا ضروری ہے۔

اصول اثمان یعنی درہم اور دنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے جب تک کہ قبضہ نہ کر لئے جائیں (۲) غلہ جات اور سامان متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔

[۹۴۲](۱۱) اور نہیں جائز ہے گیہوں کی بیع آٹے سے اور نہ ستو سے اور ایسے ہی آٹے کی بیع ستو سے۔

تشریح گیہوں کو گیہوں کے آٹے کے بدلے میں بیچے یا اس کے ستو کے بدلے میں بیچے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ کسی برتن میں ناپنے کے لئے گیہوں ڈالے گا تو مثلا ایک کیلو گیہوں آئے لیکن اسی برتن میں اس کا آٹا ڈالے گا تو سوا کیلو آئے گا۔ کیونکہ گیہوں ہلکے ہوتے ہیں اور بڑے بڑے دانے ہوتے ہیں۔ اور آٹا باریک ہونے کی وجہ سے دب جائے گا اور زیادہ آئے گا۔ تو برتن کے بھرنے کے اعتبار سے برابر ہے لیکن وزن کے اعتبار سے بہت فرق ہوگا۔ اس لئے مساوات نہیں ہوئی اور دونوں ایک ہی قسم کی چیز اور جنس ہیں اس لئے مساوات اور برابری ضروری تھی اور وہ ہوئی نہیں اس لئے گیہوں کو آٹے کے بدلے یا ستو کے بدلے بیچنا جائز نہیں ہے۔ بیچنا ہی ہو تو درہم اور پونڈ کے بدلے بیچے (۲) حدیث میں ایسی بیع سے منع فرمایا ہے قال سعد سمعت رسول الله سئل عمن اشترى التمر بالرطب فقال اينقص الرطب اذا يبس فقالوا نعم فهى عن ذلک (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص۴۴ نمبر ۲۹۷۶ / سنن للبیہقی، باب ماجاء فی النھی عن بیع الرطب بالتمر ج خامس ص۲۹۴) اس حدیث میں تر کھجور اور خشک کھجور ایک جنس ہیں لیکن صاع اور برتن میں تر کھجور کم آئے گا اور اسی برتن میں خشک کھجور زیادہ آئے گا۔ اس لئے کیلو کے اعتبار سے مساوات نہیں ہوگی اس لئے آپؐ نے منع فرمایا۔ بلکہ پوچھا کیا تر کھجور بعد میں کم ہو جائے گا؟ تو صحابہ نے فرمایا کہ ہاں! بعد میں کم ہوگا تو آپؐ نے تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنے کو منع فرمایا۔ یہی حال گیہوں اور اس کے آٹے کا اور گیہوں اور اس کے ستو کا ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن سعيد بن مسيب فى البر بالدقيق قال هو ربا (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲ فی السویق بالحنطۃ واشباھہ من اجازہ ج خامس ص۳۴)

گیہوں کا آٹا ہو اور گیہوں ہی کا ستو ہو تو بھی دونوں کو بیچنا جائز نہیں۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے پوچھا اس آدمی سے جس نے کھجور کو تر کھجور کے بدلے میں خریدا، فرمایا کیا تر کھجور کم ہو جاتا ہے جب خشک ہو جاتا ہے؟ لوگوں نے فرمایا ہاں! پس آپ نے اس بیع سے روکا (ب) حضرت سعید بن مسیب سے گیہوں کو آٹے کے بدلے میں بیچنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا یہ ربوا ہے۔

[۹۴۳](۱۲) ویجوز بیع اللحم بالحیوان عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالی وقال محمد لا یجوز الا علی وجه الاعتبار حتی یکون اللحم اکثر مما فی الحیوان فیکون اللحم بمثل والزیادة بالسقط.

وجہ ستو بھننے کے بعد ہلکا ہو جاتا ہے وہ برتن میں کم آئے گا اور آٹا بھونا ہوا نہیں ہوتا ہے اس لئے اس میں دباؤ ہوتا ہے اور وزنی ہوتا ہے۔اس لئے ان دونوں میں بھی مساوات نہیں ہوگی، اور جنس ایک ہے۔اس لئے بیع جائز نہیں ہوگی۔

اصول جنس ایک ہو اور وزن میں برابری نہ ہو پاتی ہو تب بھی جائز نہیں ہوگی کیونکہ مثلا بمثل نہیں ہوا۔

نوٹ ایک اگر جنس بدل جائے۔مثلا گیہوں کا آٹا ہو اور جو کے ستو ہو تو جائز ہوگا کیونکہ جنس بدل گئی۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک ستو اور آٹا دو جنس ہیں۔ایک کا مقصد روٹی پکانا ہے اور دوسرے کا مقصد گھول کر کھانا ہے اس لئے ستو کو آٹے کے بدلے بیچنا جائز ہے۔

لغت الدقیق : آٹا۔ السویق : ستو۔

[۹۴۳](۱۲) جائز ہے گوشت کی بیع حیوان کے بدلے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور فرمایا امام محمدؒ نے نہیں جائز ہے مگر اس اعتبار سے کہ گوشت زیادہ ہو اس سے جو حیوان میں ہے تو گوشت گوشت کے بدلے میں اور زیادہ سقط کے بدلے میں۔

تشریح مثلا گائے کا گوشت ہو اور زندہ گائے کے بدلے میں بیچنا چاہتا ہے تو شیخین کے نزدیک جائز ہے چاہے گائے میں گوشت ساٹھ کیلو ہو اور کٹا ہوا گوشت تیس کیلو ہو۔

وجہ گوشت وزنی ہے اس کو وزن سے ناپتے ہیں اور گائے عددی ہے اس کو وزن سے نہیں ناپتے ہیں بلکہ عدد سے بیچتے ہیں۔تو یہ دو جنس ہوئے ایک جنس نہیں ہوئے اس لئے کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو کٹا ہوا گوشت ہے وہ اس گوشت سے زیادہ ہونا چاہئے جو زندہ گائے میں ہے تب بیچنا جائز ہوگا۔مثلا زندہ گائے میں گوشت ساٹھ کیلو ہے تو کٹا ہوا گوشت ستر کیلو ہونا چاہئے۔تاکہ ساٹھ کیلو ساٹھ کیلو کے برابر ہو جائے اور دس کیلو کٹا ہوا گوشت گائے کی کلیجی، گردہ اور سقط کے بدلے ہو جائے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ گائے کا کٹا ہوا گوشت اور زندہ گائے دونوں ایک جنس ہیں اس لئے مساوات اور برابری ضروری ہے (۲) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن سهل بن سعید قال نهی رسول الله ﷺ عن بیع اللحم بالحیوان (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۹ نمبر ۳۰۳۷ رسنن للبیہقی، باب بیع اللحم بالحیوان، ج خامس، ص ۴۸۳، نمبر ۱۰۵۶۹) اس حدیث میں گوشت کو حیوان کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا گیا ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ دونوں ایک جنس ہیں۔تاہم گوشت زیادہ ہو اور مساوات کا اعتبار کریں تو جائز ہو جائیگی۔

لغت السقط : ناکارہ چیز جیسے ہڈی اور سینگ وغیرہ۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے روکا گوشت کو حیوان کے بدلے بیچنے سے۔

[٩٤٤] (١٣) ویجوز بیع الرطب بالتمر مثلا بمثل عند ابی حنیفة و کذلک العنب بالزبیب [٩٤٥] (١٤) ولا یجوز بیع الزیتون بالزیت والسمسم بالشیرج حتی یکون

[٩٤٤] (١٣) جائز ہے تر کھجور کی بیع خشک کھجور کے بدلے برابر سرابر امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور ایسے ہی انگور کی بیع کشمش کے بدلے۔

تشریح تر کھجور کو خشک کے بدلے بیچنا جائز ہے بشرطیکہ دونوں کو صاع کے اعتبار سے برابر سرابر بیچے۔

وجہ دونوں ہی کھجور ہیں اس لئے ایک جنس ہیں۔ اس لئے برتن میں بھر کر دونوں کو برابر کر کے بیچے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ حدیث گزر چکی ہے مثلا بمثل۔ اسی طرح انگور اور اس سے خشک ہو کر کشمش ایک ہی جنس ہیں اس لئے دونوں کو برتن میں بھر کر برابر کر دے اور بیچے تو جائز ہے۔ اور اگر دو جنس مان لیں تو کمی بیشی کر کے بھی بیچنا جائز ہوگا۔

فائدہ صاحبین اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ تر کھجور کو خشک کے بدلے بیچنا جائز نہیں۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ دونوں کی جنس ایک ہے اور برتن میں بھر کر بیچیں گے تو ابھی تو دونوں برابر ہو جائیں گے لیکن بعد میں تر کھجور خشک ہوگا تو اس کی مقدار کم ہو جائے گی تو بعد میں مساوات باقی نہیں رہے گی۔ اس لئے یہ مثلا بمثل نہیں ہوئی۔ اس لئے تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنا جائز نہیں (٢) حدیث میں بھی منع فرمایا۔ **وقال سعد سمعت رسول اللہ سئل عمن اشتری التمر بالرطب فقال اینقص الرطب اذا یبس؟ فقالوا نعم فنھی عن ذلک** (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ٤٤ نمبر ٢٩٧٦ رسنن للبیھقی، باب ماجاء فی النھی عن بیع الرطب بالتمر، ج خامس، ص ٤٨٠، نمبر ١٠٥٥٦) اس حدیث میں آپؐ نے پوچھا کہ کیا تر کھجور خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتا ہے؟ تو لوگوں نے کہا ہاں! پس آپ نے تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا۔ اس لئے صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنا ممنوع ہے۔

لغت الرطب : تر کھجور۔ العنب : انگور۔ الزبیب : کشمش، سوکھے ہوئے انگور کو کشمش کہتے ہیں۔

[٩٤٥] (١٤) اور نہیں جائز ہے زیتون کی بیع زیتون کے تیل کے ساتھ اور تل کی بیع تل کے تیل کے ساتھ یہاں تک کہ زیتون کا تیل اور تل کا تیل زیادہ ہو اس سے جو زیتون اور تل میں ہے۔ تاکہ تیل اس کے مثل کے بدلے ہو جائے اور زیادہ تیل کھلی کے بدلے میں ہو جائے۔

تشریح مثلا دو کیلو زیتون کا خالص تیل ہے اس کو چھ کیلو زیتون پھل کے بدلے میں بیچنا چاہتا ہے۔ اور چھ کیلو زیتون میں ڈیڑھ کیلو تیل موجود ہے تو بیع جائز ہوگی۔

وجہ کیونکہ نکالا ہوا ڈیڑھ کیلو تیل اس تیل کے برابر ہو جائے گا جو زیتون کے پھل میں ڈیڑھ کیلو تیل ہے۔ اور باقی آدھا کیلو تیل زیتون کی کھلی کے مقابلے میں ہو جائے گا۔ اس طرح ڈیڑھ کیلو تیل ڈیڑھ کیلو تیل کے مقابلے میں ہو گیا اور ایک جنس ہونے کی وجہ سے مساوات اور برابری ہو گئی اس لئے جائز ہو گیا۔ اور اگر زیتون کے پھل میں جتنا تیل ہے، نکالا ہوا تیل اس سے کم ہو تو بیع جائز نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے پوچھا اس آدمی سے جس نے کھجور کو تر کھجور کے بدلے میں خریدا، فرمایا کیا تر کھجور کم ہو جاتا ہے جب خشک ہو جاتا ہے؟ لوگوں نے فرمایا ہاں! پس آپ نے اس بیع سے روکا۔

الزیت والشیرج اکثر مما فی الزیتون والسمسم فیکون الدھن بمثلہ والزیادۃ بالثجیر[۹۴۶] (۱۵) ویجوز بیع اللحمان المختلفۃ بعضھا ببعض متفاضلا[۹۴۷] (۱۶) وکذلک البان الابل والبقر والغنم بعضھا ببعض متفاضل.

وجہ تقریباً ایک جنس ہے اس لئے مثلاً بمثل کے بغیر جائز نہیں (۲) حدیث میں اشارہ موجود ہے۔ عن سھل بن سعید قال نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع اللحم بالحیوان (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ص ۵۹ نمبر ۳۰۴۲ رسنن للبیھقی، باب بیع اللحم بالحیوان، ج خامس ص ۴۸۳، نمبر ۱۰۵۶۹) اس حدیث میں گوشت کے حیوان کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ دونوں ایک ہی جنس ہیں۔ اسی طرح زیتون کا تیل اور زیتون کا پھل ایک ہی جنس ہیں اس لئے جائز نہیں جب تک کہ تیل زیتون کے اندر کے تیل سے زیادہ نہ ہو۔

اصول ایک جنس ہوں تو مبیع اور ثمن کا برابر سرابر ہونا ضروری ہے ورنہ ربوا ہو جائے گا۔

لغت الزیت : زیتون کا تیل۔ السمسم : تل۔ الشیرج : تل کا تل۔ الدھن : تیل۔ الثجیر : کھلی۔

[۹۴۶] (۱۵) جائز ہے بیع مختلف گوشت کی بعض کو بعض کے ساتھ کمی بیشی کر کے۔

تشریح مثلاً بکری کا گوشت گائے کے گوشت کے بدلے بیچے تو کمی بیشی کر کے بیچنا بھی جائز ہے۔

وجہ (۱) بکری الگ جنس ہے اور گائے الگ جنس ہے۔ اور بکری کا گوشت بکری کی جنس سے ہوگا اسی طرح گائے کا گوشت گائے کی جنس سے ہوگا۔ اس لئے بکری کا گوشت گائے کے گوشت کے ساتھ کمی بیشی کر کے بیچنا جائز ہوگا۔ کیونکہ دو الگ الگ جنس ہوئے (۲) اثر میں ہے قال مالک ولا بأس بلحم الحیتان بلحم الابل والبقر والغنم وما اشبہ ذلک من الوحوش کلھا اثنین بواحد واکثر من ذلک یدا بید فان دخل فی ذلک الاجل فلا خیر فیہ (ب) (موطا امام مالک، باب بیع اللحم باللحم ص ۵۹۳) اس اثر میں مچھلی کے گوشت کو بکری گائے کے گوشت کے ساتھ کمی بیشی کر کے بیچنا جائز قرار دیا بشرطیکہ نقد ہو ادھار نہ ہو اس لئے کہ دونوں وزنی ہیں۔

اصول مختلف جنس ہوں تو کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

لغت اللحمان : لحم کی جمع ہے گوشت۔

[۹۴۷] (۱۶) ایسے ہی اونٹنی کا دودھ، گائے کا دودھ اور بکری کا دودھ بعض کا بعض کے ساتھ کمی بیشی کر کے بیچنا جائز ہے۔

تشریح اونٹنی کا دودھ اونٹنی کی جنس ہے اس لئے بکری کے دودھ کے ساتھ کمی بیشی کر کے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ بکری کا دودھ بکری کے جنس سے ہے اور اونٹنی کے دعدھ سے الگ ہے۔ اس لئے جائز ہوگا۔

وجہ اوپر موطا امام مالک کا اثر گزر چکا اور حدیث بھی گزر چکی۔ وبیعوا الشعیر بالتمر کیف شئتم یدا بید (ج) (ترمذی شریف، باب

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے گوشت کو حیوان کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا (ب) حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ مچھلی کے گوشت کو اونٹ، گائے اور بکری کے گوشت کے بدلے بیچے یا جو اس کے مشابہ ہو وحشی جانور میں سے دو ایک کے بدلے میں یا اس سے زیادہ بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔ پس اگر اس میں مدت آجائے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے (ج) آپؐ نے فرمایا جو کو کھجور کے بدلے میں بیچو جیسے چاہو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔

[۹۴۸]ا(۱۷) وخل الدقل بخل العنب متفاضلا[۹۴۹] (۱۸) ویجوز بیع الخبز بالحنطة والدقیق متفاضلا [۹۵۰](۱۹) ولا ربوا بین المولی وعبده [۹۵۱](۲۰) ولا

ماجاء ان الحنطة بالحنطة مثلا بمثل وکراهیة التفاضل فیہ ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰) اس حدیث میں ہے کہ دو جنس ہوں تو کمی بیشی کر کے جیسے چاہو بیچو۔

[۹۴۸] (۱۷) اور جائز ہے کھجور کا سرکہ انگور کے سرکہ کے ساتھ کمی بیشی کر کے۔

وجہ کھجور کا سرکہ الگ جنس ہے اور انگور کا سرکہ الگ جنس ہے۔ کیونکہ دونوں الگ الگ جنس سے نکلے ہیں اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔ اگر چہ دونوں کا نام سرکہ ہے۔

[۹۴۹] (۱۸) اور جائز ہے روٹی کی بیع گیہوں سے اور آٹے سے کمی بیشی کر کے۔

وجہ روٹی اگر چہ گیہوں کے آٹے کی ہو پھر بھی اس کو الگ جنس قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ روٹی عدد سے گن کر بکتی ہے اور گیہوں اور آٹا کیلی ہیں۔ اسی طرح روٹی کا مصرف الگ ہے اور گیہوں کا مصرف الگ ہے۔ اس لئے دونوں دو جنس ہو گئے۔ اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہو گیا

لغت الخبز : روٹی۔ الدقیق : آٹا۔

[۹۵۰] (۱۹) مولی اور اس کے غلام کے درمیان ربو نہیں ہے۔

تشریح مولی اپنے غلام سے سود لے ایک درہم کے بدلے دو درہم لے تو یہ سود نہیں ہے۔ لے سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ غلام پر قرض نہ ہو۔ کیونکہ غلام پر قرض ہوگا تو غلام کا روپیہ صرف غلام کا نہیں ہے بلکہ قرض دینے والے کا ہے۔

وجہ (۱) غلام کے پاس جو روپیہ ہے وہ سب مولی کا ہے۔ اس لئے ایک درہم دیکر دو درہم لے تو گویا کہ مولی نے اپنا ہی روپیہ لیا اس لئے یہ سود ہی نہیں ہوا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ کان ابن عباس یبیع عبدا له الثمرة قبل ان یبدو صلاحها و کان یقول لیس بین العبد وسیده ربا (الف) مصنف عبد الرزاق، باب لیس بین عبد وسیدہ والمکاتب وسیدہ ربا، ج ثامن، ص ۷۶ نمبر ۱۴۳۷۸ / مصنف ابن ابی شیبة ۸ من قال لیس بین العبد وسیدہ ربا، ج رابع، ص ۲۷۸، نمبر ۲۰۰۳۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولی اور اس کے غلام کے درمیان سود نہیں ہوتا۔

[۹۵۱] (۲۰) اور نہیں ہے سود مسلمان اور حربی کے درمیاں دار الحرب میں۔

تشریح دار الحرب میں جو حربی ہیں مسلمان اس کے مال کو سودی کاروبار کر کے لیلے تو یہ سود نہیں ہے۔

وجہ (۱) حربی کا مال مال غنیمت کے درجہ میں ہے۔ اور مال غنیمت کا لینا جائز ہے۔ اس لئے حربی کا مال اس کی رضامندی سے لینا بدرجہ اولی جائز ہوگا (۲) اس کے لئے ایک حدیث مرسل بھی ہے۔ عن مکحول ان رسول الله ﷺ قال لا ربوا بین اهل الحرب واظنه قال وبین اهل الاسلام (ب) درایة ص ۱۸۷ اعلاء السنن، باب فی الربا فی دار الحرب بین المسلم والحربی ج اربع عشر ص ۳۸۶ نمبر ۴۷۴۴)

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عباس اپنے غلام سے پھل کارآمد ہونے سے پہلے بیع کرتے اور فرماتے کہ غلام اور اس کے سید کے درمیان سود نہیں ہے (ب) تابعی مکحول سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اہل حرب کے درمیان ربو نہیں اور گمان ہے کہ یوں بھی فرمایا اور اہل اسلام کے درمیان۔ یعنی حربی اور (باقی اگلی صفحہ پر)

بین المسلم والحربی فی دار الحرب.

اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ حربی اور مسلمان کے درمیان سود نہیں ہے۔امام ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے۔

نوٹ مجھے یہ حدیث تلاش بسیار کے بعد کہیں نہیں ملی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حربی اور مسلمان کے درمیان بھی سود جائز نہیں ہے۔

وجہ قرآن میں علی الاطلاق سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔آیت ہے یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین (الف) (آیت ۲۷۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں فرمایا کہ جو سود باقی رہ گیا ہو اس کو چھوڑ دو اور یہ علی الاطلاق ہے۔اس لئے حربی سے سود لینا حرام ہوگا

(۳) حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے سود ختم کرنے کا اعلان فرمایا تھا اور حضرت عباس کا سود جو لوگوں پر تھا اس کو معاف کرنے کا اعلان فرمایا تھا۔حالانکہ وہ سود کافروں پر بھی تھا۔جس سے معلوم ہوا کہ سود حربی سے بھی لینا حرام ہے۔قال دخلنا علی جابر بن عبد اللہ فسأل عن القوم ... واول ربا اضع ربانا ربا عباس بن عبد المطلب فانه موضوع كله (ب) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۴ نمبر ۱۲۱۸ / ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۶۹ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث میں آپؐ نے علی الاطلاق سود منع فرمایا ہے۔بلکہ ابوداؤد میں یہ جملہ ہے وربا الجاهلية موضوع جس کا مطلب یہ ہے کہ حربیوں کے سود بھی ختم کئے جاتے ہیں۔اس لئے حربی سے بھی سود لینا حرام ہوگا

نوٹ فتوی امام یوسف کے مسلک پر ہے۔خصوصا دار الامن میں سود لینا بالکل جائز نہیں ہے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) مسلمان کے درمیان سود واقع نہیں ہوتا (الف) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو (ب) سب سے پہلا ربوا جو ختم کرتا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کا ربوا ہے۔پس وہ تمام کے تمام ختم کئے جاتے ہیں۔

﴿ باب السلم ﴾

[۹۵۲](۱)السلم جائز فی المکیلات والموزونات والمعدودات التی لا یتفاوت

﴿ باب السلم ﴾

ضروری نوٹ بیع سلم کا مطلب یہ ہے کہ قیمت ابھی لے اور مبیع کچھ دنوں کے بعد دے۔ اس بیع کو بیع سلم کہتے ہیں۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو۔ کیونکہ حدیث میں گزرا ہے کہ جو مبیع تمہارے پاس نہ ہو اس کو نہ بیچو ولا بیع ما لیس عندک (الف) (ابوداؤد شریف نمبر ۳۵۰۴ر ترمذی شریف نمبر ۱۲۳۲) لیکن غرباء کے لئے یہ سہولت دی گئی ہے کہ وہ مالداروں سے قیمت ابھی لیں اور اس قیمت سے خرید و فروخت کرتے رہیں اور نفع کماتے رہیں۔ پھر جب مبیع دینے کا وقت آئے مبیع خرید کر مشتری کے حوالے کر دیں۔ چونکہ مبیع سامنے موجود نہیں ہے اس لئے مبیع کو مکمل متعین کرنے کے لئے سات شرطیں ہوں تو بیع سلم جائز ہوگی۔ ان شرطوں سے مبیع کا خاکہ سامنے آجاتا ہے اور جھگڑا کرنے کا موقع نہیں رہتا۔ ان شرطوں کی تفصیل آگے آئے گی۔ بیع سلم جائز ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ (ب) (آیت ۲۸۲ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں فرمایا کہ کسی دین کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور بیع سلم میں بھی دین کا معاملہ ہے اس لئے اس کا جواز بھی اس آیت میں شامل ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینۃ وھم یسلفون بالثمر السنتین والثلاث فقال من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم (ج) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰ رمسلم شریف، باب السلم ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع سلم جائز ہے اور تین شرطوں کا بھی علم ہوا کہ مبیع کی کیل، وزن اور مدت معلوم ہوں۔

نوٹ باب السلم میں بائع کو مسلم الیہ، مشتری کو رب السلم، مبیع کو مسلم فیہ اور ثمن کو رأس المال کہتے ہیں۔

[۹۵۲](۱) سلم جائز ہے کیلی چیزیں، وزنی چیزیں اور اس عددی چیزوں میں جس کے افراد میں تفاوت نہ ہو۔ جیسے اخروٹ اور انڈے اور ہاتھ سے ناپنے والی چیزوں میں۔

تشریح جو چیز کیلی ہو یعنی کیل سے ناپ کر بیچی جاتی ہو جیسے گیہوں۔ چاول تو اس میں بیع سلم جائز ہے۔ اسی طرح جو چیزیں وزنی ہوں یا جو چیزیں عدد سے گنی جاتی ہوں لیکن ان کے افراد میں زیادہ تفاوت اور فرق نہ ہو جیسے اخروٹ اور انڈے ہیں کہ اس کے افراد میں زیادہ فرق نہیں ہے اس کے چھوٹے بڑے دینے سے جھگڑا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو چیزیں ہاتھ سے اور گز سے ناپ کر بیچتے ہیں جیسے کپڑا وغیرہ تو اس کو بیع سلم کے ذریعہ بیچ سکتے ہیں۔

وجہ کیلی، وزنی، عددی اور ذراعی میں بیع سلم کرنا اس لئے جائز ہے کہ ان کی صفات اور وزن متعین کر دیئے جائیں تو کافی حد تک تعین ہو جاتا ہے اور جھگڑا نہیں ہوگا اس لئے انہیں چیزوں میں سلم جائز ہے۔ اور جن چیزوں کو صفات کے ذریعہ متعین کرنا ناممکن ہو ان کی بیع سلم جائز نہیں

حاشیہ: (الف) مت بیچو وہ چیز جو تمہارے پاس نہ ہو (ب) اے ایمان والو جب تم متعین مدت تک دین کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو (ج) آپ مدینہ تشریف لائے اور لوگ پھل میں دو سال اور تین سال کے لئے بیع سلم کرتے تھے تو آپ نے فرمایا جو کسی چیز میں بیع سلم کرے تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

کالجوز والبیض والمذروعات[۹۵۳] (۲) ولا یجوز السلم فی الحیوان ولا فی اطرافه

ہے۔حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس ...فقال من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم (الف) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰) اس حدیث میں کیل معلوم سے پتہ چلا کہ چیز کیلی ہو، اوروزن معلوم سے پتہ چلا کہ چیز وزنی ہو۔اور کپڑے کے بیع سلم کے لئے یہ اثر ہے۔عن ابن عباس فی السلف فی الکرابیس قال اذا کان ذراع معلوم الی اجل معلوم فلا بأس (ب) (سنن للبیھقی، باب السلف فی الحنطۃ والشعیر والزبیب والزیت والثیاب وجمیع ما یضبط بالصفۃ ج سادس ص ۴۲، نمبر ۱۱۱۲۳ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۳۷ فی السلم بالثیاب، ج رابع ص ۳۹۸، نمبر ۲۱۴۰۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کپڑا جو ہاتھ سے ناپا جاتا ہے اس کی بیع سلم ہوسکتی ہے۔اور اسی پر عددی چیزوں کو قیاس کرلیں۔عددی میں بیع سلم جائز ہونے کے لئے یہ حدیث ہے۔فکان یأخذ البعیر بالبعیرین الی ابل الصدقۃ (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی الرخصۃ فی ذلک یعنی باب فی الحیوان بالحیوان نسیئۃ ص ۱۲۱ نمبر ۳۳۵۷) اس حدیث میں آپؐ نے ایک اونٹ کو دو اونٹ کے بدلے لیا ہے۔جس سے عددی چیزوں میں بیع سلم کا پتہ چلتا ہے۔

نوٹ وزنی میں درہم اور دنانیر بھی ہیں۔ان کی بیع سلم جائز نہیں۔کیونکہ ان کے صفات متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔اس لئے وزنی سے وہ چیزیں مراد ہیں جو وزن کی جاتی ہوں لیکن درہم اور دنانیر نہ ہوں۔جیسے لوہا وغیرہ۔

اصول صفات متعین کرنے کے ذریعہ جو چیزیں متعین کی جاتی ہو اس کی بیع سلم جائز ہے۔

لغت الجوز : اخروٹ۔ البیض : انڈا۔ المذروعات : ذراع سے مشتق ہے، جو چیز ہاتھ سے ناپی جاتی ہو یا گز سے ناپی جاتی ہو جیسے کپڑا۔

[۹۵۳] (۲) اور نہیں جائز ہے سلم حیوان میں اور نہ اس کے اطراف میں اور نہ کھال میں گن کر۔

تشریح قیمت ابھی ادا کرے اور حیوان کی ساری صفات متعین کرکے اس کو مثلا مہینہ بعد میں لے اور اس میں بیع سلم کرے۔اسی طرح حیوان کے مثلا سر، پاؤں وغیرہ کی بیع سلم کرے یعنی اس کے صفات ابھی متعین کرے اور مہینہ بعد دینے کی بیع کرے یا اس کی کھال میں بیع سلم کرے تو حنفیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ دو حیوانوں کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے۔بعض مرتبہ ظاہری طور پر دو گائے ایک جیسی ہو جائے گی لیکن ایک گائے زیادہ دودھ دے گی اور دوسری کم، ایک زیادہ بچے دے گی اور دوسری کم، اس اعتبار سے معنوی طور پر دو گائے میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔اس لئے جانور میں صفت متعین کرنا مشکل ہے۔اسی طرح دو گایوں کے سر اور پاؤں میں بھی بہت فرق رہتا ہے۔اور اس کی کھال کے بڑے چھوٹے ہونے میں فرق

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی نے کسی چیز میں بیع سلم کی تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو (ب) حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ سوت کے کپڑے میں سلم کے بارے میں، فرمایا اگر گز معلوم ہو اور مدت معلوم ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ج) آپؐ نے ایک اونٹ دو اونٹ کے بدلے میں لیتے صدقہ کے اونٹ آنے تک۔

ولا فی الجلود عددا[۹۵۴] (۳) ولا فی الحطب حزما ولا فی الرطبة جرزا [۹۵۵](۴)

ہوتا ہے۔اور نزاع کا خطرہ رہتا ہے۔اس لئے جانور، اس کے اعضاء اور اس کی کھال میں بیع سلم جائز نہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن سمرة ان النبی علیہ نهی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئة (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۷ / ابوداؤد شریف، باب الحیوان بالحیوان نسیئۃ ص ۱۲۱ نمبر ۳۳۵۶) اس حدیث میں حیوان کو ادھار بیچنے سے منع فرمایا ہے۔اور بیع سلم ادھار ہوتی ہے اس لئے بیع سلم حیوان میں جائز نہیں ہے۔چونکہ اس کے اعضاء اور اس کی کھال بھی حیوان کے اجزاء ہیں اس لئے ان میں بھی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

اصول جن چیزوں کو صفات کے ذریعہ متعین نہیں کر سکتے ان کی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک جانور کی بیع سلم جائز ہے۔

وجہ (۱) وہ فرماتے ہیں کہ جانور کی تمام صفات اور عمر وغیرہ متعین کر دی جائیں تو کافی حد تک متعین ہو جاتا ہے۔اس لئے جانور، اس کے اعضاء اور کھال کی بیع سلم جائز ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن عبد الله بن عمر ان رسول الله امره ان یجهز جیشا فنفدت الابل فامره ان یأخذ فی قلاص الصدقة فکان یأخذ البعیر بالبعیرین الی ابل الصدقة (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی الرخصۃ فی ذلک (ای فی بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ) ص ۱۲۱، نمبر ۳۳۵۷ / ابوداؤد، باب فی حسن القضاء ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۶) اس حدیث میں آپؐ نے ایک اونٹ کے بدلے دو اونٹ دیکر ادھار خریدا ہے جو بیع سلم کی شکل ہے اس لئے امام شافعیؒ کے نزدیک حیوان میں بیع سلم جائز ہے

لغت اطراف : طرف کی جمع ہے اعضاء۔ جلود : جلد کی جمع ہے کھال۔ عددا : گن کر۔

[۹۵۴] (۳) اور نہیں جائز ہے بیع سلم لکڑی کی گٹھر کے اعتبار سے اور نہ سبزیوں میں گڈیوں کے اعتبار سے۔

تشریح ایندھن کی لکڑیوں کا گٹھر بناتے ہیں اور بیچتے ہیں، بعض گٹھر میں زیادہ لکڑی ہوتی ہے اور بعض میں کم۔بالکل ایک طرح کا گٹھر نہیں بن پاتا اس لئے اس کی بیع سلم جائز نہیں۔اسی طرح سبزیاں اور ساگ کا گڈا بناتے ہیں اس میں بھی سبزی کسی میں کم آتی ہے کسی میں زیادہ اس لئے اس کی بھی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

نوٹ اگر مشین سے ایک طرح کی لکڑی کاٹی جائے اور اس کی بیع سلم کرے تو جائز ہے۔ کیونکہ صفات کی تعیین ہوگئی۔اصول اور دلائل اوپر گزر گئے۔حدیث میں تھا کہ کیل معلوم، وزن معلوم (بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰) اور یہاں مقدار معلوم نہیں ہے کتنا ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔

لغت الحطب : ایندھن کی لکڑی۔ حزما : گٹھر۔ الرطبة : سبزی۔ حرز : جمع ہے حرزة کی گڈی۔

[۹۵۵] (۴) اور نہیں جائز ہے سلم یہاں تک کہ مسلم فیہ موجود ہو عقد کے وقت سے دینے کے وقت تک۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے روکا حیوان کو حیوان کی بیع سے ادھار (ب) آپؐ نے حکم دیا کہ لشکر تیار کرے۔پس اونٹ ختم ہو گئے تو آپؐ نے حکم دیا کہ صدقہ کے جوان اونٹ لے لیں تو ایک اونٹ کو دو اونٹ کے بدلے لئے صدقہ کے اونٹ آنے تک۔

ولا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجودا من حین العقد الی حین المحل[۹۵۶]

(۵) ولا یصح السلم الا مؤجلا ولا یجوز الا باجل معلوم.

تشریح یہاں سے بیع سلم صحیح ہونے کے لئے اس کے شرائط کا بیان ہے۔ اس میں ایک شرط یہ ہے کہ ایسی چیز کی بیع سلم جائز ہے جو عقد کے وقت سے جس دن مبیع مشتری کو دینا ہے اس وقت تک بازار میں موجود ہو اور ملتی ہو۔ اگر وہ چیز بازار میں بھی نہیں ملتی ہو تو بیع سلم جائز نہیں ہے۔ یا دینے کے دنوں ملے گی لیکن ابھی بازار میں نہیں ہے۔ درمیان میں بازار سے غائب ہونے کا قوی امکان ہے تب بھی بیع سلم جائز نہیں ہوگی۔

وجہ جو چیز بازار میں ملتی نہیں ہے اس کی بیع سلم کر لیں تو وقت آنے پر مشتری کو کیا چیز دیں گے۔ اور کیسے اس کے روپے حلال کریں گے۔ اس لئے منع فرمایا (۲) حدیث میں ایسی چیز کی بیع سلم سے منع فرمایا جو ابھی بازار میں نہیں ملتی ہو۔ عن ابن عمر ان رجلا اسلف رجلا فی نخل فلم تخرج تلک السنة شیئا فاختصما الی النبی ﷺ فقال بما تستحل ماله اردد علیه ماله ثم قال لا تسلفوا فی النخل حتی یبدو صلاحه (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی السلم فی ثمرة بعینها ص ۱۳۵ نمبر ۳۴۶۷ ربخاری شریف، باب السلم الی من لیس عنده اصل ص ۲۹۹ نمبر ۲۲۴۶ رابن ماجہ شریف، باب اذا اسلم فی نخل بعینه لم یطلع ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸۴) اس حدیث میں فرمایا کہ بازار میں بھی اصل موجود نہ ہو تو کیسے بیع کرو گے؟ اور کیسے مشتری کے مال کو حلال کرو گے؟ اس لئے مال کا بازار میں ہونا ضروری ہے۔

اصول مال کم از کم بازار میں ملتا ہو تو بیع سلم جائز ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دینے کے وقت مبیع بازار میں ملتی ہو تب بھی بیع سلم جائز ہے۔

وجہ دینے کے وقت مبیع موجود ہے اتنا ہی کافی ہے کیونکہ اسی وقت مبیع کی ضرورت پڑے گی۔

لغت المسلم فیہ : مبیع۔ المحل : مدت حلول ہونے کا وقت، مبیع دینے کا وقت۔

[۹۵۶] (۵) اور نہیں جائز ہے سلم مگر مؤخر کر کے اور نہیں جائز ہے مگر معلوم مدت کے ساتھ۔

تشریح بیع سلم کہتے ہی ہیں اس کو جس میں مبیع بعد میں دی جائے۔ اور اگر مبیع فوری دینے کی بات ہو تو اس کو بیع سلم نہیں کہیں گے۔ اس کو عام بیع اور بیع عین کہیں گے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر سلم کے الفاظ سے بیع کی ہو تو اس کو بھی بیع سلم کہہ سکتے ہیں۔ بیع سلم میں یہ بھی ضروری ہے کہ مدت معلوم ہو۔

وجہ (۱) ورنہ تو مشتری پہلے لینا چاہے گا اور بائع بعد میں دینا چاہے گا۔ اور جھگڑا ہوگا اس لئے مبیع دینے کی تاریخ طے ہونا ضروری ہے (۲) حدیث میں گزرا الی اجل معلوم (بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰ رمسلم شریف نمبر ۱۶۰۴) اس لئے مدت متعین ہونا ضروری ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کھجور کے درخت کے بارے میں بیع سلم کی۔ لیکن اس سال کوئی پھل نہیں آیا۔ تو دونوں حضور کے پاس جھگڑا لیکر آئے۔ آپؐ نے فرمایا اس کے مال کو کیسے حلال کرو گے؟ اس کے مال کو واپس کرو۔ پھر آپؐ نے فرمایا کھجور کے بارے میں بیع سلم نہ کرو جب تک کہ کار آمد نہ ہو جائے۔

[۹۵۷](۶) ولا یجوز السلم بمکیال رجل بعینه ولا بذراع رجل بعینه[۹۵۸] (۷) ولا فی طعام قریة بعینها ولا فی ثمرة نخلة بعینها.

[۹۵۷](۶) کسی آدمی کے متعین مکیال سے بیع سلم جائز نہیں اور نہ کسی متعین آدمی کے ہاتھ سے۔

تشریح ایک آدمی کا متعین برتن ہے اور اس کی مقدار معلوم نہیں ہے کہ کتنا کیلو اس میں آتا ہے۔اب اس برتن کی ناپ سے بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ مبیع مہینوں بعد ادا کرنا ہے اس لئے اگر وہ برتن گم ہو جائے تو کس برتن سے ناپیں گے۔اس کی مقدار تو معلوم نہیں ہے اس لئے کسی آدمی کے متعین برتن سے بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے۔اسی طرح متعین آدمی کے ہاتھ سے بیع سلم کی اور وہ آدمی مر گیا یا کہیں چلا گیا تو کس آدمی کے ہاتھ سے کپڑا ناپیں گے۔اس لئے کسی متعین آدمی کے ہاتھ سے بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے۔اس بارے میں حدیث آگے آرہی ہے۔

[۹۵۸](۷) اور نہیں جائز ہے بیع سلم کسی متعین گاؤں کے کھانے میں اور نہ متعین درخت کے پھل میں۔

تشریح کوئی یوں طے کرے کہ فلاں متعین گاؤں کے گیہوں کی بیع سلم کرتا ہوں یا متعین آدمی مثلا زید کے فلاں درخت کے پھل کی بیع سلم کرتا ہوں تو یہ بیع سلم صحیح نہیں ہے۔

وجہ (۱) اگر اس گاؤں میں گیہوں کی پیداوار نہ ہو تو کون سا گیہوں دے گا؟ اور اس قسم کے گیہوں کہاں سے لائے گا؟ اسی طرح متعین درخت میں پھل نہیں آئے تو کون سا پھل دے گا؟ اس لئے متعین گاؤں یا متعین درخت کے پھل میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ہاں کہیں کا بھی گیہوں ہو تو جائز ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن ابن عمر ان رجلا اسلف رجلا فی نخل فلم تخرج تلک السنة شیئا فاختصما الی النبی ﷺ فقال بما تستحل ماله اردد علیه ماله ثم قال لا تسلفو فی النخل حتی یبدو صلاحه (الف)** (ابو داؤد شریف، باب فی السلم فی ثمرة بعینها ص ۱۳۵ نمبر ۳۴۶۷/ابن ماجہ شریف، باب اذا اسلم فی نخل بعینه لم یطلع ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸۴) اس حدیث میں ہے کہ ایک خاص درخت کے پھل میں بیع سلم کی اور اس میں اس سال پھل نہیں آئے تو آپ نے فرمایا اس کے مال کو کیسے حلال کروگے؟ مال واپس کرو۔اس لئے متعین گاؤں اور متعین درخت کی بیع سلم جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔**قال عبد الله بن سلام ... فقال زید بن سعنه یا محمد هل لک ان تبیعنی تمرا معلوما الی اجل معلوم من حائط بنی فلان قال لا یا یهودی ولکنی ابیعک تمرا معلوما الی کذا و کذا من الاجل ولا اسمی من حائط بنی فلان فقلت نعم (ب)** (سنن للبیہقی،

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کھجور کے درخت کے بارے میں بیع سلم کی۔لیکن اس سال کوئی پھل نہیں آئے۔تو دونوں حضور کے پاس جھگڑا لیکر آئیں۔آپ نے فرمایا اس کے مال کو کیسے حلال کروگے؟ اس کیمال کو واپس کرو۔پھر آپ نے فرمایا کھجور کے بارے میں بیع سلم نہ کرو جب تک کہ کارآمد نہ ہو جائے (ب) زید بن سعنہ نے کہا اے محمد! کیا آپ چاہتے ہیں کہ بنی فلاں کے باغ کا کھجور مجھے بیچے۔آپ نے فرمایا نہیں اے یہودی۔لیکن میں تم سے بیچتا ہوں معلوم کھجور اتنی اتنی مدت تک، بنی فلاں کے باغ کو متعین نہیں کرتا۔میں نے کہا ہاں۔یعنی میں بنی فلاں کے باغ کو متعین نہیں کرتا۔البتہ کوئی بھی کھجور کی بیع سلم کرسکتا ہوں۔

[۹۵۹](۸) ولا یصح السلم عند ابی حنیفة رحمه الله الا بسبع شرائط تذکر فی العقد جنس معلوم ونوع معلوم وصفة معلومة و مقدار معلوم واجل معلوم ومعرفة مقدار رأس

باب لا یجوز السلف حتی یکون بصفة معلومة لا تتعلق بعین، ج سادس، ص ۴۰، نمبر ۱۱۱۱۴) اس حدیث میں زید بن سعنہ نے خاص فلاں کے باغ کے کھجور کی بیع سلم کرنا چاہا تھا لیکن آپ نے انکار فرمایا۔اور فرمایا کسی باغ کے کھجور کی بیع کروں گا۔خاص بنی فلاں کے باغ کے کھجور کی بیع سلم نہیں کرتا۔جس سے معلوم ہوا کہ خاص باغ یا خاص درخت کے پھل کی بیع سلم جائز نہیں۔

اصول جس مبیع کے نہ ملنے کا خطرہ ہو اس کی بیع سلم جائز نہیں۔

[۹۵۹] (۸) اور نہیں صحیح ہے سلم امام ابوحنیفہ کے نزدیک مگر سات شرطوں کے ساتھ جو ذکر کی جائے عقد میں (۱) جنس معلوم ہو (۲) نوع معلوم ہو (۳) صفت معلوم ہو (۴) مبیع کی مقدار معلوم ہو (۵) مدت معلوم ہو (۶) ثمن کی مقدار معلوم ہو اگر ثمن اس میں سے ہو کہ اگر تعلق رکھتا ہو اس کی مقدار پر جیسے کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی ہو (۷) اور اس جگہ کا متعین کرنا جس میں مبیع سپرد کرے گا اگر مبیع کو اٹھانے کی زحمت ہو اور اجرت لگتی ہو۔

تشریح امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ سات شرطیں پائی جائیں تو بیع سلم درست ہوگی ورنہ نہیں۔

وجہ سلم میں مبیع بعد میں دیگا اس لئے یہ چیزیں ابھی سے متعین ہو جائے تو نزاع نہیں ہوگا۔اور مبیع کافی حد تک متعین ہو جائے گی۔

نوٹ یہ ساری شرطیں کچھ تو حدیث **من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم** (الف) (بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰) سے مستنبط ہے اور کچھ شرطیں اس لئے لگائی گئی ہیں تا کہ مبیع میں دھوکہ نہ رہے۔**عن ابی هریرة قال نهی رسول الله ﷺ عن بیع الغرر وبیع الحصاة** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ بیع الغرر ص ۲۳۲ نمبر ۱۲۳۰) اور حدیث **فقال رسول الله ﷺ لیس منا من غش** (ج) (ابوداؤد شریف، باب النهی عن الغش ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۲) کا خلاصہ ہے۔تا کہ بائع کو اور مشتری کو کسی قسم کا دھوکہ نہ رہے۔اس لئے یہ سات شرطیں لگائی گئی ہیں۔اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ بیع خلاف قیاس ہے اس لئے بھی کچھ شرطیں لگی ہیں۔

ہر شرط کی تفصیل اس طرح ہے۔

شرط ۱ جنس معلوم ہو : یعنی یہ معلوم ہو کہ کس چیز کی بیع کر رہا ہے۔گیہوں کی، چاول کی یا کھجور کی۔اس سے چیز کا پتہ چلے گا کہ کیا چیز ہے؟ اثر میں اس کا اشارہ ہے۔**فقال (ابن ابی اوفی) انا کنا نسلف علی عهد رسول الله ﷺ وابی بکر وعمر فی الحنطة والشعیر والزبیب والتمر وسألت ابن ابزی فقال مثل ذلک** (د) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۲) اس اثر میں گیہوں، جو، کشمش اور کھجور الگ الگ جنس کا نام لیا ہے کہ ہم لوگ ان میں بیع سلم کرتے تھے۔اس لئے جنس معلوم ہونا ضروری ہے۔

حاشیہ : (الف) کسی نے کسی چیز میں بیع سلم کی تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور اجل معلوم ہو (ب) حضورؐ نے روکا دھوکے کی بیع سے اور کنکری والی بیع سے (ج) آپؐ نے فرمایا ہم میں سے وہ نہیں ہے جو دھوکہ دیتا ہو (د) ابن ابی اوفی نے فرمایا ہم حضور کے زمانے میں بیع سلم کرتے تھے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں گیہوں میں، جو میں، کشمش میں اور کھجور میں۔اور ابن ابزی سے پوچھا تو انہوں نے بھی اسی طرح فرمایا۔

المال اذا کان مما یتعلق العقد علی قدرہ کالمکیل والموزون والمعدود وتسمیۃ المکان

شرط ۲ نوع معلوم ہو : کیونکہ گیہوں بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔اس لئے یہ طے کرنا ہوگا کہ کس قسم کے گیہوں چاہئے یا کس قسم کے چاول چاہئے۔اس کو نوع معلوم کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس اثر میں ہے۔**عن عامر قال اذا اسلم فی ثوب یعرف ذرعه ورقعة فلا بأس** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۷ فی السلم بالثیاب، ج رابع، ص ۳۹۸، نمبر ۲۱۴۰۱) اس اثر میں ہے ورقعۃ یعنی کس قسم کا کپڑا ہو۔یہ معلوم ہو تو کپڑے میں بیع سلم جائز ہے۔

شرط ۳ صفت معلوم ہو : یعنی یہ بھی طے ہو کہ عمدہ قسم کے گیہوں ہو یا ردی قسم کے۔ورنہ مشتری عمدہ لینا چاہے گا اور بائع ردی دینا چاہے گا اور جھگڑا ہوگا۔اس لئے صفت کا طے ہونا ضروری ہے۔

شرط ۴ مبیع کی مقدار معلوم ہو: یعنی مبیع کتنے کیلو ہوگی یا کتنے صاع ہوگی۔تاکہ یہ نہ ہو کہ بیس کیلو پر بات طے ہوئی تھی یا تیس کیلو پر؟ حدیث گزر چکی ہے ففی کیل معلوم ووزن معلوم۔

شرط ۵ مدت معلوم ہو : یعنی کب مبیع دو گے۔تاکہ یہ نہ ہو کہ بائع دیر کر کے دے اور مشتری جلدی مانگے جس سے نزاع ہو۔حدیث گزر چکی ہے **الی اجل معلوم** (بخاری شریف، نمبر ۲۲۴۱)

شرط ۶ رأس المال یعنی ثمن کی مقدار معلوم ہو : یعنی وہ کتنے کیلو یا کتنے صاع یا کتنے عدد ہیں۔

وجہ کیونکہ مثلا مبیع نہیں دے سکا اور ثمن کو لوٹانے کی ضرورت پڑی تو اگر ثمن کی مقدار معلوم نہیں تو کیسے لوٹائے گا۔یا مثلا ثمن میں کھوٹا پن ہے اور اس کو لوٹانے کی ضرورت پڑی تو کیسے لوٹائے گا۔اس لئے اگر ثمن کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی ہو تو ثمن کی مقدار معلوم ہونا ضروری ہے۔ چاہے ثمن کی طرف اشارہ کر کے بیع سلم طے کی ہو۔ہاں اگر ثمن ذراعی ہو مثلا کپڑا ہو تو کپڑوں میں ذراع صفت ہے اور صفت کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے ذراعی کی شکل میں کپڑا سامنے ہو تو کتنا گز ہے اس کو معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ اثر ہے **وقال ابن عمر لاباس فی الطعام الموصوف بسعر معلوم الی اجل معلوم** (ب) (بخاری شریف، باب السلم الی اجل معلوم ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۳) اس اثر میں ہے کہ بھاؤ معلوم ہو یعنی رأس المال ثمن کی مقدار معلوم ہو۔

شرط ۷ سپرد کرنے کی جگہ معلوم ہو : مسلم فیہ یعنی مبیع کو اٹھا کر لے جانے کا کرایہ لگتا ہو تو مبیع کو کس مقام پر مشتری کو دے گا اس جگہ کا تعین بھی ضروری ہے۔کیونکہ اگر جگہ متعین نہ ہو تو بائع اپنے قریب مبیع دینا چاہے گا اور مشتری اپنے قریب لینا چاہے گا اور جھگڑا ہوگا۔اس لئے مبیع دینے کی جگہ کا متعین ہونا ضروری ہے۔ہاں اگر مبیع کے اٹھانے کا کرایہ نہ ہو تو کسی جگہ بھی دیگا تو صحیح ہو جائے گا۔اس صورت میں جگہ کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

اصول مبیع سامنے نہ ہو تو اتنی شرطیں لگائی جائیں کہ مبیع کافی حد تک موجود کے درجے میں ہو جائے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عامر نے فرمایا اگر کپڑے میں بیع سلم کرے تو اس کا گز اور اس کی قسم معلوم ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ب) حضرت ابن عمر نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے سلم کرنے میں صفات بیان کئے ہوئے کھانے میں بھاؤ معلوم ہو مدت معلوم ہو۔

الذی یوفیه اذا کان له حمل و مؤنة[۹۶۰] (۹) وقال ابو یسف و محمد رحمهما الله لا یحتاج الی تسمیة رأس المال اذا کان معینا ولا الی مکان التسلیم ویسلمه فی موضع العقد[۹۶۱] (۱۰) ولا یصح السلم حتی یقبض رأس المال قبل ان یفارقه[۹۶۲] (۱۱)

لغت حمل ومؤنۃ : اٹھانا اور اس کی اجرت۔

[۹۶۰] (۹) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ رأس المال کے متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے اگر وہ معین ہو اور نہ سپرد کرنے کی جگہ متعین کرنے کی ضرورت ہے۔ اور مبیع کو سپرد کرے گا عقد کی جگہ میں۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ رأس المال یعنی ثمن سامنے ہے تو عام بیوع میں اس کی مقدار معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اشارہ کرنے سے ثمن متعین ہو جاتا ہے۔ اس لئے بیع سلم میں بھی صرف اس کی طرف اشارہ کرنے سے ثمن متعین ہو جائے گا۔ اس کی تعداد یعنی کتنے کیلو ہیں یا کتنے صاع ہیں معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح مبیع ادا کرنے کی جگہ متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ جس جگہ بیع کی بات ہوئی وہی جگہ مبیع دینے کے لئے خود بخود متعین ہو جائے گی۔ اس لئے الگ سے جگہ متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ کرلے تو اچھا ہے۔

لغت موضع العقد : عقد کرنے کی جگہ۔

[۹۶۱] (۱۰) اور نہیں صحیح ہے سلم یہاں تک کہ رأس المال پر قبضہ کرے جدا ہونے سے پہلے۔

تشریح بیع سلم طے ہونے کے بعد بائع اور مشتری کے جدا ہونے سے پہلے ثمن پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اگر ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو بیع سلم صحیح نہیں ہوگی۔

وجہ مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہوں تو حدیث میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ عام بیوع میں مجلس میں مبیع پر قبضہ ہو جاتا ہے اس لئے ثمن پر قبضہ نہ بھی ہو تو چل جائے گا۔ لیکن بیع سلم میں مبیع لازمی طور پر بعد میں دے گا اس لئے کم از کم ثمن پر قبضہ ضروری ہے۔ ورنہ تو مبیع بھی ادھار ہوگی اور ثمن بھی ادھار ہوگا۔ حالانکہ دونوں ہی شرطیہ طور پر ادھار ہوں تو حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ انه نهی عن بیع الکالی بالکالی قال اللغویون هو النسیئة بالنسیئة (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۶۰ نمبر ۳۰۴۲ رسنن للبیہقی، باب ماجاء عن بیع الدین بالدین، ج خامس، ص ۴۷۴، نمبر ۱۰۵۳۶) اس حدیث میں ادھار کی بیع ادھار سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے امام حنفیہ کے نزدیک بیع سلم میں مجلس میں رأس المال پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

[۹۶۲] (۱۱) اور نہیں جائز ہے رأس المال میں تصرف کرنا اور نہ مسلم فیہ میں تصرف کرنا قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح بیع سلم میں ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اس کی مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ کرنے سے منع فرمایا۔ لغویوں نے کہا کہ کالی بالکالی کا ترجمہ ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ ہے۔

ولا يجوز التصرف فى رأس المال ولا فى المسلم فيه قبل القبض[۹۶۳] (۱۲) ولا يجوز الشركة ولا التولية فى المسلم فيه قبل قبضه[۹۶۴] (۱۳) ويصح السلم فى الثياب اذا سمى طولا و عرضا ورقعة.

نہیں۔رأس المال سے مراد ثمن اور مسلم فیہ سے مراد مبیع ہے۔

وجہ حدیث میں پہلے گزر چکا ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔مثلا اس کو بیچنا یا اس کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے۔اور سلم میں رأس المال مبیع کے درجے میں ہے اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں (۲) حدیث میں ہے **سمعت ابن عباس يقول اما الذى نهى عنه النبى ﷺ فهو الطعام ان يباع حتى يقبض قال ابن عباس ولا احسب كل شىء الا مثلـــه** (الف) (بخاری شریف، باب بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع مالیس عندک ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۵ رمسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص ۵ نمبر ۱۵۲۵/۳۸۳۸ رابو داؤد شریف نمبر ۳۴۹۲) اس حدیث میں مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔اور چونکہ بیع سلم میں رأس المال مبیع کے درجے میں ہے اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔اور مسلم فیہ تو مبیع ہے ہی اس لئے اس پر بھی قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

[۹۶۳] (۱۲) اور نہیں جائز ہے شرکت اور نہ تولیہ مسلم فیہ میں اس کے قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح مسلم فیہ یعنی مبیع پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اور اس میں بیع تولیہ کرنا چاہتا ہے تو نہیں کر سکتا۔اسی طرح اس میں کسی کو شریک کرنا چاہتا ہے تو نہیں کر سکتا۔

وجہ بیع تولیہ کرنا یا کسی کو شریک کرنا اس میں تصرف کرنا ہے۔اور ابھی گزر چکا ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔اس لئے مسلم فیہ پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں بیع تولیہ کرنا یا کسی کو شریک کرنا جائز نہیں ہے۔

[۹۶۴] (۱۳) اور صحیح ہے بیع سلم کرنا کپڑے میں جبکہ متعین کی جائے لمبائی۔چوڑائی اور اصل جوہر۔

تشریح رقعۃ کے معنی ہیں پیوند، کپڑے کا ٹکڑا، یہاں اس کا مطلب ہے کہ کپڑے کا جوہر اور حقیقت کیا ہے اور کس قسم کا کپڑا ہے، تو مطلب یہ نکلا کہ کپڑے کی لمبائی کہ کتنے گز ہیں اور چوڑائی کہ کتنا انچ چوڑا ہے اور کس قسم کا کپڑا ہے یہ سب متعین ہو جائے تو کپڑے میں بھی بیع سلم جائز ہے۔اس دور میں مشین ایک ہی قسم کے ہزاروں گز کپڑا بناتی ہے۔اس لئے بیع سلم جائز ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**عـن عـامر قال اذا اسلم فى ثوب يعرف ذرعه ورقعه فلا بأس** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷۳

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے سنا وہ فرماتے تھے بہر حال جس سے حضورؐ نے روکا ہے وہ غلہ ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچا جائے۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نہیں گمان کرتا ہوں مگر ہر چیز اسی کی مثل ہے۔یعنی تمام غلوں کو قبضہ کرنے کے بعد ہی بیچا جائے۔اس سے پہلے نہیں (ب) حضرت عامر سے مروی ہے کہ اگر کپڑے میں بیع سلم کرے اور اس کے گز اور قسم معلوم ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

[۹۶۵](۱۴) ولا یجوز السلم فی الجواھر ولا فی الحرز[۹۶۶](۱۵) ولا بأس بالسلم فی اللبن والآجر اذا سمی ملبنا معلوما[۹۶۷] (۱۶) وکل ما امکن ضبط صفته ومعرفة مقدارہ جاز السلم فیه وما لا یمکن ضبط صفته ومعرفة مقدارہ لا یجوز السلم فیه.

فی السلم بالثیاب، ج رابع ،ص ۳۹۸ رسنن للبیھقی ، باب السلف فی الحطة والشعیر والزبیب والزیت والثیاب وجمیع ما یضبط بالصفة ، ج سادس، ص ۴۲ ،نمبر ۱۱۱۲۳)اس اثر میں موجود ہے کہ کپڑے کی لمبائی چوڑائی اور کس قسم کا ہے وہ متعین ہو جائے تو بیع سلم جائز ہے۔

نوٹ پچھلے زمانے میں کپڑا ہاتھ سے بنتے تھے اور ہر گز الگ الگ انداز کا ہوتا تھا اس لئے کپڑے کی صفات متعین کرنا مشکل تھا اس لئے بیع سلم کے جواز میں اندیشہ تھا۔لیکن اس مشینی دور میں یہ بات نہیں ہے۔

[۹۶۵](۱۴)اور نہیں جائز ہے سلم جواہر میں اور نہ موتیوں میں۔

وجہ جواہر اور موتی بڑے اور چھوٹے ہوتے ہیں۔اور ان میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔اور وزن سے نہیں بکتے بلکہ گن کر بکتے ہیں اس لئے ان کی صفات کو منضبط نہیں کر سکتے۔اس لئے ان میں بیع سلم جائز نہیں۔

اصول جن چیزوں کے صفات منضبط نہیں کر سکتے ان کی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

لغت الجواہر : جمع ہے جوھر کی۔ الخرز : خرزۃ کی جمع ہے سوراخ دار چیز، موتی۔

[۹۶۶](۱۵)اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے سلم کرنے میں کچی اینٹ میں اور پکی اینٹ میں جبکہ متعین کیا جائے اس کا سانچہ۔

تشریح اینٹ بنانے کا سانچہ متعین ہو تو اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ کتنی بڑی اینٹ ہے۔اس سے اس کی مقدار کی معلومات ہو جائے گی۔اس لئے سانچہ متعین ہو جائے چاہے پکی اینٹ ہو یا کچی اینٹ ہو تو ان کا بیع سلم کرنا جائز ہے۔

لغت اللبن : کچی اینٹ۔ الاجر : پکی اینٹ۔ ملبنا : اینٹ بنانے کا سانچہ، فرما،لبن سے اسم آلہ ہے۔

[۹۶۷](۱۶)ہر وہ چیز جس کی صفت منضبط کرنا ممکن ہو اور اس کی مقدار معلوم کرنا ممکن ہو اس میں سلم جائز ہے۔اور ہر وہ چیز جس کی صفت ضبط کرنا ممکن نہ ہو اور اس کی مقدار معلوم کرنا ممکن نہ ہو اس میں بیع سلم جائز نہیں۔

تشریح اس مسئلہ میں مصنف علیہ الرحمۃ نے بیع سلم کا قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ جن چیزوں کو صفات متعین کرنے کے ذریعہ اور مقدار متعین کرنے کے ذریعہ منضبط کر سکتا ہو ان کی بیع سلم جائز ہے۔اور جن چیزوں کو صفات متعین کرنے کے ذریعہ اور مقدار متعین کرنے کے ذریعہ منضبط نہ کر سکتا ہو ان کی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱)عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینة وھم یسلفون بالثمر السنین وثلاث فقال من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم (الف) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰ رمسلم شریف، باب

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور لوگ دو سال اور تین سال کے لئے پھلوں کی بیع کرتے تھے۔پس آپ نے فرمایا جو کسی چیز کی بیع سلم کرے تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

[۹۶۸](۱۷) ویجوز بیع الکلب والفھد والسباع[۹۶۹] (۱۸) ولا یجوز بیع الخمر

السلم ص ۱۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلم فیہ کی کیل، وزن اور اجل معلوم کی جاسکتی ہو اور متعین کی جاسکتی ہو تو بیع سلم جائز ہوگی (۲) سنن بیھقی نے انہیں احادیث کے لئے یہ باب باندھا ہے باب السلف فی الحنطة والشعیر والزبیب والزیت والثیاب وجمیع ما یضبط بالصفة (ج سادس، ص ۴۲، نمبر ۱۱۱۲۲) جس سے معلوم ہوا کہ جن کی صفات منضبط کی جاسکتی ہوں ان کی بیع سلم جائز ہے۔

[۹۶۸] (۱۷) اور جائز ہے کتے کی بیع اور چیتے کی بیع اور پھاڑ کھانے والے کی بیع۔

تشریح یہ جانور پھاڑ کھانے والے ہیں۔ ان کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے۔ اس لئے امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ ان کی بیع جائز نہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ان کی بیع جائز ہے۔

وجہ یہ جانور کھانے کے لئے نہیں ہیں لیکن کسی نہ کسی کام کے ہیں۔ اور نجس العین نہیں ہیں اس لئے ان کی بیع جائز ہے۔ مثلا کتا شکار کے کام کا ہے۔ چیتے کی کھال کام کی ہے۔ پھاڑ کھانے والے جانور کی کھال دباغت کے بعد کام آتی ہے اس لئے اس کی بیع جائز ہوگی (۲) حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ عن جابر ان النبی ﷺ نھی عن ثمن السنور والکلب الا کلب صید (الف) (نسائی شریف، باب الرخصة فی ثمن کلب الصید ج ثانی ص ۲۰۱ نمبر ۴۳۰۰ر ترمذی شریف، باب الرخصة فی ثمن کلب الصید ص ۲۴۱ نمبر ۱۲۸۱) اس حدیث میں ہے کہ آپ نے بلی اور کتے کے ثمن سے منع فرمایا۔ لیکن شکاری کتے کے ثمن کی اجازت دی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بیع جائز ہے۔ اسی لئے تو اس کے ثمن کی اجازت ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کتے کی بیع جائز نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے اس لئے اس کی بیع جائز نہیں ہوگی۔ حدیث میں ہے عن ابی مسعود الانصاری ان رسول اللہ ﷺ نھی عن ثمن الکلب ومھر البغی وحلوان الکاھن (ب) (بخاری شریف، باب ثمن الکلب ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۳۷ر مسلم شریف، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاہن ص ۱۹ نمبر ۱۵۶۷ر ترمذی شریف نمبر ۱۲۸۱) اس حدیث میں کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے اس لئے اس کی بیع بھی جائز نہیں ہوگی (۲) ان کے یہاں کتا نجس العین ہے اور نجس العین کی بیع جائز نہیں اس لئے کتے کی بھی بیع جائز نہیں ہے۔

اصول چیز نجس العین نہ ہو اور فائدہ مند ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔

لغت الفھد : چیتا۔ سباع : سبع کی جمع ہے۔ پھاڑ کھانے والے جانور۔

[۹۶۹] (۱۸) اور نہیں جائز ہے شراب کی بیع اور سور کی بیع۔

حاشیہ : (الف) آپ نے کتے اور بلی کی بیع سے منع فرمایا مگر شکاری کتے کی بیع کی اجازت دی (ب) آپ نے منع فرمایا کتے کی قیمت، زنا کی اجرت اور کاہن کے پاس آنے سے۔

والخنزير [۹۷۰](۱۹) ولا يجوز بيع دود القز الا ان يكون مع القز ولا النحل الا مع

وجہ (۱)شراب اور سور نجس العین ہیں اس لئے اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ نجس العین ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان (الف) (آیت ۹۰ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں خمر کو رجس اور ناپاک کہا گیا ہے (۲) حدیث میں شراب بیچنے کی ممانعت ہے۔ عن عائشة مما نزلت آيات سورة البقرة ۲ آیت ۲۱۹ عن آخرها خرج النبي ﷺ فقال حرمت التجارة في الخمر (ب) (بخاری شریف، باب تحریم التجارة فی الخمر ص ۲۹۷ نمبر ۲۲۲۶ رمسلم شریف، باب تحریم الخمر ص ۲۲ نمبر ۱۵۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شراب کی تجارت حرام ہے (۳) ابوداؤد شریف میں یہ بھی ہے کہ جس چیز کا کھانا حرام ہے تو اس کا ثمن بھی حرام ہے۔ عن ابن عباس قال رايت رسول الله ﷺ جالسا عند الركن قال فرفع بصره الى السماء فضحك فقال لعن الله اليهود ثلاثا ان الله تعالى حرم عليهم الشحوم فباعوها واكلوا اثمانها وان الله تعالى اذا حرم على قوم اكل شيء حرم عليهم ثمنه (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی ثمن الخمر والمیتۃ ص ۱۳۶ نمبر ۳۴۸۸) اس حدیث مین ہے کہ کسی چیز کا کھانا حرام ہو تو اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ اس لئے شراب کی قیمت حرام ہوگی اور اس کا بیچنا حرام ہوگا۔ اور خنزیر کے حرام ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ الا ان يكون ميتة او دما مسفوحا او لحم خنزير فانه رجس او فسقا اهل لغير الله به (د) (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) اس آیت میں لحم خنزیر کو رجس اور ناپاک کہا گیا ہے اس لئے اس کا بیچنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد الله انه سمع رسول الله ﷺ يقول عام الفتح وهو بمكة ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام (ہ) (مسلم شریف، باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام ص ۲۳ نمبر ۱۵۸۱) اس حدیث میں شراب، مردار اور سور اور بتوں کے بیچنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے سور کی بیع بھی جائز نہیں ہے (۴) شراب اور سور مسلمانوں کے لئے مال ہی نہیں ہیں اس لئے اس کو بیچیں گے کیسے؟

[۹۷۰](۱۹) اور نہیں جائز ہے ریشم کے کیڑے کی بیع مگر ریشم کے ساتھ اور نہ شہد کی مکھی کی بیع مگر چھتوں کے ساتھ۔

تشریح ریشم کی بیع جائز ہے مگر تنہا ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز نہیں۔ ہاں ریشم کے ساتھ کیڑے ہوں تو ریشم کے ساتھ کیڑوں کی بیع جائز ہو جائے گی۔

وجہ ریشم کا کیڑا مال نہیں ہے اس لئے تنہا اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ البتہ ریشم کے تابع کر کے اس کی بیع جائز ہوگی۔ اسی طرح شہد کی مکھی مال نہیں ہے اس لئے تنہا اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ البتہ شہد کے چھتے کے ساتھ تابع ہو کر اس کی بیع جائز ہوگی۔

حاشیہ : (الف) شراب، جوا، بت پرستی اور تیر سے فال نکالنا ناپاک ہیں شیطانی کام ہیں (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آیت نازل ہوئی تو حضورؐ باہر تشریف لائے اور فرمایا شراب کی تجارت حرام کردی گئی ہے (ج) میں نے حضور کو رکن کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا فرمایا آپؐ نے اپنی نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور مسکرائے پھر تین مرتبہ فرمایا، اللہ یہود پر لعنت کرے، ان پر چربی حرام کی تھی پھر بھی اس کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی حالانکہ اللہ تعالی کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کرتے ہیں تو اس کی قیمت بھی حرام کرتے ہیں (د) مگر یہ کہ مردہ ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو۔ پس خنزیر کا گوشت ناپاک ہے یا فسق ہے کہ اللہ کے علاوہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (ہ) حضور کو فتح مکہ کے دن فرماتے ہوئے سنا در اں حالیکہ آپ مکہ میں تھے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کو بیچنا حرام کر دیا ہے۔

الكورات[۱۷۹](۲۰) واهل الذمة فی البیاعات کالمسلمین الا فی الخمر والخنزیر خاصة فان عقدهم علی الخمر کعقد المسلم علی العصیر وعقدهم علی الخنزیر کعقد

اصول جو چیز مال نہ ہو اور نجس العین نہ ہو تو دوسروں کے تابع ہو کر اس کی بیع جائز ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ریشم کے کیڑوں کی بیع تنہا بھی جائز ہے۔ اسی طرح شہد کی مکھیوں کی بیع تنہا بھی جائز ہے۔

وجہ یہ کیڑے منتفع بہ ہیں۔ ان سے ریشم اور شہد نکلتے ہیں اس لئے یہ مال کے درجے میں ہوئے۔ اس لئے تنہا ان کی بیع بھی جائز ہوگی۔

لغت دود القز : ریشم کے کیڑے۔ النحل : شہد کی مکھی۔ الکورات : شہد کی مکھیوں کے چھتے۔

[۱۷۹](۲۰) اہل ذمہ بیوع میں مسلمانوں کی طرح ہیں مگر شراب میں اور سور میں خاص طور پر۔ اس لئے کہ ان کا عقد شراب پر ایسا ہے جیسا کہ مسلمان کا عقد شربت پر، اور ان کا عقد سور پر ایسا ہے جیسا کہ مسلمان کا عقد بکری پر۔

تشریح وہ کافر جو ٹیکس دے کر دار الاسلام میں رہتے ہیں ان کو ذمی کہتے ہیں۔ ان لوگوں کے حقوق مسلمانوں کی طرح ہیں۔ اس لئے جس طرح مسلمان خرید و فروخت کرتے ہیں اسی طرح ذمی بھی خرید و فروخت کریں گے۔

وجہ حضورؐ نے خود کفار سے خرید و فروخت کیا ہے۔ **عن عبد الرحمن بن ابی بکر قال کنا مع النبی ﷺ ثم جاء رجل مشرک مشعان طویل بغنم یسوقها فقال النبی ﷺ ابیعا ام عطیة ؟ او قال ام هبة ؟ قال لا بل بیع فاشتری منه شاة** (الف) (بخاری شریف، باب الشراء والبیع مع المشرکین واہل الحرب ص ۲۹۵ نمبر ۲۲۱۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے مشرک سے بیع کی ہے۔ اس لئے مشرک کو بیع کرنے کی اجازت ہوگی تو ذمیوں کو بدرجہ اولی بیع و شراء کرنے کی اجازت ہوگی۔ کیونکہ وہ دار الاسلام کو ٹیکس دیکر تمام حقوق حاصل کر لئے ہیں۔

البتہ ذمیوں کو اپنے طور پر شراب اور سور بیچنے کی اجازت ہوگی کیونکہ ان کے اعتقاد میں وہ مال ہیں۔ اس لئے جس طرح مسلمان شربت کی خرید و فروخت کرتے ہیں اسی طرح وہ آپس میں شراب کی خرید و فروخت کریں گے۔ اور ہم جس طرح بکری کی خرید و فروخت کرتے ہیں اسی طرح وہ آپس میں سور کی خرید و فروخت کریں گے۔

وجہ اثر میں اس کی اجازت موجود ہے۔ **سمع ابن عباس یقول دخلت علی عمر ... قال سفیان یقول لا تأخذوا فی جزیتهم الخمر والخنازیر ولکن خلوا بینهم وبین بیعها فاذا باعواها فخذوا اثمانها فی جزیتهم** (ب) (سنن للبیہقی، باب لا یأخذ منہم فی الجزیۃ خمرا ولا خنزیر، ج تاسع، ص ۳۴۶، نمبر ۱۸۷۳۸) اس اثر میں ہے کہ ذمیوں کو شراب اور سور کی بیع کرنے دو اور اس

حاشیہ : (الف) ہم حضور کے ساتھ تھے کہ ایک مشرک آدمی آیا جو مضبوط اور لمبا تھا۔ بکری ہانکتے ہوئے تو حضورؐ نے پوچھا، بیچنے کی ہے یا عطیہ دینے کی؟ یا آپؐ نے فرمایا ہبہ کرنے کی؟ مشرک آدمی کہنے لگا نہیں! بلکہ بیچنے کے لئے۔ پس آپؐ نے اس سے ایک بکری خریدی (ب) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر کے پاس آیا... حضرت سفیان نے فرمایا کہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے ذمیوں کے جزیہ میں شراب اور سور مت لو۔ لیکن ان کو سور اور شراب کی خرید و فروخت کرنے کے لئے چھوڑ دو۔ اور ان کی قیمت میں جزیہ لو۔

المسلم علی الشاة.

کے ثمن میں جزیہ لو۔

لغت اهل الذمۃ : جو کافر دار الاسلام میں ٹیکس دیکر رہتے ہیں ان کو اہل الذمۃ کہتے ہیں۔

﴿ باب الصرف ﴾

[۹۷۲](۱)الصرف هو البيع اذاكان كل واحد من عوضيه من جنس الاثمان[۹۷۳] (۲) فان باع فضة بفضة او ذهبا بذهب لم يجز الا مثلا بمثل وان اختلفا فى الجودة والصياغة

﴿ باب الصرف ﴾

ضروری نوٹ صرف کے معنی زیادتی اور پلٹنے کے ہیں۔ چونکہ دراہم اور دنانیر کے ادھر ادھر کرنے میں نفع کی زیادتی ہے اس لئے سونا کو سونا کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو چاندی کے بدلے بیچنے کو بیع صرف کہتے ہیں۔ سونا اور چاندی کو اثمان بھی کہتے ہیں۔ اثمان ہمہ وقت الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں اس لئے ان کی بیع صرف کہتے ہیں۔ بیع صرف کی دلیل اور سونا کو سونے کے بدلے کمی زیادتی کر کے نہ بیچے، اسی طرح چاندی کو چاندی کے بدلے کمی زیادتی کر کے نہ بیچے اور ہاتھوں ہاتھ لے، ادھار نہ کرے ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل يدا بيد فمن زاد او استزاد فقد اربى الآخذ والمعطى فيه سواء** (الف) (مسلم شریف، باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقداص ۲۴ نمبر ۱۵۸۷ ر بخاری شریف، باب بیع الفضۃ بالفضۃ ص ۲۹۰ نمبر ۲۱۷۶، باب بیع الذھب بالورق یدا بید ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۲ رابوداؤد شریف، باب فی الصرف ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چاندی کو چاندی کے بدلے برابر سرابر بیچے۔ سونے کو سونے کے بدلے برابر سرابر بیچے۔ کمی زیادتی کرنے میں سود ہوگا جو حرم الربو اکے تحت حرام ہے۔ اور دونوں ثمنوں پر مجلس میں قبضہ کرے، کیونکہ ادھار میں بھی سود ہے۔ حدیث میں یدا بید کے ہاتھوں ہاتھ لو، ادھار نہیں۔ اس حدیث سے بیع صرف کا بھی ثبوت ہوا۔

[۹۷۲](۱) صرف وہ بیع ہے جبکہ ہو دونوں عوض ثمنوں کی جنس سے۔

تشریح دونوں طرف سونا ہو، دونوں طرف چاندی ہو، یا ایک طرف سونا اور دوسری طرف چاندی ہو تو ان صورتوں کو بیع صرف کہتے ہیں۔

نوٹ خالص چاندی یا سونا ہو، ملاوٹ والے ہوں، چاندی اور سونے کے برتن ہوں، یا سونے اور چاندی کے سکے ہوں سب چاندی کے حکم میں ہیں۔ البتہ ملاوٹ زیادہ ہو اور سونا یا چاندی کم ہوں تو ملاوٹ کو الگ کر کے جو چاندی یا سونا نکل سکتے ہوں ان کا حساب کیا جائے گا۔ اور ان کے بارے میں بیع صرف کا اطلاق ہوگا۔

لغت الاثمان : ثمن کی جمع ہے، سونا اور چاندی کو اثمان کہتے ہیں۔

[۹۷۳](۲) پس اگر بیچا چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو سونے کے بدلے تو نہیں جائز ہے مگر برابر سرابر، اگرچہ عمدگی اور گھڑائی میں مختلف ہوں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، اور نمک نمک کے بدلے برابر سرابر، ہاتھوں ہاتھ لو، پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو ربوا کا کام کیا۔ لینے والے اور دینے والے سب برابر ہیں۔

[۹۷۴](۳) ولا بد من قبض العوضین قبل الافتراق.

تشریح چاندی کو چاندی کے بدلے میں بیچے یا سونے کو سونے کے بدلے بیچے تو برابر سرابر ہوں کمی بیشی حرام ہے۔ چاہے ایک زیادہ عمدہ ہو اور دوسرا ردی ہو۔ یا ایک میں گھڑائی اچھی ہو اور دوسرے میں گھڑائی خراب ہو جس کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہو۔ پھر بھی وزن کے اعتبار سے دونوں کو برابر کر کے بیچنا ہوگا۔ کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ اور کمی بیشی کرنا ہو تو سونے کی قیمت چاندی سے لگائے پھر اس چاندی سے سونا زیادہ خریدے۔ اسی طرح چاندی کی قیمت سونے سے لگائے اور اس سونے سے چاندی زیادہ خریدے۔ یہی صورت اختیار کرے۔ البتہ چاندی کو چاندی کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ نہ بیچے۔

وجہ اوپر ضروری نوٹ میں حدیث گزر چکی ہے مثلا بمثل (مسلم شریف نمبر ۱۵۸۷) اور ربوا والی چیزوں میں عمدہ اور ردی کا اعتبار نہیں ہے اس کی وجہ یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ استعمل رجلا علی خیبر فجائه بتمر جنیب فقال رسول الله اکل تمر خیبر هکذا ؟ قال لا والله یا رسول الله ! انا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلاث فقال رسول الله ﷺ لا تفعل، بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنیبا** (الف) (بخاری شریف، باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منه ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۱ ر مسلم شریف، باب بیع الطعام مثلا بمثل ص ۲۴ نمبر ۱۵۹۳) اس حدیث میں جنیب اور جمع دونوں کھجور ہیں۔ جنیب عمدہ ہے اور جمع ردی کھجور ہے۔ پھر بھی ایک صاع کو دو صاع کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا۔ اور مسلم کی حدیث میں فرمایا کہ برابر سرابر بیچو اور کمی بیشی کر کے بیچنا ہی ہو تو کھجور کی قیمت درہم سے لگاؤ۔ اور اس درہم سے پھر اچھا کھجور خرید لو۔ یہی حال سونا اور چاندی میں ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی اموال ربوا میں سے ہیں۔ اس لئے عمدہ ہو یا گھٹیا برابر سرابر ہی بیچنا ہوگا۔

اصول اموال ربویہ میں مبیع اور ثمن ایک جنس ہوں تو عمدہ اور ردی کا اعتبار نہیں ہے۔

لغت الجودة : عمدہ۔ الصیاغة : گھڑائی، رنگ دروغن۔

[۹۷۴](۳) اور ضروری ہے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا جدا ہونے سے پہلے۔

تشریح چونکہ یہ اثمان ہیں اس لئے جدا ہونے سے پہلے مبیع اور ثمن پر قبضہ کر لے۔

وجہ ضروری نوٹ والی حدیث میں گزرا کہ یدا بید ہو یعنی ہاتھوں ہاتھ ہو (۲) **سالت براء بن عازب و زید بن ارقم عن الصرف فکل واحد منهما یقول هذا خیر منی فکلاهما یقول نهی رسول الله ﷺ عن الذهب بالورق دینا** (ب) (بخاری شریف، باب بیع الورق بالذهب نسیئة ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۰ ر مسلم شریف، باب النهی عن بیع الورق بالذهب دینا ص ۲۴ نمبر ۱۵۸۹ ر ۴۰۷۲) اس حدیث

حاشیہ : (الف) آپ نے ایک آدمی کو خیبر پر عامل بنایا تو وہ عمدہ کھجور لے کر آیا۔ پس آپ نے فرمایا کیا خیبر کے تمام کھجور ایسے ہی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! یا رسول اللہ، ہم ان میں سے ایک صاع دو صاع کے بدلے لیتے ہیں یا دو صاع تین صاع کے بدلے میں۔ آپ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ ردی کھجور درہم کے بدلے میں بیچیں پھر اس درہم سے عمدہ کھجور خریدیں۔ (ب) براء بن عازب اور زید بن ارقم سے بیع صرف کے بارے میں پوچھا، ہر ایک فرماتے تھے کہ وہ مجھ سے بہتر ہیں۔ پھر دونوں ہی نے فرمایا حضورؐ نے سونے کو چاندی کے بدلے ادھار بیچنے سے منع فرمایا۔

[۹۷۵](۴)واذا باع الذهب بالفضة جاز التفاضل ووجب التقابض[۹۷۶] (۵) وان افترقا فی الصرف قبل قبض العوضین او احدهما بطل العقد.

میں فرمایا کہ سونا کو چاندی کے بدلے بیچو تو دو جنس ہو گئے اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچ سکتے ہیں۔لیکن چونکہ دونوں وزنی ہیں اس لئے دین اور ادھار جائز نہیں ہے۔دونوں پر مجلس میں ہی قبضہ کرنا ہوگا (۳) ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کر لیا جائے۔اس لئے بغیر قبضہ کئے ہوئے جدا ہوں گے تو بیع الکالی بالکالی ہو جائے گی (دار قطنی نمبر ۳۰۴۲) جس سے حدیث میں منع فرمایا ہے۔اور ایک پر قبضہ کیا اور دوسرے پر قبضہ نہ کرے تو ایک کی بلا وجہ ترجیح ہوگی اس لئے دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہوگا۔

اصول اثمان متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اس لئے دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

لغت العوضین : سے مراد مبیع اور ثمن ہیں۔

[۹۷۵](۴) اگر سونے کو چاندی کے بدلے بیچے تو کمی بیشی جائز ہے۔لیکن قبضہ کرنا ضروری ہوگا۔

وجہ (۱) سونا اور چاندی دونوں دو جنس ہیں۔اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہوگا۔لیکن چونکہ دونوں وزنی ہیں اس لئے مجلس میں دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن ابی بکرة قال نهی النبی ﷺ عن الفضة بالفضة والذهب بالذهب الا سواء بسواء وامرنا ان نبتاع الذهب بالفضة کیف شئنا والفضة فی الذهب کیف شئنا (الف) (بخاری شریف، باب بیع الذهب بالورق یدا بید ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۲ رمسلم شریف، باب الصرف وبیع الذهب بالورق نقدا ص ۲۴ نمبر ۱۵۸۷ر۴۰۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کو چاندی کے بدلے بیچے تو کمی بیشی کے ساتھ بیچ سکتا ہے بشرطیکہ نقد ہو۔مسلم کی اسی حدیث کے آگے اذا کان یدا بید کا لفظ موجود ہے۔ **اصول** جنس بدل جائے تو کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

لغت التفاضل : کمی بیشی۔

[۹۷۶](۵) اگر بائع اور مشتری بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ کرنے سے پہلے یا دونوں میں سے ایک پر قبضہ کرنے سے پہلے جدا ہو گئے تو عقد باطل ہو جائے گا۔

تشریح بائع اور مشتری نے بیع صرف کی اور مبیع اور ثمن دونوں پر قبضہ نہیں کیا یا ایک پر قبضہ کیا اور دوسرے پر نہیں کیا اور جدا ہو گئے تو بیع صرف باطل ہو جائے گی۔

وجہ اوپر کی حدیث کی بنیاد پر دونوں پر قبضہ کرنا ضروری تھا اور اس نے قبضہ نہیں کیا، حدیث کے خلاف کیا اس لئے عقد باطل ہو جائے گا۔

نوٹ اسی عقد کو برقرار رکھتے ہوئے بعد میں بائع نے ثمن پر اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ بیع تعاطی کے طور پر دونوں میں بیع جدید ہوئی اور اس کی بنیاد پر مبیع اور ثمن پر قبضہ ہوا اور بیع صرف ہوئی۔

(ب) حضرت ابو بکرہ سے روایت ہے کہ حضور نے منع فرمایا کہ چاندی چاندی کے بدلے اور سونا سونے کے بدلے بیچے مگر برابر سرابر کر کے، اور ہمیں حکم دیا کہ سونے کو چاندی کے بدلے میں بیچیں جیسے چاہیں (یعنی کمی زیادتی کر کے بیچ سکتے ہیں) کیونکہ جنس الگ الگ ہو گئی۔

[۹۷۷](۶) ولا یجوز التصرف فی ثمن الصرف قبل قبضه[۹۷۸] (۷) ویجوز بیع الذهب بالفضة مجازفة [۹۷۹](۸) ومن باع سیفا محلی بمائة درهم وحلیته خمسون

---

[۹۷۷](۶)اورنہیں جائز ہے صرف ثمن میں تصرف کرنا اس پر قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح بیع صرف کے ثمن پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اور اس کے ذریعہ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے اور اس میں تصرف کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) بیع صرف میں دونوں جانب ثمن ہیں۔ اس لئے کسی ایک کو ترجیح دیئے بغیر دونوں مبیع کے درجے میں ہیں۔ اور قبضہ کرنے سے پہلے مبیع کو بیچنا جائز نہیں اس لئے بیع صرف میں جس کو بھی ثمن قرار دیں اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس قال قال رسول اللہ من ابتاع طعاما فلا یبیعه حتی یقبضه** (الف) (مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص ۵ نمبر ۱۵۲۵/۳۸۳۸/ بخاری شریف، باب بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع مالیس عندک ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۵/ ابو داؤد شریف، نمبر ۳۴۹۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہاں دونوں مبیع ہیں اس لئے ان پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں۔

فائدہ امام زفر کی رائے ہے کہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اس لئے بیع صرف کے ثمن پر قبضہ نہ ہو سکے گا تو اپنی طرف سے دوسرے درہم یا دنانیر دے دیگا اس لئے بیع صرف کے ثمن سے کوئی چیز خریدی تو بیع جائز ہوگی۔

[۹۷۸](۷) سونے کی بیع چاندی کے بدلے اٹکل سے جائز ہے۔

وجہ سونے کو چاندی کے بدلے اٹکل سے بیچے گا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کمی زیادتی ہوگی۔ اور سونے کو چاندی کے بدلے کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ دو جنس ہو گئے اس لئے سونے کو چاندی کے بدلے اٹکل سے بیچنا جائز ہے۔ حدیث اوپر گزر گئی **فاذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید** (ب) (مسلم شریف، باب الصرف وبیع الذهب بالورق نقدا ص ۲۴ نمبر ۱۵۸۷/۴۰۶۳/ بخاری شریف، باب بیع الذهب بالورق یدا بید ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۲) کہ سونا چاندی کے بدلے ہو تو جیسے چاہے بیچو۔ اس لئے اٹکل سے بیچنا جائز ہوگا۔

اصول دو جنس ہوں تو اٹکل سے بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اس میں ربوا نہیں ہے۔

لغت مجازفۃ : اٹکل۔

[۹۷۹](۸) کسی نے زیور دار تلوار بیچی سو درہم کے بدلے اور اس کا زیور پچاس درہم کا ہے۔ پس اس کی قیمت میں سے پچاس درہم دیئے تو بیع جائز ہوگی اور رقم قبضہ کی وہ چاندی کے حصہ میں سے ہوگی اگر چہ اس کی تصریح نہیں کی۔ اور ایسے ہی جائز ہوگی بیع اگر کہا یہ پچاس دونوں کی

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جس نے غلہ خریدا تو اس کو نہ بیچے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرے (ب) جب اصناف مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیچو جبکہ ہاتوں ہاتھ ہو (یعنی کمی زیادتی کر کے بیچ سکتے ہو۔

درهما فدفع من ثمنه خمسين درهما جاز البيع وكان المقبوض من حصة الفضة وان لم يبين ذلک وكذلک ان قال خذ هذه الخمسين من ثمنها[۹۸۰] (۹) فان لم يتقابضا

قیمت سے لو۔

تشریح لوہے کی تلوار بیچی اس میں پچاس درہم کا زیور لگا ہوا تھا۔ اور پچاس درہم نقد دیا اور باقی پچاس ادھار کیا تو پوری تلوار اور زیور کی بیع جائز ہوگی۔

وجہ زیور کی قیمت مجلس میں دینا ضروری تھا کیونکہ وہ چاندی ہے اور ثمن ہے اور چاندی کی بیع چاندی سے ہو رہی ہے اس لئے برابر سرابر بھی ضروری ہے۔ اب جو پچاس درہم دیئے وہ پچاس درہم کے برابر زیور کے بدلے میں ہوئے اور باقی پچاس لوہے کی تلوار کے بدلے میں ہے جو ادھار رہے۔ اس لئے مجلس میں جو پچاس دیئے وہ زیور کے بدلے میں سمجھا جائے گا تاکہ بیع صحیح ہو، اور اگر پچاس میں سے آدھا تلوار کے بدلے کریں تو زیور کے بدلے پر مجلس میں قبضہ نہیں ہوگا اور پورے کی بیع فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے یہ پچاس جو دیئے وہ زیور کے بدلے قرار دیئے جائے۔

نوٹ یہ بھی ضروری ہے کہ جتنا زیوار تلوار میں ہے اس سے زیادہ قیمت میں تلوار بکے تاکہ زیور کی چاندی کے بدلے میں برابر سرابر چاندی ہو جائے اور جو مزید قیمت دی وہ تلوار کے بدلے میں ہو جائے۔ مثال مذکور میں پچاس درہم پچاس درہم کے مطابق زیور کے بدلے ہوئے اور باقی پچاس درہم تلوار کے بدلے ہوئے۔

وجہ (۱) حدیث میں اس کی تشریح ہے۔ سمعت فضالة بن عبيد الانصاری يقول اتی رسول الله وهو بخيبر بقلادة فيها خرز و ذهب وهی من المغانم تباع فامر رسول الله بالذهب الذی فی القلادة فنزع وحده ثم قال لهم رسول الله ﷺ الذهب بالذهب وزنا بوزن (الف) (مسلم شریف، باب بیع القلادة فیها خرز و ذھب ص ۲۵ نمبر ۱۵۹۱ / ابوداؤد شریف، باب فی حلیۃ السیف تباع بالدراھم ج ثانی ص ۱۲۰ نمبر ۳۳۵۱ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی شراء القلادة وفیھا ذھب وخرز ص ۲۳۸ نمبر ۱۲۵۵) اس حدیث میں ہے کہ ہار میں بارہ دینار سے زیادہ کا سونا تھا۔ اور بارہ دینار میں خریدا تھا تو آپؐ نے فرمایا اس کو جدا کر کے دیکھو اور دونوں کا وزن برابر کر کے بیچو۔ اسی لئے فرمایا وزنا بوزن یعنی دونوں کے وزن برابر ہوں۔

اصول سونا یا چاندی دوسری دھات کے ساتھ شامل ہوں تب بھی حقیقی سونا اور چاندی کو برابر کر کے بیچنا ہوگا تاکہ ربوا نہ ہو۔

[۹۸۰] (۹) پس اگر دونوں نے قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ دونوں جدا ہو گئے تو زیور میں عقد باطل ہو جائے گا، اور اگر بغیر ضرر کے زیور الگ ہو سکتا ہے تو تلوار میں بیع جائز ہوگی اور زیور میں باطل ہوگی۔

تشریح بائع کو زیور کی قیمت پچاس درہم پر قبضہ کرنا چاہئے تھا لیکن اس پر قبضہ نہیں کیا اور جدا ہو گئے تو اگر زیور تلوار کو نقصان دیئے بغیر الگ ہو سکتا

حاشیہ : (الف) حضورؐ خیبر میں تھے، آپؐ کے سامنے ایک ہار لایا گیا جس میں پتھر کے نگ اور سونا تھا۔ وہ مال غنیمت میں سے تھا۔ وہ بیچا جا رہا تھا تو حضورؐ نے سونے کے بارے میں حکم دیا جو ہار میں تھا کہ ان کو الگ نکالا جائے (یعنی اس کی قیمت الگ لگے) پھر آپؐ نے ان سے فرمایا سونا سونے کے بدلے وزن میں برابر ہوں۔

حتی افترقا بطل العقد فی الحلیة وان کان یتخلص بغیر ضرر جاز البیع فی السیف وبطل فی الحلیة[۹۸۱] (۱۰)ومن باع اناء فضة ثم افترقا وقد قبض بعض ثمنه بطل العقد فیما لم یقبض وصح فیما قبض وکان الاناء مشترکا بینهما[۹۸۲] (۱۱) وان استحق بعض الاناء کان المشتری بالخیار ان شاء اخذ الباقی بحصته من الثمن وان شاء ردہ

ہو تو تلوار کی بیع ہو جائے گی۔ کیونکہ تلوار کی قیمت پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور زیور کی بیع نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کی قیمت پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری تھا اور نہ ربوا ہوگا۔ ربوا ہونے کی دلیل اوپر حدیث گزر چکی ہے۔

نوٹ اگر زیور تلوار سے نقصان دیئے بغیر الگ نہ ہو سکتا ہو تو زیور کی بیع نہیں ہوگی اور اس کی وجہ سے تلوار کی بیع بھی نہیں ہوگی۔

لغت الحلیة : زیور، خوبصورتی کی کوئی چیز۔

[۹۸۱] (۱۰) کسی نے چاندی کا برتن بیچا پھر دونوں جدا ہو گئے حالانکہ بعض ثمن پر قبضہ کیا تو عقد باطل ہو جائے گا جس میں قبضہ نہیں کیا تھا اور صحیح ہوگا جتنے پر قبضہ کیا تھا اور برتن دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔

تشریح مثلا سو درہم کا برتن تھا۔ پچاس درہم مجلس میں دیئے اور پچاس درہم نہیں دیئے۔ تو جتنے دیئے اس کی بیع ہوگی اور جتنے نہیں دیئے اس کی بیع باطل ہوگی۔

وجہ کیونکہ دونوں جانب چاندی ہیں اس لئے دونوں پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری تھا۔ اور یہاں آدھے پر مجلس میں قبضہ ہوا اس لئے آدھے کی بیع ہوگی اور آدھے کی بیع نہیں ہوگی۔ اس صورت میں مبیع برتن ہے اس لئے آدھا برتن الگ تو نہیں ہو سکتا اس لئے آدھے برتن کی بیع نہ ہونے کی وجہ سے پورے برتن کی بیع فاسد ہونی چاہئے لیکن فاسد اس لئے نہیں کریں گے کہ پہلے بیع پورے برتن کی ہوئی ہے اور بعد میں فساد آیا ہے اس لئے آدھے کا فساد پورے میں سرایت نہیں کرے گا۔ اس لئے آدھے برتن کی بیع ہوگی اور آدھے برتن کی بیع نہیں ہوگی۔ اور برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشترک ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فساد شروع سے نہ ہو بلکہ بعد میں طاری ہوا ہو تو باقی مبیع میں سرایت نہیں کرے گا۔

[۹۸۲] (۱۱) اگر بعض برتن کا مستحق نکل آیا تو مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو باقی کو اس کے ثمن کے حصے کے ساتھ لے اور اگر چاہے تو رد کر دے۔

تشریح مثلا چاندی کا کوئی برتن سو درہم میں بیچا۔ بیع طے ہونے کے بعد کسی دوسرے نے کہا کہ اس برتن میں آدھا میرا حق ہے۔ اور دلائل کے ذریعہ اپنا حق ثابت کر دیا تو گویا کہ آدھا تیسرے آدمی کا ہوگا اور آدھا برتن مشتری کا ہوگا۔ اور برتن میں شرکت عیب ہے اس لئے مشتری کو اختیار ہوگا کہ برتن کا جتنا حصہ اس کے حق میں آتا ہے اتنی قیمت دے کر لے لے اور چاہے تو پورے کی بیع فسخ کر دے۔

اصول شرکت عیب ہے اس لئے لینے اور فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

[۹۸۳](۱۲) ومن باع قطعة نقرة فاستحق بعضها اخذ ما بقی بحصته ولا خیار له [۹۸۴](۱۳) ومن باع درهمین ودینارا بدینارین ودرهم جاز البیع وجعل کل واحد من الجنسین بدلا من جنس الآخر[۹۸۵](۱۴) ومن باع احد عشر درهما بعشرة دراهم

---

[۹۸۳](۱۲) کسی نے چاندی کا ٹکڑا بیچا۔ پس اس کے بعض کا مستحق نکل آیا تو لے گا جو باقی ہے اس کے حصے کے ثمن کے بدلے اور مشتری کو اختیار نہیں ہوگا۔

تشریح مثلا سو درہم کی چاندی کی ڈلی تھی اس کو خریدا، بعد میں آدھے کا مستحق کوئی اور آدمی نکل آیا تو آدھی قیمت یعنی پچاس درہم دیکر مشتری آدھا لے لے۔ اور اس صورت میں مشتری کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

وجہ چاندی کی ڈلی ٹکڑا ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس میں شرکت نہیں ہوگی جو عیب ہے۔ اس لئے مشتری کو لینا ہی پڑے گا اور اس کو بیع رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ البتہ جتنا حصہ مشتری کے حق میں آئے گا اتنی ہی قیمت دینی ہوگی زیادہ نہیں۔ کیونکہ اتنا ہی حق اس کو ملا ہے۔

لغت نقرة : چاندی کی ڈلی۔

[۹۸۴](۱۳) کسی نے دو درہم اور ایک دینار، دو دینار اور ایک درہم کے بدلے میں بیچا تو بیع جائز ہے اور دونوں جنسوں میں سے ہر ایک کو دوسری جنس کے بدلے میں کر دی جائے گی۔

تشریح ایک طرف دو درہم اور ایک دینار ہیں اور دوسری طرف دو دینار اور ایک درہم ہیں۔ اس لئے اگر دو درہم کو ایک درہم کے بدلے اور ایک دینار کو دو دینار کے بدلے کر دیں تو بیع فاسد ہوگی اور سود ہوگا۔ لیکن دو درہم کو ایک دینار کے بدلے کر دیں اور اسی طرح دو دینار کو ایک درہم کے بدلے کر دیں تو خلاف جنس ہونے کی وجہ سے کمی زیادتی جائز ہوگی اور بیع جائز ہو جائے گی۔ حتی الامکان بیع جائز کرنے کے لئے یہی دوسری صورت اختیار کی جائے گی۔

اصول یہاں اصول یہ ہے کہ چاہے ایک صفقہ ہو لیکن خلاف جنس کر کے ربوا سے بچنے کی کوئی صورت موجود ہو تو اس کو اختیار کیا جائے گا اور انسانی سہولت ملحوظ رکھی جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام زفر فرماتے ہیں کہ یہاں مجموعے کا مقابلہ مجموعے کے ساتھ ہے اس لئے دو درہم ایک درہم کے بدلے ہو جائیں گے اور ایک دینار دو دینار کے بدلے ہو جائے گا اور ایک ہی جنس میں کمی زیادتی ہو جائے گی اور ربوا ہوگا اس لئے یہ بیع جائز نہیں ہوگی۔

[۹۸۵](۱۴) کسی نے گیارہ درہم دس درہم اور ایک دینار کے بدلے بیچے تو بیع جائز ہے، دس درہم دس درہم کے برابر ہو جائیں گے اور ایک دینار ایک درہم کے بدلے ہو جائے گا۔

تشریح یہاں بھی اوپر کا اصول کارگر ہوگا کہ گیارہ درہم کو دس درہم اور ایک دینار کے بدلے بیچا تو دس درہم کو دس درہم کے بدلے کر دیں گے اور جو ایک درہم بچا اس کو ایک دینار کے بدلے کر دیا جائے گا۔ تو چونکہ خلاف جنس ہے اس لئے کمی زیادتی جائز ہوگی اور بیع جائز ہو جائے گی۔

ودینار جاز البیع وکانت العشرۃ بمثلها والدینار بدرهم[۹۸۶] (۱۵) ویجوز بیع درهمین صحیحین ودرهم غلۃ بدرهم صحیح ودرهمین غلۃ[۹۸۷] (۱۶) وان کان الغالب علی الدراهم الفضۃ فهی فی حکم الفضۃ وان کان الغالب علی الدنانیر الذهب فهی فی حکم الذهب فیعتبر فیهما من تحریم التفاضل ما یعتبر فی الجیاد[۹۸۸](۱۷) وان کان الغالب علیهما الغش فلیسا فی حکم الدراهم والدنانیر فهما فی حکم العروض.

---

[۹۸۶] (۱۵) اور جائز ہے بیع دو صحیح درہم اور ایک کھوٹے درہم کی، بدلے میں ایک صحیح درہم اور دو کھوٹے درہم کے۔

تشریح ایک طرف دو صحیح درہم اور ایک کھوٹا درہم ہے۔ دوسری طرف ایک صحیح اور دو کھوٹے درہم ہیں تو بیع جائز ہوگی۔

وجہ چونکہ دونوں طرف تین تین درہم ہیں اس لئے وزن میں دونوں برابر ہونگے۔ البتہ ایک طرف دو کھوٹے ہیں اور دوسری طرف صرف ایک کھوٹا ہے اس لئے قیمت میں کمی بیشی ہوگی۔ لیکن پہلے گزر چکا ہے کہ اموال ربوا میں وزن میں دونوں برابر ہوں اس کا اعتبار ہے۔ عمدہ اور ردی اور قیمت میں کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے دونوں طرف وزن کے برابر ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہوگی۔

اصول اموال ربویہ میں وزن اور کیل میں دونوں طرف برابر ہونا ضروری ہے، عمدہ اور ردی کا اعتبار نہیں ہے۔

لغت غلۃ : وہ درہم جس میں کھوٹ شامل ہو اور تاجر اس کو قبول کرتا ہو لیکن بیت المال اس کو قبول نہ کرتا ہو۔

[۹۸۷] (۱۶) اگر درہم پر غالب چاندی ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر دینار پر غالب سونا ہو تو وہ سونے کے حکم میں ہے۔ تو اعتبار کیا جائے گا ان دونوں میں کمی بیشی کے حرام ہونے کا جو اعتبار کیا جاتا ہے عمدہ میں۔

تشریح خالص سونے کا سکہ نہیں بن سکتا، اسی طرح خالص چاندی کا سکہ نہیں بن سکتا ہے۔ ان میں کچھ نہ کچھ دوسری دھات ملانی پڑتی ہے۔ اس لئے تھوڑی بہت ملاوٹ کا اعتبار نہیں ہے۔ وہ جید اور عمدہ کے حکم میں ہے۔ اس میں کمی زیادتی ایسے ہی حرام ہے جیسے جید اور اچھے میں۔ البتہ آدھے سے زیادہ ملاوٹ ہو تو چونکہ غالب دوسری دھات ہوگئی اس لئے اب یہ خالص سونے چاندی کے حکم میں نہیں رہی۔ بلکہ سامان کے حکم میں ہوگئی۔ یہاں اصول یہ ہے کہ اعتبار غالب اور اکثر کا ہے۔ اکثر چاندی یا سونا ہے تو وہ سونے اور چاندی کے حکم میں ہیں۔ اور اگر اکثر دوسری دھات ہے تو وہ دوسری دھات اور سامان کے حکم میں ہے۔ مشہور قاعدہ ہے للاکثر حکم الکل۔

اصول اکثر اور غالب کا اعتبار ہے۔

[۹۸۸] (۱۷) اور اگر دونوں پر غالب کھوٹ ہے تو وہ دونوں درہم اور دنانیر کے حکم میں نہیں ہیں۔ پس وہ دونوں سامان کے حکم میں ہیں

تشریح درہم میں چاندی غالب نہیں ہے بلکہ کھوٹ غالب ہے تو چونکہ اکثر کھوٹ ہے اس لئے اس کا حکم سامان کا حکم ہے۔ اسی طرح دینار میں کھوٹ غالب ہے تو وہ اب سونے کے حکم میں نہیں ہے بلکہ سامان کے حکم میں ہے۔ قاعدہ گزر چکا ہے۔

[۹۸۹](۱۸) فاذا بیعت بجنسها متفاضلا جاز البیع [۹۹۰](۱۹) وان اشتری بها سلعة ثم کسدت فترک الناس المعاملة بها قبل القبض بطل البیع عند ابی حنیفة وقال ابو

---

[۹۸۹](۱۸) پس اگر اس کی جنس کے ساتھ بیچی جائے کمی بیشی کر کے تو جائز ہے۔

تشریح مثلا چھ سکے بیچ رہا ہے، جن میں کھوٹ غالب ہے۔ ان چھ سکوں میں عمدہ دوسکوں کے برابر چاندی ہے اور چار سکوں کے برابر کھوٹ ہے۔ پس ان چھ سکوں کو عمدہ تین سکوں کے بدلے بیچے تو جائز ہے۔

وجہ چھ سکوں میں دوسکوں کے برابر چاندی ہے وہ عمدہ دوسکوں کے بدلے ہو گئے اور برابر ہو گئے اور باقی چار کھوٹ والے سکے ایک عمدہ سکے کے بدلے ہو گئے۔ اس طرح خالص چاندی خالص چاندی کے برابر اور مزید چاندی کھوٹ کے بدلے ہو گئی اور بیع جائز ہو گئی۔ حدیث مثلا بمثل کی رو سے کوشش کی جائے گی کہ چاندی چاندی کے برابر ہو کمی زیادتی نہ ہو۔ اور کھوٹ کے بدلے مزید چاندی ہو جائے تاکہ بیع جائز ہو جائے۔ اس قسم کے مسئلے مسئلہ نمبر ۸ اور مسئلہ نمبر ۱۴ میں گزر گئے۔

نوٹ یہ مسئلے ان تین اصولوں سے مستنبط ہیں (۱) سونا سونے کے برابر ہو، چاندی چاندی کے برابر ہو (۲) اثمان ہوں تو مجلس میں قبضہ ہو (۳) اور چاندی اور سونا مشترک ہو تو اس میں کوشش کی جائے کہ خلاف جنس کے بدلے ہو کر بیع جائز ہو جائے۔

[۹۹۰](۱۹) اگر کھوٹے درہم کے بدلے سامان خریدا پھر اس کا رواج نہ رہا پس لوگوں نے مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے معاملہ چھوڑ دیا تو بیع باطل ہو جائے گی امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ اور فرمایا امام ابو یوسف نے مشتری پر سکے کی قیمت لازم ہے بیع کے دن کی۔ اور فرمایا امام محمد نے مشتری پر سکے کی قیمت لازم ہے آخری دن کی جب لوگ اس سکے کا معاملہ کرتے تھے۔

تشریح کھوٹے سکے کا قاعدہ یہ ہے کہ جب تک لوگوں میں اس کا رواج ہو اس وقت تک وہ سکے کے درجے میں ہے، اور جس دن رواج ختم ہوا اس دن سے وہ سامان کے درجے میں ہے۔ اب مثلا دس کھوٹے سکے کے بدلے کوئی چیز خریدی۔ ابھی مبیع پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ لوگوں میں ان سکوں کا رواج ختم ہو گیا تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بیع باطل ہو گئی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ سکے کھوٹے تھے اس لئے لوگوں کے تعامل سے سکے تھے۔ اور جب لوگوں نے تعامل چھوڑ دیا تو وہ سامان بن گئے۔ اور ان کی ثمنیت ختم ہو گئی۔ اس لئے مبیع بغیر ثمن کے باقی رہی۔ اور بیع بغیر ثمن کے ہو تو بیع فاسد ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بیع فاسد ہو جائے گی۔ اور چونکہ مبیع پر مشتری کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لئے مبیع بائع کے پاس ہی رہے گی اور مشتری کو کچھ نہیں دینا ہوگا۔

اصول بیع بغیر ثمن کے ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ بیع کرتے وقت سکوں کی ثمنیت تھی یہ تو بعد میں ان کی ثمنیت ختم ہوئی ہے۔ اس لئے ان سکوں کی قیمت دی جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ بیع کرتے وقت ان سکوں کی قیمت درہم سے کیا تھی وہ دی جائے گی۔ کیونکہ بائع اور مشتری کے ذہن میں اسی وقت کی قیمت ملحوظ ہے۔ اسی وقت کی قیمت ملحوظ رکھ کر بائع مبیع بیچنے پر راضی ہوا ہے۔ اس لئے بیچنے کے وقت ان سکوں کی جو قیمت تھی وہی مشتری پر لازم ہوگی۔

یوسف رحمه الله تعالى عليه قيمتها يوم البيع وقال محمد رحمه الله تعالى عليه قيمتها آخر ما يتعامل الناس[۹۹۱] (۲۰) ويجوز البيع بالفلوس النافقة وان لم يعين [۹۹۲](۲۱) وان كانت كاسدة لم يجز البيع بها حتى يعينها[۹۹۳] (۲۲) واذا باع بالفلوس النافقة ثم كسدت قبل القبض بطل البيع عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى

اصول بیع کے دن کی قیمت ملحوظ ہوگی۔

امام محمد کے نزدیک بھی بیع صحیح ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آخری دن جس میں لوگوں نے ان سکوں کو لینا دینا چھوڑا اس دن ان دس سکوں کی کیا قیمت تھی وہ دلوائی جائے گی۔

وجہ جب تک سکے رائج تھے اس وقت تک سکے دینے ہی کے مجاز تھے۔ البتہ جس دن ان کا لینا دینا چھوڑا اس دن سکے سے ان کی قیمت کی طرف منتقل ہوا اس لئے اس دن ان مثلا دس سکوں کی جو قیمت ہو مشتری پر وہ قیمت لازم ہوگی۔ اور وہی قیمت ادا کرکے مبیع لے لیگا۔

اصول سکے سے قیمت کی طرف جس دن منتقل ہوا اس دن کی قیمت ملحوظ ہوگی۔

لغت ما یتعامل الناس : لوگ اس کے ساتھ معاملہ کرتے ہوں، لوگوں میں اس کا رواج ہو۔

[۹۹۱](۲۰) جائز ہے بیع رائج پیسوں سے اگرچہ متعین نہ کرے۔

تشریح فلوس چاندی اور سونے کے علاوہ دوسری دھاتوں کے سکے بنتے ہیں۔ اس لئے جب تک ان کا رواج رہے گا اس وقت تک ان کا حکم دراہم اور دنانیر کی طرح ہوگا۔ یعنی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگا۔ اس قیمت کے کوئی بھی فلوس دیدے کافی ہو جائیں گے۔ اور جس دن سے ان کا رواج ختم ہو جائے اس دن سے وہ سامان کی طرح ہیں۔ یعنی وہ متعین کرنے سے متعین ہوں گے۔ اس اصول کی بنیاد پر مروج پیسوں سے کوئی چیز خریدے گا تو جائز ہے۔ چاہے ان پیسوں کو متعین نہ کیا ہو اور اس قیمت کے کوئی پیسے دیدے کافی ہو جائیں گے۔

لغت الفلوس النافقة : مروج پیسے۔ النافقة : جسکا رواج ہو۔

[۹۹۲](۲۱) اور اگر سکے رائج نہ ہوں تو نہیں جائز ہے بیع یہاں تک کہ ان کو متعین کرے۔

وجہ جو سکے رائج نہیں ہیں ان سے مبیع خریدا تو چونکہ وہ سکے سامان کے درجے میں ہیں اس لئے ان کو متعین کئے بغیر بیع جائز نہیں ہوگی۔ جس طرح سامان کو متعین کئے بغیر بیع جائز نہیں ہوتی ہے۔

لغت کاسدة : وہ سکے جن کا رواج نہ ہو۔

[۹۹۳](۲۲) اگر مروج پیسوں سے بیچا پھر رواج ختم ہو گیا مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے تو بیع باطل ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح مروج پیسوں سے کوئی مبیع خریدی۔ ابھی مبیع پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ ان سکوں کا رواج ختم ہو گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی۔

[۹۹۴](۲۳) ومن اشتری شیئا بنصف درهم من فلوس جاز البیع وعلیه ما یباع بنصف درهم من فلوس[۹۹۵] (۲۴) ومن اعطی صیرفیا درهما فقال اعطنی بنصفه فلوسا وبنصفه نصفا الا حبة فسد البیع فی الجمیع عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی [۹۹۶](۲۵)وقالا جاز البیع فی الفلوس وبطل البیع فیما بقی.

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ پیسوں کا رواج ختم ہونے کے بعد وہ عام سامان ہو گئے اور مبیع بغیر ثمن کے باقی رہی اس لئے بیع فاسد ہو جائے گی۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک بیع صحیح ہوگی اور فلوس کی قیمت دیکر مشتری مبیع لیگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بیع کے دن کی قیمت اور امام محمد کے نزدیک اس آخری دن کی قیمت جس دن فلوس نافقہ کا رواج بند ہوا ہے۔ تفصیل اور قاعدہ مسئلہ نمبر ۱۹ میں گزر چکے ہیں۔

[۹۹۴] (۲۳) کسی نے کوئی چیز خریدی آدھے درہم کے پیسے کے بدلے تو بیع جائز ہے اور مشتری پر اتنے پیسے لازم ہوں گے جو آدھے درہم میں بیچے جاتے ہیں۔

تشریح کسی نے یوں کہا کہ مثلا یہ کپڑا آدھے درہم کے جتنے پیسے آتے ہیں ان کے بدلے خریدتا ہوں تو یہ بیع جائز ہوگی۔ اور آدھے درہم کے جتنے پیسے اس ملک میں ہوتے ہیں اتنے پیسے مشتری پر لازم ہوں گے۔

وجہ آدھے درہم کے کتنے پیسے ہوتے ہیں یہ تھوڑی سی جہالت ہے لیکن اس ملک میں آدھے درہم کے کتنے پیسے ملتے ہیں تاجروں کے یہاں یہ مشہور و معروف ہوتے ہیں اس لئے یہ جہالت رفع ہو جائے گی۔ اور ثمن مجہول نہیں رہے گا۔ اس لئے بیع جائز ہو جائے گی۔

فائدہ امام زفر کے نزدیک یہ تھوڑی سی جہالت ہے اس لئے ان کے یہاں بیع فاسد ہوگی۔

لغت فلوس : پیسہ، سونے اور چاندی کے علاوہ کا سکہ۔

[۹۹۵] (۲۴) کسی نے صراف کو ایک درہم دیا اور کہا آدھے درہم کے پیسے دو اور آدھے درہم کا درہم دو مگر ایک رتی کم دو تو تمام میں بیع فاسد ہو جائے گی امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح ایک آدمی نے درہم بھنانے والے کو ایک درہم دیا اور یوں کہا کہ آدھے درہم کے جو پیسے ہوتے ہیں وہ دو اور باقی درہم ہی دو مگر اس میں ایک رتی چاندی کم دو تو پوری بیع فاسد ہوگی۔

وجہ یہاں آدھے درہم کا مقابلہ آدھے درہم سے ہے اور اس میں ایک رتی کم ہے تو ربوا ہو گیا اس لئے اس آدھے درہم کی بیع فاسد ہو گئی۔ اور چونکہ فساد قوی ہے اور شروع سے ہے اس لئے یہ سرایت کر کے درہم کے بدلے فلوس کی جو بیع تھی وہ بھی فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ پوری بیع ایک ہی ہے۔ جس کو کہتے ہیں کہ صفقہ ایک ہے۔

[۹۹۶] (۲۵) اور صاحبین فرماتے ہیں کہ پیسے میں بیع جائز ہے اور باقی میں بیع باطل ہے۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اندرونی طور پر دو بیع ہیں ایک بیع سے آدھے درہم کا مقابلہ پیسے کے ساتھ ہے اور دوسری بیع

[۹۹۷](۲۶) ولو قال اعطنی نصف درهم فلوسا ونصفا الا حبة جاز البیع [۹۹۸](۲۷) ولو قال اعطنی درهما صغیرا وزنه نصف درهم الا حبة والباقی فلوسا جاز البیع وکان النصف الا حبة بازاء الدرهم الصغیر والباقی بازاء الفلوس.

ہے آدھے درہم کا مقابلہ درہم کے ساتھ مگر ایک رتی کم۔ اس لئے جس آدھے درہم کا مقابلہ پیسے کے ساتھ ہے وہ بیع جائز ہوگی۔ کیونکہ اس میں کوئی ربوا نہیں ہے۔ اور جس آدھے درہم کا مقابلہ درہم کے ساتھ ہے مگر ایک رتی کم وہ بیع فاسد ہوگی۔ کیونکہ اس میں دونوں طرف چاندی ہیں اور آدھے درہم کے مقابلے میں پورا آدھا درہم نہیں ہے بلکہ ایک رتی کم ہے اس لئے سود ہوگیا اس لئے یہ دوسری بیع فاسد ہوگی۔ اور ایک کا فساد دوسرے میں سرایت نہیں کرے گا اور حتی الامکان بیع جائز ہونے کی صورت نکالی جائے گی۔

نوٹ یہ سب مسئلے اوپر کے اصول پر متفرع ہیں۔

[۹۹۷](۲۶) اور اگر کہا مجھے آدھے درہم کے فلوس دو اور آدھے مگر ایک رتی کم درہم دو تو سب کے نزدیک بیع جائز ہوگی۔

تشریح یہاں اندرونی طور پر دو بیع نہیں ہیں بلکہ ایک ہی بیع ہے۔ اور صورت یوں ہے کہ ایک طرف ایک درہم ہے اور دوسری طرف پیسے ہیں اور آدھے درہم میں سے ایک رتی کم ہے۔ اس لئے رتی کم آدھا درہم رتی کم آدھا درہم کے مقابلے میں ہو جائے گا۔ اور باقی ایک رتی زیادہ اور آدھے درہم کے مقابلے میں پیسے ہو جائیں گے۔ اس لئے سود نہیں ہوگا۔ اس لئے پوری بیع جائز ہوگی۔

لغت حبة : دانہ، رتی، چھوٹا پیسہ۔

[۹۹۸](۲۷) اور اگر کہا مجھ کو چھوٹا درہم دو جس کا وزن آدھے درہم سے ایک رتی کم ہو اور باقی کے پیسے دو تو بیع جائز ہوگی اور آدھے درہم سے رتی کم چھوٹے درہم کے مقابلے پر ہوگا اور باقی پیسے کے مقابلے پر۔

تشریح چھوٹا درہم جس کا وزن رتی کم آدھا درہم ہے، اب کسی نے صراف کو ایک درہم دینے کے بعد یوں کہا کہ اس درہم میں سے رتی کم آدھا درہم دو (یعنی چھوٹا درہم دو) اور باقی رتی زیادہ آدھا درہم جو رہا اس کے بدلے پیسے دو تو بیع جائز ہو جائے گی۔

وجہ رتی کم آدھا درہم رتی کم آدھا درہم کے مقابلے پر ہو جائے گا۔ اور رتی زیادہ آدھا درہم کے مقابلے پر پیسے ہو جائیں گے۔ اس لئے خلاف جنس ہونے کی وجہ سے سود نہیں ہوگا۔ اس لئے پوری بیع جائز ہوگی۔

اصول ایک ہی بیع میں دو قسم کی چیزیں ہوں۔ ایک قسم کی چیز اپنے ہم جنس کے ساتھ برابر سرابر ہو اور دوسری قسم کی چیز خلاف جنس کے ساتھ کمی زیادتی ہو جائے تو چونکہ سود کا وقوع نہیں ہوا اس لئے بیع جائز ہوگی۔ اور اوپر کے تینوں مسئلے اسی اصول پر متفرع ہیں۔ اور اصول کے لئے حدیث وہی ہے مثلا بمثل یدا بید.

لغت بازاء : مقابلے میں، بدلے میں۔

﴿ كتاب الرهن ﴾

[۹۹۹](۱) الرهن ينعقد بالايجاب والقبول ويتم بالقبض فاذا قبض المرتهن الرهن

﴿ کتاب الرہن ﴾

ضروری نوٹ کوئی آدمی کسی سے کچھ پونڈ قرض لے اور وثیقہ اور اعتماد کے لئے کوئی چیز قرض دینے والے کے پاس رہن رکھے تو اس معاملے کو رہن کہتے ہیں۔ اس میں غریب جس نے اپنا مال رہن پر رکھا اس کو راہن کہتے ہیں، اور جس کے پاس رہن رکھا اس کو مرتہن کہتے ہیں، اور جو چیز رہن رکھی گئی اس کو شیء مرہون کہتے ہیں۔ رہن رکھنے کا ثبات اس آیت سے ہے۔ وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا فرھان مقبوضۃ (الف) (آیت ۲۸۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں رہن رکھنے کا ذکر ہے۔ اور حدیث میں ہے۔ عن عائشۃ ان النبی ﷺ اشتری من یھودی طعاما الی اجل ورھنہ درعہ (ب) (بخاری شریف، باب من رھن درعہ ص ۳۴۱ نمبر ۲۵۰۹ رمسلم شریف، باب الرھن وجوازہ فی الحضر کالسفر ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۳) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رہن رکھنا جائز ہے۔ اور حضورؐ نے رہن رکھا ہے۔

[۹۹۹](۱) رہن منعقد ہوتا ہے ایجاب اور قبول سے اور پورا ہوتا ہے قبضہ سے۔ پس جبکہ مرتہن نے رہن پر قبضہ کر لیا محوز، مفرغ اور ممیز ہونے کی حالت میں تو اس میں عقد پورا ہو گیا۔

تشریح رہن ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے۔ اور اس پر مرتہن کے قبضہ کرنے سے پورا ہوتا ہے۔

وجہ رہن معاملہ ہے اور پیچھے گزر چکا ہے کہ معاملہ ایجاب کرنے اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہوتا ہے۔ اس لئے رہن ایجاب کرنے اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ قرض کے بدلے رہن رکھنا ضروری نہیں ہے۔ بہت مرتبہ لوگ قرض دیتے ہیں اور اس کے بدلے رہن نہیں رکھتے ہیں۔ اس لئے رہن رکھنا تبرع ہے۔ اس لئے جب تک مرتہن اس پر قبضہ نہیں کرے گا رہن مکمل نہیں ہوگا۔ ایجاب اور قبول کے بعد بھی راہن رکھنے سے پھرنا چاہے تو پھر سکتا ہے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ قبضہ کرنے سے رہن مکمل ہوگا۔ آیت میں ہے۔ فرھان مقبوضۃ (آیت ۲۸۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس میں مقبوضۃ سے اشارہ ہے کہ قبضہ کرنے سے رہن مکمل ہوگا۔

نوٹ مرتہن کے قبضہ ہونے کے لئے بھی رہن کا تین باتوں سے خالی ہونا ضروری ہے (۱) محوز ہو یعنی رہن کی چیز دوسروں کی شرکت میں نہ ہو۔ دوسروں کی شرکت سے تقسیم ہو کر الگ ہو چکی ہو۔ مثلا دو آدمیوں کے درمیان میں گھر مشترک تھا تو دونوں شریکوں نے گھر تقسیم کر کے الگ الگ کر چکا ہو۔ اب جو راہن کا حصہ ہے اس پر مرتہن قبضہ کرے (۲) مفرغ ہو یعنی راہن کے مال و سامان سے شیء مرہون فارغ اور خالی ہو۔ مثلا گھر رہن پر رکھنا ہے تو گھر میں رہن رکھنے والے کا کوئی سامان نہ ہو تا کہ راہن کے آنے جانے کا تعلق نہ رہے۔ ایسے گھر پر مرتہن قبضہ کرے تب قبضہ مکمل ہوگا (۳) اور تیسری شرط یہ ہے کہ شیء مرہون ممیز ہو یعنی تخلیقی طور پر راہن کے سامان کے ساتھ متصل نہ ہو۔ جیسے درخت پر لگا ہوا پھل رہن پر رکھے تو اس پر مرتہن کا قبضہ مکمل نہیں ہوگا۔ کیونکہ پھل قدرتی اور تخلیقی طور پر راہن کے درخت سے چپکا ہوا ہے اور اس سے

حاشیہ : (الف) اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو قبضہ کیا ہوا رہن لے لو (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لئے کھانا خریدا اور اس کی وجہ سے زرہ رہن پر رکھی۔

محوزا مفرغا مميزا تم العقد فيه[١٠٠٠] (٢) وما لم يقبضه فالراهن بالخيار ان شاء سلمه اليه وان شاء رجع عن الرهن[١٠٠١] (٣) فاذا سلمه اليه فقبضه دخل في

متمیز نہیں ہے۔ اس لئے پھل کو درخت سے جدا کرے اور متمیز کر کے مرتہن کو قبضہ دے تب رہن پر مکمل قبضہ شمار ہوگا۔ مکمل قبضہ کرنے کے لئے محوز کی دلیل یہ اثر ہے۔ کتب عمر بن عبد العزیز انه لا یجوز من النحل الا ما عزل واخرد واعلم (مصنف عبدالرزاق، باب النحل ج تاسع ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱۴) ہبہ میں مکمل قبضہ کرنے کے لئے محوز کی ضرورت ہے تو رہن میں بھی مکمل قبضہ کرنے کے لئے محوز اور مفرغ کی ضرورت ہوگی۔

اصول مکمل قبضہ کرنے کے لئے شیء مرہون راہن کے مال سے بالکل الگ تھلگ ہو۔

[۱۰۰۰] (۲) اور جب تک مرتہن مرہون پر قبضہ نہ کرے تو راہن کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو سپرد کرے اور چاہے تو رہن سے رجوع کر جائے۔ **تشریح** اوپر بتایا کہ رہن رکھنا تبرع ہے اس لئے قبضہ کرنے سے پہلے رہن مکمل نہیں ہوا۔ اس لئے قبضہ کرنے سے پہلے رہن رکھنے والا رہن رکھنے سے مکر جائے اور رجوع کر جائے تو رجوع کر سکتا ہے۔

لغت راہن : رہن رکھنے والا۔

[۱۰۰۱] (۳) پس جبکہ مرتہن کو سپرد کر دیا اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہوگئی۔

تشریح رہن رکھنے والے نے شیء مرہون کو مرتہن کے حوالے کر دیا اور مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہوگئی۔ اب اگر ہلاک ہوگی تو اس کے پیسے مرتہن کے قرض میں سے کاٹے جائیں گے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ اگر شیء مرہون ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے مال میں سے جائے گی۔ **سمعت عطاء یحدث ان رجلا رهن فرسا فنفق فی یده فقال رسول الله ﷺ للمرتهن ذهب حقه** (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال الرہن مضمون، ج سادس، ص ۶۸، نمبر ۱۱۲۲۵) اس حدیث مرسل میں ہے کہ اگر شیء مرہون ہلاک ہوئی تو مرتہن کا مال گیا (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن انس عن النبی ﷺ قال الرهن بما فیه** (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۸، نمبر ۲۸۹۴ سنن للبیہقی، باب من قال الرہن مضمون، ج سادس، ص ۶۸، نمبر ۱۱۲۲۳) اس حدیث میں ہے کہ جس چیز کے لئے رہن رکھا گیا ہے اسی چیز کے لئے رہن جائے گا۔ یعنی اگر شیء مرہون ضائع ہوگئی تو قرض میں اس کو کاٹ لیا جائے گا۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ شیء مرہون پر قبضہ کے بعد مرتہن کے ضمان میں داخل ہوگئی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک شیء مرہون مرتہن کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔ اگر مرتہن کی بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے قرض میں سے کچھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہ مال راہن کا ہلاک ہوا۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لا یغلق الرهن له غنمه وعلیه غرمه** (ج) (دار قطنی

حاشیہ : (الف) عطاء بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے گھوڑا رہن پر رکھا، پس مرتہن کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو آپؐ نے مرتہن کے لئے کہا اس کا حق چلا گیا (ب) آپؐ نے فرمایا شیء مرہون اس کے بدلے میں ہے جس کے لئے رکھی گئی (ج) آپؐ نے فرمایا رہن رکھنے سے راہن کا حق بند نہیں ہوگا۔ راہن کو (باقی اگلے صفحہ پر)

ضمانہ[۱۰۰۲] (۴) ولا یصح الرھن الا بدین مضمون [۱۰۰۳](۵) وھو مضمون بالاقل من قیمتہ ومن الدین فاذا ھلک الرھن فی ید المرتھن وقیمتہ والدین سواء صار المرتھن مستوفیا لدینہ حکما.

، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۹، نمبر ۲۸۹۶، سنن للبیہقی، باب الرھن غیر مضمون، ج سادس، ص ۶۶، نمبر ۱۱۲۱۹) اس حدیث میں ہے کہ رہن رکھنے کی وجہ سے راہن کا حق ختم نہیں ہوگا۔ رہن رکھنے والے کو اس کا فائدہ بھی ملے گا۔ اور اگر شی ءمرہون میں کوئی نقصان ہوا تو راہن ہی کا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہلاک ہو جائے تو مرتہن پر اس کا ضمان نہیں ہے۔

[۱۰۰۲] (۴) نہیں صحیح ہے رہن مگر دین مضمون کی وجہ سے۔

تشریح وہ دین جو انسان پر ادا کرنا واجب ہو اس کی وجہ سے رہن رکھے تو صحیح ہے۔ اور جو دین ادا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ تبرع کے طور پر اپنے اوپر لازم کیا ہے اس دین کے بدلے رہن رکھنا صحیح نہیں۔ مثلا مکاتب اپنے اوپر مال کتابت واجب کرتا ہے لیکن اس کا ادا کرنا اس پر واجب نہیں ہے۔ جب عاجزی کا اظہار کرے اور مال کتابت ساقط کر کے دوبارہ غلام بننا چاہے تو بن سکتا ہے۔ اس لئے مال کتابت کی وجہ سے مکاتب کوئی چیز رہن رکھے تو رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے مصنف نے فرمایا کہ دین واجب کی وجہ سے رہن رکھنا صحیح ہے۔

وجہ رہن تو وثیقہ اور اعتماد کی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے قرض دینے والے کو یقین ہوتا ہے کہ میرا قرض ضرور واپس ملے گا۔ اور اگر قرض واپس نہیں دیا تو شی ءمرہون کو بیچ کر اپنا قرض وصول کروں گا۔ لیکن جب قرض ہی نہیں دیا ہے بلکہ راہن نے تبرع کے طور پر اپنے اوپر قرض لازم کیا ہے تو وثیقہ کیوں دے۔ اور رہن رکھنا کیوں صحیح ہو۔

[۱۰۰۳] (۵) شی ءمرہون مضمون ہوگی اس کی قیمت اور دین سے کم میں۔ پس جبکہ ہلاک ہو جائے شی ءمرہون مرتہن کے ہاتھ میں اور اس کی قیمت اور قرض برابر ہیں تو حکما مرتہن اپنے قرض کو وصول کرنے والا ہو گیا۔

تشریح شی ءمرہون کا ضمان مرتہن پر لازم ہے لیکن اتنا ہی ضمان لازم ہوگا جتنا اس کا دین ہے اور اس سے زیادہ اس کے ہاتھ میں امانت ہوگی۔ مثلا ایک سو پونڈ مرتہن پر قرض تھا اور ڈیڑھ سو پونڈ کی چیز رہن پر رکھ دی تو شی ءمرہون کے ہلاک ہونے پر ایک سو پونڈ کا ضمان مرتہن پر لازم ہوگا اور اس کا اتنا پونڈ ختم ہو جائے گا۔ اور باقی پچاس پونڈ جو قرض سے زیادہ تھے وہ مرتہن کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھے۔ اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو صاحب مال کو واپس دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ صاحب مال کا مال ہلاک ہوا۔ اس اصول پر مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ مثلا ایک سو پونڈ مرتہن کا راہن پر قرض تھا۔ اور راہن نے ایک سو پونڈ کی چیز رہن پر رکھ دی۔ بعد میں وہ چیز مرتہن کے یہاں ہلاک ہوگئی تو مرتہن کے سو پونڈ گئے اور گویا کہ مرتہن نے اپنے سو پونڈ وصول کر لئے۔

وجہ مرتہن اپنے قرض کے مطابق شی ءمرہون کا ضامن تھا، اور شی ءمرہون ہلاک ہوئی جو اس کے قرض کے برابر تھی تو گویا کہ اس نے اپنا قرض راہن سے وصول کر لیا۔ اب راہن سے کچھ وصول نہیں کر سکے گا۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فائدہ بھی ملے گا اور اس پر شی ءمرہون کا خرچ بھی لازم ہوگا۔

[۱۰۰۴](۶) وان کانت قیمة الرھن اکثر من الدین فالفضل امانة[۱۰۰۵](۷) وان کانت قیمة الرھن اقل من ذلک سقط من الدین بقدرھا ورجع المرتھن بالفضل [۱۰۰۶](۸) ولا یجوز رھن المشاع.

[۱۰۰۴](۶) اور اگر شیء مرہون کی قیمت قرض سے زیادہ ہے تو زیادہ امانت ہے۔

تشریح مثلا دین سو پونڈ ہے اور شیء مرہون ڈیڑھ سو پونڈ کی ہے تو مرتہن سو پونڈ کا ذمہ دار ہے۔ اور باقی پچاس پونڈ مرتہن کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔ یعنی اگر شیء مرہون ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے سو پونڈ ساقط ہو جائیں گے۔ اور باقی پچاس پونڈ بھی راہن کی طرف دینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ امانت تھی۔ اور امانت بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو اس کو ادا نہیں کرنا پڑتا ہے۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے ان عمر بن الخطاب قال فی الرجل یرتھن فیضیع قال ان کان اقل مما فیه رد علیه تمام حقه وان کان اکثر فھو امین (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۸، نمبر ۲۸۹۰ رسنن للبیہقی، باب من قال الرھن مضمون، ج سادس، ص ۷۱، نمبر ۱۱۲۲۸) اس اثر میں ہے کہ اگر شیء مرہون دین سے کم قیمت کی تھی اور ہلاک ہوئی تو جو زیادہ پونڈ ہونے چاہئے وہ مرتہن راہن سے وصول کرے گا۔ اور شیء مرہون دین سے زیادہ قیمت کی تھی تو وہ زیادہ قیمت اور فضل مرتہن کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔

اصول مرتہن اتنا ہی کا ضامن ہوتا ہے جتنا اس کا دین ہے۔ باقی شیء مرہون اس کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔

[۱۰۰۵](۷) اور اگر رہن کی قیمت کم ہے دین سے تو ساقط ہو جائے گا دین اس کی مقدار اور وصول کرے گا مرتہن زیادتی۔

تشریح مثلا سو پونڈ دین تھا اور راہن نے اسی پونڈ کا رہن رکھا اور وہ ہلاک ہو گیا تو گویا کہ مرتہن نے اسی پونڈ وصول کر لئے۔ اب بیس پونڈ جو باقی ہے وہ راہن سے وصول کرے گا۔

وجہ اثر اوپر گزر گیا ہے ان عمر بن الخطاب قال فی الرجل یرتھن فیضیع قال ان کان اقل مما فیه رد علیه تمام حقه (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۸، نمبر ۲۸۹۰ رسنن للبیہقی، باب من قال الرھن مضمون، ج سادس، ص ۷۱، نمبر ۱۱۲۲۸) اس اثر میں ہے کہ اگر رہن کی قیمت کم ہو تو جو زیادہ قرض ہے وہ اس پر لوٹایا جائے گا یعنی راہن سے وصول کرے گا (۲) مرتہن کا حق باقی ہے اس لئے وہ راہن سے وصول کرے گا۔ کیونکہ اس کا اتنا ہی ساقط ہوا جتنا رہن ہلاک ہوا۔ اور باقی قرض اس نے وصول نہیں کیا ہے اس لئے باقی قرض راہن سے وصول کرے گا۔

لغت الفضل : جو زیادہ ہو، جو باقی بچے۔

[۱۰۰۶](۸) نہیں جائز ہے مشترک چیز کو رہن رکھنا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمر نے اس بارے میں فرمایا جو رہن رکھے پھر ضائع ہو جائے۔ اگر اس قرض سے کم ہے تو مرتہن کا پورا حق دیا جائے گا اور اگر قرض سے زیادہ ہے تو وہ زیادہ کے بارے میں امانت دار ہے (ب) حضرت عمر نے اس بارے میں فرمایا جو رہن رکھے پھر ضائع ہو جائے۔ اگر اس قرض سے کم ہے تو مرتہن کا پورا حق دیا جائے گا۔

[۱۰۰۷](۹) ولا رهن ثمرة على رؤس النخل دون النخل ولا زرع فی الارض دون الارض [۱۰۰۸](۱۰) ولا يجوز رهن النخل والارض دونهما.

تشریح جو چیز راہن اور دوسرے کے درمیان مشترک ہے ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی ہے اس کو رہن پر رکھنا جائز نہیں ہے۔

وجہ آیت فرهان مقبوضة سے پتہ چلا کہ شیءمرہون پر مرتہن کا مکمل قبضہ ہو اور یہ اسی وقت ہوگا جب وہ چیز مشترک نہ ہو بلکہ تقسیم ہو کر خالص راہن کی ملکیت ہو چکی ہو۔

لغت المشاع : مشترک، غیر تقسیم شدہ۔

[۱۰۰۷](۹) نہیں جائز ہے پھل کا رہن رکھنا درخت کے اوپر بغیر درخت کے اور نہ کھیتی کا رہن رکھنا زمین میں بغیر زمین کے۔

تشریح پھل درخت پر لگے ہوئے ہیں ایسی صورت میں پھل رہن رکھ رہا ہے اور درخت رہن پر نہیں رکھ رہا ہے تو یہ جائز نہیں۔

وجہ پھل درخت کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہیں اس لئے شیءمرہون درخت سے متمیز نہیں ہوئی اور الگ نہیں ہوئی اس لئے مرتہن کا پورا قبضہ نہیں ہو سکے گا اور آیت کی رو سے پہلے گزر چکا ہے کہ مرتہن کا رہن پر پورا قبضہ ہونا چاہئے۔ اس لئے پھل کو درخت پر رہتے ہوئے رہن رکھے تو یہ رہن صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح کاشت زمین میں لگی ہوئی ہے اور صرف کاشت رہن پر رکھے اور زمین رہن پر نہ رکھے تو جائز نہیں۔

وجہ کاشت زمین کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہے اس لئے متمیز نہیں ہوئی جس کی وجہ سے مرتہن کا مکمل قبضہ شیءمرہون پر نہیں ہوگا جو آیت کی رو سے ضروری تھا۔

لغت زرع : کھیتی، کاشت۔

[۱۰۰۸](۱۰) اور نہیں جائز ہے درخت کو اور زمین کو رہن پر رکھنا بغیر پھل اور کھیتی کے۔

تشریح درخت پر پھل لگے ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں درخت رہن پر رکھتا ہے اور پھل رہن پر نہیں رکھتا تو جائز نہیں۔ اسی طرح کاشت زمین میں لگی ہوئی ہے اور زمین رہن پر رکھتا ہے اور کاشت رہن پر نہیں رکھتا تو جائز نہیں۔

وجہ یہاں بھی درخت اور زمین پھل اور کھیتی کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہیں۔ پھل اور کھیتی سے متمیز نہیں ہے۔ اس لئے ان کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

اصول شیءمرہون دوسروں کی ملکیت سے بالکل الگ تھلگ ہو تب رہن پر رکھنا جائز ہوگا اور مرتہن کا مکمل قبضہ شمار ہوگا۔ کیونکہ آیت میں ہے فرهان مقبوضة (آیت ۲۸۳ سورۃ البقرۃ)

فائدہ امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک مشترک چیز کو رہن پر رکھ سکتے ہیں۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مشترک اور مشاع چیز کو بیچ سکتے ہیں اسی طرح اس کو رہن پر بھی رکھ سکتے ہیں (۲) ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ قال فی کتاب معاذ بن جبل من ارتهن ارضا فهو يحسب ثمرها لصاحب الرهن (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ما یحل

حاشیہ (الف) حضرت معاذ بن جبل کے خط میں ہے کسی نے زمین رہن پر رکھی تو اس کا پھل رہن رکھنے والے کے لئے شمار کیا جائے گا۔

[١٠٠٩] (١١) ولا يصح الرهن بالامانات كالودائع والعوارى والمضاربات ومال الشركة[١٠١٠] (١٢) ويصح الرهن برأس مال السلم وثمن الصرف والمسلم فيه.

للمرتهن من الرهن، ج ثامن، ص ۲۴۵، نمبر ۱۵۰۷۲) اس اثر میں ہے کہ کوئی زمین رہن پر رکھے تو اس کا پھل راہن کا ہوگا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ غیر متمیز زمین بھی رہن پر رکھ سکتا ہے۔

لغت دونھما : سے مراد پھل اور کھیتی ہیں۔

[۱۰۰۹] (۱۱) اور نہیں صحیح ہے رہن پر رکھنا امانتوں کو جیسے امانت کی چیزیں اور مانگی ہوئی چیزیں اور مضاربت کا مال اور شرکت کا مال۔

تشریح وہ مال جو کسی کے پاس امانت کے طور پر رکھا ہوا ہے اس کو رہن پر رکھنا جائز نہیں۔ مثلا امانت رکھی ہوئی چیز ہے یا کسی سے عاریت پر چیز لایا ہے یا مال مضاربت ہے تو ان مالوں کو رہن پر نہیں رکھ سکتے۔

وجہ رہن پر ان مالوں کو رکھتے ہیں جو مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس کو ان کا ضمان دینا پڑے۔ اور امانت کے اموال ایسے ہیں کہ یہ بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو ان کا ضمان نہیں دینا پڑتا ہے۔ اس لئے امانت اور رہن کے موضوع الگ الگ ہیں اس لئے امانت کے اموال رہن پر نہیں رکھ سکتے (۲) رہن پر وہ مال رکھ سکتے ہیں جو خود راہن کا ہو اور یہ اموال دوسرے کے ہیں جو راہن کے پاس امانت ہیں اس لئے ان کو رہن پر کیسے رکھ سکتے ہیں۔

اصول دوسرے کے اموال بغیر اجازت کے رہن نہیں رکھ سکتے۔

لغت الودائع ودیعۃ کی جمع ہے مال امانت۔ العواری : عاریۃ کی جمع ہے مانگی ہوئی چیز۔ المضاربات : وہ مال جو بیع مضاربت کرنے کے لئے لیا ہو۔ مال الشرکۃ : شرکت کا مال، اس میں آدھا دوسرے کی امانت ہوتی ہے اور آدھا یا چوتھائی اپنا مال ہوتا ہے۔ اس کو بھی رہن پر نہیں رکھ سکتے۔

[۱۰۱۰] (۱۲) صحیح ہے رہن رکھنا سلم کے رأس المال کے بدلے، صرف کے ثمن کے بدلے اور مسلم فیہ کے بدلے۔

تشریح بیع سلم کی اور مشتری نے بائع کو ثمن یعنی رأس المال دیا اور رأس المال کے بدلے بائع نے کوئی چیز رہن پر رکھی تو رہن رکھنا جائز ہے

وجہ سلم کا رأس المال مضمون ہے اس لئے اس کے بدلے میں رہن رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح بیع صرف میں جو ثمن ہے وہ مال مضمون ہے اس لئے اس کے لئے رہن رکھے تو جائز ہے اگر چہ بیع صرف میں مجلس میں ثمن پر قبضہ کرنا ضروری ہے تاہم اس کے بدلے رہن رکھے تو جائز ہے کیونکہ وہ مال مضمون ہے۔ بیع سلم میں جو مبیع ہے جس کو مسلم فیہ کہتے ہیں اس کے بدلے رہن رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی مال مضمون ہے۔

اصول جو مال مال مضمون ہو اس کے لئے رہن رکھنا جائز ہے۔

[۱۰۱۱](۱۳) فان هلک فی مجلس العقد تم الصرف والسلم وصار المرتهن مستوفیا لحقه حکما[۱۰۱۲](۱۴) واذا اتفقا علی وضع الرهن علی یدی عدل جاز ولیس

[۱۰۱۱](۱۳) پس اگر شیء مرہون ہلاک ہو جائے مجلس عقد میں تو بیع صرف اور بیع سلم پورے ہو گئے اور مرتہن حکما اپنے حق کو وصول کرنے والا ہو گیا۔

تشریح بیع صرف کی اور بائع نے مبیع دیدی اور ثمن کے بدلے مشتری نے کوئی چیز بائع کے پاس رہن رکھی۔ مجلس عقد ہی میں رہن کی چیز بائع کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئی تو گویا کہ بائع نے ثمن وصول کر لیا۔ اس لئے بیع صرف مکمل ہو جائے گی۔ اسی طرح بیع سلم میں رب السلم (مشتری) نے بائع کو ثمن دیا اور بائع نے اس کے بدلے کوئی چیز رب السلم (مشتری) کے پاس رہن رکھی۔ بعد میں شیء مرہون مشتری کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئی تو گویا کہ مشتری نے مبیع وصول کر لی اور بیع سلم پوری ہو گئی۔ مشتری کا یہ وصول کرنا حقیقۃ تو نہیں حکما ہے۔

وجہ اوپر گزر گیا کہ مرتہن کے ہاتھ میں شیء مرہون کا ہلاک ہونا اپنے قرض کو وصول کرنے کے مترادف ہے۔

لغت مستوفیا لحقہ : اپنے حق کو وصول کرنے والا ہو گا۔

[۱۰۱۲](۱۴) اگر راہن اور مرتہن متفق ہو جائیں رہن کے رکھنے پر کسی عادل کے ہاتھ میں تو جائز ہے۔ اور نہیں جائز ہے مرتہن کے لئے اور نہ راہن کے لئے کہ عادل کے ہاتھ سے لے۔

تشریح راہن اور مرتہن اس بات پر متفق ہو گئے کہ شیء مرہون کسی تیسرے عادل کے ہاتھ میں رکھ دے تو یہ جائز ہے۔

وجہ کیونکہ یہ دونوں کا حق ہے اس لئے دونوں اپنے حقوق میں تصرف کر سکتے ہیں۔ اس لئے کسی عادل کے ہاتھ شیء مرہون رکھ سکتے ہیں۔ اس صورت میں وہ عادل راہن کی جانب سے محافظ ہو گا اس کے عین مال کا۔ اور مرتہن کی جانب سے محافظ ہو گا اس کی مالیت کا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن اشعث قال کان الحکم والشعبی یختلفان فی الرهن یوضع علی یدی عدل، قال الحکم لیس برهن وقال الشعبی هو رهن** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الرهن اذا وضع علی یدی عدل یکون قبضا وکیف ان هلک ج ثامن ص ۲۴۱ نمبر ۱۵۰۴۹) اس اثر میں ہے کہ شیء مرہون کسی عادل کے ہاتھ میں رکھے تو حضرت شعبی نے فرمایا وہ رہن ہی ہو گا۔ اس سے پتہ چلا کہ تیسرے کے ہاتھ میں شیء مرہون رکھنا جائز ہے۔ عادل کے ہاتھ میں رکھنے کے بعد مرتہن کی اجازت کے بغیر واپس نہیں لے سکتا ہے۔ کیونکہ وہ مرتہن کے حق کی وجہ سے عادل کے ہاتھ میں ہے۔ اور مرتہن اس لئے نہیں لے سکتا ہے کہ راہن کو مرتہن پر اعتماد نہیں ہے۔ اسی لئے تیسرے کے ہاتھ میں رکھی گئی ہے۔ اس لئے مرتہن بھی عادل کے ہاتھ سے نہیں لے سکتا۔ ہاں راہن اس کی اجازت دے تو مرتہن عادل کے ہاتھ سے لے سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عمرو بن یثربی قال شهدت رسول الله ﷺ فی حجة الوداع بمنی فسمعته یقول لا یحل لامرء من مال اخیه شیء الا ما طابت به نفسه** (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۲۲ نمبر ۲۸۶۰) اس حدیث

حاشیہ : (الف) حضرت حکم اور شعبی اس رہن کے بارے میں اختلاف فرماتے تھے جو کسی عادل کے ہاتھ میں رکھا گیا ہو۔ حضرت حکم نے فرمایا وہ رہن نہیں ہے۔ اور حضرت شعبی نے فرماتے تھے وہ رہن ہے (ب) میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ بھائی کے مال میں سے کچھ بھی حلال نہیں ہے مگر اس کی راضی خوشی سے۔

للمرتهن ولا للراهن اخذه من يده [۱۰۱۳](۱۵) فان هلک فی يده هلک من ضمان المرتهن[۱۰۱۴](۱۶) ويجوز رهن الدراهم والدنانير والمكيل والموزون [۱۰۱۵](۱۷) فان رهنت بجنسها وهلكت هلكت بمثلها من الدين وان اختلفا في الجودة والصياغة[۱۰۱۶](۱۸) ومن كان له دين على غيره فاخذ منه مثل دينه فانفقه ثم

میں ہے کہ کسی کا مال بغیر اس کی دلی رضامندی کے نہ لیا جائے۔ اس لئے بغیر راہن یا مرتہن کی اجازت کے عادل کے ہاتھ سے شیء مرہون نہیں لی جائے گی۔

[۱۰۱۳](۱۵) پس اگر شیء مرہون عادل کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے ضمان سے ہلاک ہوگی۔

وجہ شیء مرہون مرتہن کی وجہ سے عادل کے ہاتھ میں رکھی گئی ہے۔ اور گویا کہ اس کی مالیت مرتہن کے یہاں رہن ہے۔ اس لئے عادل کے ہاتھ میں ہلاک ہوئی تو مرتہن پر اس کا ضمان ہوگا۔ اور شیء مرہون کی قیمت قرض میں سے کاٹی جائے گی۔ اثر میں ہے۔ عن الحسن قالا اذا وضعه على يد غيره فهلک فهو بما فيه (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الرهن اذا وضع علی یدی عادل یکون قبضا و کیف ان ہلک ج ثامن ص ۲۴۱ نمبر ۱۵۰۴۸) اس اثر میں حضرت حسن نے فرمایا کہ اگر شیء مرہون کسی عادل آدمی کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو جس چیز کے لئے رکھی گئی ہے یعنی رہن کے لئے اسی میں شمار کی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرتہن کے مال میں سے ہلاک ہوگی۔

[۱۰۱۴](۱۶) جائز ہے رہن پر رکھنا درہم کو، دینار کو اور کیلی چیز اور وزنی چیز کو۔

وجہ ان چیزوں کو رہن پر رکھنے سے مرتہن کو اعتماد ہوگا کہ میرا دین ملے گا۔ اور نہیں تو اس کو بیچ کر یا خود اسی کو رکھ کر اپنا دین وصول کر سکتا ہوں۔ اس لئے ان چیزوں کو رہن پر رکھنا جائز ہے۔

[۱۰۱۵](۱۷) پس اگر دین کی جنس کو رہن پر رکھا اور ہلاک ہوگئی تو ہلاک ہو جائے گی دین کی مثل سے اگرچہ مختلف ہو عمدگی اور گھڑائی میں

تشریح مثلا اچھے قسم کے سو درہم دین تھے اور اس کے بدلے میں گھٹیا قسم کے سو درہم رہن رکھے۔ بعد میں رہن کے سو درہم ہلاک ہو گئے تو چونکہ دونوں جنس ایک ہے اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ مرتہن نے اپنے دین کے سو درہم وصول کر لئے۔ اگرچہ دین کے سو درہم عمدہ تھے اور رہن کے سو درہم گھٹیا تھے۔

وجہ ایک جنس ہو تو عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے دونوں کی برابری کو دیکھا جائے گا۔ عمدہ اور گھٹیا کو نہیں دیکھا جائے گا۔

اصول جنس ایک ہو تو رہن میں بھی عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔

لغت الجوده : عمده۔ الصياغة : گھڑائی اور نقش و نگار۔

[۱۰۱۶](۱۸) کسی کا دین دوسرے پر تھا پس اس سے دین کے مثل لیا اور اس کو خرچ کر دیا پھر جانا کہ وہ کھوٹے تھے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک

حاشیہ : (الف) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ کسی نے رہن دوسرے کے ہاتھ پر رکھا پس وہ ہلاک ہو گیا تو وہ جس رہن میں تھا اس میں شمار کیا جائے گا۔

علم انه كان زيوفا فلا شيء له عند ابی حنيفة رحمه الله تعالی وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله تعالی يرد مثل الزيوف ويرجع مثل الجياد[۱۰۱۷] (۱۹) ومن رهن عبدين

اس کے لئے کچھ نہیں ہے۔اور صاحبین نے فرمایا کہ کھوٹے کے مثل واپس کرے اور اچھے کے مثل وصول کرے۔

تشریح سو درہم کسی پر قرض تھے، قرض دینے والے نے مقروض سے سو درہم لئے اور ان کو خرچ کر دیا بعد میں علم ہوا کہ میرے دراہم عمدہ تھے اور یہ دراہم جو میں نے خرچ کئے گھٹیا تھے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک گویا کہ اپنا پورا حق وصول کر لیا۔اب مقروض سے مزید کچھ نہیں لے سکتا۔

وجہ سو درہم قرض دیئے تھے اور سو درہم مقروض سے لے لئے۔عدد اور وزن کے اعتبار سے برابر ہو گیا۔اور جنس ایک ہو تو عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ قرض دینے والے نے اپنا پورا حق وصول کر لیا۔اور چونکہ درہم خرچ کر چکا ہے اس لئے اس کو واپس بھی نہیں کر سکتا۔

اصول یہاں بھی اصول وہی ہے کہ ایک جنس ہو تو عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں۔اس کے لئے حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ بخاری شریف نمبر ۲۲۰۱) **والله یا رسول الله انا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاث فقال رسول الله ﷺ لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا** (بخاری شریف، باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۱)

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ دائن نے جیسا گھٹیا مقروض سے لیا تھا ایسا گھٹیا درہم مقروض کو دے پھر اپنے عمدہ درہم مقروض سے واپس لے۔

وجہ جس مالیت کے درہم دائن نے مقروض کو دیئے تھے اس مالیت کے درہم مقروض سے نہیں ملے تھے بلکہ گھٹیا ملے تھے اس لئے اپنے عمدہ درہم وصول کرنے کے لئے یہی کیا جا سکتا ہے کہ مقروض کے گھٹیا درہم جیسے واپس کرے اور اپنے جیسے عمدہ درہم مقروض سے وصول کرے (۲) صاحبین کے نزدیک قرض وغیرہ میں صرف، وزن اور عدد کے اعتبار سے برابر کر دینا کافی نہیں ہے۔بلکہ مالیت اور قیمت کے اعتبار سے برابر کرنا بھی ضروری ہے۔ورنہ تو دائن کو نقصان ہوگا۔اور حدیث میں ہے۔**لا ضرر ولا ضرار** (دار قطنی نمبر ۳۰۶۰) اس لئے اس کے وصول کرنے کے لئے یہی صورت ہے کہ کہیں سے گھٹیا دراہم لا کر مقروض کو دے اور اپنے اچھے دراہم وصول کرے۔

اصول وزن میں برابری کے ساتھ مالیت کی برابری بھی قرض میں ضروری ہے۔

لغت الزیوف : کھوٹے درہم۔ الجیاد : اچھے۔

[۱۰۱۷] (۱۹) کسی نے دو غلام ایک ہزار کے بدلے میں رہن رکھے پھر ان میں سے ایک کا حصہ ادا کیا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو قبضہ کرے یہاں تک کہ باقی دین ادا کرے۔

تشریح دو غلام ایک ہزار پونڈ کے بدلے رہن پر رکھے تھے۔اور مثلا پانچ سو پونڈ ادا کئے اور چاہتا ہے کہ ایک غلام رہن سے واپس لے لوں تو وہ اس غلام کو رہن سے واپس نہیں لے سکتا جب تک کہ پورے ایک ہزار ادا نہ کر دے۔جب پورے ایک ہزار ادا کرے گا تو دونوں غلام واپس لے گا **وجہ** یہاں دونوں غلام کا مجموعہ ہزار کے بدلے رہن ہے تا کہ وثیقہ اور اعتماد رہے۔ایسا نہیں ہے کہ پانچ سو کے بدلے ایک غلام رہن پر ہو اور دوسرے پانچ سو کے بدلے دوسرا غلام رہن پر ہو۔اس لئے جب پورے ہزار ادا کرے گا تو دونوں غلاموں کو واپس لے گا۔پانچ سو ادا

بالف فقضی حصة احدهما لم یکن له ان یقبضه حتی یؤدی باقی الدین [۱۰۱۸](۲۰) فاذا وکل الراهن المرتهن او العدل او غیرهما فی بیع الرهن عند حلول الدین فالوکالة جائزة[۱۰۱۹] (۲۱) فان شرطت الوکالة فی عقد الرهن فلیس للراهن عزله عنها فان عزله لم ینعزل وان مات الراهن لم ینعزل ایضا[۱۰۲۰] (۲۲) وللمرتهن ان یطالب

کر کے ایک غلام واپس نہیں لے سکتا۔

اصول پوری شی ءمرہون پورے قرضے کے بدلے میں رہن ہوتی ہے۔اجزاءاور تقسیم نہیں ہوتی۔

نوٹ مرتہن ایک غلام واپس لینے کی اجازت دے تو راہن واپس لے سکتا ہے بطور قانون نہیں لے سکتا۔

[۱۰۱۸](۲۰) پس اگر راہن نے مرتہن کو یا عادل کو یا ان دونوں کے علاوہ کو وکیل بنایا شی ءمرہونہ کے بیچنے کا دین کی مدت گزرنے پر تو وکالت جائز ہے۔

وجہ راہن کا مال ہے اس لئے راہن مرتہن کو یا عادل کو یا کسی اور کو یہ حق دے سکتا ہے کہ قرض کی مدت پوری ہو جائے اور میں قرض ادا نہ کر سکوں تو شی ءمرہون کو بیچ دیا جائے اور اس سے مرتہن کے قرض کو ادا کیا جائے۔یہ وکیل بنانا درست ہے۔اور مرتہن کے لئے وثیقہ کی ایک شکل یہ بھی ہے۔

لغت حلول الدین : دین ادا کرنے کا وقت آنا۔

[۱۰۱۹](۲۱) پس اگر وکالت کی شرط عقد رہن میں لگائی گئی ہو تو راہن کے لئے جائز نہیں ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کرے،پس اگر معزول کیا تب بھی معزول نہیں ہوگا۔اور اگر راہن مر گیا تب بھی وکیل معزول نہیں ہوگا۔

تشریح رہن رکھتے وقت مرتہن نے شرط لگائی کہ قرض کی مدت گزرنے پر شی ءمرہون کے بیچنے کا وکیل بناؤ تا کہ وہ وکیل بیچ کر میرا قرض ادا کرے۔اگر عقد رہن کے وقت شی ءمرہون بیچنے کے وکیل بنانے کی شرط لگائی ہے تو راہن اس کو معزول نہیں کر سکتا۔

وجہ کیونکہ شرط لگانے کی وجہ سے مرتہن کا حق متعلق ہو گیا اور مرتہن اس کے معزول کرنے پر راضی نہیں ہے اس لئے راہن وکیل کو معزول نہیں کر سکتا۔اور معزول کرے بھی تو وکیل معزول نہیں ہوگا۔اور اگر راہن کا انتقال ہو جائے پھر بھی وکیل معزول نہیں ہوگا۔بلکہ مدت گزرنے پر شی ءمرہون کو بیچ کر مرتہن کا قرض ادا کرے گا تا کہ مرتہن کا حق ضائع نہ ہو جائے۔

اصول وثیقہ کے لئے جو شرط طے ہوئی ہو راہن اس کو ختم نہیں کر سکتا جب تک مرتہن راضی نہ ہو۔

لغت عزل : معزول ہونا۔

[۱۰۲۰](۲۲) مرتہن کے لئے جائز ہے کہ راہن سے اپنے دین کا مطالبہ کرے اور شی ءمرہون کو اس کی وجہ سے روک لے۔

تشریح شی ءمرہون مرتہن کے پاس تھی۔ابھی راہن نے قرض ادا نہیں کیا ہے اور شی ءمرہون واپس لینا چاہتا ہے تو مرتہن کو حق ہے کہ اپنے دین

الراهن بدينه ويحبسه به [۱۰۲۱] (۲۳) وان كان الرهن فى يده فليس عليه ان يمكنه من بيعه حتى يقبض الدين من ثمنه فاذا قضاه الدين قيل له سلم الرهن اليه [۱۰۲۲] (۲۴) واذا باع الراهن الرهن بغير اذن المرتهن فالبيع موقوف فان اجازه المرتهن جاز وان قضاه

کا مطالبہ کرے اور جب تک دین ادا نہ کرے شی ءمرہون کو روکے رکھے۔

وجہ شی ءمرہون وثیقہ کے لئے ہے۔اس لئے دین کی ادائیگی تک وثیقہ اپنے پاس رکھے گا (۲) شی ءمرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہو گیا ہے کہ اگر دین ادا نہ کرے تو شی ءمرہون کو بیچ کر دین وصول کرے گا۔اس لئے دین کی ادائیگی تک شی ءمرہون اپنے پاس روکے رکھے گا۔

[۱۰۲۱] (۲۳) اگر شی ءمرہون مرتہن کے ہاتھ میں ہو تو مرتہن پر ضروری نہیں ہے کہ راہن کو اس کے بیچنے کی قدرت دے۔یہاں تک کہ اس کے ثمن سے دین پر قبضہ کرے۔پس جبکہ مرتہن کو دین ادا کر دے تو مرتہن کو کہا جائے گا کہ شی ءمرہون راہن کو سپرد کریں۔

تشریح شی ءمرہون مرتہن کے قبضے میں ہے۔اب راہن چاہتا ہے کہ اس کو بیچ کر دین ادا کریں تو مرتہن پر ضروری نہیں ہے کہ راہن کو شی ءمرہون بیچنے کے لئے حوالے کرے۔ہاں! شی ءمرہون کی قیمت میں سے مرتہن کا پورا دین ادا کر دے تب مرتہن سے کہا جائے گا کہ شی ءمرہون راہن کو سپرد کریں۔

وجہ شی ءمرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے اور اس کو اس وقت تک شی ءمرہون روکے رکھنے کا حق ہے جب تک اس کے ہاتھ میں پورا دین نہ آجائے۔کیونکہ اگر اس نے شی ءمرہون راہن کو دیدی اور راہن نے شی ءمرہون نہیں بیچی اور نہ قرض ادا کیا تو مرتہن کیا کرے گا؟ اس کا حق ضائع ہو جائے گا۔اس لئے جب تک اس کے ہاتھ میں پورا دین نہ آجائے اس کو شی ءمرہون راہن کے حوالے کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا۔ہاں! دین ادا کر دے چاہے راہن اپنی جیب سے ادا کرے یا شی ءمرہون کی بیع کر کے اس کی قیمت میں سے ادا کرے تب مرتہن کو کہا جائے گا کہ شی ءمرہون راہن کو حوالے کریں۔

اصول پورے دین کی وصولیابی تک مرتہن شی ءمرہون کو اپنے پاس روک سکتا ہے۔

لغت یمکنہ : قدرت دے۔

[۱۰۲۲] (۲۴) اگر راہن نے رہن کو مرتہن کی اجازت کے بغیر بیچ دیا تو بیع موقوف رہے گی۔پس اگر مرتہن نے بیع کی اجازت دی تو جائز ہو جائے گی۔اور اگر راہن نے مرتہن کا دین ادا کر دیا تب بھی بیع جائز ہو جائے گی۔

تشریح اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر شی ءمرہون بیچ دی تو بیع موقوف رہے گی۔اگر مرتہن نے بیع کی اجازت دی تو بیع جائز ہو جائے گی۔اور اگر نہیں دی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

وجہ شی ءمرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے اس لئے اس کی اجازت کے بغیر بیع موقوف رہے گی۔ہاں! راہن مرتہن کا دین ادا کر دے تو چونکہ اب شی ءمرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق نہیں رہا اس لئے بیع جائز ہو جائے گی۔

الـراهـن دينه جاز ايضا[۱۰۲۳] (۲۵) وان اعتق الراهن عبدالرهن بغير اذن المرتهن نفذ عتقه [۱۰۲۴](۲۶) فـان كـان الـديـن حالا طولب باداء الدين وان كان مؤجلا اخذ منه قيمة العبد فجعلت رهنا مكانه حتي يحل الدين[۱۰۲۵] (۲۷) وان كان معسرا استسعى

اصول پورے دین کی ادائیگی تک مرتہن کوشی ءمرہون کوروکنے کا حق ہے۔

[۱۰۲۳] (۲۵) اگر راہن نے مرہون غلام بغیر مرتہن کی اجازت کے آزاد کر دیا تو اس کی آزادگی نافذ ہو جائے گی۔

وجہ شریعت ہمیشہ چاہتی ہے کہ غلام آزاد ہو جائے اس لئے راہن کے آزاد کرتے ہی غلام آزاد ہو جائے گا۔ اور مرتہن کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگی۔ بیع کا معاملہ اور ہے۔ اس کے نافذ کرنے کے لئے شریعت کا تقاضا اتنا نہیں ہے جتنا آزادگی نافذ کرنے کے لئے ہے (۲) غلام شرکت میں ہو تو ایک شریک کے آزاد کرنے سے دوسرے شریک کا حصہ بھی آزاد ہو جاتا ہے اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو۔ حدیث میں ہے۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ من اعتق شركا له في مملوك فعليه عتقه كله ان كان له مال يبلغ ثمنه (بخاری شریف، باب اذا اعتق عبدا بين اثنين، ص ۳۰۷، نمبر ۲۵۲۳) جب دوسرے کا حصہ آزاد ہو سکتا ہے تو اپنا غلام بدرجۂ اولی آزاد ہوگا۔

اصول آزادگی انسان کا فطری حق ہے اس لئے اس کا شائبہ بھی آئے گا تو آزادگی نافذ کر دی جائے گی۔

[۱۰۲۴] (۲۶) پس اگر دین فوری ہو تو دین کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر تاخیر والا ہو تو راہن سے غلام کی قیمت لی جائے گی اور دین کی مدت آنے تک قیمت کو غلام کی جگہ پر رہن رکھا جائے گا۔

تشریح غلام آزاد ہو گیا اب اگر دین کی ادائیگی کے لئے کوئی مدت متعین نہیں تھی بلکہ فوری طور پر اس کو ادا کر دینا چاہئے تھا تو مطالبہ کیا جائے گا کہ فوری طور پر دین ادا کر دیں۔

وجہ جب رہن مرتہن کے ہاتھ میں نہیں رہا تو اس کا اعتماد ختم ہو گیا اس لئے فوری طور پر دین کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور اگر دین ادا کرنے کے لئے مدت متعین تھی تو راہن سے غلام کی قیمت لی جائے گی اور اس قیمت کو غلام کی جگہ مدت ادائیگی آنے تک رہن رکھی جائے گی۔ تاکہ وثیقہ بحال رہے۔

اصول کسی حال میں مرتہن کا نقصان نہ ہو۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ راہن غریب ہو تو اس کی آزادگی نافذ نہیں کی جائے گی۔

وجہ کیونکہ غربت کی وجہ سے وہ غلام کی قیمت نہیں دے پائے گا۔ جس کی وجہ سے مرتہن کا نقصان ہوگا۔ اس لئے راہن کا آزاد کرنا نافذ نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح راہن غلام کو مرتہن کی اجازت کے بغیر بیچے تو نافذ نہیں کی جاتی ہے۔

لغت حالا : فوری ادائیگی۔ مؤجلا : تاخیر کے ساتھ ادائیگی۔ یحل الدین : دین ادا کرنے کا وقت آجائے۔

[۱۰۲۵] (۲۷) اور اگر راہن تنگدست ہو تو غلام سعی کرے گا اپنی قیمت میں اور ادا کرے گا اس سے مرتہن کے دین کو پھر وصول کرے گا غلام مولی سے۔

العبد في قيمته فقضى به الدين ثم يرجع العبد على المولى[١٠٢٦] (٢٨) وكذلك ان استهلك الراهن الرهن[١٠٢٧] (٢٩) وان استهلكه اجنبي فالمرتهن هو الخصم في تضمينه[١٠٢٨] (٣٠) فيأخذ القيمة فيكون القيمة رهنا في يده.

تشریح راہن کے آزاد کرنے کی وجہ سے غلام آزاد ہو گیا۔لیکن راہن تنگدست ہے، غلام کی قیمت لا کر رہن پر نہیں رکھ سکتا اور نہ دین ادا کر سکتا ہے تو چونکہ غلام رہن پر تھا اس لئے اس کو کہا جائے گا کہ اپنی قیمت کے مطابق کما کر مرتہن کا دین ادا کرے۔اور بعد میں راہن کے پاس مال ہو گا تو اس سے اپنی کمائی ہوئی قیمت وصول کرے گا۔

وجہ رہن رکھنے کی وجہ سے مرتہن کا حق غلام کی گردن سے متعلق ہو گیا ہے۔اور غلام آزاد ہو گیا اور راہن سے بھی غربت کی وجہ سے دین ملنے کی امید نہیں ہے اس لئے غلام سے ہی سعی کروا کر دین وصول کیا جائے گا۔

نوٹ چونکہ غلام نے مولی کا پیسہ ادا کیا ہے اس لئے بعد میں اپنی دی ہوئی رقم مولی سے وصول کرے گا۔

لغت استسعی : غلام اپنی قیمت کما کر دے، اس کو سعی کرنا اور استسعی کہتے ہیں۔

[١٠٢٦] (٢٨) ایسے ہی اگر راہن نے رہن ہلاک کر دیا۔

تشریح اگر راہن نے مرتہن کے پاس سے رہن ہلاک کر دیا تو راہن کو اس کی قیمت مرتہن کے پاس رہن رکھنا ہو گا تا کہ وثیقہ بحال رہے۔اور اگر فوری والا دین تھا تو مرتہن فورا دین وصول کرنے کا مطالبہ کرے گا۔

وجہ راہن نے مرتہن کا وثیقہ ضائع کیا تو دو میں سے ایک کام کرنا ہو گا۔یا فورا دین ادا کرے یا تاخیری دین ہو تو رہن کی قیمت رہن پر رکھے۔

[١٠٢٧] (٢٩) اور اگر رہن کو اجنبی نے ہلاک کر دیا تو مرتہن ہی اس کے ضمان لینے میں مدعی ہو گا۔

تشریح مرتہن کے قبضہ میں شیء مرہون تھی۔اسی حال میں کسی اجنبی نے اس کو ہلاک کر دیا تو مرتہن ہی اس کا ضمان لینے کا مدعی بنے گا۔اور وہی ضمان لینے کی ساری کاروائی کرے گا۔

وجہ شیء مرہون اسی کی ضمانت میں اور قبضہ میں تھی۔اس لئے وہی ضمان لینے اور کاروائی کرنے کا ذمہ دار ہو گا۔

اصول جو کسی چیز کا ذمہ دار ہوتا ہے وہی ساری کاروائی کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔

[١٠٢٨] (٣٠) پس مرتہن قیمت وصول کرے گا اور یہ قیمت اس کے ہاتھ میں رہن رہے گی۔

وجہ پہلے اصل شی رہن پر تھی اب اس کا نائب اور قیمت رہن پر رہیں گے۔کیونکہ اصول یہ ہے کہ نائب کا حکم بھی اصل کا ہوتا ہے۔جب اصول رہن پر تھا تو قیمت اس کا نائب ہے تو وہ بھی رہن پر رہے گی جب تک دین ادا نہ ہو جائے۔

اصول نائب کا حکم اصل کا حکم ہوتا ہے۔

نوٹ یہ سب اصول اور احکام ان احادیث سے مستنبط ہیں جن میں یہ ہے کہ ایسی شرطیں لگانا جائز ہیں جن سے کسی فریق کو نقصان سے بچایا

[۱۰۲۹] (۳۱) وجنایة الراھن علی الرھن مضمونة[۱۰۳۰] (۳۲) وجنایة المرتھن

جائے۔حدیث میں ان کا ثبوت ہے۔عن ابن عباس قال کان العباس ابن عبد المطلب اذا دفع مالا مضاربة اشترط علی صاحبہ ان لا یسلک بہ بحرا ولا ینزل بہ وادیا ولا یشتری بہ ذا کبد رطبة فان فعلہ فھو ضامن فرفع شرطہ الی رسول اللہ ﷺ فاجازہ (الف)(دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۶۴ نمبر ۳۰۶۲)اس حدیث میں حضرت عباسؓ نے مضارب سے یہ شرط لگائی کہ اس مال کو لیکر سمندر میں سفر نہیں کریں گے نہ وادی میں مقیم ہوں گے اور نہ جاندار چیز کو خریدیں گے۔اور حضورؐ نے ان کو جائز قرار دیا۔یہ شرطیں لگانا یا ان کی رعایت کرنا جائز ہیں جن سے کسی فریق کو نقصان سے بچایا جائے۔

مسائل رہن انہیں اصول پر متفرع ہیں۔اس کے علاوہ ان دو حدیثوں سے بھی مسائل متفرع ہیں۔عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ قال لا ضرر ولا ضرار من ضار ضرہ اللہ ومن شاق شق اللہ علیہ (ب)(دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۶۴ نمبر ۳۰۶۰) کہ کسی کو نقصان نہیں دینا چاہئے۔اور دوسری حدیث ہے۔عن عمرو بن یثربی قال شھدت رسول اللہ ﷺ فی حجة الوداع بمنی فسمعتہ یقول لا یحل لامرء من مال اخیہ شیء الا ما طابت بہ نفسہ (ج)(دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۲۲ نمبر ۲۸۶۰)اس حدیث میں ہے کہ بغیر خوشی کے کسی کا مال کھانا حلال نہیں ہے۔اسی لئے مسائل رہن میں اس کی رعایت رکھی کہ بغیر راہن اور مرتہن کی رضامندی کے شیء مرہون میں تصرف کرنا یا اس کی شرطوں میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

[۱۰۲۹](۳۱)راہن کی جنایت شیء مرہون پر سبب ضمان ہے۔

تشریح مثلا سو پونڈ کی شیء مرہون تھی۔راہن نے اس کو خراب کر دیا اب وہ اسی پونڈ کی رہ گئی تو راہن نے بیس پونڈ کا نقصان کیا یہ بیس پونڈ مرتہن کو دے تاکہ وہ دین ادا ہونے تک اس کو رہن پر رکھے۔

وجہ اگرچہ شیء مرہون راہن کی ہی ہے لیکن ابھی اس کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے اس لئے رہن میں سے راہن نے جتنا نقصان کیا ہے وہ رہن کے لئے دینا ہوگا۔

لغت مضمونة : سبب ضمان ہے۔

[۱۰۳۰](۳۲)اور مرتہن کی جنایت رہن پر ساقط کرتی ہے دین سے اس کی مقدار۔

تشریح مثلا سو پونڈ مرتہن کا دین تھا اور سو پونڈ کی چیز رہن پر رکھی ہوئی تھی۔مرتہن نے اس میں سے بیس پونڈ کا نقصان کیا اور اب شیء مرہون اسی پونڈ کی رہ گئی تو یہ بیس پونڈ دین سے ساقط ہو جائیں گے اور راہن پر مرتہن کا دین اب اسی پونڈ ہی رہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عباسؓ جب کسی کو مضاربت کا مال دیتے تو مضارب پر شرط لگاتے کہ اس کو لیکر سمندر میں سفر نہیں کرے گا۔نہ اس کو لیکر کسی وادی میں ٹھہرے گا۔اور نہ اس مال سے کوئی جانور خریدے گا۔اور اگر ایسا کیا تو مضارب اس کا ضامن ہوگا۔ان شرطوں کو حضور کے پاس لے گئے۔پس آپؐ نے ان کی اجازت دیدی (ب) آپؐ نے فرمایا نہ نقصان دو اور نہ نقصان اٹھاؤ۔جو نقصان دیتا ہے اللہ اس کو نقصان دیتا ہے۔اور جو مشقت میں ڈالتا ہے اللہ اس کو مشقت میں ڈالتا ہے (ج) آپ فرمایا کرتے تھے کسی انسان کے لئے اپنے بھائی کے مال میں سے کچھ بھی حلال نہیں ہے مگر اس کی راضی خوشی سے۔

عليه تسقط من الدين بقدرها[۱۰۳۱] (۳۳) وجناية الرهن على الراهن وعلى المرتهن وعلى مالهما هدر[۱۰۳۲] (۳۴) واجرة البيت الذى يحفظ فيه الرهن على المرتهن[۱۰۳۳] (۳۵) واجرة الراعى على الراهن.

وجہ مرتہن نے شیء مرہون پر جنایت کی تو جنایت کے نقصان کی مقدار دین سے ساقط ہو جائے گی، حدیث میں ہے۔ قال سمعت عطاء يحدث ان رجلا رهن فرسا فنفق في يده فقال رسول الله ﷺ للمرتهن ذهب حقه (الف) (سنن للبيہقی، باب من قال الرھن مضمون، ج سادس، ص ۶۴، نمبر ۱۱۲۲۵) اس حدیث مرسل میں ہے کہ مرتہن سے گھوڑا ہلاک ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کا حق چلا گیا۔ اس لئے اگر شیء مرہون میں کوئی نقصان کرے گا تو نقصان کی مقدار مرتہن کا حق ختم ہو جائے گا۔

[۱۰۳۱] (۳۳) اور رہن کی جنایت راہن پر یا مرتہن پر اور ان دونوں کے مال پر ساقط الاعتبار ہے۔

تشریح شیء مرہون مثلاً غلام ہے۔ اس نے راہن کا نقصان کر دیا تو یہ نقصان ہدر ہے۔ غلام سے کچھ نہیں لے سکے گا۔

وجہ غلام تو راہن ہی کا ہے اب اس کو بیچ کر نقصان وصول کرے گا تو اپنا ہی مال بیچے گا۔ اس لئے غلام کے اس نقصان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور اگر مرتہن کا نقصان کیا تو مرتہن کی ذمہ داری تھی کہ غلام کی حفاظت کرتا۔ اس نے حفاظت نہیں کی تو اس کی غلطی ہے۔ اور اگر مرتہن غلام بیچ کر نقصان وصول کرے تو غلام میں یا اس کی قیمت میں جتنی کمی آتی جائے گی اتنا ہی اس کے دین سے کٹتا جائے گا۔ تو غلام بیچ کر نقصان وصول کرنے کا مرتہن کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لئے غلام مرتہن کا نقصان کرے تو کچھ وصول نہیں کر پائے گا۔

نوٹ اگر غلام مرتہن کو قتل کر دے تو قصاص لیا جائے گا۔

لغت ہدر : ساقط الاعتبار۔

[۱۰۳۲] (۳۴) اس گھر کی اجرت جس میں رہن کی حفاظت کی جا رہی ہو مرتہن پر ہے۔

وجہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ شکل جس سے شیء مرہون کو مرتہن کے پاس روکی جا سکے اور اس کے قبضے میں رکھی جا سکے ان تمام شکلوں کی اجرت مرتہن پر لازم ہوگی۔ کیونکہ شیء مرہون کو اپنے پاس رکھنے کی اور قبضے میں رکھنے کی مرتہن کی ضرورت ہے اس لئے مرتہن پر اس کی اجرت لازم ہوگی۔ اس قاعدے کی بنیاد پر جس گھر میں شیء مرہون کو حفاظت سے رکھ رہا ہے اس کی اجرت مرتہن پر لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ مرتہن کی ضرورت ہے۔

اصول جہاں مرتہن کی ضرورت ہو اس کو پوری کرنے کی اجرت مرتہن پر لازم ہوگی۔

[۱۰۳۳] (۳۵) اور چرواہے کی اجرت راہن پر ہے۔

وجہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ شکل جس سے شیء مرہون بچے یا اس میں زیادتی ہو تو اس کی اجرت راہن پر ہوگی۔ کیونکہ یہ راہن کا مال ہے۔ اب

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے گھوڑا رہن پر رکھا پس اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو حضورؐ نے مرتہن کے لئے کہا اس کا حق چلا گیا۔

[۱۰۳۴] (۳۶) ونفقة الرهن علی الراهن[۱۰۳۵] (۳۷) ونماؤه للراهن فیکون النماؤرهنا مع الاصل[۱۰۳۶] (۳۸) فان هلک النماء هلک بغیر شیء.

جانور کو کھلانے پلانے چرانے سے جانور بڑھتا ہے اور باقی رہتا ہے تو گویا کہ راہن کا مال بڑھا اور باقی رہا اس لئے راہن پر اس کی اجرت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ ﷺ لا یغلق الرهن لصاحبه غنمه وعلیه غرمه (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۹ نمبر ۲۸۹۸ رسنن للبیھقی، باب الرهن غیر مضمون، ج سادس، ص ۶۶، نمبر ۱۱۲۱۹) اس حدیث میں ہے کہ رہن کی وجہ سے اس کا مالک ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس کو رہن کے فائدے بھی ملیں گے اور اس پر رہن کے اخراجات بھی لازم ہوں گے۔ اس لئے شیء مرہون کو چرانے کی اجرت راہن پر لازم ہوگی۔

اصول جن چیزوں سے شیء مرہون باقی رہتی ہو یا بڑھتی ہو ان کی اجرت راہن پر لازم ہوگی۔

لغت الراعی : چرانے والا۔

[۱۰۳۴] (۳۶) اور رہن کا نفقہ راہن پر ہوگا۔

تشریح شیء مرہون کو کھلانے پلانے کا خرچ راہن پر ہوگا۔

وجہ کیونکہ شیء مرہون اس کا مال ہے۔ اور اس کے مال کی بڑھوتری اور بقا کا خرچ راہن پر ہوتا ہے۔ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

[۱۰۳۵] (۳۷) اور رہن کی بڑھوتری راہن کی ہوگی۔ پس بڑھوتری بھی اصل کے ساتھ رہن ہوگی۔

وجہ بڑھوتری راہن کی اس لئے ہوگی کہ وہ راہن کے مال سے نکلی ہے۔ اور رہن کو بڑھانے کا خرچ راہن پر پڑا ہے اس لئے بڑھوتری بھی راہن کی ہوگی۔ مثلا اس سے بچہ پیدا ہوا یا دودھ نکلا یہ سب راہن کے ہیں (۲) اوپر حدیث گزری عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ ﷺ لا یغلق الرهن والرهن لمن رهنه له غنمه وعلیه غرمه (ب) دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۰ نمبر ۲۹۰۴ رسنن للبیھقی، نمبر ۱۱۲۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیء مرہون کی بڑھوتری راہن کی ہوگی اور اس کے اخراجات بھی راہن پر ہونگے۔ اور بڑھوتری اصل کے ساتھ رہن اس لئے ہوگی کہ یہ تابع ہے۔ جب اصل رہن ہے تو بڑھوتری بھی تابع ہو کر رہن ہوگی۔

اصول تابع اصل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے اصل راہن کا ہے تو بڑھوتری راہن کی ہوگی۔ اور اصل رہن میں ہے تو بڑھوتری بھی رہن میں ہوگی۔

لغت نماء : بڑھوتری جیسے بچہ، اون، پھل اور دودھ وغیرہ۔

[۱۰۳۶] (۳۸) پس اگر بڑھوتری ہلاک ہوگئی تو بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگی۔

تشریح مثلا نو پونڈ قرض تھے۔ جس کے بدلے میں ایک بکری رہن پر رکھی جس کی قیمت دس پونڈ تھی بعد میں بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت پانچ پونڈ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا رہن رکھنا منع نہیں کرتا رہن کے مالک کے لئے فائدے ہیں۔ اور ان پر اس کے اخراجات بھی ہیں (ب) رہن راہن کے حق کو بند نہیں کرتا۔ شیء مرہون اس کی ہے جس نے رہن رکھی۔ اس کے اس کے فائدے بھی ہیں اور اس پر رہن کے اخراجات بھی ہیں۔

[۱۰۳۷] (۳۹) وان هلک الاصل وبقی النماء افتکه الراهن بحصته ویقسم الدین علی قیمة الرهن یوم القبض وعلی قیمة النماء یوم الفکاک فما اصاب الاصل سقط من الدین بقدره وما اصاب النماء افتکه الراهن به.

تھی۔ اب نو پونڈ قرض کے بدلے میں دونوں رہن پر رہے۔ اس کے بعد بچہ ہلاک ہو گیا تو قرض میں سے کچھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مرتہن کا نو پونڈ قرض برقرار رہے گا۔ اور اس کے بدلے میں بکری رہن پر رہے گی۔

وجہ اصل میں رہن تو بکری تھی۔ بچہ تو تابع کے طور پر رہن تھا اور گویا کہ امانت کے طور پر مرتہن کے یہاں تھا اس لئے اس کے ہلاک ہونے سے قرض نہیں کاٹا جائے گا۔

اصول بڑھوتری ہلاک ہو جائے تو قرض نہیں کاٹا جائے گا اس لئے کہ وہ امانت کے طور پر ہے۔

[۱۰۳۷] (۳۹) اور اگر اصل ہلاک ہو گئی اور بڑھوتری باقی رہی تو راہن اس کو چھڑائے گا اس کا حصہ دیکر اور دین تقسیم کیا جائے گا رہن کی قیمت پر قبضے کے دن اور بڑھوتری کی قیمت پر چھڑانے کے دن۔ پس اصل کے مقابلے پر ساقط ہو جائے گی دین میں اس کی مقدار اور جو بڑھوتری کے مقابلے پر آئے چھڑائے گا راہن اس کو ادا کر کے۔

تشریح اصل مسئلہ میں اصل اور بڑھوتری دونوں کو رہن مانا ہے۔ لیکن اصل ہلاک ہونے پر قرض کٹے گا اور بڑھوتری ہلاک ہونے پر قرض نہیں کٹے گا۔ اس قاعدہ پر اصل کا حصہ قرض میں سے کٹے گا اور بڑھوتری کا حصہ قرض میں نہیں کٹے گا۔ اس لئے اصل کا حصہ راہن کو دینے کی ضرورت نہیں اور قرض میں سے بڑھوتری کا حصہ ادا کر کے بڑھوتری واپس لائے گا۔

نوٹ اصل کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن مرتہن نے اصل پر قبضہ کیا تھا اور بڑھوتری کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن بڑھوتری کی قیمت ادا کر کے مرتہن کے ہاتھ سے چھڑا رہا ہے۔ کیونکہ بڑھوتری تو ہر دن بڑھ رہی ہے اس لئے آخری دن کی قیمت لگے گی۔

اس مثال سے مسئلہ سمجھیں۔ مرتہن کے راہن پر نو پونڈ قرض تھے۔ راہن نے دس پونڈ کی بکری رہن پر رکھ دی۔ بعد میں بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت چھڑانے کے دن پانچ پونڈ تھی۔ اب گویا کہ نو پونڈ قرض کے بدلے پندرہ پونڈ رہن ہے۔ پھر بکری ہلاک ہو گئی جو دس پونڈ کی تھی۔ اب پندرہ پونڈ کے مقابلے میں دس پونڈ دو تہائی ہوئی۔ تو گویا کہ قرض کی دو تہائی ہلاک ہو گئی تو گویا کہ چھ پونڈ ہلاک ہوئے اور ایک تہائی مرتہن کے پاس باقی ہے۔ قرض کے کل نو پونڈ تھے اس کی دو تہائی ہلاک ہوئی تو گویا کہ چھ پونڈ ہلاک ہوئے اور قرض میں کاٹے گئے اور ایک تہائی یعنی تین پونڈ باقی رہے۔ یہ تین پونڈ راہن مرتہن کو ادا کرے گا اور بکری کا بچہ واپس لے گا۔ اور قرض کے چھ پونڈ بکری ہلاک ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گئے۔

نوٹ پچھلے قاعدہ کے اعتبار سے دس پونڈ کی بکری ہلاک ہوئی اور نو پونڈ قرض تھے تو نو پونڈ ساقط ہو جانا چاہئے تھا اور ایک پونڈ امانت کا گیا۔ اور بچہ بغیر کچھ دیئے واپس لے آنا چاہئے۔

لغت افتکہ : پونڈ دے کر چھڑائے گا۔

[۱۰۳۸](۴۰) ویجوز الزیادة فی الرهن[۱۰۳۹] (۴۱) ولا یجوز الزیادة فی الدین عند ابی حنیفة و محمد رحمهما الله تعالی ولا یصیر الرهن رهنا بهما وقال ابو یوسف هو جائز[۱۰۴۰] (۴۲) واذا رهن عینا واحدة عند رجلین بدین لکل واحد منهما جاز

[۱۰۳۸](۴۰) رہن میں زیادہ کرنا جائز ہے۔

تشریح مثلا پہلے نو پونڈ قرض لئے تھے اور دس پونڈ کی ایک بکری رہن رکھ دی تھی۔ پھر راہن نے اسی نو پونڈ کے بدلے پانچ پونڈ کی ایک اور بکری رہن پر رکھ دی تو جائز ہے۔ اور اب یوں سمجھا جائے گا کہ نو پونڈ کے بدلے پندرہ پونڈ کی بکری رہن پر ہے۔ دس پونڈ کی اصل ہے اور پانچ پونڈ کی فرع ہے۔ اور جب ہلاک ہوگی تو دونوں کی قیمت پر دین کو کاٹا جائے گا۔ اب ایک پر دین کو نہیں کاٹا جائے گا۔

[۱۰۳۹](۴۱) اور نہیں جائز ہے زیادہ کرنا دین میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور نہیں ہوگا رہن دونوں قرضوں کے بدلے میں۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا یہ جائز ہے۔

تشریح مثلا نو پونڈ قرض لئے تھے اور اس کے بدلے دس پونڈ کی بکری رہن پر رکھی۔ اب اس مرہونہ بکری کے بدلے مزید تین پونڈ قرض لینا چاہتا ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ مرتہن تین پونڈ مزید قرض دیدے وہ ٹھیک ہے لیکن یہ بکری کے بدلے نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ تین پونڈ بغیر رہن کے ہوں گے۔

وجہ بکری تو پہلے کے نو پونڈ کے بدلے رہن میں ہے۔ اور آیت کی رو سے مکمل مقبوض ہے۔ اب اس میں دوسرا دین شریک نہیں ہوسکتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بکری ہلاک ہوئی تو صرف پہلے دین نو پونڈ میں سے کٹے گا۔ دوسرے دین تین پونڈ میں سے کچھ نہیں کٹے گا۔ کیونکہ وہ بغیر رہن کے تھا (۲) آیت میں رهان مقبوضة ہے۔ اس لئے بکری پہلے دین میں مکمل مقبوض ہے۔ اس لئے دوسرا دین اس میں شامل نہیں ہوگا۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دین میں زیادتی کرنا جائز ہے۔ یعنی تین پونڈ دوسرا دین بھی مرہونہ بکری کی تحت آجائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر بکری ہلاک ہوئی تو دونوں دین سے اس کی قیمت کٹے گی۔ پہلے دین سے بھی اور دوسرے دین سے بھی۔

وجہ وہ فرماتے ہین کہ دین ثمن کی طرح ہے اور رہن مبیع کی طرح ہے تو جس طرح ثمن میں بعد میں زیادہ کر سکتے ہیں اور وہ مبیع کے تحت شامل ہو جاتا ہے اسی طرح دین میں بعد میں زیادہ کر سکتے ہیں اور وہ رہن کے تحت شامل ہو جائے گا۔

[۱۰۴۰](۴۲) اگر ایک ہی چیز دو آدمیوں کے پاس دونوں میں سے ہر ایک کے دین کے بدلے میں رہن رکھے تو جائز ہے۔ اور پورا رہن رہن ہوگا دونوں دینوں میں سے ہر ایک کے بدلے میں۔

تشریح مثلا دو آدمیوں سے پانچ پانچ پونڈ لئے اور دونوں کے دین کے بدلے ایک بکری دونوں کے پاس رہن رکھ دی تو جائز ہے۔ لیکن پوری بکری دونوں کے دین کے بدلے رہن ہوگی۔

وجہ پہلے ایک کے دین کے بدلے بکری رہن پر رکھتا پھر دوسرے کے دین کے بدلے یہی بکری رہن پر رکھتا تو جائز نہیں ہوتا۔ کیونکہ پوری

وجمیعها رهن عن کل واحد منهما [۱۰۴۱] (۴۳) والمضمون علی کل واحد منهما حصة دینه منها [۱۰۴۲] (۴۴) فان قضی احدهما دینه کان کلها رهنا فی ید الآخر حتی یستوفی دینه [۱۰۴۳] (۴۵) ومن باع عبدا علی ان یرهنه المشتری بالثمن شیئا بعینه فامتنع المشتری من تسلیم الرهن لم یجبر علیه وکان البائع بالخیار ان شاء رضی بترک

بکری پہلے کے دین کے بدلے مرہون ہو چکی ہے۔لیکن یہاں دونوں کے دین کے بدلے بیک وقت ایک بکری رہن پر رکھ رہا ہے۔اس لئے صفقہ ایک ہے اس لئے بیک وقت دونوں کے دین کے بدلے میں ایک بکری رہن پر ہو جائے گی۔اور جب تک دونوں کا مکمل دین ادا نہ ہو جائے پوری بکری مرہون ہی رہے گی۔ پہلے گزرا کہ آدھا دین ادا کیا تو آدھی بکری نہیں چھوٹے گی بلکہ ایک ایک پیسہ ادا ہونے تک پوری بکری مرہون رہے گی۔

[۱۰۴۱] (۴۳) اور ضمان ان میں سے ہر ایک پر ان کے دین کے حصے کے مطابق ہے۔

تشریح مثلا پانچ پانچ پونڈ دو آدمیوں سے قرض لئے اور ایک بکری دونوں کے لئے رہن پر رکھی۔بکری کی قیمت آٹھ پونڈ تھی۔وہ ہلاک ہو گئی تو دونوں آدمیوں کے حصے سے چار چار پونڈ کاٹے جائیں گے۔اور ایک ایک پونڈ راہن مزید دیگا۔کیونکہ دونوں قرضوں کے بدلے ایک بکری رہن پر رکھی گئی تھی۔

[۱۰۴۲] (۴۴) پس اگر دونوں میں سے ایک کے دین کو ادا کیا تو کل کا کل رہن رہے گا دوسرے کے ہاتھ میں۔یہاں تک کہ اس کے دین کو ادا کرے۔

تشریح ایک بکری دونوں کے دین کے بدلے رہن تھی پھر ایک کے دین کو ادا کر دیا تو آدھی بکری چھوٹے گی نہیں بلکہ پوری بکری دوسرے کے دین کے بدلے رہن رہے گی۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ شیء مرہون جتنے کے بدلے رہن رہتی ہے تو جب تک پورا دین ادا نہ کر دیا جائے شیء مرہون رہن ہی رہتی ہے چھوٹتی نہیں ہے۔یہاں بکری دونوں دین کے بدلے مرہون تھی اس لئے جب تک دونوں دینوں کا ایک ایک پیسہ ادا نہ کر دیا جائے بکری کا کوئی حصہ نہیں چھوٹے گا۔

لغت یستوفی : پورا پورا وصول کرنا۔

[۱۰۴۳] (۴۵) کسی نے غلام کو اس شرط پر بیچا کہ مشتری اس کو ثمن کے بدلے کوئی متعین چیز رہن رکھے گا۔پس مشتری رہن کے سپرد کرنے سے رک گیا تو سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔اور بائع کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو رہن کو چھوڑنے پر راضی ہو جائے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے مگر یہ کہ مشتری فوراً ثمن ادا کر دے یا رہن کی قیمت ادا کرے تا کہ رہن ہو جائے۔

تشریح کسی نے اس شرط پر غلام بیچا کہ ثمن کے بدلے مشتری کوئی متعین چیز مثلا بکری رہن رکھے گا اور ثمن بعد میں دے گا۔لیکن مشتری نے وہ

الرهن وان شاء فسخ البیع الا ان یدفع المشتری الثمن حالا او یدفع قیمة الرهن فیکون رهنا [۱۰۴۴](۴۶) وللمرتهن ان یحفظ الرهن بنفسه وزوجته وولده وخادمه الذی فی عیاله.

چیز رہن پر نہیں رکھی تو اس کو رہن رکھنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ بائع چونکہ بغیر رہن کے مبیع دینے کے لئے تیار نہیں ہے اور اس کو اعتماد نہیں ہے اس لئے اس کو دو اختیار ہیں۔ یا بیع فسخ کر دے یا بغیر رہن رکھے ہوئے بیع قائم رکھے۔ اور اگر مشتری بیع فسخ نہیں کروانا چاہتا تو اس پر لازم ہے کہ فوری طور پر مبیع کی قیمت ادا کرے۔ یا رہن کی قیمت دے تا کہ رہن کی قیمت ہی رہن پر رکھ دی جائے اور مبیع دینے کا حکم دیا جائے۔

وجہ اس مسئلہ میں کئی باتیں ملحوظ ہیں۔ ثمن کے بدلے رہن رکھنے کی شرط خلاف قیاس ہے۔ کیونکہ بیع کے ساتھ مزید شرط ہے جس میں بائع کا فائدہ ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ حضورؐ نے بیع میں کسی دوسرے معاملہ کو گھسانے سے منع فرمایا ہے۔ **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من باع بیعتین فی بیعة فله اوکسهما او الربا** (الف) (ابو داؤد شریف، باب فیمن باع بیعتین فی بیعة ص ۱۳۴ نمبر ۳۴۶۱) اس حدیث میں بیع میں دوسری بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے ثمن کے بدلے رہن رکھنے کی شرط سے بیع فاسد ہونی چاہئے۔ لیکن استحسانا جائز قرار دیا۔ کیونکہ یہ شرط بیع کے موافق ہے۔ اور بائع کو اعتماد اور وثیقہ کے لئے رہن کی شرط لگائی گئی ہے۔ اس لئے اس شرط سے بیع فاسد نہیں ہوگی۔ البتہ رہن رکھنا تبرع ہے اس لئے مشتری رہن نہ رکھے تو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ شرط مرغوب فیہ نہ ہونے کی وجہ سے بائع کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ ہاں! اگر مشتری ادھار چھوڑ کر پوری قیمت ادا کر دے یا رہن کی قیمت ادا کر دے اور اس کو رہن کے بدلے رہن پر رکھ دے تو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

[۱۰۴۴] (۴۶) مرتہن کے لئے جائز ہے کہ رہن کی خود حفاظت کرے، اور اس کی بیوی اور اس کی اولاد اور اس کے وہ خادم جو اس کی عیالداری میں ہیں وہ حفاظت کریں۔

تشریح جس طرح مرتہن اپنے مال کی حفاظت خود کرتا ہے اور اپنی بیوی، اپنی اولاد اور اپنے خاص خادم سے کرواتا ہے۔ اسی طرح مال رہن کی حفاظت خود کر سکتا ہے۔ اپنی بیوی سے اپنی اولاد سے اور اپنے خاص خادم سے کروا سکتا ہے۔ اس سے تعدی شمار نہیں کی جائے گی اور اگر اس طرح حفاظت کرتے ہوئے مال رہن ہلاک ہو جائے تو یوں نہیں کہا جائے گا کہ اس نے حفاظت کرنے میں کوتاہی کی (۲) آدمی مختلف ضرورتوں کے لئے گھر سے باہر جائیگا اس لئے بیوی بچوں سے حفاظت کروانے کی ضرورت پڑے گی اس لئے اپنے مال کی طرح ان لوگوں سے حفاظت کروا سکتا ہے۔

نوٹ بعض خادم وہ ہوتا ہے جو نوکر کی طرح کام کیا اور چلا گیا۔ وہ خادم خاص نہیں ہے۔ بلکہ مرتہن جس کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہو وہ خادم خاص ہے اس سے حفاظت کروا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے ایک بیع میں دو بیع کی اس کے لئے اس کا کم درجہ ہے یا سود ہے۔

[۱۰۴۵](۴۷) وان حفظه بغیرمن ھو فی عیاله او اودعه ضمن.[۱۰۴۶] (۴۸) واذا تعدی المرتھن فی الرھن ضمنه ضمان الغصب بجمیع قیمته [۱۰۴۷](۴۹) واذا اعار المرتھن الرھن للراھن فقبضه خرج من ضمان المرتھن[۱۰۴۸] (۵۰) فان ھلک فی ید

[۱۰۴۵](۴۷) اگر رہن کی حفاظت کی اس کے علاوہ سے جو اس کے عیال میں ہو یا اس کے پاس ودیعت رکھی تو ضامن ہوگا۔

تشریح مرتہن نے اپنے عیال کے علاوہ سے شیء مرہون کی حفاظت کروائی اور وہ ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا۔

وجہ کیونکہ ان کو عیال سے حفاظت کروانا چاہئے اور عیال کے علاوہ سے حفاظت کروانا تعدی کرنا ہے۔اس لئے مرتہن شیء مرہون کا ضامن ہوگا۔اسی طرح عیال کے علاوہ کے پاس شیء مرہون امانت رکھ دی اور وہ ہلاک ہوگئی تو مرتہن ضامن ہو جائے گا۔

اصول عیال کے علاوہ سے حفاظت کروانا تعدی ہے۔

[۱۰۴۶](۴۸) اگر مرتہن رہن میں تعدی کردے تو وہ اس کا ضامن ہوگا غصب کا ضمان اس کی پوری قیمت کا۔

تشریح مرتہن نے شیء مرہون پر تعدی اور زیادتی کی جس کی وجہ سے شیء مرہون ہلاک ہوگئی تو اس کی جتنی قیمت تھی سب کا ضامن ہوگا۔جس طرح غصب کرنے کے بعد ہلاک کردے تو پوری قیمت کا ضامن ہوتا ہے اسی طرح شیء مرہون کو جان بوجھ کر تعدی کر کے ہلاک کردے تو پوری قیمت کا ضامن ہوگا۔مثلا نو پونڈ قرض لیا تھا اور دس پونڈ کی بکری رہن پر رکھی۔پس اگر تعدی کئے بغیر ہلاک ہوئی تو قرض کے نو پونڈ کٹتے۔اور ایک پونڈ امانت کا تھا وہ راہن کو واپس دینے کی ضرورت نہیں تھی۔کیونکہ امانت بغیر تعدی کے ہلاک ہو تو اس کو واپس دینے کی ضرورت نہیں ہے۔لیکن یہاں مرتہن نے تعدی کر کے بکری ہلاک کی ہے اس لئے اس کی پوری قیمت دس پونڈ کا ضامن ہوگا۔

[۱۰۴۷](۴۹) اگر مرتہن نے شیء مرہون راہن کو عاریت پر دی اور راہن نے اس پر قبضہ کر لیا تو شیء مرہون مرتہن کے ضمان سے نکل گئی

تشریح مرتہن نے شیء مرہون راہن کو عاریت کے طور پر دیدی اور راہن نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تو جس کی چیز تھی اس کے پاس واپس آ گئی۔اور مرتہن کے قبضہ سے نکل گئی۔اس لئے وہ چیز مرتہن کے ضمان میں نہیں رہی۔اب اگر ہلاک ہوگئی تو راہن کی چیز ہلاک ہوگی۔

وجہ کیونکہ اس کے قبضہ میں شیء مرہون آ گئی ہے۔

[۱۰۴۸](۵۰) پس اگر راہن کے ہاتھ میں ہلاک ہوئی تو بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگی۔

تشریح شیء مرہون راہن کی چیز تھی قبضہ کرنے کی وجہ سے راہن کے پاس آ گئی اور اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس کو کچھ بھی نہیں دینا پڑے گا۔

وجہ کیونکہ اسی کی چیز تھی اسی کے پاس ہلاک ہوئی ہے۔اس کی قیمت کس کو دے گا؟ البتہ اب جلدی سے مرتہن کو دین ادا کرے یا شیء مرہون کی قیمت مرتہن کو دے تاکہ وہ اس کی قیمت رہن پر رکھے۔تاہم قیمت دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ رہن تبرع ہوتا ہے اور تبرع پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

اصول جس کی چیز ہو اسی کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا۔نہ تاوان نہ ضمان۔

الراھن ھلک بغیر شیء[۱۰۴۹] (۵۱) وللمرتھن ان یسترجعه الی یده فاذا اخذه عاد الضمان علیه[۱۰۵۰] (۵۲) واذا مات الراھن باع وصیه الرھن وقضی الدین[۱۰۵۱] (۵۳) فان لم یکن له وصی نصب القاضی له وصیا وامره ببیعه.

نوٹ اس صورت میں مرتہن کا کوئی دین ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے یہاں شیء مرہون ہلاک نہیں ہوئی ہے۔

[۱۰۴۹] (۵۱) مرتہن کے لئے جائز ہے کہ شیء مرہون کو اپنے ہاتھ کی طرف واپس لے۔ پس جب لے لیا تو اس پر ضمان لوٹ آیا۔

وجہ کیونکہ راہن کے عاریت پر لینے سے رہن کا معاملہ ختم نہیں ہوا، وہ چیز ابھی بھی رہن پر ہے۔ اس لئے مرتہن کو راہن سے واپس مانگنے کا حق ہے۔ اگر راہن واپس دیدے تو وہ چیز پہلے کی طرح رہن پر ہو جائے گی۔ اور ہلاک ہونے پر مرتہن پہلے کی طرح ضامن ہوگا۔

اصول یہاں یہ اصول ہے کہ راہن کے عاریت پر لینے سے رہن کا معاملہ ختم نہیں ہوتا وہ بحال رہتا ہے۔

[۱۰۵۰] (۵۲) اگر راہن مر جائے تو راہن کا وصی شیء مرہون بیچے گا اور دین ادا کرے گا۔

تشریح راہن مر گیا تو راہن کے وصی کو حق ہے کہ شیء مرہون کو بیچ کر مرتہن کا قرض ادا کرے۔

وجہ وصی کو راہن کی زندگی میں شیء مرہون کو بیچ کر دین ادا کرنے کا حق تھا تو اس کے مرنے کے بعد بدرجہ اولی شیء مرہون کو بیچ کر دین ادا کرنے کا حق ہوگا۔

[۱۰۵۱] (۵۳) پس اگر راہن کا وصی نہ ہو تو قاضی اس کے لئے وصی متعین کرے گا اور اس کو حکم دے گا شیء مرہون کے بیچنے کا۔

تشریح راہن کا انتقال ہو گیا اور دین ادا نہیں کر پایا تھا اور شیء مرہون کے بیچنے کا وصی بھی نہیں متعین کیا تھا کہ وہ بیچ کر مرتہن کا دین ادا کرے۔ ایسی صورت میں قاضی شیء مرہون کو بیچنے کے لئے اور مرتہن کا دین ادا کرنے کے لئے وصی متعین کرے۔ وہ بیچ کر مرتہن کا دین ادا کریں گے۔

وجہ قاضی اس لئے ہے کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔ یہاں مرتہن کا حق ضائع ہونے کا خطرہ تھا اس لئے قاضی اس کے لئے وصی متعین کرے گا تاکہ مرتہن کا حق وصول ہو جائے۔

اصول حق ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو قاضی اس کی نگرانی کریں گے۔ یہ اصول لاضرر ولاضرار حدیث کے تحت ہے۔

﴿ كتاب الحجر ﴾

[۱۰۵۲](۱) الاسباب الموجبة للحجر ثلثة الصغر والرق والجنون.

﴿ کتاب الحجر ﴾

ضروری نوٹ حجر کے معنی روکنے کے ہیں۔ یہاں حجر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو بیع وشراء اور معاملات کرنے سے روک دے تاکہ دوسرے کو نقصان نہ ہو مثلا بچے کو خرید وفروخت کرنے سے روک دے تاکہ اس کی بے وقوفی سے ولی کو نقصان نہ ہو۔ حجر کا ثبوت اس آیت میں ہے وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منهم رشدا فادفعوا الیهم اموالهم (الف) (آیت ۶ سورۃ النساء۴) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ نابالغ یتیم کو آزمالو۔ اگر اس میں عقل اور سمجھ کو محسوس کرو تو اس کو مال دو اور محسوس نہ کرو تو اس کا مال حوالے مت کرو۔ اسی مال حوالے نہ کرنے کا نام حجر ہے۔ اس سے اوپر کی آیت میں یوں ہے ولا تؤتوا السفهاء اموالکم (ب) (آیت ۵ سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ جو لوگ بے وقوف ہیں ان کو مال مت دو (۳) اور حدیث میں ہے۔ عن کعب بن مالک ان رسول الله ﷺ حجر علی معاذ ماله و باعه فی دین کان علیه (دار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام، ج رابع، ص ۱۴۸، نمبر ۴۵۰۵ رسنن للبیھقی، باب الحجر علی المفلس وبیع مالہ فی دیونہ، ج سادس، ص ۸۰، نمبر ۱۱۲۶۰) اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کو دین کی وجہ سے ان پر حجر کیا تھا۔

[۱۰۵۲] (۱) حجر واجب کرنے والے اسباب تین ہیں، بچپنا، غلام ہونا اور جنون ہونا۔

تشریح یہ تین اسباب ایسے ہیں جن سے حجر ہوتا ہے اور آدمی کو خرید وفروخت کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ ان میں سے بچپن میں عقل کی کمی ہوتی ہے اس کو پتہ نہیں ہوتا ہے کہ اچھی چیز خرید رہا ہوں یا بری اس لئے اس کو خرید وفروخت کرنے سے روکا جائے گا۔ البتہ مستقبل میں امید کی جاتی ہے کہ بالغ ہونے کے بعد عقل آجائے اور معاملہ درست کرلے۔ اس لئے ولی کی اجازت سے خرید وفروخت درست ہوسکتا ہے۔ غلام میں عقل ہوتی ہے لیکن اس کے خرید وفروخت کرنے سے مولی کو نقصان ہونے کا خطرہ ہے اس لئے اس کو بھی معاملہ کرنے سے روکا جائے گا۔ اور مجنون میں بھی عقل نہیں ہے اس لئے اس کو بھی معاملہ کرنے سے روکا جائے گا۔ روکنے کی دلیل اوپر کی آیت ہے۔ وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوا النکاح فان آنستم منهم رشدا فادفعوا الیهم اموالهم (ج) (آیت ۶ سورۃ النساء۴) آیت میں ہے کہ اگر معاملہ کرنے کی صلاحیت دیکھو تو یتیموں کو مال سپرد کردو ورنہ نہیں۔ اس لئے آیت سے ان لوگوں کو روکنے کا ثبوت ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال مر علی علی ابن ابی طالب بمعنی عثمان قال او ما تذکر ان رسول الله ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن المجنون المغلوب علی عقله حتی یفیق وعن النائم حتی یستیقظ و عن الصبی حتی یحتلم قال صدقت (د) (ابو

حاشیہ: (الف) یتیموں کو آزماؤ، یہاں تک کہ جب بالغ ہو جائے اور نکاح کے قابل ہو جائے۔ پس اگر اس میں صلاحیت دیکھو تو ان کو ان کا مال دیدو (ب) بے وقوفوں کو ان کا مال مت دو (ج) یتیموں کو آزماؤ، یہاں تک کہ جب بالغ ہو جائے اور نکاح کے قابل ہو جائے۔ پس اگر اس میں صلاحیت دیکھو تو ان کو ان کا مال دیدو (د) کیا آپ کو یاد نہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ قلم تین آدمیوں سے اٹھالیا گیا ہے (یعنی اس کی بات کا اعتبار نہیں) مجنون سے جس کی عقل مغلوب (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۰۵۳](۲) ولا یجوز تصرف الصغیر الا باذن ولیه [۱۰۵۴](۳) ولا یجوز تصرف العبد الا باذن سیده[۱۰۵۵] (۴) ولا یجوز تصرف المجنون المغلوب علی عقله بحال.

داؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا ص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۱ر بخاری شریف، باب لا یرجم المجنون والمجنونۃ ص ۱۰۰۶ نمبر ۶۸۱۵) اس حدیث میں ہے کہ بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اور مجنون کو افاقہ نہ ہو جائے اس سے قلم اٹھالیا گیا ہے یعنی اس کے کام پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اور بیع وشراء میں الزام اور ذمہ داری ہوتی ہے۔اس لئے وہ بیع وشراء کرنے کے اہل نہیں ہیں۔باقی رہا غلام تو اس میں عقل ہے لیکن مولی کے نقصان کی وجہ سے اس کو خرید و فروخت نہیں کرنے دیا جائے گا۔ہاں! مولی اجازت دے تو خرید و فروخت کر سکتا ہے۔غلام کے حجر کی وجہ یہ حدیث ہے۔**عن عمر بن شعیب ان النبی ﷺ قال لا طلاق الا فیما تملک ولا عتق الا فیما تملک ولا بیع الا فیما تملک** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الطلاق قبل النکاح ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۹۰) اس حدیث میں ہے کہ اس کی بیع نہیں کر سکتا جس کا مالک نہیں اور غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہے جو مال ہے وہ مولی کا ہے اس لئے اس کی خرید و فروخت محجور ہیں۔

لغت الصغر : بچپنا۔ الرق : غلامیت۔

[۱۰۵۳](۲) اور نہیں جائز ہے بچے کا تصرف مگر اس کے ولی کی اجازت سے۔

وجہ بچے میں عقل کی کمی ہے۔لیکن بالغ ہونے سے پہلے کچھ نہ کچھ سمجھداری آجاتی ہے اور بعض مرتبہ اچھا معاملہ کر لیتا ہے اس لئے ولی مناسب سمجھے تو بیع نافذ کر دے۔اس کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

[۱۰۵۴](۳) اور نہیں جائز ہے غلام کا تصرف مگر اس کے مولی کی اجازت سے۔

وجہ بالغ غلام میں عقل تو ہے لیکن زیادہ تجارت کرے گا تو ممکن ہے کہ اس کی گردن پر تجارت کا قرض آجائے اور مولی کو قرض بھرنا پڑے اس لئے اس کو نقصان ہوگا۔اس لئے مولی کی اجازت سے غلام تجارت کر سکتا ہے۔

[۱۰۵۵](۴) اور ایسا مجنون جس کی عقل مغلوب ہو اس کا تصرف کسی حال میں جائز نہیں۔

تشریح مجنون دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک وہ مجنون جس کو کبھی افاقہ ہوتا ہے۔ایسے مجنون کا معاملہ افاقہ کے وقت درست ہے۔ایک دوسرا وہ مجنون جس کی عقل مغلوب ہے اور کبھی افاقہ نہیں ہوتا ایسے مجنون کی کبھی عقل نہیں ہوتی۔اس لئے ایسے مجنون کا معاملہ اور خرید و فروخت کسی حال میں درست نہیں ہے۔

اصول معاملہ کرنے کا دار و مدار عقل ہے۔اس لئے جن کو عقل نہیں ہے ان کو معاملہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔یا اس کا معاملہ موقوف رہیگا۔

[۱۰۵۶](۵) ان لوگوں میں سے کسی نے کوئی چیز بیچی یا اس کو خریدی اس حال میں کہ وہ بیع کو سمجھتے ہوں اور اس کا ارادہ کرتے ہوں تو ولی کو

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) مغلوب ہو جب تک کہ افاقہ نہ ہو جائے۔اور سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچے سے جب تک بالغ نہ ہو جائے۔حضرت علی نے فرمایا آپ نے سچ کہا (الف) آپؐ نے فرمایا نہیں طلاق واقع ہوگی مگر جس چیز کا مالک ہو، یعنی نکاح ہو۔اور نہیں آزادگی ہے مگر جس چیز کا مالک ہو اور نہیں بیع ہے مگر جس چیز کا مالک ہو (یعنی جس کا مالک ہو اسی کی بیع کر سکتا ہے۔

[۱۰۵۶](۵) ومن باع من هؤلاء شيئا او اشتراه وهو يعقل البيع و يقصده فالولي بالخيار ان شاء اجازه اذا كان فيه مصلحة وان شاء فسخه[۱۰۵۷] (۶) فهذه المعاني الثلثة توجب الحجر في الاقوال دون الافعال[۱۰۵۸] (۷) واما الصبي والمجنون لا تصح

اختیار ہے اگر چاہے تو اس کی اجازت دیدے اگر اس میں مصلحت دیکھے اور چاہے تو اس کو فسخ کر دے۔

تشریح بچہ، غلام اور مجنون میں سے کسی نے خرید وفروخت کی اس حال میں کہ وہ بیع کو سمجھتا ہے اور اس کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے، مذاق اور کھیل میں نہیں تو اگر اس کی اجازت دینے میں مصلحت ہے تو ولی اس کی اجازت دے اور خرید وفروخت کو نافذ کر دے۔ اور اگر مصلحت نہیں ہے تو اس خرید وفروخت کو فسخ کر دے۔ سمجھدار بچے کو وکیل بنانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ جن میں عمر بن ابی سلمہ جو چھوٹے تھے اس کو ماں نے حضور سے اپنی شادی کا وکیل بنایا۔ عن ام سلمة لما انقضت عدتها ... فقالت لابنها يا عمر قم فزوج رسول الله فزوجه (مختصر نسائی شریف، باب انکاح الابن امہ ص ۴۵۰ نمبر ۳۲۵۶)

نوٹ عبارت میں ویقصدہ فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مجنون اور بچہ کبھی مذاق کے طور پر بھی خرید وفروخت کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہے۔ بیع کا ارادہ کرتا ہو تب ہی بیع ہوگی تا کہ ایجاب اور قبول حقیقت میں پائے جائیں۔

[۱۰۵۷] (۶) یہ تین وجہیں واجب کرتی ہیں حجر کو اقوال میں نہ کہ افعال میں۔

تشریح جنون، بچپنا اور غلامیت کی وجہ سے حجر واجب ہوتا ہے۔ لیکن صرف قول میں حجر ہوگا کہ اس کے قول کا اعتبار کریں کہ نہ کریں۔ لیکن اگر اس نے کوئی کام کیا مثلا کسی کو قتل کر دیا تو اس کا اثر تو ہوگا کہ اس کی دیت لازم ہوگی۔ یا چوری کی تو اس کا تاوان لازم ہوگا یا کسی کو مارا تو اس کا ضمان لازم ہوگا۔ اس لئے کہ افعال کیا۔ اور خارج میں کسی کا نقصان ہوا تو نقصان ادا کرنا ہوگا۔ البتہ ایسے افعال جن سے حدود وقصاص لازم ہوتے ہیں وہ مجنون اور بچے پر لازم نہیں ہونگے۔ کیونکہ یہ شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہو کہ مجنون اور بچے ان کو شبہ کی وجہ سے کر گزرے ہوں۔ اور ان کے پختہ ارادے کا دخل نہ ہو۔ اس لئے ان کے افعال سے حدود وقصاص لازم نہیں ہونگے۔ باقی افعال سے نقصان ہوا ہو تو وہ ولی کو ادا کرنا ہوگا۔

اقوال بھی تین قسم کے ہیں۔ ایسے قول جس میں بچے اور مجنون کا فائدہ ہی فائدہ ہے جیسے ہبہ اور ہدیہ قبول کرنا۔ یہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں ان کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دوسرے وہ قول جن میں ان کو نقصان ہی نقصان ہے۔ جیسے طلاق دینا اور غلام آزاد کرنا، یہ بالکل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان میں ان کا نقصان ہے۔ تیسرے وہ اقوال جن بھی فائدے بھی ہو سکتے ہیں اور نقصان بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کو موقوف رکھا جائے گا، ولی مصلحت دیکھے گا تو نافذ کرے گا اور مناسب سمجھے گا تو رد کر دے گا، جیسے خرید وفروخت کرنا۔

[۱۰۵۸] (۷) بہر حال بچہ اور مجنون تو نہیں صحیح ہے ان کا عقد اور نہ ان کا اقرار کرنا، اور نہیں واقع ہوگی ان کی طلاق اور نہ آزاد کرنا۔

تشریح بچہ اور مجنون کو عقل نہیں ہے اس لئے ان کے اقوال کا اعتبار نہیں۔ اور عقد کرنا، اقرار کرنا، طلاق دینا اور آزاد کرنا سب اقوال ہیں اس

عقودهما ولا اقرارهما ولا يقع طلاقهما ولا اعتاقهما [۱۰۵۹] (۸) فان اتلفا شيئا لزمهما ضمانه [۱۰۶۰] (۹) واما العبد فاقواله نافذة في حق نفسه غير نافذة في حق مولاه.

لئے ان کا اعتبار نہیں۔ البتہ عقد کرنا مثلا خرید و فروخت کرنے میں فائدہ اور نقصان دونوں ہو سکتے ہیں اس لئے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اقرار کرنے مین سراسر نقصان ہے اس لئے اس کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ اور وہ طلاق دے یا آزاد کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا۔

وجہ ان میں بھی نقصان ہے۔ طلاق میں بیوی جائے گی اور آزاد کرنے میں غلام جائے گا اس لئے ان کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ كل طلاق جائز الا طلاق المعتوه المغلوب على عقله (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی طلاق المعتوہ، ص ۲۲۳ نمبر ۱۱۹۱ر بخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ ص ۷۹۳ نمبر ۵۲۶۹) اس حدیث میں ہے کہ معتوہ جن کی عقل مغلوب ہو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور بچہ بھی مغلوب العقل ہے اس لئے اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔ عن علی لا یجوز علی الغلام طلاق حتی یحتلم (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الصبی، ج سابع ص ۸۵، نمبر ۱۲۳۱۶) (۲) اس کے علاوہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ بچے، مجنون اور سونے والے سے۔ اس لئے ان لوگوں کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

[۱۰۵۹] (۸) پس اگر ان دونوں میں سے کوئی چیز ضائع کی تو ضمان لازم ہوگا۔

تشریح مجنون اور بچے نے اپنی حرکتوں سے کسی کی کوئی چیز ضائع کر دی تو اس کا ضمان ان دونوں پر لازم ہوگا۔ اور ان کے ولی ان کا ضمان ادا کریں گے۔

وجہ ان لوگوں کے قول و قرار کا اعتبار نہیں ہے لیکن افعال کا اعتبار تو ہے (۲) دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ضمان ادا کیا جائے گا۔ ورنہ دوسروں کے حقوق ضائع ہونگے۔

اصول دوسروں کا نقصان کوئی بھی کرے ضمان ادا کرنا ہوگا۔

[۱۰۶۰] (۹) بہر حال غلام تو اس کے اقوال نافذ ہیں اس کی ذات کے حق میں اور نہیں نافذ ہیں اس کے مولی کے حق میں۔

تشریح بالغ غلام عقلمند ہے لیکن مولی کے نقصان اور اس کے حق کی وجہ سے اس کے اقوال نافذ نہیں نہ اس کا خرید و فروخت نافذ ہیں۔ لیکن اس کی ذات کے حق میں اس کا اقرار وغیرہ نافذ ہے۔ مثلا وہ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو یہ اس کا ذاتی نقصان ہے اس لئے طلاق دے سکتا ہے

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ غلام کا قول اس کی ذات کے حق میں نافذ ہے۔ عن ابن عباس قال اتى النبي رجل فقال يا رسول الله ان سيدي زوجني امته وهو يريد ان يفرق بيني و بينها قال فصعد رسول الله ﷺ المنبر فقال يا ايها

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ہر طلاق جائز ہے مگر معتوہ مغلوب العقل کی طلاق (ب) حضرت علی سے روایت ہے کہ فرمایا نہیں جائز ہے لڑکے کی طلاق جب تک کہ احتلام نہ ہو جائے۔

[۱۰۶۱] (۱۰) فان اقر بمال لزمه بعد الحرية ولم يلزمه في الحال [۱۰۶۲] (۱۱) وان اقر بحد او قصاص لزمه في الحال.

الناس ما بال احدكم يزوج عبده امته ثم يريد ان يفرق بينهما انما الطلاق لمن اخذ بالساق (الف) (ابن ماجہ شریف، باب طلاق العبد ص ۲۹۹ نمبر ۲۰۸۱ ر دار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۲۵ نمبر ۳۹۴۸) اس حدیث میں مولی نے غلام کی بیوی کو طلاق دینا چاہا لیکن آپؐ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ طلاق دینے کا حق اس کو ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی نکاح کیا۔ اور نکاح غلام کرتا ہے اس لئے اس کو طلاق دینے کا حق ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ انه استفتى ابن عباس في مملوك كانت تحته مملوكة فطلقها تطليقتين ثم عتقا بعد ذلك هل يصلح له ان يخطبها؟ قال نعم قضى بذلك رسول الله ﷺ (ب) (سنن ابو داؤد، باب فی سنۃ طلاق العبد ص ۳۰۴ نمبر ۲۱۸۷) اس حدیث میں ہے کہ غلام نے اپنی باندی بیوی کو طلاق دی۔ جس سے معلوم ہوا کہ غلام اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔

[۱۰۶۱] (۱۰) پس اگر کسی مال کا اقرار کیا تو اس کو آزادگی کے بعد لازم ہوگا اور وہ فی الحال لازم نہیں ہوگا۔

تشریح کسی غلام نے اقرار کیا کہ فلاں کا مجھ پر مثلا سو پونڈ ہیں تو یہ سو پونڈ اس وقت اس پر لازم نہیں ہونگے نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ مولی کے مال میں سے دینا ہوگا اور مولی کا نقصان ہوگا۔ اس لئے اس وقت لازم نہیں ہوں گے۔ البتہ چونکہ عاقل بالغ ہے اس لئے آزاد ہونے کے بعد اس کا اعتبار ہوگا اور آزاد ہونے کے بعد سو پونڈ ادا کرنے لازم ہوں گے۔ تاکہ مولی کا بھی نقصان نہ ہو اور اس کے عاقل بالغ ہونے کا بھی اعتبار رہے۔

نوٹ یہ اس وقت ہے کہ مولی نے غلام کو تجارت کی اجازت نہ دی ہو۔ اگر اجازت دی ہو تو تجارت کے سلسلے میں غلام کا اقرار کرنا جائز ہے۔

[۱۰۶۲] (۱۱) اگر غلام اقرار کرے حد کا یا قصاص کا تو اس کو لازم ہوگا فی الحال۔

تشریح غلام ایسے جرم کا اقرار کرتا ہے جس کی وجہ سے اس پر حد لازم ہو یا قصاص لازم ہو۔ مثلا شراب پینے کا اقرار کرتا ہے یا کسی کو قتل عمد کرنے کا اقرار کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس پر قصاص لازم ہو تو یہ سزائیں فی الحال دی جائیں گی۔ اس کی آزادگی کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ اس کی وجہ سے مولی کا نقصان ہو۔

وجہ ان جرموں میں غلام کی جان خطرے میں ہے اور اس کی جان کا نقصان ہے۔ اور اس کی ذات کے سلسلے میں وہ خود مختار ہوتا ہے اس لئے وہ ایسی چیزوں کا اقرار کر سکتا ہے۔ اور یہ حدود و قصاص فی الحال جاری ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضور کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ میرے مولی نے اپنی باندی سے میری شادی کرائی۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ میرے اور اس کے درمیان تفریق کرا دے تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے لوگو! تمہیں کیا ہوا کہ اپنے غلام کی باندی سے شادی کراتا ہے پھر دونوں کے درمیان تفریق کرانا چاہتا ہے۔ طلاق کا حق صرف اس کو ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی شادی کی (ب) حضرت ابن عباس سے فتوی پوچھا ایک غلام کے بارے میں جس کے تحت میں باندی ہو۔ اس نے دو طلاق دی۔ اس کے بعد دونوں آزاد ہوئے۔ کیا اس کو حق ہے کہ بیوی کو پیغام نکاح دے؟ کہا ہاں! حضورؐ نے اسی کا فیصلہ کیا۔

[۱۰۶۳](۱۲) وینفذ طلاقہ [۱۰۶۴](۱۳) ولا یقع طلاق مولاہ علی امرأتہ
[۱۰۶۵](۱۴) وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی لا یحجر علی السفیہ اذا کان عاقلا بالغا

[۱۰۶۳](۱۲) غلام کی طلاق نافذ ہوگی۔

وجہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ غلام اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے (۲) یہ اس کا ذاتی نقصان ہے اس لئے اس کو اس کے اٹھانے کا اختیار ہوگا۔

[۱۰۶۴](۱۳) اور غلام کے مولی کی طلاق غلام کی بیوی پر واقع نہیں ہوگی۔

تشریح مولی غلام کی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو نہیں دے سکتا۔اس کی طلاق غلام کی بیوی پر واقع نہیں ہوگی۔ بلکہ غلام کی طلاق واقع ہوگی۔

وجہ (۱) طلاق شوہر کی واقع ہوتی ہے اور مولی شوہر نہیں ہے اس لئے اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں مولی کو طلاق دینے سے منع فرمایا ہے۔عن ابن عباس قال اتی النبی ﷺ رجل قال یا رسول اللہ ان سیدی زوجنی امتہ وھو یرید ان یفرق بینی و بینھا قال فصعد رسول اللہ ﷺ المنبر فقال یا ایھا الناس ما بال احدکم یزوج عبدہ امتہ ثم یرید ان یفرق بینھما انما الطلاق لمن اخذ الساق (الف) (ابن ماجہ شریف، باب طلاق العبد ص ۲۹۹ نمبر ۲۰۸۱ دار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۲۵ نمبر ۳۹۴۸) اس حدیث میں مولی غلام کی بیوی کو طلاق دینا چاہا تو آپؐ نے اس کو منع فرمایا اور فرمایا کہ طلاق وہی دے سکتا ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی شادی کی۔اس لئے مولی غلام کی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا۔

[۱۰۶۵](۱۴) کہا امام ابو حنیفہ نے نہیں حجر کیا جائے گا بے وقوف پر جب کہ وہ عاقل ہو، بالغ ہو اور آزاد ہو۔

تشریح آدمی عاقل ہو، بالغ ہو اور آزاد ہو لیکن بیوقوف ہو اور زیادہ خرچ کرتا ہو تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔اس لئے اگر وہ خرید و فروخت کرے تو خرید و فروخت نافذ ہوگی۔

وجہ (۱) معاملات کرنے کا مدار عقل، بلوغ اور آزادگی پر ہے اور وہ اس میں موجود ہیں اس لئے اس پر حجر نہ کیا جائے۔ہاں! عقل ہی نہ ہو تو جنونیت کی وجہ سے حجر ہوگا۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن انس بن مالک ان رجلا علی عھد رسول اللہ کان یبتاع و فی عقدتہ ضعف فاتی اھلہ نبی اللہ فقالوا یا نبی اللہ احجر علی فلان فانہ یبتاع و فی عقدتہ ضعف فدعاہ النبی ﷺ فنھاہ عن البیع فقال یا رسول اللہ انی لا اصبر عن البیع فقال رسول اللہ ان کنت غیر تارک للبیع فقل ھاء وھاء ولا خلابۃ (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یقول عند البیع لا خلابۃ، ص ۱۳۸، نمبر ۳۵۰۱) اس حدیث میں آپؐ نے فضول خرچی کے

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضور کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ میرے مولی نے اپنی باندی سے میری شادی کرائی۔اب وہ چاہتے ہیں کہ میرے اور اس کے درمیان تفریق کرا دے تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے لوگو! تمہیں کیا ہوا کہ اپنے غلام کی باندی سے شادی کراتا ہے پھر دونوں کے درمیان تفریق کرانا چاہتا ہے۔طلاق کا حق صرف اس کو ہے جو پنڈلی پکڑے یعنی شادی کرے (ب) ایک آدمی حضور کے زمانے میں خرید و فروخت کرتا تھا اور اس کے عقد میں کمزوری تھی۔پس اس کے اہل حضورؐ کے پاس آئے۔پس لوگوں نے کہا اے اللہ کے نبی! اس پر حجر کر دیجئے وہ خرید و فروخت کرتا ہے۔اور اس کے عقد (باقی اگلے صفحہ پر)

حرا[۱۰۶۶](۱۵) وتصرفه فی ماله جائز وان کان مبذرا مفسدا یتلف ماله فی ما لا غرض له فیه ولا مصلحة مثل ان یتلفه فی البحر او بحرقة فی النار[۱۰۶۷](۱۶) الا انه قال اذا بلغ الغلام غیر رشید لم یسلم الیه ماله حتی یبلغ خمسا وعشرین سنة وان تصرف فیه قبل ذلک نفذ تصرفه فاذا بلغ خمسا و عشرین سنة سلم الیه ماله وان لم یؤنس منه الرشد[۱۰۶۸](۱۷) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله یحجر علی السفیه ویمنع

باوجود صحابی پر حجر نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ سفیہ پر حجر جائز نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن ابراهیم قال لا یحجر علی حر (مصنف ابن ابی شیبة ۱۲۸ من کرہ الحجر علی الحر و من رخص فیہ، ج رابع، ص ۳۶۷، نمبر ۲۱۰۶۲)

[۱۰۶۶] (۱۵) بے وقوف کا تصرف اس کے مال میں جائز ہے اگر چہ وہ فضول خرچ اور مفسد ہو۔ اپنے مال کو ضائع کرتا ہو ایسی چیز میں جس میں کوئی غرض نہیں اور نہ کوئی مصلحت ہو۔ مثلا اس کو سمندر میں ضائع کرتا ہو یا اس کو آگ میں جلاتا ہو۔

تشریح امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بے وقوف چاہے فضول خرچ ہو، مفسد ہو اور ایسی جگہ مال ضائع کرتا ہو جہاں نہ کوئی غرض ہو اور نہ مصلحت ہو مثلا سمندر میں مال پھینک دیتا ہے یا آگ میں جلا دیتا ہے پھر بھی اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔ اس کی خرید و فروخت نافذ ہوگی۔

وجہ کیونکہ وہ عاقل و بالغ اور آزاد ہے۔

[۱۰۶۷] (۱۶) مگر یہ فرمایا کہ کوئی لڑکا بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہو تو اس کا مال اس کو سپرد نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ پچیس سال کا ہو جائے۔ اور اگر اس سے پہلے اس نے تصرف کیا تو اس کا تصرف نافذ ہو جائے گا۔ پس جب پچیس سال پورے ہو جائیں تو اس کو اس کا مال سپرد کر دیا جائے گا اگر چہ اس میں سمجھداری محسوس نہ ہو۔

تشریح امام صاحب فرماتے ہیں کہ پچیس سال میں آدمی دادا بن جاتا ہے کیونکہ بارہ سال میں بالغ ہوگا اور فرض کرو کہ بچہ ہوا اور وہ بچہ بارہ سال میں بالغ ہو کر شادی کی اور اس کو بچہ ہوا تو آدمی پچیس سال میں دادا بن جائے گا۔ اس لئے اگر کوئی بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہوا تو اس پر حجر تو نہ کیا جائے لیکن اس کو پچیس سال تک مال سپرد نہ کیا جائے۔ تاکہ وہ مال کو غلط خرچ نہ کرے۔ اور پچیس سال کے بعد چاہے سمجھداری کے آثار نہ نظر آتے ہوں پھر بھی مال اس کو حوالے کر دیا جائے۔

لغت لم یونس : محسوس نہیں کیا گیا ہو۔

[۱۰۶۸] (۱۷) اور فرمایا امام ابو یوسف اور امام محمد نے حجر کیا جائے گا بے وقوف پر اور روکا جائے گا اس کے مال میں تصرف سے۔ پس اگر بیچا تو اس کی بیع اس کے مال میں نافذ ہوگی اور اس میں مصلحت ہو تو حاکم اس کی اجازت دے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) میں کمزوری ہے۔ پس حضورؐ نے اس کو بلایا اور اس کو بیع سے روکا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں صبر نہیں کر سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اگر بیع کو چھوڑ نہیں سکتے تو 'ھاء ھاء لا خلابۃ' کہہ لیا کرو۔

من التصرف فی ماله فان باع لم ينفذ بيعه فی ماله وان كان فيه مصلحة اجازه الحاكم[۱۰۶۹] (۱۸) وان اعتق عبدا نفذ عتقه وكان علی العبد ان يسعی فی قيمته

تشریح صاحبین کے نزدیک بے وقوف پر حجر کیا جائے گا۔ اور اگر اس نے مال بیچا تو اس کی بیع نافذ نہیں ہوگی۔ ہاں اگر اس بیع میں مصلحت ہو تو حاکم اس بیع کے نافذ ہونے کی اجازت دے تو نافذ ہو جائے گی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ آیت میں بے وقوف کو مال حوالے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آیت ہے **ولا تؤتوا السفهاء اموالكم التی جعل الله لكم قياما وارزقوهم فيها واكسوهم وقولوا لهم قولا معروفا** (الف) (آیت ۵ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں بے وقوف کو مال دینے سے منع فرمایا ہے اور کہا کہ اس کو کھانا کپڑا دیتے رہو۔ اور پھسلاتے رہو لیکن مال مت دو۔ تا کہ ضائع نہ کردے۔ اس لئے بے وقوف پر حجر کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ پر زیادہ خرچ کرنے کی وجہ سے حضورؐ نے حجر کیا تھا۔ **عن كعب بن مالک ان رسول الله ﷺ حجر معاذ ماله وباعه فی دين كان عليه** (ب) (دار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام ج رابع ص ۱۴۸ نمبر ۴۵۰۵ سنن للبیھقی، باب الحجر علی المفلس وبیع مالہ فی دیونہ، ج سادس، ص ۸۰، نمبر ۱۱۲۶۰) اس حدیث میں زیادہ مال خرچ کرنے کی وجہ سے حضرت معاذ کو حضورؐ نے حجر کیا ہے (۳) اثر میں ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت علی عبد اللہ بن جعفر کو حجر کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت زبیر بن العوام کی شرکت کی وجہ سے حجر نہیں فرمایا۔ **ان عبد الله بن جعفر اتی زبير بن العوام فقال اشتريت كذا كذا وان عليا يريد ان يأتی امير المؤمنين عثمان ،يعنی فيسأله ان يحجر عليؓ فيه ،فقال الزبير انا شريكک فی البيع واتی علی عثمان فذكر ذلک له فقال عثمان كيف احجر علی رجل فی بيع شريكه فيه الزبير** (ج) (سنن للبیھقی، باب الحجر علی البالغین بالسفہ، ج سادس، ص ۱۰۲، نمبر ۱۱۳۳۶ دار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام ج رابع ص ۱۴۸ نمبر ۴۵۰۶) اس اثر میں حضرت عثمان اور حضرت علی حضرت عبد اللہ بن جعفر پر ان کی سفہ کی وجہ سے حجر کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت زبیر کی بیع میں شرکت کی وجہ سے رک گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔ لیکن فضول خرچی کرتا ہو تو اس پر قاضی حجر کر سکتا ہے۔ اس صورت میں وہ بیع کرے تو نافذ نہیں ہوگی۔ ہاں قاضی مصلحت دیکھے تو سفیہ کو بیع کی اجازت دے دے۔

نوٹ اس دور میں صحیح قاضی نہیں ہے اس لئے سفیہ کو اس کا مال نہ دے کر کسی اور کو دے دیا گیا تو وہ مال کھائے گا اور سفیہ کو کچھ نہیں ملے گا اس لئے بے وقوف کو اس کا مال دینا بہتر ہے۔

[۱۰۶۹] (۱۸) اور اگر بے وقوف نے غلام آزاد کیا تو اس کی آزادگی نافذ ہوگی اور غلام پر یہ ہوگا کہ اپنی قیمت کی سعی کرے۔

حاشیہ : (الف) بے وقوفوں کو تم اپنا مال مت دو جس پر اللہ نے تم کو نگران بنایا۔ اور ان کو اس مال میں سے روزی دو اور اس کو پہناؤ اور ان کو اچھی بات کہو (ب) آپؐ نے معاذ بن جبل پر حجر فرمایا اور اس کے مال کو اس پر جو دین تھا اس کے بدلے میں بیچا (ج) عبد اللہ بن جعفر زبیر بن عوام کے پاس آئے اور کہا میں نے ایسا ایسا خریدا ہے اور حضرت علی چاہتے ہیں کہ وہ امیر المؤمنین عثمان کے پاس جائے اور ان سے کہے کہ اس بارے میں مجھ پر حجر کر دے۔ تو حضرت زبیر نے فرمایا میں بیع میں تمہارا شریک ہوں۔ پھر وہ حضرت علی اور حضرت عثمان کے پاس آئے اور اس کا تذکرہ کیا تو حضرت عثمان نے فرمایا کیسے حجر کروں ایسے آدمی پر جس کی بیع کا شریک زبیر ہو۔

[۱۰۷۰](۱۹) وان تزوج امرأة جاز نکاحه فان سمی لها مهرا جاز منه مقدار مهر مثلها وبطل الفضل [۱۰۷۱](۲۰)وقالا رحمهما الله فیمن بلغ غیر رشید لا یدفع الیه ماله ابدا

تشریح بے وقوف پر حجر کیا اس کے باوجود اس نے اپنا غلام آزاد کیا تو صاحبین کے نزدیک بھی غلام آزاد ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو حجر ہی صحیح نہیں ہے اس لئے ان کے نزدیک بھی غلام آزاد ہو جائے گا۔ لیکن غلام پر لازم ہوگا کہ اس کی جتنی قیمت ہو سکتی ہے اس کو کما کر بے وقوف مولی کو دے۔

وجہ غلام آزاد تو اس لئے ہوگا کہ اس کا ذاتی حق تھا جو ملا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ آزادگی کا شائبہ بھی آئے تو شریعت اس کو نافذ کرتی ہے۔ اس لئے بے وقوف کے آزاد کرتے ہی غلام آزاد ہو جائے گا۔ لیکن اس سے چونکہ بے وقوف کو نقصان ہوگا اس لئے اس کا مداوا اس طرح کیا جائے گا کہ غلام اپنی قیمت کما کر مولی کو ادا کرے گا تا کہ بے وقوف نقصان سے بچ جائے۔

[۱۰۷۰] (۱۹) اگر بے وقوف نے عورت سے شادی کی تو نکاح جائز ہے۔ پس اگر اس کے لئے مہر متعین کیا تو مہر مثل کی مقدار جائز ہے اور اس سے زیادہ باطل ہوگا۔

تشریح بے وقوف نے حجر کے بعد کسی عورت سے شادی کی تو شادی جائز ہوگی اور اس کے لئے مہر متعین کیا تو مہر مثل کی مقدار تک جائز ہے۔ لیکن عورت کے مہر مثل سے زیادہ متعین کیا تو یہ باطل ہوگا۔

وجہ شادی کرنا حاجت اصلیہ میں داخل ہے اس لئے وہ کر سکتا ہے۔ اور جب شادی کر سکتا ہے تو اس کے لئے مہر مثل سے زیادہ متعین کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن مہر مثل سے زیادہ کی ضرورت نہیں اس لئے مہر مثل سے زیادہ فضول خرچی میں داخل ہوگا اور وہ جائز نہیں ہوگا۔

اصول بے وقوف حاجت اصلیہ کا کام حجر کے بعد بھی کر سکتا ہے۔

[۱۰۷۱] (۲۰) صاحبین فرماتے ہیں اس شخص کے بارے میں جو بے وقوف ہی کی حالت میں بالغ ہوا کہ اس کو مال سپرد نہیں کیا جائے گا کبھی بھی، یہاں تک کہ اس سے عقلمندی کے آثار نہ محسوس کرے، اور اس کا اس میں تصرف جائز نہیں ہے۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ جو آدمی بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہوا ہو اس کو اس وقت تک مال حوالہ نہ کیا جائے جب تک اس میں عقلمندی کے آثار نہ محسوس کرنے لگے۔ چاہے وہ پچیس سال کے ہو جائے، چاہے کتنی ہی عمر کیوں نہ ہو جائے۔

وجہ بے وقوفی کی وجہ سے حجر کیا ہے تو ابھی بھی بے وقوفی موجود ہے اس لئے حجر بحال رہے گا (۲) آیت میں مطلقا فرمایا ہے کہ بے وقوف کو مال حوالے نہ کرو۔ اس میں یہ قید نہیں ہے کہ پچیس سال تک نہ کرو اور بعد میں کردو۔ اس لئے پچیس سال کے بعد بھی بے وقوفی رہے تو مال حوالے نہیں کیا جائے گا، آیت ہے۔ ولا تؤتوا السفھاء اموالکم (آیت ۵ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں مطلقا ہے کہ بے وقوفوں کو مال مت دو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بے وقوفی کی علت رہے گی اس کو مال حوالے نہیں کیا جائے گا۔ دوسری آیت میں ہے کہ عقلمندی محسوس کرو تو یتیموں کو مال دو۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ بے وقوفوں میں عقلمندی کا احساس ہو تو اس کو مال حوالہ کرو۔ اور اگر عقلمندی کے آثار ظاہر نہ ہوں تو چاہے پچیس سال کی عمر ہو جائے پھر بھی اس کو مال حوالہ مت کرو، آیت ہے۔ وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح فان آنستم منھم

حتی یؤنس منه الرشد ولا یجوز تصرفه فیه[۱۰۷۲](۲۱) وتخرج الزکوة من مال السفیه[۱۰۷۳] (۲۲) وینفق علی اولاده و زوجته ومن یجب نفقته علیه من ذوی الارحام[۱۰۷۴](۲۳) فان اراد حجة الاسلام لم یمنع منها ولا یسلم القاضی النفقة الیه ولکن یسلمها الی ثقة من الحاج ینفقها علیه فی طریق الحج[۱۰۷۵] (۲۴)فان مرض

رشدا فادفعوا الیهم اموالهم (الف) (آیت ۶ سورة النساء۴) اس لئے بے وقوفوں میں عقلمندی کے آثار نہ ہوں تو کبھی بھی ان کو مال حوالے نہیں کیا جائیگا اور نہ اس کا تصرف جائز ہوگا۔

[۱۰۷۲](۲۱) زکوۃ نکالی جائے گی بے وقوف کے مال سے۔

وجہ بے وقوف بالغ ہے، آزاد ہے اور کچھ نہ کچھ عقل بھی ہے اس لئے اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ وہ مجنون کے درجے میں ہے۔ اس لئے اس کے مال سے زکوۃ نکال کر ادا کی جائے گی۔ البتہ چونکہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے نیت ضروری ہے اس لئے بے وقوف کو ہی دی جائے گی تا کہ وہ خود مصرف میں خرچ کرے۔

[۱۰۷۳](۲۲) اور خرچ کیا جائے گا بے وقوف کی اولاد پر اور اس کی بیوی پر اور ان لوگوں پر جنکا نفقہ واجب ہے رشتہ داروں میں سے۔

تشریح بے وقوف کے مال کو اس کی بیوی بچوں اور جن لوگوں کا نفقہ اس پر واجب ہے ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا۔

وجہ بے وقوف کی حاجت اصلیہ میں مال خرچ کیا جائے گا اور ان لوگوں پر خرچ کرنا حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ بے وقوف کا مال اس کے امین کو دے اور وہ ان لوگوں پر خرچ کرے تا کہ بے وقوف فضول خرچی نہ کرے۔

[۱۰۷۴](۲۳) پس اگر حج فرض ادا کرنا چاہے تو اس سے روکا نہیں جائے گا۔ لیکن قاضی حج کا خرچ اس کو سپرد نہیں کرے گا۔ لیکن سپرد کرے گا حاجیوں میں سے کسی ثقہ آدمی کو جو اس پر حج کے راستے میں خرچ کرے گا۔

تشریح حج فرض بھی حاجت اصلیہ میں ہے اس لئے بے وقوف حج فرض کرنا چاہے تو قاضی اس کو منع نہیں کرے گا۔ البتہ حج میں جانے والے کسی قابل اعتماد آدمی کو حج کا خرچ دے گا۔ تا کہ وہ بے وقوف پر راستے میں خرچ کرے۔ اور بے وقوف کو حج کا خرچ نہ دے تا کہ وہ فضول خرچی نہ کرے۔

لغت ثقة : قابل اعتماد آدمی۔

[۱۰۷۵](۲۴) پس اگر بیمار ہو جائے اور امور خیر کے بارے میں کچھ وصیتیں کرے تو یہ جائز ہیں اس کے تہائی مال سے۔

تشریح انتقال کا وقت قریب ہے اور بے وقوف خیر کے کاموں کے لئے کچھ مالوں کی وصیت کرنا چاہتا ہے تو اس کی وصیت کرنا جائز ہے۔ لیکن وہ وصیتیں اس کے تہائی مال سے پوری کی جائے گی۔

حاشیہ : (الف) یتیموں کو آزماؤ، یہاں تک کہ جب وہ بالغ ہو جائیں پس اگر ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کا مال دیدو۔

فاوصی بوصایا فی القرب وابواب الخیر جاز ذلک من ثلث ماله[۱۰۷۶] (۲۵) وبلوغ الغلام بالاحتلام والانزال والاحبال اذا وطئ فان لم یوجد ذلک فحتی یتم له ثمانی عشرة سنة عند ابی حنیفة رحمه الله [۱۰۷۷](۲۶) وبلوغ الجاریة بالحیض والاحتلام

وجہ موت کے وقت آدمی کو کچھ خیر کے کام کرنے کی تمنا ہوتی ہے۔اس لئے آخرت کے لئے یہ حاجت اصلیہ میں ہوگئی۔اس لئے وصیت کرنا جائز ہے۔البتہ اور آدمیوں کی طرح ان کی وصیت بھی تہائی مال میں سے جاری کی جائے گی اور باقی دو تہائی مال ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

[۱۰۷۶](۲۵) لڑکے کا بالغ ہونا احتلام کے ذریعہ اور انزال کے ذریعہ اور حاملہ کر دینے سے ہے اگر وہ وطی کرے۔پس اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں پس یہاں تک کہ اٹھارہ سال پورے ہو جائیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح لڑکے کے بالغ ہونے کی تین علامتیں ہیں احتلام ہونا، انزال ہونا اور وطی کرے تو عورت کو حاملہ کر دینا۔اور یہ نہ پائی جائیں تو لڑکا اٹھارہ سال ہو جائے تو اس کو بالغ سمجھا جائے گا۔

وجہ احتلام سے لڑکا بالغ ہوتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔قال علی بن طالب حفظت عن رسول الله ﷺ لا یتم بعد الاحتلام ولا صمات یوم الی اللیل (الف) (ابو داؤد شریف، باب ماجاء متی ینقطع الیتیم ج ثانی ص ۴۱ نمبر ۲۸۷۳) اس حدیث میں ہے کہ احتلام ہونے کے بعد یتیم نہیں ہوتا۔جس کا مطلب یہ ہے کہ احتلام ہونے کے بعد آدمی بالغ ہو جاتا ہے۔انزال اور حاملہ کرنا بھی اسی معنی میں ہے۔کیونکہ حاملہ اسی وقت ہوتی ہے جب انزال ہوتا ہو۔اور وہ نہ ہو تو لڑکا اٹھارہ سال ہو جائے تب بالغ سمجھا جائے گا۔اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابی هریرة مرفوعا رفع القلم عن ثلاثة عن الغلام حتی یحتلم فان لم یحتلم حتی یکون ابن ثمان عشرة (ب) (سنن للبیھقی، باب البلوغ بالسن، ج سادس ص ۹۴، نمبر ۱۱۳۰۷) اس اثر میں ہے کہ احتلام نہ ہو تو آدمی اٹھارہ سال کے ہوں تو بالغ سمجھا جائے گا۔

[۱۰۷۷](۲۶) اور لڑکی کا بالغ ہونا حیض کی وجہ سے اور احتلام کی وجہ سے اور حاملہ ہونے کی وجہ سے ہے۔پس اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو یہاں تک کہ سترہ سال پورے ہو جائے۔

تشریح احتلام کی وجہ سے لڑکی بالغ سمجھی جائے گی اس کی دلیل اوپر کی حدیث گزری۔اور حیض کی وجہ سے لڑکی بالغ سمجھی جائے گی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عائشة عن النبی ﷺ انه قال لا یقبل الله صلوة حائض الا بخمار (ج) (ابو داؤد، باب المرأة تصلی بغیر خمار، ص ۱۰۱ نمبر ۶۴۱) اس حدیث میں حائض بول کر آپ نے بالغ مراد لیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ حیض ہونے سے لڑکی بالغ ہو جاتی ہے۔اور جس کو حیض آئے گا وہی حاملہ ہوگی۔اس لئے حاملہ ہونا حیض کی علامت ہے۔اور یہ علامتیں نہ ہوں تو سترہ سال میں بالغ سمجھی جائے

حاشیہ : (الف) حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سے یاد کیا ہے کہ یتیمی نہیں ہے احتلام کے بعد اور نہ دن رات تک چپ رہنا ہے (ب) حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعا روایت ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔لڑکے سے یہاں تک کہ احتلام ہو جائے۔پس اگر احتلام نہ ہو تو یہاں تک کہ اٹھارہ سال کے ہو جائے (ج) حضور نے فرمایا اللہ نہیں قبول کرتا کسی حیض والی (بالغ) عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے۔

والحبل فان لم یوجد ذلک فحتی یتم لها سبعة عشر سنة[۱۰۷۸] (۲۷) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله اذا اتم للغلام والجارية خمسة عشر سنة فقد بلغا [۱۰۷۹] (۲۸) اذا راهق الغلام والجارية فاشكل امرهما فی البلوغ فقالا قد بلغنا فالقول قولهما واحكامهما احكام البالغين .

گی۔اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت جلدی بالغ ہوتی ہے اس لئے جب مرد کے لئے اٹھارہ سال متعین کیا تو عورت کے لئے ایک سال کم کر دیا اس لئے سترہ سال میں بالغ سمجھی جائے گی۔

[۱۰۷۸] (۲۷) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا جب پورے ہو جائیں لڑکے کے لئے اور لڑکی کے لئے پندرہ سال تو سمجھو دونوں بالغ ہو گئے۔

وجہ اس حدیث میں ہے کہ پندرہ سال کے لڑکے کو بالغ اور بڑا سمجھا گیا۔ حدثنی ابن عمر ان رسول الله عرضه يوم احد وهو ابن اربع عشرة سنة فلم يجزنی ثم عرضنی يوم الخندق وانا ابن خمس عشرة فاجازنی قال نافع فقدمت على عمر بن عبد العزيز وهو خليفة فحدثته هذا الحديث فقال ان هذا لحد بين الصغير والكبير وكتب الى عماله ان يفرضوا لمن بلغ خمس عشرة (الف) (بخاری شریف، باب بلوغ الصبیان وشہادتھم ص ۳۶۶ نمبر ۲۶۶۴ رمسلم شریف، باب بیان سن البلوغ ص ۱۳۱ نمبر ۱۸۶۸ رابوداؤد شریف نمبر ۴۴۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی پندرہ سال کی عمر تک پہنچ جائے تو اس کو بڑا اور بالغ سمجھا جاتا ہے۔ اور اس حدیث میں عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے عورت کی بھی کوئی علامت بلوغ نہ پائی جائیں تو پندرہ سال میں اس کو بالغ سمجھا جائے گا۔

[۱۰۷۹] (۲۸) اگر لڑکا اور لڑکی قریب البلوغ ہوں اور بالغ ہونے کے بارے میں ان دونوں کا معاملہ مشکل ہو، پس وہ دونوں کہے کہ ہم بالغ ہو گئے ہیں تو دونوں کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور دونوں کے احکام بالغین کے احکام ہونگے۔

تشریح لڑکا یا لڑکی قریب البلوغ ہوں اور یہ نہ معلوم ہوتا ہو کہ بالغ ہو چکے ہیں یا نابالغ ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بالغ ہو چکے ہیں تو ان کی باتوں کا اعتبار کر کے بالغ شمار ہوں گے۔ اور ان پر بالغ کے احکام جاری ہوں گے۔

وجہ جہاں تکذیب کی علامت نہ ہو تو اس کی ذات کے بارے میں آدمی کی شہادت قابل قبول ہے۔ جیسے عدت گزرنے اور حیض ختم ہونے کے بارے میں عورت کی بات کا اعتبار ہے اور اسی پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ان کی بات مان کر بالغ شمار کئے جائیں گے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ان کو حضور کے سامنے جنگ احد کے دن پیش کیا گیا۔ وہ اس وقت چودہ سال کے تھے، فرماتے ہیں کہ مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں ملی۔ پھر مجھے جنگ خندق کے دن پیش کیا گیا اور میں پندرہ سال کا تھا تو مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت مل گئی۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں عمر بن عبد العزیز کے پاس وہ اس وقت خلیفہ تھے میں یہ حدیث بیان کی فرمایا یہ عمر چھوٹے اور بڑے کے درمیان حد ہے۔ اور اپنے عمال کو لکھا کہ جو پندرہ سال کے ہو جائیں ان کے لئے عطیہ متعین کر دے۔

[۱۰۸۰](۲۹) وقال ابو حنیفة رحمه الله لا احجر فی الدین علی المفلس[۱۰۸۱] (۳۰) واذا وجبت الدیون علی رجل مفلس وطلب غرمائه حبسه والحجر علیه لم احجر علیه[۱۰۸۲](۳۱) وان کان له مال لم یتصرف فیه الحاکم ولکن یحبسه ابدا حتی یبیعه

[۱۰۸۰](۲۹) امام ابو حنیفہ نے فرمایا دین کے سلسلے میں مفلس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔

تشریح کسی آدمی پر کافی دین ہو اور قرض دینے والے اس پر حجر کا مطالبہ کرے تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں اس پر حجر نہیں کروں گا۔

وجہ حجر کرنے پر وہ کسی قسم کی بیع وشراء نہیں کر سکے گا۔ جس کی وجہ سے وہ اپاہج کی طرح ہو جائے گا۔ عقل ہوتے ہوئے کسی قسم کی بیع وشراء نہ کرے یہ اس پر ظلم ہوگا اور انسانی اہلیت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے اس پر حجر نہیں کروں گا (۲) اوپر حدیث گزری جس میں صحابی کو حجر کرنے کا مطالبہ کیا تھا لیکن آپؐ نے حجر نہیں کیا بلکہ یوں فرمایا۔ ان کنت غیر تارک للبیع فقل هاء وهاء ولا خلابة (الف) (ابوداؤد شریف ، باب فی الرجل یقول عند البیع لا خلابة ص ۱۳۸ نمبر ۳۵۰۱) اس حدیث میں صحابی کے خاندان والوں نے حجر کرنے کا مطالبہ کیا پھر بھی آپؐ نے حجر نہیں فرمایا بلکہ بیع کرنے کے بعد خیار شرط لینے کے لئے کہا۔ اس لئے افلاس کی وجہ سے بھی عاقل بالغ آدمی پر حجر نہیں کیا جائے گا۔

[۱۰۸۱](۳۰) اگر دین واجب ہو مفلس مرد پر اور اس کے قرضخواہ اس کو قید کرنے کا مطالبہ کرے اور اس پر حجر کرنے کا مطالبہ کرے تو میں اس پر حجر نہیں کروں گا۔

تشریح مفلس آدمی پر کافی دین ہو چکے ہوں اور قرض دینے والے مطالبہ کرتے ہوں کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر حجر کیا جائے تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو حجر نہیں کروں گا۔

وجہ حدیث اور دلیل عقلی پہلے گزر چکی ہے۔

[۱۰۸۲](۳۱) اگر مفلس کے پاس کچھ مال ہو تو حاکم اس میں تصرف نہیں کرے گا لیکن اس کو ہمیشہ کے لئے قید کرے گا یہاں تک کہ اس کو دین کے لئے بیچ دے۔

تشریح مفلس کے پاس مال ہو تو حاکم اس کو نہیں بیچے گا بلکہ خود مفلس اس کو بیچے گا۔ ہاں مفلس کو اس وقت تک قید رکھے گا جب تک کہ وہ مال بیچ کر دین ادا نہ کر دے۔

وجہ (۱) حاکم اس لئے نہیں بیچے گا کہ مفلس پر ایک قسم کا حجر نہ ہو جائے۔ چونکہ حاکم کے بیچنے سے مفلس پر ایک قسم کا حجر ہوگا اس لئے حاکم نہیں بیچے گا بلکہ مفلس خود بیچے گا (۲) بیع ہوتی ہے دونوں کی رضامندی سے اور حاکم بیچے گا تو مفلس کی رضامندی نہیں ہوگی حالانکہ مفلس کا مال ہے حاکم کا مال نہیں ہے اس لئے حاکم نہیں بیچے گا۔ لیکن قرض دینے والے کا قرض بھی ادا ہو جائے اس لئے انتظام کیا جائے گا کہ مفلس کو قید کیا جائے گا تاکہ وہ مجبور ہو کر مال بیچے اور قرض ادا کرے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عمر بن شرید عن ابیه قال قال رسول الله

حاشیہ : (الف) آپؐ نے یوں فرمایا اگر آپ بیع چھوڑنے والے نہیں ہیں تو یوں کہو سن لو دھوکہ نہ ہو۔

فی دینہ [۱۰۸۳] (۳۲) وان کان لہ دراھم ودینہ دراھم قضاہ القاضی بغیر امرہ [۱۰۸۴] (۳۳) وان کان دینہ دراھم ولہ دنانیر او علی ضد ذلک باعھا القاضی فی دینہ

ﷺ لی الواجد یحل عرضہ وعقوبتہ قال سفیان یعنی عرضہ ان یقول ظلمنی فی حقی و عقوبتہ یسجن (الف) (سنن للبیہقی، باب حبس من علیہ الدین اذا لم یظہر مالہ وما علی الغنی فی المطل، ج سادس، ص ۸۵، نمبر ۱۱۲۷۹ ربخاری شریف، باب لصاحب الحق مقال ص ۳۲۳ نمبر ۲۴۰۱ کتاب الاستقراض) اس حدیث میں ہے کہ کوئی ٹال مٹول کرے تو اس کی سزا یہ ہے اس کی عزت حلال ہے۔ یعنی کہہ سکتا ہے کہ فلاں نے مجھ پر ظلم کیا اور وہ سزا کا مستحق ہے۔ یعنی اس کو قید میں ڈالا جا سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ٹال مٹول کرنے والے کو قید میں ڈالا جا سکتا ہے۔

[۱۰۸۳] (۳۲) اگر مفلس کے پاس دراہم ہوں اور اس کا دین بھی دراہم ہوں تو مفلس کے بغیر حکم کے اس کو ادا کرے گا۔

تشریح مفلس پر کسی کا قرض دراہم ہوں اور اس کے پاس بھی دراہم ہوں تو قاضی مفلس سے اجازت لئے بغیر قرض والے کا قرض ادا کریگا۔

وجہ دائن کا جو حق ہے وہی مفلس کے پاس موجود ہے اس لئے دائن مفلس کی رضامندی کے بغیر بھی لے سکتا ہے تو قاضی کو تو زیادہ اختیار ہوتا ہے اس لئے وہ بدرجہ اولی اس کے حکم کے بغیر قرض کو ادا کر سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ انہ سمع ابا ھریرۃ یقول قال رسول اللہ او قال سمعت رسول اللہ من ادرک مالہ بعینہ عند رجل او انسان قد افلس فھو احق بہ من غیرہ (ب) (بخاری شریف، باب اذا وجد مالہ عند مفلس فی البیع والقرض والودیعۃ فھو احق بہ، ص ۳۲۳، نمبر ۲۴۰۲، کتاب الاستقراض) اس حدیث میں ہے کہ مفلس کے پاس اپنا مال پائے تو مال والا زیادہ حقدار ہے اور درہم قرض دینے والے کا درہم موجود ہے اس لئے وہ لے لیگا۔ کیونکہ درہم اور دنانیر متعین نہیں ہوتے۔ اس لئے قاضی بھی بغیر مفلس کی رضامندی کے دائن کو دے دیگا۔

[۱۰۸۴] (۳۳) اور اگر اس کا دین دراہم ہوں اور مفلس کے پاس دینار ہوں یا اس کے خلاف تو قاضی اس کے دین میں بیچے گا۔

تشریح مفلس کے پاس دینار ہیں اور اس کے اوپر دین دراہم ہیں یا اس کا الٹا ہے یعنی مفلس کے پاس دراہم ہیں اور اس کے اوپر دین دینار ہیں تو قاضی اس کو بیچے گا اور اس کا دین ادا کرے گا۔

وجہ دینار ہوں یا دراہم دونوں ثمن ہیں تو گویا کہ دونوں ایک ہی جنس ہیں اس لئے دائن کا جس جنس میں حق ہے گویا کہ وہی جنس مقروض کے پاس پائی اس لئے وہ لے سکتا ہے۔ اور قاضی کو اختیار زیادہ ہوتا ہے اس لئے بدرجہ اولی دینار کو درہم کے قرض میں یا درہم کو دینار کے قرض میں بیچ سکتا ہے۔ مدیون کے مال بیچنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن کعب بن مالک ... فدعاہ النبی ﷺ فلم یبرح من ان باع مالہ وقسمہ بین غرمائہ قال فقام معاذ ولا مال لہ (ج) (سنن للبیہقی، باب الحجر علی المفلس وبیع مالہ فی دیونہ، ج سادس،

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مال پانے والے کے ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے حلال ہے اس کی عزت اور اس کو سزا دینا۔ حضرت سفیان نے فرمایا کہ عزت حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کہے مجھ پر میرے حق کے بارے میں ظلم کیا اور سزا کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے کسی آدمی کے پاس بعینہ مال پایا اور مفلس ہو گیا ہے تو وہ دوسروں سے زیادہ حقدار ہے (ج) آپؐ نے نہیں چھوڑا یہاں تک کہ حضرت معاذ کے مال کو بیچا اور اس کو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۰۸۵] (۳۴) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله اذا طلب غرماء المفلس الحجر علیه حجر القاضی علیه ومنعه من البیع والتصرف والاقرار حتی لا یضر بالغرماء[۱۰۸۶] (۳۵) وباع ماله ان امتنع المفلس من بیعه وقسمه بین غرماءه

ص۸۰، نمبر ۱۱۲۶۲) اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت معاذؓ کا مال بیچا اور قرضخواہوں کے درمیان تقسیم کیا۔

[۱۰۸۵] (۳۴) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا اگر مفلس کے قرض خواہ اس پر حجر کرنے کا مطالبہ کریں تو قاضی اس پر حجر کریں گے۔ اور اس کو بیع کرنے، تصرف کرنے اور اقرار کرنے سے روک دیں گے تا کہ قرضخواہوں کو نقصان نہ ہو۔

تشریح مفلس پر قرض ہو اور اس کو قرض دینے والے قاضی سے مطالبہ کریں کہ اس کو حجر کر دیں تو قاضی اس کو حجر کر دے گا۔ اور بیع کرنے، تصرف کرنے اور اقرار کرنے سے روک دیگا۔ تا کہ قرضخواہوں کا نقصان نہ ہو۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے قرضخواہوں کی وجہ سے حضرت معاذ بن جبل پر حجر فرمایا تھا۔ عن کعب بن مالک ان رسول الله ﷺ حجر علی معاذ ماله وباعه فی دین کان علیه (الف) (دار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام ج رابع ص ۱۴۸ نمبر ۴۵۰۵ ر سنن للبیہقی، باب الحجر علی المفلس وبیع ماله فی دیونه، ج سادس، ص ۸۰، نمبر ۱۱۲۶۰) اس حدیث میں لوگوں کے دین اور اس کے مطالبے کی وجہ سے حضرت معاذ بن جبل کو آپؐ نے حجر کیا ہے۔ اس لئے صاحبین کی رائے ہے کہ دائن مطالبہ کرے تو مدیون پر حجر کیا جائے گا۔ تا کہ دائن کا نقصان نہ ہو۔

[۱۰۸۶] (۳۵) اور اس کے مال کو بیچے گا اگر مفلس بیچنے سے رک جائے اور قرضخواہوں کے درمیان حصے کے مطابق تقسیم کرے گا۔

تشریح اگر مفلس بیچ کر قرضخواہوں کے قرضوں کو ادا نہیں کرتا تو قاضی اس کے مال کو بیچ کر قرضخواہوں کے قرضوں کو ادا کرے گا۔ اور تمام کو اس کے حصے کے مطابق دے گا۔ مثلا کل قرض دو ہزار تھے۔ زید کا ایک ہزار، عمر کا پانچ سو اور بکر کا ڈھائی سو اور خالد کا ڈھائی سو۔ اور مفلس کے پاس ایک ہزار پونڈ نکلے تو ہر ایک کو اس کے قرض کے آدھے ملیں گے۔ مثلا زید کا ایک ہزار قرض تھا تو اس کو پانچ سو ملیں گے۔ عمر کا پانچ سو تھا تو اس کو ڈھائی سو ملیں گے، بکر کا ڈھائی سو قرض تھا تو اس کو سوا سو ملیں گے۔ اور خالد کا ڈھائی سو تھا تو اس کو بھی سوا سو پونڈ قرض واپس ملیں گے۔ یہ ہر ایک کو حصے کے اعتبار سے ملیں گے تا کہ ہر ایک کو مناسب حق مل جائے اور کسی کو شکوہ نہ رہے۔ قاضی مدیوں کے مال کو بیچے گا اس کی دلیل اوپر گزری۔ فدعاه النبی ﷺ فلم یبرح من ان باع ماله وقسمه بین غرمائه قال فقام معاذ ولا مال له (ب) (سنن للبیہقی، باب الحجر علی المفلس وبیع ماله فی دیونه، ج سادس، ص ۸۰، نمبر ۱۱۲۶۲) بخاری میں بھی دین کی وجہ سے مدبر غلام بیچ کر دین ادا کرنے کا تذکرہ ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال اعتق رجل غلاما له عن دبر فقال النبی ﷺ من یشتریه منی فاشتراه نعیم بن عبد الله

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) قرضخواہوں کے درمیان تقسیم کر دیا تو حضرت معاذ بغیر مال کے باقی رہ گئے (الف) حضورؐ نے حضرت معاذ پر ان کے مال کے بارے میں حجر کیا اور اس کو اس کے دین کے بدلے بیچا (ب) حضورؐ نے حضرت معاذ کو بلایا پس کچھ دیر کے بعد ہی ان کے مال کو بیچا اور ان کے قرضخواہوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بغیر مال کے رہ گئے

بالحصص[۱۰۸۷] (۳۶) فان اقر فی حال الحجر باقرار مال لزمه ذلک بعد قضاء الدیون [۱۰۸۸] (۳۷) وینفق علی المفلس من ماله وعلی زوجته واولاده الصغار وذوی الارحام[۱۰۸۹] (۳۸) وان لم یعرف للمفلس مال وطلب غرماءہ حبسه وهو یقول لا

فاخذ ثمنه فدفعه الیه (الف) بخاری شریف، باب من باع مال المفلس اوالمعدم فقسمه بین الغرماء اواعطاه حتی ینفق علی نفسه ص ۳۲۳ نمبر ۲۴۰۳) اس حدیث میں بھی دائن کی وجہ سے مدیون کے مدبر غلام کو بیچ کر مدیون کے قرض ادا کرنے کا تذکرہ ہے۔ اس لئے اس کے مال کو بیچ کر دائن کا قرض ادا کیا جائے گا۔

[۱۰۸۷] (۳۶) پس اگر مفلس نے حجر کی حالت میں کسی کے مال کا اقرار کیا تو اس کو یہ لازم ہوگا دین کی ادائیگی کے بعد۔

تشریح مفلس پر قاضی نے حجر کیا تھا اس دوران کسی کے لئے اپنے اوپر قرض کا اقرار کیا تو یہ اقرار مانا جائے گا۔ لیکن اس کی ادائیگی پہلے تمام دیون کی ادائیگی کے بعد کی جائے گی۔

وجہ پہلے والوں کا حق مقدم ہے اور ثابت ہے اس لئے پہلے والوں کو پہلے ادا کیا جائے گا۔ رقم بچے گی تو بعد میں بعد والوں کو ادا کریں گے۔

[۱۰۸۸] (۳۷) اور خرچ کیا جائے گا مفلس پر اس کے مال سے اور اس کی بیوی پر اور اس کی چھوٹی اولاد پر اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ داروں پر۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ مفلس کی حاجت اصلیہ کو مقدم رکھا جائے گا۔ اور مفلس کی ذات پر خرچ کرنا حاجت اصلیہ ہے۔ اسی طرح اس کی بیوی، چھوٹی اولاد اور وہ ذی رحم محرم رشتہ دار جن کا نفقہ مفلس پر واجب ہے ان سب پر مفلس کے مال سے خرچ کیا جائے گا۔ اور اس سے بچے گا تب اس کا دین ادا کیا جائے گا۔

اصول مفلس کی حاجت اصلیہ مقدم رکھی جائے گی۔

[۱۰۸۹] (۳۸) اور اگر نہ پتہ چلتا ہو مفلس کے پاس مال کا اور مطالبہ کرے اس کے قرضخواہ اس کو قید کرنے کا اور مفلس کہتا ہو میرے پاس مال نہیں ہے تو حاکم اس کو قید کرے گا ہر اس دین میں جس کو لازم کیا ہو مال کے بدلے میں جو حاصل ہوا ہو اس کے ہاتھ میں جیسے مبیع کا ثمن اور قرض کا بدلہ۔

تشریح انسان پر کوئی قرض آتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس قرض کے بدلے میں کوئی مال ہاتھ آیا ہو جیسے ثمن کا قرض سر پر آیا ہو تو اس کے بدلے مبیع ہاتھ میں آتی ہے جو مال ہے۔ یا مہر کا قرض سر پر آیا ہو تو اس کے بدلے میں بضع ہاتھ میں آتا ہے جو من وجہ مال شمار کیا جاتا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ قرض سر پر آیا ہو لیکن ہاتھ میں کوئی مال نہیں آیا جیسے جنایت کا بدلہ کہ کسی کا نقصان کر دیا اور اس کے بدلے میں مال دینا پڑا اور قرض سر پر آیا تو اس قرض کے بدلے میں ہاتھ میں کوئی مال نہیں آتا ہے۔ نقصان کرنے کی وجہ سے قرض لازم آتا ہے۔

حاشیہ : (الف) فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو مدبر بنایا تو حضورؐ نے فرمایا مجھ سے اس غلام کو کون خریدے گا تو اس کو نعیم بن عبد اللہ نے خریدا۔ پس اس کی قیمت لی اور اس کو دے دیا۔

مال لی حبسه الحاکم فی کل دین لزمه بدلا عن مال حصل فی یده کثمن المبیع وبدل القرض[۱۰۹۰] (۳۹) وفی کل دین التزمه بعقد کالمهر والکفالة[۱۰۹۱] (۴۰) ولم یحبسه الحاکم فیما سوی ذلک کعوض المغصوب وارش الجنایات الا ان تقوم البینة

جس قرض لازم ہونے میں مال ہاتھ آتا ہو جیسے مبیع کا ثمن اس صورت میں مفلس کہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے اور دائن اس کو قید کروانا چاہتا ہو تو حاکم قید کرے گا۔

وجہ مفلس کے ہاتھ میں مبیع آنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے۔ کوئی اور مال نہیں ہے تو کم از کم مبیع تو ہے اسی کو بیچ کر دین ادا کرے یا قید میں جائے۔ اسی طرح شادی پر اقدام کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے ورنہ مہر کا اقرار کیسے کیا، اس لئے قید کیا جائے گا۔

اصول مبیع وغیرہ ہاتھ میں آنا دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے اس لئے قید کیا جائے گا۔ قید کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی مجلز ان غلامین من جهینة کان بینهما غلام فاعتق احدهما نصیبه فحبسه رسول الله ﷺ حتی باع فیه غنیمة له (الف) (سنن للبیهقی، باب الحجر علی المفلس وبیع ماله فی دیونه، ج سادس، ص ۸۱، نمبر ۱۱۲۶۳) اس حدیث میں ہے کہ غلام آزاد کرنے پر آپؐ نے اس لڑکے کو قید کیا یہاں تک کہ اس کی بکریاں بیچ گئی۔

اور جن قرض میں مال ہاتھ نہ آتا ہو جیسے جنایت کا تاوان، اور مفلس کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے اور مال کا پتہ بھی نہیں لگ رہا ہے تو اس میں مفلس قید نہیں کیا جائے گا۔

وجہ قرض کے بدلے میں کوئی چیز ہاتھ میں نہیں آتی ہے اس لئے مفلس کے پاس مال ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لئے اس کو حاکم قید نہیں کرے گا۔

[۱۰۹۰] (۳۹) اور ہر وہ دین جس کو عقد کے ذریعہ لازم کیا ہو جیسے مہر اور کفالۃ۔

تشریح شادی کے مہر کا قرض اس کے سر پر آیا تو ایک عقد کی وجہ سے سر پر آیا۔ اسی طرح کسی آدمی کا کفیل بنا کہ وہ رقم ادا نہیں کرے گا تو میں ادا کروں گا تو اس عقد کفالہ کی وجہ سے سر پر قرض آیا اور مفلس کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے پھر بھی حاکم اس کو قید کرے گا۔

وجہ کیونکہ ایسے عقد پر اقدام کرنا جس کی وجہ سے سر پر قرض آتا ہو اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے۔

[۱۰۹۱] (۴۰) اس کے علاوہ میں نہیں قید کرے گا حاکم جیسے غصب کا بدلہ اور جنایت کا تاوان مگر یہ کہ بینہ قائم کرے کہ اس کے پاس مال ہے۔

تشریح جن قرضوں کے بدلے ہاتھ میں مال نہ آتا ہو اور عقد کے ذریعہ قرض لازم ہوا تو اس میں مفلس یہ کہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے تو حاکم اس کو قید نہیں کرے گا۔ ہاں قرضخواہ شہادت پیش کر دے کہ اس کے پاس مال ہے تو حاکم اس کو قید کرے گا۔

حاشیہ : (الف) قبیلہ جہینہ کے دو لڑکے ان کے درمیان ایک غلام تھا۔ پس ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو حضورؐ نے اس کو حبس کیا یہاں تک کہ اس میں اس کے مال غنیمت کو بیچا۔

بان له مالا[۱۰۹۲](۴۱) ویحبسه الحاکم شهرین او ثلثة اشهر سأل عن حاله فان لم ینکشف له مال خلی سبیله[۱۰۹۳] (۴۲) و کذلک اذا قام البینة علی انه لا مال له.

وجه کیونکہ عقد کے ذریعہ یا قرض کے بدلے اس کے ہاتھ میں کوئی مال نہیں آیا اس لئے اس کے ہاتھ میں مال ہونے کی کوئی ظاہری دلیل نہیں ہے۔اس لئے حاکم اس کو قید نہیں کرے گا۔جب تک کہ بینہ نہ پیش ہو جائے کہ اس کے پاس مال ہے۔

لغت ارش : تاوان۔

[۱۰۹۲](۴۱) حاکم اس کو قید کرے گا دو مہینے یا تین مہینے تک اور اس کے حالات کے بارے میں پوچھے گا۔پس اگر مال ظاہر نہ ہو تو اس کو رہا کر دے گا۔

تشریح حاکم مفلس کو دو ماہ یا تین ماہ تک قید کرے گا۔اور اس درمیان اس کے حالات معلوم کرتے رہیں گے۔پس اگر پتہ چل جائے کہ اس کے پاس واقعی مال نہیں ہے تو اس کو قید سے رہا کر دیں گے۔

وجہ قید کرنا اس لئے تھا کہ اس کے مال کی تحقیق کی جائے سزا دینے کے لئے نہیں تھا۔اب تحقیق ہوگئی کہ مال نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دے تاکہ اس کے کھانے پینے کا بوجھ امت پر نہ پڑے (۲) حدیث میں ہے کہ مال نہ ہونے پر مدیون کو رہا کر دیا۔عن ابی سعید الخدری قال اصیب رجل فی عهد رسول الله ﷺ فی ثمار ابتاعها فکثر دینه فقال رسول الله تصدقوا علیه فتصدق الناس علیه فلم یبلغ ذلک وفاء دینه فقال رسول الله لغرمائه خذوا ما وجدتم و لیس لکم الا ذلک (الف) (مسلم شریف، باب استحباب الوضع من الدین ص ۱۶ نمبر ۱۵۵۶ کتاب المساقات والمزارعۃ) اس حدیث میں ہے کہ دین ادا کرنے کے بعد مال ختم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کو رہا کر دو۔

نوٹ دو ماہ اور تین ماہ کی قید تحقیق حال کے لئے ہے۔اگر اس سے کم میں بھی تحقیق ہوگئی کہ اس کے پاس واقعی مال نہیں ہے تو رہا کر دیا جائے گا۔

لغت خلی سبیلہ : اس کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا، رہا کر دیا جائے گا۔

[۱۰۹۳](۴۲) ایسے ہی اگر قائم کر دیا بینہ اس بات پر کہ اس کے پاس مال نہیں ہے۔

تشریح دو ماہ سے پہلے ہی مفلس نے شہادت قائم کر دی کہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو اس کو رہا کر دیا جائے گا۔

وجہ قید کرنے کا مقصد مال کی تحقیق تھی اور بینہ پیش کر کے ثابت کر دیا کہ اس کے پاس مال نہیں ہے اس لئے اس کو دو ماہ سے پہلے بھی رہا کر دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) ایک آدمی کو حضورؐ کے زمانے میں پھل میں بیماری لگ گئی جس کو اس نے خریدا تھا۔پس اس پر دین بہت ہو گیا تو آپؐ نے قرضخواہوں سے فرمایا جو تم لوگوں نے پایا وہ لے لو اس کے علاوہ تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔

[۱۰۹۴](۴۳) ولا یحول بینه وبین غرماء ه بعد خروجه من الحبس بل یلازمونه [۱۰۹۵] (۴۴) ولا یمنعونه من التصرف والسفر [۱۰۹۶](۴۵) ویأخذون فضل کسبه فیقسم بینهم بالحصص[۱۰۹۷] (۴۶) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله اذا فلسه

[۱۰۹۴](۴۳)اور نہ حائل ہو مفلس اور اس کے قرضخواہوں کے درمیان قید سے نکلنے کے بعد بلکہ وہ اس کے پیچھے لگے رہیں گے۔

تشریح مفلس کے پاس مال کا پتہ نہیں لگا اس لئے قاضی نے اس کو قید سے رہا کر دیا اب حاکم مفلس اور قرضخواہوں کے درمیان حائل نہ ہوں بلکہ ان کو چھوڑ دیں کہ وہ مفلس کے پیچھے لگے رہیں۔ اور جب مفلس کے ہاتھ میں رقم آئے اس سے اپنا قرض وصول کر لے۔

وجہ قید کرنا مال کی تحقیق کے لئے تھا سزا کے طور پر نہیں تھا اس لئے قرضخواہ کا قرض مفلس پر باقی ہے۔ اس لئے بعد میں بھی مفلس کے پیچھے لگا رہے گا تا کہ اپنا قرض وصول کر سکے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال مطل الغنی ظلم واذا ابتع احدکم علی ملی فلیتبع (الف) (مسلم شریف، باب تحریم مطل الغنی وصحۃ الحوالۃ ص ۱۸ نمبر ۱۵۶۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹال مٹول کرنے والے کے پیچھے لگے تو لگ سکتا ہے (۳) حضرت معاذؓ پر بہت دین ہو گیا تھا تو قرض دینے والے ان کے پیچھے لگے تھے۔ عن جابر بن عبد الله قال کان معاذ بن جبل من احسن الناس وجها واحسنهم خلقا اسمحهم کفافا دان دینا کثیرا فلزمه غرماؤه حتی تغیب عنهم ایاما فی بیته (ب) (سنن للبیہقی، باب لا یواجر الحرفی دین علیہ ولا یلازم اذا لم یوجد لہ شیء، ج سادس، ص ۸۳، نمبر ۱۱۲۷۱) اس اثر میں ہے کہ دین کی وجہ سے قرض خواہ حضرت معاذ کے پیچھے لگے اور وہ کئی دن تک چھپے رہے۔ اس لئے دین وصول کرنے کے لئے قرض خواہ پیچھے لگ سکتا ہے۔

[۱۰۹۵](۴۴) مفلس کو تصرف کرنے سے اور سفر کرنے سے نہیں روکیں گے۔

وجہ بیع وشراء نہیں کرے گا اور سفر نہیں کرے گا تو قرض خواہ کا دین کیسے ادا کرے گا۔ اس لئے مفلس کو بیع وشراء کرنے اور سفر کرنے سے نہیں روکیں گے۔

[۱۰۹۶](۴۵) اور لینگے اس کی کمائی کی بچت اور آپس میں تقسیم کریں گے حصے کے مطابق۔

تشریح مفلس کی حاجت اصلیہ مقدم رہے گی۔ اس میں خرچ کرنے کے بعد جو بچے گا اس کو قرضخواہ لوگ آپس میں اپنے حصے کے مطابق تقسیم کریں گے۔ تقسیم کرنے کا طریقہ پہلے گزر چکا ہے۔

[۱۰۹۷](۴۶) امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا اگر حاکم نے اس کو مفلس قرار دیدیا تو حاکم اس کے درمیان اور قرض خواہوں کے درمیان حائل ہو گا مگر یہ کہ بینہ قائم کرے کہ اس کو مال حاصل ہو گیا ہے۔

حاشیہ : (ب) آپؐ نے فرمایا مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور جب تم مالدار آدمی طرف حوالے کئے گئے تو اس کے پیچھے لگنا چاہئے (ب) حضرت معاذ اچھے تھے چہرے کے اعتبار سے اور اچھے تھے اخلاق کے اعتبار سے اور سخی تھے ہاتھ کے اعتبار سے۔ اس لئے ان پر بہت سارا قرض ہو گیا۔ پس ان کے پیچھے قرض خواہ پڑے جس کی وجہ سے اپنے گھر میں کئی دنوں تک چھپے رہے۔

الحاکم حال بینه وبین غرماءہ الا ان یقیموا البینة انه قد حصل له مال[۱۰۹۸] (۴۷) ولا یحجر علی الفاسق اذا کان مصلحا لماله والفسق الاصلی والطارئ سواء [۱۰۹۹] (۴۸) ومن افلس وعنده متاع لرجل بعینه ابتاعه منه فصاحب المتاع اسوة للغرماء فیه.

وجہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی کو مفلس قرار دے تو وہ ہمیشہ مفلس نہیں رہتا کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے۔ آج کسی کے پاس مال نہیں ہے تو کل ہو جائے گا اس لئے کسی کو حاکم مفلس قرار دے تو ہمیشہ مفلس باقی نہیں رہتا۔ اس لئے قرضخواہ کو اس کے پیچھے لگنے کی اجازت ہوگی۔ اور صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ کسی کو مفلس قرار دے تو وہ ہمیشہ مفلس شمار ہوتا ہے۔ اور جب وہ مفلس ہے اور اس کے پاس مال نہیں ہے تو قرض خواہوں کو تنگ کرنے کے لئے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس لئے حاکم مفلس اور قرض خواہ کے درمیان حائل ہوگا۔ البتہ اگر شہادت کے ذریعہ ثابت کردے کے اس کے پاس مال ہے تو پھر قرض خواہ کو لینے کی اجازت ہوگی۔

[۱۰۹۸] (۴۷) اور فاسق پر حجر نہیں کیا جائے گا اگر وہ مال کی اصلاح کرنے والا ہو اور فاسق اصلی اور فاسق طاری برابر ہیں۔

تشریح فاسق دینی امور میں فسق کرتا ہے لیکن مال کو صحیح ڈھنگ سے خرچ کرتا ہے اور صحیح ڈھنگ سے کماتا ہے تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ حجر کیا جاتا ہے مال کی اصلاح کے لئے اور مال کی اصلاح کر رہا ہے اس لئے حجر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے (۲) حجاج بن یوسف فاسق تھا لیکن فسق کی وجہ سے اس پر حجر نہیں کیا گیا۔ اس لئے فاسق پر فسق کی وجہ سے حجر نہیں کیا جائے گا اگر مال صحیح ڈھنگ پر خرچ کرتا ہو۔

لغت الطاری : بعد میں طاری ہو۔

[۱۰۹۹] (۴۸) کسی کو مفلس قرار دیا اور اس کے پاس کسی آدمی کا بعینہ سامان موجود ہو جس کو اس نے اس سے خریدا تھا تو سامان والا اس میں دوسرے قرضخواہوں کے برابر ہے۔

تشریح ایک آدمی کو مفلس قرار دیا۔ اس نے اس سے پہلے کسی آدمی سے مثلا بکری خریدی تھی۔ اور بکری والے کو قیمت نہیں دی تھی اور وہ بکری مفلس کے پاس بعینہ موجود ہے۔ تو جس طرح اور قرض خواہوں کو اس کے حصے کے مطابق مال ہونے پر قرض ملے گا اسی طرح بکری والے کو مال ہونے پر حصے کے مطابق بکری کی قیمت ملے گی۔ بکری والا اپنی پوری بکری لیجا نہیں سکتا۔ بلکہ بکری بیچ کر سب کو قرض ادا کیا جائے گا۔

وجہ بکری کی بیع ہونے کے بعد یہ بکری مفلس کی ہوگئی۔ بکری والے کی نہیں رہی۔ البتہ مفلس پر اس کی قیمت واجب ہے جو مفلس پر قرض ہوگی۔ اس لئے جس طرح اور قرض خواہ مال آنے پر اپنے اپنے حصے کے مطابق لیں گے اسی طرح یہ بکری والا بھی اپنا حصہ لے گا۔ مثلا بکری کی قیمت ڈھائی سو پونڈ تھی اور مفلس پر دو ہزار قرض تھا۔ زید کا ایک ہزار، عمر کا پانچ سو اور خالد کا ڈھائی سو قرض تھا اور بکری کی قیمت ڈھائی سو پونڈ تھی۔ اور مفلس کے پاس ایک ہزار پونڈ آئے تو ہر ایک قرض خواہ کو آدھا آدھا قرض ملے گا۔ یعنی زید کو پانچ سو، عمر کو ڈھائی سو، خالد کو سوا سو اور بکری والے کو بھی ڈھائی سو کا آدھا یعنی سوا سو پونڈ ملیں گے۔ اور قرض خواہوں میں شریک ہونگے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ ... فی روایته وایما امرأ ھلک وعنده متاع امرأ بعینه اقتضی منه شیئا او لم یقتض فھو

اسوۃ الغرماء (الف) سنن للبیہقی، باب المشتری یموت مفلسا بالثمن، ج سادس، ص ۷۹ نمبر ۱۱۲۵۶) اس روایت میں ہے کہ بائع اور قرض خواہوں کے ساتھ قرض میں شریک ہوگا۔

اصول مفلس کے قبضے کے بعد چیز مفلس کی ہوگئی۔ مال والے کی نہیں رہی، وہ قرض خواہوں کی طرح قیمت کا حقدار ہوگا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ بکری والے کی بکری بعینہ موجود ہے اس لئے وہ بکری کا زیادہ حقدار ہے اس لئے وہ اپنی پوری بکری مفلس کے پاس لے جائے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سمع ابا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ او قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من ادرك ماله بعينه عند رجل او انسان قد افلس فهو احق به من غيره** (ب) (بخاری شریف، باب اذا وجد مالہ عند مفلس فی البیع والقرض والودیعۃ فھو احق بہ ص ۳۲۳ نمبر ۲۴۰۲ رمسلم شریف، باب من ادرک ما باعہ عند المشتری وقد افلس فلہ الرجوع فیہ ص ۱۷ نمبر ۱۵۵۹) اس حدیث میں ہے کہ اگر مفلس کے پاس اپنا مال بعینہ پائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اس لئے وہ لیگا۔

لغت اسوۃ : برابر کا حصہ دار۔ الغرماء : جمع ہے غریم کی قرض دینے والے، قرضخواہ۔

حاشیہ : (الف) انہیں کی ایک روایت میں ہے کوئی آدمی ہلاک ہو جائے اور اس کے پاس کسی آدمی کا بعینہ سامان موجود ہے اس سے کچھ قیمت وصول کی ہو یا نہ کی ہو تو وہ قرضخواہوں کے برابر ہے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے کسی آدمی کے پاس بعینہ اپنا مال پایا جو مفلس ہو چکا ہو تو وہ اس کے علاوہ سے زیادہ حقدار ہے۔

﴿کتاب الاقرار﴾

[۱۱۰۰](۱) اذا اقر الحر البالغ العاقل بحق لزمه اقراره مجهولا کان ما اقر به او معلوما

﴿ کتاب الاقرار ﴾

ضروری نوٹ اپنے اوپر کسی حد، قصاص یا مال کے اقرار کرنے کو اقرار کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔عن ابی ھریرۃ قال اتی رجل رسول اللہ وھو فی المسجد فناداہ فقال یا رسول اللہ انی زنیت فاعرض عنہ حتی ردد علیہ اربع مرات فلما شھد علی نفسہ اربع شھادات دعاہ النبی ﷺ فقال ابک جنون؟ قال لا قال فھل احصنت؟قال نعم فقال النبی ﷺ اذھبوا بہ فارجموہ (الف) (بخاری شریف، باب لا یرجم المجنون والمجنونۃ ص ۱۰۰۶ نمبر ۶۸۱۵ رمسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ج ثانی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۵) اس حدیث میں حضرت ماعز نے اپنے اوپر زنا کا اقرار کیا پھر ان پر حد زنا جاری کی گئی۔اس سے اقرار کا ثبوت ہوا (۲) اس آیت میں اقرار کا ثبوت ہے۔قال ااقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا (آیت ۸۱ سورۂ آل عمران)

[۱۱۰۰](۱) اگر آزاد بالغ اور عاقل آدمی کسی حق کا اقرار کرے تو وہ اس پر لازم ہو جائے گا۔چاہے جس چیز کا اقرار کیا وہ مجہول ہو یا معلوم۔

تشریح کوئی عاقل، بالغ اور آزاد آدمی اپنے اوپر کسی کے حق کا اقرار کرتا ہے تو وہ حق لازم ہو جائے گا۔اقرار معلوم ہو مثلا یوں کہے کہ مجھ پر فلاں کے بیس پونڈ ہیں یا اقرار مجہول ہو مثلا یوں کہے کہ مجھ پر فلاں کے کچھ پونڈ ہیں۔دونوں صورتوں میں اقرار لازم ہو جائے گا اور اقرار صحیح ہوگا۔

وجہ آزاد کی قید اس لئے لگائی کہ غلام مال کا اقرار کرے تو وہ مال مولی پر لازم ہوگا اور مولی کا نقصان ہوگا۔اس لئے اگر تجارت کی اجازت نہ دی ہو تو غلام اپنے اوپر مال کا اقرار نہیں کر سکتا۔ہاں! اپنے اوپر حد اور قصاص کا اقرار کر سکتا ہے۔کیونکہ اس میں اس کی جان کا نقصان ہے۔اور اس کا یہ ذاتی حق ہے۔بالغ اور عاقل کی قید اس لئے لگائی کہ بچے اور مجنون کی باتوں کا اور اس کے اقرار کا اعتبار نہیں ہے۔پہلے گزر چکا ہے۔عن عائشۃ ان رسول اللہ ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن المبتلی حتی یبرأ وعن الصبی حتی یکبر (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا ص ۲۵۶ نمبر ۴۳۹۸) کہ سونے والے اور مجنون اور بچے سے قلم اٹھا لیا گیا ہے (۲) ضروری نوٹ کی حدیث میں حضورؐ نے حضرت ماعز سے پوچھا ہے ابک جنون؟ کیا آپ کو جنونیت تو نہیں ہے؟ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر جنونیت کی حالت میں اقرار کر رہے ہیں تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔اس سے حد لازم نہیں ہوگی۔مجہول اقرار کا اعتبار اس لئے ہے کہ

حاشیہ : (الف) فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضور کے پاس آیا اس حال میں کہ آپ مسجد میں تھے تو آواز دے کر فرمایا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔پس آپؐ نے اس سے اعراض کر لیا یہاں تک کہ چار مرتبہ لوٹایا۔پس جب اپنی ذات پر چار مرتبہ گواہی دی تو آپؐ نے اس کو بلایا اور پوچھا کیا تم کو جنون ہے؟ کہا نہیں۔آپؐ نے پوچھا کیا تم محصن ہو؟ کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا اس کو لے جاؤ اور رجم کرو (ب) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے۔مجنون سے یہاں تک کہ تندرست ہو جائے اور بچے سے یہاں تک کہ بڑا ہو جائے۔

[۱۱۰۱] (۲) ویقال له بین المجهول فان لم یبین اجبره الحاکم علی البیان [۱۱۰۲] (۳) فان قال لفلان علی شیء لزمه ان یبین ماله قیمة [۱۱۰۳] (۴) والقول فیه قوله مع یمینه

کبھی دوسرے کا نقصان کر دیتا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ کتنا نقصان ہوا لیکن اقرار کرتا ہے کہ جو نقصان ہوا میں ادا کروں گا۔اس لئے مجہول نقصان کا اقرار کرنا جائز ہے۔

[۱۱۰۱] (۲) اور کہا جائے گا اقرار کرنے والے کو کہ مجہول چیز کو بیان کریں۔پس اگر نہیں بیان کرے تو حاکم اس کو بیان کرنے پر مجبور کرے گا۔

وجہ جب اقرار کیا تو دوسرے کا حق اس پر لازم ہو گیا اس لئے حاکم اس کو مجبور کر کے بیان کروائے گا اور حق والے کا حق دلوائے گا (۲) حدیث میں حضرت ماعز اور حضرت غامدیہ نے ڈھکی چھپی بات کہی اور زنا کا اقرار کیا تو آپؐ نے وضاحت طلب کی اور بیان کرنے کے لئے سوال کیا۔**قال جاء ماعزبن مالک الی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ طهرنی ... حتی اذا کانت الرابعة فقال له رسول اللہ ﷺ فیم اطهرک فقال من الزنی** .اسی حدیث کے اگلے ٹکڑے میں ہے. **قال ثم جائته امرأة من غامد من الازد فقالت یا رسول اللہ طهرنی ... قال وما ذاک ؟ قالت انها حبلی من الزنا فقال انت ؟ قال نعم** (الف) (مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی نمبر ۱۶۹۵) اس حدیث میں حضرت ماعز اور حضرت غامدیہ نے فرمایا مجھے پاک کیجئے یا رسول اللہ لیکن کس چیز سے پاک کیجئے یہ نہیں بتلایا یہ مجہول تھا تو آپؐ نے استفسار فرمایا کہ کس چیز سے پاک کروں۔جس سے ظاہر ہوا کہ اقرار میں جہالت ہو تو حاکم بیان طلب کرے گا۔اور کسی کا بندے کا حق اس سے متعلق ہو تو بیان کرنے پر مجبور بھی کرے گا۔

[۱۱۰۲] (۳) اگر کہا فلاں کا مجھ پر کچھ ہے تو اس کو لازم ہے کہ ایسی چیز بیان کرے جس کی کوئی قیمت ہو۔

تشریح کسی نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر کچھ ہے تو لفظ کچھ مجہول ہے اس لئے اس کو بیان کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔لیکن کچھ کا مطلب ہوتا ہے کو یہ قیمتی چیز، اس لئے ایسی چیز کا اقرار کرنا ہوگا جس کی کچھ قیمت ہو۔اور اگر ایسی چیز بیان کی جس کی کوئی قیمت نہیں تو یہ اپنے اقرار سے رجوع کر رہا ہے۔اور اقرار کے بعد رجوع کرنا چاہے تو رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا۔اثر میں ہے۔**عن ابراهیم النخعی ان رجلا اقر عند شریح ثم ذهب ینکر فقال له شریح شهد علیک ابن اخت خالتک** (سنن للبیہقی، باب من یجوز اقرارہ، ج سادس، ص ۱۳۹، نمبر ۱۱۴۵۲) اس اثر میں اقرار کرنے والا آدمی انکار کرنے لگا تو قاضی شریح نے غصے کا اظہار فرمایا اور اس کو رجوع کرنے نہیں دیا۔اس لئے اقرار کے بعد رجوع کرنے نہیں دیا جائے گا تا کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

[۱۱۰۳] (۴) قول اس میں اقرار کرنے والے کے قول کا اعتبار ہے اس کی قسم کے ساتھ اگر مقر لہ اس سے زیادہ کا دعوی کرے۔

تشریح مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے اور اقرار کرنے والا مثلا دس پونڈ کا اقرار کرتا ہے اور مدعی یعنی مقر لہ کہتا ہے کہ پندرہ پونڈ ہیں تو مقر کی بات قسم

حاشیہ : (الف) فرمایا حضرت ماعز حضور کے پاس آئے اور فرمایا مجھے پاک کیجئے یا رسول اللہ... یہاں تک کہ جب چوتھی مرتبہ ہوا تو حضور نے اس سے پوچھا کس چیز سے پاک کروں تو فرمایا زنا سے۔اگلے ٹکڑے کا ترجمہ : حضور کے پاس قبیلہ غامدیہ کی ایک عورت آئی اور فرمایا! اے اللہ کے رسول مجھے پاک کیجئے۔آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہنے لگی میں زنا سے حاملہ ہوں۔آپؐ نے پوچھا تم؟ کہا ہاں!۔

ان ادعى المقر له اكثر منه [۱۱۰۴] (۵) واذا قال له عليَّ مال فالمرجع فی بيانه اليه ويقبل قوله فی القليل والكثير [۱۱۰۵] (۶) فان قال له عليَّ مال عظيم لم يصدق فی اقل من مائتی درهم [۱۱۰۶] (۷) وان قال له علی دراهم كثيرة لم يصدق فی اقل من عشرة

کے ساتھ مانی جائے گی۔

وجہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ اور منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔ اور مقر یہاں منکر ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی اور دس پونڈ کا فیصلہ کیا جائے گا (۲) حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قضی بالیمین علی المدعی علیہ (الف) (مسلم شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ج ثانی ص ۷۴ نمبر ۱۷۱۱ کتاب الاقضیۃ / بخاری شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود ص ۳۶۶ نمبر ۲۶۶۸ کتاب الشہادۃ) (۳) اور دار قطنی میں ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر الا فی القسامۃ (ب) (دار قطنی، کتاب الاقضیۃ والاحکام ج رابع ص ۱۳۹ نمبر ۴۴۶۱) ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مدعی پر بینہ ہے اور مدعی علیہ اور منکر پر قسم ہے اور قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔

[۱۱۰۴] (۵) اگر کہا اس کا میرے اوپر مال ہے تو رجوع کیا جائے گا اس کے بیان میں اس کی طرف اور قبول کیا جائے گا اس کے قول کو تھوڑے اور زیادہ میں۔

تشریح مقر کہتا ہے فلاں کا میرے اوپر مال ہے تو کتنا مال ہے اس بارے میں مقر سے ہی استفسار کیا جائے گا اور کم زیادہ جتنا کہے اسی کی بات مان لی جائے گی۔ البتہ ایک درہم سے کم میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ ایک درہم سے کم کو مال نہیں کہتے ہیں۔

وجہ چونکہ مقر لہ جسکے لئے اقرار کیا ہے اس کے پاس اس کے خلاف کوئی بینہ نہیں ہے اس لئے مقر کی قسم کے ساتھ جتنا کہتا ہے اسی کی بات ماننی پڑے گی۔

[۱۱۰۵] (۶) پس اگر کہا میرے اوپر فلاں کا مال عظیم ہے تو دو سو درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

وجہ شریعت میں دو سو درہم یا بیس دینار کو مال عظیم کہتے ہیں۔ اسی لئے دو سو درہم یا بیس دینار پر زکوۃ واجب ہے۔ اس لئے مال کے ساتھ عظیم کی صفت بڑھائی ہے تو دو سو درہم سے کم میں اقرار مقبول نہیں ہے۔ اتنا یا اس سے زیادہ اقرار کرنا ہوگا۔

نوٹ آگے کے مسائل الفاظ اور اس کے محاورات پر متفرع ہیں۔ حدیث کے دلائل ضروری نہیں ہیں۔

[۱۱۰۶] (۷) اور اگر کہا فلاں کا میرے اوپر بہت سارے دراہم ہیں تو دس درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

وجہ ایک تو دراہم جمع کا صیغہ بولا ہے۔ پھر دراہم کے ساتھ کثیرۃ کی صفت ہے تو عربی گنتی میں دراہم جمع کا صیغہ دس تک بولا جاتا ہے۔ کہتے ہیں عشرۃ دراھم، اور اس کے بعد گیارہ سے واحد کا صیغہ آجاتا ہے۔ کہتے ہیں احد عشر درھما، تو احد عشر میں درھما واحد کا صیغہ

حاشیہ : (الف) آپ نے مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ فرمایا (ب) آپ نے فرمایا گواہ اس پر ہے جس نے دعوی کیا اور قسم اس پر ہے جس نے انکار کیا مگر قسامت میں۔

دراهم[۱۱۰۷] (۸) فان قال له علی دراهم فهی ثلثة الا ان یبین اکثر منها[۱۱۰۸] (۹) وان قال له علی کذا کذا درهما لم یصدق فی اقل من احد عشر درهما[۱۱۰۹] (۱۰) وان قال کذا و کذا درهما لم یصدق فی اقل من احدوعشرین درهما[۱۱۱۰] (۱۱) وان

آ گیا۔اس لئے دراہم جمع کا صیغہ آخری دس تک ہے اس لئے دراہم کثیرۃ بولا تو دس درہم کا اقرار کرنا ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ دراھم کثیرۃ سے کثرت اموال مراد ہے اور وہ شریعت کی نگاہ میں مال نصاب ہے اس لئے دوسو درہم کا اقرار ضروری ہے۔

[۱۱۰۷] (۸) پس اگر کہا فلاں کے مجھ پر دراہم ہیں تو وہ تین درہم ہوں گے۔مگر یہ کہ اس سے زیادہ بیان کردے۔

تشریح کوئی یوں اقرار کرتا ہے کہ مجھ پر فلاں کے دراہم ہیں۔جمع کا صیغہ بولتا ہے لیکن اس کے بعد کثیرۃ کا اضافہ نہیں کرتا ہے تو اس پر تین درہم لازم ہوں گے وجہ دراہم جمع کا صیغہ ہے اور عربی میں جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہے اس لئے تین کا اقرار کرنا ہوگا۔اور اگر اس سے زیادہ کا اقرار کرے تو اس کی مرضی ہے۔کیونکہ جمع کا صیغہ زیادہ پر بھی شامل ہے۔

[۱۱۰۸] (۹) اگر کہا فلاں کے مجھ پر اتنے اتنے درہم ہیں تو نہیں تصدیق کی جائے گی گیارہ سے کم میں۔

وجہ اتنے اتنے دومرتبہ بولا ہے تو عدد میں دو مرتبہ کی عدد گیارہ میں آتی ہے۔اور درمیان میں حرف عطف واو بھی نہیں ہے تو یہ شکل گیارہ میں ہوتی ہے۔کہتے ہیں احد عشر درهما۔اس میں دو عدد ہیں ایک احد اور عشر اور درمیان میں واو بھی نہیں ہے۔اس لئے گیارہ سے کم درہموں میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

[۱۱۰۹] (۱۰) اور اگر کہا اتنے اور اتنے درہم ہیں تو نہیں تصدیق کی جائے گی اکیس درہم سے کم میں۔

وجہ عربی عدد بولنے میں اکیس کے عدد میں دو عدد آتی ہیں اور دونوں کے بیچ میں حرف واو آتا ہے۔کہتے ہیں احد و عشرون درهما، اس لئے جب کذا و کذا کہا تو اکیس درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔ہاں اس سے زیادہ کا اقرار کرے تو جائز ہے۔کیونکہ وہ بھی کذا و کذا میں شامل ہے۔

[۱۱۱۰] (۱۱) اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر یا میری طرف ہے تو یہ دین کا اقرار ہے۔

وجہ عربی میں علی کا لفظ اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے آتا ہے۔اس لئے اگر یوں کہا کہ میرے اوپر ہے تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس پر فلان کا قرض ہے۔اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن سرق قال کان لرجل مال علیّ او قال علی دین (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۱ نمبر ۳۰۰۶) اس اثر میں مال علیّ سے اپنے اوپر دین لازم کرنے کا اقرار ہے اس لئے کسی نے علیّ کہا تو دین کا اقرار سمجھا جائے گا۔اور قِبَلِی میری طرف سے بھی دین کا اقرار ہوگا۔کیونکہ یہ بھی اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے آتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت سرق نے فرمایا کہ میرے اوپر ایک آدمی کا قرض تھا یا یوں فرمایا کہ مجھ پر دین تھا۔

قال له علی او قبلی فقد اقر بدین[۱۱۱۱] (۱۲) وان قال له عندی او معی فهو اقرار باما نته فی یده[۱۱۱۲] (۱۳) وان قال له رجل لی علیک الف درهم فقال اتزنها او انتقدها او اجلنی بها او قد قضیتکها فهو اقرار[۱۱۱۳] (۱۴) ومن اقر بدین مؤجل فصدقه المقر

نوٹ قِبَلِیْ امانت کے طور پر مال رکھنے کے لئے بھی آتا ہے مگر وہ معنی دوسرے درجے میں ہے اس لئے پہلے معنی یعنی دین کا اقرار لیا جائے گا۔

[۱۱۱۱] (۱۲) اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے پاس ہے یا میرے ساتھ ہے تو یہ اس کے ہاتھ میں امانت کا اقرار ہے۔

وجہ لفظ مَعِیْ اور عِنْدِیْ الزام کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ امانت ہونے کی خبر دیتے ہیں اس لئے اگر کسی نے کہا میرے پاس ہے یا میرے ساتھ ہے تو امانت پر رکھنے کا اقرار ہوگا، قرض کا اقرار نہیں ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ چیز بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو مقر پر اس کا تاوان لازم نہیں ہوگا۔

[۱۱۱۲] (۱۳) اگر کسی آدمی نے اس سے کہا کہ میرے تم پر ہزار درہم ہیں۔ پس اس نے کہا اس کو وزن کر لو یا اس کو پرکھ لو یا مجھ کو مہلت دے دو یا میں نے اس کو ادا کر دیا ہے تو یہ دین کا اقرار ہے۔

تشریح مثلا زید نے عمر سے کہا کہ میرے تم پر ہزار درہم ہیں۔ عمر اس کا انکار نہیں کرتا بلکہ جواب میں ایسے جملے استعمال کرتا ہے جن سے اشارہ ہوتا ہے کہ آپ کا دین مجھ پر ہے۔ البتہ کچھ معذرت چاہتا ہے تو اس سے سمجھا جائے گا کہ عمر دین کا اقرار کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے عمر پر ایک ہزار درہم لازم ہو جائیں گے۔ مثلا زید نے عمر سے کہا کہ میرے آپ پر ایک ہزار ہیں۔ عمر نے جواب میں کہا اس کو وزن کر لو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہزار دین ہیں۔ البتہ اس دین کو وزن کر لیں تو ایک ہزار دین کا اقرار ہوا۔ اور اگر اقرار نہ کرنا ہوتا تو صراحۃ جواب دے دیتا کہ مجھ پر اس کے کوئی درہم نہیں ہے۔ یا جواب میں کہا اس ہزار کو پرکھ لو۔ یہ لفظ بھی دلیل ہے کہ ہاں مجھ پر ہزار درہم دین ہیں، وہ لیں اور پرکھ لیں کہ کھرے ہیں یا کھوٹے؟ تو اس لفظ سے بھی ہزار کے دین ہونے کا اقرار ہوا۔ یا کہا کہ مجھ کو اس ہزار کے بارے میں مہلت دیں تو اس کا مطلب بھی یہی ہوا کہ ہزار مجھ پر دین ہیں۔ البتہ ان کو ادا کرنے کے لئے مہلت چاہئے۔ یا یوں کہا کہ میں نے ہزار ادا کر دیئے ہیں تو اس میں اس کا پتہ چلا کہ ہزار درہم دین تو تھے البتہ ان کو ادا کر دیا ہے۔ اس لئے دین کا اقرار ہوا اور ادا کرنے پر کوئی بینہ نہیں ہے اس لئے ادا کرنا نہیں مانا جائے گا۔ دین کا اقرار مانا جائے گا۔

وجہ ان چاروں جوابوں میں ھا کا لفظ استعمال کیا جس کا مرجع وہی ہزار ہے۔ اس لئے ہزار کا اقرار ہوگا۔

اصول کوئی کسی پر دین کا الزام رکھے اور مقر جواب میں ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے دین کے اقرار کا اشارہ ملتا ہو تو دین لازم ہو جائیگا۔

[۱۱۱۳] (۱۴) کسی نے اقرار کیا دین مؤجل کا پس مقر لہ نے اس کی تصدیق کی دین میں اور اس کی تکذیب کی تاخیر میں تو مقر کو دین فی الحال

لـه فـي الدين و كذبه في التاجيل لزمه الدين حالا ويستحلف المقر له في الاجل[۱۱۱۴]

(۱۵) ومن اقر بدين و اسثنى شيئا متصلا باقراره صح الاستثناء ولزمه الباقي وسواء استثنى

لازم ہوگا اور مقرلہ سے قسم لی جائے گی تاخیر کے بارے میں۔

تشریح مثلا زید نے عمر کے لئے اقرار کیا کہ مجھ پر آپ کے ایک ہزار درہم قرض ہیں۔ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ایک مہینے کی تاخیر کے ساتھ ہے۔عمر نے تصدیق کی کہ ایک ہزار درہم قرض ہیں لیکن تاخیر کی تکذیب کی اور کہا کہ وہ دین تو فوری ادا کرنے کی شرط کے ساتھ ہے تاخیر کے ساتھ نہیں ہے۔تو زید پر فوری قرض ادا کرنا لازم ہوگا۔تاخیر قابل قبول نہیں ہوگی۔البتہ عمر مقرلہ تاخیر کا انکار کرتا ہے اس لئے اس پر اس انکار کے سلسلے میں قسم لازم ہوگی۔

وجہ زید دو باتوں کا اقرار کر رہا ہے۔ایک دین کا اور دوسرا تاخیر کا۔عمر نے دین کی تصدیق کی اس لئے وہ لازم ہو گیا اور تاخیر کا انکار کیا اس لئے وہ منکر ہو گیا اور مدعی زید کے پاس تاخیر کے ثبوت کے لئے بینہ نہیں ہے اس لئے منکر عمر پر عدم تاخیر کے لئے قسم لازم ہوگی۔اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ منکر پر قسم ہے۔

لغت التاجیل : تاخیر، تاخیر کے ساتھ مدت دیں۔ یستحلف : قسم لی جائے گی۔

﴿ احکام استثناء ﴾

[۱۱۱۴](۱۵) کسی نے دین کا اقرار کیا اور کسی چیز کا استثناء کیا اپنے اقرار کے ساتھ ہی تو استثناء صحیح ہے۔اور لازم ہوگا اس کو باقی، چاہے کم کا استثناء کرے یا زائد کا۔

تشریح کسی نے کسی کے لئے مثلا سو پونڈ دین کا اقرار کیا لیکن اقرار کے متصل ہی دس پونڈ کا استثناء کیا مثلا یوں کہا کہ عمر کے میرے اوپر سو پونڈ ہیں مگر دس پونڈ تو استثناء کے بعد جو نوے پونڈ باقی بچے وہ لازم ہوں گے۔

وجہ محاورات میں استثناء کر کے بولنے کا رواج ہے۔اس لئے استثناء کر کے بولنا صحیح ہے۔اور استثناء کے بعد جو باقی بچتے ہیں اسی کا اعتبار ہوتا ہے۔مثال مذکور میں سو پونڈ میں دس پونڈ استثناء کر کے باقی نوے پونڈ بچے تھے اس لئے نوے پونڈ کا اقرار مانا گیا۔لیکن شرط یہ ہے کہ اقرار کے ساتھ ہی استثناء کرے تب اس کا اعتبار ہوگا۔اور اگر جملہ پورے ہونے کے بعد استثناء کرے تو یوں سمجھا جائے گا کہ پورے کا اقرار کر کے اب مثلا دس پونڈ سے رجوع کر رہا ہے۔اس لئے منفصل استثناء کا اعتبار نہیں ہے۔حدیث میں استثناء کیا گیا ہے اور متصلا کیا گیا ہے۔عن ابی هريرة رواية قال لله تسعة وتسعون اسما مائة الا واحدا من حفظها دخل الجنة وهو وتر يحب الوتر (الف)(بخاری شریف، باب للہ مائۃ اسم غیر واحدۃ، ص ۹۴۹، نمبر ۶۴۱۰، کتاب الدعوات رمسلم شریف، باب فی اسماء اللہ تعالی وفضل من احصاھا ص ۳۴۲ نمبر ۲۶۷۷/۶۸۱۰ کتاب الذکر والدعاء) اس حدیث میں آپؐ نے سو سے ایک کو متصلا استثناء کیا ہے اور اللہ کے ننانوے نام گنائے ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ متصلا استثناء صحیح ہے۔اور استثناء کے بعد باقی عدد کا اعتبار ہوگا۔

حاشیہ : (الف) ابو ہریرۃ کی روایت ہے، اللہ کے ننانوے نام ہیں سو مگر ایک کم جس نے ان کو یاد کیا جنت میں داخل ہوگا۔اللہ طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے۔

الاقل والاکثر[۱۱۱۵] (۱۶) فان استثنی الجمیع لزمه الاقرار وبطل الاستثناء[۱۱۱۶] (۱۷) وان قال له علی مائة درهم الا دینارا او الا قفیز حنطة لزمه مائة درهم الا قیمة الدینار او القفیز[۱۱۱۷] (۱۸) وان قال له علی مائة و درهم فالمائة کلها

[۱۱۱۵] (۱۶) اور اگر تمام کا استثناء کیا تو اس کو پورا اقرار لازم ہوگا اور استثناء باطل ہوگا۔

تشریح مثلا اقرار کیا کہ عمر کے مجھ پر سو پونڈ ہیں مگر سو پونڈ۔ تو پورے سو پونڈ لازم ہوں گے اور استثناء کیا ہوا باطل ہوگا۔

وجہ استثناء کا مطلب ہے کہ پوری تعداد میں سے کچھ کم کر کے باقی لازم ہو اور یہاں پورا کا پورا استثناء کر دیا تو استثناء کے بعد کچھ نہیں بچا تو گویا کہ اپنے اقرار سے رجوع کر رہا ہے اس لئے رجوع کرنے نہیں دیا جائے گا۔ اور استثناء سے پہلے کی تعداد لازم ہوگی۔

اصول پورا کا پورا استثناء کرنے سے پوارا ہی لازم ہوگا۔

[۱۱۱۶] (۱۷) اگر کہا فلاں کے مجھ پر سو درہم ہیں مگر ایک دینار یا مگر ایک قفیز گیہوں تو اس کو لازم ہوں گے سو درہم مگر دینار کی قیمت یا قفیز کی قیمت کم۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ خلاف جنس سے استثناء کرے تو کس کس جنس سے خلاف جنس کا استثناء صحیح ہے۔ تو اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قریب قریب جنس کا ہوتا تو اس سے استثناء صحیح ہے۔ جیسے دینار اور درہم کے جنس قریب ہیں۔ کیونکہ دونوں ثمن ہیں۔ اسی طرح ایک قفیز گیہوں درہم کی جنس کے قریب ہے کیونکہ کیلی اور وزنی اور متقارب عددی چیزیں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کسی بیع میں گیہوں، چاول، آٹا کو ثمن بنائے تو بن سکتے ہیں۔ اس لئے کچھ نہ کچھ درہم کی جنس سے ہوئے۔ اور جب قریب قریب جنس کی ہوئی تو درہم سے اس کا استثناء درست ہوگا اور سو درہم سے اس کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے۔ اور کپڑے میں گز صفت ہے اس لئے وہ ثمن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس لئے سو درہم سے کپڑے کا استثناء کرے تو استثناء صحیح نہیں ہے۔ اس لئے پورے سو درہم ہی لازم ہوں گے۔ اس قاعدہ کے اعتبار سے اگر یوں کہا کہ فلاں کے میرے اوپر سو درہم ہیں مگر ایک دینار تو سو درہم میں سے ایک دینار کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے۔ اسی طرح مقر نے کہا کہ مجھ پر لاں کے سو درہم ہیں مگر ایک قفیز گیہوں تو سو درہم سے ایک قفیز گیہوں کا استثناء صحیح ہے۔ کیونکہ ثمنیت کے اعتبار سے دونوں ایک جنس ہیں۔ اس لئے سو درہم میں سے ایک قفیز گیہوں کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے۔

اصول مستثنی اور مستثنی منہ قریب قریب جنس کے ہوں تو استثناء صحیح ہے ورنہ نہیں۔

[۱۱۱۷] (۱۸) اگر کہا فلاں کے مجھ پر سو اور درہم ہے تو سو پورے کے پورے درہم ہی ہوں گے۔

تشریح کسی نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو اور درہم ہے تو پورے سو درہم ہی لازم ہوں گے۔ اور کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

وجہ اصل میں حرف عطف کے ساتھ جو درہم ہے وہ سو کی تفسیر ہے کہ پہلے جو سو بولا ہے وہ درہم ہیں کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس لئے اس تفسیر کی وجہ سے پورے سو درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ درہم سو کی تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یوں بھی عموما گنتی بول کر رقم مراد لیتے ہیں۔ چونکہ عام استعمال میں ایسا ہوتا ہے کہ سو بول کر درہم مراد لیتے ہیں اس لئے درہم سو کی تفسیر بن گیا اور سو درہم ہی لازم ہوں گے۔

دراهم[۱۱۱۸] (۱۹) وان قال له علی مائة وثوب لزمه ثوب واحد والمرجع فی تفسیر المائة الیه [۱۱۱۹] (۲۰) ومن اقر بحق فقال ان شاء الله تعالی متصلا باقراره لم یلزمه الاقرار [۱۱۲۰] (۲۱) ومن اقر و شرط الخیار لنفسه لزمه الاقرار وبطل الخیار.

[۱۱۱۸] (۱۹) اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر سو اور کپڑا ہے تو اس کو ایک کپڑا لازم ہوگا اور رجوع کیا جائے گا سو کی تفسیر میں مقر کی طرف۔

وجہ اس صورت میں بھی کپڑے کا عطف سو پر ہے اور معطوف معطوف علیہ سے الگ ہوتا ہے اس لئے کپڑا سو سے الگ ہونا چاہئے۔ اور عام استعمال میں سو بولکر درہم اور دینار تو مراد لیتے ہیں کپڑا مراد نہیں لیتے اس لئے کپڑا سو کی تفسیر نہیں بن سکے گا۔ اس لئے ایک کپڑا لازم ہوگا۔ اور سو کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ مقر کی مراد کیا ہے وہ جو کہے گا وہی لازم ہوگا۔

نوٹ جہاں پہلے سے کپڑے کا قرینہ موجود ہو وہاں سو سے کپڑا مراد لے لیا جائے گا۔

[۱۱۱۹] (۲۰) کسی نے اقرار کیا کسی حق کا پس ان شاء اللہ اپنے اقرار کے ساتھ متصل کہا تو اس کو اقرار لازم نہیں ہوگا۔

تشریح کسی نے کسی کے حق کا اقرار کیا اور اقرار کے ساتھ ہی متصلا ان شاء اللہ کہا تو اقرار باطل ہو جائے گا۔ مقر پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) اپنے اقرار کو اللہ کے چاہنے پر متعلق کیا اور اللہ کا چاہنا معلوم نہیں ہے اور نہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ کیا چاہتے ہیں۔ اس لئے اقرار باطل ہو جائے گا (۲) حدیث میں ہے کہ ان شاء اللہ کے ساتھ کسی نذر، طلاق، قسم وغیرہ کو معلق کرے تو وہ واقع نہیں ہوں گے اور نہ قسم واقع ہوگی۔ حدیث میں ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال من حلف علی یمین فقال ان شاء اللہ فلا حنث علیہ (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستثناء فی الیمین ص ۲۸۰ نمبر ۱۵۳۱) اس حدیث میں ہے کہ قسم کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ دے تو حانث نہیں ہوگا یعنی قسم منعقد نہیں ہوگی۔ اسی طرح اقرار کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ دے تو اقرار باطل ہو جائے گا۔ اور اقرار کا صرف وعدہ ہوگا۔ جس کا اعتبار نہیں ہے۔ لیکن شرط ہے کہ اقرار کے ساتھ متصلا کہے۔ اگر منفصل کر کے کہا تو اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا اور اقرار واجب ہو جائے گا۔

[۱۱۲۰] (۲۱) کسی نے اقرار کیا اور اپنے لئے شرط خیار لیا تو اس کو اقرار لازم ہوگا اور خیار باطل ہوگا۔

تشریح مثلا کسی نے اقرار کیا کہ عمر کے مجھ پر سو پونڈ ہیں لیکن مجھے تین دن تک سوچنے کا موقع دیں کہ میں اقرار کروں یا نہ کروں۔ تو اقرار کے مطابق عمر کو سو پونڈ دینا ہوگا۔ اور اقرار کرے یا نہ کرے اس کے لئے تین دن تک سوچنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

وجہ اقرار کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ واقعی عمر کا اس پر دین ہے۔ جس کا ادا کرنا واجب ہے۔ اور سوچنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دین نہیں ہے صرف احسان کرتے ہوئے میں سوچ کر اس کا اقرار کروں گا۔ تو پہلے اقرار کی نفی ہوگئی۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ اقرار کے بعد ادا کرنا واجب ہوتا ہے اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔ اس لئے خیار شرط لینا باطل ہوگا۔ اور اقرار کے مطابق دین ادا کرنا واجب ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے کسی یمین پر قسم کھائی، پس ان شاء اللہ کہا تو حانث نہیں ہوگا یعنی قسم منعقد نہیں ہوگی۔

[۱۱۲۱](۲۲) ومن اقر بدار واستثنى بنائها لنفسه فللمقر له الدار والبناء جميعا [۱۱۲۲](۲۳) وان قال بناء هذه الدار لی والعرصة لفلان فهو كما قال[۱۱۲۳](۲۴) ومن اقر بتمر فی قوصرة لزمه التمر والقوصرة[۱۱۲۴](۲۵) ومن اقر بدابة فی اصطبل

[۱۱۲۱](۲۲) کسی نے گھر کا اقرار کیا اور اس کی عمارت کا اپنے لئے استثناء کیا تو مقر لہ کے لئے گھر اور عمارت سب ہوں گے۔

تشریح یوں اقرار کرتا ہے کہ گھر عمر کے لئے ہے اور اس کی عمارت میرے لئے ہے تو گھر اور عمارت سب مقر لہ یعنی جس کے لئے اقرار کیا ہے اس کے لئے ہوگا۔

وجہ عمارت ہی کا نام گھر ہے۔ عمارت نہ ہو تو گھر کیسے بنے گا۔ اس لئے عمارت کا اپنے لئے استثناء کرنا گویا کہ گھر کا انکار کرنا ہے۔ اس لئے استثناء باطل ہوگا۔ اور گھر اور عمارت مقر لہ کے لئے ہوگا۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اقرار میں جو جو چیزیں بنیادی کی حیثیت رکھتی ہیں ان کا استثناء صحیح نہیں ہے۔ ورنہ اقرار سے رجوع شمار ہوگا۔ جیسے انگوٹھی کا کسی کے لئے اقرار کرے اور نگینہ کا استثناء کرے تو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نگینہ انگوٹھی کا بنیادی جزو ہے۔ اس لئے اس کا استثناء اقرار سے رجوع ہوگا جو جائز نہیں۔

اصول کسی چیز کے اقرار میں اس کی بنیادی شی کا استثناء صحیح نہیں ہے ورنہ رجوع عن الاقرار شمار ہوگا۔

[۱۱۲۲](۲۳) اگر کہا اس گھر کی عمارت میرے لئے اور صحن فلاں کے لئے تو یہ اس کے قول کے مطابق ہوگا۔

تشریح یوں کہا کہ گھر کی عمارت میرے لئے اور صحن فلاں کے لئے ہے تو گھر کی عمارت مقر کے لئے اور صحن مقر لہ کے لئے ہوگا۔

وجہ گھر کی عمارت الگ چیز ہے اور صحن الگ چیز ہے۔ صحن عمارت کی بنیادی چیز نہیں ہے بلکہ مزید فائدہ اٹھانے کی چیز ہے۔ اس لئے عمارت اپنے لئے کرنے سے صحن کا انکار لازم نہیں آتا۔ اس لئے یوں نہیں کہا جائے گا کہ مقر نے صحن کے اقرار سے رجوع کیا۔ اس لئے صحن کا اقرار درست ہے۔ اس لئے عمارت مقر کے لئے اور صحن مقر لہ کے لئے ہوگا۔

اصول بنیادی چیز کے علاوہ کا استثناء کرے تو استثناء جائز ہے۔

[۱۱۲۳](۲۴) کسی نے اقرار کیا کھجور کا ٹوکری میں تو اس کو لازم ہوگا کھجور اور ٹوکری۔

تشریح کسی نے یوں اقرار کیا کہ میں نے کھجور کو غصب کیا ہے ٹوکری میں تو اس پر کھجور اور ٹوکری دونوں واپس کرنا لازم ہوگا۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ یہاں ظرف یعنی ٹوکری اور مظروف یعنی کھجور ایک ساتھ ہیں۔ جب ٹوکری میں کھجور غصب کیا تو ٹوکری بھی غصب کی ہوگی، کیونکہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہوں اور منتقل ہو سکتے ہوں تو دونوں لازم ہوں گے۔

لغت قوصرة : ٹوکری۔

[۱۱۲۴](۲۵) کسی نے اقرار کیا گھوڑے کا اصطبل میں تو اس کو لازم ہوگا صرف گھوڑا۔

تشریح اقرار کیا کہ مثلا گھوڑا غصب کیا ہے اصطبل میں تو صرف گھوڑا واپس کرنا لازم ہوگا۔

لزمه الدابة خاصة[۱۱۲۵] (۲۶) وان قال غصبت ثوبا فی مندیل لزماه جمیعا[۱۱۲۶] (۲۷) وان قال له علی ثوب فی ثوب لزماه جمیعا[۱۱۲۷] (۲۸) وان قال له علی ثوب فی عشرة اثواب لم یلزمه عند ابی یوسف رحمه الله تعالی الا ثوب واحد وقال محمد رحمه الله تعالی یلزمه احد عشر ثوبا.

وجہ گھوڑے کے ساتھ اصطبل منتقل نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف گھوڑا منتقل ہوتا ہے۔ اس لئے جب کہا کہ گھوڑے کو اصطبل میں غصب کیا تو مطلب یہ ہوا کہ صرف گھوڑا غصب کیا اور اپنے گھر لایا اور اصطبل اپنی جگہ وہیں رہا۔ اس کو غصب نہیں کیا۔ اس لئے صرف گھوڑا واپس کرنا لازم ہوگا

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ نہ ہوں تو صرف مظروف لازم ہوگا ظرف نہیں۔

لغت اصطبل : گھوڑا رکھنے کا طویلہ۔

[۱۱۲۵] (۲۶) اگر کہا میں نے کپڑا غصب کیا رومال میں تو دونوں لازم ہوں گے۔

وجہ یہاں ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہیں۔ کپڑا رومال میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ کپڑا رومال میں لپٹا ہوا تھا اس حال میں دونوں کو غصب کیا اس لئے دونوں دینا لازم ہوگا۔

اصول یہاں بھی وہی اصول ہے کہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہوں تو اقرار میں دونوں لازم ہوں گے۔

لغت مندیل : رومال۔

[۱۱۲۶] (۲۷) اگر کہا فلاں کا مجھ پر کپڑا ہے کپڑے میں تو دونوں کپڑے لازم ہوں گے۔

وجہ جب کہا مجھ پر کپڑا ہے کپڑے میں تو ایک کپڑا ظرف ہوا اور دوسرا کپڑا مظروف ہوا اور مطلب یہ ہوا کہ ایک کپڑا دوسرے کپڑے پر لپٹا ہوا تھا اس حال میں دونوں کو لیا ہے اس لئے دونوں کپڑے لازم ہوں گے۔

اصول یہاں بھی وہی اصول ہے کہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہوں تو دونوں لازم ہوں گے۔

[۱۱۲۷] (۲۸) اگر کہا فلاں کا مجھ پر ایک کپڑا ہے دس کپڑوں میں تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں لازم ہے مگر ایک کپڑا۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا لازم ہوں گے اس کو گیارہ کپڑے۔

وجہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ عموما ایک کپڑا دس کپڑوں میں لپیٹ کر نہیں رکھتے اس لئے دس کپڑے ایک کپڑے کا ظرف نہیں بنیں گے۔ اس لئے ایک کپڑا الگ ہوگیا اور دس کپڑے الگ ہو گئے اس لئے ایک کپڑا لازم ہوگا۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ فی ظرفیت کے لئے آتا ہے، اور ریشم کا قیمتی کپڑا ہو تو دس کپڑوں میں لپیٹ کر رکھتے ہیں اس لئے ایک کپڑے کے لئے دس کپڑے ظرف بن سکتے ہیں۔ اس لئے یہاں بھی ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہو گئے۔ اور قاعدہ گزر گیا ہے کہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہوں تو اقرار میں دونوں لازم ہوتے ہیں۔ اس لئے گیارہ کپڑے لازم ہوں گے۔

[۱۱۲۸] (۲۹) ومن اقر بغصب ثوب و جاء بثوب معيب فالقول قوله فيه مع يمينه[۱۱۲۹] (۳۰) وكذلك لو اقر بدراهم وقال هي زيوف[۱۱۳۰] (۳۱) وان قال له على خمسة في خمسة يريد بى الضرب والحساب لزمه خمسة واحدة [۱۱۳۱] (۳۲) وان قال اردت خمسة مع خمسة لزمه عشرة.

[۱۱۲۸] (۲۹) کسی نے کپڑا غصب کرنے کا اقرار کیا پھر ایک عیب دار کپڑا لیکر آیا تو اس میں مقر کی بات مانی جائے گی قسم کے ساتھ۔

تشریح ایک آدمی نے اقرار کیا کہ میں نے کپڑا غصب کیا ہے۔ بعد میں ایک عیب دار کپڑا لیکر آیا کہ یہ کپڑا غصب کیا ہے اور مقرلہ کے پاس اس کے خلاف کوئی بینہ نہیں ہے تو قسم کے ساتھ مقر کی بات مان لی جائے گی اور وہی عیب دار کپڑا قبول کر لیا جائے گا۔

وجہ لفظ کپڑا عام ہے، عیب دار اور صحیح دونوں کو شامل ہے۔ اس لئے عیب دار کے اقرار سے انکار نہیں ہوا اور مقرلہ کے پاس اس کے خلاف کوئی بینہ نہیں ہے اس لئے اس کی بات مان لی جائے گی۔ البتہ چونکہ منکر ہے اس لئے قسم کے ساتھ بات مانی جائے گی۔ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔

[۱۱۲۹] (۳۰) ایسے ہی اقرار کیا درہم کا اور کہا کہ وہ کھوٹے ہیں۔

تشریح اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر بیس درہم ہیں اور بعد میں کہا کہ وہ کھوٹے ہیں تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔

وجہ درہم دونوں قسم کے ہوتے ہیں، کھرے بھی اور کھوٹے بھی، اس لئے کھوٹے درہموں کا لانا پہلے اقرار سے رجوع نہیں ہے۔ اس لئے قسم کے ساتھ بات مان لی جائے گی۔

لغت زیوف : کھوٹے۔

[۱۱۳۰] (۳۱) اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر پانچ ہیں پانچ میں اور اس سے ضرب اور حساب کا ارادہ کیا تو صرف پانچ لازم ہوں گے۔

تشریح پانچ پانچ میں ہیں کے تین مطلب ہیں اور تین حکم ہیں۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ پانچ کو پانچ میں ضرب دیا جائے اور یہی مراد لی جائے تو پچیس لازم ہوں گے۔ کیونکہ پانچ کو پانچ سے ضرب دینے سے پچیس ہوتے ہیں۔ حسن بن زیاد کا یہی قول ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ پانچ پانچ کے ساتھ اور فی کو مع کے معنی میں لیا جائے تو دس لازم ہوں گے۔ کیونکہ پانچ پانچ کے ساتھ ہو جائے تو دس بنتے ہیں۔ اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ پانچ کو پانچ میں ضرب دے کر اس کے اجزاء اور ٹکڑے بڑھائے جائیں۔ اس صورت میں عدد تو پانچ ہی رہیں گے البتہ ان کے اجزاء پچیس ہو جائیں گے۔ یہ مطلب لیا جائے تو صرف پانچ ہی لازم ہوں گے۔ کیونکہ ضرب دینے سے اجزاء اگرچہ بڑھ گئے لیکن عدد پانچ ہی رہے۔ مصنفؒ نے یہی مطلب لیا ہے اور پانچ ہی لازم کئے ہیں۔

[۱۱۳۱] (۳۲) اور اگر کہا پانچ پانچ کے ساتھ کا ارادہ کیا ہے تو مقر کو دس لازم ہوں گے۔

تشریح مقر نے کہا مجھ پر فلاں کا پانچ پانچ میں ہے اور اس سے نیت کی جمع کی اور فی کو مع کے معنی میں لیا اور ترجمہ کیا پانچ پانچ کے ساتھ تو کل

[۱۱۳۲] (۳۳) واذا قال له علی من درهم الی عشرة لزمه تسعة عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی یلزمه الا بتداء وما بعده و یسقط الغایة وقالا رحمهما الله تعالی یلزمه العشرة کلها[۱۱۳۳] (۳۴) وان قال له علی الف درهم من ثمن عبد اشتریته منه ولم اقبضه فان ذکر عبدا بعینه قیل للمقر له ان شئت فسلم العبد وخذ الالف والا فلا شیء لک علیه

کر دس لازم ہوں گے۔

[۱۱۳۲] (۳۳) اور اگر کہا فلاں کا مجھ پر ایک درہم سے دس تک ہیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقر پر نو لازم ہوں گے۔ اس کو لازم ہوں گے ابتدا کی اور جو اس کے بعد ہیں اور غایت ساقط ہوگی۔ اور صاحبین نے فرمایا لازم ہوں گے اس کو دس۔

تشریح اگر کسی نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر ایک سے دس تک درہم ہیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نو درہم لازم ہوں گے دس لازم نہیں ہوں گے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ تعداد میں ابتدا شامل ہوتی ہے۔ درمیان والے عدد شامل ہوتے ہیں لیکن آخری جو غایت ہو وہ شامل نہیں ہوتی اس لئے موجودہ عبارت میں دس آخری غایت ہے اس لئے وہ شامل نہیں ہوگی۔ اس لئے نو ہی باقی رہے۔ لہذا نو لازم ہوں گے۔ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ میری عمر پچاس سے ساٹھ تک ہے تو ساٹھ شامل نہیں ہوتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اس کی عمر انسٹھ مانی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں غایت دس شامل نہیں ہوگا اور نو لازم ہوں گے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہاں ابتدا اور غایت دونوں شامل ہوں گے۔ اس لئے پورے دس لازم ہوں گے۔

اصول صاحبین کے نزدیک عدد میں ابتدا اور غایت دونوں شامل ہوتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک غایت شامل نہیں ہوتی۔

[۱۱۳۳] (۳۴) اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں غلام کے ثمن کے بدلے جس کو میں نے اس سے خریدا ہے اور اس کو قبضہ نہیں کیا ہے۔ پس اگر متعین غلام کا ذکر کیا تو مقر لہ سے کہا جائے گا اگر چاہو تو غلام سپرد کر دو اور ہزار لو ورنہ تو تمہارا اس پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح مثلا زید کہتا ہے کہ عمر کے مجھ پر ہزار درہم ہیں لیکن وہ متعین غلام کی وجہ سے ہے جس کو میں نے عمر سے خریدا تھا اور ابھی تک میں نے غلام پر قبضہ نہیں کیا ہے۔ اس صورت میں عمر مقر لہ سے کہا جائے گا کہ غلام زید کو دو تو ہزار درہم ملیں گے اور اگر غلام نہیں دو گے تو ہزار درہم نہیں ملیں گے۔

وجہ ہزار درہم کا اقرار ہے لیکن غلام کی قیمت کی وجہ سے ہے اور غلام پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اس لئے غلام دے گا تو ہزار ملیں گے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ اقرار کسی شرط کے ساتھ ہے تو شرط پوری کرنے پر اقرار کا اجراء ہوگا۔ یہاں غلام کے بدلے میں ہزار ہے اس لئے غلام دے گا تو ہزار لینے کا حقدار ہوگا ورنہ نہیں۔

نوٹ غلام متعین ہے اس لئے متعین غلام کی بیع ہوئی۔ اس لئے یوں نہیں کہا جائے گا کہ پہلے اقرار کر کے اس سے رجوع کر رہا ہے۔

اصول کسی شرط کے ساتھ اقرار ہو تو شرط پوری کرنے پر اقرار کا اجراء ہوگا۔

[۱۱۳۴] (۳۵) وان قال له علی الف من ثمن عبد ولم یعینه لزمه الالف فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی [۱۱۳۵] (۳۶) ولو قال له علی الف درهم من ثمن خمر او خنزیر لزمه الالف ولم یقبل تفسیره [۱۱۳۶] (۳۷) وان قال له علی الف من ثمن متاع وهی زیوف فقال المقر له جیاد لزمه الجیاد فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقال ابو

[۱۱۳۴] (۳۵) اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار ہے غلام کی قیمت اور اس کو متعین نہیں کیا تو لازم ہوں گے اس کو ہزار امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک

تشریح زید نے اقرار کیا کہ عمر کے مجھ پر ہزار درہم ہیں اور وہ غلام کی قیمت ہے۔ لیکن کوئی متعین غلام نہیں ہے تو غلام کو سپرد کئے بغیر زید پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔

وجہ چونکہ غلام متعین نہیں ہے اس لئے بیع نہیں ہوئی۔ اس لئے غلام سپرد کرنا لازم نہیں ہے۔ اور زید اقرار کر چکا ہے کہ مجھ پر ہزار درہم ہیں اس لئے بغیر غلام سپرد کئے ہوئے بھی زید پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔ اور غلام کے بدلے کی قید ہزار درہم کے اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا۔

فائدہ امام صاحبین فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی غلام کی سپردگی کی شرط پر زید پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔

[۱۱۳۵] (۳۶) اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں شراب یا سور کی قیمت تو اس کو ہزار لازم ہوں گے اور مقر کی تفسیر قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ ایک مسلمان شراب یا سور نہیں بیچتا اور نہ خریدتا ہے۔ اس لئے شراب اور سور کی بیع ہی نہیں ہوتی اس لئے یہ کہنا کہ شراب اور سور کی قیمت اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ اقرار وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ اس سے رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا۔ اس لئے مقر پر ہزار لازم ہوں گے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ جہاں بیع نہیں ہو سکتی وہاں کہنا کہ مبیع کی قیمت ہے اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ اس لئے اول اقرار لازم ہوگا۔

[۱۱۳۶] (۳۷) اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار ہیں سامان کی قیمت اور وہ کھوٹے ہیں۔ پس مقر لہ نے کہا وہ کھرے ہیں۔ پس مقر کو کھرے لازم ہوں گے امام ابو حنیفہؒ کے قول میں۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا اگر یہ متصلا کہا تو تصدیق کی جائے گی اور منفصلا کہا تو تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح مثلا زید نے کہا کہ عمر کا مجھ پر ہزار درہم ہیں سامان کی قیمت لیکن وہ ہزار درہم کھوٹے ہیں کھرے نہیں ہیں۔ اور عمر مقر لہ کہتا ہے کہ وہ کھرے ہیں۔ اور عمر کے پاس اس پر کوئی بینہ نہیں ہے۔ پس امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہزار درہم کھرے ہی لازم ہوں گے۔

وجہ عموما بیع میں سامان کی قیمت کھرے ہی لازم ہوتے ہیں۔ اس لئے زید کا یہ کہنا کہ وہ کھوٹے تھے اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ اس لئے عمر کے پاس بینہ نہ ہونے کے باوجود کھرے ہی لازم ہوں گے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ سامان کی قیمت دونوں طرح ہوتی ہیں، کھرے درہم بھی اور کھوٹے درہم بھی۔ اس لئے اول اقرار عام ہے اور

یوسف و محمد ان قال ذلک موصولا صدق وان قاله مفصولا لا یصدق[۱۱۳۷] (۳۸) ومن اقر لغیره بخاتم فله الحلقة والفص[۱۱۳۸] (۳۹) وان اقر له بسیف فله النصل

کھرے اور کھوٹے دونوں کو شامل ہے۔اس لئے مقر ایک رخ کھوٹے کو متعین کرتا ہے تو اپنے اقرار سے رجوع نہیں ہے۔اس لئے مقر کی بات مانی جائے گی۔اور کھوٹے درہم لازم ہوں گے۔لیکن شرط یہ ہے کہ کلام کے ساتھ متصل کر کے کھوٹے کا لفظ بولا ہو۔کیونکہ منفصلا کر کے بولے تو پہلے اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا۔اور کھوٹے لازم نہیں ہوں گے بلکہ کھرے ہی لازم ہوں گے۔

نوٹ یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ لفظ درہم کھرے اور کھوٹے دونوں کو شامل ہے یا نہیں۔صاحبین کے نزدیک دونوں کو شامل ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک کھرے متعین ہیں۔

[۱۱۳۷] (۳۸) کسی نے دوسرے کے لئے انگوٹھی کا اقرار کیا تو اس کے لئے حلقہ اور نگینہ دونوں ہوں گے۔

وجہ حلقہ اور نگینہ دونوں کے مجموعے کا نام انگوٹھی ہے۔اور دونوں انگوٹھی کی بنیادی چیز ہے۔اس لئے انگوٹھی کے اقرار میں دونوں چیز خود بخود شامل ہو جائیں گے۔اور دونوں مقر لہ کے لئے ہوں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ کسی چیز کے بنیادی اجزاء جتنے ہیں اس چیز کے اقرار میں وہ تمام اجزاء خود بخود شامل ہوں گے۔چاہے ان کا نام الگ الگ نہ لیا ہو۔

لغت الفص : نگینہ۔

[۱۱۳۸] (۳۹) اگر کسی کے لئے اقرار کیا تلوار کا تو اس کے لئے پھل، میان اور پرتلہ تینوں ہوں گے۔

وجہ تلوار کے لئے اس کا پھل لوہے والا آگے کا حصہ بنیادی جز ہے۔میان جس میں تلوار رکھی جاتی ہے یہ تلوار کا بنیادی جز نہیں ہے۔لیکن تلوار بغیر میان کے نہیں رکھی جا سکتی اس لئے تلوار رکھنے کے لئے میان ضروری ہے۔اس لئے میان بھی تلوار کے لئے بنیادی جز کی طرح ہو گیا۔اور پرتلہ چمڑے کی وہ پٹی جس میں تلوار لٹکائی جاتی ہے۔اس کے بغیر تلوار لٹکانا مشکل ہے اس لئے وہ بھی تلوار کے جز کی طرح ہو گیا۔اس لئے جب کسی کے لئے تلوار کا اقرار کیا تو پھل، میان اور پرتلہ تینوں خود بخود شامل ہوں گے۔اور تینوں مقر لہ لے لئے ہوں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہیکہ کوئی چیز بنیادی جز تو نہ ہو لیکن جز کی طرح ہو تو وہ بھی اقرار میں شامل ہوگا۔کیونکہ اس کے بغیر چھٹکارا نہیں ہے۔حدیث میں اس کا اشارہ ہے کہ بنیادی جز یا بنیادی جز کی طرح جو چیز ہو اس کا حکم اصلی چیز کا حکم ہوتا ہے۔اور اصل میں شامل ہوتی ہے۔حدیث یہ ہے۔ان علیا اخبرہ ان النبی ﷺ امرہ ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا ولا یعطی فی جزارتھا شیئا (الف) (بخاری شریف، باب یتصدق بجلود الھدی ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۱۷) اس حدیث میں بدنہ اور اونٹ کے بنیادی اجزا گوشت اور کھال ہیں اس لئے ان کو قصائی کو دینے سے منع فرمایا کیونکہ پورے اونٹ کو ہی گوشت کاٹنے کے بدلے

حاشیہ : (الف) آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ اونٹ کی نگرانی کرے اور یہ کہ پورے اونٹ کو تقسیم کر دے۔اس کے گوشت کو اس کی کھال کو اور اس کے جل کو، اور اونٹ کی کٹائی میں ان میں سے کوئی چیز نہ دے۔

والجفن والحمائل[۱۱۳۹] (۴۰) وان اقر له بحجلة فله العیدان والکسوة[۱۱۴۰] (۴۱) وان قال لحمل فلانة علی الف درهم فان قال اوصی له فلان او مات ابوه فورثه فالاقرار صحیح.

میں نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اور جل بدنہ کا بنیادی جز تو نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ہمہ وقت ہوتا ہے اس لئے وہ بھی بدنہ کے حکم میں ہوا۔ اور اس کو بھی گوشت کاٹنے کے بدلے میں دینے سے منع فرمایا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنیادی اجزاء اور بنیادی اجزاء کی طرح جو چیزیں ہوں وہ اصل کے حکم میں ہوتی ہیں۔

لغت النصل : پھل۔ الجفن : میان۔ الحمائل : پرتلہ، چمڑے کی وہ پٹی جس میں تلوار لٹکاتے ہیں۔

[۱۱۳۹] (۴۰) اگر اقرار کیا ڈولے کا تو اس کے لئے لکڑی اور کپڑا دونوں ہوں گے۔

وجہ دلہن کو لے جانے کا جو ڈولہ ہوتا ہے وہ لکڑی اور کپڑے دونوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ صرف لکڑی سے بھی ڈولہ نہیں بنے گا اور صرف کپڑے سے بھی ڈولہ نہیں بنے گا۔ اس لئے لکڑی اور کپڑا ڈولے کے بنیادی اجزاء ہوئے۔ اس لئے اقرار میں دونوں شامل ہوں گے۔

اصول بنیادی اجزاء اقرار میں خود بخود شامل ہوں گے۔

لغت حجلة : ڈولہ۔ عیدان : تثنیہ ہے عید کی لکڑی۔

[۱۱۴۰] (۴۱) اگر کہا کہ فلاں کے حمل کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں۔ پس اگر کہا کہ اس کے لئے فلاں نے وصیت کی ہے یا اس کے والد کا انتقال ہوا اور حمل اس کا وارث ہوا ہے تو اقرار صحیح ہے۔

تشریح مثلا زید کہتا ہے کہ خالد کے حمل کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں تو اس کے چار مطلب ہوئے۔ (پہلا) مطلب یہ ہے کہ حمل نے مجھ سے تجارت کی ہے اس لئے اس کے ایک ہزار درہم ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہوسکتا کیونکہ حمل کا بچہ پیٹ میں رہتے ہوئے تجارت کیسے کرے گا۔ اس لئے یہ مطلب لیا جائے تو اقرار باطل ہے اور حمل کا مقر پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ (دوسرا) مطلب یہ ہے کہ حمل نے قرض دیا ہے یہ بھی ناممکن ہے۔ (تیسرا) مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی نے اس حمل کے لئے وصیت کی ہے اور اس وصیت کے ہزار درہم میرے اوپر ہیں تو یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن اقرار کرنے والا اس کی وضاحت کردے کہ فلاں نے حمل کے لئے وصیت کی ہے وہ ہزار میرے پاس ہیں تو اقرار درست ہوگا۔ اور اگر یہ وضاحت نہ کرے تو ظاہری طور پر پہلا مطلب لیا جائے گا کہ تجارت کی وجہ سے حمل کے ہزار میرے ذمے ہیں۔ جسکی بنا پر اقرار باطل ہوگا۔ (چوتھا) مطلب یہ ہے کہ حمل کے والد یا اس کے قریبی رشتہ دار کا انتقال ہوا ہے اور اس کی وراثت میں حمل کو جو رقم ملی تھی وہ رقم ایک ہزار میرے پاس ہے۔ یہ مطلب بھی درست ہے اور اقرار درست ہے۔ لیکن اس کی بھی وضاحت کرے گا تب اقرار درست ہوگا۔ ورنہ پہلا متبادر مطلب لینے کی وجہ سے اقرار باطل ہوگا۔ ابہام کے وقت وضاحت کرنی چاہئے اس کی دلیل اس حدیث سے مترشح ہے۔ **ان صفیة زوج النبی ﷺ اخبرته انها جاء ت الی رسول اللہ ﷺ تزوره فی اعتکافه فی المسجد فی العشر الاواخر من رمضان**

[۱۱۴۱] (۴۲) وان ابهم الاقرار لم يصح عند ابى يوسف وقال محمد رحمهما الله تعالى يصح [۱۱۴۲] (۴۳) وان اقر بحمل جارية او حمل شاة لرجل صح الاقرار ولزمه.

فتحدثت عنده ساعة ثم قامت تنقلب فقام النبى ﷺ معها يقلبها حتى اذا بلغت باب المسجد عند باب ام سلمة مر رجلان من الانصار فسلما على رسول الله فقال لهما النبى ﷺ على رسلكما انما هى صفية بنت حى (الف) (بخاری شریف، باب ھل یخرج المعتکف لحوائجہ الی باب المسجد ص ۲۷۲ نمبر ۲۰۳۵) اس حدیث میں گزرنے والے صحابی کے سامنے ابہام تھا کہ حضور کی بیوی ہے یا کوئی اور تو آپؐ نے فوراً اس کی وضاحت فرمائی کہ یہ میری بیوی صفیہ ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ اقرار کرنے والے نے ایسا اقرار کیا جس کے کئی رخ ہو سکتے ہیں۔ بعض کے اعتبار سے اقرار صحیح ہے اور بعض کے اعتبار سے اقرار صحیح نہیں ہوتا۔ پس اگر صحیح رخ کی وضاحت کر دے تو اقرار درست ہوگا اور اگر صحیح رخ کی وضاحت نہ کرے تو غلط رخ جو متبادر ہے اور جلدی ذہن میں آتا ہے وہ مراد لے کر اقرار صحیح نہیں ہوگا۔

اصول مبہم اقرار میں متبادر معنی لیا جائے گا۔

[۱۱۴۱] (۴۲) اور اگر اقرار کو مبہم رکھا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقرار صحیح نہیں ہے اور کہا محمدؒ نے صحیح ہے۔

تشریح مثلاً زید نے اقرار کیا کہ خالدہ کے حمل کے مجھ پر ہزار درہم ہیں لیکن اس ابہام کی تفصیل نہیں کی کہ کس طرح حمل کے ہزار درہم اس کے ذمے آئے؟ حمل تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا ہے۔ زید کے ذمے اس کے ہزار درہم آئے کیسے؟ پس اگر اس کی صحیح وضاحت کر دے کہ وراثت کی وجہ سے یا وصیت کی وجہ سے میرے ذمے اس کے ہزار آئے ہیں۔ تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ اقرار درست ہے اور اگر وضاحت نہ کرے تو حمل کے ہزار درہم کسی کے ذمے ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے اقرار باطل ہوگا۔ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ عاقل بالغ آدمی نے اقرار کیا ہے اس لئے اس جملے کا صحیح رخ نکالا جائے گا۔ اور چاہے اس نے اس کی وضاحت نہیں کی ہے پھر بھی یہ سمجھا جائے گا کہ کسی نے وصیت کی ہے یا کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال پر اس کو وراثت میں یہ رقم ملی ہے اور مقر کے پاس موجود ہے اور اقرار درست قرار دیا جائے گا۔

اصول اقرار مبہم ہو تو اس کے صحیح کرنے کا حتی الامکان کوئی راستہ نکالا جائے گا۔ اور اقرار درست کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

[۱۱۴۲] (۴۳) اگر اقرار کیا کسی باندی کے حمل کا یا کسی بکری کے حمل کا کسی آدمی کے لئے تو اقرار صحیح ہے اور مقر کو لازم ہوگا۔

تشریح مثلاً زید اقرار کرتا ہے کہ فلاں باندی کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ عمر کے لئے ہے یا فلاں بکری کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ عمر کے لئے ہے تو یہ اقرار جائز ہے۔ اور جب پیدا ہوگا تو باندی کا بچہ اور بکری کا بچہ عمر کو دیئے جائیں گے۔

وجہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ باندی کا اصل مالک مر رہا ہو اور مرتے وقت یہ وصیت کی ہو کہ باندی تو ورثہ کے لئے ہے لیکن اس کا بچہ عمر کے لئے

حاشیہ : (الف) حضرت صفیہ حضورؐ کے پاس رمضان کے عشرہ اخیرہ میں اعتکاف کے وقت زیارت کے لئے آئی تھوڑی دیر آپؐ کے پاس باتیں کرتی رہی پھر چلنے لگی تو ان کو چھوڑنے کے لئے گئے۔ باب ام سلمہ کے مسجد کے دروازے کے پاس گئے تو انصار کے دو آدمی وہاں سے گزرے اور حضور کو سلام کیا آپؐ نے ان سے فرمایا ٹھہر جاؤ، یہ صفیہ بنت حی میری بیوی ہے۔

[۱۱۴۳](۴۴) واذا اقر الرجل فی مرض موته بدیون وعلیه دیون فی صحته و دیون

وصیت کرتا ہوں۔اور زید بھی ورثہ میں تھا اس لئے زید نے مورث کے مرنے کے بعد اقرار کیا کہ اس باندی یا بکری کے بچے عمر کے لئے ہیں۔ اس لئے یہ اقرار صحیح ہے باطل نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ اگر حمل عقد حمل کے وقت ہو اور عقد کا اجراء بھی حمل ہی کے وقت ہو تو نہ عقد جائز نہ اجراء جائز۔جیسے حمل کی بیع حمل کے وقت کرے تو اس کے احکام کا اجراء بھی حمل کے وقت ہی ہو رہا ہے اس لئے حمل کی بیع جائز نہیں۔کیوں کہ حمل بکری کا اور باندی کا جز ہے۔اور کل کے بغیر جز کی بیع درست نہیں۔نیز حمل پیٹ میں چھپا ہوا ہے۔اس لئے مبیع مجہول ہوگی اس لئے بھی بیع جائز نہیں۔لیکن وصیت اور وراثت میں عقد تو حمل کے وقت ہوتا ہے لیکن اس کے احکام کا اجراء پیٹ سے باہر نکلنے کے بعد ہوتا ہے۔مثلا وراثت حمل کے لئے حمل کے وقت رکھی جاتی ہے لیکن ملتی اس وقت ہے جب حمل پیٹ سے باہر آ جائے۔اور نہ اس وقت جہالت ہوگی اور نہ حمل ماں کا جز ہوگا۔حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا استھل المولود ورث (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المولود یستھل ثم یموت ص ۴۹ نمبر ۲۹۲۰ / ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ علی الطفل ص ۲۱۵ نمبر ۱۵۰۸) اس حدیث میں ہے کہ حمل زندہ باہر آئے تو وارث ہوگا۔معلوم ہوا کہ حمل پیٹ سے باہر آنے کے بعد وراثت کے احکام جاری ہوتے ہیں۔اسی طرح وصیت منعقد ہوتی ہے حمل کی حالت میں۔لیکن اس کے احکام جاری ہوں گے پیٹ سے باہر ہونے کے بعد۔اور اس وقت حمل نہ ماں کا جز رہے گا اور نہ اس میں کوئی جہالت رہے گی۔اس لئے حمل کو کسی اور کے لئے اقرار کرنا جائز ہوگا۔

اصول حمل کے وہ احکام جو حمل کے پیٹ سے باہر ہونے کے بعد جاری ہوتے ہوں ان کا حمل کے وقت منعقد کرنا جائز ہے۔اور وہ احکام جو حمل ہی کے وقت جاری ہوتے ہوں ان کا حمل کے وقت منعقد کرنا جائز نہیں۔

[۱۱۴۳](۴۴) اگر کسی آدمی نے اپنے مرض موت میں دیون کا اقرار کیا حالانکہ اس پر دین ہیں صحت کے زمانے کا اور کچھ دیون اس کو لازم ہیں اس کے مرض الموت میں اسباب معلومہ کے تحت تو صحت کے دین اور وہ دین جن کے اسباب معلوم ہیں مقدم ہوں گے۔پس جبکہ ادا کر دیئے جائیں اور باقی رہے مال میں سے کچھ تو صرف کیا جائے اس دین میں جن کا اقرار کیا مرض میں۔اور اگر نہیں ہے اس پر ایسے دین جو لازم ہوں اس کی صحت کے زمانے میں تو جائز ہے اس کا اقرار۔

تشریح ایک آدمی مرض الموت میں مبتلا ہے۔اسی مرض میں اس کی موت ہوئی۔صحت کے زمانے میں کچھ دین لئے وہ اس کے ذمے تھے۔پھر مرض الموت کے زمانے میں ایسے اسباب کے ذریعہ دین آئے جو لوگوں کو معلوم ہیں۔مثلا خرید و فروخت کی جس کی وجہ سے اس پر دین آیا یا مہر مثل میں شادی کی اس کی وجہ سے اس پر دین آیا۔اور دین کے یہ اسباب سب کو معلوم ہیں۔ان دونوں دینوں کی موجودگی میں مثلا عمر کے لئے اپنے اوپر دین کا اقرار کرتا ہے جس کا سبب معلوم نہیں تو اقرار درست ہوگا۔لیکن اس دین کی ادائیگی مال بچنے کے بعد کی جائے گی۔پہلے وہ دین ادا کئے جائیں گے جو صحت کے زمانے میں لئے گئے ہیں۔یا مرض الموت کے زمانے میں لئے گئے ہیں اور ان کے اسباب سب کو معلوم

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا اگر بچہ روئے تو وارث ہوگا۔

لزمته فی مرضه باسباب معلومة فدین الصحة والدین المعروف بالاسباب مقدم فاذا قضیت وفضل شیء منها کان فیما اقر به فی حال المرض وان لم یکن علیه دیون لزمته فی صحته جاز اقراره [۱۱۴۴](۴۵) وکان المقر له اولی من الورثة.

ہیں۔اس سے بچنے کے بعد اقرار کے دین ادا کئے جائیں گے۔

وجہ (۱) مرض الموت کے زمانے میں اسباب بتائے بغیر کسی کے لئے دین کا اقرار کرتا ہے تو اس بات کا قوی خطرہ ہے کہ دوسرے دائن کو نقصان دینا چاہتا ہے تاکہ مقرلہ کو زیادہ مل جائے۔اور صحت کے زمانے کے دائن اور مرض الموت میں اسباب معروفہ کے دائن کو کم ملے۔اس لئے مقرلہ کو بعد میں دین ملے گا (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔فان کانوا اکثر من ذلک فهم شرکاء فی الثلث من بعد وصیة یوصی بها او دین غیر مضار وصیة من الله والله علیم حکیم (آیت ۱۲ سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ وصیت کرنے وغیرہ میں کسی کو نقصان نہ دیا جائے (۳) حدیث میں بھی ہے۔ان ابا هریرة حدثه ان رسول الله ﷺ قال ان الرجل لیعمل او المرأة بطاعة الله ستین سنة ثم یحضر هما الموت فیضاران فی الوصیة فتجب لهما النار (الف) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی کراہۃ الاضرار فی الوصیۃ، ج ثانی، ص ۳۲ نمبر ۲۸۶۷) اس حدیث میں ہے کہ وصیت میں کسی کو نقصان نہیں دینا چاہئے ورنہ عذاب ہے۔اس لئے اسی طرح اقرار کر کے بھی مقدم قرض خواہوں کو نقصان نہ دینا چاہئے (۴) صحت کے زمانے کے قرض خواہ کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کسی کو نقصان دینے کے لئے قرض کا اقرار کیا ہے۔اسی طرح اسباب معروفہ والے قرض خواہوں کے بارے میں بھی یہ شبہ نہیں ہے اس لئے ان کا حق اہم اور مضبوط ہے۔اس لئے ان کو پہلے قرض ملے گا۔اور اگر صحت کے زمانے کا دین اس آدمی پر نہ ہو تو چونکہ کسی کو نقصان دینے کا شبہ نہیں ہے اس لئے مرض الموت میں کسی کے لئے دین کا اقرار کر سکتا ہے۔کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

اصول اقرار کر کے کسی کو نقصان دینے کا شبہ ہو تو اقرار باطل ہوگا۔

[۱۱۴۴](۴۵) اور مقرلہ زیادہ بہتر ہے ورثہ سے۔

تشریح جس کے لئے مرض الموت میں اقرار کیا ہے اس کو پہلے ملے گا۔اس سے بچے گا تب وارثین کو ملے گا۔

وجہ جس کے لئے اقرار کیا وہ دین ہے اور دین کو وراثت سے پہلے ادا کیا جاتا ہے (۲) آیت میں ہے فان کانوا اکثر من ذلک فهم شرکاء فی الثلث من بعد وصیة یوصی بها او دین (آیت ۱۲ سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ دین اور وصیت کو ادا کرنے کے بعد وارثین کے درمیان وراثت تقسیم ہوگی (۳) اور حدیث میں ہے کہ پہلے دین ادا کیا جائے گا پھر تہائی مال سے وصیت ادا کی جائے گی اس کے بعد جو بچے گا وہ وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا۔حدیث میں ہے عن علی ان النبی ﷺ قضی بالدین قبل الوصیة وانتم تقرء

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مرد عمل کرتا ہے یا عورت عمل کرتی ہے اللہ کی اطاعت میں ساٹھ سال تک۔پھر اس کی موت قریب آتی ہے۔پھر وہ دونوں وصیت کے بارے میں نقصان دیتے ہیں تو ان دونوں کے لئے آگ واجب ہو جاتی ہے۔

[۱۱۴۵] (۴۶) واقرار المريض لوارثه باطل الا ان يصدقه فيه بقية الورثة[۱۱۴۶] (۴۷) ومن اقر لاجنبی فی مرض موته ثم قال هو ابنی ثبت نسبه وبطل اقراره.

ون الوصية قبل الدين (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء یبدأ بالدین قبل الوصیۃ ص ۳۳ نمبر ۲۱۲۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دین کو وصیت سے پہلے ادا کیا ہے۔

[۱۱۴۵] (۴۶) مریض کا اقرار اپنے وارث کے لئے باطل ہے مگر یہ کہ باقی ورثہ اس کی تصدیق کرے۔

تشریح مرنے والا اپنے مرض الموت میں کسی ایک وارث کے لئے اقرار کرے تو یہ باطل ہے۔البتہ باقی وارثین اس کی تصدیق کرے تو ٹھیک ہے۔

وجہ (۱) وارث کے لئے اقرار کا باطل ہونا باقی ورثہ کو نقصان کی وجہ سے ہے۔لیکن باقی ورثہ نقصان برداشت کرے اور تصدیق کرے کہ مورث کا اقرار ٹھیک ہے تو اقرار درست ہوگا اور مقرلہ کو مال دیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ لا یجوز لوارث وصیة الا ان یشاء الورثة (ب) (دار قطنی، کتاب الوصایا، ج رابع ص ۸۷ نمبر ۴۲۵۳ رترمذی شریف، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث، ص ۳۲ نمبر ۲۱۲۰ رابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث، ص ۴۰ نمبر ۲۸۷۰) اس حدیث میں ہے کہ ورثہ کے لئے وصیت نہیں کر سکتا۔ہاں! اگر باقی ورثہ تصدیق کرے تو وصیت کر سکتا ہے۔اور دین کا اقرار نہیں کر سکتا اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جعفر بن محمد عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ لا وصية لوارث ولا اقرار بدين (ج) (دار قطنی، کتاب الوصایا ج رابع ص ۸۷ نمبر ۴۲۵۴) اس حدیث میں ہے کہ وارث کے لئے وصیت بھی نہ کرے اور اس کے لئے دین کا اقرار بھی نہ کرے، کیونکہ اس سے باقی ورثہ کو نقصان ہوگا۔

نوٹ اسباب معروفہ کے ذریعہ لوگوں کو وارث کا قرض ہونا معلوم ہو تو وہ دین دلوایا جائے گا۔مثلا بیل خریدا تھا جس کی قیمت مورث پر باقی تھی تو وہ مورث کے مال میں وارث کو دلوائی جائے گی۔

اصول اقرار سے کسی کو نقصان ہو تو اقرار باطل ہوگا۔

[۱۱۴۶] (۴۷) کسی نے اجنبی کے لئے اقرار کیا اپنے مرض الموت میں پھر کہا وہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور اس کا اقرار باطل ہوگا۔

وجہ شریعت میں نسب ثابت کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔تا کہ آدمی بغیر نسب کے نہ رہ جائے۔پس جب نسب ثابت ہوا تو وہ بچپنے سے وارث ہو گیا۔اور اوپر گزرا کہ وارث کے لئے اقرار نہیں کر سکتا۔اس لئے جو اقرار اجنبی کے لئے کیا تھا وہ بیٹا بننے کی وجہ سے باطل ہو گیا۔اب اس کو بیٹا ہونے کی وجہ سے مقر کی وراثت ملے گی۔

نوٹ نسب ثابت ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ایک تو یہ کہ وہ اجنبی ثابت النسب نہ ہو اور دوسری یہ کہ اس جیسا آدمی کا مقر کا بیٹا بننا ممکن ہو۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے دین ادا کرنے کا فیصلہ کیا وصیت سے پہلے اور تم لوگ قرآن میں پڑھتے ہو وصیت کا تذکرہ دین سے پہلے (ب) آپؐ نے فرمایا وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ورثہ چاہیں۔(ج) آپؐ نے فرمایا وارث کے لئے نہ وصیت ہے اور نہ دین کا اقرار جائز ہے۔

[۱۱۴۷] (۴۸) ولو اقر لاجنبية ثم تزوجها لم يبطل اقراره لها[۱۱۴۸] (۴۹) ومن طلق امرأته فی مرض موته ثلثا ثم اقر لها بدین ومات فلها الاقل من الدین ومن میراثها منه [۱۱۴۹](۵۰) ومن اقر بغلام یولد مثله لمثله ولیس له نسب معروف انه ابنه وصدقه

[۱۱۴۷](۴۸) اور اگر اجنبی عورت کے لئے اقرار کیا پھر اس سے شادی کی تو عورت کے لئے اقرار باطل نہیں ہوگا۔

تشریح پہلے عورت اجنبیہ تھی اس حالت میں اس کے لئے مثلا سو درہم کا اقرار کیا پھر بعد میں اس عورت سے شادی کی اور وہ بیوی بن کر وارث بن گئی پھر بھی اس عورت کے لئے جو اقرار کیا تھا وہ باطل نہیں ہوگا۔

وجہ جس وقت عورت کے لئے اقرار کیا تھا اس وقت وہ اجنبی تھی وہ بیوی بن کر وارث نہیں بنی تھی اس لئے اس کے لئے اقرار کرنا درست تھا ۔وارث تو شادی کے بعد بنی ہے۔اس لئے اس کے لئے جو اقرار کیا تھا وہ باطل نہیں ہوگا۔اور اوپر کے مسئلہ میں لڑکے کے لئے اقرار اس لئے باطل ہوا تھا کہ وہ بچپنے ہی سے وارث شمار کیا گیا چاہے بیٹا ہونے کا اقرار بعد میں کیا ہو۔اس لئے دین کا اقرار بیٹا ہونے کی حالت میں ہوا اس لئے اقرار باطل ہوا۔

اصول جہاں دوسرے کو نقصان دینے کا شبہ نہ ہو وہاں اقرار درست ہے۔

[۱۱۴۸](۴۹) کسی نے اپنی بیوی کو مرض الموت میں تین طلاقیں دیں، ابھی وہ عدت میں تھی کہ اس کے لئے اقرار کیا پھر انتقال کر گیا تو عورت کے لئے دین اور شوہر سے میراث میں سے جو کم ہے وہ ملے گا۔

تشریح مثلا زید نے اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، ابھی وہ عدت ہی میں تھی کہ اس کے لئے اقرار کیا کہ اس کے مجھ پر پانچ سو درہم قرض ہیں۔پھر زید کا انتقال ہو گیا تو دیکھا جائے گا کہ عورت کو شوہر کی وراثت میں کم ملتا ہے یا اقرار میں کم ملتا ہے۔جس مین کم ملے گا وہی عورت کو ملے گا۔مثلا وراثت مین چار سو درہم ملتے تھے تو وراثت ملے گی کیونکہ اقرار میں پانچ سو درہم ملنے والے تھے جو زیادہ ہیں۔

وجہ اس میں یہ شبہ ہے کہ شوہر بیوی کے لئے بھاری رقم دین کا اقرار کرنا چاہتا تھا لیکن وارث ہونے کی وجہ سے نہیں کر سک رہا تھا۔اس لئے بیوی کو طلاق دے کر پہلے اجنبیہ بنایا پھر اس کے لئے بھاری رقم کا اقرر کیا۔اس شبہ کی وجہ سے وراثت اور اقرار میں سے جو کم ہو وہ رقم بیوی کو ملے گی۔حدیث میں ہے۔عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال الاضرار فی الوصیة من الکبائر (الف) (دار قطنی، کتاب الوصایا ج رابع ص ۸۶ نمبر ۴۲۴۹) اس حدیث میں ہے وصیت کر کے کسی کو نقصان دینا گناہ کبیرہ ہے۔اس لئے کم دیکر باقی ورثہ کو نقصان سے بچایا جائے گا۔

[۱۱۴۹](۵۰) کسی نے ایک لڑکے کے بارے میں کہ اس جیسا لڑکا اس جیسے آدمی سے پیدا ہو سکتا ہو اور لڑکے کا نسب معلوم نہ ہو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کر دی تو لڑکے کا نسب اس آدمی سے ثابت ہوگا اگر چہ آدمی بیمار ہو۔اور میراث میں ورثہ کے شریک ہوگا۔

حاشیہ : (الف) وصیت کر کے نقصان دینا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔

الغلام ثبت نسبہ منہ وان کان مریضا ویشارک الورثۃ فی المیراث[۱۱۵۰] (۵۱) و

تشریح ایک ایسا لڑکا ہے جس کا نسب معلوم نہیں اور ایک بڑے آدمی نے جس سے اس قسم کا لڑکا پیدا ہو سکتا ہے یہ اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔اور لڑکا بول سکتا تھا اس لئے اس نے بھی تصدیق کی میں اس کا لڑکا ہوں تو اس لڑکے کا نسب اس آدمی سے ثابت ہو جائے گا۔چاہے یہ آدمی مرض الموت میں مبتلا کیوں نہ ہو۔اور باپ کے مرنے پر جس طرح اور وارثوں کو وراثت ملے گی اس بیٹے کو بھی وراثت ملے گی۔

ہر ایک جملے کی تشریح : لڑکے کا نسب معلوم نہ ہو اس لئے کہا کہ اگر لڑکے کا نسب معلوم ہو تو اس آدمی سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔کیونکہ ایک بیٹا دو آدمیوں کا نہیں ہو سکتا۔اور لڑکا اس عمر کا ہو کہ اس آدمی کا بیٹا بن سکتا ہو اس لئے کہا کہ مثلا لڑکے کی عمر پندرہ سال ہے اور باپ کی عمر بیس سال ہے تو کیسے یہ لڑکا اس کا بیٹا بنے گا؟ یہ تو صریح جھوٹ ہوگا۔اس لئے بیٹا بننے کی عمر ہونا ضروری ہے۔اور لڑکے کی تصدیق کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ لڑکا بول سکتا ہے تو کسی سے نسب ثابت کرنا اس کا ذاتی حق ہے۔اس لئے اس کی تصدیق کی بھی ضرورت پڑے گی۔پس اگر لڑکا بیٹا ہونے کی تصدیق نہ کرے تو مرد سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔

وجہ اپنے بیٹے کا نسب اپنے سے منسوب کرنا حاجت اصلیہ میں سے ہے جس طرح شادی کرنا حاجت اصلیہ میں سے ہے۔اس لئے مرض الموت کی حالت میں بھی نسب کا اقرار کر سکتا ہے۔اب اس اقرار کی وجہ سے دوسرے ورثہ کو وراثت لینے میں نقصان ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔اور جب بیٹا بن گیا تو وراثت میں شریک بھی ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے کہ دعوی کرنے کی وجہ سے نسب ثابت کر دیا گیا۔**قال اتی علی بثلاثۃ وھو بالیمن وقعوا علی امرأۃ فی طھور واحد فسأل اثنین اتقران لھذا بالولد؟ قالا لا حتی سألھم جمیعا فجعل کلما سأل اثنین قالا لا فاقرع بینھم فالحق الولد بالذی صارت علیہ القرعۃ وجعل علیہ ثلثی الدیۃ قال فذکر ذلک للنبی ﷺ فضحک حتی بدت نواجذہ** (الف) (ابوداؤد شریف، باب من قال بالقرعۃ اذا تنازعوا فی الولد ص ۳۱۶ نمبر ۲۲۷۰ رنسائی شریف، باب القرعۃ فی الولد اذا تنازعوا فیہ ج ثانی ص ۹۴ نمبر ۳۵۱۸) اس اثر میں تین آدمیوں نے بیٹا ہونے کا دعوی کیا تو حضرت علی نے قرعہ سے اس کا فیصلہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ نسب کے اقرار کرنے سے نسب ثابت ہو سکتا ہے۔

اصول مرض الموت میں حاجت اصلیہ کا اقرار کر سکتا ہے۔

[۱۱۵۰] (۵۱) جائز ہے آدمی کا اقرار کرنا والدین کا، بیوی کا، بیٹے کا اور مولی کا۔

تشریح مثلا زید اقرار کرتا ہے کہ عمر اور اس کی بیوی میرے والدین ہیں یا خالدہ میری بیوی ہے۔یا خالد میرا لڑکا ہے یا مولی ہے۔اور یہ لوگ بھی تصدیق کرتے ہوں کہ ایسا ہی ہے جیسا زید کہہ رہا ہے تو ان نسبوں کا اقرار کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علی کے پاس تین آدمی یمن میں آئے۔وہ سب ایک ہی طہر میں ایک عورت سے ملے تھے۔پس حضرت علی نے دو سے پوچھا کیا تم دونوں اس بچے کا اقرار کرتے ہو؟ دونوں نے کہا نہیں۔یہاں تک کہ تینوں سے پوچھا۔پس جب جب بھی دو کو پوچھے دونوں انکار کرتے تھے۔پس ان تینوں کے درمیان قرعہ ڈالا اور لڑکے کو اس کے ساتھ منسوب کر دیا جس کے نام قرعہ نکلا۔اور اس پر دیت کی دو تہائی لازم کی۔فرماتے ہیں کہ حضور کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ہنسے یہاں تک کہ داڑھ مبارک ظاہر ہوگئی۔

یجوز اقرار الرجل بالوالدین والزوجة والولد والمولی[۱۱۵۱] (۵۲) ویقبل اقرار المرأة بالوالدین والزوج والمولی [۱۱۵۲](۵۳) ولا یقبل اقرارها بالولد الا ان یصدقها

وجہ ان نسبوں کے اقرار کی وجہ سے دوسروں پر نسب کا الزام رکھنا نہیں ہے اور نہ دوسروں کا نسب ثابت کرنا ہے بلکہ صرف اپنے نسب کی نسبت کسی کی طرف کرنا ہے۔اس لئے چونکہ دوسروں کا نقصان نہیں ہے اپنا اختیاری فعل ہے اس لئے جائز ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ کسی کا نقصان نہ ہو تو ایسا اقرار نسب کر سکتا ہے۔اور اس کی بنیاد پر کسی وارث کا نقصان ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[۱۱۵۱](۵۲) قبول کیا جائے گا عورت کا اقرار والدین کا اور شوہر کا اور مولی کا۔

تشریح عورت کسی کے بارے میں اقرار کرے کہ یہ باپ ہے یا ماں ہے یا میرا شوہر ہے یا میرا مولی ہے تو جائز ہے۔اور وہ لوگ بھی تصدیق کر دے کہ ایسا ہی ہے تو یہ سب ثابت ہو جائیں گے۔

وجہ اس میں کسی دوسرے پر نسب ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ نسب اپنے اوپر لینا ہے۔اس لئے جائز ہے اور اس اقرار میں کسی کو نقصان دینے کا شبہ بھی نہیں ہے اس لئے بھی جائز ہے۔

[۱۱۵۲](۵۳) اور نہیں قبول کیا جائے گا عورت کا اقرار بیٹے کے بارے میں مگر یہ کہ اس کی تصدیق کرے شوہر اس بارے میں یا اس کی ولادت کی دایہ گواہی دے۔

تشریح عورت اقرار کرتی ہے کہ مثلا زید میرا بیٹا ہے تو عورت کا یہ اقرار اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک اس کا شوہر نہ تصدیق کرے کہ ہاں یہ اس کا بیٹا ہے۔یا دایہ گواہی دے کہ اس عورت کو بچہ پیدا ہوا ہے۔

وجہ بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے اس لئے عورت اگر یہ کہتی ہے کہ زید میرا بیٹا ہے تو اس بیٹے کا نسب اپنے شوہر سے ثابت کرنا چاہتی ہے۔اپنے اوپر نسب لگانے کے ساتھ ساتھ دوسرے پر بھی نسب لگانا ہوا۔صرف اپنے ساتھ نسب ثابت کرتی تو کوئی بات نہیں تھی یہاں تو شوہر پر بھی نسب لگا رہی ہے۔اس لئے شوہر کی تصدیق ضروری ہے۔وہ بیٹے ہونے کی تصدیق کرے گا تو ٹھیک ہے ورنہ عورت کا اقرار نسب باطل ہوگا۔

اصول غیر پر نسب لگانا اس کی تصدیق کی بغیر جائز نہیں ہے۔حدیث میں دوسروں پر نسب کے الزام ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔**عن ابی هریرة انه سمع رسول الله ﷺ یقول حین نزلت آیة المتلاعنین ایما امرأة ادخلت علی قوم من لیس منهم فلیست من الله فی شیء ولن یدخلها الله جنته وایما رجل جحد ولده وهو ینظر الیه احتجب الله تعالی منه وفضحه علی رؤس الاولین والآخرین (الف)** (ابو داؤد شریف، باب التغلیظ فی الانتفاء، ص ۳۱۵، نمبر ۲۲۶۳ رنسائی شریف، باب التغلیظ فی الانتفاء من

حاشیہ : (الف) جس وقت لعان کی آیت نازل ہوئی تو حضورؐ سے سنا کہ کوئی عورت کسی قوم میں ایسے آدمی کو داخل کرے جو اس قوم میں سے نہیں ہے تو اللہ تعالی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔اور اللہ اس کو ہرگز جنت میں داخل نہیں کریں گے۔اور کوئی آدمی اپنی اولاد کا انکار کرے حالانکہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے تو اللہ (باقی اگلے صفحہ پر)

الزوج فی ذلک او تشهد بولادتها قابلة[۱۱۵۳] (۵۴) ومن اقر بنسب من غیر الوالدین والولد مثل الاخ والعم لم یقبل اقراره بالنسب[۱۱۵۴] (۵۵) فان کان له وارث

الولد، ج ثانی، ص ۹۴، نمبر ۳۵۱۱) اس حدیث میں دوسروں پر بلاوجہ نسب ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔اس لئے شوہر تصدیق نہ کرے اس وقت تک لڑکے کے بارے میں عورت کا اقرار قبول نہیں ہے۔البتہ دایہ گواہی دے کہ اس عورت کو بچہ ہوا ہے۔اور اسی بچے کے بارے میں اقرار کرتی ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو شوہر اس کی تصدیق نہ بھی کرے تب بھی بیٹے کا نسب عورت سے ثابت ہوگا۔اور پھر چونکہ عورت شوہر کا فراش ہے اس لئے شوہر سے بھی اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

وجہ کیونکہ جہاں مرد کے لئے دیکھنا حرام ہے وہاں دایہ کی گواہی قابل قبول ہے۔اور اسی گواہی سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔حدیث میں ہے عن حذیفة ان النبی ﷺ اجاز شهادة القابلة (الف) (دار قطنی، کتاب فی الاقضیة والاحکام، ج رابع، ص ۱۴۹، نمبر ۴۵۱۰ رسنن للبیھقی ، باب ماجاء فی عدد ھن ج عاشر، ص ۲۵۴، نمبر ۲۰۵۴۲، کتاب الشہادات) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دایہ کی گواہی بچے کی پیدائش کے بارے میں قابل قبول ہے۔

[۱۱۵۳] (۵۴) کسی نے اقرار کیا نسب کا والدین اور اولاد کے علاوہ کا مثلا بھائی کا یا چچا کا تو اس کے نسب کا اقرار قبول نہیں کیا جائے۔

تشریح مثلا زید نے اقرار کیا کہ عمر میرا بھائی ہے یا چچا ہے تو یہ اقرار قبول نہیں کیا جائے گا۔

وجہ بھائی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے تو مقر نے اپنے باپ سے نسب ثابت کر دیا۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ دوسرے پر نسب کا الزام نہیں رکھ سکتا اور دوسرے سے نسب ثابت نہیں کر سکتا۔اپنے پر کرے تو ٹھیک ہے۔اس لئے بھائی کا اقرار کرنا باطل ہے۔اسی طرح یہ کہے کہ یہ میرا چچا ہے تو اس مطلب یہ ہوا کہ میرے دادا کا بیٹا ہے تو دادا سے نسب ثابت کیا تو دوسرے سے نسب ثابت کیا جو صحیح نہیں ہے۔اس لئے چچا ہونے کا بھی اقرار نہیں کر سکتا۔

اصول نسب کا ایسا اقرار نہیں کر سکتا جس سے دوسرے سے نسب ثابت ہونا لازم ہو۔جس کو تحمیل النسب علی الغیر کہتے ہیں۔

[۱۱۵۴] (۵۵) پس اگر مقر کے لئے معلوم وارث ہو قریبی یا دور کے تو وہ میراث کے زیادہ حقدار ہیں مقر لہ سے۔پس اگر نہ ہو اس کا وارث تو مقر لہ مقر کی میراث کا مستحق ہوگا۔

تشریح مثلا زید نے عمر کے لئے اقرار کیا کہ وہ میرا بھائی ہے یا چچا ہے تو تحمیل النسب علی الغیر کی وجہ سے اس کا نسب زید سے ثابت نہ ہو سکا۔ اب اگر مقر زید کا کوئی وارث ہے چاہے وہ قریبی وارث ہو یا دور کا وارث ہو تو وہ زید کی میراث کا حقدار ہوگا۔

وجہ کیونکہ وہ ثابت شدہ وارث ہیں۔اور بھائی اور چچا جن کا اقرار کیا تھا ان کا نسب ہی زید سے ثابت نہیں ہوا اس لئے وہ زید کے وارث نہیں ہوں گے۔ہاں! کوئی وارث نہ ہوں نہ قریب کے نہ دور کے تو اب جن کے لئے بھائی یا چچا ہونے کا اقرار کیا ہے وہ وارث ہوں گے۔کیونکہ زید

حاشیہ (پچھلے صفحہ سے آگے) تعالی اس سے پردہ کر لیں گے۔اور اس کو اولین اور آخرین کے سامنے شرمندہ کریں گے (الف) حضورؐ نے دایہ کی گواہی کی اجازت دی۔یعنی دایہ کی گواہی ولادت کے بارے میں قابل قبول ہے۔

معروف قریب او بعید فھو اولی بالمیراث من المقر لہ فان لم یکن لہ وارث استحق المقر لہ میراثہ[۱۱۵۵] (۵۶) ومن مات ابوہ فاقر باخ لم یثبت نسب اخیہ منہ ویشارکہ فی المیراث.

کا اپنا مال ہے کوئی وارث نہ ہونے کے وقت جس کو چاہے دے سکتا ہے۔اس لئے اب بیت المال میں وراثت جانے کی بجائے مقرلہ کو دی جائے گی۔

نوٹ اس صورت میں بھائی یا چچا کو نسب ثابت کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اقرار کرنے کی وجہ سے وراثت دے دی گئی۔ کیونکہ اب بیت المال کے علاوہ کوئی وراثت لینے والا نہیں ہے (۲) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ کوئی وارث نہ ہو تو مقرلہ کو وراثت دی جاسکتی ہے۔عن عائشۃ ان رجلا وقع من عذق نخلۃ فمات وترک شیئا ولم یدع ولدا ولا حمیما فقال رسول اللہ ﷺ اعطوا میراثہ رجلا من اھل قریتہ (الف) (سنن للبیہقی، باب من جعل میراث من لم یدع وارثا ولا مولی فی بیت المال، ج سادس، ص ۳۹۸، نمبر ۱۲۴۰۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الذی یموت ولیس لہ وارث ص ۲۳ نمبر ۲۱۰۵) اس حدیث میں کوئی وارث نہیں تھا تو گاؤں والے کو اس کی وراثت دیدی گئی۔اس لئے کوئی وارث نہ ہو تو مقرلہ کو وراثت دے دی جائے گی۔

اصول کوئی وارث نہ ہو تو مقرلہ کو اس کی وراثت دی جائے گی۔

[۱۱۵۵] (۵۶) کسی کے والد کا انتقال ہو گیا پس بھائی ہونے کا اقرار کیا تو اس کے بھائی کا نسب مقر سے ثابت نہیں کیا جائے گا۔لیکن میراث میں اس کے شریک ہوگا۔

تشریح کسی کے والد کا انتقال ہو گیا اس کے بعد مثلا زید نے عمر کے بھائی ہونے کا اقرار کیا کہ یہ میرا بھائی ہے تو چونکہ تحمیل النسب علی الغیر ہے۔یعنی دوسرے پر نسب ڈالنا ہے اس لئے بھائی ہونے کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔لیکن بھائی اقرار کرنے والے کو والد کی میراث سے جتنا حصہ ملے گا اس میں سے آدھا مقرلہ عمر کو بھی دینا پڑے گا۔

وجہ بھائی اقرار کرنے کے دو مقاصد ہیں۔ایک تو باپ سے نسب ثابت کرنا۔یہ تو تحمیل النسب علی الغیر کی وجہ سے نہیں ہوگا۔اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس کو باپ کی وراثت میں شریک کر لیا جائے یہ ہوگا۔لیکن دوسرے بھائیوں کے حصے میں سے نہیں دیا جائے گا صرف اقرار کرنے والے کی میراث میں سے آدھا حصہ دیا جائے گا۔تاکہ کسی کا نقصان بھی نہ ہو اور اقرار کرنے کا دوسرا مقصد بھی پورا ہو جائے (۲) یہ اس کا مال ہے اقرار کر کے دوسرے کو دے سکتا ہے۔

اصول اقرار کر کے دوسرے کا نقصان کرنا درست نہیں ہے۔البتہ ذاتی حق میں اس کا اجراء کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) ایک آدمی کھجور کے درخت سے گرا اور مر گیا اور کچھ مال چھوڑا اور نہ اولاد چھوڑی نہ دوست چھوڑا تو آپ نے فرمایا اس کی میراث اس کے گاؤں والے کسی آدمی کو دیدو۔

﴿ کتاب الاجارۃ ﴾

[۱۱۵۶](۱) الاجارۃ عقد علی المنافع بعوض[۱۱۵۷] (۲) ولا تصح حتی تکون

﴿ کتاب الاجارۃ ﴾

ضروری نوٹ ایک جانب سے منفعت ہو اور دوسری جانب کوئی عین چیز ہو مثلا پونڈ، درہم یا کیلی، وزنی چیز ہو تو اس کو اجارہ کہتے ہیں۔ اجارہ میں منفعت معدوم ہوتی ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے اور احادیث کی وجہ سے کچھ شرائط کے ساتھ اس کو موجود قرار دی گئی اور اجارہ جائز قرار دیا گیا۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **قال انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین علی ان تأجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشرا فمن عندک** (الف) (آیت ۲۷ سورۃ القصص ۲۸) اس آیت میں حضرت موسی علیہ السلام کی شادی آٹھ سال تک بکری چرانے کی اجرت پر کی گئی ہے (۲) اور حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال قال اللہ ثلاثۃ انا خصمھم یوم القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنہ ورجل استأجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ** (ب) (بخاری شریف، باب اثم من منع اجر الاجیر ص ۳۰۲ نمبر ۲۲۷۰) اس حدیث میں ہے کہ اجیر سے کام کروالیا اور اس کی اجرت نہیں دی تو اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ قیامت میں اس کا خصم ہوں گا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اجارہ جائز ہے۔

[۱۱۵۶] (۱) اجارہ عقد ہے منافع پر عوض کے بدلے۔

تشریح اجارہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک جانب منفعت ہو اور دوسری جانب کوئی عین شیء ہو مثلا درہم، دینار، گیہوں یا کوئی کیلی یا وزنی چیز ہو۔ اس کو عقد اجارہ کہتے ہیں۔

وجہ اس کے جواز کی وجہ اوپر کی آیت اور حدیث ہے۔

[۱۱۵۷] (۲) نہیں صحیح ہے اجارہ یہاں تک کہ منافع معلوم ہوں اور اجرت معلوم ہو۔

تشریح منافع کتنے ہوں گے، اس کی مقدار کیا ہوگی وہ بھی معلوم ہو اور اس کے بدلے اجرت کتنی ہوگی وہ بھی معلوم ہو تب اجارہ صحیح ہوگا۔

وجہ اگر منافع معلوم نہ ہوں اور اجرت معلوم نہ ہو تو جھگڑا ہوگا اس لئے دونوں معلوم ہونا ضروری ہے (۲) اوپر آیت میں ثمانی حجج ہے۔ جس سے منافع معلوم ہوئے اور انکحک ہے۔ جس سے عوض بھی معلوم ہوا۔ اس سے اشارہ ہوا کہ دونوں معلوم ہوں (۳) حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ ... ومن استأجر اجیرا فلیعلمہ اجرہ** (ج) (سنن للبیھقی، باب لاتجوز الاجارۃ حتی تکون معلومۃ وتکون الاجرۃ معلومۃ، ج سادس، ص ۱۹۸، نمبر ۱۱۶۵۱ رمصنف عبد الرزاق، باب الرجل یقول بع ھذا بکذا فما زاد فلک وکیف ان باعہ بدین ج ثامن

حاشیہ : (الف) حضرت شعیبؑ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میری دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا آپ سے نکاح کردوں اس بدلے میں کہ آٹھ سال تک اجرت کا کام کریں۔ پس اگر دس پورے کریں تو آپؑ کے پاس سے ہوگا (ب) حضور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین آدمیوں کا میں مدعی ہوں گا۔ ایک آدمی جس نے میری وجہ سے عہد کیا پھر دھوکہ دیا۔ دوسرا آدمی جس نے آزاد کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی اور تیسرا آدمی جس نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا اور اس سے پورا کام لیا پھر اس کو اجرت نہیں دی (ج) آپؐ سے روایت ہے کہ... کسی نے اجیر کو اجرت پر لیا تو اس کی اجرت کتنی ہے اس کی اطلاع دینی چاہئے۔

المنافع معلومة والاجرة معلومة [١١٥٨] (٣) وما جاز ان يكون ثمنا في البيع جاز ان يكون اجرة في الاجارة [١١٥٩] (٤) والمنافع تارة تصير معلومة بالمدة كاستيجار الدور

ص ۲۳۵ نمبر ۱۵۰۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کو اجرت پر رکھو اس کو اجرت معلوم ہونی چاہئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اجرت معلوم ہو۔ اور عمل اور منافع معلوم ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن انس بن مالک قال دعا النبی ﷺ غلاما حجاما فحجمه وامر له بصاع او صاعين او مد او مدين و كلم فيه فخفف من ضريبته** (الف) (بخاری شریف، باب من کلم موالی العبدان یخففوا عنہ من خراجہ ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۸۱) اس حدیث میں حجام ابو طیبہ کا عمل اور منافع معلوم ہے کہ ان کو حضور کی حجامت کرنی ہے اور اس کے بدلے میں ایک صاع یا دو صاع گیہوں دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ منفعت بھی معلوم ہو تب اجارہ صحیح ہوگا۔

اصول اصل قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ابھی موجود نہ ہو بعد میں دی جائے یا آہستہ آہستہ وجود میں آئے گی اس کا کیل، وزن اور صفت معلوم ہو تب عقد ہوگا۔ اجارہ میں منافع بعد میں آہستہ آہستہ وجود میں آئے گا اس لئے وہ معلوم ہوں تب اجارہ درست ہوگا، ثبوت اس حدیث میں ہے **عن ابن عباس ... فقال من اسلف في شيء ففي كيل معلوم ووزن معلوم الى اجل معلوم** (ب) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰ رمسلم شریف، باب السلم ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث میں بیع سلم کے سلسلے میں ہے مگر اجرت کے معلوم ہونے کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

[۱۱۵۸] (۳) جو چیز جائز ہے کہ بیع میں ثمن ہو، جائز ہے کہ وہ اجارہ میں اجرت ہو۔

تشریح جو چیزیں بیع میں ثمن اور قیمت بن سکتی ہیں وہ چیزیں اجارہ میں اجرت بن سکتی ہیں۔

وجہ (۱) اجارہ میں اجرت بیع میں ثمن کی طرح ہے۔ اس لئے جو چیزیں ثمن بن سکتی ہیں وہ چیزیں اجرت بن سکتی ہیں۔ مثلا عددی غیر متقارب جو سامنے موجود نہ ہو وہ ثمن نہیں بن سکتی تو وہ اجرت بھی نہیں بن سکتی۔ اور درہم اور دنانیر یا کیلی وزنی چیزیں ثمن بن سکتی ہیں تو وہ اجرت بھی بن سکتی ہیں **اصول** اصول یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو اور عددی غیر متقارب جو قریب قریب نہ ہوں اور سامنے نہ ہوں تو وہ معلوم نہیں ہے۔ مقدار مجہول ہے اس لئے وہ اجرت نہیں بن سکتی۔

[۱۱۵۹] (۴) منفع کبھی معلوم ہوتے ہیں مدت کے ذریعہ جیسے گھروں کو رہنے کے لئے اجرت پر لینا اور زمین کو کاشتکاری کے لئے لینا، پس صحیح ہوگا عقد مدت معلوم پر کوئی بھی مدت ہو۔

تشریح منفعت معلوم ہونے کے کئی طریقے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مدت معلوم ہو کہ کتنی مدت کے لئے یہ چیز لے رہا ہے۔ اس مدت سے منفعت کا پتہ چلے گا، چاہے جو مدت متعین کرے۔ مثلا گھر رہنے کے لئے لے رہا ہے تو کتنے مہینے کے لئے لے رہا ہے اس سے اس کی منفعت کا پتہ چلے گا۔ یا زمین کاشتکاری کے لئے لے رہا ہے تو کتنے مہینے کے لئے لے رہا ہے اس سے اس کی منفعت کا پتہ چلے گا۔

حاشیہ: (الف) آپؐ نے پچھنا لگانے والے غلام کو بلایا۔ پس اس نے پچھنا لگایا۔ اور آپؐ نے اس کو ایک صاع یا دو صاع دینے کا حکم دیا۔ یا ایک مد یا دو مد دینے کا حکم فرمایا۔ اور اس کے ٹیکس میں تخفیف کرنے کی بات کی (ب) آپؐ نے فرمایا جو بیع کرے تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

للسكنى والارضين للزراعة فيصح العقد علىٰ مدة معلومة اى مدة كانت[۱۱۶۰] (۵)وتارة تصير معلومة بالعمل والتسمية كمن استأجر رجلا على صبغ ثوب او خياطة ثوب او استأجر دابة ليحمل عليها مقدارا معلوما الى موضع معلوم او يركبها مسافة

وجہ زمین کاشتکاری کے لئے دے جس سے منافع کا پتہ چلے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔انه سأل رافع بن خديج عن كراء الارض فقال نهى رسول الله ﷺ عن كراء الارض قال فقلت أبا لذهب والورق؟ فقال اما بالذهب والورق فلابأس به (الف)(مسلم شریف، باب کراء الارض بالذهب والورق ص ۱۱ نمبر ۱۵۴۷)عن ابن عمران رسول الله ﷺ عامل اهل خيبر بشطر ما يخرج منها من ثمر او زرع (مسلم شریف، باب المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزرع، ص ۱۴، نمبر ۱۵۵۱/بخاری شریف، باب اذا لم يشترط السنين فى المزارعة ص ۳۱۳ نمبر ۲۳۲۹)اس حدیث میں ہے کہ اہل خیبر کو زمین کاشتکاری کے لئے دی گئی تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ وقت معلوم ہو تو اس سے کرایہ کا پتہ چلتا ہے۔

[۱۱۶۰](۵)منافع کبھی معلوم ہوتے ہیں عمل کے ذریعہ اور متعین کرنے کے ذریعہ جیسے کسی آدمی کو اجرت پر لیا کپڑا رنگنے کے لئے یا کپڑا سینے کے لئے یا چوپایہ اجرت پر لیا تاکہ اس پر مقدار معلوم لادا جائے مقام معلوم تک یا اس پر سوار ہو مسافت معلوم تک۔

تشریح منافع معلوم ہونے کے مختلف طریقے ہیں۔مصنف کچھ طریقے یہاں بیان کر رہے ہیں۔مثلا ایک طریقہ یہ ہے کہ کام متعین کرکے منفعت کی تعیین کی جائے۔مثلا کپڑا رنگنے کے لئے آدمی کو اجرت پر لے کہ اتنی رقم دوں گا اور اس کے بدلے اتنے کپڑے رنگنے ہیں یا اتنے کپڑے سینے ہیں۔یا چوپایہ اجرت پر لے کہ اتنی رقم دوں گا اور اس پر دو سو کیلو گیہوں لاد کر پانچ میل لے جاؤں گا، یا پانچ میل تک سوار ہو کر سفر کروں گا تو ان تعیین کے ذریعہ سے منفعت کا پتہ چلا اور منفعت کی تعیین ہوئی۔

وجہ منفعت کی تعیین اور اجرت کی تعیین کی مثال حدیث میں ہے۔عن ابن عباس قال اصاب نبى الله خصاصة فبلغ ذلك عليا فخرج يلتمس عملا يصيب فيه شيئا ليقيت به رسول الله ﷺ فاتى بستانا لرجل من اليهود فاستقى له سبعة عشر دلوا كل دلو بتمرة فخيره اليهودى من تمرة سبع عشرة عجوة فجاء بها الى النبى ﷺ (ب)(ابن ماجہ شریف، باب الرجل يستقى كل دلو بتمرة ويشترط جلدة ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۶)اس حدیث میں عمل بھی معلوم ہے اور اجرت بھی معلوم ہے کہ ہر ڈول نکالنے کے بدلے میں ایک کھجور طے کیا اور سترہ ڈول نکالا اور سترہ کھجور لئے۔

لغت خیاطة : سینا۔

حاشیہ : (الف)رافع بن خدیج سے زمین کو کرایہ پر دینے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا حضورؐ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے روکا۔میں نے پوچھا سونے اور چاندی کے بدلے میں؟ فرمایا بہر حال سونے اور چاندی کے بدلے میں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے(ب)حضور کو فاقہ کشی ہوئی تو یہ بات حضرت علی کو معلوم ہوئی تو کام کرنے کے لئے نکلے تاکہ کچھ کمائے جس سے حضور کو بچائے۔پس حضرت علی یہودی کے ایک باغ میں آئے اور اس کے لئے سترہ ڈول نکالے۔ہر ڈول ایک کھجور کے بدلے۔پس یہودی نے سترہ عجوہ کھجور دیئے پھر اس کو حضور کے پاس لیکر آئے۔

معلومة[١١٦١] (٦) وتارة تصير معلومة بالتعيين والاشارة كمن استأجر رجلا لينقل هذا الطعام الى موضع معلوم[١١٦٢](٧) ويجوز استيجار الدور والحوانيت للسكنى وان لم يبين ما يعمل فيها وله ان يعمل كل شيء الا الحداد والقصار والطحان[١١٦٣] (٨) ويجوز استيجار الاراضي للزراعة وللمستأجر الشرب والطريق وان لم يشترط.

[۱۱۶۱] (۶) اور کبھی منافع معلوم ہوتے ہیں تعیین کے ذریعہ اور اشارہ کرنے کے ذریعہ جیسے کہ اجرت پر لیا کسی آدمی کو تا کہ منتقل کرے یہ کھانا مقام معلوم تک۔

تشریح کبھی منافع اس طرح بھی معلوم کرتے ہیں کہ کام کی تعیین کر دے اور اس کی طرف اشارہ کر دے۔ مثلا کسی کو اجرت پر لیا کہ اس کھانے کو فلاں جگہ تک لاد کر لے جانا ہے اور اتنی اجرت ملے گی۔ اس طرح اشارہ اور تعیین سے منافع متعین کرتے ہیں۔

وجہ اس کا ثبوت ایک اثر میں ہے۔ اكترى الحسن من عبد الله بن مرداس حمارا فقال بكم؟ قال بدانقين فركبه (الف) (بخاری شریف، باب من اجری امر الامصار علی مایتعارفون بینھم فی البیوع والاجارۃ ص ۲۹۴ نمبر ۲۲۱۰) اس اثر میں گدھے پر سوار ہونے کے لئے دو دانق دیئے۔

[۱۱۶۲] (۷) اور جائز ہے گھروں کو اجرت پر لینا اور دکانوں کو اجرت پر لینا رہائش کے لئے اگر چہ نہ بیان کرے کہ اس میں کیا کرے گا۔ اور اجیر کے لئے جائز ہے کہ اس میں ہر کام کرے سوائے لوہاری، دھوبی اور پسائی کے۔

تشریح گھروں اور دکانوں کو اجرت پر لینا جائز ہے اور ان مین تمام کام کر سکتے ہیں لیکن لوہا کوٹنے کا کام، کپڑا دھونے کا کام اور آٹا پسائی کا کام نہیں کر سکتے۔

وجہ اگر پہلے سے طے نہیں ہو کہ کیا کام کرنا ہے تو وہ تمام کام کر سکتا ہے جس میں گھر کی دیوار کو نقصان نہ ہو۔ یا گھر کے فرش کا نقصان نہ ہو۔ لیکن جن کاموں میں گھر کی دیوار یا فرش کو نقصان پہنچ سکتا ہو وہ کام ان میں نہیں کر سکتے۔ مثلا لوہاری کے کام سے دیوار کمزور ہوتی ہے۔ کپڑا دھونے کے کام سے فرش خراب ہوتا ہے۔ اور آٹا پسائی کے کام سے فرش گندہ ہوتا ہے اور دیوار بھی کمزور ہوتی ہے۔ اس لئے یہ کام بغیر گھر والے کی اجازت کے نہیں کر سکتا۔

اصول بغیر اجازت کے ایسا کام نہیں کر سکتا جس سے دیوار یا فرش کو نقصان پہنچتا ہو۔ دلیل حدیث لا ضرر ولا ضرار ہے۔

لغت الحداد : لوہاری کا کام۔ القصار : کپڑے دھونے کا پیشہ۔ الطحان : آٹا پیسنا۔

[۱۱۶۳] (۸) اور جائز ہے زمینوں کو اجرت پر لینا کھیتی کے لئے۔ اور مستاجر کے لئے پانی پلانے کی باری اور راستہ ہوگا اگر چہ اس کی شرط نہ لگائی ہو۔

حاشیہ : (ب) حضرت حسن نے عبداللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا تو پوچھا کتنے میں؟ تو مرداس نے کہا دو دانق کے بدلے۔ پس اس پر سوار ہوئے۔

[۱۱۶۴] (۹) ولا یصح العقد حتی یسمی ما یزرع فیھا او یقول علی ان یزرع فیھا ما شاء [۱۱۶۵] (۱۰) ویجوز ان یستأجر الساحة لیبنی فیھا او یغرس فیھا نخلا او شجرا.

تشریح زمین کو کھیتی کرنے کے لئے اجرت پر لینا جائز ہے۔اور پانی پلانے کی جو باری ہوتی ہے یا کھیت تک آنے کا جو راستہ ہوتا ہے وہ بھی خود بخود مل جائیں گے چاہے کھیت اجرت پر لیتے وقت ان کی شرط نہ لگائی ہو۔

وجہ کھیت کو اجرت پر لینے کے بارے میں وہی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کرایہ پر لینا جائز نہیں ہے۔لیکن خود راوی نے بیان کر دیا ہے کہ وہ استحباب کے طور پر تھا تاکہ کھیت والا زائد کھیت کو اپنے بھائیوں کو مفت کھیتی کرنے دیدے۔لیکن اگر کرایہ پر دینا چاہے تو دے سکتا ہے جائز ہے (۲) حدیث میں ہے۔اخبرنی یعنی ابن عباس ان النبی ﷺ لم ینه عنه ولکن قال ان یمنح احدکم اخاہ خیر له من ان یأخذ علیه خرجا معلوما (الف) (بخاری شریف، باب، ص۳۱۳ نمبر ۲۳۳۰ رمسلم شریف، باب الارض تمنح ج ثانی ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھیت مفت دے تو زیادہ بہتر ہے لیکن کرایہ پر دے تو بھی جائز ہے (۳) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال عامل النبی ﷺ خیبر بشطر ما یخرج منھا من ثمر او زرع (ب) (بخاری شریف، باب اذا لم یشترط السنین فی المزارعة ص ۳۱۳ نمبر ۲۳۲۹ رمسلم شریف، باب المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزرع ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اہل خیبر کو زمین کاشت کرنے کے لئے دی اور جو غلہ نکلے اس میں سے کچھ اجیر کو دیا جائے، جس سے معلوم ہوا کہ کھیت اجرت پر دینا جائز ہے۔ کھیتی کرنے کے لئے کھیت پر جانے کے راستے کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی طرح پانی پلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔یہ چیزیں بنیادی ہیں اس لئے بغیر شرط لگائے بھی یہ چیزیں اجارہ میں داخل ہوں گی۔

اصول کھیتی کی بنیادی چیزیں اجرت میں داخل ہوں گی۔

لغت الشرب : پانی پلانا، پانی پلانے کی باری۔

[۱۱۶۴] (۹) اور نہیں صحیح ہے عقد یہاں تک کہ متعین کرے کہ کیا اس میں بوئے گا یا کہے کہ جو چاہو اس میں بوؤ۔

تشریح زمین کرایہ پر لیتے وقت یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ کیا چیز اس میں بوئے گا تاکہ بعد میں جھگڑا نہ ہو۔یا کھیت والا یہ کہہ دے جو چیزیں چاہیں آپ اس میں بوئیں تو کچھ بھی بو سکتا ہے۔

وجہ بعض غلے کے بونے سے زمین خراب ہوتی ہے اور بعض غلے کے بونے سے زمین اچھی ہو جاتی ہے۔اس لئے اجرت پر لیتے وقت یہ طے کرنا ہوگا کہ کون سا غلہ اس میں بوئے گا۔یا پھر کھیت والا یہ کہہ دے کہ جو غلہ چاہو بوؤ۔پھر عقد اجارہ درست ہوگا۔

[۱۱۶۵] (۱۰) جائز ہے خالی زمین کو اجرت پر لینا تاکہ اس کے اندر عمارت بنائے یا اس میں کھجور کا درخت یا کوئی درخت بوئے۔

وجہ جب کاشتکاری کے لئے تین چار ماہ کے لئے زمین اجرت پر لے سکتا ہے تو کئی سالوں کے لئے بھی لے سکتا ہے تاکہ اس میں عمارت تعمیر

حاشیہ : (الف) ابن عباس نے فرمایا کہ حضورؐ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے روکا نہیں ہے۔لیکن فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو زمین عطیہ دیدے تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس سے معلوم کرایہ لے (ب) حضورؐ نے کام کرنے کے لئے دیا اہل خیبر کو آدھے حصے پر جو نکلے زمین میں سے پھل اور کھیتی۔

[۱۱۶۶] (۱۱) فاذا انقضت مدۃ الاجارۃ لزمہ ان یقلع البناء والغرس ویسلمھا فارغۃ.

کی جائے یا سالوں کے لئے پھل دار درخت لگائے جائیں (۲) سالوں کے لئے زمین کرایہ پر لینے کا ثبوت حدیث اور اثر میں ہے۔ وقال ابن عباس ان امثل ما انتم صانعون ان تستأجروا الارض البیضاء من السنۃ الی السنۃ (الف) (بخاری شریف، باب کراء الارض بالذھب والفضۃ ص ۳۱۵ نمبر ۲۳۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کئی سال کے لئے بھی خالی زمین کرایہ پر لے سکتا ہے (۳) یہود کو کئی سال کے لئے خیبر کی زمین دی گئی تھی۔ بعد میں حضرت عمر کے زمانے میں ان کو بے دخل کیا گیا۔ عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اجلی الیھود والنصاری من الارض الحجاز ... واراد اخراج الیھود منھا فسألت الیھود رسول اللہ ﷺ لیقرھم بھا ان یکفوا عملھا ولھم نصف الثمر فقال لھم رسول اللہ ﷺ نقرکم بھا علی ذلک ما شئنا فقروا بھا حتی اجلاھم عمر الی تیماء واریحاء (ب) (بخاری شریف، باب اذا قال رب الارض اقرک ما اقرک اللہ ولم یذکر اجلا معلوما فھما علی تراضیھما ص ۳۱۴ نمبر ۲۳۳۸ رمسلم شریف، باب المساقات والمعاملۃ بجزء من الثمر والزرع ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۱ر ۳۹۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیبر کے یہود کو کھیتی اور کھجور کے باغ کئی سال کے لئے آدھی کھیتی کے بدلے کرایہ پر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خالی زمین بھی عمارت بنانے اور درخت لگانے کے لئے کئی سالوں کے لئے دی جا سکتی ہے۔

لغت الساحۃ: خالی زمین۔ یغرس: درخت لگانا۔

[۱۱۶۶] (۱۱) پس جب اجارہ کی مدت ختم ہو جائے تو اس کو لازم ہوگا کہ عمارت اور درخت اکھاڑ لے اور زمین والے کو خالی زمین سپرد کرے۔

تشریح مثلا بیس سال کے لئے خالی زمین اجرت پر لی تھی اور اس میں عمارت بنائی تھی یا درخت لگائے تھے تو بیس سال پورے ہونے کے بعد عمارت ختم کر دے اور درخت کاٹ لے اور جیسی خالی زمین کرایہ کے وقت لی تھی ویسی ہی بالکل خالی کر کے زمین والے کو حوالے کرے۔

وجہ (۱) اگر زمین پر عمارت یا درخت لگے رہنے کی شرط لگا دے تو اس میں اجیر کا نقصان ہوگا کہ بغیر کسی قیمت کے اس کو عمارت اور درخت چھوڑنا پڑ رہا ہے۔ اس لئے یہ بھی درست نہیں۔ اور ایسا بھی ہوگا کہ اس عمارت اور درخت کی ضرورت نہ ہو تو اس کو اکھاڑنے اور ڈھانے میں کھیت والے کی رقم خرچ ہوگی جس سے کھیت والے کو نقصان ہوگا۔ اس لئے قانون یہی ہوگا کہ جیسی خالی زمین کرایہ کے وقت لی تھی ویسی ہی خالی کر کے زمین واپس کرے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال المسلمون علی شروطھم والصلح جائز بین المسلمین (ج) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۲۳ نمبر ۲۸۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

حاشیہ: (الف) ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کے مثل جو تم کرتے ہو یہ کہ خالی زمین کو اجرت پر لے ایک سال سے دوسرے سال تک (ب) عمر بن خطاب نے یہود کو اور نصاری کو ارض حجاز سے جلا وطن کیا۔ حضورؐ نے یہود کو خیبر سے نکالنے کا ارادہ کیا تو یہود نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ان کو خیبر میں ٹھہرنے دیں۔ تاکہ ان کی کاشتکاری کریں۔ اور اہل مدینہ کے لئے آدھا پھل ہو تو حضورؐ نے ان سے کہا ہم تم کو رکھتے ہیں اس پر جتنا چاہیں۔ تو وہ لوگ وہاں ٹھہرے رہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عمر نے ان کو جلا وطن کیا مقام تیماء اور اریحاء تک (ج) آپؐ نے فرمایا مسلمان اپنی شرط کے مطابق ہوتے ہیں یعنی شرط کے مطابق رہنا چاہئے اور صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے۔

[۱۱۶۷](۱۲)الا ان یختار صاحب الارض ان یغرم لہ قیمۃ ذلک مقلوعا و یملکہ

[۱۱۶۸](۱۳) او یرضی بترکہ علی حالہ فیکون البناء لھذا والارض لھذا.

جس شرط پر زمین کرایہ پر دی گئی تھی اسی شرط پر واپس کرے (۳) دوسری حدیث میں ہے کہ بغیر دلی خوشی کے کسی کا مال لینا جائز نہیں ہے۔ عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال لایحل مال امرأ مسلم الا بطیب نفسہ (الف) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۲۲ نمبر ۲۸۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر رضامندی کے کسی کا مال لینا جائز نہیں۔ اس لئے بغیر اجیر کی رضامندی کے اس کو گھر یا درخت زمین پر چھوڑ دینے کے لئے کہنا جائز نہیں ہے۔

[۱۱۶۷] (۱۲) مگر یہ کہ زمین والا پسند کرے کہ اکھڑے ہوئے کی قیمت دے اور گھر یا درخت کا مالک ہو جائے۔

تشریح زمین والا اس بات پر راضی ہو جائے کہ ٹوٹے ہوئے گھر اور اکھڑے ہوئے درخت کی جو قیمت ہو سکتی ہے وہ اجیر کو دیدے اور گھر اور درخت کا مالک ہو جائے تو ایسا کر سکتا ہے۔

وجہ کرایہ پر زمین لینے والے پر گھر توڑ کر زمین خالی کرنا ضروری تھا۔ اسی طرح درخت کاٹ کر زمین خالی کرنا ضروری تھا اس لئے یوں سمجھو کہ گھر ٹوٹ چکا اور درخت کٹ چکے۔ اس لئے ٹوٹے ہوئے گھر کی قیمت اور کٹے ہوئے درخت کی قیمت جو ہو سکتی ہے وہ قیمت زمین والا دے گا اور سالم گھر اور سالم درخت کا مالک بن جائے گا۔ یہ الگ سے بیع اور شراء ہے جس میں کھیت والا اور کرایہ پر لینے والے دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ اس قسم کے صلح کی گنجائش حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ المسلمون علی شروطھم والصلح جائز بین المسلمین (ب) (دارقطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۲۳ نمبر ۲۸۶۷) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان کے درمیان صلح کرنا جائز ہے اس لئے ٹوٹے ہوئے گھر اور کٹے ہوئے درخت پر آپس میں صلح کی قیمت ہو جائے تو جائز ہے۔

نوٹ یہ پہلے کرایہ کے اندر بیع نہیں ہے کہ بیع کے اندر بیع ہو کر نا جائز ہو جائے۔ کیونکہ کرایہ کی بات تو کئی سال پہلے ہو چکی تھی اور ٹوٹے ہوئے گھر کی بیع ابھی ہو رہی ہے اس لئے بیع و شرط نہیں ہوئی کہ ناجائز ہو جائے۔

لغت یغرم : تاوان دے۔ مقلوعا : قلع سے مشتق ہے اکھیڑنا۔

[۱۱۶۸] (۱۳) یا راضی ہو جائے چھوڑنے پر اپنی حالت پر۔ پس عمارت کرایہ دار کے لئے اور زمین زمین والے کے لئے ہوگی۔

تشریح کرایہ پر لینے کی مدت ختم ہوگئی ہے۔ اس لئے کرایہ دار کو گھر توڑنا چاہئے اور درخت کاٹنا چاہئے لیکن دونوں راضی ہو جائے کہ مزید زمانے کے لئے گھر اور درخت زمین پر چھوڑ دو تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں زمین زمین والے کی رہے گی اور مکان یا درخت مکان یا درخت والے کے ہوں گے۔

وجہ زمین والے کی چیز ہے وہ راضی خوشی سے ایسا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ بلکہ حدیث کی رو سے ایک قسم کا تعاون ہوگا اور بھائی کی مدد کرنے کا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی مسلمان آدمی کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کی خوش دلی سے (ب) آپؐ نے فرمایا مسلمان اپنی شرط کے مطابق ہوتے ہیں یعنی شرط کے مطابق رہنا چاہئے اور صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے۔

[۱۱۶۹](۱۴) ویجوز استیجار الدواب للرکوب والحمل فان اطلق الرکوب جازله ان یرکبها من شاء وکذلک ان استأجر ثوبا للبس واطلق [۱۱۷۰](۱۵) فان قال له علی ان

ثواب ملے گا۔عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال لان یمنح الرجل اخاه ارضه خیر له من ان یأخذ علیها خرجا معلوما (الف) (مسلم شریف، باب الارض تمنح ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۰ ربخاری شریف، باب ما کان من اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضهم فی الزراعة والثمر ص ۳۱۵ نمبر ۲۳۴۲) اس حدیث میں ہے کہ بغیر کرایہ کے زمین کسی بھائی کو دے تو بہت بہتر ہے۔اس لئے اپنی زمین بغیر کرایہ کے گھر والے یا مکان والے کو دے سکتا ہے،ثواب ملے گا۔

[۱۱۶۹](۱۴) جائز ہے چوپایوں کو اجرت پر لینا سوار ہونے کے لئے اور بوجھ لادنے کے لئے،پس اگر مطلق رکھا سوار ہونے کو تو جائز ہے کہ اس پر سوار ہو جو چاہے۔اور ایسے ہی اگر اجرت پر لیا کپڑے کو پہننے کے لئے اور مطلق رکھا۔

تشریح چوپائے کو سوار ہونے کے لئے اور بوجھ لادنے کے لئے اجرت پر لینا جائز ہے۔اگر کسی سواری کو متعین نہیں کیا تو کوئی بھی آدمی اس پر سوار ہو سکتا ہے۔اسی طرح بوجھ لادنے کے لئے اجرت پر لیا اور کیا چیز لادے گا اس کا تعین نہیں کیا تو کوئی چیز بھی چوپائے پر لاد سکتا ہے۔البتہ ایسی چیز نہیں لاد سکتا جس سے چوپائے کی ہلاکت یا اس کے نقصان ہونے کا ظن غالب ہو۔

وجہ چوپایہ سواری کے لئے کرایہ پر لے اس کے ثبوت کے لئے یہ اثر ہے۔واکتری الحسن من عبد اللہ بن مرداس حمارا فقال بکم؟ قال بدانقین فرکبه ثم جاء مرة اخری فقال الحمار الحمار فرکبه ولم یشارطه فبعث الیه بنصف درهم (ب) (بخاری شریف، باب من اجری امر الامصار علی مایتعارفون بینهم فی البیوع والاجارة الخ ص ۲۹۴ نمبر ۲۲۱۰) اس اثر میں گدھے کو سواری کے لئے دو دانق میں کرایہ پر لیا گیا ہے۔اور کوئی آدمی اس لئے سوار ہو سکتا ہے کہ کسی خاص آدمی کا تعین نہیں کیا۔

اسی طرح کپڑا پہننے کے لئے اجرت پر لیا تو لے سکتا ہے۔اور پہننے والے کا تعین نہیں کیا تو کوئی بھی آدمی اس کپڑے کو پہن سکتا ہے۔

اصول مستعمل کے اختلاف سے فرق نہ پڑتا ہو اور کسی خاص آدمی کی شرط نہ لگائی ہو تو کوئی بھی استعمال کر سکتا ہے۔

لغت اطلق : مطلق چھوڑا ہو،کسی کو متعین نہ کیا ہو۔

[۱۱۷۰](۱۵) پس اگر کہا چوپائے والے کو یہ کہ اس پر سوار ہوگا فلاں یا کپڑا پہنے گا فلاں۔پس سوار کیا اس کے علاوہ کو یا پہنایا اس کے علاوہ کو تو ضامن ہوگا اگر ہلاک ہوا چوپایہ یا برباد ہوا کپڑا۔

تشریح چوپایہ کرایہ پر لیا اور اس پر خاص آدمی کے سوار ہونے کو کرایہ پر لیتے وقت متعین کیا۔بعد میں اس کے خلاف کیا اور دوسرے آدمی کو سوار کیا۔پس اگر جانور ہلاک ہو گیا یا کپڑا برباد ہو گیا تو اجیر جانور اور کپڑے کا ضامن ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کوئی آدمی اپنے بھائی کو زمین عطا کرے یہ بہتر ہے اس کے لئے اس سے کہ اس پر کوئی معلوم اجرت لے (ب) حضرت حسن نے عبد اللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا تو پوچھا کتنے میں ہے؟ عبد اللہ نے کہا دو دانق میں۔پس اس پر سوار ہوئے پھر دوسری مرتبہ آئے اور کہا گدھا چاہئے۔پس اس پر سوار ہوئے اور کرایہ کی شرط نہیں کی۔پھر اس کو آدھا درہم بھیجا۔

یرکبھا فلان او یلبس الثوب فلان فارکبھا غیرہ او البسہ غیرہ کان ضامنا ان عطبت الدابة او تلف الثوب[۱۱۷۱] (۱۶) وکذلک کل ما یختلف باختلاف المستعمل [۱۱۷۲](۱۷) فاما العقار وما لا یختلف باختلاف المستعمل فلا یعتبر تقییدہ فان شرط سکنی واحد بعینہ فلہ ان یسکن غیرہ[۱۱۷۳] (۱۸) وان سمی نوعا وقدرا یحملہ علی

وجہ قاعدہ ہے کہ استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے استعمال کرنے میں فرق پڑتا ہے جیسے کہ سوار سوار میں فرق ہوتا ہے۔کوئی بھاری سوار ہوتا ہے کوئی ہلکا سوار ہوتا ہے۔گدھا بھاری سوار کو مشکل سے لے جائے گا جبکہ ہلکے سوار کو آسانی سے منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔اسی طرح ماہر سوار جانور کو آرام سے لے جاتا ہے جبکہ اجڑ سوار جانور کو تنگ کر دیتا ہے۔یہی حال کپڑے پہننے والے کا ہے۔اس لئے جب ایک خاص آدمی سواری کے لئے متعین ہوا اور بعد میں اس کے خلاف کیا تو چونکہ شرط کے خلاف کیا اس لئے وہ چیز اس کے ہاتھ میں امانت کی نہیں رہی بلکہ ضمانت کی ہوگئی۔اس لئے ہلاک ہونے پر جانور کا تاوان دینا ہوگا۔یا جو نقصان ہوا ہے وہ بھرنا ہوگا۔

اصول شرط کے خلاف کرنے سے ہلاکت پر تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

لغت عطب : ہلاک ہوا، تھک گیا۔ تلف : برباد ہوا، ضائع ہوگیا۔

[۱۱۷۱] (۱۶) ایسا ہی حال ہے ہر اس چیز کا جو مختلف ہوتی ہے استعمال کرنے والے کے اختلاف سے۔

تشریح جو چیز استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے مستعمل چیز پر فرق پڑتا ہو ہر ایک کا معاملہ یہی ہے کہ اگر ایک آدمی کو متعین کیا اور اس کے خلاف دوسرے کو استعمال کرنے دیا اور اس سے چیز ہلاک ہوگئی تو تاوان دینا ہوگا۔اصول اور دلائل اوپر گزر گئے۔

[۱۱۷۲] (۱۷) بہر حال زمین اور ہر وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے مختلف نہیں ہوتی۔پس اگر شرط لگائی کسی خاص آدمی کی رہائش کی، تب بھی اس کے لئے جائز ہے کہ دوسرے کو ٹھہرائے۔

تشریح زمین ہے یا مکان ہے جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑتا یا استعمال کرنے والے کے بدلنے سے کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوتا۔جیسے زمین میں کوئی آدمی بھی کاشتکاری کرے زمین پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔اس لئے زمین کو کاشتکاری کے لئے کرایہ پر لے اور خاص آدمی کو متعین کرے پھر دوسرے آدمی اس کو کاشتکاری کرنے لگ جائے اور نقصان ہو جائے تو کرایہ دار پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ زمین کو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا ہے۔

اصول استعمال کرنے والے کے بدلنے سے فرق نہ پڑتا ہو تو استعمال کرنے والے کے بدل جانے پر نقصان ہونے سے تاوان لازم نہیں ہوگا (۲) اس صورت میں کوئی بھی آدمی استعمال کر سکتا ہے۔

لغت العقار : زمین۔

[۱۱۷۳] (۱۸) اگر متعین کیا ایک نوع یا مقدار جو لادے گا چوپائے پر مثلا یہ کہے کہ پانچ قفیز گیہوں تو اس کے لئے جائز ہے کہ لادے جو گیہوں

الدابة مثل ان یقول خمسة اقفزة حنطة فله ان یحمل ما هو مثل الحنطة فی الضرر او اقل کالشعیر والسمسم ولیس له ان یحمل ما هو اضر من الحنطة کالملح والحدید والرصاص[۱۱۷۴] (۱۹) فان استأجرها لیحمل علیها قطنا سماه فلیس له ان یحمل مثل وزنه حدیدا.

کے مثل ہو ضرر میں یا کم ہو، جیسے جو اور تل۔ اور اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ لادے جو زیادہ نقصان دہ ہو گیہوں سے، جیسے نمک، لوہا اور سیسہ۔

تشریح چوپایہ کرایہ پر لیا اور خاص قسم کی چیز لادنے کی شرط کی تو قاعدہ یہ ہے کہ اس جیسی چیز یا اس سے کم نقصان دہ چیز اس پر لاد سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نقصان دہ چیز نہیں لاد سکتا۔ اگر لادے تو خلاف شرط ہوگا اور ہلاک ہونے پر تاوان ادا کرنا ہوگا۔ مثلا شرط کی پانچ قفیز گیہوں لادوں گا تو پانچ قفیز جو اور تل لاد سکتا ہے۔ کیونکہ یہ نقصان دہ میں گیہوں کے برابر ہیں۔ لیکن پانچ قفیز نمک، لوہا اور سیسہ نہیں لاد سکتا۔ کیونکہ نمک اور لوہا جانور کو زیادہ نقصان دیتے ہیں۔

اصول جس قسم کی چیز طے ہوئی اس کی مثل یا اس سے کم نقصان دہ چیز لاد سکتا ہے۔ اس سے زیادہ ضرر رساں چیز نہیں لاد سکتا۔ دلیل یہ اثر ہے عبد الرزاق قال قال معمر اذا دفعها الی رجل فحمل علیها مثل شرطه قال لا شیء علیه ولا ضمان (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الکری یتعدی بہ ج ثامن ص ۲۱۲ نمبر ۱۴۹۳۰)

لغت اقفزة : قفیز کی جمع، ایک خاص وزن۔ السمسم : تل۔ الرصاص : سیسہ۔

[۱۱۷۴] (۱۹) پس اگر چوپائے کو اجرت پر لیا تا کہ اس پر معین مقدار روئی لادے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اس کی وزن کے مقدار لوہا لادے۔

تشریح چوپایہ کرایہ پر لیا تا کہ اس پر مثلا سو کیلو روئی لادے گا تو اس پر سو کیلو لوہا نہیں لاد سکتا۔

وجہ روئی نرم ہوتی ہے اس سے جانور کی پیٹھ زخمی نہیں ہوگی اور ہلکی محسوس ہوگی۔ اس لئے روئی کے بدلے اسی کے وزن کے مثل لوہا نہیں لاد سکتا۔ اگر لادا اور جانور ہلاک ہوا تو ضمان لازم ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن شریح انه قال لیس علی مستکری ضمان فان تعدی فجاوز علیها الموقت فعطبت قال شریح یجتمع علیه الکراء والضمان (ب) (سنن للبیہقی، باب لا ضمان علی المکتری فیما اکتری الا ان یتعدی ج سادس ص ۲۰۳، نمبر ۱۱۶۷۱۔ مصنف عبدالرزاق، باب الکری یتعدی بہ، ج ثامن، ص ۲۱۱، نمبر ۱۴۹۲۵) حضرت شریح کے اس فیصلے میں ہے کہ شرط سے تجاوز کرے اور جانور ہلاک ہو جائے تو اجیر پر ضمان اور کرایہ دونوں لازم ہوں گے۔

حاشیہ (الف) حضرت معمر نے فرمایا جب کرایہ کا جانور دے کسی آدمی کو اور اس پر سوار ہو اس کی شرط کے مثل تو فرمایا اس پر نہ کوئی الزام ہے اور نہ ضمان ہے (ب) حضرت شریح نے فرمایا کرایہ دار پر کوئی ضمان نہیں ہے۔ پس اگر تعدی کرے اور شرط سے تجاوز کرے اور جانور ہلاک ہو جائے تو حضرت شریح نے فرمایا اس پر جمع ہوگا کرایہ بھی اور ضمان بھی۔

[۱۱۷۵] (۲۰) وان استأجرها ليركبها فاردف معه رجلا آخر فعطبت ضمن نصف قيمتها ان كانت الدابة يطيقهما ولا يعتبر بالثقل[۱۱۷۶] (۲۱) وان استأجرها ليحمل

اصول شرط سے تجاوز کرنے سے ہلاک ہوا تو ضمان لازم ہوگا۔

[۱۱۷۵] (۲۰) اگر چوپائے کو اجرت پر لیا تا کہ اس پر سوار ہو۔ پس اپنے پیچھے دوسرے کو بھی سوار کر لیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو اس کی آدھی قیمت کا ضمان ہوگا اگر چوپایہ دونوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو اور بوجھ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

تشریح چوپایہ اجرت پر لیا تا کہ اس پر ایک آدمی سوار ہو۔ اب اپنے پیچھے ایک اور آدمی کو سوار کر لیا جس کی وجہ سے جانور ہلاک ہو گیا۔ پس اگر جانور ایسا تھا کہ دونوں آدمیوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا تھا تاہم وہ ہلاک ہو گیا تو اجیر جانور کی آدھی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور اگر جانور ایسا تھا جو دو آدمیوں کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا تو پوری قیمت کا ضامن ہوگا۔

وجہ (۱) عام عرف کے اعتبار سے ایک آدمی سوار ہونا چاہئے لیکن دو آدمی سوار ہو گئے جس کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے۔ اس لئے ایک آدمی کی اجازت تھی دوسرے آدمی کی اجازت نہیں تھی اس لئے آدھی قیمت کا ضامن ہوگا (۲) عن ابن سيرين استأجر اجيرا ليحمل على ظهره شيئا الى مكان معلوم فزاد عليه فغرمه شريح بقدر ما زاد عليه بحساب ذلك (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الكرى يتعدى به ج ثامن ص ۲۱۲ نمبر ۱۴۹۲۶) اس اثر میں ہے کہ جتنا طے ہوا تھا اتنا لادنے سے ضمان لازم نہیں ہوگا۔ لیکن جو زیادہ لادا اس کا فیصد نکال کر حساب کر کے ضمان لازم ہوگا۔

نوٹ اگر جانور ایسا تھا کہ دو آدمیوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تھا پھر بھی دو آدمی سوار ہو گئے تو پورے جانور کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

وجہ اس لئے کہ اس نے معروف کے خلاف کیا اور ایسا سمجھا جائے گا کہ جانور کو جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی نیت سے دو آدمی سوار ہوئے اس لئے پوری قیمت ادا کرے۔ اثر میں ہے عن حماد قال من اكترى فتعدى فهلك فله الكرى الاول والضمان عليه (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الکری یتعدی بہ ج ثامن ص ۲۱۱ نمبر ۱۴۹۲۵ رسنن للبیہقی، باب لاضمان علی المکتری فیما اکتری الا ان یتعدی، ج سادس، ص ۲۰۳، نمبر ۱۱۶۷۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تعدی کا ضمان لازم ہوگا۔

نوٹ آدمی سوار ہونے میں آدمی کی تعداد کا اعتبار ہے خود آدمی کے وزن کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔

اصول تعدی کا ضمان لازم ہوگا۔

لغت عطب : تھک گیا، ہلاک ہو گیا۔

[۱۱۷۶] (۲۱) اگر اجرت پر لیا چوپائے کو تا کہ اس پر لادے گیہوں کی ایک مقدار، پس لادا اس سے زیادہ، پس چوپایہ ہلاک ہو گیا تو ضامن ہوگا

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرین سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے ایک آدمی کو اجرت پر لیا تا کہ مقام معلوم تک اس کی پیٹھ پر کچھ لادا جائے۔ پس اس پر زیادہ لادا تو حضرت شریح اس کو تاوان دلواتے تھے اس کی مقدار جو زیادہ ہوا اس کے حساب سے (ب) حضرت حماد سے منقول ہے کہ جس نے کرایہ پر لیا پس زیادتی کی جس کی وجہ سے ہلاک ہو گیا تو اس کے لئے کرایہ اول ہے اور اس پر ضمان ہے۔

علیھا مقدارا من الحنطۃ فحمل علیھا اکثر منہ فعطبت ضمن مازاد من الثقل[۱۱۷۷]
(۲۲) وان کبح الدابۃ بلجامھا او ضربھا فعطبت ضمن عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی و

جتنا بوجھ زیادہ ہو۔

تشریح مثلا سو کیلو گیہوں لادنے کے لئے چوپایہ کرایہ پر لیا پھر اس نے اس شرط کی مخالفت کرتے ہوئے ایک سو پچیس کیلو گیہوں لاد دیا تو پچیس کیلو گیہوں جو زیادہ لادا اس کو حساب کر کے قیمت کا ذمہ دار ہوگا۔ مثلا چوپائے کی قیمت ایک سو پچیس پونڈ تھی تو کرایہ پر لینے والا پچیس پونڈ کا ذمہ دار ہوگا باقی سو پونڈ جانور والے کے گئے۔

وجہ کیونکہ سو کیلو گیہوں لادنے کی تو اجازت تھی اس لئے اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا جو زیادہ لادا ہے صرف اس کا ذمہ دار ہوگا۔

وجہ مسئلہ نمبر ۲۰ میں قاضی شریح کا فتوی گزر گیا ہے اور اصول بھی۔

[۱۱۷۷] (۲۲) اگر چوپائے کو لگام سے کھینچا یا اس کو مارا، پس چوپایہ ہلاک ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ضامن ہوگا اور فرمایا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح چوپایہ کرایہ پر لیا اور اس کو لگام سے کھینچ کر کھڑا کرنا چاہا جس سے چوپایہ ہلاک ہو گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ضامن ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ لگام کھینچنے کا حق ہے لیکن بشرط سلامت حق ہے۔ اس طرح لگام کھینچنے کا حق نہیں ہے کہ چوپایہ ہلاک ہو جائے۔ اس کو احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ لیکن احتیاط سے کام نہیں لیا اس لئے ضامن ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے وقال مطرف عن الشعبی یضمن ما اعنت بیدہ (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان الاجیر الذی یعمل بیدہ نمبر ۱۴۹۴۶) اس اثر میں ہے کہ ہاتھ سے جو نقصان ہو وہ اجیر کو ادا کرنا ہوگا۔ یہاں ہاتھ سے لگام کھینچا ہے اور جانور ہلاک ہوا ہے اس لئے تاوان ہوگا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ لگام کھینچنا اس کا ذاتی حق ہے اس کے بغیر تو جانور کو کھڑا ہی نہیں رکھ سکتا تھا اس لئے اس کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے تو یہ تعدی نہیں ہے اس لئے کرایہ دار پر تاوان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے عن ابن سیرین قال جعل شریح علی رجل تعدی بقدر ما تعدی (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الکری یتعدی بہ ج ثامن ص ۲۱۲ نمبر ۱۴۹۲۷) اس اثر میں ہے کہ تعدی اور زیادتی کے مطابق کرایہ دار پر ضمان ہوگا اور کرایہ دار نے لگام کھینچ کر کوئی تعدی نہیں کی اس لئے اس پر کوئی ضمان لازم نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس قاعدہ پر متفرع ہے کہ معروف طریقے پر جو حقوق ہیں ان کو استعمال کرنے کے لئے سلامت کی شرط ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ کا قاعدہ یہ ہے جانور کو کھینچنے اور چلانے کا جو حق حاصل ہے وہ اس شرط پر ہے کہ جانور سالم رہے ہلاک نہ ہو۔ اگر جانور ہلاک ہوا تو حق استعمال کرنے کے باوجود ضامن ہوگا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ معروف طریقے سے حقوق استعمال کئے تو چاہے جانور ہلاک ہو جائے اس

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی فرماتے ہیں ضامن ہوگا جو کچھ اپنے ہاتھ سے کام کیا۔ یعنی ہاتھ سے کام کرنے کی وجہ سے اگر ہلاک ہوا ہو تو اس پر ضمان ہوگا۔ جیسے رنگریز اور دھوبی (ب) حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت شریح وہ آدمی جس نے زیادتی کی ہو تو زیادتی کی مقدار ضمان لازم کرتے تھے۔

قال ابو یوسف و محمد رحمهما الله لا یضمن[۱۱۷۸] (۲۳) والاجراء علی ضربین اجیر مشترک واجیر خاص فالمشترک من لا یستحق الاجرة حتی یعمل کالصباغ و القصار[۱۱۷۹] (۲۴) والمتاع امانة فی یده ان هلک لم یضمن شیئا عند ابی حنیفة

پرضمان نہیں ہے۔ کیونکہ معروف طریقے سے چلانے اور ٹھہرانے کا حق حاصل تھا۔

لغت کبح : چوپائے کو لگام سے کھینچ کر ٹھہرانا۔

[۱۱۷۸] (۲۳) اجیروں کی دو قسمیں ہیں اجیر مشترک اور اجیر خاص، پس اجیر مشترک وہ ہے جو اجرت کا مستحق نہیں ہوتا یہاں تک کہ کام کردے۔ جیسے رنگریز اور دھوبی۔

تشریح اجیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کا کام بھی لیا ہے اور دوسروں کا کام بھی اسی وقت لیا ہے۔ اور اصل اجرت وقت گزرنے پر نہیں ہوتی بلکہ کام کردینے پر ہوتی ہے جس کو ٹھیکا کا کام کہتے ہیں۔ جیسے دس آدمیوں کے کپڑے لئے کہ ان کو رنگ دوں گا اب کپڑا رنگنے پر اجرت ملے گی چاہے وقت کتنا ہی لگے۔ چونکہ یہ بیک وقت کئی آدمیوں سے رنگنے کے لئے کپڑا لیا ہے اس لئے اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں۔ اور اجیر خاص اس کو کہتے ہیں کہ صبح سے شام تک آپ کا ہی کام کرے گا کسی اور کا نہیں کرے گا۔ اور شام ہونے کے بعد اجرت کا مستحق ہو جائے گا چاہے کتنا ہی کم کام کرے۔ چونکہ یہ مخصوص وقت میں صرف آپ کا ہی اجیر ہے کسی اور کا نہیں اس لئے اس کو اجیر خاص کہتے ہیں۔

[۱۱۷۹] (۲۴) سامان امانت ہے اس کے ہاتھ میں اگر ہلاک ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک کچھ ضامن نہیں ہوگا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اجیر مشترک کے ہاتھ میں چیز امانت ہوتی ہے۔ جیسے کپڑا رنگریز کے ہاتھ میں دیا تو وہ کپڑا اس کے ہاتھ میں امانت رہے گا۔ اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے کہ حضرت علی اجیر مشترک کو ضامن نہیں بناتے تھے۔ عن صالح بن دینار ان علیا کان لا یضمن الاجیر المشترک (الف) مصنف ابن ابی شیبة ۵۴ فی الاجیر یضمن ام لا؟ ج سابع ص ۳۱۶، نمبر ۲۰۴۸۹) محمد ابن سیرین کا بھی یہی فتوی تھا کہ اجیر مشترک کو ہلاکت کی وجہ سے ضامن نہ بنایا جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں رکھا ہے وہ امانت کے طور پر رکھا ہے۔ کیونکہ مال والے نے خوشی سے اس کے ہاتھ میں دیا ہے۔ اس لئے بغیر اس کی تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ مثلا کپڑا دھونے کی وجہ سے پھٹ جائے تو کپڑے کا ضمان اس پر لازم نہیں ہوگا۔

اصول اجیر مشترک کے ہاتھ میں چیز بطور امانت ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ضامن ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت علی اجیر مشترک پر ضمان لازم نہیں کرتے تھے نوٹ : دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی ضمان لازم کرتے تھے۔

وقالا رحمهما الله تعالى يضمنه[١١٨٠] (٢٥) وما تلف بعمله كتخريق الثوب من دقه وزلق الحمال وانقطاع الحبل الذى يشد به المكارى الحمل وغرق السفينة من مدها مضمون.

وجہ اس کے ہاتھ میں جوکام کرنے کے لئے دیا ہے وہ بشرط سلامت دیا ہے اور اس نے اس کو برباد کر دیا اس لئے اس کا ضامن ہوگا (٢) اثر میں ہے کہ کئی صحابی اور تابعی اجیر مشترک کو ضامن بناتے تھے۔ عن علی انه كان يضمن الصباغ والصائغ وقال لا يصلح للناس الا ذاک (الف) (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی تضمین الاجراء، ج سادس، ص ٢٠٢، نمبر ١١٦٦٦ رمصنف عبد الرزاق، باب ضمان الاجیر الذی یعمل بیدہ، ج ثامن، ص ٢١٧ نمبر ١٤٩٤٨ رمصنف ابن ابی شیبۃ ٥٤ فی الاجیر یضمن ام لا، ج رابع، ص ٣١٥، نمبر ٢٠٤٧٨) اس اثر سے ثابت ہوا کہ اجیر مشترک کے ہاتھ میں چیز ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا۔

اصول اجیر مشترک کے ہاتھ میں چیز بطور ضمانت ہے۔

لغت الصباغ : رنگریز، کپڑا رنگنے والا۔ القصار : کپڑا دھونے والا، دھوبی۔

[١١٨٠] (٢٥) اور جو تلف ہوا اجیر کے عمل سے جیسے کوٹنے کی وجہ سے کپڑے کا پھٹ جانا اور مزدور کا پھسل جانا اور اس رسی کا ٹوٹ جانا جس سے کرایہ پر دینے والا وجھ باندھتا ہے اور رسی کے کھینچنے کی وجہ سے کشتی کا ڈوب جانا یہ سب مضمون ہیں۔

تشریح جوکام ہاتھ سے کئے جاتے ہوں اس میں نقصان ہو جائے تو اجیر پر اس کا ضمان لازم ہے۔ مثلا کپڑا دھونے کے لئے دیا۔ دھوبی نے اس کو ایسا کوٹا کہ پھٹ گیا تو دھوبی پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔ یا مزدور پھسل گیا جس کی وجہ سے سر پر کا بوجھ نیچے گر گیا اور سامان ٹوٹ گیا تو مزدور پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔ یا جس رسی سے بوجھ باندھتے ہیں وہ ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے سامان نیچے گر گیا اور ٹوٹ گیا تو اس کا ضمان لازم ہوگا۔ یا کشتی کو اچانک کھینچا جس کی وجہ سے کشتی ڈوب گئی اور سامان خراب ہوا تو کشتی والے پر سامان کا ضمان لازم ہوگا۔

وجہ اجیر کو یہ سب کرنے کا حق تو تھا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ سامان سلامت رہے۔ لیکن اس نے اس انداز سے کام کیا کہ سامان کو نقصان پہنچا اس لئے اس کو ضمان دینا ہوگا۔ یہ مسئلہ امام صاحبین کے مسلک پر ہے (٢) اثر اوپر گزر گیا ہے کہ حضرت علی اجیر مشترک پر ضمان لازم کرتے تھے (٣) ان عمر بن الخطاب ضمن الصباغ الذی یعمل بیدہ (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان الاجیر الذی یعمل بیدہ ج ثامن ص ٢١٧ نمبر ١٤٩٤٩) اس اثر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ بھی رنگریز جو ہاتھ سے کام کرتے ہیں ان پر نقصان کی وجہ سے ضمان لازم کرتے تھے۔ اس لئے ان لوگوں پر ضمان لازم ہوگا۔

اصول اجیر مشترک پر نقصان کی وجہ سے ضمان لازم ہوگا۔

لغت تخریق : کپڑے کا پھٹنا۔ دق : کوٹنا۔ زلق : پھسلنا۔ الحمال : بوجھ اٹھانے والا۔ المکاری : کرایہ دار۔ مد : کھینچنا۔

حاشیہ : (الف) حضرت علی ضمان لازم کرتے تھے رنگریز پر اور لوہار پر اور فرماتے تھے کہ لوگوں کے لئے اچھا نہیں ہے مگر یہ (ب) حضرت عمر ضامن بناتے تھے رنگریز کو جو ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔

[۱۱۸۱] (۲۶) الا انه لایضمن به بنی آدم فمن غرق فی السفینة او سقط من الدابة لم یضمنه [۱۱۸۲] (۲۷) واذا فصد الفصاد او بزغ البزاغ ولم یتجاوز الموضع المعتاد فلا

[۱۱۸۱] (۲۶) مگر یہ نہیں ضامن ہوگا بنی آدم کا پس جو غرق ہو گیا کشتی ڈوبنے کی وجہ سے یا گر گیا چوپائے سے تو اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح البتہ اجرت کے موقع پر انسان ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان اجیر پر نہیں ہے۔ چنانچہ کشتی کھینچنے کی وجہ سے کشتی ڈوب گئی اور اس کی وجہ سے آدمی مر گیا تو آدمی کا ضمان اجیر پر نہیں ہوگا۔ اسی طرح لگام کھینچنے کی وجہ سے آدمی چوپائے سے گر گیا اور مر گیا تو اجیر پر آدمی کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) اجیر کی غلطی کی وجہ سے آدمی کی جان گئی تو یہ قتل خطا ہے اور قتل خطا کا تاوان اجیر کے خاندان کے لوگ دیں گے جو اجیر کے عاقلہ ہیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ اجیر کے عاقلہ جنایت کی وجہ سے جو قتل خطا ہوا ہو اس کا تاوان دیں گے۔ اور یہ قتل خطا جنایت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ عقد اجرت کی وجہ سے ہوا ہے اس لئے اجیر کے عاقلہ یعنی خاندان والے اس کا تاوان ادا نہیں کریں گے۔ اس لئے خود اجیر پر بھی انسانی ہلاکتوں کا ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) انسان کا ضمان تو بہت ہوتا ہے۔ اگر اس کا ضمان لازم کریں تو اجیر تباہ ہو جائے گا اس لئے انسان کا ضمان لازم نہیں ہوگا (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ سئل عامر عن صاحب بعیر حمل قوما فغرقوا قال لیس علیه شیء (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان الاجیر الذی یعمل بیدہ، ج ثامن، ص ۲۲۱، نمبر ۱۴۹۶۷) اس اثر میں ہے کہ اونٹ والے نے کچھ لوگوں کو سوار کیا پھر وہ سب غرق ہو گئے تو اس پر کچھ لازم نہیں کیا (۳) عن ابن سیرین عن شریح انه کان لا یضمن الملاح غرقا ولا حرقا (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۵۴ فی الاجیر یضمن ام لا؟ ج رابع، ص ۳۱۵، نمبر ۲۰۴۸۸) اس اثر میں حضرت شریح نے ملاح پر ڈوبنے اور جلنے کی وجہ سے کچھ لازم نہیں کیا۔

اصول اجرت کی وجہ سے انسانی ہلاکت پر ضمان لازم نہیں ہے۔

لغت غرق: ڈوب گیا۔ الدابة: چوپایہ۔

[۱۱۸۲] (۲۷) اگر فصد کھولنے والے نے فصد کھولی یا داغ لگانے والے نے داغ لگایا اور معتاد جگہ سے آگے نہیں بڑھا تو ان دونوں پر ضمان نہیں ہے اس کا جوان سے ہلاک ہوا۔ اور اگر اس سے بڑھ گیا تو ضمان ہوگا۔

تشریح فصد لگانے والے کو جسم چیرنا پڑتا ہے۔ پس اگر اتنا ہی چیرا جتنا چیرنا چاہئے پھر بھی آدمی ہلاک ہو گیا تو فصد کھولنے والے پر کچھ ضمان نہیں ہوگا۔ اسی طرح داغ لگانے والے نے جسم پر اتنا ہی داغ لگایا جتنا لگانا چاہئے پھر بھی ہلاک ہو گیا تو اس پر ضمان نہیں ہوگا۔ اور زیادہ لگا دیا جس کی وجہ سے ہلاک ہوا تو ضمان لازم ہوگا۔

وجہ مناسب مقام تک فصد لگانے اور اس کو چیرنے کی اس کو اجازت ہے اس لئے اتنا چیرنے یا داغ لگانے سے ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں

حاشیہ: (الف) حضرت عامر سے پوچھا گیا کہ اونٹ والے نے کچھ لوگوں کو اٹھایا۔ پس وہ لوگ ڈوب گئے۔ فرمایا اونٹ والے پر کچھ لازم نہیں ہے (ب) حضرت شریح سے منقول ہے کہ ملاح ڈوبنے اور جلنے کا ضامن نہیں ہے۔

ضمان علیهما فیما عطب من ذلک وان تجاوزه ضمن [۱۱۸۳] (۲۸) والاجیر الخاص هو الذی یستحق الاجرة بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل کمن استأجر رجلا شهرا للخدمة او لرعی الغنم[۱۱۸۴] (۲۹) ولا ضمان علی الاجیر الخاص فیما تلف فی یده

ہوگا۔ کیونکہ اس نے وہی کیا جس کا اس کو حق ہے۔ ہاں! زیادہ چیرنے سے ضامن ہوگا، کیونکہ اس کا حق نہیں تھا (۲) اثر میں ہے عن شریح انہ قال لیس علی مستکری ضمان فان تعدی فجاوز علیها الوقت فعطبت قال شریح یجتمع علیه الکراء والضمان (الف) (سنن للبیھقی، باب لاضمان علی المکتری فیما اکتری الا ان یتعدی، ج سادس، ص ۲۰۳، نمبر ۱۱۶۱۷ رمصنف عبد الرزاق، باب الکری یتعدی بہ، ج ثامن، ص ۲۱۲، نمبر ۱۴۹۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مقام مناسب سے تجاوز کرے گا تو ضمان لازم نہیں ہوگا۔

اصول جسم چیرنے میں حدود سے تجاوز کرے گا اور نقصان ہوگا تو اجیر پر ضمان ہوگا۔ اور حدود میں رہ کر چیرا تو ضمان لازم نہیں ہوگا۔

لغت فصد : فصد کھولنا، جسم چیر کر خون نکالنا۔ بزغ : نشتر لگانا، جسم چیرنا۔ الموضع المعتاد : جہاں جہاں تک جسم چیرنا مناسب ہو۔

[۱۱۸۳] (۲۸) اور اجیر خاص وہ ہے جو اجر کا مستحق ہوتا ہے اپنے آپ کو سپرد کر دینے سے مدت میں، اگر چہ کام نہ کیا ہو جیسے کسی آدمی کو اجرت پر لیا ایک ماہ خدمت کے لئے، یا بکری چرانے کے لئے۔

تشریح اجیر خاص اس کو کہتے ہیں کہ خاص مدت میں اسی کا مزدور ہو کسی اور کا نہ ہو۔ اور اس مدت میں اسی کا کام کر سکتا ہو کسی اور کا نہ کر سکتا ہو۔ جیسے صبح سے لیکر شام تک مزدور کو اجرت پر لیتے ہیں کہ اس کا کام کرے گا کسی اور کا نہیں یا مثلا ایک ماہ تک مالک کی خدمت کرے گا یا ایک ماہ تک مالک کی بکری چرائے گا۔ تو یہ اجیر مشترک نہیں اجیر خاص ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ کام کم کرے یا زیادہ کرے یا نہ کرے، صرف صبح سے شام تک مدت متعینہ میں مستأجر کو سپرد کر دے اسی سے وہ اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

[۱۱۸۴] (۲۹) اور نہیں ضمان ہے اجیر خاص پر اس کا جو ضائع ہو جائے اس کے ہاتھ میں اور نہ جو ضائع ہو جائے اس کے عمل سے مگر یہ کہ زیادتی کرے۔

تشریح اجیر خاص کے ہاتھ میں جا کر کوئی چیز ضائع ہو جائے یا جو منافع وجود میں آئے تھے ان میں سے کچھ نفع ضائع ہو گیا تو ان دونوں کے ضائع ہونے پر اجیر خاص پر ضمان نہیں ہے۔ مثلا بکری چرانے کے لئے اجیر خاص کو دی اور بکری اس کے پاس سے بغیر اس کی تعدی کے ہلاک ہوگئی تو اجیر پر بکری کا تاوان نہیں ہے۔ یا بکری کو بچہ ہوا اور اجیر کے پاس مرگیا تو اس بچے کا تاوان اجیر پر نہیں ہے۔

وجہ اجیر خاص کے ہاتھ میں جو کچھ ہے چاہے عین شی ہو یا اس کے منافع ہوں وہ مالک کی اجازت سے ہیں اور اس وقت کسی اور کا مال اجیر کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ مال امانت کے طور پر اس کے ہاتھ میں ہے اور بغیر تعدی کے امانت ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوتا

حاشیہ : (الف) حضرت شریح فرماتے ہیں کہ کرایہ دار پر ضمان نہیں ہے۔ پس اگر تعدی کی اور شرط سے تجاوز کیا اور ہلاک ہوا تو حضرت شریح نے فرمایا اس پر کرایہ اور ضمان دونوں لازم ہوں گے۔

ولا فی ما تلف من عمله الا ان یتعدی فیضمن[۱۱۸۵](۳۰) والاجارة تفسدها الشروط کما تفسد البیع [۱۱۸۶](۳۱) ومن استأجر عبدا للخدمة فلیس له ان یسافر به الا ان

۔اس لئے اجیر خاص پرضمان لازم نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے۔عن الشعبی قال لیس علی اجیر المشاھرة ضمان (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۵۴ فی الجیر یضمن ام لا؟ ج رابع ، ص ۳۱۵ ،نمبر ۲۰۴۸۷ رمصنف عبدالرزاق ، باب ضمان الاجیر الذی یعمل بیده ، ج ثامن ،ص ۲۱۷ ،نمبر ۱۴۹۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اجیر خاص پر تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو ضمان نہیں ہے۔

اصول اجیر خاص کے ہاتھ میں مالک کا مال امانت ہوتا ہے۔

[۱۱۸۵] (۳۰) اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں شرطیں جیسے وہ فاسد کر دیتی ہیں بیع کو۔

تشریح جو شرطیں بیع کو فاسد کرتی ہیں وہ شرطیں اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہیں۔ مثلا ایسی شرطیں جن میں اجیر کا فائدہ ہو یا مستاجر کا فائدہ ہو تو ان شرطوں سے اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

وجہ کیونکہ اجارہ بھی بیع کی طرح عقد ہے۔فرق یہ ہے کہ بیع میں عین شی کی بیع ہوتی ہے اور اجارہ میں منافع کی بیع ہوتی ہے۔تو چونکہ دونوں عقد ہیں اس لئے دونوں میں شرط فاسد سے عقد فاسد ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔عن ابی مسعود الانصاری ان رسول اللہ ﷺ نهی عن ثمن الکلب ومھر البغی وحلوان الکاھن (ب) (بخاری شریف، باب کسب البغی والاماء ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۸۲ رمسلم شریف، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاھن ومھر البغی ص ۱۹ نمبر ۱۵۶۷) اس حدیث میں زنا کی اجرت اور کاہن کے پاس جا کر اجرت دینے سے منع فرمایا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا اجارہ فاسد ہوگا (۳) دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر قال نهی النبی عن عسب الفحل (ج) (بخاری شریف، باب عسب الفحل ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۴ رمسلم شریف، باب تحریم بیع فضل الماء...وتحریم بیع ضراب الفحل ص ۱۸ نمبر ۱۵۶۵/۴۰۰۵) اس حدیث میں سانڈ کی جفتی کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ یہ اجارہ فاسد ہے۔

[۱۱۸۶] (۳۱) کسی نے غلام کو خدمت کے لئے اجرت پر لیا۔پس اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو ساتھ لیکر سفر کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس پر شرط لگائے عقد میں۔

تشریح کسی نے غلام کو حضر میں خدمت کے لئے لیا تو اس کو بغیر اس کی مرضی کے سفر میں نہیں لے جا سکتا۔جب تک کہ عقد کرتے وقت شرط نہ لگائے کہ میں اس کو خدمت کے لئے سفر میں لے جاؤں گا۔ہاں! عقد اجارہ کرتے وقت یہ شرط لگائے کہ غلام کو سفر میں بھی لے جاؤں گا تو لے جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

وجہ سفر میں مشقت ہوتی ہے اس میں خدمت کرنا مشکل کام ہے اس لئے حضر میں اجارہ ہوا ہے تو غلام کی مرضی کے بغیر اس کو سفر میں نہیں لے جا سکتا (۲) حدیث میں ہے۔وقال النبی ﷺ المسلمون عند شروطھم (د) (بخاری شریف، باب اجر السمسرة ص ۳۰۳ نمبر

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ ماہانہ اجیر پرضمان لازم نہیں ہے (ب) حضورؐ نے منع فرمایا کتے کی قیمت سے، زنا کی اجرت سے اور کاہن کے پاس آنے سے (ج) حضورؐ نے روکا سانڈ کی جفتی کی اجرت سے (د) آپؐ نے فرمایا مسلمان شرطوں کا پاسبان ہے۔

یشترط علیہ ذلک فی العقد[۱۱۸۷] (۳۲) ومن استأجر جملا لیحمل علیہ محمل وراکبین الی مکۃ جاز ولہ المحمل المعتاد[۱۱۸۸] (۳۳) وان شاھد الجمال المحمل فھو اجود[۱۱۸۹] (۳۴) فان استأجر بعیرا لیحمل علیہ مقدارا من الزاد فاکل منہ فی

۲۲۷۴)اس حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کو شرط کی رعایت کرنی چاہئے۔اور چونکہ بظاہر حضر کی شرط ہے اس لئے سفر میں نہیں لے سکتا۔

اصول حضر میں خدمت اور ہے اور سفر میں خدمت اور ہے دونوں ہم مثل نہیں ہیں۔

[۱۱۸۷] (۳۲) کسی نے اونٹ اجرت پر لیا تا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمی سوار کرے مکہ تک تو جائز ہے۔اور اس کے لئے جائز ہے متعاد کجاوہ

تشریح کسی نے اونٹ اجرت پر لیا تا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمی سوار ہو اور مکہ تک سفر کرے تو ایسا کرنا جائز ہے۔اور اجیر پر لازم ہے کہ عام طور پر جو کجاوہ اونٹ پر رکھا جاتا ہے وہ کجاوہ اونٹ پر رکھے۔نہ زیادہ بڑا ہو اور نہ چھوٹا۔

وجہ جب کوئی خاص کجاوہ طے نہ ہو تو ایسی صورت میں معروف کی طرف پھیرا جاتا ہے۔اور معاشرے میں معروف ومشہور جو ہو وہی لازم ہوتا ہے۔اس لئے یہاں بھی متعاد ومعروف کجاوہ ہی رکھ سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔**عن عائشۃ قالت ھند ام معاویۃ لرسول اللہ ﷺ ان ابا سفیان رجل شحیح فھل علی جناح ان آخذ من مالہ سرا؟ قال خذی انت و بنوک ما یکفیک بالمعروف** (الف) (بخاری شریف، باب من اجری امر الامصار علی ما یتعارفون بینھم فی البیوع والاجارۃ، ص ۲۹۴، نمبر ۲۲۱۱) اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابو سفیان کے مال میں سے جو معروف ہو وہ آپ لے سکتی ہیں۔آیت میں بھی ہے۔**ومن کان فقیرا فلیأکل بالمعروف** (آیت ۶ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں بھی ہے کہ غریب آدمی یتیم کے مال کی تجارت کرے تو معاشرے میں جتنی معروف اجرت ہو وہ لے سکتا ہے۔اس لئے یہاں بھی کجاوہ طے نہیں ہوا ہو تو معروف کجاوہ رکھ سکتا ہے۔

اصول کوئی چیز طے نہ ہو تو معاشرے کی معتاد چیز کا فیصلہ ہوگا۔

لغت محمل : اٹھانے کی چیز، حمل سے مشتق ہے مراد ہے کجاوہ۔ المعتاد : عادۃ سے مشتق ہے جو عام عادت ہو۔

[۱۱۸۸] (۳۳) اور اگر اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔

وجہ اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو سفر سے پہلے رضامندی ہو جائے گی اور بات طے ہو جائے گی اس لئے دیکھ لینا بہتر ہوگا۔

[۱۱۸۹] (۳۴) اگر اجرت پر لیا اونٹ کو تا کہ اس پر توشے کی ایک مقدار لادے۔پس اس سے راستہ میں کھا لیا تو جائز ہے اس کے لئے کہ اتنا اور لوٹائے اس کے بدلے میں جو کھایا۔

تشریح مثلا کسی نے اونٹ اجرت پر لیا کہ اس پر سو کیلو توشہ لادے گا۔پھر راستہ میں دس کیلو کھا لیا تو اس کو حق ہے کہ الگ سے دس کیلو اونٹ پر لادے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ام معاویہ ہندہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ ابو سفیان بخیل آدمی ہے۔کیا مجھ پر کوئی گناہ ہے اگر چپکے سے اس کے مال میں سے کچھ لے لوں؟ آپؐ نے فرمایا تم اور تمہارے بیٹوں کو کافی ہو معروف کے ساتھ وہ لے لو۔

الطریق جاز له ان یرد عوض ما اکل [۱۱۹۰] (۳۵) والاجرة لا تجب بالعقد وتستحق باحد ثلثة معان اما بشرط التعجیل او بالتعجیل من غیر شرط او باستیفاء المعقود

وجہ بات یہ ہوئی تھی کہ سو کیلو لاد کر منزل تک لے جاؤں گا اور راستے میں دس کیلو کم ہو گیا اس لئے اس کے بدلے میں مزید دس کیلو لاد لینے کا حق ہوگا (۲) حدیث گزر چکی ہے۔ وقال النبی ﷺ المسلمون عند شروطهم (الف) (بخاری شریف، باب اجرة السمسرة، نمبر ۲۲۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو شرط کے مطابق رہنا چاہئے اور چونکہ منزل تک سو کیلو کی شرط تھی اس لئے سو کیلو پورا کر سکتا ہے۔

[۱۱۹۰] (۳۵) اجرت نہیں واجب ہوتی ہے عقد سے اور مستحق ہوتا ہے تین باتوں میں سے کسی ایک سے یا جلدی کی شرط لگانے سے یا بغیر شرط کے جلدی دے دینے سے یا معقود علیہ حاصل کر لینے سے۔

تشریح صرف عقد اجارہ کرنے سے اجرت دینا واجب نہیں ہوگا بلکہ تین باتوں میں سے ایک ہو تو اجرت دینا واجب ہوگا۔ ایک تو یہ کہ عقد کرتے وقت ہی شرط کر لے کہ اجرت پہلے لوں گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے دینے کی شرط تو نہیں لگائی لیکن خود بخود مستاجر نے اجرت پہلے دیدی۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ اجیر نے منافع ادا کر دیئے تو مستاجر پر اجرت دینا واجب ہو جائے گا۔

وجہ اجرت عین شی ہوتی ہے جو خارج میں موجود ہوتی ہے۔ اور منفع تھوڑے تھوڑے کر کے وجود میں آتے رہتے ہیں۔ وہ ابھی خارج میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے جب وہ وجود میں آجائے تب اجرت واجب ہوگی تاکہ دونوں برابر ہو جائیں۔ اس لئے منافع وصول ہونے کے بعد اور وجود میں آنے کے بعد اجرت واجب ہوگی۔ ہاں! اگر پہلے دینے کی شرط لگا دی تو گویا کہ منافع موجود ہو گئے۔ اور مستاجر اس پر راضی بھی ہو گیا اس لئے اب اجرت پہلے دینا واجب ہوگا (۲) حدیث کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ منافع وصول ہونے کے بعد اجرت واجب ہوگی۔ حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ اعطوا الاجیر اجره قبل ان یجف عرقه (ب) (ابن ماجہ شریف، باب اجر الاجیر ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۳) اس حدیث میں ہے کہ کام کرنے کے بعد پسینہ خشک ہونے سے پہلے اجرت دو۔ جس سے معلوم ہوا کہ کام کرنے کے بعد اجرت دینا واجب ہوگا (۳) عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال الله تعالی ثلاثة انا خصمهم یوم القیامة ... ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منه ولم یعطه اجره (ج) (بخاری شریف، باب اثم من باع حرا ص ۲۹۷ نمبر ۲۲۲۷ / ابن ماجہ شریف، باب اجر الاجراء ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۲) اس حدیث میں ہے کہ منافع پورا وصول کر لیا اور اجرت نہیں دی۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ منافع وصول کرنے کے بعد اجرت واجب ہوگی۔ ہاں! خود پہلے اجرت دیدے تو مستاجر کی مرضی ہے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ عقد ہوتے ہی اجرت واجب ہوگی۔

وجہ کیونکہ عقد ہو گیا تو اجیر اجرت لینے کا مستحق ہو گیا۔

حاشیہ : (ب) آپؐ نے فرمایا مسلمانوں کو شرطوں کی پاسداری کرنا چاہئے (ب) اجیر کو اس کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دو (ج) آپؐ نے فرمایا اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ تین آدمیوں سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا... ایک تیسرا آدمی جس نے اجیر کو اجرت پر لیا اور اس نے پورا نفع وصول کیا اور اس کو اجرت نہیں دی۔

عليه[۱۱۹۱] (۳۶) ومن استجار دارا فللموجر ان يطالبه باجرة كل يوم الا ان يبين وقت الاستحقاق بالعقد[۱۱۹۲] (۳۷) ومن استأجر بعيرا الى مكة فللجمال ان يطالبه باجرة

لغت المعقود عليه : جس پر عقد ہوا ہو۔ معان : جمع ہے معنی کی۔

[۱۱۹۱] (۳۶) کسی نے گھر اجرت پر لیا تو اجرت پر دینے والے کو حق ہے کہ اس سے ہر دن کی اجرت طلب کرے مگر یہ کہ عقد میں استحقاق کا وقت بیان کر دے۔

تشریح کسی نے کسی سے گھر اجرت پر لیا اور ماہانہ اور سالانہ اجرت طے نہیں کی تو گھر والے کو حق ہے کہ ہر دن کی اجرت طلب کرے۔ البتہ اگر ماہانہ اجرت طے ہو جائے تو مہینے میں طلب کرے گا۔ اور سالانہ اجرت طے ہو جائے تو ہر سال میں اجرت طلب کرے گا۔

وجہ ہر گھنٹے میں تو طلب نہیں کر سکتا ورنہ پریشانی ہوگی۔ البتہ ایک دن رات ایک معتد بہ وقت ہے اور اس کا نفع قابل شمار ہے جسکا نفع اجیر نے اٹھایا ہے۔ اس لئے اگر کوئی وقت ماہانہ یا سالانہ عقد میں طے نہیں ہوا ہو تو ہر دن الگ الگ اجرت طلب کر سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابن عباس قال اصاب نبی الله خصاصة ... فاتی بستانا لرجل من اليهود فاستقى له سبعة عشر دلوا كل دلو بتمرة فخيره اليهودی من تمرة سبع عشرة عجوة فجاء بها الى نبی الله** ﷺ (الف) (ابن ماجہ شریف، باب الرجل لیستقی کل دلو بتمرة ویشترط جلدة ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۶) اس حدیث میں ہر ایک ڈول ایک کھجور کے بدلے میں ہے۔ اس لئے ہر دن کی اجرت الگ الگ ہو سکتی ہے (۳) یوں بھی یومیہ مزدور ہر دن کی اجرت الگ الگ لیتا ہے اس لئے گھر کے کرایہ میں ہر دن کا کرایہ الگ الگ لے سکتا ہے۔

اصول ہر دن رات معتد بہ وقت ہے۔

[۱۱۹۲] (۳۷) کسی نے اونٹ مکہ تک لے جانے کے لئے اجرت پر لیا تو اونٹ والے کے لئے جائز ہے کہ طلب کرے ہر منزل کی اجرت۔

تشریح کسی نے مکہ تک لے جانے کے لئے اونٹ اجرت پر لیا اور طے نہیں کیا کہ سفر ختم ہونے کے بعد اجرت لے گا یا ہر ہر منزل پر اجرت طلب کرے گا تو اونٹ والے کو حق ہے کہ ہر ہر منزل پر الگ الگ اجرت طلب کرے۔

وجہ ہر منزل معتد بہ فاصلہ ہے اور اس کی اجرت الگ الگ ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہر منزل پر الگ الگ اجرت مانگ سکتا ہے۔

نوٹ اگر عرف یہ ہے کہ سفر مکمل طے ہونے کے بعد اجرت دیتے ہیں یا سفر مکمل طے ہونے کے بعد اجرت دینا طے پایا ہے تو سفر مکمل طے ہونے کے بعد ہی اجرت مانگ سکتا ہے۔

اصول ہر منزل معتد بہ فاصلہ ہے۔

لغت الجمال : اونٹ والا۔ مرحلة : منزل۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور کو فاقہ کشی کی نوبت آئی...تو حضرت علی ایک یہودی کے باغ آئے اور اس کے لئے سترہ ڈول پانی کھینچا، ہر ڈول ایک کھجور کے بدلے تو یہودی نے ان کو سترہ عجوہ کھجور دیا۔ اور حضرت علی ان کو حضور کے پاس لیکر آئے۔

کل مرحلة[۱۱۹۳] (۳۸) ولیس للقصار والخیاط ان یطالب بالاجرة حتی یفرغ من العمل الا ان یشترط التعجیل[۱۱۹۴] (۳۹) ومن استأجر خبازا لیخبز له فی بیته قفیز دقیق بدرھم لم یستحق الاجرة حتی یخرج الخبز من التنور [۱۱۹۵](۴۰) ومن استأجر

[۱۱۹۳](۳۸) دھوبی کے لئے اور درزی کے لئے حق نہیں ہے کہ طلب کرے اجرت یہاں تک کہ فارغ ہو جائے کام سے مگر یہ کہ پیشگی شرط لگا لے۔

تشریح دھوبی اور درزی جب تک مکمل کام نہ کر دے تب تک اجرت مانگنے کا حقدار نہیں ہیں۔ ہاں! پہلے سے پیشگی اجرت لینے کی شرط لگا لے تو پیشگی اجرت لے سکتے ہیں۔

وجہ دھوبی کا کام ایسا ہے کہ جب تک کپڑا مکمل دھل نہ جائے کام مکمل نہیں ہوتا۔ درمیان میں کپڑا اور گندہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کام مکمل کرنے کے بعد ہی اجرت کا مستحق ہوگا۔ البتہ پہلے سے پیشگی اجرت لینے کی شرط لگا لے تو متاجر کی رضامندی سے ایسا کر سکتے ہیں۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کام معتد بہ ہونے سے پہلے اجرت لینا چاہے تو اجرت کا مستحق نہیں ہے۔

[۱۱۹۴](۳۹) کسی نے اجرت پر لیا روٹی پکانے والے کو تاکہ اس کے لئے اس کے گھر میں روٹی پکائے ایک قفیز آٹے کی ایک درہم میں تو اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ روٹی تنور سے نکال دے۔

تشریح روٹی پکانے والے کو گھر میں روٹی پکانے کے لئے اجرت پر لیا اور اجرت یہ طے ہوئی کہ ایک قفیز آٹے کی روٹی ایک درہم میں پکا کر دے گا۔ تو روٹی تنور سے نکال کر دے گا تب اجرت کا مستحق ہوگا۔

وجہ تنور سے نکالنے سے پہلے وہ گوندھا ہوا آٹا ہے روٹی نہیں ہے۔ پکا کر تنور سے نکالنے کے بعد روٹی بنے گی اس لئے تنور سے نکالنے سے پہلے اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

اصول روٹی میں تنور سے نکالنے سے پہلے معتد بہ نفع نہیں ہے اس لئے اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

لغت خبز : روٹی۔ دقیق : آٹا۔ تنور : چولھا۔

[۱۱۹۵](۴۰) کسی نے باورچی اجرت پر لیا تاکہ اس کے لئے ولیمہ کا کھانا پکائے تو پیالے میں ڈالنا بھی اسی پر ہے۔

تشریح باورچی کو ولیمہ کا کھانا پکانے کے لئے اجرت پر لیا تو کھانا پکانے کے بعد کھانا تھالی میں ڈالنا بھی باورچی کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے تھالی میں ڈالنا بھی باورچی کا کام ہوگا۔ تھالی میں ڈالنا مصنف کے معاشرے میں تھا اور وہاں کا عرف تھا اس لئے مصنف نے اپنے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے فرمایا۔

نوٹ جہاں کوئی عرف نہ ہو وہاں کھانا پکا دینے سے باورچی کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کام تمام ہونے میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔

طباخا لیطبخ له طعاما للولیمة فالغرف علیه[۱۱۹۶] (۴۱) ومن استأجر رجلا لیضرب له لبنا استحق الاجرة اذا اقامه عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله تعالی لا یستحقها حتی یشرجه[۱۱۹۷] (۴۲) واذا قال للخیاط ان خطت هذا الثوب فارسیا فبدرهم وان خطته رومیا فبدرهمین جاز وای العملین عمل استحق الاجرة[۱۱۹۸] (۴۳)وان قال ان خطته الیوم فبدرهم وان خطته غدا فبنصف درهم فان خاطه الیوم فله

لغت الغرف : چمچی ڈالکر کھانا نکالنا۔

[۱۱۹۶] (۴۱) کسی نے آدمی اجرت پر لیا تا کہ اس کے لئے اینٹ بنائے تو اجرت کا مستحق ہوگا جب ان کو کھڑی کردے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں مستحق ہوگا اجرت کا یہاں تک کہ اس کا چٹا لگادے۔

تشریح اینٹ بنانے کے لئے آدمی کو اجرت پر لیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ اینٹ سکھا لینے کے بعد جب اینٹ کھڑی کردے تو اس کا کام پورا ہو گیا اب وہ اجرت کا مستحق ہے۔

وجہ اس لئے کہ اینٹ کھڑی کردی تو اب وہ قابل انتفاع ہوگئی اس لئے اب وہ اجرت کا مستحق ہو گیا۔اس سے زیادہ کام مثلا اینٹ کو تہ بتہ لگانا اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا یہ زیادہ کام ہے اینٹ بنانے والے کی ذمہ داری نہیں ہے۔صاحبین فرماتے ہیں کہ عام عرف میں اینٹ کو تہ بتہ لگانا اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا بھی شامل ہے۔اس کے بغیر اینٹ بنانے والے کی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔اس لئے تہ بتہ لگانے کے بعد اجرت کا مستحق ہوگا۔

لغت یشرج : اینٹ کو تہبتہ لگانا اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا۔ لبن : کچی اینٹ۔

[۱۱۹۷] (۴۲) اگر درزی سے کہا اگر اس کپڑے کو فارسی طرز پر سیئے تو ایک درہم اور اگر اس کو رومی طرز پر سیئے تو دو درہم تو جائز ہے اور جونسا بھی عمل کرے گا اس اجرت کا مستحق ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اجرت کے لئے دو الگ الگ انداز اختیار کئے اور دونوں انداز کے لئے الگ الگ اجرت متعین کی تو جس انداز سے عمل کرے گا اس انداز کی اجرت ملے گی اور ایسا کرنا جائز ہے۔مثلا کہا کہ اس کپڑے کو فارسی طرز کا جبہ سیئے گا تو ایک درہم اس کی اجرت ہوگی اور رومی طرز کا جبہ سیئے گا تو دو درہم اجرت ہوگی۔تو اس طرح اجرت اور عمل طے کرنا جائز ہے۔اس لئے فارسی طرز کا سیئے گا تو ایک درہم اور رومی طرز کا سیئے گا تو دو درہم اجرت ملے گی۔

وجہ چونکہ دونوں کام الگ الگ ہیں اور دونوں کے لئے الگ الگ اجرت متعین ہیں اور کوئی جہالت نہیں ہے اس لئے اجارہ درست ہے (۲) حدیث گزر چکی ہے المسلمون عند شروطهم۔

[۱۱۹۸] (۴۳) اور اگر کہا کہ اگر اس کو سیئے گا آج تو ایک درہم ہے اور اگر سیئے گا کل تو آدھا درہم ہے۔پس اگر سیا آج تو اس کے لئے ایک

درهم وان خاطه غدا فله اجرة مثله عند ابی حنیفة رحمه الله ولا یتجاوز به نصف درهم وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله الشرطان جائزان وایهما عمل استحق الاجرة

[۱۱۹۹](۴۴)وان قال ان سکنت فی هذا الدکان عطارا فبدرهم فی الشهر وان سکنته حدادا فبدرهمین جاز وای الامرین فعل استحق المسمی فیه عند ابی حنیفة رحمه الله

درہم اور اگر سیا کل تو اس کے لئے اجرت مثل ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور نہیں تجاوز کرے گی آدھے درہم سے۔اور کہا صاحبین نے کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور جانسا عمل کرے گا اس اجرت کا مستحق ہوگا۔

تشریح کسی نے اجیر سے کہا کہ آج کپڑا سیو گے تو ایک درہم اجرت ہوگی اور کل سیو گے تو آدھا درہم اجرت ہوگی۔تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ آج سیئے گا تو ایک درہم ہوگی اور کل سیئے گا تو آدھا درہم نہیں ہوگی بلکہ بازار میں اس کپڑے کو سینے کی جو اجرت ہوسکتی ہے وہ اجرت ملے گی۔البتہ وہ بھی آدھے درہم سے زیادہ نہ ہو۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ آج سیو گے تو ایک درہم یہ جلدی کرنے کے لئے ہے اس لئے اجارہ درست ہو گیا اور آج سیئے گا تو ایک درہم ملے گا۔لیکن اگر کہا کہ کل سیئے گا تو آدھا درہم اجرت ہوگی یہ تعلیق کے لئے ہے اور اجارہ معلق ہو جائے تو بات طے نہیں ہوتی اس لئے اجارہ فاسد ہو گیا۔اور جب اجارہ فاسد ہو جائے تو قاعدہ یہ ہے کہ بازار میں جو اجرت ہوسکتی ہے وہ ملتی ہے اس لئے بازار کی اجرت ملے گی۔لیکن کل سینے پر دونوں کے درمیان آدھا درہم طے ہے اس لئے بازار کی اجرت بھی آدھے درہم سے زیادہ نہ ہو۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ آج کی شرط لگائے یا کل کی دونوں شرطیں درست ہیں اس لئے دونوں اجارے درست ہیں۔اس لئے جو عمل کرے گا شرط کے مطابق وہ اجرت ملے گی۔یعنی اگر آج سیئے گا تو ایک درہم ملے گا اور کل سیئے گا تو آدھا درہم ملے گا۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آج یا کل دونوں میں سے جس شرط پر بھی بات طے ہو جائے وہ شرط جائز ہے اور اجارہ درست ہے۔اور اس کے مطابق عمل کرنے سے اس کو اجرت ملے گی۔

[۱۱۹۹](۴۴) اگر کہا کہ اگر اس دوکان میں عطر بیچنے والے کو ٹھہرائیں گے تو مہینے میں ایک درہم ہوگا اور اگر اس میں لوہار ٹھہرائیں گے تو دو درہم تو جائز ہے۔اور دونوں معاملوں میں سے جو بھی کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔اور صاحبین نے فرمایا یہ اجارہ فاسد ہے۔

تشریح مثلا زید نے عمر کو دوکان اجرت پر دی اور یوں کہا اگر اس دوکان میں عطر فروشی کا کام کروائیں گے تو مہینے کا ایک درہم اجرت ہوگی۔اور اگر اس دوکان میں لوہاری کا کام کروائیں گے جو گندہ کام ہے تو مہینے کے دو درہم اجرت ہوگی۔امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں اجارے درست ہیں۔اس لئے اگر عطر کا کام کروایا تو مہینے میں ایک درہم اور لوہاری کا کام کروایا تو مہینے میں دو درہم اجرت ملے گی۔

وجہ اس صورت میں اجارہ کو معلق کرنا نہیں ہے بلکہ دو کاموں میں سے ایک کا اختیار دینا ہے۔اور چونکہ دونوں کی الگ الگ اجرتیں واضح ہیں

وقالا رحمهما الله الاجارة فاسدة[۱۲۰۰] (۴۵) ومن استأجر دارا کل شهر بدرهم فالعقد صحیح فی شهر واحد وفاسد فی بقیة الشهور الا ان یسمی جملة الشهور معلومة

اس لئے اجارہ درست ہوگا۔اور جو کام کرے گا اس قسم کی اجرت ملے گی۔باقی کیا کام کرے گا اس کا تعین کام شروع کرتے وقت ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دو کام الگ الگ ہوں اور ہر ایک کی اجرت معلوم ہو تو اجارہ درست ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ اجارہ کرتے وقت یہ پتہ نہیں ہے کہ کون سا کام اجیر کرے گا اس لئے کون سی اجرت لازم ہوگی ،ایک درہم یا دو درہم یہ عقد اجارہ کے وقت طے نہیں ہے اس لئے اجارہ کی اجرت مجہول ہونے کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو گیا۔اس لئے اجارہ درست نہیں ہوا چاہے کام شروع کرتے وقت اس کا علم ہو جائے کہ کون سی اجرت ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ عقد اجارہ طے کرتے وقت اجرت کا علم نہ ہو تو اجارہ فاسد ہوگا۔

لغت عطار : عطر بیچنے والا۔ حداد : لوہاری کا کام کرنے والا۔

[۱۲۰۰] (۴۵) کسی نے گھر کرایہ پر لیا ہر ماہ ایک درہم کے بدلے تو عقد صحیح ہے ایک مہینے میں اور فاسد ہوگا باقی مہینوں میں مگر یہ کہ تمام معلوم مہینے متعین کر دیئے جائیں۔

تشریح کسی نے گھر کرایہ پر لیا اور یوں کہا کہ ہر ماہ ایک درہم کے بدلے اجرت دوں گا۔تو ایک ہی مہینے کا اجارہ ہوا اگلے مہینے کا اجارہ نہیں ہوا۔گھر والا اگلے مہینے اجرت پر دینے سے انکار کر دے تو کر سکتا ہے۔اسی طرح کرایہ دار اگلے مہینے اجرت پر لینے سے انکار کر دے تو کر سکتا ہے۔البتہ اگلے مہینہ بھی رہنا شروع کر دے اور گھر والا کچھ نہ کہے تو یہ از سر نو اجارہ ہوا جو معروف طریقے پر گویا کہ اشارے اشارے میں بیع تعاطی کے طور پر ہو گیا۔اور اسی طرح جتنے مہینے بغیر انکار کے رہتے رہیں گے ہر ماہ نیا اجارہ ہوتا چلا جائے گا۔اور جس دن گھر والا یا کرایہ دار اجرت دینے یا لینے سے انکار کر دے اسی دن اگلا اجارہ ختم ہو جائے گا۔ہاں! تمام مہینے متعین کر دے تو جتنے مہینے متعین کرے گا اتنے مہینے کی اجرت ہوگی۔مثلا دو سال طے کیا تو دو سال کا اجارہ ہوگا۔

وجہ تمام مہینوں کو طے نہیں کیا تو کتنے مہینے کا اجارہ ہوگا یہ مجہول ہے۔لیکن چونکہ ہر مہینہ ایک درہم کا بول چکا ہے اس لئے اقل درجہ ایک مہینہ کا اجارہ ہو جائے گا (۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن الثوری فی رجل یکتری من رجل الی مکة ویضمن له الکری نفقته الی ان یبلغ قال لا الا ان یوقت ایاما معلومة و کیلا معلوما من الطعام یعطیه ایاه کل یوم (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یکتری علی الشیء المجہول وھل یجوز الکراء اویأ خذ مثله منه؟ ج ثامن ص ۲۱۴ نمبر ۱۴۹۳۸) اس اثر میں ہے کہ تمام دن متعین کر لئے جائیں اور ان کے تمام کرائے متعین نہ کر لئے جائیں تب تک اجارہ صحیح نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے کہ ڈھیر کی مکمل مقدار معلوم نہ ہو تو اس کے بیچنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح تمام مہینے معلوم نہ ہوں تو ان کا اجارہ درست نہیں ہوگا حدیث میں ہے۔ سمعت جابر بن عبد الله نهی

حاشیہ : (الف) حضرت ثوری نے فرمایا کوئی آدمی کسی آدمی سے مکہ تک کرایہ کے لئے لے اور مکہ تک پہنچنے تک اجیر کے نفقے کا ضامن ہو تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے یہاں تک کہ دن متعین کرے اور کھانے کا کیل معلوم ہو جو ہر دن دیگا۔

[۱۲۰۱](۴۶) فان سكن ساعة من الشهر الثانى صح العقد فيه فلزمه ولم يكن للمؤجر ان يخرجه الى ان ينقضى الشهر المستأجر [۱۲۰۲](۴۷) وكذلك حكم كل شهر يسكن فى اوله يوما او ساعة.

رسول الله ﷺ عن بيع الصبرة من التمر لا يعلم مكيلها بالكيل المسمى من التمر (الف)(مسلم شریف، باب تحریم بیع صبرة التمر المجهولة القدر بتمر ج ثانی ص ۶ نمبر ۱۵۳۰) اس حدیث میں ہے کہ ڈھیر کی تمام مقدار معلوم نہ ہوتو بیچنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کی قیمت بھی مجہول ہوگی۔ اسی طرح تمام مہینے معلوم نہیں ہوں تو ان کا اجارہ صحیح نہیں ہوگا۔

[۱۲۰۱] (۴۶) پس اگر اگلے مہینے میں ایک گھڑی ٹھہر گیا تو اس میں عقد صحیح ہو جائے گا اور اس کو اجرت لازم ہوگی۔ اور اجرت پر دینے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اجیر کو نکالے یہاں تک کہ اجرت پر لیا ہوا مہینہ ختم ہو جائے۔

تشریح ایک ماہ پورا ہونے کے بعد دوسرے مہینے میں ایک گھڑی اس گھر میں ٹھہر گیا اور گھر والا کچھ نہیں بولا تو یوں سمجھا جائے گا کہ بیع تعاطی کی طرح اشاروں اشاروں میں ہی اگلے ماہ کا اجارہ ہو گیا۔ گویا کہ دینے والا بھی اس اجرت پر راضی ہے اور لینے والا بھی اس اجرت پر راضی ہے تب ہی تو لینے والا اگلے ماہ میں بھی اس گھر میں ٹھہرا رہا۔ اس لئے اجارہ درست ہوا۔ اور اس پورے مہینے میں گھر والا کرایہ دار کو نہیں نکال سکتا۔

وجہ اثر میں ہے۔ واكترى الحسن من عبد الله بن مرداس حمارا فقال بكم؟ قال بدانقين فركبه ثم جاء مرة اخرى فقال الحمار الحمار فركبه ولم يشارطه فبعث اليه بنصف درهم (ب)(بخاری شریف، باب من اجری امر الامصار علی ما یتعارفون بینھم فی البیوع والاجارة ص ۲۹۴ نمبر ۲۲۱۰) اس اثر میں پہلی مرتبہ تو دو دانق گدھے کی اجرت طے کی لیکن دوسری مرتبہ آدھا درہم اجرت طے نہیں کی بلکہ حضرت حسن نے اجرت دیدی اور عبد اللہ بن مرداس نے لے لی اور گویا کہ اشارے اشارے میں اجرت طے ہو گئی۔ اس طرح جب دوسرے مہینے میں کرایہ دار رہ گیا اور گھر والے نے کچھ نہیں کہا تو اشارے اشارے میں اجرت طے ہوگئی۔ اس لئے اس پورے مہینے میں کرایہ دار کو گھر سے نہیں نکال سکتا۔

اصول بیع تعاطی کی طرح اشارے اشارے میں اجرت بھی طے ہوتی ہے۔

لغت الموجر : اجرت پر دینے والا۔ المستاجر : اجرت پر دیا ہوا گھر۔

[۱۲۰۲] (۴۷) اور ایسے ہی حکم ہے ہر مہینے کا کہ ٹھہر جائے اس کے شروع میں ایک دن یا ایک گھڑی۔

تشریح اگلے ہر ماہ میں جب مہینے کے شروع میں ایک دن یا ایک گھڑی ٹھہر جائے تو گھر والے کی رضامندی سمجھی جائے گی اور اشارے اشارے میں اگلے مہینے کی اجرت طے ہو جائے گی۔ حدیث اور وجہ گزر گئے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے کھجور کے اس ڈھیر سے بیچنے سے منع فرمایا جس کا متعین کیل معلوم نہ ہو۔ (ب) حضرت حسن نے عبد اللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا اور پوچھا کتنا کرایہ ہے؟ کہا دو دانق پس اس پر سوار ہوئے پھر دوسری مرتبہ آئے اور کہا گدھا چاہئے۔ پس اس پر سوار ہوئے اور کرائے کی شرط نہیں کی پھر اس کو آدھا درہم بھیج دیا۔

[۱۲۰۳](۴۸) واذا استأجر دارا شهرا بدرهم فسکن شهرین فعلیه اجرة الشهر الاول ولا شیء علیه من الشهر الثانی[۱۲۰۴](۴۹) واذا استأجر دارا سنة بعشرة دراهم جاز و ان لم یسم قسط کل شهر من الاجرة.

[۱۲۰۳](۴۸) اگرایک گھر کوایک مہینے کے لئے اجرت پرلیاایک درہم کے بدلے، پھراس میں دو مہینے ٹھہرا تواجیر پر پہلے مہینے کی اجرت ہے اوراس پر کچھ لازم نہیں ہے دوسرے مہینے کی۔

تشریح ایک گھر صرف ایک ماہ کے لئے ایک درہم کے بدلے اجرت پرلیااور دو مہینے رہ گیا تو ایک ہی مہینے کی اجرت لازم ہوگی، دوسرے مہینے کی اجرت لازم نہیں ہوگی۔

وجہ جب صرف ایک مہینے کی اجرت طے ہوئی تو ایک مہینے کے بعد اجارہ ختم ہوگیا۔ اب جو کرایہ دار رہا وہ اجرت کے طور پر نہیں بلکہ عاریت کے طور پر رہا ہے اور مالک کی جانب سے اجازت کی وجہ سے مفت رہا اس لئے دوسرے مہینے کی اجرت اس پر لازم نہیں ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدت اجرت ختم ہونے کے بعد کرایہ دار جو کچھ استعمال کرے گا وہ عاریت کے طور پر ہوگا اجرت کے طور پر نہیں۔ کیونکہ اجارہ تو مستقل طور پر طے کرنے کے بعد منعقد ہوتا ہے ورنہ نہیں۔

نوٹ یہ اس صورت میں ہے جب مدت اجرت طے ہو چکی ہو۔ لیکن مدت اجرت طے نہ ہوئی ہو تو مسئلہ نمبر ۴۶ کی طرح ہر ماہ کے شروع میں اشارے اشارے میں اجارہ منعقد ہوتا رہے گا۔ اور ہر ماہ کی اجرت لازم ہوتی رہے گی۔

نوٹ اس عاریت کی صورت میں بھی اجیر کو دوسرے مہینے کی اجرت اپنی خوشی سے پیش کردینا چاہئے۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان.

[۱۲۰۴](۴۹) اگر اجرت پرلیا ایک گھر ایک سال کے لئے دس درہم میں تو جائز ہے اگر چہ نہ متعین کی ہو ہر مہینے کی قسط اجرت میں۔

تشریح ایک آدمی نے پورے ایک سال کے لئے دس درہم میں گھر کرائے پر لیا اور ہر ماہ میں کتنے پیسے ہونگے یہ بیان نہیں کیا تو جائز ہے۔

وجہ کیونکہ پوری مدت متعین ہوگئی اور پوری اجرت بھی متعین ہوگئی اور کوئی جہالت نہیں رہی اس لئے جائز ہے۔ اگر چہ ہر دن یا ہر مہینہ کی قسط متعین نہ کی ہو۔ کیونکہ کل مدت متعین ہونے کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اور کسی کو معلوم کرنا ہو تو حساب کر کے ہر ماہ کی قسط معلوم کرے کہ ہر ماہ میں تیرا سی پیسے ہوں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سالانہ اجرت متعین ہو جائے تو ماہانہ قسط کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اجارہ جائز ہوگا۔ اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ ان اسید بن حضیر مات وعلیه دین فباع عمر ثمرة ارضه سنتین (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۸۱ فی الرجل یبیع الثمرة بالسنتین والثلاث، ج خامس، ص ۱۳، نمبر ۲۲۳۲۵) اس اثر میں دو سال کے لئے پھل بیچا اور ہر مہینے کی قسط متعین نہیں کی۔

لغت قسط : ہر ماہ اجرت دینے کا تخمینہ اور حصہ۔

حاشیہ : (الف) حضرت اسید بن حضیر کا انتقال ہو . ان پر قرض تھا تو حضرت عمرؓ نے اس کی زمین کے پھل دو سال کے لئے بیچ دیا۔

[۱۲۰۵] (۵۰) ویجوز اخذ اجرۃ الحمام والحجام[۱۲۰۶] (۵۱) ولا یجوز اخذ اجرۃ

[۱۲۰۵] (۵۰) جائز ہے حمام اور پچھنا لگانے کی اجرت لینا۔

تشریح یورپ میں حمام یعنی مخصوص قسم کا غسل خانہ اور سویمنگ پول ہوتا ہے۔ جس میں کچھ لوگ ننگے نہاتے ہیں لیکن اجرت متعین ہے اور پردہ کے ساتھ نہانا ممکن ہے اس لئے اس کی اجرت لینا جائز ہے۔

وجہ (۱) چونکہ بدن ڈھانک کر نہانا ممکن ہے اس لئے نہانے کی اجرت دینا بھی جائز ہوگا (۲) حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ تفتح لکم ارض الاعاجم وستجدون فیھا بیوتا یقال لھا الحمامات فلا یدخلنھا الرجال الا بالازار وامنعوھا النساء یدخلھا الا مریضۃ او نفساء (الف) (ابوداؤد شریف، باب الدخول فی الحمام ص ۲۰۰ نمبر ۴۰۱۱ رترمذی شریف، باب ماجاء فی دخول الحمام ج ثانی ص ۱۰۷ نمبر ۲۸۰۱ رابن ماجہ شریف، باب دخول الحمام ص ۵۳۶ نمبر ۳۷۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد لنگی پہن کر حمام میں داخل ہو سکتے ہیں، تو پھر اجرت لینے اور دینے کی گنجائش بھی ہوگی۔

اور پچھنا لگانے کی اجرت لے سکتا ہے اس کے لئے یہ حدیث موجود ہے۔ عن ابن عباس قال احتجم النبی ﷺ واعطی الحجام اجرہ (ب) (بخاری شریف، باب خراج الحجام ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۷۸ رمسلم شریف، باب حل اجرۃ الحجام ص ۲۲ نمبر ۱۲۰۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے خود پچھنا لگوایا اور اس کی اجرت بھی دی اس لئے پچھنے کی اجرت لینا اور دینا جائز ہے۔

نوٹ البتہ چونکہ اس سے خون منہ میں جاتا ہے اس لئے یہ کام اتنا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے بعض حدیث میں آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ حدیث یوں ہے۔ عن رافع بن خدیج ان رسول اللہ ﷺ قال کسب الحجام خبیث (ابوداؤد شریف، باب کسب الحجام ص نمبر ۳۴۲۱)

[۱۲۰۶] (۵۱) اور نہیں جائز ہے نر کو مادہ پر کودانے کی اجرت لینا۔

تشریح سانڈ کو مادہ سے جفتی کروانے کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں اس کی اجرت لینے سے منع فرمایا ہے۔ عن ابن عمر قال نھی النبی ﷺ عن عسب الفحل (ج) (بخاری شریف، باب عسب الفحل ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۴ رمسلم شریف، باب تحریم بیع فضل الماء... وتحریم بیع ضراب الفحل ص ۸۱ نمبر ۱۵۶۵ رابوداؤد شریف، باب فی عسب الفحل ص ۱۳۰ نمبر ۳۴۲۹) اس حدیث میں جفتی کرانے کی اجرت لینے سے منع فرمایا ہے (۲) جفتی سے حمل ٹھہرے گا یا نہیں کوئی یقینی نہیں ہے۔ اس لئے نفع ہونا کوئی یقینی نہیں ہوا اس لئے بھی نفع مجہول رہا اس لئے بھی اجرت لینا جائز نہیں (۳) جفتی کی اجرت معاشرے کے اعتبار سے بھی ناپسندیدہ ہے۔

نوٹ اونٹ والے کو عزت واحترام کے لئے کچھ دیدے تو اس کی گنجائش ہے۔ حدیث میں ہے عن انس بن مالک ان رجلا من

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تمہارے لئے عجمیوں کی زمین فتح ہوگی اور تم اس میں گھر پاؤگے جن کو حمام کہتے ہیں۔ مردان میں نہ داخل ہوں مگر ازار کے ساتھ۔ اور عورتوں کو ان میں داخل ہونے سے روکو مگر کوئی مریض نفاس والی ہو تو علاج کے لئے داخل ہو سکتی ہے (ب) آپؐ نے پچھنا لگوایا اور پچھنا لگانے والے کو اس کی اجرت دی (ج) حضورؐ نے سانڈ کودانے کی اجرت سے منع فرمایا۔

عسب التیس [۱۲۰۷](۵۲) ولا یجوز الاستیجار علی الاذان والاقامة وتعلیم القرآن

کلاب سأل رسول اللہ ﷺ عن عسب الفحل فنهاه فقال یا رسول الله انا نطرق الفحل فنکرم فرخص له فی الکرامة (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ عسب الفحل ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۷۴ رنسائی شریف، نمبر ۴۶۷۲) اس حدیث میں اونٹ والے کی عزت کرنے کے لئے کچھ دینے کی گنجائش دی ہے۔ البتہ اجرت کے طور پر دینا ممنوع ہے۔

لغت عسب التیس : نر کا مادہ پر چڑھنا۔

[۱۲۰۷] (۵۲) نہیں جائز ہے اجرت لینا اذان اور اقامت پر اور قرآن کی تعلیم دینے پر اور حج کرنے پر۔

تشریح اذان دیکر اجرت لے، نماز کی تکبیر کہہ کر اجرت لے، قرآن کی تعلیم دے کر اجرت لے اور حج کر کے اجرت لے یہ جائز نہیں ہیں مکروہ ہیں۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن عبادة بن صامت قال علمت ناسا من اهل الصفة القرآن والکتاب فاهدی الی رجل منهم قوسا فقلت لیست بمال وارمی علیها فی سبیل الله لآتین رسول الله ﷺ فلأسألنه فاتیته فقلت یا رسول الله رجل اهدی الی قوسا ممن کنت اعلمه الکتاب والقرآن ولیست بمال وارمی عنها فی سبیل الله تعالی قال ان کنت تحب ان تطوق طوقا من النار فاقبلها (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی کسب المعلم ج ثانی ص ۱۲۸ نمبر ۳۴۱۶ رابن ماجہ شریف، باب الاجر علی تعلیم القرآن ص ۳۱۰ نمبر ۲۱۵۷) اس حدیث میں راوی نے قرآن پڑھانے کے بدلے کمان لیا تھا تو آپ نے فرمایا قرآن پڑھانے پر اجرت لینا آگ کا طوق پہننا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھانے کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور اذان پر اجرت نہ لینے کی حدیث یہ ہے۔ ان عثمان بن ابی العاص قلت یا رسول الله ﷺ اجعلنی امام قومی قال انت امامهم واقتد باضعفهم واتخذ موذنا لا یأخذ علی اذانه اجرا (ج) (ابوداؤد شریف، باب اخذ الاجر علی التاذین ص ۸۶ نمبر ۵۳۱ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ ان یاخذ المؤذن علی الاذان اجرا ص ۵۱ نمبر ۲۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور اسی پر تکبیر اور حج کو بھی قیاس کرلیں کہ ان پر اجرت لینا بھی جائز نہیں ہے۔

اصول جو عبادت خود انسان پر ضروری ہے اس کے کرنے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

فائدہ بعد کے علماء نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی گنجائش دی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے سانڈ کودانے کی اجرت کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے منع فرمایا۔ کہنے لگے اے اللہ کے رسول! ہم لوگ سانڈ کوداتے ہیں پھر سانڈ والے کی عزت کے طور پر کچھ دیتے ہیں تو عزت کے طور پر دینے کے بارے میں رخصت دی (ب) عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ میں نے اہل صفہ میں سے کچھ لوگوں کو قرآن اور کتاب اللہ سکھایا تو مجھے ان لوگوں میں سے ایک نے کمان ہدیہ دیا۔ میں نے کہا یہ مال نہیں ہے اس سے اللہ کے راستہ میں تیر پھینکوں گا۔ چلو حضورؐ سے پوچھ لوں۔ میں آیا اور کہا اے اللہ کے رسول! ایک آدمی نے مجھے کمان ہدیہ دیا ہے جس کو میں کتاب اللہ اور قرآن سکھایا کرتا تھا اور مال نہیں ہے۔ اللہ کے راستہ میں تیر پھینکا کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر پسند کرتے ہو کہ آگ کا طوق ڈالا جائے تو قبول کرلو (ج) میں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے قوم کا امام بنا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا آپ ان کے امام ہیں۔ اور کمزوروں کی رعایت کر کے چلنا۔ اور ایسا مؤذن منتخب کرو جو اذان پر اجرت نہ لے۔

والحج [۱۲۰۸](۵۳) ولا یجوز الاستیجار علی الغناء والنوح.

وجہ (۱) پچھلے زمانے میں بیت المال سے معلمین کو وظیفہ ملتا تھا جس کی وجہ سے وہ مفت تعلیم دیتے تھے۔لیکن اس زمانے میں ایسا نہیں ہے۔اب اگر اجرت نہ لے تو معلم اپنی اولاد کی کفالت کیسے کریں گے؟ اور تعلیم دینا چھوڑ دے تو قرآن کی تعلیم چھوٹ جائے گی۔اور دین کی ترقی رک جائے گی اس لئے اب تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی گنجائش دی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ تعویذ کرنے پر بکری اجرت پر لی اور تعویذ میں سورۃ فاتحہ پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ اجرت لینے کی گنجائش ہے۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن ابی سعید قال انطلق نفر من اصحاب النبی ﷺ فی سفرۃ سافروھا ... فما انا براق لکم حتی تجعلوا لنا جعلا فصالحوھم علی قطیع من الغنم فانطلق یتفل علیہ ویقرأ الحمد للہ رب العالمین ... قال (رسول اللہ) قد اصبتم اقسموا واضربوا لی معکم سھما فضحک النبی ﷺ (الف) (بخاری شریف، باب ما یعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۷۶ رمسلم شریف، باب جواز اخذ الاجرۃ علی الرقیۃ بالقرآن والاذکار ج ثانی ص ۲۲۴ نمبر ۲۲۰۱، کتاب السلام (اس حدیث میں الحمد للہ پڑھنے کے بدلے بکری اجرت پر لی ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے (۳) بخاری شریف میں اسی باب میں یہ اثر نقل کیا ہے۔وقال ابن عباس عن النبی ﷺ احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ، وقال الحکم لم اسمع احدا کرہ اجر المعلم، واعطی الحسن دراھم عشرۃ (ب) (بخاری شریف، باب ما یعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب، ص ۳۰۴، نمبر ۲۲۷۶ ر دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۵ نمبر ۳۰۱۹ رسنن للبیھقی، باب اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن والرقیۃ بہ، ج سادس، ص ۲۰۵، نمبر ۱۱۶۷۶ ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۰ فی اجر المعلم، ج رابع، ص ۳۴۶، نمبر ۲۰۸۳۱) اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔اور آج کل اسی پر فتوی ہے۔کیونکہ اس اثر میں ہے کہ زیادہ حقدار اجرت کا کتاب اللہ ہے۔اور حکم سے مروی ہے کہ کوئی معلم کی اجرت لینا مکروہ سمجھتا ہوا ایسا نہیں سنا۔

[۱۲۰۸](۵۳) اور نہیں جائز ہے اجرت لینا گانے اور نوحہ کرنے پر۔

وجہ (۱) نوحہ کرنا اور گانا گانا حرام ہے اس لئے ان کی اجرت بھی جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیۃ (بخاری شریف، باب ما ینھی من الویل ودعوی الجاھلیۃ عند المصیبۃ ص ۱۷۳ نمبر ۱۲۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوحہ کرنا ممنوع ہے تو اس کی اجرت لینا بھی جائز نہیں (۳) اثر میں ہے۔عن ابی قاسم عن ابراھیم انہ کرہ اجر النواحۃ والمغنیۃ (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الاجر علی تعلیم الغلمان وقسمۃ الاحوال ج ثامن ص ۱۱۶ نمبر ۱۴۵۴۰) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابراہیم نوحہ اور گانا گانے کی اجرت کو مکروہ سمجھتے تھے (۴) ومن الناس من یشتری لھو

حاشیہ : (الف) ابو سعید فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے کچھ صحابی سفر میں گئے ...صحابی نے فرمایا تمہارے لئے کچھ جھاڑ پھونک کرنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ ہمارے لئے کچھ اجرت متعین کرو۔تو گاؤں والوں نے صلح کیا بکری کے ریوڑ پر۔پس صحابی مریض پر پھونکتے رہے اور الحمد للہ پڑھتے رہے...آپؐ نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا اور تمہارے ساتھ میرا بھی حصہ لگاؤ اور حضورؐ ہنسے (ب) آپؐ نے فرمایا سب سے زیادہ حقدار جس پر تم اجرت لو وہ کتاب اللہ ہے۔حضرت حکم نے فرمایا معلم کی اجرت مکروہ سمجھے ایسا کسی سے نہیں سنا۔اور حضرت حسن نے دس درہم ماہانہ معلم کو اجرت دی (ج حضرت ابراہیم نوحہ کرنے والی اور گانے والی کی اجرت مکروہ سمجھتے تھے۔

[۱۲۰۹](۵۴) ولا یجوز اجارة المشاع عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله اجارة المشاع جائزة [۱۲۱۰](۵۵) و یجوز استیجار الظئر باجرة معلومة.

الحدیث (آیت ۶ سورہ لقمان ۳۱) اس آیت کی تفسیر ہے گانے کو خریدنا، جس سے معلوم ہوا کہ گانے کی اجرت دینا جائز نہیں ہے۔

اصول کھیل کود اور حرام کاموں کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

لغت الغنا : گانا گانا۔ النوح : زور زور سے چلا کر بلا وجہ رونا۔

[۱۲۰۹] (۵۴) نہیں جائز ہے مشترک چیز کا اجرت پر رکھنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبینؒ نے مشترک چیز کا اجارہ جائز ہے۔

تشریح مثلا زید اور عمر کے درمیان ایک گھر مشترک ہے حصہ نہیں ہوا ہے۔ اب صرف زید اپنے حصے کو اجرت پر رکھنا چاہتا ہے اور عمر نہیں رکھنا چاہتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ عمر کا حصہ جب ساتھ ہی ہے تو زید مکمل طور پر اجیر کو اپنا گھر سپرد نہیں کر سکے گا۔ جس کی وجہ سے اجیر فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ اس لئے مشترک چیز کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور باری باری گھر سپرد کرنے سے مکمل سپرد کرنا نہیں ہوگا۔

اصول امام ابو حنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ مشترک چیز کو مکمل سپرد کرنا ممکن نہیں اس لئے اس کا اجارہ درست نہیں۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ مشترک چیز کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔

وجہ عمر کا حصہ بھی نفع کی چیز ہے اس لئے نفع کی چیز اجرت پر رکھ سکتا ہے (۲) جب جب زید کی باری آئے گی اس وقت اجیر کے سپرد کرے گا اور اجارہ کے لئے اتنا کافی ہے۔ اس لئے مشترک چیز کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔

نوٹ اگر دونوں شریک ملکر اجرت پر رکھے تو جائز ہے۔ کیونکہ اب اجیر کو مکمل حوالہ کرنا ممکن ہے۔

اصول صاحبین کا نظریہ یہ ہے کہ مشترک چیز کسی نہ کسی انداز سے اجیر کو حوالہ کر سکتا ہے اس لئے اس کا اجارہ درست ہے۔

[۱۲۱۰] (۵۵) جائز ہے دودھ پلانے والی کو اجرت پر لینا اجرت معلومہ کے ساتھ۔

تشریح دودھ پلانے کے لئے عورت کو اجرت پر لے اور متعین اجرت دے تو جائز ہے۔ اصل میں اشکال یہ ہے کہ ہر روز کتنا دودھ بچہ پیئے گا یہ معلوم نہیں ہے اس لئے منافع مجہول ہے۔ اس لئے اجرت صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس لئے ماتنؒ نے فرمایا اجرت صحیح ہے۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن (الف) (آیت ۶ سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت میں ہے کہ اگر عورت نے بچے کو دودھ پلایا تو اس کو اس کی اجرت دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی کو اس کی اجرت دینا جائز ہے (۲) حضورؐ کو حضرت سعدیہ نے اجرت کے بدلے دودھ پلایا تھا۔

لغت الظئر : دودھ پلانے کی اجرت۔

حاشیہ : (الف) اگر انہوں نے تمہارے لئے دودھ پلایا تو تم ان کی اجرت دو۔

[۱۲۱۱] (۵۶) ویجوز بطعامها وکسوتها عند ابی حنیفۃ [۱۲۱۲] (۵۷) ولیس للمستأجر ان یمنع زوجها من وطئها [۱۲۱۳] (۵۸) فان حبلت کان لھم ان یفسخوا

[۱۲۱۱] (۵۶) اور جائز ہے انا کے لئے کھانے کے بدلے اور اس کے کپڑے کے بدلے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح دودھ پلانے والی عورت کو کھانے اور کپڑے کے بدلے اجرت پر لے تو جائز ہے۔ اس صورت میں اشکال یہ ہے کہ کھانا اور کپڑا متعین چیز نہیں ہے۔ کھانا کبھی کم ہوگا کبھی زیادہ تو اجرت مجہول ہوگئی اس لئے کھانے اور کپڑے کے بدلے اجرت لینا صحیح نہیں ہونا چاہئے۔

وجہ (۱) یہاں طے ہونے میں کمی بیشی ہے اس لئے معاشرے کا بالمعروف طریقہ رائج ہوگا کہ معاشرے میں جو معروف ہے وہی کھانا کپڑا دینا ہوگا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ تھوڑی بہت جہالت کے وقت بالمعروف طریقہ رائج ہوتا ہے۔ اور تعامل ناس کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں (۲) دیہات میں درہم و دنانیر کی کمی ہوتی ہے اس لئے وہاں کھانے اور کپڑے ہی کا رواج ہوتا ہے اس لئے اسی پر فیصلہ کیا جائے گا (۳) حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کھانے اور کپڑے پر بکری چرایا کرتے تھے۔ سمعت ابا ھریرۃ یقول نشأت یتیما وھاجرت مسکینا وکنت اجیرا لابنۃ غزوان بطعام بطنی وعقبۃ رجلی (الف) (ابن ماجہ شریف، باب اجارۃ الاجیر علی طعام بطنہ ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۵) دوسری حدیث میں ہے۔ ان موسی علیہ السلام اجر نفسہ ثمانی سنین او عشرا علی عفۃ فرجہ وطعام بطنہ (ب) (ابن ماجہ شریف، باب اجارۃ الاجیر علی طعام بطنہ ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۴) اس حدیث میں ہے کہ کھانے پر اپنے آپ کو اجرت پر رکھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی عورت کو کھانے اور کپڑے پر اجرت پر رکھ سکتا ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اجرت مجہول ہے اس لئے جائز نہیں۔ ہاں! اجرت میں درہم مقرر کرے اور درہم کے بدلے کھانا اور کپڑا دے تو جائز ہو جائے گی۔ یا کپڑے اور کھانے کی جنس، نوع اور مقدار متعین کر دے تو اجرت معلوم ہونے کی وجہ سے جائز ہوگی۔

لغت کسوۃ : کپڑا۔

[۱۲۱۲] (۵۷) اور مستاجر کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے شوہر کو وطی سے روکے۔

وجہ وطی کرنا شوہر کا حق ہے اور فطری حق ہے اس لئے صرف اس لئے کہ عورت کو حمل ٹھہر جائے گا تو دودھ خراب ہوگا اس لئے شوہر کو دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ وطی کرنے سے روکے اس کی گنجائش نہیں ہے۔

[۱۲۱۳] (۵۸) پس اگر انا حاملہ ہوگئی تو مستاجر کے لئے جائز ہے کہ اجارہ فسخ کر دے اگر بچے پر انا کے دودھ سے خوف ہو۔

تشریح اگر دودھ پلانے والی عورت حاملہ ہوگئی اور اجیر کو خوف ہو گیا کہ بچہ یہ دودھ پیئے گا تو اس کی صحت خراب ہوگی تو اس کو حق ہے کہ اجارہ توڑ دے اور کسی دوسری انا کا انتظام کرے۔

وجہ نفع وصول کرنے میں خامی ہو تو اجارہ توڑ سکتا ہے۔ اثر میں ہے کہ نفع حاصل کرنے میں پریشانی ہوتی ہو تو زمین اجرت پر رکھنے سے منع

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں یتیم ہونے کی حالت میں پرورش پایا اور مسکین ہجرت کی اور ابن غزوان کا پیٹ بھر کر کھانے کے بدلے اجیر تھا۔ (ب) حضرت موسی علیہ السلام نے اپنے آپ کو آٹھ سال یا دس سال اجرت پر رکھا شرمگاہ کی پاکدامنی اور پیٹ بھر کھانے کے بدلے۔

الاجارة اذا خافوا على الصبى من لبنها[۱۲۱۴] (۵۹) وعليها ان تصلح طعام الصبى[۱۲۱۵] (۶۰) وان ارضعته فى المدة بلبن شاة فلا اجرة لها.

فرمایا۔سألت رافع بن خديج عن كراء الارض بالذهب والورق؟ فقال لا بأس به انما كان الناس يؤاجرون على عهد رسول الله على الماذيانات واقبال الجداول واشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا ويهلک هذافلم يكن للناس كراء الا هذا فلذلک زجر عنه فاما شیء معلوم مضمون فلا بأس به (الف)(مسلم شریف، باب كراء الارض بالذهب والورق ج ثانی ص ۱۱ نمبر ۱۵۴۸/۳۹۵۲) اس اثر میں ہے کہ لوگ نالی کے کنارے والے حصے کو اپنے لئے کاشتکاری کا حصہ متعین کرتے تھے۔اس لئے آپؐ نے ایسی اجرت سے منع فرمایا۔البتہ درہم دنانیر کے بدلے کھیتی اجرت پر لے تو جائز ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ منافع وصول کرنے میں مشکلات ہوں تو اجارہ توڑ سکتا ہے۔

[۱۲۱۴](۵۹) انا پر لازم ہے بچے کے کھانے کو درست کرنا۔

تشریح دودھ پلانے والی انا اجرت کی وجہ سے دودھ تو پلائے گی ہی، بچے کو کھانے کی ضرورت ہوگی تو اس کا کھانا بنانا اور کھلانا انا ہی کے ذمے ہیں۔عرف میں دودھ پلانے کے ساتھ یہ دونوں کام اجرت میں شامل ہیں۔

نوٹ یہ اس وقت ہے جب کام کی تصریح نہ ہو اور عرف میں کھانا بنانا اور کھلانا اجرت میں شامل ہوں۔لیکن اگر کام کی تصریح ہو جائے کہ صرف دودھ پلانا اجرت میں شامل ہے۔یا عرف میں کھانا بنانا اور کھلانا شامل نہ ہوں تو یہ دونوں کام اجرت میں شامل نہیں ہوں گے۔

اصول کام کی تصریح نہ ہوتے وقت عرف کا اعتبار ہوگا۔ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا على المحسنين (ب)(آیت ۲۳۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں عرف عام کا اعتبار کیا گیا ہے۔اس طرح انا کے کام کے بارے میں بھی تصریح نہ ہوتے وقت عرف عام کا اعتبار کیا جائے گا۔

لغت تصلح : اصلاح کرنا، یہاں مراد ہے کھانا بنانا۔

[۱۲۱۵](۶۰) اور اگر بچے کو اس مدت میں بکری کا دودھ پلایا تو انا کے لئے اجرت نہیں ہے۔

تشریح مثلا سال بھر کے لئے انا کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر لیا اور انا نے اپنا دودھ پلانے کے بجائے بکری کا دودھ پلاتی رہی تو اس کو دودھ پلانے کی اجرت نہیں ملے گی۔

وجہ اجرت اپنا دودھ پلانے کی تھی بکری کا دودھ پلانے کی نہیں۔یہ تو بچے کے والدین بھی کر سکتے تھے اس لئے اس کو دودھ پلانے کی اجرت

حاشیہ : (الف) رافع بن خدیج کو سونے اور چاندی کے بدلے زمین کو کرایہ پر لینے کے بارے میں پوچھا، فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔لوگ حضورؐ کے زمانے میں اجرت پر لیتے تھے اونچی جگہ اور نالی کے کنارے اور کاشتکاری میں سے خاص حصے کی شرط پر۔پس ہلاک ہوتا تھا یہ اور محفوظ رہتا تھا وہ، اور محفوظ رہتا تھا یہ اور ہلاک ہوتا تھا وہ۔پس نہیں ہوتا تھا لوگوں کے لئے کرایہ مگر یہ۔اس لئے حضورؐ نے اس سے منع فرمایا، بہر حال معلوم چیز کے بدلے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ب) فائدہ دو عورتوں کو مالدار پر اس کے مناسب اور غریب پر اس کے مناسب فائدہ اٹھانے دینا ہے معروف طریقے پر، یہ حق ہے اچھے کام کرنے والوں پر۔

[۱۲۱۶] (۶۱) وكل صانع لعمله اثر فی العين كالقصار والصباغ فله ان يحبس العين بعد الفراغ من عمله حتى يستوفی الاجرة [۱۲۱۷] (۶۲) ومن ليس لعمله اثر فی العين فليس له ان يحبس العين للاجرة كالحمال والملاح [۱۲۱۸] (۶۳) واذا اشترط على

نہیں ملے گی۔البتہ جوخدمت کی ہے اس کی اجرت مل جائے گی۔

اصول شرط کی مخالفت کرے تو اجرت نہیں ملے گی۔حدیث میں ہے المسلمون عند شروطهم (الف) (بخاری شریف نمبر ۲۲۷۴)

[۱۲۱۶] (۶۱) ہر وہ کاریگر جس کے عمل کا اثر عین میں ہو جیسے دھوبی اور رنگریز تو اس کو حق ہے کہ عین کو روک رکھے عمل سے فارغ ہونے کے بعد یہاں تک کہ اجرت لے لے۔

تشریح جن جن کاریگر کا عمل عین شی میں اثر انداز ہوتا ہو جیسے رنگریز کا عمل کہ کپڑے کو اپنے رنگ سے رنگ دیتا ہے اور کپڑا رنگین ہو جاتا ہے یا دھوبی کا عمل کہ اپنے سوڈے اور صابن سے کپڑے کو صاف کرتا ہے اور ان کے عمل کا اثر کپڑوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ایسے کاریگروں کو حق ہے کہ کام پورا کرنے کے بعد اجرت لینے کے لئے اس چیز کو اپنے پاس روک لے اور جب تک اجرت وصول نہ کرے کپڑا واپس نہ دے۔

وجہ مثلا رنگریز کا رنگ اپنا ہے،دھوبی کا صابن اور سوڈا اپنا ہے اس لئے اپنی چیز روکنے کا حق ہے۔اور چونکہ یہ چیزیں کپڑے کے ساتھ چپکی ہوئی ہیں اس لئے کپڑا بھی روک لے گا۔تاکہ پوری اجرت وصول ہو جائے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنی چیز کو روک سکتا ہے اس لئے جس چیز کے ساتھ چپکی ہوئی ہے اس کو بھی روک سکتا ہے۔

[۱۲۱۷] (۶۲) اور جس کے عمل کا اثر نہیں ہے عین شی میں تو اس کے لئے حق نہیں ہے کہ روکے عین شی کو اجرت کے لئے جیسے بوجھ اٹھانے والا اور ملاح۔

تشریح جس کا عمل اور نفع ایسا ہے کہ اس کے عمل کا اثر عین شی میں نہیں ہوتا۔جیسے بوجھ اٹھانے والے کے عمل کا اثر سامان میں نہیں ہوتا،وہ تو صرف سامان کو اٹھا کر ادھر سے ادھر کر دیا۔اس کے اٹھانے کا کوئی اثر سامان پر نہیں پڑتا ہے۔اس لئے وہ اپنی اجرت وصول کرنے کے لئے سامان کو اپنے پاس قانونی طور پر نہیں رکھ سکتا۔

وجہ چونکہ بوجھ اٹھانے والے کی اپنی کوئی چیز سامان کے ساتھ محبوس نہیں ہے اس لئے دوسرے کے سامان کو روکنے کا حق اس کو نہیں ہوگا۔

نوٹ اگر اجرت نہ دے تو قاضی کے پاس مقدمہ دائر کر سکتا ہے۔البتہ اس دور میں چونکہ قاضی آسانی سے دستیاب نہی ہے اس لئے سامان جانے کے بعد اجرت ملنے کی امید نہ ہو تو سامان روک لے تاکہ اجرت بآسانی مل سکے۔

[۱۲۱۸] (۶۳) اگر شرط لگائی کاریگر پر یہ کہ وہ خود کرے گا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ استعمال کرے دوسرے کو۔

تشریح کام کرانے والے نے شرط لگائی کہ مثلا زید ہی اس کام کو انجام دے گا تو اب زید کے لئے یہ حق نہیں ہے کہ عمر سے کام کروا کر دے

(ب) مسلمان اپنی شرطوں کے پاسبان ہیں۔

الصانع ان یعمل بنفسه فلیس له ان یستعمل غیره [۱۲۱۹](۶۴) وان اطلق له العمل فله ان یستأجر من یعمله [۱۲۲۰](۶۵) واذا اختلف الخیاط والصباغ و صاحب الثوب فقال صاحب الثوب للخیاط امرتک ان تعمله قباء وقال الخیاط قمیصا او قال صاحب الثوب

وجہ کام کرنے والے کی مہارت کا بڑا فرق پڑتا ہے۔بعض مرتبہ دوسرے کاریگر اس کو خراب کر دیتے ہیں اس لئے اگر شرط لگائی کہ فلاں آدمی کام کرے گا تو دوسرے کو اس کے لئے استعمال نہیں کر سکتا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الشیبانی عن الشعبی قال هو ضامن فیما خالف ولیس علیه کراء (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الکری یتعدی بہ ج ثامن ص ۲۱۳ نمبر ۱۴۹۳۱) اس اثر میں ہے کہ شرط کی مخالفت کرنے سے اجیر ضامن ہوگا۔اور حدیث پہلے گزر چکی ہے المسلمون عند شروطهم (ب) (بخاری شریف نمبر ۲۲۷۴) اس لئے دوسرے سے کام نہیں کروا سکتا۔

اصول کاریگر کاریگر میں مہارت اور تجربہ کا فرق ہوتا ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

[۱۲۱۹] (۶۴) اور اگر اجیر کے لئے عمل مطلق چھوڑا تو اس کے لئے جائز ہے کہ نوکر پر رکھے اس کو جو وہ کام کرے۔

تشریح اگر یوں شرط نہیں لگائی کہ مثلا زید ہی کو کام کرنا ہے تو اجیر کے لئے جائز ہے کہ کسی اور سے کام کروا کر مستاجر کو نفع سپرد کر دے۔

وجہ کسی کام کرنے والے کو خاص نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مستاجر کو کام اچھا چاہئے چاہے کوئی بھی اس کام کو کر دے۔اس لئے اجیر خود بھی اس کام کو کرے تب بھی ٹھیک ہے اور دوسرں سے کروا کر دے تب بھی ٹھیک ہے۔وہ سپرد کرنے پر اجرت کا مستحق ہوگا۔

اصول صرف کام مقصود ہو تو کسی آدمی سے بھی وہ کام کروا سکتا ہے۔

لغت اطلق : مطلق چھوڑا، قید نہیں لگائی۔

[۱۲۲۰] (۶۵) اگر اختلاف ہو جائے درزی اور رنگریز اور کپڑے والے کے درمیان، پس کپڑے والے نے کہا درزی سے میں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ اس کی قبا بنائیں اور درزی نے کہا کہ قمیص کا کہا تھا۔یا کپڑے والے نے رنگریز سے کہا میں آپ کو حکم دیا تھا کہ اس کو سرخ رنگیں، پس آپ نے اس کو زرد رنگا تو کپڑے والے کے قول کا اعتبار ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔پس اگر قسم کھالی تو درزی ضامن ہوگا۔

تشریح درزی اور کپڑے والے میں اختلاف ہو جائے مثلا کپڑے والا کہے کہ میں نے آپ کو قبا سینے کہا تھا اور آپ نے قمیص سی دیا۔اور درزی کہے کہ آپ نے مجھے قمیص سینے کہا تھا۔اور درزی کے پاس گواہ نہیں ہے اور نہ کسی کی بات کی تصدیق کے لئے کوئی علامت یا قرینہ نہیں ہے تو کس کی بات مانی جائے؟ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔اسی طرح کپڑے والے اور رنگریز میں اختلاف ہو گیا، کپڑے والا کہتا ہے کہ سرخ رنگنے کے لئے کہا تھا لیکن تم نے زرد رنگ دیا اور رنگریز کہتا ہے کہ آپ نے زرد رنگنے کے لئے کہا تھا۔اور رنگریز کے پاس گواہ نہیں ہے اور کسی کی بات کی تصدیق کے لئے کوئی علامت نہیں ہے تو کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا اجیر ضامن ہے اگر مخالفت کی اور مستاجر پر کرایہ نہیں ہے (ب) مسلمان اپنے شرطوں کے پاسبان ہیں۔

للصباغ امرتک ان تصبغه احمر فصبغته اصفر فالقول قول صاحب الثوب مع یمینه فان حلف فالخیاط ضامن[۱۲۲۱] (۲۶)وان قال صاحب الثوب عملته لی بغیر اجرة وقال الصانع باجرة فالقول قول صاحب الثوب مع یمینه عند ابی حنیفة رحمه الله.

جائیگی۔

وجہ کپڑا سینے کی اجازت اور رنگنے کی اجازت کپڑے والے کی جانب سے ہوتی ہے اس لئے وہی جانتا ہے کہ کس کام کی اجازت دی جائے اس لئے اسی کی بات مانی جائے گی۔اثر میں ہے عن الثوری فی رجل دفع الی آخر مالا مضاربة فقال صاحب، المال بالثلث وقال الآخر بالنصف قال القول صاحب المال الا ان یأتی الآخر بینة (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب اختلاف المضاربین اذا ضرب بہ مرۃ ج ثامن ص۲۵۲ نمبر ۱۵۱۰۴)اس اثر میں صاحب مال کی بات مانی گئی ہے اس لئے اجارہ میں بھی صاحب مال کی بات مانی جائے گی (۲) درزی اور رنگریز مدعی ہے۔وہ دعوی کر رہا ہے کہ میرا کام صحیح ہے اس لئے مجھے اجرت ملنی چاہئے اور کپڑے والا اجرت دینے سے انکار کر رہا ہے اس لئے وہ منکر ہے۔اس لئے اس پر گواہ چاہئے وہ نہیں ہے اور کپڑے والا مدعی علیہ ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔پس اگر وہ قسم کھالے تو درزی اور رنگریز نقصان کے ضامن ہوں گے۔حدیث میں ہے کتب ابن عباس الی ان النبی ﷺ قضی بالیمین علی المدعی علیه (ب)(بخاری شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود ص۳۶۶ نمبر ۲۶۶۸)اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ اور منکر پر قسم ہے۔اس کی وجہ سے اس کی بات مانی جائے گی۔

[۱۲۲۱](۲۶)اگر کپڑے والے نے کہا کہ تم نے اس کو میرے لئے بغیر اجرت کے کیا ہے اور کاریگر نے کہا کہ اجرت کے ساتھ تو کپڑے والے کے قول کا اعتبار ہوگا قسم کے ساتھ۔

تشریح کپڑے والا کہتا ہے کہ آپ نے یہ کام میرے لئے بغیر اجرت کے کیا ہے اور کام کرنے والا کہتا ہے کہ اجرت کے لئے کیا ہوں مفت نہیں کیا ہوں۔اور اجیر کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے اور نہ کوئی علامت ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک کپڑے والے کی بات مانی جائے گی قسم کے ساتھ اور اجیر کو اجرت نہیں ملے گی۔

وجہ اجیر کام کر کے اجرت کا دعوی کر رہا ہے اس لئے وہ مدعی ہے اور کپڑے والا اس کا انکار کر رہا ہے اس لئے وہ منکر ہے اور قاعدہ گزر گیا کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔اس لئے کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی (۲) اوپر کی حدیث بخاری کے ساتھ یہ حدیث بھی ثبوت ہے۔عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله ﷺ قال البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر الا فی القسامة (ج)(دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص۸۸ نمبر ۳۱۶۶)

حاشیہ : (الف) حضرت ثوریؒ نے فرمایا کوئی آدمی دوسرے کو مضاربت کے طور پر مال دے، پس مال والے نے کہا کہ تہائی پر دیا ہوں اور مضارب نے کہا کہ آدھے پر تو مال والے کا اعتبار ہے مگر یہ کہ دوسرا آدمی گواہ پیش کرے (ب) حضرت ابن عباسؓ نے مجھے لکھا کہ حضورؐ نے مدعی علیہ پر قسم کھانے کا فیصلہ فرمایا (ج) آپؐ نے فرمایا بینہ اس پر ہے جس نے دعوی کیا اور قسم اس پر ہے جس نے انکار کیا مگر قسامت میں۔

[۱۲۲۲](۶۷) وقال ابو یوسف رحمه الله تعالی ان کان حریفا فله الاجرة وان لم یکن حریفا له فلا اجرة له [۱۲۲۳](۶۸) وقال محمد رحمه الله تعالی ان کان الصانع مبتذلا لهذه الصنعة بالاجرة فالقول قوله مع یمینه انه عمله باجرة [۱۲۲۴](۶۹) والواجب فی

[۱۲۲۲](۶۷) اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اگر اس کا پیشہ ہی یہ ہو تو اس کے لئے اجرت ہوگی اور اگر اس کا پیشہ یہ نہیں ہے تو اس کے لئے اجرت نہیں ہے۔

تشریح اس کے لئے پیشہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہی کام کرتا ہے۔ اور ایک مطلب یہ ہے کہ کپڑے والے کو پہلے بھی ایک مرتبہ اجرت پر یہی کام کر کے دیا تھا اس لئے اجرت والا سمجھتا تھا کہ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی اجرت ملے گی۔

وجہ پیشہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اجرت پر ہی کام کرتا ہے۔ یا پہلے ایک مرتبہ اجرت پر کر کے دینا دلیل ہے کہ وہ اجرت پر ہی کیا ہوگا۔ اس لئے اس ظاہری دلیل کی وجہ سے اس کو اجرت ملے گی۔

اصول پیشہ ہونا اجرت کی علامت ظاہرہ ہے۔

لغت حریفا : پیشہ والا ہونا۔

[۱۲۲۳](۶۸) امام محمدؒ نے فرمایا اگر کاریگر اجرت کے ساتھ یہ کام کرنے مین مشہور ہو تو کاریگر کی بات مانی جائے گی قسم کے ساتھ کہ اس نے کام کیا ہے اجرت کے بدلے۔

تشریح امام محمدؒ کے نزدیک کاریگر کا اجرت پر کام کرنے میں شہرت ہو تب اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی کہ اس نے اجرت سے ہی وہ کام کیا ہے۔

وجہ مشہور ہونا علامت ہے کہ اجرت کے بدلے ہی کام کیا ہوگا، مفت نہیں اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

اصول پیشہ میں شہرت ہونا اجرت پر کام کرنے کی علامت ہے۔

[۱۲۲۴](۶۹) واجب اجارہ فاسد میں اجرت مثل ہے لیکن متعین کردہ اجرت سے تجاوز نہ کرے۔

تشریح کسی وجہ سے اجارہ فاسد ہو گیا تو اب بازار میں اس کام کی جو اجرت ہو سکتی ہے وہ اجرت اجیر کو ملے گی۔ اسی اجرت کو اجرت مثل کہتے ہیں۔

وجہ جب اجارہ فاسد ہو گیا تو گویا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی عقد اجارہ ہوا ہی نہیں ہے۔ اس لئے اب بازار کے عرف پر اجرت طے ہوگی۔ اور اجرت مثل لازم ہوگی۔ لیکن چونکہ اجیر پہلے ایک متعین اجرت پر راضی ہو گیا ہے اس لئے اجرت مثل اگر متعین کردہ اجرت سے زیادہ ہو تو اجرت مثل نہ دی جائے بلکہ متعین کردہ اجرت دی جائے گی۔ کیونکہ اجیر کم اجرت پر راضی ہو گیا ہے۔ اجارہ فاسد کے وقت اجرت مثل کی دلیل وہی حدیث ہے جو بار بار گزر گئی۔ واکتری الحسن من عبد الله بن مرداس حمارا فقال بکم ؟ قال بدانقین فرکبه ثم جاء

الاجارة الفاسدة اجرة المثل لا يتجاوز به المسمى[۱۲۲۵](۷۰) واذا قبض المستأجر الدار فعليه الاجرة وان لم يسكنها فان غصبها غاصب من يده سقطت الاجرة

مرة اخرى فقال الحمار الحمار فركبه ولم يشارطه فبعث اليه بنصف درهم (الف)(بخاری شریف، باب من اجری امر الامصار علی مایتعارفون بینھم فی البیوع والاجارۃ ص۲۹۴ نمبر ۲۲۱۰)اورآیت میں ہے۔ومن کان فقیرا فلیأکل بالمعروف (آیت ۶ سورۃ النساء۴)اس سے معلوم ہوا کہ جہاں جہاں آپس میں اجرت طے نہ ہو تو جو معروف طریقہ ہے وہی اجرت لازم ہوگی جس کو اجرت مثل کہتے ہیں۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اجارہ فاسد ہو جائے تو اجرت مثل لازم ہوگی چاہے متعین کردہ اجرت سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

وجہ کیونکہ جب اجرت مثل اصل ٹھہری تو جتنی ہو دی جائے گی۔

[۱۲۲۵](۷۰)اگر مستاجر نے گھر قبضہ کیا تو اس پر اجرت ہے چاہے اس میں نہ رہتا ہو۔پس اگر اس گھر کو کسی غاصب نے اس کے ہاتھ سے غصب کر لیا تو اجرت ساقط ہو جائے گی۔

وجہ گھر میں مستاجر رہے یا نہ رہے صرف اجرت کے گھر پر قبضہ کر لیا تو اس پر اجرت لازم ہو جائے گی۔کیونکہ مالک مکان اب اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہا ہے اس لئے مستاجر پر اجرت لازم ہوگی(۲)اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابن طاؤس قال کان ابی یوجب الکراء اذا خرج الرجل الہ مکۃ وان مات قبل ان یبلغ (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یکری الدابۃ فیموت فی بعض الطریق ج ثامن ص۲۱۳ نمبر ۱۴۹۳۳)اس اثر میں ہے کہ مکہ مکرمہ کے لئے جانور کرایہ پر لیا اور پہلے مر گیا پھر بھی پورا کرایہ لازم کرتے تھے۔اس لئے گھر پر قبضہ کر لیا تو کرایہ لازم ہونا شروع ہو جائے گا۔

اور اگر درمیان میں کسی نے غصب کر لیا تو چونکہ مستاجر کے قبضہ میں وہ چیز نہیں رہی اس لئے اتنی اجرت ساقط ہو جائے گی۔اثر میں ہے عن الثوری فی رجل اکتری فمات المکتری فی بعض الطریق قال ھو بالحساب (ج)(مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یکری الدابۃ فیموت فی بعض الطریق ج ثامن ص۲۱۳ نمبر ۱۴۹۳۵)اس اثر میں ہے کہ درمیان میں آدمی مر جائے تو اس کے حساب سے کرایہ لازم ہوگا۔اسی طرح اگر کسی نے کرایہ دار سے گھر غصب کر لیا تو جتنی دیر تک غصب کئے رہا اتنی دیر کا کرایہ ساقط ہو جائے گا۔

اصول صرف قبضہ سے کرایہ لازم ہونا شروع ہوتا ہے۔

حاشیہ : (الف)حضرت حسن نے عبد اللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا۔پس کہا کتنے میں ہے یہ؟ کہا دو دانق میں۔پس اس پر سوار ہوئے۔پھر دوسری مرتبہ آئے تو فرمایا گدھا دیں گدھا دیں۔پس اس پر سوار ہوئے اور کرائے کی شرط نہیں کی۔پس عبد اللہ بن مرداس کو آدھا درہم بھیجا(ب)حضرت ابن طاؤس فرماتے ہیں کہ میرے والد کرایہ واجب کرتے تھے جب کوئی مکہ کے لئے نکلے اور وہاں پہنچنے سے پہلے مر جائے(ج)حضرت ثوری نے فرمایا آدمی کرایہ پر لے۔اور کرایہ پر لینے والا راستے میں مر جائے تو حساب کے ساتھ کرایہ واجب ہوگا۔

[۱۲۲۶](۷۱) وان وجد بها عيبا يضر بالسكنى فله الفسخ[۱۲۲۷](۷۲) واذا خربت الدار او انقطع شرب الضيعة او انقطع الماء عن الرحى انفسخت الاجارة

[۱۲۲۶](۷۱)اور اگر گھر میں ایسا عیب پایا جو رہنے کے لئے نقصان دہ ہے تو اجیر کے لئے فسخ کا حق ہے۔

تشریح مثلا گھر کرایہ پر لیا لیکن گھر میں ایسا عیب آگیا کہ اس میں رہنا مشکل ہو گیا مثلا گھر کی دیوار گرگئی تو اجیر کو حق ہے کہ اجارہ فسخ کر دے۔

وجہ (۱) جب منفعت حاصل نہیں کر سکتا تو اجیر کیا کرے گا اس لئے اجارہ فسخ کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے کہ مبیع میں عیب ہو تو بیع کو واپس کر سکتا ہے اسی طرح اجارہ کے گھر میں عیب ہو تو اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے عن عائشة ان رجلا ابتاع غلاما فاقام عنده ماشاء الله ان يقيم ثم وجد به عيبا فخاصمه الى النبى ﷺ فرده عليه فقال الرجل يا رسول الله ! قد استغل غلامى فقال رسول الله ﷺ الخراج بالضمان (الف) (ابو داؤد شریف، باب فیمن اشتری عبدا فاستعملہ ثم وجد بہ عیبا ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۱۰) اس حدیث میں ہے کہ غلام میں عیب پایا تو آپؐ نے بائع کو واپس کر دیا۔ اسی طرح شی متاجر میں عیب ہو جس سے نفع اٹھانا مشکل ہو تو اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جتنی دیر فائدہ اٹھایا ہے اس کا کرایہ دینا ہوگا۔ کیونکہ غلام والے نے کہا کہ میرے غلام کو کام میں لیا ہے تو آپؐ نے فرمایا الخراج بالضمان یعنی جتنا کام لیا ہے اتنا کرایہ ملنا چاہئے۔

اصول عیب کثیر سے اجارہ فاسد کر سکتا ہے۔

نوٹ یہ اس وقت ہے کہ متاجر اس عیب سے راضی نہ ہو۔ اگر عیب دیکھتے ہوئے کرایہ پر لیا تھا یا عیب پیدا ہونے کے بعد اس سے رضامندی کا اظہار کرنے کے بعد اجارہ فسخ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔

[۱۲۲۷](۷۲) اگر گھر ویران ہو جائے یا زمین کا پانی منقطع ہو جائے یا پن چکی سے پانی منقطع ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

تشریح اوپر کے مسئلے میں یہ تھا کہ شی متاجر موجود ہے لیکن اس میں ایسا عیب پیدا ہو گیا ہے کہ اس سے استفادہ مشکل ہو گیا ہے۔ اور اس مسئلے میں ہے کہ شیء متاجر اتنا ویران اور خراب ہو گئی ہے کہ گویا وہ چیز ہی ختم ہو گئی۔ مثلا گھر ویران ہو گیا، زمین میں پانی آنے کا راستہ منقطع ہو گیا یا پن چکی سے پانی آتا تھا وہ بالکل بند ہو گیا جس سے اب کاشتکاری نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اجارہ خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

وجہ جب منافع حاصل ہو ہی نہیں سکتے تو اجارہ باقی رہ کر کیا ہوگا؟ اس لئے اجارہ فسخ ہو جائے گا (۲) اوپر ابو داؤد کی حدیث نمبر ۳۵۱۰ میں تھا کہ عیب کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے تو یہاں بالکل شی متاجر ختم ہو گئی اس لئے اجارہ خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

فائدہ بعض ائمہ کی رائے ہے کہ اجارہ خود بخود فسخ نہیں ہوگا۔ البتہ ایسی صورت میں اجارہ فسخ کرنے کا حقدار ہو جائے گا۔

لغت خربت : ویران ہونا۔ شرب : پانی کا حق۔ ضیعۃ : کاشتکاری کی زمین۔ رحی : پن چکی۔

حاشیہ: (الف) ایک آدمی نے غلام بیچا۔ پس غلام اس کے پاس کچھ دن تک ٹھہرا رہا پھر اس میں مشتری نے عیب پایا۔ پس جھگڑا حضور کے پاس لے گئے۔ پس حضورؐ نے بائع پر غلام لوٹا دیا، بائع نے کہا یا رسول اللہ! میرے غلام کو دین میں پھسا دیا تو آپؐ نے فرمایا خراج ضمان کے بدلے میں ہوتا ہے۔

[۱۲۲۸](۴۳) واذا مات احد المتعاقدین وقد عقد الاجارۃ لنفسه انفسخت الاجارۃ وان کان عقدھا لغیرہ لم ینفسخ [۱۲۲۹](۴۴) ویصح شرط الخیار فی الاجارۃ کما فی

[۱۲۲۸](۴۳) اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک مرجائے اور حال یہ تھا کہ اجارہ اپنے لئے کیا تھا تو اجارہ فسخ ہوجائے گا اور اگر عقد کیا تھا اس کا غیر کے لئے تو فسخ نہیں ہوگا۔

تشریح مستاجر نے اپنے لئے عقد اجارہ کیا تھا۔ وکیل بنکر یا وصی بنکر کسی اور کے لئے نہیں کیا تھا اور خود مستاجر کا انتقال ہوگیا تو اجارہ فسخ ہوجائے گا۔ اسی طرح اجیر نے اپنے لئے اجارہ کیا تھا۔ وکیل بنکر یا وصی بن کر کسی اور کے لئے عقد اجارہ نہیں کیا تھا اور اجیر کا انتقال ہوگیا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

وجہ (۱) مستاجر نے اپنے لئے منفعت لیا تھا اور اب مستاجر ہی دنیا میں نہیں رہا تو منفعت کون لیگا؟ اس لئے اجارہ فسخ ہوجائے گا۔ اسی طرح اجیر مزدور نے کہا تھا کہ میں خود مزدوری کروں گا اور وہ دنیا میں نہیں رہا تو اب کون مزدوری کرے گا؟ دوسرا آدمی مزدوری کرنے کا حقدار نہیں ہے۔ اس لئے اجارہ فسخ ہوجائے گا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة الا من صدقة جاریة او علم ینتفع به او ولد صالح یدعو له (الف) (مسلم شریف، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاته ص ۴۱ نمبر ۱۶۳۱ کتاب الوصیۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان مرجائے تو اس کے ذاتی معاملات ختم ہوجاتے ہیں۔ اس لئے اجارہ فسخ ہوجائے گا۔

اور اگر وکیل یا وصی یا امیر المؤمنین بنکر دوسرے کے لئے اجارہ کیا اور وہ لوگ باقی ہیں البتہ خود وکیل، وصی یا امیر المؤمنین کا انتقال ہوگیا تو اجارہ باقی رہے گا۔

وجہ (۱) کیونکہ جس کے لئے اجارہ کیا تھا وہ موجود ہیں اس لئے وہ اجارہ کو ڈیل کرسکتے ہیں۔ اس لئے اجارہ باقی رہے گا (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اہل خیبر سے امیر ہونے کی حیثیت سے اجارہ کیا تھا اس لئے آپؐ کے وصال کے بعد بھی حضرت عمرؓ کی زندگی تک اجارہ باقی رہا۔ حضرت عمرؓ نے اہل خیبر کو اریحاء تک جلاوطن کرکے اجارہ توڑا تھا۔ اثر میں ہے قال ابن عمر اعطی النبی ﷺ خیبر بالشطر فکان ذلک علی عھد النبی ﷺ وابی بکر وصدرا من خلافة عمر ولم یذکر ان ابا بکر جدد الاجارۃ بعد ما قبض النبی ﷺ (ب) • بخاری شریف، باب اذا استاجر ارضا فمات احدھما ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۵) اس اثر میں ہے کہ حضور کی وفات کے بعد بھی اہل خیبر کا اجارہ باقی رہا۔ کیونکہ آپؐ نے امیر المؤمنین ہونے کی حیثیت سے اجارہ کیا تھا۔

[۱۲۲۹](۴۴) اور صحیح ہے خیار شرط اجارہ میں جیسے کہ صحیح ہے بیع میں۔

حاشیہ : (الف) جب انسان مرجائے تو اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین اعمال منقطع نہیں ہوتے ہیں۔ مگر صدقہ جاریہ یا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے (ب) حضورؐ نے خیبر کو آدھے بٹائی پر دیا تھا تو یہ حضور، ابو بکر اور خلافت عمر کے شروع زمانے تک رہا اور کسی نے ایسا تذکرہ نہیں کیا کہ ابو بکر نے حضور کی وفات کے بعد اجارہ کی تجدید کی ہو۔

البیع[۱۲۳۰](۷۵) وتنفسخ الاجارة بالاعذار[۱۲۳۱](۷۶) کمن استأجر دکانا فی السوق لیتجر فیه فذهب ماله.

تشریح عقد اجارہ کرلیا پھر کہا کہ مجھے تین دن کا اختیار دو، مجھے سوچنے دو کہ یہ اجارہ قائم رکھوں یا نہیں تو ایسا خیار شرط لے سکتا ہے۔

وجہ بیع کرنے کے بعد اس میں خیار شرط لے سکتا تھا تو اجارہ بھی عقد ہے اس لئے اس میں بھی خیار شرط لے سکتا ہے (۲) بیع کے لئے خیار شرط کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ان المتبایعین بالخیار فی بیعهما مالم یتفرقا (الف) (بخاری شریف، باب کم یجوز الخیار ص ۲۸۳ نمبر ۲۱۰۷ مسلم شریف، باب ثبوت خیار المجلس للمتبایعین ج ثانی ص ۶ نمبر ۱۵۳۱) اور دار قطنی میں ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال الخیار ثلاثة ایام (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۴۸ نمبر ۲۹۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بائع اور مشتری کو تین دن کے خیار شرط لینے کا اختیار ہے۔ اس لئے اجارہ میں بھی تین دن تک خیار شرط لینے کا اختیار ہوگا۔

[۱۲۳۰] (۷۵) اور اجارہ فسخ ہو جائے گا عذروں کی وجہ سے۔

تشریح مستاجر نے مثلا دوکان اجرت پر لی اور دوکان برقرار رکھنے کی رقم ختم ہوگئی اب اگر دوکان کرایہ پر رکھتا ہے تو مشقت شدیدہ کا خطرہ ہے۔ ایسی مشقت شدیدہ کے وقت اجارہ ختم ہو جائے گا تاکہ انسان کو مشقت شدیدہ سے بچایا جا سکے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابی سعید الخدری ان رسول الله ﷺ قال لا ضرر ولا ضرار من ضار ضره الله ومن شاق شق الله علیه (ج) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۶۴ نمبر ۳۰۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلا وجہ آدمی کو نہ نقصان دینا چاہئے اور نہ مشقت میں پھانسنا چاہئے۔ اور مستاجر چونکہ کرایہ کی وجہ سے ناگہانی مشقت میں پھنس گیا ہے اس لئے اجارہ فسخ ہو جائے گا (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من اقال مسلما اقاله الله عثرته (د) (ابوداؤد شریف، باب فی فضل الاقالة ص ۱۳۴ نمبر ۳۴۶۰) اس حدیث میں ہے کہ بیع کرنے کے بعد اس کو واپس لے لے اور اقالہ کر لے تو اللہ تعالی اس کے گناہ کو معاف کر دیں گے۔ اسی طرح مجبوری کے وقت اجارہ فسخ کرنے کی گنجائش دے تو اللہ تعالی اس کے گناہ کو معاف فرمائیں گے۔

[۱۲۳۱] (۷۶) جیسے اجرت پر لیا دکان کو بازار میں تاکہ اس میں تجارت کرے پھر اس کا مال ضائع ہو گیا۔

تشریح بازار میں دکان کرایہ پر لیا تاکہ اس میں تجارت کرے لیکن بعد میں تجارت کرنے کا مال ضائع ہو گیا۔ اب تجارت کرنے سے مجبور ہے۔ پس اگر ابھی بھی دکان کرائے پر رکھے گا تو خواہ مخواہ مستأجر پر کرایہ چڑھے گا۔ اس لئے اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

نوٹ اگر عذر پوشیدہ ہو اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو تو قاضی کے ذریعہ اجارہ توڑوائے خود اجارہ نہیں توڑ سکتا ہے۔ اور اگر عذر ظاہر ہے اور سبھی دیکھ رہے ہیں کہ مستاجر مجبور ہو گیا تو خود بھی اجارہ توڑ سکتا ہے۔ (وجہ اوپر گزر گئی)

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا بائع اور مشتری کو بیع میں خیار شرط ہے جب تک دونوں الگ نہ ہوں (ب) آپ نے فرمایا خیار شرط تین دن تک ہوتا ہے (ج) آپ نے فرمایا نہ نقصان دو اور نہ نقصان اٹھاؤ۔ جس نے کسی کو نقصان دیا اللہ اس کو نقصان دے گا، جس نے کسی کو مشقت میں ڈالا تو اللہ اس کو مشقت میں ڈالے گا (د) جس نے کسی مسلمان سے اقالہ کیا اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔

[۱۲۳۲] (۷۷) وکمن آجر دارا او دکانا ثم افلس فلزمته دیون لا یقدر علی قضائها الا من ثمن ما آجر فسخ القاضی العقد و باعها فی الدین[۱۲۳۳] (۷۸) ومن استأجر دابة لیسافر علیها ثم بدا من السفر فهو عذر[۱۲۳۴] (۷۹) وان بدا للمکاری من السفر فلیس ذلک عذر.

[۱۲۳۲] (۷۷) یا کسی نے گھر یا دکان اجرت پر دی پھر مفلس ہو گیا اور اس کو اتنا دین لازم ہو گیا کہ اس کو ادا کرنے پر قادر نہیں ہے مگر جس چیز کو اجرت پر رکھا ہے اس کی قیمت سے تو قاضی فسخ کر دے گا عقد کو اور بیچ دے گا اس کو دین میں۔

تشریح مثلا زید نے دکان کرایہ پر کسی کو دی۔ بعد میں زید مفلس ہو گیا اور اس پر لوگوں کا قرض آ گیا۔ اب اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ اجرت پر دی ہوئی دکان بیچے اور اس کی قیمت سے قرض ادا کرے تو ایسی صورت میں قاضی عقد اجارہ کو فسخ کرے گا اور زید کی دکان کو بیچے گا اور اس کی قیمت سے لوگوں کا قرض ادا کرے گا۔

اصول عذر شدید سے اجارہ فسخ کیا جا سکتا ہے۔

[۱۲۳۳] (۷۸) کسی نے اجرت پر چوپایہ لیا تا کہ اس پر سفر کرے پھر ارادہ ملتوی ہو گیا تو یہ عذر ہے۔

تشریح سفر پر جانے کے لئے اجرت پر چوپایہ لیا پھر بعد میں خیال ہوا کہ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور سفر پر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تو یہ بھی عذر ہے جسکی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

وجہ مثلا حج پر جانا تھا اور حج کا وقت نکل گیا یا قرض وصول کرنے جانا تھا اور گھر پر ہی قرض دے گیا اب اس کے باوجود سفر کرے گا تو مشقت شدیدہ ہوگی اس لئے یہ عذر ہے اور اس کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

لغت بدا : ظاہر ہوا، ارادہ ملتوی ہو گیا۔

[۱۲۳۴] (۷۹) اور اگر کرایہ پر دینے والے کا ارادہ ملتوی ہو گیا سفر سے تو یہ عذر نہیں ہے۔

تشریح مثلا زید نے کہا تھا کہ میں عمر کو اپنے چوپائے پر بٹھا کر سفر پر لے جاؤں گا اور اتنی اجرت لوں گا۔ بعد میں زید کا ارادہ ملتوی ہو گیا یا کوئی عذر پیش آ گیا تو یہ عذر نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے اجارہ فسخ نہیں کر سکتا۔

وجہ خود نہ جا سکے تو کسی شاگرد کو یا کسی مزدور کو چوپایہ دے کر زید کے ساتھ بھیج سکتا ہے۔ اس لئے زید کے ارادہ کا ملتوی ہونا کوئی عذر نہیں ہے

نوٹ یہ اس صورت میں ہے کہ زید بہت مجبور نہ ہو۔ دوسرا مزدور ملتا ہو اور دوسرے کے ہاتھ میں دینے سے جانور خراب نہ ہو جائے۔ پس اگر زید جانے سے مجبور ہو مثلا بیمار ہو گیا اور مزدور بھی جانے کے لئے نہ ملتا ہو یا مزدور کے ہاتھ میں دینے سے گاڑی یا چوپایہ خراب ہونے کا خطرہ ہو یہ عذر ہے جس کی وجہ سے زید مکری اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

لغت المکاری : کرایہ پر دینے والا آدمی۔

﴿ کتاب الشفعة ﴾

[۱۲۳۵](۱) الشفعة واجبة للخليط في نفس المبيع ثم للخليط في حق المبيع كالشرب

﴿ کتاب الشفعة ﴾

ضروری نوٹ شفعہ کے معنی ہیں ملانا، چونکہ اپنی زمین کے ساتھ دوسرے کی زمین کو ملانا ہوتا ہے اس لئے اس کو حق شفعہ کہتے ہیں۔ کسی کی زمین یا غیر منقول جائداد بک رہی ہو اور دوسروں کو نہ خریدنے دے اور شریک یا پڑوس خود خرید لے اس کو حق شفعہ کہتے ہیں۔ اس حق کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ سمع ابا رافع سمع النبی ﷺ یقول الجار احق بسقبه (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی الشفعۃ ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۶ / بخاری شریف، باب عرض الشفعۃ علی صاحبها قبل البیع ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الشفعۃ للغائب ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پڑوس کو حق شفعہ ہے۔

[۱۲۳۵](۱) شفعہ واجب ہے نفس مبیع میں شریک کے لئے، پھر حق مبیع مثلا پانی اور راستے میں شریک کے لئے، پھر پڑوس کے لئے۔

تشریح زمین اور جائداد کے ساتھ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خود زمین میں شریک ہو کہ مثلا آدھی اس کی زمین ہے اور آدھی اس کی زمین ہے۔ اس کو 'مبیع میں شریک' کہتے ہیں۔ زمین بکے تو اس کو خریدنے کا زیادہ حق ہے ورنہ دوسرا کوئی خراب شریک آئے گا تو اس کو نقصان ہوگا۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو خود زمین میں تو شریک نہیں ہیں لیکن زمین کا جو 'حق' ہے مثلا زمین پر آنے کا راستہ یا زمین میں پانی آنے کی نالی اس میں لوگ شریک ہیں ان کو 'حق مبیع میں شریک' کہتے ہیں۔ ان کو دوسرے نمبر پر حق شفعہ ملتا ہے کہ مبیع میں شریک نہ لے تو حق مبیع میں شریک کو شفعہ کا حق ہوگا۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو نہ مبیع میں شریک ہیں اور نہ مبیع کے راستے یا پانی میں شریک ہیں۔ البتہ مبیع سے سٹی ہوئی اس کی زمین ہے جس کو پڑوس کہتے ہیں ان کو تیسرے نمبر پر حق شفعہ ملے گا۔ مبیع میں شریک اور حق مبیع میں شریک نہ لیں تو اب مبیع کے پڑوس والوں کو شفعہ کا حق ملے گا کہ وہ لوگ اس بکنے والی زمین کو حق شفعہ کے ماتحت خریدیں۔ اور یہ تینوں قسم کے لوگ نہ خریدیں تب باہر کے لوگوں کو خریدنے کا حق ہوگا۔

وجہ (۱) اگر ان لوگوں کو حق شفعہ نہ ملے اور دوسرے لوگ بیچ میں آجائیں تو ان لوگوں کو تکلیف ہوگی اس لئے شریعت نے مناسب قیمت میں ان لوگوں کو پہلے خریدنے کا حقدار یا ہے۔ ترتیب کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔ سمعت الشعبی یقول قال رسول الله ﷺ الشفیع اولی من الجار والجار اولی من الجنب (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الشفعۃ بالجواز او الخلیط احق، ج ثامن، ص ۷۹، نمبر ۱۴۳۹۰ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۰۲ من کان یقضی بالشفعۃ للجار، ج رابع، ص ۵۲۱ نمبر ۲۲۷۱۷) اس حدیث میں شفیع سے مراد شریک ہے کیونکہ دوسرے اثر میں الخلیط احق من الشفیع والشفیع احق ممن سواه (ج) (مصنف عبد الرزاق ج ثامن، ص ۷۸، نمبر ۱۴۳۸۶) کی عبارت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلا حق شریک فی نفس المبیع کا، دوسرا حق شریک فی حق المبیع کا اور تیسرا حق پڑوس کا ہے۔ اور

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا پڑوس شفعہ کا زیادہ حقدار ہے (ب) آپ نے فرمایا شفیع یعنی شریک زیادہ حقدار ہے پڑوس سے اور پڑوس زیادہ حقدار ہے قریب والے سے (ج) شریک زیادہ حقدار ہے شفیع سے اور شفیع زیادہ حقدار ہے اس کے علاوہ ہے۔

والطریق ثم للجار [۱۲۳۶] (۲) ولیس للشریک فی الطریق والشرب والجار شفعة مع

ہر ایک کو حق کی دلیل یہ احادیث ہیں۔ عن جابر قال قضی رسول الله بالشفعة فی کل شرکة لم تقسم ربعة او حائط لا یحل له ان یبیع حتی یوذن شریکه فان شاء اخذ وان شاء ترک فاذا باع ولم یوذنه فهو احق به (الف) (مسلم شریف، باب الشفعة ص ۲۰ نمبر ۱۶۰۸/۴۱۲۸ رابو داؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریک کو حق شفعہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین اور باغ جو غیر منقول جائداد ہیں ان میں حق شفعہ ہے۔ اور پڑوس کو حق شفعہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن سمرة عن النبی ﷺ جار الدار احق بدار الجار او الارض (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۷ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الشفعة ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پڑوس کو بھی حق شفعہ ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف شریک فی المبیع اور شریک فی حق المبیع یعنی مبیع کے راستے اور پانی پلانے کے حق میں شریک ہیں صرف ان کو حق شفعہ ملتا ہے۔ جو صرف پڑوس میں ہیں ان کو حق شفعہ نہیں ملتا ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال قضی النبی ﷺ بالشفعة فی کل مالم یقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة (ج) (بخاری شریف، باب الشفعة فیما لم یقسم فاذا وقعت الحدود فلا شفعة ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۷ رابو داؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۴ رترمذی شریف، باب ماجاء اذا حدت الحدود ووقعت السهام فلا شفعة ص ۲۵۴ نمبر ۱۳۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرکت ختم ہو جائے اور دونوں کے راستے الگ الگ ہو جائیں یعنی مبیع کے راستے میں بھی شریک نہ ہو تو اب شفعہ نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل اوپر کی حدیث ہے۔

لغت الخلیط : شریک

[۱۲۳۶] (۲) راستے میں اور پانی پلانے میں شریک کے لئے اور پڑوس کے لئے حق شفعہ نہیں ہے مبیع میں شریک کے ہوتے ہوئے۔ پس اگر شریک چھوڑ دے تو راستے میں شریک کے لئے ہوگا، پس اگر وہ بھی چھوڑ دے تو اس کو پڑوس لے گا۔

تشریح اوپر گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے مبیع میں شریک کو حق شفعہ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے حق مبیع میں شریک یا پڑوس کو حق نہیں ہے۔ وہ نہ لے تو حق مبیع میں شریک کو حق شفعہ ہے۔ حق مبیع میں شریک کا مطلب یہ ہے کہ مبیع کے راستے میں شریک ہے یا مبیع میں پانی آنے کی نالی میں شریک ہے۔ وہ بھی نہ ہو یا ہو لیکن نہ لینا چاہتا ہو تو پڑوس کو حق شفعہ ہے۔ اور وہ بھی نہ ہو یا ہو لیکن نہ لینا چاہتا ہو تب دوسروں کو لینے کا حق ہے

وجہ اوپر حدیث مرسل میں اس ترتیب کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ سمعت الشعبی یقول قال رسول الله ﷺ الشفیع اولی من الجار والجار اولی من الجنب (د) (مصنف عبد الرزاق، باب الشفعة بالجوار والخلیط احق، ج ثامن، ص ۷۹، نمبر ۱۴۳۹۰ رمصنف ابن ابی شیبة

حاشیہ : (الف) آپؐ نے شفعہ کا فیصلہ کیا ہر شرکت کی چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو، زمین ہو یا باغ ہو۔ نہیں حلال ہے کہ بیچے یہاں تک کہ شریک اس کی اجازت دے۔ پس اگر چاہے تو شریک لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ پس اگر بیچا اور شریک کو اطلاع نہیں دی تو وہ اس مبیع کا زیادہ حق دار ہے (ب) آپؐ سے مروی ہے کہ گھر کا پڑوسی گھر اور زمین کا زیادہ حقدار ہے (ج) آپؐ نے شفعہ کا فیصلہ کیا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ ہوتی ہو۔ پس جب حدود واقع ہو جائیں اور راستے بدل جائیں تو کوئی شفعہ نہیں ہے (د) آپؐ نے فرمایا شفیع یعنی شریک زیادہ حقدار ہے پڑوس سے اور پڑوس زیادہ حقدار ہے قریب والے سے۔

الخليط فان سلم الخليط فالشفعة للشريک فی الطريق فان سلم اخذها الجار [۱۲۳۷] (۳) والشفعة تجب بعقد البيع وتستقر بالاشهاد وتملک بالاخذ اذا سلمها

۴۰۲ من کان یقضی بالشفعة للجار، ج رابع، ص ۲۲۷۱۷) اس حدیث سے اس ترتیب کا پتہ چلا (۲) یوں بھی مبیع میں شریک زیادہ قوی ہے۔ اور حق مبیع میں شریک اس سے کم اور پڑوس ان سے بھی کم ہے اس لئے اس ترتیب سے حق شفعہ ملنا چاہئے۔ ایک اور اثر ہے۔ عن شریح قال الخليط احق من الشفيع والشفيع احق من الجار والجار احق ممن سواه (الف) مصنف ابن ابی شیبة ۴۰۲ من کان یقضی بالشفعة للجار ج خامس ص ۳۲۶) اس اثر سے بھی ترتیب کا پتہ چلا۔

لغت سلم : سپرد کر دیا، چھوڑ دیا۔ شرب : زمین میں پانی پلانے کا حق، نالی۔

[۱۲۳۷] (۳) شفعہ ثابت ہوتا ہے عقد بیع کے بعد اور پختہ ہو جاتا ہے گواہ بنانے سے اور مالک ہو جاتا ہے لے لینے سے جب مشتری شفیع کو دیدے یا حاکم دینے کا حکم کر دے۔

تشریح اس عبارت میں تین باتیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ حق شفعہ اس وقت ہوتا ہے جب بائع اس زمین کو بیچ رہا ہو اور اپنی ملکیت سے نکال رہا ہو تب شفیع کو حق شفعہ کے ذریعہ سے اس کو لینے کا حق ہوتا ہے۔

وجہ (۱) اگر زمین بیچ نہیں رہا ہو تو حق شفعہ کیسے ہوگا؟ (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ ... فان باع فهو احق به حتى يؤذنه (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بیچے تب شفیع کو حق شفعہ ہوگا (۳) اثر میں ہے۔ قال ابن ابی ليلى لا يقع له شفعة حتى يقع البيع فان شاء اخذ وان شاء ترک (ج) (۳) (مصنف عبد الرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتها، ج ثامن، ص ۸۳، نمبر ۱۴۴۰۴) اس اثر میں ہے کہ بیع واقع ہو تب حق شفعہ ہوگا ورنہ نہیں۔ دوسری بات یہ بیان کی کہ شفعہ کے ذریعہ زمین لینے پر شفیع فوری طور پر گواہ بنائے تب حق شفعہ مضبوط ہوگا۔ کیونکہ آگے قاضی کے ذریعہ اپنے لئے شفعہ کا فیصلہ بھی کروانا ہے اس لئے اس بات پر گواہ نہیں بنایا کہ ہاں میں نے علم ہوتے ہی کہا تھا کہ اس زمین کو لوں گا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

وجہ دوسرے کی زمین اپنے لئے کرنا ہے اس لئے علم ہونے کے بعد ذرا سا بھی اعراض کرے گا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ الشفعة كحل العقال (د) (ابن ماجہ شریف، باب طلب الشفعة ص ۳۵۸ نمبر ۲۵۰۰ رسنن للبیہقی، باب روایة الفاظ منکرة یذکرها بعض الفقهاء فی مسائل الشفعة، ج سادس، ص ۱۷۸، نمبر ۱۱۵۸۹) اس حدیث میں شفعہ کا معاملہ ایسا ہے جیسے اونٹ کی رسی کو کھولنا یعنی اس کو جلدی سے طلب کر و ورنہ حق ساقط ہو جائے گا (۳) اثر میں ہے۔ عن الشعبی قال من

حاشیہ : (الف) حضرت شریح نے فرمایا شریک فی المبیع زیادہ حقدار ہے شفیع سے اور شفیع زیادہ حقدار ہے پڑوس سے اور پڑوس زیادہ حقدار ہے اس کے علاوہ سے نوٹ : یہاں شفیع سے مراد راستے میں شریک ہے (ب) آپ نے فرمایا... پس اگر زمین بیچی تو شفیع زیادہ حقدار ہے یہاں تک کہ وہ اس کو اطلاع دے (ج) حضرت ابن ابی لیلی نے فرمایا شفیع کے لئے حق شفعہ نہیں ہوگا یہاں تک کہ بیع واقع ہو۔ پس اگر چاہے تو لے اور چاہے تو چھوڑ دے (د) آپ نے فرمایا شفعہ رسی کھولنے کی طرح ہے۔

المشتری او حکم بها حاکم[۱۲۳۸] (۴) واذا علم الشفیع بالبیع اشهد فی مجلسه ذلک علی المطالبة ثم ینهض منه فیشهد علی البائع ان کان المبیع فی یده او علی

بیعت شفعته وهو شاهد لا ینکرها فقد ذهبت شفعته (الف) (بخاری شریف، باب عرض الشفعة علی صاحبها قبل البیع ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۸ رمصنف عبدالرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتھا ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰۵) اس اثر میں ہے کہ بیع ہوتے دیکھ رہا ہو اور شفیع اس پر انکار نہ کرے تو حق شفعہ ختم ہو جائے گا۔ اس لئے بکنے کا علم ہوتے ہی اس کو اپنے لینے پر گواہ بنانا چاہئے۔ اگر اعراض کیا تو ساقط ہو جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن شریح قال انما الشفعة لمن واثبها (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتھا؟ ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جلدی سے کود کر حق شفعہ کا دعوی کرے گا تو اس کو حق ملے گا اور اگر اعراض کیا تو یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ اس لئے جلدی سے دعوی کرنے پر گواہ بنانا ضروری ہے تا کہ قاضی کے سامنے یہ ثابت کیا جا سکے کہ میں نے بکنے کا علم ہوتے ہی حق شفعہ کا دعوی کیا تھا۔ اور تیسری بات اس عبارت میں یہ بیان کی کہ مشتری مبیع کو شفیع کے حوالے کردے یا قاضی فیصلہ کردے کہ یہ مبیع شفیع کی ہے تب شفیع اس مبیع کا مالک ہو جائے گا۔

وجہ بک جانے اور بیع کی بات طے ہو جانے کی وجہ سے یہ مبیع مشتری کی ہو چکی ہے اس لئے مشتری اس مبیع سے دست بردار ہو جائے یا پھر قاضی اس کے لئے فیصلہ کردے تو یہ مبیع شفیع کی ملکیت ہو جائے گی۔

لغت تستقر : پختہ ہو جانا، مضبوط ہو جانا۔

[۱۲۳۸] (۴) جب شفیع کو بیع کا علم ہوا تو گواہ بنالے اسی مجلس میں مطالبے پر، پھر وہاں سے اٹھ کر گواہ بنائے بائع پر اگر مبیع اس کے ہاتھ میں ہو یا مشتری پر یا زمین پر، پس جبکہ یہ کر لیا تو اس کا حق شفعہ پختہ ہو گیا۔

تشریح حق شفعہ ثابت کرنے کے لئے چار کام کرنے پڑیں گے۔ پہلا یہ کہ جیسے ہی بکنے کا علم ہو تو فورا کہے کہ میں اس زمین کو خریدنا چاہتا ہوں۔ دوسرا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ اس دعوی پر گواہ بنائے۔ تیسرا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ بائع کے ہاتھ میں مبیع ہے اس پر اور مشتری کے ہاتھ مبیع ہے تو اس پر یا پھر جائداد کے پاس جا کر گواہ بنائے کہ تم سب سن لو میں اس زمین کو حق شفعہ کے ماتحت خریدنا چاہتا ہوں۔ اور چوتھا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ بلا تاخیر قاضی کے پاس جا کر دعوی کرے کہ میں اس زمین کو حق شفعہ کے ماتحت لینا چاہتا ہوں۔ اور گواہی پیش کر کے اپنا حق ثابت کرے تا کہ قاضی اس کے لئے زمین لینے کا فیصلہ کر سکے۔

وجہ چونکہ دوسرے کی زمین صرف ایک حق کے ماتحت لینی ہے اس لئے ذرا سے اعراض کرنے سے حق ساقط ہو جائے گا (۲) اوپر حدیث گزری الشفعة کحل العقال (ج) (ابن ماجہ شریف، باب طلب الشفعة ص ۳۵۶ نمبر ۲۵۰۰) کہ شفعہ رسی کھولنے کی طرح ہے کہ جوں ہی اعراض کیا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا (۳) قاضی شریح کا قول گزرا انما الشفعة لمن واثبها (د) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفیع

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا جس کے سامنے شفعہ کی چیز بک رہی ہو اور وہ دیکھ رہا ہو اور اس کا انکار نہیں کرتا تو اس کا شفعہ ختم ہو گیا (ب) حضرت شریح فرماتے ہیں کہ حق شفعہ اس کو ہے جو اس کو کود کر لے لے (ج) حق شفعہ رسی کے کھولنے کی طرح ہے (د) حق شفعہ اس کو ہے جو اس کو کود کر لے لے۔

المبتاع او عند العقار فاذا فعل ذلک استقرت شفعته[۱۲۳۹] (۵) ولم تسقط بالتاخير عند ابی حنيفة رحمه الله وقال محمد ان تركها من غير عذر شهرا بعد الاشهاد بطلت شفعته[۱۲۴۰] (۶) والشفعة واجبة فی العقار وان كان مما لا يقسم كالحمام والرحی

يأذن قبل البيع وكم وقتها؟ ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰۶) کہ حق شفعہ اس کو ملے گا جو دوڑ کرلے۔اس لئے اس دوڑنے پر اور مطالبے پر دو موقع پر گواہ بنانا ہوگا۔ایک معلوم ہونے کی مجلس میں اور دوسرا بائع کے پاس اگر اس کے پاس مبیع ہو یا مشتری کے پاس یا پھر زمین کے اوپر۔

[۱۲۳۹] (۵) امام ابوحنیفہ کے نزدیک تاخیر کرنے سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔اور فرمایا امام محمد نے اگر چھوڑ دیا بغیر عذر کے ایک ماہ گواہ بنانے کے بعد تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح مجلس علم میں بھی گواہ بنالیا اور بائع کے پاس بھی حق شفعہ کے ماتحت لینے پر گواہ بنالیا لیکن بغیر کسی عذر کے قاضی کے پاس مطالبے کے لئے نہیں گیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ دو جگہ گواہ بنانے کے بعد حق شفعہ مضبوط ہو گیا اس لئے مضبوط ہونے کے بعد قاضی کے پاس جانے میں تاخیر ہونے سے حق ساقط نہیں ہوگا۔جب تک کہ زبان سے حق لینے کا انکار نہ کرے۔

اصول حق شفعہ مضبوط ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوگا۔

امام محمد نے فرمایا کہ بغیر عذر کے قاضی کے پاس جانے میں زیادہ تاخیر کرنے سے مشتری کو نقصان ہوگا۔وہ بلا وجہ انتظار میں رہے گا۔اس لئے تاخیر کی حد متعین کر دی جائے کہ بغیر عذر کے ایک ماہ سے زیادہ تاخیر کرے تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

وجہ ایک ماہ کو قریب کی مدت کہتے ہیں اور ایک ماہ سے زیادہ کو دیر کی مدت کہتے ہیں،اس لئے ایک ماہ سے زیادہ تاخیر کرے گا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

[۱۲۴۰] (۶) شفعہ ثابت ہوتا ہے جائداد میں اگرچہ وہ ایسی ہو جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو جیسے حمام،پن چکی،کنواں اور چھوٹے مکان۔

تشریح جو زمین ہو یا زمین کی جنس سے ہو اس میں حق شفعہ ہوتا ہے۔اب چاہے وہ تقسیم ہو سکتی ہو یا تقسیم نہ ہو سکتی ہو ہر حال میں حق شفعہ ہوتا ہے۔جیسے حمام،پچھلے زمانے کے خاص قسم کے غسلخانے کہ وہ تقسیم ہونے اور ٹکڑے ہونے سے کسی کام کے نہیں رہیں گے۔پھر بھی اگر وہ بک رہے ہوں تو پڑوس کو حق شفعہ ہوگا۔یا پن چکی اور اس کی زمین کہ اس کو تقسیم کرنے سے کسی کام کی نہیں رہے گی۔یا کنواں اور چھوٹے مکان دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔لیکن یہ بک رہے ہوں تو ان میں حق شفعہ ہوگا۔

وجہ حق شفعہ پڑوسیت کے نقصان کو دور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔اور زمین کے علاوہ منقول جائداد ایسی ہے کہ وہ ایک جگہ نہیں رہتی کہ پڑوسیت کا نقصان ہو۔البتہ زمین اور اس پر بننے والی عمارتیں ایسی ہیں جو ہمیشہ ایک جگہ رہیں گی۔جس کی وجہ سے پڑوسیوں کا نقصان ہوگا اس لئے زمین اور زمین پر بننے والی عمارتوں میں حق شفعہ ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔عن جابر قال قضی رسول الله ﷺ بالشفعة فی

والبئر والدور الصغار [۱۲۴۱] (۷) ولا شفعة في البناء والنخل اذا بيع بدون العرصة [۱۲۴۲] (۸) ولا شفعة في العروض والسفن.

كل شركة لم تقسم ربعة او حائط (الف) (مسلم شریف، باب الشفعة ج ثانی ص۳۲ نمبر۱۶۰۸ر ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰، نمبر۳۵۱۳) اس حدیث میں تصریح ہے کہ زمین یا باغ میں حق شفعہ ہے اس لئے زمین اور اس کی جنس میں حق شفعہ ہوگا (۳) عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا شفعة الا في دار او عقار (ب) (سنن للبیہقی، باب لاشفعة فیمالا ینقل ویحوی، ج سادس، ص ۱۸۰، نمبر۱۱۵۹۷) اس حدیث میں تو صراحت ہے کہ زمین اور گھر کے علاوہ کسی چیز میں حق شفعہ نہیں ہے۔

اور دونوں حدیثوں میں کل کا لفظ لگا ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ چاہے وہ چیز تقسیم اور ٹکڑا ہو سکتی ہو تب بھی حق شفعہ ہے اور تقسیم و ٹکڑا نہ ہو سکتی ہو تب بھی حق شفعہ ہے۔ بخاری میں ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال قضى النبي بالشفعة في كل مالم يقسم (ج) (بخاری شریف، باب الشفعة فیما لم یقسم فاذا وقعت الحدود فلا شفعة ص۳۰۰ نمبر۲۲۵۷ر ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص۱۴۰ نمبر۳۵۱۴) اس حدیث میں ہے کہ وہ چیز تقسیم نہ ہو سکتی ہو پھر بھی اس میں حق شفعہ ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جو چیز تقسیم ہونے سے قابل استعمال نہ رہتی ہو اس میں حق شفعہ نہیں ہے۔

لغت الحمام : خاص قسم کا غسلخانہ۔ الرحی : پن چکی۔ البئر : کنواں

[۱۲۴۱] (۷) اور حق شفعہ نہیں ہے عمارت میں اور باغ میں جب بغیر زمین کے فروخت ہوں۔

تشریح عمارت کی دیوار بک رہی ہے لیکن اس کی زمین نہیں فروخت ہو رہی ہے، اسی طرح باغ فروخت ہو رہا ہے لیکن اس کی زمین فروخت نہیں کر رہا ہے تو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ حق شفعہ زمین کے بکنے سے ہوتا ہے اور یہاں زمین نہیں بک رہی ہے تو عمارت اور باغ منقولی جائداد کی طرح ہو گئے اس لئے ان میں شفعہ نہیں ملے گا۔ حدیث اوپر گزر گئی۔

لغت العرصة : میدان، زمین۔

[۱۲۴۲] (۸) سامان میں اور کشتیوں میں حق شفعہ نہیں ہے۔

تشریح سامان و اسباب فروخت ہو رہے ہوں یا کشتی فروخت ہو رہی ہو تو ان میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر گزر چکا ہے کہ یہ منتقل ہوتی رہتی ہیں اس لئے ان میں پڑوسیت کا نقصان نہیں ہے (۲) یہ بھی گزری کہ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا شفعة الا في دار او عقار (د) (سنن للبیہقی، باب لاشفعة فیمالا ینقل ویحول، ج سادس، ص ۱۸۰، نمبر۱۱۵۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر اور زمین کے علاوہ میں شفعہ نہیں ہے اس لئے اسباب اور کشتیوں میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے شفعہ کا فیصلہ کیا ہر شرکت کی چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو زمین یا باغ (ب) آپؐ نے فرمایا نہیں شفعہ ہے مگر گھر میں یا زمین میں (ج) آپؐ نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو (د) آپؐ نے فرمایا نہیں شفعہ مگر گھر میں یا زمین میں۔

[۱۲۴۳] (۹) والمسلم والذمی فی الشفعة سواء [۱۲۴۴] (۱۰) واذا ملک العقار بعوض هو مال وجبت فیه الشفعة [۱۲۴۵] (۱۱) ولا شفعة فی الدار التی یتزوج الرجل

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک اگر شرکت ہو تو سامان میں بھی حق شفعہ ہوگا۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کی حدیث بخاری ہے۔ قضی النبی ﷺ بالشفعة فی کل مالم یقسم کہ تمام وہ چیزیں جو تقسیم نہ ہوئی ہوان میں حق شفعہ ہے۔ اس لئے سامان میں بھی اگر شرکت ہو تو اس میں بھی حق شفعہ ہوگا (۲) حدیث مرسل میں ہے۔ قال ابن ابی ملیکة قضی رسول الله ﷺ بالشفعة فی کل شیء (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ھل فی الحیوان اوالبئر اوالنخل اوالدین شفعة ج ثامن ص ۸۷ نمبر ۱۴۴۲۵ رسنن للبیھقی، باب لاشفعة فیما ینقل ویحول، ج سادس، ص ۱۸۱، نمبر ۱۱۶۰۰) اس حدیث سے امام مالکؒ سامان اور کشتیوں میں بھی شفعہ کا حق دیتے ہیں۔

لغت السفن : جمع ہے سفینة کی کشتی۔

[۱۲۴۳] (۹) مسلمان اور ذمی شفعہ میں برابر ہیں۔

تشریح یعنی جس طرح مسلمان کو حق شفعہ ہوگا اگر ذمی مسلمان کے پڑوس میں ہے تو اس کو بھی حق شفعہ ہوگا۔

وجہ دارالاسلام میں ٹیکس دینے کے بعد ذمی کا حق بھی ان چیزوں میں مسلمان کی طرح ہو گیا اس لئے ذمی کو بھی حق شفعہ ملے گا (۲) اثر میں ہے۔ کتب عمر ابن عبد العزیز ان للیھودی شفعة (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب ھل للکافر شفعة وللاعرابی ج ثامن ص ۸۴ نمبر ۱۴۴۱۲) اس اثر میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے یہودی کو حق شفعہ دیا ہے جو کافر کے درجے میں ہے۔ اس لئے کافر کو بھی حق شفعہ ہوگا۔

[۱۲۴۴] (۱۰) جب مالک ہو جائداد کا ایسے عوض کے بدلے جو مال ہو تو اس میں حق شفعہ ثابت ہوگا۔

تشریح اصل قاعدہ یہ ہے کہ مشتری ایسی چیز کے بدلے زمین لے جو خود شفیع بھی دے سکتا ہو مثلا درہم، دنانیر، چاول اور گیہوں کے بدلے میں زمین خریدے جو شفیع بھی دے سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسی چیز کے بدلے میں مشتری لے جو شفیع نہیں دے سکتا تو حق شفعہ کیسے ہوگا۔ مثلا بیوی کو مہر میں زمین دے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیوی بضعہ کے بدلے زمین لے رہی ہے اور شفیع بضعہ نہیں دے سکتا اس لئے ایسی صورت میں شفیع کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۱۲۴۵] (۱۱) اور نہیں شفعہ ہے اس گھر میں کہ شادی کرے آدمی اس پر۔

تشریح آدمی گھر کے بدلے میں شادی کرے یعنی گھر مہر میں دے تو اس گھر میں شفیع کو حق شفعہ نہیں ہے۔

وجہ مہر ہوتا ہے بضع کے بدلے میں اور شفیع بضع نہیں دے سکتا اس لئے اس صورت میں حق شفعہ نہیں ہوگا (۲) مہر مال نہیں ہے۔ حق شفعہ اس وقت ہوتا ہے جب مال کے بدلے زمین فروخت ہو۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فیصلہ فرمایا شفعہ کا ہر چیز میں (ب) حضرت عمر ابن عبد العزیز نے لکھا کہ یہودی کے لئے بھی حق شفعہ ہے۔

علیها [۱۲۴۶](۱۲) او تخالع المرأة بها او یستاجر بها دارا او یصالح من دم عمد او یعتق علیها عبدا[۱۲۴۷] (۱۳) او یصالح بانکار او سکوت [۱۲۴۸](۱۴) فان صالح عنها باقرار وجبت فیه الشفعة.

[۱۲۴۶](۱۲) یا عورت خلع کرے گھر کے بدلے یا اجرت پر لے اس کے بدلے کسی گھر کو یا صلح کرے دم عمد کے بدلے یا آزاد کرے گھر کے بدلے غلام کو۔

تشریح عورت گھر کو خلع میں شوہر کو دے تو اس گھر میں کسی کو حق شفعہ نہیں ہے۔ کیونکہ خلع مال نہیں ہے۔ نیز خلع میں بضعہ چھڑانا ہوتا ہے جو شفیع نہیں دے سکتا۔ اس عبارت میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ گھر کے بدلے میں کسی دوسرے کو اجرت پر لے تو اجرت پر لینا مال نہیں ہے جب تک کہ اس کو عقد کر کے مال کی حیثیت نہ دے۔ اس لئے اس گھر میں بھی حق شفعہ نہیں ہے۔ اس میں تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ آدمی نے عمدا اور جان بوجھ کر قتل کر دیا تھا اس قتل کے بدلے گھر دے کر صلح کی تو اس گھر میں حق شفعہ نہیں ہے۔ کیونکہ دم عمد مال نہیں ہے۔ گھر شفیع دم عمد میں نہیں دے سکتا۔ چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ غلام سے گھر لیا اور اس کے بدلے غلام کو آزاد کیا تو اس گھر میں حق شفعہ نہیں ہے۔ کیونکہ غلام آزاد کرنا مال نہیں ہے اور شفیع گھر کے بدلے آزاد کرنا نہیں دے سکتا اس لئے اس میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۱۲۴۷](۱۳) یا صلح کرے گھر کے بدلے انکار یا سکوت کے بدلے۔

تشریح مثلا زید نے عمر پر دعوی کیا کہ تم پر میرے ایک ہزار درہم ہیں۔ عمر نے انکار کیا یا عمر چپ رہا۔ بعد میں عمر نے مجبوری کی وجہ سے گھر کے بدلے زید سے صلح کر لی تو اس صورت میں کسی کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ انکار کرنے کے بعد یا چپ رہنے کے بعد جو صلح ہوتی ہے وہ مال کے بدلے میں نہیں ہوتی ہے بلکہ زید کے دباؤ اور مجبوری کی وجہ سے صلح کی ہے۔ تو چونکہ مال کے بدلے میں صلح نہیں ہے اس لئے حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۱۲۴۸](۱۴) اگر صلح کی گھر کے بدلے اقرار کے ساتھ تو اس میں شفعہ ثابت ہے۔

تشریح مثلا زید نے عمر پر ایک ہزار درہم کا دعوی کیا۔ عمر نے اقرار کیا کہ ہاں! مجھ پر آپ کے ایک ہزار درہم ہیں۔ البتہ اس کے بدلے صلح کے طور پر میرا گھر لے لیجئے تو اس صورت میں شفعہ ثابت ہوگا۔

وجہ اس صورت میں ایک ہزار قرض ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اس لئے اس گھر میں حق شفعہ ہوگا۔

اصول جہاں مبادلۂ مال بالمال پایا جائے اور بیع کی صورت ہو وہاں حق شفعہ ہوگا۔ اس اصول کے لئے اس حدیث میں اشارہ ہے۔ عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال من کانت له ارض فاراد بیعها فلیعرضها علی جاره (الف) (ابن ماجہ شریف، باب من باع رباعا فلیؤذن شریکہ ص ۳۵۷ نمبر ۲۴۹۳) اس حدیث میں ہے کہ جو بیچنے کا ارادہ کرے وہ پڑوس کو بتائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں جہاں بیچنے کی

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جس کی زمین ہو اور اس کو بیچنے کا ارادہ کرے تو اس کو اپنے پڑوس پر پیش کرنا چاہئے۔

[۱۲۴۹] (۱۵) واذا تقدم الشفيع الى القاضى فادعى الشراء وطلب الشفعة سأل القاضى المدعى عليه عنها فان اعترف بملكه الذى يشفع به والا كلفه باقامة البينة فان عجز عن البينة استحلف المشترى بالله ما يعلم انه مالك للذى ذكره مما يشفع به فان نكل عن اليمين او قامت للشفيع بينة سأله القاضى هل ابتاع ام لا فان انكر الابتياع قيل للشفيع اقم البينة فان عجز عنها استحلف المشترى بالله ما ابتاع او بالله ما يستحق على هذه الدار شفعة [۱۲۵۰] (۱۶) وتجوز المنازعة فى الشفعة وان لم يحضر الشفيع الثمن

صورت نہ ہو وہاں حق شفعہ نہیں ہوگا۔اس کے علاوہ بھی کئی حدیثیں اور اثر پہلے گزر گئے۔

[۱۲۴۹] (۱۵) جب شفیع قاضی کے پاس جائے اور دعوی کرے خرید کا اور شفعہ طلب کرے تو قاضی مدعی علیہ یعنی مشتری کو پوچھے گا اس کے بارے میں۔پس اگر وہ اقرار کرے اس مکان کی ملکیت کا جس سے شفعہ کا دعوی کر رہا ہے تو بہتر ہے ورنہ مدعی کو مکلف بنائے گا بینہ قائم کرنے کا۔پس اگر مدعی بینہ سے عاجز ہو جائے تو مشتری سے قسم لے گا کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا ہوں کہ میں اس مکان کا مالک ہوں جس کے شفعہ کا یہ دعوی کرتا ہے۔اور اگر وہ انکار کرے قسم کھانے سے یا قائم ہو جائے شفیع کے لئے بینہ تو قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے پوچھے گا کہ تم نے خریدا ہے یا نہیں۔پس اگر انکار کرے مشتری خریدنے کا تو شفیع سے کہا جائے گا کہ اس خریدنے پر ثبوت لاؤ۔پس اگر شفیع بینہ لانے سے عاجز ہو جائے تو قسم لے مشتری سے کہ بخدا میں نے نہیں خریدا ہے۔یا بخدا یہ اس مکان پر اس طرح شفعہ کا مستحق نہیں ہے جس طرح اس نے ذکر کیا ہے۔

تشریح اس لمبی عبارت میں یہ ذکر کیا ہے کہ شفیع قاضی کے پاس جا کر شفعہ کا مطالبہ کرے تو قاضی کس طرح مقدمے کی کاروائی کرے اور کس سے پہلے پوچھے۔اس کاروائی میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ایک یہ کہ مدعی علیہ سے پوچھا جائے گا کہ مدعی جس بات کا دعوی کر رہا ہے کیا واقعی وہ بات صحیح ہے۔اگر وہ اعتراف کر لے تو فیصلہ کر دیا جائے گا۔اور اگر وہ اعتراف نہ کرے تو مدعی سے گواہ طلب کیا جائے گا۔اور وہ گواہ نہ پیش کر سکے تو مدعی علیہ یعنی مشتری سے قسم لی جائے گی کہ مدعی جس بات کا دعوی کر رہا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کا دعوی صحیح ہے اس لئے پھر اس کے دعوی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔اس پوری عبارت کا حاصل یہی ہے۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ان رسول اللہ ﷺ قال البينة على من ادعى واليمين على من انكر الا فى القسامة (الف) (دار قطنی نمبر ۳۱۶۶)

[۱۲۵۰] (۱۶) شفعہ کا جھگڑا اٹھانا جائز ہے چاہے شفیع مجلس قضاء میں قیمت حاضر نہ کیا ہو۔اور جب قاضی اس کے لئے شفعہ کا فیصلہ کر دے تو اس کو ثمن حاضر کرنا لازم ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا گواہ اس پر ہے جس نے دعوی کیا اور قسم اس پر ہے جس نے انکار کیا مگر قسامت میں۔

الی مجلس القاضی واذا قضی القاضی له بالشفعة لزمه احضار الثمن[۱۲۵۱](۱۷) وللشفیع ان یرد الدار بخیار العیب والرؤیة [۱۲۵۲](۱۸) وان احضر الشفیع البائع والمبیع فی یده فله ان یخاصمه فی الشفعة ولا یسمع القاضی البینة حتی یحضر

تشریح قاضی نے ابھی شفعہ کا فیصلہ نہیں کیا ہے صرف مطالبہ شفعہ کا جھگڑا اٹھانا ہے تو چاہے ساتھ جائداد کی قیمت نہ لے گیا ہو پھر بھی جھگڑا اٹھانا جائز ہے۔البتہ جب قاضی شفعہ کا فیصلہ کردے تو جائداد کی قیمت حاضر کرنا ضروری ہے۔

وجہ شفعہ کا فیصلہ ہونے کے بعد جائداد کو لینا ہے اس لئے اس کی قیمت حاضر کرنا ضروری ہے۔ورنہ جائداد کیسے لے گا؟

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ پہلے قیمت حاضر کرے تب قاضی شفعہ کا فیصلہ کرے۔کیونکہ ہوسکتا ہے کہ شفیع مفلس ہو اس کے پاس جائداد کی قیمت نہ ہو تو اس کے لئے جائداد کا فیصلہ کرنا غلطی ہوگی۔اس لئے پہلے مجلس قضا میں قیمت حاضر کرے بعد میں قاضی شفعہ کا فیصلہ کرے۔

[۱۲۵۱](۱۷) شفیع کے لئے جائز ہے کہ گھر کو خیار عیب اور خیار رویت کے ماتحت واپس کردے۔

تشریح حق شفعہ کے ماتحت گھر لینے کے بعد اس میں عیب دیکھا تو خیار عیب کے ماتحت گھر مالک کو واپس کرسکتا ہے۔اسی طرح گھر کو دیکھا نہیں تھا اور حق شفعہ کے ماتحت خرید لیا اور بعد میں پسند نہیں آیا تو خیار رویت کے ماتحت اس کو واپس کرسکتا ہے۔

وجہ حق شفعہ کے ماتحت لینا بھی خریدنا ہے اس لئے جو خیار عام بیوع میں ملتے ہیں وہ حق شفعہ کے ماتحت خریدنے سے بھی ملیں گے۔اور عام بیوع میں خیار عیب اور خیار رویت ملتے ہیں اس لئے حق شفعہ میں بھی ملیں گے۔

[۱۲۵۲](۱۸) اگر شفیع نے بائع کو حاضر کیا اور مبیع اسی کے ہاتھ میں ہو تو شفیع کے لئے جائز ہے کہ شفعہ کی بابت میں بائع سے جھگڑا کرے۔اور قاضی بینہ کو نہیں سنے گا یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو جائے۔پس بیع فسخ کرے مشتری کی موجودگی میں۔اور شفعہ کا فیصلہ کرے بائع پر اور خرچہ بھی اسی پر ڈالے۔

تشریح بیع ہونے کے بعد مبیع مشتری کی ہو جاتی ہے۔اور اس پر مشتری کا قبضہ ہو جائے تو بائع ایک اعتبار سے اجنبی سا ہو جاتا ہے اس لئے شفعہ کا مقدمہ مشتری پر چلتا ہے۔اور فیصلہ بھی گویا مشتری کے خلاف ہوتا ہے۔اور شفیع مشتری ہی سے جائداد لیتا ہے۔اس صورت میں مقدمہ اور لین دین کے تمام امور مشتری اور شفیع کے درمیان طے ہوتے ہیں۔لیکن اگر مبیع پر مشتری کا ابھی قبضہ نہ ہوا ہو اور جائداد بائع کے ہاتھ میں ہو اور شفیع بائع کو مجلس قضا میں حاضر کرے تو مقدمہ بائع پر چلتا ہے اور لین دین کے سارے امور بائع اور شفیع کے درمیان طے ہوتے ہیں۔لیکن چونکہ بیع کی وجہ سے مبیع مشتری کی ہو چکی ہے اس لئے قاضی کو دو کام کرنا ہوں گے۔ایک تو یہ کہ مشتری کی موجودگی کے بغیر شفیع کے گواہ کی گواہی نہیں سنیں گے۔اور دوسرا یہ کہ مشتری کو مجلس قضاء میں حاضر کرے۔اور پہلے بائع اور مشتری کے درمیان ہونے والی بیع کو توڑدے۔اس بیع کو توڑنے کے بعد پھر مقدمہ اور لین دین کے سارے امور بائع اور شفیع کے درمیان طے کرے۔اور شفعہ کا فیصلہ بھی بائع پر کرے۔ویجعل العهدة کا یہی مطلب ہے۔

المشتری فیفسخ البیع بمشهد منه ویقضی بالشفعة علی البائع ویجعل العهدة علیه [۱۲۵۳](۱۹) واذا ترک الشفیع الاشهاد حین علم بالبیع وهو یقدر علی ذلک بطلت شفعته[۱۲۵۴](۲۰) وکذلک ان اشهد فی المجلس ولم یشهد علی احد المتعاقدین ولا عند العقار [۱۲۵۵](۲۱) وان صالح من شفعته علی عوض اخذه بطلت الشفعة

وجہ مبیع بائع کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے شفعہ کا ذمہ دار بائع ہوگا۔ لیکن چونکہ بیع ہو چکی ہے اور مبیع مشتری کی ہو چکی ہے اس لئے اس کو بھی حاضر ہونا ہوگا۔ اور پہلی بیع کو قاضی فسخ کرے گا۔

اصول چیز جس کے قبضے میں ہوتی ہے مقدمہ کا رخ اسی کی طرف ہوتا ہے۔

لغت العھدۃ : بیع وشراء میں ہونے والے امور۔

[۱۲۵۳](۱۹) اگر چھوڑ دیا شفیع نے گواہ بنانا جب بیع کا علم ہوا حالانکہ وہ گواہ بنانے پر قادر تھا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح شفیع کو معلوم ہوا کہ فلاں جائداد فروخت ہو رہی ہے اور اوہ اس وقت حق شفعہ کے طور پر لینے کے لئے گواہ بنانے پر قدرت رکھتا تھا۔ پھر بھی گواہ نہیں بنایا تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

وجہ گواہ نہ بنا لینے سے اعراض کی دلیل ہے۔ اس لئے اعراض سے حق شفعہ باطل ہو جائے گا (۲) اس نے طلب کے لئے مواثبت اور کودنے کا انداز اختیار نہیں کیا جو اثر اور حدیث کی رو سے ضروری تھا۔ اس لئے حق شفعہ باطل ہو جائے گا (۳) حدیث اوپر گزر گئی۔ ایک اثر یہ بھی ہے۔ **قال الشعبی من بیعت شفعته وهو شاهد لا یغیرها فلا شفعة له** (الف) (بخاری شریف، باب عرض الشفعة علی صاحبہا قبل البیع ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۸) اس اثر میں ہے کہ فروخت ہوتے دیکھ رہا ہو اور شفیع کچھ حرکت نہیں کرتا ہے یعنی نہ طلب مواثبت کرتا ہے اور نہ اس پر گواہ بناتا ہے تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائیگا۔

نوٹ مجبوری کی وجہ سے گواہ نہ بنا سکا تو حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

[۱۲۵۴](۲۰) ایسے ہی اگر مجلس میں گواہ بنایا اور نہیں گواہ بنایا بائع اور مشتری میں سے کسی ایک پر اور نہ زمین کے پاس۔

تشریح شفیع کو دو مقامات پر گواہ بنانا چاہئے تھا (۱) جس مجلس میں فروخت ہونے کا علم ہوا اس میں۔ اور دوسری مرتبہ ان تمام جگہوں میں سے کسی ایک کے پاس، یا بائع کے پاس یا مشتری کے پاس یا کم از کم زمین کے پاس جا کر۔ لیکن شفیع نے مجلس علم میں گواہ بنایا لیکن بائع یا مشتری یا زمین کے پاس گواہ نہیں بنایا تو دوسری مرتبہ چونکہ گواہ نہیں بنایا اس لئے اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

وجہ گواہ نہ بنانے سے اعراض کا پتہ چلتا ہے۔ اور طلب مواثبت کی کمی ہوگئی اس لئے حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

[۱۲۵۵](۲۱) اگر صلح کر لی اپنے شفعہ سے کسی عوض کے بدلے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور عوض لوٹا دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا جس کے شفعہ کی چیز بیچی جا رہی ہو اور وہ دیکھ رہا ہو اور اس کو بدلتا نہیں ہے تو اس کے لئے حق شفعہ نہیں ہے۔

ویرد العوض [۱۲۵۶] (۲۲) واذا مات الشفیع بطلت شفعته [۱۲۵۷] (۲۳) واذا مات المشتری لم تسقط الشفعة [۱۲۵۸] (۲۴) وان باع الشفیع ما یشفع به قبل ان یقضی له

تشریح مثلا زید کو حق شفعہ تھا لیکن زمین لینے کے بجائے حق شفعہ کے بدلے مشتری سے کچھ مال لے لیا تا کہ حق شفعہ چھوڑ دے تو اس عوض لینے کی وجہ سے حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور جس عوض پر صلح ہوئی تھی وہ بھی شفیع کو نہیں ملے گا۔

وجہ شفیع کو حق شفعہ ملا تھا زمین لینے کے لئے لیکن اس نے عوض لے کر زمین چھوڑ دی تو معلوم ہوا کہ زمین لینے سے اعراض کر رہا ہے۔ اور جوں ہی اعراض کا پتہ چلے گا تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور جب حق شفعہ ہی نہیں رہا تو اس کے بدلے میں عوض کیسے لے گا؟ (۲) حق شفعہ کوئی مال نہیں ہے کہ اس کے بدلے میں عوض لے۔ وہ تو صرف ایک معنوی حق ہے۔ جب وہ باطل ہو گیا تو عوض جو لیا تھا وہ بھی واپس کرنا ہوگا۔

[۱۲۵۶] (۲۲) جب مرجائے شفیع تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح مجلس علم میں گواہ بنایا، پھر مشتری پر گواہ بنایا، پھر قاضی کے یہاں حق شفعہ کا دعوی کیا۔ لیکن شفعہ کے فیصلے سے پہلے پہلے شفیع کا انتقال ہو گیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اب اس بنیاد پر شفیع کے ورثہ کو حق شفعہ کے دعوی کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

وجہ یہ ایک قسم کا معنوی حق ہے۔ اور معنوی حقوق ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوتے۔ اس لئے حق شفعہ ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا (۲) قاضی کے فیصلے کے وقت حق شفعہ بحال ہونا چاہئے تب وہ شفعہ کا فیصلہ کر سکیں گے۔ اور شفیع کی موت کی وجہ سے حق شفعہ بحال نہ رہ سکا اس لئے وہ اب شفعہ کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ البتہ قاضی شفعہ کا فیصلہ کر چکے ہوں اور جائداد کی قیمت لانے سے پہلے شفیع کا انتقال ہو گیا تو چونکہ فیصلہ ہو چکا ہے صرف قیمت حاضر کرنا باقی ہے اس لئے شفیع کے ورثا اس چیز کو قیمت دے کر لیں گے (۲) اثر میں ہے۔ قال الثوری سمعنا ان الشفعة لا تباع ولا توهب ولا تورث ولا تعار وهی لصاحبها الذی وقعت له (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتها؟ ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰۷) اس اثر میں ہے کہ حق شفعہ وراثت کے طور پر منتقل نہیں ہوتا۔ بلکہ جس کے لئے حق شفعہ واقع ہوا ہو اسی کے لئے رہے گا۔ اور اس کے انتقال کے بعد حق شفعہ ختم ہو جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وارث کو حق شفعہ ملے گا۔

[۱۲۵۷] (۲۳) اگر مشتری مر جائے تو شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ بیع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد مشتری مرا ہے اس لئے یہ جائداد مشتری کی ہو چکی ہے۔ اس لئے اس کے مرنے سے حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ حق شفعہ والا یعنی شفیع موجود ہے۔ اور بیع ہو چکی ہے جس کی وجہ سے حق شفعہ ملتا ہے۔

[۱۲۵۸] (۲۴) اگر شفیع بیچ دے اس زمین کو جس کے ذریعہ اس کو حق شفعہ تھا اس کے لئے شفعہ کے فیصلے سے پہلے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائیگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ثوری نے فرمایا کہ میں نے سنا کہ شفعہ نہ بیچا جا سکتا ہے، نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے، نہ وارث ہو سکتا ہے اور نہ عاریت پر لیا جا سکتا ہے۔ وہ اسی شفیع کے لئے ہے جس کے لئے شفعہ واقع ہوا۔

بالشفعة بطلت شفعته [۱۲۵۹](۲۵) ووکیل البائع اذا باع وھو الشفیع فلا شفعة له[۱۲۶۰] (۲۶) وکذلک ان ضمن الشفیع الدرک عن البائع[۱۲۶۱](۲۷) ووکیل المشتری اذا ابتاع وھو الشفیع فله الشفعة.

تشریح جس زمین کی وجہ سے شفیع کو حق شفعہ ملا تھا شفعہ کے فیصلے سے پہلے وہ زمین بیچ دی تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

وجہ جس زمین کی بنا پر حق شفعہ ملا تھا وہ زمین ہی شفیع کے پاس نہیں رہی تو حق شفعہ کا فیصلہ کیسے ہوگا؟ کیونکہ فیصلہ ہونے تک زمین شفیع کے پاس رہنی چاہئے تب قاضی حق شفعہ کا فیصلہ کر سکے گا۔

اصول فیصلہ تک حق شفعہ کا سبب بحال رہنا ضروری ہے۔

[۱۲۵۹](۲۵) بائع کا وکیل اگر بیچے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تشریح مثلا زید نے عمر کو اپنا گھر بیچنے کا وکیل بنایا اور عمر پڑوسی ہونے کی وجہ سے اس گھر کا شفیع تھا۔ اب عمر نے گھر بیچا تو عمر کو اس گھر کا حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ وکیل بیچنے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ جب اس نے بیچا اور بیچتے وقت خود خریدنے کا اظہار نہیں کیا تو گویا کہ اس نے لینے سے اعراض کیا اور طلب مواثبت نہیں کی اس لئے اس کو حق شفعہ نہیں ملے گا (۲) اثر گزر چکا ہے۔ **وقال الشعبی من بیعت شفعته وھو شاھد لا یغیرھا فلا شفعة له** (الف) (بخاری شریف، نمبر ۲۲۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ فروخت ہوتے دیکھ رہا ہو اور کوئی حرکت نہیں کرتا ہو تو اس کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

[۱۲۶۰](۲۶) اور ایسے ہی اگر شفیع ضامن بن جائے عوارض کا بائع کی طرف سے۔

تشریح بائع نے زمین بیچی اور جو شفیع بننے والا تھا اس نے مشتری سے کہا کہ اگر اس زمین میں کسی کا حق وغیرہ نکلا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ اس زمین میں کسی کا حق نہیں ہے آپ بے فکر ہو کر خرید لیجئے تو اب اس شفیع کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

وجہ جب خود ہی کہا کہ اس زمین میں کسی کا حق وغیرہ نہیں ہے تو اب خود حق شفعہ کا دعوی کیسے کرے گا؟ یہ گویا کہ حق شفعہ سے اعراض کر رہا ہے۔ اس لئے اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اصول اور دلائل اوپر کئی بار گزر چکے ہیں۔

لغت الدرک : پانا، زمین وجائداد میں کسی کا حق ثابت ہونا۔

[۱۲۶۱](۲۷) مشتری کا وکیل جب خریدے اور وہ شفیع بھی ہو تو اس کے لئے حق شفعہ ہوگا۔

وجہ مشتری کے وکیل نے مشتری کے لئے خریدا ہی اس لئے کہ یہ بیع ہوگی تو مجھے حق شفعہ کا دعوی کرنے کا موقع ملے گا۔ اس لئے اس کے خریدنے سے شفعہ سے اعراض کا پتہ نہیں چلتا۔ بلکہ ایک گونہ طلب مواثبت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے مشتری کے وکیل کو حق شفعہ ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا جس کے سامنے شفعہ کی چیز بیچی جا رہی ہو اور وہ اس کو دیکھ رہا ہو اور اس کو بدلتا نہ ہو تو اس کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

[۱۲۶۲] (۲۸) ومن باع بشرط الخيار فلا شفعة للشفيع [۱۲۶۳] (۲۹) فان اسقط البائع الخيار وجبت الشفعة [۱۲۶۴] (۳۰) وان اشترى بشرط الخيار وجبت الشفعة [۱۲۶۵] (۳۱) ومن ابتاع دارا شراء فاسدا فلا شفعة فيها [۱۲۶۶] (۳۲) ولكل

[۱۲۶۲] (۲۸) اگر بیچا شرط خیار کے ساتھ تو شفیع کے لئے حق شفعہ نہیں ہے۔

تشریح بائع نے زمین بیچی لیکن ابھی خیار شرط لیا ہے کہ تین دن تک سوچنے دیں کہ اس زمین کو بیچوں گا یا نہیں۔ تو ابھی شفیع کو حق شفعہ کا دعوی کرنے کا حق نہیں ہے۔

وجہ بیع تو ہوگئی ہے لیکن بائع کے خیار شرط کی وجہ سے نہ بیع مکمل ہوئی ہے اور نہ ان کی ملکیت سے مبیع نکلی ہے۔ اس لئے ابھی شفیع کو حق شفعہ کے دعوی کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ ہاں! جب خیار شرط ختم کر کے بیع مکمل کر دے اور مبیع مشتری کی ملکیت میں چلی جائے گی تب حق شفعہ کے دعوی کا حق ہوگا۔

[۱۲۶۳] (۲۹) پس اگر بائع خیار شرط کو ساقط کر دے تو شفعہ ثابت ہو جائے گا۔

وجہ خیار شرط ساقط کرنے کی وجہ سے بیع مکمل ہوگئی اور مبیع مشتری کی ملکیت میں چلی گئی۔ اس لئے اب شفیع کو حق شفعہ ہوگا (۲) اثر میں ہے۔قال ابن ابی لیلی لا یقع له شفعة حتی یقع البیع (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتھا؟ ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰۴) اس اثر میں ہے کہ بیع مکمل ہونے کے بعد شفیع کو حق شفعہ ہوگا۔

[۱۲۶۴] (۳۰) اور اگر شرط خیار کے ساتھ خریدا تو شفعہ ثابت ہے۔

تشریح مشتری نے زمین خریدی اور تین دن تک سوچنے کے لئے خیار شرط لی اور بائع نے خیار شرط نہیں لی بلکہ اس نے اپنی جانب سے بیع مکمل کر دی تو شفیع کو حق شفعہ ہوگا۔

وجہ چاہے مشتری کی ملکیت میں مبیع داخل نہیں ہوئی ہو لیکن بائع کے بیع مکمل کرنے کی وجہ سے اس کی ملکیت سے مبیع نکل چکی ہے۔ اور اس کی جانب سے بیع مکمل ہو چکی ہے اس لئے اس میں جو شفعہ ابھی سے ثابت ہو جائے گا۔

[۱۲۶۵] (۳۱) کسی نے گھر بیع فاسد کے ماتحت خریدا تو اس میں شفعہ نہیں ہے۔

وجہ بیع فاسد کو حتی الامکان توڑ دینا چاہئے۔ اس لئے مشتری کے قبضے سے پہلے تو بائع کی ملکیت سے مبیع نکلی ہی نہیں۔ اس لئے حق شفعہ نہیں ہوگا۔ اور مشتری کا قبضہ ہوگیا ہو پھر بھی بیع توڑ دینے کا امکان ہے اس لئے ابھی حق شفعہ نہیں ہوگا۔ ہاں! بیع بالکل مکمل ہی کر دے اور توڑنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے تب حق شفعہ ہو جائے گا۔

[۱۲۶۶] (۳۲) اور بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو حق ہے بیع فسخ کرنے کا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن ابی لیلی نے فرمایا شفیع کے لئے شفعہ واقع نہیں ہوگا جب تک کہ بیع واقع نہ ہو جائے۔

واحد من المتعاقدین الفسخ[۱۲۶۷] (۳۳) فان سقط الفسخ وجبت الشفعة[۱۲۶۸] (۳۴) واذا اشتری الذمی دارا بخمر او خنزیر وشفیعها ذمی اخذها بمثل الخمر وقیمة الخنزیر[۱۲۶۹] (۳۵) وان کان شفیعها مسلما اخذها بقیمة الخمر والخنزیر [۱۲۷۰](۳۶) ولا شفعة فی الھبة الا ان تکون بعوض مشروط.

وجہ بیع فاسد اچھی بیع نہیں ہے اس لئے بائع اور مشتری دونوں کو حق ہے کہ اس کو توڑ دے۔

[۱۲۶۷](۳۳) اگر فسخ ساقط کر دے تو شفعہ واجب ہے۔

تشریح بیع فاسد کو بحال ہی رکھا اور توڑنے کا امکان ختم ہو گیا تو اب شفعہ ہوگا۔

وجہ کیونکہ اب مکمل طور پر مبیع بائع کی ملکیت سے نکل گئی ہے۔اس لئے اب اس کو حق شفعہ ہوگا۔

[۱۲۶۸](۳۴) اگر ذمی نے گھر شراب یا سور کے بدلے میں خریدا اور اس کا شفیع ذمی ہے تو گھر کو لے گا شراب کی مثل اور سور کی قیمت کے عوض۔

تشریح ذمی نے کسی ذمی سے شراب کے بدلے یا سور کے بدلے گھر بیچا۔اور اس گھر کا شفیع ذمی ہے تو جتنے شراب میں گھر فروخت ہوا ہے اتنی شراب دے کر گھر لے لے۔

وجہ شراب مثلی چیز ہے اس لئے جتنی شراب میں گھر فروخت ہوا ہے اتنی شراب میں گھر لے لے۔اور ذمی کے لئے شراب جائز ہے اس لئے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور سور کے بدلے گھر بکا ہے تو سور ذوات القیم ہے۔اس لئے اس سور کی قیمت جتنی ہو سکتی ہے اتنی رقم دے کر گھر لے لے۔

[۱۲۶۹](۳۵) اور اگر اس کا شفیع مسلمان ہے تو لے گا گھر کو شراب اور سور کی قیمت کے بدلے۔

وجہ شفیع مسلمان ہے اس لئے یہ نہ شراب دے سکتا ہے اور نہ سور دے سکتا ہے۔اس لئے دونوں کی جتنی قیمت ہوگی اتنی رقم دے کر گھر لے لے۔

[۱۲۷۰](۳۶) اور ہبہ میں شفعہ نہیں۔ہے مگر یہ کہ عوض کی شرط لگائی گئی ہو۔

تشریح مثلا زید نے عمر کو زمین ہبہ کی تو اس زمین میں کسی کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

وجہ ہبہ میں مفت دینا ہوتا ہے۔اس لئے اس میں نہ بیع کی صورت پائی گئی اور نہ مبادلۃ المال بالمال پایا گیا جو شفعہ ثابت ہونے کے لئے ضروری تھی۔اس لئے ہبہ میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔البتہ اگر ہبہ کرتے وقت مالک زمین نے شرط لگائی کہ اتنی رقم دو تب ہبہ کروں گا تو اس صورت میں حق شفعہ ہوگا۔

وجہ اس صورت میں ظاہری طور پر ہبہ ہے لیکن حقیقت میں بیع ہے۔کیونکہ ایک طرف سے زمین دینا اور دوسری طرف سے رقم لینا ہے جو

[۱۲۷۱](۳۷) واذا اختلف الشفیع والمشتری فی الثمن فالقول قول المشتری [۱۲۷۲] (۳۸) فان اقاما البینة فالبینة بینة الشفیع عند ابی حنیفة و محمد رحمهما الله [۱۲۷۳](۳۹) وقال ابو یوسف رحمه الله البینة بینة المشتری [۱۲۷۴](۴۰) واذا ادعی المشتری ثمنا اکثر وادعی البائع اقل منه ولم یقبض الثمن اخذها الشفیع بما قال

مبادلۃ المال بالمال کی شکل ہے۔اس لئے اس صورت میں حق شفعہ ہوگا۔

[۱۲۷۱](۳۷)اگر شفیع اور مشتری اختلاف کر جائے ثمن میں تو مشتری کے قول کا اعتبار ہوگا۔

تشریح مثلا مشتری کہتا ہے کہ اس زمین کو میں نے بائع سے ایک ہزار درہم میں خریدی ہے۔اور شفیع کہتا ہے کہ تم نے آٹھ سو درہم میں خریدا ہے۔اور مجھ کو تم سے آٹھ سو میں زمین لینے کا حق ہے۔اور شفیع کے پاس آٹھ سو پر بینہ نہیں ہے تو قسم کے ساتھ مشتری کی بات مان لی جائے گی۔

وجہ شفیع آٹھ سو درہم دے کر زمین لینے کا مدعی ہے اور مشتری اس کا منکر ہے۔اور مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے اس لئے مشتری منکر کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔

[۱۲۷۲](۳۸)پس اگر شفیع اور مشتری دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو شفیع کا بینہ معتبر ہوگا امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک۔

تشریح شفیع نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ مشتری نے اس زمین کو آٹھ سو میں خریدا ہے۔اور مشتری نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ میں نے ایک ہزار میں خریدی ہے۔تو طرفین فرماتے ہیں کہ شفیع کا بینہ قابل قبول ہوگا،مشتری کا نہیں۔

وجہ شفیع مدعی ہے کم قیمت سے خریدنے کا اور مشتری منکر ہے۔اور حدیث کے اعتبار سے مدعی کی گواہی قابل قبول ہے۔اس لئے شفیع کی گواہی معتبر ہوگی۔

[۱۲۷۳](۳۹)اور فرمایا امام ابو یوسف نے مشتری کا بینہ معتبر ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مشتری زیادہ رقم میں خریدنے کا دعویدار ہے۔اس لئے اس مسئلے میں وہ مدعی ہو گیا اس لئے اس کی گواہی قبول کی جائیگی۔

اصول اس مسئلے میں اصل بات یہ ہے کہ مدعی کون ہے اور منکر کون ہے؟ جس امام کے یہاں جو مدعی ٹھہرا اس کی گواہی معتبر ہوئی اور جو منکر ٹھہرا اس کی بات قسم کے ساتھ مانی گئی۔

[۱۲۷۴](۴۰)اگر دعوی کرے مشتری زیادہ ثمن کا اور بائع دعوی کرے اس سے کم کا اور بائع نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا ہے تو شفیع اس کو لے گا اس قیمت میں جو بائع نے کہی۔اور یہ مشتری کے ذمہ سے قیمت کم کرنا ہوگا۔

تشریح مثلا عمر مشتری نے کہا کہ اس زمین کو زید سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہوں۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ خالد شفیع کو بھی ایک ہزار میں یہ زمین دوں گا۔اور زید بائع نے کہا کہ میں نے عمر کے ہاتھ آٹھ سو میں زمین بیچی ہے۔اور زید بائع نے ابھی تک زمین کی قیمت عمر مشتری سے نہیں لی ہے تو خالد شفیع اس زمین کو عمر مشتری سے آٹھ سو درہم میں لے گا۔اور یوں سمجھا جائے گا کہ زید بائع نے مشتری کے لئے دو سو درہم بعد

البائع وكان ذلک حطا عن المشتری[۱۲۷۵] (۴۱) وان كان قبض الثمن اخذها بما قال المشتری ولم يلتفت الی قول البائع[۱۲۷۶] (۴۲) واذا حط البائع عن المشتری بعض الثمن يسقط ذلک عن الشفيع [۱۲۷۷](۴۳) وان حط جميع الثمن لم يسقط عن الشفيع [۱۲۷۸](۴۴) واذا زاد المشتری للبائع فی الثمن لم تلزم الزيادة للشفيع

میں کم کر دیئے۔اوراب زید بائع بھی عمر مشتری سے آٹھ سو درہم ہی لے گا۔کیونکہ اس نے خود ہی اقرار کیا کہ میں نے آٹھ سو درہم میں بیچی ہے۔

لغت حط : کم کرنا۔

[۱۲۷۵](۴۱)اوراگر بائع نے ثمن پر قبضہ کرلیا ہے تو لے گا شفیع اس قیمت میں جو مشتری نے کہی اور نہ توجہ دی جائے گی بائع کے قول کی طرف

وجہ بائع نے قیمت پر قبضہ کرلیا تو اب وہ اس معاملے سے اجنبی ہوگیا۔اب اس کی بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔اب معاملہ رہا شفیع اور مشتری کا۔اوراوپر گزر چکا ہے کہ اس صورت میں شفیع مدعی ہے اور مشتری منکر ہے۔اس لئے قسم کے ساتھ مشتری کی بات مان لی جائے گی مشتری کی۔اور بینہ قبول کیا جائے گا شفیع کا۔

اصول اجنبی کی بات پر توجہ نہیں دی جائے گی۔

لغت لم یلتفت : توجہ نہیں دی جائے گی۔

[۱۲۷۶](۴۲)اگر بائع نے مشتری سے بعض قیمت کم کر دی تو اتنی مقدار شفیع سے کم ہو جائے گی۔

تشریح مثلا بائع نے پہلے ایک ہزار میں زمین بیچی تھی، بعد میں مشتری سے دوسو کم کر دی اور آٹھ سو میں دی تو شفیع سے بھی دوسو کم ہو جائیں گے۔اوروہ اب آٹھ سو میں زمین لے گا۔

وجہ جس قیمت میں مشتری نے خریدی ہے قاعدہ یہ ہے کہ اسی قیمت میں شفیع بھی خریدنے کا حقدار ہے۔

اصول جس قیمت میں فروخت ہوئی ہے اسی قیمت میں شفیع خریدے گا۔

[۱۲۷۷](۴۳)اوراگر تمام قیمت کم کردے تو شفیع سے کچھ ساقط نہیں ہوگی۔

تشریح مثلا ایک ہزار میں زمین بیچی، بعد میں بائع نے سب معاف کر دی تو شفیع سے کچھ ساقط نہیں ہوگی۔

وجہ کچھ معاف کرتا تو اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوتا اور شفیع سے بھی کم ہو جاتا۔لیکن پوری قیمت معاف کر دی تو اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی۔بلکہ الگ سے بعد میں معاف کرنا ہوا۔اس لئے شفیع کو اب پوری قیمت ہی دینی ہوگی۔

[۱۲۷۸](۴۴)اگر مشتری بائع کے لئے زیادہ کر دے ثمن میں تو شفیع کو یہ زیادتی لازم نہیں ہوگی۔

تشریح مثلا ایک ہزار میں زمین بیچی، بعد میں مشتری نے اپنی خوشی سے بارہ سو دے دیئے تو یہ دوسو شفیع کو لازم نہیں ہوں گے۔شفیع پہلی قیمت

[۱۲۷۹](۴۵) واذا اجتمع الشفعاء فالشفعة بینهم علی عدد رؤسهم ولا یعتبر باختلاف الاملاک[۱۲۸۰](۴۶) ومن اشتری دارا بعرض اخذها الشفیع بقیمته.

ایک ہزار میں ہی زید سے لے گا۔

وجہ یہ بہت ممکن ہے کہ مشتری نے زیادہ دے کر شفیع کو دوسو درہم کے نقصان دینے کا ارادہ کیا ہوگا۔اس لئے شریعت اس نقصان کی تلافی کرے گی اور بیع میں جو پہلی قیمت طے ہوئی ہے شفیع کو وہی لازم ہوگی (۲) لا ضرر ولا ضرار ،الحدیث.

[۱۲۷۹](۴۵) اگر کئی شفیع جمع ہو جائیں تو حق شفعہ ان کے درمیان ان کی تعداد کے مطابق ہوگا اور ملکیتوں کے اختلاف کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

تشریح مثلا ایک زمین فروخت ہوئی اس کے چاروں طرف چار پڑوسی تھے یا چار حصے دار تھے۔کسی کا حصہ زیادہ تھا کسی کا کم۔تو چاروں کو برابر حق شفعہ ملے گا۔حصے کی کمی زیادتی سے حق شفعہ میں کم زیادہ نہیں ہوگا۔

وجہ حق شفعہ اتصال کی وجہ سے ملتا ہے یا شرکت کی وجہ سے ملتا ہے۔اور اتصال اور شرکت میں سب شفیع برابر ہیں۔حصے میں کمی زیادتی اور چیز ہے۔اس لئے حق شفعہ کی وجہ سے جو زمین ملے گی وہ سب کو برابر زمین ملے گی (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الشعبی قال الشفعة علی رؤوس الرجال وکذلک قال ابراھیم (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الشفعة بالحصص او علی الرؤس، ج ثامن، ص ۸۵، نمبر ۱۴۴۱۵/۱۴۴۱۶/مصنف ابن ابی شیبة ۳۶۹ فی الشفعة علی رؤوس الرجال، ج رابع، ص ۵۰۳، نمبر ۲۲۵۳۰) اس اثر سے پتہ چلا کہ شفعہ تعداد شفیع کے اعتبار سے ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک جس شفیع کا جتنا حصہ ہے اس حصے کی کمی زیادتی کی وجہ سے زمین بھی کم زیادہ ملے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔عن عطاء قال الشفعة بالحصص (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الشفعة بالحصص او علی الرؤس، ج ثامن، ص ۸۵، نمبر ۱۴۴۱۸/مصنف ابن ابی شیبة ۳۶۹ فی الشفعة علی رؤوس الرجال، ج رابع ص ۵۰۳، نمبر ۲۲۵۲۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حصوں کے اعتبار سے شفعہ کی زمین تقسیم ہوگی۔جس کا حصہ زیادہ ہوگا اس کو زمین زیادہ ملے گی اور جس کا حصہ کم ہوگا اس کو زمین کم ملے گی اور قیمت بھی کم دینی ہوگی۔

[۱۲۸۰](۴۶) کسی نے گھر سامان کے بدلے خریدا تو شفیع اس کو اس کی قیمت سے لے گا۔

تشریح مشتری نے سامان کے بدلے زمین خریدی تو شفیع اس سامان کی قیمت دے کر زمین خریدے گا۔اس سامان کی جو قیمت ہوگی وہ دے کر مشتری سے زمین لے گا۔

وجہ سامان ذوات القیم ہے۔اس کی قیمت ہی لگتی ہے۔اس کا مثل نہیں ہوتا اس لئے سامان کی قیمت دیکر زمین لے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا شفعہ آدمیوں کی تعداد کے اعتبار سے ہے۔حضرت ابراہیم نخعی نے بھی ایسا ہی فرمایا (ب) حضرت عطاء نے فرمایا شفعہ حصوں کے اعتبار سے ہے۔

[۱۲۸۱](۴۷) وان اشتراها بمکیل او موزون اخذها بمثله [۱۲۸۲](۴۸) وان باع عقارا بعقار اخذ الشفیع کل واحد منهما بقیمة الآخر[۱۲۸۳] (۴۹) واذا بلغ الشفیع انها بیعت بالف فسلم الشفعة ثم علم انها بیعت باقل من ذلک او بحنطة او شعیر قیمتها

[۱۲۸۱](۴۷)اور اگر گھر کو کیلی یا وزنی چیزوں کے بدلے لیا ہے تو اس کو اس کے مثل لے لے۔

تشریح مثلا دوسو کیلو گیہوں کے بدلے گھر خریدا ہے تو شفیع گیہوں کے مثل دوسو کیلو گیہوں دے کر گھر مشتری سے لیگا۔

وجہ گیہوں کیلی چیز ہے اور مثلی ہے۔اس لئے اس کا مثل دے کر شفیع لے گا۔

[۱۲۸۲](۴۸)اگر بیچا زمین کو زمین کے بدلے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے شفیع لیں گے دوسرے کی قیمت کے بدلے۔

تشریح مثلا زید نے عمر کی زمین اپنی زمین کے بدلے خریدی جس کی بنا پر زید کی زمین کے شفیع کھڑے ہوئے اور عمر کی زمین کے شفیع بھی کھڑے ہوئے۔اب زید کی زمین کی قیمت ایک ہزار تھی اور عمر کی زمین کی بازاری قیمت آٹھ سو تھی۔اس لئے زید کی زمین کے جو شفیع ہیں وہ عمر کی زمین کی قیمت جو آٹھ سو ہے اس کے بدلے میں لیں گے۔اور عمر کی زمین کے جو شفیع ہیں وہ زید کی زمین کی جو قیمت ایک ہزار ہے اس کے بدلے میں لیں گے۔

وجہ زید کی زمین کی قیمت عمر کی زمین ہے۔اس لئے زید کے شفیع کے لئے عمر کی زمین کی قیمت لگے گی۔اور عمر کی زمین کے شفیع کے لئے زید کی زمین کی قیمت لگے گی۔

لغت عقار : زمین۔

[۱۲۸۳](۴۹)اگر شفیع کو خبر ملی کے گھر ایک ہزار میں فروخت ہوا ہے اس لئے شفعہ چھوڑ دیا۔پھر معلوم ہوا کہ اس سے کم میں فروخت ہوا ہے۔یا گیہوں کے بدلے میں یا جو کے بدلے میں فروخت ہوا ہے جس کی قیمت ایک ہزار ہے یا اس سے زیادہ ہے تو اس کا چھوڑنا باطل ہے اور اس کو حق شفعہ ہوگا۔

تشریح شفیع کو خبر ملی کہ گھر ایک ہزار میں فروخت ہوا ہے اس وقت اس نے حق شفعہ چھوڑ دیا۔بعد میں علم ہوا کہ اس سے کم میں فروخت ہوا ہے۔تو پہلا چھوڑنا باطل ہوگا اور دوبارہ اس کو حق شفعہ ملے گا۔

وجہ شفیع نے کثرت ثمن کی وجہ سے حق شفعہ چھوڑا تھا۔اس لئے اس کو اعراض نہیں کہا جا سکتا ہے۔اور بعد میں قیمت کی کمی کی وجہ سے شفعہ کا دعوی کیا ہے۔اسی طرح بعد میں معلوم ہوا کہ ایک ہزار کے بدلے میں بکا ہے اس لئے حق شفعہ چھوڑ دیا۔بعد میں معلوم ہوا کہ گیہوں کے بدلے بکا ہے جس کی قیمت ایک ہزار ہے کے بدلے فروخت ہوا ہے تو اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

وجہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دیہاتی کے لئے ہزار درہم ادا کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن گیہوں کا ادا کرنا آسان ہوتا ہے اس لئے جب گیہوں کی خبر ملی تو رغبت پیدا ہوگئی اس لئے پہلا انکار اعراض پر دلیل نہیں ہے۔اس لئے اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔یہی حال ہر اس صورت میں ہے

الف او اکثر فتسلیمه باطل وله الشفعة[۱۲۸۴](۵۰) وان بان انها بیعت بدنانیر قیمتها الف فلا شفعة له [۱۲۸۵](۵۱) واذا قیل له ان المشتری فلان فسلم الشفعة ثم علم انه غیره فله الشفعة [۱۲۸۶](۵۲) ومن اشتری دارا لغیره فهو الخصم فی الشفعة الا ان

جب پہلے خبر ملے کہ اور جنس سے فروخت ہوا ہے جس پر شفیع نے انکار کر دیا اور بعد میں خبر ملے کے دوسری جنس سے فروخت ہوا ہے تو اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔ کیونکہ پہلا انکار اعراض پر دلیل نہیں ہے۔

اصول خلاف جنس کی خبر ملی تو حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

[۱۲۸۴](۵۰) اور اگر ظاہر ہوا کہ فروخت ہوا ہے دینار کے بدلے جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی تو شفیع کو شفعہ نہیں ملے گا۔

تشریح شفیع کو خبر ملی کہ گھر دینار کے بدلے فروخت ہوا ہے جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے۔ اس پر شفعہ کا انکار کر دیا۔ بعد میں خبر ملی کہ ایک ہزار درہم کے بدلے فروخت ہوا ہے اور اب دوبارہ حق شفعہ کا دعوی کرتا ہے تو اس کو اب حق شفعہ نہیں ملے گا۔

وجہ کیونکہ درہم اور دینار دونوں ثمن ہیں اور دونوں گویا ایک ہی جنس ہیں اس لئے پہلے ایک ہزار کی خبر ملی جس پر انکار کر دیا تو دوبارہ ایک ہزار کی خبر ملنے پر کیسے شفعہ کا دعوی کر سکتا ہے۔ اس لئے اس کو دوبارہ حق شفعہ نہیں ملے گا۔

لغت بان : ظاہر ہوا۔

[۱۲۸۵](۵۱) اور اگر شفیع سے کہا گیا کہ خریدار فلاں ہے پس شفعہ چھوڑ دیا پھر جانا کہ اس کے علاوہ ہے تو اس کو حق شفعہ ہوگا۔

تشریح شفیع کو خبر ملی کہ فلاں زمین کا خریدار مثلا زید ہے اس لئے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ بعد میں اطلاع ملی کہ خریدار عمر ہے تو اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

وجہ حق شفعہ ضرر جوار سے بچانے کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے شفیع کو جب معلوم ہوا کہ زید خرید رہا ہے جو شریف آدمی ہے۔ اس کی پڑوسیت سے نقصان نہیں ہوگا۔ اس لئے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر معلوم ہوا کہ عمر خرید رہا ہے جو خطرناک آدمی ہے۔ اس کی پڑوسیت سے نقصان ہوگا اس لئے حق شفعہ کا دعوی کیا تو کر سکتا ہے۔ کیونکہ پہلا انکار اعراض پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

اصول ان مسائل میں یہی اصول کارفرما ہے کہ جو حرکت اعراض پر دلالت کرتی ہو اس سے حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور جو حرکت اعراض پر دلالت نہ کرتی ہو اس سے حق شفعہ بحال رہے گا۔

[۱۲۸۶](۵۲) کسی نے دوسرے کے لئے گھر خریدا تو وہی مدعی علیہ ہوگا شفعہ میں۔ مگر یہ کہ گھر کو مؤکل کے سپرد کر دے۔

تشریح مثلا زید نے عمر کا وکیل بن کر عمر کے لئے گھر خریدا تو شفیع حق شفعہ کے لئے زید ہی کو مدعی علیہ بنائے گا اور اسی پر مقدمہ دائر کرے گا۔ ابھی عمر کو نہیں۔ ہاں! اگر زید نے گھر عمر مؤکل کو سپرد کر دیا تو اب شفیع عمر مؤکل کو مدعی علیہ بنائے گا۔

وجہ جو گھر خریدتا ہے مشتری وہی مانا جاتا ہے۔ چاہے دوسرے کے لئے خریدا ہو۔ اور دعوی وغیرہ کے سارے حقوق خریدنے والے ہی پر لاذا

یسلمها الی الموکل[۱۲۸۷] (۵۳) واذا باع دارا الا مقدار ذراع فی طول الحد الذی یلی الشفیع فلا شفعة له [۱۲۸۸] (۵۴) وان ابتاع منها سهما بثمن ثم ابتاع بقیتها فالشفعة للجار فی السهم الاول دون الثانی [۱۲۸۹] (۵۵) واذا ابتاعها بثمن ثم دفع الیه

جاتا ہے۔ تو اس صورت میں زید وکیل نے ظاہری طور پر خریدا ہے اس لئے وہی مدعی علیہ بنیں گے۔ اور مؤکل کے ہاتھ میں جانے کے بعد اب وہ گویا کہ اصل خریدار بن گئے اس لئے وہ مدعی علیہ بنیں گے۔

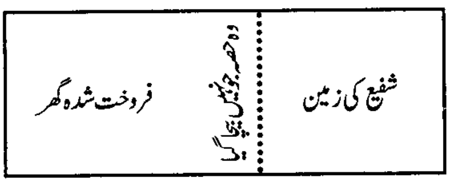
اصول تمام حقوق وکیل پر عائد ہوتے ہیں۔

لغت الخصم : مدمقابل، مدعی علیہ۔

[۱۲۸۷] (۵۳) اگر گھر بیچا مگر ایک ہاتھ چھوڑ کر اس طرف کی لمبائی سے جو شفیع سے متصل ہے تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تشریح شفیع کو نہ دینے کا حیلہ کرنا ہے اس لئے پورا گھر بیچا مگر جس طرف شفیع کی زمین پڑتی ہے اور اس کی پڑوسیت لگتی ہے اس طرف ایک ایک ہاتھ پوری لمبائی میں چھوڑ دیا نہیں بیچا۔ اب پڑوس شفیع کو حق شفعہ کا دعوی کرنے کا موقع نہیں ہوگا۔

وجہ پڑوسیت کی وجہ سے حق شفعہ کا دعوی اس وقت کر سکتا تھا جب اس کے پڑوس کی متصل زمین فروخت ہو۔ اور یہاں ایسا ہوا کہ پڑوسیت کی زمین ایک ایک ہاتھ بکی ہی نہیں اس لئے شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔ اس نقشہ میں بیچ کا حصہ نہیں بیچا اس لئے شفیع کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔



لغت : یلی : متصل ہے۔

[۱۲۸۸] (۵۴) اگر خریدا گھر میں سے ایک حصہ کچھ قیمت میں، پھر خریدا اس کا باقی حصہ تو پڑوس کے لئے شفعہ پہلے حصہ میں ہوگا۔

تشریح مثلا ایک گھر ہے جس کی قیمت آٹھ ہزار درہم ہے۔ بائع نے اس کے آٹھ حصے بنائے اور ایک حصہ بیچ کر مشتری کو گھر میں شریک بنا لیا۔ بعد میں باقی سات حصے اسی مشتری کے ہاتھ بیچے۔ اب جو پڑوس شفیع تھا اس کو پہلی مرتبہ جو ایک حصہ فروخت ہوا تھا اس میں حق شفعہ ملے گا۔ دوسری مرتبہ جو سات حصے فروخت ہوئے ان میں اس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔ وہ سات حصے شریک کے ہی ہوں گے۔

وجہ پہلے مبیع میں شریک کو شفعہ کا حق ملتا ہے، پھر راستے میں شریک کو اور تیسرے درجے میں پڑوس کو شفعہ کا حق ملتا ہے۔ اس قاعدہ سے پہلی مرتبہ جب ایک حصہ فروخت ہو رہا تھا اس وقت اس گھر کا کوئی شریک نہیں تھا۔ اس لئے پڑوس کو حق شفعہ مل گیا۔ لیکن دوسری مرتبہ جب سات حصے فروخت ہو رہے تھے اس وقت مشتری اول گھر میں شریک ہو چکا تھا اس لئے شریک کو حق شفعہ ہوگا۔ پڑوس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

نوٹ یہ بھی پڑوسی شفیع کو شفعہ سے محروم کرنے کا حیلہ ہے۔

[۱۲۸۹] (۵۵) اگر خریدا گھر کو ایک قیمت سے پھر بائع کو اس کے بدلے میں کپڑے دیئے تو شفعہ قیمت میں ہے نہ کہ کپڑے میں۔

تشریح مثلا زید نے عمر سے ایک ہزار درہم کے بدلے زمین خریدی، بعد میں ایک ہزار درہم کے بجائے کپڑا دے دیا تو شفیع مشتری سے ایک

ثوبا عوضا عنه فالشفعة بالثمن دون الثوب [۱۲۹۰](۵۶) ولا تكره الحيلة في اسقاط الشفعة عند ابي يوسف رحمه الله وقال محمد رحمه الله تكره[۱۲۹۱] (۵۷) واذا بنى المشترى او غرس ثم قضى للشفيع بالشفعة فهو بالخيار ان شاء اخذها بالثمن وقيمة

ہزار درہم کے بدلے زمین لے گا، کپڑے کے بدلے زمین نہیں لے گا۔

وجہ زمین کی اصل قیمت شروع میں ایک ہزار درہم ہیں نہ کہ کپڑا۔ اس لئے ایک ہزار درہم کے بدلے زمین لے گا۔ اور اس میں شفیع سے جان چھڑانے کا حیلہ یہ ہے کہ تھوڑی سی زمین کی قیمت دو گنے، تین گنے دراہم رکھ دیئے جائیں اور بعد میں اس درہم کے بدلے تھوڑے سے کپڑے دے دیئے جائے۔ اب شفیع خریدے گا تو دوگنی تین گنی قیمت دے کر خریدے گا۔ جس سے بائع اور مشتری کی جان چھوٹ جائے گی۔

[۱۲۹۰] (۵۶) حیلہ مکروہ نہیں ہے شفعہ کے ساقط کرنے میں امام ابو یوسف کے نزدیک، امام محمد نے فرمایا مکروہ ہے۔

وجہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ شفیع کا حق ابھی ثابت نہیں ہوا ہے اس لئے اس کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے حیلہ کر سکتا ہے۔ حضرت کی نگاہ بائع اور مشتری کے نقصان کی طرف گئی ہے۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ اس طرح حیلوں کا دروازہ کھول دیا جائے تو حق شفعہ کا حکم ہی ختم ہو جائے گا۔ اس لئے ایسا حیلہ کرنا مکروہ ہے۔ ان کی نگاہ شفیع کے ضرر کی طرف گئی ہے۔

[۱۲۹۱] (۵۷) اگر مشتری نے مکان بنا لیا یا باغ لگایا پھر شفیع کے لئے شفعہ کا فیصلہ کیا گیا تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو لے قیمت سے اور اکھڑے ہوئے مکان اور کٹے باغ کی قیمت دیکر اور چاہے تو مشتری کو اکھاڑنے پر مجبور کرے۔

تشریح مشتری نے زمین خریدی اس کے بعد اس پر مکان بنا لیا یا باغ لگا لیا۔ اس کے بعد اس زمین کا فیصلہ شفیع کے لئے ہوا تو شفیع زمین کی قیمت دے گا۔ اور ٹوٹے ہوئے مکان کی قیمت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے گا۔ اور زمین اور مکان اور باغ کو لے گا۔ یا پھر مشتری کو مجبور کرے گا کہ مکان توڑے اور باغ اکھاڑے۔ اور زمین مکمل خالی کر کے شفیع کے حوالے کرے۔

وجہ مشتری نے زمین بائع سے خریدی ہے۔ حق شفعہ کے فیصلے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ حقیقت میں شفیع کی زمین تھی جس کو مشتری نے لی تھی۔ اور شفیع کی اجازت کے بغیر مشتری نے مکان بنایا تھا اور باغ لگایا تھا اس لئے مشتری پر مکان توڑنا اور باغ کو کاٹنا لازم ہے۔ عن عبد الله بن عمر قال من بنى فى ارض قوم بغير اذنهم فله نقضه وان بنى باذنهم فله قيمته (سنن للبیہقی، باب من بنی اوغرس فی ارض غیرہ ج سادس ص ۹۱) اس اثر میں ہے کہ بغیر اجازت کے مکان بنایا تو اس کو توڑنا ضروری ہے۔ اس لئے یا تو ٹوٹے ہوئے مکان اور کٹے ہوئے باغ کی قیمت لیکر زمین شفیع کے حوالے کرے۔ جو کم قیمت بہت کم ہوگی۔ یا مشتری باضابطہ مکان توڑے اور باغ کاٹے۔

فائدہ امام ابو یوسف اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ مشتری کو مکان توڑنے اور باغ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ شفیع چاہے تو زمین کی قیمت اور موجودہ حالت میں مکان اور باغ کی قیمت دے کر اس کو خریدے۔

وجہ اس لئے کہ یہ زمین پہلے بائع کی تھی اور اس سے خریدی ہے۔ اور گویا کہ مشتری نے اپنی زمین میں مکان بنایا اور باغ لگایا ہے۔ شفیع کا حق تو

البناء والغرس مقلوعين وان شاء كلف المشترى بقلعه [۱۲۹۲](۵۸) وان اخذها الشفيع فبنى او غرس ثم استحقت رجع بالثمن ولا يرجع بقيمة البناء والغرس[۱۲۹۳] (۵۹) واذا انهدمت الدار او احترقت بناؤها او جف شجر البستان بغير عمل احد

بہت بعد میں ظاہر ہوا۔اس لئے مکان بنانے اور باغ لگانے میں مشتری حق بجانب ہے۔اس لئے اس کو مکان توڑنے اور باغ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

لغت غرس : باغ لگایا، درخت بویا۔ المقلوع : اکھڑا ہوا قلع سے مشتق ہے۔

[۱۲۹۲](۵۸) اگر شفیع نے زمین لی پھر مکان بنایا یا باغ لگایا پھر زمین کسی کی مستحق نکل گئی تو قیمت واپس لیگا۔اور نہیں واپس لے سکتا مکان اور باغ کی قیمت۔

تشریح شفیع نے خالی زمین مشتری سے لی پھر اس میں مکان بنایا یا باغ لگایا۔بعد میں کسی نے دعوی کر کے اس زمین میں اپنا حق ثابت کر دیا اور لے لیا تو شفیع نے مشتری کو زمین کی قیمت دی تھی اس لئے شفیع مشتری سے صرف زمین کی قیمت وصول کرے گا۔بعد میں جو کچھ مکان بنایا یا باغ لگایا اس کی قیمت مشتری سے یا اصل بائع سے وصول نہیں کرے گا۔

وجہ مشتری نے شفیع کو زمین لینے پر مجبور نہیں کیا تھا اور نہ اس نے زمین میں مکان بنانے اور باغ لگانے کہا تھا۔بلکہ شفیع نے خود مشتری کو مجبور کر کے زمین لی ہے اور اپنی مرضی سے مکان بنایا یا باغ لگایا۔اس لئے مکان اور باغ کی قیمت مشتری سے وصول نہیں کر پائے گا۔البتہ زمین کی قیمت مشتری نے لی تھی اور ابھی مستحق نے شفیع سے مفت زمین لی ہے اس لئے صرف زمین کی قیمت شفیع مشتری سے وصول کر سکے گا۔

اصول اپنی مرضی سے دھوکہ کھایا ہے تو اس کی قیمت دوسروں سے وصول نہیں کر سکے گا۔

[۱۲۹۳](۵۹) اگر گھر منہدم ہو گیا، یا اس کی دیوار جل گئی یا باغ کا درخت خشک ہو گیا کسی کے کچھ کئے بغیر تو شفیع کو اختیار ہے چاہے تو اس کو لے پوری قیمت سے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح مشتری نے بائع سے مثلا ایک ہزار درہم میں زمین، اس پر مکان اور باغ خریدا تھا۔اس درمیاں آفت سماوی سے مکان جل گیا یا باغ اجڑ گیا جس کی وجہ سے چار سو درہم قیمت کم ہو گئی۔اب شفیع مشتری سے زمین لینا چاہے تو ایک ہزار ہی میں لے گا۔چار سو درہم کم نہیں ہوں گے۔

وجہ زمین اصل ہے۔مکان اور باغ اس کے تابع ہیں۔اور آفت سماوی سے مکان جلا ہے یا باغ اجڑا ہے۔کسی نے کوئی حرکت نہیں کی ہے۔اس لئے زمین کو اصل مان کر پوری قیمت اسی پر لگے گی۔اور شفیع کو ایک ہزار درہم دے کر لینے کا حق ہوگا۔اور نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے۔

اصول یہ مسئلہ اس پر ہے کہ تابع کی قیمت نہیں لگے گی، سارا مدار اصل پر ہوگا۔

لغت انہدم : گر گیا، منہدم ہو گیا۔ جف : خشک ہو گیا۔

فالشفيع بالخيار ان شاء اخذها بجميع الثمن وان شاء ترك[۱۲۹۴] (۶۰) وان نقض المشترى البناء قيل للشفيع ان شئت فخذ العرصة بحصتها وان شئت فدع[۱۲۹۵] (۶۱) وليس له ان يأخذ النقص[۱۲۹۶] (۶۲) ومن ابتاع ارضا وعلى نخلها ثمر اخذها

[۱۲۹۴] (۶۰) اگر مشتری نے عمارت توڑ دی تو شفیع سے کہا جائے گا کہ خالی زمین اس کے حصے سے لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح مشتری نے مثلا ایک ہزار درہم میں زمین، اس پر مکان سمیت خریدا تھا۔ بعد میں مشتری نے خود مکان توڑ دیا جس کی وجہ سے چار سو درہم کم قیمت ہوگئی۔ اب شفیع لینا چاہے تو صرف زمین کی جو قیمت ہے چھ سو درہم وہ دے کر صرف خالی زمین لے لے اور نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے۔

وجہ مشتری نے مکان خود توڑا ہے اس لئے اس کے توڑنے کی وجہ سے مکان اصل ہوگیا۔ اب زمین کے تابع نہیں رہا اس لئے مکان کے ٹوٹنے کی وجہ سے جتنی قیمت کم ہوئی ہے وہ کم ہو جائے گی اور زمین کی قیمت جواب ہے وہ دے کر شفیع لے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جان کر مشتری نے تابع کو نقصان کیا ہے تو وہ اصل بن جائے گا اور اس کی قیمت شفیع سے کم ہو جائے گی۔

[۱۲۹۵] (۶۱) اور شفیع کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ٹوٹ پھوٹ لے۔

تشریح مشتری کے مکان توڑنے کے بعد اینٹ لکڑی وغیرہ جو زمین سے الگ ہو گئے اس میں شفیع کا حق شفعہ نہیں ہے۔ اس کو حق شفعہ کے ماتحت نہیں لے سکتا۔

وجہ زمین اور زمین سے متصل چیزوں میں حق شفعہ ہوتا ہے۔ اور اینٹ اور لکڑی وغیرہ زمین اور مکان سے الگ ہو چکے ہیں۔ اب وہ زمین کے تابع نہیں رہے۔ اس لئے اس کو حق شفعہ کے ماتحت نہیں لے سکتا۔ الگ سے قیمت دے کر مشتری کی خوشی سے لینا چاہے تو لے سکتا ہے

اصول زمین سے الگ ہونے کے بعد وہ چیز زمین کے تابع نہیں رہتی۔ اس لئے اس میں حق شفعہ نہیں ہے۔

لغت النقض : ٹوٹی ہوئی چیز۔

[۱۲۹۶] (۶۲) اگر مشتری نے زمین خریدی اور اس کے درخت پر پھل ہیں تو شفیع اس کو پھل کے ساتھ لے گا۔

تشریح مشتری نے ایسی زمین خریدی جس میں باغ ہے اور باغ میں پھل بھی لگے ہوئے ہیں تو شفیع کو حق ہے کہ پھل سمیت مشتری سے باغ لے۔

وجہ درخت کی بیع میں پھل شامل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن یہاں مشتری نے بائع سے پھل بھی خریدا ہے اس لئے پھل زمین کے تابع ہوگیا۔ اس لئے زمین کے حق شفعہ کے ساتھ پھل میں بھی حق شفعہ ہوگا۔ اور پھل کو بھی اسی قیمت میں خریدنے کا حقدار ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ زمین کے ساتھ کوئی چیز متصل ہو اور اس کے تابع ہو تو زمین کے ساتھ اس میں حق شفعہ ہوگا۔

لغت ابتاع : خرید اباع سے مشتق ہے۔ ارضا : سے مراد باغ والی زمین ہے۔

الشفیع بثمر[۱۲۹۷] (۶۳) فان جده المشتری سقط عن الشفیع حصته [۱۲۹۸](۶۴) واذا قضی للشفیع بالدار ولم یکن رآھا فله خیار الرؤیة فان وجدبھا عیبا فله ان یردھا به

[۱۲۹۷] (۶۳) اور اگر مشتری نے پھل توڑا تو ساقط ہو جائے گا اس کے حصے کے مطابق۔

تشریح مشتری نے پھل کے ساتھ باغ خریدا تھا جس کی وجہ سے شفیع کو پھل کے ساتھ اتنی قیمت میں لینے کا حق تھا۔ لیکن مشتری نے پھل توڑ لیا تو پھل کی جتنی قیمت ہو سکتی ہے اتنی قیمت کم کر کے شفیع مشتری سے باغ لے گا۔

وجہ پوری قیمت پھل کے ساتھ تھی اس لئے پھل توڑ لیا تو پھل کے برابر قیمت کم ہو جائے گی (۲) مشتری نے خود توڑا ہے، آفت سماوی کی وجہ سے نہیں ٹوٹا ہے اس لئے پھل تابع نہیں رہا بلکہ باغ کی طرح اصل ہو گیا۔ اس لئے اس کی قیمت کم ہو گی۔

[۱۲۹۸] (۶۴) اگر فیصلہ کر دے شفیع کے لئے گھر کا اور اس کو دیکھا نہ ہو تو اس کے لئے خیار رویت ہے، پس اگر اس میں عیب پائے تو شفیع کے لئے حق ہے کہ اس کو لوٹا دے عیب کی وجہ سے اگرچہ مشتری نے اس عیب سے برائت کی شرط کر لی ہو۔

تشریح شفیع نے گھر دیکھا نہیں تھا اور اس کے لئے حق شفعہ کی وجہ سے گھر کا فیصلہ ہو گیا تو اس کو دیکھنے کے بعد خیار رویت ملے گا۔ اسی طرح اگر مبیع میں عیب نکلے تو خیار عیب کے ماتحت شفیع اس کو مشتری کی طرف واپس کر سکتا ہے۔ چاہے مشتری نے جب خریدا تھا تو بائع کو اس عیب سے بری کر دیا تھا۔ لیکن شفیع کو اس عیب کے ماتحت واپس کرنے کا حق ہو گا۔

وجہ چاہے حق شفعہ کی وجہ سے لیا ہو۔ لیکن یہ مشتری اور شفیع کے درمیان بیع جدید ہے اس لئے بیع کے سارے خیار شفیع کو ملیں گے۔ چنانچہ مبیع کو نہ دیکھا ہو تو خیار رویت کے ماتحت مبیع کو واپس کرے گا۔ اور عیب ہو تو خیار عیب کے ماتحت واپس کرے گا (۲) حدیث میں دونوں خیاروں کے متعلق یہ حدیث ہے۔ عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ ﷺ من اشتری شیئا لم یرہ فھو بالخیار اذا رآہ (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵ نمبر ۲۷۷۹ رسنن للبیھقی، باب من قال یجوز بیع العین الغائبة، ج خامس، ص ۴۴۰، نمبر ۱۰۴۲۶) اس حدیث میں خیار رویت کا اختیار ہے۔ اور خیار عیب کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن عائشة ان رجلا ابتاع غلاما فاقام عنده ماشاء اللہ ان یقیم ثم وجد به عیبا فخاصمه الی النبی ﷺ فردہ علیه (ب) (ابوداؤد شریف، باب فیمن اشتری عبدا فاستعملہ ثم وجد بہ عیبا، ص ۱۳۹، نمبر ۳۵۱۰ رسنن للبیھقی، باب المشتری یجد بما اشتراہ عیبا وقد استغلہ زمانا، ج خامس، ص ۵۲۶، نمبر ۱۰۷۴۲) اس حدیث میں ثبوت ہے کہ غلام میں عیب پایا تو اس کو بائع کی طرف واپس کر دیا۔

نوٹ مشتری نے بائع کو عیب سے بری کر دیا تھا وہ اس کی مرضی تھی۔ لیکن شفیع مشتری سے نئے سرے سے خرید رہا ہے اس لئے اس کو اختیار ہو گا کہ مشتری کو عیب سے بری کرے یا مبیع واپس کرے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مشتری سے شفیع کا خریدنا بیع جدید ہے اس لئے ان کو بھی کے خیار ملیں گے۔

حاشیہ: (الف) آپ نے فرمایا کسی نے کوئی چیز بغیر دیکھے خریدی تو اس کو اختیار ہے جب اس کو دیکھ لے (ب) ایک آدمی نے غلام خریدا وہ غلام اس کے پاس جتنی مدت ہو سکا ٹھہرا پھر اس غلام میں عیب پایا تو حضور کے سامنے شکایت لے گیا تو آپ نے اس غلام کو بائع پر واپس کر دیا۔

وان كان المشترى شرط البراءة منه[۱۲۹۹] (٦٥) واذا ابتاع بثمن مؤجل فالشفيع بالخيار ان شاء اخذها بثمن حال وان شاء صبر حتى ينقضى الاجل ثم يأخذها[۱۳۰۰] (٦٦) واذا اقتسم الشركاء العقار فلا شفعة لجارهم بالقسمة[۱۳۰۱] (٦٧) واذا اشترى دارا فسلم الشفيع الشفعة ثم ردها المشترى بخيار رؤية وشرط او بعيب بقضاء

[۱۲۹۹] (٦٥) اگر مشتری نے ادھار قیمت سے خریدا تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو نقد قیمت سے لے لے اور اگر چاہے تو صبر کرے یہاں تک کہ مدت ختم ہو جائے پھر گھر کو لے۔

تشریح مثلا مشتری نے بائع سے گھر خریدا اور قیمت بعد میں دینے کی شرط کی۔ اب شفیع اس گھر کو خریدنا چاہتا ہے تو اس کو گھر کی قیمت نقد دینی ہوگی۔ مشتری کو ادھار کی سہولت ملنے کی وجہ سے شفیع کو ادھار کی سہولت نہیں ملے گی۔ یا پھر ابھی شفعہ کا دعوی کرے اور ادھار کی مدت ختم ہو جائے تو اس وقت نقد قیمت دے کر مشتری سے خرید لے۔

وجہ مشتری کے مانگنے کی وجہ سے بائع نے مشتری پر اعتماد کر کے ادھار کی سہولت دی تھی۔ اس لئے اس کا تعلق بیع سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بائع کے اعتماد سے ہے۔ بیع کا عام قاعدہ نقد ہی ادا کرنے کا ہے۔ اور یہ نئی بیع مشتری اور شفیع کے درمیان ہو رہی ہے اس لئے یہاں بیع کے عام قاعدے سے نقد قیمت ہی دینی ہوگی۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ مشتری بھی شفیع پر اعتماد کرے اور ادھار دے۔ اس لئے شفیع پر نقد قیمت دینا واجب ہوگا۔

نوٹ مشتری اپنی مرضی سے شفیع کو ادھار دے تو دے سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ادھار لینے یا دینے کا معاملہ بائع اور مشتری کے اعتماد اور رضامندی پر ہے۔ اصل بیع میں شامل نہیں ہے۔ اصل بیع تو نقد قیمت پر ہی واقع ہوگی۔ ایک ہاتھ سے لو اور دوسرے ہاتھ سے دو۔ اس پر دلائل گزر چکے ہیں۔

لغت ینقضی : مدت ختم ہو جائے۔ الاجل : مدت۔

[۱۳۰۰] (٦٦) اگر شرکاء زمین تقسیم کریں تو تقسیم کرنے کی وجہ سے ان کے پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ حق شفعہ ہوتا ہے زمین فروخت ہونے کی وجہ سے اور مبادلۃ المال بالمال پائے جانے کی وجہ سے۔ اور یہاں بیع نہیں پائی گئی ہے بلکہ اپنا اپنا حصہ الگ الگ کیا گیا ہے۔ اس لئے پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ہوگا (۲) حدیث اور آثار گزر چکے ہیں۔

[۱۳۰۱] (٦٧) اگر گھر خریدا، پس شفیع نے شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر گھر کو مشتری نے خیار رویت یا خیار شرط یا خیار عیب کے ماتحت قضاء قاضی سے واپس کیا تو شفیع کو دوبارہ شفعہ نہیں ہے۔

تشریح مشتری نے گھر خریدا، اس وقت شفیع نے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ مشتری نے قضاء قاضی کے ذریعہ خیار رویت، یا خیار شرط یا خیار عیب کے ماتحت گھر واپس کیا تو اس واپس کرنے کی وجہ سے دوسری مرتبہ شفیع کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

قاض فلا شفعة للشفيع [۱۳۰۲](٦٨) وان ردها بغير قضاء قاض او تقايلا فللشفيع الشفعة.

وجہ قاضی نے جب مبیع واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو پہلی بیع کو منسوخ کیا۔کوئی نئی بیع نہیں ہوئی۔اس لئے شفیع کو دوبارہ حق شفعہ نہیں ملے گا۔اگر نئی بیع ہوتی تو شفیع کو دوبارہ حق شفعہ ملتا۔

[۱۳۰۲](٦٨)اور اگر گھر کو واپس کیا بغیر قضاء قاضی کے یا بائع اور مشتری نے اقالہ کیا تو شفیع کے لئے دوبارہ حق شفعہ ہوگا۔

وجہ بغیر قاضی کے فیصلے کے مشتری نے بائع کی طرف گھر واپس کیا تو اگر چہ ان دونوں کے حق میں پہلی بیع کو توڑنا ہے۔لیکن تیسرا آدمی دیکھ رہا ہے کہ مشتری کی جانب سے مبیع بائع کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔اور مبادلۃ المال بالمال بھی ہے اس لئے شفیع کے حق میں بیع جدید ہے اس لئے شفیع کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جب جب نئی بیع ہو تو شفیع کو حق شفعہ ملے گا۔اور جب جب پہلی بیع کو فسخ کرنا ہو تو شفیع کو حق شفعہ نہیں ملیگا۔

لغت تقایلا : اقالۃ سے مشتق ہے، رضامندی سے بیع کو واپس کرنا، اقالہ کرنا۔

﴿کتاب الشرکۃ﴾

[۱۳۰۳](۱)الشرکۃ علی ضربین شرکۃ املاک و شرکۃ عقود فشرکۃ الاملاک العین یرثھا رجلان او یشتریانھا.

﴿کتاب الشرکۃ﴾

ضروری نوٹ کسی چیز میں چند آدمیوں کے شریک ہونے کو شرکت کہتے ہیں۔شرکت کا ثبوت اس آیت میں ہے۔**فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث** (الف) (آیت ۱۲ سورۃ النساء۴) اس آیت میں زیادہ وارثین کو تہائی وراثت میں شریک کیا گیا ہے۔جس سے شرکت کا پتہ چلتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔**عن ابی ہریرۃ رفعہ قال ان اللہ تعالی یقول انا ثالث الشریکین مالم یخن احدھما صاحبہ فاذا خانہ خرجت من بینھم** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الشرکۃ ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۳) اس سے بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے اس لئے شرکت جائز ہے۔

[۱۳۰۳](۱) شرکت دو طرح کی ہیں (۱) شرکت املاک (۲) اور شرکت عقود۔پس شرکت املاک یہ ہے کہ ایک چیز کے دو وارث ہوں جائیں یا دونوں ملکر ایک چیز خریدیں۔

تشریح شرکت دو طرح کی ہوتی ہیں۔ایک کو شرکت املاک کہتے ہیں اور دوسری کو شرکت عقود کہتے ہیں۔شرکت املاک کا مطلب یہ ہے کہ با ضابطہ ایجاب اور قبول کر کے کسی چیز میں شریک نہ ہوئے ہوں، بلکہ ناگہانی طور پر دونوں ایک چیز میں شریک ہو گئے۔مثلا والد کا انتقال ہوا اور ایک چیز دو بیٹوں کے درمیان وراثت میں آگئی۔اور دونوں بیٹے اس چیز میں وراثت کے طور پر شریک ہو گئے تو دونوں ایجاب وقبول کر کے شریک نہیں ہوئے ہیں بلکہ وراثت کے طور پر شریک ہوئے ہیں۔چونکہ دونوں ملکیت کے طور پر شریک ہوئے اس لئے اس کو شرکت املاک کہتے ہیں۔یا دو آدمیوں نے ایک چیز کو خرید لیا اور دونوں ایک چیز کے مالک بن گئے تو چونکہ ملکیت کے اعتبار سے شرکت ہوئی اس لئے اس کو شرکت املاک کہتے ہیں۔

وجہ شرکت وراثت کا ثبوت اوپر کی آیت ہے۔فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث (آیت ۱۲ سورۃ النساء۴) اور خریدنے میں شرکت کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن زھرۃ بن معبد انہ کان یخرج بہ جدہ عبد اللہ بن ھشام الی السوق فیشتری الطعام فیلقاہ ابن عمر و ابن الزبیر فیقولان لہ اشرکنا فان النبی ﷺ قد دعا لک بالبرکۃ فیشرکھم** (ج) (بخاری شریف، باب الشرکۃ فی الطعام وغیرہ ص ۳۴۰ نمبر ۲۵۰۲ رسنن للبیہقی، باب الشرکۃ فی البیع، ج سادس، ص ۳۰، نمبر ۱۱۴۲۶) اس اثر میں خریدی ہوئی چیز میں صحابی شریک ہوئے۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ خریدی ہوئی چیز میں شریک کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) اگر اس سے زیادہ بھائی ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہوں گے (ب) میں دو شریکوں میں تیسرا ہوتا ہوں جب تک ان میں سے ایک ساتھی کے ساتھ خیانت نہ کرے۔پس جب خیانت کی تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں (ج) عبد اللہ بن ہشام بازار جاتے اور غلہ خریدتے تو ان سے ابن عمر اور ابن زبیر فرماتے مجھے بھی بیع میں شریک کر لیجئے۔اس لئے کہ حضورؐ نے آپ کے لئے برکت کی دعا کی ہے تو وہ ان کو بیع میں شریک کر لیتے۔

[۱۳۰۴](۲) فلا یجوز لاحدھما ان یتصرف فی نصیب الآخر الا باذنه وکل واحد منھما فی نصیب صاحبه کالاجنبی [۱۳۰۵](۳) والضرب الثانی شرکة العقود وھی علی اربعة اوجه مفاوضة و عنان وشرکة الصنائع و شرکة الوجوه [۱۳۰۶](۴) فاما شرکة

[۱۳۰۴] (۲) پس نہیں جائز ہے دونوں میں سے ایک کے لئے کہ تصرف کرے دوسرے کے حصے میں مگر اس کی اجازت سے۔اور دونون میں سے ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے۔

وجہ اگر چہ ایک ہی چیز میں دونوں شریک ہیں لیکن دونوں کے حصے الگ الگ ہیں اس لئے دوسرے کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔اس کے لئے باری مقرر کردے اور باری باری استعمال کرے (۲) حدیث میں اس کی تاکید ہے۔عن عمرو بن یثربی قال شھدت رسول اللہ ﷺ فی حجة الوداع بمنی فسمعته یقول لا یحل لامرأ من مال اخیه شیء الا ما طابت به نفسه (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۲، نمبر ۲۸۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کی اجازت کے بغیر اس کی چیز کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔چاہے وہ شریک ہی کیوں نہ ہو۔

[۱۳۰۵] (۳) اور دوسری قسم شرکت عقود ہے۔اور اس کی چار قسمیں ہیں (۱) شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع (۴) اور شرکت وجوہ۔

تشریح شرکت عقود کو عقود اس لئے کہتے ہیں کہ اس شرکت میں باضابطہ عقد کرتے ہیں اور ایجاب اور قبول کے ذریعہ شرکت اور منفعت طے ہوتی ہے۔اس لئے اس کو شرکت عقود کہتے ہیں۔اس کی چار قسموں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۱۳۰۶] (۴) بہر حال شرکت مفاوضہ وہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں، پس دونوں برابر ہوں مال میں، تصرف میں اور قرض میں۔

تشریح مفاوضہ کے معنی ہیں برابری، اس لئے دونوں شریک برابر مال جمع کریں۔دونوں شریک خریدنے اور بیچنے میں برابر اختیار رکھتے ہوں اور تجارت کی نسبت سے جو قرض سر پر آئے وہ دونوں کے سر پر آئے اور دونوں اس کو ادا کرنے کے برابر طریقے پر ذمہ دار ہوں تو اس کو شرکت مفاوضہ کہتے ہیں۔

وجہ شرکت مفاوضہ جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن صالح بن صھیب عن ابیه قال قال رسول اللہ ﷺ ثلاث فھن البرکة البیع الی اجل والمفاوضة واختلاط البر بالشعیر للبیت لا للبیع (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الشرکۃ والمضاربۃ، ص ۳۲۶، نمبر ۲۲۸۹) اس حدیث میں اکثر روایت المقارضہ قرض سے ہے۔اور دوسری میں المفاوضۃ وفاضۃ سے ہے۔عام روایت میں مقارضۃ ہے۔اس روایت سے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔البتہ مفاوضہ والی روایت سے شرکت مفاوضہ کی فضیلت ظاہر ہوگی (۲) اثر میں ہے۔عن ابن

حاشیہ : (الف) حضور کو منی میں کہتے سنا کہ کسی انسان کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کی خوشدلی سے (ب) آپ نے فرمایا تین چیزوں میں برکت ہے۔ادھار بیع، شرکت مفاوضہ اور گھر میں گیہوں کو جو کے ساتھ ملا کر استعمال کرنا، بیچنے کے لئے ملانا نہیں۔

المفاوضة فهي ان يشرک الرجلان فيتساويان فی مالهما وتصرفهما ودينهما[۱۳۰۷] (۵) فيجوز بين الحرين المسلمين البالغين العاقلين ولا يجوز بين الحر والمملوک.

سیرین قال المفاوضة فی المال اجمع (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین...احدھما اوریث مالاھل یکون بینھما، ج ثامن،ص ۲۵۹،نمبر ۱۵۱۳۸) اس اثر سے شرکت مفاوضہ کے جواز کا پتہ چلا۔اور دونوں شریکوں کے مال برابر ہوں اس کے لئے یہ اثر ہے۔اخبرنا سفيان قال لا تكون المفاوضة حتى تكون سواء فی المال وحتى يخلطا اموالهما ولا تكون المفاوضة والشركة بالعروض ۔اس اثر سے معلوم ہوا کہ شرکت مفاوضہ میں دونوں کے مال برابر ہوں۔اسی اثر کا اگلا ٹکڑا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں بھی دونوں برابر ہوں۔وما ادان واحد من المتفاوضين فقال قد ادنت كذا وكذا فهو مصدق على صاحبه وان مات احدهما اخذ الآخر وان شاء الغريم يأخذ ايهما باع سلعته اخذ المبتاع ايهما شاء (ب)(مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین، ج ثامن، ص ۲۵۹،نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر میں ہے کہ ایک کا بیچنا،خریدنا اور اقالہ کرنا دوسرے کے لئے ہوں گے۔اس سے تصرف میں برابر ہونے کا پتہ چلا۔

[۱۳۰۷] (۵) پس جائز ہے شرکت مفاوضہ دو آزاد، مسلمان، بالغ، عاقل کے درمیان اور نہیں جائز ہے آزاد اور مملوک کے درمیان۔

تشریح دونوں آدمی آزاد ہوں، دونوں مسلمان ہوں، دونوں عاقل اور بالغ ہوں تو ان دونوں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے۔لیکن ایک آزاد اور دوسرا غلام ہو تو ان کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔

وجہ اصل میں شرکت مفاوضہ میں دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل بھی ہوتے ہیں اور کفیل بھی ہوتے ہیں۔یعنی کچھ خریدے تو آدھا اپنے لئے خریدتے ہیں اور آدھا وکیل کے طور پر شریک کے لئے خریدتے ہیں۔اور کسی پر کوئی دین اور قرض ہو جائے تو آدھا اس پر ہوتا ہے اور آدھا کفیل اور ذمہ دار کے طور پر دوسرے شریک پر ہوتا ہے۔اور دونوں ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل اسی وقت بن سکتے ہیں جب دونوں آزاد ہوں۔اگر ایک مملوک اور غلام ہو تو وہ نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کفیل۔اس لئے وہ شرکت مفاوضہ کر ہی نہیں سکتا۔اس لئے آزاد اور مملوک کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی (۲) اوپر اثر میں تھا۔فاذا كانت شركة مفاوضة فامر كل واحد جائز على صاحبه فی البيع والشراء والاقالة (ج)(مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین الخ ص ۲۵۹،نمبر ۱۵۱۳۷) کہ شرکت مفاوضہ میں بیع، شراء اور اقالہ میں ہر ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرین نے فرمایا شرکت مفاوضہ تمام ہی مال میں ہو سکتی ہے (ب) جو کچھ ایک نے قرض لیا شرکت مفاوضہ میں اور کہا کہ میں نے ایسا قرض لیا تو اس کے ساتھی پر بھی اس کی تصدیق کی جائے گی۔اور اگر دونوں میں سے ایک مر گیا تو دوسرے سے لے گا۔اور اگر قرض خواہ جن سے چاہے لے چاہے جس سے سامان بیچا ہو۔اور مشتری چاہے جس سے قیمت لے (ج) ابن سیرین سے منقول ہے کہ اگر شرکت مفاوضہ ہو تو ہر ایک کا معاملہ اس کے شریک پر بھی ہوگا بیع، شراء اور اقالہ میں۔

[۱۳۰۸] (۶) ولا بین الصبی والبالغ ولا بین المسلم والکافر [۱۳۰۹] (۷) فتنعقد علی الوکالة والکفالة [۱۳۱۰] (۸) وما یشتریه کل واحد منهما یکون علی الشرکة الا طعام

[۱۳۰۸] (۶) اور نہیں جائز ہے شرکت مفاوضہ بچے اور بالغ کے درمیان اور نہ مسلمان اور کافر کے درمیان۔

وجہ اوپر گزر گیا کہ شرکت مفاوضہ میں ہر ایک شریک دوسرے کے کفیل بھی ہوتے ہیں اور وکیل بھی ہوتے ہیں۔ اور بچہ نہ کفیل بن سکتا ہے اور نہ وکیل۔ اس لئے بچہ اور بالغ کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔

اور مسلمان اور کافر کے درمیان اس لئے نہیں ہوگی کہ مثلا کافر شراب اور سور خریدے تو وہ مسلمان کی وکالت میں نہیں خرید سکتا اور ایسا کر سکتا کہ آدھی شراب اور آدھا سور اپنے لئے ہو اور آدھی شراب اور آدھا سور مسلمان کے لئے ہو۔ یا وہ سود کا کاروبار کرے تو کفیل ہونے کے ماتحت آدھا سود اپنے لئے اور آدھا سود مسلمان کے لئے ہو۔ ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شراب، سور اور سود مسلمان کے لئے حرام ہیں تو چونکہ بہت سے مقامات پر کافر مسلمان کی وکالت اور کفالت نہیں کر سکتا جو شرکت مفاوضہ میں ضروری ہیں۔ اس لئے مسلمان اور کافر کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہو سکتی۔ شرکت عنان، شرکت صنائع اور شرکت وجوہ ہو سکتی ہیں (۲) اثر میں اس کی ممانعت ہے۔ قلت لابن عباس ان ابی جلاب الغنم وانه مشارک الیهودی والنصرانی قال لا تشارک یهودیا ولا نصرانیا ولا مجوسیا قلت لم؟ قال لانهم یربون و الربوا لا یحل (الف) (سنن للبیہقی، باب کراہیة مبایعة من اکثر مالہ من الربا وثمن المحرم، ج خامس، ص ۵۴۷، نمبر ۱۰۸۲۲ مصنف ابن ابی شیبة ۳ فی مشارکة الیهودی والنصرانی، ج رابع، ص ۲۶۸، نمبر ۱۹۹۷۳) اس اثر میں یہودی۔ نصرانی اور مجوسی کو شریک کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ سود کا کاروبار کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ شرکت مفاوضہ میں وہ شریک نہیں بن سکتے۔

فائدہ امام ابو یوسف کے نزدیک کافر کے ساتھ شرکت مفاوضہ جائز ہے۔ البتہ مکروہ ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ کافر عاقل بالغ ہے اس لئے وہ وکیل اور کفیل بننے کا اصل ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ شرکت مفاوضہ ہو سکتی ہے۔

[۱۳۰۹] (۷) شرکت مفاوضہ منعقد ہوتی ہے وکالت اور کفالت پر۔

تشریح یعنی دونوں شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے کے وکیل ہیں کہ جو کچھ خریدیں گے ان میں آدھا اپنا ہوگا اور آدھا وکالت کے ماتحت شریک کا ہوگا۔ اور جو قرض سر پر آئے گا اس میں سے آدھا اپنے سر ہوگا اور آدھا کفیل ہونے کے ماتحت شریک کے ذمے ہوگا۔

وجہ اثر گزر چکا ہے۔ (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۵۱۳۷/۱۵۱۴۰)

[۱۳۱۰] (۸) دونوں شریکوں میں سے ہر ایک جو کچھ خریدے گا وہ شرکت پر ہوگی سوائے بیوی بچوں کے کھانے اور کپڑے کے۔

تشریح دونوں شریکوں میں سے ہر ایک تجارت کے متعلقات خریدے گا اس میں سے آدھا اپنے لئے ہوگا اور آدھا وکالت کے ماتحت شریک کے لئے ہوگا۔ البتہ بال بچوں کے کھانے اور کپڑے اور ان کی ضروریات زندگی کے سامان متعلقات تجارت میں سے نہیں ہیں اس لئے وہ

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ میرے والد بکریوں کو لاتے ہیں اور وہ یہودی اور نصرانی کو شریک کرتے ہیں۔ تو ابن عباس نے فرمایا کہ یہودی اور نصرانی کو شریک نہ کرو اور نہ مجوسی کو۔ میں نے کہا کیوں؟ فرمایا وہ سود کا معاملہ کرتے ہیں جو حلال نہیں ہے۔

اهلـه وکسـوتهـم [۱۳۱۱](۹) ومـا یـلـزم کـل واحـد من الدیون بدلا عما یصح فیه الاشتـراک فـالآخـر ضـامـن لـه[۱۳۱۲] (۱۰) فـان ورث احـدهـمـا مالا مما تصح فیه

جب بھی خریدے گا تو وہ صرف اپنے لئے ہوں گے۔شریک کے لئے نہیں ہوں گے۔

وجہ کیونکہ ان میں نہ شرکت ہے اور نہ ان میں کفالت ہے (۲) اثر میں گزر چکا ہے کہ صرف متعلقات تجارت میں کفالت ہوگی۔عـن ابـن سیـریـن ... فاذا کانت شرکة مفاوضة فامر کل واحد جائز علی صاحبه فی البیع والشراء والاقالة (الف) مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۳۷) اس اثر میں ہے کہ خرید وفروخت اور اقالہ دوسرے شریک پر ہوگا۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ متعلقات تجارت دوسرے شریک پر ہوں گے اور اہل وعیال کی ضروریات متعلقات تجارت میں نہیں ہیں اس لئے وہ کفالت میں شامل نہیں ہوں گے۔

اصول شرکت مفاوضہ میں متعلقات تجارت وکالت اور کفالت میں شامل ہوں گے باقی نہیں۔

لغت کسوۃ : کپڑا وغیرہ۔

[۱۳۱۱] (۹) اور جو کچھ دونوں میں سے ہر ایک کو قرض لازم ہو اس کے بدلے میں جس میں شرکت صحیح ہے تو دوسرا شریک اس کا ضامن ہوگا

تشریح تجارت اور اس کے متعلقات کی وجہ سے دونوں شریکوں میں سے کسی ایک پر قرض لازم ہو گیا تو دوسرا شریک بھی اس کا ضامن ہوگا اور اس کو ادا کرنا ہوگا۔

وجہ شریک پر جو کچھ بھی قرض آئے دوسرا شریک اس کا کفیل ہے۔اس لئے کفالت کی وجہ سے وہ بھی ادا کرنے کا ذمہ دار ہے (۲) اثر میں گزر چکا ہے۔اخبـرنـا سـفـیـان ... ومـا ادان واحد من المتفاوضین فقال قد ادنت کذا وکذا فهو مصدق علی صاحبه وان مـات احـدهـمـا اخذ الآخر وان شاء الغریم یأخذ ایهما باع سلعته اخذ المبتاع ایهما شاء (ب) مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر میں ہے کہ قرض دینے والا اپنا قرض شریک مفاوضہ میں سے کسی سے بھی وصول کرسکتا ہے۔

[۱۳۱۲] (۱۰) پس اگر وارث ہوا دونوں شریکوں میں سے ایک ایسے مال کا جس میں شرکت صحیح ہے یا اس کو ہبہ کر دیا گیا اور پہنچ گیا اس کے ہاتھ تک تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی اور بدل کر شرکت عنان ہو جائے گی۔

تشریح آگے آرہا ہے کہ شرکت مفاوضہ صرف درہم، دنانیر اور رائج سکوں میں ہوتی ہے ان کے علاوہ میں نہیں۔پس اگر دونوں شریکوں میں سے ایک درہم، دنانیر یا رائج سکوں کا وارث بن گیا یا کسی نے اس کو ہبہ کر دیا اور شریک نے ان پر قبضہ بھی کر لیا تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے

(الف) حضرت ابن سیرین نے فرمایا اگر شرکت مفاوضہ ہو تو ہر ایک کا معاملہ جائز ہے اس کے شریک پر بیع، شراء اور اقالہ میں (ب) حضرت سفیان نے فرمایا..شریک مفاوضہ میں سے کوئی قرض لے۔پس کہا میں نے ایسا قرض لیا۔میں نے ایسا قرض لیا تو وہ اس کے ساتھی پر تصدیق کی جائے گی (یعنی ساتھی پر بھی اس کی ذمہ داری ہوگی) اور اگر دونوں میں سے ایک مر گیا تو دوسرے سے لے گا۔اور قرضخواہ چاہے تو قیمت لے جس سے بھی اپنا سامان بیچا ہو اور مشتری سے بھی چاہے لے گا۔

الشرکة او وھب لہ ووصل الی یدہ بطلت المفاوضة وصارت الشرکة عنانا[۱۳۱۲]

(۱۱) ولا تنعقد الشرکة الا بالدراھم والدنانیر والفلوس النافقة.

گی اور شرکت عنان بن جائے گی۔

وجہ شرکت مفاوضہ میں تجارت کے متعلقات تمام ہی چیزوں میں شرکت ہوتی ہے۔اور اوپر گزرا کہ دونوں شریکوں کے مال برابر ہونے چاہئے۔اور یہاں وراثت اور ہبہ کے ذریعہ مالک ہونے کی وجہ سے دونوں کے مال برابر نہ رہے بلکہ ایک کا زیادہ ہوگیا اس لئے شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی۔البتہ چونکہ شرکت عنان میں مال کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ مال کم زیادہ ہو تب بھی شرکت عنان جائز ہے۔اس لئے وہ شرکت عنان بن جائے گی (۲) اثر میں ہے اخبرنا سفیان قال لاتکون المفاوضة حتی تکون سواء فی المال وحتی یخلطا اموالھما (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر میں ہے کہ دونوں کے مال برابر ہونے چاہئے اور دونوں کو ملانا بھی چاہئے۔اور یہاں ایک کا مال زیادہ ہوگیا اس لئے شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی۔ عن الشعبی قال کل شریک بیعہ جائز فی شرکة الا شریک المیراث (مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۳۹) اس سے پتہ چلا کہ میراث میں شرکت نہیں ہوگی۔

نوٹ ایسے مال کا وارث بنا جس میں شرکت مفاوضہ درست نہیں جیسے سامان وغیرہ کا مالک بنا تو اس سے شرکت مفاوضہ باطل نہیں ہوگی۔اس لئے کہ وہاں دونوں شریکوں کے مال میں کمی زیادتی کا معاملہ نہیں ہوا۔

لغت ووصل الی یدہ : ہبہ کی چیز پر شریک کا قبضہ ہو اس کی شرط اس لئے لگائی کہ ہبہ میں قبضہ سے پہلے آدمی اس چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا۔اس لئے یہ قید لگائی کہ ہبہ ہوا ہو اور اس پر قبضہ بھی ہوگیا ہو تب شرکت مفاوضہ باطل ہوگی۔

[۱۳۱۳] (۱۱) اور شرکت مفاوضہ نہیں منعقد ہوگی مگر درہم، دینار اور رائج سکوں سے۔

تشریح جو ثمن ہیں ان میں شرکت مفاوضہ ہوگی، سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ہاں سامان بیچ کر پھر برابر برابر درہم یا دینار ملائے اور شرکت کرے تو ہوگی۔

وجہ (۱) اثر میں ہے۔اخبرنا سفیان قال لاتکون المفاوضة حتی تکون سواء فی المال وحتی یخلطا اموالھما ولا تکون المفاوضة والشرکة بالعروض ان یجیئ ھذا بعرض وھذا بعرض (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر میں ہے کہ سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی (۲) اوپر اثر میں آیا کہ دونوں کے مال برابر ہوں۔لیکن سامان بیچا اور کسی کی قیمت زیادہ آئی اور کسی کی کم تو مال میں برابری نہیں ہوئی اس لئے سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت سفیان نے فرمایا شرکت مفاوضہ میں نہیں ہوگی یہاں تک کہ مال میں برابر ہو اور یہاں تک کہ دونوں کے مال ملائے جائیں (ب) حضرت سفیان نے فرمایا مفاوضہ اور شرکت نہیں ہوگی یہاں تک کہ مال میں برابر ہو اور یہاں تک کہ دونوں مال خلط ملط نہ کر دیئے جائیں اور مفاوضہ اور شرکت نہیں ہوگی سامان کے ذریعہ کہ یہ سامان لے کر آئے اور یہ سامان لے کر آئے۔

[۱۳۱۴](۱۲) ولا یجوز فیما سوی ذلک الا ان یتعامل الناس به کالتبر والنقرة فتصح الشرکة بهما [۱۳۱۵](۱۳) وان اراد الشرکة بالعروض باع کل واحد منهما نصف ماله بنصف مال الآخر ثم عقد الشرکة [۱۳۱۶](۱۴) واما شرکة العنان فتنعقد علی

فائدہ امام مالک فرماتے ہیں کہ کیلی اور وزنی چیز ہو اور دونوں شریک کی ایک جنس ہو مثلا دونوں گیہوں ملا کر شرکت کرے تو جائز ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابن سیرین قال المفاوضة فی المال اجمع (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۳۸) اس اثر میں ہے کہ تمام مالوں میں شرکت مفاوضہ کر سکتے ہیں۔

[۱۳۱۴](۱۲) اور نہیں جائز ہے شرکت مفاوضہ ان کے علاوہ میں مگر یہ کہ لوگ اس سے معاملہ کرنے لگیں، جیسے سونے چاندی کی ڈلی، پس صحیح ہے شرکت ان دونوں سے۔

تشریح درہم، دینار اور رائج سکوں کے علاوہ میں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر لوگ کسی خاص چیز مثلا چاندی اور سونے کی ڈلی میں شرکت مفاوضہ کرنے لگیں تو پھر جائز ہو جائے گی۔

وجہ چاندی اور سونے کی ڈلی بھی درہم اور دینار کے حکم میں ہیں۔ کہ وہ بھی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی ہیں۔

لغت التبر : سونے کی ڈلی۔ النقرة : چاندی کا پگھلا ہوا ٹکڑا۔

[۱۳۱۵](۱۳) اور اگر سامان کے ذریعہ شرکت کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں میں سے ہر ایک اپنا آدھا مال دوسرے کے آدھے مال کے بدلے بیچے پھر عقد شرکت کرے۔

تشریح چونکہ دونوں کے مالوں کا برابر ہونا ضروری ہے اس لئے سامان میں شرکت کرنا چاہئے تو یہی صورت ہے کہ اپنا آدھا سامان دوسرے کے آدھے مال کے بدلے بیچے پھر شرکت ملک کر کے شرکت مفاوضہ کرے۔

وجہ براہ راست سامان ملا کر شرکت مفاوضہ کرنا صحیح نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن محمد ابن سیرین قال لا یکون الشرکة والمضاربة بالدین والودیعة والعروض والمال الغائب (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۲۸ فی الشرکة بالعروض، ج رابع ص ۴۸۴، نمبر ۲۲۳۲۴) اس اثر میں فرمایا کہ سامان کے ذریعہ شرکت کرنا صحیح نہیں ہے۔

[۱۳۱۶](۱۴) بہر حال شرکت عنان تو وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے نہ کہ کفالت پر۔

تشریح عنان کے معنی اعراض کرنا ہے۔ چونکہ اس شرکت میں کفالت سے اعراض کرنا ہے اس لئے اس کو شرکت عنان کہتے ہیں۔ اس شرکت میں ہر ایک شریک سامان خریدنے میں دوسرے کا وکیل بنتا ہے کہ مال تجارت میں سے جو کچھ خریدے اس میں سے آدھا اپنے لئے ہوگا اور

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرین نے فرمایا شرکت مفاوضہ تمام مالوں میں ہو سکتی ہے (ب) محمد ابن سیرین نے فرمایا شرکت اور مضاربت نہیں ہوگی دین سے، امانت کے مال سے اور سامان سے اور غائب کے مال سے۔

الوکالة دون الکفالة[۱۳۱۷](۱۵) ویصح التفاضل فی المال و یصح ان یتساویا فی المال ویتفاضلا فی الربح[۱۳۱۸](۱۶) ویجوز ان یعقدها کل واحد منهما ببعض ماله دون بعض[۱۳۱۹](۱۷) ولا تصح الا بما بینا ان المفاوضة تصح به.

آدھا شریک کے لئے ہوگا۔البتہ کفیل نہیں ہوتا یعنی شریک پر جو قرض آئے گا اس کا آدھا دوسرے شریک پر نہیں ڈالے گا۔بلکہ پورا قرض اسی کے ذمہ ہوگا جس نے قرض لیا۔

[۱۳۱۷](۱۵) اور صحیح ہے کمی بیشی مال میں،اور صحیح ہے کہ برابر ہوں مال میں اور کمی بیشی ہو نفع میں۔

تشریح شرکت عنان میں شرکت مفاوضہ کی طرح مال اور نفع میں برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔بلکہ یہ ممکن ہے کہ ایک شریک کا مال کم ہو اور ایک کا مال زیادہ ہو۔اور نفع بھی کم وبیش ہو۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کے مال برابر ہوں لیکن نفع میں کسی کو کم ملنے کی شرط ہو اور کسی کو زیادہ ملنے کی شرط ہو۔

وجہ کوئی آدمی زیادہ عقلمند ہوتا ہے اور کوئی کم عقلمند ہوتا ہے اس لئے مال کم ڈالنے کے باوجود اپنی عقلمندی اور مہارت کی وجہ سے زیادہ نفع کا مستحق ہوتا ہے۔اس لئے اگر شرط کرلے کہ میں زیادہ نفع لوں گا اور دوسرا شریک اس پر راضی ہو جائے تو شرکت عنان میں یہ جائز ہے(۲) اثر میں ہے۔**عن جابر بن زید قالوا الربح علی ما اصلحوا علیہ والوضیعة علی المال هذا فی الشریکین فان هذا بمائة وهذا بمائتین** (الف)(مصنف عبدالرزاق،باب نفقة المضارب وضیعتہ ص ۲۴۸ نمبر ۱۵۰۸۹) حضرت علیؓ سے منقول ہے۔**والربح علی ما اصلحوا علیہ** (ب)(مصنف عبدالرزاق،ص ۲۴۸،نمبر ۱۵۰۸۷) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ نفع آپس میں جو طے ہو جائے برابر سرابر یا کم زیادہ وہ جائز ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک شریک ایک سو جمع کرے اور دوسرا دو سو جمع کرے یعنی مال میں کمی زیادتی ہو تب بھی جائز ہے۔

[۱۳۱۸](۱۶) جائز ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک اپنے بعض مال سے عقد شرکت کرے نہ کہ کل سے۔

تشریح مثلا زید کے پاس چھ سو درہم ہیں ان میں سے تین سو درہم سے شرکت کریں اور تین سو درہم سے شرکت عنان نہ کرے یہ جائز ہے۔

وجہ اوپر بتایا کہ دونوں شریکوں کا برابر برابر مال ہونا ضروری نہیں ہے۔اس لئے جتنا مال شرکت میں لگانا چاہے لگا سکتا ہے اور جتنا مال نہیں لگانا چاہے نہ لگائے۔

[۱۳۱۹](۱۷) اور شرکت عنان صحیح نہیں ہوگی مگر اس نقدوں کے ذریعہ جس کو میں نے بیان کیا کہ شرکت مفاوضہ ان سے صحیح ہے۔

تشریح اوپر بیان کیا تھا کہ درہم،دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ شرکت مفاوضہ صحیح ہے۔اور چاندی اور سونے کی ڈلی سے لوگ شرکت مفاوضہ

حاشیہ : (الف) جابر بن زید نے فرمایا نفع اس کے مطابق ہوگا جس پر صلح ہوئی ہو اور اخراجات مال پر ہوں گے،یہ دونوں شریک ہوں گے،یہ ایک سو جمع کرے اور یہ دو سو جمع کرے (ب) نفع اس پر ہوگا جس پر صلح ہو جائے یعنی جو طے ہو جائے۔

[۱۳۲۰](۱۸) ویجوز ان یشترکا ومن جهة احدهما دنانیر ومن جهة الآخر دراهم [۱۳۲۱](۱۹) وما اشتراه کل واحد منهما للشرکة طولب بثمنه دون الآخر ویرجع علی شریکه بحصته منه[۱۳۲۲](۲۰) واذا اهلک مال الشرکة او احد المالین قبل ان

کرنا شروع کر دیں تو ان سے بھی صحیح ہے۔اسی طرح شرکت عنان بھی درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ صحیح ہوگی۔سامان کے ذریعہ شرکت عنان صحیح نہیں ہوگی۔

وجہ اثر گزر چکا ہے۔عن محمد قال لایکون الشرکة والمضاربة بالدین والودیعة والعروض والمال الغائب (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۲۸ فی الشرکة بالعروض، ج رابع ص ۴۸۴، نمبر ۲۲۳۲۴ رمصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین، ج ثامن، ص ۲۵۹، نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان کے ذریعہ شرکت عنان جائز نہیں ہے۔

[۱۳۲۰](۱۸) اور جائز ہے کہ دونوں شریک ہو جائیں اور ایک جانب سے دینار ہوں اور دوسری جانب سے دراہم ہوں۔

وجہ چونکہ دونوں ثمن ہیں اور تقریبا ایک جنس مانے جاتے ہین اس لئے ایک شریک کی جانب سے درہم ہوں اور دوسرے شریک کی جانب سے دینار ہوں اور شرکت کرے تو جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس شرکت میں بھی خلط ملط کرنا ضروری ہے۔اور درہم، دینار دو جنس ہونے کی وجہ سے خلط ملط نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے یہاں درست نہیں ہے۔

[۱۳۲۱](۱۹) جو کچھ خریدا دونوں میں سے ہر ایک نے اس کی قیمت اسی سے طلب کی جائے گی نہ کہ دوسرے سے، اور رجوع کرے گا اس کے شریک سے اس کا حصہ۔

تشریح ایک شریک نے شرکت کے لئے مال خریدا تو اس کی قیمت خریدنے والے شریک پر ہی ہوگی۔البتہ جتنی قیمت شریک پر ہو سکتی ہے وہ اس سے وصول کرے۔

وجہ اس شرکت میں شریک دوسرے کا صرف وکیل ہوتا ہے اس لئے جو بھی خریدے گا اس کا آدھا دوسرے شریک کا ہوگا۔لیکن چونکہ کفیل نہیں ہوتا اس لئے بائع آدھا قرض دوسرے شریک سے وصول نہیں کرے گا۔البتہ چونکہ آدھا مال شریک کے لئے ہے اس لئے اس کا حصہ اس سے وصول کرے گا۔

[۱۳۲۲](۲۰) اگر شرکت کا کل مال ہلاک ہو جائے یا کسی چیز کے خریدنے سے پہلے ایک کا مال ہلاک ہو جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی

تشریح شرکت کا سارا مال ہلاک ہو گیا تو ظاہر ہے کہ مال ہی نہیں رہا تو شرکت کس چیز سے ہوگی؟ اس لئے شرکت ختم ہو جائے گی۔دوسری شکل یہ ہے کہ دونوں نے ابھی مال خلط ملط نہیں کیا تھا اور کوئی چیز خریدی بھی نہیں تھی کہ ایک شریک کا مال ہلاک ہو گیا تب بھی شرکت ختم ہو جائے گی

حاشیہ : (الف) حضرت محمد بن سیرین نے فرمایا شرکت اور مضاربت نہیں ہوگی دین سے، امانت کے مال سے، سامان سے اور غائب کے مال سے۔

یشتریا شیئا بطلت الشرکۃ[۱۳۲۳] (۲۱) وان اشتری احدھما بمالہ شیئا وھلک مال الآخر قبل الشراء فالمشتری بینھما علی ما شرطا ویرجع علی شریکہ بحصتہ من ثمنہ [۱۳۲۴] (۲۲) ویجوز الشرکۃ وان لم یخلطا المال [۱۳۲۵] (۲۳) ولا یصح الشرکۃ

وجہ جس کا مال تھا اسی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا تب تو ابھی شرکت ہی نہیں ہوئی اور مال ختم ہو گیا تو اب شرکت کس میں ہوگی؟ اور اگر دوسرے شریک کے ہاتھ سے مال ہلاک ہوا تو وہ مال اس کے ہاتھ میں امانت تھا اور امانت ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ اور مال خلط ملط ہونے یا کوئی چیز خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو اب شرکت کس چیز کے ذریعہ کرے گا؟ اس لئے شرکت باطل ہو جائے گی۔

[۱۳۲۳] (۲۱) اور اگر دونوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ کچھ خرید لیا اور دوسرے کا مال خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان ہوگی شرط کے مطابق۔ اور خریدنے والا شریک سے اس کے حصے کے مطابق ثمن وصول کرے گا۔

تشریح دو شریکوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ کچھ خریدا، دوسرے شریک نے ابھی کچھ خریدا نہیں تھا کہ اس کا مال ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز شرط کے مطابق دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔ اور جتنا حصہ دوسرے شریک کا ہوتا ہے اتنے حصے کی قیمت اس سے وصول کرے گا۔

وجہ چونکہ شرکت میں مال خریدا جا چکا ہے اس لئے وہ مال شرکت کا ہی ہوگا۔ اور خریدنے والا دوسرے شریک کا وکیل ہوگا۔ اور چونکہ خریدنے والے نے اپنا مال دیا تھا اس لئے اپنے شریک سے اس کے حصے کی قیمت وصول کرے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شریک نے وکالت کے طور پر خرید لیا تو دوسرے شریک کا بھی شرط کے مطابق حصہ ہوگا۔

[۱۳۲۴] (۲۲) اور شرکت عنان جائز ہے اگرچہ دونوں نے مال خلط ملط نہ کیا ہو۔

تشریح دونوں شریکوں کو اپنا اپنا مال دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دینا چاہئے لیکن شرکت عنان میں یہ گنجائش ہے کہ خلط ملط نہ کیا پھر بھی شرکت صحیح ہو جائے گی۔

وجہ یہاں شرکت کا مدار تصرف پر ہے۔ اور جو بھی خریدے گا تو آدھا مال اپنے لئے ہوگا اور آدھا مال وکالت کے طور پر شریک کے لئے ہوگا۔ اور جب اس کو بیچیں گے تو شرط کے مطابق اسی مناسبت سے نفع بھی دونوں کے لئے ہوگا۔ اس لئے ملانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک اس شرکت میں بھی مال کو ملانا ضروری ہے۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کا اثر ہے جو شرکت مفاوضہ میں گزرا۔

[۱۳۲۵] (۲۳) اور نہیں صحیح ہے شرکت اگر شرط لگا لے کسی ایک کے لئے نفع میں سے متعین درہم۔

تشریح مثلا یوں شرط لگائی کہ نفع میں سے پہلے پچاس درہم مجھے دو گے باقی جو بچیں گے ان میں سے آدھے آدھے، تو اس قسم کی شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے۔

اذا اشترط لاحدھما دراھم مسماة من الربح [۱۳۲۶](۲۴) ولکل واحد من المفاوضین وشریکی العنان ان یبضع المال ویدفعه مضاربة ویوکل من یتصرف فیه ویرھن ویسترھن ویستأجر الاجنبی علیه ویبیع بالنقد والنسیئة [۱۳۲۷](۲۵)ویده فی المال ید امانة

وجہ مان لیا جائے کہ کسی موقع پر صرف پچاس درہم ہی نفع ہوا تو وہ صرف ایک کو مل جائے گا اور دوسرا منہ تکتا رہ جائے گا جس سے اس کو ضرر ہوگا۔اس لئے متعین درہم ایک کے لئے مخصوص ہو اس شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس قسم کے تخصص کو منع فرمایا ہے۔عن رافع بن خدیج قال حدثنی عمی انھم کانوا یکرون الارض علی عھد النبی ﷺ بما ینبت علی الاربا ع او بشیء یستثنیه صاحب الارض فنھی النبی ﷺ عن ذلک (الف) (بخاری شریف، باب کراء الارض بالذھب والفضة ص ۳۱۶ نمبر ۲۳۴۶) اس حدیث میں ہے کہ زمین کی بٹائی میں کچھ مخصوص زراعت کو مستثنی کر لینے کو آپ نے منع فرمایا ہے۔اس لئے شرکت میں کچھ خاص نفع کو مستثنی کر لینا بھی جائز نہیں ہے (۳) عن ابن المسیب قال یکرہ ان یبیع النخل ویستثنی منه کیلا معلوما (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب بیع الثمرۃ ویشترط منھا کیلا ج ثامن ص ۲۶۲ نمبر ۱۵۱۵۰)

[۱۳۲۶] (۲۴) مفاوضہ اور عنان کے ہر شریک کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کو مال دیدے بضاعت کے طور پر اور مضاربت کے طور پر اور وکیل بنائے ایسے آدمی کو جو مال شرکت میں تصرف کرے اور رہن کو دے یا رہن پر رکھ لے اور کسی اجنبی کو نوکر رکھ لے اور بیچ دے نقد اور ادھار

تشریح یہ مسائل اس قاعدے پر ہیں کہ تجارت کرنے میں جن جن کاموں کی ضرورت پڑتی ہے یا جن جن کاموں سے نفع حاصل ہو سکتا ہے وہ کام شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دونوں شریک کر سکتے ہیں۔مثلا مال بضاعت پر کسی کو دیدے یعنی کسی کو مال دے کہ تم اس میں کام کرو اور اس کا نفع بڑھاؤ۔کچھ اجرت دے دیں گے اس کو بضاعت پر دینا کہتے ہیں۔یا کسی کو مال دے کہ تم اس میں کام کرو اور نفع میں دونوں شریک ہوں گے اس کو مضاربت پر دینا کہتے ہیں۔یا کسی کو مال خریدنے کا وکیل بنادے تاکہ وہ اس میں تصرف کرے یعنی خرید و فروخت کرے۔یا کسی کا قرض آگیا تو اس کی وجہ سے شرکت کا مال رہن پر رکھ دیا اس کو رہن رکھنا کہتے ہیں۔یا کسی کو شرکت کا مال دیا جس کی وجہ سے اس کی کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھ لے جس کو رہن پر لینا کہتے ہیں۔یا کام کرنے کے لئے کسی اجنبی آدمی کو نوکر رکھ لیا۔اسی طرح شرکت کا مال نقد بھی بیچ سکتا ہے اور ادھار بھی بیچ سکتا ہے۔تجارت میں ان کاموں کی ضرورت پڑتی ہے۔یہ عام رواج ہے اس لئے اوپر کے سارے کام شریک کر سکتے ہیں۔

اصول شریک تجارت کے فوائد کے سارے کام کر سکتے ہیں۔

[۱۳۲۷] (۲۵) اور شریک کا قبضہ مال میں امانت کا قبضہ ہے۔

حاشیہ : (الف) میرے چچا نے مجھے بیان کیا کہ لوگ حضور کے زمانے میں زمین کو کرایہ پر دیتے تھے جو اگتا تھا اونچی جگہ پر یا کوئی خاص چیز مستثنی کر لیتا زمین والا۔تو حضورؐ نے اس سے منع فرمایا (ب) ابن مسیب مکروہ سمجھتے تھے یہ کہ درخت بیچے اور معلوم کیل مستثنی کرے۔

[۱۳۲۸](۲۶) واما شرکة الصنائع فالخیاطان والصباغان یشترکان علی ان یتقبلا الاعمال ویکون الکسب بینهما فیجوز ذلک وما یتقبله کل واحد منهما من العمل یلزم

تشریح یعنی شریک کے ہاتھ میں شریک کا جو مال ہے وہ امانت کے طور پر ہے۔اور بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ وجہ (۱) شریک کی اجازت سے اس کا قبضہ ہے۔اور کسی بدلے کے بغیر قبضہ ہے اس لئے امانت کا قبضہ ہوگا (۲) ان کا استدلال اس اثر سے بھی ہے۔عن صالح بن دینار ان علیاً کان لا یضمن الاجیر المشترک (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۴ فی الاجیر یضمن ام لا؟ ج رابع، ص ۳۱۶، نمبر ۲۰۴۸۹) اس اثر میں اجیر مشترک نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اس لئے اس پر حضرت علیؓ نے ضمان لازم نہیں کیا۔اسی طرح شریک نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اس لئے اس کا قبضہ امانت کا قبضہ ہوگا (۲) اثر میں ہے۔عن الحسن قال المضارب مؤتمن وان تعدی امرک (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی ولمن الربح، ج ثامن، ص ۲۵۵، نمبر ۱۵۱۲۱) اس اثر میں مضارب امین ہے تو شریک بھی امین ہوگا اور جو مال اس کے ہاتھ میں ہے وہ امانت کا مال ہے۔

[۱۳۲۸](۲۶) اور شرکت صنائع یہ ہے کہ دو درزی یا دو رنگریز شریک ہو جائیں اس بات پر کہ دونوں کام لیں گے اور کمائی دونوں میں تقسیم ہوگی، پس یہ جائز ہے۔اور دونوں جو کام قبول کریں گے تو اس کو بھی لازم ہوگا اور اس کے شریک کو بھی لازم ہوگا۔

تشریح دو کاریگر شریک ہو جائیں کہ ہم دونوں کام لیں گے اور کام کرکے دیں گے اور جو نفع ہوگا اس میں دونوں آدھا آدھا لیں گے یا شرط کے مطابق لیں گے۔چونکہ کاریگری میں شرکت کی ہے اس لئے اس کو شرکت صنائع کہتے ہیں۔اس صورت میں ایک شریک جو کام لے گا وہ دوسرے پر لازم ہوگا۔اور دوسرا شریک بھی اس کام کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

وجہ (۱) شرکت صنائع کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔عن عبد الله قال اشترکت انا و عمار و سعد فیما نصیب یوم بدر قال فجاء سعد باسیرین ولم اجئ انا و عمار بشیء (ب) (۲) (ابوداؤد شریف، باب فی الشرکۃ علی غیر رأس مال ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۸ / نسائی شریف، باب شرکۃ الابدان ص ۱۴۱ نمبر ۳۹۶۹ / ابن ماجہ شریف، باب الشرکۃ والمضاربۃ ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸۸) اس حدیث میں تین آدمیوں نے کام کرنے اور قیدی لانے پر شرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ شرکت صنائع جائز ہے۔اور نفع کے سلسلہ میں اثر گزر چکا ہے۔عن علی فی المضاربة والربح علی ما اصطلحوا علیه (ج) (مصنف عبد الرزاق نمبر ۱۵۰۸۷) کہ جس پر بات طے ہو جائے وہ نفع ہوگا (۲) یہ نفع اس بنیاد پر ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے کام کا ذمہ دار ہے اور کام کر بھی رہا ہے۔اس لئے شرکت بھی صحیح ہے اور نفع لینا بھی صحیح ہے۔

فائدہ امام شافعی اور امام زفر کے نزدیک شرکت صنائع صحیح نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ نفع اور شرکت کا مدار رأس المال ہے اور یہاں رأس المال نہیں ہے۔اس لئے شرکت صحیح نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) صالح بن دینار فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ اجیر مشترک کو ضامن نہیں بناتے تھے (ب) عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں اور عمار اور سعد شریک ہوئے اس بارے میں کہ جنگ بدر کے دن جو کچھ حاصل ہو اس میں۔پس حضرت سعد دو قیدی اور میں اور عمار کچھ بھی نہیں لائے (ج) مضاربت کے بارے میں حضرت علی فرماتے ہیں کہ نفع اس کے مطابق ہوگا جس پر صلح ہو گئی۔

شریکہ[۱۳۲۹] (۲۷) فان عمل احدھما دون الآخر فالکسب بینھما نصفان [۱۳۳۰] (۲۸) واما شرکۃ الوجوہ فالرجلان یشترکان ولا مال لھما علی ان یشتریا بوجوھھما ویبیعا فتصح الشرکۃ علی ھذا [۱۳۳۱] (۲۹) وکل واحد منھما وکیل الآخر فیما

نوٹ کسی کا کام زیادہ ہو اور نفع کم لے تب بھی جائز ہے۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے کہ جو شرط کرے اس کے مطابق نفع لے سکتا ہے (۲) بعض مرتبہ نفع کا مدار کام پر نہیں ہوتا بلکہ مہارت اور چالاکی پر ہوتا ہے جبکہ وہ کام کم کرتا ہے لیکن چالاکی کی وجہ سے وہ نفع زیادہ لے جاتا ہے۔اس لئے کام کم ہو اور نفع زیادہ ہو تب بھی جائز ہے۔

[۱۳۲۹] (۲۷) پس اگر دونوں میں سے ایک نے کام کیا اور دوسرے نے نہیں کیا پھر بھی کمائی آدھی آدھی ہوگی۔

وجہ چونکہ ایک نے کام لیا تو وکالت کے طور پر آدھا کام دوسرے کے ذمے بھی ہو گیا تو گویا کہ اس نے بھی کام کیا (۲) کام نہ کرے تو کام کرنے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔لیکن شرط آدھے آدھے نفع کی طے ہوئی ہے اس لئے شرط کے مطابق نفع آدھا آدھا ہی ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نفع کی تقسیم کا مدار شرط طے ہونے کے مطابق ہے۔

[۱۳۳۰] (۲۸) شرکت وجوہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں اور ان دونوں کے پاس مال نہ ہو اس بات پر کہ دونوں اپنے اپنے تعلقات سے خریدیں گے اور بیچیں گے تو اس طرح شرکت صحیح ہے۔

تشریح شرکت وجوہ کی صورت یہ ہے کہ دونوں شریکوں کے پاس مال نہ ہوں بلکہ اپنے اپنے تعلقات سے دوسروں کے مال ادھار خریدیں اور بیچیں اور نفع کمائیں۔اس طرح دو آدمی شرکت کر لے تو جائز ہے۔اور اس شرکت کو وجوہ اس لئے کہتے ہیں کہ چہرہ اور رعب سے مال خرید اور بیچ رہا ہے۔اس لئے اس شرکت کو شرکت وجوہ کہتے ہیں۔

وجہ اس شرکت کے جواز کا ثبوت اس لمبے اثر میں ہے۔**قال اخبرنی ابی قال کنت ابیع البز فی زمان عمر بن الخطاب وان عمر قال لایبیعہ فی سوقنا اعجمی فانھم لم یفقھوا فی الدین ولم یقیموا فی المیزان والمکیال قال یعقوب فذھبت الی عثمان بن عفان فقلت لہ ھل لک غنیمۃ باردۃ ؟ قال ماھی ؟ قلت بز قد علمت مکانہ یبیعہ صاحبہ برخص لایستطیع بیعہ اشتریہ لک ثم ابیعہ لک قال نعم الخ (الف)** (موطا امام محمد، باب الشرکۃ فی البیع ص ۳۴۷) اس اثر میں حضرت یعقوب کے پاس مال نہیں تھا، حضرت عثمان سے کپڑا لیکر شرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ شرکت وجوہ جائز ہے۔

[۱۳۳۱] (۲۹) دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوگا اس چیز میں جو خریدا۔

حاشیہ : (الف) میرے باپ نے خبر دی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں کپڑے کی تجارت کرتا تھا حضرت عمر کے زمانے میں۔حضرت عمر نے فرمایا میرے بازار میں کوئی عجمی تجارت نہ کرے۔اس لئے کہ وہ دین کو نہیں سمجھتے ہیں اور وزن صحیح نہیں کرتے ہیں۔حضرت یعقوب فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمان کے پاس گیا اور پوچھا کیا آپ کے پاس غنیمت باردہ ہے۔انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا کپڑا۔میں اس کے بیچنے کی جگہ رخصت کے ساتھ جانتا ہوں جو اس کو بیچ نہیں سکتے ہیں۔آپ کے لئے بیچوں گا پھر آپ کے لئے خریدوں گا۔حضرت عثمان نے فرمایا ہاں۔

یشتریه [۱۳۳۲](۳۰) فان شرطا ان یکون المشتری بینهما نصفان فالربح کذلک ولا یجوزان یتفاضلا فیه وان شرطا ان المشتری بینهما اثلاثا فالربح کذلک [۱۳۳۳](۳۱) ولا یجوز الشرکة فی الاحتطاب والاحتشاش والاصطیاد وما اصطاده کل واحد منهما او

تشریح ایک شریک جو کچھ خریدے گا اس میں سے آدھا اس کا ہوگا اور آدھا شریک کا ہوگا۔

وجہ اس شرکت میں بھی شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے۔اس لئے جو کچھ خریدے گا دوسرے کی وکالت کی وجہ سے آدھا اس کا ہوگا۔

[۱۳۳۲](۳۰) پس اگر دونوں نے شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کی آدھی آدھی ہوگی تو نفع بھی ایسا ہی ہوگا یعنی آدھا آدھا ہوگا۔اور اس سے کمی زیادتی جائز نہیں ہے۔اور اگر دونوں نے شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز تین تہائی ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا۔

تشریح اگر دونوں کا خریدا ہوا مال آدھا آدھا ہے تو نفع بھی دونوں کا آدھا آدھا ہوگا۔اس سے کم زیادہ نفع لینا کسی شریک کے لئے جائز نہیں ہے۔اسی طرح اگر یہ شرط کی کہ ایک آدمی کی خریدی ہوئی چیز ایک تہائی ہوگی اور دوسرے کی دو تہائی ہوگی تو نفع بھی ہر ایک کو اسی مناسبت سے ہوگا۔یعنی جس کی ایک تہائی ہے اس کو ایک تہائی نفع ملے گا اور جس کی دو تہائی ہے اس کو دو تہائی نفع ملے گا۔اس سے کم زیادہ نفع کی شرط کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) نفع لینے کا مدار تین باتوں میں سے ایک پر ہوتا ہے۔یا تو مال کی وجہ سے نفع لیتا ہو جیسے مضاربت میں مال والے کا مال ہوتا ہے اس لئے وہ نفع لیتا ہے۔یا کام کرنے کی وجہ سے نفع لیتا ہو جیسے مضارب کام کرنے کی وجہ سے نفع لیتا ہے۔اور تیسری شکل یہ ہے کہ ذمہ داری اور ضمان کی وجہ سے نفع لیتا ہو۔شرکت وجوہ میں نفع لینے کی وجہ یہ تیسری شکل ہے۔کیونکہ کسی کے پاس مال تو ہے نہیں اور نہ کوئی کام کرنے کی بنیاد پر نفع لے رہے ہیں۔اس لئے اپنی ذمہ داری پر جتنا مال لائے گا اسی حساب سے نفع لینے کا مستحق ہوگا۔اس سے زیادہ نفع لینے سے بغیر ذمہ داری کے نفع لینا ہوگا۔اس لئے نفع مالم یضمن کے ماتحت ناجائز ہوگا (۲) اور ربح مالم یضمن کی حدیث گزر چکی ہے۔عن ابن عمر قال رسول الله ﷺ لا یحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن ولا بیع مالیس عندک (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۰۴ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع مالیس عندہ ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۴) اس لئے اس حدیث کی بنا پر جتنی ذمہ داری لے گا اتنا ہی نفع کا حقدار ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر مال یا عمل نہ ہو بلکہ صرف ذمہ داری کی وجہ سے نفع کا حقدار ہو تو جتنی ذمہ داری ہوگی اتنے ہی نفع کا حقدار ہوگا۔

[۱۳۳۳](۳۱) نہیں جائز ہے شرکت ایندھن لانے میں، گھاس جمع کرنے میں اور شکار کرنے میں۔اور ان میں جو کوئی بھی شکار کرے گا یا ایندھن لائے گا وہ اسی کا ہوگا نہ کہ دوسرے کا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ادھار بھی ہو اور بیع بھی ہو یہ جائز نہیں۔اور ایک بیع میں دو شرطیں ہوں یہ بھی جائز نہیں۔اور جس چیز کا ذمہ دار نہ ہو اس کا نفع لینا بھی جائز نہیں ہے۔اور جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔

احتطبه فهو له دون صاحبه[۱۳۳۴] (۳۲) واذا اشترکا ولاحدهما بغل وللآخر راویة یستقی علیها الماء والکسب بینهما لم تصح الشرکة والکسب کله للذی استقی الماء وعلیه اجر مثل الراویة وان کان العامل صاحب البغل وان کان صاحب الراویة فعلیه اجر

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ جو چیزیں مباح ہیں اور اس پر جو قبضہ کر لے اسی کی مفت ہو جاتی ہیں۔ان میں شرکت کی ضرورت نہیں اور نہ ان میں وکالت درست ہے۔

وجہ کیونکہ جوں ہی اس پر قبضہ کر لیا وہ چیز اس کی ہو گئی تو دوسرے کی وکالت کی کیا ضرورت ہے؟ مثلا ایندھن کی لکڑی جنگلوں میں مفت ملتی ہے جو اس کو چنے گا اسی کی ہو جائے گی۔گھاس جنگلوں میں مفت ملتی ہے اس لئے جو اس کو کاٹے گا اسی کی ہو جائے گی۔یہی حال شکار کے جانور کا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ جوان مباح چیزوں پر قبضہ کرے گا اسی کی ہو جائے گی۔عن ابیض بن جمال ... فقال رسول الله ﷺ هو منک صدقة وهو (الملح) مثل الماء العد من ورده اخذه (الف) (ابن ماجہ شریف، باب اقطاع الانہار والعیون ص ۳۵۵ نمبر ۲۴۷۵) اس حدیث میں ہے کہ نمک وغیرہ پر جو قبضہ کرے گا اسی کا ہو جائے گا۔

نوٹ اگر دونوں نے ملکر لکڑی چنی تو دونوں کو آدھی آدھی لکڑی ملے گی۔اور اگر ایک نے لکڑی جمع کی اور دوسرے نے اس کی مدد کی تو مدد کرنے والے کو اس کی اجرت ملے گی اور لکڑی تمام کی تمام جمع کرنے والے کی ہوگی۔

اصول مباح چیزوں میں شرکت صحیح نہیں ہے۔

لغت الاحتطاب : حطب سے مشتق ہے، جمع کرنا۔ الاحتشاش : حشیش سے مشتق ہے، گھاس کاٹنا۔ الاصطیاد : صید سے مشتق ہے، شکار کرنا۔

[۱۳۳۴] (۳۲) اگر دو آدمی شریک ہو جائے ان میں سے ایک کا خچر ہے اور دوسرے کا مشک ہے کہ اس سے پانی کھینچیں گے اور کمائی دونوں کی ہوگی تو یہ شرکت صحیح نہیں ہے۔کمائی اسی کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے۔ہاں اس پر مشک کی اجرت مثل واجب ہوگی اگر کام کرنے والا خچر والا ہے۔اور اگر کام کرنے والا مشک والا ہے تو اس پر خچر کی اجرت مثل واجب ہوگی۔

تشریح دو آدمی ملے، ایک کا خچر ہے اور دوسرے کا مشک ہے کہ اس سے پانی کھینچ کر پلائیں گے اور نفع کمائیں گے۔تو اس صورت میں جس نے کام کیا ہے پوری اجرت اسی کی ہوگی۔اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔پس اگر خچر والے نے پانی پلایا تو نفع اس کا ہوگا اور مشک والے کو مشک کی اجرت واجب ہوگی۔اور مشک والے نے کام کیا ہے تو نفع مشک والے کا ہوگا اور خچر والے کو خچر کی اجرت ملے گی۔

وجہ پانی مباح ہے اس کے نکالنے میں شرکت کرنا شرکت فاسدہ ہے اس لئے شرکت فاسد ہوگی۔اس لئے جس آدمی نے پانی پر قبضہ کیا پانی اسی کا ہوا اور نفع بھی اسی کا ہوا۔اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا یہ تمہاری جانب سے صدقہ ہے اور نمک تیار کئے ہوئے پانی کی طرح ہے جو اس پر آئے گا وہ اس کو لے لیگا۔

مثل البغل[۱۳۳۵] (۳۳) وکل شرکة فاسدة فالربح فیها علی قدر رأس المال ویبطل شرط التفاضل[۱۳۳۶] (۳۴) واذا مات احد الشریکین او ارتد ولحق بدار الحرب بطلت الشرکة.

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شرکت فاسدہ میں مدد کرنے والے کو یا جس کا سامان استعمال ہوا ہے ان کو اس کی اجرت مثل مل جائیگی

لغت استقی : پانی پلانا، سیراب کرنا۔ الراویۃ : مشک، چرس۔

[۱۳۳۵] (۳۳) ہر فاسد شرکت میں نفع اس میں اصل مال کے حساب سے تقسیم ہوگا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی۔

تشریح جن جن موقعوں پر شرکت فاسد ہو جائے تو جس شریک کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر حصہ سے زیادہ نفع لینے کی شرط ہو تو وہ باطل ہوگی۔

وجہ شرکت فاسدہ میں نفع اصل مال کے تابع ہوتا ہے۔ جس طرح مزارعت فاسدہ میں غلہ بیج کے تابع ہو کر تمام غلہ بیج والے کو مل جاتا ہے۔ پس جب نفع اصل مال کے تابع ہوا تو جس کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم ہوگا (۲) نفع اصل مال کے تابع ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن مجاهد قال اشترک اربعة رهط علی عهد رسول الله ﷺ فی زرع فقال احدهم قبلی الارض وقال الآخر قبلی الفدان وقال الآخر قبلی البذر وقال الآخر علی العمل فلما استحصد الزرع تفاتوا فیه الی النبی ﷺ فجعل الزرع لصاحب البذر والغی صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان شیئا معلوما و جعل لصاحب العمل درهما کل یوم (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۷ القوم یشترکون فی الزرع، ج رابع ص ۵۰۶، نمبر ۲۲۵۵۶) اس اثر میں پوری زراعت دانے والے کو دی گئی۔ کیونکہ زراعت پیدا ہونے کی اصل جڑ بیج ہی ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے نفع اصل مال کی پیداوار ہے اس لئے نفع مال کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ اور کمی زیادتی کی شرط باطل ہوگی۔ مصنف عبد الرزاق نمبر ۱۵۱۱۰ میں حضرت ابو قلابہ کا یہ جملہ ہے۔ عن ابی قلابة الضمان علی من تعدی والربح لصاحب المال (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی ولمن الربح ج ثامن ص ۲۵۳ نمبر ۱۵۱۱۰)

[۱۳۳۶] (۳۴) اگر شریک میں سے کوئی ایک مر جائے یا مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔

وجہ شرکت کے لئے شریک کا وکیل ہونا شرط ہے۔ اور مر جانے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے اس لئے شرکت ختم ہو جائے گی۔ مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے بھی شرکت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ مرتد ہونے کی وجہ سے وہ دوبارہ واپس نہیں آئے گا تو گویا کہ مرنے کے حکم میں ہو گیا

حاشیہ : (الف) مجاہد نے فرمایا کہ حضورؐ کے زمانے میں چار آدمی ایک کاشتکاری میں شریک ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا میری جانب سے زمین ہے۔ دوسرے نے کہا میری جانب سے بیل ہیں۔ تیسرے نے کہا میری جانب سے بیج ہے۔ اور چوتھے نے کہا کہ کام کرنا میرے ذمے ہے۔ پس جب کھیتی کٹی تو حضورؐ کے پاس اختلاف لے کر آئے تو آپؐ نے کاشتکاری بیج والے کو دی۔ اور زمین والے کو لغو قرار دیا۔ اور بیل والے کو کچھ معلوم چیز دی۔ اور کام والے کو ہر دن کے لئے ایک ایک درہم دیا (ب) ابی قلابہ فرماتے ہیں کہ ضمان اس پر ہے جس نے زیادتی کی اور نفع مال والے کے لئے ہوگا۔

[۱۳۳۷] (۳۵) وليس لواحد منهما لصاحبه ان يؤدى زكوة مال الآخر الا باذنه [۱۳۳۸] (۳٦) فان اذن كل واحد منهما لصاحبه ان يؤدى زكوته فادى كل واحد منهما فالثانى ضامن سواء علم باداء الاول او لم يعلم عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى وقالا رحمهما الله تعالى ان لم يعلم لم يضمن .

اس لئے وکالت ختم ہوگئی۔

[۱۳۳۷] (۳۵) شریک میں سے کسی ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کے مال کی زکوۃ ادا کرے مگر اس کی اجازت سے۔

تشریح دوسرے شریک کے حصے میں جو مال آتا ہے اگر وہ نصاب زکوۃ کی مقدار ہے تو پہلے شریک کے لئے جائز نہیں ہے کہ بغیر اس کے حکم اور اجازت کے اس کی زکوۃ ادا کرے، ہاں اگر وہ زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دے تو زکوۃ ادا کر سکتا ہے۔

وجہ زکوۃ دینا تجارت کے اعمال میں سے نہیں ہے اس لئے اس کا اختیار نہیں رکھتا۔

[۱۳۳۸] (۳٦) پس اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنی زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دی، پھر دونوں میں سے ہر ایک نے زکوۃ ادا کر دی تو بعد میں دینے والا ضامن ہوگا چاہے اس کو پہلے والے کے دینے کی خبر ہو یا نہ ہو امام صاحب کے نزدیک۔ اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسے معلوم نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح ہر ایک شریک نے دوسرے کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دی تھی۔ پھر دونوں اپنی اپنی زکوۃ بھی ادا کی اور شریک کی بھی ادا کر دی۔ تو جس شریک نے بعد میں اپنے شریک کی زکوۃ ادا کی وہ تو زکوۃ واجب نہیں ہوئی وہ تو نفلی صدقہ ادا ہو گیا۔ کیونکہ پہلے شریک نے تو اپنی زکوۃ پہلے ہی ادا کر دی تھی۔ اس لئے بعد والے کا نفلی صدقہ ہوا۔ اب بعد میں ادا کرنے والا پہلے والے کا ضامن ہوگا یا نہیں؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ چاہے بعد والے کو پہلے والے کے ادا کرنے کی خبر ہو یا نہ ہو ہر حال میں وہ ضامن ہوگا۔

وجہ پہلے شریک نے جوں ہی زکوۃ ادا کی تو دوسرا شریک زکوۃ ادا کرنے کی وکالت سے معزول ہو گیا۔ اور جب وہ معزول ہو گیا تو اس کا ادا کرنا بیکار ہو گیا اس لئے جو کچھ شرکت کے مال سے ادا کیا اس کا حصے دار کے لئے ضمان ہوگا۔ چاہے اس کو معزول ہونے کی خبر نہ ہو۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر بعد والے کو پہلے کے ادا کرنے کی خبر ہو تو تب تو ضامن ہوگا اور اگر خبر نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ بعد میں ادا کرنے والے شریک کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فقیر کو مالک بنانے کی اجازت تھی، چاہے وہ واجب زکوۃ کے طور پر ہو یا نفلی زکوۃ کے طور پر۔ اور اس کے حکم کے مطابق اس نے کی۔ اور اس کو پہلے والے کی زکوۃ ادا کر دینے کی خبر نہیں تھی اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا (۲) ادائیگی زکوۃ کی خبر کے بغیر اس نے اجازت کے مطابق عمل کیا۔ ہے اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ علم کے بغیر وہ ادائیگی زکوۃ سے معزول نہیں ہوا۔

﴿ کتاب المضاربة ﴾

[۱۳۳۹](۱) المضاربة عقد على الشركة فى الربح بمال من احد الشريكين وعمل من الآخر [۱۳۴۰](۲) ولا تصح المضاربة الا بالمال الذى بينا ان الشركة تصح به.

﴿ کتاب المضاربة ﴾

ضروری نوٹ مضاربت ضرب فی الارض سے مشتق ہے۔ چونکہ مضارب زمین میں سفر کرتا ہے اور تجارت کر کے نفع کماتا ہے اس لئے اس تجارت کو مضاربت کہتے ہیں۔ اس تجارت میں ایک آدمی کی جانب سے مال ہوتا ہے جس کو رأس المال کہتے ہیں۔ اور دوسرے کی جانب سے کام ہوتا ہے جس سے وہ نفع کماتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔ اس تجارت کا ثبوت اس حدیث سے ہے۔ عن عروة يعنى ابن الجعد البارقى قال اعطاه النبى ﷺ دينارا يشترى به اضحية او شاة فاشترى شاتين فباع احداهما بدينار فاتاه بشاة ودينار فدعا له بالبركة فى بيعه فكان لو اشترى ترابا لربح فيه (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المضارب یخالف ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مضاربت کی تجارت کر سکتا ہے۔

[۱۳۳۹](۱) مضاربت شرکت کا عقد ہے نفع میں شریکین میں سے ایک کے مال اور دوسرے کے عمل کے ساتھ۔

تشریح مضاربت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کی جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے کام اور عمل ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔

وجہ (۱) اوپر کی حدیث اس کا ثبوت ہے (۲) اثر میں ہے۔ قال خرج عبد الله و عبيد الله ابنا عمر بن الخطاب فى جيش الى العراق فلما قفلا مرا على ابى موسه الاشعرى وهو امير البصرة فرحب بهما وسهل ثم قال لو اقدر لكما على امر انفعكما به لفعلت ثم قال بلى ههنا مال من مال الله اريد ان ابعث به الى امير المؤمنين فاسلفكماه فتبتاعان به متاعا من متاع العراق ثم تبيعانه بالمدينة فتؤديان رأس المال الى امير المؤمنين فيكون لكما الربح فقال وددنا ففعل (ب) موطا امام مالک، کتاب القراض ماجاء فی القراض ص ۶۱۷ / دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۳ نمبر ۳۰۱۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مضاربت جائز ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک جانب سے مال ہو اور دوسری جانب سے عمل ہو۔

[۱۳۴۰](۲) اور نہیں صحیح ہے مضاربت مگر اس مال سے جن کو میں نے شرکت میں بیان کیا کہ ان سے درست ہے۔

حاشیہ : (الف) ابن جعد بارقی فرماتے ہیں کہ ان کو حضورؐ نے قربانی کی بکری خریدنے کے لئے ایک دینار دیا یا بکری خریدنے کے لئے دیا تو انہوں نے دو بکریاں خریدی۔ پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچ دی۔ پس حضورؐ کے پاس ایک بکری اور ایک دینار لے کر آئے۔ پس آپؐ نے ان کو بیع میں برکت کی دعا دی۔ پس ایسا ہوتا کہ وہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں نفع ہوتا (ب) حضرت عمرؓ کے دونوں بیٹے عبد اللہ اور عبید اللہ عراق کے لشکر میں گئے، پس جب ابو موسی اشعریؓ کے پاس واپس آئے جبکہ وہ بصرہ کے حاکم تھے تو دونوں کو مرحبا کہا اور سہولت دی۔ پھر فرمایا کہ اگر میں تم دونوں کو نفع پہنچا سکتا تو ضرور پہنچاتا۔ پھر فرمایا ہاں! یہاں اللہ کا مال ہے میں چاہتا ہوں کہ امیر المؤمنین کو روانہ کروں۔ پس تم دونوں کو دیتا ہوں، تم دونوں اس سے عراق کا سامان خرید لو پھر اس کو مدینہ میں بیچنا اور اصل مال امیر المؤمنین کو ادا کر دینا تو تم دونوں کو نفع ہو جائے گا۔ دونوں کہنے لگے ہم ایسا چاہتے ہیں، پس ایسا کیا۔

[۱۳۴۱] (۳) ومن شرطها ان یکون الربح بینهما مشاعا لا یستحق احدهما منه دراهم

تشریح شرکت میں بیان کیا کہ درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ شرکت صحیح ہے۔ سامان کے ذریعہ نہیں۔ اسی طرح مضاربت بھی درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ صحیح ہے، سامان کے ذریعہ نہیں۔

نوٹ سامان دے دے اور کہے کہ اس کو بیچ کر جو درہم یا دینار آئے اس میں مضاربت کریں تو درست ہے۔ کیونکہ وکالت کے طور پر پہلے سامان بیچے گا پھر جو قیمت آئے گی وہاں سے مضاربت شروع ہوگی تو گویا کہ درہم یا دینار سے مضاربت شروع ہوئی۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابراھیم انه کره البز مضاربة یقول لا، الا الذھب والفضة، قال سفیان ونحن نقول له اجر مثله اذا اعطاه العروض مضاربة (الف) مصنف عبد الرزاق، باب المضاربة بالعروض ج ثامن ص ۲۵۰ نمبر ۱۵۰۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان کے ذریعہ مضاربت صحیح نہیں ہے۔ البتہ سامان بیچنے کے بعد اس کی قیمت میں مضاربت شروع ہوگی اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن حماد فی رجل دفع الی رجل مالا مضاربة فقوم المتاع الف درھم ثم باعه بتسع مائة قال رأس المال تسع مائة (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۹۹ فی الرجل یدفع الی الرجل الشیء مضاربة، ج رابع، ص ۴۱۳، نمبر ۲۱۵۷۱ رموطا امام مالک، باب القراض فی العروض ص ۶۲۱) اس اثر میں سامان نوسو میں فروخت ہوا تو نوسو درہم مضاربت کا رأس المال ٹھہرا اور وہاں سے مضاربت شروع ہوئی۔

[۱۳۴۱] (۳) اور مضاربت کی شرط میں سے یہ ہے کہ نفع دونوں کے درمیان مشترک ہو۔ ان دونوں میں سے ایک متعین درہم کا مستحق نہ ہو

تشریح جو کچھ نفع ہو اس میں سے شرط کے مطابق دونوں کا ہو، ایسا نہ ہو کہ مثلا نفع میں سے پچاس درہم ایک شریک کو پہلے دے دیا جائے باقی جو بچے اس میں سے دونوں تقسیم کریں، ایسی شرط نہ ہو۔

وجہ ممکن ہے کہ صرف پچاس درہم ہی نفع ہو تو وہ ایک کو مل جائیں گے اور دوسرے شریک کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے ایسی شرط فاسد ہے (۲) کئی مرتبہ حدیث گزر چکی ہے کہ متعین درہم مستثنی کرنا درست نہیں ہے۔ عن رافع بن خدیج قال حدثنی عمائی انهم کانوا یکرون الارض علی عهد النبی ﷺ بما ینبت علی الاربعاء او بشیء یستثنیه صاحب الارض فنهی النبی ﷺ عن ذلک (ج) (بخاری شریف، باب کراء الارض بالذهب والفضة ص ۳۱۶ نمبر ۲۳۴۶) اس حدیث میں مستثنی کرنے کو منع فرمایا ہے۔ اثر میں ہے عن قتادة فی رجل قال له ابیعک ثمر حائطی بمائة دینار الا خمسین فرقا فکرهه (د) (مصنف عبد الرزاق، باب بیع الثمر ویشترط منها کیلا ج ثامن ص ۲۶۱ نمبر ۱۵۱۴۸) اس اثر میں بھی متعین چیز کو مستثنے کرنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ اس لئے نفع میں سے متعین درہم کو

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نخعی کپڑے کو مضاربت کے طور پر دینے کو مکروہ سمجھتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ایسا مت کرو سوائے سونے اور چاندی کے۔ حضرت سفیان نے فرمایا ہم کہتے ہیں کہ مضارب کو اجرت مثل ملے گی اگر سامان کو مضاربت پر دیا (ب) حضرت حماد فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے مال مضاربت پر دیا اور سامان کی قیمت ایک ہزار لگائی، پھر اس کو نوسو میں بیچا تو مضاربت کا رأس المال نوسو ہی ہے (ج) رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ میرے چچا فرماتے تھے کہ حضور کے زمانے میں لوگ زمین کو کرایہ پر لیتے اس کے بدلے جو اونچی جگہ پر اگتی، یا زمین والا کچھ خاص چیز مستثنی کر لیتا تو حضور نے اس سے منع فرمایا (د) حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے کہا میں آپ سے باغ کا پھل سو دینار میں بیچتا ہوں مگر پچاس فرق تو حضرت قتادہ نے اس کو ناپسند فرمایا۔

مسماة[۱۳۴۲] (۴) ولا بد ان يكون المال مسلما الى المضارب ولا يد لرب المال فيه [۱۳۴۳](۵) فاذا صحت المضاربة مطلقة جاز للمضارب ان يشترى ويبيع ويسافر ويبضع ويوكل [۱۳۴۴](۶) وليس له ان يدفع المال مضاربة الا ان يأذن له رب المال

مستثنی کرنے سے مضاربت صحیح نہیں ہوگی۔

[۱۳۴۲](۴) اور ضروری ہے کہ مال سپرد کیا ہوا ہو مضارب کی طرف اور مال والے کا اس پر قبضہ نہ ہو۔

تشریح مضاربت کی شرط میں سے یہ ہے کہ مال مضارب کو مکمل طور پر سپرد کردے تا کہ وہ تجارت کر سکے اور اس پر مال والے کا کوئی قبضہ نہ ہو۔

وجہ اگر مال والے کا قبضہ ہوگا تو مضارب اپنی مرضی سے تجارت نہیں کر سکے گا اور کما حقہ نفع نہیں کما سکے گا۔ اس لئے مضارب کو مکمل طور پر مال سپرد کرنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ہو کہ صاحب مال کا اس پر قبضہ نہ رہے (۲) ضروری نوٹ کی حدیث میں حضورؐ نے عروۃ کو مکمل طور پر دینار سپرد کیا تھا جس کی وجہ سے وہ دو بکری خریدے اور ایک بکری بیچ کر ایک دینار نفع لیکر آئے جس سے معلوم ہوا کہ مال پورے طور پر سپرد کرنا ضروری ہے۔

[۱۳۴۳](۵) پس جب مضاربت مطلق ٹھہر جائے تو مضارب کے لئے جائز ہے کہ خریدے اور بیچے اور سفر کرے اور بضاعت پر دے اور وکیل بنائے۔

تشریح جب مضاربت صحیح ہو جائے اور وہ بھی مطلق ہو، اس میں کسی قسم کی قید نہ ہو تو وہ تمام کام کر سکتا ہے جو تجارت کے لئے مفید ہو اور نفع بخش ہو۔ مثلا اس کے رأس المال سے کوئی چیز خرید سکتا ہے پھر اس کو بیچ سکتا ہے۔ اس مال کو لیکر سفر کر سکتا ہے۔ کیونکہ ضرب کے معنی ہی سفر کرنا ہے۔ اور اس مال کو بضاعت پر دے سکتا ہے۔ بضاعت کا مطلب ہے کہ کسی کو کام کرنے کیلئے مال دے کہ اس پر کچھ مزدوری دے دیں گے۔

فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مضاربت کے مال کو لیکر ایسا سفر نہیں کر سکتا جس سے مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ **ان حكيم بن حزام صاحب رسول الله ﷺ كان يشرط على الرجل اذا اعطاه مالا مقارضة يضرب له به ان لا تجعل مالي في كبد رطبة ولا تحمله في بحر ولا تنزل به بطن مسيل فان فعلت شيئا من ذلك فقد ضمنت مالي** (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۳ نمبر ۳۰۱۴) اور سنن بیہقی میں اس حدیث میں یہ جملہ زیادہ ہے **فرفع شرطه الى رسول الله ﷺ فاجازه** (ب) (سنن للبیہقی، کتاب القراض، ج سادس، ص ۱۸۴، نمبر ۱۱۶۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی شرط لگانا جائز ہے جس سے مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

[۱۳۴۴](۶) اور مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ مال کو مضاربت پر دے مگر یہ کہ مال والا اس کی اجازت دے، یا کہہ دے کہ اپنی رائے

حاشیہ : (الف) حضورؐ کے صحابی حکیم بن حزام آدمی پر شرط لگاتے جب مال مضاربت پر دیتے کہ جب اس کو لیکر سفر کرے تو میرا مال کسی جاندار کے خریدنے میں نہ لگائیں اور نہ اس کو لیکر سمندر کا سفر کرے اور اس کو لیکر کسی وادی میں قیام نہ کریں، پس اگر آپ نے ایسا کیا تو میرے مال کے ضامن ہوں گے (ب) حضورؐ کے سامنے یہ شرطیں رکھی تو آپؐ نے اس کی اجازت دی۔

فی ذلک او یقول له اعمل علی رأیک[۱۳۴۵](۷) وان خص له رب المال التصرف فی بلد بعینه او فی سلعة بعینها لم یجز له ان یتجاوز عن ذلک [۱۳۴۶](۸) و کذلک

کے مطابق عمل کریں۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ جو عہدہ اس کو سپرد کیا ہے اسی قسم کا عہدہ دوسرے کو اپنے اختیار سے نہیں دے سکتا۔ مثلا مال والے نے اس کو مضارب بنایا ہے تو یہ اپنے اختیار سے اس مال کا کسی کو مضارب نہیں بنا سکتا اور اس مال کو مضاربت پر نہیں دے سکتا۔ ہاں! اس کو مضارب بنانے کا اختیار دیا ہو یا کہا ہو کہ اپنی رائے کے مطابق عمل کیا کریں تو اب اس مال کو دوسرے کو مضاربت پر دے سکتا ہے۔

وجہ صاحب مال نے مضاربت کے بارے میں مضارب پر اعتماد کیا ہے، کسی دوسرے پر نہیں اس لئے بغیر اختیار دیئے ہوئے دوسرے کو مضاربت پر مال نہیں دے سکتا (۲) مضاربت پر دینا تجارت کے حقوق میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس کے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

[۱۳۴۵] (۷) اگر مال والے نے تصرف کرنا کسی متعین شہر میں خاص کیا یا متعین سامان میں خاص کیا تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے تجاوز کرے۔

تشریح مال والے نے شرط لگائی کہ صرف فلاں شہر میں تجارت کریں گے یا صرف فلاں چیز کی تجارت کریں گے۔ مثلا کپڑے کی تجارت کریں گے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اور ایسی شرط کی مخالفت کرنا مضارب کے لئے جائز نہیں ہے۔

وجہ یہ شرطیں اس لئے لگائی جاتی ہیں تاکہ مال ہلاک نہ ہو یا نفع زیادہ ہو، اس لئے ایسی شرط لگانا جائز ہے۔ اور چونکہ شرط ہوگئی اس لئے مضارب کو اس کی پاسداری کرنا ضروری ہے (۲) پہلے گزر چکی ہے۔ **وقال النبی علیہ السلام المسلمون عند شروطھم (الف)** (بخاری شریف نمبر ۲۲۷۴) (۲) اوپر دار قطنی اور سنن بیہقی کی حدیث گزری کہ حکیم بن حزام اور حضرت عباس مضارب کو دیتے وقت شرط لگاتے تھے کہ میرے مال سے کوئی جاندار نہیں خریدنا۔ اس کو لیکر سمندر کا سفر نہ کرنا، اس کو لیکر کسی وادی میں قیام نہ کرنا، اور تم نے ایسا کیا اور مال ہلاک ہوا تو تم اس کے ذمہ دار ہوگے (دار قطنی نمبر ۳۰۱۴ رسنن للبیھقی، کتاب القراض ج سادس ص ۱۱۱) جس سے معلوم ہوا کہ ایسی شرط لگانا جائز ہے۔

اصول مضاربت میں تعیین شہر اور تعیین سامان جائز ہے۔

لغت سلعۃ : سامان۔

[۱۳۴۶] (۸) ایسے ہی اگر مالک نے مضاربت کی مدت متعین کر دی تو جائز ہے اور عقد اس وقت کے گزرنے سے باطل ہو جائے گا۔

تشریح مثلا مالک نے کہا کہ تین مہینے تک مضاربت پر مال لے سکتے ہو اس کے بعد مضاربت ختم، تو اس طرح مضاربت کے لئے وقت متعین کرنا جائز ہے۔ اور جب معینہ وقت گزر جائے گا تو مضاربت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

وجہ شرط متعین کرنے کے لئے اوپر دار قطنی اور بیہقی کی حدیث گزر چکی ہے (۲) مالک کا مال ہے اس لئے وہ اپنی سہولت کے لئے وقت متعین کر سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان ان کے شرطوں کے پاسبان ہیں۔

ان وقت المضاربة بعینها جاز وبطل العقد بمضیها [١٣٤٧](٩) ولیس للمضارب ان یشتری ابا رب المال ولا ابنه ولا من یعتق علیه فان اشتریٰهم کان مشتریا لنفسه دون المضاربة [١٣٤٨](١٠) وان کان فی المال ربح فلیس له ان یشتری من یعتق علیه وان اشتریٰهم ضمن مال المضاربة وان لم یکن فی المال ربح جاز له ان یشتریهم.

[١٣٤٧](٩) اور مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ خریدے مال والے کے باپ کو اور نہ اس کے بیٹے کو اور نہ ایسے آدمی کو جو اس پر آزاد ہو جائے، پس اگر ان لوگوں کو خریدا تو اپنے لئے خریدنا ہوگا نہ مضاربت کے لئے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ مضارب کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے مال والے کو نقصان اٹھانا پڑے۔ مثلا مال والے کے باپ کو خریدے گا تو وہ مال والے پر آزاد ہو جائے گا تو اس سے رب المال کو نفع کے بجائے نقصان ہوگا۔ اسی طرح اس کے بیٹے کو خریدے گا۔ یا ایسے آدمی کو خریدا جو مال والے پر آزاد ہو سکتے ہوں مثلا اس کے قریبی رشتہ دار کو خریدا تو ایسی صورت میں وہ مضاربت کے لئے نہیں ہوگا بلکہ خود مضارب کے لئے ہوگا۔

وجہ (١) ایک تو اوپر دار قطنی اور سنن بیہقی کی حدیث گزری کہ فائدے کی شرط لگا سکتا ہے (٢) اثر میں ہے۔ عن ابن سیرین قال اذا خالف المضارب ضمن (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی ولمن الربح؟ ج ثامن ص ٢٥٢ نمبر ١٥١٠٧) اس سے معلوم ہوا کہ مضارب نے مخالفت کی تو وہ ضامن ہو جائے گا۔

[١٣٤٨](١٠) اگر مال میں نفع ہوا تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ خریدے ایسے آدمی کو جو مضارب پر آزاد ہو جائے اور اگر اس کو خریدا تو مضاربت کے مال کا ضامن ہو جائے گا۔ اور اگر مال میں نفع نہ ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو خریدے۔

تشریح اگر مال میں نفع ہو تو مضارب کے لئے یہ جائز نہیں کہ مضارب اپنے ایسے رشتہ دار کو خریدے جو مضارب پر آزاد ہو سکتا ہو، مثلا اپنے باپ یا بیٹے وغیرہ کو، البتہ اگر نفع نہیں ہے تو ایسے رشتہ دار کو خرید سکتا ہے۔

وجہ اگر مال میں نفع ہے تو کچھ نہ کچھ نفع مضارب کا بھی ہوگا اس لئے جتنا حصہ مضارب کا ہوگا اتنا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ اب رب المال کو نقصان ہوگا کہ اس کو بھی آزاد کرنا ہوگا یا سعی کروانا ہوگا۔ اور یہ نقصان مضارب کے اپنے رشتہ دار کو خریدنے سے ہوا اس لئے مضارب اس کے اپنے آزاد ہونے والے رشتہ دار کو نہیں خرید سکتا۔ البتہ اگر مال میں نفع نہیں ہے تو مضارب کا حصہ اس میں کچھ بھی نہیں ہے اس لئے مضارب کا رشتہ دار آزاد نہیں ہوگا۔ اس لئے ایسی صورت میں مضارب اپنا آزاد ہونے والے رشتہ دار خرید سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ بھی اوپر کے اصول پر ہے کہ مضارب کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جس سے رب المال کو نقصان ہو۔

حاشیہ : (الف) حضرت محمد ابن سیرین نے فرمایا مضارب شرط کی مخالفت کرے تو ضامن ہوگا۔

[۱۳۴۹](۱۱) فان زادت قیمتهم عتق نصیبه منهم ولم یضمن لرب المال شیئا ویسعی المعتق لرب المال فی قیمة نصیبه منه[۱۳۵۰] (۱۲) واذا دفع المضارب المال مضاربة علی غیره ولم یأذن له رب المال فی ذلک لم یضمن بالدفع ولا بتصرف المضارب

[۱۳۴۹](۱۱)پس اگر غلام کی قیمت زیادہ ہوگئی تو مضارب کا حصہ غلام سے آزاد ہو جائے گا اور مضارب رب المال کا کچھ ضامن نہیں ہوگا۔اورآزاد ہونے والا غلام رب المال کے لئے اس کے حصے کی قیمت میں سعی کرے گا۔

تشریح مال مین نفع نہیں تھا ایسی صورت میں مضارب نے اپنے آزاد ہونے والے رشتہ دار کو خرید لیا جو اس کے لئے جائز تھا، بعد میں اس غلام کی قیمت بڑھ گئی، مثلا ایک ہزار میں غلام خریدا تھا اب اس کی قیمت بارہ سو درہم ہوگئی تو دو سو درہم میں سے ایک سو نفع رب المال کا ہوا اور ایک سو نفع مضارب کا ہوا اس لئے مضارب کا جو ایک سو نفع ہے وہ حصہ آزاد ہو جائے گا۔لیکن چونکہ آزاد ہونے میں مضارب کی کوئی حرکت نہیں ہے، خود بخود آزاد ہوا ہے اس لئے مضارب رب المال کے لئے کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا۔اب غلام کا چونکہ بارہ سو میں ایک سو آزاد ہوا ہے باقی گیارہ سو رب المال کا ہے اس لئے غلام گیارہ سو درہم سعایت کر کے رب المال کو ادا کرے گا جو رب المال کا حصہ ہے اور پھر غلام مکمل آزاد ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حادثاتی طور پر مضارب کی بغیر کسی حرکت کے رب المال کو نقصان ہو جائے تو مضارب اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔اور دوسرا اصول یہ ہے کہ مضارب نے آزاد نہیں کیا ہے بلکہ غلام خود آزاد ہوا ہے اس لئے مضارب سے غلام کی بقیہ قیمت وصول نہیں کی جائے گی بلکہ غلام رب المال کا حصہ سعی کر کے ادا کرے گا۔

لغت یسعی : سعایت کرے گا، غلام مال کما کر مولی کو ادا کرے گا تاکہ مکمل آزاد ہو جائے۔

[۱۳۵۰](۱۲)اگر مضارب نے مال دوسرے کو مضاربت پر دیا حالانکہ رب المال نے اس کو مضاربت پر دینے کی اجازت نہیں دی تھی تو صرف دینے سے ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح رب المال نے مضارب کو مضاربت پر مال دینے کی اجازت نہیں دی تھی اس کے باوجود اس نے دوسرے کو مضاربت پر مال دے دیا تو مضارب رب المال کے مال کا ضامن ہوگا۔لیکن کب ہوگا اس بارے میں اختلاف ہے۔امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف مال حوالے کرنے سے نہیں ہوگا۔اسی طرح مضارب ثانی کے کام شروع کرنے سے ضامن نہیں ہوگا بلکہ جب مضارب ثانی کام کر کے اس میں کچھ نفع کمالے گا تب مضارب اول رب المال کا ضامن ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ صرف مال حوالہ کرنے سے ابھی مضاربت شروع نہیں ہوئی بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ابھی امانت کے طور پر مضارب ثانی کے پاس مال ہے۔اور جب کام شروع کرے گا تو کہا جا سکتا ہے کہ بضاعت کے طور پر کام کر رہا ہے یعنی اجرت لے کر کام کر رہا ہے۔لیکن جب نفع حاصل ہو گیا تو اب نفع میں شریک ہونے کی وجہ سے مضارب ثانی حقیقت میں مضارب بن گیا۔جس کی رب المال کی جانب سے اجازت نہیں،

الثانی حتی یربح [۱۳۵۱](۱۳) فاذا ربح ضمن المضارب الاول المال لرب المال [۱۳۵۲](۱۴) واذا دفع الیه مضاربة بالنصف فاذن له ان یدفعها مضاربة فدفعها بالثلث جاز [۱۳۵۳](۱۵) فان کان رب المال قال له علی ان ما رزق الله تعالی بیننا نصفین فلرب المال نصف الربح وللمضارب الثانی ثلث الربح وللاول السدس[۱۳۵۴] (۱۶) وان کان قال علی ان ما رزقک الله بیننا نصفین فللمضارب الثانی الثلث وما بقی بین

تھی۔اس لئے اب مضارب اول رب المال کا ضامن ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مضاربت میں ضمان کا معاملہ حقیقی مضاربت شروع ہونے کے بعد ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جب مضارب ثانی نے کام شروع کر دیا تو مضاربت شروع ہوگئی۔اس لئے کام شروع کرنے پر مضارب اول رب المال کا ضامن ہوگا۔چاہے ابھی نفع حاصل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

[۱۳۵۱](۱۳)پس جب نفع ہو مضارب اول مالک کے لئے مال کا ضامن ہوگا۔

تشریح مال سپرد کر دیا پھر مضارب ثانی نے کام شروع کیا پھر جب نفع ہوا تب مضارب اول رب المال کے مال کا ضمان ہوگا۔

وجہ کیونکہ اب حقیقت میں مضارب ثانی مضارب بن گیا اور نفع میں بھی شریک ہوگیا۔

[۱۳۵۲](۱۴)اگر مالک نے مضارب کو آدھے نفع پر مضاربت پر دیا پھر اس کو اجازت دی کہ دوسرے کو مضاربت پر دے سکتا ہے۔پس اس نے تہائی نفع پر دیا تو جائز ہے۔

تشریح مالک نے مضارب کو مال دیا اور یہ بھی کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان نفع آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔البتہ آپ اس مال کو دوسروں کو بھی مضاربت کے طور پر دے سکتے ہیں۔اب اس نے دوسرے مضارب کو تہائی نفع پر مال دیا تو جائز ہے۔اب آگے مالک نے کس انداز سے تقسیم نفع کا حساب طے کیا اس کی تین صورتیں ہیں جو آگے آرہی ہیں۔

[۱۳۵۳](۱۵)پس اگر مالک نے مضارب سے کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے اس کا ہم دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو مالک کا آدھا نفع ہوگا اور مضارب ثانی کی ایک تہائی ہوگی اور مضارب اول کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔

تشریح چونکہ مالک نے یہ کہا تھا کہ جتنا نفع ہوگا اس میں آدھا میرا ہوگا تو باقی آدھا نفع رہا۔اس میں سے ایک تہائی مضارب ثانی کو دے دیا۔مثلا چھ درہم نفع ہوا، آدھا یعنی تین درہم مالک کا ہوگیا اور ایک تہائی یعنی دو درہم مضارب ثانی کے ہوگئے، باقی ایک درہم یعنی چھٹا حصہ باقی رہا یہ مضارب اول کے ملے گا۔اس دور کا کلکیو لیٹر والا حساب اس طرح ہوگا مالک کا سو میں سے ۵۰% مضارب ثانی کا 33.33% مضارب اول کا حصہ 16.66% ہوگا۔

[۱۳۵۴](۱۶)اور اگر مالک نے کہا ہو جو کچھ آپ کو اللہ دے اس میں سے ہمارے اور آپ کے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو مضارب ثانی لئے

رب المال والمضارب الاول نصفان [۱۳۵۵] (۱۷) فان قال علی ان ما رزق الله فلی فلی نصفه فدفع المال الی آخر مضاربة بالنصف فللثانی نصف الربح ولرب المال النصف ولا شیء للمضارب الاول[۱۳۵۶] (۱۸) فان شرط للمضارب الثانی ثلثی الربح فلرب المال نصف الربح و للمضارب لثانی نصف الربح ویضمن المضارب الاول

تہائی اور جو نفع باقی رہا وہ مالک اور مضارب اول کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

تشریح پہلے قول اور اس قول میں فرق ہے۔اس لئے نفع تقسیم ہونے میں فرق ہوگیا۔ پہلے میں مالک نے مضارب سے کہا تھا کہ جتنا نفع ہو اس تمام میں سے مجھے آدھا چاہئے، باقی آپ جانیں۔اور اس مسئلے میں یہ ہے کہ مالک نے مضارب اول سے یہ کہا کہ جو کچھ آپ کو نفع ہوگا اس آپ کے نفع میں سے مجھے آدھا نفع دیں۔اس صورت میں ایک تہائی مضارب ثانی کے پاس چلا گیا۔اب باقی دو تہائی رہے۔اس دو تہائی میں سے آدھا آدھا یعنی ایک ایک تہائی مالک اور مضارب اول تقسیم کریں گے۔کلکیو لیٹر والا حساب اس طرح ہوگا۔مضارب ثانی کے لئے 33.33% باقی نفع رہا 66.66% اس میں سے آدھا مالک کو ملے گا 33.33% اور مضارب اول کو ملے گا 33.33 % گویا کہ تینوں کو ایک ایک تہائی مل جائے گی۔

[۱۳۵۵] (۱۷) اور اگر مالک نے کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے اس میں سے میرا آدھا ہوگا پھر بھی دوسرے کو مال مضاربت کے طور پر آدھے پر دیا ہو تو مضارب ثانی کے لئے آدھا نفع ہوگا اور مضارب اول کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

تشریح مالک نے کہا تھا کہ جتنا نفع ہو سب میں سے آدھا میرا ہوگا۔اس کے باوجود مضارب نے دوسرے کو آدھے نفع کی شرط پر مضاربت پر دے دیا تو اس صورت میں آدھا نفع مالک کو ملے گا 50 % اور آدھا نفع مضارب ثانی کو ملے گا 50% اب باقی کچھ نہیں رہا اس لئے مضارب اول کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

[۱۳۵۶] (۱۸) اور اگر شرط کیا مضارب ثانی کے لئے نفع کی دو تہائی تو مالک کے لئے نفع کا آدھا ہوگا اور مضارب ثانی کے لئے نفع کا آدھا ہوگا اور مضارب اول مضارب ثانی کے لئے نفع کے چھٹے کی مقدار کا ضامن ہوگا اپنے مال میں سے۔

تشریح مالک نے کہا تھا کہ میں پورے نفع کا آدھا لوں گا۔اور مضارب اول نے دوسرے مضارب کو پورے نفع کی دو تہائی پر دے دیا تو آدھے نفع میں سے بھی ایک چھٹا حصہ زیادہ نفع دے دیا تو اس چھٹے حصے کا ذمہ دار مضارب اول ہوگا۔

وجہ کیونکہ اسی نے ہی دو تہائی نفع دینے کا وعدہ کیا ہے۔کلکیو لیٹر والا حساب اس طرح ہوگا۔مالک کا آدھا ہوگا 50 % مضارب ثانی کا 66.66% دو تہائی اور مضارب اول اپنے مال میں سے ادا کرے گا 16.66% ایک چھٹا حصہ۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ جیسی جیسی شرطیں آپس میں طے ہوئی ہیں نفع اسی کے مطابق تقسیم کیا جائے گا (۲) المسلمون عند شروطهم (بخاری شریف نمبر ۲۲۷۴)

للمضارب الثانی مقدار سدس الربح من ماله [۱۳۵۷] (۱۹) واذا مات رب المال او المضارب بطلت المضاربة [۱۳۵۸] (۲۰) واذا ارتد رب المال عن الاسلام ولحق بدار الحرب بطلت المضاربة [۱۳۵۹] (۲۱) وان عزل رب المال المضارب ولم یعلم بعزله حتی اشتری او باع فتصرفه جائز [۱۳۶۰] (۲۲) وان علم بعزله والمال عروض فی یده

[۱۳۵۷] (۱۹) اگر مالک یا مضارب کا انتقال ہوگیا تو مضاربت باطل ہوجائے گی۔

وجہ مضاربت میں مضارب مالک کا وکیل ہوتا ہے اور انتقال ہونے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے اس لئے دونوں میں سے کسی ایک کے انتقال سے مضاربت باطل ہوجائے گی (۲) حدیث میں ہے۔عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشیاء (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الصدقة عن المیت، ج ثانی ص ۴۲، نمبر ۲۸۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انتقال سے مضاربت باطل ہوجائے گی۔

[۱۳۵۸] (۲۰) اگر مالک اسلام سے مرتد ہوجائے اور دار الحرب چلا جائے تو مضاربت باطل ہوجائے گی۔

تشریح اسلام سے مرتد ہوکر دار الحرب چلے جانے سے اندازہ ہے کہ کبھی واپس نہیں آئے گا تو وہ مرنے کے درجے میں ہوگیا۔اس لئے اس سے مضاربت باطل ہوجائے گی

وجہ حدیث اوپر گزر گئی اذا مات الانسان انقطع عنه عمله۔

[۱۳۵۹] (۲۱) اگر مالک نے مضارب کو معزول کر دیا اور اس کو اپنے معزول ہونے کا علم نہیں ہوا یہاں تک کہ خریدا یا بیچا تو اس کا تصرف جائز ہے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدہ پر ہے کہ مالک اپنے اختیار سے معزول کرنا چاہے تو اس وقت معزول ہوگا جب مضارب کو اپنی معزولی کا علم ہوجائے گا۔اس سے قبل وہ مضارب بحال رہے گا اس لئے معزول کرنے کے بعد علم ہونے سے پہلے مضارب نے جو کچھ تصرف کیا، خریدا یا بیچا تو وہ جائز ہے۔

اصول اختیاری معزولی میں وکیل کو علم سے پہلے وہ معزول نہیں ہوگا۔

[۱۳۶۰] (۲۲) اور اگر معزول کرنے کی اطلاع ہوئی اور مال اس کے ہاتھ میں سامان تھا تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو بیچے اور معزول کرنا مضارب کو بیچنے سے نہیں روکے گا۔پھر اس کی قیمت سے اور چیز خریدنا جائز نہیں ہے۔

تشریح مالک نے مضارب کو معزول کر دیا اور اس کو معزولی کی اطلاع بھی ہوئی لیکن اس وقت اس کے پاس مضاربت کا سامان تھا تو وہ سامان بیچ سکتا ہے۔البتہ جب سامان کی قیمت آجائے تو اس قیمت سے مزید کوئی چیز نہ خریدے۔

وجہ مضارب کے نفع کا حساب نقد مال یعنی درہم اور دینار میں ہو سکے گا، سامان میں نہیں ہو سکے گا اور مضارب کا نفع میں حق ہے اس لئے

فله ان يبعها ولا يمنعه العزل من ذلک ثم لا یجوز ان یشتری بثمنها شیئا آخرؤ [۱۳۶۱] (۲۳) وان عزله ورأس المال دراهم او دنانير قد نضت فليس له ان يتصرف فيها[۱۳۶۲] (۲۴) واذا افترقا وفى المال ديون وقد ربح المضارب فيه اجبره الحاكم على اقتضاء الديون وان لم يكن فى المال ربح لم يلزمه الاقتضاء ويقال له وكل رب

سامان بیچ کر نقد بنا سکتا ہے تا کہ نقد ہونے کے بعد نفع کا حساب کر سکے۔البتہ اس قیمت سے اب دوسری چیز نہ خریدے تا کہ مضاربت کا معاملہ آگے نہ بڑھے اور مالک کو نقصان نہ ہو۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چاہے مضارب کو معزول کر دیا ہو لیکن اگر اس کا نقصان ہو رہا ہو تو نقصان کی تلافی تک وہ معزول نہیں ہوگا۔ لا ضرر ولا ضرار.

[۱۳۶۱] (۲۳) اور اگر مضارب کو معزول کیا اس حال میں کہ رأس المال نقد درہم یا دینار ہو تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس میں تصرف کرے۔

وجہ سامان تھا اس لئے بیچنے کی اجازت تھی کہ نقد درہم یا دینار یا سکہ ہو جائے اور آسانی سے نفع کا حساب کر سکے لیکن پہلے سے نقد درہم، دینار یا سکہ ہوں تو اب اس کو تصرف کیوں کرے۔ اس لئے کہ اب اس میں تصرف کرنے میں مالک کا نقصان ہوگا کہ بغیر اس کی مرضی کے مضاربت کی میعاد بڑھتی جائے گی۔ اس لئے اب اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

لغت نضت : سامان کے بعد نقد ہوا ہو۔

[۱۳۶۲] (۲۴) اگر مالک اور مضارب علیحدہ ہوئے اور مال ادھار میں ہے اور مضارب اس سے نفع لے چکا ہے تو حاکم اس کو ادھار وصول کرنے پر مجبور کرے گا۔ اور اگر مال میں نفع نہ ہوا ہو تو مضارب کو ادھار وصول کرنا لازم نہیں ہے۔ اس کو کہا جائے گا کہ مالک کو وصول کرنے کا وکیل بنا دے۔

تشریح مالک اور مضارب مضاربت سے جدا جدا ہو رہے ہیں۔ اور صورت حال یہ ہے کہ کچھ مال مضاربت ادھار پر گیا ہوا ہے، اب اس کی قیمت کون وصول کرے؟ مالک یا مضارب؟ تو فرماتے ہیں کہ اگر مضارب اس مال سے نفع لے چکا ہے تو ادھار وصول کرنا مضارب کا کام ہے۔

وجہ جب مضارب نے نفع لیا تو گویا کہ وہ اجیر کے مانند ہو گیا۔ اس نے بیچنے، خریدنے اور ادھار وصول کرنے کی اجرت لے لی۔ اس لئے ادھار وصول کرنا اس پر لازم ہوگا۔ اور اگر نفع نہیں لیا ہے تو مضارب تبرع اور احسان کے طور پر بیچنے خریدنے کا وکیل بنا ہوا ہے۔ اور تبرع اور احسان والے کو مزید کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے حاکم اس کو ادھار وصول کرنے پر مجبور نہیں کرے گا۔ البتہ مضارب اس ادھار کو وصول کرنے کا وکیل مالک کو بنا دے تا کہ اس کی وکالت میں وہ ادھار وصول کر سکے اور اس کا مال ضائع نہ ہو۔

المال فی الاقتضاء [۱۳۶۳](۲۵) وما ھلک من مال المضاربة فھو من الربح دون رأس المال [۱۳۶۴](۲۶) فان زاد الھالک علی الربح فلا ضمان علی المضارب فیه.

نوٹ چونکہ مضارب نے عقد کیا تھا اس لئے ادھار وصول کرنا اس کے حقوق میں سے تھا۔ اس لئے وہ مالک کو باضابطہ وکیل بنائے تا کہ وہ اس کی وکالت میں ادھار وصول کر سکے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تبرع اور احسان میں کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

لغت دیون : قرض، ادھار۔ اقتضاء : وصول کرنا۔

[۱۳۶۳](۲۵) جو کچھ ہلاک ہو جائے مضاربت کے مال سے تو وہ نفع سے ہوگا نہ کہ اصلی پونجی سے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ مال کی ہلاکت پہلے نفع میں سے وضع کی جائے گی۔ ہلاکت اس سے بھی زیادہ ہو تو اصل پونجی سے جائے گی۔ شروع میں ہی ہلاکت اصل پونجی سے وضع نہیں کریں گے۔ اس لئے مال ہلاک ہو جائے تو پہلے نفع سے وضع کی جائے گی اصل پونجی سے نہیں۔

وجہ (۱) نفع تابع ہے اور پونجی اصل ہے۔ اس لئے ہلاکت پہلے تابع سے وضع کی جائے گی (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن سیرین و ابو قلابه قالا فی رجل دفع الی رجل مالا مضاربة فضاع بعضه او وضع قالا ان کان صاحب المال لم یحاسبه حتی ضرب به اخری فربح فلا ربح للمقارض حتی یستوفی صاحب المال رأس ماله وان کان قد حاسبه او آجره ثم ضرب به مرة اخری اقتسما الربح بینھما' و کان الوضیع الاول علی المال (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب اختلاف المضاربین اذا ضرب به مرة اخری ج ثامن ص ۲۵۱ نمبر ۱۵۰۹۹) اس اثر میں ہے کہ کچھ مال ہلاک ہو جائے اور پہلے نفع کا حساب نہ کیا ہو تو ہلاکت نفع میں سے وضع کی جائے گی۔ اور اس وقت تک مضارب کو نفع نہیں ملے گا جب تک پونجی پوری نہ ہو جائے۔ اور اگر پہلا حساب ہو چکا ہو یعنی پہلا عقد ختم ہو چکا ہو پھر دوسرے عقد میں نفع ہوا ہو تو یہ نفع پہلی پونجی میں وضع نہیں کیا جائے گا۔

[۱۳۶۴](۲۶) پس اگر ہلاک ہونے والا مال نفع سے بڑھ جائے تو مضارب پر اس میں ضمان نہیں ہے۔

تشریح مثلا ایک ہزار درہم پونجی تھی اور دو سو درہم نفع کمایا تھا۔ بعد میں تین سو درہم ہلاک ہو گئے تو دو سو درہم نفع میں سے وضع کئے جائیں گے اور بعد میں ایک سو درہم اصل پونجی سے جائے گا۔ اور مضارب اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) مضارب امین ہے اور بغیر تعدی کے امین سے کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے مضارب پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) پہلے اثر میں گزرا و کان الوضیع الاول علی المال (الف) (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۵۰۹۹) (۳) حضرت علی کا

حاشیہ : (الف) ابن سیرین اور ابو قلابہ نے فرمایا کوئی آدمی کسی کو مال مضاربت پر دے، پس کچھ مال ضائع ہو گیا یا ہلاک ہو گیا تو فرمایا اگر مال والے نے حساب نہ کیا ہو یہاں تک کہ دوسری مرتبہ سفر کیا اور نفع اٹھایا تو مضارب کے لئے نفع نہیں ہوگا یہاں تک کہ مالک پونجی پوری کر لے۔ اور اگر حساب کر چکا ہے یا اجرت پر دیا ہے پھر دوسری مرتبہ سفر کیا تو نفع آپس میں تقسیم کریں گے اور پہلی ہلاکت مال میں شمار ہوگی (ب) اور پہلی ہلاکت مال میں شمار ہوگی۔

[۱۳۶۵] (۲۷) وان کانا یقسمان الربح والمضاربة علی حالها ثم هلک المال کله او بعضه تراد الربح حتی یستوفی رب المال رأس المال [۱۳۶۶] (۲۸) فان فضل شیء

اثر ہے۔عن علی فی المضاربة ،الوضیعة علی المال والربح علی ما اصطلحوا علیه (الف) مصنف عبدالرزاق، باب نفقة المضارب ووضیعتہ ج ثامن ص ۲۴۸ نمبر ۱۵۰۸۷ ر مصنف ابن ابی شیبة ۳ من قال الربح علی ما اصطلح علیہ والوضیعة علی رأس المال، ج رابع، ص ۲۷۲، نمبر ۱۹۹۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہلاکت پونجی سے شمار کی جائے گی۔اس لئے مضارب اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

[۱۳۶۵] (۲۷) اور اگر دونوں نفع تقسیم کر چکے ہوں اور مضاربت اپنی حالت پر ہو، پھر کل پونجی ہلاک ہو جائے یا بعض ہلاک ہو جائے تو دونوں نفع واپس لوٹائیں گے یہاں تک کہ مالک اصل پونجی پوری کر لے۔

تشریح مضارب اور مالک نفع تقسیم کر چکے تھے لیکن مضاربت کا عقد اپنی حالت پر بدستور تھا اس کو ختم نہیں کیا تھا کہ اسی دوران پوری پونجی یا کچھ پونجی ہلاک ہوگئی تو قاعدہ یہ ہے کہ دونوں نے جو نفع تقسیم کیا تھا وہ واپس کرے اور اصل پونجی میں شامل کرے تا کہ مالک کی اصل رقم پوری ہو جائے۔

وجہ جب پونجی ہلاک ہوگئی تو معلوم ہوا کہ نفع تقسیم کرنا صحیح نہیں تھا۔اس لئے کہ نفع اصل پونجی پوری ہونے کے بعد ہوتا ہے۔اور یہاں اصل پونجی میں کمی واقع ہوگئی۔اس لئے نفع واپس کر کے اصل پونجی پوری کی جائے گی (۲) اصل پونجی نفع سے پوری نہ کریں تو مالک کو بلا وجہ نقصان ہوگا جس سے بچانا ضروری ہے (۳) ابھی اوپر گزرا۔عن ابن سیرین وابی قلابة قالا فی رجل دفع الی رجل مالا مضاربة فضاع بعضه او وضع قالا ان کان صاحب المال لم یحاسبه حتی ضرب به اخری فربح فلا ربح للمقارض حتی یستوفی صاحب المال رأس ماله (ب) مصنف عبدالرزاق، باب اختلاف المضاربین اذا ضرب بہ مرة اخری ج ثامن ص ۲۵۱ نمبر ۱۵۰۹۹) اس اثر میں ہے کہ مضارب کو اس وقت تک نفع نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اصل پونجی پوری نہ ہو جائے۔اس لئے واپس لوٹا کر اصل پونجی پوری کی جائے گی۔

[۱۳۶۶] (۲۸) پس اگر کچھ نفع بچ جائے تو دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔اور اگر پونجی میں کچھ کم رہ جائے تو مضارب ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح نفع دونوں نے واپس کیا پھر بھی ہلاکت اتنی تھی کہ اصل پونجی پوری نہیں ہو پائی تو اب اس نقص کا ذمہ دار مضارب نہیں ہوگا۔مثلا ایک ہزار درہم اصل پونجی تھی۔پھ دوسو درہم نفع کمایا تھا۔لیکن ہلاکت تین سو درہم تھی اس لئے نفع کے دوسو درہم واپس کئے۔پھر بھی ایک سو درہم پونجی میں سے باقی رہ گئے تو اس ایک سو درہم کا ضمان مضارب نہیں دے گا۔

وجہ پہلے گزر گیا ہے کہ مضارب امین ہے (۲) اثر میں تھا الوضیعة علی المال (مصنف عبدالرزاق نمبر ۱۵۰۸۷) اس لئے مضارب اس

حاشیہ :(الف) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مضاربت کے بارے میں ہلاکت مال پر ہوگی اور نفع صلح کے مطابق ہوگا (ب) ابن سیرین اور ابو قلابہ نے فرمایا کوئی آدمی کسی کو مال مضاربت پر دے پس کچھ مال ضائع ہو جائے؟ فرمایا اگر مال والے نے حساب نہیں کیا ہو یہاں تک کہ دوسری مضاربت ہوئی اور نفع اٹھایا تو مضارب کو نفع نہیں ملے گا یہاں تک کہ مالک اپنی پونجی پوری کر لے۔

كان بينهما وان نقص من رأس المال لم يضمن المضارب [١٣٦٧](٢٩)وان كانا اقتسما الربح وفسخا المضاربة ثم عقداها فهلك المال او بعضه لم يترادا الربح الاول [١٣٦٨](٣٠) ويجوز للمضارب ان يبيع بالنقد والنسيئة [١٣٦٩](٣١) ولا يزوج عبدا ولا امة من مال المضاربة.

نقص کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

[۱۳۶۷](۲۹)اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کر لیا ہو اور مضاربت توڑ دی ہو پھر دونوں نے عقد مضاربت کیا ہو پھر کل مال ہلاک ہوا تو پہلا نفع نہیں لوٹائیں گے۔

وجہ پہلا عقد بالکل ختم ہو گیا ہے۔اور یہ دوسرا عقد عقد جدید ہے۔اس لئے اس کی پونجی کی ہلاکت پہلے میں شامل نہیں ہوگی۔اور پہلا نفع واپس کر کے اس پونجی کو پوری نہیں کی جائے گی (۲) اثر میں تھا۔عن ابن سیرین وابی لابة ...وان کان قد حاسبه او آجره ثم ضرب به مرة اخرى اقتسما الربح بينهما وكان الوضيع الاول على المال (الف)(مصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۵۰۹۹)اس اثر میں ہے کہ پہلے عقد کا حساب ہو گیا ہو تو دوسرے عقد کا اثر پہلے پر نہیں پڑے گا۔

[۱۳۶۸](۳۰)مضارب کے لئے جائز ہے کہ نقد بیچے یا ادھار بیچے۔

وجہ چونکہ تجارت میں نقد اور ادھار دونوں طرح بیچنے کا رواج ہے اس لئے مضارب کو دونوں طرح بیچنے کا حق ہوگا۔

[۱۳۶۹](۳۱)اور مضارب نہ شادی کرائے غلام کی یا باندی کی مضاربت کے مال سے۔

تشریح مضاربت کے مال سے غلام یا باندی خریدا ہو اور اس کی شادی کروانا چاہے تو مالک کی اجازت کے بغیر شادی نہیں کروا سکتا۔

وجہ باندی کی شادی کرانے سے مہر ملے گا،نفقہ ملے گا اور بچہ پیدا ہوگا تو وہ بھی غلام ہوگا یہ سب فوائد تو ہیں لیکن یہ تجارت کے متعلقات میں سے نہیں ہیں اس لئے مضارب باندی یا غلام کی شادی بغیر مالک کی اجازت کے نہیں کروا سکتا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مضارب متعلقات تجارت کا کام کر سکتا ہے اور جو متعلقات تجارت نہ ہو ایسا کام نہیں کر سکتا۔

(الف)اور اگر حساب کر لیا ہو یا اجرت پر دیا ہو پھر دوسری مرتبہ سفر کیا تو نفع آپس میں تقسیم کریں گے اور مال کی پہلی ہلاکت پونجی میں شمار کی جائے۔

﴿کتاب الوکالة﴾

[۱۳۷۰](۱) کل عقد جاز ان یعقده الانسان بنفسه جاز ان یوکل به غیره [۱۳۷۱](۲) ویجوز التوکیل بالخصومة فی سائر الحقوق وباثباتها ویجوز بالاستیفاء.

﴿کتاب الوکالة﴾

ضروری نوٹ وکالت کے معنی سپرد کرنا، خود کوئی کام نہ کرے اور دوسرے کو کام کرنے کا وکیل بنائے اس کو وکالت کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ بابعثوا احدکم بورقکم هذه الی المدینة فلینظر ایها ازکی طعاما فلیأتکم برزق منه (الف) (آیت ۱۹ سورۃ الکہف ۱۸) اس آیت میں اصحاب کہف کے ساتھیوں نے کھانا خریدنے کا وکیل بنایا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن علیؓ قال امرنی رسول اللہ ﷺ ان اتصدق بجلال البدن التی نحرت وبجلودها (ب) (بخاری شریف، باب وکالۃ الشریک الشریک فی القسمۃ وغیرھا ص ۳۰۸ نمبر ۲۲۹۹) اس حدیث میں اونٹ ذبح کرنے اور اس کی کھال کو صدقہ کرنے کا وکیل حضرت علی کو آپؐ نے بنایا۔

[۱۳۷۰](۱) ہر وہ عقد جو انسان خود کر سکتا ہو، جائز ہے کہ اس کا دوسرے کو بھی وکیل بنائے۔

تشریح جو کام خود کر سکتا ہے اس کام کے کرنے کا دوسروں کو بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

وجہ (۱) اوپر کی حدیث میں حضورؐ نے حضرت علی کو اونٹ ذبح کرنے اور کھال صدقہ کرنے کا وکیل بنایا۔ اور یہ کام حضورؐ خود بھی کر سکتے تھے (۲) بعض مرتبہ آدمی خود ایک کام نہیں کر سکتا ہے تو مجبوری ہوتی ہے کہ دوسروں سے وہ کام کروائے (۳) اوپر کی آیت میں بھی کہف کے ساتھیوں نے دوسرے کو کھانا خریدنے کا وکیل بنایا ہے۔

[۱۳۷۱](۲) اور جائز ہے وکیل بنانا تمام حقوق میں جھگڑا کرنے کا اور ان کے ثابت کرنے کا اور جائز ہے حقوق حاصل کرنے کے لئے۔

تشریح تمام حقوق میں خصومت کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے۔ خصومت کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کے سامنے اچھے انداز میں مقدمہ پیش کرے، پھر اس کو ثابت کرے، گواہ پیش کرے اور اپنے حق میں فیصلہ کے لئے زور لگائے۔ ان تمام کاروائیوں کو وکیل بالخصومت کہتے ہیں۔ اسی طرح حق کو ثابت کرنے اور حق کو وصول کرنے کے لئے بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

وجہ (۱) ہر آدمی قاضی کے سامنے اچھے انداز میں مقدمہ پیش کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اس لئے خصومت کا وکیل بنانا جائز ہے (۲) حضورؐ نے مسیلمہ کذاب کو جواب دینے کے سلسلے میں ثابت بن قیس کو وکیل بنایا ہے۔ اس لمبی حدیث کا ٹکڑا پیش خدمت ہے۔ عن ابن عباس قال قدم مسیلمة الکذاب علی عهد النبی ﷺ ... وهذا ثابت بن قیس یجیبک عنی ثم انصرف عنه (ج) (بخاری شریف، باب وفد بنی حنیفۃ وحدیث ثمامۃ بن اثال، کتاب المغازی ص ۶۲۷ نمبر ۴۳۷۳) (۳) مقدمہ پیش کرنے کے لئے عبد الرحمن بن سہل آگے

حاشیہ : (الف) تم میں سے ایک کو ان سکوں کو لیکر شہر بھیجیں تو وہ دیکھے کہ کون سا کھانا پاک ہے تو اس سے کچھ کھانے کا لائے (ب) حضورؐ نے مجھے حکم دیا کہ اونٹ کی جل کو صدقہ کروں جس کو میں نے ذبح کیا ہے اور اس کی کھال کو صدقہ کروں (ج) مسیلمہ کذاب حضورؐ کے زمانے میں آیا... یہ ثابت بن قیس ہیں، یہ میری جانب سے تم کو جواب دیں گے، پھر آپؐ واپس چلے آئے۔

[۱۳۷۲] (۳) الا فی الحدود والقصاص فان الوکالۃ لا تصح باستیفائھما مع غیبۃ الموکل عن المجلس [۱۳۷۳] (۴) وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی لا یجوز التوکیل

بڑھے جوان لوگوں میں سے چھوٹے تھے تو آپ نے بات کرنے کے لئے بڑے کو خصومت کا وکیل بنایا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال انطلق عبد اللہ بن سھل ومحیصۃ بن مسعود بن زید الی خیبر ... فذھب عبد الرحمن یتکلم فقال علیہ السلام کبر کبر وھو احدث القوم فسکت فتکلما (الف) (بخاری شریف، باب الموادعۃ والمصالحۃ مع المشرکین بالمال وغیرہ ص ۴۵۰ نمبر ۳۱۷۳) اس حدیث میں مقدمہ پیش کرنے کے لئے بڑے کو وکیل بنایا جس سے معلوم ہوا کہ خصومت کے لئے وکیل بنا سکتا ہے (۴) اثر میں ہے۔ عن عبد اللہ بن جعفر قال کان علی بن ابی طالب یکرہ الخصومۃ فکان اذا کانت لہ خصومۃ وکل فیھا عقیل بن ابی طالب فلما کبر عقیل وکلنی (ب) (سنن للبیھقی، باب التوکیل فی الخصومات مع الحضور والغیبۃ، ج سادس، ص ۱۳۴، نمبر ۱۱۴۳۷) اس اثر میں ہے کہ حضرت علی خود خصومت نہیں کرتے بلکہ حضرت عقیل کو خصومت کا وکیل بناتے۔

[۱۳۷۲] (۳) مگر حدود اور قصاص میں کہ ان کو حاصل کرنے کی وکالت صحیح نہیں ہے اس مجلس میں موکل کے موجود نہ ہونے کی حالت میں

تشریح مجلس میں موکل موجود نہ ہو تو حدود اور قصاص کو حاصل کرنے کی وکالت صحیح نہیں ہے۔ ہاں! مجلس میں موکل موجود ہو تو حدود اور قصاص کو حاصل کرنے کا وکیل بنایا جا سکتا ہے۔

وجہ حدود اور قصاص شبہ سے بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور موکل موجود نہ ہو تو یہ شبہ ہے کہ موکل نے اخیر وقت میں حدود یا قصاص لینے سے معاف کر دیا ہو۔ اس لئے اس کی موجودگی کے بغیر وکیل بنانا جائز نہیں (۲) حدیث میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود اور قصاص کو ساقط کرنے کی کوشش کرو اور وکیل بنانے میں اس کو مضبوط کرنا ہوگا۔ حدیث میں ہے۔ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ علیہ السلام ادرءوا الحدود عن المسلمین ما استطعتم ،فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطئ فی العفو خیر من ان یخطئ فی العقوبۃ (ج) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی درء الحدود ص ۲۶۳ نمبر ۱۴۲۴ ابن ماجہ شریف، باب الستر علی المؤمن ودفع الحدود بالشبھات ص ۳۶۵ نمبر ۲۵۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود وقصاص کو ساقط کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

[۱۳۷۳] (۴) امام ابو حنیفہ نے فرمایا خصومت کی وکالت جائز نہیں ہے مگر مقابل کی رضامندی سے، مگر یہ کہ موکل بیمار ہو یا غائب ہو اس طرح کہ تین دن یا اس سے زیادہ کے سفر پر ہو۔

تشریح امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مدمقابل راضی ہو یا پھر موکل کو مجبوری ہو مثلا بیمار ہو کہ مجلس قضا میں نہیں آ سکتا ہو یا تین دن کے سفر پر ہو تو مد

حاشیہ : (الف) حضرت عبد الرحمن بات کرنے لگے تو آپ نے فرمایا بڑے بات کریں، بڑے بات کریں۔ کیونکہ عبد الرحمن قوم میں سے چھوٹے تھے تو وہ چپ رہے اور بڑے دونوں نے حضور سے بات کی (ب) حضرت علی مقدمہ کو ناپسند فرماتے تھے۔ پس ان کے لئے کوئی مقدمہ ہوتا تو وہ اس میں عقیل بن ابی طالب کو وکیل بناتے۔ پس جب حضرت عقیل بوڑھے ہو گئے تو مجھے وکیل بنانے لگے (ج) آپ نے فرمایا جب تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دفع کیا کرو۔ پس اگر ان کے لئے نکلنے کا کوئی راستہ ہو تو راستہ چھوڑ دو۔ اس لئے کہ امام معافی میں غلطی کرے یہ زیادہ بہتر ہے کہ سزا میں غلطی کرے۔

بالخصومة الا برضا الخصم الا ان یکون الموکل مریضا او غائبا مسیرة ثلاثة ایام فصاعدا

[۱۳۷۴](۵) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله یجوز التوکیل بغیر رضا الخصم

[۱۳۷۵](۶) ومن شرط الوکالة ان یکون الموکل ممن یملک التصرف ویلزمه

مقابل کی رضامندی کے بغیر بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی چالاکی میں فرق ہوتا ہے۔اس لئے یہ ممکن ہے کہ وکیل اپنی چالاکی سے مدمقابل کو خواہ مخواہ نقصان دے اور حق فیصلہ کرانے میں دشواری پیدا کرے۔اس لئے مجبوری یا رضامندی کے بغیر خصومت کا وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

لغت وکیل بنالے اور فیصلہ ہو جائے تو درست ہو جائے گا۔

[۱۳۷۴](۵) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا بغیر مقابل کی رضامندی کے وکیل بنانا جائز ہے۔

وجہ او پر اثر گزرا کہ حضرت علی بغیر کسی مجبوری کے حضرت عقیل کو خصومت کا وکیل بنایا کرتے تھے۔عن عبد الله بن جعفر قال کان علی بن طالب یکره الخصمة فکان اذا کانت له خصومة وکل فیها عقیل بن ابی طالب فلما کبر عقیل وکلنی (الف) (سنن للبیہقی، باب التوکیل فی الخصومات مع الحضور والغیبة، ج سادس، ص ۱۳۴، نمبر ۱۱۴۳۷) اس سے معلوم ہوا کہ مجبوری نہ ہو اور خصم راضی نہ ہو تب بھی خصومت کا وکیل بنا سکتا ہے (۲) وہ فرماتے ہیں کہ وکیل بنانا موکل کا اپنا ذاتی حق ہے۔اس لئے مقابل کی رضامندی پر موقوف نہیں ہوگا بلکہ بغیر اس کی رضامندی کے بھی خصومت میں وکیل بن سکتا ہے۔

اصول پہلے ایک اصول گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نظر مدمقابل کے نقصان کی طرف جاتی ہے، جبکہ صاحبین کی نظر خود موکل کے نقصان کی طرف جاتی ہے۔

[۱۳۷۵](۶) اور وکالت کی شرط میں سے یہ ہے کہ موکل ان میں سے ہو جو تصرف کرنے کا مالک ہو اور اس کو احکام لازم ہوتے ہوں۔

تشریح وکالت کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ خود وکیل بنانے والا جس چیز کا وکیل بنا رہا ہو اس کام کو کر سکتا ہو۔

وجہ اگر وہ خود نہیں کر سکتا ہے تو وہ دوسروں کو کرنے کا حکم کیسے دے گا؟ اور دوسری شرط یہ ہے کہ شریعت کے احکام اس پر لازم ہوتے ہوں، یعنی وہ خود عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔ اگر وہ عاقل، بالغ اور آزاد نہیں ہے تو اس پر شریعت کے احکام لازم نہیں ہونگے۔ جب اس پر لازم نہیں ہوتے تو دوسرے کو احکام لازم کرنے کا حکم کیسے دے؟ یعنی اس کام کو کرنے کا حکم کیسے دے سکتا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے نابالغ اور مجنون سے احکام اٹھا دیئے گئے ہیں۔عن علی ان رسول الله ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یشب وعن المعتوه حتی یعقل (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لا یجب علیه الحد

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ مقدمہ ... ناپسند کرتے تھے۔پس ان کے لئے کوئی مقدمہ ہوتا تو وہ اس میں عقیل بن ابی طالب کو وکیل بناتے۔پس جب حضرت عقیل بوڑھے ہو گئے تو مجھے وکیل بنانے لگے (ب) آپ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھا دیا گیا ہے سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچے سے جب تک بالغ نہ ہو جائے اور معتوہ سے جب تک عقل والا نہ ہو جائے۔

الاحکام [۱۳۷۶] (۷) والوکیل ممن یعقل البیع ویقصدہ [۱۳۷۷] (۸) واذا وکل الحر البالغ او الماذون مثلھما جاز [۱۳۷۸] (۹) وان وکلا صبیا محجورا یعقل البیع والشراء

ص ۲۶۳ نمبر ۱۴۲۳/ابو داؤد شریف، باب فی المجنون یسرق اویصیب حدا ص ۲۵۶ نمبر ۴۳۹۹) اس لئے اگر موکل بچہ یا مجنون ہو تو وکیل نہیں بنا سکے گا۔ یا جو کام موکل نہیں کر سکتا تو اس میں وکیل نہیں بنا سکے گا۔ مثلا موکل اجنبیہ عورت کو طلاق نہیں دے سکتا تو کسی کو اجنبیہ عورت کو طلاق دینے کا وکیل بھی نہیں بنا سکے گا۔

[۱۳۷۶] (۷) اور وکیل ان میں سے ہو جو بیع کو سمجھتا اور اس کا قصد کرتا ہو۔

تشریح اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وکیل بھی عاقل بالغ ہو۔ اور بیع وشراء کیا چیز ہے ان کو سمجھتا ہو اور قصد وارادہ سے ان کا ارتکاب کرتا ہو۔ مذاق اور کھیل نہ سمجھتا ہو۔ تب وہ وکیل بن سکتا ہے۔

وجہ اوپر حدیث گزری کہ بچے اور معتوہ کے معاملات کا اعتبار نہیں ہے اس لئے ان کو وکیل کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ اس لئے وکیل بھی عاقل و بالغ ہو یا کم از کم بیع وشراء سمجھتا ہو۔

[۱۳۷۷] (۸) اگر آزاد اور بالغ یا عبد ماذون اپنے جیسوں کو وکیل بنائے تو جائز ہے۔

تشریح ماذون غلام یا ماذون بچہ ان کو کہتے ہیں جن کو مولی نے یا والی نے خرید وفروخت کرنے کی اجازت دی ہو۔ اس لئے اگر آزاد اور بالغ آدمی کسی کو وکیل بنائے یا تجارت کی اجازت دیا ہوا غلام یا تجارت کی اجازت دیا ہوا بچہ کسی کو خرید وفروخت کا وکیل بنائے تو جائز ہے۔

وجہ غلام عاقل بالغ ہے تو صرف مولی کو نقصان نہ ہو اس کی وجہ سے غلام کو خرید وفروخت کرنے سے منع کیا ہے۔ لیکن اگر وہ اجازت دیدے تو غلام خود بھی خرید وفروخت کر سکتا ہے اور خرید وفروخت کا وکیل بھی بنا سکتا ہے۔ یہی حال ہے سمجھدار بچے کا کہ اس کا ولی اس کو تھوڑی بہت خرید وفروخت کی اجازت دیدے تو خود بھی خرید وفروخت کر سکتا ہے اور خرید وفروخت کا وکیل بھی بنا سکتا ہے۔

وجہ چھوٹے موٹے کام کی ضرورت پڑتی ہے کہ سمجھدار بچے کو بھیج دے تاکہ وہ دکان سے سودا خرید لائے یا کسی کو ہدیہ پہنچا دے۔ اس لئے اس کو وکیل بنانا جائز ہے (۲) عبد ماذون کے وکیل بنانے کا اشارہ اس حدیث میں ہے۔ **عن ابن مالک قال حجم ابو طیبۃ رسول اللہ فامر لہ بصاع من تمر وامر اھلہ ان یخففوا من خراجہ** (الف) (بخاری شریف، باب ذکر الحجام ص ۲۸۳ نمبر ۲۱۰۲) اس حدیث میں ابو طیبہ غلام ہیں اور ان کو تجارت کرنے کی اجازت ہے۔

[۱۳۷۸] (۹) اور اگر محجور بچے کو وکیل بنایا جو بیع وشراء سمجھتا ہو یا محجور غلام کو وکیل بنایا تو جائز ہے اور حقوق ان دونوں سے متعلق نہیں ہوں گے بلکہ ان کے موکلوں سے متعلق ہوں گے۔

تشریح کسی نے ایسے بچے کو وکیل بنایا جو اتنا بڑا ہے کہ خرید وفروخت کو سمجھتا ہے لیکن ہے بچہ اور اس کے ولی نے اس کو خرید وفروخت کرنے کی اجازت بھی نہیں دی ہے تو ایسے بچے کو وکیل بنانا جائز ہے۔ لیکن بیع وشراء کے جتنے حقوق لین دین کے ہیں وہ وکیل بنانے والے سے متعلق ہو

حاشیہ : (الف) حضرت ابو طیبہ نے حضور کو پچھنا لگایا تو آپ نے ان کو ایک صاع کھجور دینے کا حکم دیا اور ان کے اہل کو حکم دیا کہ ان کا ٹیکس کم کر دیں۔

او عبدا محجورا جاز ولا یتعلق بھما الحقوق ویتعلق بموکلیھما[۱۳۷۹] (۱۰) والعقود التی یعقدھا الوکلاء علی ضربین کل عقد یضیفه الوکیل الی نفسه مثل البیع والشراء والاجارۃ فحقوق ذلک العقد یتعلق بالوکیل دون الموکل فیسلم المبیع ویقبض الثمن

جائینگے بچے سے متعلق نہیں ہوں گے۔اور نہ بچے اس کے ذمہ دار ہوں گے۔

وجہ کیونکہ حدیث کی وجہ سے ان سے قلم اٹھادیا گیا ہے اور وہ مرفوع القلم ہیں۔اس طرح اگر مجور غلام سے حقوق متعلق ہو جائیں تو اس کے مولی کا نقصان ہوگا اس لئے غلام وکالت میں کام تو کردے گا کیونکہ وہ عاقل بالغ ہے لیکن خرید وفروخت کے حقوق وکیل بنانے والے کے ساتھ متعلق ہوں گے، وہی لین دین ادا کرے گا۔غلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ کفیل نہیں بن سکتا تو وہ وکیل بھی نہیں بن سکتا کیونکہ کفالت میں وکالت بھی ہوتی ہے۔عن جابر عن عامر قالا لا کفالة للعبد (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۲۹ فی العبد یکفل، ج رابع، ص ۵۳۴، نمبر ۲۲۸۷۷) اس اثر میں ہے کہ غلام کے لئے کفالۃ نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس پر ہے کہ مجور کے ساتھ حقوق متعلق نہیں ہوتے۔اوپر حدیث گزری رفع القلم عن ثلاثۃ (ترمذی شریف، نمبر ۱۴۲۳) سمجھدار بچے کو وکیل بنانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ام سلمۃ سے حضورؐ نے نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے کئی معذرتیں پیش کیں۔آپؐ نے سب کا حل فرمایا پھر حضرت ام سلمہ نے اپنے لڑکے عمر بن ابی سلمہ جو نابالغ تھے لیکن سمجھدار تھے ان کو نکاح کا وکیل بنایا۔عن ام سلمة لما انقضت عدتها ... فقالت لابنها یا عمر قم فزوج رسول الله فزوجه (نسائی شریف، باب نکاح الابن امہ ج ثانی ص ۶۳ نمبر ۳۲۵۶)

[۱۳۷۹] (۱۰) وہ عقد جو وکلاء کرتے ہیں دو قسم کے ہیں۔ ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے مثلا خرید اور فروخت اور اجارہ تو ان عقدوں کے حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہوں گے نہ کے موکل سے، پس وہی مبیع کو سپرد کرے گا اور وہی قیمت پر قبضہ کرے گا۔اسی سے قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا جب وہ کچھ خریدے اور وہی مبیع پر قبضہ کرے گا اور اسی سے عیب مین جھگڑا ہوگا۔

تشریح وکالت میں جو عقد اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور موکل کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں مثلا میں بیع کرتا ہوں یا مین خریدتا ہوں یا مین اجارہ کرتا ہوں تو ان مین عقود کے تمام حقوق خود وکیل سے متعلق ہوتے ہیں موکل سے متعلق نہیں ہوتے۔اس کی چند مثالیں متن میں بیان کی ہیں۔مثلا وکیل ہی مبیع مشتری کو سپرد کرے گا، وکیل ہی مبیع کی قیمت پر قبضہ کرے گا۔اگر وکیل نے کچھ خریدا ہے تو وکیل ہی سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا۔اور اگر مبیع میں کوئی عیب نظر آیا تو وکیل ہی مقدمہ میں خصم ہوگا۔

وجہ (۱) وہی عاقد ہے اور اس نے اپنی طرف عقد منسوب کیا ہے اس لئے وہی حقوق کا ذمہ دار ہوگا (۲) ایک لمبی حدیث میں ہے کہ حضرت بلالؓ نے حضورؐ کے لئے ایک یہودی سے قرض لیا تھا تو یہودی نے حضرت بلال ہی سے قرض کا مطالبہ کیا اور بعد میں حضرت بلال ہی نے یہودی کو قرض ادا کیا۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔حدثنی عبد الله الهوزنی یعنی ابا عامر الهوزنی قال لقیت بلالا مؤذن النبی

حاشیہ : (الف) حضرت جابرؓ اور حضرت عامر دونوں سے مروی ہے کہ غلام کے لئے کوئی کفالت نہیں ہے۔

ویطالب بالثمن اذا اشتری ویقبض المبیع ویخاصم فی العیب[۱۳۸۰] (۱۱) وکل عقد یضیفه الوکیل الی موکله کالنکاح والخلع والصلح عن دم العمد فان حقوقه یتعلق بالموکل دون الوکیل فلا یطالب وکیل الزوج بالمهر ولا یلزم وکیل المرأة تسلیمها

علیہ السلام بحلب ... فاذا المشرک فی عصابة من التجار فلما رآنی قال یا حبشی قلت یا لبیه فتجهمنی وقال قولا غلیظا ... قلت من کان یطلب رسول الله علیہ السلام دینا فلیحضر فما زلت ابیع واقضی واعرض واقضی حتی لم یبق علی رسول الله دین فی الارض (الف) (سنن للبیہقی، باب التوکیل فی المال وطلب الحقوق وقضائھا الخ، سادس، ص ۱۳۳، نمبر ۱۱۴۳۵) اس حدیث میں یہودی نے حضرت بلال وکیل ہی سے قرض طلب کیا اور انہوں نے ہی حضور کے پاس آئے ہوئے ہدیہ سے قرض ادا کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وکیل ان حقوق کا ذمہ دار ہوگا۔

[۱۳۸۰] (۱۱) اور ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنے موکل کی طرف منسوب کرتا ہے جیسے نکاح، خلع، دم عمد سے صلح، پس ان کے حقوق موکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں نہ کہ وکیل ساتھ۔ اس لئے شوہر کے وکیل سے مہر کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور نہ عورت کے وکیل پر عورت کو سونپنا لازم ہوگا

تشریح جن جن عقدوں میں وکیل عقد کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا کہ میں کر رہا ہوں بلکہ موکل کی طرف منسوب کرتا ہے۔ مثلا شادی میں وکیل یوں کہتا ہے کہ میں آپ سے فلاں کی شادی کروا رہا ہوں، یوں نہیں کہتا کہ میں خود شادی کر رہا ہوں یا خلع میں وکیل یوں نہیں کہتا کہ میں خود خلع کر رہا ہوں بلکہ یوں کہتا ہے کہ میں فلاں کی جانب سے خلع کر رہا ہوں تو ایسے عقدوں میں تمام حقوق موکل سے متعلق ہوں گے وکیل سے نہیں۔ بلکہ وکیل عقد کر کے فارغ ہو جائے گا۔ چنانچہ نکاح میں عورت مہر کا مطالبہ وکیل سے نہیں کرے گی بلکہ شوہر سے کرے گی۔

وجہ (۱) ان عقود میں وکیل صرف سفیر محض ہوتا ہے کہ موکل کی بات مقابل کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسی لئے عقد کو اپنی طرف نسبت کرنے کے بجائے موکل کی طرف نسبت کرتا ہے۔ ورنہ عقد کرنے والا حقیقت میں موکل ہی ہوتا ہے۔ اس لئے تمام حقوق موکل کے ساتھ متعلق ہوں گے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ بخاری شریف میں ایک لمبی حدیث ہے کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو حضورؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ خاموش رہے تو ایک صحابی نے فرمایا میری ان سے شادی کروا دیجئے تو آپ نے پوچھا تمہارے پاس مہر کے لئے کچھ ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا تمہارے پاس قرآن کریم کی کچھ آیتیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں! پس آپؐ نے ان سے شادہ کروا دی اور مہر کی ذمہ داری ان پر رکھی۔ آپؐ ان کے وکیل تھے پھر بھی مہر ادا کرنے کی ذمہ داری آپؐ پر نہیں تھی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا پیش خدمت ہے۔ سمعت سهل بن سعد الساعدی یقول انی لفی القوم عند رسول الله علیہ السلام اذ قامت امرأة فقالت ... قال هل معک من

حاشیہ : (الف) فرمایا میں نے حلب میں حضورؐ کے مؤذن بلال سے ملاقات کی... اس وقت ایک مشرک تجار کی جماعت میں تھا۔ پس جب مجھ کو دیکھا تو کہنے لگا اے حبشی! میں نے کہا کیا ہے؟ پھر مجھ کو برا بھلا کہا اور سخت باتیں کہیں... میں نے کہا جو حضورؐ سے دین طلب کرتے ہوں وہ آجائیں۔ تو میں بیچتا رہا اور ادا کرتا رہا اور پیش کرتا رہا اور ادا کرتا رہا یہاں تک کہ حضورؐ پر زمین پر کوئی قرض باقی نہیں رہا۔

[۱۳۸۱](۱۲) واذا طالب الموکل المشتری بالثمن فله ان یمنعه ایاه[۱۳۸۲] (۱۳) فان دفعه الیه جاز ولم یکن للوکیل ان یطالبه ثانیا[۱۳۸۳](۱۴) ومن وکل رجلا بشراء

القرآن شیء؟ قال معی سورة کذا وسورة کذا قال اذهب فقد انکحتک بما معک من القرآن (الف) (بخاری شریف ، باب التزوج علی القرآن وبغیر صداق ص ۷۷۳ نمبر ۵۱۴۹) اس حدیث کے اخیر ٹکڑے میں ہے کہ میں نے قرآن کی وجہ سے شادی کروائی جس کا مطلب یہ ہوا کہ مہر وغیرہ دینے کی ذمہ داری خود تمہاری ہے میری نہیں۔

لغت صلح عن دم عمد : جان کر قتل کیا ہو جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص لازم تھا، لیکن اس کے بدلے میں کچھ رقم پر صلح کر لی تو اس کو صلح عن دم عمد کہتے ہیں۔

[۱۳۸۱](۱۲) اگر موکل نے مشتری سے قیمت کا مطالبہ کیا تو مشتری کے لئے جائز ہے کہ موکل کو اس سے روک دے۔

تشریح قیمت مانگنے کا حق وکیل کو تھا موکل کو نہیں تھا اور نہ مشتری موکل کو جانتا ہے اس لئے اگر موکل مشتری سے چیز کی قیمت مانگے تو مشتری کو حق ہے کہ موکل کو نہ دے۔ اور یوں کہے کہ میں آپ کے وکیل کو دوں گا۔

وجہ عقد وکیل نے کیا ہے۔ اور اسی کو قیمت مانگنے کا حق ہے موکل کو نہیں۔

[۱۳۸۲](۱۳) اور اگر مشتری نے موکل کو قیمت دیدی تو جائز ہے۔ اور اب وکیل کے لئے درست نہیں ہے کہ اس سے دوبارہ مطالبہ کرے۔

تشریح مشتری کو وکیل کو قیمت دینی چاہئے لیکن اس نے موکل کو مبیع کی قیمت دیدی تب بھی جائز ہے۔ اور اب وکیل کو حق نہیں ہے کہ دوبارہ مشتری سے قیمت وصول کرے۔

وجہ حقیقت میں یہ قیمت موکل کی ہی تھی اور اس کو پہنچ گئی تو چیز اپنے مقام تک پہنچ گئی اس لئے جائز ہو گیا۔ اور جو کام ہونا تھا وہ ہو گیا اس لئے وکیل کو مشتری سے دوبارہ قیمت مانگنے کا حق نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حق حقدار کو پہنچ گیا تو کوئی بات نہیں۔

[۱۳۸۳](۱۴) کسی نے کسی آدمی کو کوئی چیز خریدنے کا وکیل بنایا تو ضروری ہے اس کی جنس اور اس کی صفت اور قیمت کی مقدار کا بتانا، مگر یہ کہ عام وکیل بنائے اور کہے کہ جو مناسب سمجھیں میرے لئے خرید لیں۔

تشریح وکیل بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس چیز کے خریدنے کا وکیل بنا رہا ہے یا جو کام کرنے کا وکیل بنا رہا ہے اس کی جنس متعین کر دے۔ مثلا بکری خرید کر لاؤ۔ اس کی صفت متعین کرے۔ مثلا عمدہ بکری خرید کر لاؤ۔ اور اس کی قیمت کی مقدار متعین کرے مثلا ایک دینار کی بکری خرید کر لاؤ۔ تب وکالت بنانا درست ہوگا۔ ہاں! وکیل کو وکالت عامہ دیدے اور یوں کہہ دے کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں خرید کر لائیں تو پھر وکیل بنانا درست ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت سعد ساعدی فرماتے ہیں کہ قوم کے ساتھ میں حضور کی خدمت میں تھا کہ ایک عورت کھڑی ہو کر کہنے لگی... آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ قرآن کی سورتیں ہیں؟ فرمایا مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ جو کچھ قرآن ہے اس کی وجہ سے میں نے تمہارا نکاح کروا دیا۔

شیء فلا بد من تسمية جنسه وصفته ومبلغ ثمنه الا ان يوكله وكالة عامة فيقول ابتع لی مارأيت[۱۳۸۴] (۱۵) واذا اشترى الوكيل وقبض المبيع ثم اطلع على عيب فله ان يرده

وجہ حدیث میں وکیل بناتے وقت جنس اور قیمت طے کی ہے۔ عن عروة يعني ابن الجعد البارقي قال اعطاه النبي ﷺ دينارا يشترى به اضحية او شاة فاشترى شاتين (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المضارب یخالف ص۱۲۴ نمبر ۳۳۸۴ رترمذی شریف، باب الشراء والبیع الموقوفین ص نمبر ۱۲۵۸) اس حدیث میں بکری جو جنس ہے اور ایک دینار قیمت وکیل کے لئے متعین کی ہے۔ اور قیمت سے بکری کی صفت بھی معلوم ہوگئی کہ کس قسم کی بکری چاہئے۔ اس لئے جنس، صفت اور قیمت متعین کرنا ضروری ہے۔ اور وکالت عامہ کی دلیل لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال كنت مع النبي ﷺ في سفر ... فلما قدمنا المدينة قال يا بلال اقضه وزده فاعطاه اربعة دنانير وزاده قيراطا (ب) (بخاری شریف، باب اذا وکل رجل رجلا ان یعطی شیئا ولم یبین کم یعطی فاعطی علی ما یتعارفہ الناس ص ۳۰۹ نمبر ۲۳۰۹) اس حدیث میں حضرت بلال کو یہ نہیں فرمایا کہ اتنا دو بلکہ وکیل عام بنا دیا کہ قرض ادا کرنے کے علاوہ جو آپ مناسب سمجھیں وہ زیادہ دیں تو حضرت بلال نے عرف عام کے اعتبار سے ایک قیراط مناسب سمجھا اور ایک قیراط زیادہ دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وکیل عام بنا دینے سے وکیل کے مناسب سمجھنے پر ہوگا۔ اور ایسا وکیل بنانا درست ہے (۲) اگر ایسی جنس بیان کی کہ اس میں کافی جہالت ہے تو وکالت درست نہیں ہوگی کیونکہ وکیل کس جنس کے متعلق کام کرے گا؟ اور کیسے اس کو انجام دے گا؟ البتہ تھوڑی بہت جہالت ہو تو چل جائے گا۔ کیونکہ اس کے تعین میں حرج ہوگا اور حرج مدفوع ہے۔ اس لئے جہالت یسیرہ سے بھی وکیل بنے گا۔

[۱۳۸۴] (۱۵) اگر وکیل نے خریدا اور مبیع پر قبضہ کیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس کے لئے جائز ہے کہ عیب کی وجہ سے واپس کر دے جب تک مبیع اس کے قبضہ میں ہے، پس اگر مبیع کو موکل کو سپرد کر دیا تو اس کو نہیں لوٹائے گا مگر موکل کی اجازت سے۔

تشریح وکیل نے مبیع خریدا پھر اس پر قبضہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ اس مبیع میں عیب ہے تو جب تک مبیع اس کے ہاتھ میں ہے اس وقت تک اس کو عیب کے ماتحت بائع کی طرف واپس کر سکتا ہے۔ اور اگر مبیع کو موکل کے حوالے کر دیا تو اب موکل کی اجازت کے بغیر مبیع کو عیب کے ماتحت واپس نہیں کر سکتا۔

وجہ کیونکہ جیسے ہی موکل کے حوالے کیا تو اس کی وکالت ختم ہوگئی۔ اس لئے وکالت ختم ہونے سے پہلے واپس کر سکتا تھا۔ وکالت ختم ہونے کے بعد موکل کی اجازت کے بغیر واپس نہیں کر سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکالت ختم ہونے سے پہلے اختیار استعمال کر سکتا ہے، وکالت ختم ہونے کے بعد اختیار استعمال نہیں کر سکتا

لغت سلمہ : سپرد کر دیا، حوالہ کر دیا۔

حاشیہ : (الف) ابن جعد بارقی کو حضورؐ نے ایک دینار دیا تا کہ اس سے قربانی کا جانور یا بکری خریدے تو انہوں نے دو بکریاں خریدیں (ب) حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھا... جب ہم مدینہ آئے تو آپؐ نے فرمایا اے بلال! ان کو قرض دو اور زیادہ بھی دو تو حضرت بلال نے حضرت جابر کو چار دینار دیئے اور ایک قیراط زیادہ دیا۔

بالعيب مادام المبيع في يده فان سلمه الى موكل لم يرده الا باذنه [۱۳۸۵](۱۶) ويجوز التوكيل بعقد الصرف والسلم[۱۳۸۶] (۱۷)فان فارق الوكيل صاحبه قبل القبض بطل العقد ولا يعتبر مفارقة الموكل [۱۳۸۷](۱۸) واذا دفع الوكيل بالشراء الثمن من ماله وقبض المبيع فله ان يرجع به على الموكل[۱۳۸۸](۱۹) فان هلك المبيع في يده قبل

[۱۳۸۵](۱۶)عقد صرف یا عقد سلم کا بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

تشریح جس طرح عام تجارت میں وکیل بنانا جائز ہے اسی طرح بیع صرف اور بیع سلم میں بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

وجہ اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عمر کو صرف میں وکیل بنایا تھا۔ وقد وكل عمر ابن عمر في الصرف (الف) (بخاری شریف، باب الوکالۃ فی الصرف والمیزان ص ۳۰۸ نمبر ۲۳۰۲) (۲) آدمی کو عام تجارت کی طرح بیع صرف اور بیع سلم کرنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے ان میں وکالت جائز ہوگی۔

[۱۳۸۶](۱۷) پس اگر جدا ہو گیا وکیل معاملہ والے سے قبضہ سے پہلے تو عقد باطل ہو جائے گا۔ اور نہیں اعتبار ہے موکل کے جدا ہونے کا۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ بیع صرف میں ثمن اور مبیع پر قبضہ سے پہلے بائع یا مشتری جدا ہو گئے تو بیع فاسد ہو جائے گی لیکن یہاں چونکہ حقوق وکیل سے متعلق ہیں اور عقد بھی اسی نے کیا ہے اس لئے وکیل کے جدا ہونے کا اعتبار ہوگا، موکل کے جدا ہونے کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس لئے اگر وکیل قبضہ سے پہلے جدا ہو گیا تو بیع صرف یا بیع سلم فاسد ہو جائے گی۔ موکل کے جدا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ وہ عاقد نہیں ہے۔

[۱۳۸۷](۱۸) اگر خریدنے کے وکیل نے قیمت اپنے مال سے دی اور مبیع پر قبضہ کیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ موکل سے وہ قیمت وصول کرے۔

تشریح کسی چیز کے خریدنے کا وکیل تھا اس لئے اس نے وہ چیز خریدی اور قیمت اپنے پاس سے دی اور مبیع پر قبضہ کیا تو اس کو حق ہے کہ موکل سے پہلے چیز کی قیمت وصول کرے پھر وہ چیز حوالہ کرے۔

وجہ (۱) جب موکل نے وکیل بنایا تو گویا کہ وہ اس بات پر راضی ہو گیا کہ وکیل اپنے پاس سے قیمت دیں تو میں اس کو ادا کر دوں گا (۲) اب وکیل اور موکل گویا بائع اور مشتری ہیں۔ وکیل بائع ہے اور موکل مشتری ہے۔ اس لئے بائع مشتری سے قیمت وصول کرے گا۔ اس لئے اس کو قیمت وصول کرنے کا حق ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکیل نے اپنی رقم موکل کے لئے پھسائی ہے تو وہ اس سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔

[۱۳۸۸](۱۹) پس اگر مبیع ہلاک ہو جائے وکیل کے ہاتھ میں اس کو روکنے سے پہلے تو موکل کے مال میں سے ہلاک ہوا اور ثمن ساقط نہیں ہوگا

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے ابن عمر کو بیع صرف کا وکیل بنایا۔

حبسہ ھلک من مال الموکل ولم یسقط الثمن ولہ ان یحبسہ حتی یستوفی الثمن [۱۳۸۹](۲۰) فان حبسہ فھلک فی یدہ کان مضمونا ضمان الرھن عند ابی یوسف

تشریح اس عبارت میں دو باتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ وکیل کو حق ہے کہ اپنے پاس سے دی ہوئی قیمت کو وصول کرنے کے لئے مبیع روک لے اور جب تک موکل قیمت نہ دے تب تک وکیل مبیع اس کے حوالہ نہ کرے۔اس کی وجہ گزر چکی ہے کہ وکیل اور موکل اب بائع اور مشتری کے درجے میں ہوگئے ہیں۔اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر وکیل دی ہوئی قیمت وصول کرنے کے لئے ابھی تک مبیع روکی نہیں تھی کہ مبیع وکیل کے ہاتھ سے ہلاک ہوگئی تو یہ موکل کی چیز ہلاک ہوئی وکیل کی نہیں۔اور وکیل ابھی بھی اپنی جانب سے دی ہوئی قیمت موکل سے وصول کر سکتا ہے۔

وجہ (۱) جب تک وکیل موکل کو روکے نہیں اس وقت تک مبیع وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔اس لئے موکل کا مال وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھا اس لئے جو کچھ ہلاک ہوا وہ موکل کا ہلاک ہوا۔اس لئے وکیل اپنی دی ہوئی قیمت موکل سے لے سکتا ہے (۲) بخاری شریف میں ایک لمبی حدیث ہے کہ ابو ہریرہ کو زکوۃ کے مال کی حفاظت کا وکیل بنایا۔لیکن شیطان تین دن تک اس سے چرایا۔اور آپؐ نے ابو ہریرہ پر اس ضائع ہونے پر ضمان لازم نہیں کیا۔جس سے معلوم ہوا کہ وکالت کا مال وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔حدیث ہے عن ابی ھریرۃ قال وکلنی رسول اللہ ﷺ بحفظ زکوۃ رمضان فاتانی آت فجعل یحثو من الطعام فاخذتہ وقلت لارفعنک الی رسول اللہ ﷺ قال انی محتاج و علی عیال ولی حاجۃ شدیدۃ قال فخلیت عنہ (الف) (بخاری شریف، باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا فاجازہ الموکل فھو جائز وان اقرضہ الی اجل مسمی جائز ص ۳۱۰ نمبر ۲۳۱۱) اس حدیث میں شیطان کے چرانے کا ضمان حضرت ابو ہریرہ پر لازم نہیں ہوا (۳) عن الحسن قال المضارب مؤتمن وان تعدی امرک (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی ولمن الربح ج ثامن ص ۲۵۵ نمبر ۱۵۱۲۱) جب مضارب امین ہیں تو وکیل بھی امین ہوں گے۔

[۱۳۸۹](۲۰) پس اگر مبیع روک لیا پھر ہلاک ہوگئی وکیل کے ہاتھ میں تو مضمون ہوگی رہن کے ضمان کی طرح امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور مبیع کے ضمان کی طرح امام محمدؒ کے نزدیک۔

تشریح اگر وکیل نے قیمت لینے کے لئے موکل سے مبیع روک لی تو اب یہ مبیع امانت نہیں رہی بلکہ مضمون ہوگئی اس لئے اب ہلاک ہوئی تو یہ وکیل کے مال میں سے ہلاک ہوگی۔اب اس میں اختلاف ہے کہ کس طرح کا ضمان وکیل پر آئے گا۔مبیع کا ضمان یا رہن کا ضمان۔امام محمدؒ کے نزدیک مبیع کا ضمان ہوگا۔

وجہ جب وکیل نے مال روکا تو وہ بائع کی طرح ہوگیا کہ بائع جب قیمت لینے کے لئے مشتری کو دینے سے روکتا ہے اور پھر مبیع ہلاک ہو جائے تو

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھے رمضان کی زکوۃ کی حفاظت کا وکیل بنایا، پس ایک آدمی آیا اور کھانے سے لپو بھرنے لگا تو میں نے اس کو پکڑ لیا، اور میں نے کہا میں تم کو حضورؐ کے پاس لے جاؤں گا۔کہنے لگا میں محتاج ہوں اور مجھ پر عیال کا بوجھ ہے اور مجھے سخت ضرورت ہے۔حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے اس کو چھوڑ دیا (ب) حضرت حسن فرماتے ہیں مضارب امانت دار ہے اگر چہ آپ کے معاملہ میں تعدی کیا ہو۔

رحمه الله وضمان المبيع عند محمد رحمه الله[۱۳۹۰] (۲۱) واذا وكل رجل رجلين فليس لاحدهما ان يتصرف فيما وكلا فيه دون الآخر[۱۳۹۱] (۲۲) الا ان يوكلهما بالخصومة او بطلاق زوجته بغير عوض او بعتق عبده بغير عوض او برد وديعة عنده او

مبیع کی جتنی قیمت تھی سب ساقط ہو جائے گی اور مشتری سے کچھ بھی نہیں لے سکے گا۔ کیونکہ مشتری کو کچھ دیا ہی نہیں کہ اس سے کوئی قیمت لے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک رہن کا ضمان ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رہن والے کے پاس شیء مرہون ہلاک ہو جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ شیء مرہون کی قیمت کتنی تھی اور قرض کتنا تھا۔ جتنا قرض تھا اتنا ساقط ہو جائے گا اور زیادہ کی قیمت ہو وہ راہن کی طرف واپس لوٹائے گا۔ مثلا قرض ایک ہزار تھا اور شیء مرہون کی قیمت بارہ سو تھی اور شیء مرہون ہلاک ہوگئی تو ایک ہزار قیمت ایک ہزار قرض کے بدلے ساقط ہو جائے گی۔ اور دو سو درہم جو زیادہ تھے وہ واپس کرنا لازم ہوگا۔ یہی صورت یہاں ہوگی کہ اگر مبیع کی بازاری قیمت دیئے ہوئے ثمن سے کم ہو تو جتنی بازاری قیمت ہوگی وہ ساقط ہو جائے گی اور اس سے زائد جو ثمن ہوگا وہ وکیل موکل سے وصول کرے گا۔ مثلا چیز کی بازاری قیمت ایک ہزار ہے اور ثمن جو وکیل نے ادا کیا ہے وہ بارہ سو تھا تو دو سو وکیل موکل سے وصول کرے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مبیع کو روکنے سے پہلے مضمون نہیں تھی۔ یہ روکنے کے بعد مضمون ہوئی تو یہی حال رہن میں ہوتا ہے کہ شیء مرہون کے روکنے سے پہلے امانت ہے اور روکنے کے بعد بقدر قرض مضمون ہوتی ہے۔

اصول وکالت کی شیء روکنے سے مضمون ہوتی ہے اس سے پہلے امانت کی ہوتی ہے۔

[۱۳۹۰] (۲۱) اگر کسی نے دو آدمیوں کو وکیل بنایا تو ان میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کو چھوڑ کر اس میں تصرف کرے جس کا وکیل بنایا ہے۔

تشریح دو آدمیوں کو کسی کام کا وکیل بنایا تو اس میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کو چھوڑ کر اکیلا وہ کام کر لے، بلکہ اس کام میں دونوں وکیلوں کو شریک ہونا ضروری ہے۔

وجہ موکل نے دونوں کی رائے پر اعتماد کیا ہے ایک کی رائے پر اعتماد نہیں کیا ہے اس لئے دونوں کی رائے شامل ہونا ضروری ہے۔ البتہ جن کاموں میں رائے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف موکل کی بات کو پیش کرنا ہے وہاں دونوں وکیلوں میں سے ایک نے بھی کام کر لیا تو جائز ہوگا۔

اصول جہاں رائے مشورے کی ضرورت ہے وہاں دو آدمیوں کو وکیل بنایا تو دونوں کی رائے شامل ہونا ضروری ہے۔

[۱۳۹۱] (۲۲) مگر یہ کہ دونوں کو وکیل بنائے مقدمہ کے لئے یا بغیر عوض کے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے یا بغیر عوض کے اپنے غلام کو آزاد کرنے کے لئے یا اس کے پاس جو امانت تھی اس کو واپس کرنے کے لئے یا اس پر جو قرض تھا اس کو ادا کرنے کے لئے۔

تشریح یہاں پانچ مثالیں دی ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ جن کاموں میں رائے کی ضرورت نہیں ہے صرف موکل کی بات پیش کرنا ہے ان میں اگر دو آدمیوں کو وکیل بنایا اور ایک وکیل نے کام کر لیا تب بھی درست ہو جائے گا۔ مثلا اگر خصومت کے لئے دو آدمیوں کو وکیل بنایا اور

بقضاء دين عليه[١٣٩٢] (٢٣) وليس للوكيل ان يوكل فيما وكل به الا ان يأذن له الموكل او يقول له اعمل برأيك[١٣٩٣] (٢٤) فان وكل بغير اذن موكله فعقد وكيله بحضرته جاز[١٣٩٤] (٢٥) وان عقد بغير حضرته فاجازه الوكيل الاول جاز[١٣٩٥]

دونوں مجلس قضاء میں بولنے لگیں تو شور ہوگا اور آداب مجلس کے خلاف ہے۔اس لئے ایک وکیل کا بولنا کافی ہے۔اسی طرح بغیر عوض کے بیوی کو طلاق دینا ہے تو چونکہ عوض نہیں لینا صرف شوہر کی بات کو نقل کرنا ہے جس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔اس لئے اس میں دوسرے وکیل کے مشورے کی چنداں ضرورت نہیں اس لئے ایک ہی وکیل کام کر لے تو درست ہے۔بغیر عوض کے غلام آزاد کرنے میں بھی یہی حال ہے۔اپنے پاس کسی کی امانت ہے اس کو واپس بہر حال کرنا ہے اس لئے دوسرے وکیل کی رائے کی ضرورت نہیں۔یا قرض ادا کرنا ہے جو بہر حال کرنا ہی ہے اس لئے دوسرے وکیل کے مشورے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔اس لئے ایک وکیل کر دے تو درست ہو جائے گا۔

نوٹ اگر یوں کہا کہ اگر چاہو تو تم دونوں وکیل طلاق دیدو تو چونکہ یہاں رائے کی ضرورت ہے اس لئے دونوں وکیلوں کی ضرورت ہوگی۔

[١٣٩٢] (٢٣) وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کام میں دوسرے کو وکیل بنائے جس میں اس کو وکیل بنایا ہے مگر یہ کہ اجازت دیدے موکل یا اس کو موکل کہہ دے کہ اپنی صواب دید کے مطابق کریں۔

تشریح جس کام کا موکل نے وکیل بنایا ہے۔وکیل چاہے کہ اس کام کا وکیل کسی دوسرے کو بنا دے ایسا نہیں کر سکتا۔ہاں! موکل دوسرے کو وکیل بنانے کی اجازت دیدے یا یوں کہے کہ آپ اپنی صواب دید کے مطابق کام کر سکتے ہیں تو وہ دوسرے کو وکیل بنا سکتے ہیں۔

وجہ موکل نے وکیل کی رائے پر اعتماد کیا ہے۔وکیل کے وکیل کی رائے پر اعتماد نہیں کیا ہے اس لئے وہ وکیل نہیں بنا سکتا (٢) قاعدہ یہ ہے کہ جو عہدہ آپ کو سپرد کیا ہے وہ بغیر اجازت کے کسی اور کو سپرد نہیں کر سکتے۔ہاں! اجازت دیدے تو وکیل بنا سکتا ہے۔لیکن بعد میں وہ وکیل خود اصل موکل کا وکیل ہوگا وکیل کا وکیل نہیں ہوگا۔

[١٣٩٣] (٢٤) پس اگر موکل کی اجازت کے بغیر وکیل بنایا، پس اس کے وکیل نے اس کے سامنے عقد کیا تو جائز ہے۔

تشریح وکیل نے موکل کی اجازت کے بغیر وکیل بنا دیا۔پھر دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کے سامنے وہ کام کیا تو درست ہو جائے گا۔

وجہ وکیل بنانے میں اصل مقصود رائے ہے۔پس جب دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں کام کیا تو پہلے وکیل کی رائے اس کام میں شامل ہوگئی۔اس لئے دوسرے وکیل کا کام کرنا درست ہے۔گویا کہ پہلے ہی وکیل نے کام انجام دیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکیل اول کی رائے شامل ہونا کافی ہے۔

[١٣٩٤] (٢٥) اور اگر وکیل کی غیر موجودگی میں کام کیا پھر وکیل نے اجازت دیدی تو جائز ہو جائے گا۔

تشریح وکیل نے بغیر موکل کی اجازت کے وکیل بنایا تھا پھر اس نے وکیل اول کی غیر موجودگی میں کام انجام دیا پھر وکیل اول نے اس کو پسند کیا اور اجازت دیدی تب بھی جائز ہو گیا۔

(۲۶) وللموكل ان يعزل الوكيل عن الوكالة فان لم يبلغه العزل فهو على وكالته وتصرفه جائز حتى يعلم[۱۳۹۶] (۲۷) وتبطل الوكالة بموت الموكل وجنونه جنونا مطبقا

وجہ وکیل اول کی رائے شامل ہونا اصل تھی وہ ہوگئی اس لئے اس کا کام کرنا جائز ہوگیا۔

[۱۳۹۵] (۲۶) اور موکل کے لئے جائز ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کر دے، پس اگر وکیل کو معزول ہونے کی خبر نہ پہنچے تو وہ اپنی وکالت پر ہے اور اس کا تصرف جائز ہے یہاں تک کہ اس کو علم ہو جائے۔

تشریح موکل نے وکیل کو وکیل بنایا ہے اور اس کا حق بھی ہے اس لئے اس کو حق بھی ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کر دے۔ البتہ معزول ہونے کے لئے وکیل کو خبر ہونا ضروری ہے۔ اس لئے جب تک کہ وکیل کو اپنے معزول ہونے کی خبر نہ ہو اس وقت تک وہ وکیل رہے گا۔ اور اس درمیان اس کا خریدنا بیچنا جائز ہوگا۔

وجہ معزول تو اس لئے کر سکتا ہے کہ موکل کا حق ہے۔ اور وکیل کو علم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اگر اس کو علم نہ ہو تو وہ کیسے تصرف کرنے سے رکے گا، وہ تو اپنے علم کے مطابق خرید و فروخت کرتا چلا جائے گا۔ پھر اس درمیان اگر اپنا روپیہ دے دیا ہوگا تو موکل سے بھی رقم واپس لینی ہے۔ پس اگر علم کے بغیر معزول ہو جائے تو وکیل کو بلا وجہ ضرر و نقصان ہوگا۔

نوٹ معزول ہونے کے تین قسم کے حالات ہیں اور تینوں کے حکم الگ الگ ہیں۔ پہلا یہ کہ موکل وکیل کو معزول کرے تو وکیل کو خبر ملے بغیر معزول نہیں ہوگا۔ دوسرا یہ کہ قدرتی حالات سے وکیل معزول ہو جائے مثلا موکل کا انتقال ہو گیا یا معین عورت سے شادی کرنے کا وکیل بنایا تھا اور وہ مر گئی تو ان قدرتی حادثات کی شکل میں وکیل خود بخود معزول ہو جائے گا۔ چاہے وکیل کو معزول ہونے کی اطلاع ہو یا نہ ہو۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ جس چیز کا وکیل بنایا موکل نے خود وہ کام کر لیا تو چاہے وکیل کو علم نہ ہو پھر بھی وہ معزول ہو جائے گا۔ کیونکہ جب وہ کام ہی نہیں رہا تو وکیل کیسے رہے گا؟ مثلا موکل نے غلام بیچنے کا وکیل بنایا پھر اس نے خود ہی بیچ دیا یا آزاد کر دیا تو چاہے وکیل کو اس کا علم نہ ہو وکالت باطل ہو جائے گی۔ آگے کے مسئلے میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

اصول اختیاری طور پر معزول کرے تو وکیل کو علم ہونا ضروری ہے۔

[۱۳۹۶] (۲۷) وکالت باطل ہو جاتی ہے موکل کے مرنے سے، اس کے بالکل مجنون ہو جانے سے یا مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے

تشریح موکل ایسی حالت میں چلا گیا کہ وکیل بنانے کے قابل ہی نہیں رہا اس سے بھی وکالت باطل ہو جائے گی۔ اور اس صورت میں وکیل کو معزول ہونے کی خبر ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہ بغیر اطلاع کے بھی معزول ہو جائے گا۔ مثلا وہ مر گیا یا مکمل طور پر پاگل ہو گیا۔ مکمل طور پر پاگل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مہینہ بھر پاگل رہا یا مرتد ہو گیا اور دار الحرب میں بھاگ گیا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ بھی کر دیا تو بغیر خبر ملے بھی وکیل کی وکالت باطل ہو جائے گی۔

وجہ شروع میں اوپر کی صورت پیش آجائے تو وکیل نہیں بنا سکتا تو اب وکالت بحال کیسے رہے گی؟ (۲) موکل ہی دنیا میں نہیں رہا تو اس کا وکیل کیسا؟ (۳) وکیل فرع ہے اور موکل اصل ہے۔ اور اصل میں کام کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہی تو وکیل جو فرع ہے اس میں کام کرنے کی

ولحاقه بدار الحرب مرتدا[۱۳۹۷] (۲۸) واذا وكل المكاتب رجلا ثم عجز او الماذون له فحجر عليه او الشريكان فافترقا فهذه الوجوه كلها تبطل الوكالة علم الوكيل او لم يعلم[۱۳۹۸] (۲۹) واذا مات الوكيل او جن جنونا مطبقا بطلت وكالته[۱۳۹۹]

اہلیت کیسے باقی رہے گی؟

نوٹ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ جنون سے اور دار الحرب چلے جانے سے آدمی مین تصرف کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہتی۔

اصول قدرتی حادثہ سے وکیل کو خبر نہ بھی ملے پھر بھی اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے۔

نوٹ حاکم اور امیر کے جتنے وکیل ہیں ان کے مرنے سے وکیلوں کی وکالت ختم نہیں ہوگی وہ اپنی وکالت پر بحال رہیں گے۔

وجہ وہ اصل میں حاکم اور امیر کے وکیل نہیں ہیں بلکہ عوام کے وکیل ہیں اور وہ زندہ ہیں اس لئے ان کی وکالت باطل نہیں ہوگی (۲) حضورؐ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپؐ کے متعین کردہ تمام وکیل اپنی اپنی جگہ پر کام کرتے رہے، کوئی آپ کی وفات سے معزول نہیں ہوا۔

نوٹ مرتد اگر ابھی دار الحرب نہیں گیا ہے تو اس کا تصرف موقوف رہتا ہے اس لئے اس کا وکیل معزول نہیں ہوگا۔ صرف موکل کی طرح اس کا تصرف موقوف رہے گا۔

لغت مطبق : عقل کو ڈھانک لینے والا جنون، مکمل پاگل۔

[۱۳۹۷] (۲۸) اگر مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا پھر وہ عاجز ہو گیا یا ماذون غلام نے وکیل بنایا پھر وہ مجور ہو گیا یا دو شریکوں نے وکیل بنایا پھر وہ دونوں جدا ہو گئے تو یہ کل وجہیں وکالت کو باطل کر دیتی ہیں، چاہے وکیل کو علم ہو یا نہ ہو۔

تشریح مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا پھر مکاتب اپنا مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا اور پھر سے غلام بن گیا تو اس کا جو وکیل تھا وہ خود بخود معزول ہو جائے گا۔ چاہے اس کو اپنے موکل کے عاجز ہونے کی خبر ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح غلام کو تجارت کی اجازت تھی جس کی وجہ سے اس نے وکیل بنایا تھا۔ اب اس کے مولی نے اس کو تجارت سے روک دیا اور مجور کر دیا تو ایسا کرتے ہی غلام کے وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح دو شریک تھے جنہوں نے وکیل بنایا تھا اب دونوں جدا ہو گئے جس کی وجہ سے وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ جب شرکت ہی نہیں رہی تو شرکت کے ماتحت عقد کیسے کریں گے؟

وجہ یہ سب قدرتی حادثات ہیں جن کی وجہ سے موکل میں عقد کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہی اور اسی بنیاد پر وکیل میں اہلیت تصرف ختم ہو جائے گی اور وکالت ختم ہو جائے گی۔ اور غیر اختیاری طور پر قدرتی حادثات کی بنا پر وکیل کی وکالت ختم ہوتی ہو تو معزول ہونے کے لئے وکیل کو اطلاع ملنا ضروری نہیں ہے (۲) اس کی ایک دلیل آگے آرہی ہے جو عمرؓ کا فیصلہ ہے۔

اصول وکیل بحال رکھنے کے لئے خود موکل میں اہلیت بحال رہنا ضروری ہے ورنہ وکالت ختم ہو جائے گی۔

[۱۳۹۸] (۲۹) اور اگر وکیل مر جائے یا مکمل مجنون ہو گیا تو اس کی وکالت باطل ہو گئی۔

(۳۰) وان لحق بدار الحرب مرتدا لم یجز له التصرف الا ان یعود مسلما [۱۴۰۰]

(۳۱) ومن وکل رجلا بشیء ثم تصرف الموکل بنفسه فیما وکل به بطلت الوکالة.

وجہ وکالت بحال رہنے کے لئے وکیل میں اہلیت تصرف ہونا ضروری ہے کہ وہ عاقل بالغ اور آزاد ہو۔لیکن جب مکمل مجنون ہو گیا تو اہلیت تصرف ختم ہوگئی یا مرگیا تو ختم ہو گیا اس لئے وکالت خود بخود باطل ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکالت بحال رہنے کے لئے وکیل میں اہلیت تصرف برقرار رہنا ضروری ہے ورنہ وکالت باطل ہو جائیگی۔

نوٹ گھنٹہ دو گھنٹہ کے جنون سے وکالت باطل نہیں ہوگی۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے۔**اذا مات الانسان انقطع عنه عمله**(الف)(ابو داؤد شریف نمبر ۲۸۸۰)

لغت مطبق : گھیرا ہوا ہو، مکمل جنون ہو، کافی دیر تک افاقہ نہ ہوتا ہو۔

[۱۳۹۹](۳۰) اگر وکیل مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تو اس کے لئے وکالت کا تصرف جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو کر واپس آجائے۔

تشریح وکیل مسلمان تھا مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا تو اس کی اہلیت تصرف ختم ہوگئی اس لئے وہ وکیل نہیں رہے گا۔لیکن اگر مسلمان ہو کر واپس دار الاسلام آجائے تو کیا دوبارہ وکیل بحال ہو سکتا ہے؟ تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہاں! دوبارہ وکیل بحال ہو سکتا ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ عاقل، بالغ اور آزاد ہے۔اس لئے اس کی اہلیت تصرف مکمل ختم نہیں ہوئی تھی صرف دار الحرب جانے کی وجہ سے عقد کرنے سے عاجز تھا لیکن جب واپس دار الاسلام مسلمان ہو کر آ گیا تو اب عقد کرنے سے عاجز نہیں رہا اس لئے عقد کر سکتا ہے اور وکالت بحال ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد کی وکالت موقوف رہے گی، مسلمان ہو کر واپس آنے پر بحال ہو جائے گی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دار الحرب جانے کی وجہ سے گویا کہ وہ مردہ ہو گیا اس لئے واپس آنے سے اس کی وکالت بحال نہیں ہوگی۔البتہ موکل نئے سرے سے وکیل بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ دار الحرب جانے سے اہلیت مکمل ختم ہوگئی۔

[۱۴۰۰](۳۱) کسی نے کسی کو کام کا وکیل بنایا پھر موکل نے خود ہی وہ کام کر لیا جس کا وکیل بنایا تھا تو وکالت باطل ہو جائے گی۔

تشریح جس کام کا وکیل بنایا موکل نے خود ہی وہ کام کر لیا تو وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔

وجہ (۱) جس خاص کام کا وکیل بنایا وہ کام ہی نہیں رہا تو وکیل کس چیز کا رہے گا۔اس لئے وکالت ختم ہو جائے گی چاہے وکیل کو اس کا علم نہ ہو (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**قال قضی عمر فی امة غزا مولاها وامر رجلا ببیعها ثم بدا لمولاها فاعتقها واشهد علی ذلک وقد بیعت الجاریة فحسبوا فاذا عتقها قبل بیعها فقضی عمر ان یقضی بعتقها ویرد ثمنها ویوخذ صداقها لما کان قد وطئها** (ب)(سنن للبیہقی، باب ما جاء فی الوکیل ینعزل اذا عزل وان لم یعلم به، ج سادس، ص ۱۳۶، نمبر ۱۱۴۴۵) اس اثر میں ہے

حاشیہ : (الف) جب انسان مرجائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے (ب) حضرت عمرؓ نے ایک باندی کے بارے میں فیصلہ کیا، باندی کا مولی (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۴۰۱] (۳۲) والوكيل بالبيع والشراء لايجوز له ان يعقد عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى مع ابيه وجده وولده وولد ولده وزوجته وعبده ومكاتبه[۱۴۰۲] (۳۳) وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله تعالى يجوز بيعه منهم بمثل القيمة الا فى عبده ومكاتبه.

کہ مولی نے باندی کو بیچنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی آزاد کر دیا۔اور حساب سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنا بیچنے سے پہلے تھا تو حضرت عمرؓ نے باندی کے آزاد ہونے کا فیصلہ کیا اور گویا کہ موکل کے تصرف کرنے کی وجہ سے چاہے وکیل کو معلوم نہ ہو اس کی وکالت باطل ہو گئی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کام کا وکیل بنایا وہ کام ہو گیا تو اب وکالت کس چیز کی رہے گی۔

[۱۴۰۱] (۳۲) بیچنے اور خریدنے کے وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ عقد کرے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اپنے باپ، اپنے دادا، اپنے لڑکے، اپنے پوتے، اپنی بیوی، اپنے غلام اور اپنے مکاتب غلام کے ساتھ۔

تشریح امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے باپ، دادا، بیٹے، پوتے، بیوی، غلام اور اپنے مکاتب کے ساتھ خرید و فروخت کرے۔

وجہ ان لوگوں کا رشتہ بہت قریب کا ہے۔اس لئے موکل کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں سے مہنگا خریدا ہے یا سستا بیچا ہے۔اس تہمت کی بنیاد پر ان لوگوں سے خریدنا بیچنا جائز نہیں ہے۔ اتقوا مواضع التهم۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تہمت کی جگہ سے بچنا چاہئے۔

[۱۴۰۲] (۳۳) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا ان سے مثل قیمت میں بیچنا جائز ہے، مگر اپنے غلام میں اور مکاتب میں۔

تشریح امام صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ان رشتہ داروں سے اتنی قیمت میں بیچ سکتا ہے جتنی بازار میں اس کی قیمت ہے۔جس کو مثل قیمت کہتے ہیں۔

وجہ موکل نے مطلق بیع کرنے کے لئے کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مثل قیمت میں کسی سے بھی بیچ خرید سکتا ہے۔اس لئے ان رشتہ داروں سے بیچ خرید سکتا ہے۔البتہ اپنے غلام اور مکاتب سے بیچ یا خرید نہیں سکتا۔

وجہ اس لئے کہ غلام کا مال اور مکاتب کا مال خود وکیل کا مال ہے تو گویا کہ اپنے ہی مال سے بیچا جو جائز نہیں ہے۔کیونکہ اپنے مال سے بیچنے میں تہمت ہے۔اس لئے اپنے غلام اور مکاتب سے نہیں بیچ سکتا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مثلی قیمت سے بیچنے میں تہمت نہیں ہے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) غزوہ کرنے گیا اور ایک آدمی کو اس کے بیچنے کا حکم دیا پھر مولی کو خیال آیا اور اس کو آزاد کر دیا اور اس پر گواہ بنایا، اور باندی کو وکیل نے بیچ دیا تھا۔ پھر لوگوں نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ بیچنے سے پہلے آزاد کیا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا اس کے آزاد ہونے کا اور اس کی قیمت واپس کرنے کا۔ اور اس کا مہر لیا جائے کیوں کہ اس سے وطی کی تھی۔

[۱۴۰۳](۳۴) والوکیل بالبیع یجوز بیعه بالقلیل والکثیر عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا لا یجوز بیعه بنقصان لا یتغابن الناس فی مثله[۱۴۰۴] (۳۵) والوکیل بالشراء یجوز عقده بمثل القیمة وزیادة یتغابن الناس فی مثلها ولا یجوز بما لایتغابن

[۱۴۰۳](۳۴) بیچنے کے وکیل کے لئے جائز ہے کہ ان کو بیچے کم میں اور زیادہ میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں جائز ہے اس کا بیچنا اتنی کمی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔

تشریح کسی کو کسی چیز کے بیچنے کا وکیل بنایا تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کو اختیار ہے کہ کم قیمت میں بیچے یا زیادہ قیمت میں، دونوں طرح بیچنا درست ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب موکل نے کوئی قید نہ لگائی ہو بلکہ مطلق چھوڑا ہو۔

وجہ امام صاحب کی نظر مطلق لفظ کی طرف گئی ہے کہ دونوں طرح کے بیچنے کو بیچنا کہتے ہیں۔ اور موکل نے مطلق بیع کا وکیل بنایا ہے کوئی قید نہیں لگائی ہے اس لئے کمی بیشی جیسے بھی بیچے گا اس کو بیچنا کہیں گے اور بیع درست ہوگی۔

اصول مطلق بولا ہو تو اطلاق کی طرف جائیگا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اتنی کمی میں بیچنا درست نہیں ہوگا جتنی کمی میں اس جیسی مبیع کو بیچنے کا عام رواج نہ ہو۔

وجہ ان کی نظر اس بات کی طرف گئی ہے کہ مطلق سے مراد عام عرف ہے کہ موکل نے اگر چہ مطلق کہا ہے کہ اس کو بیچو، مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ عام عرف میں جتنی اس کی قیمت ہے اس کے عوض بیچو۔ اتنی کمی میں مت بیچو جتنے کا رواج نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کہیں مطلق بولا ہو تو اس کا مدار عام عرف پر ہوگا۔ **متاعا بالمعروف حقا علی المتقین (الف)**

لغت لایتغابن الناس : جتنے میں لوگ عام طور پر دھوکہ نہ کھاتے ہوں، جتنے کا رواج نہ ہو۔

[۱۴۰۴](۳۵) خریدنے کا وکیل جائز ہے اس کا عقد مثل قیمت سے اور اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج ہو اور نہیں جائز ہے اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔

تشریح خریدنے کا وکیل بنایا تھا تو اتنا زیادہ قیمت دے کر خریدنا جائز ہوگا جتنا رواج ہے کہ اس جیسی چیز میں لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ قیمت دے کر خریدنا جائز نہیں ہوگا۔

وجہ یہاں یہ شبہ ہے کہ وکیل نے وہ چیز اپنے لئے زیادہ قیمت میں خریدی تھی پھر اس کو موافق نہیں آئی تو وہ موکل کو حوالے کرنے لگا ہے۔ اس شبہ اور تہمت کی وجہ سے مایتغابن الناس سے زیادہ سے خریدنے کی اجازت نہیں ہے۔

نوٹ موکل نے کوئی خاص چیز خریدنے کے لئے کہا ہو تو زیادہ قیمت سے بھی خرید سکتا ہے۔ کیونکہ وہ وکیل اپنے لئے نہیں خرید سکتا ہے۔ اس لئے اپنے لئے خریدنے کی تہمت نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) فائدہ اٹھانا ہے معروف کے ساتھ یہ حق ہے متقین پر۔

الناس فی مثله[۱۴۰۵] (۳۶) والذی لا یتغابن الناس فیه مالا یدخل تحت تقویم المقومین [۱۴۰۶] (۳۷) واذا ضمن الوکیل بالبیع الثمن عن المبتاع فضمانه باطل [۱۴۰۷] (۳۸) فاذا وکله ببیع عبده فباع نصفه جاز عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی

[۱۴۰۵] (۳۶) جس کا لوگوں میں رواج نہیں وہ قیمت ہے جو قیمت لگانے والوں کی قیمت لگانے مین داخل نہ ہو۔

تشریح اس عبارت میں ما یتغابن الناس کی تشریح کر رہے ہیں کہ جو قیمت لگانے کے ماہرین ہیں ان کی قیمت لگانا جہاں تک پہنچے وہ ما یتغابن الناس ہے۔ اور اس سے اوپر کی قیمت لا یتغابن الناس ہے۔ کیونکہ عموما لوگ اتنا دھوکہ نہیں کھاتے ہیں۔

[۱۴۰۶] (۳۷) اگر بیچنے کا وکیل مشتری کی جانب سے قیمت ضامن ہو جائے تو اس کا ضمان باطل ہے۔

تشریح کسی چیز کے بیچنے کا وکیل تھا اس کو بیچا اور مشتری کی جانب سے خود ہی قیمت کا ضامن بن گیا کہ میں خود قیمت دے دوں گا تو یہ ضامن بننا باطل ہے۔

وجہ وکیل وصول کرنے کا ذمہ دار تھا اور یہ خود قیمت دینے کا ذمہ دار بن گیا تو ایک ہی آدمی دینے اور لینے کا ذمہ دار بنا اس لئے یہ ذمہ داری باطل ہے (۲) وکیل کے پاس مبیع امانت کے طور پر تھی اور اس کی قیمت کا ذمہ دار بنا تو وہ ضمانت کے طور پر ہو جائے گی اور امانت اور ضمانت میں تضاد ہے اس لئے یہ ضمانے باطل ہے۔

[۱۴۰۷] (۳۸) اگر وکیل بنایا اپنے غلام کے بیچنے کا، پس اس کا آدھا بیچا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ بیچنے کے حکم میں آدھا بیچنا اور پورا بیچنا دونوں شامل ہے۔ اس لئے جب بیچنے کا حکم دیا تو آدھا بھی بیچ سکتا ہے اور پورا بھی بیچ سکتا ہے۔

اصول امام اعظم کے نزدیک مطلق لفظ دونوں کو شامل ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ آدھا بیچا اور جھگڑا سے پہلے باقی آدھا بیچا تو درست ہے۔ اور اگر باقی آدھا نہ بیچ سکا تو پہلا آدھا بیچنا درست نہیں۔

وجہ پہلا آدھا بیچا تو کہا جا سکتا ہے یہ آدھا بیچنا باقی آدھا بیچنے کا وسیلہ ہے۔ اس لئے وہ آدھا بیچنا درست ہے۔ لیکن باقی آدھا نہ بیچ سکا تو معلوم ہوا کہ پہلا آدھا بیچنا باقی آدھا بیچنے کے لئے وسیلہ نہیں ہے۔ اس لئے پہلا آدھا بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں موکل اور مشتری کے درمیان شرکت ہو گئی۔ اور صاحبین کا قاعدہ گزر چکا ہے کہ موکل کا حکم اگر چہ مطلق ہو لیکن اس کا مدار معروف پر ہوتا ہے۔ اور معروف یہ ہے کہ اس طرح بیچیں کہ شرکت کا ضرر مجھے نہ ہو۔ اور وکیل نے آدھا بیچ کر شرکت کا ضرر کیا اس لئے آدھا بیچنا جائز نہیں ہے۔

اصول صاحبین کا اصول گزر چکا ہے کہ مطلق حکم میں معروف طریقے کا حکم مراد ہوتا ہے (۲) ان کا استدلال اس اثر سے ہے۔ **عن ابراہیم قال یاکل ویلبس بالمعروف وقال الربیع عن الحسن یاکل بالمعروف** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب نفقة المضارب ووضیعته ج ثامن ص ۲۴۷ نمبر ۱۵۰۸۳ / بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷) اس اثر میں اگر چہ مضارب کے بارے

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا مضارب کھا سکتا ہے اور پہن سکتا ہے معروف کے ساتھ۔ اور حضرت حسن نے فرمایا کھا سکتا ہے معروف کے ساتھ۔

[۱۴۰۸](۳۹) وان وکلہ بشراء عبد واشتری نصفہ فاشراء موقوف فان اشتری باقیہ لزم الموکل[۱۴۰۹](۴۰) واذا وکلہ بشراء عشرۃ ارطال لحم بدرھم فاشتری عشرین

میں ہے کہ وہ معروف انداز سے کھا سکتا ہے اور پہن سکتا ہے۔لیکن یہ قاعدہ ہر جگہ جاری ہوگا کہ جہاں بھی **مطلق** ہوگا وہاں دیکھا جائے گا کہ معاشرے میں اس کا کیا مطلب ہے اور اسی پر فیصلہ ہوگا جس کو معروف کہتے ہیں۔

[۱۴۰۸](۳۹) اگر کسی غلام خریدنے کا وکیل بنایا اور اس کا آدھا خریدا تو خریدنا موقوف ہوگا، پس اگر باقی آدھا خریدا تو موکل کو لازم ہوگا۔

تشریح غلام خریدنے کا وکیل بنایا لیکن وکیل نے پورا غلام خریدنے کے بجائے آدھا غلام خریدا، پس اگر باقی آدھا بھی خرید لیا تو موکل کو یہ غلام لازم ہوگا۔اور باقی آدھا نہ خرید سکا تو یہ آدھا موکل کو لازم نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ آدھا خود وکیل کے لئے ہو جائے گا۔

وجہ یہاں قوی شبہ ہے کہ آدھا وکیل نے اپنے لئے خریدا تھا لیکن اس کو پسند نہ آیا تو موکل کے ماتھے پر ڈال دیا اور موکل کو شرکت کے ضرر میں پھسا دیا۔اس لئے یہ آدھا خریدنا موکل کو لازم نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا بشرطیکہ تہمت کا شبہ نہ ہو، جہاں تہمت کا شبہ ہو وہاں مطلق نہیں رہے گا بلکہ مقید ہو جائے گا۔

[۱۴۰۹](۴۰) اگر وکیل بنایا دس رطل گوشت خریدنے کا ایک درہم کے بدلے، پس خرید لیا بیس رطل ایک درہم کے بدلے ایسا گوشت جو بیچا جاتا ہو دس رطل ایک درہم کے بدلے تو موکل کو اس سے دس رطل لازم ہوگا آدھے درہم کے بدلے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا لازم ہوگا موکل کو بیس رطل۔

تشریح ایک آدمی کو ایک درہم کے بدلے دس رطل گوشت خریدنے کا وکیل بنایا۔اس نے ایسا ہی عمدہ گوشت جو ایک درہم میں دس رطل بکتا ہو ایک درہم میں بیس رطل خرید لایا تو یہ بیس رطل موکل کو لازم ہوگا یا آدھے درہم کے بدلے دس رطل لازم ہوگا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔امام ابو حنیفہؒ کی نظر اس بات کی طرف گئی کہ موکل کو صرف دس رطل گوشت کی ضرورت ہے اگر چہ اس کا خیال یہ تھا کہ دس رطل ایک درہم میں ملے گا اس لئے ایک درہم دے دیا۔اب دس رطل آدھے درہم میں مل گیا تو آدھا درہم ہی لازم ہوگا اور دس رطل لینا لازم ہوگا اس سے زیادہ نہیں۔البتہ وہ اپنی خوشی سے لے لے تو اور بات ہے۔ورنہ آدھا گوشت یعنی دس رطل وکیل کو لینا پڑے گا اور آدھا درہم اپنی جیب سے دینا ہوگا۔

وجہ امام اعظم کی نگاہ دس رطل گوشت کی طرف گئی ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عروۃ یعنی ابن الجعد البارقی قال اعطاہ النبی ﷺ دینارا یشتری بہ اضحیۃ او شاۃ فاشتری شاتین فباع احداھما بدینار فاتاہ بشاۃ و دینار فدعا لہ بالبرکۃ فی بیعہ (الف)** (ابو داؤد شریف، باب فی المضارب یخالف ج ثانی ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۴ رترمذی شریف نمبر ۱۲۵۷) اس حدیث میں ایک

حاشیہ : (الف) جعد بارقی فرماتے ہیں کہ اس کو حضورؐ نے ایک دینار دیا تا کہ قربانی یا بکری خرید کر لائے، پس دو بکریاں خرید کر لائے، پس ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچا پھر ایک بکری اور ایک دینار لے کر آئے تو آپؐ نے اس کی بیع میں برکت کی دعا کی۔

رطلا بدرهم من لحم يباع مثله عشرة ارطال بدرهم لزم الموكل منه عشرة ارطال بنصف درهم عند ابی حنيفة رحمه الله تعالی وقالا رحمهما الله يلزمه العشرون[۱۴۱۰] (۴۱) وان وكله بشراء شیء بعينه فليس له ان يشتريه لنفسه[۱۴۱۱] (۴۲) وان وكله بشراء عبد بغير عينه فاشتری عبدا فهو للوكيل الا ان يقول نويت الشراء للموكل او يشتريه بمال الموكل[۱۴۱۲] (۴۳) والوكيل بالخصومة وكيل بالقبض عند ابی حنيفة وابی

دینار میں ایک بکری خریدنے کے لئے کہا تو راوی نے دو بکریاں خریدی لیکن راوی کی نظر اس بات کی طرف گئی کہ ضرورت ایک بکری کی ہے اس لئے ایک بکری بیچ کر ایک دینار اور ایک بکری لے کر واپس آئے۔ جس سے پتہ چلا کہ ضرورت کی طرف نظر جانی چاہئے۔

اور صاحبین کی نظر رقم خرچ کرنے کی طرف گئی ہے کہ ایک درہم خرچ کرنے کے لئے دیا ہے اس سے چاہے دس رطل گوشت آجائے چاہے بیس رطل گوشت آجائے۔ موکل نے سمجھا کہ ایک درہم میں دس رطل ہی گوشت آئے گا اس لئے اس نے دس رطل لانے کے لئے کہا۔ اس لئے اگر بیس رطل لے آیا تو اس کے لئے خیر کا کام کیا۔ اس لئے ایک درہم میں بیس رطل گوشت موکل پر لازم ہو جائے گا۔

اصول ان کا اصول ہے کہ پوری رقم خرچ کرنا ہے چاہے جتنا گوشت آجائے۔

لغت رطل : ایک خاص قسم کا وزن جو آدھا کیلو کا ہوتا ہے جو 442.25 گرام کا ہوتا ہے۔

[۱۴۱۰] (۴۱) اگر کسی متعین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو اپنے لئے خریدے۔

وجہ موکل نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ میرے لئے خریدے گا اور وکیل نے اپنے لئے خرید لیا تو اس میں ایک قسم کا دھوکہ دینا ہوا۔ اس لئے وکیل متعین چیز کو اپنے لئے نہیں خرید سکتا۔

[۱۴۱۱] (۴۲) اور اگر کسی غیر متعین غلام کو خریدنے کا وکیل بنایا، پس اس نے غلام خریدا تو وکیل کے لئے ہوگا، مگر یہ کہ کہے میں نے موکل کے لئے خریدنے کی نیت کی تھی یا اس کو موکل کے مال سے خریدے۔

تشریح غیر متعین غلام خریدنے کا وکیل بنایا تھا۔ ایسی صورت میں ایک غلام خریدا تو جب کوئی ایسی علامت نہ ہو کہ یہ موکل کے لئے خریدا ہے اس وقت تک وہ غلام وکیل کے لئے ہی شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ عموما آدمی اپنے لئے ہی خریدتا ہے۔ موکل کے لئے خریدنے کی علامت میں سے یہ ہے کہ خریدتے وقت موکل کی نیت کرے یا کم از کم موکل کے مال سے غلام خریدے تو وہ غلام موکل کے لئے ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ موکل کے لئے خریدنے کی علامت ہو تو موکل کے لئے ہوگا ورنہ اپنی ذات کے لئے ہوگا۔

[۱۴۱۲] (۴۳) مقدمے کا وکیل قبضہ کا بھی وکیل ہے امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

تشریح کسی کو مقدمہ اور خصومت کا وکیل بنایا تو فیصلے کے بعد دین اور چیز پر قبضہ بھی کر سکتا ہے۔

وجہ کسی چیز کا وکیل بنایا تو اس کے پورے لوازمات کے ساتھ وکیل ہوگا۔ اور خصومت کے لوازمات میں سے قبضہ کرنا بھی ہے۔ اس لئے

یوسف و محمد رحمهم الله تعالی[۱۴۱۳](۴۴) والوکیل بقبض الدین وکیل بالخصومة فیه عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۱۴۱۴] (۴۵) واذا اقر الوکیل بالخصومة علی موکله عند القاضی جاز اقراره ولا یجوز اقراره علیه عند غیر القاضی

قبضہ کرنے کا وکیل ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کسی چیز کا وکیل بنائیں تو اس کے پورے لوازم کے ساتھ وکیل بنے گا۔

فائدہ امام زفر فرماتے ہیں کہ خصومت کا وکیل امانت دار نہیں ہوتا اس لئے اگر اس کو دین پر قبضہ کرنے کی گنجائش دیں تو پھر وہ دین موکل کو واپس ہی نہیں دے گا۔ اس لئے خصومت کا وکیل قبضہ کا وکیل نہیں ہوگا۔ اور خیانت عامہ کی وجہ سے آج کل اسی پر فتوی ہے۔

[۱۴۱۳](۴۴) قرض پر قبضہ کا وکیل مقدمے کا بھی وکیل ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح وجہ یہ ہے کہ قرض پر قبضہ کرنے کے لئے بعض مرتبہ مقدمہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ اور پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ کسی کام کا وکیل بنائیں تو اس کے پورے لوازمات کے ساتھ وکیل بنانا پڑتا ہے۔ اس لئے قرض کا وکیل مقدمہ اور خصومت کا بھی وکیل ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ قرض پر قبضہ کا وکیل مقدمے کا وکیل نہیں ہوگا۔

وجہ دین پر قبضہ کرنا اور چیز ہے جو امانت دار کا کام ہے اور مقدمہ کرنا اور چیز ہے جو چالاک اور ماہرین قانون کا کام ہے۔ اس لئے دونوں دو الگ الگ کام ہیں۔ اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ جو امانت دار ہو وہ قانون کا ماہر بھی ہو۔ اور اس پر قانونی اعتماد بھی کیا جائے۔ اس لئے قبضہ کا وکیل خصومت اور مقدمہ کا وکیل نہیں ہوگا۔

اصول یہ اس اصول پر گئے ہیں کہ قبضہ اور خصومت دو الگ الگ کام ہیں۔ ایک پر اعتماد کرنے سے دوسرے کام میں اعتماد کرنا لازم نہیں آتا۔

[۱۴۱۴](۴۵) اگر مقدمے کا وکیل اپنے موکل پر اقرار کرے قاضی کے پاس تو اس کا اقرار جائز ہے اور وکیل کا اقرار قاضی کے علاوہ کے پاس جائز نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مگر یہ کہ وہ مقدمہ سے نکل جائے گا۔

تشریح ایک آدمی کو وکیل بنایا کہ میری جانب سے قاضی کے سامنے خصومت اور مقدمے کے وکیل بنیں تو اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ اس بات کے وکیل ہیں کہ آپ موکل کے جرم کا اقرار نہ کریں بلکہ ہمیشہ انکار ہی کرتے چلے جائیں یا زیادہ سے زیادہ خاموش رہیں۔ اسی لئے آپ کو خصومت کا وکیل مقرر کیا ہے۔ اگر اقرار کرنا ہوتا تو میں خود اقرار کر لیتا آپ کو وکیل خصومت بنانے کی ضرورت کیا تھی؟ یہی مطلب امام زفر اور ائمہ ثلاثہ لیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ خصومت کا مطلب ہی جھگڑا کرنا اور انکار کرنا ہے، اور اقرار کرنا اس کی ضد ہے۔ اس لئے وکیل ضد کا مالک کیسے بنے گا؟ اس لئے وکیل یا انکار کرے یا دیکھے کہ میرا موکل واقعی مجرم ہے تو خاموش رہے۔ البتہ اقرار نہ کرے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ مطلق جواب کا وکیل ہے جس میں اقرار بھی شامل ہے اور انکار بھی شامل ہے اور خاموش بھی رہ سکتا ہے۔ وہ تینوں طریقوں کا مالک ہے۔ کیونکہ مطلق خصومت میں تینوں طریقے شامل ہیں۔ البتہ چونکہ خصومت کا وکیل ہے اور خصومت ہوتی ہے قاضی کی مجلس

عند ابی حنیفة و محمد رحمهما اللہ تعالی الا انه یخرج من الخصومة.

میں اس لئے قاضی کی مجلس ہی میں اقرار کا اعتبار ہوگا تا کہ خصومت ہو، اس سے باہر اقرار کرنے کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ مطلب امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔

وجہ (۱) امام اعظم کی نظر پہلے کی طرح لفظ مطلق کی طرف گئی ہے (۲) ایک حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے کہ وکیل موکل پر اقرار کرسکتا ہے اور امام کے سامنے اقرار کا اعتبار ہے۔ لمبی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ قید ہوکر آئے، پھر قبیلہ ہوازن کے لوگ تائب ہوکر آئے اور اپنے قیدی مانگنے لگے۔ آپ نے مسلمانوں سے قیدی چھوڑنے کی ترغیب دی تو مسلمان اس پر راضی ہو گئے، آپ نے فرمایا اتنی رضامندی سے دلی رضامندی کا پتہ نہیں چلتا۔ آپ لوگ اپنے اپنے قبیلے کے سرداروں کے پاس اس کا اقرار کریں اور سردار آپ کی وکالت میں آکر میرے سامنے اقرار کرے کہ آپ لوگ قیدی چھوڑنے پر راضی ہیں تب صحیح ہوگا۔ بعد میں سارے سردار آئے اور حضورؐ کے سامنے اپنی اپنی قوم کی وکالت کرتے ہوئے اقرار کیا کہ وہ لوگ قیدی چھوڑنے پر دل سے راضی ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ وکیل موکل کے اوپر اقرار کر سکتے ہیں۔ اور قاضی اور امیر کے سامنے اقرار کرے تب اس کا اعتبار معتبر ہوگا۔ حدیث کا ٹکڑا یوں ہے۔ **زعم عروة ان مروان بن الحکم والمسور بن مخرمة اخبراه ان رسول اللہ قام حین جاءه وفد هوازن مسلمین ... فقال رسول اللہ ﷺ انا لاندری من اذن منکم فی ذلک ممن لم یأذن فارجعوا حتّٰی یرفعو الینا عرفاؤکم امرکم فرجع الناس فکلمهم عرفاؤهم ثم رجعوا الی رسول اللہ ﷺ فاخبروه انهم قد طیبوا واذنوا** (الف) (بخاری شریف، باب اذا وهب شیئا لوکیل او شفیع قوم جاز ص ۳۰۹ نمبر ۲۳۰۷) اس حدیث میں سرداروں نے قوم کی وکالت میں حضورؐ کے سامنے اقرار کیا کہ وہ قیدی چھوڑنا چاہتے ہیں اور حضورؐ قاضی بھی تھے۔ اس لئے قاضی کے سامنے اقرار کیا جا سکتا ہے (۳) جانتے ہوئے کہ میرا موکل مجرم ہے پھر بھی جرم کا یا رقم کا اقرار نہ کرے تو ظلم پر اعانت ہوگی جو حدیث میں ممنوع ہے۔ **عن ابن عمر عن النبی ﷺ بمعناه قال ومن اعان علی خصومة بظلم فقد باء بغضب من اللہ عز و جل** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یعین علی خصومة من غیر ان یعلم امرها ج ثانی ص ۱۵۰ نمبر ۳۵۹۸) اس حدیث کی بنا پر موکل پر اقرار کرنا بھی جائز ہے۔

البتہ اگر غیر قاضی کے سامنے اقرار کیا اور گواہ سے اس کا ثبوت مل گیا کہ وکیل نے ایسا کیا ہے تو وہ وکالت سے نکل جائے گا۔ کیونکہ اس نے خلاف قاعدہ کیا ہے۔ اور اب موکل کے دین پر اس کو قبضہ نہیں دیا جائے گا یہی 'الا انه یخرج من الخصومة' کا مطلب ہے۔

اصول مطلق لفظ دونوں کو شامل ہے، ہاں کو بھی اور انکار کو بھی۔ اسی قاعدہ پر یہ مسئلہ جاری ہے۔

حاشیہ : (الف) جب ہوازن کا وفد مسلمان بن کر آیا تو آپ کھڑے ہو گئے... آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں تم میں سے کس نے اجازت دیا اور کس نے اجازت نہیں دی۔ واپس جاؤ یہاں تک کہ تمہارا معاملہ تمہارے سردار لے کر آئے۔ پس لوگ لوٹے اور ان کے سرداروں نے ان سے بات کی۔ پھر حضورؐ کے پاس آئے اور خبر دی کہ وہ خوشی سے اجازت دیتے ہیں (ب) آپ نے فرمایا کسی نے ظالم کے جھگڑے میں مدد کی تو اللہ کے غصے کا مستحق ہوگیا۔

[۱۴۱۵](۴۶) و قال ابو یوسف رحمه الله تعالی یجوز اقراره علیه عند غیر القاضی [۱۴۱۶] (۴۷) ومن ادعی انه وکیل الغائب فی قبض دینه فصدقه الغریم امر بتسلیم الدین الیه فان حضر الغائب فصدقه جاز والا دفع الیه الغریم الدین ثانیا ویرجع به علی الوکیل ان کان باقیا فی یده [۱۴۱۷](۴۸) وان قال انی وکیل بقبض الودیعة فصدقه

[۱۴۱۵](۴۶)امام ابو یوسف نے فرمایا جائز ہے وکیل کا اقرار کرنا موکل پر قاضی کے علاوہ کے پاس بھی۔

تشریح وکیل نے قاضی کی مجلس کے علاوہ میں موکل پر اقرار کر لیا تب بھی اقرار ہو جائے گا امام ابو یوسف کے نزدیک۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ وکیل موکل کے درجے میں ہے اور موکل قاضی کی مجلس کے علاوہ میں کسی چیز کا اقرار کرے تو اقرار ہو جاتا ہے تو وکیل بھی قاضی کی مجلس کے علاوہ میں اقرار کرے تو اقرار ہو جائے گا۔

[۱۴۱۶](۴۷) کسی نے دعوی کیا کہ وہ غائب کا وکیل ہے اس کے قرض کے قبضہ کرنے میں، پس مقروض نے اس کی تصدیق کر دی تو مقروض کو حکم دیا جائے گا قرض سپرد کرنے کا، پس اگر غائب حاضر ہو گیا اور اس نے وکیل کی تصدیق کر دی تو جائز ہو گیا ورنہ تو مقروض موکل کی طرف دین دوبارہ ادا کرے گا اور دین لے گا وکیل سے اگر اس کے ہاتھ میں باقی ہو۔

تشریح مثلا زید نے دعوی کیا کہ وہ عمر کا وکیل ہے اس بات کا کہ اس نے کہا ہے کہ خالد سے قرض وصول کر لو۔ اور خالد مقروض نے تصدیق کر دی کہ واقعی تم عمر کے وکیل ہو تو خالد نے چونکہ تصدیق کر دی کہ زید کا عمر وکیل ہے اور مال خالد کا ذاتی ہے، وہ اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے اس لئے خالد کو حکم دیا جائے گا کہ عمر کا قرض زید کے حوالے کر دے۔ پھر عمر باہر سے واپس آیا اور تصدیق کر دی کہ زید میرا وکیل ہے تو بات بن گئی اور خالد کا ادا کیا ہوا قرض عمر کو ادا ہو گیا۔ اور اگر عمر موکل نے کہا کہ زید میرا وکیل نہیں ہے تو خالد کو کہا جائے گا کہ تم دوبارہ عمر کا قرض عمر کو ادا کرو۔

وجہ کیونکہ عمر نے خالد کو باضابطہ نہیں کہا تھا کہ زید میرے دین پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے۔ بلکہ یہ تو زید اور خالد کی ملی بھگت تھی کہ خالد نے تصدیق کر دی کہ تم عمر کے وکیل ہو۔ اس لئے خالد کو دوبارہ قرض عمر کی طرف ادا کرنا ہو گا۔ اور زید کے ہاتھ میں دی ہوئی رقم موجود ہو تو اس سے خالد واپس لے گا اور وہ رقم ہلاک ہو گئی تو اس سے قانونی طور پر واپس نہیں لے سکے گا۔

وجہ وہ مال زید کے ہاتھ میں امانت کا تھا اس لئے اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو واپس نہیں لے سکے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنے مال میں کسی کو وکیل تسلیم کر سکتا ہے اور اس کو اپنا مال حوالے کر سکتا ہے۔

[۱۴۱۷](۴۸) اور اگر کہا کہ میں امانت کے قبضہ کرنے کا وکیل ہوں اور امانت رکھنے والے نے اس کی تصدیق کر دی تو اس کو حوالہ کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

تشریح مثلا زید خالد سے کہتا ہے کہ عمر کی جو امانت ہے اس پر قبضہ کرنے کا میں عمر کی جانب سے وکیل ہوں اور عمر غائب تھا اور خالد نے تصدیق

المودع لم یؤمر بالتسلیم الیه.

کردی کہ تم عمر کے وکیل ہو تو خالد کو حکم نہیں دیا جائے گا کہ امانت کی چیز اس کو دیدو۔

وجہ امانت کی چیز میں وہی چیز دی جاتی ہے جو امانت رکھی گئی ہے۔امانت رکھنے والا اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں دے سکے گا۔اس لئے خالد نے تصدیق کر دی کہ زید وکیل ہے تو عمر کی امانت شدہ چیز زید کے حوالے کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا۔کیونکہ عمر نے نہیں کہا ہے کہ زید میرا وکیل ہے۔وہ اب تک غائب ہے اس لئے امانت کی چیز وکیل کے حوالے کرنے نہیں کہا جائے گا۔

نوٹ اوپر کے مسئلے میں تو قرض کی رقم خود خالد کی رقم تھی اس لئے دینے کو کہا گیا، یہاں امانت کی رقم عمر کی ہے خالد کی نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس پر ہے کہ دوسرے کی چیز وکالت کی تصدیق کے باوجود حوالے کرنے نہیں کہا جائے گا۔

لغت مودع : امانت پر رکھنے والا آدمی، ودع سے مشتق ہے۔

﴿ کتاب الکفالۃ ﴾

[۱۴۱۸](۱)الکفالۃ ضربان کفالۃ بالنفس و کفالۃ بالمال[۱۴۱۹] (۲) فالکفالۃ بالنفس

﴿ کتاب الکفالۃ ﴾

ضروری نوٹ کفالہ کا مطلب یہ ہے کہ مثلا زید پر قرض ہے تو میں اس کے قرض کا ذمہ دار ہوں، وہ نہیں دے گا تو میں دوں گا۔ کفالت کی صورت میں دونوں آدمی قرض ادا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اور قرض دینے والا دونوں میں سے کسی ایک سے قرض وصول کر سکتا ہے۔ اس کے قریب قریب حوالہ ہے۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ اصل مدیون اب قرض ادا نہیں کرے گا۔ اس کے بدلے اب صرف میں قرض ادا کروں گا۔ اس صورت میں قرض دینے والا صرف ذمہ دار سے قرض وصول کر سکتا ہے۔ کفالت صحیح ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ قالوا نفقد صواع الملک ولمن جاء به حمل بعیر وانا به زعیم (الف) (آیت ۷۲ سورۂ یوسف ۱۲) اس آیت میں زعیم کا لفظ ہے جس کے معنی ذمہ دار اور کفیل کے ہیں۔ آیت کا مطلب ہے کہ جو بادشاہ کا پیالہ لا دے گا اس کو ایک اونٹ کا بوجھ ملے گا اور میں اس کا کفیل ہوں۔ اس سے کفالت کا ثبوت ہوا۔ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں ہے۔ وکفلها زکریا (ب) (آیت ۳۷ سورۂ آل عمران ۳) کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کی کفالت لی۔ اس سے کفالت کا ثبوت ہوا۔

کفالت میں چار الفاظ ہیں (۱) کفیل: جو خود ذمہ دار بنا، ضامن، اس کو زعیم اور حمیل بھی کہتے ہیں (۲) مکفول عنہ: مقروض جس کی جانب سے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری کفیل لے رہا ہے (۳) مکفول لہ: قرض دینے والا، جس کے لئے کفیل بن رہا ہے (۴) مکفول بہ: وہ مال جس کے ادا کرنے کا کفیل بن رہا ہے، یا وہ آدمی جس کو مجلس قضاء میں حاضر کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے کہ ابھی اس کو ضمانت پر چھوڑ دیں۔ وقت مقررہ پر اس کو میں مجلس قضاء میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں بشرطیکہ وہ زندہ ہو۔

[۱۴۱۸](۱) کفالہ کی دو قسمیں ہیں، کفالہ بالنفس اور کفالہ بالمال۔

تشریح کفالت کی قسمیں: کفالت کی دو قسمیں ہیں۔ کفالہ بالنفس اور کفالہ بالمال۔ کفالہ بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی مجلس قضاء میں مقدمہ کے لئے مطلوب ہے اس کو ابھی چھوڑ دیں، میں اس کو وقت مقررہ پر مجلس قضاء میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں۔ اس کو کفالہ بالنفس کہتے ہیں۔ کیونکہ ذات اور نفس حاضر کرنے کا کفیل بنا۔

دوسرا ہے کفالہ بالمال: اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی پر اتنا قرض ہے اس کو ادا کرنے کا میں کفیل اور ذمہ دار ہوں، وہ ادا نہیں کرے گا تو میں اس قرض کو ادا کر دوں گا۔ اس کو کفالہ بالمال کہتے ہیں۔ کیونکہ مال ادا کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے۔

[۱۴۱۹](۲) پس کفالہ بالنفس جائز ہے اور اس کی ذمہ داری مکفول بہ کو حاضر کرنا ہے۔

تشریح کفالہ بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ مکفول بہ یعنی جس کی ذمہ داری لی ہے اس کو مقررہ وقت میں مجلس قضاء میں حاضر کرنا ہے۔ اس کا

حاشیہ: (الف) ہم لوگ بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں۔ اور جو اس کو لائے گا اس کو ایک اونٹ مال ملے گا اور میں اس کا کفیل ہوں (ب) حضرت زکریا حضرت مریم کے کفیل بنے۔

جائزة والمضمون بها احضار المکفول به[۱۴۲۰] (۳) وتنعقد اذا قال تکفلت بنفس فلان او برقبته او بروحه او بجسده او برأسه او بنصفه او بثلثه.

مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ سزانہیں بھگتے گا تو میں اس کے بدلے سزا بھگت لوں گا۔

وجہ کفالہ بالنفس جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سمعت ابا امامة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول ... ثم قال العارية مؤداة والمنحة مردودة والدين مقضى والزعيم غارم** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۶۵ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان العاریۃ مؤداۃ ص ۲۳۹ نمبر ۱۲۶۵) اس حدیث میں الزعیم غارم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کفیل ذمہ دار ہے۔ اور اس میں دونوں قسم کے کفیل شامل ہو سکتے ہیں، کفیل بالنفس بھی اور کفیل بالمال بھی۔ اس سے کفالہ بالنفس کا ثبوت ہوا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے کہ حضرت حمزہؓ نے مجرم کے لئے کفالہ بالنفس لیا تھا۔ **حمزة بن عمرو الاسلمی عن ابيه ان عمر بعثه مصدقا فوقع رجل على جارية امرأته فاخذ حمزة من الرجل كفلاء حتى قدم على عمر وكان عمر قد جلده مأة جلدة فصدقهم وعذرهم بالجهالة** ۔ اسی اثر کے دوسرے حصے میں ہے۔ **وقال جرير والاشعث لعبد الله بن مسعود فی المرتدين استتبهم وكفلهم فتابوا وكفلهم عشائرهم وقال حماد اذا تكفل بنفس فمات فلا شیء عليه** (ب) (بخاری شریف، باب الکفالۃ فی القرض والدیون بالابدان وغیرہا ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۰) ان دونوں اثر سے معلوم ہوا کہ کفالہ بالنفس لینا جائز ہے فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دوسرے کی ذات پر کفیل کا بس نہیں چلے گا اس لئے کفالہ بالنفس لینا جائز نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دوسرے کو حاضر کرنے کی استطاعت تو ہے اس لئے کفالہ بالنفس جائز ہے۔

[۱۴۲۰] (۳) کفالہ بالنفس منعقد ہوتا ہے اگر کہے میں فلاں کی جان کا کفیل بنا یا اس کی گردن کا یا اس کی روح یا اس کے جسم یا اس کے سر یا اس کے آدھے کا یا اس کی تہائی کا کفیل ہوں۔

تشریح یہاں سے یہ ذکر ہے کہ کس طرح کہنے سے یا کن کن الفاظ سے کفالہ بالنفس ثابت ہو جائے گا۔ تو قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جس سے پورا انسان مراد ہوتا ہو ان الفاظ سے کفالہ بالنفس ہو جائے گا۔ مثلا نفس سے پورا انسان مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح گردن بولنے سے پورا انسان مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح روح، جسم اور سر سے پورا انسان مراد لیتے ہیں۔ اور آدھا اور تہائی کا لفظ پورے انسان میں شائع ہوتے ہیں اس لئے ان لفظوں سے بھی پورا انسان مراد ہوگا اور کفالہ بالنفس ثابت ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) آپ فرماتے تھے عاریت پر لی ہوئی چیز ادا کی جائے گی، عطیہ واپس کیا جائے گا اور دین ادا کیا جانا چاہئے اور کفیل ضامن ہوتا ہے (ب) حضرت عمر نے حمزہ بن عمر اسلمی کو صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ پس ایک آدمی نے حضرت عمر کی بیوی کی باندی سے بدکاری کر لی تو حمزہ نے اس آدمی سے کفیل بالنفس لئے یہاں تک کہ حضرت عمر آجائے۔ اور حضرت عمر نے اس کو سو کوڑے لگائے تھے۔ پس اس کی تصدیق کی۔ اور نہ جاننے کی وجہ سے اس کو معذور قرار دیا۔ عبداللہ بن مسعود نے مرتدین سے توبہ کروائی اور اس سے کفیل لیا، پس ان لوگوں نے توبہ کی اور ان کے خاندان والوں نے کفیل بالنفس دیا۔ اور حماد نے فرمایا کوئی کفیل بالنفس بنا پھر مکفول لہ مر گیا تو اس پر کچھ نہیں ہے۔

[۱۴۲۱](۴) وکذالک ان قال ضمنته اوھو علیَّ او الیَّ او انا به زعیم او قبیل به[۱۴۲۲] (۵) فان شرط فی الکفالة تسلیم المکفول به فی وقت بعینه لزمه احضاره اذا طالبه به فی ذلک الوقت فان احضره والا حبسه الحاکم.

[۱۴۲۱] (۴) اور ایسے ہی کہا کہ میں اس کا ضامن ہوں یا وہ میرے اوپر ہے یا میری طرف ہے یا میں اس کا ذمہ دار ہوں یا میں اس کا کفیل ہوں

تشریح ان الفاظ کے کہنے سے بھی کفیل ہو جائے گا۔

وجہ کیونکہ یہ الفاظ کفالت پر دلالت کرتے ہیں۔لفظ علیَّ بھی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آتا ہے۔حدیث میں ہے۔عن جابر قال کان النبی ﷺ لا یصلی علی رجل علیه دین ... قال انا اولی بکل مؤمن من نفسه من ترک دین فعلی ومن ترک مالا فلورثته (الف)(نسائی شریف، باب الصلوۃ من علیہ دین ص ۲۰۷ نمبر ۱۹۶۴)اس حدیث میں فَعَلَیَّ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کفالت کے معنی میں ہے کہ جس نے دین چھوڑا میں اس کا کفیل ہوں۔اس لئے علیَّ کی وجہ سے بھی کفالت ہو جائے گی۔ اور اِلَیَّ کا لفظ بھی ذمہ داری اور کفالت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔حدیث میں ہے۔عن ابی ھریرۃ انه قال من ترک مالا فللورثة ومن ترک کلا فالینا (ب)(مسلم شریف، باب من ترک مالا فلورثتہ ص ۳۵ نمبر ۱۶۱۹/۴۱۶۱)اس حدیث میں فَاِلَینَا کفیل بنے کے معنی میں ہے۔ا لزعیم کا لفظ کفیل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔اس کے لئے قرآن کی آیت اور حدیث الزعیم غارم گزر گئی ہے۔اور قبیل کے لفظ سے کفالہ ہو گا اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے قبالہ آتا ہے چیک کے معنی میں۔اور قبالہ بھی کفالت کے معنی میں ہوتا ہے۔

[۱۴۲۲] (۵) پس اگر کفالہ میں شرط کی گئی ہو مکفول بہ کو سپرد کرنے کی مقرر وقت میں تو کفیل کو اس کا حاضر کرنا لازم ہے جب اس کو اس وقت میں مطالبہ کرے، پس اگر اس کو حاضر کر دیا تو ٹھیک ہے ورنہ حاکم کفیل کو قید کر لے گا۔

تشریح کفالہ بالنفس میں یہ شرط لگائی تھی کہ مکفول بہ کو متعین وقت میں حاضر کرے گا تو کفیل پر لازم ہے کہ جب مکفول بہ کو طلب کرے اس وقت اس کو حاضر کر دے۔پس اگر اس نے مقررہ وقت میں مکفول بہ کو حاضر کر دیا تو بہتر ہے۔اور اگر حاضر نہ کر سکا اور کئی مرتبہ مطالبہ کے بعد بھی حاضر نہیں کیا اور مکفول بہ زندہ ہے اور دار الاسلام میں موجود ہے تو اب کفیل کو حاکم قید کرے گا۔

وجہ اس نے وعدہ خلافی کی اور دوسرے کا حق مارا اس لئے اس کو قید کرے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ خلاف وعدہ پر حضرت شریح نے خود اپنے بیٹے کو قید کیا۔سمعت حبیبا الذی کان یقدم الخصوم الی شریح قال خاصم رجل ابنا لشریح الی شریح کفل له برجل علیه دین فحبسه شریح فلما کان اللیل قال اذهب الی عبد الله بفراش وطعام وکان ابنه یسمی عبد الله (ج)(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الکفالۃ ببدن من علیہ حق، ج سادس، ص ۱۲۸، نمبر ۱۱۴۱۸/مصنف عبد الرزاق، باب الکفلاء، ج ثامن،

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا میں ہر مؤمن کے نفس سے بھی زیادہ قریب ہوں۔جس نے قرض چھوڑا وہ مجھ پر ہے۔اور جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے۔اور قرض چھوڑا وہ ہمارے ذمہ ہے (ج) حضرت حبیب فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے شریح کے پاس اس کے بیٹے کو جھگڑے کے لئے لے گیا جو ایک آدمی پر قرض کا کفیل بنا تھا۔تو قاضی شریح نے اس کو قید کر لیا۔پس رات ہوئی تو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۴۲۳](۶) واذا احضره وسلمه فی مکان یقدر المکفول له علی محاکمته بریٔ الکفیل من الکفالة[۱۴۲۴] (۷) واذا تکفل به علی ان یسلمه فی مجلس القاضی فسلمه فی السوق بریٔ وان سلمه فی بریة لم یبرأ[۱۴۲۵] (۸) واذا مات المکفول به بریٔ الکفیل

ص۱۷۳، نمبر۱۴۷۶۶) اس سے معلوم ہوا کہ کفیل کے وعدہ خلافی پر اس کو قید کیا جا سکتا ہے۔

[۱۴۲۳](۶) اگر مکفول بہ کو حاضر کر دیا اور سپرد کر دیا ایسی جگہ کہ مکفول لہ اس سے جھگڑا کر سکتا ہے تو کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا۔

تشریح کفالت کا مقصد ہے کہ ایسی جگہ مکفول بہ کو حاضر کر دے جس سے مکفول لہ اس سے جھگڑا کر سکے، اور کفیل نے ایسا ہی کیا کہ ایسی جگہ حاضر کر دیا جہاں مکفول لہ جھگڑا کر سکتا ہے اس لئے کفیل بری ہو جائے گا۔

[۱۴۲۴](۷) اگر کفیل بنا اس بات کا کہ مکفول بہ کو قاضی کی مجلس میں سپرد کرے گا اور سپرد کیا اس کو بازار میں تو کفیل بری ہو جائے گا اور اگر سپرد کیا جنگل میں تو بری نہیں ہوگا۔

تشریح اگر مجلس قضاء میں سپرد کرنے کی شرط تھی لیکن اس نے اس کے بجائے بازار میں مکفول بہ کو سپرد کیا تو بری ہو جائے گا۔ اور جنگل میں سپرد کیا تو بری نہیں ہوگا۔

وجہ اس زمانے میں قاضی بازار میں بھی مجرم سے محاسبہ کر لیا کرتے تھے اس لئے بازار میں سپرد کرنے سے بھی مکفول بہ محاسبہ کے قابل ہو گیا۔ اس لئے کفیل بری ہو جائے گا۔ اور جنگل میں قاضی محاسبہ نہیں کر سکتا بلکہ اس قسم سے بھگانے کی سازش ہے۔ اس لئے جنگل میں سپرد کرنے سے کفیل بری نہیں ہوگا۔

اصول ایسے مقام پر سپرد کرنا ضروری ہے جہاں مکفول بہ سے محاسبہ کیا جا سکے۔

نوٹ اس دور میں بازار میں محاسبہ کرنا ممکن نہیں اس لئے اب بازار میں سپرد کرنے سے کفیل کفالہ سے بری نہیں ہوگا۔

لغت بریة : صحرا، جنگل۔

[۱۴۲۵] (۸) اگر مکفول بہ مر جائے تو کفیل بالنفس کفالہ سے بری ہو جائے گا۔

تشریح کفیل نے مجرم کو حاضر کرنے کی کفالت لی تھی لیکن خود مجرم کا انتقال ہو گیا تو کفیل سے کفالہ ساقط ہو جائے گا۔

وجہ (۱) مر جانے کی وجہ سے اب حاضر کس کو کرے گا؟ اور مکفول بہ کا مال تو اس کام کے لئے نہیں ہے اس لئے کفالہ ساقط ہو جائے گا (۲) مرنے کی وجہ سے اصیل یعنی مکفول بہ پر حاضر ہونا ساقط ہو گیا اس لئے تابع یعنی کفیل پر بھی ساقط ہو جائے گا (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الحکم و حماد انهما قالا فی رجل تکفل بنفس رجل فمات الرجل قال احدهما یضمن الدراهم وقال الآخر لیس علیه شیء (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الکفالة ببدن من علیہ حق، ج سادس، ص۱۲۸، نمبر۱۱۴۱۹) اس میں ہے کہ

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کہا عبد اللہ کے پاس جاؤ کھانے اور بستر کے لئے۔ عبد اللہ قاضی شریح کے دوسرے بیٹے کا نام ہے (الف) حضرت حکم اور حماد نے فرمایا کوئی آدمی کسی آدمی کا کفیل بالنفس بنا پھر وہ آدمی مر گیا۔ ان میں سے ایک نے کہا درہم کا ضامن ہوگا اور دوسرے نے فرمایا کفیل پر کچھ نہیں ہے۔

بالنفس من الكفالة[۱۴۲۶] (۹) وان تكفل بنفسه على انه ان لم يواف به في وقت كذا فهو ضامن لما عليه وهو الف فلم يحضره في ذلك الوقت لزمه ضمان المال ولم يبرأ من الكفالة بالنفس[۱۴۲۷] (۱۰) ولا تجوز الكفالة بالنفس في الحدود والقصاص عند ابی

کفالہ بالنفس میں مکفول بہ مرجائے تو کفیل پر کچھ لازم نہیں ہوگا بلکہ وہ بری ہوجائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل سے ساقط ہوجائے تو کفیل جو فرع ہے اس سے بھی ساقط ہوجائے گا۔

[۱۴۲۶] (۹) اگر کفیل بالنفس بنا اس طرح کہ اگر میں نے اس کو فلاں وقت میں حاضر نہ کیا تو میں ضامن ہوں اس مال کا جو اس پر ہے اور وہ ایک ہزار تھا، پھر اس وقت میں حاضر نہ کیا تو کفیل پر مال کا ضمان لازم ہوجائے گا اور کفالہ بالنفس سے بری نہیں ہوگا۔

تشریح اس عبارت میں ای ساتھ دو قسم کا کفالہ ہے۔ کفالہ بالمال بھی اور کفالہ بالنفس بھی ہے۔ اور وہ بھی شرط کے ساتھ ہے کہ فلاں وقت میں فلاں کو حاضر نہ کرسکا تو جتنا اس پر قرض ہے میں اس کا ذمہ دار ہوں تو حاضر نہ کرسکا سے کفالہ بالنفس ہوا اور جتنا اس پر قرض ہے اس کا میں ذمہ دار ہوں سے کفالہ بالمال ہوگیا۔ اب وقت پر حاضر نہ کرسکا تو کفیل پر قرض لازم ہوجائے گا۔ اور کفالہ بالنفس جو حاضر کرنا تھا وہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اصل تو اس کو حاضر کرنا ہی ہے۔ شرط کے ساتھ کفالہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر قال كان النبي ﷺ لايصلي على رجل عليه دين ... قال انا اولى بكل مؤمن من نفسه من ترك دينا فعلي ومن ترك مالا فلورثته (الف) (نسائی شریف، باب الصلوۃ علی من علیہ دین ص ۲۰۷ نمبر ۱۹۶۴ / بخاری شریف، باب الدین، کتاب الکفالۃ ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں اس شرط پر آپؐ نے ذمہ داری لی کہ اگر قرض چھوڑا تو میں ذمہ دار ہوں تو معلوم ہوا کہ شرطیہ کفیل بننا جائز ہے۔

لغت لم یواف : پورا نہیں کیا، وقت پر حاضر نہیں کیا۔

[۱۴۲۷] (۱۰) کفالہ بالنفس جائز نہیں ہے حدود اور قصاص میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح حدود اور قصاص میں کفالہ بالنفس دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ وہ دے دے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ اس لئے کہ حدود اور قصاص میں کوشش کی جاتی ہے کہ مجرم پر یہ جاری نہ ہوں۔ اور کفالہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹنا بھی ہو تو اور مضبوط کیا جائے۔ اس لئے حدود اور قصاص میں کفالہ بالنفس دینے پر مجبور نہ کیا جائے (۲) حدیث میں ہے۔ حدثني عمر بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي ﷺ قال لا كفالة في حد (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الکفالۃ ببدن من علیہ حق، ج سادس، ص ۱۲۷، نمبر ۱۱۴۱۷) اس حدیث میں ہے کہ حد میں کفالہ بالنفس نہیں ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ حد قذف میں چونکہ بندے کے حقوق ہوتے ہیں اس لئے اس میں کفالہ بالنفس دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ اس آدمی پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے جس پر دین ہو... آپؐ نے فرمایا میں ہر مؤمن کے نفس سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ جس نے قرض چھوڑا وہ مجھ پر ہے اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے (ب) آپؐ نے فرمایا حد میں کفالہ نہیں ہے۔

حنیفة رحمه الله تعالی [۱۴۲۸](۱۱) واما الکفالة بالمال فجائزة معلوما کان المکفول به او مجهولا اذا کان دینا صحیحا مثل ان یقول تکفلت عنه بالف درهم او بما لک علیه او بما یدرکک فی هذا البیع [۱۴۲۹](۱۲) والمکفول له بالخیار ان شاء طالب الذی

[۱۴۲۸](۱۱) بہر حال کفالہ بالمال تو جائز ہے، مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول ہو جبکہ دین صحیح ہو مثلا یہ کہے کہ اس کی جانب سے ضامن ہوں ہزار درہم کا یا جو کچھ تیرا اس کے ذمہ ہے یا جو کچھ آپ کو اس بیع میں لگے گا۔

تشریح یہاں سے کفالہ بالمال کے مسئلے شروع ہیں۔ پس فرماتے ہیں کہ کفالہ بالمال میں مال مجہول ہو یعنی اس کی مقدار معلوم نہ ہو تب بھی اس کا کفالہ جائز ہے۔ مال معلوم ہو اس کی صورت یہ ہے کہ میں ہزار درہم کا ضامن ہوں۔ اور مجہول کی صورت یہ ہے کہ کہے آپ کے ذمہ جو کچھ آتا ہے میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ اب کتنا آئے گا یہ معلوم نہیں ہے پھر بھی اس کا کفالہ جائز ہے۔ یا یوں کہے کہ اس بیع میں آپ کے ذمے جو کچھ آئے گا میں اس کا کفیل ہوں، اب کتنا آئے گا اس کی مقدار ابھی معلوم نہیں ہے اس کے باوجود کفالہ صحیح ہے۔

وجہ مال میں کفیل بننے کی بار بار ضرورت پڑتی ہے اس لئے ضرورت کی بنا پر مجہول کفالت کو بھی جائز قرار دے دیا گیا (۲) آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم ایک اونٹ بوجھ کے کفیل بنے تھے اور اونٹ کے بوجھ کی مقدار معلوم نہیں ہے اس کے باوجود کفیل بننا درست تھا۔ آیت ہے۔ ولمن جاء به حمل بعیر وانا به زعیم (آیت ۷۲ سورۂ یوسف ۱۲) (۳) حدیث میں مجہول دین کا کفیل بننا ثابت ہے۔ عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ کان یوتی بالرجل المتوفی علیه الدین ... فمن توفی من المؤمنین فترک دینا فعلی قضاؤه ومن ترک مالا فلورثته (الف) (بخاری شریف، باب الدین، کتاب الکفالة ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۸ رمسلم شریف، باب من ترک مالا فلورثتہ ص ۳۵ نمبر ۱۶۱۹) اس حدیث میں ہے کہ میں مومنین کے دین کا کفیل ہوں، اب وہ دین کتنا آئے گا یہ مجہول ہے اس کے باوجود حضورؐ کا کفیل بننا صحیح ہوا۔ اس لئے مجہول مال کا کفیل بننا صحیح ہے۔

نوٹ کفالہ اور بیع میں فرق ہے کہ بیع معلوم شیء کی ہی ہو سکتی ہے اور کفالہ مجہول چیز کا بھی ہو سکتا ہے۔

لغت مایدرک : یہ درک سے مشتق ہے، جو آپ پر آئے، جو کچھ آپ کو پالے۔

[۱۴۲۹](۱۲) اور مکفول لہ کو اختیار ہے چاہے طلب کرے اس سے جس پر اصل ہے اور اگر چاہے تو کفیل سے طلب کرے۔

وجہ کفالت کا مطلب ہی یہ ہے کہ اصل مقروض اور کفیل دونوں پر قرض کی ذمہ داری آجائے۔ اس لئے قرض خواہ دونوں میں سے کسی ایک سے قرض طلب کر سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ حضرت ابو قتادہؓ نے میت کی جانب سے دو دینار ادا کرنے کی ذمہ داری لی اور ایک دن تک ادا نہیں کیا تو حضور کو افسوس رہا اور دوسرے دن ادا کیا تو آپؐ نے فرمایا اب میت کی چمڑی ٹھنڈی ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ

حاشیہ : (الف) آپؐ کے سامنے انتقال شدہ ایسے آدمی لائے جاتے تھے جس پر دین ہو... آپؐ نے فرمایا مومنین میں سے جو وفات پا جائے اور قرض چھوڑے تو اس کی ادائیگی مجھ پر ہے اور جو مال چھوڑے تو ورثہ کے لئے ہے۔

علیہ الاصل وان شاء طالب الکفیل [۱۴۳۰](۱۳) ویجوز تعلیق الکفالة بالشروط مثل

ادا کرنے سے پہلے جس طرح کفیل پر ذمہ داری ہے اسی طرح اصیل پر بھی ذمہ داری ہے کہ وہ عذاب میں مبتلا رہے۔ حدیث یہ ہے۔ **قال جابر توفی رجل فغسلناه وحنطناه وكفناه ثم اتينا النبی ﷺ فقلنا له تصلی علیه فقام فخطا خطی ثم قال علیه دین؟ قال فقیل دیناران قال فانصرف قال فتحملهما ابو قتادة قال فاتیناه قال فقال ابو قتادة الدیناران علیّ فقال النبی ﷺ حق الغریم وبرئ منهما المیت قال نعم فصلی علیه رسول الله ﷺ قال فقال له بعد ذلک بیوم ما فعل الدیناران؟ قال انما مات امس قال فعاد الیه کالغد قال قد قضیتهما فقال النبی ﷺ الآن بردت علیه جلده** (الف) (سنن للبیہقی، باب الضمان عن المیت، ج سادس، ص ۱۲۴، نمبر ۱۱۴۰۵) اس حدیث میں اس وقت تک میت کی چمڑی ٹھنڈی نہیں ہوئی جب تک کہ دونوں دینار ابو قتادہ نے ادا نہ کر دیئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دو دینار کی ذمہ داری اصل میت پر بھی رہی۔ اس لئے کفیل اور مکفول عنہ دونوں ذمہ دار ہوں گے۔

اصول کفالت میں کفیل اور اصیل دونوں ذمہ دار ہوتے ہیں۔

[۱۴۳۰] (۱۳) اور جائز ہے کفالہ کو معلق کرنا شرط کے ساتھ مثلا یہ کہے کہ جتنا فلاں کے ساتھ بیچے وہ مجھ پر ہے یا جو تیرا اس کے ذمہ واجب ہو وہ مجھ پر ہے، تیری جو چیز فلاں غصب کرے وہ مجھ پر ہے۔

تشریح کفالت جس طرح بغیر شرط کے جائز ہے اسی طرح کسی شرط پر معلق کر کے کفیل بننا بھی درست ہے۔ متن میں اس کی چند مثالیں دی ہیں۔ مثلا فلاں آدمی سے جو کچھ بیچو اس کی قیمت میرے ذمہ ہے تو یہ شرط پر معلق ہو کر کفیل ہوا۔ اور مجہول مقدار کا کفیل بنا ہوا۔ یا آپ کا فلاں کے ذمہ جو کچھ واجب ہو وہ میرے ذمہ ہے، یا فلاں جو کچھ غصب کرے وہ میرے ذمہ ہے تو ان صورتوں میں کفالت درست ہو جائے گی اور کفیل پر اس کی ذمہ داری ہو جائے گی۔

وجہ کفالہ میں اس قسم کی وسعت ہے۔ اس لئے یہ قابل برداشت ہے۔ کیونکہ روزانہ اس کی ضرورت پڑتی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ اس شرط پر دین ادا کرنے کے کفیل بنے کہ اگر مومنین نے قرض چھوڑا تو اس کی ادائیگی مجھ پر ہے۔ **عن جابر قال کان النبی ﷺ لا یصلی علی رجل علیه دین ... من ترک دینا فعلی ومن ترک مالا فلورثته** (ب) (نسائی شریف، الصلوة علی من علیہ دین

حاشیہ : (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا انتقال ہوا تو ہم نے اس کو غسل دیا، اس کو حنوط لگایا اور اس کو کفن دیا۔ پھر حضورؐ کے پاس لائے، ہم نے آپؐ سے کہا، آپؐ اس پر نماز پڑھیں۔ آپ کھڑے ہوئے ایک دو قدم چلے پھر پوچھا کیا اس پر قرض ہے؟ کہا گیا کہ ہاں! دو دینار۔ کہا حضورؐ واپس لوٹ گئے۔ پھر حضرت ابو قتادہؓ نے ان کو اپنے ذمہ لے لیا۔ کہا ہم نے اس میت کو لایا۔ اور ابو قتادہ نے کہا کہ وہ دونوں دینار میرے ذمے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا کیا قرض خواہ کا حق ہو گیا اور میت ان دیناروں سے بری ہو گیا؟ ابو قتادہ نے فرمایا ہاں! آپؐ نے اس پر نماز پڑھی۔ ایک دن کے بعد پوچھا دونوں دینار کا کیا ہوا؟ یعنی ادا کر دیا؟ ابو قتادہ نے فرمایا کل ہی تو میت کا انتقال ہوا ہے۔ آپؐ نے کل کی طرح دوبارہ یہ جملہ پوچھا۔ ابو قتادہ نے فرمایا میں نے ادا کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا اب میت کی چمڑی ٹھنڈی ہوئی (ب) حضورؐ ایسے لوگوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے جس پر دین ہو... جس نے قرض چھوڑا تو مجھ پر ہے اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے۔

ان یقول ما بایعت فلانا فعلیَّ او ما ذاب لک علیه فعلیَّ او ما غصبک فلان فعلیَّ [۱۴۳۱](۱۴) واذا قال تکفلت بما لک علیه فقامت البینة بالف علیه ضمنه الکفیل[۱۴۳۲](۱۵) فان لم تقم البینة فالقول قول الکفیل مع یمینه فی مقدار ما یعترف به[۱۴۳۳](۱۶) فان اعترف المکفول عنه باکثر من ذلک لم یصدق علی کفیله

ص ۲۰۷ نمبر ۱۹۶۴ ربخاری شریف، باب الدین ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں شرط ہے کہ کوئی دین چھوڑے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں (۳) آیت میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم شرط پر معلق کر کے کفیل بنے تھے۔ ولمن جا به حمل بعیر وانا به زعیم (آیت ۷۲ سورۂ یوسف ۱۲) اسلئے شرط پر معلق کر کے کفیل بننا درست ہے۔

نوٹ مجہول شرط پر کفالت کو معلق کرے تو صحیح نہیں ہے۔ مثلا کہے اگر ہوا چلے تو میں کفیل ہوں تو اس صورت میں کفالت درست نہیں ہوگی۔

لغت ذاب لک علیہ : جو کچھ آپ کے ذمہ ہو۔

[۱۴۳۱] (۱۴) اگر کہا کہ میں کفیل ہوں اس چیز کا جو آپ کا اس پر ہے پھر گواہ پیش کیا اس پر ہزار کا تو کفیل اس کا ضامن ہو جائے گا۔

تشریح پہلے سے کہہ چکا ہے کہ جتنا آپ کا اس پر ہے میں اس کا ضامن ہوں۔ اب بینہ پیش کر کے ثابت کر دیا کہ میرا مکفول لہ پر ایک ہزار ہے اس لئے ذمہ داری کے مطابق کفیل پر ایک ہزار ادا کرنا لازم ہو جائے گا۔

وجہ بینہ پیش کر کے ثابت کرنا ایسا ہے جیسے پہلے سے ثابت شدہ ہو۔ اس لئے اتنا لازم ہو جائے گا جتنا بینہ سے ثابت کیا۔

[۱۴۳۲] (۱۵) پس اگر بینہ قائم نہ ہو سکا تو کفیل کے قول کا اعتبار ہوگا قسم کے ساتھ اس مقدار میں جس کا وہ اقرار کرتا ہے۔

تشریح مکفول لہ یعنی قرض دینے والے پر بینہ قائم کرنا واجب تھا لیکن وہ بینہ قائم نہ کر سکا تو پھر کفیل جتنا کہتا ہے اس کی بات مانی جائے گی اس کی قسم کے ساتھ۔

وجہ اس صورت میں مکفول لہ مدعی ہے اس لئے اس پر بینہ تھا اور وہ نہ ہو سکا تو کفیل مدعی علیہ اور منکر ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ قال فی خطبته البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۷ نمبر ۱۳۴۱ ربخاری شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود ص ۳۶۶ نمبر ۲۶۶۸) اس حدیث کی بنیاد پر کفیل مدعی علیہ ہے اس لئے اس پر قسم واجب ہے۔ اور اس کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔

[۱۴۳۳] (۱۶) اگر مکفول عنہ اس سے زیادہ کا اعتراف کرے تو کفیل پر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح قرض دینے والے مکفول لہ کے پاس بینہ نہیں تھا اب کفیل نے قسم کھا کر ایک ہزار روپے کا اقرار کیا لیکن قرض لینے والے مکفول عنہ نے

حاشیہ : (الف) آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا گواہ مدعی پر ہے اور قسم مدعی علیہ پر ہے۔

[۱۴۳۴](۱۷) وتجوز الکفالۃ بامر المکفول عنہ وبغیر امرہ[۱۴۳۵](۱۸) فان کفل

اقرار کیا کہ بارہ سو روپے تھے تو مکفول عنہ کی بات کفیل کے اوپر قابل قبول نہیں ہے۔ ہاں! خود اپنے اوپر یہ اعتراف ٹھیک ہے اور دوسو روپیہ خود مقروض یعنی مکفول عنہ اپنی طرف سے ادا کریں۔

وجہ مکفول عنہ خود گویا کہ اس معاملہ سے اجنبی ہو گیا ہے۔ اس لئے اس کا اعتراف دوسروں کے خلاف قابل قبول نہیں ہے چاہے قسم کھا کر اعتراف کیوں نہ کرتا ہو (۲) یوں بھی کفیل مدعی علیہ تھا اس لئے قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی نہ کہ مکفول عنہ کی۔

نوٹ مکفول عنہ کا اعتراف اس کی ذات کے بارے میں درست ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدعی علیہ کے خلاف بینہ کے بجائے کوئی قسم کھا کر اعتراف کرے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

[۱۴۳۴](۱۷) کفالہ جائز ہے مکفول عنہ کے حکم سے اور بغیر اس کے حکم سے۔

تشریح کفیل دونوں طرح بنتا ہے۔ مکفول عنہ کے حکم سے بنے تب بھی بنتا ہے اور بغیر اس کے حکم کے اپنی مرضی سے کفیل بنے تب بھی کفیل بن سکتا ہے۔

وجہ پیچھے حدیث گزری الزعیم غارم (ابوداؤد شریف نمبر ۳۵۶۵) اس حدیث میں دونوں طرح سے کفیل بننے کا امکان موجود ہیں۔ اس لئے حکم اور بغیر حکم دونوں طرح کفیل بن سکتے ہیں (۲) کفیل کا اپنا مال ہے اس لئے بغیر مکفول عنہ کے حکم بھی خرچ کر سکتا ہے (۳) حضرت ابو قتادہ بغیر میت کے حکم کے قرض کے کفیل بنے تھے۔ عن سلمۃ بن اکوع ان النبی ﷺ اتی بجنازۃ لیصلی علیھا ... قال ابو قتادۃ علی دینہ یا رسول اللہ فصلی علیہ (الف) (بخاری شریف، باب من تکفل عن میت دینا فلیس لہ ان یرجع ص ۳۰۶ نمبر ۲۲۹۵) اس حدیث میں حضرت ابو قتادۃ بغیر حکم کے کفیل بنے ہیں۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنے مال مین جائز تصرف کر سکتا ہے۔

[۱۴۳۵](۱۸) پس اگر کفیل بنا مکفول عنہ کے حکم سے تو لے لے گا وہ جو کچھ اس پر ادا کرے۔

تشریح مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا تھا تو کفیل نے جتنی رقم مکفول لہ کو دی ہے اتنی رقم مکفول عنہ سے وصول کرے گا۔

وجہ (۱) مکفول عنہ کے حکم سے کفیل نے اپنا روپیہ مکفول لہ کو دیا ہے اس لئے وہ مکفول عنہ سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے (۲) عن ابن عباس ان رجلا لزم غریما لہ بعشرۃ دنانیر فقال واللہ ما افارقک حتی تقضینی او تأتینی بحمیل قال فتحمل بھا النبی ﷺ فاتاہ بقدر ما وعدہ فقال لہ النبی ﷺ من این اصبت ھذا الذھب ؟ قال من معدن قال لا حاجۃ لنا فیھا لیس فیھا خیر فقضاھا عنہ رسول اللہ ﷺ (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی استخراج المعادن ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۲۸/ ابن ماجہ شریف،

حاشیہ : (الف) آپ جنازے پر آئے کہ اس پر نماز پڑھے ... حضرت ابو قتادہ نے فرمایا مجھ پر اس کا دین ہے یا رسول اللہ! پس آپ نے اس پر نماز پڑھی (ب) ایک آدمی کا قرض خواہ دس دینار کی وجہ سے اس کے پیچھے لگا۔ کہنے لگا خدا کی قسم تم کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ تم قرض ادا کر دو یا کوئی کفیل لاؤ۔ پس حضورؐ اس کے کفیل بنے۔ پس اس آدمی نے وعدہ کے مقدار حضورؐ کے پاس رقم لایا، پس حضورؐ نے پوچھا یہ سونا کہاں سے لائے؟ کہا کان سے۔ آپ نے فرمایا اس کی (باقی اگلے صفحہ پر)

بامره رجع بما یؤدی علیه[۱۴۳۶] (۱۹) وان کفل بغیر امره لم یرجع بما یؤدی [۱۴۳۷] (۲۰) ولیس للکفیل ان یطالب المکفول عنه بالمال قبل ان یؤدی عنه فان لوزم

باب الکفالة ص ۳۴۴ نمبر ۲۴۰۶) اس حدیث میں ہے کہ مقروض آدمی نے حضور کو دس دینار ادا کیا۔ کیونکہ حضورؐ نے اس کی کفالت لی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ حضورؐ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفیل ادا کرے تو وہ مکفول عنہ سے وصول کر سکتا ہے (۳) **عن فضل بن عباس قال ... من قد کنت اخذت له مالا فهذا مالی فلیأخذ منه فقام رجل فقال یا رسول الله ان لی عندک ثلاثة دراهم فقال اما انا فلا اکذب قائلا وانالا استحلف علی یمین فیم کانت لک عندی قال اما تذکر انه مر بک سائل فامرتنی فاعطیته ثلاثة دراهم قال اعطه یا فضل** (الف) (سنن للبیہقی، باب رجوع الضامن علی المضمون عنہ بما غرم وضمن بامرہ، ج سادس، ص ۱۲۳، نمبر ۱۱۴۰۳) اس حدیث میں حضورؐ کے حکم سے ایک آدمی نے تین درہم دیا تھا اور کفیل بنا تھا اس لئے انہوں نے حضورؐ سے واپس لیا، جس سے معلوم ہوا کہ مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا ہو تو مکفول عنہ سے وصول کر سکتا ہے۔

[۱۴۳۶] (۱۹) اور اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بنا ہو تو نہیں وصول کرے گا وہ جو ادا کیا ہو۔

تشریح مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بنا ہو تو کفیل نے جتنا ادا کیا ہو وہ مکفول عنہ سے وصول نہیں کر سکتا۔

وجہ مکفول عنہ کے حکم کے بغیر بنا ہے تو کفیل ادا کرنے میں تبرع اور احسان کرنے والا ہوا اس لئے وہ مکفول عنہ سے نہیں وصول کر سکتا (۲) حدیث میں ہے کہ ابو قتادہ میت کے حکم کے بغیر کفیل بنے تو بعد میں میت سے وصول نہیں کیا۔ **عن سلمة بن الاکوع ان النبی ﷺ اتی بجنازة لیصلی علیها فقال هل علیه من دین ؟ فقالوا لا فصلی علیه، ثم اتی بجنازة اخری فقال هل علیه من دین ؟ قالوا نعم قال فصلوا علی صاحبکم قال ابو قتادة علیَّ دینه یا رسول الله فصلی علیه** (ب) (بخاری شریف، باب من تکفل عن میت دینا فلیس له ان یرجع ص ۳۰۶ نمبر ۲۲۹۵) اس حدیث میں حضرت ابو قتادہ نے میت سے ادا کیا ہوا دین وصول نہیں کیا۔ کیونکہ بغیر اس کے حکم کے کفیل بنے تھے اصول آمر کے حکم کے بغیر کوئی کام کرنا تبرع اور احسان ہے اس لئے کسی سے اس کا بدلہ وصول نہیں کر سکتا۔ اسی اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

[۱۴۳۷] (۲۰) کفیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ مکفول عنہ سے مال کا مطالبہ کرے اس سے پہلے کہ اپنی جانب سے ادا کرے، پس اگر پیچھا کیا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) ضرورت نہیں جس چیز میں خیر نہ ہو۔ پھر حضور نے اپنی جانب سے قرض ادا کیا (الف) ابن عباسؓ نے فرمایا...آپؐ نے فرمایا جس کا میں نے مال لیا تو یہ مال حاضر ہے، اس سے لے لے، پس ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول! میرے آپؐ کے ذمے تین درہم ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میرا طریقہ یہ ہے کہ میں کہنے والے کو جھٹلاتا نہیں اور قسم نہیں لیتا کس چیز کی رقم میرے ذمہ ہے۔ اس آدمی نے کہا آپ کو یاد نہیں کہ آپؐ کے سامنے سے ایک سائل گزرا تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کو تین درہم دے دوں۔ آپؐ نے فرمایا اے فضل! اس کو تین درہم دیدو (ب) آپؐ کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا تا کہ آپؐ اس پر نماز پڑھیں۔ آپؐ نے پوچھا کیا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پس آپؐ نے اس پر نماز پڑھی۔ پھر دوسرا جنازہ لایا گیا تو آپؐ نے پوچھا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا تم ان پر نماز پڑھ لو۔ حضرت ابو قتادہ نے کہا اس کا قرض میرے ذمہ ہے اے اللہ کے رسول! پھر آپؐ نے اس پر نماز پڑھی۔

بالمال للكفيل كان له ان يلازم المكفول عنه حتى يخلصه[۱۴۳۸] (۲۱) واذا ابرأ الطالب المكفول عنه او استوفى منه برئ الكفيل[۱۴۳۹] (۲۲) وان ابرأ الكفيل لم يبرأ المكفول عنه.

گیا کفیل مال کی وجہ سے تو اس کے لئے حق ہے کہ پیچھا کرے مکفول عنہ کا یہاں تک کہ کفیل کو چھڑا دے۔

تشریح اس عبارت میں دو مسئلے ہیں ایک تو یہ ہے کہ کفیل جب تک اپنی جانب سے مکفول عنہ کا قرض ادا نہ کر دے اس وقت تک قانونی طور پر مکفول عنہ سے رقم وصول کرنے کا حقدار نہیں ہوتا۔ ہاں! مکفول عنہ اپنی مرضی سے کفیل کو رقم دیدے تو جائز ہے۔

وجہ مکفول عنہ اصل مقروض ہے اس لئے زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ خود قرض ادا کرے گا اور جب وہ خود قرض ادا کرے گا تو کفیل کو اس سے لینے کا حق کیسے ہوگا؟ ہاں! کفیل ادا کر چکا ہو تو اب قرض وصول کرنے والا کفیل ہو گیا اس لئے اب کفیل مکفول عنہ سے لے سکتا ہے (۲) اوپر کی حدیث بیہقی میں آدمی نے حضور کے کہنے پر تین درہم دیا تھا تب جا کر حضورؐ سے وصول کیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پہلے ادا کرے گا تب وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مکفول عنہ کے قرض کی وجہ سے کفیل کو کوئی مصیبت آئی مثلا مکفول لہ نے کفیل کا پیچھا کیا تو کفیل کو مکفول عنہ کے ساتھ اتنا کرنے کا حق ہے یعنی مکفول عنہ کا پیچھا کرنے کا حق ہے۔ یہاں تک کہ مکفول عنہ کفیل کے پیچھا کرنے سے اس کو چھڑا نہ لے۔

وجہ کفیل کو مکفول عنہ کی وجہ سے پریشانی ہوئی ہے اس لئے وہ یہ پریشانی مکفول عنہ پر ڈال سکتا ہے۔

لغت یلازم : پیچھا کرنا، ساتھ ساتھ لگے رہنا۔ یخلص چھٹکارا دلانا۔

[۱۴۳۸] (۲۱) اگر طالب نے مکفول عنہ کو بری کر دیا یا اس سے وصول کر لیا تو کفیل بری ہو جائے گا۔

وجہ اصل میں قرض تو مکفول عنہ پر ہے۔ کفیل تو فرع ہے اور اس سے مستفاد ہے۔ اس لئے مکفول لہ دائن نے مکفول عنہ مقروض کو دین سے بری کر دیا یا معاف کر دیا یا دوسری شکل ہے کہ خود مکفول عنہ نے اپنا دین ادا کر دیا تو چونکہ اصل پر دین نہیں رہا اس لئے کفیل جو فرع ہے اس پر بھی دین نہیں رہے گا اور ختم ہو جائے گا اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل پر دین نہ رہے تو فرع سے بھی دین ختم ہو جائے گا۔

لغت استوفی : وفی سے مشتق ہے، وصول کر لیا۔

[۱۴۳۹] (۲۲) اگر کفیل کو بری کر دیا تو مکفول عنہ بری نہیں ہوگا۔

تشریح بری کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اصل دین ہی کفیل سے معاف کر دیا تو اس صورت میں مکفول عنہ سے بھی معاف ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل دین ہی اصیل سے معاف ہو گیا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کفیل کو صرف کفالت سے بری کیا کہ اب میں آپ سے دین کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ اس صورت میں چونکہ اصل دین اصیل یعنی مکفول عنہ پر باقی ہے اس لئے اصیل یعنی مکفول عنہ مطالبہ سے بری نہیں ہوگا۔ مکفول لہ اس سے دین کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

[۱۴۴۰](۲۳) ولا یجوز تعلیق البراءة من الکفالة بشرط [۱۴۴۱](۲۴) وکل حق لا یمکن استیفاؤہ من الکفیل لا تصح الکفالة به کالحدود والقصاص[۱۴۴۲] (۲۵) واذا

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کفیل کو کفالت سے بری کرنے سے اصیل سے دین ساقط نہیں ہوگا اور نہ مطالبہ سے بری ہوگا۔

[۱۴۴۰](۲۳) کفالت سے برأت کو شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح مکفول لہ کفیل کو کسی شرط پر معلق کر کے بری کرنا چاہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ مثلا یوں کہے کہ کل آئے گا تو آپ کفالت سے بری ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

وجہ کفالت سے بری کرنا گویا کہ مالک بنانا ہے اور مالک بنانے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کفالت سے بری کرنے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے۔

فائدہ لیکن دوسری روایت میں ہے کہ برأت کو شرط پر معلق کرنا صحیح ہے۔

وجہ کفیل پر اصل دین نہیں ہے اس پر تو صرف مطالبہ ہے تو اس سے بری کرنا مالک بنانا نہیں ہے بلکہ مطالبہ ساقط کرنا ہے اس لئے کفالت سے بری کرنے کو کسی مناسب شرط پر معلق کرنا جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

[۱۴۴۱](۲۴) ہر وہ حق کہ اس کا وصول کرنا کفیل سے ممکن نہ ہو اس کا کفالہ صحیح نہیں ہے۔ جیسے حدود اور قصاص۔

تشریح جو چیز کفیل سے لینا یا وصول کرنا ممکن نہیں اس کا کفیل بننا بھی صحیح نہیں ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ مجرم پر اگر حد جاری نہ کر سکو تو میں اس کا کفیل بنتا ہوں کہ مجھ پر وہ حد جاری کر دیں۔ یا مجرم سے قصاص نہ لے سکو تو میں اس کا کفیل بنتا ہوں کہ مجھ سے قصاص لے لو اور میرا ہاتھ قصاص مین کاٹ دو تو یہ کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

وجہ حدود اور قصاص اصل مجرم سے ہی لئے جاتے ہیں دوسروں سے نہیں۔ اس لئے اس کی کفالت بھی درست نہیں ہے (۲) حدیث گزر چکی ہے۔ حدثنی عمر بن شعیب عن ابیه عن جدہ ان النبی ﷺ قال لا کفالة فی حد (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الکفالة ببدن من علیہ حق، ج سادس، ص ۱۲۷، نمبر ۱۱۴۱۷) اس حدیث میں ہے کہ حد میں کفالت نہیں ہے۔ جس کا ایک مطلب یہ ہے کہ حد کا کوئی کفیل بن جائے کہ مجرم پر نہ کر سکو تو مجھ پر حد جاری کر دو تو یہ صحیح نہیں ہے۔

نوٹ اوپر کے ایک مسئلہ میں تھا کہ حد اور قصاص میں کفالہ بالنفس لینے کے لئے مجبور کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہاں ہے کہ خود حد اور قصاص کا کفیل بننا درست نہیں ہے۔ اس لئے دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

[۱۴۴۲](۲۵) اگر مشتری کی جانب سے کفیل بنا ثمن کا تو جائز ہے۔

تشریح کفیل نے بائع کو یوں کہا کہ مشتری کو مبیع دے دو اگر اس نے اس کی قیمت نہیں دی تو میں دوں گا تو جائز ہے۔

وجہ قیمت ادا کرنا یہ بھی ایک قسم کا قرض ہے اور قرض کا کفیل بن سکتا ہے تو قیمت کا بھی کفیل بن سکتا ہے (۲) قیمت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا حد میں کفالہ نہیں ہے۔

تكفل عن المشترى بالثمن جاز[۱۴۴۳](۲۶) وان تكفل عن البائع بالبيع لم تصح [۱۴۴۴](۲۷) ومن استأجر دابة للحمل فان كانت بعينها لم تصح الكفالة بالحمل.

بعینہ وہی رقم دے جو مشتری کے پاس ہے بلکہ اس کے مثل اپنی جانب سے بھی رقم دے سکتا ہے۔ اس لئے کفیل بننا درست ہے (۲) اثر میں ہے کہ ثمن کے کفیل بننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عن عبد الله بن عمر انه كان لا يرى بالرهن والحميل مع السلف بأسا (الف) (سنن للبیہقی، باب جواز الرھن والحمیل فی السلف ج سادس ص ۱۹) اس اثر میں بیع میں کفیل بننے سے عبد اللہ بن عمر کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (۳) بخاری میں بنی اسرائیل کے ایک بزرگ کی لمبی حدیث ہے جس میں انہوں نے کسی سے ایک ہزار کا سامان مانگا تو بائع نے ثمن کے لئے کفیل مانگا تو انہوں نے کہا کہ اللہ اس کا کفیل ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابی هريرة عن رسول الله ﷺ انه ذكر رجلا من بني اسرائيل سأل بعض بني اسرائيل ان يسلفه الف دينار فقال ائتني بالشهداء اشهدهم فقال كفى بالله شهيدا قال فأتني بالكفيل قال كفى بالله كفيلا قال صدقت (ب) (بخاری شریف، باب الکفالۃ فی القرض والدیون بالابدان وغیرھا ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثمن کے لئے کفیل بنانا جائز ہے تب ہی تو اس بزرگ سے کفیل مانگا اور انہوں نے کہا کہ اللہ اس کا کفیل کافی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں مثل اپنی جانب سے دے سکتا ہو وہاں کفیل بن سکتا ہے۔ اور جہاں مثل اپنی جانب سے نہیں دے سکتا ہو بلکہ بعینہ وہی چیز دینا لازم ہو جو مکفول عنہ کے پاس ہے تو وہاں کفیل نہیں بن سکتا۔

[۱۴۴۳] (۲۶) اگر بائع کی جانب سے مبیع کا کفیل بنے تو صحیح نہیں ہے۔

تشریح اگر یوں کفیل بنے کہ میں بائع پر زور دوں گا کہ وہ مبیع آپ کے حوالے ضرور کرے تب تو کفیل بننا صحیح ہے۔ لیکن یوں کفیل بنے کہ وہ مبیع نہیں دے گا تو میں اپنی جانب سے مبیع دے دوں گا تو ایسا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

وجہ مبیع میں ضروری ہے کہ وہی چیز دے جو طے ہوئی ہے۔ اس کی مثل دوسری چیز اپنی جانب سے دوں گا یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کفیل بھی نہیں بن سکتا۔ اتنا ہوگا کہ بائع مبیع حوالے نہیں کرے گا تو بیع ختم ہو جائے گی اور بائع کو قیمت میں کچھ بھی نہیں ملے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنی جانب سے جس چیز کی مثل نہیں دے سکتا ہو اس کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

[۱۴۴۴] (۲۷) کسی نے سواری اجرت پر لی لادنے کے لئے، پس اگر وہ معین ہو تو لادنے کا کفالہ صحیح نہیں ہے۔

تشریح ایک آدمی نے کسی سے سواری لادنے کے لئے اجرت پر لی، پس اگر وہ جانور متعین ہو کہ اسی جانور پر لادنا ہے تو اب اس کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ بن عمر بیع کے ساتھ رہن اور کفالہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (ب) حضورؐ نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا تذکرہ کیا کہ انہوں نے بعض بنی اسرائیل کے آدمی سے کہا کہ ایک ہزار دینار کا سودا دے۔ اس نے کہا کہ گواہ لاؤ تا کہ ان کو میں گواہ بناؤں۔ کہا اللہ گواہ کے لئے کافی ہے۔ پھر کہا کہ کفیل لاؤ۔ کہا اللہ کفیل کے لئے کافی ہے۔ اس نے کہا آپ نے سچ کہا۔

[۱۴۴۵] (۲۸) وان کانت بغیر عینھا جازت الکفالۃ[۱۴۴۶] (۲۹) ولا تصح الکفالۃ

وجہ کفالت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر اس نے سواری نہیں دی تو میں اپنی سواری لادنے کے لئے دے دوں گا۔اور اس صورت میں سواری متعین ہے اس لئے اپنی سواری دے نہیں سکتا اس لئے اس کا کفیل بنا صحیح نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اسی اصول پر ہے کہ اپنی جانب سے مثل نہیں دے سکتا ہو تو کفیل بنا صحیح نہیں ہے۔

لغت دابۃ : چوپایہ،سواری۔ الحمل : لادنا۔

[۱۴۴۵] (۲۸) اور اگر سواری غیر متعین ہو تو کفالہ جائز ہوگا۔

وجہ اس صورت میں اگر مکفول عنہ نے سواری لادنے کے لئے نہیں دی تو اپنی جانب سے سواری دے سکتا ہے۔کیونکہ اس صورت میں سواری متعین نہیں ہے اس لئے کفیل بنا درست ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنی جانب سے اس کی مثل دے سکتا ہو تو کفیل بنا درست ہے۔کیونکہ کفیل اس کی مثل دے دیگا۔

[۱۴۴۶] (۲۹) نہیں صحیح ہے کفالہ مگر مکفول لہ کے قبول کرنے سے مجلس عقد میں۔

تشریح جس مجلس میں کفیل بن رہا ہو اسی مجلس میں مکفول لہ نے قبول کیا ہو کہ ہاں میں فلاں کے کفیل بننے سے راضی ہوں تب کفالت صحیح ہوگی ۔تو گویا کہ دو شرطیں ہوئیں۔ایک مکفول لہ کا قبول کرنا اور دوسری شرط یہ ہے کہ مجلس کفالت میں قبول کرے اس سے باہر قبول کرے تو کفالت صحیح نہیں ہوگی۔

وجہ آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے۔کوئی شریف ہوتا ہے اور کوئی شریر ہوتا ہے۔اب تک مکفول لہ کا واسطہ براہ راست مقروض سے تھا۔کفالت کے بعد اس کا واسطہ کفیل سے بھی ہوگا اور ممکن ہے کہ وہ شریر ہو جس کی بنیاد پر وہ کفیل سے واسطہ نہ رکھنا چاہتا ہو۔اس لئے کفالت کی بنیاد پر کفیل سے واسطہ قائم کرنے کے لئے اس کی رضامندی اور قبول کی ضرورت ہوگی۔اس لئے مکفول لہ کا قبول کرنا ضروری ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مکفول لہ کا مطالبہ اور واسطہ نئے آدمی سے ہوگا اس لئے اس کی رضامندی ضروری ہے۔

اور مجلس میں قبول کی ضرورت اس لئے ہے کہ کفیل ایجاب کرے گا تو مجلس میں قبول کرے ورنہ اس کا ایجاب ساقط ہو جائے گا۔کیونکہ عقد کفالت کفیل کے ایجاب اور مکفول لہ کے قبول سے منعقد ہوتا ہے۔

فائدہ امام ابو حنیفہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ کفیل بننے کے لئے مکفول لہ کے قبول کی ضرورت نہیں ہے۔بغیر اس کے قبول کئے ہوئے بھی کفیل بن جائے گا۔

وجہ کفیل اپنی جانب سے رقم دینے کے لئے کہہ رہا ہے اور مکفول لہ کو فائدہ ہے کہ پہلے ایک سے مطالبہ کر سکتا تھا اب دو سے مطالبہ کرے گا۔اور دونوں میں سے کسی ایک سے وصول کرے گا۔اس لئے مکفول لہ کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے (۲) یہ توثق اور اعتماد کے لئے ہے کہ کفالت کی وجہ سے اس کا مال ضائع نہیں ہوگا۔اس لئے بھی مکفول لہ کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔فتوی اسی پر ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکفول لہ کا مجلس کفالت میں قبول کرنا ضروری نہیں بلکہ مجلس سے باہر جہاں اس کو خبر ملے اور قبول کر لے تب

الا بقبول المکفول له فی مجلس العقد[۱۴۴۷] (۳۰) الا فی مسئلة واحدة و هی ان یقول المریض لوارثه تکفل عنی بما علیَّ من الدین فتکفل به مع غیبة الغرماء جاز [۱۴۴۸] (۳۱) واذا کان الدین علی اثنین و کل واحد منهما کفیل ضامن عن الآخر فما

بھی کفیل بن جائے گا۔ جیسے کہ فضولی کے نکاح کو مجلس کے علاوہ جہاں خبر ملے اور قبول کر لے تب بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مجلس کفالت کے علاوہ میں مکفول لہ قبول کر لے تب بھی کفالت درست ہو جائے گی۔

[۱۴۴۷] (۳۰) مگر ایک مسئلہ میں وہ یہ کہ بیمار اپنے وارث سے کہے کہ میری جانب سے کفیل ہو جاؤ اس چیز کا جو میرے اوپر دین ہے، پس اس کا کفیل بن گیا قرضخواہوں کی عدم موجودگی میں تو جائز ہے۔

تشریح یہ ایک مسئلہ ایسا ہے کہ مکفول لہ کفالت کو قبول نہ کرے بلکہ مکفول لہ غائب ہو تب بھی کفالت درست ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی مرض الموت میں مبتلا ہے اور اپنے وارث سے کہتا ہے کہ مجھ پر جتنا دین ہے اس کا تم کفیل بن جاؤ اور وہ مکفول لہ کی عدم موجودگی میں کفیل بن جائے تو اس صورت میں وارث کا کفیل بنا صحیح ہے۔

وجہ یہ اصل میں کفیل بننا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں قرض خواہوں کو قرض ادا کرنے کے لئے وصیت ہے۔ اور کفیل حقیقت میں وصی ہے اس لئے اس صورت میں مکفول لہ کے قبول کئے بغیر بھی کفیل بننا درست ہے (۲) یہاں مجبوری بھی ہے کیونکہ موت کے وقت تمام قرض خواہ حاضر نہیں ہوتے ہیں۔ اب اگر کفیل یا وصی نہ بنایا جائے تو قرض خواہوں کا قرض ضائع ہو جائے گا۔ اس لئے مکفول لہ کے قبول کئے بغیر کفیل بننا درست ہے۔

لغت الغرماء : قرض دینے والے، قرض خواہ۔

[۱۴۴۸] (۳۱) اگر قرض دو آدمیوں پر ہو اور دونوں میں سے ہر ایک کفیل اور ضامن ہو دوسرے کا تو جو کچھ ان میں سے ایک نے ادا کیا تو وہ شریک سے وصول نہیں کرے گا یہاں تک کہ زیادہ ہو جو ادا کیا آدھے سے، پس وصول کرے گا زیادہ کو۔

تشریح دو آدمیوں پر قرض تھا۔ مثلا دو آدمیوں نے ایک غلام ایک ہزار میں خریدا تھا اور دونوں پر آدھی آدھی قیمت قرض تھی یعنی پانچ پانچ سو درہم تھے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے کفیل بھی تھے۔ پس ایک نے اگر آدھا قرض یعنی پانچ سو ادا کیا ہے تو یہ آدھا خود اس کے حصے کا شمار کیا جائے گا، شریک کے حصے کا شمار نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے جب تک آدھا ادا کیا تو اس میں سے کچھ شریک سے وصول نہیں کرے گا۔ ہاں آدھا سے زیادہ ادا کرے تو اپنے شریک سے وصول کرے گا۔

وجہ آدھا قرض اصل ہے اور خود اپنے اوپر ذمہ داری ہے۔ اور کفالت فرع ہے اور مطالبہ ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ اصل کا درجہ پہلے ہوتا ہے اور فرع کا درجہ بعد میں ہوتا ہے۔ اس لئے آدھا جو ادا کیا وہ اصل قرض ہونے کی وجہ سے ادا کرنے والے کی جانب سے ادا ہوگا۔ کفالت کے طور پر شریک کی جانب سے ادا نہیں ہوگا۔ اس لئے اس میں سے شریک سے کچھ وصول نہیں کر پائے گا۔ البتہ آدھا سے زیادہ جو کچھ ادا کیا وہ ادا

ادی احدهما لم یرجع به علی شریکه حتی یزید ما یؤدیه علی النصف فیرجع بالزیادة[۱۴۴۹] (۳۲) واذا تکفل اثنان عن رجل بالف علی ان کل واحد منهما کفیل عن صاحبه فما اداه احدهما یرجع بنصفه علی شریکه قلیلا کان او کثیرا[۱۴۵۰] (۳۳)

کرنے والے پر قرض نہیں ہے اس لئے طے ہے کہ وہ کفالت کے طور پر شریک کی جانب سے ادا کیا ہے اس لئے اب اس سے وصول کریگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل پہلے ادا ہوگا اور فرع اور مطالبہ بعد میں ادا ہوگا۔ اپنا قرض پہلے ادا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ادا نہ کرنے پر کافی وعید آئی ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن محمد بن جحش ... فقال والذی نفسی بیدہ لو ان رجلا قتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم قتل ثم احیی ثم قتل و علیہ دین ما دخل الجنة حتی یقضی عنہ دینہ (الف) (نسائی شریف، باب التغلیظ فی الدین ص ۲۰۲ نمبر ۴۶۸۸) اس حدیث کی بنا پر اپنا دین پہلے ادا ہوگا (۲) حضرت ابو قتادہ کی کفالت والی حدیث میں بھی گزرا کہ آپؐ نے دین کی وجہ سے نماز جنازہ نہیں پڑھائی جب تک وہ ادا نہ ہو گیا۔

[۱۴۴۹] (۳۲) اگر دو آدمی کفیل بنے ایک آدمی کی جانب سے ایک ہزار کا اس طور پر کہ ان میں ہر ایک دوسرے کا کفیل ہوگا تو جو کچھ ان میں سے ایک ادا کرے گا اس کا آدھا شریک سے وصول کرے گا تھوڑا ہو یا زیادہ۔

تشریح دو آدمی ایک آدمی کے ایک ہزار درہم کے کفیل بنے۔ پھر یہ دونوں کفیل آپس میں بھی ایک دوسرے کے کفیل بن گئے تو مسئلہ یہ ہے کہ ایک کفیل جتنا ادا کرے گا اس کا آدھا اپنے شریک کفیل سے وصول کرے گا مثلا پانچ سو ادا کیا ہو تو ڈھائی سو اپنے شریک کفیل سے لے گا۔ پھر دونوں ملکر اصیل سے وصول کریں گے۔

وجہ یہاں دونوں کفیلوں پر ذاتی قرض نہیں ہے بلکہ دونوں پر کفالت ہے اور فرع ہے اس لئے دونوں فرع ہونے میں برابر ہے۔ اور چونکہ دونوں ایک دوسرے کے کفیل اور ضامن ہیں اس لئے جو کچھ ادا کیا اس کا آدھا اپنی جانب سے ادا کیا اور آدھا بطور کفالت کے شریک کی جانب سے ادا کیا۔ اس لئے آدھا اس سے وصول کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شریک کے بجائے اصل مقروض سے وصول کرے۔ کیونکہ اصل میں تو اسی کا قرض ادا کیا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دونوں برابر درجے کے فروع ہوں تو آدھا شریک سے وصول کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ ادا کیا اس میں سے آدھا اپنے شریک کی جانب سے بطور کفالت ادا کیا۔

[۱۴۵۰] (۳۳) نہیں جائز ہے کفالہ مال کتابت کا چاہے آزاد اس کا کفیل بنے چاہے غلام۔

تشریح مکاتب نے کتابت کے لئے مولی کا قرض اپنے سر لیا۔ اس قرض کا کوئی کفیل بننا چاہے تو کفیل نہیں بن سکتا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی اللہ کے راستے میں شہید ہو جائے پھر زندہ کیا جائے پھر شہید ہو جائے پھر زندہ کیا جائے تو اس پر قرض ہو تو اس وقت تک جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ قرض ادا نہ کر دیا جائے۔

ولا تجوز الکفالة بمال الکتابة سواء حر تکفل به او عبد[۱۴۵۱] (۳۴) واذا مات الرجل وعلیه دیون ولم یترک شیئا فتکفل رجل عنه للغرماء لم تصح الکفالة عند ابی

وجہ مکاتب پر مولی کا قرض لازم نہیں ہے کیونکہ جب مکاتب مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو مکاتب سے مولی کا قرض ساقط ہو جائے گا اور مکاتب دوبارہ غلام بن جائے گا۔ پس جب اصیل پر ہی قرض لازم نہ ہو تو کفیل پر کیسے لازم ہوگا، کفیل کی کفالت تو توثق اور لزوم کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہاں مکاتب پر قرض کا لزوم ہی نہیں ہے اس لئے اس کی کفالت صحیح نہیں چاہے آزاد کفیل بنے چاہے غلام کفیل بنے (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابن جریح قال قلت لعطاء کاتبت عبدین لی و کتبت ذلک علیهما قال لا یجوز فی عبدیک وقالها سلیمان بن موسی قال ابن جریح فقلت لعطاء لم لایجوز؟ قال من اجل ان احدهما ان افلس رجع عبدا لم یملک منک شیئا** (الف) (سنن للبیھقی، باب حمالة العبید، ج عاشر، ص ۵۴۴، نمبر ۲۱۶۳۴ رمصنف عبد الرزاق، باب الحمالة عن المکاتب ج ثامن ص ۴۱۵ نمبر ۱۵۷۵۲) اس اثر میں ہے کہ مکاتب کا کفیل بنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ عاجز ہو کر دوبارہ غلام بن جائے تو کیسے کفیل بنا درست ہوگا۔ اور دوبارہ غلام بن جانے کے لئے حضرت علیؓ کا اثر ہے۔ **عن علی قال اذا تتابع علی المکاتب نجمان فدخل فی السنة فلم یؤد نجومه رد فی الرق** (ب) مصنف ابن ابی شیبة ۴۷ من رد المکاتب اذا عجز، ج رابع، ص ۳۹۹، نمبر ۲۱۴۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکاتب قسط ادا نہ کر سکے تو دوبارہ غلام بن جائے گا اور قرض ساقط ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مکفول عنہ پر دین لازم نہ ہو تو اس کا کفیل بنا صحیح نہیں ہے۔

[۱۴۵۱] (۳۴) اگر کوئی آدمی مر جائے اور اس پر دین ہو اور کچھ نہیں چھوڑا ہو، پس اس کی جانب سے ایک آدمی قرض خواہوں کے لئے کفیل بن جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کفالہ صحیح نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک صحیح ہے۔

وجہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کفالت کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک تو یہ کہ مکفول عنہ پر دین لازم ہو۔ اور دوسری بات یہ ہو کہ کفیل دین ادا کرنے کے بعد مکفول عنہ کے مال سے وصول بھی کر سکتا ہو۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو وہ کفیل بنا نہیں ہے بلکہ تبرع اور احسان کے طور پر اپنے اوپر قرض کا حوالہ کر لینا ہے۔ اس کو کفالت نہیں کہیں گے۔ اس مسئلہ میں مکفول عنہ مر چکا ہے اس لئے اس پر دین ادا کرنا لازم نہیں رہا۔ کیونکہ مرے ہوئے پر کیا لازم رہے گا؟ اور کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے کہ کفیل اس سے اپنا دیا ہوا قرض وصول کر سکے اس لئے یہ کفالت نہیں ہوگی۔

نوٹ حدیث میں جو ابو قتادہ کفیل بنے ہیں وہ تبرع کے طور پر حوالہ ہے کفالہ نہیں ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے اس حدیث کو باب اذا احال دین

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ میں نے دو غلاموں کو مکاتب بنایا اور دونوں پر لکھا بھی یعنی کفیل بنایا۔ حضرت عطاء نے فرمایا تمہارے غلام میں جائز نہیں ہے۔ حضرت جریح فرماتے ہیں کہ میں عطاء سے پوچھا کیوں جائز نہیں ہے؟ کہا اس وجہ سے کہ دونوں میں سے ایک مفلس بن جائے تو پھر وہ غلام ہو جائے گا تو آپ کو کچھ بھی نہیں ملے گا (ب) حضرت علی سے منقول ہے کہ مکاتب پر دو قسطیں جمع ہو جائیں اور اگلے سال میں داخل ہو جائیں اور قسط ادا نہ کر سکے تو واپس غلامیت میں لوٹ جائے گا۔

حنیفة رحمه الله و عندهما تصح.

المیت علی رجل جاز میں نقل کیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حوالہ ہے کفالہ نہیں ہے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مکفول عنہ میت پر دین تو لازم تھا اور اس کو ساقط کرنے والی کوئی چیز معاف کرنا یا ادا کرنا نہیں پایا گیا۔اور جب دین ثابت ہے تو اس کا کفیل بھی بن سکتا ہے۔

وجہ وہ ابوقتادہ والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ میت کی جانب سے کفیل بنے ہیں۔عن سلمة بن اکوع قال کنا جلوسا عند النبی اذاتی بجنازة ... قال هل ترک شیئا؟ قالوا لا قال فهل علیه دین؟ قالوا ثلاثة دنانیر قال صلوا علی صاحبکم فقال ابو قتادة صل علیه یارسول الله و علی دینه فصلی علیه (الف) (بخاری شریف، باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ علی المدیون ص ۲۰۵ نمبر ۱۰۶۹) اس حدیث میں حضرت ابوقتادہ نے مدیون کی جانب سے کفالت لی ہے اور انہوں نے کچھ مال چھوڑا بھی نہیں تھا اس لئے کفیل بننا صحیح ہے۔ہم کہتے ہیں کہ یہ تبرع اور احسان کے طور پر تھا جو ہمارے یہاں بھی جائز ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعد میں حضرت ابوقتادہ نے رقم وصول نہیں کی۔

حاشیہ : (الف) ہم حضورؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس وقت ایک جنازہ لایا گیا..آپؐ نے پوچھا کچھ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔کہا کیا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا تین دینار۔آپؐ نے فرمایا ان پر تم لوگ نماز پڑھ لو۔پس ابوقتادہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! اس پر نماز پڑھئے اور مجھ پر اس کے دین کی ذمہ داری ہے۔پھر آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔

﴿ کتاب الحوالة ﴾

[۱۴۵۲](۱) الحوالة جائزة بالدیون [۱۴۵۳](۲) وتصح برضا المحیل والمحتال له

﴿ کتاب الحوالة ﴾

ضروری نوٹ حوالہ کا مطلب یہ ہے کہ دین اصل مقروض سے کفیل کی طرف چلا جائے اور اب صرف کفیل ذمہ دار ہو۔ چونکہ اس میں قرض دوسرے کی طرف حوالہ ہو گیا اس لئے اس کو حوالہ کہتے ہیں۔ حوالہ کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال مطل الغنی ظلم واذا احلت علی ملی فاتبعه ولا تبع بیعتین فی بیعة (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی مطل الغنی ظلم ص ۲۴۴ نمبر ۱۳۰۹ / ابن ماجہ شریف، باب الحوالۃ ص ۳۴۴ نمبر ۲۴۰۴ / بخاری شریف، باب الحوالۃ وھل یرجع فی الحوالۃ ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۷) اس حدیث میں حوالہ کرنے کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ کسی مالدار کی طرف حوالہ کیا تو اس کا پیچھا کرنا چاہئے۔

اس باب میں چار الفاظ استعمال ہوتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے (۱) جو آدمی قرض کا ذمہ دار یعنی کفیل بنے کہ اب میں قرض ادا کروں گا اس کو محتال علیہ کہتے ہیں (۲) اور جس آدمی پر قرض تھا مدیون یعنی مکفول عنہ اس کو محیل کہتے ہیں (۳) اور جس کا قرض تھا یعنی مکفول لہ اس کو محتال لہ یا محتال کہتے ہیں (۴) اور جس مال کا ضامن بنا یعنی مکفول بہ اس کو محتال بہ کہتے ہیں۔

[۱۴۵۲] (۱) حوالہ جائز ہے دین کا۔

تشریح جو قرض صحیح کسی آدمی پر ہو اس کا حوالہ کسی آدمی پر کرے تو جائز ہے۔

وجہ محتال علیہ یعنی کفیل کا اپنا مال ہے اس لئے وہ کسی کو بھی دے سکتا ہے (۲) اوپر حدیث گزری کہ کسی مالدار پر حوالہ کیا جائے تو اس کا پیچھا کرنا چاہئے (۳) خود حضرت ابو قتادہ نے اپنے اوپر میت کا حوالہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ فقال ابو قتادة صل علیه یا رسول الله وعلی دینه فصلی علیه (ب) (بخاری شریف، باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۹) اس لئے ان احادیث کی وجہ سے حوالہ جائز ہے۔

[۱۴۵۳] (۲) حوالہ صحیح ہوتا ہے محیل اور محتال لہ اور محتال علیہ کی رضامندی سے۔

تشریح حوالہ میں تینوں آدمی راضی ہوں تو حوالہ صحیح ہوتا ہے۔ محیل یعنی مقروض محتال لہ یعنی قرض دینے والا اور محتال علیہ یعنی جو قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہو۔

وجہ محیل کی رضامندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی کا احسان اپنے اوپر نہیں لینا چاہتا ہو اس لئے اس کی رضامندی کی ضرورت ہے۔

فائدہ بعض روایت میں ہے کہ اس کی رضامندی کی ضرورت نہیں ہے۔

حاشیہ (الف) حضور ؐ نے فرمایا مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور جب مالدار ہوتے ہوئے حوالہ کیا گیا تو اس کے پیچھے لگو اور ایک بیع میں دو بیع مت کرو (ب) حضرت ابو قتادہ نے فرمایا آپ اس آدمی پر نماز پڑھئے مجھ پر اس کے دین کی ذمہ داری ہے۔ پھر آپ ؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔

والمحتال علیه [۱۴۵۴](۳) واذا تمت الحوالة برئ المحیل من الدیون ولم یرجع المحتال له علی المحیل الا ان یتوی حقه [۱۴۵۵](۴) والتوی عند ابی حنیفة رحمه الله

وجہ کیونکہ اس کو تو اچھا ہے کہ اپنا قرض کسی اور پر چلا گیا اور دوسرا آدمی ضامن بن گیا (۲) حضرت ابو قتادہ نے میت کا قرض اپنے اوپر لیا اور بغیر میت کی رضامندی کے لیا۔ اس لئے بغیر محیل کی رضامندی کے حوالہ صحیح ہو جائے گا۔

محتال لہ کی رضامندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ قرض اس کا ہے۔ اور آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ محتال لہ دوسرے آدمی یعنی محتال علیہ سے قرض وصول نہیں کرنا چاہتا ہو۔ اس لئے محتال لہ کی رضامندی کی ضرورت ہے۔ اور محتال علیہ کی رضامندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس کی رضامندی کے بغیر وہ قرض کیسے ادا کرے گا؟ حضرت ابو قتادہ قرض ادا کرنے پر راضی ہوئے تب ہی میت کا قرض ان پر حوالہ ہوا۔

[۱۴۵۴](۳) اور جب حوالہ پورا ہو جائے تو محیل قرض سے بری ہو جائے گا اور محتال لہ وصول نہیں کرے گا محیل سے مگر یہ کہ اس کا حق تلف ہو جائے۔

تشریح تینوں کی رضامندی سے حوالہ مکمل ہو گیا تو محیل یعنی اصل مقروض قرض سے بری ہو جائے گا۔ اب اس پر قرض نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ اس سے قرض منتقل ہو گیا۔ اور محتال لہ یعنی قرض دینے والا اب محیل یعنی اصل مقروض سے قرض وصول نہیں کرے گا۔ ہاں! اگر محتال علیہ یعنی کفیل اور ضامن سے قرض وصول ہونے کی امید نہ ہو تب محیل یعنی اصل مقروض سے قرض وصول کرے گا۔

وجہ حوالہ اس امید پر کیا تھا کہ قرض خواہ کو قرض ملے گا۔ اور جب نہیں ملا تو اصل مقروض ذمہ دار ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عثمان بن عفان قال لیس علی مال امرئ مسلم توی یعنی حوالة** (الف) (سنن للبیھقی، باب من قال یرجع علی المحیل لا توی علی مال مسلم، ج سادس، ص ۱۱۷، نمبر ۱۱۳۹۱ ر مصنف ابن ابی شیبة ۸۴ فی الحوالة ان یرجع فیھا، ج رابع، ص ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۱۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے مال میں ضیاع نہیں ہے یعنی حوالہ میں ضائع نہیں ہوگا بلکہ اصل مقروض سے وصول کرے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر چہ قرض محتال علیہ سے وصول نہ کر سکتا ہو پھر بھی محیل یعنی اصل مقروض سے وصول نہیں کر سکتا۔

وجہ وہ حوالہ کی وجہ سے ہر اعتبار سے بری ہو گیا (۲) اثر میں ہے۔ **عن شریح فی الرجل یحیل الرجل فیتوی قال لا یرجع علی الاول** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۸۴ فی الحوالة أله ان یرجع فیھا، ج رابع، ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چاہے مال ضائع ہونے کا خطرہ ہو پھر بھی اول یعنی اصل مقروض سے وصول نہیں کرے گا۔

لغت التوی: حلق تلف ہونا۔

[۱۴۵۵](۴) اور حق تلف امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو معاملوں میں سے ایک سے ہوتا ہے، یا حوالے کا انکار کر دے اور قسم کھا لے اور اس پر کوئی

حاشیہ: (الف) حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا مسلمان کے مال پر ہلاکت نہیں ہے یعنی حوالہ میں ہلاکت نہیں ہے (وہ محیل سے بھی وصول کر سکتا ہے) (ب) حضرت شریح نے فرمایا آدمی حوالہ کرے پھر محتال علیہ پر ہلاکت آجائے تو فرمایا کہ اول سے وصول نہیں کر سکتا (یعنی محیل سے)۔

باحد الامرين اما ان يجحد الحوالة ويحلف ولا بينة عليه او يموت مفلسا[۱۴۵۶](۵) وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله هذان الوجهان و وجه ثالث وهو ان يحكم الحاكم بافلاسه في حال حيوته.

بینہ نہ ہو یا وہ مفلس ہو کر مر جائے۔

تشریح امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو باتوں میں سے ایک ہو تو حق تلف ہونا سمجھا جائے گا۔ پہلی بات یہ ہے کہ محتال علیہ یعنی ضامن حوالہ کا انکار کر دے کہ میں نے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری نہیں لی ہے۔ اس پر وہ قسم بھی کھالے اور قرض خواہ محتال لہ کے پاس اس پر کوئی گواہ بھی نہ ہو کہ ہاں قرض کا ذمہ دار بنا تھا۔ اب چونکہ قرض وصول کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے اس لئے اب اصل مقروض سے وصول کرے گا۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ محتال علیہ مفلس ہو کر انتقال کیا ہو۔ اب اس کے پاس کوئی چیز ہے ہی نہیں اور نہ وہ زندہ ہے کہ اس سے وصول کر سکے۔ اس لئے اب اصل مقروض یعنی محیل سے وصول کرے گا۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے کہ مفلس مرنے سے قرض اصل مقروض کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ عن الحكم بن عتبة قال لا يرجع في الحوالة الى صاحبه حتى يفلس او يموت ولا يدع فان الرجل يوسر مرة ويعسر مرة (الف) مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۴ فی الحوالۃ الہ ان یرجع فیھا، ج رابع، ص ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۱۶) اس اثر میں ہے کہ مفلس بن کر مر جائے تو قرض اصل مقروض سے وصول کیا جائیگا۔

لغت یجحد : انکار کر جائے۔

[۱۴۵۶] (۵) امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا یہ دو وجہ اور تیسری وجہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ حاکم حکم لگادے اس کی مفلسی کا اس کی زندگی میں

تشریح دو وجہ کے علاوہ تیسری یہ بھی ہے جس کی وجہ سے محتال لہ اصل مقروض یعنی محیل سے قرض وصول کر سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حاکم مقروض کی زندگی میں اس کے مفلس ہونے کا فیصلہ کر دے۔

وجہ (۱) ان کی دلیل اوپر کا اثر ہے جس میں ہے۔ قال لا يرجع في الحوالة الى صاحبه حتى يفلس۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں محتال علیہ مفلس ہو جائے تب بھی اصل مقروض سے قرض وصول کر سکتا ہے (۲) عن الحسن قال اذا احتال على ملي ثم افلس بعد فهو جائز عليه (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۴ فی الحوالۃ الہ ان یرجع فیھا؟ ج، رابع، ص ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۱۸) اس اثر میں ہے کہ اگر زندگی میں محتال علیہ مفلس ہو جائے تو محتال لہ محیل یعنی اصل مقروض سے قرض وصول کر سکتا ہے۔

اصول امام صاحبینؒ کے نزدیک یہ قاعدہ ہے کہ حاکم کسی کی زندگی میں افلاس کا فیصلہ کر دے تو وہ مفلس بحال رہتا ہے۔ اور جب وہ مفلس ہو گیا تو اصل مقروض سے قرض لے گا۔ اور امام اعظم کی رائے یہ ہے کہ مال کبھی آتا ہے اور کبھی چلا جاتا ہے اس لئے کسی کے افلاس کے فیصلے سے

حاشیہ : (الف) حکم بن عتبہ نے فرمایا حوالہ میں صاحب حوالہ سے وصول نہیں کرے گا یہاں تک کہ محتال علیہ مفلس ہو جائے اور کچھ نہ چھوڑے۔ اس لئے کہ آدمی کبھی مالدار ہوتا ہے اور کبھی تنگدست ہوتا ہے (ب) حسنؒ نے فرمایا اگر مالدار پر حوالہ کیا پھر وہ مفلس ہو گیا تو وہ محیل پر جائز ہو گیا۔

[۱۴۵۷] (٦) واذا طالب المحتال علیه المحیل بمثل مال الحوالة فقال المحیل احلت بدین لی علیک لم یقبل قوله وکان علیه مثل الدین [۱۴۵۸] (۷) وان طالب المحیل المحتال له بما احاله به فقال انما احلتک لتقبضه لی وقال المحتال له بل احلتنی بدین لی علیک فالقول قول المحیل مع یمینه.

وہ ہمیشہ مفلس برقرار نہیں رہے گا۔ بلکہ اس کے پاس مال آنے کی امید ہے اس لئے محتال لہ دائن محتال علیہ کفیل سے ہی قرض وصول کرے گا۔

[۱۴۵۷] (٦) محتال علیہ نے محیل سے مطالبہ کیا حوالت کے مثل مال کا، پس محیل نے کہا کہ میں نے حوالہ کیا اس دین کے بدلے جو میرا آپ پر ہے تو محیل کی بات مان لی جائے گی اور اس پر دین کے برابر رقم لازم ہوگی۔

تشریح محتال علیہ نے محیل سے کہا کہ میں نے جو قرض محتال لہ کو ادا کیا ہے وہ رقم مجھے دیں۔ اس پر محیل نے کہا کہ میرا آپ پر پرانا قرض تھا اس کی وصولی کے لئے آپ پر دین کا حوالہ کیا تھا اور اس پر محیل کے پاس بینہ نہیں ہے تو محیل کی بات نہیں مانی جائے گی۔ بلکہ محتال علیہ کی بات مانی جائے گی اور جتنا قرض محتال علیہ نے ادا کیا ہے اتنا قرض محیل سے واپس لیگا۔

وجہ محتال علیہ نے قرض ادا کیا جو ظاہری ثبوت ہے کہ وہ قرض کے مطابق محیل سے رقم وصول کر لے۔ اور محیل کے پاس محتال علیہ پر قرض ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے بات محتال علیہ کی مانی جائے گی (۲) محیل محتال علیہ پر قرض کا دعوی کر رہا ہے اور محتال علیہ منکر ہے اس لئے محیل کے پاس بینہ نہ ہو تو منکر کی بات مانی جائے گی۔ اس لئے بھی محتال علیہ کی بات مانی جائے گی۔ اور جتنا قرض محتال علیہ نے ادا کیا ہے اتنا قرض محیل سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ظاہری علامت جس کے لئے ہے اسی کی بات مانی جائے گی۔

[۱۴۵۸] (۷) اگر محیل نے محتال لہ سے مطالبہ کیا اس دین کا جو حوالت کرائی تھی۔ اور محیل نے کہا میں نے اس لئے حوالت کرائی تھی تا کہ اس قرض کو میرے قبضہ کریں۔ اور محتال لہ نے کہا کہ آپ نے حوالہ کرایا تھا اس دین کی وجہ سے جو میرا آپ پر تھا تو بات محیل کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ۔

تشریح محتال لہ نے محتال علیہ سے محیل پر جو قرض تھا وہ وصول کیا۔ جب وصول کر لیا تو اب محیل محتال لہ سے کہنے لگا کہ جو قرض آپ نے محتال علیہ سے وصول کیا ہے وہ مجھے دیدو۔ کیونکہ آپ کا مجھ پر کوئی قرض نہیں تھا۔ یہ تو محتال علیہ پر میرا قرض تھا اس کو وصول کرنے کے لئے آپ کو حوالہ کیا تھا۔ تا کہ محتال علیہ سے وصول کر کے مجھے دیں۔ اور محتال لہ کہتا ہے کہ میرا آپ پر قرض تھا جس کی وجہ سے آپ نے حوالہ کیا اس لئے میں وصول کیا ہوا قرض آپ کو نہیں دوں گا۔ تو بات محیل کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ۔

وجہ حوالہ کرنے سے ضروری نہیں ہے کہ محتال لہ کا محیل پر قرض ہو، ہو سکتا ہے کہ محتال علیہ نے قرض وصول کرنے کے لئے حوالہ بول کر محتال لہ کو وکیل بنایا ہو تا کہ وہ وکالت کے طور پر محتال علیہ سے رقم وصول کر کے محیل کو دے۔ اس لئے محیل کی بات مانی جائے گی (۲) محتال لہ محیل پر قرض

[۱۴۵۹] (۸) ویکره السفاتج وهو قرض استفاد به المقروض امن خطر الطریق.

کا دعوی کر رہا ہے اور اس کے پاس اس پر بینہ نہیں ہے اور محیل اس کا منکر ہے اس لئے قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی۔

[۱۴۵۹] (۸) سفاتج مکروہ ہے اور وہ قرض ہے کہ اس کا دینے والا راستے کے خطرے سے محفوظ ہو جائے۔

تشریح سفاتج کی شکل یہ ہے کہ مثلا لندن میں پونڈ قرض دیدے اور کہے کہ انڈیا میں یہ قرض فلاں آدمی کو واپس دے دینا۔ اور قرض لینے والا اس کو قبول کرلے تو یہ مکروہ ہے۔

وجہ قرض دینے والے کو اب یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا پونڈ ضائع ہوگا۔ کیونکہ اب جو کچھ بھی ضائع ہوگا وہ قرض لینے والے کا ہوگا۔ قرض دینے والے نے قرض دے کر یہ فائدہ اٹھایا کہ راستے کے خطرات سے محفوظ کرلیا (۲) اثر میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ عن زینب قالت اعطانی رسول اللہ ﷺ خمسین وسقا تمرا بخیبر وعشرین شعیرا قالت فجاء نی عاصم بن عدی فقال لی هل لک ان اوتیک ما لک بخیبر ههنا بالمدینة فاقبضه منک بکیله بخیبر فقالت لا حتی اسأل عن ذلک قالت فذکرت ذلک لعمر بن الخطاب فقال لا تفعلی فکیف لک بالضمان فیما بین ذلک (الف) (سنن للبیهقی، باب ماجاء فی السفاتج، ج خامس، ص ۵۷۶، نمبر ۱۰۹۴۵) اس اثر میں ہے کہ حضرت عمر نے خیبر میں مال دے کر مدینہ میں لینے سے منع فرمایا (۳) اثر میں ہے۔ عن فضالة بن عبید صاحب النبی ﷺ انه قال کل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا (ب) (سنن للبیهقی، باب کل قرض جر منفعة فهو ربا، ج خامس، ص ۵۷۳، نمبر ۱۰۹۳۳ رمصنف ابن ابی شیبة ۹۷ من کرہ کل قرض جر منفعة ج خامس ص ۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر قرض جس سے نفع حاصل کیا گیا ہو وہ سود کی ایک قسم ہے۔ اور یہاں راستے کے خطرات سے محفوظ ہونے کا فائدہ اٹھایا ہے۔ اس لئے یہ بھی سود کی ایک قسم ہوگی جس کی وجہ سے مکروہ ہے۔

نوٹ اگر بغیر شرط کے ایسا کیا کہ لندن میں قرض لیا اور ہندوستان میں ادا کیا تو مکروہ نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان عبد اللہ بن الزبیر کان یأخذ من قوم بمکة دراهم ثم یکتب بها الی مصعب بن الزبیر بالعراق فیأخذونها منه فسئل ابن عباس عن ذلک فلم یر به بأسا فقیل له ان اخذوا افضل من دراهم قال لا بأس اذا اخذوا بوزن دراهمهم (ج) (سنن للبیهقی، باب ماجاء فی السفاتج، ج خامس، ص ۵۷۷، نمبر ۱۰۹۴۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بغیر شرط کے ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت زینب فرماتی ہیں کہ مجھے حضور نے پچاس وسق کھجور اور بیس وسق جو خیبر میں دیئے۔ فرماتی ہیں کہ میرے پاس عاصم بن عدی آئے اور کہا کہ کیا خیبر کے بدلے میں مدینہ میں میں مال دے دوں؟ اور میں اس کے بدلے برابر کا کیل خیبر میں آپ سے قبضہ کرلوں۔ فرمانے لگی نہیں۔ جب تک میں اس کے بارے میں پوچھ نہ لوں۔ کہا اس کا تذکرہ عمر ابن خطاب کے سامنے کیا تو وہ فرمانے لگے ایسا مت کرو۔ اس لئے کہ کیا ہوگا اس ضمان کا جو راستے کے درمیان میں ہے (ب) حضور کے صحابی فضالہ بن عبید فرماتے ہیں کہ ہر وہ قرض جس کی وجہ سے نفع لے وہ سود کی قسموں میں سے ایک قسم ہے (ج) عبد اللہ بن زبیر لوگوں سے مکہ مکرمہ میں درہم لیتے تھے۔ پھر اس کی تصدیق مصعب بن زبیر کے پاس عراق لکھتے تو لوگ مصعب بن زبیر سے رقم لے لیتے، پس اس کے بارے میں عبد اللہ بن عباس سے پوچھا تو انہوں نے کوئی حرج نہیں سمجھا۔ پھر ان سے کہا گیا اس سے افضل درہم لیتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اگر درہم کے وزن کے برابر ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

﴿کتاب الصلح﴾

[۱۴۶۰](۱) الصلح علی ثلثة اضرب صلح مع اقرار و صلح مع سکوت وھو ان لا یقر المدعی علیه ولا ینکر وصلح مع انکار و کل ذلک جائز.

﴿کتاب الصلح﴾

ضروری نوٹ صلح کے معنی مصالحت کے ہیں۔یہ مخاصمت کی ضد ہے۔صلح جائز ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔وان امرأة خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر (الف) (آیت ۱۲۸ سورۃ النساء ۴) اور حدیث ہے۔عن براء بن عازب قال صالح النبی المشرکین یوم الحدیبیة علی ثلاثة اشیاء (ب) (بخاری شریف، باب الصلح مع المشرکین ص ۳۷۱ نمبر ۲۷۰۰) اس سے بھی پتہ چلا کہ صلح جائز ہے۔اور ابوداؤد میں ہے۔عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ ﷺ الصلح جائز بین المسلمین، زاد احمد الا صلحا حرم حلالا او احل حراما (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الصلح ص ۱۵۸ نمبر ۳۵۹۴) اس حدیث سے بھی صلح کے جواز کا پتہ چلا۔

[۱۴۶۰](۱) صلح تین قسم پر ہے۔اقرار کے ساتھ صلح اور چپ رہنے کے ساتھ صلح، وہ یہ ہے کہ مدعی علیہ نہ اقرار کرے اور نہ انکار کرے اور انکار کے ساتھ صلح۔اور یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔

تشریح صلح کی تین صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم ہیں۔مدعی علیہ نے اقرار کیا کہ ہاں ہیں۔لیکن ایک ہزار کے بدلے میں ایک گائے دے دیتا ہوں اس پر صلح کرلیں اور مدعی نے مان لیا تو یہ اقرار کے ساتھ صلح ہوئی۔یا یوں کہا کہ ایک ہزار درہم ہیں لیکن آٹھ سو پر صلح کرلیں اور دو سو درہم چھوڑ دیں تو یہ بھی اقرار کے ساتھ صلح ہے اور بجنسہ صلح ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی دعوی کرے کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم ہیں، مدعی علیہ نے اس پر نہ انکار کیا اور نہ اقرار کیا خاموش رہا، پھر کہا کہ اس کے بدلے میں گائے دیتا ہوں اس پر صلح کرلیں اس پر مدعی نے مان لیا۔یہ صلح مع السکوت ہوئی۔اور تیسری صورت یہ ہے کہ مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم ہیں۔مدعی علیہ نے انکار کیا کہ آپ کا مجھ پر کچھ نہیں ہے۔بعد میں کہا کہ چلو اس کے بدلے میں ایک گائے دے دیتا ہوں۔مدعی نے مان لیا اس کو صلح مع انکار کہتے ہیں کہ انکار کرنے کے بعد صلح کرلے۔یہ تینوں صورتیں جائز ہے۔

وجہ اوپر والی حدیث الصلح جائز بین المسلمین سے معلوم ہوا کہ صلح جائز ہے اور یہ حدیث مطلق ہے اس لئے اس میں تینوں قسم کی صلح داخل ہیں۔یعنی حدیث تینوں قسم کی صلح پر دال ہے (۲) صلح مع السکوت اور صلح مع انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ چیز آپ کی ہے تو نہیں لیکن میں دعوی کے جھمیلے میں نہیں پڑنا چاہتا۔اس لئے مال دے کر اپنی جان اور عزت بچانا چاہتا ہوں۔اور مال مدعی علیہ کا ہے اس لئے وہ اس کو خرچ کر

حاشیہ : (الف) اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے نافرمانی یا اعراض کا خوف کرے تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے کہ آپس میں صلح کریں۔اور صلح خیر ہے (ب) حضورؐ صلح حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین باتوں پر صلح کی (ج) آپؐ نے فرمایا مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے مگر وہ صلح جو حلال کو حرام کردے یا حرام کو حلال کردے۔

[۱۴۶۱] (۲) فان وقع الصلح عن اقرار اعتبر فيه مايعتبر فی البياعات ان وقع عن مال بمال[۱۴۶۲] (۳) وان وقع عن مال بمنافع فيعتبر بالاجارات [۱۴۶۳] (۴) والصلح

سکتا ہے۔اس لئے صلح مع السکوت اور صلح مع انکار بھی جائز ہے

[۱۴۶۱] (۲) پس اگر صلح واقع ہو اقرار سے تو اعتبار کئے جائیں گے اس میں وہ امور کہ جو اعتبار کئے جاتے ہیں خرید و فروخت میں، اگر واقع ہو مال سے مال کے بدلے میں۔

تشریح مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر ایک ہزار درہم ہیں۔مدعی علیہ نے اقرار کرلیا۔پھر ایک ہزار کے بدلے گائے پر صلح کرلی تو دونوں طرف مال ہیں اور مدعی علیہ نے اقرار بھی کیا ہے اس لئے گویا کہ ہزار درہم کے بدلے گائے خریدی ہے۔اور مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان بیع کا معاملہ ہوا ہے۔اس لئے بیع مین جن جن امور کا اعتبار ہوتا ہے اس صلح میں بھی ان ہی امور کا اعتبار ہوگا۔مثلا اگر زمین بکتی تو اس میں شفیع کو حق شفعہ ہوگا۔اس صلح میں بھی حق شفعہ ہوگا۔اگر گائے میں کوئی عیب ہو تو خیار عیب کے ماتحت گائے بائع کو واپس کرسکتا ہے۔اگر مدعی یا مدعی علیہ میں سے کسی خیار شرط لیا ہو تو خیار شرط کے ماتحت واپس کرسکتا ہے۔اگر مدعی نے گائے مبیع کو دیکھا نہ ہو تو خیار رویت کے ماتحت اس کو واپس کرسکتا ہے وجہ اقرار کے بعد صلح ہوئی ہے تو گویا کہ مدعی مشتری ہوا اور مدعی علیہ بائع ہوا۔اور دونوں کے درمیان بیع وشراء کا معاملہ ہوا۔اس لئے جن امور کا اعتبار بیع وشراء میں ہوتا ہے ان ہی امور کا اعتبار اس صلح میں ہوگا جس کی مثال اوپر گزر گئی (۲) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عمر ابن سلمة عن ابيه قال صولحت امرأة عبد الرحمن من نصيبها ربع الثمن على ثمانين الفا (الف) سنن للبیہقی، باب صلح المعاوضة وانه بمنزلة البيع يجوز فيه مايجوز فی البيع ولا يجوز فيه مالا يجوز فی البيع، ج سادس، ص ۱۰۷، نمبر ۱۱۳۵۵) اس اثر میں اپنے حصے پر اسی ہزار درہم پر صلح کی جو بیع کی طرح ہے

[۱۴۶۲] (۳) اور اگر صلح واقع ہو مال سے نفع کے بدلے میں تو اعتبار کیا جائے گا اجرت کا۔

تشریح اور اگر ایک طرف مال ہے اور دوسری طرف نفع ہے تو اس صلح پر اجرت کے احکام جاری ہوں گے۔مثلا مدعی نے دعوی کیا کہ میرا تم پر ایک ہزار ہے۔مدعی علیہ نے اس کا اقرار کیا پھر کہا اس کے بدلے میں ایک ماہ تک آپ کا فلاں کام کردوں گا۔تو مدعی کی جانب سے ایک ہزار مال ہے اور مدعی علیہ کی جانب سے کام اور منافع ہیں تو یہ اجرت کی شکل ہوگئی۔اور اس صلح میں اجرت کے تمام امور کی رعایت کی جائے گی۔مثلا نفع دینے کی مدت تعیین کی جائے گی۔دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہوگیا تو صلح باطل ہو جائے گی کیونکہ اجرت میں بھی ایسا ہوتا ہے

اصول صلح عن الاقرار بیع یا اجارہ کی طرح ہوتی ہے۔

[۱۴۶۳] (۴) اور چپ رہنے کے بعد صلح اور انکار کرنے کے بعد صلح مدعی علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ دینے کے لئے اور جھگڑا مٹانے کے طور پر ہوتی ہے۔اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے درجے میں ہے۔

تشریح مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر ایک ہزار درہم ہیں۔مدعی علیہ اس پر چپ رہا یا انکار کردیا۔پھر ایک گائے پر صلح کرلی تو یہ صلح مدعی علیہ کے حق

حاشیہ : (الف) عمر بن سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف کی بیوی نے اپنے حصے چوتھائی حصے کو اسی ہزار درہم پر صلح کی۔

عن السكوت والانكار فى حق المدعى عليه لافتداء اليمين وقطع الخصومة وفى حق المدعى بمعنى المعاوضة[۱۴۶۴] (۵) واذا صالح عن دار لم يجب فيها الشفعة[۱۴۶۵] (۶) واذا صالح على دار وجبت فيها الشفعة.

میں ایسا مانا جائے گا کہ مدعی علیہ پر کچھ نہیں تھا۔ البتہ مقدمہ کے جھمیلے سے چھوٹنے کے لئے اور قسم کھانے سے بچنے کے لئے اپنا مال فدیہ کے طور پر دے دیا۔ حقیقت میں اس پر کچھ بھی لازم نہیں تھا۔

وجہ اس نے انکار کیا تھا یا چپ رہا تھا اور مدعی نے گواہ کے ذریعہ اس پر کچھ ثابت نہیں کیا ہے اس لئے حقیقت میں مدعی علیہ پر کچھ لازم نہیں ہوا۔ اور جو کچھ صلح کے طور پر دیا وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے دیا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے کہ انکار کے باوجود دنیا میں بھائیوں سے صلح کر لینی چاہئے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من كانت له مظلمته لاخيه من عرضه او شیء فليتحلله منه اليوم قبل ان لا يكون دينار ولا درهم (الف) (بخاری شریف، باب من كانت له مظلمة عند الرجل فحللها له هل يبين مظلمة؟ ص نمبر ۲۴۴۹) اس حدیث میں ہے کہ اس دنیا میں بھائیوں پر کئے ہوئے ظلم کو حلال کر لینا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ ظلم میں آدمی انکار ہی کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس پر صلح کرنے کی ترغیب دی اس لئے انکار کے باوجود صلح کر سکتا ہے۔ اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے معنی میں ہے۔

وجہ کیونکہ مدعی یہ سمجھ رہا ہے کہ میری چیز مدعی علیہ پر تھی اس کے بدلے میں اس کی چیز لے رہا ہوں۔

[۱۴۶۴] (۵) اگر صلح کی گھر سے تو اس میں شفعہ واجب نہیں ہوگا۔

تشریح مدعی نے مدعی علیہ پر دعوی کیا کہ یہ گھر میرا ہے۔ مدعی علیہ نے انکار کیا یا چپ رہا۔ پھر اس گھر کے عوض میں کچھ روپیہ دے کر صلح کر لی تو اس گھر میں کسی کا حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ مدعی علیہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ گھر پہلے سے میرا ہی ہے۔ یہ تو جھگڑا مٹانے کے لئے روپیہ دے رہا ہوں۔ اس روپے کے بدلے گھر نہیں خرید رہا ہوں۔ تو چونکہ گھر کو خریدنا نہیں پایا گیا اس لئے اس میں شفعہ نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں خریدنا پایا جائے گا وہاں جائداد میں حق شفعہ ہوگا۔ جہاں خریدنا نہیں پایا جائے وہاں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۱۴۶۵] (۶) اور اگر صلح کی گھر پر تو اس میں شفعہ واجب ہوگا۔

تشریح مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر ایک ہزار درہم ہیں۔ مدعی علیہ چپ رہا یا انکار کیا پھر ایک ہزار درہم کے بدلے ایک گھر دے کر صلح کر لی تو اس گھر پر حق شفعہ ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی پر بھائی کی جانب سے ظلم ہو اس کی عزت کے بارے میں یا کسی اور چیز کے بارے میں تو اس کو آج حلال کر لینا چاہئے۔ اس دن سے پہلے کہ نہ دینار ہوا اور نہ درہم۔

[۱۴۶۶] (۷) واذا کان الصلح عن اقرار فاستحق بعض المصالح عنه رجع المدعی علیه بحصة ذلک من العوض[۱۴۶۷] (۸) واذا وقع الصلح عن سکوت او انکار فاستحق المتنازع فیه رجع المدعی بالخصومة ورد العوض وان استحق بعض ذلک رد حصته

وجہ مدعی اس گھر کو اپنے ہزار درہم کے بدلے لے رہا ہے۔اس مدعی کے حق میں گھر کو ہزار درہم کے بدلے خریدنا پایا گیا اس لئے گھر میں شفعہ ہوگا۔

اصول اوپر گزر گیا۔

[۱۴۶۶] (۷) اگر اقرار کے بعد صلح ہوئی ہو پھر مستحق نکل گیا صلح کی چیز کے بعض حصے میں تو واپس لے لے مدعی علیہ اس حصے کے موافق عوض سے۔

تشریح اس مسئلہ کو مثال سے سمجھیں۔مثلا عمر کے قبضہ میں ایک مکان ہے۔زید مدعی نے دعوی کیا کہ یہ مکان میرا ہے عمر مدعی علیہ نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔پھر ایک گائے دے کر صلح کر لی۔پھر بعد میں مکان جو مصالح عنہ تھا یعنی جس کی وجہ سے صلح ہوئی تھی اس میں سے آدھا حصہ دوسرے کا نکل آیا تو عمر زید سے اپنی دی ہوئی گائے کا آدھا حصہ واپس لے گا۔

وجہ صلح کی تو یہ خرید و فروخت کی طرح ہوگئی۔اس لئے مبیع یا ثمن کا مستحق نکل گیا تو سامنے والے سے وصول کرے گا۔یہاں مکان کا آدھا حصہ مستحق نکل گیا تو گائے جو اس کی قیمت تھی اس کا آدھا زید سے واپس لے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اقرار کے بعد صلح بیع کی طرح ہے۔

[۱۴۶۷] (۸) اور اگر صلح واقع ہو چپ رہنے کے بعد یا انکار کے بعد پھر متنازع فیہ چیز کا کوئی حقدار نکل آئے تو مدعی مقدمہ کر کے وصول کرے گا۔اور عوض واپس کرے گا۔اور اگر اس میں سے بعض کا مستحق نکل گیا تو مقدمہ سے اس میں وصول کرے گا۔

تشریح اس مسئلہ کو بھی مثال سے سمجھیں۔مثلا عمر کے قبضہ میں ایک مکان تھا۔زید نے دعوی کیا کہ یہ مکان میرا ہے۔عمر اس پر چپ رہا یا انکار کیا۔بعد میں عمر مدعی علیہ نے گائے دے کر صلح کر لی۔اس کے بعد مکان کسی اور کا مستحق نکل گیا تو عمر مدعی علیہ زید مدعی سے اپنی گائے واپس لے گا اور زید مدعی اب مستحق سے مقدمہ کر کے اس کے استحقاق کو ختم کرائے گا یا وہ حقدار کو حق دے گا۔

وجہ عمر مدعی علیہ اگر چہ چپ رہا تھا یا انکار کیا تھا لیکن اس نے زید کو مکان کے بدلے گائے اس لئے دی تھی کہ مکان کا کوئی حقدار نہ نکلے اور مکان بغیر خصومت کے اس کے پاس موجود رہے۔یہاں تو حقدار بھی نکل گیا اور خصومت میں بھی پڑنا پڑا جس کی وجہ سے گائے دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔اس لئے زید سے گائے واپس لے گا۔اور اب زید حقدار سے نمٹیگا۔کیونکہ حقدار اب مدعی علیہ عمر کے درجے میں ہو گیا۔اس لئے اسی سے خصومت کر کے یا اپنا حق واپس لے گا یا قاضی فیصلہ کرے گا تو اس کا حق حقدار کے پاس جائے گا (۲) یہاں بھی بیع کی طرح معاملہ ہو جائے گا اور عمر کی مبیع (مکان) سالم نہیں رہا اس لئے اپنی قیمت گائے زید سے واپس لے گا۔

ورجع بالخصومة فيه[۱۴۶۸] (۹) وان ادعى حقا في دار ولم يبينه فصولح من ذلك على شيء ثم استحق بعض الدار لم يرد شيئا من العوض لان دعواه يجوز انيكون فيما بقى[۱۴۶۹] (۱۰) والصلح جائز من دعوى الاموال والمنافع وجناية العمد والخطأ

اورآدھامکان مستحق نکلاتھا تو آدھی گائے عمر کو واپس دے گا۔اور آدھا مکان زید مستحق سے مقدمہ کر کے واپس لے گا۔

اصول اوپر گزر گیا۔

لغت المتنازع فیہ : اس سے مراد وہ مکان ہے جس میں زید،عمر اور بعد میں مستحق جھگڑا کرتے رہے اور جس کی وجہ سے صلح ہوئی تھی۔ رجع المدعی بالخصومۃ : سے مراد زید مدعی ہے جو مستحق پر مقدمہ کر کے اپنا حصہ وصول کرے گا۔ ردالعوض : مکان،مصالح عنہ کے عوض میں عمر نے جو گائے دی تھی وہ گائے زید عمر کی طرف سے واپس لے گا۔

[۱۴۶۸] (۹) اگر مدعی نے گھر میں حق کا دعوی کیا اور اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔پس صلح کی اس کے بدلے میں کسی چیز پر، پھر مستحق نکل گیا بعض گھر کا تو عوض میں سے کچھ واپس نہین کرے گا۔اس لئے کہ اس کا دعوی جائز ہے کہ فیما بقی مین ہو۔

تشریح مثلا زید نے عمر سے کہا کہ تمہارے قبضے کے گھر میں میرا حق ہے۔لیکن کتنا حق ہے یہ بیان نہیں کیا۔پھر عمر نے زید کو گائے دے کر صلح کی۔بعد میں اس مکان میں کسی کا کچھ حق نکل گیا تو عمر زید سے گائے واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ کیونکہ جو کچھ مکان میں سے عمر کے پاس باقی رہ گیا ہے زید کہہ سکتا ہے کہ اتنا ہی حق میرا تھا جو تمہارے پاس رہ گیا ہے اور اسی پر صلح کر کے گائے لی ہے۔ہاں اگر پورا مکان کسی کا مستحق نکل گیا تو عمر اب زید سے گائے واپس لے سکتا ہے۔کیونکہ جب پورا مکان کسی کا حق نکل گیا تو معلوم ہوا کہ زید کا تھوڑا حصہ بھی مکان میں نہیں تھا اور اس نے عمر سے جو گائے لی تھی وہ بغیر کسی حق کے لی تھی۔اس لئے عمر زید سے اپنی دی ہوئی گائے واپس لے سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر مدعی اور مدعی علیہ کی باتوں میں جوڑ پیدا ہو سکتا ہو تو کر دیا جائے گا ورنہ بعد میں فیصلہ ہوگا۔

[۱۴۶۹] (۱۰) صلح جائز ہے مال کے دعوی سے اور منافع کے دعوی سے۔جنایت عمد اور جنایت خطا کے دعوی سے۔اور نہیں جائز ہے حد کے دعوی سے۔

تشریح کسی نے مال کا دعوی کیا۔اس کے بدلے میں کچھ دے کر صلح کر لی تو جائز ہے۔اور یہ بیع کے درجے مین ہوگی۔یا منافع کا کسی نے دعوی کیا اور اس کے بدلے میں کچھ دے کر صلح کر لی تو جائز ہے۔اور یہ صلح اجارہ کے درجے میں ہوگی۔ان دونوں کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔جنایت عمد کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے جان بوجھ کر کسی کا عضو کاٹ دیا جس کی وجہ سے اس پر عضو کاٹنے کا قصاص تھا۔اس قصاص کے بدلے میں دونوں نے مال پر صلح کر لی تو جائز ہے۔اور جنایت خطا کی صورت یہ ہے کہ غلطی سے کسی نے کسی کا عضو کاٹ دیا جس کی وجہ سے اس پر دیت کا مال واجب تھا۔لیکن بعد میں قاطع اور مقطوع نے کم مال پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے۔

ولا یجوز من دعوی حد.

وجہ قاطع کا مال ہے وہ خرچ کرکے اپنا عضو بچا سکتا ہے۔اور مقطوع کو حق ہے کہ قصاص معاف کرکے مال پر راضی ہو جائے (۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی لہ من اخیہ شیء فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ** (الف) (آیت ۱۷۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ قصاص اور جنایت عمد معاف کر سکتا ہے اور اس کے بدلے میں کچھ لے سکتا ہے۔تو اسی پر قیاس کرکے جنایت خطا کے بدلے میں بھی کچھ لے سکتا ہے اور صلح کر سکتا ہے (۳) جنایت اور دیت کو معاف کرکے صلح کرنے پر یہ حدیث دال ہے۔ **ان انسا حدثھم ان الربیع وھی ابنۃ النضر کسرت ثنیۃ جاریۃ فطلبوا الارش وطلبوا العفو فابوا فاتوا النبی ﷺ فامرھم بالقصاص فقال انس بن النضر اتکسر ثنیۃ الربیع یا رسول اللہ؟لا والذی بعثک بالحق لا تکسر ثنیتھا فقال یا انس کتاب اللہ القصاص فرضی القوم وعفوا فقال النبی ﷺ ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لابرأہ** (ب) (بخاری شریف، باب الصلح فی الدیۃ ص ۳۷۲ نمبر ۲۷۰۳) اس حدیث میں قصاص کو معاف کرکے ارش پر صلح کی۔جس سے صلح کے جواز کا پتہ چلا۔

اور حد کو جلدی ثابت نہ کیا جائے بلکہ تھوڑے سے شبہ کی وجہ سے ساقط کر دیا جائے۔لیکن جب حد ثابت ہو جائے تو نہ اس کو معاف کر سکتا ہے اور نہ اس کے بدلے رقم لے کر صلح کر سکتا ہے۔

وجہ حد اصل میں اللہ کا حق ہے۔اور اللہ کا حق اللہ ہی معاف کر سکتا ہے دوسرا کوئی نہیں۔اس لئے نہ اس کو معاف کر سکتا ہے اور نہ اس پر صلح کر سکتا ہے (۲) صلح نہ کرنے اور معاف نہ کرنے پر وہ احادیث دلالت کرتی ہیں جن میں حضورؐ کے پاس سفارش کے لئے حضرت اسامہ آئے تو آپؐ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہ بھی چراتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا، حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عائشۃ ان قریشا اھمتھم المرأۃ المخزومیۃ التی سرقت ... فقال یا ایھا الناس انما ضل من کان قبلکم انھم کانوا اذا سرق الشریف ترکوہ واذا سرق الضعیف فیھم اقاموا علیہ الحد وایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطع محمد یدھا** (الف) (بخاری شریف، باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد اذا رفع الی السلطان ص ۱۰۰۳ نمبر ۶۷۸۸) اس حد میں حد سے سفارش کرنے پر آپؐ نے ناراضگی

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے مقتول کے بارے میں۔آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے، پس اگر بھائی کی جانب سے کچھ معاف کر دیا جائے تو باقی میں معروف کے ساتھ تقاضا کیا جائے گا۔اور اس کی طرف احسان کے ساتھ ادا کرنا ہوگا۔یہ تمہارے رب کی جانب سے تخفیف ہے اور رحمت ہے (ب) ربیع بنت نضر فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک باندی کا دانت توڑا۔پس لوگوں نے ارش مانگا اور معافی طلب کی۔تو انکار کیا، پس وہ حضورؐ کے پاس آئے، پس ان کو قصاص کا حکم دیا۔پس انس بن نضر نے فرمایا اے اللہ کے رسول! کیا ربیع کا دانت توڑیں گے؟ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، آپؐ اس کے دانت کو نہیں توڑیں گے۔آپؐ نے فرمایا اے انس! اللہ کا فرض تو قصاص ہے۔پھر قوم راضی ہو گئی اور معاف کر دیا۔آپؐ نے فرمایا اللہ کے بندوں میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو قسم کھالے تو اللہ اس کو بری کر دیتے ہیں (ج) قریش کو مخزومیہ عورت کے بارے میں فکر ہوئی جس نے چوری کی تھی...پس آپؐ نے فرمایا اے لوگو! تم لوگوں سے پہلے جو لوگ گمراہ ہوئے ہیں ان کے یہاں یہ تھا کہ جب شریف لوگ چراتے تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کمزور چراتے تو اس پر حد قائم کرتے۔خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چراتی تو محمد اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔

[۱۴۷۰](۱۱) واذا ادعی رجل علی امرأة نکاحا وهی تجحد فصالحته علی مال بذلته حتی یترک الدعوی جاز وکان فی معنی الخلع[۱۴۷۱] (۱۲) واذا ادعت امرأة نکاحا علی رجل فصالحها علی مال بذله لها لم یجز [۱۴۷۲](۱۳) وان ادعی رجل علی رجل

کا اظہار فرمایا۔اس لئے ثابت ہونے کے بعد اس پر صلح نہیں ہو سکتی۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ حقوق انسانی پر صلح ہو سکتی ہے، حقوق اللہ پر صلح نہیں ہو سکتی۔

[۱۴۷۰](۱۱) ایک آدمی نے ایک عورت پر نکاح کا دعوی کیا اور وہ انکار کرتی ہے۔پھر عورت نے مرد سے مال پر صلح کی جس کو اس نے خرچ کیا تا کہ مرد دعوی چھوڑ دے تو جائز ہے اور یہ صلح خلع کے حکم میں ہے۔

تشریح ایک آدمی نے ایک عورت پر دعوی کیا کہ اس سے میرا نکاح ہوا تھا۔لیکن عورت اس سے نکاح ہونے کا انکار کرتی ہے۔بعد میں جان چھڑانے کے لئے کچھ دے کر مرد سے صلح کر لی تا کہ مرد نکاح کا دعوی چھوڑ دے تو عورت کا دینا جائز ہے۔

وجہ عورت مقدمہ سے جان چھڑانے کے لئے رقم دے رہی ہے۔چونکہ اس کا مال ہے۔اس لئے جان چھڑانے کے لئے مال خرچ کر سکتی ہے (۲) عورت کی جانب سے یہی سمجھا جائے گا (۲) مرد کی جانب سے یوں سمجھا جائے گا کہ نکاح ہوا تھا اور عورت گویا کہ خلع کی اور خلع کے طور پر یہ رقم مجھے دی ہے۔اس لئے اس کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے

[۱۴۷۱](۱۲) اور اگر دعوی کیا عورت نے نکاح کا مرد پر، پس مرد نے عورت سے صلح کی مال پر جس کو مرد نے عورت کے لئے خرچ کیا تو عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔

تشریح اس مسئلہ میں مسئلہ نمبر ۱۱ سے الٹا ہے۔وہ یہ کہ عورت نے دعوی کیا کہ میرا اس مرد سے نکاح ہوا ہے۔اور مرد نے اسکا انکار کیا۔بعد میں عورت کو مال دے کر صلح کر لی تا کہ جان چھوٹ جائے تو عورت کے لئے مال لینا جائز نہیں ہے۔

وجہ مرد تو سمجھ رہا ہے کہ جان چھڑانے کے لئے رقم دے رہا ہوں۔اب عورت جو لے رہی ہے وہ کس اعتبار سے لے رہی ہے۔اگر یہ سمجھ کر لے رہی ہے کہ نکاح ہوا تھا اور جدا ہونے اور فرقت کے لئے لے رہی ہوں تو جدائیگی کے لئے مرد کی جانب سے کوئی مال نہیں ہوتا۔اور اگر یہ سمجھ رہی ہے کہ نکاح ہی نہیں ہوا تھا ویسے ہی مال لے رہی ہوں تو ویسے بغیر نکاح کے مال لینا جائز نہیں۔اس لئے عورت کے لئے یہ مال لینا جائز نہیں ہے۔

نوٹ ایک نسخے میں ہے کہ عورت کے لئے مال لینا جائز ہے اور اس کی تاویل یہ ہوگی کہ عورت سمجھ رہی ہے کہ نکاح ہوا ہے اور مرد صلح کے طور پر جو مال دے رہا ہے یہ مہر میں زیادتی ہے۔یعنی مہر ہی گویا کہ زیادہ کر کے دے رہا ہے۔

[۱۴۷۲](۱۳) اگر کسی آدمی نے کسی آدمی پر دعوی کیا کہ یہ میرا غلام ہے۔پس اس نے مال پر صلح کی جو اس کو دے دیا تو جائز ہے۔اور یہ مدعی کے حق میں مال پر آزادگی کے حکم میں ہوگا۔

انہ عبدہ فصالحہ علی مال اعطاہ جاز وکان فی حق المدعی فی معنی العتق علی مال [۱۴۷۳](۱۴) وکل شیء وقع علیہ الصلح وھو مستحق بعقد المداینۃ لم یحمل علی المعاوضۃ وانما یحمل علی انہ استوفی بعض حقہ واسقط باقیہ کمن لہ علی رجل الف

تشریح ایک آدمی نے ایک آدمی پر دعوی کیا کہ یہ میرا غلام ہے۔اس نے انکار کیا، بعد میں کچھ دے کر صلح کر لی تو مدعی کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے۔

وجہ غلام تو یہ سمجھ کر دے رہا ہے کہ میں جان چھڑانے کے لئے دے رہا ہوں۔اور مدعی کے حق میں یوں سمجھا جائے گا کہ یہ واقعی اس کا غلام تھا اور مدعی نے صلح کا مال لے کر اس کو آزاد کیا۔اور مال لے کر آزاد کرنا جائز ہے۔اس لئے مدعی کا مال لینا جائز ہے۔

اصول پہلے گزر چکا ہے کہ جہاں جہاں مدعی اور مدعی علیہ میں جوڑ ہو سکتا ہو تو بات مان لی جائے گی اور جہاں جوڑ نہ ہو سکتا ہو تو الگ فیصلہ کیا جائے گا۔

[۱۴۷۳](۱۴) ہر وہ چیز جس پر صلح واقع ہو اور اس میں وہ دین کے عقد سے مستحق ہو تو وہ معاوضہ پر حمل نہیں کیا جائے گا بلکہ حمل کیا جائے گا اس بات پر کہ بعض حق کو لیا اور باقی کو ساقط کر دیا۔جیسے کسی کا کسی آدمی پر ہزار درہم عمدہ ہوں، پس اس سے صلح کی پانچ سو کھوٹے پر تو جائز ہے۔اور ہو گیا گویا کہ اس کو بری کر دیا بعض حق سے۔

تشریح عقد مداینت کا مطلب یہ ہے کہ درہم، دینار وغیرہ قرض دیا ہو یا کوئی چیز درہم، دینار کے بدلے بیچی ہو اور وہ مشتری پر قرض ہو۔اب درہم یا دینار قرض کے بدلے صلح کرنا چاہتا ہے تو اگر عدد کے اعتبار سے یا صفت کے اعتبار سے یا مدت کے اعتبار سے کم اور گھٹیا پر صلح کر رہا ہو تو اس کو درہم کے بدلے درہم شمار نہیں کریں گے اور معاوضہ نہیں کہیں گے۔کیونکہ معاوضہ کہیں گے تو برابر سرابر ہونا ضروری ہے ورنہ سود لازم آئے گا جو حرام ہے۔اس لئے یوں تاویل کریں گے کہ مدعی نے کچھ حق لیا اور کچھ ساقط کر دیا۔مثلا کسی آدمی کا کسی آدمی پر ایک ہزار عمدہ درہم قرض تھے۔اس نے پانچ سو گھٹیا اور کھوٹا درہم پر صلح کی تو یوں سمجھا جائے گا کہ عدد کے اعتبار سے باقی پانچ سو چھوڑ دیا اور صفت کے اعتبار سے عمدہ کو ساقط کر کے گھٹیا لیا۔یوں نہیں کہیں گے کہ ایک ہزار درہم کے بدلے پانچ سو درہم لیا۔اگر ایسا کہیں تو سود لازم آئے گا جو حرام ہے۔

وجہ عدد کے اعتبار سے قرض ساقط کرنے کا ثبوت یہ حدیث ہے۔**عن کعب ابن مالک انہ کان لہ علی عبد اللہ بن ابی حدرد الاسلمی مال فلقیہ فلزمہ حتی ارتفعت اصواتھا فمر بھما النبی ﷺ فقال یا کعب فاشار بیدہ کانہ یقول النصف فاخذ نصف مالہ علیہ وترک نصفا** (الف) (بخاری شریف، باب ہل یشیر الامام بالصلح ص ۳۷۳ نمبر ۲۷۰۶) اس حدیث میں حضرت کعب نے حضور کے کہنے پر آدھے دین پر صلح کر لی۔اور حدیث میں **ترک نصفا** سے معلوم ہوا کہ آدھا چھوڑ دیا۔

حاشیہ : (الف) کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ اس کا عبداللہ بن حدرد پر کچھ مال تھا، پس حضرت کعب نے ان سے ملاقات کی اور اس کے پیچھے لگ گئے۔یہاں تک کہ دونوں کی آواز بلند ہو گئی۔پس وہاں سے حضور گزرے اور کہا اے کعب! اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔گویا کہ فرما رہے ہیں کہ آدھا قرض لے لو۔پس اس پر کا آدھا مال لیا اور آدھا چھوڑ دیا۔

درهم جياد فصالحه على خمس مائة زيوف جاز وصار كانه ابرأه عن بعض حقه [۱۴۷۴] (۱۵) ولو صالحه على الف مؤجلة جاز وكانه اجل نفس الحق[۱۴۷۵] (۱۶) ولو صالحه على دنانير الى شهر لم يجز[۱۴۷۶] (۱۷) ولو كان له الف مؤجلة فصالحه

[۱۴۷۴] (۱۵) اور اگر صلح کی ہزار تاخیر پر تو یہ بھی جائز ہے۔ گویا کہ اس نے نفس حق کو مؤخر کر دیا۔

تشریح کسی کا کسی پر ایک ہزار جلدی والا تھا۔ لیکن تاخیر کے ساتھ دینے پر صلح کر لی تو اگر معاوضہ قرار دیتے ہیں تو ہزار پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے ورنہ تو سود لازم آئے گا۔ کیونکہ ہزار ہزار کے بدلے ہو تو مجلس پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے یوں تاویل کریں گے کہ مدعی کا حق تو جلدی کا تھا لیکن اس نے اپنا حق چھوڑ دیا اور تاخیر کے ساتھ دینے پر راضی ہو گیا۔

وجہ تاخیر کرنے کے لئے اس حدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ عن جابر بن عبد الله انه اخبره ان اباه توفی وترک علیه ثلاثين وسقا لرجل من اليهود فاستنظره جابر فابى ان ينظره فكلم جابر رسول الله ليشفع له اليه فجاء رسول الله وكلم اليهودی ليأخذ ثمر نخله بالتي له فابى (الف) (بخاری شریف، باب اذا قاص او جازفہ فی الدین تمرا بتمر او غیرہ ص ۳۲۲ نمبر ۲۳۹۶) اس حدیث میں حضرت جابر نے دین کو مؤخر کرنے کی درخواست کی لیکن یہودی نے نہیں مانا جس سے معلوم ہوا کہ قرض کو مؤخر کرنے پر صلح کی جا سکتی ہے۔

[۱۴۷۵] (۱۶) اور اگر صلح کی دینار پر ایک مہینہ کی تاخیر کے ساتھ تو جائز نہیں ہے۔

تشریح کسی آدمی کا کسی آدمی پر ایک ہزار درہم فوری قرض تھے۔ اس نے ایک مہینہ کی تاخیر کے ساتھ کچھ دینار پر صلح کر لی تو یہ جائز نہیں ہے

وجہ واجب تو درہم تھے دینار تو نہیں تھے۔ اس لئے درہم کے بدلے دینار پر صلح کی یہ اسقاط نہیں ہوا، بدلہ ہوا۔ اب درہم کے بدلے دینار ہوا تو دونوں ثمنین ہیں اس لئے مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے اور صلح کر لی مہینہ کی تاخیر پر جو سود ہے۔ اس لئے اس صورت میں مہینہ کی تاخیر پر صلح کرنا جائز نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جن شکلوں میں معاوضہ سود واقع ہو جائے وہ صلح جائز نہیں ہے۔

نوٹ اگر ایک مہینہ کی تاخیر نہ کرتا اور فوری طور پر درہم کے بدلے کچھ دینار صلح کر لیتا اور مجلس میں دینار پر قبضہ کر لیتا تو جائز ہو جاتا۔ کیونکہ درہم کے بدلے دینار کم و بیش کر کے لے سکتا ہے۔ البتہ مجلس مین قبضہ کرنا ضروری ہے تاکہ سود نہ ہو۔

[۱۴۷۶] (۱۷) اور اگر کسی کا ہزار تاخیر کے ساتھ ہوں، پس اس سے صلح کر لی پانچ سو فوری پر تو جائز نہیں ہے۔

تشریح کسی کا کسی پر ایک ہزار درہم تھے۔ لیکن تاخیر کے ساتھ ادا کرنے کی شرط تھی۔ پھر اس نے پانچ سو درہم پر صلح کر لی۔ لیکن جلدی ادا

حاشیہ : (الف) جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد کا انتقال ہوا اور ان پر یہودی کے ایک آدمی کا تیس وسق کھجور قرض چھوڑا۔ پس حضرت جابر نے مہلت مانگی۔ پس یہودی نے انکار کیا۔ پھر حضرت جابر نے حضورؐ سے بات کی تاکہ سفارش کرے۔ پس حضور آئے اور یہودی سے بات کی اپنے قرض کے بدلے ایک کھجور کے درخت کا پھل لے لے۔ لیکن یہودی نے انکار کیا۔

علی خمس مائة حالة لم یجز[۱۴۷۷] (۱۸) ولو کان له الف درهم سود فصالحه علی خمس مائة بیض لم یجز[۱۴۷۸] (۱۹) ومن وکل رجلا بالصلح عنه فصالحه لم یلزم

کرنے کی شرط لگائی تو جائز نہیں ہے۔

وجہ تاخیر کی قیمت کم ہے اور جلدی ادا کرنے کی قیمت زیادہ ہے۔ پس جب تاخیر کے بدلے جلدی ادا کرنے کی شرط لگائی تو چاہے ہزار کے بدلے پانچ سو لیا لیکن تاخیر کے بدلے جلدی لیا تو اسقاط کرنا اور معاف کرنا نہیں ہوا بلکہ بدلہ اور معاوضہ ہو گیا۔ اور درہم کے بدلے درہم ہوں تو برابر ہونا چاہئے۔ کم وبیش کرنا سود ہے اس لئے جائز نہیں ہوگا (۲) اثر میں اس کی ممانعت ہے۔ عن ابی صالح عبید مولی السفاح انه اخبره انه باع بزا من اصحاب دار بحلة الی اجل ثم اراد الخروج فسألهم ان ینقدوه ویضع عنهم فسأل زید بن ثابت عن ذلک فقال لا امرک ان تأکل ذلک ولا توکله (الف) مدونۃ مالک ج ثالث ص ۱۹۱/اعلاء السنن نمبر ۵۲۰۷)۔

اصول اوپر گزر گیا کہ سود کی شکل ہو تو صلح جائز نہیں ہے۔

لغت مؤجلۃ : تاخیر کے ساتھ۔ حالۃ : جلدی کے ساتھ، فوری طور پر، فی الحال۔

[۱۴۷۷] (۱۸) اگر کسی کا ہزار درہم کھوٹے تھے، پس پانچ سو عمدہ درہموں پر صلح کی تو جائز نہیں ہے۔

وجہ کھوٹے درہم کی قیمت کم ہے اور عمدہ درہم کی قیمت زیادہ ہے اس لئے جب کھوٹے کے بدلے عمدہ لیا تو اسقاط نہیں کیا بلکہ بدلہ کیا اور معاوضہ کیا اور درہم کے بدلے میں درہم ہو تو برابر ہونا چاہئے ورنہ تو سود ہوگا۔ یہاں ہزار کے بدلے پانچ سو درہم ہیں اس لئے سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

اصول اوپر گزر گیا کہ سود کی شکل مین صلح جائز نہیں۔

لغت سود : کالا، کھوٹا درہم۔ بیض : سفید، عمدہ درہم، کھرا درہم۔

[۱۴۷۸] (۱۹) کسی نے کسی آدمی کو اپنی جانب سے صلح کرنے کا وکیل بنایا، پس وکیل نے صلح کی تو وکیل کو لازم نہیں ہوگی وہ چیز جس پر صلح ہوئی، مگر یہ کہ وکیل اس کا ضامن بن جائے اور مال موکل پر لازم ہے۔

تشریح صلح کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ صلح جس میں صلح کے ذریعہ اپنے کچھ حقوق ساقط کرنا ہے۔ جیسے ہزار روپے قرض تھے اس میں کچھ ساقط کر کے پانچ سو روپے لئے۔ یا قتل عمد کیا تھا جس کی وجہ سے قصاص لازم تھا اور اس کو ساقط کر کے کچھ رقم لینی ہے تو اسقاط کی صورتوں میں صلح کرنے کا وکیل سفیر محض ہوتا ہے اور صرف موکل کی بات پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے صلح کے مال کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوگی۔ بلکہ مال کی ذمہ داری موکل پر ہوگی۔ ہاں! وکیل صلح کے مال کا ضامن ہو جائے تو ضمانت کی وجہ سے اس پر ذمہ داری آئے گی ورنہ نہیں۔ جس طرح نکاح میں وکیل سفیر محض ہوتا ہے اور مہر اور نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہو جاتی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابو صالح عبید دار بحلہ والوں سے ایک مدت کے لئے کپڑا بیچا۔ پھر وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا، پس ان لوگوں نے کہا کہ نقد رقم دے دیں اور اس سے کچھ رقم کم کر دوں گا۔ پس اس کے بارے میں حضرت زید سے پوچھا تو فرمایا کہ میں اس کا حکم نہیں دوں گا کہ تم اس کو کھاؤ یا کھلاؤ۔

الوکیل ما صالحه علیه الا ان یضمنه والمال لازم للموکل[۱۴۷۹] (۲۰) فان صالح عنه علی شیء بغیر امره فهو علی اربعة اوجه ان صالح بمال وضمّنه تمَّ الصلح وکذلک لو

اور صلح کی دوسری قسم وہ ہے جس میں اسقاط نہیں ہوتا ہے بلکہ بدل اور معاوضہ کی شکل ہوتی ہے۔ جیسے اقرار کے بعد مال کے بدلے مال پر صلح کرے تو اس صلح میں وکیل ذمہ دار ہوتا ہے۔

وجہ یہ بیع کی شکل ہو جاتی ہے اور بیع میں خود وکیل ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس لئے اس صلح میں وکیل ضامن نہ بھی ہو پھر بھی صلح کرنے کی وجہ سے وکیل ضامن ہو جائے گا۔ صلح میں وکیل بنانے کا ثبوت اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز کو صلح کا وکیل بنا کر حضرت حسن بن علی کے پاس بھیجا۔ اور انہوں نے تمام ذمہ داری لی جس کی وجہ سے حضرت حسن اور حضرت معاویہ کے درمیان صلح ہوئی جس کے بارے میں حضورؐ نے ممبر پر خوشخبری دی تھی کہ میرا یہ بیٹا دو بڑی جماعت کے درمیان صلح کرائے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال سمعت الحسن یقول استقبل واللہ الحسن بن علی معاویة بکتائب امثال الجبال ... فبعث الیه رجلین من قریش من بنی عبد شمس عبد الرحمن بن سمرة و عبد اللہ بن عامر بن کریز فقال (معاویة) اذهبا الی هذا الرجل فاعرضا علیه وقولا له واطلبا الیه فاتیاه فدخلا علیه فتکلما (الف) (بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین ص ۳۷۲ نمبر ۲۷۰۴) اس حدیث میں حضرت معاویہ نے دو آدمیوں کو صلح کا وکیل بنا کر حضرت حسن کے پاس بھیجا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ صلح کے لئے وکیل بنا سکتے ہیں۔

[۱۴۷۹] (۲۰) پس اگر صلح کر لی اس کی جانب سے کسی چیز پر بغیر اس کے حکم کے تو وہ چار طرح پر ہیں (۱) اگر صلح کی مال پر اور اس کا ضامن بن گیا تو صلح پوری ہو گئی (۲) اور ایسے ہی اگر کہا میں نے آپ سے میرے اس ہزار پر صلح کی، یا میرے اس غلام پر صلح کی تو صلح پوری ہو گئی۔ اور وکیل کو اس کی طرف مال کا سونپنا لازم ہوگا (۳) اور ایسے ہی اگر کہا میں نے آپ سے صلح کی ہزار پر اور وہ ہزار اس کو سپرد کر دیا۔

تشریح ایک آدمی کو مجرم یا موکل نے صلح کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس نے اپنی جانب سے فضولی بن کر صلح کر لی۔ پس اگر صلح کے مال کی ذمہ داری لے لی، یا اپنا مال مدعی کے حوالے کر دیا تب تو بغیر مدعی علیہ کی اجازت کے بھی صلح مکمل ہو جائے گی۔ اور اگر فضولی نے اپنے اوپر مال دینے کی ذمہ داری نہیں لی اور نہ اپنا مال دیا تو صلح موکل کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ وہ اجازت دے گا تو صلح مکمل ہوگی۔ اور اگر اجازت نہیں دی تو صلح باطل ہو جائے گی۔

وجہ جس صورت میں فضولی نے اپنے اوپر ذمہ داری لے لی تو رقم دینے کا معاملہ موکل پر نہیں رہا اس لئے اس کی اجازت کے بغیر بھی صلح مکمل ہو جائے گی۔ کیونکہ فضولی نے صلح کر لی ہے اور رقم بھی دے دی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت حسن بن علی فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے حضرت معاویہ کا استقبال اتنے خطوط سے کیا جو پہاڑ کے طرح ہو گئے تھے... پس حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کے پاس قریش کے بنی عبد شمس کے دو آدمیوں کو بھیجا عبدالرحمٰن بن سمرة اور عبداللہ بن عامر کو۔ پس حضرت معاویہ نے فرمایا اس آدمی کے پاس جاؤ اور ان پر صلح پیش کرو، ان سے لجاجت کرو اور ان کو میرے پاس لاؤ، پس وہ دونوں حضرت حسنؓ کے پاس آئے اور ان پر داخل ہوئے اور بات کی۔

قال صالحتک علی الفی ھذہ او علی عبدی ھذا تم الصلح ولزمہ تسلیمھا الیہ وکذلک لو قال صالحتک علی الف وسلمھا الیہ[۱۴۸۰] (۲۱) وان قال صالحتک علی الف ولم یسلمھا الیہ فالعقد موقوف فان اجازہ المدعی علیہ جاز ولزمہ الالف وان لم یجزہ بطل[۱۴۸۱] (۲۲) واذا کان الدین بین الشریکین فصالح احدھما من نصیبہ علی ثوب

مصنفؒ نے فضولی کی ذمہ داری لینے کی تین صورتیں بیان کی (۱) فضولی نے مال پر صلح کی اور خود مال حوالے کرنے کی ذمہ داری لے لی (۲) میرے اس ہزار پر صلح کرتا ہوں یا میرے اس غلام پر صلح کرتا ہوں تو خود اپنے غلام پر صلح کی تو غلام یا ہزار دینے کی ذمہ داری لے لی، اب موکل کی اجازت پر موقوف نہیں رہے گا (۳) اور تیسری شکل یہ ہے کہ اپنے غلام یا اپنے ہزار کا نام نہیں لیا بلکہ مطلق ہزار پر صلح کی، لیکن اپنی جانب سے ہزار دے دیا تو فضولی کی ذمہ داری تو ہوگئی اس لئے بھی صلح مکمل ہو جائے گی۔

اصول کوئی صلح کے مال دینے کی ذمہ داری لے لے تو موکل کی اجازت کے بغیر صلح مکمل ہو جائے گی۔

لغت سلمھا : سپرد کر دیا۔

[۱۴۸۰] (۲۱) اور اگر کہا کہ میں آپ سے صلح کرتا ہوں ہزار پر اور اس کو ہزار سپرد نہیں کیا تو عقد صلح موقوف رہے گا، پس اگر مدعی علیہ نے اجازت دے دی تو جائز ہو جائے گی اور مدعی علیہ کو ہزار لازم ہو جائے گا اور اگر اجازت نہیں دی تو باطل ہو جائے گی۔

تشریح اس صورت میں فضولی نے اپنا درہم نہیں کہا ہے بلکہ مطلق ہزار درہم کہا ہے اور ہزار سپرد بھی نہیں کیا اس لئے اپنی ذمہ داری پر صلح نہیں کی اس لئے اب مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف رہے گی۔ وہ اجازت دے گا تو صلح مکمل ہو جائے گی اور اس پر ہزار لازم ہوگا۔ اور اگر اجازت نہیں دی تو صلح باطل ہو جائے گی۔

وجہ مدعی علیہ نے نہ فضولی کو حکم دیا تھا اور نہ بعد میں ہاں کہا۔ اس لئے اس کی ذمہ داری بھی نہیں ہوئی اس لئے صلح باطل ہو جائے گی، یہ چوتھی شکل ہے۔

[۱۴۸۱] (۲۲) اگر دین دو شریکوں کے درمیان ہو پس ان میں سے ایک نے اپنے حصے کے بدلے میں صلح کر لی کپڑے پر تو اس کے شریک کو اختیار ہے، اگر چاہے تو اس کا پیچھا کرے جس پر دین ہے اپنے آدھے دین کے لئے اور اگر چاہے تو آدھا کپڑا لے لے، مگر یہ کہ اس کا شریک چوتھائی دن کا ضامن ہو جائے۔

تشریح اس مسئلے میں تین صورتیں ہیں جن کو ایک ساتھ بیان کر دیا ہے۔ مثلا زید اور عمر کا ایک ہزار دین خالد پر تھا، زید نے اپنے حصے پانچ سو کے بدلے میں صلح کر کے کپڑا لے لیا۔ اب عمر شریک کو دو اختیار ہیں۔ یا تو اپنا حصہ (پانچ سو درہم) براہ راست خالد سے وصول کرے اور اس کا پیچھا کرے۔

وجہ کیونکہ عمر کا قرض اصل میں خالد پر ہے جس نے کپڑا دیا ہے۔ اس لئے اس سے وصول کر سکتا ہے۔ اور دوسرا اختیار یہ ہے کہ اس کا جو

فشریکه بالخیار ان شاء اتبع الذی علیه الدین بنصفه وان شاء اخذ نصف الثوب الا ان یضمن له شریکه ربع الدین [۱۴۸۲](۲۳) ولو استوفی نصف نصیبه من الدین کان لشریکه ان یشارکه فیما قبض ثم یرجعان علی الغریم بالباقی[۱۴۸۳] (۲۴) ولو اشتری احدهما بنصیبه من الدین سلعة کان لشریکه ان یضمنه ربع الدین.

شریک زید ہے جس نے اپنے حصے کا کپڑا لیا ہے اس کپڑے میں شریک ہو جائے اور پھر دونوں ملکر پانچ سو کا مطالبہ خالد سے کرے۔

وجہ چونکہ دین شرکت کا تھا جس کو اس کے شریک زید نے قبضہ کیا ہے۔ اس لئے عمر کو اختیار ہے کہ زید کے قبضہ کئے ہوئے کپڑے میں آدھے کا شریک ہو جائے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ زید نے اپنا حصہ آدھا قرض وصول کر لیا ہے اس لئے اس کے آدھے یعنی پورے قرض کی چوتھائی کا ذمہ دار زید بن جائے اور عمر شریک سے کہے کہ تمہارا چوتھائی قرض میں دوں گا۔ اس صورت میں عمر زید کے لئے ہوئے کپڑے میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ البتہ چونکہ زید نے چوتھائی قرض عمر کو دیا اس لئے اب دونوں ملکر خالد سے آدھا قرض وصول کرینگے۔

[۱۴۸۲] (۲۳) اگر اپنا آدھا حصہ قرض وصول کیا تو شریک کے لئے جائز ہے کہ جو کچھ قبضہ کیا اس میں شریک ہو جائے۔ پھر دونوں وصول کرے مقروض سے باقی ماندہ۔

تشریح مثلا زید اور عمر دو شریک تھے۔ زید نے اپنے حصہ کا روپیہ وصول کر لیا اور وصول قرض ہی کیا اس کے بدلے میں کوئی دوسری چیز پر صلح نہیں کی تو اس کے شریک عمر کو اختیار ہے کہ زید کے وصول کردہ قرض میں شریک ہو جائے اور آدھا روپیہ زید سے لے لے۔

وجہ عین قرض میں دونوں شریک تھے۔ اور ایک شریک نے عین قرض جو دونوں کا حق تھا وصول کیا تو دوسرے شریک کو اس میں سے آدھا لینے کا حق ہے۔ اس لئے کہ آدھا اس کا مال بھی وصول کیا۔ بعد میں دونوں ملکر مقروض سے اپنا آدھا قرض وصول کرے۔

وجہ کیونکہ دونوں کا آدھا قرض ابھی مقروض کے پاس باقی ہے اس لئے دونوں ملکر وصول کریں گے۔

[۱۴۸۳] (۲۴) اور اگر خرید لیا دونوں میں سے ایک نے اپنے قرض کے حصے سے سامان تو اس کے شریک کو اختیار ہے کہ اس کو چوتھائی دین کا ذمہ دار بنادے۔

تشریح مثلا زید اور عمر خالد پر جو دین تھا اس میں شریک تھے۔ پھر زید نے اپنے حصے کے بدلے میں سامان خرید لیا تو عمر کو حق ہے کہ چوتھائی دین کا زید کو ضامن بنادے۔

وجہ صلح کرنے کی شکل میں تو معافی کا پہلو غالب تھا اس لئے وہاں عمر زید کو قرض کا ضامن نہ بنا سکا۔ لیکن اس صورت میں تو دین کے حصے کے بدلے میں سامان خریدا ہے۔ اور خرید نے میں معاملہ کرارا ہوتا ہے۔ اس لئے گویا کہ پورا پورا قرض وصول کیا۔ اور قاعدہ ہے کہ شریک اصل قرض وصول کرے تو دوسرے شریک کو اس میں سے آدھا لینے کا حق ہوتا ہے۔ یہاں دین کے بدلے میں سامان خرید لیا اس لئے یا تو سامان میں شریک ہو جائے یا چوتھائی قرض کا شریک کو ذمہ دار بنائے۔

[۱۴۸۴] (۲۵) واذا کان السلم بین الشریکین فصالح احدهما من نصیبه علی رأس المال لم یجز عند ابی حنیفة و محمد رحمهما الله تعالی وقال ابو یوسف رحمه الله تعالی یجوز الصلح[۱۴۸۵] (۲۶) واذا کانت الترکة بین ورثة فاخرجوا احدهم منها

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ عین قرض وصول کیا ہو تو اس میں سے آدھا دوسرے شریک کا ہوگا۔

لغت سلعۃ : سامان۔

[۱۴۸۴] (۲۵) اگر بیع سلم ہو دو شریکوں کے درمیان، پس ان میں سے ایک نے اپنے حصے سے رأس المال پر صلح کر لی تو امام ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جائز ہے۔

تشریح مثلا زید اور عمر نے ملکر خالد سے بیع سلم کی۔ اور دونوں نے ایک سو درہم ادا کیا یعنی پچاس درہم زید نے اور پچاس درہم عمر نے جس کو رأس المال کہتے ہیں۔ اور عقد بھی ایک ہی ہے۔ بعد میں ایک شریک مثلا زید نے اپنے حصے کے واپس لینے پر مسلم الیہ یعنی بائع سے صلح کر لی تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ان کا صلح کرنا اور اپنا حصہ واپس لینا بغیر شریک کی رضامندی کے جائز نہیں ہے۔

وجہ دونوں نے ملکر عقد سلم کیا ہے اس لئے ایک اپنے حصے کو واپس لیکر عقد سلم کو توڑنا چاہے تو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ تفریق صفقہ لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے (۲) یہ ایک قسم کا دھوکہ بھی ہے کہ دونوں نے عقد سلم کیا اور اب ایک اپنی مرضی سے اس کو توڑ رہا ہے۔

اصول ان حضرات کا اصول یہ ہے کہ دوسرے کا نقصان ہو تو اپنے مال میں بھی تصرف نہیں کر سکتا۔ حضرت کی نگاہ دوسرے کے نقصان کی طرف گئی۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں ایک شریک کا صلح کر کے رأس المال لینا جائز ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ آدھا حصہ اس شریک کا ذاتی مال تھا تو جس طرح اور ذاتی مال میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی اپنے حصے کو صلح کر کے مسلم الیہ (بائع) سے واپس لے سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ اپنے مال میں دوسرے کی مرضی کے بغیر بھی تصرف کر سکتا ہے۔ اس حضرت کی نگاہ اپنے نقصان کی طرف گئی ہے۔

[۱۴۸۵] (۲۶) اگر ترکہ کچھ ورثہ کے درمیان ہو، پس انہوں نے ان میں سے ایک کو ترکہ سے نکالا کچھ مال دے کر، اور ترکہ زمین ہے یا سامان ہے تو جائز ہے، جو کچھ دیا وہ کم ہو یا زیادہ۔

تشریح ایک آدمی کا انتقال ہوا اس کے بہت سے ورثہ تھے۔ لیکن ان میں سے ایک نے کچھ نقد لے کر اپنی وراثت کا حصہ چھوڑ دیا اور صلح کر لی ، تو کچھ لے کر اپنا حصہ چھوڑ دینا جائز ہے۔ پھر ترکہ میں زمین ہو یا سامان ہو اور جس پر صلح ہوئی وہ نقد ہو تو یہ نقد وراثت کے حصہ سے کم ہو یا زیادہ ہو دونوں جائز ہیں۔

وجہ چونکہ وراثت کا حصہ اور صلح کا نقد ایک جنس نہیں ہیں اس لئے کم زیادہ سے سود اور ربوا نہیں ہوگا۔ اس لئے دونوں صورتیں جائز ہیں۔

بمال اعطوہ ایاہ والترکۃ عقار او عروض جاز قلیلا کان ما اعطوہ او کثیرا[۱۴۸۶]
(۲۷) فان کانت الترکۃ فضۃ فاعطوہ ذھبا او ذھبا فاعطوہ فضۃ فھو کذلک[۱۴۸۷]
(۲۸) وان کانت الترکۃ ذھبا و فضۃ وغیر ذلک فصالحوہ علی ذھب او فضۃ فلا بد ان

کچھ لے کر ترکہ چھوڑ دینے پر صلح کو تخارج کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس اثر میں ہے۔وقال ابن عباس لا بأس ان یتخارج الشریکان فیاخذ ھذا دینا وھذا عینا فان توی لاحدھما لم یرجع علی صاحبہ (الف) (بخاری شریف، باب الصلح بین الغرماء واصحاب المیراث والمجازفۃ فی ذلک ص ۳۷۴ نمبر ۲۷۰۹) اس اثر میں ہے کہ کچھ لے کر تخارج کر سکتا ہے (۲) ایک اور اثر میں ہے کہ عبد الرحمن بن عوفؓ کی بیوی نے اپنی وراثت کو چھوڑا اور اسی ہزار درہم پر صلح کی۔عن عمر بن ابی سلمۃ عن ابیہ قال صالحت امرأۃ عبد الرحمن من نصیبھا ربع الثمن علی ثمانین الفا (ب) (سنن للبیھقی، باب صلح المعاوضۃ وانہ بمنزلۃ البیع یجوز فیہ ما یجوز فی البیع الخ، ج سادس، ص ۱۰۷، نمبر ۱۱۳۵۵ مصنف عبد الرزاق، باب المرأۃ تصالح علی ثمنھا ج ثامن ص ۲۸۹ نمبر ۱۵۲۵۶) اس اثر میں حضرت عبد الرحمنؓ کی چار بیویاں تھیں جس کی وجہ سے ایک بیوی کو پوری وراثت میں آٹھویں حصے کی چوتھائی یعنی بتیسواں حصہ ملا، اور خود وراثت میں سے تخارج کر کے اسی ہزار پر صلح کی۔ **لغت** عقار : زمین۔

[۱۴۸۶] (۲۷) اور اگر ترکہ چاندی ہے اور اس کو سونا دیا، اور سونا ہے اور اس کو چاندی دیا تو وہ ایسا ہی ہے یعنی جائز ہے۔

تشریح ترکہ میں چاندی ہے اور تخارج کرنے والے اور نکلنے والے کو سونا دے کر صلح کر لی۔یا ترکہ میں سونا ہے اور چاندی دے کر تخارج کیا تو جائز ہے۔

وجہ ترکہ میں چاندی ہے اور سونا دے کر تخارج کیا تو کم وبیش ہو تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔کیونکہ دو جنس ہوں تو کمی بیشی سے سود لازم نہیں آتا ہے۔اس لئے جائز ہو گیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دو جنس ہوں تو کمی بیشی سے سود لازم نہیں آئے گا۔

[۱۴۸۷] (۲۸) اور اگر ترکہ سونا اور چاندی ہیں اور اس کے علاوہ ہے، پس صلح کی سونے پر یا چاندی پر تو ضروری ہے کہ جو کچھ دیا وہ زیادہ ہو اس کے اس جنس کے حصے سے تاکہ اس کا حصہ اس کے برابر ہو جائے اور جو زیادہ ہو وہ اس کے میراث سے باقی حق کے مقابلے میں ہو جائے

تشریح اس کو مثال سے سمجھیں۔مثلا جو آدمی میراث کے حصے سے نکلنا چاہتا ہے اس کا حصہ چاندی میں سے پانچ سو درہم، سونے میں بیس دینار اور جائداد میں سے پانچ گائیں ملنے والے ہیں۔اب وہ چاندی لے کر اپنے حصے پر صلح کرنا چاہتا ہے تو چاندی پانچ سو درہم سے زیادہ ہونا چاہئے تاکہ پانچ سو چاندی اس کے پانچ سو درہم کے برابر ہو جائے جو اس کو وراثت میں ملنے والے ہیں اور جو زیادہ چاندی ہو وہ بیس دینار اور

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دونوں شریک نکل جائیں، یہ قرض لے لے اور یہ عین شیء لے لے، پس اگر ایک کے لئے کسی کا حق ضائع ہو گیا تو اپنے شریک سے وصول نہیں کرے گا (ب) حضرت عبد الرحمن بن عوف کی بیوی نے اپنے آٹھویں کی چوتھائی حصے پر صلح کی اسی ہزار پر۔

یکون ما اعطوہ اکثر من نصیبہ من ذلک الجنس حتی یکون نصیبہ بمثلہ والزیادۃ بحقہ من بقیۃ المیراث [۱۴۸۸] (۲۹) واذا کان فی الترکۃ دینا علی الناس فادخلوہ فی الصلح علی ان یخرجوا المصالح عنہ ویکون الدین لھم فالصلح باطل [۱۴۸۹] (۳۰) فان

پانچ گایوں کے مقابلے میں ہو جائیں۔اور دینار پر صلح کرنا ہو تو بیس دینار سے زیادہ ہونا چاہئے۔تا کہ اس کو جو وراثت میں سے بیس دینار ملنے والے ہیں اس کے برابر بیس دینار ہو جائے اور جو زیادہ ہو وہ پانچ سو درہم اور گایوں کے مقابلے میں ہو جائے۔بیس دینار سے کم پر صلح جائز نہیں

وجہ تا کہ پانچ سو چاندی پانچ سو چاندی کے برابر ہو جائے،اور بیس دینار بیس دینار کے برابر ہو جائے۔اور ایک جنس ہونے کی وجہ سے سود لازم نہ آئے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک جنس ہو تو برابری ضروری ہے تا کہ سود لازم نہ ہو۔اس لئے اس کے حصے سے زیادہ پر صلح کرنا ضروری ہے۔

نوٹ جتنا سونا سونے کے بدلے میں یا چاندی چاندی کے بدلے میں ہو اس پر مجلس میں قبضہ کرنا بھی ضروری ہے تا کہ سود لازم نہ آئے۔

[۱۴۸۸] (۲۹) اگر ترکہ میں دین ہو لوگوں پر، پس وارثین نے اس کو صلح میں داخل کر لیا اس شرط پر کہ صلح کرنے والے کو دین سے نکال دے اور دین باقی وارثین کے لئے ہوں تو صلح باطل ہے۔

تشریح اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ایک قاعدہ سمجھنا ضروری ہے۔وہ یہ ہے کہ قرض کا مالک اس کو بنا سکتے ہیں جس پر قرض ہے یعنی مقروض کو۔کسی دوسرے کو قرض کا مالک نہیں بنا سکتے ہیں۔اور مقروض کو قرض کا مالک بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قرض معاف کر دیں۔

صورت مسئلہ : مثلا زید کا انتقال ہوا اور اس نے پانچ لڑکے چھوڑے۔اور زید کا خالد پر پانچ سو درہم قرض ہیں۔اور کچھ جائداد ہے جسکو لڑکوں کے درمیان تقسیم کرنا ہے۔اب پانچوں لڑکوں میں سے ایک عمر وراثت سے نکلنا چاہتا ہے اور کچھ روپیوں پر صلح کرنا چاہتا ہے۔اور دین کی ذمہ داری بھی باقی بھائیوں پر دے دینا چاہتا ہے کہ دین کے بدلے مجھے کچھ دے دو اور میرے حق کا ایک سو درہم دین بھی خالد سے تم لوگ ہی وصول کرتے رہو۔تو فرماتے ہیں کہ دین کے بدلے میں کچھ لے لے۔اور دین وصول کرنے کا مالک بھی باقی چار بھائیوں کو بنا دینا جائز نہیں ہے۔

وجہ پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ دین کا مالک صرف مقروض کو بنا سکتا ہے کسی اور کو نہیں بنا سکتا۔اس لئے دین کے بدلے میں عین لے کر دین کا مالک وارثین کو بنانا جائز نہیں ہوگا۔

نوٹ دین کے مالک نہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ عین شیء کا مالک بنایا جاتا ہے دین کا نہیں،وہ تو صرف ایک وعدہ ہے۔

[۱۴۸۹] (۳۰) پس اگر ورثہ نے شرط لگائی کہ قرض لینے والے اس سے بری ہو جائیں گے اور ورثہ اس سے وصول نہیں کریں گے صلح کرنے والے کے حصے کو تو جائز ہے۔

شرطوا ان یبرئ الغرماء منه ولا یرجع علیهم بنصیب المصالح عنه فالصلح جائز.

تشریح نکلنے والے اور تخارج کرنے والے وارث نے یوں کہا کہ دین میں سے جو میرا حصہ ہوگا میں اس کو قرض والوں سے معاف کرتا ہوں۔ میرا وہ حصہ باقی ورثہ بھی قرضداروں سے وصول نہیں کریں گے۔ اس شرط پر جو جائداد حاضر ہے اس کے بدلے میں صلح کیا تو جائز ہے۔

وجہ یہاں جس پر قرض تھا اسی کو قرض کا مالک بنایا یعنی معاف کیا اس لئے یہ جائز ہو گیا۔ اثر میں ہے۔ وھب الحسن بن علی علیهما السلام دینه لرجل وقال النبی ﷺ من کان له علیه حق فلیعطه او لیتحلله منه وقال جابر قتل ابی وعلیه دین فسأل النبی غرماء ہ ان یقبلو ثمر حائطی ویحللوا ابی (بخاری شریف، باب اذا وھب دینا علی رجل ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۱) اس حدیث میں دین معاف کرنے کا تذکرہ ہے جو جائز ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس پر دین تھا اسی کو دین کا مالک بنا دیا یعنی معاف کر دیا تو جائز ہوگا۔

حیلہ اس کا حیلہ یہ ہے کہ باقی ورثہ قرضدار کو دوبارہ قرض دے اور وہ رقم قرضدار تخارج کرنے والے وارث کو دے اور تخارج کرنے والے وارث وہ رقم پھر باقی ورثہ کو دے دے تو اب چونکہ باقی ورثہ کا قرض براہ راست قرض والوں پر ہو گیا اس لئے وہ وصول کر سکتے ہیں۔

﴿ کتاب الھبة ﴾

[۱۴۹۰](۱) الھبة تصح بالایجاب والقبول وتتم بالقبض

﴿ کتاب الہبہ ﴾

ضروری نوٹ ہبہ مفت دینے کو کہتے ہیں۔اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین (الف)(آیت ۸سورۃ الممتحنۃ ۸) اس آیت میں ہے کہ کفار کے ساتھ بھی براور نیکی کا معاملہ کرو اور ہدیہ وغیرہ دو تو اللہ اس سے منع نہیں کرتا، بلکہ پسند کرتا ہے۔حضرت امام بخاریؒ نے اس آیت سے مشرکین کو ہدیہ دینے پر استدلال کیا ہے۔حدیث میں ہے۔عن عائشة قالت کان رسول اللہ یقبل الھدیة و یثیب علیھا (بخاری شریف، باب المکافات فی الہبۃ،ص ۳۵۲،نمبر ۲۵۸۵) اس حدیث سے بھی ہبہ کا ثبوت ملتا ہے (۲) عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال تھادوا تحابوا (ب) (سنن للبیھقی، باب التحریض علی الھبۃ والھدیۃ صلۃ بین الناس، ج سادس،ص ۲۸۰،نمبر ۱۱۹۴۶) اس حدیث سے بھی ہبہ کی ترغیب معلوم ہوتی ہے۔

[۱۴۹۰](۱) ہبہ صحیح ہوتا ہے ایجاب اور قبول سے اور پورا ہوتا ہے قبضہ سے۔

تشریح ہبہ مکمل ہونے کے لئے تین اجزاء ہیں۔ایک تو ہبہ کرنے والا ایجاب کرے اور ہبہ کرے۔

وجہ اس کا مال ہے،بغیر دیئے ہوئے کوئی کیسے لے سکتا ہے۔اس لئے ایجاب کرنا ضروری ہے (۲) ہبہ عقد ہے اور کوئی بھی عقد ایجاب اور قبول کئے بغیر پورا نہیں ہوتا ہے۔اس لئے ایجاب کرنا ضروری ہے۔دوسرا جز قبول کرنا۔

وجہ اوپر گزر گیا کہ ہبہ عقد ہے اس لئے اس مین قبول کرنے کی ضرورت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔عن انس قال انفجنا ارنبا بمر الظھران فسعی القوم فلغبوا فادرکتھا فاخذتھا فاتیت بھا ابا طلحة فذبحھا وبعث الی رسول اللہ بورکھا او فخذیھا،قال فخذیھا لا شک فیه فقبله قلت واکل منه؟ قال واکل منه ثم قال بعد قبله (ج) (بخاری شریف، باب قبول ہدیۃ الصید ص ۳۵۰ نمبر ۲۵۷۲) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے خرگوش کا گوشت قبول فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ ہبہ میں قبول کرنا ضروری ہے (۲) اوپر کی حدیث عائشہ میں تھا کان رسول اللہ یقبل الھدیة ویثیب علیھا جس سے معلوم ہوا کہ ہدیہ میں قبول کرنا ضروری ہے۔اور تیسرا جز ہے کہ ہبہ پر قبضہ کرے گا یعنی ہبہ پر قبضہ کرے گا تو ہبہ مکمل ہوگا اور موھوب لہ کی ملکیت ہوگی۔اور قبضہ نہیں کیا تو اس کی ملکیت نہیں ہوگی اور ہبہ باطل ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) اللہ نیکی کرنے سے نہیں روکتا ان لوگوں کے ساتھ جو دین میں تم سے قتال نہیں کرتے اور تم کو گھروں سے نکالتا نہ ہو۔اور نہ ان کے ساتھ انصاف کرنے سے روکتا ہے،اور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا ہدیہ دو محبت بڑھے گی (ج) حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم نے مرالظہران میں ایک خرگوش دوڑ کر نکل رہا تھا،قوم اس کے پیچھے دوڑی اور اس کو تھکا دیا۔میں نے اس کو پالیا اور پکڑ لیا،پس اس کو ابوطلحہ کے پاس لایا۔انہوں نے اس کو ذبح کیا اور حضورؐ کے پاس اس کی ران بھیجی، راوی کہتے ہیں کہ کوئی شک نہیں ہے کہ فخذ ہی بولا۔میں نے پوچھا حضورؐ نے اس کو کھایا، کہا اس کو کھایا اور اس کو قبول کیا۔

[۱۴۹۱](۲) فان قبض الموهوب له فی المجلس بغیر امر الواهب جاز وان قبض بعد الافتراق لم تصح الا ان یأذن له الواهب فی القبض[۱۴۹۲] (۳) وتنعقد الهبة بقوله

وجہ ہبہ کے بدلے کچھ آتا نہیں ہے اس لئے موہوب لہ کے قبضہ سے پہلے واہب کی ہی ملکیت ہوگی اس لئے وہ انکار کر سکتا ہے (۲) اثر میں ہے کہ قبضہ سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی۔ عن ابی موسی اشعری قال قال عمر بن الخطاب الانحال میراث مالم یقبض وعن عثمان وابن عمر وابن عباس قالوا لا تجوز صدقة حتی تقبض وعن معاذ بن جبل وشریح انهما کانا لا یجیز انها حتی تقبض (الف) (سنن للبیہقی، باب شرط القبض فی الھبۃ، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵۱) ان اقوال میں ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی بلکہ اگر واہب مرگیا تو اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگی (۳) بلکہ ہبہ کا معاملہ تو اتنا کمزور ہے کہ قبضہ کرنے کے بعد اگر موہوب لہ نے ہبہ کے بدلے واہب کو کچھ نہیں دیا اور ہبہ کی چیز بعینہ موہوب لہ کے پاس ہے تو ہبہ کی چیز موہوب لہ سے واپس لے سکتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن ابی هریرة قال قال رسول الله الواهب احق بهبته مالم یثب منها (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۲ رسنن للبیہقی، باب المکافاۃ فی الھبۃ ج سادس ص ۱۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی۔

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قبول کے بعد قبضہ سے پہلے بھی موہوب لہ کی ملکیت ہو جائے گی۔ جیسے بیع میں قبول کے بعد مشتری کی ملکیت ہو جاتی ہے، چاہے ابھی قبضہ نہ کیا ہو۔

[۱۴۹۱] (۲) پس اگر موہوب لہ نے قبضہ کیا مجلس میں بغیر واہب کے حکم کے تو جائز ہے۔ اور اگر قبضہ کیا جدائیگی کے بعد تو صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ ہبہ کرنے والا اس کو اجازت دے قبضہ کرنے کی۔

تشریح جس کو ہبہ کیا اس نے قبول کی مجلس میں بغیر ہبہ کرنے والے کی اجازت کے قبضہ کر لیا تو ٹھیک ہے۔ اور مجلس ختم ہوگئی اس کے بعد موہوب لہ قبضہ کرنا چاہتا ہے تو واہب دوبارہ اجازت دے گا تو قبضہ کر سکے گا۔ اور اگر دوبارہ اجازت نہ دے تو قبضہ کرنا درست نہیں ہے۔ اس صورت میں دوبارہ اجازت کی ضرورت ہوگی۔

وجہ ایجاب کی مجلس میں ایجاب کرنا ہی قبضہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن مجلس ختم ہوگئی تو ایجاب والی اجازت مجلس ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اس لئے اب قبضہ کے لئے دوبارہ اجازت کی ضرورت ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایجاب کی اجازت مجلس تک رہتی ہے اور مجلس ختم ہونے پر وہ اجازت ختم ہو جاتی ہے۔

[۱۴۹۲] (۳) منعقد ہو جاتا ہے ہبہ یہ کہنے سے کہ میں نے ہبہ کر دیا، میں نے دے دیا، میں نے بخش دیا، میں نے یہ کھانا تم کو کھلا دیا، میں نے

حاشیہ (الف) حضرت عمر نے فرمایا ہبہ میراث ہوگا جب تک اس پر قبضہ نہ کرے۔ اور حضرت عثمان، ابن عمر اور ابن عباس نے فرمایا صدقہ جائز نہیں ہے جب تک کہ قبضہ نہ کرے۔ اور معاذ بن جبل اور شریح ہبہ جائز قرار نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اس پر قبضہ نہ کر لیا جائے (ب) آپؐ نے فرمایا ہبہ کرنے والا ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ اس کا بدلہ نہ دے دیا جائے۔

وھبت ونحلت واعطیت واطعمتک ھذاالطعام وجعلت ھذا الثوب لک واعمرتک

یہ کپڑا تیرے لئے کردیا، عمر بھر کے لئے تم کو یہ چیز دے دی، اس سواری پر تم کو سوار کردیا اگر سوار کرنے سے ہبہ کی نیت ہو۔

تشریح اس عبارت میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کن کن جملوں سے ہبہ کا انعقاد ہوجاتا ہے۔ جس کے لئے مصنفؒ نے سات جملے استعمال کئے ہیں۔ ہر جملہ کی تصریح اور دلیل پیش خدمت ہے (۱) وھبت کا جملہ ہبہ کے لئے صریح ہے۔ اس لئے اس سے ہبہ منعقد ہوجائے گا (۲) نحلت کے جملہ سے بھی ہبہ منعقد ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن نعمان بن بشیر ان اباہ اتی بہ الی رسول اللہ ﷺ فقال انی نحلت ابنی ھذا غلاما فقال اکل ولدک نحلت مثلہ قال لا قال فارجعہ (الف) (بخاری شریف، باب المکافات فی الھبۃ ص۳۵۲ نمبر ۲۵۸۶) اس حدیث میں نحلت کے جملہ سے لڑکے کو ہبہ کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ نحلت کے لفظ سے ہبہ منعقد ہوتا ہے (۳) اعطیت کا جملہ بھی ہبہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، لوگ کہتے ہیں اعطاک اللہ وھبک اللہ کے معنی میں (۴) کھانے کے بارے میں کہتے ہیں اطعمتک ھذا الطعام تو ہبہ ہوگا۔ کیونکہ کھانا کھانے میں عین شیء ہلاک ہوتی ہے۔ اس لئے اس جملہ سے عین کھانے کا مالک بنانا ہوا۔ اس لئے اس جملہ سے بھی کھانے کا ہبہ کرنا ثابت ہوگا (۵) جعلت ھذا الثوب لک میں لفظ لک ملکیت کے لئے آتا ہے۔ اس لئے اس سے بھی ہبہ ثابت ہوجائے گا (۶) اعمرتک ھذا الشیء سے بھی ہبہ ہوجائے گا۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ کوئی اعمر عمریٰ لہ ولعقبہ کہے تو اگرچہ عمری کے معنی عمر بھر کا ہے لیکن اس سے وہ چیز مکمل اس کے ہاتھ سے چلی جائے گی اور جس کے لئے عمر بھر کے لئے دی اس کے ورثہ میں وہ چیز تقسیم ہوگی۔ حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ ﷺ قال ایما رجل اعمر عمری لہ ولعقبہ فانھا للذی اعطیھا لا ترجع الی الذی اعطاھا لانہ اعطی عطاء وقعت فیہ المواریث (ب) (مسلم شریف، باب العمری ص ۳۷ نمبر ۱۶۲۵) اس حدیث میں لفظ عمری ہبہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے (۷) حملک علی ھذہ الدابۃ کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ وقتی طور پر عاریت کے طور پر اس جانور کو سواری کے لئے آپ کو دے رہا ہوں۔ اور دوسرے معنی ہیں کہ مکمل اس جانور کو آپ کو حوالے کر رہا ہوں اور ہبہ کر رہا ہوں۔ اس لئے اگر دوسرے معنی کی نیت کی تو دوسرا معنی ملحوظ ہونگے۔ اور اس جملہ سے ہبہ کا انعقاد ہوجائے گا۔ لوگ حمل الامیر فلانا علی فرس بولتے ہیں اور اس سے مراد لیتے ہیں کہ امیر نے فلاں کو گھوڑا مکمل دے دیا اور ہبہ کردیا۔ اس لئے اس جملے سے بھی گھوڑے کا ہبہ ثابت ہوجائے گا۔ (۲) حدیث میں ہے، حملت علی فرس فی سبیل اللہ سے پورا گھوڑا صدقہ کرنا مراد لیا گیا ہے۔ قال عمر حملت علی فرس فی سبیل اللہ فرأیتہ یباع فسألت رسول اللہ ﷺ فقال لا تشتروہ ولا تعد فی صدقتک (بخاری شریف، باب اذا حمل رجل علی فرس فھو کالعمری والصدقۃ ص ۳۵۹ نمبر ۲۶۳۶) اس حدیث میں حمل علی فرس بول کر پورے گھوڑے کا صدقہ مراد لیا گیا ہے۔

حاشیہ: (الف) حضرت بشیر حضورؐ کے پاس آئے اور کہا میں نے اس بیٹے کو غلام ہبہ کیا ہے۔ آپؐ نے پوچھا آپ نے اور بیٹے کو اسی طرح غلام ہبہ کیا ہے؟ کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر ہبہ واپس کرلو (ب) آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی عمری کرے تو وہ چیز اس کے لئے ہوگی۔ اور اس کے بعد والوں کے لئے ہوگی۔ اس لئے کہ وہ اس کے لئے ہے جس کو دیا۔ وہ دینے والے کی طرف واپس نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ ایسا عطیہ دیا جس میں وراثت جاری ہوگی۔

ھذا الشیء وحملتک علی ھذہ الدابة اذا نوی بالحملان الھبة[۱۴۹۳] (۴) ولا تجوز

[۱۴۹۳] (۴) نہیں جائز ہے ہبہ قابل تقسیم چیزوں میں مگر یہ کہ حقوق سے فارغ ہوں اور تقسیم کیا ہوا ہو۔

تشریح اگلے چند مسئلوں کا مدار اس پر ہے کہ موہوب لہ ہبہ کی چیز پر مکمل قبضہ کرے تب اس کی ملکیت ہوگی ورنہ نہیں۔ اور مکمل قبضہ کرنے کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ اگر وہ چیز مشترک ہے لیکن تقسیم ہو سکتی ہے تو تقسیم کی ہوئی ہو۔ اور دوسروں کے دین اور حقوق سے فارغ ہو تب اس پر موہوب لہ کا قبضہ مکمل شمار کیا جائے گا۔ اس لئے مصنف نے فرمایا کہ جو چیز تقسیم ہو سکتی ہو اس میں ہبہ جائز نہیں ہے۔ مگر حقوق سے فارغ ہو اور تقسیم شدہ ہو۔

وجہ اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **کتب عمر بن عبد العزیز انه لا یجوز من النحل الا ما عزل وافرد واعلم** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب النحل ج تاسع ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱۴) اس اثر میں ہے کہ نحل یعنی ہبہ اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کو الگ نہ کیا گیا ہو۔ علیحدہ نہ کیا گیا ہو۔ اور جان پہچان کے لئے نشان نہ لگا دیا گیا ہو (۲) **عن ابن شبرمة قال ان لم یجز کل واحد منھما ما وھب له صاحبه فلیس بشیء** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب حیازة ما وھب احدھما لصاحبہ ج تاسع ص ۱۱۶ نمبر ۱۶۵۷۰) اس اثر میں بھی ہے کہ شیء موہوب کو محوز نہیں کیا تو قبضہ نہیں ہے (۳) سنن بیہقی میں عمر بن الخطاب کا یہ قول ہے۔ **لا نحلة یحوزھا الولد دون الوالد** (سنن للبیہقی، باب یقبض للطفل ابوہ، ج سادس، ص ۲۸۲، نمبر ۱۱۹۵۳) جس سے معلوم ہوا کہ ہبہ اس وقت نہیں ہے جب تک کہ اس کو حقوق سے الگ نہ کر دے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ شیء موہوب کو اپنے حصے سے الگ نہ بھی کرے اور تقسیم نہ کر دے تب بھی موہوب لہ کی ملکیت ہو جائیگی۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **وقد وھب النبی ﷺ واصحابه لھوازن ما غنموا منھم وھو غیر مقسوم** (ج) (بخاری شریف، باب الھبة المقبوضة وغیر المقبوضة والمقسومة وغیر المقسومة ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۳) کہ قبیلہ ہوازن کے لوگوں کو صحابہ نے قید کیا تھا اور ان سے مال غنیمت حاصل کی تھی۔ پھر وہ تمام کو قبیلہ ہوازن کی طرف واپس کیا۔ حالانکہ واپس کرتے وقت غنیمت اور قیدی مشترک تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر تقسیم شدہ بھی ہبہ کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن سھل بن سعد ان رسول الله ﷺ اتی بشراب وعن یمینه غلام وعن یساره اشیاخ فقال للغلام اتأذن لی ان اعطی ھؤلاء فقال الغلام لا والله لا اوثر بنصیبی منک احدا فتله فی یدہ** (ج) (بخاری شریف، باب الھبة المقبوضة وغیر المقبوضة والمقسومة وغیر المقسومة ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۵) اس حدیث میں شراب اور

حاشیہ : (الف) حضرت عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ ہبہ جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو الگ کیا جائے اور علیحدہ کیا جائے اور پہچان کے لئے نشان لگایا جائے (ب) ابن شبرمہ نے کہا کہ جو کچھ ہبہ کیا گیا وہ ایک دوسرے سے الگ نہ کیا گیا ہو تو کچھ بھی نہیں ہے یعنی ہبہ درست نہیں ہوگا (ج) جو کچھ ہوازن سے غنیمت میں ملا تھا حضورؐ اور صحابہ نے ان کو ہبہ کیا جو تقسیم شدہ نہیں تھا (ج) حضورؐ کے پاس شربت لایا گیا اور آپ کی دائیں جانب لڑکا تھا اور بائیں جانب بڑے بوڑھے تھے تو لڑکے سے کہا، کیا اجازت دیتے ہو کہ ان لوگوں کو دوں۔ تو لڑکے نے کہا نہیں۔ خدا کی قسم آپ کی جانب سے حصے کو کسی کو ترجیح نہیں دوں گا، پس اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

الهبة فیما یقسم الا محوزة مقسومة [۱۴۹۴] (۵) وهبة المشاع فیما لا یقسم جائزة [۱۴۹۵] (۶) ومن وهب شقصا مشاعا فالهبة فاسدة فان قسمه وسلمه جاز.

پانی تقسیم شدہ نہیں تھا پھر بھی سب کو ہبہ کیا جا رہا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قابل تقسیم چیز بھی تقسیم شدہ نہ ہو پھر بھی اس کو ہبہ کر سکتے ہیں۔

[۱۴۹۴] (۵) اور مشترک کا ہبہ اس چیز کا جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو جائز ہے۔

تشریح جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی مثلا حمام اور غسل خانہ جو تقسیم نہیں ہو سکتا ہو اور وہ تقسیم کرنے سے کسی کام کا نہیں رہے گا اس کو بغیر تقسیم کئے بھی ہبہ کرنا جائز ہے۔

وجہ جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی اور تقسیم کرنے سے وہ کسی کام کی نہیں رہے گی۔ اس کو ہبہ میں تقسیم کرنے کی شرط لگائیں گے تو وہ چیز ضائع ہو جائے گی۔ اس لئے اس کے قبضے کے لئے جتنا ممکن ہو سکا اتنا ہی کریں گے۔ اور تقسیم کی شرط نہیں لگے گی (۲) حضرت ابو قتادہ نے وحشی گدھا شکار کرکے سب صحابہ کو مشترک ہبہ کیا۔ اس کو تقسیم کرکے ہبہ نہیں کیا اور حضورؐ نے اس کو جائز قرار دیا۔ کیونکہ تقسیم کرکے گوشت پکانا مشکل تھا۔ اس لئے مشترک ہبہ ہی جائز قرار دیا گیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عبد اللہ بن ابی قتادة السلمی عن ابیه ... فشددت علی الحمار فعقرته ثم جئت به وقد مات فوقعوا فیه یأکلونه ثم انهم شکوا فی اکلهم ایاه وهم حرم** (الف) (بخاری شریف، باب من استوهب من اصحابہ شیئا ص نمبر ۲۵۷۰) اس حدیث میں سب صحابہ کو مشترک طور گدھے کا گوشت ہبہ کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو چیز تقسیم نہ ہو سکتی ہو اس کو مشترک ہبہ کرنا بھی جائز ہے۔ اوپر بھی کئی احادیث مشترک ہبہ کی گزری۔

[۱۴۹۵] (۶) اگر ہبہ کیا مشترک چیز کا کچھ حصہ تو ہبہ فاسد ہے۔ پس اگر اس کو تقسیم کر دیا اور سپرد کر دیا تو جائز ہے۔

تشریح مشترک چیز کو اوپر کے آثار کی بنا پر تقسیم کرکے ہبہ کرنا چاہئے۔ لیکن بغیر تقسیم کئے ہوئے ہی ہبہ کر دیا تو ہبہ فاسد ہوگا۔ لیکن اگر بعد میں تقسیم کرکے موہوب لہ کو قبضہ دے دیا تب بھی جائز ہو جائے گا۔

وجہ اصل یہ ہے کہ قبضہ کرتے وقت ہبہ کی چیز تقسیم شدہ ہونی چاہئے۔ چاہے اس سے پہلے تقسیم شدہ نہ ہو۔ اس لئے قبضہ کرتے وقت چیز کو تقسیم کرکے دے دیا تو ہبہ جائز ہو جائے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **سألت ابن شبرمة عنه فقال اذا سمی فجعل له مائة دینار من ماله فهو جائز وان سمی ثلثا او ربعا لم یجز حتی یقسمه** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الهبات ج تاسع ص ۱۰۸ نمبر ۱۶۵۳۱) اس اثر میں اشارہ ہے کہ تقسیم کر دے تو ہبہ جائز ہو جائے گا۔

نوٹ قبضہ کے وقت بھی تقسیم نہیں کرے گا تو ہبہ فاسد ہی رہے گا۔

لغت شقصا : ایک حصہ۔ مشاعا : مشترک۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابو قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے گدھے پر حملہ کیا اور اس کو پاؤں کاٹ دیا۔ پھر اس کو لے کر آیا اس حال میں کہ وہ مر چکا تھا، پس صحابہ اس کو کھانے لگے پھر انہوں نے کھانے میں شکایت کی، اس لئے کہ وہ محرم تھے (ب میں نے ابن شبرمہ سے پوچھا۔ کہا اگر متعین کر دے اور مال کا سو دینار تو ہبہ جائز ہے اور اگر تہائی یا چوتھائی متعین کرے تو نہیں جائز ہے یہاں تک کہ اس کو تقسیم کر دے۔

[۱۴۹۶](۷) ولو وهب دقيقا فی حنطة او دهنا فی سمسم فالهبة فاسدة فان طحن وسلم لم يجز[۱۴۹۷] (۸) واذا كانت العين فی يد الموهوب له ملكها بالهبة وان لم يجدد فيها قبضا[۱۴۹۸] (۹) واذا وهب الاب لابنه الصغير هبة ملكها الابن بالعقدوان لم

[۱۴۹۶](۷)اگر ہبہ کیا آٹے کا گیہوں میں یا تیل کوتلوں میں تو ہبہ فاسد ہے، پس اگر اس کو پیس دیا اور ہبہ کیا تو جائز نہیں ہوگا۔

تشریح آٹا ہبہ کیا اس حال میں کہ وہ گیہوں کے اندر ہے یا تل کا تیل ہبہ کیا اس حال میں کہ وہ ابھی تل میں ہے تو یہ ہبہ جائز نہیں ہے۔ پس اگر گیہوں پیس کر آٹا بنا دیا اور ہبہ کیا تب بھی درست نہیں ہے یا تل پیس کر تیل نکال لیا اور ہبہ کیا تب بھی درست نہیں ہوگا۔ ہاں دوبارہ از سر نو آٹا اور تیل ہبہ کرے تو درست ہوگا اور یہ دوسرا ہبہ ہوگا۔

وجہ یہاں آٹا اور تیل ہبہ کرتے وقت مشاع اور مشترک نہیں ہے بلکہ معدوم ہیں۔ اور یہ دونوں پیسنے کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ اور معدوم چیز کا ہبہ ہی درست نہیں ہے۔ اس لئے بعد میں پیسنے کے بعد بھی ہبہ درست نہیں ہوگا۔

نوٹ مسئلہ نمبر ۵ میں مشترک چیز کا ہبہ تقسیم کے بعد اس لئے جائز ہو گیا تھا کہ وہ ہبہ کے وقت موجود ہے صرف تقسیم شدہ نہیں ہے۔ اور موجودہ مسئلے میں آٹا اور تیل ہبہ کے وقت موجود ہی نہیں ہیں معدوم ہیں۔ اس لئے بعد میں آٹا اور تیل بننے کے بعد بھی ہبہ درست نہیں ہوا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ معدوم چیز کا ہبہ درست نہیں ہے۔

لغت دقیق : آٹا۔ سمسم : تل۔ طحن : پیسا۔

[۱۴۹۷](۸)اگر ہبہ کی ہوئی چیز موہوب لہ کے ہاتھ میں ہو تو وہ مالک ہو جائے گا ہبہ کرنے سے اگر چہ اس پر نیا قبضہ نہ کیا ہو۔

وجہ (۱) پہلے سے موہوب لہ کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے دوبارہ نیا قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ قبضہ جو شرط ہے وہ پہلے سے ہے ہی (۲) عبد اللہ بن عمر مضبوط اونٹ پر سوار تھے۔ اس کو حضورؐ نے خرید ا پھر حضورؐ نے اس پر قبضہ نہیں کیا اور عبد اللہ بن عمر کو ہبہ کر دیا۔ اور عبد اللہ بن عمر کو ہبہ مکمل کرنے کے لئے نیا قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہبہ کی چیز موہوب لہ کے قبضہ میں پہلے سے ہو تو ہبہ کی ملکیت کے لئے دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمر قال كنا مع النبی ﷺ فی سفر و كنت علی بكر صعب فقال النبی ﷺ لعمر بعنيه فابتاعه فقال النبی ﷺ هو لک يا عبد الله (الف) (بخاری شریف، باب اذا وهب بعيرا لرجل وهو راكبه فهو جائز ص ۳۵۶ نمبر ۲۶۱۱)

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پہلے سے قبضہ ہو تو دوبارہ قبضہ کی ضرورت نہیں۔

[۱۴۹۸](۹)اگر ہبہ کیا باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کوئی چیز تو بیٹا اس کا مالک بن جائے گا عقد کرنے سے اگر چہ اس پر قبضہ نہ پایا گیا ہو۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ اور میں ایک مضبوط اونٹ پر سوار تھا۔ پس حضورؐ نے عمر سے کہا اس کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ پس حضرت عمر نے بیچ دیا۔ پھر حضور نے فرمایا یہ اونٹ تیرا ہے اے عبد اللہ۔

یوجد فیھا قبضا[۱۴۹۹] (۱۰) فان وھب لہ اجنبی ھبة تمت بقبض الاب[۱۵۰۰] (۱۱) واذا وُھب للیتیم ھبة فقبضھا لہ ولیہ جاز.

تشریح باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی تو جیسے ہی عقد کیا تو چھوٹا بیٹا اس کا مالک ہو جائے گا، الگ سے باپ کا نیا قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

وجہ چھوٹے بیٹے کی جانب سے تو خود باپ ہی قبضہ کرے گا۔ کیونکہ بچے کا ولی وہی ہے، اور باپ کے قبضے میں پہلے سے وہ چیز موجود ہے اس لئے دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے عقد ہبہ کرتے ہی بچہ ہبہ کی چیز کا مالک ہو جائے گا (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ موہوب لہ کے قبضے میں ہبہ کی چیز ہو تو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور بچے کی جانب سے باپ ہی ہبہ پر قبضہ کرنے کا ولی ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن عثمان بن عفان انل قال من نحل ولدا لہ صغیرا لم یبلغ ان یحوز نحلہ فاعلن بھا واشھد علیھا فھی جائزة وان ولیھا ابوہ**۔ دوسری روایت میں ہے۔ **فشکی ذلک الی عثمان فرأی ان الوالد یجوز لولدہ اذا کانوا صغارا** (الف) (سنن للبیہقی، باب یقبض للطفل ابوہ، ج سادس، ص ۲۷۲، نمبر ۱۱۹۵۲ رمصنف عبد الرزاق، باب النحل، ج تاسع، ص ۱۰۳ نمبر ۱۶۵۱۰/۱۶۵۱۱) اس اثر سے پتہ چلا کہ باپ چھوٹے بیٹے کی جانب سے قبضہ کریں گے۔ اور چیز پہلے سے اسی کے قبضے میں ہے اس لئے نئے قبضے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ہبہ کا عقد کرتے ہی چھوٹا بیٹا ہبہ کا مالک ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چھوٹے بچے کی جانب سے باپ یا اس کی ولی قبضہ کرے گا۔

نوٹ بچہ کا کوئی ولی یا وصی ہو اور وہ اس بچہ کو ہبہ کرنا چاہے تو باپ کی طرح ہبہ کا عقد کرتے ہی بچہ اس چیز کا مالک بن جائے گا، دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ چیز ولی یا وصی کے ہاتھ میں ہی ہے۔

[۱۴۹۹] (۱۰) اور اجنبی نے بچے کو ہبہ کیا تو ہبہ مکمل ہو جائے گا باپ کے قبضہ کرنے سے۔

تشریح کسی اجنبی نے چھوٹے بچے کو ہبہ کیا اور بچہ باپ کی ولایت میں ہے تو باپ ہی بچے کی جانب سے قبضہ کرے گا اور اسی کے قبضہ سے بچہ مالک بن جائے گا، بچہ کو الگ سے قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ پہلے اثر میں گزر چکا ہے کہ بیٹے کی جانب سے باپ قبضہ کرے گا۔ **فرأی عثمان بن عفان ان الوالد یجوز لولدہ اذا کونوا صغارا** (سنن للبیہقی، ج سادس، ص ۲۸۲، نمبر ۱۱۹۵۴)

[۱۵۰۰] (۱۱) اگر یتیم کو کوئی چیز ہبہ کی گئی اور قبضہ کیا اس کو اس کے ولی نے تو جائز ہے۔

وجہ یتیم چھوٹا ہونے کی وجہ سے ہبہ پر قبضہ نہیں کر سکتا اور باپ ہے نہیں جو قبضہ کرے۔ اس لئے یتیم کا جو ولی ہے یا وصی ہے اس کا قبضہ ہی یتیم کی ملکیت کے لئے کافی ہے (۲) پہلے اثر گزر چکا ہے۔ **ان ولیھا ابوہ** (سنن للبیہقی، باب یقبض للطفل ابوہ، ج سادس، ص ۲۸۲، نمبر

حاشیہ : (الف) حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا جس نے نابالغ چھوٹے بچے کو ہبہ کیا تو اس کے ہبہ پر قبضہ کرے، پس اگر اس کا اعلان کیا اور اس پر گواہ بنایا تو جائز ہے۔ اور بچے کا ولی اس کا باپ ہے، حضرت عثمان کو اس کی شکایت کی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ والد اپنے بچے کے لئے قبضہ کرے اگر وہ چھوٹے ہوں۔

[۱۵۰۱] (۱۲) فان کان فی حجر امه فقبضها له جائز [۱۵۰۲] (۱۳) وکذلک ان کان فی حجر اجنبی یربیه فقبضه له جائز [۱۵۰۳] (۱۴) وان قبض الصبی الھبة بنفسه وھو یعقل جاز [۱۵۰۴] (۱۵) وان وھب اثنان من واحد دارا جاز [۱۵۰۵] (۱۶) وان وھب

۱۹۵۲) جس سے معلوم ہوا کہ جو ولی ہو اس کا قبضہ کرنا ہبہ مکمل ہونے کے لئے کافی ہے۔

[۱۵۰۱] (۱۲) پس اگر یتیم ماں کی گود میں ہو تو ماں کا قبضہ کرنا یتیم کے لئے جائز ہے۔

تشریح یتیم ماں کی نگرانی اور ولایت میں ہے تو یتیم کے ہبہ پر ماں کا قبضہ کرنا ملکیت کے لئے کافی ہے۔

وجہ پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ جو ولی ہو بچے کے لئے اس کا قبضہ کرنا کافی ہے، یہاں ماں ولیہ ہے اس لئے اس کا قبضہ کرنا کافی ہے۔

[۱۵۰۲] (۱۳) ایسے ہی اگر یتیم اجنبی کی گود میں ہو جو اس کی پرورش کرتا ہو تو اس کا قبضہ یتیم کے لئے جائز ہے۔

وجہ اجنبی چونکہ ولی بن گیا اس لئے ہبہ پر اجنبی ولی کے قبضے سے یتیم کی ملکیت مکمل ہو جائے گی۔

اصول یہ سب مسئلے اس اصول پر ہیں کہ جو بچے کا ولی ہو اس کے قبضہ کرنے سے ہبہ مکمل ہو جائے گا۔

[۱۵۰۳] (۱۴) اور اگر بچے نے خود ہبہ پر قبضہ کیا اور وہ سمجھدار ہے تو جائز ہے۔

تشریح بچہ سمجھدار ہے اور اس نے ہبہ پر قبضہ کیا تو جائز ہو جائے گا اور بچہ مالک ہو جائے گا۔

وجہ سمجھدار ہونے کی وجہ سے اس کو خرید و فروخت میں وکیل بنا سکتے ہیں اس لئے ہبہ پر اس کا قبضہ بھی ملکیت کے لئے کافی ہوگا (۲) یہ اس کے فائدے کے لئے ہے اس لئے فائدہ کا کام وہ کر سکتا ہے (۳) حدیث میں ہے کہ سمجھدار لڑکے نے حضورؐ سے کہا میں آپؐ کے جھوٹے کو کسی کو نہیں دے سکتا اور حضورؐ نے اس کو اپنا جھوٹا ہبہ کیا اور وہ خود قبضہ کر کے اس کا مالک بنا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سمجھدار بچہ ہبہ پر خود قبضہ کر سکتا ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن سھل بن سعد ... فقال ما کنت لاوثر بنصیبی منک یا رسول اللہ احدا فتله فی یدہ (الف) (بخاری شریف، باب ھبة الواحد للجماعة ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۲) پوری حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سمجھدار بچے کو بھی قبضہ کا حق ہے۔

[۱۵۰۴] (۱۵) اگر ہبہ کیا دو آدمیوں نے ایک شخص کو ایک مکان تو جائز ہے۔

وجہ دو آدمیوں نے ایک آدمی کو ایک مکان ہبہ کیا تو اس میں شرکت اور شیوع نہیں پائی گئی جو ہبہ کے لئے مانع ہے اس لئے یہ ہبہ جائز ہے۔

[۱۵۰۵] (۱۶) اور اگر ہبہ کیا ایک آدمی نے دو آدمیوں کو ایک گھر تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ صحیح ہے۔

تشریح ایک آدمی کا ایک گھر ہے۔ اس نے دو آدمیوں کو مشترکہ طور پر آدھا آدھا ہبہ کیا تو جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) دو آدمیوں کو ایک مکان ہبہ کیا تو ان دونوں کے درمیان شیوع اور اشتراک پایا گیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ شیوع کے ساتھ ہبہ درست

حاشیہ : (الف) لڑکے نے کہا آپ کی جانب سے میرے حصے پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا اے اللہ کے رسول! پس اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

واحد من اثنين دارا لم تصح عند ابی حنيفة رحمه الله وقالا رحمهما الله تعالى تصح[۱۵۰۶] (۱۷) واذا وهب لاجنبی هبة فله الرجوع فيها.

نہیں ہے۔اس لئے یہ ہبہ صحیح نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ کتب عمر بن عبد العزیز انه لا یجوز من النحل الا ما عزل وافرد واعلم (الف) مصنف عبدالرزاق، باب النحل ج تاسع ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱۴) (۳) سألت ابن شبرمة عنه فقال اذا سمی فجعل له مائة دینار من ماله فهو جائز وان سمی ثلثا او ربعا لم یجز حتی یقسمه (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الہبات، ج تاسع، ص ۱۰۸ نمبر ۱۶۵۳۱) ان دونوں آثار سے معلوم ہوا کہ مشترکہ چیز کو ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔اور یہاں چونکہ دو آدمیوں کو ایک گھر مشترکہ طور پر ہبہ کیا تھا اس لئے جائز نہیں ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ایک آدمی دو آدمیوں کو ایک گھر ہبہ کرے تو جائز ہے۔

وجہ ہبہ کرتے وقت ایک ہی جائداد ہے اور ایک ہی عقد ہے۔البتہ تقسیم اور اشتراک ہبہ کے بعد واقع ہوئے ہیں اس لئے ہبہ درست ہے (۲) احادیث میں اس کا ثبوت ہے۔وقالت اسماء للقاسم بن محمد وابن ابی عتیق ورثت عن اختی عائشة بالغابة وقد اعطانی به معاویة مائة الف فهو لکما (ج) بخاری شریف، باب ہبۃ الواحد للجماعۃ ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۲) اس اثر میں حضرت اسماء نے ایک لاکھ کو دو آدمیوں میں مشترکہ طور پر ہبہ کیا (۳) اوپر حدیث گزری کہ حضورؐ نے اپنا جھوٹا بڑوں کے درمیان اور لڑکے کے درمیان مشترکہ طور پر ہبہ کیا اور لڑکے نے اپنا حصہ کسی اور کو نہیں دیا۔حدیث یہ ہے۔عن سهل بن سعد ان النبی ﷺ اتی بشراب فشرب وعن یمینه غلام وعن یساره الاشیاخ فقال للغلام ان اذنت لی اعطیت هؤلاء فقال ما کنت لاوثر بنصیبی منک یا رسول الله احدا فتله فی یده (د) (بخاری شریف، باب ہبۃ الواحد للجماعۃ ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۲) اس حدیث میں مشترکہ طور پر شربت ہبہ کیا۔جس سے مشترکہ طور پر ہبہ کرنے کے جواز کا پتہ چلتا ہے (۴) حضرت ابو قتادہ نے وحشی گدھا شکار کر کے سب صحابہ کو مشترکہ طور پر ہبہ کیا تھا جس کا ثبوت حدیث میں ہے (بخاری شریف نمبر ۲۵۷۰)

اصول صاحبین کے نزدیک مشترکہ ہبہ کی گنجائش ہے۔

[۱۵۰۶] (۱۷) اگر ہبہ کیا اجنبی کو کوئی ہبہ تو اس کے لئے جائز ہے واپس لے لینا۔

حاشیہ : (الف) ہبہ جائز نہیں ہے مگر جو الگ کیا گیا ہو اور علیحدہ کیا گیا ہو اور نشان لگایا گیا ہو (ب) حضرت ابن شبرمہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا اگر متعین کرے اس طرح کہ مال کا سو دینار ہبہ کر رہا ہے تو جائز ہے۔اور اگر متعین کرے اس طرح کہ مال کی تہائی یا چوتھائی ہے تو جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس کو تقسیم کر دے (ج) حضرت اسماء نے قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق کو کہا میری بہن عائشہ کی جانب سے مقام غابہ میں وارث ہوئی ہوں۔اور حضرت معاویہؓ نے مجھ کو ایک لاکھ درہم دیئے ہیں یہ تم دونوں کے لئے ہیں (د) آپؐ کے سامنے پینے کی چیز لائی گئی۔آپؐ نے پیا اور دائیں جانب لڑکا تھا اور آپؐ کے بائیں جانب بڑے بوڑھے تھے۔آپؐ نے لڑکے سے فرمایا اگر اجازت دو تو ان بوڑھوں کو دے دوں۔لڑکے نے کہا آپ کی جانب سے میرے حصے کو کسی اور کو ترجیح نہیں دوں گا اے اللہ کے رسول! پس اس کے ہاتھ میں پینے کی چیز دے دی۔

[۱۵۰۷](۱۸) الا ان یعوضه عنها [۱۵۰۸](۱۹) او یزید زیادة متصلة.

تشریح کسی اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کی تو ہبہ کرنے والے کو حق ہے کہ اس چیز کو واپس کر لے۔لیکن اگر وہ چیز ہلاک ہوگئی تو واپس نہیں لے سکتا، یا اس چیز کا کوئی بدلہ دیا تو واپس نہیں لے سکتا، یا وہ آدمی رشتہ دار ہے تو واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن ابی ھریرة قال قال رسول الله ﷺ الرجل احق بھبته مالم یثب منھا** (الف)(دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۱ رسنن للبیھقی، باب المکافاة فی الھبة، ج سادس، ص ۳۰۰، نمبر ۱۲۰۲۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک ہبہ کا بدلہ نہ دیا جائے واہب ہبہ کو واپس لے سکتا ہے۔البتہ ہبہ واپس لینا مکروہ ہے۔حدیث میں ہے۔**عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال العائد فی ھبته کالعائد فی قیئه** (ب)(ابو داؤد شریف، باب الرجوع فی الھبة ج ثانی ص ۱۴۳ نمبر ۳۵۳۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیة الرجوع فی الھبة ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کو واپس لے تو سکتا ہے لیکن لینا مکروہ ہے۔

[۱۵۰۷](۱۸) مگر یہ کہ ہبہ کا بدلہ دے دے۔

تشریح ہبہ کا کچھ بدلہ دیدے تو واہب اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے۔

وجہ (۱) بدلہ دینے کے بعد بیع کی صورت ہوگئی۔اور بدلہ مل گیا تو ہبہ کیسے واپس کر سکتا ہے (۲) اوپر حدیث گزری جس میں تھا کہ **مالم یثب منھا** کہ جب تک بدلہ نہ دے تو ہبہ واپس لے سکتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ بدلہ دے دینے کے بعد واہب واپس نہیں لے سکتا ہے

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موہوب لہ بدلہ نہ بھی دے تب بھی واہب واپس نہیں لے سکتا ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابن عمر وابن عباس عن النبی ﷺ قال لا یحل لرجل ان یعطی عطیة او یھب ھبة فیرجع فیھا الا الوالد فیما یعطی ولده ومثل الذی یعطی العطیة ثم یرجع فیھا کمثل الکلب یأکل فاذا شبع قاء ثم عاد فی قیئه** (ج)(ابو داؤد شریف، باب الرجوع فی الھبة ص ۱۴۳ نمبر ۳۵۳۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیة الرجوع فی الھبة ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کو واپس لینا حلال نہیں ہے۔صرف والد کے لئے حلال ہے کہ وہ اپنے بچے کو دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لے۔

[۱۵۰۸](۱۹) یا اس میں ایسی زیادتی کر دے جو متصل ہو۔

تشریح ہبہ کی چیز میں کوئی ایسی زیادتی ہو جائے جو ہبہ کے ساتھ متصل ہو تو اب ہبہ کی چیز کو ہبہ کرنے والا واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ جو چیز زیادہ ہوگئی اس کو الگ کر کے واپس نہیں کر سکتا۔کیونکہ وہ تو ہبہ کی چیز کے ساتھ متصل ہے۔اور اس کے ساتھ ہی واپس نہیں لے سکتا۔کیونکہ وہ تو واہب کی چیز نہیں ہے۔وہ تو موہوب لہ کے یہاں زیادہ ہوئی ہے (۲) اثر میں ہے۔**عن طاؤس عن الشعبی قالا فی**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا آدمی ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک اس کا بدلہ نہ دے دے (ب) آپؐ نے فرمایا ہبہ کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے قے کو واپس کھا جانے والا (ج) آپؐ نے فرمایا کسی آدمی کے لئے حلال نہیں ہے کہ عطیہ دے یا ہبہ کرے پھر اس کو واپس لے۔مگر جو کچھ اپنے لڑکے کو دے یعنی وہ واپس لے سکتا ہے۔اور اس کی مثال جو عطیہ دے پھر واپس لے ایسی ہے جیسے کتا کھاتا ہے، پس جب پیٹ بھر جاتا ہے تو قے کرتا ہے پھر قے کو چاٹتا ہے۔

[۱۵۰۹](۲۰) او یموت احد المتعاقدین [۱۵۱۰](۲۱) او یخرج الھبة من ملک

الھبة اذا استھلکت فلا رجوع منھا (الف) (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۶۵۵۰/ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۱۱ فی الرجل یھب الھبۃ فیرید ان یرجع فیھ، اج خامس، ص ۴۲۵، نمبر ۲۱۷۰۲) اور استہلاک کی تفسیر یہ ہے۔ عن سفیان قال تفسیر استھلاک الھبة ان یبیعھا او یھبھا او یاکلھا او یخرج من یدہ الی غیرہ فھذا استھلاک، قال سفیان و کان بعض من یشار الیہ یقول اذا تغیرت اواحدث فیھا حدثا فلا رجوع فیھا من نحو ارض وھبت لہ فزرع فیھا زرعا او ثوبا صبغہ او دارا بناھا او جاریة ولدت او بیھمة ولدت (ب) مصنف عبد الرزاق، باب الھبۃ اذا استھلکت ج تاسع ص ۱۱۲ نمبر ۱۶۵۵۱) اس اثر میں ہے کہ ہبہ کی چیز ہلاک ہو جائے پھر ہلاکت کی تفصیل میں بیان کیا کہ ہبہ کی چیز بیچ دے یا ہبہ کر دے یا کھا جائے یا ہبہ کی چیز میں کوئی تبدیلی آجائے۔ اور تبدیلی کی تفسیر میں بتایا کہ مثلا زمین میں کھیتی لگا دے یا کپڑا رنگ دے یا زمین میں گھر بنا دے یا باندی بچہ دیدے یا جانور بچہ دے دے تو سب صورتیں ہبہ کی چیز میں تبدیلی ہونا ہے اور زیادتی ہونا ہے۔ اس لئے اگر ہبہ کی چیز ہلاک ہو جائے یا تبدیلی ہو جائے یا اس میں کوئی زیادتی متصلہ ہو جائے تو واہب اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے۔ کیونکہ اثر میں گزرا کہ ہبہ ہلاک ہو جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۰۹] (۲۰) یا متعاقدین میں سے ایک کا انتقال ہو جائے۔

تشریح یعنی ہبہ کرنے والے یا موہوب لہ میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو واہب ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ اگر موہوب لہ کا انتقال ہو گیا تو ہبہ کی چیز اس کے ورثہ کی ملکیت ہو گئی۔ اور ملکیت دوسرے کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور اوپر گزر گیا کہ ہبہ میں ملکیت بدل گئی تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔ اس لئے موہوب لہ کے مرنے پر ہبہ کی چیز واہب واپس نہیں لے سکتا۔ اور اگر واہب کا انتقال ہو گیا تو اب ہبہ کو واپس اس کا ورثہ کرے گا، اور ورثہ عقد ہبہ سے اجنبی ہے، اس نے موہوب لہ کو نہیں دیا تھا کہ وہ واپس لے۔ اس لئے وہ واپس نہیں لے سکتا (۲) اثر میں بھی اس کا تذکرہ ہے کہ۔ عن عمر مثلہ یعنی مثل حدیثہ الذی ذکرنا فی الفصل الذی قبل ھذا الفصل وزاد یستھلکھا او یموت احدھما (ج) (شرح معانی الآثار (طحاوی) ج ثانی ص ۲۲۳) اس اثر میں ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۱۰] (۲۱) یا ہبہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے۔

تشریح ہبہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی سے یہ منقول ہے ہبہ کے بارے میں کہ جب وہ ہلاک ہو جائے تو اس کو موہوب لہ واپس نہیں لے سکتا (ب) حضرت سفیان نے ہبہ کی ہلاکت کی تفسیر میں کہا یہ کہ ہبہ کی چیز کو بیچ دے، یا اس کو ہبہ کر دے، یا اس کو کھا لے، یا اس کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ میں چلی جائے تو یہ استہلاک ہے۔ حضرت سفیان نے فرمایا بعض جو اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ فرماتے تھے اگر ہبہ بدل جائے یا اس میں کوئی نئی چیز پیدا ہو جائے تو ہبہ کو واپس نہیں لے سکتا۔ مثلا زمین ہبہ کی تھی اس میں کھیتی بو دی، یا کپڑا ہبہ کیا تھا اس کو رنگ دیا، یا زمین پر گھر تعمیر کر دیا، یا باندی نے بچہ دے دیا، یا چوپائے نے بچہ دے دیا (تو اس ہبہ میں گویا کہ نئی چیز پیدا ہو گئی) (ج) حضرت عمر کی روایت میں یہ بھی زیادہ ہے کہ ہبہ کی چیز ہلاک ہو جائے یا عاقدین میں سے کوئی ایک مر جائے۔

الموھوب لہ[۱۵۱۱] (۲۲) وان وھب ھبۃ لذی رحم محرم منہ فلا رجوع فیھا [۱۵۱۲] (۲۳) وکذلک ما وھب احد الزوجین من الآخر[۱۵۱۳] (۲۴) واذا قال

وجہ موہوب لہ کے پاس ہبہ رہا ہی نہیں تو واپس کیا کریں گے (۲) پہلے اثر میں گزر چکا ہے۔ عن طاؤس عن الشعبی قالا فی الھبۃ اذا استھلکت فلا رجوع فیھا (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الھبۃ اذا استھلکت ج تاسع ص ۱۱۲ نمبر ۱۶۵۵۰) اس اثر میں ہے کہ ہبہ ہلاک ہو جائے تو واپس نہیں لے سکتا۔ اور وہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل گئی تو ہلاک ہونا ہی ہوا، یوں بھی ہلاک ہونے کی تفسیر گزر چکی ہے کہ ہبہ کی چیز کو بیچ دیا، یا ہبہ کر دیا، یا کھا لیا تب بھی ہلاک ہونا ہی ہے۔ جس کی وجہ سے ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۱۱] (۲۲) اور اگر ہبہ کیا کوئی چیز ذی رحم محرم کو تب بھی اس میں رجوع نہیں ہے۔

تشریح اگر اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار کو ہبہ کیا تب بھی اس سے واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ (۱) اس ہبہ کا مقصد صلہ رحمی ہے اور وہ حاصل ہو گئی، اس لئے واپس نہیں لے سکتا (۲) حدیث میں ہے کہ ذی رحم محرم کو ہبہ کرے تو واپس نہیں لے سکتا۔ عن سمرۃ عن النبی ﷺ قال اذا کانت الھبۃ لذی رحم لم یرجع فیھا (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۵ رسنن للبیہقی، باب المکافات فی الھب، ج سادس، ص ۳۰۰، نمبر ۱۲۰۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم کو ہبہ دے تو واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۱۲] (۲۳) ایسے ہی اگر ہبہ کیا بیوی شوہر میں سے ایک دوسرے کو۔

تشریح اگر بیوی نے شوہر کو یا شوہر نے بیوی کو ہبہ کیا تو کوئی کسی سے ہبہ واپس نہیں لے کر سکتا۔

وجہ (۱) اس ہبہ کا مقصد صلہ رحمی ہے اور وہ حاصل ہو گئی اس لئے ہبہ واپس نہیں کر سکتا ہے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ اگر خوشی سے ہبہ کرے تو واپس نہیں لے سکتی۔ آیت میں ہے۔ وآتوا النساء صدقتھن نحلہ فان طبن لکم عن شیء منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریئا (ج) (آیت ۴ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ خوشی سے ہبہ کرے تو کھا سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت اس کو واپس نہیں لے سکتی (۳) اثر میں اس کا فیصلہ ہے۔ قال ابراھیم جائزۃ وقال عمر بن عبد العزیز لا یرجعان (د) (بخاری شریف، باب ھبۃ الرجل لامرأتہ والمرأۃ لزوجھا نمبر ۲۵۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے سے ہبہ واپس نہیں لے سکتے۔ اور حضرت ابراہیم کا قول جاز کا مطلب بھی یہی ہے کہ جائز ہے کہ واپس نہ لے۔

[۱۵۱۳] (۲۴) اگر موہوب لہ نے واہب سے کہا کہ یہ اپنے ہبہ کے عوض میں لو یا بدلے میں لو یا اس کے مقابلہ میں لو، پس واہب نے اس پر قبضہ کر لیا تو حق رجوع ساقط ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت طاؤس اور شعبی سے ہبہ کے بارے میں ہے کہ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا (ب) آپؐ نے فرمایا اگر ہبہ ذی رحم محرم کو کرے تو اس کو واپس نہیں کر سکتا (ج) عورتوں کو اس کا مہر خوشی سے دو، پس اگر وہ کچھ خوشدلی سے دے دیں تو اس کو رچتا پچتا کھاؤ (د) ابراہیم نے فرمایا ہبہ جائز ہے، عمر ابن عبد العزیز نے فرمایا دونوں رجوع نہیں کر سکتے۔

الموهوب له للواهب خذ هذا عوضا عن هبتک او بدلا عنها او فی مقابلتها فقبضه الواهب سقط الرجوع [۱۵۱۴](۲۵) وان عوضه اجنبی عن الموهوب له متبرعا فقبض الواهب العوض سقط الرجوع[۱۵۱۵] (۲۶) واذا استحق نصف الهبة رجع بنصف

تشریح موہوب لہ نے ہبہ کرنے والے کو باضابطہ کہا کہ یہ ہبہ کا بدلہ ہے اس کو لے لو۔اور اس پر ہبہ کرنے والے نے بدلے کی چیز لے لی تو اب ہبہ واپس لینے کا حق ساقط ہو گیا۔

وجہ جب بدلہ پر قبضہ کر لیا تو واپس لینے کا حق ساقط ہو گیا (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے۔عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ الرجل احق بهبته مالم یثب منها (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۱ رسنن للبیہقی، باب المکافاة فی الھبة، ج سادس، ص ۳۰۰، نمبر ۱۲۰۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کا بدلہ دے دیا جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۱۴] (۲۵) اور اگر موہوب لہ کی جانب سے اجنبی نے احسان کے طور پر ہبہ کا بدلہ دیا اور ہبہ کرنے والے نے عوض پر قبضہ کر لیا تو رجوع کا حق ساقط ہو گیا۔

تشریح خود موہوب لہ نے واہب کو ہبہ کا بدلہ نہیں دیا بلکہ دوسرے اجنبی آدمی نے موہوب لہ کی جانب سے تبرعا اور احسانا ہبہ کا بدلہ دیا اور واہب نے قبول کر لیا تب بھی واپس لینے کا حق ساقط ہو جائے گا۔

وجہ واہب کو ہبہ کا بدلہ چاہئے چاہے کوئی بھی دے۔اس لئے اجنبی کے بدلہ دینے سے بھی واپس لینے کا حق ساقط ہو جائے گا۔کیونکہ بدلہ تو واہب کو مل گیا۔حدیث اوپر گزر گئی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ہبہ کا بدلہ کوئی بھی دے سکتا ہے، وہ حق رجوع کو ساقط کرنے کے لئے کافی ہے۔

الحاصل ہبہ واپس لینے کا حق ان سات وجہ سے ساقط ہو جائے گا (۱) بدلہ دیدے (۲) ہبہ میں زیادتی ہو جائے (۳) متعاقدین میں سے کوئی مر جائے (۴) ہبہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے (۵) ذی رحم محرم کو ہبہ کرے (۶) بیوی شوہر کو یا شوہر بیوی کو ہبہ کرے (۷) اجنبی ہبہ کا بدلہ دیدے تو حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔

[۱۵۱۵] (۲۶) اگر حقدار نکل آئے آدھے ہبہ کا تو آدھا عوض واپس لے سکتا ہے۔

تشریح موہوب لہ نے ہبہ کے بدلے میں واہب کو کچھ چیز دی تھی جو مثلا ایک ہزار درہم کی تھی۔بعد میں موہوب لہ کے پاس جو ہبہ تھا اس میں سے آدھا اور کا نکل گیا تو موہوب لہ کو حق ہے کہ واہب سے اپنی دی ہوئی چیز کا آدھا لے لے جو مثال مذکور میں پانچ سو درہم کی مقدار ہوگی۔

وجہ موہوب لہ نے ہبہ کا بدلہ دیا تو ایک قسم کی خرید و فروخت ہوگئی۔اور اس لئے دیا تا کہ ہبہ اس کے ہاتھ میں سالم رہے اور یہاں آدھا ہبہ دوسرے کا نکل گیا اس لئے اپنا آدھا دیا ہوا عوض واپس لے سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا آدمی ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک اس کا بدلہ نہ ادا کر دے۔

العوض [۱۵۱۶](۲۷) وان استحق نصف العوض لم یرجع فی الھبة بشیء الا ان یرد ما بقی من العوض ثم یرجع فی کل الھبة [۱۵۱۷](۲۸) ولا یصح الرجوع فی الھبة الا بتراضیھما او بحکم الحاکم[۱۵۱۸] (۲۹) واذا تلفت العین الموھوبة ثم استحقھا

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بدلہ دینے کے بعد ہبہ بیع کی طرح ہو گیا۔

[۱۵۱۶](۲۷) اور اگر آدھے عوض کا کوئی حقدار نکل گیا تو کچھ بھی واپس نہیں لے گا ہبہ سے مگر یہ کہ لوٹائے باقی عوض کو پھر کل ہبہ واپس لے لے۔

تشریح واہب نے موہوب لہ سے ہبہ کے بدلے میں مثلا ایک ہزار درہم کی گائے لی تھی۔ بعد میں اس عوض یعنی آدھی گائے کا کوئی حقدار نکل گیا تو واہب کو یہ حق نہیں ہے کہ آدھا ہبہ موہوب لہ سے واپس لے لے، ہاں! یہ کر سکتا ہے کہ باقی آدھی گائے جو واہب کے پاس ہے اس کو موہوب لہ کی طرف واپس کرے پھر پورا ہبہ واپس لے لے۔

وجہ شروع میں اگر موہوب لہ آدھی گائے بھی ہبہ کے بدلے مین دیتا تب بھی ہبہ کا بدلہ ہو جاتا۔ اس لئے درمیان میں آدھی گائے ہو گئی تب بھی وہ ہبہ کا بدلہ ہے۔ اس لئے واہب آدھا ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔ لیکن چونکہ عوض کی لالچ میں ہبہ کیا ہے اس لئے اس کے لئے گنجائش دی گئی کہ حقدار نکلنے کے بعد جو حصہ باقی رہ گیا وہ بھی موہوب لہ کی طرف واپس کرے، اب چونکہ ہبہ بغیر بدلے کے رہ گیا اس لئے اب پورا ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کچھ بدلہ بھی واہب کے پاس موجود ہو تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔ البتہ پورا عوض ہی اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو اب ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

[۱۵۱۷](۲۸) اور ہبہ میں رجوع صحیح نہیں ہے مگر دونوں کی رضامندی سے یا قاضی کے فیصلے سے۔

تشریح واہب اور موہوب لہ دونوں ہبہ واپس کرنے پر راضی ہوں تب ہی ہبہ واپس لے سکتا ہے۔ یا پھر قاضی کے ذریعہ واپس کروانے کا فیصلہ کروا لے تب واپس لے سکتا ہے ورنہ نہیں۔

وجہ ہبہ کو واپس کرنا مختلف فیہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک واپس کر ہی نہیں سکتا ہے۔ واپس کی کراہیت کے لئے حدیث بھی گزری ہے اس لئے واپس کرنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک چاہئے، یا تو دونوں راضی ہوں یا پھر قاضی کا فیصلہ ہو تب واہب ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

[۱۵۱۸](۲۹) اگر تلف ہو جائے ہبہ کی ہوئی چیز پھر اس کا کوئی حقدار نکل آئے اور موہوب لہ کو ضامن بنا دے تو واہب سے کچھ نہیں لے سکتا

تشریح موہوب لہ کے پاس ہبہ کی چیز تھی وہ ہلاک ہو گئی بعد میں اس چیز کا کوئی حقدار نکل آیا اور موہوب لہ کو اس کا ضامن بنایا، کیونکہ وہ چیز ہلاک ہو گئی تھی تو موہوب لہ اس ضمان کو واہب سے وصول نہیں کر سکتا ہے۔

وجہ بنیادی طور پر ہبہ کی چیز میں بدلہ نہیں لیا جاتا بلکہ وہ تبرع اور احسان کے طور پر واہب عطا کرتا ہے۔ اس لئے واہب ہبہ کی چیز کی سلامت کا

مستحق فضمن الموهوب له لم يرجع على الواهب شيء[۱۵۱۹] (۳۰) واذا وهب بشرط العوض اعتبر التقابض في العوضين جميعا واذا تقابضا صح العقد وكان في حكم البيع يرد بالعيب وخيار الرؤية ويجب فيها الشفعة[۱۵۲۰] (۳۱)والعمرىٰ جائزة

ذمہ دار نہیں ہے، چونکہ وہ سلامت کا ذمہ دار نہیں ہے اس لئے موہوب لہ واہب سے ضمان وصول نہیں کر سکتا۔اس کے برخلاف بیع میں تو بدلہ ہوتا ہے اس لئے وہاں مشتری سلامت کا ذمہ دار ہے۔اس لئے قیمت کا کوئی حقدار نکل آئے تو مشتری سے اس کا ضمان لیا جائے گا۔ ہبہ خالص تبرع اور احسان ہے۔اس لئے واہب سے دیا ہوا ضمان وصول نہیں کر سکے گا۔

اصول تبرع اور احسان میں چیز کی سلامت کا ذمہ دار احسان کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔اس اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

لغت تلف : تلف ہو جائے، ہلاک ہو جائے۔

[۱۵۱۹] (۳۰) اگر ہبہ کیا بدلے کی شرط پر تو ضروری ہوگا دونوں عوضوں پر قبضہ ہونا، اور جب دونوں نے قبضہ کر لیا تو صحیح ہو جائے گا عقد اور ہوگا یہ بیع کے حکم میں کہ واپس ہو سکے گا خیار عیب اور خیار رویت کی وجہ سے اور واجب ہوگا اس میں شفعہ۔

تشریح واہب نے اس شرط پر ہبہ کیا کہ اس کا بدلہ دو گے تو اس ہبہ کی دو جہتیں ہو گئیں۔لفظ کے اعتبار سے یہ ہبہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ بیع ہے۔اس لئے اس ہبہ میں دونوں کی رعایت ضروری ہے۔چنانچہ ہبہ ہونے کے اعتبار سے دونوں عوضوں پر قبضہ ضروری ہے، قبضہ کرے گا تو عقد صحیح ہوگا ورنہ نہیں، اور چونکہ دونوں جانب سے ہبہ ہوئے اس لئے دونوں عوضوں پر قبضہ ضروری ہے۔

وجہ پہلے اثر میں گزرا ہے۔عن ابن عباس قالوا لا تجوز صدقة حتى تقبض (الف) (سنن للبیہقی، باب شرط القبض فی الھبۃ، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵۱) اس سے معلوم ہوا کہ ہبہ پر قبضہ ضروری ہے۔اور بدلے کی شرط پر ہبہ کیا ہے اس لئے معنی کے اعتبار سے یہ بیع ہے۔اس لئے بیع کی شرطوں کی رعایت ہوگی۔چنانچہ اس ہبہ میں خیار رویت اور خیار عیب جاری ہوں گے۔اور ان کی وجہ سے ہبہ واپس ہو سکے گا۔اگر ہبہ میں زمین ہو تو اس میں حق شفعہ بھی جاری ہوگا۔تفصیل گزر چکی ہے۔

اصول لفظ اور معنی دونوں کا اعتبار حتی الامکان کیا جائے گا۔

فائدہ امام شافعی اور امام زفر یہاں معنی کا اعتبار کرتے ہیں اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ یہ ابتدا اور انتہا کے اعتبار سے صرف بیع ہے۔چنانچہ ان کے یہاں مجلس میں قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اصول ان کا اصول ہے کہ صرف معنی کا اعتبار کیا جائے گا۔

﴿ عمریٰ کا بیان ﴾

[۱۵۲۰] (۳۱) عمریٰ جائز ہے معمر لہ کے لئے، اس کی زندگی میں ہوگا اور اس کے ورثہ کے لئے ہوگا اس کے مرنے کے بعد۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا صدقہ جائز نہیں ہے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرا دیا جائے۔

للمعمر له فی حال حیاته ولورثته بعد موته [۱۵۲۱] (۳۲) والرقبیٰ باطلة عند ابی حنیفة

تشریح عمریٰ کالفظی معنی تو ہے کہ تمہاری زندگی تک یہ چیز تمہارے لئے دیتا ہوں لیکن تمہارے مرنے کے بعد میں اس کو واپس لے لوں گا۔ یہ چیز تمہارے ورثہ میں تقسیم نہیں ہوگی۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عمریٰ کا لفظ سے ہبہ کر دیا تو وہ چیز مکمل موہوب لہ جس کو معمر لہ کہتے ہیں اس کی ہو جائے گی۔ اور معمر لہ کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ میں یہ چیز تقسیم ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ قال ایما رجل اعمر عمری له ولعقبه فانها للذی اعطیها لا ترجع الی الذی اعطاها لانه اعطی عطاء وقعت فیه الموارث (الف)** (مسلم شریف، باب العمریٰ ص ۳۷ نمبر ۱۶۲۵ / ابو داؤد شریف، باب فی العمریٰ ص ۱۴۴ نمبر ۳۵۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمریٰ کرنا جائز ہے اور معمر لہ کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگی (۲) اسی راوی سے دوسری حدیث میں ہے۔ **عن جابر عن النبی ﷺ انه قال العمری میراث لاهلها (ب)** (مسلم شریف، باب العمریٰ ص ۳۷ نمبر ۱۶۲۵ / بخاری شریف، باب ما قیل فی العمری والرقبیٰ ص ۳۵۷ نمبر ۲۶۲۵) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عمریٰ کی چیز معمر لہ کے ورثہ میں تقسیم ہوگی۔

[۱۵۲۱] (۳۲) رقبیٰ باطل ہے ابو حنیفہ کے نزدیک اور محمد کے نزدیک اور کہا ابو یوسف نے کہ جائز ہے۔

تشریح رقبیٰ کی صورت یہ ہے کہ واہب کہے یہ چیز ہبہ کرتا ہوں اس طرح کہ اگر میں پہلے مر گیا تو یہ چیز تیری رہے گی۔ اور آپ پہلے مر گئے تو یہ چیز میری ہوگی۔ چونکہ اس صورت میں پہلے کون مرے اس کا انتظار رہتا ہے۔ اس لئے اس کو رقبیٰ کہتے ہیں۔ چونکہ اس صورت میں واہب موہوب لہ کے پہلے مرنے کا انتظار کرتا ہے تاکہ وہ چیز اس کو مل جائے اور موہوب لہ واہب کے پہلے مرنے کا انتظار کرتا ہے تاکہ یہ چیز موہوب لہ کو مل جائے۔ یہ ایک دوسرے کے موت کی تمنا کا طریقہ ہے اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں کراہیت کا پتہ چلتا ہے۔ **عن زید بن ثابت قال قال رسول الله ﷺ من اعمر شیئا فهو لمعمره محیاه ومماته ولا ترقبوا فمن ارقب شیئا فهو سبیله (ج)** (ابو داؤد شریف، باب فی الرقبیٰ ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۵۹ / نسائی شریف، کتاب الرقبیٰ ص ۱۱۹ نمبر ۳۷۳۸) اس حدیث میں رقبیٰ کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک رقبیٰ جائز نہیں ہے۔

نوٹ تاہم اگر رقبیٰ کر ہی دیا تو جس کے لئے رقبیٰ کیا مال اس کے لئے مکمل ہو جائے گا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک رقبیٰ جائز ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن جابر قال قال رسول الله ﷺ العمریٰ جائزة لاهلها والرقبیٰ جائزة لاهلها (د)** (ابو

حاشیہ: (الف) کوئی آدمی عمریٰ کرے اور اس کے بعد والوں کے لئے بھی عمریٰ کر دے تو وہ مال اس کے لئے ہوگا جس کے لئے دیا۔ دینے والے کی طرف واپس نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ ایسا دیا جس میں معمر لہ کی وراثت جاری ہو (ب) آپ نے فرمایا عمریٰ معمر لہ کا میراث ہوگا (ج) آپ نے فرمایا جس نے معمر لہ کے عمری کیا تو اس کی زندگی اور موت کے بعد اسی کی ہے۔ رقبیٰ مت کرو۔ تاہم جس نے رقبیٰ کیا تو وہ رقبیٰ میں چلا جائے گا (د) آپ نے فرمایا عمریٰ معمر کے لئے جائز ہے۔ اور رقبیٰ اس کے لئے جائز ہے جس کے لئے رقبیٰ کیا۔

و محمد رحمهما الله تعالى وقال ابو يوسف رحمه الله جائزة[١٥٢٢] (٣٣) ومن وهب جارية الا حملها صحت الهبة وبطل الاستثناء[١٥٢٣] (٣٤) والصدقة كالهبة لا تصح الا بالقبض [١٥٢٤] (٣٥) ولا تجوز الصدقة فى مشاع الذى يحتمل القسمة.

داؤد شریف، باب فی الرقبی ص ١٤٥ نمبر ٣٥٥٨ رنسائی شریف، کتاب الرقبی ص ١١٩ نمبر ٣٧٣٦) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رقبی کرنا جائز ہے۔اور رقبی کے معنی ان کے یہاں یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ چیز تیری ہے۔اور یہ جائز کی صورت ہے۔

[١٥٢٢] (٣٣) کسی نے باندی ہبہ کی مگر اس کا حمل تو ہبہ صحیح ہے اور استثناء باطل ہے۔

تشریح کسی نے باندی ہبہ کی لیکن کہا کہ اس کا حمل ہبہ نہیں کرتا ہوں تو پوری باندی کا ہبہ ہوگا اور حمل کی نفی کرنا اور اس کا استثناء کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

وجہ حمل باندی کا جز ہے اور جز کل سے علیحدہ ہبہ نہیں ہوسکتا۔اس لئے باندی ہبہ کی تو حمل بھی ہبہ ہو جائے گا (٢) بیع میں گزرا کہ باندی بیچے اور حمل کا استثناء کرے تو جائز نہیں ہے اسی طرح ہبہ کا معاملہ ہے۔تاہم وہاں بیع فاسد ہو جاتی ہے لیکن ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا اس لئے ہبہ درست رہے گا (٣) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن جابر بن عبد الله قال نهى رسول الله ﷺ عن المزابنة وعن المحاقلة وعن الثنيا الا ان يعلم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المخابرۃ ص ١٢٧ نمبر ٣٤٠٥ رترمذی شریف، باب ماجاء فی النهی عن الثنیا ص ٢٤٢ نمبر ١٢٩٠) اس حدیث میں مجہول استثناء سے منع فرمایا ہے۔اس لئے حمل کو ہبہ سے مستثنی کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿ صدقہ کا بیان ﴾

[١٥٢٣] (٣٤) صدقہ ہبہ کی طرح ہے،نہیں صحیح ہوتا ہے مگر قبضہ کے بعد۔

تشریح جس طرح ہبہ کا حکم ہے اسی طرح صدقہ کا بھی حکم ہے۔یعنی ہبہ قبضہ کے بعد مکمل ہوتا ہے اسی طرح صدقہ پر قبضہ کے بعد مکمل ہوگا۔

وجہ صدقہ بھی ہبہ کی طرح تبرع اور احسان ہوتا ہے اور مفت لینا ہوتا ہے۔اس لئے اگر صدقہ دینے والے نے کہہ دیا کہ میں آپ کو صدقہ دوں گا تو صرف اس سے صدقہ لینے والا صدقے کا مالک نہیں ہوگا جب تک صدقے پر قبضہ نہ کرے (٢) اثر میں ہے کہ صدقہ پر قبضہ کئے بغیر مالک نہیں ہوگا۔عن عثمان وابن عمر وابن عباس انهم قالوا لا تجوز صدقة حتى تقبض وعن معاذ بن جبل وشريح انهما كانا لا يجيز انها حتى تقبض (ب) (سنن للبیہقی، باب شرط القبض فی الھبۃ، ج سادس، ص ٢٨١، نمبر ١١٩٥١) اس اثر میں ہے کہ صدقہ پر قبضہ کئے بغیر صدقہ جائز نہیں ہوگا۔

[١٥٢٤] (٣٥) صدقہ جائز نہیں ہے مشترک چیز میں جو تقسیم ہو سکتی ہو۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے مزابنہ، محاقلہ اور استثناء کرنے سے روکا مگر یہ کہ مستثنی منہ معلوم ہو (ب) حضرت عثمان، ابن عمر اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ صدقہ جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرائے۔اور حضرت معاذ اور شریح نے فرمایا کہ صدقہ جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر قبضہ دلائے۔

[۱۵۲۵] (۳۶) واذا تصدق علی فقیرین بشیء جاز [۱۵۲۶] (۳۷) ولا یصح الرجوع

تشریح ہبہ کے بارے میں گزرا کہ جو چیز تقسیم ہو سکتی ہو اس کو تقسیم کئے بغیر ہبہ کرنا جائز نہیں اسی طرح صدقہ کے بارے میں ہے کہ جو چیز تقسیم ہو سکتی ہو اس کو تقسیم کئے بغیر صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ کتب عمر ابن عبد العزیز انه لا یجوز من النحل الا ماعزل وافرد واعلم (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب النحل ج تاسع ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱۴) (۲) عن ابن شبرمة قال ان لم یجز کل واحد منهما ما وهب له صاحبه فلیس بشیء (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب حیازة ما وهب احدهما لصاحبہ ج تاسع ص ۱۱۶ نمبر ۱۶۵۷۰) ان دونوں اثر سے معلوم ہوا کہ جب تک تقسیم نہ کیا جائے تو ہبہ جائز نہیں ہے اور یہی حال صدقہ کا بھی ہے کہ وہ تقسیم کئے بغیر جائز نہیں۔

نوٹ اگر چیز تقسیم کرنے سے برباد ہو تو پھر مجبوری ہے۔ بغیر تقسیم کئے بھی صدقہ جائز ہوگا۔

[۱۵۲۵] (۳۶) اگر دو فقیروں پر صدقہ کیا تو جائز ہے۔

تشریح دو فقیروں پر ایک چیز صدقہ کرے گا تو دونوں کی شرکت ہوگی اور غیر تقسیم شدہ صدقہ ہوگا اس لئے قاعدے کے اعتبار سے جائز نہیں ہونا چاہئے لیکن پھر بھی جائز ہے۔

وجہ صدقہ کا مال پہلے اللہ کے ہاتھ میں پڑتا ہے پھر گویا کہ وہ مال فقیر کے ہاتھ میں پڑتا ہے۔ اور اللہ ایک ہے اس لئے شرکت نہیں ہوئی۔ اس لئے صدقہ کا مال دو فقیروں کو صدقہ کرے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔

نوٹ صاحبین کے نزدیک تو پہلے بھی دو آدمیوں کو ہبہ جائز تھا اس لئے دو آدمیوں پر صدقہ بھی جائز ہوگا۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ عن سهل بن سعد ان النبی ﷺ اتی بشراب فشرب ویمینه غلام وعن یساره الاشیاخ فقال للغلام ان اذنت لی اعطیت هؤلاء فقال ما کنت لاوثر بنصیبی منک یا رسول الله احدا فتله فی یده (ج) (بخاری شریف، باب ہبۃ الواحد للجماعۃ ص نمبر ۲۶۰۲) اس حدیث سے مشترک ہبہ جائز ہوا تو مشترک صدقہ بھی جائز ہوگا۔

[۱۵۲۶] (۳۷) قبضے کے بعد صدقہ کو واپس لینا صحیح نہیں ہے۔

وجہ صدقہ کرنے کا مقصد ثواب حاصل کرنا ہے۔ اس لئے اس کو ثواب حاصل ہو گیا تو گویا کہ صدقہ کا بدلہ مل گیا تو اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے (۲) ہبہ کو واپس لینے کے بارے میں یہ حدیث گزری۔ عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ العائد فی هبته کالعائد فی قیئه (د) (بخاری شریف، باب لا یحل لاحد ان یرجع فی ہبتہ وصدقتہ ص نمبر ۲۶۲۱ رمسلم شریف، باب تحریم الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض الا ما وہبہ

حاشیہ: (الف) عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو علیحدہ کیا جائے اور الگ کیا جائے اور اس پر نشان لگایا جائے (ب) حضرت ابن شبرمہ نے فرمایا اگر دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جو کچھ ہبہ کیا موہوب لہ سے تو ہبہ نہیں ہوا (ج) آپ کے سامنے پینے کی چیز لائی گئی، آپ نے پی اور دائیں جانب لڑکا تھا اور بائیں جانب بڑھے بوڑھے تھے تو لڑکے سے کہا اگر اجازت دو تو ان لوگوں کو دوں۔ لڑکے نے کہا آپ کا دیا ہوا حصہ کو کسی اور کو ترجیح نہیں دوں گا، پس اس کے ہاتھ میں دے دیا (د) آپ نے فرمایا ہبہ واپس لینے والا قے کو واپس لینے والے کی طرح ہے۔

فی الصدقة بعد القبض[۱۵۲۷] (۳۸) ومن نذر ان یتصدق بماله لزمه ان یتصدق بجنس ما تجب فیه الزکوة[۱۵۲۸] (۳۹) ومن نذر ان یتصدقبملکه لزمه ان یتصدق بالجمیع [۱۵۲۹] (۴۰) ویقال له امسک منه مقدار ما تنفقه علی نفسک وعیالک الی ان

لولدہ وان سفل ص نمبر ۱۶۲۲) اس حدیث کی بنا پر صدقہ واپس لینا جائز نہیں ہے۔ قال عمر حملت علی فرس فی سبیل اللہ فرأیته یباع فسألت رسول اللہ ﷺ فقال لا تشترہ ولا تعد فی صدقتک (الف) (بخاری شریف، باب اذا حمل رجل علی فرس فھو کالعمری والصدقة ص نمبر ۲۶۳۶) اس حدیث میں صدقہ واپس لینے سے منع فرمایا ہے اس لئے اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے۔

[۱۵۲۷] (۳۸) کسی نے نذر مانی کہ صدقہ کرے گا اپنے مال کو تو اس پر لازم ہے کہ صدقہ کرے اس قسم کا مال جس میں صدقہ واجب ہے۔

تشریح کسی نے نذر مانی کہ میں اپنا مال صدقہ کروں گا تو ان مالوں کو صدقہ کرنا واجب ہوگا جن میں اس پر زکوۃ واجب تھی۔ جن مالوں میں اس پر زکوۃ واجب نہیں تھی ان کو صدقہ کرنا لازم نہیں ہوگا۔

وجہ مال تو محاورے میں کسی بھی مال کو کہتے ہیں۔ لیکن شریعت میں جب مال بولا جاتا ہے تو اس مال کو مال کہتے ہیں جن میں زکاۃ واجب ہو (۲) آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ خذ من اموالھم صدقة تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم (آیت ۱۰۳ سورة التوبة ۹) دوسری آیت میں ہے۔ وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (آیت ۱۹ سورة الذاریات ۵۱) ان دونوں آیتوں میں مال بول کر زکوۃ مراد لیا ہے۔ اس لئے مطلق مال سے شریعت میں مال زکوۃ مراد ہوگا اور اسی کو صدقہ کرنا ہوگا نوٹ کوئی اور علامت نہ ہو تو قضا میں یہ فیصلہ کیا جائے گا، ورنہ عموما کوئی بھی مال مراد لیا جا سکتا ہے۔

[۱۵۲۸] (۳۹) کسی نے نذر مانی کہ صدقہ کرے گا اپنی ملکیت کو تو اس پر لازم ہے کہ صدقہ کرے تمام مال کو۔

وجہ ملکیت میں تمام ہی مال شامل ہو جاتے ہیں۔ سبھی اس کی ملکیت میں ہیں اس لئے اگر نذر مانی کہ اپنی ملکیت کو صدقہ کرے گا تو تمام مال صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

اصول ملکیت میں تمام ملکیت شامل ہے۔

[۱۵۲۹] (۴۰) نذر ماننے والے سے کہا جائے گا اتنی مقدار روک لیں جو خرچ ہو اپنی ذات پر اور اپنے بال بچوں پر اس وقت تک کہ آپ مال کما لیں، پس جب کما لے مال تو صدقہ کرے اس کے برابر جو اپنے لئے روکا تھا۔

تشریح پوری ملکیت صدقہ کرنے کی نذر کی وجہ سے پورا مال صدقہ کرنا پڑے گا جس سے اس کے بال بچے ہلاک ہو جائیں گے۔ اس لئے اتنا مال صدقہ روک لے جس سے اس کی ذات اور بال بچے کا خرچ چل سکے۔ پھر جب مال کمائے تو اتنا مال صدقہ کر دے جتنا پہلے اپنے لئے

حاشیہ : (الف) حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے گھوڑے کو اللہ کے راستے میں وقف کیا، پس دیکھا کہ وہ بیچا جا رہا ہے۔ میں نے حضورؐ سے پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا اس کو مت خریدو اور صدقہ واپس مت لو۔

تکسب مالا فاذا اکتسبت مالا تصدقه بمثل ما امسکت لنفسک.

روکے رکھا تھا۔

وجہ کیونکہ نذر کی وجہ سے پورا مال صدقہ کرنا لازم تھا۔

﴿کتاب الوقف﴾

[۱۵۳۰](۱) لا یزول ملک الواقف عن الوقف عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی الا ان

﴿کتاب الوقف﴾

وقف کا معنی روکنا ہے۔وقف میں زمین، جائداد غریبوں کے لئے روکتے ہیں اس لئے اس کو روکنا کہتے ہیں۔ وقف کا اشارہ آیت میں ہے۔یا ایها الذین آمنوا شهادة بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیة اثنان ذوا عدل منکم (آیت ۱۰۶ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں علیہ السلام وصیت کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس میں وقف کرنا بھی ہے اس لئے یہ آیت وقف کی طرف اشارہ ہے۔اورحدیث میں یہ ہے۔عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخیبر فاتی النبی ﷺ یستامره فیها فقال یا رسول الله انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط انفس عندی منه فماتأمرنی؟ به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها قال فتصدق بها عمر انه لا یباع ولا یوهب ولا یورث وتصدق بها فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل الله وابن السبیل والضیف لا جناح علی من ولیها ان یأکل منها بالمعروف ویطعم غیر متمول (الف) (بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف، کتاب الشرط ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷ رمسلم شریف، باب الوقف ص ۴۱ نمبر ۱۶۳۲) اس حدیث سے وقف جائز ہونے کا پتہ چلا۔اور یہ بھی پتہ چلا کہ کن کن شرطوں کے ساتھ وقف کیا جاسکتا ہے۔

[۱۵۳۰](۱) نہیں زائل ہوگی واقف کی ملک وقف سے ابو حنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ حاکم اس کا فیصلہ کردے یا اپنی موت پر معلق کردے اور یوں کہے کہ جب میں مرجاؤں تو اپنا گھر فلاں پر وقف کردیا۔

تشریح وقف کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔اور وقف کرنے سے وقف ہو جائے گا۔لیکن چونکہ یہ جائداد ہے اس لئے واقف کی ملکیت اس وقت ختم ہوگی جب وقف کرنے پر حاکم کا فیصلہ ہو جائے، یا وقف کو موت پر معلق کردے، یوں کہے کہ اگر میں مرگیا تو میرا گھر فلاں کے لئے وقف ہے۔

وجہ موت پر آدمی کی ملکیت تمام چیز سے ختم ہو جاتی ہے اس لئے واقف کی ملکیت موت سے ختم ہوگئی۔اب چونکہ موقوف علیہ کے لئے دے چکا ہے اس لئے ورثہ کے بجائے موقوف علیہ مالک بن جائے گا (۲) اسی طرح قاضی کے فیصلے سے کسی کی بھی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔اس لئے وقف کے مال سے بھی ملکیت ختم ہو جائے گی (۳) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ان سعد بن عبادة اخا بنی ساعدة توفیت امه وهو غائب فاتی النبی ﷺ فقال یا رسول الله ان امی تفویت وانا غائب عنها فهل ینفعها شیء ان تصدقت به عنها

حاشیہ : (الف) عمر ابن خطاب نے خیبر میں زمین حاصل کی تو حضورؐ کے پاس مشورہ کے لئے آئے۔پس کہا یا رسول اللہ مجھے خیبر میں زمین ملی ہے، اتنی اچھی زمین کبھی نہیں ملی تھی تو آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اگر چاہو تو اصل کو روک لو اور اس کا نفع صدقہ کردو۔فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس کو صدقہ کیا اس طرح کہ نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی نہ وارث بنائی جائے گی۔اور نفع فقراء، رشتہ دار، غلام آزاد کرنے، اللہ کے راستے میں، مسافر کے لئے، مہمانوں کے لئے خرچ کیا جائے۔کوئی حرج نہیں ہے اس پر جو نگرانی کرے کہ اس سے مناسب انداز میں کھائے۔اور بغیر مالدار بنائے کھلائے۔

یحکم به الحاکم او یعلقه بموته فیقول اذا مت فقد وقفت داری علی کذا[۱۵۳۱] (۲) وقال ابو یوسف رحمه الله یزول الملک بمجرد القول[۱۵۳۲] (۳) وقال محمد رحمه الله تعالی لا یزول الملک حتی یجعل للوقف ولیا ویسلمه الیه.

قال نعم قال فانی اشهدک ان حائطی المخراف صدقة علیها (الف) (بخاری شریف، باب الاشهاد فی الوقف والصدقۃ ص ۳۸۷ نمبر ۲۷۶۲) اس حدیث میں حضرت سعد بن عبادہ نے وقف پر گواہ بنایا اور حضور کو گواہ بنایا گویا کہ حتمی وقف کے لئے فیصلہ بھی کروانا ہے۔اس لئے اس حدیث سے اشارہ ملتا ہے کہ قاضی یا والی کے فیصلہ کے بعد وقف کی چیز واقف کی ملکیت سے نکلے گی (۳) حضرت عمر کے اثر سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ وقف لکھوانا چاہئے۔عن یحیی ابن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب قال نسخها لی عبد الحمید بن عبد الله بن عبد الله بن عمر بن الخطاب بسم الله الرحمن الرحیم هذا ما کتب عبد الله عمر فی ثمغ فقص من خبره نحو حدیث نافع (ب (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ص ۴۲ نمبر ۲۸۷۹) اس اثر میں حضرت عمر نے وقف کو باضابطہ لکھا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ لکھنے کے بعد واقف کی ملکیت ختم ہوگی۔

[۱۵۳۱] (۲) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا زائل ہو جائے گی ملک صرف کہنے ہی سے۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ واقف صرف کہہ دے کہ میں نے وقف کیا تو اس کی ملکیت وقف کے مال سے ختم ہو جائے گی، چاہے حاکم نے فیصلہ نہ کیا ہو یا موت پر وقف معلق نہ کیا ہو۔

وجہ ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں واقف نے موت پر معلق کیا ہے اور نہ فیصلہ کروایا ہے۔مثلا حدیث میں ہے۔عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا ولله لا نطلب ثمنه الا الی الله (ج) (بخاری شریف، باب اذا وقف جماعۃ ارضا مشاعا فهو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۱) اس حدیث میں قضاء قاضی کا تذکرہ ہے نہ موت پر معلق کیا ہے، اور زمین کی ملکیت صرف واقف کے کہنے سے ختم ہو گئی ہے۔

[۱۵۳۲] (۳) اور امام محمدؒ نے فرمایا نہیں زائل ہوگی ملکیت یہاں تک کہ وقف کے لئے کسی کو ولی بنائے اور اس کو اس کی طرف سپرد کر دے

تشریح امام محمدؒ کے نزدیک واقف کی ملکیت اس وقت زائل ہوگی جب وقف کے لئے کسی کو ولی بنائے اور وقف اس کو سپرد کر دے تب ملکیت زائل ہوگی۔

حاشیہ : (الف) سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ہوا اس حال میں کہ وہ غیر حاضر تھے۔پس حضورؐ کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول! میری ماں کا انتقال ہوا اور میں غائب تھا۔کیا اگر میں صدقہ کچھ ان کو نفع دے گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! سعد نے فرمایا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ مخراف کا باغ ماں کے لئے صدقہ ہے (ب) عمر بن خطاب نے ثمغ کے صدقے کے بارے میں یوں لکھا۔بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ لکھا اللہ کے بندے عمر نے مقام ثمغ کے بارے میں، پھر حضرت نافع کی حدیث کی طرح بیان کیا (ج) آپؐ نے مسجد بنانے کا حکم دیا تو آپؐ نے فرمایا بنی نجار مجھ سے اس باغ کا بھاؤ کرو۔ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم اس کی قیمت نہیں چاہتے ہیں مگر اللہ سے۔

[۱۵۳۳] (۴) واذا صح الوقف علی اختلافهم خرج من ملک الواقف ولم یدخل فی الموقوف علیه[۱۵۳۴] (۵) ووقف المشاع جائز عند ابی یوسف رحمه الله.

وجہ اوپر کی حدیث میں بنونجار نے حضور کوزمین کا ولی بنایا اور اس کو سپرد کر دیا تب ان کی ملکیت وقف سے ختم ہوئی۔اس لئے ولی بنائے اور اس کے سپرد کرے تب ملکیت ختم ہوگی۔

[۱۵۳۳] (۴) جب وقف صحیح ہو جائے ان کے اختلاف کے موافق تو نکل جائے گا واقف کی ملک سے اور نہیں داخل ہوگا موقوف علیہ کی ملکیت میں۔

تشریح اوپر جو امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف گزرا اس اختلاف کے مطابق وقف صحیح ہو جائے تو یہ ہوگا کہ واقف کی ملکیت سے وقف کی چیز نکل جائے گی۔لیکن جن پر وقف کیا ہے وہ اس کے مالک نہیں ہوں گے۔یہی وجہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی مال وقف بیچنا یا ہبہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتے۔

وجہ وقف کا مطلب یہی ہے کہ واقف کی ملکیت میں نہ رہے۔اس لئے اس کی ملکیت سے نکل جائے گی۔البتہ وہ وقف کی نگرانی کر سکتا ہے۔اور ساتھ ہی مطلب یہ ہے کہ موقوف علیہ اس کے فوائد سے منتفع ہوتا رہے۔یہ نہیں ہے کہ اس کو بیچ دے (۲) حدیث میں ہے۔**عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخیبر فاتی النبی ﷺ یستامره فیها فقال یا رسول الله انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط انفس عندی منه فماتأمرنی به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها قال فتصدق بها عمر انه لا یباع ولا یوهب ولا یورث وتصدق بها فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل الله وابن السبیل والضیف لا جناح علی من ولیها ان یاکل منها بالمعروف ویطعم غیر متمول** (الف) (بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف، کتاب الشروط ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷) اس حدیث میں آپؐ نے یوں فرمایا کہ **حبست اصلها** جس سے اشارہ ملتا ہے کہ اصل کو روک رکھے یعنی موقوف کسی کی ملکیت نہ ہو۔اور آگے جملہ ہے کہ وقف بیچا بھی نہ جائے، ہبہ بھی نہ کیا جائے اور وارث بھی کوئی نہ ہو تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ نہ وہ واقف کی ملکیت رہی نہ موقوف علیہ کی۔ورنہ جس کی ملکیت میں ہو وہ اس کو بیچ سکتا، ہبہ کر سکتا اور اس کے وارث اس کو وراثت میں تقسیم بھی کرتے۔لیکن ایسا نہیں کر سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کی ملکیت میں نہیں رہا۔

[۱۵۳۴] (۵) مشترک کا وقف جائز ہے امام ابویوسفؒ کے نزدیک۔

تشریح کوئی چیز مشترک ہو اور تقسیم ہو سکتی ہو پھر بھی بغیر تقسیم کئے اس کا وقف جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) عمر ابن خطاب نے خیبر میں زمین حاصل کی تو حضورؐ کے پاس مشورہ کے لئے آئے۔پس کہا یا رسول اللہ مجھے خیبر میں زمین ملی ہے، اتنی اچھی زمین کبھی نہیں ملی تھی تو آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اگر چاہو تو اصل کو روک لو اور اس کا نفع صدقہ کر دو۔فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس کو صدقہ کیا اس طرح کہ نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی نہ وارث بنائی جائے گی۔اور نفع فقراء، رشتہ دار، غلام آزاد کرنے، اللہ کے راستے میں، مسافر کے لئے، مہمانوں کے لئے خرچ کیا جائے۔کوئی حرج نہیں ہے اس پر جو نگرانی کرے کہ اس سے مناسب انداز میں کھائے۔اور بغیر مالدار بنائے کھلائے۔

[۱۵۳۵] (۶) وقال محمد رحمه الله لا یجوز[۱۵۳۶] (۷) ولا یتم الوقف عند ابی

وجہ (۱) امام ابو یوسف کے نزدیک وقف پورا ہونے کے لئے موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری نہیں ہے۔صرف کہنے سے وقف ہو جاتا ہے۔اور جب قبضہ دلانا ضروری نہیں تو مشترک چیز کا بھی وقف ہو سکتا ہے (۲) ان کی دلیل اوپر کی حدیث عمر ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں کو مشترکہ طور پر وقف کیا (۳) بنی نجار نے لوگوں کو مشترکہ طور پر مسجد کی زمین وقف کی۔حدیث میں ہے۔**عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا والله لا نطلب ثمنه الا الی الله** (الف) (بخاری شریف، باب اذا وقف جماعة ارضا مشاعا فهو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۱) اس حدیث میں کئی بنو نجار نے مشترکہ طور پر لوگوں پر مسجد کی زمین وقف کی۔جس سے اس کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

نوٹ البتہ اس طرح مسجد اور مقبرے کی زمین وقف کرنا جائز نہیں کہ کچھ حصہ مشترکہ طور پر مسجد کو دے اور کچھ حصہ خود رکھے۔کیونکہ مالک کبھی اپنے مصرف میں استعمال کرے گا اور کبھی مسجد کے لئے ہوگی۔اس طرح مسجد کی توہین ہوگی، نیز مسجد ہونے کے بعد اس کو کسی اور مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔اس طرح مقبرہ میں ایک سال مردہ دفن کیا جائے گا اور دوسرے سال مالک کا حصہ ہونے کی وجہ سے اس کو اصطبل بنائے گا تو یہ ٹھیک نہیں ہے۔اس لئے مالک اور مسجد یا مقبرے دونوں کا مشترکہ حصہ ہو یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی درست نہیں ہے۔

[۱۵۳۵] (۶) امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

تشریح امام محمدؒ کے نزدیک مشترک چیز کا وقف جائز نہیں جب تک کہ اس کو تقسیم نہ کر دے۔

وجہ (۱) ان کے یہاں موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری ہے اور بغیر تقسیم کئے ہوئے پورا قبضہ نہیں ہو سکتا اس لئے تقسیم کرنا ضروری ہے (۲) جس طرح ہبہ اور صدقہ میں تقسیم کر کے قبضہ دینا ضروری ہے (۳) حدیث میں اشارہ ہے۔حضرت ابو طلحہ نے اپنے باغ کو وقف کیا تھا اس کے لئے ایک لمبی حدیث ہے جس کا ٹکڑا یہ ہے۔**انه سمع انس بن مالک یقول کان ابو طلحة اکثر الا نصار بالمدینة مالا من نخل ... قال ابو طلحة افعل ذلک یا رسول الله فقسمها ابو طلحة فی اقاربه وبنی عمه** (ب) (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا ولم یبین الحدود فهو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۶۹) اس حدیث میں ہے کہ ابو طلحہ نے اپنے باغ کو اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں کے درمیان تقسیم کیا۔جس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کرنا ضروری ہے۔

نوٹ جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو جیسے حمام اور پن چکی تو ان کو بغیر تقسیم کئے ہوئے بھی وقف کرنا جائز ہے۔کیونکہ مجبوری ہے۔

[۱۵۳۶] (۷) امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک وقف پورا نہیں ہوگا یہاں تک کہ کر دے اس کا آخر کہ کبھی منقطع نہ ہو۔

تشریح طرفینؒ کے نزدیک وقف اسی وقت پورا ہوگا جبکہ وقف کا مال آخر کار ہمیشہ کے لئے غرباء و مساکین کے لئے ہو جائے۔اور واقف کو

حاشیہ : (الف) آپؐ نے مسجد بنانے کا حکم دیا تو آپؐ نے فرمایا بنی نجار مجھ سے اس باغ کا بھاؤ کرو۔ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم اس کی قیمت نہیں چاہتے ہیں مگر اللہ سے (ب) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ مدینہ میں انصار میں سب سے زیادہ کھجور کے درخت والے تھے...ابو طلحہ نے فرمایا میں یہ کروں گا اے اللہ کے رسول! پس ابو طلحہ نے اپنے رشتہ دار اور چچا زاد بھائیوں میں باغ تقسیم کر دیا۔

حنیفة و محمد رحمهما الله تعالی حتی یجعل آخره بجهة لا تنقطع ابدا[۱۵۳۷] (۸) وقال ابو یوسف رحمه الله اذا سمی فیه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وان لم

اس کی تصریح کرنی ہوگی کہ یہ مال آخر ہمیشہ کے لئے فقراء کے لئے ہی ہوگا اور میرے اور میرے ورثاء کے پاس واپس نہیں آئے گا۔

وجہ حضرت عمر نے مقام ثمغ کی جائداد وقف کی تھی اس میں لکھا تھا کہ اس کا نگران حضرت حفصہ ہوگی۔ اور اس کے بعد اہل رائے ہوں گے اور اس کا فائدہ غرباء و مساکین کو ہمیشہ کے لئے پہنچتا رہے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ اخبرنی لیث عن یحیی بن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب ... والمائة سهم الذی بخیبر ورقیقه الذی فیه والمائة التی اطعمه محمد بالوادی تلیه حفصة ماعاشت ثم یلیه ذو الرأی من اهلها ان لا یباع ولا یشتری ینفقه حیث رأی من السائل والمحروم وذی القربی ولا حرج علی من ولیه ان اکل او اکل او اشتری رقیقا منه (الف) (ابو داؤد شریف، باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ج ثانی ص ۴۲ نمبر ۲۸۷۹ر دار قطنی، کتاب الاحباس ج رابع ص ۱۷۰ نمبر ۴۳۷۹) اس حدیث میں حضرت عمر نے پہلے حفصہ کو وقف کا نگران بنایا پھر اہل رائے کو بنایا اور اس کی تصریح کردی کہ یہ ہمیشہ کے
لئے فقراء اور مساکین کے استفادے کے لئے رہے گا۔ اور بیچا اور خریدا نہیں جائے گا۔

[۱۵۳۷] (۸) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اگر ایسی جہت کا نام لیا جو منقطع ہو جائے گی تب بھی جائز ہے۔ اور اس کے بعد فقراء کے لئے ہو جائے گا اگرچہ اس کا نام نہ لیا ہو۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ واقف کو ہمیشہ کے لئے فقراء کی تصریح کر دینی چاہئے۔ لیکن اس نے فقراء کا نام وقف میں نہیں لیا صرف ایسے لوگوں پر وقف کیا جو کچھ سالوں کے بعد مر جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے، پھر بھی وقف صحیح ہو جائے گا۔ البتہ جن لوگوں کا نام لے کر وقف کیا ہے ان کے مرنے کے بعد لوٹ کر واقف کے ورثہ کی طرف نہیں آئے گا بلکہ خود بخود ہمیشہ کے لئے فقراء کے لئے ہو جائے گا۔

وجہ وقف کا مقصد قربت حاصل کرنا ہے۔ البتہ یہ قربت کبھی مخصوص لوگوں پر وقف کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی ہمیشہ کے لئے فقراء اور مساکین پر وقف کرنے سے ہوتی ہے اس لئے دونوں طرح کے وقف کرنے سے وقف ہوگا۔ البتہ وقف کا مقصد ہمیشہ کے لئے قربت حاصل کرنا ہے اس لئے مخصوص لوگوں کے مرنے کے بعد خود بخود ہمیشہ کے لئے فقراء و مساکین کے لئے ہو جائے گا۔

نوٹ تینوں اماموں کے نزدیک ہمیشہ کے لئے فقراء و مساکین کے لئے ہو جائے گا۔ البتہ طرفین کے نزدیک وقف صحیح ہونے کے لئے اس کا تصریح کرنا ضروری ہے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی تصریح کرنا ضروری نہیں خود بخود مساکین کے لئے ہو جائے گا۔

لغت جہۃ منقطع : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خاص لوگوں پر وقف کیا جس کے مرنے کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) عمر بن خطاب نے فرمایا وہ سو حصے جو خیبر میں ہیں اور غلام جو اس میں ہیں اور وہ حصے جو حضور نے کھانے کے لئے دیئے وادی میں، ان کی نگرانی حضرت حفصہ کرے گی جب تک زندہ رہے گی۔ اس کے بعد اس کے اہل کے اہل رائے نگرانی کریں گے۔ اس طرح کہ نہ وہ بیچی جائے اور نہ خریدی جائے۔ اس کو خرچ کریں سائل اور محروم میں سے جہاں مناسب سمجھیں۔ اور کوئی حرج نہیں کہ جو اس کی نگرانی کرے وہ کھائے یا کھلائے یا اس کے نفع سے غلام خریدے۔

یسمهم [۱۵۳۸] (۹) ویصح وقف العقار ولا یجوز وقف ما ینقل ویحول [۱۵۳۹] (۱۰) وقال ابو یوسف رحمه الله اذا وقف ضیعة ببقرها واکرتها وهم عبیده جاز [۱۵۴۰] (۱۱) وقال محمد رحمه الله یجوز حبس الکراع والسلاح.

[۱۵۳۸] (۹) صحیح ہے زمین کا وقف کرنا اور نہیں جائز ہے ایسی چیز کا وقف کرنا جو منتقل ہوتی ہو اور بدلتی ہو۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین اور غیر منقول چیزوں کا وقف ہوتا ہے۔ اور منقول چیز وقف کرے تو وقف کے بجائے صدقہ ہو جائے گا۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقف کا مطلب یہ ہے کہ اصل چیز موجود رہے اور اس کے نفع سے غرباء فائدہ اٹھاتے رہیں۔ اور غرباء اصل وقف کا مالک نہ بنے۔ اور یہ بات جائداد اور غیر منقول چیزوں میں ہوگی۔ منقول چیزوں کا تو اصل ہی کا غرباء مالک ہو جائیں گے۔ اس لئے وہ وقف نہیں ہوا صدقہ ہو گیا۔

وجہ اوپر کی احادیث میں زمین اور جائداد کے وقف کا تذکرہ ہے۔ اور جو منقول جائداد کے وقف کا تذکرہ حدیث میں ہے وہ اصل میں صدقہ ہے کہ پوری چیز ہی کا مالک بن گیا۔

[۱۵۳۹] (۱۰) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اگر وقف کرے زمین اس کے بیلوں کے ساتھ اور ہلواہوں کے ساتھ، اور وہ ہلواہے اس کے غلام تھے تو جائز ہے۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ زمین کو وقف کرنا اصل ہے لیکن اس کے لوازمات اور تابع چیزیں جتنی ہیں وہ سب چاہے منقول ہوں زمین کے ساتھ ان کو بھی وقف کرے تو جائز ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ بیل اور ہلواہا مستقل طور پر تو وقف نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ منقول چیز ہیں۔ لیکن زمین کے تابع ہو کر وقف ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بعض چیز اصل طور پر جائز نہ ہو لیکن تابع کے طور پر جائز ہو سکتی ہے۔ جیسے پانی سیراب کرنے کا حق اصل طور پر بیچنا جائز نہیں لیکن تابع ہو کر بک سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ تابع ہو کر منقول چیزوں کا وقف جائز ہے۔

لغت ضیعة : کھیتی کی زمین۔ اکرة : کھیت میں کام کرنے والے مزدور، ہلواہا۔

[۱۵۴۰] (۱۱) امام محمدؒ نے فرمایا گھوڑے اور ہتھیار کا وقف جائز ہے۔

وجہ حدیث میں اللہ کے راستے میں گھوڑے اور ہتھیار کے وقف کرنے کا تذکرہ موجود ہے (۲) **عن ابی هریرة قال امر رسول الله بصدقة فقیل منع ابن جمیل وخالد بن ولید والعباس بن عبد المطلب فقال النبی ما ینقم ابن جمیل الا انه کان فقیرا فاغناه الله ورسوله واما خالد فانکم تظلمون خالدا قد احتبس ادراعه واعتده فی سبیل الله (الف)** (بخاری شریف،

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے صدقے کا حکم دیا تو کہا گیا کہ ابن جمیل، خالد بن ولید اور عباس بن عبد المطلب نے منع کر دیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا ابن جمیل کو غرور نہیں ہے مگر یہ وہ فقیر تھا مگر اللہ اور اس کے رسول نے اس کو مالدار بنا دیا۔ بہر حال خالد تو تم نے اس پر ظلم کیا۔ انہوں نے اپنا زرہ اور ہتھیار اللہ کے راستے میں وقف کر دیا۔

[۱۵۴۱] (۱۲) واذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه.

باب قول اللہ وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ، کتاب الزکوۃ ص ۱۹۸ نمبر ۱۴۶۸/مسلم شریف، باب تقدیم الزکوۃ ومنعھا ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۳) اس حدیث میں حضرت خالد نے ہتھیار کو اللہ کے راستے میں وقف کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہتھیار اللہ کے راستے میں وقف کرنا جائز ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمر نے گھوڑا اللہ کے راستے میں وقف کیا۔ ان عمر حمل علی فرس له فی سبیل الله اعطاها رسول الله فحمل علیها رجلا فاخبر عمر انه وقفها یبیعها فسأل رسول الله ان یبتاعها فقال لا تبتاعها ولا ترجعن فی صدقتک (الف) (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس حدیث میں گھوڑا وقف کیا گیا ہے۔

نوٹ امام محمد فرماتے ہیں جن چیزوں کے وقف کرنے کا لوگوں میں رواج ہو جائے ان کا وقف کرنا بھی جائز ہوگا۔

وجہ لوگوں کے تعامل سے بھی وقف کا جواز ہوگا۔ مثلا قرآن کریم لوگ مسجدوں میں وقف کرتے ہیں، کلھاڑی، جنازہ کی چارپائی لوگ وقف کرتے ہیں اس لئے اس کا وقف کرنا بھی جائز ہے (۲) حدیث میں ہے کہ اونٹ وقف کیا گیا ہے۔ عن ابن عباس قال اراد رسول الله الحج ... فقلت ما عندی ما احجک علیه قالت احجنی علی جملک فلان فقلت ذاک حبیس فی سبیل الله عزوجل قال اما انک لو احججتها علیه کان فی سبیل الله (ب) (ابوداؤد شریف، باب العمرۃ ص ۲۷۹ نمبر ۱۹۹۰) اس حدیث سے اونٹ کے وقف کرنے کا جواز معلوم ہوا (۳) حضرت زہری کے قول سے دوسری چیزوں کے وقف کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ وقال الزهری فیمن جعل الف دینار فی سبیل الله ودفعها الی غلام له تاجر یتجر بها وجعل ربحه صدقة للمساکین والاقربین (ج) (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس قول سے معلوم ہوا کہ درہم اور دینار بھی وقف کر سکتا ہے کہ اس سے تجارت کر کے جو نفع آئے وہ مساکین کے لئے وقف ہو۔

لغت کراع : گھوڑے۔ حبس : روکنا، وقف کرنا۔

[۱۵۴۱] (۱۲) جب وقف صحیح ہو جائے تو اس کا بیچنا صحیح نہیں اور نہ کسی کو اس کا مالک بنانا۔

تشریح وقف مکمل ہونے کے بعد اب وقف کی جائداد کا کسی کو نہ مالک بنایا جا سکتا ہے نہ اس کو بیچ سکتا ہے۔

وجہ پہلے حضرت عمر کی حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ تھا کہ فقال النبی ﷺ تصدق باصله لایباع ولا یوهب ولا یورث ولکن

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے گھوڑے کو اللہ کے راستے میں وقف کیا جس کو حضورؐ نے دیا تھا۔ پس حضرت عمرؓ نے خبر دی کہ اس کے وقف کا مال فروخت ہو رہا ہے، پس حضور کو پوچھا کہ کیا اس کو خرید لوں، پس آپؐ نے کہا اس کو مت خریدو اور اپنے صدقے کو واپس مت لو (ب) حضورؐ نے حج کا ارادہ کیا... میں نے کہا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے جس پر حج کروں۔ آپؐ نے فرمایا اپنے فلاں اونٹ پر حج کرو۔ میں نے کہا وہ اللہ کے راستے میں وقف ہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس پر حج کرو تو وہ بھی اللہ کے راستے میں ہی ہے (ج) اس کے بارے میں جو ہزار دینار اللہ کے راستے میں دیا اور اس کو ایک غلام دیا تا کہ اس سے تجارت کرے اور اس کا نفع مسکینوں اور رشتہ داروں کے لئے صدقہ ہو۔

[۱۵۴۲] (۱۳) الا ان یکون مشاعا عند ابی یوسف رحمه الله فیطلب الشریک القسمة فتصح مقاسمته[۱۵۴۳] (۱۴) والواجب ان یبتدئ من ارتفاع الوقف بعمارته شرط ذلک الواقف او لم یشترط.

ینفق ثمرہ (الف) (بخاری شریف، باب وماللوصی ان یعمل فی مال الیتیم ومایأ کل منه بقدر عمالته ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۶۴) جس سے معلوم ہوا کہ وقف مال کو نہ بیچا جاسکتا ہے نہ وارث بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے۔

[۱۵۴۲] (۱۳) مگر یہ کہ مشترک ہو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور شریک طلب کرے تقسیم کرنے کو تو صحیح ہے اس کو تقسیم کرنا۔

تشریح امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مشترک جائداد وقف ہو سکتی ہے اس لئے اگر وہ مشترک ہو اور شریک اس کی تقسیم چاہتا ہو تو تقسیم کرنا جائز ہے۔

وجہ یہ اس کا اپنا حق ہے اور یہ بدلہ نہیں ہے بلکہ اپنے حصے کو الگ کرانا ہے اس لئے جائز ہوگا۔

[۱۵۴۳] (۱۴) واجب ہے کہ شروع کرے وقف کے منافع سے اس کی مرمت، واقف نے شرط لگائی ہو اس کی یا نہ لگائی ہو۔

تشریح وقف کرنے والے نے چاہے یہ شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو کہ اس جائداد کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کی جائے گی۔ پھر بھی وقف کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کرنا ضروری ہے۔

وجہ واقف کا مقصد ہے کہ وقف کی چیز ہمیشہ رہے۔ اور یہ اسی شکل میں ممکن ہے جب وقف کے ٹوٹ پھوٹ کو مرمت کرتا رہے ورنہ وہ جلدی ختم ہو جائے گا۔ اس لئے وقف کے منافع سے پہلے مرمت کا کام کرنا ضروری ہے (۲) حضرت عمر کے وقف کرنے کی لمبی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ عن ابن عمر ... لا جناح علی من ولیها ان یاکل منها بالمعروف او یطعم صدیقا غیر متمول (ب) (بخاری شریف، باب الوقف کیف یکتب ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۲) اس حدیث میں ہے کہ نگراں مناسب انداز سے کھا سکتا ہے کیونکہ وہ کام کرتا ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے نفع سے مرمت بھی کرائے گا (۳) حضورؐ کے چھوڑے ہوئے وراثت کے سلسلے میں حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ لا تقتسم ورثتی دینارا ولا درهما ما ترکت بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة (ج) (بخاری شریف، باب نفقة القیم للوقف ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۶) اس حدیث میں ہے کہ میرے کام کرنے والے کے خرچ کے بعد صدقہ ہے تو معلوم ہوا کہ وقف پر کام کرنے والے کا خرچ نفع میں سے نکالا جائے گا تو اس پر قیاس کرتے ہوئے مرمت کا خرچ بھی نفع سے نکالا جائے گا ورنہ تو وقف ہمیشہ نہیں رہ سکے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اصل کو صدقہ کردے اس طرح کہ اس کو بیچا نہ جائے، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ وارث بنایا جائے لیکن اس کے پھلوں کو خرچ کیا جائے (ب) ابن عمر سے روایت ہے کہ... حرج کی بات نہیں ہے اس پر جو نگران بنے یہ کہ کھائے مناسب انداز سے یا بغیر مالدار بنائے دوستوں کو کھلائے۔ (ج) میری وراثت کے درہم اور دینار تقسیم نہ کرنا جو کچھ میری بیوی کے نفقے اور نگران کے خرچ کے بعد چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

[۱۵۴۴](۱۵) واذا وقف دارا علی سکنی ولده فالعمارة علی من له السکنی[۱۵۴۵] (۱۶) فان امتنع من ذلک او کان فقیرا آجرها الحاکم وعمرها باجرتها فاذا عمرت ردها الی من له السکنی[۱۵۴۶] (۱۷) وما انهدم من بناء الوقف آلته صرفه الحاکم فی

[۱۵۴۴] (۱۵) اگر وقف کیا گھر اپنی اولاد کی رہائش کے لئے تو مرمت کرنا اس پر ہے جس کے لئے رہائش ہے۔

تشریح کسی مخصوص آدمی کی رہائش کے لئے گھر وقف کیا تو گھر کا کرایہ وغیرہ تو نہیں آئے گا اس لئے اس گھر کی مرمت کی ذمہ داری رہنے والے کے اوپر ہے۔ وہ اپنی آمدنی سے اس کی مرمت کروائے۔

وجہ جب وہ رہ رہا ہے تو الخراج بالضمان کے تحت اس پر ہی مرمت کی ذمہ داری ہوگی (۲) جس طرح خدمت کا غلام ہو تو اس غلام کا کھانا خرچ خدمت کرانے والے پر ہوتا ہے اسی طرح گھر کی مرمت رہنے والے پر ہوگی۔ اور رشتہ داروں پر گھر وقف کرنے کی حدیث یہ ہے۔ سمع انس بن مالک ... قال ابو طلحة افعل ذلک یا رسول اللہ ! فقسمها ابو طلحة فی اقاربه وبنی عمه (الف) (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا ولم یبین الحدود فهو جائز وکذلک الصدقة ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کے لئے بھی وقف کر سکتا ہے۔

لغت سکنی : رہائش۔

[۱۵۴۵] (۱۶) اگر مرمت کرنے سے رک جائے یا فقیر ہو تو اجرت پر دے گا اس کو حاکم اور اس کی مرمت کرائے گا اس کی اجرت سے، پس جب مرمت ہو گئی تو اس کو واپس کر دے اس کی طرف جس کی رہائش ہے۔

تشریح جس کو رہنے کے لئے دیا ہے وہ مرمت نہیں کرا رہا ہے۔ یا فقیر ہے جس کی وجہ سے مرمت کرانا مشکل ہے تو اس کی صورت یہ کی جائے گی کہ اس مکان کو دوسرے کو کرائے پر حاکم دے گا اور کرایہ سے اس کی مرمت کرائے گا، پس جب مرمت کرا کر پہلی حالت پر مکان آ جائے تو دوبارہ اس مکان کو اس فقیر کو دے دیگا جس پر واقف نے وقف کیا تھا۔

وجہ رہنے والا آدمی مرمت نہیں کرا رہا ہے اور اس کی مرمت کرانا بھی ضروری ہے تو یہی شکل نکل سکتی ہے کہ دوسروں کو کرایہ پر دیدے اور اس سے جو آمدنی آئے اس سے مرمت کرائے۔ اور مرمت کرانے کے بعد کرایہ پر دینے کی ضرورت نہیں رہی اور موقوف علیہ کا حق مقدم ہے اس لئے دوبارہ اس کو واپس کر دیا جائے گا۔

لغت آجر : اجرت پر دینا۔

[۱۵۴۶] (۱۷) جو کچھ گر جائے وقف کی عمارت سے اور اس کے آلے سے تو حاکم اس کو صرف کرے گا وقف کی مرمت کرانے میں اگر اس کی ضرورت ہو۔ اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو رکھ لے یہاں تک کہ اس کی مرمت کی ضرورت ہو تا کہ اس میں اس کو صرف کرے۔ اور نہیں جائز

حاشیہ : (الف) ابو طلحہ نے فرمایا یہ کروں گا یا رسول اللہ! پس ابو طلحہ نے باغ کو اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

عمارة الوقف ان احتاج اليه و ان استغنى عنه امسكه حتى يحتاج الى عمارته فيصرفه فيها

ہے کہ اس کو وقف کے مستحقوں کے درمیان تقسیم کرے۔

تشریح اگر وقف کی عمارت سے اینٹ، لکڑی وغیرہ گر کر الگ ہو جائے تو ان کو اسی وقف کی مرمت میں استعمال کرے۔ اور اگر ابھی استعمال کی ضرورت نہ ہو تو اس کو رکھے رہے تا کہ جب اس کی ضرورت ہو اس وقت یہ گری ہوئی چیزیں استعمال کرے، تاہم وقف کے مستحقین کے درمیان اس کو تقسیم نہ کرے۔

وجہ مستحقوں کا حق نفع میں ہے، عین شیء میں نہیں ہے۔ اور یہ عین شیء ہے اس لئے اس کو ان کے درمیان تقسیم نہ کرے۔ اور گری ہوئی چیز کو برباد بھی نہیں کر سکتے اس لئے اس کو ضرورت کے موقع کے لئے محفوظ رکھے (۲) احادیث میں ہے کعبہ کے باقی ماندہ چیزوں کو مستحقین کے درمیان تقسیم نہیں کیا بلکہ اس کی مرمت کے لئے محفوظ رکھا۔ **عن ابی وائل قال جلست الی شیبة فی هذا المسجد قال جلس الیّ عمر فی مجلسک هذا فقال هممت ان لا ادع فیها صفراء و لا بیضاء الا قسمتها بین المسلمین قلت ما انت بفاعل قال لم قلت لم یفعله صاحباک قال هما المرآن یقتدی بهما** (الف) (بخاری شریف، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ ص ۱۰۸۰ نمبر ۷۲۷۵، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة) اس حدیث میں کعبہ کا ہدیہ جو وقف میں سے تھا لوگوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ وقف کی عمارت سے گری ہوئی لکڑی وغیرہ بھی مستحقین کے درمیان تقسیم نہیں کرے گا (۳) **دخل شیبة بن عثمان الحجبی علی عائشة فقال یا ام المؤمنین ان ثیاب الکعبة تجتمع علینا فتکثر فنعمد الی ابار فنحتفرها فنعمقها ثم ندفن ثیاب الکعبة فیها کیلا یلبسها الجنب و الحائض فقالت له عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثیاب الکعبة اذا نزعت منها لم یضرها ان یلبسها الجنب و الحائض ولکن بعها و اجعل ثمنها فی المساکین وفی سبیل الله قالت فکان شیبة بعد ذلک یرسل بها الی الیمن فتباع هناک ثم یجعل ثمنها فی المساکین وفی سبیل الله و ابن السبیل** (ب) سنن للبیہقی، باب ماجاء فی مال الکعبة وکسوتها، ج خامس، ص ۲۶۰، نمبر ۹۷۳۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقف کا وہ مال جو کسی کام کا نہ ہو اس کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابی وائل فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیبہ کے پاس اس مسجد میں بیٹھا۔ کہا کہ حضرت عمر آپ ہی کی طرح بیٹھے۔ پس انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں کوئی سونا اور چاندی کعبہ میں نہ چھوڑوں مگر اس کو مسلمان میں تقسیم کر دوں۔ تو میں نے کہا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں تقسیم نہیں کر سکتے؟ حضرت شیبہ نے کہا آپ کے دونوں ساتھی یعنی حضورؐ اور ابو بکر نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت عمر کہنے لگے وہی دونوں مقتدا ہیں (ب) حضرت شیبہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور کہا ام المؤمنین! کعبہ کے کپڑے جمع ہو جاتے ہیں اور بہت ہو جاتے ہیں، پس میں بہت بڑا گڈھا کھودتا ہوں پھر اس میں کعبہ کے کپڑے دفن کر دیتا ہوں تا کہ اس کو جنبی اور حائضہ نہ پہنے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا تم نے اچھا نہیں کیا، برا کیا۔ کیونکہ کعبہ کا کپڑا جب نکال دیا جائے تو کوئی نقصان نہیں کہ اس کو جنبی اور حائضہ پہنے۔ لیکن اس کو بیچو اور اس کی قیمت مساکین میں تقسیم کر دو۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضرت شیبہ ان کپڑوں کو یمن بھیجتے۔ وہاں اس کو بیچا جاتا پھر اس کی قیمت مسکینوں اور اللہ کے راستے مین خرچ کرتے۔

ولا یجوز ان یقسمه بین مستحقی الوقف[١٥٤٧] (١٨) واذا جعل الواقف غلة الوقف

[١٥٤٧] (١٨) اگر وقف کرنے والا وقف کی آمدنی اپنے لئے کرلے یا اس کی نگرانی اپنے لئے کرلے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

تشریح واقف نے وقف تو کیا لیکن یہ بھی شرط لگائی کہ اس کی کچھ آمدنی میں بھی استعمال میں لاؤں گا تو یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔اسی طرح اس نے یہ شرط لگائی کہ اس کی ولایت میں کروں گا اور مین خود اس کا نگران ہوں گا تو یہ بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔**عن انس ان النبی ﷺ رأی رجلا یسوق بدنة فقال له ارکبها فقال یا رسول الله انها بدنةفقال فی الثالثة او فی الرابعة ویلک او ویحک** (الف) (بخاری شریف، باب ہل ینتفع الواقف بوقفہ ص ٣٨٥ نمبر ٢٧٥٤) اس حدیث میں وقف کے اونٹ پر مالک کو سوار ہونے کی ترغیب دی جس سے معلوم ہوا کہ وقف کے مال کو خود بھی استعمال کر سکتا ہے (٢) **فقال رسول الله ﷺ من یشتریها من خالص ماله فیکون دلوه فیها کدلاء المسلمین وله خیر منها فی الجنة** (ب) (دار قطنی ، باب وقف المساجد والسقایات ج رابع ص ١٢٣ نمبر ٤٣٩٤ بخاری شریف ، باب اذا وقف ارضا او بئرا او اشتری لنفسہ مثل دلاء المسلمین ص ٣٨٩ نمبر ٢٧٧٨) اس حدیث میں کہا کہ کنواں خریدے اور خریدنے والا بھی عام مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ ڈول نکالے جس سے معلوم ہوا کہ وقف کرنے والا وقف کے مال کو استعمال کر سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وقف کی نگرانی اپنے ذمے لے تو لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لے سکتا ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔**اخبرنی غیر واحد من آل عمر وآل علی ان عمر ولی صدقته حتی مات وجعلها بعده الی حفصة وان علیا ولی صدقته حتی مات وولیها بعده حسن بن علی وان فاطمة بنت رسول الله ولیت صدقتها حتی ماتت وبلغنی عن غیر واحد من الانصار انه ولی صدقته حتی مات قال فی القدیم وولی الزبیر صدقته حتی قبضه الله وولی عمر بن العاص صدقته حتی قبضه الله وولی المسور بن مخرمة صدقته حتی قبضه الله** (ج) (سنن للبیہقی ، باب جواز الصدقۃ المحرمۃ وان لم تقبض ، ج سادس ، ص ٢٦٧ ، نمبر ١١٩٠٢) اس اثر میں اتنے سارے صحابہ نے اپنے وقف کی نگرانی خود کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وقف کا اونٹ ہانک رہا ہے تو آپؐ نے اس سے کہا سوار ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ بدنہ ہے۔ آپؐ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ میں کہا تیرا ناس ہو یعنی ویلک یا ویحک کہا (ب) آپؐ نے فرمایا کون خریدے گا اپنے خالص مال سے؟ تاکہ اس کا ڈول اس کنواں میں مسلمان کے ڈول کی طرح ہو جائے۔ اور اس کو جنت میں اس سے بہتر بدلہ ملے (ج) آل عمر اور آل علی کے بہت سے لوگوں نے خبر دی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے صدقے کی نگرانی موت تک کی اور اس کے بعد حفصہ کے لئے کیا۔ اور حضرت علی نے اپنے صدقے کی نگرانی کی موت تک۔ اس کے بعد حسن بن علی نے نگرانی کی۔ اور فاطمہ نے اپنے صدقے کی نگرانی کی۔ اور انصار کے بہت سے لوگوں سے خبر ملی ہے کہ انہوں نے موت تک صدقے کی نگرانی کی۔ حضرت زبیر نے موت تک صدقے کی نگرانی کی۔ عمرو بن عاص نے موت تک اپنے صدقے کی نگرانی کی۔ مسور بن مخرمہ نے موت تک اپنے صدقہ کی نگرانی کی۔

لنفسه او جعل الولاية اليه جاز عند ابی یوسف رحمه الله وقال محمد لا يجوز[۱۵۴۸] (۱۹) واذا بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن للناس بالصلوة فيه فاذا صلى فيه واحد زال ملكه عنه عند ابی حنيفة رحمه الله [۱۵۴۹] (۲۰) وقال ابو یوسف یزول ملکه عنه بقوله جعلت مسجدا[۱۵۵۰] (۲۱) ومن بنى سقاية

ہیں۔اس لئے خود وقف کی نگرانی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف اپنے استعمال کے لئے شرط لگائے تو نہیں لگا سکتا۔

وجہ وقف کے بعد یہ مال اللہ کا ہو گیا اس لئے اب اپنے استعمال کرنے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے (۲) حدیث میں صدقہ کو واپس کرنے سے منع کیا ہے۔اور وقف کا مال ایک قسم کا صدقہ ہے اس لئے اس کو دوبارہ استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔حدیث میں ہے۔ان عمر حمل علی فرس له فی سبیل الله اعطاها رسول الله فحمل عليها رجلا فاخبر عمر انه قد وقفها يبيعها فسأل رسول الله ان يبتاعها فقال لا تبتاعها ولا ترجعن فی صدقتک (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس حدیث میں صدقہ واپس کرنے سے حضورؐ نے منع فرمایا۔اس لئے وقف کو خود استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔اور خود نگرانی کی شرط اس لئے نہیں کر سکتا کہ امام محمدؒ کے نزدیک وقف کے مال کو کسی دوسرے نگران اور ولی کو سپرد کرنا ضروری ہے۔اس لئے خود نگرانی کرنے کی شرط نہیں لگا سکتا۔

[۱۵۴۸] (۱۹) اگر کسی نے مسجد بنائی تو اس کی ملک زائل نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس کو اپنی ملکیت سے الگ کر دے اس کے راستے کے ساتھ اور لوگوں کو اجازت دے اس میں نماز پڑھنے کی، پس اس میں ایک آدمی نے نماز پڑھی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی ملکیت زائل ہو گئی

تشریح مسجد بنا کر اس کو باضابطہ اپنی ملکیت سے الگ کرے اور اس میں آنے کا راستہ بھی دے اور سپرد کرنے کے لئے کم از کم ایک آدمی اس میں نماز پڑھے تب مسجد کا وقف مکمل ہوگا۔

وجہ ان کے یہاں ولی کو سپرد کرنا ضروری ہے اور یہاں کوئی مخصوص ولی نہیں ہے اس لئے ملکیت سے الگ کر کے ایک آدمی کا نماز پڑھوانا کافی ہوگا۔

لغت یفرزہ : ملکیت سے علیحدہ کرنا۔

[۱۵۴۹] (۲۰) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اس کی ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی اس کے کہنے سے کہ میں نے مسجد بنا دی۔

تشریح امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی ولی کو سپرد کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے مسجد بنا دی اس سے وقف مکمل ہو جائے گا۔

[۱۵۵۰] (۲۱) کسی نے پینے کی سبیل بنائی مسلمانوں کے لئے یا سرائے بنائی مسافروں کے لئے یا مسافر خانہ بنایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنایا تو

للمسلمين او خانا يسكنه بنو السبيل او رباطا او جعل ارضه مقبرة لم يزل ملكه عن ذلک عند ابی حنيفة رحمه الله حتی يحکم به حاکم وقال ابو يوسف رحمه الله يزول ملكه بالقول وقال محمد اذا استقی الناس من السقاية وسكنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرة زال الملک.

زائل نہیں ہوگی اس کی ملک امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہاں تک کہ حاکم اس کا فیصلہ کردے۔اور کہا امام ابو یوسفؒ نے صرف اس کے کہنے سے ملک زائل ہو جائے گی۔اور امام محمدؒ نے فرمایا اگر کوئی آدمی پیاؤ سے پانی پی لے اور سرائے خانے اور مسافر خانے میں ٹھہر جائے اور قبرستان میں دفن کرنے لگیں تو ملک زائل ہو جائے گی۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسافر خانہ وغیرہ کو وقف کے لئے فیصلہ کرنے کے بعد وقف ہوگا۔اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف کہنے سے وقف ہوگا۔اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو کوئی مسافر یا مسکین استعمال کرلے تو وقف مکمل ہوگا۔

اصول امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ہو تب وقف مکمل ہوگا۔امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ صرف کہہ دینے سے کہ وقف کیا اس سے وقف ہو جائے گا۔اور امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ کہنے بعد جس پر وقف کیا وہ قبضہ کرے مثلا مسافر خانہ میں مسافر رہے یا سبیل سے پانی پی لے تب وقف مکمل ہوگا۔

﴿ کتاب الغصب ﴾

[۱۵۵۱](۱)ومن غصب شيئا مما له مثل فهلك في يده فعليه ضمان مثله وان كان مما

ضروری نوٹ غصب کے معنی ہیں زبردستی کسی کے مال کو لے لینا، یہ حرام ہے۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے ولا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل (الف) (آیت ۱۸۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ کسی کے مال کو باطل طریقے سے مت کھاؤ۔اس میں غصب بھی شامل ہے (۲) حدیث میں ہے عن يزيد انه سمع النبي ﷺ من ايأخذ احدكم متاع اخيه لاعبا و لا جادا ... و من اخذ عصا اخيه فليردها (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما یأ خذ الشیء من مزاح، کتاب الادب ج ثانی ص ۳۳۵ نمبر ۵۰۰۳ /ترمذی شریف، باب ماجاء لا یحل لمسلم ان یروع مسلما ج ثانی ص ۳۹ نمبر ۲۱۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو کسی کی چیز غصب نہیں کرنا چاہئے۔اور اگر کر لیا تو اس کو واپس دینا چاہئے۔

[۱۵۵۱](۱) اگر کسی نے غصب کیا کسی چیز کو جس کا مثل ہے، پس ہلاک ہوگئی اس کے ہاتھ میں تو اس پر اس کے مثل ضمان ہے۔اور اگر اس میں سے ہے جس کا مثل نہ ہو تو اس پر اس کی قیمت ہے۔

تشریح اگر کسی نے کسی چیز کو غصب کیا تو یہ حرام ہے۔تاہم اس کو وہی چیز واپس کر دینا چاہئے۔اور اگر وہ چیز ہلاک ہوگئی تو اگر اس کا مثل ہے تو اس کا مثل واپس کرنا چاہئے۔مثلا ایک کوئنٹل گیہوں غصب کیا اور وہ ہلاک ہوگیا تو یہ مثلی چیز ہے اس لئے ایک کوئنٹل گیہوں واپس کر دے۔اور اگر وہ چیز مثلی نہ ہو مثلا گائے غصب کی اور وہ ہلاک ہوگئی تو اب گائے کی قیمت واپس کرے گا۔کیونکہ گائے کا مثل گائے نہیں ہوتی۔وہ ذوات القیم ہے اس لئے اس کی قیمت لازم ہوگی۔

دلائل : عین مغصوب کو واپس کرنے کی دلیل اوپر کی حدیث ہے۔ومن اخذ عصا اخيه فليردها (ابوداؤد شریف، نمبر ۵۰۰۳) کہ کسی نے بھائی کی لاٹھی غصب کی تو وہی چیز واپس کرنی چاہئے (۲) دوسری حدیث میں ہے عن سمرة بن جندب قال قال النبي ﷺ على اليد ما اخذت حتى تؤديه (ج) (سنن للبیہقی، باب رد المغصوب اذا کان باقیا، ج سادس، ص ۱۵۸، نمبر ۱۱۵۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عین چیز موجود ہو تو اس کو واپس کرنا چاہئے۔

اور چیز مثلی ہو تو مثل واپس کرنے کی دلیل یہ آیت ہے۔ فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم (د) (آیت ۱۹۴ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جتنا ظلم کیا گیا ہو اتنا تم کر سکتے ہو۔اسی پر قیاس کر کے جتنا غصب کر کے ہلاک کیا ہو اس کے مثل دینا واجب ہوگا۔حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے پیالہ توڑا تو حضورؐ نے اس کے مثل پیالہ مالک کو دیا۔حدیث یہ ہے عن انس ان النبي ﷺ كان عند بعض نسائه فارسلت احدى امهات المؤمنين مع خادم بقصعة فيها طعام فضربت بيدها فكسرت

حاشیہ : (الف) تمہارے مال آپس میں باطل طریقے پر مت کھاؤ (ب) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھائی کا سامان مذاق کے طور پر یا حقیقت کے طور پر نہ لے ...اور جس نے اپنے بھائی کی لاٹھی کو لیا اس کو اسے واپس کرنا چاہئے (ج) آپؐ نے فرمایا جو کچھ لیا وہ تمہارے ہاتھ پر ہے یہاں تک کہ اس کو ادا کر دو (د) جس نے تم پر ظلم کیا تو تم اسی کے مثل ظلم کرو یعنی بدلہ لو جتنا تم پر ظلم کیا۔

لا مثل له فعليه قيمته[۱۵۵۲](۲) وعلى الغاصب رد العين المغصوبة[۱۵۵۳](۳) فان ادعى هلاكها حبسه الحاكم حتى يعلم انها لو كانت باقية لاظهرها ثم قضى عليه

القصعة فضمها وجعل فيها الطعام وقال كلوا وحبس الرسول والقصعة حتى فرغوا فدفع القصعة الصحيحة وحبس المكسورة (الف) (بخاری شریف، باب اذا کسر قصعة او شیئا لغیرہ ص ۳۳۷ نمبر ۲۴۸۱) اس حدیث میں پیالے کے مثل حضورؐ نے پیالہ دیا جس سے مثل دینا واجب ہوا۔

اور اگر مغصوب چیز کا مثل نہ ہو تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

وجہ جب مثل نہیں ہے تو آخر قیمت دے کر ہی مکافات کی جائے (۲) قیمت دینے کا ثبوت اس حدیث میں ہے عن ابی هريرة عن النبی علیہ السلام قال من اعتق شقيصا من مملوكه فعليه خلاصه فی ماله فان لم يكن له مال قوم المملوك قيمة عدل ثم استسعى غير مشقوق عليه (ب) (بخاری شریف، باب تقویم الاشیاء بین الشرکاء بقیمۃ عدل، ص ۳۳۹ نمبر ۲۴۹۲، کتاب الشرکۃ) اس حدیث میں غلام کی قیمت لگا کر فیصلہ کیا گیا ہے جس سے مغصوب چیز کی قیمت دینے کا ثبوت ہوا۔

[۱۵۵۲] (۲) اور غاصب پر مغصوب چیز کے عین کو واپس کرنا واجب ہے۔

تشریح عین مغصوب موجود ہو تو عین مغصوب کو واپس کرنا واجب ہے۔

وجہ اس لئے کہ وہی چیز مالک سے غصب کی ہے اس لئے اسی کو واپس کرنا ضروری ہے۔ اس کا مثل یا اس کی قیمت کو واپس کرنا تو مجبوری کے درجے میں ہے (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے جس میں عین چیز کو واپس کرنے کا حکم تھا۔ فمن اخذ عصا اخيه فليردها اليه (ترمذی شریف، نمبر ۲۱۶۰ رابوداؤد شریف، نمبر ۵۰۰۳)

[۱۵۵۳] (۳) اگر غاصب نے دعوی کیا مغصوب چیز کے ہلاک ہونے کا تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ اگر وہ باقی ہوتی تو ضرور ظاہر کر دیتا پھر اس پر فیصلہ کیا جائے گا اس کے بدلے کا۔

تشریح غاصب یہ دعوی کرتا ہے کہ مغصوب چیز ہلاک ہو گئی تو حاکم فوری طور پر اس کی بات نہ مانے بلکہ اس پر علامت طلب کرے اور وہ نہ ہو تو اس کو قید کرے۔ اور اتنی دیر قید میں رکھے کہ اگر واقعی وہ چیز غاصب کے پاس موجود ہوتی تو وہ اس کو ظاہر کر دیتا۔ لیکن ابھی تک ظاہر نہیں کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز واقعی ہلاک ہو گئی ہے۔ اب اس کے مثل یا قیمت کا حاکم فیصلہ کرے۔

وجہ عین چیز واپس کرنا اصل ہے اس لئے اس کو ظاہر کرنے اور واپس دلوانے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

حاشیہ : (الف) آپ بعض بیوی کے پاس تھے (حضرت عائشہؓ کے پاس) ام المومنین میں سے کسی ایک نے خادم کے ساتھ پیالہ بھیجا اس میں کھانا تھا۔ پس اس کے ہاتھ کو مارا پس پیالہ ٹوٹ گیا۔ پس آپ نے اس کو ملایا اور اس میں کھانا رکھا اور آپ نے فرمایا کھاؤ۔ اور حضورؐ نے قاصد اور پیالے کو روکے رکھا یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہو گئے پھر صحیح پیالہ دیا اور ٹوٹے ہوئے پیالے کو رکھ لیا (ب) کسی نے غلام کے حصے کو آزاد کیا تو اس پر اپنا مال دیکر چھڑانا لازم ہے۔ پس اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی قیمت عدل لگائی جائے گی۔ پھر غلام پر مشقت نہ ہو اس طرح اس سے سعی کرائی جائے گی۔

ببدلها[۱۵۵۴] (۴)والغصب فيما ينقل ويحول[۱۵۵۵] (۵) واذا غصب عقارا فهلك في يده لم يضمنه عند ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله وقال محمد يضمنه.

اصول: حقیقت حال کو ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

لغت: حبس: کسی چیز کو ظاہر کرنے کے لئے جو وقتی طور پر قید کرتے ہیں اس کو حبس کہتے ہیں۔

[۱۵۵۴] (۴) اور غصب ہے اس چیز میں جو منقول ہوتی ہو اور تبدیل ہوتی ہو۔

تشریح: جو چیز منتقل ہوتی ہو وہ غصب ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور جائداد جو منتقل نہیں ہو سکتی اس پر کوئی غصب کرے تو اس کو غصب شمار نہیں کیا جائے گا۔

وجہ: اس پر مکمل قبضہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کو منتقل کر کے اپنی ملکیت میں کر سکتا ہے۔ جبکہ زمین اور جائداد کو منتقل کر کے کہاں لے جا سکے گا؟ اس لئے اس پر غصب کا اطلاق نہیں ہوگا۔

[۱۵۵۵] (۵) اور اگر زمین غصب کی اور اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو گئی تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا اور امام محمد نے فرمایا ضامن ہوگا۔

تشریح: امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک زمین پر قبضہ کرنے سے غصب کا اطلاق نہیں ہوتا ہے اس لئے اگر زمین ہلاک ہو جائے تو غاصب پر ضمان نہیں ہے۔

وجہ: زمین کو اٹھا کر کہاں لے جائے گا؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ زمین کو نقصان دے گا اور اس کو خراب کرے گا۔ یا مکان ہے تو اس کو خراب کرے گا۔ تو اس نقصان کا ضمان غاصب پر لازم ہو جائے گا لیکن غصب کا اطلاق اس پر نہیں ہوگا (۲) ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن سعید بن زید عن النبی ﷺ قال من احیا ارضا میتة فھی له ولیس لعرق ظالم حق** (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی احیاء الموات ص نمبر ۳۰۷، ترمذی شریف، باب ما ذکر فی احیاء ارض الموات ص نمبر ۱۳۷۸) اس میں عرق ظالم کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی زمین غصب کر کے اس میں پودا بو دیا تو اس کو کوئی حق نہیں ملے گا یعنی غصب شمار نہیں ہوگا۔

فائدہ: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ زمین پر بھی غصب کرے تو اس پر غصب کا اطلاق ہوتا ہے۔

وجہ: کیونکہ اس کے قبضے کے بعد مالک بے دخلی ہو جاتا ہے۔ اور اسی بے دخل کا نام غصب ہے۔ چاہے اس کو منتقل کر کے دوسری جگہ نہ لے جا سکتا ہو (۲) حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ زمین پر قبضہ کرنے سے غصب کا اطلاق ہوگا۔ حدیث یہ ہے **عن سالم عن ابیه انه قال قال النبی ﷺ من اخذ من الارض شیئا بغیر حقه خسف به یوم القیامة الی سبع ارضین** (ب) (بخاری شریف، باب اثم من ظلم شیئا من الارض ص نمبر ۴۵۴، مسلم شریف، باب تحریم الظلم وغصب الارض وغیرھا ص نمبر ۱۶۱۰) اس حدیث میں ہے کہ کسی نے کسی کی

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے بنجر زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کی ہے اور ظالم کی جڑ کے لئے کوئی حق نہیں یعنی غصب کر کے آباد کیا تو اس کو وہ زمین نہیں ملے گی (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے زمین میں سے کچھ ناحق لیا تو قیامت تک سات زمین تک دھنسایا جائے گا۔

[۱۵۵۶](۶) وما نقص منه بفعله او سکناه ضمنه فی قولهم جمیعا[۱۵۵۷] (۷)واذا هلک المغصوب فی ید الغاصب بفعله او بغیر فعله فعلیه ضمانه[۱۵۵۸] (۸)وان نقص

زمین کو ناحق لے لیا تو قیامت کے دن تک سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ زمین کو لینا اور غصب کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے غصب کرنے کے بعد ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان غاصب پر لازم ہوگا۔

اصول امام محمد کے نزدیک غصب کے لئے چیز کا منتقل ہونا ضروری نہیں ہے اس لئے زمین بھی مغصوب ہو سکتی ہے۔

لغت : عقار : زمین

[۱۵۵۶](۶) اور جو نقص آجائے غاصب کے فعل سے اور اس کی رہائش سے تو سب کے قول میں وہ ضامن ہوگا۔

تشریح غاصب کے فعل کی وجہ سے یا غاصب کے رہنے کی وجہ سے زمین میں نقص آگیا تو اس نقص کا ضمان تینوں اماموں کے نزدیک غاصب پر لازم ہوگا۔

وجہ نقص کیا ہے اس لئے اس کا ضمان لازم ہوگا (۲) اوپر حدیث میں گزرا کہ پیالہ توڑ دیا تو اس کے بدلے میں صحیح پیالہ آپؐ نے دیا۔ عن انس ... فدفع القصعة الصحیحة وحبس المکسورة (الف) (بخاری شریف، باب اذا کسر قصعة او شیئا لغیرہ ص ۳۳۷ نمبر ۲۴۸۱) جس سے معلوم ہوا کہ زمین یا گھر میں جو نقصان ہوا ہو اس کا ضمان غاصب پر لازم ہوگا۔

[۱۵۵۷](۷) اگر ہلاک ہو جائے مغصوب چیز غاصب کے ہاتھ میں غاصب کے فعل سے یا بغیر اس کے فعل سے تو اس کے اوپر اس کا ضمان ہے۔

تشریح غاصب کے قبضے میں مغصوب چیز تھی اور اس دوران مغصوب چیز غاصب کی حرکت کی وجہ سے یا کسی اور کی حرکت کی وجہ سے ہلاک ہو گئی تو غاصب پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔

وجہ چونکہ مغصوب چیز غاصب کے حوالے ہے اس لئے چاہے وہ ہلاک کرے یا اس کے قبضے میں رہتے ہوئے کسی اور نے ہلاک کی، دونوں صورتوں میں غاصب ہی ضمان کا ذمہ دار ہوگا (۲) پیالے والی حدیث میں حضرت عائشہؓ نے پیالہ توڑا تھا لیکن حضور نے اس کا بدلہ دیا۔ کیونکہ حضور کی ذمہ داری میں پیالہ تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ غاصب کی ذمہ داری میں کوئی بھی ہلاک کرے تو غاصب ہی ضمان کا ذمہ دار ہوگا۔

[۱۵۵۸](۸) اور اگر اس کے قبضے میں نقصان ہو جائے تو اس پر نقصان کا ضمان ہوگا۔

تشریح غاصب کے قبضے میں مغصوب چیز تھی تو اس دوران مغصوب چیز ہلاک تو نہیں ہوئی البتہ اس میں کچھ نقصان ہو گیا تو نقصان کا ضمان غاصب پر لازم ہوگا۔

وجہ اوپر گزر چکی ہے اور پیالے والی حدیث بھی اوپر گزر گئی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے صحیح پیالہ دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ رکھ لیا۔

فی یده فعلیه ضمان النقصان[۱۵۵۹](۹) ومن ذبح شاة غیره بغیر امره فمالکها بالخیار ان شاء ضمنه قیمتها وسلمها الیه وان شاء صمنه نقصانها[۱۵۶۰](۱۰) ومن خرق ثوب غیره خرقا یسیرا ضمن نقصانه[۱۵۶۱](۱۱) وان خرق خرقا کثیرا یبطل عامة منافعه

[۱۵۵۹](۹) کسی نے دوسرے کی بکری بغیر اس کے حکم کے ذبح کردی تو بکری کے مالک کو اختیار ہے چاہے تو بکری کی قیمت کا ضامن بنادے اور بکری ذبح کرنے والے کو سپرد کردے۔ اور چاہے تو اس کے نقصان کا ضامن بنادے۔

تشریح بکری ذبح کرنے کے بعد اس کی دو حیثیتیں ہو جاتی ہیں۔ ایک اعتبار سے وہ ہلاک ہوگئی کیونکہ وہ زندہ نہیں رہی۔ اور دوسرے اعتبار سے اس کا گوشت کھانے کے قابل ہے اس لئے مکمل ہلاک نہیں ہوئی۔ بلکہ اس میں نقصان ہوا۔ اس لئے مالک کو دو اختیار ہوں گے چاہے تو بکری کو ہلاک شمار کر کے پوری بکری کی قیمت غاصب سے وصول کرے اور ذبح شدہ بکری غاصب کو دیدے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ بکری کا گوشت رکھ لے اور زندہ اور ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جو فرق ہے وہ ذبح کرنے والے سے وصول کرے۔

اصول جہاں ہلاکت اور نقصان دونوں حیثیتیں ہوں وہاں دونوں کی رعایت کی جاسکتی ہے۔

نوٹ اگر جانور غیر ماکول اللحم ہو اور ذبح کے بعد کسی قیمت کے نہ رہے تو وہ ہلاک شمار کیا جائے گا اور غاصب کو پوری قیمت ادا کرنی ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے کہ جریج کا گرجا توڑا تو لوگوں نے ان کا گرجا نیا بنادیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے **عن ابی ھریرة قال قال رسول الله ﷺ کان رجل فی بنی اسرائیل یقال له جریج ... فاتوه وکسروا صومعته فانزلوه وسبوه فتوضأ وصلی ثم اتی الغلام فقال من ابوک یا غلام؟ قال الراعی قالوا نبنی صومعتک من ذهب، قال لا الا من الطین (الف)** (بخاری شریف، باب اذا اھدم حائطا فلیبن مثله ص ۳۳۷ نمبر ۲۴۸۲) اس حدیث میں گرجا منہدم کردیا تو اس کے مثل بنادیا۔

[۱۵۶۰](۱۰) کسی نے دوسرے کا کپڑا تھوڑا سا پھاڑا تو اس کے نقصان کا ضامن ہوگا۔

وجہ چونکہ تھوڑا سا پھاڑا ہے اس لئے وہ ابھی قابل استفادہ ہے اس لئے کپڑا مکمل ہلاک نہیں ہوا۔ بلکہ اس میں نقصان ہوا۔ اس لئے مالک پھاڑنے والے سے نقصان کا ضمان لے سکتا ہے۔

[۱۵۶۱](۱۱) اور اگر بہت زیادہ پھاڑ دیا جس سے اکثر منافع ختم ہوگئے تو اس کے مالک کے لئے جائز ہے کہ اس کی پوری قیمت کا ضامن بنادے۔

تشریح کپڑے کو اتنا زیادہ پھاڑا کہ وہ کسی کام کا نہیں رہا تو اب یہ نقصان نہیں ہے بلکہ کپڑے کی ہلاکت ہے اس لئے مالک کو اس کی پوری قیمت لینے کا اختیار ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک آدمی کا نام جریج تھا... لوگوں نے ان کا گرجا توڑ دیا اور ان کو نکالا اور گالیاں دی۔ جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر لڑکے کے پاس آکر پوچھا تمہارا باپ کون ہے؟ کہا چرواہا۔ لوگوں نے کہا ہم لوگ سونے کا گرجا بنادیں گے۔ جریج نے کہا نہیں، مٹی کا بنادو۔

فلمالکہ ان یضمنہ جمیع قیمتہ[۱۵۶۲] (۱۲)واذا تغیرت العین المغصوبۃ بفعل الغاصب حتی زال اسمھا واعظم منافعھا زال ملک المغصوب منہ عنھا وملکھا الغاصب

وجہ اورحدیث اوپر گزرگئی (بخاری شریف، نمبر۲۴۸۲)

لغت خرق : پھاڑا، یسیرا : تھوڑا۔

[۱۵۶۲] (۱۲) اگر بدل جائے عین مغصوب غاصب کے فعل سے یہاں تک کہ اس کا نام زائل ہو جائے یا اعلی منافع ختم ہو جائے تو مغصوب منہ کی ملک اس سے زائل ہو جائے گی اور غاصب اس کا مالک ہو جائے گا۔لیکن اس کے لئے اس چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ مغصوب کا بدلہ ادا کردے۔

تشریح اس عبارت میں کئی باتیں بیان کی ہیں۔ایک تو یہ کہ غاصب نے مغصوب چیز کے ساتھ ایسی حرکت کی جس سے مغصوب چیز موجود تو ہے لیکن اب اس کا نام بدل کر کچھ اور ہو گیا مثلا گیہوں تھا اس کو غصب کر کے پیس لیا اب اس کا نام آٹا ہو گیا۔پہلا نام گیہوں باقی نہیں رہا۔البتہ معنوی طور پر گیہوں موجود ہے۔اسی طرح گیہوں کی منفعت بونا ختم ہو گئی اب آٹے کی منفعت روٹی پکانا ہو گئی۔ایسی صورت میں مصنف فرماتے ہیں کہ چیز کا نام زائل ہوتے ہی مالک کی ملکیت اس سے ختم ہو جائے گی اور غاصب اس کا مالک ہو جائے گا۔لیکن جب تک اس کا ضمان ادا نہ کردے غاصب کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں ہے۔

وجہ جب مغصوب چیز کا نام بدل گیا یا منافع ختم ہو گئے تو اب غاصب کے ضمان میں داخل ہو گئی۔اس لئے اب غاصب اس کا مالک ہو جائے گا (۲) ایک حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔آپؐ ایک صحابی کو دفن کر کے قبرستان سے تشریف لائے۔ایک عورت نے آپ کی دعوت کی اور بکری ایک پڑوسن کے پاس سے لائی۔پڑوسن کا شوہر گھر میں نہیں تھا جس کی وجہ سے بغیر اس کی اجازت کے لائی اور ذبح کر کے حضورؐ اور صحابہ کی دعوت کی تو آپؐ نے نوش نہیں فرمایا اور فرمایا کہ اس کو قیدیوں کو کھلا دو۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کو ذبح کرنے کے بعد دعوت کرنے والی عورت مالک ہو گئی اس لئے بکری کو مالک کی طرف واپس نہیں کیا۔لیکن چونکہ ابھی اس کا عوض واپس نہیں کیا تھا اس لئے اس کا استعمال کرنا حلال نہیں تھا۔اس لئے آپؐ نے نہیں کھایا بلکہ قیدیوں کو کھلا دیا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**اخبرنا عاصم بن کلیب عن ابیہ عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی جنازۃ ... ثم قال اجد لحم شاۃ اخذت بغیر اذن اھلھا فارسلت المرأۃ قالت یا رسول اللہ انی ارسلت الی البقیع یشتری لی شاۃ فلم اجد فارسلت الی جار لی قد اشتری شاۃ ان ارسل الی بھا بثمنھا فلم یوجد فارسلت الی امرأتہ فارسلت الی بھا فقال رسول اللہ ﷺ اطعمیہ الاساری** (الف) (ابوداؤد

حاشیہ : (الف) انصار کے راوی نے فرمایا کہ ہم حضور کے ساتھ جنازے میں نکلے ... پھر آپؐ نے فرمایا ایسا لگتا ہے کہ بکری کا گوشت بغیر اس کے مالک کی اجازت سے لیا ہے۔پس دعوت کرنے والی عورت کو بلایا۔کہنے لگی اے اللہ کے رسول میں نے مقام بقیع کی طرف بکری خریدنے کے لئے بھیجا پس نہیں پایا۔پس اپنے پڑوسی کو خبر بھیجی جس نے بکری خریدی تھی کہ مجھ کو قیمت کے بدلے بکری بھیج دے پس وہ نہیں ملے۔پھر میں نے اس کی بیوی کو خبر بھیجی تو انہوں نے بکری بھیج دی تو حضورؐ نے فرمایا قیدیوں کو یہ گوشت کھلا دو۔

وضمنها ولا يحل له الانتفاع بها حتى يؤدى بدلها [۱۵۶۳](۱۳) وهذا كمن غصب شاة فذبحها وشواها او طبخها او غصب حنطة فطحنها او حديدا فاتخذه سيفا او صفرا فعمله آنية[۱۵۶۴](۱۴) وان غصب فضة او ذهبا فضربها دراهم او دنانيرا وآنية لم يزل

شریف، باب فی اجتناب الشبہات ج ثانی ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۳۲ ردار قطنی، کتاب الاشربۃ وغیرھا ج رابع ص ۱۸۹ نمبر ۴۷۱۸) اس حدیث میں بکری دعوت کرنے والی عورت کی ملکیت ہوگئی اسی لئے اس کو واپس نہیں کیا۔ لیکن استعمال کرنا اچھا نہیں تھا اس لئے آپؐ نے نوش نہیں فرمایا

اصول شیء مغصوب کی ہلاکت سے غاصب مالک ہو جائے گا چاہے ابھی بدلہ نہ دیا ہو۔

فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ غاصب مالک ہو جائے گا اور ضمان دینے سے پہلے اس سے استفادہ بھی کر سکتا ہے۔

وجہ کیونکہ غاصب اس کا مالک ہو گیا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مغصوب کے ضمان دینے سے پہلے غاصب اس چیز کا مالک نہیں ہوگا۔

وجہ کیونکہ مالک دینے پر راضی نہیں ہوا ہے۔ اور نہ ابھی اس کا بدلہ ادا کیا ہے۔

لغت المغصوب منہ : اس سے مراد مالک ہے کیونکہ اسی سے چیز غصب کی ہے۔

[۱۵۶۳](۱۳) یہ جیسے کہ بکری غصب کر کے اس کو ذبح کر لیا اور اس کو بھون لیا یا اس کو پکا لیا یا گیہوں غصب کیا اور اس کو پیس لیا یا لوہا غصب کیا اور اس کو تلوار بنا لیا یا پیتل غصب کیا اور اس کو برتن بنا لیا۔

تشریح اس عبارت میں شیء مغصوب کے نام بدل جانے اور اس کے اعظم منافع کے ختم ہو جانے کی چار مثالیں دی ہیں۔ اور اوپر کے اصول پر متفرع کی ہیں۔ مثلا بکری غصب کی اور اس کو ذبح کر کے بھون لیا یا پکا لیا تو اس کا نام اب بکری نہیں رہا بلکہ سالن اور گوشت ہو گیا تو چونکہ نام بدل گیا اس لئے مالک کی ملکیت زائل ہوگئی اور غاصب اس کا مالک بن گیا۔ یا گیہوں غصب کیا اور پیس کر آٹا بنا دیا یا لوہا غصب کر کے تلوار بنا لیا یا پیتل غصب کر کے اس کو برتن بنا لیا تو ان کے نام زائل ہو گئے اور اعظم منافع زائل ہو گئے اور اب دوسرے منافع ہو گئے اس لئے غاصب مالک ہو گیا۔ البتہ اس کا بدلہ دیئے بغیر اس کو استعمال کرنا اچھا نہیں ہے۔

وجہ اوپر گزر گئی ہے۔

لغت شواھا : بھون لیا، طحن : پیس دیا، صفر : پیتل، آنیۃ : برتن۔

[۱۵۶۴](۱۴) اور اگر چاندی یا سونا غصب کیا اور ان کو درہم یا دینار ڈھال لیا یا برتن بنا لیا تو ان سے مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح اصل قاعدہ یہ ہے کہ سونا اور چاندی چاہے ڈلی کی حالت میں ہوں چاہے سکوں کی حالت میں ہوں اور چاہے برتن کی حالت میں ہوں پھر بھی وہ سونا اور چاندی ہی ہیں اور ان کو ثمن ہی گنے جائیں گے۔ اس لئے سونا چاندی غصب کر کے غاصب ان کو کسی حال میں بھی ڈھال لے ان کا اصل نام ثمن باقی ہے اور اعظم منافع یعنی ثمنیت باقی ہے اس لئے مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔ اور غاصب ان کا مالک نہیں ہوگا۔ یہ امام

ملک مالکها عنها عند ابی حنیفة رحمه الله[۱۵۶۵](۱۵) ومن غصب ساجة فبنی علیها زال ملک مالکها عنها ولزم الغاصب قیمتها[۱۵۶۶](۱۶) ومن غصب ارضا فغرس فیها او بنی قیل له اقلع الغرس والبناء وردها الی مالکها فارغة فان کانت الارض

ابوحنیفہؒ کی رائے ہے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں بھی ایسی تبدیلی کردے کہ ان کا نام بدل جائے تو اس سے مالک کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور غاصب کی ملکیت ہو جائے گی۔

وجہ اس لئے کہ اب نہ اس کا وہ نام باقی رہا اور نہ اس کی وہ منفعت باقی رہی۔

اصول سونے اور چاندی کے بھی نام بدل جائے تو مالک کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور غاصب کی ملکیت ہو جائے گی۔

لغت ضرب : ڈھال دیا، مارا۔

[۱۵۶۵] (۱۵) کسی نے شہتیر غصب کیا اور اس پر عمارت بنالی تو مالک کی ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی اور غاصب کو اس کی قیمت لازم ہوگی۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ مغصوب چیز نہ ہلاک ہوئی ہے اور نہ اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے البتہ وہ غاصب کے مال کے ساتھ چپک گئی ہے کہ اب اگر مغصوب چیز کو غاصب کے مال سے الگ کرتے ہیں تو غاصب کا بہت بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس صورت میں بھی مالک کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور غاصب کی ملکیت ہو جائے گی۔

وجہ مالک کو اس کی چیز واپس دیتے ہیں تو غاصب کی دیوار گر جائے گی اور اس کا نقصان ہوگا اور مالک کو اس کی قیمت دلوائیں تو اس کا نقصان نہیں ہے بلکہ شہتیر کی مکافات ہو جائے گی اس لئے شہتیر کی قیمت دلوانا بہتر ہے۔

اصول ممکن ہو تو غاصب کو بھی نقصان سے بچانے کی کوشش کی جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شہتیر مالک کی ہے اور وہ ہلاک بھی نہیں ہوئی ہے اور نہ اس کا نام بدلا ہے اس لئے مالک کی ملکیت زائل نہیں ہوگی اس لئے وہ واپس لینا چاہے تو غاصب کی دیوار توڑوا کرلے سکتا ہے۔

لغت ساجۃ : شہتیر، درمیان کی وہ موٹی اور لمبی لکڑی جس پر چھپر کھڑی کرتے ہیں۔

[۱۵۶۶] (۱۶) کسی نے زمین غصب کی اور اس میں پودا بودیا یا عمارت بنادی تو اس سے کہا جائے گا کہ پودے کو اکھاڑ دے اور عمارت توڑ دو اور خالی کرکے زمین کو مالک کی طرف واپس کردو۔ پس اگر زمین میں نقص ہوتا ہو ان کے اکھاڑنے سے تو مالک کے لئے جائز ہے کہ اس کو اکھڑی ہوئی عمارت اور پودوں کی قیمت کا ضامن بنائے۔

تشریح کسی نے کسی کی زمین غصب کرلی اور اس میں پودا بودیا یا عمارت بنالی تو چونکہ زمین غاصب کی نہیں ہے اس لئے غاصب سے کہا جائے

تنقص بقلع ذلک فللمالک ان یضمن له قیمة البناء و الغرس مقلوعا[۱۵۶۷](۱۷) ومن غصب ثوبا فصبغه احمر او سویقا فلته بسمن فصاحبه بالخیار ان شاء ضمنه قیمة

گا کہ اپنا پودا اکھاڑ لو اور عمارت منہدم کر لو اور زمین مکمل خالی کر کے مالک کے حوالے کرو۔ کیونکہ تم نے خالی زمین ہی مالک سے لی تھی اس لئے جیسی لی تھی ویسی ہی بحال کر کے زمین مالک کے حوالے کرو۔ اور اگر دیوار توڑنے میں یا درخت کاٹنے میں زمین کا نقصان ہو تو کٹے ہوئے درخت اور ٹوٹی ہوئی عمارت کی قیمت لگا کر غاصب کو دی جائے گی جو بہت کم ہوگی۔

وجہ: کیونکہ اس کے ذمے درخت کو کاٹنا اور عمارت کو توڑنا ضروری تھا اس لئے کہ اس نے مالک کی بغیر اجازت کے درخت لگایا تھا اور عمارت تعمیر کی تھی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن سعید بن زید عن النبی ﷺ قال من احیا ارضا میتة فهی له ولیس لعرق ظالم حق** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی احیاء الموات ج ثانی ص ۸۱ نمبر ۳۰۷۳ر ترمذی شریف، باب ماذکر فی احیاء ارض الموات ص ۲۵۶ نمبر ۱۳۷۸) اس حدیث میں **لیس لعرق ظالم حق** کا ترجمہ ہے کہ کسی نے زمین غصب کر کے پودا بو دیا تو اس کو اس کا حق نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اوپر کے مسئلے میں غاصب نے پودا بو دیا یا عمارت بنا دی تو اس کو توڑ کر واپس کرنا ہوگا (۳) دوسری حدیث میں ہے **عن رافع بن خدیج قال قال رسول الله ﷺ انه من زرع فی ارض قوم بغیر اذنهم فلیس لی من الزرع شیء وله نفقته** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبها ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۳ر ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن زرع فی ارض قوم بغیر اذنهم ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۶) اس حدیث سے پتہ چلا کہ غصب کر کے کھیتی کرنے والے کو کچھ نہیں ملے گا صرف اس کی مزدوری ملے گی (۴) زمین خالی کر کے سپرد کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن یحیی بن عروة عن ابیه ... ان رجلین اختصما الی رسول الله ﷺ غرس احدهما نخلا فی ارض الآخر فقضی لصاحب الارض بارضه وامر صاحب النخل ان یخرج نخله منها قال فلقد رأیتها وانها لتضرب اصولها بالفؤس وانها لنخل عم حتی اخرجت منها** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی احیاء الموات، ص ۸۱ نمبر ۳۰۷۴ر سنن للبیہقی، باب من بنی او غرس فی ارض غیرہ، ج سادس، ص ۱۵۰، نمبر ۱۱۴۸۸) اس حدیث میں کھجور کے درخت کو اکھاڑ کر زمین خالی کر کے مالک کو سپرد کرنے کے کو کہا ہے۔

لغت: غرس : پودا لگانا، قلع : اکھیڑنا۔

[۱۵۶۷] (۱۷) کسی نے کپڑا غصب کیا اور اس کو سرخ رنگ میں رنگ دیا یا ستو غصب کیا اور اس میں گھی ملا دیا تو اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو سفید کپڑے کا ضامن بنائے اور ستو کے مثل کا ضامن بنائے اور ان کو غاصب کو سپرد کر دے۔ اور اگر چاہے تو دونوں کو لے لے

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی نے مردہ زمین کو زندہ کیا یعنی آباد کیا تو وہ زمین اسی کی ہے۔ لیکن ظالم کی جڑ کے لئے کوئی حق نہیں ہے (ب) آپ نے فرمایا کسی نے دوسرے کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے کھیتی کی تو اس کو کھیتی میں سے کچھ نہیں ملے گی۔ اس کو کھیتی کرنے کا خرچ ملے گا (ج) دو آدمی حضور کے پاس جھگڑا لے کر گئے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کی زمین میں کھجور کا درخت بویا تھا۔ تو آپ نے زمین والے کے لئے زمین کا فیصلہ کیا اور کھجور والے کو حکم دیا کہ اپنے درخت کو اکھاڑ لے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس کی جڑوں میں کلہاڑی مار رہے ہیں اور وہ بڑا درخت تھا یہاں تک کہ اس درخت کو نکال دیا۔

ثوب ابیض ومثل السویق وسلمه للغاصب وان شاء اخذهما وضمن ما زاد الصبغ والسمن فیهما[۱۵۶۸] (۱۸) ومن غصب عینا فغیّبها فضمنه المالک قیمتها ملکها الغاصب بالقیمة.

اور دونوں میں جو رنگنے اور گھی لگانے سے زیادہ ہوا ہے اس کا ضمان دیدے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ چیز غصب کر کے اس میں صفات کی زیادتی کردی، نقص نہیں کیا تو مالک کو دو اختیار ہیں یا تو اپنی اصل چیز کی قیمت لیکر غاصب کو چیز دیدے یا اپنی چیز غاصب سے لے لے اور صفات کی جو زیادتی ہوئی ہے اس کی قیمت غاصب کے حوالے کردے۔

وجہ غاصب کی زیادتی کی قیمت غاصب کے حوالے کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن رافع بن خدیج قال قال رسول الله ﷺ من زرع فی ارض قوم بغیر اذنھم فلیس له من الزرع شیء وله نفقته (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبھا ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۳ رترمذی شریف، باب ماجاء فیمن زرع فی ارض قوم بغیر اذنھم ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۶) اس حدیث میں فرمایا کہ بغیر اجازت کے کھیتی کرنے والے کو اس کے کام کرنے کا خرچ ملے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کپڑے کو رنگنے والے اور ستو میں گھی ملانے والے کو رنگ اور گھی کی قیمت مل جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مالک اور غاصب دونوں کو نقصان نہ ہو بلکہ حتی الامکان دونوں کو ان کا حق مل جائے۔

صورت مسئلہ : صورت مسئلہ یہ ہے کہ کپڑا غصب کر کے لال رنگ میں رنگ دیا، یا ستو غصب کر کے اس میں گھی ملا دیا تو مالک کو دو اختیار ہیں۔ یا سفید کپڑا اور خالص ستو کی قیمت لیکر غاصب کو کپڑا اور ستو حوالہ کردے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ رنگ اور گھی کی قیمت غاصب کو دیدے اور اپنا کپڑا اور ستو مالک سے واپس لے لے۔

لغت صبغ : رنگا۔ سویق : ستو۔ لت : ملایا، لپیٹا۔ سمن : گھی۔

[۱۵۶۸] (۱۸) کسی نے عین چیز کو غصب کیا اور اس کو غائب کردیا اور مالک نے اس کی قیمت کا ضامن بنایا تو غاصب اس کی قیمت دے کر مالک ہو جائے گا۔

تشریح کسی نے کسی کی چیز کو غصب کیا اور اس کو غائب کردیا اور مالک نے اس کی قیمت وصول کرلی تو غاصب اس چیز کا مالک بن جائے گا۔

وجہ اگرچہ غصب سبب محذور ہے لیکن قیمت ادا کرنے کی وجہ سے مالک کی ملکیت سے غاصب کی ملکیت کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ قیمت جو ادا کردیا (۲) پیالے والی حدیث میں صحیح پیالہ دینے کے بعد ٹوٹا ہوا پیالہ رکھ لیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ پیالے کا مالک بن گئے۔ فدفع القصعة الصحیحة وحبس المکسورة (ب) (بخاری شریف، نمبر ۲۴۸۱)

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غصب سبب محذور ہے اس لئے قیمت ادا کرنے کے بعد بھی وہ اس چیز کا مالک نہیں بنے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے بغیر اجازت کے کسی کی زمین میں کھیتی کی تو اس کھیتی میں کچھ نہیں ملے گا اور اس کو اس کا خرچ ملے گا (ب) آپؐ نے صحیح پیالہ دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ رکھ لیا۔

[۱۵۶۹](۱۹) والقول فی القیمة قول الغاصب مع یمینه الا ان یقیم المالک البینة باکثر من ذلک[۱۵۷۰](۲۰) فاذا ظهرت العین وقیمتها اکثر مما ضمن وقد ضمنها بقول المالک او ببینة اقامها او بنکول الغاصب عن الیمین فلا خیار للمالک وهو للغاصب[۱۵۷۱](۲۱) وان کان ضمنها بقول الغاصب مع یمینه فالمالک بالخیار ان

[۱۵۶۹](۱۹)اور قول قیمت میں غاصب کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ مگر یہ کہ مالک بینہ قائم کردے اس سے زیادہ کا۔

تشریح غصب کی چیز غائب ہوگئی۔اب مالک اور غاصب کے درمیان اس کی قیمت میں اختلاف ہوگیا تو اگر مالک کے پاس بینہ ہے تو اسکے ذریعہ زیادہ قیمت کا فیصلہ کیا جائے گا۔اور اگر اس کے پاس بینہ نہیں ہے تو غاصب کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

وجہ یہاں مالک زیادہ قیمت کا مدعی ہے اور غاصب اس کا منکر ہے اس لئے مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔

[۱۵۷۰](۲۰) پس اگر عین چیز ظاہر ہو جائے اور اس کی قیمت زیادہ ہے اس سے جو ضمان دیا اور حال یہ تھا کہ اس کا ضمان دیا مالک کے کہنے سے یا گواہ قائم کرنے سے غاصب کے قسم کھانے سے انکار کرنے سے تو مالک کو اختیار نہیں ہوگا اور وہ چیز غاصب کی ہوگی۔

تشریح مغصوب چیز غائب تھی اس درمیان اس کی قیمت مالک کو دلوادی گئی، بعد میں وہ چیز ظاہر ہوئی اور پتہ چلا کہ اس کی قیمت زیادہ تھی۔پس اگر ان تین صورتوں میں قیمت کا فیصلہ کیا گیا تھا تو مالک کو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔اور نہ مالک کو وہ چیز لینے کا اختیار رہوگا۔مثلا مالک کے کہنے پر کہ اس چیز کی قیمت اتنی ہے اس کو قیمت دلوادی گئی تھی تو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔

وجہ خود مالک نے اس کی قیمت اتنی ہی لگائی ہے۔اس نے اس وقت زیادہ قیمت کیوں نہیں لگائی یہ اس کی غلطی ہے اس لئے زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔یا مالک نے اتنی قیمت پر بینہ قائم کر کے فیصلہ کروایا تھا تو چونکہ خود ہی اس نے اسی قیمت پر گواہی دے کر فیصلہ کروایا ہے اس لئے وہ پہلے سے کم قیمت پر راضی ہے۔اس لئے اس کو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔یا مالک کے پاس بینہ نہیں تھا اس لئے غاصب کو قسم کھانے کے لئے کہا۔غاصب نے قسم کھانے سے انکار کردیا جس کی وجہ سے مالک نے جتنی قیمت بتائی اسی پر فیصلہ کردیا گیا تو اب مالک کو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔

وجہ یہ فیصلے مالک کے قیمت بتانے پر ہوئے ہیں اس لئے چیز کی قیمت زیادہ نکل جائے پھر بھی اس کو زیادہ نہیں دلوائی جائے گی (۲) کیونکہ مالک اتنی ہی قیمت پر راضی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مالک جتنی قیمت پر پہلے راضی ہو چکا ہو تو اس سے زیادہ نہیں دلوائی جائے گی اور نہ مالک کو وہ چیز واپس لینے کا اختیار ہوگا۔

لغت نکول : قسم کھانے سے انکار کرنا۔

[۱۵۷۱](۲۱)اور اگر چیز کی قیمت دلوائی تھی غاصب کے کہنے سے اس کی قسم کے ساتھ تو مالک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو ضمان کو برقرار رکھے

شاء امضى الضمان وان شاء اخذ العين ورد العوض[۱۵۷۲](۲۲) وولد المغصوبة ونماؤها وثمرة البستان المغصوب امانة في يد الغاصب ان هلك في يده فلا ضمان عليه الا ان يتعدى فيها او يطلبها مالكها فيمنعها اياه[۱۵۷۳](۲۳) وما نقصت الجارية بالولادة فهو في ضمان الغاصب فان كان في قيمة الولد وفاء به جبر النقصان بالولد

اور چاہے تو مغصوب چیز کو لے لے اور عوض واپس کردے۔

تشریح مالک کے پاس بتائی ہوئی قیمت پر گواہ نہیں تھا اس لئے غاصب کے لئے قسم کے ساتھ اس کی بات پر قیمت کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ بعد میں ظاہر ہوا کہ مغصوب چیز کی قیمت اس سے زیادہ ہے تو اب مالک کو دو اختیارات ہیں۔ یا تو پچھلی قیمت کو بحال رکھے اور چیز کو غاصب کے پاس رہنے دے، یا چونکہ مغصوب چیز مل گئی ہے اس لئے اس کو واپس لے لے اور قیمت غاصب کو واپس لوٹا دے۔

وجہ چونکہ اس صورت میں مالک کے کہنے پر قیمت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا اس لئے اس کو واپس لینے کا حق ہے۔

لغت امضی الضمان : ضمان کو بحال رکھے، العین : اس سے مراد مغصوب چیز ہے۔

[۱۵۷۲](۲۲) مغصوبہ چیز کا بچہ اور اس کی بڑھوتری اور مغصوب باغ کا پھل غاصب کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔ اگر اسکے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے مگر یہ کہ اس میں تعدی کرے یا مالک اس کو طلب کرے پھر بھی اس کو نہ دے۔

تشریح اس عبارت میں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مغصوب چیز کو غصب کیا تو وہ مغصوب ہے لیکن غاصب کے ہاتھ میں جو بڑھوتر ہوئی یا بچہ پیدا ہوا یا باغ غصب کیا پھر اس میں پھل آ گیا تو یہ تمام بڑھوتری غاصب کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہیں۔

وجہ غصب کا مطلب ہے مالک کو بے دخل کرنا اور یہ معنی اصل چیز میں ہوگا۔ بڑھوتری پر تو مالک کا شروع میں دخل ہی نہیں ہے وہ تو غاصب کے ہاتھ میں پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے بڑھتوری غاصب کے ہاتھ میں امانت ہوگی۔ اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مالک بڑھوتری کو غاصب سے مانگے اور غاصب دینے سے انکار کردے تو اب وہ بڑھوتری امانت کے طور پر نہیں رہی بلکہ انکار کرنے کی وجہ سے گویا کہ غصب کے طور پر ہوگئی۔ اس لئے اب بغیر تعدی کے بھی ہلاک ہوگی تو غاصب کو ضمان دینا ہوگا۔

اصول بڑھوتری غاصب کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے۔

لغت نماء : بڑھوتری۔

[۱۵۷۳](۲۳) اور باندی میں جو کچھ کمی آئے ولادت کی وجہ سے تو وہ غاصب کے ضمان میں ہے۔ پس اگر بچے کی قیمت سے نقصان پورا ہو سکے تو بچہ کی وجہ سے نقصان پورا کیا جائے گا اور غاصب سے اس کا ضمان ساقط ہو جائے گا۔

تشریح باندی کی ولادت میں نفع بھی ہے کہ مالک کا ایک غلام بڑھ گیا لیکن ولادت کی وجہ سے باندی میں نقصان بھی ہو گیا تو چونکہ ایک ہی چیز

وسقط ضمانه عن الغاصب[۱۵۷۴](۲۴) ولا یضمن الغاصب منافع ما غصبه الا ان ینقص باستعماله فیغرم النقصان.

سے فائدہ اور نقصان دونوں ہیں اس لئے بچے کی قیمت سے باندی کا نقصان پورا کیا جائے گا۔اور جب پورا ہو جائے تو غاصب سے نقصان کا ضمان ساقط ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فائدہ اور نقصان دونوں ہوں تو نقصان کو فائدہ سے پورا کر دیا جائے گا اور غاصب پر نقصان کا ضمان نہیں ہوگا۔

لغت وفاء : (پورا ہونا، جبر : نقصان کی مکافات کرنا۔

[۱۵۷۴](۲۴) نہیں ضامن ہوگا غاصب اس منافع کے جن کو غصب کیا مگر یہ کہ اس کے استعمال سے نقص پیدا ہو جائے تو نقصان کا تاوان دے گا۔

تشریح مثلا گھر غصب کیا اور ایک مہینے تک اپنے پاس رکھے رہا نہ خود اس میں رہا اور نہ کسی اور کو رہنے دیا تو ایک مہینے کی رہائش کے منافع کی جو اجرت ہوگی غاصب اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ہاں! غاصب کے رہنے کی وجہ سے گھر میں کوئی نقص پیدا ہوتا تو غاصب کو نقصان کا تاوان دینا پڑتا۔

وجہ جب تک کہ منافع عقد اجرت نہ ہو ہمارے یہاں وہ متقوم نہیں ہے۔اور یہاں عقد اجرت ہوا نہیں اس لئے یہ متقوم نہیں ہے۔اس لئے غاصب پر اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔ہاں! رہنے کی وجہ سے گھر کا نقصان ہو جائے تو چونکہ عین چیز کو نقصان کیا اور ہلاک کیا اس لئے اس کی قیمت دینی ہوگی (۲) حضرت علیؓ کے اثر سے پتہ چلتا ہے کہ منافع کی قیمت لازم نہیں ہوگی۔**عن عامر الشعبی فی رجل وجد جاریته فی ید رجل قد ولدت منه فاقام البینة انها جاریته واقام الذی فی یده الجاریة البینة انه اشتراها قال فقال علیؓ یاخذ صاحب الجاریة جاریته ویوخذ البائع بالخلاص، قال سمعت الشعبی یقول لیس الخلاص بشیء من باع مالا یملک فهو لصاحبه ویتبع المشتری البائع بما اعطاه ولیس علی البائع اکثر من ان یرد ما اخذ ولا یوخذ غیره** (الف) (سنن للبیہقی، باب من غصب جاریة فباعها ثم جاء رب الجاریة، ج سادس، ۱۶۶، نمبر ۱۱۵۴۸) اس اثر میں حضرت علیؓ نے مالک کی طرف صرف باندی لوٹانے کا حکم دیا اور مشتری کو کہا کہ بائع کو جتنی قیمت دی ہے وہ واپس لے لے۔لیکن مشتری نے باندی سے جو فائدہ اٹھایا ہے اس کی کوئی اجرت مشتری پر لازم نہیں کی۔جس سے معلوم ہوا کہ منافع کی جب تک اجرت متعین نہ کرے اس وقت تک اس کی اجرت لازم

حاشیہ : (الف) حضرت عامر شعبی نے فرمایا ایک آدمی نے اپنی باندی ایک آدمی کے پاس پائی۔اس نے اس سے بچہ دیا تھا۔پس اس نے بینہ قائم کیا کہ اس کی باندی ہے۔اور جس کے قبضے میں باندی تھی اس نے بینہ قائم کیا کہ اس نے اس کو خریدا ہے۔پس حضرت علیؓ نے فرمایا کہ باندی والا باندی لے گا اور بائع سے بیع توڑنے کے لئے کہا جائے گا...شعبی سے سنا وہ فرماتے تھے خلاص کوئی چیز نہیں ہے۔کسی نے کوئی ایسی چیز بیچی جو اس کی نہیں ہے تو وہ اس کے مالک کے لئے ہوگی۔اور مشتری بائع سے اتنا لے گا جتنا اس کو دیا ہے۔اور بائع پر اس سے زیادہ لوٹانا ضروری نہیں ہے جتنا لیا ہے۔اور نہ اس کے علاوہ لے سکتا ہے۔

[۱۵۷۵](۲۵) واذا استهلک المسلم خمر الذمی او خنزیرہ ضمن قیمتها وان استهلكهما المسلم لمسلم لم يضمن.

نہیں ہوتی ہے۔

[۱۵۷۵](۲۵) مسلمان نے ذمی کے شراب کو یا اس کے سور کو ہلاک کر دیا تو دونوں کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور اگر ان دونوں کو مسلمان نے مسلمان کا ہلاک کیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ ذمی کے حق میں شراب اور سور قیمتی چیز ہیں اس لئے مسلمان نے جب ان کو ضائع کیا تو ان کا ضمان دینا ہوگا۔ البتہ شراب ذواۃ الامثال ہے لیکن مسلمان اس کو خرید نہیں سکتا اس لئے اس کی بھی قیمت ادا کرے گا۔ اور سور ذواۃ القیم ہے ہی اس لئے اس کی تو قیمت دے گا۔ اور مسلمان نے مسلمان کے شراب یا سور کو ہلاک کر دیا تو ان کا ضمان نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ مسلمان کے حق میں دونوں چیزیں قیمتی نہیں ہے۔ اس لئے ان کو ہلاک کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ ان چیزوں کو توڑا ہے بلکہ توڑنے کا حکم دیا۔ **عن سلمة بن اکوع ان النبی ﷺ رای نیرانا توقد یوم خیبر قال علام توقد هذه النیران قالوا علی الحمر الانسیة قال اکسروها وهریقوها** (الف) (بخاری شریف، باب ھل تکسر الدنان التی فیھا الخمر او تخرق الزقاق ص ۳۳۶ نمبر ۲۴۷۷) اس حدیث میں گدھے کے گوشت کو پھینکنے اور اس کے برتن کو توڑنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ ناجائز چیزوں کو توڑنے کا ضمان نہیں ہے (۳) **عن انس بن مالک قال کنت اسقی ابا عبیدة وابا طلحة وابی بن کعب شرابا من فضیح وتمر فجائهم آت فقال ان الخمر قد حرمت فقال ابو طلحة یا انس قم الی هذه الجرار فاکسرها قال انس فقمت الی مهراس لنا فضربتها باسفله حتی تکسرت** (ب) (سنن للبیہقی، باب من اراق مالا یحل الانتفاع بہ من الخمر وغیرھا وکسر وعائھا، ج سادس، ص ۱۶۷، نمبر ۱۱۵۵۲) اس اثر میں شراب کا برتن توڑا گیا اور کوئی ضمان لازم نہیں کیا اس لئے حرام چیزوں کو توڑنے سے ضمان لازم نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے آگ دیکھی کہ خیبر کے دن جلائی جا رہی ہے تو آپؐ نے فرمایا یہ آگ کس چیز کے لئے جلا رہے ہو؟ کہا اہلی گدھے کے لئے۔ آپؐ نے فرمایا ہانڈی توڑ دو اور گوشت بہا دو (ب) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو عبیدہ، ابو طلحہ اور ابی بن کعب کو خشک کھجور اور تر کھجور کا شراب پلا رہا تھا۔ پس ایک آنے والے آئے اور کہا کہ شراب حرام ہو گیا ہے۔ تو حضرت ابو طلحہ نے فرمایا اے انس ان مٹکوں کو جاؤ توڑ دو۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں کلہاڑی کے پاس گیا اور اس سے مٹکے کے نیچے مارا یہاں تک کہ اس کو توڑ دیا۔

﴿ کتاب الودیعة ﴾

[۱۵۷۶](۱)الودیعة امانة فی ید المودع اذا هلکت فی یده لم یضمنها[۱۵۷۷](۲) وللمودع ان یحفظها بنفسه وبمن فی عیاله.

﴿ کتاب الودیعۃ ﴾

ضروری نوٹ ودیعت کے معنی امانت رکھنا ہے۔کوئی اپنا سامان کسی کے پاس حفاظت کے لئے رکھ دے تو اس کو امانت رکھنا کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ان اللہ یأمرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا (الف) (آیت ۵۸ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں امانت کو واپس لوٹانے کی تاکید کی گئی ہے۔حدیث میں ہے۔عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ من اودع ودیعة فلا ضمان علیه (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الودیعۃ ص ۳۴۳ نمبر ۲۴۰۱ / دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۶ نمبر ۲۹۳۸) اس حدیث میں ہے کہ کوئی چیز امانت پر رکھے تو امانت رکھنے والے پر ضمان نہیں ہے۔اس سے امانت کا ثبوت بھی ہوا اور اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہونے پر ضمان نہیں ہے۔

اس باب میں تین الفاظ ہیں (۱) امانت رکھنے والا جس کو مودع کہتے ہیں (دال کے کسرہ کے ساتھ) (۲) جس کے پاس امانت رکھی جائے اس کو مودع کہتے ہیں (دال کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ) (۳) جو چیز امانت رکھی جائے اس کو ودیعت کہتے ہیں۔

[۱۵۷۶](۱) ودیعت امانت ہوتی ہے امانت رکھنے والے کے ہاتھ میں۔اگر اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو اس کا ضامن نہیں ہوگا

تشریح جس کے ہاتھ میں امانت رکھی گئی ہے وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر اس کا تاوان نہیں ہے۔

وجہ (۱) ابن ماجہ کی حدیث اوپر گزری من اودع ودیعة فلا ضمان علیه (ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۴۰۱) (۲) دار قطنی میں ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ عن النبی ﷺ قال لیس علی المستعیر غیر المغل ضمان ولا علی المستودع غیر المغل ضمان (ج) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۶ نمبر ۲۹۳۹) (۳) قال عمر بن الخطاب العاریة بمنزلة الودیعة ولا ضمان فیها الا ان یتعدی (د) (مصنف عبد الرزاق، باب العاریۃ، ج ثامن، ص ۱۷۹ نمبر ۱۴۷۸۵) اس حدیث اور اوپر کے اثر سے معلوم ہوا کہ امانت بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو امین پر ضمان نہیں ہے۔

[۱۵۷۷](۲) امانت رکھنے والے کے لئے جائز ہے کہ خود حفاظت کرے اور ان سے حفاظت کرائے جو اس کے عیال میں ہیں۔

تشریح امانت کے مال کی خود حفاظت کر سکتا ہے اور ان لوگوں سے بھی حفاظت کروا سکتا ہے جو اس کے بال بچے ہیں یا جس کی وہ کفالت کرتا

حاشیہ : (الف) اللہ تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانت امانت والوں کو ادا کرے (ب) آپ نے فرمایا جس نے امانت رکھی اس پر ضمان نہیں ہے (ج) آپ نے فرمایا عاریت رکھنے والے پر جو زیادتی نہ کرتا ہو ضمان نہیں ہے، اور امانت رکھنے والے پر جو زیادتی نہ کرتا ہو ضمان نہیں ہے (د) حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا عاریت ودیعت کی طرح ہے اور اس میں ضمان نہیں ہے مگر یہ کہ تعدی کرے۔

[۱۵۷۸](۳) فان حفظها بغیرهم او اودعها ضمن الاان یقع فی داره حریق فیسلمها الی جاره او یکون فی سفینة وهو یخاف الغرق فیلقیها الی سفینة اخری[۱۵۷۹](۴) وان

ہے۔

وجہ آدمی ہر وقت گھر میں نہیں رہتا، کبھی باہر بھی جانا پڑتا ہے۔اس لئے اگر اپنے اہل وعیال سے امانت کی حفاظت نہ کرائے گا تو کس سے کرائے گا؟ (۲) حضورؐ نے ہجرت کے موقع پر حضرت علیؓ سے امانت کی حفاظت کروائی ہے۔ بلکہ انہیں کے ذریعہ امانت ادا کروائی ہے۔ **عن عائشة فی هجرة النبی ﷺ قالت امر تعنی رسول الله ﷺ علیا ان یتخلف عنه بمکة حتی یؤدی عن رسول الله ﷺ الودائع التی کانت عنده للناس (الف)** (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الترغیب فی اداء الامانات، ج سادس، ص ۴۷۲، نمبر ۱۲۶۹۶) اس حدیث میں حضرت علیؓ نے حضور کی امانت کی حفاظت کی اور اس کو لوگوں کو ادا بھی کیا اور حضرت علی آپؐ کے عیال میں سے تھے۔اس لئے اہل وعیال سے بھی حفاظت کرواسکتا ہے۔

[۱۵۷۸] (۳) پس اگر اس کی حفاظت کروائی اہل وعیال کے علاوہ سے تو ضامن ہو جائے گا مگر یہ کہ اس کے گھر میں آگ لگ جائے تو اس کو اپنے پڑوسی کے سپرد کر دے یا امانت کشتی میں ہو اور اس کو ڈوبنے کا خوف ہو تو اس کو دوسری کشتی میں ڈال دے۔

تشریح امانت کی چیز کو اپنے اہل وعیال کے علاوہ سے حفاظت کراوئی تو مودع اس کا ضامن بن جائے گا۔

وجہ مالک مودع کی حفاظت سے راضی ہے اس کے علاوہ کی حفاظت سے راضی نہیں ہے۔اس لئے دوسروں سے حفاظت کروائی اور ہلاک ہو گئی تو ضامن ہوگا۔اس اثر میں ہے **عن شریح قال من استودع ودیعة فاستودعها بغیر اذن اهلها فقد ضمن (ب)** (مصنف عبد الرزاق، باب الودیعة، ج ثامن ص ۱۸۲، نمبر ۱۴۸۰۰) اس اثر میں ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر امین نے دوسرے کے پاس امانت رکھی اور ہلاک ہوئی تو وہ ضامن ہوگا۔البتہ ایسی مجبوری ہو جائے کہ پڑوسی کو دینا ضروری ہو جائے اور اس کو دینے میں حفاظت کا زیادہ امکان ہو تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔مثلا گھر میں آگ لگ گئی ایسے موقع پر امانت کی چیز حفاظت کی نیت سے پڑوسی کے گھر میں پھینک دی اور امانت ضائع ہوگئی تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔اسی طرح امانت کی چیز کشتی میں تھی اور اندیشہ ہوا کہ وہ چیز ڈوب جائے گی جس کی وجہ سے حفاظت کی نیت سے دوسری کشتی میں ڈال دی اور وہ ہلاک ہوگئی تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ مجبوری ہو اور حفاظت کی غرض سے عیال کے علاوہ سے حفاظت کروائی تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔

لغت حریق : آگ لگنا، سفینة : کشتی۔

[۱۵۷۹] (۴) اگر امانت رکھنے والے نے اپنے مال کے ساتھ ایسے ملادی کہ الگ نہ ہو سکتی ہو تو اس کا ضامن ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضور کی ہجرت کے بارے میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ان کی نیابت کریں۔ یہاں تک کہ حضور کی امانت کو ادا کردیں جو ان کے پاس لوگوں کی ہے (ب) قاضی شریح نے فرمایا کسی نے امانت رکھی پس اس نے مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے کے پاس امانت رکھ دی تو وہ ضامن ہو جائے گا۔

خلطها المودع بماله حتى لا تتميز ضمنها [۱۵۸۰](۵) فان طلبها صاحبها فحبسها عنه وهو يقدر على تسليمها ضمنها [۱۵۸۱](۶) وان اختلطت بماله من غير فعله فهو شريك لصاحبها.

تشریح امانت رکھنے والے نے امانت کی چیز کو اپنے مال کے ساتھ اس طرح ملا دیا کہ اس کو الگ الگ بھی نہیں کر سکتے تو امانت رکھنے والا اس امانت کا ضامن ہو جائے گا اور اس کو اس کی قیمت دینی ہوگی۔

وجہ ملانے کی وجہ سے اب وہ امین نہیں رہا بلکہ ضامن ہو گیا اس لئے اس کو ضمان دینا ہوگا (۲) مالک اب اپنے حق تک نہیں پہنچ سکتا اسلئے یہی صورت ہے کہ اس کو اس کی قیمت مل جائے (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن انس بن مالک قال استودعت مالا فوضعته مع مالي فهلک من بين مالي فرفعت الى عمر فقال انک لامين في نفسي ولكن هلكت من بين مالک فضمنته** (الف) (سنن للبیہقی، باب لا ضمان علی مؤتمن، ج سادس، ص ۴۷۴، نمبر ۱۲۷۰۴) اس اثر میں امانت کو اپنے مال کے ساتھ ملا دیا اور وہ ہلاک ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے انس بن مالک کو ضامن بنایا۔

لغت خلط : ملا دیا۔

[۱۵۸۰] (۵) پس اگر امانت کو مانگا اس کے مالک نے پس روک لیا امانت رکھنے والے نے مالک سے حالانکہ وہ اس کے دینے پر قدرت رکھتا تھا تو اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح مالک نے امین سے امانت کا مال مانگا اور امین اس کو سپرد کرنے پر قدرت رکھتا تھا پھر بھی سپرد نہیں کیا اور امانت ہلاک ہو گئی تو امین اس مال کا ضامن ہوگا۔

وجہ طلب کرنے کے باوجود نہ دینا تعدی ہے اور پہلے اثر میں گزر چکا ہے کہ تعدی کرے گا تو امین ضامن ہو جائے گا۔ **قال عمر بن الخطاب العارية بمنزلة الوديعة ولا ضمان فيها الا ان يتعدى** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب العاریۃ ج ثامن ص ۱۷۹ نمبر ۱۴۷۸۵) اس اثر کی وجہ سے تعدی کرنے پر امین پر ضمان لازم ہوگا۔

[۱۵۸۱] (۶) اور اگر مل گیا مال بغیر امین کے کچھ کئے تو وہ مالک کے ساتھ شریک ہوگا۔

تشریح اگر امین کے کچھ کئے بغیر امانت کا مال امین کے مال کے ساتھ خلط ملط ہو گیا تو امین مالک کے ساتھ شریک ہو جائے گا ضمان نہیں ہوگا

وجہ امین نے ملایا نہیں ہے خود بخود ملا ہے اس لئے ان کی جانب سے تعدی نہیں ہوئی۔ اس لئے ضامن نہیں ہوگا۔ البتہ دونوں کا مال مل گیا ہے اس لئے دونوں شریک ہو جائیں گے۔

حاشیہ : (الف) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کی امانت رکھی پس اس کو اپنے مال کے ساتھ رکھ دیا۔ پس وہ میرے مال کے ساتھ ہلاک ہو گئی، پس اس معاملے کو حضرت عمر کے پاس لے گیا تو انہوں نے فرمایا تم ذات کے اعتبار سے امین ہو لیکن اپنے مال کے ساتھ ہلاک کیا اس لئے تم ضامن ہوں گے (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا عاریت ودیعت کی طرح ہے اور اس میں ضمان نہیں ہے مگر یہ کہ تعدی کرے۔

[۱۵۸۲](۷) وان انفق المودع بعضها وھلک الباقی ضمن ذلک القدر[۱۵۸۳](۸) فان انفق المودع بعضها ثم رد مثله فخلطه بالباقی ضمن الجمیع[۱۵۸۴](۹) واذا تعدی المودع فی الودیعة بان کانت دابة فرکبها او ثوبا فلبسه او عبدا فاستخدمه او اودعها

[۱۵۸۲](۷) اگر خرچ کیا امانت رکھنے والے نے بعض کو اور ہلاک ہوگئی باقی تو اس مقدار ضامن ہو جائے گا۔

تشریح مثلا ایک ہزار درہم امانت پر رکھے تھے اس میں سے چھ سو درہم امین نے خرچ کر دیئے اور باقی چار سو ہلاک ہو گئے تو وہ امانت کے ہلاک ہوئے۔ کیونکہ اس پر تعدی نہیں کی۔ اور چھ سو درہم جو خرچ کئے اس پر تعدی کی اس لئے اس کا ضمان لازم ہوگا۔ **اصول** یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جتنے پر تعدی کی اس کا ضمان لازم ہوگا اور جتنے پر تعدی نہیں کی وہ امانت کا شمار کیا جائے گا۔

[۱۵۸۳](۸) اگر امانت رکھنے والے نے اس کے بعض کو خرچ کیا پھر اس کے مثل واپس کیا پھر اس کو باقی کے ساتھ ملا دیا تو تمام کا ضامن ہو جائے گا۔

تشریح اوپر کی مثال میں ایک ہزار امانت پر رکھا۔ اس میں سے چھ سو درہم امین نے خرچ کر دیئے پھر اپنی جانب سے چھ سو درہم واپس لایا اور باقی درہم کے ساتھ ملا دیا اور تمام درہم ہلاک ہو گئے تو امین اب پورے ایک ہزار کا ضامن ہوگا۔

وجہ امین نے جو چھ سو خرچ کئے تھے وہ جب تک مالک کے حوالے نہ کرے وہ امین کا ہی درہم ہے۔ اور پہلے قاعدہ گزر گیا کہ امین اپنے مال کے ساتھ امانت کا مال ملائے گا تو امانت کا ضمان ہو جائے گا۔ یہاں چھ سو اپنے مال کے ساتھ چار سو امانت کا ملایا اس لئے اب پورے ایک ہزار کا ضامن ہو جائے گا (۲) پہلے حضرت عمر کا قول گزر چکا ہے۔ حضرت حسن کا ایک قول بھی ہے۔ عن الحسن فی الرجل یودع الودیعة فیحرکها یأخذ بعضها قال کان یقول اذا حرکها فقد ضمن (الف) (سنن للبیہقی، باب لاضمان علی مؤتمن ج، سادس، ص ۴۷۴، نمبر ۱۲۷۰۵) اس اثر میں اپنے مال کو امانت کے مال کے ساتھ ملا دیا تو امین کو ضامن بنایا۔ اسی طرح اپنے مال کو امانت کے مال کے ساتھ ملایا اس لئے اپنے پورے مال کا ضامن ہوگا۔ پہلے چھ سو درہم کا تھا اور اب چار سو درہم کا بھی ہو گیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امین کے خرچ کرنے کے بعد جب تک وہ مال مالک کے ہاتھ میں سپرد نہ کرے امین ہی کا شمار کیا جائے گا۔ اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اپنے مال کے ساتھ امانت کا مال ملا دیا تو امانت کا ضامن ہوگا۔

[۱۵۸۴](۹) اگر امانت رکھنے والے نے امانت میں زیادتی کی اس طرح کہ جانور تھا اس پر سوار ہو گیا یا کپڑا تھا اس کو پہن لیا یا غلام تھا اس سے خدمت لے لی یا اس کو دوسرے کے پاس امانت رکھ دیا پھر تعدی زائل کر دی اور اپنے پاس رکھ لیا تو ضمان زائل ہو جائے گا۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ امین نے امانت میں زیادتی کی لیکن ہلاک کئے بغیر دوبارہ زیادتی ختم کر دی اور امانت کو امانت کی طرح رکھنے لگا تو چونکہ زیادتی ختم ہو گئی اس لئے ضمان بھی زائل ہو جائے گا۔ اب اگر ہلاک ہوئی تو ضمان لازم نہیں ہوگا۔ مصنف نے اس کی چار

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا کوئی آدمی امانت رکھے پھر اس کو حرکت دے کر ہلاک کر دے اور کچھ لے لے تو فرماتے تھے کہ جب حرکت دیا تو ضامن ہو جائے گا۔

عند غيره ثم ازال التعدى وردها الى يده زال الضمان[١٥٨٥](١٠) فان طلبها صاحبها فجحده اياها ضمنها فان عاد الى الاعتراف لم يبرأ من الضمان[١٥٨٦](١١) وللمودع

مثالیں دی ہیں (۱) جانور امانت کا تھا اس لئے اس پر سوار نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن اس پر سوار ہو گیا اس لئے اس پر ہلاک ہونے پر ضمان لازم تھا لیکن اب سوار ہونا چھوڑ دیا اور امانت کی طرح رکھنے لگا تو اب جانور امانت کا شمار کیا جائے گا اور اب ہلاک ہونے پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) کپڑا امانت کا تھا اس کو پہن لیا (۳) غلام تھا اس سے خدمت لینے لگا پھر چھوڑ دیا (۴) یا اپنے پاس امانت رکھنے کے بجائے دوسرے کے پاس امانت پر رکھ دیا پھر واپس کر لیا تو ضمان ساقط ہو جائے گا۔

اصول تعدی کے بعد تعدی ختم کر دے اور امانت کی چیز صحیح سالم ہو تو ضمان ساقط ہو جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں، تعدی ختم کرنے کے باوجود ضمان ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ موجب ضمان ہو گیا تو اب وہ ساقط نہیں ہوگا۔

[۱۵۸۵](۱۰) اگر اس کے مالک نے امانت کو مانگا پس امین نے اس کا انکار کیا تو وہ ضامن ہو جائے گا۔ پھر اگر اعتراف کی طرف لوٹ آیا تو ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

تشریح مالک نے اپنی امانت مانگی اس پر امین نے انکار کر دیا کہ آپ کی کوئی امانت میرے پاس نہیں ہے۔ پھر بعد میں اعتراف کر لیا کہ آپ کی امانت میرے، پاس ہے۔ اس کے بعد چیز ہلاک ہو گئی تو امین ضامن ہوگا اور اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

وجہ مطالبہ کے بعد امین کے انکار کرنے کی وجہ سے امین کی امانت ہی ختم ہو گئی۔ اب جب تک کہ مالک دوبارہ اس کو امین نہیں بنائے گا وہ امین نہیں ہوگا۔ اور دوبارہ بنایا نہیں ہے اس لئے اعتراف کے باوجود وہ ضامن رہے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امین ہونا ختم ہونے کے بعد دوبارہ باضابطہ امین نہیں بنایا تو وہ امین نہیں ہوگا ضامن ہی ہوگا۔

لغت جحد : انکار کیا، اعتراف : اقرار کرنا، لم یبرأ : بری نہیں ہوگا۔

[۱۵۸۶](۱۱) امین کے لئے جائز ہے کہ سفر کرے ودیعت کے ساتھ اگر چہ اس میں بوجھ اور تکلیف ہو۔

تشریح امین امانت کی چیز کو سفر میں لے جانا چاہے تو لے جا سکتا ہے بشرطیکہ مالک نے منع نہ کیا ہو۔ اور راستے میں ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔ اگر مالک نے سفر کرنے سے منع کیا ہو یا سفر میں مال کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس کو لیکر سفر نہیں کر سکتا۔ اور اگر سفر کیا اور ہلاک ہو گئی تو ضامن ہوگا۔

وجہ امین ہر وقت گھر میں تو رہے گا نہیں کبھی سفر بھی کرے گا۔ اور مطلق حفاظت حضر اور سفر دونوں کو شامل ہے اس لئے وہ سفر کر سکتا ہے۔ منع کرنے پر سفر کرے اور ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان حکیم بن حزام صاحب رسول الله ﷺ کان یشترط علی الرجل اذا اعطاہ مالا مقارضة یضرب له به ان لاتجعل مالی کبد رطبة ولا تحمله فی بحر ولا تنزل به فی بطن سیل فان فعلت شیئا من ذلک فقد ضمنت مالی (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۳ نمبر ۳۰۱۴ سنن للبیہقی، کتاب

ان یسافر بالودیعة وان کان لھا حمل و مؤنة[۱۵۸۷](۱۲) واذا اودع رجلان عند رجل ودیعة ثم حضر احدھما طلب نصیبھا منھا لم یدفع الیه شیئا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی حتی یحضر الآخر وقال ابو یوسف و محمد رحمھما الله تعالی یدفع الیه

القراض، ج سادس، ص۱۸۴، نمبر۱۱۶۱۰)

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ معروف کا اعتبار کیا جائے گا۔اور معروف یہ ہے کہ حضر میں حفاظت کرے سفر میں حفاظت نہ کرے اس لئے امانت کے اٹھانے میں بوجھ اور تکلیف ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں سفر میں نہیں لے جا سکتا۔صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر امانت کے اٹھانے کا بوجھ اور تکلیف ہو تو سفر میں نہیں لے جا سکتا۔کیونکہ اٹھانے کی اجرت مالک پر خواہ مخواہ پڑے گی۔اس لئے بغیر مالک کی اجازت کے سفر میں نہیں لے جا سکتا۔

لغت مؤنة : اٹھانے کی اجرت۔

[۱۵۸۷](۱۲) اگر امانت پر رکھا دو آدمیوں نے ایک آدمی کے پاس کچھ امانت پھر ان میں سے ایک آیا اور اس سے اپنا حصہ طلب کیا تو اس کو کچھ نہیں دیا جائے گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب تک کہ دوسرا نہ آجائے۔اور فرمایا صاحبین نے اس کو اس کا حصہ دیا جائے گا۔

تشریح دو آدمیوں نے ایک آدمی کے پاس کوئی چیز امانت پر رکھی پھر ایک آدمی نے آکر کہا کہ میرا حصہ مجھے دیدیں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا بلکہ جب دونوں شامل ہو کر آئیں گے تب دونوں کو پوری چیز دے دی جائے گی۔

وجہ دونوں نے مشترک طور پر چیز امانت رکھی ہے اب ایک آدمی اپنا حصہ تقسیم کروا کر لینا چاہتا ہے اور تقسیم کرنے کا حق امین کو نہیں ہے اس لئے وہ اس کو نہیں دے سکتا (۲) ہو سکتا ہے کہ یہ آدمی کچھ چکما دے کر لینا چاہتا ہے اس لئے اس کو اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا (۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔**عن حنش ان رجلین استودعا امرأة من قریش مائة دینار علی ان لا تدفعھا الی واحد منھا دون صاحبه حتی یجتمعا. فاتاھا احدھما فقال ان صاحبی توفی فادفعی الی المال فابت فاختلف الیھا ثلاث سنین و استشفع علیھا حتی اعطته ثم ان الآخر جاء فقال اعطینی الذی لی فذھب بھا الی عمر بن الخطاب فقال له عمر ھل بینة ؟ قال ھی بینتی فقال ما اظنک الا ضامنة** (الف) (سنن للبیہقی، باب لا ضمان علی مؤتمن، ج سادس، ص۴۷۳، نمبر۱۲۷۰۱) اس اثر میں ایک شریک کو دینے سے حضرت عمرؓ نے عورت کو ضامن بنایا۔اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک شریک کو نہیں دے سکتا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ شریک کو اس کا حصہ دے دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) دو آدمیوں نے قریش کی ایک عورت کے پاس سو دینار امانت پر رکھے اس شرط پر کہ دونوں میں سے صرف ایک کو نہیں دے گی جب تک کہ دونوں جمع ہو کر نہ آئیں۔بعد میں عورت کے پاس ایک آیا اور کہا میرا شریک انتقال کر گیا ہے اس لئے مال مجھے دیدیں تو اس نے انکار کیا۔پس تین سال تک وہ آتے رہے اور سفارش کرواتے رہے۔یہاں تک کہ عورت نے اس کو امانت دیدی۔پھر دوسرا شریک آیا اور کہا کہ مجھ کو دو جو میرا مال ہے۔پس عورت کو حضرت عمر کے پاس لے گئے۔حضرت عمر نے فرمایا کیا گواہ ہے؟ آدمی نے کہا عورت ہی میری گواہ ہے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا گمان ہے کہ وہ ضامن بنے گی۔

نصیبه[۱۵۸۸] (۱۳) وان اودع رجل عند رجلین شیئا مما یقسم لم یجز ان یدفعه احدهما الی الآخر ولکنهما یقتسمانه فیحفظ کل واحد منهما نصفه[۱۵۸۹] (۱۴) وان کان مما لایقسم جاز ان یحفظ احدهما باذن الآخر[۱۵۹۰] (۱۵) واذا قال صاحب

وجہ وہ اپنا مال مانگ رہا ہے جو اس نے دیا تھا اس لئے مانگنے پر اس کی امانت اس کو سپرد کردی جائے گی (۲) آیت ہے ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها (آیت ۵۸ سورۃ النساء ۴) اس لئے امانت والے کو امانت دے دی جائے گی۔

[۱۵۸۸] (۱۳) اگر امانت پر رکھا ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس کوئی ایسی چیز جو تقسیم ہو سکتی ہو تو جائز نہیں ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو دے۔ لیکن دونوں تقسیم کرے اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے آدھے کی حفاظت کرے۔

تشریح ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس ایک ایسی چیز امانت رکھی جو تقسیم ہو سکتی ہو۔ مثلا ایک ہزار درہم امانت پر رکھا تو امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ پورے ایک ہزار ایک آدمی کو حفاظت کے لئے نہ دے بلکہ تقسیم کر کے آدھا آدھا دونوں حفاظت کرے۔

وجہ مالک نے دونوں آدمیوں کی حفاظت پر اعتماد کیا ہے ایک آدمی پر نہیں۔ اور مال ایسا ہے کہ تقسیم ہو سکتا ہے اس لئے ایک جگہ رکھنے کی مجبوری بھی نہیں ہے اس لئے دونوں تقسیم کر کے آدھا آدھا مال حفاظت کرے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ دونوں پر اعتماد کیا ہے اس لئے ایک کے پاس نہ رکھے۔ کیونکہ ایک پر مکمل اعتماد نہیں ہوا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جب دونوں پر اعتماد کیا ہے تو ایک آدمی پر بھی مکمل اعتماد ہے اس لئے ایک کی اجازت سے دوسرے کے پاس پورا ہزار امانت پر رکھ سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ امین دونوں پر اعتماد کرنا ایک پر بھی مکمل اعتماد کرنا ہے۔

[۱۵۸۹] (۱۴) اور اگر امانت ایسی ہو جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو تو جائز ہے کہ ان میں سے ایک حفاظت کرے دوسرے کی اجازت سے۔

وجہ مثلا ایک گائے ہے اور دو آدمیوں کے پاس امانت پر رکھی تو چونکہ گائے تقسیم نہیں ہو سکتی اس لئے مجبوری کے طور پر ایک امین کی اجازت سے دوسرے امین کی حفاظت میں رکھ سکتا ہے۔

اصول مجبوری کے درجے میں ایک امین پر مکمل اعتماد کرنے کی ضرورت ہے۔

[۱۵۹۰] (۱۵) اور اگر امانت پر رکھنے والے نے امین سے کہا کہ امانت اپنی بیوی کو سپرد نہ کرنا، پس اس نے اس کو سپرد کیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ امانت کی چیز اہل وعیال سے حفاظت کروا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی مجبوری ہے۔ اب ایسی شرط لگانا جس پر عمل کرنا مشکل ہو وہ شرط باطل ہے۔ اس لئے بیوی کو سپرد کیا اور امانت کی چیز ہلاک ہوگئی تو امین پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

نوٹ اگر ایسی چیز ہو جو اہل وعیال کو دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کو دینے سے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو مالک کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کو نہ دیں صحیح ہے۔ اور اس صورت میں بیوی کو دینے سے ضامن ہوگا۔

الودیعة للمودع لا تسلمها الی زوجتک فسلمها الیها لم یضمن[۱۵۹۱](۱۰۶) وان قال له احفظها فی هذا البیت فحفظها فی بیت آخر من الدار لم یضمن وان حفظها فی دار اخری ضمن.

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اہل وعیال کو حفاظت کے لئے نہ دینے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں مجبوری ہے۔

[۱۵۹۱] (۱۶) اور اگر کہا کہ اس کی حفاظت کریں اس کمرے میں، پس اس کی حفاظت کی گھر کے دوسرے کمرے میں تو ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کی حفاظت کی دوسرے گھر میں تو ضامن ہوگا۔

تشریح مالک نے کہا کہ اس گھر کے فلاں کمرے میں امانت کی حفاظت کریں۔ امین نے اسی گھر کے دوسرے کمرے میں اس کی حفاظت کی اور ہلاک ہوگئی تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ ایک گھر کے سارے کمرے حفاظت کے اعتبار سے ایک ہی طرح ہوتے ہیں۔ اس لئے دوسرے کمرے میں رکھنا حفاظت کے خلاف نہیں ہے اس لئے ضامن نہیں ہوگا۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ حفاظت میں دونوں برابر ہوں تو شرط کے قریب قریب کرنا شرط کی مخالفت نہیں ہے۔ ہاں اگر دوسرا کمرہ حفاظت کے اعتبار سے پہلے سے کم ہو۔ مثلا دوسرا کمرہ چور دروازے کے قریب ہو تو پھر اس میں رکھنے سے ضامن بنے گا۔ اور دوسرے گھر میں رکھ دیا تو ضامن ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گھر حفاظت کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں اس لئے دوسرے گھر میں رکھنے کی وجہ سے ضامن ہوگا

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ ہر گھر حفاظت کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں۔

﴿کتاب العاریة﴾

[۱۵۹۲](۱)العاریة جائزة وھی تملیک المنافع بغیر عوض[۱۵۹۳](۲) وتصح بقوله اعرتک واطعمتک ھذہ الارض ومنحتک ھذا الثوب وحملتک علی ھذہ الدابة اذالم

﴿کتاب العاریۃ﴾

ضروری نوٹ عاریت کے معنی ہیں کسی چیز کو مفت استعمال کرنے کے لئے دے اور بعد میں اس کو واپس لے لے۔اس کا ثبوت آیت میں ہے ویمنعون الماعون (آیت ۷سورۃ الماعون ۱۰۷)اس آیت میں کافروں کی صفت بیان کی ہے کہ وہ ماعون یعنی عاریت کی چیز سے بھی روکتے ہیں (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ابوطلحہ سے گھوڑا عاریت پر لیا اور سوار ہوئے۔قال سمعت انسا یقول کان فزع بالمدینة فاستعار النبی ﷺ فرسا من ابی طلحة یقال له المندوب فرکبه فلما رجع قال مارا اینا من شیء وان وجدناہ لبحرا (الف) (بخاری شریف، باب من استعار من الناس الفرس ص ۳۵۷ نمبر ۲۶۲۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو عاریت پر لینا جائز ہے۔

اس میں جو شخص مالک بنائے اس کو 'معیر' کہتے ہیں۔اور جس کو مالک بنایا گیا اس کو 'مستعیر' اور منفعت کو عاریت اور 'مستعار' کہتے ہیں۔

[۱۵۹۲](۱)عاریت جائز ہے اور وہ منافع کا مالک بنانا ہے بغیر عوض کے۔

تشریح بغیر کسی عوض کے کسی چیز کو دیدیں کہ اس سے فائدہ اٹھا کر چیز مجھے واپس دیدیں اس کو عاریت کہتے ہیں۔

وجہ اوپر کی حدیث میں گھوڑے کی منفعت سے فائدہ اٹھا کر آپؐ نے گھوڑا واپس دیدیا (۲) اثر میں ہے۔عن عبد اللہ قال کنا نعد الماعون علی عھد رسول اللہ ﷺ عاریة الدلو والقدر (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی حقوق المال ص ۲۴۱ نمبر ۱۶۵۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ کسی کو ڈول اور ہانڈی استعمال کے لئے دے دینا حضورؐ کے زمانے میں ماعون یعنی عاریت سمجھی جاتی تھی۔

[۱۵۹۳](۲)اور صحیح ہوتی ہے عاریت ان الفاظ کے کہنے سے، میں نے تم کو عاریت پر دیا۔اور میں نے تم کو یہ زمین کھانے لئے دی۔اور میں نے تم کو یہ کپڑا بخش دیا۔اور میں نے تم کو اس جانور پر سوار کیا جب کہ وہ اس سے ہبہ کی نیت نہ کرے۔اور تم کو یہ غلام خدمت کے لئے دیا۔اور میرا گھر تیرے رہنے کے لئے ہے۔اور میرا گھر تیرے عمر بھر رہنے کے لئے ہے۔

تشریح مصنفؒ نے یہاں سات الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے کہنے سے عاریت ہو جائے گی۔اس کے علاوہ اور بھی الفاظ ہیں جن سے عاریت کا مفہوم سمجھ میں آئے تو ان سے بھی عاریت منعقد ہوگی۔ہر ایک جملے کی تشریح پیش خدمت ہے۔اعرتک کا لفظ صریح استعمال ہوا ہے۔اطعمتک ھذہ الارض زمین کھانے کے لئے نہیں دی جاتی بلکہ اس کا غلہ کھانے کے لئے دیا جاتا ہے۔جس کا مطلب یہ نکلا کہ زمین

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں گھبراہٹ ہوئی تو حضورؐ نے ابوطلحہ سے عاریت پر گھوڑا لیا جس کو مندوب کہتے تھے۔پس آپؐ اس پر سوار ہوئے۔پس جب واپس ہوئے تو آپؐ نے فرمایا مجھے تو کوئی نظر نہیں آیا۔اور اس گھوڑے کو سمندر کی لہروں کی طرح پایا (ب) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے زمانے میں ماعون کو عاریت شمار کرتے تھے۔جیسے ڈول اور ہانڈی عاریت پر لینا۔

یرد به الھبة واخدمتک ھذا العبد وداری لک سکنیٰ وداری لک عمریٰ سکنیٰ [۱۵۹۴](۳) وللمعیر ان یرجع فی العاریة متی شاء[۱۵۹۵](۴) والعاریة امانة فی ید

کے غلے سے تم کواستفادہ کرنے کا حق ہے۔ منحتک ھذا الثوب کے دو مطلب ہیں۔ایک تو یہ کہ اس کپڑے کو مکمل دے دیا۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کپڑے کو وقتی طور پر پہننے کے لئے دیا۔اس لئے اگر ہبہ کی نیت نہ ہو تو عاریت ہی مراد ہوگی۔اسی طرح حملتک علی ھذہ الدابة کے بھی دو مطلب ہیں۔ایک مطلب ہے پورا گھوڑا ہبہ کر دیا۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وقتی طور پر یہ گھوڑا سوار ہونے کے لئے دے رہا ہوں۔اس لئے مکمل طور پر گھوڑا دینے کی نیت نہ ہو تو عاریت مراد ہوگی۔اخدمتک ھذا العبد میں تو صاف ہے کہ یہ غلام وقتی طور پر خدمت کے لئے عاریت پر دے رہا ہوں۔ داری لک سکنی میں بھی میرا گھر تمہارے رہنے کے لئے ہے اس میں عاریت ہے۔اور داری لک عمری سکنی میں اگر صرف داری لک عمری کا جملہ ہوتا تو اس سے ہبہ مفہوم ہوتا جیسے پہلے گزر چکا ہے۔لیکن سکنی کے لفظ نے واضح کر دیا کہ گھر ہبہ نہیں ہے بلکہ صرف عمر بھر رہنے کے لئے عاریت ہے۔اس لئے ان جملوں سے عاریت ہو جائے گی۔

[۱۵۹۴](۳) عاریت پر دینے والے کو حق ہے کہ عاریت کو واپس کر لے جب چاہے۔

وجہ چونکہ چیز مالک کی ہے اس لئے جب چاہے اس کو واپس لے سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن سمرة عن النبی ﷺ قال علی الید ما اخذت حتی تودی (نمبر ۱۲۵۶) اور دوسری حدیث میں ہے۔عن صفوان بن یعلی عن ابیہ قال قال لی رسول اللہ ﷺ اذا اتتک رسلی فاعطھم ثلاثین درعا وثلاثین بعیرا قال قلت یا رسول اللہ اعاریة مضمونة او عاریة مؤداة قال بل مؤداة (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریة ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۶۶ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ان العاریة مؤداة ص ۲۳۹ نمبر ۱۲۶۶ ردار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۴ نمبر ۲۹۲۸) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عاریت ادا کی جائے گی اس لئے مالک اس کو جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔

لغت معیر : عاریت پر دینے والا مالک

[۱۵۹۵](۴) عاریت لینے والے کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے۔اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو عاریت لینے والا ضامن نہیں ہوگا

تشریح جس شخص کو چیز عاریت پر دی اس کے قبضہ میں عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے۔اور امانت کا قاعدہ گزر چکا ہے کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ مسئلہ نمبر ۳ میں حدیث گزری۔قلت یا رسول اللہ اعاریة مضمونة او عاریة مؤداة (ابوداؤد شریف، نمبر ۳۵۶۶) جس سے معلوم ہوا کہ عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے ضمانت نہیں ہوتی۔عن علی قال لیست العاریة مضمونة انما ھو معروف الا ان یخالف فیضمن (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب العاریة، ج ثامن، ص ۱۷۹ نمبر ۱۴۷۸۸) اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے عاریت

حاشیہ : (الف) حضرت صفوان فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضورؐ نے فرمایا اگر تمہارے پاس میرا قاصد آئے تو اس کو تیس زرہ اور تیس اونٹ دینا۔میں نے کہا یا رسول اللہ! عاریت مضمون ہے یا عاریت صرف ادا کرنا ہے؟ آپؐ نے فرمایا بلکہ عاریت ادا کرنا ہے (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عاریت کا ضمان نہیں ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

المستعير ان هلک من غير تعد لم يضمن المستعير[۱۵۹۶](۵) وليس للمستعير ان يوجر ما استعاره فان آجره فهلک ضمن[۱۵۹۷](۶) وله ان يعيره اذا كان المستعار

امانت ہے بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو مستعیر پر ضمانت نہیں ہے۔

فائدہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عاریت مضمون ہے بغیر تعدی کے بھی ہلاک ہو جائے تو ضمان لازم ہوگا۔امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

وجہ عن صفوان بن امية ان رسول الله استعار منه ادرعا يوم حنين فقال اغصب يا محمد ؟ فقال لا بل عارية مضمونة (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۶۲ دار قطنی ، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۵ نمبر ۲۹۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عاریت بغیر تعدی کے بھی ہلاک ہو جائے تو اس کا تاوان لازم ہوگا کیونکہ وہ مضمون ہے۔

[۱۵۹۶](۵) عاریت پر لینے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اجرت پر رکھے اس چیز کو جس کو عاریت پر لیا۔پس اگر اجرت پر رکھا اور ہلاک ہو گئی تو ضامن ہوگا۔

تشریح جس چیز کو عاریت پر لیا اس کو اجرت پر نہیں رکھ سکتا۔اور اگر اجرت پر رکھ دیا اور ہلاک ہو گئی تو عاریت پر لینے والا اس کا ضامن ہو جائیگا۔

وجہ اجرت دینے میں الزام ہے اور متعین مدت تک دینا لازم ہو جاتا ہے۔جبکہ عاریت میں کوئی لزوم نہیں ہے۔اس لئے اجرت اعلی درجہ کا معاملہ ہوا اور عاریت ادنی درجہ کا معاملہ ہے اس لئے ادنی درجہ کا معاملہ اعلی درجے کو شامل نہیں ہوگا (۲) مثلا عاریت کو تین دن کے لئے اجرت پر رکھ دیا تو وہ تین دن سے پہلے واپس نہیں دے گا اور عاریت والا مثلا ابھی فورا واپس مانگ لے گا تو تین دن تک کیسے رکھ سکے گا۔اس لئے بھی عاریت والا اجرت پر نہیں رکھ سکتا۔

[۱۵۹۷](۶) اور عاریت پر لینے والے کے لئے جائز ہے کہ اس کو دوسرے کو عاریت پر دے دے جبکہ استعمال کرنے والے کے استعمال کرنے سے مستعار چیز متغیر نہ ہوتی ہو۔

تشریح اگر استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے چیز میں خرابی پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو تو عاریت لینے والا دوسرے کو استعمال کرنے کے لئے دے سکتا ہے۔

وجہ جیسے کودال یا تلوار اس کے استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے کوئی زیادہ نہیں فرق پڑتا اس لئے خود استعمال کرے یا مزدور کو استعمال کرنے کے لئے دے کوئی فرق نہیں پڑے گا (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے حضرت صفوان سے جنگ حنین کے وقت تیس سے چالیس زرہ عاریت پر لیا اور ان کو صحابہ کو عاریت کے طور پر استعمال کرنے کے لئے دیا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے عن اناس من آل عبد الله

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) یہ تو ایک احسان ہے مگر یہ مخالفت کرے تو ضامن ہو جائے گا (الف) آپؐ نے حنین کے دن زرہ عاریت پر لی تو حضرت صفوان نے پوچھا اے محمدؐ! کیا غصب کے طور پر لے رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ عاریت لے رہا ہوں ضمان کے طور پر۔

مما لا يختلف باختلاف المستعمل[۱۵۹۸](۷) وعارية الدراهم والدنانير والمكيل والموزون قرض[۱۵۹۹](۸) واذا استعار ارضا ليبنى فيها او يغرس جاز[۱۶۰۰](۹) وللمعير ان يرجع عنها ويكلفه قلع البناء والغرس فان لم يكن وقت العارية فلا ضمان

بن صفوان ... فاعاره مابين الثلاثين الى الاربعين درعا وغز رسول الله حنينا فلما هزم المشركون جمعت دروع صفوان ففقد منها ادراعا (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ ص۱۴۵ نمبر ۳۵۶۳) اس حدیث میں حضرت صفوان سے زرہ لیکر صحابہ کو عاریت پر استعمال کرنے کے لئے آپؐ نے دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عاریت لینے والا دوسروں کو عاریت پر دے سکتا ہے۔

نوٹ اگر استعمال کرنے والے کے بدلنے سے چیز کے خراب ہونے کا خطرہ ہو اور استعمال کے لئے آدمی متعین کیا ہو تو دوسرے کو استعمال کے لئے نہیں دے سکتا ورنہ ضامن ہوگا۔

[۱۵۹۸] (۷) درہم، دینار اور کیلی چیز اور وزنی چیز کی عاریت قرض ہے۔

تشریح عاریت کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز بحال ہی رہے اور عاریت پر لینے والا صرف اس کے نفع سے فائدہ اٹھائے پھر وہ چیز بعینہ واپس کردے۔ جیسے تلوار سے قتال کرلے اور تلوار بعینہ واپس کردے۔ لیکن درہم اور دینار اور کیلی اور وزنی چیز سے فائدہ اٹھانے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ چیز ہی ختم ہو جائے گی۔ مثلا درہم اور دینار خرچ ہو جائیں گے اور گیہوں اور کھجور کھا جائیں گے۔ اور اس کے مثل واپس کریں گے اس لئے یہ چیزیں عاریت کہہ کرلے تو وہ قرض ہوں گی۔

وجہ کیونکہ قرض میں عین چیز ہلاک کرکے اس کا مثل واپس کرتے ہیں۔

[۱۵۹۹] (۸) اگر زمین عاریت پر لی تاکہ اس پر عمارت بنائے یا درخت لگائے تو جائز ہے۔

تشریح زمین کو عاریت پر لے کر اس پر عمارت بنانا یا درخت لگانا جائز ہے۔

وجہ کیونکہ مالک کی اجازت سے عمارت بنا رہا ہے اور درخت لگا رہا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال لان يمنح الرجل اخاه ارضه خير له من ان يأخذ عليها خرجا معلوما (ب) (مسلم شریف، باب الارض تمنح ص۱۴ نمبر ۱۵۵۰ ر ابوداؤد شریف، بابٌ فی المزارعۃ ص۱۲۴ نمبر ۳۳۸۹) اس حدیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ زمین بونے کے لئے عاریت پر دینا چاہئے۔

[۱۶۰۰] (۹) اور عاریت پر دینے والے کے لئے جائز ہے کہ اس کو واپس لے لے اور مستعیر کو مکلف بنائے گا عمارت توڑنے کا اور درخت اکھاڑنے کا۔ پس اگر عاریت متعین نہیں کیا تو معیر پر ضمان نہیں ہے۔ اور اگر عاریت کا وقت متعین کیا اور واپس لیا وقت سے پہلے تو عاریت پر

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے حضرت صفوان سے تیس سے چالیس زرہیں عاریت پر لی اور حضورؐ نے جنگ حنین میں غزوہ کیا۔ پس جب مشرکین شکست کھا گئے تو حضرت صفوان کی زرہیں جمع کی گئیں۔ پس ان میں سے کئی زرہ گم پائی گئیں (ب) آپؐ نے فرمایا کہ آدمی اپنے بھائی کو زمین عاریت پر دے یہ زیادہ بہتر ہے اس سے کہ اس سے معلوم اجرت لیکر دے۔

علیہ وان کان وقت العارية ورجع قبل الوقت ضمن المعيرُ للمستعير ما نقص البناء و الغرس بالقلع [١٦٠١](١٠) واجرة رد العارية على المستعير[١٦٠٢](١١) واجرة رد العين المستأجرة على المؤجر.

دینے والا عاریت پر لینے والے کا ذمہ دار ہوگا جتنا نقصان ہوا دیوار ٹوٹنے کا اور درخت اکھیڑنے کا۔

تشریح اگر عاریت پر دینے والے نے عاریت کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا تھا تو اپنی زمین کسی بھی وقت واپس لینے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اور کہہ سکتا ہے کہ اپنی عمارت توڑلو اور اپنا درخت اکھیڑلو اور بالکل خالی کر کے میری زمین واپس کرو۔ اور چونکہ کوئی وقت متعین نہیں تھا اس لئے توڑنے اور درخت اکھیڑنے کے نقصان کا ضمان بھی زمین والے پر لازم نہیں ہوگا۔

وجہ کیونکہ کوئی وقت متعین نہیں تھا اس لئے زمین والے نے مکان بنانے والے یا درخت لگانے والے کو دھوکا نہیں دیا۔ اس لئے زمین والے پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر وقت متعین تھا اور وقت متعینہ سے پہلے عمارت توڑنے اور درخت کاٹنے کے لئے کہا تو چونکہ دھوکا دیا اس لئے زمین والا عمارت ٹوٹنے کے نقصان کا ضمان دے گا اور درخت کٹنے کے نقصان کا ضمان ادا کرے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر زمین والے نے دھوکا نہیں دیا ہے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر دھوکا دیا ہو تو اس پر ضمان لازم ہوگا۔

لغت معیر : عاریت پر دینے والا، قلع اکھیڑنا، وقت : وقت متعین کرنا۔

[۱۶۰۱](۱۰) عاریت کے لوٹانے کی اجرت عاریت لینے والے پر ہے۔

وجہ مستعیر نے اپنے فائدے کے لئے مفت عاریت کی چیز لایا تھا اب اس کو لوٹانا اور مالک کو سپرد کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے اس لئے واپس لوٹانے میں اجرت لگتی ہو تو یہ اجرت عاریت پر لینے والے پر ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کی ذمہ داری ہے اجرت اسی پر لازم ہوگی۔

[۱۶۰۲](۱۱) اور اجرت پر لی ہوئی چیز کی اجرت اجرت پر دینے والے پر ہوگی۔

وجہ اجرت پر لینے والے پر اجرت کی چیز واپس کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ صرف تخلیہ کر دینا کافی ہے تا کہ مالک اس کو خود واپس لے جائے۔ کیونکہ اس نے مفت میں چیز استعمال کرنے نہیں دی ہے بلکہ اجرت پر دی ہے۔ اس لئے واپس لے جانا بھی مالک ہی کے ذمہ ہے۔ اس لئے مالک ہی پر واپس کرنے کی اجرت لازم ہوگی۔

اصول اوپر گزر گیا کہ جس کی ذمہ داری ہے اسی پر اجرت لازم ہوگی۔

لغت المؤجر : اجرت پر دینے والا۔

نوٹ شرط کرلے تو متاجر پر بھی اس کی اجرت ہوگی۔

[۱۶۰۳](۱۲) واجرة رد العين المغصوبة على الغاصب [۱۶۰۴] (۱۳)واجرة رد العين المودعة على المودع[۱۶۰۵](۱۴) واذا استعار دابة فردها الى اصطبل مالكها فهلكت لم يضمن[۱۶۰۶] (۱۵)وان استعار عينا وردها الى دار المالک ولم يسلمها اليه لم يضمن[۱۶۰۷] (۱۶) وان رد الوديعة الى دار المالک ولم يسلمها اليه ضمن والله اعلم بالصواب.

[۱۶۰۳](۱۲)اور غصب شدہ چیز کے لوٹانے کی اجرت غاصب پر ہوگی۔

وجہ غاصب زبردستی سامان لے کر گیا ہے اس لئے مالک تک پہنچانا اسی کی ذمہ داری ہے۔اس لئے واپس لوٹانے کی اجرت غاصب پر ہوگی۔

[۱۶۰۴](۱۳)ودیعت کے لوٹانے کی اجرت ودیعت رکھنے والے پر ہے۔

تشریح ودیعت مالک کی طرف لوٹانا ہے تو مالک ہی پر اس کی اجرت لازم ہوگی کیونکہ امین نے مفت میں اس کو امانت پر رکھا ہے۔اور یہ اس کا احسان ہے۔اور مالک کو اس کی ضرورت ہے کہ اپنی چیز امین کے یہاں سے واپس لائے۔اس لئے مالک ہی پر اس کی اجرت لازم ہوگی۔

[۱۶۰۵](۱۴)اگر جانور عاریت پر لیا پھر اس کو اس کے مالک کے اصطبل تک لوٹا دیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح جانور کو عموما اصطبل کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اصطبل میں لوٹانا مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے۔اس لئے عاریت لینے والے نے جانور کو مالک کے اصطبل کی طرف لوٹایا اور جانور ہلاک ہو گیا تو عاریت لینے والا ضامن نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایسی جگہ عاریت رکھ دیا جہاں مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے تو اس سے وہ بری ہو جائے گا۔

[۱۶۰۶](۱۵)اگر کوئی عاریت پر لی اور اس کو مالک کے گھر پہنچا دی اور اس کے مالک کو سپرد نہیں کیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ عاریت کی چیز مثلا کودال، ہل وغیرہ عموما گھر ہی پہنچا دیتے ہیں اور مالک نہ بھی ہو تو گھر والوں کو دے دیتے ہیں اور اسی سے مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے۔اس لئے مالک کو نہ دیا اور اس کے گھر پہنچا دیا تب بھی مستعیر ضامن نہیں ہوگا۔ (اصول اوپر گزر گیا۔)

[۱۶۰۷](۱۶)اور اگر امانت کی چیز مالک کے گھر پہنچائی اور مالک کو سپرد نہیں کیا تو ضامن ہوگا۔

وجہ اگر مالک کو گھر والوں پر اتنا اعتماد ہوتا تو دوسرے کے پاس امانت کیوں رکھتا۔اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے پاس امانت رکھا ہی اس لئے ہے کہ گھر والے کے ہاتھ میں وہ چیز نہ چلی جائے۔اور امانت رکھنے والے نے مالک کے بجائے گھر والوں کو دے دیا تو خلاف مقصد کیا اس لئے امین ضامن ہوگا۔آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها (الف) (آیت ۵۸ سورۃ النساء۴)اس آیت میں کہا گیا ہے کہ امانت مالک کو پہنچاؤ۔اس لئے گھر والوں کو پہنچانے سے بری نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امانت کی چیز پر گھر والوں کا قبضہ امانت کی ادائیگی شمار نہیں کی جائے گی۔

حاشیہ : (الف) اللہ تعالی تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانتیں ان کے اہل کے پاس واپس کرو۔

﴿کتاب اللقیط﴾

[۱۶۰۸](۱)اللقیط حر ونفقته من بیت المال[۱۶۰۹](۲) وان التقطه رجل لم یکن لغیره ان یأخذه من یده [۱۶۱۰](۳)فان ادعی مدع انه ابنه فالقول قوله مع یمینه.

ضروری نوٹ لقیط اس بچے کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا ہو اور اس کی جان بچانے کے لئے کوئی اس کو اٹھا لے اور اس کی پرورش کرنے لگے۔ لقیط کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **فالتقطه آل فرعون لیکون لهم عدوا وحزنا** (الف) (آیت ۸ سورة القصص ۲۸) اور اس آیت میں بھی ہے۔ **قال قائل منهم لاتقتلوا یوسف والقوه فی غیابت الجب یلتقطه بعض السیارة ان کنتم فاعلین** (ب) (آیت ۱۰ سورۂ یوسف ۱۲) ان دونوں آیتوں میں دو عظیم نبیوں کے لقطے اور اٹھانے کا ذکر ہے۔

[۱۶۰۸] (۱) لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔

وجہ دارالاسلام ہے اس لئے گمان یہی کیا جائے گا کہ یہ بچہ کسی آزاد ہی کا بچہ ہوگا۔ اس لئے یہ بچہ آزاد شمار ہوگا (۲) یوں بھی اس پر غلامیت کی کوئی علامت نہیں ہے اس لئے اس کو آزاد ہی شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ بنی آدم آزاد ہوتا ہے (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **حدثنی ابو جمیلة انه وجد منبوذا علی عهد عمر بن الخطاب فاتاه به فاتهمه عمر فاثنی علیه خیرا فقال عمر فهو حر وولاؤه لک ونفقته من بیت المال** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب ولاء اللقیط ج تاسع ص ۱۴ نمبر ۱۶۱۸۲) (۴) **ان علیا سئل عن لقیط فقال هو حر عقله علیهم وولاؤه لهم** (مصنف عبد الرزاق، ج تاسع ص ۱۵ نمبر ۱۶۱۸۴ رسنن للبیہقی، باب التقاط المنبوذ وانہ لا یجوز ترکہ ضائعا، ج سادس، ص ۳۳۲، نمبر ۱۲۱۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔

وجہ کیونکہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو بیت المال ایسے آدمی کے نفقے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

[۱۶۰۹] (۲) اگر بچے کو کسی آدمی نے اٹھا لیا تو دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو اس کے ہاتھ سے لے لے۔

وجہ جب ایک کا قبضہ ہو گیا تو دوسرے کا قبضہ ساقط ہو گیا اس لئے بغیر کسی وجہ اور بغیر اٹھانے والے کی اجازت کے دوسرا اس کے ہاتھ سے نہیں لے سکتا (۲) اوپر حضرت عمرؓ کے قول میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا **وولاؤه لک** کہ جس نے اٹھایا ہے بچے کا ولاء اسی کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اٹھانے والے کو ہی حق ہے دوسرے کو نہیں۔

[۱۶۱۰] (۳) پس اگر کسی نے دعوی کیا کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی قسم کے ساتھ۔

تشریح اگر کسی نے دعوی کیا کہ یہ بچہ اس کا بیٹا ہے تو اگر چہ اس میں اٹھانے والے کا حق مارا جائے گا لیکن بیٹا بننے میں بچے کا فائدہ ہے اس لئے

حاشیہ : (الف) آل فرعون نے حضرت موسیؑ کو اٹھا لیا تا کہ اس کے لئے دشمن اور غمگینی کی چیز بن جائے (ب) کہنے والے نے کہا کہ حضرت یوسفؑ کو قتل مت کرو، ان کو گہرے کنویں میں ڈال دو، کوئی مسافر ان کو اٹھالے جائے گا اگر تم کرنے والے ہو (ج) ابو جمیلہ نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں پھینکے ہوئے بچے کو پایا۔ اس کو حضرت عمر کے پاس لیکر آیا۔ پس حضرت عمرؓ نے اس کو متہم کیا تو لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا بچہ آزاد ہے اور تم کو اس کی ولاء ملے گی۔ اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔

[۱۶۱۱](۴) وان ادعاه اثنان ووصف احدهما علامة فی جسده فهو اولی به[۱۶۱۲](۵) واذا وجد فی مصر من امصار المسلمین او فی قریة من قراهم فادعی

اس کو ترجیح دی جائے گی اور بچے کا نسب دعوی کرنے والے سے ثابت کر دیا جائے گا۔ البتہ چونکہ کوئی علامت نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی گواہی ہے اس لئے قسم کے ساتھ بات مانی جائیگی۔

[۱۶۱۱](۴) اگر بیٹے کا دعوی کیا دو آدمیوں نے اور ایک نے اس کے جسم میں علامت بیان کی تو وہ بیٹے کا زیادہ حقدار ہے۔

تشریح دو آدمیوں نے لقیط کے بیٹے ہونے کا دعوی کیا۔ ان میں سے ایک نے بیٹے ہونے کی علامت بیان کی اور کہا کہ جسم میں فلاں علامت ہے جس کی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس علامت بیان کرنے کی وجہ سے اس آدمی سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔

وجہ علامت بیان کرنا بیٹے ہونے کی ترجیح ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو علامت بیان کرے چیز اس کو دی جائے گی۔ جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها و وکائها فان جاء احد یخبرک بها والا فاستنفقها (الف) (بخاری شریف، باب ضالۃ الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷) اس حدیث میں فرمایا کوئی آکر علامت کی خبر دے تو اس کو دیدو۔ جس سے معلوم ہوا کہ علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

نوٹ اگر کسی نے بیٹے ہونے کا پہلے دعوی کیا تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس وقت اور کسی کا دعوی نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ پہلے جس نے دعوی کیا اس کا حق ہے۔ عن حمید بن عبد الرحمن الحمیری عن رجل من اصحاب النبی ﷺ ان النبی ﷺ قال اذا اجتمع الداعیان فاجب اقربهما بابا فان اقربهما بابا اقربهما جوارا و ان سبق احدهما فاجب الذی سبق (ب) (ابوداؤد شریف، باب اذا اجتمع داعیان ایہما احق ص ۱۷۱ نمبر ۳۷۵۶) اس حدیث میں جن کا گھر قریب تھا اس کی دعوت قبول کی کیونکہ وہ قبول کرنے کی علامت ہے۔ اور کسی نے پہلے دعوت دی تو چونکہ مزاحم نہیں ہے اس لئے اس کی دعوت قبول کی۔

[۱۶۱۲](۵) اگر لقیط پایا گیا مسلمان کے شہروں میں سے کسی شہر میں یا اس کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں۔ پھر کسی ذمی نے دعوی کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو لقیط کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور لقیط مسلمان ہوگا۔

تشریح چاہے مسلمان کے شہر میں پایا جائے پھر بھی ذمی دعوی کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو بچے کا نسب ذمی سے ثابت کر دیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ نسب ثابت کرنے کی ضرورت ہے ورنہ بچہ حرامی شمار ہوگا۔ اور اس کی پرورش کا کوئی خاص انتظام نہیں ہوگا۔ اس لئے ذمی بھی نسب کا دعوی کرے تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔ البتہ چونکہ اسلامی شہر ہے اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ بچہ مسلمان ہوگا۔ اس لئے اس کو مسلمان ہی شمار کریں گے کیونکہ اسی میں بچے کا فائدہ ہے۔

حاشیہ : (الف) دیہاتی نے حضورؐ سے پوچھا کہ کس طرح لقطہ اٹھائے تو فرمایا ایک سال تک اس کا تعارف کراتے رہو پھر اس کے باندھنے کی چیز اور اس کی علامت یاد رکھو۔ پس اگر کوئی ان علامتوں کی خبر دے تو اس کو دے دو ورنہ اس کو خرچ کرو (ب) آپؐ نے فرمایا دو دعوت دینے والے جمع ہو جائیں تو جن کا قریب دروازہ ہو اس کی دعوت قبول کی جائے۔ اس لئے کہ جن کا دروازہ قریب ہو وہ قریب کا پڑوسی ہوگا۔ اور اگر دونوں میں سے ایک پہلے آ گیا تو پہلے والے کی دعوت قبول کریں۔

ذمی انہ ابنہ ثبت نسبہ منہ و کان مسلما[۱۶۱۳](۶) وان وجد فی قریۃ من قری اھل الذمۃ او فی بیعۃ او کنیسۃ کان ذمیا[۱۶۱۴](۷) ومن ادعی ان اللقیط عبدہ او امتہ لم یقبل منہ وکان حرا[۱۶۱۵](۸) وان ادعی عبد انہ ابنہ ثبت نسبہ منہ و کان حرا[۱۶۱۶](۹) وان وجد مع اللقیط مال مشدود علیہ فھو لہ[۱۶۱۷](۱۰) ولا یجوز تزویج الملتقط.

[۱۶۱۳](۶) اور اگر ذمی کے گاؤں میں پایا گیا یا مندر یا گرجا میں پایا گیا تو وہ ذمی ہوگا۔

وجہ ذمی کے گاؤں میں پایا گیا یا گرجا یا مندر میں بچہ پایا گیا تو یہ علامت ہے اور غالب گمان ہے کہ بچہ کسی کافر کا ہوگا اس لئے وہ ذمی شمار ہوگا

اصول کوئی مزاحم نہ ہو تو غالب گمان اور علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

لغت بیعۃ : یہود کا عبادت خانہ، کنیسۃ : نصاری کا عبادت خانہ۔

[۱۶۱۴](۷) اگر کسی نے دعوی کیا کہ لقیط اس کا غلام ہے یا باندی ہے تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی اور وہ آزاد ہوگا۔

وجہ غلام یا باندی ہونا بچہ کے لئے نقصان دہ ہے۔ اور ظاہری کوئی علامت نہیں ہے اس لئے بچے کو کسی کا غلام یا باندی شمار نہیں کیا جائے گا۔ ہاں گواہی پیش کر دے تو غلامیت کا فیصلہ کیا جائے گا (۲) اوپر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے اثر میں گزرا کہ لقیط آزاد ہوگا اس لئے صرف دعوی پر غلامیت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

[۱۶۱۵](۸) اگر غلام نے دعوی کیا کہ لقیط اس کا بیٹا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہوگا اور لقیط آزاد ہوگا۔

وجہ چاہے غلام سے نسب ثابت ہو پھر بھی بچے کے لئے فائدہ ہے۔ اس لئے غلام دعوی کرے تو اس سے ہی نسب ثابت کر دیا جائے گا لیکن بچہ آزاد شمار کیا جائے گا۔

وجہ غلام آدمی آزاد عورت سے شادی کرے تو اس سے آزاد بچہ پیدا ہوتا ہے اس لئے کوئی ضروری نہیں ہے کہ غلام کا بچہ غلام ہی ہو۔ اس لئے نسب تو غلام سے ثابت کر دیا جائے گا لیکن بچہ آزاد شمار کیا جائے گا (۲) پہلے اثر گزر چکا ہے کہ لقیط آزاد ہوگا۔

[۱۶۱۶](۹) اگر لقیط کے ساتھ مال باندھا ہوا پایا گیا تو وہ مال اسی کا ہے۔

وجہ لقیط کے ساتھ بندھا ہوا ہونا دلیل ہے کہ یہ مال لقیط ہی کا ہے۔ اس لئے اس علامت ظاہرہ کی وجہ سے مال لقیط کا ہوگا۔

اصول پہلے گزر گیا ہے کہ کوئی مزاحم نہ ہو تو علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

[۱۶۱۷](۱۰) نہیں جائز ہے پانے والے کا شادی کرنا۔

تشریح بچہ پانے والا بچے کی شادی خود اپنے سے کرائے یا کسی دوسرے سے کرائے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ شادی کرانے کا حق تین وجہ سے ہوتا ہے (۱) یا رشتہ دار ہو (۲) یا اس پر ملکیت ہو جیسے غلام یا باندی کا مولی (۳) ملک کا بادشاہ اور حاکم

[۱۶۱۸](۱۱) ولا تصرفه فی مال اللقیط[۱۶۱۹] (۱۲)ویجوز ان یقبض له الهبة ویسلمه فی صناعة ویواجره.

ہو۔اور پانے والا ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے اس لئے لقیط کی شادی کرانے کا حق اس کو نہیں ہے (۲) بچے کی شادی کرانے میں ابھی فائدہ بھی نہیں ہے کہ اس کی اس کو اجازت دی جائے۔

[۱۶۱۸](۱۱)اور نہیں جائز ہے لقیط کے مال میں تصرف کرنا۔

تشریح لقیط کے لئے لقیط کے مال سے کھانا، کپڑا اور ضروریات زندگی ملتقط خرید سکتا ہے۔لیکن اس کے مال کو خرید وفروخت میں ڈال کر خرد برد نہیں کرسکتا وجہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور بلاوجہ کی چیز میں لقیط کے مال کو ڈالنے کی ملتقط کو ولایت نہیں ہے۔

[۱۶۱۹](۱۲)اور جائز ہے کہ ملتقط قبضہ کرے لقیط کے لئے ہبہ کو اور سپرد کرے اس کو پیشے میں اور اس کو مزدوری پر لگائے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ لقیط کے فائدے کے لئے ملتقط کام کرسکتا ہے۔مثلا لقیط کے لئے جو ہبہ آئے اس پر قبضہ کرے یا لقیط کو کسی ہنر میں لگائے تاکہ اس سے نفع آئے۔یا خود لقیط کو مزدوری پر لگائے تاکہ اس کی اجرت آئے اور لقیط پر خرچ کی جاسکے۔یہ سب کام لقیط کے فائدے کے لئے ہیں اس لئے یہ سب کام پانے والا کرسکتا ہے۔

اصول لقیط کے لئے فائدے کا کام پانے والا کرسکتا ہے۔نقصان کا کام نہیں کرسکتا۔

لغت صناعة : پیشہ،کاریگری، یواجر : اجرت پردے،مزدوری پردے۔

﴿كتاب اللقطة﴾

[۱۶۲۰](۱) اللقطة امانة فی يد الملتقط اذا اشهد الملتقط انه يأخذها ليحفظها ويردها على صاحبها.

﴿کتاب اللقطۃ﴾

ضروری نوٹ کسی گرے ہوئے مال کو اٹھا لینے کو لقطہ کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ سمعت سويد بن غفلة قال لقيت ابی بن كعب فقال اصبت صرة فيها مائة دينار فاتيت النبی ﷺ فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد من يعرفها ثم اتيته فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد ثم اتيته ثلاثا فقال احفظها وعائها وعددها ووكاءها فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت فلقيته بعد بمكة فقال لا ادری ثلاثة احوال او حولا واحدا (الف) (بخاری شریف، باب اذا اخبر رب اللقطۃ بالعلامۃ دفع الیہ ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶ رمسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۳) اس حدیث سے لقطہ کا حکم بھی معلوم ہوا اور اس کا ثبوت بھی۔

[۱۶۲۰](۱) لقطہ امانت ہے اٹھانے والے کے ہاتھ میں جبکہ اٹھانے والے نے گواہ بنایا کہ اس کو اٹھایا تا کہ اس کی حفاظت کرے اور اس کو اس کے مالک کے پاس لوٹا دے۔

تشریح لقطے کا مال اٹھایا اور گواہ بنایا کہ اس کو حفاظت کے لئے اٹھا رہا ہوں تو وہ مال اس کے ہاتھ میں امانت ہوگا۔ اور اگر حفاظت کرنے اور مالک کی طرف لوٹانے پر گواہ نہیں بنایا تو بعض صورتوں میں وہ ضمانت کا مال ہو جائے گا۔

وجہ حفاظت پر گواہ بنانے کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن عياض بن حمار قال قال رسول الله من وجد لقطة فليشهد ذا عدل او ذوی عدل ولا يكتم ولا يغيب فان وجد صاحبها فليردها عليه والا فهو مال الله يؤتيه من يشاء (ب) (ابوداؤد شریف، باب التعریف باللقطۃ ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۰۹ رابن ماجہ شریف، باب اللقطۃ ص ۳۵۹ نمبر ۲۵۰۵) اس حدیث میں لقطے پر گواہ بنانے کا حکم ہے (۲) ضروری نوٹ کی حدیث میں عرفها حولا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لقطہ اٹھانے پر گواہ بنانا چاہئے۔

اور لقطہ ملتقط کے ہاتھ میں امانت ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ سمع زيد بن خالد الجهنی صاحب رسول الله ﷺ يقول سئل رسول الله عن اللقطة الذهب او الورق فقال اعرف وكاءها وعفاصها ثم عرفها سنة فان لم تعرف فاستنفقها

حاشیہ : (الف) حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک تھیلی پائی اس میں سو دینار تھے۔ پس میں حضورؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو۔ تو میں نے اس کی تشہیر کی۔ پس اس کا مالک نہیں ملا۔ میں پھر آیا فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو۔ پس میں نے اس کی تشہیر کی۔ پس نہیں پایا۔ پھر تیسری مرتبہ آیا تو آپؐ نے فرمایا اس کا برتن یاد رکھو اور اس کی عدد یاد رکھو اور اس کی بندھن یاد رکھو۔ پس اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے فائدہ اٹھالو۔ پس میں نے فائدہ اٹھالیا۔ پھر ان سے مکہ میں ملاقات کی تو مجھے یاد نہیں ہے کہ تین سال یا ایک سال کہا (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے لقطہ پایا تو عادل آدمی کو گواہ بنانا چاہئے اور چھپانا نہیں چاہئے اور غائب نہیں کرنا چاہئے۔ پس اگر اس کا مالک آئے تو اس پر لوٹا دینا چاہئے ورنہ تو وہ اللہ کا مال ہے جس کو چاہے دے۔

[۱۶۲۱](۲) فان کانت اقل من عشرة دراهم عرفها ایاما و ان کان عشرة فصاعدا عرفها حولا کاملا[۱۶۲۲](۳) فان جاء صاحبها والا تصدق بها.

ولتکن ودیعة عندک فان جاء طالبها یوما من الدھر فادھا الیه (الف)(مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ج ثانی ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/۴۵۰۲/ بخاری شریف، باب ضالة الغنم ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۸) اس حدیث میں فرمایا کہ لقطہ پانے والے کے پاس امانت ہوگا۔

[۱۶۲۱](۲) پس اگر دس درہم سے کم کی ہوتو اس کی تشہیر کرے گا چند دن، اور اگر دس یا اس سے زیادہ ہوتو اس کی تشہیر کرے گا پورے سال۔

تشریح لقطہ کا مال دس درہم سے کم ہوتو چند دنوں تک اس کی تشہیر کرے کہ یہ مال میرے پاس ہے جس کا ہو علامت بتا کر لے لو۔ اور دس درہم یا اس سے زیادہ قیمت کی ہوتو ایک سال اس کی تشہیر کرے۔

وجہ دس درہم ہوتو چند دنوں تک تشہیر کرنے پر دلیل یہ حدیث ہے۔ عن یعلی بن مرة قال قال رسول اللہ ﷺ من التقط لقطة یسیره حبلا او درھما او شبه ذلک فلیعرفه ثلاثة ایام فان کان فوق ذلک فلیعرفه ستة ایام (ب)(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی قلیل اللقطة، ج سادس، ص ۳۲۳، نمبر ۱۲۱۰۰/ مصنف عبد الرزاق، باب احلت اللقطة الیسیرة ج عاشر ص ۱۴۲ نمبر ۱۸۶۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تھوڑی بہت قیمت کی چیز ہوتو دس روز سے کم تشہیر کرے اور زیادہ کی چیز ہوتو ایک سال تشہیر کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) اوپر بخاری کی حدیث گزری جس میں تعاعرفها حولا جس سے معلوم ہوا کہ ایک سال تشہیر کرے (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن زید بن خالد الجھنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها ووکاء ھا (ج)(بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷/ مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲) اس حدیث میں قیمتی چیز کے لئے ایک سال تشہیر کرنے کا حکم ہے۔

اصول یہاں اصول یہ ہے کہ مال جتنا قیمتی ہو اور مالک کے تلاش کرنے کا امکان ہو اتنی دیر مالک کو تلاش کرتا رہے۔

[۱۶۲۲](۳) پس اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو صدقہ کردے۔

تشریح اگر لقطہ کا مالک ایک سال میں مل جائے تو اس کو یہ مال دیدے اور اگر نہ ملے تو اس کو صدقہ کردے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ تلاش کرنے کے باوجود مالک نہ ملے تو یہ اللہ کا مال ہے ملتقط جہاں چاہے رکھ دے۔ عن عیاض بن حمار قال قال رسول اللہ ﷺ ... فان وجد صاحبها فلیردھا علیه والا فھو مال اللہ یؤتیه من یشاء (د)(ابو داؤد شریف، باب

حاشیہ : (الف) آپ سے سونا اور چاندی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اس کے بندھن کو یاد رکھیں، پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کریں۔ پس اگر نہ ملے تو اس کو خرچ کرلیں۔ اور یہ اس کے پاس امانت ہوگی۔ پھر طالب کبھی بھی آئے تو اس کو دیدے (ب) آپ نے فرمایا کسی نے تھوڑا سا لقطہ پایا رسی یا درہم یا اس کے مشابہ تو اس کی تین دن تشہیر کرنی چاہئے اور اس سے زیادہ کی ہوتو چھ دن تشہیر کرنی چاہئے (ج) ایک دیہاتی حضورؐ کے پاس آئے اور لقطے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کی ایک سال تشہیر کریں پھر اس کی بندھن اور رسی یاد رکھیں (د) آپ نے فرمایا... اگر لقطے کا مالک مل جائے تو اس کو واپس کردو اور نہ آئے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۶۲۳](۴) فان جاء صاحبها وهو قد تصدق بها فهو بالخیار ان شاء امضی الصدقة

التعریف باللقطۃ ص ۲۴۸ نمبر ۱۷۰۹ /ابن ماجہ شریف، باب اللقطۃ ص ۳۵۹ نمبر ۲۵۰۵) اس حدیث میں ہے کہ مالک آجائے تو اس کو دیدے ورنہ اس مال کو صدقہ کردے (۲) ان رجلا من بنی رؤاس وجد صرة فاتی بها علیا ... قال تصدق بها فان جاء صاحبها فرضی کان له الاجر وان لم یرض غرمتها وکان لک الاجر (الف) (سنن للبیہقی، باب اللقطۃ یأ کلها الغنی والفقیر اذالم تعترف بعد تعریف سنۃ، ج سادس، ص ۳۱۱، نمبر ۱۲۰۶۲ / مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ ج عاشر ص ۱۳۹ نمبر ۱۸۶۲۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ لقطہ صدقہ کرنا پڑے گا (۳) مالک کو یا اصل چیز پہنچائے اور وہ ممکن نہ ہو تو صدقہ کر کے اس کا ثواب پہنچائے۔

نوٹ اگر خود محتاج ہو تو لقطہ کا مال خود بھی کھا سکتا ہے۔

وجہ ضروری نوٹ کی لمبی حدیث میں یہ ٹکڑا گزرا ہے فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت (ب) (بخاری شریف، باب اذا اخبر رب اللقطۃ بالعلامۃ دفع الیہ ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶) دوسری روایت میں ہے والا فاستنفقها (بخاری شریف، نمبر ۲۴۲۷ / مسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲ / ابو داؤد شریف، باب التعریف باللقطۃ ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۰۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اٹھانے والا بھی کھا سکتا ہے۔

[۱۶۲۳] (۴) پس اگر اس کا مالک آئے حالانکہ وہ لقطہ صدقہ کر چکا ہے تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو صدقہ بدستور رکھے اور چاہے تو اٹھانے والے سے ضمان لے لے۔

تشریح لقطہ اٹھانے والے نے لقطہ صدقہ کر دیا اس کے بعد مالک آیا اور پوری علامت بیان کی تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ بدستور رکھے اور اٹھانے والے سے مال کا تاوان نہ لے اور چاہے تو اٹھانے والے سے مال کا تاوان لے لے۔

وجہ اٹھانے والے نے بغیر مالک کی اجازت کے صدقہ کیا ہے اس لئے اٹھانے والے سے مالک ضمان لے سکتا ہے (۲) اوپر اثر گزرا ان رجلا من بنی رؤاس وجد صرة فاتی بها علیا فقال انی وجدت صرة فیها دراهم وقد عرفتها ولم اجد من یعرفها وجعلت اشتهی ان لا یجیئ من یعرفها قال تصدق بها فان جاء صاحبها فرضی کان له الاجر وان لم یرض غرمتها وکان لک الاجر (ج) (سنن للبیہقی، باب اللقطۃ یأ کلها الغنی والفقیر اذالم تعترف بعد تعریف سنۃ، ج سادس، ص ۳۱۱، نمبر ۱۲۰۶۲ / مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ ج عاشر ص ۱۳۹ نمبر ۱۸۶۲۹) (۳) دوسرے اثر میں ہے عن عمر بن الخطاب قال فی اللقطة یعرفها سنة

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) تو اللہ کا مال ہے جس کو چاہے دیدیں (الف) قبیلہ رواس کے ایک آدمی نے تھیلی پائی پس وہ حضرت علی کے پاس آئے... حضرت علی نے فرمایا اس کو صدقہ کردو۔ پس اگر اس کا مالک آئے اور راضی ہو جائے تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر راضی نہ ہو تو اس کا تاوان دے دیں اور آپ کو اجر ملے گا (ب) پس اگر لقطہ کا مالک آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ پس میں نے فائدہ اٹھالیا (ج) بنی رواس کے ایک آدمی نے ایک تھیلی پائی۔ پس وہ حضرت علی کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ایک تھیلی پائی ہے۔ اس میں درہم ہیں اور میں نے اس کی تشہیر کی اور کوئی نہیں ملا جو اس کو پہچانتا ہو۔ اور میں چاہتا تھا کہ پہچاننے والے نہ ملے۔ حضرت علی نے فرمایا اس کو صدقہ کردو۔ پس اگر مالک آیا اور صدقہ سے راضی ہو گیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر راضی نہ ہوا تو اس کا تاوان دے دینا اور تم کو اس کا ثواب ملے گا۔

وان شاء ضمن الملتقط[۱۶۲۴](۵) ویجوز الالتقاط فی الشاة والبقر والبعیر.

فان جاء صاحبها والا تصدق بها فان جاء صاحبها بعد ما یتصدق بها خیره فان اختار الا جر کان له وان اختار المال کان له ماله (الف) (مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطة ج عاشر ص ۱۳۹ نمبر ۱۸۶۳۰) ان دونوں اثروں میں ہے کہ صدقہ کرنے کے بعد مالک آئے تو دونوں اختیار ہیں۔ صدقہ بدستور رکھنے کا اور پانے والے سے ضمان لے لینے کا بھی۔

[۱۶۲۴](۵) جائز ہے بکری، گائے اور اونٹ کو پکڑ لینا۔

تشریح حضورؐ کے زمانے میں لوگ اچھے تھے اس لئے اونٹ کو لقطہ بنانے سے آپؐ نے منع فرمایا تھا، کیونکہ وہ ضائع نہیں ہوگا۔ اور اس کا مالک خود اس کو لے جائے گا۔ لیکن بعد میں لوگ اچھے نہیں رہے اس لئے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہ فتوی دیا گیا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس کو پکڑ لیا جائے اور تشہیر کی جائے۔ بعد میں اس کو بیچ کر اس کی قیمت رکھ لی جائے تاکہ اس کے مالک کو دیا جائے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **سمع ابن شهاب یقول کانت ضوال الابل فی زمان عمرؓ ابلا مؤبلة تناتج لایمسها حتی اذا کان زمان عثمان بن عفان امر بمعرفتها وتعریفها ثم تباع فاذا جاء صاحبها اعطی ثمنها (ب)** (سنن للبیہقی، باب الرجل یجد ضالة یرید ردها علی صاحبها لا یرید اکلها، ج سادس، ص ۳۱۶، نمبر ۱۲۰۸۰ رمصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطة، ج عاشر، ص ۱۳۲، نمبر ۱۸۶۰۷) اس اثر میں اونٹ پکڑ لینے کا فتوی ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اونٹ نہ پکڑے۔

وجہ (۱) اس کو جانور نہیں کھائے گا اور اس کے ساتھ کھانے پینے کی چیز ہے اس لئے غیر کے مال کو بلا وجہ نہ پکڑا جائے (۲) حدیث میں پکڑنے کی ممانعت ہے۔ **عن زید بن خالد الجهنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه ... قال یا رسول الله فضالة الغنم ؟ قال لک او لاخیک او للذئب قال ضالة الابل؟ فتمعر وجه النبی ﷺ فقال مالک ولها ؟ معها حذاؤها وسقاؤها ترد الماء وتأکل الشجر (ج)** (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷ رمسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲) اس حدیث میں بکری پکڑنے کی ترغیب دی اور اونٹ پکڑنے سے منع فرمایا ہے۔

حاشیہ : (الف) عمر بن خطابؓ نے لقطہ کے بارے میں فرمایا کہ اس کی ایک سال تشہیر کرے۔ پس اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو صدقہ کر دے۔ پس اگر اس کا مالک صدقہ کے بعد آئے تو اس کو اختیار ہے چاہے تو ثواب اختیار کرے تو اس کو ثواب ملے گا اور اگر مال اختیار کرے تو اس کے لئے مال ہوگا (ب) حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ گم شدہ اونٹنی حضرت عمرؓ کے زمانے میں ادھر ادھر پھرتی رہتی اور بچہ دیتی۔ اس کو کوئی چھوتا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان کا زمانہ آیا تو اس کے پہچاننے اور اس کی تشہیر کا حکم دیا۔ پھر بیچی جاتی۔ پس جب اس کا مالک آتا تو اس کی قیمت دی جاتی (ج) ایک دیہاتی حضورؐ کے پاس آیا اور لقطہ کے بارے میں پوچھا... انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! گمشدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیری ہے، یا تیرے بھائی کی ہے یا بھیڑیے کی ہے۔ پھر پوچھا گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ تو آپ کا چہرہ مبارک رنگ گیا اور فرمایا تم کو اس سے کیا مطلب؟ اونٹ کے ساتھ اس کا جوتا ہے، پینے کا پانی ہے، خود پانی پینے آتا ہے اور درختوں کے پتوں کو کھاتا ہے۔

[۱۶۲۵] (۶) فان انفق الملتقط عليها بغير اذن الحاكم فهو متبرع وان انفق باذنه كان ذلك دينا على صاحبها[۱۶۲۶] (۷) واذا رفع ذلك الى الحاكم نظر فيه فان كان للبهيمة منفعة آجرها وانفق عليها من اجرتها[۱۶۲۷] (۸) وان لم يكن لها منفعة وخاف

[۱۶۲۵] (۶) پس اگر پانے والے نے لقطہ پر خرچ کیا حاکم کی اجازت کے بغیر تو وہ احسان کرنے والا ہوگا۔اور اگر اس کی اجازت سے خرچ کیا تو یہ اس کے مالک پر قرض ہوگا۔

تشریح لقطہ اٹھانے والے نے حاکم کی اجازت کے بغیر لقطہ پر خرچ کیا تو یہ اس پر احسان ہوگا۔یعنی مالک سے مقدمہ کرکے وہ خرچ نہیں لے سکے گا۔البتہ مالک خود دیدے تو ہوسکتا ہے۔اور اگر حاکم کے فیصلہ سے خرچ کیا تو یہ خرچ مالک کے ذمہ قرض ہوتا جائے گا۔جب مالک آئے گا تو اس سے یہ قرض وصول کرے گا۔

وجہ (۱) حاکم کو ولایت عامہ ہے اس لئے ان کے فیصلے کے بعد لقطہ کا خرچ مالک پر قرض ہوگا ورنہ نہیں (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابراهيم قالوا لو ان رجلا التقط ولد زنا فاراد ان ينفق عليه ويكون له عليه دين فليشهد وان كان يريد ان يحتسب عليه فلا يشهد قال ابو حنيفة اقول انا ليس بشيء الا ان يقرضه له عليه السلطان (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ولاء اللقيط ج تاسع ص ۱۶ نمبر ۱۶۱۸۸) اس اثر میں ہے کہ بادشاہ طے کرے گا تب ملتقط کو خرچ ملے گا ورنہ تبرع ہوگا۔

[۱۶۲۶] (۷) جب یہ مقدمہ حاکم کے پاس آئے تو اس میں غور کرے۔پس اگر جانور کے لئے منفعت ہو تو اس کو اجرت پر رکھے اور اس پر اس کی اجرت خرچ کرے۔

تشریح مثلا گائے کو لقطہ کیا اور ہر روز تین درہم کا دودھ دیتی تھی اور دو درہم کا چارہ کھاتی تھی تو حاکم اس میں غور کرکے گویا کہ دو درہم روزانہ چارے کا پانے والے کو دلوائے گا اور روزانہ ایک درہم مالک کے لئے بچتا رہے گا۔

وجہ اس صورت میں لقطہ بھی زندہ رہے گا اور نہ مالک پر بوجھ پڑے گا اور نہ ملتقط پر بوجھ پڑے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سب کے لئے جو زیادہ نفع بخش ہو وہ کام کیا جائے۔

لغت آجرها : اجرت پر دے، بهيمة : جانور، چوپایہ۔

[۱۶۲۷] (۸) اور اگر لقطہ کے لئے منفعت نہ ہو اور خوف ہو کہ خرچ اس کی قیمت کو بھی لے ڈوبے گا تو حاکم اس کو بیچے اور حکم دے اس کی قیمت کی حفاظت کا۔

تشریح لقطہ مال کی کوئی آمدنی نہیں ہے اور چارہ وغیرہ خرچ اتنا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد چارے کا خرچ اس کی قیمت سے بڑھ جائے گا اور

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر کوئی آدمی ولد الزنا کو اٹھائے اور اس پر خرچ کرنا چاہے تاکہ اس پر قرض ہو تو اس پر گواہ بنالینا چاہئے۔اور اگر چاہتا ہے کہ اس پر احسان کرے تو گواہ نہ بنائے۔امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں ہوگا مگر یہ کہ بادشاہ اس پر قرض لگائے۔

ان تستغرق النفقة قیمتها باعها الحاکم وامر بحفظ ثمنها[۱۶۲۸](۹) وان کان الاصلح الانفاق علیها اذن فی ذلک وجعل النفقة دینا علی مالکها[۱۶۲۹](۱۰) فاذا حضر مالکها فللملتقط ان یمنعه منها حتی یأخذ النفقة[۱۶۳۰](۱۱) ولقطة الحل والحرم

مالک کے لئے جانور لینے کے بجائے چارے کا خرچ زیادہ دینا پڑ جائے گا۔ ایسی صورت میں حاکم لقطے کے مال کو بچوادے گا۔ اوراس کی قیمت کسی امین کے پاس محفوظ رکھے گا تا کہ مالک آئے تو جانور کے بجائے اس کی قیمت اس کو حوالہ کردی جائے۔

وجہ مسئلہ نمبر۶ میں حضرت عثمانؓ کا لمبا اثر گزرا جس میں تھا کہ انہوں نے اونٹ کو لقطہ قرار دیا اوراس کو بچوا کراس کی قیمت محفوظ رکھواتے تھے۔ تا کہ جب اس کا مالک آئے تو اس کی قیمت حوالہ کردی جائے۔ اثر کا ٹکڑا یہ ہے **سمع ابن شهاب يقول ... حتى اذا كان زمان عثمان بن عفان امر بمعرفتها وتعریفها ثم تباع فاذا جاء صاحبها اعطى ثمنها** (الف) (سنن للبیہقی، باب الرجل یجد ضالۃ یرید ردھا علی صاحبھا لا یرید اکلھا، ج سادس، ص ۳۱۶، نمبر ۱۲۰۸۰ رمصنف عبدالرزاق، کتاب اللقطۃ، ج عاشر، ص ۱۳۲، نمبر ۱۸۶۰۷) اس اثر میں اونٹ بچوا کراس کی قیمت محفوظ رکھوانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مناسب سمجھے تو قیمت محفوظ رکھوا سکتا ہے۔

[۱۶۲۸] (۹) اوراگر لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہو تو اس کی اجازت دیدے اور خرچ اس کے مالک پر قرض کردے۔

تشریح حاکم اگر یہ مناسب سمجھے کہ اس لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہے تو خرچ کرنے کی اجازت دیدے اور جتنا خرچ کیا وہ سب لقطہ کے مالک پر قرض ہوتا رہے گا۔

[۱۶۲۹] (۱۰) پس جب اس کا مالک آئے تو ملتقط کے لئے جائز ہے کہ اس سے روک دے یہاں تک کہ خرچ لے لے۔

تشریح مالک آنے کے بعد ملتقط کو حق ہے کہ جب تک اپنا خرچ نہ لے لے اس وقت تک لقطہ کو اپنے پاس روکے رکھے۔

وجہ چونکہ حاکم کے فیصلے سے خرچ کیا ہے اوراس کی رقم خرچ ہوئی ہے اس لئے اس کو وصول کرنے کا حق ہے۔

[۱۶۳۰] (۱۱) حل اور حرم کے لقطے برابر ہیں۔

تشریح یعنی دونوں کے احکام برابر ہیں کہ جس طرح حل کا لقطہ ایک سال تشہیر کے بعد اس کو خرچ کر سکتا ہے اسی طرح حرم کا لقطے کی تشہیر کے بعد خرچ کر سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ حرم کے لئے ہمیشہ تشہیر کرتا ہی رہے۔

وجہ حضرت عائشہ کا اثر ہے۔ **ان امرأة سألت عائشة فقالت انى اصبت ضالة فى الحرم وانى عرفتها فلم اجد احدا يعرفها فقالت لها عائشة استنفعى بها** (ب) (طحاوی شریف، باب اللقطۃ والضوال ج ثانی ص ۲۵۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرم کا لقطہ بھی تشہیر کے بعد خرچ کیا جا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ ... یہاں تک کہ جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا تو اونٹنی کے پہنچانے اوراس کی تشہیر کا حکم دیا۔ پھر اس کو بیچی جاتی۔ پس جب اس کا مالک آتا تو اس کو اس کی قیمت دے دی جاتی (ب) ایک عورت نے حضرت عائشہ سے پوچھا۔ کہا کہ میں نے حرم میں گمشدہ لقطہ پایا ہے۔ اور میں نے اس کی تشہیر کی اور کسی کو نہیں پایا جو اس کو جانتا ہو۔ تو حضرت عائشہ نے فرمایا اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

سواء[۱۶۳۱](۱۲) واذا حضر الرجل فادعی ان اللقطة له لم تدفع الیه حتی یقیم البینة.

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک مالک نہ آجائے اس وقت تک حرم کے لقطے کی تشہیر کرتا رہنا ہی پڑے گا۔

وجہ ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں حرم کے لقطے کی تشہیر ہمیشہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔حدیث ہے **عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لایلتقط لقطتها الا معرف** (الف) (بخاری شریف، باب کیف تعرف لقطۃ اہل مکۃ ص ۳۲۸ نمبر ۲۴۳۳) اور ابوداؤد میں ہے۔**عن عبد الرحمان بن عثمان التیمی ان رسول اللہ ﷺ نهی عن لقطة الحاج قال احمد قال ابن وهب یعنی فی لقطة الحاج یترکها حتی یجدها صاحبها** (ب) (ابوداؤد شریف، باب التعریف باللقطۃ ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۱۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حاجیوں کے لقطے کی ہمیشہ تشہیر کرتا رہے۔

[۱۶۳۱](۱۲) اگر آدمی حاضر ہوا اور دعوی کیا کہ لقطہ اس کا ہے تو اس کو نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ بینہ قائم کرے۔

تشریح اگر آدمی حاضر ہو اور لقطہ کی علامت بیان کرے تو اس پر دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا جب تک کہ لقطہ اس کے ہونے پر بینہ قائم نہ کرے۔

وجہ یہ دوسرے کا مال ملتقط کے پاس امانت ہے اس لئے اس کے دینے کے لئے بینہ ضروری ہے (۲) حدیث میں ہے۔**عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال لو یعطی الناس بدعواهم لادعی ناس دماء رجال واموالهم ولکن الیمین علی المدعی علیه** (ج) (مسلم شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ص ۷۴ نمبر ۱۷۱۱) اور مدعی کے بارے میں یہ حدیث ہے۔**عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر الا فی القسامة** (د) (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات وغیرہ ج ثالث ص ۸ نمبر ۳۱۶۵) اس لئے مالک کے لئے بینہ پیش کرنا ضروری ہے۔

نوٹ دل گواہی دے اور حالات اچھے ہوں تو صرف علامت بتانے سے ملتقط دے سکتا ہے۔کیونکہ یہاں کوئی دوسرا آدمی مزاحم نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ مالک آکر صرف علامت بیان کر دے تو ملتقط پر دینا واجب ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں مالک کے آنے پر دینے کا حکم ہے۔**عن زید ابن خالد الجهنی ان رجلا سأل رسول اللہ ﷺ عن اللقطة قال عرفها سنة ثم اعرف وکاءها وعفاصها ثم استنفق بها فان جاء ربها فادها الیه** (ہ) (بخاری شریف، باب اذا جاء صاحب اللقطۃ بعد سنۃ ردھا علیہ لانہا ودیعۃ عندہ ص ۳۲۹ نمبر ۲۴۳۶ رمسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مکہ کا لقطہ نہ اٹھائے مگر تشہیر کرنے والے (ب) حضورؐ نے حاجیوں کے لقطے سے منع فرمایا ہے۔حضرت احمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابن وہب نے فرمایا حاجیوں کے لقطے کو چھوڑ دے تا کہ اس کا مالک پالے (ج) آپؐ نے فرمایا اگر آدمی کو صرف اس کے دعوی سے دے دیا جائے تو لوگ آدمیوں کے خون اور مالوں کا مطالبہ کرنے لگیں۔لیکن مدعی علیہ پر قسم ہے (د) آپؐ نے فرمایا جس نے دعوی کیا اس پر بینہ ہے اور انکار کرنے والے پر قسم ہے مگر قسامت میں (ہ) ایک آدمی نے حضورؐ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو۔پھر اس کا بندھن اور اس کا برتن یاد رکھو۔پھر اس کو خرچ کرو۔پس اگر اس کا مالک آئے تو اس کو ادا کر دو۔

[۱۶۳۲] (۱۳) فان اعطی علامتها حل للملتقط ان یدفعها الیه ولا یجبر علی ذلک فی القضاء [۱۶۳۳] (۱۴) ولا یتصدق باللقطة علی غنی [۱۶۳۴] (۱۵) وان کان الملتقط

والابل ص ۷۸ نمبر ۲۲۷۱/۲۵۰۲۴) اس حدیث میں ہے کہ مالک آجائے تو اس کو دے دو اور بینہ پیش کرنے کا حکم نہیں ہے۔اس لئے بینہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[۱۶۳۲] (۱۳) پس اگر بتایا اس کی علامت تو حلال ہے پانے والے کے لئے کہ لقطہ اس کو دے دے لیکن قضاء کے طور پر اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

تشریح قضاء کے طور پر تو اسی وقت مجبور کیا جائے گا جبکہ مالک اس کے ہونے پر بینہ پیش کر دے۔لیکن اگر صرف علامت بتاتا ہے تو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔البتہ ملتقط کے لئے دینا حلال ہو جائے گا۔

وجہ (۱) اوپر حدیث گزر چکی ہے **فان جاء بها فادها الیه** (بخاری شریف نمبر ۲۴۳۶ر مسلم شریف نمبر ۱۷۲۲) (۲) کی حدیث میں یہ زیادتی ہے۔**فان جاء احد یخبرک بعددها ووعاء ها ووکاء ها فاعطها ایاه** (الف) مسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علامت بتائے تو اس کے حوالے کرنا جائز ہے۔

[۱۶۳۳] (۱۴) اور لقطہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ صدقہ کرے اور صدقہ غرباء پر ہوتا ہے۔اس لئے پتہ چلتا ہے کہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔حدیث میں ہے۔**عن ابی هریرة قال قال رسول الله وسئل عن اللقطة فقال لا تحل اللقطة من التقط شیئا فلیعرفه سنة فان جاء صاحبها فلیردها الیه وان لم یأت صاحبها فلیتصدق بها** (ب) (دار قطنی، کتاب الرضاع ج رابع ص ۱۰۸ نمبر ۴۳۴۳ر مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ ج عاشر ص ۱۳۹ نمبر ۱۸۶۳۰) مصنف میں حضرت عمر کا قول ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ کرے اور صدقہ فقیر پر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔

[۱۶۳۴] (۱۵) اور اگر ملتقط مالدار ہو تو جائز نہیں ہے کہ لقطہ سے فائدہ اٹھائے۔

وجہ کچھ حدیث اور اثر تو مسئلہ نمبر ۱۴ میں گزر گئے (۲) ایک اثر یہ بھی ہے۔**عن نافع ان رجلا وجد لقطة فجاء الی عبد الله بن عمر فقال له انی وجدت لقطة فماذا تری فقال له ابن عمر عرفها قال قد فعلت قال زد قال قد فعلت قال لا آمرک ان تأکلها ولو شئت لم تأخذها** (ج) (سنن للبیہقی، باب اللقطۃ یأ کلها الغنی والفقیر اذا لم تعرف بعد تعریف سنۃ، ج سادس، ص ۳۱۲، نمبر

حاشیہ : (الف) پس اگر کوئی آدمی اس کی تعداد اور برتن اور بندھن کے بارے میں خبر دے تو لقطہ اس کو حوالہ کر دے (ب) لقطہ کے بارے میں آپ[؟] سے پوچھا تو آپ نے فرمایا لقطہ اٹھانا حلال نہیں ہے۔جس نے کچھ اٹھایا تو اس کو ایک سال تک تشہیر کرنی چاہئے۔پس اگر اس کا مالک آئے تو اس کو لوٹا دو۔اور اگر اس کا مالک نہ آئے تو اس کا صدقہ کر دو (ج) ایک آدمی نے لقطہ پایا اور عبد اللہ بن عمر کے پاس آیا اور ان سے کہا میں نے لقطہ پایا ہے۔پس آپ کی کیا رائے ہے؟ ان سے حضرت ابن عمر نے کہا اس کی تشہیر کرو۔اس نے کہا میں کر چکا ہوں۔ابن عمر نے فرمایا اور تشہیر کرو۔اس نے کہا کر چکا ہوں۔ابن عمر نے فرمایا تم کو یہ حکم نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

غنیا لم یجز ان ینتفع بها[۱۶۳۵](۱۶) وان کان فقیرا فلا بأس بان ینتفع بها[۱۶۳۶] (۱۷) ویجوز ان یتصدق بها اذا کان غنیا علی ابیه وابنه وامه وزوجته اذا کانوا فقراء.

۱۲۰۶۳)لقطہ پانے والی عورت نے تین مرتبہ اصرار کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا تھا۔فقالت (عائشة) اتریدین ان آمرک بذبحها (الف) (مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ ج عاشر ص ۱۴۰ نمبر ۱۸۶۳۴) ان آثار سے معلوم ہوا کہ خود مالدار ہو تو لقطہ کا مال استعمال نہ کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خود مالدار ہو پھر بھی لقطہ کا مال تشہیر کرنے کے بعد استعمال کرسکتا ہے۔

وجہ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ملتقط کو استعمال کرنے کا حضورؐ نے حق دیا ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن زید بن خالد الجهنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها و وکائها فان جاء احد یخبرک والا فاستنفقها (ب) (بخاری شریف، باب ضالۃ الغنم ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷ رمسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/۴۴۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ ملتقط خود بھی کھا سکتا ہے چاہے وہ مالدار ہو یا غریب۔

[۱۶۳۵] (۱۶) اور اگر ملتقط فقیر ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائے۔

تشریح اگر لقطہ پانے والا خود فقیر ہے تو تشہیر کے بعد اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

وجہ اوپر کی امام شافعیؒ والی حدیث ہمارے نزدیک اسی پر محمول ہے کہ آدمی غریب ہو تو خود استعمال کرسکتا ہے۔الا فاستنفقها (بخاری شریف نمبر ۲۴۲۷ رمسلم شریف نمبر ۱۷۲۲)

[۱۶۳۶] (۱۷) اور جائز ہے کہ صدقہ کرے لقطہ کو جبکہ خود مالدار ہو اپنے باپ اور بیٹے اور اپنی ماں اور اپنی بیوی پر اگر یہ لوگ فقیر ہوں۔

تشریح پانے والا خود مالدار ہے لیکن اس کا باپ، بیٹا، ماں اور بیوی غریب ہیں تو یہ ان لوگوں پر لقطہ کا مال صدقہ کرسکتا ہے۔

وجہ زکوۃ کا اپنا مال اپنے باپ، بیٹا، ماں اور بیوی پر خرچ نہیں کرسکتا ہے۔لیکن یہ مال تو ملتقط کا نہیں ہے بلکہ اجنبی کا ہے اس لئے اجنبی کا مال ملتقط کے فقیر باپ یا بیٹے یا ماں یا بیوی پر لگ سکتا ہے۔اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔اور جب خود فقیر ہو تو کھا سکتا ہے تو ان لوگوں پر کیوں خرچ نہیں کرسکتا جبکہ وہ فقیر ہوں۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) دوں گا کہ تم اس کو کھا لو اگر تم ایسا چاہتے تو اس کو اٹھاتے ہی نہیں (الف) حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تم چاہتی ہو کہ تم کو بکری ذبح کرنے کا حکم دے دوں؟ (ب) ایک دیہاتی حضورؐ کے پاس آئے اور اپنے لقطے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ایک سال تک اس کی تشہیر کرو۔پھر اس کا برتن اور بندھن یاد رکھو۔پس کوئی آئے اور آپ کو خبر دے اس کے بارے میں تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو خرچ کرلو۔

﴿ كتاب الخنثى ﴾

[۱۶۳۷](۱) اذا كان للمولود فرج وذكر فهو خنثى[۱۶۳۸](۲) فان كان يبول من الذكر فهو غلام وان كان يبول من الفرج فهو انثى[۱۶۳۹](۳) وان كان يبول منهما

﴿ كتاب الخنثى ﴾

ضروری نوٹ جس آدمی کے مرد ہونے یا عورت ہونے کا پتہ نہ چلے اس کو خنثی کہتے ہیں۔اس کو مرد قرار دیں یا عورت،اس کے مسائل اس باب میں ہیں۔اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی علامت قوی ہو وہی شمار کیا جائے گا۔مرد ہونے کی علامت قوی ہو تو مرد ہونے کو ترجیح دیں گے۔اور عورت ہونے کی علامت قوی ہو تو عورت قرار دیں گے۔اس کی دلیل حدیث ہے کہ کوئی مزاحم نہ ہو اور کوئی اور صورت نہ ہو تو علامت دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔فان جاء احد يخبرك بعددها ووعاء ها ووكاء ها فاعطها اياه (مسلم شریف،باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۳)اس حدیث میں علامت بتانے پر لقطہ کا مال دے دیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کوئی صورت نہ ہو تو علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

[۱۶۳۷](۱) جب بچہ کے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ خنثی ہے۔

تشریح بچہ کو عورت جیسی شرمگاہ بھی ہے اور مرد جیسا ذکر بھی ہے تو وہ خنثی کہلائے گا۔

[۱۶۳۸](۲) پس اگر ذکر سے پیشاب کرتا ہو تو وہ لڑکا ہے اور اگر فرج سے پیشاب کرتی ہو تو وہ لڑکی ہے۔

تشریح علامت تو دونوں قسم کی ہیں تو جس عضو سے پیشاب کرے وہی شمار کیا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ سئل عن مولود ولد له قبل وذكر من اين يورث فقال النبي ﷺ يورث من حيث يبول (الف) (سنن للبیہقی، باب میراث الخنثی، ج سادس، ص ۴۲۸، نمبر ۱۲۵۱۸ رمصنف عبد الرزاق، باب خنثی ذکر ج عاشر ص ۳۰۸ نمبر ۱۹۲۰۴)اس حدیث اور اثر میں ہے کہ جس سے پیشاب کرے وہی شمار کیا جائے گا۔

[۱۶۳۹](۳) پس اگر پیشاب دونوں سے کرے۔اور پیشاب ان میں سے ایک سے پہلے آتا ہو تو ان دونوں میں سے پہلے والے کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

تشریح دونوں سوراخوں سے پیشاب آتا ہو تو جس سوراخ سے پہلے پیشاب آئے گا وہی شمار ہوگا۔مثلا ذکر سے پہلے پیشاب آتا ہو تو لڑکا شمار کیا جائے گا اور فرج سے پہلے پیشاب آتا ہو تو لڑکی شمار کی جائے گی۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن قتادة قال سألت سعيد بن مسيب عن الذى يخلق خلق المرأة وخلق الرجل كيف

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے ایسے بچے کے بارے میں پوچھا گیا جس کو فرج بھی ہو اور ذکر بھی ہو تو کیسے وارث ہوگا تو حضورؐ نے فرمایا جس سوراخ سے پیشاب کرتا ہو اس اعتبار سے وارث ہوگا۔

والبول یسبق من احدھما نسب الی الاسبق منھما[۱۶۴۰](۴) وان کانا فی السبق سواء فلا یعتبر بالکثرۃ عند ابی حنیفۃ وقالا رحمھما اللہ تعالٰی ینسب الی اکثرھما بولا [۱۶۴۱](۵) واذا بلغ الخنثٰی وخرجت لہ لحیۃ او وصل الی النساء فھو رجل [۱۶۴۲] (۶) فان ظھر لہ ثدی کثدی المرأۃ او نزل لہ لبن فی ثدیيہ او حاض او حبل او امکن

یورث ؟ فقال من ایھما بال ورث قال فقال ابن المسیب ارایت ان کان یبول منھما جمیعا ؟ فقلت لا ادری فقال انظر من ایھما یخرج البول اسرع فعلی ذلک یورث (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب خنثی ذکر، ج عاشر،ص ۳۰۹،نمبر ۱۹۲۰۵/ سنن للبیہقی ، باب میراث الخنثی ، ج سادس ،ص ۴۲۷ ،نمبر ۱۲۵۱۶) اس اثر میں ہے کہ جس سوراخ سے پیشاب پہلے نکلے وہی شمار کیا جائے گا۔

[۱۶۴۰](۴) اور اگر نکلنے میں دونوں برابر ہوں تو کثرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ اور صاحبین نے فرمایا منسوب کیا جائے گا اس کی طرف جس سے زیادہ آتا ہو۔

تشریح ذکر اور فرج دونوں سوراخوں سے بیک وقت پیشاب نکلتا ہے لیکن ایک سوراخ سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے اور دوسرے سے کم نکلتا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک زیادہ اور کم نکلنے سے مذکر یا مؤنث کی ترجیح نہیں دی جائے گی۔

وجہ یہ مذکر یا مؤنث ہونے کی علامت نہیں ہے بلکہ سوراخ کے وسیع ہونے کی وجہ سے زیادہ آرہا ہے اور تنگ ہونے کی وجہ سے پیشاب کم آرہا ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ترجیح کا کوئی راستہ نہیں ہے اس لئے پیشاب کے کم اور زیادہ نکلنے کو مذکر اور مؤنث بنانے کی علت قرار دی جائے گی۔ یعنی اگر ذکر سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے تو مذکر ہے۔ اور فرج سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے تو مؤنث ہے۔

[۱۶۴۱](۵) اگر خنثی بالغ ہو جائے اور اس کی ڈاڑھی نکل جائے یا وہ عورت سے صحبت کر لے تو وہ مرد ہے۔

وجہ یہ دونوں علامتیں مرد ہونے کی ہیں۔ اس لئے وہ مرد شمار ہوگا۔

[۱۶۴۲](۶) پس اگر عورت کی طرح اس کو پستان ظاہر ہوں یا اس کے پستان سے دودھ اتر آئے یا حیض آجائے یا حمل رہ جائے یا فرج کی جانب سے اس سے صحبت ممکن ہو تو وہ عورت ہے۔

تشریح خنثی کو عورت کی طرح پستان ظاہر ہو جائے، یا اس کے پستان سے دودھ آنے لگے، یا حیض آجائے، یا حمل ٹھہر جائے، یا اس کی شرمگاہ

حاشیہ : (الف) میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا ایسا آدمی جس میں عورت کی تخلیق ہو اور مرد کی تخلیق ہو وہ کیسے وارث ہوگا؟ فرمایا جہاں سے پیشاب کرتا ہو اس اعتبار سے وارث ہوگا۔ ابن مسیب کہنے لگے اگر دونوں سوراخوں سے پیشاب کرتا ہو؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ فرمایا دیکھو کس سوراخ سے پیشاب جلدی نکلتا ہے۔ پس اس اعتبار سے وارث ہوگا۔

الوصول اليه من جهة الفرج فهو امرأة[۱۶۴۳](۷) فان لم يظهر له احدى هذه العلامات فهو خنثى مشكل[۱۶۴۴](۸) واذا وقف خلف الامام قام بين الصف الرجال والنساء[۱۶۴۵](۹)وتبتاع له امة من ماله تختنه ان كان له مال فان لم يكن له مال ابتاع له الامام من بيت المال امة فاذا ختنته باعها ورد ثمنها الى بيت المال.

کی جانب سے صحبت کرناممکن ہوجائے تواس خنثی کوعورت شمار کریں گے۔

وجہ اس لئے کہ یہ علامتیں عورت کی ہیں۔اس لئے عورت کے حکم میں ہوگی۔

اصول علامتوں پر فیصلہ کیا جائے گا۔

[۱۶۴۳](۷)پس اگران علامتوں میں سے کچھ ظاہر نہ ہوں تو وہ خنثی مشکل ہے۔

تشریح مرد یا عورت کی علامتوں میں سے کچھ پتہ نہ چلے تواب کسی جانب اس کوترجیح نہیں دی جاسکتی۔اس لئے اب وہ خنثی مشکل ہے۔

وجہ مرد یا عورت میں سے کسی کی علامت نہ ہوتو اب کیا کرے۔

[۱۶۴۴](۸)اوراگرامام کے پیچھے کھڑا ہوتو مرداورعورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔

تشریح اگرعلامت کی وجہ سے کسی ایک جانب ترجیح دے دی جاتی تب تو اسی کے احکام جاری ہوتے۔لیکن علامت نہ ہونے کی وجہ سے کسی ایک جانب ترجیح نہ دی جاسکی اس لئے اب عورت اور مرد کے درمیان ہوگا اوراس پر درمیانی احکام جاری ہوں گے۔اس کی وجہ سے یہ امام کے پیچھے کھڑا ہوتو مردوں کی صف اورعورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہوگا۔

وجہ کیونکہ یہ نہ مرد ہے اور نہ عورت۔اگر مرد کے ساتھ کھڑا ہوتو عورت ہونے کی وجہ سے ان کی نماز مکروہ ہوگی۔اوراگرعورت کے ساتھ کھڑا ہوتو مرد ہونے کی وجہ سے ان کی نماز خراب ہوگی۔اس لئے دونوں کے درمیان کھڑا ہو۔

[۱۶۴۵](۹)خنثی کے لئے باندی خریدی جائے گی اس کے مال سے جواس کی ختنہ کرے اگراس کے پاس مال ہو۔پس اگراس کے پاس مال نہ ہوتواس کے لئے امام خریدے گا باندی بیت المال سے،پس جب اس کا ختنہ کرچکے تو باندی کو بیچ دے اوراس کی قیمت بیت المال کی طرف واپس کرے۔

تشریح خنثی بڑا ہو چکا ہواوراس کے ختنہ کرنے کی ضرورت ہوتواس کے سترکو مرد کے لئے دیکھنا ناجائز ہے کیونکہ وہ عورت ہے۔اورعورت کے لئے دیکھنا ناجائز ہے کیونکہ وہ مرد ہے۔اس لئے آخری شکل یہ ہے کہ اگراس کے پاس مال ہوتواس سے اس کے لئے باندی خریدے۔اوروہ باندی اس کی ختنہ کردے۔یا اگراس کے پاس مال نہ ہوتو امام بیت المال سے اس کے لئے باندی خریدے اوروہ باندی ختنہ کردے۔اورختنہ کرنے کے بعد باندی بیچ دے اوراس کی قیمت بیت المال میں دوبارہ جمع کروادے۔

اصول کوشش کی جائے کہ اس کا سترکوئی نہ دیکھے۔

[۱۶۴۶](۱۰) وان مات ابوه وخلّف ابنا وخنثی فالمال بینهما عند ابی حنیفة علی ثلاثة اسهم للابن سهمان وللخنثی سهم وهو انثٰی عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی فی المیراث الا ان یثبت غیر ذلک[۱۶۴۷](۱۱) وقالا للخنثی نصف میراث الذکر ونصف میراث الانثی وهو قول الشعبی[۱۶۴۸](۱۲) واختلفا فی قیاس قوله فقال ابو یوسف رحمه الله

[۱۶۴۶](۱۰) اگر خنثی کے والد کا انتقال ہو جائے اور ایک لڑکا اور ایک خنثی چھوڑے تو مال دونوں کے درمیان امام ابو حنیفہ کے نزدیک سہام پر ہوگا۔ لڑکے کے لئے دو سہام اور خنثی کے لئے ایک سہام۔ اور وہ خنثی مؤنث ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک میراث میں مگر یہ کہ اس کے سوا کچھ اور ثابت ہو جائے۔

تشریح حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک میراث کے سلسلے میں خنثی مؤنث کے حکم میں ہے۔ اس لئے باپ مرا اور ایک لڑکا اور خنثی چھوڑا تو لڑکے کو پورے مال کے دو حصے ملیں گے اور خنثی کو ایک حصہ ملے گا۔ اور مال تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

وجہ خنثی عورت ہو یہ کم درجہ ہے اور یقینی ہے اس لئے اسی پر فیصلہ کیا جائے گا۔

[۱۶۴۷](۱۱) اور صاحبین نے فرمایا خنثی کے لئے مذکر کی میراث کا آدھا اور مؤنث کی میراث کا آدھا ہوگا۔ اور یہی قول ہے شعبی کا۔

تشریح صاحبین کے نزدیک خنثی کو میراث میں بھی مذکر اور مؤنث کے درمیان رکھیں گے۔ اس لئے مؤنث سے آگے اور مذکر کے حصے سے کم ملے گا۔ اور اس کا حساب اس طرح کیا جائے گا کہ مذکر کو جتنا حصہ ملے گا اس کا آدھا کیا جائے اور مؤنث کو جتنا حصہ ملے گا اس کا آدھا کیا جائے اور دونوں حصوں کو ملا کر خنثی کو دیا جائے۔ جس سے مؤنث سے آگے اور مذکر سے کم ہو جائے گا۔ اور دونوں کے درمیان میں جو حصہ ہوگا وہ مل جائے گا۔

[۱۶۴۸](۱۲) اور اختلاف کیا ان کے قول کے قیاس میں۔ پس امام ابو یوسف نے فرمایا مال دونوں کے درمیان سات حصوں پر ہوگا۔ بیٹے کے لئے چار اور خنثی کے لئے تین۔

تشریح یہ حضرت امام شعبی کے قول کی تشریح ہے کہ خنثی کو مذکر اور مؤنث کے درمیان رکھا جائے۔ اور مثال مذکور میں باپ کا انتقال ہوا اور ایک لڑکا اور ایک خنثی چھوڑا تو مسئلہ سات حصوں سے بنائیں گے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ باپ مرنے کے بعد تنہا خنثی موجود ہوتا تو اس کو کس طرح حصہ ملتا۔ اس اعتبار سے سہام کی تقسیم کی جائے گی۔ جبکہ امام محمد کے نزدیک لڑکا اور خنثی دونوں ایک ساتھ موجود ہو تو کس طرح ان کو حصے ملیں گے اس کا اعتبار کیا ہے۔

مسئلہ کی تشریح اس طرح ہے کہ ایک لڑکا ہو تو اس کو پورا مال ملتا ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ خنثی کو لڑکے کا آدھا ملے گا اور لڑکی کا بھی آدھا ملے گا۔ اور دونوں حصوں کو ملا کر جو ہوگا وہ خنثی کو دیا جائے گا۔ اس لئے پورے مال کے چار حصے بنائیں تو خنثی کو پورے چار حصے کا آدھا دو حصے ملیں گے۔ اور ایک لڑکی ہو تو پورے مال کا آدھا ملے گا یعنی چار حصوں کا آدھا دو حصے ملیں گے۔ اور خنثی کو لڑکی کے حصوں کا بھی آدھا ملنا ہے۔ اس

تعالی المال بینهما علی سبعة اسهم للابن اربعة وللخنثی ثلثة[۱۶۴۹](۱۳) وقال محمد المال بینهما علی اثنا عشر سهما للابن سبعة وللخنثی خمسة.

لئے دوحصوں کا آدھا ایک حصہ ہوا تو گویا کہ خنثی کو چار حصوں میں سے تین حصے ملیں گے اور لڑکے کو چار حصے ملے اور دونوں کو ملا کر مجموعہ سات حصہ سے باپ کا مال تقسیم ہوگا۔ان میں سے خنثی کو تین حصے ملیں گے اور لڑکے کو چار حصے لیں گے۔

آج کل تمام حساب کلکیو لیٹر سے ہوتے ہیں اس لئے اس سے اوپر کا مسئلہ اس طرح ہوگا۔کلکیو لیٹر میں تمام حساب سو سو چلتے ہیں اور عشاریہ اور پوائنٹ سے حساب کرتے ہیں۔اس لئے لڑکے کو پورے مال سے سوفی صد 100% ملیں گے۔اور خنثی کو لڑکے کے پورے حصے یعنی سو فیصد 100% میں آدھا یعنی 50% (پچاس فی صد) ملیں گے۔اور لڑکی کو آدھا ملتا ہے یعنی پورے مال کا 50% (پچاس فیصد) ملتا ہے۔اس لئے اس کا بھی آدھا 25% (پچیس فیصد) ملیں گے۔اب 50% اور 25% دونوں کو ملا کر 75% خنثی کو ملے۔اب لڑکے کے حصے 100% اور خنثی کے حصے 75% دونوں کو ملائیں تو مجموعہ 175% ہوئے۔ان کو 100 میں تقسیم کریں تو یہ نکلے گا 0.5714285% یہ ایک حصہ ہوا۔اب اس کو 75 میں ضرب دیں جو خنثی کا حصہ ہے تو 42.857137 حصے نکلیں گے۔جو مثلا سو درہم باپ کی جائداد ہو تو ان میں سے خنثی کو 42 درہم اور 85 پیسے ملیں گے۔اور لڑکے کے حصے 100 کو 0.5714285 میں ضرب دیں تو 57.14285 حصے نکلیں گے۔یعنی خنثی کے ساتھ لڑکا ہو اور باپ کی جائداد سو درہم ہوں تو لڑکے کو ان میں سے 57 درہم اور 14 پیسے ملیں گے۔

[۱۶۴۹](۱۳) اور امام محمد نے فرمایا مال ان دونوں کے درمیان بارہ حصوں پر ہوگا۔بیٹے کے لئے سات اور خنثی کے لئے پانچ حصے ہوں گے۔

تشریح امام محمدؒ کے نزدیک لڑکے اور خنثی کو ملا کر کس طرح حصے ملیں گے اس کا اعتبار ہوگا۔اور اس کی صورت یہ ہوگی دونوں کو لڑکے مانیں تو دونوں کو آدھا آدھا ملے گا۔اور خنثی کو اس کا بھی آدھا ہوگا۔اور ایک کو لڑکا مانیں اور خنثی کو لڑکی مانیں تو لڑکے کو دو تہائی اور خنثی کو ایک تہائی ملے گا۔اور اوپر گزر گیا کہ اس ایک تہائی کا بھی آدھا کر کے اس میں خنثی کو دیں گے۔جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلے کے آدھے کا آدھا اور دوسرے کے تہائی کا آدھا دونوں کو ملا کر جو مجموعہ ہوگا وہ خنثی کو ملے گا اور باقی لڑکے کو ملے گا۔صورت مسئلہ اگلے صفحہ پر دیکھئے۔

(صورت مسئلہ)

(۱) ۲۔ ۶۔ ۱۲

خنثی (لڑکا مان لیں)	لڑکا
۱	۱
۳	۳
۶	۶

(۲) ۳۔ ۶۔ ۱۲

خنثی (لڑکی مان لیں)	لڑکا
۱	۲
۲	۴
۴	۸

لڑکے کا حصہ		خنثی کا حصہ	
پہلے سے	۶	پہلے سے	۶
دوسرے سے	۸	دوسرے سے	۴
۷ = ۲ ÷	۱۴	۵ = ۲ ÷	۱۰

تفصیل یہ ہے کہ اس حساب کو غور سے دیکھیں۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ لڑکے کے ساتھ پہلے نمبر میں خنثی کو لڑکا مانا اس لئے دونوں کو آدھا آدھا ملا۔اور اصل مسئلہ ۲ سے چلایا اور دونوں کو ایک ایک دے دیا۔اور مسئلہ نمبر دو میں لڑکے کے ساتھ خنثی کو لڑکی مانا اور لڑکے کو دو تہائی اور لڑکی کو ایک تہائی دیا اور اصل مسئلہ ۳ سے چلایا۔اب پہلا مسئلہ ۲ سے چلا ہے اور دوسرا مسئلہ ۳ سے چلا ہے۔اس لئے دونوں میں موافقت نہیں ہے اس لئے ۲ کو ۳ میں ضرب دیا اور ۶ سے اصل مسئلہ چلایا۔اب پہلے مسئلہ میں لڑکا اور خنثی کو تین تین مل گئے۔اور دوسرے مسئلے میں لڑکے کو ۶ میں سے ۴ اور خنثی کو لڑکی ماننے کی وجہ سے ۶ میں سے ۲ ملے۔اس صورت میں خنثی کو پہلے مسئلے میں ۳ ملے اس کا آدھا کریں گے ڈیڑھ ہوگا اور پچھلے زمانے میں کسر سے حساب نہیں کرتے تھے اس لئے اس کو صحیح عدد پر لانے کے لئے اور پورے عدد پر لانے کے لئے اصل مسئلہ ۶ کو ۲ سے ضرب دیا اور اصل مسئلہ ۱۲ سے چلایا۔اس صورت میں پہلے مسئلے میں لڑکے کو ۱۲ میں سے ۶ ملے اور خنثی کو لڑکا ماننے کی وجہ سے ۶ ملے۔اور دوسرے مسئلے میں لڑکے کو ۱۲ میں سے دو تہائی یعنی ۸ ملے اور خنثی کو لڑکی ماننے کی وجہ سے ۴ ملے۔اب لڑکے کے لئے پہلے مسئلے میں سے ملے ہوئے حصے ۶ اور دوسرے مسئلے میں ملے ہوئے حصے ۸ کو جمع کریں تو ۱۴ حصے ہوئے اس کا آدھا کریں گے۔اور ۱۴ کو ۲ سے تقسیم کریں گے تو ۷ حصے نکلیں گے۔جو لڑکے کو ملیں گے۔اور خنثی کو پہلے مسئلے میں ۶ اور دوسرے مسئلے میں ۴ ملے ہیں۔اس لئے دونوں کو جمع کریں گے تو ۱۰ ہوں گے۔اور ۱۰ کا آدھا کریں گے اور ۲ سے تقسیم کریں گے تو ۵ نکلیں گے۔جو خنثی کے حصے ہوں گے۔کیونکہ اس کو لڑکا کا آدھا اور لڑکی کا آدھا ہی ملتا ہے۔کلکیولیٹر سے کیا ہوا حساب اگلے صفحہ پر دیکھئے۔

(کلکیولیٹر کا حساب)

(۱)	100		(۲)	100	
	لڑکا	خنثی (لڑکا مان لیں)		لڑکا	خنثی (لڑکی مان لیں)
	50	50		66.666	33.333

لڑکے کا حصہ		خنثی کا حصہ	
پہلے مسئلہ میں	50	پہلے مسئلہ میں	50
دوسرے مسئلہ میں	66.666	دوسرے مسئلہ میں	33.333
116.666 ÷ 2 = 58.33		83.33 ÷ 2 = 41.66	

نوٹ کلکولیٹر کا حساب سمجھنے کے لئے یہ باتیں ملحوظ رکھیں۔

کلکولیٹر میں اصل مسئلہ 100 سے چلے گا۔ اس سے کم بھی نہیں اور زیادہ بھی نہیں۔ اس کو ہم فیصد کہتے ہیں۔ پوری دنیا میں اب 100 کا حساب ہے۔ اس لئے اس طریقۂ کار کو اہمیت حاصل ہے۔

اس حساب میں آدھا کو %50، چوتھائی کو %25 اور آٹھواں کو %12.50 کہتے ہیں۔ اور تہائی کو %33.33، دو تہائی کو %66.66 اور چھٹے حصے کو %16.66 (فیصد) کہتے ہیں۔

اب صورت مسئلہ غور سے دیکھیں۔ پہلے مسئلے میں لڑکے کو %100 میں سے %50 ملے ہیں۔ اور خنثی کو لڑکا ماننے کی وجہ سے اس کا آدھا یعنی %100 میں سے %50 ملے ہیں۔ اور دوسرے مسئلے میں لڑکے کو دو تہائی یعنی %100 میں سے %66.66 یعنی چھیاسٹھ عشاریہ چھیاسٹھ ملے ہیں۔ اور خنثی کو لڑکی ماننے کی وجہ سے %100 میں سے ایک تہائی یعنی %33.33 ملے ہیں۔

اب لڑکے کے حصے کو پہلے مسئلہ میں سے %50 اور دوسرے مسئلہ میں سے %66.66 کو جمع کریں تو مجموعہ 116.66 ہوئے۔ اور اس کا آدھا کریں یعنی 2 سے تقسیم کریں تو %58.33 نکلیں گے یعنی والد کی جائداد مثلا 100 درہم ہوں تو لڑکے کو ان میں سے %58.33 ملیں گے۔ یعنی 58 درہم اور 33 پیسے ملیں گے۔

اور خنثی کو پہلے میں مسئلہ میں لڑکا ماننے کی وجہ سے %50 ملے تھے۔ اور دوسرے مسئلہ میں لڑکی ماننے کی وجہ سے %33.33 ملے تھے۔ ان دونوں حصوں کو جمع کریں تو %50 اور %33.33 تو مجموعہ %83.33 ہوئے۔ اور چونکہ لڑکے اور لڑکی دونوں کا آدھا آدھا خنثی کو ملتا ہے۔ اس لئے 83.33 کو 2 سے تقسیم کر دیں جس سے دونوں کا آدھا ہو جائے گا تو 41.66 نکلیں گے۔

یعنی اگر باپ کی جائداد 100 درہم ہو تو لڑکے کے ساتھ خنثی کو اس میں سے 41 درہم اور 66 پیسے ملیں گے۔

دونوں اماموں کے درمیان تقسیم میں فرق یہ ہے۔

	لڑکے کو	خنثی کو
امام ابو یوسفؒ کے نزدیک	57.142	42.857
امام محمدؒ کے نزدیک	58.333	41.666
	1.191 (زیادہ ملا)	1.191 (کم ملا)

﴿ کتاب المفقود ﴾

[۱۶۵۰](۱)اذا غاب الرجل فلم یعرف له موضع ولا یعلم ا حی هو ام میت نصب القاضی من یحفظ ماله ویقوم علیه[۱۶۵۱](۲) ویستوفی حقوقه[۱۶۵۲](۳) وینفق

﴿ کتاب المفقود ﴾

ضروری نوٹ کوئی آدمی گھر سے بالکل غائب ہو جائے تو اس کو مفقود کہتے ہیں۔اس کی بیوی اور اس کے مال کے کیا احکام ہیں اس کے بارے میں اس باب میں بیان ہے۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔عن المغیرة بن شعبة قال قال رسول الله امرأة المفقود امرأته حتی یاتیها الخبر (الف)(دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۷ نمبر ۳۸۰۴ رسنن للبیہقی، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها یقین وفاته، ج سابع ص ۷۳۱، نمبر ۱۵۵۶۵)اس حدیث سے مفقود کا ثبوت بھی ہوا اور اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ موت کے یقین ہونے سے پہلے وہ مفقود کی بیوی ہے۔

[۱۶۵۰](۱)اگر آدمی غائب ہو جائے اور اس کی کوئی جگہ معلوم نہ ہو، اور نہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مردہ تو متعین کرے گا قاضی کسی شخص کو جو اس کے مال کی حفاظت کرے اور انتظام رکھے۔

تشریح کوئی آدمی اس طرح غائب ہو گیا کہ اس کا ٹھکانہ معلوم نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے تو اب قاضی کسی آدمی کو متعین کرے تا کہ وہ اس کے مال کی حفاظت کرے اور اس کی نگرانی کرے اور اس کے مال کا انتظام کرے۔

وجہ ایسے آدمی کے لئے قاضی ہی منتظم ہوتا ہے۔اس لئے قاضی ہی کسی آدمی کو متعین کرے گا تا کہ اس کے مال کی حفاظت کرے۔

[۱۶۵۱](۲)اس کے لئے حقوق وصول کرے۔

تشریح مفقود کا کسی پر قرض ہو یا کوئی حق ہو تو متعین کردہ آدمی وہ قرض وصول کرے گا اور دیگر حقوق بھی وصول کرے گا اور ان کو مفقود کے لئے محفوظ رکھے گا۔

[۱۶۵۲](۳)اور خرچ کرے گا اس کی بیوی پر اور اس کے چھوٹے بچوں پر اس کے مال میں سے۔

تشریح مفقود کا جو مال ہے وہ مال اس کی بیوی اور اس کے چھوٹی اولاد پر وصی خرچ کرے گا۔

وجہ اس لئے کہ بیوی مفقود کے لئے محبوس ہے۔اور چھوٹی اولاد کا خرچ بھی ابھی اس کے ذمے ہے۔اس لئے ان لوگوں پر مفقود کے مال سے خرچ کیا جائے گا(۲)اثر میں ہے۔عن ابن عباس وابن عمر قالا جمیعا فی امرأة المفقود تنتظر اربع سنین قال ابن عمر ینفق علیها فیها من مال زوجها لانها حسبت نفسها علیه (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یغیب عن امرأته فلا ینفق علیها،

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مفقود کی بیوی اس کی بیوی رہے گی جب تک واضح خبر نہ آجائے (ب) عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ بن عمر نے فرمایا مفقود کی عورت چار سال تک انتظار کرے۔ابن عمر نے فرمایا اس پر خرچ کیا جائے گا اس کے شوہر کے مال سے۔اس لئے کہ اپنے آپ کو اس کے لئے محبوس کیا ہے۔

علی زوجته واولاده الصغار من ماله[۱۶۵۳] (۴) ولا یفرق بینه وبین امرأته.

ج سابع ،ص ۹۴ ،نمبر۱۲۳۴۶رسنن للبیہقی ، باب من قال تنتظر اربع سنین ثم اربعۃ اشہر وعشرا ثم تحل ، ج سابع ،ص ۷۴۳ ، نمبر۱۵۵۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مفقود کے مال میں سے اس کی بیوی پر خرچ کیا جائے گا۔

[۱۶۵۳] (۴) مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

تشریح جب تک کہ کوئی حتمی بات نہ ہو جائے مثلا موت کی خبر آ جائے یا طلاق نہ ہو جائے اس وقت تک مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

وجہ اوپر ضروری نوٹ میں حدیث گزری۔ عن المغیرة بن شعبة قال قال رسول الله امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها الخبر (الف) (دار قطنی ، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۷ نمبر ۳۸۰۴ رسنن للبیہقی ، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها یقین وفاته ، ج سابع ، ص ۷۳۱ ، نمبر ۱۵۵۶۵) (۲) عن علی فی امرأة المفقود اذا قدم وقد تزوجت امرأته هی امرأته ان شاء طلق وان شاء امسک ولا تخیر (ب) (سنن للبیہقی ، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها یقین وفاته ، ج سابع ،ص ۷۳۱ ، نمبر ۱۵۵۶۲ رمصنف عبد الرزاق ، باب التی لا تعلم مهلک زوجها ج سابع ص ۹۰ نمبر ۱۲۳۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دونوں کے درمیان تفریق نہ کرائی جائے۔ کیونکہ وہ مفقود کی بیوی ہے (۳) عن ابن جریج قال بلغنی ان ابن مسعود وافق علیا علی انها تنتظره ابدا (ج) (مصنف عبد الرزاق ، باب التی لا تعلم مهلک زوجه ج سابع ص ۹۰ نمبر ۱۲۳۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ مفقود کا انتظار کرے گی۔

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خبر نہ آئے تو چار سال کے بعد مفقود کی موت کا فیصلہ کیا جائے گا اور عدت وفات چار ماہ دس دن گزار کر عورت کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابی عثمان قال اتت امرأة عمر بن الخطاب قال استهوت الجن زوجها فامرها ان تتربص اربع سنین ثم امر ولی الذی استهوته الجن ان یطلقها ثم امرها ان تعتد اربعة اشهر وعشرا (د) (دار قطنی ، کتاب النکاح ، ج ثالث ، ص ۲۱۷ ، نمبر ۳۸۰۳ رسنن للبیہقی ، باب من قال تنتظر اربع سنین ثم اربعۃ اشہر وعشرا ثم تحل ، ج سابع ،ص ۷۳۲ ، نمبر ۱۵۵۶۶ رمصنف عبد الرزاق ، باب التی لا تعلم مهلک زوجها ج سابع ص ۸۵ نمبر ۱۲۳۱۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار سال گزار کر موت کا فیصلہ دیا جائے گا۔

نوٹ زمانہ خراب ہونے کی وجہ سے جوان عورت کے لئے آج کل اسی پر فتوی دیتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مفقود کی عورت اس کی بیوی ہے جب تک کہ واضح خبر نہ آ جائے (ب) حضرت علی نے مفقود کی بیوی کے بارے میں بتایا۔ اگر مفقود آ جائے اور اس کی بیوی شادی کر چکی ہو تب بھی وہ اس کی بیوی ہے۔ اگر چاہے طلاق دے اور چاہے تو روک لے۔ اور عورت کو اختیار نہیں ہوگا (ج) عبد اللہ بن مسعود نے حضرت علی کی موافقت کی اس بات پر کہ مفقود کی بیوی ہمیشہ انتظار کرے گی (د) ایک عورت حضرت عمر کے پاس آئی، اس کے شوہر کو جن اڑا لے گیا تھا تو اس کو حکم دیا کہ چار سال تک انتظار کرے۔ پھر حکم دیا اس کے ولی کو جس کو جن اڑا کر لے گیا کہ اس کو طلاق دے دے۔ پھر اس کو حکم دیا کہ چار ماہ دس دن گزارے۔

[۱۶۵۴](۵) فاذا تم له مائة وعشرون سنة من یوم ولد حکمنا بموته واعتدت امرأته وقسم ماله بین ورثته الموجودین فی ذلک الوقت[۱۶۵۵](۶) ومن مات منهم قبل ذلک لم یرث منه شیئا[۱۶۵۶](۷) ولا یرث المفقود من احد مات فی حال فقده.

[۱۶۵۴](۵) پس جبکہ اس کے لئے ایک سوبیس سال پورے ہو جائیں جس دن سے پیدا ہوا ہے تو حکم لگا دیں گے اس کی موت کا۔ اور عدت گزارے گی اس کی عورت اور تقسیم کیا جائے گا اس کا مال اس وقت میں موجود ورثہ کے درمیان۔

تشریح زیادہ سے زیادہ آدمی ایک سوبیس سال زندہ رہتا ہے اس لئے پیدائش سے لیکر ایک سوبیس سال گزر جائے تو اب حکم لگا دیا جائے گا کہ وہ مر گیا ہے اور اس وقت اس کی بیوی عدت وفات گزارے گی۔ اور اس وقت جو ورثہ موجود ہوں ان کے درمیان اس کا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

وجہ ایسا سمجھا جائے گا کہ ابھی وفات ہوئی ہے۔ اس لئے اس وقت جتنے ورثہ موجود ہوں گے ان میں اس کا مال تقسیم کیا جائے گا۔ اور جو لوگ اس سے پہلے مر چکے ہیں ان میں اس کا مال تقسیم نہیں ہوگا (۲) موت کے فیصلے کے بعد مال تقسیم کرنے کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن قتادة قال اذا مضت اربع سنین من حین ترفع امرأة المفقود امرها انه یقسم ماله بین ورثته (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب التی لا تعلم مھلک زوجھا ج سابع ص ۹۰ نمبر ۱۲۳۲۹) اس اثر میں اگر چہ یہ ہے کہ چار سال کے بعد مفقود کے لئے موت کا فیصلہ کیا جائے گا اور مال اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ تاہم یہ پتہ چلا کہ موت کے فیصلے کے بعد اس کا مال اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ چاہے جب بھی موت کا فیصلہ ہو۔

نوٹ ایک سوبیس سال کے پہلے غالب گمان کی کوئی بات سامنے آجائے تو اس وقت بھی موت کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

[۱۶۵۵](۶) ورثہ میں سے جو اس سے پہلے مر جائے تو مفقود کے کسی چیز کے وارث نہیں ہوں گے۔

تشریح مفقود کی موت کے حکم لگانے سے پہلے جو ورثہ مر جائے وہ مفقود کے کسی مال کے وارث نہیں ہوں گے۔

وجہ مفقود پر موت کے حکم سے پہلے گویا کہ وہ زندہ ہے۔ اور زندہ کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اس لئے مفقود کے مال کا وارث نہیں ہوگا۔

[۱۶۵۶](۷) اور مفقود ان میں سے کسی کا وارث نہیں ہوگا جو مر گئے ہوں اس کے گم ہونے کی حالت میں۔

تشریح مثلا ۲۰۰۰ء کی پہلی تاریخ کو مفقود گم ہوا اور چار سال بعد اس پر موت کا حکم لگایا تو دو ہزار سے دو ہزار چار تک جو لوگ مفقود کے مورث میں سے انتقال ہوں گے ان میں سے کسی کا وہ وارث نہیں ہوگا۔

وجہ استحقاق کے بارے میں یہی سمجھا جائے گا کہ وہ دو ہزار کی پہلی تاریخ ہی کو مر گیا ہے۔ کیونکہ اس کی موت اسی وقت سے مشتبہ ہے۔ بس اس طرح سمجھیں گے کہ لوگ اس کے مال کے وارث ہوں گے مفقود پر موت کے فیصلے کے بعد۔ اور وہ خود لوگوں کی وراثت سے محروم ہوگا بھاگنے ہی کے دن سے۔

حاشیہ : (الف) حضرت قتادہ نے فرمایا جب مفقود کی بیوی کے معاملہ اٹھانے کے بعد چار سال گزر جائے تو اس کو حکم دیں گے کہ اس کا مال ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے۔

﴿ کتاب الاباق ﴾

[۱۶۵۷](۱)اذا ابق المملوک فرده رجل علی مولاه من مسیرة ثلثة ایام فصاعدا فله علیه جُعله وهو اربعون درهما وان رده لاقل من ذلک فبحسابه[۱۶۵۸](۲) وان کانت

ضروری نوٹ غلام مولی کے قبضے سے بھاگ جائے اس کو اباق کہتے ہیں۔ جو آدمی اس کو لائے گا اس کو لانے کا انعام ملے گا جس کو جُعل کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر قال قضی رسول اللہ ﷺ فی العبد الابق یوجد فی الحرم بعشرة دراھم (الف) (سنن للبیہقی، باب الجعالة، ج سادس، ص ۳۲۹، نمبر ۱۲۱۲۳ر مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الابق، ج ثامن، ص ۲۰۸، نمبر ۱۴۹۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا بھاگے ہوئے غلام کو حرم سے لائے تو دس درہم ملیں گے۔ اس سے جعل کا ثبوت ہوا۔

[۱۶۵۷](۱) اگر مملوک بھاگ جائے اور کوئی آدمی اس کے مولی کے پاس تین دن کی مسافت سے لائے یا اس سے زائد سے لائے تو اس کے لئے اس کی مزدوری ہے اور وہ چالیس درہم ہے۔ اور اگر اس سے کم مسافت سے واپس کیا تو اس کے حساب سے ہوگا۔

تشریح اثر میں اختلاف ہے۔ بعض اثر سے پتہ چلتا ہے کہ چالیس دیئے جائیں اس لئے حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ تین دن کی مسافت یا اس سے زائد سے لائے تو چالیس درہم دیئے جائیں۔ اور اس سے کم سے لائیں تو اس کے حساب سے دیئے جائیں۔

وجہ دس درہم دینے کی حدیث ضروری نوٹ میں گزری۔ قال قضی رسول اللہ فی العبد الآبق یوجد فی الحرم بعشرة دراھم (ب) (سنن للبیہقی، باب الجعالة، ص ۳۲۹، نمبر ۱۲۱۲۳) اور چالیس درہم کے لئے یہ اثر ہے۔ عن ابی عمرو والشیبانی قال اصبت غلمانا اباقا بالعین فاتیت عبد اللہ بن مسعود فذکرت ذلک له فقال الاجر والغنیمة قلت ھذا الاجر فما الغنیمة؟ قال اربعون درھما من کل رأس (ج) سنن للبیہقی، باب الجعالة، ج سادس، ص ۳۳۰، نمبر ۱۲۱۲۵ر مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ثامن ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۹۱۱) اس اثر میں چالیس درہم دینے کا تذکرہ ہے۔ اور حساب سے دینے کا ذکر اس اثر میں ہے۔ ان عمر بن عبد العزیز قضی فی یوم بدینار وفی یومین دینارین وفی ثلاثة ایام ثلاثة دنانیر فمازاد علی الاربعة فلیس له الا اربعة (مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ثامن ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۹۱۲) اس اثر میں ایک دن کی مسافت سے لایا تو ایک دینار دینے کا فیصلہ کیا اور ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے۔ اس لئے چار دینار چالیس درہم کے ہوئے۔ اور دو دن کی مسافت سے لایا تو دو دینار ملیں گے۔ اور تین دن کی مسافت سے لایا تو تین دینار ملیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تین سے کم کی مسافت سے لایا تو اسی کے حساب سے انعام دیا جائے گا۔

[۱۶۵۸](۲) اگر غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو لوٹانے والے کے لئے فیصلہ کریں گے اس کی قیمت کا مگر ایک درہم۔

تشریح مثلا غلام کی قیمت تیس درہم تھی اور واپس لانے والے نے تین دن کی مسافت سے واپس لایا ہے اس لئے اس کو چالیس درہم ملنے

حاشیہ : (الف) آپ نے فیصلہ کیا کہ بھاگا ہوا غلام حرم میں پائے تو اس کے لئے دس درہم ہیں (ب) حضورؐ نے فیصلہ کیا کہ بھاگا ہوا غلام حرم میں پایا جائے تو دس درہم ہوگا (ج) ابی عمرو شیبانی نے فرمایا مقام عین پر بھاگا ہوا غلام پایا۔ پس عبد اللہ بن مسعود کے پاس آیا اور اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اجر اور غنیمت ہوں گے۔ میں نے کہا یہ اجر ہے تو غنیمت کیا ہے؟ فرمایا چالیس درہم ہر آدمی کا۔

قيمته اقل من اربعين درهما قضى له بقيمته الا درهما[١٦٥٩](٣) وان ابق من الذى رده فلا شيء عليه ولا جُعل له[١٦٦٠] (٤)وينبغى ان يشهد اذا اخذه انه يأخذ ليردعلى صاحبه[١٦٦١](٥) فان كان العبد الآبق رهنا فالجعل على المرتهن.

چاہئے۔اب اگر مالک پر چالیس درہم لازم کرتے ہیں تو تیس درہم کے غلام کے بدلے چالیس درہم دینا پڑ رہا ہے جو مالک پر بوجھ ہوگا۔اس لئے غلام کی جتنی قیمت ہے اس سے ایک درہم کم کر کے فیصلہ کریں گے۔مثلا انتیس درہم دلوائیں گے تا کہ واپس لانے والے کو بھی مزدوری مل جائے اور مالک کو بھی غلام کی قیمت سے زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اثر میں چالیس درہم کا تذکرہ ہے اس لئے تین دن کی مسافت سے لایا ہے تو چالیس درہم ہی لازم کریں گے۔

[۱۶۵۹](۳)اور اگر بھاگ گیا اس سے جو واپس لوٹا رہا تھا تو اس پر کچھ نہیں ہے اور نہ اس کے لئے مزدوری ہے۔

تشریح جو آدمی غلام کو واپس لا رہا تھا اس کے ہاتھ سے بھی غلام بھاگ گیا اور واپس لانے والے کے بغیر تعدی کے بھاگ گیا تو اس پر غلام کا ضمان نہیں ہے۔لیکن اس کو مزدوری بھی نہیں ملے گی۔کیونکہ اس نے واپس نہیں لایا تو مزدوری کیسی؟

وجہ اثر میں ہے **عن على فى الرجل يجد الآبق فيأبق منه لايضمنه وضمنه شريح ونحن نقول بقول على ان كان الآبق ابق من دون تعديه** (الف)(سنن للبیہقی ، باب الجعالۃ ، ج سادس ، ص ۳۳۰ ، نمبر ۱۲۱۲۷ ر مصنف عبد الرزاق ، باب العبد الآبق یأبق من اخذہ ج ثامن ص ۲۰۹ نمبر ۱۴۹۱۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ واپس لانے والے سے بھاگ جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

[۱۶۶۰](۴)اور مناسب ہے کہ گواہ بنائے جب غلام کو لے کہ اس کو پکڑا ہے تا کہ اس کے مالک کو لوٹائے۔

وجہ گواہ بنانے سے یہ تہمت نہیں رہے گی کہ اس نے اپنے لئے پکڑا ہے۔جس کی وجہ سے وہ مزدوری کا مستحق ہو جائے گا۔کیونکہ اگر اپنے لئے پکڑا ہو تو پکڑنے والا مزدوری کا مستحق نہیں ہوگا۔

[۱۶۶۱](۵)پس اگر بھاگنے والا غلام رہن پر ہو تو مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

وجہ مرتہن یعنی جس کے پاس غلام رہن پر رکھا ہوا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ غلام کو حفاظت سے رکھے۔اس لئے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی (۲) مرتہن کا مال پھنسا ہوا ہے اور غلام واپس کر کے اس کے مال کو بچایا اس لئے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

اصول جس پر حفاظت لازم ہے اس پر مزدوری ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا کوئی آدمی بھاگے ہوئے غلام کو پائے اور اس سے بھی بھاگ جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا۔اور حضرت شریح نے اس کو ضامن بنایا تھا۔اور حضرت علی کے قول کو لیتے ہیں اگر بھاگا ہوا غلام بغیر تعدی کے بھاگ جائے۔

﴿ کتاب احیاء الموات ﴾

[۱۶۶۲](۱)الموات مالا ینتفع به من الارض لانقطاع الماء عنه او لغلبة الماء علیه او ما اشبه ذلک مما یمنع الزراعة[۱۶۶۳](۲) فما کان منها عادیا لا مالک له او کان مملوکا فی الاسلام لا یعرف له مالک بعینه وهو بعید من القریة بحیث اذا وقف انسان

﴿ کتاب احیاء الموات ﴾

ضروری نوٹ جوزمین ویسے ہی پڑی ہوئی ہواورکوئی آدمی کاشت نہ کررہا ہواس کومردہ زمین کہتے ہیں۔اس زمین کو آباد کرنے کو احیاء الموات کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔عن عائشة عن النبی ﷺ قال من اعمر ارضا لیست لاحد فهو احق قال عروة قضی به عمر فی خلافته وقال عمر من احیا ارضا میتة فهی له (الف) (بخاری شریف، باب من احیا ارضا میتۃ ص ۳۱۴ نمبر ۲۳۳۵ رترمذی شریف، باب ذکر فی احیاء ارض الموات ص نمبر ۱۳۷۸) اس حدیث میں ہے کہ کوئی مردہ زمین آباد کرلے تو وہ اس کی ہو جائے گی۔

[۱۶۶۲](۱) موات وہ زمین ہے جس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکتا ہو۔اس سے پانی منقطع ہونے کی وجہ سے یا اس پر پانی کے غلبہ کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے جو کاشتکاری کو روکتا ہو۔

تشریح موات اس زمین کو کہتے ہیں جس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ہو۔یا اس وجہ سے کہ وہاں پانی کی رسائی نہیں ہے۔یا اس وجہ سے کہ اس پر بار بار سیلاب آتا ہے اور پانی بہت زیادہ ہوتا ہے۔یا اور کوئی وجہ ہو جس کی وجہ سے کاشتکاری کرنا دشوار ہو تو اس زمین کو مردہ زمین، بنجر زمین اور موات زمین کہتے ہیں۔

لغت الزراعة : کاشتکاری۔

[۱۶۶۳](۲) اور جو زمین اس میں سے پرانی ہو کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو یا زمانہ اسلام میں مملوک ہو لیکن اس کا کوئی خاص مالک کا علم نہ ہو اور وہ گاؤں سے اتنی دور ہو کہ کوئی آدمی کھڑا ہو آخری آبادی میں اور چلائے تو اس زمین میں آواز نہ سنائی دے تو وہ موات ہے۔جس نے اس کو آباد کرلیا امام کی اجازت سے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

تشریح موات زمین کی یہ دوسری اور تیسری تعریف ہے کہ موات زمین کس کو کہیں گے۔جو زمانہ عاد کی طرح پرانی لگتی ہو اور اس کا کوئی مالک معلوم نہ ہو۔یا زمانہ اسلام میں اس کا کوئی مالک تو بنا تھا لیکن مالک کا دور دور تک سراغ نہیں مل سک رہا ہو۔اور ساتھ ہی آبادی سے اتنی دور ہو کہ آبادی کے آخری حصے پر کھڑا ہو کر کوئی زور سے چلائے تو اس مردہ زمین تک آواز نہ جاتی ہو تو ایسی زمین کو موات کہتے ہیں۔ایسی زمین کو

حاشیہ : (الف) کسی نے کسی زمین کو آباد کیا جو کسی کی ملکیت نہیں تھی تو وہ زیادہ حقدار ہے، حضرت عروہ نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں اسی کا فیصلہ کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے مردہ زمین آباد کیا تو وہ اسی کی ہے۔

فی اقصی العامر فصاح لم یسمع الصوت فیه فهو موات من احیاه باذن الامام ملکه[۱۶۶۴](۳) وان احیاه بغیر اذنه لم یملکه عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله یملکه[۱۶۶۵](۴) ویملک الذمی بالاحیاء کما یملکه المسلم.

امام کی اجازت سے آباد کرے گا تو آباد کرنے والا اس کا مالک ہو جائے گا۔ آبادی سے دو میل دور ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ آبادی سے قریب والی زمین آباد نہ بھی ہو تو وہ گاؤں والے کی چراگاہ بنے گی، قبرستان بنے گی، اس میں گھوڑ دوڑ کا میدان ہوگا، اور گاؤں والے کی بہت سی ضروریات میں کام آئے گی۔ اس لئے اس زمین کو موات قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ اس کو آباد کرنے سے کوئی اس کا مالک ہوگا۔

وجہ عن جابر بن عبد الله عن النبی ﷺ من احیا ارضا دعوة من المصر او رمیة من المصر فهی له (الف) (مسند احمد، مسند جابر بن عبد اللہ، ج رابع ص ۳۳۷، نمبر ۱۴۴۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین گاؤں سے تیر پھینکنے کے مطابق دور ہو تب اس کو آباد کرے تو مالک ہوگا۔ اور وہ زمین موات قرار دی جائے گی۔

[۱۶۶۴] (۳) اگر زمین کو آباد کیا بغیر امام کی اجازت کے تو مالک نہیں ہوگا امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ مالک ہوگا

تشریح بنجر زمین کو امام کی اجازت کے بغیر آباد کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مالک نہیں ہوگا۔ مالک ہونے کے لئے دوبارہ امام سے اجازت لینی ہوگی۔

وجہ جس زمین کو فتح کیا وہ مال غنیمت کے درجے میں ہوئی۔ اور مال غنیمت بغیر امام کے تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے موات زمین بھی بغیر امام کی اجازت کے مالک نہیں ہو سکتا (۲) اسی طرح آدمی زمین پر قبضہ کرے گا تو مشکل ہوگا۔ اس لئے امام کی اجازت کے بغیر مالک نہیں ہوگا۔ اس دور میں حکومت کی رجسٹریشن کے بغیر لوگ زمین اور جائداد کے مالک نہیں ہوتے ہیں وہ اسی قاعدے پر ہے۔

فائدہ امام صاحبین فرماتے ہیں کہ بغیر امام کی اجازت کے مردہ زمین آباد کر لیا تو مالک ہو جائے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے عن سعید بن زید عن النبی ﷺ قال من احیا ارضا میتة فهی له ولیس لعرق ظالم حق (ب) (ترمذی شریف، باب ما ذکر فی احیاء ارض الموات ص ۲۵۶ نمبر ۱۳۷۸ / ابو داؤد شریف، باب فی احیاء الموات ص ۸۱ نمبر ۳۰۷۳ / بخاری شریف، باب من احیا ارضا میتة ص ۳۱۴ نمبر ۲۳۳۵) اس حدیث میں ہے کہ جو بھی مردہ زمین کو آباد کرے گا وہ مالک ہو جائے گا۔ اس حدیث میں مالک ہونے کے لئے امام کی اجازت کی شرط نہیں ہے۔ اس لئے امام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

نوٹ ان کے یہاں انتظام اور انصرام کے لئے امام کی اجازت لے تو بہتر ہے۔

[۱۶۶۵] (۴) موات کا ذمی مالک ہوگا آباد کرنے سے جیسے مسلمان مالک ہوتا ہے۔

تشریح مسلمان مردہ زمین کو آباد کر لے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اسی طرح ذمی امام کی اجازت سے مردہ زمین آباد کر لے تو وہ بھی مالک ہو

حاشیہ : (الف) کسی نے شہر سے تیر پھینکنے کی دوری پر زمین آباد کیا تو وہ زمین اسی کی ہوگی (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے مردہ زمین آباد کیا تو وہ اسی کے لئے ہے۔ اور ظالم کے آباد کرنے والے کے لئے حق نہیں ہے۔

[۱۶۶۶](۵) ومن حجر ارضا ولم یعمر ها ثلث سنین اخذها الامام منه ودفعها الی غیره[۱۶۶۷](۶) ولا یجوز احیاء ما قرب من العامر ویترک مرعًی لاھل القریة و

جائے گا۔

وجہ دارالاسلام میں ٹیکس ادا کرنے کے بعد ذمی کا حق بھی مسلمان کی طرح ہوتا ہے اس لئے وہ بھی مسلمان کی طرح زمین کا مالک ہو جائے گا۔اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔قال (ابن عباس) انھم اذا ادوا الجزیة لم تحل لکم اموالھم الا بطیب انفسھم (مصنف عبدالرزاق، ما یحل من اموال اہل الذمۃ ج سادس ص۹۱ نمبر ۱۰۱۰۲)

[۱۶۶۶](۵) کسی نے زمین میں پتھر کا نشان لگایا اور اس کو تین سال آباد نہیں کیا تو امام اس کو اس سے لے لے گا اور دوسرے کو دے دے گا

تشریح کسی نے مردہ زمین پر چاروں طرف سے پتھر کا نشان لگایا اور گویا کہ اس پر قبضہ کیا لیکن تین سال تک اس کو باضابطہ آباد نہیں کیا بلکہ ویران رکھا تو امام اب اس کو لیکر دوسرے کو دے دے گا۔

وجہ حضورؐ نے بلال ابن حارث کو مردہ زمین دی تھی۔انہوں نے اس کو کئی سال آباد نہیں کیا تو جتنی زمین آباد نہیں کر رہے تھے اتنی زمین ان سے لیکر دوسرے کو دے دیا۔عن الحارث بن بلال بن الحارث عن ابیه ان رسول اللہ ﷺ اخذ من المعادن القبلیة الصدقة وانه اقطع بلال بن الحارث العقیق اجمع فلما کان عمر قال لبلال ان رسول اللہ ﷺ لم یقطعک لتحجرہ عن الناس لم یقطعک الا لتعمل قال فاقطع عمر بن الخطاب للناس العقیق (الف) (سنن للبیہقی، باب من اقطع قطیعۃ او تحجر ارضا ثم لم یعمرھا اولم یعمر بعضہ، ج سادس، ص ۲۴۶، نمبر ۱۱۸۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف نشان لگائے اور آباد نہ کرے تو ان سے لے لیا جائے گا (۲) اور تین سال کی قید اس اثر میں ہے۔قال عمر من احیا ارضا میتة فھی له ولیس لمحتجر حق بعد ثلاث سنین (ب) (نصب الرایۃ ج رابع ص ۲۹۰ / اعلاء السنن نمبر ۲۷۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین سال کے بعد اس کو حق نہیں رہے گا (۳) یہ زمین صرف نشان لگانے کے لئے نہیں دی ہے بلکہ آباد کرنے کے لئے دی ہے۔اس لئے تین سال میں اندازہ ہو جائے گا کہ وہ آباد کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔اس لئے تین سال کے بعد واپس لے کر دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔

[۱۶۶۷](۶) اور نہیں جائز ہے آباد کرنا اس کا جو آبادی کے قریب ہو، اور چھوڑ دی جائے گی گاؤں والے کی چراگاہ کے لئے اور ان کی کٹی ہوئی کھیتی ڈالنے کے لئے۔

تشریح آبادی اور گاؤں کے قریب جو خالی زمین ہے اس کو کسی کو آباد کرنے کے لئے نہ دی جائے۔

وجہ وہ گاؤں والوں کے فائدے کے لئے ہے۔مثلا ان کے جانور چرانے کے لئے، اور کٹی ہوئی کھیتی ڈالنے اور سکھانے کے لئے ہے۔اس

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے معادن قبلیہ کو صدقہ کے طور پر لیا اور بلال بن حارث کو پورا مقام عقیق عطا کیا، پس جب حضرت عمر کا زمانہ آیا تو انہوں نے حضرت بلال سے کہا حضورؐ نے آپ کو لوگوں سے صرف نشان لگا کر رکھنے کے لئے نہیں دی تھی۔بلکہ آباد کرنے کے لئے دی تھی۔پس حضرت عمرؓ نے مقام عقیق کو لوگوں کو دیا (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے مردہ زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کے لئے ہے۔اور صرف نشان لگانے والے کے لئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے۔

مطرحا لحصائدهم [۱۶۶۸](۷) ومن حفر بئرا فی بریة فله حریمها [۱۶۶۹](۸) فان کانت للعطن فحریمها اربعون ذراعا وان کانت للناضح فحریمها ستون ذراعا وان کانت

لئے اس کو کسی کو نہ دیا جائے (۲) حدیث میں ہے۔عن جابر بن عبد اللہ عن النبی ﷺ من احیا ارضا دعوة من المصر او رمیة من المصر فھی لہ (الف) (مسند احمد، مسند جابر بن عبد اللہ، ج رابع ،ص ۳۳۷، نمبر ۱۴۴۹۶) اس حدیث میں ہے کہ گاؤں سے ایک غلوہ یا تیر گیرنے کی دوری پر مردہ زمین آباد کرے۔سمعت عکرمة یقول قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ جعل للزرع حرمة غلوة بسھم. قال یحیی قالوا : والغلوة ما بین ثلث مائة ذراع وخمسین الی اربع مائة (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی حریم الابار، ج سادس، ص ۲۵۷، نمبر ۱۱۸۷۳) اس حدیث میں ایک غلوہ یعنی ساڑھے تین سو ہاتھ کی دوری تک آباد کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔تا کہ گاؤں کے لوگ اس زمین کو رفاہ عام میں استعمال کریں۔

نوٹ اس سے قریب میں بھی زمین آباد کرے گا اور امام اجازت دیدے تو مالک ہو جائے گا۔

اصول بہتر یہ ہے کہ رفاہ عام کی جگہ کو کسی کی ملکیت قرار نہ دے۔

لغت مرعی : چرنے کی جگہ، رعی سے مشتق ہے، حصائد : کٹی ہوئی کھیتی، العامر : آبادی۔

[۱۶۶۸] (۷) کسی نے جنگل میں کنواں کھودا تو اس کے لئے اس کا حریم ہے۔

تشریح کنواں کے چاروں طرف جو جگہ چھوڑ دیتے ہیں تا کہ اس میں کوئی دوسرا کنواں نہ کھودے اس کو کنواں کا حریم کہتے ہیں۔یہ اس لئے ہوتا ہے تا کہ پہلے کنویں کے قریب کوئی کنواں کھودے تو اس کا پانی دوسرے میں نہ چلا جائے اور پہلا کنواں سوکھ نہ جائے۔یا دوسرے کنویں کی گندگی پہلے کنواں میں نہ پہنچ جائے۔اس لئے اس کے قریب بغیر اجازت کے دوسرا کنواں کھودنے نہیں دیا جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچے، لاضرر ولا ضرار.

لغت بریۃ : جنگل۔

[۱۶۶۹] (۸) پس اگر وہ کنواں پانی پلانے کے لئے ہو تو اس کا حریم چالیس ہاتھ ہے۔اور اگر کھیت سیراب کرنے کے لئے ہو تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ ہے۔اور اگر چشمہ ہو تو اس کا حریم پانچ سو ہاتھ ہے۔پس اگر کوئی اس کے حریم میں کنواں کھودنا چاہے تو اس سے روکا جائے گا۔

تشریح اگر کنواں اونٹ کو پانی پلانے کے لئے ہے تو اس کا حریم چالیس ہاتھ ہے۔اور اگر کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے ہے تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ ہے۔اور اگر چشمہ ہے تو اس کا حریم پانچ سو ہاتھ ہے۔کیونکہ چشمہ کا پانی پھیلتا ہے۔

وجہ اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن عبد اللہ بن مغفل ان النبی ﷺ قال من حفر بئرا فلہ اربعون ذراعا عطنا لماشیتہ (ب) (ابن ماجہ شریف، باب حریم البئر ص ۳۵۶ نمبر ۲۴۸۶) اس سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو پانی پلانے والے کنویں کے لئے حریم

حاشیہ : (الف) آپ سے مروی ہے کسی نے تیر پھینکنے کے مطابق کی دوری پر زمین آباد کی تو وہ زمین اسی کی ہے (ب) آپ نے فرمایا کسی نے کنواں کھودا تو اس کے لئے چالیس ہاتھ حریم ہے جانور کو پانی پلانے کے لئے۔

عینا فحریمها خمس مائة ذراع فمن اراد ان یحفر بئرا فی حریمها منع منه[۱۶۷۰](۹) وما ترک الفرات اوالدجلة وعدل عنه الماء فان کان یجوز عوده الیه لم یجز احیاؤه[۱۶۷۱](۱۰) وان کان لایمکن ان یعود الیه فهو کالموات اذا لم یکن حریما

چالیس ہاتھ ہوگا۔اور یہ چاروں طرف چالیس چالیس ہاتھ ہوگا۔اور کھیتی سیراب کرنے والے کنویں کے لئے پچاس ہاتھ حریم ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ ﷺ حریم البئر البدی خمسة و عشرون ذراعا وحریم البئر العادیة خمسون ذراعا وحریم العین السائحة ثلاث مائة ذراع وحریم عین الزرع ست مائة ذراع (الف)(دار قطنی، کتاب فی الاقضیة والاحکام وغیر ذلک، ج رابع، ص ۱۴۱، نمبر ۴۴۷۳ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی حریم الآبار، ج سادس، ص ۲۵۷، نمبر ۱۱۸۶۹)اس سے معلوم ہوا کہ بیر عادیہ یعنی کھیتی میں پانی پلانے والے کنویں کے لئے حریم پچاس ہاتھ ہوگا۔اور بیہقی کے اثر میں یہ بھی اضافہ ہے نواحیها کلها جس سے معلوم ہوا کہ کنویں کے چاروں طرف پچاس پچاس ہاتھ حریم ہونا چاہئے (۲) یوں بھی کھیتی سیراب کرنے کے لئے اونٹ چاروں طرف گھومتا ہے۔اس لئے چاروں طرف پچاس پچاس ہاتھ حریم چاہئے اور چشمے کا حریم پانچ سو ہاتھ ہو اس کی ایک دلیل اوپر کی حدیث گزری حریم عین الزرع ست مائة ذراع اور دوسرا اثر یہ ہے وقال الزہری وسمعت الناس یقولون حریم العیون خمسمائة ذراع (ب)(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی حریم الآبار، ج سادس، ص ۲۵۷، نمبر ۱۱۸۶۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چشمے کے لئے پانچ سو ہاتھ حریم ہونا چاہئے۔

لغت عطن : اونٹ کو پانی پلانے کا کنواں، ناضح : کھیتی سیراب کرنے کا کنواں، یا وہ اونٹ جس سے کھیتی سیراب کی جاتی ہے۔

[۱۶۷۰](۹) جو زمین فرات اور دجلہ نہر نے چھوڑ دی اور پانی اس سے ہٹ گیا۔پس اگر اس کا اس طرف لوٹنا ممکن ہو تو اس کا آباد کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح فرات یا دجلہ ندی مثلا ایک جگہ سے بہہ رہی تھی۔اور وہاں چھوڑ کر دوسری جگہ بہنا شروع کر دیا تو اندازہ لگائے کہ دوبارہ اپنی جگہ پر آنے کا اندازہ ہے یا نہیں۔اگر دوبارہ اپنی جگہ پر آنے کا اندازہ ہے تو اس جگہ کو آباد کرنے کے لئے دینا جائز نہیں ہے۔

وجہ نہر بہنے کے لئے چاہئے ورنہ اتنا پانی کس راستے سے جائے گا۔اس لئے یہ عوام کے فائدے کی جگہ ہے اس لئے اس کو آباد کرنے نہ دی جائے۔اور اگر دوبارہ اس جگہ پر آنے کا امکان نہ ہو تو وہ زمین موات کی طرح ہے۔اگر کسی کا اس کے ساتھ حق متعلق نہ ہو اور امام کی اجازت سے اس کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

[۱۶۷۱](۱۰) اور اگر نہیں ممکن ہے کہ اس کی طرف لوٹے تو وہ موات کی زمین کی طرح ہے۔اگر کسی آباد کرنے والے کا حریم نہ ہو تو اس کا مالک

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا دیہاتی کنویں کا حریم پچیس ہاتھ اور جنگل کے کنویں کا حریم پچاس ہاتھ، زمین پر بہنے والے چشمے کا حریم تین سو ہاتھ اور کھیتی کے چشمے کا حریم چھ سو ہاتھ ہے (ب) حضرت زہری نے فرمایا کہ لوگوں کو کہتے ہوئے سنا ہے چشمے کا حریم پانچ سو ہاتھ ہونا چاہئے۔

لعامر یملکه من احیاه باذن الامام[۱۶۷۲] (۱۱)ومن کان له نهر فی ارض غیره فلیس له حریم عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی الا ان یکون له البینة علی ذلک وعندهما له مسنّاة النهر یمشی علیها ویلقی علیها طینه.

ہو جائے گا اگر اس کو آباد کیا ہو امام کی اجازت سے۔

تشریح دجلہ یا فرات جیسی ندی کا پانی ہٹ گیا تھا اور دوبارہ اس جگہ پر آنے کا امکان نہیں ہے تو وہ موات زمین کی طرح ہے۔ جو اس کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ لیکن اس میں دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ جگہ کسی آباد کرنے والے کا حریم نہ ہو۔ مثلا کسی کا باندھ وغیرہ نہ ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ امام کی اجازت سے آباد کیا ہو۔

وجہ امام کی اجازت کی شرط پہلے گزر چکی ہے۔ اور دوسرے کا حریم نہ ہو اس لئے کہا کہ اس پر کسی کا قبضہ ہو تو وہ زمین موات کے حکم میں نہیں ہوئی۔

[۱۶۷۲] (۱۱) جس کی نہر ہو دوسرے کی زمین میں تو اس کے لئے حریم نہیں ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک مگر یہ کہ اس پر بینہ ہو۔ اور صاحبین کے نزدیک اس کے لئے نہر کی پٹری ہوگی جس پر چل سکے اور اس پر مٹی ڈال سکے۔

تشریح ایک تو یہ ہے کہ موات زمین میں نہر کھودے۔ اس وقت نہر کے ساتھ حریم بھی لازمی ہوگا ورنہ نہر کی مٹی کہاں ڈالے گا۔ یہاں یہ مسئلہ ہے کہ دوسرے کی زمین میں کسی کی نہر کا ثبوت ہوا تو نہر کی ثبوت کی وجہ سے کیا اس کو حریم کی جگہ بھی مل جائے گی یا نہیں؟ تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بغیر بینہ کے حریم کی جگہ نہیں ملے گی۔

وجہ دوسرے کی زمین ہے اس لئے نہر کے ثبوت سے حریم کا ثبوت ہونا ضروری نہیں جب تک کہ اس کے لئے بینہ نہ ہو (۲) اور چونکہ حدیث میں کنویں اور چشمے کے لئے حریم کا ثبوت ہے، نہر کے لئے حریم کا ثبوت نہیں ہے اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کر کے دوسرے کی زمین میں حریم کا ثبوت نہیں کریں گے۔

اصول اس اصول پر ہے کہ دوسرے کی زمین پر بغیر بینہ کے حریم ثابت نہیں ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہر کا ثبوت ہو گیا تو پتلی سی پٹری کا ثبوت اس کے لوازم میں سے ہے۔ ورنہ نہر والا پانی پلانے کے لئے چلے گا کہاں؟ نہر کی مٹی کھودنی ہوگی تو کہاں ڈالے گا۔ اس لئے پتلی پٹری اور بند تو لازمی طور پر دینا ہوگا جو اس کی ضرورت کی ہو۔

وجہ کسی چیز کا ثبوت اس کے لوازم کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے پٹری دینا ہوگا (۲) حدیث گزر چکی ہے وحریم العین السائحة ثلاث مائة ذراع وحریم عین الزرع ست مائة ذراع (الف) (دار قطنی، کتاب الاقضیة والاحکام ج رابع ص ۱۴۲ نمبر ۴۴۷۳) کہ چشمے کے لئے تین سو ہاتھ اور چھ سو ہاتھ حریم ہے۔ تو نہر بھی چشمے کی قسم ہے اس لئے اس کے لئے بھی حریم کا ثبوت ہوگا۔

حاشیہ : (الف) زمین پر بہنے والے چشمے کا حریم تین سو ہاتھ ہے۔ اور کاشتکاروں کے چشمے کا حریم چھ سو ہاتھ ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ کوئی چیز ثابت ہوگی تو اس کے لوازم بھی خود بخود ثابت ہوجائیں گے۔ کیونکہ وہ ضروری ہیں۔

لغت مسناة : سیلاب اور پانی روکنے کے لئے بند۔

﴿کتاب الماذون﴾

[۱۶۷۳](۱)اذا اذن المولی لعبده اذنا عاما جاز تصرفه فی سائر التجارات[۱۶۷۴](۲) وله ان یشتری ویبیع ویرهن ویسترهن.

﴿کتاب الماذون﴾

ضروری نوٹ ایسا غلام جس کو مولی نے تجارت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اب اسکو تجارت کرنے کی اجازت دے دی تو اسکو ماذون غلام کہتے ہیں۔ یا بچے کو ولی نے تجارت کرنے کی اجازت دے دی تو اس کو ماذون بچہ کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت حدیث میں ہے۔ عن انس بن مالک قال حجم ابو طیبة النبی ﷺ فامر له بصاع او صاعین من طعام و کلم موالیه فخفف عن غلته او ضریبته (الف) (بخاری شریف، باب ضریبۃ العبد وتعاھد ضرائب الاماء ص.....نمبر ۲۲۷۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو طیبہ غلام تھے اور مولی نے اس کو اجرت پر کام کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور اسی ضمن میں تجارت کی اجازت کا معاملہ بھی آئے گا۔

اصول اس باب کے مسائل اس اصول پر طے ہوں گے کہ مولی کو غلام کی تجارت یا کاموں سے نقصان نہ ہو۔ البتہ چونکہ وہ عاقل بالغ ہے اس لئے تجارت کے درمیان کسی چیز کا اقرار کر لیا یا کوئی ایسی حرکت کی جس سے غلام پر جرمانہ لازم ہوتا ہو تو وہ اس کے آزاد ہونے کے بعد وصول کیا جائے گا تا کہ مولی کو نقصان نہ ہو (۲) یہ اصول بھی کارفرما ہوگا کہ تجارت کے درمیان معاون رواداری اور کھلانا پلانا کر سکتا ہے جو تجارتی معاشرے میں رائج ہیں۔

[۱۶۷۳](۱) اگر مولی نے غلام کو عام اجازت دی تو اس کا تصرف تمام تجارتوں میں جائز ہے۔

تشریح مولی نے غلام کو تجارت کی اجازت دیتے وقت کسی خاص چیز کے خریدنے یا بیچنے کی تخصیص نہیں کی تو اس سے عام اجازت ہوگی اور غلام تمام تجارتوں میں آزاد ہوگا۔ یعنی تمام تجارتوں کی اہلیت حاصل ہو جائے گی۔ البتہ تجارت وہی کرے جو مولی کی مرضی ہو۔

وجہ اثر میں ہے۔ قال سفیان ونحن نقول اذا بعثه بمال کثیر یبتاع به قلنا اذن له فی التجارة وغر الناس منه وان کان انما بعث بالدرهم والدرهمین فلیس بشیء (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب العبد الماذون ماوقت اذنہ، ج ثامن، ص ۲۸۴، نمبر ۱۵۲۳۰)

[۱۶۷۴](۲) اس کے لئے جائز ہے کہ خریدے اور بیچے اور رہن پر رکھے دے اور رہن پر رکھے۔

تشریح چونکہ مولی کی جانب سے تمام تجارتوں کی اہلیت ہوگئی ہے اس لئے وہ آزاد آدمی کی طرح کسی بھی چیز کو خرید سکتا ہے، اپنا مال رہن پر رکھ سکتا ہے، اور کسی کے مال کو اپنے پاس رہن پر رکھ سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابو طیبہ نے حضور کو پچھنا لگایا اور آپ نے ان کے لئے ایک صاع یا دو صاع کھانا دینے کا حکم دیا اور ان کے آقا سے بات کی تو اس کے غلے یا تاوان میں سے تخفیف کر دی (ب) حضرت سفیان نے فرمایا اگر غلام کو بہت سا مال لیکر بیچنے کے لئے بھیجا تو ہم کہیں گے اس کو تجارت میں اجازت ہے۔ اور لوگ اس سے دھوکا کھا سکتے ہیں۔ اور اگر اس کو بھیجا ایک درہم اور دو درہم لیکر تو کچھ نہیں ہے یعنی تجارت کی اجازت نہیں ہے۔

[۱۶۷۵](۳) وان اذن لہ فی نوع منہا دون غیرہ فھو ماذون فی جمیعھا[۱۶۷۶](۴) فاذا اذن لہ فی شیء بعینہ فلیس بماذون [۱۶۷۷](۵) واقرار الماذون بالدیون والمغصوب جائز.

وجہ یہ سب کام تجارت کے معاون ہیں اور تجارت میں ان کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے یہ سب کام غلام کر سکتا ہے۔

[۱۶۷۵](۳) اگر اس کو اجازت دی اس میں سے ایک قسم کی نہ کہ دوسرے کی تو اس کو اجازت ہوگی اس کے تمام میں۔

تشریح مولی نے کسی ایک قسم کی چیز میں تجارت کرنے کی اجازت دی تو تمام چیزوں کی تجارت کی اہلیت ہو جائے گی۔ تجارت کی اہلیت ہونا اور چیز ہے۔ البتہ تجارت اسی چیز کی کرے گا جس کی مولی نے کہا ہے۔

وجہ اصل یہ ہے کہ مولی کی اجازت سے پہلے غلام میں تجارت کرنے کی اہلیت نہیں تھی۔ جب اس نے ایک قسم میں تجارت کی اجازت دی تو تمام قسموں کی تجارت کی اہلیت ہوگئی اور وہ تمام قسموں میں ماذون سمجھا جائے گا۔ اور اس کی خرید و فروخت کرے گا تو نافذ ہو جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ مصلحت کے خلاف ہو یا مولی کا نقصان ہو تو متعینہ چیز کے علاوہ کی تجارت نہ کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اجازت مولی کی جانب سے موصول ہوتی ہے اس لئے وہ جس خاص چیز کی تجارت کی اجازت دی ہے اسی میں ماذون ہوگا باقی چیزوں میں ماذون نہیں ہوگا۔

[۱۶۷۶](۴) پس اگر اس کو اجازت دی کسی متعین چیز میں تو وہ ماذون نہیں ہے۔

تشریح مولی نے غلام سے مثلا کہا کہ فلاں کپڑا خرید کر لے آؤ تو اس صورت میں تجارت کی اجازت نہیں ہوئی بلکہ خدمت کے لئے کوئی خاص چیز خرید کر لانا ہے۔ اس لئے اس سے تجارت کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ غلام ماذون ہوگا۔

وجہ اگر اس تھوڑی سی چیز کے خریدنے سے غلام ماذون ہو جائے تو خدمت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس لئے یہ تجارت کی اجازت نہیں ہے (۲) عام معاشرے میں بھی تجارت کرنا اور چیز ہے جس کو دکانداری کہتے ہیں، اور سودا سلف خرید لانا اور چیز ہے۔ یہ اجازت سودا سلف خرید کر لانے کی ہے (۲) اثر میں ہے۔ **ان شریحا اذا جعل عبدہ فی صنف واحد ثم عداھا الی غیرہ فلا ضمان علیہ (الف)** (مصنف عبد الرزاق، باب العبد الماذون ما وقت اذنہ ج ثامن ص ۲۸۳ نمبر ۱۵۲۲۸) اس سے معلوم ہوا کہ جس میں اجازت دی اسی کی اجازت ہوگی (۳) اثر نمبر ۱۵۲۳۰ میں تھا کہ ایک درہم دے کر خریدنے کے لئے بھیجنے سے عام اجازت نہیں ہوگی۔

[۱۶۷۷](۵) ماذون کا اقرار دین کا اور غصب کا جائز ہے۔

تشریح ماذون غلام اقرار کرے کہ مجھ پر فلاں کا دین ہے یا میں نے فلاں کی چیز غصب کی ہے جس کا ادا کرنا مجھ پر لازم ہے تو ایسا اقرار کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) اگر غلام کو ایک چیز کی تجارت کرنے کی اجازت دی پھر اس سے تجاوز کر گیا تو مولی پر ضمان نہیں ہے۔

[١٦٧٨](٦)وليس له ان يتزوج ولا ان يزوج مماليكه[١٦٧٩](٧) ولا يكاتب ولا يعتق على مال[١٦٨٠](٨) ولا يهب بعوض ولا بغير عوض[١٦٨١](٩) الا ان يهدى اليسير من الطعام او يضيف من يطعمه[١٦٨٢](١٠)وديونه متعلقة برقبته يباع فيها

وجہ یہ سب تجارت کے لوازمات ہیں۔اس لئے تجارت کی اجازت کی وجہ سے ان چیزوں کی اجازت ہوجائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک چیز کی اجازت سے اس کے لوازم کی اجازت ہوجائے گی۔

[۱۶۷۸](۶) ماذون کے لئے جائز نہیں ہے کہ شادی کرے اور نہ یہ کہ اپنے مملوک کی شادی کرائے۔

وجہ غلام کی شادی کرنے سے نقصان ہے۔کیونکہ نان نفقہ ادا کرنا ہوگا۔نیز یہ تجارت میں سے نہیں ہے اس لئے خود کی شادی نہیں کرسکتا۔اور یہی نقصان مملوک کی شادی کرانے میں ہے۔اس لئے اپنے مملوک غلام باندی کی بھی شادی نہیں کراسکتا۔نیز یہ تجارت کے لوازمات یا معاون نہیں ہے اس لئے بھی نہیں کرواسکتا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں باندی کی شادی کرانے سے بچہ ہوگا جو باندی اور غلام ہوں گے اور باندی کا بھی مہر آئے گا جو فائدے کی چیز ہے اس لئے ماذون غلام اپنی باندی کی شادی کراسکتا ہے۔

[۱۶۷۹](۷) اور نہ مکاتب بنائے اور نہ مال پر آزاد کرے۔

تشریح ماذون غلام اپنے غلام کو مکاتب نہیں بنا سکتا اور نہ مال کے بدلے آزاد کرسکتا ہے۔

وجہ اگرچہ اس صورت میں مال آئے گا لیکن چونکہ مکاتب بنانا اور مال کے بدلے آزاد کرنا تجارت کے لوازم یا معاون میں سے نہیں ہیں۔اس لئے ماذون غلام یہ نہیں کرسکتا۔

[۱۶۸۰](۸) اور نہ ہبہ کرے عوض سے اور نہ بغیر عوض کے۔

وجہ بغیر عوض کے ہبہ کرنا مولی کو سراسر نقصان دینا ہے اس لئے بغیر عوض کے ماذون ہبہ نہیں کرسکتا۔اور عوض کے بدلے کرے تو اس میں ابتداءً مفت ہے اور انتہاءً بدلہ ہے اس لئے یہ بھی نہیں کرسکتا۔نیز ہبہ کرنا لوازم تجارت میں سے نہیں ہے اس لئے نہیں کرسکتا۔

[۱۶۸۱](۹) مگر یہ کہ تھوڑا سا کھانا ہدیہ کرے یا اس کی مہمانداری کرے جس نے اس کو کھلایا ہے۔

تشریح ماذون کو جو روزانہ کا کھانا ملتا ہے اس میں سے کسی کی مہمانداری کرنا چاہے یا تحفہ دینا چاہے جو عام معاشرے میں دیتے ہیں تو دے سکتا ہے۔کیونکہ اس سے تجارت بڑھے گی اور گاہک آئیں گے یا جو آدمی اس کو کبھی کبھار کھانا کھلاتا ہے اس کی مہمانداری کردی تو یہ جائز ہے۔

وجہ یہ تھوڑی بہت چیز معاشرتی اجازت کے تحت ہے اس لئے اس کی اجازت ہوگی۔

[۱۶۸۲](۱۰) اور اس کے قرض متعلق ہوں گے ماذون کی گردن کے ساتھ، وہ قرض خواہوں کے لئے بیچا جائے گا مگر یہ کہ مولی اس کا بدلہ دے دے۔اور اس کی قیمت تقسیم کی جائے گی ان کے درمیان حصوں کے مطابق۔

للغرماء الا ان يفديه المولى ويقسم ثمنه بينهم بالحصص[۱۶۸۳](۱۱) فان فضل من ديونه شيء طولب به بعد الحرية[۱۶۸۴](۱۲) وان حجر عليه لم يصر محجورا عليه حتى يظهر الحجر بين اهل السوق[۱۶۸۵](۱۳) فان مات المولى او جن او لحق بدار

تشریح تجارت کی وجہ سے جو کچھ قرض آیا یہ ماذون غلام کی گردن پر ہوگا۔ جس کی وجہ سے پہلے غلام کے پاس جو کمایا ہوا مال ہے اس سے قرض ادا کیا جائے گا۔ اس سے بھی پورا نہ ہو تو غلام کو بیچ دیا جائے گا اور اس کی قیمت سے قرض والوں کا قرض ادا کیا جائے گا۔ اور وہ بھی قرض والوں کے حصے کے مطابق یعنی مثلا چار آدمیوں کے پانچ پانچ سو درہم قرض ہیں۔ اور قیمت میں ایک ہزار درہم آئے تو ہر ایک کو اس کے قرض کے آدھے حصے ملیں گے یعنی ہر ایک کو ڈھائی ڈھائی سو دیئے جائیں گے۔ ایک ہی قرض خواہ کو سب نہیں دے دیا جائے گا۔ اسی کو 'بالحصص' کہتے ہیں۔ تا کہ قرض والوں کا نقصان نہ ہو۔ ہاں مولی اپنی جیب سے قرض ادا کر دے تو اب غلام نہیں بیچا جائے گا۔ کیونکہ قرض والوں کو قرض مل گیا۔ عن ابراهيم قال يباع العبد في دين وان كان اكثر من قيمته (مصنف عبد الرزاق، باب ھل يباع العبد فی دينہ؟، ج ثامن ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۲۳۷) اس اثر میں ہے کہ غلام کو دین میں بیچا جائے گا۔

فائدہ امام شافعی اور امام زفر فرماتے ہیں کہ قرض میں غلام نہیں بیچا جائے گا۔

وجہ کیونکہ اس سے مولی کا فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا۔

[۱۶۸۳] (۱۱) پس اگر اس کے قرض میں سے کچھ بچ جائے تو اس کا مطالبہ کیا جائے گا آزادگی کے بعد۔

تشریح قرض اتنا تھا کہ غلام کو بیچنے کے بعد جو قیمت آئی اس سے بھی قرض ادا نہیں ہوا بلکہ کچھ قرض باقی رہ گیا تو یہ قرض مولی سے وصول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس نے نہیں لیا ہے۔ اور اس کا غلام تو ایک مرتبہ بک چکا ہے۔ اور قرض والوں کا نقصان نہ ہو اس لئے یہی صورت باقی رہی کہ جب یہ ماذون غلام آزاد ہو اس وقت اس سے بقیہ قرض کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور اس سے وصول کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حتی الامکان قرض دینے والے کو نقصان نہ ہو۔

[۱۶۸۴] (۱۲) اگر اس پر حجر کیا تو اس پر حجر نہیں ہوگا یہاں تک کہ حجر ظاہر ہو جائے بازار والوں کے درمیان۔

تشریح مولی نے غلام ماذون کو تجارت کرنے سے روک دیا اور حجر کر دیا تو بازار کے اکثر لوگوں کو اس کا علم ہو تب حجر ہوگا۔ اگر ایک دو آدمی کو حجر کا علم ہوا تو ابھی حجر نہیں ہوگا۔ اس درمیان غلام نے تجارت کر لی تو نافذ ہو جائے گی۔

وجہ اگر اکثر لوگوں کو علم نہ ہو تو ممکن ہے کہ یہ سمجھ کر کہ ابھی اس پر حجر نہیں ہوا ہے اس سے خرید و فروخت کر لے اور ان کو نقصان ہو جائے۔ اس لئے اکثر لوگوں کو علم ہونا ضروری ہے۔

لغت حجر : غلام کو تجارت کرنے سے منع کرنا۔

[۱۶۸۵] (۱۳) اگر مولی مر گیا یا اس پر جنون طاری ہو گیا یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا تو ماذون مجور ہو جائے گا۔

الحرب مرتدا صار الماذون محجورا عليه[١٦٨٦](١۴) ولو ابق العبد الماذون صار محجورا عليه[١٦٨٧](١۵) واذا حجر عليه فاقراره جائز فيما في يده من المال عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى وقالا لايصح اقراره[١٦٨٨](١٦) واذا لزمته ديون تحيط بماله

تشریح مولی مر گیا تو جو غلام ماذون تھا اب وہ تجارت نہیں کر سکے گا مجور ہو جائے گا۔ یا مولی مجنون ہو گیا یا مرتد ہو کر دار الحرب بھاگ گیا اور وہاں مل گیا تو ان صورتوں میں مجور کرنے کی ضرورت نہیں۔ غلام خود بخود مجور ہو جائے گا۔

وجہ خود مولی جو اصیل ہے اس میں تجارت کرنے کی اہلیت نہیں رہی تو دوسرے کو تجارت کرنے کی اجازت کیسے دے گا۔ اس لئے مولی پر یہ سب حالات طاری ہوتے ہی ماذون مجور ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصیل میں تجارت کرنے کی صلاحیت نہیں رہی تو فرع سے بھی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔

[١٦٨٦] (١۴) اگر ماذون غلام بھاگ گیا تو مجور ہو جائے گا۔

وجہ بھاگنے والے غلام پر تاجروں کا کیا اعتماد رہے گا؟ اور خود مولی اس پر تجارت کرنے کا اعتماد کیسے کرے گا؟ کیونکہ وہ تو مال لیکر ہی غائب ہو جائے گا۔ اس لئے بھاگنے والا غلام بھاگتے ہی مجور ہو جائے گا۔

[١٦٨٧] (١۵) اگر حجر کر دے اس پر تو اس کا اقرار جائز ہے اس مال کے بارے میں جو اس کے ہاتھ میں ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ اور صاحبین نے فرمایا اس کا اقرار صحیح نہیں ہے۔

تشریح مولی نے ماذون غلام کو حجر کر دیا۔ اب اس کے قبضے میں جو مال ہے اس کے بارے میں اقرار کرتا ہے کہ یہ مال فلاں کی امانت ہے۔ یا مال فلاں کا غصب کیا ہوا ہے۔ یا مجھ پر فلاں کا اتنا دین ہے اس کے بدلے میں یہ مال دینا ہے تو اس مال کے بارے میں اس قسم کا اقرار کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ اقرار کا دارومدار قبضہ ہے۔ اور غلام کا قبضہ اس مال پر ہے اس لئے وہ اقرار کر سکتا ہے (۲) ماذون ابھی ابھی مجور ہوا ہے اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ذمے جو لوگوں کے حقوق آتے ہیں ان سے یہ فارغ ہونا چاہتا ہے اس لئے اس کا اقرار درست ہوگا۔ البتہ جو مال مولی نے لے لیا اور ماذون غلام کے قبضہ میں نہیں رہا اس کے بارے میں کوئی اقرار نہیں کر سکتا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اب وہ مجور ہو چکا ہے اس لئے اقرار کرنے کا اختیار اس کو نہیں رہا اس لئے وہ اقرار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جو مال غلام کے ہاتھ میں ہے وہ مولی کا مال ہے اور دوسرے کے مال میں کسی کے لئے اقرار کرنا جائز نہیں ہے۔

[١٦٨٨] (١٦) اگر ماذون کو دین لازم ہو جائے جو اس کے مال اور جان کو گھیر لے تو مولی نہیں مالک ہوگا اس کا جو اس کے ہاتھ میں ہے

تشریح ماذون غلام پر اتنا قرض ہو جائے کہ جو مال اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی بک جائے اور خود غلام کو بھی بیچ کر دین ادا کرنا چاہے تو ادا نہ ہو سکے۔ مثلاً غلام اور اس کے مال کی قیمت پانچ ہزار درہم ہیں اور اس پر چھ ہزار قرض ہو گیا ہو تو اب اس کی جان اور مال سب قرض میں گھرا

ورقبته لم یملک المولی مافی یده[۱۶۸۹](۱۷) فان اعتق عبیده لم تعتق عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله یملک ما فی یده[۱۶۹۰](۱۸) واذا باع عبد ماذون من

ہوا ہے۔اور گویا کہ مولی کے غلام کے پاس کچھ بھی نہیں رہا سب قرض خواہوں کا ہو گیا۔اس لئے مولی اس غلام کے مال کا مالک نہیں رہا۔اب غلام کے مال کو خرچ کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔تاہم غلام ابھی بھی مولی کا ہے اگر مال مولی کا نہیں رہا۔

وجہ معنوی طور پر یہ مال اور غلام ماذون کی جان قرض والوں کا ہو گیا ہے(۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن الحکم فی العبد الماذون فی التجارة قال لا یباع الا ان یحیط الدین برقبته فیباع حینئذ (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب ھل یباع العبد فی دینہ اذا اذن لہ او الحر؟ ص ۲۸۵ نمبر ۱۵۲۳۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عبد ماذون قرض میں گھر جائے تو بیچا جا سکتا ہے۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غلام اور اس کا مال اب مولی کا نہیں رہا۔

[۱۶۸۹](۱۷) اگر ماذون کے غلاموں کو آزاد کرے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک آزاد نہیں ہوں گے۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ مولی مالک ہوگا اس چیز کا جو اس کے ہاتھ میں ہے۔

تشریح چونکہ ماذون غلام کا مال قرض میں گھر چکا ہے اور گویا کہ مولی اس کے مال کا مالک نہیں رہا اس لئے ماذون غلام نے جو غلام خریدا ہے اس غلام کو مولی آزاد کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔

وجہ یہ غلام گویا کہ مولی کے نہیں رہے بلکہ قرض والوں کے ہو گئے اس لئے مولی ماذون غلام کے غلاموں کو آزاد کرے تو آزاد نہیں ہوں گے

اصول اس اصول پر ہے کہ قرض والوں کو نقصان نہ ہو۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں ماذون غلام کے مال اور جان چاہے قرض میں گھر چکے ہوں پھر بھی وہ مولی کا مال ہے اس لئے مولی اس کے مال کو استعمال کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔اسی طرح ماذون غلام کے خریدے ہوئے غلاموں کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد کرسکتا ہے۔البتہ اس صورت میں مولی قرض خواہوں کے قرضوں کا ذمہ دار ہو جائے گا۔

وجہ چاہے مال اور جان قرض میں گھر گئے ہوں پھر بھی وہ مولی کا مال ہے اس لئے مولی اس کے مال کو استعمال بھی کرسکتا ہے اور اس کے خریدے ہوئے غلام کو آزاد بھی کرسکتا ہے(۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الزھری قال اذا اعتق الرجل عبده وعلیه دین فالدین علی السید (ب) مصنف عبد الرزاق، باب ھل یباع العبد فی دینہ اذا اذن لہ او الحر ص ۲۸۶ نمبر ۱۵۲۴۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولی غلام کو آزاد کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔البتہ اس کا قرض مولی کے ذمے ہو جائے گا۔کیونکہ اس نے قرض والوں کو گویا کہ نقصان دیا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ ماذون کا مال بہرحال مولی کی ملکیت ہے۔اور ملکیت میں تصرف کرنے کا حق ہوتا ہے۔

[۱۶۹۰](۱۸) اگر ماذون غلام نے مولی سے کوئی چیز قیمت سے بیچی تو جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) ماذون غلام کے بارے میں حضرت حکم نے فرمایا کہ وہ بیچا نہیں جائے گا مگر یہ قرض اس کی گردن کو گھیر لے پھر اس وقت بیچا جائے (ب) حضرت زہری نے فرمایا اگر آدمی اپنے غلام کو آزاد کرے اور اس پر دین ہو تو دین آقا پر ہوگا۔

المولى شيئا بمثل قيمته او اكثر جاز [۱۶۹۱](۱۹)وان باع بنقصان لم يجز[۱۶۹۲](۲۰) وان باعه المولى شيئا بمثل القيمة او اقل جاز البيع[۱۶۹۳](۲۱)فان سلمه اليه قبل قبض الثمن بطل الثمن[۱۶۹۴](۲۲) وان امسكه في يده حتى

تشریح ماذون غلام جودین میں گھرا ہوا تھا اپنے مولی سے کوئی چیز بیچی اور وہی قیمت لی جو بازار میں ہے تو جائز ہے۔

وجہ اس لئے کہ مولی نے اجنبی کی طرح اس کو پوری قیمت دی ہے اور کوئی نقصان نہیں دیا اس لئے جائز ہوگا۔

[۱۶۹۱](۱۹)اور اگر بیچا نقصان کے ساتھ تو جائز نہیں ہے۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ ماذون غلام پر اتنا قرض ہو کہ اس کی جان اور مال گھر چکی ہو تو اس کا مال اب مولی کا نہیں رہا۔ اس لئے مولی کم قیمت میں خریدے گا تو اس پر تہمت ہوگی کہ یہ قرض والوں کو نقصان دینا چاہتا ہے۔ اس لئے کم قیمت میں غلام ماذون سے خریدنا جائز نہیں ہے۔

[۱۶۹۲](۲۰)اگر مولی نے غلام ماذون سے کوئی چیز مثل قیمت یا کم قیمت میں بیچی تو جائز ہے۔

تشریح غلام ماذون قرض میں گھرا ہوا تھا ایسی حالت میں اس کے مولی نے کائی چیز اس کے ہاتھ میں بیچی تو مثل قیمت میں بیچے تب بھی جائز ہے اور جتنی قیمت تھی اس سے بھی کم میں بیچی تب بھی جائز ہے۔

وجہ اگر مثل قیمت میں بیچی تب تو غلام کو کوئی نقصان نہیں دیا اس لئے جائز ہوگی۔ اور اگر کم قیمت میں بیچی تب بھی جائز ہوگی کیونکہ اس صورت میں غلام ماذون کا فائدہ ہوا۔ اور مولی فائدہ کردے تو کیوں جائز نہ ہو اس لئے جائز ہوگی۔

اصول وہی ہے کہ قرض خواہوں کو نقصان نہ ہو۔

[۱۶۹۳](۲۱)پس اگر مولی نے غلام کو مبیع سپرد کردیا قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے تو ثمن باطل ہو جائے گا۔

تشریح مولی نے ماذون غلام جودین میں گھرا ہوا تھا اس سے کوئی چیز بیچی اور اس کی قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے مولی نے غلام کو مبیع دے دی تو قاعدے کے اعتبار سے اس کی قیمت باطل ہو جائے گی۔

وجہ یہ قیمت ماذون پر قرض ہوئی اور قاعدہ ہے کہ مولی کا اپنے غلام پر کوئی قرض نہیں ہوتا کیونکہ غلام سارا کا سارا مولی کا ہی ہے۔ اس لئے اس پر قرض کیسا؟ اس لئے قیمت باطل ہو جائے گی۔ یعنی قضاء قاضی سے مولی اپنے غلام سے مبیع کی قیمت لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔ البتہ اخلاقی طور پر غلام کو قیمت دے دینی چاہئے۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ مولی کا کوئی قرض اپنے غلام پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ پورا غلام مولی کا ہی ہے۔

[۱۶۹۴](۲۲)اور اگر مبیع روک لے اپنے ہاتھ میں تو جائز ہے۔

تشریح مولی نے ماذون کے ہاتھ میں کچھ بیچا پھر سوچا کہ پہلے دے دوں گا تو قاعدے کے اعتبار سے اس کی قیمت کا مطالبہ نہیں کرسکتا اس لئے مبیع اپنے ہاتھ میں روک کر غلام سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا تو جائز ہے۔

يستوفي الثمن جاز[۱۶۹۵](۲۳) وان اعتق المولى العبد الماذون وعليه ديون فعتقه جائز والمولى ضامن بقيمته للغرماء[۱۶۹۶](۲۴) وما بقي من الديون يطالب به المعتق.

وجہ بیچتے وقت مولی اجنبی کی طرح ہے اس لئے اپنی مبیع کی قیمت وصول کرنے کے لئے ماذون سے مبیع روک سکتا ہے۔

لغت امسک : روک لے، یستوفی : وصول کرے۔

[۱۶۹۵](۲۳) اور اگر مولی نے ماذون غلام کو آزاد کر دیا اور اس پر قرض ہو تو اس کا آزاد کرنا جائز ہے اور مولی اس کی قیمت کا ضامن ہوگا قرض خواہوں کے لئے۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ چاہے ماذون غلام پر اتنا قرض آ جائے کہ اس کی جان اور کمائی سب گھر جائیں پھر بھی غلام کی جان مولی کی ہے۔ اگر چہ اس کی کمائی مولی کی شمار نہیں ہوگی۔ اس لئے اگر مولی اس غلام کو آزاد کرنا چاہے تو جائز ہے۔ البتہ غلام کی جتنی قیمت ہے قرض خواہوں کے لئے اتنے کا ذمہ دار مولی ہوگا۔ اور اتنی رقم مولی کو ادا کرنی ہوگی تا کہ وہ قرض والوں کے درمیان فیصد کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔ مثلا غلام پر چھ ہزار درہم قرض تھے اور غلام پانچ ہزار کا تھا تو مولی پانچ ہزار قرض والوں کو دے گا۔

وجہ اس لئے کہ مولی نے غلام آزاد کر کے قرض والوں کو اتنا نقصان دیا ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **قال اصحابنا حماد وغیره فقالوا اذا اعتقه وعليه دين فقيمة العبد على السيد و يبيعه غرماءه فيما زاد على القيمة** (الف) مصنف عبد الرزاق، باب ھل یباع العبد فی دینہ اذا اذن لہ او الحرج ثامن ص ۲۸۶ نمبر ۱۵۲۴۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولی آزاد کرے تو غلام کی جتنی قیمت ہے اتنے کا ذمہ دار مولی ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مولی نے جتنا نقصان کیا ہے اتنے ہی کا ذمہ دار ہوگا۔

[۱۶۹۶](۲۴) اور جو باقی قرض میں سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا آزاد سے۔

تشریح غلام کی قیمت کے علاوہ جتنا زیادہ قرض ہو۔ اوپر کی مثال میں ایک ہزار تھا تو وہ غلام کے آزاد ہونے کے بعد اس سے ہی مطالبہ کیا جائے گا۔

وجہ اصل میں اس نے ہی لوگوں سے قرض لیا تھا اس لئے قیمت کے علاوہ جو کچھ ہے وہ مولی کے بجائے غلام سے وصول کیا جائے گا (۲) اوپر کے اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ اوپر کے اثر میں یہ جملہ زیادہ ہے **قال اصحابنا حماد وغیره فان فضل شیء عن قيمة العبد ابتع به العبد** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب ھل یباع العبد فی دینہ اذا اذن لہ او الحرج ثامن ص ۲۸۶ نمبر ۱۵۲۴۳) اس اثر میں ہے قیمت سے زیادہ آزاد کردہ غلام سے وصول کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) ہمارے اصحاب حضرت حماد وغیرہ نے فرمایا اگر ماذون کو آزاد کرے اور اس پر دین ہو تو غلام کی قیمت آقا پر ہوگی اور قرض خواہ اس کو بیچیں گے اس کے بدلے جو قیمت سے زیادہ ہو۔ (ب) حضرت حماد وغیرہ نے فرمایا غلام کی قیمت سے دین کچھ زیادہ ہو تو غلام سے وصول کیا جائے گا۔

[۱۶۹۷](۲۵) واذا ولدت الماذونة من مولٰیھا فذلک حجر علیھا[۱۶۹۸](۲۶) وان اذن ولی الصبی للصبی فی التجارة فھو فی الشراء والبیع کالعبد الماذون اذا کان یعقل البیع والشراء.

[۱۶۹۷](۲۵) اگر ماذونہ باندی نے بچہ دیا اپنے مولی سے تو اس پر حجر ہے۔

تشریح آقا نے باندی کو تجارت کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس درمیان مولی سے باندی کو بچہ پیدا ہو گیا اور باندی اب مولی کی ام ولد بن گئی۔ اور اس میں آزادگی کا شائبہ آ گیا کہ مولی کے مرنے کے بعد ام ولد آزاد ہو جائے گی۔ اس لئے ام ولد بننا اس بات کی دلیل ہے کہ اب تجارت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور دلالۃً مولی کی جانب سے تجارت کرنے سے حجر ہو گیا۔

وجہ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اب مولی اس کو پردہ میں رکھنا چاہے گا عام باندی کی طرح اختلاط پسند نہیں کرے گا۔ اس لئے گویا کہ حجر ہو گیا (۲) اگر ام ولد پر قرض ہو گیا تو چونکہ اس میں آزادگی کا شائبہ آ چکا ہے اس لئے وہ بیچی نہیں جائے گی تو قرض کی ادائیگی کیسے ہوگی۔ اس کی وجہ سے قرض والوں کو نقصان ہوگا۔ اور مولی دے گا نہیں کیونکہ اس نے قرض دینے کی ذمہ داری نہیں لی ہے۔ اس لئے ام ولد ہونا حجر شمار ہوگا۔

نوٹ مولی ام ولد بننے کے بعد دوبارہ تجارت کرنے کی اجازت دے تو ماذون ہو جائے گی۔ اور اس صورت میں ام ولد پر جو قرض ہوگا وہ مولی اپنی جیب سے ادا کرے گا۔ کیونکہ اس نے دوبارہ اجازت دی ہے۔ اور ام ولد تو بک نہیں سکتی ہے اس لئے مولی ہی قرض کا ذمہ دار ہوگا۔ عن الزھری قال اذن له سیده فی الشراء فھو ضامن لدینه (الف) (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۵۲۳۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولی ام ولد کے قرض کا ضامن ہوگا۔

[۱۶۹۸](۲۶) اگر بچے کے ولی نے بچے کو تجارت کی اجازت دی تو وہ خریدنے اور بیچنے میں ماذون غلام کی طرح ہوگا جبکہ وہ خرید و فروخت سمجھتا ہو۔

تشریح بچہ اس عمر میں ہے کہ خرید و فروخت کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ وہ کیا ہیں اور کتنے مفید ہیں۔ ایسی صورت میں بچے کے ولی نے اس کو تجارت کی اجازت دی تو وہ غلام کی طرح ماذون ہو جائے گا۔ اور ہر چیز کی تجارت کی اہلیت اس میں سمجھی جائے گی۔ خرید و فروخت نافذ ہوں گے۔ اور اگر وہ کسی چیز کے غصب کرنے کا یا امانت ہونے کا یا دین ہونے کا اقرار کرے تو وہ چیز غصب، امانت یا دین سمجھی جائے گی۔ البتہ چونکہ بچہ آزاد ہے اس لئے وہ دین کے لئے بیچا نہیں جائے گا۔ بلکہ اس کے ولی کے ذمے قرض کا ادا کرنا ہوگا۔ جیسے پہلے غلام کے بارے میں اثر وغیرہ گزر چکا ہے۔

نوٹ بچے کو صرف سودا سلف خریدنے کے لئے بھیجا تو یہ خدمت ہے اس سے تجارت کی اجازت نہیں ہوگی۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ بچے کو تجارت کی اجازت دینے کے بارے میں اس حدیث میں اشارہ ہے کہ حضرت ام سلمہ نے اپنے نکاح کا وکیل اپنے بچے عمر کو بنایا۔ فقال لابنھا یا عمر قم فزوج رسول الله فزوجه (ب) (نسائی شریف، باب انکاح الابن امه، ص ۴۵۰، نمبر ۳۲۵۶)

حاشیہ : (الف) حضرت زہری نے فرمایا آقا نے خریدنے کی اجازت دی تو وہ غلام کے دین کا ضامن ہوگا (ب) حضرت ام سلمہؓ نے اپنے بیٹے عمر سے فرمایا اے عمر کھڑے ہو جاؤ اور حضورؐ سے شادی کرا دو۔ پس اس نے حضورؐ سے شادی کرا دی۔

﴿کتاب المزارعة﴾

[۱۶۹۹](۱)قال ابو حنیفة رحمه الله تعالی المزارعة بالثلث والربع باطلة وقالا جائزة

﴿کتاب المزارعة﴾

ضروری نوٹ مزارعۃ ،زراعت سے مشتق ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کی جانب سے زمین ہو اور دوسرے کی جانب سے بیل یا بیج ہو۔اور جو پیداوار ہو وہ دونوں میں آدھا آدھا یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو اس کو مزارعت یا مخابرہ کہتے ہیں۔مخابرہ خیبر سے مشتق ہے۔اہل خیبر کو آپؐ نے زمین بٹائی پر دی ہے اس لئے اسی سے مشتق ہو کر بٹائی کو مخابرہ کہتے ہیں۔حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابن عمر اخبره ان النبی ﷺ عامل خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر او زرع (الف)(بخاری شریف، باب المزارعة بالشطر ونحوه ص ۳۱۳ نمبر ۲۳۲۸ رمسلم شریف، باب المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزرع ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۱ رابوداؤد شریف، باب فی المساقاۃ ص ۱۲۸ نمبر ۳۴۰۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بٹائی پر زمین دینا جائز ہے۔

[۱۶۹۹](۱)امام ابوحنیفہ نے فرمایا تہائی یا چوتھائی پر کھیتی کرنا باطل ہے اور صاحبین نے فرمایا جائز ہے۔

تشریح کھیت کو تہائی غلہ یا چوتھائی غلہ پر بٹائی پر دے کہ جو کچھ غلہ نکلے گا اس میں سے دو تہائی تمہارے لئے اور ایک تہائی میرے لئے۔یا تین چوتھائی تمہارے لئے اور ایک چوتھائی میرے لئے ،اس طرح بٹائی پر دینا امام ابوحنیفہ کے نزدیک باطل ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔زعم ثابت ان رسول الله نهی عن المزارعة وامر بالمواجرة وقال لاباس بها (ب)(مسلم شریف، باب المزارعة والمواجرة ص ۱۴ نمبر ۱۵۴۹)اور ابوداؤد میں اس طرح ہے۔عن زید بن ثابت قال نهی رسول الله ﷺ عن المخابرة قلت وما المخابرة قال ان تأخذ الارض بنصف او ثلث او ربع (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی المخابرة ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۷)اس حدیث سے معلوم ہوا حضورؐ نے تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر بٹائی دینے سے منع فرمایا ہے(۳)ابوداؤد میں اس طرح وعید ہے۔عن جابر بن عبد الله سمعت رسول الله ﷺ یقول من لم یذر المخابرة فلیوذن بحرب من الله و رسوله (د)(ابوداؤد شریف، باب المخابرة ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۶)اس حدیث میں ہے مخابرہ نہ چھوڑے تو اللہ اور رسول کی جانب سے اعلان جنگ کر دو۔اور مخابرہ کے معنی بٹائی ہے اس لئے بٹائی ناجائز ہوگی۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ تہائی، چوتھائی وغیرہ پر بٹائی پر دینا جائز ہے۔ان کی دلیل ایک تو اوپر کی حدیث ہے۔عن ابن عمر قال عامل النبی ﷺ خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر وزرع (ہ)(بخاری شریف، نمبر ۲۳۲۸ رمسلم شریف، نمبر ۱۵۵۱ رابوداؤد شریف، نمبر

حاشیہ : (الف)حضورؐ نے خیبر کو بٹائی پر دیا کچھ حصے کے بدلے میں جو پھل یا غلہ پیدا ہو(ب) آپؐ نے مزارعت سے روکا اور اجرت کا حکم دیا اور کہا اس میں کچھ حرج کی بات نہیں ہے(ج) آپؐ نے منع فرمایا مخابرہ سے۔میں نے کہا مخابرہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ زمین آدھے یا تہائی یا چوتھائی کے بدلے لے(د) حضورؐ نے فرمایا جو بٹائی کو نہ چھوڑے اس کو اللہ اور رسول کی جانب سے اعلان جنگ سنا دو(ہ) حضورؐ نے خیبر کو بٹائی پر دیا آدھے حصے کے بدلے میں جو اس سے پیدا ہو پھل اور کھیتی۔

[۱۷۰۰](۲) وھی عندھما علی اربعة اوجه اذا کانت الارض والبذر لواحد والعمل

۳۴۰۸)اوردوسرااثرہے۔عن ابی جعفر قال ما بالمدینة اھل بیت ھجرۃ الا یزرعون علی الثلث والربع الخ(الف) (بخاری شریف، باب المزارعة بالشطر ونحوہ ص۳۱۳ نمبر ۲۳۲۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل مدینہ بٹائی کرتے تھے جس سے بٹائی کا جواز معلوم ہوا۔ **نوٹ** کتاب الآثارامام محمداور موطاامام محمد میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تہائی اور چوتھائی پر کھیت کو بٹائی پر دینا مکروہ ہے، باطل نہیں ہے۔محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن حماد انه سأل طاؤسا وسالم بن عند الله عن الزراعة بالثلث او الربع فقال لا بأس به فذکرت ذلک لابراھیم فکرھه ... کان ابو حنیفة یأخذ بقول ابراھیم ونحن نأخذ بقول سالم وطاؤس لا نری بذلک بأسا (ب)(کتاب الآثارلامام محمد، باب المزارعة بالثلث والربع ص۱۷۲، نمبر۷۷۴)اور موطاامام محمد میں ہے۔وکان ابو حنیفة یکرہ ذلک (موطاامام محمد، باب المعاملة والمزارعة فی النخل والارض ص۳۵۷)اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بٹائی مکروہ ہے۔عموم بلوی کی وجہ سے فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

[۱۷۰۰](۲)اور مزارعت صاحبین کے نزدیک چارطریقے پر ہیں (۱) جب زمین اور بیج ایک کے ہوں اور کام اور بیل دوسرے کے ہوں تو مزارعت جائز ہے۔

تشریح یہ پہلی صورت ہے۔اس میں زمین اور بیج ایک فریق کے ہوں اور کام اور بیل دوسرے فریق کے ہوں تو فرماتے ہیں کہ یہ صورت جائز ہے۔

وجہ اس باب میں دوقسم کے نظریئے ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ جس کا بیج ہو پورا غلہ اسی کا ہوگا اور دوسرے فریق کی چیز گویا کہ اجرت پر لی۔مثال مذکور میں زمین اور بیج ایک کا ہے اس لئے اسی کا پورا غلہ ہوگا اور اس نے گویا کہ کام کرنے والے کو اور بیل دینے والے کو اجرت پر لیا۔اور چونکہ کام کرنے والے کو اور بیل دینے والے کو اجرت پر لے سکتا ہے اس لئے بٹائی جائز ہوگئی (۲) بیج والے کا پورا غلہ ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔فاخبرہ رافع ان رسول الله ﷺ اتی بنی حارثة فرای زرعا فی ارض ظھیر فقال ما احسن زرع ظھیر قالوا لیس لظھیر قال الیس ارض ظھیر؟ قالوا بلی و لکنه زرع فلان قال فخذوا زرعکم وردوا علیه النفقة قال رافع فاخذنا زرعنا ورددنا الیه النفقة (ج)(ابوداؤدشریف، باب فی التشدید فی ذلک ای فی المزارعة (۱۲۵نمبر ۳۳۹۹)اس حدیث میں حضرت ظہیر کی زمین تھی اور حضرت رافع کا بیج تھا تو پورا غلہ حضرت رافع کو دلوایا اور زمین والے کو اس کی اجرت دلوادی جس سے معلوم ہوا کہ بیج والے کا

حاشیہ : (الف)ابوجعفرفرماتے ہیں مدینے میں کوئی گھر نہ تھا جو کھیتی نہ کرتا ہو تہائی اور چوتھائی پر(ب)ابوحنیفہ نے حماد سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت طاؤس اور سالم بن عبداللہ سے پوچھا تہائی یا چوتھائی کے بدلے میں۔پس فرمایا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔پھر اس کا تذکرہ حضرت ابراہیم سے کیا تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا...امام ابوحنیفہ حضرت ابراہیم کے قول کو لیتے تھے اور ہم سالم اور طاؤس کے قول کو لیتے تھے۔اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے(ج) آپ بنی حارثہ کے پاس آئے تو حضرت ظہیر کی زمین میں کھیتی دیکھا۔آپ نے فرمایا ظہیر کی کھیتی کتنی اچھی ہے!لوگوں نے کہا کہ ظہیر کی نہیں ہے۔آپ نے پوچھا یہ ظہیر کی زمین نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں!لیکن کھیتی فلاں کی ہے۔آپ نے لوگوں سے فرمایا اپنی کھیتی لے لو اور زمین کی اجرت دے دو۔

والبقر لواحد جازت المزارعة[۱۷۰۱](۳) وان کانت الارض لواحد والعمل والبقر والبذر لآخر جازت المزرعة[۱۷۰۲](۴) وان کانت الارض والبذر والبقر لواحد والعمل لواحد جازت[۱۷۰۳](۵) وان کانت الارض والبقر لواحد والبذر والعمل

سارا غلہ ہوگا اور زمین والے کو اس کی اجرت ملے گی (۲) اس بارے میں کتاب الآثار لامام محمد میں ایک اثر بھی ہے۔ **عن مجاهد قال اشترک اربعة نفر علی عهد رسول الله ﷺ فقال واحد من عندی البذر وقال الآخر من عندی العمل وقال الآخر من عندی الفدان وقال الآخر من عندی الارض قال فالغٰی رسول الله صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان اجرا مسمی وجعل لصاحب العمل درهما لکل یوم والحق الزرع کله لصاحب البذر** (الف) (کتاب الآثار لامام محمد، باب المزارعة بالثلث والربع، ص ۱۷۲، نمبر ۷۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلہ دانے والے کا ہوگا۔

فائدہ ایک نظریہ یہ ہے کہ پورا غلہ زمین والے کا ہوگا اور دوسرے لوگوں کو اس کے کام یا بیل، بیج کی اجرت دے دی جائے گی۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن رافع بن خدیج قال قال رسول الله من زرع فی ارض قوم بغیر اذنهم فلیس له من الزرع شیء وله نفقته** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبها ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۳) اس حدیث میں زمین والے کو پورا غلہ دیا گیا اور کام کرنے والے کو اس کی اجرت دی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ غلہ زمین والے کا ہوگا اور دوسرے کو اس کی اجرت ملے گی۔

[۱۷۰۱] (۳) اور اگر زمین ایک کی ہو اور کام، بیل اور بیج دوسرے کے ہوں تو مزارعت جائز ہے۔

وجہ اس صورت میں کام، بیل اور بیج والا گویا کہ زمین کو غلے کے بدلے اجرت پر لیا ہے۔ اس لئے یہ مزارعت بھی جائز ہو جائے گی۔

[۱۷۰۲] (۴) اور اگر زمین اور بیج اور بیل ایک کے ہوں اور کام دوسرے کا ہو تو بھی جائز ہے۔

وجہ اس صورت میں یہ سمجھی جائے گی کہ زمین اور بیج اور بیل والے نے کام والے کو اجرت پر لیا۔ اس لئے یہ صورت بھی جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ زمین والے کی طرف بیج ہے۔ اس لئے غلہ اس کا ہوگا اور کام کرنے والے کو گویا کہ کچھ غلے کے بدلے اجرت پر لیا۔

[۱۷۰۳] (۵) اور اگر زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور کام دوسرے کے ہوں تو باطل ہے۔

تشریح یہ ظاہر روایت ہے۔ ورنہ امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہے۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیل زمین کے تابع نہیں ہوگا۔ اس لئے بیج والا صرف زمین کو اجرت پر لے سکے گا۔ اور بیل کو پیدا شدہ غلے کے بدلے اجرت پر لیتے ہیں۔ جو بعد میں زمین ہی سے غلہ پیدا ہوگا اس کے بدلے بیل کو اجرت پر لینے کا رواج نہیں ہے۔ اس لئے بیل نہ زمین کے تابع

حاشیہ : (الف) حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانے میں چار آدمی بٹائی میں شریک ہوئے۔ ایک نے کہا میری جانب سے بیج ہے۔ دوسرے نے کہا میری جانب سے کام ہے۔ اور تیسرے نے کہا کہ میرے پاس سے بیل ہے۔ اور چوتھے نے کہا کہ میری جانب سے زمین ہے فرماتے ہیں کہ حضور نے زمین والے کو لغو قرار دیا۔ اور بیل والے کو متعین اجرت دی۔ اور کام والے کو ہر دن کے بدلے ایک درہم دیا اور غلہ کل کے کل بیج والے کو دیا (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے کسی قوم کی زمین میں بغیر اجازت کے بویا تو اس کو غلے میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اس کے لئے اس کی اجرت ہے۔

لواحد فهی باطلة[۱۷۰۴](۶) ولا تصح المزارعة الا علی مدة معلومة[۱۷۰۵](۷) وان یکون الخارج بینهما مشاعا[۱۷۰۶](۸) فان شرطا لاحدهما قفزانا مسماة فهی باطلة.

ہوااور نہ پیدا ہونے والے غلے کے بدلے اجرت پر لیا جاسکا۔اس لئے بیل استعمال کرنے کی شرط مفت رہی۔اس لئے مزارعت کی یہ صورت فاسد ہوگی۔

[۱۷۰۴](۶)اور نہیں صحیح ہے مزارعت مگر مدت معلوم ہو۔

تشریح بٹائی پر کھیت لیا لیکن یہ واضح نہیں کیا کہ کتنے مہینوں کے لئے لیا ہے تو مزارعت فاسد ہوگی۔

وجہ کھیت والا چاہے گا کہ جلدی چھوڑ دو اور بٹائی والا چاہے گا کہ دیر کروں جس سے جھگڑا ہوگا۔اس لئے مدت کا متعین ہونا ضروری ہے (۲)اس کے لئے واضح حدیث گزر چکی ہے۔**عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینة وهم یسلفون فی الثمار السنة والسنتین فقال من سلف فی تمر فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم** (الف)(مسلم شریف، باب السلم ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت معلوم ہونی چاہئے۔

[۱۷۰۵](۷)اور یہ کہ پیداوار دونوں کے درمیان مشترک ہو۔

تشریح جو کچھ غلہ پیدا ہو وہ زمین والے اور بٹائی والے کے درمیان مشترک ہو۔ایسا نہ ہو کہ جو غلہ پیدا ہوا اس میں سے مثلا زمین والے کے لئے پہلے سو کیلو مخصوص کر لیا جائے باقی جو بچے اس میں سے دونوں حصہ کرے۔

وجہ کیونکہ مان لیا جائے کہ زمین سے ایک سو کیلو ہی پیدا ہوا تو وہ زمین والے کو مل جائے گا اور بٹائی والے کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔اس کا کام مفت گیا اس لئے کسی ایک کے لئے مخصوص پیداوار نہ ہو بلکہ پورا غلہ مشترک ہو۔چاہے چوتھائی پر ہو یا تہائی پر ہو(۲) حدیث میں بھی اس سے منع فرمایا ہے۔**سمع رافع بن خدیج قال کنا اکثر اهل المدینة مزدرعا کنا نکری الارض بالناحیة منها مسمی لسید الارض قال فمما یصاب ذلک وتسلم الارض ومما یصاب الارض ویسلم ذلک فنهینا فاما الذهب والورق فلم یکن یومئذ** (ب)(بخاری شریف، باب ۷، کتاب الحرث والمزارعة ص ۳۱۱ نمبر ۲۳۲۷ مسلم شریف، باب کراء الارض بالذهب والورق ص ۱۲ نمبر ۱۵۴۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مخصوص کیلو یا مخصوص جگہ کو متعین کرنا جائز نہیں ہے۔اس سے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

[۱۷۰۶](۸)پس اگر شرط کی دونوں نے ایک کے لئے متعین قفیز تو وہ باطل ہے۔

تشریح جتنا غلہ نکلے اس میں سے مثلا سو کیلو زمین والے کے لئے ہوگا پھر باقی غلہ تقسیم ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے۔دلیل اوپر حدیث گزر چکی۔

حاشیہ : (الف) آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اس حال میں کہ لوگ پھلوں میں ایک سال اور دو سال کے لئے تجارت کرتے تھے۔پس آپ نے فرمایا جو کھجور میں تجارت کرے تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو(ب) رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ ہم اکثر اہل مدینہ کھیتی کرتے تھے۔ہم زمین کرایہ پر دیتے، اس میں سے ایک کنارہ زمین والے کے لئے مختص ہوتا۔فرماتے ہیں کہ ایسا بھی ہوتا کہ اس کو مرض لگ جاتا اور باقی زمین محفوظ رہتی۔اور ایسا بھی ہوتا کہ زمین کو مرض لگ جاتا اور وہ کنارہ محفوظ رہ جاتا۔اس لئے ہم کو روک دیا گیا۔بہر حال سونے اور چاندی کے بدلے کرایہ پر لینا تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

[۱۷۰۷](۹) وکذلک اذا شرطا ما علی الماذیانات والسواقی[۱۷۰۸](۱۰) واذا صحت المزارعة فالخارج بینهما علی الشرط[۱۷۰۹](۱۱) وان لم تخرج الارض شیئا

لغت قفزان : قفیز کی جمع ہے، مساۃ : متعین۔

[۱۷۰۷](۹) ایسے ہی اگر شرط لگائی جو پیدا ہو بڑی ندی پر اور چھوٹی نالیوں پر۔

تشریح یوں شرط لگائی کہ نہر کے کنارے کنارے جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمین والے کا اور باقی غلوں میں دونوں شریک ہوں گے۔ یا چھوٹی نالیوں کے کنارے کنارے جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمین والے کا اور باقی غلوں میں دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ پہلے وجہ اور حدیث گزر چکی ہے۔ مسلم شریف میں باضابطہ تصریح ہے۔ قال سألت رافع بن خدیج عن کراء الارض بالذهب والورق ؟ فقال لا بأس به انما کان الناس یواجرون علی عهد رسول الله ﷺ علی الماذیانات واقبال الجداول واشیاء من الزرع فیهلک هذا ویسلم هذا ویسلم هذا ویهلک هذا فلم یکن للناس کراء الا هذا فلذلک زجر عنه فاما شیء معلوم مضمون فلا بأس به ((الف)(مسلم شریف، باب کراء الارض بالذهب والورق، ج ثانی، ص ۱۲، نمبر ۱۵۴۸) اس حدیث میں صراحت ہے کہ بڑی نہر کے کنارے کنارے کے غلے کو کسی ایک کے لئے خاص کرنا جائز نہیں ہے۔ تمام غلے مشترک ہونے چاہئے لغت ماذیانات : ماذیان کی جمع ہے، بڑی ندی، سواقی : ساقیۃ کی جمع ہے، چھوٹی نالی، پانی پلانے کا راستہ۔

[۱۷۰۸](۱۰) اور جب مزارعت صحیح ہو جائے تو پیداوار دونوں کے درمیان شرط کے مطابق ہوگی۔

تشریح اوپر کے تمام شرائط پائے جائیں اور مزارعت صحیح ہو جائے تو اب جن شرطوں پر مزارعت ہوئی تھی مثلا زمین والے کا ایک تہائی غلہ ہوگا اور بٹائی والے کا دو تہائی غلہ ہوگا تو انہیں شرائط کے مطابق دونوں میں غلہ تقسیم کیا جائے گا۔

وجہ حضورؐ نے فرمایا قال النبی ﷺ المسلمون عند شروطهم (ب)(بخاری شریف، باب اجر السمسرة ص ۳۰۳ نمبر ۲۲۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو شرط کی رعایت کرنی چاہئے۔

[۱۷۰۹](۱۱) اور اگر زمین کوئی چیز پیدا نہ کرے تو کام کرنے والے کے لئے کچھ نہ ہوگا۔

تشریح بٹائی میں شرط طے ہوئی تھی کہ جو غلہ پیدا ہوگا اس میں سے کام کرنے والے کو چوتھائی یا تہائی ملے گا۔ اور یہاں زمین سے کوئی پیداوار نہیں ہوئی اس لئے عامل کو کہاں سے دیں گے؟ اور جیب سے دینے کی شرط نہیں تھی۔ تو جس طرح زمین والے کو کچھ نہیں ملا اسی طرح کام کرنے والے کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت بن خدیج سے سونے اور چاندی کے بدلے زمین کرایہ پر لینے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ لوگ حضور کے زمانے میں اجرت پر رکھتے تھے اس شرط پر کہ نہر کے پاس کا غلہ، نالیوں کے سامنے کا غلہ اور کچھ خاص کھیتی ایک کے لئے ہو۔ پس کبھی ہلاک یہ ہو جاتا اور وہ محفوظ رہ جاتا یا وہ محفوظ رہ جاتا اور یہ ہلاک ہو جاتا۔ پس لوگوں کے لئے کرایہ نہ ہوتا۔ مگر یہ اس لئے حضورؐ نے اس سے ڈانٹا۔ بہر حال کوئی معلوم چیز جو مضمون ہو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ب) آپؐ نے فرمایا مسلمان شرط کے پابند ہوں۔

فلا شیء للعامل[۱۷۱۰](۱۲) واذا فسدت المزارعة فالخارج لصاحب البذر [۱۷۱۱](۱۳) فان کان البذر من قبل رب الارض فللعامل اجر مثله لا یزاد علی مقدار ما شرط له من الخارج وقال محمد له اجر مثله بالغا ما بلغ.

[۱۷۱۰](۱۲)اور اگر مزارعت فاسد ہو جائے تو پیداوار بیج والے کی ہوگی۔

وجہ پہلے حدیث گزر چکی ہے جس سے معلوم ہوا کہ پیداوار اصل میں بیج والے کی ہوتی ہے۔اور دوسرے لوگ گویا کہ کام کی اجرت لیتے ہیں۔عن رافع بن خدیج ... قالوا بلی ولکنه زرع فلان قال فخذوا زرعکم وردوا علیه النفقة قال رافع فاخذنا زرعنا ورددنا الیه النفقة (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ذلک ای فی المزارعۃ ص۱۲۵نمبر ۳۳۹۹)اس حدیث میں بیج حضرت رافع کا تھا اس لئے غلہ حضرت رافع کو دلوایا اور زمین والے کو اس کی اجرت دی۔اور اثر میں ہے۔عن مجاهد قال اشترک اربعة نفر ... والحق الزرع کله بصاحب البذر (ب)(کتاب الآثار لامام محمد، باب المزارعۃ بالثلث والربع ص۱۷۲)اس اثر میں ہے کہ غلہ تمام کا تمام بیج والے کا ہوگا۔اس لئے جب مزارعت فاسد ہو تو غلہ بیج والے کا ہوگا(۲) یوں بھی غلہ کی بڑھوتری بیج سے ہے اس لئے بھی غلہ بیج والے کو دیا جائے گا۔

[۱۷۱۱](۱۳)پس اگر بیج زمین والے کی جانب سے ہو تو کام کرنے والے کے لئے اجرت مثل ہوگی جو نہیں زیادہ ہو اس تعداد سے جو شرط کی گئی ہو پیداوار سے۔اور امام محمد نے فرمایا اس کے لئے اجرت مثل ہوگی جتنی پہنچ جائے۔

تشریح پس اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو اور مزارعت فاسد ہوگئی ہو تو پورا غلہ زمین والے کا ہوگا اور کام والے کو اس کی وہ اجرت ملے گی جو اس جیسے کام کی اجرت بازار میں مل سکتی ہے۔البتہ اگر بازار کی اجرت مثل زیادہ ہو اور پیداوار میں جو حصہ مل سکتا تھا وہ کم ہو تو پیداوار کے حصے سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ وہ کم حصے پر خود راضی ہو گیا ہے۔اس لئے بازار کی اجرت زیادہ بھی ہو تو پیداوار کے حصے سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے ہے۔

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ بازار کی اجرت مثل پیداوار کے حصہ سے زیادہ ہو تو زیادہ بھی دی جائے گی۔

وجہ جب مزارعت فاسد ہوگئی تو اجرت مثل اصل بن گئی اس لئے اجرت مثل جتنی ہو وہ دی جائے گی چاہے پیداوار کے حصے سے زیادہ کیوں نہ ہو۔

لغت الخارج : نکلنے والی چیز، پیداوار،

حاشیہ : (الف) رافع بن خدیج سے مروی ہے...لوگوں نے کہا کہ ہاں زمین حضرت ظہیر کی ہے لیکن کھیتی فلاں کی ہے۔آپؐ نے فرمایا اپنی کھیتی لو اور اس کو زمین کی اجرت دے دو۔حضرت رافع نے فرمایا میں نے اپنی کھیتی لی اور زمین والے کو اس کی اجرت دے دی (ب) حضرت مجاہد نے فرمایا چار آدمی بٹائی میں شریک ہوئے... غلہ تمام کا تمام بیج والے کو دیا۔

[۱۷۱۲] (۱۴) وان کان البذر من قبل العامل فلصاحب الارض اجر مثلها [۱۷۱۳] (۱۵) واذا عقدت المزارعة فامتنع صاحب البذر من العمل لم یجبر علیه [۱۷۱۴] (۱۶) وان امتنع الذی لیس من قبله البذر اجبره الحاکم علی العمل [۱۷۱۵] (۱۷) واذا مات احد المتعاقدین بطلت المزارعة [۱۷۱۶] (۱۸) واذا انقضت مدة

[۱۷۱۲] (۱۴) اور اگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہو تو زمین والے لئے اجرت مثل ہوگی۔

تشریح اگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہو تو پورا غلہ کام کرنے والے کا ہوگا اور زمین والے کو زمین کی اجرت مثل مل جائے گی۔

نوٹ اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو اوپر گزرا۔

[۱۷۱۳] (۱۵) اگر مزارعت کا عقد کیا اور بیج والا کام سے رک گیا تو کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

تشریح عقد مزارعت کیا تھا لیکن کچھ سوچ کر بیج والے نے بیج نہیں ڈالا اور بیج ڈالنے اور کام کرنے سے رک گیا تو اس کو بیج ڈالنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

وجہ کام کرنے کی دو شکلیں ہیں۔ ایک ایسا کام ہے جس میں پیسے کا کچھ نقصان بھی ہو جیسے بیج ڈالنا کہ اس میں بیج کا نقصان ہے۔ اور دوسرا کام ایسا ہے جس میں کوئی نقصان نہ ہو جیسے ہل چلانا کہ ہل چلانے میں پیسے کا نقصان نہیں ہے۔ پس قاعدہ یہ ہے کہ جس میں پیسے کا نقصان ہو اس کام کے کرنے پر حاکم مجبور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس اجبار میں کام کرنے والے کا نقصان بھی ہے۔ اس لئے بیج نہ ڈالے تو حاکم اس کے ڈالنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگرچہ کوئی عذر نہ ہو تو وعدہ کے مطابق ڈالنا چاہئے۔

[۱۷۱۴] (۱۶) اور اگر کام کرنے سے رک گیا وہ آدمی جن کی جانب سے بیج نہ ہو تو حاکم اس کو کام پر مجبور کرے گا۔

وجہ چونکہ اس کے کام کرنے میں پیسے کا نقصان نہیں ہے اس لئے اس کو کام کرنے پر حاکم مجبور کرے گا۔

نوٹ البتہ اگر کام کرنے میں کوئی عذر شدید ہو جس کی بنیاد پر مزارعت فسخ کر سکتا ہو تو پھر حاکم مجبور نہیں کریں گے اور مزارعت فسخ کر دے گا کیونکہ اس کو عذر شدید ہے۔

[۱۷۱۵] (۱۷) اور اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک مرجائے تو مزارعت باطل ہو جائے گی۔

وجہ پہلے کئی مرتبہ گزر چکا ہے کہ عقود جتنے بھی ہیں وہ عاقدین کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ وہ ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوتے۔ اس لئے عاقدین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو وہ عقد باطل ہو جاتا ہے۔ اور ورثہ اس کو بحال نہیں رکھ سکتے (۲) حدیث گزر چکی ہے۔ **اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلث** کہ انسان مرجائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین کے۔ اس لئے زمین والے یا بٹائی والے میں سے کسی ایک کے مرنے۔ سے مزارعت کا عقد باطل ہو جائے گا۔

[۱۷۱۶] (۱۸) اگر مزارعت کی مدت ختم ہو جائے اور کھیتی ابھی پکی نہ ہو تو کھیتی کرنے والے پر زمین کے اپنے حصے کی اجرت مثل لازم ہوگی کھیتی

المزارعة والزرع لم يدرك كان على المزارع اجر مثل نصيبه من الارض الى ان يستحصده[١٧١٧] (١٩) والنفقة على الزرع عليهما على مقدار حقوقهما [١٧١٨] (٢٠) واجرة الحصاد والدياس والرفاع والتذرية عليهما بالحصص فان شرطاه في

کٹنے تک۔

تشریح مثلا تین ماہ کے لئے کھیت زراعت پر لیا تھا۔اس میں چاول بویا لیکن تین ماہ میں چاول پکا نہیں۔ابھی اس کے پکنے میں ایک ماہ باقی ہے۔اس لئے تین ماہ پورے ہونے پر مزارعت کی مدت ختم ہوگئی اور عقد گویا ختم ہو گیا۔لیکن کچی کھیتی کاٹنے میں دونوں کا نقصان ہے اس لئے چاول ابھی ایک ماہ تک کھیت میں رکھا جائے گا۔اور بٹائی والے کا جتنا حصہ ہے اس کے حصے کے مطابق ایک ماہ کی اجرت مثل اس پر لازم ہوگی۔مثلا مزارعت آدھے آدھے پر طے ہوئی تھی تو بٹائی والے پر ایک ماہ کی اجرت مثل کی آدھی لازم ہوگی۔

وجہ اس صورت میں زمین والے کا بھی فائدہ ہے کہ ایک ماہ زمین زیادہ استعمال کی تو ایک ماہ کی اجرت مل گئی اور بٹائی والے کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو آدھا غلہ مل گیا (۲) کھیتی کٹنے کی مدت تقریبا معلوم ہے کہ زمانہ قریب میں یعنی ایک دو ماہ میں کھیتی کٹ جائے گی اس لئے اس کو مزید مہلت دی جائے گی اور اس صورت میں صفقة فی صفقة کے قاعدے سے اجرت فاسد نہیں کریں گے۔

لغت لم یدرک : کھیتی نہیں پکی، درک : پانا، یستحصد : حصد سے مشتق ہے، کھیتی کٹنا۔

[١٧١٧] (١٩) اور کھیتی پر خرچ دونوں پر ہوگا ان دونوں کے حقوق کی مقدار۔

تشریح مزارعت کی مدت ختم ہوگئی اس لئے عقد ختم ہو گیا اس لئے بٹائی والے پر کام کرنا لازم نہیں رہا اب جو کچھ خرچ ہوگا وہ زمین والے اور بٹائی والے دونوں پر ہوگا۔اب اگر دونوں کا آدھا آدھا تھا تو دونوں پر آدھا آدھا خرچ لازم ہوگا۔اور اگر تہائی اور دو تہائی حصہ تھا تو جس کا تہائی تھا اس پر ایک تہائی خرچ لازم ہوگا اور جس کا دو تہائی حصہ تھا اس پر دو تہائی خرچ لازم ہوگا۔

[١٧١٨] (٢٠) اور اگر کھیتی کاٹنے اور گاہنے اور اکھاڑنے اور غلہ صاف کرنے کی اجرت دونوں پر ہے حصے کے مطابق۔پس اگر شرط لگائی مزارعت میں کام کرنے والے پر تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

تشریح اصل قاعدہ یہ ہے کہ کھیتی پکنے تک تو مزارعت برقرار ہے۔اس لئے عامل پر اور بٹائی والے پر کام کرنا لازم ہوگا۔اور کھیتی پک جانے کے بعد مزارعت ختم ہو جائے گی۔اس لئے اب دونوں کے حصے ہیں۔اس لئے اپنے اپنے حصے کے مطابق دونوں پر اجرت لازم ہوگی۔مثلا کھیتی کاٹنا، کاشتکاری کو گاہنا، کاشتکاری کو اکھٹا کرنا، غلہ صاف کرنا یہ سب کام کھیتی پکنے کے بعد ہوں گے۔اس لئے دونوں کو یہ کام کرنا چاہئے یا دونوں کو اجرت ادا کرنا چاہئے۔اس لئے کہ دونوں کے حصے ہیں۔

اصول اس مسئلے کا تعلق اس پر ہے کہ کھیتی پکنے کے بعد عقد مزارعت ختم ہو جاتا ہے۔اس لئے باقی کاموں کی ذمہ داری دونوں پر ہے۔اور اگر ان کام کرنے کی شرط عامل پر لگائی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

المزراعة علی العامل فسدت.

وجہ کھیتی پکنے کے بعد مزارعت ختم ہوگئی۔اب جو کام ہیں وہ عامل کے ذمے نہیں ہے۔اس لئے عامل پر شرط لگانے سے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔اس لئے کہ صفقة فی صفقة ہو جائے گا۔یعنی مزاعت کے ساتھ اجرت کا معاملہ بھی داخل کرنا ہوا۔اس لئے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر عرف میں ہو کہ کھیتی پکنے کے بعد فلاں فلاں کام عامل کے ذمے ہوتے ہوں اور ان کو کرنے کی شرط عامل پر لگائی تو اس سے مزارعت فاسد نہیں ہوگی۔جیسے کہ جوتا گانٹھنے کی شرط چمڑے والے پر لگائی تو عرف کی بنا پر جائز ہے۔اسی طرح یہاں بھی مزارعت جائز ہو جائے گی۔

اصول ان کے یہاں یہ ہے کہ عرف میں جو جو کام کرتے ہیں ان کا اعتبار کیا جائے گا۔اور ان کی ذمہ داری عامل پر ہوگی۔

لغت الحصاد : کھیتی کاٹنا، الدیاس : گاہنا، الرفاع : غلہ اکٹھا کرنا اور کھلیان پر لانا، التذریة : ہوا میں اڑا کر غلہ صاف کرنا۔

﴿کتاب المساقاۃ﴾

[۱۷۱۹](۱)قال ابو حنیفة رحمه الله تعالی المساقاة بجزء من الثمرة باطلة[۱۷۲۰] (۲) وقالا جائزة اذا ذكرا مدة معلومة وسميا جزء من الثمرة مشاعا.

﴿کتاب المساقاۃ﴾

ضروری نوٹ مساقاۃ کے معنی ہیں پانی سے سیراب کرنا۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ پھل کے درخت لگے ہوئے ہوں ان کو پانی سے سیراب کرے اور دو تین ماہ میں جو پھل نکلے وہ درخت والے اور سیراب کرنے والے اور اس کے لئے کام کرنے والے حصے کے اعتبار سے تقسیم کر لیں۔ اس سے قبل کے باب میں کھیتی اور کاشتکاری میں شرکت کے مسئلے تھے اور اس باب میں پھل کے شرکت کے مسئلے ہیں اس کے جائز اور ناجائز ہونے کے سلسلے میں۔ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے درمیان وہی اختلاف ہے جو کتاب المزارعت میں گزرا اور دونوں کے دلائل بھی وہی ہیں جو اس باب میں گزرے۔

[۱۷۱۹](۱) امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا مساقات کچھ پھل دے کر باطل ہے۔

تشریح ایک شکل یہ ہے کہ سیراب کرنے والا سیراب کرے اور اس کو اجرت کا درہم یا دینار دے دے یا کچھ ٹوٹا ہوا پھل دے دے یہ تو جائز ہے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ سیراب کرنے کی وجہ سے درخت میں جو پھل آئے گا اس میں تہائی یا چوتھائی دے دے تو یہ صورت امام ابو حنیفہ کے نزدیک مزارعت کی طرح باطل ہے (پہلے گزرا کہ مکروہ ہے)

وجہ حدیث پہلے گزری۔ زعم ثابت ان رسول الله نهى عن المزارعة وامر بالمواجرة وقال لا بأس بها (الف)(مسلم شریف، باب فی المزارعۃ والمواجرۃ ص ۱۰ نمبر ۱۵۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزارعت اور مساقات سے حضورؐ نے منع فرمایا۔ اور ابو داؤد کی حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال سمعت رسول الله يقول من لم يذر المخابرة فليوذن بحرب من الله ورسوله (ب) ابو داؤد شریف، نمبر ۳۴۰۶) اور اسی کے آگے والی حدیث میں ہے۔ عن زيد بن ثابت قال نهى رسول الله ﷺ عن المخابرة قلت وما المخابرة؟ قال ان تأخذ الارض بنصف او ثلث او ربع (ج)(ابو داؤد شریف، باب المخابرۃ ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مخابرہ سے آپؐ نے شدت کے ساتھ منع فرمایا۔ اور مخابرہ کا مطلب ہے آدھے، تہائی اور چوتھائی کاشت پر زمین کو لینا، چاہے کاشتکاری کے لئے چاہے مساقات کے لئے لے۔

[۱۷۲۰](۲) اور صاحبین فرماتے ہیں جائز ہے جبکہ مدت معلوم ذکر کرے اور دونوں پھل کا کچھ حصہ متعین کرے مشترک طور پر۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ دو شرطوں کے ساتھ مساقات جائز ہے۔ ایک تو یہ کہ مساقات کی مدت متعین ہو کہ کتنے مہینے کے لئے درخت

حاشیہ : (الف) آپؐ نے بٹائی پر دینے سے روکا اور اجرت پر دینے کا حکم دیا۔ اور فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے (ب) میں نے حضورؐ سے کہتے سنا جو مخابرہ یعنی بٹائی نہ چھوڑے ان کے لئے اللہ اور رسول کی جانب سے اعلان جنگ کردو (ج) آپؐ نے مخابرہ سے روکا۔ میں نے پوچھا مخابرہ کیا ہے؟ فرمایا زمین آدھے یا تہائی یا چوتھائی پر بٹائی کے لئے دے۔

[۱۷۲۱](۳) وتجوز المساقاة فی النخل والشجرة والكرم والرطاب واصول الباذنجان[۱۷۲۲](۴) فان دفع نخلا فيه ثمرة مساقاة والثمرة تزيد بالعمل جاز وان

مساقات پرلے رہا ہے۔اور دوسری یہ کہ جو پھل پیدا ہو اس میں دونوں مشترک طور پر حصہ کریں۔کوئی ایک کی خاص مقدار مخصوص نہ ہو۔

وجہ دونوں شرطوں کے دلائل کتاب المزارعت میں گزر چکے ہیں۔جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ان عبد الله بن عمر اخبره ان النبی ﷺ عامل خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر او زرع (الف)(بخاری شریف، باب المزارعة بالشطر ونحوہ ص۳۱۳ نمبر ۲۳۲۸ رمسلم شریف، باب المساقاۃ والمعاملة بجزء من الثمر والزرع ص۱۴ نمبر ۱۵۵۱ رابو داؤد شریف، باب فی المساقاۃ ص ۱۲۸ نمبر ۳۴۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مساقاۃ جائز ہے۔

[۱۷۲۱](۳) مساقات جائز ہے کھجور کے درخت میں، درخت میں، انگور میں اور ترکاریوں میں اور بیگنوں میں۔

تشریح جو جو درخت بھی پھل یا ترکاری دیتے ہوں ان تمام میں مساقات جائز ہے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں من ثمر او زرع کا لفظ ہے جو پھل اور ترکاریوں کے لئے عام ہے۔اس لئے پھل اور ترکاریوں سب میں مساقات جائز ہے(۲) ایک اور حدیث ہے عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ اعطی خیبر الیهود علی ان یعملوها ویزرعوها ولهم شطر ما یخرج منها (ب)(بخاری شریف، باب المزارعة مع الیهود ص۳۱۳ نمبر ۲۳۳۱ رمسلم شریف، باب المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزرع ص۱۴ نمبر ۱۵۵۱) اس حدیث میں ہے کہ جو کچھ یہود کاشت کرے اس میں حضور کو آدھا دیتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کھجور کا درخت، عام درخت، انگور کے درخت، ترکاری اور بیگنوں سب میں مساقات جائز ہیں (۲) یوں بھی تمام چیزوں میں مساقات کی ضرورت ہے اس لئے تمام درختوں میں مساقات جائز ہوگی۔

لغت الکرم : انگور کا درخت، الرطاب : رطبة کی جمع ہے، ترکاری، باذنجان : بیگن، اور اصول باذنجان کے معنی ہیں بیگن کا درخت۔

[۱۷۲۲](۴) اگر کھجور کا پھل دار درخت دیا مساقات کے طور پر اور پھل بڑھ سکتا ہو عمل سے تو جائز ہے۔اور اگر بڑھنا پورا ہو چکا ہو تو جائز نہیں ہے۔

تشریح درخت میں پھل آچکا تھا لیکن اس اندازے میں تھا کہ اس کو سیراب کیا جائے اور اس کی نگہبانی کی جائے تو ابھی پھل مزید بڑھ سکتا ہے۔تب تو مساقات پر دینا جائز ہے۔اور اگر پھل کا بڑھنا اب پورا ہو چکا تھا۔سیراب کرنے سے اب مزید نہیں بڑھ سکتا ایسی حالت میں مساقات پر درخت دینا جائز نہیں ہے۔اب جو کچھ بھی عامل کرے گا وہ اجرت پر شمار ہوگا۔

وجہ مساقات میں سیراب کرنے سے عامل پھل کا حقدار ہوتا ہے۔اور سیراب کرنا اس وقت شمار کیا جائے گا جب کہ اس سے پھل بڑھے۔اور جب سیراب کرنے سے پھل ہی نہ بڑھے تو وہ مساقات نہیں ہے اجرت ہے۔اس لئے سیراب کرنے سے پھل بڑھے تو مساقات ہوگی اور

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے خیبر والوں کو بٹائی پر دیا کچھ حصے کے بدلے میں جو زمین سے پھل یا غلہ پیدا ہو (ب) حضورؐ نے یہود کو خیبر دیا اس شرط پر کہ وہ کام کریں اور اس میں کاشتکاری کریں۔اور ان کے لئے جو پیداوار ہو اس میں سے کچھ حصہ ہوگا۔

كانت قد انتهت لم يجز[۱۷۲۳] (۵) واذا فسدت المساقاة فللعامل اجر مثله[۱۷۲۴] (۶)وتبطل المساقاة بالموت[۱۷۲۵] (۷) وتفسخ بالاعذار كما تسفخ الاجارة.

پھل نہ بڑھے تو اجرت ہو جائے گی۔اور پھل میں سے کچھ حصہ نہیں ملے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مساقات کے معنی سیراب کرنا ہے۔اس لئے اسی حقیقت پر مسئلہ متفرع ہوگا۔

لغت انتهت : پورا ہو گیا ہو۔

[۱۷۲۳](۵) اگر مساقات فاسد ہو جائے تو عامل کے لئے اجرت مثل ہوگی۔

تشریح کسی وجہ سے مساقات کا معاملہ فاسد ہو جائے تو پورا پھل درخت والے کا ہوگا اور کام کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی۔

وجہ جس طرح مزارعت میں فاسد ہوتے وقت پورا غلہ بیج والے کا ہوتا تھا اسی طرح مساقات میں فاسد ہوتے وقت درخت والے کا ہوگا (۲) حدیث پہلے گزر چکی ہے (۳) پھل پیدا ہونے کی بنیاد درخت ہے جس طرح غلہ پیدا ہونے کی بنیاد بیج ہے۔اس لئے درخت والے کا پھل ہوگا۔اور جب درخت والے کا پھل ہو گیا تو کام کرنے والا مفت کام نہیں کرے گا بلکہ اس کو وہ اجرت ملے گی جو بازار میں مل سکتی تھی۔جس کو اجرت مثل کہتے ہیں۔پورے دلائل کتاب المزارعۃ میں گزر گئے۔

[۱۷۲۴](۶) مساقات موت سے باطل ہو جائے گی۔

تشریح جس طرح اور عقود متعاقدین میں سے ایک کے مرنے سے باطل ہو جاتے ہیں اسی طرح مساقات بھی درخت والے یا کام کرنے والے کے مرنے سے باطل ہو جائے گی اور ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔

وجہ کتاب المزارعۃ میں گزر گئی۔

نوٹ اگر پھل پکنے کے قریب ہو تو پھل پکنے تک ورثہ مساقات بحال رکھے۔تاکہ درخت والے یا کام کرنے والے کو نقصان نہ ہو اور پھل پکنے کے بعد توڑ دے۔متعاقدین میں سے ایک کے مرنے کے باوجود درمیان میں معاملہ نہ توڑے اس میں دونوں کا فائدہ ہے۔

[۱۷۲۵](۷) اور مساقات فسخ ہو جائے گی عذروں سے جیسے فسخ ہو جاتا ہے اجارہ۔

تشریح کتاب الاجارہ میں گزر چکا ہے کہ عذر شدید کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔اسی طرح عذر شدید ہو تو مساقات کو بھی فسخ کر سکتا ہے۔ مثلا عامل چور ہو یا عامل بیمار ہو گیا ہو تو مساقات فسخ کر سکتا ہے ورنہ ضرر شدید کا خطرہ ہے۔

الشرح الثمیری

علی المختصر للقدوری

۳۶۲ھ - ۴۲۸ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی دامت برکاتہم

الجزء الثالث

از کتاب النکاح تا کتاب الاشربۃ

ناشر:
KHATME NUBUWWAT ACADEMY
387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.

الشرح الثمیری

على المختصر للقدوری

۳۶۲ھ - ۴۲۸ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

الجزء الثالث

(اس جلد میں ہیں)

کتاب النکاح والرضاع والطلاق وباب الرجعة وكتاب الايلاء والخلع والظهار واللعان والعدة والنفقات والعتاق وباب التدبير والاستيلاد وكتاب المكاتب والولاء والجنايات والديات وباب القسامة وكتاب المعاقل والحدود وباب حد الشرب وحد القذف وكتاب السرقة وقطاع الطريق وكتاب الاشربة.

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.
Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404
E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

نام کتاب : الشرح الثمیری علی المختصر القدوری (الجزء الثالث)

نام شارح : مولانا ثمیر الدین قاسمی

ناشر : ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

باہتمام : (مولانا) سہیل عبدالرحمٰن باوا (لندن)

(فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

مطبوعہ : مبشر پرنٹر۔ بشیر مارکیٹ ناظم آباد نمبر 2، کراچی۔ موبائل: 0334-3218149

شارح کا پتہ:

MOULANA SAMIRUDDIN QASIMI

70 Stamford Street, Old Trafford
Manchester M16 9LL, United Kingdom.

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.
Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404
E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

ملنے کے پتے

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.
Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404
E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

............☆............

اسلامی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ 74800

فون: 4927159 (021)

............☆............

عرضِ ناشر

تفسیر وحدیث کے بعد علوم دینیہ میں علم فقہ کا جو مرتبہ و مقام ہے، کوئی اور علم اس کے درجہ کا نہیں۔ فقہائے کرام اس امت کے لئے روحانی اطباء کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جنہوں نے قرآن وحدیث سے علوم کے چشموں کو جاری کیا اور تشنگان علوم کی سیرابی کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فقہائے احناف کو علم فقہ میں جو دسترس اور جامعیت عطا فرمائی، سب ہی اس کے معترف ہیں۔ چنانچہ فقہ حنفی میں تصانیف کا ایک پہاڑ بلند ہے جن میں ''مختصر القدوری'' کا نام ایک چمکتے دمکتے ستارے کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو جو جامعیت اور شرف قبولیت عطا فرمائی وہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اگرچہ اس کتاب کی عربی میں بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں، لیکن اردو میں اب تک اس عظیم الشان کتاب کی شرح اس کے شایان شان پر نہیں لکھی گئی، لیکن ''دیر آید درست آید'' کے قاعدے موافق دار العلوم دیوبند کے ایک سپوت ''مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم'' (مقیم برطانیہ) نے اس کتاب کی شرح جامع انداز میں کر کے جس کا نام ''الشرح الثمیری علی المختصر للقدوری'' ہے، گویا تشریح کا حق ادا کر دیا۔

مولانا موصوف نے ہر ہر مسئلہ سے متعلق حدیث کا حوالہ اور پھر اس کی سلیس انداز میں دلنشین تشریح کی ہے جو یقیناً مبتدی طالبعلم کے لئے رسوخ فی علم الفقہ کا سبب بنے گا۔

الحمدللہ ''ختم نبوت اکیڈمی'' (لندن) کو اس منفرد وشاہکار تالیف کی طباعت واشاعت کا شرف حاصل ہوا جو کہ اب ہدیہ قارئین ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ تالیف مؤلف قارئین اور ناشر سب کے لئے ذخیرۂ آخرت ہو جائے۔ آمین ثم آمین!

عبدالرحمٰن یعقوب باوا

(ڈائریکٹر: ''ختم نبوت اکیڈمی'' لندن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿خصوصیات شرح ثمیری﴾

(۱) ہر مسئلہ کو الگ الگ لکھ کر اس پر نمبر ڈال دیا ہے تا کہ مسئلہ سمجھنے اور نکالنے میں آسانی ہو۔

(۲) ہر مسئلہ کا با محاورہ ترجمہ پیش کیا ہے۔

(۳) ہر مسئلہ کی وجہ یعنی دلیل عقلی اور دلیل نقلی بھی پیش کر دی ہے۔

(۴) ہر مسئلہ کے تحت احادیث کا ذخیرہ پیش کیا ہے تا کہ ہر ہر مسئلہ کو احادیث سے نکالنے میں آسانی ہو۔

(۵) کون سا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بیان کر دیا ہے۔

(۶) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کر دی ہے۔

(۷) فائدہ کے تحت ائمہ کرام کا اختلاف مختصر انداز میں پیش کیا ہے۔

(۸) تشریح کے تحت پیچیدہ مسئلہ کو سہل انداز میں پیش کیا ہے۔

(۹) دلیل وغیرہ کو بہت طول نہیں دیا ہے تا کہ طلباء تنگ نہ آجائیں۔

(۱۰) زبان سلیس اور آسان استعمال کی ہے۔

(۱۱) دلیل اور اصول وغیرہ ہدایہ اور صحاح ستہ جیسی اہم کتابوں سے لئے ہیں۔

(۱۲) وراثت کے مسئلہ کو کلکیولیٹر کی مدد سے نئے انداز میں سیٹ کیا ہے جس سے پورا مناسخہ دو منٹ میں حل ہو جاتا ہے۔

شارح: حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم
(سابق استاد حدیث، جامعہ اسلامیہ، مانچسٹر، انگلینڈ)

فہرست مضامین الشرح الثمیری

﴿کتاب النکاح﴾

[۱۷۲۶](۱)النکاح ینعقد بالایجاب والقبول بلفظین یعبر بھما عن الماضی او یعبر باحدھما عن الماضی والآخر عن المستقبل.

(کتاب النکاح)

ضروری نوٹ نکاح کے معنی عقد ہیں یا وطی ہے۔میاں بیوی شادی کا عقد کرے اس کو نکاح کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے **وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنی الا تعولوا** (الف) (آیت ۳ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں نکاح کا ثبوت بھی ہے اور زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے شادی کرسکتا ہے اس کا بھی ثبوت ہے (۲) حدیث میں ہے **عن عبد الرحمن بن یزید ... قال لنا رسول اللہ ﷺ یا معشر الشباب من استطاع الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء** (ب) (بخاری شریف، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم ص ۷۵۸ نمبر ۵۰۶۶ رمسلم شریف، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ ووجد مؤنۃ الخ ص ۴۴۸ نمبر ۱۴۰۰) اس حدیث سے نکاح کرنے کی ترغیب معلوم ہوئی۔

[۱۷۲۶](۱) نکاح منعقد ہوتا ہے ایجاب اور قبول کے ایسے دو لفظوں سے کہ ان دونوں سے تعبیر کیا گیا ہو ماضی کو۔یا تعبیر کیا گیا ہو ان میں سے ایک سے ماضی کو اور دوسرے سے مستقبل کو۔

تشریح اس عبارت میں دو باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ایک بات تو یہ ہے کہ نکاح عقد ہے اور عقد ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے۔اس لئے نکاح ایجاب اور قبول سے منعقد ہوگا۔

وجہ اصول یہ ہے کہ دونوں کی رضامندی ہو تب عقد منعقد ہوگا۔اور دونوں کی رضامندی ایجاب اور قبول سے ظاہر ہوگی۔اس لئے ایجاب اور قبول ہو تب نکاح منعقد ہوگا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمر سے گھوڑا خریدنے کے لئے ایجاب کیا اور حضرت عمر نے قبول کیا جس کے نتیجے میں بیع منعقد ہوئی۔**عن ابن عمر قال کنا مع النبی ﷺ فی سفر فکنت علی بکر صعب لعمر ... فقال النبی ﷺ لعمر بعنیہ قال ھو لک یا رسول اللہ** (ج) (بخاری شریف، باب اذا اشتری شیئا فوھب من ساعتہ قبل ان یتفرقا ص ۲۸۴ نمبر ۲۱۱۵) اس حدیث میں حضورؐ نے **بعنیہ** کہہ کر ایجاب کیا اور حضرت عمرؓ نے **ھو لک یا رسول اللہ!** کہہ کر قبول

حاشیہ : (الف) اگر تم کو خوف ہو کہ یتیم کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو عورتوں میں سے جو اچھی لگیں ان سے نکاح کرو دو دو، تین تین اور چار چار کرکے۔پس اگر تم کو خوف ہو کہ انصاف نہ کرسکو گے تو ایک عورت یا تمہاری جو باندی ہے اس سے کام چلاؤ۔یہ زیادہ بہتر ہے کہ تم زیادتی نہ کرو (ب) ہم سے حضورؐ نے فرمایا اے جوانو! جو تم میں سے طاقت رکھتا ہو وہ شادی کرے۔اس لئے کہ اس سے پاکدامنی ہوتی ہے۔اور فرج کے لئے حفاظت کی چیز ہے۔اور جو طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ روزہ رکھے اس لئے کہ وہ شہوت کو توڑنے والی چیز ہے (ج) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔میں حضرت عمرؓ کے مضبوط گھوڑے پر تھا... حضورؐ نے حضرت عمر سے کہا مجھے یہ گھوڑا بیچ دو۔حضرت عمر نے فرمایا یہ آپؐ کے لئے ہے یا رسول اللہ!

[۱۷۲۷](۲) مثل ان یقول زوجنی فیقول زوجتک.

کیا۔اس لئے کسی بھی عقد میں ایجاب اور قبول ضروری ہیں (۳) خود نکاح میں ایجاب اور قبول کا اشارہ موجود ہے۔ان عمر بن الخطاب حین تأیمت حفصة بنت عمر ... ثم خطبها رسول الله فانکحتها ایاه (الف) (بخاری شریف، باب عرض الانسان ابنته او اختہ علی اہل الخیر ص ۷۶۷ نمبر ۵۱۲۲) اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت حفصہ کو پیغام نکاح دے کر ایجاب کیا اور حضرت عمرؓ نے فانکحتھا کہہ کر قبول فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ نکاح ایجاب اور قبول سے منعقد ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ دونوں لفظ فعل ماضی کے ہوں تب نکاح ہوگا۔

وجہ اصل بات یہ ہے کہ عقد میں بات پکی ہونی چاہئے۔اور وہ فعل ماضی میں ہوگی کیونکہ عربی زبان میں یا فعل ماضی ہے یا فعل مضارع۔اور فعل مضارع کا ترجمہ ہے حال یا استقبال۔پس اگر استقبال کے معنی لیں تو نکاح کرنے کا صرف وعدہ ہوگا باضابطہ نکاح کرنا نہیں ہوگا۔اس لئے بات پکی کرنے کے لئے فعل ماضی کا صیغہ استعمال کرنا چاہئے۔حدیث میں ایجاب اور قبول کے لئے فعل ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔قال لی العداء بن خالد بن هوذة الا اقرئک کتابا کتبه لی رسول الله ﷺ قال قلت بلی فاخرج لی کتابا،هذا ما اشتری العداء بن خالد بن هوذة من محمد رسول الله اشتری منه عبدا او امة لا داء ولا غائلة ولا خبثة (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کتابة الشروط ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۶) اس حدیث میں اشتری فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تاکہ بات پکی ہو۔پھر خرید و فروخت کو لکھ لیا گیا ہے تاکہ دونوں اور پکے ہو جائیں (۲) ایک اور حدیث میں فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ باع حلسا وقدحا وقال من یشتری هذا الحلس والقدح؟ فقال رجل اخذتهما بدرهم (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی بیع من یزید ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۸) اس حدیث میں خریدنے والے نے اخذتهما بدرهم کہا ہے اور فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔اس لئے نکاح میں فعل ماضی استعمال کرنا ضروری ہے۔

اصول معاملات میں بات پکی ہونا ضروری ہے (۲) نکاح میں ایجاب اور قبول فعل ماضی کے صیغے سے ادا کرے۔

ایک دوسری شکل ہے کہ ایجاب یا قبول میں سے ایک کو فعل ماضی سے تعبیر کیا ہو اور دوسرے کو فعل مستقبل سے یعنی امر کے صیغہ سے تعبیر کیا تب بھی نکاح ہو جائے گا،اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۱۷۲۷](۲) مثلا یہ کہے کہ تم میرا نکاح کرا دو، پس سامنے والے نے کہا کہ میں نے تمہارا نکاح کر دیا۔

تشریح ایجاب کرنے والے نے امر کے صیغے سے جس کو مستقبل کا صیغہ کہتے ہیں، سامنے والے کو نکاح کا وکیل بنایا اور سامنے والے نے

حاشیہ : (الف) جس وقت حفصہ بنت عمر بیوہ ہوئیں...پھر ان کو حضورؐ نے پیغام نکاح دیا تو میں نے ان سے بیٹی کا نکاح کر دیا۔(ب) عداء بن خالد نے مجھے کہا کیا میں وہ خط نہ پڑھاؤں جو حضورؐ نے میرے لئے لکھا تھا۔میں نے کہا ہاں! پس میرے لئے ایک خط نکالا۔یہ وہ ہے جو خریدا عداء بن خالد نے محمد رسول اللہؐ سے۔خریدا ان سے غلام یا باندی نہ اس میں بیماری ہو نہ دھوکہ ہو نہ خباثت ہو (ج) آپؐ نے بیچا جل اور پیالہ اور فرمایا کون اس جل اور پیالے کو خریدے گا؟ پس ایک آدمی نے کہا دونوں کو ایک درہم میں خرید لیا۔

[۱۷۲۸] (۳) ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاھدین حرین بالغین عاقلین.

دونوں جانب سے فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا اور نکاح کرادیا تو نکاح ہو جائے گا۔

وجہ دونوں جانب سے یہاں بھی فعل ماضی کا صیغہ ہی استعمال ہوا ہے جس سے بات پکی ہوگئی۔اور امر کا جو صیغہ استعمال ہوا ہے وہ سامنے والے کو نکاح کا وکیل بنانے کے لئے ہوا ہے۔

اصول بات پکی ہونے کے لئے یہاں بھی ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ زوجنی امر کا صیغہ استعمال کر کے یعنی مستقبل کا صیغہ استعمال کر کے نکاح کا وکیل بنانا جائز ہے۔ایک عورت نے اپنے آپ کو حضورؐ پر پیش کیا۔آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا تو ایک صحابی نے فرمایا یارسول اللہ! زوجنیھا اور اس حدیث میں امر کا صیغہ استعمال کر کے آپ کو نکاح کا وکیل بنایا اور آپؐ نے مرد اور عورت دونوں کی جانب سے وکیل بن کر فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا اور دونوں کا نکاح ایک ہی جملہ میں کرادیا۔آپؐ نے اس طرح فرمایا فقال النبی املکنا کھا بما معک من القرآن (الف) (بخاری شریف، باب عرض المرأۃ نفسھا علی الرجل الصالح ص ۷۶۷ نمبر ۵۱۲۱) اس حدیث میں ایجاب کرنے والے نے امر کا صیغہ زوجنیھا استعمال کیا اور آپؐ نے املکنا کھا فعل ماضی کا صیغہ استعمال کر کے نکاح کرادیا۔اور ایک روایت میں ہے زوجنا کھا مما معک من القرآن (ب) (بخاری شریف، نمبر ۵۱۳۵)

نوٹ بیع اور شراء میں دونوں جانب سے ایک آدمی وکیل اور اصیل یا دونوں جانب سے وکیل نہیں بن سکتا۔جس کی تفصیل کتاب البیوع میں گزر چکی ہے۔لیکن نکاح میں ایک ہی آدمی دونوں جانب سے وکیل یا ایک جانب سے وکیل اور اپنی جانب سے اصیل بن سکتا ہے۔کیونکہ بعد میں ذمہ داری وکیل پر نہیں رہتی بلکہ نکاح کرنے والے پر چلی جاتی ہے۔

[۱۷۲۸] (۳) نہیں منعقد ہوگا نکاح مسلمانوں کا مگر دو گواہوں کے سامنے جو دونوں آزاد ہوں، بالغ ہوں، عاقل ہوں اور مسلمان ہوں۔یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، عادل ہوں یا غیر عادل ہوں۔

تشریح نکاح صحیح ہونے کے لئے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔چاہے دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ بغیر گواہ کے نکاح کیا تو وہ زنا ہوگا، نکاح ہوگا ہی نہیں۔حدیث میں ہے (۱) عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال البغایا اللاتی ینکحن انفسھن بغیر بینۃ (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء لانکاح الا ببینۃ ص ۲۰۹ نمبر ۱۱۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر گواہ کے نکاح درست نہیں ہوگا (۲) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ لا نکاح الا بولی وشاھدی عدل (د) (دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۱۵۸ نمبر ۳۴۹۲ رسنن للبیہقی، باب لانکاح الا بشاھدین عدلین ج سابع ص ۲۰۲، نمبر ۱۳۷۱۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نکاح کے لئے دو گواہ ہوں ورنہ نکاح نہیں ہوگا۔اور ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تب بھی کافی ہیں ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا میں نے تم کو اس عورت کا مالک بنایا اس کے بدلے میں جو تمہارے پاس قرآن میں سے ہے (ب) میں نے تمہارا اس عورت سے نکاح کرادیا اس کی وجہ سے جو تمہارے پاس قرآن ہے (ج) آپؐ نے فرمایا زانی وہ ہے جو اپنا نکاح بغیر گواہ کے کرے (د) آپؐ نے فرمایا نہیں نکاح ہے مگر ولی کے ذریعہ اور دو عادل گواہوں کے ذریعہ۔

مسلمین او رجل وامرأتین عدولا کانوا او غیر عدول[۱۷۲۹](۴) او محدودین فی

عمر بن الخطاب اجاز شهادة رجل وامرأتین فی النکاح والفرقة (الف)(موطا امام محمد، باب النکاح السرص ۲۴۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی نکاح اور طلاق میں کافی ہے (۲) آیت میں بھی اس کی صراحت ہے ۔ واستشهدوا شهیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء(ب)(آیت ۲۸۲ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے پتہ چلا کہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی چل جائے گی۔اور رجل کے لفظ سے یہ بھی پتہ چلا کہ بچوں کی گواہی قبول نہیں۔

یوں تو عادل ہی کی گواہی قبول کرنی چاہئے۔کیونکہ آیت میں ہے۔واشهدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشهادة لله ذلکم یوعظ به (ج)(آیت ۲ سورۃ الطلاق ۶۵)اور حدیث میں ہے۔عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله رد شهادة الخائن والخائنة وذی الغمر علی اخیه ورد شهادة القانع لاهل البیت واجازها لغیرهم (د)(ابوداؤد شریف، باب من ترد شهادتہ ص ۱۵۱ نمبر ۳۶۰۰)اس سے معلوم ہوا کہ عادل کی گواہی قبول کرنی چاہئے۔اور خائن اور فاسق کی گواہی نہیں قبول کرنی چاہئے۔لیکن نکاح کا معاملہ تھوڑا آسان ہے کہ اکثر و بیشتر گواہ بنتا ہے لیکن قاضی کے سامنے شادی کی گواہی دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔اس لئے فاسق بھی گواہ بن جائے تو جائز ہے(۲) حجاج بن یوسف فاسق تھا پھر بھی حاکم بنا اور دوسروں کو قاضی بنایا تو جائز ہو گیا اس لئے فاسق کی گواہی جائز ہو جائے گی۔فاسق کا مطلب یہ ہے کہ نماز چھوڑنے یا زکوۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے فاسق ہو تو گواہی مقبول ہے۔لیکن اگر جھوٹ بولنے کی وجہ سے فاسق ہوا ہو تو اس کی گواہی قابل قبول نہیں۔کیونکہ جھوٹ کی وجہ سے اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔کیونکہ آیت میں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا گیا ہے۔فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور (ہ)(آیت ۳۰ سورۃ الحج ۲۲)اس آیت میں جھوٹی گواہی کو شرک کے برابر قرار دیا ہے(۲) حدیث میں ہے۔عن انس قال سئل النبی ﷺ عن الکبائر قال الاشراک بالله وعقوق الوالدین وقتل النفس وشهادة الزور (و)(بخاری شریف، باب ما قیل فی شهادۃ الزور ص ۳۶۳ نمبر ۲۶۵۳)اس حدیث میں بھی جھوٹی گواہی سے منع فرمایا ہے۔

[۱۷۲۹](۴) یا زنا کی تہمت لگانے میں سزا پائے ہوئے ہوں۔

تشریح کسی نے کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کو ثابت نہ کر سکا جس کی وجہ سے اس پر حد قذف لگ گئی ہو ایسے محدود فی القذف

حاشیہ : (الف) حضرت عمر نے جائز قرار دیا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی نکاح میں اور فرقت میں (ب) مردوں میں سے دو کو گواہ بناؤ۔پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ میں سے جن سے تم راضی ہو(ج) گواہ بناؤ تم میں سے دو عادل آدمی کو اور اللہ کے لئے قائم کرو گواہی کو۔اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے(د) آپ نے رد کیا خائن مرد اور خائنہ عورت اور دشمنی رکھنے والے بھائی کی گواہی کو اور رد کیا گھر کے خادم کی گواہی گھر والے کے لئے اور اس کے علاوہ کی گواہی جائز قرار دی(ہ) بتوں سے پرہیز کرو،اور جھوٹی گواہی دینے سے پرہیز کرو(و) حضورؐ سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں پوچھا،پس فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی اور آدمی کو قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا

قذف[۱۷۳۰](۵) فان تزوج مسلم ذمية بشهادة ذميين جاز عند ابی حنيفة رحمه الله وابی يوسف رحمه الله تعالى وقال محمد رحمه الله لايجوز الا ان يشهد شاهدين

گواہوں کی موجودگی میں بھی نکاح ہوجائے گا۔

وجہ آیت میں ہے کہ محدود فی القذف والوں کی گواہی قبول نہ کرو۔آیت یہ ہے **والذین یرمون المحصنت ثم لم یأتو باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون** (الف)(آیت ۴ سورۃ النور۲۴) لیکن ہم کہتے ہیں کہ محدود فی القذف والوں کی گواہی قاضی قبول نہ کرے لیکن وہ گواہ بن سکتا ہے۔اور تقریبا ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کے گواہ کو قاضی کے سامنے گواہی دینے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ اس کی گواہی قبول کرنے کی ضرورت پڑے (۲) نکاح کے گواہ بننے میں تھوڑی آسانی ہے کیونکہ وہ روزمرہ کا کام ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح میں بھی فاسق اور محدود فی القذف کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی ہے۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے اور آیت ہے جن میں ان لوگوں کی گواہی قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔

[۱۷۳۰](۵) پس اگر مسلمان نے ذمیہ عورت سے شادی کی دو ذمیوں کی گواہی سے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے مگر دو مسلمانوں کی گواہی سے۔

تشریح اس عبارت میں ذمیہ سے مراد نصرانیہ اور یہودیہ عورت ہے۔تو مطلب یہ ہوا کہ مسلمان نے یہودیہ یا نصرانیہ سے شادی کی دو یہودی یا دو نصرانی کی گواہی سے تو شیخین کے نزدیک نکاح ہوجائے گا۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذمی مسلمان کے نقصان کے لئے گواہی دینا چاہے تو قابل قبول نہیں ہے۔آیت میں ہے **ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا** (ب)(آیت ۱۴۱ سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ کافر کو مسلمانوں پر کوئی راستہ نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نقصان دینے کے لئے گواہی دے تو قابل قبول نہیں۔لیکن مسلمان کے فائدے کے لئے گواہی دے تو مقبول ہے۔اور اس مسئلے میں یہودی یا نصرانیہ عورت کا جسم مسلمان کے قبضے میں آرہا ہے جو مسلمان کے فائدے کی چیز ہے اس لئے یہ گواہی مقبول ہوگی (۲) گویا کہ ذمی نے ذمیہ کے لئے گواہی دی۔اور ذمی ذمی کے خلاف گواہی دے تو یہ مقبول ہے۔اس لئے ذمیہ کے نکاح میں دو ذمی گواہ بن جائیں تو نکاح صحیح ہو جائے گا (۳) حدیث میں ہے **عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ اجاز شهادة اهل الكتاب بعضهم على بعض** (ج)(ابن ماجہ شریف، باب شہادۃ اہل الکتاب بعضھم علی بعض ص ۳۴۰ نمبر ۲۳۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب بعض بعض کے خلاف گواہی دے سکتا ہے۔اور اس صورت میں ذمیہ کے خلاف گواہی دینا ہوا اس لئے گواہ بننا جائز ہوگا۔

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ ذمیہ کی شادی بھی دو مسلمان گواہوں کے علاوہ سے نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لاتے تو اس کو اسی کوڑے حد لگاؤ۔اور کبھی بھی اس کی گواہی قبول نہ کرو اور وہ فاسق ہیں (ب) اللہ نے کافروں کو مؤمن پر کوئی راستہ نہیں دیا (ج) آپؐ نے اجازت دی اہل کتاب کی گواہی کی بعض کی بعض کے خلاف۔

مسلمین[۱۷۳۱](۶) ولا یحل للرجل ان یتزوج بامه ولا بجداته من قبل الرجال والنساء[۱۷۳۲](۷) ولا ببنته ولا ببنت ولده وان سفلت[۱۷۳۳](۸) ولا باخته ولا ببنات اخته ولا بعمته ولا بخالته.

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ آیت موجود ہے کہ مسلمان کے لئے مسلمان کی گواہی ضروری ہے اس لئے مسلمان کی ہی گواہی کے بغیر جائز نہیں ہوگا۔آیت یہ ہے **یا ایھا الذین آمنوا شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنان ذوا عدل منکم** (الف) (آیت ۱۰۶ سورۃ المائدہ ۵) اس آیت میں ہے کہ اے ایمان والو تمہارے اپنے میں سے دو گواہ ہوں، یعنی مسلمان گواہ ہوں۔اس لئے ذمیہ سے نکاح کے لئے بھی دو مسلمان گواہ ضروری ہیں۔

﴿ محرمات کا بیان ﴾

[۱۷۳۱](۶) نہیں حلال ہے آدمی کے لئے یہ کہ شادی کرے اپنی ماں سے نہ اپنی دادی سے مرد کی جانب سے ہو اور عورتوں کی جانب سے ہو

تشریح اپنی ماں، اپنی دادی، اپنی نانی سے شادی کرنا حرام ہے۔باپ کی طرف سے جو ماں ہوتی ہے اس کو دادی کہتے ہیں اور ماں کی جانب سے جو ماں ہے اس کو نانی کہتے ہیں۔ان سب سے نکاح حرام ہے۔

وجہ آیت میں ہے **حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم واخواتکم و عماتکم و خالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت** (ب) (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں چودہ قسم کی عورتوں کے بارے میں ہے کہ ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ان میں سے ماں بھی ہے۔اور ماں کے تحت میں دادی اور نانی بھی داخل ہو جائے گی کہ ان سے بھی نکاح حرام ہوگا۔

[۱۷۳۲](۷) اور نہیں حلال ہے مرد کے لئے کہ نکاح کرے اپنی بیٹی کے ساتھ اور نہ اپنی پوتی کے ساتھ اگرچہ نیچے تک ہو۔

تشریح اپنی بیٹی، اسی طرح اپنی پوتی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔

وجہ اوپر کی آیت میں صراحت ہے کہ اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اور بیٹی کے اندر بالا جماع پوتی اور نواسی داخل ہیں۔جس کی بنا پر ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے چاہے پر پوتی، سر پوتی یا پر نواسی اور سر نواسی کیوں نہ ہوں، اور کتنے ہی نیچے تک ہوں۔

[۱۷۳۳](۸) اور نہیں جائز ہے اپنی بہن سے اور نہ اپنی بھانجیوں سے اور نہ اپنی پھوپی سے اور نہ اپنی خالہ سے۔

تشریح اپنی بہن، اپنی بھانجی، اپنی پھوپی اور اپنی خالہ سے شادی کرنا حرام ہے۔

لغت بنات اختہ : بہن کی بیٹی سے مراد بھانجی ہے۔

وجہ آیت میں موجود ہے **وبناتکم** اور آگے ہے **بنات الاخ وبنات الاخت** جس سے بھانجی اور بھتیجی مراد ہیں۔

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو تمہاری آپس کی گواہی جب کہ آئے تم میں سے کسی ایک کو موت، وصیت کے وقت تم میں سے دو عادل گواہوں کو بنانا ہے (ب) حرام کی گئی ہے تم پر تمہاری ماں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپیاں، تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بھانجیاں۔

[۱۷۳۴](۹) ولا ببنات اخیه[۱۷۳۵](۱۰) ولا بام امرأته التی دخل بابنتها او لم یدخل[۱۷۳۶] (۱۱)ولا بابنة امرأته التی دخل بها سواء کانت فی حجره او فی حجر غیره.

[۱۷۳۴](۹)اور نہیں جائز ہے بھتیجیوں سے۔

تشریح بھائی کی بیٹی کو بھتیجی کہتے ہیں۔

وجہ اس کا ثبوت آیت میں موجود ہے **وبنات الاخ** جس کا ترجمہ ہے بھتیجی۔

[۱۷۳۵](۱۰)اور نہ اپنی ساس سے چاہے اس کی لڑکی سے صحبت کر چکا ہو یا نہ کر چکا ہو۔

تشریح بیٹی سے صحبت کر چکا ہو یا نہ کر چکا ہو دونوں صورتوں میں صرف بیٹی سے شادی ہوئی ہو تو اس کی ماں یعنی اپنی ساس سے شادی کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا۔

وجہ آیت میں موجود ہے **وامھات نسائکم** کہ اپنی بیویوں کے ماں سے نکاح کرنا حرام ہے (۲) اور آیت میں یہ قید نہیں ہے کہ دخول نہ کیا ہو تو حلال ہے۔ اس لئے بیوی سے دخول نہ بھی کیا ہو تب بھی ساس حرام رہے گی (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عمر بن شعیب ان رسول الله ﷺ قال ایما رجل نکح امرأة فدخل بھا او لم یدخل بھا فلا یحل له نکاح امھا وایما رجل نکح امرأة فدخل بھا فلا یحل له نکاح ابنتھا وان لم یدخل بھا فلینکح ابنتھا ان شاء (الف)** (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی قول اللہ وامھات نسائکم الخ ج سابع، ص ۲۶۰، نمبر ۱۳۹۱۱) اس حدیث میں ہے کہ چاہے بیٹی سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو ساس سے نکاح حرام ہے۔

[۱۷۳۶](۱۱)اور نہ بیوی کی بیٹی کے ساتھ جس سے صحبت کر چکا ہو چاہے اس کی پرورش میں ہو یا دوسرے کی پرورش میں ہو۔

تشریح بیوی سے شادی کی لیکن ابھی اس سے صحبت نہیں کی اور اس کو طلاق دے کر اس کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر سکتا ہے۔ البتہ اگر بیوی سے صحبت کر لی تو اب اس کی بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہے اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ چاہے وہ بیٹی اس بیوی کی پرورش میں ہو یا نہ ہو۔

وجہ آیت میں اس کی تصریح ہے کہ بیوی سے صحبت نہ کی ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتے ہو۔ آیت یہ ہے **وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم (الف)** (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ بیوی سے صحبت کی ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح حرام ہے۔ اور صحبت نہ کی ہو تو اس سے نکاح حلال ہے۔ البتہ گود میں ہو یا نہ ہو اس سے فرق نہیں پڑتا (۲) اوپر مسئلہ نمبر ۱۰ میں حدیث گزر چکی ہے کہ بیوی سے صحبت نہ کی ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا۔ پس اس سے صحبت کی یا صحبت نہ کی ہو پھر بھی عورت کی ماں سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ اور کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس سے صحبت کی تو اس کی بیٹی سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ اور صحبت نہیں کی تو اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے اگر چاہے (ب) اور تمہاری سوتیلی بیٹی جو تمہاری پرورش میں ہے تمہاری بیویوں سے جس سے تم نے صحبت کی۔ اگر صحبت نہیں کی تو تم پر کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

[١٧٣٧](١٢) ولا بامرأة ابيه ولا اجداده[١٧٣٨](١٣) ولا بامرأة ابنه ولا بنی اولاده[١٧٣٩](١٤) ولا بامه من الرضاعة ولا باختہ من الرضاعة.

لغت حجر : گود، پرورش میں رہنا۔

[١٧٣٧](١٢) اور نہیں جائز ہے اپنے باپ کی بیوی سے اور نہ اپنے دادا کی بیوی سے۔

تشریح سوتیلی ماں جس سے باپ نے نکاح کیا ہے۔اسی طرح اپنی دادی یا سوتیلی دادی جس سے دادا نے شادی کی ہو ان سے نکاح حرام ہے۔

وجہ اس آیت میں حرمت کا ثبوت ہے **ولا تنکحوا ما نکح آباء کم من النساء الا ما قد سلف** (الف) (آیت ۲۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں باپ کی منکوحہ سے نکاح سے منع فرمایا گیا ہے۔اور دادی بھی باپ کے منکوحہ کے تحت بالاجماع حرام ہے (۲) حدیث میں ہے **عن یزید بن براء عن ابیہ قال لقیت عمی وقد اعتقد رایة فقلت این ترید ؟ قال بعثنی رسول اللہ ﷺ الی رجل نکح امرأة ابیہ اضرب عنقہ آخذ مالہ** (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی قولہ تعالی ولا تنکحوا ما نکح آباءکم من النساء ج سابع ص ۲۶۲، ۱۳۹۱۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام ہے۔

[١٧٣٨](١٣) اور نہ اپنے بیٹے کی بیوی سے اور نہ پوتوں کی بیویوں سے۔

تشریح بیٹے کی بیوی یعنی اپنی بہو سے نکاح کرنا حرام ہے۔اور اسی طرح پوتوں کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے۔

وجہ **وحلائل ابناء کم الذین من اصلابکم** (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں فرمایا کہ اپنے بیٹوں کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے نوٹ ابناء جمع کا صیغہ ہے اس لئے اس میں پوتے کی بیوی بھی داخل ہے، یعنی وہ بھی حرام ہے۔البتہ لے پالک بیٹے کی بیوی حلال ہے۔

[١٧٣٩](١٤) اور نہ اپنی رضاعی ماں سے اور نہ اپنی رضاعی بہن سے جائز ہے۔

تشریح اس ماں سے جس سے پیدا تو نہ ہوا ہو لیکن بچپنے میں اس سے دودھ پیا ہو اس کو رضاعی ماں کہتے ہیں اس سے بھی نکاح حرام ہے۔اور رضاعی بہن سے بھی صلبی بہن کی طرح نکاح کرنا حرام ہے۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے **وامھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة** (ج) (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ فی بنت حمزة لا تحل لی یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب ھی ابنة اخی من الرضاعة** (د) (بخاری شریف، باب الشھادة علی

حاشیہ : (الف) مت نکاح کرو اس عورت سے جس سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہے مگر جو گزر گیا (ب) حضرت براء فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا کو دیکھا کہ وہ جھنڈا اٹھائے ہوئے ہیں۔میں نے کہا کہاں جا رہے ہو؟ فرمایا مجھے حضورؐ نے ایک آدمی کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کی ہے کہ میں اس کی گردن کو مار دوں اور اس کے مال کو لے لوں (ج) اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں (د) حضرت حمزہ کی (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۷۴۰](۱۵) ولا یجمع بین الاختین بنکاح ولا بملک یمین وطئا[۱۷۴۱](۱۶) ولا یجمع بین المرأة وعمتها او خالتها.

الانساب والرضاع المستفیض والموت القدیم ص... نمبر ۲۶۴۵)اس حدیث سے بھی رضاعی ماں اور بہن کی حرمت ثابت ہوئی۔

[۱۷۴۰](۱۵)اور نہ جمع کرے دو بہنوں کو صحبت میں نہ نکاح کے ذریعہ اور نہ ملک یمین کے ذریعہ۔

تشریح دو سگی بہنوں سے نکاح کرے یہ جائز نہیں ہے۔اسی طرح دو بہنیں باندی تھیں۔ دونوں کو اپنی ملکیت میں لیا تو ایک سے وطی کر سکتا ہے دونوں سے وطی نہیں کر سکتا۔اور اگر دوسرے سے وطی کرنا چاہے تو پہلی کو یا تو ملکیت سے الگ کرے یا پھر اس کی شادی کسی سے کرا دے اور اس کے بضعہ سے مکمل قطع تعلق کر لے تب دوسری سے وطی کر سکتا ہے۔

وجہ آیت میں دونوں بہنوں کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔**وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف** (الف) (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴)اس آیت میں دونوں بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔اور وہ عام ہے اس لئے دو باندی بہنوں کو بھی وطی کر کے جمع کرنا حرام ہوگا(۲)چنانچہ اثر میں اس کی تصریح ہے۔**عن علی سأله رجل له امتان اختان وطی احداهما ثم اراد ان یطأ الاخری قال لا حتی یخرجها من ملکه** (ب)(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی تحریم الجمع بین الاختین وبین امرأة وابنتها فی الوطی بملک الیمین، ج سابع، ص ۲۶۷، نمبر ۱۳۹۳۸/مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۰ فی الرجل یکون عندہ الاختان مملوکتان فیطأ هما جمیعا، ج ثالث، ص ۴۷۱، نمبر ۱۶۲۴۶)اس اثر میں حضرت علی نے فرمایا کہ جب تک پہلی کو اپنی ملکیت سے جدا نہ کرے دوسری باندی سے صحبت نہیں کر سکتا(۳)حدیث میں بھی دو بہنوں کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔آپ پر آپ کی بیوی ام حبیبہؓ نے اپنی بہن پیش کی تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ میرے لئے حلال نہیں ہے۔اور حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا **فلا تعرضن علی بنا تکن ولا اخواتکن** (ج)(بخاری شریف، باب وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف ص ۷۶۶ نمبر ۵۱۰۷)اس حدیث میں اپنی بیویوں کو کہا کہ تم لوگ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو میرے اوپر نکاح کے لئے پیش نہ کیا کرو۔کیونکہ دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے۔

[۱۷۴۱](۱۶)اور نہ جمع کرے عورت کو اور اس کی پھوپی کو اور اس کی خالہ کو۔

تشریح مثلا خالدہ اور اس کی پھوپی کو ایک نکاح میں جمع کرے۔اور ایک ہی شوہر کے نکاح میں ہو یہ حرام ہے۔اسی طرح خالدہ اور اس کی خالہ ایک ہی شوہر کے نکاح میں ہوں یہ حرام ہے۔

وجہ حدیث میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔**سمع جابر قال نهی رسول الله ﷺ ان تنکح المرأة علی عمتها او خالتها**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے)لڑکی کے بارے میں آپؐ نے فرمایا میرے لئے حلال نہیں ہے۔رضاعت سے ایسی ہی حرام ہوتی ہے جیسے نسب سے۔وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے(الف)اور حرام ہے کہ جمع کرو دو بہنوں کو مگر جو گزر گیا(ب)حضرت علی سے پوچھا ایک آدمی کے پاس دو باندیاں ہیں دونوں بہنیں ہیں۔ان میں سے ایک سے وطی کیا پھر چاہتا ہے کہ دوسری سے وطی کریں۔حضرت علی نے فرمایا نہیں کر سکتا جب تک کہ پہلی کو اپنی ملکیت سے نہ نکالے(ج)تم لوگ مجھ پر اپنی بیٹیوں کو اور اپنی بہنوں کو پیش نہ کرو۔

[۱۷۴۲](۱۷) ولا ابنة اختها ولا ابنة اخیها [۱۷۴۳](۱۸) ولا یجمع بین امرأتین لو کانت کل واحدة منهما رجلا لم یجز له ان یتزوج بالاخری[۱۷۴۴](۱۹) ولا بأس بان

(الف)(بخاری شریف، باب لا تنکح المرأة علی عمتھا ص...نمبر ۵۱۰۸ر مسلم شریف، باب تحریم الجمع بین المرأة وعمتھا او خالتھا فی النکاح ص ۴۵۲ نمبر ۱۴۰۸ر ترمذی شریف نمبر ۱۱۲۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پھوپی اور خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ بھتیجی اور پھوپی، اسی طرح بہن کی بیٹی اور خالہ کے درمیان محبت ہوتی ہے۔ اگر دونوں کو ایک نکاح میں جمع کردیں تو شوکن کی فطری دشمنی شروع ہو جائے گی۔اس لئے ان دونوں کو ایک شوہر کے پاس جمع ہونے سے منع فرمایا۔

[۱۷۴۲](۱۷)اور نہ اس کی بھانجی کو اور نہ بھتیجی کو۔

تشریح یہ مسئلہ نمبر ۱۶ کی ہی تشریح ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے پاس پہلے سے خالہ ہو تو اس پر اس کی بھانجی سے شادی نہیں کر سکتا۔اسی طرح شوہر کے پاس پہلے سے پھوپی ہو تو اس پر اس کی بھتیجی سے شادی نہیں کر سکتا۔

وجہ کیونکہ ان صورتوں میں بھی خالہ اور بھانجی کا ایک شوہر کے تحت جمع ہونا لازم آئے گا۔اسی طرح پھوپی اور بھتیجی کا ایک شوہر کے تحت جمع ہونا لازم آئے گا۔جو حدیث کی رو سے حرام ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ ﷺ لا تنکح المرأة علی عمتھا ولا علی خالتھا** (ب)(مسلم شریف، باب تحریم الجمع بین المرأة وعمتھا او خالتھا فی النکاح ص ۴۵۲ نمبر ۱۴۰۸ر ۳۴۴۰)اس حدیث میں ہے کہ پہلے سے پھوپی ہو تو بھتیجی سے شادی نہیں کر سکتا اور خالہ ہو تو اس پر بھانجی سے شادی نہیں کر سکتا۔

[۱۷۴۳](۱۸)اور نہیں جائز ہے ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا کہ اگر ان دونوں میں سے ایک مرد ہو تو اس کے لئے جائز نہیں ہو کہ دوسرے سے شادی کرے۔

تشریح ایسی دو عورتوں کو ایک مرد کے نکاح مین جمع کرنا حرام ہے کہ ان میں سے ایک عورت کو مرد فرض کرلیں تو اس کی شادی دوسری عورت سے حرام ہو۔مثلا بھتیجی اور پھوپی میں سے بھتیجی کو مرد فرض کرلیں تو وہ بھتیجا ہوگا۔اور بھتیجے کا پھوپی سے شادی کرنا حرام ہے۔اس لئے بھتیجی اور پھوپی کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہوگا۔اور بھتیجی اور پھوپی میں سے پھوپی کو مرد فرض کرلیں تو وہ چچا ہوگا۔اور چچا کا بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے۔اسی طرح خالہ اور بھانجی میں سے بھانجی کو مرد فرض کرلیں تو بھانجا ہوگا۔اور بھانجے کے لئے خالہ سے شادی کرنا حرام ہے۔اور اگر خالہ کو مرد فرض کرلیں تو وہ ماموں ہوگا۔اور ماموں کے لئے بھانجی سے شادی کرنا حرام ہے۔اس لئے خالہ اور بھانجی کو ایک شوہر کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

وجہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔اسی بنیاد پر مصنف نے یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے۔

[۱۷۴۴](۱۹)اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ جمع کرے عورت کو اور شوہر کی بیٹی کو جو پہلی بیوی سے ہو۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے روکا کہ عورت سے نکاح کرے اس کی پھوپی پر یا اس کی خالہ پر (ب) آپؐ نے فرمایا نہ نکاح کرے عورت سے اس کی پھوپی پر اور نہ اس کی خالہ پر۔

یجمع بین امرأۃ وابنۃ زوج کان لھا من قبل[۱۷۴۵](۲۰) ومن زنی بامرأۃ حرمت علیہ

تشریح شوہر کی بیٹی جو پہلی بیوی سے ہو اس کو سوتیلی بیٹی کہتے ہیں۔یعنی سوتیلی ماں اور سوتیلی بیٹی کو ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ سوتیلی ماں اور بیٹی کے درمیاں اگر بیٹی کو مرد فرض کریں تو سوتیلا بیٹا ہوا۔اور سوتیلے بیٹے کی شادی سوتیلی ماں سے حرام ہے۔لیکن اگر ماں کو مرد فرض کر لیں تو اجنبی مرد ہوا۔اور اجنبی مرد کا اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔اس لئے ماں کو مرد فرض کرنے کی صورت میں آپس میں نکاح کرنا جائز ہے۔اس لئے اس مسئلے میں ایک طرف سے جائز ہوتا ہے اور دوسری طرف سے حرام ہوتا ہے۔اس لئے علماء نے فرمایا کہ سوتیلی ماں اور سوتیلی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے(۲) اثر میں اس کا جواز ہے **وجمع عبد اللہ بن جعفر بین ابنۃ علی وامرأۃ علی وقال ابن سیرین لا بأس بہ وکرھہ الحسن مرۃ ثم قال لا بأس بہ** (الف) (بخاری شریف، باب ما یحل من النساء وما یحرم ص ۷۶۵ نمبر ۵۱۰۵ / دار قطنی کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۲۰ نمبر ۳۸۲۲) اور اثر سے معلوم ہوا کہ سوتیلی ماں اور سوتیلی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے

فائدہ امام زفر فرماتے ہیں کہ جمع نہیں کر سکتے۔

وجہ کیونکہ ایک طرف سے حرمت ہوتی ہے۔یعنی بیٹی کو مرد فرض کریں تو بیٹے کے لئے سوتیلی ماں سے نکاح کرنا حرام ہوتا ہے(۲) اوپر گزرا کہ **وکرھہ الحسن مرۃ** (بخاری شریف، نمبر ۵۱۰۵) کہ حضرت حسن ایسے نکاح کو مکروہ سمجھتے تھے۔

[۱۷۴۵](۲۰) کسی نے زنا کیا کسی عورت سے تو حرام ہوگئی اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی۔

تشریح مثلا زینب سے کسی نے زنا کیا تو اس مرد پر زینب کی ماں بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی اور زینب کی بیٹی بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔

وجہ زنا کرنا اگرچہ حرام ہے پھر بھی زنا کی وجہ سے جزئیت ثابت ہوگئی۔اور گویا کہ مزنیہ کی ماں حرمت مصاہرہ کی وجہ سے ساس بن گئی اور مزنیہ کی بیٹی سوتیلی بیٹی اور ربائب بن گئی۔جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ان سے نکاح حرام ہوگیا(۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔**عن عائشۃ انھا قالت اختصم سعد بن ابی وقاص وعبد بن زمعۃ فی غلام فقال سعد ھذا یا رسول اللہ ابن اخی عتبۃ بن ابی وقاص عھد الی انہ ابنہ انظر الی شبھہ وقال عبد بن زمعۃ ھذا اخی یا رسول اللہ ولد علی فراش ابی من ولیدتہ فنظر رسول اللہ ﷺ الی شبھہ فرای شبھا بینا بعتبۃ فقال ھو لک یا عبد،الولد للفراش وللعاھر الحجر واحتجی منہ یا سودۃ بنت زمعۃ قالت فلم یر سودۃ قط** (ب) (مسلم شریف، باب الولد للفراش وتوقی الشبہات ص ۴۷۰ نمبر ۱۴۵۷ / ابو داؤد شریف

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ بن جعفر نے حضرت علی کی بیٹی اور حضرت علی کی بیوی کو جمع کیا ایک نکاح میں۔حضرت ابن سیرین نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔اور حضرت حسن نے کبھی ناپسند کیا پھر کہا کہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ب) سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ نے ایک لڑکے کے بارے میں جھگڑا کیا۔پس حضرت سعد نے فرمایا یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے۔مجھ سے عہد کیا کہ وہ ان کا بیٹا ہے۔دیکھئے لڑکا کتنا ان کے مشابہ ہے۔اور عبد بن زمعہ نے کہا یہ میرا بھائی ہے یا رسول اللہ! میرے باپ کے فراش پر پیدا ہوا ہے اس کی باندی سے۔حضور نے لڑکے کو عتبہ بن ابی وقاص کے مشابہ دیکھا۔پھر بھی آپ (باقی اگلے صفحہ پر)

امها و ابنتها.

، باب الولد للفراش ص ۷ ۳۱ نمبر ۲۲۷۳) اس حدیث میں سعد ابن وقاص نے دعوی کیا کہ لڑکا میرا بھتیجا ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے اس کی ماں سے زنا کیا تھا۔ اور دیکھئے لڑکا میرے بھائی کے بالکل مشابہ ہے۔ اور عبد بن زمعۃ نے دعوی کیا کہ لڑکے کی ماں میرے والد کی فراش رہی ہے اس لئے لڑکا میرا بھائی ہے۔ آپؐ نے لڑکے کا نسب زمعۃ سے ثابت کیا کیونکہ اس کی ماں اس کا فراش تھی۔ لیکن زمعہ کی بیٹی حضرت سودہ سے فرمایا کہ حقیقت میں یہ لڑکا تمہارا بھائی نہیں ہے۔ اس لئے اس سے پردہ کرتے رہو۔ اور زندگی بھر اس سے پردہ کرتی رہی۔ جس سے معلوم ہوا کہ زنا کی وجہ سے زانی کے ساتھ تعلق رہتا ہے اور حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے (۲) ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ **عن ابی هانی قال قال رسول الله من نظر الی فرج امرأة لم تحل له امها ولا ابنتها** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۸ الرجل یقع علی ام امرأتہ او ابنۃ امرأتہ ما حال امرأتہ؟ ج ثالث، ص ۴۶۹، نمبر ۱۶۲۲۹ رسنن للبیہقی، باب الزنا لا یحرم الحلال، ج سابع، ص ۲۷۶، نمبر ۱۳۹۶۹) اس حدیث مرسل سے پتہ چلا کہ اجنبی عورت کا فرج دیکھ لیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ اور اس سے اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائے گی۔ اور جب صرف فرج دیکھنے سے حرام ہوگی تو زنا کرنے سے بدرجۂ اولی حرام ہوگی (۳) **عن مكحول ان عمر جرد جاريته فسأله اياها بعض بنيه فقال انها لا تحل لک** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۸ فی الرجل یجرد المرأۃ و یلتمسھا من لا تحل لابنہ وان فعل الاب ج ثالث، ص ۴۶۷، نمبر ۱۶۲۱۲) اس اثر میں حضرت عمرؓ نے اپنی باندی کے کپڑے کھولے تو اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اب یہ تیرے لئے حلال نہیں رہی۔ جس سے معلوم ہوا کہ صرف چھونے سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ زنا کرنے سے یا شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اور نہ مزنیہ کی ماں اور اس کی بیٹی زانی پر حرام ہوں گی۔

وجہ (۱) اوپر مسلم اور ترمذی کی حدیث گزری کہ فراش والے کے لئے نسب ثابت کیا اور زانی کو محروم کر دیا اور فرمایا **الولد للفراش وللعاهر الحجر** (ج) (مسلم شریف ص ۴۷۰ نمبر ۱۴۵۷) جس کی وجہ سے مزنیہ کی ماں اور بیٹی زانی پر حرام نہیں ہوں گی (۲) دوسری حدیث میں ہے **عن عائشة قالت سئل رسول الله ﷺ عن رجل زنا بامرأة فاراد ان يتزوجها او ابنتها ، قال لا يحرم الحرام الحلال انما يحرم ما كان بنكاح** (د) (سنن دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث، ص ۱۸۸ نمبر ۳۶۳۸ رسنن للبیہقی، باب الزنا لا یحرم الحلال ج

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) آپؐ نے فرمایا یہ تمہارا بھائی ہے اے عبد بن زمعہ! کیونکہ بچہ فراش والے کے لئے ہے اور زانی کو پتھر ہے۔ اور اے سودہ بنت زمعہ تم اس لڑکے سے پردہ کرو۔ کہتے ہیں کہ سودہ نے کبھی اس لڑکے کو نہیں دیکھا (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے کسی عورت کا فرج دیکھ لیا تو اس کے لئے اس عورت کی ماں حلال نہیں اور نہ اس کی بیٹی حلال ہے (ب) حضرت عمرؓ نے اپنی باندی کا ستر کھولا پھر ان کے بعض بیٹے نے وہ باندی مانگی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ باندی اب تیرے لئے حلال نہیں ہے (ج) بچہ بیوی والے کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے یعنی زانی سے نسب ثابت نہیں ہوگا (د) آپؐ سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا جس نے ایک عورت سے زنا کیا پھر اس سے شادی کرنا چاہتا ہے یا اس کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو آپؐ نے فرمایا حرام یعنی زنا حلال چیز کو حرام نہیں کرتا، صرف نکاح کے ذریعہ حرام ہوگی۔

[۱۷۴۶] (۲۱) واذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا لم یجز له ان یتزوج باختها حتی

سابع ،ص ۵۷۵،نمبر ۱۳۹۶۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ حرام ہے اور حرام حلال عورت کو حرام نہیں کرے گا۔وہ تو صرف نکاح کے ذریعہ حرام ہوگی۔

نوٹ علماء حنفیہ نے لکھا ہے کہ شہوت سے چھوئے گا یا فرج داخل دیکھے گا تب مزینہ سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ان کی دلیل یہ اثر ہے۔قال ابراھیم وکانوا یقولون : اذا اطلع الرجل علی المرأة علی ما لاتحل له او لمسها لشھوة فقد حرمتا علیه جمیعا (مصنف ابن ابی شیبة ۱۴۹ الرجل یقع علی ام امرأته الخ ج ثالث ،ص ۴۶۹،نمبر ۱۶۲۳۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ شہوت سے چھوئے گا تو حرام ہوگی۔

[۱۷۴۶] (۲۱) اگر شوہر نے طلاق دی اپنی بیوی کو طلاق بائن تو نہیں جائز ہے اس کے لئے شادی کرے اس کی بہن سے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔

تشریح شوہر نے بیوی کو طلاق بائن دی ، چاہے ایک طلاق دی یا تین طلاق دی۔ابھی عدت نہیں گزری ہے کہ شوہر اس کی بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے تو فرماتے ہیں کہ شادی نہیں کر سکتا جب تک کہ اس بیوی کی عدت ختم نہ ہو جائے اور مکمل طور پر شوہر سے علیحدہ نہ ہو جائے۔

وجہ (۱) جب تک عدت باقی ہے اس وقت تک بیوی شوہر سے عدت کا نفقہ لے گی اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گی۔کیونکہ یہ شوہر کے لئے ہی عدت گزار رہی ہے تو گویا کہ یہ عورت عدت تک من وجہ بیوی ہے۔اور جب یہ بیوی ہے تو اس کی بہن سے شادی نہیں کر سکتا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن علی قال لا یتزوج خامسة حتی تنقضی عدة التی طلق (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۱۶ فی الرجل یکون تحته اربع نسوة فیطلق احداھن من کره ان یتزوج خامسة حتی تنقضی عدة التی طلق ج ثالث، ص ۵۱۷،نمبر ۱۶۷۳۹) (۳) عن عمر ابن شعیب قال طلق رجل امرأة ثم تزوج اختها قال ابن عباس لمروان : فرق بینها وبینه حتی تنقضی عدة التی طلق (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۱۶ فی الرجل یکون تحته الولیدة فیطلقها طلاقا بائنا فترجع الی سیدها فیطأ ھا الزوجھا ان یراجعها ؟ ج ثالث ،ص ۵۱۶ نمبر ۱۶۷۳۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار بیویاں ہوں اور ایک کو طلاق بائن دی تو جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے پانچویں سے شادی نہیں کر سکتا۔اور اسی طرح اس کی بہن سے بھی شادی نہیں کر سکتا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر طلاق بائن دی ہو یا طلاق مغلظہ دی ہو تو عدت کے اندر بھی اس کی بہن سے شادی کر سکتا ہے۔یا چوتھی کو طلاق دی ہو تو عدت کے اندر ہی پانچویں سے شادی کر سکتا ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ طلاق بائن اور طلاق مغلظہ میں عورت شوہر سے منقطع ہو جاتی ہے۔چاہے عدت نہ گزری ہو اس لئے اس کی بہن سے

حاشیہ : (الف) حضرت علی نے فرمایا پانچویں عورت سے شادی نہ کرے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے جس کو طلاق دی ہے (ب) حضرت عمر ابن شعیب نے کہا کہ ایک آدمی نے طلاق دی پھر اس کی بہن سے شادی کی تو ابن عباس نے مروان سے کہا دونوں میں جدائیگی کرا دو یہاں تک کہ جس کو طلاق دی ہے اس کی عدت گزر جائے۔

تنقضی عدتها[۱۷۴۷](۲۲) ولا یجوز للمولی ان یتزوج امته[۱۷۴۸](۲۳) ولا المرأة عبدها[۱۷۴۹](۲۴) ویجوز تزویج الکتابیات.

شادی کرسکتا ہے(۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ان عروۃ بن زبیر والقاسم بن محمد کانا یقولان فی الرجل تکون عندہ اربع نسوۃ فیطلق احداھن البتۃ انہ یتزوج اذا شاء ولا ینتظر حتی تمضی عدتھا (الف)(سنن للبیہقی، باب الرجل یطلق اربع نسوۃ لہ طلاقا بائنا حل لہ ان ینکح مکانھن اربعاج سابع ص۲۴۳، نمبر ۱۳۸۵۰/مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۱۸ من قال لا بأس ان یتزوج الخامسۃ قبل انقضاء عدۃ التی طلق ج ثالث، ص ۵۱۷، نمبر ۱۶۷۴۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طلاق بائن دی ہو تو اس کی عدت گزرنے سے پہلے پانچویں عورت سے شادی کرسکتا ہے۔اور اس کی بہن سے بھی شادی کرسکتا ہے۔اس لئے کہ وہ گویا کہ بہت سے احکام میں بیوی نہیں رہی۔

[۱۷۴۷](۲۲) اور مولی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی باندی سے شادی کرے۔

وجہ مولی اپنی باندی سے بغیر شادی کے بھی صحبت کرسکتا ہے تو اس سے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے (۲) شادی میں بیوی حقوق وصول کرنے میں شوہر کے قریب ہو جاتی ہے جبکہ مملوکہ اس طرح نہیں کرسکتی۔اس لئے مملوکہ سے کیسے شادی کرسکتا ہے۔

[۱۷۴۸](۲۳) اور نہ عورت اپنے غلام سے شادی کرے۔

تشریح سیدہ اور آقا کے پاس اپنا غلام ہے۔سیدہ اس سے شادی کرنا چاہے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ غلام مملوک ہے اس لئے اس کا حق بہت کم ہے۔اگر اس کو شوہر بنائے گی تو ایک انداز سے میں مالک اور قوام بنانا پڑے گا جو مملوکیت کے خلاف ہے۔اس لئے سیدہ اپنے غلام سے نکاح نہیں کرسکتی (۲) اثر میں ہے ان عمر بن الخطاب اتی بامرأۃ قد تزوجت عبدھا فعاقبھا وفرق بینھا و بین عبدھا وحرم علیھا الازواج عقوبۃ لھا (ب)(سنن للبیہقی، باب النکاح وملک الیمین لا یجتمعان ج سابع، ص ۲۰۶، نمبر ۱۳۷۳۶) اس اثر میں ہے کہ سیدہ اور غلام کی شادی جائز نہیں ہے۔

[۱۷۴۹](۲۴) اور جائز ہے کتابیہ سے نکاح کرنا۔

تشریح کتابیہ سے مراد یہودیہ اور نصرانیہ عورتیں ہیں۔ان لوگوں سے شادی کرنا جائز ہے بشرطیکہ واقعی اہل کتاب ہو، دہریہ نہ ہو۔لیکن پھر بھی اچھا نہیں ہے۔

وجہ جواز کی دلیل آیت ہے۔والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذی اوتوا الکتاب من قبلکم اذا اتیتموھن اجورھن (ج)(آیت ۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں اہل کتاب عورت سے نکاح حلال قرار دیا گیا ہے۔لیکن اچھا اس لئے نہیں ہے کہ

حاشیہ : (الف) عروہ بن زبیر اور قاسم بن محمد فرماتے تھے کہ کوئی آدمی کے پاس چار بیویاں ہوں پھر ایک کو بائنہ طلاق دے تو وہ شادی کرسکتا ہے جب چاہے۔اور اس کی عدت گزرنے کا انتظار نہ کرے(ب) ایک عورت نے اپنے غلام سے شادی کی تو حضرت عمر نے اس کو سزا دی اور عورت اور غلام کے درمیان تفریق کرادیا۔اور سزا کے طور پر اس پر شادی حرام قرار دی (ج) اور پاکدامن مؤمن عورتیں اور پاکدامن وہ عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہو جب ان کو اس کا مہر دے دو تو نکاح جائز ہے۔

[۱۷۵۰](۲۵) ولا یجوز تزویج المجوسیات ولا الوثنیات.

گھر میں یہودیہ یا نصرانیہ عورت ہوتو پورا معاشرہ یہودی اور نصرانی بن جائے گا۔ جس کی نشاندہی حضرت عمرؓ نے کی تھی۔ سمعت ابا وائل یقول تزوج حذیفة یھودیة فکتب الیه عمر ان یفارقھا فقال انی اخشی ان تدعوا المسلمات وتنکحوا المومسات (الف) (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی تحریم حرائر اہل الشرک دون اہل الکتاب وتحریم المؤمنات علی الکفار ج سابع ص ۲۸۰، نمبر ۱۳۹۸۴ / مصنف ابن ابی شیبة ۳۸ من کان یکرہ النکاح فی اہل الکتاب ج ثالث ص ۴۶۲، نمبر ۱۶۱۵۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب عورتوں سے شادی نہیں کرنی چاہئے۔

اور عرب نصاری کو بعض صحابہ نصاری بھی نہیں سمجھتے تھے تو یورپ کے نصاری نصاری کیسے ہوئے۔ جبکہ ان میں خالص آوارہ گردی ہے۔ اور ان سے شادی کرنا کیسے جائز ہوگا؟ قال عطاء لیس نصاری العرب باھل الکتاب انما اھل الکتاب بنو اسرائیل والذین جائتھم التوراة والانجیل فاما من دخل فیھم من الناس فلیسوا منھم قال الشیخؒ وقد روینا عن عمر و علی فی نصاری العرب بمعنی ھذا وانه لا توکل ذبائحھم (ب) (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی تحریم حرائر اہل الشرک دون اہل الکتاب ج سابع ص ۲۸۱، نمبر ۱۳۹۸۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے خاندان کے علاوہ جو یہودی یا نصرانی ہیں وہ یہودی اور نصرانی کی حیثیت میں نہیں ہیں جن سے شادی کی جائے۔

نوٹ لیکن کوئی مسلمان عورت کسی نصرانی مرد یا یہودی مرد سے نکاح کرے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ آیت میں والمحصنات من الذین اوتو الکتاب من قبلکم کہا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے۔ اس لئے مسلمان عورت کتابی مرد سے نکاح کرے تو جائز نہیں ہوگا (۲) قال کتب الیه عمر بن الخطاب ان المسلم ینکح النصرانیة ولا ینکح النصارنی المسلمة (نمبر ۱۳۹۸۵) اور اسی باب میں ہے سمع جابر بن عبد الله ... ونساء ھم لنا حل ونسا ء نا علیھم حرام (ج) (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی تحریم حرائر اہل الشرک دون اہل الکتاب وتحریم المؤمنات علی الکفار ج سابع ص ۲۸۰، نمبر ۱۳۹۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسلمہ عورت اہل کتاب مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔

[۱۷۵۰] (۲۵) اور نہیں جائز ہے نکاح آتش پرست عورتوں سے اور بت پرست عورتوں سے۔

تشریح مجوسی لوگ آگ کی پوجا کرتے ہیں اس لئے یہ بت پرست اور کافر ہوئے۔ اس لئے ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودیہ سے شادی کی تو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اس کو علیحدہ کر دو۔ پھر فرمایا مجھے ڈر ہے کہ مسلمان عورتوں کو چھوڑ دو اور بے حیا عورتوں سے شادی کرنے لگ جاؤ (ب) حضرت عطاء نے فرمایا کہ عرب کے نصاری اہل کتاب نہیں ہیں۔ اہل کتاب تو بنی اسرائیل کے لوگ ہیں جن کے پاس توراة اور انجیل آئی۔ اور جو لوگ ان میں داخل ہوئے وہ اہل کتاب نہیں۔ شیخ نے فرمایا حضرت عمر اور علی سے بھی روایت ہے کہ عرب کے نصاری اس معنی میں نہیں یعنی اہل کتاب نہیں ہیں۔ ان کے ذبیحے نہ کھائے جائیں (ج) عمر بن خطاب نے لکھا مسلمان نصرانیہ عورت سے نکاح کرے لیکن نصرانی مرد مسلمہ عورت سے نکاح نہ کرے۔ اور جابر بن عبد اللہ نے فرمایا... ان کی عورتیں ہمارے لئے حلال ہیں اور ہماری عورتیں ان پر حرام ہیں۔

[۱۷۵۱](۲۶)ویجوز تزویج الصابیات ان کانوا یؤمنون بنبیٍّ ویقرون بکتاب وان کانوا یعبدون الکواکب ولا کتاب لهم لم تجز مناکحتهم.

وجہ حدیث مرسل میں مجوسی سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔عن الحسن بن محمد بن علی قال کتب رسول اللہ الی مجوس هجر یدعوهم الی الاسلام فمن اسلم قبل منه الحق ومن ابی کتب علیه الجزیة ولا توکل لهم ذبیحة ولا تنکح منهم امرأة (الف)(مصنف عبدالرزاق، اخذ الجزیۃ من المجوس ج سادس ص ۷۰ نمبر ۱۰۰۲۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجوسیہ عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے(۲)اور بت پرست اور کافر کے لئے تو آیت موجود ہے۔ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ولامة مؤمنة خیر من مشرکة ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم اولئک یدعون الی النار واللہ یدعوا الی الجنة والمغفرة باذنه (ب)(آیت ۲۲۱ سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں مشرک مرد اور مشرک عورتوں سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے۔اور یہ بھی حکمت بیان کی ہے وہ جہنم کی طرف بلانے والے ہیں۔اس لئے مشرکہ عورت اور بت برست عورت یا مرد سے نکاح کرنا حرام ہوگا۔

نوٹ اسی میں یہ بھی دیکھا جائے گا کہ نصرانیہ اور یہودیہ عورت جہنم کی طرف بلانے والی ہو تو ان سے بھی نکاح کرنا اچھا نہیں ہوگا۔

[۱۷۵۱](۲۶)اور جائز ہے صابیہ عورتوں سے نکاح کرنا اگر وہ ایمان رکھتی ہوں کسی نبی پر اور پڑھتی ہوں کتاب،اور اگر عبادت کرتی ہوں ستاروں کی اور ان کے پاس کتاب نہ ہو تو ان سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اہل کتاب کی طرح کسی قوم کے پاس کوئی بھی آسمانی کتاب ہو اور کسی نبی پر ایمان رکھتی ہو تب تو وہ اہل کتاب کے درجے میں ہیں۔اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔اور اگر ان کے پاس کتاب نہ ہو اور نہ کسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں تو وہ بت پرست ہیں ان سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا،چنانچہ صابیات کے بارے میں متضاد خبریں اثر میں ہیں۔اس لئے ان کے بارے میں یہ قاعدہ بیان کر دیا۔انبأنا الحسن بنی زید ان الصابئین یصلون الی القبلة ویعطون الخمس قال فاراد ان یضع عنهم الجزیة قال فاخبر بعد انهم یعبدون الملائکة (ج)(سنن للبیہقی، باب من دان دین الیھود والنصاری من الصابئین والسامرۃ ج سابع ص ۲۸۱،نمبر ۱۳۹۹۰)اس اثر میں پہلے خبر دی گئی کہ صابی قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور خمس دیتے ہیں تو فرمایا کہ وہ اہل کتاب کی طرح ہیں۔اس لئے ان سے جزیہ ہٹا دیا جائے۔بعد میں پتہ چلا کہ وہ فرشتوں کی پوجا کرتے ہیں تو ان سے جزیہ نہیں ہٹایا۔کیونکہ وہ اہل کتاب کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ہجر کے مجوس کو لکھا،ان کو اسلام کی دعوت دی۔پس جو اسلام لائے اس سے حق قبول کر لیا گیا۔اور جس نے انکار کیا اس پر جزیہ لازم کیا۔اور یہ کہ ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے (ب) مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ ایمان نہ لائے۔اور مؤمن باندی زیادہ بہتر ہے مشرکہ سے چاہے تم کو اچھی کیوں نہ لگے۔اور مشرک مرد سے نکاح نہ کرو جب تک کہ ایمان نہ لائیں۔اور مؤمن غلام زیادہ بہتر ہے مشرک سے چاہے تم کو اچھے کیوں نہ لگے۔یہ آگ کی طرف بلاتا ہے اور اللہ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتے ہیں اپنے حکم سے (ج) حسن بن زیاد نے خبر دی کہ صابئین قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور خمس دیتے ہیں۔فرمایا کہ اس سے جزیہ ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔پھر خبر دی کہ وہ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

[۱۷۵۲](۲۷) ویجوز للمحرم والمحرمة ان یتزوجا فی حالة الاحرام[۱۷۵۳](۲۸) وینعقد نکاح المرأة الحرة البالغة العاقلة برضائها وان لم یعقد علیها ولی عند ابی حنیفة

طرح نہیں رہے۔اوراس بنیاد پران کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

[۱۷۵۲](۲۷)اور جائز ہے محرم مرداور محرمہ عورت کے لئے کہ دونوں شادی کریں احرام کی حالت میں۔

تشریح احرام کی حالت میں دونوں شادی کر دیں یہ جائز ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں شادی کی تھی۔انبأنا ابن عباس تزوج النبی وھو محرم (الف) (بخاری شریف، باب نکاح المحرم ص ۷۶۶ نمبر ۵۱۱۴ رمسلم شریف، باب تحریم نکاح المحرم وکراھیۃ خطبۃ ص ۴۵۳ نمبر ۱۴۱۰ رترمذی شریف، نمبر ۸۴۲ رابوداؤد شریف، نمبر ۱۸۴۴)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے احرام کی حالت میں حضرت میمونہؓ سے شادی کی ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ احرام کی حالت میں شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔سمعت عثمان بن عفان یقول قال رسول اللہ لا ینکح المحرم ولا ینکح ولا یخطب (ب) (مسلم شریف، باب تحریم نکاح المحرم وکراھیۃ خطبۃ ص ۴۵۳ نمبر ۱۴۰۹ رابوداؤد شریف، باب المحرم یتزوج ص ۲۶۲ نمبر ۱۸۴۱)اس حدیث میں ہے کہ محرم شادی نہ کرے۔اور حضرت میمونہؓ سے شادی کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس وقت آپؐ حلال تھے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔عن یزید بن الاصم حدثتنی میمونة بنت الحارث ان رسول اللہ تزوجھا وھو حلال (ج) (مسلم شریف، باب تحریم نکاح المحرم وکراھیۃ خطبۃ ص ۴۵۳ نمبر ۱۴۱۱ رابوداؤد شریف، باب المحرم یتزوج ص ۲۶۲ نمبر ۱۸۴۳ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ تزویج المحرم ص ۱۷۱ نمبر ۸۴۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ حضرت میمونہؓ سے شادی کرتے وقت حلال تھے

نوٹ احرام کی حالت میں نکاح مکروہ ہے۔یہ دونوں حدیثوں کے مجموعے سے پتہ چلتا ہے۔

﴿ باکرہ اور ثیبہ کے لئے ولی کے احکام ﴾

[۱۷۵۳](۲۸)منعقد ہوتا ہے آزاد، بالغہ اور عاقلہ عورت کا نکاح اس کی رضامندی سے اگر چہ نہ عقد کیا ہو اس کے ولی نے امام ابوحنیفہ کے نزدیک باکرہ عورت ہو یا ثیبہ۔اور صاحبین نے فرمایا نکاح نہیں منعقد ہوگا مگر ولی کی اجازت سے۔

تشریح عورت آزاد ہو، عاقلہ ہو اور بالغہ ہو چاہے وہ باکرہ ہو چاہے ثیبہ ہو اگر وہ بغیر ولی کی اجازت کے خود شادی کرے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے۔

وجہ (۱)وہ عاقلہ، بالغہ اور آزاد ہے اس لئے معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے تو جس طرح اپنے مال کی بیع وشراء کر سکتی ہے اسی طرح نکاح بھی کر سکتی ہے۔البتہ خود نکاح کرنا بے شرمی کی علامت ہے اس لئے ایسا کرنا اچھا نہیں ہے (۲) آیت سے پتہ چلتا ہے کہ خود وہ نکاح کر سکتی

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ نے ہمیں خبر دی کہ حضورؐ نے نکاح کیا اس حال میں کہ وہ محرم تھے (ب) آپؐ نے فرمایا محرم نکاح نہ کرے اور نہ نکاح کرائے اور نہ خطبہ دے (ج) میمونہ بنت حارث فرماتی ہیں کہ آپؐ نے نکاح کیا اس حال میں کہ وہ حلال تھے۔

رحمه الله بكر كانت او ثيبا وقالا لا ينعقد الا باذن ولي.

ہے۔اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف (الف)(آیت ۲۳۲ سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں ہے کہ عورتیں خود شادی کریں تو اے اولیاء تم ان کو مت روکو۔جس سے معلوم ہوا کہ وہ بغیر اولیاء کے خود شادی کر سکتی ہیں (۲) حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ان ابا هريرة ان النبی ﷺ قال لا تنكح الايم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا يارسول الله ﷺ كيف اذنها ؟ قال ان تسكت (ب)(بخاری شریف، باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا ص ۷۷۱ نمبر ۵۱۳۶ رمسلم شریف، استئذن الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت ص ۴۵۵ نمبر ۱۴۱۹ رابوداؤد شریف، باب فی الاستیمار ص ۲۹۲ نمبر ۲۰۹۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی استیمار البکر والثیب ص ۲۱۰ نمبر ۱۱۰۷)اس حدیث میں ہے کہ ثیبہ اور باکرہ سے جب تک اجازت نہ لے لی جائے تب تک نکاح نہ کیا جائے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اصل حق عورت کو ہے۔اس لئے بغیر ولی کے بھی وہ شادی کر لے تو شادی ہو جائے گی (۳) دوسری حدیث میں ہے۔عن خنساء بنت حذام الانصارية ان اباها زوجها وهي ثيب فكرهت ذلك فاتت رسول الله فرد نكاحه (ج)(بخاری شریف، باب اذا زوج الرجل ابنتہ وھی کارھۃ فنکاحہ مردود ص ۷۷۱ نمبر ۵۱۳۸ رابوداؤد شریف، باب فی الثیب ص ۲۹۳ نمبر ۲۱۰۱)اس حدیث میں ثیبہ عورت کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کیا تو آپؐ نے اس کو رد کر دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ نکاح کا اصل حق عورت کو ہے۔

فائدہ صاحبین اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔

وجہ ان کی دلیل یہ آیت ہے وانكحوا الايامى منكم والصالحين من عبادكم وامائكم (د)(آیت ۳۲ سرۃ النور ۲۴)اس آیت میں اولیاء کو حکم ہے کہ بیواؤں کا نکاح کراؤ۔جس سے معلوم ہوا کہ ولی کو نکاح کرانے کا حق ہے (۲) حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔عن عائشة قالت قال رسول الله ايما امرأة نكحت بغير اذن مواليها فنكاحها باطل ثلاث مرات فان دخل بها فالمهر لها بما اصاب منها فان تستاجروا فالسلطان ولي من لا ولي له (ہ)(ابوداؤد شریف، باب فی الولی ص ۲۹۱ نمبر ۲۰۸۳)اور ترمذی میں اس طرح عبارت ہے۔عن ابی موسى قال قال رسول الله ﷺ لا نكاح الا بولي (ترمذی شریف، باب ماجاء لا نکاح الا بولی ص ۲۰۸ نمبر ۱۱۰۱ رابن ماجہ شریف، باب لا نکاح الا بولی ص ۲۶۹ نمبر ۱۸۷۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف) جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ جائے تو ان کو مت روکو اس بات سے کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں۔جبکہ وہ آپس میں راضی ہو جائیں معروف کے ساتھ (ب) حضورؐ نے فرمایا بیوہ کی شادی نہ کی جائے یہاں تک کہ اس سے مشورہ کیا جائے اور باکرہ کی شادی نہ کی جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لی جائے۔لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! اس سے اجازت کیسے لی جائے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ چپ رہے یہی اس کی اجازت ہے (ج) خنساء بنت حذام کی شادی ان کے باپ نے کروائی اس حال میں کہ وہ ثیبہ تھی۔اور وہ اس شادی کو ناپسند کر رہی تھی۔پس حضورؐ کے پاس آئی تو آپؐ نے اس کے نکاح کو رد کر دیا (د) تم اپنی بیواؤں کا نکاح کراؤ اور تمہارے نیک غلاموں اور باندیوں کا (ہ) آپؐ نے فرمایا کسی عورت نے والیوں کی اجازت کے بغیر شادی کی تو اس کا نکاح باطل ہے تین مرتبہ فرمایا۔اور اگر اس سے صحبت کر لی تو اس کو مہر ملے گا صحبت کرنے کی وجہ سے۔اور اگر لوگ جھگڑنے لگیں تو سلطان ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

[۱۷۵۴](۲۹) ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغة العاقلة[۱۷۵۵](۳۰) واذا استأذنها الولی فسکتت او ضحکت او بکت بغیر صوت فذلک اذنٌ منها وان ابت لم یزوجها

نوٹ اس وقت اس پر فتوی دیتے ہیں کہ بغیر ولی کے بھی نکاح ہو جائے گا۔ کیونکہ لاکھوں عورتیں اس وقت بغیر ولی کے نکاح کر رہی ہیں۔ اگر ان کے نکاح کو جائز قرار نہ دیں تو مشکل ہوگا۔ البتہ غیر کفو میں شادی کی ہو تو ولیوں کو قاضی کے سامنے اعتراض کرنے کا حق ہوگا اور قاضی مناسب سمجھے تو اس نکاح کو توڑ دے۔

[۱۷۵۴](۲۹) اور نہیں جائز ہے ولی کے لئے باکرہ، بالغہ، عاقلہ کو مجبور کرنا۔

تشریح نابالغ بچی ہو تو ولی نکاح لئے مجبور کر سکتا ہے۔ لیکن بالغ ہو چکی ہو اور عاقل اور آزاد بھی ہو تو ولی اس کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔

وجہ وہ آزاد ہے اور خود مختار ہے۔ اس لئے اس کو مجبور نہیں کر سکتا (۲) حدیث میں ہے کہ باپ نے باکرہ کی شادی بغیر اس کی رضامندی کے کر دی تو آپ ﷺ نے اس نکاح کو توڑنے کا اختیار دیا۔ عن ابن عباس ان جاریة بکرا اتت النبی ﷺ فذکرت ان اباها زوجها وهی کارهة فخیرها النبی ﷺ (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی البکر یزوجها ابوها ولا یستامرها ص ۲۹۲ نمبر ۲۰۹۶ / دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۱۶۳ نمبر ۳۵۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باکرہ عورت کی بھی بغیر اس کی رضامندی کے شادی کرادی تو اس کو توڑنے کا اختیار ہوگا (۳) اوپر کی حدیث والبکر تستاذن فی نفسها سے بھی پتہ چلا کہ باکرہ کو بھی مجبور نہیں جا سکتا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ باکرہ ناتجربہ کار ہے اس لئے چاہے وہ بالغہ ہے پھر بھی اس کو مجبور کر سکتا ہے۔ ان کی دلیل لا نکاح الا بولی حدیث ہے (۲) حضرت عائشہ کو ان کے والد حضرت ابوبکرؓ نے اور حضرت حفصہ کو ان کے والد حضرت عمرؓ نے شادی کرائی تھی

[۱۷۵۵](۳۰) جب باکرہ سے ولی نے اجازت مانگی پس وہ چپ رہی یا ہنسی یا بغیر آواز کے روئی تو یہ اس کی جانب سے اجازت ہے۔ اور اگر انکار کر دے تو اس کی شادی نہ کرائے۔

تشریح چونکہ باکرہ عورت شرمیلی ہوتی ہے وہ صراحت کے ساتھ شادی کی اجازت دینے سے شرماتی ہے۔ اس لئے ان طریقوں سے اس کی اجازت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے اگر وہ چپ رہی یا ہنس پڑی تو اجازت شمار کی جائے گی۔ اور کبھی خوشی سے رو بھی پڑتی ہے۔ اس لئے بغیر آواز کے رونا اجازت پر دلیل ہے۔ لیکن آواز کے ساتھ رونا انکار کی دلیل ہے۔ اس لئے اگر آواز سے روئی تو نکاح کرانے کی اجازت نہیں ہوگی

وجہ چپ رہنے پر اوپر کی حدیث دلیل ہے جن میں ہے۔ عن عائشة انها قالت یا رسول الله ان البکر تستحی قال رضاها صمتها (ب) (بخاری شریف، باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاها ص ۱۷۷۱ نمبر ۵۱۳۷ / مسلم شریف، باب استیذ ان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت ص ۴۵۵ نمبر ۱۴۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چپ رہنا بھی باکرہ کی جانب سے اجازت ہے۔ اور ہنسنے اور

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ایک باکرہ لڑکی حضور کے پاس آئی اور اس نے تذکرہ کیا کہ اس کے باپ نے اس کی شادی کرائی حالانکہ وہ ناپسند کرتی تھی۔ تو حضورؐ نے اس لڑکی کو اختیار دیا (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول باکرہ عورت تو شرماتی ہے۔ فرمایا اس کی رضامندی اس کا چپ رہنا ہے۔

[۱۷۵۶](۳۱) واذا استأذن الثیب فلا بد من رضائها بالقول[۱۷۵۷](۳۲) واذا زالت بکارتها بوثبة او حیضة او جراحة او تعنیس فهی فی حکم الابکار[۱۷۵۸](۳۳) وان

بغیر آواز کے رونے کو بھی اسی پر قیاس کر لیں۔ کیونکہ یہ بھی اجازت پر دلیل ہیں۔ ابوداؤد شریف میں ان بکت او سکتت کا لفظ ہے (ابو داؤد شریف، باب فی الاستیمار ص۲۹۲، نمبر ۲۰۹۴)

[۱۷۵۶](۳۱) اور اگر ثیبہ سے اجازت لی تو ضروری ہے اس کی رضا مندی بات سے۔

تشریح ثیبہ عورت سے ولی نکاح کے لئے اجازت لے تو باضابطہ اس کو زبان سے کہنا پڑے گا کہ میں اس نکاح سے راضی ہوں۔

وجہ یہ شوہر کے پاس رہ کر کم شرمیلی ہوگئی ہے۔ اس لئے زبان سے کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرے گی (۲) اوپر حدیث میں تھا ان ابا هریرة حدثهم ان النبی ﷺ قال لا تنكح الايم حتى تستامر (الف) (بخاری شریف، باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا ص ۷۷۱ نمبر ۵۱۳۶ رمسلم شریف، باب استیذ ان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت ص ۴۵۵ نمبر ۱۴۱۹) اس حدیث میں تستامر کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مشورہ کیا جائے گا اور مشورہ اسی وقت ہوگا جب وہ بات کرے گی۔ اس لئے ثیبہ زبان سے اجازت دے گی (۳) ابن ماجہ شریف میں صراحت ہے۔ عن عدی الكندی قال قال رسول الله الثيب تعرب عن نفسها والبكر رضاها صمتها (ب) (ابن ماجہ شریف، باب استمار البکر والثیب ص ۲۶۸ نمبر ۱۸۷۲) اس حدیث میں ہے کہ ثیبہ اپنی ذات کے بارے میں وضاحت کرے گی۔

[۱۷۵۷](۳۲) اگر بکارت زائل ہو جائے عورت کا کنوار پن کودنے کی وجہ سے یا حیض کی وجہ سے یا زخم کی وجہ سے یا دیر تک بیٹھی رہنے کی وجہ سے تو وہ باکرہ کے حکم کے ہے۔

تشریح لڑکی کو حیض آیا جس کی وجہ سے پردۂ بکارت ٹوٹ گیا یا زخم کی وجہ سے یا کودنے کی وجہ سے یا ایک مدت دراز تک شادی نہ کر پائی جس کی وجہ سے کنوار پن کا جو پردہ ہوتا ہے وہ ٹوٹ گیا تب بھی وہ عورت شادی کی اجازت دینے میں چپ رہنا یا ہنسنا اجازت سمجھی جائے گی اور اس کا حکم خالص باکرہ کا حکم ہوگا۔

وجہ ان عورتوں سے اب تک کسی مرد نے صحبت نہیں کی ہے۔ ان سے جو بھی صحبت کرے گا وہ پہلی مرتبہ ہی صحبت کرنے والا ہوگا اس لئے یہ عورتیں باکرہ ہی ہیں (۲) ان عورتوں کا تعلق ابھی تک شوہر سے نہیں ہوا ہے اس لئے ان میں اتنی ہی شرم ہے جتنی باکرہ عورت میں۔ اس لئے ان لوگوں کا چپ رہنا بھی اجازت سمجھی جائے گی۔

لغت وثبة : کودنا، جراحة : زخم، تعنیس : مدت دراز تک شادی کے بغیر رہنا۔

[۱۷۵۸](۳۳) اگر بکارت زائل ہوگئی زنا کی وجہ سے تو وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک باکرہ کی طرح ہے۔ اور صاحبین نے فرمایا ثیبہ کے حکم میں

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا بیوہ عورت کی شادی نہ کرائی جائے یہاں تک کہ اس سے مشورہ لے لیا جائے (ب) آپ نے فرمایا ثیبہ عورت اپنی وضاحت خود کر سکتی ہے۔ اور باکرہ عورت کی رضامندی اس کا چپ رہنا ہے۔

زالت بکارتها بالزنا فهی کک عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله هی فی حکم الثیب[۱۷۵۹](۳۴) واذا قال الزوج للبکر بلغک النکاح فسکتِّ وقالت بل رددت فالقول قولها ولا یمین علیها[۱۷۶۰](۳۵) ولا یستحلف فی النکاح عند ابی حنیفة

ہے۔

وجہ امام ابوحنیفہ کی نظر معاشرہ کی طرف گئی کہ معاشرے میں لوگ اس کو باکرہ سمجھتے ہیں اس لئے زنا سے بکارت ٹوٹی ہوئی عورت باکرہ کے حکم میں ہوگی (۲) ایسی لڑکی زنا کو چھپاتی ہے اس لئے وہ شرم کا مظاہرہ کرے گی اور زبان سے نہیں کہے گی۔ اس لئے اس کا چپ رہنا ہی اجازت شمار کی جائے گی۔

فائدہ صاحبین اور امام شافعی کی نظر اس بات کی طرف گئی کہ اس سے صحبت کرنے والا پہلی مرتبہ صحبت کرنے والا نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے صحبت ہو چکی ہے چاہے حرام صحبت کیوں نہ ہو۔ اس لئے یہ باکرہ کے حکم میں نہیں ہوگی بلکہ ثیبہ کے حکم میں ہوگی اور باضابطہ زبان سے نکاح کی اجازت دینا ہوگا۔

لغت کک : یہ کذلک کا مخفف ہے، یعنی ایسی ہی باکرہ کی طرح ہے۔

[۱۷۵۹](۳۴) اگر شوہر نے کہا باکرہ سے تم کو نکاح کی خبر پہنچی تھی تو تم چپ رہی تھی اور عورت کہتی ہے بلکہ میں نے انکار کیا تھا تو عورت کی بات مانی جائے گی اور عورت پر قسم نہیں ہے۔

تشریح عورت باکرہ تھی اس کی شادی ہوئی اور اس کو شادی کی خبر دی گئی۔ اب اگر وہ چپ رہتی ہے تو یہ اجازت ہوگی اور نکاح ہو جائے گا۔ اور زبان سے انکار کرتی ہے تو نکاح نہیں ہوگا۔ اب شوہر کا دعوی ہے کہ عورت چپ رہی ہے۔ اور عورت کہتی ہے کہ میں نے انکار کیا تھا تو بات عورت کی مانی جائے گی۔

وجہ شوہر عقد کے لازم ہونے اور بضعہ کے مالک ہونے کا دعوی کر رہا ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے۔ اس لئے مرد مدعی ہوا اور عورت منکر ہوئی۔ اس لئے مرد پر بینہ لازم ہے۔ اور اس کے پاس بینہ نہیں ہے تو منکرہ کی بات مانی جائے گی۔ البتہ چونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح میں عورت پر قسم نہیں ہے اس لئے وہ قسم نہیں کھائے گی۔ بغیر قسم کے اس کی بات مانی جائے گی۔

[۱۷۶۰](۳۵) امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح میں عورت سے قسم نہیں کھلوائی جائے گی۔ اور صاحبین کے نزدیک کھلوائی جائے گی۔

تشریح امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان آٹھ جگہوں پر منکر کو قسم نہیں کھلوائی جائے گی (۱) نکاح (۲) رجعت کرنے پر (۳) ایلاء میں، عورت واپس کرنا جس کو فئی کہتے ہیں (۴) غلامیت (۵) ام ولد بنانا (۶) ولاء (۷) نسب (۸) حدود۔ ان چیزوں میں منکر پر قسم نہیں ہے صرف اس کے کہنے پر بات مان لی جائے گی۔

اور صاحبین کے نزدیک ان جگہوں میں بھی منکر سے قسم لی جائے گی۔ اس کی تفصیل کتاب الدعوی میں آئے گی۔

رحمه الله وقالا يستحلف فيه[۱۷۶۱](۳۶) وينعقد النكاح بلفض النكاح والتزويج والتمليك والهبة والصدقة[۱۷۶۲](۳۷) ولا ينعقد بلفظ الاجارة والاعارة والاباحة.

[۱۷۶۱](۳۶) نکاح منعقد ہوگا نکاح کے لفظ سے اور تزویج اور تملیک اور ہبہ اور صدقہ کے الفاظ سے۔

تشریح ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا۔

وجہ (۱) نکاح کے ذریعہ بضعہ کا مالک ہوتا ہے۔اور تملیک، ہبہ اور صدقہ کے ذریعہ پورے جسم کا مالک ہوتا ہے۔اس لئے پورے جسم کی ملکیت بولکر ایک جز کی ملکیت مراد ہو تو جائز ہے۔اس لئے تملیک، ہبہ اور صدقہ بولا مثلا عورت کہتی ہے کہ میں نے تم کو اپنے جسم کا مالک بنایا اور شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے مثلا تزویج اور تملیک کے لفظ سے نکاح کا ثبوت حدیث میں ہے۔ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے **عن سهل بن سعد ان امرأة عرضت نفسها على النبیؐ ... فقال النبی ﷺ املكناكها بما معک من القرآن** (الف) (بخاری شریف، باب عرض المرأۃ نفسھا علی الرجل الصالح ص ۷۶۷ نمبر ۵۱۲۱/مسلم شریف، باب الصداق وجواز کونہ تعلیم قرآن الخ ص ۴۵۷ نمبر ۱۴۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تملیک کے لفظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا۔دوسری حدیث میں ہے **اذهب فقد زوجتكها بما معک من القرآن** (ب) (بخاری شریف، نمبر ۵۱۳۲/مسلم شریف، نمبر ۱۴۲۵) اس حدیث میں زوجت کے لفظ سے نکاح کا انعقاد ہوا ہے۔اور **هبه** کے لفظ سے منعقد ہونے کے لئے یہ آیت ہے **وامرأة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبی ان اراد النبی ان يستنكحها** (ج) (آیت ۵۰ سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت میں **وهبت** کے ذریعہ نکاح کی طرف اشارہ ہے۔ایک حدیث میں بھی **اهب** کے لفظ سے نکاح کا اشارہ ہے۔**وقال سهل قالت امرأة للنبی اهب لک نفسی فقال رجل یا رسول الله !ان لم تكن لک بها حاجة فزوجنيها** (د) (بخاری شریف، باب اذا کان الولی ھو الخاطب ص ۷۷۰ نمبر ۵۱۳۱) اس حدیث میں ہبہ کا لفظ استعمال کر کے نکاح کی طرف اشارہ کیا ہے۔اور صدقہ بھی ہبہ کے معنی میں ہیں اس لئے صدقہ کے لفظ سے بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔

[۱۷۶۲](۳۷) اور نکاح نہیں منعقد ہوگا اجارہ، عاریت اور اباحت کے الفاظ سے۔

تشریح کوئی عورت مرد سے کہے کہ میں نے اپنے آپ کو آپ کے پاس عاریت پر رکھا، یا میں نے اپنے آپ کو آپ کے لئے مباح کیا، یا میں نے اپنے آپ کو آپ کے پاس اجرت پر رکھا اور مرد دو گواہوں کے سامنے قبول کرے تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

وجہ نکاح کا ترجمہ ہے ہمیشہ کے لئے شوہر کو بضعہ کا مالک بنایا۔اور اوپر کے الفاظ میں مالک بنانا نہیں پایا جاتا ہے۔بلکہ وقتی طور پر اجرت لیکر یا

حاشیہ : (الف) حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک عورت آئی اور حضورؐ کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنے لگی۔آپؐ نے فرمایا تم کو میں اس عورت کو مالک بنایا اس کے بدلے میں جو تمہارے پاس قرآن ہے (ب) جاؤ میں نے تمہاری شادی کرائی اس کے بدلے جو تمہارے پاس ہے قرآن میں سے (ج) کوئی عورت اپنی ذات کو حضورؐ کے لئے ہبہ کرے، اگر چاہے حضورؐ اس سے نکاح کرے (د) حضرت سہل فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے حضور سے کہا میں آپ کو اپنی ذات ہبہ کرتی ہوں۔تو ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! اگر آپ کو ضرورت نہیں ہے تو میری اس سے شادی کرا دیجئے۔

[۱۷۶۳] (۳۸) ویجوز نکاح الصغیر والصغیرۃ اذا زوجهما الولی بکرا کانت الصغیرۃ او ثیبا.

بغیر اجرت کے فائدہ اٹھانے کے لئے دینا ہے۔اس لئے وہ الفاظ نکاح کے معنی میں نہیں ہیں۔اس لئے ان الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔مثلا اجارہ میں اجرت لیکر تھوڑی دیر فائدہ اٹھانا ہے پھر چیز واپس دے دینا ہے۔اور عاریت میں مفت تھوڑی دیر فائدہ اٹھانا ہے پھر واپس دے دینا ہے۔اور مباح میں بھی مفت تھوڑی دیر فائدہ اٹھانا ہے پھر واپس کر دینا ہے۔تو چونکہ ان الفاظ میں مکمل ملکیت کا ثبوت نہیں ہے اس لئے ان الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

اصول ملکیت ہونے کے الفاظ سے نکاح منعقد ہوگا۔تھوڑی دیر استعمال کے لئے دینے کے الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

[۱۷۶۳] (۳۸) جائز ہے چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کا نکاح جبکہ شادی کرائی ہو ان دونوں کے ولی نے، چھوٹی بچی باکرہ ہو یا ثیبہ۔

تشریح چھوٹے بچے کی شادی ولی کرائے اس سے اس کا نکاح ہو جائے گا۔اسی طرح نابالغہ بچی چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ ہو ولی اس کا نکاح کرائے تو نکاح ہو جائے گا۔

وجہ اوپر گزر چکا ہے کہ ولی کو نکاح کرانے کا حق ہے۔لا نکاح الا بولی حدیث گزر چکی ہے۔اس لئے وہ نکاح کرائے تو نکاح ہو جائے گا (۲) وہ تو بالغ عورت کی بات تھی لیکن نابالغ لڑکے یا نابالغ لڑکی کی شادی کرائے تو چونکہ ان کو عقل نہیں ہے اس لئے بدرجۂ اولی ولی کے نکاح کرانے سے نکاح ہوگا (۳) بعض مرتبہ کفو اور اچھا خاندان مل جاتا ہے جو بعد میں نہیں مل سکے گا۔اب اگر اس وقت ولی نکاح نہ کرائے اور بچے یا بچی کے بالغ ہونے کا انتظار کرے تو بچے یا بچی کو نقصان ہوگا۔اس لئے بھی ولی کا نکاح جائز قرار دیا جائے (۴) حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی نابالغہ لڑکی عائشہؓ کی شادی حضورؐ سے کروائی اور ہو بھی گئی۔عن عائشة ان النبی ﷺ تزوجها وهی بنت ست سنین وادخلت علیه وهی بنت تسع ومکثت عنده تسعا (الف) (بخاری شریف، باب النکاح الرجل ولدہ الصغار ص ۷۷۱ نمبر ۵۱۳۳/ مسلم شریف، باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرۃ ص ۴۵۶ نمبر ۱۴۲۲) اس حدیث میں چھ سال کی نابالغ لڑکی کی شادی باپ نے کروائی اور نکاح ہو گیا۔

نوٹ ثیبہ لڑکی اگر نابالغہ ہے تو باپ اس کی شادی بھی کروا سکتا ہے۔

وجہ چونکہ اس میں عقل نہیں ہے اس لئے باپ کو مدد کرنے کا حق ہے جس طرح باکرہ نابالغہ کی شادی کرانے کا حق ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ثیبہ شوہر کے ساتھ رہ کر تجربہ کار ہو چکی ہے اس لئے اس کی شادی کرانے کا حق ولی کو نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) اوپر کی حدیث میں ثیب کو خود نکاح کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔اور ثیب میں بالغہ اور نابالغہ دونوں داخل ہیں اس لئے دونوں کا نکاح نہیں کرا سکتا (۲) ابو داؤد میں ہے عن ابن عباس ان رسول الله قال لیس للولی مع الثیب امر والیتیمة تستامر وصمتها

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے شادی کی اس حال میں کہ وہ چھ سال کی تھی۔اور رخصتی ہوئی اس حال میں کہ نو سال کی تھی۔اور آپؐ کے پاس نو سال تک ٹھہری۔

[۱۷۶۴](۳۹) والولی هو العصبة[۱۷۶۵](۴۰) فان زوجهما الاب او الجد فلا خيار لهما بعد البلوغ.

اقرارها (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الثیب ص۲۵۳ نمبر ۲۱۰۰ر دار قطنی، کتاب النکاح ص ۱۶۷ نمبر ۳۵۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثیبہ چاہے نابالغہ ہو ولی کو مجبور کرنے کا حق نہیں ہے۔

[۱۷۶۴](۳۹) ولی وہ عصبہ ہے۔

تشریح جس ترتیب میں وراثت میں عصبات کو حق وراثت ملتا ہے اسی ترتیب سے نکاح کرانے میں بھی نکاح کرانے کا حق ہے۔ اس کی ترتیب اس طرح ہوگی۔ پہلے باپ کو نکاح کرانے کا حق ہے۔ وہ نہ ہو تو دادا کو، وہ نہ ہو تو بیٹے کو، وہ نہ ہو تو بھائی کو، وہ نہ ہو تو چچا کو اور وہ نہ ہو تو چچازاد بھائی کو اور وہ بھی نہ ہو تو ماں کو نکاح کرانے کا حق ہوتا ہے۔

وجہ ولی کے سلسلے میں یہ حدیث ہے۔ عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ... فان تشاجروا فالسلطان ولی من لا ولی له (ب) (ابوداؤد شریف، باب الولی ص ۲۹۱ نمبر ۲۰۸۳ر ترمذی شریف، باب ماجاء لا نکاح الا بولی ص ۲۰۸ نمبر ۱۱۰۲ر نسائی شریف، نمبر ۵۳۹۴) اس حدیث سے پتہ چلا کہ ولایت میں ترتیب ہے اور جس کا ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔ بیٹے کے ولی ہونے کے سلسلے میں ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ جس میں حضرت ام سلیم نے اپنے بیٹے حضرت انس کو ابوطلحہ سے نکاح کرانے کے لئے کہا۔ عن انس ان ابا طلحة خطب ام سليم ... قالت يا انس زوج ابا طلحة قال الشيخ وانس بن مالک ابنها وعصبتها (ج) (سنن للبیہقی، باب الابن یزوجها اذا کان عصبة لها بغیرابنوة ج سابع ص ۲۱۳، نمبر ۱۳۷۵۵) اس اثر میں حضرت انس بیٹے کو نکاح کا ولی بنایا گیا ہے۔ اور کوئی نہ ہو تو ماں کے ولی بننے کے لئے یہ اثر ہے۔ قال عمر بن الخطاب اذا كان العصبة احدهم اقرب بام فهو احق (د) (رواہ الامام محمد فی کتاب الحجج ص ۲۹۳ر اعلاء السنن، نمبر ۳۱۴۲) اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عصبہ نہ ہو تو ماں نکاح کرانے کی حقدار ہے۔

[۱۷۶۵](۴۰) پس اگر ان دونوں کی شادی باپ اور دادا نے کرائی تو ان دونوں کو بلوغ کے بعد خیار نہیں ہوگا۔

تشریح اگر چھوٹے نابالغ بچے یا بچی کی شادی باپ نے یا دادا نے کرادی تو بالغ ہونے کے بعد ان کو اس نکاح کے توڑنے کا خیار نہیں ہوگا۔ اور ان کے علاوہ نے نکاح کرایا تو بالغ ہونے کے بعد توڑنے کا خیار بلوغ ملے گا۔

وجہ (۱) باپ کو بیٹے کے ساتھ شفقت کاملہ بھی ہے اور ان کے عاقل بالغ ہونے کی وجہ سے عقل بھی ہے۔ اس لئے مشفق اور عاقل نے نکاح کرایا اس لئے ان کو نکاح توڑنے کا حق نہیں ہوگا۔ اور باپ نہ ہوتے وقت دادا بھی اسی درجے میں شمار ہوتے ہیں۔ اثر میں ہے عن عطاء

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا ولی کے لئے ثیبہ کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں ہے۔ اور یتیمہ سے مشورہ لیا جائے گا۔ اور اس کا چپ رہنا اس کا اقرار کرنا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا پس اگر وہ جھگڑا کریں تو سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو (ج) حضرت انس سے روایت ہے کہ ابوطلحہ نے ام سلیم کو پیغام نکاح دیا... حضرت ام سلیم نے فرمایا اے انس! ابوطلحہ سے نکاح کرادو۔ شیخ نے فرمایا انس بن مالک اس کا بیٹا تھا اور اس کا عصبہ بھی تھا (د) حضرت عمر نے فرمایا اگر ان میں سے کوئی عصبہ ماں سے زیادہ قریب ہو تو وہ زیادہ حقدار ہے۔

[۱۷۶۶](۴۱) وان زوجهما غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخیار ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ[۱۷۶۷](۴۲) ولا ولایة لعبد ولا لصغیر ولا لمجنون ولا لکافر

انه اذا انکح الرجل ابنه الصغیر فنکاحه جائز ولا طلاق له (الف)(سنن للبیہقی، باب الاب یزوج ابنہ الصغیرج سابع ص ۲۳۲، نمبر ۱۳۸۱۷ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲ فی رجل یزوج ابنہ وھو صغیر من اجازۃ ج، ثالث ص ۴۴۹، نمبر ۱۶۰۰۹) اس اثر میں ہے کہ باپ نے نابالغ بیٹے کی شادی کرائی تو اس کو طلاق دینے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یعنی خیار بلوغ نہیں ملے گا۔ اور اسی میں دادا بھی داخل ہوگا۔

[۱۷۶۶](۴۱) اور اگر ان دونوں کی شادی کروائی باپ اور دادا کے علاوہ نے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو نکاح پر قائم رہے اور اگر چاہے تو فسخ کر دے۔

تشریح نابالغ لڑکا اور نابالغ لڑکی کی شادی باپ اور دادا کے علاوہ نے کروائی تو ان دونوں کو خیار بلوغ ہوگا۔ یعنی بالغ ہوتے ہی اعلان کر دے کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں ہوں۔ تو وہ نکاح توڑ سکتے ہیں۔

وجہ (۱) باپ اور دادا کے علاوہ میں یا تو عقل ناقص ہوگی مثلا ماں ولیہ بنے تو شفقت کاملہ ہے لیکن عقل ناقص ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ صحیح جگہ پر نکاح نہیں کرایا۔ اس لئے نکاح توڑنے کا حق دیا جائے گا۔ اور قاضی، بھائی، چچا یا چچازاد بھائی نے شادی کرائی تو ان لوگوں میں عقل تو ہے لیکن شفقت کاملہ نہیں ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ صحیح جگہ پر نکاح نہیں کرایا۔ اس لئے بالغ ہونے کے بعد نکاح توڑنے کا حق ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے کتب عمر بن عبد العزیز فی الیتیمین اذا زوجا وھما صغیران انھما بالخیار. عن ابن طاؤس عن ابیه قال فی الصغیرین ھما بالخیار اذا شبا (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰ الیتیمۃ تزوج وھی صغیرۃ من قال لھا الخیار ج ثالث ص ۴۴۸، نمبر ۱۵۹۹۵/۱۵۹۹۸) اس اثر میں ہے کہ یتیم کو اور یتیمہ کو شادی کرائی۔ یتیمہ کے والد کا انتقال ہو گیا ہے اس لئے اس کے علاوہ نے ہی شادی کرائی ہوگی۔ اس لئے ان کو خیار ملے گا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ باپ اور دادا کے علاوہ نے شادی کرائی تب بھی اس کو اختیار نہیں ملے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن حماد قال النکاح جائز ولا خیار لھا (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰ الیتیمۃ تزوج وھی صغیر من قال لھا الخیار ج، ثالث ص ۴۴۸، نمبر ۱۶۰۰۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یتیمہ کو خیار بلوغ نہیں ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صغیر اور صغیرہ کو بھی باپ اور دادا کے علاوہ نے شادی کرائی تو اس کو اختیار نہیں ہوگا۔

[۱۷۶۷](۴۲) غلام کے لئے ولایت نہیں ہوگی، اور نہ چھوٹے بچے کے لئے، اور نہ مجنون کے لئے، اور نہ کافر کے لئے مسلمان عورت پر

تشریح ان لوگوں کو شادی کرانے کی ولایت نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت عطاء نے فرمایا آدمی نے اپنے چھوٹے بچے کا نکاح کرایا تو اس کا نکاح جائز ہے اور اس کو طلاق لینے کا اختیار نہیں ہے یعنی خیار بلوغ نہیں ہے (ب) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے لکھا دو یتیموں کے بارے میں جب دونوں کی شادی کرائی اس حال میں کہ دونوں چھوٹے ہوں تو دونوں کو اختیار ملے گا۔ حضرت طاؤس سے منقول ہے کہ دونوں چھوٹے کو اختیار ہوگا جب دونوں جوان ہو جائیں (ج) حضرت حماد نے فرمایا کہ نکاح جائز ہے اور اس کو اختیار نہیں ہوگا۔

علی مسلمة [۱۷۶۸](۴۳) وقال ابو حنیفة رحمه الله یجوز لغیر العصبات من الاقارب التزویج مثل الاخت والام والخالة [۱۷۶۹](۴۴) ومن لا ولی لها اذا زوجها مولاها الذی اعتقها جاز.

وجہ (۱) ان لوگوں کو خود اپنے اوپر ولایت نہیں ہے تو ان لوگوں کو دوسروں پر ولایت کیسے ہوگی۔ مثلا غلام کو اپنی شادی کرانے کا حق نہیں ہے۔ اس کی شادی اس کا مولی کراتا ہے تو اس کو دوسروں کی شادی کرانے کا حق کیسے ہوگا؟ بچے کو عقل کی کمی ہے اس لئے اس کو دوسرے پر کیسے ولایت ہوگی؟ مجنون کو بھی عقل نہیں ہے اس لئے اس کو دوسروں پر ولایت کیسے ہوگی۔ اور کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ ولن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیل ا (الف) (آیت ۱۴۱ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ کافر کو مؤمنین پر کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس لئے کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہوگی۔

[۱۷۶۸] (۴۳) امام ابو حنیفہ نے فرمایا جائز ہے عصبات کے علاوہ کے لئے رشتہ داروں میں سے شادی کرانا مثلا بہن اور ماں اور خالہ۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر قریب کے ولی نہ ہوں مثلا عصبات میں سے کوئی ولی نہ ہو تو ذوی الارحام میں سے دوسرے رشتہ داروں کو بالترتیب شادی کرانے کا حق ہوگا۔

وجہ (۱) یہ ولایت مصلحت کے لئے ہے۔ اور رشتہ دار چاہے دور کے ہوں اس میں شفقت ہوتی ہے۔ اس لئے مصلحت کا تقاضا ہے کہ ان کو شادی کرانے کا حق دیا جائے (۲) اثر میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے رشتہ دار کی شادی کرائی حالانکہ وہ عصبات والی ولیہ نہیں تھیں۔ عن ابن عباس قال انکحت عائشة ذات قرابة لها من الانصار فجاء رسول الله فقال اهدیتم الفتاة؟ قالوا نعم (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الغناء والدف ص ۲۷۳ نمبر ۱۹۰۰) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنے رشتہ دار کی شادی کرائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذوی الارحام عورت ہو تو بھی عصبات نہ ہوتے وقت شادی کراتی ہے۔ قال ابن عمر فزوجنیها خالی قدامة وهو عمها ولم یشاورها (سنن ابن ماجہ شریف، باب نکاح الصغار یزوجھن غیر الآباء ص ۲۶۹ نمبر ۱۸۷۸) اس اثر میں قدامہ ماموں نے شادی کرائی جس سے معلوم ہوا کہ غیر عصبات شادی کرا سکتا ہے۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عصبات ہی شادی کرا سکتے ہیں دوسرے نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عصبات کو وراثت میں حق ہے تو ولایت میں بھی حق ہوگا۔

[۱۷۶۹] (۴۴) جس کا کوئی ولی نہیں ہے اگر اس کی شادی اس کے مولی نے کروائی تو جائز ہے۔

تشریح کوئی باندی آزاد کی ہوئی تھی اور اس کا کوئی ولی نہیں ہے۔ اب جس آقا نے آزاد کیا تھا اس نے باندی کی شادی کرائی تو جائز ہے۔

وجہ کیونکہ کوئی عصبہ نہ ہو تو آخر میں آزاد کرنے والا مولی غلام باندی کا عصبہ ہوتا ہے۔ اور جب عصبہ ہے تو اس کو شادی کرانے کا بھی حق ہوگا۔

حاشیہ: (الف) ہرگز کافروں کے لئے مومن پر کوئی راستہ نہیں بنایا ہے (ب) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے انصار کے ایک رشتہ دار کی شادی کرائی۔ پس حضور تشریف لائے اور کہا تم نے دلہن کو ہدیہ دیا؟ لوگوں نے کہا ہاں۔

[۱۷۷۰](۴۵) واذا غاب الولی الاقرب غیبة منقطعة جاز لمن هو ابعد منه ان یزوجها[۱۷۷۱](۴۶) والغیبة المنقطعة ان یکون فی بلد لا تصل الیه القوافل فی السنة الا مرة واحدة[۱۷۷۲](۴۷) والکفاءة فی النکاح معتبرة[۱۷۷۳](۴۸) فاذا تزوجت

[۱۷۷۰](۴۵) اگر غائب ہو جائے ولی اقرب غیبت منقطعہ تو جائز ہے اس کے لئے جو اس کے دور کے لئے ہو کہ اس کی شادی کرادے

تشریح قریب کا ولی ہے لیکن اس بچے سے اتنے دور رہتے ہیں کہ اس کا ہر وقت آنا مشکل ہے اور نکاح کرانا مشکل ہے تو اس سے دور کے ولی جو بچے کے قریب ہو اس کو حق ہے کہ بچے یا بچی کی شادی کرادے۔

وجہ دور کے ولی کا انتظار کرے گا تو ہوسکتا ہے کہ ملا ہوا جوڑا ہاتھ سے نکل جائے اور پھر ایسا جوڑا نہ ملے۔اس لئے دور کے ولی کو نکاح کرانے کا حق ہوگا (۲) یہ ولایت مصلحت کے لئے ہے۔اور قریب کے ولی کے دور ہونے کی وجہ سے مصلحت اسی میں ہے کہ دور کے ولی کو حق نکاح دے دیا جائے۔

[۱۷۷۱](۴۶) اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ ایسے شہر میں ہو کہ قافلہ وہاں تک نہیں پہنچتا ہو سال میں مگر ایک مرتبہ۔

تشریح یہ غیبت منقطعہ کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ایک تفسیر یہ ہے کہ قریب کے ولی اتنی دوری پر رہتا ہو کہ وہاں تک قافلہ سال بھر میں ایک مرتبہ جاتا ہو۔اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ مدت سفر پر ہو یعنی وہ تقریبا اڑتالیس میل دور رہتا ہو جو مدت سفر ہے۔اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ اتنی دور رہتا ہو کہ اس کے آتے آتے جوڑا فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس کو غیبت منقطعہ کہتے ہیں۔

﴿ کفو کا بیان ﴾

[۱۷۷۲](۴۷) کفو نکاح میں معتبر ہے۔

وجہ بیوی اور شوہر کی طبیعت ملنی ضروری ہے۔اور یہ کفو ہو تب ہی ہوسکتا ہے۔اس لئے کفو میں شادی کرنا چاہئے۔البتہ غیر کفو میں شادی کرے تو صحیح ہے (۲) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ تخیروا لنطفکم وانکحوا الاکفاء وانکحوا الیهم (الف) (ابن ماجہ شریف، باب الاکفاء ص ۲۸۱ نمبر ۱۹۶۸ / دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۰۷ نمبر ۳۷۴۶) عن علی بن طالب ان رسول الله ﷺ قال له یا علی ثلاث لا تؤخرها الصلوة اذا آنت والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدت لها کفوا (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تعجیل الجنازة ص ۲۰۵ نمبر ۱۰۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفو میں شادی کرنا چاہئے۔

[۱۷۷۳](۴۸) اگر عورت نے غیر کفو کے ساتھ شادی کی تو اولیاء کے لئے جائز ہے کہ دونوں کے درمیان تفریق کرادے۔

تشریح اگر عورت نے اولیاء کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں شادی کر لی تو اولیاء کو حق ہے کہ قاضی کی قضا سے اس کو توڑوادے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا اپنی نسل کے لئے اچھی عورتوں کا انتخاب کرو اور کفو سے نکاح کیا کرو۔اور ان سے نکاح کیا کرو (ب) آپ نے فرمایا اے علی! تین چیزوں کو مؤخر مت کیا کرو۔نماز جبکہ وقت آجائے، جنازہ جب حاضر ہو جائے اور بیوہ عورت کی شادی جبکہ اس کا کفول جائے۔

المرأة بغیر کفؤ فللاولیاء ان یفرقوا بینهما[۱۷۷۴](۴۹) والکفاءة تعتبر فی النسب و

وجہ غیر کفو میں شادی کی تو اس سے ولی کو شرمندگی ہوگی۔ اس لئے اس شرمندگی کو دور کرنے کے لئے وہ قاضی کے ذریعہ نکاح توڑوا سکتے ہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن بریدة عن ابیه قال جائت فتاة الی النبی ﷺ فقالت ان ابی زوجنی ابن اخیه لیرفع بی خسیسته قال فجعل الا مر الیها فقالت قد اجزت ما صنع ابی ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس الی الآباء من الامر شیء (الف) (ابن ماجہ شریف، باب من زوج ابنتہ وھی کارھۃ ص ۲۶۸ نمبر ۱۸۷۴) اس حدیث میں لڑکی نے حضورؐ کے ذریعہ جو وقت کے قاضی بھی تھے نکاح توڑوایا اور نکاح توڑنے کا اختیار لیا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں اس نکاح کو عورت نے جائز قرار دے دیا۔ اس لئے یہاں بھی غیر کفو میں شادی کی ہو تو اولیاء کو قاضی کے ذریعہ توڑوانے کا حق ہوگا۔

[۱۷۷۴] (۴۹) اور کفو کا اعتبار کیا جائے گا نسب میں اور دین میں اور مال میں۔ اور مال کا مطلب یہ ہے کہ شوہر مالک ہو مہر کا اور نفقے کا

تشریح کفو کا اعتبار نسب میں کیا جائے گا کہ دونوں کے نسب قریب قریب ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک کا نسب قریش کا ہو اور دوسرے کا نسب بہت نیچے درجے کا ہو۔ اسی طرح دونوں قریب قریب کے دیندار ہوں۔ اور دونوں قریب قریب کے مالدار ہوں۔ اور مالدار کا مطلب یہ ہے کہ شوہر مہر دینے کا اور روزانہ کا نان ونفقہ دینے کی طاقت رکھتا ہو۔

وجہ (۱) حسب نسب کے اعلی اور ادنی ہونے سے فخر کرتے ہیں۔ اس لئے دونوں کے نسب قریب قریب ہوں (۲) عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ العرب بعضهم اکفاء لبعض قبیلة بقبیلة ورجل برجل والموالی بعضهم اکفاء لبعض قبیله بقبیلة ورجل برجل الا حائک او حجام (ب) (سنن للبیہقی، باب اعتبار الصنعۃ فی الکفاءۃ ج سابع ص ۲۱۷، نمبر ۱۳۷۶۹) اس حدیث میں ہے کہ عرب بعض بعض کا کفو ہے۔ البتہ حجام اور جولاہے نہیں ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حسب اور نسب کا اعتبار ہے (۳) عن سلمان الفارسی قال نهانا رسول الله ﷺ ان نتقدم امامکم او ننکح نسائکم (ج) (سنن للبیہقی، باب اعتبار النسب فی الکفاءۃ ج، سابع ص ۲۱۷، نمبر ۱۳۷۶۷) اس حدیث میں عربی نسب نہ ہونے کی وجہ سے حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے (۴) اور دین کے بارے میں یہ آیت ہے۔ ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن (آیت ۲۲۱ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں دین نہ ہونے کی وجہ سے مشرکہ عورت سے شادی کرنے سے منع فرمایا (۵) اور یہ اثر ہے حدثنا سفیان قال الکفو فی الحسب والدین (د) دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۰۷ نمبر ۳۷۴۷) اور مال میں کفو ہونا چاہئے اس کے لئے یہ حدیث

حاشیہ : (الف) ایک جوان لڑکی حضورؐ کے پاس آئی اور کہا میرے باپ نے اپنے بھتیجے کے ساتھ میری شادی کرادی ہے تاکہ میری وجہ سے ان کی ذلت دور ہو جائے۔ راوی فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا۔ پس لڑکی نے کہا کہ جو کچھ باپ نے کیا میں اس کی اجازت دیتی ہوں۔ لیکن چاہتی ہوں کہ عورتیں جان لیں کہ والدین کو معاملے میں کوئی حق نہیں ہے (ب) آپؐ نے فرمایا عرب بعض کفو ہیں بعض کے، قبیلے قبیلے کے اور آدمی آدمی کے۔ اور آزاد کردہ غلام بعض کفو ہیں بعض کے۔ قبیلے قبیلے کے اور آدمی آدمی کے مگر جولاہے اور حجام کہ وہ عام عرب شرفاء کے کفو نہیں ہے (ج) حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا ہمیں حضورؐ نے روکا ہے کہ ہم آپ کی امامت کریں یا آپ کی عورتوں سے نکاح کریں (د) حضرت سفیان نے فرمایا کفو کا اعتبار حسب اور دین میں ہے۔

الدين والمال وهو ان يكون مالكا للمهر والنفقة[۱۷۷۵] (۵۰) وتعتبر فی الصنائع [۱۷۷۶](۵۱) واذا تزوجت المرأة ونقصت من مهر مثلها فللاولياء الاعتراض عليها

ہے۔عن فاطمة بنت قيس ... ان معاوية بن ابی سفيان وابا جهم خطبانی فقال رسول الله اما ابو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه واما معاوية فصعلوک لا مال له انکحی اسامة بن زيد فکرهته (الف)(مسلم شریف، باب المطلقة البائن لانفقة لھا ص۴۸۳ نمبر۱۴۸۰)اس حدیث میں واما معاوية فصعلوک لا مال له سے پتہ چلا کہ کفو میں مال کی بھی ضرورت ہے۔دوسری حدیث میں ہے عن سمرة قال قال رسول الله الحسب المال والكرم والتقوى (ب)(سنن للبیہقی، باب اعتبار الیسار فی الکفاءۃ ج، سابع ص ۲۱۹، نمبر ۱۳۷۷۶ردار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث، ص ۲۰۹، نمبر ۳۷۵۶)اس حدیث میں بھی مال کی اہمیت ہے۔اس لئے کفو میں مال کا بھی اعتبار ہے۔اورمہراور نفقے کی مقدار مال کی ضرورت اس لئے ہے کہ اسی سے از دواجی زندگی بحال رہے گی۔

[۱۷۷۵](۵۰)اور کفو کا اعتبار کیا جائے گا پیشے میں۔

تشریح پیشے کے اعتبار سے بھی میاں بیوی قریب قریب ہوں۔ایسا نہ ہو کہ ایک عطاری کا پیشہ کرتا ہو اور دوسرا حجامی کا پیشہ کرتا ہو۔

وجہ کیونکہ پیشہ کا اعتبار کیا جائے گا (۲)عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ العرب بعضهم اكفاء لبعض قبيلة بقبيلة ورجل برجل والموالی بعضهم اكفاء لبعض قبيله بقبيلة ورجل برجل الا حائک او حجام (ج)(سنن للبیہقی، باب اعتبار الصنعۃ فی الکفائۃ ج سابع، ص ۲۱۷، نمبر ۱۳۷۶۹)اس حدیث میں ہے کہ مگر جولا ہے اور حجام سے عرب لوگ شادی نہ کریں۔کیونکہ ان کا پیشہ اور ہے اور عرب کا پیشہ اور ہے۔اس لئے کفو میں پیشے کا بھی اعتبار ہے۔

لغت صنائع : صنعۃ کی جمع ہے اس کا ترجمہ ہے پیشہ۔

[۱۷۷۶](۵۱)اگر عورت نے شادی کی اور مہر مثل سے کم رکھی تو ولی کو اس پر اعتراض کا حق ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔یہاں تک کہ اس کے لئے مہر مثل پوری کر دے یا اس کو جدا کر دے۔

وجہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مہر کے زیادہ ہونے سے ولیوں کو عزت ملتی ہے اور فخر ہوتا ہے۔اور کم ہونے سے شرمندگی ہوتی ہے۔اس لئے مہر کم رکھا تو ولیوں کو حق ہوگا کہ قاضی کے سامنے اعتراض پیش کریں اور یا تو اس عورت کا مہر مثل پورا کرے یا پھر تفریق کرے۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ دس درہم تک تو شریعت کا حق ہے۔اس سے زیادہ خود عورت کا حق ہے۔اب اگر وہ اس حق کو ساقط کرنا چاہتی ہے تو وہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔اس لئے ولیوں کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف) معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہم نے مجھ کو پیغام نکاح دیا۔پس حضورؐ نے فرمایا بہر حال ابو جہم تو وہ کندھے سے لکڑی نہیں رکھتے ہیں۔بہر حال معاویہ تو غریب ہیں۔ان کے پاس مال نہیں ہے۔اسامہ بن زید سے نکاح کرو تو میں نے ناپسند کیا (ب) آپؐ نے فرمایا حسب مال ہے اور کرم تقوی ہے (ج) آپؐ نے فرمایا عرب بعض کفو ہے بعض کا قبیلہ قبیلے کے ساتھ، مرد مرد کے ساتھ۔اور آزاد کردہ غلام کفو ہے بعض بعض کا، قبیلہ قبیلے کے ساتھ اور آدمی آدمی کے ساتھ مگر جولا ہے اور حجام۔

عند ابی حنیفة رحمه الله حتی یتم لها مهر مثلها او یفرقها[۱۷۷۷](۵۲) واذا زوج الاب ابنته الصغیرة ونقص من مهر مثلها او ابنه الصغیر وزاد فی مهر امرأته جاز ذلک علیهما ولا یجوز ذلک لغیر الاب والجد[۱۷۷۸](۵۳) ویصح النکاح اذا سمی فیه مهرا

[۱۷۷۷](۵۲) اگر باپ نے اپنی چھوٹی بیٹی کی شادی کرائی اور مہر مثل سے کم رکھا۔ یا چھوٹے بیٹے کی شادی کرائی اور اس کی بیوی کی مہر میں زیادہ کیا تو یہ دونوں پر جائز ہے۔ اور نہیں جائز ہے باپ اور دادا کے علاوہ کے لئے۔

تشریح باپ اور دادا میں شفقت کاملہ ہے اور عقل بھی ہے۔ اس لئے وہ اگر بیٹے یا بیٹی کے ساتھ مہر کے معاملے میں کچھ زیادتی کرے تو یہ قابل برداشت ہے۔ مثلا چھوٹی بیٹی کی شادی کی اور مہر مثل سے کم مہر رکھا یا چھوٹے بیٹے کی شادی کی اور اس کی بیوی کا جو مہر مثل بنتا ہے اس سے زیادہ رکھا تو ان کے لئے یہ جائز ہے اور نکاح ہو جائے گا۔

وجہ مہر کے بارے میں اگرچہ زیادتی کی ہے لیکن اس کے علاوہ اور مصالح ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے یہ زیادتی برداشت کی ہوگی اس لئے مہر کی کمی بیشی قابل قبول ہوگی (۲) عن عائشة ان النبی ﷺ تزوجها وهی بنت ست سنین وادخلت علیه وهی بنت تسع ومکثت عنده تسعا (الف) (بخاری شریف، باب انکاح الرجل ولده الصغار ص ۷۷۱ نمبر ۵۱۳۳) اس حدیث میں چھوٹی لڑکی کی شادی ترپن سال کے آدمی سے کرائی تاہم اس لئے جائز ہو گیا کہ حضور ﷺ کے ساتھ شادی تھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ بڑی مصلحت کی خاطر چھوٹی مصلحت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ غبن فاحش تک مہر میں کمی کرنا یا زیادتی کرنا قابل قبول ہے۔ اس سے زیادہ مصلحت کے خلاف ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔

نوٹ باپ اور دادا کے علاوہ میں یا تو شفقت کاملہ نہیں ہے جیسے چچا وغیرہ یا عقل کامل نہیں ہے جیسے ماں۔ اس لئے ان لوگوں نے کمی زیادتی کے ساتھ شادی کرائی تو قابل قبول نہیں ہوگا۔

[۱۷۷۸](۵۳) نکاح صحیح ہے جبکہ متعین کرے اس میں مہر اور صحیح ہے نکاح اگرچہ متعین نہیں کیا ہو اس میں مہر۔

تشریح نکاح کرتے وقت مہر کا نام لے یا نہ لے دونوں صورتوں میں نکاح درست ہے۔

وجہ مہر تو نص قطعی اور آیت کی وجہ سے فرض ہے۔ اس لئے اس کا نام نہ بھی لے تب بھی نکاح درست ہو جائے گا۔ اور مہر مثل لازم ہو جائے گا (۲) آیت میں فرض ہونے کی دلیل موجود ہے۔ واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین (الف) (آیت ۲۴ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں تبتغوا باموالکم سے مہر فرض ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے مہر متعین کئے بغیر

حاشیہ : (الف) آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے شادی کی جبکہ وہ چھ سال کی تھی۔ اور رخصتی ہوئی جبکہ وہ سات سال کی تھی۔ اور آپ کے پاس نو سال رہیں (ب) حلال کی گئی ہے ان کے علاوہ یہ کہ تلاش کرو مال کے بدلے پاکدامنی اختیار کرنے کے لئے، پانی بہانے کے لئے نہیں۔

ویصح النکاح ان لم یسم فیه مهرا[۱۷۷۹](۵۴) واقل المهر عشرة دراهم فان سمی

بھی شادی ہو جائے گی۔ اور آیت کی وجہ سے خود بخود مہر لازم ہو جائے گا۔

[۱۷۷۹](۵۴)اور کم سے کم مہر دس درہم ہے۔ پس اگر متعین کیا دس درہم سے کم تو اس کے لئے دس درہم ہیں۔

تشریح نکاح میں کم سے کم مہر دس درہم ہے۔ اور اگر اس سے کم مہر رکھا پھر بھی عورت کو دس درہم ملیں گے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ مہر دس درہم سے کم نہ ہو۔ **عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ قال لا صداق دون عشرة دراهم** (الف) (دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۱۷۳ نمبر ۳۵۶۰ رسنن للبیہقی، باب مایجوز ان یکون مہرا، ج سابع، ص ۳۹۲، نمبر ۱۴۳۸۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہر دس درہم سے کم نہ ہو (۲) اوپر آیت میں تھا کہ **تبتغوا باموالكم** جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی اہم مال ہو۔ اور دس درہم سے کم اہم مال نہیں ہے۔ اس لئے بضعہ کی قیمت اہم مال ہونا چاہئے اور وہ دس درہم ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک جتنے مال پر میاں بیوی متفق ہو جائیں وہ مال لازم ہوگا چاہے لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔

وجہ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ لوہے کی انگوٹھی ہی تلاش کر کے لاؤ۔ **سمعت سهل بن سعد الساعدی يقول انى لفى القوم عند رسول الله ﷺ اذ قامت امرأة ... قال ﷺ اذهب فاطلب ولو خاتما من حديد** (ب) (بخاری شریف، باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق ص ۷۷۴ نمبر ۵۱۴۹ رمسلم شریف، باب الصداق وجواز کونہ تعلیم قرآن ص ۴۵۷ نمبر ۱۴۲۵)اس حدیث میں لوہے کی انگوٹھی تلاش کرنے کے لئے کہا جو بہت کم قیمت ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کم قیمت کی چیز بھی مہر بن سکتی ہے۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چوتھائی دینار سے کم نہ ہو۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سمعت عبد الله بن عامر بن ربيعة عن ابيه ان امرأة من بنی فزارة تزوجت على نعلين فقال رسول الله ارضيت من نفسك ومالك بنعلين قالت نعم قال فاجازه** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی مہور النساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۱۱۳)اس حدیث میں دو جوتے پر شادی کی ہے جو تقریبا چوتھائی دینار کا ہوتا ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن عائشة قالت قال النبی ﷺ تقطع اليد فی ربع دينار فصاعدا** (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما وفی کم یقطع ص ۱۰۰۳ نمبر ۶۷۸۹)اس حدیث میں چوتھائی دینار کے بدلے چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایک عضو کی کم سے کم قیمت چوتھائی دینار ہے۔ اور مہر بھی ایک عضو کی قیمت ہے اس لئے وہ بھی چوتھائی دینار سے کم نہیں ہونا چاہئے۔

گنجائش ہو تو مہر فاطمی مستحب ہے۔ کیونکہ آپ کی ازواج مطہرات کا مہر بھی مہر فاطمی یعنی پانچ سو درہم تھا۔ حدیث میں ہے۔ **سألت عائشة زوج النبی ﷺ كم كان صداق رسول الله ؟ قالت كان صداقه لازواجه ثنتى وشرة اوقية و نشا، قالت اتدرى ما النش؟ قال قلت لا، قالت نصف اوقية فتلك خمس مائة درهم، فهذا صداق رسول الله لازواجه** (مسلم شریف، باب

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے فرمایا کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہے (ب) سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں تھا کہ ایک عورت کھڑی ہوئی... آپؐ نے فرمایا جاؤ! پس ایک انگوٹھی ہی تلاش کر کے لاؤ چاہے لوہے کی ہی کیوں نہ ہو۔

اقل من عشرة فلها عشرة[۱۷۸۰](۵۵) ومن سمی مهرا عشرة فما زاد فعلیه المسمی ان دخل بها او مات عنها[۱۷۸۱](۵۶) فان طلقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف

الصداق وجواز کونہ تعلیم قرآن الخ ص ۴۵۷، نمبر ۱۴۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ ایک درہم 0.262 تولہ کا ہوتا ہے یا 3.061 گرام کا ہوتا ہے۔ اس لئے ان کو پانچ سو سے ضرب دیں تو 131.25 یا 1530.5 گرام چاندی ہوگی۔ حساب اس طرح ہے۔

0.262x500 برابر 131.25 تولہ چاندی مہر فاطمی ہوگا۔

500 x 3.061 برابر 1530.50 گرام چاندی مہر فاطمی ہوگا۔

نوٹ روپے یا پاؤنڈ کا حساب خود لگالیں۔

[۱۷۸۰](۵۵) کسی نے متعین کیا مہر دس درہم یا اس سے زیادہ تو اس پر متعین کردہ مہر ہے اگر اس سے صحبت کی یا شوہر مر گیا۔

تشریح دس درہم یا اس سے زیادہ مہر متعین ہے تو اب مہر متعین ہی دینا ہوگا۔ مہر مثل لازم نہیں ہوگا۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ صحبت کی ہو یا پھر صحبت سے پہلے دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا ہو۔

وجہ صحبت کی تو گویا کہ اپنا مال وصول کیا اس لئے اس کی قیمت یعنی مہر دینا ہوگا۔ اسی طرح صحبت سے پہلے انتقال ہو گیا تو ایک معاملہ طے ہو گیا اس لئے اب پورا مہر ادا کرنا ہوگا آدھا مہر نہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عبد الله ابن مسعود فی رجل تزوج امرأة فمات عنها ولم یدخل بها ولم یفرض لها الصداق؟ فقال لها الصداق کاملا وعلیها العدة ولها المیراث قال معقل بن سنان سمعت رسولَ الله قضی به فی بروع بنت واشق (الف)** (ابوداؤد شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات ص ۲۹۵ نمبر ۲۱۱۴ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل ان یفرض لها ص ۲۱۷، نمبر ۱۱۴۵ رسنن للبیہقی، باب احد الزوجین یموت ولم یفرض لها صداقا ولم یدخل بها ج سابع، ص ۳۹۹، نمبر ۱۴۱۱۱) اس حدیث میں صحبت سے پہلے انتقال ہوا تو پورا مہر دلوایا۔ اس لئے صحبت سے پہلے انتقال ہو جائے تو پورا مہر دلوایا جائے گا۔

[۱۷۸۱](۵۶) اور اگر بیوی کی صحبت سے پہلے یا خلوت سے پہلے طلاق دی تو اس کے لئے متعین کردہ مہر سے آدھا ہوگا۔

تشریح نکاح کیا لیکن ابھی اس کے ساتھ صحبت نہیں کی یا خلوت نہیں کی۔ کیونکہ خلوت بھی ہمارے یہاں صحبت کے درجے میں ہے۔ اور طلاق دے دی تو عورت کے لئے آدھا مہر ہوگا۔

وجہ شادی ہو چکی ہے اور اس کو طلاق دے کر متوحش کیا اس لئے عورت کو کچھ نہ کچھ ملنا چاہئے۔ لیکن عورت کا مال سالم واپس گیا ہے اس لئے

حاشیہ: (الف) حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی۔ پس وہ مر گیا اور عورت سے صحبت نہیں کی اور نہ اس کے لئے مہر متعین کیا تو حضرت نے فرمایا عورت کے لئے پورا مہر ہوگا۔ اور اس پر عدت ہوگی۔ اور عورت کے لئے میراث ہوگی۔ حضرت معقل بن سنان نے فرمایا، میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ انہوں بروع بنت واشق کے بارے میں ایسا ہی فیصلہ فرمایا۔

المسمی [۱۷۸۲](۵۷) وان تزوجها ولم یسم لها مهرا او تزوجها علی ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها[۱۷۸۳](۵۸) وان طلقها قبل الدخول بها

پورا مہر نہیں ملے گا بلکہ آدھا مہر ملے گا (۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فریضة فنصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفو الذی بیده عقدة النكاح (الف) (آیت ۲۳۷ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ صحبت سے پہلے طلاق دے تو عورت کو آدھا مہر ملے گا۔

[۱۷۸۲](۵۷) اور اگر شادی کی اور عورت کے لئے مہر متعین نہیں کیا، یا شادی کی اس شرط پر کہ عورت کے لئے مہر نہیں ہوگا تو اس کے لئے مہر مثل ہے اگر اس سے صحبت کی یا انتقال کر گیا۔

تشریح عورت سے شادی کی اور شادی کے وقت مہر متعین نہیں کیا، یا یوں کہا کہ تمہارے لئے مہر نہیں ہے تو ان دونوں صورتوں میں اگر صحبت کی تب بھی مہر مثل ملے گا یا مرد کا انتقال ہو جائے تب بھی عورت کو مہر مثل ملے گا۔

وجہ اگر مہر متعین نہ کیا ہو اور صحبت کرے تو مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ عن ابن مسعود انه سئل عن رجل تزوج امرأة ولم یفرض لها صداقا ولم یدخل بها حتی مات فقال ابن مسعود لها مثل صداق نسائها لا وكس ولا شطط وعلیها العدة ولها المیراث فقام معقل ابن سنان الاشجعی فقال قضی رسول الله فی بروع بنت واشق امرأة منا مثل ما قضیت ففرح بها ابن مسعود (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل ان یفرض لها ص ۲۱۲ نمبر ۱۱۴۵ / ابوداؤد شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات ص ۲۹۵ نمبر ۲۱۱۴) اس حدیث میں ہے کہ مہر متعین نہ کیا ہو اور شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ مہر متعین نہیں ہے اور انتقال ہو گیا تو عورت کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن علی قال فی المتوفی عنها ولم یفرض لها صداقا لها المیراث ولا صداق لها (ج) (سنن للبیہقی، باب من قال لا صداق لها ج سابع ص ۴۰۳، نمبر ۱۴۴۲۲) اس اثر میں ہے کہ ایسی عورت کو مہر نہیں ملے گا۔

[۱۷۸۳](۵۸) اور اگر اس کو طلاق دی اس سے صحبت سے پہلے، یا خلوت سے پہلے تو اس کے لئے متعہ ہوگا۔ اور متعہ تین کپڑے ہیں اس کی

حاشیہ : (الف) اگر تم نے بیویوں کو طلاق دی اس کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور اس کے لئے مہر متعین کیا ہے تو جتنا متعین کیا ہے اس کا آدھا مہر ملے گا۔ مگر یہ کہ عورت معاف کر دے یا جس کے ہاتھ میں نکاح کا ڈور ہے وہ زیادہ دیدے یعنی شوہر (ب) حضرت عبداللہ ابن مسعود سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس نے ایک عورت سے شادی کی اور اس کے لئے مہر متعین نہیں کیا اور نہ اس سے صحبت کی یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا تو عبداللہ بن مسعود نے فرمایا اس کے لئے اس کے خاندان کی عورتوں کے مثل مہر ہوگا نہ کم نہ زیادہ۔ اور اس پر عدت ہوگی اور اس کے لئے میراث ہوگی۔ پس معقل بن سنان اشجعی کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ حضورؐ نے بروع بنت واشق کے بارے میں آپ کے فیصلے کی طرح فیصلہ فرمایا تو حضرت عبداللہ بن مسعود بہت خوش ہوئے (ج) حضرت علیؓ نے فرمایا جو انتقال ہو گیا ہو اور اس کے لئے مہر متعین نہ ہو تو اس کے لئے میراث ہے اور مہر نہیں ہے۔

والخلوة فلها المتعة وهی ثلثة اثواب من کسوة مثلها وهی درع وخمار وملحفة [۱۷۸۴](۵۹) وان تزوجها المسلم علی خمر او خنزیر فالنکاح جائز ولها

پوشاک کے مانند۔اور وہ کرتی اور اوڑھنی اور چادر ہے۔

تشریح اگر عورت کے لئے مہر متعین نہ کیا ہو اور اس کو صحبت یا خلوت سے پہلے طلاق دے دی ہو تو ایسی عورت کو متعہ ملے گا۔اور متعہ میں تین کپڑے ہوتے ہیں۔عورت کا کرتا اور اوڑھنی اور چادر۔اس میں جس معیار کی عورت ہوگی اسی معیار کا کپڑا دیا جائے گا۔

وجہ آیت میں ہے کہ ایسی عورت کو متعہ دیا جائے گا۔لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا على المحسنين (آیت ۲۳۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت کی تفسیر عبد اللہ بن عباس سے یوں ہے۔عن ابن عباس فی هذه الآية قال هو الرجل يتزوج المرأة ولم يسم لها صداقا ثم طلقها من قبل ان ينكحها فامر الله تعالى ان يمتعها على قدر يسره وعسره فان كان موسرا متعها بخادم او نحو ذلك وان كان معسرا فبثلاثة اثواب او نحو ذلك (الف)(سنن للبیہقی، باب التفویض، کتاب الصداق ج سابع ص ۳۹۸، نمبر ۱۴۴۰۵) اس سے معلوم ہوا کہ جس عورت کے لئے مہر متعین نہ ہو اور صحبت سے پہلے طلاق ہو جائے اس کو متعہ دینا واجب ہے۔اور اس اثر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متعہ تین کپڑے ہیں۔حضورؐ نے صحبت سے پہلے عمرہ بنت جون کو طلاق دی تو تین کپڑے متعہ دیا۔عن عائشة ان عمرة بنت الجون تعوذت من رسول الله ﷺ حين ادخلت عليه فقال لقد عذت بمعاذ فطلقها وامر اسامة او انسا فمتعها بثلاثة اثواب رازقية (ب)(ابن ماجہ شریف، باب متعۃ الطلاق ص ۲۹۲ نمبر ۲۰۳۷)

[۱۷۸۴](۵۹) اگر عورت سے مسلمان نے شراب یا سور پر شادی کی تو نکاح جائز ہے اور عورت کے لئے مہر مثل ہے۔

تشریح شراب اور سور مسلمان کے لئے مال نہیں ہیں اس لئے اس پر شادی کرنا گویا کہ مہر نہیں متعین کرنا ہے۔اور جب مہر متعین نہیں کیا تو مسئلہ نمبر ۵۷ کی رو سے اس پر مہر مثل لازم ہوگا۔اور حدیث گزر چکی ہے عن ابن مسعود انه سئل عن رجل تزوج امرأة ولم يفرض لها صداقا ولم يدخل بها حتى مات فقال ابن مسعود لها مثل صداق نسائها لا وكس ولا شطط الخ (ج)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأۃ فیموت عنها قبل ان یفرض لها ص ۲۱۷ نمبر ۱۱۴۵ ابو داؤد شریف، نمبر ۲۱۱۴)

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ ایسی عورت کا ہے کہ مرد نے عورت سے شادی کی اور اس کے لئے مہر متعین نہیں کیا۔پھر صحبت سے پہلے اس کو طلاق دے دی تو اللہ نے حکم دیا اس کو متعہ دے خوشحال اور تنگدستی کی مقدار۔پس اگر مالدار ہے تو ایک غلام دے یا اس طرح کی چیز۔اور تنگدست ہے تو تین کپڑے دے یا اس طرح کی چیز (ب) رخصتی کے وقت عمرہ بنت جون نے حضورؐ سے پناہ مانگی تو آپؐ نے فرمایا تم نے اللہ سے پناہ مانگی اس لئے اس کو طلاق دیدی، اور حضرت اسامہؓ یا حضرت انسؓ کو حکم دیا اس کو رازقیہ تین کپڑے متعہ دیدیں۔(ج) حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس نے عورت سے شادی کی اور اس کے لئے مہر متعین نہیں کیا اور نہ اس سے صحبت کی یہاں تک کہ انتقال ہو گیا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا اس عورت کو اس کے خاندان کی عورتوں کی مثل مہر ملے گا نہ کم نہ زیادہ۔

مھر مثلھا[۱۷۸۵](۶۰) وان تزوجھا ولم یسم لھا مھرا ثم تراضیا علی تسمیة مھر فھو لھا ان دخل بھا او مات عنھا[۱۷۸۶](۶۱) وان طلقھا قبل الدخول بھا والخلوة فلھا المتعة[۱۷۸۷](۶۲) وان زاد فی المھر بعد العقد لزمته الزیادة ان دخل بھا او مات

[۱۷۸۵](۶۰) اگر عورت سے شادی کی اور اس کے لئے مہر متعین نہیں کیا پھر دونوں راضی ہو گئے مہر کی مقدار پر تو وہ اس کے لئے ہوگا اگر اس سے صحبت کی یا انتقال کر گیا۔

تشریح عورت سے شادی کی اور اس کے لئے مہر متعین نہیں کیا بعد میں دونوں کسی مقدار پر راضی ہو گئے تو صحبت کرنے کے بعد یا شوہر کے انتقال کے بعد وہی مہر لازم ہوگا جس پر دونوں راضی ہو گئے ہیں۔

وجہ مہر مثل اس وقت واجب ہوتا ہے جب کچھ بھی طے نہ ہو اور یہاں بعد میں ایک مقدار طے کر لی اور عورت اس پر راضی ہو گئی اس لئے مہر مثل لازم نہیں ہوگا بلکہ جو طے ہوا ہے وہی لازم ہوگا۔

[۱۷۸۶](۶۱) اگر اس کو طلاق دی صحبت سے پہلے اور خلوت سے پہلے تو اس کے لئے متعہ ہے۔

تشریح عورت کے لئے مہر متعین نہیں تھا۔ بعد میں کسی مقدار پر راضی ہو گئے ایسی صورت میں صحبت سے پہلے یا خلوت سے پہلے طلاق دے دی تو اس مقدار کا آدھا نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے متعہ ہوگا۔

وجہ چونکہ نکاح کے وقت مہر متعین نہیں کیا بعد میں مقدار متعین کی ہے اس لئے اس متعینہ مقدار کا آدھا نہیں ہوگا۔ اور یوں سمجھا جائے گا کہ مہر متعین نہیں ہے اس لئے بغیر خلوت کے طلاق دی ہے تو اس کے لئے صرف متعہ ہوگا (۲) آیت گزر چکی ہے لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضة ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ (الف) (آیت ۲۳۶ سورة البقرة ۲)

[۱۷۸۷](۶۲) اور اگر زیادہ کیا مہر میں عقد کے بعد تو اس کو زیادتی لازم ہوگی اگر اس سے صحبت کی یا مر گیا۔

تشریح عقد کے وقت مثلا پانچ سو درہم مہر متعین کیا۔ بعد میں ایک سو اور زیادہ کر دیا۔ پس اگر صحبت کی یا صحبت سے پہلے شوہر یا بیوی کا انتقال ہو گیا تو یہ ایک سو مہر بھی لازم ہوگا۔

وجہ قاعدہ یہ ہے کہ بعد میں جو کچھ زیادتی کرے وہ اصل مہر کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ اس لئے صحبت کی ہو یا انتقال کیا ہو تو زیادتی بھی لازم ہوگی (۲) مہر بیع کی طرح ہے۔ اور بیع میں مشتری ثمن میں زیادتی کر سکتا ہے۔ اس لئے مہر میں بھی زیادتی کر سکتا ہے۔ ثمن میں زیادتی کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی رافع قال استسلف رسول اللہ ﷺ بکرا فجائته ابل من الصدقة فامرنی ان اقضی الرجل

حاشیہ : (الف) کوئی حرج نہیں ہے کہ تم عورتوں کو طلاق دو جب تک کہ اس کو ہاتھ نہ لگاؤ اور نہ اس کے لئے مہر متعین کرو۔ اور اس کو فائدہ اٹھانے دو صاحب وسعت کو اس کی مقدار اور تنگدست پر اس کی مقدار۔

عنـه[۱۷۸۸](۶۳) وتسقط الزيادة بالطلاق قبل الدخول[۱۷۸۹](۶۴) فان حطت من مهرها صح الحط[۱۷۹۰](۶۵) واذا خلا الزوج بامرأته وليس هناک مانع من الوطئ

بكره فقلت لم اجد فی الابل الا جملا خيارا رباعيافقال النبی ﷺ اعطه اياه فان خيار الناس احسنهم قضاء (الف) (ابوداؤدشریف، باب فی حسن القضاء ص۱۱۹نمبر۳۳۴۶)اس حدیث میں حضورؐ نے زیادہ دیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مہر بھی زیادہ دے سکتا ہے۔

[۱۷۸۸](۶۳)زیادتی ساقط ہو جائے گی صحبت سے پہلے طلاق دینے سے۔

تشریح مثال مذکور میں پانچ سو درہم پہلے مہر متعین کیا تھا۔ بعد میں ایک سو درہم زیادہ کر دیا۔اب صحبت سے پہلے طلاق دی تو آدھا مہر لازم ہوگا۔لیکن یہاں صرف پانس سو درہم کا آدھا ہوگا۔بعد میں جو ایک سو درہم زیادہ کیا تھا اس کا آدھا لازم نہیں ہوگا۔

وجہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو نکاح کے وقت متعین کیا ہے اسی کا آدھا ہوگا،بعد کی زیادتی کا آدھا نہیں ہوگا۔وان طلقتموهن من قبل ان تمسو هن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم (ب)(آیت ۲۳۷سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں ہے کہ جو تم نے نکاح کے وقت متعین کیا ہے صحبت سے پہلے طلاق دی ہو تو اس کا آدھا ہوگا۔جس کا مطلب یہ ہوگا کہ بعد میں جو زیادہ دیا ہے اس کا آدھا نہیں ہوگا۔

[۱۷۸۹](۶۴)پس اگر عورت کم کر دے اس کے مہر سے تو کم کرنا صحیح ہے۔

وجہ مہر کم کرنا عورت کا حق ہے اس لئے اگر وہ متعین مہر میں سے کچھ کم کرنا چاہے تو کم کر سکتی ہے(۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے بلکہ ترغیب دی گئی ہے۔وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم الا ان يعفون او يعفو الذی بيده عقدة النكاح وان تعفوا اقرب للتقوى (ج)(آیت ۲۳۷سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں فرمایا الا یعفون جس سے عورت کو ترغیب ہے کہ وہ مہر میں سے کم کر دے۔اور مرد کو بھی ترغیب ہے کہ وہ معاف کرے یعنی مہر زیادہ دیدے۔

لغت حط : کم کرنا۔

[۱۷۹۰](۶۵)اگر خلوت کرے شوہر اپنی بیوی کے ساتھ اور وہاں وطی سے کوئی مانع نہ ہو پھر اس کو طلاق دے تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا۔

تشریح شوہر اپنی بیوی سے خلوت کرے لیکن وطی نہ کرے اور وہاں وطی کرنے سے کوئی مانع نہ ہو تو پورا مہر لازم ہو جائے گا۔

وجہ عورت نے مال سپرد کر دیا اور گویا کہ شوہر نے قبضہ کر لیا اس لئے پورا مہر لازم ہوگا۔اب شوہر اس کو استعمال نہ کرے تو یہ اس کی کوتاہی ہے

حاشیہ : (الف)حضورؐ نے جوان اونٹ قرض لیا۔پس آپؐ کے پاس صدقے کا اونٹ آیا تو مجھ کو حکم دیا کہ میں جوان اونٹ ادا کروں۔میں نے کہا نہیں پاتا ہوں مگر اعلی اونٹ چار دانت والا،آپؐ نے فرمایا وہی اس کو دے دو۔اس لئے کہ اچھے لوگ وہ ہیں جو اچھے انداز میں قرض ادا کرے(ب)اگر عورت کو طلاق دے دو اس کو چھونے سے پہلے اور اس کے لئے مہر متعین کیا ہے تو جتنا متعین کیا ہے اس کا آدھا ہوگا(ج)اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو اس کو چھونے سے پہلے اور تم نے اس کے لئے مہر متعین کیا ہے تو جتنا متعین کیا ہے اس کا آدھا ہوگا۔مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔یا وہ شخص کچھ زیادہ کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا عقد ہے(یعنی شوہر)اور اگر وہ(عورت)معاف کر دے تو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے۔

ثم طلقها فلها كمال مهرها[١٧٩١](٦٦) وان كان احدهما مريضا او صائما فی رمضان او محرما بحج او عمرة او كانت حائضا فليست بخلوة صحيحة ولو طلقها فيجب نصف المهر[١٧٩٢](٦٧) واذا خلا المجبوب بامرأته ثم طلقها فلها كمال المهر عند

---

(۲)حدیث مرسل میں ہے۔عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ من كشف خمار امرأة ونظر اليها فقد وجب الصداق دخل بها او لم يدخل بها(الف)(دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۳ نمبر ۳۷۸۰ رسنن للبیہقی، باب من قال من اغلق بابا اوارخی سترا فقد وجب الصداق ج، سابع ص ۴۱۸، نمبر ۱۴۴۸۷)(۳)اثر میں بھی ہے قال عمر بن الخطاب اذا اغلق بابا وارخی سترا فقد وجب لها الصداق وعليها العدة ولها الميراث (ب)(دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۲ نمبر ۳۷۷۹ رسنن للبیہقی، باب من قال من اغلاق بابا اوارخی سترا فقد وجب الصداق ج سابع ص ۴۱۶، نمبر ۱۴۴۸۱)اس اثر اور حدیث سے معلوم ہوا کہ خلوت صحیحہ ہو جائے تو مہر کامل لازم ہو جائے گا چاہے صحبت نہ کی ہو۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ عورت کے لئے آدھا مہر ہوگا۔

وجہ ان کی دلیل ابن عباس کا اثر ہے۔ عن ابن عباس قال لا يجب الصداق حتى يجامعها، لها نصفه(ج) (مصنف عبدالرزاق ،باب وجوب الصداق ج سادس ص ۲۹۰ نمبر ۱۰۸۸۲)

[۱۷۹۱](٦٦)اور اگر ان دونوں میں سے ایک بیمار ہو یا رمضان میں روزہ ہو یا حج یا عمرہ کا محرم ہو یا حائضہ ہو تو یہ خلوت صحیحہ نہیں اگر طلاق دیدی تو آدھا مہر واجب ہوگا۔

وجہ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے آدمی صحبت نہیں کر سکتا اس لئے پوری خلوت نہیں ہوئی۔اور عورت کی جانب سے مال سپرد کرنا نہیں پایا گیا اس لئے پورا مہر لازم نہیں ہوگا۔مثلا بیمار ہو تو رغبت نہیں ہوگی۔اور رمضان کا روزہ ہو تو صحبت کرنے سے کفارہ لازم ہوگا۔اور احرام ہو تو صحبت کرنے سے دم لازم ہوگا۔اور حائضہ ہو تو صحبت ممنوع ہے۔اس لئے ان چیزوں سے خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔

[۱۷۹۲](٦٧)اگر خلوت کی ذکر کٹے ہوئے آدمی نے اپنی بیوی کے ساتھ پھر اس کو طلاق دی تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح ذکر کٹا ہوا ہے ایسا آدمی بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کر سکتا اس کے باوجود اگر اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ کی تو اس پر پورا مہر لازم ہوگا۔

وجہ عورت نے اپنا مال سپرد کر دیا۔یہ اور بات ہے کہ مرد کی مجبوری کی وجہ سے وہ وصول نہیں کر پا رہا ہے۔اس لئے اس پر پورا مہر لازم ہوگا (۲)اوپر میں دار قطنی کی حدیث دخل بها او لم يدخل بها (دار قطنی نمبر ۳۷۸۰) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ صحبت نہ کر سکے تب بھی

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جس نے عورت کے دوپٹے کو کھولا اور اس کو دیکھا تو مہر واجب ہو جائے گا۔صحبت کی ہو اس سے یا نہ کی ہو(ب) حضرت عمر نے فرمایا اگر دروازہ بند کر دیا اور پردہ ڈال دیا تو اس کے لئے مہر واجب ہو گیا۔اور اس پر عدت ہے اور اس کے لئے میراث ہوگی(ج) حضرت ابن عباس نے فرمایا، مہر واجب نہیں ہوگا جب تک صحبت نہ کرے۔ورنہ اس کے لئے آدھا مہر ہوگا۔

ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۱۷۹۳](۶۸) ویستحب المتعة لکل مطلقة الا لمطلقة واحدة وهی التی طلقها قبل الدخول ولم یسم لها مهرا [۱۷۹۴](۶۹)واذا زوج الرجل

ذکر کئے ہوئے پر مہر کامل لازم ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ بیمار کو سپرد کرنے سے خلوت صحیحہ نہیں ہوتی ہے تو مجبوب الذکر تو اس سے زیادہ بیمار کے درجے میں ہے۔اس لئے اس کو سپرد کرنے سے بھی خلوت صحیحہ نہیں ہوگی اور پورا مہر لازم نہیں ہوگا۔

[۱۷۹۳](۶۸) مستحب ہے متعہ ہر مطلقہ کے لئے مگر ایک مطلقہ کے لئے وہ یہ ہے کہ طلاق دی ہو صحبت سے پہلے اور اس کے لئے مہر متعین نہ کیا ہو۔

تشریح سب مطلقہ کو متعہ کا کپڑا دینا مستحب ہے مگر ایک مطلقہ کو کپڑا دینا واجب ہے۔وہ یہ ہے کہ اس کے لئے مہر متعین نہ کیا ہو اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی ہو تو اس کو مہر نہیں ملے گا۔کیونکہ مہر متعین نہیں ہے اس لئے صحبت کرتا تو مہر مثل ملتا اور صحبت سے پہلے مہر مثل کا آدھا نہیں ہے اس لئے کچھ نہ کچھ ملنا چاہئے۔اس لئے اس کے لئے متعہ دینا واجب کریں گے (۲) ایسی عورت کو متعہ دینے کے لئے آیت میں امر کا صیغہ استعمال کیا ہے **لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسو هن او تفرضو لهن فریضة ومتعوهن علی الموسع قدره وعلی المقتر قدره متاعا بالمعروف** (الف) (آیت ۲۳۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں فرمایا جس کے لئے مہر متعین نہ کیا ہو اور اس سے خلوت صحیحہ بھی نہ کیا ہو اس کو ضرور متعہ دو اپنی حیثیت کے مطابق۔اس کی تفسیر عبد اللہ بن عباس سے (سنن للبیہقی، باب التفویض ج سابع ص ۴۴۴) پر گزر چکی ہے۔

فائدہ اگر مہر متعین ہو اور صحبت سے پہلے طلاق ہوئی ہو تو اس کو آدھا مہر ملے گا۔اور مال سپرد کئے بغیر آدھا مہر ملا ہے اس لئے اس کو متعہ دینا ضروری نہیں ہے۔

وجہ (۱) **عن ابن عمر انه کان یقول لکل مطلقة متعة الا التی تطلق وقد فرض لها الصداق ولم تمس فحسبها نصف ما فرض لها** (ب) (سنن للبیہقی، باب المتعۃ ج سادس، ص ۴۱۹، نمبر ۱۴۴۹۱) اس سے معلوم ہوا کہ جس کا مہر متعین ہو اور صحبت سے پہلے طلاق دیدے تو اس کو آدھا مہر ملے گا۔اس لئے اس کے لئے متعہ ضروری نہیں ہے۔

[۱۷۹۴](۶۹) اگر شادی کرائی آدمی نے اپنی بیٹی کی اس شرط پر کہ وہ شادی کرا دے اپنی بہن کی یا اپنی بیٹی کی تاکہ دونوں میں سے ایک بدلہ ہو جائے دوسرے کا تو دونوں عقد جائز ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح اس نکاح کو نکاح شغار کہتے ہیں۔اور اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی لڑکی یا بہن کی کسی سے شادی کرائے اور اس کے لئے مہر متعین یہ

حاشیہ : (الف) تم پر کوئی حرج کی بات نہیں ہے اگر تم عورت کو طلاق دو اور اس کو چھوؤ نہیں اور اس کے لئے مہر متعین نہ کرو۔اور ان کو متعہ دو مالدار کو وسعت کے مطابق اور تنگدست کو اس کی وسعت کے مطابق فائدہ اٹھانے دینا ہے معروف کے ساتھ (ب) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہر مطلقہ کے لئے متعہ ہے مگر جس کو طلاق دے اور اس کے لئے مہر متعین کیا ہو اور عورت کو ہاتھ نہ لگایا تو اس کو کافی ہے اس کا آدھا جتنا اس کے لئے متعین کیا ہے۔

ابنته علی ان یزوجه الرجل اخته او ابنته لیکون احد العقدین عوضا عن الآخر فالعقدان جائزان ولکل واحدة منهما مهر مثلها[۱۷۹۵](۷۰) وان تزوج حر امرأة علی خدمته

کرے کہ سامنے والا اپنی بہن یا بیٹی کی شادی اس سے کرادے۔امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ دونوں عقد جائز ہیں اور دونوں عورتوں کے لئے مہر مثل ہوگا۔

وجہ یہ ایسا ہوا کہ نکاح کیا لیکن مہر متعین نہیں کیا اور مہر متعین نہ کرے تو مہر مثل لازم ہوتا ہے۔اس لئے اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔مہر متعین نہ کرے تو مہر مثل لازم ہوگا اس کی دلیل عبد اللہ ابن مسعود کی حدیث پہلے گزر چکی ہے (ترمذی شریف نمبر ۱۱۴۵ رابو داؤد شریف نمبر ۲۱۱۴) اور شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا بلکہ نکاح ہو جاتا ہے۔اور شرط فاسد خود معدوم ہو جاتی ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔قال جاء رجل الی ابن عباس ... فقال انی تزوجت امرأة وشرطت لها ان لم اجی بکذا وکذا والی کذا وکذا فلیس لی نکاح،فقال ابن عباس النکاح جائز والشرط لیس شیء (الف) (سنن للبیھقی، باب الشروط فی النکاح ج سابع ص ۴۰۸، نمبر ۱۴۴۴۲) اس اثر میں ہے کہ نکاح جائز ہو جائے گا اور شرط فاسد کا اعتبار نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے عن عطاء فی المشاغرین یقران علی نکاحهما ویوخذ لکل واحد منهما صداق (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۲ ما قالوا فی النکاح الشغار ج رابع ص ۳۴، نمبر ۱۷۴۹۹) اس اثر میں ہے کہ دونوں کا نکاح بحال رہے گا اور دونوں کے لئے الگ سے مہر متعین ہوگا جو مہر مثل ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح شادی ہی نہیں ہوگی۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ نهی عن الشغار والشغار ان یزوج الرجل ابنته علی ان یزوجه الآخر ابنته لیس بینهما صداق (ج) (بخاری شریف، باب الشغار ص ۷۶۶ نمبر ۵۱۱۲ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی النھی عن نکاح الشغار ص ۲۱۳ نمبر ۱۱۲۴ رمسلم شریف، باب تحریم نکاح الشغار ص ۴۵۴ نمبر ۱۴۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے۔اس لئے اس طرح نکاح ہی نہیں ہوگا۔

[۱۷۹۵] (۷۰) اگر آزاد نے شادی کی کسی عورت سے اس کی ایک سال کی خدمت پر یا قرآن کی تعلیم پر تو جائز ہے اور اس کے لئے مہر مثل ہوگا

وجہ (۱) بیوی اس لئے ہوتی ہے کہ وہ شوہر کی خدمت کرے اور یہاں الٹا شوہر بیوی کی خدمت کرے گا۔اس لئے مہر کے لئے شوہر کی خدمت متعین کرنا صحیح نہیں ہے۔اس لئے گویا کہ مہر ہی متعین نہیں کیا۔اور جب مہر متعین نہ کیا ہو تا تو مہر مثل لازم ہوتا ہے (۲) خدمت ہمارے نزدیک مال نہیں ہے تو گویا کہ عدم مال کو مہر متعین کیا اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔مہر مثل کی دلیل اور شرط فاسد سے نکاح فاسد نہ ہونے کی دلیل

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضرت ابن عباس کے پاس آیا...پس کہا میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے اور اس سے شرط کی ہے کہ اگر میں اتنا اتنا نہ لاؤں اتنے زمانہ تک تو میرا نکاح رہے گا؟ پس حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ نکاح جائز ہے اور شرط کوئی چیز نہیں ہے (ب) دو شغار کے سلسلے حضرت عطاء نے فرمایا کہ دونوں کا نکاح بحال رکھا جائے گا اور دونوں سے مہر لیا جائے گا (ج) حضورؐ نے شغار سے منع فرمایا۔اور شغار یہ ہے کہ مرد اپنی بیٹی کی شادی کرائے اس شرط پر کہ دوسرا اپنی بیٹی کی شادی کرائے۔اور دونوں کے درمیان مہر نہ ہو۔

سنة او علی تعلیم القرآن جاز فلها مهرمثلها[۱۷۹۶](۷۱) وان تزوج عبد امرأة حرة باذن مولاه علی خدمته سنة جاز ولها خدمته[۱۷۹۷](۷۲) واذا اجتمع فی المجنونة

مسئلہ نمبر ۶۹ میں گزر گئی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک سال کی خدمت ہی مہر ہوگا۔اسی طرح تعلیم قرآن مہر ہوگا،مہر مثل لازم نہیں ہوگا۔

وجہ ان کے نزدیک خدمت اور تعلیم قرآن مال ہیں اس لئے مہر بن سکتے ہیں (۲) حدیث میں ہے کہ تعلیم قرآن کو حضورؐ نے مہر بنایا۔اس کے لئے لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔سمعت سهل بن سعد الساعدی یقول ... قال ﷺ هل معک من القرآن شیء؟ قال معی سورة کذا وسورة کذا قال اذهب فقد انکحتکها بما معک من القرآن (الف) (بخاری شریف،باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق ص ۷۷۳ نمبر ۵۱۴۹ رمسلم شریف،باب الصداق وجواز کونه تعلیم قرآن وخاتم حدید الخ ص ۴۵۷ نمبر ۱۴۲۵) اس حدیث میں تعلیم قرآن کو مہر بنایا ہے۔اس لئے مہر لازم ہوگا مہر مثل لازم نہیں ہوگا۔اور شوہر کی خدمت کو مہر متعین کرنے کی دلیل یہ آیت ہے۔قال انی ارید ان انکحک احدی ابنتی هاتین علی ان تأجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشرا فمن عندک (ب) (آیت ۲۷ سورة القصص ۲۸) اس آیت میں آٹھ اور دس سال تک حضرت موسی علیہ السلام کے بکری چرانے کو مہر بنایا ہے (۳) ان علیا قال الصداق ما تراضی به الزوجان (ج) (سنن للبیہقی،باب مایجوز ان یکون مہراج، سابع ص ۳۹۴،نمبر ۱۴۳۹۲) اس اثر میں ہے کہ میاں بیوی جس چیز پر راضی ہو جائیں وہ مہر بن جائے گی۔اس لئے خدمت پر راضی ہو جائیں تو وہ بھی مہر بن جائے گی۔

[۱۷۹۶](۷۱) اگر غلام نے آزاد عورت سے شادی کی اپنے مولی کی اجازت سے ایک سال کی خدمت پر تو جائز ہے۔اور عورت کے لئے غلام کی خدمت ہوگی۔

تشریح غلام نے آزاد عورت سے شادی کی اور اپنے آقا کی اجازت سے بیوی کے لئے ایک سال کی خدمت مہر متعین کیا تو نکاح ہو جائے گا۔اور مہر مثل لازم نہیں ہوگا بلکہ ایک سال کی خدمت ہی لازم ہوگی۔

وجہ آقا کی اجازت سے بیوی کی خدمت کرنا گویا کہ آقا ہی کی خدمت کرنا ہے۔اس لئے اس کے لئے خدمت مہر بن سکتی ہے (۲) غلام کے پاس خدمت کے علاوہ کوئی مال ہے بھی نہیں۔جو کچھ مال ہے وہ مولی کا ہے اس لئے بھی خدمت مہر بنے گی (۳) اوپر کی احادیث اور آیت بھی تائید میں ہوں گی کہ خدمت مہر بن سکتی ہے۔

[۱۷۹۷](۷۲) اگر مجنونہ عورت میں جمع ہو جائیں اس کے باپ اور اس کے بیٹے تو ولی اس کے نکاح میں اس کا بیٹا ہوگا امام ابو حنیفہؒ کے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ قرآن ہے؟ فرمایا مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔آپؐ نے فرمایا جاؤ تمہارا نکاح کر دیا اس کے بدلے جو تمہارے پاس قرآن ہے (ب) حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میری ان دو بیٹیوں میں سے ایک سے آپ کی شادی کرا دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک میری مزدوری کریں۔پس اگر دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی جانب سے ہوگا (ج) حضرت علی نے فرمایا مہر وہ ہے جس پر میاں بیوی راضی ہو جائیں۔

ابوھا وابنھا فالولی فی نکاحھا ابنھا عبد ابی حنیفة وابی یوسف رحمھما اللہ وقال محمد رحمہ اللہ تعالی ابوھا[۱۷۹۸](۴۳) ولا یجوز نکاح العبد والامة الا باذن مولاھما[۱۷۹۹](۴۴) واذا تزوج العبد باذن مولاہ فالمھر دین فی رقبتہ یباع فیہ.

نزدیک اور امام ابو یوسف کے نزدیک۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ اس کا باپ ہوگا۔

تشریح عورت مجنون ہو اور بیوہ ہو تو وہ خود شادی نہیں کر سکتی۔ اب اس کا باپ اور اس کا بیٹا دونوں موجود ہیں تو شیخین کے نزدیک اس کا بیٹا نکاح کرانے کا ولی ہوگا۔ اور امام محمد کے نزدیک اس کا باپ ولی ہوگا۔

وجہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ولایت کا دار و مدار عصبات پر ہے۔ اور عصبات میں پہلا حق بیٹے کا ہے اس لئے مجنونہ کی شادی کرانے کا حق بیٹے کو ہوگا۔ وہ نہ ہو تو باپ ہوگا۔

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ باپ زیادہ تجربہ کار اور شفیق ہے۔ اور نکاح کرانے کا مدار تجربہ کاری اور شفقت پر ہے اس لئے باپ کو زیادہ حق ہوگا وہ نہ ہو تو بیٹے کو ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی شادی حضورؐ سے ان کے باپ نے کرائی۔ اور حضرت سودہؓ کی شادی بھی حضورؐ سے ان کے باپ نے کرائی۔ دونوں لمبی حدیثیں دیکھنے کے لئے سنن للبیہقی، باب لا ولایۃ لاحد مع اب ج سابع ص ۲۰۹ نمبر ۱۳۷۴۶ / ۱۳۷۴۸ کی طرف رجوع فرمائیں۔

[۱۷۹۸] (۴۳) اور نہیں جائز ہے غلام اور باندی کا نکاح کرنا مگر ان کے آقا کی اجازت سے۔

تشریح اگر آقا اجازت دے تب تو غلام اور باندی کا نکاح درست ہوگا۔ اور وہ اجازت نہ دے تو نکاح باطل ہو جائے گا۔

وجہ (۱) اگر باندی نے نکاح کیا تو اس سے آقا صحبت نہیں کر سکے گا جو بہت بڑا نقصان ہے۔ اسی طرح غلام نے نکاح کیا تو وہ بیوی کے مہر اور نان ونفقہ میں بیچا جا سکتا ہے۔ اس لئے مولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوگا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ ایما عبد تزوج بغیر اذن موالیہ فھو عاھر (الف) (ابو داؤد شریف، باب نکاح العبد بغیر اذن موالیہ ص ۲۹۱ نمبر ۲۰۷۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی نکاح العبد بغیر اذن سیدہ ص ۲۱۱ نمبر ۱۱۱۱) اور دوسری حدیث میں فنکاحہ باطل ہے (ابو داؤد شریف، نمبر ۲۰۷۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام باندی بغیر مولی کی اجازت شادی کی تو نکاح جائز نہیں ہوگا باطل ہوگا۔ اگر نکاح کرتے وقت اجازت نہیں دی بعد میں آقا نے اجازت دیدی تب بھی نکاح ہو جائے گا۔

[۱۷۹۹] (۴۴) اگر غلام نے آقا کی اجازت سے شادی کی تو مہر دین ہوگا اس کی گردن میں وہ اس میں بیچا جائے گا۔

وجہ (۱) جو نکاح کرتا ہے مہر اسی کی گردن پر ہوتا ہے۔ اس لئے غلام نے نکاح کیا تو مہر اسی کی گردن پر ہوگا۔ اور جب مہر اس کی گردن پر قرض ہوا تو اگر ادا نہ کر سکا تو وہ اس میں بیچا بھی جائے گا۔ خصوصا آقا کی اجازت سے شادی کی ہے تو بکنے میں آسانی ہوگی (۲) مہر غلام کی گردن پر ہو

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی بھی غلام نے بغیر آقا کی اجازت کے شادی کی تو وہ زانی ہے۔

[۱۸۰۰](۷۵) واذا زوج المولی امته فلیس علیه ان یبوئها بیتا للزوج ولکنها تخدم المولی ویقال للزوج متی ظفرت بها وطئتها[۱۸۰۱](۷۶) وان تزوج امرأۃ علی الف درھم علی ان لا یخرجھا من البلد او علی ان لا یتزوج علیھا امرأۃ فان وفی بالشرط فلھا المسمی[۱۸۰۲](۷۷) وان تزوج علیھا او اخرجھا من البلد فلھا مھر مثلھا.

اس کی دلیل یہ اثر ہے۔قال ابن عمر ھو علی الذی انکحتموہ یعنی الصداق علی الابن (الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳علی من یکون المھر ج ثالث،ص ۴۴۹،نمبر ۱۶۰۱۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مہر غلام پر ہوگا۔اس لئے وہ اس کے بدلے میں بیچا بھی جا سکتا ہے۔

[۱۸۰۰](۷۵)اگر آقا نے اپنی باندی کی شادی کرائی تو اس پر لازم نہیں ہے کہ شوہر کے یہاں رات گزارنے دے،لیکن باندی آقا کی خدمت کرے گی اور شوہر سے کہا جائے گا جب موقع ملے اس سے صحبت کر لیں۔

وجہ آقا کی خدمت کا حق مقدم ہے۔اس لئے کہ ابھی بھی اس کی ملکیت ہے۔اور شوہر کا حق اس کے بعد ہے۔اس لئے کہ اس کا حق صرف بضعہ پر ہے۔اس لئے آقا پر ضروری نہیں ہے کہ باندی کو شوہر کے گھر رات گزارنے کے لئے بھیجے۔بلکہ وہ اپنی خدمت کرواتا رہے۔اور شوہر سے کہا جائے گا کہ جب موقع ملے بیوی سے مل لے۔

لغت یبوء : رات گزروانا، ظفر : کامیاب ہونا،موقع پانا،

[۱۸۰۱](۷۶)اگر شادی کی عورت نے ایک ہزار پر اس شرط پر کہ اس کو شہر سے نہیں نکالے گا یا اس شرط پر کہ اس پر دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا۔پس اگر شرط پوری کی تو عورت کو مہر متعین ملے گا۔

تشریح عورت نے ایک ہزار مہر کے بدلے شادی کی اس شرط پر کہ اس کو شہر سے نہیں نکالے گا۔یا اس شرط پر کہ اس عورت کے بعد دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا۔پس اگر اس شرط کو پوری کی تو جتنا مہر متعین کیا ہے وہ مل جائے گا یعنی اس کو ایک ہزار درہم مل جائے گا۔کیونکہ شوہر نے شرط پوری کر دی۔المسلمون عند شروطھم.

[۱۸۰۲](۷۷)اور اگر اس پر دوسری عورت سے شادی کی یا اس کو شہر سے نکالا تو اس کے لئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح شرط تو یہی تھی کہ اس پر دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا یا شہر سے نہیں نکالے گا۔لیکن شوہر نے ان شرطوں کو پوری نہیں کی۔بلکہ اس کے اوپر دوسری عورت سے شادی کر لی یا اس کو شہر سے نکالا تو اب عورت کے لئے مہر مسمی نہیں ہوگا بلکہ مہر مثل ہوگا۔

وجہ شرط پوری کرنے پر ایک ہزار پر راضی ہوئی تھی۔شرط پوری نہیں کی تو ایک ہزار پر راضی نہیں ہوگی۔اس لئے اب اس کے لئے معیار مہر مثل ہوگا کیونکہ گویا کہ مہر ہی متعین نہیں ہوا۔

حاشیہ : (ب) حضرت ابن عمر نے فرمایا مہر اس پر ہے جس کی تم لوگوں نے شادی کرائی یعنی مہر بیٹے پر ہے۔

[۱۸۰۳](۷۸) وان تزوجها علی حیوان غیر موصوف صحت التسمیة ولها الوسط منه والزوج مخیر ان شاء اعطاها ذلک وان شاء اعطاها قیمته[۱۸۰۴](۷۹) ولو تزوجها علی ثوب غیر موصوف فلها مهر مثلها[۱۸۰۵](۸۰) ونکاح المتعة والموقت

[۱۸۰۳](۷۸)اگر عورت سے شادی کی بغیر وصف بیان کئے ہوئے جانور پر تو تعین صحیح ہے اور عورت کے لئے اس کا وسط ہوگا۔اور شوہر کو اختیار ہے اگر چاہے تو عورت کو جانور کا وسط دیدے۔اور اگر چاہے تو اس کو اس کی قیمت دیدے۔

تشریح عورت سے حیوان پر شادی کی اور اس کی جنس بیان کی کہ مثلا گھوڑے پر شادی کرتا ہوں لیکن اس کی صفت بیان نہیں کی کہ اعلی درجے کا گھوڑا ہوگا یا ادنی درجے کا تو ایسی صورت میں مہر صحیح ہو جائے گا۔لیکن وسط گھوڑا لازم ہوگا جو قیمت کے اعتبار سے نہ اعلی ہو اور نہ ادنی ہو۔

وجہ وسط دینے میں کسی کا نقصان نہیں ہے۔نہ دینے والے کا اور نہ لینے والے کا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ایک عورت کا مہر متعین نہیں تھا اور اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے وسط کا فیصلہ فرمایا تھا۔اس میں یہ جملہ ہے۔فقال ابن مسعود لها مثل صداق نسائها لا وکس ولا شطط (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل ان یفرض لها ص ۲۱۷ نمبر ۱۱۴۵ رابوداؤد شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات ص ۲۹۵ نمبر ۲۱۱۶) اس حدیث میں ہے کہ نہ کم ہو اور نہ زیادہ ہو (۳) آیت میں بھی ایسے موقع پر معروف کا فیصلہ ہوتا ہے یعنی جو عام معاشرہ میں رائج ہے وہ لازم ہوگا۔وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین (ب) (آیت ۲۴۱ سورۃ البقرۃ ۲) البتہ اوسط کا پتہ قیمت سے چلے گا۔اس لئے شوہر کو یہ بھی حق ہے کہ اوسط جانور خرید کر دیدے۔اور یہ بھی اختیار ہے کہ اوسط جانور کی قیمت بیوی کو سپرد کر دے۔کیونکہ اوسط کا پتہ قیمت ہی سے چلے گا۔اس لئے قیمت بھی سپرد کر سکتا ہے۔

نوٹ اگر جانور کی جنس بھی متعین نہیں کی۔مثلا یوں نہیں کہا کہ گھوڑا مہر ہے یا گائے بلکہ یوں کہا کہ جانور پر نکاح کرتا ہوں تو اس میں جہالت کاملہ ہے اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔

[۱۸۰۴](۷۹)اور اگر شادی کی ایسے کپڑے پر جس کی صفت بیان نہ کی گئی ہو تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح کپڑا بہت قسم کا ہوتا ہے۔پس اگر صفت بیان نہیں کی تو مہر مجہول رہ گیا تو گویا کہ مہر متعین نہیں ہوا۔اس لئے اس عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہالت کاملہ ہو تو گویا کہ مہر متعین نہیں ہوا اس لئے مہر مثل لازم ہوگا۔

[۱۸۰۵](۸۰) نکاح متعہ اور نکاح موقت باطل ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا اس کے لئے عورتوں کے مہر کے مثل ہوگا نہ کم نہ زیادہ (ب) طلاق شدہ عورتوں کو فائدہ اٹھانے دینا ہے معروف کے ساتھ۔یہ حق ہے پرہیزگاروں پر۔

باطل[۱۸۰۶](۸۱) وتزویج العبد والامة بغیر اذن مولاهما موقوف فان اجازه المولی جاز وان رده بطل[۱۸۰۷](۸۲) وکذلک ان زوج رجل امرأة بغیر رضاها او رجلا بغیر

تشریح نکاح متعہ کی صورت یہ ہے کہ عورت سے کہے کہ میں تم سے کچھ رقم دے کر کچھ دنوں کے لئے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ یہ نکاح پہلے جائز تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا اور اب بالکل جائز نہیں ہے۔ اور نکاح موقت کی شکل یہ ہے کہ دو گواہوں کی گواہی سے متعین دن کے لئے نکاح کرے۔ یہ دونوں نکاح باطل ہیں۔

وجہ آیت میں ہے۔ الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین ٥ فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العادون (الف) (آیت ۶ سورۃ المؤمنون ۲۳) اس آیت میں ہے کہ صرف بیوی سے صحبت کرے یا باندی سے صحبت کرے۔ اس کے علاوہ سے زیادتی ہے۔ اور نکاح متعہ میں اور نکاح موقت میں عورت بیوی نہیں ہوتی اس لئے ان سے صحبت کرنا ظلم ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ حدثنی الربیع بن سبرة الجھنی ان اباه حدثه انه کان مع رسول الله ﷺ فقال یا ایھا الناس انی قد کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء وان الله قد حرم ذلک الی یوم القیامة فمن کان عنده منھن شیء فلیخل سبیله ولا تأخذوا مما آتیتموھن شیئا (ب) (مسلم شریف، باب نکاح المتعة وبیان انہ ابیح ثم نسخ ثم ابیح ثم نسخ واستقر تحریمہ الی یوم القیامۃ ص ۴۵۰ نمبر ۱۴۰۶ / بخاری شریف، باب نھی النبی ﷺ عن نکاح المتعۃ اخیرا ص ۷۶۶ نمبر ۵۱۱۵ / ابوداؤد شریف، باب فی نکاح المتعۃ ص ۲۹۰ نمبر ۲۰۷۳ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم نکاح المتعۃ ص ۲۱۳ نمبر ۱۱۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح متعہ منسوخ ہے اور حرام ہے۔ اور نکاح موقت بھی اسی میں داخل ہے۔

[۱۸۰۶] (۸۱) غلام اور باندی کا نکاح بغیر آقا کی اجازت کے موقوف ہے۔ پس اگر آقا اس کی اجازت دے تو جائز ہوگا اور اگر رد کر دے تو باطل ہوگا تشریح غلام یا باندی نے بغیر مولی کی اجازت کے شادی کر لی تو یہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر مولی نے اجازت دی تو جائز ہو جائے گا اور رد کر دیا تو نکاح باطل ہو جائے۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال اذا نکح العبد بغیر اذن مولاه فنکاحه باطل (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی نکاح العبد بغیر اذن موالیہ ص ۲۹۱ نمبر ۲۰۷۹ / ترمذی شریف، نمبر ۱۱۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام باندی کا نکاح بغیر آقا کی اجازت کے باطل ہے۔

[۱۸۰۷] (۸۲) ایسے ہی اگر شادی کرا دی کسی فضولی نے عورت کی بغیر اس کی رضامندی کے یا مرد کی بغیر اس کی رضامندی کے تو نکاح موقوف رہیگا

تشریح کسی آدمی نے بالغ عورت یا بالغ مرد کی شادی بغیر ان کی رضامندی اور اجازت کے کرا دی تو یہ نکاح عورت اور مرد کی اجازت پر

حاشیہ : (الف) مگر اپنی بیویاں اور باندیوں کے ساتھ کہ وہ ملامت کی چیز نہیں ہیں۔ اور جو ان کے علاوہ کو تلاش کرے وہ حد سے گزرنے والے ہیں (ب) آپ نے فرمایا اے لوگو! میں نے تم کو عورتوں سے تمتع کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور اللہ نے حرام کر دیا اس کو قیامت تک۔ پس ان عورتوں میں سے جن کے پاس کوئی ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دے۔ اور جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ نہ لے (ج) آپ نے فرمایا اگر غلام نکاح کرے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر تو اس کا نکاح باطل ہے۔

رضاه[۱۸۰۸](۸۳) ویجوز لابن العم ان یزوج بنت عمه من نفسه[۱۸۰۹](۸۴) واذا اذنت المرأة لرجل ان یزوجها من نفسه فعقد بحضرة شاهدین جاز.

موقوف رہیں گے۔اگرانہوں نے اجازت دی تو نکاح بحال رہے گا اور رد کر دیا تو رد ہو جائے گا۔

وجہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ شادی کرنے کا اختیار خود مرد اور عورت کو ہے۔اس لئے کسی نے ان کی اجازت کے بغیر شادی کرادی تو یہ نکاح ان کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

[۱۸۰۸](۸۳) جائز ہے چچازاد بھائی کے لئے شادی کرے چچازاد بہن سے خود سے۔

تشریح بیٹا، باپ، دادا، بھائی اور چچا نہ ہوں تو اب چچازاد بھائی لڑکی کا عصبہ اور ولی بنتا ہے۔اس لئے وہ لڑکی کا ولی بنا اور اپنی جانب سے اصیل ہوا۔اور نکاح میں ایک ہی آدمی دونوں طرف سے ولی بن سکتا ہے۔یا ایک طرف سے وکیل اور اپنی جانب سے اصیل بن سکتا ہے۔اور دو گواہوں کے سامنے نکحتُ کہا تو دونوں جانب سے ایجاب وقبول ادا ہو گئے اور نکاح ہو جائے گا۔اپنی جانب سے اصیل ہوا اور لڑکی کی جانب سے وکیل ہوا اور نکحتُ کہنے سے نکاح ہو جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عائشة ان النبی ﷺ تزوجها وھی بنت ست سنین (الف) (بخاری شریف، باب تزویج الاب ابنتہ من الامام ص ۷۷۱ نمبر ۵۱۳۴) اس حدیث میں حضورؐ اپنی جانب سے اصیل تھے اور حضرت عائشہ کی جانب سے وکیل تھے اور ان سے آپؐ نے شادی کی۔اور دونوں جانب سے وکیل ہو اور شادی کرادے اس کی دلیل لمبی حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔حدثنا سهل بن سعد ... قال ﷺ اذهب فقد زوجتکها بما معک من القرآن (ب) (بخاری شریف، باب اذا کان الولی ھو الخاطب ص ۷۷۰ نمبر ۵۱۳۲) اس حدیث میں حضورؐ بیوی اور شوہر دونوں جانب سے وکیل تھے۔اور ایک ہی لفظ زوَّجتُکھا سے دونوں کی شادی کرادی۔اس لئے چچازاد بھائی خود چچازاد بہن سے شادی کر سکتا ہے۔کیونکہ چچازاد بھائی کے لئے چچازاد بہن سے شادی کرنا جائز ہے۔

[۱۸۰۹](۸۴) اگر عورت نے کسی مرد کو اجازت دی کہ اس سے اپنی ذات سے شادی کرلے، پس اس نے عقد کیا دو گواہوں کے سامنے تو جائز ہے۔

تشریح عورت نے ایک آدمی کو اپنی شادی کا وکیل بنایا کہ وہ اپنی شادی اس عورت سے کرے۔پس اس آدمی نے دو گواہوں کے سامنے نکحت کہہ کر اپنا نکاح اس عورت سے کر دیا تو نکاح ہو جائے گا۔

وجہ کیونکہ وہ اپنی جانب سے اصیل ہوا اور عورت کی جانب سے وکیل ہوا۔اور نکاح میں ایک ہی آدمی وکیل اور اصیل بن سکتا ہے (۲) اوپر حدیث گزری عن عائشة ان النبی ﷺ تزوجها وھی بنت ست سنین (ج) (بخاری شریف، نمبر ۵۱۳۴) جس میں حضورؐ اپنی جانب سے اصیل اور حضرت عائشہ کی جانب سے وکیل تھے (۳) نکاح میں وکیل مؤکل کی جانب سے سفیر اور معبر ہوتا ہے اس لئے وہ دونوں

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حضرت عائشہ سے شادی کی جبکہ وہ چھ سال کی تھی (ب) جاؤ میں نے تمہاری شادی کرادی اس کی وجہ سے جو تمہارے پاس قرآن ہے (ج) حضورؐ نے حضرت عائشہ سے شادی کی اس حال میں کہ وہ چھ سال کی تھی۔

[۱۸۱۰](۸۵) واذا ضمن الولی المهر للمرأة صح ضمانه وللمرأة الخیار فی مطالبة زوجها او ولیها[۱۸۱۱](۸۶) واذا فرق القاضی بین الزوجین فی النکاح الفاسد قبل

جانب سے وکیل بن سکتا ہے۔اور بیع میں وکیل خود ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے دونوں جانب سے وکیل نہیں بن سکتا اور نہ اپنی جانب سے اصیل اور دوسرے کی جانب سے وکیل بن سکتا ہے۔

[۱۸۱۰](۸۵) اور ولی ضامن بن جائے مہر کا عورت کے لئے تو اس کا ضامن بننا صحیح ہے۔اور عورت کو اختیار ہے مطالبہ کرنے میں اپنے شوہر سے یا اس کے ولی سے۔

تشریح عورت کو نکاح کرانے کا جو ولی تھا وہی شوہر کی جانب سے عورت کو مہر ادا کرنے کا ولی بن گیا تو یہ جائز ہے۔اور عورت کو اختیار ہے کہ شوہر سے مہر کا مطالبہ کرے۔اور یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے ولی سے مطالبہ کرے۔کیونکہ وہ بھی ادا کرنے کا کفیل ہے۔

وجہ نکاح میں ولی سفیر اور معبر ہوتا ہے۔اس پر مہر لینے کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔اس لئے وہ شوہر کی جانب سے مہر ادا کرنے کا کفیل بن سکتا ہے۔ اور چونکہ شوہر اصل ذمہ دار ہے اس لئے عورت اس سے بھی مطالبہ کر سکتی ہے۔اور ولی کفیل ہے اس لئے اس سے بھی مطالبہ کر سکتی ہے (۲) حدیث میں دونوں سے مطالبہ کرنے کا اشارہ ہے۔ **قال جابر توفی رجل فغسلناه وحنطناه و کفناه ثم اتینا النبی ﷺ فقلنا له تصلی علیه فقال فخطا خطی ثم قال علیه دین؟قال فقیل دیناران قال فانصرف قال فتحملهما ابو قتادة قال فاتیناه قال فقال ابو قتادة الدیناران علی فقال النبیؐ حق الغریم وبری منهما المیت قال نعم فصلی علیه رسول الله ﷺ قال فقال له بعد ذلک بیوم مافعل الدیناران قال انما مات امس قال فعاد الیه کالغد قال قد قضیتهما فقال النبی ﷺ الآن بردت علیه جلده** (الف) (سنن للبیہقی، باب الضمان علی المیت ج سادس، ص ۱۲۴، نمبر ۱۱۴۰۵) اس حدیث میں اس وقت تک میت کی چمڑی ٹھنڈی نہیں ہوئی جب تک کہ دونوں دینار ابو قتادہ نے ادا نہ کر دیئے۔جس سے معلوم ہوا کہ دو دینار کی ذمہ داری اصل میت پر بھی رہی۔اس لئے کفیل اور مکفول عنہ شوہر دونوں مہر کے ذمہ دار ہوں گے۔

[۱۸۱۱](۸۶) اگر قاضی نے نکاح فاسد میں بیوی شوہر کے درمیان تفریق کرائی صحبت سے پہلے تو اس کے لئے مہر نہیں ہے۔اور ایسے ہی خلوت کے بعد مہر نہیں ہے۔

تشریح نکاح فاسد میں قاضی نے میاں بیوی کے درمیان تفریق کرائی۔پس اگر صحبت سے پہلے یا خلوت سے پہلے تفریق کرائی تو عورت کے

حاشیہ : (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا انتقال ہوا۔پس ہم نے اس کو غسل دیا اور حنوط لگایا اور کفن دیا۔پھر حضورؐ کے پاس آیا اور ان سے گذارش کی کہ آپؐ اس پر جنازہ نماز پڑھیں۔پس آپؐ ایک دو قدم چلے پھر پوچھا کیا اس پر قرض ہے؟ کہا گیا کہ دو دینار ہیں۔پس آپؐ پیچھے ہٹ گئے۔پس اس کی ذمہ داری ابو قتادہ نے لے لی۔ہم حضورؐ کے پاس آئے اور کہا کہ ابو قتادہ کہتے ہیں کہ دو دینار کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔آپؐ نے فرمایا قرض خواہ کا حق اور میت اس سے بری ہو گیا؟ ابو قتادہ نے فرمایا ہاں! پس حضورؐ نے اس پر نماز پڑھی۔ایک دن کے بعد پوچھا گیا کہ دو دینار کا کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ وہ تو کل ہی مرے ہیں۔پھر کل کی طرح اگلے دن بھی پوچھا۔میں نے کہا کہ ان کو ادا کر دیا ہوں۔آپؐ نے فرمایا اب اس کی کھال ٹھنڈی ہوگئی۔

الدخول فلا مهر لها وکذلک بعد الخلوة[۱۸۱۲](۸۷) واذا دخل بها فلها مهر مثلها ولا یزاد علی المسمی[۱۸۱۳](۸۸) وعلیها العدة ویثبت نسب ولدها منه

لئے مہر نہیں ہے۔

وجہ نکاح فاسد مجبوری کے درجہ میں نکاح ہے۔ اس لئے باضابطہ صحبت سے پہلے نکاح کا انعقاد نہیں ہوگا۔ اس لئے اس سے پہلے مہر بھی لازم نہیں ہوگا۔ اور چونکہ نکاح صحیح نہیں ہے اس لئے خلوت کرنا صحبت کے درجے میں نہیں ہے۔ اس لئے قاضی نے صحبت سے پہلے یا خلوت سے پہلے تفریق کرادی تو مہر لازم نہیں ہوگا (۲) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابراهیم قال کل نکاح فاسد نحو الذی تزوج فی عدتها واشباهه ماذا من النکاح الفاسد اذا کان قد دخل بها؟ فلها الصداق ویفرق بینهما** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۶۱ ما قالوا فی المرأة تزوج فی عدتها الها الصداق ام لا؟ ج رابع، ص ۴، نمبر ۱۷۱۹۰) اور مصنف عبد الرزاق میں ہے۔ **وقال عطاء لها صداقها بما اصاب منها** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب نکاحها فی عدتها ج سادس ص ۲۰۹ نمبر ۱۰۵۳۲) اس اثر میں ہے کہ صحبت کرے گا تب عورت کو مہر ملے گا ورنہ نہیں۔

نوٹ عورت عدت گزار رہی ہو اسی درمیان نکاح کرنا نکاح فاسد کی شکل ہے۔

[۱۸۱۲](۸۷) اور اگر اس سے صحبت کر لے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا اور متعین مہر پر زیادہ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح نکاح فاسد میں عورت سے صحبت کرے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔ لیکن یہ مہر مثل آپس میں جتنا مہر طے کیا ہے اس سے زیادہ نہ ہو۔ مثلا آپس میں پانچ سو درہم مہر طے کیا ہے اور مہر مثل چھ سو درہم ہے تو پانچ سو درہم ہی دیئے جائیں گے چھ سو درہم نہیں دیئے جائیں گے۔

وجہ نکاح فاسد اصل میں نکاح ہی نہیں ہے لیکن چونکہ صحبت کر چکا ہے اس لئے مجبورا مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور چونکہ دونوں کم پر راضی ہو گئے ہیں اس لئے کم دیا جائے گا (۲) نکاح فاسد نکاح نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن عطاء قال من نکح علی غیر وجه النکاح ثم طلق فلا یحسب شیئا انما طلق غیر امرأته** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب النکاح علی غیر وجہ النکاح ج سادس ص ۲۰۳ نمبر ۱۰۵۱۰) اس اثر میں ہے کہ نکاح کے طریقے کے علاوہ جو نکاح کیا اس کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے نکاح فاسد کا اعتبار نہیں ہے۔

[۱۸۱۳](۸۸) اور عورت پر عدت ہے۔ اور عورت کے بچے کا نسب ثابت ہوگا اسی شوہر سے۔

تشریح نکاح فاسد میں تفریق کے بعد عورت پر عدت بھی لازم ہوگی۔ اور اس درمیان بچہ پیدا ہوا تو اس بچے کا نسب اس شوہر سے ثابت ہوگا۔ **اخبرنی عطاء ان علی بن ابی طالب اتی بامرأة نکحت فی عدتها وبنی فیها ففرق بینهما وامرها ان تعتد بما**

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا ہر فاسد نکاح مثلا عورت کی عدت میں شادی کر لی یا اس طرح کے جو بھی نکاح فاسد ہوا گر اس سے صحبت کی ہو تو عورت کے لئے مہر ہوگا اور دونوں کو جدا کر دیئے جائیں گے (ب) حضرت عطاء نے فرمایا عورت کو نکاح فاسد میں مہر ملے گا صحبت کی وجہ سے (ج) حضرت عطاء نے فرمایا طریقہ نکاح کے علاوہ سے نکاح کیا پھر طلاق دی تو کچھ شمار نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اپنی بیوی کے علاوہ کو طلاق دی (ج) حضرت علیؓ کے پاس ایک عورت آئی جس نے عدت میں نکاح کیا تھا اور رخصتی بھی کی تھی تو دونوں علیحدہ کر دیئے گئے۔ اور عورت کو حکم دیا کہ پہلے پہلی عدت کا باقی ماندہ دن گزارے پھر (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۸۱۴](۸۹) ومهر مثلها يعتبر باخواتها وعماتها وبنات عمها[۱۸۱۵](۹۰) ولا يعتبر

بقی من عدتها الاولی ثم تعتد من هذا عدة مستقبلة (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب نکاحھا فی عدتھا ج سادس ص ۲۰۸ نمبر ۱۰۵۳۲)اس اثر میں ہے کہ دوسرے کی عدت میں شادی کی تو یہ نکاح فاسد ہوا اس لئے پہلے نکاح کی عدت بھی پوری کرنی ہے اور دوسری شادی جو نکاح فاسد ہے اس کی عدت بھی پوری کرنی ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ نکاح فاسد کی فرقت میں عدت ہے (۲) عدت اس لئے گزروائی جائے گی تا کہ پتہ چل جائے کہ اس کے پیٹ میں کسی قسم کا بچہ نہ رہ جائے۔ اور نسب ثابت اس لئے کیا جائے گا تا کہ بچہ بغیر نسب کے نہ رہ جائے (۲) پہلے گزر چکا ہے الولد للفراش (مسلم شریف نمبر ۱۴۵۷)اور چونکہ نکاح فاسد کی وجہ سے عورت ناکح کی فراش ہے اس لئے اس وقت کے بچے کا نسب ناکح سے ثابت ہوگا۔

﴿ مہر مثل کا بیان ﴾

[۱۸۱۴](۸۹)اس کے مہر مثل کا اعتبار کیا جائے گا اس کی بہنوں، پھوپیوں اور چچازاد بہنوں سے۔

تشریح مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ اس خاندان کی قریبی عورتوں مثلا بہن، پھوپی، چچازاد بہن کا جو مہر ہے ان مہروں کے مثل ان کا مہر ہو اس کو مہر مثل کہتے ہیں۔

وجہ مہر کا اعتبار خاندان کی عورتوں کے ساتھ ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ لمبی حدیث جس میں عبداللہ بن مسعود نے عورت کے لئے مہر مثل کا فیصلہ کیا اس کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابن مسعود انه سئل عن رجل تزوج امرأة ولم يفرض لها صداقا ولم يدخل بها حتى مات فقال ابن مسعود لها مثل صداق نسائها لا وكس ولا شطط (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل ان یفرض لها ص ۲۱۷ نمبر ۱۱۴۵ رابو داؤد شریف، باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات ص ۲۹۵ نمبر ۲۱۱۶)اس حدیث میں ہے لها مثل صداق نسائها لا وكس ولا شطط جس کا مطلب یہ ہے کہ خاندان کی عورت کا جو مہر ہے وہ مہر مثل ہے۔ نہ اس سے کم ہو اور نہ زیادہ ہو۔ اور خاندان کی عورتیں بہن، پھوپیاں اور چچازاد بہن ہوتی ہیں۔ اس لئے انہیں عورتوں کے مہر کو مہر مثل کہتے ہیں۔

[۱۸۱۵](۹۰) مہر مثل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس کی ماں کے ساتھ اور اس کی خالہ کے ساتھ اگر وہ عورت کے قبیلے سے نہ ہوں۔

تشریح ماں کا مہر اور خالہ کا مہر عورت کے لئے مہر مثل نہیں ہوگا۔ ہاں اگر عورت کے خاندان سے ہی ماں اور خالہ ہو تو ان کے مہر کا اعتبار کیا جائے گا۔

وجہ اوپر کی حدیث مثل صداق نسائها سے پتہ چلا کہ خاندان کی عورت ہو اس کے مہر کا اعتبار ہوگا۔ اور ماں اور خالہ خاندان میں سے عموما نہیں ہوتیں اس لئے ان کے مہر کا اعتبار نہیں ہوگا۔ البتہ اگر وہ اپنی خاندان ہی کی عورتیں ہوں تو ان کے مہر کا اعتبار رہوگا۔ مثلا باپ نے چچازاد

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے)اگلی عدت بھی گزارے (الف) حضرت عبداللہ بن مسعود کو ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا کہ اس نے ایک عورت سے شادی کی اور اس کے لئے مہر متعین نہیں کیا اور نہ اس سے صحبت کی کہ وہ مر گیا تو حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس کے لئے اس کے خاندان کی عورتوں کے مہر کے مثل ہوگا۔ نہ کم نہ زیادہ۔

بامها وخالتها اذا لم تكونا من قبيلتها[١٨١٦](٩١) ويعتبر في مهر المثل ان يتساوى المرأتان في السن والجمال والمال والعقل والدين والبلد والعصر [١٨١٧](٩٢) و يجوز تزويج الامة مسلمة كانت او كتابية.

بہن سے شادی کی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے خاندان کی ہی عورت تھی۔

[۱۸۱۶](۹۱)اعتبار کیا جائے گا مہر مثل میں یہ کہ برابر ہوں دونوں عورتیں عمر میں، خوبصورتی میں اور مال میں اور عقل میں اور دین میں اور شہر میں اور زمانہ میں۔

تشریح اس عورت کا دوسری عورت کے ساتھ مہر کے مثل ہونے کا اعتبار اس وقت کیا جائے گا جبکہ دونوں عورتیں اوپر کی سات چیزوں میں یکساں ہوں۔

وجہ ان چیزوں کے تفاوت سے مہر میں تفاوت ہوتا ہے۔ مثلا ایک عورت کی شادی تیس سال میں ہوئی تھی جس کا مہر پانچ سو درہم رکھا تھا۔ اور اس عورت کی عمر بیس سال ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا مہر زیادہ ہوگا۔ اس لئے دونوں عورتوں کی عمر، خوبصورتی، مال، عقل، دین تقریبا یکساں ہوں۔ اسی طرح ایک عورت برطانیہ کی ہو تو اس کا مہر کچھ اور ہوگا اور دوسری عورت پاکستان کی ہے تو اس کا مہر کچھ اور ہوگا۔ اس لئے دونوں عورتیں ایک شہر کی ہوں۔ اور دونوں کا زمانہ بھی تقریبا ایک ہوں۔ عبداللہ ابن مسعود کی حدیث میں ہے۔ **لها مثل صداق نسائها** (ترمذی شریف، نمبر ۱۱۴۵) جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں عورتیں ایک طرح کی ہوں۔

[۱۸۱۷](۹۲)اور جائز ہے باندی سے نکاح کرنا مسلمان ہو یا کتابیہ۔

تشریح آزاد عورت بیوی نہ ہو تو باندی سے نکاح کر سکتا ہے۔ چاہے باندی مسلمان ہو یا یہودیہ یا نصرانیہ ہو۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **ومن لم يستطع منكم طولا ان ينكح المحصنات المؤمنات فمن ما ملكت ايمانكم من فتياتكم المؤمنات** (الف) (آیت ۲۵ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ جو آزاد عورت کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ مؤمنہ باندی سے شادی کر سکتا ہے۔ اور باندی میں دونوں شامل ہیں اس لئے مسلمہ اور کتابیہ دونوں سے شادی کر سکتا ہے۔ جس طرح آزاد کتابیہ سے شادی کر سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کتابیہ باندی سے شادی بالکل نہیں کر سکتا۔

وجہ آیت میں **فتياتكم المؤمنات** کی قید ہے کہ مومنہ باندی ہو۔ اس لئے کتابیہ سے شادی کرنا جائز نہیں ہے (۲) **عبيد الله بن عبد الله وسليمان بن يسار قال وكانوا يقولون لا يصلح للمسلم نكاح الامة اليهودية ولا النصرانية انما احل الله**

حاشیہ : (الف) تم میں سے جو طاقت نہ رکھتا ہو کہ مومنہ آزاد عورتوں سے شادی کرے تو تمہارے جوانوں میں سے مومنہ باندی بہتر ہے (ب) عبید اللہ بن عبد اللہ اور سلیمان بن یسار فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان کے لئے یہودیہ اور نصرانیہ باندی سے شادی کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ نے اہل کتاب کی آزاد عورتوں کو حلال کیا اور باندی آزاد نہیں ہے۔

[۱۸۱۸](۹۳) ولا یجوز ان یتزوج امة علی حرة[۱۸۱۹](۹۴) ویجوز تزویج الحرة علیها[۱۸۲۰](۹۵) وللحر ان یتزوج اربعا من الحرائر والاماء ولیس له ان یتزوج اکثر

المحصنات من الذین اوتوا الکتاب ولیست الامة بمحصنة (ب)(سنن للبیہقی، باب لا یحل نکاح امة کتابیة لمسلم بحال ج سابع، ص ۲۸۷، نمبر ۱۴۰۱۴)اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ کتابیہ سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ اثر بھی ہے۔عن ابی میسرة قال : اماء اهل الکتاب بمنزلة حرائرهم (مصنف ابن ابی شیبة ۴۲ فی نکاح اماء اہل الکتاب ج ثالث، ۴۶۴، نمبر ۱۶۱۷۵)

[۱۸۱۸](۹۳)اور نہیں جائز ہے باندی کی شادی آزاد پر۔

تشریح پہلے سے آزاد عورت نکاح میں ہو اب اس پر باندی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ اوپر کی آیت میں ہے کہ آزاد عورت کی طاقت نہ رکھتا ہو تب باندی سے شادی کرے۔ اور یہاں تو آزاد عورت سے شادی کر چکا ہے اس لئے باندی سے شادی کیسے جائز ہوگی (۲) حدیث مرسل میں ہے۔عن الحسن قال نهی رسول الله ان تنکح الامة علی الحرة (الف)(سنن للبیہقی، باب لا تنکح امة علی حرة و تنکح الحرة علی الامة ج، سابع ص ۲۸۴، نمبر ۱۴۰۰۱ر دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۱۹۸ نمبر ۳۶۹۵)اس حدیث مرسل سے معلوم ہوا کہ آزاد بیوی کے رہتے میں باندی سے نکاح جائز نہیں ہے(۳)عن علی قال اذا تزوجت الحرة علی الامة قسم لها یومین وللامة یوما، ان الامة لا ینبغی لها ان تزوج علی الحرة (ب)(دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث، نمبر ۳۶۹۵)اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ آزاد عورت بیوی ہو تو باندی سے شادی نہ کرے۔

[۱۸۱۹](۹۴)اور جائز ہے آزاد سے شادی کرنا باندی پر۔

تشریح پہلے باندی بیوی ہو اب اس پر آزاد عورت سے شادی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

وجہ (۱)اثر میں اوپر حضرت علی کا قول گزرا کہ آزاد کو باندی پر شادی کرے تو اس کے لئے دو دن باری ہے جس سے معلوم ہوا کہ باندی پر آزاد کی شادی کر سکتا ہے(۲)دوسرے اثر میں ہے۔عن جابر بن عبد الله انه قال لا تنکح الامة علی الحرة وتنکح الحرة علی الامة، ومن وجد صداق حرة فلا ینکحن امة ابدا (ج)(سنن للبیہقی، باب لا تنکح امة علی حرة و تنکح الحرة علی الامة ج سابع ص ۲۸۵، نمبر ۱۴۰۰۴ر مصنف عبد الرزاق، باب نکاح الامة علی الحرة ج سابع ص ۲۶۵ نمبر ۱۳۰۸۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی پر آزاد کی شادی کر سکتا ہے(۳) باندی اتنے اعلی درجے کی نہیں ہوتی اس کا بچہ اس کے آقا کا غلام ہو جائے گا اس لئے اس پر آزاد سے شادی کر سکتا ہے جو اعلی درجے کی ہے اور اس کا بچہ بھی آزاد ہوگا۔

[۱۸۲۰](۹۵) آزاد مرد کے لئے جائز ہے کہ چار آزاد اور باندیوں سے شادی کرے۔ اور اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے زیادہ سے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے آزاد بیوی رہتے ہوئے باندی سے شادی کرنے سے منع فرمایا(ب) حضرت علی نے فرمایا اگر آزاد عورت سے شادی کرے باندی پر تو آزاد کے لئے دو دن کی باری اور باندی کے لئے ایک دن۔ اور باندی کے بارے میں مناسب نہیں ہے کہ آزاد پر شادی کرے(ج) جابر بن عبد اللہ نے فرمایا باندی سے آزاد رہتے ہوئے شادی نہ کرے۔ اور آزاد عورت سے باندی بیوی رہتے ہوئے شادی کرے۔ اور جو آزاد کا مہر پائے وہ باندی سے کبھی شادی نہ کرے۔

من ذلک[۱۸۲۱](۹۶) ولا یتزوج العبد اکثر من اثنتین[۱۸۲۲](۹۷) فان طلق الحر

شادی کرے۔

تشریح ایک آزاد آدمی چار عورتوں سے بیک وقت شادی کر سکتا ہے اس سے زیادہ سے نہیں۔ چاہے چاروں آزاد عورتیں ہوں یا چاروں باندیاں ہوں یا مشترکہ ہوں۔

وجہ آیت میں ہے کہ چار سے زیادہ شادی نہ کرو۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربع (الف) (آیت ۳ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں چار تک شادی کرنے کی اجازت ہے (۲) ایک صحابی نے دس عورتوں سے شادی کی تھی تو ان کو چار رکھنے کی اجازت ملی باقی کو چھوڑنے کا حکم دیا۔ وقال وھب الاسدی قال اسلمت وعندی ثمان نسوۃ قال فذکرت ذلک للنبی ﷺ فقال النبی ﷺ اختر منھن اربعا (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی من اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع او اختان ص ۳۱۱ نمبر ۲۲۴۱ رترمذی شریف ، باب ماجاء فی الرجل یسلم وعندہ عشر نسوۃ ص ۲۱۴ نمبر ۱۱۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چار عورتیں جائز ہیں۔ ان سے زیادہ جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر باندی سے شادی کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو صرف ایک باندی سے شادی کر سکتا ہے اس سے زیادہ سے نہیں۔

وجہ (۱) باندی سے شادی کرنا مجبوری کے درجے میں ہے جبکہ آزاد سے شادی کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ اور یہ ضرورت ایک باندی سے پوری ہوگئی اس لئے ایک باندی سے زیادہ سے شادی نہ کرے (۲) اثر میں ہے عن ابن عباس قال لایتزوج الحر من الاماء الا واحدۃ (ج) (سنن للبیہقی، باب لاتنکح امۃ علی امۃ ج سابع ص ۲۸۴، نمبر ۱۴۰۰۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف ایک باندی سے شادی کر سکتا ہے، زیادہ سے نہیں۔

[۱۸۲۱] (۹۶) اور غلام نہ شادی کرے دو سے زیادہ۔

تشریح آزاد چار عورتوں سے شادی کر سکتا ہے لیکن غلام ان کے آدھے پر اکتفا کرے گا یعنی بیک وقت دو عورتوں سے ہی شادی کر سکتا ہے۔

وجہ اثر میں ہے عن عمر بن الخطاب قال ینکح العبد امرأتین ویطلق تطلیقتین۔ اور دوسری روایت میں ہے عن الحکم قال اجتمع اصحاب رسول اللہ علی ان المملوک لا یجمع من النساء فوق اثنین (د) (سنن للبیہقی، باب نکاح العبد وطلاقہ ج سابع، ص ۲۵۵، نمبر ۱۳۸۹۵/۱۳۸۹۸ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۶ فی المملوک کم یتزوج من النساء ج ثالث ص ۲۸۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام دو عورتوں سے بیک وقت شادی کر سکتا ہے (۲) غلام کی نعمت آزاد کے مقابلے میں آدھی ہے اس لئے آزاد کو چار کی اجازت ہے تو غلام کو دو کی اجازت ہوگی۔

حاشیہ : (الف) نکاح کرو جو اچھی لگے عورتوں میں سے دو دو، تین تین اور چار چار (ب) وہب اسدی فرماتے ہیں کہ میں اسلام لایا اور میرے پاس آٹھ بیویاں تھیں۔ فرمایا میں نے اس کا تذکرہ حضورؐ کے پاس کیا۔ پس آپؐ نے فرمایا ان میں سے چار کو منتخب کر لو (ج) حضرت ابن عباس نے فرمایا آزاد آدمی باندی سے شادی نہ کرے مگر ایک ایک باندی سے (د) حضرت حکم نے فرمایا اصحاب رسول نے اس بات پر اتفاق کیا غلام دو عورتوں سے زیادہ جمع نہ کرے۔

احدی الاربع طلاقا بائنا لم یجز له ان یتزوج رابعة حتی تنقضی عدتها[۱۸۲۳](۹۸) واذا زوج الامة مولاها ثم ثم اعتقت فلها الخیار حرا کان زوجها او عبدا.

[۱۸۲۲](۹۷) پس اگر آزاد نے ایک کو طلاق بائنہ دی تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ چوتھی سے شادی کرے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے

تشریح آزاد آدمی کے پاس چار بیویاں تھیں۔ان میں سے ایک طلاق کو بائنہ دی تو جب تک اس کی عدت نہ گزر رے اور شوہر سے مکمل طور پر جدائیگی نہ ہو اس وقت تک پانچویں سے شادی نہیں کر سکتا۔

وجہ جب تک طلاق شدہ عورت کی عدت نہ گزر جائے اس وقت تک وہ من وجہ شوہر کی بیوی ہے۔اور جب چار بیوی موجود ہیں تو پانچویں سے شادی نہیں کر سکتا (۲) اثر میں ہے عن علی قال لا یتزوج خامسة حتی تنقضی عدة التی طلق (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۷ فی الرجل یکون تحتہ اربع نسوۃ فیطلق احداھن ج ثالث ص ۵۵۷، نمبر ۱۶۷۳۹) دوسرے اثر میں ہے عن عمر بن شعیب قال طلق رجل امرأة ثم تزوج اختها فی عدتها قال نکاحها حرام ویفرق بینها و بینه حتی تنقضی عدة التی طلق (ب) مصنف ابن ابی شیبة ۱۶ افی الرجل یکون تحتہ الولیدۃ فیطلقھا طلاقا بائنا فترجع الی سیدھا فیطأ ھا أ لزوجھا ان یراجعھا ج ثالث ، ص ۵۱۶، نمبر ۱۶۷۳۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جب تک عدت نہ گزر جائے پانچویں سے شادی نہیں کر سکتا۔

[۱۸۲۳](۹۸) اگر شادی کرائی آقا نے باندی کی پھر آزاد کی گئی تو باندی کو اختیار ہوگا، آزاد ہو اس کا شوہر یا غلام ہو۔

تشریح باندی کے آقا نے شادی کرائی بعد میں آزاد کر دی گئی تو اس باندی کو شوہر کے پاس رہنے یا نہ رہنے کا اختیار ہوگا جس کو خیار عتق کہتے ہیں۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضرت بریرہؓ آزاد کی گئی تو ان کو حضورؐ نے خیار عتق دیا اور کہا کہ آپ کو شوہر کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا اختیار ہے۔اور یہ بھی حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے کہ ان کا شوہر مغیث اس وقت آزاد تھے۔عن عائشة ان زوج بریرة کان حرا حین اعتقت وانها خیرت (ج) (ابوداؤد شریف، باب من قال کان حرا، کتاب الطلاق ص ۳۱۱ نمبر ۲۲۳۵ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الامۃ تعتق ولھا زوج ص ۲۱۹ نمبر ۱۱۵۵ ر ابن ماجہ شریف، باب خیار الامۃ اذا اعتقت ص... نمبر ۲۰۷۴) اس حدیث میں ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر آزاد تھے اس کے باوجود ان کو اختیار دیا (۲) چونکہ مولی نے شادی کرائی ہے۔اپنے اختیار سے باندی نے شادی نہیں کی۔اس لئے بھی آزاد ہونے کے بعد اس کو اختیار ملنا چاہئے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شوہر غلام ہو تو باندی کو اختیار ملے گا اور آزاد ہو تو اختیار نہیں ملے گا۔

وجہ حدیث میں ہے عن عائشة فی قصة بریرة قالت کان زوجها عبدا فخیر ها النبی ﷺ فاختارت نفسها ولو کان

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا پانچویں سے شادی نہ کرے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے جس کو طلاق دی ہے (ب) عمر بن شعیبؒ نے فرمایا آدمی بیوی کو طلاق دے پھر اس کی عدت میں اس کی بہن سے شادی کرے۔پھر اس کا نکاح حرام ہے۔دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے یہاں تک کہ جس کو طلاق دی ہے اس کی عدت ختم ہو جائے (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ کے شوہر آزاد تھے جب وہ آزاد کی گئی اور ان کو خیار عتق دیا گیا تھا (د) (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[۱۸۲۴](۹۹) وکذلک المکاتبة [۱۸۲۵](۱۰۰) وان تزوجت امة بغیر اذن مولاھا ثم اعتقت صح النکاح ولا خیار لھا[۱۸۲۶](۱۰۱) ومن تزوج امرأتین فی عقدة واحدة

حرا لم یخیرھا (د)(ابوداؤدشریف، باب فی المملوکۃ تعتق وھی تحت حراوعبدص۳۱۰نمبر ۲۲۳۳ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الامۃ تعتق ولھازوج ص۲۱۹نمبر ۱۱۵۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر غلام ہونے کی وجہ سے اختیار دیا گیا اگر آزاد ہوتا تو اختیار نہ دیا جاتا۔

نوٹ اگراس باندی سے شوہر وطی کرے تب اختیار ختم ہو جائے گا۔

وجہ کیونکہ اختیار ملنے کے بعد اس نے شوہر کو اختیار کیا تب ہی تو صحبت کرنے دیا (۲) حدیث میں ہے عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لبریرة ان وطئک فلا خیار لک (الف)(ابوداؤدشریف، باب حتی متی یکون لھاالخیار ص۳۱۱نمبر ۲۲۳۶ ردارقطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص۲۰۴نمبر ۳۷۳۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحبت کرلے تو اب اختیار باقی نہیں رہے گا۔

[۱۸۲۴](۹۹)اور ایسے ہی مکاتبہ کا حال ہے۔

تشریح مکاتبہ باندی کی شادی آقا نے کرائی تھی۔وہ مال کتابت دے کر آزاد ہوئی تو اس کو بھی خیار عتق ملے گا۔اب چاہے تو اس کے شوہر کے پاس رہے چاہے تو نہ رہے۔چاہے اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو۔

وجہ مکاتبہ باندی بھی ہے اور آقا نے شادی کرائی ہے اس لئے آزاد ہونے کے بعد حدیث کی رو سے اس کو بھی خیار عتق ملے گا (۲) حدیث بریرہ پہلے گزر چکی ہے (ابوداؤدشریف نمبر ۲۲۳۵ رترمذی شریف نمبر ۱۱۵۴)

[۱۸۲۵](۱۰۰)اور اگر شادی کی باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر پھر آزاد کی گئی تو نکاح صحیح رہے گا۔اور اس کو خیار عتق نہیں ملے گا۔

تشریح باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرلی۔ابھی آقا نے اجازت نہیں دی تھی کہ آزاد کر دی گئی تو باندی کو شوہر کے پاس رہنے یا نہ رہنے کا اختیار نہیں ملے گا۔اب نکاح نافذ ہو جائے گا اور شوہر کے ساتھ ہی رہنا پڑے گا۔

وجہ یہ شادی آقا کے دباؤ سے نہیں ہوئی ہے۔بلکہ خود باندی کے اختیار سے ہوئی ہے اس لئے اس کو اختیار نہیں ملے گا۔اختیار تو اس وقت ملتا ہے جب آقا کے دباؤ سے شادی ہوئی ہو (۲) آزادگی سے پہلے نکاح آقا کی اجازت پر موقوف تھا۔نکاح نافذ نہیں ہوا تھا۔نکاح نافذ ہوا ہے آزادگی کے بعد جو باندی کے اختیار سے تھا۔جب باندی ہونے کے زمانے میں نکاح ہی نافذ نہیں ہوا ہے تو خیار عتق کیسے ملے گا؟

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آزادگی سے پہلے نکاح نافذ ہوا ہو تو خیار عتق ملے گا۔اور آزادگی کے بعد نکاح نافذ ہوا ہو تو خیار عتق نہیں ملے گا۔

[۱۸۲۶](۱۰۱) کسی نے دو عورتوں سے ایک ہی عقد میں شادی کی۔ان میں سے ایک کا نکاح اس سے حلال نہیں تھا تو صحیح ہے نکاح اس عورت کا جس کا نکاح حلال ہے اور باطل ہوگا دوسرے کا نکاح۔

تشریح مثلا ایک ہی عقد میں اپنی بہن اور چچازاد بہن سے شادی کرلی۔ظاہر ہے کہ اپنی بہن سے شادی کرنا حلال نہیں ہے۔اس لئے اس کا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) بریرہ کے قصے میں ہے کہ ان کے شوہر غلام تھے۔اس لئے حضورؐ نے بریرہ کو اختیار دیا تو حضرت بریرہ نے اپنے آپ کو اختیار کیا۔اور اگر آزاد ہوتے تو ان کو اختیار نہیں دیتے (الف) آپؐ نے حضرت بریرہ سے کہا اگر تم سے صحبت کرلے تو تم کو خیار عتق نہیں رہے گا۔

احدٰیھما لا یحل لہ نکاحھا صح نکاح التی یحل لہ نکاحھا وبطل نکاح الاخری

[۱۸۲۷](۱۰۲) واذا کان بالزوجۃ عیب فلا خیار لزوجھا.

نکاح باطل ہوگا۔لیکن اس کی وجہ سے چچازاد بہن کا نکاح باطل نہیں ہوگا بلکہ اس کا نکاح صحیح رہے گا۔

وجہ (۱)اصل میں نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا جیسا کہ قاعدہ پہلے گزر چکا ہے۔اس لئے اپنی بہن کا فساد چچازاد بہن میں سرایت نہیں کرے گا اور نکاح درست رہے گا (۲) حدیث میں ہے کہ دس عورتوں سے شادی کی پھر اسلام لانے کے بعد چار کو بحال رکھا اور باقی کو چھٹکارا دے دیا تو جن عورتوں کو چھٹکارا دیا ان کا نکاح درست نہیں تھا پھر بھی ان کا اثر ان عورتوں کے نکاح پر نہیں پڑا جن کو بحال رکھا۔جس سے معلوم ہوا کہ فساد کا اثر حلال پر نہیں پڑے گا۔حدیث میں ہے۔**وقال وھب الاسدی قال اسلمت وعندی ثمان نسوۃ قال فذکرت ذلک للنبی ﷺ فقال النبی ﷺ اختر منھن اربعا** (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی من اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع او اختان ص ۳۱۱ نمبر ۲۲۴۱ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یسلم وعندہ عشرۃ نسوۃ ص ۲۱۴ نمبر ۱۱۲۸)

(عیوب کا بیان)

[۱۸۲۷](۱۰۲)اگر بیوی کو عیب ہو تو اس کے شوہر کے لئے اختیار نہیں ہے۔

تشریح شادی کرنے سے پہلے شوہر کو عیب کا پتہ نہیں تھا اور نہ اس عیب سے راضی تھا۔شادی کے بعد اس کا علم ہوا تو عیب کی وجہ سے شوہر کو طلاق دینے اور تفریق کا اختیار نہیں ہے۔

وجہ شادی ہوتی ہے ایک دوسرے کے اطمینان کے لئے۔اور تفریق سے بیوی کو تکلیف ہوگی اس لئے تفریق کی اجازت نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔**قال علی ایما رجل تزوج امرأۃ مجنونۃ او جذماء او بھا برص او بھا قرن فھی امرأتہ ان شاء امسک وان شاء طلق** (ب)(دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۱۸۷ نمبر ۳۶۳۳ر سنن للبیہقی، باب ما یرد بہ النکاح من العیوب ج سابع ص ۳۵۰، نمبر ۱۴۲۲۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عیب والی عورتیں بیوی ہیں چاہے ان کو رکھیں چاہے ان کو طلاق دیں (۲) اثر میں ہے۔**قلت لعطاء فالرجل ان کان بہ بعض الاربع جذام او جنون او برص او عفل، قال لیس لھا شیء ھو احق بھا** (ج)(مصنف عبد الرزاق، باب ما رد من النکاح ج سادس ص ۲۴۹ نمبر ۱۰۷۰۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عیوب کی وجہ سے جدا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جذام، برص، جنون اور قرن کی بیماری ہو تو جدا کرنے کی گنجائش ہے۔

وجہ (۱)ان بیماریوں کی وجہ سے استفادہ مشکل ہوگا جو اصل مقصود ہے۔اس لئے شوہر کو جدا کرنے کی اجازت ہوگی (۲) حضورؐ نے برص کی وجہ

حاشیہ: (الف) وہب اسدی نے فرمایا میں اسلام لایا اور میرے پاس آٹھ بیویاں تھیں۔میں نے حضورؐ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا ان میں سے چار کو منتخب کرلو (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا کسی آدمی نے مجنونہ یا جذام والی یا برص والی یا قرن والی عورت سے شادی کی تو وہ اس کی بیوی ہے۔چاہے اپنے پاس رکھے چاہے طلاق دیدے (ج) میں نے حضرت عطاء سے کہا آدمی کو چار عیوب میں سے کوئی ہو جذام یا جنون یا برص یا عفل ہو تو عورت کو حق نہیں ہے۔انہوں نے فرمایا مرد عورت کا زیادہ حقدار ہے۔

[۱۸۲۸](۱۰۳) واذا كان بالزوج جنون او جذام او برص فلا خيار للمرأة عند ابى حنيفة وابى يوسف رحمهما الله تعالى وقال محمد رحمه الله تعالى لها الخيار

سے بیوی کو علیحدہ کیا تھا۔عن ابن عمر ان النبی ﷺ تزوج امرأة من بنی غفار فلما ادخلت عليه رای بکشحها بیاضا فناء عنها وقال ارخی علیک فخلی سبیلها ولم یاخذ منها شیء ا(الف) (سنن للبیہقی، باب ما یرد به النکاح من العیوب ج سابع ،ص ۳۴۸ ،نمبر ۱۴۲۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیب کی وجہ سے بیوی کو علیحدہ کر سکتے ہیں (۳) عن ابن عباس قال قال رسول الله اجتنبوا فی النکاح اربعة الجنون والجذام والبرص (ب) (دار قطنی ، کتاب النکاح ج ثالث نمبر ۳۶۲۸) (۴) عن سعید بن المسیب قال قضی عمرؓ فی البرصاء والجذماء والمجنونة اذا دخل بها فرق بینهما والصداق لها لمسیسه اياها وهو له علی ولیها (ج) (دار قطنی ، کتاب النکاح ج ثالث ،ص ۱۸۷ نمبر ۳۶۳۱ سنن للبیہقی ، باب ما یرد بی النکاح من العیوب ج سابع، ص ۳۴۹ ،نمبر ۱۴۲۲۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ان عیوب کی وجہ سے میاں بیوی میں تفریق کی جاسکتی ہے۔

[۱۸۲۸] (۱۰۳) اگر شوہر کو جنون ہو یا جذام ہو یا برص ہو تو عورت کے لئے اختیار نہیں ہے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک۔ اور فرمایا امام محمد نے اس کے لئے اختیار ہے۔

وجہ اوپر مسئلہ نمبر ۱۰۲ میں اثر گزر گیا جس سے معلوم ہوا کہ شوہر کو جنون وغیرہ ہو تو عورت کو تفریق کرانے کا اختیار نہیں ہوگا (۲) ایک اور اثر میں ہے۔عن الثوری فی رجل یحدث به بلاء لایفرق بینهما هو بمنزلة المرأة لا یرد الرجل ولا ترد المرأة وذكره عن حماد عن ابراهيم (د) (مصنف عبد الرزاق، باب ما رد من النکاح ج سادس ص ۲۴۹ نمبر ۱۰۷۰۰) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ تفریق نہیں کرائی جائیگی۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ شوہر کو جنون، جذام یا برص ہو تو عورت کو قاضی کے ذریعہ تفریق کرانے کا حق ہوگا۔

وجہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ عن ابن عباس قال قال رسول الله اجتنبوا فی النکاح اربعة الجنون والجذام والبرص (ہ) (دار قطنی ، کتاب النکاح ج ثالث ص ۱۸۶ نمبر ۳۶۲۸) (۲) عن سعید بن المسیب قال ایما رجل تزوج امرأة وبه جنون او ضرر فانها تختر فان شاء ت فارقته وان شاء ت قرت (و) (سنن للبیہقی ، باب ما یرد به النکاح من العیوب ج سابع ،ص ۳۵۱ ،نمبر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے بنی غفار کی عورت سے شادی کی۔ پس جب ان کے پاس گئے تو اس کے پہلو میں برص کی بیماری دیکھی تو آپ ان سے دور ہو گئے اور فرمایا پردہ کر لو اور اس کو رخصت کر دیا اور ان سے دیا ہوا مہر نہیں لیا (ب) آپؐ نے فرمایا نکاح میں چار عیوب سے بچو۔ جنون، کوڑھ اور برص کی بیماری سے (ج) حضرت عمرؓ نے برص والی، کوڑھ والی اور مجنونہ عورتوں کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ ان سے صحبت کی ہو پھر بھی تفریق کی جائے گی۔ اور اس صحبت کی وجہ سے مہر لازم ہوگا۔ اور وہ مہر عورت کے ولی سے شوہر وصول کرے گا (د) حضرت ثوریؒ نے فرمایا کسی آدمی پر بلاء نازل ہو جائے تو دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی۔ اور مرد عورت کی طرح ہے، نہ مرد لوٹایا جائے گا نہ عورت لوٹائی جائے گی۔ یعنی کسی کے مرض کی وجہ سے تفریق نہیں ہوگی۔ یہی قول حضرت حماد نے حضرت ابراہیم سے نقل کیا ہے (ہ) آپؐ نے فرمایا نکاح میں چار بیماریوں سے بچو۔ جنون، کوڑھ اور برص سے (و) حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کسی آدمی نے عورت سے شادی کی (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۸۲۹](۱۰۴) واذا کان الزوج عِنِّینا اجله الحاکم حولا فان وصل فی هذه المدة فلا خیار لها والا فرق بینهما ان طلبت المرأة ذلک[۱۸۳۰] (۱۰۵)والفرقة تطلیقة

۱۴۲۳۱)اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ عورت کو ان عیوب کی وجہ سے تفریق کا اختیار ہوگا۔

[۱۸۲۹](۱۰۴)اگر شوہر عنین ہو تو حاکم اس کو مہلت دے گا ایک سال۔ پس اگر صحبت کر لے اس مدت میں تو عورت کو اختیار نہیں ہوگا ورنہ دونوں میں تفریق کر دے اگر عورت اس کا مطالبہ کرے۔

تشریح شوہر نامرد ہو، بیوی سے صحبت نہ کر سکتا ہو تو حاکم اس کو ایک سال تک مہلت دے گا تا کہ اس کا علاج کرائے۔ پس اگر ایک سال میں صحبت کے قابل ہو گیا تو ٹھیک ہے۔ اور اگر صحبت کے قابل نہ ہوا اور عورت نے علیحدگی کا مطالبہ کیا تو حاکم تفریق کر دیں گے۔

وجہ (۱)ایک سال میں تینوں موسم ہیں اس لئے آسانی سے علاج کرا سکتا ہے اس لئے ایک سال کی مہلت دی جائے گی (۲) اثر میں ہے عن عمرؓ قال یوجل العنین سنة (الف) (دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۱ نمبر ۳۷۶۹) اور سنن بیہقی میں یوں ہے۔ عن عمر بن الخطاب انه قال فی العنین یوجل سنة فان قدر علیها والا فرق بینهما ولها المهر وعلیها العدة (ب) (سنن للبیہقی، باب اجل العنین ج سابع ص ۳۶۸، نمبر ۱۴۲۸۹ / مصنف عبد الرزاق، باب اجل العنین ج سادس ص ۲۵۳ نمبر ۱۰۷۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حاکم کے پاس معاملہ لے جانے کے وقت سے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اس مدت میں صحبت کے قابل ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ عورت کے مطالبے پر تفریق کر دی جائے گی۔ پھر عورت کو مہر بھی ملے گا اور اس پر عدت بھی لازم ہوگی۔ کیونکہ خلوت صحیحہ ہو چکی ہے۔

نوٹ عنین میں تفریق کا مسئلہ امرأة رفاعة کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت رفاعة کی بیوی نے فرمایا کہ میرا شوہر صحبت نہیں کر سکتا وہ کپڑے کی پلو کی طرح نرم اور کمزور ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن عائشة قالت جاء ت امرأة رفاعة الی النبی ﷺ فقالت ... وانما معه مثل هدیة الثوب الخ (ج) (مسلم شریف، باب لا تحل المطلقة ثلاثا لمطلقها الخ ص ۴۶۳ نمبر ۱۴۳۳)

[۱۸۳۰](۱۰۵)اور فرقت طلاق بائنہ کے درجے میں ہوگی۔

تشریح عنین ہونے کی وجہ سے جو علیحدگی ہوگی یہ طلاق بائنہ کے درجے میں ہوگی۔

وجہ یہ فرقت مرد کی جانب سے ہو رہی ہے کیونکہ اسی میں مرض ہے۔ اور مرد کی جانب سے جو فرقت ہوتی ہے وہ طلاق شمار ہوتی ہے۔ اور طلاق رجعی سے عورت کی جان مکمل نہیں چھوٹے گی اس لئے طلاق بائنہ کے درجے میں ہوگی تا کہ عورت کی جان مکمل چھوٹ جائے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ ان عمر وابن مسعود قضیا بانها تنتظر به سنة ثم تعتد بعد السنة عدة المطلقة وهو احق بامرها فی

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) اور اس کو جنون یا کوئی بیماری ہو تو عورت کو اختیار ہوگا۔ چاہے تو مرد کو جدا کر دے، چاہے تو اس کے پاس ٹھہری رہے (الف) حضرت عمرؓ نے فرمایا عنین کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا عنین کی وجہ سے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ پس اگر عورت پر قدرت ہو گئی تو ٹھیک ہے ورنہ دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ اور عورت کے لئے مہر ہوگا اور اس پر عدت ہوگی (ج) حضرت رفاعہ کی بیوی حضورؐ کے پاس آئی اور کہا... اس کے پاس کپڑے کے پلو کی طرح ہے۔

بائنة[۱۸۳۱](۱۰۶) ولها كمال المهر اذا كان قد خلا بها[۱۸۳۲](۱۰۷) وان كان مجبوبا فرق القاضی بینهما فی الحال ولم یؤجله[۱۸۳۳](۱۰۸) والخصی یؤجل كما یؤجل العِنّین.

عدتها (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب اجل العنین ج سادس ص ۲۵۳ نمبر ۱۰۷۲۲ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۶۳ ما قالوافی امرأة العنین اذا فرق بینهما علیها العدة؟ ج رابع، ص ۱۵۴، نمبر ۱۸۷۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عنین کی تفریق طلاق شمار کی جائے گی۔

[۱۸۳۱](۱۰۶) عورت کے لئے پورا مہر ہوگا اگر اس سے خلوت کر چکا ہو۔

تشریح عنین اگر چہ صحبت کاملہ نہیں کر سکتا اسی لئے علیحدگی ہوئی ہے پھر بھی مسئلہ یہ ہے کہ خلوت کر چکا ہو تو پورا مہر لازم ہوگا۔

وجہ (۱) عورت نے اپنا مال سپرد کر دیا ہے اس لئے اس کو مہر ملے گا (۲) اور پر مسئلہ نمبر ۱۰۴ میں حضرت عمرؓ کا اثر گزرا ولها المهر وعلیها العدة (ب) (سنن للبیہقی، باب اجل العنین ج سابع ص ۳۶۸، نمبر ۱۴۲۸۹ رمصنف عبدالرزاق، باب اجل العنین ج سادس ص ۲۵۳ نمبر ۱۰۷۲۱ر ۱۰۷۲۲) اور خلوت کرنے پر مہر لازم ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔ عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ من كشف خمار امرأة ونظر الیها فقد وجب الصداق دخل بها او لم یدخل بها (ج) (دارقطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۳ نمبر ۳۷۸۰) اور حضرت علی کا یہ اثر ہے۔ عن علی قال اذا اغلق بابا وارخی سترا او رای عورة فقد وجب علیه الصداق (د) (دارقطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۲ نمبر ۳۷۷۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خلوت ہوئی ہو تو پورا مہر لازم ہوگا۔

[۱۸۳۲](۱۰۷) اگر ذکر کٹا ہوا ہو تو قاضی تفریق کرا دے فی الحال اور اس کو مہلت نہ دے۔

وجہ ذکر کٹا ہوا ہے تو مہلت دینے سے ٹھیک نہیں ہو سکتا اس لئے مہلت دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس لئے اس کو مہلت نہ دے اور فی الحال میاں بیوی کے درمیان تفریق کرا دے۔

[۱۸۳۳](۱۰۸) اور خصی کو مہلت دی جائے گی جیسے عنین کو مہلت دی جاتی ہے۔

تشریح خصی اس کو کہتے ہیں جس کا آلۂ تناسل تو ٹھیک ہو البتہ خصیہ نہ ہو۔

وجہ اگر چہ خصیہ نہیں ہے لیکن آلۂ تناسل ٹھیک ہے اس لئے امید کی جا سکتی ہے کہ علاج کرانے سے صحبت کے قابل ہو جائے۔ اس لئے اس کو بھی ایسے ہی ایک سال کی مہلت ملے گی جیسے عنین کو ملتی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ نے فیصلہ کیا کہ عنین میں وہ ایک سال تک انتظار کرے گی۔ پھر ایک سال کے بعد مطلقہ کی عدت گزارے گی۔ اور مرد عورت کے معاملے کا زیادہ حقدار ہوگا عورت کی عدت میں (ب) عورت کو مہر ملے گا اور اس پر عدت ہوگی (ج) آپ نے فرمایا کسی نے بیوی کی اوڑھنی کھولی اور اس کو دیکھا تو اس پر مہر لازم ہوگا صحبت کی ہو یا نہ کی ہو (د) حضرت علیؓ نے فرمایا اگر دروازہ بند کیا اور پردہ لٹکا دیا یا ستر کو دیکھا تو شوہر پر مہر لازم ہوگا۔

[۱۸۳۴](۱۰۹) واذا اسلمت المرأة وزوجها کافر عرض علیه القاضی الاسلام فان

[۱۸۳۴](۱۰۹) اگر عورت اسلام لائی اور اس کا شوہر کافر ہے تو قاضی اسپر اسلام پیش کرے، پس اگر اسلام لے آئے تو عورت اس کی بیوی رہے گی۔ اور اگر اسلام سے انکار کر دیا تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اور یہ تفریق طلاق بائنہ ہوگی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ یہ فرقت ہوگی بغیر طلاق کے۔

تشریح عورت اسلام لائی اور شوہر کافر ہے تو قاضی شوہر پر اسلام پیش کرے۔ اگر وہ اسلام لے آیا تو عورت اس کی بیوی رہے گی۔ اور اسلام لانے سے انکار کر دے تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کرا دے۔ یہ تفریق طرفین کے نزدیک طلاق بائنہ کے درجے میں ہوگی۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک فرقت اور فسخ کے درجے میں ہوگی۔

وجہ شوہر پر اسلام پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کی شادی کافر سے حلال نہیں ہے۔ آیت میں ہے **ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ولامة مؤمنة خیر من مشرکة ولو اعجبتکم ولاتنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا** (الف) (آیت ۲۲۱ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ مشرک یا مشرکہ مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے۔ دوسری آیت میں ہے **لا هن حل لهم ولاهم یحلون لهن** (آیت ۱۰ سورۃ الممتحنۃ ٦٠) اس آیت میں بھی ہے کہ مشرکہ حلال نہیں ہیں (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت ابوالعاصؓ بعد میں ایمان لائے تو نکاح جدید کے ذریعہ حضرت زینب کو ان کے حوالے کیا گیا۔ **عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله ﷺ رد ابنته علی ابی العاص بن الربیع بمهر جدید ونکاح جدید** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الزوجین المشرکین یسلم احدھما ص ۲۱۷ نمبر ۱۱۴۲) اور اسلام پیش کرے پس شوہر انکار کرے تو اس انکار کو تفریق کا سبب اس لئے بنائے کہ اسلام لانا نعمت ہے۔ اس نعمت کی وجہ سے شوہر جیسی نعمت چھوٹ جائے یہ اچھا نہیں ہے اس لئے شوہر کے انکار کو تفریق کا سبب بنایا جائے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **ان رجلا من بنی ثعلب یقال له عباد بن النعمان فکان تحته امرأة من بنی تمیم فاسلمت فدعاه عمر فقال اما ان تسلم واما ان انزعها منک فابی ان یسلم فنزعها منه عمر** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۳ ما قالوا فی المرأۃ تسلم قبل ان یسلم زوجھا من قال یفرق بینھما ج رابع، ص ۱۱۰، نمبر ۱۸۲۹۷) اس اثر میں شوہر پر اسلام پیش کیا اور اس کے انکار کے بعد حضرت عمر نے تفریق کی۔ ایک اور اثر میں ہے۔ **عن ابن شهاب انه قال یعرض علیه الاسلام فان اسلم فهی امرأته والا فرق بینهما الاسلام** (مصنف عبد الرزاق، باب النصرانیین تسلم المرأۃ قبل الرجل ج سابع ص ۱۷۴ نمبر ۱۲۶۵۷)

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین حیض گزرنے تک شوہر کے اسلام لانے کا انتظار کیا جائے گا۔ اور تین حیض گزر جائے تو تفریق ہو جائیگی۔

حاشیہ : (الف) مشرکہ عورتوں سے نکاح مت کرو جب تک ایمان نہ لے آئیں۔ اور مؤمن باندیاں مشرکہ سے بہتر ہیں اگر چہ تمہیں اچھی لگیں۔ اور مشرک مرد سے نکاح نہ کریں جب تک کہ ایمان نہ لائیں (ب) آپؐ نے اپنی بیٹی کو ابوالعاص بن ربیع کو نئے مہر اور نئے نکاح سے واپس کیا (ج) عباد بن نعمان کے تحت بنی تمیم کی عورت تھی۔ پس وہ اسلام لائی۔ پس حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر کو بلایا اور فرمایا یا اسلام لاؤ یا تم سے عورت کو نکال لیں گے۔ پس شوہر نے اسلام لانے سے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے عورت کو اس سے نکال لیا۔ یعنی تفریق کرا دی۔

اسلم فھی امرأته وان ابی عن الاسلام فرق بینھما و کان ذلک طلاقا بائنا عند ابی حنیفة

وجہ حدیث میں ہے کہ عکرمۃ بن ابوجہل اور صفوان بن امیہ کی بیویاں اسلام لے آئیں اور ان کے شوہر کافر رہے۔ پھر عدت کے اندر اندر اسلام لے آئے تو بیویاں ان کے حوالے کردی گئیں، حدیث یہ ہے واسلمت امرأة عکرمة بن ابی جھل وامرأة صفوان بن امیة وھرب زوجاھما ناحیة الیمن من طریق الیمن کافرین الی بلد کفر ثم جاٗا فاسلما بعد مدة وشھد صفوان حنین کافرا فدخل دار الاسلام بعد ھربه منھا کافرا فاستقر علی النکاح وکان ذلک کله ونساؤھم مدخول بھن لم تنقص عددھن (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال لا ینفسخ النکاح بینھما باسلام احدھما اذا کانت مدخولا بھا حتی تنقضی عدتھا قبل اسلام المتخلف منھاج سابع، ص ۳۰۱، نمبر ۱۴۰۶۲ / بخاری شریف، باب اذا اسلمت المشرکۃ او النصرانیۃ تحت الذمی او الحربی ص ۷۹۶ نمبر ۵۲۸۸) اس حدیث میں لم تنقص عددھن سے پتہ چلا کہ عدت گزرنے سے پہلے شوہر اسلام لائے اس لئے بیوی کا نکاح بحال رہا (۲) وہ فرماتے ہیں کہ جب کافروں سے نکاح کرنا حرام ہونے کی آیت نازل نہیں ہوئی تو حضرت زینب بنت رسول کا نکاح حضرت ابوالعاص سے بحال رہا۔ اور جب حرمت کی آیت نازل ہوئی تو حضرت زینب ابھی عدت ہی میں تھیں کہ ان کا شوہر حضرت ابوالعاص مسلمان ہوگئے۔ اور حضورؐ نے حضرت زینب کو نکاح اول کے تحت ان کے حوالے کردیا۔ عن ابن عباس قال رد رسول الله ﷺ ابنته زینب علی ابی العاص بالنکاح الاول لم یحدث شیئا (ب) (ابوداؤد شریف، باب الی متی ترد علیہ امرأتہ اذا اسلم بعدھا ص ۳۱۱ نمبر ۲۲۴۰ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الزوجین المشرکین یسلم احدھما ص ۲۱۷ نمبر ۱۱۴۳ / سنن للبیہقی، باب من قال لا ینفسخ النکاح بینھما باسلام احدھما ج سابع ص ۳۰۳، نمبر ۱۴۰۶۷) اس حدیث میں ہے کہ حضرت زینب کو نکاح اول کے ذریعہ حضرت ابوالعاص کے حوالے کی گئی۔ لیکن وہ عدت میں تھی اس لئے حوالے کی گئی۔

اور طرفین کے نزدیک یہ تفریق طلاق بائنہ ہوگی اس کی وجہ یہ اثر ہے۔ عن الحسن قال اذا کان الرجل وامرأته مشرکین فاسلمت وابی ان یسلم بانت منه بواحدة وقال عکرمة مثل ذلک. اور دوسری روایت میں ہے. ان الحسن وعمر بن عبد العزیز قالا تطلیقة بائنة (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۵ من قال اذا ابی ان یسلم فھی تطلیقۃ ج رابع ص ۱۱۰، نمبر ۱۸۳۰۹ / ۱۸۳۰۸) اس اثر میں ہے اسلام نہ لانے پر تفریق طلاق بائنہ کے درجے میں ہے (۲) یوں بھی شوہر کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے تفریق ہے اس لئے گویا کہ شوہر کی جانب سے تفریق ہوئی۔ اور شوہر کی جانب سے تفریق طلاق کے درجے میں ہوتی ہے۔ اس لئے طلاق بائنہ کے درجے میں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) عکرمہ بن ابوجہل کی عورت اسلام لائی۔ اور صفوان بن امیہ کی عورت اسلام لائی۔ اور ان دونوں کے شوہر یمن کے راستے سے یمن بھاگ گئے کافر ہوکر کافر کے شہر کی طرف۔ پھر ایک مدت کے بعد اسلام میں داخل ہوکر آئے۔ اور حضرت صفوان کافر کی حالت میں حنین میں حاضر ہوئے۔ پھر کافر ہوکر بھاگنے کے بعد دار الاسلام میں داخل ہوئے۔ پس آپؐ نے نکاح برقرار رکھا۔ اور یہ سارے معاملات اس وقت ہوئے کہ ان کی بیویاں صحبت شدہ تھیں۔ اور ان کی عدت ختم نہیں ہوئی تھی (ب) حضورؐ نے اپنی بیٹی زینب کو ابوالعاص کے حوالے کیا نکاح اول کی وجہ سے درمیان میں کچھ نہیں کیا (ج) حضرت حسن نے فرمایا اگر مرد اور عورت مشرک ہوں۔ پس عورت مسلمان ہوئی اور شوہر نے انکار کیا تو ایک طلاق بائنہ ہوگی۔ اور حضرت عکرمہ نے ایسا ہی کہا۔

ومحمد رحمهما الله وقال ابو يوسف رحمه الله هو الفرقة بغير طلاق[۱۸۳۵](۱۱۰) وان اسلم الزوج وتحته مجوسية عرض عليها الاسلام فان اسلمت فهي امرأته وان ابت فرق القاضي بينهما ولم تكن الفرقة طلاقا[۱۸۳۶](۱۱۱) فان كان قد دخل بها فلها كمال المهر وان لم يكن دخل بها فلا مهر لها[۱۸۳۷](۱۱۲) واذا اسلمت المرأة في

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس تفریق میں میاں بیوی دونوں شریک ہیں اس لئے یہ طلاق نہیں ہوگی بلکہ فسخ نکاح ہوگا (ا) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الحسن قال اذا اسلمت المرأة قبل زوجها انقطع ما بينهما من النكاح (الف) دوسری راویت ہے۔عن عطاء في النصرانية تسلم تحت زوجها قال يفرق بينهم ا(مصنف ابن ابی شیبۃ ما قالوا فی المرأۃ تسلم قبل زوجها من قال یفرق بینہما ج رابع،ص ۱۰۹،نمبر ۱۸۲۹۶/۱۸۲۹۳)ان اثروں میں يفرق بينهما اور انقطع ما بينهما ہیں۔جن سے پتہ چلا کہ دونوں کے درمیان تفریق ہوگی طلاق نہیں ہوگی۔

[۱۸۳۵](۱۱۰)اگر شوہر اسلام لے آیا اور اس کے نکاح میں آتش پرست ہو تو اس پر اسلام پیش کرے۔پس اگر اسلام لے آئے تو وہ اس کی بیوی رہے گی۔اور اگر انکار کردے تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کرادے۔اور یہ فرقت طلاق نہیں ہوگی۔

تشریح اسلام پیش کرنے کا اثر پہلے گزر گیا۔اور یہ فرقت طلاق اس لئے نہیں ہوگی کہ عورت کی جانب سے انکار کرنے پر فرقت ہوتی ہے۔اور عورت کی جانب سے طلاق نہیں ہوتی اس کی جانب سے فرقت ہوتی ہے۔اس لئے یہ تمام کے نزدیک فرقت شمار ہوگی۔

[۱۸۳۶](۱۱۱)اور اگر اس سے صحبت کی تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا۔اور اگر صحبت نہیں کی تو اس کے لئے مہر نہیں ہوگا۔

تشریح صحبت کر لی تھی پھر عورت نے اسلام لانے سے انکار کیا تو چونکہ مال سپرد کر دیا تھا اس لئے اس کو پورا مہر ملے گا۔اور صحبت سے پہلے انکار کیا تو مال ابھی سپرد نہیں کیا۔اور تفریق کا سبب وہ بنی اس لئے اس کو کچھ نہیں ملے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الثوری قال اذا ارتدت المرأة ولها زوج ولم يدخل بها فلا صداق لها وقد انقطع ما بينهما فان كان قد دخل بها فلها الصداق كاملا (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب امر تدین ج سابع ص ۱۶۱ نمبر ۱۲۶۱۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحبت نہ کی ہو تو کچھ نہیں ملے گا اور صحبت کی ہو تو پورا مہر ملے گا۔

[۱۸۳۷](۱۱۲)اگر عورت دار الحرب میں اسلام لے آئے تو فرقت واقع نہیں ہوگی یہاں تک کہ تین حیض گزر جائے۔پس جب تین حیض گزر جائے تو اس کے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی۔

حاشیہ : (الف) حضرت حسن اور عمر بن عبد العزیز نے فرمایا ایک طلاق بائنہ ہوگی (د) حضرت حسن نے فرمایا اگر عورت شوہر سے پہلے مسلمان ہوئی تو دونوں کے درمیان کا نکاح ٹوٹ جائے گا (ب) حضرت ثوری فرماتے ہیں کہ اگر عورت مرتد ہو جائے اور اس کا شوہر ہو جس نے صحبت نہ کی ہو تو اس کو مہر نہیں ملے گا اور نکاح ٹوٹ جائے گا۔اور اگر اس سے صحبت کر چکا ہو تو اس کو پورا مہر ملے گا۔

دار الحرب لم تقع الفرقة عليها حتى تحيض ثلث حيض فاذا حاضت بانت من زوجها[۱۸۳۸](۱۱۳) واذااسلم زوج الكتابية فهما على نكاحهما[۱۸۳۹](۱۱۴) واذا خرج احد الزوجين الينا من دار الحرب مسلما وقعت البينونة بينهما.

تشریح عورت دارالحرب میں اسلام لے آئے تو تین حیض گزرنے پر تفریق ہوگی۔

وجہ دارالحرب میں ہونے کی وجہ سے شوہر پر اسلام پیش نہیں کر سکتے۔اور اسلام لانے کو تفریق کا سبب نہیں بنا سکتے۔اس لئے عدت گزرنے کو تفریق کا سبب بنائیں گے۔جیسا کہ امام شافعیؒ نے عدت گزرنے کو تفریق کا سبب بنایا (۲) اس بارے میں سنن بیہقی کی حدیث گزر چکی ہے (۳) عن الزهرى ان امرأة عكرمة بن ابى جهل اسلمت قبله ثم اسلم وهى فى العدة فردت اليه وذلك على عهد النبى ﷺ (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۶ ما قالوا فیہ اذا اسلم وھی فی عدتھا من قال ھو احق بھا ج رابع، ص ۱۱۱، نمبر ۱۸۳۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عدت میں شوہر مسلمان ہو جائے تو عورت اس کی بیوی رہے گی۔اور عدت گزر جائے تو تفریق ہو جائے گی۔

[۱۸۳۸] (۱۱۳) اگر کتابیہ کا شوہر مسلمان ہو جائے تو دونوں اپنے نکاح پر بحال رہیں گے۔

تشریح کتابیہ یعنی یہودیہ اور نصرانیہ کا شوہر مسلمان ہو گیا تو مسلمان کے تحت میں نصرانیہ اور یہودیہ ہوئیں۔اور مسلمان کے تحت میں کتابیہ ہو تو نکاح شروع سے جائز ہے۔اس لئے یہ بھی جائز ہوگا۔اس لئے دونوں کا نکاح بحال رہے گا۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الحكم ان هانى بن قبيصة قدم المدينة فنزل على ابن عوف وتحته اربع نسوة نصرانيات فاسلم واقرهن عمر معه (ب) (سنن للبیہقی، باب الرجل یسلم وتحتہ نصرانیۃ ج سابع، ص ۱۹۰) اس اثر سے پتہ چلا کہ نصرانی مسلمان ہو جائے تو اس کے تحت میں نصرانیہ یا یہودیہ رہ سکتی ہیں (۲) آیت میں ہے۔والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب م قبلكم اذا اتيتموهن اجورهن (آیت ۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا حلال قرار دیا گیا ہے۔

[۱۸۳۹] (۱۱۴) اگر میاں بیوی میں سے ایک دارالحرب سے ہماری طرف مسلمان ہو کر آئے تو بینونت واقع ہو جائے گی۔

تشریح بیوی شوہر میں سے ایک مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام آجائے تو دارالاسلام داخل ہوتے ہی جدائیگی واقع ہو جائے گی۔اور بیوی نہیں رہے گی۔يا ايها الذين آمنوا اذا جاء كم المومنات مهاجرات فامتحنوهن الله اعلم بايمانهن فان علمتموهن مومنات فلا ترجعوهن الى الكفار لا هن حل لهم ولا هم يحلون لهن واتوهم ما انفقوا ولا جناح عليكم ان تنكحوهن اذا اتيتموهن اجورهن ولا تمسكو بعصم الكوافر (ج) (آیت ۱۰ سورۃ الممتحنۃ ۶۰) اس آیت میں ہے کہ عورت دار

حاشیہ : (الف) حضرت عکرمہ کی بیوی ان سے پہلے مسلمان ہوئی پھر وہ مسلمان ہوئے جبکہ وہ عدت میں تھی تو بیوی ان کو لوٹا دی گئی۔اور یہ معاملہ حضورؐ کے زمانے میں ہوا (ب) حضرت ہانی بن قبیصہ مدینہ آئے اور ابن عوف کے مہمان ہوئے۔اور ان کے تحت چار نصرانی بیویاں تھیں۔پس وہ مسلمان ہوئے اور عورتوں کو حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ برقرار رکھا (ج) اے ایمان والو اگر تمہارے پاس مومنہ عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو۔اور اللہ ان کے ایمان کو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۸۴۰] (۱۱۵) وان سبی احدھما وقعت البینونة بینھما [۱۸۴۱] (۱۱۶) وان سبیا

الحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام آئے تو اس کو واپس نہ کرے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ دونوں کا نکاح ٹوٹ گیا ہو۔ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ مشرکہ مومن کے لئے اور مومنہ عورت مشرک کے لئے حلال نہیں ہیں۔ یہ بھی دلیل ہے کہ دونوں کا نکاح ٹوٹ گیا (۲) اثر میں ہے عن ابن عباس اذا اسلمت النصرانية قبل زوجها بساعة حرمت عليه ،وقال داؤد عن ابراهيم الصائغ سئل عطاء عن امرأة من اهل العهد اسلمت ثم اسلم زوجها فى العدة اهى امرأته ؟ قال لا، الا ان تشاء هى بنكاح جديد وصداق (الف) (بخاری شریف، باب اذا اسلمت المشرکۃ او النصرانیۃ تحت الذمی او الحربی ص ۷۹۶ نمبر ۵۲۸۸) اس اثر میں ہے کہ نصرانی کی بیوی مسلمان ہو جائے تو فورا نکاح ٹوٹ جائے گا تو جب وہ دارالحرب سے دارالاسلام ہجرت کر کے آئے گی تو بدرجۂ اولی نکاح ٹوٹ جائے گا۔

نوٹ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف دارین سے نکاح ٹوٹ جائے گا۔

[۱۸۴۰] (۱۱۵) اگر دونوں میں سے ایک قید ہو کر آیا تو دونوں میں جدائیگی ہو جائے گی۔

ترجمہ میاں بیوی میں سے ایک قید ہو کر آیا تو اختلاف دار ہو گیا۔ ایک دارالحرب میں رہا اور ایک دارالاسلام میں آ گیا۔ اب زوجیت کی مصلحت باقی نہیں رہی اس لئے اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا تا کہ نیا نکاح کر کے اپنی زندگی گزار سکے (۲) اگر عورت قید ہو کر آئی تو وہ آقا کی باندی بن گئی اس لئے آقا کے لئے صحبت کرنا جائز ہو گیا۔ اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب پہلا نکاح ٹوٹ جائے۔ اس لئے تنہا عورت کے قید ہوتے ہی نکاح ٹوٹ جائے گا (۳) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال نهى رسول الله ان توطأ حامل حتى تضع او حائل حتى تحيض (ب) (دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۱۸۰ نمبر ۳۵۹۸ رسنن للبیہقی، باب استبراء من ملک الامۃ ج سابع ص ۷۳۸، نمبر ۱۵۵۸۷) اس حدیث میں قیدی عورتوں کے بارے میں فرمایا۔ پہلے شوہر کے حمل سے ہو تو وضع حمل کے بعد وطی کرے۔ اور غیر حاملہ ہو تو ایک حیض گزرنے کے بعد استبراء رحم کر کے صحبت کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیدی عورت کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ جنگ اوطاس کی قیدی عورتوں کی تفصیل مسلم شریف، باب جواز وطی المسبیۃ بعد الاستبراء وان کان لھا زوج انفسخ نکاحہ بالسبی ص ۴۷۰ نمبر ۱۴۵۶ میں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قید ہونے سے نکاح ٹوٹ جائے گا۔

[۱۸۴۱] (۱۱۶) اور اگر دونوں ساتھ قید ہوئے تو بینونت واقع نہیں ہوگی۔

تشریح اگر میاں بیوی دونوں ساتھ قید ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام آئے ہوں تو دونوں کا نکاح نہیں ٹوٹے گا۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) جانتا ہے۔ پس اگر ان کو جانو کہ مومنہ ہیں تو کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔ یہ ان کے لئے حلال نہیں اور وہ ان کے لئے حلال نہیں۔ اور جو کچھ کفار نے خرچ کیا ہے اس کو دیدو۔ اور تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ نکاح کرو اگر ان کو ان کا مہر دیدو۔ اور کافروں کا دامن مت تھامو (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اگر نصرانیہ شوہر سے ایک گھنٹہ پہلے مسلمان ہو جائے تو اس پر حرام ہو جائے گی۔ حضرت عطاء سے ذمی عورت کے بارے میں پوچھا کہ وہ اسلام لے آئی پھر اس کا شوہر عدت میں مسلمان ہوا تو کیا وہ اس کی بیوی رہی؟ فرمایا نہیں مگر یہ کہ نئے نکاح اور نئے مہر سے چاہے (ب) آپ نے منع فرمایا کہ صحبت کرے حاملہ عورت سے یہاں تک کہ بچہ جن دے۔ یا غیر حاملہ سے یہاں تک کہ ایک حیض آجائے۔

معا لم تقع البینونة[۱۸۴۲](۱۱۷) واذا خرجت المرأة الینا مهاجرة جاز لها ان تتزوج فی الحال فلا عدة علیها عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۱۸۴۳] (۱۱۸) فان کانت حاملا لم تتزوج حتی تضع حملها.

وجہ اختلاف دارین نہیں ہوا (۲) ساتھ ہیں اس لئے بیوی اور شوہر کی مصلحت باقی ہے کہ صحبت کر سکتا ہے اس لئے نکاح توڑنے سے فائدہ نہیں ہے (۳) جس طرح کسی کی باندی ہو اور اس کی شادی کسی مرد سے کرادی جائے تو آقا کی باندی رہتے ہوئے شوہر سے استفادہ کر سکتی ہے۔اسی طرح یہاں آقا کی باندی رہتے ہوئے شوہر سے استفادہ کرے گی۔اس لئے نکاح توڑوانے کی ضرورت نہیں ہے۔

[۱۸۴۲](۱۷۷) اگر عورت دار الاسلام کی طرف ہجرت کر کے آئی تو اس کے لئے جائز ہے کہ فی الحال شادی کرے۔اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر عدت نہیں ہے۔

وجہ آیت میں ہے **ولا جناح علیکم ان تنکحوا هن اذا آتیتموهن اجورهن ولا تمسکو بعصم الکوافر** (الف) (آیت ۱۰ سورۃ الممتحنہ ۶۰) اس آیت میں ہے کہ مہر ادا کرو تو مہاجرہ عورت سے شادی کر سکتے ہو۔جس سے معلوم ہوا کہ فوری طور پر اس سے شادی کر سکتا ہے (۲) یہ عورت ہجرت کر کے دار الاسلام آئی ہے۔یہاں اس کا کوئی ذی رحم محرم نہیں ہوگا اس لئے یہ اگر شادی کر کے شوہر نہ بنائے تو کیسے اجنبی کے پاس رہے گی۔اس لئے شریعت نے عدت گزارے بغیر شادی کو جائز قرار دیا (۳) عدت پہلے شوہر کے احترام کے لئے ہے۔اور پہلا شوہر کافر اور حربی ہے اس لئے اس کا کوئی احترام نہیں ہے۔اس لئے ایسی عورت پر عدت بھی نہیں ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر عدت ہے۔کیونکہ وہ دار الاسلام میں آگئی ہے۔اس لئے اس پر دار الاسلام کا حکم لازم ہوگا۔اور دار الاسلام کا حکم یہ ہے کہ مطلقہ اور تفریق شدہ عورت پر عدت لازم ہوتی ہے۔حدیث اوپر گزر گئی ہے (دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۱۸۰، نمبر ۳۳۵۹۸)

[۱۸۴۳](۱۱۸) پس اگر وہ حاملہ ہے تو شادی نہ کرے یہاں تک کہ حمل نہ جن لے۔

تشریح دار الحرب سے ہجرت کر کے دار الاسلام آنے والی عورت پہلے شوہر سے حاملہ ہے تو حمل کی حالت میں شادی تو کر سکتی ہے لیکن صحبت نہ کرائے۔

وجہ کیونکہ پہلے شوہر کا حمل موجود ہے تو دوسرے شوہر سے صحبت کرانے سے دوسرے آدمی سے پہلے کی کھیتی کو سیراب کرنا لازم آئے گا۔اور پتہ نہیں چلے گا کہ کس کا بچہ ہے۔اس لئے حمل جننے تک نئے شوہر سے صحبت نہ کرائے (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے۔**عن ابی سعید الخدری رفعه انه قال فی سبایا اوطاس لا توطأ حامل حتی تضع ولا غیر ذات حمل حتی تحیض حیضة** (ب) (سنن

حاشیہ : (ب) تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ مہاجرہ عورتوں سے نکاح کرو جب ان کو ان کا مہر دو۔اور کافروں کا دامن مت تھامو (ب) جنگ اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں آپ نے فرمایا حاملہ سے صحبت مت کرو یہاں تک کہ بچہ جن دے۔اور غیر حاملہ سے جب تک ایک حیض نہ آجائے۔

[۱۸۴۴](۱۱۹) واذا ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت البینونة بینهما و کانت الفرقة بینهما بغیر طلاق[۱۸۴۵] (۱۲۰) فان کان الزوج هو المرتد وقد دخل بها فلها

للبیہقی، باب استبراء من ملک الامۃ ج سابع ص ۴۴۹ دارقطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۱۸۰ نمبر ۳۵۹۸) اس حدیث میں ہے کہ حاملہ عورت سے وضع حمل سے پہلے صحبت نہ کرے۔

نوٹ عبارت میں لم تتزوج کا مطلب یہ ہے کہ صحبت نہ کرائے۔ البتہ شادی کر سکتی ہے۔

[۱۸۴۴](۱۱۹) اگر بیوی شوہر میں سے ایک اسلام سے مرتد ہو جائے تو دونوں میں بینونت واقع ہوگی۔ اور فرقت دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے ہوگی

تشریح بیوی اور شوہر میں سے کوئی نعوذ باللہ مرتد ہو جائے تو فوراً بینونت ہو جائے گی۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جدائیگی فسخ نکاح شمار ہوگی

وجہ فوراً نکاح ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور کافر کا نکاح مسلمان کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو اسلام کے بعد اور تمام باتیں سمجھنے کے بعد مرتد ہوا ہے اس لئے یہ اشد کافر ہے۔ اس لئے اس کا نکاح فوراً ٹوٹے گا (۲) آیت میں ہے لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن (الف) (آیت ۱۰ سورۃ الممتحنۃ ۶۰) کہ نہ مسلمان عورتیں کافر کے لئے حلال ہیں اور نہ کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال ہیں (۳) عن ابن عباس اذا اسلمت النصرانیة قبل زوجھا بساعة حرمت علیه (ب) (بخاری شریف، باب اذا اسلمت المشرکۃ او النصرانیۃ تحت الذمی او الحربی ص ۷۹۶ نمبر ۵۲۸۸) اس اثر میں ہے کہ نصرانیہ مسلمان ہو جائے تو وہ شوہر پر حرام ہو جائے گی۔ اسی طرح مسلمان مرتد ہو جائے تو وہ عورت پر حرام ہو جائے گا۔ اور یہ فرقت امام ابو حنیفہ کے نزدیک طلاق نہیں ہوگی۔

وجہ اس لئے کہ ارتداد میں احترام نہیں رہتا۔ اور طلاق قرار دینا احترام کی دلیل ہے۔ اس لئے فسخ نکاح ہوگا (۲) اثر میں ہے عن عطاء فی النصرانیة تسلم تحت زوجھا قال یفرق بینھما (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۳ ما قالوا فی المرأۃ تسلم قبل زوجھا من قال یفرق بینھما ج رابع ص ۶۹) اس اثر میں ہے کہ تفریق کی جائے گی جس کا مطلب یہ ہے کہ فرقت ہوگی طلاق نہیں۔

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ شوہر مرتد ہوا ہے جس کی وجہ سے فرقت ہوئی ہے تو چونکہ شوہر کی جانب سے فرقت کی ابتدا ہوئی اس لئے وہ طلاق کے درجے میں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ عن ابراھیم قال کل فرقة کانت من قبل الرجل فھی طلاق (د) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۹ من قال کل فرقۃ تطلیقۃ ج رابع، ص ۱۱۳، نمبر ۱۸۳۳۷) اس اثر میں ہے کہ اگر شوہر کی جانب سے فرقت ہوئی ہو تو وہ طلاق شمار ہوگی۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ عن ابراھیم قال کل فرقة فھی تطلیقة بائن (ہ) (رابع ص ۱۱۳، نمبر ۱۸۳۴۰) اس سے معلوم ہوا کہ وہ طلاق بائنہ ہوگی۔

[۱۸۴۵](۱۲۰) پس اگر شوہر مرتد ہوا ہو اور اس سے صحبت کر چکا ہو تو عورت کے لئے پورا مہر ہوگا۔ اور اگر صحبت نہ کی ہو تو اس کے لئے آدھا مہر

حاشیہ : (الف) نہ مومنہ عورتیں مشرک کے لئے حلال ہیں اور نہ مشرک مردان عورتوں کے لئے حلال ہیں (ب) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر نصرانیہ عورت شوہر سے ایک گھنٹہ پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی (ج) حضرت عطاء نے فرمایا نصرانیہ عورت شوہر کے تحت مسلمان ہو جائے، فرمایا تفریق ہو جائے گی (د) حضرت ابراہیم نے فرمایا ہر تفریق جو مرد کی جانب سے ہو وہ طلاق ہے (ہ) حضرت ابراہیم نے فرمایا ہر تفریق وہ طلاق بائنہ ہے۔

كمال المهر وان لم يدخل بها فلها نصف المهر[١٨٤٦] (١٢١) وان كانت المرأة هى المرتدة فان كان قبل الدخول فلا مهر لها[١٨٤٧] (١٢٢) وان كانت الردة بعد الدخول فلها المهر[١٨٤٨] (١٢٣) وان ارتدا معا ثم اسلما معا فهما على نكاحهما [١٨٤٩] (١٢٤) ولا يجوز ان يتزوج المرتد مسلمة ولا مرتدة ولا كافرة وكذلك

ہوگا۔

وجہ (١) چونکہ عورت کا مال وصول کر چکا ہے۔ اس لئے صحبت کر چکا ہو تو پورا مہر ملے گا (٢) اثر میں ہے۔ عن الثوری قال اذا ارتدت المرأة ولها زوج ولم يدخل بها فلا صداق لها وقد انقطع ما بينهما فان كان قد دخل بها فلها الصداق كاملا (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب المرتدین ج سابع ص ١٦١ نمبر ١٢٦١٨) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحبت کی ہو تو عورت کو پورا مہر ملے گا۔ اور عورت مرتد ہوئی ہو اور صحبت نہ کی گئی ہو تو اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور شوہر مرتد ہوا ہے اور عورت سے صحبت نہیں کی ہے تو اس کو آدھا مہر ملے گا۔ کیونکہ عورت کی غلطی نہیں ہے، مرد کی غلطی ہے کہ وہ مرتد ہوا ہے۔ اس لئے گویا کہ اس کی جانب سے صحبت سے پہلے طلاق واقع ہوئی ہے۔

[١٨٤٦] (١٢١) اور گر عورت مرتد ہوئی ہے۔ پس اگر صحبت سے پہلے ہے تو اس کے لئے کوئی مہر نہیں ہے۔

وجہ (١) عورت مرتد ہوئی ہے اس لئے فرقت کا سبب اس کی جانب سے ہوا ہے۔ اور اس نے مال بھی سپرد نہیں کیا ہے اس لئے اس کو آدھا مہر بھی نہیں ملے گا (٢) اوپر اثر میں گزرا ہے کہ عورت مرتد ہوئی ہو اور اس سے صحبت نہ کی گئی ہو تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا (مصنف عبدالرزاق، نمبر ١٢٦١٨)

[١٨٤٧] (١٢٢) اور اگر مرتد ہونا صحبت کے بعد ہوا ہو تو عورت کے لئے پورا مہر ہوگا۔

وجہ (١) عورت اگر چہ مرتد ہوئی ہے لیکن مال سپرد کر چکی ہے اس لئے اس کو پورا مہر ملے گا (٢) اوپر حضرت ثوری کا اثر گزرا کہ صحبت ہوئی ہو تو عورت کو پورا مہر ملے گا۔ فان كان دخل بها فلها الصداق كاملا (مصنف عبدالرزاق، باب المرتدین ج سابع ص ١٦١ نمبر ١٢٦١٨)

[١٨٤٨] (١٢٣) اگر دونوں ساتھ مرتد ہوئے ہوں پھر دونوں ساتھ مسلمان ہوئے تو دونوں نکاح پر بحال رہیں گے۔

وجہ بنی حنیفہ کے لوگ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں ایک ساتھ مرتد ہوئے تھے اور ایک ساتھ مسلمان ہوئے تھے تو صحابہ نے کسی کا نکاح دوبارہ نہیں پڑھایا بلکہ پہلے نکاح پر بحال رکھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہوئے ہوں اور ایک ساتھ مسلمان ہوئے ہوں تو نکاح بحال رہے گا۔

[١٨٤٩] (١٢٤) نہیں جائز ہے کہ مرتد شادی کرے کسی مسلمان عورت سے نہ مرتدہ سے نہ کافرہ سے۔ اور ایسے ہی مرتدہ عورت نہ شادی کرے

حاشیہ : (ج) حضرت ثوری نے فرمایا اگر عورت مرتد ہو جائے اور اس کا شوہر ہو اور صحبت نہ کی ہو تو مہر نہیں ملے گا۔ اور نکاح ٹوٹ گیا اور صحبت کر چکا ہو تو اس کو پورا مہر ملے گا۔

المرتد ة لا یتزوجھا مسلم ولا کافر ولا مرتد[۱۸۵۰](۱۲۵) واذا کان احد الزوجین

اس سے مسلمان اور نہ کافر اور نہ مرتد۔

تشریح مرتد مرد نہ مسلمان عورت سے شادی کرسکتا ہے نہ مرتدہ عورت سے اور نہ کافرہ عورت سے شادی کرسکتا ہے۔اسی طرح مرتدہ عورت سے نہ مسلمان مرد شادی کرسکتا ہے نہ کافر کرسکتا ہے اور نہ مرتد مرد شادی کرسکتا ہے۔

وجہ مرتد مرد کو اسلام کی طرف بلانے کے بعد ایمان نہ لائے تو قتل کیا جائے گا اس لئے اس کو کسی سے شادی کرنے کی مہلت کہاں دی جائے گی (۲) حدیث میں ہے کہ مرتد کو فوری طور پر قتل کیا جائے۔عن عکرمة قال اتی علی بزنادقة فاحرقھم فبلغ ذلک ابن عباس فقال لو کنت انا لم احرقھم لنھی رسول اللہ لا تعذبوا بعذاب اللہ ولقتلتھم لقول رسول اللہ ﷺ من بدل دینہ فاقتلوہ (الف) (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم ص۱۰۲۲ نمبر ۶۹۲۲) اس حدیث میں ہے کہ دین بدلنے والے کو قتل کردیا جائے (۳) ایک اور حدیث میں ہے۔عن ابی موسی اشعری ... فاذا رجل عندہ موثق قال (معاذ بن جبل) ما ھذا ؟ قال کان یھودیا فاسلم ثم تھود قال اجلس قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلاث مرات فامر بہ فقتل (ب) (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم ص۱۰۲۲ نمبر ۶۹۲۳) اس حدیث میں حضرت معاذ بن جبل اس وقت تک نہیں بیٹھے جب تک کہ مرتد کو قتل نہ کردیا گیا۔اس لئے مرتد کو قتل کیا جائے گا۔اس کو کسی سے شادی کرنے کی مہلت نہیں دی جائے گی (۴) آیت میں بھی اس کا اشارہ ہے۔ان الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا (ج) (آیت ۱۳۷ سورۃ النساء۴) اس آیت میں مرتد کے ساتھ اللہ نے سختی کا معاملہ کیا ہے۔

نوٹ عورت مرتدہ ہوجائے تو اس کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک توبہ نہ کرلے۔اس لئے اس کو بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی۔اس لئے وہ بھی شادی نہیں کرسکے گی۔

[۱۸۵۰] (۱۲۵) اگر میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو تو بچہ اس کے دین پر ہوگا۔

وجہ بچے کو مسلمان شمار کرنے سے اس کا فائدہ ہے کہ وہ آخرت میں جنت میں جائے گا اور دنیا میں اس کو دار الاسلام کی جانب سے بہت سی سہولتیں ملیں گی۔اس لئے بچے کو والد یا والدہ جو مسلمان ہو اس کے تابع کرکے مسلمان شمار کریں گے (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بچہ مسلمان والد کو دیا۔عن جدی رافع بن سنان انہ اسلم وابت امرأتہ ان تسلم فاتت النبی ﷺ فقالت ابنتی وھی فطیم او

حاشیہ : (الف) حضرت علی کے پاس کچھ زندیق لائے گئے تو ان کو جلا دیا۔یہ خبر عبد اللہ بن عباس کے پاس پہنچی تو فرمایا اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا۔کیونکہ حضورؐ نے منع فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب سے عذاب مت دو۔اور میں اس کو قتل کرتا۔کیونکہ حضورؐ نے فرمایا جو اپنا دین بدلے اس کو قتل کردو (ب) حضرت معاذ بن جبلؓ یمن پہنچے تو وہاں ایک آدمی باندھا ہوا تھا۔تو حضرت معاذ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا یہ یہودی تھا۔اسلام لایا پھر یہودی ہوگیا۔لوگوں نے کہا بیٹھئے۔حضرت معاذ نے فرمایا نہیں بیٹھوں گا یہاں تک کہ اس کو قتل کردو۔یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔تین مرتبہ فرمایا پھر اس مرتد کو قتل کردیا گیا (ج) وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کفر کیا، پھر کفر میں بڑھتے رہے۔اللہ ان کو معاف نہیں کریں گے اور نہ ان کو راستے کی ہدایت دیں گے۔

مسلما فالولد علی دینه[۱۸۵۱](۱۲۶) وکذلک ان اسلم احدھما وله ولد صغیر صار ولده مسلما باسلامه[۱۸۵۲](۱۲۷) وان کان احد الابوین کتابیا والآخر مجوسیا فالولد کتابی[۱۸۵۳](۱۲۸) واذا تزوج الکافر بغیر شھود او فی عدة کافر وذلک فی

شبهه وقال رافع ابنتی فقال له النبی ﷺ اقعد ناحیة وقال لها اقعدی ناحیة واقعد الصبیة بینهما ثم قال ادعواها فمالت الصبیة الی امها فقال النبی ﷺ اللهم اهدها فمالت الصبیة الی ابیها فاخذ ها (الف) (ابوداؤد شریف، باب اذا اسلم احد الابوین لمن یکون الولد ص ۳۱۲ نمبر ۲۲۴۴ رنسائی شریف، باب اسلام احد الزوجین وتخییر الولد ص ۴۹۱ نمبر ۳۵۲۵) اس حدیث میں آپؐ نے دعا کر کے بچی کو مسلمان والد کو اللہ سے دلوایا۔ حالانکہ پرورش کا حق ماں کا ہوتا ہے۔

[۱۸۵۱] (۱۲۶) ایسے ہی اگر اسلام لایا ان دونوں میں سے ایک نے اور ان کے لئے چھوٹا بچہ ہو تو ان کا بچہ مسلمان ہوگا اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے۔

تشریح میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہوگیا تو جو مسلمان ہوا اس کے تابع کر کے نابالغ بچے کو مسلمان قرار دیا جائے گا۔

وجہ اوپر مسئلہ نمبر ۱۲۵ میں حدیث گزر چکی ہے کہ والد مسلمان ہوئے تو اس کے تابع کر کے بچے کو مسلمان قرار دیا (ابوداؤد شریف، نمبر ۲۲۴۴ر نسائی شریف، نمبر ۳۵۲۵)

[۱۸۵۲] (۱۲۷) اگر والدین میں سے ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو بچہ کتابی شمار ہوگا۔

وجہ کیونکہ مجوسی دین کے اعتبار سے بدتر ہے۔ اور یہودی اور نصرانی پھر بھی آسمانی کتابوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے بچہ خیر الادیان کے تابع ہو کر کتابی شمار ہوگا۔

[۱۸۵۳] (۱۲۸) اگر کافر نے بغیر گواہ کے نکاح کیا یا کافر کی عدت میں نکاح کیا اور یہ اس کے دین میں جائز ہو، پھر دونوں نے اسلام لایا تو دونوں کو نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔

تشریح کافر نے بغیر گواہ کے نکاح کیا اور یہ اس کے دین میں جائز ہو۔ اسی طرح دوسرے کافر کی عدت گزار رہی تھی اسی حالت مین شادی کر لی اور یہ اس کے دین میں جائز ہو۔ پھر دونوں مسلمان ہو جائے تو نکاح برقرار رکھا جائے گا توڑا نہیں جائے گا۔

وجہ (۱) لاکھوں کافروں کی شادی ان کے دین کے مطابق ہوئی اور جب دونوں مسلمان ہوئے تو پہلے کسی طرح بھی شادی ہوئی ہو اس کو برقرار رکھتے ہیں دوبارہ نکاح پڑھانے کی ضرورت نہیں پڑتی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ وقال وھب الاسدی قال اسلمت وعندی

حاشیہ : (الف) رافع بن سنان مسلمان ہوئے اور اس کی بیوی نے انکار کیا تو وہ حضورؐ کے پاس آئی اور کہا میری بیٹی چھوٹی ہے۔ اور رافع نے کہا کہ میری بیٹی ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا تم ایک طرف بیٹھو اور عورت سے کہا تم دوسری طرف بیٹھو اور بچی کو دونوں کے درمیان بٹھایا۔ پھر کہا تم دونوں بچی کو بلاؤ، پس بچی ماں کی طرف مائل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا اے اللہ! اس کو ہدایہ دے۔ تو بچی باپ کی طرف مائل ہوئی۔ پس باپ نے اس کو پکڑ لیا۔

دینھم جائز ثم اسلما اقرا علیہ[۱۸۵۴](۱۲۹) وان تزوج المجوسی امہ او ابنتہ ثم اسلما فرق بینھما[۱۸۵۵](۱۳۰) وان کان للرجل امرأتان حرتان فعلیہ ان یعدل بینھما

ثمان نسوۃ قال فذکرت ذلک للنبی ﷺ فقال النبی ﷺ اختر منھن اربعا (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی من اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع او اختان ص ۳۱۱ نمبر ۲۲۴۱ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یسلم وعندہ عشر نسوۃ ص ۲۱۴ نمبر ۱۱۲۸) اس حدیث میں کفر کی حالت میں جو شادی ہوئی تھی اس کو برقرار رکھا۔ اور چار عورتوں سے زیادہ کی شادی جو حرام تھی اس کو رد فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ عالم کفر کی شادی بحال رکھی جائے گی (۲) اس اثر میں ہے۔ قلت لعطاء، ابلغک ان رسول اللہ ﷺ ترک اھل الجاھلیۃ علی ما کانوا علیہ من نکاح او طلاق ؟ قال نعم (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۱۹ فی الطلاق فی الشرک من راہ جائزا ج رابع، ص ۱۸۳، نمبر ۱۹۰۸۹)

[۱۸۵۴] (۱۲۹) اگر مجوسی نے اپنی ماں یا بیٹی سے شادی کی پھر دونوں اسلام لائے تو دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی۔

وجہ اصول یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کرے کہ اسلام لانے کے بعد اس پر بحال رکھنا حرام ہو تو تفریق کر دی جائے گی۔ اب ماں اور بیٹی سے شادی کرنا حرام ہے۔ اس لئے اسلام لانے کے بعد تفریق کر دی جائے گی۔ البتہ اسلام لانے سے پہلے ذمیت کی وجہ سے اس کو چھیڑنے کے مجاز نہیں ہیں۔ لیکن اسلام لانے کے بعد اسلام کے احکام پر چلنا ضروری ہے اس لئے تفریق کی جائے گی (۲) اوپر کی حدیث میں صحابی کے پاس آٹھ بیویاں تھیں جو بہر حال حرام تھیں تو ان میں سے چار کو علیحدہ کرنے کا حکم دیا اور چار کا رکھنا جائز تھا ان کو رکھنے کا حکم دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسلام کے بعد جس کا کرنا حرام ہو اس کی اصلاح کی جائے گی (۳) آیت میں ہے۔ حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) کہ ماں اور بہن سے شادی کرنا ہر حال میں حرام ہے۔ اس لئے اسلام لانے کے بعد ماں اور بہن سے تفریق کر دی جائے گی۔

﴿ باری کا بیان ﴾

[۱۸۸۵] (۱۳۰) اگر آدمی کے پاس دو آزاد بیویاں ہوں تو اس پر ہے کہ باری میں انصاف کرے، دونوں باکرہ ہوں یا دونوں ثیبہ ہوں، یا دونوں میں سے ایک باکرہ ہو اور دوسری ثیبہ ہو۔

تشریح آدمی کے پاس سب آزاد بیویاں ہی ہوں تو تمام کے حقوق برابر ہیں۔ اس لئے سب کی باری برابر ہوگی۔ اور باکرہ اور ثیبہ کی وجہ سے کسی کو زیادہ دن اور کسی کو کم دن نہیں ملے گا۔

وجہ برابری کی دلیل یہ آیت ہے۔ ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ (ب) (آیت ۱۲۹ سورۃ النساء ۴) (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال من کانت لہ امرأتان فمال الی احداھما جاء یوم القیامۃ وشقہ مائل (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی القسم بین النساء ص ۲۹۷ نمبر ۲۱۳۳ رترمذی شریف،

حاشیہ : (الف) وہب اسدی نے کہا میں مسلمان ہوا اور میرے پاس آٹھ بیویاں تھیں۔ میں نے حضورؐ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا ان میں سے چار کو منتخب کرلو (ب) اور ہر گز طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں کے درمیان انصاف کرسکو اگرچہ تمہاری تمنا ہو۔ تاہم مکمل مائل نہ ہو جاؤ اور معلقہ کی طرح نہ چھوڑ دو (ج) آپؐ نے فرمایا جس کے پاس دو بیویاں ہوں، پس ایک کی طرف مائل ہو گیا تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک حصہ مائل ہوگا۔

فی القسم بکرین کانتا او ثیبین او احدٰیھما بکرا والاخری ثیبا[۱۸۵۶](۱۳۱) وان کانت احدٰیھما حرۃ والاخری امۃ فللحرۃ الثلثان وللامۃ الثلث[۱۸۵۷](۱۳۲) ولا حق لھن فی القسم فی حالۃ السفر ویسافر الزوج بمن شاء منھن.

باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر ص ۲۱۶ نمبر ۱۱۴۱) اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں برابری کرنی چاہئے۔

فائدہ بعض ائمہ کی رائے ہے کہ شادی کر کے لایا ہو تو پہلے باکرہ کو سات دن دے اور ثیبہ ہو تو تین دن دے۔ پھر سب کے درمیان باری تقسیم کرے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن انس ولو شئت ان اقول قال النبی ﷺ ولکن قال السنۃ اذا تزوج البکر اقام عندھا سبعا واذا تزوج الثیب اقام عندھا ثلاثا** (الف) (بخاری شریف، باب اذا تزوج البکر علی الثیب ص ۷۸۵ نمبر ۵۲۱۳ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی القسمۃ للبکر والثیب ص ۲۱۶ نمبر ۱۱۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باکرہ کو شادی کر کے لائے تو پہلے اس کو سات دن ملیں گے۔ اور ثیبہ کو شادی کر کے لائے تو اس کو تین دن ملیں گے۔ پھر سب کے لئے باری مقرر ہوگی۔

[۱۸۵۶](۱۳۱) اگر بیویوں میں سے ایک آزاد ہو اور دوسری باندی ہو تو آزاد کے لئے دو تہائی ہے اور باندی کے لئے ایک تہائی ہے۔

تشریح چونکہ باندی کا حق آزاد سے آدھا ہے اس لئے تمام حقوق میں باندی کو آزاد کا آدھا ملے گا۔ اور باری میں بھی آزاد کو دو دن ملیں گے تو باندی کو ایک دن ملے گا (۲) اثر میں ہے۔ **عن علی قال اذا تزوجت الحرۃ علی الامۃ قسم لھا یومین وللامۃ یوما** (ب) (دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث، ص ۱۹۸ نمبر ۳۶۹۵ ر سنن للبیہقی، باب الحر ینکح حرۃ علی الامۃ فیقسم للحرۃ یومین وللامۃ یوما ج سابع ص ۴۸۹، نمبر ۱۴۷۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی کو آزاد کا آدھا ملے گا۔

[۱۸۵۷](۱۳۲) ان کے لئے حق نہیں ہے باری میں سفر کی حالت میں۔ اور شوہر سفر کرے گا ان میں سے جن کے ساتھ چاہے گا۔

تشریح سفر کی حالت میں عورتوں کی باری ساقط ہو جائے گی اور شوہر جس کے ساتھ چاہے سفر کرے۔ اور ان دنوں کا حساب بھی نہیں کیا جائیگا۔

وجہ سفر میں ذہین اور سمجھدار عورت کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے باری برقرار رکھنا مشکل ہے (۲) حضورؐ سفر میں باری بحال نہیں رکھتے تھے بلکہ قرعہ اندازی کے ذریعہ جس کا نام نکلتا ان کو ساتھ لیکر جاتے تھے۔ یہ بھی واجب نہیں تھا لیکن دل کی تسلی کے لئے ایسا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے۔ **عن عائشۃ ان النبی ﷺ کان اذا اراد سفرا اقرع بین نسائہ** (ج) (بخاری شریف، باب القرعۃ بین النساء اذا اراد سفرا ص ۷۸۴ نمبر ۵۲۱۱ ر مسلم شریف، باب فی حدیث الافک وقبول توبۃ القاذف، کتاب التوبۃ ص ۳۶۴ نمبر ۲۷۷۰)

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اگر چاہوں تو کہوں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جب باکرہ سے شادی کرے تو اس کے پاس سات روز ٹھہرے۔ اور جب ثیبہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا جب آزاد سے باندی پر شادی کرے تو آزاد کی باری دو دن اور باندی کی باری ایک دن ہے (ج) آپؐ جب سفر کا ارادہ کرتے تو عورتوں کے درمیان قرعہ ڈالتے۔

[۱۸۵۸](۱۳۳) والاولی ان یقرع بینهن فیسافر بمن خرجت قرعتها[۱۸۵۹](۱۳۴) واذا رضیت احدی الزوجات بترک قسمها لصاحبتها جاز ولها ان ترجع فی ذلک.

[۱۸۵۸](۱۳۳)اورزیادہ بہتر ہے کہ عورتوں کے درمیان قرعہ اندازی کرے، پس سفر میں لے جائے اس کو جس کا قرعہ نکلے۔

تشریح قرعہ اندازی کرنا واجب نہیں ہے۔البتہ بیویوں کی تسلی کے لئے ایسا کرے تو بہتر ہے۔

وجہ سفر میں ذہین اور سمجھدار عورت کو لے جانے کی ضرورت پڑتی ہے۔اس لئے قرعہ سے کام نہیں چلے گا۔اس لئے قرعہ ڈالنا ضروری نہیں ،تاہم تسلی کے لئے قرعہ ڈال لے اور جس کا نام نکلے اس کو ساتھ لے جائے تو بہتر ہے تا کہ نفرت نہ ہو(۲) اوپر کی حدیث میں قرعہ کا تذکرہ ہے۔

[۱۸۵۹](۱۳۴)اگر راضی ہو جائے کوئی بیوی اپنی باری چھوڑنے پر اپنی شوکن کے لئے تو جائز ہے۔اور اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو واپس کر لے **وجہ** شوہر سے باری وصول کرنا اپنا حق ہے۔اس لئے اس کو دوسروں کے حوالے بھی کر سکتی ہے(۲) حدیث میں ہے کہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو سپرد کی تھی۔عن عائشة ان سودة بنت زمعة وهبت یومها لعائشة و کان النبی علیہ السلام یقسم لعائشة بیومها ویوم سودة (الف)(بخاری شریف، باب المرأة تهب یومها من زوجها لضرتها وکیف یقسم ذلک ص ۷۸۵ نمبر ۵۲۱۲ رمسلم شریف، باب جواز هبتها نوبتها لضرتها ص ۴۷۳ نمبر ۱۴۶۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی باری شوکن کو دے سکتی ہے(۳) آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے۔وان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر (ب)(آیت ۱۲۸ سورة النساء۴)اس آیت میں صلح کرنے سے باری ساقط کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

اور جب تک باری ساقط رکھی ساقط رہے گی۔اور جب واپس لینا چاہے تو لے سکتی ہے۔

وجہ کیونکہ ہمیشہ کے لئے ساقط نہیں کی (۲) یہ ہبہ کی طرح ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ ہبہ دینے کے بعد واپس لے سکتا ہے اس لئے اپنی باری بھی واپس لے سکتی ہے(۳) اثر میں ہے حضرت علی کے لمبے قول کا ٹکڑا یہ ہے۔فما طابت به نفسها فلا بأس به فان رجعت سوی بینهما (ج)(سنن للبیهقی، باب المرأة ترجع فیما وهبت من یومها ج سابع، ص ۴۸۵، نمبر ۱۴۷۳۷)اس اثر میں فان رجعت سوی بینهما ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ باری واپس لے لے تو برابری کی جائے گی۔

حاشیہ : (الف) حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کی۔اس لئے حضور حضرت عائشہ کے لئے اس کی باری اور سودہ کی باری تقسیم کرتے (ب) اگر عورت شوہر سے نافرمانی اور اعراض کا خوف کرے تو دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے کہ آپس میں صلح کرے،اور صلح کرنا خیر ہے(ج) جتنی دیر تک خوشی سے باری دی تو کوئی بات نہیں ہے۔اور اگر باری واپس لے لے تو دونوں بیویوں میں برابری کرے۔

﴿ کتاب الرضاع ﴾

[۱۸۶۰](۱)قلیل الرضاع او کثیرہ اذا حصل فی مدۃ الرضاع تعلق بہ التحریم

﴿ کتاب الرضاع ﴾

ضروری نوٹ ڈھائی سال کے اندر دودھ پلانے کو رضاعت کہتے ہیں۔اس سے بھی ویسے ہی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسے نسب سے۔اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔وامھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ (الف)(آیت ۲۳ سورۃ النساء۴) دوسری آیت میں مدت رضاعت کا تذکرہ ہے۔والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ (ب)(آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) ان دونوں آیتوں سے رضاعت کا ثبوت ہوا۔

[۱۸۶۰](۱) تھوڑا دودھ پلانا اور زیادہ دودھ پلانا اگر حاصل ہو رضاعت کی مدت میں تو اس سے حرمت ثابت ہوگی۔

تشریح رضاعت کی مدت امام اعظمؒ کے نزدیک ڈھائی سال ہے۔اگر اس مدت میں عورت نے تھوڑا سا بھی بچے کو دودھ پلایا تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔اور اس عورت سے اس بچے کا نکاح کرنا حرام ہوگا۔پانچ گھونٹ پینا ضروری نہیں ہے۔

وجہ (۱) حرمت کی دلیل اوپر آیت گزری وامھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ (آیت ۲۳ سورۃ النساء۴)(۲) حدیث میں ہے۔ان عائشۃ زوج النبی ﷺ اخبرتھا ... فقال نعم الرضاعۃ تحرم ما تحرم الولادۃ (ج)(بخاری شریف، باب ویحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب ص ۷۶۳ نمبر ۵۰۹۹ رمسلم شریف، باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ ص ۴۶۶ نمبر ۱۴۴۴ر ترمذی شریف، نمبر ۱۱۴۶ رابوداؤد شریف، نمبر ۲۰۵۵) اس سے ثابت ہوا کہ نسب کی وجہ سے جن عورتوں سے نکاح حرام ہے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوگا۔

اور تھوڑا سا بھی دودھ ہو اس سے حرمت ثابت ہوگی اس کی دلیل یہ ہے۔

وجہ ان علیا وابن مسعود کانا یقولان یحرم من الرضاع قلیلہ وکثیرہ (د)(نسائی شریف، القدر الذی یحرم الرضاعۃ ص ۴۵۷ نمبر ۳۳۱۳ ردار قطنی، کتاب الرضاع ج رابع ص ۱۰۱ نمبر ۴۳۱۰ رسنن للبیہقی، باب من قال یحرم قلیل الرضاع وکثیرہ ج سابع ص ۷۵۴، نمبر ۱۵۶۴۱)(۲) ان ابن عباس کان یقول ما کان فی الحولین وان کانت مصۃ واحدۃ فھی تحرم (ہ) موطا امام محمد، باب الرضاع ص ۲۷۶) ان آثار سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ چوسنے سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی (۳) آیت ارضعنکم مطلق ہے۔کئی گھونٹ کی قید نہیں ہے اس لئے تھوڑا سا پلانے سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پانچ مرتبہ بچہ دودھ چوسے گا تب حرمت ثابت ہوگی، اس سے کم سے نہیں۔

حاشیہ : (الف) تمہاری مائیں جس نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہن جن سے نکاح حرام ہے (ب) مائیں اپنی اولاد کو دو سال مکمل دودھ پلائیں جو مدت رضاعت پوری کرنا چاہیں (ج) آپؐ نے فرمایا ہاں! رضاعت حرام کرتی ہے ان کو جن کو نسب کرتا ہے (د) حضرت علی اور ابن مسعود فرماتے تھے کہ حرام ہوتا ہے تھوڑا اور زیادہ دودھ پینے سے (ہ) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ دو سال کے اندر ہو تو چاہے ایک مرتبہ چوسنا ہو وہ حرام کرتا ہے۔

[۱۸۶۱](۲) ومدة الرضاع عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی ثلثون شهرا عندهماسنتان

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عائشة انها قالت کان فیما انزل من القرآن عشر رضعات معلومات یحرمن ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول الله وهی فیما یقرأ من القرآن (الف)(مسلم شریف، باب التحریم بخمس رضعات ص ۴۶۹ نمبر ۱۴۵۲ رابوداؤد شریف، باب ھل یحرم مادون خمس رضعات ص ۲۸۸ نمبر ۲۰۶۲ رترمذی شریف، باب ماجاء لاتحرم المصة ولا المصتان ص ۲۱۸ نمبر ۱۱۵۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ مرتبہ چوسنے سے پہلے حرمت ثابت نہیں ہوگی (۲) دوسری حدیث میں ہے۔عن عائشة ... ان النبی ﷺ قال لا تحرم المصة والمصتان (ب)(مسلم شریف، باب فی المصة والمصتان ص ۴۶۸ نمبر ۱۴۵۰ رابوداؤد شریف، باب ھل یحرم مادون خمس رضعات ص ۲۸۸ نمبر ۲۰۶۳ رترمذی شریف نمبر ۱۱۵۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ اور دو مرتبہ چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

[۱۸۶۱](۲) رضاعت کی مدت امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیس مہینے ہیں اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہیں۔

تشریح امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی اصل میں دو سال ہی ہیں البتہ احتیاط کے طور پر چھ ماہ زیادہ کر دیا ہے تاکہ دو سال کے بعد دودھ چھوڑتے چھوڑتے چھ ماہ نکل جائیں گے۔چنانچہ موطا امام محمد میں اس کی تصریح ہے۔وکان ابو حنیفة یحتاط بستة اشهر بعد الحولین فیقول یحرم ماکان فی الحولین وبعدهما الی تمام ستة اشهر وذلک ثلثون شهرا ولا یحرم ما کان بعد ذلک ونحن لا نری انه یحرم ونری انه لا یحرم ماکان بعد الحولین (ج)(موطا امام محمد، باب الرضاع ص ۲۷۸)اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حرمت کے لئے دو سال اصل ہیں اور مزید چھ ماہ احتیاط کے لئے ہیں۔

فائدہ صاحبینؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دو سال کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ پیئے گا تو حرمت ثابت ہوگی۔اس کے بعد پیئے گا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

وجہ (۱)اس آیت میں ہے۔والوالدات یرضعن اولادهن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة (د)(آیت ۲۳۳ سورة البقرة ۲)اس آیت میں ہے کہ دو سال دودھ پلائے (۲)عن ابن عباس قال رسول الله ﷺ لا رضاع الا ماکان فی الحولین (ہ)(دار قطنی، کتاب الرضاع ج رابع ص ۱۰۳ نمبر ۴۳۱۸ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی تحدید ذلک بالحولین ج سابع ص ۷۶۰، نمبر ۱۵۶۶۳)(۳)اس حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے۔عن عائشة ... فقال انظرن ما اخواتکن فانما الرضاعة من المجاعة (و)

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ قرآن میں اترا ہے کہ دس مرتبہ چوسنا حرام کرتا ہے۔پھر منسوخ ہو کر پانچ مرتبہ چوسنا رہ گیا، پس حضورؐ دنیا سے رخصت ہوئے اور وہ ایسے ہی ہے جو قرآن میں پڑھا جاتا ہے(نوٹ:قرآن میں یہ بھی منسوخ ہوگیا اب یہ آیت نہیں ہے)(ب) آپؐ نے فرمایا ایک دو مرتبہ چوسنا حرام نہیں کرتا (ج) حضرت امام ابوحنیفہؒ احتیاط کرتے تھے دو سال کے بعد چھ مہینے کے ساتھ۔پس فرماتے تھے کہ دو سال میں حرام ہوگا، اور اس کے بعد چھ مہینے تک اور۔یہ تیس مہینے ہوئے، اس کے بعد حرام نہیں ہوگا۔اور ہم نہیں سمجھتے ہیں کہ حرام ہوگا۔ہماری رائے ہے کہ دو سال کے بعد حرمت رضاعت نہیں ہوگی (د) مائیں اپنی اولاد کو مکمل دو سال پلائیں جو رضاعت پوری کرنا چاہیں (ہ) آپؐ نے فرمایا نہیں رضاعت ہے مگر دو سال کے اندر (و) آپؐ نے فرمایا دیکھنا تمہاری (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۸۶۲](۳) واذا مضت مدة الرضاع لم یتعلق بالرضاع التحریم[۱۸۶۳](۴) ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب[۱۸۶۴](۵) الا ام اخته من الرضاع فانه یجوز ان یتزوجها ولا یجوز ان یتزوج ام اخته من النسب[۱۸۶۵](۶) واخت ابنه من الرضاع

(بخاری شریف، باب من قال لا رضاع بعد حولین ص ۷۶۴ نمبر ۵۱۰۲/ابوداؤد شریف، باب فی رضاعۃ الکبیر ص ۲۸۸ نمبر ۲۰۵۸) اس حدیث میں ہے کہ جس زمانے میں صرف دودھ سے بھوک دور ہو اس زمانے میں دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوگی۔ یعنی دو سال کے اندر۔

[۱۸۶۲](۳) اگر رضاعت کی مدت گزر جائے تو دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

تشریح مثلا بچے کی عمر دو سال سے زیادہ ہو جائے۔ اب کسی عورت کا دودھ پیئے تو اس عورت سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

وجہ (۱) اوپر حدیث گزر گئی لا رضاع الا ما کان فی الحولین (الف) (دارقطنی، نمبر ۴۳۱۸) اور دوسری حدیث گزری فانما الرضاعۃ من المجاعۃ (ب) (بخاری شریف، نمبر ۵۱۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد بچے کو دودھ پلائے تو اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

[۱۸۶۳](۴) اور دودھ پلانے سے حرام ہوتے ہیں وہ لوگ جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

تشریح یہاں سے فرمانا چاہتے ہیں کہ جو لوگ نسب سے حرام ہوتے ہیں وہی لوگ رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نسب سے تو حرام ہو جائیں گے لیکن رضاعت کی وجہ سے وہ دور کے رشتہ دار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ لوگ حرام نہیں ہوں گے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

وجہ رضاعت سے حرمت کی دلیل گزر گئی۔ فقال: 'نعم' الرضاعۃ تحرم ما تحرم الولادۃ (ج) (بخاری شریف نمبر ۵۰۹۹، مسلم شریف ۱۴۴۴)

[۱۸۶۴](۵) مگر رضاعی بہن کی ماں کہ جائز ہے اس سے نکاح کرنا۔ اور نہیں جائز ہے کہ نسبی بہن کی ماں سے شادی کرے۔

تشریح رضاعی بہن کی ماں اجنبیہ ہوگی اس لئے اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اور نسبی بہن کی ماں تو خود کی ماں بن گئی اس لئے اس سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔ یا اپنی سوتیلی بہن کی ماں سوتیلی ماں ہوگی اور باپ کی مدخول بہا ہوگی اس لئے اس سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔

[۱۸۶۵](۶) اور رضاعی بیٹے کی بہن سے جائز ہے نکاح کرنا۔ اور نہیں جائز ہے نسبی بیٹے کی بہن سے شادی کرنا۔

وجہ رضاعی بیٹے کی بہن اجنبیہ ہوگی۔ اس لئے اس سے نکاح جائز ہوگا۔ اور اپنے نسبی بیٹے کی بہن اپنی بیٹی ہوگی اس لئے اس سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) بہنیں کون ہیں، رضاعت بھوک دور کرنے سے ہوتی ہے (الف) حرمت رضاعت نہیں ہے مگر دو سال کے اندر (ب) اور رضاعت بھوک دور کرنے سے ثابت ہوتی ہے (ج) آپ نے فرمایا ہاں! رضاعت حرام کرتی ہے جو نسب حرام کرتا ہے۔

یجوز ان یتزوجها ولا یجوز ان یتزوج اخت ابنه من النسب[۱۸۶۶](۷) ولا یجوز ان یتزوج امرأة ابنه من الرضاع کما لا یجوز ان یتزوج امرأة ابنه من النسب[۱۸۶۷](۸) ولبن الفحل یتعلق به التحریم وھو ان ترضع المرأة صبیة فتحرم ھذہ الصبیة علی زوجها

[۱۸۶۶](۷) اور نہیں جائز ہے کہ شادی کرے اپنی رضاعی بیٹے کی بیوی سے جیسا کہ نہیں جائز ہے کہ شادی کرے اپنے بیٹے کی بیوی سے۔

تشریح بیوی نے کسی کے بچے کو دودھ پلایا تو وہ بچہ اس شوہر کا رضاعی بیٹا بن گیا، اب اس کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے۔ کیونکہ وہ رضاعی بہو بن گئی۔ جس طرح اپنا نسبی بیٹا ہوتا تو اس کی بیوی سے نکاح حرام ہوتا۔

وجہ آیت میں ہے۔ وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم (آیت ۲۳ سورۃ النساء۴) اس آیت میں اپنے صلبی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا حرام قرار دیا۔ اس سے متبنی بیٹے کی بیوی نکل گئی۔ اس سے شادی کر سکتا ہے۔ لیکن رضاعی بیٹے کی بیوی داخل ہے اور اس سے نکاح کرنا حرام ہے (۲) اثر میں ہے۔ حدثنی عمی ایاس بن عامر قال قال لا تنکح من ارضعته امرأة ابیک ولا امرأة ابنک ولا امرأة اخیک (الف) (سنن للبیہقی، باب یحرم من الرضاع ما یحرم من الولادة وان لبن الفحل یحرم ج سابع ،ص ۷۴۶، نمبر ۱۵۶۱۶) اس اثر میں ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی سے شادی مت کرو۔

[۱۸۶۷](۸) مرد کے دودھ سے حرمت متعلق ہوتی ہے وہ یہ کہ عورت دودھ پلائے بچی کو تو حرام ہو جائے یہ بچی اس کے شوہر پر اور شوہر کے باپ پر اور شوہر کے بیٹوں پر اور وہ شوہر جس سے عورت کا دودھ اترا ہے وہ دودھ پینے والی بچی کا باپ ہوگا۔

تشریح مثلا فاطمہ نے ساجدہ بچی کو دودھ پلایا تو فاطمہ کا شوہر مثلا زید ہے جس کی وطی سے فاطمہ کو دودھ اترا ہے۔ اس شوہر کے لئے ساجدہ دودھ پینے والی بچی حرام ہو گئی۔ اسی طرح شوہر زید کا باپ بچی کیلئے دادا بن گیا۔ اس لئے زید کا باپ ساجدہ سے شادی نہیں کر سکتا۔ زید کا نسبی بیٹا خالد ساجدہ بچی کا رضاعی بھائی بن گیا اس لئے ساجدہ اس رضاعی بھائی سے شادی نہیں کر سکتی۔

وجہ صحبت کرنے کی وجہ سے دودھ اترا ہے اس لئے شوہر کا اصول یعنی باپ دادا اور فروع یعنی بیٹا اور پوتا بچی پر حرام ہو گئے۔ جیسے نسبی باپ، دادا اور بھائی حرام ہو جاتے ہیں (۲) حدیث میں ہے۔ عن عائشة قالت جاء عمی من الرضاعة یستأذن علی فابیت ان آذن له حتی استأمر رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ فلیلج علیک فانه عمک، قالت انما ارضعتنی المرأة ولم یرضعنی الرجل قال فانه عمک فلیلج علیک (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی لبن الفحل ص ۲۱۸ نمبر ۱۱۴۸ ر بخاری شریف، باب لبن الفحل ص ۷۶۴ نمبر ۵۱۰۳ ر مسلم شریف، باب تحریم الرضاعة من ماء الفحل ص ۴۶۶ نمبر ۱۴۴۵) اس حدیث میں ہے کہ رضاعی باپ کا جو

حاشیہ : (الف) ایاس بن عامر نے فرمایا جس کو دودھ پلایا ہے وہ باپ کی بیوی سے شادی نہ کرے، اور نہ رضاعی بیٹے کی بیوی سے، اور نہ رضاعی بھائی کی بیوی سے۔

حاشیہ : (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میرے رضاعی چچا آئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت مانگنے لگے۔ میں نے اجازت دینے سے انکار کیا۔ یہاں تک کہ حضورؐ سے مشورہ کر لوں۔ آپؐ نے فرمایا وہ آپ کے پاس آسکتے ہیں اس لئے کہ وہ آپ کے چچا ہیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا مجھے عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ آپ کے رضاعی چچا ہیں آپ کے پاس آسکتے ہیں۔

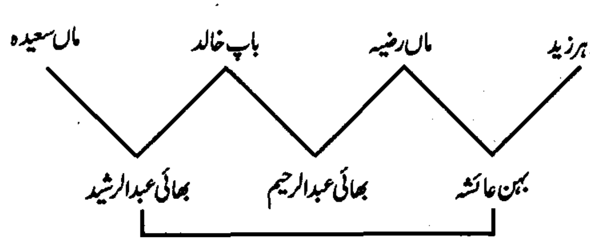
وعلی آبائہ وابنائہ ویصیر الزوج الذی نزل لها منه اللبن ابا للمرضعة[۱۸۶۸](۹) ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیه من الرضاع کما یجوز ان یتزوج باخت اخیه من

بھائی تھا جس کو رضاعی چچا کہتے ہیں۔اس سے پردہ نہیں ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی محرم بن گئے۔اور رضاعی باپ کے اصول اور فروع بھی محرم بن گئے۔ان سے بھی شادی کرنا حرام ہوگیا(۲)عن ابن عباس انه سئل عن رجل له جاریتان ارضعت احداهما جارية والاخری غلاما ایحل للغلام ان یتزوج الجارية ؟فقال: لا، اللقاح واحد (الف)(ترمذی شریف،باب ماجاء فی لبن الفحل ص ۲۱۸ نمبر ۱۱۴۹رسنن للبیہقی ، باب یحرم من الرضاع ما یحرم من الولادة وان لبن الفحل یحرم ج سابع ص ۴۵۳)اس اثر میں ایک آقا کی دو باندیاں تھیں۔اور دونوں کو دودھ اترتا تھا۔ایک باندی نے لڑکے کو دودھ پلایا اور دوسری نے لڑکی کو دودھ پلایا تو چونکہ دونوں کا رضاعی باپ ایک ہے اس لئے یہ دونوں آپس میں شادی نہیں کر سکتے۔جس سے معلوم ہوا کہ جس شوہر کی صحبت سے دودھ اترا ہے حرمت میں اس کا اعتبار ہے۔

[۱۸۶۸](۹)اور جائز ہے کہ آدمی رضاعی بھائی کی بہن سے شای کرے جیسا جائز ہے کہ نسبی بھائی کی بہن سے شادی کرے۔اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے باپ شریک بھائی اس کی ماں شریک بہن ہو۔جائز ہے اس کے باپ شریک بھائی کے لئے یہ کہ شادی کرے اس کی ماں شریک بہن سے۔

تشریح یہاں دو مسئلے ہیں۔پہلا مسئلہ یہ ہے کہ رضاعی بھائی کی اپنی بہن سے شادی کرنا جائز ہے۔مثلا زید کا رضاعی بھائی خالد تھا۔ان دونوں نے ایک تیسری عورت سے دودھ پیا تھا۔اب خالد کی اپنی بہن تھی جو زید کے لئے اجنبیہ تھی اس لئے زید کے لئے جائز ہے کہ خالد کی اپنی بہن سے شادی کر لے۔اس لئے کہ خالد کی بہن زید کے لئے اجنبیہ ہے۔البتہ زید یا خالد اگر لڑکی ہو تو ان دونوں کے درمیان شادی نہیں ہو سکتی۔کیونکہ یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سوتیلے بھائی کی ماں شریک بہن سے نکاح جائز ہے۔اس نقشہ کو دیکھیں۔



عبدالرشید کی شادی عبدالرحیم کی ماں شریک بہن عائشہ سے جائز ہے

حاشیہ : (الف)حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی کو دو باندیاں ہیں۔ان میں سے ایک نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا اور دوسری نے لڑکے کو تو کیا لڑکی کے لئے حلال ہے کہ لڑکے سے شادی کرے؟ حضرت نے فرمایا نہیں۔حمل ایک ہی آدمی کا ہے۔

النسب وذلک مثل الاخ من الاب اذا کان لہ اخت من امہ جاز لاخیہ من ابیہ ان یتزوجھا[۱۸۶۹](۱۰) وکل صبیین اجتمعا علی ثدی واحد لم یجز لاحدھما ان یتزوج الآخر[۱۸۷۰](۱۱) ولا یجوز ان یتزوج المرضعۃ احدا من وُلد التی ارضعت.

تشریح: رضیہ نے پہلی شادی زید سے کی تھی اس سے عائشہ پیدا ہوئی۔ پھر دوسری شادی خالد سے کی اس سے عبدالرحیم پیدا ہوا۔ جس کی بنا پر عائشہ رحیم کی ماں شریک بہن ہوئی۔ ادھر خالد نے ایک اور شادی سعیدہ سے کی جس سے عبدالرشید پیدا ہوا جو عبدالرحیم کا سوتیلا بھائی ہوا۔ اس لئے عبدالرشید کی شادی عائشہ سے ہوسکتی ہے۔ کیونکہ عائشہ عبدالرشید کے لئے اجنبیہ ہے۔

[۱۸۶۹](۱۰) جن دو بچوں نے ایک چھاتی سے دودھ پیا تو نہیں جائز ہے ان دونوں میں سے ایک کے لئے کہ دوسرے سے شادی کرے

تشریح: مثلا خالد اور سعیدہ نے ایک عورت سے دودھ پیا چاہے ایک نے چند سال پہلے دودھ پیا ہو اور دوسری نے چند سال بعد دودھ پیا ہو تو خالد سعیدہ سے شادی نہیں کرسکتا۔

وجہ: کیونکہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوگئے (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ اور حضرت حمزہؓ نے حضرت ثوبیہ سے دودھ پیا تھا جس کی وجہ سے دونوں رضاعی بھائی ہوگئے تھے۔ اور حضرت حمزہ کی بیٹی رضاعی بھتیجی ہوگئی تھی۔ اور آپؐ نے فرمایا تھا کہ حضرت حمزہ کی بیٹی میرے اوپر پیش نہ کرو وہ رضاعی بھتیجی ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ ان زینب ابنۃ ابی سلمۃ اخبرتہ ... انھا لابنۃ اخی من الرضاعۃ ارضعتنی وابا سلمۃ ثوبیۃ فلا تعرضن علی بناتکن واخواتکن (الف) (بخاری شریف، باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب ص ۷۶۳ نمبر ۵۱۰۱) (۳) ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی تو ایک عورت نے گواہی دی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ اس لئے تمہاری شادی اس عورت سے حلال نہیں ہے۔ کیونکہ ایک ہی چھاتی سے دونوں نے دودھ پیا ہے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال وقد سمعتہ من عقبۃ ... قال تزوجت امرأۃ فجائتنا امرأۃ سوداء فقالت ارضعتکما فاتیت النبی ﷺ فقلت تزوجت فلانۃ بنت فلانۃ فجاءتنا امرأۃ سوداء فقالت لی انی قد ارضعتکما (ب) (بخاری شریف، باب شہادۃ المرضعۃ ص ۷۶۴ نمبر ۵۱۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دولڑکا لڑکی نے ایک عورت سے دودھ پیا ہو تو آپس میں نکاح حلال نہیں ہے۔

لغت: ثدی: پستان۔

[۱۸۷۰](۱۱) اور نہیں جائز ہے کہ شادی کرے دودھ پینے والی بچی کسی ایسے بچے سے جس کو اس کی ماں نے دودھ پلایا ہے۔

تشریح: یہ پہلے ہی مسئلے کا اعادہ ہے۔ یعنی ماں نے بچی کو بھی دودھ پلایا اور بچے کو بھی دودھ پلایا تو بچی کا نکاح اس بچے سے جائز نہیں ہے۔

وجہ: کیونکہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوئے۔

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ مجھ کو اور ابو سلمہ (حمزہ) کو حضرت ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا۔ اس لئے اپنی لڑکیوں اور بہنوں کو مجھ پر پیش نہ کیا کرو (ب) حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی۔ پس ایک کالی عورت آئی اور کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ پس میں حضور کے پاس آیا۔ میں نے کہا کہ میں نے فلاں بنت فلاں سے شادی کی تھی۔ اب ایک کالی عورت آئی اور کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا تھا۔

[۱۸۷۱](۱۲) ولا يتزوج الصبي المرضَع اخت زوج المرضعة لانها عمته من الرضاع[۱۸۷۲](۱۳) واذا اختلط اللبن بالماء واللبن هو الغالب يتعلق به التحريم فان غلب الماء لم يتعلق به التحريم[۱۸۷۳](۱۴) واذا اختلط بالطعام لم يتعلق به التحريم وان كان اللبن غالبا عند ابی حنيفة رحمه الله وقالا رحمهما الله تعالی يتعلق به التحريم

[۱۸۷۱](۱۲)اور نہیں جائز ہے دودھ پینے والے بچے کا نکاح دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی بہن سے اس لئے کہ وہ رضاعی پھوپی ہے۔

تشریح دودھ پلانے والی ماں کا شوہر رضاعی باپ ہوا اور اس کی بہن رضاعی پھوپی ہوئی ہے اس لئے دودھ پینے والے بچے کا نکاح رضاعی پھوپی سے جائز نہیں ہے۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة (بخاری شریف، نمبر ۵۰۹۹) کہ نسب سے جس طرح حرام ہوتا ہے رضاعت سے بھی حرام ہوتا ہے۔

[۱۸۷۲](۱۳) اگر دودھ کو پانی کے ساتھ ملایا اور دودھ غالب ہے تو اس کے ساتھ حرمت متعلق ہوگی۔ پس اگر پانی غالب ہو تو اس کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوگی۔

تشریح دودھ میں پانی ملا کر بچے کو پلایا۔ پس اگر دودھ غالب ہو یعنی آدھے پانی سے زیادہ ہو تو جس عورت کا دودھ ہے اس سے رضاعت ثابت ہوگی۔ اور اگر پانی غالب ہو تو رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

وجہ یہاں اعتبار للاكثر حكم الكل کا ہے۔ اس لئے جو غالب ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

[۱۸۷۳](۱۴) اگر دودھ کھانے کے ساتھ مل جائے تو اس کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوگی اگر چہ غالب ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ اور صاحبین فرماتے ہیں اس کے ساتھ حرمت متعلق ہوگی۔

وجہ امام ابو حنیفہ کی نظر حدیث کا لفظ یا عائشة انظرن من اخوانكن فانما الرضاعة من المجاعة (الف) (بخاری شریف، باب الشهادة على الانساب والرضاع المستفيض والموت القديم ص ۳۶۰ نمبر ۲۶۴۷ رمسلم شریف، باب انما الرضاعة من المجاعة ص ۴۶۹ نمبر ۱۴۵۵) میں الرضاعة من المجاعة کی طرف گئی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ صرف دودھ سے بھوک ختم ہو تو اس دودھ سے رضاعت ثابت ہوگی۔ اور دودھ کو کھانے میں ملا دیا تو کھانا اصل ہو گیا اس سے بھوک دور ہوگی۔ اور دودھ تابع ہو گیا اب اس سے بھوک دور ہونا اصل نہیں رہا۔ اس لئے اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ دودھ غالب ہے اس لئے دودھ اصل ہے۔ اس لئے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

حاشیہ : (الف) اے عائشہ! بھائیوں کو دیکھنا، رضاعت تو بھوک دور کرنے سے ہوتی ہے۔

[۱۸۷۴](۱۵) واذا اختلط بالدواء واللبن غالب تعلق به التحريم[۱۸۷۵](۱۶) واذا حلب اللبن من المرأة بعد موتها فاوجر به الصبی تعلق به التحريم[۱۸۷۶](۱۷) واذا اختلط لبن المرأة بلبن شاة ولبن المرأة هو الغالب تعلق به بالتحريم فان غلب لبن الشاة لم يتعلق به التحريم [۱۸۷۷](۱۸) واذا اختلط لبن امرأتين يتعلق به التحريم باكثرهما

[۱۸۷۴](۱۵)اگر دودھ مل جائے دوا کے ساتھ اور دودھ غالب ہو تو حرمت اس سے متعلق ہوگی۔

تشریح کسی عورت کے دودھ کو دوا کے ساتھ ملا کر دو سال کے اندر بچے کو پلایا اور دودھ غالب ہو تو بچے کی رضاعت اس عورت سے ثابت ہو جائے گی۔

وجہ (۱) دودھ غالب ہے اس لئے دودھ اصل ہو گیا اور بھوک دور کرنا ثابت ہو گیا اس لئے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اصول ان سب مسئلوں کا دارومدار اس بات پر ہے کہ دودھ اصل بن کر بھوک دور کر رہا ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔ اور اگر تابع بن کر پیا جا رہا ہو تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ اور اس کی دلیل حدیث کا لفظ الرضاعة من المجاعة ہے(۲)عن ابن مسعود قال لا رضاع الا ما شد العظم وانبت اللحم (الف) (ابوداؤد شریف، باب رضاعة الكبير ص ۲۸۸ نمبر ۲۰۵۹ / دار قطنی، کتاب الرضاع ج رابع ص ۱۰۲ نمبر ۴۳۱۵)

[۱۸۷۵](۱۶) جبکہ دودھ نکالا عورت سے اس کے مرنے کے بعد اور ڈال دیا اس کو بچے کے حلق میں تو متعلق ہوگی اس سے حرمت۔

تشریح عورت کے مرنے کے بعد اس سے دودھ نکالا اور اس کو بچے کے حلق میں ڈال دیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

وجہ اس دودھ میں بچے کی بھوک دور کرنے کی صلاحیت ہے۔ اس لئے اس سے رضاعت ثابت ہوگی۔

لغت اوجر : منہ میں دوا ڈالنا۔

[۱۸۷۶](۱۷) اگر مل گیا دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ اور وہ غالب ہے تو متعلق ہوگی اس سے حرمت۔ پس اگر غالب ہو گیا بکری کا ددھ تو اس سے حرمت متعلق نہیں ہوگی۔

تشریح عورت کا دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ ملا دیا اور عورت کا دودھ غالب ہو اور اس کو کسی بچے کو پلا دے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اور اگر عورت کا دودھ مغلوب ہو تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

وجہ عورت کا دودھ غالب ہو تو وہ بھوک دور کرنے میں اصل ہو گیا اس لئے اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔ اصول اور اس کے لئے حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

[۱۸۷۷](۱۸) اگر دو عورتوں کا دودھ ملا دیا تو حرمت متعلق ہوگی ان دونوں میں سے اکثر کے ساتھ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔ اور امام محمدؒ

حاشیہ : (الف) حضرت ابن مسعود نے فرمایا رضاعت نہیں ہے مگر اس دودھ سے جو ہڈی مضبوط کرے اور گوشت پیدا کرے۔

عند ابی یوسف رحمه الله تعالی وقال محمد رحمه الله تعالی تعلق بهما التحریم [۱۸۷۸](۱۹) واذا نزل للبکر لبن فارضعت صبیا یتعلق به التحریم[۱۸۷۹](۲۰) واذا نزل للرجل لبن فارضع به صبیا لم یتعلق به التحریم[۱۸۸۰](۲۱) واذا شرب صبیان من

نے فرمایا حرمت متعلق ہوگی دونوں کے ساتھ۔

وجہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا دودھ زیادہ ہے بھوک دور کرنے میں وہ اصل ہو گیا اور دوسرا تابع ہو گیا اس لئے جس عورت کا دودھ زیادہ ہو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں ایک ہی جنس ہیں اس لئے اصل اور تابع کا اعتبار نہیں ہوگا۔ بلکہ دونوں اصل ہوں گے۔ اس لئے دونوں عورتوں سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔

[۱۸۷۸](۱۹) اگر باکرہ عورت کو دودھ اترے اور کسی بچے کو پلا دیا تو اس سے حرمت متعلق ہوگی۔

تشریح عورت کو دودھ دو طرح سے اترتا ہے۔ ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد اور دوسرا کچھ دوائی کھانے سے۔ اس صورت میں صحبت کئے بغیر بھی عورت سے دودھ اتر سکتا ہے۔ چونکہ عورت سے دودھ اتر رہا ہے اس لئے اس کا حکم بھی وہی ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد دودھ اترے۔ یعنی اس کے پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔

وجہ آیت میں ہے وامھاتکم التی ارضعنکم (آیت ۲۳ سورۃ النساء ۴) آیت میں پلانے والی ماں سے حرمت کا ثبوت ہے۔ اور یہ بھی پلانے والی ماں ہے اس لئے اس کے پلانے سے بھی حرمت ثابت ہوگی۔

لغت البکر : وہ عورت جس سے صحبت نہ ہوئی ہو۔

[۱۸۷۹](۲۰) اگر مرد سے دودھ اتر جائے اور اس کو کسی بچے کو پلا دے تو اس سے حرمت متعلق نہیں ہوگی۔

وجہ آیت میں امھاتکم التی ارضعنکم کہا ہے کہ ماں دودھ پلائے تو حرمت ثابت ہوگی۔ اور یہ دودھ براہ راست باپ کا ہوگا اس لئے اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ عن جابر عن عامر انھما کانا لا یریان لبن الفحل شیئا (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸۷ من رخص فی لبن الفحل ولم یرہ شیئا ج رابع، ص ۱۹، نمبر ۱۷۳۵۶) اس اثر سے ثابت ہوا کہ مرد کے دودھ سے حرمت رضاعت نہیں ہوگی۔

[۱۸۸۰](۲۱) اگر دو بچوں نے بکری کا دودھ پیا تو دونوں کے درمیان رضاعت نہیں ہے۔

وجہ رضاعت انسانی اعضاء کی جزئیت سے ہوتی ہے۔ اور یہ حیوان کا دودھ ہے اس لئے اس سے رضاعت نہیں ہوگی (۲) آیت میں امھات کہا ہے کہ ماں کا دودھ پلائے تب رضاعت ہوگی اور بکری ماں نہیں ہوگی اس لئے اس کے دودھ پینے سے رضاعت نہیں ہوگی (۳) بلکہ انسان

حاشیہ : (الف) حضرت عامر مرد کے دودھ سے کوئی حرمت نہیں سمجھتے تھے۔

لبن شاة فلا رضاع بينهما [۱۸۸۱] (۲۲) واذا تزوج الرجل صغيرة و كبيرة فارضعت الكبيرة الصغيرة حرمتا على الزوج[۱۸۸۲] (۲۳) فان كان لم يدخل بالكبيرة فلا مهر لها وللصغيرة نصف المهر[۱۸۸۳] (۲۴) ويرجع به الزوج على الكبيرة ان كانت تعمدت به الفساد وان لم تتعمد فلا شيء عليها[۱۸۸۴] (۲۵) ولا تقبل في الرضاع

میں سے مرد دودھ پلائے تو رضاعت نہیں ہوگی کیونکہ وہ ماں نہیں ہے تو بکری کے دودھ سے رضاعت کیسے ثابت ہوگی۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ ماں کا دودھ ہو تو رضاعت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔

[۱۸۸۱] (۲۲) اگر آدمی نے چھوٹی بچی اور بڑی عورت سے شادی کی۔ پس بڑی نے چھوٹی کو دودھ پلا دیا تو شوہر پر دونوں حرام ہوں گی۔

تشریح ایک آدمی نے دو سال کے اندر کی بچی اور بڑی عورت سے شادی کی۔ پس بڑی عورت نے چھوٹی بیوی کو دودھ پلا دیا تو دونوں شوہر پر حرام ہو جائیں گی۔

وجہ دودھ پلانے کی وجہ سے چھوٹی بچی بڑی بیوی کی رضاعی بیٹی بن گئی۔ اس لئے یہ مرد ماں اور بیٹی کو جمع کرنے والا ہوا اس لئے دونوں حرام ہوں گی جیسے نسبی ماں اور بیٹی کو جمع کرنا حرام ہے۔

[۱۸۸۲] (۲۳) پس اگر بڑی سے صحبت نہ کی ہو تو اس کے لئے مہر نہیں ہے اور چھوٹی کے لئے آدھا مہر ہے۔

تشریح بڑی سے صحبت نہیں کی اور تفریق واقع ہوئی تو اس کو آدھا مہر ملنا چاہئے۔ لیکن بڑی کے دودھ پلانے سے تفریق واقع ہوئی ہے اس لئے تفریق کا سبب بڑی کی جانب سے ہے۔ اس لئے اس کو آدھا مہر بھی نہیں ملے گا۔ اور چھوٹی کی جانب سے تفریق نہیں ہے اور صحبت سے پہلے تفریق واقع ہوئی ہے اس لئے اس کو آدھا مہر ملے گا۔

[۱۸۸۳] (۲۴) اور شوہر مہر وصول کرے گا بڑی سے اگر جان کر فساد کی ہو۔ اور اگر فساد کا ارادہ نہ کی ہو تو بڑی پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح بڑی نے نکاح توڑنے ہی کے لئے چھوٹی کو دودھ پلایا ہو تو جو آدھا مہر شوہر نے چھوٹی کو دیا وہ بڑی سے وصول کرے گا۔

وجہ کیونکہ اس نے جان کر نکاح توڑوایا اور آدھا مہر دلوانے کا سبب بنی۔ اور اگر بچی بھوک سے رو رہی تھی اور دودھ پلانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ یا نکاح ٹوٹنے کا علم نہیں تھا تو جو آدھا مہر چھوٹی کو دیا ہے وہ بڑی سے شوہر وصول نہیں کرے گا۔

وجہ کیونکہ عورت نے اصلاح کی ہے فساد نہیں کی ہے۔

[۱۸۸۴] (۲۵) اور نہیں قبول کی جائے گی رضاعت میں تنہا عورتوں کی گواہی بلکہ ثابت ہوگی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔

وجہ رضاعت کے ثبوت سے حرمت ثابت ہوگی اور نکاح فاسد ہوگا جو حقوق العباد ہیں۔ اور حقوق العباد کے ثبوت میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی درکار ہے۔ اس لئے رضاعت کے ثبوت کے لئے تنہا دو عورتوں یا چار عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے (۲) آیت یہ ہے۔ واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل

شهادة النساء منفردات وانما يثبت بشهادة رجلين او رجل وامرأتين.

احداهما فتذكر احداهما الاخرى (الف) (آیت ۲۸۲ سورة البقر (۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ صرف عورتیں گواہ نہ ہوں (۳) ایک اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ان عمر بن الخطاب اتی فی امرأة شهدت علی رجل وامرأته انها ارضعتها فقال لا حتی هشهد رجلان او رجل وامرأتان (ب) (سنن للبیہقی، باب شہادۃ النساء فی الرضاع ج سابع ص ۴۶۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رضاعت کے لئے بھی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں چاہئے۔

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ثبوت رضاعت کے لئے ایک عادلہ عورت کافی ہے۔

وجہ (۱) دودھ پلانے کا معاملہ پردے میں ہوتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ مرد نہ دیکھ سکے۔ اس لئے ایک عورت کی گواہی کافی ہوگی (۲) حدیث میں ہے کہ ایک کالی عورت نے دودھ پلانے کی گواہی دی اور حضورؐ نے مان لی۔ قال سمعت من عقبة لكنی لحديث عبيد احفظ ... قال تزوجت امرأة فجائتنا امرأة سوداء فقالت ارجعتكما فاتيت النبی ﷺ فقلت تزوجت فلانة بنت فلان فجائتنا امرأة سوداء فقالت لی انی قد ارضعتكما وهی كاذبة فاعرض عنی فاتيته من قبل وجهه قلت انها كاذبة قال كيف بها وقد زعمت انها قد ارضعتكما دعها عنك (ج) (بخاری شریف، باب شہادۃ المرضعۃ ص ۷۶۴ نمبر ۵۱۰۴ رترمذی شریف، باب ماجاء فی شہادۃ المرأۃ والواحدۃ فی الرضاع، ص ۲۱۸، نمبر ۱۱۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔

حاشیہ: (الف) تم میں سے دو مردوں کو گواہ بناؤ۔ پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن گواہوں سے تم راضی ہوں۔ تاکہ ایک کو پتہ نہ رہے تو دوسری اس کو یاد دلائے (ب) حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت نے ایک مرد اور اس کی بیوی پر گواہی دی کہ اس نے دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ تو حضرت نے فرمایا نہیں! دو مرد گواہی دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں (ج) حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی تو ایک کالی عورت آئی اور کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ پس میں حضورؐ کے پاس آیا اور کہا میں نے فلاں بنت فلاں سے شادی کی تھی۔ پس ایک کالی عورت آئی اور مجھ سے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ حالانکہ وہ جھوٹی ہے۔ تو حضورؐ نے مجھ سے منہ پھیر لیا۔ پھر میں آپؐ کے چہرے کی جانب سے آیا اور کہا کہ وہ جھوٹی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیسے ہوگا؟ حالانکہ وہ کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو پلایا ہے۔ بیوی کو چھوڑ دو۔

﴿ کتاب الطلاق ﴾

[۱۸۸۵](۱)الطلاق علی ثلثة اوجه احسن الطلاق وطلاق السنة وطلاق البدعة [۱۸۸۶] (۲) فاحسن الطلاق ان یطلق الرجل امرأته تطلیقة واحدة فی طهر واحد لم یجامعها فیه ویترکها حتی تنقضی عدتها[۱۸۸۷] (۳) وطلاق السنة ان تطلق المدخول

﴿ کتاب الطلاق ﴾

ضروری نوٹ عورت کو نکاح سے الگ کرنے کو طلاق کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت سے ہے۔الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان (الف)(آیت ۲۲۹ سورۃ البقرۃ ۲) یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ (ب)(آیت ۱ سورۃ الطلاق ۶۵) اور حدیث میں ہے(۲)عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی کراہیۃ الطلاق ص ۳۰۳ نمبر ۲۱۷۸) ان آیتوں اور حدیث سے طلاق دینے کا ثبوت ہوا۔

[۱۸۸۵](۱) طلاق کی تین قسمیں ہیں۔احسن طلاق، طلاق سنت اور طلاق بدعت۔

تشریح طلاق دینے کے تین طریقے ہیں ان کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۱۸۸۶](۲) احسن طلاق یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دے ایسے طہر میں کہ جس میں اس سے وطی نہ کی ہو۔پھر اس کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔

تشریح یوں تو طلاق نہیں دینی چاہئے لیکن اگر مجبوری میں دینی ہی پڑے تو اس کا احسن طریقہ یہ ہے کہ جس طہر میں صحبت نہ کی ہو اس طہر میں ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔یہاں تک کہ عدت گزر کر خود بائنہ ہو جائے۔

وجہ احسن اس لئے کہا کہ عدت کے اندر رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے(۲) اثر میں ہے۔عن عبد اللہ قال من اراد الطلاق الذی ھو الطلاق فلیطلقھا تطلیقة ثم یدعھا حتی تحیض ثلاث حیض (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۲ ما یستحب من طلاق السنۃ وکیف ھو؟ ج رابع، ص ۵۷، نمبر ۱۷۷۳۳ / مصنف عبد الرزاق، باب وجہ الطلاق وھو طلاق العدۃ والسنۃ ج سادس ص ۳۰۱ نمبر ۱۰۹۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو۔پھر عورت کو چھوڑ دے یہاں تک کہ عدت گزر جائے یہ احسن طلاق ہے۔اور بعض مرتبہ اس کو طلاق سنت بھی کہتے ہیں۔

[۱۸۸۷](۳) اور طلاق سنت یہ ہے کہ طلاق دے مدخول بہا کو تین! تین طہروں میں۔

حاشیہ : (الف) طلاق دو مرتبہ ہے۔پھر اچھے انداز میں روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے (ب) اے نبی اگر بیویوں کو طلاق دو تو عدت گزارنے کے مناسب طلاق دیں اور عدت کو گنیں (ج) آپؐ نے فرمایا اللہ تعالی کو حلال میں سے مبغوض چیز طلاق ہے (د) جو مناسب طلاق دینا چاہے تو وہ ایک طلاق دیدے۔پھر اس کو تین حیض تک چھوڑ دے۔

بهاثلاثا فی ثلاثة اطهار[۱۸۸۸](۴) وطلاق البدعة ان یطلقها ثلثا بکلمة واحدة او ثلثا

تشریح جس عورت سے صحبت نہیں کی ہے اس کو ایک طلاق بھی دے گا تو وہ فورا بائنہ ہو کر جدا ہو جائے گی۔اور دوسری اور تیسری طلاق دینے کا محل باقی نہیں رہتی۔اور اس پر عدت نہیں ہے۔اس لئے جس عورت سے صحبت نہ کی ہو اس کو تین مجلس میں تین طلاق نہیں دے سکتا۔تین مجلس میں تین طلاقیں تو صحبت شدہ عورت کو دے سکتا ہے۔اس لئے اس کے لئے سنت یہ ہے کہ تین طہروں میں تین طلاقیں دے۔

وجہ یہ سنت طریقہ ہے لیکن چونکہ عورت کو تین طہروں میں تین طلاقیں واقع ہوں گی اور حلالہ کرانے کی ضرورت پڑے گی اس لئے یہ پہلی والی سے کم درجہ ہے (۲) حدیث میں ہے۔**عن عبد اللہ انہ قال طلاق السنة تطلیقة وھی طاھر فی غیر جماع فاذا حاضت وطھرت طلقها اخری فاذا حاضت وطھرت طلقها اخری ثم تعتد بعد ذلک بحیضة** (الف) (نسائی شریف، باب طلاق السنة ص ۴۷۵ نمبر ۳۴۲۳ دارقطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۴ نمبر ۳۸۴۶) اس حدیث میں ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے (۲) حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو آپ نے رجعت کرنے کا حکم دیا پھر فرمایا کہ جب طہر آجائے تو اس میں چاہے تو طلاق دے اور چاہے تو بیوی رکھ لے۔حدیث یہ ہے **عن عبد اللہ بن عمر انہ طلق امرأته وھی حائض علی عھد رسول اللہ فسأل عمر بن الخطاب رسول اللہ ﷺ عن ذلک فقال رسول اللہ ﷺ مرہ فلیراجعها ثم لیمسکها حتی تطھر ثم تحیض ثم تطھر ثم ان شاء امسک بعد وان شاء طلق قبل ان یمس فتلک العدة التی امر اللہ ان یطلق لها النساء** (ب) (بخاری شریف، باب وقول اللہ تعالی یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدة (آیت ۱ سورة الطلاق ۶۵) ص ۷۹۱، نمبر ۵۲۵۱ رمسلم شریف، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا ص ۴۷۶ نمبر ۱۴۷۱ رابوداؤد شریف، باب فی طلاق السنة ص ۳۰۳ نمبر ۲۱۷۹) اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا مبغوض ہے۔

[۱۸۸۸] (۴) اور طلاق بدعت یہ ہے کہ عورت کو تین طلاق دے ایک کلمے سے یا تین طلاق دے ایک طہر میں۔پس جب یہ کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت بائنہ ہو جائے گی۔اور وہ گنہگار ہوگا۔

تشریح بدعت طلاق کی کئی صورتیں ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک جملے سے تین طلاق دیدے۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دیدے تاہم طلاق دیدی تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

حاشیہ (الف) حضرت عبداللہ نے فرمایا سنت طلاق ایک طلاق ہے۔اس حال میں کہ عورت پاک ہو جماع کی ہوئی نہ ہو۔پس جب حیض آجائے اور پاک ہو جائے تو اس کو دوسری طلاق دے۔پھر جب حیض آجائے اور پاک ہو تو تیسری طلاق دے۔پھر اس کے بعد ایک حیض سے عدت گزارے (ب) حضرت عبداللہ بن عمر نے حضورؐ کے زمانے میں اپنی بیوی کو طلاق دی اس حال میں کہ وہ حائضہ تھی۔پس حضرت عمر نے اس کے بارے میں حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا۔اس کو حکم دو کہ اس سے رجعت کر لے۔پھر اس کو روک لے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر حیض آئے پھر پاک ہو جائے۔پھر چاہے تو اس کے بعد روک لے اور چاہے تو طلاق دیدے جماع سے پہلے۔یہ اس کی عدت گزارنے کا وقت ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے لئے عورتوں کو طلاق دو۔

في طهر واحد فاذا فعل ذلک وقع الطلاق وبانت امرأته منه وكان عاصيا.

وجہ: (۱) حدیث میں ہے۔سمعت محمود بن لبيد قال اخبر رسول الله عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعا فقام غضبانا ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم (الف) (نسائی شریف، الثلاث المجموعة وما فیہ من التغلیظ ص ۴۷۵ نمبر ۳۴۳۰/دار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۱۴ نمبر ۳۹۰۰) اس حدیث میں بیک وقت تین طلاق دینے سے آپ غصہ ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ یہ طلاق بدعت ہے۔

اور تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اس کی دلیل لمبی حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔ان سهل بن سعد الساعدي اخبره ان عويمر العجلاني جاء الى عاصم .... قال عويمر كذبت عليها يا رسول الله ان امسكتها فطلقها ثلاثا قبل ان يأمره رسول الله ﷺ (ب) (بخاری شریف، باب من جوز الطلاق الثلاث ص ۷۹۱ نمبر ۵۲۵۹/مسلم شریف، کتاب اللعان ص ۴۸۸ نمبر ۱۴۹۲) اس حدیث میں حضرت عویمر نے بیک وقت تین طلاقیں دی اور واقع بھی ہو گئیں (۲) عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال انه طلق امرأته ثلاثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال ينطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس! يا ابن عباس! وان الله قال ومن يتق الله يجعل له مخرجا (آیت ۲ سورة الطلاق ۶۵) وانک لم تتق الله فلا اجد لک مخرجا عصيت ربک وبانت منک امرأتک (ج) (ابوداؤد شریف، باب نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلاث ص ۳۰۴ نمبر ۲۱۹۷/مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰ من کرہ ان یطلق الرجل امرأتہ ثلاثا فی مقعد واحد واجاز ذلک علیہ ج رابع ص ۶۲، نمبر ۱۷۷۸۳) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مبغوض ہے۔ایک اور اثر میں ہے۔سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأه ثلاثا في مجلس قال اثم بربه وحرمت عليه امرأته (د) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰ من کرہ ان یطلق الرجل امرأتہ ثلاثا فی مقعد واحد واجاز ذلک علیہ ج رابع ص ۶۲، نمبر ۱۷۷۸۲/سنن للبیہقی، باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد فی خلاف ذلک ج سابع ص ۵۵۱، نمبر ۱۴۹۷۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

فائدہ: ایک اثر میں ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں، اثر یہ ہے۔عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله وابى بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان

حاشیہ : (الف) حضور کو خبر دی گئی کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اکٹھے تین طلاقیں دی تو آپ غصے میں اٹھے۔پھر فرمایا کہ لوگ اللہ کی کتاب سے کھیلتے ہیں اور میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں (ب) حضرت عویمر نے فرمایا یا رسول اللہ میں عورت پر جھوٹ بولوں اگر میں اس کو رکھ لوں۔پھر اس کو حضورؐ کے حکم دینے سے پہلے تین طلاقیں دی (ج) حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عباس کے پاس تھا کہ اس کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔حضرت عبد اللہ بن عباس خاموش رہے۔ہم نے گمان کیا کہ وہ عورت کو مرد کی طرف لوٹا دیں گے۔پھر فرمایا تم لوگ حماقت کرتے ہو پھر کہتے ہو اے ابن عباس! اے ابن عباس! حالانکہ اللہ نے فرمایا جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے راستہ نکال دیں گے۔اور تم لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں اس لئے کوئی راستہ نہیں پاتا۔آپ نے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے بائنہ ہو گئی (د) حضرت عمران بن حصین، سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں۔فرمایا اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔

الناس استعجلوا فی امر قد کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاهم علیهم (الف) (مسلم شریف، باب طلاق الثلاث ص ۴۷۷ نمبر ۱۴۷۲ ر نسائی شریف، باب طلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة ص ۴۷۶ نمبر ۳۴۳۵) اس اثر میں اگر چہ ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے شروع زمانے میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے تھے۔ لیکن اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عمر کو اس کے منسوخ ہونے کا علم تھا اس لئے اس کو منسوخ کیا۔ اور ان کے ہی زمانے میں بالاتفاق اس کو تین طلاق شمار کرنے لگے۔ اثر کا آخری لفظ ہے **فامضاه علیهم** یعنی تین طلاقیں نافذ کردیں (۲) دوسرے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ صحبت سے پہلے عورت کو تین طلاقیں دے تو اس کو ایک شمار کرتے تھے اور وہ تو ہم بھی کہتے ہیں۔ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **ان رجلا یقال له ابوا لصهباء کان کثیر السوال لابن عباس قال اما علمت ان الرجل کان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها جعلوها واحدة علی عهد رسول الله وابی بکر وصدرا من امارة عمر قال ابن عباس بلی کان الرجل اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها جعلوها واحدة علی عهد النبی ﷺ وابی بکر وصدرا من امارة عمر فلما رای الناس قد تتابعوا فیها قال اجیزوهن علیهن (ب)** (سنن للبیهقی، باب من جعل الثلاث واحدة وماورد فی خلاف ذلک ج سابع ص ۵۵۴، نمبر ۱۴۹۸۵ ر مصنف ابن ابی شیبة ۲۰ ما قالوا اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها فهی واحدة ج رابع ص ۷۰، نمبر ۱۷۸۷۲) اس اثر میں ہے کہ صحبت سے پہلے تین طلاق دے تو اس کو ایک طلاق شمار کرتے تھے۔ لیکن لوگوں نے زیادتی کی تو ان کو بھی تین طلاقیں شمار کرنے لگے۔ یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ غیر مدخول بہا کو ایک مجلس میں طلاق، طلاق، طلاق کہہ کر طلاق دے تو صرف پہلی طلاق واقع ہوگی اور باقی ضائع ہو جائے گی۔ کیونکہ اب وہ طلاق کا محل باقی نہیں رہی (۳) آیت میں تین کو تین ہی مانا ہے۔ اس لئے اس کو ایک کیسے مان سکتے ہیں۔ آیت یہ ہے **فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره** (آیت ۲۳۰ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ تیسری طلاق دے تو حلالہ کے بغیر بیوی حلال نہیں ہے۔ اس لئے تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقوں کو ایک ماننا صحیح نہیں ہے۔

نوٹ حیض کی حالت میں طلاق دے یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع کر چکا ہو تو یہ بھی طلاق بدعی ہیں۔

وجہ حیض کی حالت میں طلاق دینا مبغوض ہے۔ اس کی دلیل حدیث ابن عمر گزری کہ حضرت عبد اللہ بن عمر کے طلاق دینے پر آپؐ ناراض ہوئے اور رجعت کرنے کا حکم دیا۔ اور طہر میں جماع کیا ہو پھر طلاق دی ہو اس کے مبغوض ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن ابن عباس یقول ... اما الحرام فان یطلقها وهی حائض او یطلقها حین یجامعها لا تدری اشتمل الرحم علی ولد ام لا (ج)** (دار قطنی،

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ، ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دوسال تک تین طلاقیں ایک تھیں۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا لوگوں نے اس معاملے میں جلدی کی جس میں سہولت تھی تو کیا ان پر نافذ کردیں؟ چنانچہ ان پر تین طلاقیں نافذ کردی (ب) حضرت ابو صہبا حضرت ابن عباس سے بہت سوال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آدمی صحبت سے پہلے تین طلاقیں دے تو حضورؐ، حضرت ابوبکرؓ اور امارت حضرت عمرؓ کے شروع زمانے میں ان کو ایک قرار دیتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہاں! کہ شوہر صحبت سے پہلے تین طلاقیں دے تو حضورؐ، حضرت ابوبکرؓ اور امارت حضرت عمرؓ کے شروع زمانے میں ایک قرار دیتے تھے۔ پس جب دیکھا کہ لوگ اس میں زیادتی کر رہے ہیں تو لوگوں پر تین طلاقیں نافذ کردی (ج) بہر حال طلاق حرام یہ ہے کہ عورت کو حیض کی حالت میں طلاق دے۔ یا ایسی حالت میں طلاق دے کہ اس سے جماع کر چکا ہو۔ معلوم نہیں رحم میں بچہ ہے یا نہیں۔

[۱۸۸۹](۵) والسنة فی الطلاق من وجهین سنة فی الوقت وسنة فی العدد[۱۸۹۰](۶) فالسنة فی العدد یستوی فیها المدخول بها وغیر المدخول بها[۱۸۹۱](۷) والسنة فی

باب کتاب الطلاق ج رابع ص ۳ نمبر ۳۸۴۵ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی طلاق السنۃ وطلاق البدعۃ ج سابع ص ۵۳۲، نمبر ۱۴۹۱۶) (۳) اوپر عبداللہ بن عمر کی حدیث گزری جس میں تھا وان شاء طلق قبل ان یمس (بخاری شریف، نمبر ۵۲۵۱) جس سے معلوم ہوا کہ طہر میں وطی سے پہلے طلاق دے۔ وطی کے بعد طلاق دینا بدعت ہے، لیکن یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ قال طلق ابن عمر امرأته وهی حائض فذکر عمر للنبی ﷺ فقال لیراجعها قلت تحتسب قال فمه؟ (الف) (بخاری شریف، باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلک الطلاق ص ۷۰۴ نمبر ۵۲۵۲ رمسلم شریف، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاها الخ ص ۴۷۵ نمبر ۱۴۷۱/۳۶۶۷ ردار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۴ نمبر ۳۸۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع ہوگی۔

[۱۸۸۹] (۵) پس سنت طلاقیں دو طریقوں سے ہیں (۱) وقت میں سنت (۲) اور عدد میں سنت۔

تشریح وقت میں سنت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دے کہ طہر ہو، حیض کا زمانہ نہ ہو اور صحبت نہ کی ہو۔ اور عدد میں سنت یہ ہے کہ ایک طلاق دے۔ بیک وقت تین طلاق نہ دے۔

[۱۸۹۰] (۶) پس عدد کی سنت میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں برابر ہیں۔

تشریح جس عورت سے صحبت کر چکا ہے سنت یہ ہے کہ اس کو بھی ایک ہی طلاق دے۔ اور جس عورت سے صحبت نہیں کی ہے اس کے لئے بھی سنت یہ ہے کہ ایک ہی طلاق دے۔ بیک وقت تین نہ دے۔ اس سنت میں دونوں برابر ہیں۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابراهیم قال کانوا (الصحابة) یستحبون ان یطلقها واحدة ثم یترکها حتی تحیض ثلاث حیض (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲ ما یستحب من طلاق السنۃ وکیف هو؟ ج رابع ص ۵ رمصنف عبد الرزاق، باب وجہ الطلاق وهو طلاق العدۃ والسنۃ ج سادس، ص ۵۸ نمبر ۱۰۷۳۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دینا سنت ہے۔

[۱۸۹۱] (۷) اور سنت وقت میں ثابت ہے مدخول بہا کے حق میں خاص طور پر اور وہ یہ ہے کہ ایک طلاق دے ایسے طہر میں جس میں صحبت نہ کی ہو

تشریح وقت کے اعتبار سے سنت کا اعتبار صرف مدخول بہا بیوی کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ غیر مدخول بہا کو تو جب چاہے طلاق دے چاہے حیض کا زمانہ ہو یا طہر کا زمانہ ہو۔ اور اس کی شکل یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وطی نہ کی ہو۔

وجہ کیونکہ مدخول بہا کو حیض کے زمانے میں طلاق دینا بدعت ہے۔ اور جس طہر میں جماع کیا ہو اس میں بھی طلاق دینا بدعت ہے (۲)

حاشیہ: (الف) حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی۔ پس حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا ان کو رجعت کر لینا چاہئے۔ میں نے کہا یہ طلاق شمار کی جائے گی؟ فرمایا تو پھر کیا ہوگا؟ (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا صحابہ مستحب سمجھتے تھے کہ ایک طلاق دے پھر عورت کو چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ تین حیض گزر جائے۔

الوقت تثبت فی حق المدخول بها خاصة وھو ان یطلقھا واحدة فی طھر لم یجامعھا فیہ[۱۸۹۲] (۸)وغیر المدخول بھا ان یطلقھا فی حال الطھر والحیض[۱۸۹۳](۹) واذا کانت المرأة لا تحیض من صغر او کبر فاراد ان یطلقھا للسنة طلقھا واحدة فاذا

حدیث گزر چکی ہے۔عن عبد اللہ بن عمر ... ثم تحیض ثم تطھر ثم ان شاء امسک بعد وان شاء طلق قبل ان یمس (الف) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن ص ۷۹۰ نمبر ۵۲۵۱ مسلم شریف نمبر ۱۴۷۱) اس حدیث میں قبل ان یمس سے معلوم ہوا کہ اس طہر میں طلاق دے جس میں بیوی کو چھویا نہ ہو یعنی جماع نہ کیا ہو۔

[۱۸۹۲] (۸) اور غیر مدخول بہا کو طلاق دے طہر کی حالت میں اور حیض کی حالت میں۔

وجہ چونکہ ابھی تک جماع نہیں کیا ہے اس لئے ہر وقت اس میں رغبت ہے۔اس لئے حیض اور طہر دونوں حالتوں میں اس کو طلاق دے سکتا ہے (۲) جس کو عدت گزارنا ہو اس کے لئے طہر کا انتظار کیا جائے گا تا کہ عدت لمبی نہ ہو۔اور غیر مدخول بہا کو عدت نہیں گزارنی ہے اس لئے جب چاہے طلاق دیدے (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الثوری فی رجل طلق البکر حائضا قال لا بأس بہ لانہ لا عدة لھا (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب ھل یطلق الرجل البکر حائضا ج سادس، ص ۳۱۲ نمبر ۱۰۹۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غیر مدخول بہا کو حیض کی حالت میں طلاق دے سکتا ہے۔

[۱۸۹۳] (۹) اگر عورت ایسی ہو کہ حیض نہ آتا ہو کم سنی کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے، پس چاہتا ہے کہ طلاق دے اس کو سنت کے طریقے پر تو طلاق دے اس کو ایک۔پس جب گزر جائے ایک ماہ تو طلاق دے دوسری اور جب گزر جائے ایک ماہ تو طلاق دے تیسری۔

تشریح عورت ایسی ہے کہ چھوٹی ہونے کی وجہ سے یا بڑی عمر ہونے کی وجہ سے یا کسی مرض کی وجہ سے اس کو حیض نہیں آتا ہے۔اور شوہر چاہتا ہے کہ اس کو سنت طریقے سے ہر طہر میں طلاق دے اور تین طہر میں تین طلاقیں پوری کرے تو اس کے لئے یہ ہے کہ پہلی طلاق جب چاہے دے۔پھر ہر ماہ ایک طلاق دے تو سنت کے مطابق ہو جائے گی۔

وجہ جس کو حیض نہ آتا ہو اس کے لئے ہر ایک ماہ ایک طہر کے درجے میں ہے اس لئے ہر ماہ پر ایک طلاق دیدے (۲) آیت میں ہے والتی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثة اشھر (آیت ۴ سورة الطلاق ۶۵) اس آیت میں تین حیض کو تین مہینے قرار دیئے۔جس سے معلوم ہوا کہ ہر ماہ ایک حیض کے درجے میں ہے (۳) اثر میں ہے۔عن الزھری فی البکر التی لم تحض والتی قعدت من الحیض طلاقھا کل ھلال تطلیقة (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب طلاق التی لم تحض ج سادس، ص ۳۴۳ نمبر ۱۱۱۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر ماہ میں ایک طلاق دے۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر کی حدیث میں ہے پھر حیض آئے پھر پاک ہو۔پھر چاہے تو اس کے بعد روک لے اور چاہے تو صحبت سے پہلے طلاق دے (ب) حضرت ثوری نے فرمایا شوہر باکرہ عورت کو حیض کی حالت میں طلاق دے؟ فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔اس لئے کہ اس کے لئے عدت نہیں ہے (ج) حضرت زہری نے فرمایا باکرہ عورت جس کو حیض نہ آتا ہو اور جو حیض سے بیٹھ گئی ہو اس کی طلاق ہر مہینے میں ایک طلاق ہے۔

مضی شهر طلقها اخری واذا مضی شهر طلقها اخری[۱۸۹۴](۱۰) ویجوز ان یطلقها ولا یفصل بین وطیها وطلاقها بزمان [۱۸۹۵](۱۱)وطلاق الحامل یجوز عقیب الجماع[۱۸۹۶](۱۲) ویطلقها للسنة ثلثا یفصل بین کل تطلیقتین بشهر عند ابی حنیفة

[۱۸۹۴](۱۰)اور جائز ہے کہ اس کو طلاق دے۔اور وطی اور طلاق کے درمیان زمانے سے فصل نہ کرے۔

تشریح جس عورت کو حیض نہیں آتا ہے اس کو وطی کرے اور فورا طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔حیض والی عورت کی طرح نہیں ہے کہ وطی کرنے کے بعد حیض آئے، رحم صاف ہو پھر اگلے طہر آئے تب طلاق دے۔

وجہ چونکہ حیض نہیں آتا ہے اس لئے حمل ٹھہرنے کا سوال نہیں ہے۔کیونکہ جس کو حیض کا خون آتا ہوا سی کو حمل ٹھہرتا ہے۔اور حیض اور اگلے طہر کا انتظار اس لئے کرتے تھے کہ حیض کی وجہ سے رحم صاف ہو جائے اور یہاں حمل ٹھہرنے کا امکان نہیں ہے اس لئے جماع کے فورا بعد طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

[۱۸۹۵](۱۱) جائز ہے حاملہ عورت کو طلاق دینا جماع کے بعد۔

تشریح بیوی حاملہ ہے اس سے جماع کیا اور جماع کے فورا بعد طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ایک ماہ کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ حاملہ عورت سے جماع کے بعد دوسرا حمل ٹھہرنے کا امکان نہیں ہے۔کیونکہ رحم کا منہ بند ہے۔اس لئے فورا طلاق دے سکتا ہے(۲)اثر میں ہے۔عن الحسن و محمد قالا اذا کانت حاملا طلقها متی شاء(الف)(مصنف ابن ابی شیبة ۳ ما قالوا فی الحامل کیف تطلق ج رابع ،ص ۵۸، نمبر ۱۷۷۴۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ حاملہ عورت کو جماع کے فورا بعد طلاق دے سکتا ہے۔

[۱۸۹۶](۱۲) حاملہ کو طلاق دے سنت کے مطابق تین اور فصل کرے ہر دو طلاقوں میں ایک مہینے کا شیخین کے نزدیک۔اور کہا امام محمد نے نہیں طلاق دے سنت کے طریقے پر مگر ایک۔

تشریح حاملہ عورت کو سنت کے طریقے پر طلاق دینا چاہے تو شیخین کے نزدیک تین طلاقیں دے سکتا ہے۔البتہ آئسہ کی طرح ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک مہینہ کا فصل کرے یعنی ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق ایک ماہ کے بعد دے۔اور تیسری طلاق پھر ایک ماہ کے بعد دے، فورا نہ دے۔

وجہ اس کو حیض تو آتا نہیں ہے کہ حیض کا انتظار کرے۔اس لئے آئسہ کی طرح ایک ماہ ایک طہر کے مطابق ہوگا۔اس لئے ایک ماہ کے بعد دوسری طلاق دے(۲)اثر میں ہے۔قلت للزهری اذا اراد ان یطلقها حاملا ثلاثا کیف ؟ قال علی عدة اقرائها (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الحامل ج سادس ص ۳۰۴ نمبر ۱۰۹۳۲ رمصنف ابن ابی شیبة ۳ ما قالوا فی الحامل کیف تطلق ج رابع، ص ۵۸،

حاشیہ : (الف) حضرت حسن اور محمد بن سیرین نے فرمایا اگر عورت حاملہ ہو تو طلاق دے جب چاہے(ب) میں نے حضرت زہری سے پوچھا اگر عورت کو حمل کی حالت میں تین طلاقیں دینا چاہے تو کیسے کرے؟ فرمایا حیض کی عدت کے مطابق۔

وابی یوسف رحمهما الله تعالی وقال محمد رحمه الله لایطلقها للسنة الا واحدة[١٨٩٧] (١٣) واذا طلق الرجل امرأته فی حال الحیض وقع الطلاق ویستحب له

نمبر۱۷۷۴۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر ماہ میں ایک طلاق دے۔

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ حاملہ عورت کو سنت کے طور پر طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق دے کر چھوڑ دے۔ وضع حمل کے بعد بائنہ ہو جائے گی اور عدت بھی گزر جائے گی۔

وجہ اس کی عدت وضع حمل کے بعد ایک ہی مرتبہ ختم ہوگی۔ اس لئے ایک ہی طلاق دے سکتا ہے (۲) طلاق دینا مبغوض ہے اس لئے زیادہ طلاق دینا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے ایک ہی پر اکتفا کرے (۳) اثر میں ہے۔ **عن الحسن قال لاتزاد الحامل علی تطلیقة حتی تضع فاذا وضعت فقد بانت منه** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الحامل ج سادس ص ۳۰۴ نمبر ۱۰۹۳۴ رمصنف ابن ابی شیبة ۳ ما قالوا فی الحامل کیف تطلق؟ ج رابع، ص ۵۸، نمبر ۱۷۷۴۰)

[١٨٩٧] (١٣) اگر مرد اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدے تو طلاق واقع ہوگی۔ اور مرد کے لئے مستحب ہے کہ اس سے رجعت کرلے۔ پس جب پاک ہو جائے پھر حیض آئے پھر پاک ہو جائے تو اس کو اختیار ہے چاہے طلاق دے چاہے عورت کو روک لے۔

وجہ حیض کی حالت میں طلاق دے تو واقع ہو جائے گی۔ البتہ ایسا کرنا بدعت اور مبغوض ہے۔ اس لئے اس کو رجعت کر لینا چاہئے۔ پھر پاک ہو پھر حیض آئے پھر پاک ہو تو اس وقت چاہے تو طلاق دے اور چاہے تو بیوی کو روک لے (۲) حضرت عبد اللہ بن عمر نے حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو ان کو حضورؐ نے رجوع کرنے کے لئے کہا تھا۔ حدیث یہ ہے **عن عبد الله بن عمر انه طلق امرأته وهی حائض علی عهد رسول الله ﷺ فسأل عمر بن الخطاب رسول الله عن ذلک فقال رسول الله ﷺ مره فلیراجعها ثم لیمسکها حتی تطهر ثم تحیض ثم تطهر ثم ان شاء امسک بعد وان شاء طلق قبل ان یمس فتلک العدة التی امر الله ان یطلق لها النساء** (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی یاایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحسوا العدة، سورة الطلاق ۶۵ ص ۷۹۰ نمبر ۵۲۵۱ رمسلم شریف، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا ص ۴۷۵ نمبر ۱۴۷۱) اس حدیث میں مسئلے کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اور حیض کی حالت میں طلاق واقع ہو جائے گی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سمعت ابن عمر قال طلق ابن عمر امرأته وهی حائض فذکر عمر للنبی ﷺ فقال لیراجعها قلت تحتسب؟ قال فمه؟** (ج) (بخاری شریف، باب اذا طلقت الحائض تعتد

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا حاملہ عورت کو ایک طلاق سے زیادہ نہ دے یہاں تک کہ جن دے۔ پس جب جن دے تو اس سے بائنہ ہو جائے گی (ب) حضرت عبد اللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو حضورؐ کے زمانے میں حیض ہونے کی حالت میں طلاق دی۔ پس حضرت عمر نے حضورؐ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ پس حضورؐ نے فرمایا اس کو حکم دو کہ وہ رجعت کرلیں۔ پھر اس کو روک لیں یہاں تک کہ پاک ہو جائے۔ پھر حیض آئے پھر پاک ہو جائے۔ پھر اگر چاہے تو روک لیں اس کے بعد اور اگر چاہے تو جماع سے پہلے طلاق دے دیں۔ یہ عدت ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس وقت میں عورتوں کو طلاق دیں (ج) حضرت ابن عمر نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی۔ پس حضرت عمر نے حضورؐ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا اس کو رجعت کر لینا چاہئے۔ میں نے پوچھا یہ (باقی اگلے صفحہ پر)

ان یراجعھا فاذا طھرت وحاضت و طھرت فھو مخیر ان شاء طلقھا وان شاء امسکھا[۱۸۹۸](۱۴) ویقع طلاق کل زوج اذا کان عاقلا بالغا[۱۸۹۹](۱۵) ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والنائم[۱۹۰۰](۱۶) واذا تزوج العبد باذن مولاہ وطلق وقع

بذلک الطلاق ص ۷۹۰ نمبر ۵۲۵۲ رمسلم شریف، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا ص ۴۷۵ نمبر ۱۴۷۱/۳۶۵۸ رترمذی شریف، نمبر ۱۱۷۵ رابو داؤد شریف، نمبر ۲۱۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں دی ہوئی طلاق شمار کی جائے گی۔ اور اگر رجعت نہیں کرے گا تو عدت گزار کر بائنہ ہو جائیگی۔

[۱۸۹۸](۱۴) واقع ہوگی طلاق ہر شوہر کی جو عاقل اور بالغ ہو۔

وجہ بغیر عقل اور بلوغ کے عقود اور فسوخ واقع نہیں ہوتے اور نہ شریعت اس کا اعتبار کرتی ہے (۲) حدیث اگلے نمبر میں ہے۔

[۱۸۹۹](۱۵) اس لئے نہیں واقع ہوگی طلاق بچے کی اور مجنون کی اور سونے والے کی۔

وجہ (۱) بچے اور مجنون میں عقل نہیں ہوتی اس لئے ان کی طلاق واقع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں ہے کہ ان لوگوں کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ عن علی عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا ص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۳ ربخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ والسکر ان والمجنون وامرھما ص ۷۹۳ نمبر ۵۲۶۹ رنسائی شریف، نمبر ۳۴۳۲) (۳) بخاری شریف میں قول صحابی ہے۔ وقال عثمان لیس لمجنون ولا لسکران طلاق. وقال ابن عباس طلاق السکران والمستکرہ لیس بجائز وقال عقبة بن عامر لا یجوز طلاق الموسوس (ب) (بخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ ص ۷۹۳ نمبر ۵۲۶۹) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ مجنون اور بچے کی طلاق واقع نہیں ہوگی (۴) آیت میں ہے۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا (آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ اگر میں بھول گیا یا غلطی کی تو نہ پکڑنا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بھول اور غلطی سے کوئی کام ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ اور بچے اور مجنون سے جو کام ہوتا ہے وہ بھول میں ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی طلاق کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اور یہی حال سونے والے کا ہے۔ اثر میں ہے عن ابن عباس قال لایجوز طلاق الصبی (مصنف ابن ابی شیبة ۳۲ ما قالوا فی الصبی ج رابع ، ص ۷۶، نمبر ۱۷۹۲۹)

[۱۹۰۰](۱۶) اگر غلام نے مولی کی اجازت سے شادی کی اور طلاق دی تو اس کی طلاق واقع ہوگی۔

تشریح غلام نے آقا کی اجازت سے شادی کی تو شادی ہوگئی۔ اور چونکہ غلام نے شادی کی تھی اس لئے اب مولی کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہوگا بلکہ غلام ہی کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) طلاق شمار کی جائے گی؟ فرمایا تو کیا ہوگا؟ (الف) حضورؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے۔ اور بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے۔ اور مجنون سے یہاں تک کہ سمجھدار ہو جائے (ب) حضرت عثمان نے فرمایا مجنون اور مست کے لئے طلاق نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا نشہ اور زبردستی والے کی طلاق جائز نہیں ہے۔ اور حضرت عقبہ نے فرمایا وسوسے والے کی طلاق جائز نہیں۔

طلاقه[۱۹۰۱](۱۷) ولا یقع طلاق مولاه علی امرأته [۱۹۰۲](۱۸) والطلاق علی ضربین صریح و کنایة فالصریح قوله انت طالق و مطلقة و طلقتک فهذا یقع به الطلاق

وجہ حدیث میں اس کی تفصیل ہے۔عن ابن عباس قال اتی النبی ﷺ رجل فقال یا رسول الله ! ان سیدی زوجنی امته وھو یرید ان یفرق بینی وبینھا ،قال فصعد رسولؐ الله المنبر فقال یا ایھا الناس ما بال احدکم یزوج عبده امته ثم یرید ان یفرق بینھما ؟ انما الطلاق لمن اخذ بالساق (الف)(ابن ماجہ شریف، باب طلاق العبد ص ۲۹۹ نمبر ۲۰۸۱ / دار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۲۴ نمبر ۳۹۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے شادی کی اسی کو طلاق دینے کا حق ہے (۲) اثر میں ہے۔ان ابن عمر کان یقول من اذن لعبده ان ینکح فالطلاق بید العبد،لیس بید غیره من طلاقه شیء (ب)(سنن للبیھقی، باب طلاق العبد بغیر اذن سیده ج سابع ص ۵۹۰، نمبر ۱۵۱۱۴) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ طلاق کا اختیار غلام کو ہے مولی کو نہیں۔

[۱۹۰۱](۱۷) اور نہیں واقع ہوگی آقا کی طلاق غلام کی بیوی پر۔

تشریح آقا کی اجازت سے غلام کی شادی تو ہوئی لیکن اب طلاق دینے کا مجاز آقا نہیں رہا غلام خود ہوگا۔

وجہ گزر گئی۔

﴿ طلاق صریح اور طلاق کنایہ کا بیان ﴾

[۱۹۰۲](۱۸) طلاق دو قسموں پر ہے صریح اور کنایہ، پس صریح جیسے یوں کہے تجھے طلاق ہے، تم طلاق دی ہوئی ہے، میں نے تمہیں طلاق دیدی، پس اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

تشریح طلاق دینے کے دو طریقے ہیں۔ایک صریح کہ جس سے صاف معلوم ہو کہ شوہر طلاق دینا چاہتا ہے۔اور دوسرا طریقہ کنایہ کا ہے۔کنایہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ شوہر ایسے الفاظ استعمال کرے جن کے دو معنی ہوں۔ایک معنی کے اعتبار سے طلاق نہ ہوتی ہو اور دوسرے معنی کے اعتبار سے طلاق واقع ہو جاتی ہو۔اس شکل میں طلاق کی نیت کرے گا، یا حالت ایسی ہو جس سے طلاق واقع ہونے کا تقاضا ہو تو اس سے طلاق واقع ہوگی۔اوپر کے تینوں الفاظ صریح ہیں۔کیونکہ ان سے طلاق کا صاف پتہ چلتا ہے۔اور قرآن میں بھی طلاق کے لئے یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔

وجہ الطلاق مرتان فامسک بمعروف او تسریح باحسان (ج)(آیت ۲۲۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے ایک بات تو یہ معلوم

حاشیہ : (الف) حضورؐ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرے آقا نے میری باندی سے میری شادی کرائی۔اور وہ چاہتا ہے کہ میرے درمیان اور اس کے درمیان تفریق کرادے۔فرماتے ہیں کہ حضور منبر پر چڑھے اور کہا اے لوگو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ اپنے غلام کو اپنی باندی سے شادی کراتے ہو پھر چاہتے ہو کہ دونوں کے درمیان تفریق کرادے۔طلاق کا حق اس کو ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی شادی کی (ب) حضرت ابن عمر نے فرمایا جس نے اپنے غلام کو نکاح کی اجازت دی تو طلاق غلام کے ہاتھ میں ہے۔دوسرے کے ہاتھ میں طلاق میں سے کچھ نہیں ہے (ج) طلاق دو مرتبہ ہے۔پس اچھے انداز سے روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

الرجعی[۱۹۰۳](۱۹) ولا یقع به الا واحدة وان نوی اکثر من ذلک[۱۹۰۴](۲۰) ولا یفتقر بهذه الالفاظ الی نیة[۱۹۰۵](۲۱) وقوله انت الطلاق وانت طالق الطلاق وانت

ہوئی کہ طلقت ، طالق اور مطلقة صریح ہیں۔اس لئے کہ قرآن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔دوسری بات معلوم ہوئی کہ اس لفظ کے استعمال کرنے کے بعد رجعت کرسکتا ہے۔کیونکہ قرآن نے کہا کہ اس کے بعد بیوی کو رکھ بھی سکتا ہے۔اور احسان کے ساتھ چھوڑ بھی سکتا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ رجعت کرسکتا ہے(۲) حضرت عبداللہ بن عمر نے طلاق صریح دی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔سمعت ابن عمر قال طلق ابن عمر امرأته وهی حائض فذکر عمر للنبی فقال لیراجعها قلت تحتسب ؟قال فمه؟ (الف) (بخاری شریف ، باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلک الطلاق ص ۷۹۰ نمبر ۵۲۵۲ مسلم شریف ، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاها ص ۴۷۵ نمبر ۱۴۷۱/۳۶۵۸ ترمذی شریف، نمبر ۱۱۷۵ ابوداؤد شریف، نمبر ۲۱۸۴)اور اگلی روایت میں ہے عن ابن عمر قال حسبت علی بتطلیقة (بخاری شریف، باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلک الطلاق ص ۷۹۰ نمبر ۵۲۵۳ مسلم شریف، نمبر ۱۴۷۱)ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ صریح الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور ایک طلاق واقع ہوگی۔

[۱۹۰۳] (۱۹) اور نہیں واقع ہوگی مگر ایک اگرچہ نیت کی ہو اس سے زیادہ کی۔

تشریح ان الفاظ سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی اگرچہ زیادہ کی نیت کی ہو۔

وجہ نیت کا اعتبار کنایہ الفاظ میں ہوتا ہے صریح الفاظ میں نیت کا اعتبار نہیں ہے(۲) اثر میں ہے۔عن الشعبی قال النیة فیما خفی فاما فیما ظهر فلا نیة فیه (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۹۶ ما قالوا فی رجل یطلق امرأته واحدة ینوی ثلاثا ج رابع ،ص ۱۱۵، نمبر ۱۸۳۶۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ صریح الفاظ میں نیت کا اعتبار نہیں ہے(۳) عن الحسن فی رجل طلق امرأته واحدة ینوی ثلاثا قال هی واحدة (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۹۵ ما قالوا فی رجل یطلق امرأته واحدة ینوی ثلاثا ج رابع ،ص ۱۱۵، نمبر ۱۸۳۶۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ صریح الفاظ میں تین کی نیت کرے تب بھی تین واقع نہیں ہوگی ایک ہی واقع ہوگی۔

[۱۹۰۴] (۲۰) یہ الفاظ نہیں محتاج ہیں نیت کے۔

تشریح صریح الفاظ میں طلاق دینے کے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہے۔بلکہ طلاق دیتے ہی بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائے گی۔

[۱۹۰۵] (۲۱) اور شوہر کا قول انت الطلاق ، انت طالق الطلاق اور انت طالق طلاقا میں اگر اس کی کوئی نیت نہیں ہے تو ایک رجعی طلاق، اور دو کی نیت کی تو نہیں واقع ہوگی مگر ایک۔اور اگر نیت کی اس سے تین کی تو تین ہوگی۔

تشریح طلاق اسم فاعل کے صیغے مثلا انت طالق سے واقع ہوتی ہے۔اور چونکہ لفظ صریح ہے اس لئے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔لیکن

حاشیہ : (الف) ابن عمر نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی۔پس حضرت عمر نے اس کا تذکرہ حضورؐ کے سامنے کیا تو آپؐ نے فرمایا اس کو رجعت کر لینا چاہئے۔میں نے کہا کہ کیا طلاق ہو جائے گی۔آپؐ نے فرمایا تو پھر کیا ہوگا؟(ب) حضرت شعبی نے فرمایا نیت اس چیز میں ہے جو پوشیدہ ہو۔بہر حال جو ظاہر ہو تو اس میں نیت نہیں ہے(ج) حضرت حسن نے فرمایا جو آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دے اور تین کی نیت کرے۔فرمایا وہ ایک ہی ہے۔

طالق طلاقًا فان لم تکن له نية فهي واحدة رجعية وان نوی ثنتين لايقع الا واحدة وان نوی به ثلثا کان ثلثا[۱۹۰۶](۲۲) والضرب الثاني الکنايات ولا يقع بها الطلاق الا بالنية او بدلالة حال وهي علی ضربين منها ثلثة الفاظ يقع بها الطلاق الرجعي ولا يقع بها الا

صرف مصدر مثلا الطلاق استعمال کرے تو مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے جیسے رجل عدل مصدر بول کر عادل مراد لیتے ہیں۔اس لئے انت الطلاق مصدر بولا تو انت طالق اسم فاعل کے معنے میں ہو کر ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔مصدر کا دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ وہ عدد کا احتمال نہیں رکھتا۔اس لئے مصدر بول کر عدد کی نیت نہیں کر سکتے۔اس لئے انت الطلاق بول کر دو طلاق کی نیت نہیں کر سکتے۔البتہ جنس کا احتمال رکھتا ہے اس لئے مجموعے کی نیت کر سکتے ہیں۔اس لئے نیت نہ ہو تو اقل درجہ ایک مراد ہوگی اور ایک طلاق واقع ہوگی۔اور تین کی نیت کی ہو تو جنس کا اعتبار کرتے ہوئے مجموعہ واقع ہوگی۔یعنی آزاد کو تین کیونکہ یہ اس کی آخری طلاق ہے۔اور باندی کو دو کیونکہ یہی اس کی آخری طلاق ہے۔

اصول یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے۔اور دوسرا اصول یہ ہے کہ مصدر عدد کا احتمال نہیں رکھتا، البتہ اسم جنس ہونے کی وجہ سے مجموعے کا احتمال رکھتا ہے۔اس لئے تین واقع ہوگی دو طلاق نہیں۔

لغت الطلاق : مصدر معرفہ ہے، طلاقا : مصدر نکرہ ہے۔

[۱۹۰۶](۲۲) دوسری قسم کنایات ہے۔نہیں واقع ہوتی اس سے طلاق مگر نیت سے، یا دلالت حال سے اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ان میں سے تین الفاظ ان سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور نہیں واقع ہوگی ان سے مگر ایک طلاق اور وہ یہ ہیں عدت گزار لے اور اپنا رحم صاف کر لے اور تو اکیلی ہے

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ طلاق کنایہ ان الفاظ سے ہوتی ہے جن کے دو معنی ہوں۔ایک معنی کے اعتبار سے طلاق ہوتی ہو اور دوسرے معنی کے اعتبار سے واقع نہیں ہوتی ہو۔چونکہ ان کے دو معنی ہیں اس لئے یا تو نیت کرے یا حالات کا تقاضہ ہو کہ وہ طلاق ہی دینا چاہتا ہے تب طلاق واقع ہوگی۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن عبد الله بن علي بن يزيد بن ركانة عن ابيه عن جده انه طلق امرأته البتة فاتی رسول الله ﷺ فقال ما اردت ؟ قال واحدة قال الله ؟ قال الله قال هو علی ما اردت (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی البتة ص ۳۰۷ نمبر ۲۲۰۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یطلق امرأته البتة ص ۲۲۲ نمبر ۱۱۷۷) اس حدیث میں حضرت رکانہ نے طلاق البتہ دیا ہے جس کے دو معنی ہیں (۱) کسی چیز کو کاٹنا (۲) اور نکاح کو کاٹنا۔چونکہ دو معنی تھے اس لئے حضورؐ نے رکانہ سے پوچھا کیا نیت کی ہے؟ انہوں نے فرمایا ایک طلاق کی۔پس آپ نے فرمایا جتنی نیت کی ہے اتنی ہی طلاق واقع ہوگی۔اس سے معلوم ہوا الفاظ کنایہ میں طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت ہوگی۔

اس عبارت میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ الفاظ کنایات میں سے تین الفاظ ایسے ہیں جن سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی اور حضورؐ کے پاس آئے اور کہا میں نے نہیں ارادہ کیا ہے مگر ایک۔آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم ایک ہی کی نیت کی ہے؟ حضرت رکانہ نے فرمایا خدا کی قسم۔آپؐ نے فرمایا جو ارادہ کیا وہی صحیح ہے۔

واحدة وھی قولہ اعتدی واستبرئ رحمک وانت واحدة[۱۹۰۷](۲۳) وبقیة الکنایات

وجہ وجہ یہ ہے کہ ان الفاظ میں انت طالق لفظ صریح محذوف ماننا پڑے گا۔اور انت طالق سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس لئے ان الفاظ سے بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔مثلا اعتدی کا ترجمہ ہے عدت گزار لوتو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سے پہلے میں نے طلاق دے دی ہے اس لئے عدت گزار لو۔عبارت یوں ہوگی انت طالق فاعتدی ۔اس لئے اعتدی کے لفظ کنایہ ہے(۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرة ان رسول اللہ قال لسودة بنت زمعہ اعتدی فجعلھا تطلیقة واحدة وھو املک بھا (الف)(سنن للبیہقی ،باب ماجاء فی کنایات الطلاق التی لایقع الطلاق بھا الا ان یرید بمخرج الکلام منہ الطلاق ج سابع ،ص ۵۶۱ ،نمبر ۱۵۰۰۶ ارمصنف ابن ابی شیبة ۲۴ فی الرجل یقول لامرأتہ اعتدی مایکون ج رابع ،ص ۲۷ ،نمبر ۱۷۸۹۱)اس حدیث میں ہے کہ اعتدی سے ایک طلاق شمار کی اور ھو املک بھا سے رجعی کا پتہ چلا۔اور استبرئی رحمک کا ترجمہ ہے اپنا رحم صاف کرلو۔اس کے دو مطلب ہیں۔رحم صاف کرلو اس لئے کہ مجھے جماع کرنا ہے۔اور دوسرا ترجمہ ہے رحم صاف کرلو اس لئے کہ میں نے تم کو طلاق دے دی ہے۔اور عبارت یوں ہوگی انت طالق فاستبرئی رحمک ۔اور انت طالق سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔اس لئے استبرئی رحمک سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔اور انت واحدة کا ترجمہ ہے تو اکیلی ہے۔یا تجھ کو ایک طلاق ہے۔اور عبارت ہوگی انت طالق تطلیقة واحدة ۔اس لئے صریح لفظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔چونکہ واحدة کا لفظ موجود ہے اس لئے دو اور تین کی بھی نیت نہیں کرسکتا۔

[۱۹۰۷](۲۳)اور بقیہ الفاظ کنایات اگر نیت کرے طلاق کی تو ایک طلاق بائنہ ہوگی۔اور اگر نیت کرے تین کی تو تین اور اگر نیت کرے دو کی تو ایک ہوگی۔

تشریح اوپر کے تین الفاظ کے علاوہ کنایات کے جتنے الفاظ ہیں ان میں نیت نہیں کرے گا تو کچھ واقع نہیں ہوگی۔اور طلاق کی نیت کرے گا تو ایک طلاق بائنہ ہوگی،طلاق رجعی نہیں۔اور دو طلاق کی نیت کرے گا تب بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی دو نہیں۔اور تین طلاق کی نیت کرے گا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

وجہ نیت کرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہونے کی وجہ یہ اثر ہے۔عن ابراھیم قال اذا قال لا سبیل لی علیک فھی تطلیقة بائنة (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ۳۹ فی رجل قال لامرأتہ قد خلیت سبیلک اولا سبیل لی علیک ج رابع ،ص ۸۱ ،نمبر ۱۷۹۸۹ ارمصنف عبد الرزاق ،باب اذھبی فانکحی ج سادس ص ۳۶۶ نمبر ۱۱۲۱۷)اس اثر میں لا سبیل لی علیک لفظ کنایہ ہے۔جس سے طلاق کی نیت کرنے سے حضرت ابراہیم نے طلاق بائنہ واقع کی۔اس سے معلوم ہوا کہ نیت کرنے سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے عمرة ابنة جون کو الحقی باھلک کہا اور طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگئی۔عن عائشة ان ابنة الجون لما ادخلت علی رسول اللہ ﷺ ودنا منھا قال اعوذ باللہ منک فقال لھا لقد عذت بعظیم الحقی باھلک (ج)(بخاری شریف،باب من طلق وھل

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حضرت سودہ سے فرمایا عدت گزار لو۔پس وہ طلاق رجعی واقع ہوئی اور شوہر عورت کا مالک رہا(ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر شوہر نے کہا میرا تم پر کوئی راستہ نہیں ہے تو وہ ایک طلاق بائنہ ہے(ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ بنت جون جب رخصت ہوکر حضورؐ کے پاس آئی اور (باقی اگلے صفحہ پر)

اذا نوی بها الطلاق کانت واحدة بائنة وان نوی ثلثا کانت ثلثا وان نوی ثنتین کانت واحدة[۱۹۰۸] (۲۴)وهذه مثل قوله انت بائن وبتّة وبتلة وحرام وحبلک علی غاربک والحقی باهلک وخلیّة و بریّة ووهبتک لاهلک اسرحتک واختاری وفارقتک وانت

یوقع الرجل امرأته بالطلاق ص ۷۹۰ نمبر ۵۲۵۴) اور دو طلاق کی نیت کرے گا تو دو واقع نہیں ہوگی اس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ یہ الفاظ جنس کا احتمال رکھتے ہیں جس سے مجموعہ مراد ہوگی اور طلاق کا مجموعہ تین ہے اس لئے تین کی نیت کرے گا تو تین واقع ہوگی اور دو نہ فرد اقل ہے اور نہ مجموعہ ہے۔ اس لئے دو کی نیت کرے گا تو دو واقع نہیں ہوگی۔ الفاظ کنایات میں تین کی نیت کرے گا تو تین واقع ہوگی اس کے لئے یہ اثر ہے۔ عن علی قال الخلیة والبریة والبتة والبائن والحرام اذا نوای فهو بمنزلة الثلاث (الف) (سنن للبیہقی، باب قال فی الکنایات انها ثلث ج سابع ص ۵۶۴، نمبر ۱۵۰۱۷) (۲) لفظ کنایہ بول کر تین کی نیت کرنے سے تین طلاق واقع ہوگی اس کی دلیل حضرت رفاعہ کی لمبی حدیث ہے جس میں طلقنی فبت طلاقی کہا ہے اور بت لفظ کنایہ سے تین طلاق مراد لی ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ ان رفاعة طلقنی فبت طلاقی وانی نکحت بعده عبد الرحمن بن زبیر القرظی (ب) (بخاری شریف، باب من جوز الطلاق الثلاث ص ۷۹۱ نمبر ۵۲۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لفظ کنایہ بول کر تین طلاق مراد لی جا سکتی ہے۔ (۳) عن ابراهیم فی الخلیة ان نوی طلاقا فادنی ما یکون تطلیقه بائن ان شاء وشاء ت تزوجها وان نوی ثلاثا فثلاث (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۶۴ ما قالوا فی الخلیة ج رابع ص ۵۶، نمبر ۱۸۱۴۸) اس اثر میں ہے کہ طلاق کی نیت کرے گا تو ادنی درجہ ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور تین کی نیت کریگا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

[۱۹۰۸] (۲۴) اور وہ الفاظ کنایہ ہیں (۱) تو مجھ سے جدا ہو جا (۲/۳) تیرا مجھ سے قطع تعلق ہے (۴) تو حرام ہے (۵) تیری رسی تیری گردن پر ہے (۶) تو اپنے اہل کے ساتھ مل جا (۷) تو بالکل چھوڑ دی گئی (۸) تو بالکل بری ہے (۹) تجھے تیرے عزیزوں کو ہبہ کر دیا (۱۰) میں نے تجھے چھوڑ دیا (۱۱) خود مختار ہو جا (۱۲) میں نے تجھے جدا کر دیا (۱۳) تو آزاد ہے (۱۴) چادر اوڑھ لے (۱۵) پردہ کر لے (۱۶) دور ہو جا (۱۷) شوہروں کو تلاش کر لے۔

تشریح یہ سب الفاظ کنایہ کے ہیں جن کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی کی نیت سے طلاق واقع ہوگی اور کچھ نیت نہ کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ کچھ الفاظ کی دلیل اوپر احادیث میں آ چکی ہے۔ مثلا البتة، خلیة، بریة، حرام اور الحقی باهلک سے طلاق ہونے کی دلیل اوپر گزر چکی ہے۔ اسی پر باقی کو قیاس کر لیں۔ ایک اثر یہ بھی ہے۔ ان رجلا قال لامرأته حبلک علی غاربک قال ذلک مرارا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) آپ اس سے قریب ہوئے تو بنت جون نے کہا اعوذ بالله منک، تو آپ نے اس سے فرمایا بڑی ذات سے پناہ مانگی ہے اپنے اہل کے پاس چلی جاؤ (الف) حضرت علی نے فرمایا خلیة، بریة، بتة، بائن اور حرام سے اگر نیت کرے تو وہ تین طلاقوں کے درجے میں ہیں (ب) حضرت رفاعہ نے مجھے طلاق دی تو تین طلاقیں دی اور میں نے اس کے بعد عبد الرحمن بن زبیر قرظی سے شادی کی (ج) حضرت ابراہیم نے خلیة کے بارے میں کہا اگر طلاق کی نیت کی تو کم سے کم ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ اگر شوہر اور اس کی بیوی چاہے۔ اور اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہوگی۔

حرة وتقنعي واستتري واغربي وابتغي الازواج [۱۹۰۹] (۲۵) فان لم يكن له نية الطلاق لم يقع بهذه الالفاظ طلاق الا ان يكونا في مذاكرة الطلاق فيقع بها الطلاق في القضاء

فاتي عمر بن الخطاب فاستحلفه بين الركن والمقام ما الذی اردت بقولک قال اردت الطلاق ففرق بينهما (الف) سنن للبیہقی، باب ماجاء فی کنایات الطلاق التی لایقع الطلاق بھا الا ان یرید بخرج الکلام منہ الطلاق ج سابع ص۵۶۲ ،نمبر ۱۵۰۱۲ ر مصنف عبد الرزاق، باب حبلک علی غاربک ج سادس ص۳۷۰ نمبر ۱۱۲۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نیت کرنے کے بعد طلاق واقع ہوگی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ تب ہی تو حضرت عمرؓ نے تفریق کرائی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حبلک علی غاربک الفاظ کنایہ میں سے ہے۔

اگر نیت نہ کرے تو کچھ واقع نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشة قالت خيرنا رسول الله ﷺ فاخترنا الله ورسوله فلم يعد ذلک علينا شيئا (ب) بخاری شریف، ماب من خیر ازواجہ ص۷۹۱ نمبر ۵۲۶۲) مصنف عبد الرزاق، باب اذھبی فانکحی ج سادس ص۳۶۶ نمبر ۱۱۲۱۴) اس حدیث میں لفظ اختیار کنایہ ہے۔ لیکن حدیث میں اس سے طلاق کی نیت ازواج مطہرات نے نہیں کی اس لئے اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

[۱۹۰۹] (۲۵) پس اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی مگر یہ کہ وہ دونوں طلاق کے مذاکرے میں ہو تو طلاق واقع ہوگی قضاءً اور نہیں واقع ہوگی فیما بینہ وبین اللہ مگر یہ کہ طلاق کی نیت کرے۔

تشریح الفاظ کنایہ بول کر طلاق کی نیت نہ کی ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ البتہ طلاق کا ذکر چل رہا تھا اور انداز یہ تھا کہ الفاظ کنایہ بول کر طلاق دینا چاہتا ہے تو قضاء اور فیصلے کے اعتبار سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن شوہر اور اللہ کے درمیان یہی ہے کہ نیت کی ہوگی تو طلاق واقع ہوگی اور نیت نہیں کی ہوگی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ مذاکرہ طلاق کا ایک واقعہ عمرۃ بنت جون کا ہے کہ اس نے پناہ چاہی اور حضور کو ہاتھ لگانے نہیں دیا تو آپؐ نے لفظ کنایہ فرمایا 'الحقی باھلک'، تو چونکہ مذاکرہ طلاق کا ماحول تھا اس لئے الحقی باھلک سے طلاق واقع ہوگئی۔ اور یہاں طلاق دینے کی نیت بھی تھی جس کی وجہ سے طلاق واقع ہوگئی۔ حدیث یہ ہے۔ عن عائشة ان ابنة الجون لما ادخلت على رسول الله ودنا منه قالت اعوذ بالله منک فقال لها لقد عذت بعظيم الحقي باهلک (ج) (بخاری شریف، باب من طلق وھل یواجہ الرجل امرأتہ بالطلاق ص۷۹۰ نمبر

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے اپنی بیوی سے تیری رسی تیرے کندھے پر ہے کہا اور کئی مرتبہ کہا۔ پھر عمر بن خطاب کے پاس آئے۔ انہوں نے اس کو رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم دی کہ اپنی بات سے کیا ارادہ کیا؟ آدمی نے کہا میں نے طلاق کا ارادہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے دونوں کے درمیان تفریق کرادی (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں اختیار دیا۔ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا تو اس کی وجہ سے ہم پر کوئی طلاق شمار نہیں ہوئی (ج) حضرت عائشہؓ نے فرمایا بنت جون جب رخصت ہو کر حضورؐ کے پاس آئی اور حضورؐ اس کے قریب ہوئے تو کہنے لگی میں آپ کے بارے میں اللہ سے پناہ چاہتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم نے بڑی ذات سے پناہ مانگی اس لئے اپنے اہل کے پاس چلی جاؤ۔

ولا یقع فیما بینه وبین الله تعالی الا ان ینویه[۱۹۱۰](۲۶) وان لم یکونا فی مذاکرة الطلاق وکانا فی غضب او خصومة وقع الطلاق بکل لفظة لایقصد بها السبُّ والشتیمة [۱۹۱۱](۲۷)ولم یقع بما یقصد بها السب والشتیمة الا ان ینویه [۱۹۱۲] (۲۸) واذا وصف الطلاق بضرب من الزیادة کان بائنا.

۵۲۵۴)اس حدیث میں اعوذ بالله منک تذکرہ طلاق ہے جس کی وجہ سے الحقی باھلک سے طلاق واقع ہوئی۔

[۱۹۱۰](۲۶)اگر دونوں مذاکرہ طلاق میں نہ ہوں لیکن غصے اور خصومت کی حالت میں ہوں تو طلاق واقع ہوگی ہر وہ لفظ سے جس سے گالی گفتار مقصود نہ ہو اور اس لفظ سے واقع نہیں ہوگی جس سے گالی گلوچ مقصود ہو۔

تشریح مذاکرہ طلاق کی حالت نہ ہو لیکن غصے اور گالم گلوچ کی حالت ہو تو جن الفاظ سے گالم گلوچ ظاہر نہ ہوتا ہو ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

وجہ اگر چہ مذاکرہ طلاق کی حالت نہیں ہے لیکن غصے اور گالم گلوچ کی حالت ہے۔ اور الفاظ ایسے ہیں کہ گالی دینے کے معنی نہیں ہے تو طلاق ہی دینے کا انداز ہو سکتا ہے۔ اس لئے طلاق واقع ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جن الفاظ سے یا حالات سے طلاق کا اندازہ ہوتا ہو اس سے طلاق واقع ہوگی۔

لغت السب : گالی، الشتیمة : گالی دینا۔

[۱۹۱۱](۲۷)اور نہیں واقع ہوگی ان الفاظ سے جن سے گالی گلوچ مقصود ہو مگر یہ کہ طلاق کی نیت کرے۔

تشریح مذاکرہ طلاق کی حالت نہیں ہے البتہ غصے کی حالت ہے اور الفاظ ایسے ہیں کہ گالی بن سکتے ہیں اس لئے ان کو گالی پر محمول کریں گے، طلاق پر محمول نہیں کریں گے اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ ہاں ان الفاظ سے طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ الفاظ طلاق کا احتمال رکھتے ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ الفاظ کنایہ سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔ البتہ تین کی نیت کرے گا تو تین واقع ہو جائے گی۔

[۱۹۱۲](۲۸)اگر طلاق کی صفت ہو کسی زیادتی کے ساتھ تو طلاق بائن ہوگی۔

تشریح انت طالق کے ساتھ یا طلاق صریح کے ساتھ کوئی ایسا جملہ بڑھا دیا جس سے طلاق کی شدت محسوس ہوتی ہو تو اس سے طلاق رجعی کے بجائے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

وجہ انت طالق کی وجہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔ اور مزید کوئی شدت کا جملہ مثلا بائن اور بتلة ہیں ان سے طلاق میں شدت واقع ہوگی۔ اور طلاق میں شدت بائنہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے شدت کے جملے لگانے سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ اور اگر اس سے تین کی نیت کرے گا تو تین واقع ہوگی۔ کیونکہ اس کا احتمال رکھتا ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن علی فی رجل طلق امرأته حمل بعیر، قال لا تحل له حتی

[۱۹۱۳](۲۹) مثل ان یقول انت طالق بائن وانت طالق اشد الطلاق او افحش الطلاق او طلاق الشیطان اوطلاق البدعة او کالجبل او ملأ البیت[۱۹۱۴](۳۰) واذا اضاف الطلاق الی جملتها او الی ما یعبر به عن الجملة وقع الطلاق[۱۹۱۵](۳۱) مثل ان یقول انت طالق او رقبتک طالق او عنقک طالق او روحک طالق او بدنک طالق او جسدک او

تنکح زوجا غیرہ (الف)(مصنف ابن ابی شیبة ۳۷ ما قالوا فی الرجل یقول لامرأته انت طالق واحدکاف وطالق حمل بعیر ج رابع ص ۱۰۲، نمبر ۱۸۲۱۵)(۳)عن عائشة فی رجل طلق امرأته واحدة کالف قال لا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ج رابع ص ۱۰۲، ۱۸۲۱۶ حوالہ بالا) ان دواثروں سے معلوم ہوا کہ شدت کے الفاظ ملانے سے طلاق مغلظہ بھی واقع ہو سکتی ہے۔

[۱۹۱۳](۲۹) مثلا یوں کہے (۱) تو بائنہ طلاق والی ہے (۲) تو بڑی سخت طلاق والی ہے (۳) تو بدترین طلاق والی ہے (۴) تجھ پر شیطان کی طلاق ہے (۵) تجھ پر بدعت کی (۶) یا پہاڑ کے برابر (۷) یا گھر بھرنے کے مثل طلاق ہے۔

تشریح ان تمام الفاظ میں طلاق کے ساتھ شدت کے الفاظ ہیں اس لئے ان سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

وجہ دلیل اوپر اثر گزر چکا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طلاق مبغوض ہے اس لئے شدت کے الفاظ لگانے سے بھی طلاق رجعی ہی واقع ہوگی۔

[۱۹۱۴](۳۰) اگر منسوب کیا طلاق کو کل کی طرف یا ایسے عضو کی طرف جس سے کل کی تعبیر ہوتی ہو تو طلاق واقع ہوگی۔

تشریح طلاق کو کل جسم کی طرف منسوب کیا یا ایسے عضو کی طرف منسوب کیا جس سے کل جسم کی تعبیر کرتے ہیں تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

وجہ آیت اور حدیث کے محاورے میں تعبیر کرنے کا انداز دونوں ہیں کہ کسی چیز کو کل کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کسی چیز کو ایسے عضو کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے پورا جسم مراد لیا جاتا ہو۔ مثال اور دلیل آگے آرہی ہے۔

[۱۹۱۵](۳۱) مثلا یوں کہے (۱) تو طلاق والی ہے (۲) تیری گردن کو (۳) تیری گردن کو (۴) تیری روح کو (۵) تیرے بدن کو (۶) تیرے جسم کو (۷) یا تیری شرم گاہ کو (۸) تیرے چہرے کو طلاق ہے۔

تشریح تو طلاق والی ہے اس میں پورے جسم کی طرف طلاق منسوب کی۔ اور رقبتک طالق میں اس کے ایسے عضو کی طرف منسوب کی جس سے پورا جسم مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے اعضاء بھی ہیں۔

وجہ رقبۃ بول کر پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ ومن قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبة مؤمنة (ج)(آیت ۹۲ سورة

حاشیہ : (الف) حضرت علی نے فرمایا ایک آدمی نے اپنی بیوی کو حمل بعیر کی طلاق دی۔ فرمایا جب تک دوسری شادی نہ کرے پہلے کے لئے حلال نہیں (ب) حضرت عائشہ نے فرمایا کسی آدمی نے بیوی کو ہزار کی طرح ایک طلاق دی، فرمایا اس کے لئے حلال نہیں ہے جب تک دوسری شادی نہ کرے (ج) کسی (باقی اگلے صفحہ پر)

فرجک او وجھک[۱۹۱۶](۳۲) وکذلک ان طلق جزء شائعا منھا مثل ان یقول نصفک او ثلثک طالق[۱۹۱۷](۳۳) وان قال یدک او رجلک طالق لم یقع الطلاق[۱۹۱۸](۳۴) وان طلقھا نصف تطلیقۃ او ثلث تطلیقۃ کانت تطلیقۃ واحدۃ۔

النساء۴)اور عنق بول پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے۔فظلت اعناقھم لھا خاضعین (الف)(آیت۴سورۃ الشعراء۲۶) اور وجہ بول کر پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ وعنت الوجوہ للحی القیوم(ب)(آیت ۱۱۱سورۃ طہ۲۰)باقی کو اسی پر قیاس کرلیں۔اثر میں ہے۔عن قتادۃ قال اذا قال اصبعک طالق فھی طالق قد وقع الطلاق علیھا (مصنف عبد الرزاق،باب یطلق بعض تطلیقۃ ج سادس ص ۳۷۳نمبر ۱۱۲۵۲)اس سے انگلی کا ثبوت ہوا۔لیکن گردن وغیرہ تو اس سے اہم عضو ہے اس سے بدرجۂ اولی طلاق واقع ہوگی۔

[۱۹۱۶](۳۲)اسی طرح اگر عورت کے جزء شائع کو طلاق دی۔مثلا یوں کہا تیرا نصف یا تیرا ثلث حصہ طلاق والا ہے۔

تشریح آدھا،تہائی،چوتھائی ان کو جزء شائع کہتے ہیں۔اگر عورت کے جزء شائع کو طلاق دی تو پورے جسم پر سرایت ہوگی اور پورے انسان کو طلاق واقع ہوگی۔

وجہ آدھے جسم کو طلاق واقع ہوگی تو عورت کے ہر ہر عضو کے آدھے پر طلاق واقع ہوگی اس لئے طلاق میں آدھا نہیں ہوتا پورا ہی ہوتا ہے۔اس لئے پورے انسان کو طلاق ہوگی (۲)اثر میں ہے۔عن الشعبی قال اذا قال انت طالق نصفا او ثلث تطلیقۃ فھی تطلیقۃ (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۵ ما قالوا فی الرجل یطلق امرأتہ نصف تطلیقۃ ج رابع ص ۸۷،نمبر ۱۸۰۵۵ر مصنف عبد الرزاق،نمبر ۱۱۲۵۱)اس اثر میں آدھی طلاق اور تہائی طلاق کو ایک طلاق قرار دیا۔اسی پر قیاس کرکے آدھے انسان کو پورا انسان قرار دیا جائے گا۔

[۱۹۱۷](۳۳)اور اگر کہا تیرے ہاتھ یا تیرے پاؤں کو طلاق تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ ہاتھ اور پاؤں بول کر پورا جسم مراد نہیں لیتے اس لئے ہاتھ کو اور پاؤں کو طلاق دی تو پورے انسان کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

[۱۹۱۸](۳۴)اگر عورت کو آدھی طلاق دی یا تہائی طلاق دی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

وجہ (۱)آدھی طلاق یا تہائی طلاق مکمل طلاق ہوتی ہے(۲)اثر میں گزر چکا ہے۔قیل لعمر بن عبد العزیز الرجل یطلق امرأتہ نصف تطلیقۃ قال تطلیقۃ (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۵ ما قالوا فی الرجل یطلق امرأتہ نصف تطلیقۃ ج رابع ص ۸۷،نمبر ۱۸۰۵۳ر مصنف عبد الرزاق،باب یطلق بعض تطلیقۃ،ج سادس،ص ۳۷۳،نمبر ۱۱۲۵۱)اس اثر میں آدھی طلاق کو پوری ایک طلاق قرار دیا۔

حاشیہ ((پچھلے صفحہ سے آگے)آدمی کو غلطی سے قتل کیا تو ایک مؤمن غلام آزاد کرے (الف)ان کی گردیں جھک گئیں (ب)چہرے حی قیوم کے سامنے جھک گئے (ج)حضرت شعبی نے فرمایا اگر کہا تم کو آدھی طلاق یا ایک طلاق کی تہائی تو وہ ایک طلاق ہوگی (د)حضرت عمر ابن عبد العزیز سے پوچھا کوئی آدمی اپنی بیوی کو آدھی طلاق دے تو پوری طلاق ہے۔

[۱۹۱۹](۳۵) وطلاق المکره.

[۱۹۱۹](۳۵) زبردستی کئے ہوئے کی طلاق واقع ہے۔

تشریح شوہر کوطلاق دینے کے لئے زبردستی کی۔انہوں نے مجبور ہو کر طلاق دی یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابراهیم قال طلاق المکره جائز،انما هو شیء افتدی به نفسه (الف) یہی بات حضرت شعبی،قاضی شریح،سعید بن میتب اور ابن سیرین اور حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں (مصنف ابن ابی شیبة ۴۸ من کان یری طلاق المکره جائزا ج رابع ص ۸۵،نمبر ۱۸۰۳۴/۱۸۰۳۵/مصنف عبدالرزاق،باب طلاق الکره ج سادس ص ۴۱۰ نمبر ۱۱۴۱۹/۱۱۴۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زبردستی کر کے لی ہوئی طلاق واقع ہوتی ہے (۲) شوہر جان دینے یا طلاق دینے دونوں میں سے ایک میں مبتلا ہوا تو طلاق دینے کو اپنی صوابدید سے اختیار کیا اس لئے طلاق واقع ہوگی۔کیونکہ اپنے اختیار اور ارادے سے ایک چیز کو اختیار کیا۔

اکراہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت شریح نے فرمایا القید کره والوعید کره والسجن کره۔اور حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا لیس الرجل امینا علی نفسه اذا اجعته او اوثقته او ضربته (ب) (مصنف عبدالرزاق،باب طلاق الکره ج سادس ص ۴۱۱ نمبر ۱۱۴۲۳/۱۱۴۲۴/سنن للبیہقی،باب ما یکون اکراها ج سابع ص ۵۸۸،نمبر ۱۵۱۰۸) اس سے معلوم ہوا کہ بھوکا رکھنا،مارنا،قید کرنا یہ سب زبردستی کی شکلیں ہیں۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ زبردست کر کے لی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ ان کی دلیل یہ آیت ہے۔الامن اکره وقلبه مطمئن بالایمان (آیت ۱۰۶ سورة النحل ۱۶) اس آیت میں ہے کہ زبردستی کرنے کی وجہ سے زبان سے کلمۂ کفر بول دیا اور دل ایمان سے مامور ہے تو اس کے کفر اعتبار نہیں۔اسی طرح زبردستی کرنے کی وجہ سے زبان سے طلاق بول دیا اور دل میں طلاق کی نیت نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں ہے۔عن ابی ذر الغفاری قال قال رسول الله ﷺ ان الله تجاوز لی عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرهوا علیه (ابن ماجہ شریف،نمبر ۲۰۴۳) حدثتنی عائشه ان رسول الله ﷺ قال لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق (ج) ابن ماجہ شریف،باب طلاق المکرہ والناسی ص ۲۹۳ نمبر ۲۰۴۶/سنن للبیہقی، باب ماجاء فی طلاق المکرہ ج سابع ص ۵۸۵،نمبر ۱۵۰۹۷) (۳) اثر میں ہے۔وقال ابن عباس طلاق السکران والمستکره لیس بجائز (د) (بخاری شریف،باب الطلاق فی الاغلاق والکره ص ۷۹۳ نمبر ۵۲۶۹/سنن للبیہقی،باب ماجاء فی طلاق المکرہ ج سابع ص ۵۸۶،نمبر ۱۵۱۰۲) اس سے معلوم ہوا کہ زبردستی لی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا زبردستی کئے ہوئے کی طلاق جائز ہے۔بات یہ ہے کہ اپنی جان کے بدلے طلاق کا فدیہ دیا (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا آدمی اپنی ذات سے محفوظ نہیں ہے۔اگر اس کو تکلیف دی جائے یا باندھا جائے یا مارا جائے (ج) آپؐ نے فرمایا اللہ تعالی نے میری امت سے غلطی،بھول اور جو اس پر زبردستی کی گئی ہے ان کو معاف کیا ہے۔اور حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ حضورؐ نے کہا زبردستی میں نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ آزادگی واقع ہوگی (د) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نشہ میں مست اور زبردستی کئے ہوئی کی طلاق جائز نہیں ہے۔

[۱۹۲۰](۳۶) والسکران واقع[۱۹۲۱](۳۷) ویقع الطلاق اذا قال نویت به الطلاق

[۱۹۲۲](۳۸) ویقع طلاق الاخرس بالاشارة.

[۱۹۲۰](۳۶)اور نشہ میں مست کی طلاق واقع ہوگی۔

تشریح اگر دوا کی وجہ سے نشہ آیا اور اس میں مست ہو کر طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔لیکن جان بوجھ کر نشہ پیا اور اس کی وجہ سے مست ہو کر طلاق دی تو واقع ہو جائے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔عن مجاهد قال طلاق السکران جائز (الف) اور یہی رائے حضرت عطاء،حضرت حسن،محمد ابن سیرین،عمر ابن عبد العزیز،حضرت ابراہیم نخعی اور سعید بن مسیب وغیرہ کی ہے (مصنف ابن ابی شیبة ۳۴ من اجاز طلاق السکران ج رابع ص ۷۸،نمبر ۱۷۹۵۱ / سنن للبیہقی ،باب من قال یجوز طلاق السکران وعتقہ ج سابع ص ۵۸۹،نمبر ۱۵۱۱۲) ان اثروں سے معلوم ہوا کہ سکر کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع ہوگی۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ (۱) عقل زائل ہو چکی ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ عقل کے زائل ہونے کے بعد کسی چیز کا اعتبار نہیں ہے۔رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (ب) (ابوداؤد شریف،باب المجنون یسرق او یصیب حدا ص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۳) اور نشہ والے کی بھی عقل زائل ہوگئی ہے اس لئے اس کی طلاق کا اعتبار نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔وقال عثمان لیس لمجنون ولا لسکران طلاق (ج) (بخاری شریف،باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ والسکران والمجنون وامرھما،ص ۷۹۳ نمبر ۵۲۶۹ / سنن للبیہقی ،باب من قال لا یجوز طلاق السکران ولا عتقہ ج سابع ص ۵۸۹،نمبر ۱۵۱۱۳ / مصنف ابن ابی شیبة ۳۵ من کان لا یری طلاق السکران جائز ج رابع ص ۷۹،نمبر ۱۷۹۶۷) ان آثار سے معلوم ہوا کہ نشہ میں مست آدمی کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

[۱۹۲۱](۳۷) مست آدمی طلاق کہہ کر یہ کہے کہ میں نے اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگی۔

تشریح اس عبارت کا مطلب شاید یہ ہے کہ نشہ آور آدمی طلاق کا لفظ بول کر یوں کہے کہ میں نے اس سے طلاق کی نیت کی ہے تب طلاق واقع ہوگی۔باقی تفصیل کا علم نہیں ہے۔

[۱۹۲۲](۳۸) گونگے کی طلاق اشارہ سے واقع ہوگی۔

وجہ اس کا تمام کام اشارے سے ہی ہوتے ہیں۔اس لئے طلاق بھی اشارے سے ہی واقع ہوگی۔اس کا اشارہ ضرورت کے موقع پر کلام کے درجے میں ہے۔حدیث میں ہے۔عن سهل قال رسول الله ﷺ انا وکافل الیتیم فی الجنة هکذا واشار بالسبابة والوسطی وفرج بینهما شیئا (بخاری شریف،باب اللعان ص... نمبر ۵۳۰۴) حدیث میں انگلی کے اشارے سے قربت کو بتایا (۳) قال

حاشیہ : (الف) مجاہد نے فرمایا نشہ میں مست کی طلاق جائز ہے (ب) تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے،بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور مجنون سے یہاں تک کہ عقلمند ہو جائے (ج) حضرت عثمان نے فرمایا مجنون اور نشہ میں مست کی طلاق نہیں ہے۔

[۱۹۲۳](۳۹) واذا اضاف الطلاق الی النکاح وقع عقیب النکاح مثل ان یقول ان

ابراھیم الاخرس اذا کتب الطلاق بیدہ لزمه وقال حماد الاخرس والاصم ان قال برأسه جاز (بخاری شریف، باللعان نمبر ۵۳۰۰) اس اثر میں ہے گونگے اشارے سے کہے تب بھی طلاق واقع ہوگی (۴) لکھنا بھی ایک قسم کا اشارہ ہے اور لکھنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔اس لئے اشارے سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔لکھنے سے طلاق واقع ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔عن الزهری قال اذا کتب الیها بطلاقها فقد وقع الطلاق علیها فان جحد بطلاقها استحلف (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یکتب الی امرأته بطلاقها ج سادس ص ۴۱۳ نمبر ۱۱۴۳۳ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۴۱ فی الرجل یکتب طلاق امرأته بیدہ ج رابع، ص ۸۱، نمبر ۱۷۹۹۲) اس اثر میں لکھنے سے طلاق واقع ہونے کا ثبوت ہے۔

[۱۹۲۳](۳۹) اگر طلاق کو منسوب کیا نکاح کی طرف تو طلاق واقع ہوگی نکاح کے بعد۔مثلا یوں کہے اگر میں نے شادی کی تو تجھ کو طلاق ہے۔یا ہر وہ عورت جس سے شادی کروں اس کو طلاق ہے۔

تشریح ایک تو صورت یہ ہے کہ نکاح سے پہلے ہی طلاق دے تو اس سے طلاق نہیں ہوگی۔مثلا اجنبیہ سے کہے کہ تجھ کو طلاق۔پھر دو دن بعد اس سے شادی کرے تو اجنبیہ کو طلاق واقع نہیں ہے۔کیونکہ حدیث میں اس طلاق کو کالعدم قرار دیا ہے۔لیکن نکاح کی شرط پر طلاق معلق کرے تو حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہوگی۔

وجہ ابھی اجنبی ہونے کی حالت میں طلاق نہیں دینا ہے بلکہ بیوی ہونے کی شرط پر طلاق کیا ہے۔اور جزا پانے پر طلاق کا انعقاد جائز ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ان رجلا اتی عمر بن الخطاب فقال کل امرأة اتزوجها فهی طالق ثلاثا فقال له عمر فهو کما قلت (ب) (مصنف عبدالرزاق، نمبر ۱۱۴۷۴) عن ابراھیم قال اذا وقت امرأة او قبیلة جاز، واذا عم کل امرأة فلیس بشیء (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب الطلاق قبل النکاح ج سادس، ص ۴۲۱ نمبر ۱۱۴۷۱ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۶ من کان یوقعه علیه ویلزمه الطلاق اذا وقت ج رابع، ص ۶۶، نمبر ۱۷۸۳۲ رکتاب الآثار لامام محمد، باب من قال ان تزوجت فلانة فهی طالق ص ۱۱۰، نمبر ۵۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نکاح پر طلاق کو معلق کرے تو شرط پانے پر طلاق واقع ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے۔اس لئے نکاح کی شرط پر معلق کر کے طلاق دینے سے بھی واقع نہیں ہوگی۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ ان النبی ﷺ قال لا طلاق الا فیما تملک ولا عتق الا فیما تملک (د) (ابوداؤد شریف، باب فی الطلاق قبل النکاح ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۹۰ رترمذی شریف، باب ماجاء لاطلاق قبل النکاح

حاشیہ : (الف) حضرت زہری نے فرمایا اگر عورت کو طلاق لکھ کر بھیجے تو اس پر طلاق واقع ہوگی۔اور اگر اس کا انکار کرے تو قسم لی جائے گی (ب) ایک آدمی عمر بن خطاب کے پاس آیا اور کہا جتنی عورت سے میں شادی کروں ان کو تین طلاق ہو۔تو حضرت عمرؓ نے کہا اس نے جیسا کہا ویسا ہی ہوگا (ج) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر کسی عورت یا قبیلے کی تعیین کی تو جائز ہے۔اور اگر ہر عورت کو عام کیا تو اس طلاق کا اعتبار نہیں ہے (د) آپ نے فرمایا جس کا مالک نہیں اس کو طلاق نہیں۔اور جس کا مالک نہیں اس کو آزاد کرنا درست نہیں۔

تزوجتک فانت طالق او قال کل امرأة اتزوجها فهی طالق[۱۹۲۴] (۴۰)واذااضافه الی شرط وقع عقیب الشرط مثل ان یقول لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق[۱۹۲۵](۴۱)

ص۲۲۳نمبر۱۱۸۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے(۲)عن علی ابن ابی طالب عن النبی ﷺ قال لا طلاق قبل النکاح (الف)(ابن ماجہ شریف، باب لا طلاق قبل النکاح ص۲۹۳نمبر۲۰۴۹)(۳) آیت میں بھی اس کا اشارہ ہے۔یا ایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن (ب)(آیت۴۹سورۃ الاحزاب۳۳)اس آیت میں پہلے نکاح کا حکم ہے اس کے بعد طلاق کا، جس سے معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوگی۔اس کے علاوہ عبداللہ بن عباس،حضرت علی،حضرت سعید بن المسیب وغیرہ بہت سے ائمہ کے اقوال بخاری شریف میں ہیں(بخاری شریف، باب لا طلاق قبل النکاح ص۷۹۳نمبر ۵۲۶۹باب۹) جن سے معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے۔

[۱۹۲۴](۴۰)اگر طلاق کو شرط کی طرف منسوب کیا تو واقع ہوگی شرط کے بعد مثلا بیوی سے یوں کہے اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق

تشریح طلاق کو شرط پر معلق کرتے وقت بیوی ہو اور اس کو کہے کہ اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے۔یا فلاں شرط پائی جائے تو تم کو طلاق ہے،تو شرط پائی جائے گی تو طلاق واقع ہوگی۔

وجہ معلق کرتے وقت ملک ہے اجنبیہ نہیں ہے اس لئے معلق کرنا جائز ہوگا(۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔عن عمر ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی ﷺ قال ... زاد ابن الصباح ولا وفاء نذر الا فیما تملک (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی الطلاق قبل النکاح ص۳۰۵نمبر۲۱۹۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نکاح کی ملکیت ہو تو نذر یا شرط پوری کی جاسکتی ہے(۲)اثر میں ہے۔عن الحسن قال اذا قال انت طالق اذا کان کذا وکذا الامر لا یدری ایکون ام لا،فلیس بطلاق حتی یکون ذلک ،وله ان یطأھا فیما بین ذلک وان مات قبل ما اجل توارثا (د)(مصنف عبدالرزاق، باب الطلاق الی اجل ج سادس،ص۳۸۷نمبر ۱۱۳۱۵رمصنف ابن ابی شیبۃ ۹ فی الرجل یقول لامرأتہ ان دخلت ھذہ الدار فانت طالق فتدخل ولا یعلم ج رابع،ص۶۱،نمبر۱۸۱۷۷رسنن للبیہقی، باب الطلاق بالوقت والفعل ج سابع،ص۵۸۳،نمبر۱۵۰۹۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ شرط پائی جائے تو طلاق واقع ہوگی۔

[۱۹۲۵](۴۱)اور نہیں صحیح ہے طلاق کو منسوب کرنا مگر یہ کہ قسم کھانے والا مالک ہو یا اس کو اپنی ملک کی طرف منسوب کرے۔

تشریح طلاق کو شرط پر معلق کرنے سے اسی وقت طلاق واقع ہوگی جب معلق کرتے وقت بیوی ہو یا ابھی بیوی تو نہ ہو لیکن بیوی ہونے پر معلق کرے جیسے اوپر گزرا کہ اگر میں شادی کروں تو طلاق۔لیکن اگر ابھی بیوی نہ ہو اور نہ شادی کرنے پر معلق کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا نکاح سے پہلے طلاق نہیں (ب) اے ایمان والو! جب نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر اس کو طلاق دو صحبت سے پہلے (ج) ابن الصباح نے یہ بھی زیادہ کیا نذر کا وفا نہیں مگر جس چیز کا مالک ہو(د) حضرت حسن نے فرمایا اگر کہے کہ تجھے طلاق ہے اگر ایسا ایسا ہو۔اور معاملہ کا علم نہیں کہ ہوگا یا نہیں تو طلاق نہیں ہے یہاں تک کہ وہ ہو جائے۔اور اس کے لئے جائز ہے کہ اس درمیان بیوی سے وطی کرے۔اور اگر مدت آنے سے پہلے مرجائے تو دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

ولا یصح اضافة الطلاق الا ان یکون الحالف مالکا او یضیفه الی ملکه[۱۹۲۶](۴۲) فان قال لاجنبیة ان دخلت الدار فانت طالق ثم تزوجها فدخلت الدار لم تطلق [۱۹۲۷](۴۳) والفاظ الشرط ان واذا واذاما وکل وکلما ومتی ومتی ما[۱۹۲۸](۴۴) ففی کل هذه الالفاظ ان وجد الشرط انحلت الیمین ووقع الطلاق[۱۹۲۹](۴۵) الا فی

وجہ پہلے حدیث گزر چکی ہے۔ **عن عمر ابن شعیب ان النبی علیہ السلام قال لا طلاق الا فیما تملک (الف)** (ابوداؤد شریف، باب فی الطلاق قبل النکاح ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۹۰ رترمذی شریف، نمبر ۱۱۸۱)

[۱۹۲۶] (۴۲) پس اگر اجنبی سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے۔ پھر اس سے شادی کی پھر گھر میں داخل ہوئی تو طلاق نہیں ہوگی

تشریح یہ مسئلہ اوپر کے قاعدے پر متفرع ہے کہ اگر بیوی بھی نہ ہو اور نہ شادی کی طرف منسوب کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ چنانچہ اجنبیہ عورت سے کہا کہ اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے۔ اس کے بعد اس سے شادی کی۔ اور شادی کے بعد وہ اس گھر میں داخل ہوئی پھر بھی پچھلے قول کی وجہ سے اس کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ کیونکہ شرط پر معلق کرتے وقت نہ بیوی تھی اور نہ بیوی ہونے پر معلق کیا تھا (۲) حدیث گزر گئی۔ **عن علی عن النبی علیہ السلام قال لا طلاق قبل النکاح (ب)** (ابن ماجہ شریف، ص ۲۹۳ نمبر ۲۰۴۹)

[۱۹۲۷] (۴۳) عربی میں یہ الفاظ شرط کے ہیں۔ **ان** اور **اذا** اور **اذاما** اور **کل** اور **کلما** اور **متی** اور **متی ما**۔

تشریح عربی میں یہ الفاظ شرط کے ہیں۔ ان سے شرط کا انعقاد ہوتا ہے۔

وجہ آیت میں ہے۔ **وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها** (آیت ۳۴ سورۃ ابراہیم ۱۴) اس آیت میں ان شرط کے معنی میں ہے۔ اذا کے بارے میں یہ آیت ہے۔ **اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن (ج)** (آیت ۱ سورۃ الطلاق ۶۵) اسی پر باقی حروف کو قیاس کر لیں۔

[۱۹۲۸] (۴۴) پس ان الفاظ میں اگر شرط پائی گئی تو قسم پوری ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

تشریح کلما کے علاوہ شرط کے ان الفاظ میں ایک مرتبہ شرط پائی گئی تو ایک مرتبہ طلاق واقع ہو جائے گی اور بس۔ لیکن اگر اس کے بعد دوبارہ شرط پائی گئی تو دوبارہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ اس لئے کہ ان الفاظ میں تکرار اور بار بار ہونے کے معنی نہیں ہے۔ اس لئے ایک مرتبہ طلاق واقع ہو کر قسم ختم ہو جائے گی۔

[۱۹۲۹] (۴۵) مگر لفظ کلما کہ اس میں طلاق مکرر ہوگی شرط کے مکرر ہونے کی وجہ سے، یہاں تک کہ واقع ہوگی تین طلاقیں۔

تشریح کلما میں تکرار کے معنی ہیں اس لئے ایک مرتبہ شرط پائی جائے اور ایک طلاق واقع ہو جائے اس پر بس نہیں ہوگا بلکہ تین مرتبہ شرط پائی

حاشیہ : (ج) حضورؐ نے فرمایا جس کا مالک نہیں اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی (ب) آپؐ نے فرمایا نکاح سے پہلے طلاق نہیں (ج) اگر عورت کو طلاق دو تو عدت گزارے ایسے وقت اس کو طلاق دو۔

کلما فان الطلاق یتکرر بتکرر الشرط حتی یقع ثلث تطلیقات[۱۹۳۰](۴۶) فان تزوجها بعد ذلک وتکرر الشرط لم یقع شیء[۱۹۳۱](۴۷) وزوال الملک بعد الیمین لا یبطلها[۱۹۳۲](۴۸) فان وجد الشرط فی ملک انحلت الیمین ووقع

جائے اور تین طلاق واقع ہو تب اس کا تقاضہ ختم ہوگا۔

وجہ کلما میں تکرار کے معنی ہے اس کے لئے یہ آیت ہے۔ **کلما نضجت جلودھم بدلنا ھم جلودا غیرھا** (آیت ۵۶ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں کلما بار بار کے لئے آیا ہے کہ جب جب جہنمیوں کی کھال پکے گی اللہ ہر بار اس کی کھال کو بدل دیں گے۔

نوٹ البتہ یہ ضروری ہے کہ بیوی ہو اور گھر میں داخل ہو تب طلاق واقع ہوگی۔ اگر بیوی نہ ہو اور شرط پائی گئی تو طلاق واقع نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ **سألت الحکم وحمادا عن رجل قال لامرأته انت طالق کلما شئت قال الحکم کلما شائت فھی طالق** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۱۶ فی رجل قال لامرأتہ انت طالق کلما شئت ج رابع، ص ۷۱، نمبر ۱۹۰۸۴) اس اثر میں ہے کہ تین طلاق تک جب چاہے گی عورت طلاق دے سکتی ہے۔ کیونکہ کلما تکرار کا تقاضہ کرتا ہے۔

[۱۹۳۰] (۴۶) پس اگر اس سے شادی کی اس کے بعد اور شرط مکرر ہوئی تو کچھ واقع نہیں ہوگی۔

تشریح شوہر نے کلما استعمال کیا تھا۔ اس کے بعد تین مرتبہ شرط پائی گئی اور تین مرتبہ عورت پر طلاق واقع ہوئی۔ اس کے بعد عورت نے دوسرے شوہر سے شادی کی پھر اس نے طلاق دی اور اس عورت نے پہلے شوہر سے شادی کی اور چوتھی مرتبہ شرط پائی گئی تو اب چوتھی مرتبہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلما کا تقاضہ ملک اول تک ہے۔ اور تین طلاق کے بعد ملک اول بالکل ختم ہوگئی اس لئے زوج ثانی کے بعد جب پہلے شوہر کے پاس آئی تو کلما کا اثر ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے اب گھر میں داخل ہونے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ملک اول تک کلما کا تقاضہ رہتا ہے اس کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

[۱۹۳۱] (۴۷) قسم کے بعد ملک کا زائل ہونا قسم کو باطل نہیں کرتا۔

تشریح قسم کھانے کے بعد مثلا بیوی کو طلاق دیدی اور ملک زائل ہوگئی پھر بھی شرط اور قسم ختم نہیں ہوگی بلکہ اگر شرط پائی گئی تو اس کا اثر ہوگا۔ مثلا بیوی سے کہا تھا کہ اگر گھر میں داخل ہوئی تو طلاق، اب شوہر نے الگ سے طلاق بائنہ دے کر الگ کر دیا اس حال میں بیوی گھر میں داخل ہوئی تو شرط کا تقاضہ پورا ہوگیا۔ اب دوبارہ اس شوہر سے شادی کرے اور گھر میں داخل ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

[۱۹۳۲] (۴۸) پس اگر ملک میں شرط پائی گئی تو قسم پوری ہو جائے گی اور طلاق واقع ہوگی۔

تشریح اگر بیوی رہتے ہوئے شرط پائی گئی یعنی مثلا گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع ہوگی اور قسم بھی پوری ہو جائے گی۔ اب اگر دوبارہ گھر میں

حاشیہ: (الف) حضرت حکم اور حماد سے پوچھا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا، تجھ کو طلاق ہے جب جب تو چاہے، حضرت حکم نے فرمایا جب جب چاہے گی طلاق واقع ہوگی۔

الطلاق[۱۹۳۳](۴۹) وان وجد فی غیر الملک انحلت الیمین ولم یقع شیء[۱۹۳۴](۵۰) واذا اختلفا فی وجود الشرط فالقول قول الزوج فیه الا ان تقیم المرأة البینة[۱۹۳۵](۵۱)فان کان الشرط لا یعلم الا من جهتها فالقول قولها فی حق

داخل ہوگی تو اب دوسری مرتبہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ کیونکہ شرط پوری ہوگئی۔

[۱۹۳۳](۴۹)اور اگر ملک کے علاوہ میں شرط پائی گئی تو قسم پوری ہو جائے گی اور کچھ واقع نہیں ہوگی۔

تشریح شرط ایسے وقت پائی گئی جبکہ شوہر کی ملکیت نہیں تھی یعنی عورت بیوی نہیں تھی۔اس کو طلاق بائنہ دیکر الگ کر دیا تھا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔لیکن شرط چونکہ پائی گئی اس لئے اب شرط ختم ہو جائے گی۔

وجہ طلاق تو اس لئے نہیں ہوگی کہ عورت اس وقت بیوی نہیں رہی تھی۔اور شرط اس لئے ختم ہو جائیگی کہ اس میں بار بار کا تقاضہ نہیں ہے۔اس لئے ایک بار ہو کر ختم ہو جائے گی۔اسی کو انحلت الیمین کہتے ہیں۔

[۱۹۳۴](۵۰)اگر شرط کے پانے میں دونوں اختلاف کر دے تو شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا مگر یہ کہ عورت بینہ قائم کر دے۔

تشریح شرط کے پانے میں اختلاف ہو گیا۔عورت کہتی ہے کہ شرط پائی گئی اس لئے مجھے طلاق واقع ہوگئی۔اور مرد کہتا ہے کہ شرط نہیں پائی گئی اس لئے طلاق واقع نہیں ہوئی تو ایسی صورت میں اگر کوئی بینہ نہ ہو تو شوہر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔ہاں اگر عورت نے بینہ اور گواہی پیش کر دی تو عورت کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

وجہ اس صورت میں عورت شرط پائے جانے اور طلاق واقع ہونے کی مدعیہ ہے۔اس لئے اس پر بینہ لازم ہے۔اور شوہر مدعی علیہ ہے اور منکر ہے۔اس لئے اگر بینہ نہ ہو تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی (۲) البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر کئی مرتبہ گزر چکا ہے (دار قطنی، نمبر ۳۱۶۶)

[۱۹۳۵](۵۱)اگر شرط کا علم نہیں ہو سکتا ہو مگر عورت کی جانب سے تو عورت کے قول کا اعتبار ہے اس کی ذات کے حق میں۔

تشریح شوہر نے ایسی شرط پر طلاق معلق کی جو عورت ہی کو معلوم ہو سکتی ہو مثلا حیض آنے پر طلاق معلق کی ہو تو خود عورت کے حق میں اس کی بات مان لی جائے گی دوسرے کے حق میں نہیں۔

وجہ اثر سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کی ذات کے سلسلے میں اس کی بات مانی جائے گی۔عن ابی قال ان من الامانة ان المرؤة اؤ تمنت علی فرجها (الف) مصنف ابن ابی شیبة ۲۸۰ من قال اؤتمنت المرأة علی فرجها ج رابع، ص ۲۰۵، نمبر ۱۹۲۸۴)(۲)عن الشعبی قال جاء رجل الی علی بن ابی طالب فقال انی طلقت امرأتی فجائت بعد شهرین فقالت قد انقضت عدتی وعند علی

حاشیہ : (الف) حضرت ابی نے فرمایا امانت میں سے یہ بھی ہے کہ عورت اپنی شرمگاہ پر امین ہے۔

نفسها[۱۹۳۶](۵۲) مثل ان یقول ان حضت فانت طالق فقال قد حضت طلقت[۱۹۳۷](۵۳) وان قال لها اذا حضت فانت طالق وفلانة معک فقالت قد حضت طلقت هی ولم تطلق فلانة[۱۹۳۸](۵۴) واذا قال لها اذا حضت فانت طالق فرأت الدم

شریح فقال قل فیها قال وانت شاهد یا امیر المؤمنین قال نعم قال ان جاء ت ببطانة من اهلها من العدول یشهدون انها حاضت ثلاث حیض والا فهی کاذبة فقال علی قالون بالرومیة ای اصبت (الف) (سنن للبیہقی، باب تصدیق المرأة فیما یمکن فیہ القضاء عدتها ج سابع، ص ۶۸۷، نمبر ۱۵۴۰۵ رمصنف ابن ابی شیبة ۲۸۰ من قال اؤتمنت المرأة علی فرجها ج رابع، ص ۲۰۶، نمبر ۱۹۲۸۹) اس اثر سے پتہ چلا کہ عورت کی ذات کے بارے میں اس کی بات مان لی جائے گی۔ کیونکہ حیض ختم ہونے کے بارے میں حضرت علیؓ نے عورت کی بات مان لی (۳) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ ولا یحل لهن ان یکتمن ما خلق الله فی ارحامهن (ب) (آیت ۲۲۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت کے اشارے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے بارے میں اس کی بات مانی جائے گی۔ کیونکہ قرآن نے یوں کہا کہ عورتوں کو ان کے رحموں کے بارے میں چھپانا نہیں چاہئے۔

[۱۹۳۶] (۵۲) مثلا یوں کہے اگر تجھے حیض آئے تو تم کو طلاق ہے، پس اس نے کہا مجھے حیض آیا تو طلاق واقع ہوگی۔

وجہ شوہر نے کہا کہ اگر تم کو حیض آئے تو تم کو طلاق اور عورت نے کہا کہ مجھے حیض آیا ہے تو اس کے کہنے پر اعتماد کرتے ہوئے طلاق واقع کر دی جائے گی۔

[۱۹۳۷] (۵۳) اور اگر بیوی سے کہا اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق اور تمہارے ساتھ فلانہ کو طلاق۔ پس عورت نے کہا مجھے حیض آگیا تو اس عورت کو طلاق واقع ہوگی اور فلاں کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح شوہر نے کہا کہ اگر تجھے حیض آئے تو تجھے بھی طلاق اور تمہارے ساتھ تمہاری شوکن رشیدہ کو بھی طلاق۔ اس کے بعد عورت نے کہا کہ مجھے حیض آگیا تو اس کہنے پر صرف اسی عورت کو طلاق واقع ہوگی اور شوکن رشیدہ کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ عورت کو تو اس لئے طلاق واقع ہوگی کہ اس کی بات پر اس کی ذات کے بارے میں اعتماد کر کے طلاق واقع کی گئی۔ لیکن دوسرے پر طلاق واقع کرنے کے لئے مکمل گواہی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی چاہئے۔ جو نہیں ہوئی اس لئے شوکن رشیدہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دوسروں پر طلاق واقع کرنے کے لئے مکمل رکن شہادت چاہئے۔

[۱۹۳۸] (۵۴) اگر عورت سے کہا کہ اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق۔ پس خون دیکھا تو طلاق واقع نہیں ہوگی یہاں تک کہ خون تین دن تک

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا ایک آدمی حضرت علی کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ وہ دو ماہ کے بعد آئی اور کہنے لگی کہ میری عدت ختم ہو چکی ہے۔ اور حضرت علی کے پاس قاضی شریح تھے تو حضرت علی نے فرمایا اس بارے میں آپ بتائیں۔ انہوں نے کہا آپ امیر المؤمنین گواہ ہیں؟ فرمایا ہاں! قاضی شریح نے فرمایا اگر عورت کے اہل خانہ میں سے عادل آدمی گواہی دیں کہ تین حیض آگئے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ وہ جھوٹی ہے۔ حضرت علی نے رومی زبان میں فرمایا قالون یعنی آپ نے ٹھیک فتوی دیا (ب) اور عورتوں کے لئے حلال نہیں ہے کہ چھپائے جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا۔

لم يقع الطلاق حتى يستمر الدم ثلثة ايام فاذا تمت ثلثة ايام حكمنا بوقوع الطلاق من حين حاضت[۱۹۳۹](۵۵) وان قال لها اذا حضت حيضة فانت طالق لم تطلق حتى تطهر من حيضها[۱۹۴۰](۵۶) وطلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتان حرا كان زوجها او

جاری رہے۔ پس جب تین دن پورے ہو جائیں تو ہم حکم لگائیں گے وقوع طلاق کا جس وقت سے حائضہ ہوئی ہے۔

تشریح شوہر نے حیض آنے پر طلاق معلق کیا۔ پس تھوڑا سا خون آیا تو معلوم نہیں ہوگا کہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا اس لئے تین دن تک انتظار کیا جائے گا۔ جب تین دن تک آیا تو پتہ چلا کہ یہ حیض کا خون ہے۔ اب طلاق کا حکم لگائیں گے۔ لیکن چونکہ حیض کے پہلے ہی خون پر طلاق کا مدار تھا اس لئے پہلے خون کے وقت ہی سے مطلقہ شمار ہوگی۔

وجہ طلاق حیض پر معلق کیا ہے اور حیض کا پتہ تین دن کے بعد چلے گا اس لئے تین دن تک انتظار کیا جائے گا (۲) اثر میں ہے کہ حیض کی کم سے کم مدت تین دن ہے۔ **سمعت خالد بن سعدان قال اقل ما تكون حيضة المرأة ثلاثة ايام وآخرها عشرة (الف)** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۸۱ ما قالوا فی الحیض ج رابع، ص ۲۰۶، نمبر ۱۹۲۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کم سے کم حیض کی مدت تین دن ہے۔

[۱۹۳۹](۵۵) اگر عورت سے کہا کہ اگر تجھ کو ایک حیض آئے تو تجھے طلاق تو نہیں طلاق ہوگی یہاں تک کہ حیض سے پاک ہو جائے۔

وجہ چونکہ پورے ایک حیض آنے پر طلاق معلق کیا ہے اس لئے حیض سے پاک ہونے کے بعد طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ عبارت میں حیضۃ سے مراد ایک حیض ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن الثوری قال فی رجل قال لامرأته اذا حضت حيضة فانت طالق او قال متى حضت فانت طالق قال اما التى قال اذا حضت فانت طالق فاذا دخلت فى الدم طلقت، واما التى قال متى حضت حيضه فحتى تغتسل من آخر حيضتها لانه لايراجعها حتى تغتسل (ب)** (مصنف عبد الرزاق، باب الطلاق الی اجل ص ۳۸۸ نمبر ۱۱۳۲۱)

[۱۹۴۰](۵۶) باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں آزاد ہو اس کا شوہر یا غلام۔

وجہ باندی کی نعمت آدھی ہوتی ہے اس لئے اس کی طلاق بھی آزاد عورت سے آدھی ہوگی۔ لیکن تین طلاق کی آدھی ڈیڑھ ہوتی ہے اور طلاق ڈیڑھ نہیں ہوگی تو دو کر دی گئی اس لئے دو طلاق ہوگی (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عائشة عن النبى ﷺ قال طلاق الامة تطليقتان وقروءها حيضتان (الف)** (ابو داؤد شریف، باب فی سنۃ طلاق العبد ص ۳۰۴ نمبر ۲۱۸۹ ر ترمذی شریف، باب ماجاء ان طلاق الامۃ تطلیقتان ص ۲۲۳ نمبر ۱۱۸۲) اس حدیث سے پتہ چلا کہ باندی کی طلاقیں دو ہیں۔ اور اس میں شوہر کے غلام اور آزاد کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس

حاشیہ : (الف) حضرت خالد بن سعدان نے فرمایا عورت کا کم سے کم حیض تین دن ہے اور آخری دس دن (ب) حضرت ثوری نے فرمایا کسی نے اپنی بیوی سے کہا جب تم کو ایک حیض آ جائے تو طلاق ہے۔ یا کہا جب حیض آئے تو طلاق ہے۔ بہر حال جب کہے کہ جب حیض آئے تو طلاق ہے تو جوں ہی خون آئے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور جب کہا کہ تم کو ایک حیض آئے تو طلاق ہے تو جب تک آخری حیض کا غسل نہ کر لے۔ اس لئے کہ غسل سے پہلے تک رجعت نہیں کیا (ج) آپ نے فرمایا باندی کی طلاق دو ہیں اور اس کا قروء دو حیض ہیں (یعنی اس کی عدت دو حیض ہیں)۔

عبدا[۱۹۴۱](۵۷)وطلاق الحرة ثلاث حرا كان زوجها او عبدا[۱۹۴۲](۵۸) واذا طلق الرجل امرأته قبل الدخول بها ثلثا وقعن عليها[۱۹۴۳](۵۹) وان فرق الطلاق بانت بالاولى و لم تقع الثانية والثالثة.

لئے شوہر چاہے غلام ہو یا آزاد ہر حال میں وہ دو طلاقوں سے مغلظہ ہو جائے گی (۳) اثر میں ہے۔ قال علی بن ابی طالب الطلاق بالنساء والعدة بهن (الف) (موطا امام محمد باب طلاق الحرۃ تحت العبد ص ۲۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طلاق اور عدت میں عورت کا اعتبار ہے گا۔

[۱۹۴۱] (۵۷) آزاد عورت کی طلاق تین ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔

تشریح آزاد عورت کو زیادہ سے زیادہ تین طلاق دے سکتے ہیں۔ اسی سے وہ مغلظہ ہو جائے گی، اس سے زیادہ نہیں۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے کہ طلاق کا مدار عورت پر ہے۔ اس لئے عورت آزاد ہو تو تین طلاقوں سے مغلظہ ہوگی، شوہر چاہے آزاد ہو یا غلام۔

وجہ آیت میں ہے۔ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره (ب) (آیت ۲۳۰ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں تیسری طلاق کا تذکرہ ہے کہ اس کے بعد حلالہ کئے بغیر حلال نہیں ہوگی۔

[۱۹۴۲] (۵۸) اگر طلاق دی آدمی نے اپنی بیوی کو صحبت سے پہلے تین تو واقع ہو جائیں گی۔

تشریح صحبت سے پہلے بیک وقت تین طلاقیں دی تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ اور الگ الگ کر کے دی تو پہلی سے بائنہ ہو جائے گی اور باقی دو طلاقیں بیکار جائے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔ ان ابن عباس وابا هريرة وعبد الله بن عمرو بن العاص رضى الله تعالى عنهم سئلو عن البكر يطلقها زوجها ثلاثا فكلهم قال لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی طلاق التی لم یدخل بھاج سابع ص ۵۸۱، نمبر ۱۵۰۸۳ مصنف عبد الرزاق، باب طلاق البکر ج سادس ص ۳۳۱ نمبر ۱۱۰۶۴ مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۹ فی الرجل یقول لامرأتہ انت طالق انت طالق انت طالق قبل ان یدخل علیھا متی یقع علیھاج رابع ص ۷۰، نمبر ۱۷۸۷۱)

[۱۹۴۳] (۵۹) اور اگر جدا جدا دیں تو بائنہ ہو جائے گی پہلی ہی سے اور دوسری اور تیسری واقع نہیں ہوگی۔

وجہ جس عورت سے صحبت نہیں کی ہے اس پر عدت نہیں ہے اس لئے ایک طلاق پڑتے ہی بائنہ ہو کر جدا ہو جائے گی اور بیوی نہیں رہے گی۔ اور جب بیوی نہیں رہی تو اگلی طلاق کیسے واقع ہوگی؟ (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن عباس في رجل طلاق امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها قال عقدة كانت بيده ارسلها جميعا واذا كان تترى فليس شىء، قال سفيان تترى يعنى انت طالق انت

حاشیہ : (الف) حضرت علی نے فرمایا طلاق کا مدار عورتوں پر ہے۔ اور عدت کا مدار بھی انہیں پر ہے (ب) پس اگر بیوی کو تیسری طلاق دی تو شوہر کے لئے حلال نہیں ہے جب تک کہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کرے (ج) حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے پوچھا کہ باکرہ عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دیدے؟ تو سبھی نے فرمایا وہ شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کرے۔

[۱۹۴۴](۶۰) وان قال لها انت طالق واحدة وواحدة وقعت عليها واحدة

[۱۹۴۵](۶۱) ولو قال لها انت طالق واحدة قبل واحدة وقعت عليها واحدة

[۱۹۴۶](۶۲) وان قال لها واحدة قبلها واحدة وقعت عليها ثنتان[۱۹۴۷](۶۳) وان

طالق انت طالق فانها تبين بالاولى والثنتان ليستا بشیء (الف)(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی طلاق التی لم یدخل بھا، ج سابع، ص ۵۸۲، نمبر ۱۵۰۸۷ رمصنف عبدالرزاق، باب طلاق البکر ج سادس ص ۳۳۳ نمبر ۱۱۰۷۰ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۹ فی الرجل یقول لامرأته انت طالق ج رابع، ص ۷۰، نمبر ۱۷۸۷۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جدا جدا طلاق دے تو پہلی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور باقی بیکار جائیں گی۔

[۱۹۴۴](۶۰) اگر بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے ایک اور ایک تو اس پر واقع ہوگی ایک۔

وجہ چونکہ پہلے ایک کہا تو پہلی ہی طلاق میں غیر مدخول بہا بائنہ ہو کر چلی جائے گی اور بیوی باقی نہیں رہے گی۔ اس لئے اگلی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

[۱۹۴۵](۶۱) اگر عورت سے کہا تجھے طلاق ہے ایک، ایک سے پہلے تو واقع ہوگی ایک۔

وجہ یہ سب مسئلے اس اصول پر متفرع ہیں کہ غیر مدخول بہا کو ایک ساتھ دو طلاق واقع ہو جائیں تو دونوں واقع ہوں گی۔ اور اگر جدا جدا دینے کی شکل پیدا ہو جائے تو ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسری طلاق بیکار ہوگی۔ اس صورت میں کہا تجھے ایک طلاق ہے تو وہ واقع ہوگئی اور دوسری واقع ہونے کا موقع نہیں رہا۔ اور چونکہ جدا جدا واقع ہوئی اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

اصول ایک ساتھ دو ہوں تو دونوں واقع ہوں گی، اور جدا جدا ہو تو پہلی واقع ہوگی۔

[۱۹۴۶](۶۲) اگر کہا اس کو طلاق ہے ایک اس کے پہلے ایک تو واقع ہوگی اس پر دو۔

تشریح قاعدہ یہ ہے کہ شوہر جس طلاق کو ٹکا کر دینا چاہتا ہے اس طلاق سے پہلے ایک ہو جائے تو چونکہ زمانہ ماضی میں واقع نہیں ہوئی تو ساتھ ہو کر دو واقع ہو جائیں گی۔ اور جس طلاق کو ٹکا کر دینا چاہتا ہے اس کے بعد ایک ہو تو ٹکائی طلاق واقع ہوگی اور بعد والی طلاق کا محل باقی نہیں رہے گا اس لئے وہ واقع نہیں ہوگی۔ عبارت کے مسئلے میں ٹکا کر ایک طلاق دینا چاہتا ہے اور اس سے پہلے ایک دینا چاہتا ہے تو دونوں ساتھ ہو جائیں گی اور دو طلاق واقع ہو جائیں گی۔ اور جو طلاق ٹکا کر دینا چاہتا ہے اس کے بعد ایک ہو تو ٹکی ہوئی طلاق واقع ہوگی اور بعد والی کا محل باقی نہیں رہے گا۔

[۱۹۴۷](۶۳) اور اگر کہا ایک اس کے بعد ایک تو واقع ہوگی اس پر ایک۔

وجہ یہاں ٹکا کر ایک دینا چاہتا ہے اور اس کے بعد ایک ہے تو ٹکی ہوئی طلاق واقع ہوئی اور اس کے بعد والی کا محل باقی نہیں رہا اس لئے ٹکی ہوئی

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ کوئی آدمی بیوی کو صحبت سے پہلے تین طلاقیں دے تو فرمایا اس کے ہاتھ میں عقد تھا جس کو ایک ساتھ چھوڑ دیا۔ اور اگر یکے بعد دیگرے دیتا تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اور حضرت سفیان نے تتری کے معنی بتایا کہ ترتیب کے ساتھ انت طالق، انت طالق، انت طالق کہے تو پہلی طلاق سے بائنہ ہوگی اور باقی دو کا کچھ اعتبار نہیں۔

قال واحدة بعدها واحدة وقعت علیها واحدة[۱۹۴۸](۶۴) وان قال لها انت طالق واحدة بعد واحدة[۱۹۴۹](۶۵) او مع واحدة او معها واحدة وقعت ثنتان [۱۹۵۰] (۶۶) وان قال لها اذا دخلت الدار فانت طالق واحدة وواحدة فدخلت الدار وقعت

ایک طلاق واقع ہوئی اور بعد والی بیکار گئی۔

[۱۹۴۸](۶۴)اوراگر کہے تجھے طلاق ہے ایک ایک کے بعد تو طلاق واقع ہوگی دو۔

وجہ ٹکا کر طلاق دی ایک لیکن یہ ٹکی ہوئی طلاق ایک طلاق کے بعد ہے تو چونکہ ٹکی ہوئی طلاق سے پہلے ایک طلاق ہوئی تو یہ طلاق ٹکی ہوئی کے ساتھ ہو جائے گی اور ملکر دو واقع ہوگی۔ اثر اور دلیل گزر چکی ہے۔

[۱۹۴۹](۶۵) یا ایک کے ساتھ، یا اس کے ساتھ ایک تو واقع ہوگی دو۔

تشریح ان دونوں صورتوں میں شوہر نے ٹکا کر جو طلاق دی ہے اس کے ساتھ ایک اور ہوگئی۔ اس لئے مل کر دو واقع ہوگی۔

وجہ گزر چکی ہے۔ ان ابن عباس وابا هريرة و عبد الله بن عمر سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثا فكلهم قالوا لا تحلوا له حتى تنكح زوجا غيره (الف) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی طلاق التی لم یدخل بھا ج سابع ص ۵۸۱ نمبر ۱۵۰۸۳/مصنف عبد الرزاق، باب طلاق البکر، ج سادس، ص ۳۳۳ نمبر ۱۱۰۷۱)

[۱۹۵۰](۶۶) اگر عورت سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو ایک طلاق اور ایک طلاق۔ پس داخل ہوئی گھر میں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک واقع ہوگی اس پر ایک اور صاحبین نے فرمایا واقع ہوگی دو۔

تشریح اس صورت میں شرط کو مقدم کیا ہے بعد میں دو طلاقیں جدا جدا دی ہیں۔ اور دونوں کے درمیان حرف عطف واو ہے۔ اور واو کبھی جمع کے لئے آتا ہے اور کبھی ترتیب کے لئے آتا ہے۔ اگر ترتیب کے لئے ہو تو دونوں طلاقیں جدا جدا ہوئیں اس لئے امام ابو حنیفہؒ نے یہاں ترتیب کی رعایت کرتے ہوئے پہلی طلاق واقع کی اور دوسری کا محل باقی نہیں رہا اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوئی۔

وجہ طلاق دینا مبغوض ہے اس لئے ترتیب اور جمع میں شک ہونے کی وجہ سے ایک ہی طلاق واقع کرنا اچھا ہے اور ترتیب کا اعتبار کرنا بہتر ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

وجہ واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے اس لئے جمع کی رعایت کرتے ہوئے دونوں طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوں گی۔

نوٹ اگر شرط مؤخر کردے اور یوں کہے انت طالق واحدة وواحدة ان دخلت الدار تو بالاتفاق دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

وجہ اس عبارت میں ان دخلت الدار شرط مؤخر ہونے کی وجہ سے پہلی دونوں طلاقوں کو جمع کر دیا اس لئے دونوں ایک ساتھ واقع

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر سے باکرہ کے بارے میں پوچھا کہ شوہر اس کو تین طلاقیں بیک وقت دے تو سب نے فرمایا کہ شوہر کے لئے حلال نہیں ہے جب تک دوسرے شوہر سے شادی نہ کرے۔

علیها واحدة عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا تقع ثنتان[۱۹۵۱](۶۷) وان قال لها انت طالق بمکة فهی طالق فی الحال فی کل البلاد[۱۹۵۲](۶۸) وکذلک اذا قال لها انت طالق فی الدار [۱۹۵۳](۶۹) وان قال لها انت طالق اذا دخلت بمکة لم تطلق حتی

ہوں گی۔اور غیر مدخول بہا پر ایک ساتھ دو طلاقیں دیں تو دونوں واقع ہوتی ہیں۔

[۱۹۵۱](۶۷) اگر بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے مکہ میں تو فی الحال طلاق واقع ہوگی تمام شہروں میں۔

تشریح یہ جملہ بولنے کے دو طریقے ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ طلاق کو مکہ میں داخل ہونے کی شرط پر معلق کرے۔اس صورت میں اگر مکہ مکرمہ میں داخل ہوگی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ داخل ہونے کی شرط پر معلق نہ کرے بلکہ بغیر شرط کے کہے کہ تم کو مکہ میں طلاق ہے تو چونکہ شرط پر معلق نہیں کیا اس لئے مکہ مکرمہ سے باہر بھی کسی شہر میں ہوگی تو فورا طلاق واقع ہو جائے گی۔

وجہ اگر طلاق کو شرط پر معلق نہ کرے تو طلاق کسی شہر کے ساتھ خاص نہیں ہوتی بلکہ ہر جگہ واقع ہوتی ہے۔اس لئے ہر جگہ واقع ہوگی اور فورا واقع ہوگی۔

[۱۹۵۲](۶۸) ایسے ہی اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے گھر میں۔

تشریح اگر بیوی کو کہا کہ تجھے طلاق ہے گھر میں تو چونکہ گھر میں داخل ہونے کی شرط پر معلق نہیں کیا تو فورا ہی طلاق واقع ہوگی۔چاہے گھر میں داخل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

وجہ دونوں مسئلوں کی دلیل یہ اثر ہے۔**عن الحسن فی الرجل یقول لامرأته انت طالق الی سنة قال یقع علیها یوم قال** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۲ فی الرجل یطلق امرأته الی سنة متی یقع علیها ج رابع ص ۷۱، نمبر ۱۷۸۸۲ رمصنف عبد الرزاق، باب الطلاق الی اجل ص ۳۸۷ نمبر ۱۱۳۱۷) اس اثر میں ہے کہ سال تک پر طلاق دی تو چونکہ سال آنے پر معلق نہیں کیا اس لئے اسی دن طلاق واقع ہوگی۔اسی طرح گھر اور مکہ میں داخل ہونے پر معلق نہیں کیا تو فورا طلاق واقع ہوگی۔

[۱۹۵۳](۶۹) اگر بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے تو مکہ میں داخل ہو، تو نہیں طلاق ہوگی یہاں تک کہ مکہ میں داخل ہو جائے۔

تشریح مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی شرط پر طلاق کو معلق کیا تو داخل ہونے سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ کیونکہ داخل ہونے کی شرط پر طلاق کو معلق کیا اس لئے اس سے پہلے واقع نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔**سئل عطاء عن رجل قال لامرأته انت طالق اذا ولدت أیصیبها بین ذلک ؟ قال نعم ولا تطلق حتی یاتی الاجل** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الطلاق الی اجل، ج سادس، ص ۳۸۶ نمبر ۱۱۳۰۸، مصنف ابن ابی شیبة ۲۳ من قال لا یطلق حتی یحل الاجل ج رابع ص ۷۲، نمبر ۱۷۸۸۷ ار

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے تجھ کو طلاق ہے ایک سال تک تو اس پر اسی دن طلاق واقع ہوگی جس دن کہا (ب) حضرت عطاء سے پوچھا، کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے تجھے طلاق ہے جب تم کو بچہ پیدا ہو تو کیا اس درمیان عورت سے وطی کر سکتا ہے؟ فرمایا ہاں! طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک وقت نہ آجائے یعنی بچہ نہ پیدا ہو جائے۔

تدخل مكة [۱۹۵۴](۷۰) وان قال انت طالق غدا وقع عليها الطلاق بطلوع الفجر الثاني[۱۹۵۵](۷۱) وان قال لامرأته اختاري نفسک ينوی بذلک الطلاق او قال لها

سنن للبیہقی ، باب الطلاق بالوقت والفعل ج سابع ،ص ۵۸۳،نمبر ۱۵۰۹۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ شرط پر معلق کرے تو شرط جب تک نہ پائی جائے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

[۱۹۵۴](۷۰)اور اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے کل تو اس پر طلاق واقع ہوگی صبح صادق کے طلوع ہونے سے۔

تشریح رحمہ صبح صادق سے شروع ہو کر شام تک کو غد کہتے ہیں۔اس لئے غد یعنی کل پر طلاق معلق کی اور کوئی نیت نہیں کی تو اول وقت پر طلاق واقع ہوگی۔یعنی صبح صادق کے وقت طلاق واقع ہو جائے گی۔البتہ دن کے کسی اور حصے کی نیت کرے تو چونکہ اس کا احتمال رکھتا ہے اس لئے دیانت کے طور پر اس کی تصدیق کی جائے گی۔

﴿ تفویض طلاق کا بیان ﴾

ضروری نوٹ یہاں چار مسئلے ہیں(۱)اختاری نفسک ،اس صورت میں عورت نے شوہر کو چھوڑ کر اپنے آپ کو اختیا کیا تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔لیکن مجلس ہی میں طلاق دے سکتی ہے مجلس کے بعد نہیں۔کیونکہ اختاری کا لفظ کنایہ ہے،اور کنایہ سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے(۲) دوسرا لفظ ہے طلقی نفسک ،اس صورت میں عورت نے اپنے آپ کو طلاق دی تو طلاق رجعی واقع ہوگی۔کیونکہ اس میں طلاق صریح ہے۔لیکن یہ بھی مجلس کے ساتھ خاص ہوگی۔

وجہ کیونکہ اس صورت میں عورت کو طلاق کا مالک بنایا ہے وکیل نہیں بنایا ہے۔اور وہ مجلس کے ساتھ خاص ہوتا ہے(۳) تیسرا لفظ ہے امرک بیدک ،اس صورت میں بھی عورت نے اپنے آپ کو طلاق دی تو طلاق رجعی واقع ہوگی اور مجلس کے ساتھ خاص ہوگی۔اس کا حکم اور طلقي نفسک کا حکم ایک ہے(۴)اور چوتھا لفظ ہے کہ کسی اور آدمی سے کہا کہ طلق امرأتی،تو اس میں دوسرے آدمی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بنایا ہے۔اس لئے اس کی توکیل مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہوگی بلکہ مجلس کے بعد بھی طلاق دینے کا اختیار رہوگا۔البتہ چونکہ طلاق صریح ہے اس لئے اس کے طلاق دینے سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۱۹۵۵](۷۱)اگر اپنی بیوی سے کہا اپنے آپ کو اختیار کر لے اور اس سے طلاق کی نیت کی، یا کہا کہ اپنے آپ کو طلاق دیدے تو اس کے لئے اختیار ہے کہ اپنے آپ کو طلاق دیدے جب تک اس مجلس میں ہے۔پس اگر اس مجلس سے کھڑی ہوگئی یا کسی اور کام میں لگ گئی تو اس کے ہاتھ سے اختیار نکل جائے گا۔

تشریح کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے آپ کو اختیار کر لے،یعنی اختیار کر کے جدا کر لے۔اور اس کہنے سے شوہر نے بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دیا۔یا کہا کہ اپنے آپ کو طلاق دے لے تو مجلس میں رہنے تک اختیار کرنے کا اور طلاق دینے کا اختیار رہے گا اس کے بعد نہیں۔چنانچہ اگر وہ اس مجلس سے اٹھ کر کھڑی ہوئی یا کسی اور کام میں لگ گئی جس کو بھی مجلس بدلنا کہتے ہیں تو اس سے عورت کا اختیار ختم ہو جائیگا۔

طلقی نفسک فلها ان تطلق نفسها مادامت فی مجلسها ذلک فان قامت منه او اخذت فی عمل آخر خرج الامر من یدها[۱۹۵۶](۷۲) وان اختارت نفسها فی قوله اختاری

ترجمہ مجلس کے ساتھ اختیار خاص ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن مجاهد فی قول ابن مسعود قال اذا ملکها امرها فتفرقا قبل ان تقضی شیئا فلا امر لها** (نمبر ۱۱۹۲۹) اور دوسرے قول میں ہے۔ **عن مجاهد قال اذا خیر الرجل امرأته فلم تخیر فی مجلسها فلیس بشیء** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الخیار والتملیک ما کانا فی مجلسهما ج سادس ص ۵۲۴ نمبر ۱۱۹۳۰ رمصنف ابن ابی شیبة ۵۸ ما قالوا فی الرجل یخیر امرأته فلا تختار حتی تقوم من مجلسها ج رابع، ص ۹۲، نمبر ۱۸۱۰۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مجلس تک ہی طلاق دینے کا اختیار رہے گا (۲) اس اختیار میں عورت کو طلاق کا مالک بنانا ہے اور مالک بنانے کا جواب مجلس میں چاہئے ورنہ قبول کرنے کا اختیار نہیں رہتا جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے اس لئے مجلس کے بعد اختیار نہیں رہے گا۔

[۱۹۵۶] (۷۲) پس اگر عورت اختیار کر لے اپنے آپ کو اس کے قول **اختاری نفسک** میں تو ایک طلاق بائنہ ہوگی۔ اور تین نہیں ہوگی اگر چہ شوہر اس کی نیت کرے۔

تشریح شوہر نے عورت سے **اختاری نفسک** کہا تھا۔ اس صورت میں عورت نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا یعنی اپنے آپ کو شوہر سے جدا کر لیا تو اس سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ لیکن اس لفظ سے عورت تین طلاقیں دینا چاہے تو نہیں دے سکتی چاہے شوہر نے تین کی نیت کی ہو۔

وجہ (۱) یہ لفظ کنایہ ہے اور کنایہ سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔ اس لئے اختاری لفظ سے بھی طلاق بائنہ واقع ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ **عن علی انه کان یقول ان اختارت نفسها فواحدة بائنة وان اختارت زوجها فلا شیء** (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی التخییر ج سابع، ص ۵۶۷، نمبر ۱۵۰۳۱ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الخیار ص ۲۲۳ نمبر ۱۱۷۹ رمصنف عبد الرزاق، باب المرأة تملک امرها فردته هل تستحلف ج سادس ص ۵۲۱ نمبر ۱۱۹۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

اور تین کی نیت کرے پھر بھی تین واقع نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن علقمة قال کنت عند عبد الله بن مسعود فاتاه رجل فقال ... فقلت لها هی بیدک قالت فانی قد طلقتک ثلاثا قال عبد الله هی تطلیقة واحدة وانت احق بها قال فذکرت ذلک لعمر فقال لو قلت غیر ذلک لرأیت انک لم تصب** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۵۵ ما قالوا فیہ اذا جعل امرأته بیدها

حاشیہ: (الف) حضرت مجاہد نے حضرت ابن مسعود کے قول کے بارے میں فرمایا، اگر عورت کو اس کے معاملے کا مالک بنایا جائے پھر جدا ہو جائے کسی بات کا فیصلہ کئے بغیر تو اب عورت کو اختیار نہیں ہوگا۔ دوسرے قول میں حضرت مجاہد نے فرمایا اگر مرد نے بیوی کو اختیار دیا پھر عورت نے مجلس میں اختیار نہیں کیا تو اب کوئی اختیار نہیں ہوگا (ب) حضرت علی فرماتے ہیں کہ اگر عورت نے اپنے آپ کو اختیار کیا تو ایک بائنہ ہوگی۔ اور اگر شوہر کو اختیار کیا تو کچھ نہیں ہوگا (ج) عبد اللہ ابن مسعود کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا... پس شوہر نے کہا کہ یہ یعنی طلاق تیرے ہاتھ میں ہے، عورت نے کہا میں نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دیں، حضرت عبد اللہ نے کہا ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آپ اس سے رجعت کر سکتے ہیں۔ میں نے حضرت عمرؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا اگر آپ اس کے علاوہ فتوی دیتے تو میں سمجھتا کہ آپ نے صحیح نہیں کہا

نفسک کانت واحدة بائنة ولایکون ثلثا وان نوی الزوج ذلک[۱۹۵۷](۷۳) ولا بد من ذکر النفس فی کلامه او فی کلامها[۱۹۵۸](۷۴) وان طلقت نفسها فی قوله طلقی نفسک فهی واحدة رجعیة.

فقول انت طالق ثلاثا تاج رابع ،ص۹۰،نمبر۱۸۰۸۶ رمصنف عبدالرزاق ، باب المرأة تملک امرها فردته ھل تستحلف؟ ج سادس ص۵۲۱ نمبر ۱۱۹۱۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دے پھر بھی ایک ہی واقع ہوگی (۲) یہ لفظ اسم جنس نہیں ہے جو تین کا احتمال رکھے۔اس لئے ایک ہی واقع ہوگی۔

نوٹ اور اگر شوہر کو اختیار کرلے تو کچھ واقع نہیں ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن عائشة قالت خیرنا رسول اللہ فاخترنا اللہ ورسوله فلم یعد ذلک علینا شیء (الف)(بخاری شریف، باب من خیر ازواجه ص۷۹۱ نمبر۵۲۶۲ رابوداؤد شریف، باب فی الخیار ص ۳۰۷ نمبر ۲۲۰۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر کو اختیار کر لے تو کچھ واقع نہیں ہوگی۔

[۱۹۵۷](۷۳)اور ضروری ہے لفظ نفس کا ذکر کرنا شوہر کے کلام میں یا بیوی کے کلام میں۔

وجہ لفظ اختاری کنایہ ہے،شوہر اور بیوی دونوں میں سے کسی کے کلام میں نفس کا لفظ نہ ہو تو اختاری کے معنی طلاق کے علاوہ کسی اور چیز کا اختیار کرنا ہو جائے گا۔اس لئے دونوں میں سے کسی ایک کے کلام میں نفس کے لفظ کا ذکر کرنا ضروری ہے(۲)اوپر اثر میں نفس لفظ مذکور ہے۔عن علی انه کان یقول ان اختارت نفسها (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی التخییر ج سابع ،ص ۵۶۷،نمبر ۱۵۰۳۱)اس اثر میں نفسها کا لفظ موجود ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک کے کلام میں تفسیر کے سے نفس کا لفظ موجود ہو۔

[۱۹۵۸](۷۴)اور اگر اپنے آپ کو طلاق دی اس کے قول طلقی نفسک میں تو وہ ایک رجعی ہوگی۔

تشریح شوہر نے بیوی سے کہا کہ اپنے آپ کو طلاق دیدو۔پس عورت نے اپنی اس اختیار سے اپنے آپ کو طلاق دی تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

وجہ طلقی کا لفظ صریح ہے اور صریح سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس لئے اس لفظ سے عورت نے طلاق دی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔دلیل پہلے گزر چکی ہے۔عن علی اذا ملک الرجل امرأته مرة واحدة فان قضت فلیس له من امرها شیء وان لم تقض فهی واحدة وامرها الیه (ب)(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی التملیک ج سابع ،ص ۵۷۱،نمبر ۱۵۰۴۷)اس اثر میں ایک ہی طلاق رجعی واقع کی۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہمیں حضورؐ نے اختیار دیا تو ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا تو ہم پر کچھ واقع نہیں ہوئی (ب) حضرت علی نے فرمایا اگر مرد نے بیوی کو ایک مرتبہ مالک بنایا۔پس اگر فیصلہ کرے تو مرد کو اختیار نہیں ہے۔اور اگر نہیں فیصلہ کرے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

[۱۹۵۹](۷۵) وان طلقت نفسها ثلثا وقد اراد الزوج ذلک وقعن علیها[۱۹۶۰](۷۶) وان قال لها طلقی نفسک متی شئت فلها ان تطلق نفسها فی المجلس وبعده[۱۹۶۱] (۷۷) واذا قال لرجل طلق امرأتی فله ان یطلقها فی المجلس وبعده[۱۹۶۲](۷۸) وان

[۱۹۵۹](۷۵)اور اگر عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دی اور شوہر نے ان کا ارادہ کیا تو اس پر تینوں واقع ہوں گی۔

تشریح شوہر نے بیوی سے طلقی نفسک کہا تھا۔اس کی وجہ سے عورت نے اپنے اوپر تین طلاقیں دیدی تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔

وجہ طلقی امر کا صیغہ ہے۔اور اس میں مصدر پوشیدہ ہے۔اور مصدر جنس ہے جو آخری عدد تین کا احتمال رکھتا ہے۔اس لئے اس احتمال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شوہر اس کی نیت کرے اور عورت تین طلاقیں دے تو واقع ہو جائیں گی (۲) اثر میں ہے۔عن ابن عباس فی رجل قال لامرأته امرک بیدک فقالت انت طالق ثلاثا فقال ابن عباس خطاء الله نوء هالو قالت ،انا طالق ثلاثا لکان کما قالت (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۵۵ ما قالوا فیہ اذا جعل امر امرأته بیدھا فتقول انت طالق ثلاثا، ج رابع ،ص۹۰،نمبر۱۸۰۸۲)اس اثر میں ہے کہ عورت نے تین طلاق دی تو حضرت عبداللہ ابن عباس نے تینوں واقع کی۔البتہ چونکہ اس میں بھی عورت کو طلاق دینے کا مالک بنایا ہے اس لئے مجلس کے ساتھ خاص ہوگی۔

[۱۹۶۰](۷۶)اور اگر عورت سے کہا اپنے آپ کو طلاق دے دو جب چاہو تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے کو طلاق دے مجلس میں اور اس کے بعد۔

تشریح اس عبارت میں صرف اتنا نہیں کہا کہ اپنے آپ کو طلاق دے بلکہ کہا کہ جب چاہو طلاق دے لو تو مجلس کے بعد بھی طلاق دے سکتی ہے۔

وجہ متی شئت جب چاہو کا لفظ مجلس اور غیر مجلس کے لئے عام ہے۔اس لئے مجلس کے بعد بھی طلاق دے سکتی ہے۔

[۱۹۶۱](۷۷)اگر کسی آدمی سے کہا میری بیوی کو طلاق دے دو تو اس کو اختیار ہے کہ طلاق دے مجلس میں اور مجلس کے بعد بھی۔

وجہ بیوی کے علاوہ دوسرے آدمی کو طلاق دینے کے لئے کہا تو یہ مالک بنانا نہیں ہے بلکہ طلاق دینے کا وکیل بنانا ہے۔اور وکالت مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہوتی اس لئے مجلس کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ طلاق کا مالک بنانا مجلس کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔اور طلاق دینے کا وکیل بنانا مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

[۱۹۶۲](۷۸)اور اگر کہا بیوی کو طلاق دو اگر چاہو تو اس کو طلاق دے سکتا ہے مجلس میں خاص طور پر۔

تشریح کسی آدمی سے شوہر نے کہا کہ اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دیدے۔تو اس صورت میں صرف مجلس تک طلاق دینے کا اختیار رہے گا

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔پس عورت نے کہا تجھ کو طلاق ہے تین۔تو ابن عباس نے فرمایا اللہ اس کو سزا دے اگر عورت کہتی مجھ کو طلاق ہیں تین تو ایسے ہی ہوتا جیسی کہتی۔

قال طلقها ان شئت فله ان يطلقها في المجلس خاصة [۱۹۶۳] (۷۹) وان قال لها ان كنت تحبيني او تبغضيني فانت طالق فقالت انا احبک او ابغضک وقع الطلاق وان كان في قلبها خلاف ما اظهرت [۱۹۶۴] (۸۰) وان طلق الرجل امرأته في مرض موته طلاقا

مجلس کے بعد نہیں۔

وجہ ان شئت کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر مصلحت سمجھیں تو ابھی طلاق دے دیں اس لئے یہ اختیار مجلس کے ساتھ خاص ہوگا۔ اور مجلس ہی میں طلاق دے سکے گا بعد میں نہیں۔

[۱۹۶۳] (۷۹) اگر عورت سے کہا کہ تم مجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہو تو تجھے طلاق ہے۔ پس عورت نے کہا میں تم سے محبت رکھتی ہوں یا بغض رکھتی ہوں تو طلاق واقع ہوگی اگر چہ اس کے دل میں اس کے خلاف ہو جو ظاہر کیا۔

تشریح شوہر نے عورت سے کہا کہ اگر تم کو مجھ سے محبت ہے تو تم کو طلاق۔ اس پر عورت نے کہا کہ مجھ کو تم سے محبت ہے اور دل میں نفرت تھی پھر بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

وجہ دل کے اندر کیا ہے اس پر فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ زبان سے جو جملہ نکلا اس پر فیصلہ ہوگا۔ اور زبان سے یہ نکلا کہ مجھ کو تم سے محبت ہے اس لئے طلاق واقع ہو جائے گی (۲) اثر میں ہے کہ جو ظاہر ہو اس کا اعتبار ہے جو پوشیدہ ہو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ عن الشعبی قال النية فيما خفي فاما فيما ظهر فلا نية فيه. دوسرے اثر میں ہے. عن الحسن في رجل طلق امرأته واحدة ينوي ثلاثا قال هي واحدة (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۶ ما قالوا فی رجل یطلق امرأتہ واحدۃ ینوی ثلاثا، ج رابع، ص ۱۱۵، نمبر ۱۸۳۶۱/۱۸۳۶۲) اس اثر میں ہے کہ طلاق ایک دی ہو اور تین کی نیت کی ہو تو ایک واقع ہوگی تین نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ لفظ کا اعتبار ہے دل کے تاثر کا نہیں۔

[۱۹۶۴] (۸۰) اگر شوہر نے اپنی بیوی کو اپنے مرض الموت میں طلاق بائن دی پھر مر گیا اس حال میں کہ وہ عدت میں تھی تو شوہر کا وارث بنیگی۔

تشریح شوہر مرض الموت میں مبتلا تھا اس حال میں بیوی کو طلاق بائنہ دی۔ ابھی وہ عدت ہی میں تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا تو عورت شوہر کے مال کا وارث ہوگی۔ طلاق کی وجہ سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

وجہ اثر میں ہے کہ وہ وارث ہوگی۔ فقال عبد الله بن زبير طلق عبد الرحمن بن عوف تماضر بنت الاصبغ الكلبية فبتها ثم مات وهي في عدتها فورثها عثمان قال ابن الزبير واما انا فلا ارى ان ترث مبتوتة (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا نیت کی ضرورت اس میں ہے جو پوشیدہ ہو۔ بہر حال جو ظاہر ہو اس میں نیت کی ضرورت نہیں۔ دوسرے اثر کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت حسن نے فرمایا کوئی آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دے اور تین کی نیت کرے تو ایک طلاق واقع ہوگی (ب) حضرت عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا کہ عبد الرحمن بن عوف نے تماضر بنت اصبغ کلبیہ کو طلاق بائنہ دی پھر وفات پا گئے اس حال میں کہ وہ اپنی عدت میں تھی۔ تو حضرت عثمان نے اس کو وارث بنایا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا بہر حال میں تو نہیں سمجھتا ہوں کہ بائنہ عورت کو وارث بناؤں۔

بائنا فمات وھی فی العدۃ ورثت منہ[۱۹۶۵](۸۱) وان مات بعد انقضاء عدتھا فلا میراث لھا[۱۹۶۶](۸۲) واذا قال لامرأتہ انت طالق ان شاء اللہ تعالی متصلا لم یقع

توریث المبتوتۃ فی مرض الموت ج سابع ص ۵۹۳، نمبر ۱۵۱۲۴ مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۰۱ ما قالوا فی الرجل یطلق امرأتہ ثلاثا وھو مریض ھل ترثہ؟ ج رابع ص ۱۷۶، نمبر ۱۹۰۲۸ مصنف عبد الرزاق، باب المطلقۃ یموت عنھا زوجھا وھی فی عدتھا اوتموت فی العدۃ ج سادس ص ۷۰، نمبر ۱۱۷۰۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت عدت میں ہو تو وارث بنے گی (۲) شوہر طلاق دے کر عورت کو اپنی وراثت سے محروم کرنا چاہتا تھا لیکن شریعت نے اس کی بات نہیں چلنے دی اور وارث بنایا (۳) عدت تک بیوی کسی نہ کسی انداز میں بیوی رہتی ہے اس لئے اس کو بیوی مان کر وارث بنایا۔ اور عدت کے بعد بالکل جدا ہو جاتی ہے اس لئے اب اس کو وراثت نہیں ملے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بائنہ عورت وارث نہیں ہوگی۔

وجہ اس لئے کہ وہ شوہر سے الگ ہوگئی (۲) اوپر اثر میں حضرت ابن زبیر کا یہ قول گزرا کہ **واما انا فلا اری ان ترث مبتوتۃ** (سنن للبیہقی ج سابع ص ۵۹۴، نمبر ۱۵۱۲۴) جس سے معلوم ہوا کہ مبتوتہ وارث نہیں ہوگی۔

[۱۹۶۵](۸۱) اور اگر مر گیا اس کی عدت ختم ہونے کے بعد تو اس کو میراث نہیں ملے گی۔

وجہ عدت گزرنے کے بعد بالکل جدا ہو جاتی ہے چاہے طلاق بائنہ ہو چاہے طلاق رجعی، اس لئے اب اس کو وراثت نہیں ملے گی (۲) اثر میں ہے۔ **اتانی عروۃ البارقی من عند عمر فی الرجل یطلق امرأتہ ثلاثا فی مرضہ، انھا ترثہ مادامت فی العدۃ ولا یرثھا** (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۰۲ من قال ترثہ مادامت فی العدۃ منہ اذا طلق وھو مریض ج رابع ص ۱۷۷، نمبر ۱۹۰۳۱ سنن للبیہقی، باب ماجاء فی توریث المبتوتۃ فی مرض الموت ج سابع ص ۵۹۵، نمبر ۱۵۱۳۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عدت کے بعد شوہر مرا تو عورت وارث نہیں ہوگی۔

﴿طلاق میں استثناء کا بیان﴾

[۱۹۶۶](۸۲) اگر اپنی عورت سے کہا تجھے طلاق ہے ان شاء اللہ متصلا تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح کسی نے طلاق دینے کے ساتھ ہی متصلا ان شاء اللہ کہا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ (۱) ان شاء اللہ کے معنی ہیں اگر اللہ چاہے۔ اور اللہ کے چاہنے کا پتہ نہیں اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عمر یبلغ بہ النبی قال من حلف علی یمین فقال ان شاء اللہ فقد استثنی** (ب) (ابو داؤد شریف، باب الاستثناء فی الیمین ص ۱۰۸ نمبر ۳۲۶۱ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستثناء فی الیمین ص ۲۷۹ نمبر ۱۵۳۱ ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۱۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان شاء اللہ متصلا کہے تو اس کام سے حانث نہیں ہوگا۔ اور یہی حال طلاق کا ہے۔ **عن ابن عباس ان رسول اللہ قال من قال لامرأتہ**

حاشیہ : (الف) عروہ بارقی حضرت عمر کے پاس سے آئے ایک مرد کے بارے میں، جس نے اپنی بیوی کو مرض میں تین طلاقیں دیں تو عورت کو وارث بنایا جب تک عدت میں ہو اور مرد اس کا وارث نہیں بنے گا (ب) حضورؐ نے فرمایا کسی نے کوئی قسم کھائی پھر کہا ان شاء اللہ تو استثناء کیا۔ یعنی قسم واقع نہیں ہوگی۔

الطلاق علیها[۱۹۶۷](۸۳) وان قال لها انت طالق ثلثا الا واحدة طلقت ثنتین[۱۹۶۸](۸۴) وان قال ثلثا الا ثنتین طلقت واحدة[۱۹۶۹](۸۵) واذا ملک

انت طالق ان شاء الله او غلامه انت حر ان شاء الله او علیه المشی الی بیت الله ان شاء الله فلا شیء علیه (الف) (سنن للبیہقی، باب الاستثناء فی الطلاق والعتق والنذر کھوفی الایمان لا یخالفھاج سابع ،ص ۵۹۳،نمبر ۱۵۱۲۳)اس سے بھی معلوم ہوا کہ ان شاء اللہ کہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اگر ان شاء اللہ متصلا نہیں کہا تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔عن الثوری فی رجل حلف بطلاق امرأته ان لایکلم فلانا شهرا ثم قال بعد ذلک الا ان یبدو لی قال ان اتصل الکلام فله الاستثناء وان قطعه وسکت ثم استثنی بعد ذلک فلا اتثناء له (ب)(مصنف عبد الرزاق،باب الاستثناء فی الطلاق ج سادس،ص ۳۸۵،نمبر ۱۱۳۰۵)عن ابن عمر قال کل استثناء غیر موصول فصاحبه حانث (دار قطنی، کتاب الوکالۃ ج رابع ص ۹۴ نمبر ۴۲۸۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ان شاء اللہ منفصلا کہے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔یہ تو بعد میں بات کو پھیرنا ہے۔

[۱۹۶۷](۸۳)اگر بیوی سے کہا تم کو طلاق ہے تین مگر ایک تو طلاق واقع ہوگی دو۔

وجہ تین طلاق میں سے ایک کو استثناء کر کے ساقط کر دیا تو دو طلاقیں رہیں اس لئے دو طلاقیں ہی واقع ہوں گی (۲) حدیث میں ایسا استثناء ہے۔عن ابی هریرة ان رسول الله قال ان لله تسعة وتسعین اسما مائة الا واحدا من احصاها دخل الجنة (ج)(بخاری شریف،باب ان للہ مائۃ اسم الا واحدۃ ص ۱۰۹۹ نمبر ۷۳۹۲،کتاب التوحید رمسلم شریف، باب فی اسماء اللہ تعالی وفضل من احصاھا ص ۳۴۲ نمبر ۲۶۷۷)اس حدیث میں سو میں سے ایک کو استثناء کیا جس کی بنا پر ننانوے نام باقی رہے۔

[۱۹۶۸](۸۴)اور اگر کہا تین طلاقیں مگر دو تو واقع ہوگی ایک۔

تشریح شوہر نے کہا تم کو تین طلاقیں ہیں مگر دو تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

وجہ اس لئے کہ تین میں سے دو کو استثناء کر دیا تو ایک باقی رہی۔اس لئے ایک طلاق واقع ہوگی۔حدیث اوپر گزر گئی۔

اصول استثناء کرنے کے بعد جو باقی رہتا ہے اعتبار اس کا ہوتا ہے۔

[۱۹۶۹](۸۵)اگر شوہر اپنی بیوی کا مالک بن جائے یا اس کے ایک حصے کا یا بیوی اپنے شوہر کا مالک بن جائے یا اس کے ایک حصے کا تو دونوں کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جس نے اپنی بیوی سے کہا تم کو طلاق ہے ان شاء اللہ۔یا غلام سے کہا تم آزاد ہو ان شاء اللہ۔یا مجھ کو بیت اللہ تک جانا ہے ان شاء اللہ تو اس پر کچھ نہیں ہے (ب) حضرت ثوری نے فرمایا کوئی آدمی بیوی کو طلاق دینے کی قسم پر کہے کہ فلاں سے ایک ماہ بات نہیں کروں گا۔پھر اس کے بعد کہا مگر یہ کہ میرا جی چاہے۔فرمایا اگر متصلا کہا تو اس کے لئے استثناء ہے۔اور اگر منقطع کر دیا اور چپ رہا پھر اس کے بعد استثناء کیا تو اس کے لئے استثناء نہیں ہے (ج) آپ نے فرمایا اللہ کے لئے ننانوے نام ہیں، سو مگر ایک۔جو ان کو گنے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

الزوج امرأته او شقصا منها او ملکت المرأة زوجها او شقصا منه وقعت الفرقة بینهما.

تشریح شوہر آزاد تھا اور باندی بیوی سے شادی کی تھی، بعد میں اس کو خرید لیا یا وارث بن گیا جس کی وجہ سے شوہر اس کے ایک حصے کا مالک بن گیا۔ یا بیوی آزاد تھی اس نے غلام سے شادی کی۔ بعد میں بیوی نے شوہر کو یا اس کے ایک حصے کو خرید لیا جس کی وجہ سے وہ شوہر کا یا اس کے ایک حصے کا مالک بن گئی تو ان چاروں صورتوں میں نکاح ٹوٹ جائے گا۔

وجہ بیوی اور شوہر کے حقوق میں برابری ہوتی ہے۔ اور مالک اور مملوک میں بہت تفاوت ہوتا ہے اس لئے مالک بنتے ہی نکاح ٹوٹ جائے گا (۲) اثر میں ہے۔ عن علی ان امرأة ورثت من زوجها شقصا فرفع ذلک الی علی فقال هل غشيتها قال: لا كنت غشيتها رجمتک بالحجارة ثم قال هو عبدک ان شئت بعتیه وان شئت وهبتیه وان شئت اعتقتیه وتزوجتیه (الف) (سنن للبیہقی، باب النکاح وملک الیمین لا یجتمعان ج سابع، ص ۲۰۷، نمبر ۱۳۷۳۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نکاح ٹوٹ جائے گا۔ حضرت عمرؓ سے بھی اسی قسم کا اثر ہے (سنن للبیہقی ج سابع، ص ۲۰۷، نمبر ۱۳۷۳۶)

حاشیہ: (الف) حضرت علی سے منقول ہے ایک عورت وارث ہوئی اپنے شوہر کے ایک حصے کا تو یہ معاملہ حضرت علی کے پاس لایا تو پوچھا کیا تم نے اس سے صحبت کی ہے؟ کہا نہیں! حضرت علی نے فرمایا اگر تم اس سے صحبت کرتے تو میں تم کو پتھر سے رجم کرتا۔ پھر کہا یہ تیرا غلام ہے، اگر چاہے تو اس کو بیچ دو اور چاہو تو ہبہ کر دو اور چاہو تو اس کو آزاد کر دو اور شادی کر لو۔

﴿باب الرجعة﴾

[۱۹۷۰](۱)اذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها فی عدتها

﴿ باب الرجعة ﴾

ضروری نوٹ بیوی کو ایک طلاق یا دو طلاق رجعی دے اور عدت کے اندر شوہر اس کو واپس کرے اس کو رجعت کرنا کہتے ہیں۔طلاق بائنہ میں رجعت نہیں کرسکتا۔اس کی دلیل یہ آیت ہے۔وبعولتهن احق بردهن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا(الف)(آیت ۲۲۸ سورۃ البقرۃ ۲) دوسری آیت میں ہے۔الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان(ب)(آیت ۲۲۹ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں فامساک بمعروف یعنی معروف کے ساتھ روک لو کا مطلب ہے کہ رجعت کرلو(۳) حدیث میں ہے۔سمعت ابن عمر قال طلق ابن عمر امرأته وهی حائض فذكر عمر للنبی ﷺ فقال ليراجعها (ج)(بخاری شریف، باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلک الطلاق ص ۷۹۰ نمبر ۵۲۵۲) اس حدیث میں رجعت کا حکم دیا۔جس سے رجعت کا ثبوت ہوا۔

[۱۹۷۰](۱) اگر شوہر نے بیوی کو ایک طلاق رجعی دی یا دو طلاقیں رجعی دی تو اس کو اختیار ہے کہ اس سے رجعت کرلے عدت میں،عورت راضی ہو اس سے یا راضی نہ ہو۔

تشریح شوہر نے بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاق رجعی دی۔اب وہ عدت کے اندر اندر عورت سے رجعت کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔اس رجعت پر عورت راضی ہو یا نہ ہو۔

وجہ ایک یا دو طلاقیں رجعی دی ہو تو اس پر رجعت کرسکتا ہے اس کی دلیل اوپر کی آیت الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان ہے۔جس میں ہے کہ دو طلاقیں دی ہو تو معروف کے ساتھ روک سکتا ہے۔اور عدت کے اندر اندر رجعت کرسکتا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔فاذا بلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف واشهدوا ذوی عدل منكم(د)(آیت ۲ سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت میں ہے کہ اجل پر یعنی مدت پر پہنچ جائے یعنی عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو دو اختیار ہیں۔ایک روک لینا اور دوسرا چھوڑ دینا۔اس لئے عدت ختم ہوجائے تو اب رجعت نہیں کرسکتا(۲) اثر میں ہے۔عن ابن عباس وعن مرة عن عبد الله وعن اناس من اصحاب رسول الله ﷺ فذكر التفسير الى قوله الطلاق مرتان قال هو الميقات الذی يكون عليها فيه الرجعة فاذا طلق واحدة او ثنتين فاما ان يمسك ويراجع بمعروف واما يسكت عنها حتى تنقضی عدتها فتكون احق بنفسها (ه)(سنن للبیہقی، کتاب الرجعۃ ج سابع ص ۶۰۱ نمبر ۱۵۱۵۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۵۱، ما قالوا فی قولہ الطلاق مرتان

حاشیہ : (الف) ان کے شوہر زیادہ حقدار ہیں بیویوں کے واپس کرنے کے اس عدت میں اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں (ب) طلاق دو مرتبہ ہیں، پس معروف کے ساتھ روک رکھے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دے (ج) ابن عمر نے فرمایا کہ انہوں نے حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دی، پس حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے سامنے تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا اس کو رجعت کرلینا چاہئے (د) پس جب وہ اپنی مدت کو پہنچ گئی تو اس کو روک لو معروف کے ساتھ یا اس کو جدا کردو معروف کے ساتھ۔اور تم میں سے انصاف ور آدمی کو گواہ بنانا چاہئے (ه) طلاق دو مرتبہ ہیں، فرمایا وہ وقت ہے جس میں رجعت ہوسکتی ہے۔پس جب طلاق دے ایک یا دو (باقی اگلے صفحہ پر)

رضیت المرأة بذلک او لم ترض[۱۹۷۱](۲) والرجعة ان یقول لھا راجعتک او راجعت امرأتی او یطأھا او یقبلھا او یلمسھا بشھوة او ینظر الی فرجھا بشھوة[۱۹۷۲](۳) ویستحب له ان یشھد علی الرجعة شاھدین وان لم یشھد صحت

فامساک بمعروف اوتسریح باحسان ج رابع ،ص ۱۹۶،نمبر۱۹۲۱۱)اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ عدت کے اندر اندر رجعت کر سکتا ہے اس کے بعد نہیں۔اور عورت راضی نہ ہو تب بھی رجعت کر سکتا ہے اس کی دلیل۔

وجہ اوپر کی آیت میں ہے۔فامسکوھن بمعروف جس میں مرد کو کہا گیا ہے کہ تم بیوی کو روک سکتے ہو۔جس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی روکنے میں اس کو پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے(۲)اثر میں ہے۔عن ابراھیم قال اذا ادعی الرجعة قبل انقضاء العدة فعلیه البینة (الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۴۹ ما قالوا فی الرجل یدعی الرجعۃ قبل انقضاء العدۃ ج رابع ،ص ۱۹۵،نمبر۱۹۲۰۵)اس اثر میں ہے کہ مرد عدت ختم ہونے سے پہلے رجعت کرنے کا دعوی کرے تو اس پر بینہ لازم ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ رجعت کرنے کے لئے عورت کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

[۱۹۷۱](۲)اور رجعت یہ ہے کہ عورت سے کہے میں نے تجھ سے رجعت کر لی ،میں نے اپنی بیوی سے رجعت کر لی۔یا اس سے صحبت کر لے یا اس کو بوسہ دیدے یا اس کو شہوت سے چھولے یا اس کے فرج کو شہوت سے دیکھ لے۔

تشریح ان چھ صورتوں میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرے گا تو رجعت ہو جائے گی۔

وجہ رجعتک اور راجعت امرأتی تو رجعت کے معنی میں صریح ہے اس لئے رجعت ہو جائے گی۔اور وطی کرنا ،بوسہ دینا ،شہوت سے چھونا ،شہوت سے فرج دیکھنا یہ بیوی کے ساتھ خاص ہیں اس لئے ان سے بھی رجعت ہو جائے گی۔کیونکہ رجعت کرنا نہ ہوتا تو خصوصی حرکت کیوں کرتا۔

[۱۹۷۲](۳)اور مستحب ہے کہ رجعت پر دو گواہ بنالے۔اور اگر گواہ نہ بنایا پھر بھی رجعت صحیح ہے۔

وجہ اوپر آیت میں ہے۔واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادة لله (آیت ۲ سورۃ الطلاق ۶۵)اس آیت میں ہے کہ رجعت کرنے پر یا چھوڑنے پر گواہ بنالے ،جس سے گواہ بنانا مستحب ہوا۔اور اگر گواہ نہیں بنایا پھر بھی رجعت صحیح ہے ،اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن عبد الله قال اذا طلق سرا راجع سرا ذلک رجعة فان واقع فلا بأس وان طلق علی نیته وراجع فلیشھد علی رجعته (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۵۲ ما قالوا اذا طلق سرا وراجع سرا ج رابع ،ص ۱۹۷،نمبر ۱۹۲۱۸)اس اثر میں ہے کہ چپکے سے رجعت کر لی اور

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پس یا تو روک لے اور رجعت کر لے معروف کے ساتھ یا چپ رہے یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے۔پس عورت اپنی ذات کی زیادہ حقدار ہے(الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا عدت ختم ہونے سے پہلے رجعت کا دعوی کرے تو شوہر پر بینہ لازم ہے(ب) حضرت عبد اللہ نے فرمایا اگر طلاق دی چپکے سے اور رجعت کی چپکے سے تو یہ رجعت ہے۔پس اگر صحبت کی تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔اور اگر طلاق دی نیت کے اعتبار سے اور رجعت کی تو اپنی رجعت پر گواہ بنانا چاہئے۔

الرجعة[۱۹۷۳](۴) واذا انقضت العدة فقال الزوج قد کنت راجعتها فی العدة فصدقته فھی رجعة[۱۹۷۴](۵) وان کذبته فالقول قولها ولا یمین علیها عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۱۹۷۵](۶) واذا قال الزوج قد راجعتک فقالت مجیبة له قد انقضت عدتی

گواہ نہ بنایا پھر بھی رجعت ہوگئی اور گواہ بنانا بہتر ہے۔اثر میں ہے۔ان عمران بن الحصین سئل عن رجل یطلق امرأته ثم یقع بها ولم یشهد علی طلاقها ولا علی رجعتها فقال عمران طلقت بغیر سنة وراجعت بغیر سنة اشهد علی طلاقها وعلی رجعتها (الف)(ابن ماجہ شریف، باب الرجعۃ ص ۲۹۰ نمبر ۲۰۲۵ ر ابوداؤد شریف، باب الرجل یراجع ولا یشھد ص ۳۱۸ نمبر ۲۱۸۶)

[۱۹۷۳](۴) اگر عدت ختم ہوگئی پھر شوہر نے کہا کہ میں نے تم سے عدت میں رجعت کی تھی اور عورت نے اس کی تصدیق کر لی تو وہ رجعت ہے۔

تشریح عورت کی عدت ختم ہوگئی اس کے بعد شوہر نے کہا کہ میں نے تم سے عدت میں رجعت کر لی تھی، اور عورت نے اس کی تصدیق کر دی کہ ہاں! آپ نے عدت میں رجعت کر لی تھی تو رجعت ہو جائے گی۔

وجہ بیوی کی تصدیق کے بعد بات پکی ہوگئی کہ اس نے رجعت کی ہے اس لئے رجعت مان لی جائے گی۔

[۱۹۷۴](۵) اور اگر شوہر کو جھٹلا دیا تو عورت کا قول معتبر ہوگا اور اس پر قسم نہیں ہوگی امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح عدت گزرنے کے بعد شوہر نے کہا کہ میں نے عدت ہی میں رجعت کی تھی اور عورت نے اس کو جھٹلا دیا۔اور شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے تو عورت کی بات مانی جائے گی۔

وجہ شوہر مدعی ہے اور عورت منکر ہے اور مدعی پر بینہ لازم ہے، اور اس کے پاس بینہ نہ ہو تو عورت کی بات مانی جائے گی۔لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک قسم اس لئے لازم نہیں ہوگی کہ پانچ مسئلوں میں منکر پر قسم لازم نہیں ہے اس میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے (۲) اثر میں ہے۔عن ابراهیم قال اذا ادعی الرجعة قبل انقضاء العدة فعلیه البینة (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۴۹ ما قالوا فی الرجل یدعی الرجعۃ قبل انقضاء العدۃ ج رابع، ص ۱۹۵، نمبر ۱۹۲۰۵) اس اثر میں ہے کہ شوہر پر بینہ چاہئے، اور اگر بینہ نہیں ہے تو عورت کی بات مانی جائے گی۔

[۱۹۷۵](۶) جب شوہر نے کہا میں نے تجھ سے رجعت کر لی، عورت نے جواب دیتے ہوئے کہا میری عدت گزر چکی ہے تو رجعت صحیح نہیں ہوگی امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح شوہر نے کہا میں نے رجعت کر لی، اسی وقت عورت نے جواب دیا کہ میری عدت گزر چکی ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک رجعت صحیح نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمران بن حصین سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے پھر اس سے جماع کرے اور طلاق پر گواہ نہ بنائے اور نہ رجعت پر گواہ بنائے تو؟ تو حضرت عمران نے فرمایا بغیر سنت کے طلاق دی اور بغیر سنت کے رجعت کی، اپنی طلاق اور رجعت پر گواہ بناؤ (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر رجعت کا دعوی کرے عدت ختم ہونے سے پہلے تو اس پر بینہ ہے۔

لم تصح الرجعت عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[١٩٧٦](٧) واذا قال زوج الامة بعد انقضاء عدتها قد کنت راجعتک فی العدة فصدقه المولی و کذبته الامة فالقول قولها عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[١٩٧٧](٨) واذا انقطع الدم من الحیضة الثالثة لعشرة ایام انقطعت الرجعة وانقضت عدتها وان لم تغتسل وان انقطع الدم لاقل من عشرة ایام

وجہ جب عورت نے کہا کہ میری عدت گزر چکی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ شوہر کے رَجَعْتُ کہنے سے پہلے عدت گزر چکی ہے۔اس لئے رجعت ہوئی بعد میں اور عدت ختم ہوگئی پہلے اس لئے رجعت نہیں ہوگی۔ کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ عدت ختم ہونے کے بعد رجعت نہیں ہوتی۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ شوہر نے رجعت کے لئے کہا ہے اور عورت کا جملہ کہ عدت گزر چکی یہ بعد میں واقع ہوا ہے اس لئے رجعت ہو جائے گی۔

وجہ اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ اس وقت تک عدت ختم نہیں ہوئی ہوگی جب شوہر نے رَجَعْتُ کہا تھا۔

اصول یہ دونوں مسئلے اس اصول پر ہیں کہ عدت ختم ہونے سے پہلے رجعت کرنے سے رجعت ہوگی اور ختم ہونے کے بعد رجعت نہیں ہوگی۔

[١٩٧٦](٧) اگر باندی کے شوہر نے عدت ختم ہونے کے بعد کہا کہ میں نے تم سے عدت میں رجعت کی تھی۔ پس مولی نے اس کی تصدیق کی اور باندی نے اس کی تکذیب کی تو باندی کے قول کا اعتبار ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

وجہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ رجعت صحیح ہونے کا مدار عدت پر ہے۔اور عدت ختم ہوئی یا نہیں ہوئی اس میں باندی کے قول کا اعتبار ہے۔اس لئے رجعت میں تصدیق اور تکذیب کا اعتبار باندی کا ہوگا۔یعنی وہ کہتی ہے کہ عدت میں رجعت نہیں کی بلکہ عدت کے بعد رجعت کی ہے تو اسی کی بات کا اعتبار ہوگا اور رجعت صحیح نہیں ہوگی۔ چاہے آقا کہتا ہو کہ عدت ہی میں رجعت ہوئی تھی کیونکہ اس کو عدت ختم ہونے اور نہ ہونے کا کیا پتہ ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ مولی کی بات کا اعتبار ہے۔

وجہ شوہر کی طلاق کے بعد بضع آقا کا حق گیا تو گویا کہ شوہر بضع حاصل کرنے کا مدعی ہوا اور آقا اس کا منکر ہوا۔اور بینہ نہ ہو تو منکر کی بات مانی جاتی ہے اس لئے آقا کی بات مانی جائے گی۔

[١٩٧٧](٨) اور جب خون منقطع ہو جائے تیسرے حیض سے دس دن میں تو رجعت ختم ہو جائے گی اور پوری ہو جائے گی اس کی عدت اگر چہ غسل نہ کیا ہو۔اور اگر خون منقطع ہو جائے دس دن سے کم میں تو رجعت ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ غسل کرے یا اس پر نماز کا وقت گزر جائے یا تیمم کر کے نماز پڑھے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔اور امام محمدؒ نے فرمایا جب تیمم کیا تو رجعت منقطع ہو جائے گی چاہے نماز نہ پڑھی ہو۔

وجہ زیادہ سے زیادہ حیض دس دن ہے اس لئے دس دن پورے ہونے کے بعد اب حیض کا خون آنے کا امکان نہیں ہے۔اس لئے دس دن پر

لم تنقطع الرجعة حتى تغتسل او يمضى عليها وقت صلوة او تيمم وتصلى عند ابى حنيفة وابى يوسف رحمهما الله وقال محمد رحمه الله تعالى اذا تيممت المرأة انقطعت الرجعة وان لم تصل[۱۹۷۸](۹) وان اغتسلت ونسيت شيئا من بدنها لم يصبه الماء فان كان عضوا كاملا فما فوقه لم تنقطع الرجعة وان كان اقل من عضو انقطعت الرجعة

عدت ختم ہو جائے گی۔ اب غسل کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر دس دن سے کم میں حیض کا خون منقطع ہوا تو ابھی خون آنے کا امکان ہے اس لئے غسل کرے تو معلوم ہوگا کہ اب حیض کا خون نہیں آئے گا۔

وجہ اس اثر میں ہے۔ **عن عمرو عبد الله قالا هو احق بها حتى تغتسل من الحيضة الثالثة** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۸۰ من قال هو احق برجعتها مالم تغتسل من الحيضة الثالثة ج رابع، ص ۱۶۴، نمبر ۱۸۸۹۱) دوسری صورت یہ ہے کہ اس عورت پر نماز کا ایک وقت گزر جائے۔ چونکہ نماز کا وقت گزرنے سے اللہ کا حکم لازم ہو گیا اس لئے بندے کا حق بھی اس کے ساتھ متعلق ہو جائے گا۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ تیمم کرے اور نماز پڑھے تب عدت ختم ہوگی۔

وجہ تنہا تیمم غسل کے قائم مقام ضرور ہے لیکن وہ ضرورت کے تحت ہے اس لئے تیمم کے بعد نماز پڑھے گی تو اللہ کی ذمہ داری اس پر آ گئی اس لئے اب عدت ختم ہوگی۔

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ پانی پر قدرت نہ ہونے کی حالت میں تیمم اصل ہے اس لئے جس طرح غسل کر لے تو عدت ختم ہو جاتی ہے اسی طرح صرف تیمم کر لے تو عدت ختم ہو جائے گی (۲) دس دن حیض ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابى امامة قال قال رسول الله اقل ما يكون من الحيض للجارية والبكر الثيب ثلاث واكثر ما يكون من المحيض عشرة ايام فاذا رأت الدم اكثر من عشرة ايام فهى مستحاضة** (ب) (دار قطنی، کتاب الحیض ج اول ص ۲۲۵ نمبر ۸۳۵) اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ سے زیادہ دس دن ہیں۔ اس لئے اس پر خون ختم ہوا تو ختم ہوتے ہی عدت پوری ہو جائے گی۔

[۱۹۷۸] (۹) اور اگر غسل کیا اور بدن میں سے کچھ حصہ بھول گئی جس پر پانی نہیں بہا، پس اگر پورا عضو ہو یا اس سے زیادہ ہو تو رجعت ختم نہیں ہوگی۔ اور اگر ایک عضو سے کم ہو تو رجعت ختم ہو جائے گی۔

تشریح دس دن سے کم میں حیض کا خون ختم ہوا اس لئے مکمل غسل کرنے پر عدت ختم ہوگی۔ اس نے غسل تو کیا لیکن مکمل ایک عضو پر پانی بہانا بھول گئی تو گویا کہ غسل کیا ہی نہیں۔ اس لئے شوہر کو ابھی رجعت کرنے کا حق ہوگا۔ اور ایک عضو سے کم خشک رہا تو چونکہ بہت کم خشک رہا اور اتنے عضو پر جلدی خشکی آ سکتی ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اور یوں سمجھا جائے گا کہ غسل مکمل کر لیا اس لئے اب رجعت کرنے کا حق نہیں

حاشیہ : (الف) حضرت عمر اور عبد اللہ نے فرمایا شوہر کو رجعت کا زیادہ حق ہے یہاں تک کہ تیسرے حیض کا غسل کرے (ب) آپ نے فرمایا باکرہ اور ثیبہ عورت کی کم سے کم حیض کی مدت تین حیض ہے۔ اور زیادہ حیض دس دن ہیں۔ پس جب دس دن سے زیادہ خون دیکھے تو وہ مستحاضہ ہے۔

[۱۹۷۹](۱۰) والمطلقة الرجعية تتشوّف وتتزيّن[۱۹۸۰](۱۱) ويستحب لزوجها ان لا يدخل علها حتى يستأذنها اويسمعها خفق نعليه[۱۹۸۱](۱۲) والطلاق الرجعی

ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غسل مکمل کرلیا ہو تو رجعت کرنے کا وقت ختم ہوگیا۔ اور غسل مکمل نہیں کیا ہو تو ابھی رجعت کرنے کا وقت ہے۔

[۱۹۷۹](۱۰) مطلقہ رجعی بناؤ سنگھار کرے گی اور زینت اختیار کرے گی۔

وجہ مطلقہ رجعیہ کا نکاح قائم ہے اس لئے بہتر ہے کہ بناؤ سنگھار کرے تو شوہر رجعت کرلے اور ازدواجی زندگی بحال ہوجائے (۲) اثر میں ہے۔عن ابراهيم فی الرجل يطلق امرأته طلاقا يملک الرجعة قال تكتحل وتلبس المعصفر وتشوف له ولا تضع ثيابها (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸۸ ما قالوا فيه اذا طلقها طلاقا يملك الرجعة تشوف وتزين له ج رابع ص ۱۶۹، نمبر ۱۸۹۴۸) اس اثر میں ہے کہ مطلقہ رجعیہ بناؤ سنگھار کرے گی۔

لغت تشوف : بناؤ سنگھار کرنا۔

[۱۹۸۰](۱۱) اور مستحب ہے اس کے شوہر کے لئے یہ کہ نہ داخل ہو اس پر یہاں تک کہ اس سے اجازت لے لے یا اس کو جوتے کی آواز سنادے۔

تشریح مطلقہ رجعیہ شوہر کے گھر میں عدت گزار رہی ہو تو جب تک اس سے اجازت نہ لے لے، یا اس کو جوتے کی آواز سنا کر اپنے آنے کی اطلاع نہ دے، گھر میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔

وجہ تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ ستر کھولی ہوئی ہو اور اس پر اچانک شہوت کی نظر پڑ جائے جس سے رجعت ہوجائے گی اور بعد میں پھر طلاق دے گا تو عدت لمبی ہوگی۔ اس لئے اطلاع دے کر گھر میں داخل ہو تاکہ خواہ مخواہ رجعت نہ ہوجائے (۲) اثر میں ہے۔ عن عبد الله بن عمر قال طلق ابن عمر امرأته تطليقة فكان يستأذن عليها اذا اراد ان يمر (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب استأذن عليها ولم يبتهاج سادس ص ۳۲۳ نمبر ۱۱۰۲۳ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸۶، ما قالوا فی المطلقة يستأذن عليها زوجها ام لا؟ ج رابع، ص ۱۶۸، نمبر ۱۸۹۳۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مطلقہ رجعیہ پر اطلاع کے بغیر داخل ہونا نہیں چاہئے۔

لغت خفق نعليه : جوتے کی آواز۔

[۱۹۸۱](۱۲) طلاق رجعی صحبت حرام نہیں کرتی۔

تشریح طلاق رجعی دے تو اس میں بیوی سے وطی کرسکتا ہے۔ لیکن جیسے ہی وطی کرے گا تو رجعت بھی ہوجائے گی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا کوئی آدمی اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے تو وہ سرمہ لگائیگی، عصفر میں رنگا کپڑا پہنے گی، بناؤ سنگھار کرے گی، اور اپنا کپڑا شوہر کے سامنے نہیں اتارے گی (ب) حضرت عبد اللہ ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو میں اس سے اجازت لیتا تھا جب وہاں سے گزرنا چاہتا تھا۔

لایحرِّم الوطی[۱۹۸۲] (۱۳) وان کان طلاقا بائنا دون الثلث فله ان یتزوجها فی عدتها وبعد انقضاء عدتها[۱۹۸۳] (۱۴) وان کان الطلاق ثلثا فی الحرة او اثنتین فی الامة لم

وجہ اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن الزھری وقتادة قالا لتشوف الی زوجھا (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب ما یحل لہ منھا قبل ان یراجعھا ج سادس ص ۳۲۵ نمبر ۱۱۰۳۳) اس اثر میں ہے کہ عورت شوہر کے لئے زینت کرے، اور زینت اسی لئے کرے کہ شوہر بیوی سے صحبت کرے۔اس لئے رجعت کرنے سے پہلے بھی صحبت کرسکتا ہے۔اور یہی صحبت رجعت ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رجعت سے پہلے مطلقہ رجعیہ سے صحبت نہیں کرسکتا۔

وجہ (۱) طلاق دینے کی وجہ سے وہ بیوی نہیں ہے جب تک کہ رجعت کرکے بیوی نہ بنا لے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔قلت لعطاء ما یحل للرجل من امرأته یطلقھا فلا یبیتھا ؟ قال لا یحل له منھا شیء مالم یراجعھا و عمرو (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب ما یحل لہ منھا قبل ان یراجعھا ج سادس، ص ۳۲۵ نمبر ۱۱۰۳۰ ر سنن للبیہقی، باب الرجعیة لحرمة علیه تحریم المبتوتة حتی یراجعھا ج سابع ص ۶۱۰، نمبر ۱۵۱۸۶) اس اثر میں ہے کہ رجعت کرنے سے پہلے شوہر کے لئے بیوی کے ساتھ کچھ کرنا حلال نہیں ہے۔

[۱۹۸۲] (۱۳) اور اگر طلاق بائن ہو تین سے کم تو شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی سے شادی کرے عدت میں اور عدت ختم ہونے کے بعد۔

تشریح شوہر نے بیوی کو طلاق بائنہ دی لیکن تین طلاقوں سے کم دی۔ایک طلاق بائنہ دی یا دو طلاق بائنہ دی تو جب عدت گزار رہی ہے اس وقت بھی شوہر اس سے شادی کرسکتا ہے اور عدت ختم ہو جائے تب بھی شادی کرسکتا ہے۔

وجہ تین طلاق یعنی طلاق مغلظہ دی ہو تو دوسرے شوہر سے شادی کئے بغیر حلال نہیں ہوگی۔لیکن اس سے کم دی ہو تو یہ شوہر کسی وقت بھی اس سے شادی کرسکتا ہے۔چاہے عدت کے وقت ہو چاہے عدت کے بعد ہو۔کیونکہ اگر عورت کے پیٹ میں بچہ ہوگا تو اسی شوہر کا بچہ ہے اس لئے نسل کے اشتباہ کا مسئلہ بھی نہیں رہے گا۔اس لئے عدت میں بھی شادی کرسکتا ہے (۲) آیت میں ہے۔الطلاق مرتان فامسان بمعروف او تسریح باحسان (ج) (آیت ۲۲۹ سورة البقرة ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاق کے بعد معروف کے ساتھ روک سکتا ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ دو طلاق بائنہ دی ہو تو عدت میں بیوی سے نئی شادی کرکے روک سکتا ہے۔

[۱۹۸۳] (۱۴) اور اگر تین طلاقیں دی ہو آزاد میں یا دو طلاقیں دی ہو باندی میں تو حلال نہیں ہوگی اس کے لئے یہاں تک کہ دوسرے سے شادی کرے نکاح صحیح، اور اس سے صحبت کرے پھر اس کو طلاق دے یا مر جائے۔

تشریح آزاد عورت تین طلاقوں سے مغلظہ ہوتی ہے اور باندی دو طلاقوں سے مغلظہ ہوتی ہے۔اس لئے آزاد کو تین طلاقیں دے یا باندی کو دو طلاقیں دے تو عدت گزارنے کے بعد دوسرے آدمی سے شادی کرے۔پھر وہ صحبت کرے، پھر وہ طلاق دے یا مر جائے تب اس کی عدت

حاشیہ : (الف) حضرت زہری اور قتادہ نے فرمایا رجعی مطلقہ شوہر کے لئے زینت اختیار کرے (ب) میں عطاء سے پوچھا مرد کے لئے عورت سے کیا حلال ہے جبکہ طلاق بائنہ نہ دی ہو؟ فرمایا اس کا کچھ حلال نہیں ہے جب تک اس سے رجعت نہ کرے، اور حضرت عمرؓ نے بھی فرمایا (ج) طلاق دو مرتبہ ہے، پس روک لے معروف کے ساتھ یا احسان کے ساتھ چھوڑ دے۔

تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها

[۱۹۸۴](۱۵) والصبی المراهق فی التحلیل کالبالغ.

گزار کر پہلے شوہر سے شادی کر سکتی ہے۔اور پہلے شوہر کے لئے حلال ہو سکتی ہے۔

وجہ دوسرے شوہر سے شادی کرنے کی دلیل یہ آیت ہے۔**فان طلاقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره** (آیت ۲۳۰ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ تیسری طلاق کے بعد جب تک دوسرے شوہر سے شادی نہ کرے پہلے کے لئے حلال نہیں ہوگی۔اور دوسرے شوہر کی وطی کئے بغیر حلال نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن عائشة ان رجلا طلق امرأة ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی علیہ السلام اتحل للاول؟ قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول** (الف) (بخاری شریف، باب من جوز الطلاق الثلاث ص ۷۹۱ نمبر ۵۲۶۱ر مسلم شریف، باب لاتحل المطلقة ثلاثا لمطلقها حتی تنکح زوجا غیرہ ویطأھا ثم یفارقھا وتنقضی عدتھا ص ۴۷۷ نمبر ۱۴۳۳ر ابوداؤد شریف، نمبر ۲۳۰۹ر ترمذی شریف، نمبر ۱۱۱۸) اس حدیث مشہور سے معلوم ہوا کہ صحبت کئے بغیر پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔اور باندی دو طلاقوں سے مغلظہ ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن عائشة عن النبی علیہ السلام قال طلاق الامة تطلیقتان وقروئها حیضتان** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی سنۃ طلاق العبد ص ۳۰۴ نمبر ۲۱۸۹ر ترمذی شریف، باب ماجاء ان طلاق الامۃ تطلیقتان ص ۲۲۳ نمبر ۱۱۸۲ر ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۰۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باندی دو طلاقوں سے مغلظہ ہو جائے گی۔

[۱۹۸۴](۱۵) قریب البلوغ لڑکا حلال کرنے میں بالغ کی طرح ہے۔

تشریح جس طرح بالغ مرد سے نکاح کر کے وطی کرائے تو عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جاتی ہے اسی طرح وہ لڑکا جو ابھی بالغ تو نہیں ہوا ہے لیکن بالغ ہونے کے قریب ہے اس سے نکاح کر کے وطی کرائے تو پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔

وجہ قریب البلوغ لڑکے کو صرف انزال نہیں ہوتا لیکن مرد عورت دونوں کو لذت اتنی ہی حاصل ہوتی ہے جتنی بالغ مرد سے۔اور انزال ہونا حلالہ کے لئے شرط نہیں ہے صرف صحبت کرنا شرط ہے جو یہ لڑکا کرے گا اس لئے اس کی صحبت سے پہلے کے لئے حلال ہو جائے گی (۲) اثر میں ہے، **قلت لعطاء التی یبیتها زوجها ثم یتزوجها غلام لم یبلغ ان یهریق یحلها ذلک لزوجها الاول؟ قال نعم فیما نری** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب ھل یحلھا لہ غلام لم یحتلم ج سادس ص ۳۵۰ نمبر ۱۱۱۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قریب البلوغ لڑکے کی صحبت سے پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی (۲) اس لئے کہ انزال شرط نہیں ہے صرف لذت کے ساتھ وطی شرط ہے جو وہ کرے گا۔

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قریب البلوغ لڑکے کی صحبت سے عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ نے فرمایا کہ آدمی نے بیوی کو تین طلاقیں دی پھر عورت نے شادی کی پھر طلاق دی۔پس حضورؐ سے پوچھا کیا پہلے کے لئے حلال ہے؟ کہا نہیں! یہاں تک کہ اس کا مزہ نہ چکھ لے جیسا کہ پہلے سے چکھا (ب) حضورؐ نے فرمایا باندی کی طلاقیں دو ہیں۔اور عدت بھی دو حیض ہیں (ج) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا جس عورت کو شوہر نے طلاق بائنہ دی پھر اس سے نابالغ لڑکے نے شادی کی کہ انزال نہ کر سکے۔کیا اس کی وطی عورت کو زوج اول کے لئے حلال نہیں کرے گی؟ فرمایا میرا خیال ہے ہاں کرے گی

[۱۹۸۵](۱۶) ووطی المولی امته لایحلها[۱۹۸۶](۱۷) واذا تزوجها بشرط التحلیل

وجہ اثر میں ہے عن الحسن قال لایحلها لیس بزوج (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب ھل یحلھا لہ غلام لم یحتلم ج سادس ص ۳۵۰ نمبر ۱۱۱۴۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی (۲) قریب البلوغ لڑکے کی صحبت سے انزال نہیں ہوگا اور پورے طور پر وطی بھی نہیں ہوگی اس لئے اس کی صحبت سے حلال نہیں ہوگی۔

لغت المراھق : قریب البلوغ۔

[۱۹۸۵](۱۶) اور آقا کا باندی سے وطی کرنا اس کو شوہر کے لئے حلال نہیں کرتا۔

تشریح باندی نے کسی سے شادی کی تھی اس کو شوہر نے دو طلاق دے کر مغلظہ کر دیا۔ اب اس سے مولی نے وطی کی تو اس وطی کی وجہ سے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ کسی مرد سے شادی کر کے وطی نہ کرائے۔

وجہ آقا جو وطی کرے گا وہ ملک یمین اور باندی ہونے کے اعتبار سے وطی کرے گا، نکاح کر کے وطی نہیں کرے گا، کیونکہ آقا سے نکاح ہی جائز نہیں ہے۔ اور آیت میں ہے کہ نکاح کر کے وطی کرے تب حلال ہوگی اس لئے آقا کی وطی سے عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی (۲) آیت میں ہے۔ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره (ب) (آیت ۲۳۰ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں تنکح کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوا کہ نکاح کر کے وطی کرائے تو حلال ہوگی (۳) اثر میں ہے۔ عن زید بن ثابت انه کان یقول فی الرجل یطلق الامة ثلاثا ثم یشتریها انها لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره وسمعت مالکا یقول قال ذلک غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ (ج) (سنن للبیہقی، باب الرجل تکون تحتہ امۃ فیطلقھا ثلاثا ثم یشتریھا ج سابع ص ۶۱۶، نمبر ۱۵۲۰۴) چونکہ پہلے شوہر تھا اب حلالہ کے بغیر آقا بن کر وطی کرنا چاہتا ہے تو حلال نہیں ہے۔

[۱۹۸۶](۱۷) اگر عورت سے شادی کی حلالہ کی شرط پر تو نکاح مکروہ ہے۔ پس اگر اس کو طلاق دی وطی کے بعد تو پہلے کے لئے حلال ہو جائیگی

تشریح اگر عورت نے حلالہ کی شرط پر دوسرے شوہر سے شادی کی تو ایسا کرنا مکروہ ہے، تاہم کر ہی لی اور دوسرے شوہر نے وطی کر لی اور طلاق دی تو پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔

وجہ مکروہ ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے۔ عن عبد الله بن مسعود قال لعن رسول الله المحل والمحلل له (د) ترمذی شریف، باب ماجاء فی المحل والمحلل لہ ص ۲۱۳ نمبر ۱۱۲۰ (۲) ابن ماجہ شریف میں ہے۔ قال عقبه بن عامر قال رسول الله الا اخبرکم بالتیس المستعار ؟ قالوا بلی یا رسول الله! قال المحلل. لعن الله المحلل والمحلل له (ہ) (ابن ماجہ شریف، باب المحلل والمحلل لہ

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا نابالغ لڑکا عورت کو زوج اول کے لئے حلال نہیں کرے گا اس لئے کہ وہ مکمل شوہر نہیں ہے (ب) پس اگر عورت کو تیسری طلاق دی تو شوہر کے لئے حلال نہیں ہے جب تک کہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کرے (ج) حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی باندی بیوی کو تین طلاقیں دے پھر اس کو خرید کر وطی کرنا چاہے تو حلال نہیں ہے جب تک کہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کرے۔ اور حضرت مالک سے کہتے ہوئے سنا کہ یہی بات کہی بہت سے اصحاب رسول ﷺ نے (د) آپ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا ان پر لعنت کی (ہ) حضور نے فرمایا کیا مانگا ہوا سانڈ نہ بتاؤں؟ (باقی اگلے صفحہ پر)

فالنکاح مکروہ فان طلقها بعد وطیها حلت للاول[۱۹۸۷] (۱۸) واذا طلق الرجل الحرة تطلیقة او تطلیقتین وانقضت عدتها وتزوجت بزوج آخر فدخل بها ثم عادت الی الاول عادت بثلاث تطلیقات ویهدم الزوج الثانی مادون الثلث کما یهدم الثلث عند ابی حنیفة

ص ۲۷۷ نمبر ۱۹۳۶) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حلالہ کے لئے نکاح کرنا مکروہ ہے۔ تاہم نکاح صحیح ہے اس لئے وطی کرنے سے پہلے شوہر سے حلال ہو جائے گی۔

نوٹ دونوں کے دل میں یہ ہو کہ نکاح کے بعد طلاق دے دیں گے تاکہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے لیکن اس کی شرط نہ لگائے۔ اور عورت کے حالات ایسے ہوں کہ پہلے شوہر کے پاس جانا ضروری ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

[۱۹۸۷] (۱۸) اگر شوہر نے آزاد عورت کو طلاق دی ایک، یا دو طلاقیں اور اس کی عدت گزر گئی اور شادی کی دوسرے شوہر سے۔ پس اس نے اس سے صحبت کی پھر پہلے شوہر کی طرف لوٹ آئے تو تین طلاقوں کے ساتھ آئے گی۔ اس لئے کہ دوسرا شوہر تین کو کالعدم کرتا ہے جیسے تین سے کم کو کالعدم کرتا ہے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک۔

تشریح اگر شوہر نے آزاد عورت کو ایک طلاق یا دو طلاقیں دی۔ وہ عدت گزار کر دوسرے شوہر سے شادی کی۔ پھر اس سے صحبت بھی ہوئی پھر اس نے طلاق دی اور اس کی عدت گزار کر پہلے شوہر سے دوبارہ شادی کی تو پہلا شوہر اس عورت کو اب کتنی طلاقیں دے تو یہ مغلظہ ہوگی؟ تین طلاقوں سے مغلظہ ہوگی یا پہلے کا مابقیہ؟ مثلا پہلے ایک طلاق دی تھی تو اب صرف دو طلاقوں سے مغلظہ ہو جائے گی اور اس کو حلالہ کرانا ہوگا یا تین طلاقوں سے مغلظہ ہوگی اور حلالہ کرانا ہوگا۔ اور اگر پہلے دو طلاقیں دی تھی تو اب صرف ایک طلاق دینے سے مغلظہ ہوگی اور حلالہ کرانا ہوگا یا تین طلاقیں دینے سے مغلظہ ہوگی؟ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ زوج ثانی سے نکاح کرنے اور وطی کرنے کے بعد جب پہلے شوہر کے پاس آئے گی تو پوری تین طلاقیں لیکر آئے گی اور تین طلاقوں سے مغلظہ ہوگی۔ اور پہلے جو ایک طلاق یا دو طلاقیں دی تھی وہ کالعدم ہو جائے گی اس کا اعتبار نہیں۔ اس کو کہتے ہیں کہ حل جدید کے ساتھ آئے گی۔

وجہ جس طرح تین طلاقیں ہوتی اور دوسرے شوہر سے شادی اور وطی کرا کے آتی تو حل جدید کے ساتھ آتی اسی طرح اس سے کم میں بھی حل جدید کے ساتھ آئے گی۔ اس لئے کہ زوج ثانی تین طلاقوں کی شدت کو دھوتا ہے تو اس سے کم کی شدت کو بدرجہ اولی دھوئے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس وابن عمر قالا نکاح جدید وطلاق جدید (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب النکاح جدید والطلاق جدید ج، سادس ص ۳۵۰ نمبر ۱۱۱۶۲/۱۱۱۶۴ مصنف ابن ابی شیبة ۹۸ من قال ھی عندہ علی الطلاق جدید ج رابع، ص ۱۱۷، نمبر ۱۸۳۸۰/ کتاب الآثار لامام محمد، باب من طلق ثم تزوجت امرأته ثم رجعت الیه ص ۱۰۰، نمبر ۴۶۷) اس سے معلوم ہوا کہ ایک اور دو طلاقوں کی صورت

حاشیہ (پچھلے صفحہ سے آگے) لوگوں نے کہا ہاں! اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا وہ حلالہ کرنے والا اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا (الف) حضرت ابن عباس اور ابن عمر نے فرمایا زوج ثانی کے بعد نیا نکاح ہے اور نئی طلاق ہے۔

وابی یوسف رحمهما الله[۱۹۸۸](۱۹) وقال محمد رحمه الله تعالی لایهدم الزوج الثانی لا یهدم الزوج الثانی مادون الثلاث[۱۹۸۹](۲۰) واذا طلقها ثلثا فقال قد انقضت عدتی وتزوجت بزوج آخر ودخل بی الزوج الثانی وطلقنی وانقضت عدتی والمدة

میں بھی عورت حل جدید کے ساتھ اور نکاح جدید کے ساتھ زوج اول کے پاس آئے گی۔

[۱۹۸۸](۱۹) امام محمد نے فرمایا زوج ثانی نہیں کالعدم کرتا ہے تین سے کم کو۔

تشریح یعنی پہلے شوہر نے تین طلاقوں سے کم دی تو زوج ثانی سے نکاح اور وطی کرنا اس کو کالعدم نہیں کرے گا بلکہ بحال رہے گی اور مابقیہ طلاق دینے کا اختیار رہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔قال عمر بن الخطاب ایما امرأة طلقها زوجها تطلیقة او تطلیقتین ثم ترکها حتی تنکح زوجا غیره فیموت عنها او یطلقها ثم ینکحها زوجها الاول فانها عنده علی ما بقی من طلاقها(الف)(مصنف عبدالرزاق، باب النکاح جدید والطلاق جدید ج سادس ص ۳۵۱ نمبر ۱۱۱۴۹ر مصنف ابن ابی شیبة ۹۸ ما قالوا فی الرجل یطلق امرأته تطلیقتین او تطلیقة فتزوج ثم ترجع الیه علی کم تکون عنده؟ ج رابع ص ۸۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زوج اول ماقی طلاق کا مالک ہوگا۔

[۱۹۸۹](۲۰) اگر عورت کو طلاق دی تین، پس اس نے کہا میری عدت گزر گئی اور میں نے دوسرے شوہر سے شادی کی اور دوسرے شوہر نے مجھ سے صحبت کی اور مجھ کو طلاق دی اور میری عدت گزر گئی۔اور مدت میں اس کا احتمال بھی ہے تو پہلے شوہر کے لئے جائز ہے کہ اس کی تصدیق کر لے جبکہ غالب گمان ہو کہ وہ سچی ہے۔

تشریح شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں دیں۔بیوی ایک مدت کے بعد واپس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے آپ کی عدت گزار کر دوسرے شوہر سے شادی کی۔اس نے مجھ سے صحبت بھی کی اور اس نے بھی جلدی میں طلاق دیدی۔اس کی عدت گزار کر آپ کے لئے حلال ہو کر آئی ہوں آپ مجھ سے شادی کر لیں۔پس اگر پہلے شوہر کی طلاق اور واپس آنے کے درمیان اتنی مدت ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔اور حالات سے اندازہ ہوتا ہو کہ اس نے ایسا کیا ہوگا تو پہلے شوہر کے لئے گنجائش ہے کہ اس کی تصدیق کرے اور بیوی سے شادی کرے۔مثلا مدخول بہا عورت کو تین طلاقیں دی اور وہ ۹۳ تیرانوے دنوں کے بعد واپس آئی، غیر مدخول بہا کو بیک وقت تین طلاقیں دی اور ۳۹ انچالیس دنوں کے بعد واپس آئی تو گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ سچ بول رہی ہے۔

وجہ حیض کی کم سے کم مدت تین دن ہے تو تین حیض کے ۹ دن ہوئے۔اور دو حیض کے درمیان کم سے کم مدت پندرہ دن ہے تو تین حیض کے درمیان دو طہر آئیں گے تو دو طہر کے تیس دن ہوئے۔اب نو دن اور تیس دن انچالس دن ہوئے پھر طہر آئے گا جس میں عورت دوسرے

حاشیہ : (الف) حضرت عمر نے فرمایا کسی عورت کو شوہر نے طلاق دی ایک یا دو، پھر اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ عورت نے دوسری شادی کر لی۔پھر اس کا شوہر مر گیا یا طلاق دیدی، پھر پہلے شوہر سے نکاح کیا تو عورت زوج اول کے پاس ماقی طلاق پر ہوگی۔

تحتمل ذلک جاز للزوج الاول ان یصدقها اذا کان غالب ظنه انها صادقة.

شوہر سے شادی کرے گی اس کے پندرہ دن ہوئے۔ اس کے بعد دوسرے شوہر کی انچالیس دن تک عدت گزارے گی تو پندرہ اور انچالیس چون دن ہوئے۔ پہلے شوہر کی عدت انچالیس دن اور دوسرے شوہر کی عدت میں چون دن ہوئے۔ مجموعہ تیرانوے دن ہوئے۔ نقشہ اس طرح ہے۔

پہلے شوہر سے طلاق اور عدت	:	-	حیض	طہر	حیض	طہر	حیض	مجموعہ
		-	۳	۱۵	۳	۱۵	۳	۳۹
دوسرے شوہر سے شادی، طلاق اور عدت	:	طہر	حیض	طہر	حیض	طہر	حیض	مجموعہ
		۱۵	۳	۱۵	۳	۱۵	۳	۵۴
دونوں عدتوں کا مجموعہ :	۳۹ + ۵۴ = ۹۳ تیرانوے دن							

اس لئے ۹۳ دن کے بعد عورت واپس آئے تو اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الشعبی قال جاء رجل الی علی بن ابی طالب فقال انی طلقت امرأتی فجائت بعد شهرین فقالت قد انقضت عدتی وعند علی شریح فقال قل فیها قال وانت شاهد یا امیر المؤمنین قال نعم قال ان جائت ببطانة من اهلها من العدول یشهدون انها حاضت ثلاث حیض والا فهی کاذبة فقال علی قالون بالرومیة انی اصبت (الف) (سنن للبیہقی، باب تصدیق المرأة فیما یمکن فیہ انقضاء عدتھا ج سابع ص ۶۸۷، نمبر ۱۵۴۰۵ ر مصنف ابن ابی شیبہ ۲۸۰ من قال اؤتمنت المرأة علی فرجھا ج رابع ص ۲۰۶، نمبر ۱۹۲۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مدت اس کا تحمل کرتی ہو اور غالب گمان ہو کہ وہ سچ بولتی ہے تو بات مان لی جائے گی۔

عورت غیر مدخول بہا کو ایک طلاق دی ہے اس لئے صرف دوسرے شوہر کی عدت گزارتی ہے جو کم سے کم ۳۹ دن ہوں گے۔ اور وہ دو ماہ کے بعد واپس آتی ہے اس لئے سچ پر محمول کیا جاسکتا ہے اگر قرائن سے سچی معلوم ہو ورنہ عمومی طور پر تین حیض کے لئے تین ماہ چاہئے۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا ایک آدمی حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر وہ دو ماہ کے بعد آئی اور کہا میری عدت ختم ہو چکی ہے۔ حضرت علیؓ کے پاس قاضی شریح تھے۔ انہوں نے فرمایا قاضی صاحب آپ کہیں! حضرت شریح نے فرمایا امیر المؤمنین! آپ گواہ ہیں؟ کہا ہاں! حضرت شریح نے کہا اگر اس کے خاص اہل والے عادل آدمی گواہی دیں کہ اس کو تین حیض ہوئے ہیں تو وہ سچ ہے ورنہ تو وہ جھوٹی ہے۔ پس حضرت علیؓ نے فرمایا قالون! رومی زبان میں۔ اس کا ترجمہ ہے ٹھیک فتوی دیا۔

﴿کتاب الایلاء﴾

[۱۹۹۰](۱)اذا قال الرجل لامرأته والله لا اقربک او لا اقربک اربعة اشهر فهی مول

[۱۹۹۱](۲) فان وطیها فی الاربعة الاشهر حنث فی یمینه ولزمته الکفارة وسقط

﴿کتاب الایلاء﴾

ضروری نوٹ ایلاء کے معنی قسم ہیں۔شریعت میں چار ماہ تک بیوی سے نہ ملنے کی قسم کھائے اس کو ایلاء کہتے ہیں۔اگر چار ماہ تک نہ ملنے کی قسم کھائی اور نہیں ملا تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔اور اگر مل گیا تو قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔اور اگر چار ماہ سے کم نہ ملنے کی قسم کھائی تو محاورہ میں یہ بھی ایلاء ہے لیکن اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔البتہ اگر اس مدت سے پہلے مل گیا تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا،اور اس وقت تک نہیں ملا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر فان فاء وا فان الله غفور رحیم o وان عزموا الطلاق فان الله سمیع علیم (الف) (آیت ۲۲۷ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ چار مہینے ہوں تب ایلاء ہوگا(۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بیویوں سے ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا۔سمع انس بن مالک یقول الی رسول الله من نسائه وکانت انفکت رجله فاقام فی شربة له تسعا و عشرین (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعۃ اشھر ص ۷۹۷ نمبر ۵۲۸۹)

[۱۹۹۰] (۱) جب کہا آدمی نے اپنی بیوی سے خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں آؤں گا، یا بخدا میں چار ماہ تک تیرے قریب نہ آؤں گا تو وہ ایلاء کرنے والا ہوگیا۔

تشریح آدمی نے بیوی سے کہا خدا کی قسم تیرے قریب نہیں آؤں گا تو اس صورت میں چار ماہ کی مدت متعین نہیں کی، عام چھوڑا اس لئے ہمیشہ ہوگا۔اس لئے اس میں چار ماہ بھی شامل ہیں اس لئے ایلاء ہو جائے گا۔اور دوسری صورت میں واضح طور پر کہا کہ چار ماہ تک نہیں قریب آؤں گا۔اس لئے آیت کے مطابق چار ماہ کی قید لگائی اس لئے ایلاء ہو جائے گا۔قسم کھا کر کہے تب ایلاء ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابن عباس قال لا ایلاء الا بحلف (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۳ من قالا لا ایلاء الا بحلف ج رابع، ص ۱۳۸، نمبر ۱۸۶۲۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قسم کھا کر کہے گا تب ایلاء ہوگا۔اور چار ماہ ہو اس کی دلیل اوپر کی آیت ہے۔

لغت مول : ایلاء سے اسم فاعل ہے، ایلاء کرنے والا۔

[۱۹۹۱] (۲) پس اگر چار ماہ کے اندر صحبت کر لی تو قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس کو کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا۔

وجہ چونکہ چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی اور اس سے پہلے بیوی سے مل لیا تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا (۲) قسم کے کفارہ کی

حاشیہ : (الف) جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کو چار مہینے رکنا ہے، پس اگر رجوع کر لیا تو اللہ معاف کرنے والے ہیں، اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیا تو اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے (۲) حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں سے ایلاء کیا۔اور آپ کے پاؤں مبارک میں موچ آئی تھی۔پس آپؐ اپنی کوٹھری میں انتیس دن ٹھہرے رہے (ج) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نہیں ایلاء ہوتا ہے مگر قسم کے ساتھ۔

الایلاء[۱۹۹۲](۳) وان لم یقربها حتی مضت اربعة اشهر بانت بتطلیقة واحدة.

دلیل اس آیت میں ہے۔ ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم واحفظوا ایمانکم (الف) (آیت ۸۹ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قسم ٹوٹ جائے تو کفارہ لازم ہوگا۔ اور ایلاء اس لئے ساقط ہو جائے گا کہ چار ماہ تک نہ ملنے کی قسم کھائی اور درمیان میں مل لیا تو ایلاء کی مدت ہی پوری نہیں ہوئی۔ اس لئے ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر فان فاء وا فان الله غفور رحیم (ب) (آیت ۲۲۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں فان فاء وا سے اشارہ ہے کہ چار مہینے سے پہلے بیوی سے مل لیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا (۲) اس اثر میں دونوں کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس فی آیة الایلاء قال الرجل یحلف لامرأته بالله لا ینکحها تتربص اربعة اشهر فان هو نکحها کفر عن یمینه باطعام عشرة مساکین او کسوتهم او تحریر رقبة فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام وان مضت اربعة اشهر قبل ان ینکحها خیره السلطان الخ (ج) (سنن للبیہقی، باب من قال عزم الطلاق انقضاء الاربعۃ الاشھر ج سابع ص ۶۲۳، نمبر ۱۵۲۳۱) اس اثر میں ہے کہ چار ماہ سے پہلے نکاح یعنی وطی کر لی تو قسم کا کفارہ ادا کرے گا۔

[۱۹۹۲] (۳) اور اگر بیوی کے قریب نہیں گیا یہاں تک کہ چار ماہ گزر گئے تو ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی۔

تشریح ایلاء کے بعد چار ماہ تک بیوی سے نہیں ملا تو چار ماہ گزرتے ہی خود ایلاء سے طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔ الگ سے طلاق دینے کی ضرورت نہیں۔ اب وہ مطلقہ کی عدت گزار کر جدا ہو جائے۔

وجہ اثر میں ہے چار ماہ گزرنا ہی طلاق ہے۔ قلت لسعید بن جبیر اکان ابن عباس یقول اذا مضت اربعة اشهر فهی واحدة بائنة ولا عدة علیها وتزوج ان شاءت قال نعم (د) (دار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۴۴ نمبر ۴۰۰۳ رسنن للبیہقی، باب من قال عزم الطلاق انقضاء الاربعۃ الاشھر ج سابع ص ۶۲۱، نمبر ۱۵۲۲۳ رمصنف عبد الرزاق نمبر ۱۱۶۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار مہینے گزرنے سے ہی طلاق بائنہ ہو جائے گی (۲) عثمان وزید بن ثابت کانا یقولان اذا مضت الاربعة اشهر فهی تطلیقة بائنة (ہ) (دار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۴۴ نمبر ۴۰۰۰ رسنن للبیہقی، حوالہ بالا (۳) شوہر نے چار ماہ جدا رکھ کر عورت پر ظلم کیا تو شریعت نے اس ظلم کو ہی طلاق قرار دے دیا، الگ سے طلاق لینے میں شوہر کا محتاج نہیں کیا۔

فائدہ امام شافعیؒ نے فرمایا چار ماہ گزرنے کے بعد توقف کیا جائے گا یا تو الگ سے طلاق دے کر عورت کو علیحدہ کرے یا پھر واپس رکھ لے۔

حاشیہ : (الف) یہ تمہارے قسم کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ۔ اور تمہاری قسموں کو محفوظ رکھو (ب) جو لوگ اپنی عورتوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کو چار ماہ تک رکنا ہے۔ پس اگر رجوع کر لیا تو اللہ تعالی معاف کرنے والے ہیں (ج) ایلاء کی آیت میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، آدمی قسم کھائے کہ بیوی سے صحبت نہیں کرے گا، چار ماہ تک رکنا ہے۔ پس اگر وطی کر لی تو قسم کا کفارہ دے گا، دس مسکین کو کھانا کھلائے یا اس کو کپڑا پہنائے یا غلام آزاد کرے اور جو نہ پائے وہ تین دن تک روزے رکھے۔ اور اگر صحبت کرنے سے پہلے چار مہینے گزر جائے تو بادشاہ اس کو اختیار دے گا (د) کیا ابن عباس فرماتے ہیں کہ چار ماہ گزر جائے تو ایک طلاق بائنہ ہوگی اور اس پر عدت نہیں ہے۔ اگر چاہے تو شادی کرے؟ فرمایا ہاں! (ہ) حضرت عثمان اور زید بن ثابت فرماتے تھے جب چار ماہ گزر جائے تو ایک طلاق بائنہ ہوگی۔

[۱۹۹۳](۴)فان كان حلف على اربعة اشهر فقد سقطت اليمين[۱۹۹۴](۵) وان كان حلف على الابد فاليمين باقية فان عاد فتزوجها عاد الايلاء فان وطيها لزمته الكفارة والا وقعت بمضى اربعة اشهر تطليقة اخرى فان تزوجها ثالثا عاد الايلاء ووقعت عليها بمضى

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابن عمر اذا مضت اربعة اشهر يوقف حتى يطلق ولا يقع عليه الطلاق حتى يطلق ويذكر ذلك عن عثمان وعلى وابى الدرداء وعائشة واثنى عشر رجلا من اصحاب النبى ﷺ (الف) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالى للذين يؤلون من نسائهم ص ۷۹۷ نمبر ۵۲۹۱ دار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۳۳ نمبر ۳۹۹۵ سنن للبیہقی، باب من قال یوقف المولى بعد تربص اربعة اشهر فان فاء والا طلق ج رابع ص ۳۱۸، نمبر ۱۵۲۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار ماہ گزر جانے کے بعد توقف کیا جائے گا، یا تو واپس رکھ لے یا شوہر طلاق دے کر جدا کر دے۔

[۱۹۹۳] (۴) پس اگر چار مہینے کی قسم کھائی تو قسم ساقط ہو جائے گی۔

تشریح چار مہینے تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی وہ پوری کر دی اور بیوی کو ایک طلاق واقع ہو کر بائنہ ہو گئی۔ اس لئے اب قسم پوری ہو گئی۔ اب اگر دوبارہ اس عورت سے شادی کر کے صحبت کرے گا تو نہ طلاق واقع ہو گی اور نہ کفارہ لازم ہو گا۔

وجہ کیونکہ چار مہینے ہی کی قسم تھی جو پوری ہو گئی۔

[۱۹۹۴] (۵) اور اگر قسم کھائی ہمیشہ کے واسطے تو قسم باقی رہے گی، پس اگر لوٹ کر اس سے شادی کرے تو ایلاء لوٹ آئے گا، پس اگر اس سے صحبت کی تو شوہر کو کفارہ لازم ہو گا ورنہ تو واقع ہو گی دوسری طلاق چار مہینے گزرنے پر، پس اگر اس سے شادی کی تیسری مرتبہ تو ایلاء لوٹ آئے گا اور واقع ہو گی اس پر چار ماہ گزرنے پر تیسری طلاق، پس اگر شادی کی اس عورت سے دوسرے شوہر کے بعد تو اس ایلاء سے طلاق واقع نہیں ہو گی اور قسم باقی رہے گی، پس اگر صحبت کی تو اپنی قسم کا کفارہ دے گا۔

تشریح یہ مسئلہ دو قاعدوں پر مشتمل ہے۔ ایک تو یہ کہ ہمیشہ کے لئے قسم کھائی تو زندگی میں جب بھی اس بیوی سے صحبت کرے گا کفارہ دینا ہو گا کیونکہ قسم باقی ہے۔ اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اس ایلاء کا انعقاد زوج ثانی سے پہلے پہلے تک ہو گا، زوج ثانی کے بعد واپس آئے گی تو اس ایلاء کا انعقاد نہیں ہو گا۔ اور اس کے بعد چار مہینے نہ ملنے سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔ ان قاعدوں کو سمجھنے کے بعد مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ شوہر نے ہمیشہ نہ ملنے کی قسم کھائی، پس اگر چار ماہ میں مل گیا تو ایلاء ختم ہو گیا البتہ قسم کا کفارہ لازم ہو گا۔ اور اگر نہیں ملا تو ایک طلاق بائنہ واقع ہو گی۔ پھر دوبارہ اس عورت سے شادی کی تو پھر ایلاء بحال ہو جائے گا کیونکہ ہمیشہ کی قسم باقی ہے۔ اگر اس مرتبہ چار ماہ کے اندر مل گیا تو ایلاء ختم ہو جائے گا اور کفارہ لازم ہو گا۔ اور اگر نہیں ملا تو چار ماہ گزرنے پر دوسری طلاق واقع ہو گی۔ پھر اگر تیسری مرتبہ اس عورت سے شادی کی تو پھر ایلاء بحال ہو

حاشیہ : (الف) ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ چار ماہ گزر جائے تو ٹھہرایا جائے گا، یہاں تک کہ طلاق دے۔ طلاق واقع نہیں ہو گی یہاں تک کہ طلاق دے۔ یہ حضرت عثمان، علی، ابو درداء اور حضرت عائشہ اور دس صحابہ سے منقول ہے۔

اربعة اشهر تطليقة اخرى فان تزوجها بعد زوج آخر لم يقع بذلك الايلاء طلاق واليمين باقية فان وطيها كفر عن يمينه[۱۹۹۵](۶) فان حلف على اقل من اربعة اشهر لم يكن موليا[۱۹۹۶](۷) وان حلف بحج او بصوم او بصدقة او عتق او طلاق فهو مول.

جائے گا۔اور چار ماہ کے اندر مل لیا تو کفارہ لازم ہوگا اور نہیں ملا تو تیسری طلاق واقع ہو جائے گی۔اور اب حلالہ کے بغیر اس عورت سے شادی کرنا حرام ہوگا۔پس اگر حلالہ کے بعد یہ عورت پہلے شوہر کے پاس آئی تو اب پچھلا ایلاء بحال نہیں ہوگا۔اور چار ماہ تک نہ ملے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔کیونکہ زوج ثانی کی وجہ سے حل جدید اور نکاح جدید کے ساتھ پہلے شوہر کے پاس آئی ہے۔البتہ جب بھی صحبت کرے گا تو کفارہ لازم آئے گا۔کیونکہ ہمیشہ کی قسم کھانے کی وجہ سے ابھی بھی قسم برقرار ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔عن ابراهيم قال اذا مضت الا شهر فقد بانت منه فان تزوجها بعد ذلك فهو مول ايضا وان لم يمسها حتى تمضى الاشهر فقد بانت منه وان تزوجها بعد ذلك فهو مول ايضا وان لم يمسها حتى تمضى الاشهر بانت منه ايضا (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الذی یحلف بالطلاق ثلاثا ان لا یقربہا ھل یکون ایلاء؟ ج سادس ص ۴۵۳ نمبر ۱۱۶۳۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ تک طلاق واقع ہوگی۔

[۱۹۹۵](۶) پس اگر چار مہینے سے کم کی قسم کھائی تو ایلا کرنے والا نہیں ہوگا۔

وجہ آیت میں تصریح ہے کہ چار ماہ کی قسم ہو اس کو ایلاء کہتے ہیں۔اس لئے چار ماہ سے کم کی قسم کھائی تو وہ ایلاء نہیں ہوگا جس سے طلاق بائنہ واقع ہو۔للذين يؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر (آیت ۲۲۶ سورۃ البقرۃ ۲) (۲) اثر میں ہے۔عن ابن عباس قال كان ايلاء اهل الجاهلية السنة والسنتين و اكثر من ذلك فوقت الله عزوجل لهم اربعة اشهر فان كان ايلاءه اقل من اربعة اشهر فليس بايلاء (ب) (سنن للبیہقی، باب الرجل یحلف لا یطأ امرأتہ اقل من اربعۃ اشہر ج سابع ص ۶۲۵، نمبر ۱۵۲۲۷/ مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲۵ ما قالوا فی الرجل یولی دون الاربعۃ اشہر من قال لیس بایلاء س رابع ص ۱۳۵، نمبر ۱۸۵۸۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار ماہ سے کم کی قسم کھائی تو ایلاء نہیں ہوگا۔

[۱۹۹۶](۷) اگر قسم کھائی حج کی یا روزہ کی یا صدقہ کی یا آزاد کرنے کی یا طلاق کی تو وہ ایلاء کرنے والا ہے۔

تشریح مثلا یوں کہے کہ اگر میں چار ماہ تک بیوی کے پاس جاؤں تو مجھ پر حج لازم یا مجھ پر روزہ لازم یا مجھ پر صدقہ لازم یا میرا غلام آزاد یا میری بیوی کو طلاق تو ایسی صورت میں ایلاء منعقد ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) ابراہیم نے فرمایا اگر چار ماہ گزر جائے تو اس سے بائنہ ہوگی۔پس اگر اس کے بعد اس شوہر سے شادی کی تو ایلاء کرنے والا ہوگا۔اور اگر صحبت نہیں کی یہاں تک کہ چار ماہ گزر گئے تو بائنہ ہو جائے گی۔اور اگر اس کے بعد شادی کی تو پھر ایلاء کرنے والا ہوگا۔اور اگر صحبت نہیں کی یہاں تک کہ چار ماہ گزر گئے تو پھر بائنہ ہو جائے گی (ب) حضرت ابن عباس نے فرمایا زمانہ جاہلیت میں ایلاء ایک سال دو سال تک یا اس سے زیادہ ہوتا تھا۔پس اللہ نے اس کے لئے چار ماہ متعین کر دیا۔پس اگر ایلاء چار ماہ سے کم ہو تو وہ ایلاء نہیں ہے۔

[۱۹۹۷](۸) وان آلی من المطلقة الرجعیة کان مولیا وان آلی من البائنة لم یکن مولیا[۱۹۹۸](۹) ومدة ایلاء الامة شهران[۱۹۹۹](۱۰) وان کان المولی مریضا لایقدر علی الجماع او کانت المرأة مریضة او کانت رتقاء او صغیرة لا یجامع مثلها او

وجہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ کام کی شرط پر قسم جس سے بیوی شوہر کا ملنا دشوار ہو جائے اس سے ایلاء کا انعقاد ہوتا ہے۔صورت مذکورہ میں چار مہینے کے اندر اندر بیوی سے ملے گا تو حج وغیرہ لازم ہوگا یا بیوی کو طلاق واقع ہوگی جن کی وجہ سے بیوی سے ملنا دشوار ہو گیا اس لئے ایلاء ہو جائے گا (۲) اثر میں ہے۔عن ابن عباس قال کل یمین منعت جماعا فھی ایلاء وروینا ایضا عن الشعبی والنخعی (الف) (سنن للبیہقی، باب کل یمین منعت الجمع بکل حال اکثر من اربعة اشھر بان یحنث الحالف فھی ایلاء ج سابع ص ۶۲۶، نمبر ۱۵۲۳۹ رمصنف عبدالرزاق باب ماحال بینہ وبین امرأتہ فھو ایلاء ج سادس ص ۴۴۸ نمبر ۱۱۶۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر وہ قسم جو صحبت روک دے اس سے ایلاء منعقد ہوگا۔

[۱۹۹۷](۸) اگر مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا ہوگا۔اور اگر بائنہ سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔

وجہ مطلقہ رجعیہ عدت کے اندر ہر اعتبار سے بیوی ہے اس لئے اس سے ایلاء ہوگا۔اور مطلقہ بائنہ اب بیوی نہیں رہی اس لئے اس سے ایلاء نہیں ہوگا (۲) آیت میں ہے کہ بیوی سے ایلاء ہوگا اگر بیوی نہ ہو ایلاء نہیں ہوگا۔للذین یؤلون من نسائھم (آیت ۲۲۶ سورة البقرة ۲) اس آیت میں نسائھم سے پتہ چلا کہ بیوی ہو تو ایلاء ہوگا ورنہ نہیں۔

[۱۹۹۸](۹) باندی کی مدت ایلاء دو مہینے ہیں۔

تشریح باندی بیوی ہو تو اگر یوں کہے کہ دو ماہ تک تمہارے پاس نہیں جاؤں گا تو ایلاء ہو جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے کہ باندی کی مدت ایلاء آزاد سے آدھی ہے۔عن الحسن انہ کان یقول فی الایلاء من الامة اذا مضی شھران ولم یفیء زوجھا فقد وقع الایلاء (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۳۰، ما قالوا فی الرجل یولی من الامة کم ایلاؤھا ج رابع ص ۱۳۷، نمبر ۱۸۶۰۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی کی مدت ایلاء دو ماہ ہیں۔

[۱۹۹۹](۱۰) اگر ایلاء کرنے والا بیمار ہو جس کی وجہ سے جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو۔یا عورت بیمار ہو یا بند راستہ والی ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے وطی نہ ہو سکتی ہو یا دونوں کے درمیان اتنی مسافت ہو کہ ایلاء کی مدت میں وہاں تک پہنچنے کی قدرت نہ ہو تو اس کا رجوع یہ کہہ دینا ہے کہ میں اس کی طرف رجوع کر لیا۔جب یہ کہہ دے تو ایلاء ساقط ہو جائے گا۔

تشریح یہ مسئلے اس قاعدے پر ہیں کہ کسی مجبوری کی وجہ سے عورت سے جماع پر قدرت نہیں ہے تو پھر جماع کرنا ضروری نہیں ہوگا۔بلکہ زبان

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا ہر وہ قسم جو جماع کو روک دے تو وہ ایلاء ہے۔حضرت شعبی سے بھی یہی منقول ہے (الف) حضرت حسن باندی کے ایلاء کے بارے میں فرماتے تھے اگر دو ماہ گزر جائے اور شوہر رجوع نہ کرے تو ایلاء واقع ہو جائے گا۔

کانت بینهما مسافة لا یقدر ان یصل الیها فی مدة الایلاء ففیئه ان یقول بلسانه فئت الیها فان قال ذلک سقط الایلاء[۲۰۰۰](۱۱) وان صح فی المدة بطل ذلک الفیء وصار فیئه الجماع[۲۰۰۱](۱۲) واذا قال لامرأته انت علی حرام سئل عن نیته فان قال اردت

سے کہہ دے کہ میں نے بیوی سے رجوع کرلیا تو اس کہہ دینے سے ایلاء ساقط ہو جائے گا اور قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ البتہ اگر جماع پر قادر ہو تو جماع کرنے سے ہی ایلاء ساقط ہوگا۔

وجہ اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ وقال ابن مسعود فان کان به علة من کبر او مرض او حبس یحول بینه وبین الجماع فان فیئه ان یفیء بقلبه او لسانه (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲۹ من قال لا فیء له الا الجماع ج رابع ص ۱۳۶، نمبر ۱۸۶۰۲ رسنن للبیہقی، باب الفیئۃ الجماع الا من عذر ج سابع ص ۶۲۴، نمبر ۱۵۲۳۵ رمصنف عبد الرزاق، باب الفیء الجماع ج سادس ص ۴۶۲ نمبر ۱۱۶۷۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عذر ہو تو زبان سے رجوع کرلینا بھی کافی ہو جائے گا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا۔

لغت رتقاء : وہ عورت جس کا رحم ہڈی وغیرہ کی وجہ سے بند ہو، فیء : ایلاء سے رجوع کرنے کو فیء کہتے ہیں۔

[۲۰۰۰](۱۱) اور اگر تندرست ہو گیا مدت میں تو باطل ہو جائے گا یہ رجوع اور ہو جائے گا اس کا رجوع جماع کرنا۔

تشریح عذر کی بنا پر زبان سے رجوع کرلیا تھا۔ لیکن ابھی چار مہینے گزرنے سے پہلے عذر ختم ہو گیا اور جماع پر قادر ہو گیا تو اب جماع کر کے ہی رجوع کرنا ہوگا۔

وجہ ایلاء سے رجوع کرنے کے لئے جماع کرنا ضروری ہے اور وہی اصل ہے۔ اور زبان سے رجوع کرنا فرع ہے اور مجبوری کی بنیاد پر ہے۔ اس لئے جب اصل پر قادر ہو گیا تو اصل یعنی جماع ہی سے رجوع کرنا ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن عباس قال الفیء الجماع (ب) (سنن للبیہقی، باب الفیئۃ الجماع الا من عذر ج سابع ص ۶۲۴، نمبر ۱۵۲۳۴ رمصنف عبد الرزاق، باب الفیء الجماع ج سادس ص ۴۶۱ نمبر ۱۱۶۷۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲۹ من قال لا فیء له الا الجماع ج رابع ص ۱۳۶، نمبر ۱۸۵۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رجوع کا اصل طریقہ جماع ہی ہے۔ اس لئے مدت ایلاء میں جماع پر قدرت ہو جائے تو جماع کر کے رجوع کرنا ہوگا۔

[۲۰۰۱](۱۲) اگر اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو اس کی نیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس اگر کہا کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا ہے تو ایسے ہی ہوگا۔

تشریح لفظ حرام چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے طلاق بائنہ اور طلاق مغلظہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس سے ظہار بھی ہوتا ہے۔ اس سے ایلاء بھی ہوتا ہے اور اس سے قسم بھی منعقد ہوتی ہے۔ اور کہے کہ حرام بول کر جھوٹ بول رہا ہوں تو جھوٹ بھی ہوگا اور طلاق واقع نہیں

حاشیہ : (الف) حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر عذر ہو، بڑھاپے یا مرض یا قید، جو قید اور جماع میں حائل ہو جائے تو اس کا رجوع یہ ہے کہ دل اور زبان سے رجوع کرلے (ب) ابن عباس فرماتے ہیں ایلاء کا رجوع جماع کرنا ہے۔

الكذب فهو كما قال[۲۰۰۲](۱۳) وان قال اردت به الطلاق فهي تطليقة بائنة الا ان ينوى الثلاث[۲۰۰۳](۱۴) وان قال اردت به الظهار فهو ظهار.

ہوگی۔اس لئے یہ پوچھا جائے گا کہ حرام بول کر نیت کیا کی ہے؟ اس اعتبار سے فیصلہ ہوگا۔اس لئے اگر اس نے جھوٹ بولنے کی نیت کی تو جھوٹ شمار کریں گے، اور عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وجہ (۱) بیوی حقیقت میں حرام تو نہیں ہے وہ تو حلال ہے اس لئے واقعی وہ جھوٹ ہی بول رہا ہے۔اور چونکہ نیت بھی جھوٹ کی کی ہے اس لئے اسی پر محمول کر کے طلاق واقع نہیں کریں گے (۲) اثر میں ہے۔ **عن الثوری قال یقول فی الحرام علی ثلاثة وجوه ،ان نوی طلاقا فهو علی مانوی، وان نوی ثلاثا فثلاث، وان نوی واحدة فواحدة بائنة، وان نوی یمینا فهی یمین، وان نوی لم ینو شیئا فهی كذبة فلیس فیه كفارة** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الحرام ج سادس ص ۴۰۵ نمبر ۱۱۳۹۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۶۹ من قال الحرام یمین ولیست بطلاق ج رابع ص ۹۹، نمبر ۱۸۱۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرام بول کر جھوٹ کی نیت کرے تو کچھ واقع نہیں ہوگی۔

[۲۰۰۲] (۱۳) اور اگر کہا اس سے طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق بائنہ ہوگی مگر یہ کہ نیت کرے تین۔

تشریح **انت علی حرام** کہہ کر طلاق کی نیت کی تو کم سے کم ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

وجہ (۱) لفظ حرام کنایات میں سے ہے۔اور کنایہ میں کم سے کم ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔اور اگر تین کی نیت کرے تو تین بھی واقع ہوتی ہے (۲) اوپر حضرت ثوری کا اثر گزرا جس میں تھا کہ ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور تین کی نیت کی تو تین واقع ہوگی (۳) **عن علی وزید بن ثابت فی البریة والبتة والحرام انها ثلاث ثلاث** (ب) (سنن للبیہقی، باب من قال لامرأتہ انت علی حرام ج سابع ص ۵۷۶، نمبر ۱۵۰۶۷) (۴) **وقال الحسن نیته وقال اهل العلم اذا طلق ثلاثا فقد حرمت علیه حراما بالطلاق والفراق** (ج) (بخاری شریف، باب من قال لامرأتہ انت علی حرام ص ۷۹۲ نمبر ۵۲۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نیت کرے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

[۲۰۰۳] (۱۴) اور اگر کہے کہ میں نے اس سے ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا۔

تشریح **انت علی حرام** بول کر ظہار کرنے کی نیت کی تو بیوی سے ظہار واقع ہو جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن سماک بن الفضل عن وهب قالوا هو بمنزلة الظهار اذا قال هی علی حرام، عتق رقبة او صیام شهرین متتابعین او اطعام ستین مسكینا** (د) (مصنف عبد الرزاق، باب الحرام ج سادس ص ۴۰۴ نمبر ۱۱۳۸۷) اس اثر میں ہے کہ

حاشیہ : (الف) حضرت ثوری نے فرمایا حرام میں تین طریقے ہیں۔اگر نیت کی طلاق کی تو جیسی نیت کی ویسی ہوگی۔اور اگر نیت کی تین کی تو تین واقع ہوگی۔اور اگر نیت کی ایک کی تو ایک بائنہ واقع ہوگی۔اور اگر نیت کی قسم کی تو قسم ہوگی۔اور اگر کچھ نیت نہیں کی تو جھوٹ ہوگا۔پس اس میں کفارہ نہیں ہوگا (ب) حضرت علی اور زید بن ثابت نے فرمایا کہ بریۃ اور حرام میں تین تین طلاقیں واقع ہوں گی (ج) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ نیت کا اعتبار ہے۔اور اہل علم نے فرمایا اگر تین طلاقیں دے تو شوہر پر حرام ہو جائے گی اس لئے اس کو حرام کہتے ہیں طلاق اور فراق کی وجہ سے (د) حضرت وہب نے فرمایا لفظ حرام ظہار کے درجے میں ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۰۰۴](۱۵) وان قال اردت به التحریم او لم ارد به شیئا فهی یمین یصیر به مولیا.

حرام کے لفظ سے ظہار واقع ہوگا۔

[۲۰۰۴](۱۵)اور اگر کہا میں نے اس سے حرمت کا ارادہ کیا ہے، یا کچھ ارادہ نہیں کیا تو یہ قسم ہوگی اور اس سے ایلاء کرنے والا ہوگا۔

تشریح اگر طلاق کی نیت نہیں کی، ظہار کی نیت بھی نہیں کی۔ اور جھوٹ بولنے کی بھی نیت نہیں کی بلکہ تحریم کی نیت یعنی حرام کرنے کی نیت کی۔ یا کسی چیز کی بھی نیت نہیں کی تو ان دونوں صورتوں میں لفظ حرام سے قسم ہوگی اور ایلاء بھی ہو جائے گا۔

وجہ حضورؐ نے کچھ بیویوں کو حرام کیا جس سے قسم واقع ہوئی اور کفارہ لازم ہوا۔ یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک واللہ غفور رحیم o قد فرض اللہ لکم تحلہ ایمانکم (الف) (آیت ۲ سورۃ التحریم ۶۶) اس آیت میں تحرم سے قسم ثابت ہوئی اور تحلہ ایمانکم سے قسم کا کفارہ دینے کی طرف اشارہ ہے (۲) ان ابن عباس قال فی الحرام یکفر (ب) (بخاری شریف، سورۃ التحریم، کتاب التفسیر ص ۷۲۹ نمبر ۴۹۱۱ رمسلم شریف، وجوب الکفارۃ علی من حرم امرأتہ ولم ینوی الطلاق ص ۴۷۸ نمبر ۱۴۷۳ رسنن للبیھقی، باب من قال لامرأتہ انت علی حرام ج سابع ص ۵۷۴، نمبر ۱۵۰۵۶ رمصنف عبد الرزاق، باب الحرام ج سادس ص ۴۰۰ نمبر ۱۱۳۶۱ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۶۹ من قال الحرام یمین ولیس بطلاق ج رابع ص ۹۹، نمبر ۱۸۱۸۳) (۳) عن ابن مسعود انہ کان یقول نیتہ فی الحرام مانوی ان لم یکن نوی طلاق فھی یمین (ج) (سنن للبیھقی، باب من قال لامرأتہ انت علی حرام ج سابع، ص ۵۷۵، نمبر ۱۵۰۶۲ رمصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۱۳۶۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرام میں کچھ نیت نہ کرے تو قسم واقع ہوگی۔ اور قسم ہوگی تو ایلاء بھی ہوگا۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) جب کہ کہے وہ مجھ پر حرام ہے۔ اس لئے غلام آزاد کرے، یا پے درپے دو ماہ روزے رکھے یا ساٹھ مسکین کو کھانا کھلائے (الف) اے نبی کیوں حرام کرتے ہیں ایسی چیز کو جس کو اللہ نے حلال کی ہے بیویوں کی رضامندی کے لئے۔ اور اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ نے فرض کیا تمہارے لئے قسموں کو حلال کرنے کے لئے (ب) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لفظ حرام میں کفارہ دے (ج) حضرت ابن مسعود فرماتے تھے لفظ حرام میں نیت کا اعتبار ہے جو بھی نیت کرے۔ اور اگر طلاق کی نیت نہ کرے تو قسم واقع ہوگی۔

﴿ کتاب الخلع ﴾

[۲۰۰۵](۱)اذا تشاق الزوجان وخافا ان لا یقیما حدود الله فلا بأس ان تفتدی نفسها

﴿ باب الخلع ﴾

ضروری نوٹ خلع کے معنی نکالنا ہیں، زوجیت کو مال کے بدلے میں نکال دینے کو خلع کہتے ہیں۔ خلع میں بیوی کی جانب سے مال ہوتا ہے اور شوہر اس کے بدلے طلاق دیتا ہے اس کو خلع کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ فان خفتم الا یقیما حدود الله فلا جناح علیھما فیما افتدت به (الف) (آیت ۲۲۹ سورۃ البقرۃ ۲) (۲) اور اس حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس انه قال جائت امرأة ثابت بن قیس الی رسول الله انی لا اعتب علی ثابت فی دین ولا خلق ولکنی لا اطبقه فقال رسول الله فتر دین علیه حدیقته ؟ قالت نعم (ب) (بخاری شریف، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ ص ۹۴۷ نمبر ۵۲۷۵) (ابوداؤد شریف، باب فی الخلع ص ۳۰۹ نمبر ۲۲۲۸) اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی شوہر کے درمیان اختلاف ہو جائے تو خلع کر سکتا ہے۔

[۲۰۰۵] (۱) اگر میاں بیوی میں ناچاکی ہو جائے اور دونوں خوف کرے کہ اللہ کی حدود کو قائم نہ کر سکے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت اپنی جان کے بدلے کچھ مال دے کر خلع کرے، پس جب انہوں نے یہ کر لیا تو خلع سے طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور عورت کو مال لازم ہوگا۔

تشریح میاں بیوی میں اختلاف ہو جائے اور اس بات کا خوف ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم نہ کر سکے تو عورت کے لئے جائز ہے کہ شوہر کو کچھ مال دے کر طلاق لے لے اور اپنی جان چھڑا لے۔ خلع کر کے شوہر مال لے تو خلع کرتے ہی طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔ الگ سے طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ خلع جائز ہونے کی دلیل اوپر کی آیت اور حدیث ہے۔ اور خلع ہی سے طلاق واقع ہو جائے گی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس ان النبی ﷺ جعل الخلع تطلیقة بائنة (ج) (سنن للبیہقی، باب الخلع ھل ھو فسخ او طلاق ج سابع ص ۳۱۶ ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۴ ما قالوا فی الرجل اذا خلع امرأته کم یکون من الطلاق؟ ج رابع ص ۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلع خود ہی طلاق بائنہ ہے (۲) جب شوہر نے رقم لی تو اس کے بدلے عورت کی جان چھوٹنی چاہئے اور یہ اسی شکل میں ہو سکتا ہے جبکہ خلع طلاق بائنہ کے درجے میں ہو، ورنہ عورت کو رقم دینے سے فائدہ کیا ہوا؟

فائدہ بعض ائمہ کی رائے ہے کہ خلع سے طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ مال لینے کے بعد باضابطہ شوہر طلاق دے تب طلاق واقع ہوگی۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کی حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔ عن عکرمة ان اخت عبد الله بن ابی بھذا وقال تردین حدیقته ؟ قالت نعم فردتھا وامرأة یطلقھا (د) (بخاری شریف، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ ص ۹۴۷ نمبر ۵۲۷۴) اس حدیث میں ہے کہ بعد میں طلاق دے

حاشیہ : (الف) اگر تم خوف کرو کہ میاں بیوی اللہ کی حدود کو قائم نہ کر سکے تو دونوں پر کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ عورت اس کا فدیہ دے (ب) ثابت بن قیس کی بیوی حضورؐ کے پاس آ کر کہنے لگی یا رسول اللہ! میں ثابت پر دین اور اخلاق کے بارے میں عیب نہیں لگاتی، لیکن میں اس کے ساتھ رہنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ حضورؐ نے پوچھا کیا اس کا باغ اس کو واپس دے سکتی ہے؟ کہنے لگی ہاں (ج) حضورؐ نے خلع کو طلاق بائنہ قرار دیا (د) آپ نے عبد اللہ کی بہن سے فرمایا کیا تم (باقی اگلے صفحہ پر)

منه بمال يخلعها به فاذا فعل ذلک وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال[٢٠٠٦](٢) وان كان النشوز من قبله كره له ان يأخذ منها عوضا[٢٠٠٧](٣) وان كان النشوز من

، اس کا مطلب یہ ہوا کہ خلع طلاق نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔ سال ابراهيم بن سعد ابن عباس عن امرأة طلقها زوجها تطليقتين ثم اختلعت منه ايتزوجها ؟ قال ابن عباس ذكر الله عزوجل الطلاق اول الآية وآخرها والخلع بين ذلک فليس الخلع بطلاق ينكحها (الف) (سنن للبیہقی، باب الخلع ھل ھو فسخ اوطلاق؟ ج سابع ص ۵۱۷، نمبر ۱۴۸۶۳ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۶ من كان لا يرى الخلع طلاقا ج رابع ص ۱۲۳، نمبر ۱۸۴۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں ہے۔

[۲۰۰۶] (۲) اگر نافرمانی مرد کی جانب سے ہو تو اس کے لئے مکروہ ہے کہ عورت سے عوض لے۔

تشریح شرارت مرد کی ہے جس کی وجہ سے عورت خلع کرنے پر مجبور ہے تو مرد کو عوض لینا مکروہ ہے۔

وجہ اس لئے کہ مرد کی شرارت بھی ہے اور مجبور کر کے عوض بھی لے رہا ہے تو یہ خوشی سے نہیں ہوا۔ اور بغیر خوشی کے مال لینا اچھا نہیں ہے۔ عن عمرو بن يثربی قال شهدت رسول الله ﷺ فی حجة الوداع بمنى فسمعته يقول لا يحل لامرء من مال اخيه شیء الا ما طابت به نفسه (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۲۲ نمبر ۲۸۶۰) اثر میں ہے۔ عن الزهری قال اذا افتدت امرأة من زوجها واخرجت البينة ان النشوز كان من قبله وانه كان يضرها ويضارها رد اليها مالها (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب يضارها حتی تختلع منہ ج سادس ص ۵۰۱ نمبر ۱۱۸۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر شوہر کی شرارت ہو تو رقم بیوی کو واپس کی جائے۔

[۲۰۰۷] (۳) اگر نافرمانی عورت کی جانب سے ہو تو مکروہ ہے شوہر کے لئے کہ اس سے زیادہ لے جتنا عورت کو دیا ہے، پس اگر ایسا کیا تو جائز ہے قضاءً

تشریح اگر عورت کی شرارت ہو تو شوہر نے جتنا دیا ہے اتنا تو لے سکتا ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔ تاہم اس سے زیادہ لے لیا تو قضاء کے طور پر جائز ہے۔

وجہ عن ابن عباس ان جميلة بنت سلول اتت النبی ﷺ فقالت ... لا اطيقه بغيضا فقال لها النبی ﷺ اتردين عليه حديقته ؟ قالت نعم فامره رسول الله ان يأخذ منها حديقته ولا يزداد (د) (ابن ماجہ شریف، باب المختلعۃ یأخذ ما اعطاها ص ۲۹۴ نمبر ۲۰۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جتنا دیا ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔ اگر زیادہ دے پھر بھی جائز ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) اس باغ کو واپس کرنا چاہتی ہے؟ کہا ہاں! پس باغ کو واپس کیا اور حضورؐ نے شوہر کو حکم دیا کہ عورت کو طلاق دے (الف) حضرت ابراہیم نے پوچھا، ابن عباس نے فرمایا اللہ نے طلاق کو اول آیت میں ذکر کیا اور آخر آیت میں۔ اور خلع کو اس کے درمیان، پس خلع طلاق نہیں ہے اس لئے نکاح کر سکتا ہے (ب) میں حجۃ الوداع میں منی میں حضورؐ کے پاس حاضر ہوا تو آپ کو کہتے ہوئے سنا نہیں حلال ہے کسی آدمی کے لئے اپنے بھائی کا مال مگر خوش دلی سے (ج) حضرت زہری نے فرمایا اگر بیوی شوہر کو فدیہ دے اور بینہ پیش کردے کہ شرارت مرد کی جانب سے ہے، اور وہ بیوی کو تکلیف دیتا تھا تو عورت کا مال واپس کر دیا جائے (د) جمیلہ بنت سلول حضورؐ کے پاس آئی اور کہنے لگی میں اب نفرت کی طاقت نہیں رکھتی۔ آپؐ نے پوچھا کیا اس کا باغ اس کو واپس کر سکتی ہو، کہا ہاں! پس آپؐ نے شوہر کو حکم دیا کہ اپنا باغ واپس لے لے لیکن زیادہ نہ لے۔

قبلها كره له ان يأخذ اكثر مما اعطاها فان فعل ذلك جاز في القضاء[٢٠٠٨](٤) وان طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال وكان الطلاق بائنا[٢٠٠٩](٥) وان بطل العوض في الخلع مثل ان يخالع المرأة المسلمة على خمر او خنزير فلا شيء للزوج والفرقة بائنة[٢٠١٠](٦) وان بطل العوض في الطلاق كان رجعيا.

ابن عباس قال يختلع حتى بعقاصها (مصنف ابی شیبۃ ۱۱۸ من رخص ان یأ خذ من المختلفۃ اکثر مما اعطاھا ج رابع ص ۱۲۹، نمبر ۱۸۵۲۲ رمصنف عبد الرزاق، باب المفتدیۃ بزیادۃ علی صداقھا ج سادس ص ۵۰۵ نمبر ۱۱۸۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مہر سے زیادہ دیکر خلع کرے تب بھی جائز ہے۔

[۲۰۰۸] (۴) اور اگر طلاق دی مال کے بدلے اور عورت نے قبول کر لی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کو مال لازم ہوگا اور طلاق بائنہ ہوگی۔

تشریح شوہر نے ایجاب کیا کہ بیوی مال کے بدلے طلاق لے اور بیوی نے قبول کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ یعنی خلع کرنا ہی طلاق ہے، الگ سے طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ طلاق بائنہ ہوگی۔

وجہ شوہر نے مال کے بدلے عورت کے قبول پر طلاق کو معلق کیا اور عورت نے قبول کر لی تو ظاہر ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ شرط کے مطابق عورت پر مال لازم ہوگا (۲) طلاق کی حدیث گزر گئی ہے۔ عن ابن عباس ان النبی ﷺ جعل الخلع تطليقة بائنة (الف) (دار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۳۱ نمبر ۳۹۸۰ رسنن للبیہقی، باب الخلع ھل ھو فسخ او طلاق ج سابع ص ۵۱۸، نمبر ۱۴۸۶۵ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۵ ما قالوا فی الرجل اذا خلع امرأتہ کم یکون من الطلاق ج رابع ص ۱۲۱، نمبر ۱۸۴۲۵) اس میں کہا ہے۔ عن عثمان قال الخلع تطليقة بائنة۔ جس سے معلوم ہوا کہ خلع طلاق بائنہ ہے۔

[۲۰۰۹] (۵) اگر عوض باطل ہو جائے خلع میں، مثلا یہ کہ مسلمان عورت خلع کرے شراب پر یا سور پر تو شوہر کے لئے کچھ نہ ہوگا اور فرقت بائنہ ہوگی

تشریح عورت نے خلع میں ایسا مال دینے کا وعدہ کیا جو مسلمان کے لئے مال نہیں تھا، مثلا شراب یا سور دینے کا وعدہ کیا جس کی وجہ سے عوض باطل ہو گیا تو اگر خلع کیا تھا تو اس کی وجہ سے طلاق بائنہ ہوگی اور شوہر کو کچھ نہیں ملے گا۔

وجہ شوہر کچھ اس لئے نہیں ملے گا کہ مسلمان عورت سور یا شراب کسی کو نہیں دے سکتی، اور نہ اس کی قیمت دے سکتی ہے اس لئے شوہر کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور طلاق بائنہ اس لئے واقع ہوگی کہ عورت کے قبول کرتے ہی طلاق واقع ہو گئی اس لئے اب وہ اٹھ نہیں سکتی۔ اور بائنہ اس لئے واقع ہوگی کہ لفظ خلع کنایہ ہے اور کنایہ سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔ اس لئے لفظ خلع سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ اوپر حدیث گزر چکی۔ ان النبی ﷺ جعل الخلع تطليقة بائنة۔ کہ لفظ خلع سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

[۲۰۱۰] (۶) اور اگر عوض باطل ہو طلاق میں تو رجعی ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے خلع کو طلاق بائنہ قرار دیا۔

[۲۰۱۱](۷) وما جاز ان یکون مهرا فی النکاح جاز ان یکون بدلا فی الخلع [۲۰۱۲](۸) فان قالت خالعنی علی ما فی یدی فخالعها ولم یکن فی یدها شیء فلا شیء له علیها[۲۰۱۳] (۹) وان قالت خالعنی علی ما فی یدی من مال فخالعها ولم یکن فی یدها شیء ردت علیها مهرها[۲۰۱۴](۱۰) وان قالت خالعنی علی ما فی یدی من دراهم

تشریح عورت نے خلع کالفظ استعمال نہیں کیا بلکہ طلاق کالفظ استعمال کیا کہ طلاق کے بدلے مال ہو۔ پھر سور اور شراب ہونے کی وجہ سے عوض باطل ہو گیا تو طلاق رجعی واقع ہوگی۔

وجہ یہاں طلاق صریح استعمال کیا ہے اس لئے اگر اس کے بدلے مال ہوتا تو طلاق بائنہ واقع ہوتی۔ لیکن عوض باطل ہو گیا اس لئے صرف طلاق صریح باقی رہی۔ اس لئے اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

[۲۰۱۱](۷) جو چیز جائز ہے کہ نکاح میں مہر بنے جائز ہے کہ وہ خلع میں بدل بنے۔

تشریح جو چیز نکاح میں مہر بن سکتی ہو وہ خلع میں بدل بن سکتی ہے۔

وجہ مہر بضع کا بدلا ہے۔ اور خلع میں بھی ایک قسم کا بضع کا بدلا ہے اس لئے جو چیز نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ خلع میں بدل بن سکتی ہے۔

[۲۰۱۲](۸) اگر عورت نے کہا مجھ سے خلع کریں اس کے بدلے جو میرے ہاتھ میں ہے، پس اس سے خلع کیا اور اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو شوہر کے لئے عورت پر کچھ لازم نہیں ہوگا **وجہ** عورت نے یہ نہیں کہا کہ جو مال میرے ہاتھ میں ہے اس کے بدلے خلع کریں۔ چونکہ مال کا نام نہیں لیا اور ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو عورت پر کوئی مال لازم نہیں ہوگا۔

[۲۰۱۳](۹) اور اگر کہا مجھ سے خلع کریں اس کے بدلے جو میرے ہاتھ میں ہے مال میں سے، پس اس سے خلع کیا اور عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو عورت اپنا مہر واپس دے گی۔

تشریح اس صورت میں عورت نے کہا ہے جو مال میرے ہاتھ میں ہے اس کے بدلے خلع کریں اور عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو عورت کو مہر واپس کرنا ہوگا۔

وجہ یہاں کوئی مال متعین نہیں ہے۔ البتہ دونوں کے درمیان ایک مال پہلے متعین ہو چکا ہے یعنی مہر اس لئے مجبورا مہر کی طرف پھیرا جائے گا اور وہی لازم کیا جائے گا۔ کیونکہ شوہر سے مال کا وعدہ کیا ہے اس لئے وہ کوئی مال لئے بغیر طلاق دینے پر راضی نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کوئی چیز متعین نہ ہو تو جو پہلے سے معہود و متعین ہو وہی لازم کر دیا جائے گا۔

[۲۰۱۴](۱۰) اور اگر کہا مجھ سے خلع کرو اس کے بدلے جو میرے ہاتھ میں ہے عام یا خاص درہموں میں سے، پس اگر ایسا کر لیا اور نہیں تھا اس کے ہاتھ میں کچھ تو عورت پر تین درہم لازم ہیں۔

وجہ دراہم جمع کا صیغہ ہے جس کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے۔ اس لئے الف لام کے بغیر دراھم نکرہ استعمال کرے یا الف لام کے ساتھ

او من الدراهم ففعل ولم يكن فى يدها شىء فعليها ثلثة دراهم[٢٠١٥](١١) وان قال طلقنى ثلثا بالف فطلقها واحدة فعليها ثلث الالف [٢٠١٦](١٢) وان قالت طلقنى ثلثا على الف فطلقها واحدةفلا شىء عليها عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى.

معرفہ استعمال کرے دونوں صورتوں میں تین درہم لازم ہوں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جمع کا صیغہ استعمال کرے تو کم سے کم تین عدد لازم ہوگی۔

[۲۰۱۵](۱۱) اگر عورت نے کہا مجھے تین طلاقیں دیں ہزار کے بدلے، پس اس کو طلاق دی ایک تو عورت پر ہزار کی تہائی لازم ہوگی۔

وجہ جب تین طلاقیں ایک ہزار کے بدلے میں تو یہ ایک ہزار ہر طلاق پر تقسیم ہو جائے گا ار ہر ایک طلاق کے بدلے تین سو تینتیس درہم ہونگے۔ اب شوہر نے ایک طلاق دی تو شوہر کو ایک تہائی تین سو تینتیس درہم ملیں گے۔ اور چونکہ رقم کے بدلے میں طلاق دی ہے اس لئے طلاق بائنہ ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ب بدلیت کے لئے استعمال ہوتا ہے اور عوض معوض پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ اثر میں ہے۔ عن الثوری فی رجل قالت له امرأته بعنى ثلاث تطليقات بالف درهم فطلقها واحدة ثم ابى قال له ثلث الالف وهى واحدة بائنة (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الفداء بالشرط ج سادس ص ۴۹۳ نمبر ۱۱۸۰۶) اس اثر میں تین طلاقیں ایک ہزار کے بدلے میں مانگی ہے اور ایک طلاق دی تو تہائی ہزار لازم کی اور طلاق بائنہ واقع کی۔

[۲۰۱۶](۱۲) اور اگر کہا مجھے تین طلاقیں دیں ہزار کی شرط پر، پس طلاق دی اس کو ایک تو عورت پر کچھ لازم نہیں ہوگا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

وجہ علی شرط کے لئے آتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تین طلاق کی شرط پر ایک ہزار دینے کا وعدہ کیا اور شرط پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ شوہر نے ایک ہی طلاق دی اس لئے شوہر کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ شرط نہیں پائی گئی۔ اور یہاں ہزار تین طلاقوں پر تقسیم نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ عن الثورى وان قالت له اعطيك الف درهم على ان تطلقنى ثلاثا ،فان طلق ثلاثا كان له الف درهم ، وان طلق واحدة او اثنتين لم يكن له شىء وهو احق بها (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الفداء بالشرط ج سادس ص ۴۹۴ نمبر ۱۱۸۰۶) اس اثر میں ہے کہ علی استعمال کیا اور تین طلاق کی شرط پر ایک ہزار دینے کا وعدہ کیا اور شوہر نے ایک طلاق دی تو عورت پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا، اور طلاق رجعی واقع ہوگی، کیونکہ کسی بدلے کے بغیر طلاق واقع ہوئی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شرط مشروط پر تقسیم نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ثوری نے فرمایا کوئی عورت شوہر سے کہے مجھے تین طلاقیں ایک ہزار میں بیچو، پس اس نے طلاق دی ایک پھر انکار کر دیا۔ پس حضرت زہری نے فرمایا شوہر کے لئے ایک ہزار کی تہائی ہوگی۔ اور اس پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی (ب) حضرت ثوری نے فرمایا اگر عورت نے شوہر سے کہا میں آپ کو ایک ہزار دیتی ہوں اس شرط پر کہ مجھے تین طلاقیں دیں، پس اگر طلاق دی تین تو اس کے لئے ایک ہزار ہے۔ اور اگر طلاق دی ایک یا دو تو شوہر کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ اور شوہر عورت کا زیادہ حقدار ہے یعنی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

[۲۰۱۷](۱۳) وقالا رحمهما الله تعالی علیها ثُلُث الالف[۲۰۱۸](۱۴) ولو قال الزوج طلقی نفسک ثلثا بالف او علی الف فطلقت نفسها واحدة لم یقع علیها شیء من الطلاق[۲۰۱۹] (۱۵) والمبارأة کالخلع والخلع والمبارأة یسقطان کل حق لکل واحد

[۲۰۱۷](۱۳) اورصاحبین نے فرمایا کہ عورت پر ہزار کی تہائی لازم ہوگی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں بھی علی، ب کے معنی میں ہے،اور بدلیت کے معنی میں ہے۔اس لئے اس صورت میں بھی ہر ایک طلاق پر ہزار تقسیم ہو جائے گا۔اور ایک طلاق پر ایک تہائی رقم لازم ہوگی۔

[۲۰۱۸](۱۴) اگر شوہر نے بیوی سے کہا تم اپنے آپ کو تین طلاقیں دو ایک ہزار کے بدلے، یا ایک ہزار کی شرط پر تو پس طلاق دی ایک تو عورت پر کچھ واقع نہیں ہوگی۔

تشریح شوہر نے بیوی سے کہا کہ تم اپنے آپ کو ایک ہزار کے بدلے تین طلاق دے دو۔عورت نے ایک طلاق دی تو عورت پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔اور شوہر کو تہائی رقم بھی نہیں ملے گی۔

وجہ چاہے ہزار کے بدلے میں کہے یا ہزار کی شرط پر کہے دونوں صورتوں میں یہاں شرط کے معنی میں ہے۔کیونکہ شوہر ہزار سے کم پر راضی نہیں ہوگا۔اور ایک تہائی رقم پر عورت کو جدا کرنے پر راضی نہیں ہوگا۔اس لئے عورت کے خلاف شرط کرنے پر نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ عورت پر کچھ لازم ہوگا۔

[۲۰۱۹](۱۵) اور مبارات خلع کی طرح ہے۔اور خلع اور مبارات ساقط کر دیتے ہیں ہر وہ حق کو جو میاں بیوی کے درمیان ہو دوسرے پر جو نکاح سے تعلق رکھتے ہوں امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح جتنے حقوق نکاح کی وجہ سے میاں بیوی پر عائد ہوئے ہیں خلع کرنے کی وجہ سے اور ایک دوسرے کو بری کرنے کی وجہ سے سب ساقط ہو جائیں گے۔مثلا عدت کا نفقہ، سکنی، مہر وغیرہ شوہر پر لازم نہیں ہوں گے۔

وجہ مبارات کا مطلب یہ ہے کہ بیوی شوہر کے تمام حقوق سے بری اور شوہر بیوی کے تمام حقوق سے بری۔اس لئے دونوں تمام حقوق سے بری ہو جائیں گے۔اور خلع میں شوہر ہی بیوی سے لیتا ہے تو شوہر اس کو کیسے دیگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن قتادة قال لیس للمختلعة والمبارئة نفقة (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۱۴ ما قالوا فی المختلعة تکون لھا نفقة ام لا؟ ج رابع، ص ۱۲۷، نمبر ۱۸۴۹۳ ر مصنف عبد الرزاق، باب نفقة المختلعة الحامل ج سادس ص ۵۰۷ نمبر ۱۱۸۶۳) اس اثر میں ہے کہ خلع اور مبارات میں شوہر سے نفقہ ساقط ہو جائے گا (۲) عن الشعبی سئل عن المختلعة لھا نفقة ؟ فقال کیف ینفق علیھا وھو یأخذ منھا (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۱۳

حاشیہ : (الف) خلع والی کے لئے اور مبارات کرنے والی کے لئے نفقہ نہیں ہے (ب) حضرت شعبی سے پوچھا کیا خلع کرنے والی کو نفقہ ملے گا؟ فرمایا اس پر کیسے خرچ کرے گا اس سے تو لے رہا ہے۔

من الزوجين على الآخر مما يتعلق بالنكاح عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى[٢٠٢٠](١٦) وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى المبارأة تسقط [٢٠٢١](١٧) وقال محمد رحمه الله تعالى لاتسقطان الا ما سمّياه.

ما قالوا فی المختلعۃ تکون لھا نفقۃ ام لا؟ ج رابع ،ص ۱۲۷، نمبر ۱۸۴۹۱) اس اثر سے بھی وہی معلوم ہوا۔

[۲۰۲۰] (۱۶) اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا مبارات ساقط کرتا ہے۔

تشریح امام ابو یوسف فرماتے ہیں مبارات سے حقوق زوجین ساقط ہوں گے خلع سے ساقط نہیں ہوں گے۔

وجہ مبارات کے معنی ہی ہیں ایک دوسرے کو ہر حقوق سے بری کرنا۔ اس لئے اس سے ساقط ہو جائیں گے۔ اور خلع میں متعین کرے کہ فلاں فلاں حقوق ساقط ہوں گے تو وہ ساقط ہو جائیں گے۔ اور جو متعین نہ کرے وہ ساقط نہیں ہوں گے۔ کیونکہ خلع میں تمام حقوق کو ساقط کرنے کے معنی نہیں ہیں۔

[۲۰۲۱] (۱۷) اور امام محمد فرماتے ہیں کہ نہیں ساقط کریں گے مگر وہ جو متعین کرے۔

تشریح وہ فرماتے ہیں کہ اگر حقوق متعین کرے کہ فلاں فلاں حق خلع اور مبارات سے ساقط ہوں گے تو وہ حقوق ساقط ہوں گے باقی نہیں۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابراهيم قال للمختلعة السكنى والنفقة (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۱۴، ما قالوا فی المختلعۃ تکون لھا نفقۃ ام لا؟ ج رابع ،ص ۱۲۷، نمبر ۱۸۴۸۹ رمصنف عبد الرزاق ، باب نفقۃ المختلعۃ الحامل ج سادس ،ص ۵۰۸ نمبر ۱۱۸۶۵) اس سے معلوم ہوا کہ شرط لگائے تو ساقط ہوں گے ورنہ نہیں۔

حاشیہ : (الف) ابراہیم نے فرمایا خلع کرنے والی کو سکنی اور نفقہ ملے گا۔

﴿ کتاب الظهار ﴾

[۲۰۲۲](۱) اذا قال الزوج لامرأته انت علی کظهر امی فقد حرمت علیه لا یحل له

﴿ کتاب الظہار ﴾

ضروری نوٹ ظہار کے لغوی معنی ہیں پیٹھ، اور شرعی معنی ہیں اپنی بیوی کو محرم عورت کی پیٹھ سے تشبیہ دینا۔ یعنی جس طرح محرم عورتوں کی پیٹھ سے استفادہ کرنا حرام ہے اسی طرح بیوی کی پیٹھ سے استفادہ کرنا حرام ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ظہار کرنے سے ہمیشہ کے لئے بیوی حرام ہو جاتی تھی۔ لیکن اسلام نے یہ کیا کہ کفارہ ادا کردے تو بیوی دوبارہ حلال ہو جائے گی۔ ظہار کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا ذلکم توعظون به والله بما تعملون خبیر ٥ فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ذلک لتؤمنوا بالله ورسوله (الف) (آیت ۳،۴ سورۃ المجادلۃ ۵۸) اس آیت میں ظہار اور اس کے کفارے کا تذکرہ ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن خویلة بنت مالک بن ثعلبة قالت ظاهر منی زوجی اوس بن الصامت فجئت رسول الله اشکو الیه ورسول الله یجادلنی فیه ویقول اتقی الله فانه ابن عمک فما برحت حتی نزل القرآن قد سمع الله قول التی فتجادلک فی زوجها آیت ۱ سورۃ المجادلة ۵۸ الی الفرض فقال یعتق رقبة قالت لا یجد قال فیصوم شهرین متتابعین قالت یا رسول الله انه شیخ کبیر ما به من صیام قال فلیطعم ستین مسکینا قالت ما عنده من شیء یتصدق به قالت فاتی ساعتئذ بعرق من تمر قلت یا رسول الله فانی اعینه بعرق آخر قال قد احسنت اذهبی فاطعمی بها عنه ستین مسکینا وارجعی الی ابن عمک قال والعرق ستون صاعا (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الظہار ص ۳۰۸ نمبر ۲۲۱۴ رترمذی شریف، باب ما جاء فی کفارۃ الظہار ص ۲۲۷ نمبر ۱۲۰۰) اس حدیث سے ظہار اور اس کے کفارے کا ثبوت ہوا۔

[۲۰۲۲] (۱) اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تم میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی۔ مرد کے لئے حلال نہیں ہے بیوی سے وطی کرنا اور نہ اس کا چھونا اور نہ اس کا بوسہ لینا یہاں تک کہ ظہار کا کفارہ دے۔

حاشیہ : (الف) وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر ظہار سے رجوع کرنا چاہتے ہیں تو غلام آزاد کرنا ہے صحبت سے پہلے۔ اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور اللہ جس چیز کو تم کرتے ہو خبر رکھنے والے ہیں۔ پس جو غلام نہ پائے تو مسلسل دو ماہ روزے رکھنا ہے صحبت سے پہلے۔ پس جو طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لئے ہے تاکہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو (ب) خویلہ بنت ثابت نے کہا کہ مجھ سے میرے شوہر اوس بن صامت نے ظہار کیا تو میں حضورؐ کے پاس شکایت کرنے آئی۔ اور حضورؐ مجھے سمجھا رہے تھے کہ اللہ سے ڈرو وہ تیرے چچازاد بھائی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی قرآن نازل ہوا کہ اللہ نے اس کی بات سنی جو شوہر کے بارے میں جھگڑ رہی ہے۔ پس آپؐ نے فرمایا غلام آزاد کرے۔ خویلہ نے کہا وہ غلام کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ فرمایا دو ماہ مسلسل روزے رکھے۔ کہا یا رسول اللہ وہ بہت بوڑھے ہیں وہ روزے کیسے رکھیں گے؟ کہا ساٹھ مسکین کو کھانا کھلائے۔ کہا اس کے پاس صدقہ کرنے کا کچھ نہیں ہے۔ خویلہ نے فرمایا اسی وقت کھجور کا عرق آیا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں دوسرے عرق سے مدد کروں گی۔ آپؐ نے فرمایا اچھا ہے۔ جاؤ! اس سے ساٹھ مسکین کو کھانا کھلاؤ۔ اور اپنے چچازاد بھائی کی طرف لوٹ جاؤ۔ راوی کہتے ہیں عرق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔

وطؤھا ولا مسھا ولا تقبیلھا حتی یکفر عن ظھارہ[۲۰۲۳](۲) فان وطئھا قبل ان یکفر استغفر اللہ ولا شیء علیہ غیر الکفارۃ الاولی[۲۰۲۴](۳) ولا یعاود حتی یکفر [۲۰۲۵](۴) والعود الذی یجب بہ الکفارۃ ھو ان یعزم علی وطیھا.

تشریح شوہر نے بیوی سے کہا تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو بیوی اس کہنے سے حرام ہو جائے گی اور ظہار واقع ہو جائے گا۔ اب اس کے لئے اس سے وطی کرنا، یا دواعی وطی کرنا مثلا چھونا، بوسہ لینا وغیرہ حرام ہیں جب تک کفارہ نہ دے۔

وجہ آیت اور حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ ظہار کرنے کا طریقہ اس اثر سے ثابت ہے۔ قلت لعطاء الظھار ھو ان یقول ھی علی کامی ؟ قال نعم (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب کیف الظھار ج سادس ص ۴۲۲ نمبر ۱۱۴۷۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ظہار کس طرح کہنے سے واقع ہوگا۔

[۲۰۲۳] (۲) پس اگر صحبت کر لی کفارہ دینے سے پہلے تو اللہ سے استغفار کرے اور اس پر کوئی چیز نہیں ہے پہلے کفارہ کے علاوہ۔

تشریح ضروری تھا کہ پہلے ظہار کا کفارہ ادا کرے پھر بیوی سے وطی کرے۔ لیکن بدقسمتی سے کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کر لی تو دوسرا کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اللہ سے اس گناہ پر استغفار کرے اور پہلا کفارہ ہی ادا کر دے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضرت سلمہ بن صخر نے ظہار کرنے کے بعد صحبت کر لی تو پہلا کفارہ ہی ادا کرنے کا حکم دیا۔ ابوداؤد شریف میں اس کی لمبی حدیث ہے۔ عن سلمۃ بن صخر البیاضی عن النبی ﷺ فی المظاھر یواقع قبل ان یکفر قال کفارۃ واحدۃ (ب) ترمذی شریف، باب ماجاء فی المظاہر یواقع قبل ان یکفر ص ۲۲۷ نمبر ۱۱۹۸ / ابوداؤد شریف، باب فی الظہار ص ۳۰۸ نمبر ۲۲۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یک ہی کفارہ لازم ہوگا۔

[۲۰۲۴] (۳) اور دوبارہ وطی نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ دے۔

تشریح ایک مرتبہ وطی کر لی تو ایسا نہیں کہ بار بار وطی کرتا رہے بلکہ وطی ابھی بھی حرام ہے۔ اس لئے کفارہ ادا کرنے سے پہلے اب دوبارہ وطی نہ کرے۔

وجہ اسی حدیث کے اگلے ٹکڑے میں ہے۔ عن ابن عباس ان رجلا اتی النبی ﷺ قد ظاھر من امرأتہ فوقع علیھا ... قال فلا تقربھا حتی تفعل ما امرک اللہ بہ (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی المظاہر یواقع قبل ان یکفر ص ۲۲۷ نمبر ۱۱۹۹ / ابوداؤد شریف، باب فی الظہار ص ۳۰۸ نمبر ۲۲۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے دوبارہ وطی نہ کرے۔

[۲۰۲۵] (۴) اور وہ عود جس سے کفارہ لازم ہوتا ہے یہ ہے کہ بیوی کی وطی پر پختہ ارادہ کرے۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا کیا ظہار یہ ہے کہ کہے وہ میرے اوپر میری ماں کی طرح ہے؟ فرمایا ہاں! (ب) حضورؐ نے فرمایا ظہار کرنے والا کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرے تو ایک ہی کفارہ لازم ہوگا (ج) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا جس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور اس سے جماع کیا... آپؐ نے فرمایا بیوی کے قریب نہ جانا یہاں تک کہ وہ کر لو جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

[۲۰۲۶](۵) واذا قال انت علی کبطن امی او کفخذھا او کفرجھا فھو مظاھر[۲۰۲۷] (۶)وکذلک ان شبھھا بمن لایحل له النظر الیھا علی سبیل التابید من محارمه مثل اخته او عمته او امه من الرضاعة[۲۰۲۸](۷) وکذلک ان قال رأسک علی کظھر امی او

تشریح ظہار کرنے کے بعد اگر بیوی سے جماع کرنے کا پختہ ارادہ کرلے تو اس کو کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر واپس کرنے اور جماع کا ارادہ نہیں ہے تو پھر کفارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ عود کرنے پر کفارہ ہے۔ اور عود کرنے کا ارادہ نہ ہو تو کفارہ نہیں ہے (۲) آیت میں ہے۔ والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا ذلکم توعظون به (الف) (آیت ۳ سورۃ المجادلۃ ۵۸) اس آیت میں ہے کہ لوٹنے کا ارادہ کرے تو صحبت سے پہلے کفارہ ادا کرے۔

[۲۰۲۶](۵) اگر کہا تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ، یا ران یا فرج کی مانند ہے تو وہ ظہار کرنے والا ہوگا۔

تشریح ظہار ظھر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پیٹھ، لیکن پیٹھ کے بجائے ماں کے پیٹ یا ران یا فرج یا وہ عضو جس کا دیکھنا بیٹے کے لئے حرام ہے اس سے بیوی کو تشبیہ دیدی تب بھی ظہار ہو جائے گا۔

وجہ کیونکہ جس طرح ماں کی پیٹھ کو دیکھنا حرام ہے اسی طرح پیٹ، ران اور فرج کو دیکھنا بھی حرام ہے۔ اس لئے ان عضووں سے بیوی کو تشبیہ دے تب بھی ظہار ہو جائے گا (۲) اس لئے کہ اس قسم کے کلام کا مطلب بیوی سے قطع تعلق کو ثابت کرتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جن اعضاء کو دیکھنا حرام ہے ان اعضاء سے تشبیہ دینے سے بھی ظہار ہوگا۔

[۲۰۲۷](۶) ایسے ہی اگر بیوی کو تشبیہ دی ایسی عورت کے ساتھ جس کی طرف دیکھنا حلال نہ ہو، ہمیشہ کے طور پر محارم میں سے، مثلا اپنی بہن کے ساتھ یا پھوپی کے ساتھ یا رضاعی ماں کے ساتھ۔

تشریح ماں کی طرح جو عورتیں ذی رحم ہیں، جن سے ہمیشہ نکاح کرنا حرام ہے ان کے پیٹ یا پیٹھ کے ساتھ تشبیہ دینے سے بھی ظہار ہو جائے گا۔ جیسے بہن، پھوپی۔ رضاعی ماں وغیرہ کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ بھی بیوی کو تشبیہ دی تو ظہار ہو جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن عطاء قال من ظاھر بذات محرم ذات رحم او اخت من رضاعة کل ذلک کامه لا تحل له حتی یکفر (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب التظاھر بذات محرم ج سادس ص ۴۲۳ نمبر ۱۱۴۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذی رحم عورتوں کے ساتھ تشبیہ دے تو ظہار ہوگا۔

[۲۰۲۸](۷) ایسے ہی اگر بیوی سے کہا تیرا سر میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ یا تیرا فرج یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا نصف یا ثلث

حاشیہ : (الف) جو لوگ ظہار کرتے ہیں اپنی عورتوں سے، پھر جو کچھ کہا اس سے رجوع کرنا چاہے تو غلام کو آزاد کرنا ہے صحبت سے پہلے، اس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے (ب) حضرت عطاء نے فرمایا جس نے ظہار کیا ذی رحم محرم سے یا رضاعی بہن سے یہ تمام ماں کی طرح ہیں۔ نہیں حلال ہوگی جب تک کفارہ نہ دے۔

فرجک او وجهک او رقبتک او نصفک او ثلثک[۲۰۲۹](۸) وان قال انت علی مثل امی یرجع الی نیته فان قال اردت به الکرامة فهو کما قال[۲۰۳۰](۹) وان قال اردت الظهار فهو ظهار[۲۰۳۱](۱۰)وان قال اردت الطلاق فهو طلاق بائن

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ بیوی کے وہ اعضاء جن سے پورا انسان مراد لیتے ہیں ان کو ماں کی پیٹھ یا پیٹ سے تشبیہ دے اس سے بھی ظہار ہو جائے گا۔ مثلا کہے کہ تیرا سر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے، یا تیرا فرج یا تیرا چہرہ یا تیری گردن میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہیں۔

وجہ محاورے میں ان اعضاء سے پورا جسم مراد لیتے ہیں اس لئے یوں کہے کہ تم میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو اس سے ظہار ہوگا۔ اسی طرح یوں کہے کہ تیری گردن میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اس سے بھی ظہار ہوگا۔ کیونکہ اس سے مقصد قطع تعلق ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جن اعضاء سے پورے جسم کو تعبیر کرتے ہیں ان سے بھی ظہار ثابت ہوگا۔

اسی طرح آدھا اور تہائی بھی عضو شائع ہیں یعنی ہر ہر عضو کا آدھا یا ہر ہر عضو کی تہائی۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ آدھا عضو طلاق دے تو مکمل عضو کو طلاق واقع ہوتی ہے۔ اسی طرح آدھے عضو سے ظہار کرے تو مکمل عضو سے ظہار ہوگا۔ اثر میں ہے۔ عن قتادة قال اذا قال اصبعک طالق فهی طالق قد وقع الطلاق علیها (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب یطلق بعض تطلیقة ج سادس ص ۳۷۳ نمبر ۱۱۲۵۲) جب طلاق ایک عضو پر واقع ہونے سے پورے جسم پر واقع ہوگی تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے ظہار ایک عضو سے ہو تو پورے جسم سے ہوگا۔

لغت رقبة : گردن۔

[۲۰۲۹](۸) اور اگر کہا تو میرے اوپر میری ماں کی طرح ہے تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا، اگر کہے میں نے اس سے عزت کا ارادہ کیا تو ویسی ہی ہوگا۔

تشریح شوہر نے بیوی سے کہا تو میرے اوپر میری ماں کی طرح ہے۔ ظہار کا لفظ نہیں بولا تو چونکہ اس کے کئی معانی ہیں اس لئے شوہر کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ اس نے اس جملے سے کیا ارادہ کیا ہے۔ اگر وہ کہتا ہے کہ میرا مقصد یہ تھا کہ جس طرح میری ماں میرے لئے محترم ہے تو بھی میرے لئے محترم ہے، تو اس کی بات مان لی جائے گی اور ظہار واقع نہیں ہوگا اور نہ طلاق واقع ہوگی۔

وجہ کیونکہ ماں کی طرح بزرگی اور احترام میں بھی ہوسکتی ہے۔

[۲۰۳۰](۹) اور اگر کہا میں نے ارادہ کیا ہے ظہار کا تو ظہار ہوگا۔

وجہ تو میری ماں کی طرح ہے میں پیٹھ کا لفظ محذوف مانا جاسکتا ہے جس سے ظہار ہو جائے گا۔ اس لئے اگر نیت کی تو ظہار ہو جائے گا اور عبارت یوں ہوگی، انت علی مثل ظهر امی۔

[۲۰۳۱](۱۰) اور اگر کہا میں نے طلاق کا ارادہ کیا تو طلاق بائنہ ہوگی۔

حاشیہ : (ب) حضرت قتادہ نے فرمایا اگر کہے تمہاری انگلی کو طلاق تو وہ مطلقہ ہو جائے گی، اس پر طلاق واقع ہوگی۔

[۲۰۳۲](۱۱) وان لم تکن له نية فليس بشیء[۲۰۳۳](۱۲) ولا یکون الظھار الا من زوجته فان ظاهر من امته لم یکن مظاهرا[۲۰۳۴](۱۳) ومن قال لنسائه انتن علی کظھر

ترجمہ شوہر طلاق کی نیت کرے گا تو عبارت یوں ہوگی انت علی حرام مثل امی ، کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے، اور حرام کے لفظ سے طلاق واقع ہوتی ہے۔ البتہ حرام کا لفظ عبارت میں نہیں ہے اس لئے شوہر کی نیت پر اس کا مدار ہوگا۔

[۲۰۳۲](۱۱) اور اگر کچھ نیت نہ ہو تو کچھ واقع نہیں ہوگی۔

ترجمہ کچھ نیت نہ ہو تو احترام پر حمل کیا جائے گا اور طلاق یا ظہار کچھ واقع نہیں ہوگا۔

[۲۰۳۳](۱۲) اور نہیں ہوگا ظہار مگر اپنی بیوی سے، پس اگر ظہار کیا اپنی باندی سے تو ظہار کرنے والا نہیں ہوگا۔

ترجمہ آیت میں ہے کہ بیوی سے ظہار کرے اس لئے باندی سے ظہار نہیں ہوگا۔ والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون (آیت ۳ سورۃ المجادلۃ ۵۸) اس میں ہے کہ بیوی سے ظہار کرے اور باندی بیوی نہیں ہوتی اس لئے اس سے ظہار نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن عباس قال من شاء باھلته انه لیس للامة ظھار (الف) (سنن للبیہقی، باب لا ظہار فی الامۃ ج سابع ص ۶۳۰، نمبر ۱۵۲۵۰) اس اثر سے بھی پتہ چلا کہ باندی سے ظہار نہیں ہے۔

[۲۰۳۴](۱۳) کسی نے اپنی بیویوں سے کہا تم لوگ میرے اوپر میری ماں کی طرح ہو تو یہ ظہار کرنے والا ہوگا سب سے، اور شوہر پر ہر ایک کے لئے کفارہ ہے۔

تشریح شوہر کے پاس مثلا چار بیویاں تھیں، ایک ہی جملے میں چاروں سے کہا تم لوگ میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو سب سے الگ الگ ظہار ہو جائیں گے۔ اور ہر ایک کے لئے الگ الگ کفارہ لازم ہوگا۔ اور شوہر کو چار کفارے ادا کرنے ہوں گے۔

ترجمہ (۱) اگر چہ جملہ ایک ہے لیکن بیویاں چار ہیں اس لئے ظہار چار ہوئے۔ اور ہر ظہار کے لئے الگ کفارہ چاہئے اس لئے کفارہ بھی چار لازم ہوں گے (۲) اثر میں ہے۔ عن الزھری قال اذا ظاھر من اربع نسوۃ فاربع کفارات۔ وکذلک قال الحسن وطاؤس (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب المظاہر من نساءہ فی قول واحد ج سادس ص ۴۳۹ نمبر ۱۱۵۶۹ / ۱۱۵۷۰ رسنن للبیہقی، باب الرجل یظاہر من اربع نسوۃ لہ بکلمۃ واحدۃ ج سابع، ص ۶۳۱، نمبر ۱۵۲۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار ظہار ہوں گے اور چار کفارہ دینے ہوں گے۔

فائدہ امام شافعیؒ کا قول قدیم یہ ہے کہ ایک ہی کفارہ لازم ہوگا۔

ترجمہ اثر میں ہے۔ عن ابن عباس وعن عمر فی رجل ظاھر من اربع نسوۃ بکلمۃ قال کفارۃ واحدۃ (ج) (سنن للبیہقی، باب الرجل یظاہر من اربع نسوۃ لہ بکلمۃ واحدۃ ج سابع، ص ۶۳۰، نمبر ۱۵۲۵۳ رمصنف عبد الرزاق، باب المظاہر من نساءہ فی قول واحد ج

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا جو چاہے میں اس سے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ باندی میں ظہار نہیں ہے (ب) حضرت زہری نے فرمایا اگر چار عورتوں سے ظہار کرے تو چار کفارے لازم ہوں گے، اور حضرت حسن اور طاؤس نے بھی یہی فرمایا (ج) حضرت عمرؓ نے فرمایا کوئی آدمی ظہار کرے چار بیویوں سے ایک کلمے سے تو ایک ہی کفارہ ہوگا۔

امی کان مظاهرا من جماعتهن وعليه لكل واحدة منهن كفارة[۲۰۳۵](۱۴) وكفارة الظهار عتق رقبة فان لم يجد فصيام شهرين متتابعين فمن لم يستطع فاطعام ستين مسكينا كل ذلک قبل المسيس[۲۰۳۶](۱۵) ويجزئ فى ذلک عتق الرقبة المسلمة و الكافرة والذكر والانثى والصغير والكبير.

سادس ص ۴۳۸ نمبر ۱۱۵۶۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک ہی کفارہ لازم ہوگا۔

[۲۰۳۵] (۱۴) اور کفارہ ظہار غلام کو آزاد کرنا ہے، پس اگر نہ پائے تو دو ماہ پے در پے روزے رکھنا ہے، پس جو طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ سب وطی سے پہلے ہو۔

تشریح کفارہ ادا کرنے کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے غلام آزاد کرنے کی کوشش کرے، اس پر قدرت نہ ہو تو پے در پے دو ماہ روزے رکھے، اور اس پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اور یہ سب وطی کرنے سے پہلے کرے پھر وطی کرے۔

وجہ آیت اور حدیث میں اسی طرح کفارہ لازم کیا ہے۔ **والذين يظاهرون من نسائهم ثم يعودون لماقالوا فتحرير رقبة من قبل يتماسا ذلكم توعظون به والله بما تعملون خبير ٥ فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل ان يتماسا فمن لم يستطع فاطعام ستين مسكينا** (الف) (آیت ۳/۴ سورۃ المجادلۃ ۵۸) اس آیت میں کفارہ کی تفصیل اوپر کی ترتیب کے ساتھ ہے۔ اور یہ بھی ذکر ہے کہ وطی سے پہلے کفارہ دے۔ اور حدیث میں بھی اسی ترتیب کے ساتھ کفارے کا ذکر ہے (ابو داؤد شریف، باب فی الظہار نمبر ۲۲۱۳)

لغت المسیس : چھونا، مراد ہے صحبت کرنا۔

[۲۰۳۶] (۱۵) اور کافی ہے اس میں مسلمان غلام کا آزاد کرنا اور کافر کا اور مذکر کا اور مؤنث کا اور چھوٹے کا اور بڑے کا۔

تشریح کفارۂ ظہار میں غلام آزاد کرنا ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک ہر قسم کا غلام باندی آزاد کرنا جائز ہے۔ کفارۂ قتل کی طرح مؤمن ہونا ضروری نہیں ہے۔

وجہ آیت میں **تحرير رقبة** ہے۔ جو کافر اور مؤمن کو عام ہے۔ اس لئے دونوں غلام کافی ہوں گے۔ البتہ مومن آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کافر غلام آزاد کرنا کافی نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ کفارۂ قتل میں مؤمن غلام شرط ہے جس سے معلوم ہوا کہ کفارے میں مومن ہی کافی ہوں گے۔ اس لئے کفارۂ ظہار میں

حاشیہ : (الف) جو لوگ ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے پھر رجوع کرنا چاہتے ہیں اس سے جو کہا تو غلام کا آزاد کرنا ہے صحبت سے پہلے، اس کی نصیحت کی جاتی ہے۔ جو کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ جو غلام نہ پائے اس کو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا ہے صحبت سے پہلے۔ پس جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

[۲۰۳۷](۱۶) ولا یجزئ العمیاء ولا مقطوعة الیدین والرجلین[۲۰۳۸] (۱۷)ویجوز الاصم والمقطوع احدی الیدین واحدی الرجلین من خلاف[۲۰۳۹](۱۸) ولا یجوز مقطوع ابھامی الیدین.

بھی مومن ہونا ضروری ہے (۲) تفصیل (سنن للبیہقی، باب عتق المومنۃ فی الظہار ج سابع ص ۳۸۷) میں ہے (۳) کفارہ میں غلام اس لئے آزاد کرتے ہیں تا کہ وہ اللہ کی عبادت کرے۔ اور کافر عبادت کے اہل نہیں اس لئے اس کو آزاد کرنا درست نہیں (۳) آپؐ نے مومنہ باندی کو آزاد کرنے کی ترغیب دی ہے۔

[۲۰۳۷](۱۶) اور نہیں کافی ہوگا اندھا اور نہ دونوں ہاتھ پاؤں کٹا ہوا۔

تشریح کفارے میں نابینا غلام باندی یا دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں یا دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں ایسا غلام آزاد کرنا کافی نہیں ہوگا۔

وجہ ان اعضاء کے معذور ہونے سے غلام کی منفعت ختم ہوئی اور مکمل غلام باقی نہیں رہا۔ اور آیت میں تحریر رقبۃ سے مکمل غلام مراد ہے۔ اس لئے انتہائی معذور غلام کو آزاد کرنا کافی نہیں ہے (۲) جس طرح قربانی میں انتہائی معذور جانور ذبح کرنا کافی نہیں اسی طرح کفارے میں انتہائی معذور غلام آزاد کرنا کافی نہیں ہے۔ البتہ تھوڑا بہت عیب ہو تو چل جائے گا۔ جس طرح قربانی کے جانور میں تھوڑا بہت عیب ہوتا ہے تو چل جاتا ہے۔

اصول ناقص غلام کفارے میں کافی نہیں۔

لغت العمیاء : عمی کی جمع ہے، اندھا۔

[۲۰۳۸](۱۷) اور جائز ہے بہرا غلام کو آزاد کرنا، اور دو ہاتھوں میں ایک کٹا ہوا، اور دو پیروں میں سے ایک کٹا ہوا خلاف سے۔

تشریح غلام بہرا ہو یا ایک ہاتھ اور ایک پیر خلاف جانب سے کٹے ہوئے ہوں مثلا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کٹے ہوئے ہوں۔ یا بائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں کٹے ہوئے ہوں تو ایسے غلام کو آزاد کرنا جائز ہے۔

وجہ یہ عیب تو ہیں لیکن اتنے معذور نہیں ہیں کہ نہ چل سکے اس لئے کافی ہو جائے گا، جس طرح قربانی کے جانور میں تھوڑا بہت عیب ہو تو کافی ہو جائے گا۔

لغت الاصم : بہرا۔

[۲۰۳۹](۱۸) اور نہیں جائز ہے جس کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں۔

وجہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں تو وہ غلام انتہائی عیب دار ہو گیا۔ اب وہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کام انگوٹھے ہی سے کرتا ہے۔ اس لئے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں تو وہ غلام کفارہ میں نہیں چلے گا (۲) کفارہ ایک قسم کی عبادت ہے اور عبادت میں بہت زیادہ عیب دار دینا اچھا نہیں۔ قربانی کے سلسلے میں یہ حدیث موجود ہے۔ سألت البراء بن عازب ما لا یجوز فی الاضاحی فقال

[۲۰۴۰](۱۹) و لایجوز المجنون الذی لایعقل[۲۰۴۱](۲۰) ولایجوز عتق المدبر وام الولد والمکاتب الذی ادی بعض المال.

قام فینا رسول الله ... فقال اربع لاتجوز فی الاضاحی العوراء بین عورھا والمریضة بین مرضھا والعرجاء بین ظلعھا والکسیر التی لا تنقی (الف) (ابوداؤد شریف، باب مایکرہ من الضحایا ص۳۱ نمبر ۲۸۰۲ر ترمذی شریف، باب مالا یجوز من الاضاحی ص۲۷۵ نمبر۱۴۹۷) اس حدیث میں ہے کہ عیب دار جانور عبادت میں کافی نہیں۔ اسی پر غلام کو قیاس کیا جائے گا۔

[۲۰۴۰](۱۹) اور نہیں جائز ہے وہ مجنون جس کو بالکل سمجھ نہ ہو۔

وجہ جس کو بالکل سمجھ نہ ہو اس کا ہاتھ پاؤں کام نہیں کرتا ہے۔ اس لئے وہ بہت عیب دار ہو گیا اور جنس منفعت ختم ہو گئی اس لئے مجنون بھی کافی نہیں ہے۔

نوٹ اگر مجنون بات سمجھتا ہو اور کبھی کبھی جنون ہوتا ہو تو کچھ نہ کچھ منفعت باقی ہے اس لئے کفارہ میں کافی ہو جائے گا۔

[۲۰۴۱](۲۰) اور نہیں جائز ہے مدبر اور ام ولد اور وہ مکاتب جس نے بعض مال ادا کیا ہو۔

تشریح کفارے میں مدبر غلام، ام ولد باندی یا وہ مکاتب جس نے کچھ مال ادا کر دیا ہو اس کو آزاد کرنا چاہے تو کافی نہیں ہے۔

وجہ اس لئے کہ ان غلاموں میں آزادگی کا شائبہ آگیا ہے اس لئے مکمل غلام نہیں رہے۔ اس لئے ان کو کفارے میں آزاد کرنا کافی نہیں ہے۔

نوٹ مکاتب پر ایک درہم باقی ہو تب وہ بعض احکام میں غلام کی طرح ہے لیکن بدل کتابت کچھ ادا کرنے کے بعد کچھ نہ کچھ آزادگی کا شائبہ آچکا ہے اس لئے وہ مکمل غلام نہ رہا اس لئے اس کو کفارے میں آزاد کرنا کافی نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ سمعت ام سلمة تقول قال لنا رسول الله اذا کان لاحد اکن مکاتب فکان عندہ ما یودی فلتحتجب منه (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المکاتب یودی بعض کتابتہ فیعجز او یموت ص۱۹۱ نمبر ۳۹۲۸) اس حدیث کے اشارے سے پتہ چلا کہ کچھ نہ کچھ آزادگی آچکی ہے اس لئے وہ کفارے میں کافی نہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکاتب پر ایک درہم بھی باقی ہو تو مکمل غلام ہے اس لئے اس کا آزاد کرنا درست ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ عن النبی ﷺ قال المکاتب عبد مابقی علیه من کتابته درھم (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی المکاتب یودی بعض کتابتہ فیعجز او یموت ص۱۹۱ نمبر ۳۹۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک درہم بھی باقی ہو تو مکاتب ابھی مکمل غلام ہے اس لئے اس کو کفارے میں آزاد کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) میں نے کہا کہ قربانی میں کیا جائز ہے؟ فرمایا ہمارے درمیاں حضور کھڑے ہوئے... فرمایا چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں ہیں۔ کانا جس کا کانا پن واضح ہو، جس کی بیماری واضح ہو، جس کا لنگڑا پن واضح ہو اور اتنا لاغر کہ ہڈی نظر آئے (ب) ام سلمہ فرماتی ہیں کہ مجھے حضورؐ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کے پاس مکاتب ہو اور اس کے پاس ادا کرنے کی چیز ہے تو اب اس سے پردہ کرنا چاہئے (ج) آپؐ نے فرمایا مکاتب غلام ہے جب تک اس پر کتابت کا ایک درہم بھی باقی ہے۔

[۲۰۴۲](۲۱) فان اعتق مکاتبا لم یؤد شیئا جاز[۲۰۴۳](۲۲) فان اشتری اباه او ابنه وینوی بالشراء الکفارة جاز عنها[۲۰۴۴](۲۳) وان اعتق نصف عبد مشترک عن الکفارة وضمن قیمة باقیه فاعتقه لم یجز عند ابی حنیفة رحمه الله وقال ابویوسف و

[۲۰۴۲](۲۱)اور اگر آزاد کیا ایسے مکاتب کو جس نے کچھ ادا نہیں کیا ہو تو جائز ہے۔

وجہ ابھی مال کتابت میں سے کچھ ادا نہ کیا ہو تو اس میں آزادگی کا شائبہ نہیں آیا ہے اس لئے وہ مکمل غلام ہے۔اس لئے اس کو کفارے میں آزاد کرنا جائز ہے۔صرف کتابت کی بات کرنے سے کیا ہوتا ہے(۲) اوپر کی حدیث بھی اس کی تائید میں ہے۔

[۲۰۴۳](۲۲)اگر اپنی باپ، بیٹے یا ذی رحم محرم کو خریدنے سے نیت کی کفارے کی تو کفارے سے کافی ہوگا۔

تشریح باپ، بیٹے یا ذی رحم محرم کو خریدنے سے پہلے کفارے کی نیت تھی تو خریدتے ہی آزاد ہو جائیں گے لیکن کفارہ بھی ادا ہو جائے گا۔

وجہ یہاں آزاد ہونے کے دو اسباب ہیں۔ایک ذی رحم محرم ہونے کی وجہ سے آزاد ہونا اور دوسرا کفارے کی وجہ سے آزاد ہونا۔چونکہ خریدنے والی کی نیت کفارہ کی جانب سے آزاد کرنا ہے اس لئے اس کی رعایت ہوگی اور کفارہ ادا ہو جائے گا(۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لا یجزی ولد والدا الا ان یجد مملوکا فیشتریه فیعتقه(الف)(مسلم شریف، باب فضل عتق الوالد ص ۴۹۵ نمبر ۱۵۱۰ر ابوداؤد شریف، باب فی برالوالدین ج ثانی ص ۳۵۲ نمبر ۵۱۳۷)اس حدیث میں اگرچہ والد کو آزاد کرنے کی فضیلت ہے لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کفارے کی جانب سے ادا کرے تب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔اور ذی رحم محرم کے مالک ہوتے ہی آزاد ہو جائے گا اس کی حدیث یہ ہے۔عن سمرة بن جندب فیما یحسب حماد قال قال رسول الله من ملک ذا رحم محرم فهو حر(ب)(ابوداؤد شریف، باب فیمن ملک ذا رحم محرم ص ۱۹۴ نمبر ۳۹۴۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم کا مالک ہوا تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔

[۲۰۴۴](۲۳)اگر مشترک غلام کے آدھے کو آزاد کیا کفارے کی طرف سے اور ضامن ہو گیا باقی کی قیمت کا پھر اس کو آزاد کیا تو کافی نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔اور فرمایا صاحبین نے کہ کافی ہوگا اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے۔اور اگر تنگدست ہے تو کافی نہیں ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ دو قاعدوں پر ہے۔ایک قاعدہ یہ ہے کہ غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ایک آدمی اپنا حصہ آزاد کرے تو اگر وہ مالدار ہے تو پورا غلام ہی آزاد ہو جائے گا اور شریک کے حصے کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو جتنا اس نے آزاد کیا اتنا آزاد ہوگا اور باقی حصے کا غلام کما کر آقا کو ادا کرے گا پھر آزاد ہوگا۔اس قاعدے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال من اعتق نصیبا او شقیصا فی مملوک فخلاصه علیه فی ماله ان کان له مال والا قوم علیه فاستسعی به غیر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا والد کا بدلہ اس سے کم میں نہیں ہوگا کہ اس کو مملوک پائے پھر اس کو خرید کر آزاد کر دے(ب) آپؐ نے فرمایا کوئی ذی رحم محرم کا مالک بنے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

محمد رحمهما الله یجزیه ان کان المعتق موسرا وان کان معسرا لم یجز [۲۰۴۵](۲۴)وان اعتق نصف عبده عن کفارته ثم اعتق باقیه عنها جاز[۲۰۴۶](۲۵) وان اعتق نصف عبده عن کفارته ثم جامع التی ظاهر منها ثم اعتق باقیه لم یُجز عند ابی

مشقوق علیہ (الف)(بخاری شریف، باب اذا اعتق نصیبا فی عبد ولیس لہ مال استسعی العبد(۳۴۳ نمبر ۲۵۲۷) مسلم شریف، باب ذکر سعایۃ العبد ص ۴۹۱ نمبر ۱۵۰۳) اس حدیث میں ہے کہ مالدار ہو تو پورا غلام آزاد ہوگا۔ اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ شریک کا حصہ جو آزاد ہوا اس میں نقص آکر آزاد ہوا یا مکمل آزاد ہوا تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے کے حصے میں پہلے آزادگی کا نقص آیا پھر اس کا ضامن ہوا پھر آزاد ہوا اس لئے نقص والا غلام آزاد ہوا مکمل غلام آزاد نہیں ہوا۔ اس لئے یہ غلام کفارے کے لئے کافی نہیں ہے۔

اور صاحبین فرماتے ہیں کہ آزاد کرنے والے نے شریک کی ذمہ داری لے لی تو شریک کے حصے میں کمی نہیں آئی۔ بلکہ مکمل غلام آزاد ہوا۔ اس لئے کفارہ کے لئے کافی ہے۔ اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہو تو آدھا غلام ہی کفارے والے کی جانب سے آزاد ہوا باقی آدھے کے بارے میں غلام خود سعی کر کے رقم ادا کرے گا اور آزاد ہوگا اس لئے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

[۲۰۴۵](۲۴) اور اگر اپنے ہی غلام کے آدھے حصے کو کفارے کی طرف سے آزاد کیا پھر باقی کو اس کی جانب سے آزاد کیا تو جائز ہے۔

تشریح کفارے والے نے اپنے غلام کے آدھے حصے کو آزاد کیا پھر باقی آدھے حصے کو بعد میں آزاد کیا تو کفارہ کی طرف سے کافی ہوگا۔

وجہ آدھے غلام کو آزاد کرنے سے جو نقص ہوا وہ اپنی ملکیت میں ہوا اس لئے مکمل غلام آزاد کرنا سمجھا جائے گا اور ایسا ہوا کہ ایک کفارہ دو جملوں میں ادا کیا اس لئے کافی ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنا آدھا غلام آزاد کرے اور باقی کو آزاد کرے تو اس نقص کا اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ مالک ہونے کی وجہ سے گویا کہ پورا غلام ایک مرتبہ ہی آزاد ہوا۔

[۲۰۴۶](۲۵) اور اگر اپنے غلام کا آدھا اپنے کفارے کی طرف سے آزاد کیا پھر وطی کی اس عورت سے جس سے ظہار کیا تھا پھر آزاد کیا باقی غلام کو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک کافی نہیں ہوگا۔

وجہ آیت کے اعتبار سے وطی سے پہلے پورا غلام کفارہ میں ادا کرنا چاہئے۔ اس نے آدھا غلام ہی ادا کیا اور آدھا بعد میں ادا کیا۔ اور حنفیہ کے نزدیک غلام آزاد کرنے میں تجزی ہو سکتی ہے اس لئے آدھا ہی آزاد ہوا اس لئے کفارے میں کافی نہیں ہے۔

وجہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام آزاد کرنے میں تجزی ہو سکتی ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من اعتق شرکا له فی عبدفکان له مال یبلغ ثمن العبد قوم علیه قیمة العدل فاعطی شرکاءہ حصصهم وعتق علیه العبد

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی اپنا حصہ آزاد کرے یا مملوک کا ایک ٹکڑا آزاد کرے تو اس کے مال میں سے اس کو چھٹکارا دلانا ہے اگر اس کے پاس مال ہو۔ اور مالک کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی قیمت لگائی جائے گی اور غلام کما کر ادا کرے گا اس طرح کہ اس پر مشقت نہ ہو۔

حنیفة رحمه الله[۲۰۴۷] (۲۶) فان لم یجد المظاهر ما یعتقه فکفارته صوم شهرین متتابعین لیس فیهما شهر رمضان ولا یوم الفطر ولا یوم النحر ولا ایام التشریق.

والا فقد عتق منه ما عتق (الف) (مسلم شریف، باب من اعتق شرکا له فی عبد ص ۴۹۱ نمبر ۱۵۰۱ ر ابو داؤد شریف، باب فیمن روی انہ لا یستسعی ص ۱۹۴ نمبر ۳۹۴۰) اس حدیث میں الا فقد عتق منه ما عتق سے معلوم ہوا کہ جتنا آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہوگا جس سے آزادگی میں تجزی کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے اوپر کے مسئلے میں آدھا غلام جماع سے پہلے آزاد ہوا اور آدھا غلام جماع کے بعد۔ چونکہ جماع سے پہلے پورا غلام آزاد نہیں ہوا اس لئے کفارہ ظہار کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

فائدہ امام صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ پورا غلام ایک ساتھ آزاد ہوگا۔ ان کے یہاں تجزی نہیں ہے اس لئے جب آدھا غلام جماع سے پہلے آزاد کیا تو پورا ہی آزاد ہو گیا۔ اس لئے کفارے میں کافی ہو جائے گا۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے۔ عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال من اعتق نصیبا او شقیصا فی مملوک فخلاصه علیه فی ماله ان کان له مال والا قوم علیه فاستسعی به غیر مشقوق علیه (ب) (بخاری شریف، باب اذا اعتق نصیبا فی عبد ولیس له مال استسعی العبد ص ۳۴۳ نمبر ۲۵۲۷ ر مسلم شریف، باب ذکر سعایة العبد ص ۴۹۱ نمبر ۱۵۰۳) اس حدیث سے پتہ چلا کہ آزاد کرنے والا غریب ہو تب بھی پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔ البتہ غلام پر بقیہ حصے کی سعی لازم ہوگی۔ جس سے معلوم ہوا کہ غلام آزاد کرنے میں تجزی نہیں ہے۔ اس لئے جماع سے پہلے آدھا آزاد کیا تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور کفارے کے لئے کافی ہوگا۔

[۲۰۴۷] (۲۶) پس اگر ظہار کرنے والا غلام نہ پائے جس کو آزاد کرے تو اس کا کفارہ دو مہینے مسلسل روزہ رکھنا ہے، جن میں رمضان کا مہینہ نہ ہو، نہ عید الفطر کا اور نہ یوم نحر کا اور نہ ایام تشریق ہوں۔

تشریح ظہار کرنے والے کے پاس آزاد کرنے کے لئے غلام یا باندی نہیں ہیں تو اب اس کو دو ماہ تک مسلسل روزے رکھنا ہے۔ ان روزوں کے درمیان رمضان کا مہینہ نہ ہو، عید الفطر کا دن نہ ہو، عید الاضحیٰ کا دن نہ ہو، اور تین دن تشریق کے دن نہ ہوں۔

وجہ درمیان میں رمضان کا روزہ ہوگا تو مسلسل دو مہینے روزے نہیں رکھ سکے گا۔ اسی طرح عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اور مکروہ روزہ رکھے گا تو کافی نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ دن بھی درمیان میں نہ ہوں (۲) اثر میں ہے۔ عن عطاء قال ان جعل بینهما شهر رمضان او یوم النحر لم یوال حینئذ یقول یستأنف (ج) مصنف عبد الرزاق، باب یصوم فی الظہار شہرا ثم یمرض ج سادس، ص ۴۲۹ نمبر ۱۱۵۱۹) اس اثر میں ہے کہ درمیان میں رمضان یا یوم النحر وغیرہ آجائے تو چونکہ آیت کے مطابق مسلسل نہیں ہوا اس لئے

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے مشترک غلام کو آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو جو غلام کی قیمت کو پہنچ سکتا ہو تو اس کی انصاف والی قیمت لگائی جائے گی۔ پس دو شریکوں کا ان کا حصہ اور پورا غلام ان پر آزاد ہو جائے گا۔ اور مال نہ ہو تو جتنا آزاد ہوا اتنا ہی آزاد ہوگا (ب) آپؐ نے فرمایا کسی مملوک کا کچھ حصہ آزاد کیا تو اس کے مال میں اس کا چھٹکارا کرنا ہے اگر اس کے پاس مال ہو۔ اور مال نہ ہو تو غلام کی قیمت لگائی جائے گی اور غلام کما کر ادا کرے گا اس طرح کہ اس پر مشقت نہ ہو (ج) حضرت عطاء نے فرمایا اگر دو مہینوں کے درمیان رمضان کا مہینہ ہو یا یوم نحر ہو تو اس وقت پے در پے نہیں ہوا۔ فرماتے ہیں کہ از سر نو روزہ رکھے۔

[۲۰۴۸](۲۷) فان جامع التی ظاھر منھا فی خلال الشھرین لیلا عامدا او نھارا ناسیا استأنف عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ[۲۰۴۹] (۲۸) وان افطر یوما منھا بعذر او

شروع سے روزہ رکھے (۳) **سألت الزھری عن الرجل یصوم شھرا فی الظھار ثم یمرض فیفطر قال فلیستأنف** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب یصوم فی الظھار شھرا ثم یمرض ج سادس ص ۴۲۸ نمبر ۱۱۵۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عذر کی بنا پر بھی روزہ چھوڑا تو شروع سے روزہ رکھے گا۔

[۲۰۴۸] (۲۷) جس نے ظہار کیا تھا اس سے جماع کر لیا دو ماہ کے درمیان رات کو جان کر یا دن کو بھول کر تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک شروع سے روزہ رکھے گا۔

تشریح جس بیوی سے ظہار کیا تھا اس سے مسلسل دو ماہ روزہ رکھنے سے پہلے جماع نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن اس سے جماع کر لیا تو شروع سے دوبارہ روزہ رکھے گا۔

وجہ ظہار والی بیوی سے رات میں جان کر جماع کر لیا تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ اسی طرح دن میں بھول کر جماع کر لیا تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ اور دو ماہ کے تسلسل میں خامی نہیں آئی۔ پھر بھی شروع سے روزہ اس لئے رکھے کہ مسلسل دو ماہ روزے جماع سے پہلے رکھنا چاہئے۔ اور اس نے کچھ روزے پہلے رکھا اور کچھ بعد میں اس لئے کفارہ ادا نہیں ہوا۔ اس لئے دوبارہ روزے رکھے (۲) آیت میں فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا ہے (آیت ۴ سورۃ المجادلۃ ۵۸) اس آیت سے معلوم ہوا کہ جماع سے پہلے مسلسل دو ماہ روزے رکھے۔ اور اس نے آدھا پہلے رکھا اور آدھا بعد میں رکھا اس لئے کفارہ کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے شروع سے دو ماہ روزہ رکھے (۳) اثر میں ہے۔ **عن الحسن او غیرہ فی المظاھر یصوم ثم یقع علی امرأتہ قبل ان یتم صومہ قال یھدم الصوم** (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب المظاھر یصوم ثم یوسر للعتق ج سادس ص ۴۲۷ نمبر ۱۱۵۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہلا روزہ بیکار گیا شروع سے روزہ رکھے۔

فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس جماع کرنے سے درمیان میں روزہ نہیں ٹوٹا۔ اس لئے تسلسل ختم نہیں ہوا اس لئے یہ روزے کفارے کے لئے کافی ہیں دوبارہ شروع سے رکھنے کی ضرورت نہیں، مابقیہ کو رکھ لے۔

[۲۰۴۹] (۲۸) اگر دو ماہ میں سے ایک دن روزہ چھوڑ دیا عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے تو شروع سے روزہ رکھے۔

وجہ آیت میں ہے کہ مسلسل دو ماہ روزے رکھے۔ اور اس نے مسلسل نہیں رکھا بلکہ ایک دن چھوڑ دیا چاہے عذر ہی سے کیوں نہ چھوڑا ہو۔ اس لئے از سر نو دوبارہ رکھنا ہوگا۔ آیت پہلے گزر چکی ہے (۲) اثر میں ہے۔ **سألت الزھری عن الرجل یصوم شھرا فی الظھار ثم یمرض فیفطر قال فلیستأنف** (ج) **عن ابراھیم قال یستأنف صیامہ** (مصنف عبدالرزاق، باب یصوم فی الظھار شھرا ثم یمرض ج

حاشیہ : (الف) حضرت زہری سے پوچھا ایک آدمی ظہار کا ایک ماہ روزہ رکھے پھر بیمار ہو جائے جس کی وجہ سے روزہ چھوڑ دے؟ فرمایا شروع سے روزہ رکھے (ب) حضرت حسن وغیرہ نے فرمایا ظہار کرنے والا روزہ رکھے پھر اپنا روزہ پورا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرے؟ فرمایا پہلا روزہ کالعدم ہو جائے گا (ج) میں نے حضرت زہری سے پوچھا کوئی آدمی ایک ماہ روزہ رکھے ظہار کا پھر بیمار ہو جائے اور روزہ چھوڑ دے تو کیا کرے؟ فرمایا از سر نو روزہ رکھے۔

بغیر عذر استأنف[۲۰۵۰](۲۹) وان ظاھرا العبد لم یجزه فی الکفارة الا الصوم [۲۰۵۱](۳۰) فان اعتق المولی عنه او اطعم لم یجزئه[۲۰۵۲](۳۱) فان لم یستطع المظاھر الصیام اطعم ستین مسکینا[۲۰۵۳](۳۲) ویطّعم کل مسکین نصف صاع من

سادس،ص ۴۲۷نمبر ۱۱۵۰۹/۱۱۵۱۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عذر کی بنا پر روزہ چھوڑ دے تب بھی شروع سے روزہ رکھے گا۔

[۲۰۵۰](۲۹)اگر غلام ظہار کرے تو نہیں جائز ہے کفارے میں مگر روزہ۔

تشریح غلام نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تو کفارہ صرف روزے سے ہی ادا کرے۔کھانا کھلانا یا غلام آزاد کرنا کافی نہیں ہوں گے۔

وجہ اس کے پاس کچھ مال ہی نہیں ہے کہ کھانا کھلائے یا غلام آزاد کرے،جو مال ہے وہ سب مولی کا ہے۔اس لئے صرف روزے سے ہی کفارہ ادا ہوگا۔

[۲۰۵۱](۳۰)پس اگر آقا نے غلام کی جانب سے آزاد کیا یا کھانا کھلایا تو کافی نہیں ہوگا۔

تشریح مظاہر غلام کی جانب سے آقا نے کفارے میں غلام آزاد کر دیا یا ساٹھ مسکین کو کھانا کھلا دیا تو کافی نہیں ہوں گے۔

وجہ یہ مال آقا کے ہیں غلام کے ہیں ہی نہیں۔اس لئے غلام کی جانب سے کچھ ادا نہیں ہوا۔

[۲۰۵۲](۳۱)پس اگر ظہار کرنے والا روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

وجہ آیت میں ہے کہ روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو مثلا بوڑھا ہو یا مجبوری ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔**فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا** (الف)(آیت ۴ سورۃ المجادلۃ ۵۸)(۲)اور لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن سلمة بن صخر ... قال فصم شهرین متتابعین قال وھل اصبت الذی الا من الصیام قال فاطعم وسقا من تمر بین ستین مسکینا** (ب)(ابوداؤد شریف،باب فی الظہار ص ۳۰۸ نمبر ۲۲۱۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکین کو کھانا کھلائے۔

[۲۰۵۳](۳۲)اور کھلائے ہر مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو یا اس کی قیمت۔

تشریح ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کے دو طریقے ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں گیہوں یا کھجور یا جو دیدے۔اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کھانا پکا کر کھلا دیا جائے۔اگر اس کے ہاتھ میں گیہوں دے تو ہر مسکین کو آدھا صاع دے۔اور کھجور یا جو دے تو ایک ایک صاع دے یا اس کی قیمت دے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں ہے۔**فاطعم وسقا من تمر بین ستین مسکینا** (ج)(ابوداؤد شریف،باب فی الظہار ص ۳۰۸ نمبر ۲۲۱۳/سنن للبیہقی،باب لایجزی ان یطعم اقل من ستین مسکینا کل مسکین مدا من طعام بلدہ ج سابع،ص ۶۴۳،نمبر ۱۵۲۸۷)اس حدیث میں ایک وسق کو

حاشیہ : (ج) جو روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے (د) آپؐ نے فرمایا دو ماہ پے در پے روزے رکھو،فرمایا جو مصیبت آئی ہے وہ روزے ہی سے آئی ہے۔فرمایا ایک وسق کھجور کھانے میں دو ساٹھ مسکینوں کے درمیان (ج) کھلاؤ ایک وسق کھجور ساٹھ مسکینوں کے درمیان۔

بر او صاعا من تمر او شعير او قيمة ذلك[۲۰۵۴](۳۳) فان غدّاهم وعشّا هم جاز قليلا كان ماأكلوا او كثيرا[۲۰۵۵](۳۴) وان اطعم مسكينا واحدا ستين يوما اجزاه وان

ساٹھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے کہا ہے۔اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر ایک مسکین کو ایک ایک صاع کھجور دے۔اور پہلے باب صدقۃ الفطر میں گزر چکا ہے کہ ایک صاع کھجور آدھا صاع گیہوں کے برابر قیمت تھی۔اس لئے آدھا صاع گیہوں بھی ہر ایک مسکین کو دیا جا سکتا ہے۔

فائدہ کچھ ائمہ کے نزدیک ہر مسکین کو ایک مد دے دینا کافی ہے۔

وجہ ان کی دلیل ابوداؤد کی حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔**عن اوس اخی عبادة بن الصامت ان النبی ﷺ اعطاه خمسة عشر صاعا من شعير اطعام ستين مسكينا** (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی الظہار ص ۳۰۸ نمبر ۲۲۱۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کفارۃ الظہار ص ۲۲۷ نمبر ۱۲۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ساٹھ مسکینوں کے لئے صرف پندرہ صاع کھجور دے تو ایک مسکین کے لئے چوتھائی صاع ہوا جو ایک مد ہوتا ہے۔کیونکہ چار مد کا ایک صاع ہوتا ہے۔اس لئے ہر ایک مسکین کو ایک مد کھجور دینا کافی ہوگا۔

لغت بر : گیہوں۔

[۲۰۵۴](۳۳)اور اگر مسکینوں کو صبح اور شام کھلایا تو بھی جائز ہے کم کھائیں یا زیادہ۔

تشریح ہاتھ میں گیہوں دینے کے بجائے کھانا پکا کر صبح اور شام کھلا دیا تو اس سے بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔چاہے وہ آدھا صاع سے زیادہ کھالے یا کم کھالے۔

وجہ آیت میں **اطعام ستين مسكينا** ہے۔جس کا ترجمہ ہے کھانا کھلانا،اس لئے پکا کر کھلانے سے بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔حدیث میں بھی ہے۔**فليطعم ستين مسكينا** (ب)(ابوداؤد شریف،نمبر ۲۲۱۴)جس سے معلوم ہوا کہ کھانا کھلا دینے سے بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔

لغت غدا : صبح کو کھلانا، عشاء : شام کو کھانا کھلانا۔

[۲۰۵۵](۳۴)اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دنوں تک کھلایا تب بھی کافی ہے۔اور اگر دیا اس کو ایک ہی دن میں کافی نہیں ہوگا مگر ایک دن سے۔

تشریح گنتی کر کے ساٹھ مسکینوں کو کھلانا چاہئے۔لیکن ایک ہی مسکین کو ساٹھ دنوں تک کھلاتا رہا تب بھی کافی ہو جائے گا۔

وجہ ہر دن کی الگ الگ ضرورتیں ہیں اس لئے گویا کہ ہر دن الگ الگ مسکین کو دیا اس لئے ساٹھ مسکینوں کے کفارے کے لئے کافی ہے۔

اور اگر ایک ہی آدمی کو ایک ہی دن میں ساٹھ صاع دے دیا تو ایک آدمی کا کفارہ ادا ہوگا،ابھی انسٹھ باقی رہے گا۔

وجہ ایک ہی آدمی کو ساٹھ صاع دے دیا تو عدد کے اعتبار سے ایک ہی مسکین ہوا چاہے اس کو جتنا دیدے۔آیت کے اعتبار سے ساٹھ کی تعداد پورا کرنا ضروری تھا،**فاطعام ستين مسكينا** (آیت ۴ سورۃ المجادلۃ ۵۸)اس لئے ایک ہی آدمی شمار ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپ نے پندرہ صاع جو دیا ساٹھ مسکینوں کے کھانے کے لئے (ب) کھانا کھلانا ہے ساٹھ مسکینوں کو۔

اعطاه فی یوم واحد لم یجزه الا عن یومه[۲۰۵۶](۳۵) وان قرب التی ظاهر منها فی خلال الاطعام لم یستأنف[۲۰۵۷](۳۶) ومن وجبت علیه کفارتا ظهار فاعتق رقبتین لاینوی لاحدهما بعینها جاز عنهما وکذلک ان صام اربعة اشهر او اطعم مائة وعشرین مسکینا جاز[۲۰۵۸](۳۷) وان اعتق رقبة واحدة عنهما او صام شهرین کان له ان یجعل

[۲۰۵۶](۳۵)اوراگر جس بیوی سے ظہار کیا تھا اس سے صحبت کر لی کھلانے کے درمیان تو شروع سے نہ کھلائے۔

تشریح کفارہ میں مسکینوں کو کھانا کھلا رہا تھا مثلا تیس مسکینوں کو کھانا کھلایا اس درمیان ظہار والی بیوی سے صحبت کر لی تو ایسا کرنا اچھا تو نہیں تھا لیکن پھر بھی شروع سے کھلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بقیہ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔

وجہ آیت میں غلام آزاد کرنے اور روزہ رکھنے کی قید ہے کہ صحبت کرنے سے پہلے کرے۔ لیکن کھانا کھلانے میں یہ قید نہیں ہے۔ اس لئے درمیان میں صحبت کر لی تو از سر نو کھلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آیت یہ ہے۔ فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا (الف) (آیت ۴ سورۃ المجادلۃ ۵۸) اس آیت میں قبل ان یتماسا کی قید نہیں ہے۔

[۲۰۵۷](۳۶) کسی پر ظہار کے دو کفارے واجب ہوں۔ پس دو غلام آزاد کئے اور کسی ایک کی متعین طور پر نیت نہیں کی تو دونوں کی طرف سے ہو جائیں گے، اسی طرح اگر چار مہینے روزے رکھا یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا تو جائز ہے۔

تشریح کسی پر دو کفارۂ ظہار تھے۔ اسلئے دو غلام آزاد کرنا تھا۔ اور بہتر یہ تھا کہ ایک غلام آزاد کرتے وقت متعین طور پر ایک ظہار کی نیت کرتا اور دوسرے غلام کو آزاد کرتے وقت دوسرے ظہار کی نیت کرتا تا کہ کوئی شک شبہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اس نے دو ظہاروں کی جانب سے دو غلام آزاد کئے اور کسی ایک ظہار کو متعین نہیں کیا تب بھی دونوں ظہاروں سے کفارہ کافی ہو جائے گا۔ اسی طرح چار ماہ روزے رکھا اور کسی ایک ظہار کو متعین نہیں کیا۔ اسی طرح ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا اور کسی ایک ظہار کو متعین نہیں کیا تب بھی دونوں کفاروں کے لئے کافی ہیں۔

وجہ دونوں کفارے بھی ایک ہی قسم کے ہیں اور غلام بھی دو ہیں اس لئے ایک جنس ہونے کی وجہ سے خصوصی تعیین کی ضرورت نہیں ہے۔ دونوں ادا ہو جائیں گے۔

[۲۰۵۸](۳۷) اگر آزاد کیا ایک غلام دو کفاروں کی جانب سے یا روزہ رکھا دو مہینے تو اس کے لئے جائز ہے کہ جس کی طرف سے چاہے قرار دے لے

تشریح آدمی پر دونوں کفارے ظہار کے تھے، اس نے دونوں کفاروں کی جانب سے ایک غلام آزاد کیا، یا دو مہینے روزے رکھے تو بعد میں اس کو اختیار ہوگا کہ آزاد کئے ہوئے غلام کو کسی ایک کفارے کے لئے متعین کر دے۔ یا روزے کو کسی ایک کفارے کے لئے متعین کر دے۔ جب ایک ظہار کے لئے متعین کرے گا تو اس ظہار کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

وجہ چونکہ دونوں کفارے ظہار کے ہی ہیں اور ایک جنس کے ہیں۔ اس لئے آزاد کرنے سے پہلے ایک ظہار کا تعین ضروری نہیں ہے، بعد میں

حاشیہ : (الف) پس جو شخص اس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ ساٹھ مسکین کو کھانا کھلائے۔

ذلک عن ایتھما شاء.

بھی متعین کرسکتا ہے۔ جیسے رمضان کے دوروزے ہوں اور ایک روزہ قضا رکھا لیکن کس دن کا قضا ہے متعین نہیں کیا تو بعد میں متعین کر سکتا ہے۔ جس دن کا متعین کرے گا اس دن کا متعین ہو جائے گا، اور اس دن کی ادائیگی ہو جائے گی۔

اصول جنس ایک ہو تو ہر ایک کو خصوصی طور پر متعین کرنا ضروری نہیں ہے۔ بعد میں تخصیص کرنا بھی کافی ہو جائے گا۔

﴿کتاب اللعان﴾

[۲۰۵۹](۱)اذا قذف الرجل امرأته بالزنا وهما من اهل الشهادة والمرأة ممن یحد

﴿کتاب اللعان﴾

ضروری نوٹ لعان کے معنی لعنت کرنا ہے۔ چونکہ لعان میں مرد آخر میں اپنے اوپر لعنت کرتا ہے اس لئے اس کو لعان کہتے ہیں۔ مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت ڈالے اور اس پر گواہی نہ لا سکے اور مرد وعورت اہل شہادت میں سے ہوں تو عورت کے مطالبے پر لعان واجب ہوگا۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین ٥ والخامسۃ ان لعنت اللہ علیہ ان کان من الکاذبین** (الف) (آیت ۷ سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں لعان کا تذکرہ ہے (۲) اور اس بارے میں عویمر العجلانی کی مشہور حدیث ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے۔ **ان عویمر العجلانی جاء الی عاصم بن عدی ... قال سھل فتلاعنا وانا مع الناس عند رسول اللہ فلما فرغا من تلاعنھما قال عویمر کذبت علیھا یا رسول اللہ ان امسکتھا فطلقھا ثلاثا قبل ان یامرہ رسول اللہ ﷺ قال ابن شھاب فکانت سنۃ المتلاعنین** (ب) (بخاری شریف، باب اللعان ومن طلق بعد اللعان ص ۷۹۹ نمبر ۵۳۰۸ رمسلم شریف، کتاب اللعان ص ۴۸۸ نمبر ۱۴۹۲ رابو داؤد شریف، باب فی اللعان ص ۳۱۳ نمبر ۲۲۴۵) اس حدیث سے لعان کا ثبوت ہے۔

[۲۰۵۹] (۱) اگر شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائی۔ اور میاں بیوی اہل شہادت میں سے ہوں اور عورت اس میں سے ہو جس کے تہمت لگانے والے کو حد لگائی جاتی ہو، یا بچے کے نسب کی نفی کرے اور عورت موجب قذف کا مطالبہ کرے تو شوہر پر لعان ہے۔

تشریح چار شرطیں ہوں تو شوہر پر لعان واجب ہے۔ پہلی یہ کہ شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے کہ تم نے زنا کرایا ہے۔ یا بیوی کو بچہ ہو تو کہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ زنا کرا کے لائی ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ شوہر میں وہ تمام شرائط موجود ہوں جو گواہی دینے والے میں ہوتی ہیں۔ مثلا مرد عاقل، بالغ اور آزاد ہو اور اس پر حد قذف لگایا ہوا نہ ہو۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ عورت ان میں سے ہو کہ اس پر تہمت لگانے والے کو حد قذف لگ جاتی ہو۔ مثلا وہ عاقلہ، بالغہ اور آزاد ہو اور اس پر کبھی حد قذف نہ لگی ہو۔ یا اس کے پاس بچہ مجہول النسب نہ ہو تب اس پر تہمت لگانے سے لعان ہوگا۔ اور چوتھی شرط یہ ہے کہ بیوی قاضی سے لعان کرانے کا مطالبہ کرے تب لعان ہوگا۔

وجہ ہر ایک کی دلیل یہ ہے، شوہر تہمت لگائے تب لعان واجب ہوگا اس کی دلیل کہ آیت میں ہے۔ **الذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم** (ج) (آیت ۶ سورۃ النور ۲۴) کہ جو لوگ بیویوں کو زنا کی تہمت ڈالتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ تہمت زنا

حاشیہ : (الف) جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں اور اپنی ذات کے علاوہ اس کے لئے کوئی گواہ نہیں ہے تو ان کو چار مرتبہ گواہی دینا ہے، خدا کی قسم وہ سچے ہیں۔ اور پانچویں مرتبہ اللہ کی اس پر لعنت ہو اور وہ جھوٹے ہیں (ب) حضرت سہیل نے فرمایا کہ عویمر العجلانی اور اس کی بیوی نے لعان کیا۔ اور میں لوگوں کے ساتھ حضورؐ کے پاس تھا۔ پس جب دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر نے فرمایا میں اس پر جھوٹ بولوں یا رسول اللہ اگر اس کو رکھ لوں! پس حضورؐ کے حکم دینے سے پہلے اس کو تین طلاقیں دیں۔ حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ لعان کرنے والے کا یہ طریقہ ہو گیا کہ لعان کے بعد عورت کو جدا کر دے (ج) جو اپنی (باقی اگلے صفحہ پر)

قاذفها او نفی نسب ولدها وطالبته المرأة بموجب القذف فعلیه اللعان[۲۰۶۰](۲) فان

لگائے تب لعان ہوگا۔اور مرد اور عورت اہل شہادت میں سے ہوں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ قال اربع من النساء لا ملاعنة بینهن النصرانیة تحت المسلم والیهودیة تحت المسلم والحرة تحت المملوک والمملوکة تحت الحر** (الف)(ابن ماجہ شریف، باب اللعان ص ۲۹۷ نمبر ۲۰۷۱)اس حدیث میں نصرانیہ مسلمان کے تحت میں ہو تو لعان نہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ لعان کے لئے عورت کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔اسی طرح آزاد عورت مملوک کے ماتحت میں ہو تو لعان نہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ شوہر کا آزاد ہونا ضروری ہے۔اور فرمایا کہ باندی بیوی آزاد کے تحت میں ہو، جس کا مطلب یہ ہوا کہ بیوی کا آزاد ہونا ضروری ہے تب لعان ہوگا۔مصنف نے اسی کا ترجمہ کیا کہ بیوی اور شوہر اہل شہادت میں سے ہوں (۲) آیت میں ہے کہ **فشهادة احدهم اربع شهادات بالله** ،جس سے معلوم ہوا کہ لعان مرد اور عورت دونوں کی جانب سے شہادت کے درجے میں ہے۔یعنی مرد گواہی دے رہا ہے کہ عورت نے زنا کرایا ہے۔اور عورت گواہی دے رہی ہے کہ میں نے زنا نہیں کرایا ہے۔جب ان دونوں کا لعان گواہی کے درجے میں ہے تو دونوں کا اہل شہادت ہونا ضروری ہے۔بیوی کے بچے کی نفی کرے جس سے لعان ہوتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عمر ان النبی ﷺ لاعن بین رجل وامرأته فانتفی من ولدها ففرق بینهما والحق الولد بالمرأة** (ب)(بخاری شریف، باب یلحق الولد بالملاعنة ص ۸۰۱ نمبر ۵۳۱۵ رمسلم شریف، کتاب اللعان ص ۴۸۸ نمبر ۱۴۹۴)اس حدیث میں لڑکے کو باپ سے نفی کرکے ماں کے ساتھ ملحق کیا جس سے معلوم ہوا کہ بچے کے انکار کرنے کی وجہ سے لعان ہوا ہے۔اور عورت کے مطالبے پر لعان ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس کا حق ہے،اگر حق چھوڑ دے تو لعان نہیں ہوگا۔

[۲۰۶۰](۲)اگر شوہر رک جائے لعان سے تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ لعان کرے یا اپنے آپ کو جھٹلائے تا کہ اس پر حد لگائی جائے۔

تشریح شوہر نے تہمت لگائی پھر لعان کرنے کے لئے کہا تو لعان کرنے سے انکار کر دیا تو حاکم اس کو قید کرے گا تا کہ یا تو لعان کرے یا اپنے آپ کو جھٹلائے۔اگر اپنے آپ کو جھٹلایا تو اس پر حد لگ جائے گی۔

وجہ عورت پر تہمت لگانے کے بعد لعان کروانا اس کا حق ہو جاتا ہے تا کہ اس کی عزت محفوظ رہے،اور وہ نہیں کر رہا ہے تو حاکم اس کو قید کرے گا۔اگر اپنے آپ کو جھٹلائے تو حد لازم ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **ان هلال بن امیة قذف امرأته عند النبی ﷺ بشریک بن سحماء فقال النبی ﷺ البینة او حد فی ظهرک** (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی اللعان ص ۳۱۳ نمبر ۲۲۵۴)اس حدیث سے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) بیویوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور ان کے پاس اپنی ذات کے علاوہ کوئی گواہ نہ ہو الخ (الف) آپؐ نے فرمایا چار قسم کی عورتوں سے لعان نہیں ہے۔نصرانیہ مسلمان کی بیوی ہو۔اور یہودیہ مسلمان کی بیوی ہو۔اور آزاد عورت غلام کی بیوی ہو۔اور باندی آزاد کی بیوی ہو(ب) آپؐ نے لعان کرایا شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان،اور اس کے بچے کی نفی کی اور دونوں کے درمیان تفریق کی اور بچے کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیا(ج) حضرت ہلال بن امیہ نے حضورؐ کے پاس بیوی کو شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی تو آپؐ نے فرمایا گواہی لاؤ یا تیری پیٹھ پر حد لگے گی۔

امتنع منه حبسه الحاكم حتى يلاعن او يكذب نفسه فيحد[۲۰۶۱](۳) وان لاعن وجب عليها اللعان فان امتنعت حبسها الحاكم حتى تلاعن او تصدقه[۲۰۶۲](۴) واذا كان

معلوم ہوا کہ تہمت لگانے کے بعد اس کو ثابت نہ کرے یا لعان نہ کرے تو اس پر حد لازم ہوگی۔

[۲۰۶۱](۳) اور اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر لعان واجب ہے، پس اگر وہ لعان سے باز رہے تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے۔

وجہ اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر لعان واجب ہوگا کیونکہ شوہر کا حق ہو گیا ہے، ورنہ اس کو قید کرے یہاں تک کہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے۔

[۲۰۶۲](۴) اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا قذف کی سزا یافتہ ہو اور بیوی کو تہمت لگائے تو ان پر حد ہوگی۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ شوہر نے بیوی پر زنا کی تہمت لگائی لیکن شوہر اہل شہادت میں سے نہیں ہے اس لئے لعان نہیں کر سکتا اس لئے اس پر حد لگ جائے گی۔ مثلا شوہر غلام ہے یا کافر ہے یا حد قذف کی سزا پا چکا ہے تو یہ لوگ لعان نہیں کر سکتے۔ اور لعان نہیں کر سکتے تو حد لازم ہوگی۔

وجہ یہ لوگ لعان نہیں کر سکتے اس کی وجہ ابن ماجہ شریف کی حدیث گزر چکی ہے۔ **عن عمر بن شعیب ان النبی ﷺ قال اربع من النساء لا ملاعنة بینهن النصرانیة تحت المسلم والیهودیة تحت المسلم والحرة تحت المملوک والمملوکة تحت الحر** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب اللعان ص ۲۹۷ نمبر ۲۰۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر مسلمان نہ ہو یا غلام ہو تو وہ لعان نہیں کر سکتا۔ اور قذف کی سزا یافتہ کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے (۲) لعان کرنا گواہی پیش کرنے کے درجے میں ہے۔ اور گواہی پیش نہ کر سکے تو اس پر حد ہے۔ اس لئے یہ لوگ لعان نہ کر سکے تو ان پر حد لازم ہوگی۔ آیت میں ہے۔ **والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون** (ب) (آیت ۴ سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ زنا کی تہمت لگانے کے بعد اس پر چار گواہ نہ لا سکے تو اس پر حد لگے گی۔ اور لعان نہ کر سکا تو گویا کہ چار گواہ نہ لا سکا۔ اس لئے ایسے شوہر پر حد قذف لگے گی (۳) اثر میں ہے۔ **عن علی بن ابی طالب انه ضرب عبدا افتری علی حر اربعین** (نمبر ۱۳۷۸۸) **عن ابن عباس انه کان یقول حد العبد یفتر علی الحر اربعون** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب العبد یفتری علی الحر ج سابع ص ۴۳۷ نمبر ۱۳۷۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام شوہر آزاد بیوی پر تہمت ڈالے تو اس پر حد قذف لگے گی۔

حاشیہ: (الف) آپ نے فرمایا چار قسم کی عورتوں سے لعان نہیں ہے۔ نصرانیہ مسلمان کی بیوی ہو، یہودیہ مسلمان کی بیوی ہو اور آزاد عورت غلام کی بیوی ہو اور باندی آزاد کی بیوی ہو تو لعان نہیں ہے (ب) جو لوگ پاکدامن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لا سکتے تو ان کو اسی کوڑے مارو اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور وہ لوگ فاسق ہیں (ج) حضرت علی نے غلام کو چالیس کوڑے لگائے جس نے آزاد پر تہمت لگائی تھی۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ غلام آزاد پر تہمت لگائے تو چالیس کوڑے ہیں۔

الزوج عبدا او کافرا ومحدودا فی قذف فقذف امرأته فعلیه الحد[۲۰۶۳](۵) وان کان الزوج من اهل الشهادة وهی امة او کافرة او محدودة فی قذف او کانت ممن لایحد قاذفها فلا حد علیه فی قذفها ولا لعان[۲۰۶۴](۶) وصفة اللعان ان یبتدئ القاضی

[۲۰۶۳](۵)اوراگرشوہراہل شہادت میں سے ہواور بیوی باندی ہو یا کافرہ ہو یا تہمت میں سزایافتہ ہو یا اس میں سے ہو جس کے تہمت لگانے والے کوحد نہیں لگائی جاسکتی ہوتو تہمت لگانے پر نہ اس پر حد ہوگی اور نہ لعان ہوگا۔

تشریح لعان کرنے کے لئے شوہر میں کوئی خامی نہیں ہے لیکن بیوی میں خامی ہے کہ وہ اہل شہادت میں سے نہیں ہے۔مثلا وہ باندی ہے یا کافرہ ہے یا تہمت میں سزایافتہ ہے یا بچی ہے یا مجنونہ ہے یازانیہ ہےتو اس صورت میں شوہر پر نہ حدلازم ہوگی اور نہ لعان ہوگی۔

وجہ کیونکہ تہمت لگانے والے کی جانب سے خامی نہیں ہے بلکہ خامی عورت میں ہے(۲)قلت لعطاء رجل افتری علی عبد او امة قال لا حد ولا نکال ولا شیء ،وان نکحت الامة حرا فکذلک لیس علی من قذف امة او نصرانیة تحت مسلم حد الا ان یعاقبه السلطان الا ان یری ذلک (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب فریۃ الحر علی المملوک ج سابع ص ۴۳۸ نمبر ۱۳۷۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شوہر باندی وغیرہ پر تہمت لگائے تو نہ حد لازم ہوگی اور نہ لعان ہوگا۔کافرہ کے سلسلے میں یہ اثر ہے۔عن عطاء فی رجل قذف نصرانیة تحت مسلم قال ینکل ولا یحد وقال ان افتری علی مشرک فعقوبة ولا حد (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب الفریۃ علی اہل الجاہلیۃ ج سابع ص ۴۳۶ نمبر ۱۳۷۸۴) اس اثر میں ہے کہ کافرہ پر تہمت لگائے تو تعزیر کرے،تہمت لگانے والے پر حد لازم نہیں ہے۔اور صغیرہ کے سلسلے میں یہ اثر ہے۔عن الحسن فی رجل قذف امرأته وهی صغیرة قال لیس علیه حد ولا لعان (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۵۸ ما قالوا فی الرجل یقذف امرأتہ صغیرۃ ایلاعن ج رابع ،ص ۱۹۸، نمبر ۱۹۲۲۸ ر مصنف عبدالرزاق، باب قذف الصغیرین ج سابع ص ۴۲۰ نمبر ۱۳۶۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چھوٹی بچی پر تہمت ڈالے تو تہمت لگانے والے پر حد لازم نہیں ہے۔کیونکہ بچی اہل شہادت میں سے نہیں ہے۔

[۲۰۶۴](۶)لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی شروع کرے شوہر سے،پس گواہی دے چار مرتبہ،کہے ہر مرتبہ کہ میں گواہ بناتا ہوں اللہ کو کہ بیشک میں سچا ہوں اس میں جو میں نے تہمت لگائی ہے اس کو زنا کی،پھر پانچویں مرتبہ کہے کہ اللہ کی لعنت ہو مجھ پر اگر میں جھوٹا ہوں اس میں جو میں نے اس کو زنا کی تہمت لگائی۔

تشریح لعان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی مرد سے شروع کرے اور اس کو پہلے لعان کی گواہی دلوائے۔اور لعان کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا آدمی نے غلام یا باندی پر تہمت لگائی،فرمایا نہ کوئی حد ہے اور نہ سزا ہے اور نہ کوئی چیز ہے۔اور اگر باندی نے آزاد سے شادی کی تو ایسے ہی کچھ نہیں ہے۔کسی نے باندی یا نصرانیہ جو مسلمان کی بیوی ہو تہمت لگائے تو اس پر کچھ نہیں ہے مگر یہ کہ بادشاہ اس کو سزا دے اگر وہ مناسب سمجھے (ب) حضرت عطاء نے فرمایا کوئی آدمی مسلمان کی بیوی نصرانیہ پر تہمت لگائے تو اس پر سزا ہے حد نہیں ہے،اور فرمایا اگر مشرک پر تہمت ڈالے تو سزا ہے حد نہیں ہے (ج) حضرت حسن نے فرمایا کوئی آدمی بیوی کو تہمت لگائے اس حال میں کہ وہ چھوٹی ہو،فرمایا اس پر نہ حد ہے اور نہ لعان ہے۔

فیشهد اربع مرات یقول فی کل مرة اشهد بالله انی لمن الصادقین فیما رمیتها به من الزنا ثم یقول فی الخامسة لعنة الله علیه ان کان من الکاذبین فیما رماها به من الزنا[۲۰۶۵](۷)و یشیر الیها فی جمیع ذلک[۲۰۶۶](۸) ثم تشهد المرأة اربع شهادات تقول فی کل مرة اشهد بالله انه لمن الکاذبین فیما رمانی به من الزنا وتقول فی

چار مرتبہ کہے میں اللہ کو گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ میں نے بیوی پر جو زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں سچا ہوں، اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر زنا کی تہمت لگانے میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

وجہ آیت میں اسی انداز سے لعان کا طریقہ مذکور ہے۔ آیت میں ہے۔ **والذین یرمون ازواجهم ولم یکن لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهم اربع شهادات بالله انه لمن الصادقین o والخامسة ان لعنة الله علیه ان کان من الکاذبین** (الف) (آیت ۶/۷ سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں لعان کرنے کے طریقے کا ذکر ہے اور یہ بھی ہے کہ پانچویں مرتبہ کہے میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ پہلے مرد سے لعان لے (۲) اور اس وجہ سے بھی کہ اس نے ہی زنا کی تہمت لگائی ہے (۳) حدیث میں بھی اسی طرح لعان کرنے کا تذکرہ ہے۔ **عن سعید بن جبیر ... فبدأ بالرجل فشهد اربع شهادات بالله انه لمن الصادقین والخامسة ان لعنة الله علیه ان کان من الکاذبین الخ** (ب) (مسلم شریف، کتاب اللعان ص ۴۸۸ نمبر ۱۴۹۳/ ابوداؤد شریف، باب فی اللعان ص ۳۱۳ نمبر ۲۲۵۳/ ۲۲۵۶) اس حدیث میں لعان کا وہی طریقہ ہے اور مرد سے لعان کی ابتدا کی گئی۔

لغت رمی : تیر پھینکنا، یہاں مراد ہے زنا کی تہمت ڈالنا۔

[۲۰۶۵] (۷) اور اشارہ کرے عورت کی طرف ان تمام میں۔

تشریح مرد جب قسم کھائے تو اس وقت عورت کی طرف اشارہ کرے۔

وجہ کیونکہ عبارت میں ہے **فیما رمیت به** جس چیز کا میں نے اس کو تہمت ڈالا، اسم اشارہ استعمال کیا ہے نام نہیں لیا ہے۔ اس لئے انگلی سے عورت کی طرف اشارہ کرے تا کہ وہ عورت متعین ہو جائے۔

[۲۰۶۶] (۸) پھر عورت چار گواہی دے، ہر مرتبہ کہے میں اللہ کو گواہ بناتی ہوں کہ بیشک یہ جھوٹا ہے اس میں جو تہمت لگائی ہے اس نے زنا کی اور پانچویں مرتبہ کہے اللہ کا غضب ہو مجھ پر اگر یہ سچا ہو اس میں جس کی تہمت لگائی ہے اس نے مجھ کو۔

تشریح مرد کی گواہی کے بعد چار مرتبہ عورت گواہی دے کہ میں اللہ کو گواہ بناتی ہوں اس بات کی جو اس نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس

حاشیہ : (الف) وہ لوگ جو اپنی بیویوں کو تہمت لگاتے ہیں اور ان کے پاس اپنی ذات کے علاوہ کوئی گواہ نہ ہو تو وہ چار مرتبہ گواہی دے کہ خدا کی قسم وہ سچا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اللہ کی ہوا گر وہ جھوٹا ہو (ب) سعید بن جبیر سے منقول ہے... لعان مرد سے شروع کیا، پس چار مرتبہ گواہی دی کہ خدا کی قسم وہ سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہا اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔

الخامسة غضب الله عليها ان كان من الصادقين فيما رمانى به من الزنا[۲۰۶۷](۹) واذا التعنا فرق القاضى بينهما[۲۰۶۸](۱۰) وكانت الفرقة تطليقة بائنة عند ابى حنيفة و

بارے میں وہ جھوٹا ہے۔اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر مجھ پر زنا کی تہمت میں وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔

وجہ آیت اور حدیث دونوں میں اسی طرح لعان کرنے کا تذکرہ ہے۔ ويدرؤا عنها العذاب ان تشهد اربع شهادات بالله انه لمن الكاذبين ٥ والخامسة ان غضب الله عليها ان كان من الصادقين (الف) (آیت ۹ سورۃ النور ۲۴) اور حدیث میں ہے۔ عن سعيد بن جبير ... ثم ثنى بالمرأة فشهدت اربع شهادات بالله انه لمن الكاذبين والخامسة ان غضب الله عليها ان كان من الصادقين ثم فرق بينهما (ب) (مسلم شریف، کتاب اللعان ص ۴۸۸ نمبر ۱۴۹۳ / ابوداؤد شریف، باب فی اللعان ص ۳۱۳ نمبر ۲۲۵۳) اس آیت اور حدیث میں لعان کرنے کے طریقے کا تذکرہ ہے۔اور یہ بھی ہے کہ عورت کہے اگر مرد تہمت میں سچا ہے تو مجھ پر غضب ہو۔

[۲۰۶۷](۹) جب دونوں لعان کرلیں تو قاضی تفریق کردے۔

تشریح دونوں کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد قاضی دونوں کے درمیان تفریق کردے۔

وجہ اوپر حدیث میں گزرا ثم فرق بينهما (ج) (مسلم شریف، کتاب اللعان ص ۴۸۸ نمبر ۱۴۹۳ / بخاری شریف، باب التفریق بین المتلاعنین ص ۸۰۱ نمبر ۵۳۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لعان کے بعد قاضی خود بیوی شوہر کے درمیان تفریق کرادے۔

[۲۰۶۸](۱۰) اور فرقت طلاق بائنہ ہوگی امام ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ دائمی حرمت ہوگی۔

وجہ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جو فرقت شوہر کی حرکت سے ہو وہ طلاق بائنہ شمار کی جاتی ہے۔جیسے ایلاء شوہر کی حرکت سے ہوتا ہے تو ایلاء طلاق بائنہ ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن ابراهيم قال كل فرقة كانت من قبل الرجل فهى طلاق ۔اور اگلی روایت میں ہے۔ عن ابراهيم قال كل فرقة فهى تطليقة بائن (د) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۰ من قال کل فرقۃ تطلیقۃ ج رابع ص ۱۱۳، نمبر ۱۸۳۳۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو فرقت بھی شوہر کی جانب سے ہو وہ طلاق بائنہ شمار ہوگی۔اور لعان شوہر کی جانب سے ہے اس لئے یہ بھی طلاق بائنہ شمار ہوگی۔

فائدہ امام ابو یوسف کی دلیل یہ اثر ہے۔ قال سهل حضرت هذا عند رسول الله ﷺ فمضت السنة بعد فى المتلاعنين ان يفرق بينهما ثم لا يجتمعان ابدا (ہ) (ابوداؤد شریف، باب فی اللعان ص ۳۱۳ نمبر ۲۲۵۰ / سنن للبیہقی، باب سنۃ اللعان ونفی الولد

حاشیہ : (الف) عورت سے سزا ہٹالی جائے گی اگر چار مرتبہ گواہی دی کہ خدا کی قسم شوہر جھوٹا ہے،اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اللہ کی اس پر غضب ہو اگر وہ سچا ہے (ب) پھر عورت کی طرف متوجہ ہوئے، پس اس نے چار مرتبہ گواہی دی کہ خدا کی قسم وہ جھوٹوں میں سے ہے،اور پانچویں مرتبہ کہا کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچا ہو ۔پھر دونوں کے درمیان تفریق کردی گئی (ج) پھر میاں بیوی میں تفریق کردی گئی (د) حضرت ابراہیم سے منقول ہے کہ ہر تفریق جو مرد کی جانب سے ہو وہ طلاق ہے۔اور دوسری روایت میں ہے کہ ہر تفریق طلاق بائنہ ہے (ہ) حضرت سہل نے فرمایا میں حضورؐ کے پاس لعان کے وقت حاضر ہوا۔اس کے بعد لعان کرنے والوں میں سنت یہ رہی کہ دونوں میں تفریق کردی جائے پھر کبھی جمع نہ ہوں۔

محمد رحمهما الله وقال ابو یوسف رحمه الله یکون تحریما مؤبدا[۲۰۶۹](۱۱) وان کان القذف بولد نفی القاضی نسبه والحقه بامه[۲۰۷۰](۱۲) فان عاد الزوج واکذب نفسه حده القاضی وحل له ان یتزوجها وکذلک ان قذف غیرها فحد به او زنت

والحاقہ بالام وغیر ذلک ج سابع، ص ۶۵۸، نمبر ۱۵۳۲۲) اس سے معلوم ہوا کہ لعان کے بعد بیوی شوہر کبھی نہیں مل سکیں گے۔ کیونکہ دونوں کے درمیان حرمت مؤبد ہوگئی۔

[۲۰۶۹] (۱۱) اور اگر تہمت ہو بچے کی نفی کرنے کی تو قاضی اس کے نسب کی نفی کرے اور اس کو اس کی ماں کے ساتھ ملحق کرے۔

تشریح شوہر نے یوں کہا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے۔ اور بچے کی اپنے سے نفی کی تو لعان کے بعد قاضی بچے کا نسب باپ سے ساقط کرکے ماں کے ساتھ ملا دے گا۔ اور اب بچہ ماں کے ساتھ پکارا جائے گا باپ کے نام کے ساتھ نہیں۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ آپؐ نے لعان کے بعد بچے کو ماں کے ساتھ ملحق کر دیا۔ **عن ابن عمر ان النبی ﷺ لاعن بین رجل وامرأته فانتفی من ولدها ففرق بینهما والحق الولد بالمرأة** (الف) (بخاری شریف، باب یلحق الولد بالملاعنۃ ص ۸۰۱ نمبر ۵۳۱۵ رابوداؤد شریف، باب فی اللعان ص ۳۱۳ نمبر ۲۲۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تفریق کے بعد بچے کو ماں کے ساتھ ملحق کر دیگا۔

[۲۰۷۰] (۱۲) اگر شوہر لوٹ کر اپنے آپ کی تکذیب کرے تو قاضی اس کو حد لگائے اور اس کے لئے حلال ہے کہ اس عورت سے شادی کرے۔ اسی طرح اگر دوسرے کو تہمت لگائی اور اس کی وجہ سے شوہر کو حد لگ گئی یا عورت نے زنا کروایا اور اس کو حد لگ گئی۔

تشریح شوہر نے بیوی کو زنا کی تہمت لگائی جس کی وجہ سے لعان کیا اور دونوں کے درمیان تفریق ہوگئی۔ بعد میں شوہر نے اپنے آپ کو جھٹلایا تو قاضی اس کو حد قذف اسی کوڑے لگائے۔ اب اس کے لئے حلال ہے کہ اس بیوی سے شادی کرے۔ اسی طرح اس مرد نے کسی اور عورت کو زنا کی تہمت لگائی اور چار گواہوں سے ثابت نہ کر سکا جس کی وجہ سے اس کو حد قذف لگ گئی تو حد لگنے کے بعد اس کے لئے جائز ہے کہ اس بیوی سے دوبارہ شادی کرے، جس سے لعان کیا تھا۔

وجہ اوپر گزر چکا ہے کہ زنا کی تہمت لگانے کے بعد اگر اجنبیہ کو تہمت لگائی ہے تو اس پر چار گواہ لائیں ورنہ حد قذف لگ جائے گی۔ اور میاں بیوی لعان کریں۔ یہ لعان چار گواہوں کے درجے میں ہے اسی لئے لعان میں چار مرتبہ قسم کھاتے ہیں۔ اور لعان نہیں کیا یا اپنے آپ کو جھٹلایا تو دونوں صورتوں میں مرد پر حد قذف لگے گی (۲) اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا** (ب) (آیت ۴ سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ تہمت لگانے کے بعد چار گواہ نہ لا سکے تو اس پر اسی کوڑے حد لگے گی (۳) اثر میں ہے۔ **ان قبیصة بن ذویب کان یحدث عن عمر ابن الخطاب**

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے لعان کروایا شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان اور اس کے بچے کی نفی کی۔ پس دونوں کے درمیان تفریق کی اور بچے کو ماں کے ساتھ ملا دیا (ب) جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لاتے تو ان کو اسی کوڑے مارو۔ اور کبھی بھی ان کی گواہیاں قبول نہ کرو۔

فحدث[۲۰۷۱](۱۳) وان قذف امرأته وهی صغیرة او مجنونة فلا لعان بینهما ولا

انه قضی فی رجل انکر ولد امرأته وهو فی بطنها ثم اعترف به وهو فی بطنها حتی اذا ولد انکره فامر به عمر به الخطاب فجلد ثمانین جلدة لفریته علیها ثم الحق به ولدها (الف)(سنن للبیہقی ، باب الرجل یقر بحبل امرأته او بولدھا مرة فلا یکون له نفیه بعدہ ج سابع ص ۶۷۶ ،نمبر ۱۵۳۶۷)اس اثر میں پہلے آدمی نے اپنا بچہ ہونے کا انکار کیا، پھر اپنی تکذیب کی اور اپنا بچہ ہونے کا اقرار کیا تو حضرت عمر نے اس کو حد لگائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اپنی تکذیب کرنے پر قاضی آدمی کو حد لگائے۔ثم الحق به ولدھا سے معلوم ہوا کہ لعان ختم کر کے بچہ والد کے ساتھ منسوب ہوگا۔ مسئلہ نمبر ۱۰ میں گزرا کہ میاں بیوی پھر شادی نہیں کر سکیں گے، اثر تھا۔ثم لا یجتمعان ابدا (ابوداؤد شریف، باب فی اللعان ص ۳۱۳ نمبر ۲۲۵۰) کیونکہ یہ دونوں لعان کرنے والے ہیں۔لیکن شوہر نے اپنے آپ کی تکذیب کر لی تو اب لعان پر برقرار نہیں رہے اس لئے اب اس بیوی سے دوبارہ شادی کر سکتا ہے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم (ب)(آیت ۵ سورة النور ۲۴)اس آیت میں اشارہ ہے کہ مرد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو پھر اس کے لئے کوئی راستہ نکالا جا سکتا ہے (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔سمعت ابن المسیب یقول اذا تاب الملاعن واعترف بعد الملاعنة فانه یجلد ویلحق به الولد وتطلق امرأته تطلیقة بائنة ویخطبها مع الخطاب ویکون ذلک متی اکذب نفسه (ج)(مصنف عبد الرزاق، باب لا یجتمع المتلاعنان ابدا، ج سابع ص ۱۱۳ نمبر ۱۲۴۴۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرد اپنے آپ کو جھٹلا دے تو مرد کو حد لگے گی اور شادی کرنا چاہے تو بیوی سے دوبارہ شادی کر سکتا ہے۔

اور اگر کسی کو تہمت لگائی اور حد لگ گئی تو اب اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔اور وہ گواہی دینے اور لعان کرنے کے قابل نہیں رہا۔اور اب وہ لعان پر برقرار بھی نہیں رہا اس لئے اب وہ شادی کر سکتا ہے۔اس کی گواہی قابل نہیں اس کی دلیل سورة النور کی وہی آیت ہے۔ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون (د)(آیت ۴ سورة النور ۲۴)اور عورت نے زنا کیا اور اس کو حد زنا لگ گئی اب وہ قابل لعان نہیں رہی اس لئے لعان پر برقرار نہیں رہی اس لئے اب وہ اس شوہر سے دوبارہ شادی کر سکتی ہے۔

[۲۰۷۱](۱۳)اور اگر اپنی بیوی کو تہمت لگائی اس حال میں کہ وہ چھوٹی ہے یا مجنونہ ہے تو ان دونوں کے درمیان لعان نہیں ہے اور نہ حد ہے۔

تشریح شوہر نے بیوی کو زنا کی تہمت لگائی وہ چھوٹی نابالغہ تھی یا مجنونہ تھی تو اس تہمت کی وجہ سے نہ تو لعان ہوگا اور نہ شوہر کو حد لگے گی البتہ تعزیر ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمر نے فیصلہ کیا ایک آدمی کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کے بچے کا انکار کیا اس حال میں کہ بچہ پیٹ میں تھا، پھر بچے کا اقرار کیا اس حال میں کہ وہ پیٹ میں تھا۔ یہاں تک کہ جب پیدا ہوا تو پھر اس کا انکار کر دیا تو حضرت عمر نے حکم دیا کہ اس کو اسی کوڑے مارے بیوی پر تہمت لگانے کی وجہ سے، اور اس بچے کو مرد کے ساتھ ملحق کر دیا (ب) مگر جو اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے (ج) حضرت ابن مسیب فرماتے تھے اگر لعان کرنے والا توبہ کر لے اور لعان کے بعد اعتراف کر لے تو حد لگائی جائے گی اور بچہ اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔اور عورت پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔اور عورت کو پیغام نکاح دے سکتا ہے (د) اور اس کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہ فاسق ہیں۔

حد[۲۰۷۲](۱۴) وقذف الاخرس لا یتعلق به اللعان.

وجہ صغیرہ اور مجنونہ اہل شہادت میں سے نہیں ہیں اس لئے ان پر تہمت لگانے سے لعان نہیں ہوگا اور حد بھی نہیں لگے گی (۲) اثر میں ہے۔ عن الزھری قال من قذف صبیا او صبیۃ فلا حد علیہ (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب قذف الصغیرین ج سابع ص ۴۲۰ نمبر ۱۳۶۹۹ ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۵۸ ما قالوا فی الرجل یقذف امرأتہ صغیرۃ ایلاعن؟ ج رابع ص ۱۹۸، نمبر ۱۹۲۲۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صغیرہ پر تہمت لگانے سے لعان نہیں ہوگا۔ اور اسی پر مجنونہ کو بھی قیاس کیا جائے گا۔ کیونکہ صغیرہ کی طرح اس کو بھی عقل نہیں ہے۔

[۲۰۷۲] (۱۴) اور گونگے کی تہمت لگانے سے لعان نہیں ہوگا۔

تشریح گونگا شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اس سے لعان نہیں ہوگا۔

وجہ لعان اصل حد کے درجے میں ہے اور گونگے کے اقرار سے حد لازم نہیں ہوتی اس لئے اس کی تہمت سے لعان بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ حد شبہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ﷺ ادرء وا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی درء الحدود ص ۲۶۳ نمبر ۱۴۲۴ ر دار قطنی، کتاب الحدود ج ثالث ص ۶۸ نمبر ۳۰۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حتی الامکان حد کو ساقط کی جائے۔ اور گونگے کے اشارے میں شبہ ہے کہ معلوم نہیں وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس لئے اس کے اشارے سے لعان نہیں ہوگا (۲) گونگے کے اشارے سے لعان نہیں ہوگا جب تک کہ صراحت سے تہمت نہ لگائے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک صحابی نے اشارے سے بیوی پر تہمت لگائی کہ میری بیوی نے کالا بچہ دیا ہے اور صاف نہیں کہا کہ وہ زانیہ ہے تو آپ نے اس کو سمجھا کر واپس کر دیا لعان نہیں کرایا۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ولد لی غلام اسود فقال ھل لک من ابل؟ قال نعم قال ما الوانھا ؟ قال حمر قال ھل فیھا من اورق ؟ قال نعم قال فانی ذلک؟ قال لعل نزعہ عرق قال فلعل ابنک ھذا نزعہ (ج) (بخاری شریف، باب اذا عرض بنفی الولد ص ۷۹۹ نمبر ۵۳۰۵) اس حدیث میں اشارے سے بیوی پر تہمت لگائی تو آپ نے لعان نہیں کروایا بلکہ سمجھا کر واپس کر دیا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اوپر گزر چکا ہے کہ گونگے کا اشارہ کلام کے درجے میں ہے اس لئے اس کے اشارے سے طلاق واقع ہوتی ہے اس لئے اس کے اشارے سے تہمت زنا بھی ثابت ہوگی اور لعان بھی ہوگا۔ بخاری میں اس طرح ہے۔ فاذا قذف الاخرس امرأتہ بکتابۃ او اشارۃ او ایماء معروف فھو کالمتکلم لان النبی ﷺ قد اجاز الاشارۃ فی الفرائض وقال تعالی فاشارت الیہ قالوا کیف نکلم من کان فی المھد صبیا (د) (آیت ۲۹ سورۂ مریم ۱۹) (بخاری شریف، باب اللعان ص ۷۹۸ نمبر ۵۳۰۰) اس

حاشیہ : (الف) حضرت زہری نے فرمایا کسی نے بچے یا بچی کو تہمت لگائی تو اس پر حد نہیں ہے (ب) حضورؐ نے فرمایا جتنا ہو سکے مسلمانوں سے حد دفع کرو، اگر اس کے لئے کوئی راستہ ہو تو راستہ نکالو (ج) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ میرا لڑکا کالا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تمہارے پاس اونٹ ہے؟ کہا ہاں! آپؐ نے پوچھا اس کا رنگ کیا ہے؟ کہا لال۔ آپؐ نے پوچھا کیا اس میں کالا پن بھی ہے؟ کہا ہاں! آپؐ نے پوچھا یہ کیسے ہوا؟ کہا شاید کسی رگ سے ٹپک پڑا ہو۔ آپؐ نے فرمایا آپ کا لڑکا بھی کسی رگ سے ٹپک کر کالا ہوا ہوگا (د) اگر گونگے نے اپنی بیوی کو لکھ کر تہمت لگائی یا اشارے سے یا معروف حرکتوں سے تو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۰۷۳](۱۵) واذا قال الزوج لیس حملک منی فلا لعان[۲۰۷۴](۱۶) وان قال زنیتِ وھذا الحمل من الزناء تلاعنا [۲۰۷۵](۱۷) ولم ینف القاضی الحمل منه.

میں اشارے سے لعان ثابت کیا ہے۔

[۲۰۷۳](۱۵) اگر شوہر نے کہا تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو لعان لازم نہیں ہے۔

وجہ یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ صراحت سے تہمت نہ لگائی ہو بلکہ اشارے سے تہمت لگائی ہو تو اس سے لعان نہیں ہے۔ یہاں صرحۃً زنا کی تہمت نہیں لگائی بلکہ اشارۃً کہا کہ حمل میرا نہیں ہے اس لئے لعان نہیں ہوگا (۲) حدیث مسئلہ نمبر ۱۴ میں گزر گئی (بخاری شریف نمبر ۵۳۰۵ رمسلم شریف، کتاب اللعان ص ۴۸۸ نمبر ۱۵۰۰) اس حدیث میں اشارے سے تہمت لگائی تو آپؐ نے لعان کا حکم نہیں دیا (۳) اثر میں ہے۔ اخبرنا ابن جریج قال قلت لعطاء التعریض ؟ قال لیس فیه حد قال ھو وعمر فیه نکال (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب التعریض ج سابع ص ۴۲۰ نمبر ۱۳۷۰۱) جب تعریض سے حد نہیں ہے تو لعان بھی نہیں ہوگا۔

[۲۰۷۴](۱۶) اور اگر شوہر نے کہا تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا سے ہے تو دونوں لعان کریں گے۔

وجہ اس عبارت میں صراحت کے ساتھ تہمت لگائی ہے کہ تو نے زنا کیا ہے۔ اس لئے اس سے لعان ہوگا۔

[۲۰۷۵](۱۷) اور قاضی حمل کو شوہر سے نفی نہیں کرے گا۔

وجہ اوپر حدیث گزری جس میں ایک آدمی نے بچے کے انکار کرنے کی کوشش کی پھر بھی آپؐ نے حمل کو اس آدمی سے نفی نہیں کی، بلکہ اس بچے کا نسب باپ ہی سے ثابت کیا (بخاری شریف نمبر ۵۳۰۵ رمسلم شریف نمبر ۱۵۰۰) (۲) اس حدیث کے اخیر میں اثر کا یہ ٹکڑا ہے۔ عن الزھری ... وھذا لعله ان یکون نزعه عرق، ولم یرخص له من الانتفاء منه (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل ینفی من ولدہ ج سابع ص ۱۰۰ نمبر ۱۲۳۷۱) اس اثر سے بھی پتہ چلا کہ حمل کو باپ سے نفی نہیں کی جائے گی (۴) شریعت میں نسب ثابت کرنے کی اہمیت ہے۔ اس لئے جب تک کہ باضابطہ باپ بچے کا انکار نہ کرے حمل کی نفی نہیں ہوگی۔ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول الله الولد للفراش وللعاھر الحجر (ج) ترمذی شریف، باب ماجاء ان الولد للفراش ص ۲۱۹ نمبر ۱۱۵۷ رمسلم شریف، باب الولد للفراش ص ۴۷۰ نمبر ۱۴۵۷)

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک حمل باپ سے نفی کر کے ماں سے ملا دیا جائے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ ہلال بن امیہ کا معاملہ پیش آیا تو لعان بھی کیا اور اس کے حمل کی بھی باپ سے نفی کی۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن حدیث

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) یہ بات کرنے کے حکم میں ہوگا۔ اس لئے کہ حضورؐ نے فرائض میں اشارے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا، حضرت عیسیٰ کی والدہ نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ لوگ کہنے لگے کیسے بات کریں ایسے بچے سے جو گہوارے میں ہے (الف) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ اشارے سے تہمت میں کیا ہوگا؟ فرمایا اس میں حد نہیں ہے۔ حضرت عطا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا اس میں تعزیر ہے (ب) حضرت زہری سے یہ منقول ہے... یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی رگ پھنک گئی ہو۔ اور بچے کو باپ سے نفی کرنے کی اجازت نہیں دی (ج) بچہ فراش والے کے لئے ہوگا اور زانی کے لئے روکنا ہوگا یا پتھر ہوگا۔

[۲۰۷۶](۱۸) واذا نفى الرجل ولد امرأته عقيب الولادة اوفى الحال التى تقبل التهنية فيها او تبتاع له آلة الولادة صح نفيه ولاعن به وان نفاه بعد ذلك لاعن ويثبت النسب وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله تعالى يصح نفيه فى مدة النفاس.

سهل بن سعد اخى بنى ساعدة ... وكانت حاملا وكان ابنها يدعى لامه (الف) (بخاری شریف، باب التلاعن فی المسجد ص ۸۰۰ نمبر ۵۳۰۹ رابوداؤد شریف، باب فی اللعان ص ۳۱۳ نمبر ۲۲۵۹) اس حدیث میں حمل کونفی کر کے ماں سے ملا دیا ہے۔

[۲۰۷۶] (۱۸) اگر نفی کی شوہر نے بیوی کے بچے کی ولادت کے بعد یا اس حالت میں جس میں مبارکبادی قبول کی جاتی ہے یا ولادت کا سامان خریدا جاتا ہے تو اس کی نفی صحیح ہوگی اور لعان کرے گا۔ اور اگر نفی کی اس کے بعد تو لعان کرے گا اور نسب ثابت ہوگا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کی نفی کرنا صحیح ہے نفاس کی مدت میں۔

تشریح شوہر بچے کا انکار ولادت کے فورا بعد کرتا ہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے، یا ایسے وقت تک کرتا ہے جب ولادت کا سامان خریدا جا رہا ہو، یا بچہ پیدا ہونے پر جب لوگ مبارک بادی دے رہے تھے اس زمانے میں انکار کیا تو لعان ہوگا اور بچے کا نسب باپ سے منقطع کر دیا جائے گا۔ اور اگر اس زمانے تک کچھ نہیں بولا اور اس کے بعد بچے کا انکار کیا تو لعان ہوگا اور بچے کا نسب باپ سے ہی ثابت کیا جائے گا۔

وجہ یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد عملا بچے کا انکار نہیں کیا بلکہ خاموش رہا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بچہ میرا ہے اور بعد میں انکار کیا تو اقرار کے بعد انکار کرے تو بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوگا۔ اور چونکہ عورت پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس لئے لعان بھی ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ عن عمر انه قضى فى رجل انكر ولد امرأته وهو فى بطنها ثم اعترف به وهو فى بطنها حتى اذا ولد انكره فامر به عمر بن الخطاب فجلد ثمانين جلدة لفريته عليها ثم الحق به ولدها (ب) (سنن للبیہقی، باب الرجل یقر بحبل امرأته او بولدها مرة فلا يكون له نفيه بعده ج سابع، ص ۶۷۶، نمبر ۱۵۳۶۷) اس اثر میں ایک مرتبہ اقرار کے بعد بچے کا انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے حد لگائی اور بچے کو باپ کے ساتھ ہی ملحق کر دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ عملاً بھی اقرار کیا تو اس کے بعد انکار نہیں کر سکتا (۳) ایک اور اثر میں ہے۔ ان شريحا قال فى الرجل يقر بولده ثم ينكر يلاعن فبلغ ذلك عمر بن الخطاب فكتب اليه ان اذا اقربه طرفه عين فليس لى ان ينكر (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل ینتفی من ولده ج سابع ص ۱۰۰ نمبر ۱۲۳۷۵) اس اثر میں ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی بچے کا اقرار کر لیا تو پھر اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ بچہ اسی کا ہوگا۔ اور یہاں خاموش رہا ہے اس لئے عملاً اقرار ہوا اس لئے بچے

حاشیہ : (الف) بنی سعد کے سلسلے میں ہے... عورت حاملہ تھی اور اس کا بیٹا ماں کے نام سے پکارا جاتا تھا (ب) حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کے بارے میں فیصلہ کیا جس نے اپنی بیوی کے بچے کا انکار کیا اس حال میں کہ وہ پیٹ میں تھا۔ پھر اس کا اقرار کیا اس حال میں کہ وہ پیٹ میں تھا۔ یہاں تک کہ جب پیدا ہوا تو اس کا انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اسی کوڑے مارو عورت پر تہمت لگانے کی وجہ سے۔ پھر عورت کے بچے کو باپ کے ساتھ ملحق کر دیا (ج) حضرت شریح نے ایک آدمی کے بارے میں کہا کہ اپنے بچے کے بارے میں اقرار کرے پھر انکار کرے تو لعان کرے گا۔ یہ بات حضرت عمرؓ کو پہنچی تو انہوں نے حضرت شریح کو لکھا کہ کہ اگر ایک لمحے کے لئے اقرار کیا تو اس کے لئے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

[۲۰۷۷](۱۹) وان ولدت ولدین فی بطن واحد فنفی الاول اعترف بالثانی ثبت نسبهما وحد الزوج[۲۰۷۸](۲۰) وان اعترف بالاول ونفی الثانی ثبت نسبهما ولاعن.

کا نسب باپ ہی سے ثابت کیا جائے گا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ مدت نفاس کے ختم ہونے تک ولادت کا اثر ہے۔اس لئے اس زمانے سے پہلے پہلے تک بچے کا انکار کرے تو لعان بھی ہوگا اور بچے کا نسب سے بھی باپ سے منقطع کر دیا جائے گا۔

[۲۰۷۷](۱۹) اگر عورت نے دو بچے دیئے ایک ہی حمل سے، پس پہلے کی نفی کی اور دوسرے کا اعتراف کیا تو دونوں کے نسب ثابت ہوں گے اور شوہر کو حد لگے گی۔

تشریح دو بچے ایک حمل سے ہوں۔اس کو جڑواں بچے کہتے ہیں۔یہ ایک ہی منی سے دونوں بچے کی پیدائش ہوتی ہے۔اب ایک ہی حمل سے دو بچے ہوئے ہیں۔اب شوہر پہلے کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے اور دوسرے کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ میرا بچہ ہے تو نسب تو دونوں کا باپ ہی سے ثابت ہوگا لیکن باپ کو حد بھی لگے گی۔

وجہ دونوں کا نسب تو اس لئے ثابت ہوگا کہ ایک کے بارے میں بھی ایک بار اقرار کرنا دونوں کے لئے اقرار کرنا ہے۔اس لئے اوپر کے اثر اور حدیث کی وجہ سے دونوں کا نسب ثابت ہوگا۔اور حد اس لئے لگے گی کہ پہلے بچے کا انکار کر کے بیوی پر تہمت لگائی،اور بعد میں دوسرے بچے کا اقرار کر کے اپنی تکذیب کی۔اور پہلے اثر گزر چکا ہے کہ انکار کے بعد اپنی تکذیب کرے تو حد لگے گی۔**عن عمر بن الخطاب انه قضی فی رجل انکر ولد امرأته وهو فی بطنها ثم اعترف به وهو فی بطنها حتی اذا ولد انکره فامر به عمر بن الخطاب فجلد ثمانین جلدة لفریته علیها ثم الحق به ولدها** (ب)(سنن للبیہقی، باب الرجل یقر بحبل امرأته او بولدها مرة فلا یکون له نفیه بعده ج سابع ص ۶۷۶، نمبر ۱۵۳۶۷/مصنف عبدالرزاق، باب لا تجتمع المتلاعنان ابدا ج سابع ص ۱۱۳ نمبر ۱۲۴۴۳)اس اثر سے پتہ چلا کہ اقرار کے بعد انکار کرے تو حد بھی لگے گی اور بچے کا نسب بھی باپ سے ثابت ہوگا۔

[۲۰۷۸](۲۰)اور اگر اقرار کیا پہلے بچے کا اور انکار کیا دوسرے کا تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا اور لعان کرے گا۔

تشریح شوہر نے پہلے بچے کا اقرار کیا کہ یہ میرا ہے اور دوسرے بچے کا انکار کیا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے تو دونوں بچوں کا نسب باپ سے ثابت ہوگا۔اور لعان بھی کرنا پڑے گا۔

وجہ ایک بچے کا اقرار کیا تو چونکہ دونوں ایک ہی منی سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے ایک کے اقرار سے دونوں کا نسب ثابت ہوگا۔اور حد اس لئے نہیں لگے گی کہ دوسرے بچے کے انکار کرنے کے بعد پھر اپنی تکذیب نہیں کی ہے۔البتہ چونکہ بعد والے بچے کے انکار کرنے کی وجہ سے

حاشیہ : (الف) حضرت عمر نے ایک آدمی کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ اس نے بیوی کے بچے کا انکار کیا اس حال میں کہ وہ اس کے پیٹ میں تھا پھر اس کا اقرار کیا اس حال میں کہ وہ اس کے پیٹ میں تھا، یہاں تک کہ جب پیدا ہوا تو اس کا انکار کیا۔تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا اس کو اسی کوڑے لگانے کا اس پر تہمت لگانے کی وجہ سے۔پھر اس کے بچے کو باپ کے ساتھ ملحق کر دیا۔

عورت پر تہمت لگائی اس لئے لعان کرنا ہوگا (۲) اس کے لئے حدیث اوپر گزر گئی ہے۔

﴿کتاب العدة﴾

[۲۰۷۹](۱)اذاطلق الرجل امرأته طلاقا بائنا او رجعیا او وقعت الفرقة بینهما بغیر طلاق

﴿کتاب العدة﴾

ضروری نوٹ عدت کے معنی گننا ہے۔چونکہ عدت گزارنے والی عورت دن گنتی ہے اس لئے اس کو عدت کہتے ہیں۔عدت گزارنے کی تین صورتیں ہیں۔حیض کے ذریعہ عدت گزارنا۔دوسرا مہینے کے ذریعہ عدت گزارنا اور تیسرا وضع حمل کے ذریعہ عدت گزارنا۔تینوں کی دلیل یہ آیتیں ہیں۔**والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء** (الف) (آیت ۲۲۸ سورة البقرة ۲) اس سے حیض کے ذریعہ عدت گزارنے کا تذکرہ ہے۔اور مہینے کے ذریعہ عدت گزارنے کی آیت یہ ہے۔**والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا** (ب) (آیت ۲۳۴ سورة البقرة ۲) اور مہینے کے ذریعہ اور وضع حمل کے ذریعہ عدت گزارنے کی آیت یہ ہے۔**واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثة اشھر واللائی لم یحضن واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن** (ج) (آیت ۴ سورة الطلاق ۶۵) ان آیتوں سے عدت کا پتہ چلا۔

[۲۰۷۹](۱) اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی یا رجعی دی یا دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے فرقت واقع ہوئی اور عورت آزاد ہے اور اس میں سے جس کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔اور آیت میں قروء کا مطلب حیض ہے۔

تشریح شوہر نے بیوی کو طلاق بائنہ دی ہو یا طلاق رجعی دی ہو یا بغیر طلاق کے ہی فرقت ہوئی ہو جس کی وجہ سے عدت گزارنا ہو، اور عورت آزاد ہو اور حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔

وجہ اوپر آیت میں ہے **والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء** (آیت ۲۲۸ سورة البقر (۲) اس آیت میں مطلقہ عورت کے لئے تین حیض عدت ہے۔اور پہلے کئی مرتبہ گزر چکا ہے کہ تفریق بھی طلاق کے درجے میں ہے۔اس لئے تفریق کی وجہ سے بھی تین حیض عدت گزارنی ہوگی۔اگر عورت آزاد نہ ہو باندی ہو تو دو حیض عدت ہے۔اور حیض نہ آتا ہو تو مہینے سے عدت گزارے گی۔

آیت میں قروء سے مراد حیض ہے۔

وجہ حدیث میں قرء کو حیض کہا گیا ہے۔ **ان ام حبیبة بنت جحش کانت تستحاض سبع سنین فسألت النبی ﷺ فقال لیست بالحیضة انما ھو عرق فامرھا ان تترک الصلوة قدر اقرائھا وحیضتھا وتغتسل وتصلی** (د) (نسائی شریف، باب ذکر الاغتسال من الحیض ص ۲۸ نمبر ۲۱۱) اس حدیث میں **قدر اقرائھا** سے معلوم ہوا کہ قرء سے مراد حیض ہے (۲) دوسری حدیث میں

حاشیہ : (الف) طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکیں (ب) تم میں سے جو وفات پاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن روکے رکھیں (ج) تمہاری عورتوں میں سے جو لوگ حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر ان کو شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں۔اور جن کو حیض نہیں آتا ان کی عدت بھی (تین مہینے ہیں) اور حمل والی عورتیں ان کی عدت یہ ہے کہ بچہ جن دے (د) ام حبیبہ سات سال تک مستحاضہ رہی۔پس حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا یہ حیض نہیں ہے۔یہ رگ کا خون ہے۔پس ان کو حکم دیا کہ نماز چھوڑ دے قروء اور حیض کی مقدار اور غسل کرے اور نماز پڑھے۔

وهی حرة ممن تحیض فعدتها ثلثة اقراء والاقراء الحیض[۲۰۸۰](۲) وان کانت لا تحیض من صغر او کبر فعدتها ثلثة اشهر[۲۰۸۱](۳) وان کانت حاملا فعدتها ان تضع حملها.

ہے۔ عن عائشة عن النبی ﷺ قال طلاق الامة تطلیقتان وقروئها حیضتان (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی سنة طلاق العبد ص۳۲۳ نمبر ۲۱۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باندی کی عدت دو حیض ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ آیت میں قروء سے مراد حیض ہے (۳) اگر عدت طہر سے گزاریں تو عدت یا تو ڈھائی طہر ہوگی یا ساڑھے تین طہر ہو جائے گی۔ کیونکہ سنت کے طریقے پر طلاق طہر میں دے گا، پس اگر اس طہر کو عدت میں شمار کریں تو کچھ نہ کچھ طہر کی مدت گزر چکی ہوگی اس لئے طلاق دی ہوئی طہر اور دو طہر ہوں گے تو ڈھائی طہر ہوئی۔ اور اگر طلاق دی ہوئی طہر کو عدت میں شمار نہ کریں تو اگلی تین طہر اور آدھی یہ تو ساڑھے تین طہر ہوں گی۔ اس لئے آیت ثلاثة قروء مکمل تین قروء پر عمل نہیں ہوا۔ اور قروء سے حیض مراد لیں تو ہر حال میں طہر میں طلاق کے بعد حیض سے عدت شروع ہو جائے گی اور تین حیض مکمل ہوں گے۔ اس لئے قروء سے حیض مراد لینا بہتر ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کی ایک روایت ہے کہ قرء سے طہر مراد ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن عائشة قالت الاقراء الاطهار (ب)(سنن للبیہقی، جماع ابواب عدة المدخول بہاج سابع ص ۶۸۲، نمبر ۱۵۳۸۳ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۵۳ ما قالوا فی الاقراء ماھی؟ ج رابع ص ۱۴۸، نمبر ۱۸۷۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قرء سے مراد طہر ہے۔

[۲۰۸۰](۲) اور اگر حیض نہ آتا ہو کم سنی کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے تو اس کی عدت تین مہینے ہیں۔

وجہ آیت میں موجود ہے کہ حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہیں۔ واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتهن ثلثة اشهر واللتی لم یحضن (ج)(آیت ۴ سورة الطلاق ۶۵) اس آیت میں یئسن سے مراد بوڑھی عورت ہے جس کو حیض نہ آتا ہو۔ اور واللاتی لم یحضن سے مراد چھوٹی لڑکی ہے جس کو کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔ دونوں کے بارے میں آیت میں ان کی عدت تین مہینے ہیں۔

[۲۰۸۱](۳) اور اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ حمل جن دے۔

تشریح عورت حمل کی حالت میں تھی کہ شوہر نے طلاق دی تو ایسی عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ جیسے ہی بچہ جنے گی عدت پوری ہو جائے گی۔

وجہ آیت میں ہے۔ واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن (د)(آیت ۴ سورة الطلاق ۶۵) اس آیت میں ہے کہ جو حمل والی ہے اس کی عدت وضع حمل ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا باندی کی طلاق دو ہیں۔ اور اس کی عدت دو حیض ہیں (ب) حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ قرء کا مطلب طہر ہے (ج) جو عورتیں حیض سے مایوس ہو گئی ہیں اگر تم شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں۔ اور جن کو حیض نہیں آتا ہے ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں (د) حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ بچہ جن دے۔

[۲۰۸۲](۴) وان كانت امة فعدتها حيضتان[۲۰۸۳](۵) وان كانت لا تحيض فعدتها شهر ونصف[۲۰۸۴](٦) واذا مات الرجل عن امرأته الحرة فعدتها اربعة اشهر وعشرة ايام[۲۰۸۵](۷) وان كانت امة فعدتها شهران وخمسة ايام.

[۲۰۸۲](۴)اور اگر باندی ہوتو اس کی عدت دو حیض ہیں۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن عائشة عن النبی ﷺ قال طلاق الامة تطليقتان وقروئها حيضتان (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی سنة طلاق العبد ص ۳۰۴ نمبر ۲۱۸۹ رترمذی شریف، باب ماجاء ان طلاق الامة تطليقتان ص ۲۲۳ نمبر ۱۱۸۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باندی کی عدت دو حیض ہیں۔باندی ہونے کی وجہ سے اس کی عدت آزاد سے آدھی ہوکر ڈیڑھ حیض ہونی چاہئے لیکن ڈیڑھ تو نہیں ہوگی پورے دو ہوں گے۔

[۲۰۸۳](۵)اور اگر باندی کو حیض نہ آتا ہوتو اس کی عدت ایک ماہ اور آدھا ہے۔

وجہ اوپر حدیث گزری کہ باندی کی عدت دو حیض ہیں جس سے معلوم ہوا کہ باندی کی عدت آزاد سے آدھی ہے۔اس لئے آزاد کی عدت آیت کے اعتبار سے تین مہینے ہیں تو حیض نہ آنے پر باندی کی عدت ایک ماہ پندرہ دن ہوگی (۲) اثر میں ہے۔عن على قال عدة الامة حيضتان فان لم تكن تحيض فشهر ونصف (سنن للبیہقی، باب عدة الامة ج سابع ص ۶۹۹،نمبر ۱۵۴۵۲)قال عمر شهر و نصف (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب عدة الامة صغيرة اوقد قعدت عن المحيض ج سابع ص ۲۲۴ نمبر ۱۲۸۸۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے۔

[۲۰۸۴](٦)اگر آزاد بیوی کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہیں۔

وجہ آیت میں یہی عدت بیان کی ہے۔والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا (ج)(آیت ۲۳۴ سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں بیان کیا ہے کہ آزاد عورت کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہیں۔

[۲۰۸۵](۷)اور اگر باندی ہوتو اس کی عدت دو مہینے پانچ روز ہیں۔

وجہ اوپر آیت سے معلوم ہوا کہ آزاد عورت کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس روز ہیں۔اور باندی کا اس کا آدھا ہوتا ہے تو اس کی عدت دو ماہ پانچ روز ہوں گے (۲) ان سعيد بن المسيب وسليمان بن يسار كانا يقولان عدة الامة اذا هلك عنها زوجها شهران وخمس ليال (ج)(سنن للبیہقی، باب عدة الامة ج سابع ص ۷۰۱،نمبر ۱۵۴۵۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی کی عدت وفات دو ماہ پانچ دن ہیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا باندی کی طلاقیں دو ہیں۔اور اس کی عدت دو حیض ہیں (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا باندی کی عدت دو حیض ہیں، پس اگر حیض نہ آتا ہو تو ڈیڑھ مہینے ہیں۔حضرت عمرؓ نے بھی فرمایا ڈیڑھ مہینے ہیں (ج) تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور اپنی بیویاں چھوڑتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس روز روکے رکھیں (د) سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار فرمایا کرتے تھے باندی کی عدت جب اس کا شوہر وفات پا جائے دو مہینے پانچ روز ہیں۔

[۲۰۸۶] (۸) وان کانت حاملا فعدتها ان تضع حملها [۲۰۸۷] (۹) واذا ورثت المطلقة

[۲۰۸۶] (۸) اور اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

تشریح عورت چاہے آزاد ہو چاہے باندی ہو اگر شوہر کی موت کے وقت وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

وجہ آیت میں ہے کہ حمل والی کی عدت ہر حال میں وضع حمل ہے۔ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (الف) (آیت ۴ سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت میں مطلق تمام حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن المسور بن مخرمة ان سبیعة الاسلمیة نفست بعد وفات زوجها بلیال فجائت النبی ﷺ فاستأذنته ان تنکح فاذن لها فنکحت (ب) (بخاری شریف، باب واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن ص ۸۰۱ نمبر ۵۳۲۰ رمسلم شریف، باب انقضاء عدۃ المتوفی عنها وغیرها بوضع الحمل ص ۴۸۶ نمبر ۱۴۸۵ رترمذی شریف، نمبر ۱۱۹۳) اس حدیث میں سبیعہ کے شوہر کا انتقال ہوا اور وہ حاملہ تھی۔ پھر دس دنوں کے بعد وضع حمل ہو گیا تو حضورؐ نے ان کو شادی کرنے کی اجازت دیدی۔ جس سے معلوم ہوا کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے (۳) عن ابی بن کعب قال قلت للنبی ﷺ واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن للمطلقة ثلاثا او للمتوفی عنها زوجها؟ قال هی للمطلقة والمتوفی عنها زوجها (ج) (دار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۲۶ نمبر ۳۹۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضع حمل مطلقہ اور متوفی دونوں کی عدت ہے۔

[۲۰۸۷] (۹) اگر وارث ہو مطلقہ مرض الموت میں تو اس کی عدت دو مدتوں میں سے بعید تر ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح شوہر نے مرض الموت میں بیوی کو طلاق بائنہ دی۔ وہ عدت گزار رہی تھی کہ شوہر کا انتقال ہوا جس کی وجہ سے وہ شوہر کے مال کی وارث ہو گی۔ اس لئے جو عدت بعد تک رہے وہ عدت گزارنی ہوگی۔ اگر وفات کی عدت چار ماہ دس روز بعد تک رہے تو وہ عدت گزارے۔ اور تین حیض کی عدت بعد تک رہے تو وہ عدت گزارے۔ اسی کو ابعد الاجلین کہتے ہیں۔

وجہ (۱) اس عورت کی دو حیثیتیں ہو گئیں۔ ایک تو یہ کہ وہ مطلقہ بائنہ ہے جس کی وجہ سے اس کو تین حیض عدت گزارنی ہے۔ اور چونکہ شوہر کے مال کا وارث بنی ہے اس لئے وہ بیوی بھی ہوئی جس کا شوہر انتقال کیا ہے۔ اس کی وجہ سے اس پر عدت وفات چار ماہ دس دن گزارنا ہے۔ اس لئے دونوں حیثیتوں کا اعتبار کرتے ہوئے دونوں عدتوں کو گزاردے اور بعد تک گزارتی رہے تا کہ دونوں عدتیں گزر جائیں (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عکرمة انه قال لو لم یبق من عدتها الا یوم واحد ثم مات ورثته واستانفت عدة المتوفی عنها (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۰۹ ما قالوا فی الرجل یطلق ثلاثا فی مرضه فیموت اعلی امرأته عدة لوفاته ج رابع، ص ۱۸۱، نمبر ۱۹۰۷۱) اس اثر سے معلوم

حاشیہ : (الف) حمل والی عورتیں ان کی عدت یہ ہے کہ بچہ جن دیں (ب) حضرت سبیعہ شوہر کی وفات کے چند دنوں بعد بچہ جنی۔ پھر وہ حضورؐ کے پاس آ کر نکاح کرنے کی اجازت مانگی تو آپؐ نے ان کو اجازت دی، پس انہوں نے نکاح کیا (ج) حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ آیت اولات الاحمال الخ مطلقہ ثلاثہ کے لئے ہے یا متوفی عنہا زوجہا کے لئے ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ عدت مطلقہ کے لئے بھی ہے اور وفات والی عورتوں کے لئے بھی ہے (د) حضرت عکرمہ نے فرمایا اگر عدت میں سے نہیں باقی رہی مگر ایک دن پھر شوہر مر گیا تو وارث ہوگی اور عدت وفات شروع سے گزارے گی۔

فی المرض فعدتها ابعد الاجلین عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۲۰۸۸](۱۰) وان اعتقت الامة فی عدتها من طلاق رجعی انتقلت عدتها الی عدة الحرائر[۲۰۸۹](۱۱) وان اعتقت وهی مبتوتة او متوفی عنها زوجها لم تنقل عدتها الی عدة الحرائر.

ہوا کہ مطلقہ ثلاثہ کا شوہر عدت کے اندر مر جائے تو وہ وارث بھی ہوگی اور ازسر نو عدت وفات بھی گزارے گی۔

فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ وہ حقیقت میں پہلے سے مطلقہ ہے اس لئے وہ مطلقہ کی عدت تین حیض گزارے گی۔ عدت وفات نہیں گزارے گی کیونکہ وہ بیوی نہیں رہی ہے۔ البتہ چونکہ شوہر وراثت دینے سے بھاگ رہا تھا اس لئے شریعت نے اس کو وراثت دلوائی۔

[۲۰۸۸](۱۰) اگر باندی طلاق رجعی کی عدت میں آزاد کی گئی تو اس کی عدت آزاد کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

تشریح باندی کو طلاق رجعی دی تھی جس کی عدت وہ گزار رہی تھی۔ اس درمیان وہ آزاد کر دی گئی تو اب وہ آزاد عورت کی عدت تین حیض گزارے گی۔

وجہ طلاق رجعی دینے کی وجہ سے وہ ابھی بیوی تھی اسی درمیان آزاد کر دی گئی تو گویا کہ اب وہ آزاد ہو کر مطلقہ ہوئی ہے اور آزاد عورت کی عدت تین حیض ہیں اس لئے اب وہ تین حیض عدت گزارے گی (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن سعید بن المسیب قال عدة ام الولد اربعة اشهر وعشرا (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۵۵ من قال عدتها اربعة اشهر وعشرا ج رابع ص ۱۴۹، نمبر ۱۸۷۴۱ مصنف عبد الرزاق، باب عدة السریة ج سابع ص ۲۳۲ نمبر ۱۲۹۳۳) اس اثر میں ام ولد کی عدت چار ماہ دس دن ہے جس سے معلوم ہوا کہ آقا کے مرنے کے بعد ام ولد آزاد ہو جائے گی اس لئے وہ آزاد کی عدت وفات گزارے گی۔

[۲۰۸۹](۱۱) اور اگر آزاد ہوئی اس حال میں کہ وہ بائنہ تھی یا اس کا شوہر مر گیا تھا تو اس کی عدت آزاد کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔

تشریح باندی کو طلاق بائنہ دی تھی اور وہ طلاق بائنہ کی عدت گزار رہی تھی اس حال میں اس کو آقا نے آزاد کیا تو وہ باندی کی عدت دو حیض ہی گزارے گی، آزاد کی عدت تین حیض نہیں گزارے گی۔ اسی طرح شوہر کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے باندی کی عدت دو ماہ پانچ روز گزار رہی تھی اس حال میں آقا نے اس کو آزاد کیا تو وہ آزاد کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔

وجہ وہ طلاق بائنہ کے وقت اور شوہر کی وفات کے وقت ہی سے بیوی نہیں رہی اس لئے عدت کے درمیان آزاد کی گئی تو اس کی عدت آزاد کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابراهیم قال اذا طلقت تطلیقتین ثم ادرکها عتاقة اعتدت عدة الامة لما بانت منه والمتوفی عنها زوجها کذلک (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۵۹ ما قالوا فی الامة تکون للرجل فیعتقها تکون

حاشیہ : (الف) سعید بن مسیب نے فرمایا ام ولد کے آقا مرنے پر اس کی عدت چار ماہ دس روز ہوگی (ب) حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا اگر ایک طلاق رجعی دی پھر عدت ختم ہونے سے پہلے آزادگی ملی تو وہ آزاد عورت کی عدت گزارے گی۔ اور اگر دو طلاق بائنہ دی پھر آزادگی ملی تو باندی کی عدت گزارے گی۔ کیونکہ وہ بائنہ ہو چکی ہے اور عدت وفات میں بھی ایسے ہی ہے۔

[۲۰۹۰](۱۲) وان کانت آیسة فاعتدت بالشهور ثم رأت الدم انتقض مامضی من عدتها وکان علیها ان تستأنف العدة بالحیض[۲۰۹۱](۱۳) والمنکوحة نکاحا فاسدا

علیها عدة ؟ ج رابع ،ص ۱۵۲، نمبر ۱۸۷۷۹) اس اثر میں ایک طلاق سے طلاق رجعی مراد ہے اور دو طلاق سے بائنہ مراد ہے۔اس لئے اثر کا مطلب یہ ہوا کہ طلاق رجعی دی ہو تو آزاد کی عدت کی طرف منتقل ہوگی۔اور بائنہ دی ہو تو باندی ہی کی عدت گزارے گی (۲) عن ابراهیم فی امرأة مات عنها زوجها ثم اعتقت قال تمضی علی عدة الامة ولیس لها الا عدة الامة (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۶۰ ما قالوا فی الرجل تکون تحته الامة فیموت ثم تعتق بعد موته ج رابع ،ص ۱۵۳، ۱۸۷۸۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی کی عدت دو ماہ پانچ دن گزارے گی۔کیونکہ وفات کے وقت ہی سے وہ بیوی نہیں رہی ہے۔

[۲۰۹۰](۱۲) اگر آئسہ تھی اور عدت گزار رہی تھی مہینے سے پس خون دیکھا تو ٹوٹ جائے گی وہ عدت جو گزر چکی ہے اور اس کو از سرنو عدت گزارنا ہوگا حیضوں سے۔

تشریح عورت کو حیض نہیں آتا تھا جس کی وجہ سے وہ مہینوں سے عدت گزار رہی تھی۔مثلا دو ماہ گزرنے کے بعد اس کو حیض کا خون آنا شروع ہو گیا تو پہلے دو مہینے عدت گزارے ہوئے بیکار گئے۔اب شروع سے حیض کے ذریعہ تین حیض عدت گزارنا ہوگا۔

وجہ مہینوں سے عدت گزارنا فرع تھا۔عدت ختم ہونے سے پہلے وہ اصل پر قادر ہوگئی ہے اس لئے اب پوری عدت اصل ہی سے گزارنی ہوگی (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الزهری فی امرأة بکر طلقت لم تکن حاضت فاعتدت شهرا او شهرین ثم حاضت قال تعتد ثلاث حیض (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب طلاق التی لم تحض ج سادس ص ۳۴۳ نمبر ۱۱۱۰۹ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۴۲ الجاریة تطلق ولم تبلغ المحیض ماتعتد ج رابع ،ص ۸۲، نمبر ۱۷۹۹۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک دو ماہ کے بعد حیض پر قادر ہو جائے جو اصل ہے تو تین حیض سے عدت گزارے۔

لغت آئسة : وہ عورت جو حیض سے مایوس ہوگئی ہو اس کو بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو، تستأنف : شروع سے کرے۔

[۲۰۹۱](۱۳) جس عورت کا نکاح فاسد ہوا ہو اور شبہ میں وطی ہوئی ہو تو ان دونوں کی عدت حیض ہیں فرقت اور موت کی شکل میں۔

تشریح عورت سے نکاح فاسد کیا یا شبہ میں وطی کر لی۔مثلا یہ سمجھ کر کہ بیوی ہے رات میں وطی کر لی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اجنبی ہے تو ان دونوں کے لئے تفریق ضروری ہے۔اور تفریق کے بعد عدت گزارنی ہوگی۔اور اگر ان دونوں کے شوہر کا انتقال ہو تب بھی عدت وفات نہیں گزارے گی بلکہ عدت تفریق یعنی تین حیض گزارے گی۔

وجہ اصل میں یہ شوہر کی بیوی ہی نہیں ہے۔کیونکہ نکاح فاسد کو حتی الامکان توڑ دینا چاہئے۔اور شبہ کی وطی میں تو نکاح ہے ہی نہیں تو بیوی کیسے

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا کسی باندی عورت کا شوہر مرجائے پھر آزاد کی گئی۔فرمایا باندی کی عدت گزارتی رہے گی۔اور اس کے لئے باندی کی عدت کے علاوہ کچھ نہیں ہے (ب) حضرت زہری نے فرمایا جوان عورت کو طلاق دی گئی جس کو حیض نہیں آتا تھا۔پس ایک مہینہ یا دو مہینے عدت گزاری پھر حیض آ گیا۔فرمایا اب مستقل تین حیض عدت گزارے گی۔

والموطوئة بشبهة عدتهما الحيض فى الفرقة والموت[۲۰۹۲](۱۴) واذا مات مولى ام الولد عنها او اعتقها فعدتها ثلث حيض.

ہوئی؟ اس لئے اس کے نقلی شوہر کے مرنے پر نہ غم ہے نہ افسوس۔ اس لئے موت کی عدت نہیں گزارے گی۔ البتہ وطی یا نکاح ہوا ہے اس لئے تفریق پر حیض سے عدت گزارے گی۔ کیونکہ یہ عدت رحم کو صاف کرنے کے لئے گزارتے ہیں (۲) اثر میں ہے کہ نکاح فاسد نکاح نہیں ہے۔ **عن عطاء قال من نکح على غير وجه النكاح ثم طلق فلا يحسب شيئا،انما طلق غير امرأته** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب النکاح علی غیر وجہ النکاح ج سادس ص ۲۰۳ نمبر ۱۰۵۱۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نکاح فاسد نکاح ہی نہیں ہے۔ اور عدت گزارنے کے لئے اثر یہ ہے۔ **ان علی بن ابی طالب اتی بامرأة نكحت فى عدتها وبنى بها ففرق بينهما وامرها ان تعتد بما بقى من عدتها الاولى ثم تعتد من هذا عدة مستقبلة** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب نکاحها فی عدتها ج سادس ص ۲۰۸ نمبر ۱۰۵۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نکاح فاسد میں تفریق کے بعد عورت عدت گزارے گی۔ لیکن چونکہ حقیقی شوہر نہیں ہے اس لئے عدت وفات نہیں گزارے گی۔

[۲۰۹۲] (۱۴) جب ام ولد کا آقا مر گیا یا اس کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔

وجہ ام ولد کا آقا اس کا شوہر نہیں ہے بلکہ آقا ہے اس لئے اس کے مرنے پر شوہر کی عدت وفات چار ماہ دس روز نہیں گزارے گی۔ لیکن چونکہ آقا سے صحبت کروائی تھی اس لئے رحم صاف کروانے کے لئے تین حیض عدت گزارے تاکہ رحم مکمل طور پر صاف ہو جائے (۲) اثر میں ہے۔ **ان عمرو بن العاص امر ام ولد اعتقت ان تعتد ثلاث حيض وكتب الى عمر فكتب بحسن رأيه** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۵۷ ما قالوا فی ام الولد اذا اعتقت، کم تعتد؟ ج رابع ص ۱۵۰، نمبر ۱۸۷۵۵ر مصنف عبد الرزاق، باب عدة السرية اذا اعتقت او مات عنها سیدها ج سابع ص ۲۳۲ نمبر ۱۲۹۳۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ام ولد تین حیض عدت گزارے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آقا ام ولد کا شوہر تو ہے نہیں اس لئے وہ استبراء کے درجے میں ہے اس لئے ایک حیض سے عدت گزارنا کافی ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن الحسن انه كان يقول عدتها حيضة اذا توفى عنها سيدها. وعن ابن عمر قال عدتها حيضة** (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۵۶ من قال عدة ام الولد حیضة ج رابع ص ۱۵۰، نمبر ۱۸۷۴۹ / ۱۸۷۴۷ر مصنف عبد الرزاق، باب عدة السرية اذا

حاشیہ : (الف) حضرت عطاء نے فرمایا کسی نے نکاح نکاح کے طریقے کے علاوہ سے کیا پھر طلاق دی تو وہ کچھ شمار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنی بیوی کے علاوہ کو طلاق دیا (ب) حضرت علی کے پاس ایک عورت لائی گئی جس سے اس کی عدت میں نکاح کیا گیا۔ اور اس کی رخصتی کی تو دونوں میں تفریق کرائی اور اس کو حکم دیا کہ عدت گزارے پہلی عدت کا ماقبی۔ پھر اس کی اگلی عدت گزارے یعنی نکاح فاسد کی عدت گزارے (ج) حضرت عمرو بن عاص نے ام ولد کو حکم دیا جو آزاد کی گئی کہ تین حیض گزارے۔ اور حضرت عمر کو یہ بات لکھی تو انہوں نے ان کے حسن رائے کی تعریف کی (د) حضرت حسن سے منقول ہے، وہ فرماتے تھے کہ اس کی عدت ایک حیض ہے اگر اس کا آقا اس کو چھوڑ کر وفات پا جائے۔ اور ابن عمر نے فرمایا اس کی عدت ایک حیض ہے۔

[۲۰۹۳](۱۵) واذا مات الصغیر عن امرأته وبها حبل فعدتها ان تضع حملها
[۲۰۹۴](۱۶) فان حدث الحبل بعد الموت فعدتها اربعة اشهر وعشرة ایام
[۲۰۹۵](۱۷) واذا طلق الرجل امرأته فی حالة الحیض لم تعتد بالحیضة التی وقع فیها

اعتقت اومات عنھا سیدھا حاج سابع ص ۲۳۲ نمبر ۱۲۹۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ام ولد کی عدت ایک حیض ہے جب وہ مرجائے۔ بعض ائمہ کے نزدیک چار ماہ دس دن ہے۔ ان کی دلیل ابوداؤد کا اثر ہے (باب فی عدۃ ام الولد ص ۳۲۳ نمبر ۲۳۰۸ رمصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۲۹۳۳)

[۲۰۹۳](۱۵) اگر بچہ مرگیا بیوی چھوڑ کر اور حال یہ ہے کہ اس کو حمل ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

تشریح یہ تو طے ہے کہ شوہر بچہ ہونے کی وجہ سے بیوی کو جو حمل ہے وہ شوہر کا نہیں ہے کسی اور کا ہے۔ لیکن چونکہ یہ بچہ شوہر ہے اس لئے اس کا احترام کرتے ہوئے بیوی کی عدت وضع حمل ہوگی۔

وجہ آیت میں حاملہ کی عدت مطلقا وضع حمل ہے۔ **واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن** (الف) (آیت ۴ سورۃ الطلاق ۶۵) آیت سے معلوم ہوا کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔

فائدہ امام ابو یوسف اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہیں۔

وجہ کیونکہ یہ حمل شوہر کا نہیں ہے تو شوہر کے حق میں گویا کہ وہ حاملہ نہیں ہے۔ اور غیر حاملہ کی عدت چار ماہ دس دن ہیں۔

[۲۰۹۴](۱۶) اور اگر حمل ظاہر ہوا موت کے بعد تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہیں۔

وجہ جس وقت بچہ شوہر مرا اس وقت حمل کا پتہ نہیں تھا تو شرعی اعتبار سے چار ماہ دس دن عدت لازم ہوگئی۔ اب وہ لازم ہونے کے بعد تبدیلی نہیں ہوگی۔ اس لئے چار ماہ دس دن ہی عدت ہوگی (۲) یوں بھی بچہ ہونے کی وجہ سے حمل اس کا نہیں ہے اس لئے اصل میں وہ غیر حاملہ ہے۔ اس لئے چار ماہ دس دن ہی لازم ہوں گے (۲) آیت میں ہے۔ **والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا** (ب) (آیت ۲۳۴ سورۃ البقرۃ ۲)

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بچے کا حمل نہیں ہے اس لئے گویا کہ وہ غیر حاملہ ہے۔

[۲۰۹۵](۱۷) اگر مرد نے بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو وہ حیض شمار نہیں ہوگا جس میں طلاق دی۔

تشریح حیض کی حالت میں طلاق نہیں دینا چاہئے لیکن اگر کسی نے دیدی تو وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا۔ بلکہ اگلے تین حیض عدت گزارے۔

وجہ (۱) اگر اس حیض کو شمار کریں تو عدت ڈھائی حیض ہوں گے۔ مکمل تین حیض نہیں ہوں گے جبکہ آیت میں تین کی تاکید ہے۔ **والمطلقات**

حاشیہ : (الف) حمل والی عورتیں ان کی عدت یہ ہے کہ بچہ جن دے (ب) جو لوگ وفات پاتے ہیں اور اپنی بیویاں چھوڑتے ہیں وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن روکے رکھیں۔

الطلاق[۲۰۹۶](۱۸) واذا وطئت المعتدة بشبهة فعلیها عدة اخری.[۲۰۹۷](۱۹)و

یتربصن بانفسھن ثلاثه قروء (الف) (آیت ۲۲۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں تین کا لفظ قطعی ہے اس لئے جس حیض میں طلاق واقع ہوئی ہے وہ حیض عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا (۲) اثر میں ہے۔عن ابن عمر اذا طلقھا وھی حائض لم تعتد بتلک الحیضة۔دوسری روایت میں ہے۔عن الفقھاء من اھل المدینة کانوا یقولون من طلق امرأته وھی حائض او ھی نفساء فعلیھا ثلاث حیض سوی الدم الذی ھی فیه (ب) (سنن للبیہقی، باب لا تعتد بالحیضة التی وقع فیھا الطلاق ج سابع ص ۶۸۷، نمبر ۱۵۴۰۳ مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یطلق امرأته ثلاثا وھی حائض او نفساء اھی تحتسب بتلک الحیضة؟ ج سادس ص ۳۱۱ نمبر ۱۰۹۶۶) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ طلاق والا حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا۔

[۲۰۹۶](۱۸) اگر عدت گزارنے والی عورت سے شبہ میں وطی کر لی گئی تو اس پر دوسری عدت ہے۔

تشریح شوہر نے بیوی کو طلاق بائنہ دی تھی جس کی وجہ سے وہ عدت گزار رہی تھی مثلا ایک حیض گزار چکی تھی کہ شوہر نے شبہ میں وطی کر لی تو اب اس عورت کو وطی بالشبہ کی عدت تین حیض گزارنی ہوگی۔البتہ اس تین حیض گزارنے میں پہلی عدت کے بھی دو حیض گزر جائیں گے اور دونوں عدتیں تداخل ہو جائیں گی۔

وجہ وطی بالشبہ کی عدت گزارنے کی دلیل یہ ہے۔ان علی ابن ابی طالب اتی بامرأة نکحت فی عدتھا وبنی بھا ففرق بینھما امرھا ان تعتد بما بقی من عدتھا الاولی ثم تعتد من ھذا عدة مستقبلة (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب نکاحھا فی عدتھا ج سادس ص ۲۰۸ نمبر ۱۰۵۳۲) اس اثر میں ثم تعتد من ھذا عدة مستقبلة سے فرمایا کہ وطی بالشبہ کی عدت پہلی عدت کے بعد گزارے۔اور دونوں عدتیں تداخل ہو جائیں گی اس کی دلیل حضرت عمر کا قول ہے۔ان عمر بن الخطاب جعل للذی تزوجت فی عدتھا مھرھا کاملا بما استحق منھا ویفرق بینھما ولا یتناکحان ابدا وتعتد منھما جمیعا۔اور دوسری روایت میں ہے۔وقال الشعبی تعتد من الآخر ثم تعتد بقیة عدتھا منھا (د) (مصنف عبد الرزاق، باب نکاحھا فی عدتھا ج سادس ص ۲۱۱/۲۱۲ نمبر ۱۰۵۴۴/۱۰۵۴۵ سنن للبیہقی، باب اجتماع العدتین ج سابع ص ۷۲۵، نمبر ۱۵۵۳۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دونوں عدتیں تداخل ہو جائیں گی۔

[۲۰۹۷](۱۹) اور دونوں عدتیں متداخل ہوں گی، پس جو دیکھے گی حیض میں سے تو دونوں میں شمار ہوں گے۔اور جب پوری ہو جائے گی پہلی عدت اور نہ پوری ہو دوسری تو اس پر دوسری عدت کو پورا کرنا ہے۔

حاشیہ : (الف) طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض (ب) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں اگر بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو یہ حیض شمار نہیں کیا جائے گا۔مدینہ کے فقہاء فرمایا کرتے تھے جس نے بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی یا وہ نفساء تھی تو اس پر تین حیض اس خون کے علاوہ جس میں وہ تھی، یعنی الگ سے تین حیض گزارنا ہوگا۔(ج) حضرت علی کے پاس ایک عورت لائی گئی جس سے اس کی عدت میں نکاح کیا گیا تھا اور اس کی رخصتی بھی ہوئی تھی۔پس دونوں میں تفریق کی گئی اور اس کو حکم دیا کہ پہلی عدت کی مابقیہ عدت گزارے پھر یہ اگلی عدت گزارے (د) جس نے عدت میں شادی کی حضرت عمرؓ نے اس کے لئے پورا مہر متعین کیا اس کی وجہ سے کہ وہ مستحق ہوئی۔اور دونوں کو علیحدہ کیا۔اور دونوں کبھی آپس میں نکاح نہ کریں، اور دونوں کی عدت ایک ساتھ گزارے۔اور شعبی نے فرمایا پہلے دوسرے کی عدت گزارے پھر اس کی پہلی عدت کا بقیہ گزارے۔

تداخلت العدتان فيكون ما تراه من الحيض محتسبا منهما جميعا واذا انقضت العدة الاولى ولم تكمل الثانية فعليها اتمام العدة الثانية[۲۰۹۸](۲۰) وابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق وفي الوفاة عقيب الوفاة فان لم تعلم بالطلاق او الوفاة حتى مضت مدة العدة فقد انقضت عدتها [۲۰۹۹](۲۱)والعدة في النكاح الفاسد عقيب التفريق بينهما او عزم الواطي على ترك وطيها.

تشریح دوعدتیں جمع ہو جائیں، ایک عدت طلاق کی اور دوسری عدت وطی بالشبہ کی تو جب طلاق کی عدت گزر جائے گی تو اس کے اندر وطی بالشبہ کی بھی عدت گزر جائے گی۔ مثلا مثال مذکور میں ایک حیض گزرنے کے بعد وطی بالشبہ ہوئی تو طلاق کی عدت دو حیض اور گزارنا ہے۔ اس لئے اس کے اندر دو حیض وطی بالشبہ کے بھی گزر جائیں گے اور ایک حیض مزید وطی بالشبہ کا گزارے۔ جس سے تین حیض پورے ہو جائیں گے۔

وجہ حضرت علی کا قول پہلے گزر چکا ہے ثم تعتد من هذا عدة مستقبلة (مصنف عبد الرزاق نمبر ۱۰۵۳۲)

[۲۰۹۸](۲۰)عدت کی ابتدا طلاق میں طلاق کے بعد سے ہوگی اور وفات میں وفات کے بعد سے ہوگی، پس اگر علم نہ ہو اس کو طلاق کا یا وفات کا یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی تو اس کی عدت پوری ہوگئی۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابن عمر قال عدتها من يوم طلقها و من يوم يموت عنها (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸۲ ما قالوا فی المرأة يطلقها زوجها ثم يموت عنها من ای يوم تعتد؟ ج رابع، ص ۱۶۶، نمبر ۱۸۹۱۰) اس اثر میں ہے کہ طلاق کے بعد اور وفات کے بعد عدت گزرنی شروع ہو جائے گی چاہے عورت کو طلاق اور وفات کا علم ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ تین حیض کے بعد اس کو طلاق کا علم ہوا یا چار ماہ دس روز کے بعد شوہر کے مرنے کا علم ہوا تو عدت گزر چکی ہوگی (۲) عدت کے اسباب طلاق اور وفات ہیں اس لئے یہ دونوں ہو تو عدت شروع ہو جائے گی کیونکہ سبب پایا گیا۔

[۲۰۹۹](۲۱)اور عدت نکاح فاسد میں دونوں کے درمیان تفریق کے بعد یا وطی کرنے والے نے وطی چھوڑنے کے پختہ ارادہ کے بعد۔

تشریح نکاح فاسد کیا ہو تو وہ صحیح نکاح نہیں ہے اس لئے تفریق کرانا ہی طلاق کے درجے میں ہے۔ اس لئے تفریق کے بعد ہی عدت شروع ہو جائے گی۔ یا شوہر پختہ ارادہ کرے کہ آج تاریخ سے اس عورت سے وطی نہیں کرنا ہے تو جس تاریخ سے وطی نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا اس تاریخ سے عدت شروع ہو جائے گی۔

وجہ کیونکہ نکاح تو صحیح ہے نہیں کہ طلاق دینے کی ضرورت پڑے۔ اس لئے وطی نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا تفریق کا شائبہ ہے۔ اس لئے پختہ ارادہ کے بعد عدت شروع ہو جائے گی۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے قاضی نے تفریق کرائی اور اب یہ خود تفریق کی طرف قدم اٹھا رہا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا عورت کی عدت اسی دن سے شروع ہوگی جس دن سے اس کو طلاق دی یا جس دن سے شوہر کا انتقال ہوا۔

[۲۱۰۰] (۲۲) وعلى المبتوتة والمتوفى عنها زوجها اذا كانت بالغة مسلمة الاحداد
[۲۱۰۱] (۲۳) والاحداد ان تترك الطيب والزينة والدهن والكحل الا من عذر.

﴿ سوگ منانے کا بیان ﴾

[۲۱۰۰] (۲۲) معتدہ بائنہ اور جس کا شوہر مرگیا ہو جبکہ وہ بالغہ اور مسلمہ ہے تو سوگ منانا ہے۔

تشریح بالغہ اور مسلمہ عورت ہو اس کو طلاق بائنہ دی ہو جس کی وہ عدت گزار رہی ہو یا اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو جس کی وہ عدت گزار رہی ہو اس زمانے میں وہ سوگ منائے۔ سوگ منانے کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ دخلت على ام حبيبة زوج النبي ﷺ ... انی سمعت رسول الله ﷺ يقول لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر ان تحد على ميت فوق ثلاث ليال الا على زوج اربعة اشهر وعشرا (الف) (بخاری شریف، باب تحد المتوفی عنها اربعة اشهر وعشرا ص ۸۰۳ نمبر ۵۳۳۴ رمسلم شریف، باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفات وتحریمہ فی غیر ذلک الا ثلاثۃ ایام ص ۴۸۷ نمبر ۱۴۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ متوفی عنها چار ماہ دس دن سوگ منائے گی (۲) اور طلاق بائنہ دی ہوئی سوگ منائے اس کا استدلال اس حدیث سے ہوسکتا ہے جس میں مطلقا زوج کا لفظ استعمال کیا ہے چاہے وہ طلاق بائنہ والا شوہر ہو چاہے انتقال کیا ہوا شوہر ہو۔ عن ام عطية قالت قال النبي ﷺ لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر ان تحد فوق ثلاث الا على زوج فانها لاتكتحل ولا تلبس ثوبا مصبوغا الا ثوب عصب (ب) (بخاری شریف، باب تلبس الحادۃ ثیاب العصب ص ۸۰۴ نمبر ۵۳۴۲ رمسلم شریف، باب وجوب الاحداد فی عدۃ والوفات وتحریمہ فی غیر ذلک الا ثلاثۃ ایام ص ۴۸۷ نمبر ۱۴۹۰) اس حدیث میں زوج کا لفظ مطلق ہے۔ جس سے متوفی عنہ بھی ہوسکتا ہے اور معتدہ بہ بھی۔ اس لئے معتدہ بائنہ بھی عدت میں سوگ منائے گی (۳) جس طرح متوفی عنها کو شوہر کے مرنے کا افسوس ہے اسی طرح طلاق بائنہ والی کو شوہر کے چھوٹنے کا افسوس ہے اس لئے وہ بھی سوگ منائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں حصر کے ساتھ صرف متوفی عنها کو سوگ منانے کے لئے کہا گیا ہے اس لئے طلاق بائنہ والی کو سوگ منانے کی ضرورت نہیں ہے۔

[۲۱۰۱] (۲۳) اور سوگ منانا یہ ہے کہ چھوڑ دے خوشبو، زینت، تیل اور سرمہ مگر عذر سے۔

تشریح جتنی چیزیں زینت کی ہیں اس کو چھوڑ دے۔ مثلا خوشبو، تیل، سرمہ وغیرہ۔ البتہ مرض اور بیماری کی وجہ سے کوئی مجبوری ہو جائے تو استعمال کرسکتی ہے۔

وجہ اوپر حدیث گزری (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن سلمة زوج النبي ﷺ عن النبي ﷺ انه قال المتوفى عنها زوجها

حاشیہ : (الف) حضورؐ فرمایا کرتے تھے ایسی عورت جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے مگر شوہر پر چار مہینے دس روز سوگ منائے (ب) آپؐ نے فرمایا جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے مگر شوہر پر، اس لئے وہ سرمہ نہ لگائے، رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے مگر اونی کپڑا۔

[۲۱۰۲](۲۴) ولا تختضب بالحناء ولا تلبس ثوبا مصبوغا بورس ولا زعفران[۲۱۰۳] (۲۵) ولا احداد علی کافرۃ ولا صغیرۃ[۲۱۰۴] (۲۶)وعلی الامۃ الاحداد[۲۱۰۵] (۲۷) ولیس فی عدۃ النکاح الفاسد ولا فی عدۃ ام الولد احداد.

لا تلبس المعصفر من الثیاب ولا الممشقۃ ولا الحلی ولا تختضب ولا تکتحل (الف)(ابوداؤد شریف، باب فیما تجتنب المعتدۃ فی عدتھا ص۳۲۲ نمبر۲۳۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتدہ عصفر میں رنگا ہوا اور گیرو میں رنگ میں رنگا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتی، زیور نہیں پہن سکتی، خضاب نہیں کرسکتی اور سرمہ نہیں لگا سکتی۔البتہ مجبوری میں یہ چیزیں استعمال کر سکتی ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ام عطیۃ ... ورخص لنا عند الطھر اذا اغتسلت احدانا من محیضھا فی نبذۃ من کست اظفار (ب)(بخاری شریف، باب القسط للحادۃ عند الطھر ص۸۰۴ نمبر۵۳۴۱ مسلم شریف، باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفات ص۴۸۷ نمبر۱۴۹۱) اس حدیث میں طہر پاکی کے وقت مجبوری کے طور پر تھوڑا خوشبو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجبوری کے وقت زینت کی چیزوں کو استعمال کرنا جائز ہے۔

لغت تختضب : خضاب لگانا، مہندی لگانا۔

[۲۱۰۲](۲۴)اور نہ لگائے مہندی اور نہ پہنے عصفر یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا۔

وجہ مہندی لگانا، عصفر میں یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا پہننا زینت ہے اس لئے سوگ میں یہ نہ پہنے۔حدیث اوپر گزر چکی ہے (ابوداؤد شریف نمبر۲۳۰۴)

[۲۱۰۳](۲۵)اور نہیں سوگ ہے کافرہ پر اور نہ بچی پر۔

وجہ کافرہ عورت کفر کی وجہ سے شریعت کی مخاطب نہیں ہے۔اور چھوٹی بچی بچی ہونے کی وجہ سے شریعت کی مخاطب نہیں ہے اس لئے ان دونوں پر سوگ نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن ام عطیۃ قالت قال النبی ﷺ لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحد فوق ثلاث الخ (ج) بخاری شریف، باب تلبس الحادۃ ثیاب العصب ص۸۰۴ نمبر۵۳۴۲) اس حدیث میں لامرأۃ سے مراد بالغہ عورت ہے۔اور تؤمن باللہ والیوم الآخر سے مومنہ عورت مراد ہے۔اس لئے کافرہ عورت پر سوگ نہیں ہے۔

[۲۱۰۴](۲۶)اور باندی پر سوگ ہے۔

وجہ باندی بھی مومنہ ہے اور مخاطبہ ہے اس لئے اس پر بھی سوگ ہے۔

[۲۱۰۵](۲۷) نکاح فاسد کی عدت میں اور ام ولد کی عدت میں سوگ نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا متوفی عنہا زوجہا نہیں پہنے گی عصفور میں رنگا ہوا کپڑا اور نہ پتلا کپڑا اور نہ زیور اور نہ خضاب لگائے اور نہ سرمہ لگائے (ب) ام عطیہ سے منقول ہے ... رخصت دی ہم کو طہر کے وقت جب کہ غسل کریں ہم میں سے کوئی حیض کے وقت کچھ مشک لگائے (ج) آپ نے فرمایا نہیں حلال ہے کسی عورت کے لئے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو یہ کہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔

[۲۱۰٦](۲۸)ولا ینبغی ان تخطب المعتدة ولا بأس بالتعریض فی الخطبة [۲۱۰۷]

(۲۹) ولا یجوز للمطلقة الرجعیة والمبتوتة الخروج من بیتها لیلا او نهارا والمتوفی عنها

تشریح نکاح فاسد کی وجہ سے تفریق ہوئی ہو جس کی عدت گزار رہی ہو تو اس میں سوگ نہیں ہے۔

وجہ نکاح فاسد کو تو ختم کرنا چاہئے اس لئے اچھا ہوا کہ ختم ہو گیا۔ اس لئے شوہر جانے کا افسوس نہیں ہے۔ اس لئے سوگ بھی نہ کرے۔ اسی طرح ام ولد کا آقا اس کا شوہر نہیں ہے بلکہ اچھا ہوا کہ آقا سے جان چھوٹی اور وہ آزاد ہو گئی۔ اس لئے اس پر سوگ نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو شوہر نہ ہو اس کی عدت گزار رہی ہو تو اس پر سوگ نہیں ہے۔

[۲۱۰٦] (۲۸) مناسب نہیں ہے معتدہ کو نکاح کا پیغام دینا، اور کوئی حرج نہیں ہے کنایہ پیغام دینے میں۔

تشریح جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کو کوئی اجنبی آدمی نکاح کا پیغام دے تو یہ مناسب نہیں ہے۔ البتہ اشارے اشارے میں کہے کہ عدت ختم ہونے کے بعد آپ سے شادی کروں گا تو اس کی گنجائش ہے۔ مثلا یوں کہے کہ آپ جیسی عورت کی مجھے ضرورت ہے، یا آپ جیسی عورت مجھے پسند ہے تو ٹھیک ہے۔

وجہ آیت میں ان دونوں مسئلوں کی تصریح ہے۔ ولا جناح علیکم فیما عرضتم به من خطبة النساء او اکننتم فی انفسکم علم الله انکم ستذکرونهن ولکن لا تواعدوهن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا ولا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتب اجله (الف) (آیت ۲۳۵ سورة البقرة ۲) اس آیت میں دونوں باتیں کہی ہیں کہ چپکے چپکے پیغام نکاح مت دو اور یہ بھی کہا کہ اشارے اشارے میں پیغام نکاح دے سکتے ہو۔

لغت تخطب : پیغام نکاح دے، التعریض : چھیڑنا، اشارے اشارے میں کوئی بات کہنا۔

[۲۱۰۷] (۲۹) نہیں جائز ہے مطلقہ رجعیہ اور مطلقہ بائنہ کے لئے گھر سے نکلنا رات کو یا دن کو اور متوفی عنہا زوجہا نکل سکتی ہے دن میں اور رات کے کچھ حصے میں، اور نہ رات گزارے گھر کے سوا۔

تشریح جو عورت عدت گزار رہی ہے چاہے طلاق رجعی کی عدت گزار رہی ہو، چاہے طلاق بائنہ کی عدت گزار رہی ہو، اور چاہے شوہر کا انتقال ہوا ہو اس کی عدت گزار رہی ہو، ان تمام عورتوں کے لئے اس گھر میں رہنا چاہئے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے یا وفات ہوئی ہے۔ البتہ عدت وفات والی دن میں روزی روٹی کمانے کے لئے نکل سکتی ہے۔ اسی طرح رات کے کچھ حصے میں باہر رہ سکتی ہے۔ البتہ سونے کا انتظام اسی گھر میں کرنا چاہئے جس میں عدت گزار رہی ہے۔

وجہ گھر میں رہنے کے لئے یہ آیت ہے۔ یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة واتقوا الله ربکم

حاشیہ : (الف) تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر عورتوں کو اشارے میں پیغام نکاح دے یا تم اپنے دل میں چھپاؤ۔ اللہ جانتے ہیں کہ تم ان سے اس کا تذکرہ کروگے۔ لیکن چپکے سے اس سے وعدہ مت کرو مگر یہ کہ کوئی مناسب بات کرو اور نکاح کا پختہ ارادہ مت کرو جب تک کہ عدت پوری نہ ہو جائے۔

زوجها تخرج نهارا وبعض الليل ولا تبيت في غير منزلها.

لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا ان يأتين بفاحشة مبينة (الف)(آیت ا سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت میں ہے کہ مطلقہ کو عدت میں گھر سے نہ نکالو، الا یہ کہ مجبوری ہو جائے اور فاحشہ مبینہ یعنی گالم گلوچ کرے۔ عدت وفات کی معتدہ کے بارے میں یہ آیت ہے۔ والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا وصية لازواجهم متاعا الى الحول غير اخراج فان خرجن فلا جناح عليكم في ما فعلن في انفسهن من معروف (آیت ۲۴۰ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کو گھر سے نہ نکالے۔ البتہ وہ خود نکل جائے تو اور بات ہے (۳) اس کے لئے حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن عمته زينب بنت كعب بن عجرة ... اخبرتها انها جاء ت رسول الله ﷺ تسأله ان ترجع الى اهلها في بني حذرة وان زوجها خرج في طلب اعبد له ابقوا حتى اذا كان بطرف القدوم لحقهم فقتلوه قالت فسألت رسول الله ان ارجع الى اهلي فان زوجي لم يترك لي مسكنا يملكه ولا نفقة قالت فقال رسول الله ﷺ نعم ،قالت فانصرفت حتى اذا كنت في الحجرة او في المسجد ناداني رسول الله او امر بي فنوديت له فقال كيف قلت؟ قالت فرددت عليه القصة التي ذكرت له من شان زوجي قال امكثي في بيتك حتى يبلغ الكتب اجله (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء این تعتد المتوفی عنہا زوجہا ص ۲۲۷ نمبر ۱۲۰۴ / ابوداؤد شریف، باب فی المتوفی عنہا تنتقل ص ۳۲۱ نمبر ۲۳۰۰) اس حدیث سے شوہر کے پاس گھر نہ ہو پھر بھی حتی الامکان اسی گھر میں عدت گزارے جس میں اس کی وفات ہوئی ہے۔ رات دن گھر میں رہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن عبد الله بن عمر قال لا تبيت المتوفى عنها زوجها ولا المبتوتة الا في بيتها (سنن للبیہقی، باب سکنی المتوفی عنہا زوجہا ج سابع ص ۱۵ا، نمبر ۱۵۵۰۵ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۶۹ ما قالوا این تعتد؟ من قال فی بیتہا ج رابع، ص ۱۵۸، نمبر ۱۸۸۳۰ / مصنف عبد الرزاق، باب این تعتد المتوفی عنہا؟ ج سابع ص ۳۱ نمبر ۱۲۰۶۳) اس اثر سے معلوم کہ معتدہ اور متوفی عنہا زوجہا عدت گھر میں گزارے۔ البتہ ضرورت کے لئے متوفی عنہ زوجہا گھر سے نکل سکتی ہے۔

وجہ اس کا شوہر مر چکا ہے اس لئے روزی روٹی کے لئے دن میں گھر سے نکلنا ہوگا اور ممکن ہے کہ رات کے کچھ حصے تک واپس آئے۔ اس لئے اس کے لئے دن میں باہر نکلنے کی گنجائش ہے (۲) اس حدیث میں ہے۔ سمع جابر بن عبد الله يقول طلقت خالتي فارادت ان

حاشیہ: (الف) اے نبی! جب آپ بیویوں کو طلاق دیں تو عدت کے موقع پر طلاق دیں۔ اور عدت گنیں اور اپنے رب اللہ سے ڈریں۔ اور بیویوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالیں مگر یہ کہ فاحشہ مبینہ کرے (ب) کعب بن عجرہ نے خبر دی ... کہ اس کی پھوپی زینب حضورؐ کے پاس آئی اور پوچھنے لگی کہ اپنے اہل بنی حذرۃ کے پاس لوٹ جائے۔ ان کا شوہر بھاگے ہوئے غلام کی تلاش میں نکلے تھے۔ یہاں تک کہ جب طرف القدوم کے پاس آئے تو لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ اپنے آبائی خاندان کے پاس لوٹ جائے۔ اس لئے کہ میرے شوہر نے رہنے کے لئے کوئی ملکیت کی چیز نہیں چھوڑی اور نہ کوئی خرچ چھوڑا۔ فرماتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہاں! زینب نے فرمایا میں واپس لوٹی یہاں تک کہ جب کمرے میں آئی یا مسجد میں آئی تو حضورؐ نے مجھے بلایا یا کسی کو آواز دینے کے لئے کہا۔ حضورؐ نے پوچھا کیسے بتایا؟ تو میں نے پورا قصہ دہرایا جو اپنے شوہر کے بارے میں ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا اپنے گھر میں ٹھہرے رہو عدت پوری ہونے تک۔

[۲۱۰۸](۳۰) وعلى المعتدة ان تعتد في منزل الذي يضاف اليها بالسكنى حال وقوع الفرقة[۲۱۰۹](۳۱) فان كان نصيبها من دار الميت لا يكفيها واخرجها الورثة من

تجد نخلها فزجرها رجل ان تخرج فاتت النبي عليه السلام فقال بلى فجدى نخلك فانك عسى ان تصدقي او تفعلي معروفا (الف) (مسلم شریف، باب جواز خروج المعتدة البائن والمتوفى عنها زوجها في النهار لحاجتها ص۴۸۶ نمبر۱۴۸۳رابوداؤد شریف، باب في المبتوتة تخرج بالنهار ص۳۲۰ نمبر۲۲۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتدہ ضرورت کے لئے گھر سے نکل سکتی ہے (۳) اثر میں ہے۔ عن ابن عمر قال المطلقة والمتوفى عنها زوجها تخرجان بالنهار ولا تبيتان ليلة تامة غير بيوتهما (ب) (سنن للبیہقی، باب کیفیة سکنی المطلقة والمتوفی عنہا ج سابع ص۷۱۷، نمبر۱۵۵۱۴ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۶۹ ما قالوا این تعتد من قال فی بیتہا ج رابع ص۱۵۸، نمبر۱۸۸۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رات کو گھر میں گزارے اور دن کو نکل سکتی ہے۔

[۲۱۰۸] (۳۰) معتدہ پر لازم ہے عدت گزارنا اس گھر میں جس کی طرف منسوب ہے اس کی رہائش فرقت کے وقت۔

تشریح طلاق واقع ہوتے وقت یا وفات کے وقت عورت جس گھر میں رہتی تھی اسی گھر میں عدت گزارنا ضروری ہے۔

وجہ (۱) اوپر آیت میں گزرا لا تخرجوهن من بيوتهن (ج) (آیت ا سورة الطلاق ۶۵) اس آیت میں بھی اشارہ ہے کہ عورت کو اس گھر سے نہ نکالو جس میں وہ رہتی تھی (۲) اوپر حدیث کا ٹکڑا گزرا قال امكثي في بيتك حتى يبلغ الكتب اجله (د) (ترمذی شریف، باب ما جاء این تعتد المتوفی عنہا زوجہا ص۲۲۹ نمبر۱۲۰۴رابوداؤد شریف، باب فی المتوفی عنہا زوجہا ص۳۲۱ نمبر۲۳۰۰) اس حدیث میں بھی اسی گھر میں رہنے کے لئے کہا جس میں وہ رہتی تھی۔

[۲۱۰۹] (۳۱) پس اگر عورت کا حصہ میت کے گھر میں سے اس کو کافی نہ ہو اور ورثہ اس کو اپنے حصے سے نکال دے تو وہ منتقل ہو جائے گی۔

تشریح شوہر کا انتقال ہو گیا اور ورثہ نے اس کا مال تقسیم کر لیا۔ اور جس مکان میں شوہر رہا کرتے تھے اس کو بھی تقسیم کر لیا۔ اب عورت کے حصے میں مکان کا اتنا حصہ آیا کہ وہ اس میں نہیں رہ سکتی اور ورثہ اپنے حصے میں رکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو وہ عورت دوسری جگہ منتقل ہو کر عدت گزار سکتی ہے۔

وجہ یہ مجبوری ہے اور مجبوری کی وجہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے (۲) حدیث میں ہے۔ لقد عابت ذلك عائشة عنها اشد العيب يعني حديث فاطمة بنت قيس وقالت ان فاطمة كانت في مكان وحش فخيف على ناحيتها فلذلك رخص لها رسول الله عليه السلام (ه) (ابوداؤد شریف، باب من انکر ذلک علی فاطمة بنت قیس ص۳۲۰ نمبر۲۲۹۲ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۷۰ من رخص

حاشیہ : (الف) جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ کو طلاق دی گئی، پس انہوں نے ارادہ کیا کہ کھجور کاٹے تو ایک آدمی نے نکلنے سے ڈانٹا تو وہ حضورؐ کے پاس آئی تو آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں کھجور کاٹو۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے صدقہ کرو یا کوئی خیر کا کام کرو (ب) حضرت ابن عمر نے فرمایا طلاق شدہ اور جس کا شوہر مر چکا ہو وہ نکل سکتی ہیں دن میں۔ البتہ اپنے گھر کے علاوہ پوری رات نہ گزارے (ج) معتدہ عورتوں کو اپنے گھروں سے نہ نکالو (د) اپنے گھر میں ٹھہری رہو عدت پوری ہونے تک۔ حاشیہ : (ه) حضرت عائشہؓ نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر سخت تنقید کی اور فرمایا کہ فاطمہ بنت قیس وحشی کے مکان میں تھی اس کے گرنے (باقی اگلے صفحہ پر)

نصیبهم انتقلت[۲۱۱۰](۳۲) ولا یجوز ان یسافر الزوج بالمطلقة الرجعیة [۲۱۱۱] (۳۳)واذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا ثم تزوجها فی عدتها وطلقها قبل ان یدخل بها فعلیه مهر کامل و علیها عدة مستقبلة وقال محمد رحمه الله لها نصف المهر وعلیها

للمطلقة ان تعتد فی غیر بیتھا ج رابع ص ۱۵۸، نمبر ۱۸۸۳۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر عورت اپنے گھر سے منتقل ہوسکتی ہے (۲)اثر میں ہے۔قال نقل علی ام کلثوم بعد قتل عمر بسبع لیال وقال لانها کانت فی دار الامارة (الف)(سنن للبیہقی، باب من قال سکنی للمتوفی عنہا زوجہا ج سابع ص ۷۱۶، نمبر ۱۵۵۰۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر معتدہ منتقل ہوسکتی ہے۔

[۲۱۱۰](۳۲)اورنہیں جائز ہے کہ شوہر سفر کرے مطلقہ رجعیہ کے ساتھ۔

وجہ مطلقہ رجعیہ کے ساتھ سفر کرے گا تو ممکن ہے کہ بے اختیاری طور پر رجعت ہوجائے حالانکہ وہ رجعت کرنا نہیں چاہتا تھا۔اس کے بعد پھر طلاق دے گا اور عدت لمبی ہوجائے گی اس لئے مطلقہ رجعیہ کے ساتھ شوہر سفر نہ کرے (۲)اثر میں ہے۔عن ابن عمر انه کان اذا طلق طلاقا یملک الرجعة لم یدخل حتی یستأذن وقال الشعبی کان اصحابنا یقولون یخفق بنعلیه (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ۱۸۶ ما قالوا فی المطلقة یستأذن علیها زوجها ام لا؟ ج رابع ص ۱۶۸، نمبر ۱۸۹۳۸/مصنف عبد الرزاق، باب استأذن علیها ولم یبنہا ج سادس ص ۳۲۴ نمبر ۱۱۰۲۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مطلقہ رجعیہ کے پاس بغیر اطلاع دیئے نہ جائے اس لئے اس کے ساتھ سفر بھی نہ کرے۔اور اگر سفر کرہی لیا تو جائز ہے کیونکہ وہ ابھی تک اس کی بیوی ہے۔البتہ زیادہ قربت کرنے سے رجعت ہوجائے گی۔

[۲۱۱۱](۳۳)اگر آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی۔پھر اس کی عدت ہی میں اس سے شادی کی اور اس سے صحبت سے پہلے اس کو طلاق دی تو شوہر پر پورا مہر ہے اور عورت پر اگلی عدت ہے۔اور امام محمدؒ نے فرمایا عورت کے لئے آدھا مہر ہے اور اس پر پہلی عدت کو پورا کرنا ہے۔

تشریح اگر آدمی نے بیوی کو طلاق بائنہ دی۔ابھی وہ اس طلاق کی عدت گزار رہی تھی کہ شوہر نے اس سے دوبارہ شادی کرلی۔کیونکہ اس شوہر کے لئے عدت میں اس سے شادی کرنا جائز تھا۔کیونکہ اسی کے لئے عدت گزار رہی تھی۔شادی کے بعد شوہر نے عورت سے صحبت نہیں کی اور اس کو طلاق دیدی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شوہر پر پورا مہر لازم ہوگا۔اور اس طلاق کی مستقل عدت گزارنی ہوگی۔

وجہ اگر چہ اس نکاح میں صحبت نہیں کی ہے اس لئے عدت لازم نہیں ہونی چاہئے اور مہر بھی آدھا لازم ہونا چاہئے لیکن یہاں مہر بھی پورا لازم ہوگا اور مستقل طور پر پوری عدت بھی گزارنی ہوگی۔کیونکہ پہلے نکاح میں جو صحبت ہوئی ہے وہی اس نکاح میں بھی گن لی جائے گی تو گویا کہ اس نکاح میں بھی صحبت کرلی اس لئے مہر بھی پورا لازم ہوگا اور عدت بھی پوری لازم ہوگی (۲)اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الشعبی فی الرجل

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کا خوف تھا اس لئے حضورؐ نے ان کو دوسرے گھر میں رہنے کی اجازت دی تھی (الف) حضرت علی اپنی بیٹی ام کلثوم کو حضرت عمرؓ کے قتل کے سات دن بعد منتقل کیا اور فرمایا کہ ام کلثوم امارت کے گھر میں تھی (ب) حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب ایسی طلاق دیتے جس میں رجعت ہو تو اس پر نہیں داخل ہوتے یہاں تک کہ اجازت لے لیتے۔اور حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ ہمارے بزرگ فرماتے تھے کہ جوتے سے آواز دے لے پھر داخل ہو۔

تمام العدة الاولی[۲۱۱۲] (۳۴)ویثبت نسب ولد المطلقة الرجعیة اذا جائت به لسنتین او اکثر مالم تقر بانقضاء عدتها.

یطلق امرأته تطلیقة بائنة ثم یتزوجها فی عدتها ثم یطلقها قبل ان یدخل بها قال لها الصداق وعلیها عدة مستقبلة (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۱۹ فی المرأة تخلع من زوجها ثم یتزوجها ثم یطلقها قبل ان یدخل بها ای شیء لها من الصداق؟ ج رابع ص ۱۳۰، نمبر ۱۸۵۲۶) اور دوسرے اثر میں ہے۔عن ابراھیم قال لھا الصداق کاملا (مصنف ابن ابی شیبة ج رابع ص ۱۳۰، نمبر ۱۸۵۲۸) اس اثر سے معلوم ہوا مہر بھی پورا ملے گا اور عدت بھی لازم ہوگی۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو آدھا مہر ملے گا اور مستقل عدت لازم نہیں ہوگی بلکہ پہلی عدت جو باقی رہ گئی ہے اسی کو پوری کرے۔

وجہ چونکہ دوسری شادی میں صحبت نہیں کی ہے اس لئے مہر بھی آدھا لازم ہوگا اور مستقل طور پر عدت بھی لازم نہیں ہوگی۔البتہ پہلی عدت پوری نہیں ہوئی تھی اس لئے پہلی عدت کو پوری کرے (۲) اثر میں ہے۔عن الحسن سئل عن رجل الی من امرأته فبانت منه ثم تزوجها فی عدتها ثم طلقها قبل ان یدخل بها قال نصف الصداق ولیس علیها عدة (ب) دوسرے اثر میں ہے۔وتکمل ما بقی علیها العدة (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۱۹ من قال لها نصف الصداق ج رابع ص ۱۳۰، نمبر ۱۸۵۳۰/۱۸۵۳۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آدھا مہر لازم ہوگا اور پہلی عدت مکمل کرے گی۔

﴿ ثبوت نسب کا بیان ﴾

[۲۱۱۲] (۳۴) ثابت ہوگا مطلقہ رجعیہ کے بچے کا نسب جب وہ جنے دو سال یا زیادہ میں جب تک کہ وہ عدت گزرنے کا اقرار نہ کرے۔

تشریح بیوی کو طلاق رجعی دی۔وہ عدت گزار رہی تھی، دو سال یا اس سے زیادہ تک عدت گزرنے کا اقرار نہیں کیا۔اس درمیان اس نے بچہ دیا تو اس بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوگا۔

وجہ جب تک عدت گزرنے کا اقرار نہ کرے اس وقت تک وہ شوہر کی فراش ہے، اور جب وہ فراش ہے تو بچہ اسی کا ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ بچہ فراش والے کا ہوتا ہے۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن عائشة ... الولد للفراش وللعاهر الحجر (د) (مسلم شریف، باب الولد للفراش وتوقی الشبہات ص ۴۷۰ نمبر ۱۴۵۷/ابوداؤد شریف، باب الولد للفراش ص ۳۱۷ نمبر ۲۲۷۳) اس حدیث میں ہے کہ عورت جس کا فراش ہوگی بچے کا نسب اس سے ثابت ہوگا (۳) یوں بھی شریعت ہر حال میں بچے کا نسب ثابت کرنا چاہتی ہے تاکہ بچہ زندگی بھر حرامی نہ شمار کیا جائے۔البتہ عدت ختم ہونے کا اقرار کر لیا تو اب وہ شوہر کا فراش نہیں رہی اس لئے اس کا معاملہ اور ہوگا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی فرماتے ہیں آدمی اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دے پھر اس سے عدت میں شادی کرے پھر اس کو صحبت سے پہلے طلاق دے، فرمایا اس کے لئے مہر ہوگا اور اس پر اگلی عدت ہوگی (ب) حضرت حسن کو ایک آدمی کے بارے میں پوچھا کہ اس نے بیوی سے ایلاء کیا جس کی وجہ سے وہ بائنہ ہوگئی پھر اس سے عدت میں شادی کی پھر صحبت سے پہلے اس کو طلاق دی، فرمایا اس کو آدھا مہر ملے گا اور اس پر عدت نہیں ہے (ج) اور وہ پوری کرے اس کی ما بقیہ عدت کو (د) آپؐ نے فرمایا بچہ فراش والے کے لئے ہے اور زانی کو محروم رکھا جائے گا۔

[۲۱۱۳](۳۵) وان جائت به لاقل من سنتين ثبت نسبه وبانت من زوجها[۲۱۱۴](۳۶) وان جائت به لاكثر من سنتين ثبت نسبه وكانت رجعة [۲۱۱۵] (۳۷) والمبتوتة يثبت نسب ولدها اذا جائت به لاقل من سنتين[۲۱۱۶](۳۸) واذا جائت به لتمام سنتين من

[۲۱۱۳](۳۵)اگر دوسال سے کم میں جنا تو شوہر سے بائنہ ہوجائے گی۔

تشریح طلاق کے بعد دوسال سے کم میں بچہ جنا تو اس بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوگا اور عورت کی عدت گزر جائے گی جس کی وجہ سے بائنہ ہوجائے گی۔

وجہ بچہ زیادہ سے زیادہ دوسال تک پیٹ میں رہ سکتا ہے اس لئے اگر دوسال کے اندر بچہ جنا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت طلاق کے وقت حاملہ تھی اور وضع حمل سے اس کی عدت گزر گئی اس لئے بائنہ ہوگئی۔ دوسال تک بچہ پیٹ میں رہنے کی دلیل یہ اثر ہے۔عن عائشة قالت ما تزيد المرأة في الحمل على سنتين ولا قدر ما يتحول ظل عود المغزل (الف)(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی اکثر الحمل ج سابع ص ۷۲۸،نمبر ۱۵۵۵۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دوسال ہے۔

[۲۱۱۴](۳۶)اور اگر جنا دوسال سے زیادہ میں تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور رجعت ہوگی۔

تشریح مطلقہ رجعیہ نے دوسال کے بعد بچہ جنا تو شوہر سے نسب ثابت ہوگا لیکن بچہ ہونا رجعیت شمار ہوگی۔

وجہ دوسال سے زیادہ میں بچہ جنا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ طلاق کے وقت عورت حاملہ ہوتی تو دوسال کے اندر بچہ جن دیتی۔اس لئے ماننا پڑے گا کہ طلاق کے بعد شوہر نے عورت سے وطی کی ہے۔اور مطلقہ رجعیہ سے عدت میں وطی کرے تو رجعت ہوجائے گی اس لئے عورت سے رجعت بھی ہوگئی۔اور چونکہ شوہر کی وطی سے بچہ ہوا ہے اس لئے شوہر سے نسب ثابت ہوگا۔

[۲۱۱۵](۳۷)بائنہ طلاق والی کے بچے کا نسب ثابت ہوگا جبکہ بچہ جنے دوسال سے کم میں۔

تشریح طلاق بائنہ دی ہو تو دوسال کے اندر اندر بچہ دے تو اس بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوگا۔اور دوسال کے بعد دے تو شوہر کے دعوے کے بعد ثابت ہوگا۔

وجہ طلاق بائنہ کی عدت گزار رہی ہے اس لئے وہ شوہر کی بیوی نہیں رہی اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عدت کے زمانے میں اس سے وطی کی ہوگی کیونکہ وہ حرام ہے۔البتہ یہ ہوگا کہ طلاق کے وقت عورت حاملہ تھی اس لئے دوسال کے اندر اندر بچہ دے گی تو باپ سے نسب ثابت کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

[۲۱۱۶](۳۸)اور اگر پورے دوسال میں جنے فرقت کے دن سے تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس کا شوہر دعوی کرے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہؓ نے فرمایا حمل دوسال سے زیادہ پیٹ میں نہیں رہ سکتا اور نہ تکلے کی لکڑی کے سایہ کی مقدار رہ سکتا ہے۔یعنی تکلے کی سایہ کی مقدار حمل ہو تب بھی دوسال میں بڑا ہوکر باہر آجائے گا۔

یوم الفرقة لم یثبت نسبه الا ان یدعیه الزوج [۲۱۱۷](۳۹) ویثبت نسب ولد المتوفی عنها زوجها ما بین الوفاة وبین سنتین [۲۱۱۸](۴۰) واذا اعترفت المعتدة بانقضاء عدتها ثم جائت بولد لاقل من ستة اشهر ثبت نسبه[۲۱۱۹](۴۱) وان جائت به لستة

تشریح طلاق بائنہ کے دوسال بعد عورت نے بچہ دیا تو اس کا نسب شوہر سے ثابت نہیں کیا جائے گا۔

وجہ دوسال کے بعد بچہ دیا تو یہ طے ہے کہ طلاق کے وقت بچہ پیٹ میں نہیں تھا اور بائنہ ہونے کی وجہ سے طلاق کے بعد شوہر وطی کر نہیں سکتا اس لئے شوہر سے نسب ثابت نہیں ہوگا (۲) پہلے اثر گزر چکا ہے کہ بچہ دوسال تک ہی پیٹ میں رہ سکتا ہے۔عن عائشة قالت ما تزید المرأة فی الحمل علی سنتین ولا قدر ما یتحول ظل عود المغزل (الف) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی اکثر الحمل ج سابع ص ۷۲۸، نمبر ۱۵۵۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حمل زیادہ سے زیادہ دوسال رہ سکتا ہے۔البتہ اگر شوہر دعوی کرے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا اور یوں تاویل کی جائے گی کہ عدت کے زمانے میں شوہر نے عورت سے شبہ میں وطی کی ہوگی جس سے حمل ٹھہر گیا ہوگا اور یہ بچہ ہو گیا۔اس لئے دعوی کرنے کے بعد باپ سے نسب ثابت کیا جائے گا۔

[۲۱۱۷] (۳۹) اور ثابت ہوگا متوفی عنہا زوجہا کے بچے کا نسب وفات اور دوسال کے درمیان۔

تشریح شوہر کے انتقال کے دن سے دوسال کے اندر اندر بچہ پیدا ہوا تو اس بچے کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا اور اس کے بعد ہوا تو باپ سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔

وجہ دوسال کے اندر بچہ پیدا ہوا تو یہی سمجھا جائے گا کہ وفات کے وقت عورت حاملہ تھی اور یہ حمل شوہر ہی کا ہے۔اور اگر دوسال کے بعد بچہ دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وفات کے وقت عورت حاملہ نہیں تھی اس لئے اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔

[۲۱۱۸] (۴۰) اگر معتدہ نے اعتراف کیا عدت کے ختم ہونے کا پھر بچہ دیا چھ ماہ سے کم میں تو اس کا نسب ثابت ہوگا۔

تشریح معتدہ نے عدت ختم ہونے کا اعتراف کر لیا تو وہ اب شوہر کی بیوی نہیں رہی۔لیکن اعتراف کرنے کے چھ ماہ کے اندر اندر بچہ دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اعتراف کرتے وقت عورت یقیناً حاملہ تھی اور حاملہ کی عدت وضع حمل تھی اس لئے عدت گزرنے کا اعتراف کرنا صحیح نہیں تھا اس لئے چھ مہینے کے اندر اندر بچہ دیا تو اس کا نسب باپ سے ثابت ہوگا۔

[۲۱۱۹] (۴۱) اور اگر بچہ دیا چھ مہینے پر تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

وجہ اگر عدت ختم ہونے کا اعتراف کیا اور اس کے چھ مہینے بعد بچہ پیدا ہوا تو اس بچے کا نسب باپ سے اس لئے نہیں ثابت کیا جائے گا کہ اعتراف کرتے وقت بچے کا پیٹ میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ہوسکتا ہے کہ عدت ختم ہونے کے بعد کسی اور کے ذریعہ حمل ٹھہرا ہو اور اسی کا بچہ ہو، باپ کا بچہ ہونا ضروری نہیں۔کیونکہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔اور یہ بچہ چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا ہے۔اس لئے بہت ممکن ہے کہ عدت

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حمل دوسال سے زیادہ پیٹ میں نہیں رہ سکتا اور نہ تکلی کی لکڑی کے سایہ کی مقدار۔

اشهر لم يثبت نسبه[۲۱۲۰](۴۲) واذا ولدت المعتدة ولدا لم يثبت نسبه عند ابی حنيفة رحمه الله الا ان يشهد بولادتها رجلان او رجل وامرأتان الا ان يكون هناک حبل

ختم ہونے کے بعد حمل ٹھہرا ہو (۲) اثر میں ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہیں۔ان عمر اتی بامرأة قد ولدت لستة اشهر فهم برجمها فبلغ ذلک علياً فقال ليس عليها رجم فبلغ ذلک عمر فارسل اليه فسأله فقال والوالدات يرضعن اولادهن حولين كاملين لمن اراد ان يتم الرضاعة وقال تعالى وحمله وفصاله ثلاثون شهرا،فستة اشهر حمله وحولين تمام لاحد عليها او قال لا رجم عليها فخلى عنها ثم ولدت (الف)(سنن للبیہقی ،باب ماجاء فی اقل الحمل ج سابع ص ۷۲۷،نمبر ۱۵۵۴۹)اس اثر میں ہے کہ قرآن کریم میں دودھ پلانے اور حمل کی مجموعی مدت تیس مہینے قرار دی ہے۔اور دوسری آیت میں دودھ پلانے کی مدت دو سال بتائی ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ رہ گئی۔اس لئے حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔

[۲۱۲۰](۴۲) جب معتدہ بچہ دے تو نہیں ثابت ہوگا امام ابو حنیفہ کے نزدیک مگر یہ کہ اس کی ولادت کی گواہی دے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں،مگر یہ کہ حمل ظاہر ہو یا شوہر کی جانب سے اعتراف ہو تو اس کا نسب ثابت ہوگا بغیر شہادت کے۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ عدت گزارنے والی عورت چونکہ شوہر کی بیوی نہیں رہی اور اب مکمل فراش نہیں رہی اس لئے اس کے بچے کا نسب تو ثابت کیا جائے گا لیکن تین باتوں میں سے ایک ہو تو نسب ثابت کیا جائے گا۔ایک تو یہ کہ بچہ پیدا ہونے پر دو مرد گواہی دیں،یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔دوسرا یہ کہ حمل ظاہر ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ کسی وقت بچے کی ولادت ہو سکتی ہے،اس صورت میں بھی ولادت ہونے پر بغیر گواہی کے بھی نسب ثابت ہو جائے گا۔اور تیسری شکل یہ ہے کہ شوہر اعتراف کرے کہ یہ حمل میرا ہے تو پھر ولادت پر گواہی کے بغیر بھی اس کا نسب باپ سے ثابت کیا جائے گا تاہم ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) عدت گزار رہی ہے اس لئے وہ شوہر کی مکمل فراش نہیں ہے۔اس لئے ثبوت نسب کے لئے ولادت پر مکمل گواہی چاہئے (۲) اثر میں ہے۔عن علی قال لاتجوز شهادة النساء بحتا فی درهم حتى يكون معهن رجل (ب)(مصنف عبد الرزاق،باب شهادة المرأة فی الرضاع والنفاس ج ثامن ص ۳۳۲ نمبر ۱۵۴۱۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف عورت کی گواہی ولادت کے بارے میں بھی قابل قبول نہیں ہے (۳) آیت میں ہے کہ معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی چاہئے۔واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء (ج)(آیت ۲۸۲ سورة البقرة ۲)اور یہ چونکہ معاملہ ہے اس

حاشیہ : (الف) حضرت عمر کے پاس ایک عورت لائی گئی جس کو شادی کے بعد چھ مہینے میں بچہ ہوا تھا تو انہوں نے اس کو رجم کرنے کا ارادہ کیا۔پس یہ بات حضرت علی کو پہنچی تو فرمایا اس پر رجم نہیں ہے۔حضرت عمر کو خبر پہنچی تو ان کو بلوایا تو حضرت علی نے فرمایا آیت میں ہے کہ مائیں اپنی اولاد کو دو سال تک دودھ پلائے جو مدت رضاعت کو پوری کرنا چاہے۔اور اللہ تعالی نے فرمایا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینے تک ہے۔پس چھ ماہ حمل کے،باقی دو سال مکمل رہے۔اس لئے اس پر حد نہیں ہے یا فرمایا اس پر رجم نہیں ہے،پس حضرت عمرؓ نے اس عورت کو چھوڑ دیا (ب) حضرت علی نے فرمایا صرف عورتوں کی گواہی ایک درہم کے بارے میں بھی جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کے ساتھ مرد نہ ہو (ج) تمہارے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ،پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں،جن کی گواہی سے تم راضی ہو۔

ظاهرا او اعتراف من قبل الزوج فیثبت النسب من غیر شهادة[۲۱۲۱](۴۳) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله یثبت فی الجمیع بشهادة امرأة واحدة[۲۱۲۲](۴۴) واذا تزوج الرجل امرأة فجائت بولد لاقل من ستة اشهر منذ یوم تزوجها لم یثبت نسبه.

لئے دومرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی چاہئے، یا پھر حمل ظاہر ہو، یا شوہر اعتراف کرے تو نسب ثابت ہوگا۔

[۲۱۲۱](۴۳) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا ثابت ہوگا تمام میں ایک عورت کی گواہی سے۔

تشریح صاحبین کی رائے یہ ہے کہ عورت کے تمام پوشیدہ معاملات میں جن پر مرد کا مطلع ہونا مشکل ہے ایک عورت کی گواہی مقبول ہے اور اسی سے فیصلہ کیا جائے گا۔ مثلا ولادت کے سلسلے میں ایک دائی کی گواہی کافی ہے۔

وجہ عدت گزار رہی ہے اس لئے کچھ نہ کچھ فراش باقی ہے اس لئے ایک عورت کی گواہی کافی ہے (۲) چونکہ مرد کا اس پر مطلع ہونا مشکل ہے ورنہ تو گناہ ہوگا اس لئے عورت کی گواہی کافی ہے (۳) حدیث میں ہے۔ عن حذیفة ان رسول الله ﷺ اجاز شهادة القابلة (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی عدد ھن الی عدد النساء ج عاشر ص ۲۵۴، نمبر ۲۰۵۴۲) (۳) اثر میں ہے۔ عن الشعبی والحسن قالا تجوز شهادة المرأة الواحدة فیما لا یطلع علیه الرجال (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ امرأۃ فی الرضاع والنفاس ج ثامن، ص ۳۳۳ نمبر ۱۵۴۲۳ رسنن للبیہقی، باب شهادة النساء لا رجل معهن فی الولادة وعیوب النساء ج عاشر، ص ۲۵۳، نمبر ۲۰۵۳۹) اس اثر اور حدیث سے معلوم ہوا کہ ولادت کے بارے میں ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہے (۴) حضورؐ نے دودھ پلانے کے سلسلے میں ایک عورت کی گواہی پر نکاح توڑنے کا مشورہ دیا۔ پوری حدیث بخاری شریف میں ہے۔ عن عقبة بن الحارث قال تزوجت امرأة فجائت امرأة فقالت انی قد ارضعتکما فاتیت النبی ﷺ فقال وکیف وقد قیل ؟ دعها عنک او نحوه (ج) (بخاری شریف، باب شہادۃ المرضعۃ ص ۳۶۳ نمبر ۲۶۶۰) اس حدیث میں ایک عورت کی گواہی پر نکاح کے توڑنے کا فیصلہ فرمایا۔

[۲۱۲۲](۴۴) اگر آدمی نے شادی کی کسی عورت سے اور بچہ جنا چھ مہینے سے کم میں جس دن سے شادی ہوئی ہے تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

تشریح مرد نے کسی عورت سے شادی کی۔ اور شادی کے دن سے چھ مہینے کے اندر اندر بچہ دیا تو اس بچے کا نسب باپ سے ثابت نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر گزرا کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ اور یہاں چھ ماہ سے پہلے سالم بچہ جنا تو اس کا مطلب ہوا کہ شادی سے پہلے عورت کسی اور مرد سے حاملہ ہو چکی تھی۔ اور یہ حمل اس شوہر کا نہیں ہے اس لئے اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے دائی کی گواہی کو جائز قرار دیا (ب) حضرت شعبی اور حسن نے فرمایا ایک عورت کی گواہی جائز ہے ان باتوں میں جن پر مرد مطلع نہ ہو سکتے ہوں (ج) عقبہ بن حارث نے فرمایا میں نے ایک عورت سے شادی کی۔ ایک عورت آئی اور کہنے لگی کی میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ پس میں حضورؐ کے پاس آیا تو حضورؐ نے فرمایا کیسے نہیں ہوگا؟ جبکہ ایک بات کہہ دی گئی۔ بیوی کو چھوڑ دو یا اسی قسم کی بات کہی۔

[۲۱۲۳](۴۵) وان جائت به لستة اشهر فصاعدا يثبت نسبه ان اعترف به الزوج او سكت[۲۱۲۴](۴۶) وان جحد الولادة يثبت بشهادة امرأة واحدة تشهد بالولادة [۲۱۲۵](۴۷) واكثر مدة الحمل سنتان واقله ستة اشهر.

[۲۱۲۳](۴۵)اوراگر بچہ جنا چھ مہینے میں یا زیادہ میں تو اس کا نسب ثابت ہوگا، شوہر اس کا اعتراف کرے یا چپ رہے۔

وجہ چھ مہینے کے بعد بچہ دیا تو یقین کیا جا سکتا ہے کہ شادی کے بعد حمل ٹھہرا ہے اسلئے یہ بچہ شوہر کا ہے۔ اس لئے اس سے نسب ثابت کیا جائے گا۔ اگر وہ اعتراف کرتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو واضح ہے۔ اور اگر چپ رہتا ہے تب بھی نسب ثابت کیا جائے گا۔ کیونکہ بیوی اس کا فراش ہے۔ اور فراش والے سے نسب ثابت کیا جائے گا۔ حدیث میں گزر چکا ہے۔ فقال الولد للفراش وللعاهر الحجر واحتجبى منه يا سودة (الف) (ابوداؤد شریف، باب الولد للفراش ص ۳۱۷ نمبر ۲۲۷۳)

[۲۱۲۴](۴۶)اوراگر ولادت کا انکار کیا تو ثابت کیا جائے گا نسب ایک عورت کی گواہی سے جو گواہی دے ولادت کی۔

تشریح شوہر نے ولادت کا انکار کیا تو یہاں دو مرد کی گواہی کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ صرف ایک عورت بچہ پیدا ہونے کی گواہی دے اسی سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔

وجہ اس لئے کہ عورت شوہر کا فراش تو ہے ہی اس لئے جب بھی بچہ پیدا ہوگا اس کا نسب شوہر سے ثابت کیا جائے گا۔ اس لئے اختلاف ثبوت نسب میں نہیں ہے صرف بچہ پیدا ہونے اور نہ ہونے میں ہے۔ اور اس کا ثبوت صرف ایک عورت کی گواہی سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے ایک عورت بچہ پیدا ہونے کی گواہی دے اسی سے نسب ثابت ہو جائے گا (۲) حدیث گزر چکی ہے۔ عن حذيفة ان رسول الله اجاز شهادة القابلة (ب) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی عدد ھن الی شہادۃ النساء ج عاشر، ص ۲۵۴، نمبر ۲۰۵۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت کیا جائے گا۔

[۲۱۲۵](۴۷) حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اور کم سے کم چھ ماہ ہیں۔

تشریح علوق کے بعد سے ایک بچہ زیادہ سے زیادہ دو سال تک رہ سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اور کم سے کم چھ ماہ میں سالم بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے نہیں۔ اگر اس سے پہلے بچہ پیدا ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چھ ماہ سے پہلے حمل ٹھہرا ہے۔ البتہ اس سے پہلے سقط پیدا ہو سکتا ہے جو ناقص بچہ ہوتا ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن عائشة قالت ما تزيد المرأة في الحمل على سنتين ولا قدر ما يتحول ظل عود المغزل (ج) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی اکثر الحمل ج سابع، ص ۷۲۸، نمبر ۱۵۵۵۲)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بچہ فراش والے کے لئے ہوگا۔ اور زانی کو محروم کیا جائے گا، اے سودہ اس سے پردہ کر لو (ب) آپؐ نے دائی کی گواہی کو جائز قرار دیا (ج) حضرت عائشہ نے فرمایا عورت کا حمل دو سال سے زیادہ نہیں رہ سکتا چاہے تکلی کے سایہ کے برابر ہو۔

[۲۱۲۶] (۴۸) واذا طلق الذمی الذمیة فلا عدة علیھا[۲۱۲۷] (۴۹) وان تزوجت

اور کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان عمر اتی بامرأۃ قد ولدت لستۃ اشھر فھم برجمھا فبلغ ذلک علیا فقال لیس علیھا رجم فبلغ ذلک عمر فارسل الیہ فسألہ فقال والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ ،وقال : وحملہ وفصالہ ثلاثون شھرا، فستۃ اشھر حملہ وحولین تمام لا حد علیھا او قال لا رجم علیھا فخلی عنھا ثم ولدت (الف) (سنن للبیہقی ، باب ماجاء فی اقل الحمل ج سابع ،ص ۷۲۷، نمبر ۱۵۵۴۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔

[۲۱۲۶] (۴۸) اگر ذمی مرد ذمیہ عورت کو طلاق دے تو اس پر عدت نہیں ہے۔

وجہ عدت ایک قسم کی عبادت ہے جس کا مخاطب مسلمان عورت ہے۔ اس لئے ذمیہ عورت پر عدت نہیں ہے (۲) آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن ان کن یؤمن باللہ والیوم الآخر (ب) (آیت ۲۲۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں عدت گزارنے کے بارے میں فرمایا اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان ہو تو اس پر یہ احکامات ہیں۔ اس لئے کافرہ پر عدت نہیں ہے۔

[۲۱۲۷] (۴۹) اگر زنا سے حاملہ شدہ عورت سے شادی کی تو نکاح جائز ہے لیکن اس سے وطی نہ کرے جب تک وضع حمل نہ ہو جائے۔

تشریح ایک عورت زنا کرانے کی وجہ سے حاملہ ہوگئی ہے تو اس سے کوئی شادی کرے تو شادی کرنا جائز ہے۔ البتہ بچہ پیدا ہونے تک اس سے شوہر جماع نہ کرے۔

وجہ بچہ ثابت النسب نہیں ہے اس لئے اس سے شادی کرنا جائز ہے تاکہ اس کا گناہ چھپ جائے۔ لیکن پیٹ میں دوسرے کا بچہ ہے اس لئے وطی نہ کرے (۲) حدیث میں ہے۔ عن رویفع بن ثابت عن النبی ﷺ قال من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یسق ماءہ ولد غیرہ (ج) (ترمذی شریف ، باب ماجاء فی الرجل یشتری الجاریۃ وھی حامل ص ۲۱۴ نمبر ۱۱۳۱ / ابوداؤد شریف ، باب فی وطی السبایا ص ۳۰۰ نمبر ۲۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی حاملہ عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ اور زنا سے حاملہ عورت سے شادی کرنا جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ یقال لہ بصرۃ قال تزوجت امرأۃ بکرا فی سترھا فدخلت علیھا فاذا ھی حبلی فقال النبی

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے شادی کے بعد چھ ماہ میں بچہ دیا تھا۔ پس اس کے رجم کرنے کا ارادہ کیا تو یہ خبر حضرت علیؓ کو پہنچی۔ تو انہوں نے فرمایا اس پر رجم نہیں ہے۔ پس یہ خبر حضرت عمر کو پہنچی تو حضرت علی کو بلایا اور ان کو پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ آیت میں ہے کہ مائیں اپنی اولاد کو مکمل دو سال دودھ پلائیں جو رضاعت کو پوری کرنا چاہیں۔ اور آیت میں فرمایا حمل اور دودھ پلانا تیس مہینے کا ہوتا ہے۔ پس چھ ماہ حمل کے اور دو سال مکمل۔ اس پر حد نہیں ہے یا فرمایا اس پر رجم نہیں ہے۔ پس حضرت عمر نے عورت کو چھوڑ دیا (ب) طلاق شدہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور ان کے لئے حلال نہیں ہے کہ چھپائے جو ان کے رحموں میں اللہ نے پیدا کیا اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہوں (ج) آپؐ نے فرمایا جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنا پانی دوسرے کے بچے کو نہ پلائے۔

الحامل من الزنا جاز النكاح ولا يطأها حتى تضع حملها.

ﷺ لها الصداق بما استحللت من فرجها والولد عبد لک فاذا ولدت قال الحسن فاجلدها (الف) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یتزوج المرأة فیجدها حبلی ص ۲۹۷ نمبر ۲۱۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح کرنا جائز ہے۔ اسی لئے تو عورت کے لئے مہر لازم کیا۔

حاشیہ : (الف) بصرہ نے کہا کہ میں ایک پردے والی عورت سے شادی کی۔ اس کے پاس گیا تو وہ حاملہ تھی۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے مہر ہے، اس وجہ سے کہ تم نے اس کے فرج کو حلال کیا اور بچہ تمہارا غلام ہوگا۔ پس جب بچہ دے چکی تو حضرت حسن نے فرمایا اس کو کوڑے لگائے۔

﴿ کتاب النفقات ﴾

[۲۱۲۸](۱)النفقة واجبة للزوجة علی زوجها مسلمة کانت او کافرة اذا سلمت نفسها

﴿ کتاب النفقات ﴾

ضروری نوٹ کسی کو کھانا وغیرہ دینے کو نفقہ کہتے ہیں۔نفقہ بیوی کے لئے ہوتا ہے، مطلقہ کے لئے ہوتا ہے اور اولاد کے لئے ہوتا ہے، والدین کے لئے ہوتا ہے اور ذوی الارحام کے لئے ہوتا ہے۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ اسکنوهن من حيث سكنتم من وجدكم ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن وان كن اولات حمل فانفقو عليهن حتى يضعن حملهن فان ارضعن لكم فأتوهن اجورهن وأتمروا بينكم بمعروف وان تعاسرتم فسترضع له اخرى o لينفق ذوسعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله لا يكلف الله نفسا الا مآتاها سيجعل الله بعد عسر يسرا (الف)(آیت ۷ سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت میں تفصیل کے ساتھ حاملہ کے سکنی اور نفقے کا تذکرہ ہے(۲) دوسری آیت میں ہے۔وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں دودھ پلانے والی عورت کے نان ونفقے اور کپڑا دینے کا تذکرہ ہے(۳) حضورؐ نے حجۃ الوداع میں لمبی تقریر فرمائی جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے۔ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف(ب)(مسم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۴ نمبر ۱۲۱۸ / ابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۶۹ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بیوی کے لئے شوہر پر مناسب روزی اور کپڑا لازم ہے۔

[۲۱۲۸](۱) نفقہ واجب ہے بیوی کے لئے شوہر پر مسلمان ہو یا کافرہ ہو جب کہ اپنے آپ کو سپرد کردے شوہر کے گھر میں تو اس پر اس کا نفقہ ہے، اور اس کا لباس ہے اور اس کی رہائش ہے۔

تشریح بیوی مسلمان ہو یا اہل کتاب ہو جب اس نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کر دیا تو شوہر پر بیوی کا نفقہ، اس کا لباس اور اس کی رہائش لازم ہیں۔

وجہ نفقہ احتباس کا بدلہ ہے:اس لئے عورت نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا تو شوہر پر اس کا بدلہ نفقہ، سکنی اور کپڑا لازم ہو گیا جو اس معاشرے میں چلتا ہے(۲) اوپر آیت گزری۔ على المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف (آیت ۲۳۳ سورۃ البقر (۲) اور حدیث بھی گزری۔ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف (ج)(مسلم شریف، باب حجۃ النبیؐ ص ۳۹۴ نمبر ۱۲۱۸) جس سے معلوم ہوا کہ بیوی کا نفقہ شوہر پر لازم ہے۔اپنے آپ کو سپرد کرنے پر نفقہ لازم ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن عطاء فی الرجل يتزوج المرأة قال لا نفقة لها حتى يدخل بها (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۹۹ مقالوا فی الرجل یتزوج المرأۃ فتطلب النفقۃ قبل ان یدخل بھا حل لھا ذلک

حاشیہ : (الف) جہاں تم رہو اپنی گنجائز کے مطابق وہیں بیوی کو رکھو۔اور ان کو تکلیف نہ دو تنگ کرنے کے لئے۔اور اگر حاملہ ہیں تو ان پر خرچ کرو وضع حمل تک، پس اگر تمہارے لئے دودھ پلائے تو ان کو ان کی اجرت دو اور معروف کے ساتھ ان سے مشورہ کرو (ب) عورتوں کا تم پر نفقہ اور کپڑا ہے مناسب انداز میں (ج) عورتوں کا تم پر نفقہ اور کپڑا ہے مناسب انداز میں (د) حضرت عطاء نے فرمایا آدمی عورت سے شادی کرے؟ فرمایا اس کے لئے اس وقت تک نفقہ نہیں ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

فی منزلہ فعلیہ نفقتها وکسوتها وسکناها[۲۱۲۹](۲) یعتبر ذلک بحالهما جمیعا موسرا کان الزوج او معسرا[۲۱۳۰](۳) فان امتنعت من تسلیم نفسها حتی یعطیها

ج رابع ص ۱۷۵، نمبر ۱۹۰۱۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ سپرد کرنے سے پہلے بیوی نفقہ کی حقدار نہیں ہے۔

[۲۱۲۹](۲)نفقے کا اعتبار کیا جائے گا دونوں کی حالتوں سے مالدار ہو شوہر یا تنگدست۔

تشریح حنفیہ کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ شوہر مالدار ہے تو اس کی رعایت کرتے ہوئے مالدار کا نفقہ لازم ہو بلکہ دونوں کے درمیان کا نفقہ لازم ہوگا۔ مثلا شوہر مالدار ہے اور عورت غریب ہو تو مالدار سے کم اور غریب سے زیادہ کا نفقہ لازم ہوگا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **قالت هند یا رسول الله ان ابا سفیان رجل شحیح فهل علی جناح ان آخذ من ماله ما یکفینی وبنی ؟ قال خذی بالمعروف** (الف) (بخاری شریف، باب وعلی الوارث مثل ذلک ص ۸۰۸ نمبر ۵۳۷۰)اس حدیث میں عورت کی حیثیت زیادہ تھی اور شوہر کم دے رہے تھے تو آپؐ نے معروف کے ساتھ زیادہ نفقہ لینے کی اجازت دی۔ جس سے معلوم ہوا کہ درمیانہ نفقہ لازم ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نفقہ میں مرد کی حالت کا اعتبار ہوگا۔ یعنی مرد مالدار ہے تو مالدار کا نفقہ لازم ہوگا اور غریب ہے تو غریب کا نفقہ لازم ہوگا۔

وجہ آیت میں ہے۔ **لینفق ذو سعة من سعته ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما آتاه الله لا یکلف الله ندسا الا ما آتاها** (ب) (آیت ۷ سورۃ الطلاق ۶۵)اس آیت میں شوہر کو مخاطب کر کے کہا کہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے۔ اور یہ بھی کہا کہ جس پر تنگی ہوگئی ہو وہ اللہ کیا مال میں سے خرچ کرے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ شوہر کی حالت کے اعتبار سے نفقہ لازم ہوگا۔ **عن جده معاویة القشیری قال اتیت رسول الله قال فقلت ما تقول فی نسائنا قال اطعموهن مما تأکلون واکسوهن مما تکتسون** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی حق المرأۃ علی زوجها ص ۲۹۸ نمبر ۲۱۴۴)اس حدیث میں ہے کہ جو کھاتے ہو وہ کھلاؤ جس سے معلوم ہوا کہ مرد کا عتبار ہے۔

[۲۱۳۰](۳)اگر عورت باز رہے اپنے آپ کو سپرد کرنے سے یہاں تک کہ اس کو مہر دے تو اس کے لئے نفقہ ہے۔

تشریح عورت اپنے آپ کو اس لئے سپرد نہیں کر رہی ہے کہ مہر دے تب اپنے آپ کو سپرد کروں گی تو اس صورت میں عورت کو نفقہ ملے گا۔

وجہ اس لئے کہ عورت اپنے حق کی وجہ سے سپرد نہیں کر رہی ہے اس لئے وہ ناشزہ نہیں ہوئی اور گویا کہ سپرد کر دیا اس لئے اس کو نفقہ ملے گا۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) جب تک اس سے صحبت نہ کر لے (الف) حضرت ہند نے فرمایا اے اللہ کے رسول حضرت ابوسفیان بخیل آدمی ہیں۔ تو کیا مجھ پر کوئی گناہ ہے؟ کہ میں ان کے مال میں سے اتنا لے لوں جو مجھ کو اور میرے بچوں کو کافی ہو؟ حضورؐ نے فرمایا مناسب نفقہ لے لو (ب) گنجائش والوں کو گنجائش کے مطابق خرچ کرنا چاہئے اور جس کی روزی میں تنگی ہو تو اس کو اتنا خرچ کرنا چاہئے جتنا اس کو اللہ نے دیا ہے۔ اللہ نہیں مکلف بناتے ہیں کسی آدمی کو مگر جتنا اس کو اللہ نے دیا ہے (ج) معاویہ قشیری فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس آیا۔ میں نے کہا آپ عورتوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا ان کو وہ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور ان کو وہ پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔

مهرها فلها النفقة[۲۱۳۱](۴) وان نشزت فلا نفقة لها حتی تعود الی منزله[۲۱۳۲](۵) وان کانت صغیرة لا یُستمتع بها فلا نفقة لها وان سلمت الیه نفسها.

[۲۱۳۱](۴)اوراگرنافرمانی کی تواس کے لئے نفقہ نہیں ہے یہاں تک کہ گھر نہ لوٹ آئے۔

تشریح عورت نے نافرمانی کی اور گھر سے نکل گئی تو اب اس کے لئے نفقہ نہیں ہے جب تک کہ گھر واپس نہ آئے۔

وجہ نافرمان عورت کا احتباس نہیں رہا اور نفقہ احتباس کی وجہ سے ہوتا ہے۔اس لئے اس کے لئے نفقہ نہیں ہوگا (۲) ایک عورت نے نافرمانی کی تو اس کو نفقہ نہیں ملا۔حدیث میں ہے۔عن فاطمة بنت قیس ان ابا عمرو بن الحفص طلقها البتة وهو غائب فارسل الیها وکیله بشعیر فتسخطته فقال والله مالک علینا من شیء فجائت رسول الله فذکرت ذلک له فقال لها لیس لک علیه نفقة (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی نفقة المبتوتة ص ۳۱۸ نمبر ۲۲۸۴) دوسرے اثر میں ہے۔عن سلیمان ابن یسار فی خروج فاطمة قال انما کان ذلک من سوء الخلق (ب) ابوداؤد شریف، باب من انکر ذلک علی فاطمة بنت قیس ص ۳۲۰ نمبر ۲۲۹۴ رمسلم شریف، باب المطلقة البائن لا نفقة لها ص ۴۸۳ نمبر ۱۴۸۰) اس حدیث میں عورت نے شوہر کے وکیل کے ساتھ بدزبانی کی تو اس کو نفقہ نہیں دیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ نافرمان عورت کے لئے نفقہ نہیں ہے، ہاں! گھر واپس آجائے تو اس کو نفقہ ملے گا (۲) اثر میں ہے۔عن الشعبی انه سئل عن امرأة خرجت من بیتها عاصیة لزوجها الها نفقة ؟ قال لا وان مکثت عشرین سنة (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۰۰ ما قالوا فی المرأة تخرج من بیتها وهی عاصیة لزوجها الها النفقة ج رابع ،ص ۱۷۶، نمبر ۱۹۰۲۳ رمصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۲۳۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نافرمانی کر کے نکل جائے تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

لغت نشزت : نافرمانی کرنا، تعود : واپس لوٹنا۔

[۲۱۳۲](۵)اوراگراتنی چھوٹی ہو کہ اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا ہو تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے اگر چہ اپنے آپ کو حوالے کر دی ہو۔

تشریح مثلا چھ سات سال کی بچی ہو جس سے صحبت کرنا ناممکن ہو۔اگر اس نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کر دیا پھر بھی اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔

وجہ حوالے کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہو۔اور جب اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا ہو تو گویا کہ احتباس نہیں ہوا اس لئے اس کے لئے نفقہ نہیں ہوگا۔اثر میں ہے۔عن عطاء فی الرجل یتزوج المرأة قال لا نفقة لها حتی یدخل بها (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۹۹ ما قالوا فی الرجل یتزوج المرأة فتطلب النفقة قبل ان یدخل بها هل لها ذلک ؟ ج رابع ص ۱۷۵، نمبر ۱۹۰۱۸ رکتاب الآثار لامام محمد، باب نفقة التی لم یدخل بها ص ۱۱۲، نمبر ۵۱۹)

حاشیہ : (الف) عمرو بن حفص نے بائنہ طلاق دی اس حال میں کہ وہ غائب تھے، پس اس کے وکیل نے جو بھیجا تو فاطمہ بنت قیس غصہ ہو گئی تو عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم تمہارا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے، پھر وہ حضورؐ کے پاس آئی اور اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا تمہارا اس پر نفقہ نہیں ہے (ب) سلیمان بن یسار فاطمہ کے نکلنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ اس کی بداخلاقی کی وجہ سے ہوا (ج) حضرت شعبی سے عورت کے بارے میں پوچھا جو شوہر کی نافرمان ہو کر گھر سے نکل گئی ہو کیا اس کو نفقہ ملے گا؟ فرمایا نہیں! اگر چہ بیس سال تک وہ ٹھہری رہے (د) حضرت عطاء نے فرمایا کوئی آدمی شادی کرے تو اس وقت اس کے لئے نفقہ نہیں ہے جب تک صحبت نہ کر لے۔

[۲۱۳۳](۶) وان کان الزوج صغیرا لا یقدر علی الوطئ والمرأۃ کبیرۃ فلھا النفقۃ من مالہ[۲۱۳۴](۷) واذا طلق الرجل امرأتہ فلھا النفقۃ والسکنی فی عدتھا رجعیا کان او

فائدہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ چونکہ عورت شوہر کے گھر جا چکی ہے اور حوالے کر چکی ہے اس لئے ظاہری طور پر احتباس ہو گیا اس لئے چاہے اس سے فائدہ نہ اٹھا سکتا ہو پھر بھی اس کے لئے نفقہ ہوگا۔

وجہ حدیث ولھن علیکم رزقھن و کسوتھن بالمعروف (مسلم شریف نمبر ۱۲۱۸) میں بالغ اور نابالغ بیوی کا فرق نہیں کیا بلکہ ہر قسم کی بیوی کے لئے نفقہ لازم کیا اس لئے صغیرہ کے لئے بھی نفقہ ہوگا۔

[۲۱۳۳](۶) اور اگر شوہر چھوٹا ہو، صحبت پر قدرت نہ رکھتا ہو اور عورت بڑی ہو تو اس کے لئے نفقہ ہوگا شوہر کے مال سے۔

تشریح شوہر اتنا چھوٹا ہے کہ صحبت پر قدرت نہیں رکھتا ہے اور بیوی بالغ ہے اور اپنے آپ کو سپرد کر چکی ہو تو اس کو شوہر کے مال سے نفقہ ملے گا۔

وجہ بیوی نے اپنے آپ ک سپرد کر دیا ہے اس لئے اس کو نفقہ ملے گا چاہے شوہر اس سے استفادہ نہ کر سکتا ہو۔ کیونکہ بیوی کی جانب سے احتباس ہو گیا ہے (۲) عن ابراھیم فی الرجل یتزوج المرأۃ فلا یبنی بھا قال : ان کان الحبس من قبل الرجل فعلیہ النفقۃ وان کان من قبل المرأۃ فلا نفقۃ لھا، قال محمد: وبہ ناخذ، اذا کانت صغیرۃ لا تجامع مثلھا فلا نفقۃ لھا. وان کانت کبیرۃ والزوج صغیر لا یجامع مثلہ فلھا النفقۃ علیہ فی مالہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ (کتاب الآثار لامام محمد، باب نفقۃ التی لم یدخل بھا ص ۱۱۲، نمبر ۵۱۹)

[۲۱۳۴](۷) اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو اس کے لئے نفقہ اور سکنے ہے اس کی عدت میں طلاق رجعی دی ہو یا بائنہ۔

تشریح شوہر نے طلاق رجعی دی ہو یا بائنہ، جب تک عدت گزار رہی ہو شوہر پر نفقہ اور سکنے لازم ہے۔

وجہ آیت میں ہے کہ مطلقہ عورت کو گھر سے نہ نکالو بلکہ اس کو سکنی دو اور جب سکنی ہوگا تو نفقہ بھی ملے گا۔ یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ واتقوا اللہ ربکم لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن ال ان یأتین بفاحشۃ مبینۃ (الف) (آیت ا سورہ الطلاق ۶۵) (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر عن النبی ﷺ قال المطلقۃ ثلاثا لھا السکنی والنفقۃ (ب) (دار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۱۵ نمبر ۳۹۰۴) (۳) قال عمر لانترک کتاب اللہ وسنۃ نبینا لقول امرأۃ لا ندری لعلھا حفظت او نسیت لھا السکنی والنفقۃ وتلا الآیۃ قال اللہ عز وجل لا تخرجوھن من بیوتھن، سورۃ الطلاق ۶ آیت ۱ (ج) (مسلم شریف، باب المطلقۃ البائن لا نفقۃ لھا ص ۴۸۳ نمبر ۱۴۸۰/۳۷۱۰/ابوداؤد شریف، باب من انکر ذلک علی فاطمۃ بنت قیس

حاشیہ: (الف) اے نبی! اگر آپ عورتوں کے طلاق دیں تو ان کی عدت کے موقع پر طلاق دیں اور عدت گنیں۔ اور اپنے رب اللہ سے تقوی اختیر کریں۔ ان کو گھروں سے نہ نکالیں اور وہ خود بھی نہ نکلیں مگر یہ کہ فاحشہ مبینہ کریں یعنی بدزبانی کرنے لگیں (ب) آپ نے فرمایا مطلقہ ثلاثہ کے لئے سکنے اور نفقہ ہے (ج) حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم اللہ کی کتاب اور نبی کی سنت کو ایک عورت کی بات کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے۔ معلوم نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ اس کے لئے نفقہ اور سکنی ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت کی کہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔

بائنا[۲۱۳۵](۸) ولا نفقة للمتوفی عنها زوجها[۲۱۳۶](۹) وکل فرقة جائت من قبل المرأة بمعصية فلا نفقة لها.

ص۳۲۰ نمبر۲۲۹۱)اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ عدت گزارنے والی عورت کے لئے نفقہ اور سکنی ہے(۴) معتدہ شوہر کے لئے عدت گزار رہی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ پیٹ میں بچہ ہے یا نہیں اس لئے شوہر پر اس کا نفقہ لازم ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بائنہ طلاق والی کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

وجہ بائنہ طلاق والی کسی طرح بیوی نہیں ہے اور نہ اس کے پیٹ میں شوہر کا بچہ ہے اس لئے اس کے لئے نفقہ نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔فاطمہ بنت قیس کی لمبی حدیث ہے جس میں ان کو نفقہ اور سکنے نہیں دیا گیا۔عن فاطمة بنت قیس ... قالت فذکرت ذلک لرسول الله فقال لا نفقة لک ولا سکنی (الف)(مسلم شریف، باب المطلقة البائن لا نفقة لھا ص۴۸۳ نمبر ۱۴۸۰/ابوداؤد شریف، باب فی نفقة المبتوتة ص۳۱۹ نمبر ۲۲۸۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بائنہ معتدہ کے لئے نفقہ اور سکنی نہیں ہے۔

[۲۱۳۵](۸)اور نفقہ نہیں متوفی عنہا زوجہا کے لئے۔

تشریح جس عورت کا شوہر مر گیا ہو اور وہ عدت گزار رہی ہو تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

وجہ نفقہ اس لئے نہیں ہے کہ عورت کا عدت گزارنا شوہر کے حق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شرعی حق کی وجہ سے ہے جس کو عبادت میں شمار کیا گیا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت حیض سے نہیں بلکہ ایام کی گنتی سے چار مہینے اور دس دن ہیں چاہے اس کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو(۲) شوہر کے مرنے کے بعد جو مال وہ چھوڑتا ہے اس میں اس کی ملکیت باقی نہیں رہتی ہے بلکہ وہ دوسروں (وارثوں) کا ہو جاتا ہے۔اور دوسروں کے اموال میں کسی کا نفقہ مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔

[۲۱۳۶](۹)ہر وہ تفریق جو عورت کی جانب سے آئے معصیت کی وجہ سے تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

تشریح عورت کی غلطی اور اس کی معصیت کی بنا پر تفریق ہوئی تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا۔

وجہ چونکہ عورت کی نافرمانی کی وجہ سے فرقت ہوئی ہے،شوہر کی شرارت نہیں ہے اس لئے عورت کو عدت کا نفقہ نہیں ملے گا(۲) فاطمہ بنت قیس کی نافرمانی تھی اس لئے اس کو نفقہ اور سکنی نہیں ملا۔اثر میں ہے۔عن سلیمان بن یسار فی خروج فاطمة قال انما کان ذلک من سوء الخلق (ب)(ابوداؤد شریف، باب من انکر ذلک علی فاطمة بنت قیس ص۳۲۰ نمبر ۲۲۹۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت کی نافرمانی ہو جس کی وجہ سے تفریق ہوئی ہو تو اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔اثر میں ہے۔عن عامر قال لیس للرجل ان ینفق علی امرأته اذا کان بالحبس من قبلها (ج)(مصنف ابن ابی شیبة ۱۹۹ ما قالوا فی الرجل یتزوج المرأة فتطلب النفقة قبل ان یدخل بھا اھل لھا ذلک؟ ج رابع،

حاشیہ : (الف) حضرت فاطمہ بنت قیس فرماتی ہے کہ میں اس کا تذکرہ (یعنی طلاق بائنہ کا تذکرہ) حضورؐ کے سامنے کیا تو آپؐ نے فرمایا تیرے لئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنے ہے (ب) سلیمان بن یسار حضرت فاطمہ کے گھر سے نکلنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بدزبانی کی وجہ سے ہوا ہے (ج) حضرت عامر فرماتے ہیں کہ شوہر پر ضروری نہیں ہے کہ بیوی کو نفقہ دے جبکہ قید خود اس کی وجہ سے ہو۔

[۲۱۳۷](۱۰) وان طلقها ثم ارتدت سقطت نفقتها[۲۱۳۸](۱۱) وان مکّنت ابن زوجها من نفسها فان کان بعد الطلاق فلها النفقة و ان کان قبل الطلاق فلا نفقة لها.

ص۱۷۶، نمبر۱۹۰۲۲) لیکن کسی حق کو وصول کرنے کے لئے نافرمانی کی ہو تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔

[۲۱۳۷](۱۰) اگر عورت کو طلاق دی پھر وہ مرتد ہوگئی تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

وجہ اوپر گزرا کہ عورت کی جانب سے نافرمانی ہو تو اس کو نفقہ نہیں ملے گا اور یہاں مرتد ہو کر عورت نے نافرمانی کی اس لئے اس کو نفقہ نہیں ملے گا (۲) نفقہ مسلمان عورت کو ملتا ہے اور یہ کافرہ ہوگئی اس لئے اس کو کیسے نفقہ ملے گا۔

[۲۱۳۸](۱۱) اگر عورت نے شوہر کے بیٹے کو قدرت دی اپنی ذات پر پس اگر طلاق کے بعد ہو تو عورت کے لئے نفقہ ہوگا اور اگر طلاق سے پہلے ہے تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

تشریح دوسری بیوی سے شوہر کا بیٹا تھا عورت نے اس سے صحبت کرالی، پس اگر طلاق بائنہ واقع ہونے کے بعد صحبت کرائی تو اس کو نفقہ ملے گا۔ اور اگر طلاق سے پہلے صحبت کرالی جس کی وجہ سے تفریق ہوئی تو اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔

وجہ طلاق کے بعد صحبت کرائی تو صحبت کرانے سے تفریق نہیں ہوئی بلکہ طلاق بائنہ واقع ہونے سے تفریق ہو چکی ہے اور وہ عدت گزار رہی ہے اس لئے سوتیلے بیٹے سے زنا کرانا گناہ ضرور ہے لیکن چونکہ یہ تفریق کا سبب نہیں ہے اس لئے نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی نافرمانی نہیں ہوئی۔

اور اگر طلاق سے پہلے شوہر کے بیٹے سے صحبت کرائی تو اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔

وجہ طلاق سے پہلے سوتیلے بیٹے سے صحبت کرائی اس لئے صحبت کی وجہ سے نکاح ٹوٹا اور وہ تفریق کا سبب بنا اور یہ عورت کی نافرمانی اور معصیت کی وجہ سے ہے اس لئے عورت کو عدت کا نفقہ نہیں ملے گا (۲) اس کے لئے اثر اوپر گزر چکا ہے۔ قال انما کان ذلک من سوء الخلق (ابوداؤد شریف، نمبر۲۲۹۴)

اصول یہ سب مسئلے اس اصول پر ہیں کہ عورت کی جانب سے غلطی کی وجہ سے تفریق ہوئی ہو یا احتباس نہ ہوا ہو تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا۔ اور مرد کی جانب سے طلاق ہوئی ہو تو نفقہ ملے گا۔ اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ عن عامر عن فاطمة بنت قیس قالت قال رسول اللہ ﷺ المطلقة ثلاثا لاسکنی لها و لا نفقة انما السکنی والنفقة لمن یملک الرجعة (الف) (دار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص۱۵ نمبر۳۹۰۷) اس حدیث سے تو پتہ چلتا ہے کہ رجعی طلاق والی کے علاوہ کسی کو عدت کا نفقہ نہیں ملے گا۔ اس لئے جن صورتوں میں عورت کی جانب سے نافرمانی ہو ان صورتوں میں عورت کو نفقہ نہیں ملے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کہ مطلقہ ثلاثہ کو نہ سکنے ملے گا اور نہ نفقہ ملے گا۔ سکنی اور نفقہ اس کے لے ہے جس کو طلاق رجعی دی ہو۔

[۲۱۳۹](۱۲) واذا حبست المرأة فی دین او غصبها رجل کرها فذهب بها او حجت مع غیر محرم فلا نفقة لها[۲۱۴۰](۱۳) واذا مرضت فی منزل الزوج فلها النفقة[۲۱۴۱](۱۴) وتفرض علی الزوج نفقة خادمها اذا کان موسرا ولا تُفرض لاکثر

[۲۱۳۹](۱۲) اگر قید کر لی گئی عورت قرض میں یا اس کو کسی نے زبردستی غصب کر لیا اور اس کو لے گیا یا محرم کے ساتھ حج کی تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے

تشریح قرض کی وجہ سے عورت قید کر لی گئی تو عورت ہی کی غلطی کی وجہ سے احتباس ختم ہوا اس لئے اس کو قانونی طور پر نفقہ نہیں ملے گا۔ یوں شوہر محبت میں دیدے تو بہتر ہے۔ اسی طرح کسی نے زبردستی کے طور پر عورت کو غصب کر لیا تو چونکہ اس کی جانب سے احتباس ختم ہو گیا اس لئے اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔ اور محرم کے ساتھ حج کرنے چلی گئی اس صورت میں بھی عورت کی جانب سے احتباس ختم ہو گیا اس لئے اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔

وجہ اثر گزر چکا ہے۔ عن عامر قال لیس للرجل ان ینفق علی امرأته اذا کان بالحبس من قبلها (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۹۹ اص رابع، ص ۱۷۶، نمبر ۱۹۰۲۲ ر مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یغیب عن امرأته فلا ینفق علیها ج سابع، ص ۹۵ نمبر ۱۲۳۵۳)

[۲۱۴۰](۱۳) اگر بیمار ہو گئی شوہر کے گھر میں تو اس کے لئے نفقہ ہو گا۔

وجہ چونکہ عورت شوہر کے گھر میں ہے اس لئے شوہر اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھائے گا۔ اس لئے احتباس ختم نہیں ہوا اس لئے اس کو نفقہ ملے گا۔

[۲۱۴۱](۱۴) اور مقرر کیا جائے گا شوہر پر عورت کے خادم کا نفقہ جبکہ وہ مالدار ہو، اور نہیں مقرر کیا جائے گا ایک خادم سے زائد کا۔

تشریح شوہر اتنا مالدار ہے کہ بیوی کے خادم کا بھی نفقہ برداشت کر سکتا ہے تو اس کی خدمت کے لئے ایک نوکر کا نفقہ شوہر پر لازم ہوگا۔

وجہ عورت کو خدمت کی ضرورت ہو اور شوہر کے پاس مال ہو تو عورت کی خدمت کروانا چاہئے اس لئے اس کے اوپر خادم کا نفقہ لازم ہوگا۔ اور چانکہ ایک خادم سے کام چل جائے گا وہ اندر اور باہر دونوں خدمتیں کرے گا اس لئے ایک خادم کافی ہے (۲) اس حدیث سے اس کا استدلال ہے۔ عن علی ان فاطمة علیها السلام شکت ما تلقی فی یدها من الرحی فاتت النبی ﷺ تسأله خادما فلم تجده فذکرت ذلک لعائشة الخ (ب) (بخاری شریف، باب التکبیر والتسبیح عند المنام ص ۹۳۵ نمبر ۶۳۱۸، کتاب الدعوات رمسلم شریف، باب الدعاء عند النوم ص ۳۴۸ نمبر ۲۷۱۳/۶۸۹۱) اس حدیث میں حضرت فاطمہ نے حضورؐ سے خادم مانگا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا نفقہ اس کے شوہر پر ہوگا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ شوہر زیادہ مالدار ہو تو دو خادموں کا نفقہ لازم ہوگا۔ ایک باہر کی خدمت کرنے کے لئے اور ایک گھر کی

حاشیہ: (ب) حضرت عامر نے فرمایا شوہر پر ضروری نہیں ہے کہ بیوی پر خرچ کرے اگر قید خود ان کی جانب سے ہوئی ہے (ب) حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے چکی پینے کی وجہ سے ہاتھ میں زخم کی شکایت کی تو وہ حضورؐ کے پاس خادم مانگنے آئی۔ آپ کو نہیں پائی تو اس کا تذکرہ حضرت عائشہ کے پاس کیا۔

من خادم واحد[۲۱۴۲](۱۵) وعلیه ان یسکنها فی دار مفردة لیس فیها احد من اهله الا ان تختار ذلک[۲۱۴۳](۱۶) وللزوج ان یمنع والدیها وولدها من غیره واهلها من الدخول علیها[۲۱۴۴](۱۷) ولا یمنعهم من النظر الیها ولا من کلامهم معها فی ای وقت اختاروا[۲۱۴۵](۱۸) ومن اعسر بنفقة امرأته لم یفرق بینهما ویقال لها استدینی

خدمت کرنے کے لئے۔

[۲۱۴۲](۱۵) شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو علیحدہ مکان میں رکھے جس میں شوہر کے رشتہ داروں میں سے کوئی نہ ہو، مگر یہ کہ عورت ان کے ساتھ رہنے پر راضی ہو۔

تشریح شوہر پر ایسا گھر لازم ہے جس میں شوہر کا کوئی رشتہ دار نہ رہتا ہو اور علیحدہ گھر ہو۔ البتہ عورت شوہر کے رشتہ دار کے ساتھ رہنے پر راضی ہو تو اس کی مرضی ہے۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ لاتخرجوهن من بیوتهن (الف) (آیت ا سورۃ الطلاق ۶۵) بیوت کا مطلب ایسا گھر ہے جس میں آدمی رہ سکے۔ اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ ایسے گھر میں رکھے جو علیحدہ ہو تا کہ عورت اپنا سامان وغیرہ حفاظت سے رکھ سکے (۲) حضورؐ نے اپنے ازواج مطہرات کو علیحدہ علیحدہ کمروں میں رکھا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ علیحدہ کمروں میں رکھے۔

[۲۱۴۳](۱۶) شوہر کو حق ہے کہ روکے اس کے والدین کو، دوسرے شوہر کی اولاد اور بیوی کے اعزاء کو اس کے پاس آنے سے۔

تشریح شوہر کو حق ہے کہ بیوی کے والدین، یا دوسرے شوہر سے بیوی کی اولاد اور بیوی کے رشتہ دار کو اپنے گھر میں داخل ہونے سے روکے۔

وجہ کیونکہ گھر شوہر کا ہے بیوی کا نہیں ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو اپنے گھر میں داخل ہونے سے روکے تو روک سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی مصلحت ہو۔

[۲۱۴۴](۱۷) اور نہ روکے ان کو بیوی کی طرف دیکھنے سے اور ان کے ساتھ بات کرنے سے جب چاہیں۔

تشریح بیوی کے رشتہ دار بیوی سے بات کرنا چاہے تو شوہر اس کو روک نہیں سکتا۔

وجہ رشتہ داروں سے بات کرنے میں شوہر کا کوئی حرج نہیں ہے اور اس کے لئے گھر میں داخل ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے رشتہ داروں سے بات کرنے سے نہیں روک سکتا (۲) بات کرنے سے روکنے سے قطع رحمی ہے جس کی شریعت میں گنجائش نہیں ہے اس لئے بات کرنے سے نہیں روک سکتا۔

[۲۱۴۵](۱۸) کوئی شخص عاجز ہو جائے بیوی کے نفقے سے تو دونوں میں تفریق نہیں کی جائے اور بیوی سے کہا جائے گا کہ تو اس کے ذمہ قرض لیتی رہ

تشریح کوئی آدمی بیوی کو نفقہ دینے سے عاجز ہو جائے تو دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی بلکہ عورت کو کہا جائے گا کہ شوہر کے ذمے

حاشیہ : (الف) معتدہ عورتوں کو گھر سے نہ نکالو۔

علیہ[۲۱۴۶](۱۹) واذا غاب الرجل ولہ مال فی ید رجل یعترف بہ وبالزوجیۃ فرض

قرض لیتی رہے اور زندگی گزارتی رہے۔

وجہ تفریق کرنے سے شوہر کا نقصان ہے جو نفقہ نہ ادا کرنے سے زیادہ بڑا نقصان ہے۔اس لئے تفریق نہیں کی جائے گی اور نفقہ کا نقصان قرض لینے سے پورا ہو جائے گا۔اس لئے عورت کو کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا (۲) اثر میں ہے۔عن الحسن قال اذا عجز الرجل عن نفقة امرأته لم یفرق بها .وقال الزهری تستأنی به ،قال وبلغنی ان عمر بن عبد العزیز قال ذلک (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۹۷ ما قالوا فی الرجل یعجز عن نفقۃ امرأتہ یجبر علی ان یطلق امرأتہ ام لا داختلافھما فی ذلک ج رابع ،ص ۱۷۵،نمبر ۱۹۰۰۹/۱۹۰۰۸/ مصنف عبد الرزاق ، باب الرجل لا یجد ما ینفق علی امرأتہ ج سابع ص ۹۵ نمبر ۱۲۳۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی میں تفریق نہ کرائے بلکہ عورت شوہر کے ذمے قرض لیتی رہے (۳) حضرت ابو سفیان کی بیوی کی حدیث بھی متدل بن سکتی ہے جس میں حضرت ابو سفیان پورا نفقہ نہیں دیتے تھے تو آپؐ نے فرمایا۔خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف (ب) (بخاری شریف، باب اذا لم ینفق الرجل فللمرأۃ ان تأخذ بغیر علمہ ما یکفیھا وولدھا بالمعروف ص ۸۰۸ نمبر ۵۳۶۴)

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تفریق کر دی جائے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔سألت سعید ابن المسیب عن الرجل یعجز عن نفقة امرأته فقال یفرق بینهما فقلت سنة ؟ فقال سنة (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۹۷! ما قالوا فی الرجل یعجز عن نفقۃ امرأتہ یجبر علی ایطلق امرءتہ ام لا واختلافھما فی ذلک ج رابع ،ص ۱۷۴،نمبر ۱۹۰۰۶/ مصنف عبد الرزاق ، باب الرجل لا یجد ما ینفق علی امرءتہ ج سابع ص ۹۶ نمبر ۱۲۳۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تفریق کرا دے (۲) اس دور میں شوہر کے ذمے قرض لینا مشکل ہے اور اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے عورت مجبور ہوتی ہے اس لئے حالات سنگین ہو تو تفریق کرا دے لغت استدینی : قرض لے لیں۔

[۲۱۴۶](۱۹) اگر آدمی غائب ہو جائے اور اس کا مال کسی آدمی کے پاس جو اس کا اقرار کرتا ہو اور بیوی ہونے کا اقرار کرتا ہو تو قاضی مقرر کرے اس کے مال میں غائب کی بیوی کا نفقہ اور اس کے چھوٹے بچوں کا نفقہ اور اس کے والدین کا نفقہ۔

تشریح آدمی غائب ہو لیکن کسی کے پاس اس کا مال ہو، وہ اس بات کا اعتراف بھی کرتا ہو کہ میرے پاس فلاں کا مال ہے اور یہ بھی اعتراف کرتا ہو کہ یہ فلاں غائب کی بیوی ہے۔اب اس اعتراف کے بعد شہادت کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہی کہ میں اس کی بیوی ہوں ۔اس لئے قاضی غائب کے مال میں بیوی کا نفقہ ،اس کے چھوٹے بچوں کا نفقہ اور والدین کا نفقہ مقرر کرے گا اور ان کو دلوائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا آدمی بیوی کے نفقے سے عاجز ہو جائے تو دونوں میں تفریق نہیں کرائی جائے گی۔اور حضرت زہری نے فرمایا شوہر پر قرض لیتی رہے گی، حضرت زہری فرماتے تھے کہ مجھے یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز بھی یہی فرماتے تھے کہ قرض لیتی رہے (ب) آپؐ نے حضرت ہند سے کہا، مناسب انداز میں اتنا لو جو تم کو اور تمہاری اولاد کو کافی ہو جائے (ج) سعید بن مسیب سے میں نے پوچھا کوئی آدمی بیوی کے نفقے سے عاجز ہو جائے؟ فرمایا دونوں میں تفریق کرا دے۔میں نے پوچھا سنت ہے؟ فرمایا سنت ہے۔

القاضی فی ذلک المال نفقة زوجة الغائب واولاده الصغار ووالديه[۲۱۴۷](۲۰) ویأخذ منها کفیلا بها[۲۱۴۸](۲۱) ولا یقضی بنفقة فی مال الغائب الا

وجہ اثر میں ہے۔عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب کتب الی امراء الاجناد فی رجال غابوا عن نسائهم فامرهم ان یأخذوهم بان ینفقوا او یطلقوا فان طلقوا بعثوا بنفقة ما حبسوا (الف)(سنن للبیہقی، باب الرجل لا یجد نفقة امرأتہ ج سابع، ص ۷۷۳، ۱۵۷۰۶ مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یغیب عن امرأتہ فلا ینفق علیها ج سابع ص ۹۴ نمبر ۱۲۳۴۷ مصنف ابن ابی شیبة ۱۹۸ من قال علی الغائب نفقة فان بعث والاطلق ج رابع ،ص ۱۷۵، نمبر ۱۹۰۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ غائب آدمی کے مال میں بیوی کا نفقہ ہے۔اور قرض لے اس کے لئے یہ اثر ہے۔عن ابراهیم قال اذا ادانت فهو علیه وما اکلت من مالها فلیس علیه (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یغیب عن امرأتہ فلا ینفق علیها ج سابع ص ۹۴ نمبر ۱۲۳۴۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قاضی کے کہنے سے قرض لیگی تب شوہر کے مال میں سے نفقہ ہوگا ورنہ اپنے مال میں سے نفقہ ہوگا۔

اور شوہر مناسب نفقہ ادانہ کرتا ہو تو عورت کو اپنا اور اپنی اولاد کا مناسب نفقہ لے لینے کا حق ہے اس کے لیء یہ حدیث ہے۔عن عائشة ان هند بنت عتبة قالت یا رسول الله ان ابا سفیان رجل شحیح ولیس یعطینی ما یکفینی وولدی الا ما اخذت منه وهو لایعلم فقال خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف (ج) (بخاری شریف، باب اذا لم ینفق الرجل للمرأة ان تأ خذ بغیر علمه ما یکفیها وولدها بالمعروف ص ۸۰۸ نمبر ۵۳۶۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر کے پاس مال ہو اور وہ مناسب نفقہ نہ دیتا ہو تو عورت اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے مناسب نفقہ شوہر کے مال سے نکال سکتی ہے۔

[۲۱۴۷](۲۰) اور قاضی عورت سے کفیل لے۔

تشریح قاضی غائب شوہر کے مال سے نفقہ لینے کا حکم دے لیکن مال زیادہ خرچ نہ کردے اور خورد برد نہ کردے اس کے لئے ایک کفیل متعین کرے جو اس پر نگرانی کرتا رہے تا کہ دونوں کے لئے اطمینان بخش ہو۔

وجہ اثر میں ہے۔کان ابن ابی لیلی یرسل الیها نساء فینظرن الیها (ای الی الحبل) فان عرفن ذلک وصدقنها اعطاها النفقة واخذ منها کفیلا (د) (مصنف عبد الرزاق، باب الکفیل فی نفقة المرأة ج سابع ص ۲۴ نمبر ۱۲۰۲۸)

[۲۱۴۸](۲۱) اور نہ فیصلہ کرے غائب کے مال میں مفقہ مگر ان لوگوں کے لئے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے لشکر کے امیروں کو لکھا، کوئی آدمی اپنی بیویوں سے غائب ہو جائے تو ان کو حکم دیا کہ اس کو پکڑیں اس طرح کہ وہ بیویوں پر خرچ کریں یا طلاق دیں۔پس اگر طلاق دی تو اتنی مدت کا نفقہ بھی بھیجے جتنی دیر تک محبوس رکھا (ب) حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا اگر عورت قرض لے تو اس کی ذمہ داری شوہر پر ہوگی۔اور اگر اپنے مال میں سے کھایا تو شوہر پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے (ج) ہند بنت عتبہ نے کہا یا رسول اللہ! ابوسفیان بخیل آدمی ہیں۔اور مجھے اتنا نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو مگر جو میں ان کی اطلاع کے بغیر لے لوں۔آپؐ نے فرمایا مناسب انداز میں اتنا لے لو جو تم کو اور تمہاری اولاد کو کافی ہو (د) ابن ابی لیلی مطلقہ عورت کے پاس عورتوں کو بھیجتے وہ ان کے حمل کو دیکھتے، پس اگر حمل کا علم ہوتا اور اس کی تصدیق کرتی تو اس کو نفقہ دیتے اور اس سے کفیل لے لیتے۔

لھؤلاء[۲۱۴۹] (۲۲) واذا قضی القاضی لھا بنفقة الاعسار ثم ایسر فخاصمته تمم لھا

تشریح جو آدمی غائب ہو اس کے مال میں بیوی، چھوٹی اولاد اور والدین کے نفقے کا فیصلہ کرے۔ اس کے علاوہ کے نفقے کا فیصلہ نہ کرے۔

وجہ ان لوگوں کا نفقہ فیصلے کے پہلے ہی شریعت کی بنیاد پر واجب ہے فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ فیصلہ کرنے سے تائید ہو جائے گی تو فیصلہ کرنا تائید کے طور پر ہے فیصلے کے طور پر نہیں اس لئے ان لوگوں کے نفقے کا فیصلہ کر سکتا ہے (۲) اس کی ایک اور وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو آدمی غائب ہو اس پر فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے غائب آدمی کے مال میں بیوی، چھوٹی اولاد اور والدین کے علاوہ کے نفقے کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ غائب پر فیصلہ نہ کرنے کے لئے یہ حدیث ہے۔ **عن علی قال بعثنی رسول اللہ الی الیمن قاضیا ... فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانہ احری ان یتبین لک القضاء (الف)** (ابو داؤد شریف، باب کیف القضاء ص ۱۴۸ نمبر ۳۵۸۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی لا یقضی بین الخصمین حتی یسمع کلامھما ص ۲۴۸ نمبر ۱۳۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی بات سنے تب فیصلہ کرے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ مدعی علیہ حاضر ہو۔ اس لئے غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن عبد اللہ بن الزبیر قال قضی رسول اللہ ﷺ ان الخصمین یقعدان بین یدی الحکم (ب)** (ابو داؤد شریف، باب کیف یجلس الخصمان بین یدی القاضی ص ۱۴۹ نمبر ۳۵۸۸) اس حدیث میں ہے کہ دونوں قاضی کے سامنے بیٹھے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب دونوں حاضر ہوں۔ اس لئے قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے۔

[۲۱۴۹] (۲۲) اگر فیصلہ کر دیا قاضی نے ناداری کے نفقے کا پھر مالدار ہو گیا پس بیوی نے دعوی کیا تو پورا کرے اس کے لئے مالداری کا نفقہ۔

تشریح شوہر پہلے غریب تھا جس کی وجہ سے غربت کے نفقے کا قاضی نے فیصلہ کیا۔ بعد میں وہ مالدر ہو گیا اور بیوی نے قاضی کے پاس دعوی دائر کیا کہ مالدار ہے اور ثابت بھی کر دیا تو قاضی اب ما؛داری کے نفقے کا فیصلہ کرے۔

وجہ غربت کا نفقہ غربت کی مجبوری کی وجہ سے تھا اب مالدار ہو گیا تو مالداری کا نفقہ لازم ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ جو تم کھاتے ہو بیوی کو وہ کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو بیوی کو وہ پہناؤ۔ پس جب شوہر مالدار ہو کر مالدار کا کھانا کھاتا ہے اور پہنتا ہے تو عورت کو بھی مالدار کا کھانا کھلائے اور مالدار کا کپڑا پہنائے۔ حدیث میں ہے۔ **عن معاویة القشیری قال اتیت رسول اللہ قال فقلت ماتقول فی نسائنا؟ قال اطعموھن مما تأکلون واکسوھن مما تکتسون (ج)** (ابو داؤد شریف، باب فی حق المرأة علی زوجھا ص ۲۹۸ نمبر ۲۱۴۴) حدیث میں ہے مرد اپنی قدرت کے مطابق نفقہ دے۔ پس جب وہ مالدار ہو گیا تو مالدار کا نفقہ دے۔ آیت یہ ہے۔ لینفق ذو سعة من سعتہ (آیت ۷ سورة الطلاق ۶۵) اس آیت سے بھی مالداری کے فیصلے کا پتہ چلتا ہے۔ آدمی مالدار ہے تو مالداری کا نفقہ لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھے یمن بھیجا... آپؐ نے فرمایا تمہارے سامنے مدعی اور مدعی علیہ بیٹھے تو فیصلہ نہ کریں جب تک کہ دوسرے کی بات نہ سن لیں۔ جیسے پہلے کی بات سنی یہ زیادہ مناسب ہے کہ فیصلہ آپ کے سامنے واضح ہو جائے (ب) آپؐ نے فیصلہ کیا کہ مدعی اور مدعی علیہ حکم کے سامنے بیٹھیں (ج) معاویہ قشیری فرماتے ہیں کہ میں حضور کے پاس آیا۔ میں نے پوچھا کہ بیویوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا ان کو وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔

نفقة الموسر[۲۱۵۰](۲۳) واذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها وطالبته بذلک فلا شیء لها الا ان يكون القاضی فرض لها نفقة او صالحت الزوج علی مقدارها فيقضی لها بنفقة ما مضی[۲۱۵۱](۲۴) فان مات الزوج بعد ما قضی عليه بالنفقة ومضت شهور

لغت الاعسار : تنگدست، الموسر : مالدار۔

[۲۱۵۰](۲۳) اگرگزرگئی کچھ مدت اور شوہر نے اس پرخرچ نہیں کیا اور عورت نے اس کا مطالبہ کیا تو اس کے لئے کچھ نہیں ہوگا مگر یہ کہ قاضی نے اس کے لئے نفقہ مقرر کیا ہو یا شوہر سے کسی مقدار پر صلح کر لی ہو تو فیصلہ ہوگا اس کے لئے گزشتہ نفقہ کا۔

تشریح بیوی نے ایک مدت تک شوہر سے نفقہ نہیں لیا اب گذشتہ مہینوں کا نفقہ لینا چاہتی ہے، تو فرماتے ہیں کہ اگر قاضی نے گذشتہ مہینوں کے نفقے کا فیصلہ کیا تھا تب تو وہ ان مہینوں کا نفقہ وصول کر سکتی ہے۔ یا شوہر نے کسی مقدار پر صلح کر لی تھی تب تو وہ مقدار وصول کر سکتی ہے۔ اور اگر نہ قاضی نے فیصلہ کیا تھا اور نہ صلح ہوئی تھی تو عورت گذشتہ مہینوں کا نفقہ وصول نہیں کر سکتی۔

وجہ نفقہ ہمارے یہاں مزدوری نہیں ہے بلکہ صلہ رحمی ہے۔ اور صلہ رحمی میں فیصلہ یا صلح کے بغیر لزام نہیں ہے۔ اس لئے قانونی طور پر گذشتہ مہینوں کا نفقہ وصول نہیں کر سکتی۔ البتہ شوہر دیدے تو بہتر ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن النخعی قال اذا ادانت اخذ به حتی یقضی عنها وان لم تستدن فلا شیء لها علیه اذا اکلت من مالها، قال معمر ویقول آخرون من یوم ترفع امرها الی السلطان (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یغیب عن امرأته فلا ینفق علیها ج سابع ص ۹۴ نمبر ۱۲۳۴۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جب بادشاہ کے پاس معاملہ لے گئی اس وقت سے عورت نفقہ لینے کا حقدار ہوگی۔

[۲۱۵۱](۲۴) اگر نفقے کے فیصلے کے بعد شوہر مر گیا اور کچھ مہینے گزر گئے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

تشریح قاضی نے نفقے کا فیصلہ کیا اس کے بعد شوہر تین ماہ تک زندہ رہا لیکن اس مدت کا نفقہ ادا نہیں کیا اور شوہر مر گیا تو ان تین مہینوں کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ شوہر کے چھوڑے ہوئے مال سے وصول نہیں کر سکے گی۔

وجہ نفقہ صلہ ہے اور صلہ پر قبضہ نہ کرے تو وہ اس کا نہیں ہوتا ہے۔ اور اب شوہر بھی حیات نہیں رہا کہ اس سے وصول کر سکے اس لئے ساقط ہو جائے گا (۲) اثر میں ہے۔ عن النخعی قال اذا ادانت اخذ به حتی یقضی عنها وان لم تستدن فلا شیء لها علیه اذا اکلت من مالها (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یغیب عن امرأته فلا ینفق علیها ج سابع ص ۹۴ نمبر ۱۲۳۴۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شوہر کے نام قرض لے گی تب شوہر کے ذمے ہوگا اور اپنا مال خرچ کیا تو شوہر سے وصول نہیں کر سکے گی۔ اسی طرح وصول کرنے سے پہلے

حاشیہ : (الف) حضرت نخعی فرماتے ہیں کہ اگر بیوی نے قرض لیا تو شوہر سے لیا جائے گا جب تک کہ الگ ہونے کا فیصلہ نہ کر دیا جائے۔ اور اگر قرض نہیں تو عورت کا شوہر پر کچھ نہیں ہے اگر عورت نے اپنا مال کھایا۔ حضرت معمر فرماتے ہیں کہ دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ جس دن سے معاملہ بادشاہ کے پاس لے گئی اس دن سے نفقہ ملے گا (ب) حضرت نخعی فرماتے ہیں کہ اگر قرض لیا تو شوہر سے لیا جائے گا جب تک کہ الگ ہونے کا فیصلہ نہ کر دیا جائے اور اگر قرض نہیں لیا تو عورت کا شوہر پر کچھ نہیں ہے اگر عورت نے اپنا مال کھایا۔

سقطت النفقة[۲۱۵۲](۲۵) وان اسلفها نفقة سنة ثم مات لم يسترجع منها بشيء وقال محمد رحمه الله يُحتسب لها نفقة ما مضى وما بقي للزوج[۲۱۵۳](۲۶) واذا تزوج العبد حرة فنفقتها دين عليه يباع فيها[۲۱۵۴](۲۷) واذا تزوج الرجل امة فبوّأها مولاها

شوہر کا انتقال ہوگا تو وہ نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

[۲۱۵۲](۲۵)اگر پیشگی دیدے ایک سال کا نفقہ پھر شوہر مر جائے تو اس سے کچھ واپس نہیں لے گا۔اور فرمایا امام محمد نے اس کے نفقے کا حساب کیا جائے گا جو گزر گیا اور جو شوہر کے لئے باقی رہا۔

تشریح مثلا شوہر نے ایک سال کا نفقہ بیوی کو دے دیا پھر چھ ماہ میں شوہر کا انتقال ہو گیا تو باقی چھ ماہ کا نفقہ واپس نہیں لے گا، وہ بیوی کے پاس ہی رہے گا۔

وجہ بیوی کا نفقہ صلہ ہے اور ہدیہ ہے۔اور ہدیہ دینے کے بعد وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اس لئے واپس نہیں لے گا (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ سال بھر کا نفقہ بیویوں کے لئے روکتے تھے اور عطا کرتے تھے۔اور جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال ازواج مطہرات سے باقی نفقہ واپس لینے کا ثبوت نہیں ہے اس لئے باقی نفقہ بیوی کے پاس رہے گا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔قال عمر فانی احدثکم عن هذا ... فكان رسول الله ينفق على اهله نفقة سنتهم من هذا المال (الف)(بخاری شریف، باب حبس الرجل قوت سنة علی اہلہ وکیف نفقات العیال؟ص ۸۰۶ نمبر ۵۳۵۷)اس حدیث میں بیوی کو سال بھر کا نفقہ دینے کا ثبوت ہے۔

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ نفقہ دینے کے بعد شوہر جب تک زندہ رہا اس کا حساب کیا جائے گا۔مثلا سال بھر کا نفقہ دیا اور چھ ماہ کے بعد شوہر کا انتقال ہو گیا تو باقی چھ ماہ کا نفقہ واپس لے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ نفقہ احتباس کا بدلہ ہے۔اس لئے جتنے دنوں احتباس رہا اتنے دنوں کا نفقہ ساقط ہوگا اور جتنے دنوں کا احتباس نہیں رہا اتنے دنوں کا نفقہ واپس لیا جائے گا۔

[۲۱۵۳](۲۶)اگر غلام آزاد عورت سے شادی کرے تو اس کا نفقہ غلام پر دین ہوگا اس میں وہ بیچا جا سکتا ہے۔

تشریح غلام نے آزاد عورت سے شادی کی۔اب اس کا نفقہ اس کے ذمے واجب ہوگا لیکن چونکہ اس کے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ مولی کا مال ہے۔اس لئے نفقہ اس کے ذمہ دین ہوگا۔اور اگر ادا نہ کر سکا تو اس میں وہ بیچا جائے گا۔

وجہ چونکہ مولی کی اجازت سے غلام نے شادی کی ہے اس لئے نفقہ میں وہ بیچا جا سکتا ہے۔

[۲۱۵۴](۲۷)اگر آدمی نے باندی سے شادی کی، پس اس کے مولی نے اس کے ساتھ ٹھہرنے کے لئے بھیج دیا تو اس پر اس کا نفقہ ہے۔اگر نہیں ٹھہرایا تو اس کے لئے اس پر نفقہ نہیں ہے۔

حاشیہ : (ج)حضور خرچ کرتے تھے اپنے اہل پر ایک سال کا نفقہ اس مال سے۔

معه منزلا فعليه النفقة وان لم يبوئها فلا نفقة لها عليه[۲۱۵۵](۲۸) ونفقة الاولاد الصغار على الاب لايشاركه فيها احد كما لايشاركه في نفقة الزوجة احد[۲۱۵۶](۲۹) فان كان الصغير رضيعا فليس على امه ان ترضعه ويستأجر له الاب من ترضعه عندها

تشریح باندی سے شادی کی تو مولی پر ضروری نہیں ہے کہ اپنی خدمت ترک کروا کر شوہر کی خدمت میں بھیجے۔ بلکہ شوہر کو جب موقع ملے بیوی سے مل لے۔ اس لئے جب بیوی شوہر کے گھر ٹھہرے گی تو اس کا نفقہ شوہر پر لازم ہوگا۔ اور نہیں ٹھہرے گی تو اس کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے کہ عورت کی جانب سے شوہر کے یہاں قیام کرنے سے کوتاہی ہو تو اس کو نفقہ نہیں ملے گا اور یہاں مولی کے روکنے کی وجہ سے قیام کرنا مشکل ہے اس لئے اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔ عن عامر قال ليس للرجل ان ينفق على امرأته اذا كان الحبس من قبلها (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۹۹ ما قالوا فی الرجل یتزوج المرأۃ فتطلب النفقۃ قبل ان یدخل بھا ھل لھا ذلک؟ ج رابع ص ۱۷۶، نمبر ۱۹۰۲۲/ مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یغیب عن امرأتہ فلا ینفق علیہ ج سابع ص ۹۵ نمبر ۱۲۳۵۳) اور چونکہ حبس عورت کی جانب سے ہے اس لئے اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔ اور اگر شوہر کے یہاں قیام کرنا شروع کر دیا تو اس کو نفقہ ملے گا۔

لغت بوأ : ٹھہرانا، شوہر کے یہاں قیام کروانا۔

[۲۱۵۵] (۲۸) چھوٹی اولاد کا نفقہ باپ پر ہے اس میں کوئی شریک نہ ہو جیسے کہ شوہر شریک نہیں کرتا بیوی کے نفقے میں کسی کو تشریح جیسے بیوی کے نفقے میں اولاد کو شریک نہیں کرتا بلکہ بیوی کو مستقل نفقہ دیتا ہے اسی طرح چھوٹی اولاد کے نفقے میں کسی کو شریک نہیں کرے گا بلکہ جتنا اس کا نفقہ ہوتا ہے وہ اولاد کو مستقل طور پر دے گا وجہ آیت میں ہے کہ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔ وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) (۲) اور حدیث میں ہے۔ ان هند بنت عتبة قالت يا رسول الله ان ابا سفيان رجل شحيح وليس يعطيني ما يكفيني وولدي الا ما اخذت منه وهو لا يعلم فقال خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف (ب) (بخاری شریف، باب اذا لم ینفق الرجل فللمرأۃ ان تأخذ بغیر علمہ ما یکفیک وولدھا بالمعروف ص ۸۰۸ نمبر ۵۳۶۴) اس حدیث میں ہے کہ بچے کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔ اور بچے کا نفقہ مستقل طور پر واجب ہے تو اس میں کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں بچے خود دوسرے کو شریک کر لے تو یہ اس کی مرضی ہے۔

[۲۱۵۶] (۲۹) اگر بچہ دودھ پینے والا ہو تو ماں پر لازم نہیں ہے کہ اس کو دودھ پلائے اور باپ اس کے لئے اجرت پر رکھے ایسی عورت کو جو ماں کے پاس دودھ پلائے۔

تشریح کوئی مجبوری ہو تو ماں پر بچے کو دودھ پلانا ضروری نہیں ہے۔ اگر مجبوری نہ ہو تو اس کو دودھ پلانا چاہئے کیونکہ اس کا بچہ ہے۔ اگر نہ پلا

حاشیہ : (الف) حضرت عامر نے فرمایا مرد کے لئے ضروری نہیں ہے کہ بیوی کو نفقہ دے اگر قید عورت کی وجہ سے ہوئی ہے (ب) حضرت ہند نے پوچھا یا رسول اللہ ابو سفیان بخیل آدمی ہے۔ اور مجھے اتنا نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو مگر جو میں اس کی اطلاع کے بغیر لے لوں۔ آپ نے فرمایا مناسب انداز میں اتنا لے لو جو تم کو اور تمہاری اولاد کو کافی ہو۔

[۲۱۵۷](۳۰) فان استأجرها وھی زوجته او معتدته لترضع ولدھا لم یجز [۲۱۵۸](۳۱) وان انقضت عدتھا فاستأجرھا علی ارضاعه جاز[۲۱۵۹](۳۲) وان قال الاب لا استأجرھا وجاء بغیرھا فرضیت الام بمثل اجرۃ الاجنبیة کانت الام احق به وان

سکتی ہوتو باپ ایسی عورت کو اجرت پر لے جو ماں کے پاس رہ کر دودھ پلائے۔

وجہ اوپر آیت گزری کہ باپ پر بچے کا نفقہ لازم ہے۔وعلی المولود له رزقھن وکسوتھن بالمعروف (الف) (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) اور ماں پر دودھ پلانا لازم نہیں ہے اس کے لئے اس آیت میں اشارہ ہے۔لا تضار والدۃ بولدھا ولا مولود له بولدہ (ب) (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ والدہ کو دودھ پلانے میں نقصان نہ ہونا چاہئے۔اور دوسری عورت کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر لے اس کے لئے یہ آیت ہے۔وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم فلا جناح علیکم اذا سلمتم ما آتیتم بالمعروف (ج) (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے پتہ چلا کہ دودھ پلانے کے لئے کسی عورت کو اجرت پر لے۔اور چونکہ پرورش کا حق ماں کو ہے اس لئے ماں کے پاس رہ کر دودھ پلائے۔

[۲۱۵۷](۳۰) اگر اجرت پر لیا بیوی کو یا اپنی عدت گزارنے والی کو تا کہ اس کے بچے کو دودھ پلائے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح شوہر نے اپنی بیوی یا طلاق کی عدت گزارنے والی کو اجرت پر لیا تو جائز نہیں ہے۔

وجہ یہ بچے کی ماں ہے اس لئے اگر مجبوری نہ ہو تو اس کو ہی دودھ پلانا چاہئے۔اور جب اجرت لیکر دودھ پلانے پر تیار ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو دودھ پلانے کی مجبوری نہیں ہے۔اس لئے اس کو اجرت پر لینا جائز نہیں ہے (۲) آیت میں ہے کہ والدہ کو دودھ پلانا چاہئے۔والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة (د) (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ والدہ دودھ پلائے اس لئے اپنی والدہ کو اجرت پر لینا ٹھیک نہیں ہے۔کیونکہ وہ نفقہ وغیرہ لے رہی ہے۔

[۲۱۵۸](۳۱) اور اگر اس کی عدت ختم ہوگئی اور اس کو اجرت پر لیا دودھ پلانے کے لئے تو جائز ہے۔

تشریح بیوی عدت گزار رہی تھی اس دوران عدت ختم ہوگئی۔اب اس کو اپنے بچے کے دودھ پلانے کے لئے اجرت پر لیا تو جائز ہے۔

وجہ اب یہ بیوی نہیں رہی اور نہ شوہر سے نفقہ لے رہی ہے بلکہ اجنبیہ بن گئی اس لئے اس کو اجرت پر لینا جائز ہے۔

[۲۱۵۹](۳۲) اور اگر باپ نے کہا نہیں اجرت پر لوں گا والدہ کو اور کسی دوسری عورت کو لے آئے، پس ماں راضی ہوگئی اجنبیہ کی اجرت مثل پر تو ماں اس کی زیادہ حقدار ہوگی۔اور اگر وہ اجرت زیادہ طلب کرے تو شوہر کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) والد پر مناسب انداز میں ماؤں کا نفقہ اور کپڑا لازم ہے (ب) والدہ اپنے بچے اور والد اپنے بچے کی وجہ سے نقصان نہ اٹھائیں (ج) اگر تم اپنی اولاد کو دوسروں سے دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم مناسب انداز میں ان کو خرچ دو (د) والدہ اپنی اولاد کو دو سال مکمل دودھ پلائیں جو مدت رضاعت پوری کرنا چاہتی ہو۔

التمست زیادة لم یجبر الزوج علیها[۲۱۶۰](۳۳) ونفقة الصغیر واجبة علی ابیه وان خالفه فی دینه کما تجب نفقة الزوجة علی الزوج وان خالفته فی دینه.

تشریح بچے کی والدہ عدت گزار کر اجنبیہ ہو چکی تھی۔ اب باپ کہتا ہے کہ میں بچے کو دودھ پلانے کے لئے اس کو اجرت پر نہیں لاؤں گا۔ اب اگر والدہ اتنی ہی اجرت پر راضی ہو جاتی ہے جتنی اجنبیہ لیتی ہے تو والدہ اجرت لینے اور دودھ پلانے کی زیادہ حقدار ہے۔

وجہ والدہ کو بچے سے زیادہ محبت ہے اس لئے وہ زیادہ پیار سے پالے گی اس لئے وہ زیادہ حقدار ہے۔ اور اگر اس کو نہیں دیتے ہیں تو اس کو نقصان ہوگا اور والدہ کو نقصان دینے سے منع فرمایا ہے۔ **لاتضار والدة بولدها ولا مولود له بولده** (الف) (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) اور اگر اجنبیہ عورت سے زیادہ اجرت مانگے تو باپ کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ والدہ کو زیادہ اجرت دے کر لاؤ۔

وجہ کیونکہ اس سے والد کو نقصان ہوگا۔ اور آیت میں والد کو نقصان دینے سے منع فرمایا۔ اوپر آیت میں تھا۔ **ولا مولود له بولده** اس لئے باپ کو زیادہ اجرت دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

لغت التمس : مانگنا، تلاش کرنا۔

[۲۱۶۰] (۳۳) چھوٹی اولاد کا نفقہ واجب ہے اس کے باپ پر اگر چہ دین میں مخالف ہو۔

تشریح مثلا باپ مسلمان ہے اور اولاد عیسائی ہے پھر بھی جب تک نابالغ ہے ان کا نفقہ والد پر واجب ہے۔ جیسے شوہر مسلمان ہو اور بیوی عیسائی ہو پھر بھی اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔

وجہ اگر بچے کا نفقہ باپ پر واجب نہ کریں تو بچہ ضائع ہو جائے گا اس لئے چھوٹی اولاد کا نفقہ باپ پر لازم ہے۔

وجہ اوپر آیت گزر گئی۔ **وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف** (ب) (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) (۲) دوسری آیت میں ہے۔ **فان ارضعن لکم فأتوهن اجورهن وأتمروا بینکم بمعروف وان تعاسرتم فسترضع له اخری** (ج) (آیت ۶ سورۃ الطلاق ۶۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کا نفقہ باپ پر لازم ہے۔ اور دین کی تفصیل نہیں ہے کہ مسلمان ہو تب ہی لازم ہوگا۔ اس لئے دین میں مخالف ہو تب بھی لازم ہوگا۔

عورت کا نفقہ احتباس کی وجہ سے لازم ہوتا ہے اس لئے دین میں مخالف ہو تب بھی نفقہ لازم ہوگا (۲) آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی کا نفقہ لازم ہے اس لئے دین کے مخالف بیوی کا بھی نفقہ لازم ہوگا کیونکہ وہ بیوی ہے۔ آیت میں تھا **وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف**۔

حاشیہ : (الف) والدہ بچے کی وجہ سے اور باپ بچے کی وجہ سے نقصان نہ اٹھائے (ب) باپ پر مناسب انداز سے ماؤں کی روزی اور کپڑا لازم ہے (ج) اگر تمہارے لئے دودھ پلائے تو ان کو ان کی اجرت دو، اور مناسب انداز میں آپس میں مشورہ کرو۔ اور اگر تمہیں پریشانی ہو تو اس کے لئے دوسری عورت دودھ پلائے۔

[۲۱۶۱](۳۴) واذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالام احق بالولد[۲۱۶۲](۳۵) فان لم تکن الام فام الام اولى من ام الاب فاذا لم تکن له ام الام فام الاب اولى من الاخوات فان

﴿ حضانت کا بیان ﴾

[۲۱۶۱](۳۴) اگر جدائیگی واقع ہو میاں بیوی کے درمیان تو ماں زیادہ حقدار ہے بچے کی۔

تشریح میاں بیوی کے درمیان جدائیگی ہو جائے تو نابالغی کی عمر میں بیوی پرورش کرنے کی زیادہ حقدار ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن عبد الله بن عمر ان امرأة قالت يا رسول الله ان ابنى هذا كان بطنى له وعاء وثدى له سقاء وحجرى له حواء وان اباه طلقنى و اراد ان ينتزعه منى فقال لها رسول الله انت احق به مالم تنكحى (الف)(ابوداؤد شریف، باب من احق بالولد ص ۳۱۷ نمبر ۲۲۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں پرورش کی زیادہ حقدار ہے۔

[۲۱۶۲](۳۵) پس اگر ماں نہ ہو تو نانی زیادہ بہتر ہے دادی سے، اور اگر نانی نہ ہو تو دادی زیادہ بہتر ہے بہنوں سے، اور اگر دادی نہ ہو تو بہنیں زیادہ بہتر ہیں پھوپیوں اور خالاؤں سے۔

وجہ بچوں سے محبت کا تعلق ماں کی طرف ہے اور ماں کے رشتہ دار کی طرف ہے، اور باپ کے رشتہ داروں کی طرف کم ہے۔اس لئے پرورش کا حق بھی ماں کے رشتہ داروں کو پہلے ہے اور باپ کے رشتہ داروں کو بعد میں ہے۔اس لئے ماں کے رشتہ دار نہ ہوں یا ہوں لیکن نہ لینا چاہتے ہوں تب باپ کے رشتہ داروں کو ملے گا (۲) حضرت حمزہ کی بیٹی لینے کے لئے حضرت علی، حضرت زید اور حضرت جعفر نے مطالبہ کیا تو آپؐ نے جعفر کو دی اور فرمایا وہاں لڑکے کی خالہ ہے اور خالہ پرورش کی زیادہ حقدار ہے۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن البراء قال اعتمر النبى ذى القعدة ... فقضى بها النبى لخالتها وقال الخالة بمنزلة الام (ب)(بخاری شریف، باب کیف یکتب ھذا ما صالح فلان بن فلان وفلان بن فلان وان لم ینسبہ الی قبیلتہ اونسبہ ص ۳۷۱ نمبر ۲۶۹۹، کتاب الصلح رابوداؤد شریف، باب من احق بالولد ص... نمبر ۲۲۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خالہ پرورش کی زیادہ حقدار ہے۔کیونکہ وہ ماں کے درجے میں ہے، ماں نہ ہو یا دوسری جگہ شادی کر چکی ہو تو نانی پرورش کی زیادہ حقدار ہے اس کی دلیل حضرت ابو بکر کا فیصلہ ہے۔ان عمر طلق ام عاصم فكان فى حجر جدته فخاصمته الى ابى بكر فقضى ان يكون الولد مع جدته والنفقة على عمرو قال هى احق به (ج)(سنن للبیہقی، باب الام تتزوج فیسقط حقہا من حضانۃ الولد وینتقل الی جدتہ ج ثامن ص ۸، نمبر ۱۵۷۶۶) اس اثر میں حضرت ابو بکر نے بچے کی پرورش کا فیصلہ نانی کے لئے کیا۔اور دادی یا

حاشیہ : (الف) ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ ہمارے اس بیٹے کے لئے میرا پیٹ اس کے لئے برتن رہا، میرا پستان سیراب کرنے کے لئے برتن رہا اور میری گود اس کے لئے حفاظت کی چیز رہی۔اور اس کے والد نے مجھے طلاق دی اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔تو آپؐ نے اس سے کہا جب تک تم نکاح نہ کرو تم لڑکے کی زیادہ حقدار ہو (ب) حضورؐ نے حضرت جعفر کی لڑکا کا فیصلہ اس کی خالہ کے لئے کیا اور فرمایا خالہ ماں کے درجے میں ہے (ج) حضرت عمرؓ نے ام عاصم کو طلاق دی، اور عاصم نانی کی گود میں تھے، پس حضرت ابو بکر کے پاس جھگڑا لے گئے تو فیصلہ یہ فرمایا کہ بچہ نانی کے ساتھ رہے گا اور نفقہ حضرت عمر پر ہوگا۔اور یہ بھی فرمایا کہ نانی بچے کی زیادہ حقدار ہے۔

لم تکن جدة فالاخوات اولی من العمات والخالات[۲۱۶۳](۳۶) وتقدم الاخت من الاب والام ثم الاخت من الام ثم الاخت من الاب[۲۱۶۴](۳۷) ثم الخالات اولی من العمات[۲۱۶۵](۳۸) وینزلن کما نزلت الاخوات ثم العمات ینزلن کذلک [۲۱۶۶](۳۹) وکل من تزوجت من ہؤلاء سقط حقها فی الحضانة الا الجدة اذا کان

نانی بہنوں سے زیادہ تجربہ کار ہیں اس لئے بہنوں کے مقابلے میں ان کو پرورش کا حق دیا جائے گا۔ اور بہنیں زیادہ محبت رکھتی ہیں اس لئے خالہ اور پھوپی سے وہ زیادہ حقدار ہوں گی۔

لغت العمات : پھوپیاں۔

[۲۱۶۳](۳۶) اور مقدم ہوگی حقیقی بہن، پھر ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن۔

وجہ حقیقی بہن ماں اور باپ دونوں جانب سے رشتہ دار ہوئی اس لئے وہ سوتیلی بہن اور ماں شریک بہن جس کو اخیافی کہتے ہیں دونوں سے پرورش کرنے میں مقدم ہوگی۔ اور ماں شریک بہن کو باپ شریک بہن سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس لئے وہ باپ شریک بہن پر مقدم ہوگی۔

[۲۱۶۴](۳۷) پھر خالائیں زیادہ بہتر ہیں پھوپیوں سے۔

تشریح اگر پرورش میں لینے والی خالہ اور پھوپی ہو تو خالہ کو دیا جائے گا۔

وجہ اوپر گزر چکا ہے کہ۔ قال الخالة بمنزلة الام (الف) (بخاری شریف، نمبر ۲۶۹۹) اس لئے خالہ پھوپی سے زیادہ حقدار ہوگی (۲) یوں بھی خالہ میں پھوپی کے مقابلے میں زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ زیادہ حقدار ہوگی۔

[۲۱۶۵](۳۸) اور ان میں وہی ترتیب ہے جو ترتیب بہنوں میں ہے، پھر پھوپیاں ترتیب وار ہوں گی اسی طرح۔

تشریح جس طرح بہنوں میں یہ ترتیب تھی کہ حقیقی بہن زیادہ حقدار تھی پھر ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن اسی طرح خالہ میں بھی حقیقی خالہ یعنی ماں باپ دونوں شریک خالہ زیادہ حقدار ہوگی، پھر ماں شریک خالہ پھر باپ شریک خالہ۔ اسی طرح حقیقی پھوپی زیادہ حقدار ہوگی، پھر ماں شریک پھوپی، پھر باپ شریک پھوپی۔ ینزلن کا مطلب یہی ہے۔

وجہ گزر گئی۔

[۲۱۶۶](۳۹) جس نے شادی کی ان میں سے اس کا حق ساقط ہو جائے گا پرورش میں مگر نانی اگر اس سے دادا نے شادی کی ہو۔

تشریح اوپر کی عورتوں میں سے کسی نے بچے کے اجنبی آدمی سے شادی کر لی تو اس کا حق پرورش ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر بچے کے ذی رحم محرم سے شادی کی تو حق پرورش ساقط نہیں ہوگا۔ مثلا نانی نے بچے کے دادا سے شادی کر لی تو پرورش کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ اجنبی سے شادی کرنے کے بعد اس لئے پرورش کا حق ساقط ہو جائے گا کیوں کہ اس کو بچے سے محبت نہیں ہوگی تو وہ بچے کو تکلیف دے

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا خالہ ماں کے درجے میں ہے۔

زوجها الجد[۲۱۶۷](۴۰) فان لم تکن للصبی امرأة من اهله فاختصم فیه الرجال فاولاهم به اقربهم تعصیبا.

گا۔اور عورت شوہر کے تحت میں ہوتی ہے اس لئے اس کو روک بھی نہیں سکے گی۔اس لئے اجنبی سے شادی کرنے کے بعد مذکورہ عورت کا حق ساقط ہو جائے گا(۲) حدیث میں موجود ہے۔فقال لها رسول الله ﷺ انت احق به مالم تنکحی (الف)(ابوداؤد شریف، باب من احق بالولد ص ۳۱۷ نمبر ۲۲۷۶) اس حدیث میں ہے کہ جب تک نکاح نہ کرو تم کو پرورش کا حق ہے۔اس لئے نکاح کے بعد پرورش کا حق ساقط ہو جائے گا(۳) حضرت عمرؓ کی بیوی ام عاصم نے اجنبی سے شادی کر لی تھی اس لئے اس کا حق پرورش ساقط ہو گیا تھا اور بچہ نانی کے پاس پرورش میں تھا۔اثر یہ ہے۔عن الفقهاء الذین ینتهی الی قولهم من اهل المدینة انهم کانوا یقولون قضی ابو بکر الصدیق علی عمر بن الخطاب لجدة ابنه عاصم بن عمر بحضانته حتی یبلغ وام عاصم یومئذ حیة متزوجة (ب)(سنن للبیہقی ، باب الام تتزوج فیسقط حقها من حضانة الولد وینتقل الی جدته ج ثامن، ص ۷، نمبر ۱۵۷۶۴) اس اثر میں ہے عاصم کی ماں نے اجنبی سے شادی کی تھی اس لئے اس کا حق پرورش ساقط ہو گیا اور بچہ اس کی نانی کی پرورش میں چلا گیا۔

[۲۱۶۷](۴۰) پس اگر نہ ہو بچے کے لئے اسکے رشتہ داروں میں سے کوئی عورت اور اس کے لئے مرد جھگڑیں تو ان میں سے زیادہ حقدار قریبی عصبہ ہوگا۔

تشریح بچے کے رشتہ داروں میں سے کوئی عورت نہیں ہے جو اس کو لیکر پرورش کر سکے۔البتہ کچھ مرد ہیں جو لینے کا مطالبہ کر رہے ہیں تو مردیں ترتیب یہ ہوگی کہ عصبہ کے اعتبار سے جس کو پہلے وراثت ملتی ہے بچہ اس کو پہلے ملے گا۔اور وہ نہ ہو تو اس کے بعد جس کو وراثت ملتی ہے اس کو بچہ ملے گا۔اس کے نہ ہونے پر تیسرے کو ملے گا۔اسی ترتیب سے بچہ ملے گا۔عصبہ کی ترتیب یہ ہے۔پہلے بیٹا کو وراثت ملتی ہے، پھر باپ، پھر دادا، پھر چچا، پھر بھائی، پھر چچازاد بھائی کو عصبہ کے اعتبار سے وراثت ملتی ہے۔اسی ترتیب سے بچہ پرورش کے لئے ملے گا۔

وجہ وراثت میں جو زیادہ حقدار ہوگا وہ بچے کی پرورش کا بھی زیادہ حقدار ہوگا۔عصبات کو لینے کا حق ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت حمزہؓ کی بیٹی کے لئے حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور جعفرؓ نے مطالبہ کیا اور یہ سب عصبہ تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ عورت نہ ہو تو مرد عصبات کو لینے کا حق ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔فقال علی ان احق بها وهی ابنة عمی وقال جعفر ابنة عمی وخالتها تحتی وقال زید ابنة اخی فقضی بها النبی ﷺ لخالتها (ج)(بخاری شریف، باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان بن فلان الخ ص ۳۷۱ نمبر ۲۶۹۹) اور اثر میں ہے۔عن الضحاک فی هذه الآیة وعلی الوارث مثل ذلک ،قال الوالد یموت ویترک ولدا صغیرا

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے عورت سے کہا تم بچے کی زیادہ حقدار ہو جب تک نکاح نہ کرلو(ب) وہ فقہاء جن کا قول اہل مدینہ تک پہنچا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ کیا کہ اس کا بیٹا عاصم نانی کی پرورش میں رہے بالغ ہونے تک۔اور عاصم کی ماں اس وقت زندہ تھی اور دوسری شادی کر چکی تھی۔(ج) حضرت علی نے فرمایا کہ میں حضرت کی لڑکی کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ وہ میرے چچا کی لڑکی ہے۔اور حضرت جعفر نے فرمایا میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے تحت میں ہے۔اور حضرت زید نے کہا میرے بھائی کی بیٹی ہے تو حضورؐ نے اس کی خالہ کے لئے فیصلہ فرمایا۔

[۲۱۶۸](۴۱) والام والجدۃ احق بالغلام حتی یأکل وحدہ ویشرب وحدہ ویلبس

فان کان لہ مال فرضاعہ فی مالہ وان لم یکن لہ مال فرضاعہ علی عصبتہ (الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۸ فی قولہ علی الوارث مثل ذلک ج رابع ص ۱۸۹، نمبر ۱۹۱۴۷)

[۲۱۶۸](۴۱) ماں اور نانی لڑکے کے حقدار ہیں اس وقت تک کہ وہ خود کھانے لے اور خود پینے لگے اور خود استنجاء کرنے لگے۔

تشریح قانونی حیثیت سے ماں اور نانی لڑکے کی پرورش کا اس وقت تک حقدار ہیں کہ اپنے آپ خود اپنا ذاتی کام کرنے لگے اور پرورش کرنے والوں سے ایک حد تک بے نیاز ہو جائے۔ مثلا خود کھانے پینے، کپڑا پہننے اور استنجاء کرنے لگے عموما یہ سات سالی کی عمر میں ہوتا ہے۔ اس لئے سات آٹھ سال تک ماں اور نانی کو لڑکے کی پرورش کا حق ہوگا۔ اس کے بعد لڑکا باپ کی نگرانی میں چلا جائے تا کہ مردانہ کام کاج سیکھ سکے اور زندگی گزار سکے۔

وجہ حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے کہ سات سال میں لڑکے قوی ہو جاتے ہیں اسی لئے اس کو نماز کا حکم دیا جائے گا۔ حدیث یہ ہے۔ عن ربیع بن سبرۃ قال قال النبی ﷺ مروا الصبی بالصلوۃ اذا بلغ سبع سنین واذا بلغ عشر سنین فاضربوہ علیھا (ب) (ابو داؤد شریف، باب متی یؤمر الغلام بالصلوۃ ص ۷۷ نمبر ۴۹۴ رترمذی شریف، باب ماجاء متی یأمر الصبی بالصلوۃ ص ۹۲ نمبر ۴۰۷) اس حدیث میں ہے کہ سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو جس کا مطلب یہ ہوا کہ سات سال کی عمر میں بچہ بہت حد تک پرورش کرنے والے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اثر میں ہے۔ عن عمارۃ الجرمی قال خیرنی علی بین امی و عمی ثم قال لاخ لی اصغر منی وھذا ایضا لو قد بلغ مبلغ ھذا لخیرتہ ... وقال فی الحدیث وکنت ابن سبع او ثمان سنین (ج)(سنن للبیہقی، باب الابوین اذا افترقا وھما فی قریۃ واحدۃ فالام احق بولدھا مالم تتزوج ج ثامن، ص ۶، نمبر ۱۵۷۶۱، نمبر ۱۵۷۶۲) اس اثر میں حضرت علی نے آٹھ سال کے بچے کو اختیار دیا اور اس سے چھوٹے کو اختیار نہیں دیا۔ اور اس سے بڑا ہو تو لڑکے کو اختیار دیا جائے گا ماں باپ میں سے جس کے ساتھ رہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ لڑکا تھا تو اس کو ماں یا باپ کے ساتھ رہنے کا اختیار دیا گیا اور لڑکے نے ماں کے ساتھ رہنا اختیار کیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال بینما انا جالس مع ابی ھریرۃ جائتہ امرأۃ فارسیۃ معھا ابن لھا... فقالت یا رسول اللہ ان زوجی یرید ان یذھب بابنی وقد سقانی من بئر ابی عنبۃ وقد نفعنی فقال رسول اللہ استھما علیہ فقال زوجھا من یحاقنی فی ولدی ؟ فقال النبی ﷺ ھذا ابوک وھذہ امک فخذ بید ایھما شئت فاخذ بید امہ فانطلقت بہ (ابو داؤد شریف، باب من احق بالولد ص ۳۱۷ نمبر ۲۲۷۷) اس حدیث میں عبارت ہے کہ لڑکے نے مجھے بیر عنبہ سے پانی پلایا اور نفع دیا جس سے معلوم ہوا کہ لڑکا آٹھ نو سال

حاشیہ : (الف) حضرت ضحاک نے اس آیت وعلی الوارث مثل ذلک کے بارے میں فرمایا والد کا انتقال ہو جائے اور چھوٹا بچہ چھوڑے، پس اگر بچے کے پاس مال ہو تو اس کی رضاعت اس کے مال میں ہے۔ اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کا دودھ پلانا عصبات پر ہے (ب) آپؐ نے فرمایا بچے کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کا ہو جائے۔ اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارو (ج) عمارہ جرمی فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے ماں اور چچا کے پاس رہنے کا مجھے اختیار دیا۔ پھر میرے چھوٹے بھائی سے کہا یہ بھی اس عمر کو پہنچتا تو اس کو بھی اختیار دیتا۔ اور میں سات یا آٹھ سال کا تھا۔

وحده ويستنجي وحده [٢١٦٩](٤٢) وبالجارية حتى تحيض[٢١٧٠](٤٣) ومن سوى الام والجدة احق بالجارية حتى تبلغ حدا تشتهي[٢١٧١](٤٤) والامة اذا اعتقها مولاها وام الولد اذا اعتقت فهي في الولد كالحرة[٢١٧٢](٤٥) وليس للامة وام الولد

کا تھا جس کو ماں یا باپ کے ساتھ رہنے کا حضورؐ نے اختیار دیا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ بچے کو رہنے کا اختیار دیا جائے گا کہ ماں یا باپ جسکے ساتھ چاہے رہے۔

وجہ ان کی دلیل اوپر والی حدیث ہے جس میں لڑکے کو حضورؐ نے رہنے کا اختیار دیا تھا۔فقال رسول الله ﷺ استهما عليه (الف) (ابوداؤد شریف، نمبر ۲۲۷۷)

[۲۱۶۹](۴۲)اور لڑکی حیض آنے تک۔

تشریح یعنی جب تک لڑکی کو حیض نہ آجائے اور بالغ نہ ہو جائے ماں اور نانی اس کی پرورش کرنے کی حقدار ہیں۔

وجہ سات آٹھ سال میں تو وہ بے نیاز ہوگی، اس کے بعد عورتوں کے کام کاج سیکھنے کے لئے کچھ وقت درکار ہے جو ماں اور نانی کے پاس سیکھے گی۔اس لئے بالغ ہونے تک ماں اور نانی کے پاس رہے گی۔ اور بالغ ہونے کے بعد اس کی نگرانی کی ضرورت ہے اور شادی کرانے کی ضرارت ہے جو باپ اچھی طرح کر سکتا ہے۔اس لئے بالغ ہونے کے بعد باپ لڑکی کا زیادہ حقدار ہے۔

[۲۱۷۰](۴۳) ماں اور نانی علاوہ عورتیں لڑکی کے حقدار ہیں قابل شہوت ہونے تک۔

تشریح اگر ماں اور نانی کے علاوہ کوئی عورت بچی کی پرورش کر رہی ہو تو اس کو اس وقت تک اپنے پاس رکھنے کا حق ہے جب تک اس کو شہوت نہ ہونے لگے۔ جب قابل شہوت ہو جائے تو باپ کے پاس واپس کردے۔

وجہ ماں اور نانی کے علاوہ دوسری عورتیں اتنے اچھے انداز میں لڑکی کو کام نہیں سکھا سکیں گی اور نہ اس کی تربیت کر سکیں گی۔اس لئے بے نیاز ہونے تک لڑکی کو اپنے پاس رکھ سکتی ہیں اس کے بعد واپس کردے (۳) چونکہ مزید ضرورت نہیں ہے اس لئے ان لوگوں کے یہاں لڑکی رکھنے کی مدت کا حکم لڑکے رکھنے کی طرح ہوگا یعنی سات آٹھ سال جس عمر میں لڑکیوں کو شہوت ہو جاتی ہے۔

لغت تشتھی : شہوت ہونے لگے۔

[۲۱۷۱](۴۴) اگر باندی کو مولی نے آزاد کر دیا یا ام ولد کو آزاد کر دیا تو وہ بچے کے معاملے میں آزاد کی طرح ہیں۔

تشریح باندی کو مولی نے آزاد کر دیا یا ام ولد کو مولی نے آزاد کر دیا تو وہ اب آزاد کی طرح ہو گئیں۔اس لئے وہ آزاد کی طرح بچے کی پرورش کرنے کے حقدار ہوں گی۔

[۲۱۷۲](۴۵) اور نہیں ہے باندی کے لئے اور ام ولد کے لئے آزادگی سے پہلے بچے میں کوئی حق۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم دونوں بچے پر قرعہ ڈالو۔

قبل العتق حق فی الولد[۴۳ ۱۷ ۲](۴۶) والذمیة احق بولدها المسلم مالم یعقل الادیان و یخاف علیه ان یألف الکفر[۴۴ ۱۷ ۲](۴۷) واذا ارادت المطلقة ان تخرج بولدها من

تشریح ماں باندی ہو یا ام ولد ہو اور باپ سے جدا ہو گئی ہو تو ان کو آزاد ہونے سے پہلے پرورش کا حق قانونی طور پر نہیں ہے۔

وجہ یہ دونوں مولی کی خدمت میں مشغول رہیں گی اس لئے صحیح طور پر بچے کی پرورش کا موقع نہیں ملے گا۔اس لئے ان کو پرورش کا حق نہیں ہے۔البتہ باپ پرورش کے لئے دے تو بہتر ہے کیونکہ ماں ہے۔

[۲۱۷۳](۴۶) ذمیہ عورت زیادہ حقدار ہے اپنے مسلمان بچے کی جب تک کہ دین نہ سمجھنے لگے اور اس پر خوف نہ ہو کہ کفر سے مانوس ہو جائے۔

تشریح باپ مسلمان ہے اور اس کے تحت میں بچہ بھی مسلمان ہے۔اب نصرانیہ یا یہودیہ یا کافرہ بیوی سے جدائیگی ہوئی تو جب تک بچہ دین کو نہ سمجھتا ہو اور کفر کے ساتھ مانوس ہونے کا خطرہ نہ ہو تو سات سال کے اندر اندر وہ ماں کی پرورش میں رہ سکتا ہے۔اور اگر سات سال کے اندر اندر دین کو سمجھنے لگا ہے اور کفر کے ساتھ مانوس ہونے کا خطرہ ہو جائے تو ماں سے واپس لے لیا جائے گا۔

وجہ ایک طرف چھوٹے ہونے کی وجہ سے پرورش کا مسئلہ ہے اور دوسری طرف کفر سے مانوس ہونے کا معاملہ ہے اس لئے دونوں کی رعایت کی جائے گی۔حدیث میں تو یہاں تک ہے کہ کفر کی وجہ سے بچپنے ہی میں حضورؐ نے باپ کو دے دیا۔**عن جدی رافع بن سنان انه اسلم وابت امرأته ان تسلم فاتت النبی ﷺ فقالت ابنتی وهی فطیم او شبه وقال رافع ابنتی فقال له النبی ﷺ اقعد ناحیة وقال لها اقعدی ناحیة واقعد الصبیة بینهما ثم قال ادعواها فمالت الصبیة الی امها فقال النبی ﷺ اللهم اهدها فمالت الصبیة الی ابیها فاخذها (الف)** (ابو داؤد شریف، باب اذا اسلم احد الابوین لمن یکون الولد؟ ص ۳۱۲ نمبر ۲۲۴۴ رنسائی شریف، باب اسلام احد الزوجین وتخییر الولد ص ۴۹۱ نمبر ۳۵۲۵) اس حدیث میں والدہ کی کفر کی وجہ سے حضورؐ نے دعا کی اور دعا کی برکت سے بچی باپ کے پاس چلی گئی۔البتہ پرورش کی بھی ضرورت ہے اس لئے دین کے سمجھنے سے پہلے پہلے تک ماں کے پاس رکھا جائے گا۔

[۲۱۷۴](۴۷) اگر مطلقہ اپنے لڑکے کو شہر سے باہر لے جانا چاہے تو اس کے لئے یہ حق نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو اپنے وطن کی طرف لے جائے یہاں شوہر نے اس سے شادی کی تھی۔

تشریح مطلقہ عورت کے پاس بچہ پرورش میں تھا۔وہ بچے کو شوہر کی اجازت کے بغیر شہر سے باہر لے جانا چاہتی ہے تو نہیں لے جا سکتی۔البتہ جس شہر میں شادی ہوئی تھی اس گاؤں میں لے جا سکتی ہے۔

وجہ شوہر کی اجازت کے بغیر عورت بچے کو باہر لے جائے گی تو شوہر کو تکلیف ہوگی اور آیت کے اعتبار سے بلا وجہ باپ کو تکلیف دینا جائز نہیں

حاشیہ : (الف) حضرت رافع بن سنان مسلمان ہوئے اور اس کی بیوی نے اسلام سے انکار کیا پھر وہ حضور کے پاس آئی۔اس نے کہا دودھ چھوڑنے والا ہے۔یا اسی قسم کی بات کہی اور رافع نے فرمایا میری بیٹی ہے تو حضورؐ نے فرمایا تم اس طرف بیٹھو اور عورت سے کہا تم دوسری طرف سے بیٹھو اور بچی کو درمیان میں بٹھایا پھر کہا تم دونوں بچی کو بلاؤ تو بچی ماں کی طرف مائل ہوئی۔پس حضورؐ نے فرمایا اے اللہ اس کو ہدایت دے، پھر بچی باپ کی طرف مائل ہوئی اور باپ نے اس کو لے لیا۔

المصر فليس لها ذلک الا ان تخرجه الی وطنها وقد کان الزوج تزوجها فيه [۲۱۷۵]

(۴۸) وعلی الرجل ان ینفق علی ابویه واجداده وجداته اذا کانوا فقراء وان خالفوه فی دینه.

ہےاس لئے شوہر کی اجازت کے بغیر شہر سے باہر لے جانا جائز نہیں۔آیت یہ ہے۔لا تضار والدة بولدها ولا مولود له بولده (الف) (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) البتہ جہاں شوہر نے بیوی سے شادی کی تھی وہ عورت کا میکا ہے وہاں عورت کا خاندان ہے اس لئے وہاں عورت جائے گی اور جب خود جائے گی تو بچے کو بھی ساتھ لے جانے کا حق رکھے گی۔ ورنہ ماں کو تکلیف ہوگی۔اوراوپر کی آیت گزری کہ بچے کی وجہ سے ماں کو تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔اس لئے اپنے میکے لیجانے کا حق رکھے گی۔

[۲۱۷۵] (۴۸) اور آدمی پر لازم ہے کہ وہ خرچ کرے والدین پر اور دادا پر اور دادیوں پر جبکہ وہ فقیر ہوں، اگر چہ وہ اس کے دین کے مخالف ہوں

تشریح والدین کے پاس روزانہ کے کھانے کا نہیں ہے اور لڑکے کے پاس ہے تو لڑکے پر والدین کا نفقہ لازم ہے۔ چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر ہو۔اسی طرح دادا، دادی اور نانا نانی کا حکم ہے۔

وجہ والدین کے ساتھ احترام کا معاملہ کرنا چاہئے۔اس لئے اس کے پاس نفقہ نہ ہو تو نفقہ دینا چاہئے (۲) آیت میں ہے۔ وصاحبهما فی الدنیا معروفا (ب) (آیت ۱۵ سورۃ لقمان ۳۱) اس آیت میں ہے کہ والدین کے ساتھ دنیا میں اچھا معاملہ کرو۔اور چونکہ اتحاد دین کی قید نہیں ہے اس لئے والدین کافر بھی ہوں تو ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور نفقہ دو (۲) دوسری آیت میں ہے۔ وعلی الوارث مثل ذلک (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) کہ والدین کی طرح وارث پر بھی نفقہ ہے۔اور بیٹا اور پوتا وارث ہیں اس لئے ان پر بھی والدین اور دادا دادی اور نانا نانی کا نفقہ ہوگا (۳) حدیث میں ہے۔حدثنا کلیب بن منفعة عن جده انه اتی النبی ﷺ فقال یا رسول الله من ابر ؟ قال امک و اباک و اختک واخاک ومولاک الذی یلی ذلک حقا واجبا ورحما موصولة (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی برالوالدین ص ۳۵۲ نمبر ۵۱۴۰) (۴) نسائی شریف میں ہے۔عن طارق المحاربی قال قدمنا المدینة فاذا رسول الله قائم علی المنبر یخطب الناس وهو یقول ید المعطی العلیا وابداء بمن تعول امک واباک واختک واخاک ثم ادناک ادناک (د) (نسائی شریف، باب ایتھما الید العلیا؟ ص ۳۵۰ نمبر ۲۵۳۳) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ والدین کا نفقہ بیٹے پر واجب ہے۔اور دادا دادی اور نانا نانی بھی انہیں میں داخل ہیں اس لئے ان کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔اور اگر ان لوگوں کے پاس اپنا مال ہو تو بیٹے پر نفقہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ ہر آدمی کا نفقہ اپنے مال میں لازم ہوتا ہے۔اس لئے ان لوگوں کا نفقہ انہیں کے مال میں لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) والدہ اور باپ بچے کی وجہ سے نقصان نہ اٹھائے (ب) دنیا میں والدین کے ساتھ خیر خواہی کے ساتھ رہو (ج) کلیب بن منفعة فرماتے ہیں یا رسول اللہ! کن کے ساتھ نیکی کروں؟ فرمایا ماں، باپ، بہن، بھائی اور غلاموں کے ساتھ جو تمہارے قریب رہتے ہیں یہ حق واجب ہے اور صلہ رحمی بھی ہے (د) حضور منبر پر لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے اور فرما رہے تھے دینے والے کا ہاتھ اونچا رہتا ہے۔جس کی کفالت کرتے ہو وہاں سے شروع کرو، تمہاری ماں اور باپ اور بہن اور بھائی پھر جو زیادہ قریب ہو ان کو دو۔

[۲۱۷۶](۴۹) ولا تجب النفقة مع اختلاف الدین الا للزوجة والابوین والاجداد والجدات والولد وولد الولد[۲۱۷۷](۵۰) ولا یشارک الولد فی نفقة ابویه احد[۲۱۷۸](۵۱)والنفقة واجبة لکل ذی رحم محرم منه اذا کان صغیرا فقیرا او کانت

[۲۱۷۶](۴۹) اور نہیں واجب ہوگا نفقہ اختلاف دین کے باوجود مگر بیوی کا اور والدین کا اور دادا نانا کا اور دادی نانی کا اور لڑکے کا اور پوتے کا۔

تشریح دین اور مذہب الگ الگ ہو پھر بھی مذکورہ لوگوں کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ کا نفقہ اختلاف دین کے ساتھ لازم نہیں ہے۔

وجہ بیوی کا نفقہ اصل میں احتباس کی مزدوری ہے اس لئے اگر بیوی یہودیہ یا نصرانیہ ہو پھر بھی اگر شوہر کے گھر میں رہتی ہو تو اس کا نفقہ لازم ہوگا (۲) یت میں ہے۔ وعلی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف۔ اور بچوں کا نفقہ لازم ہے اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔ اور یہ آیت بھی ہے۔ والوالدات یرضعن اولادهن حولین کاملین (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) اور ماں باپ دادا دادی اور نانا نانی کا نفقہ لازم ہے اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۴۸ میں گزر چکی ہے۔

[۲۱۷۷](۵۰) کوئی بھی شریک نہ کریں لڑکے کو والدین کے نفقے میں۔

تشریح والدین کو نفقہ دیا تو اس کے نفقے میں لڑکے کو شریک نہ کرے۔

وجہ لڑکے پر ماں باپ کا نفقہ مستقل طور پر الگ واجب ہوتا ہے اور بچے کا نفقہ الگ واجب ہوتا ہے اس لئے والدین کے نفقے میں بچے کو شریک نہ کرے (۲) والدین کا نفقہ مستقل طور پر واجب ہونے کی دلیل اوپر گزر چکی ہے۔ اور ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال ان ابی اجتاح مالی فقال انت ومالک لابیک، وقال رسول الله ﷺ ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من اموالکم (الف) (ابن ماجہ شریف، باب ماللرجل من مال ولدہ ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۹۲) اس حدیث میں ہے کہ لڑکا والدین کا مال ہے اس لئے والدین لڑکے کا مال کھا سکتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ لڑکے پر والدین کا مستقل نفقہ واجب ہے۔ اس لئے ان کے نفقے میں کسی کو شریک نہ کرے۔

[۲۱۷۸](۵۱) نفقہ واجب ہے ذی رحم محرم کے لئے جب وہ چھوٹے ہوں اور فقیر ہوں یا عورت بالغہ ہو اور فقیر ہو یا اپاہج مرد ہو یا اندھا فقیر ہو۔ واجب ہوگا یہ نفقہ میراث کی مقدار۔

تشریح قریب کے رشتہ داروں کا نفقہ تین شرطوں پر واجب ہے۔ ایک تو یہ کہ نفقہ دینے والے کے پاس مال ہو، اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو کیسے اس پر نفقہ واجب ہوگا؟۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ذی رحم محرم کے پاس نفقہ کی مقدار مال نہ ہو، کیونکہ ان کے پاس نفقہ کی مقدار مال ہو تو

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا میرے باپ سارا مال لینا چاہتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تمہاری اولاد تمہاری بہتر کمائی ہے اس لئے اس مال میں سے کھاؤ۔

امرأۃ بالغۃ فقیرۃ او کان ذکرا زمنا او اعمی فقیرا یجب ذلک علی مقدار المیراث.

دوسرے پر ان کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔اور تیسری شرط یہ ہے کہ آدمی کی ایسی مجبوری ہو کہ خود کام کر کے نفقہ حاصل کرنے پر قادر نہ ہو۔جس کی چند مثالیں عبارت میں ہیں۔مثلا ذی رحم محرم چھوٹا ہو اور فقیر ہو اور کوئی اس کی کفالت کرنے والا اس سے قریب کا نہیں ہو۔یا عورت بالغہ ہو لیکن فقیرہ ہو اور اس سے قریب کا کوئی آدمی اس کی کفالت کرنے والا نہ ہو۔اگر اس کو نفقہ نہ دیا جائے تو ضائع ہو جائے گی۔کیونکہ باہر جا کر کام کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔یا مرد ہو لیکن اپاہج ہو یا نابینا ہو اور فقیر ہو تو یہ لوگ کام کر کے کھانے کے قابل نہیں ہیں۔اس لئے ان لوگوں کا نفقہ رشتہ داروں پر واجب ہوگا میراث کی مقدار۔مثلا دو بھائی ہیں تو دونوں پر آدھا آدھا نفقہ ہوگا،کیونکہ دونوں بھائیوں کو اس ذی رحم محرم کی آدھی آدھی وراثت ملے گی۔

وجہ آیت میں ہے کہ وراثت کی مقدار نفقہ واجب ہے۔**وعلی الوارث مثل ذلک** (الف) (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ وارث پر نفقہ واجب ہے۔اور وارث کے لفظ سے اشارہ ہے کہ وراثت کی مقدار واجب ہوگی (۲) حدیث میں ہے۔**حدثنا کلیب بن منفعۃ عن جدہ انہ اتی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ! من ابر ؟ قال امک واباک واختک واخاک ومولاک الذی یلی ذلک حقا واجبا ورحما موصولۃ** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی برالوالدین ج ثانی ص ۳۵۲ نمبر ۵۱۴۰) اور نسائی میں ہے (۳) **عن طارق المحاربی قال قدمنا المدینۃ فاذا رسول اللہ قائم علی المنبر یخطب الناس وھو یقول ید المعطی العلیا وابداء بمن تعول امک واباک واختک واخاک ثم ادناک ادناک** (ج) (سنن نسائی شریف، ص ۳۵۰ نمبر ۲۵۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم کا نفقہ بھی واجب ہوتا ہے (۴) اثر میں ہے۔**عن زید بن ثابت قال اذا کان عم وام فعلی الام بقدر میراثھا وعلی العم بقدر میراثہ** (د) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۸ من قال الرضاع علی الرجال دون النساء ج رابع ص ۱۶۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر ایک وارث پر اس کی وراثت کی مقدار نفقہ واجب ہوگا۔اور خود اس آدمی کے پاس مال نہ ہو تب بھی ذی رحم محرم پر نفقہ واجب ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔**عن الضحاک فی ھذہ الآیۃ وعلی الوارث مثل ذلک ،قال الوالد یموت ویترک ولدا صغیرا فان کان لہ مال فرضاعہ فی مالہ وان لم یکن لہ مال فرضاعہ علی عصبتہ** (ہ) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۸ فی قولہ وعلی الوارث مثل ذلک ج رابع، ص ۱۸۹، نمبر ۱۹۱۴۷) اور کفایت کی مقدار نفقہ واجب ہے اس کی دلیل

حاشیہ : (الف) اور وارث پر اسی کی مثل نفقہ واجب ہے (ب) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا پوچھا یا رسول اللہ! کس کے ساتھ نیکی کروں؟ آپؐ نے فرمایا ماں، باپ، بہن، بھائی اور غلاموں کے ساتھ جو تمہارے قریب ہوں۔یہ حق واجب ہے اور صلہ رحمی ہے (ج) آپ منبر پر لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے اور فرما رہے تھے، دینے والا ہاتھ اونچا رہتا ہے۔جس کی کفالت کرتے ہو وہاں سے نیکی شروع کرو، تمہاری ماں، باپ، بہن، بھائی پھر جو قریب ہو جو قریب ہو (د) حضرت زید نے فرمایا اگر چچا اور ماں دونوں ہوں تو ماں پر اس کی میراث کی مقدار اور چچا پر اس کی میراث کی مقدار نفقہ لازم ہے (ہ) حضرت ضحاک نے آیت وعلی الوارث مثل ذلک کے بارے میں فرمایا۔والد انتقال کر جائے اور چھوٹا بچہ چھوڑ جائے، پس اگر اس کے پاس مال ہو تو دودھ کا پلانا بچے کے مال میں ہوگا۔اور اگر بچے کے پاس مال نہ ہو تو دودھ پلانا عصبات پر ہوگا۔

[۲۱۷۹](۵۲) وتجب نفقة الابنة البالغة والابن الزمن علی ابویه اثلاثا علی الاب الثلثان وعلی الام الثلث[۲۱۸۰](۵۳) ولا تجب نفقتهم مع اختلاف الدین[۲۱۸۱](۵۴) ولا

یہ اثر ہے۔عن قیس بن حازم قال حضرت ابا بکر الصدیق فقال له رجل یا خلیفة رسول الله هذا یرید ان یأخذ مالی کله ویجتاحه فقال ابو بکر انما لک من ماله ما یکفیک (الف)(سنن للبیہقی، باب نفقۃ الابوین ج سابع ص ۸۹۰، نمبر ۱۵۷۵۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ والدین کو بھی جتنی ضرورت ہو اتنا ہی لڑکے کے مال میں سے نفقہ لے سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔

لغت زمنا : اپاہج۔

[۲۱۷۹](۵۲) بالغہ بیٹی اور اپاہج بیٹے کا نفقہ واجب ہے والدین پر بطور اثلاث یعنی باپ پر دو تہائی اور ماں پر ایک تہائی۔

تشریح بالغہ بیٹی کے پاس مال نہیں ہے تو اس کا نفقہ باپ اور ماں پر واجب ہے۔اسی طرح بالغ لڑکا ہے لیکن اپاہج ہے کام نہیں کر سکتا ہے تو اس کا نفقہ والدین پر واجب ہے۔اب چونکہ باپ بیٹے اور بیٹی کے دو تہائی کا وارث بنتا ہے اس لئے اس پر دو تہائی نفقہ واجب ہوگا۔اور ماں اس کے آدھے یعنی ایک تہائی کا وارث بنتی ہے اس لئے اس پر ایک تہائی نفقہ واجب ہوگا۔

وجہ آیت میں ہے کہ وارث پر نفقہ لازم ہے تو جتنی وراثت ملتی ہو اس مقدار سے ہر ایک پر نفقہ واجب ہوگا۔آیت ہے۔وعلی الوارث مثل ذلک (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲)(۲) اثر میں ہے۔عن زید بن ثابت قال اذا کان عم وام فعلی الام بقدر میراثها وعلی العم بقدر میراثه (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۹ من قال الرضاع علی الرجال دون النساء ج رابع ص ۱۹۰، نمبر ۱۹۱۵۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ وارث پر اس کو وراثت ملنے کی مقدار اس پر نفقہ لازم ہے۔چونکہ باپ کو بچے کی وراثت میں دوگنا ملتا ہے اس لئے اس پر دوگنا نفقہ لازم ہے۔اور ماں کو اس سے آدھا ملتا ہے اس لئے اس پر آدھا نفقہ لازم ہے۔

[۲۱۸۰](۵۳) ذی رحم محرم کا نفقہ لازم نہیں ہوگا اختلاف دین کے ساتھ۔

تشریح والدین، اولاد اور بیوی کے علاوہ جو ذی رحم محرم ہوں اگر وہ دین میں مختلف ہوں مثلا یہودی یا عیسائی یا کافر ہوں تو ان کا نفقہ مسلمان ذی رحم محرم پر لازم نہیں ہوگا۔

وجہ آیت میں ہے۔وعلی الوارث مثل ذلک (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو وارث ہوں ان پر ذی رحم محرم کا نفقہ لازم ہوگا۔اور اختلاف دین کی وجہ سے ان کا وارث نہیں ہو سکے گا اس لئے ان کا نفقہ بھی لازم نہیں ہوگا۔اس لئے اختلاف دین کے ساتھ ذی رحم محرم کا نفقہ لازم نہیں ہوگا۔

[۲۱۸۱](۵۴) اور نفقہ نہیں لازم ہوگا فقیر پر۔

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ یہ باپ میرا پورا مال لینا چاہتا ہے، اور اس کو سمیٹ لینا چاہتا ہے۔حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا آپ کا اتنا ہی حق ہے جتنا آپ کے لئے کافی ہو (ب) حضرت زید بن ثابت نے فرمایا اگر چچا اور ماں ہوں تو ماں پر ان کی میراث کی مقدار اور چچا پر اس کی میراث کی مقدار نفقہ ہے۔

تجب علی الفقیر[۲۱۸۲](۵۵) واذا کان للابن الغائب مال قضی علیه بنفقة ابویه .

تشریح آدمی خود فقیر ہو تو بیوی اور اولاد کے علاوہ کا نفقہ اس پر لازم نہیں ہوگا۔

وجہ خود فقیر ہے تو اس کا نفقہ دوسرے رشتہ داروں پر لازم ہوگا اس لئے اس پر کیسے لازم کریں؟ اور لازم کریں تو کہاں سے دے گا؟ اس کے پاس تو مال ہی نہیں ہے (۲) دوسروں کا نفقہ صلہ ہے اور صلہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب اس کے پاس مال ہو۔ اور اس کے پاس مال نہیں ہے اس لئے صلہ بھی لازم نہیں ہوگا۔

البتہ بیوی اور چھوٹی اولاد کا نفقہ فقیر ہونے کے باوجود لازم ہوگا۔

وجہ شادی پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے یا مال کما کر لائے گا۔ اس لئے ان کا نفقہ فقر کی حالت میں بھی لازم ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ ایک صحابی فقیر تھے اور رمضان میں بیوی سے صحبت کرنے کی وجہ سے ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا لازم ہوگیا۔ پھر بھی بیوی اور بچوں کا نفقہ ان پر لازم رہا۔ اور حضورؐ نے جو مدد کی تھی اس کے ذریعہ بیوی بچوں کا نفقہ ادا کیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابی هریرة قال اتی النبی ﷺ رجل فقال هلکت ... قال علی احوج منا یا رسول الله ؟ فوالذی بعثک بالحق ما بین لا بیتها اهل بیت احوج منا فضحک النبی ﷺ حتی بدت انیابه قال فانتم اذا** (الف) (بخاری شریف، باب نفقۃ المعسر علی اہلہ ص ۸۰۸ نمبر ۵۳۶۸) بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے۔ **فاطعمه اهلک** (بخاری شریف، باب المجامع فی رمضان الخ ص ۲۵۹ نمبر ۱۹۳۷) اس حدیث میں صحابی کے فقیر ہونے کے باوجود اس پر بیوی بچوں کا نفقہ لازم رکھا۔

[۲۱۸۲] (۵۵) اگر غائب بیٹے کا مال ہو تو اس پر حکم کیا جائے گا والدین کے نفقے کا۔

تشریح والدین کے پاس مال نہ ہو اور غائب بیٹے کا مال ہو تو قاضی غائب بیٹے کے مال میں والدین کے نفقے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

وجہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہاں حقیقت میں فیصلہ کرنا نہیں ہے کیونکہ والدین کا نفقہ پہلے ہی سے لڑکے پر واجب ہے، بلکہ صرف نفقہ لینے کا حکم کرنا ہے۔ اس لئے غائب پر فیصلہ نہیں ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ غائب کا مال ایک طرح سے والدین کا ہی ہے۔ اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ **عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال ان ابی اجتاح مالی فقال انت ومالک لابیک وقال رسول الله ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من اموالکم** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ما للرجل من مال ولدہ ص ۳۲۸ نمبر ۲۲۹۲) اس حدیث میں فرمایا کہ لڑکے کا مال والدین کا مال ہے اس لئے اس کو کھاؤ اور پہلے سے کھانے کا حکم ہے تو قضاء علی الغائب نہیں ہوا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ کے پاس ایک صحابی آئے اور کہا میں ہلاک ہوگیا... انہوں نے کہا ہم سے بھی زیادہ کوئی محتاج ہے یا رسول اللہ! قسم اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا مدینے کے سنگلاخوں میں میرے گھر سے زیادہ کوئی محتاج ہے؟ حضورؐ ہنسے یہاں تک کہ دانت مبارک ظاہر ہوگئے پھر فرمایا تم جانو۔ دوسری روایت میں ہے یہ کفارہ گھر والوں کو کھلا دو (ب) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا میرے والد میرا سارا مال لینا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم اور تمہارا مال تمہارے والد کے ہیں، آپؐ نے فرمایا تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے اس لئے اپنے مال سے کھاؤ۔

[۲۱۸۳](۵۶) وان باع ابواه متاعه فی نفقتهما جاز عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وان باع العقار لم یجز[۲۱۸۴](۵۷) وان کان للابن الغائب مال فی ید ابویه فانفقا منه لم

[۲۱۸۳](۵۶) اگر والدین نے غائب لڑکے کے مال کو اپنے نفقے میں بیچا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور اگر زمین کو بیچا تو جائز نہیں ہے

تشریح غائب لڑکے کے مال میں چاول، دال وغیرہ نہیں تھا کہ اس کو نفقہ میں استعمال کر سکے، البتہ کچھ منقول جائداد تھی جس کو بیچ کر نفقہ وصول کیا تو والدین کا منقولی جائداد بیچنا جائز ہے۔ البتہ زمین وغیرہ غیر منقولی جائداد کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

وجہ زمین وغیرہ اہم چیز ہے۔ ایک مرتبہ بیچنے کے بعد دوبارہ ہاتھ آنا مشکل ہے اس لئے اس کو بیچنا جائز نہیں ہے (۲) زمین محفوظ بنفسہ ہے اس کو بیچ کر حفاظت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔ اور منقول جائداد کو بیچ کر حفاظت کریں گے اور جب روپیہ پیسہ ہاتھ میں آیا تو کھا بھی سکتے ہیں۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ بالغ ہونے کے بعد والدین کی جائداد الگ ہوگئی اور بچے کی جائداد الگ ہوگئی۔ اس لئے والدین دوسرے کی جائداد نہیں بیچ سکتے۔ حدیث میں ہے۔ **عن عبد الله بن عمر عن رسول الله ﷺ انه قام فقال لا یحلبن احدکم ما شیة رجل بغیر اذنه** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب النهی ان یصیب منها شیئا الا باذن صاحبها ص ۳۲۹ نمبر ۲۳۰۲) اس حدیث میں ہے کہ دوسرے کی چیز بغیر اس کی اجازت کے لینا جائز نہیں ہے۔

[۲۱۸۴](۵۷) اگر غائب بیٹے کا مال والدین کے قبضے میں ہو اور انہوں نے اس میں سے خرچ کر دیا تو وہ ضامن نہیں ہوں گے۔

تشریح غائب بیٹے کا مال والدین کے قبضے میں تھا، انہوں نے اس مال میں سے کچھ خرچ کر دیا تو وہ اس مال کے ضامن نہیں ہوں گے اور نہ ان کو اس کا ضمان ادا کرنا ہوگا۔

وجہ اوپر گزر چکا ہے کہ قاضی کے فیصلے سے پہلے بھی والدین کا نفقہ لڑکے کے مال میں واجب تھا اس لئے جو مال ان کے ہاتھ میں تھا اس میں سے خرچ کر لیا تو گویا کہ اپنا حق وصول کر لیا۔ اس لئے وہ اس کے ضامن نہیں ہوں گے۔ انہوں نے تو گویا کہ اپنا ہی مال خرچ کیا (۲) حدیث میں گزر چکا ہے۔ **فقال انت ومالک لابیک وقال رسول الله ﷺ ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من اموالکم** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ماللرجل من مال ولده ص ۳۲۸ نمبر ۲۲۹۲) (۳) اور یہ بھی گزرا کہ اپنا واجب شدہ نفقہ چپکے سے وصول کر لے تو جائز ہے۔ حضرت ابوسفیان کی بیوی نے اپنا نفقہ چپکے سے وصول کرنے کی حضورؐ سے اجازت لی تھی۔ **عن عائشة قالت جائت هند بنت عتبة فقالت یارسول الله ان ابا سفیان رجل مسیک فهل علی حرج ان اطعم من الذی له عیالنا ؟ قال لا الا بالمعروف** (ج) (بخاری شریف، باب نفقة المرأة اذا غاب عنها زوجها ونفقة الولد ص ۸۰۷ نمبر ۵۳۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غائب کے مال میں

حاشیہ: (الف) آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا تم میں سے کوئی کسی آدمی کے جانور کا دودھ بغیر اس کی اجازت کے نہ دوہے (ب) آپؐ نے فرمایا تم اور تمہارا مال تمہارے والد کے ہو، اور آپؐ نے فرمایا تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے اس لئے اپنے مال سے کھاؤ (ج) ہند بنت عتبہ نے کہا یا رسول اللہ ابوسفیان بخیل آدمی ہیں۔ مجھ پر کوئی حرج ہے اگر میں اپنے عیال کو کھلا دوں؟ فرمایا نہیں، مگر مناسب انداز میں کھلاؤ۔

يضمنا [۲۱۸۵](۵۸) وان كان له مال في يد اجنبي فانفق عليهما بغير اذن القاضي ضمن [۲۱۸۶](۵۹) واذا قضى القاضي للولد والوالدين ولذوى الارحام بالنفقة فمضت مدة سقطت الا ان يأذن لهم القاضي في الاستدانة عليه.

سے اپنا مناسب نفقہ وصول کر سکتے ہیں۔ اور ایسا کر لیا تو اس کا ضمان بھی لازم نہیں ہوگا۔

[۲۱۸۵](۵۸) اور اگر غائب کا مال اجنبی کے ہاتھ میں ہو اور اس نے والدین پر خرچ کیا بغیر قاضی کی اجازت کے تو وہ ضامن ہوگا۔

تشریح غائب لڑکے کا مال کسی اجنبی آدمی کے پاس تھا اس نے والدین پر بغیر قاضی کی اجازت کے خرچ کر دیا تو اجنبی آدمی اس مال کا ضامن ہو جائے گا۔

وجہ والدین کو اس مال میں نفقہ لینے کا حق تھا جو خود والدین کے پاس ہو۔ اور جو مال اجنبی کے پاس ہے وہ اس کا محافظ ہے اس کو کسی پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے چاہے غائب کے والدین ہی کیوں نہ ہوں؟ اس لئے اس پر خرچ کرنے سے محافظ ضامن بن جائے گا۔ البتہ قاضی نے حکم دیا تو چونکہ اس کے لئے اذن عام ہے اس لئے محافظ ضامن نہیں ہوگا۔

[۲۱۸۶](۵۹) اگر قاضی نے لڑکے کے لئے، والدین کے لئے، ذی رحم محرم کے لئے نفقے کا فیصلہ کیا اور ایک مدت گزر گئی تو نفقہ ساقط ہو جائے گا مگر یہ کہ قاضی اس کے اوپر قرض لینے کی اجازت دے۔

تشریح قاضی نے لڑکے کے لئے، والدین کے لئے اور ذی رحم محرم کے لئے نفقے کا فیصلہ کیا لیکن اس کے اوپر قرض لینے کا فیصلہ نہیں کیا۔ پھر ایک مدت گزر گئی جس کی ان لوگوں نے نفقہ نہیں لیا تو یہ نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

وجہ یہ نفقہ مزدوری نہیں ہے بلکہ صلہ ہے اور احتیاج کی وجہ سے لازم کیا گیا ہے۔ اور جب ایک مدت تک نفقہ نہیں لیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زمانے میں نفقے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے اس زمانے کا نفقہ ساقط ہو جائے گا (۲) اثر میں ہے کہ قرض لینے کا فیصلہ کیا ہو تب تو ساقط نہیں ہوگا، اور قرض لینے کا فیصلہ نہیں کیا تو ساقط ہو جائے گا۔ عن النخعي اذا ادانت اخذ به حتى يقضى عنها وان لم تستدن فلا شيء لها عليه اذا اكلت من مالها. قال معمر ويقول اخرون من يوم ترفع امرها الى السلطان (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب المرأة يابق زوجها وهو عبد المرأة يأبق ج سابع ص۹۴ نمبر ۱۲۳۴۹) اس اثر میں ہے کہ قرض لیا ہو تو نفقہ لے سکتا ہے اور قرض نہ لیا ہو بلکہ اپنا مال کھایا ہو تو اس مدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا لغت الاستدانۃ : دین سے مشتق ہے، قرض لینا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا اگر عورت نے قرض لیا تو وہ شوہر سے لیا جائے گا جب تک کہ الگ ہونے کا فیصلہ نہ کرے۔ اور اگر قرض نہیں لیا تو عورت کا شوہر پر کچھ نہیں ہے اگر اس نے اپنا مال کھایا۔ حضرت معمر نے فرمایا دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ جس دن سے معاملہ بادشاہ کے پاس لے گئی اس دن سے نفقہ لے گی۔

[۲۱۸۷](۶۰) وعلى المولى ان ينفق على عبده وامته[۲۱۸۸](۶۱) فان امتنع من ذلک وكان لهما كسب اكتسبا وانفقا منه[۲۱۸۹](۶۲) وان لم يكن لهما كسب اُجبر

﴿غلام، باندی کے نفقے کے احکام﴾

[۲۱۸۷](۶۰) آقا پر واجب ہے کہ وہ خرچ کرے اپنے غلام پر اور باندی پر۔

وجہ غلام اور باندی مولی کے لئے کام کرتے ہیں۔اس لئے اس پر ان کا نفقہ واجب ہے(۲) حدیث میں ہے۔عن ابی هريرة عن رسول الله ﷺ انه قال للمملوک طعامه وكسوته ولا يكلف من العمل الا ما يطيق (الف) (مسلم شریف، باب اطعام المملوک مما یأکل والباسہ مما یلبس ولا یکلفہ ما یغلبہ ص ۵۱ نمبر ۱۶۶۲، کتاب الایمان) اور بخاری شریف میں ہے۔رأيت ابا ذر الغفارى وعليه حلة وعلى غلامه حلة ... ثم قال ان اخوانكم خولكم جعلهم الله تحت ايديكم فمن كان اخوه تحت يده فليطعمه مما يأكل وليلبسه مما يلبس ولا تكلفوهم ما يغلبهم فان كلفتموهم ما يغلبهم فاعينوهم (ب) (بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ العبید اخوانکم فاطعموھم مما تأکلون ص ۳۴۶ نمبر ۲۵۴۵ر مسلم شریف، باب اطعام المملوک مما یأکل والباسہ مما یلبس ولا یکلفہ ما یغلبہ ص ۵۱ نمبر ۱۶۶۱) ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ مملوک کا نفقہ آقا پر واجب ہے۔

[۲۱۸۸](۶۱) پس اگر اس سے رک گیا اور ان کا کمایا ہوا کچھ مال ہو تو اس میں سے اپنے اوپر خرچ کرلیں۔

تشریح آقا غلام باندی کا نفقہ دینے سے انکار کر گیا تو دوسری صورت یہ ہے کہ اگر وہ کچھ کام کرتے ہوں تو اس کام کی اجرت سے اپنا نفقہ وصول کرتے رہیں گے۔یا پہلے سے کمایا ہوا مال ان کے پاس ہو تب بھی اس سے اپنا نفقہ وصول کرتے رہیں گے۔

وجہ اس طرح غلام باندی کی زندگی بچ جائے گی۔چانکہ یہ آقا کا مال ہے تو آقا کا مال بھی ضائع ہونے سے بچ جائے گا(۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔عن انس بن مالک قال حجم ابو طيبة النبى فامر له بصاع او صاعين من طعام وكلم مواليه فخفف عن غلته او ضريبته (ج) (بخاری شریف، باب ضریبۃ العبد وتعاہد ضرائب الاماء ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۷۷) اس حدیث میں ابو طیبہ غلام پر ٹیکس لازم کیا ہے جو زیادہ ہے۔اور ہو سکتا ہے کہ وہ اسی اجرت سے اپنا نفقہ وصول کرتا ہو۔

[۲۱۸۹](۶۲) اور اگر ان کی کوئی کمائی نہ ہو تو زور دیا جائے گا آقا پر ان کے بیچ دینے کا۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا مملوک کے لئے اس کا کھانا اور کپڑا ہے اور طاقت سے زیادہ کام کا مکلف نہ بنائے (ب) میں نے حضرت ابوذرؓ پر ایک حلہ دیکھا اور ان کے غلام پر اسی رنگ کا حلہ دیکھا...پھر فرمایا تمہارا بھائی تمہارا غلام بنا ہے، اور اللہ نے تمہارے ہاتھ نیچے کیا ہے۔پس جس کا بھائی اس کے نیچے ہو اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔اور اس پر ایسا کام نہ ڈالے جو اس کو مغلوب کردے۔اور ایسا کام ڈال دیا جو اس کو مغلوب کردے تو اس کی مدد کرو (ج) حضرت ابو طیبہ نے حضورؐ کو پچھنا لگایا۔پس آپؐ نے ان کے لئے ایک صاع یا دو صاع کھانا دینے کا حکم دیا۔اور ان کے آقا سے بات کی تو انہوں نے ان کا ٹیکس کم کردیا۔

المولی علی بیعھما.

تشریح آقا غلام باندی کا نفقہ بھی ادا نہیں کرتا ہے اور غلام باندی کوئی کام بھی نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ان کی کوئی کمائی ہے تو آقا کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو بیچ دے تا کہ دوسرا آقا ان کا نفقہ ادا کر سکے اور ان کی جان جانے سے بچا سکے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ جانور کو کھانا نہیں دیا وہ مر گیا تو عذاب ہوگا۔اس لئے اگر انسان کو نفقہ نہیں دیا اور بیچا بھی نہیں اور مر گیا تو آقا کو عذاب ہوگا۔حدیث میں ہے۔**عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ قال عذبت امرأۃ فی ھرۃ لم تطعمھا ولم تسقھا ولم تترکھا تاکل من خشاش الارض** (الف)(مسلم شریف، باب تحریم قتل الھرۃ ص۲۳۶ نمبر۲۲۴۳، کتاب السلام) جب جانور کو نفقہ نہ دے اور وہ مر جائے تو عذاب ہوتا ہے تو انسان کو نفقہ نہ دے اور وہ مر جائے تو آقا کو عذاب ہوگا،اس لئے اس کو بیچنے پر مجبور کیا جائے گا (۲) اوپر کی حدیث **ولا یکلف من العمل الا ما یطیق** (مسلم شریف، نمبر۱۶۶۲) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ طاقت سے زیادہ غلام باندی پر بوجھ ڈالنا جائز نہیں ہے۔



حاشیہ : (الف) حضورؐ نے فرمایا ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہوا وہ اس کو نہ کھلاتی تھی نہ پلاتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھائے۔

﴿ کتاب العتاق ﴾

[۲۱۹۰](۱) العتق يقع من الحر البالغ العاقل في ملكه [۲۱۹۱](۲) فاذا قال لعبده او

﴿ کتاب العتاق ﴾

ضروری نوٹ عتاق کا معنی آزاد کرنا، آزاد کرنے کا ثبوت اور فضیلت اس آیت میں ہے۔ وما ادراک ما العقبة ٥ فک رقبة ٥ او اطعام فی یوم ذی مسغبة ٥ (آیت ۱۲، ۱۳، ۱۴، سورۃ البلد ۹۰) (۲) اور حدیث میں ہے قال ابو ہریرۃؓ قال النبی ﷺ ایما رجل اعتق امرء مسلما استنقذ اللہ بکل عضو منہ عضوا من النار (الف) (بخاری شریف، باب فی العتق وفضلہ ص ۳۴۲ نمبر ۲۵۱۷) اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام باندی کو آزاد کرنا چاہئے اس سے ثواب ملتا ہے۔

[۲۱۹۰] (۱) آزادگی واقع ہوتی ہے آزاد، بالغ، عاقل سے اس کی ملکیت میں۔

تشریح آدمی آزاد ہو، بالغ ہو اور عاقل ہو اور غلام باندی اس کی ملکیت میں ہو پھر اپنے غلام باندی کو آزاد کرے تو اس سے غلام یا باندی آزاد ہو جائے گا۔

وجہ آزادگی کی شرط اس لئے لگائی کہ غلام کے پاس تو کوئی چیز ہوتی ہی نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہ اس کے مولی کی ملکیت ہے۔ اس لئے مثلا تجارت کی اجازت دیئے ہوئے غلام کے پاس غلام ہو اور اس کو آزاد کرنا چاہے تو اس سے آزادگی واقع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبیؐ قال لا طلاق الا فیما تملک ولا عتق الا فیما تملک ولا بیع الا فیما تملک (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الطلاق قبل النکاح ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس غلام کا مالک نہ ہو اس کو آزاد نہیں کر سکتا۔ اور غلام آدمی غلام باندی کا مالک نہیں ہوتا اس لئے وہ آزاد نہیں کر سکتا۔ اور بچے اور مجنون کی آزادگی اس لئے صحیح نہیں ہے کہ ان کو عقل نہیں ہوتی (۲) حدیث میں ہے۔ عن علیؓ عن النبیؐ قال رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا ص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے اور مجنون کی آزادگی کا اعتبار نہیں ہے (۳) بخاری میں قول صحابی ہے۔ وقال عثمان لیس لمجنون ولا سکران طلاق (د) (بخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ ص ۷۹۳ نمبر ۵۲۶۹) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ بچے اور مجنون کے طلاق اور عتاق کا اعتبار نہیں ہے۔ اور ملکیت میں ہو اس کی دلیل ابو داؤد کی حدیث لا عتق الا فیما تملک گزر چکی ہے۔

[۲۱۹۱] (۲) پس اگر اپنے غلام اور باندی سے کہا تو آزاد ہے یا آزاد کیا ہوا ہے یا میں نے تجھ کو آزاد کیا تو آزاد ہو جائے گا۔ آقا نے آزادگی کی

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی بھی آدمی مسلمان کو آزاد کرے تو اللہ اس کے ہر عضو کے بدلے آگ سے اس کے عضو کو آزاد کریں گے (ب) آپؐ نے فرمایا نہیں طلاق واقع ہوگی مگر جس چیز کا مالک ہو، اور نہیں آزادگی ہے مگر جس چیز کا مالک ہو، اور نہیں بیع ہے مگر جس چیز کا مالک ہو (ج) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ سونے والے سے جب تک کہ بیدار نہ ہو اور بچے سے یہاں تک کہ بالغ نہ ہو جائے اور مجنون سے یہاں تک کہ سمجھدار نہ ہو جائے (د) حضرت عثمانؓ نے فرمایا مجنون کے لئے اور مست کے لئے طلاق واقع نہیں ہے۔

امته انت حر او معتق او عتیق او محرر او حررتک او اعتقتک فقد عتق نوی المولی العتق او لم ینو[۲۱۹۲](۳) و کذلک اذا قال رأسک حر او رقبتک او بدنک او قال لامته فرجک حر[۲۱۹۳](۴) وان قال لا ملک لی علیک ونوی بذلک الحریة عتق

نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

تشریح عربی زبان میں آزاد کرنے کے یہ سب جملے ہیں کہ ان سب جملوں کو استعمال کرنے سے آزادگی واقع ہو جائے گی۔ اور چونکہ یہ الفاظ صریح ہیں اس لئے نیت کرے یا نہ کرے ہر حال میں آزادگی واقع ہو جائے گی۔ حر کا لفظ صریح ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے ومن قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبة مؤمنة (الف) (آیت ۹۲ سورة النساء۴) اس آیت میں آزادگی کے لئے تحریر کا لفظ استعمال ہوا ہے جو صریح ہے۔ اور عتق کے صریح ہونے کے لئے یہ حدیث ہے۔ قال لی ابو هریرة قال النبیؐ ایما رجل اعتق امرء مسلما استنقذ الله بکل عضو منه عضوا من النار (ب) (بخاری شریف، باب فی العتق وفضلہ ص ۳۴۲ نمبر ۲۵۱۷) اس حدیث میں عتق کا لفظ صریح ہے۔ اور انہیں دونوں لفظوں سے باقی جملے بنے ہیں اس لئے وہ جملے بھی صریح ہوئے۔ اس لئے ان جملوں سے بغیر نیت کئے ہوئے بھی طلاق واقع ہو جائیگی۔

لغت حر: آزاد، معتق: عتق سے اسم مفعول ہے آزاد کیا ہوا ہے، عتیق: فعیل کے وزن پر اسم مفعول ہے آزاد کیا ہوا، محرر: آزاد کیا ہوا یہ بھی اسم مفعول ہے، حررت: میں نے آزاد کیا، اعتقت: میں نے تجھے آزاد کیا۔

[۲۱۹۲] (۳) ایسے ہی اگر کہا تیرا سر آزاد یا تیری گردن آزاد یا تیرا بدن آزاد یا اپنی باندی سے کہا تیری شرمگاہ آزاد تو آزاد ہو جائے گا۔

تشریح یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ ایسے عضو کے بارے میں کہا کہ وہ آزاد ہے جس سے پورا جسم مراد لیتے ہیں تو اس سے پورا جسم مراد لیکر غلام یا باندی آزاد ہو جائیں گے۔ مثلا کہا کہ تیرا سر آزاد ہے تو اس سے پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ سر بول کر پورا انسان مراد لیتے ہیں۔ آیت میں ہے۔ ومن قتل مومنا خطاء فتحریر رقبة مؤمنة (ج) (آیت ۹۲ سورة النساء۴) اس آیت میں رقبہ بول کر پورا انسان مراد لیا ہے۔ اس لئے گردن بول کر پورا انسان مراد لیتے ہیں۔ باقی تفصیل کتاب الطلاق مسئلہ نمبر ۳۱ میں دیکھ لیں۔

[۲۱۹۳] (۴) اور اگر کہا کہ میری آپ پر ملکیت نہیں ہے اور اس سے آزادگی کی نیت کی تو آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر نیت نہیں کی تو آزاد نہیں ہوگا اور یہی حال آزادگی کے تمام کنائی الفاظ کا ہے۔

تشریح آزاد کرنے کے لئے الفاظ کنایہ استعمال کئے تو اگر اس سے آزاد کرنے کی نیت ہو تو آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر آزاد کرنے کی نیت نہ ہو تو آزاد نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف) اور اگر کسی نے مومن کو غلطی سے قتل کیا تو اس کے بدلے مومن غلام کو آزاد کیا جائے (ب) آپ نے فرمایا کوئی آدمی مسلمان کو آزاد کیا تو ہر عضو کے بدلے اللہ آگ سے آزاد کرے گا (ج) کسی نے مومن آدمی کو غلطی سے قتل کیا تو اس کے کفارے میں مومن غلام کو آزاد کرنا ہے۔

وان لم ینو لم یعتق و کذلک جمیع کنایات العتق [۲۱۹۴](۵)وان قال لا سلطان لی علیه ونوی به العتق لم یعتق[۲۱۹۵](۶) واذا قال هذا ابنی وثبت علی ذلک او قال هذا

وجہ کنایہ کے الفاظ کے دو معنی ہوتے ہیں۔ایک معنی سے آزادگی ہوگی اور دوسرے معنی لینے سے آزادگی نہیں ہوگی اس لئے آزاد کرنے کے لئے نیت کرنا ہوگا۔مثلا میری تم پر ملکیت نہیں ہے کا ایک معنی یہ ہے کہ تم کو بیچ دیا اس لئے میری تم پر ملکیت نہیں ہے۔اس سے آزادگی نہیں ہوگی۔اور دوسرا معنی ہے کہ میں نے تم کو آزاد کر دیا اس لئے میری تم پر ملکیت نہیں ہے۔اس لئے اس معنی لینے سے آزاد ہو جائے گا۔لیکن اس معنی لینے کے لئے نیت کرنی ہوگی (۲) حضرت رکانہؓ نے بیوی کو طلاق دینے کے لئے لفظ کنایہ استعمال کیا تھا تو حضورؐ نے اس کی نیت پوچھی۔پھر انہوں نے کہا کہ ایک طلاق کی نیت کی ہے اس لئے ایک طلاق واقع کی۔حدیث یہ ہے۔**عن عبد الله بن علی بن یزید رکانة عن ابیه عن جده انه طلق امرأته البتة فاتی رسول الله ﷺ فقال ما اردت؟ قال واحدة قال الله؟ قال الله! قال هو علی ما اردت** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی البتۃ ص ۳۰۷ نمبر ۲۲۰۸، ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یطلق امرأته البتة ص ۲۲۲ نمبر ۱۱۷۷)اس حدیث میں البتۃ کا لفظ کنایہ استعمال کیا ہے اس لئے آپؐ نے رکانہ سے نیت پوچھی۔

اصول تمام کنائی الفاظ میں یہی اصول ہے کہ نیت کرے گا تو آزادگی واقع ہوگی ورنہ نہیں۔

[۲۱۹۴](۵)اور اگر کہا میرا تم پر غلبہ نہیں ہے اور اس سے آزادگی کی نیت کی تو آزاد نہیں ہوگا۔

وجہ میرا تم پر غلبہ نہیں ہے اس سے غلام آزاد ہونا ضروری نہیں ہے۔کیونکہ مکاتب غلام پر ملکیت ہوتی ہے وہ آزاد نہیں ہوتا لیکن پھر بھی آقا کا اس پر غلبہ نہیں ہوتا۔کیونکہ وہ تجارت کرنے اور اپنا نفقہ جمع کرنے میں آزاد ہوتا ہے۔اس لئے اس جملے سے آزاد ہونا متیقن نہیں ہے۔اس لئے اس جملے میں نیت کرنے سے بھی آزادگی واقع نہیں ہوگی۔

لغت لاسلطان لی علیک: میرا تم پر غلبہ نہیں ہے۔

[۲۱۹۵](۶)اگر کہا یہ میرا بیٹا ہے اور اسی پر جمارہا یا کہا یہ میرا مولی ہے یا کہا اے میرے مولی تو آزاد ہو جائے گا۔

تشریح آقا سے غلام کی عمر اتنی کم ہے کہ اس جیسا غلام آقا کا بیٹا بن سکتا ہے اور غلام کا نسب بھی مشہور نہیں ہے ایسے غلام سے آقا کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور یہ بات مذاق میں نہیں کہہ رہا ہے بلکہ حقیقت میں کہہ رہا ہے تو اس سے غلام آزاد ہو جائے گا۔

وجہ اس لئے کہ اس صورت میں غلام کا نسب آقا سے ثابت ہو جائے گا۔کیونکہ غلام کا نسب مشہور نہیں ہے اور جب آقا سے نسب ثابت ہو گیا اور اس کا بیٹا ہو گیا تو قاعدہ **من ملک ذی رحم محرم منه عتق** کی وجہ سے غلام بیٹا بننے کی وجہ سے آزاد ہو جائے گا۔حدیث میں ہے۔**عن سمرة بن جندب فیما یحسب حماد قال قال رسول الله ﷺ من ملک ذارحم محرم فهو حر** (ب)(ابو داؤد شریف، باب فیمن ملک ذارحم محرم ص ۱۹۴ نمبر ۳۹۴۹، ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ملک ذارحم محرم ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۵)اس حدیث سے

حاشیہ : (الف) حضرت یزید بن رکانہ نے اپنی بیوی کو البتہ کی طلاق دی پھر حضورؐ کے پاس آئے۔آپؐ نے پوچھا اس سے کیا نیت کی؟ فرمایا ایک طلاق کی۔پوچھا خدا کی قسم! کہا خدا کی قسم! آپؐ نے فرمایا جیسا ارادہ کیا ویسی ہی طلاق واقع ہوگی (ب) آپؐ نے فرمایا جو ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

مولای او یا مولای عتق[۲۱۹۶](۷) وان قال یا بنی او یا اخی لم یعتق[۲۱۹۷](۸)وان قال لغلام لایولد مثله لمثله هذا ابنی عتق علیه عند ابی حنیفة رحمه الله و عندهما لا یعتق [۲۱۹۸](۹)وان قال لامته انت طالق ونوی به الحریة لم تعتق.

معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

اور میرے مولی کے دو معنی ہیں۔ایک معنی ہے میرا آقا اور دوسرا معنی ہے میرا آزاد کیا ہوا غلام۔اور یہ چونکہ پہلے سے غلام ہے اس لئے میرے آقا کا معنی نہیں لے سکتے۔اس لئے میرا آزاد کردہ غلام والا معنی متعین ہے۔اس لئے اس لفظ سے آزاد ہو جائے گا۔اور اے میرے مولی! کے بھی یہی دو معنی ہیں۔اور اس میں بھی میرا آزاد کردہ غلام والا معنی لیا جائے گا اور غلام آزاد ہو جائے گا۔فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ندا کے ساتھ کہا اے میرے مولی! اور پہلے میں اشارہ کر کے کہا کہ یہ میرا مولی ہے۔

[۲۱۹۶](۷)اور اگر کہا اے میرے بیٹے یا اے میرے بھائی تو آزاد نہ ہوگا۔

وجہ یہ الفاظ پیار کے طور پر کہتے ہیں۔اور کبھی احترام کے لئے بھی کہتے ہیں۔اس لئے ان سے آزاد کرنا متعین نہیں ہوا۔اس لئے اے میرے بیٹے، یا اے میرے بھائی کہنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا۔

[۲۱۹۷](۸)اگر ایسے غلام کے بارے میں کہا جو اس جیسا لڑکا اس جیسے سے پیدا نہیں ہو سکتا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک آزاد ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک آزاد نہیں ہوگا۔

تشریح غلام آقا کے ہم عمر تھا اس جیسا غلام اس عمر کے آقا کی اولاد نہیں ہو سکتی تھی۔ایسے غلام کے بارے میں آقا نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

وجہ اس صورت میں عمر بڑی ہونے کی وجہ سے غلام حقیقت میں بیٹا تو نہیں بن پائے گا البتہ مجاز پر حمل کیا جائے گا۔اور یوں کہا جائے گا کہ بیٹا بول کر آزادگی مراد لی ہے۔جس کی وجہ سے غلام آزاد ہو جائے گا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ حقیقت میں تو بیٹا بن نہیں سکتا اس لئے آقا سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔اور جب بیٹا نہیں بن سکتا تو آزاد بھی نہیں ہوگا۔اور کلام کو لغو قرار دیا جائے گا۔

[۲۱۹۸](۹)اور اگر اپنی باندی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے اور اس سے آزادگی کی نیت کی تو آزاد نہیں ہوگی۔

وجہ نکاح میں صرف ملک بضعہ ہوتی ہے جو جزوی ملک ہے۔اور طلاق کے ذریعہ اس ملک کو ختم کرنا ہے اور عتاق کے ذریعہ پورے جسم کی ملکیت ختم کرتے ہیں جو کل ہے اس لئے جز یعنی طلاق بول کر کل یعنی عتاق مراد لینا مشکل ہے۔کیونکہ ضعیف بول کر قوی مراد لینا مجاز متعارف نہیں ہے۔اس لئے انت طالق بول کر عتاق مراد لینا جائز نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ضعیف لفظ بول کر قوی لفظ مراد لینا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ کمزور ہے۔

[۲۱۹۹](۱۰)وان قال لعبده انت مثل الحر لم یعتق[۲۲۰۰](۱۱)وان قال مانت الا حر عتق علیه[۲۲۰۱](۱۲)واذا ملک الرجل ذارحم محرم منه عتق علیه[۲۲۰۲](۱۳)واذا اعتق المولی بعض عبده عتق علیه ذلک البعض ویسعی فی بقیة قیمته لمولاہ

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ انت طالق بول کر انت حر مراد لینا جائز ہے۔ کیونکہ دونوں میں ملکیت کی قید کو رفع کرنا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عتاق میں کل جسم کی قید کو رفع کرنا ہے اور انت طالق میں صرف بضعہ کی قید کو رفع کرنا ہے۔

[۲۱۹۹](۱۰)اگر اپنے غلام سے کہا تم آزاد کی طرح ہو تو آزاد نہیں ہوگا۔

وجہ تم آزاد کی طرح ہو کا مطلب یہ ہے کہ تم آزاد کی طرح ہو شرافت، تعظیم اور بزرگی میں۔ اس لئے اس جملے سے آزاد کرنا مقصود نہیں ہے اس لئے آزاد نہیں ہوگا۔

[۲۲۰۰](۱۱)اور اگر کہا نہیں ہو تم مگر آزاد تو آزاد ہو جائے گا۔

تشریح اگر کہا کہ نہیں ہو تم مگر آزاد تو اس جملے سے غلام آزاد ہو جائے گا۔

وجہ اس جملے میں حصر کے ساتھ آزاد کرنا ہی مقصود ہے اس لئے بدرجہ اولی آزاد ہوگا۔

[۲۲۰۱](۱۲)اگر آدمی ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔

وجہ ذی رحم محرم جیسے قریبی رشتہ والے کا مالک ہو اور اس کو غلام بنا کر رکھے ایسا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ آزاد ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن سمرة بن جندب فیما یحسب حماد قال قال رسول اللہ ﷺ من ملک ذا رحم محرم فھو حر (الف) (ابوداؤد شریف، باب فیمن ملک ذا رحم محرم، ص ۱۹۴ نمبر ۳۹۴۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ملک ذا رحم محرم، ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

[۲۲۰۲](۱۳)اور اگر آقا نے اپنے بعض غلام کو آزاد کیا تو یہ بعض حصہ آزاد ہو جائے گا اور بقیہ قیمت میں مولی کے لئے سعی کرے گا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ کل آزاد ہوگا۔

تشریح پورا غلام آقا ہی کا تھا۔ اب آقا نے اس کا بعض حصہ آزاد کیا تو یہ بعض ہی آزاد ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کل آزاد نہیں ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک کل غلام آزاد ہو جائے گا۔

وجہ امام ابوحنیفہؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ آقا نے جتنا غلام آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہوگا اور جتنا حصہ آزاد نہیں کیا اتنا حصہ غلامیت میں رہے گا۔ کیونکہ آقا کی چیز ہے اس لئے جتنا حصہ روکنا چاہے وہ روک سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے کہ جتنا حصہ آزاد کرے گا اتنا ہی آزاد ہوگا۔ عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال من اعتق شرکا لہ فی عبد فکان لہ مال یبلغ ثمن العبد قوم العبد علیہ قیمة عدل فاعطی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جو ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا یعتق کله.

شرکاء ہ حصصهم وعتق علیه العبد والا فقد عتق منه ما عتق (الف) (بخاری شریف، باب اذا اعتق عبدا بین اثنین اوامة بین الشرکاء ص ۳۴۲ نمبر ۲۵۲۲، مسلم شریف، باب من اعتق شرکا لہ فی عبد ص ۴۹۱ نمبر ۱۵۰۱) اس حدیث میں یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والے کے پاس باقی غلام کی قیمت نہ ہو تو اتنا ہی آزاد ہوگا جتنا آزاد ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غلام کی آزادگی میں حصہ اور تجزی ہو سکتا ہے۔ اس لئے آقا نے جتنا آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہوگا۔ اور اپنا باقی حصہ غلام سعی کر کے آقا کو ادا کرے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **حدثنی اسمعیل بن امیه عن ابیه عن جده قال کان لهم غلام یقال له طهمان او ذکوان قال فاعتق جده نصفه فجاء العبد الی النبی ﷺ فاخبره فقال النبی ﷺ تعتق فی عتقک وترق فی رقک قال فکان یخدم سیده حتی مات** (ب) (سنن للبیہقی، باب من اعتق من مملوکہ شقصا ج عاشر ص ۴۶۳ نمبر ۲۱۳۱۹، مصنف عبد الرزاق، باب من اعتق بعض عبدہ ج تاسع ص ۱۴۹ نمبر ۱۶۷۰۵) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جتنا آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہوگا۔

صاحبینؒ کے نزدیک پورا غلام آزاد ہوگا۔

وجہ یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال من اعتق نصیبا او شقصا فی مملوک فخلاصة علیه فی ماله ان کان له مال والا قوم علیه فاستسعی به غیر مشفوق علیه** (ج) (بخاری شریف، باب اذا اعتق نصیبا فی عبد ولیس لہ مال استسعی العبد غیر مشفوق علیہ ص ۳۴۳ نمبر ۲۵۲۷، مسلم شریف، باب ذکر سعایۃ العبد ص ۴۹۱ نمبر ۱۵۰۳) اس حدیث میں ہے کہ اگر آزاد کرنے والے شریک کے پاس باقی غلام کی قیمت نہ ہو تب بھی پورا غلام آزاد ہوگا اور غلام کو اپنی قیمت سعی کر کے ادا کرنا ہوگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آدھا آزاد کرنے سے پورا غلام آزاد ہوگا۔ آزادگی میں تجزی نہیں ہوگی (۲) **عن ابی الملیح ان رجلا من قومه اعتق ثلث غلامه فرفع ذلک الی النبی ﷺ فقال هو حر کله لیس لله شریک** (د) (سنن للبیہقی، باب من اعتق من مملوکہ شقصا ج عاشر ص ۴۶۲ نمبر ۲۱۳۱۷، مصنف عبد الرزاق، باب من اعتق بعض عبدہ ج تاسع ص ۱۴۹ نمبر ۱۶۷۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا پورا غلام آزاد ہوگا۔

اصول امام ابو حنیفہ کے نزدیک جتنا غلام آزاد کیا اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا باقی غلام باقی رہے گا۔ صاحبین کے نزدیک آزادگی میں تجزی نہیں ہے اس لئے پورا غلام آزاد ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے مشترک غلام آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ غلام کی قیمت تک پہنچ جائے تو اس پر غلام کی قیمت لگائی جائے گی انصاف ور قیمت۔ اور شریکوں کو ان کے حصے دیئے جائیں گے۔ اور غلام آزاد کرنے والے کی جانب سے آزاد ہوگا۔ اور مال نہ ہو تو جتنا آزاد ہوا اتنا ہی آزاد ہوگا (ب) اسمعیل بن امیہ نے فرمایا کہ ان کے پاس غلام تھا جس کا نام طہمان تھا یا ذکوان تھا۔ پس اس کے دادا نے آدھا آزاد کیا۔ پس غلام حضور کے پاس آیا اور اس کی خبر دی تو آپؐ نے فرمایا جتنا آزاد کیا اتنا آزاد ہوگا۔ اور جتنا غلام رکھا اتنا غلام رہے گا۔ فرماتے ہیں کہ وہ موت تک اپنے آقا کی خدمت کیا کرتا تھا (ج) آپؐ نے فرمایا جس نے مملوک میں اپنا حصہ آزاد کیا اور اس کے مال میں اس کی چھٹکارے کی گنجائش ہے تو اس پر اس کا چھٹکارا لازم ہے۔ ورنہ تو اس کی قیمت لگائی جائے گی۔ اور غلام اس کی سعایت کر کے ادا کرے گا تا کہ اس کو مشقت نہ ہو (د) حضرت ابو ملیح فرماتے ہیں کہ اس کی قوم کے ایک آدمی نے اپنے غلام کا تہائی حصہ آزاد کیا۔ پس یہ معاملہ حضورؐ کے سامنے پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا اس کا پورا آزاد ہے اللہ میں شرکت نہیں ہے۔

[۲۲۰۳](۱۴)واذا كان العبد بين شريكين فاعتق احدهما نصيبه عتق فان كان موسرا فشريكه بالخيار ان شاء اعتق وان شاء ضمن شريكه قيمة نصيبه وان شاء استسعى العبد.

[۲۲۰۴](۱۵)وان كان المعتق معسرا فالشريك بالخيار ان شاء اعتق نصيبه وان شاء

[۲۲۰۳](۱۴)اور اگر غلام دوشریکوں کے درمیان ہو پھر ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کیا تو اس کا حصہ آزاد ہوگا۔ پس اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس کے شریک کو اختیار ہے اگر چاہے تو آزاد کرے اور چاہے تو اس کے شریک کو ضامن بنائے اپنے حصے کی قیمت کا اور چاہے تو غلام سے سعایت کرائے۔

تشریح غلام دوشریکوں کے درمیان مثلا آدھا آدھا تھا۔ ایک نے اپنا آدھا حصہ آزاد کر دیا اور آزاد کرنے والا مالدار ہے تو اس صورت میں دوسرے شریک کو تین اختیارات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنا حصہ آزاد کر دے کیونکہ اس پر اس کی ملکیت ہے۔ دوسرا اختیار یہ ہے کہ شریک کو اپنے حصے کی قیمت کا ضامن بنادے اور اس سے اس کی قیمت لے لے۔ کیونکہ وہ مالدار ہے اور اس نے آزاد کر کے غلام میں نقص ڈالا ہے۔ اور تیسرا اختیار یہ ہے کہ خود غلام سے اپنے حصے کی سعایت کروالے۔ اور غلام سے کام کروا کر اپنے حصے کی قیمت وصول کر لے۔

وجہ یہ تینوں اختیارات اس لئے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے اصول کے مطابق جتنا آزاد کیا اتنا آزاد ہوا اور جتنا آزاد نہیں کیا اتنا ابھی تک غلام باقی ہے۔ لیکن چونکہ شریک نے آزاد کر کے غلام میں آزادگی کا شائبہ لایا جو نقص ہے اور وہ مالدار بھی ہے کہ غلام کے باقی حصے کی قیمت ادا کر سکتا ہے اس لئے اس سے اپنی قیمت وصول کر لے (۲) اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله من اعتق شركا له في مملوك فعليه عتقه كله ان كان له مال يبلغ ثمنه فان لم يكن له مال يقوم عليه قيمة عدل على المعتق فاعتق منه ما اعتق (الف) (بخاری شریف، باب اذا اعتق عبدا بین اثنین اوامۃ بین الشرکاء ص ۳۴۲ نمبر ۲۵۲۳، مسلم شریف، باب من اعتق شرکا لہ فی عبد ص ۴۹۱ نمبر ۱۵۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس سے اپنے حصے کا ضمان لے سکتا ہے۔

اور تیسرا اختیار یہ بھی ہے کہ اپنے حصے کی غلام سے سعی کروالے۔

وجہ کیونکہ اس کے آزاد کرنے سے پورا غلام آزاد نہیں ہوا ہے۔ اور غلام کو آزاد ہونا ہے تو وہ اپنی قیمت سعایت کر کے ادا کرے۔

[۲۲۰۴](۱۵) اور اگر آزاد کرنے والا تنگ دست ہے تو شریک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اپنا حصہ آزاد کرے اور اگر چاہے تو غلام سے سعایت کرائے یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح اگر آزاد کرنے والا تنگ دست ہے تو اس سے اپنے حصے کی قیمت نہیں لے سکے گا۔ اس لئے دوسرے شریک کو اب صرف دو اختیارات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنا حصہ آزاد کر دے اور دوسرا یہ کہ غلام سے اپنے حصے کی سعایت کرائے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے شرکت کے غلام کو آزاد کیا تو اس پر پورے غلام کو آزاد کرنا ہے اگر اس کے پاس اتنا مال ہو جو اس کی قیمت کو پہنچ سکے۔ اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو آزاد کرنے والے پر انصاف والی قیمت لگائی جائے گی اور جتنا آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہوگا۔

استسعی العبد وھذا عند ابی حنیفة رحمه الله[۲۲۰۵] (۱۶)وقال ابو یوسف و محمد رحمھما الله تعالی لیس له الا الضمان مع الیسار والسعایة من الاعسار.

ترجمہ آزاد کرنے والے کے پاس رقم ہے نہیں اس لئے شریک کے حصے کی قیمت اس پر ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی ھریرۃؓ ان النبی ﷺ قال من اعتق نصیبا او شقصا فی مملوک فخلاصه علیه فی ماله ان کان له مال والا قوم علیه فاستسعی به غیر مشقوق علیه (الف) (بخاری شریف، باب اذا اعتق نصیبا فی عبد ولیس له مال استسعی العبد غیر مشقوق علیه ص ۳۴۳ نمبر ۲۵۲۷، مسلم شریف، باب ذکر سعایة العبد ص ۴۹۱ نمبر ۱۵۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے والا مالدار نہ ہو تو غلام اپنی قیمت کی سعایت کرے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے۔

[۲۲۰۵] (۱۶) اور امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ نے فرمایا کہ شریک کے لئے نہیں ہے مگر تاوان مالداری کی صورت میں اور سعایت تنگ دستی کی صورت میں

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو شریک کو ایک ہی اختیار ہے کہ مالدار سے اپنے حصے کی قیمت لے لے۔ اس صورت میں غلام سے سعایت کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ ان کے اصول کے مطابق آزاد کرنے والے کے آزاد کرتے ہی پورا غلام آزاد ہو گیا۔ کیونکہ ان کے یہاں آزادگی میں تجزی اور ٹکڑا پن نہیں ہے۔ اس لئے گویا کہ پورا غلام آزاد کرنے والے کی جانب سے آزاد ہو گیا۔ اس لئے شریک کے لئے ایک ہی اختیار ہے کہ آزاد کرنے والے سے اپنے حصے کی قیمت وصول کرے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ من اعتق شرکا له فی مملوک فعلیه عتقه کله ان کان له مال یبلغ ثمنه فان لم یکن له مال یقوم علیه قیمة عدل علی المعتق فاعتق منه ما اعتق (ب) (بخاری شریف، باب اذا اعتق عبدا بین اثنین او امة بین الشرکاء ص ۳۴۳ نمبر ۲۵۲۳، مسلم شریف، باب من اعتق شرکا له فی عبد ص ۴۹۱ نمبر ۱۵۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آزاد کرنے والے کے پاس مال ہو تو اس سے اپنے حصے کا تاوان وصول کرے گا۔

اور اگر آزاد کرنے والا تنگ دست ہو تو غلام سے سعایت کرائے گا۔ اس کی دلیل اوپر کی حدیث والا قوم علیه فاستسعی به غیر مشقوق علیه (ج) (بخاری شریف، نمبر ۲۵۲۷، مسلم شریف، نمبر ۱۵۰۳) اس حدیث میں ہے کہ آزاد کرنے والا تنگ دست ہو تو غلام سے سعایت کرالے۔

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا مملوک میں سے جس نے اپنا حصہ آزاد کیا تو اس کے مال سے اس کا چھٹکارا دلانا ضروری ہے اگر اس کے پاس مال ہے۔ اور اگر مال نہیں ہے تو اس کی قیمت لگائی جائے گی۔ غلام اس کی سعایت کرے گا جو اس پر مشقت نہ ہو (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے مملوک میں شرکت والے حصے کو آزاد کیا تو اس پر آزاد کرنا ہے اگر اس کے پاس اتنا مال ہو جو قیمت کو پہنچ سکے۔ اور اگر مال نہ ہو تو آزاد کرنے والے پر انصاف والی قیمت لگائی جائے، اور جتنا آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہو گا (ج) اگر آزاد کرنے والے کے پاس مال نہ ہو تو غلام سعایت کرے گا تا کہ اس پر مشقت نہ ہو۔

[۲۲۰۶](۱۷)واذا اشتری رجلان ابن احدهما عتق نصیب الاب ولا ضمان علیه وکذلک اذا ورثاه والشریک بالخیار ان شاء اعتق نصیبه وان شاء استسعی العبد

[۲۲۰۷](۱۸)واذا شهد کل واحد من الشریکین علی الآخر بالحریة سعی العبد لکل

[۲۲۰۶](۱۷)اگر دو آدمیوں نے ان میں سے ایک کے بیٹے کو خریدا تو باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا۔اور باپ پر ضمان نہیں ہے۔ایسے ہی اگر غلام کے وارث ہوئے ہوں۔پس شریک کو اختیار ہے چاہے اپنا حصہ آزاد کر دے اور چاہے تو غلام سے سعایت کرالے۔

تشریح دو آدمیوں نے مل کر ایک غلام خریدا جوان دو آدمیوں میں سے ایک کا بیٹا تھا۔چونکہ وہ اپنے بیٹے کے آدھے حصے کا مالک بنا اس لئے حدیث من ملک ذا رحم محرم فھو حر (ابوداؤد شریف، نمبر ۳۹۴۹، ترمذی شریف، نمبر ۱۳۶۵) کی وجہ سے غلام کا آدھا حصہ جو باپ کا تھا آزاد ہو گیا تو اس صورت میں دوسرا شریک باپ سے اپنے حصے کا ضمان نہیں لے سکتا ہے۔

وجہ باپ نے خود آزاد نہیں کیا بلکہ ذی رحم کے مالک ہونے کی وجہ سے خود بخود آزاد ہوا ہے۔تو چونکہ باپ کی غلطی نہیں ہے اس لئے اس سے ضمان نہیں لے گا۔اب یا تو شریک اپنا حصہ آزاد کرے یا پھر غلام سے سعایت کرالے(۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔عن سالم عن ابیه عن النبی ﷺ قال من اعتق عبدا بین اثنین فان کان موسرا قوم علیه ثم یعتق (الف) بخاری شریف، باب اذا اعتق عبدا بین اثنین او امة بین الشرکاء ص ۳۴۳ نمبر ۲۵۲۱، مسلم شریف، باب من اعتق شرکا له فی عبد ص ۴۹۱ نمبر ۱۵۰۱) اس حدیث میں ہے کہ آزاد کیا ہو تو اس پر ضمان ہوگا۔یہاں آزاد کیا نہیں بلکہ قرابت کی وجہ سے خود بخود آزاد ہو گیا اس لئے باپ پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

اسی طرح ایک آدمی نے غلام خریدا بعد میں اس کے آدھے حصہ کا رشتہ دار وارث بن گیا جس کی وجہ سے اس کا آدھا حصہ آزاد ہو گیا تو شریک اپنے حصے کی قیمت اس وارث سے وصول نہیں کر سکتا۔کیونکہ وارث نے جان بوجھ کر آزاد نہیں کیا ہے بلکہ موت کی وجہ سے خود بخود وارث ہوا اور ذی رحم محرم کے مالک ہونے کی وجہ سے خود بخود آزاد بھی ہو گیا۔اس لئے اس کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ وارث ہونے کی شکل میں تو وارث ضامن نہیں ہوگا لیکن باپ کے خریدنے کی شکل میں باپ شریک کے حصے کا ضامن ہوگا۔

وجہ باپ جانتا تھا کہ میرے خریدنے سے بیٹا آزاد ہوگا۔اس کے باوجود اپنے بیٹے کو خریدا تو گویا کہ جان بوجھ کر شریک کو نقصان دیا اس لئے باپ ضامن ہوگا۔

[۲۲۰۷](۱۸)گر دو شریکوں میں سے ہر ایک نے دوسرے پر آزاد کرنے کی گواہی دی تو غلام دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ان کے حصوں میں سعایت کرے گا دونوں مالدار ہوں یا تنگ دست امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان تھا مثلا زید کا آدھا حصہ تھا اور خالد کا آدھا حصہ تھا۔اب زید نے گواہی دی کہ خالد نے اپنا حصہ آزاد

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے دو آدمیوں کے درمیان غلام کو آزاد کیا۔پس اگر وہ مالدار ہے تو اس پر قیمت لگائی جائے گی پھر پورا غلام آزاد ہوگا۔

واحد منهما فی نصيبه موسرين كانا او معسرين عند ابی حنيفة رحمه الله تعالى [۲۲۰۸] (۱۹) وقالا ان كانا معسرين سعی لهما [۲۲۰۹] (۲۰) واذا كانا موسرين فلا سعاية وان

کر دیا ہے اور خالد نے گواہی دی کہ زید نے اپنا آدھا حصہ آزاد کر دیا ہے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔ اور زید کے حصے کی بھی سعایت کرے گا اور خالد کے حصے کے بھی سعایت کرے گا۔ چاہے دونوں مالدار ہوں یا تنگدست ہوں۔

وجہ جب زید کہہ رہا ہے کہ خالد کا حصہ آزاد ہے اور وہ انکار کر رہا ہے تو زید کے ذہن میں ہے کہ خالد کا حصہ آزاد ہو گیا لیکن وہ انکار کر رہا ہے اس لئے زید خالد سے ضمان نہیں لے سکے گا تو آخری درجہ یہی رہ گیا کہ غلام سے سعایت کروالے یا اپنا حصہ بھی آزاد کر دے۔ یہی حال خالد کا بھی ہے کہ وہ گواہی دے رہا ہے کہ زید نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے اور وہ انکار کر رہا ہے۔ اس لئے خالد کے ذہن میں ہے کہ زید کا حصہ آزاد ہو گیا لیکن زید پر ضمان نہیں ڈال سکتا کیونکہ وہ انکار کر رہا ہے۔ اس لئے یہی صورت باقی رہ گئی کہ غلام سے سعایت کروالے۔ اور گویا کہ غلام مکاتب بن گیا اور مکاتب غلام کا آقا مالدار ہو یا تنگ دست دونوں آقاؤں کو مال کتابت کما کر ادا کرتا ہے۔ اس لئے یہاں بھی آقا کو سعایت کر کے دے گا چاہے دونوں آقا مالدار ہو یا تنگدست۔ اثر میں ہے۔ **عن حماد فی عبد بین رجلین شهد احدهما علی الآخر انه اعتقه وانكر الآخر قال ان كان الشهود عليه موسرا سعی له العبد وان كان معسرا سعی لهما جميعا** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب العبد بین الرجلین یشهد احدھما علی الآخر بالعتق ج تاسع ص ۱۲۶ نمبر ۱۶۷۷۶)

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شریک کے انکار کی وجہ سے اس پر ضمان لازم نہیں کر سکتا اس لئے آخری صورت یہ ہے کہ سعایت کرائیگا۔

[۲۲۰۸] (۱۹) اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر دونوں مالدار ہوں تو کسی کے لئے سعایت نہیں کرے گا۔ اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو دونوں کے لئے سعایت کرے گا۔

تشریح دونوں شریکوں نے گواہی دی کہ دوسرے نے آزاد کیا ہے تو صاحبین کے نزدیک اگر دونوں مالدار ہیں تو کسی کے لئے سعایت نہیں کرے گا۔

وجہ اگر دونوں مالدار ہوں اور گواہی دیں کہ دوسرے نے آزاد کیا تو گویا کہ یہ کہا کہ غلام پر سعایت نہیں ہے۔ کیونکہ صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس پر ضمان لازم ہوتا ہے غلام پر سعایت لازم نہیں ہوتی۔ اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو دونوں کے لئے سعایت لازم ہے کیونکہ تنگ دست ہونے کی صورت میں آزاد کرنے والے پر ضمان لازم نہیں ہے بلکہ غلام پر سعایت لازم ہے۔

[۲۲۰۹] (۲۰) اور اگر دونوں میں سے ایک مالدار ہو اور دوسرا تنگدست ہو تو مالدار کے لئے سعی کرے گا اور تنگ دست کے لئے سعی نہیں کریگا۔

وجہ مالدار نے جب کہا کہ تنگدست نے آزاد کیا تو گویا کہ اس نے کہا کہ غلام پر سعایت ہے۔ کیونکہ تنگ دست آزاد کرے تو غلام پر سعایت ہے تنگ دست پر ضمان نہیں ہے۔ اس لئے خود مالدار کے لئے سعایت کرے گا۔ اور تنگ دست نے جب کہا کہ مالدار نے آزاد کیا ہے تو گویا

حاشیہ : (الف) حضرت حماد سے روایت ہے کہ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان ہو۔ ایک نے دوسرے پر گواہی دی کہ اس نے آزاد کر دیا اور دوسرے نے انکار کر دیا۔ فرمایا کہ مشہود علیہ مالدار ہو تو غلام اس کے لئے سعایت کرے گا اور اگر تنگدست ہو تو دونوں کے لئے سعایت کرے گا۔

کان احدهما موسرا والآخر معسرا سعی للموسر ولم یسع للمعسر [۲۲۱۰] (۲۱) ومن اعتق عبده لوجه الله تعالی او للشیطان او للصنم عتق [۲۲۱۱] (۲۲) وعتق المکرہ و

کہ کہا غلام پر سعایت نہیں ہے۔ کیونکہ صاحبین کے نزدیک مالدار آزاد کرے تو مالدار پر ضمان ہے غلام پر سعایت نہیں ہے۔ اس لئے خود تنگ دست کے لئے سعایت نہیں کرے گا۔ اور چونکہ شریک آزاد کرنے کا انکار کر رہا ہے اس لئے اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

لغت موسر : مالدار، معسر : تنگدست۔

[۲۲۱۰] (۲۱) کسی نے اپنے غلام کو اللہ کے لئے آزاد کیا یا شیطان کے لئے یا بت کے لئے آزاد کیا تو آزاد ہو جائے گا۔

تشریح کسی نے اللہ کے لئے غلام آزاد کیا تو آزاد ہو جائے گا۔ اور شیطان کے لئے آزاد کیا تو ایسا کرنا اگرچہ اچھا نہیں ہے یا بت کے لئے آزاد کیا تو ایسا کرنا اچھا نہیں ہے لیکن آزادگی واقع ہو جائے گی۔

وجہ ان الفاظ میں آزادگی کے الفاظ پائے گئے۔ اس لئے آزاد ہو جائے گا۔ اور شیطان یا بت کے الفاظ اضافی ہیں اور زائد ہیں اس لئے ان سے کوئی فرق نہیں پڑے گا (۲) اللہ کے لئے آزاد کرنے کی حدیث یہ ہے۔ لما اقبل ابو ہریرۃؓ ومعہ غلامہ وھو یطلب الاسلام فضل احدھما صاحبہ بھذا وقال اما انی اشھدک انہ للہ (الف) (بخاری شریف، باب اذا قال لعبدہ ھو للہ ونوی العتق والاشھاد بالعتق ص ۳۴۳ نمبر ۲۵۳۲) اس حدیث میں اللہ کے لئے آزاد کیا گیا ہے۔

[۲۲۱۱] (۲۲) زبردستی کئے گئے اور نشہ میں مست کا آزاد کرنا واقع ہو جاتا ہے۔

تشریح ایک آدمی پر زبردستی کی کہ تم اپنے غلام کو آزاد کرو۔ اس نے قتل یا مار سے مجبور ہو کر غلام آزاد کر دیا تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ اسی طرح آدمی نشہ میں مست تھا اور غلام آزاد کر دیا تو غلام آزاد ہو جائے گا۔

وجہ آزاد کرنے کا مسئلہ بھی طلاق کی طرح ہے۔ جس طرح زبردستی کر کے طلاق دلائے یا نشہ میں مست ہو کر طلاق دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے اسی طرح زبردستی کر کے آزاد کرائے یا نشہ میں مست ہو کر آزاد کرے تو آزاد ہو جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الطلاق علی الھزل ص ۳۰۶ نمبر ۲۱۹۴، ترمذی شریف، باب ماجاء فی الجد والھزل ص ۲۲۵ نمبر ۱۱۸۴) مصنف ابن ابی شیبۃ میں اس کی صراحت ہے۔ عن ابی درداء قال ثلاث لا یلعب بھن النکاح والعتاق والطلاق (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۲، من قال لیس فی الطلاق والعتاق لعب وقال ھو لہ لازم ج رابع، ص ۱۱۹ نمبر ۱۸۳۹۶) اس حدیث میں ہے کہ مذاق سے بھی طلاق دے تو واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مذاق سے بھی آزاد کرے تو واقع ہو جائے گی۔ اور زبردست والا اور نشہ میں مست کا بھی درجہ مذاق والے کی طرح ہے۔ اس لئے اس سے بھی آزادگی واقع

حاشیہ : (الف) جب حضرت ابو ہریرہ تشریف لا رہے تھے اور ان کے ساتھ غلام تھا اور وہ اسلام لانا چاہتا تھا۔ اس دوران ایک دوسرے سے گم ہو گئے۔ اور حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ اللہ کے لئے آزاد ہے (ب) آپؐ نے فرمایا تین چیزیں حقیقت بھی حقیت ہیں اور ان کا مذاق بھی حقیقت ہیں، نکاح، طلاق اور رجعت۔

السکران واقع[۲۲۱۲] (۲۳)واذا اضاف العتق الی ملک او شرط صح کما یصح فی الطلاق [۲۲۱۳](۲۴)واذا خرج عبد الحربی من دار الحرب الینا مسلما عتق.

ہوجائے گی (۳) اثر میں ہے۔ عن ابراهیم قال طلاق المکره جائز انما هو شئی افتدی به نفسه (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۸ من کان یری طلاق المکرہ جائزا ج رابع ،ص ۸۵ نمبر ۱۸۰۳۵، مصنف عبد الرزاق، باب طلاق المکرہ ج سادس ص ۴۱۰ نمبر ۱۱۴۱۹/۱۱۴۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زبردستی کی طلاق واقع ہوجاتی ہے تو اسی پر قیاس کرکے زبردستی کرکے آزادگی دلوائے تو واقع ہوجائے گی۔ اور یہی حال نشہ میں مست والے کا ہے۔ تفصیل کتاب الطلاق مسئلہ نمبر ۳۵ اور ۳۶ پر دیکھیں۔

[۲۲۱۲] (۲۳) اگر عتق کو ملک یا شرط کی طرف منسوب کیا تو صحیح ہے جیسے طلاق میں صحیح ہے۔

تشریح یہ مسئلہ بھی طلاق کی طرح ہے مثلا یوں کہے کہ اگر میں فلاں غلام کا مالک بنوں تو وہ آزاد تو چونکہ ملکیت کی طرف آزادگی کو منسوب کیا اس لئے مالک ہونے کے بعد آزاد ہوجائے گا اور یہ معلق کرنا بھی صحیح ہوگا۔ اور شرط کی شکل یہ ہے کہ کہے اگر تم گھر میں داخل ہوئے تو تم آزاد ہو۔ پس اگر وہ گھر میں داخل ہوگا تو آزاد ہوجائے گا۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ ان رجلا اتی عمر بن الخطاب فقال کل امرأة اتزجها فهی طالق ثلاثا فقال له عمر فهو کما قلت (نمبر ۱۱۴۷۴) وعن ابراهیم قال اذا وقت امرأة او قبیلة جاز واذا عم کل امرأة فلیس بشیء (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الطلاق قبل النکاح ج سادس ۴۲۱ نمبر ۱۱۴۷۱) اس اثر میں ہے کہ طلاق کو نکاح کی طرف منسوب کیا پھر نکاح کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ اسی پر قیاس کرکے آزادگی کو ملکیت پر موقوف کیا پھر غلام کا مالک بنا تو غلام آزاد ہوجائے گا۔

اور شرط پر معلق کرے تو شرط پانے پر آزادگی ہوگی بشرطیکہ شرط لگاتے وقت غلام شرط لگانے والے کی ملکیت میں ہو۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الحسن قال اذا قال انت طالق اذا کان کذا و کذا والامر لایدری ایکون ام لا. فلیس بطلاق حتی یکون ذلک (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الطلاق الی اجل ج سادس ص ۳۸۷ نمبر ۱۱۳۱۵، مصنف ابن ابی شیبۃ ۹ فی الرجل یقول لامرأته ان دخلت هذه الدار فانت طالق فتدخل ولا یعلم ج رابع ،ص ۶۲ نمبر ۱۷۷۸۱، سنن للبیہقی، باب الطلاق بالوقت والفعل ج سابع ،ص ۵۸۳، نمبر ۱۵۰۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آزادگی کو شرط پر معلق کرنا جائز ہے اور شرط پائی جائے گی تو آزادگی واقع ہوگی۔

[۲۲۱۳] (۲۴) اگر حربی کا غلام دار الحرب سے دار الاسلام آیا مسلمان ہوکر تو آزاد ہوجائے گا۔

تشریح حربی کا غلام مسلمان ہوکر دار الاسلام آیا تو وہ اب غلام نہیں رہے گا بلکہ آزاد ہوجائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم کا قول ہے۔ فرمایا زبردستی کئے ہوئے کی طلاق واقع ہے۔ گویا کہ اس نے اپنی جان کے بدلے میں فدیہ دیا (ب) ایک آدمی حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا جس عورت سے بھی شادی کروں اس کو تین طلاقیں۔ اس سے حضرت عمرؓ نے کہا ویسے ہی واقع ہوں گی۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر کسی عورت یا قبیلہ کو خاص کیا تو جائز ہے۔ اور اگر ہر عورت کو عام کردیا تو کچھ واقع نہیں ہوگی (ج) حضرت حسن نے فرمایا اگر کسی نے کہا تم کو طلاق ہے اگر ایسا ایسا ہوا اور معاملے کا پتا نہیں ہے کہ واقع ہوا یا نہیں تو طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک ایسا نہ ہوجائے۔

[۲۲۱۴](۲۵)واذا اعتق جارية حاملا عتقت وعتق حملها[۲۲۱۵] (۲۶)وان اعتق الحمل خاصة عتق ولم تعتق الام[۲۲۱۶] (۲۷)واذا اعتق عبده علی مال فقبل العبد عتق

وجہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کے کچھ غلام مکہ مکرمہ سے حضورؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا وہ اب آزاد ہیں۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن علی بن ابی طالب قال خرج عبدان الی رسول الله ﷺ یعنی یوم الحدیبیة قبل الصلح .....وابی ان یردھم وقال ھم عتقاء الله عزوجل (الف)(ابوداؤد شریف،باب فی عبید المشرکین یلحقون بالمسلمین فیسلمون ج۲ص۱۲انمبر۲۷۰۰)
اس حدیث میں ہے کہ مشرکین کا غلام دارالحرب سے بھاگ کر آجائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

نوٹ اگر مسلمان ہو کر نہ آئے تو وہ آزاد نہیں ہوگا۔

[۲۲۱۴](۲۵)اگر حاملہ باندی آزاد کی گئی تو وہ آزاد ہوگی اور اس کا حمل آزاد ہوگا۔

وجہ حمل باندی کے عضو کی طرح ہے اس لئے جب باندی آزاد ہوگی تو چاہے حمل کو آزاد کرنے کا انکار کیا ہو پھر بھی وہ آزاد ہو جائے گا(۲)اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ قال سفیان... واذا استثنی مافی بطنھا عتقت کلھا انما ولدھا کعضو منھا.واذا اعتق ما فی بطنھا ولم یعتقھا لم یعتق الا ما فی بطنھا(ب)(مصنف عبدالرزاق،باب الرجل یعتق امته ویستثنی مافی بطنھا والرجل یشتری ابنہ ج تاسع ص ۲۷انمبر۱۶۸۰۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ حمل باندی کے عضو کی طرح ہے اس لئے حمل کا استثناء بھی کرے تب بھی وہ آزاد ہو جائے گا۔

[۲۲۱۵](۲۶)اور اگر صرف حمل کو آزاد کیا تو وہ آزاد ہوگا اور ماں آزاد نہیں ہوگی۔

تشریح آقا نے صرف حمل آزاد کیا اور باندی کو آزاد نہیں کیا تو صرف حمل آزاد ہوگا اور باندی آزاد نہیں ہوگی۔

وجہ باندی اصل ہے اس لئے وہ حمل کے تابع نہیں ہوگی۔اس لئے حمل کے تابع ہو کر باندی آزاد نہیں ہوگی(۲)اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن ابراھیم قال اذا اعتق الرجل امته واستثنی ما فی بطنھا فله مااستثنی (ج)(مصنف عبدالرزاق،باب الرجل یعتق امته ویستثنی ما فی بطنھا ج تاسع ص ۲۷انمبر۱۶۸۰۰)اس اثر میں اگر چہ یہ ہے کہ باندی کو آزاد کرے اور حمل کا استثنی کرے تو جائز ہے۔لیکن اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ حمل کو آزاد کرے اور باندی کا انکار کرے تو جائز ہو جائے گا۔اوپر کے اثر میں تھا لم یعتق الا ما فی بطنھا (مصنف عبدالرزاق،نمبر۱۶۸۰۰)اس سے بھی معلوم ہوا کہ صرف حمل آزاد ہوگا۔

[۲۲۱۶](۲۷)اگر اپنے غلام کو مال کے بدلے آزاد کرے اور غلام قبول کرے تو آزاد ہو جائے گا اور اس کو مال لازم ہوگا۔

تشریح مولی نے کہا کہ مال کے بدلے آزاد کرتا ہوں اور غلام نے اس شرط کو قبول کر لیا تو غلام اسی وقت آزاد ہو جائے گا۔البتہ شرط کے مطابق

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن کچھ غلام نکل کر حضورؐ کے پاس آئے صلح سے پہلے.....حضورؐ نے انکار کیا کہ ان کو واپس کرے۔آپؐ نے فرمایا وہ اللہ عزوجل کے لئے آزاد ہیں(ب) حضرت سفیان نے فرمایا اگر جو کچھ باندی کے پیٹ میں ہے اس کا استثناء کرے تو تمام ہی آزاد ہوں گے۔اس لئے کہ اس کا بچہ باندی کے عضو کی طرح ہے۔اور اگر جو کچھ پیٹ میں ہے اس کو آزاد کیا اور باندی کو آزاد نہیں کیا تو جو پیٹ میں ہے وہی آزاد ہوگا(ج) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر آدمی اپنی باندی کو آزاد کرے اور اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کا استثناء کرے تو اس کے لئے وہ ہوگا جس کا استثناء کیا۔

فاذا قبل صار حرا ولزمه المال[۲۲۱۷](۲۸)ولو قال ان اديت الى الفا فانت حر صح ولزمه المال وصار ماذونا[۲۲۱۸](۲۹)فان احضر المال اجبر الحاكم المولى على قبضه وعتق العبد.

غلام پر مال لازم ہوگا۔

وجہ آزاد تو اس لئے ہوگا کہ آقا نے مال کے بدلے آزاد کیا۔اور مال اس لئے لازم ہوگا کہ آزاد ہونے کی یہ شرط تھی اور غلام نے اس کو قبول کیا ہے(۲) حدیث میں ہے کہ خدمت کی شرط پر غلام آزاد کیا تو وہ آزاد ہوا اور خدمت لازم ہوئی۔حدیث یہ ہے۔**عن سفينة قال كنت مملوكا لام سلمة فقالت اعتقک واشترط عليک ان تخدم رسول الله ماعشت فقلت وان لم تشترطي على ما فارقت رسول الله ﷺ ماعشت فاعتقني واشترطت علي** (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی العتق علی شرط ج ۲ ص ۱۹۳ نمبر ۳۹۳۲)(۳) اثر میں ہے۔**اعتق عمر بن الخطاب كل مسلم من رقيق الاماره وشرط انكم تخدمون الخليفة من بعدي بثلاث سنين** (مصنف عبدالرزاق، باب العتق بالشرط ج تاسع ص ۱۶۷ نمبر ۱۶۷۷۹) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ مال کی شرط پر آزاد کرسکتا ہے۔کیونکہ حدیث اور اثر میں خدمت کی شرط پر غلام آزاد کیا ہے۔

[۲۲۱۷](۲۸) اگر آقا نے کہا اگر تم مجھے ہزار ادا کرو تو تم آزاد ہو تو صحیح ہے اور اس غلام کو مال لازم ہوگا اور غلام ماذون التجارۃ ہوگا۔

تشریح اس مسئلہ میں آزادگی کو مال ادا کرنے پر معلق کیا ہے اس لئے جب تک مال ادا نہیں کرے گا اس وقت تک غلام آزاد نہیں ہوگا۔البتہ چونکہ مال ادا کرنے کی شرط لگائی ہے اس لئے اس کو تجارت کرنے کی اجازت ہوگی تاکہ مال کما کر آقا کو ادا کر سکے۔

وجہ اثر میں ہے۔**سمعت ابا حنيفة سئل عن رجل قال لغلامه اذا اديت الى مائة دينار فانت حر.قال فاداها فهو حر** (ب)(مصنف عبدالرزاق، باب العتق بالشرط ج تاسع ص ۱۶۹ نمبر ۱۶۷۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مال ادا کرنے پر غلام آزاد ہوگا۔

[۲۲۱۸](۲۹) پس اگر غلام نے مال حاضر کیا تو حاکم آقا کو قبضہ کرنے پر مجبور کرے گا اور غلام آزاد ہوگا۔

تشریح غلام نے مال حاضر کر دیا اور آقا نہیں لینا چاہتا ہے تو حاکم اس کو لینے پر مجبور کرے گا۔

وجہ شرط کے مطابق آقا کو مال لے لینا چاہئے اور شرط کے خلاف کیا تو حاکم شرط پوری کرنے پر مجبور کرے گا۔

فائدہ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ حاکم آقا کو مال لینے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**عن الثوری قال اذا قال لعبده اذا اديت الى الف درهم فانت حر ثم بدا له ان لا يقبل منه**

حاشیہ : (الف) حضرت سفینہ فرماتے ہیں میں ام سلمہ کا غلام تھا انہوں نے کہا میں تم کو آزاد کرتی ہوں اور تم پر شرط لگاتی ہوں کہ زندگی بھر تم حضور کی خدمت کروگے۔میں نے کہا اگر شرط نہ بھی لگاؤ تب بھی زندگی بھر میں حضور کو نہیں چھوڑوں گا۔پس انہوں نے مجھے آزاد کیا اور مجھ پر شرط لگائی (ب) امام ابوحنیفہؒ سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا جس نے اپنے غلام سے کہا اگر تم مجھے سو دینار ادا کر دو تو تم آزاد ہو۔فرمایا اس نے ادا کر دیا تو وہ آزاد ہے۔

[۲۲۱۹] (۳۰) وولد الامة من مولاها حر [۲۲۲۰] (۳۱) وولدها من زوجها مملوک لسیدها [۲۲۲۱] (۳۲) وولد الحرة من العبد حر.

شیئا کان ذلک للسید (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب العتق بالشرط ج تاسع ص ۱۷۱ نمبر ۱۶۷۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آقا کو حق ہے کہ غلام کا مال قبول نہ کرے۔

[۲۲۱۹] (۳۰) باندی کا بچہ اپنے آقا سے آزاد ہوگا۔

تشریح آقا نے اپنی باندی سے صحبت کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ آقا کا بیٹا ہوگا اس لئے وہ بچہ آزاد ہوگا۔ بلکہ اس کی آزادگی کی وجہ سے ماں بھی ام ولد بن جائے گی اور ماں آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔

وجہ والد بچے کا مالک بن جائے گا کیونکہ باندی کا آقا وہی ہے اور بچے کا مالک بنا تو حدیث من ملک ذا رحم محرم فھو حر (ب) (ابوداؤد شریف، باب فیمن ملک ذا رحم محرم ج ۲ ص ۱۹۴ نمبر ۳۹۴۹، ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ملک ذا رحم محرم ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۵) اس حدیث کی بنا پر بیٹا باپ پر آزاد ہو جائے گا۔

[۲۲۲۰] (۳۱) اور باندی کا بچہ اپنے شوہر سے اس کے آقا کا مملوک ہوگا۔

تشریح آقا نے اپنی باندی کی شادی کسی آدمی سے کرائی چاہے وہ آدمی آزاد ہو یا غلام۔ اس آدمی سے باندی کو بچہ ہوا تو اس بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوگا لیکن بچہ باندی کے تابع ہو کر آقا کا غلام ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے کہ مدبرہ اور مکاتبہ کا بچہ ماں کے تابع ہو کر غلام اور باندی بنے گا۔ اثر میں ہے۔ عن ابن عمر قال ولد المدبرة یعتقون بعتقھا ویرقون برقھا (ج) (دار قطنی، کتاب المکاتب، ج رابع ص ۷۷ نمبر ۴۲۱۳، سنن للبیہقی، باب ماجاء فی ولد المدبرة من غیر سیدھا بعد تدبیرھا ج عاشر ص ۵۳۱ نمبر ۲۱۵۸۴) (۲) اثر میں ہے۔ عن علیؓ قال ولدھا بمنزلتھا یعنی المکاتبة (سنن للبیہقی، باب ولد المکاتب من جاریتہ وولد المکاتبۃ من زوجھا ج عاشر ص ۵۶۰ نمبر ۲۱۶۹۹) اس اثر سے بھی معلوم ہوا مکاتبہ کا بچہ مکاتبہ کے درجے میں ہے اسی طرح باندی کا بچہ غلام ہوگا۔

[۲۲۲۱] (۳۲) آزاد عورت کا بچہ غلام سے آزاد ہوگا۔

تشریح آزاد عورت نے غلام سے شادی کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ ماں کے تابع ہو کر آزاد ہوگا۔ اگرچہ نسب غلام باپ سے ثابت ہوگا۔

وجہ اوپر اثر گزرا کہ بچہ ماں کے تابع ہو کر جو حال ماں کا ہوگا وہی حال بچے کا ہوگا۔ اور چونکہ ماں آزاد ہے اس لئے بچہ بھی آزاد ہوگا۔ عن

حاشیہ : (الف) حضرت ثوری نے فرمایا اگر اپنے غلام سے کہا کہ مجھے ہزار ادا کرو تو تم آزاد ہو پھر خیال آیا کہ اس سے کچھ نہ لے تو آقا کو یہ حق ہے۔ (ب) اگر ذی رحم محرم کا مالک بنے تو وہ ذی رحم محرم آزاد ہو جائے گا (ج) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مدبرہ کی اولاد اس کے آزاد ہونے سے آزاد ہوگی اور ماں کی باندی ہونے سے غلام رہے گی۔

عليؓ قال ولدها بمنزلتها يعني المكاتبة (الف)(سنن للبیہقی ، باب ولد المكاتب من جاریۃ وولد المكاتبة من زوجہا ج عاشر ص ٣٣٣ نمبر ٢١٦٩٩)



حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا مکاتبہ باندی کی اولاد اسی کے درجے میں ہے یعنی مکاتبہ ہوگی۔

﴿ باب التدبیر ﴾

[۲۲۲۲](۱)اذا قال المولی لمملوکه اذا متُّ فانت حر او انت حر عن دبر منی او انت مدبر او قد دبَّرتک فقد صار مدبرا [۲۲۲۳](۲)لا یجوز بیعه ولا هبته.

﴿ باب التدبیر ﴾

ضروری نوٹ مدبر کا مطلب یہ ہے کہ آقا کہے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں غلام یا باندی آزاد ہے تو اس کو مدبر کہتے ہیں۔ دبر کے معنی ہیں بعد میں۔ چونکہ مرنے کے بعد آزاد کیا اس لئے اس کو مدبر کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال اعتق رجل منا عبدا له عن دبر فدعا النبی ﷺ فباعه قال جابر مات الغلام عام اول (الف) (بخاری شریف، باب بیع المدبر ص ۳۴۴ نمبر ۲۵۳۴، ابوداؤد شریف، باب فی بیع المدبر ص ۱۹۵ نمبر ۳۹۵۵) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال المدبر لا یباع ولا یوھب وھو حر من الثلث (ب) (دار قطنی، کتاب المکاتب ج رابع ص ۷۸ نمبر ۴۲۲۰) اس دونوں حدیثوں سے مدبر بنانے کا ثبوت ہے۔

[۲۲۲۲](۱) اگر آقا نے اپنے مملوک سے کہا جب میں مروں تو تم آزاد ہو یا تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو یا تم مدبر ہو یا میں نے تم کو مدبر بنادیا تو وہ مدبر ہو جائے گا۔

تشریح یہ سب الفاظ صریح طور پر مدبر بنانے کے ہیں۔ مثلا یوں کہے کہ جب میں مر جاؤں تو تم آزاد ہو تو ان الفاظ سے صراحت کے طور پر مدبر بنایا ہوا۔ ان سے غلام مدبر ہو جائے گا۔

[۲۲۲۳](۲) نہیں جائز ہے مدبر کو بیچنا اور نہ اس کو ہبہ کرنا۔

تشریح جب غلام کو مدبر بنادیا تو اب اس کو بیچنا اور اس کو ہبہ کرنا یا اپنی ملکیت سے نکالنا جائز نہیں ہے صرف آزاد کر سکتا ہے۔

وجہ اوپر حدیث میں ہے۔ عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قال المدبر لا یباع ولا یوھب وھو حر من الثلث (دار قطنی، کتاب المکاتب ج رابع ص ۷۸ نمبر ۴۲۲۰، سنن للبیہقی، باب من قال لا یباع المدبر ج عاشر، ص ۵۲۹ نمبر ۲۱۵۷۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ آزاد ہے اس کو نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے (۲) اس میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے اس لئے بیچ کر اس کو ختم نہیں کر سکتا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مدبر کو بیچ سکتا ہے۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال اعتق رجل منا عبدا له عن دبر فدعا النبی ﷺ فباعه (ج)

حاشیہ : (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ایک آدمی نے اپنے غلام کو مدبر بنایا تو حضورؐ نے ان کو بلایا اور غلام کو بیچ دیا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ غلام پہلے سال میں انتقال کر گیا (ب) آپؐ نے فرمایا مدبر نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے وہ تہائی مال میں سے آزاد ہے (ج) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ایک آدمی نے اپنے غلام کو مدبر بنایا تو حضورؐ نے اس کو بلایا اور اس کو بیچا۔

[۲۲۲۴] (۳)وللمولی ان یستخدمه ویواجره وان کانت امة فله ان یطأها وله ان یزوجها[۲۲۲۵] (۴)واذا مات المولی عتق المدبر من ثلث ماله ان خرج من الثلث فان

(بخاری شریف، باب بیع المدبر ص ۳۴۴ نمبر ۲۵۳۴، ابوداؤد شریف، باب فی بیع المدبر ص ۱۹۵ نمبر ۳۹۵۵) اس حدیث میں ہے کہ مدبر کو بیچا اس لئے مدبر کو بیچنا جائز ہے۔

[۲۲۲۴] (۳) اور آقا کے لئے جائز ہے کہ مدبر سے خدمت لے اور اس کو اجرت پر رکھے۔ اور باندی ہو تو اس سے صحبت کر سکتا ہے۔ اور اس کے لئے جائز ہے کہ مدبرہ کی شادی کرائے۔

تشریح مدبر غلام آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہوگا ابھی تو وہ غلام ہی ہے اس لئے اس کے آقا کے لئے جائز ہے کہ مدبر سے خدمت لے۔ اس کو اجرت پر رکھے۔ باندی ہو تو اس سے صحبت کرے یا باندی کی شادی دوسرے سے کرا دے۔

وجہ وہ غلام اور باندی ابھی بھی ہیں۔ آزاد آقا کے مرنے کے بعد ہوں گے اس لئے ابھی ان کے ساتھ غلام باندی کا معاملہ کر سکے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال رسول اللہ ﷺ لا بأس ببیع خدمة المدبر اذا احتاج (الف) (دار قطنی ، کتاب المکاتب ج رابع ص ۷۷ نمبر ۴۲۱۷) جب مدبر کی خدمت بیچ سکتا ہے تو اس سے خدمت کروا سکتا ہے۔ اس اثر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مدبر کو اجرت پر رکھ سکتا ہے۔ وطی کرنے کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابن عمرؓ انه دبر جاریتین له فکان یطؤهما وهما مدبرتان (ب) (سنن للبیہقی ، باب وطی المدبرة ج عاشر ص ۵۳۰ نمبر ۲۱۵۸۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آقا مدبرہ سے وطی کر سکتا ہے۔

[۲۲۲۵] (۴) اور جب آقا کا انتقال ہوگا تو مدبر اس کے تہائی مال سے آزاد ہوگا اگر وہ تہائی سے نکل سکے۔ پس اگر اس کے پاس مدبر کے غلام کے علاوہ مال نہ ہو تو سعی کرے گا اپنی قیمت کی دو تہائی میں۔

تشریح آقا کے مرنے کے بعد مدبر آزاد ہوگا لیکن تہائی مال میں آزاد ہوگا۔ مثلا مدبر سمیت آقا نے نو سو پونڈ کی مالیت چھوڑی۔ اور مدبر کی قیمت تین سو پونڈ ہیں تو نو سو کی ایک تہائی تین سو پونڈ ہوئے جو مدبر کی قیمت ہے اس لئے پورا مدبر آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ پورے مال میں سے ایک تہائی غلام کی قیمت ہو تب پورا مدبر آزاد ہوگا۔ اور اگر آقا نے صرف مدبر غلام چھوڑا کوئی اور مالیت نہیں تھی تو اس مدبر کی ایک تہائی آزاد ہوگی اور باقی دو تہائی قیمت سعایت کر کے آقا کے ورثاء کو دے گا تاکہ وہ وراثت میں تقسیم کر سکیں۔

وجہ مدبر غلام آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہوتا ہے اس لئے وہ وصیت کے درجہ میں ہوا۔ اور وصیت پورے مال کی تہائی میں جاری ہوتی ہے۔ باقی دو تہائی ورثہ میں تقسیم ہوتی ہے۔ اس لئے مدبر کی قیمت پورے مال کی ایک تہائی ہو تو پورا مدبر آزاد ہوگا۔ اور صرف مدبر چھوڑا ہو تو اس کی ایک تہائی آزاد ہوگی اور دو تہائی کی سعی کرے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عمرؓ ان النبی و قال المدبر لا یباع ولا یوهب وهو حر من الثلث (ج) (دار قطنی، کتاب المکاتب ج رابع ص ۷۸ نمبر ۴۲۲۰، سنن للبیہقی ، باب من قال لا یباع المدبر ج عاشر ص ۵۲۹ نمبر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مدبر کی خدمت بیچنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اگر ضرورت پڑ جائے (ب) حضرت عمر کی دو باندیاں تھیں۔ پس وہ مدبر کی حالت میں دونوں سے وطی کیا کرتے تھے (ج) آپؐ نے فرمایا مدبر نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے وہ تہائی مال میں آزاد ہے۔

لم یکن له مال غیره یسعی فی ثلثی قیمته [۲۲۲۶](۵)فان کان علی المولی دین یسعی فی جمیع قیمته لغرمائه.

۲۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر تہائی مال میں آزاد ہوگا (۳) دوسری حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے موت کے وقت چھ غلام آزاد کئے۔اس کے پاس ان کے علاوہ کچھ نہیں تھا تو آپؐ نے چھ میں سے دو غلام یعنی ایک تہائی کو آزاد کیا اور چار غلام یعنی دو تہائی کو غلام رکھا تا کہ وہ ورثہ میں تقسیم ہو جائے۔حدیث یہ ہے۔ **عن عمران بن حصین ان رجلا اعتق ستة اعبد عند موته ولم یکن له مال غیرهم فبلغ ذلک النبی ﷺ فقال له قولا شدیدا ثم دعا هم فجزأهم ثلاثة اجزاء فاقرع بینهم فاعتق اثنین وارق اربعة** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فیمن اعتق عبیدا لم یبلغهم الثلث ص ۱۹۵ نمبر ۳۹۵۸) اس حدیث میں چھ غلاموں میں سے دو کو آزاد کیا جس سے معلوم ہوا کہ مدبر ایک تہائی سے آزاد ہوگا۔

[۲۲۲۶] (۵) پس اگر آقا پر قرض ہو تو قرض خواہوں کے لئے اپنی پوری قیمت کی سعی کرے گا۔

تشریح آقا نے اپنے غلام کو مدبر بنایا لیکن آقا پر قرض تھا اور کوئی مال نہیں تھا تو مدبر آزاد ہوگا لیکن اپنی پوری قیمت کی سعایت کر کے قرضخواہوں کو دے گا تا کہ آقا کا قرض ادا ہو جائے۔

وجہ اصول یہ ہے کہ قرض پہلے ادا کیا جاتا ہے اس کی ادائیگی کے بعد وصیت نافذ کی جاتی ہے اور مدبر کو آزاد کرنا وصیت کو نافذ کرنا ہے اس لئے قرض کی ادائیگی کے بعد آزادگی ہوگی۔ یہاں مدبر میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے اس لئے دونوں کی رعایت کی گئی یعنی اس کو آزاد کیا گیا لیکن مقروض کی رعایت کرتے ہوئے مدبر اپنی پوری قیمت کی سعی کرے گا (۲) حدیث میں ہے کہ قرض کی وجہ سے مدبر کو بیچا گیا۔ **عن جابر بن عبد الله ان رجلا اعتق غلاما له عن دبر منه ولم یکن له مال غیره فامر به النبی ﷺ فبیع بسبع مائة او بتسع مائة** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی بیع المدبر ص ۱۹۵ نمبر ۳۹۵۵، بخاری شریف، باب بیع المدبر ص ۳۴۴ نمبر ۲۵۳۴) اور سنن بیہقی میں اس کی تصریح ہے کہ قرض کی وجہ سے بیچا گیا تھا۔ **عن جابر ان رسول الله ﷺ باع مدبرا فی دین** (سنن للبیہقی، باب المدبر یجنی فیباع فی ارش جنایتہ الا ان یفدیہ سیدہ ج عاشر، ص ۵۳۰ نمبر ۲۱۵۷۸) اس حدیث میں ہے کہ قرض میں مدبر بیچا گیا تھا (۳) اثر میں ہے۔ **عن قتادة قال اذا کان علی سیده دین استسعی فی ثمنه** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب بیع المدبر ج رابع، ص ۳۴۰ نمبر ۱۶۶۶۹، مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۱۹ فی الرجل یعتق عبدہ ولیس لہ مال غیرہ ج خامس ص ۲۰۵ نمبر ۲۱۷۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آقا پر دین ہو تو مدبر اس کے لئے سعی کرے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے موت کے وقت چھ غلام آزاد کئے اور ان کے علاوہ اس کے پاس کوئی مال نہیں تھا۔ یہ بات حضور کو پہنچی تو آپؐ نے سخت جملے فرمائے پھر غلاموں کو بلوایا اور تین حصے کئے اور ان کے درمیان قرعہ ڈالا پھر ان میں دو کو آزاد کیا اور چار کو غلام رکھا (ب) ایک آدمی نے اپنا غلام مدبر بنایا اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی مال نہیں تھا۔ پس حضور نے حکم دیا اور اس کو سات سو یا نو سو میں بیچا (ج) حضرت قتادہ نے فرمایا اگر آقا پر قرض ہو تو غلام اپنی قیمت کی سعایت کرے گا۔

[۲۲۲۷] (٦) وولد المدبرة مدبر[۲۲۲۸] (٧) فان علق التدبير بموته على صفة مثل ان يقول ان متُّ من مرضى هذا او في سفرى هذا او من مرض كذا فليس بمدبر ويجوز بيعه[۲۲۲۹] (٨) وان مات المولى على الصفة التي ذكرها عتق كما يعتق المدبر.

لغت غرماء : قرض خواہ یہ غریم کی جمع ہے۔

[۲۲۲۷] (٦) مدبر کا بچہ مدبر ہوگا۔

وجہ اصول پہلے گزر چکا ہے کہ جیسی ماں ہوگی بچہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ اس لئے ماں مدبرہ ہے تو اس کی اولاد بھی مدبر ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن عمر قال ولد المدبرة يعتقون بعتقها ويرقون برقها (الف) (دار قطنی، کتاب المکاتب ج رابع ص ۷۷ نمبر ۴۲۱۳، سنن للبیہقی، باب ماجاء فی ولد المدبرة من غیر سیدھا بعد تدبیرھا ج عاشر ص ۵۳۱ نمبر ۲۱۵۸۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مدبرہ کا بچہ مدبر ہوگا۔

[۲۲۲۸] (٧) اگر مدبر بنانے کو معلق کیا اپنی موت پر کسی صفت پر مثلا یہ کہے اگر میں اس مرض میں مروں یا اس سفر میں یا فلاں مرض میں مروں تو وہ مدبر نہیں ہے اور اس کا بیچنا جائز ہے۔

تشریح مطلق مدبر نہیں بنایا بلکہ مقید مدبر بنایا۔ مطلق مدبر کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بغیر کسی شرط پر معلق کئے ہوئے کہے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو۔ اور مدبر مقید کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کسی شرط پر معلق کر کے کہے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو۔ مثلا میں اس مرض میں مرا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

وجہ کیونکہ شرط پائی گئی (۲) حدیث میں ہے کہ مدبر کو حضورؐ نے بیچا تھا۔ حنفیہ کی رائے ہے کہ وہ مقید غلام تھا اس لئے اس کو بیچا تھا۔ سمعت جابر بن عبد الله قال اعتق رجل مناعبدا له عن دبر فدعا النبی ﷺ فباعه (ب) (بخاری شریف، باب بیع المدبر ص ۳۴۴ نمبر ۲۵۳۴) اس حدیث میں ہے کہ مدبر کو حضورؐ نے بیچا ہے اس لئے حنفیہ کا خیال ہے کہ وہ مقید مدبر تھا۔

[۲۲۲۹] (٨) اگر آقا مر گیا اس صفت پر جس کا ذکر کیا تھا تو غلام آزاد ہو جائے گا جیسا کہ مدبر آزاد ہوتا ہے۔

تشریح آقا نے جس شرط پر غلام کو مرنے کے بعد آزادگی کا پروانہ دیا تھا وہ شرط پائی گئی تو مدبر آزاد ہو جائے گا۔

وجہ اس لئے کہ شرط پائی گئی اس لئے شرط کے مطابق آزاد ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر نے فرمایا مدبرہ باندی کی اولاد اس کے آزاد ہونے سے آزاد ہوگی اور اس کے باندی ہونے سے باندی ہوگی (ب) حضرت جابر نے فرمایا ہم میں سے ایک آدمی نے اپنے غلام کو مدبر بنایا تو حضورؐ نے اس کو بلایا اور اس کو بیچا۔

﴿ باب الاستیلاد ﴾

[۲۲۳۰](۱)اذا ولدت الامة من مولاها فقد صارت ام ولد له لایجوز له بیعها ولا تملیکها [۲۲۳۱](۲)وله وطؤها واستخدامها واجارتها وتزویجها.

﴿ باب الاستیلاد ﴾

ضروری نوٹ آقا اپنی باندی سے صحبت کرے جس کی وجہ سے بچہ پیدا ہو جائے اور آقا اعتراف کرے کہ بچہ میرا ہے تو وہ باندی بچے کی ماں ہونے کی وجہ سے ام ولد بن گئی۔ وہ آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ایما رجل ولدت امته منه فهی معتقة عن دبر منه** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب امہات الاولاد ص ۳۶۱ نمبر ۲۵۱۵) اس حدیث سے ام ولد کا ثبوت ہوا اور اس کے آزاد ہونے کا ثبوت ہوا (۲) ابوداؤد میں ام ولد کو آزاد کرنے کے سلسلے میں لمبی حدیث ہے جس کا ٹکڑا یہ ہے۔ **فقال رسول الله ﷺ اعتقوها فاذا سمعتم برقیق قدم علی فأتونی اعوضکم منها قالت فاعتقونی وقدم علی رسول الله ﷺ رقیق فعوضهم منی غلاما** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی عتق امہات الاولاد ص ۱۹۴ نمبر ۳۹۵۳) اس حدیث سے بھی ام ولد کے آزاد کرنے کا ثبوت ہے۔

[۲۲۳۰](۱) جب باندی اپنے مولی سے بچہ جنے تو وہ اس کی ام ولد بنے گی۔ اب اس کے لئے اس کا بیچنا جائز نہیں اور نہ اس کا مالک بنانا جائز ہے۔

تشریح آقا نے اپنی باندی سے صحبت کی جس کی وجہ سے اس سے بچہ پیدا ہوا تو یہ باندی ام ولد بن گئی اب اس کا بیچنا جائز نہیں۔ اور نہ ہبہ کر کے دوسرے کی ملکیت میں دینا جائز ہے۔

وجہ اوپر ابن ماجہ کی حدیث گزری۔ **فهی معتقة عن دبر منه** (ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۵۱۵)(۱) **عن ابن عمر ان النبی ﷺ نهی عن بیع امهات الاولاد وقال لایبعن ولا یوهبن ولا یورثن یستمتع بها سیدها مادام حیا فاذا مات فهی حرة** (ج) (دار قطنی، کتاب المکاتب ج رابع ص ۷۵ نمبر ۴۲۰۳، سنن للبیہقی، باب الرجل یطأ امتہ بالملک فتلد لہ ج عاشر ص ۵۷۴، نمبر ۲۱۷۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ام ولد آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔

[۲۲۳۱](۲) اور آقا کے لئے جائز ہے اس سے صحبت کرنا اور اس سے خدمت لینا اور اس کو اجرت پر رکھنا اور اس کی شادی کرانا۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی بھی آدمی کی باندی اس سے بچہ دے تو وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی (ب) آپ نے پوچھا جاب کی ذمہ داری کون لے گا؟ کہا گیا اس کے بھائی ابوالیسیر بن عمر۔ تو ان کے پاس پیغام بھیجا۔ آپ نے فرمایا اس کو آزاد کر دو۔ پس جب خبر ملے کہ میرے پاس کوئی غلام آیا ہے تو میرے پاس آنا۔ اس کا بدلہ دے دوں گا۔ وہ فرماتی ہیں کہ مجھ کو آزاد کر دیا۔ اور حضور کے پاس غلام آئے تو میرے بدلے میں اس کو غلام دیا (ج) آپ نے ام ولد کو بیچنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ نہ وہ بیچی جا سکتی ہیں نہ ہبہ کی جا سکتی ہیں اور نہ وارث بنائی جا سکتی ہیں۔ ان کا مالک ان سے استفادہ کرے گا جب تک زندہ ہے۔ پس جب مر گیا تو وہ آزاد ہو جائیں گی۔

[۲۲۳۲](۳)ولا يثبت نسب ولدها الا ان يعترف به المولى[۲۲۳۳] (۴)فان جاءت بولد بعد ذلک ثبت نسبه منه بغير اقرار فان نفاه انتفى بقوله.

وجہ چونکہ آقا کی حیات تک باندی ہے اس لئے آقا باندی کے سارے معاملات کرسکتا ہے(۲) اوپر حدیث گزری۔ **عن ابن عمر ان النبی ﷺ نهى عن بيع امهات الاولاد وقال لايبعن ولا يوهبن ولا يورثن يستمتع بها سيدها مادام حيا فاذا مات فهي حرة** (دار قطنی، کتاب المکاتب ج رابع ص ۵۷ نمبر ۴۲۰۳) جس سے معلوم ہوا کہ آقا زندگی بھر ام ولد سے خدمت لے سکتا ہے اور وطی بھی کرسکتا ہے۔

[۲۲۳۲] (۳) اور نہیں ثابت ہوگا بچے کا نسب مگر یہ کہ آقا اس کا اعتراف کرے۔

تشریح باندی سے بچہ ہوا تو پہلی مرتبہ آقا اعتراف کرے کہ یہ میرا بچہ ہے تب اس بچے کا نسب آقا سے ثابت ہوگا۔ اور اگر اعتراف نہ کرے تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ البتہ ایک مرتبہ اعتراف کرلیا کہ یہ بچہ میرا ہے پھر دوسری مرتبہ بچہ پیدا ہوا تو اس بچے کا نسب خود بخود آقا سے ثابت ہو جائے گا۔ اس کے لئے دوبارہ اعتراف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ ولادت کے لئے باندی کا رشتہ آقا سے اتنا مضبوط نہیں ہے جتنا نکاح کی وجہ سے بیوی کا شوہر سے ہوتا ہے۔ اس لئے آقا کے اعتراف کی ضرورت پڑے گی (۲) باندی رکھنے سے لازم نہیں آتا کہ وہ وطی بھی کرتا ہوگا اور بچہ پیدا کرنا چاہتا ہوگا۔ کیونکہ اس بچے میں غلامیت کا اثر ہے اس لئے اعتراف کی ضروت پڑے گی (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابن عباس قال كان ابن عباس ياتي جارية له فحملت فقال ليس منى انى اتيتها اتيانا لا اريد به الولد** (الف) (طحاوی شریف، باب الامة يطأها مولدها ثم يموت وقد كانت جاءت بولد في حياته هل يكون ابنه وتكون به ام ولد ام لا ج ثانی ص ۲۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اعتراف کرے گا تو بچے کا نسب ثابت ہوگا اور انکار کرے گا تو نفی ہو جائے گی (۳) بخاری میں عتبہ بن ابی وقاص کی لمبی حدیث ہے جس میں آقا نے بیٹا ہونے کا دعوی کیا اس لئے دعوی کرنے کے بعد آپ نے بچے کا نسب آقا سے ثابت کردیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **فقال رسول الله ﷺ هو لک يا عبد بن زمعه من اجل انه ولد على فراش ابيه** (ب) (بخاری شریف، باب ام الولد ص ۳۴۴ نمبر ۲۵۳۳)

[۲۲۳۳] (۴) پس اگر اس کے بعد بچہ دیا اس کا نسب آقا سے ثابت ہوگا بغیر اقرار کے۔ پس اگر اس کی نفی کردے تو نفی ہو جائے گی اس کے قول سے

تشریح پہلی مرتبہ آقا کے اعتراف کی ضرورت پڑے گی تب نسب ثابت ہوگا۔ لیکن بعد میں جو بچہ پیدا ہوگا اس کے نسب کا اقرار کئے بغیر آقا سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

وجہ ایک مرتبہ نسب ثابت ہوگیا اور ام ولد بن گئی تو اب آقا سے ولادت کا رشتہ مضبوط ہوگیا اس لئے دوبارہ اقرار کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اس وقت بھی آقا انکار کرے گا تو بچے کا انکار ہوگیا۔ **كان ابن عباس ياتي جارية له فحملت فقال ليس منى انى اتيتها اتيانا لا**

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس اپنی باندی سے وطی کرتے تھے۔ پس حاملہ ہوئی۔ پس حضرت نے فرمایا یہ مجھ سے نہیں ہے۔ میں اس سے جماع کرتا تھا اور بچہ پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا (ب) آپ نے فرمایا اے زمعہ! یہ بچی تیرے لئے ہے اس بنا پر کہ باپ کی فراش پر پیدا ہوئی ہے۔

[۲۲۳۴] (۵) وان زوجها فجائت بولد فهو فی حکم امه [۲۲۳۵] (۶) واذا مات المولی عتقت من جمیع المال ولا تلزمها السعایة للغرماء ان کان علی المولی دین [۲۲۳۶] (۷) واذا وطئ الرجل امة غیرہ بنکاح فولدت منه ثم ملکها صارت ام ولد له.

ارید به الولد (طحاوی شریف، باب الامة الخ ص ۶۶)

[۲۲۳۴] (۵) اور اگر آقا نے ام ولد کی شادی کرادی پھر بچہ دیا تو وہ ماں کے حکم میں ہوگا۔

تشریح آقا نے ام ولد بنایا تھا بعد میں اس کی شادی کرادی اور اس شوہر سے بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ ماں کی طرح ابھی غلام رہے گا اور آقا کے مرنے کے بعد جب ماں آزاد ہوگی تو اس وقت بچہ بھی آزاد ہوگا۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **سمع عبد الله بن عمر یقول اذا ولدت الامة من سیدها فنکحت بعد ذلک فولدت اولادا کان ولدها بمنزلتها عبیدا ما عاش سیدها فان مات فهم احرار** (الف) (سنن للبیہقی، باب ولد ام الولد من غیرها بعد الاستیلاد ج عاشر، ص ۵۸۴ نمبر ۲۱۸۰۰، مصنف عبد الرزاق، باب عتق ولد ام الولد ج سابع ص ۲۹۸ نمبر ۱۳۲۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جب ماں آزاد ہوگی اس وقت بچہ بھی آزاد ہوگا اور ابھی ماں کی طرح غلام رہے گا۔

[۲۲۳۵] (۶) اور جب آقا مرے گا تو وہ تمام مال سے آزاد ہوگی اور اس کو سعایت لازم نہیں ہوگی قرضخواہوں کے لئے اگرچہ آقا پر قرض ہو۔

تشریح آقا مر جائے تو ام ولد مکمل آزاد ہو جائے گی۔ اگر آقا پر قرض ہو تب بھی وہ سعایت کر کے نہیں دے گی۔

وجہ **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ایما رجل ولدت امته منه فهی معتقة عن دبر منه** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب امہات الاولاد ص ۳۶۱ نمبر ۲۵۱۵) دار قطنی میں بھی ہے۔ فاذا مات فهی حرة (دار قطنی، کتاب المکاتب ج رابع ص ۷۵ نمبر ۴۲۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آقا کے مرنے کے بعد ام ولد مکمل آزاد ہو جائے گی (۲) اثر میں ہے۔ **اعتق عمر امهات الاولاد اذا مات ساداتهن فأتت امرأة منهن علیا اراد سیدها ان یبیعها فی دین کان علیه فقال اذهبی فقد اعتقکن عمر** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب بیع امہات الاولاد ج سابع ص ۲۹۳ نمبر ۱۳۲۳۱) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ام ولد آقا کے قرض کے لئے بھی سعی نہیں کرے گی کیونکہ وہ مکمل آزاد ہوگئی۔

[۲۲۳۶] (۷) اگر آدمی نے دوسرے کی باندی سے نکاح کے ذریعہ صحبت کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا پھر باندی کا مالک ہوا تو وہ اس کی ام ولد بن جائیگی

تشریح دوسرے کی باندی سے نکاح کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا بعد میں اس باندی کو خرید لیا تو یہ باندی اس کی ام ولد بن جائے گی۔ اگرچہ بچہ

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے جب باندی اپنے آقا سے بچہ دے اس کے بعد نکاح کرے اور بچہ ہو تو اس کا بچہ ماں کے درجے میں غلام ہوگا جب تک آقا زندہ ہو۔ پس جب آقا مر جائے تو وہ آزاد ہوگا (ب) آپ نے فرمایا کسی آدمی کی باندی اس سے بچہ دے تو وہ آزاد ہوگی آقا کے مرنے کے بعد (ج) حضرت عمر نے ام ولد کو آزاد کیا جب ان کے آقا مر گئے۔ پس ان میں ایک عورت حضرت علی کے پاس آئی کہ اس کا آقا اپنے قرض میں بیچنا چاہتا ہے تو حضرت علی نے فرمایا جاؤ تم کو حضرت عمر نے آزاد کیا۔

[۲۲۳۷] (۸) واذا وطئ الاب جارية ابنه فجائت بولد فادّعاه ثبت نسبه منه وصارت ام

پیدا ہوتے وقت یہ اس کی باندی نہیں تھی۔

وجہ (۱) اگر چہ بعد میں باندی بنی لیکن ہے تو اس کے بچے کی ماں اس لئے بعد میں باندی ہوئی تب بھی ام ولد شمار کی جائے گی اور آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ام ولد نہیں ہوگی۔

وجہ کیونکہ وہ بچہ جنتے وقت اس کی باندی نہیں تھی اس کی بیوی تھی (۲) اثر میں ہے۔ عن الشعبی قال رفع الی شریح رجل تزوج امة فولدت له اولاد اثم اشتراها فرفعهم شریح الی عبیدة فقال عبیدة انما تعتق ام الولد اذا ولدتهم احرارا فاذا ولدتهم مملوکین فانها لا تعتق (الف) (سنن للبیہقی، باب الرجل ینکح الامة فتلد لہ ثم یملکھا ج عاشر ص ۵۸۵، نمبر ۲۱۸۰۵) اس اثر میں ہے کہ باندی ہونے کی حالت میں بچہ آزاد پیدا کرے تب باندی ام ولد بنے گی۔ اور یہاں بیوی ہونے کی حالت میں بچہ مملوک پیدا کیا اس لئے باندی ام ولد نہیں بنے گی۔

[۲۲۳۷] (۸) اگر باپ نے بیٹے کی باندی سے صحبت کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا۔ پس باپ نے اس کا دعوی کیا تو اس کا نسب اس سے ثابت کیا جائے گا اور وہ اس کی ام ولد بنے گی۔ اور باپ پر اس کی قیمت ہوگی۔ اور اس پر مہر نہیں ہوگا اور نہ اس کے بچے کی قیمت ہوگی۔

تشریح باپ نے بیٹے کی باندی سے صحبت کر لی جس کی وجہ سے بچہ پیدا ہوا۔ باپ نے دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس بچے کا نسب باپ سے ثابت کیا جائے گا اور باپ پر باندی کی قیمت لازم ہوگی جو باندی والے بیٹے کو ادا کرے گا۔ البتہ باندی کا مہر اور بچے کی قیمت باپ پر لازم نہیں ہوگی۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیٹے کا مال ضرورت کے وقت باپ کا مال ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال ان ابی اجتاح مالی فقال انت ومالک لابیک وقال رسول الله ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من اموالکم (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ماللرجل من مال ولدہ ص ۳۲۸ نمبر ۲۲۹۲) جب باندی باپ کی بن گئی تو اس کے مہر دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اپنی ملکیت میں وطی کی ہے۔ اور جو بچہ پیدا ہوا وہ بھی اپنی باندی سے پیدا ہوا اس لئے بچہ آزاد ہوگا اور باندی اس کی ام ولد ہوگی۔ البتہ چونکہ باندی حقیقت میں بیٹے کی ہے اس لئے بیٹے کو اس کی قیمت دلوادی جائے گی تا کہ بے انصافی نہ ہو۔ اور یوں سمجھا جائے گا کہ صحبت سے پہلے ہی باپ نے باندی خرید لی۔ اور بعد میں صحبت کی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ غیر کی باندی

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت شریح کے پاس ایک آدمی پیش کیا اس نے کسی باندی سے شادی کی تھی۔ اس سے کئی بچے پیدا ہوئے پھر اس کو خرید لیا۔ ان لوگوں کو حضرت شریح نے عبیدہ کے پاس پیش کیا تو حضرت عبیدہ نے فرمایا ام ولد آزاد اس وقت ہوگی جب بچوں کو آزاد جنے۔ پس جب ان کو غلامیت کی حالت میں جنا تو وہ آزاد نہیں ہوگی (ب) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا۔ کہنے لگا میرے باپ نے میرا مال ختم کر دیا تو آپؐ نے فرمایا تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے اس لئے اپنے مال میں سے کھاؤ۔

ولـد لـه وعليه قيمتها وليس عليه عقرها ولا قيمة ولدها [۲۲۳۸] (۹) وان وطئ اب الاب مـع بـقـاء الاب لـم يثبـت النسب منه فان كان الاب ميتا يثبت النسب من الجد كما يثبت الـنـسب مـن الاب [۲۲۳۹] (۱۰) و ان كـانـت الجارية بين شريكين فجائت بولد فادّعاه احدهـما ثبت نسبه منه وصارت ام ولد له وعليه نصف عقرها ونصف قيمتها وليس عليه

سے صحبت کی ہے جو زنا کے درجے میں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیٹے کا مال ضرورت کے موقع پر باپ کا مال قرار دیا جائے گا۔

لغت عقر : مہر، وطی کرنے کی قیمت۔

[۲۲۳۸] (۹) اور اگر وطی کی دادا نے باپ کے موجود ہوتے ہوئے تو اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ پس اگر باپ مر چکا ہو تو دادا سے نسب ثابت ہوگا جیسا کہ باپ سے نسب ثابت ہوتا ہے۔

تشریح باپ زندہ تھا ایسی حالت میں دادا نے پوتے کی باندی سے صحبت کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو اس بچے کا نسب دادا سے ثابت نہیں ہوگا اور نہ وہ باندی اس کی ام ولد بنے گی۔

وجہ باپ زندہ رہتے ہوئے دادا کا حق نہیں ہے اس لئے صحبت سے پہلے بھی باندی کی ملکیت میں نہیں دی جائے گی۔ اس لئے اس نے جو صحبت کی وہ اپنی ملکیت میں صحبت نہیں کی اس لئے اس بچے کا نسب دادا سے ثابت نہیں کیا جائے گا۔ اور باپ کا انتقال ہو چکا ہو تو دادا کا حق پوتے کے مال میں ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ صحبت سے پہلے باندی دادا کی ملکیت ہوئی۔ اور اس نے اپنی ملکیت میں صحبت کی۔ اس لئے بچے کا نسب ثابت ہوگا اور باندی ام ولد بنے گی۔ البتہ باندی کی قیمت دادا پر لازم ہوگی تا کہ پوتے کا مال مفت دادا کے ہاتھ میں نہ جائے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ باپ کے ہوتے ہوئے دادا کا حق نہیں ہے اور باپ موجود نہ ہو تو دادا کا حق پوتے کے مال میں ہوتا ہے۔

[۲۲۳۹] (۱۰) اگر باندی دو شریکوں کے درمیان ہو۔ پس بچہ دے اور ان میں سے ایک نے اس کا دعوی کیا تو اس کا نسب اس سے ثابت کیا جائے گا۔ اور وہ اس کی ام ولد بنے گی اور اس پر اس کا آدھا مہر لازم ہوگا۔ اور باندی کی آدھی قیمت لازم ہوگی۔ اور اس پر بچے کی قیمت سے کچھ لازم نہیں ہوگا۔

تشریح مثلا باندی دو شریکوں خالد اور زید کے درمیان تھی۔ باندی کو بچہ پیدا ہوا تو ایک شریک خالد نے دعوی کیا کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے ہے اور میرا بیٹا ہے۔ تو بچے کا نسب خالد سے ثابت کر دیا جائے گا۔ اور باندی اس کی ام ولد بن جائے گی۔ اور اس پر شریک کی آدھی قیمت لازم ہوگی۔ اور آدھا مہر بھی لازم ہوگا۔ البتہ اس پر بچے کی کوئی قیمت لازم نہیں ہوگی۔

وجہ باندی کی آدھی قیمت اس لئے لازم ہوگی کہ آدھی اس کی ہے اور آدھی باندی شریک کی ہے۔ اور آدھا مہر بھی اس لئے لازم ہوگا کہ آدھی

شیء من قیمة ولدھا[٢٢٤٠] (١١)فان ادّعیاہ معا ثبت نسبه منھما و کانت الامة ام ولد لھما وعلی کل واحد منھما نصف العقر قصاصا بماله علی الآخر ویرث الابن من کل

باندی دوسرے کی ہے۔البتہ آدھی قیمت ادا کرنے کے بعد پوری باندی خالد کی ہوگئی اس لئے وہ ام ولد بن گئی اور یوں سمجھا جائے گا کہ بچہ بھی اس کی ملکیت میں پیدا ہوا۔اس لئے بچے کی کوئی قیمت خالد پر لازم نہیں ہوگی۔

[٢٢٤٠] (١١) اگر دونوں شریک دعوی کرے ایک ساتھ تو دونوں سے نسب ثابت کیا جائے گا اور باندی دونوں کی ام ولد بنے گی۔اور ہر ایک پر آدھا آدھا مہر ہوگا۔اور مقاصہ ہوگا ایک کے مال کا دوسرے پر اور بیٹا دونوں میں سے ہر ایک کا وارث ہوگا پورے بیٹے کا وارث۔اور دونوں شریک بیٹے کے وارث ہوں گے ایک باپ کی میراث۔

تشریح ایک باندی دو شریکوں کے درمیان تھی اس سے بچہ پیدا ہوا۔اب دونوں نے بیک وقت دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے۔تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو دونوں کا بچہ شمار کیا جائے گا۔اور یہ باندی دونوں کی ام ولد بنے گی۔اور دونوں پر آدھا آدھا مہر لازم ہوگا۔مثلا زید خالد کو دے گا اور خالد زید شریک کو آدھا مہر دے گا۔لیکن دینے کی ضرورت نہیں ہے مقاصہ ہو جائے گا۔

وجہ چونکہ دونوں کے دعوی برابر درجے کے ہیں اور کسی ایک جانب راجح نہیں ہے اس لئے بچہ دونوں کا شمار کر دیا جائے گا اور باندی دونوں کی ام ولد بن جائے گی (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایسے دو آدمی آئے جس نے بیٹا ہونے کا دعوی کیا تو انہوں نے دونوں کو باپ قرار دیا۔لمبے اثر کا ٹکڑا یہ ہے۔**اخبرنا ابو عبد الله الحافظ .... ثم قال اسر ام اعلن فقال بل اعلن فقال لقد اخذ الشبه منھما جمیعا فما ادری لایھما ھو فقال عمر انا نقوف الآثار ثلاثا یقولھا و کان عمر قائفا فجعله لھما یرثانه ویرثھما** (الف)(سنن للبیہقی، باب القافة ودعوی الولد، ج عاشر، ص ۴۴۵، کتاب الدعوی نمبر ۲۱۲۶۵)(۳) دوسرے اثر میں ہے۔**عن علی قال اتاہ رجلان وقعا علی امرأۃ فی طھر فقال الولد بینکما وھو للباقی منکما** (ب)(سنن للبیہقی، باب من قال یقرع بینھما اذا لم یکن قافة ج عاشر، ص ۴۵۲، نمبر ۲۱۲۸۷ کتاب الدعوی والبینات) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ بچہ دونوں کے درمیان ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بچے کا چہرہ وغیرہ دیکھا جائے گا اور قافہ وغیرہ کو بلا کر مشورہ کیا جائے گا۔بچہ جس کے مشابہ ہوگا اس کا بیٹا قرار دیا جائے گا۔

وجہ (۱) حضور قیافہ کی بات سن کر خوش ہوتے تھے۔حدیث یہ ہے۔**عن عائشة انھا قالت ان رسول الله ﷺ دخل علی مسرورا تبرق اساریر وجھه فقال الم تری ان مجزز انظر انفا الی زید بن حارثة واسامة بن زید فقال ان بعض ھذہ الاقدام**

حاشیہ : (الف) ابو عبد اللہ حافظ نے خبر دی.....پھر کہا پوشیدہ کہوں یا اعلان کر کے کہوں! کہا بلکہ اعلان کر کے کہو! حضرت عمر نے فرمایا کہ دونوں کی مشابہت اختیار کی اس لئے معلوم نہیں کہ وہ بچہ کس کا ہے۔پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم تین مرتبہ آثار وعلامات کا قیافہ کرتے ہیں۔اور حضرت عمر بھی قائف تھے۔اس لئے بچے کو دونوں مردوں کا بیٹا قرار دیا۔یہ دونوں بچے کے وارث ہوں اور بچہ دونوں مردوں کا وارث ہو (ب) حضرت علی کے پاس دو آدمی آئے انہوں نے ایک ہی طہر میں عورت سے جماع کیا تھا تو فرمایا بچہ دونوں کا ہے اور باقی تم دونوں کو ملے گا۔

واحد منهما میراث ابن کامل وهما یرثان منه میراث اب واحد.

لمن بعض (الف)(مسلم شریف، باب العمل بالحاق القائف والولد ص ۴۷۱ نمبر ۱۴۵۹، ابوداؤد شریف، باب فی القافۃ ص ۳۱۶ نمبر ۲۲۶۷) اس سے اشارہ ملتا ہے کہ قیافہ کا اعتبار ہے (۲) حضرت ہلال بن امیہ نے بیوی کو زنا کی تہمت لگائی اس میں حضورؐ نے چہرہ وغیرہ علامات دیکھنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابن عباس ان هلال بن امية قذف امرأته عند النبی بشريک بن سحماء ..... فقال النبی ﷺ ابصروها فان جاء ت به اکحل العينين سابغ الاليتين خدلج الساقين فهو لشريک بن سحماء فجائت به کذالک فقال النبی ﷺ لولا ما مضى من کتاب الله لکان لی ولها شان** (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی اللعان ص ۳۱۲ نمبر ۲۲۵۴) اس حدیث میں آپؐ نے علامات اور چہرے مہرے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس لئے امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ قیافہ اور علامت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اگر قیافہ اور علامت سے بھی کام نہ چلے تو پھر قرعہ سے والد کا فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نے یمن میں قرعہ سے فیصلہ فرمایا تھا جس پر حضورؐ خوش ہوئے تھے جس کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن زيد بن ارقم قال اتى علی بثلاثة وهو باليمن وقعوا على امرأة فی طهر واحد فسأل اثنين اتقران لهذا بالولد؟ قالا لا! حتى سألهم جميعا فجعل کلما سأل اثنين قالا لا! فاقرع بينهم فالحق الولد بالذی صارت عليه القرعة وجعل عليه ثلثی الدية قال فذکر ذلک للنبی ﷺ فضحک حتى بدت نواجذه** (ج)(ابوداؤد شریف، باب من قال بالقرعۃ اذا تنازعوا فی الولد ص ۳۱۱ نمبر ۲۲۷۰) اس حدیث میں حضرت علیؓ نے قرعہ ڈال کر فیصلہ فرمایا اس لئے قرعہ ڈالا جائے گا۔

اور دونوں والد کے پورے پورے بیٹے کا وارث بنے گا۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹا تو ایک ہی کا ہوگا اس لئے جب دونوں کا بیٹا قرار دیا تو دونوں کا پورا پورا بیٹا قرار دیا جائے گا۔ اور پورے ایک ایک بیٹے کی وراثت دونوں باپ سے ملے گی۔

اور جب بیٹا مرے گا تو دونوں باپ کو ایک بیٹے کی وراثت ملے گی۔ اس میں سے دو باپ آدھا آدھا تقسیم کریں گے۔

وجہ کیونکہ بیٹا تو ایک ہی ہے چاہے اس کا ہو چاہے اس کا ہو۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ حضرت عائشہ کے پاس مسرور داخل ہوئے۔ اس وقت آپ کی پیشانی چمک رہی تھی۔ پھر فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ مجزز نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کو دیکھا اور کہا یہ قدم بعض بعض کے ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا اگر سرمگیں آنکھوں والا بھرے بھرے پینڈے والا اور موٹی پنڈلی والا بچہ دیا تو وہ بچہ شریک بن سحماء کا ہے۔ تو بچہ ایسا ہی پیدا ہوا جیسا شریک بن سحماء تھا۔ تو حضورؐ نے فرمایا اگر اللہ کی کتاب نہ گزر چکی ہوتی تو میری اس کے ساتھ عجیب شان ہوتی (ج) حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس یمن میں تین آدمی آئے۔ تینوں نے ایک ہی طہر میں ایک عورت سے جماع کیا تھا۔ پس دو سے پوچھا۔ کیا تم اس بچے کا اقرار کرتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں یہاں تک کہ سب سے پوچھا۔ جب بھی دو دو سے پوچھا تو انہوں نے انکار کیا۔ پس ان کے درمیان قرعہ ڈالا اور بچہ اس کے نام ملحق کر دیا جس کے نام قرعہ نکلا۔ اور اس کے اوپر دیت کی تہائی لازم کیا۔ فرماتے ہیں کہ اس کا تذکرہ حضورؐ کے پاس کیا تو وہ ہنس پڑے یہاں تک کہ داڑھ کے دانت واضح ہو گئے۔

[۲۲۴۱](۱۲)واذا وطئ المولی جاریة مکاتبه فجائت بولد فادّعاہ فان صدقه المکاتب ثبت نسبه منه وکان علیه عقرها وقیمة ولدها ولا تصیر ام ولد له[۲۲۴۲] (۱۳) وان کذبه المکاتب فی النسب لم یثبت نسبه منه.

[۲۲۴۱](۱۲)اگر آقا نے اپنے مکاتب کی باندی سے صحبت کی اور بچہ پیدا ہوا۔پس آقا نے اس کا دعوی کیا۔پس اگر مکاتب نے اس کی تصدیق کی تو بچے کا نسب اس سے ثابت کر دیا جائے گا۔اور آقا پر اس کا مہر لازم ہوگا اور اس کے بچے کی قیمت لازم ہوگی۔اور باندی اس کی ام ولد نہیں بنیگی۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مکاتب جب تک مکاتب ہے اس کا مال آقا کا مال نہیں ہے۔اس لئے آقا نے مکاتب کی باندی سے صحبت کی اور بچہ پیدا ہوا تو اگر مکاتب نے تصدیق کی کہ آقا ہی کا بیٹا ہے تو اس سے نسب ثابت ہوگا۔اور تصدیق نہیں کی تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔اور بچے کی قیمت بھی لازم ہوگی کیونکہ یہ بچہ حقیقت میں مکاتب کا مملوک ہے اس لئے اس کی قیمت دے گا تو آقا کی ملکیت ہوگی۔اور چونکہ دوسرے کی باندی سے وطی کی اس لئے وہ ام ولد نہیں بنے گی۔

[۲۲۴۲](۱۳)اور اگر مکاتب نے اس کو نسب کے بارے میں تکذیب کر دی تو بچے کا نسب آقا سے ثابت نہیں ہوگا۔

تشریح آقا نے مکاتب کی باندی سے صحبت کی اور بچہ پیدا ہوا اور نسب کا دعوی کیا لیکن مکاتب نے نسب کا انکار کر دیا تو بچے کا نسب آقا سے ثابت نہیں ہوگا۔

وجہ یہ باندی مکاتب کی تھی اور مکاتب نے انکار کر دیا تو انکار ہو جائے گا اور نسب ثابت نہیں ہوگا (۲) مکاتب کے انکار کرنے کی وجہ سے باندی آقا کا فراش نہیں رہی اس لئے بھی نسب ثابت نہیں ہوگا۔حدیث میں ہے۔عن ابی ہریرة ان رسول اللہ ﷺ قال الولد للفراش وللعاھر الحجر (الف)(مسلم شریف، باب الولد للفراش وتوقی الشبہات ص ۴۷۰ نمبر ۱۴۵۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت فراش نہ ہو تو اس سے بچے کا نسب ثابت نہیں کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بچہ فراش والے کے لئے ہے اور زانی کو محروم کیا جائے گا۔

﴿کتاب المکاتب﴾

[۲۲۴۳](۱)واذا كاتب المولى عبده او امته على مال شرطه عليه وقبل العبد ذلك العقد صار مكاتبا[۲۲۴۴] (۲)ويجوز ان يشترط المال حالا ويجوز مؤجلا ومنجما.

﴿کتاب المکاتب﴾

ضروری نوٹ آقا غلام کو کہے کہ اتنی رقم مجھے کما کر دو اور تم آزاد ہو جاؤ تو وہ مکاتب بن گیا۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا واتوھم من مال اللہ الذی اتاکم** (الف) (آیت ۳۳ سورۃ النور ۲۴) اور حدیث میں ہے۔ **قالت عائشة ان بریرة دخلت علیها تستعینها فی کتابتها وعلیها خمس اواقی نجمت علیها فی خمس سنین فقالت لها عائشة ونفست فیها ارأیت ان عددت لهم عدة واحدة اییبعک اهلک فاعتقک فیکون ولاء ک لی؟** (ب) (بخاری شریف، باب المکاتب ونجومه فی کل سنة نجم ص ۳۴۷ نمبر ۲۵۶۰) اس آیت اور حدیث سے مکاتب بنانا ثابت ہوا۔

[۲۲۴۳] (۱) اگر آقا نے اپنے غلام یا باندی کو اس کے مال کی شرط پر مکاتب بنایا اور غلام نے اس عقد کو قبول کر لیا تو مکاتب ہو جائے گا۔

تشریح آقا نے غلام کو یا باندی کو اس شرط پر مکاتب بنایا کہ اتنی رقم ادا کر دو تو آزاد ہو اور غلام یا باندی نے اس عقد کو قبول کر لیا تو وہ مکاتب بن جائیں گے۔

وجہ اوپر حدیث گزر چکی کہ حضرت بریرہ نے اس عقد کو قبول کر لیا تو وہ مکاتبہ بن گئی۔

[۲۲۴۴] (۲) اور جائز ہے کہ مال کی شرط لگائے فی الفور دینے کی یا قسط وار دینے کی۔

تشریح یہ بھی کر سکتا ہے کہ فی الفور مال کتابت ادا کر دو اور یہ بھی کر سکتا ہے کہ قسط وار ادا کرو۔

وجہ دونوں صورتوں کی دلیل اوپر کی حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت بریرہ پر پانچ اوقیہ لازم تھے اور پانچ سال میں ادا کرنا تھا جو اس بات کی دلیل ہوئی کہ مال کتابت قسط وار ہو سکتا ہے۔ اور حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ پورا مال کتابت نہ ادا کر دوں؟ ان کے الفاظ ہیں۔ ان عددت لهم عدة واحدة (بخاری شریف نمبر ۲۵۶۰) جس سے معلوم ہوا کہ تمام مال فی الفور ادا کرنے کی شرط بھی لگا سکتا ہے۔

لغت منجما : قسط وار۔

حاشیہ : (الف) جو لوگ کتابت کرنا چاہتے ہیں تمہارے مملوک میں سے تو ان کو مکاتب بناؤ اگر تم اس میں خیر سمجھتے ہو۔ اور ان کو اللہ کے مال میں سے دو جس کو اللہ نے تم کو دیا ہے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ اس کے پاس آئی اور مال کتابت میں مدد مانگنے لگی۔ ان پر پانچ اوقیہ تھے جو پانچ سال میں ادا کرنا تھا۔ پس حضرت عائشہؓ نے فرمایا وہ حضرت بریرہ میں دلچسپی رکھتی تھی۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ اگر ایک مرتبہ مال کتابت ادا کر دیں تو کیا تمہارا مالک تجھ کو بیچے گا؟ تاکہ میں تمہیں آزاد کر دوں اور تمہارا ولاء مجھے مل جائے۔

[۲۲۴۵](۳)ویجوز کتابة العبد الصغیر اذا کان یعقل الشراء والبیع[۲۲۴۶] (۴)واذا صحت الکتابة خرج المکاتب عن ید المولی ولم یخرج من ملکه[۲۲۴۷](۵) فیجوز له

[۲۲۴۵] (۳) چھوٹے غلام کی کتابت بھی جائز ہے اگر وہ بیع اور شراء سمجھتا ہو۔

تشریح اگر نابالغ غلام یا باندی جو خرید و فروخت سمجھتے ہوں ان کو مکاتب بنانا جائز ہے۔

وجہ جب بیع و شراء سمجھتا ہے تو خرید و فروخت کر کے مال کتابت کما سکتا ہے اور اس کا عقد کتابت بھی صحیح ہے۔ اس لئے وہ مکاتب ہو جائے گا جس طرح اس کی تجارت صحیح ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی تجارت صحیح نہیں۔ اسی طرح اس کا مکاتب بنانا صحیح نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے جس میں سے بچہ بھی ہے۔ اس لئے بچے کو مکاتب بنانا صحیح نہیں ہے۔ **عن علی عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (الف)** (ابو داؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حداص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۲)

[۲۲۴۶] (۴) جب کتابت صحیح ہو گئی تو مکاتب آقا کے ہاتھ سے نکل گیا لیکن اس کی ملکیت سے نہیں نکلا۔

تشریح کتابت صحیح ہونے کے بعد مکاتب تجارت کرنے سفر کرنے وغیرہ میں آزاد ہو جاتا ہے۔ اب وہ آقا کی اجازت کا محتاج نہیں ہوتا۔ اسی کو کہا ہے کہ وہ آقا کے ہاتھ سے نکل گیا لیکن ابھی بھی مکاتب آقا کا مملوک ہے۔ وہ تجارت وغیرہ میں آزاد ہے اس کی دلیل حضرت بریرہ کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت بریرہ حضرت عائشہ کے پاس امداد مانگنے آئی تھی۔ **ان بریرة دخلت علیها تستعینها فی کتابتها وعلیها خمس اواقی** (ب) (بخاری شریف، نمبر ۲۵۶۰) حضرت بریرہ کا مدد کے لئے آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مال جمع کرنے میں اور تجارت کرنے میں آزاد ہے۔

اور مکاتب آخری درہم ادا کرنے تک آقا کا مملوک ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ قال ایما عبد کاتب علی مائة اوقیة فاداها الا عشرة اواق فهو عبد وایما عبد کاتب علی مائة دینار فاداها الا عشرة دنانیر فهو عبد** (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی المکاتب یؤدی بعض کتابته فیعجز او یموت ص ۱۹۱ نمبر ۳۹۲۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب تک کتابت کی پوری رقم ادا نہیں کر دیتا وہ آقا کا غلام ہے۔

[۲۲۴۷] (۵) پس مکاتب کے لئے جائز ہے بیچنا، خریدنا، سفر کرنا اور اس کے لئے ناجائز ہے شادی کرنا مگر یہ کہ آقا اس کی اجازت دے اور نہ

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا قلم تین آدمیوں سے اٹھا لیا گیا ہے۔ سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے اور بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور مجنون سے یہاں تک کہ سمجھدار ہو جائے (ب) حضرت بریرہ حضرت عائشہ کے پاس آئی اور مال کتابت میں مدد مانگنے لگی۔ اس پر پانچ اوقیہ تھے (ج) آپ نے فرمایا کسی غلام کو سو اوقیہ پر مکاتب بنایا پس اس کو ادا کر دیا مگر دس اوقیہ تو ابھی بھی غلام ہے۔ اور کسی غلام کو سو دینار پر مکاتب بنایا پس اس کو ادا کر دیا مگر دس دینار تو وہ ابھی بھی غلام ہے۔

البیع والشراء والسفر ولا یجوز له التزوج الا ان یأذن له المولی ولا یهب ولا یتصدق الا بالشیء الیسیر ولا یتکفل[۲۲۴۸] (۲)فان ولد له ولد من امة له دخل فی کتابته وکان

ہبہ کرے نہ صدقہ کرے مگر تھوڑی سی چیز اور نہ کفیل بنے۔

تشریح یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ جن جن کاموں سے تجارت میں فائدہ ہوتا ہے وہ کام مکاتب کرسکتا ہے اور جن جن کاموں سے بلاوجہ رقم خرچ ہوتی ہے وہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس کو تو رقم جمع کر کے آقا کو دینا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ رقم اگرچہ مکاتب کے ہاتھ میں ہے لیکن حقیقت میں آقا کی ہے اس لئے فضول خرچی نہیں کرسکتا۔ اب اس قاعدے کے تحت وہ بیچ سکتا ہے، خرید سکتا ہے، سفر کرسکتا ہے۔

وجہ کیونکہ ان سے اکتساب کرے گا اور مال جلدی سے جمع کر کے آقا کو دے گا (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ عن یحیی بن ابی کثیر قال قال رسول اللہ ﷺ آیة فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا، قال ان علمتم منھم حرفة ولا ترسلوھم کلابا علی الناس (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی تفسیر قولہ عز وجل ان علمتم فیھم خیرا ج عاشر ص ۵۳۵ نمبر ۲۱۶۰۱) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام کرسکتا ہے جس سے مال کی بڑھوتری ہو اور وہ کام نہیں کرسکتا جس سے بلاوجہ مال خرچ ہو (۳) اسی آیت کے دوسرے حصے میں فرمایا۔ واتوھم من مال اللہ الذی اتاکم (ب) (آیت ۳۳ سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں بھی فرمایا کہ مکاتب کو مال دو جو مال اللہ نے تم کو دیا ہے۔ اس سے بھی اشارہ ہوتا ہے کہ مکاتب کو مال جمع کرنا چاہئے۔

اپنی شادی کرنا، مال ہبہ کرنا، صدقہ کرنا ان سے مال جمع نہیں ہوگا بلکہ خرچ ہوگا اس لئے یہ بھی نہیں کرسکتا۔ کفیل بننے سے بھی مال خرچ ہوگا اس لئے یہ بھی نہیں کرسکتا۔ البتہ تھوڑا بہت جو تجارت کا اخلاقی فرض ہے اور جس سے گاہک کھینچ کر آئیں گے اتنا خرچ کرسکتا ہے۔ بلکہ سفر کرنے سے منع کیا تب بھی وہ سفر کرے گا۔ اثر میں ہے۔ عن الشعبی قال ان شرط علی المکاتب ان لا یخرج خرج ان شاء وان شرط علیه ان لا یتزوج لم یتزوج الا ان یأذن له مولاہ (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الشرط علی المکاتب ج ثامن ص ۳۷۸ نمبر ۱۵۶۰۱) اس اثر میں ہے کہ سفر کرنے سے منع کیا تب بھی سفر کرے گا اور شادی کرنے سے منع کیا تو شادی نہیں کرے گا۔

[۲۲۴۸] (۲) پس اگر مکاتب کو اس کی باندی سے بچہ پیدا ہوا تو اس کی کتابت میں داخل ہو جائے گا اور اس کا حکم باپ کا حکم ہوگا اور بچے کی کمائی باپ کے لئے ہوگی۔

تشریح غلام مکاتب تھا اس نے باندی خریدی اور اس سے صحبت کی جس سے مکاتب کا بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ بھی باپ کی طرح مکاتب ہی ہوگا اور جو کچھ بچہ کمائے گا وہ باپ کا ہوگا۔ جس سے وہ مال کتابت ادا کرے گا۔

وجہ اثر میں ہے کہ جیسا باپ ہوگا وہی حکم بچے کا ہوگا۔ عن علیؓ قال ولدھا بمنزلتھا یعنی المکاتبة (د) (سنن للبیہقی، باب ولد

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا آیت ان کو مکاتب بناؤ اگر تم اس میں خیر سمجھو۔ فرمایا اگر تم اس میں حرفت جانو اور غلام کو لوگوں پر بوجھ مت چھوڑو (ب) ان کو اللہ کے مال میں سے دو جو تم کو دیا ہے (ج) حضرت شعبی نے فرمایا اگر مکاتب پر شرط لگائی کہ تجارت کے لئے نہ نکلے تو اگر وہ چاہے تو نکل سکتا ہے۔ اور اگر اس پر شرط لگائی کہ شادی نہ کرے تو شادی نہ کرے مگر یہ کہ آقا اس کی اجازت دے (د) حضرت علیؓ نے فرمایا مکاتبہ کی اولاد اسی کے درجے میں ہوگی یعنی مکاتب ہوگی۔

حکمه مثل حکم ابیه و کسبه له[۲۲۴۹] (۷)فان زوج المولی عبده من امته ثم کاتبها فولدت منه ولدا دخل فی کتابتها و کان کسبه لها[۲۲۵۰] (۸)وان وطئ المولی مکاتبته

المکاتب من جاریۃ وولد المکاتبۃ من زوجھا عاشر ص ۵۶۰ نمبر ۲۱۶۹۹، مصنف عبد الرزاق، باب المکاتب لایشترط ولدہ فی کتابتہ ج ثامن، ص ۳۸۶ نمبر ۱۵۶۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچہ باپ کے حکم میں ہوگا۔ اور چونکہ باپ مال کتابت کما کر ادا کرے گا تو بچہ بھی مال کتابت کما کر ادا کرے گا۔

[۲۲۴۹] (۷) اگر آقا نے اپنے غلام کی اپنی باندی سے شادی کرائی پھر دونوں کو مکاتب بنایا اور ان سے بچہ پیدا ہوا تو بچہ ماں کی کتابت میں داخل ہوگا اور اس کی کمائی ماں کے لئے ہوگی۔

تشریح اس مسئلہ میں ماں باپ دونوں ایک ہی آقا کے غلام باندی ہیں اور دونوں مکاتب ہیں اس لئے سوال پیدا ہوا کہ بچہ کس کی کتابت میں داخل کریں تو مصنف نے فرمایا کہ ماں کی کتابت میں داخل ہوگا۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ غلام اور آزاد ہونے میں بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے اس لئے یہاں بھی مکاتب ہونے میں بچہ ماں کے تابع ہوگا (۲) اوپر کے اثر میں بھی بچہ مکاتبہ ہی کے تابع قرار دیا تھا (۲) **عن شریح انه سئل عن ولد المکاتبة فقال ولدها مثلها ان عتقت عتقوا وان رقت رقوا** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب المکاتب لایشترط ولدہ فی کتابتہ ج ثامن ص ۳۸۶ نمبر ۱۵۶۳۵) اس اثر میں بچے کو مکاتبہ ماں کے تابع کیا۔

[۲۲۵۰] (۸) اور اگر وطی کی مولی نے اپنی مکاتبہ باندی سے تو اس کو عقر لازم ہوگا۔ اور اگر مکاتبہ پر جنایت کی یا اس کی اولاد پر تو اس کا تاوان لازم ہوگا۔ اور اگر اس کا مال تلف کیا تو تاوان لازم ہوگا۔

تشریح آقا نے اپنی مکاتبہ باندی سے وطی کر لی تو اس وطی کا مہر لازم ہوگا۔ اور اگر آقا نے مکاتب کی جان کا نقصان کیا یا اس کے بچے کی جان کا نقصان کیا یا باندی کا مال تلف کیا تو ان تمام کا تاوان آقا پر لازم ہوگا۔

وجہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ باندی کو مکاتبہ بنانے کے بعد وہ مال اور جان کے بارے میں آقا سے اجنبی بن گئی ہے۔ اس لئے آقا مکاتبہ کا کوئی بھی نقصان کرے گا تو آقا پر اس کا تاوان لازم ہو جائے گا (۲) مکاتبہ کمانے کے لئے مکاتبہ بنی ہے اور یہ سب کمائی کے طریقے ہیں تاکہ مال جمع کر کے آقا کو ادا کر سکے۔ اس لئے آقا سے بھی تاوان وصول کرے گی (۳) اثر میں ہے۔ **عن الثوری فی الذی یغشی مکاتبته قال لها الصداق ویدرأ عنها الحد** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب لایباع المکاتب الا بالعروض والرجل یطأ مکاتبتہ ج ثامن ص ۴۲۸ نمبر ۱۵۸۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آقا اپنی مکاتبہ سے وطی کرے تو اس کو اس کا مہر دینا ہوگا۔ اس سے یہ قاعدہ بھی نکلا کہ مکاتبہ مال اور جان میں اجنبیہ کی طرح ہے (۴) جان یا مال کا تاوان مکاتبہ کو ملے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن عطاء قلت له فاصیب المکاتب بشیء**

حاشیہ: (الف) مکاتبہ کے بچے کے بارے میں حضرت شریح سے پوچھا گیا تو فرمایا مکاتبہ کا بچہ مکاتبہ کی طرح مکاتب ہوگا۔ اگر وہ آزاد کی گئی تو بچہ آزاد ہوگا۔ اور اگر وہ باندی ہے تو بچہ غلام رہے گا (ب) حضرت ثوری نے فرمایا اگر مکاتبہ سے جماع کرے تو مکاتبہ کو مہر ملے گا اور آقا کو حد نہیں لگے گی۔

لزمه العقر وان جنی علیها او علی ولدها لزمته الجنایة وان اتلف مالا لها غرمه[۲۲۵۱] (۹)واذا اشتری المکاتب اباه او ابنه دخل فی کتابته وان اشتری ام ولده مع ولدها دخل ولدها فی الکتابة لم یجز له بیعها[۲۲۵۲] (۱۰)وان اشتری ذارحم محرم منه لاولاد له

قال هو للمکاتب؟ وقال عمرو بن دینار قلت لعطاء من اجل انه کان من ماله یحرزه کما احرز ماله؟ قال نعم (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب جریرۃ المکاتب وجنایۃ ام الولد ج عاشر ص ۳۹۹ نمبر ۱۵۶۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکاتب کا تاوان مکاتب کو ملے گا۔ کیونکہ وہ مال اور جان کے بارے میں آقا سے اجنبی بن گیا ہے۔

لغت العقر : وطی کرنے کا مہر، جنی علیها : اس پر جنایت کی، اتلف : نقصان کیا۔

[۲۲۵۱] (۹) اگر مکاتب نے اپنے باپ یا بیٹے کو خرید ا تو وہ اس کی کتابت میں داخل ہو جائیں گے اور اگر اپنی ام ولد کو اس کے بیٹے کے ساتھ خریدا تو اس کا بیٹا کتابت میں داخل ہو جائے گا اور آقا کے لئے اس کا بیچنا جائز نہیں ہوگا۔

تشریح مکاتب نے اپنے باپ یا بیٹے کو خریدا تو مکاتب کی طرح اس کا باپ اور بیٹا بھی کتابت میں داخل ہو جائیں گے۔ اسی طرح اپنی ام ولد کو اس کے بچے کے ساتھ خریدا تو اس کا بچہ بھی کتابت میں داخل ہو جائے گا۔ اور چونکہ بیٹے میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے اس لئے بیٹے کی وجہ سے اس کی ماں میں بھی آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔ اس لئے اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

وجہ پہلے اثر گزر چکا ہے کہ مکاتب کی اولاد بھی مکاتب ہوگی (۲) عن علیؓ قال ولدها بمنزلتها یعنی المکاتبة (ب) (سنن للبیہقی، باب ولد المکاتب من جاریۃ وولد المکاتبۃ من زوج ج عاشر ص ۵۶۰ نمبر ۲۱۶۹۹ مصنف عبدالرزاق، باب المکاتب لایشترط ولدہ فی کتابتہ ج ثامن ص ۳۶۸ نمبر ۱۵۶۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکاتب کی اولاد خریدنے کے بعد کتابت میں داخل ہوگی۔ اور اسی طرح باپ بھی کتابت میں داخل ہوں گے۔

ام ولد کو بیچنا اس لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے بیٹے میں آزادگی کا شائبہ آگیا ہے اور اس کی وجہ سے ماں میں بھی آزادگی کا شائبہ آگیا ہے۔ اس لئے اب اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

[۲۲۵۲] (۱۰) اور اگر اپنے ذی رحم محرم کو خریدا جس کے ساتھ ولادت کا رشتہ نہیں ہے تو وہ اس کی کتابت میں داخل نہیں ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح مکاتب نے ایسے ذی رحم محرم کو خریدا جس کے ساتھ ولادت کا رشتہ نہیں ہے مثلا بھائی، بہن، پھوپھی، چچا کو خریدا تو وہ لوگ مکاتب کی کتابت میں داخل نہیں ہوں گے۔ اور یہ لوگ مکاتب نہیں بنیں گے۔ البتہ باپ، دادا، ماں، دادی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی وغیرہ

حاشیہ : (الف) حضرت عطا کو میں نے پوچھا اگر مکاتب کو کوئی نقصان ہو جائے؟ کہا اس کا تاوان مکاتب کو ملے گا۔ عمرو بن دینار نے حضرت عطاء سے پوچھا اس وجہ سے کہ وہ اپنا مال جمع کر رہا ہے جیسا کہ اپنا مال جمع کرتا ہے؟ کہا ہاں (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا مکاتبہ کی اولاد مکاتبہ کی طرح ہے یعنی مکاتب ہوگی۔

لـم يـدخـل فی كتابته عند ابی حنيفة رحمه الله تعالى [۲۲۵۳](۱۱)واذا عجز المكاتب عـن نـجم نظر الحاكم فی حاله فان كان له دين يقضيه او مال يقدم عليه لم يعجل بتعجيزه وانتظر عليه اليومين او الثلثة وان لم يكن وجه وطلب المولى تعجيزه عجّزه الحاكم

کتابت میں داخل ہوں گے۔

وجہ ولادت کا رشتہ قریب کا رشتہ ہے اسی لئے اگر بیٹا غریب ہوتب بھی باپ کا نفقہ لازم ہوتا ہے۔جبکہ دوسرے رشتہ داروں کا نفقہ لازم نہیں ہوتا۔اس لئے باپ اور بیٹا یعنی اصول اور فروع آدمی کی کتابت میں داخل ہوں گے۔دوسرے رشتہ دار داخل نہیں ہوں گے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ باپ اور بیٹے کی طرح دوسرے رشتہ دار بھی کتابت میں داخل ہوں گے۔

وجہ کیونکہ باپ اور بیٹے دادا اور دادی کی طرح یہ لوگ بھی قریب کے رشتہ دار ہیں۔

[۲۲۵۳](۱۱)اور اگر مکاتب قسط ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو حاکم اس کی حالت پر غور کرے گا۔پس اگر اس کا قرض ہو جس کو قبضہ کر سکتا ہے یا مال اس کے پاس آسکتا ہو تو اس کو عاجز کرنے میں جلدی نہ کرے اور اس کو دو دن یا تین دن تک مہلت دے۔اور اگر اس کے پاس کوئی راستہ نہ ہو اور آقا اس کو عاجز قرار دینے کا مطالبہ کرے تو حاکم اس کو عاجز قرار دے اور کتابت فسخ کر دے۔اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس کو عاجز قرار نہ دے یہاں تک کہ اس پر دو قسطیں چڑھ جائیں۔

تشریح مکاتب قسط ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو حاکم اس کی حالت پر غور کرے گا۔اگر اس کے پاس کہیں سے قرض آسکتا ہو یا کوئی مال آسکتا ہو جس سے اس کی قسط ادا ہوسکتی ہو تو حاکم اس کو عاجز کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ دو چار دنوں کی مہلت دے تاکہ وہ قسط ادا کر سکے۔اور اگر مال آنے کا کوئی راستہ نہ ہو اور آقا عاجز قرار دینے کا مطالبہ کرے تو حاکم اس کو عاجز قرار دے گا اور کتابت فسخ کر دے گا۔اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دو قسطیں چڑھ جائیں اور ادا نہ کر سکے تب کتابت فسخ کرے گا۔

وجہ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عمر بن شعيب، عن ابيه عن جده عن النبی ﷺ قال المكاتب عبد مابقی عليه من كتابته درهم (الف)(ابو داؤد شریف، باب فی المکاتب یودی بعض کتابتہ فیعجز اویموت ج ثانی ص ۱۹۱ نمبر ۳۹۲۶)اس حدیث میں ہے کہ ایک درہم بھی باقی ہو تو مکاتب غلام ہے۔اس لئے قسط ادا نہ کر سکے تو غلامیت کی طرف واپس لوٹ آئے گا(۲)اثر میں ہے۔سمع جابر بن عبد الله يقول فی المكاتب يودی صدرا من كتابته ثم يعجز قال يرد عبدا (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب عجز المکاتب وغیر ذلک ج ثامن ص ۴۰۶ نمبر ۱۵۷۱۹، سنن للبیہقی، باب عجز المکاتب ج عاشر ص ۵۴۲ نمبر ۲۱۷۵۲)اس اثر میں ہے کہ مکاتب عاجز ہو جائے تو مکاتب دوبارہ غلام بن جائے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مکاتب غلام ہے جب تک کتابت کا ایک درہم بھی اس پر باقی ہے (ب) حضرت جابر بن عبد اللہ سے فرماتے ہوئے سنا کہ مکاتب کتابت کا شروع کا حصہ ادا کرے پھر عاجز ہو جائے تو فرمایا واپس غلام بن جائے گا۔

وفسخ الكتابة وقال ابو يوسف لايعجِزه حتى يتوالى عليه نجمان[۲۲۵۴] (۱۲)واذا عجز المكاتب عاد الى حكم الرق وكان مافى يده من الاكتساب لمولاه[۲۲۵۵] (۱۳)فان مات المكاتب وله مال لم تنفسخ الكتابة وقضى ما عليه من اكتسابه وحكم

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا دو قسطیں چڑھ جائیں تب عاجز قرار دے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن على قال اذا تتابع على المكاتب نجمان فدخل فى السنة فلم يود نجومه رد فى الرق (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷ من رد المکاتب اذا عجز ج رابع، ص ۳۹۹ نمبر ۲۱۴۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دو قسطیں چڑھ جائیں تب غلامیت کی طرف واپس کرے گا۔

لغت نجم : قسط۔

[۲۲۵۴] (۱۲) اگر مکاتب عاجز ہو جائے تو غلامیت کے احکام کی طرف لوٹ آئے گا اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں کمائی ہے وہ آقا کے لئے ہو جائے گی

وجہ (۱) مکاتب جب غلام بن گیا تو غلام کا سارا مال آقا کا ہوتا ہے۔ اس لئے مکاتب نے جو کچھ ادا کیا وہ آقا کے لئے حلال ہے چاہے صدقہ اور خیرات کے مال ہی کو جمع کر کے قسط ادا کی ہو (۲) حدیث میں ہے کہ بریرہ کے پاس صدقہ کا مال آیا تو وہ حضورؐ کے لئے حلال ہو گیا۔ کیونکہ بریرہ کے لئے صدقہ تھا لیکن اس پر مالک بننے کے بعد حضورؐ کے لئے ہدیہ ہو گیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن عائشة قالت ..... قدخل رسول الله وبرمة على النار فقرب اليه خبز وادم من ادم البيت فقال الم ار البرمة ؟ فقيل لحم تصدق به على بريرة وانت لا تأكل الصدقة فقال هو عليها صدقة ولنا هدية (ب) (بخاری شریف، باب الحرۃ تحت العبد ص ۷۶۳ نمبر ۵۰۹۷، مسلم شریف، کتاب العتق ص ۴۹۱ نمبر ۱۵۰۴/۳۷۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام صدقے کا مالک ہو جائے اس کے بعد اس کو آقا کو دے تو آقا کے لئے ہدیہ ہے۔ اور آقا مالدار ہو تب بھی اس کے لئے حلال اور طیب ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن جابر قال لهم ما اخذوا منه يعنى اذا لم يكمل فرد فى الرق فما اخذ فله (ج) (سنن للبیہقی، باب عجز المکاتب ج عاشر ص ۵۷۳ نمبر ۲۱۷۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلامیت کی طرف واپس لوٹنے کے بعد جو مال مکاتب کے پاس تھا وہ آقا کا ہو جائے گا۔

[۲۲۵۵] (۱۳) اگر مکاتب مر گیا اور اس کے پاس مال ہو تو کتابت نہیں لوٹے گی اور جو اس پر ہے اس کو ادا کیا جائے گا اس کی کمائی سے اور اس کی آزادگی کا حکم دیا جائے گا اس کی زندگی کے آخری جز میں۔ اور جو باقی رہ جائے وہ اس کے ورثہ کی میراث ہوگی۔ اور اس کی اولاد آزاد ہو

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ مکاتب پر دو قسطیں چڑھ جائیں اور اگلے سال میں داخل ہو جائے اور اپنی قسط ادا نہیں کی تو غلامیت میں واپس لوٹ جائے گا (ب) حضورؐ حضرت بریرہ کے پاس تشریف لائے اور آگ پر ہانڈی تھی۔ پھر آپ کے سامنے روٹی اور گھر کا ادام پیش کیا تو آپؐ نے پوچھا کیا میں ہانڈی نہیں دیکھ رہا ہوں؟ کہا گیا یہ گوشت ہے جو بریرہ پر صدقہ کیا گیا۔ اور آپؐ صدقہ نہیں کھاتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا یہ بریرہ پر صدقہ ہے اور میرے لئے ہدیہ ہے (ج) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آقا کے لئے وہ مال ہوگا جو انہوں نے غلام سے لیا یعنی اگر قسط پوری نہیں کی اور لوٹ گیا غلامیت میں جو کچھ آقا نے مکاتب سے لیا وہ آقا کا ہوگا۔

بعتقه فی آخر جزء من اجزاء حیاته وما بقی فهو میراث لورثته ویعتق اولاده [۲۲۵۶]

(۱۴)وان لم یترک وفاء وترک ولدا مولودا فی الکتابة سعی فی کتابة ابیه علی نجومه فاذا ادّی حکمنا بعتق ابیه قبل موته وعتق الولد.

جائیگی۔

تشریح اگر مکاتب مرگیااوراس کے پاس اتنامال ہو کہ پورامال کتابت ادا کیا جاسکتا ہو تو کتابت فسخ نہیں کی جائے گی بلکہ اس کے مال سے کتابت ادا کی جائے گی اور موت سے کچھ دیر پہلے آزادگی کا حکم لگایا جائے گا اور یوں سمجھا جائے گا کہ موت سے کچھ دیر پہلے مال کتابت ادا کر کے آزاد ہوا اس کے بعد انتقال ہوا۔ چونکہ مکاتب آزاد ہو کر مرا ہے اس لئے اس کی اولاد بھی آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ باپ آزاد ہو کر مرا ہے۔ مال کتابت ادا کرنے کے بعد جو کچھ مال بچے گا وہ اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

وجہ (۱)حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ سمعت ام سلمة تقول قال لنا رسول الله ﷺ اذا کان لاحداکن مکاتب فکان عنده ما یودی فلتحتجب منه (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی المکاتب یودی بعض کتابتہ فیعجز ادیموت ص ۱۹۱ نمبر ۳۹۲۸)اس حدیث میں اشارہ ہے کہ مکاتب کے پاس اتنا مال ہو گیا ہو جس سے مال کتابت ادا کر سکتا ہو تو اب اس کو آزاد کی طرح سمجھنا چاہئے اور اس سے پردہ کا اہتمام کرنا چاہئے (۲)اثر میں ہے۔ قلت لعطاء المکاتب یموت وله ولد احرار ویدع اکثر مما بقیعلیه من کتابته قال یقضی عنه ما بقی من کتابته وما کان من فضل فلبنیه قلت ابلغک هذا عن احد؟قال زعموا ان علیا کان یقضی بذلک (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ۲۸۱ فی مکاتب مات وترک ولدا احرار ج رابع ص ۴۰۷ نمبر ۲۱۵۰۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مال کتابت ادا کیا جائے گا اور اس کو آزاد قرار دیا جائے گا۔ اور مال کتابت ادا کرنے کے بعد جو بچے وہ اس کے بچوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

[۲۲۵۶](۱۴)اور اگر مال کتابت پورا کرنے کے لئے مال نہیں چھوڑا اور ایسی اولاد چھوڑی جو کتابت کے زمانے میں پیدا ہوئی تھی تو وہ کوشش کرے گی باپ کی کتابت میں قسط وار۔ پس جب ادا کر دے تو ہم اس کے باپ کی آزادگی کا فیصلہ کریں گے اس کی موت سے پہلے اور بچہ آزاد ہوگا۔

تشریح مکاتب کا انتقال ہوا اس حال میں کہ مال کتابت پورا کرنے کا مال نہیں تھا۔ البتہ لڑکا تھا جو کتابت کے زمانے میں پیدا ہوا تھا اس لئے وہ بھی باپ کے تحت میں مکاتب بنا اس لئے وہ اپنے باپ کی کتابت قسط وار ادا کرے گا۔ اور جب سب مال ادا کر دیا تو باپ کو مرنے سے پہلے آزاد شمار کیا جائے گا اور اس پر آزادگی کے احکام نافذ کریں گے۔ اور اس کی وجہ سے یہ بچہ بھی آزاد شمار کیا جائے گا۔

(الف) حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ہم سے حضورؐ نے فرمایا اگر تمہارے پاس مکاتب ہو اور اسکے پاس اتنا مال ہو کہ کتابت ادا کر دے تو اس سے پردہ کرنا شروع کرنا چاہئے (ب) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ مکاتب مرجائے اور اس کے پاس آزاد بچہ ہو اور مال کتابت سے زیادہ مال چھوڑے تو فرمایا کہ جتنا مال کتابت ہو اس کو ادا کرے۔ اور جو مال باقی بچا وہ اس کے بیٹے کا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کسی سے آپ نے سنا ہے؟ فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ ایسا ہی فیصلہ کیا کرتے تھے۔

[۲۲۵۷] (۱۵) وان ترک ولدا مشترًی فی الکتابة قیل له اما ان تؤدی الکتابة حالا والا رددت فی الرق[۲۲۵۸] (۱۶) واذا کاتب المسلم عبده علی خمر او خنزیر او علی قیمة نفسه فالکتابة فاسدة فان اذی الخمر والخنزیر عتق ولزمه ان یسعی فی قیمته

وجہ بچہ مکاتب ہوگا اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔عن علی قال ولدها بمنزلتها یعنی المکاتبة (الف) (سنن للبیہقی، باب ولد المکاتب من جاریۃ وولد المکاتبۃ من زوجہا ج عاشر، ص ۵۶۰ نمبر ۲۱۶۹۹، مصنف عبد الرزاق، باب المکاتب لایشترط ولدہ فی کتابتہ ج ثامن ص ۳۸۶ نمبر ۱۵۶۳۵) اور باپ کی آزادگی سے بچہ آزاد ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن الثوری قال المکاتبة اذا اعتقت عتق ولدها اذا ولدوا فی کتابتها (ب) مصنف عبد الرزاق، باب کتابتہ وولدہ فمات منھم احد او اعتق ج ثامن ص ۳۹۰ نمبر ۱۵۶۵۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکاتب جب آزاد ہوگا تو اس کی اولاد بھی آزاد ہو جائے گی۔

[۲۲۵۷] (۱۵) اگر ایسا لڑکا چھوڑا جو زمانۂ کتابت میں خریدا گیا تھا تو اس سے کہا جائے گا یا فورا مال کتابت ادا کرورنہ غلامیت کی طرف لوٹا دوں گا۔

تشریح مکاتب نے لڑکے کو کتابت کے زمانے میں خریدا تھا ایسا لڑکا چھوڑا۔اور اتنا مال نہیں چھوڑا کہ مال کتابت ادا کیا جاسکے تو وہ لڑکا باپ کی طرح مکاتب بن جائے گا۔البتہ باپ سے مولی نے قسط وار مال کتابت ادا کرنے کی شرط کی تھی اور بیٹے چونکہ خریدے گئے ہیں اس لئے ان سے قسط وار ادا کرنے کی شرط نہیں ہوئی ہے اس لئے وہ بیک وقت ہی سارا مال ادا کرے اور آزاد ہو جائے۔اور اگر بیک وقت ادا نہیں کرسکتا تو غلامیت کی طرف لوٹ جائے۔ بیٹے کے خریدنے اور بیٹے کے پیدا ہونے میں فرق یہ ہے کہ پیدا ہونے کی وجہ سے بنیادی طور پر بیٹا باپ کی طرح مکاتب بن گیا۔اس لئے باپ پر قسط وار تھا بیٹے پر بھی قسط وار ادا کرنا لازم ہوگا۔اور بیٹا خریدا تو وہ بنیادی طور پر باپ کی طرح نہیں ہوا اس لئے یہ بیٹا مکاتب تو بنا لیکن اس پر قسط وار ادا کرنا لازم نہیں ہوگا بلکہ بیک وقت ادا کرنا لازم ہوگا۔

[۲۲۵۸] (۱۶) اگر مسلمان نے اپنے غلام کو شراب پر یا سور پر یا خود غلام کی قیمت پر مکاتب بنایا تو کتابت فاسد ہے۔پس اگر شراب یا سور ادا کیا تو آزاد ہو جائے گا اور اس کو لازم ہوگا کہ اپنی قیمت کی سعایت کرے مسمی سے کم نہ ہو اور اس سے زیادہ کیا جاسکتا ہے۔

تشریح مسلمان آدمی اپنے غلام کو شراب پر یا سور پر مکاتب بنایا تو یہ کتابت فاسد ہے۔اسی طرح خود غلام کی قیمت پر مکاتب بنایا اور اس کی قیمت کیا ہے اس کو متعین نہیں کیا تو یہ کتابت فاسد ہوگی۔

وجہ سور اور شراب مسلمان کے حق میں مال نہیں ہے اس لئے گویا کہ بغیر مال کے کتابت کیا اس لئے وہ کتابت فاسد ہوگی۔البتہ اگر سور یا شراب ادا کر دیا تو چونکہ شرط پائی گئی اس لئے مکاتب آزاد ہو جائے گا۔لیکن چونکہ وہ مال نہیں ہے اس لئے مکاتب اپنی قیمت کی سعایت کر کے

حاشیہ : (الف) حضرت علی نے فرمایا مکاتبہ کی اولاد اس کے درجے میں ہوگی یعنی مکاتبہ ہوگی (ب) حضرت ثوری نے فرمایا مکاتبہ جب آزاد ہوگی تو اس کی اولاد بھی آزاد ہوگی اگر کتابت کے زمانے میں پیدا ہوئی ہو۔

ولاینقص من المسمی ویزاد علیہ [۲۲۵۹](۱۷)وان کاتبہ علی حیوان غیر موصوف فالکتابۃ جائزۃ[۲۲۶۰] (۱۸)وان کاتبہ علی ثوب لم یسم جنسہ لم یجز وان اداہ لم یعتق[۲۲۶۱] (۱۹)وان کاتب عبدیہ کتابۃ واحدۃ بالف درھم وان ادّیا عتقا وان عجزا رُدّا الی الرق[۲۲۶۲] (۲۰)وان کاتبھما علی ان کل واحد منھما ضامن عن الآخر

آقا کوادا کرے گا۔ یہ قیمت سور اور شراب کی قیمت سے کم نہ ہو کیونکہ اس پر مکاتب راضی ہوا۔ اور اس سے زیادہ ہو سکتی ہے تا کہ مکاتب ادا کر کے جلدی آزاد ہو جائے۔ اگر کم دے تو ممکن ہے کہ آقا مکاتب بنانے اور آزاد کرنے پر راضی نہ ہو اس لئے زیادہ دے تو جائز ہے۔

[۲۲۵۹] (۱۷) اگر ایسے حیوان پر مکاتب بنایا جس کی صفت متعین نہ کی ہو تو کتابت جائز ہے۔

تشریح حیوان کی جنس متعین کی مثلا گھوڑے پر مکاتب بناتا ہوں لیکن صفت متعین نہیں کی کہ کس قسم کا گھوڑا ہے اعلی یا ادنی۔ اسی طرح نوع متعین نہیں کی کہ فارسی گھوڑا ہے یا عربی گھوڑا۔ تب بھی کتابت صحیح ہے۔

وجہ جنس متعین کرنے سے جہالت اتنی نہیں رہی کہ منازعت اور جھگڑے کی طرف پہنچائے۔ اس لئے کتابت جائز ہو جائے گی۔ اور وسط جانور لازم ہو گا یا درمیانی جانور کی قیمت لازم ہوگی۔ باقی دلیل کتاب النکاح میں گزر چکی ہے۔

[۲۲۶۰] (۱۸) اور اگر مکاتب بنایا ایسے کپڑے پر جس کی جنس متعین نہ ہو تو کتابت جائز نہیں ہے۔ اور اگر ادا کر دیا تب بھی آزاد نہیں ہوگا۔

تشریح کپڑے پر مکاتب بنایا اور اس کی جنس بھی متعین نہیں کی کہ سوتی کپڑا ہے یا پولیسٹر۔ تو چونکہ ہر قسم کا کپڑا الگ الگ جنس ہے اور بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے اس لئے مکمل مجہول ہونے کی وجہ سے کتابت صحیح نہیں ہوگی۔ اور چونکہ کتابت صحیح نہیں ہوئی اس لئے اگر کسی قسم کا کپڑا بھی ادا کر دیا تو آزادگی نہیں ہوگی۔

وجہ کیونکہ گویا کہ کتابت ہی نہیں ہوئی ہے۔

[۲۲۶۱] (۱۹) اگر اپنے دو غلاموں کو ایک کتابت میں ہزار درہم کے بدلے مکاتب بنایا تو مکاتب بنانا صحیح ہے۔ اور اگر دونوں نے ادا کیا تو دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ اور اگر دونوں عاجز ہو گئے تو دونوں غلامیت کی طرف لوٹ جائیں گے۔

وجہ دونوں غلاموں کو ایک ساتھ مکاتب بنایا اس لئے دونوں رقم کے ذمہ دار ہیں۔ اس لئے دونوں ادا کر دے تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور دونوں عاجز ہو جائے تو دونوں غلامیت کی طرف لوٹ جائیں گے۔

[۲۲۶۲] (۲۰) اور اگر دونوں کو مکاتب بنایا اس شرط پر کہ دونوں میں سے ہر ایک ضامن ہیں دوسرے کے تو کتابت جائز ہے اور جو بھی ادا کرے گا دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ اور جو کچھ ادا کیا اس کے آدھے کا اپنے شریک سے واپس لے گا۔

وجہ چونکہ دونوں ضامن ہیں اس لئے دونوں میں سے کوئی ایک بھی ادا کرے گا تو دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ چونکہ ادا کرنے والے نے آدھا اپنی جانب سے اور آدھا دوسرے کی جانب سے ادا کیا ہے اس لئے آدھا شریک سے واپس لے گا۔

جازت الکتابة وایهما ادّی عتقا ویرجع علی شریکه بنصف ما ادّی[۲۲۶۳] (۲۱)واذا اعتق المولی مکاتبه عتق بعتقه وسقط عنه مال الکتابة [۲۲۶۴](۲۲)واذا مات مولی المکاتب لم تنفسخ الکتابة وقیل له ادِّ المال الی ورثة المولی علی نجومه[۲۲۶۵] (۲۳)فان اعتقه احد الورثة لم ینفذ عتقه وان اعتقوہ جمیعا عتق وسقط عنه مال الکتابة.

[۲۲۶۳](۲۱) اگر آقا اپنے مکاتب کو آزاد کرے تو اس کے آزاد کرنے سے مکاتب آزاد ہو جائے گا۔ اور اس سے مال کتابت ساقط ہو جائیگا۔

وجہ مکاتب ابھی بھی آقا کا غلام ہے اس لئے آقا اس کو ابھی بھی آزاد کر سکتا ہے۔ اس لئے اس کے آزاد کرنے سے مکاتب آزاد ہو جائے گا۔ اور مال کتابت اس لئے ادا کر رہا تھا کہ وہ آزاد ہو جائے۔ پس اب آزاد ہو گیا اس لئے مال کتابت ادا کرنے کی ضرورت نہیں رہی اس لئے مال کتابت ساقط ہو جائے گا (۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **فذکر ذلک لعائشة فذکرت عائشة ماقالت لها فقال اشتریها فاعتقیها ودعیهم یشترطوا ما شاء وا فاشترتها فاعتقتها واشترط اهلها الولاء** (الف) (بخاری شریف، باب اذا قال المکاتب اشترنی واعتقنی فاشتراہ لذلک ص ۳۴۹ نمبر ۲۵۶۵) اس حدیث میں حضرت بریرہ مکاتبہ کو خرید کر آزاد کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مکاتب کو آزاد کر سکتا ہے۔

[۲۲۶۴](۲۲) اور اگر مکاتب کا آقا مر گیا تو کتابت فسخ نہیں ہوگی اور کہا جائے گا کہ مال ادا کرو آقا کے ورثہ کی طرف اس کی قسطوں کے مطابق۔

تشریح آقا کے مرنے سے کتابت ساقط نہیں ہوئی بلکہ کتابت موجود ہے اور وارث اب مال کتابت کا حقدار ہے۔ اس لئے جن شرطوں کے ساتھ آقا کو قسط وار مال کتابت ادا کرتا انہیں شرطوں کے ساتھ وارث کو قسط وار ادا کرے گا۔

وجہ کیونکہ شرطیں وہی باقی ہیں جو آقا کے ساتھ طے ہوئی تھیں۔

[۲۲۶۵](۲۳) پس اگر ورثہ میں کسی ایک نے اس کو آزاد کیا تو اس کی آزادگی نافذ نہیں ہوگی اور اگر سب نے آزاد کیا تو آزاد ہو جائے گا۔ اور اس سے مال کتابت ساقط ہو جائے گا۔

وجہ ورثہ میں سے ایک نے آزاد کیا تو مکاتب میں نقص آئے گا۔ کیونکہ اس کا ایک حصہ آزاد ہو گیا اس لئے دوسرے ورثہ کو نقصان ہوگا۔ کیونکہ اب ان کو بھی آزاد کرنا ہوگا۔ اس لئے ایک وارث کا آزاد کرنا نافذ نہیں ہوگا۔ ہاں سبھی وارثوں نے مل کر آزاد کیا تو چونکہ اس میں کسی کا نقصان نہیں ہے اس لئے یہ آزادگی نافذ ہوگی۔ اور جب مکاتب آزاد ہو گیا تو اب بدل کتابت کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے بدل کتابت ساقط ہو

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے فرمایا بریرہ کو خرید لو اور اس کو آزاد کر دو اور جتنی چاہیں شرط لگائیں اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ پس حضرت عائشہؓ نے اس کو خرید لیا اور اس کو آزاد کر دیا اگرچہ حضرت بریرہ کے مالک نے ولاء کی شرط لگائی۔

[۲۲۶۶] (۲۴)واذا کاتب المولی ام ولده جاز وان مات المولی سقط عنها مال الکتابة [۲۲۶۷](۲۵)وان ولدت مکاتبته منه فهی بالخیار ان شاء ت مضت علی الکتابة وان شاء ت عجّزت نفسها وصارت ام ولد له [۲۲۶۸](۲۶)وان کاتب مدبرته جاز فان مات المولی ولا مال له غیرها کانت بالخیار بین ان تسعی فی ثلثی قیمتها او جمیع مال الکتابة[۲۲۶۹] (۲۷)وان دبّر مکاتبته صح التدبیر ولها الخیار ان شاء ت مضت علی

جائے گی۔

[۲۲۶۶](۲۴)اگر آقا نے اپنے ام ولد کو مکاتب بنایا تو جائز ہے۔اور اگر آقا مر گیا تو اس سے مال کتابت ساقط ہو جائے گا۔

تشریح ام ولد آقا کی باندی ہے اس لئے اس کو مکاتب بنا سکتا ہے تا کہ مال کتابت ادا کر کے آقا کی زندگی میں آزاد ہو جائے۔کیونکہ ام ولد آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہوگی۔مکاتبہ بنانے کے بعد اگر آقا کا انتقال ہو گیا تو ام ولد آزاد ہو جائے گی۔اس لئے اب مال کتابت دینے کی ضرورت نہیں رہی۔اس لئے مال کتابت ساقط ہو جائے گی۔

[۲۲۶۷](۲۵)اگر مکاتبہ نے آقا سے بچہ دیا تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو کتابت پر برقرار رہے اور چاہے تو اپنے آپ کو عاجز کرے اور آقا کی ام ولد بن جائے۔

تشریح باندی مکاتبہ تھی اس سے آقا نے جماع کیا اور بچہ پیدا ہوا تو یہ ام ولد بن گئی۔اب اس کے لئے دو اختیار ہیں۔یا تو کتابت پر برقرار رہے اور مال کتابت ادا کر کے مولی کی زندگی میں آزاد ہو جائے۔اور دوسرا اختیار یہ ہے کہ اپنے آپ کو مال کتابت سے عاجز کرے اور خالص ام ولد بن جائے تا کہ آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے۔

وجہ یہ باندی مکاتب بھی ہے اور ام ولد بھی اس لئے اس کو دونوں اختیار ہیں۔

[۲۲۶۸](۲۶)اگر اپنے مدبرہ کو مکاتبہ بنایا تو جائز ہے۔پس اگر آقا مر جائے اور اس مدبرہ کے علاوہ کوئی مال نہ ہو تو مدبرہ کو اختیار ہے اس بات کا کہ اپنی قیمت کی دو تہائی کی سعایت کرے یا پورے مال کتابت کو ادا کرے۔

تشریح ایسی باندی جس کو کہا تھا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو اس لئے وہ مدبرہ ہوئی۔اس کو اب مکاتبہ بھی بنا دیا تو آقا کے مرنے کے بعد اس کو دو اختیار ہیں۔اگر آقا کے پاس مدبرہ کے علاوہ کوئی مال نہ ہو تو وصیت کی طرح مدبرہ کی ایک تہائی آزاد ہوگی اور دو تہائی وراثت میں تقسیم ہوگی اس لئے وہ دو تہائی سعایت کر کے ورثہ کو دے گی اور آزاد ہو جائے گی۔اور دوسرا اختیار یہ ہے کہ جتنا مال کتابت ہے وہ سب ادا کرے اور آزاد ہو جائے۔مدبرہ کے لئے جس میں سہولت ہو وہ کر سکتی ہے۔

[۲۲۶۹](۲۷)اور اگر مکاتبہ کو مدبر بنایا تو مدبر بنانا صحیح ہے اور مدبرہ کو اختیار ہے چاہے کتابت پر بحال رہے اور چاہے تو اپنے آپ کو عاجز کرے اور مکمل مدبرہ بن جائے۔اور اگر کتابت پر برقرار رہی، پس آقا کا انتقال ہوا اور آقا کے پاس کوئی مال نہیں ہے تو مدبرہ کو اختیار ہے کہ اگر

الکتابة وان شاء ت عجزت نفسها وصارت مدبرة وان مضت علی کتابتها فمات المولی ولا مال له فهی بالخیار ان شاء ت سعت فی ثلثی مال الکتابة او ثلثی قیمتها عند ابی حنیفة رحمه الله [۲۲۷۰] (۲۸) واذا اعتق المکاتب عبده علی مال لم یجز [۲۲۷۱] (۲۹) واذا وهب علی عوض لم یصح [۲۲۷۲] (۳۰) وان کاتب عبده جاز.

چاہے تو مال کتابت کی دو تہائی کی سعایت کرے یا اپنی قیمت کی دو تہائی کی سعایت کرے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

وجہ مکاتبہ کو مدبرہ بنایا اور آقا کے پاس کوئی اور مال نہیں ہے تو مکاتبہ کی ایک تہائی آزاد ہوگی۔ کیونکہ وہ مدبرہ بھی تھی اس لئے اب وہ مال کتابت کی دو تہائی کو سعایت کر کے ورثہ کو ادا کرے گی۔ یا مدبرہ ہونے کی حیثیت سے اس کی ایک تہائی آزاد ہوئی ہے اس لئے اپنی قیمت کی دو تہائی سعایت کر کے ورثہ کو ادا کرے گی۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ مدبرہ کی قیمت کی دو تہائی اور مال کتابت کی دو تہائی میں سے جو کم ہو وہ سعایت کر کے ورثہ کو ادا کرے گی۔

وجہ چونکہ اس مدبرہ، مکاتبہ کو دونوں اختیار ہیں اس لئے دونوں میں سے جو کم ہو اسی کو ادا کرے گی۔

لغت دبر : مدبر بنایا، سعت : سعایت کی، قیمت کما کر دے۔

[۲۲۷۰] (۲۸) اگر مکاتب نے اپنے غلام کو مال کے بدلے آزاد کیا تو جائز نہیں ہے۔

وجہ مکاتب کو وہ کام کرنے کی اجازت ہے جو تجارت ہو یا تجارت کے توابع ہوں۔ اور غلام کو مال کے بدلے آزاد کرنے میں مال تو آئے گا لیکن یہ تجارت یا توابع تجارت میں سے نہیں ہے اس لئے مکاتب غلام کو مال کے بدلے آزاد نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ اس میں آزاد کرنا اصل ہے۔

[۲۲۷۱] (۲۹) اگر مکاتب عوض کے بدلے ہبہ کرے تو صحیح نہیں ہے۔

وجہ اگر چہ ہبہ کے بدلے کچھ مال ملے گا لیکن اصل میں وہ ہبہ ہے اور مفت ہے اس لئے مکاتب عوض کے بدلے اپنے غلام کو ہبہ نہیں کر سکتا۔

اصول مکاتب ایسا کام نہیں کر سکتا جو تجارت یا توابع تجارت میں سے نہ ہو۔ اجارہ اور توابع اجارہ میں سے نہ ہو۔ اثر میں ہے۔ عن الحسن قال المکاتب لا یعتق ولا یهب الا باذن مولاه (الف) (سنن للبیہقی، باب لا تجوز هبة المکاتب حتی یبتدئها باذن السید ج عاشر ص ۵۶۳ نمبر ۲۱۷۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکاتب نہ غلام کو ہبہ کر سکتا ہے اور نہ آزاد کر سکتا ہے چاہے مال کے بدلے میں ہو۔

[۲۲۷۲] (۳۰) اور اگر اپنے غلام کو مکاتب بنائے تو جائز ہے۔

وجہ مکاتب بنا کر رقم وصول کرنا تجارت کی ایک قسم ہے اس لئے مکاتب غلام اپنے غلام کو مکاتب بنا سکتا ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا مکاتب نہ آزاد کر سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے مگر اس کے آقا کی اجازت سے۔

[۲۲۷۳] (۳۱) فان ادّی الثانی قبل ان یعتق الاول فولاؤہ للمولی الاول [۲۲۷۴] (۳۲) وان ادّی الثانی بعد عتق المکاتب الاول فولاؤہ له.

ہے۔قلت لعطاء کان للمکاتب عبد فکاتبه ثم مات لمن میراثة؟ قال کان من قبلکم یقولون هو للذی کاتبة یستعین به فی کتابته (الف) (سنن للبیہقی، باب کتابۃ المکاتب واعتاقہ ج عاشر ص ۵۶۳ نمبر ۲۱۷۱۹، مصنف عبد الرزاق، باب المکاتب یکاتب عبدہ وعرض المکاتب ج ثامن ص ۴۰۳ نمبر ۱۵۷۰۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکاتب اپنے غلام کو مکاتب بنا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تجارت کی قسم میں سے ہے۔

[۲۲۷۳] (۳۱) پس اگر دوسرے نے پہلے کے آزاد ہونے سے پہلے آزاد کیا تو اس کی ولاء پہلے آقا کے لئے ہوگی۔

تشریح مکاتب نے اپنے غلام کو مکاتب بنایا۔ پس دوسرے مکاتب نے پہلے مکاتب کے آزاد ہونے سے پہلے مال کتابت ادا کیا اور آزاد ہو گیا تو اس دوسرے مکاتب کی ولا پہلے آقا کے لئے ہوگی۔

وجہ جس وقت دوسرا مکاتب آزاد ہوا اس وقت پہلا مکاتب آزاد نہیں تھا بلکہ غلام تھا اور پہلا آقا آزاد تھا اور ولاء آزاد کے لئے ہوتی ہے غلام کے لئے نہیں ہوتی۔ اس لئے ولاء کی نسبت پہلے آقا کے لئے کر دی گئی اور اس کو ولاء ملے گی۔

اصول ولاء آزاد کے لئے ہوتی ہے غلام کے لئے نہیں ہوتی۔

[۲۲۷۴] (۳۲) اور اگر دوسرے نے ادا کیا پہلے مکاتب کے آزاد ہونے کے بعد تو اس کی ولاء دوسرے کے لئے ہوگی۔

وجہ دوسرے مکاتب کے ادا کرتے وقت اور اس کے آزاد ہوتے وقت پہلا مکاتب آزاد ہو چکا ہے۔ اس لئے دوسرے مکاتب کی ولاء اس کو ملے گی۔ کیونکہ وہ اس وقت آزاد ہے۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت عطا سے پوچھا کہ مکاتب کو غلام ہو اس نے اس کو مکاتب بنایا پھر مر گیا تو اس کی وراثت کس کے لئے ہوگی؟ فرمایا تم سے پہلے لوگ کہتے تھے جس غلام نے اس کو مکاتب بنایا اس کے لئے ہوگی۔ اس سے اپنے مال کتابت میں مدد لے۔

﴿کتاب الولاء﴾

[۲۲۷۵](۱) اذا اعتق الرجل مملوكه فولاؤه له وكذلك المرأة تعتق[۲۲۷۶] (۲) فان شرط انه سائبة فالشرط باطل والولاء لمن اعتق.

﴿کتاب الولاء﴾

ضروری نوٹ کوئی آدمی غلام کو آزاد کرے پھر غلام کا انتقال ہوا اور وراثت آزاد کرنے والے آقا کو ملے اس وراثت کو ولاء کہتے ہیں۔ اسی کو ولاء عتاقہ کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی اجنبی سے مواخات اور بھائی چارگی کا عہد کرے پھر وہ آدمی مرے تو اس کی وراثت اس بھائی چارگی کرنے والے کو ملے گی اس کو بھی ولاء کہتے ہیں۔ اس کو ولاء موالات کہتے ہیں۔ ولاء کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ قالت عائشة ان بريرة دخلت عليها ..... فقال لها رسول الله ﷺ اشتريها فاعتقيها فانما الولاء لمن اعتق (الف) (بخاری شریف، باب المکاتب ونجومہ فی کل سنۃ نجم ص ۳۴۷ نمبر ۲۵۶۰، مسلم شریف، باب بیان الولاء عن اعتق ص ۴۹۳ نمبر ۱۵۰۴) دوسری حدیث میں ہے۔ سمعت ابن عمرؓ يقول نهى النبي ﷺ عن بيع الولاء وعن هبته (ب) (بخاری شریف، باب بیع الولاء وھبتہ ص ۳۴۴ نمبر ۲۵۳۵) ان دونوں حدیثوں میں ولاء کا ثبوت ہے کہ ولاء آزاد کرنے والے کو ملے گی۔ اور ولاء موالات کا ثبوت اس اثر میں ہے۔ ویذکر عن تميم الداری رفعه قال هو اولى الناس بمحياه ومماته (ج) (بخاری شریف، باب اذا اسلم علی یدیہ ص ۱۰۰۰ نمبر ۶۷۵۷، مسلم شریف، باب النھی عن بیع الولاء وھبتہ ص ۴۹۵ نمبر ۱۵۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ولاء موالات کا ثبوت ہے۔

[۲۲۷۵] (۱) اگر آدمی اپنے مملوک کو آزاد کرے تو اس کی ولاء اس کے لئے ہے اور ایسے ہی عورت آزاد کرے تو اس کی ولاء اس کے لئے ہوگی

تشریح آدمی اپنے غلام کو آزاد کرے یا عورت اپنے غلام کو آزاد کرے تو اس غلام کی ولاء آزاد کرنے والے کو ملے گی۔

وجہ اوپر حضرت عائشہ کو کہا گیا کہ حضرت بریرہ کو خرید کر آزاد کرو اور اس کی ولاء تم کو ملے گی۔ حدیث کا لفظ تھا۔ فقال لها رسول الله ﷺ اشتريها فاعتقيها فانما الولاء لمن اعتق (د) بخاری شریف نمبر ۲۵۶۰، مسلم شریف نمبر ۱۵۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو آزاد کرے گا اس کو ولاء ملے گی۔

[۲۲۷۶] (۲) پس اگر شرط کی کہ وہ بغیر ولاء کے ہے تو شرط باطل ہوگی اور ولاء اس کے لئے ہوگی جس نے آزاد کیا۔

وجہ اوپر کی حدیث میں حضرت بریرہ کے مولی نے کہا تھا کہ ولاء آزاد کرنے والی حضرت عائشہؓ کے لئے نہیں ہوگی بلکہ میرے لئے ہوگی تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ یہ شرط باطل ہے۔ ولاء اس کے لئے ہوگی جس نے آزاد کیا۔ اسی طرح یہ شرط لگائے کہ بغیر ولاء کے غلام آزاد کیا تو یہ شرط

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہؓ سے حضورؐ نے فرمایا بریرہ کو خرید لو اور اس کو آزاد کر دو اس لئے کہ ولاء اس کے لئے ہے جس نے آزاد کیا (ب) آپؐ نے ولاء کو بیچنے اور اس کو ہبہ کرنے سے منع فرمایا (ج) حضرت تمیم داری سے مرفوعا یہ بات منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا مولی موالات لوگوں میں سے بہتر ہے موالات والے کی زندگی میں اور موت کے بعد بھی (د) آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا بریرہ کو خرید لو اور اس کو آزاد کر دو۔ اس لئے کہ ولاء اس کے لئے ہے جس نے آزاد کیا۔

[۲۲۷۷] (۳)واذا ادّى المكاتب عتق وولاؤه للمولى[۲۲۷۸] (۴) و كذلك ان اعتق بعد موت المولى فولاؤه لورثة المولى [۲۲۷۹](۵)وان مات المولى عتق مدبروه وامهات اولاده وولاؤهم له.

بھی باطل ہوگی اور ولاء اس کے لئے ہوگی جس نے آزاد کیا(۲)اثر میں ہے۔عن عبد الله قال ان اهل الاسلام لا يسيبون وان اهل الجاهلية كانوا يسيبون (الف)(بخاری شریف، باب میراث السائبۃ ص۹۹۹نمبر۶۷۵۳(۳) سئل عامر عن المملوک يعتق سائبة لمن ولاء ه؟ قال للذى اعتقه (ب)(سنن دارمی، باب میراث السائبۃ ج ثانی ص۴۸۴نمبر۳۱۲۰)ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ بغیر ولاء کے بھی آزاد کیا تو ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہوگی۔

[۲۲۷۷](۳)اگر مکاتب نے مال کتابت ادا کیا تو وہ آزاد ہوگا اور اس کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔

وجہ مکاتب نے اگر چہ مال کتابت ادا کر کے آزادگی حاصل کی ہے تاہم وہ آقا سے آزاد ہوا ہے اس لئے اس کی ولاء آقا کے لئے ہوگی (۲) حضرت عائشہ کی حدیث گزری کہ حضرت بریرہ مکاتبہ تھی اس کو خرید کر آزاد کیا تو اس کی ولاء حضرت عائشہ کو ملی۔جس سے معلوم ہوا کہ مکاتبہ ہو تب بھی اس کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔

[۲۲۷۸](۴)ایسے ہی اگر مکاتب آزاد ہوا آقا کے مرنے کے بعد تو اس کی ولاء آقا کے ورثہ کے لئے ہوگی۔

تشریح آقا نے مکاتب بنایا تھا تاہم اس کی زندگی میں مکاتب مال کتابت ادا کر کے آزاد نہ ہوسکا اس کے مرنے کے بعد ادا کیا اور آزاد ہوا تو اس کی ولاء آقا کے ورثہ کے لئے ہوگی۔کیونکہ گویا کہ آقا کی جانب سے آزاد ہوا۔

[۲۲۷۹](۵)اگر آقا کا انتقال ہوا اور اس کی مدبرہ باندی اور ام ولد آزاد ہوئی تو ان کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔

وجہ مدبرہ باندی اور ام ولد اگر چہ آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہوں گی لیکن چونکہ حقیقت میں آزاد کرنے والا آقا ہی ہے اس لئے ان دونوں کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔اور آقا کے ورثہ میں تقسیم ہوگی (۲) دلیل وہی حدیث ہے۔ فقال النبى ﷺ الولاء لمن اعتق وان اشترطوا مائة شرط (ج)(بخاری شریف، باب اذا قال المکاتب اشترنی واعتقنی فاشتراہ لذلک ص۳۴۹نمبر۲۵۶۵)اس حدیث میں ہے کہ جس نے آزاد کیا ولاء اسی کو ملے گی۔اور مدبرہ اور ام ولد کو آقا نے آزاد کیا ہے اس لئے ولاء اسی کو ملے گی (۳) اثر میں ہے۔عن ابراهيم انهما قالا ولاء ه لمن بدأ بالعتق اول مرة (د)(دارمی، باب میراث الولاء ج ثانی ص۴۸۷نمبر۳۱۳۷)اس اثر میں سے بھی معلوم ہوا کہ جو آزادگی کی ابتدا کرے گا ولا اسی کو ملے گی۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ فرمایا کرتے تھے اہل اسلام آزاد نہیں چھوڑتے تھے اہل جاہلیت سائبہ میں چھوڑتے تھے یعنی آزاد چھوڑتے تھے (ب) حضرت عامر سے مملوک کے بارے میں پوچھا کہ وہ سائبہ کے طور پر آزاد کرتے تھے تو ولاء کس کے لئے ہوگا؟ فرمایا جس نے آزاد کیا۔سائبہ آزاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں آزاد کرتا ہوں اور مجھے اس کا ولاء نہیں چاہئے (ج) آپ نے فرمایا ولاء اس کے لئے ہے جس نے آزاد کیا ہے چاہے سو شرط لگائیں (د) حضرت ابراہیم نے فرمایا ولاء اس کے لئے ہے جس نے پہلی مرتبہ آزاد کیا۔

[۲۲۸۰] (٦) ومن ملک ذارحم محرم منه عتق علیه وولاؤه له[۲۲۸۱] (۷) واذا تزوج عبد رجل امة الآخر فاعتق مولی الامة الامة وهی حامل من العبد عتقت وعتق حملها وولاء الحمل لمولی الام لاینتقل عنه ابدا[۲۲۸۲] (۸) فان ولدت بعد عتقها لاکثر من ستة اشهر ولدا فولاؤه لمولی الام[۲۲۸۳] (۹) فان اعتق الاب جر ولاء ابنه وانتقل عن

[۲۲۸۰] (٦) جو ذی رحم محرم کا مالک بنے اور اس کی وجہ سے اس پر آزاد ہو جائے تو اس کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔

وجہ یہاں اگر چہ ذی رحم محرم ہونے کی وجہ سے آزاد ہوا ہے۔ آقا نے خود آزاد نہیں کیا ہے لیکن چونکہ آزادگی آقا ہی کی جانب سے ہوئی ہے اس لئے اس کی ولاء آزاد کرنے والے کو ملے گی۔

[۲۲۸۱] (۷) غلام نے دوسرے آدمی کی باندی سے شادی کی۔ پس باندی کے آقا نے باندی کو آزاد کیا اس حال میں کہ وہ غلام سے حاملہ تھی۔ پس وہ آزاد ہوئی اور اس کا حمل بھی آزاد ہوا۔ اس لئے حمل کی ولاء ماں کے آقا کے لئے ہوگی۔ اس سے کبھی منتقل نہیں ہوگی۔

تشریح غلام نے دوسرے کی باندی سے شادی کی پھر وہ اس غلام سے حاملہ ہوئی۔ اسی حمل کی حالت میں اس کے آقا نے آزاد کر دیا۔ جس کی وجہ سے حمل بھی ماں کے تحت میں ہو کر آزاد ہو گیا۔ چونکہ حمل کا آزاد کرنے والا ماں کا آقا ہے اس لئے حمل کی ولاء ماں کے آقا کے لئے ہوگی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حمل کے آزاد ہوتے وقت باپ غلام ہے اس لئے بھی نہ باپ کے لئے ولاء ہوگی اور نہ باپ کے آقا کے لئے ولاء ہوگی۔

[۲۲۸۲] (۸) پس اگر بچہ دیا ماں کی آزادگی کے چھ ماہ بعد تو اس کی ولاء ماں کے آقا کے لئے ہوگی۔

وجہ چونکہ باپ غلام ہے اس لئے ولاء باپ یا اس کے مولی کی طرف نہیں جائے گی (۲) یہ بھی یقینی نہیں ہے کہ آزاد کرتے وقت حمل ماں کے پیٹ میں تھا یا نہیں تھا۔ کیونکہ بچہ چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا ہے۔

[۲۲۸۳] (۹) پس اگر باپ آزاد ہوا تو بیٹے کی ولاء کھینچ لے گا اور ماں کی آقا سے باپ کے آقا کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

تشریح بچہ ماں کی آزادگی کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا تھا اس لئے ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ماں کی آزادگی کے وقت بچہ حمل میں نہ ہو، اور بعد میں حمل ٹھہرا ہو۔ اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ماں کے آقا نے حمل کو آزاد کیا ہو۔ لیکن چونکہ باپ غلام تھا اس لئے ماں کے آقا کی طرف ولاء دے دی گئی۔ لیکن جب باپ آزاد ہو گیا تو جس طرح نسب باپ کے ساتھ ثابت ہے اسی طرح ولاء بھی باپ کے آقا کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔ قال عمر اذا کانت الحرة تحت المملوک فولدت له ولدا فانه یعتق بعتق امه وولاؤه لموالی امه فاذا اعتق الاب جر الولاء الی موالی ابیه (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی جر الولاء ج عاشر ص ۵۱۵ نمبر ۲۱۵۱۶، سنن للدارمی

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر آزاد عورت غلام کی بیوی ہو اور اس سے بچہ پیدا ہو تو ماں کے آزاد ہونے سے وہ آزاد ہوگا اور بچے کا ولاء ماں کے آقا کے لئے ہوگا۔ پس جب باپ آزاد ہو تو ولاء باپ کے آقا کی طرف کھینچ کر آئے گا۔

مولی الام الی مولی الاب[۲۲۸۴] (۱۰)ومن تزوج من العجم بمعتقة العرب فولدت له اولادا فولاؤ ولدھا لموالیھا عند ابی حنیفة ومحمد رحمھما اللہ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ یکون ولاؤ اولادھا لابیھم لان النسب الی الآباء[۲۲۸۵] (۱۱)وولاؤ العتاقة

،باب حق جرالولاء ج ثانی ص۴۹۲نمبر۳۱۶۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ باپ کے آقا کی طرف ولاء منتقل ہو جائے گی (۲) اثر میں ہے۔ سمعت علیا یقول الولاء شعبة من النسب فمن احرز المیراث فقد احرز الولاء (الف)(سنن للبیہقی،باب من قال من احرز المیراث احرز الولاء ج عاشر ص۳۰۴نمبر۲۱۵۰۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ولاء نسب کے حصے میں سے ہے۔پس جس کے ساتھ نسب ہوگی اس کے ساتھ ولاء ہوگی۔اور باپ کے ساتھ نسب ہے اس لئے ولاء بھی باپ کے آقا کو ملے گی۔

لغت جر : کھینچ لیا۔

[۲۲۸۴](۱۰) عجمی آدمی نے عرب کے آزاد کئے ہوئے سے شادی کی۔پس اس سے کئی اولاد ہوئی تو اس کی اولاد کی ولاء ماں کے آقا کے لئے ہے ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اس کی اولاد کی ولاء ان کے باپ دادا کے لئے ہوگی۔اس لئے کہ نسب باپ دادا کے لئے ہے۔

تشریح عرب لوگوں نے باندی آزاد کی تھی اس سے عجم کے آدمی نے شادی کی اور اس سے اولاد ہوئی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اولاد کی ولاء عورت کے آقا کے لئے ہوگی۔

وجہ چونکہ عورت کا آقا آزاد کرنے والا ہے اس لئے حدیث فانما الولاء لمن اعتق کے تحت عورت کے آقا کے لئے ہوگی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ولاء باپ کے خاندان کو ملے گی۔اور باپ زندہ ہو تو باپ کو ملے گی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ ولاء نسب کی طرح ہے اس لئے جس سے نسب ثابت ہو اس کو ولاء بھی ملے گی (۲) حدیث میں ہے۔عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال الولاء لحمة کلحمة النسب لا یباع ولا یوھب (ب)(سنن للبیہقی،باب من اعتق مملوکا لہ ج عاشر ص۴۹۴نمبر ۲۱۴۳۳)اس سے معلوم ہوا کہ ولاء نسب کی طرح ہے۔اس لئے جس سے نسب ثابت ہوگا ولاء بھی اسی کو ملے گی (۳) پہلے اثر گزرا۔قال عمر ..... فاذا اعتق الاب جر الولاء الی موالی ابیہ (ج)(سنن للبیہقی،باب ما جاء فی جر الولاء ج عاشر ص۵۱۵نمبر۲۱۵۱۶)اس سے بھی معلوم ہوا کہ باپ کی طرف ولاء منتقل ہوگی۔

[۲۲۸۵](۱۱) آزاد شدہ کی ولاء عصبہ کے اعتبار سے ہے۔

تشریح جو غلام یا باندی آزاد ہو گئے ہوں وہ مر جائے تو اس کی میراث اور ولاء پہلے غلام اور باندی کے اصحاب فروض اور حصے والوں کو ملے گی۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت علی کو کہتے ہوئے سنا ولاء نسب کا شعبہ ہے اس لئے جو میراث لے گا وہی ولاء بھی لے گا (ب) آپؐ نے فرمایا ولاء نسب کی قرابت کی طرح قرابت ہے نہ بیچی جا سکتی ہے اور نہ ہبہ کی جا سکتی ہے (ج) حضرت عمر نے فرمایا جب باپ آزاد ہو تو ولاء اپنے باپ کے آقا کی طرف کھینچ لے گا۔

تعصیب[۲۲۸۶] (۱۲)فان کان للمعتق عصبة من النسب فهو اولی منه فان لم تکن له

حصے والوں کے لینے کے بعد ان کے عصبات کو ملے گی۔عصبات کی ترتیب یہ ہے پہلے بیٹا پھر باپ پھر پوتا پھر دادا پھر چچا پھر چچازاد بھائی۔ ان عصبات کے کوئی آدمی نہ ہوں تو اب غلام اور باندی کو آزاد کرنے والے آقا کو ملے گی۔اور آقا بھی زندہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو ملے گی۔البتہ اس کے وارثوں میں یہ ہے کہ مرد کو ملے گی جو مقدم ہے مثلا بیٹا زندہ ہے تو پوتا کو نہیں ملے گی۔اور اس کے وارثوں میں عورتوں کو ولاء نہیں ملے گی۔ہاں خود عورت نے آزاد کیا ہو تو اپنے آزاد شدہ غلام باندی کی ولاء ملے گی۔یا عورت کی باندی یا مکاتبہ نے آزاد کیا ہو تو پھر اس عورت کو اس کی ولاء ملے گی ورنہ نہیں۔اور آزاد کرنے والے یا ان کے خاندان کے لوگ نہ ہوں تب ولاء آزاد شدہ غلام باندی کے ذوی الارحام کو ملے گی۔ذوی الارحام خالہ، پھوپھی، ماموں، نانا، نانی ہیں۔اور یہ لوگ بھی نہ ہوں تو ان کی ولاء بیت المال میں داخل کردی جائیگی۔

نوٹ مصنفؒ کی عبارت **ولاء العتاقة تعصیب** کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب فروض کا حق مقدم ہے۔ان کے لینے کے بعد جو بچے وہ عصبات کے لوگ لیں گے۔

وجہ (۱) آیت میں اصحاب فروض کے حصے پہلے دیئے گئے ہیں۔آیت ہے۔ **یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء هن فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک** (الف) (آیت ۱۱ سورۃ النساء۴) اس آیت میں اصحاب فروض کو حصہ پہلے دیا گیا ہے (۲) اس کے بعد عصبات کو ملے گی اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فهو لا ولی رجل ذکر** (ب) (بخاری شریف، باب میراث الولد من ابیہ وامہ ص ۹۹۷ نمبر ۶۷۳۲، مسلم شریف، باب الحقوا الفرائض باھلھا فمابقی فلاولی رجل ذکر ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۱۶۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصحاب فرائض کے لینے کے بعد مذکر عصبات میں مال تقسیم ہوگا۔

[۲۲۸۶] (۱۲) پس اگر آزاد کئے غلام کے نسبی عصبہ ہو تو وہ زیادہ حقدار ہیں آقا سے۔پس اگر نہ ہو تو اس کا نسبی عصبہ تو اس کی میراث آزاد کرنے والے آقا کے لئے ہوگی۔

تشریح آزاد شدہ غلام کی میراث پہلے اس کے نسب کے اصحاب فروض کو ملے گی۔اس کے بعد اس کے نسب کے عصبات کو ملے گی۔وہ موجود نہ ہوں تب آزاد کرنے والے آقا کے لئے میراث ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے کہ عصبات کو پہلے وراثت ملے گی وہ نہ ہو تو آزاد کرنے والے کو ملے گی۔ **عن الزهری قال قال النبی ﷺ المولی اخ فی الدین ولاء نعمة واحق الناس بمیراثه اقربهم من المعتق** (ج) (دارمی، باب الولاء ج ثانی ص ۴۶۷ نمبر ۳۰۰۶) (۲)

حاشیہ : (الف) اللہ تعالیٰ تم کو وصیت کرتے ہیں تمہاری اولاد کے بارے میں کہ مذکر کے لئے مؤنث کا دوگنا ہے۔پس اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے جو کچھ چھوڑا اس کی دو تہائی ہے (ب) آپؐ نے فرمایا حقوق وراثت کو اس کے اہل کو دو اور جو کچھ باقی رہ جائے وہ مرد کے لئے ہے (ج) آپؐ نے فرمایا آقا دین میں بھائی ہیں۔اور ولاء نعمت ہے۔اور لوگوں میں سب سے زیادہ حقدار اس کی میراث کا جو آزاد شدہ سے قریب ہو۔

عصبة من النسب فميراثه للمعتق [۲۲۸۷](۱۳)فان مات المولی ثم مات المعتق فميراثه لبنی المولی دون بناته [۲۲۸۸](۱۴)وليس للنساء من الولاء الا ما اعتقن او اعتق من

دوسری حدیث میں ہے۔ عن الحسن قال اراد رجل ان یشتری عبدا فلم یقض بینه وبین صاحبه بیع،فحلف رجل من المسلمین بعتقه فاشتراه فاعتقه فذکره للنبی ﷺ قال کیف بصحبته فقال النبی ﷺ هو لک الا ان یکون له عصبة.فان لم یکن له عصبه فهو لک (الف)(مصنف عبدالرزاق،باب میراث ذی القربۃ ج تاسع ص۲۳ نمبر۱۶۲۱۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصبہ موجود ہو تو آزاد کرنے والے کو میراث نہیں ملے گی۔

[۲۲۸۷](۱۳)اگر آقا کا انتقال ہوا پھر آزاد شدہ غلام مرا تو اس کی میراث آقا کے بیٹوں کے لئے ہوگی نہ کہ اس کی بیٹیوں کے لئے۔

تشریح آزاد کردہ غلام کا وارث آقا بنے پھر اس کی اولاد میں تقسیم ہو تو بیٹے اور بیٹیوں دونوں کو ملے گی۔لیکن آقا کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے براہ راست ان کی اولاد کو آزاد کردہ غلام کی وراثت ملی تو صرف ذکور اولاد کو ملے گی،مؤنث اولاد کو نہیں ملے گی۔

وجہ حدیث میں ہے کہ مذکر کو ولاء ملے گی مؤنث کو نہیں الا یہ کہ اس نے آزاد کیا ہو یا اس کی باندی یا غلام نے آزاد کئے ہوں۔عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فهو لا ولی رجل ذکر (ب)(بخاری شریف،باب میراث الولد من ابیه وامه ص۹۹۷ نمبر۶۷۳۲،مسلم شریف،باب الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلا ولی رجل ذکر ص۳۴ نمبر۱۶۱۵)(۲)دوسرے اثر میں ہے۔عن علی وعبد وزید بن ثابتؓ انهم کانوا یجعلون الولاء لکبر من العصبة ولا یورثون النساء الا ما اعتقهن وا اعتق من اعتقن (ج)سنن للبیہقی،باب لا ترث النساء الولاء الا من اعتقن او اعتق من اعتقن ج عاشر ص۵۱۵،نمبر۲۱۵۱۱/دارمی،باب ما للنساء من الولاء ج ثانی،ص۴۸۸ نمبر۳۱۴۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیٹیوں کو ولاء نہیں ملے گی مگر یہ کہ خود آزاد کی ہو یا اس کی باندی یا غلام نے آزاد کیا ہو۔

[۲۲۸۸](۱۴)عورتوں کو ولاء نہیں ہے مگر ان کے آزاد کردہ غلام کی یا ان کے آزاد کردہ کے آزاد کردہ کی یا جس کو مکاتب بنایا۔یا جس کو مکاتب بنایا اس نے مکاتب بنایا۔یا جس کو مدبر بنایا یا جس کو مدبر بنایا اس نے مدبر بنایا۔یا کھینچ لے اپنے آزاد کردہ کی ولاء یا جس کو آزاد کیا اس کے آزاد کردہ کی ولاء۔

تشریح خود عورت نے غلام آزاد کیا اور درمیان میں کوئی نہیں ہے تو اس دوسرے غلام کی ولاء عورت کو ملے گی۔یا عورت نے اپنے غلام کو

حاشیہ : (الف)حضرت حسن نے فرمایا ایک آدمی نے غلام خریدنا چاہا۔پس اس میں اور مالک کے درمیان بیع طے نہیں ہوئی۔پس مسلمان کے ایک آدمی نے اس کی آزادگی کی قسم کھالی۔پس اس کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔پس اس کا تذکرہ حضورؐ کے سامنے کیا تو آپؐ نے فرمایا اس کی صحبت کی کیا ہوگا۔پھر حضورؐ نے فرمایا اس کی میراث تمہارے لئے ہے مگر یہ کہ اس کے لئے عصبہ ہو۔پس اگر اس کا عصبہ نہ ہو تو اس کی میراث تمہارے لئے ہے(ب)آپؐ نے فرمایا وراثت وراثت والے کو دو۔پس جو باقی رہ جائے وہ مذکر کے لئے ہے(ج)حضرت علی،عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت سے منقول ہے کہ ولاء عصبہ کے بڑوں کے لئے کرتے تھے۔اور عورتوں کو وارث نہیں بناتے مگر خود عورت نے آزاد کی ہو یا اس کے آزاد کردہ غلام نے آزاد کیا ہو۔

اعتقن او کاتبن او کاتب من کاتبن او دبّرن او دبّر من دبّرن او جر ولاء معتقهن او معتق معتقهن [۲۲۸۹](۱۵)واذا ترک المولی ابنًا واولاد ابنٍ آخر فمیراث المعتق للابن دون بنی الابن لان الولاء للکبیر.

مکاتب بنایا اور وہ مال کتابت ادا کر کے آزاد ہوا تو اس دوسرے مکاتب کی ولاء عورت کو ملے گی۔ یا اس عورت نے اپنے غلام کو مدبر بنایا اور وہ عورت کے مرنے کے بعد آزاد ہوا تو اس مدبر کی ولاء عورت کو ملے گی اور اس کے واسطہ سے اس کے ورثہ کو ملے گی۔ یا اس مدبر نے اپنے غلام کو مدبر بنایا اور وہ آزاد ہوا تو اس کی ولاء عورت کو ملے گی۔ کیونکہ بالواسطہ یہ عورت کا آزاد کردہ غلام ہے۔ یا اپنے آزاد کردہ غلام کی ولاء کو کھینچ کر اپنے طرف لائی۔ عورت نے غلام آزاد کیا پھر اس نے اپنے غلام کو آزاد کیا اس کی ولاء کو کھینچ کر اپنے طرف لائی تو یہ ولاء عورت کو ملے گی۔

وجہ اوپر حدیث گزری (۲) یہ اثر ہے۔ **کان عمرو علی وزید بن ثابت رضی اللہ عنہم انہم کانوا یجعلون الولاء لکبر من العصبة ولا یورثون النساء الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن** (الف) اور اگلی ثوری کی روایت میں ہے **او جر ولاءہ من اعتقن** (ب) (سنن للبیہقی، باب لاترث النساء الولاء الا من اعتقن او اعتق من اعتقن ج عاشر ص ۵۱۵، نمبر ۲۱۵۱۴، مصنف عبد الرزاق، باب میراث مولی المرأة ایضاج تاسع ص ۳۶ نمبر ۱۶۲۶۱) اس اثر سے اوپر کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ اس کے اخیر میں ہے جس کو آزاد کیا اس کی ولاء کو کھینچ لے۔

[۲۲۸۹] (۱۵) اگر آقا نے بیٹا چھوڑا اور دوسرے بیٹے سے پوتا چھوڑا تو آزاد شدہ کی میراث بیٹے کے لئے ہوگی نہ کہ پوتے کے لئے اور ولاء بڑے کے لئے ہوتی ہے۔

تشریح آقا کا انتقال ہوا اس نے ایک بیٹے کو چھوڑا اور دوسرے بیٹے کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اس لئے اس کے بیٹے یعنی پوتے کو چھوڑا تو میراث بیٹے کے لئے ہوگی پوتے کے لئے نہیں ہوگی۔

وجہ کیونکہ ولاء کا معاملہ سیڑھی در سیڑھی ہوتا ہے۔ چونکہ بیٹا موجود ہے اس لئے پوتے کو نہیں ملے گی (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابراھیم عن عمر وعلی وزید انہم قالوا الولاء لکبر ولا یورثون النساء من الولاء الا ما اعتقن او کاتبن** (ج) (دارمی، باب ما للنساء من الولاء ج ثانی ص ۴۸۸ نمبر ۳۱۴۵، سنن للبیہقی، باب لاترث النساء الولاء الا من اعتقن او اعتق من اعتقن ج عاشر ص ۵۱۵ نمبر ۲۱۵۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بڑے کو یعنی بیٹے کو وراثت ملے گی چھوٹے کو یعنی اس کے مقابلے میں پوتے کو وراثت نہیں ملے گی۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابت ولاء عصبہ میں سے بڑے کے لئے کرتے تھے۔ اور عورتوں کو وارث نہیں کرتے مگر یہ کہ خود آزاد کیا ہو یا اس کے غلام نے آزاد کیا ہو (ب) یا اس کی ولاء کو آزاد کرنے والی عورتوں نے کھینچی ہو (ج) حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ ولاء بڑوں کے لئے ہے۔ اور عورتیں ولاء کا وارث نہیں بنیں گی۔ مگر یہ کہ آزاد کئے ہوں یا مکاتب بنائے ہوں۔

[۲۲۹۰](۱۶)واذا اسلم رجل علی ید رجل ووالاہ علی ان یرثہ ویعقل عنہ اذا جنی او اسلم علی ید غیرہ ووالاہ فالولاء صحیح وعقلہ علی مولاہ.

﴿مولی موالات کا بیان﴾

[۲۲۹۰](۱۶)اگر کوئی آدمی کسی آدمی کے ہاتھ پر اسلام لے آئے اور اس سے موالات کرلے اس بات پر کہ وہ وارث ہوں گے۔اور اس کا تاوان دیں گے اگر اس نے جنایت کی۔یا دوسرے کے ہاتھ پر اسلام لائے اور اس سے موالات کرے تو ولاء صحیح ہے اور تاوان اس کے مولی پر ہوگا

تشریح یہ صورت مولی عتاقہ کی نہیں ہے بلکہ مولی موالات کی ہے۔یعنی کسی کے ہاتھ پر اسلام لائے اور دونوں میں عہد و پیان ہوجائے کہ اگر میں مرا تو میری پوری وراثت آپ لیں اور اگر میں نے کوئی جنایت کی تو آپ جنایت کا تاوان دیں اور آپ نے جنایت کی تو میں تاوان دوں گا۔یا اسلام تو کسی اور کے ہاتھ پر لایا لیکن اس آدمی سے موالات کا عہد و پیان کیا تو یہ موالات حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے۔لیکن اس کو وراثت کا حق اس وقت ملے گا جب کوئی وارث نہ ہو اور نہ آزاد کرنے والا آقا اور نہ اس کا خاندان موجود ہو۔تو چونکہ اب یہ مال اخیر میں بیت المال میں جائے گا اس لئے بیت المال سے پہلے مولی موالات کو دیا جائے گا۔

وجہ اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم (الف) (آیت ۳۳ سورۃ النساء۴) کہ جس کے ساتھ عہد و پیان کیا ان کو ان کا حق دو۔دوسری آیت۔واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ (آیت ۷۵ سورۃ الانفال ۸) سے پہلے آیت منسوخ ہے۔اس لئے جب تک ذوی الارحام اور ورثہ موجود ہوں گے تو مولی موالات کو وراثت نہیں ملے گی۔ہاں وہ موجود نہ ہوں تب مولی موالات کو وراثت ملے گی (۲) اثر میں ہے۔عن تمیم الداری رفعہ قال ھو اولی الناس بمحیاہ ومماتہ (ب) (بخاری شریف، باب اذا اسلم علی یدیہ ص ۱۰۰۰ نمبر ۶۷۵۷) (۳) دوسری حدیث میں ہے۔عن ابی امامۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من اسلم علی یدی رجل فلہ ولائہ (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی علۃ حدیث روی فیہ عن تمیم الداری مرفوعا ج عاشر ص ۵۰۲ نمبر ۲۱۴۶۴، مصنف عبد الرزاق، باب النصرانی یسلم علی ید رجل ج تاسع ص ۳۹ نمبر ۱۶۲۷۲) اس اثر اور حدیث سے معلوم ہوا کہ مولی موالات کو اخیر میں وراثت ملے گی اگر کوئی وارث نہ ہو۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پہلے مولی موالات کا حق تھا۔آیت واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ (آیت ۷۵ سورۃ الانفال ۸) کے ذریعہ مولی موالات کا حق منسوخ ہوگیا۔اس لئے اب اس کو وراثت نہیں ملے گی بلکہ اس مال کو بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا (۲) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الحسن قالا میراثہ للمسلمین (د) (مصنف عبد الرزاق، باب النصرانی یسلم علی ید رجل ج تاسع ص ۳۹ نمبر ۱۶۲۷۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وہ مال عام مسلمانوں کا ہے مولی موالات کو نہیں ملے گا۔اور دیت دینے کی دلیل یہ

حاشیہ : (الف) جن لوگوں نے قسم کا عقد باندھا ان کو ان کا حصہ دو (ب) حضرت تمیم داری نے مرفوعا یہ فرمایا کہ آپؐ نے فرمایا مولی موالات لوگوں سے زیادہ بہتر ہے زندگی میں اور مرنے کے بعد، یعنی اس کو وراثت ملے گی (ج) ابو امامہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا جس نے کسی آدمی کے ہاتھ پر اسلام لایا اس کو اس کی ولاء ملے گی (د) حضرت حسن نے فرمایا اس کی وراثت مسلمانوں کے لئے ہے یعنی مولی موالات کی۔

[۲۲۹۱](۱۷)فان مات ولا وارث له فميراثه للمولى وان كان له وارث فهو اولى منه[۲۲۹۲] (۱۸) وللمولى ان ينتقل عنه بولائه الى غيره مالم يعقل عنه فاذا عقل عنه لم يكن له ان يتحول بولائه عنه الى غيره.

اثر ہے۔عن ابراهيم في الرجل يوالى الرجل فيسلم على يديه قال يعقل عنه ويرثه(الف)(مصنف عبدالرزاق، باب النصرانی یسلم علی ید رجل ج تاسع ص ۳۹ نمبر ۱۶۲۷۲)

[۲۲۹۱](۱۷)پس اگر وہ مرجائے اوراس کا کوئی ورث نہ ہوتو اس کی میراث مولی موالات کے لئے ہوگی۔اور اگر اس کا وارث ہوتو وہ مولی موالات سے زیادہ بہتر ہے۔

وجہ آیت اوپر گزر چکی ہے۔واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض في كتاب الله(ب)(آیت ۷۵ سورۃ الانفال ۸)اس آیت میں ذوی الارحام کو مولی موالات سے مقدم رکھا گیا ہے اس لئے مولی کا حق وارثین کے بعد ہوگا (۲) اثر میں ہے۔عن عمر وعلى وابن مسعود ومسروق والنخعي والشعبي ان الرجل اذا مات وترك مواليه الذين اعتقوه ولم يدع ذا رحم الا اما او خالة دفعوا ميراثه اليها ولم يورثوا مواليه معها وانهم لايورثون مواليه مع ذى رحم (ج)(مصنف عبدالرزاق، باب میراث ذی القرابۃ ج تاسع نمبر ۱۶۲۰۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولی عتاقہ کو ذی رحم کے ہوتے ہوئے نہیں ملے گی۔اسی طرح مولی موالات کو بھی ذی رحم کے ہوتے ہوئے وراثت نہیں ملے گی۔

[۲۲۹۲](۱۸)مولی منتقل کرسکتا ہے اپنی ولاء کو دوسرے کی طرف جب تک کہ اس کی طرف سے جرمانہ نہ بھرا ہو۔پس جب اس کی جانب سے جرمانہ بھر دیا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی ولاء کو دوسرے کی طرف منتقل کرے۔

وجہ جب سامنے والے مولی موالات نے پہلے مولی کی جانب سے جرمانہ بھر دیا تو اس پر اس کا حق ہو گیا۔اب وہ اپنی ولاء کو دوسرے کی طرف منتقل کرے گا تو دوسرے مولی موالات کو نقصان ہوگا کہ وہ اس سے اپنی رقم واپس نہیں لے سکے گا۔اور جرمانہ بھرتے وقت تنہا ہو جائے گا اس لئے اب وہ منتقل نہیں کرسکتا (۲) اثر میں ہے۔عن ابراهيم مثل حديث معمر وزاد وله ان يحول ولائه حيث شاء ما لم يعقل عنه (د)(مصنف عبدالرزاق، باب النصرانی یسلم علی ید رجل ج تاسع ص ۳۹ نمبر ۱۶۲۷۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ جرمانہ بھرا ہو تو ولاء منتقل نہیں کرسکتا ہے۔

حاشیہ : (الف)ابراہیم سے منقول ہے کوئی آدمی کسی آدمی سے موالات کرے اور اس کے ہاتھ پر اسلام لائے فرمایا اس کی دیت بھی دے گا اور اس کا وارث بھی بنے گا (ب) قریبی رشتہ دار بعض زیادہ بہتر ہیں بعض سے اللہ کی کتاب میں (ج) حضرت عمرؓ علیؓ، ابن مسعودؓ، مسروق نخعی اور شعبی سے منقول ہے کہ آدمی مرجائے اپنے اس آقا کو چھوڑا جس نے آزاد کیا تھا اور ذی رحم میں محرم میں سے کسی کو نہیں چھوڑا سوائے ماں اور ماموں کے تو وہ اس کی میراث ماں کو دیتے ہیں۔اور ماں کے ساتھ آقا وارث نہیں ہوگا۔وہ حضرات آقا کو ذی رحم محرم کے ساتھ وارث قرار نہیں دیتے (د) حضرت ابراہیم سے ہے آدمی کے لئے جائز ہے کہ اپنی ولاء جدھر چاہے منتقل کرے جب تک مولی موالات اس کی دیت ادا نہ کرے۔یعنی دیت ادا کر دیا تو اب اپنی ولاء منتقل نہیں کرسکتا۔

[۲۲۹۳](۱۹)ولیس لمولی العتاقة ان یوالی احدا.

[۲۲۹۳](۱۹)اور آزاد شدہ غلام کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو والی بنائے۔

تشریح جو غلام آزاد ہوا وہ چاہے کہ اپنے آزاد کرنے والے آقا کے علاوہ کسی اور کو اپنی ولاء کا مالک بنائے اور اس کو والی بنائے تو ایسا نہیں کر سکتا۔

وجہ آزاد کرنے کی وجہ سے غلام کا آقا کے ساتھ نسب کی طرح لزوم کا واسطہ ہو گیا۔ اس لئے وہ اب الگ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آزاد شدہ دوسرے کو ولاء نہیں دے سکتا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن النبی ﷺ قال انما الولاء لمن اعتق** (الف) (بخاری شریف، باب الولاء لمن اعتق ومیراث اللقیط ص ۹۹۹ نمبر ۶۷۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے والے کو ہی غلام کی ولاء ملے گی۔ اس لئے دوسرے کو نہیں دے سکتا (۳) دوسرے کی طرف ولاء منتقل کرنے پر یہ وعید ہے۔ **قال علیؓ .... ومن والی قوما بغیر اذن موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین** (ب) (بخاری شریف، باب اثم من تبرأ من موالیہ ص ۹۹۹ نمبر ۶۷۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری طرف ولاء منتقل کرنے سے غلام پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ اس لئے منتقل نہیں کر سکتا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ولاء اس کے لئے ہے جس نے آزاد کیا (ب) جس نے مولی کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے موالات کی اس پر اللہ، فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

﴿ کتاب الجنایات ﴾

[۲۲۹۴](۱)القتل علی خمسة اوجه عمد وشبه عمد وخطأ وما اجری مجری الخطأ والقتل بسبب[۲۲۹۵] (۲)فالعمد ماتعمَّد ضربه بسلاح او ما اجری مجری السلاح فی

﴿ کتاب الجنایات ﴾

ضروری نوٹ آدمی کسی کی جان کو قتل کردے جان کریا بھول سے اس کو جنایت کہتے ہیں۔اسی طرح کسی عضو کو کاٹ دے جان کریا بھول کر تو اس کو بھی جنایت اور جرم کہتے ہیں۔اس کا بدلہ لازم ہوتا ہے۔اگر جان کے بدلے جان لے تو اس کو قصاص یا قود کہتے ہیں۔اور جان یا عضو کے بدلے رقم لے تو اس کو دیت کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی له من اخیه شیء فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمة فمن اعتدی بعد ذلک فله عذاب الیم ٥ ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب لعلکم تتقون (الف)(آیت ۱۷۸/۱۷۹ سورۃ البقرۃ ۲) دوسری آیت میں ہے۔وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق به فهو کفارۃ له (ب)(آیت ۴۵ سورۃ المائدۃ ۵)(۳)اور حدیث میں ہے۔عن انس بن مالکؓ ان یهودیا رض رأس جاریة بین حجرین فقیل لها من فعل بک هذا ؟ افلان او أفلان حتی سمی الیهودی فاتی به النبی ﷺ فلم یزل به حتی اقر فرض رأسه بالحجارۃ (ج)(بخاری شریف، باب سؤال القاتل حتی یقر والاقرار فی الحدود ص ۱۰۱۵ نمبر ۶۸۷۶ رمسلم شریف، باب ثبوت القصاص فی القتل بالحجر وغیرہ ج ثانی ص ۵۸ نمبر ۴۳۶۲)ان آیتوں اور حدیثوں سے جنایت اور قصاص کا ثبوت ہوا۔

[۲۲۹۴](۱)قتل کی پانچ قسمیں ہیں (۱) قتل عمد (۲) قتل شبہ عمد (۳) قتل خطا (۴) قتل جاری مجری خطا (۵) سبب کے ذریعہ قتل۔ہر ایک کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۲۲۹۵](۲)قتل عمد یہ ہے کہ ہتھیار کے ذریعہ مارڈالنے کا ارادہ کرے یا اجزاء کے چور چور کرنے میں ہتھیار کے قائم مقام ہو۔جیسے دھاردار

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے مقتول کے بارے میں۔آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، مؤنث مؤنث کے بدلے۔پس اگر کسی نے اپنے بھائی کو معاف کردیا تو معروف کے ساتھ مانگنا ہے۔اور اس کی طرف احسان کے ساتھ ادا کرنا ہے۔یہ تمہارے رب کی جانب سے تخفیف ہے اور رحمت ہے۔اس کے بعد جس نے زیادتی کی اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو! شاید تم تقوی اختیار کرو (ب) ہم نے ان پر فرض کیا کہ نفس نفس کے بدلے، آنکھ آنکھ کے بدلے، ناک ناک کے بدلے، کان کان کے بدلے، دانت دانت کے بدلے اور زخموں کا بھی قصاص ہے۔پس کوئی معاف کردے یہ اس کے لئے کفارہ ہے (ج) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک باندی کے سر کو دو پتھروں سے کچل دیا تو اس سے پوچھا گیا کہ یہ کس نے کیا؟ کیا فلاں نے یا فلاں نے؟ یہاں تک کہ یہودی کا نام لیا۔پس حضورؐ کے سامنے یہودی کو لایا گیا۔اس کو پوچھتے رہے یہاں تک کہ اس نے جرم کا اقرار کیا۔پس اس کے سر کو پتھر سے کچل دیا گیا۔

تفريق الاجزاء كالمحدد من الخشب والحجر والنار وموجب ذلك المأثم والقود الا ان

لکڑی اور دھار دار پتھر اور آگ اس سے قتل کرے۔ اس کا سبب گناہ ہے اور قصاص ہے۔ مگر یہ کہ قاتل کے اولیاء معاف کر دیں اور اس میں کفارہ نہیں ہے۔

تشریح قتل عمد کے واقع ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو جان کر حملہ کرے اور دوسری شرط یہ ہے کہ ایسے ہتھیار سے حملہ کرے کہ عموما اس سے موت واقع ہو جاتی ہے اور اعضاء منتشر ہو جاتے ہیں۔ جیسے دھار دار لکڑی سے یا دھار دار پتھر سے مارے جس سے اعضاء منتشر ہو جاتے ہوں۔ اگر پتھر یا لکڑی دھار دار نہ ہوں تو اس سے قتل عمد ثابت نہیں ہوگا۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔ عن النعمان بن بشير قال قال رسول الله ﷺ كل شيء خطاء الا السيف ولكل خطاء ارش (الف) (سنن للبیہقی، باب عمد القتل بالسیف او السکین او مایشق بحدہ ج ثامن، ص ۷۶ نمبر ۱۵۹۸۱ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۲ فی الخطاء ما ھو ج خامس، ص ۳۴۸ نمبر ۲۷۶۶۳ رمصنف عبد الرزاق، باب عمد السلاح ج تاسع ص ۲۷۳ نمبر ۱۷۱۸۲) اس حدیث مرسل سے معلوم ہوا کہ صرف تلوار سے یا تلوار جیسے دھار دار ہتھیار سے قتل عمد ثابت ہوتا ہے (۲) دوسری روایت میں ہے۔ عن الحسن قال قال رسول الله ﷺ لاقود الا بحديدة (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب عمد السلاح ج تاسع ص ۲۷۳ نمبر ۱۷۱۷۹ رابن ماجہ شریف، باب لاقود الا بالسیف ص ۳۸۴ نمبر ۲۶۶۷) اس حدیث مرسل سے معلوم ہوا کہ کسی بھی دھار دار سے قتل عمد ثابت ہوگا۔ چاہے وہ تلوار ہو یا لکڑی یا پتھر۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک کسی دوسری بھاری چیز سے مارا جو دھار نہ بھی ہو لیکن اس سے عموما موت واقع ہو جاتی ہو تو اس سے قتل عمد ثابت ہوگا۔ مثلا دھار دار نہیں ہے لیکن بھاری پتھر ہے یا بھاری لکڑی ہے تو اس سے بھی قتل عمد ثابت ہو جائے گا۔

وجہ ایک باندی کے سر کو ایک یہودی نے پتھر سے کچل دیا تھا تو آپ نے اس کا قصاص لیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ بھاری پتھر سے مارے چاہے وہ دھار دار نہ ہو تب بھی قتل عمد ثابت ہوگا اور قصاص لیا جائے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن انس بن مالك قال خرجت جارية عليها اوضاح بالمدينة قال فرماها يهودى بحجر ..... فدعا به رسول الله ﷺ فقتله بين الحجرين (ج) (بخاری شریف، باب اذا قتل بحجر او بعصا ص ۱۰۱۶ نمبر ۶۸۷۷ رمسلم شریف، باب ثبوت القصاص فی القتل بالحجر وغیرہ من المحددات والمثقلات ص ۵۸ نمبر ۱۶۷۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھاری پتھر سے مارے تب بھی قتل عمد ثابت ہوگا۔

قتل عمد سے گناہ ہوگا اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاءه جهنم خالدا فيها وغضب الله عليه ولعنه واعد له عذابا عظيما (د) (آیت ۹۳ سورۃ النساء ۴) حدیث میں ہے۔ قال عبد الله قال رجل يا رسول الله اى الذنب اكبر عند الله ؟ قال وان تدعو لله ندا وهو خلقك. قال ثم اى ؟ قال ثم ان تقتل ولدك خشية ان يطعم معك (ہ)

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا ہر چیز سے قتل خطا ہے مگر تلوار سے اور خطا میں ارش ہے (ب) آپ نے فرمایا نہیں قصاص ہے مگر لوہے سے (ج) انس بن مالک نے فرمایا ایک عورت مدینہ میں نکلی اس پر زیور تھے۔ فرمایا اس کو یہودی نے پتھر سے مارا.....تو حضور نے اس کو دو پتھروں سے قتل کیا (د) جس مومن کو جان کر قتل کیا تو اس کا بدلہ جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس کی لعنت ہے۔ اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے (ہ) کسی (باقی اگلے صفحہ پر)

یعفو الاولیاء ولا کفارۃ فیہ [۲۲۹۶](۳)وشبہ العمد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ان یتعمّد الضرب بما لیس بسلاح ولا ما اجری مجراہ وقالا رحمہما اللہ اذا ضربہ بحجر عظیم

(بخاری شریف، باب قول اللہ تعالیٰ ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم ص ۱۰۱۴ نمبر ۶۸۶۱)

اورعمد کا بدلہ قصاص ہے۔اس کی دلیل اوپر کی آیت۔ **یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی لہ من اخیہ شیء فاتباع بالمعروف** (الف)(آیت ۱۷۸سورۃ البقرۃ)اس آیت سے اس بات کا پتا چلا کہ قتل عمد کا بدلہ قصاص ہے۔اور یہ بھی پتا چلا کہ اولیاء معاف کرنا چاہے تو معاف کر سکتے ہیں (۲) اوپر یہودی والی حدیث بھی گزری کہ باندی کو پتھر سے مارنے کی وجہ سے قصاص کے طور پر یہودی کا سر کچلا گیا۔

قتل عمد میں کفارہ نہیں ہے۔کیونکہ قتل عمد کے تذکرے کے وقت قرآن میں کفارہ کا تذکرہ نہیں ہے۔آیت یہ ہے۔ **ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہاوغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما** (ب)(آیت ۹۳سورۃ النساء۴)اس میں مومن کے قتل عمد میں عذاب کا تذکرہ ہےاور پہلی آیت میں قصاص کا تذکرہ تھا۔اس لئے اس میں کفارہ لازم نہیں ہوگا۔البتہ قتل خطا میں کفارہ لازم ہوگا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جس طرح قتل خطا میں کفارہ لازم ہوتا ہے قتل عمد میں بھی کفارہ لازم ہوگا۔کیونکہ قتل عمد قتل خطا سے عظیم ہے۔

[۲۲۹۶](۳)اور شبہ عمد امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ ایسی چیز سے جان کر مارے جو ہتھیار نہ ہو اور نہ قائم مقام ہتھیار ہو۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر آدمی کو بڑے پتھر سے مارے یا بڑی لکڑی سے مارے تو وہ قتل عمد ہے۔اور شبہ عمد یہ ہے کہ جان کر ایسی چیز سے مارے جس سے عموما آدمی مرتا نہ ہو۔

تشریح اوپر حدیث مرسل سے ثابت کیا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل عمد کے لئے ضروری ہے کہ دھاردار چیز سے مارے۔اس لئے جو دھاردار نہ ہو یا ہتھیار نہ ہو یا قائم مقام ہتھیار نہ ہو اس سے جان کر مارا تو قتل عمد نہیں ہوگا بلکہ قتل خطا ہوگا۔اور اس سے قصاص نہیں بلکہ دیت لازم ہوگی۔جیسے بڑے پتھر سے مارا تو وہ قتل خطا ہوگا۔کیونکہ دھاردار نہیں ہے۔لیکن اگر پتھر دھاردار ہو تو ہتھیار کے قائم مقام ہو کر قتل عمد ہوگا۔حدیث گزر چکی ہے۔**عن النعمان بن بشیر ان رسول اللہ ﷺ قال لاقود الا بالسیف** (ج)(ابن ماجہ شریف، باب لاقود الا بالسیف ص ۳۸۴ نمبر ۲۶۶۷ دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۸۴ نمبر ۳۱۵۰)

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ کوئی بڑی چیز جس سے عموما موت واقع ہوتی ہو اس سے جان کر مارے تو قتل عمد ہوگا۔اور ایسی چیز سے مارے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ! کونسا گناہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے؟ فرمایا یہ اللہ کا شریک پکارے حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا۔پوچھا پھر کونسا گناہ؟ پھر فرمایا کہ اس ڈر سے کہ تمہارے ساتھ کھائے اپنی اولاد کو قتل کرے (الف) اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے مقتول کے بارے میں۔آزاد آزاد کے بدلے،غلام غلام کے بدلے،مؤنث مؤنث کے بدلے۔پس کسی نے معاف کر دیا اپنے بھائی کو کچھ تو معروف کے ساتھ پیچھے جانا ہے (ب) کسی نے جان کر مومن کو قتل کیا تو اس کا بدلہ جہنم ہے۔اس میں ہمیشہ رہے گا۔اللہ کا اس پر غضب ہے اور اس کی لعنت ہے۔اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے (ج) آپؐ نے فرمایا نہیں قصاص لے مگر تلوار سے۔

او بخشبة عظیمة فھو عمد وشبة العمد ان یتعمّد ضربه بما لایقتل به غالبا[۲۲۹۷]

(۴)وموجب ذلک علی القولین الماثم والکفارة ولا قود فیه وفیه دیة مغلظة علی العاقلة.

جس سے عموما موت واقع نہیں ہوتی اس سے جان کر مارے جیسے چھڑی سے مارا اور مر گیا تو یہ شبہ عمد ہے۔اس میں دیت، کفارہ اور گناہ لازم ہوں گے قصاص اور قود لازم نہیں ہوگا۔

وجہ پہلے باندی والی حدیث گزر چکی ہے کہ پتھر سے یہودی نے سر کچلا تو آپؐ نے قصاص لیا۔اثر میں ہے۔عن علی قال قتیل السوط والعصا شبه عمد (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۵ شبہ العمد ماھوج خامس ،ص ۳۴۸ نمبر ۲۶۷۵۷ رمصنف عبدالرزاق، باب شبہ العمد ج تاسع ص ۲۷۸ نمبر ۱۷۱۹۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایسی چیز سے مارے جس سے عموما آدمی نہیں مرتا ہے جیسے چھڑی وغیرہ تو اس سے قتل شبہ عمد ہوگا۔

[۲۲۹۷](۴) دونوں قولوں پر اس کی سزا گناہ ہے اور کفارہ ہے۔اس میں قصاص نہیں ہے بلکہ اس میں عاقلہ پر دیت مغلظہ ہے۔

تشریح جس انداز سے بھی قتل شبہ عمد ثابت ہو جائے تو اس کی سزا ایک گناہ عظیم ہے۔دوسرا کفارہ لازم ہوگا مومن غلام یا باندی کو آزاد کرنا۔اور تیسری سزا یہ ہے کہ اس کے عاقلہ پر دیت مغلظہ لازم ہوگی۔

وجہ گناہ کی دلیل پہلے گزر چکی۔ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤه جھنم خالدا فیھا وغضب الله علیه ولعنه واعد له عذابا الیما (آیت ۹۳ سورۃ النساء ۴) چونکہ یہ قتل بھی عمد ہی ہے اس لئے اس میں بھی آیت کے اعتبار سے گناہ عظیم ہوگا۔اور کفارے کی دلیل یہ آیت ہے۔ومن قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبة مأمنة ودیة مسلمة الی اھله الا ان یصدقوا (ب) (آیت ۹۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قتل خطا میں کفارہ اور دیت لازم ہوں گے۔کفارہ میں مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور وہ نہ ملے تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنا ہے۔اور عاقلہ پر دیت ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ان ابا ھریرة قال اقتتلت امرأتان من ھذیل فرمت احداھما الاخری بحجر فقتلتھا وما فی بطنھا فاختصموا الی النبی ﷺ فقضی ان دیة جنینھا غرة عبد او ولیدة وقضی ان دیة المرأة علی عاقلتھا (ج) (بخاری شریف، باب جنین المرأۃ وان العقل علی الوالد وعصبۃ الوالد لاعلی الولد ص ۱۰۲۰ نمبر ۶۹۱۰ رمسلم شریف، باب دیۃ الجنین ووجوب الدیۃ فی قتل الخطاء وشبہ العمد علی عاقلۃ الجانی ج ثانی ص ۶۲ نمبر ۱۶۸۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دیت قاتل کے عاقلہ پر لازم ہوگی۔قاتل کے آبائی خاندان والوں کو عاقلہ کہتے ہیں۔چونکہ ان لوگوں نے قاتل کو قتل سے نہیں روکا اس لئے ان لوگوں پر تین سال میں ادا کرنا لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا کوڑے اور لاٹھی کا مقتول شبہ عمد ہے (ب) کسی نے مومن کو غلطی سے قتل کیا تو مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور دیت اس کے وارثین کو سونپنا ہے مگر یہ کہ وہ معاف کر دے (ج) حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں نے لڑائی کی۔پس ایک نے دوسرے کو پتھر مارا اور قتل کر دیا اور اس کے پیٹ کے بچے کو بھی مار دیا۔پس وہ مقدمہ حضورؐ کی خدمت میں لائے تو آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ بچے کی دیت ایک غلام یا باندی ہے اور یہ فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے۔

[۲۲۹۸](۵)والخطأ علی وجهین خطأ فی القصد وھو ان یرمی شخصا یظنه صیدا فاذا ھو آدمی[۲۲۹۹] (۶)وخطأ فی الفعل وھو ان یرمی غرضا فیصیب آدمیا [۲۳۰۰](۷)وموجب ذلک الکفارة والدیة علی العاقلة ولا مأثم فیه.

لغت عاقلة : آدمی کا خاندان، اس کے اہل حرفت لوگ کو عاقلہ کہتے ہیں جو دیت برداشت کرتے ہیں۔

دیت کی تعداد یہ ہے : ایک سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم یا دو سو گائیں۔ شبہ عمد میں پچیس حقہ، پچیس جذعہ، پچیس بنت لبون اور پچیس بنت مخاض دیت لازم ہوگی۔ دلیل یہ اثر ہے۔ قال عبد الله فی شبه العمد خمس وعشرون حقة وخمس وعشرون جذعة وخمس وعشرون بنات لبون وخمس وعشرون بنات مخاض (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی دیۃ الخطاء شبہ العمد ص ۲۷۷ نمبر ۴۵۵۳ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الدیۃ کم ھی من الابل ص ۲۵۸ نمبر ۱۳۸۶) یہ دیت مغلظہ ہے۔ اور دیت مغلظہ کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن عثمان بن عفانؓ وزید بن ثابتؓ فی المغلظة اربعون جذعة خلفة وثلاثون حقة وثلاثون بنات لبون وفی الخطاء ثلاثون حقة وثلاثون بنات لبون وعشرون بنی لبون ذکورا وعشرون بنات مخاض (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی دیۃ شبہ العمد ص نمبر ۴۵۵۴) اس اثر میں ہے کہ دیت مغلظہ کیا ہے۔

[۲۲۹۸] (۵) اور قتل خطا دو طریقے پر ہیں (۱) ایک غلطی ارادے میں، وہ یہ ہے کہ کسی آدمی کو تیر مارے شکار سمجھ کر اور وہ آدمی تھا۔

تشریح قتل خطا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خطا فی القصد، ارادے میں غلطی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شکار سمجھ کر تیر مارے لیکن حقیقت میں وہ آدمی ہو۔ اس صورت میں ارادے میں غلطی ہے۔

[۲۲۹۹] (۶) دوسری صورت خطا فی الفعل ہے۔ وہ یہ ہے کہ تیر پھینکے نشانہ پر۔ پس وہ آدمی کو لگ جائے۔

تشریح نشانہ پر تیر پھینکا۔ اس کا ارادہ آدمی کو مارنے کا نہیں تھا لیکن اس کو جا کر لگ گئی اور مر گیا تو یہ فعل میں غلطی ہوئی۔ تاہم دونوں صورتیں غلطی کی ہیں۔ کتب عمر بن عبد العزیز فی الخطاء ان یرید امرا فیصیب غیره (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الخطاء ج تاسع ص ۲۸۱ نمبر ۱۷۲۰۹)

[۲۳۰۰] (۷) اس کا موجب کفارہ ہے اور دیت ہے عاقلہ پر اور اس میں گناہ نہیں ہے۔

تشریح گناہ تو اس لئے نہیں ہے کہ جان کر قتل نہیں کیا بلکہ غلطی سے قتل کیا اس لئے گناہ نہیں ہوگا۔ اور کفارہ ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ ومن قتل مومنا خطاء فتحریر رقبة مومنة ودیة مسلمة الی اھله الا ان یصدقوا (د) (آیت ۹۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ نے فرمایا شبہ عمد میں پچیس حقہ، پچیس جذعہ، پچیس بنت لبون اور پچیس بنت مخاض ہے (ب) زید بن ثابت دیت مغلظہ میں فرماتے ہیں چالیس جذعہ خلفہ، تیس حقہ، تیس بنت لبون اور قتل خطا میں تیس حقہ، تیس بنت لبون، بیس بنی لبون مذکر اور بیس بنت مخاض (ج) عمر بن عبد العزیز نے قتل خطا میں لکھا کہ ایک آدمی کو مارنا چاہتا ہو اور دوسرے کو لگ گیا (د) کسی نے مومن کو غلطی سے قتل کیا تو مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور اس کے ورثہ کو دیت سونپنا ہے مگر یہ کہ معاف کردے۔

[۲۳۰۱] (۸) وما اجرى مجرى الخطأ مثل النائم ينقلب على رجل فيقتله فحكمه حكم الخطأ [۲۳۰۲] (۹) واما القتل بسبب كحافر البئر وواضع الحجر في غير ملكه.

کفارے کا تذکرہ ہے اور دیت کا بھی تذکرہ ہے۔ دیت ایک سو اونٹ ہے۔ بیس حقہ، بیس جذعہ، بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون اور بیس بنی مخاض مذکر۔ حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ في دية الخطاء عشرون حقة وعشرون جذعة وعشرون بنت مخاض وعشرون بنت لبون وعشرون بني مخاض ذكر (الف) (بوداؤد شریف، باب الدیۃ کم ھی ص ۲۷۷ نمبر ۴۵۴۵ رترمذی شریف باب ماجاء فی الدیۃ کم ھی من الابل ص ۲۵۸ نمبر ۱۳۸۶) اس حدیث سے دیت خطا کی تعداد اور کیفیت معلوم ہوئی۔

[۲۳۰۱] (۸) اور چوتھی قسم ہے قائم مقام خطا، مثلا سونے والا کسی آدمی پر کروٹ لے اور اس کو مار ڈالے۔ اس کا حکم قتل خطا کا حکم ہے۔

تشریح آدمی سویا ہوا ہو اور کسی آدمی پر کروٹ لے لے جس کی وجہ سے وہ مر جائے اس کو قائم مقام خطا کہتے ہیں۔ اس کا حکم قتل خطاء کی طرح ہے۔ یعنی اس میں کفارہ لازم ہوگا اور دیت خطا لازم ہوگی۔

وجہ سونے والے نے احتیاط نہیں کیا اور ایسی جگہ سویا جس سے قتل واقع ہو سکتا ہو اس لئے اس کو قائم مقام خطا کہتے ہیں (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من قتل في عميا او رميا بحجر او عصى او بسوط عقله عقل خطاء (ب) (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات وغیرہ ج ثالث ص ۷۶ نمبر ۳۱۱۳ ر ابوداؤد شریف، باب من قتل فی عمیا بین قوم ص ۲۸۳ نمبر ۴۵۳۹) اس حدیث میں من قتل فی عمیا سے اشارہ ہے کہ انجانے میں اور اندھیرے میں قتل کر دے تو اس کی دیت قتل خطاء کی طرح ہے۔

[۲۳۰۲] (۹) پانچویں قسم قتل سبب ہے۔ جیسے دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودنے والا اور پتھر رکھنے والا۔

تشریح خود قتل نہیں کیا بلکہ ایسا سبب اختیار کیا جس سے لوگ گر کر مر گئے یا ٹھوکر کھا کر مر گئے۔ مثلا دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھود دیا اور اس میں آدمی گر کر مر گیا تو اس آدمی نے خود نہیں مارا لیکن کنواں کھودنا ایسا سبب اختیار کیا جس کی وجہ سے آدمی مرا ہے۔ اس لئے یہ قتل بسبب ہوا۔ اسی طرح دوسرے کی زمین میں بڑا سا پتھر رکھ دیا جس سے ٹھوکر کھا کر آدمی مر گیا تو ایسا سبب اختیار کیا جس سے مرا تو یہ قتل بسبب ہوا۔ دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودے تو جرم ہے۔ اور اپنی ملکیت میں مناسب جگہ پر کنواں کھودا اور اس میں آدمی گر کر مر گیا تو یہ جرم نہیں ہے۔ اس کے کھودنے والے پر دیت لازم نہیں ہوگی۔

وجہ اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال العجماء جرحها جبار والبير جبار والمعدن جبار وفي الركاز الخمس (ج) (بخاری شریف، باب المعدن جبار والبئر جبار ص ۱۰۲۱ نمبر ۶۹۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی ملکیت

(الف) آپ نے فرمایا دیت خطاء میں بیس حقہ، بیس جذعہ، بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون اور بیس بنی مخاض ہیں (ب) آپ نے فرمایا کسی نے اندھیرے میں قتل کیا یا پتھر سے قتل کیا یا لاٹھی سے یا کوڑے سے مارا تو اس کی دیت دیت خطا ہے (ج) آپ نے فرمایا جانور کا زخمی کیا ہوا معاف ہے، کنویں میں گرا ہوا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۳۰۳] (۱۰) وموجبه اذا تلف فيه آدمی الدية على العاقلة ولا كفارة فيه [۲۳۰۴] (۱۱) والقصاص واجب بقتل كل محقون الدم على التابيد اذا قتل عمدا.

میں مناسب جگہ میں کنواں کھودا اور اس میں آدمی گر کر مر جائے تو وہ معاف ہے۔کھودنے والے پر دیت لازم نہیں ہوگی۔اور دوسرے کی جگہ میں بنایا اور گر کر مرا تو دیت لازم ہوگی۔عن ابراھیم قال من حفر فی غیر بنائه او بنی فی غیر سمائه فقد ضمن (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الجدار المائل والطریق ج عاشر ص ۷۴ نمبر ۱۸۴۰۹ مصنف ابن ابی شیبة ۹۱ الرجل یخرج من حده شیئا فیصیب انسانا ج خامس، ص ۳۹۸، نمبر ۲۷۳۴۵/۲۷۳۴۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غیر کی زمین میں کنواں کھودا تو دیت دینی ہوگی۔

اصول سبب کے طور پر جرم کیا ہو تو دیت دینی ہوگی۔

لغت حافر : کنواں کھودنے والا۔

[۲۳۰۳] (۱۰) اس کی سزا اگر اس میں آدمی ضائع ہو جائے دیت ہے عاقلہ پر اور اس میں کفارہ نہیں ہے۔

وجہ چونکہ قتل خطا بھی نہیں ہے بلکہ اس کے سبب سے مرا ہے اس لئے قتل خطا سے کم درجہ ہوا۔اس لئے اس میں کفارہ نہیں ہے (۲) اوپر حدیث گزری البئر جبار کہ کنواں میں گر جائے تو دیت نہیں ہے اس لئے اس میں کفارہ بھی نہیں ہے۔اور اوپر کے اثر کی وجہ سے عاقلہ پر دیت ہے۔عن ابراھیم قال من حفر فی غیر بنائه او بنی فی غیر سمائه فقد ضمن (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الجدار المائل والطریق ج عاشر ص ۷۴ نمبر ۱۸۴۰۹ مصنف ابن ابی شیبة ۹۱ الرجل یخرج من حده شیئا فیصیب انسانا ج خامس ص ۳۹۸ نمبر ۲۷۳۴۵)

[۲۳۰۴] (۱۱) قصاص واجب ہوتا ہے ہمیشہ کے طور پر محفوظ الدم کو قتل کرنے سے جبکہ جان بوجھ کر قتل کرے۔

تشریح ایسا آدمی جس کا خون مرتد ہونے یا زنا کرنے یا کسی کو قتل کرنے سے مباح الدم نہ ہو اور ہمیشہ کے طور پر اس کا خون محفوظ ہو اس کو جان بوجھ کر کوئی قتل کرے تو اس قتل کرنے پر قصاص واجب ہوتا ہے۔یعنی جیسا اس نے قتل کیا قاتل کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔

وجہ قصاص واجب ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق به فهو کفارة له (ج) (آیت ۴۵ سورة المائدة ۵) یہ حدیث بھی ہے۔(۲) حدثنی ابو هریرة قال لما فتح علی رسول الله مکة قام فی الناس فحمد الله واثنی علیه ثم قال ومن قتل له قتیل فهو بخیر النظرین اما ان یعفو واما ان یقتل (د) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی حکم ولی القتیل فی القصاص والعفو ص ۲۶۰ نمبر ۱۴۰۵)

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) معاف ہے، کان میں مرا ہوا معاف ہے اور رکاز خزانہ میں پانچواں حصہ ہے (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا کسی نے اپنی عمارت کے علاوہ میں گڑھا کھودا یا اپنی ملکیت کے علاوہ میں عمارت بنائی تو ضامن ہوگا (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا کسی نے اپنی عمارت کے علاوہ میں گڑھا کھودا یا اپنی ملکیت کے علاوہ میں تعمیر کی تو ضامن ہوگا (ج) ہم نے لوگوں پر فرض کیا تورات میں کہ جان جان کے بدلے، آنکھ آنکھ کے بدلے، ناک ناک کے بدلے، کان کان کے بدلے، دانت دانت کے بدلے اور زخموں میں بھی برابر ہوں۔اور جو معاف کر دے تو وہ کفارہ ہوگا اس کے لئے (د) جب حضور پر مکہ فتح ہوا تو آپ نے اللہ کی تعریف اور تمہید کی۔پھر فرمایا جس کا آدمی قتل ہو جائے اسے دو اختیار ہیں یا معاف کرے یا قتل کرے۔

[۲۳۰۵] (۱۲) ویقتل الحر بالحر والحر بالعبد والعبد بالحر والعبد بالعبد والمسلم

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل عمد میں قصاص لازم ہے۔البتہ ولی کو معاف کرنے کا حق ہے۔ یہ تین آدمی محفوظ الدم نہیں ہے زانی، مرتد اور قاتل۔حدیث میں ہے۔عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ لا یحل دم امرئ مسلم یشھد ان لاالہ الااللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء لایحل دم امرأ مسلم الا باحدی ثلاث ص ۲۵۹ نمبر ۱۴۰۲ رمسلم شریف، باب مایباح بہ دم المسلم ص ۵۹ نمبر ۱۶۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد، زانی اور قاتل کا خون محفوظ نہیں ہے۔اس کے علاوہ کا خون محفوظ ہے۔اس لئے اس کو قتل کرنے سے قصاص لازم ہوگا۔

[۲۳۰۵] (۱۲) قتل کیا جائے گا آزاد آزاد کے بدلے اور آزاد غلام کے بدلے اور غلام آزاد کے بدلے اور غلام غلام کے بدلے اور مسلمان ذمی کے بدلے۔

تشریح آزاد آدمی آزاد آدمی کو قتل کردے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔اور آزاد آدمی کسی دوسرے کے غلام کو قتل کردے تو غلام کے بدلے آزاد آدمی قتل کیا جائے گا۔اور مسلمان نے ذمی کا فر کو قتل کر دیا تو ذمی کے بدلے مسلمان قتل کیا جائے گا۔

وجہ آیت میں ہے۔یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی لہ من اخیہ شیء فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان (ب) (آیت ۱۷۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ آزاد آزاد کے بدلے اور غلام غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا۔اور آزاد مرد ہو یا عورت دونوں شامل ہیں (۲) حدیث گزر چکی ہے کہ ایک باندی کے بدلے یہودی کو پتھر سے کچل کر مارا جس سے معلوم ہوا کہ عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے گا۔(بخاری شریف، باب اذا قتل بحجر او بعصا ص ۱۰۱۶ نمبر ۶۸۷۷) اور غلام کے بدلے آزاد کو قتل کیا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن سمرۃ بن جندب قال قال رسول اللہ ﷺ من قتل عبدہ قتلناہ ومن جدع عبدہ جدعناہ (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یقتل عبدہ ص ۲۶۱ نمبر ۱۴۱۴ رابن ماجہ شریف، باب ھل یقتل الحر بالعبد ص ۳۸۳ نمبر ۲۶۶۳ رابوداؤد شریف، باب من قتل عبدہ او مثل بہ ص ۲۷۲ نمبر ۴۵۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد آدمی غلام کو قتل کردے تو آزاد کو قتل کیا جائے گا۔اور غلام آزاد کو قتل کردے تو غلام بدرجۂ اولی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غلام کے بدلے آزاد نہیں قتل کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو لا الہ الا اللہ الخ پڑھتا ہو مگر تین طریقوں سے۔ایک ثیب زانی ہو، دوسرا جان جان کے بدلے، تیسرا دین کو چھوڑنے والا جماعت سے دور رہنے والا (ب) اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے مقتول کے بارے میں۔آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، مؤنث مؤنث کے بدلے۔پس اگر کسی نے اپنے بھائی کو معاف کر دیا تو معروف کے ساتھ مانگنا ہے۔اور اس کی طرف احسان کے ساتھ ادا کرنا ہے (ج) آپؐ نے فرمایا کسی نے اپنا غلام قتل کیا تو میں اس کو قتل کروں گا اور اس کی ناک کاٹی تو میں اس کی ناک کاٹوں گا۔

بالذمی[۲۳۰۶] (۱۳)ولا یقتل المسلم بالمستأمن.

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال لا یقتل حر بعبد (الف)(دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص۱۰۰ نمبر ۳۲۲۵ رسنن للبیہقی، باب لا یقتل حر بعبد ج ثامن ص ۶۳ نمبر ۱۵۹۳۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام کے بدلے آزاد قتل نہیں کیا جائے گا۔

اور کافر کے بدلے میں مسلمان قتل کیا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قتل مسلما بمعاھد وقال انا اکرم من وفی بذمتہ (ب)(دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۱۰۱ نمبر ۳۲۳۲ رسنن للبیہقی، باب بیان ضعف الخبر الذی روی فی قتل المؤمن بالکافر وما جاء عن الصحابۃ فی ذلک ج ثامن ص ۳۰ نمبر ۱۵۹۱۷)اس سے معلوم ہوا کہ کافر کے بدلے میں مسلمان قتل کیا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کافر کے بدلے مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اگر مسلمان نے قتل کر دیا تو اس پر کافر کی دیت کاملہ لازم ہوگی

وجہ حدیث میں ہے۔سالت علیاؓ ھل عندکم شیء مما لیس فی القرآن ؟ ... قال العقل وفکاک الاسیر وان لا یقتل مسلم بکافر (ج)(بخاری شریف، باب لا یقتل المسلم بالکافر ص ۱۰۲۱ نمبر ۶۹۱۵ رابوداؤد شریف، باب ایقاد المسلم من الکافر ص ۲۷۵ نمبر ۴۵۳۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا (۲) یوں بھی کافر کا خون حلال ہے اس لئے اس کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کی دیت لازم کی جائے گی۔

[۲۳۰۶](۱۳)مسلمان امن لئے ہوئے آدمی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے۔

تشریح کوئی کافر دار الکفر سے امن لیکر دار الاسلام میں آیا ہے اور اس کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا تو اس مستامن کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اگر اس کے ملک کے ساتھ عہد و پیمان ہے تو اس کی دیت دی جائے گی۔

وجہ آیت میں ہے۔ وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مؤمنۃ(د)(آیت ۹۲ سورۃ النساء ۴)اس آیت سے معلوم ہوا کہ دیت دینی ہوگی۔اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا (۲) اوپر کی حدیث گزری۔ان لا یقتل مسلم بکافر (ہ)(بخاری شریف، نمبر ۶۹۱۵ رابوداؤد شریف، نمبر ۴۵۳۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کافر کے بدلے مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا۔چونکہ یہ کافر ہے اس لئے اس کے بدلے مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا (۳) یہ کافر دار الحرب سے آیا ہے۔دار الاسلام نے اس کی کوئی ذمہ داری نہیں لی ہے اس لئے یہ محفوظ الدم نہیں ہے۔اس لئے بھی مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا۔اس کے برخلاف ذمی کا ذمہ دار

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا (ب) آپؐ نے مسلمان کو معاہد ذمی کے بدلے میں قتل کیا اور فرمایا میں زیادہ مناسب ہوں کہ اس کے ذمہ کو نبھاؤں (ج) میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو قرآن میں نہیں ہے؟...دیت اور قیدیوں کو آزاد کرنا اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کرنا (د) اگر کسی قوم تمہارے اور ان کے درمیان عہد و پیمان ہے تو اس کے وارث کو دیت سپرد کرنا ہے اور مومن غلام کو آزاد کرنا بھی ہے یعنی قتل کے بدلے (ہ) مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔

[۲۳۰۷] (۱۴) ويقتل الرجل بالمرأة والكبير بالصغير والصحيح بالاعمى والزمن

[۲۳۰۸] (۱۵) ولا يقتل الرجل بابنه ولا بعبده ولا بمدبره ولا بمكاتبه ولا بعبد ولده

الاسلام نے لیا ہے اس لئے اس کے بدلے مسلمان قتل کیا جائے گا۔

[۲۳۰۷] (۱۴) اور مرد قتل کیا جائے گا عورت کے بدلے اور بڑا قتل کیا جائے گا چھوٹے کے بدلے اور صحیح اندھے اور اپاہج کے بدلے۔

وجہ یہ لوگ دین کے اعتبار سے برابر ہیں اس لئے مرد اور عورت اور چھوٹے اور بڑے یا تندرست اور اپاہج کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ہر ایک دوسرے کے بدلے قتل کئے جائیں گے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ عورت کے بدلے یہودی مرد کو پتھر سے کچل کر مارا۔ عن انس بن مالک ان النبی ﷺ قتل یھودیا بجاریۃ قتلھا علی اوضاح لھا (بخاری شریف، باب قتل الرجل بالمرأۃ ص ۱۰۱۷ نمبر ۶۸۸۵ / مسلم شریف، باب ثبوت القصاص فی القتل بالحجر وغیرہ من المحددات والمثقلات وقتل الرجل بالمرأۃ ص ۵۸ نمبر ۱۶۷۲)

[۲۳۰۸] (۱۵) آدمی اپنے بیٹے کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ اپنے غلام کے بدلے اور نہ اپنے مدبر کے بدلے اور نہ اپنے مکاتب کے بدلے اور اپنے بیٹے کے غلام کے بدلے۔

تشریح باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو بیٹے کے بدلے باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ دیت لازم کی جائے گی۔ یا آقا نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو غلام کے بدلے آقا کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ دیت لازم ہوگی اور تعزیر کی جائے گی۔

وجہ والد کی عزت و احترام ہے اس کی وجہ سے لڑکے کی وجہ سے والد کو قتل نہیں کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لاتقام الحدود فی المساجد ولا یقتل الوالد بالولد (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یقتل ابنہ ایقادمنہ ام لا ص ۲۵۹ نمبر ۱۴۰۱ / ابن ماجہ شریف، باب لایقتل الوالد بولدہ نمبر ۲۶۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لڑکے کی وجہ سے والد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور غلام کی وجہ سے آقا قتل نہیں کیا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رجلا قتل عبدہ متعمدا فجلدہ رسول اللہ ﷺ مائۃ ونفاہ سنۃ ومحی سھمہ من المسلمین. وفی روایت دارقطنی، ولم یقدہ بہ وامرہ ان یعتق رقبۃ (ب) (دارقطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۱۰۵ نمبر ۳۲۵۴ / ابن ماجہ شریف، باب ھل یقتل الحر بالعبد؟ ص ۳۸۳ نمبر ۲۶۶۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آقا کو قتل نہیں کریں گے بلکہ اس سے دیت لی جائے گی۔ اور غلام ہی کے درجے میں مدبر اور مکاتب ہے۔ اس لئے ان کو قتل کرنے سے بھی آقا پر قصاص نہیں ہے۔ اور لڑکے پر باپ کا احترام ضروری ہے اس لئے لڑکے کے غلام کو قتل کرنے سے بھی باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا (۲) اوپر حدیث گزری۔ انت ومالک لوالدک ان اولادکم من اطیب کسبکم

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا حدود مساجد میں قائم نہ کیا جائے اور نہ والد کو لڑکے کے بدلے قتل کرے (ب) حضرت عمر بن شعیب فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے جان بوجھ کر اپنے غلام کو قتل کیا تو حضور نے اس کو سو کوڑے لگائے اور ایک سال تک شہر بدر کیا۔ اور مسلمانوں کے مال غنیمت سے اس کا حصہ ختم کر دیا۔ اور دارقطنی کی روایت میں ہے کہ اس سے قصاص نہیں لیا اور اس کو حکم دیا کہ غلام آزاد کرے۔

[۲۳۰۹] (۱۶) ومن ورث قصاصا علی ابیه سقط [۲۳۱۰] (۱۷) ولا یستوفی القصاص

فکلوا من کسب اولادکم (الف) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یاکل من مال ولدہ ص ۱۴۱ نمبر ۳۵۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لڑکے کا مال باپ کا مال ہے اس اعتبار سے لڑکے کا غلام باپ کا غلام ہوا اور اوپر حدیث گزری کہ اپنے غلام کو قتل کرنے سے آقا قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے بیٹے کے غلام یا مدبر یا مکاتب قتل کرنے سے باپ قتل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ دیت لازم ہوگی۔

[۲۳۰۹] (۱۶) کوئی وارث ہو جائے قصاص کا اپنے باپ پر تو وہ ساقط ہو جائے گا۔

تشریح مثلا باپ نے بیٹے کی ماں کو قتل کیا جس کی وجہ سے باپ پر قصاص لازم تھا۔ لیکن ماں کے وارث ہونے کی وجہ سے بیٹا قتل کا حقدار تھا اس لئے باپ سے یہ قتل ساقط ہو جائے گا۔

وجہ اوپر حدیث گزری۔ لایقاد الوالد بالولد (ترمذی شریف، نمبر ۱۴۰۰ ر ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۶۶۱) اور اگر بیٹے کے ساتھ دوسرے لوگ بھی وارث تھے تب بھی قتل ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ بعض اولیاء کی جانب سے قتل ساقط ہو جائے تو پورے کی جانب سے ساقط ہو جائے گا۔ دلیل یہ حدیث ہے۔ حدثنی عائشۃؓ ان النبی ﷺ قال علی المقتتلین ان ینحجزوا الاول فالاول وان کانت امرأۃ (ب) (سنن للبیہقی، باب عفو بعض الاولیاء عن القصاص دون بعض ج ثامن، ص ۱۰۵، نمبر ۱۶۰۷۰) (۲) ان عمر بن الخطاب رفع الیہ رجل قتل رجلا فاراد اولیاء المقتول قتلہ فقالت اخت المقتول وھی امرأۃ القاتل قد عفوت عن حصتی من زوجی فقال عمر عتق الرجل من القتل (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب العفو ج عاشر ص ۱۳ نمبر ۱۸۱۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وارث اپنا حصہ معاف کر دے تو باقی ورثہ قاتل کو قتل نہیں کر سکتے بلکہ اب دیت لیں گے۔

[۲۳۱۰] (۱۷) قصاص نہیں لیا جائے گا مگر تلوار سے۔

تشریح قاتل نے چاہے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مارا ہو لیکن اس سے قصاص اس طرح نہیں لیا جائے گا بلکہ تلوار سے ایک مرتبہ مار کر قتل کر دیا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لاقود الا بالسیف (د) (ابن ماجہ شریف، باب لاقود الا بالسیف ص ۳۸۴ نمبر ۲۶۶۸ ر دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۸۴ نمبر ۳۱۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قصاص تلوار سے لیا جائے گا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ برابری کے لئے جس طرح قاتل نے قتل کیا ہے اسی طرح قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

وجہ (۱) تاکہ مساوات اور برابری ہو جائے (۲) حدیث میں ہے کہ ایک باندی کو یہودی نے پتھر سے کچل کر مارا تھا تو حضورؐ نے یہودی کو پتھر

حاشیہ: (الف) تم اور تمہارا مال تمہارے والد کے لئے ہیں۔ تمہاری اولاد تمہاری اچھی کمائی ہے۔ اس لئے اولاد کی کمائی سے کھاؤ (ب) آپؐ نے فرمایا قتل ہونے والے روک دیتے ہیں پہلے دسرے والے کو اگرچہ عورت کیوں نہ ہو۔ یعنی عورت معاف کر دے تو سب کی جانب سے قتل معاف ہو جائے گا (ج) حضرت عمرؓ کے پاس مقدمہ پیش ہوا کہ ایک آدمی نے ایک آدمی کو قتل کیا۔ پس مقتول کے اولیاء نے اس کو قتل کرنا چاہا تو مقتول کی بہن نے کہا وہ قاتل کی بیوی بھی تھی کہ میں نے اپنا حصہ شوہر کو معاف کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قاتل قتل سے آزاد ہو گیا (د) آپؐ نے فرمایا قصاص نہ لیا جائے مگر تلوار سے۔

الا بالسیف[۲۳۱۱] (۱۸)واذا قتل المکاتب عمدا ولیس له وارث الا المولی فله القصاص ان لم یترک وفاءً[۲۳۱۲] (۱۹)وان ترک وفاءً ووارثه غیر المولی فلا

سے کچل کر قصاص لیا۔ عن انسؓ ان یهودیا قتل جاریة علی اوضاح لها فقتلها بحجر فجیئ بها الی النبی علیہ السلام وبها رمق فقال اقتلک؟فاشارت برأسها ان لا! ثم قال فی الثانیة فاشارت برأسها ان لا! ثم سألتها الثالثة فاشارت برأسها ای نعم! فقتله النبی علیہ السلام بحجرین (الف)(بخاری شریف، باب من اقاد بالحجر ص۱۰۱۶ نمبر ۶۸۷۹)(۲) آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ویسا ہی کرے جیسا قاتل نے کیا ہو۔ آیت میں ہے۔ وان واقبتم فعاقبوا بمثل عوقبتم به (ب)(آیت ۱۲۶ سورۃ النحل ۱۶) اس آیت سے پتا چلا کہ جیسا کیا ہے اسی کے مطابق سزا دی جائے۔

لغت یستوفی : وصول کرنا۔

[۲۳۱۱] (۱۸) اگر مکاتب جان کر قتل کیا گیا اور اس کے لئے کوئی وارث نہ ہو آقا کے علاوہ تو آقا کے لئے قصاص لینے کا حق ہے اگر نہ چھوڑے مکاتب مال۔

تشریح مکاتب کو کسی نے جان بوجھ کر قتل کر دیا اور آقا کے علاوہ کوئی وارث نہ ہو اور مکاتب کے پاس اتنا مال بھی نہیں تھا کہ پورا مال کتابت ادا کر سکے اور آزاد ہو کر مرسکے ایسی صورت میں آقا کو قصاص لینے کا حق ہے۔

وجہ جب مال کتابت ادا کرنے کا مال نہیں چھوڑا تو یہ طے ہے کہ وہ آقا کا غلام ہو کر مرا۔ اور آقا کے علاوہ کوئی وارث بھی نہیں ہے اس لئے صرف آقا کو قصاص لینے کا حق ہوگا۔ اور چونکہ ایک ہی راستہ طے ہے اس لئے قصاص لینے میں شبہ بھی واقع نہیں ہوا اس لئے قصاص لیا جائے گا۔

[۲۳۱۲] (۱۹) اور اگر مال کتابت ادا کرنے کے لئے مال چھوڑا اور اس کے وارث آقا کے علاوہ ہے تو ان کے لئے قصاص کا حق نہیں ہے اگرچہ وہ آقا کے ساتھ مل کر مطالبہ کریں۔

تشریح مکاتب کو کسی نے جان بوجھ کر قتل کیا۔ اور مکاتب کی حالت یہ تھی کہ مال کتابت ادا کرنے کے لئے پورا مال چھوڑا تھا۔ اور آقا کے علاوہ دوسرے لوگ ان کے ورثہ موجود تھے اس صورت میں نہ آقا قصاص لے سکے گا اور نہ ورثہ قصاص لے سکیں گے۔ بلکہ قصاص ساقط ہو کر دیت لازم ہوگی۔

وجہ مکاتب چونکہ مال کتابت چھوڑ کر مر رہا ہے اور دوسرے لوگ وارث ہیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک قسم کا آزاد ہو کر مرا ہے۔ اور اس وقت آقا قصاص لینے کا حقدار ہے کیونکہ مال کتابت ادا نہیں کیا ہے۔ اس لئے شبہ ہو گیا کہ قصاص کون وصول کرے آقا یا وارث۔ اور شبہ سے قصاص

حاشیہ : (الف) حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کو زیور کے لئے قتل کیا۔ پس اس کو پتھر سے قتل کیا تھا۔ تو حضور کے پاس لائی گئی اس حال میں کہ لڑکی میں رمق تھی۔ تو آپؐ نے پوچھا کیا تم کو قتل کیا؟ (یعنی فلاں نے) تو سر سے اشارہ کر کے کہا نہیں۔ پھر دوسری مرتبہ پوچھا تو سر سے اشارہ کر کے کہا نہیں۔ پھر تیسری مرتبہ پوچھا تو سر سے اشارہ کیا ہاں! تو حضور نے قاتل کو دو پتھروں سے قتل کیا (ب) اگر تم کو سزا دی تو اتنی ہی سزا دو جتنی تم سزا دیئے گئے۔

قصـاص لهـم وان اجتـمعوا مع الـمولی [۲۳۱۳](۲۰)واذاقتل عبد الرهن لا یجب القـصـاص حتی یجتمع الراهن والمرتهن[۲۳۱۴](۲۱)ومن جرح رجلا عمدا فلم یزل صاحب فـراش حتـی مـات فعلیه القصاص [۲۳۱۵](۲۲)ومن قطع ید رجل عمدا من

ساقط ہو جاتا ہے۔اس لئے پہلے قصاص ساقط ہو جائے گا اور دیت لازم ہوگی۔

[۲۳۱۳](۲۰)اگر قتل کر دیا جائے رہن کا غلام تو قصاص واجب نہیں ہوگا یہاں تک کہ راہن اور مرتہن دونوں جمع ہو جائیں۔

تشریح مثلا زید غریب راہن کا غلام عمر مالدار مرتہن کے پاس تھا۔اس درمیان غلام قتل عمد میں مارا گیا جس کی وجہ سے اس کا قصاص لینا تھا تو راہن اور مرتہن دونوں جمع ہو جائیں تو قصاص لیا جائے گا ورنہ نہیں۔

وجہ مرتہن تو اس لئے قصاص نہیں لے سکتا کہ اس کا غلام نہیں ہے غلام تو راہن کا ہے۔اور راہن تنہا قصاص نہیں لے سکتا کہ اس سے مرتہن کا حق ضائع ہوگا۔پھر اس کا کچھ زور نہیں رہے گا۔کیونکہ اگر دیت لی جائے تو مرتہن کو بھی کچھ ملے گی اس لئے مرتہن اس بات پر راضی ہو کہ میں اپنا حق ساقط کرتا ہوں آپ قصاص لے لیں تب راہن قصاص لے سکتا ہے۔اس لئے راہن اور مرتہن دونوں کا جمع ہونا ضروری ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قصاص سے جس کا حق متاثر ہوتا ہو اس کا راضی ہونا بھی ضروری ہے۔

[۲۳۱۴](۲۱)کسی نے کسی آدمی کو جان بوجھ کر زخمی کیا اور وہ صاحب فراش رہا یہاں تک کہ مر گیا تو اس پر قصاص ہے۔

تشریح مثلا زید نے عمر کو اتنا زخمی کیا کہ وہ صاحب فراش ہو گیا، چل پھر نہیں سکتا تھا۔موت تک اسی حال میں رہا پھر مر گیا تو زید سے قصاص لیا جائے گا۔

وجہ زخمی کرنے کے بعد ٹھیک نہیں ہوا اسی حال میں مر گیا تو زخم ہی مرنے کا سبب بنا۔اس لئے قصاص لیا جائے گا۔کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ زخمی کرنے کے بعد فورا آدمی نہیں مرتا بلکہ کچھ دیر کے بعد مرتا ہے اس لئے اگر دیر ہونے سے قصاص ساقط کر دیں تو بہت سے قصاص ساقط ہو جائیں گے۔اس لئے معیار یہ ہے کہ زخمی ہونے کے بعد صاحب فراش ہوا ہو اور اسی حال میں مرا ہو تو قصاص لیا جائے گا (۲) یہودی نے باندی کو پتھر سے زخمی کیا اور وہ دیر تک زندہ رہی اور صاحب فراش رہی اور اسی زخم سے انتقال کیا تو حضورؐ نے یہودی سے قصاص لیا تھا۔(بخاری شریف، باب من اقاد بالحجر ص ۱۰۱۶ نمبر ۶۸۷۹)(۲) عن الحسن فی الرجل یضرب الرجل فلا یزال مضنی علی فراشه حتی یموت قال فیه القود (الف)(مصنف ابن ابی شیبة، ۱۳۵ الرجل یضرب الرجل فلا یزال مریضا حتی یموت ج خامس، ص ۴۲۲ نمبر ۲۷۶۱۸)

[۲۳۱۵](۲۲)کسی نے ہاتھ کاٹا جوڑ سے جان بوجھ کر تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ایسے ہی پاؤں اور ناک کا نرمہ اور کان۔

تشریح قاعدہ یہ ہے کہ جو اعضاء جسم سے باہر ہو اور برابر سرابر کاٹا جا سکتا ہو قصاص میں اس کو کاٹا جائے گا۔جیسے ہاتھ جوڑ سے کاٹا ہو تو قاتل کا

حاشیہ : (الف) حضرت حسن فرماتے ہیں کسی آدمی کو کسی آدمی نے مارا اور وہ ہمیشہ اپنی چارپائی پر بیمار رہا یہاں تک کہ انتقال کر گیا تو اس میں قصاص ہے۔

المفصل قطعت یده وکذلک الرِّجل ومارن الانف والاذن [۲۳۱۶] (۲۳) ومن ضرب عین رجل فقلعها فلا قصاص علیه [۲۳۱۷] (۲۴) فان کانت قائمة وذهب ضوء ھا فعلیه

بھی ہاتھ کاٹا جائے گا، پاؤں کاٹا ہو تو پاؤں کاٹا جائے گا، ناک کو نرمے سے کاٹا ہو تو قاتل کا ناک نرمہ سے کاٹا جائے گا، کان کاٹا ہو تو قاتل کا کان کاٹا جائے گا۔

وجہ آیت میں ہے۔ وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص (الف) (آیت ۴۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ کان، آنکھ اور دانت وغیرہ میں قصاص لازم ہوگا (۲) عن انس ان ابنة النضر لطمت جاریة فکسرت ثنیتها فاتوا النبی ﷺ فامر بالقصاص (ب) (بخاری شریف، باب السن بالسن، ص ۱۰۱۸ نمبر ۶۸۹۴ رابوداؤد شریف، باب القصاص من السن، ص ۲۸۲ نمبر ۴۵۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دانت توڑ دے تو اس کے بدلے دانت توڑا جائے گا۔

لغت المفصل : جوڑ، مارن : ناک کا نرم حصہ، نرمہ۔

[۲۳۱۶] (۲۳) کسی نے کسی آدمی کی آنکھ پر مارا اور اس کو نکال ڈالا تو اس پر قصاص نہیں ہے۔

وجہ دوسرے کی آنکھ کو نکالنے میں برابری نہیں ہو سکتی، اس میں کمی زیادتی ہو جاتی ہے۔ اس لئے قصاص نہیں ہوگا دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ آنکھ باہر نہیں ہے اندر ہے۔ اور آیت میں والعین بالعین کا مطلب یہ ہے کہ اس کی روشنی چلی گئی ہو۔ اور روشنی کے بدلے روشنی ختم کی جا سکتی ہو تو وہاں آنکھ کا قصاص ہوگا۔

[۲۳۱۷] (۲۴) اور اگر آنکھ قائم ہو اور اس کی روشنی چلی گئی ہو تو اس پر قصاص ہے، اس طرح کہ اس کے لئے شیشہ گرم کیا جائے اور چہرے پر تر روئی رکھ کر اس کی آنکھ کے سامنے شیشہ کیا جائے یہاں تک کہ اس کی روشنی جاتی رہے۔

تشریح آنکھ پر اس طرح مارا کہ آنکھ اپنی جگہ موجود رہی لیکن اس کی روشنی چلی گئی تو روشنی ضائع ہونے کے بدلے قصاص کے طور پر برابر سرابر روشنی ضائع کی جا سکتی ہے۔ یہ ممکن ہے اس لئے اس کا قصاص لیا جا سکتا ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن الحکم بن عتیبة قال لطم رجل رجلا اوغیر اللطم الا انه ذهب بصره وعینه قائمة فارادوا ان یقیدوا فاعیا علیهم وعلی الناس کیف یقیدونه وجعلوا لا یدرون کیف یصنعون فاتا هم علیؓ فامر به فجعل علی وجهه کرسف ثم استقبل به الشمس وادنی من عینه مرآة فالتمع بصره وعینه قائمة (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب

حاشیہ : (الف) ہم نے یہودیوں پر تورات میں فرض کیا جان جان کے بدلے، آنکھ آنکھ کے بدلے، ناک ناک کے بدلے، کان کان کے بدلے اور دانت دانت کے بدلے اور زخموں کا بھی قصاص ہے (ب) حضرت انس فرماتے ہیں کہ نضر کی بیٹی نے ایک باندی کو طمانچہ مارا جس سے اس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے۔ پس وہ حضورؐ کے پاس آئیں تو قصاص کا حکم دیا (الف) حضرت حکم بن عتبہ نے فرمایا ایک آدمی نے ایک آدمی کو طمانچہ مارا یا طمانچہ کے علاوہ مارا مگر اس کی بینائی چلی گئی اور آنکھ باقی رہی۔ پس قصاص لینے کے بارے میں پریشان ہوئے۔ پس لوگوں پر مشکل ہوا کہ کیسے بدلہ لیں؟ اور لوگ کے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا (باقی اگلے صفحہ پر)

القصاص تحمى له المرأة ويجعل على وجهه قطن رطب وتقابل عينه بالمرأة حتى يذهب ضوء ها[۲۳۱۸] (۲۵)وفي السن القصاص وفي كل شجة يمكن فيها المماثلة القصاص ولا قصاص في عظم الا في السن[۲۳۱۹] (۲۶)وليس فيما دون النفس شبه عمد وانما

العین ج تاسع ص ۳۲۸ نمبر ۱۷۴۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آنکھ کا قصاص لیا جا سکتا ہے۔اور اس کی صورت یہ ہوگی کی دوسری آنکھ پر تر روئی رکھ دی جائے اور پہلی آنکھ کے سامنے گرم شیشہ لایا جائے جس سے اس کی آنکھ کی روشنی چلی جائے گی اور قصاص ہو جائے گا۔

لغت تحمی : گرم کیا جائے، حمی یحمی سے مشتق ہے، المرآۃ : آئینہ، شیشہ، ضوء : روشنی۔

[۲۳۱۸] (۲۵) اور دانت میں قصاص ہے۔اور ہر وہ زخم جس میں مماثلت ممکن ہو قصاص ہے۔اور سوائے دانت کے کسی ہڈی میں قصاص نہیں ہے

تشریح جن زخموں میں برابر سرابر کر کے قصاص لیا جا سکتا ہو ان میں قصاص ہے اور جن زخموں میں برابر سرابر کرنا ممکن نہ ہو ان میں قصاص نہیں ہے ان میں دیت ہے۔

وجہ دانت کے سلسلے میں السن بالسن والجروح قصاص (آیت ۴۵ سورۃ المائدۃ ۵) گزر چکی ہے کہ دانت توڑ دے تو قصاص لیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔عن انس ان ابنة النضر لطمت جارية فكسرت ثنيتها فاتوا النبي ﷺ فامر بالقصاص (الف) (بخاری شریف، باب السن بالسن، ص ۱۰۱۸، نمبر ۶۸۹۴) (۳) دانت جسم سے باہر ہڈی ہوتی ہے اس لئے اس میں برابر سرابر ہو سکتا ہے اس لئے اس میں قصاص لیا جا سکتا ہے۔دوسری ہڈیاں جسم سے باہر نہیں ہیں اس لئے ان کو برابر سرابر نہیں توڑ سکتے اس لئے ان میں قصاص نہیں ہے دیت ہے۔اس کے لئے یہ اثر ہے۔ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال لا اقيد من العظام (ب) (سنن للبیہقی، باب لا قصاص فیہ ج ثامن، ص ۱۱۳، نمبر ۱۶۰۹۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہڈیوں میں قصاص نہیں ہے۔البتہ آیت اور حدیث کی وجہ سے دانت میں قصاص ہے۔اور دوسرے زخموں میں جہاں برابر سرابر کرنا ممکن ہو ان میں قصاص ہے اس کی دلیل اوپر کی آیت والجروح قصاص (آیت ۴۵ سورۃ المائدۃ ۵) ہے۔عن ابراهيم قال في السمحاق والباضعة واشباه ذلك اذ كان خطاء او عمدا لا يستطاع فيه القصاص ففيه حكومة عدل قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابي حنيفة (ج) (کتاب الآثار لامام محمد، باب دیۃ الاسنان والاشغار والاصابع ص ۱۲۲، نمبر ۵۶۲) اس سے بھی معلوم ہوا کہ جس زخم میں قصاص لینا ممکن نہیں ہے اس میں قصاص نہیں دیت ہے۔

[۲۳۱۹] (۲۶) جان کے علاوہ میں شبہ عمد نہیں ہے، صرف عمد یا خطاء ہے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کریں تو وہ حضرت علی کے پاس آئے۔پس انہوں نے حکم دیا کہ اس کے چہرے پر کرسف رکھیں۔پھر سورج کی طرف چہرہ کرائیں اور آنکھ سے آئینہ قریب کریں تو اس کی بینائی ختم ہو جائے گی، آنکھ اپنی جگہ پر باقی رہے گی (الف) حضرت انس فرماتے ہیں کہ نضر کی بیٹی نے ایک لڑکی کو طمانچہ مارا جس سے اس کا اگلا دانت ٹوٹ گیا پس وہ حضور کے پاس آئے تو آپ نے قصاص کا حکم دیا (ب) حضرت عمر نے فرمایا ہڈی کی وجہ سے قصاص نہیں لوں گا (ج) حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ سمحاق اور باضعہ اور اس طرح کے زخموں میں جبکہ غلطی سے ہو یا جان کر ہو اور قصاص لینا ممکن نہ ہو تو انصاف ور آدمی کے فیصلے کے مطابق قیمت ہوگی۔

هو عمد او خطأ[۲۳۲۰] (۲۷)ولا قصاص بین الرجل والمرأة فیما دون النفس ولا بین

تشریح جان سے قتل کرنے میں شبہ عمد کا وقوع ہوتا ہے۔ کیونکہ آدمی کو دھاردار چیز سے نہ مارے بلکہ غیر دھاردار سے مارے تو شبہ عمد کا وقوع ہوگا۔ لیکن جان کے علاوہ جتنے زخم ہیں ان میں دھاردار کے علاوہ سے بھی زخمی کرے گا تو شبہ عمد نہیں ہوگا بلکہ یا زخم عمد ہوگا یا زخم خطاء ہوگا۔ کیونکہ جان کر زخمی کیا تو زخم عمد اور غلطی سے زخمی کیا تو زخم خطاء ہوگا۔ کیونکہ دھاردار کے علاوہ سے زخمی کیا تو بہر صورت زخمی ہوا اس لئے خطاء اور عمد کا اعتبار ہوگا۔ شبہ عمد کا اعتبار نہیں ہوگا۔

وجہ **عن ابراهیم قال شبه العمد كل شیء تعمد به بغیر حدید فلا یكون شبه العمد الا فی النفس ولا یكون دون النفس** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵ شبہ العمد ماھو؟ ج خامس، ص ۳۴۸، نمبر ۲۶۷۶۰)

[۲۳۲۰] (۲۷) جان کے علاوہ میں مرد اور عورت کے درمیان قصاص نہیں ہے۔ اور نہ آزاد اور غلام کے درمیان اور نہ دو غلاموں کے درمیان۔

تشریح مرد نے عورت کی جان کو قتل کیا تب تو عورت کا قصاص مرد سے لیا جائے گا۔ اور مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ لیکن مرد نے عورت کا ہاتھ کاٹا، پاؤں کاٹا یا ناک کاٹی تو ان میں قصاص کے طور مرد کا ہاتھ، پاؤں، ناک نہیں کاٹے جائیں گے بلکہ دیت لازم ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن حماد قال لیس بین الرجل والمرأة قصاص فیمام دون النفس فی العمد** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۱۴ القصاص من الرجال والنساء ج خامس، ص ۴۱۰، نمبر ۲۷۴۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جان کے علاوہ کو جان بوجھ کر زخمی کیا تو ان میں قصاص نہیں دیت ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جان کے علاوہ کو بھی جان بوجھ کر زخمی کیا تو مرد اور عورت کے درمیان قصاص ہے۔ اور عورت کے بدلے مرد کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں انسان ہیں۔ اس لئے دونوں کی حرمت برابر ہے۔ اس لئے جس طرح مرد مرد کو زخمی کرے تو قصاص ہے اسی طرح مرد عورت کو زخمی کرے تو قصاص لازم ہوگا۔ آیت ہے عام ہے۔ **وكتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص** (ج) (آیت ۴۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں مرد عورت کا فرق نہیں کیا ہے۔ اس لئے عورت کے ہاتھ کاٹنے سے بھی مرد کا ہاتھ کاٹا جائے گا (۲) اثر میں ہے۔ **وقال اهل العلم یقتل الرجل بالمرأة ویذكر عن عمر تقاد المرأة من الرجل فی كل عمد یبلغ نفسه فمادونها من الجراح وبه قال عمر بن عبد العزیز وابراهیم وابو الزناد عن اصحابه و جرحت اخت الربیع انسانا فقال النبی ﷺ القصاص** (د) (بخاری شریف،

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا شبہ عمد ہر وہ صورت ہے کہ دھاردار چیز کے علاوہ سے جان کر مارا ہو۔ پس شبہ عمد نہیں ہوگا مگر جان میں۔ اور جان کے علاوہ میں نہیں ہوگا (ب) حضرت حماد نے فرمایا مرد اور عورت کے درمیان قصاص نہیں ہے نفس کے علاوہ میں قطع عمد میں (ج) ہم نے یہودیوں پر فرض کیا تورات میں کہ نفس نفس کے بدلے، آنکھ آنکھ کے بدلے، ناک ناک کے بدلے، کان کان کے بدلے اور دانت دانت کے بدلے اور زخموں میں بھی قصاص ہے (د) ربیع کی بہن نے ایک آدمی کو زخمی کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ قصاص لازم ہے۔

الحر والعبد ولا بین العبدین [۲۳۲۱] (۲۸) ویجب القصاص فی الاطراف بین المسلم

باب القصاص بین الرجال والنساء فی الجراحات ص ۱۰۱۷ نمبر ۶۸۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت کے اعضاء کے بدلے مرد سے قصاص لیا جائے گا۔

آزاد غلام کے ہاتھ پاؤں کو جان بوجھ کر کاٹ دے یا زخمی کردے تو آزاد سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کی دیت لی جائے گی۔ البتہ جان کر قتل کردے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک غلام کا قصاص آزاد سے لیا جائے گا۔

وجہ جان کے بارے میں تو امام ابو حنیفہ وہی فرماتے ہیں جو امام شافعی فرماتے ہیں کہ غلام کے اعضاء کے بدلے آزاد کے اعضاء نہیں کاٹے جائیں گے۔ اور دلیل وہی حدیث ہے۔ **عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال لا یقتل حر بعبد** (الف) (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث، ص ۱۰۰ ر سنن للبیہقی، باب لا یقتل حر بعبد ج ثالث ص ۶۳ نمبر ۱۵۹۳۹) اس حدیث میں جب جان کا قصاص نہیں لیا جائے گا تو اعضاء کا قصاص بدرجۂ اولی نہیں لیا جائے گا۔

اور غلام غلام کو زخمی کرے تو قصاص نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن عبد اللہ بن مسعود ان العبد لا یقاد من العبد فی جراحۃ عمد ولا خطاء الا فی قتل عمد** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷۳ العبد یجرح العبد ج خامس، ص ۳۸۹، نمبر ۲۷۲۳۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام غلام کو زخمی کردے تو قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ دیت لازم ہوگی۔

[۲۳۲۱] (۲۸) قصاص واجب ہے اعضاء میں مسلم اور کافر کے درمیان۔

تشریح مسلمان کافر یعنی ذمی کے اعضاء کو جان بوجھ کر کاٹ دے تو مسلمان سے قصاص لیا جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ **حدثنی مکحول قال لما قدم علینا عمر بیت المقدس اعطی عبادۃ بن الصامت رجلا من اھل الذمۃ دابتہ یمسکھا فابی علیہ فشجہ موضحۃ ثم دخل المسجد فلما خرج عمر صاح النبطی الی عمر فقال عمر من صاحب ھذا؟ قال عبادۃ انا صاحب ھذا، ما اردت الی ھذا ؟ قال اعطیتہ دابتی یمسکھا فابی و کنت امرء فی حد قال اما لا فاقعد للقود فقال لہ زید بن ثابت ما کنت لتقید عبدک من اخیک قال اما واللہ لئن تجافیت لک عن القود لاعنتک فی الدیۃ اعطہ عقلھا مرتین** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷۸ بین المسلم والذمی قصاص ج خامس، ص ۴۴۶، نمبر

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا (ب) عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا جان بوجھ کر زخمی میں غلام کا غلام سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ غلطی کی زخمی میں مگر قتل عمد میں قصاص ہے۔ (ج) حضرت مکحول نے فرمایا جب حضرت عمر بیت المقدس آئے تو عبادہ بن صامت نے ایک ذمی آدمی کو اپنا جانور رکھنے کے لئے دیا تو اس نے انکار کر دیا۔ پس اس کے سر پر مار کر زخمی کر دیا۔ پھر مسجد آئے۔ پس جب عمرؓ نکلے تو نبطی چیختا ہوا حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کس نے کیا؟ حضرت عبادۃ نے فرمایا میں نے کیا۔ لیکن میری اتنا مارنے کی نیت نہیں تھی۔ حضرت عبادۃ نے فرمایا میں نے اپنی سواری اس کو رکھنے دیا مگر اس نے انکار کیا اور میں ذرا غصے میں تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بہر حال قصاص کے لئے بیٹھو۔ تو ان سے زید بن ثابتؓ نے فرمایا اپنے غلام کا بدلہ اپنے بھائی سے نہ لیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر قصاص دینے سے دور رہتے ہو تو دیت میں تمہاری مدد کروں گا۔ اس کو دیت دوگنا دو۔

والکافر[۲۳۲۲] (۲۹)ومن قطع ید رجل من نصف الساعد او جرحه جائفة فبرأ منها فلا قصاص علیه.

۲۷۸۶۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ اعضاء کافر کو کاٹا تو مسلمان سے قصاص لیا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک جب کافر کی جان قتل کر دے تو قصاص نہیں ہے تو اس کے اعضاء کاٹ دے تو قصاص کیسے لازم ہوگا۔اس پر دیت لازم ہوگی۔

وجہ حدیث گزری۔**وان لایقتل مسلم بکافر** (بخاری شریف، باب لایقتل المسلم بکافر ص ۱۰۲۱ نمبر ۶۹۱۵)(۲)اور حضرت عمر والے اثر میں سنن بیہقی میں ہے کہ دیت لازم کی قصاص لازم نہیں کیا۔**ترک عمرؓ القود وقضی علیه بالدیة** (الف)(سنن للبیہقی الروایات فیہ عن عمر بن الخطاب ج ثامن ص ۳۲ نمبر ۱۵۹۲۶)سے معلوم ہوا کہ قصاص لازم نہیں ہوگا۔

[۲۳۲۲](۲۹)کسی نے کسی کا ہاتھ آدھے پہنچے سے کاٹا یا پیٹ کے اندر تک زخم لگایا پھر وہ اس سے اچھا ہوگیا تو اس پر قصاص نہیں ہے۔

تشریح مثلا زید نے عمر کا ہاتھ پہنچے سے کاٹا پھر وہ ٹھیک ہوگیا تو زید کا ہاتھ قصاص میں نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کی دیت لازم ہوگی۔اسی طرح زید نے عمر کے پیٹ میں گہرا زخم لگایا پھر وہ زخم ٹھیک ہوگیا تو قصاص کے طور پر زید کے پیٹ میں گہرا زخم نہیں لگایا جائے گا۔بلکہ اس کی دیت لازم ہوگی۔

وجہ خطرناک انداز میں ہاتھ کٹنے کے بعد ٹھیک ہونا ضروری نہیں ہے آدمی اس سے مر بھی سکتا ہے۔اب اس قسم کا قصاص کہ عمر کا پہنچے سے ہاتھ کاٹے پھر وہ ٹھیک بھی ہوجائے یہ ممکن نہیں ہے اور قصاص میں برابری ضروری ہے اس لئے اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا دیت لازم ہوگی۔ یہی حال پیٹ میں گہرے زخم کا ہے کہ زخم لگنے کے بعد ٹھیک ہوجائے اور اسی طرح زخمی کرنے والے سے قصاص لے کہ گہرا زخم کرنے کے بعد ٹھیک بھی ہوجائے یہ ناممکن ہے۔اس لئے اس کا بھی قصاص نہیں لیا جائے گا دیت لازم ہوگی۔**عن ابراھیم قال ماکان من جرح من العمد لا یستطاع فیه القصاص فهو علی الجارح فی ماله دون عاقلته** (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۱ العمد الذی لایستطاع فیہ القصاص ج خامس، ص ۴۰۳، نمبر ۲۷۴۰۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس زخم کا قصاص لینا ممکن نہ ہو اس کی دیت لی جائے گی (۲)اثر میں ہے۔**عن ابراھیم کان یقال اذا کسرت الید او الرجل ثم برأت ولم ینقص منها شیء ارشها مائة وثمانون درهما** (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۴ الید او الرجل تکسر ثم تبرأ ج خامس، ص ۳۷۸، نمبر ۲۷۱۰۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ٹھیک ہونے کے بعد دیت لازم ہوگی قصاص لازم نہیں ہوگا۔

اصول جس زخم کا برابر سرابر قصاص لینا ناممکن ہو اس کی دیت لازم ہوگی قصاص نہیں۔

لغت الجائفۃ : پیٹ کے اندر پہنچا ہوا زخم۔

حاشیہ : (الف)حضرت عمرؓ نے قصاص چھوڑا اور دیت کا فیصلہ کیا (ب)حضرت ابراہیم نے فرمایا جان بوجھ کر کیا ہوا زخم جن کا قصاص نہیں لیا جاسکتا ہو اس کا تاوان زخم کرنے والے پر ہے (ج)حضرت ابراہیم نے فرمایا جب ہاتھ یا پاؤں ٹوٹ جائے پھر ٹھیک ہوجائے اور اس میں کچھ کمی نہ ہو تو اس کی ارش ایک سو اسی درہم ہے۔

[۲۳۲۳](۳۰)واذا كانت يد المقطوع صحيحة ويد القاطع شلّاء او ناقصة الاصابع فالمقطوع بالخيار ان شاء قطع اليد المعيبة ولا شیء له غيرها وان شاء اخذ الارش كاملا [۲۳۲۴](۳۱)ومن شجّ رجلا فاستوعبت الشجة مابين قرنيه وهي لا تستوعب مابين قرني الشاجّ فالمشجوج بالخيار ان شاء اقتص بمقدار شجته يبتدئ من ایّ الجانبين شاء وان شاء اخذ الارش كاملا[۲۳۲۵] (۳۲)ولا قصاص فی اللسان ولا فی الذكر الا ان يقطع الحشفة .

[۲۳۲۳](۳۰) اگر کٹا ہوا ہاتھ صحیح ہو اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل ہو یا انگلی ناقص ہو تو مقطوع کو اختیار ہے چاہے عیب والا ہاتھ کاٹ لے اور اس کے لئے اس کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا اور چاہے تو پوری دیت لے لے۔

تشریح جس کا ہاتھ کاٹا اس کا ہاتھ صحیح تھا اور جس نے کاٹا اس کا ہاتھ شل تھا یا اس کی انگلی خراب تھی تو جس کا ہاتھ کاٹا اس کو دو اختیار ہیں۔ ہاتھ کاٹنے والے کا معیوب ہاتھ قصاص میں کاٹ لے۔ اس صورت میں اس نے قصاص لے لیا اس لئے اس کو دیت نہیں ملے گی۔ یا عیب دار ہاتھ کی کچھ رقم نہیں ملے گی۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کی پوری دیت وصول کرے۔ شل ہاتھ کو نہ کاٹے۔

وجہ اس کے پاس عیب دار ہاتھ ہی ہے تو کیا کاٹے گا؟ کاٹنا ہے تو وہی کاٹے یا پھر پوری دیت لے لے۔

[۲۳۲۴](۳۱) کسی نے کسی آدمی کو زخمی کیا۔ پس زخم نے سر کے دونوں جانبوں کو گھیر لیا اور اتنا زخمی کرنے والے کے دونوں جانبوں کو نہیں گھیر سکتا تو زخمی شدہ آدمی کو اختیار ہے چاہے اپنے زخم کی مقدار قصاص لے لے۔ اور شروع کرے جس جانب سے چاہے اور چاہے تو پوری دیت لے لے۔

تشریح مثلا زید کی پیشانی پانچ انچ لمبی ہے اس کو عمر نے زخمی کر دیا اور پورے پانچ انچ گھیر لیا اور عمر کی پیشانی آٹھ انچ لمبی ہے۔ اب زید قصاص لینا چاہتا ہے تو عمر کی پیشانی میں سے پانچ انچ زخمی کرے۔ آٹھ انچ زخمی نہ کرے تا کہ برابر سرابر ہو جائے۔ اور چاہے دائیں جانب سے زخمی کرے چاہے بائیں جانب سے زخمی کرے۔ اور اگر زخمی نہیں کرنا چاہتا ہے تو پوری دیت لے لے۔

وجہ اگر زخمی کرنے والے کی پوری پیشانی زخمی کرے تو اس کی پیشانی آٹھ انچ ہے اور زید کی پیشانی صرف پانچ انچ ہے۔ اس لئے برابری نہیں ہوگی۔ اس لئے عمر کی پانچ انچ پیشانی ہی زخمی کر سکتا ہے۔ تا کہ زخم میں برابری ہو جائے۔

[۲۳۲۵](۳۲) زبان میں اور ذکر میں قصاص نہیں ہے مگر یہ کہ حشفہ کاٹ دے۔

وجہ ذکر اور زبان لمبے ہوتے ہیں اور سکڑتے ہیں۔ اس لئے ان کو برابر سرابر کاٹنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اگر اس کو کاٹ دے تو ان میں قصاص نہیں ہے دیت ہے۔ ہاں خصیتین بھی کاٹ دے تو اس صورت میں ذکر بالکل جڑ سے کٹ جاتا ہے جہاں سے سکڑتا نہیں ہے۔ اس لئے وہاں سے قصاص لینا ممکن ہے۔ اس لئے خصیتین کاٹ دے تو قصاص لیا جائے گا (۲) او پر اثر گزر چکا ہے۔ عن ابراهيم قال ما كان من

[۲۳۲۶](۳۳)واذا اصطلح القاتل واولياء المقتول على مال سقط القصاص ووجب المال قليلا كان او كثيرا [۲۳۲۷](۳۴)فان عفا احد الشركاء من الدم او صالح من

جرح من العمد لا يستطاع فيه القصاص فهو على الجارح في ماله دون عاقلته (الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۱ العمد الذی لا یستطاع فیہ القصاص ج خامس، ص ۴۰۳، نمبر ۲۷۴۰۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس عضو کا برابر سرابر قصاص لینا ناممکن ہو اس میں قصاص نہیں ہے دیت ہے۔

لغت الحشفۃ : خصیہ۔

[۲۳۲۶](۳۳) اگر قاتل اور مقتول کے ورثہ صلح کر لیں کسی مال پر تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور مال واجب ہوگا۔ مال کم ہو یا زیادہ۔

تشریح قاتل نے قتل عمد کیا تھا جس کی وجہ سے قصاص لازم تھا لیکن قاتل اور مقتول کے ورثہ نے کسی مال پر صلح کر لی تو اب قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اور قاتل پر وہ مال لازم ہوگا جو صلح میں طے ہوا۔ وہ مال دیت کاملہ سے کم ہو یا زیادہ۔

وجہ قتل خطاء یا قتل شبہ عمد ہو تو مقتول کے ورثہ دیت سے زیادہ نہیں لے سکتے۔ لیکن یہاں تو قصاص لازم تھا اس لئے اب صلح میں جو طے ہو وہ دینا ہوگا (۲) آیت میں ہے۔ یا ایها الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی له من اخیه شیء فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان (ب)(آیت ۱۷۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قصاص معاف کر کے مال پر صلح کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ حدثنا ابو هريرة ... ومن قتل له قتيل فهو بخير النظرين اما یودی واما یقاد (ج)(بخاری شریف، باب من قتل له قتیل فهو بخیر النظرین ص ۱۰۱۶ نمبر ۶۸۸۰ رابوداؤد شریف، باب الامام یؤمر بالعفو فی الدم ص ۲۷۰ نمبر ۴۴۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قصاص معاف کر کے مال پر صلح کر سکتا ہے بلکہ یہ بہتر ہے کیونکہ قاتل کی جان بچ جائے گی۔

[۲۳۲۷](۳۴) پس اگر شریک میں سے کسی ایک نے خون معاف کر دیا یا اپنے حصے پر صلح کر لی عوض کے بدلے تو قصاص سے باقی حق ساقط ہو جائے گا اور ان کے لئے باقی حصے ہوں گے دیت سے۔

تشریح مقتول کے ورثہ میں سے کسی ایک نے اپنا حصہ معاف کر دیا یا اپنے حصے کے بدلے قاتل سے صلح کر لی تو باقی ورثہ کو قصاص لینے کا حق نہیں رہے گا۔ بلکہ دیت میں سے جو حصے ان کے حق میں آئیں گے وہ لے۔

وجہ حدثنی عائشة زوج النبی ﷺ ان رسول الله قال على المقتتلين ان ینحجزوا الاول فالاول وان كانت امرأة

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا جان بوجھ کر جو زخم کیا ہو جس میں قصاص لینا ممکن نہ ہو تو اس کا تاوان زخم کرنے والے پر ہے اس کے مال میں نہ کہ اس کے خاندان پر (ب) اے ایمان والو تم پر قصاص فرض ہے مقتول کے بارے میں آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، مؤنث مؤنث کے بدلے۔ پس جس نے اپنے بھائی کی جانب سے معاف کر دیا تو معروف کے ساتھ وصول کرنا ہے اور اس کی طرف احسان کے ساتھ ادا کرنا ہے (ج) کسی نے کسی کو قتل کیا تو اس کو دو اختیار ہیں۔ یا دیت ادا کرے یا قصاص لے۔

نصیبہ علی عوض سقط حق الباقین من القصاص و کان لھم نصیبھم من الدیة [۲۳۲۸]
(۳۵) و اذا قتل جماعة واحدا عمدا اقتص من جمیعھم [۲۳۲۹] (۳۶) واذا قتل واحد

(الف) (ابوداؤد شریف، باب عفو النساء عن الدم ص ۶۷۶ نمبر ۴۵۳۸ سنن للبیہقی، باب عفو الاولیاء عن القصاص دون بعض ج ثامن، ص ۱۰۵، نمبر ۱۶۰۷۰) (۲) اثر میں ہے۔ ان عمر بن الخطاب رفع الیہ رجل قتل رجلا فاراد اولیاء المقتول قتلہ فقالت اخت المقتول وھی امرأة القاتل قد عفوت عن حصتی من زوجی فقال عمر عتق الرجل من القتل (ب) (مصنف عبد الرزاق باب العفو ج عاشر ص ۱۳ نمبر ۱۸۱۸۸ سنن للبیہقی، باب عفو بعض الاولیاء ج ثامن، ص ۱۰۵، نمبر ۱۶۰۷۲) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ ورثہ میں سے ایک نے بھی معاف کر دیا تو سارے سے قصاص معاف ہو جائے گا اور دیت لازم ہوگی (۳) آیت فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان (آیت ۱۷۸ سورة البقرہ ۲) سے بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک کے معاف کرنے کے بعد قصاص نہیں ہے۔

[۲۳۲۸] (۳۵) اگر ایک جماعت نے ایک آدمی کو جان بوجھ کر قتل کیا تو سب سے قصاص لیا جائے گا۔

تشریح مثلا چھ سات آدمیوں نے ایک آدمی کو قتل عمد کیا تو ایک کے بدلے سب کو قتل کیا جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابن عمرؓ ان غلاما قتل غیلة فقال عمر لو اشترک فیھا اھل صنعاء لقتلتھم (ج) (بخاری شریف، باب اذا اصاب قوم من رجل ھل یعاقب او یقتص منھم کلھم ص ۱۰۱۸ نمبر ۶۸۹۶ سنن للبیہقی، باب النفر یقتلون الرجل ج ثامن، ص ۷۳ نمبر ۱۵۹۷۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پورے اہل صنعاء ایک آدمی کو قتل کرے تو تمام اہل صنعاء قصاص میں قتل کئے جائیں گے (۲) اگر چہ ایک آدمی کو قتل کیا لیکن تمام لوگ مارنے میں شریک ہیں اس لئے سب سے قصاص لیا جائے گا۔

[۲۳۲۹] (۳۶) اگر ایک آدمی نے ایک جماعت کو قتل کر دیا اور مقتولین کے ورثہ حاضر ہوئے تو پوری جماعت کے لئے یہ قتل کیا جائے گا اور ان کے لئے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

تشریح ایک آدمی نے ایک جماعت کو قتل کر دیا تو پوری جماعت کے لئے یہی ایک آدمی قتل کیا جائے گا۔ اور اس کے علاوہ ان لوگوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

وجہ ایک ہی آدمی نے پوری جماعت کو قتل کیا ہے اس لئے قصاص کا ذمہ دار وہی آدمی ہے۔ اسلئے پوری جماعت کی جانب سے وہی قصاص کا ذمہ دار ہے۔ اس لئے صرف وہی قتل کیا جائے گا۔ اور چونکہ اس میں دیت بھی نہیں ہے اس لئے باقی لوگوں کو دیت بھی نہیں ملے گی۔ اور اگر دیت پر صلح کی تو جتنے مال پر صلح ہوئی وہ مال تمام کو برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ لا تزر وازرة وزر اخری (د) (آیت ۱۶۴ سورة الانعام ۶)

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا مقتول ہونے والوں پر یہ ہے کہ پہلے والے کو روکے بعد والوں کو اگر چہ عورت ہو۔ یعنی اگر عورت معاف کر دے تو باقی لوگ بھی قصاص نہیں لے سکتے صرف دیت لے سکتے ہیں (ب) عمرؓ کے پاس ایک آدمی نے مقدمہ لایا کہ ایک آدمی نے ایک آدمی کو قتل کیا تو مقتول کے اولیاء نے قتل کرنا چاہا تو مقتول کی بہن نے کہا جو قاتل کی بیوی تھی کہ میں نے اپنے شوہر کا حصہ معاف کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا قاتل آدمی قتل سے آزاد ہو گیا (ج) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ایک لڑکے کو اچانک قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر اس میں پورے صنعاء والے شریک ہوتے ہیں تو میں سب کو قتل کرتا (د) کسی کا گناہ کسی پر نہ ڈالا جائے۔

جماعةً فحضر اولياء المقتولين قتل لجماعتهم ولا شيء لهم غير ذلك [۲۳۳۰] (۳۷) فان حضر واحد منهم قتل له وسقط حق الباقين [۲۳۳۱] (۳۸) ومن وجب عليه القصاص فمات سقط عنه القصاص [۲۳۳۲] (۳۹) واذا قطع رجلان يد رجل واحد فلا قصاص على كل واحد منهما وعليهما نصف الدية.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک آدمی کا جرمانہ دوسروں پر نہیں ہوگا۔

[۲۳۳۰] (۳۷) مقتولین کے ورثہ میں سے کوئی ایک آیا اور اپنے لئے قتل کر لیا تو باقی کے حق ساقط ہو گئے۔

تشریح مثلا زید نے آٹھ آدمیوں کو قتل کیا تھا اس لئے آٹھ آدمیوں کے ورثہ کی جانب سے زید قتل کیا جاتا۔ لیکن ایک مقتول کے وارث نے اپنے لئے زید کو قتل کر دیا تو باقی مقتول کے ورثہ کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور نہ وہ کسی کو قتل کر سکیں گے۔

وجہ جو قاتل تھا وہ دنیا سے چلا گیا اب قصاص یا مال کس سے لے گا اس لئے باقی سات مقتول کے ورثہ کا حق ساقط ہو جائے گا (۲) آیت میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک قاتل کے بدلے دسیوں کو قتل کرتے تھے تو اللہ نے ان کو اس قتل سے منع فرمایا اور فرمایا کہ صرف قاتل کو قتل کرو۔ آیت یہ ہے۔ ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا (الف) (آیت ۳۳ سورۃ الاسراء ۱۷) اس آیت میں ہے کہ قتل میں اسراف نہ کرے یعنی قاتل کے علاوہ کو قتل نہ کرے۔ اس لئے باقی مقتولین کے ورثہ کا حق ساقط ہو جائے گا۔

[۲۳۳۱] (۳۸) جس پر قصاص واجب تھا وہ مر گیا تو اس سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔

وجہ جب قاتل نہیں رہا تو قصاص کس سے لے گا۔ اوپر کی آیت کے اعتبار سے دوسروں سے قصاص یا دیت لے نہیں سکتا۔ کیونکہ قتل خطاء نہیں ہے اس لئے قصاص ساقط ہو جائے گا۔

[۲۳۳۲] (۳۹) اگر دو آدمیوں نے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹا تو دونوں میں سے کسی پر قصاص نہیں ہے اور دونوں پر ایک ہاتھ کی آدھی آدھی دیت ہے۔

وجہ چونکہ دو آدمیوں نے ایک آدمی کا ایک ہاتھ کاٹا ہے اس لئے بدلے میں دونوں کے دو ہاتھ کاٹے نہیں جائیں گے۔ ورنہ تعدی اور زیادتی ہو جائے گی۔ اور کسی ایک کا ہاتھ نہیں کاٹ سکتے کہ ترجیح بلا مرجح ہوگی۔ اس لئے یہی صورت ہے کہ دونوں پر ملا کر ایک ہاتھ کی دیت لازم کریں۔ اور دونوں پر آدھی آدھی دیت ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ عن الشعبی ان رجلین اتیا علیاً فشھدا علی رجل انہ سرق فقطع علیؓ یدہ ثم اتیاہ بآخر فقالا ھذا الذی سرق واخطأنا علی الاول فلم یجز شھادتھما علی الآخر غرمھما دیۃ ید

حاشیہ : (الف) اس نفس کو مت قتل کرو جس کو اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو مظلوم قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے ولی کے لئے قوت دی تو قتل میں زیادتی نہ کرے وہ مدد کیا ہوا ہے۔

[۲۳۳۳] (۴۰)وان قطع واحد یمنی رجلین فحضرا فلهما ان یقطعا یده ویأخذا منه نصف الدیة یقتسمانها نصفین[۲۳۳۴] (۴۱)فان حضر واحد منهما قطع یده فللآخر

الاول وقال لو اعلمکما تعمدتما لقطعتکما (الف)(سنن للبیہقی باب الاثنین اوا کثر یقطعان ید رجل معاج ثامن،ص ۵۷،نمبر ۱۵۹۷۷/بخاری شریف،باب اذا اصاب قوم من رجل ھل یعاقب او یقتص منھم کلھم؟ص ۱۰۱۸ نمبر ۶۸۹۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے ایک ہاتھ کی دیت لازم کی۔اس لئے دونوں پر آدھی آدھی دیت لازم ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

وجہ اوپر کے اثر سے استدلال ہے۔اس میں ہے۔قال لا اعلمکما تعمدتما لقطعتکما (سنن للبیہقی،باب الاثنین او اکثر یقطعان ید رجل معاج ثامن،ص ۵۷،نمبر ۱۵۹۷۷/بخاری شریف نمبر ۶۸۹۶)اس اثر میں ہے کہ اگر جانتا کہ جان بوجھ کر کاٹے ہو تو دونوں کا ہاتھ کاٹتا۔جس سے معلوم ہوا کہ قصاص میں دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

[۲۳۳۳](۴۰)ایک آدمی نے دو آدمیوں کے دائیں ہاتھوں کو کاٹا۔پس دونوں آئیں تو دونوں کو حق ہے کہ اس کے ایک ہاتھ کاٹ لے اور اس سے آدھی دیت لے۔جس کو آپس میں آدھی آدھی تقسیم کر لے۔

تشریح ایک آدمی نے دو آدمیوں کے دائیں ہاتھ کاٹ ڈالے۔اب کاٹنے والے کے پاس دو دائیں ہاتھ تو نہیں ہیں کہ ان کو جاتے جائیں۔اور یہاں دو آدمیوں کے دائیں ہاتھوں کا حق ہے۔اس لئے دونوں کو یہ حق ہوگا کہ کاٹنے والے کا دایاں ہاتھ کاٹ لے جس سے دونوں مقطوع کے آدھے آدھے حق وصول ہو جائیں گے اور باقی آدھے آدھے حق کے لئے کاٹنے والے سے ایک ہاتھ کی دیت جو آدھی دیت یعنی پچاس اونٹ ہوتے ہیں وہ لے لے اور آپس میں آدھا آدھا یعنی پچیس پچیس اونٹ تقسیم کر لے۔

وجہ ایک آدمی کے دائیں ہاتھ کا بدلہ کاٹنے والے کا دایاں ہاتھ ہوا اور دوسرے آدمی کے دائیں ہاتھ کا بدلہ ایک آدمی کی آدھی دیت ہوئی۔کیونکہ کاٹنے والے کے پاس دوسرا دایاں ہاتھ نہیں ہے جو کاٹا جا سکے۔اور بایاں ہاتھ کاٹ نہیں سکتا۔کیونکہ اس نے دونوں کے دائیں ہاتھ کاٹے ہیں۔اس لئے یہی صورت باقی رہی کہ ہاتھ کی دیت لے جو پوری جان کی آدھی دیت ہوتی ہے۔اور دونوں آدھی آدھی تقسیم کر لے (۲)اوپر گزر چکا ہے کہ قصاص نہ لے سکے تو دیت لے گا۔

لغت یمنی رجلین : دو آدمیوں کے دائیں ہاتھ دائیں ہاتھ۔

[۲۳۳۴](۴۱)ان میں سے ایک آیا اور اس کا ہاتھ کاٹ لیا تو دوسرے کے لئے اس پر آدھی دیت ہے۔

تشریح قاطع نے دو آدمیوں کے ہاتھ کاٹے تھے پھر ایک آدمی نے آکر قصاص کے طور پر قاطع کا ہاتھ کاٹ لیا۔بعد میں دوسرا آیا تو اس کے

حاشیہ : (الف) دو آدمی حضرت علیؓ کے پاس آئے اور گواہی دی کہ اس نے چوری کی ہے تو حضرت علی نے اس کا ہاتھ کاٹا۔پھر دوسرے دو آئے کہ ان لوگوں نے چرایا ہے ہم نے پہلے پر الزام ڈال کر غلطی کی ہے۔تو ان کی گواہی دوسرے پر جائز قرار نہیں دی۔اور ان دونوں کو پہلے کے ہاتھ کی دیت کا ذمہ دار بنایا۔اگر میں جانتا کہ تم نے جان کر ایسا کیا ہے تو تم دونوں کا ہاتھ کاٹتا۔

عليه نصف الدية[۲۳۳۵] (۴۲)واذا اقر العبد بقتل العمد لزمه القود [۲۳۳۶] (۴۳)ومن رمى رجلا عمدا فنفذ السهم منه الى آخر فماتا فعليه القصاص للاول والدية

کاٹنے کے لئے دایاں ہاتھ باقی نہیں رہا۔اس لئے اب وہ اپنے ہاتھ کے لئے دیت لے گا۔

وجه پہلے گزر چکا ہے کہ قصاص کے لئے کچھ نہ ہو تو دیت لے گا۔عن ابراھیم قال ما کان من جرح من العمد لا یستطاع فیه القصاص فھو علی الجارح فی ماله دون عاقلته (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۱ العمد الذی لایستطاع فیہ القصاص ج خامس ،ص ۴۰۳ نمبر ۲۷۴۰۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہاں قصاص لینا ممکن نہیں وہاں دیت لازم ہے۔اور ایک ہاتھ کے لئے پوری جان کی آدھی دیت ہےاس کے لئے یہ حدیث ہے۔عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ... وقضی رسول اللہ ﷺ فی الانف اذا جدع الدیة کاملة وان جدعت ثندؤته فنصف العقل خمسون من الابل او عدلھا من الذھب او الورق او مائة بقرة او الف شاة وفی الید اذا قطعت نصف العقل وفی الرجل نصف العقل (ب) (ابو داؤد شریف ،باب دیات الاعضاء ص ۲۷۸ نمبر ۴۵۶۴ رنسائی شریف ،ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول واختلاف الناقلین لہ ص ۶۶۸ نمبر ۴۸۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک ہاتھ کے لئے آدھی دیت یعنی پچاس اونٹ ہے۔

[۲۳۳۵] (۴۲) اگر غلام قتل عمد کا اقرار کرے تو اس پر قصاص لازم ہے۔

وجه اثر میں ہے کہ غلام اقرار کرلے کہ میں نے قتل عمد کیا ہے تو اس پر قصاص لازم ہوگا چاہے اس سے آقا کا نقصان ہو۔

وجه آیت میں ہے۔یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والنثی بالانثی (ج) (آیت ۱۷۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ غلام غلام کے بدلے قصاصا قتل کیا جائے گا (۲) اثر میں ہے۔عن علیؓ قال اذا قتل العبد الحر رفع الی اولیاء المقتول فان شاؤا قتلوا وان شاؤا استحیوا (د) (سنن للبیہقی ،باب العبد یقتل الحرج خامس ،ص ۶۸ نمبر ۱۵۹۶۱) عن ابراھیم فی العبد عمدا قال فیه القود (ہ) (کتاب الآثار ،باب جراحات العبد ص ۱۲۶ نمبر ۵۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام قتل عمد کا اقرار کرے تو اس پر قصاص لازم ہے۔اس میں یہ شبہ بھی ہے کہ غلام قتل عمد کا اقرار کرکے اپنی جان دینا چاہتا ہے اور آقا کا نقصان کرنا چاہتا ہے لیکن چونکہ غلام کی جان جا رہی ہے اس لئے اس شبہ کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔

[۲۳۳۶] (۴۳) کسی نے جان بوجھ کر تیر مارا۔پس تیر پار ہوکر دوسرے آدمی کو بھی لگا تو اس پر پہلے کے لئے قصاص ہے اور دوسرے کے لئے

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا جان بوجھ کر ایسا زخم لگایا جس کا قصاص نہیں لیا جا سکتا ہو تو زخم کرنے والے پر اس کے مال میں ہے نہ کہ خاندان پر (ب) حضورؐ نے ناک کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ جب کاٹی جائے تو پوری دیت ہے اور اس کا پستان کاٹا تو آدھی دیت ہے پچاس اونٹ یا اس کے برابر سونا یا چاندی یا ایک سو گائے یا ایک ہزار بکری۔اور ہاتھ کاٹا جائے تو آدھی دیت ہے اور پاؤں میں آدھی دیت ہے (ج) اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے قتل میں آزاد آزاد کے بدلے ،غلام غلام کے بدلے اور مؤنث مؤنث کے بدلے (د) حضرت علیؓ نے فرمایا اگر غلام آزاد کو قتل کرے اور مقتول کے اولیاء کے پاس معاملہ جائے پس چاہے تو قتل کرے اور چاہے تو چھوڑ دے (ہ) حضرت ابراہیم نے فرمایا غلام جان بوجھ کر قتل کرے تو اس میں قصاص ہے۔

للثاني على عاقلته.

اس کے عاقلہ پر دیت ہے۔

تشریح دو آدمی ایک لائن میں کھڑے تھے۔ان میں سے پہلے کو جان بوجھ کر تیر مارا۔پس تیر پار ہو کر دوسرے آدمی کو بھی لگ گیا اور دونوں مر گئے تو قاتل پر پہلے آدمی کا قصاص لازم ہوگا اور دوسرے آدمی کی دیت قاتل کے خاندان والوں پر ہوگی۔

وجہ پہلا قتل عمد ہے جان بوجھ کر تیر مارا ہے اس لئے اس کی وجہ سے قاتل پر قصاص لازم ہے۔اور دوسرا قتل خطاء ہے کیونکہ اس کو مارنے کی نیت نہیں تھی۔اور قتل خطاء میں قاتل کے عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے۔اس لئے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی (۲) قتل خطاء میں عاقلہ پر دیت لازم ہونے کی دلیل بخاری میں ہے۔**وقضى ان دية المرأة على عاقلتها** (بخاری شریف، نمبر ۶۹۱۰ر مسلم شریف، نمبر ۱۶۸۲)

﴿ کتاب الدیات ﴾

﴿ کتاب الدیات ﴾

ضروری نوٹ قتل شبہ عمد میں، قتل خطاء، زخم خطاء وغیرہ ہونے پر مال سے جو جرمانہ لازم ہوتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **وما كان لمؤمن ان يقتل مؤمنا الا خطاء ومن قتل مؤمنا خطاء فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة الى اهله الا ان يصدقوا فان كان من قوم عدولكم وهو مؤمن فتحرير رقبة مؤمنة وان كان من قوم بينكم وبينهم ميثاق فدية مسلمة الى اهله وتحرير رقبة مؤمنة فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين توبة من الله وكان الله عليما حكيما ٥ ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاء ه جهنم خالدا فيها وغضب الله عليه ولعنه واعد له عذابا عظيما** (الف) (آیت ۹۲/۹۳ سورۃ النساء ۴) اس آیت سے کئی قسم کی دیات کا ثبوت ہے (۲) اس حدیث میں بہت سی دیتوں کا تذکرہ ہے۔ **ان رسول الله ﷺ كتب الى اهل اليمن كتابا فيه الفرائض والسنن والديات وبعث به مع عمرو بن حزم فقُرِء ت على اهل اليمن هذه نسختها من محمد النبى الى شرحبيل بن عبد كلال ونعيم بن عبد كلال والحارث بن عبد كلال قيل ذى رعين ومعافر وهمدان اما بعد! وكان فى كتابه ان من اعتبط مؤمنا قتلا عن بينة فانه قود الا ان يرضى اولياء المقتول وان فى النفس الدية مائة من الابل والانف اذا اوعب جدعه الدية وفى اللسان الدية وفى الشفتين الدية وفى البيضتين الدية وفى الذكر الدية وفى الصلب الدية وفى العينين الدية وفى الرجل الواحدة نصف الدية وفى المامومة ثلث الدية وفى الجائفة ثلث الدية وفى المنقلة خمس عشرة من الابل وفى كل اصبع من اصابع اليد والرجل عشر من الابل وفى السن خمس من الابل وفى الموضحة خمس من الابل وان الرجل يقتل بالمرأة وعلى اهل الذهب الف دينار، وفى رواية وفى العين الواحدة نصف الدية وفى اليد الواحدة نصف الدية وفى الرجل الواحدة نصف الدية** (ب) (نسائی شریف، ذکر

حاشیہ : (الف) مومن کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے۔ پس جس نے مومن کو غلطی سے قتل کیا تو مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور دیت اس کے اہل کو دینا ہے۔ اور اگر ایسی قوم میں مقتول ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد و پیمان ہو تو دیت اسکے وارث کو دینا ہے اور مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ اور جو یہ نہ پائے تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنا ہے۔ اللہ سے توبہ کی درخواست کرنا ہے۔ اور اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں ٥ اور جس نے مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا تو اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا اس پر غضب ہوگا۔ اور اس کی لعنت ہوگی اور اس کے لئے دردناک عذاب ہوگا (ب) حضورؐ نے اہل یمن کو خط لکھا جس میں فرائض، سنتیں اور دیات کا تذکرہ تھا۔ اور اس خط کو عمر بن حزم کے ساتھ بھیجا تو اہل یمن پر پڑھا گیا کہ یہ خط ہے حضورؐ کی جانب سے شرجیل بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور حارث بن عبد کلال کی طرف جو ذی رعین اور معافر اور ہمدان کے سردار ہیں۔ اما بعد! یقیناً کسی نے مومن کو قتل کا ارادہ کیا بینہ کے ساتھ تو اس کا قصاص ہے مگر یہ کہ مقتول کے وارثین راضی ہو جائیں۔ وہ کہ جان میں دیت ہے سو اونٹ، اور ناک جبکہ کاٹ دے اس میں دیت ہے، زبان میں پوری دیت ہے، دونوں ہونٹوں میں پوری دیت ہے، دونوں خصیتین میں پوری دیت ہے۔ اور ذکر کاٹنے میں پوری دیت ہے۔ اور ریڑھ کی ہڈی میں پوری دیت ہے۔ دونوں آنکھوں کو پھوڑنے میں پوری دیت ہے۔ اور ایک پاؤں میں آدھی دیت ہے۔ سر کے گہرے زخم مامومہ میں تہائی دیت ہے۔ پیٹ کے گہرے زخم جائفہ میں تہائی دیت ہے۔ منقلہ زخم میں پندرہ اونٹ ہیں۔ ہاتھ کی انگلیوں میں سے ہر انگلی اور پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر انگلی میں دس دس اونٹ ہیں۔ اور دانت میں پانچ اونٹ ہیں اور (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۳۳۷] (۱) اذا قتل رجل رجلا شبه عمد فعلى عاقلته دية مغلظة وعليه كفارة [۲۳۳۸] (۲) ودية شبه العمد عند ابى حنيفة وابى يوسف رحمهما الله تعالى مائة من الابل ارباعا خمس وعشرون بنت مخاض وخمس وعشرون بنت لبون وخمس وعشرون حقة

حدیث عمرو بن حزم فی العقول واختلاف الناقلین لہ ص ۶۶۸/۶۶۹ نمبر ۴۸۵۷/۴۸۵۸) اس حدیث میں مختلف قسم کے جرموں کی دیت کا تذکرہ ہے۔

[۲۳۳۷] (۱) اگر کسی نے کسی آدمی کو شبہ عمد میں قتل کر دیا تو اس کے عاقلہ پر دیت مغلظہ ہے اور اس پر کفارہ ہے۔

تشریح کسی نے کسی آدمی کو دھار دار ہتھیار کے علاوہ سے جان بوجھ کر قتل کر دیا جس کو شبہ عمد کہتے ہیں اس کی وجہ سے قاتل کے خاندان پر دیت مغلظہ لازم ہوگی اور خود قاتل پر کفارہ لازم ہوگا۔

وجہ آیت میں ہے۔ ومن قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبة مؤمنة ودية مسلمة الى اهله (الف) (آیت ۹۲ سورۃ النساء۴) قتل شبہ عمد قتل خطا کے درجے میں ہے اس لئے آیت سے پتا چلا کہ دیت لازم ہوگی اور غلام آزاد کرنا ہوگا (۲) اور خاندان پر دیت لازم ہو۔ [illegible] دلیل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ ان ابا هريرة انه قال اقتتلت امرأتان من هزيل ... وقضى ان دية المرأة على عاقلتها (ب) (بخاری شریف، باب جنین المرأۃ وان العقل علی الوالد وعصبۃ الوالد لا علی الولد ص ۱۰۲۰ نمبر ۶۹۱۰ر مسلم شریف، باب دیۃ الجنین ووجوب الدیۃ فی قتل الخطاء وشبہ العمد علی عاقلۃ الجانی ص ۶۲ نمبر ۱۶۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ [illegible]ت نے جان کر بغیر دھار دار چیز سے دوسری عورت کو مارا تھا تو یہ قتل شبہ عمد ہوا اور اس کی دیت قاتلہ کے خاندان پر لازم کی۔ اور د[illegible] مغلظہ کی تفصیل آگے ہے۔

[۲۳۳۸] (۲) اور شبہ عمد کی دیت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سو اونٹ ہیں چار طرح کے۔ پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقہ اور پچیس جذعہ۔ اور تغلیظ نہیں ثابت ہوگی مگر صرف اونٹ میں۔ پس اگر اونٹ کے علاوہ کی دیت کا فیصلہ کیا تو مغلظہ نہیں ہوگی۔

تشریح قتل شبہ عمد اور قتل خطاء میں ہر حال میں ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں۔ اس لئے اگر دینار اور درہم دیت دے تو ان میں تغلیظ نہیں ہو سکتی۔ صرف اونٹ کی دیت میں تغلیظ ہوگی وہ تعداد میں تو ہمیشہ سو اونٹ ہی لازم ہوں گے۔ البتہ عمر کے اعتبار سے اعلی اونٹ لازم کرے تو تغلیظ ہوگی اور ادنی اونٹ لازم کرے تو تخفیف ہو جائے گی۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ قال عبد الله فى شبه العمد خمس وعشرون حقة وخمس وعشرون جذعة وخمس وعشرون بنات لبون وخمس وعشرون بنات مخاض (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی دیۃ الخطاء شبہ العمد ص ۲۷۷ نمبر ۴۵۵۳) اس حدیث میں اونٹ کی تفصیل ہے۔

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) موضحہ زخم میں پانچ اونٹ ہیں۔ اور مرد قتل کیا جائے گا عورت کے بدلے میں۔ اور سونے والے پر ہزار دینار ہے (الف) کسی نے مومن کو قتل کیا غلطی سے تو مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور دیت اس کے وارث کو سپرد کرنا ہے (ب) ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہزیل کی دو عورتوں نے قتال کیا... فیصلہ کیا کہ عورت کی دیت اس کے خاندان پر ہے (ج) حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا قتل شبہ عمد میں پچیس حقہ، پچیس جذعہ، پچیس بنت لبون اور پچیس بنت مخاض ہیں۔

وخمس وعشرون جذعة ولا يثبت التغليظ الا فی الابل خاصة فان قضی بالدية من غير الابل لم تتغلظ[۲۳۳۹] (۳)وفی قتل الخطأ تجب به الدية علی العاقلة والكفارة علی

فائدہ امام شافعیؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک تغلیظ کی یہ شکل ہے کہ تیس جذعہ، تیس حقہ اور چالیس ثنیہ سب حاملہ ہوں۔

وجہ عن عثمان بن عفانؓ وزيد بن ثابتؓ فی المغلظة اربعون جذعة خلفة وثلاثون حقة وثلاثون بنات لبون (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الخطاء شبہ العمد ص ۲۷۷ نمبر ۴۵۵۴) اس سے امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔

لغت ایک سال پورا ہو کر دوسرے سال میں بچے نے قدم رکھا ہو تو اس کو بنت مخاض کہتے ہیں۔ اور تیسرے سال میں قدم رکھا ہو تو بنت لبون، چوتھے سال میں قدم رکھا ہو تو حقہ اور پانچویں سال میں قدم رکھا ہو تو جذعہ اور پانچ سال پورے ہو چکے ہو تو ثنی، یعنی جس اونٹ کو دودھ کا دانت گر کر دو نئے دانت نکل آئے ہوں۔

[۲۳۳۹] (۳) اور قتل خطا میں دیت واجب ہوتی ہے عاقلہ پر اور کفارہ قاتل پر۔

وجہ دیت اور کفارہ کے بارے میں اوپر آیت گزر چکی ہے۔ عاقلہ پر دیت لازم ہونے کا قاعدہ یہ ہے کہ جو دیت براہ راست قاتل پر لازم ہو وہ اس کے خاندان پر لازم ہوتی ہے جیسے قتل خطا کی دیت براہ راست قاتل پر لازم ہوتی ہے۔ اس لئے یہ اس کے خاندان پر لازم ہوگی۔ قتل شبہ عمد کی دیت بھی براہ راست قاتل پر لازم ہوتی ہے اس لئے وہ بھی قاتل کے خاندان پر لازم ہوگی۔ اس لئے کہ انہوں نے قاتل کو قتل سے روکا نہیں (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد الله ان امرأتين من هذيل قتلت احداهما الاخرى ولكل واحدة منهما زوج وولد، قال فجعل النبی ﷺ دية المقتولة علی عاقلة القاتلة (ابوداؤد شریف، باب دیۃ الجنین، ص ۲۷۷، نمبر ۴۵۷۵ / بخاری شریف، باب جنین المرأۃ وان العقل علی الوالد وعصبۃ الوالد الخ ص ۱۰۲۰، نمبر ۶۹۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل خطاء میں دیت قاتل کے عاقلہ پر ہے۔

قتل عمد میں قاتل پر قصاص لازم ہوتا ہے دیت لازم نہیں ہوتی ہے بلکہ بعد میں قصاص کے بدلے دیت اور مال پر صلح کرلے تو لازم ہوگی۔ اس لئے یہ قاتل کے عاقلہ اور خاندان پر لازم نہیں ہوگی۔ اسی طرح قتل خطا کے بدلے کسی مال پر صلح کرلے یا کسی مال کا اعتراف کرے تو یہ قاتل کے اعتراف کرنے یا صلح کرنے کی وجہ سے مال لازم ہوا اس لئے اس کے خاندان پر لازم نہیں ہوگا۔ اسی طرح غلام پر دیت لازم ہو تو وہ اس کے خاندان پر لازم نہیں ہوگی بلکہ اس کا آقا ادا کرے گا۔

وجہ اس اثر میں ہے۔ عن عمرؓ قال العمد والعبد والصلح والاعتراف لا يعقل العاقلة (ب) (سنن للبیہقی، باب من قال لاتحمل العاقلۃ عمدا ولا عبدا ولا صلحا ولا اعترافا ج ثامن ص ۱۸۱، نمبر ۱۶۳۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قتل عمد، مال صلح، مال اعتراف اور غلام پر لازم ہونے والا مال عاقلہ پر لازم نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) زید بن ثابت نے فرمایا مغلظہ میں چالیس جذعہ خلفہ ہیں اور تیس حقہ ہیں اور تیس بنت لبون ہیں (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا قتل عمد میں اور غلام کے قتل میں اور صلح میں اور جرم کے اقرار کر لینے میں خاندان والے دیت نہیں دیں گے۔

القاتل[۲۳۴۰] (۴)والدية في الخطأ مائة من الابل اخماسا عشرون بنت مخاض وعشرون ابن مخاض وعشرون بنت لبون وعشرون حقة وعشرون جذعة [۲۳۴۱] (۵) ومن العين الف دينار ومن الورق عشرة آلاف درهم ولا يثبت الدية الا من هذه الانواع الثلثة عند ابی حنيفة رحمه الله تعالى وقالا رحمهما الله تعالى منها ومن البقر مائتا بقرة

نوٹ قتل خطا کی دیت کی تفصیل آگے حدیث میں ہے۔

[۲۳۴۰] (۴) قتل خطا میں دیت سواونٹ ہیں پانچ طرح کے۔بیس بنت مخاض اور بیس ابن مخاض اور بیس بنت لبون اور بیس حقہ اور بیس جذعہ۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن عبد الله بن مسعودؓ قال قال رسول الله ﷺ فی دية الخطاء عشرون حقة وعشرون جذعة وعشرون بنت مخاض وعشرون بنت لبون وعشرون بنی مخاض ذكر (الف) (ابوداؤد شریف، باب الدیۃ کم ھی؟ ص ۲۷۷ نمبر ۴۵۴۵ رنسائی شریف ذکر اسنان دیۃ الخطاء ص ۶۶۲ نمبر ۴۸۰۶) اس حدیث سے قتل خطا میں اونٹ کی تعداد کا پتا چلا۔

[۲۳۴۱] (۵) اور سونے سے ایک ہزار دینار اور چاندی سے دس ہزار درہم۔اور نہیں ثابت ہے دیت مگر انہیں تین قسموں سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا ان سے بھی دیت ہے اور گائے میں دوسو گائیں اور بکری سے دو ہزار بکریاں اور حلے سے دوسو حلے، ہر حلہ دو کپڑوں کا۔

تشریح دیت اصل میں اونٹ سے متعین تھی کیونکہ عرب میں اونٹ ہی ہوتے تھے۔لیکن اس کی قیمت لگا کر سونا، چاندی، گائے، بکری اور حلے متعین کئے گئے۔شروع میں سواونٹ کی قیمت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھے۔بعد میں اونٹ مہنگے ہونے کی وجہ سے دیت میں اس کی قیمت ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم یا دوسو گائیں یا دو ہزار بکریاں یا دوسو حلے لازم کئے۔البتہ امام ابوحنیفہؒ حضرت عمرؓ کے فیصلے کی وجہ سے نہ آٹھ ہزار درہم رکھا اور نہ بارہ ہزار درہم رکھا بلکہ دونوں کے درمیان دس ہزار درہم متعین کیا۔باقی قسموں کی تعداد وہی ہے جو صاحبینؒ کا مسلک ہے۔

وجہ حدیث میں پوری بات یہ ہے۔عن عمر بن شعيب عن ابيه عن جده قال كانت قيمة الدية على عهد رسول الله ﷺ ثمان مائة دينار او ثمانية آلاف درهم ودية اهل الكتاب يومئذ النصف من دية المسلمين قال فكان ذلك كذلك حتى استخلف عمرؓ فقام خطيبا فقال الا ان الابل قد غلت قال ففرضها عمر على اهل الذهب الف دينار وعلى اهل الورق اثنى عشر الفا وعلى اهل البقر مائتی بقرة وعلى اهل الشاء الفی شاة وعلى اهل الحلل مائتی حلة قال وترك دية اهل الذمة لم يرفعها فيما رفع من الدية (ب) (ابوداؤد شریف، باب الدیۃ کم ھی؟ ص ۲۷۷ نمبر ۴۵۴۲ رنسائی

حاشیہ : (الف) عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا حضورؐ نے فرمایا قتل خطا کی دیت میں بیس حقہ، بیس جذعہ، بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون اور بیس بنی مخاض مذکر ہیں۔

حاشیہ : (ب) عمر بن شعیب نے فرمایا دیت کی قیمت حضور کے زمانے میں آٹھ سو درہم تھی چنانچہ ایسا ہی رہا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خلیفہ بنے۔(باقی اگلے صفحہ پر)

ومن الغنم الفا شاة ومن الحلل مائتا حُلة كل حلة ثوبان [۲۳۴۲](٦) ودية المسلم والذمی سواء.

شریف، ذکر الاختلاف علی خالد الحذاء ص ۶۶۲ نمبر ۴۸۰۵ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الدیۃ کم ھی من الدراھم ص ۲۵۸ نمبر ۱۳۸۸) اس سے تمام دیات کا علم ہوا۔ اس حدیث میں بارہ ہزار درہم کا تذکرہ ہے۔ لیکن دوسرے اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے دس ہزار درہم کا فیصلہ فرمایا۔ عن عمرؓ انه فرض علی اهل الذهب الف دینار فی الدیة وعلی اهل الورق عشرة آلاف درهم (الف) (سنن للبیہقی، باب ماروی فیہ عن عمرؓ وعثمانؓ سوای ماضیٰ ج ثامن، ص ۱۴۰، نمبر ۱۶۱۸۶ رکتاب الآثار لامام محمد، باب الدیات وما یجب علی اہل الورق والمواشی ص ۱۲۰ نمبر ۵۵۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۱ الدیۃ کم تکون ج خامس، ص ۳۴۴، نمبر ۲۶۷۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دیت دس ہزار درہم ہے۔

فائدہ صاحبینؒ کی رائے ہے کہ گائے میں دوسو گائے یا دو ہزار بکریاں یا دوسو حلے ہیں۔

وجہ اس کی دلیل اوپر کی حدیث گزر گئی۔

لغت الحلل : حلۃ کی جمع ہے، ایک قسم کی چادر اور لنگی ہو تو اس لباس کو حلہ کہتے ہیں۔ اس میں دو کپڑے ہوتے ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بارہ ہزار درہم دیت ہے۔

وجہ ان کی دلیل اوپر والی حدیث ہے جس میں تھا کہ دیت بارہ ہزار درہم ہے۔

[۲۳۴۲] (٦) مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔

تشریح جو کافر دار الاسلام میں ٹیکس دے کر رہتا ہو اس کو ذمی کہتے ہیں اس کو قتل خطاء کر دے تو اس کی دیت مسلمان ہی کی طرح سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہے۔

وجہ ان ابا بكرؓ وعمرؓ كانا يجعلان دية اليهودی والنصرانی اذا كانا معاهدين دية الحر المسلم (ب) (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۹۸ نمبر ۳۲۱۷) (۲) ابن عمرؓ ان النبی علیہ السلام قال دية ذمی دية مسلم (ج) (سنن للبیہقی، باب دیۃ اہل الذمۃ ج ثامن، ص ۱۷۸، نمبر ۱۶۳۵۲) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی طرح ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی ذمی ہو تو اس کو آدھی دیت یعنی آٹھ ہزار کا آدھا چار ہزار درہم اور مجوسی ذمی ہو تو اس کو آٹھ سو درہم دیت ملے گی۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پس انہوں نے خطبہ دیا کہ سن لو! اونٹ مہنگے ہو گئے ہیں۔ پس متعین کیا حضرت عمرؓ نے سونے والے پر ہزار دینار اور چاندی والے پر بارہ ہزار اور گائے والے پر دوسو گائیں اور بکری والے پر دو ہزار بکریاں اور حلے والے پر دوسو حلے۔ فرمایا اور اہل ذمہ کی دیت کو چھوڑ دیا۔ اس کی دیت کو آگے نہیں بڑھایا (الف) حضرت عمرؓ نے متعین کیا سونے والے پر ہزار دینار دیت میں اور چاندی والے پر دس ہزار درہم (ب) حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں یہودی اور نصرانی کی دیت جبکہ ان سے معاہدہ ہو تو آزاد مسلمان کی دیت کے برابر کرتے تھے (ج) آپؐ نے فرمایا ذمی کی دیت مسلم کی دیت کے برابر ہے۔

[۲۳۴۳] (۷)وفی النفس الدیة وفی المارن الدیة وفی السان الدیة وفی الذکر الدیة وفی العقل اذا ضرب رأسه فذھب عقله الدیة.

وجہ حدیث میں ہے۔**عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ عن النبی ﷺ قال دیة المعاهد نصف دیة الحر** (الف)(ابو داؤد شریف، باب فی دیۃ الذمی ص ۲۸۲ نمبر ۴۵۸۳رترمذی شریف، باب ماجاء فی دیۃ الکفار ص ۲۶۰ نمبر ۱۴۱۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہوگی (۲)**عن عمرؓ قال دیة الیھودی والنصرانی اربعة آلاف واالمجوسی ثمان مائة** (ب) (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث، ص ۹۸ نمبر ۳۲۲۰رسنن للبیہقی، باب دیۃ اہل الذمۃ ج ثامن، ص ۱۷۵، نمبر ۱۶۳۳۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم اور مجوسی کا فر ذمی کی دیت آٹھ سو درہم ہوگی۔

[۲۳۴۳] (۷)غلطی سے جان کر انسان کو قتل کر دے تو پوری دیت ہے، ناک کے نرمہ میں پوری دیت ہے اور زبان میں پوری دیت ہت اور ذکر میں پوری دیت ہے اور سر پر مارے اور عقل ختم ہو جائے تو پوری دیت ہے۔

تشریح پوری دیت یا آدھی دیت لازم ہونے میں دو باتوں کا لحاظ ہے۔ایک تو یہ کہ اگر ایسا عضو کاٹ دیں جس سے آدمی زندہ تو ہے لیکن انسان کی منفعت ختم ہو جائے تو اس سے بھی پوری دیت لازم ہوتی ہے جیسے زبان کاٹ دے یا ذکر کاٹ دے تو ان سے آدمی زندہ تو ہے لیکن بولنے کی منفعت یا جماع کرنے کی منفعت ختم ہوگی تو گویا کہ آدمی ہی نہیں رہا اس لئے اس سے پوری دیت لازم ہوگی۔یا ایسا عضو کاٹا جس سے انسان کی خوبصورتی بالکل ختم ہوگئی تو اس سے بھی پوری دیت سو اونٹ لازم ہوگی جیسے ناک کاٹ دی یا بھوؤں کے بال بالکل اکھیڑ دیئے یا سر کے بال بالکل اکھیڑ دیئے کہ اب دوبارہ بال نہیں اگ سکتے تو اس سے بھی پوری دیت لازم ہوگی۔کیونکہ خوبصورتی ختم ہونے کی وجہ سے گویا کہ انسان نہیں رہا (۲) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث میں یا صحابہ کے فیصلہ میں اس کا ثبوت ہے کہ فلاں جرم میں پوری دیت لازم ہوگی۔اب سمجھ میں نہ بھی آئے تو پوری دیت لازم ہوگی (۳) عمر بن حزم کی لمبی حدیث اس باب کے ضروری نوٹ میں گزری جس میں اس کا ثبوت ہے۔اس کا ٹکڑا یہ ہے۔**وان فی النفس الدیة مائة من الابل وفی الانف اذا اوعب جدعه الدیة وفی اللسان الدیة وفی الشفتین الدیة وفی البیضتین الدیة وفی الذکر الدیة وفی الصلب الدیة وفی العینین الدیة** (ج)(نسائی شریف، ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول واختلاف الناقلین ص ۶۶۸ نمبر ۴۸۵۷)اس میں ہے کہ جان میں پوری دیت ہے۔پوری ناک کٹ جائے تو پوری دیت ،زبان میں پوری دیت، ذکر میں پوری دیت ہے (۴) اور عقل کے لئے یہ اثر ہے۔**عن عمر بن الخطابؓ ما دل علی انه قضی فی العقل بالدیة** (د) (سنن للبیہقی، باب ذہاب العقل من الجنایۃ ج ثامن، ص ۱۵۱، نمبر ۱۶۲۲۸رمصنف ابن ابی شیبۃ ۹۰ فی العقل ج خامس، ص

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا معاہدہ والے ذمی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کی آدھی ہے (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم (ج) جان قتل کرنے میں پوری دیت ایک سو اونٹ ہیں اور ناک جب کاٹی جائے تو پوری دیت ہے اور زبان میں پوری دیت ہے اور دونوں ہونٹوں میں پوری دیت ہے دونوں خصیوں میں پوری دیت ہے ذکر کاٹنے میں پوری دیت ہے اور ریڑھ کی ہڈی توڑنے میں پوری دیت ہے اور دونوں آنکھوں کے پھوڑنے میں پوری دیت ہے (د) حضرت عمرؓ سے دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ عقل ضائع ہونے میں پوری دیت کا فیصلہ کیا۔

[۲۳۴۴](۸)وفی اللحیة اذا حلقت فلم تنبت الدیة وفی شعر الرأس الدیة وفی حاجبین

۳۹۸، نمبر ۲۷۳۴۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عقل ختم ہو جائے تو پوری دیت لازم ہوگی۔

[۲۳۴۴](۸)اور داڑھی اس طرح مونڈ دی جائے کہ پھر نہ اگے اس میں دیت ہے۔اور سر کے بال میں دیت ہے اور دونوں ابروؤں میں دیت ہے۔

تشریح داڑھی اس طرح مونڈ دی جائے کہ دوبارہ نہ اگے تو اس سے خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس میں پوری دیت ہے۔اسی طرح سر کے بال اس طرح مونڈ دیئے کہ دوبارہ نہ اگ سکے تو اس سے بھی پوری خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے۔اس لئے اس میں بھی پوری دیت ہے۔اسی طرح ابرو کو اس طرح مونڈ دیا کہ دوبارہ بال نہ اگ سکے تو اس میں بھی خوبصورتی ختم ہوگئی اس لئے اس میں بھی پوری دیت ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔عن الشعبی فی اللحیة الدیة اذا انتفت فلم تنبت (الف)(مصنف ابن ابی شیبة ۲۳۱ فی شعر اللحیة اذا انتف فلم ینبت ج سادس ص ۴۵۲ نمبر ۲۷۸۰۲)(۲)عن زید بن ثابتؓ قال فی الشعر اذا ینبت الدیة (ب)(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الحاجبین واللحیة والرأس ج ثامن، ص ۱۵۱ نمبر ۱۶۳۳۰)اس سے معلوم ہوا کہ داڑھی کے بال میں اس طرح اکھیڑے دے کہ دوبارہ نہ اگ سکے تو اس میں پوری دیت ہے۔سر کے بال کے بارے میں یہ اثر ہے۔عن سلمة بن تمام الشقری قال مر رجل بقدر فوقعت علی رأس رجل فاحرقت شعره فرفع الی علیؓ فاجله سنة فلم ینبت فقضی فیه علیؓ بالدیة (ج)(مصنف ابن ابی شیبة ۱۹ اشعر الرأس اذا لم ینبت ج خامس، ص ۳۵۷، نمبر ۲۶۸۶۶ رمصنف عبد الرزاق، باب حلق الرأس ونتف اللحیة ج تاسع ،ص ۳۱۹ نمبر ۱۷۳۷۴)اس سے معلوم ہوا کہ سر کے بال اس طرح اڑا دے کہ دوبارہ نہ اگ سکے اس میں پوری دیت لازم ہوگی۔اور ابرو کے بارے میں یہ اثر ہے۔عن الحسن قال فی الحاجبین اندية واحدهما نصف الدية (د)(مصنف ابن ابی شیبة ۱۸ الحاجبین مافیهما؟ ج خامس، ص ۳۵۶، نمبر ۲۶۸۶۰ رمصنف عبد الرزاق، باب الحاجب ج تاسع ص ۳۲۱ نمبر ۱۷۳۸۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ابرو میں پوری دیت ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان چیزوں میں پوری دیت نہیں ہے بلکہ حاکم جو فیصلہ کرے وہ لازم ہوگا۔

وجہ کیونکہ کسی عضو کا کاٹنا نہیں ہے بلکہ صرف خوبصورتی کا ختم ہونا ہے۔اس لئے خوبصورتی کم ہونے سے جو کمی واقع ہوئی وہی لازم ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ سألت عطاء عن الحاجب یشأن قال ما سمعت فیه بشیء قال الشافعی فیه حکومة بقدر الشین والالم (ہ)(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الحاجبین واللحیة والرأس ج ثامن، ص ۱۷۳، نمبر ۱۶۳۳۱ رمصنف عبد الرزاق، باب الحاجب ج تاسع ،ص

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا داڑھی میں پوری دیت ہے اگر داڑھی اس طرح اکھیڑے کہ نہ اگے (ب) حضرت زید بن ثابتؓ سے ہے کہ فرمایا بال جبکہ نہ اگے تو پوری دیت ہے (ج) سلمہ بن تمام شقری نے فرمایا ایک آدمی ہانڈی کے پاس سے گزرا۔ پس ہانڈی اس آدمی کے سر پر گر گئی اور اس کے بال جل گئے تو یہ معاملہ حضرت علیؓ کے پاس آیا تو اس کو ایک سال تک مہلت دی۔ پھر بھی نہیں اگا پس حضرت علیؓ نے اس میں دیت کا فیصلہ کیا (د) حضرت حسن نے فرمایا دونوں بھوؤں میں پوری دیت ہے اور دونوں میں سے ایک میں آدھی دیت ہے (ہ) میں نے بھوؤں کے بارے میں پوچھا جو بدنما ہو جائے۔فرمایا میں نے اس بارے میں کچھ نہیں سنا۔امام شافعی نے فرمایا اس میں ایک بدنمائی اور تکلیف کے برابر فیصلہ ہے۔

الدية [۲۳۴۵] (۹) وفي العينين الدية وفي اليدين الدية وفي الرجلين الدية وفي الاذنين الدية وفي الشفتين الدية وفي الانثيين الدية وفي ثديي المرأة الدية [۲۳۴۶] (۱۰) وفي كل واحد من هذه الاشياء نصف الدية.

---

۳۲۱ نمبر ۳۸۰۷۱/ مصنف ابن ابی شیبة ۱۸ الحاجبین ما فیھما؟ ج خامس، ص ۳۵۷ نمبر ۲۶۸۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خوبصورتی جتنی کم ہو اس حساب سے رقم لازم ہوگی۔

[۲۳۴۵] (۹) دونوں آنکھوں میں پوری دیت، دونوں ہاتھوں میں پوری دیت اور دونوں پیروں میں پوری دیت اور دونوں کانوں میں پوری دیت اور دونوں ہونٹوں میں پوری دیت، دونوں خصیوں میں پوری دیت اور عورت کے دونوں پستانوں میں پوری دیت ہے۔

تشریح یہ اعضاء دونوں ختم ہو جائیں تو انسان کی منفعت ختم ہو جاتی ہے اس لئے پوری دیت لازم ہوگی۔ اور ایک عضو ختم ہوا جیسے ایک آنکھ ختم ہوئی تو آدھی دیت لازم ہوگی۔

وجہ حضرت عمرو بن حزم کی ایک حدیث میں تفصیل گزر چکی ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ ان رسول الله ﷺ كتب الى اهل اليمن كتابا فيه الفرائض والسنن والديات ... وفي الشفتين الدية وفي البيضتين الدية وفي الذكر الدية وفي الصلب الدية وفي العينين الدية وفي الرجل الواحدة نصف الدية (الف) (نسائی شریف، ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول واختلاف الناقلین له ص ۶۶۸ نمبر ۴۸۵۷ / سنن للبیہقی، جماع ابواب الدیات فیما دون النفس ج ثامن، ص ۱۴۱، نمبر ۱۶۱۸۹) (۲) عن سعيد بن المسيب انه قال في ثدي المرأة نصف الدية وفيهما الدية (ب) (سنن للبیہقی، باب حلمتی الثديين ج ثامن، ص ۱۶۹ نمبر ۱۶۳۱۵ / مصنف عبد الرزاق، باب ثدی الرجل والمرأة ج تاسع ص ۳۶۳ نمبر ۱۷۵۹۰) اس اثر اور حدیث سے تمام عضووں کی دیات کا پتا چل گیا۔

لغت شفتین : شفة کا تثنیہ ہے دو ہونٹ۔ الانثیین : انثیة کا تثنیہ ہے خصیہ، ثدی : پستان۔

[۲۳۴۶] (۱۰) ان چیزوں میں سے ایک کی دیت آدھی ہے۔

تشریح مثلا دونوں آنکھوں کی دیت پوری دیت ایک سو اونٹ ہے تو ایک آنکھ کی دیت آدھی ہوگی یعنی پچاس اونٹ ہوں گے۔ یہی حال ان تمام اعضاء کا ہے جو دو دو ہیں کہ دونوں ضائع ہونے میں پوری دیت ہے تو ایک ضائع ہونے میں آدھی دیت یعنی پچاس اونٹ ہے۔

وجہ (۱) حضرت عمرو بن حزم کی حدیث میں ہے۔ الا انه قال وفي العين الواحدة نصف الدية وفي اليد الواحدة نصف الدية وفي الرجل الواحدة نصف الدية (ج) نسائی شریف، ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول ص ۶۶۹ نمبر ۴۸۵۸ / سنن للبیہقی، جماع

حاشیہ : (الف) اہل یمن کے خط میں آپ نے لکھوایا تھا... اور دونوں ہونٹوں میں پوری دیت ہے، دونوں خصیوں میں پوری دیت ہے، ذکر کاٹنے میں پوری دیت ہے۔ ریڑھ کی ہڈی میں پوری دیت ہے، دونوں آنکھوں میں دیت ہے۔ اور ایک پاؤں میں آدھی دیت ہے (یعنی پچاس اونٹ) (ب) سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ عورت کے ایک پستان میں آدھی دیت ہے اور دونوں پستانوں میں پوری دیت ہے (ج) مگر یہ کہ کہا کہ ایک آنکھ میں آدھی دیت ہے۔ اور ایک ہاتھ میں آدھی دیت ہے۔ اور ایک پاؤں میں آدھی دیت ہے۔

[۲۳۴۷](۱۱)وفی اشفار العینین الدیة وفی احدھما ربع الدیة[۲۳۴۸](۱۲)وفی کل اصبع من اصابع الیدین والرجلین عشر الدیة والاصابع کلھا سواء [۲۳۴۹](۱۳)وفی کل اصبع فیھا ثلثة مفاصل ففی احدھما ثلث دیة الاصابع وما فیھا مفصلان ففی احدھما

ابواب الدیات فیما دون النفس ج ثامن، ص ۱۴۱ نمبر ۱۶۱۸۹)

[۲۳۴۷](۱۱) دونوں آنکھوں کی پلکوں میں پوری دیت ہے اوران میں سے ایک میں چوتھائی دیت ہے۔

تشریح ہر آنکھ میں دو پلکیں ہوتی ہیں تو دونوں آنکھوں میں چار پلکیں ہوئیں۔ اگر تمام پلکوں کے بال اکھیڑ دیئے جائیں تو پوری دیت سو اونٹ لازم ہوں گے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن زید بن ثابتؓ فی جفن العین ربع الدیة (الف) سنن للبیہقی، باب دیۃ اشفار العینین ج ثامن ص ۸۷ نمبر ۱۶۲۳۶ رمصنف عبدالرزاق، باب شفر العین ج تاسع ص ۳۲۲ نمبر ۱۷۳۸۵ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۲۰ الاشفار ما قالوا فیھا؟ ج خامس، ص ۳۵۸ نمبر ۲۶۸۷۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چاروں پلکوں میں ایک دیت اور ایک پلک میں چوتھائی دیت لازم ہوگی۔

لغت اشفار : شفر کی جمع ہے۔ پلک کی جڑ یہاں پلک کے بال مراد ہیں۔

[۲۳۴۸](۱۲) ہاتھ اور پیر کی ہر انگلی کی دیت دسواں حصہ ہے اور تمام انگلیاں برابر ہیں۔

تشریح دو ہاتھوں میں دس انگلیاں ہوتی ہیں تو ایک انگلی کی دیت پوری دیت یعنی سو اونٹ کا دسواں حصہ ہوگا۔ یعنی ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہوں گے۔ اور اسی طرح پاؤں کی ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہوں گے۔ اور تمام انگلیوں کا درجہ دیت میں برابر ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ دیة اصابع الیدین والرجلین سواء عشرة من الابل لکل اصبع۔ اور اگلی حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال ھذہ وھذہ سواء یعنی الخنصر والابھام (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی دیۃ الاصابع، نمبر ۱۳۹۱ ر ۱۳۹۲ رنسائی شریف، ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول ص ۶۶۹ نمبر ۴۸۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہے۔ اور تمام انگلیوں کا درجہ برابر ہے۔ پیر کی انگلیوں کا بھی یہی حال ہے۔

[۲۳۴۹](۱۳) ہر وہ انگلی جس میں تین گرہیں ہیں تو ایک گرہ کٹ جائے تو ایک انگلی کی تہائی دیت ہے اور جس میں دو گرہیں ہیں تو اس کے ایک میں انگلی کی آدھی دیت ہے۔

تشریح جن جن انگلیوں میں تین تین گرہیں ہیں اگر ان میں سے ایک گرہ کٹ جائے تو ایک انگلی کی جو دس اونٹ دیت ہے اس کی تہائی دیت یعنی تین اونٹ اور ایک اونٹ کی تہائی 3.33 اونٹ لازم ہوں گے۔ کیونکہ ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں تو تین جوڑ میں سے ایک جوڑ کی دیت

حاشیہ : (الف) آنکھ کے پپوٹے میں چوتھائی دیت ہے (ب) آپؐ نے فرمایا دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے یعنی دس اونٹ ہیں ہر انگلی کے بدلے۔ دوسری حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا یہ اور یہ برابر ہیں یعنی خنصر اور ابہام کی دیت برابر ہے۔

نصف دية الاصبع[۲۳۵۰] (۱۴) وفی کل سن خمس من الابل والاسنان والاضراس كلها سواء[۲۳۵۱] (۱۵) ومن ضرب عضوا فاذهب منفعته ففيه دية كاملة كما لو قطعه

تین اونٹ اور ایک تہائی اونٹ لازم ہوں گے۔یا 33.33 دینار یا 333.33 درہم لازم ہوں گے۔

اور جس انگلی میں صرف دو گرہیں ہیں جیسے انگوٹھے کی انگلی تو ایک گرہ کٹنے سے ایک انگلی کی آدھی دیت لازم ہوگی یعنی پانچ اونٹ۔یا ۵۰ دینار یا ۵۰۰ پانچ سو درہم لازم ہوں گے۔کیونکہ حساب سے یہی بنتا ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔عن عمر بن الخطابؓ قال فی کل انملة ثلث دية الاصبع وفی حديث عكرمة عم عمر ثلث قلائص و ثلث قلوص (الف)(۲)عن ابراهيم قال فی کل مفصل من الاصابع ثلث دية الاصبع الا الابهام فانها مفصلان فی كل مفصل النصف (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب الاصبع ج تاسع ،ص ۳۸۵ نمبر ۱۷۷۰۵/۱۷۷۰۴/مصنف ابن ابی شیبة ۳۸ کم فی کل اصبع ج خامس ،ص ۳۶۹،نمبر ۲۶۹۹۴)اس اثر سے مسئلہ کی وضاحت ہوگئی۔

لغت مفاصل : مفصل کی جمع ہے گرہ، جوڑ۔

[۲۳۵۰](۱۴)اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔اور دانت اور داڑھیں سب برابر ہیں۔

تشریح چونکہ داڑھ بھی دانت ہی کی طرح ہے اس لئے جتنی دیت دانت کی ہے اتنی ہی داڑھ کی بھی ہے۔

وجہ حضرت عمر بن حزم کی حدیث میں ہے۔وفی الاصابع عشر عشر وفی الاسنان خمس خمس وفی موضحة خمس (ج) (نسائی شریف، باب ذکر حدیث عمرو بن حزم فی المعقول ص ۶۶۹ نمبر ۴۸۶۰/ابو داؤد شریف، باب دیات الاعضاء ص ۲۷۸ نمبر ۴۵۶۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر دانت میں پانچ پانچ اونٹ ہیں۔اور سب دانت برابر ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال الاصابع سواء والاسنان سواء الثنية والضرس سواء هذه و هذه سواء (د)(ابو داؤد شریف، باب دیات الاعضاء ص ۲۷۸ نمبر ۴۵۵۹)اس حدیث سے پتا چلا کہ تمام دانت اور تمام انگلیوں کا درجہ برابر ہے۔

[۲۳۵۱](۱۵)کسی نے کسی کے عضو کو مارا جس کی وجہ سے اس کی منفعت چلی گئی تو اس میں پوری دیت ہے۔جیسے کہ اس کو کاٹ دینے میں ہے۔جیسے ہاتھ شل ہوگیا اور آنکھ کی روشنی چلی گئی۔

تشریح کسی نے کسی کے عضو پر اس طرح مارا کہ عضو تو باقی رہا لیکن اس کا نفع مکمل ختم ہوگیا۔مثلا ہاتھ پر مارا جس کی وجہ سے ہاتھ تو باقی رہا لیکن ہاتھ شل ہوگیا اور کسی کام کا نہیں رہا تو یوں سمجھا جائے گا کہ ہاتھ کٹ گیا۔اس لئے ہاتھ کی پوری دیت پچاس اونٹ لازم ہوگی۔یا آنکھ پر مارا

حاشیہ : (الف) حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا ہر پورے میں انگلی کی دیت کی تہائی ہے۔اور عکرمہ کی حدیث میں ہے حضرت عمرؓ سے کہ تین اونٹ اور ایک تہائی اونٹ (ب) حضرت ابراہیمؒ سے منقول ہے کہ انگلی کے ہر جوڑ میں پوری انگلی کی تہائی دیت ہے مگر ابہام انگوٹھا کہ اس میں دو جوڑ ہیں اور ہر جوڑ میں انگلی کی آدھی دیت ہے (ج) انگلیوں میں دس دس اونٹ دیت ہے اور ہر دانت میں پانچ اونٹ۔اور موضحہ زخم میں پانچ اونٹ ہیں (د) آپؐ نے فرمایا سب انگلیوں کی دیت برابر ہے۔سب دانت برابر ہیں آگے کے دانت اور داڑھ برابر ہیں۔یہ اور یہ برابر ہیں۔

كاليد اذا شلت والعين اذا ذهب ضوء ها [۲۳۵۲](۱۶)والشجاج عشرة الحارصة والدامعة والدامية والباضعة والمتلاحمة والسمحاق والموضحة والهاشمة والمنقلة والآمّة[۲۳۵۳] (۱۷)ففى الموضحة القصاص ان كانت عمدا ولا قصاص فى بقية

جس کی وجہ سے آنکھ تو باقی رہی لیکن اس کی روشنی ختم ہوگئی تو گویا کہ پوری آنکھ ختم ہوگئی۔اس لئے ایک آنکھ کی پوری دیت پچاس اونٹ لازم ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے۔ابا المهلب عم ابی قلابة قال سمعته يقول رمى رجل رجلا بحجر فى رأسه فى زمان عمر بن الخطابؓ فذهب سمعه وعقله ولسانه وذكره فقضى فيه عمرؓ اربع ديات وهو حى (الف)(سنن للبیہقی، باب اجتماع الضراحات ج ثامن، ص ۱۷۱، نمبر ۱۶۳۲۶/مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۴ اذا ذھب سمعہ وبصرہ ج خامس، ص ۳۵۹، نمبر ۲۶۸۸۳/مصنف عبد الرزاق، باب من اصیب من اطرافہ ما یکون فیہ دیتان اوثلاث ج عاشر ص ۱۱ نمبر ۱۸۱۸۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عضو باقی رہے اور اس کی منفعت ختم ہو جائے تو اس کی پوری دیت دینی ہوگی کیونکہ وہ عضو بیکار ہو گیا۔

[۲۳۵۲](۱۶)زخم دس ہیں (۱) حارصہ (۲) دامعہ (۳) دامیہ (۴) باضعہ (۵) متلاحمہ (۶) سمحاق (۷) موضحہ (۸) ہاشمہ (۹) منقلہ (۱۰) آمہ

تشریح ان زخموں کی تشریح اس طرح ہے۔جو زخم چہرہ اور سر پر ہو اس کو شجہ کہتے ہیں اور جو باقی بدن پر ہو اس کو جراحۃ کہتے ہیں (۱) حارصہ : جس میں کھال چھل جائے جس کو اردو میں کھرونچ کہتے ہیں (۲) دامعہ : دمع سے مشتق ہے آنسو، جس زخم میں آنسو کے مانند خون ظاہر ہو جائے مگر بہے نہیں (۳) دامیہ : دم سے مشتق ہے، جس زخم سے خون بہہ جائے (۴) باضعہ : بضع سے مشتق ہے چیرنا، کاٹنا، جس زخم میں کھال کٹ جائے (۵) متلاحمہ : لحم سے مشتق ہے گوشت، جس میں گوشت کٹ جائے (۶) سمحاق : سر کی ہڈی اور سر کے گوشت کے درمیان باریک جھلی ہوتی ہے اس کو سمحاق کہتے ہیں، وہ زخم جو اس جھلی تک پہنچ جائے (۷) موضحہ : وضح سے مشتق ہے واضح ہونا، وہ زخم جس میں ہڈی کھل جائے (۸) ہاشمہ : ہشم کا ترجمہ ہے چورا چورا کرنا۔یہاں مراد ہے وہ زخم جو ہڈی توڑ دے (۹) منقلہ : نقل سے مشتق ہے، جو ہڈی کو اس کی جگہ سے سرکا دے (۱۰) آمہ : آمہ کا ترجمہ ہے دماغ یا ہڈی کے اندر وہ پردہ جس کے اندر دماغ ہوتا ہے، وہ زخم جو اس پردے تک پہنچ جائے جس کے اندر دماغ ہوتا ہے۔

[۲۳۵۳](۱۷) موضحہ میں قصاص ہے اگر جان بوجھ کر زخم کیا ہو اور باقی زخموں میں قصاص نہیں ہے۔

وجہ موضحہ ایسا زخم ہے کہ اس کا قصاص برابر سرابر ہو سکتا ہے اس لئے اگر جان بوجھ کر موضحہ زخم کیا تو قصاص لے سکتا ہے۔اور باقی زخموں میں برابر سرابر قصاص نہیں لے سکتا اس لئے اس میں قصاص نہیں ہے بلکہ حاکم کا فیصلہ ہے یا دیت ہے۔

حاشیہ : (الف) ابو مہلب فرمایا کرتے تھے ایک آدمی نے ایک آدمی کے سر پر پتھر مارا حضرت عمرؓ کے زمانے میں جس کی وجہ سے اس کا کان، عقل اور زبان اور ذکر سب ختم ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے چار دیتوں کا فیصلہ فرمایا حالانکہ وہ زندہ تھا۔

الشجاج [۲۳۵۴](۱۸)وفی ما دون الموضحة ففیه حکومة عدل [۲۳۵۵](۱۹)وفی الموضحة ان کانت خطأ نصف عشر الدیة[۲۳۵۶] (۲۰)وفی الھاشمة عشر الدیة.

وجہ عن علیؓ انه قال لیس فی الجائفة والمامومة ولا المنقلة قصاص (الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۱ من قال لایقاد من جائفۃ ولامامومۃ ولامنقلۃ ج خامس،ص۳۹۳،نمبر۲۷۲۸۴)

[۲۳۵۴](۱۸)اور موضحہ سے کم زخم میں عادل آدمی کا فیصلہ ہے۔

تشریح موضحہ زخم سے جوزخم کم ہے اس میں کوئی متعین دیت حدیث میں نہیں ہے بلکہ جو فیصلہ کردے اتنا لازم ہوگا۔البتہ موضحہ میں پانچ اونٹ دیت ہے۔موضحہ سے پہلے یہ زخم ہیں (۱) حارصہ (۲) دامعہ (۳) دامیۃ (۴) باضعہ (۵) متلاحمہ (۶) سمحاق۔ان چھ زخموں میں حاکم کا فیصلہ ہے۔

وجہ حدیث میں موضحہ کی دیت کا تذکرہ ہے اور اس سے بڑے زخموں کی دیت کا تذکرہ ہے۔موضحہ سے کم والے زخموں کی دیت کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے اس میں حاکم کے فیصلے کے مطابق رقم لازم ہوگی (۲) اثر میں ہے۔عن ابراھیم قال فیما دون الموضحة حکومة(ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۱ فیما دون الموضحۃ ج خامس،ص۳۵۲،نمبر۲۶۸۰۷) اثر میں یہ بھی ہے۔عن زید بن ثابتؓ قال فی الدامیة بعیر وفی الباضعة بعیران وفی المتلاحمة ثلاث وفی السمحاق اربع وفی الموضحة خمس (ج)(مصنف عبدالرزاق،باب الملطاۃ ومادون الموضحۃ ج تاسع ص۳۱۲ نمبر۱۷۳۴۲)

[۲۳۵۵](۱۹) موضحہ اگر غلطی سے ہوا ہو تو دیت کے دسویں حصے کا آدھا ہے۔

تشریح اوپر گزر چکا کہ موضحہ زخم جان بوجھ کرے تو قصاص لازم ہے۔اور غلطی سے کرے تو پوری دیت سو اونٹ کا دسواں حصہ یعنی دس اونٹ اور اس دسواں حصے کا بھی آدھا یعنی پانچ اونٹ لازم ہوں گے۔یا پچاس دینار یا پانچ سو درہم لازم ہوں گے۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال فی المواضح خمس (د)(ابوداؤد شریف،باب دیات الاعضاء ص۲۷۸ نمبر۴۵۶۶ رنسائی شریف، ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول ص ۶۶۹ نمبر ۴۸۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موضحہ زخم میں پانچ اونٹ دیت لازم ہوگی۔

[۲۳۵۶](۲۰) اور ہاشمہ زخم میں دیت کا دسواں حصہ ہے۔

تشریح پوری دیت کا دسواں حصہ دس اونٹ ہوتے ہیں اس لئے ہاشمہ زخم میں دس اونٹ لازم ہوں گے۔

وجہ اثر میں ہے.عن زید بن ثابتؓ انه قال فی الموضحة خمس وفی الھاشمة عشر وفی المنقلة خمس عشرة وفی

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا جائفہ، مامومہ اور منقلہ زخموں میں قصاص نہیں ہے دیت ہے (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا موضحہ زخم سے کم میں عادل آدمی جو فیصلہ کرے اتنی رقم ہے (ج) زید بن ثابتؓ نے فرمایا دامیہ زخم میں ایک اونٹ ہے اور باضعہ میں دو اونٹ ہیں اور متلاحمہ میں تین اونٹ ہیں اور سمحاق میں چار اونٹ ہیں اور موضحہ میں پانچ اونٹ ہیں۔سب زخم کا ترجمہ اوپر ہے (د) آپؐ نے فرمایا کہ موضحہ میں پانچ اونٹ ہیں۔

[۲۳۵۷](۲۱)وفی المنقلة عشر ونصف عشر الدية [۲۳۵۸](۲۲)وفی الآمّة ثلث الدية[۲۳۵۹](۲۳)وفی الجائفة ثلث الدية فان نفذت فهی جائفتان ففیهما ثلثاالدية

المـامومة ثلث الدية (الف)(سنن للبیہقی، باب الہاشمۃ ج ثامن، ص۱۴۴، نمبر ۱۶۲۰۳ / مصنف عبدالرزاق، باب الہاشمۃ ج تاسع ص ۳۱۴ نمبر ۱۷۳۴۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہاشمہ میں دس اونٹ ہیں۔

[۲۳۵۷](۲۱) اور منقلہ زخم میں دیت کا دسواں حصہ اور دسویں حصے کا آدھا حصہ ہے۔

تشریح پوری دیت کا دسواں حصہ دس اونٹ ہوئے اور دس اونٹ کا آدھا پانچ اونٹ ہوئے تو کل پندرہ اونٹ دیت ہوئی۔

وجہ عمرو بن حزم کی حدیث میں ہے. وفی المامومة ثلث الدية وفی الجائفة ثلث الدية وفی المنقلة خمس عشرة من الابل (ب) (نسائی شریف، ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول ص ۶۶۹ نمبر ۴۸۵۷) اوپر کے اثر میں بھی تھا کہ منقلہ میں پندرہ اونٹ ہے (مصنف عبدالرزاق، نمبر ۱۷۳۴۸)

[۲۳۵۸](۲۲) آمہ میں پوری دیت کی تہائی ہے۔

تشریح پوری دیت سو اونٹ ہیں اس کی تہائی 33.33 اونٹ یعنی تینتیس اونٹ اور ایک اونٹ کی تہائی ہوگی۔ یا 333.33 دینار یا 3333.33 درہم یعنی تین ہزار تین سو تینتیس درہم اور تینتیس پیسے لازم ہوں گے۔

وجہ اوپر کی عمرو بن حزم کی حدیث میں ہے۔ وفی المـامومة ثلث الدية (نسائی شریف، نمبر ۴۸۵۷)(۲) ابوداؤد میں حضرت عمر بن شعیب کی حدیث میں ہے۔ وفی المـامومة ثلث العقل ثلاث وثلاثون من الابل وثلث او قيمتها من الذهب او الورق او البقر او الشاء والجائفة مثل ذلک (ج) (ابوداؤد شریف، باب دیات الاعضاء ص ۲۷۸ نمبر ۴۵۶۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمہ اور جائفہ کے زخم کے لئے تہائی دیت ہے۔

[۲۳۵۹](۲۳) اور جائفہ زخم میں دیت کی تہائی ہے۔ پس اگر آر پار ہو جائے تو وہ دو جائفے ہیں تو ان دونوں میں دیت کی دو تہائی ہے۔

تشریح جائفہ جوف سے مشتق ہے جس کا ترجمہ ہے پیٹ کے اندر تک پہنچ جانا۔ یہاں وہ زخم مراد ہے جو پیٹ کی جانب سے یا پیٹھ کی جانب سے آنتوں تک زخم پہنچ جائے۔ اس زخم میں پوری دیت کی تہائی ہے یعنی 33.33 اونٹ یا 333.33 دینار یا 3333.33 درہم لازم ہوں گے۔

وجہ اوپر ابوداؤد شریف اور نسائی شریف کی حدیث گزر چکی ہے۔ وفی الجائفة ثلث الدية (نسائی شریف، نمبر ۴۸۵۷ / ابوداؤد شریف، نمبر ۴۵۶۴)

حاشیہ : (الف) زید بن ثابتؓ نے فرمایا موضحہ زخم میں پانچ اونٹ ہیں اور ہاشمہ میں دس اونٹ ہیں اور منقلہ میں پندرہ اور مامومہ میں پوری دیت کی تہائی ہے (ب) مامومہ زخم میں دیت کی تہائی ہے اور جائفہ میں دیت کی تہائی ہے اور منقلہ میں پندرہ اونٹ ہیں (ج) عمر بن شعیبؓ کی حدیث میں ہے کہ مامومہ زخم میں پوری دیت کی تہائی تینتیس اور ایک اونٹ کی تہائی ہے یا اس کی قیمت سونے سے یا چاندی سے یا گائے سے یا بکری سے۔ اور جائفہ زخم کی بھی یہی دیت ہے۔

[۲۳۶۰](۲۴)وفی اصابع الید نصف الدیة فان قطعها مع الکف ففیها نصف الدیة

[۲۳۶۱] (۲۵)وان قطعها مع نصف الساعد ففی الکف نصف الدیة وفی الزیادة حکومة

اور اگر دونوں جانب آر پار ہو گیا تو جسم کی دونوں جانب سے جائفہ ہو گئے اس لئے ان میں دو جائفہ کی دیت دو تہائی دیت لازم ہوگی۔یعنی 66.66 اونٹ یا 666.66 دینار یا 6666.66 درہم لازم ہوں گے۔

وجہ اثر میں ہے۔عن مجاہد قال فی الجائفة الثلث فان نفذت فالثلثان (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب الجائفۃ ص ۳۶۸ ج تاسع، نمبر ۱۷۶۱۵ رسنن للبیہقی، باب الجائفۃ ج ثامن، ص ۱۴۹ نمبر ۱۶۲۱۹)

[۲۳۶۰] (۲۴) ہاتھ کی ساری انگلیوں میں آدھی دیت ہے۔پس اگر اس کو ہتھیلی سمیت کاٹا تو بھی آدھی دیت ہے۔

تشریح ہر ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں اور ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہے۔اس لئے پانچ انگلیوں کی دیت پچاس اونٹ ہوئے۔اور پچاس اونٹ ایک ہاتھ کی دیت ہے۔اس لئے ہاتھ کی پانچ انگلیوں کی دیت پچاس اونٹ ہوئے اور پچاس اونٹ ایک ہاتھ کی دیت ہے۔اس لئے ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کو ہتھیلی سمیت کاٹا تب بھی آدھی دیت لازم ہوگی۔

وجہ ہتھیلی تک ہاتھ شمار ہوتا ہے اور ہاتھ کی دیت پچاس اونٹ ہے اس لئے ہتھیلی تک کاٹے گا تب بھی پوری دیت کی آدھی یعنی پچاس اونٹ لازم ہوں گے (۲) حدیث میں ہے۔عن ابی موسی عن النبی ﷺ قال الاصابع سواء عشر عشر من الابل (ب)(ابوداؤد شریف، باب دیات الاعضاء ص ۲۷۸ نمبر ۴۵۵۶ رترمذی شریف، باب ماجاء فی دیۃ الاصابع ص نمبر ۱۳۹۱ رنسائی شریف، نمبر ۴۸۵۷) اس سے معلوم ہوا کہ ہر انگلی میں دس اونٹ ہیں۔اس لئے پانچ انگلیوں میں پچاس اونٹ لازم ہوں گے۔اور ہتھیلی تک ہاتھ ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ان عمرؓ قضی فی الابہام والتی تلیہا نصف الکف وفی الوسطی بعشر فرائض (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۸ کم فی الاصابع ج خامس، ص ۳۶۸ نمبر ۲۶۹۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہتھیلی تک ہاتھ ہے۔اس لئے ہتھیلی تک کاٹے گا تو پچاس اونٹ ہی لازم ہوں گے۔

[۲۳۶۱] (۲۵) اگر انگلیوں کو آدھی کلائی تک کاٹا تو ہتھیلی تک میں آدھی دیت اور اس سے زیادہ میں حاکم کا فیصلہ۔

تشریح انگلیوں سمیت آدھی ہتھیلی تک کاٹا تو اس میں آدھی دیت لازم ہوگی اور ہتھیلی کے بعد کلائی تک جو کاٹا اس میں حاکم کا جو فیصلہ کرے گا وہ لازم ہوگا۔

وجہ اوپر اثر گزرا کہ ہتھیلی تک ہاتھ ہے اس لئے وہاں تک کہ لئے آدھی دیت ہوگی اور اس سے اوپر کلائی تک کہ لئے کچھ نہیں ہوا لیکن وہ بھی ہاتھ کا حصہ ہے اس لئے حاکم جتنی رقم کا فیصلہ کرے وہ لازم ہوگی (۲) اثر میں ہے۔عن ابراہیم قال اذا قطعت الکف من المفصل قال

حاشیہ : (الف) حضرت مجاہد نے فرمایا جائفہ زخم میں تہائی دیت ہے اور آر پار ہو جائے تو دو تہائی دیت ہے (ب) آپؐ نے فرمایا سب انگلیاں برابر ہیں دس دس اونٹ لازم ہوں گے (ج) حضرت عمرؓ نے فیصلہ فرمایا انگوٹھا اور اس سے جو ملی ہوئی ہے ہتھیلی کی آدھی دیت ہے۔اور بیچ کی انگلی میں پوری دیت کا دسواں حصہ دیت ہے یعنی دس اونٹ۔

عدل [۲۳۶۲] (۲۶) وفی الاصبع الزائدة حکومة عدل [۲۳۶۳] (۲۷) وفی عین الصبی ولسانه وذکره اذا لم یعلم صحته حکومة عدل.

فیھا دیتھا. فان قطع منھا شیء بعد ذلک ففیھا حکومة عدل واذا قطعت من العضد او اسفل من العضد شیئا قال فیھا دیتھا (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۳ الید یقطع منھا بعد ما قطعت ج خامس، ص ۳۶۴ نمبر ۲۶۹۴۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہتھیلی کے بعد کلائی تک کٹنے میں حاکم کے فیصلے کے مطابق رقم لازم ہوگی۔

[۲۳۶۲] (۲۶) اور زائد انگلی میں حاکم کا فیصلہ ہوگا۔

تشریح پانچ انگلیوں کے علاوہ چھٹی انگلی بھی ہے تو پانچ انگلیوں کی دیت ہے پچاس اونٹ تو چھٹی انگلی کی دیت نہیں ہوگی بلکہ اس کو کاٹنے سے حاکم جتنی رقم کا فیصلہ کرے وہ لازم ہوگی۔

وجہ وقال سفیان فی الاصبع الزائدة حکم (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الاصبع الزائدة ج تاسع ص ۳۸۸ نمبر ۱۷۷۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زائد انگلی کاٹنے میں حاکم کے فیصلے کا اعتبار ہوگا (۲) چونکہ وہ انگلی نہ زینت ہے اور نہ اس میں منفعت ہے اس لئے اصل انگلی کی دیت دس اونٹ لازم نہیں ہوں گے۔ لیکن آدمی کا جزء ہے اس لئے کچھ نہ کچھ لازم ہوگا۔

[۲۳۶۳] (۲۷) بچے کی آنکھ، اس کی زبان اور اس کا ذکر جبکہ ان کے صحیح ہونے کا علم نہ ہو عادل کا فیصلہ ہے۔

تشریح بچہ چھوٹا ہے اور یہ پتا نہیں ہے کہ اس کی آنکھ صحیح ہے یا نابینا ہے، اس کی زبان درست ہے یا درست نہیں ہے، اس کا ذکر درست ہے یا درست نہیں ہے تو ان کے کاٹنے سے حاکم جتنی رقم کا فیصلہ کرے وہ لازم ہوگی۔

وجہ جب علم نہیں ہے کہ وہ درست حالت میں ہے یہ شل ہونے کی حالت میں ہے۔ اس لئے ان کو شل ہونے کی حالت میں سمجھ کر شل عضو کی طرح حاکم کے فیصلے کے مطابق رقم لازم ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ **عن مسروق انه قال فی العین العوراء حکم وفی الید الشلاء حکم وفی لسان الاخرس حکم وعن ابراهیم النخعی انه قال فی العین القائمة والید الشلاء ولسان الاخرس حکومة عدل** (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی العین القائمة والید الشلاء ج ثامن، ص ۱۷۲، نمبر ۱۶۳۲۸ مصنف عبد الرزاق، باب الید الشلاء ج تاسع ص ۳۸۷ نمبر ۱۷۱۷۷ مصنف ابن ابی شیبة ۱۵۳ الید الشلاء تصاب ج خامس، ص ۳۷۷ نمبر ۲۷۱۰۰)

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ صحت یا عدم صحت کا علم نہیں ہے اس لئے ان کو صحیح عضو مان لیں گے اور عضو صحیح کی پوری دیت لازم

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر گٹا جوڑ سے کاٹا جائے تو اس میں پوری دیت ہے۔ پس اس میں سے اس کے بعد کچھ کاٹا جائے تو اس میں عادل کا فیصلہ ہے۔ اور اگر بازو سے کاٹا گیا یا بازو سے نیچے سے کاٹا گیا تو اس میں پوری دیت ہے (ب) حضرت سفیانؒ نے فرمایا زائد انگلی میں فیصلے کے مطابق رقم لازم ہوگی (ج) حضرت مسروق نے فرمایا کانے آنکھ کے پھوڑنے میں فیصلے کے مطابق دیت ہوگی اور شل شدہ ہاتھ میں فیصلے کے مطابق ہوگی۔ اور گونگی زبان میں فیصلے کے مطابق ہوگی (یعنی اس میں کوئی متعین دیت نہیں ہے۔ حاکم جتنے کا فیصلہ کرے وہی لازم ہوگا) حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا آنکھ موجود ہو اور ہاتھ شل ہو اور زبان گونگی ہو تو عادل کے فیصلے کے مطابق رقم لازم ہوگی۔

[۲۳۶۴](۲۸)ومن شج رجلا موضحة فذهب عقله او شعر رأسه دخل ارش الموضحة فی الدية [۲۳۶۵](۲۹)وان ذهب سمعه او بصره او كلامه فعليه ارش الموضحة مع

کریں گے۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔عن حماد عن ابراهيم فی لسان الاخرس الدية كاملة (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۵۹ فی لسان الاخرس وذکر العنین ج خامس، ص ۳۸۱ نمبر ۲۷۱۴۲) جب گونگی زبان میں پوری دیت ہے تو جس زبان یا ذکر کا علم نہ ہو کہ وہ صحیح ہیں یا نہیں تو بدرجۂ اولی ان کے کاٹنے میں پوری دیت لازم ہوگی۔

[۲۳۶۴](۲۸) کسی نے آدمی کو زخم لگایا جس کی وجہ سے اس کی عقل چلی گئی یا اس کے سر کے بال اڑ گئے تو موضحہ کی ارش دیت میں داخل ہوگی۔

تشریح کسی نے کسی کے سر پر مارا جس کی وجہ سے موضحہ زخم لگا اور عقل بھی ختم ہوگئی اس لئے عقل جانے کی وجہ سے دیت لازم ہونی چاہئے اور موضحہ زخم کی وجہ سے مزید پانچ اونٹ لازم ہونا چاہئے۔لیکن زخم قریب قریب ہیں اس لئے موضحہ کا زخم دیت میں داخل ہو جائے گا اور دیت ہی موضحہ کے لئے کافی ہو جائے گی الگ سے موضحہ کے اونٹ دینے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

وجہ اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن عمر بن الخطابؓ مادل علی انه قضی فی العقل بالدية (ب) (سنن للبیہقی، باب ذہاب العقل من الجنایۃ ج ثامن، ص ۱۲۵۰، نمبر ۱۶۲۲۸/ مصنف ابن ابی شیبة ۹۰ فی العقل ج خامس، ص ۳۹۸ نمبر ۲۷۳۴۰)

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک ہی قسم کے زخم ہوں تو دیت میں تداخل ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

[۲۳۶۵](۲۹) اور اگر مارنے سے اس کے سننے یا دیکھنے یا بولنے کی قوت جاتی رہی تو اس پر موضحہ کی ارش ہوگی دیت کے علاوہ۔

تشریح سر پر اس طرح مارا کہ سننے یا دیکھنے یا بولنے کی قوت ختم ہوگئی تو موضحہ کی ارش الگ لازم ہوگی اور یہ اعضاء جو ضائع ہوئے اس کی الگ الگ پوری دیت لازم ہوگی۔

وجہ سر کی چوٹ الگ ہے اور کان، آنکھ، زبان الگ الگ عضو ہیں۔سب ایک نہیں ہیں اس لئے گویا کہ اس نے الگ الگ عضو کو نقصان پہنچایا اور ہر ایک عضو کی پوری پوری دیت ہے اس لئے کئی دیات لازم ہوں گی (۲) اثر میں ہے۔ابو المهلب عم ابی قلابة قال رمی رجل بحجر فی رأسه فذهب سمعه ولسانه وعقله وذكره فلم يقرب النساء فقضى فيه عمرؓ باربع ديات (ج) سنن للبیہقی، باب ذہاب العقل من الجنایۃ ج ثامن، ص ۱۵۱، نمبر ۱۶۲۲۸/ مصنف ابن ابی شیبة ۹۰ فی العقل ج خامس، ص ۳۹۸، نمبر ۲۷۳۴۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر عضو کی الگ الگ پوری دیت سو سو اونٹ لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا گونگی زبان کاٹنے میں پوری دیت لازم ہوگی (ب) حضرت عمرؓ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عقل ضائع ہونے میں پوری دیت لازم کی ہے (ج) ابو المہلب فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کسی کے سر پر پتھر مارا جس کی وجہ سے اس کی ساعت اور زبان اور عقل اور ذکر کی قوت جاتی رہی اس لئے بیوی سے قربت نہ کرسکے تو حضرت عمرؓ نے اس میں چار دیتوں کا فیصلہ فرمایا۔

الدية[۲۳۶۶](۳۰)ومن قطع اصبع رجل فشلّت اخرى الى جنبها ففيهما الارش ولا قصاص فيه عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى [۲۳۶۷](۳۱)ومن قطع سن رجل فنبتت

[۲۳۶۶](۳۰) کسی نے آدمی کی انگلی کاٹی جس کی وجہ سے اس کے بغل میں دوسری انگلی سوکھ گئی تو دونوں میں ارش ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں قصاص نہیں ہے۔

تشریح مثلا کسی نے شہادت کی انگلی کاٹی جس کی وجہ سے درمیان کی انگلی سوکھ گئی تو قاعدے کے اعتبار سے شہادت کی انگلی جان کر کاٹی ہے اس لئے اس کا قصاص لازم ہونا چاہئے۔ اور بغل کی انگلی اس کی وجہ سے سوکھی ہے اس لئے وہ زخم خطا کے درجے میں ہوا۔ اس لئے اس میں ارش لازم ہونا چاہئے۔ کیونکہ پہلا زخم عمد ہے اور دوسرا زخم خطا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ پہلے میں بھی قصاص لازم نہیں ہوگا بلکہ دونوں میں ارش لازم ہوگی۔

وجہ امام اعظمؒ کا تصور یہ ہے کہ دونوں جرم ایک ہی ہیں اس لئے ایسا ہونا ناممکن ہے کہ قصاص میں ایک انگلی کاٹے تو دوسری انگلی سوکھ جائے۔ چونکہ ایسی برابری ممکن نہیں ہے اس لئے قصاص بھی نہیں ہے۔ اس لئے دونوں کی ارش لازم ہوگی۔

فائدہ صاحبینؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ پہلا زخم عمد ہے اس لئے اس میں قصاص لازم ہوگا اور دوسرا زخم خود بخود ہوا ہے اس لئے وہ زخم خطا ہے اس لئے اس میں ارش لازم ہوگی۔

اصول امام ابو حنیفہؒ کے یہاں اصول یہ ہے کہ دونوں زخم ایک ہیں۔ اور صاحبین کا اصول یہ ہے کہ دونوں زخم دو ہیں ایک زخم عمد ہے جبکہ دوسرا زخم خطا ہے۔

[۲۳۶۷](۳۱) کسی آدمی کا دانت اکھیڑ دیا پس اس کی جگہ دوسرا دانت نکل آیا تو ارش ساقط ہو جائے گی۔

وجہ (۱) جب دوسرا دانت نکل آیا تو آدمی کو کوئی نقصان نہیں ہوا اس لئے اس کی ارش لازم نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ عن عمر بن عبد العزیزؒ قال ان اصاب اسنان غلام لم یثغر قال ینتظر به الحول فان نبتت فلا دية فيها ولا قود (الف) (مصنف عبد الرزاق ، باب اسنان الصبی الذی لم یثغر تاسع ص ۳۵۳ نمبر ۱۷۵۳۹) اس سے معلوم ہوا کہ جو دانت دوبارہ نکل آیا اس کی ارش نہیں ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ حاکم کے فیصلے کے مطابق دیا جائے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابن شهاب فی صبی کسر سن الصبی لم یثغر قال علیه غرم بقدر ما یری الحاکم (ب) (مصنف عبد الرزاق ، باب اسنان الصبی الذی لم یثغر تاسع ص ۳۵۳ نمبر ۱۷۵۴۰) (۲) وہ فرماتے ہیں کہ دانت توڑنے میں تکلیف تو ہوئی ہے اور جرم بھی واقع ہوا ہے اس لئے اس کی سزا اور ارش ہونی چاہئے ورنہ تو ہر آدمی دوسرے کا دانت توڑتا رہے گا اور ظلم بڑھے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ اگر بچے کے دانت میں نقصان ہو جائے کہ دوبارہ نہ اگ سکے تو ایک سال تک اگنے کا انتظار کرے۔ پس اگر دانت نکل آیا تو نہ اس میں دیت ہے اور نہ قصاص ہے (ب) ابن شہابؒ نے فرمایا کسی بچے کے ایسے دانت توڑ دے جو دوبارہ نہ اگے تو فرمایا کہ حاکم کے حکم کے مطابق تاوان ہے۔

مکانها اخری سقط الارش[۲۳۶۸] (۳۲)ومن شج رجلا فالتحمت الجراحة ولم یبق لها اثر ونبت الشعر سقط الارش عند ابی حنیفةؒ وقال ابو یوسف رحمه الله تعالی علیه ارش الالم وقال محمد رحمه الله تعالی علیه اجرة الطبیب.

لغت نبت : اگ گیا، ثغر : دانت کا ٹوٹنا۔

[۲۳۶۸](۳۲) کسی نے کسی کو زخم لگایا پھر زخم بھر گیا اور اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا اور بال اگ آئے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ارش ساقط ہو جائے گی۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اس پر تکلیف کا تاوان ہوگا اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس پر ڈاکٹر کی اجرت ہوگی۔

تشریح زخم لگایا لیکن زخم بھر گیا اب اس کا نشان بھی باقی نہیں ہے۔ اس زخم پر بال بھی اگ آئے تو امام اعظم کے نزدیک اس کی ارش ساقط ہو جائے گی زخم لگانے والے پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ اب مقطوع کا کوئی نقصان نہیں رہا اس لئے اس کا تاوان لازم نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے ۔ **کان شریح یقول اذا جبرت فلیس فیها شیء** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب کسر الید والرجل ج تاسع ص ۳۸۹ نمبر ۱۷۷۲۵) اس اثر میں ہے کہ نقصان ٹھیک ہو جائے تو کچھ لازم نہیں ہوگا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تکلیف ہونے کی کچھ نہ کچھ ارش دینی ہوگی۔ **عن ابراهیم قال کان یقال اذا کسرت الید او الرجل ثم برأت ولم ینقص منها شیء ارشها مائة وثمانون درهما** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۵۴ الید والرجل تکسر ثم تبرأ ج خامس، ص ۳۷۸، نمبر ۲۷۱۰۱) اس اثر سے اندازہ ہوتا ہے کہ زخم ٹھیک ہو جانے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ ارش دینی ہوگی۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر کی دوائی میں جو خرچ ہوا ہے وہ لازم ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔ **قال شریح یعطی اجر الطبیب** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۵۴ الید والرجل تکسر ثم تبرأ ج خامس، ص ۳۷۸، نمبر ۲۷۱۰۹ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی ذکر کسر الذراع والساق ج ثامن، ص ۱۷۴، نمبر ۱۶۳۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زخم ٹھیک ہو جائے تو ڈاکٹر کا خرچ لازم ہوگا۔

لغت التحمت : لحم سے مشتق ہے گوشت آگیا۔ زخم بھر گیا۔

نوٹ جو زخم بھر جائے اس میں مختلف قسم کی روایتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حاکم جیسا فیصلہ کرے وہ لازم ہوگا۔ **قال الشیخ اختلاف هذه الروایات یدل علی انه قضی فیه بحکومة بلغت هذا المقدار** (د) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی کسر الذراع والساق ج ثامن، ص ۱۷۴، نمبر ۱۶۳۳۵)

حاشیہ : (الف) حضرت شریحؒ فرماتے تھے نقصان ٹھیک ہو گیا تو اس میں کچھ تاوان نہیں ہے (ب) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اگر ہاتھ یا پاؤں ٹوٹ جائے پھر ٹھیک ہو جائے اور اس میں سے کچھ کمی نہ ہو تو اس کا تاوان ایک سو درہم ہیں (ج) حضرت شریحؒ فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر کی اجرت دیدے (د) حضرت شیخ فرماتے ہیں ان روایات کے اختلافات دلالت کرتے ہیں کہ زخم میں حاکم کے فیصلے کا اعتبار ہوگا جس مقدار کو بھی پہنچ جائے۔

[۲۳۶۹] (۳۳) ومن جرح رجلا جراحة لم يقتص منه حتى يبرأ [۲۳۷۰] (۳۴) ومن قطع

[۲۳۶۹] (۳۳) کسی نے کسی کو زخمی کیا تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا یہاں تک کہ اچھا ہو جائے۔

تشریح اگر جان قتل کر دیا تب تو فوری طور پر قصاص لیا جائے گا۔ لیکن زخم لگایا اور اس کا قصاص لیا جا سکتا ہے تو قصاص کے لئے زخم ٹھیک ہونے تک انتظار کیا جائے گا۔ جب ٹھیک ہو جائے تب زخم لگانے والے سے قصاص لیا جائے گا۔ اور اگر دیت لینی ہے پھر تو فوری طور پر لے سکتا ہے۔

وجہ ابھی زخم لگا ہے تو معلوم نہیں کہ وہ بڑھے گا یا گھٹے گا۔ مان لیا جائے کہ زخم تین انچ لگا تھا اور فوری طور پر تین انچ قصاص لے لیا جائے بعد میں زخم بڑھ کر پانچ انچ ہو گیا تو دو انچ کا قصاص نہیں لیا جا سکے گا۔ اس لئے انتظار کیا جائے کہ زخم بڑھتا ہے یا گھٹتا ہے تاکہ بعد میں پورا پورا قصاص لیا جا سکے (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر ان رجلا طعن رجلا بقرن فی رکبته فاتی النبی ﷺ يستقيد فقال له حتى تبرأ فابى وعجل فاستقاد فعتبت رجله وبرأت رجل المستقاد فاتی النبی ﷺ فقال له ليس لك شيء انك ابيت (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الاستثناء بالقصاص من الجرح والقطع ج ثامن، ص ۱۱۶، نمبر ۱۶۱۰۷ رمصنف عبد الرزاق، باب الانتظار بالقود ان یبرأ ص ۴۵۲ نمبر ۱۷۹۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زخم کے قصاص کے لئے اس کے اچھا ہونے کا انتظار کیا جائے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ زخم کا قصاص فوری طور پر لے سکتا ہے۔

وجہ جب جرم کر لیا تو اس کے مطابق فورا قصاص ہونا چاہئے جیسے جان قتل کرے تو فورا قصاص لیا جاتا ہے (۲) حدیث میں ہے کہ بنت نضر نے دانت توڑا تو فورا قصاص لیا گیا۔ ان ابنة النضر لطمت جارية فكسرت ثنيتها فاتوا النبی ﷺ فامر بالقصاص (ب) (بخاری شریف۔ باب السن بالسن ص ۱۰۱۸ نمبر ۶۸۹۴ رمسلم شریف، باب اثبات القصاص فی الاسنان وما فی معناها ص ۵۹ نمبر ۱۶۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زخم کا قصاص فوری طور پر لیا جا سکتا ہے۔

[۲۳۷۰] (۳۴) کسی آدمی کے ہاتھ کو غلطی سے کاٹا پھر اچھا ہونے سے پہلے اس کو غلطی سے قتل کر دیا تو اس پر دیت ہے اور ہاتھ کا تاوان ساقط ہو جائیگا

تشریح کسی نے کسی کے ہاتھ کو غلطی سے کاٹ دیا۔ ابھی ہاتھ اچھا بھی نہیں ہوا تھا کہ اسی آدمی نے اس کو غلطی سے قتل بھی کر دیا تو یہاں ہاتھ کا تاوان پچاس اونٹ الگ لگنا چاہئے اور جان کی دیت سو اونٹ الگ لازم ہونی چاہئے۔ لیکن اب ہاتھ کا تاوان الگ سے لازم نہیں ہوگا۔ جان کی دیت ہی ہاتھ کے تاوان کے لئے کافی ہو جائے گی۔

وجہ دونوں خطا والے جرم ہیں۔ اور دونوں کے درمیان اچھا ہونا نہیں پایا گیا۔ اور ایسا ہوتا ہے کہ پہلے کئی ضربیں پڑتی ہیں پھر آدمی مرتا

حاشیہ : (الف) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک آدمی کو سینگ سے گھٹنے میں زخمی کیا، پس وہ حضورؐ کے پاس قصاص کے لئے آیا تو اس سے کہا یہاں تک کہ ٹھیک ہو جائے تو اس سے انکار کیا اور جلدی کی۔ پس قصاص لیا پس اس کا پاؤں اور خراب ہو گیا اور جس سے بدلہ لیا اس کا پاؤں ٹھیک ہو گیا۔ پس پہلا آدمی حضورؐ کے پاس آیا۔ پس فرمایا تمہارے لئے نہیں ہے مگر یہ کہ تم نے انکار کیا (ب) بنت النضر نے لڑکی کو طمانچہ مارا جس کی وجہ سے اس کا دانت ٹوٹ گیا تو وہ حضورؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے قصاص لینے کا حکم دیا۔

ید رجل خطأً ثم قتله خطأً قبل البرء فعلیه الدیة وسقط ارش الید[۲۳۷۱](۳۵) وکل عمد سقط فیه القصاص بشبهة فالدیة فی مال القاتل وکل ارش وجب بالصلح والاقرار فهو فی مال القاتل [۲۳۷۲] (۳۶)واذا قتل الاب ابنه عمدا فالدیة فی ماله فی ثلث

ہے۔اس لئے ضربیں لگانا یا کاٹنا اور جان سے مارنا ایک ہی ہو گئے۔اس لئے دونوں تداخل ہو جائیں گے اور جان کی دیت ہی ہاتھ کے تاوان کو گھیر لے گی اس لئے الگ سے ہاتھ کا تاوان لازم نہیں ہوگا۔

اگر ہاتھ اچھا ہو چکا ہوتا پھر قتل خطا کرتا تو ہاتھ کا تاوان الگ لازم ہوتا اور جان کی دیت الگ لازم ہوتی۔کیونکہ اچھا ہونے سے ہاتھ کا ٹنا الگ ہو گیا اور جان کا مارنا الگ ہو گیا۔یا ایک مثلا عمد ہوتا اور قتل خطا کے طور پر ہوتا تب بھی دونوں الگ الگ ہوتے اور دونوں کی دیت الگ الگ لازم ہوتی۔کیونکہ خطا اور عمد ایک نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دو جرم ایک ہو سکتے ہوں تو ایک کر دیں گے اور نہیں ہو سکتے ہوں تو دونوں الگ الگ رہیں گے اور دونوں کی دیت الگ الگ لازم ہوگی۔

[۲۳۷۱](۳۵)ہر قتل عمد جس میں قصاص ساقط ہو جائے شبہ کی وجہ سے تو دیت قاتل کے مال میں ہوگی۔اور ہر وہ ارش جو صلح اور اقرار کی وجہ سے واجب ہو تو وہ بھی قاتل کے مال میں ہوگی۔

تشریح قاتل نے قتل عمد کیا جس کی وجہ سے اس پر قصاص تھا لیکن کسی شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو گیا یا قاتل نے دیت پر صلح کر لی تو یہ دیت عاقلہ اور خاندان پر لازم نہیں ہوگی بلکہ خود قاتل کے مال میں واجب ہوگی۔عاقلہ پر وہ دیت لازم ہوتی ہے جو قتل خطا، شبہ خطا یا قتل شبہ عمد کی وجہ سے واجب ہو۔اسی طرح کسی مال پر قاتل نے صلح کر لی تو وہ مال عاقلہ پر لازم نہیں ہوگا۔بلکہ خود قاتل پر لازم ہوگا۔یا قاتل نے کسی مال کا اقرار کیا تو یہ مال بھی عاقلہ پر نہیں بلکہ قاتل پر لازم ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن عمرؓ قال العمد والعبد والصلح والاعتراف لا یعقل العاقلة(الف)**(سنن للبیہقی، باب من قال لاتحمل العاقلة عمدا ولا عبدا ولا صلحا ولا اعترافا ج ثامن، ص ۱۸۱، نمبر ۱۶۳۵۹ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۰۴ العمد والصلح والاعتراف ج خامس، ص ۲۰۵ نمبر ۲۷۴۲۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ آدمی قتل عمد کرے یا مال پر صلح کرے یا اعتراف کرے تو وہ مال عاقلہ پر لازم نہیں ہوگا(۲)قتل خطا میں اس لئے عاقلہ پر لازم ہے کہ انہوں نے قاتل کو روکا نہیں۔اور عامد میں تو قاتل نے جان بوجھ کر کیا اس میں خاندان کیا کرے گا۔اسی طرح خود اقرار کیا یا صلح کی تو قاتل نے اپنی جانب سے حرکت کی اس کا ذمہ دار خاندان کو کیوں قرار دیں۔

[۲۳۷۲](۳۶)اگر باپ نے اپنے بیٹے کو جان کر قتل کر دیا تو دیت اس کے مال میں ہوگی تین سالوں میں۔

تشریح باپ نے اپنے بیٹے کو جان کر قتل کیا تو اس پر قصاص تھا جس کی بنا پر باپ خود قتل کیا جاتا۔لیکن حدیث میں ہے کہ بیٹے کی بنا پر باپ قتل

حاشیہ : (الف)حضرت عمرؓ نے فرمایا قتل عمد اور غلام کا قتل اور صلح کی دیت اور اقرار کی دیت خاندان والے ادا نہیں کریں گے۔

سنین[۲۳۷۳] (۳۷)وکل جنایة اعترف بها الجانی فھی فی مالہ ولا یُصدَّق علی عاقلتہ.

نہیں کیا جائے گا۔اس لئے اس پر قصاص کے بدلے دیت خطا لازم ہوگی۔لیکن چونکہ حقیقت میں قتل خطا نہیں ہے اس لئے اس کی دیت عاقلہ پر لازم نہیں ہوگی خود باپ پر واجب ہوگی۔کیونکہ یہ قتل عمد کا بدل ہے۔البتہ قتل خطا کی طرح دیت ہے اس لئے یہ دیت باپ تین سال میں ادا کرے گا فوراً ادا نہیں کرے گا۔

وجہ باپ پر قصاص نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن عمر بن الخطابؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا یقاد الوالد بالولد** (الف) ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یقتل ابنہ یقاد منہ ام لا؟ ص ۲۵۹ نمبر ۱۴۰۰ر ابن ماجہ شریف، باب لا یقتل الوالد بولدہ ص ۳۸۳ نمبر ۲۶۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیٹے کے بدلے باپ قتل نہیں کیا جائے گا۔اور تین سالوں میں دیت لازم ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**انبأ الشافعی قال وجدنا عاما فی اھل العلم ان رسول اللہ ﷺ قضی فی جنایة الحر المسلم علی الحر خطاء بمائة من الابل علی عاقلتہ الجانی وعاما فیھم انھا فی مضی الثلاث سنین فی کل سنة ثلثھا وباسنان معلومة** (ب) (سنن للبیہقی، باب تنجیم الدیة علی العاقلة ج ثامن، ص ۱۹۰، نمبر ۱۶۳۸۹ر مصنف ابن ابی شیبة ۱۰۶ الدیة فی کم تودی؟ ج خامس، ص ۴۰۵، نمبر ۲۷۴۲۹) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ قتل خطاء کی دیت عاقلہ تین سال میں ادا کریں گے۔چونکہ باپ پر قصاص کے بجائے براہ راست دیت ہے اس لئے وہ بھی تین سال میں ادا کریں گے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں دیت فوراً دینا ہوگا۔

وجہ کیونکہ یہ قتل عمد کی دیت ہے قتل خطاء نہیں ہے۔اس لئے تین سال کی مہلت نہیں ملے گی۔یہ تو قتل خطا میں تین سال کی مہلت ملتی ہے۔

[۲۳۷۳] (۳۷) ہر وہ جنایت کہ قصوروار اس کا اعتراف کرے تو وہ اس کے مال میں ہے۔اور تصدیق نہیں ہوگی اس کے عاقلہ پر۔

تشریح قصوروالے نے جنایت اور جرم کا اقرار کیا تو اقرار کرنے کی وجہ سے اس کی دیت قصوروار کے خاندان پر لازم نہیں ہوگی۔یا خاندان والوں کے سلسلے میں کسی چیز کا اقرار کیا تو اس کا اعتبار نہیں ہے اور ان کے سلسلے میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔ان سب اقراروں کا مال خود قصوروار پر لازم ہوگا۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ اعتراف کا خمیازہ خاندان والے نہیں بھگتیں گے (۲) اثر میں ہے۔**عن عمرؓ قال العمد والعبد والصلح والاعتراف لا یعقل العاقلة** (ج) (سنن للبیہقی، باب من قال لا تحمل العاقلة عمدا ولا عبدا ولا صلحا ولا اعترافا ج ثامن، ص ۱۸۱، نمبر ۱۶۳۵۹ر مصنف ابن ابی شیبة ۱۰۴ العمد والصلح ولا اعتراف ج خامس، ص ۴۰۵، نمبر ۲۷۴۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اعتراف کرنے کا جرمانہ خود اعتراف کرنے والے پر لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ فرمایا کرتے تھے لڑکے کا قصاص باپ سے نہیں لیا جائے گا (ب) امام شافعیؒ نے خبر دی کہ میں عام اہل علم کو پایا کہ حضورؐ فیصلہ فرماتے تھے کہ آزاد نے غلطی سے آزاد کو قتل کر دیا تو سو اونٹ ہیں جنایت کرنے والے کے خاندان پر۔اصحاب علم کے عام لوگ یہ فرماتے تھے کہ تین سالوں میں دیت ادا کرے ہر سال میں ایک تہائی معلوم عمر کے ساتھ (ج) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ قتل عمد، غلام کے قتل، صلح اور اقرار کرنے کی دیت خاندان ادا نہیں کریں گے۔

[۲۳۷۴](۳۸)وعمد الصبی والمجنون خطأً وفیہ الدیۃ علی العاقلۃ[۲۳۷۵] (۳۹)ومن حفر بیرا فی طریق المسلمین او وضع حجرا فتلف بذلک انسان فدیتہ علی عاقلتہ وان

[۲۳۷۴](۳۸) بچے اور مجنون کا قتل عمد بھی قتل خطاء ہی ہے اور اس میں دیت اس کے عاقلہ پر ہے۔

تشریح بچے اور مجنون کو عقل نہیں ہوتی اس لئے جان بوجھ کر جو قتل یا زخم کریں گے وہ قتل خطا اور زخم خطا ہی ہوں گے اور اس کی دیت قتل خطا اور زخم خطا کی دیت لازم ہوگی۔ اور قتل خطا کی دیت عاقلہ پر لازم ہوتی ہے اس لئے مجنون اور بچے کے قتل عمد کی دیت بھی عاقلہ پر لازم ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن الحسن انہ قال فی الصبی والمجنون خطاء ھما وعمدھما سواء علی عاقلتھما (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۵ جنایۃ الصبی العمد والخطاء، خامس، ص ۴۰۵، نمبر ۲۷۴۲۷ رمصنف عبد الرزاق، باب الصغیر والکبیر یقتلان ج تاسع ص ۴۸۷ نمبر ۱۸۱۲۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچے اور مجنون کا عمد بھی خطاء ہے۔ اور ان کی دیت عاقلہ پر لازم ہوگی (۲) بار بار حدیث گزر چکی ہے۔ عن علیؓ عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا ص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے اور مجنون کی حرکتوں کا اعتبار نہیں ہے۔

[۲۳۷۵](۳۹) کسی نے مسلمان کے راستے میں کنواں کھودا یا پتھر رکھا جس سے انسان ہلاک ہو گیا تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے۔ اور اگر اس کی وجہ سے جانور ہلاک ہو گیا تو اس کا ضمان کھودنے والے کے مال میں ہے۔

تشریح مسلمانوں کا راستہ تھا جس سے لوگ گزرتے تھے اس میں کنواں نہیں کھودنا چاہئے تھا لیکن کنواں کھود دیا یا بڑا پتھر رکھ دیا جس میں گر کر یا ٹھوکر لگ کر انسان ہلاک ہو گیا تو یہ قتل بسبب ہوا۔ کیونکہ خود قتل نہیں کیا البتہ ایسا سبب اختیار کیا جس سے انسان ہلاک ہو جائے اس لئے یہ قتل قتل خطاء سے کم درجہ کا ہے۔ اس لئے اس کی دیت قاتل کے عاقلہ پر لازم ہوگی۔

وجہ قتل سبب پر دیت ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابراھیم قال من حفر فی غیر بنائہ او بنی فی غیر سماءہ فقد ضمن (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الجدار المائل والطریق ج عاشر ص ۷۴ نمبر ۱۸۴۰۹ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۹۱ الرجل یخرج من حدہ شیئا فیصیب انسانا ج خامس، ص ۳۹۸، نمبر ۲۷۳۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی زمین میں کنواں کھودا اور اس میں گر کر مر گیا تو ضمان لازم ہوگا جس کو دیت کہتے ہیں۔ اور چونکہ وہ قتل خطا کی طرح ہے اس لئے اس کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔

اور اگر جانور گر گیا تو دیت لازم نہیں ہوگی بلکہ جانور کی قیمت لازم ہوگی۔ چونکہ یہ مال کا فیصلہ دیت کا فیصلہ نہیں ہے اس لئے خود کھودنے والے کے مال میں لازم ہوگا۔

حاشیہ: (الف) حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ بچہ اور مجنون دونوں کے قتل خطا اور قتل عمد برابر ہیں دونوں کی دیت عاقلہ پر ہوگی (ب) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے یعنی معاف کر دیا گیا ہے۔ سونے والے سے جب تک کہ بیدار نہ ہو جائے، اور بچے سے جب تک بالغ نہ ہو جائے اور مجنون سے جب تک عقلمند نہ ہو جائے (ج) ابراہیم نے فرمایا کسی نے اپنی زمین کے علاوہ میں گڑھا کھودا یا اپنی ملکیت کے علاوہ میں تعمیر کی تو ضامن ہوگا۔

تلف بہ بھیمۃ فضمانھا فی مالہ [۲۳۷۶](۴۰)وان اشرع فی الطریق روشنا او میزابا فسقط علی انسان فعطب فالدیۃ علی عاقلتہ[۲۳۷۷](۴۱)ولا کفارۃ علی حافر البیر وواضع الحجر [۲۳۷۸](۴۲)ومن حفر بیرا فی ملکہ فعطب بھا انسان لم یضمن.

وجہ اثر میں ہے۔عن ابراھیم قال کان عمرو بن الحارث حفر بیرا فوقع فیھا بغل وھو فی الطریق فخاصموہ الی شریح فقال یا ابا امیۃ اعلی البیر ضمان ؟ قال لا ولکن علی عمرو بن الحارث (الف) مصنف عبدالرزاق، باب الجدار المائل والطریق ج عاشر ص ۷۳ نمبر ۱۸۴۰۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۹۱ الرجل یخرج من حدہ شیئا فیصیب انسانا ج خامس، ص ۳۹۸، نمبر ۲۷۳۴۸)اس اثر میں حضرت شریح نے خود کھودنے والے پر جرمانہ لازم کیا اس کے عاقلہ پر نہیں۔

[۲۳۷۶](۴۰)اگر راستے کی طرف جنگلہ نکالا یا پرنالا نکالا اور وہ گر گیا کسی آدمی پر اور ہلاک ہو گیا تو دیت اس کے عاقلہ پر ہے۔

تشریح راستے کی طرف روشن دان نکالا یا پرنالہ نکالا وہ کسی انسان پر گیا اور وہ مر گیا تو یہ بھی قتل سبب ہے۔کیونکہ براہ راست نہیں مارا بلکہ ایک سبب اختیار کیا جس سے انسان مر گیا اس لئے قتل خطا کی طرح اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔

وجہ اوپر اثر گزر گیا ہے(مصنف عبدالرزاق، باب الجدار المائل والطریق ج عاشر ص ۷۲ نمبر ۱۸۴۰۰)(۲) دوسرے اثر میں ہے۔عن علی قال من اخرج حجرا او مرۃ او مرزابا او زاد فی ساحتہ ما لیس لہ فھو ضامن (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۱ الرجل یخرج من حدہ شیئا فیصیب انسانا ج خامس، ص ۳۹۸، نمبر ۲۷۳۴۴ رمصنف عبدالرزاق، باب الجدار المائل والطریق ج عاشر ص ۷۲ نمبر ۱۸۴۰۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اپنی زمین میں بھی ایسی زیادتی کی جو اس کو نہیں کرنی چاہئے اور اس سے آدمی ہلاک ہوا تو اس کو دیت دینی ہوگی۔

لغت میزاب : پرنالہ، عطب : ہلاک ہوا، تھک گیا۔

[۲۳۷۷](۴۱)اور کنواں کھودنے والے پر اور پتھر رکھنے والے پر کفارہ نہیں ہے۔

وجہ یہ مکمل طور پر قتل خطا نہیں ہے بلکہ قتل بسبب ہے جو قتل خطا کے قریب ہے اس لئے اس میں کفارہ نہیں ہے صرف دیت ہے(۲) اوپر کے اثر میں بھی کفارے کا ذکر نہیں ہے اس لئے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

[۲۳۷۸](۴۲)کسی نے اپنی ملکیت میں کنواں کھودا اور اس سے انسان ہلاک ہو گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح کنواں نہ عام راستے پر کھودا اور نہ حکومت کی زمین میں کھودا بلکہ اپنی زمین میں مناسب جگہ پر کھودا پھر بھی کوئی آدمی اس میں گر گیا تو کھودنے والے پر ضمان نہیں ہے(۲) اثر میں ہے۔عن ابراھیم قال من حفر فی غیر بنائہ او بنی فی غیر سمائہ فقد

حاشیہ : (الف) ابراہیم نے فرمایا کہ عمر بن الحارث نے کنواں کھودا جس میں گدھا گر گیا اور وہ راستے میں تھا تو شریح کے پاس مقدمہ لے گئے تو فرمایا اے ابوامیہ کیا کنویں پر ضمان ہے؟ فرمایا نہیں! لیکن عمر بن حارث کنواں کھودنے والے پر ضمان ہے(ب) حضرت علیؓ نے فرمایا کسی نے پتھر باہر نکالا یا راستہ نکالا یا پرنالہ نکالا یا صحن میں ایسی زیادتی کی جو اس کی نہیں ہے تو وہ اس کا ضامن ہوگا یعنی اس کی وجہ سے کسی کا نقصان ہو تو تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

[۲۳۷۹](۴۳)والراکب ضامن لما اوطأت الدابة وما اصابته بیدھا او کدمت ولا یضمن ما نفحت برجلھا او ذنبھا.

ضمن (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب الجدار المائل والطریق ج عاشر ص ۴۷، نمبر ۱۸۴۰۹ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۹۱ الرجل یخرج من حدہ شیئا فیصیب انسانا ج خامس، ص ۳۹۸ نمبر ۲۷۳۴۵)اس اثر میں ہے کہ دوسرے کی زمین میں کنواں کھودا ہو اور گرا ہو تو ضامن ہوگا۔ جس سے پتا چلا کہ اپنی زمین میں کنواں کھودا ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

[۲۳۷۹](۴۳)سوار ہونے والا ضامن ہے اگر جانور کچل دے یا ہاتھ مار دے یا منہ سے کاٹ لے۔ اور ضامن نہیں ہوگا اس کا جس کو وہ لات مار دے یا دم مار دے۔

تشریح یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ جہاں تک حفاظت کرنا ممکن تھا اس میں غفلت کی اور جانور نے نقصان کر دیا تو مالک ضامن ہوگا اور جہاں حفاظت کرنا ممکن نہیں تھا وہاں جانور نے نقصان کیا تو چونکہ مالک کی غلطی نہیں ہے اس لئے مالک اس کا تاوان نہیں دے گا۔ اب مسئلہ سمجھیں! جانور نے کسی کو کچل دیا تو جو سوار ہے وہ اس کے تاوان کا ضامن ہوگا۔ یا سواری نے ہاتھ سے مار کر زخمی کر دیا یا مار دیا یا منہ سے کاٹ لیا تو سوار ضامن ہوگا۔

وجہ سوار کے ہاتھ میں لگام ہے وہ سامنے کی چیزوں کو دیکھ رہا ہے اس لئے اس کی حفاظت کر سکتا تھا اور اس میں غفلت کی اس لئے ضامن ہوگا (۲) حدیث میں دو قسم کے اشارے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جانور کا زخمی کردہ معاف ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرة ان رسول اللہ ﷺ قال العجماء جرحھا جبار والبیر جبار والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس (ب)(بخاری شریف، باب المعدن جبار والبیر جبار ص ۱۰۲۱ نمبر ۶۹۱۲ رابوداؤد شریف، باب العجماء والمعدن البیر جبار ص ۲۸۳، نمبر ۴۵۹۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور کا نقصان معاف ہے۔ لیکن دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے پیر سے نقصان کرے تو معاف ہے اگلے ہاتھ سے نقصان کرے تو معاف نہیں ہے (۲)عن عبد اللہ اظنہ مرفوعا قال العجماء جبار والمعدن جبار والبئر جبار والرجل جبار وفی الرکاز الخمس (ج) (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۱۱۰ نمبر ۳۲۸۱ رمصنف عبد الرزاق، باب العجماء ج عاشر ص ۶۶ نمبر ۱۸۳۷۶)اس حدیث میں ہے کہ جانور پاؤں سے مارے تو معاف ہے (۳) اثر میں ہے۔ وقال ابن سیرین کانوا لا یضمنون من النفحة ویضمنون من رد العنان، وقال حماد لا تضمن النفحة الا ان ینخس انسان الدابة (د)(بخاری شریف، باب العجماء جبار ص ۱۰۲۱ نمبر ۶۹۱۳)(۳)

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کسی نے اپنی عمارت کے علاوہ میں گڑھا کھودایا اپنی ملکیت کے علاوہ میں تعمیر کی تو ضمان ہوگا یعنی اس سے کسی کا نقصان ہوا تو ضامن ہوگا (ب) آپؐ نے فرمایا جانور کا زخمی کیا ہوا معاف ہے۔ کنویں میں گر کر مرے تو معاف ہے۔ اور رکاز میں پانچواں حصہ ہے (ج) حضرت عبد اللہ نے مرفوعا فرمایا جانور کا زخمی کیا ہوا معاف ہے۔ کان میں گر کر مرے تو معاف ہے۔ کنویں میں گر کر مرے تو معاف ہے۔ جانور نے پاؤں سے مارا تو معاف ہے اور رکاز میں پانچواں حصہ ہے (د) حضرت محمد بن سیرین کھر سے مارنے کا ضامن نہیں بناتے تھے اور لگام سے لگ جائے تو ضامن بناتے تھے۔ اور حضرت حماد نے فرمایا کھر سے مارنے کا ضمان نہیں لیا جائے گا مگر یہ کہ انسان جانور کو برانگیختہ کرے تو ضمان ہوگا۔

[۲۳۸۰](۴۴)فان راثت او بالت فی الطریق فعطب به انسان لم یضمن[۲۳۸۱] (۴۵) والسائق ضامن لما اصابت بیدھا او رجلھا[۲۳۸۲] (۴۶)والقائد ضامن لما اصابت

اثر میں ہے۔عن ابراھیم قال ان نفحت انسانا فلا ضمان علیه ویضمن ما اصابت بیدھا قال وتفسیرہ عندنا اذا کانت تسیر (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب الجماء ج عاشر ص ۶۸ نمبر ۱۸۳۸۵ر مصنف ابن ابی شیبة ۹۳ الدابة تضرب برجلھا ج خامس، ص ۴۰۰، نمبر ۲۷۳۶۳)اس اثر اور حدیث سے معلوم ہوا کہ پچھلے پاؤں سے مارے تو معاف ہے اور ہاتھ سے مارے یا منہ سے کاٹے تو سوار کو اس کا ضمان ہوگا۔

لغت اوطأ : کچلا، کدمت : دانت سے کاٹا، نفحت : کھر کے کنارے سے مارا، ذنب : دم۔

[۲۳۸۰](۴۴)اگر جانور نے لید کی یا پیشاب کیا راستے میں اور اس سے انسان ہلاک ہوا تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح جانور نے راستے پر لید کر دیا یا پیشاب کر دیا جس سے پھسل کر انسان گر گیا اور مر گیا تو مالک یا سوار اس کا ضامن ہوگا۔

وجہ جانور کے پیشاب پاخانے پر کنٹرول مشکل ہے اس لئے اس کی کوئی غلطی نہیں ہے۔اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا۔

لغت راثت : روث سے مشتق ہے۔

[۲۳۸۱](۴۵) پیچھے سے ہانکنے والا ضامن ہوگا اس کا جس کو لگ جائے ہاتھ یا پاؤں۔

تشریح جانور کو پیچھے سے ہانکنے والا موجود تھا اسی حالت میں جانور کا پاؤں یا ہاتھ لگا اور آدمی ہلاک ہو گیا تو ہانکنے والا اس کا ضامن ہوگا۔

وجہ جب پیچھے سے ہانک رہا تھا تو جانور کی حرکت کو دیکھ رہا تھا اور اس کی حفاظت اس کے کنٹرول میں تھا پھر بھی غفلت کی اس لئے وہ ضامن ہوگا(۲)عن الحکم قال ان السائق والقائد والراکب یغرم ما اصابت دابته بید او رجل او نفحت او ضربت (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۸۳ السائق والقائد ما علیه؟ ج خامس، ص ۳۹۵، نمبر ۲۷۳۰۶)اس سے معلوم ہوا کہ ہانکنے والا ذمہ دار ہوگا۔

[۲۳۸۲](۴۶) اور کھینچنے والا ضامن ہوگا اس کا جو اس کے ہاتھ سے لگے نہ کہ اس کے پیر سے۔

تشریح جانور کو آگے سے کھینچ رہا تھا کہ اس نے کسی کو پاؤں مار دیا تو اگر اگلے ہاتھ سے مارا تو کھینچنے والے پر اس کا ضمان ہے اور پچھلے پاؤں سے مارا تو ضمان نہیں ہوگا۔

وجہ اگلے پاؤں کی حفاظت کر سکتا تھا اور غفلت کی اس لئے ضامن ہوگا اور پچھلے پاؤں کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ اس کی پیٹھ کے پیچھے ہے اس لئے اس میں اس کی غلطی نہیں ہے اس لئے ضامن نہیں ہوگا۔

اصول اصول گزر چکا ہے کہ جہاں حفاظت ممکن ہو اور اس میں غفلت کرے تو ضامن ہوگا اور جہاں حفاظت ممکن نہ ہو وہاں غلطی نہیں ہے اس

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر کسی انسان کو جانور پچھلے کھر سے مارے تو اس پر ضمان نہیں ہے اور جو اس کے ہاتھ سے لگے تو ضمان ہے۔فرمایا کہ میرے نزدیک اس کی تفسیر یہ ہے کہ جانور چلتے ہوئے ہاتھ سے مار دے تو ضمان ہے(ب) حضرت حکم نے فرمایا جانور کو پیچھے سے ہانکنے والا آگے سے کھینچنے والا اور سوار ذمہ دار ہوگا اگر اس کے جانور کے ہاتھ یا پاؤں یا کھر سے نقصان ہو جائے یا وہ مار دے۔

بیدها دون رجلها [۲۳۸۳](۴۷)ومن قاد قطارا فهو ضامن لما اوطأ فان كان معه سائق فالضمان عليهما [۲۳۸۴](۴۸)واذاجنى العبد جناية خطأً قيل لمولاه اما ان تدفعه بها او تفديه فان دفعه ملكه وليُّ الجناية وان فداه فداه بارشها[۲۳۸۵] (۴۹)فان عاد فجنى

لئے ضمان لازم نہیں ہوگا۔

[۲۳۸۳] (۴۷) کوئی کھینچ رہا ہو اونٹوں کی قطار تو وہ ضامن ہوگا اس کا جو وہ کچل ڈالے۔ پس اگر اس کے ساتھ ہانکنے والا ہو تو دونوں پر ضمان ہوگا۔

وجہ قطار کھینچنے والے کے ذمے حفاظت کرنا ضروری تھا اور اس نے غفلت کی اس لئے اس پر ضمان ہوگا۔ اور پیچھے سے ہانکنے والا ہو تو غفلت میں دونوں شریک ہیں اس لئے دونوں پر ضمان لازم ہے (۲) اس اثر میں ہے۔ **عن عليؓ انه كان يضمن القائد والسائق والراكب** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸۳ السائق والقائد ماعلیہ؟ ج خامس، ص ۳۹۴، نمبر ۲۷۳۰۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہانکنے والا اور کھینچنے والا دونوں ذمہ دار ہیں۔

لغت وطاء : روندا، کچلا۔

[۲۳۸۴] (۴۸) اگر غلام جنایت خطاء کرے تو اس کے آقا سے کہا جائے گا یا تو جنایت کے بدلے میں غلام دے دو یا جنایت کا فدیہ دے دو۔ پس اگر غلام حوالے کر دیا تو جنایت کے غلام کا مالک ہو جائے گا۔ اور اگر فدیہ دے تو تاوان کا فدیہ دے گا۔

تشریح یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ غلام کا کوئی عاقلہ نہیں ہوتا صرف آقا اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ **عن عمرؓ قال العمد والعبد والصلح والاعتراف لايعقل العاقلة** (ب) (سنن للبیہقی، باب من قال لاتحمل العاملۃ عمدا ولا عبدا ولا صلحا ولا اعترافا ج ثامن، ص ۱۸۱، نمبر ۱۶۳۵۹) اس لئے غلام کوئی بھی قتل خطاء کرے تو اس کی قیمت میں اس کا حساب لگایا جائے گا۔ اس لئے آقا کو دو اختیار ہیں یا تو غلام کا جتنا تاوان ہے وہ ادا کر دے اور غلام کو رکھ لے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ جس کی جنایت کی ہے غلام اس کو حوالے کر دے۔ اگر آقا جنایت کا فدیہ دینا چاہے تو اتنا فدیہ دے جتنی جنایت کی ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن عليؓ قال ماجنى العبد ففي رقبته ويخير مولاه ان شاء فداه وان شاء دفعه** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۴ العبد یجنی الجنایۃ ج خامس، ص ۳۸۴، نمبر ۲۷۱۷۰ رمصنف عبد الرزاق، باب قتل الرجل الحر عبدا والعبد حراج تاسع ص ۴۸۶ نمبر ۱۸۱۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آقا کو دونوں اختیار ہیں۔

[۲۳۸۵] (۴۹) پس اگر غلام نے دوبارہ جنایت کی تو دوسری جنایت کا حکم پہلی جنایت کی طرح ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا جانور کو کھینچنے والا پیچھے سے ہانکنے والا اور سوار ضامن ہوگا (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا جان کو قتل کرنے والا، غلام کی دیت، صلح کی دیت اور اقرار کی رقم خاندان والے ادا نہیں کریں گے (ج) حضرت علیؓ نے فرمایا غلام نے جو کچھ جنایت کی تو اسی کے ذمہ ہوگا اور آقا کو اختیار ہے چاہے اس کا فدیہ دیدے یا خود غلام کو حوالہ کر دے۔

کان حکم الجناية الثانية حكم الاولى [۲۳۸۶](۵۰)فان جنی جنایتین قیل لمولاه اما ان تدفعه الی ولی الجنایتین یقتسمانه علی قدر حقیهما واما ان تفدیه بارش کل واحدة منهما[۲۳۸۷] (۵۱)وان اعتقه المولی وهو لايعلم بالجناية ضمن المولى الاقل من قيمته

تشریح مثلا غلام نے زخم خطاء کیا جس کی وجہ سے آقا نے پانچ سو درہم ولی جنایت کو دے کر غلام کو رکھ لیا۔ اب غلام نے دوسری مرتبہ زخم خطاء کیا تو آقا پر دوسری مرتبہ زخم خطاء کا تاوان دینا ہوگا۔ تب غلام آقا کے پاس رہے گا ورنہ غلام کو اس ولی جنایت کے حوالے کرنا ہوگا۔

وجہ جب پہلی مرتبہ تاوان دے کر غلام کو اپنے پاس رکھ لیا تو غلام پہلی جنایت سے گویا کہ پاک صاف ہو گیا۔ اب جو جنایت کرے گا اس کا تاوان از سر نو آقا کو دینا ہوگا (۲) اثر اوپر گزر گیا۔

[۲۳۸۶] (۵۰) اگر غلام نے بیک وقت دو جنایتیں کیں تو آقا سے کہا جائے گا یا غلام کو دونوں جنایتوں کے ولی کے حوالے کر دو، وہ دونوں اپنے حقوق کی مقدار تقسیم کرلیں گے یا دونوں میں سے ہر ایک کی ارش کا فدیہ دے۔

تشریح غلام نے مثلا دو جنایتیں کیں، ایک آدمی کی ناک کاٹی اور دوسرے آدمی کا کان کاٹا۔ اور دونوں جنایتوں کے پچاس پچاس اونٹ غلام پر لازم ہوئے۔ اب آقا کو دو اختیار ہیں ایک تو یہ کہ غلام کو دونوں مقطوع کے حوالے کر دے وہ دونوں غلام کو بیچ کر اپنا اپنا حصہ وصول کرلیں گے۔ اور تاوان دینا چاہے تو دونوں کو پچاس پچاس اونٹ دیکر غلام اپنے پاس رکھ لے۔ اثر میں ہے۔ عن سالم بن عبد الله قال ان شاء اهل المملوک فدوه بعقل جرح الحر وان شاء وا اسلموه (الف) مصنف ابن ابی شیبة ۶۴ العبد یجنی الجنایة ج خامس، ص ۳۸۴، نمبر ۲۷۱۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آقا چاہے تو جنایت شدہ غلام دے دے اور چاہے تو جنایت کا فدیہ دیدے۔

[۲۳۸۷] (۵۱) اگر آقا نے آزاد کیا اور وہ غلام کی جنایت کو جانتا نہیں تھا تو غلام کی قیمت اور تاوان میں سے جو کم ہے اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح آقا نے غلام کو آزاد کر دیا لیکن اس کو معلوم نہیں تھا کہ غلام نے جنایت کی ہے تو ایسی صورت میں غلام کی قیمت کم ہو مثلا آٹھ سو ہو اور دیت ایک ہزار ہو تو غلام کی قیمت لازم ہوگی۔ اور اگر دیت غلام کی قیمت سے کم ہو مثلا چھ سو درہم ہو تو دیت لازم ہوگی۔

وجہ آقا کو جنایت کا پتہ نہیں تھا اس لئے وہ معذور ہے اس لئے غلام کی قیمت سے زیادہ کا وہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس لئے دیت غلام کی قیمت سے زیادہ ہو تو قیمت تک رقم ادا کرے گا زیادہ نہیں۔ اور اگر دیت کم ہو تو اتنی رقم ادا کرے گا۔ کیونکہ اس نے آزاد کر کے جنایت والے کا نقصان کیا ہے (۲) اثر میں ہے۔ سمعت سفیان یقول ان کان مولاه اعتقه وقد علم بالجناية فهو ضامن الجناية، وان لم یکن علم الجناية فعليه قيمة العبد (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۶۵ العبد یجنی الجنایة فیعتقه مولاه ج خامس، ص ۳۸۵ نمبر ۲۷۱۸۳، ج تاسع ص ۴۳۱ نمبر ۱۷۹۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جنایت جانتا تھا تو غلام کی قیمت تک ذمہ دار ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت سالم بن عبد اللہ نے فرمایا اگر چاہے تو غلام کا آقا آزاد کے زخم کا فدیہ دیں اور چاہے تو غلام کو حوالہ کر دیں (ب) حضرت سفیان فرماتے ہیں اگر آقا کے غلام کو آزاد کیا اور وہ غلام کی جنایت کو جانتا تھا تو جنایت کا ضامن ہوگا اور اگر جنایت کو نہیں جانتا تھا تو اس پر غلام کی قیمت لازم ہوگی۔

ومن ارشها[۲۳۸۸](۵۲) وان باعه او اعتقه بعد العلم بالجناية وجب عليه الارش [۲۳۸۹](۵۳)واذا جنى المدبر او ام الولد جناية ضمن المولى الاقل من قيمته ومن ارشها[۲۳۹۰](۵۴)فان جنى جناية اخرى وقد دفع المولى قيمته الى الولى الاول

[۲۳۸۸](۵۲)اور اگر غلام کو بیچا یا آزاد کیا جنایت جاننے کے بعد تو اس پر پوری ارش واجب ہوگی۔

وجہ آقا یہ جانتا تھا کہ غلام نے جنایت کی ہے پھر بھی غلام کو بیچ دیا یا آزاد کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آقا پوری دیت دینے پر راضی ہے تب ہی تو جان کر آزاد کیا۔ اور جس کی جنایت کی ہے اس کو نقصان دیا۔ اس لئے آقا کو پوری دیت دینی ہوگی چاہے غلام کی قیمت سے زیادہ ہو(۲) اور اثر میں تھا۔ سمعت سفيان يقول ان كان مولاه اعتقه وقد علم بالجنابة فهو ضامن الجناية(الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۵ العبد یجنی الجنایۃ فیعتقہ مولاہ ج خامس، ص ۳۸۵، نمبر ۲۷۱۸۳) اس اثر میں ہے کہ آقا جنایت کو جانتا تھا پھر بھی آزاد کیا تو پوری جنایت کا ضامن ہوگا۔

[۲۳۸۹](۵۳)مدبر اور ام ولد نے جنایت کی تو آقا ضامن ہوگا اس کی قیمت اور ارش میں سے کم کا۔

تشریح مثلا مدبر اور ام ولد کی قیمت آٹھ سو درہم ہے اور اس نے چھ سو کی جنایت کی تو چھ سو کا ضامن ہوگا۔

وجہ آقا نے جنایت سے پہلے ہی اس کو ام ولد یا مدبر بنایا تھا اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ پوری دیت اپنے اوپر لینا چاہتا ہے۔ البتہ مدبر یا ام ولد بنانے کی وجہ سے جنایت والے کے حوالے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔ لیکن چونکہ آقا نے مدبر یا ام ولد بنا کر جنایت والے کے حوالے کرنے سے روکا ہے اس لئے اس پر جنایت اور قیمت میں سے جو کم ہو وہ لازم ہوگی۔

وجہ حدثنى بشير المكتب ان امراة دبرت جارية لها فجنت جناية فقضى عمر بن عبد العزيز بجنايتها على مولاتها فى قيمة الجارية. دوسری روایت میں ہے. سمعت سفيان يقول جناية المدبر على مولاه يضمن قيمته (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۶ جنایۃ المدبر علی من تکون؟ ج خامس، ص ۳۹۶، نمبر ۲۷۳۱۹/۲۷۳۲۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قیمت بھر مدبر اور ام ولد کی جنایت کا ذمہ دار آقا ہے۔ اس سے زیادہ کا نہیں۔

[۲۳۹۰](۵۴)پس اگر دوسری مرتبہ جنایت کی اور آقا اس کی قیمت پہلے ولی کو دے چکا ہے قضاء قاضی سے تو اس پر کچھ بھی نہیں ہے۔ اور دوسری جنایت کا ولی پیچھے لگے پہلی جنایت کے ولی کے اور جو کچھ لیا ہے اس میں شریک ہو جائے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ آقا نے قاضی کے فیصلے سے ایک مرتبہ مدبر یا ام ولد کی قیمت کے برابر جنایت والے کو دے دیا تو اب اس

حاشیہ: (الف) حضرت سفیان فرمایا کرتے تھے اگر آقا نے غلام کو آزاد کیا اور وہ غلام کی جنایت کو جانتا تھا تو وہ جنایت کا ضامن ہوگا (ب) بشیر المکتب فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے باندی کو مدبرہ کیا۔ پس اس نے جنایت کی تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس کی جنایت کا تاوان سیدہ پر لازم کیا باندی کی قیمت کے اندر اندر۔ میں نے حضرت سفیان کو فرماتے ہوئے سنا کہ مدبر کی جنایت کا تاوان اس کے آقا پر ہوگا غلام کی قیمت کے اندر اندر۔

بقضاء فلا شیء علیه ویتبع ولی الجنایة الثانیة ولی الجنایة الاولی فیشارکه فیما اخذ[۲۳۹۱] (۵۵)وان کان المولی دفع القیمة بغیر قضاء فالولی بالخیار ان شاء اتبع المولی وان شاء اتبع ولی الجنایة الاولی[۲۳۹۲] (۵۶)واذا مال الحائط الی طریق المسلمین فطولب صاحبه بنقضه واشهد علیه فلم ینقضه فی مدة یقدر علی نقضه حتی

سے زیادہ کا وہ ذمہ دار نہیں ہے۔ اس سے زیادہ جنایت کرے تو آقا پر نہیں ہے۔ مسئلے کی صورت یہ ہے کہ مدبر یا ام ولد نے ایک مرتبہ جنایت کی اور آقا نے قاضی کے فیصلے سے پہلی جنایت والے کو ارش دے دیا پھر دوبارہ مدبر یا ام ولد نے جنایت کی تو آقا پر کوئی دیت نہیں ہے۔ دوسری جنایت کا ولی پہلی جنایت کے ولی کے پاس جائے اور جو کچھ اس کو آقا نے دیا تھا اس میں شریک ہو جائے۔

وجہ اوپر گزر چکا ہے کہ آقا قیمت کا ضامن ہوگا اور وہ ایک مرتبہ قیمت کا ضامن ہو چکا ہے اس لئے دوسری مرتبہ والا پہلی مرتبہ والے سے وصول کرے۔ سمعت سفیان یقول جنایة المدبر علی مولاہ یضمن قیمته (الف) (حوالہ بالا، مصنف ابن ابی شیبۃ، نمبر ۲۷۳۲۵)

[۲۳۹۱] (۵۵) اور اگر آقا نے قیمت دی ہو بغیر قاضی کے فیصلے کے تو ولی کو اختیار ہے چاہے آقا کے پیچھے پڑے چاہے پہلی جنایت والے کے پیچھے پڑے۔

تشریح مدبر یا ام ولد نے پہلی مرتبہ جنایت کی تو جنایت والے کو بغیر قاضی کے فیصلے کے دیت دے دی تو اس صورت میں دوسری جنایت والے کے لئے دو اختیار ہیں۔ یا تو آقا سے اپنی جنایت وصول کرے یا پہلی جنایت کے ولی سے اپنی جنایت وصول کرے۔

وجہ آقا سے اس لئے وصول کر سکتا ہے کہ بغیر قاضی کے فیصلے کے دیت دی ہے اس لئے اس دینے کا اتنا اعتبار نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دوستانہ طور پر دی ہو۔ اور پہلی جنایت والے سے اس لئے وصول کر سکتا ہے کہ اس نے گویا کہ دوسری جنایت والے کی آدھی دیت پر قبضہ کیا ہے۔ کیونکہ آقا پر تو ایک ہی مرتبہ دیت لازم تھی جو ادا کر چکا ہے۔ اس لئے پہلی جنایت کے ولی سے بھی آدھی دیت وصول کر سکتا ہے۔

اصول دونوں مسئلے اس اصول پر ہیں کہ مدبر اور ام ولد کا آقا پر قیمت سے زیادہ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ معذور ہے۔ اثر گزر چکا ہے۔ سفیان یقول جنایة المدبر علی مولاہ یضمن قیمته (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۶ جنایۃ المدبر علی من تکون؟ ج خامس، ص ۳۹۶، نمبر ۲۷۳۲۵)

[۲۳۹۲] (۵۶) اگر دیوار مسلمان کے راستے کی طرف مائل ہو جائے۔ پس مطالبہ کیا گیا اس کے مالک سے اس کے توڑنے کا اور اس پر گواہ بنایا پھر بھی نہیں توڑا اس مدت میں کہ توڑ سکتا تھا یہاں تک کہ گر گئی تو ضامن ہوگا اس کا جو ضائع ہو جان یا مال۔ اور برابر ہے کہ اس کے توڑنے کا مسلمان مطالبہ کرے یا ذمی۔

حاشیہ: (الف) حضرت سفیانؒ نے فرمایا مدبر کی جنایت کا تاوان اس کے آقا پر ہوگا غلام کی قیمت کے اندر اندر (ب) حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا مدبر کی جنایت کا تاوان اس کے آقا پر ہوگا غلام کی قیمت کے اندر اندر ضامن ہوگا۔

سقط ضمن ما تلف به من نفس او مال ویستوی ان یطالبه منقضه مسلم او ذمی [۲۳۹۳](۵۷)وان مال الی دار رجل فالمطالبة لمالک الدار خاصة [۲۳۹۴](۵۸)فاذا اصطدم فارسان فماتا فعلی عاقلة کل واحد منهما دیة الآخر.

تشریح کسی کی دیوار مسلمانوں کے راستے کی طرف جھک گئی۔لوگوں نے اس سے اس کو توڑنے کا مطالبہ کیا اور مطالبہ پر گواہ بھی بنایا پھر اتنی مدت گزر گئی کہ وہ توڑ سکتا تھا پھر بھی نہیں توڑا۔اس کے بعد کسی پر وہ دیوار گر گئی تو اس کا ضمان دینا ہوگا۔اور مال کا نقصان ہوا تو اس کا بھی ضمان لازم ہوگا۔گرانے کا مطالبہ کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی ہو دونوں کا حق برابر ہے۔اس لئے دونوں میں سے کوئی بھی مطالبہ کرے گا تو دیت لازم ہو جائے گی۔

وجہ چاہے دیوار اپنی زمین میں ہو لیکن اس شرط کے ساتھ کھڑی رکھ سکتا ہے کہ کسی کو نقصان نہ ہو۔یہاں یاددہائی کے باوجود نقصان کیا اس لئے ضمان لازم ہوگا۔یہ صورت قتل بسبب ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن قتادة فی الجدر اذا کان مائلا ان یشهد علی صاحبه فوقع علی انسان فقتله قال یضمن صاحب الجدر** (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب الجدر المائل والطریق ج عاشر،ص ۷۱،نمبر ۱۸۳۹۷ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۳۷ الحائط المائل یشهد علی صاحبه ج خامس،ص ۴۲۳،نمبر ۲۷۶۲۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ توڑوانے پر گواہ بنایا پھر بھی نہیں توڑا پھر کسی کا نقصان ہوا تو دیوار والا ضامن ہوگا۔

اصول مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنی چیز میں کوئی چیز کھڑی کر سکتا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کسی غیر کو نقصان نہ ہو، **لا ضرر ولا ضرار** (دار قطنی نمبر ۳۰۶۰)

[۲۳۹۳](۵۷)اگر کسی آدمی کے گھر کی طرف مائل ہوئی تو مطالبہ کا حق خاص طور پر اس گھر کے مالک کے لئے ہے۔

وجہ کسی کی دیوار کسی خاص آدمی کے گھر کی طرف جھک گئی تو عام مسلمانوں کو گرانے کے مطالبے کا حق نہیں ہے بلکہ وہی آدمی گرانے کا مطالبہ کرے جس کے گھر کی طرف جھکی ہے۔کیونکہ اسی کا گھر ہے اور اسی کا حق ہے۔

[۲۳۹۴](۵۸)اگر دو گھوڑے سوار ٹکرا جائیں اور دونوں مر جائیں تو دونوں میں سے ہر ایک کے عاقلہ پر دیت ہے دوسرے کا۔

تشریح مثلا زید اور عمر گھوڑے پر سوار تھے۔دونوں آپس میں ٹکرا گئے اور دونوں مر گئے تو زید کی دیت عمر کے خاندان پر ہوگی اور عمر کی دیت زید کے خاندان پر ہوگی۔اور دونوں کے ورثہ ایک دوسرے خاندان سے وصول کریں گے۔

وجہ دونوں کی غلطیاں ہیں اور دونوں قتل خطا ہوئے ہیں اس لئے دونوں کے خاندان پر دیت ہوگی (۲)اثر میں ہے. **عن علی انه ضمن**

حاشیہ : (الف) حضرت قتادہؓ نے فرمایا دیوار جھک جائے اور دیوار کے مالک پر جھکنے پر گواہ بنائے پھر کسی انسان پر گر جائے اور اس کو مار دے تو دیوار والا ضامن ہوگا۔

[۲۳۹۵] (۵۹) واذا قتل رجل عبدا خطأً فعليه قيمته ولا تزاد على عشرة آلاف درهم فان كانت قيمته عشرة آلاف درهم او اكثر قضى عليه بعشرة آلاف الا عشرة۔

کل واحد منهما لصاحبه۔ دوسری روایت میں ہے۔ قال سفیان فی الرجلین یصطرعان فیجرح احدهما صاحبه قال یضمن کل واحد منهما صاحبه (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب المقتتلان والذی یقع علی الآخر او جر بہ ج عاشر ص ۵۲ نمبر ۱۸۳۲۵ / ۱۸۳۲۱ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۶ الرجل یصدم الرجل ج خامس، ص ۴۲۳، نمبر ۲۷۶۲۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دونوں کے عاقلہ ضامن ہوں گے۔

لغت اصطدم : صدم سے مشتق ہے ٹکرا جانا، فارسا : گھوڑے سوار۔

[۲۳۹۵] (۵۹) اگر کسی آدمی نے غلام کو غلطی سے قتل کر دیا تو اس پر غلام کی قیمت ہے لیکن دس ہزار درہم سے زیادہ نہ ہو۔ پس اگر اس کی قیمت دس ہزار درہم یا اس سے زیادہ ہو تو اس کو حکم دیا جائے گا دس ہزار سے دس کم کا۔

تشریح قتل خطا میں آزاد آدمی کی دیت دس ہزار درہم ہے اس لئے غلام کی دیت بھی زیادہ سے زیادہ دس ہزار درہم ہوگی بلکہ آزاد آدمی کی دیت سے دس درہم کم کر کے نو ہزار نو سو نوے (۹۹۹۰ درہم) ہی لازم کریں گے تاکہ غلام اور آزاد میں تھوڑا سا فرق باقی رہے۔ یوں عام حالات میں آدمی کسی کے غلام کو غلطی سے قتل کر دے تو قاتل پر غلام کی قیمت لازم ہوگی۔ لیکن اگر اس کی قیمت دس ہزار یا اس سے زیادہ ہو تو نو ہزار نو سو نوے (۹۹۹۰ درہم) ہی لازم کریں گے تاکہ آزاد اور غلام کی دیت میں دس درہم کا فرق ہو جائے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابراهيم فى العبد يقتل عمدا قال فيه القود فان قتل خطاء فقيمته ما بلغ غير انه لايجعل مثل دية الحر وينقص عنه عشرة دراهم (ب) (کتاب الآثار لمحمدؒ، باب جراحات العبید ص ۱۲۶ نمبر ۵۸۲ / مصنف عبد الرزاق، باب دیۃ المملوک ج عاشر، ص ۹، نمبر ۱۸۱۷۲ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۹ من قال لا یبلغ بہ دیۃ الحر ج خامس، ص ۳۸۶، نمبر ۲۷۲۰۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہلے تو غلام کی قیمت لازم ہوگی۔ اور وہ آزاد کی دیت سے زیادہ ہو تو دس درہم کم کر کے نو ہزار نو سو نوے درہم (۹۹۹۰ درہم) لازم کریں گے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غلام کی قیمت دس ہزار درہم سے زیادہ ہو تو وہ بھی لازم ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابن المسيب قال دية المملوك ثمنه ما بلغ وان زاد على دية الحر (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب دیۃ المملوک ج عاشر، ص ۹، نمبر ۱۸۱۷۴ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۸ الحر یقتل العبد خطاء، ج خامس، ص ۳۸۶، نمبر ۲۷۱۹۴) اس اثر سے معلوم ہوا

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا ہر ایک دوسرے کا ضامن بنیں گے۔ دوسری روایت میں ہے دو آدمی لڑے اور ایک دوسرے کو زخمی کر دے؟ فرمایا ہر ایک دوسرے کے ضامن ہوں گے (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا غلام نے جان کر قتل کیا تو اس میں قصاص ہے اور غلطی سے قتل کیا تو اس کی قیمت جتنی پہنچ جائے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ آزاد کی دیت کے برابر نہ کی جائے، اس سے دس درہم کم رکھا جائے (ج) حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا غلام کی دیت اس کی قیمت کے مطابق ہے جتنی پہنچ جائے اگرچہ آزاد کی دیت سے زیادہ ہو جائے۔

[٢٣٩٦](٦٠) وفی الامة اذا زادت قیمتها علی الدیة یجب خمسة آلاف الا عشرة

[٢٣٩٧](٦١) وفی ید العبد نصف قیمته لایزاد علی خمسة آلاف الا خمسة .

کہ جتنی قیمت بھی قاتل کو دینی پڑے گی چاہے آزاد کی دیت دس ہزار درہم سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

[۲۳۹۶](۶۰) اگر باندی میں اگر اس کی قیمت زیادہ ہو جائے دیت پر تو پانچ ہزار میں دس درہم کم واجب ہوں گے۔

تشریح باندی کو قتل خطا کیا تھا اس لئے قاتل پر اس کی قیمت لازم ہوگی۔ اگر اس کی قیمت پانچ ہزار درہم سے زیادہ ہو تب بھی چار ہزار نو سو نوے (۴۹۹۰ درہم) ہی لازم ہوں گے۔ کیونکہ ایک روایت میں آزاد عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔ اور آزاد مرد کی دیت دس ہزار درہم ہے تو عورت کی دیت پانچ ہزار درہم ہوئی۔ اس لئے باندی کی دیت اس سے دس درہم کم کر کے چار ہزار نو سو نوے (۴۹۹۰ درہم) لازم کریں گے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ ﷺ دیة المرأة علی النصف من دیة الرجل (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی دیۃ المرأۃ ج ثامن ص ۹۵ نمبر ۱۶۳۰۵) اور دوسری روایت میں ہے۔ ان علیا کان یقول جراحات النساء علی النصف من دیة الرجل فیما قل و کثر (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی جراح المرأۃ ج ثامن، ص ۱۶۷، نمبر ۱۶۳۰۸) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ آزاد عورت کی دیت مرد سے آدھی ہے اس لئے باندی کی دیت آزاد عورت کی دیت سے دس درہم یا پانچ درہم کم کر کے دلوائیں گے۔

نوٹ دوسری روایت یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کی طرح ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول اللہ ﷺ عقل المرأة مثل عقل الرجل حتی یبلغ الثلث من دیتها (ج) (نسائی شریف، عقل المرأۃ ص ۶۶۳ نمبر ۴۸۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اور مرد کی دیت برابر ہے۔

[۲۳۹۷](۶۱) غلام کے ہاتھ میں اس کی آدھی قیمت ہوگی پانچ ہزار پانچ کم سے زیادہ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح آزاد آدمی کے دونوں ہاتھ غلطی سے کٹ جائے تو پوری دیت دس ہزار درہم ہے اور ایک ہاتھ کٹ جائے تو آدھی دیت پانچ ہزار درہم ہے۔ اسی قاعدے پر قیاس کرتے ہوئے غلام کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں تو اس کی پوری قیمت لازم ہوگی۔ مثلا غلام کی پوری قیمت چار ہزار درہم تھی تو چار ہزار درہم لازم ہوں گے۔ لیکن اگر ایک ہاتھ کاٹا تو غلام کی آدھی قیمت دو ہزار درہم لازم ہوگی۔ لیکن اگر غلام کی قیمت بارہ ہزار درہم ہو اس حساب سے ایک ہاتھ کی دیت چھ ہزار درہم ہوتی ہے پھر بھی آزاد کے ایک ہاتھ کٹنے کی دیت پانچ ہزار درہم سے زیادہ نہیں کریں گے بلکہ اس سے پانچ درہم کم کر کے چار ہزار نو سو پچانوے درہم ہی دیت دلوائی جائے گی۔ تا کہ غلام کے ہاتھ کی دیت آزاد کے ہاتھ سے زیادہ نہ ہو جائے۔ کیونکہ غلام کا درجہ آزاد سے کم ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے (ب) حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں کے زخم کا تاوان مرد کی دیت سے آدھے پر ہے کم ہو یا زیادہ (ج) آپ نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے یہاں تک کہ اس کی دیت کہ تہائی پہنچ جائے۔

[۲۳۹۸](۶۲)وكل مايقدر من دية الحر فهو مقدر من قيمة العبد [۲۳۹۹](۶۳)واذا ضرب رجل بطن امرأته فالقت جنينا ميتا فعليه غرة والغرة نصف عشر الدية.

[۲۳۹۸](۶۲)جومقدار مقرر ہے آزاد کی دیت سے وہ مقرر ہوگی غلام کی قیمت سے۔

تشریح مثلا آزاد آدمی کی انگلی کاٹا تو پوری دیت کا دسواں حصہ ایک ہزار لازم ہوتے اسی طرح مذکورہ غلام کی انگلی کاٹی تو اس کی پوری قیمت چار ہزار درہم کا دسواں حصہ چار سو درہم لازم ہوں گے۔اور آزاد کے دانت توڑنے میں پوری دیت کا بیسواں، پانچ سو درہم لازم ہوتے ہیں تو اسی پر قیاس کرکے مذکورہ غلام کی پوری قیمت چار ہزار کا بیسواں دو سو درہم لازم ہونگے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غلام کے اعضاء کاٹنے یا زخمی کرنے میں اس کی قیمت لازم ہوتی ہے۔لیکن آزاد کی جو دیت ہے اسی حساب سے اور فیصد کے اعتبار سے اس کے اعضاء اور زخم کی قیمت لگائی جائے گی۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن عمر بن الخطابؓ قال وعقل العبد فی ثمنه مثل عقل الحر فی دیته (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب جراحات العبدج عاشر ص ۴ نمبر ۱۸۱۵۰رسنن للبیہقی، باب جراحة العبدج ثامن،ص ۱۸۰،نمبر ۱۶۳۵۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام کی دیت اس کی قیمت کے اعتبار سے ہے لیکن آزاد کی دیت کے حساب سے حساب کیا جائے گا۔

نوٹ لیکن آزاد کی دیت سے زیادہ ہو جائے تو وہ دلوائی نہیں جائے گی۔

[۲۳۹۹](۶۳)اگر کسی آدمی نے عورت کے پیٹ پر مارا جس کی وجہ سے اس نے مردہ بچہ ڈالا تو اس پر غرہ واجب ہے۔اور غرہ دیت کے دسویں حصے کے آدھے کا ہوگا۔

تشریح کسی آدمی نے حاملہ عورت کے پیٹ پر مارا جس کی وجہ سے بچہ باہر آ گیا اور مردہ بچہ باہر آیا تو اس بچے کی دیت ایک غلام یا باندی ہے جس کو غرہ کہتے ہیں۔اور غلام باندی کی قیمت پانچ سو درہم کے قریب قریب ہو۔

وجہ غرہ واجب ہونے کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ان ابا هريرةؓ قال اقتتلت امرأتان من هذيل فرمت احداهما الاخرى بحجر فقتلتها وما فی بطنها فاختصموا الی النبی ﷺ فقضی ان دية جنينها غرة عبد او وليدة وقضى ان دية المرأة علی عاقلتها (ب)(بخاری شریف، باب جنین المرأة وان العقل علی الوالد الخ ص ۱۰۲۰ نمبر ۶۹۱۰ر مسلم شریف، باب دیة الجنین ووجوب الدیة فی قتل الخطاء ص ۶۲ نمبر ۱۶۸۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردہ بچہ پیٹ سے گرا تو غلام یا باندی دینا ہوگا۔اور وہ پانچ سو درہم کا یعنی پوری دیت کے بیسواں حصے کا ہو اس کی دلیل یہ ہے۔عن الشعبی قال الغرة خمس مائة یعنی درهما قال ابو داؤد قال ربيعة الغرة خمسون دينارا (ج)(ابو داؤد شریف، باب دیة الجنین ص ۲۸۰ نمبر ۴۵۸۰ر مصنف عبد الرزاق، باب نذر الجنین ج عاشر ص ۶۳

حاشیہ : (الف) حضرت عمر نے فرمایا غلام کی دیت اس کی قیمت میں ہے جیسے آزاد کی دیت ہوتی ہے (یعنی اس فیصد کے حساب سے)(ب) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں نے قتال کیا ایک نے دوسرے کو پتھر مارا اور اس کو قتل کر دیا اور جو اس کے پیٹ میں بچہ تھا وہ بھی مر گیا۔پس حضورؐ کے پاس جھگڑا لائے تو آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ بچے کی دیت ایک غلام ہے یا باندی اور فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے خاندان پر ہے(ج) حضرت شعبیؒ نے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۴۰۰] (۶۴) فان القته حیا ثم مات ففیه دیة کاملة [۲۴۰۱] (۶۵) وان القته میتا ثم ماتت الام فعلیه دیة وغرة.

نمبر۱۸۳۵۷) اس اثر سے معلوم ہوا غلام کی قیمت قریب قریب پانچ سو درہم یا پچاس دینار ہو۔

لغت غلام یا باندی کو غرہ کہتے ہیں۔

[۲۴۰۰] (۶۴) پس اگر بچہ زندہ پیدا ہوا پھر مرگیا تو اس پر پوری دیت ہے۔

تشریح حاملہ عورت کے پیٹ پر مارا جس کی وجہ سے زندہ بچہ باہر نکل گیا لیکن مارنے کے صدمہ سے بچہ بعد میں مرگیا تو اب بچے کی پوری دیت لازم ہوگی۔

وجہ اب ایسا ہوا کہ مارنے کے صدمے سے بچہ مرگیا تو گویا کہ زندہ آدمی کا قتل خطاء ہوا اس لئے پوری دیت لازم ہوگی (۲) اوپر کی حدیث میں پانچ سو درہم مردہ بچے کی لازم کی تھی زندہ کی نہیں۔ حدیث میں یہ لفظ ہے۔ **فقتلتها وما فی بطنها**۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ تھا وہ بھی مرگیا تھا۔ ابوداؤد شریف میں مرنے کی پوری تصریح ہے۔ اس لئے زندہ بچے کی دیت پوری ہوگی۔ اثر میں ہے۔ **عن الزهری قال اذا کان سقطا بینا ففیه غرة اذا لم یستهل فان استهل فقد تم عقله فان کان ذکرا فالف دینار وان کان انثی فخمس مائة دینار** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب نذر الجنین ج عاشر ص ۵۶ نمبر ۱۸۳۳۶ر مصنف ابن ابی شیبة ۱۱۱۹ الجنین اذا سقط حیا ثم مات اوتحرک او اختلج ج خامس، ص ۴۱۳، نمبر ۲۷۵۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچہ زندہ ہو پھر مرے تو پوری دیت لازم ہوگی۔

[۲۴۰۱] (۶۵) اگر عورت نے مردہ ڈالا پھر ماں مرگئی تو مارنے والے پر دیت ہے اور غرہ ہے۔

تشریح عورت کے پیٹ پر مارا جس کی وجہ سے عورت نے مردہ بچہ نکال دیا تھوڑی دیر کے بعد ماں بھی مرگئی تو ماں کی پوری دیت لازم ہوگی اور بچے کے بدلے میں غلام یا باندی دے۔ تو گویا کہ دو دیتیں ہوئیں ایک ماں کی کیونکہ قتل خطاء کی اور ایک بچے کے بدلے غلام یا باندی۔ کیونکہ بچہ بھی اسی مار کے صدمے سے مرا ہے۔

وجہ اوپر حدیث گزر گئی۔ **ان ابا هریرة قال اقتتلت امرأتان من هذیل فرمت احداهما الاخری بحجر فقتلتها وما فی بطنها فالختصموا الی النبی ﷺ فقضی ان دیة جنینها غرة عبد او ولیدة. وقضی ان دیة المرأة علی عاقلتها** (ب) (بخاری شریف، باب جنین المرأة وان العقل علی الوالد الخ ص ۱۰۲۰ نمبر ۶۹۱۰ر مسلم شریف، باب دیة الجنین ووجوب الدیة فی قتل الخطاء ص ۶۲

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا غلام پانچ سو درہم کا ہونا چاہئے۔ حضرت ابوداؤد فرماتے ہیں کہ حضرت ربیعہ نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے کہ غلام پچاس دینار کا ہو (الف) حضرت زہریؒ نے فرمایا واضح سقط بچہ ہو تو اس کے قتل میں ایک غلام ہے اگر نہ رویا ہو۔ پس اگر رویا ہو تو اس کی دیت پوری ہوگی۔ پس اگر مذکر ہو تو ایک ہزار دینار اور اگر سقط مؤنث ہو تو پانچ سو دینار (ب) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں نے مار کیا۔ پس ایک نے دوسرے پر پتھر مارا اور مار دیا اور پیٹ کے بچے کو بھی مار دیا۔ پس مقدمہ حضورؐ کے پاس لے گئے تو آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کے بچے کی دیت ایک غلام یا باندی ہے۔ اور فیصلہ کیا کہ عورت کی دیت اس کے خاندان پر ہے۔

[۲۴۰۲](۲۲)وان ماتت ثم القته میتا فعلیه دیة فی الام ولا شیء فی الجنین [۲۴۰۳] (۶۷) وما یجب فی الجنین موروث عنه[۲۴۰۴] (۶۸)وفی جنین الامة اذا کان ذکرا

نمبر ۱۶۸۱)اس حدیث میں بچے کے بدلے میں غرہ واجب کیا اور اس کے علاوہ مردہ عورت کی دیت مارنے والی کے عاقلہ پر لازم کی تو دو دیتیں ہوئیں۔

[۲۴۰۲](۶۶)اور اگر ماں مری پھر مردہ بچہ ڈالا تو مارنے والے پر ماں کی دیت ہے اور بچے میں کچھ نہیں۔

وجہ ماں پہلے مری بعد میں مردہ بچہ نکلا تو ایسا ہوسکتا ہے کہ ماں کے مرنے کی وجہ سے بچہ مرا ہو مارنے کی وجہ سے نہ مرا ہو۔اس لئے مارنے والے پر صرف ماں کی دیت لازم ہوگی۔بچے کی دیت لازم نہیں ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ماں کی دیت بھی لازم ہوگی اور بچے کے بدلے بھی غلام یا باندی لازم ہوگی۔

وجہ ظاہری وجہ یہی ہے کہ ماں کو مارنے کی وجہ سے بچہ مرا ہے اس لئے گویا کہ دونوں کو مارا۔اس لئے ماں کی پوری دیت لازم ہوگی اور اس کے علاوہ بچے کے بدلے غلام یا باندی لازم ہوگی۔

[۲۴۰۳](۶۷) بچے میں جو کچھ واجب ہو وہ وراثت میں تقسیم ہوگا۔

تشریح مارنے کی وجہ سے بچہ مرا اس کے بدلے غلام یا باندی واجب ہوئی تو وہ غلام اور باندی بچے کے جو وارثین ہوں گے ان میں تقسیم ہوگا۔

وجہ جس طرح زندہ انسان کی دیت وارثین میں تقسیم ہوتی ہے اسی طرح یہ بھی ایک قسم کی دیت ہے اس لئے یہ بھی بچے کے وارثین میں تقسیم ہوگی(۲) حدیث میں ہے کہ ہذیل کی عورت کو اس کی سوکن نے مارا اور اس کا بچہ بھی مرگیا تو آپؐ نے فرمایا۔ **قال فقال عاقلة المقتولة میراثها لنا؟ قال فقال رسول الله ﷺ لا، میراثها لزوجها وولدها** (الف)(ابوداؤد شریف، باب دیۃ الجنین ص ۲۸۰ نمبر ۴۵۷۵)اس حدیث میں ہے کہ دیت اس کے وارثین میں تقسیم ہوگی۔اسی طرح بچے کی دیت بھی اس کے وارثین میں تقسیم ہوگی۔

[۲۴۰۴](۶۸) باندی کے بچے میں اگر مذکر ہو تو اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے اگر زندہ ہوتا۔اور اس کی قیمت کا دسواں حصہ ہے اگر مؤنث ہوتی

تشریح باندی کے پیٹ پر مارا جس کی وجہ سے مردہ بچہ ڈالا تو اگر بچہ مذکر ہوتا اور زندہ ہوتا تو اس کی جتنی قیمت ہو اس کا بیسواں حصہ دیت لازم ہوگا۔مثلا بچے کی قیمت چار ہزار درہم ہو تو دو سو درہم لازم ہوں گے۔اور بچہ مؤنث ہو تو اس کی قیمت کا دسواں حصہ لازم ہوگا۔

وجہ اوپر مسئلہ نمبر ۶۲ میں گزر چکا ہے کہ آزاد عورت کے بچے کی دیت غلام یا باندی ہو جس کی قیمت پوری دیت کا بیسواں حصہ ہوگی۔یعنی پچاس دینار یا پانچ سو درہم۔اسی حساب سے باندی کے بچے کی قیمت کے حساب سے بیسواں حصہ لازم ہوگا۔مثلا مذکور میں چار ہزار کا بیسواں حصہ دو سو(۲۰۰) درہم ہوتے ہیں اور دسواں حصہ چار سو درہم ہوتے ہیں(۲) اثر میں ہے۔ **قال سفیان ونحن نقول ان کان غلاما فنصف عشر قیمته وان کانت جاریة فعشر قیمتها لو کانت حیة** (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۷ فی جنین الامۃ ج خامس، ص ۳۹۰،

حاشیہ : (الف) مقتولہ کے خاندان نے پوچھا کہ کیا اس کی میراث مجھے ملے گی؟ تو حضورؐ نے فرمایا نہیں! اس کے شوہر اور اس کے لڑکے کو اس کی میراث ملے گی۔
(ب) سفیان فرماتے ہیں کہ اگر لڑکا ہو تو اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہوگا۔اور اگر باندی ہو تو اس کی قیمت کا دسواں حصہ ہوگا اگر زندہ ہوتی۔

نصف عشر قیمته لو کان حیا وعشر قیمته ان کان انثی [۲۴۰۵](۶۹)ولا کفارة فی الجنین[۲۴۰۶](۷۰)والکفارة فی شبه العمد والخطأ عتق رقبة مؤمنة فان لم یجد فصیام شھرین متتابعین ولا یجزئ فیه الاطعام.

نمبر۲۷۲۵۳)اس اثر میں ہے کہ اگر بچہ زندہ ہوتا تو جو اس کی قیمت ہوتی اگر مذکر ہو تو اس کی قیمت کا بیسواں حصہ اور اگر مؤنث ہو تو اس کی قیمت کا دسواں حصہ لازم ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ماں کی جو قیمت ہوگی اس کا دسواں حصہ لازم ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔عن ابراهیم انه قال فی جنین الامة من ثمنها کنحو من جنین الحرة من دیتها العشر ونصف العشر (الف)(مصنف ابن ابی شیبة ۵۷ فی جنین الامة ج خامس،ص ۳۹۰،نمبر ۲۷۲۴۹ رمصنف عبدالرزاق، باب جنین الامة ج عاشر ص ۶۴ نمبر ۱۸۳۶۴)اس اثر میں ہے کہ ماں کی قیمت کا بیسواں حصہ لازم ہوگا۔

[۲۴۰۵](۶۹) جنین میں کفارہ نہیں ہے۔

تشریح عورت کے پیٹ پر مارا اور مردہ بچہ نکال ڈالا تو اس پر غلام یا باندی دیت تو ہے لیکن اس کے لئے کفارہ نہیں ہے۔

وجہ یہ قتل خطاء نہیں ہے بلکہ قتل سبب ہے۔اور قتل سبب میں کفارہ نہیں ہے(۲) یہ بھی یقین نہیں ہے کہ مارنے ہی سے بچہ مرا ہے یا کسی اور وجہ سے مرا ہے۔اس لئے قتل خطاء کا یقین نہیں ہے اس لئے کفارہ بھی نہیں ہے(۳)اوپر کی احادیث میں دیت کا تذکرہ ہے کفارے کا تذکرہ نہیں ہے۔اس لئے بھی کفارہ نہیں ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ قتل خطا ہے اور غالب گمان ہے کہ مارنے کی وجہ سے ہی بچہ مرا ہے اس لئے کفارہ بھی لازم ہوگا۔

[۲۴۰۶](۷۰)اور کفارہ قتل شبہ عمد اور قتل خطاء میں مومن غلام کا آزاد کرنا ہے۔پس اگر وہ نہ ملے تو پیدر پے دو ماہ روزے رکھنا ہے۔اور اس میں کھانا کھلانا کافی نہیں ہوگا۔

وجہ آیت میں ہے کہ قتل خطا میں مومن غلام کا آزاد کرنا ہے اور قتل شبہ عمد بھی قتل خطاء سے اہم ہے اس لئے اس میں کفارہ لازم ہوگا(۲) آیت میں اس کی تصریح ہے۔**ومن قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبة مؤمنة ودیة مسلمة الی اهله ... فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین توبة من الله** (ب)(آیت ۹۲ سورۃ النساء ۴)اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفارے میں مومن غلام آزاد کرنا ہے اور اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ پیدر پے روزے رکھنا ہے۔چونکہ اس آیت میں کھلانے کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا کافی نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف)ابراہیم نے فرمایا باندی کے پیٹ کے بچے میں اس کی قیمت کے اعتبار سے دیت ہوگی، آزاد کے پیٹ کے بچے کا اس کی دیت کے اعتبار سے ہوگا دسواں یا بیسواں حصہ(ب) کسی نے مومن کو غلطی سے قتل کیا تو مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور دیت اس کے وارث کو ادا کرنا ہے...اور یہ نہ ملے تو دو ماہ پیدر پے روزے رکھنا ہے۔یہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کا طریقہ ہے۔

﴿ باب القسامة ﴾

[۲۴۰۷](۱)واذا وجد القتیل فی محلة لایعلم من قتله استحلف خمسون رجلا منهم

﴿ باب القسامة ﴾

ضروری نوٹ کسی محلے میں کوئی قتل ہو جائے اور قاتل کا پتا نہ چلے اور نہ پتا چلنے کی کوئی علامت ہو تو آخری شکل یہ ہے کہ اس محلے کے چیدہ چیدہ پچاس آدمیوں سے قسم لے کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہمیں قاتل کا پتا ہے۔ جب یہ قسم کھالیں تو محلے والوں پر قتل خطاء کی دیت لازم کر دی جائے گی۔ جس کو ان سے تین سال میں وصول کریں گے۔ لیکن اگر شارع عام پر یا شہر کے درمیان مقتول ہوا ہو جس سے یہ اندازہ نہ ہوتا ہو کہ محلے والوں نے قتل کیا ہے یا باہر سے کوئی آدمی یہاں لا کر لاش ڈال دی ہے تو اس صورت میں محلے والوں سے قسم نہیں لی جائے گی کیونکہ ان کو کیا معلوم کہ یہ سب کس نے کیا ہے۔

وجہ عبد اللہ بن سہل بن زید اور محیصہ بن مسعود بن زید خیبر تشریف لے گئے تو عبد اللہ بن سہل بن مسعود کو یہودیوں نے قتل کر دیا۔ جس کی وجہ سے حضرت محیصہ بن مسعود بن زید اور حضرت حویصہ بن مسعود بن زید اور حضرت عبد الرحمن بن سہل بن زید حضورؐ کے پاس گئے تو آپؐ نے فرمایا کیا کسی کے قتل کرنے پر گواہ ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں! تو آپؐ نے فرمایا اس صورت میں پچاس یہودیوں سے قسم لے سکتے ہو۔ انہوں نے فرمایا یہ لوگ کفار ہیں یہ جھوٹی قسمیں کھالیں گے اس لئے ان سے قسم لیکر کیا کریں گے؟ بعد میں حضورؐ نے اپنی جانب سے ایک سو اونٹ دیت حضرت عبد الرحمن کو عطا فرمایا۔ اس حدیث سے قسامہ ثابت ہوتا ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **خرج عبد الله بن سهل بن زيد ... فذكروا لرسول الله ﷺ مقتل عبد الله بن سهل فقال لهم اتحلفون خمسين يمينا فتستحقون صاحبكم ؟ او قاتلكم قالوا و كيف نحلف ولم نشهد؟ قال فتبرئكم يهود بخمسين يمينا؟قالوا و كيف نقبل ايمان قوم كفار ؟ فلما رأى ذلك رسول الله ﷺ اعطى عقله (الف)** (مسلم شریف، کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات ص ۵۵ نمبر ۱۶۶۹/ بخاری شریف، باب القسامة ص ۱۰۱۸ نمبر ۶۸۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس محلے میں قتل ہوا ہو ان کے پچاس آدمیں سے قسم لے۔ اس قسم لینے کو قسامہ کہتے ہیں۔

[۲۴۰۷](۱) اگر مقتول کسی محلہ میں پایا جائے اور اس کے قاتل کا پتا نہ ہو تو ان میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے جن کو مقتول کا ولی منتخب کرے۔

تشریح مقتول کسی محلے میں پایا گیا اور اس کے قاتل کا پتا نہیں چل رہا ہے اور اندازہ ہے کہ محلے کے کسی آدمی نے قتل کر کے پھینک دیا ہے تو محلے کے پچاس آدمیوں سے قسم لے کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں۔ اس قسم کھانے کے بعد محلے والوں پر دیت لازم کر دی

حاشیہ : (الف) ان حضرات نے حضورؐ کے سامنے عبد اللہ بن سہل کے قتل کا تذکرہ کیا تو ان سے فرمایا کیا پچاس قسمیں کھلا سکتے ہو؟ تا کہ اپنے سامنے والے کا مستحق بن جاؤ۔ یا تم اپنے قاتل کا مستحق بن جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم کیسے قسم کھائیں ہم نے تو قتل ہوتے ہوئے دیکھا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا یہود پچاس قسمیں کھا کر تم سے بری ہو جائیں گے۔ ان حضرات نے کہا کفار قوم کی قسم ہم کیسے قبول کریں؟ پس جب حضور نے یہ صورت حال دیکھی تو مقتول کی دیت خود ادا کر دی۔

یتخیرھم الولی[۲۴۰۸] (۲)باللہ ماقتلناہ ولاعلمنا لہ قاتلا[۲۴۰۹] (۳)فاذا حلفوا

جائے گی۔

وجہ اوپر حدیث گزر گئی ہے۔ فقال لھم اتحلفون خمسین یمینا فتستحقون صاحبکم (الف) (مسلم شریف، کتاب القسامۃ ص ۵۵ نمبر ۱۶۶۹ / بخاری شریف، باب القسامۃ ص ۱۰۱۸ نمبر ۶۸۹۸)

[۲۴۰۸] (۲) یوں قسم کھائے کہ خدا کی قسم نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔

وجہ حدیث میں ہے۔ ان رسول اللہ ﷺ کتب الی یھود انہ قد وجد بین اظھرکم قتیل فدوہ فکتبوا یحلفون باللہ خمسین یمینا ما قتلناہ وما علمنا قاتلا قال فوداہ رسول اللہ ﷺ من عندہ مائۃ ناقۃ (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی ترک القود بالقسامۃ ص ۲۷۴ نمبر ۴۵۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محلّہ والے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ اگر اس بات کی کوئی علامت ہو کہ محلے والے نے قتل کیا ہے تو خود مقتول کے ولی پچاس مرتبہ قسم کھائیں کہ محلے والے نے قتل کیا ہے۔ پھر محلے والے پر دیت لازم کردی جائے گی۔

وجہ حضرت عبد اللہ بن سہل بن زید کی حدیث میں اسی طرح ہے کہ حضورؐ نے ان کے بھائیوں سے پوچھا ہے کہ کیا تم لوگ قسم کھاتے ہو کہ یہود نے قتل کیا ہے۔ جس پر انہوں نے فرمایا کہ مجھے حتمی طور پر معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے قتل کیا ہے اس لئے ہم کیسے قسم کھائیں تو آپؐ نے فرمایا پھر تو یہود قسم کھالیں گے اور قتل سے بری ہو جائیں گے۔ حدیث کے الفاظ پر پھر غور فرمائیں۔ فذکروا لرسول اللہ ﷺ مقتل عبد اللہ بن سھل فقال لھم اتحلفون خمسین یمینا فتستحقون صاحبکم او قاتلکم قالوا وکیف نحلف ولم نشھد (ج) (مسلم شریف، کتاب القسامۃ ص ۵۵ نمبر ۱۶۶۹ / ابوداؤد شریف، باب القسامۃ ص ۲۷۳ نمبر ۴۵۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود مقتول کے ورثہ پچاس قسم کھالیں اور محلّہ والوں پر دیت لازم کردیں۔

[۲۴۰۹] (۳) پس جب قسم کھالے تو اہل محلّہ پر دیت کا فیصلہ کردیا جائے۔

وجہ عن رجال من الانصار ان النبی ﷺ قال للیھود وبدأ بھم یحلف منکم خمسون رجلا فابوا فقال للانصار استحقوا فقالوا نحلف علی الغیب یا رسول اللہ ؟فجعلھا رسول اللہ دیۃ علی یھود لانہ وجد بین اظھرھم (د) (ابو

حاشیہ : (الف) ان حضرات سے کہا کیا تم پچاس قسمیں کھا سکتے ہو تا کہ تم اپنے مقتول کا مستحق بن جاؤ (ب) آپؐ نے یہود کو لکھوایا کہ تمہارے درمیان مقتول پایا گیا اس لئے اس کا فدیہ دو تو یہودیوں نے لکھا کہ وہ پچاس آدمی قسم کھاتے ہیں کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے اپنے پاس سے سو اونٹ فدیہ دیا (ج) لوگوں نے حضورؐ کے سامنے عبد اللہ بن سہل کے قتل کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے ان سے کہا کیا تم پچاس مرتبہ قسم کھاؤ گے تا کہ تم مقتول کا مستحق بن سکو۔ یا فرمایا قاتل کا مستحق بن سکو۔ ان حضرات نے کہا کیسے ہم قسم کھائیں ہم تو قتل کے وقت حاضر نہیں تھے (د) حضورؐ نے یہود سے کہا اور ان ہی سے شروع کیا کہ تم میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں تو انہوں نے انکار کیا تو آپؐ نے انصار سے فرمایا تم لوگ مستحق بن جاؤ یعنی قسم کھا کر تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم غیب پر قسم کھائیں؟ پس حضورؐ نے یہود پر دیت لازم کی۔ کیونکہ ان لوگوں کے درمیان مقتول پایا گیا۔

قضی علی اهل المحلة بالدیة [۲۴۱۰](۴) ولا یستحلف الولی ولا یقضی علیه بالجنایة وان حلف[۲۴۱۱] (۵)وان ابی واحد منهم حبس حتی یحلف[۲۴۱۲] (۶)وان لم

داؤد شریف، باب فی ترک القود بالقسامة ص ۲۷۴ نمبر ۴۵۲۶ رسنن للبیہقی، کتاب القسامة، باب اصل القسامة ج ثامن ص ۲۰۶، نمبر ۱۶۴۳۳ رنسائی شریف، ذکر اختلاف الفاظ الناقلین لخبر سہل منہ ص ۶۵۱ نمبر ۴۷۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل محلہ پر دیت لازم کی جائے گی اس لئے کہ ان ہی کے درمیان لاش پائی گئی۔ اس لئے ظاہری طور پر وہی مجرم ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے محلے کی حفاظت نہیں کی (۲) اگر کسی پر دیت لازم نہ کریں تو اہل محلہ قتل کی حفاظت نہیں کریں گے اور خون بیکار جائے گا (۳) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس قال وجد رجل من الانصار قتیلا فی دالیة ناس من الیهود فبعث رسول الله ﷺ الیهم فاخذمنهم منهم خمسین رجلا من خیارهم فاستحلفهم بالله ما قتلنا ولا علمنا قاتلا وجعل علیهم الدیة فقالوا قضی فینا بما قضی فینا نبینا موسی علیه السلام** (الف) (سنن للبیہقی، کتاب القسامة ج ثامن، ص ۲۱۳، نمبر ۱۶۴۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محلے والے کو قسم کھلائیں گے پھر ان پر دیت لازم کریں گے۔

[۲۴۱۰] (۴) اور قسم نہیں لی جائے گی ولی سے اور نہ فیصلہ کیا جائے گا اس پر جنایت کا اگر چہ قسم کھالے۔

وجہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ اہل محلہ سے قسم لی جائے گی اس لئے ہمارے یہاں مقتول کے ولی سے قسم نہیں لی جائے گی۔ اور وہ قسم کھا بھی لیں تب بھی محلہ والوں پر جنایت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب تک محلہ والے کے پچاس آدمی قسم نہ کھالیں۔

فائدہ پیچھے گزر چکا ہے کہ محلے والوں میں قتل کی علامت ہو تو مقتول کے اولیاء پچاس مرتبہ قسم کھائیں گے، پھر محلہ والوں پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔

[۲۴۱۱] (۵) اگر اہل محلہ میں سے کسی ایک نے قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ قسم کھالے۔

تشریح محلہ والوں میں سے کوئی قسم کھانے سے انکار کرتا ہے تو اس وقت تک قید کر لیا جائے گا جب تک کہ قسم نہ کھالے۔

وجہ محلہ میں قتل ہونے کی وجہ سے مقتول کے وارثین کا حق ہو گیا کہ اہل محلہ کو قسم کھلائے۔ اس لئے اگر وہ قسم نہیں کھاتا ہے تو اس کو قید کیا جائے گا۔

[۲۴۱۲] (۶) اگر اہل محلہ میں سے پچاس پورے نہ ہوں تو ان پر قسم مکرر کی جائے گی۔ یہاں تک کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن ابراهیم قال اذا لم یکملوا خمسین رددت الایمان علیهم** (ب) (مصنف عبد الرزاق، بالقسامة ج عاشر ص ۴۱۱، نمبر ۱۸۲۸۵ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۶۷ ما جاء فی القسامة ج خامس، ص ۴۴۰، نمبر ۲۷۸۰۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پچاس

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انصار کا ایک آدمی یہود کے ایک آدمی کے رہٹ میں مقتول پایا گیا تو حضورؐ نے ان کے پاس آدمی بھیجا۔ ان کے اچھے میں سے پچاس آدمیوں کی قسم لی۔ پس ان کی قسم لی کہ خدا کی قسم نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں اور ان پر دیت لازم کی۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ وہی فیصلہ ہے جو ہمارے درمیان حضرت موسیٰ نبینا کیا کرتے تھے (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر پچاس پورے نہ ہوں تو انہیں سے دوبارہ قسم لی جائے۔

یکمل اهل المحلة کررت الایمان علیهم حتی یتم خمسین یمینا[۲۴۱۳] (۷)ولا یدخل فی القسامة صبی ولا مجنون ولا امرأة ولا عبد [۲۴۱۴](۸)وان وجد میت لااثر به فلا قسامة ولا دیة [۲۴۱۵] (۹)وکذلک ان کان الدم یسیل من انفه او دبره او فمه[۲۴۱۶] (۱۰)فان کان یخرج من عینیه او اذنیه فهو قتیل.

پورے نہ ہوں تو انہیں لوگوں سے مکرر قسم لی جائے تا کہ پچاس پورے ہو جائیں۔

[۲۴۱۳](۷) قسامہ میں نہیں داخل ہوں گے بچے نہ مجنوں نہ عورت اور نہ غلام۔

وجہ بچے اور مجنون کو تو عقل ہی نہیں ہے اس لئے اس کی قسم کا اعتبار نہیں۔ عورت کما نہیں سکتی کہ وہ دیت ادا کرے گی اور غلام کے پاس تو مال ہی نہیں ہے جو کچھ ہے وہ آقا کا ہے۔ اس لئے ان کے قسم کھانے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہے (۲) عن الثوری قال لیس علی النساء والصبیان قسامة (نمبر ۱۸۳۰۹) عن الثوری قال لیس علی العبید قسامة (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب قسامة النساء، باب قسامة العبید ج عاشر ص ۴۹ نمبر ۱۸۳۱۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچہ، عورت، مجنون اور غلام سے قسامت میں قسم لی جائے گی۔

[۲۴۱۴](۸) اگر پایا گیا کوئی ایسا مردہ جس پر کوئی اثر نہ ہو تو نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے۔

تشریح قسامت اس وقت ہے جب علامت سے پتا چلے کہ اس کو قتل کیا ہے لیکن قتل کرنے کا کوئی اثر نہ ہو بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ خود بخود مرا ہے تو پھر نہ قسامت ہے اور نہ اہل محلہ والوں پر دیت ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن الثوری قال اذا وجد القتیل فی قوم به اثر کان عقله علیهم واذا لم یکن به اثر لم یکن علی العاقلة شیء الا ان تقوم البینة علی احد (ب) مصنف عبد الرزاق، باب القسامة ج عاشر ص ۴۰ نمبر ۱۸۲۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قتل کا اثر نہ ہو تو قسامہ نہیں ہے۔

[۲۴۱۵](۹) ایسے ہی اگر خون ناک سے یا پاخانہ کے راستے سے یا منہ سے بہتا ہو۔

تشریح ناک اور پاخانہ کے راستے سے یا منہ سے خون بہتا ہو تو یہ قتل کی یا مار کی علامت نہیں ہے بلکہ عام بیماری میں بھی ان راستوں سے خون بہتا ہے۔ اس لئے ان راستوں سے خون بہتا ہو تو قسامہ نہیں ہے۔

وجہ غالب گمان یہ ہے کہ یہ خود بخود مرا ہے قتل سے نہیں مرا ہے اس لئے قسامت نہیں ہے۔

[۲۴۱۶](۱۰) پس اگر دونوں آنکھوں سے نکلے یا دونوں کانوں سے نکلے تو مقتول شمار ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ثوری نے فرمایا عورتوں اور بچوں پر قسامہ نہیں ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ غلام پر قسامہ نہیں ہے (ب) حضرت ثوری نے فرمایا مقتول کسی میں پایا جائے اس طرح کہ اس پر نہ زخم کا اثر ہو تو اس کی دیت انہیں لوگوں پر ہے۔ اور زخم کا اثر نہ ہو تو دیت عاقلہ پر ہے مگر یہ کہ کسی ایک پر بینہ قائم کر دیا جائے۔

[۲۴۱۷] (۱۱) واذا وجد القتیل علی دابة یسوقها رجل فالدیة علی عاقلته دون اهل المحلة[۲۴۱۸] (۱۲)وان وجد القتیل فی دار انسان فالقسامة علیه والدیة علی عاقلته [۲۴۱۹](۱۳)ولا یدخل السکان فی القسامة مع الملاک عند ابی حنیفة رحمه الله

وجہ جسم کے اندرونی حصے میں زخم ہوتو آنکھوں یا کانوں سے خون نہیں نکلتا ہے۔ یہ عموما مار سے یا مکا لگانے سے نکلتا ہے۔اس لئے یہ مار کی علامت ہے۔اس لئے ان جگہوں سے خون نکلے تو مقتول شمار ہوگا۔اور قسامت لازم ہوگی۔

[۲۴۱۷] (۱۱) اگر مقتول کسی سواری پر ہو جس کو ایک آدمی ہانک رہا ہو تو دیت اس کے عاقلہ پر ہے نہ کہ محلہ والے پر۔

وجہ یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ ظاہر علامت سے جو قاتل نظر آتا ہو دیت یا قسامت اسی پر ہے۔ یہاں سواری پر لاش ہے اور آدمی اس کو ہانک بھی رہا ہے تو ظاہری علامت یہی ہے کہ یہی اس کا قاتل ہے۔اس لئے جانور والے پر ہی دیت ہوگی اور قاتل کا پتا چل گیا تو اہل محلہ سے قسامت ساقط ہو جائے گی (۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔**قال اتی شریح فی رجل وجد میتا علی دکان بباب قوم لیس فیه اثر فاستحلف اهل البیت** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب القسامة ج عاشر ص ۴۴ نمبر ۱۸۲۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کسی کے دروازے پر لاش پائی جائے تو اس گھر والے کو قسم کھلائی جائے گی۔اسی طرح کسی کی سواری پر لاش پائی جائے تو اس پر اس کی دیت لازم ہوگی۔

[۲۴۱۸] (۱۲) اگر مقتول پایا گیا کسی انسان کے گھر میں تو قسامت گھر والے پر ہے اور دیت اس کے عاقلہ پر ہے۔

وجہ جب اس کے گھر میں لاش پائی گئی تو ظاہری علامت یہی ہے کہ اسی نے مارا ہے، محلے والے نے نہیں مارا ہے۔اس لئے اسی پر قسامت ہوگی۔اور چونکہ قتل خطاء کے درجے میں ہے اس لئے اس کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی (۲) **عن الشعبی قال اذا وجد بدن القتیل فی دار او مکان صلی علیه وعقل واذا وجد رأس او رجل لم یصل علیه ولم یعقل** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب القسامة ج عاشر ص ۴۴ نمبر ۱۸۲۹۶) اس اثر سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ایک تو یہ کہ جس کے گھر میں لاش پائی جائے دیت اس پر لازم ہوگی۔اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نماز پڑھنے وغیرہ میں بدن کا اعتبار ہے کہ بدن ملے تو لازم ہوگی۔صرف سر ہو یا صرف ٹانگ ہو تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔کیونکہ وہ اصل آدمی نہیں ہے صرف ایک ٹکڑا ہے۔

[۲۴۱۹] (۱۳) اور قسامت میں داخل نہیں ہوں گے کرایہ دار مالکوں کے ہوتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور قسامت اہل خطہ پر ہوگی نہ کہ خریداروں پر اگرچہ ان میں سے ایک ہی باقی ہو۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جو لوگ زمین کے اصل مالک ہیں یعنی ملک فتح کے وقت حاکم نے جن جن کو لکھ کر زمین حوالہ کیا ہے انہیں لوگوں

حاشیہ : (الف) حضرت شریح کے پاس ایک آدمی کے بارے میں آیا کہ ایک قوم کے دروازے پر مردہ پایا گیا۔اس میں زخم کا اثر نہیں تھا تو گھر والوں کو قسم کھلائی (ب) حضرت شعبیؒ نے فرمایا مقتول کا بدن کسی گھر یا مکان میں پایا جائے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی اور دیت دی جائے گی۔اور اگر صرف سر پایا جائے یا صرف پاؤں پایا جائے تو نہ اس پر نماز پڑھی جائے گی اور نہ دیت لازم ہوگی۔

تعالی وھی علی اھل الخطة دون المشترین ولو بقی منھم واحد [۲۴۲۰](۱۴)وان وجد القتیل فی سفینة فالقسامة علی من فیھا من الرکاب والملاحین[۲۴۲۱] (۱۵)وان وجد فی مسجد محلةٍ فالقسامة علی اھلھا[۲۴۲۲] (۱۶)وان وجد فی الجامع والشارع

سے قسامت لی جائے گی۔ جو لوگ کرایہ پر گھر لئے ہیں یا زمین کو خرید کر رہتے ہیں ان لوگوں سے قسامت نہیں لی جائے گی چاہے اصل مالک ایک ہی ہو اسی سے قسامت لی جائے گی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کرایہ دار یا بعد میں زمین خرید کر رہنے والے اور اصل مالک سب سے قسامت لی جائے گی۔

وجہ کیونکہ سبھی قتل میں شریک ہو سکتے ہیں۔ یا سب کو قتل کرنے والوں کی معلومات ہو سکتی ہے۔ اس لئے محلے میں رہنے والے سبھی سے قسم لی جائے گی (۲) اہل خیبر کے یہودیوں سے قسم لی تو ان میں اصل مالک اور کرایہ دار کا فرق نہیں کیا بلکہ سب سے قسم لی۔ یوں بھی اس وقت وہ لوگ اصل مالک نہیں تھے۔ کیونکہ خیبر فتح ہو چکا تھا اس لئے اصل مالک تو حضورؐ تھے۔ خیبر کے یہود گویا کہ کرایہ دار تھے۔ پھر بھی ان سے قسامت لی گئی جس سے معلوم ہوا کہ کرایہ دار یا خریدنے والوں سے بھی قسامت لی جا سکتی ہے۔

لغت سکان : ساکن کی جمع ہے، کرایہ دار، ملاک : مالک کی جمع ہے زمین کے اصل مالک، اہل خطة : خطہ والے، زمین والے۔

[۲۴۲۰](۱۴) اگر مقتول کشتی میں پایا گیا تو قسامت ان پر ہے جو اس میں سوار ہیں اور ملاحوں پر۔

تشریح کشتی میں لاش پائی گئی تو ظاہری علامت یہی ہے کہ انہیں لوگوں میں سے کسی ایک نے مارا ہے اس لئے قسامت انہیں لوگوں پر ہے (۲) اثر گزر چکا ہے۔ **عن الثوری قال اذا وجد القتیل فی قوم به اثر کان عقله علیھم واذا لم یکن به اثر لم یکن علی العاقلة شیء الا ان تقوم البینة علی احد (الف)** (مصنف عبد الرزاق، باب القسامة ج عاشر ص ۴۰ نمبر ۱۸۲۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے درمیان مقتول پایا جائے انہیں لوگوں پر قسم ہوگی۔

[۲۴۲۱](۱۵) اگر محلے کی مسجد میں میت پائی جائے تو قسامت اہل محلہ پر ہے۔

وجہ محلہ کی مسجد میں مقتول پایا گیا تو ظاہر یہی ہے کہ اسی محلے والوں نے قتل کر کے مسجد میں ڈال دیا ہے۔ اس لئے اس محلے والے پر قسامت واجب ہوگی۔ اثر اوپر گزر گیا ہے۔

[۲۴۲۲](۱۶) اگر پایا جائے جامع مسجد میں یا شارع عام پر تو اس میں قساوت نہیں ہے اور دیت بیت المال پر ہے۔

وجہ جامع مسجد پورے شہر والوں کی ہے، اسی طرح عام سڑک پورے شہر والوں کے لئے ہے، معلوم نہیں کس نے مار ڈالا ہے۔ اس لئے کوئی ایک محلہ والا اس کا مجرم نہیں ہے۔ اس لئے کسی پر قسامت لازم نہیں ہوگی۔ اور اس کا خون باطل نہ ہو اس لئے بیت المال پر اس کی دیت ہوگی

حاشیہ : (الف) حضرت ثوری فرماتے ہیں کہ کوئی مقتول کسی قوم میں پایا گیا ہو اور اس پر زخم کا اثر ہو تو اس کی دیت ان پر ہوگی اور اگر اثر نہ ہو تو عاقلہ پر کچھ نہیں ہوگی مگر یہ کہ کسی ایک پر قتل کا بینہ قائم کر دے۔

الاعظم فلا قسامة فیه والدیة علی بیت المال ۫[۲۴۲۳](۱۷)وان وجد فی بریّة لیس بقربها عمارة فهو هدر[۲۴۲۴] (۱۸)وان وجد بین قریتین کان علی اقربهما.

(۲)وقال علیؓ ایما قتیل وجد بفلاة من الارض فدیته من بیت المال لکیلا یطل دم فی الاسلام (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب القسامة ج عاشر ص ۳۶ نمبر ۱۸۲۶۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت ایسی جگہ پائی جائے جہاں کسی ایک محلے پر شبہ نہ ہو سکے تو قسامت نہیں ہوگی اور اس کی دیت بیت المال پر ہوگی (۳)حضورؐ نے عبد اللہ بن سہل بن زید کی دیت خود اپنی جانب سے سو اونٹ ادا کی تھی ۔فکره رسول الله ﷺ ان یطل دمه فوداه مائة من ابل الصدقة (ب)(بخاری شریف، باب القسامة ص ۱۰۱۸، نمبر ۶۸۹۸/ مسلم شریف، کتاب القسامة ص ۵۴ نمبر ۱۶۶۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاں قسامت نہ ہو وہاں دیت بیت المال پر ہوگی (۴) مسلم بن یزید بن مذکور ان الناس ازدحموا فی المسجد الجامع بالکوفة یوم الجمعة فافرجوا عن قتیل فوداه علی بن ابی طالب من بیت المال (ج)(مصنف ابن ابی شیبة ۱۷۵ الرجل یقتل فی الزحام ج خامس، ص ۴۴۵، نمبر ۲۷۸۴۷)

[۲۴۲۳](۱۷)اگر پایا گیا جنگل میں جس کے قریب آبادی نہ ہو تو اس کا خون بیکار ہے۔

ترجمہ یہاں بھی قریب میں کوئی محلہ نہیں ہے جس پر قسامت واجب کریں۔اس لئے قسامت نہیں ہوگی اور دیت بیت المال سے دی جائے گی۔اس کے لئے اثر پہلے گزر چکا ہے۔

لغت بریۃ : جنگل، آبادی کی زور کی آواز وہاں تک نہ پہنچ سکے تو وہ جنگل کے درجے میں ہے، ھدر : بیکار، جس خون کا خوں بہا لازم نہ ہو۔

[۲۴۲۴](۱۸)اگر مقتول دو گاؤں کے درمیان پایا جائے تو دونوں گاؤں کے قریب والوں پر دیت ہوگی۔

تشریح مقتول دو گاؤں کے درمیان پڑا ہوا ملا تو دیکھا جائے گا کہ کس گاؤں سے وہ زیادہ قریب ہے اسی گاؤں والوں پر قسامت اور دیت لازم ہوگی۔

وجہ قریب والے پر ہی لازم کیا جا سکتا ہے اور کیا کریں (۲) حدیث میں ہے۔عن ابی سعید ان قتیلا وجد بین حیین فامر النبی ﷺ ان یقاس الی ایهما اقرب فوجد اقرب الی احد الحیین بشبر قال ابو سعید کأنی انظر الی شبر رسول الله ﷺ فالقی دیته علیهم (د)(سنن للبیہقی، باب ماروی فی القتیل یوجد بین الحیین ج خامس، ص ۲۱۷، نمبر ۱۶۴۵۳)اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ ایک بالشت بھی قریب ہو تو اس پر قسامت ہوگی۔

حاشیہ : (الف)حضرت علیؓ نے فرمایا کوئی مقتول جنگل میں پایا جائے تو اس کی دیت بیت المال سے دی جائے گی تاکہ اسلام میں خون بیکار نہ جائے (ب)حضورؐ نے ناپسند کیا کہ مقتول کا خون بیکار جائے اس لئے صدقہ کے اونٹ سے سو اونٹ دیت ادا کی (ج) یزید بن مذکور فرماتے ہیں کہ لوگوں نے جمعہ کے دن کوفہ کی جامع مسجد میں بھیڑ کی۔جس کی وجہ سے ایک آدمی مر گیا تو حضرت علیؓ نے بیت المال سے اس کی دیت دی (د) حضرت ابی سعید فرماتے ہیں کہ دو گاؤں کے درمیان ایک مقتول پایا گیا تو حضورؐ نے قیاس کرنے کہا کہ کس گاؤں کے زیادہ قریب ہے۔تو دو گاؤں میں سے ایک کے ایک بالشت قریب پایا۔حضرت ابو سعید (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۴۲۵](۱۹)وان وجد فی وسط الفرات یمر بها الماء فھو ھدر [۲۴۲۶](۲۰)وان کان محتبسا بالشاطئ فھو علی اقرب القری من ذلک المکان [۲۴۲۷](۲۱)وان ادعی

[۲۴۲۵](۱۹)اگرفرات ندی کے درمیان پایا گیا جس کو پانی بہالے جارہا ہوتو خون رائیگاں ہے۔

وجہ فرات ندی کے درمیان لاش ہے اور پانی اس کو بہالے جارہا ہے تو وہ لاش کہاں سے آرہی ہے اس کا پتا نہیں ہے۔اس لئے کسی محلے والے کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔اس لئے اس کا خون معاف ہے(۲)اثر پہلے گزر چکا ہے۔

[۲۴۲۶](۲۰)اور اگر رکا ہوا ہو کنارے پر تو قسامت قریب والے گاؤں پر ہوگی۔

تشریح لاش فرات ندی کے کنارے پر رکی ہوئی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ قریب کے محلے والے نے مار کر ندی میں ڈال دیا ہے تو پھر چونکہ ظاہری علامت قریب محلے والے کے قتل کی ہے اس لئے قریب کے محلے والے پر قسامت ہوگی۔

وجہ اوپر حدیث گزری کہ جو گاؤں قریب ہو ان پر قسامت ہوگی۔**عن ابی سعید ان قتیلا وجد بین حیین فامر النبی ﷺ ان یقاس الی ایھما اقرب** (الف)(سنن للبیہقی، باب ماروی فی القتیل یوجد بین قریتین ولا یصح ج ثامن، ص ۲۱۷، نمبر ۱۶۴۵۳)

[۲۴۲۷](۲۱)اگر ولی نے محلے والے میں سے کسی ایک مخصوص پر قتل کا دعوی کیا تب بھی محلے والے سے قسامت ساقط نہیں ہوگی۔

تشریح مقتول کے ولی نے دعوی کیا کہ محلّہ کے فلاں آدمی نے اس کو قتل کیا ہے۔لیکن اس پر کوئی بینہ اور گواہ نہیں ہے صرف گمان غالب ہے اس لئے خاص آدمی پر قتل کا دعوی ثابت نہیں ہوگا۔اب یوں چھوڑ دیں تو اس کا خون بیکار جائے گا اس لئے محلّہ والوں سے قسم لیکر ان پر دیت لازم ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے کہ انصار کے کچھ لوگ خیبر گئے۔ان میں سے ایک کو قتل کر دیا تو اس کے ولی نے حضورؐ کے سامنے شکایت کی کہ فلاں نے قتل کیا ہے۔آپؐ نے پوچھا اس پر گواہ ہے؟ فرمایا نہیں! تو آپؐ نے فرمایا اہل خیبر سے قسم لے سکتے ہو۔حدیث یہ ہے۔**سھل بن ابی حثمة اخبرہ ان نفرا من قومه انطلقوا الی خیبر فتفرقوا فیھا فوجدوا احدھم قتیلا فقالوا للذین وجدوہ عندھم قتلتم صاحبنا؟ فقالوا ما قتلناہ ولا علمنا قاتلا فانطلقنا الی نبی اللہ ﷺ قال فقال لھم تأتونی بالبینة علی من قتل ھذا؟ قالوا مالنا بینة قال فیحلفون لکم** (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی ترک القود بالقسامة ص ۲۷۴، نمبر ۴۵۲۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مخصوص آدمی پر دعوی ہو لیکن گواہ کے ذریعہ ثابت نہ کر سکے تو محلے والے پر قسامت ہوگی تا کہ خون باطل نہ جائے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے بالشت کو گویا کہ دیکھ رہا ہوں تو آپؐ نے انہیں لوگوں پر اس کی دیت ڈال دی (الف) حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ ایک مقتول کو دو گاؤں کے درمیان پایا تو آپؐ نے قیاس کرنے کے لئے کہا کہ کس کے زیادہ قریب ہے(ب) سہل بن ابی حثمہ فرماتے ہیں کہ اس کی قوم کے کچھ لوگ خیبر گئے وہاں ادھر ادھر پھیل گئے تو ان میں سے ایک کو مقتول پایا۔جن کے پاس مقتول ملے ان سے کہا کہ تم نے ہمارے لوگوں کو قتل کیا ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں۔پھر ہم حضورؐ کے پاس گئے تو آپؐ نے فرمایا۔کس نے قتل کیا اس پر گواہ لاؤ! ان حضرات نے فرمایا ہمارے پاس گواہ نہیں ہے۔آپؐ نے فرمایا تمہارے لئے قسمیں کھائیں۔

الولی علی واحد من اهل المحلة بعینه لم تسقط القسامة عنهم [۲۴۲۸](۲۲)وان ادعی علی واحد من غیرهم سقطت عنهم [۲۴۲۹](۲۳)واذا قال المستحلف قتله فلان استحلف بالله ماقتلت ولا علمت له قاتلا غیر فلان [۲۴۳۰] (۲۴)واذا شهد اثنان من اهل المحلة علی رجل من غیرهم انه قتله لم تقبل شهادتهما.

[۲۴۲۸](۲۲)اوراگر محلے کے علاوہ میں سے کسی پر دعوی ہوتو محلے والے سے ساقط ہوجائے گی۔

وجه جب محلے کے علاوہ آدمی پر قتل کا دعوی ہوا تو معلوم ہوا کہ محلے والے اس میں ملوث نہیں ہیں۔اس لئے محلے والوں سے قسامت ساقط ہو جائے گی۔

[۲۴۲۹](۲۳)جس سے قسم لی جارہی ہے وہ کہے کہ فلاں نے قتل کیا ہے تو اس سے اس طرح قسم لی جائے گی کہ نہ میں نے قتل کیا ہے اور نہ کسی قاتل کو جانتا ہوں سوائے فلاں کے۔

تشریح جس آدمی سے قسم لی جارہی ہے وہ کہہ رہا ہے کہ میرا اندازہ ہے کہ فلاں آدمی نے قتل کیا ہے تو قسم لینے میں دو باتوں کی رعایت کی جائے گی۔ایک تو یہ کہ میں نے قتل نہیں کیا ہے۔اور دوسری یہ کہ فلاں آدمی کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتا ہوں کہ اس نے قتل کیا ہوگا۔

وجه قسامت کا مقصد یہ ہے کہ اپنی نفی ہوجائے اور مدعی علیہ کے علاوہ دوسروں کی بھی نفی ہوجائے۔

[۲۴۳۰](۲۴)اگر محلہ والوں میں سے دو آدمی گواہی دے محلہ کے علاوہ کے آدمی پر کہ اس نے قتل کیا ہے تو ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ **تشریح** جس محلہ میں قتل ہوا ہے اس کے دو آدمی گواہی دے رہے ہیں کہ فلاں محلہ کے فلاں آدمی نے اس کو قتل کیا ہے تو ان دونوں آدمیوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجه اس محلے میں قتل ہونے کی وجہ سے یہ دونوں گواہ مدعی علیہ ہوگئے۔گویا کہ اپنی جان چھڑانے کے لئے گواہی دے کر دوسرے محلے والوں کی گردن پر ڈالنا چاہتے ہیں۔اس لئے یہ متہم ہوگئے۔اس لئے ان کی گواہی مقبول نہیں ہوگی (۲) محلہ والے مدعی علیہ ہیں اس لئے ان پر قسم ہیں اس پر گواہی نہیں ہے۔اس لئے بھی ان کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ متعین طور پر مدعی علیہ نہیں ہے اس لئے گواہی مقبول ہوگی۔

﴿کتاب المعاقل﴾

[۲۴۳۱](۱)الدية فی شبه العمد والخطأ وكل دية وجبت بنفس القتل على العاقلة

[۲۴۳۲](۲)والعاقلة اهل الديوان ان كان القاتل من اهل الديوان.

﴿کتاب المعاقل﴾

ضروری نوٹ معاقل عقل سے مشتق ہے روکنا اور عقل آنا۔ جب خاندان والے قتل خطاء یا قتل شبہ عمد کی دیت ادا کرتے ہیں تو قاتل کو طعنہ دے کر بار بار ایسی غلطی کرنے سے روکتے ہیں۔ اس لئے خاندان والے کی دیت ادا کرنے والے کو عاقلہ کہتے ہیں۔ خاندان والے صرف قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کی دونوں قسموں یعنی خطاء فی الفعل اور خطاء فی القصد اور قتل سبب کی دیت ادا کریں گے۔ قتل عمد میں تو قصاص ہے۔ اگر اس صورت میں قاتل مال پر صلح کر لے تو عاقلہ پر وہ دیت لازم نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر جان کر عضو کاٹا ہو یا زخمی کیا ہو یا غلطی سے عضو کاٹا ہو یا زخمی کیا ہو تو اس کا تاوان بھی عاقلہ ادا نہیں کریں گے۔ کسی مال کا اقرار کیا ہو یا کسی مال پر صلح کی ہو اس کا تاوان بھی عاقلہ ادا نہیں کریں گے۔ خود جرم کرنے والے کے ذمے ہے۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قضى فی جنين امرأة من بنی لحيان بغرة عبد او امة ثم ان المرأة التی قضى عليها بالغرة توفيت فقضى رسول الله ﷺ ان ميراثها لبنيها وزوجها وان العقل على عصبتها (الف) (بخاری شریف، باب جنین المرأة وان العقل علی الوالد وعصبة الوالد لا علی الولد ص ۱۰۲۰ نمبر ۶۹۰۹ رمسلم شریف، باب دیة الجنین ووجوب الدیة فی قتل الخطاء وشبہ العمد علی عاقلة الجانی ص ۶۲ نمبر ۱۶۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل شبہ عمد، قتل خطاء اور قتل سبب جو قتل خطاء کے درجے میں ہے اس کی دیت عاقلہ یعنی خاندان والوں پر ہے۔

نوٹ خاندان والے اور عصبہ جو دیت ادا کرتے ہیں ان کو 'عاقلہ' کہتے ہیں۔

[۲۴۳۱](۱) دیت قتل شبہ عمد میں اور قتل خطاء میں اور ہر وہ دیت جو خود قتل سے واجب ہو وہ عاقلہ پر واجب ہے۔

وجہ اوپر حدیث گزری جس میں تھا کہ قتل خطاء اور قتل شبہ عمد کی دیت عاقلہ پر واجب ہے۔ وان العقل على عصبتها (ب) (بخاری شریف، نمبر ۶۹۰۹ رمسلم شریف، نمبر ۱۶۸۱) اوپر کی حدیث میں عورت کو جان کر پتھر سے مارا تھا، چونکہ دھار دار چیز سے نہیں مارا اور جان کر مارا تھا اس لئے شبہ عمد ہوا اور اس کی دیت عاقلہ پر لازم کی گئی

[۲۴۳۲](۲) عاقلہ اہل دفتر ہیں اگر قاتل دفتر والا ہو۔

تشریح عام حالات میں عاقلہ خاندان کے وہ لوگ ہیں جو وراثت میں عصبہ ہوتے ہیں۔ مثلا بھائی، باپ، چچا، چچازاد بھائی، دادا وغیرہ۔ اگر ان سے بھی دیت ادا نہ ہو تو خاندان کو اوپر بڑھایا جائے گا تاکہ زیادہ آدمی مل کر جلدی دیت ادا کر دیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے بنی لحیان کی عورت کے بچے کے سلسلے میں ایک غلام یا ایک باندی کا فیصلہ فرمایا۔ پھر جس عورت پر باندی کا فیصلہ فرمایا تھا اس کا انتقال ہو گیا تو آپؐ نے اس کی میراث اس کے بیٹے اور شوہر کے لئے تقسیم کی اور دیت اس کے عصبہ پر لازم کی (ب) یقیناً دیت عصبہ پر ہے۔

وجہ اوپر حدیث گزری۔ وان العقل علی عصبتھا (بخاری شریف، نمبر ۶۹۰۹ رمسلم شریف، نمبر ۱۶۸۱) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ سمع جابر بن عبد اللہ یقول کتب النبی ﷺ علی کل بطن عقولۃ (الف) (مسلم شریف، باب تحریم تولی العتق غیر موالیہ ص ۴۹۵ نمبر ۱۵۰۷، کتاب العتق رنسائی شریف، صفۃ شبہ العمد وعلی من دیۃ الاجنۃ الخ ص ۶۶۵/۶۶۶ نمبر ۴۸۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر بطن یعنی خاندان پر دیت واجب ہے (۳) قال اخذت من آل عمر بن الخطابؓ ھذا الکتاب کان مقرونا بکتاب الصدقۃ الذی کتب عمر للعمال بسم اللہ الرحمن الرحیم ھذا کتاب محمد النبی ﷺ بین المسلمین والمؤمنین من قریش ویثرب ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم انھم امۃ واحدۃ دون الناس المھاجرین من قریش علی ربعتھم یتعاقلون بینھم وھم یفدون عانیھم بالمعروف والقسط بین المؤمنین وبنو عوف علی ربعتھم یتعاقلون معاقلھم الاولی الخ (ب) (سنن للبیہقی، باب العاقلۃ ج ثامن، ص ۱۸۴، نمبر ۱۶۳۶۹) اس حدیث میں قریش کو ایک قوم قرار دیا اور ان کو کہا کہ عاقلھتم پر مدد کرنا لازم ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خاندان پر دیت لازم ہے۔

لیکن وہ اہل دیوان میں سے ہو اور اہل دفتر میں سے ہو تو دفتر میں جن لوگوں کا نام ہے وہ لوگ عاقلہ ہیں اور ان لوگوں پر دیت ادا کرنا لازم ہے۔

وجہ عن ابراھیم قال العقل علی اھل الدیوان (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸۵ العقل علی من ھو؟ ج خامس ص ۳۹۶ نمبر ۲۷۳۱۴ رسنن للبیہقی، باب من فی الدیوان ومن لیس فیہ من العاقلۃ سواء ج ثامن ص ۱۰۷ نمبر ۱۶۳۸۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قاتل دفتر والا ہو تو اہل دفتر پر اس کی دیت ہوگی۔

لغت دیوان : حضرت عمرؓ کے زمانے میں فوجوں کا نام رجسٹر اور دفتر میں لکھا گیا تھا اس وقت سے اہل دیوان بنے۔ اثر میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال اول من دون الدواوین وعرف العرفاء عمر بن الخطابؓ (د) (سنن للبیہقی، باب من فی الدیوان الخ ج ثامن، ص ۱۸۸، نمبر ۱۶۳۸۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں دیوان اور دفتر کا رواج شروع ہوا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دیت اہل خاندان پر ہوگی۔

وجہ اوپر کئی احادیث گزر گئی جن میں تھا کہ دیت اہل خاندان پر ہوگی۔ سمع جابر بن عبد اللہ یقول کتب النبی ﷺ علی کل بطن عقولہ (ہ) (مسلم شریف، باب تحریم تولی العتیق غیر موالیہ ص ۴۹۵ نمبر ۱۵۰۷ رنسائی شریف، صفۃ شبہ العمد وعلی من دیۃ الاجنۃ ص ۶۶۶

حاشیہ : (الف) دیت عصبہ پر ہے۔ دوسری روایت میں ہے آپؐ نے لکھا کہ ہر خاندان پر مقتول کی دیت لازم ہوگی (ب) یہ حضورؐ کا خط ہے قریش اور یثرب کے مسلمان اور مومن کے درمیان اور جو اس کی اتباع کرتا ہو اور ان کے ساتھ جہاد کیا ہو کیونکہ وہ ایک امت ہیں کہ قریش کے مہاجرین وہ اپنی جگہ پر وہ اپنی جگہ پر۔ آپس میں دیت ادا کرتے تھے اور وہ مشکل میں پڑے لوگوں کا فدیہ ادا کیا کرتے تھے معروف کے ساتھ اور مومنین کے درمیان انصاف کے ساتھ اور بنو عوف اپنے مقام دیت ادا کیا کرتے تھے پہلی قسم کی دیت (ج) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ دیت رجسٹر والوں پر ہے یعنی قاتل کے ساتھ جن لوگوں کا نام رجسٹر میں ہے ان پر قاتل کی دیت ادا کرنا لازم ہے (د) حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے نام کے لئے رجسٹر بنوائے اور سرداروں کو متعین کیا (ہ) حضورؐ نے لکھا ہر خاندان پر اس کی دیت لازم ہوگی۔

[۲۴۳۳](۳) یؤخذ من عطایاھم فی ثلث سنین فان خرجت العطایا فی اکثر من ثلث سنین او اقل اخذ منھا [۲۴۳۴](۴) ومن لم یکن من اھل الدیوان فعاقلته قبیلته [۲۴۳۵](۵) تقسط علیھم فی ثلث سنین لایزاد الواحد علی اربعة دراھم فی کل سنة درھم ودانقان وینقص منھا.

نمبر ۴۸۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دیت عصبہ اور خاندان والوں پر ہوگی۔

[۲۴۳۳](۳) اوران کے عطیے میں سے لی جائے گی تین سالوں میں۔پس اگر عطیہ نکلے تین سال سے زیادہ میں یا کم میں تو اس سے لی جائے گی۔

تشریح دیت عاقلہ سے تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔اگر اہل دفتر کے عطیہ سے تین سال سے زیادہ میں دیت پوری ہوتو زیادہ میں وصول کیا جائے گا۔اوراگر تین سال سے کم میں پوری ہوجائے تو کم میں وصول کیا جائے گا۔

وجہ **انبأ الشافعی قال وجدنا عاما فی اھل العلم ان رسول اللہ ﷺ قضی فی جنایة الحر المسلم علی الحر خطأ بمائة من الابل علی عاقلة الجانی وعاما فیھم انھا فی مضی الثلاث سنین فی کل سنة ثلثھا وباسنان معلومة (الف)** (سنن للبیہقی، باب تنجیم الدیۃ علی العاقلۃ ج ثامن، ص ۱۹۰، نمبر ۱۶۳۸۹ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۶ الدیۃ فی کم تودی ج خامس، ص ۴۰۵، نمبر ۲۷۴۲۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین سال میں دیت وصول کی جائے گی (۲) اس اثر میں بھی ہے۔**عن یحیی بن سعید ان من السنة ان تنجم الدیة فی ثلاث سنین (ب)** (سنن للبیہقی، باب تنجیم الدیۃ ج ثامن، ص ۱۲۴، نمبر ۱۶۱۳۱)

[۲۴۳۴](۴) جولوگ دفتر والے نہ ہوں ان کا عاقلہ خاندان والے ہیں۔

تشریح اوپر گزر چکا ہے کہ جس کا نام دفتر میں ہے اس کا عاقلہ دفتر والے ہیں۔اور جولوگ دفتر والے نہیں ہیں ان کا عاقلہ خاندان والے ہیں۔

وجہ دلیل، حدیث وغیرہ گزر چکی ہے۔**وان العقل علی عصبتھا** (بخاری شریف، نمبر ۶۹۰۹ رمسلم شریف، نمبر ۱۶۸۱)

[۲۴۳۵](۵) ان لوگوں پر قسط وار کردی جائے گی تین سالوں میں۔ایک آدمی پر چار درہم سے زیادہ نہ کیا جائے۔ہر سال میں ایک درہم اور دو دانق اور چار سے کم بھی ہوسکتے ہیں۔

تشریح عاقلہ کے ہر آدمی سے چار درہم لیا جائے۔اور چونکہ تین سال میں لینا ہے اس لئے ایک سال میں ایک درہم اور ایک تہائی یعنی دو دانق لیا جائے گا۔اس اعتبار سے ۲۵۰۰ دو ہزار پانچ سو آدمیوں سے دیت لینی ہوگی تب دس ہزار درہم مکمل ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) ہمیں حضرت امام شافعیؒ نے خبر دی کہ عام اہل علم کو پایا گیا کہ مسلمان آزاد آزاد پر غلطی سے جنایت کرے تو حضورؐ نے فیصلہ فرمایا سو اونٹ کا جنایت کرنے والے کے عاقلہ پر۔اوران میں عام بات تھی کہ تین سال گزرے، ہر سال میں ایک تہائی دیت ادا کرے معلوم عمر کے ساتھ (ب) یحیی بن سعید فرماتے ہیں کہ دیت تین سالوں میں قسط وار ادا کرے۔

[۲۴۳۶](۶)فان لم تتّسع القبیلة لذلک ضُمَّ الیهم اقرب القبائل من غیرهم[۲۴۳۷] (۷)ویدخل القاتل مع العاقلة فیکون فیما یؤدّی کاحدهم [۲۴۳۸](۸)وعاقلة المعتق

[۲۴۳۶](۶)اگر قبیلہ میں گنجائش نہ ہو تو ان کے ساتھ ملالئے جائیں گے قریبی قبیلے دوسرے کے۔

تشریح ایک قبیلے سے ۲۵۰۰ آدمی پورے نہ ہوتے ہوں تو رشتہ داری میں اس قبیلے سے جو زیادہ قریب ہو اس قبیلے کو دیت میں شامل کیا جائے گا تاکہ جتنا زیادہ لوگ ہوں اتنے ہی آسانی سے دیت ادا ہو سکے۔ کیونکہ ہر آدمی سے چار چار درہم ہی لئے جا سکیں گے۔

[۲۴۳۷](۷)عاقلہ کے ساتھ قاتل بھی داخل ہوگا۔ پس وہ دیت ادا کرنے میں ایک عاقلہ کی طرح ہوگا۔

تشریح جس طرح عاقلہ دیت ادا کرے گا اور قاتل بھی عاقلہ کے ایک فرد کی طرح شمار کیا جائے گا۔ چنانچہ عاقلہ کا ہر فرد تین سال میں چار درہم ادا کرے گا تو قاتل بھی تین سال میں چار درہم ادا کرے گا۔

وجہ اصل جرم قاتل کا ہے اس لئے اس کو بھی دیت ادا کرنی چاہئے (۲) خاندان کی طرح وہ بھی کنبے کا ایک فرد ہے اس لئے جس طرح اور فرد پر دیت ہے اس فرد پر بھی دیت ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خود قاتل پر کچھ دیت نہیں ہوگی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں دیت عصبہ پر ہے۔ اس لئے قاتل اس سے بری ہو جائے گا۔ وقضی ان دیة المرأة علی عاقلتها (بخاری شریف، باب جنین المرأة وان العقل علی الوالد ص ۱۰۲۰ نمبر ۶۹۱۰)

[۲۴۳۸](۸) آزاد شدہ کا عاقلہ اس کے آقا کا قبیلہ ہے۔ اور مولا موالات کی طرف سے دے گا اس کو مولی اور اس کا قبیلہ۔

تشریح جو غلام آزاد ہو گیا اب اس کے خاندان کا کوئی نہیں ہے صرف آزاد کرنے والا آقا اور اس کا قبیلہ ہے تو اس آزاد شدہ غلام کا عاقلہ آقا اور آقا کا قبیلہ ہوگا۔ اور وہی لوگ قتل خطا کی دیت ادا کریں گے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ آقا اور اس کا قبیلہ ہی آزاد شدہ غلام کا عاقلہ ہوا اور قبیلہ ہوا اور وہ آقا ہی کے قبیلے میں شمار ہوگا۔ عن ابن ابی رافع عن ابی رافع ان النبی ﷺ بعث رجلا علی الصدقة من بن مخزوم فقال لابی رافع اصحبنی فانک تصیب منها قال حتی اتی النبی ﷺ فاساله فاتاه فسأله فقال مولی القوم من انفسهم وانا لا تحل لنا الصدقة (الف) (ابوداؤد شریف، باب الصدقة علی بنی ہاشم ص ۲۴۰ نمبر ۱۶۵۰ / بخاری شریف، باب مولی القوم من انفسهم وابن الاخت منهم ص ۹۹۹ نمبر ۶۷۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام آقا کے خاندان میں سے ہے۔ اس لئے آقا کے خاندان ہی اس کی دیت ادا کریں گے۔

وہ لوگ جو دوسری قوم سے عہد و پیمان کر لیتے ہیں کہ میں جنایت کروں تو تم اس کی دیت ادا کرنا اور تم جنایت کرو تو میں اس کی دیت ادا کروں گا اس کو مولی موالات کہتے ہیں۔ پس اگر اس نے قتل خطا کی تو اس کی دیت مولی موالات ادا کریں گے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے بنی مخزوم کے ایک آدمی کو صدقے لینے کے لئے بھیجا تو انہوں نے ابو رافعؓ سے کہا تم بھی میرے ساتھ چلو تم کو بھی کچھ ملے گا۔ انہوں نے کہا کہ حضورؐ سے پوچھ لوں تب جاؤں گا۔ پس حضورؐ سے آکر پوچھا تو آپؐ نے فرمایا قوم کا آزاد کردہ اس کے خاندان سے ہوتا ہے۔ اور سنو! ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔ نوٹ : ابو رافعؓ حضورؐ کے خاندان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اس لئے ان کے لئے بھی صدقہ حلال نہیں تھا۔

قبیلة مولاه ومولی الموالاة یعقل عنه مولاه وقبیلته [۲۴۳۹] (۹) ولا تتحمّل العاقلة اقل من نصف عشر الدیة وتتحمّل نصف العشر فصاعدا وما نقص من ذلک فھو فی مال

وجہ کیونکہ مولی موالات اس کا قبیلہ اور خاندان ہوگیا۔اس لئے مولی موالات اوراس کا قبیلہ دیت ادا کریں گے (۲) اثر میں ہے۔عن ابراھیم فی الرجل یوالی الرجل فیسلم علی یدیه قال یعقل عنه ویرثه (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب النصرانی یسلم علی ید رجل ج تاسع ص ۳۹ نمبر ۱۶۲۷۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولی موالات اور اس کا قبیلہ دیت ادا کریں گے۔اور کوئی ذی رحم محرم نہ ہوتو وارث بھی ہوں گے (۲) حدیث میں بھی ہے۔عن تمیم الداری رفعه قال ھو اولی الناس بمحیاہ ومماته (ب) (بخاری شریف، باب اذا اسلم علی یدیہ ص ۱۰۰۰ نمبر ۶۷۵۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مولی موالات زندگی اور موت کے بعد غم اور خوشی میں ساتھ دیں گے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اپنے خاندان کا کوئی آدمی نہ ہوتو وہ دیت ادا کریں گے۔

[۲۴۳۹] (۹) عاقلہ نہیں برداشت کریں گے دیت کے بیسواں حصے سے کم کا اور برداشت کریں گے بیسواں حصہ یا اس سے زیادہ کا اور جو اس سے کم ہو وہ قصوروار کے مال میں ہے۔

تشریح قتل خطا وغیرہ کی پوری دیت جو دس ہزار درہم ہے اس کا بیسواں حصہ لازم ہوتی ہوتو وہ عاقلہ پر ہوگی یعنی پانچ سو درہم یا اس سے زیادہ لازم ہوتے ہوں تو عاقلہ برداشت کر سکتے ہیں۔اور اگر ایسا قتل خطا ہے جس میں بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم سے کم دیت لازم ہوتی ہوتو وہ عاقلہ برداشت نہیں کریں گے خود جنایت کرنے والے کو دینا ہوگا۔

وجہ حدیث میں بار بار گزرا کہ بنی لحیان کی عورت کے پیٹ پر مارا جس کی وجہ سے اس کے پیٹ کا بچہ مر گیا۔آپؐ نے اس بچے کے بدلے میں غرہ عبد لازم کیا۔ابو داؤد میں ہے کہ اس غرہ عبد کی قیمت پانچ سو درہم ہو جو پوری دیت دس ہزار درہم کا بیسواں حصہ ہے۔اور بخاری کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ قتل خطاء ہے اس لئے یہ دیت مارنے والی عورت کے عاقلہ برداشت کریں۔جس سے معلوم ہوا کہ عاقلہ بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم برداشت کریں گے یا اس سے زیادہ کو برداشت کریں گے۔اس سے کم لازم ہوتو برداشت نہیں کریں۔کیونکہ اس سے کم درہم عاقلہ پر لازم ہو اس کا ثبوت نہیں ہے۔

وجہ بچے کے بدلے میں غلام لازم کیا اور اس کی دیت عصبہ پر لازم کیا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ان ابا ھریرة قال اقتتلت امرأتان من ھذیل فرمت احداھما الاخری بحجر فقتلتھا وما فی بطنھا فاختصموا الی النبی ﷺ فقضی ان دیة جنینھا غرة عبد او ولیدة وقضی ان دیة المرأة علی عاقلتھا (ج) (بخاری شریف، باب جنین المرأة وان العقل علی الوالد وعصبة الوالد لا علی الولد ص

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا کوئی آدمی کسی کی سرپرستی کرے اور وہ اس کے ہاتھ پر اسلام لے آئے تو وہ ان کی جانب سے دیت بھی دے گا اور وارث بھی بنے گا (ب) حضرت تمیم داری نے مرفوعا فرمایا کہ مولی موالات لوگوں میں سے زیادہ بہتر ہے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی (ج) قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں نے مار کیا۔ایک نے دوسرے کو پتھر سے مارا جس سے وہ اور اس کے پیٹ کا بچہ مر گیا تو وہ مقدمہ حضور کی خدمت میں لائے تو آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ بچے کی دیت ایک غلام یا باندی ہے۔اور یہ بھی فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت قاتلہ کے خاندان پر لازم ہے۔

الجانی [۲۴۴۰](۱۰)ولا تعقل العاقلة جناية العبد [۲۴۴۱](۱۱)ولا تعقل الجناية التی

۱۰۲۰انمبر۶۹۱۰؍مسلم شریف، باب دیۃ الجنین ص ۶۲ نمبر۱۶۸۱)اس حدیث میں غلام کی قیمت مارنے والی عورت کے عاقلہ اور عصبہ پر لازم کیا۔اور غلام کی قیمت پانچ سو درہم ہے اس کی دلیل ابوداؤد میں ہے۔عن النبی ﷺ **قال الغرة خمس مائة يعنی درهما، قال ابو داؤد قال ربيعة الغرة خمسون دينارا** (الف)(ابوداؤد شریف، باب دیۃ الجنین ص ۶۴۸ نمبر ۴۵۸۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام کی قیمت پانچ سو درہم ہو۔پانچ سو درہم پوری دیت دس ہزار درہم کا بیسواں حصہ ہوا اور یہ رقم اوپر کی حدیث میں عاقلہ پر لازم کی جس سے معلوم ہوا کہ عاقلہ بیسواں حصہ یا اس سے زیادہ کی رقم برداشت کریں گے اس سے کم کی رقم نہیں (۳)اثر میں ہے۔**عن ابراهيم قال لا تعقل العاقلة فی ادنی من الموضحة قال محمد وبه ناخذ** (ب) کتاب الآثار لامام محمد، باب دیۃ الخطاء وما تعقل العاقلۃ ص ۱۲۴ نمبر ۵۷۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ موضحہ زخم سے کم کی دیت عاقلہ برداشت نہیں کریں گے۔اور موضحہ کی قیمت پوری دیت کا بیسواں حصہ پانچ اونٹ ہیں۔**وفی الموضحة خمس** (ج)(نسائی شریف، ذکر حدیث عمر بن حزم ص ۶۶۹ نمبر ۴۸۶۰)

لغت نصف عشر : پوری دیت کا دسواں حصہ اور اس حصے کا بھی آدھا تو پوری دیت کا بیسواں حصہ ہوا۔

[۲۴۴۰](۱۰)عاقلہ نہیں دیت دیں گے غلام کی جنایت کا۔

تشریح غلام ابھی آزاد نہیں ہوا ہو بلکہ کسی کا غلام ہی ہو ایسی حالت میں قتل خطاء کی تو اس کی دیت غلام کی قیمت کے حساب سے ہوگی۔اور خود آقا کو اختیار ہوگا کہ غلام کو جنایت والے کے حوالے کر دے یا آقا اس کی دیت دیکر غلام رکھ لے۔تاہم آقا یا آقا کے خاندان والے اس کی دیت ادا نہیں کریں گے۔غلام آزاد ہو جائے تب آقا کے خاندان اس کی دیت ادا کریں گے۔

وجہ اثر میں ہے۔عن ابن عباس **قال لا تعقل العاقلة عمدا ولا صلحا ولا اعترافا ولا ما جنى المملوك** (د)(سنن للبیہقی ،باب من قال لا تحمل العاقلۃ عمدا ولا عبدا ولا صلحا ولا اعترافا ج ثامن، ص ۱۸۲، نمبر ۱۶۳۶۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام جنایت کرے تو اس کی دیت آقا کے عاقلہ پر نہیں ہے۔اسی طرح قاتل کسی چیز کا اعتراف کرے تو وہ بھی قاتل کے عاقلہ پر نہیں ہے۔اور قاتل پر قصاص تھا اس نے مال پر صلح کر لی تو یہ دیت بھی قاتل کے عاقلہ پر نہیں ہے۔

[۲۴۴۱](۱۱)اور نہیں دیت دے گا اس جنایت کی جس قصوروار نے اقرار کیا۔مگر یہ کہ باقی لوگ اس کی تصدیق کریں۔

تشریح قاتل کسی مال کا اعتراف کرتا ہے کہ مقتول کا اتنا مال میرے ذمے ہے تو یہ بھی قاتل کے عاقلہ ادا نہیں کریں گے۔ہاں! اگر عاقلہ اس کی تصدیق کریں کہ واقعی مقتول کا اتنا مال تمہارے ذمے ہے اور ہم لوگ اس کو خوشی سے ادا کریں گے تو ادا کر سکتے ہیں۔کیونکہ یہ ان کا مال ہے اور اپنا مال کہیں بھی خرچ کر سکتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبیؒ سے ہے غلام کی قیمت پانچ سو درہم، اور حضرت ربیعہ نے فرمایا پچاس دینار (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا موضحہ زخم سے کم میں خاندان والے دیت ادا نہیں کریں گے، حضرت امام محمدؒ نے فرمایا وہی ہمارا عمل ہے (ج) اور موضحہ زخم میں پانچ اونٹ ہیں (د) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قتل عمد کی دیت خاندان والے نہیں ادا کریں گے۔اور نہ صلح کی اور نہ اقرار کرنے کی اور جو مملوک نے جنایت کی اس کی دیت بھی عاقلہ ادا نہیں کریں گے۔

اعترف بها الجانی الا ان یصدقوه[۲۴۴۲] (۱۲)ولا تعقل مالزم بالصلح[۲۴۴۳] (۱۳)واذا جنی الحر علی العبد جنایة خطأً کانت علی عاقلته.

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے۔ولا اعترافا (۲)خوشی سے دینے کے لئے یہ اثر ہے۔ثنا ابن ابی الزناد عن ابیه عن الفقهاء من اهل المدینة کانوا یقولون لا تحمل العاقلة ماکان عمدا ولا بصلح ولا اعتراف ولا ما جنی المملوک الا ان یحبوا ذلک طولا منهم (الف)(سنن للبیہقی، باب من قال لاتحمل العاقلۃ عمدا ولا عبدا ولا صلحا ولا اعترافا ج ثامن، ص ۱۸۲، نمبر ۱۶۳۶۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ خوشی سے اعتراف کا مال ادا کرنا چاہیں تو ادا کر سکتے ہیں۔

[۲۴۴۲](۱۲)اور عاقلہ نہیں دیت دیں گے وہ جو صلح سے لازم ہوئی ہو۔

تشریح قاتل پر قتل عمد کی وجہ سے قصاص میں قتل ہونا تھا۔اس نے مال دے کر صلح کر لی تو یہ صلح کا مال عاقلہ پر لازم نہیں ہے خود قاتل کے مال میں لازم ہوگا۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے۔ولا صلحا(سنن للبیہقی، حوالہ بالا، نمبر ۱۶۳۶۴)

[۲۴۴۳](۱۳)اگر آزاد آدمی نے غلام پر قتل خطاء کی جنایت کی تو اس کی دیت آزاد کے عاقلہ پر ہوگی۔

تشریح آزاد آدمی کسی آزاد کو قتل خطاء کرتا تو اس کی دیت قاتل کے عاقلہ پر ہوتی۔لیکن غلام کو قتل کیا ہے اس لئے دیت کی بجائے غلام کی قیمت دینی ہوگی۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غلام کی قیمت دیت خطاء کے درجے میں ہے اس لئے جس طرح آزاد آدمی کی دیت قاتل کے عاقلہ پر لازم ہوتی ہے اسی طرح غلام کی قیمت قاتل کے عاقلہ پر لازم ہوگی۔

وجہ کیونکہ دونوں کا سبب ایک ہی ہے یعنی قتل خطاء۔اس لئے غلام کی قیمت قاتل کے عاقلہ ادا کریں گے(۲)عن عمر بن الخطابؓ قال عقل العبد فی ثمنه مثل عقل الحر فی دیته (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب ضراحات العبد ج عاشر ص ۹ نمبر ۱۸۱۵۰)اس اثر میں ہے کہ غلام کی دیت اس کی قیمت میں ایسے ہی ہے جیسے آزاد کی عقل اس کی دیت میں ہے۔اور آزاد کی دیت عاقلہ برداشت کرتے ہیں تو غلام کی قیمت بھی قاتل کے عاقلہ برداشت کریں گے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابو زناد اہل مدینہ کا فتوی نقل کرتے ہیں کہ وہ لوگ فرماتے ہیں کہ خاندان والے برداشت نہیں کریں گے قتل عمد کی دیت اور نہ صلح کی اور نہ اعتراف کی اور نہ جو مملوک قتل کر دے۔ہاں! وہ لوگ اپنی خوشی سے دینا چاہیں تو دیت دے سکتے ہیں(ب) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ غلام کی دیت اس کی قیمت میں ہے جیسے آزاد کی دیت ہوتی ہے۔

﴿کتاب الحدود﴾

[۲۴۴۴](۱)الزنا یثبت بالبینة والاقرار.

﴿ کتاب الحدود ﴾

ضروری نوٹ حد کے معنی ہیں روکنا، حد لگنے سے آدمی گناہوں سے رکتا ہے اس لئے اس کو حد کہتے ہیں۔ یہ باب حد زنا کا ہے اس لئے اس کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ خود چار مرتبہ زنا کرنے کا اقرار کرے یا چار آدمی گواہی دے کہ فلاں نے زنا کیا ہے۔ ثبوت یہ ہے۔ الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة ولاتأخذکم بهما رأفة فی دین الله (الف) (آیت ۲ سورۃ النور ۲۴) (۲) والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا (ب) (آیت ۴ سورۃ النور ۲۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ثبوت کے لئے چار گواہ چاہئے۔ والتی یأتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت حتی یتوفهن الموت او یجعل الله لهن سبیلا (ج) (آیت ۱۵ سورۃ النساء ۴) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہ چاہئے۔

اور اس حدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی هریرة قال اتی رجل رسول الله ﷺ وهو فی المسجد فناداه فقال یا رسول الله انی زنیت فاعرض عنه حتی ردد علیه اربع مرات فلما شهد علی نفسه اربع شهادات دعاه النبی ﷺ فقال ابک جنون؟ قال لا! قال فهل احصنت؟ قال نعم! فقال النبی ﷺ اذهبوا به فارجموه (د) (بخاری شریف، باب لا یرجم المجنون المجنونة ص ۱۰۰۶ نمبر ۶۸۱۵ مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسه بالزنی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۲) اس حدیث سے زنا اور اس کے احکام کا علم ہوا۔

[۲۴۴۴](۱) زنا ثابت ہوتا ہے گواہی سے اور اقرار سے۔

تشریح کسی نے زنا کیا، خود زنا کرنے والا اقرار نہیں کرتا لیکن چار آدمیوں نے گواہی دی کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے تو زنا ثابت ہو جائے گا اور مرد پر حد لگے گی۔ لیکن ان گواہوں کے لئے بھی کئی شرطیں ہیں جن کا پورا کرنا ضروری ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زنا کرنے والا خود اقرار کرے کہ میں نے زنا کیا ہے۔ اور چار مرتبہ اقرار کرے تب جا کر اس پر حد جاری ہوگی۔ اگر وہ محصن ہے تو رجم ہوگا اور

حاشیہ : (الف) زانی مرد اور زانیہ عورت ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور اللہ کے دین قائم کرنے میں دل میں نرمی نہ آجائے (ب) وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لا سکتے ان کو اسی کوڑے مارو اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو (ج) تمہاری عورتوں میں سے جو زنا کرائے تم میں سے ان پر چار گواہ لاؤ، پس وہ اگر گواہی دیں تو ان عورتوں کو موت تک گھروں میں قید رکھو یا یہ کہ اللہ ان کے لئے کوئی راستہ نکال دے۔ نوٹ: بعد میں لعان کا راستہ نکالا (د) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا، آپ مسجد میں تھے۔ انہوں نے پکار کر کہا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ آپؐ نے اعراض کیا یہاں تک کہ چار مرتبہ واپس لوٹایا، پس جب چار مرتبہ اپنی ذات پر گواہی دی تو حضورؐ نے اس کو بلایا اور پوچھا کہ کیا آپ کو جنون تو نہیں؟ کہا نہیں! آپؐ نے پوچھا کیا آپ محصن ہیں؟ کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا ان کو لے جاؤ رجم کرو۔

[۲۴۴۵](۲)فالبینة ان تشهد اربعة من الشهود علی رجل وامرأة بالزنا[۲۴۴۶]

(۳)فسألهم الامام عن الزنا ماهو وکیف هو واین زنی ومتی زنی وبمن زنی.

محصن نہیں ہے تو سو کوڑے حد لگے گی۔

[۲۴۴۵](۲) پس بینہ کی شکل یہ ہے کہ گواہی دیں چار گواہ مرد پر یا عورت پر زنا کی۔

تشریح چار گواہ کسی مرد یا عورت پر گواہی دیں کہ انہوں نے زنا کیا ہے تو زنا ثابت ہوگا۔

وجہ زنا میں چار گواہوں کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس کی جان جائے گی۔ اور قرآن میں بھی ہے کہ ثبوت کے لئے چار گواہ چاہئے (۲) والتی یأتین الفاحشة من نسائکم فستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت (الف) (آیت ۱۵ سورۃ النساء ۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ چار گواہ چاہئے (۲) حدیث میں ہے۔ ان سعید بن عبادة قال یا رسول الله ﷺ ان وجدت مع امرأتی رجلا اامهله حتی اتی باربعة شهداء ؟ قال نعم (ب) (مسلم شریف، کتاب اللعان ص ۴۸۸ نمبر ۱۴۹۸) اس آیت سے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا ثابت کرنے کے لئے چار گواہ چاہئے۔ اور آیت میں منکم چونکہ مذکر کی ضمیر ہے اس لئے چاروں گواہ مرد ہوں۔

[۲۴۴۶](۳) امام گواہوں سے پوچھیں گے زنا کے بارے میں کہ زنا کیا ہے؟ کس طرح ہوتا ہے؟ زنا کہاں کیا ہے؟ کب کیا ہے؟ کس کے ساتھ کیا ہے؟

تشریح گواہ زنا کی گواہی دیدے تو امام گواہوں سے پوری تحقیق کریں گے تاکہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ واقعی زنا ہوا ہے یا نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے حد کو ساقط کی جائے۔ عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ادرئوا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیله فان الامام ان یخطئ فی العفو خیر من ان یخطئ فی العقوبة (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی درء الحدود ص ۲۶۳ نمبر ۱۴۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاں تک ہو سکے حدود کو شبہ کی بنا پر ساقط کی جائے۔

گواہوں سے زنا کے بارے میں پوچھے کہ زنا کیا ہے؟ یعنی جو کام اپنی بیوی سے حلال کے طور پر کرتا ہے وہی کام اجنبیہ عورت سے حرام کے طور پر کرنے کو کہتے ہیں۔ گواہ اس حقیقت کو جانتا ہو۔

وجہ حدیث میں ہے۔ انه سمع ابا هریرة یقول جاء الاسلمی الی نبی الله ﷺ فشهد علی نفسه انه اصاب امرأة حراما اربع مرات کل ذلک یعرض عنه النبی ﷺ فاقبل فی الخامسة فقال انکتها ؟قال نعم قال حتی غاب ذلک

حاشیہ : تمہاری عورتوں میں سے جو زنا کرائے ان پر تمہارے لوگوں میں سے چار گواہ لاؤ۔ پس اگر گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں قید رکھو (ب) سعد بن عبادہؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک آدمی پایا۔ کیا اس کو چھوڑ کر چار گواہ بلانے جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں؟ (ج) آپؐ نے فرمایا جب تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود دفع کیا کرو۔ پس اگر اس کے لئے کوئی راستہ نکلے تو اس کو چھوڑ دو۔ اس لئے کہ امام معاف کرنے میں غلطی کرے یہ زیادہ بہتر ہے اس سے کہ سزا دینے میں غلطی کرے۔

[۲۴۴۷](۴)فاذا بینوا ذلک وقالوا رأیناه وطأها فی فرجها کالمیل فی المکحلة.

منک فی ذلک منها ؟ قال نعم قال کما یغیب المرود فی المکحلة والرشاء فی البئر؟ قال نعم قال هل تدری ما الزنا؟ قال نعم اتیت منها حراما ما یأتی الرجل من امرأته حلالا قال فما ترید بهذا القول ؟قال ارید ان تطهر نی فامر به فرجم (الف)(ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک ص ۲۶۰ نمبر ۴۴۲۸ ربخاری شریف، باب لا یرجم المجنون والمجنونۃ ص ۱۰۰۶ نمبر ۶۸۱۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا کیا ہے گواہوں سے اور اقرار کرنے والے سے پوری طرح اس کی تحقیق کریں گے۔

اورکس کے ساتھ زنا کیا یہ بھی پوچھے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ حدثنی یزید بن نعیم بن هزال عن ابیه ... فقال النبی ﷺ انک قد قلتها اربع مرات فبمن ؟ قال بفلانة قال هل ضاجعتها ؟ قال نعم قال هل باشرتها؟ قال نعم قال هل جامعتها ؟ قال نعم قال فامر به ان یرجم (ب)(ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک ص ۲۶۰ نمبر ۴۴۱۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ بھی پوچھے کہ کس سے زنا کیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کے لئے حلال عورت ہو اور زنا کی گواہی دے رہا ہو۔

اورزنا کی جگہ اس لئے پوچھے کہ اگر گواہوں کے درمیان جگہ کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔عن ابراهیم فی اربعة شهدوا علی امرأة بالزنا ثم اختلفوا فی الموضع فقال بعضهم بالکوفة وقال بعضهم بالبصرة قال یدرأ عنهم جمیعا (ج)(مصنف عبدالرزاق، باب شهادة اربعة علی امرأة بالزنا واختلافهم فی الموضع ج سابع ص ۳۴۴ نمبر ۱۳۴۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زنا کی جگہ میں اختلاف ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی۔اس لئے جگہ کے بارے میں بھی گواہوں سے پوچھے۔

[۲۴۴۷](۴) پس جب اس کو بیان کردے اور وہ کہیں میں نے اس کو وطی کرتے دیکھا ہے اس کے فرج میں جیسے سلائی سرمہ دانی میں۔

تشریح گواہ نے اشارہ کنایہ سے زنا کی گواہی دی تو مقبول نہیں ہے بلکہ پوری وضاحت سے کہنا ہوگا کہ جیسے سلائی سرمہ دانی میں ڈالی جاتی ہے ایسا میں نے کرتے ہوئے دیکھا تب زنا کا ثبوت ہوگا۔

وجہ اوپر کی حدیث میں اسی طرح کے الفاظ ہیں۔کل ذلک یعرض عنه النبی ﷺ فاقبل فی الخامسة فقال انکتها ؟ قال نعم

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ماعز اسلمیؓ حضور کے پاس آئے اور اپنے اوپر چار مرتبہ گواہی دی کہ انہوں نے حرام عورت استعمال کی ہے۔ حضورؐ ہر مرتبہ اعراض فرماتے رہے۔پھر پانچویں مرتبہ متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ کیا زنا کیا ہے؟ کہا ہاں! پھر پوچھا یہاں تک کہ تمہارا اس کے اندر داخل ہو گیا تھا؟ کہا ہاں! جیسے سلائی سرمہ دانی میں غائب ہوتی ہے یا ڈول کنویں میں غائب ہوتا ہے؟ کہا ہاں! حضورؐ نے پوچھا جانتے ہو زنا کیا ہے؟ کہا ہاں؟ آدمی بیوی سے جو کام حلال کے طور پر کرتا ہے وہی کام یعنی وطی حرام کے طور پر کیا ہے۔آپؐ نے پوچھا اس اقرار سے تم کیا چاہتے ہو؟ فرمایا مجھے پاک کر دیجئے آپؐ نے حکم دیا جس کی بنا پر وہ رجم کر دیئے گئے (ب) آپؐ نے فرمایا تم نے چار مرتبہ زنا کے بارے میں اقرار کیا ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ کس کے ساتھ زنا کیا؟ کہا فلانہ کے ساتھ۔پوچھا کیا لیٹ گئے تھے؟ کہا ہاں! پوچھا کیا اس کے ساتھ مباشرت کی تھی؟ کہا ہاں! پوچھا کیا اس سے جماع کیا؟ کہا ہاں! آپؐ نے حکم دیا کہ رجم کر دیا جائے (ج) حضرت ابراہیم نے فرمایا چار آدمیوں نے ایک عورت پر زنا کی گواہی دی۔پھر مقام زنا میں اختلاف کر گئے۔بعض گواہ نے کہا کوفہ میں اور بعض نے کہا بصرہ میں۔فرمایا سب سے حد ساقط ہو جائے گی۔

[٢٤٤٨](۵)وسأل القاضی عنهم فعدّلوا فی السرّ والعلانية حکم بشهادتهم.

قال حتی غاب ذلک منک فی ذلک منها؟ قال نعم قال کما یغیب المرود فی المکحلة والرشاء فی البئر ؟ قال نعم (الف) (ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک ص ۲۶۰ نمبر ۴۴۲۸) اس حدیث میں ہے کہ اس طرح بیان کریں کہ میں نے سلائی کو سرمہ دانی میں جس طرح ڈالتے ہیں اس طرح کرتے دیکھا ہے۔

لغت میل : سرمہ کی سلائی، مکحلة : کحل سے مشتق ہے سرمہ، مکحلة سرمہ رکھنے کی چیز، سرمہ دانی۔

[۲۴۴۸] (۵) قاضی نے سوال کیا گواہوں کے بارے میں تو ان کو عادل بتایا خفیہ اور علانیہ تو فیصلہ کر دے ان کی شہادت کے مطابق۔

تشریح گواہوں کی گواہی کے بعد قاضی خفیہ اور علانیہ طور پر گواہوں کی اخلاقی حالت کے بارے میں پوچھ تاچھ کرے۔ ظاہری طور پر اور باطنی طور پر دونوں طرح لوگ ان کے صلاح اور تقوی کی گواہی دیں جس کو تعدیل کہتے ہیں تو قاضی ان کی گواہی پر زنا کا فیصلہ کر دے۔

وجہ تحقیق و تفتیش کی دلیل یہ آیت ہے۔ **یا ایها الذین آمنوا ان جائکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین** (ب) (آیت ۶ سورۃ الحجرات ۴۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی خبر آئے تو اس کی تحقیق کرنی چاہئے۔ اسی میں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ گواہی دینے والوں کی بھی تعدیل کرنی چاہئے (۲) حضورؐ حضرت ماعز اسلمی کے بارے میں ان کی قوم سے پوچھا تھا کہ یہ کیسے ہیں۔ **عن ابن عباسؓ ان ماعز بن مالک اتی النبی ﷺ فقال انه زنی فاعرض عنه فاعاد علیه مرارا فاعرض عنه فسأل قومه امجنون هو؟ قالوا لیس به بأس** (ج) (ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک ص ۲۶۰ نمبر ۴۴۲۱ رمسلم شریف، باب من اعترف علی نفسه بالزنی ص ۶۶ نمبر ۴۴۳۲/۱۶۹۵) اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت ماعزؓ کی دماغی حالت کے بارے میں تعدیل کی ہے (۳) حضرت عمرؓ نے گواہوں کے بارے میں پوچھا ہے۔ **عن خرشة بن الحر قال ان شاهدین شهداعندعمر فقال لهما انی لا اعرفکما ولا یضر کما ان لا اعرفکما ائتیا بمن یعرفکما فاتاه رجل فقال بم تعرفها ؟ قال بالصلاح والامانة قال کنت جارا لهما ؟ قال لا! قال صحبتهما فی السفر الذی یسفر عن اخلاق الرجال؟ قال لا! قال فانت لاتعرفهما ائتیا بمن یعرفکما** (د) (اعلاء السنن، نمبر ۴۹۶۶، باب السؤال عن الشهود، ج الخامس عشر، ص ۱۷۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ گواہوں کے بارے میں تحقیق کرے پھر صحیح معلوم ہو تو فیصلہ کرے۔

حاشیہ : (الف) ہر مرتبہ حضورؐ نے اس سے اعراض کیا پھر پانچویں مرتبہ متوجہ ہوئے اور پوچھا کیا زنا کیا ہے؟ کہا ہاں! پوچھا تمہارا اس میں مکمل غائب ہو گیا تھا؟ کہا ہاں! پوچھا جیسے سلائی سرمہ میں غائب ہوتی ہے اور ڈول کنویں میں؟ کہا ہاں! (ب) اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو لاعلمی میں کچھ کہہ دو اور تمہیں اپنے کئے پر شرمندگی ہو (ج) حضرت ماعز بن مالک حضورؐ کے پاس آئے اور کہا کہ انہوں نے زنا کیا ہے تو آپؐ نے اس سے اعراض کیا۔ انہوں نے اس بات کو کئی مرتبہ آپؐ نے پھر بھی اعراض کیا۔ پھر اس کی قوم سے پوچھا کیا یہ مجنون ہیں؟ لوگوں نے کہا ایسی کوئی بات نہیں ہے (د) خرشہ بن فرماتے ہیں کہ دو گواہوں نے حضرت عمرؓ کے پاس گواہی دی تو ان دونوں سے کہا میں تم دونوں کو پہچانتا نہیں ہوں۔ وہ ایک آدمی کو لے آئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا ان دونوں کو کس طرح پہچانتے ہو؟ کہا یہ نیک اور امانت دار ہیں۔ پوچھا تم ان کے پڑوس میں ہو؟ کہا نہیں! پوچھا ایسے سفر میں ساتھ رہے ہو جو آدمی کے اخلاق کو ظاہر کرے؟ کہا نہیں! حضرت عمرؓ نے فرمایا تم ان دونوں کو پہچانتے نہیں ہو۔ تم دونوں ایسے لوگوں کو لاؤ جو تمہیں پہچانتے ہو۔

[۲۴۴۹] (٦)والاقرار ان یقر البالغ العاقل علی نفسه بالزنا اربع مرات فی اربعة مجالس

لغت عدلو : تعدیل کرنا، گواہوں کے بارے میں پوچھنا کہ یہ اچھے لوگ ہیں یا اچھے لوگ نہیں ہیں۔

[۲۴۴۹] (٦) اور اقرار کی شکل یہ ہے کہ اقرار کرے بالغ عاقل آدمی اپنی ذات پر زنا کا چار مرتبہ چار مجلسوں میں اقرار کرنے والے کی مجلسوں میں۔ جب جب اقرار کرے قاضی اس کو رد کر دے۔

تشریح اوپر چار گواہوں کے ذریعہ زنا کے ثبوت کا طریقہ تھا۔ اب یہ طریقہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اقرار کرنے والا خود اپنی ذات پر زنا کا اقرار کر رہا ہے۔ تو اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرے اور ہر بار اقرار کرنے والے کی مجلس بدل جائے۔ یعنی چار مرتبہ چار الگ الگ مجلسوں میں اقرار کرے۔ اور قاضی ہر بار اس کے اقرار کو رد کر دے کہ شاید تم نے دیکھا ہوگا یا بھینچا ہوگا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضرت ماعزؓ نے چار مرتبہ اقرار کیا اور چار مجلسوں میں کیا۔ ان ابا هريرة قال اتى رسول الله ﷺ رجل من الناس وهو فى المسجد فناداه يا رسول الله ! انى زنيت يريد نفسه فاعرض عنه النبى ﷺ فتنحى لشق وجهه الذى اعرض عنه فقال يا رسول الله ! انى زنيت فاعرض عنه فجاء لشق وجه النبى ﷺ الذى اعرض عنه فلما شهد على نفسه اربع شهادات دعاه النبى ﷺ فقال ابك جنون ؟ (الف) (بخاری شریف، باب سوال الامام المقر هل احصنت ص ۱۰۰۸ نمبر ۶۸۲۵ رمسلم شریف، باب من اعترف علی نفسه بالزنی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۲/۱۶۹۵) اس حدیث میں چار مرتبہ چار جانب سے حضرت ماعز آئے جس کا مطلب یہ ہوا کہ چار مجلسوں میں چار مرتبہ اقرار کرے تب فیصلہ کریں گے (۲) یہ اقرار بھی گواہ کی طرح ہے۔ اور اوپر آیت گزری کہ چار گواہ چاہئے۔ اسی طرح زنا کے اقرار کے لئے بھی چار مرتبہ اقرار کرنا چاہئے۔ اور ہر بار رد کرنے کی دلیل بھی حدیث میں گزر گئی۔ ابو داؤد شریف کی حدیث میں یہ لفظ بھی ہے۔ عن ابن عباس قال جاء ماعز بن مالك الى النبى ﷺ فاعترف بالزنا مرتين فطرده (ب) (ابو داؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک ص ۲۶۰ نمبر ۴۴۲۶) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دو مرتبہ حضرت ماعزؓ کو ہٹا دیا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چار مرتبہ اقرار ہو تو اچھا ہے ورنہ ایک مرتبہ اقرار کر لے تب بھی زنا کا ثبوت ہو جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے ایک مرتبہ زنا کا اقرار کیا تو اس کو رجم کیا گیا۔ عن ابى هريرة وزيد بن خالد قالا ... واغد يا انيس على امرأة هذا فان اعترفت فارجمها فغدا عليها فاعترفت فرجمها (ج) (بخاری شریف، باب الاعتراف بالزنا ص

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سے ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا۔ آپ مسجد میں تھے۔ آپ کو پکارا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ آپؐ نے اعراض کیا تو وہ دوسری جانب سے آئے پھر کہا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا۔ آپؐ نے اعراض کیا۔ آپؐ نے جدھر چہرہ گھمایا تھا وہ اسی جانب آئے۔ پس چار مرتبہ شہادت دی تو آپؐ نے ان کو بلایا اور پوچھا کیا تم کو جنون تو نہیں ہے؟ (ب) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک حضورؐ کے پاس آئے اور زنا کا دو مرتبہ اعتراف کیا تو آپؐ نے ان کو ٹال دیا (ج) یزید بن خالد فرماتے ہیں کہ ... اے انیس اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو رجم کر دینا۔ حضرت انس ان کے پاس گئے، عورت نے اقرار کیا تو حضرت انس نے ان کو رجم کیا۔

من مجالس المقر کلما اقرَّ ردَّه القاضی[۲۴۵۰] (۷)فاذا تم اقراره اربع مرات سأله القاضی عن الزنا ماهو وکیف هو واین زنی وبمن زنی فاذا بین ذلک لزمه الحد[۲۴۵۱] (۸)فان کان الزانی محصنا رجمه بالحجارة حتی یموت [۲۴۵۲](۹)یخرجه الی ارض

۱۰۰۸نمبر۶۸۲۷رمسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ الزنا ص۶۶ نمبر۱۶۹۸)اس حدیث میں عورت نے ایک مرتبہ زنا کا اعتراف کیا تو رجم کی گئی۔جس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ اعتراف کرنے سے بھی زنا کا ثبوت ہو جائے گا۔

[۲۴۵۰](۷)پس جب اس کا اقرار چار مرتبہ پورا ہو جائے تو قاضی اس کو زنا کے بارے میں پوچھے کہ زنا کیا ہوتا ہے،وہ کیسے ہوتا ہے اور کہاں ہوا،کس کے ساتھ کیا۔پس جب اس کو بیان کردے تو اس کو حد لازم ہوگی۔

تشریح اقرار کرنے والا چار مرتبہ اقرار کرلے تو قاضی اقرار کرنے والے کو زنا کی حقیقت پوچھے۔یہ بھی پوچھے کہ وہ کیسے ہوتا ہے؟یہ بھی پوچھے کہ وہ کہاں ہوا،کیونکہ اس کے اختلاف سے حد ساقط ہو جائے گی۔کس کے ساتھ کیا،کیونکہ ممکن ہے کہ اقرار کرنے والا یہ سمجھے کہ فلاں کے ساتھ زنا کرنے سے حد لازم ہوگی حالانکہ بیٹے کی باندی سے زنا کرے تو حد لازم نہیں ہوتی ہے۔ان ساری باتوں کا جواب صحیح صحیح دے دے تو قاضی زنا کا فیصلہ کرے گا۔

[۲۴۵۱](۸)اگر زنا کرنے والا محصن ہے تو اس کو پتھر سے رجم کریں گے یہاں تک کہ وہ مرجائے۔

تشریح آدمی (۱)عاقل ہو(۲)بالغ ہو(۳)شادی شدہ ہو(۴)آزاد ہو(۵)مسلمان ہو تو اس کو محصن کہتے ہیں۔پس اگر محصن آدمی زنا کرے تو اس کو سو کوڑے نہیں لگیں گے بلکہ پتھر سے مار مار کے ہلاک کر دیا جائے گا۔

وجہ حضرت ماعزؓ اور حضرت غامدیہ محصن تھے اس لئے ان کو پتھر مار کر ہلاک کیا۔حدیث میں ہے۔ان ابا هريرة قال اتی رسول الله رجل من الناس ... فقال احصنت ؟ قال نعم یا رسول الله ! قال اذهبوه فارجموه (الف)(بخاری شریف،باب سوال الامام المقر هل احصنت ؟ص۱۰۰۸نمبر۶۸۲۵رمسلم شریف،باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ج ثانی ص۶۶ نمبر۱۶۹۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زانی محصن ہو تو رجم کیا جائے گا ورنہ تو زنا کے ثبوت کے بعد سو کوڑے لگیں گے۔

[۲۴۵۲](۹)زنا کرنے والے کو میدان کی طرف نکالے اور پہلے گواہ رجم کرنا شروع کرے پھر امام پھر لوگ۔پس اگر گواہ شروع کرنے سے رک جائیں تو حد ساقط ہو جائے گی۔

تشریح اگر گواہ کی گواہی کی وجہ سے زنا کا ثبوت ہوا ہو تو پہلے گواہ پتھر مارنا شروع کرے۔پھر امام پتھر مارے۔پھر لوگ پتھر مار کر ہلاک کرے۔اور اگر گواہ پتھر نہ مارے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ گواہی دینے میں خامی ہے اس لئے حد ساقط ہو جائے گی۔

وجہ میدان کی طرف لے جانے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو پتھر مارنے میں آسانی ہو اور لوگوں کو خون نہ لگے(۲)حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔

حاشیہ : (الف)حضورؐ کے پاس لوگوں میں سے ایک آدمی آیا..آپؐ نے پوچھا کیا تم محصن ہو؟کہا ہاں!اے اللہ کے رسول!آپؐ نے فرمایا جاؤ اس کو رجم کرو۔

فضاء یبتدئ الشهود برجمه ثم الامام ثم الناس فان امتنع الشهود من الابتداء سقط

اخبرنی من سمع جابرا قال کنت فیمن رجمه فرجمناه بالمصلی فلما اذ لقته الحجارة جمز حتی ادرکناه بالحرة فرجمناه (الف) (بخاری شریف، باب سوال الامام المقر ھل احصنت ؟ص ۱۰۰۸ نمبر ۶۸۲۶) اس حدیث میں ہے کہ حضرت ماعز کو عیدگاہ کی طرف لے گئے جو مدینے سے باہر تھی اور مقام حرہ میں پتھر مارا جس سے معلوم ہوا کہ میدان کی طرف لے جائے۔ پہلے گواہ پتھر مارے پھر امام مارے پھر لوگ مارے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ فقال لھا علیؓ... یا ایھا الناس ان اول الناس یرجم الزانی الامام اذا کان الاعتراف. واذا شھد اربعة شھداء علی الزنا اول الناس یرجم الشھود بشھادتھم علیه ثم الامام ثم الناس ثم رماھا بحجر و کبر (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجم والاحصان ج سابع ص ۳۲۶ نمبر ۱۳۳۵۰ رسنن للبیھقی ، باب من اعتبر حضور الامام والشھود وبدایة الامام بالرجم الخ ج ثامن ،ص ۳۸۳ نمبر ۱۶۹۶۲ رمصنف ابن ابی شیبة ،نمبر ۲۸۸۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ گواہی سے زنا ثابت ہوا ہو تو پہلے گواہ سنگسار کریں گے پھر امام پھر لوگ۔ اور زانی کے اعتراف سے ثابت ہوا ہو تو پہلے امام پھر لوگ (۲) ابوداؤد میں اس کا ذکر ہے۔ حدثنا زکریا بن سلیم باسناده نحوه زاد ثم رماھا بحصاة مثل الحمصة ثم قال ارموا والتقوا الوجه (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی المرأة التی امر النبی ﷺ برجمھا من جھینة ص ۲۶۱ نمبر ۴۴۴۴) اس حدیث میں ہے کہ حضور جو امام وقت تھے پہلے انہوں نے حضرت غامدیہ کو کنکری ماری پھر باقی لوگوں کو کنکری مارنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ اعتراف کی شکل میں پہلے امام کنکری مارے۔

اگر گواہ پہلے پتھر مارنے سے رک جائے تو یہ ممکن ہے کہ گواہی دینے میں کوئی شبہ ہو اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے اس لئے حد ساقط ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گواہوں کا پہلے مارنا ضروری نہیں ہے مارے تو اچھا ہے اور نہ مارے تو حد ساقط نہیں ہوگی۔

وجہ (۱) حضرت ماعزؓ والی حدیث میں حضورؐ نے دوسروں کو مارنے کے لئے فرمایا خود امام نے نہیں مارا۔ حدیث میں ہے۔ قال نعم یا رسول الله !قال اذھبوا فارجموه (د) (بخاری شریف، باب سوال الامام المقر ھل احصنت ؟ص ۱۰۰۸ نمبر ۶۸۲۵ رمسلم شریف، باب من اعترف علی نفسه بالزنی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۲) اس حدیث مین حضورؐ نے رجم کی ابتدا نہیں کی اس کے باوجود رجم کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ گواہ کو مارنا ضروری نہیں ہے، البتہ مارے تو اچھا ہے (۳) خادم کے مسئلے میں بھی حضورؐ نے حضرت انس کو فرمایا کہ جاؤ عورت اعتراف کرے تو رجم کر دینا۔ اور عورت نے اعتراف کیا تو رجم کر دیا جس میں حضورؐ شامل نہیں ہوئے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ واغد یا انیس علی

حاشیہ : (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں رجم کرنے والوں میں سے تھا تو ہم نے عیدگاہ کے قریب رجم کیا۔ پس جب ان کو پتھر لگا تو وہ بھاگے یہاں تک کہ ان کو مقام حرہ پر پایا پھر ہم نے ان کو رجم کیا (ب) حضرت علیؓ نے ان سے کہا... اے لوگو! زانی کو سب سے پہلے امام رجم کرے اگر اقرار کیا ہو۔ اور اگر چار آدمیوں نے زنا پر گواہی دی ہو تو لوگوں میں سب سے پہلے گواہ رجم کریں ان پر گواہی دینے کی وجہ سے، پھر امام، پھر لوگ رجم کریں یہ کہہ کر عورت کو پتھر مارا اور تکبیر کہی (ج) پھر عورت کو حضرت علی نے چنے کے برابر کنکری ماری پھر کہا تم لوگ پتھر مارو، ہاں! چہرے پر نہ مارنا (د) حضرت ماعزؓ نے فرمایا ہاں یا رسول اللہ! کہا جاؤ ان کو رجم کرو۔

الحد[۲۴۵۳] (۱۰)وان كان الزانی مقرًّا ابتدأ الامام ثم الناس [۲۴۵۴](۱۱)ويغسل ويكفن ويصلی عليه [۲۴۵۵](۱۲) وان لم يكن محصنا و كان حرا فحده مائة جلدة.

امرأة هذا فان اعترفت فارجمها فغدا عليها فاعترف فرجمها (الف)(بخاری شریف، باب الاعتراف بالزنا ص۱۰۰۸ نمبر ۶۸۲۷ رمسلم شریف، من اعترف علی نفسہ بالزنی ص۶۶ نمبر ۱۶۹۸)اس حدیث میں حضرت انسؓ نے رجم کیا اور خود حضورؐ نے پتھر مارنا شروع نہیں کیا۔جس سے معلوم ہوا کہ گواہ یا امام پہلے پتھر نہ مارے تو حد ساقط نہیں ہوگی۔

[۲۴۵۳](۱۰)پس اگر زنا کرنے والے نے اقرار کیا ہو تو امام شروع کرے پھر لوگ۔

تشریح زنا کرنے والے نے زنا کا اقرار کیا ہو اور اس کی وجہ سے زنا کا ثبوت ہوا ہو تو امام پہلے پتھر مارے پھر لوگ ماریں گے۔

وجہ اوپر حدیث گزری کہ پہلے حضورؐ نے غامدیہ کو کنکری ماری پھر لوگوں کو مارنے کا حکم دیا۔حدیث میں ہے۔زاد ثم رماها بحصاة مثل الحمصة ثم قال ارموا و اتقوا الوجه (ب)(ابوداؤد شریف۔باب فی المرأة التی امر النبی ﷺ برجمها من جهينة ص۲۶۱ نمبر۴۴۴۴ (۲) اور حضرت علی کا اثر پہلے گزر گیا۔(سنن للبیہقی، نمبر۱۶۹۶۳ رمصنف ابن ابی شیبۃ، نمبر ۲۸۸۰۸ رمصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۳۳۵۰) جس سے معلوم ہوا کہ پہلے امام پھر لوگ پتھر ماریں گے۔

[۲۴۵۴](۱۱)اور غسل دیا جائے گا اور کفن دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

تشریح زنا کے گناہ کی سزا پاچکا ہے تاہم وہ مومن ہو کر مرا ہے اس لئے عام مسلمانوں کی طرح اس کو غسل دیا جائے گا، کفن بھی دیا جائے گا اور اس پر نماز بھی پڑھی جائے گی اور دفن بھی کیا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ غامدیہ اور حضرت ماعز پر نماز پڑھی گئی۔ثم امر بها فصلی عليها ودفنت (ج)(مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی، ص۶۶ نمبر ۱۶۹۵ر۴۴۳۲ ربخاری شریف، باب الرجم بالمصلی ص۱۰۰۷ نمبر ۶۸۲۰ رابوداؤد شریف، باب فی المرأة التی امر النبی ﷺ برجمها من جهينة ص۲۶۱ نمبر۴۴۴۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رجم کے بعد اس پر نماز پڑھی جائے گی اور دفن کیا جائے گا۔تو غسل اور کفن بھی دیئے جائیں گے۔ابوداؤد شریف میں غامدیہ کے بارے میں ہے فاعناه علی غسله وتكفينه و دفنه(ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک، ص۲۶۱، نمبر۴۴۳۵)

[۲۴۵۵](۱۲)محصن نہ ہو اور آزاد ہو اس کی حد سو کوڑے ہیں۔

وجہ آیت میں ہے۔الزانية والزانی فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة (آیت ۲ سورۃ النور ۲۴)اس آیت میں زانی مرد اور زانیہ عورت کو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے۔لیکن حدیث کی بنا پر محصن اس سے الگ ہو گیا۔اس لئے غیر محصن کو سو کوڑے ہی لگیں گے (۱) حدیث میں ہے کہ غیر محصن کو سو کوڑے لگیں گے۔عن زيد بن خالد الجهنی قال سمعت النبی ﷺ يأمر فيمن زنی ولم يحصن جلد

حاشیہ : (الف) اے انیس اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دینا۔وہ ان کے پاس گئے تو انہوں نے اعتراف کیا تو حضرت انس نے عورت کو رجم کیا(ب) پھر عورت کو چنے کے برابر کنکری سے مارا پھر فرمایا لوگو! مارو لیکن چہرے پر نہ مارنا (ج) پھر حکم دیا تو حضرت غامدیہ پر نماز پڑھی اور دفن کیا۔

[۲۴۵۶](۱۳)یامر الامام بضربه بسوط لاثمرة له ضربا متوسطا .[۲۴۵۷](۱۴)تنزع

مائة وتغریب عام (الف)(بخاری شریف، باب البکر ان یجلدان وینفیان ص۱۰۱۰ نمبر ۶۸۳۱ر مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ص۶۶ نمبر ۱۶۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محصن نہ ہو تو سو کوڑے لگیں گے۔

[۲۴۵۶](۱۳)امام حکم دے گا مارنے کا ایسے کوڑے سے جس میں گرہ نہ ہو متوسط مار۔

تشریح حد زنا، حد شراب، حد قذف وغیرہ جن میں مجرم کو کوڑے مارے جاتے ہیں تو ایسے کوڑے مارے جاتے ہیں جو بہت سخت نہ ہو اور نہ بہت نرم ہو بلکہ درمیانہ قسم کا ہو تا کہ تنبیہ بھی ہو اور آدمی زیادہ زخمی نہ ہو۔

وجہ مرسل حدیث میں ہے۔عن یحیی بن ابی کثیر ان رجلا جاء الی النبی ﷺ فقال یا رسول الله انی اصبت حدا فاقمه علی فدعا رسول الله ﷺ بسوط جدید علیه ثمرته فقال ل،ا سوط دون هذا فاتی بسوط مکسور العجز فقال لا، سوط فوق هذا فاتی بسوط بین السوطین فامر به فجلد (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب ضرب الحدود وھل ضرب النبی ﷺ بالسوط؟ ج سابع ص ۳۶۹ نمبر ۱۳۵۱۵ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۰، ما جاء فی الضرب فی الحدج خامس ص ۵۲۴ نمبر ۲۸۶۶۴)اس حدیث مرسل سے معلوم ہوا کہ درمیانہ کوڑے سے مارے۔بہت طاقت سے نہ مارے اور نہ بہت آہستہ مارے۔

وجہ اثر میں ہے۔شهدت ابا برزة اقام الحد علی امة له فی دهلیزه وعنده نفر من اصحابه فقال اجلدها جلدا بین الجلدین ولیس بالممطی ولا بالتخفیف (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۱ ما جاء فی الضرب فی الحدج خامس ص ۵۲۴ نمبر ۲۸۶۶۷ر مصنف عبد الرزاق، باب ضرب الحدود وھل ضرب النبی ﷺ بالسوط؟ ج سابع ص ۳۷۰ نمبر ۱۳۵۱۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ درمیانہ مار مارے۔ایک روایت میں ہے کہ کوڑے کا اگلا حصہ پتھر سے چور کردے۔ثم یدق بین حجرین حتی یلین (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۰، فی السوط من یأمر بہ ان یدق ج خامس ص ۵۲۵ نمبر ۲۸۶۷۴)

[۲۴۵۷](۱۴)کپڑے اس کے بدن سے اتروا دے۔

تشریح اگر مرد ہے تو ستر پر کپڑا رکھے باقی کپڑوں کو اتروا کر کوڑا مارے۔ستر نہ کھولے کیونکہ ستر کھولنا حرام ہے۔

وجہ کپڑا اس لئے اتارے کہ مناسب مار لگے۔خاص طور پر موٹا کپڑا اتروالے (۲) اثر میں ہے۔عن قتادة قال یجلد القاذف والشارب وعلیهما ثیابهما وینزع عن الزانی ثیابه حتی یکون فی ازاره (د)(مصنف عبد الرزاق، باب وضع الرداء ج سابع

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے حکم دیا کہ جس نے زنا کیا اور محصن نہیں ہے تو سو کوڑے لگائے اور ایک سال قید (ب) یحیی بن ابی کثیر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ میں نے حد کا کام کر لیا ہے اس لئے اس کو میرے اوپر قائم کریں۔تو حضورؐ نے نیا کوڑا منگوایا اس پر گرہ تھا۔آپؐ نے فرمایا یہ نہیں اس سے کم کا۔پھر گرہ ٹوٹا ہوا کوڑا لایا۔آپؐ نے فرمایا یہ بھی نہیں اس سے تھوڑا اچھا۔پھر ان دونوں کے درمیانی کوڑا لایا گیا۔آپؐ نے اس سے کوڑا لگانے کا حکم دیا (ج) میں حاضر تھا کہ حضرت ابو برزہ نے ایک باندی پر دہلیز میں حد قائم کی۔ان کے پاس کچھ صحابہ تھے۔فرمایا اس کو درمیانی کوڑے لگاؤ نہ کھینچ کر کے نہ آہستہ (د) حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ زنا کی تہمت لگانے والے اور شراب پینے والے کو اس طرح کوڑے مارے کہ ان پر کپڑا ہو۔اور زانی سے کپڑا اتروالے یہاں تک (باقی اگلے صفحہ پر)

عنه ثيابه[۲۴۵۸] (۱۵)ويفرق الضرب على اعضائه الا رأسه ووجهه وفرجه[۲۴۵۹] (۱۶)وان كان عبدا جلده خمسين وكذلك الامة.

ص ۳۷۴ نمبر ۱۳۵۲۸ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۳۸ فی الزانیۃ والزانی تخلع عنھما ثیابھما او یضربان فیھما ج خامس ص ۴۹۲ نمبر ۲۸۳۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرد کے جسم سے زائد کپڑے اتر والئے جائیں گے۔ البتہ عورت کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے کیونکہ اس کا پورا جسم ستر ہے۔

وجہ غامدیہ کی حدیث میں ہے۔ فامر بها النبی ﷺ فشكت عليها ثيابها ثم امر بها فرجمت (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المرأة التی امر النبی ﷺ برجمها من جهینة ص ۲۶۱ نمبر ۴۴۴۰) اس حدیث میں ہے کہ عورت پر پورا کپڑا باندھا پھر رجم کی گئی (۲) عن معمر قال بلغنى ان المرأة تضرب قاعدة عليها ثيابها فى الحد (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب ضرب المرأة ج سابع ص ۳۷۵ نمبر ۱۳۵۳۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۳۸ فی الزانیۃ والزانی تخلع عنھما ثیابھما او یضربان فیھما ص ۴۹۲ نمبر ۲۸۳۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت پر کپڑا باندھ کر حد لگائے۔

[۲۴۵۸] (۱۵) اور متفرق کئے جائے ضرب اس کے اعضاء پر سوائے اس کے سر اور چہرہ اور شرمگاہ کے۔

تشریح جسم کے ایک حصے پر تمام ضربیں نہ ماریں بلکہ الگ الگ عضو پر مارے، البتہ سر، چہرہ اور شرمگاہ پر نہ مارے۔

وجہ اثر میں ہے۔ قال اتى عليا رجل فى حد فقال اضرب واعط كل عضو حقه واجتنب وجهه ومذاكيره (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب ضرب الحدود وهل ضرب النبی ﷺ بالسوط؟ ج سابع ص ۳۷۰ نمبر ۱۳۵۱۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مختلف اعضاء پر کوڑا مارے، البتہ چہرہ، شرمگاہ اور سر پر نہ مارے کیونکہ یہ نازک اعضاء ہیں۔

[۲۴۵۹] (۱۶) اگر غلام ہو تو اس کو پچاس کوڑے مارے اور ایسے ہی باندی۔

تشریح آزاد زنا کرے تو اس کو سو کوڑے لگتے ہیں اور غلام یا باندی زنا کرے تو اس کا آدھا ہوگا یعنی پچاس کوڑے لگیں گے۔

وجہ آیت میں ہے۔ فان اتين بفاحشة فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب (د) (آیت ۲۵ سورۃ النساء ۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ غلام باندی پر آزاد سے آدھی سزا ہے (۲) اثر میں ہے۔ امرنی عمر بن الخطابؓ فى فتية من قريش فجلدنا ولائد من ولائد الامارة خمسين خمسين فى الزنا (ه) (سنن للبیہقی ۳۴ باب ماجاء فی حد المملوک ج خامس ص ۴۹۷ نمبر ۱۷۰۸۹ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۴۸ فی الامۃ والعبد یزنیان ج خامس ص ۴۲۲، نمبر ۲۸۳۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی اور غلام کو زنا میں پچاس کوڑے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کہ صرف لنگی میں ہو (الف) آپؐ نے حضرت غامدیہؓ کو حکم دیا کہ اس پر کپڑا اچھی طرح باندھ دے، پھر حکم دیا کہ وہ رجم کردی جائے (ب) حضرت معمرؒ فرماتے ہیں کہ حد میں عورت کو بٹھا کر مارے، اس پر کپڑا بھی ہو (ج) حضرت علیؓ کے پاس حد کے لئے ایک آدمی لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا ہر عضو کو اس کا حق دو یعنی ہر عضو پر مارو، چہرہ اور ذکر کو چھوڑ کر (د) پس اگر فاحشہ کام کیا ہو تو اس پر پاکدامن آزاد سے آدھا عذاب ہے (ہ) ہمیں عمرؓ نے حکم دیا قریش کے کچھ جوانوں کے ساتھ تو امارت کے باندیوں میں سے کچھ باندیوں کو حد زنا لگایا پچاس پچاس کوڑے۔

[۲۴۶۰] (۱۷) فان رجع المقر عن اقراره قبل اقامة الحد عليه او في وسطه قبل رجوعه وخلى سبيله [۲۴۶۱] (۱۸) ويستحب للامام ان يلقّن المقرَّ الرجوع ويقول له لعلك لمست او قبلت.

لگیں گے۔ یہ آزاد کی حد زنا سو کوڑے کا آدھا ہے۔

[۲۴۶۰] (۱۷) اگر اقرار کرنے والا اپنے اقرار سے رک جائے اس پر حد قائم ہونے سے پہلے یا اس کے درمیان تو اس کا رجوع کرنا قبول کیا جائے گا اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

تشریح چار مرتبہ اقرار کرنے کی وجہ سے زنا ثابت ہوا تھا۔ حد قائم کرنے سے پہلے یا حد قائم ہونے کے درمیان اپنے اقرار سے رجوع کر جائے تو اس کا رجوع کرنا قبول کیا جائے گا اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **فذکروا ذلک لرسول الله ﷺ انه فرّ حين وجد مس الحجارة ومس الموت فقال رسول الله ﷺ هلا تركتموه** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی درء الحد عن المعترف اذا رجع ص ۲۶۳ نمبر ۱۴۲۸) ابوداؤد شریف میں یہ بھی ہے۔ **هلا تركتموه لعله ان يتوب فيتوب الله عليه** (ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک ص ۲۵۸، نمبر ۴۴۱۹) اس حدیث میں ہے کہ تم نے حضرت ماعز کو چھوڑ کیوں نہ دیا۔ اگر وہ توبہ کر لیتے اور اقرار سے رجوع کر لیتے تو اللہ ان کی توبہ قبول کر لیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقر رجوع کر لے تو حد ساقط ہو جائے گی (۲) اثر میں ہے۔ **عن عبد الله بن شداد ان امرأة رفعت الى عمر اقرت بالزنا اربع مرات فقال ان رجعت لم نقم عليك فقالت لا يجتمع على امران** (ب) مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲۷ فی الرجل والمرأۃ یقران بالحد ثم ینکران ج خامس ص ۵۴۰ نمبر ۲۸۸۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اقرار کے بعد انکار کر دے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

[۲۴۶۱] (۱۸) امام کے لئے مستحب ہے کہ اقرار کرنے والے کو رجوع کی تلقین کرے اور اس سے کہے شاید تم نے چھویا ہوگا یا بوسہ لیا ہوگا۔

تشریح جب حضرت ماعزؓ زنا کا اقرار کرنے تشریف لائے تو آپؐ نے رجوع کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا تھا شاید تم نے بوسہ لیا تھا، شاید تم نے بھینچا تھا، شاید تم نے صرف دیکھا تھا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال لما اتى ماعز ابن مالك النبى ﷺ قال له لعلك قبلت او غمزت او نظرت ؟قال لا يا رسول الله !** (ج) (بخاری شریف، باب ھل یقول الامام للمقر لعلک لمست او غمزت؟ (۱۰۰۸ نمبر ۶۸۲۴ / ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک ص ۲۶۰ نمبر ۴۴۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کے لئے مستحب ہے کہ رجوع کی تلقین کرے۔

حاشیہ : (الف) لوگوں نے حضورؐ کے سامنے تذکرہ کیا کہ جب پتھر کی مار پڑی اور موت نظر آئی تو حضرت ماعز بھاگے تو حضورؐ نے فرمایا تم اس کو چھوڑ کیوں نہ دیئے؟ (ب) عبد اللہ بن شداد فرماتے ہیں کہ ایک عورت کا معاملہ حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے جس نے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا تو انہوں نے فرمایا اگر تم اقرار سے رجوع کر جاؤ تو تم پر حد جاری نہیں کریں گے۔ تو عورت نے کہا مجھ پر دو معاملے جمع نہیں ہو سکتے (ج) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب حضرت ماعزؓ حضورؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے ان کو ٹالنے کے لئے کہا شاید بوسہ لیا ہوگا یا بھینچا ہوگا یا دیکھا ہوگا۔ فرمایا نہیں یا رسول اللہ!

[۲۴۶۲](۱۹)والرجل والمرأۃ فی ذلک سواء غیر ان المرأۃ لاتنزع عنها ثیابها الا الفرو والحشو[۲۴۶۳](۲۰)وان حفر لها فی الرجم جاز [۲۴۶۴](۲۱)ولا یقیم

لغت یلقن : تلقین کرے، رجوع کرنے کا اشارہ کرے۔ قبلت : بوسہ لیا ہے۔

[۲۴۶۲](۱۹) مرد اور عورت حد کے بارے میں برابر ہیں مگر یہ کہ عورت کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے سوائے پوستین اور موٹے کپڑے کے

تشریح حد کی صفات اور مرد اور عورت کو پوچھنے کے بارے میں دونوں کے احکام برابر ہیں۔ البتہ حد لگاتے وقت مرد کے جسم پر کپڑا نہیں ہونا چاہئے اور عورت کے جسم پر کپڑا ہو۔ البتہ موٹا کپڑا اور کوٹ وغیرہ نہ ہو۔

وجہ عورت کا پورا جسم ستر ہے اس لئے پورے جسم پر پتلا کپڑا ہوتا کہ حد لگاتے وقت ستر نہ کھلے۔ اور موٹے کپڑے پر کوڑے کی ضرب نہیں لگے گی اس لئے موٹے کپڑے اتار لئے جائیں (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت غامدیہ کو رجم کیا تو کپڑا اچھی طرح باندھ دیا۔ روایت ہے۔ **عن عمران بن حصین ان امرأۃ من جهینة اتت نبی الله ... فامر بها نبی الله ﷺ فشکت علیها ثیابها ثم امر بها فرجمت (الف)** (مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۶ / ابوداؤد شریف، باب فی المرأۃ التی امر النبی ﷺ برجمها من جهینة ص ۲۶۱ نمبر ۴۴۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت پر کپڑا باندھ کر حد لگائے یا رجم کرے۔ اثر میں ہے۔ **عن الحسن ان امرأۃ من الضبیریین شنت فالبسها اهلها درعا من حدید فرفعت الی علیؓ فضربها وهو علیها (ب)** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۸ فی الزانیۃ والزانی یخلع عنهما ثیابهما اویضربان فیها؟ ج خامس ص ۴۹۲ نمبر ۲۸۳۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت کے جسم پر کپڑا ہو اسی حال میں حد لگائے۔

لغت الفرد : پوستین۔ الحشو : موٹا کپڑا۔

[۲۴۶۳](۲۰) اور اگر عورت کے لئے رجم میں گڑھا کھودے تو جائز ہے۔

تشریح چونکہ رجم کر کے مار دینا ہے اس لئے ستر نہ کھلے اس لئے گڑھا کھودے اور رجم کرے تو بہتر ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضرت غامدیہ کو رجم کرتے وقت سینے تک گڑھا کھودا ہے۔ **قال فجاءت الغامدیة فقالت ... ثم امر بها فحفر لها الی صدرها وامر الناس فرجموها (ج)** (مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ص ۶۶، نمبر ۱۶۹۵ / ابوداؤد شریف، باب فی المرأۃ التی امر النبی ﷺ برجمها من جهینة ص ۲۶۱، نمبر ۴۴۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو رجم کرتے وقت سینے تک گڑھا کھودا جائے تو بہتر ہے۔

[۲۴۶۴](۲۱) آقا اپنے غلام اور باندی پر حد قائم نہ کرے مگر امام کی اجازت سے۔

حاشیہ : (الف) قبیلہ جہینہ کی ایک عورت حضورؐ کے پاس آئی ... حضورؐ نے حکم دیا کہ اس پر کپڑا باندھ دیا جائے پھر حکم دیا اور رجم کر دی گئی (ب) حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ضبیریین کی ایک عورت نے زنا کیا۔ پس اس کو لوہے کا لباس پہنایا اور حضرت علیؓ کے پاس لائے تو انہوں نے اس کو کوڑے مارے اس حال میں کہ لباس عورت پر تھا (ج) حضرت غامدیہ حضورؐ کے پاس آئیں ... پھر حکم دیا اور اس کے لئے سینے تک گڑھا کھودا اور لوگوں کو حکم دیا پس ان کو رجم کر دیا گیا۔

المولی الحد علی عبده وامته الا باذن الامام[۲۴۶۵] (۲۲)وان رجع احد الشهود بعد

تشریح غلام یا باندی نے زنا کیا تو آقا خود اس پر حد قائم نہیں کر سکتا۔ ہاں! امام سے رابطہ کرے وہ فیصلہ کرنے کے بعد آقا کو حد جاری کرنے کا حکم دے تو وہ حد جاری کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔

وجہ ہر آدمی حد جاری کرے گا تو زیادتی کر سکتا ہے اس لئے امام سوچ بچار کر حد جاری کرے گا (۲) اثر میں ہے۔عن عائشةؓ عن الحسن قال اربع الی السلطان الصلوة والزکوة والحدود والقضاء (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۸ من قال تدفع الزکوة الی السلطان ج ثانی ص ۳۸۵ نمبر ۱۰۱۸۹/۲۸۴۲۹) اور سنن بیہقی میں ہے۔حدثنا ابی الزناد عن ابیه عن الفقهاء الذین ینتهی الی قولهم من اهل المدینة کانوا یقولون لا ینبغی لا حد ان یقیم شیئا من الحدود دون السلطان (ب) (سنن للبیہقی ۳۶ باب حد الرجل امتہ اذا زنت ج ثامن ص ۴۲۸ نمبر ۱۷۱۱۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قاضی حد قائم کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آقا اپنے غلام اور باندی پر حد قائم کر سکتا ہے۔

وجہ اس لئے کہ وہ مالک ہے۔اور یہ اس کا مال ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن ابی هریرةؓ وزید بن خالدؓ ان رسول الله سئل عن الامة اذا زنت ولم تحصن قال اذا زنت فاجلدوها ثم ان زنت فاجلدوها ثم ان زنت فاجلدوها ثم بیعوها ولو بضفیر (ج) (بخاری شریف، باب اذا زنت الامة ص ۱۰۱۱ نمبر ۶۸۳۷ رمسلم شریف، باب رجم الیہود اہل الذمة فی الزنا ص ۶۷ نمبر ۱۷۰۳) اس حدیث میں آپؐ نے آقا سے فرمایا کہ باندی پر حد قائم کرو اس لئے آقا خود حد قائم کر سکتا ہے (۳) اثر میں ہے۔ان فاطمة بنت رسول الله حدت جاریة لها زنت (د) (سنن للبیہقی، باب حد الرجل امتہ اذا زنت ج ثامن ص ۴۲۷ نمبر ۱۷۱۰۷ رمصنف ابن ابی شیبة ۳۰ فی الرجل یزنی مملوکه یقال علیه الحدام لا؟ ج خامس ص ۴۸۸ نمبر ۲۸۲۶۹) اس اثر میں ہے کہ حضرت فاطمہ نے خود اپنی باندی پر حد جاری کی جس سے معلوم ہوا کہ آقا اپنے غلام اور باندی پر حد قائم کر سکتا ہے۔

[۲۴۶۵] (۲۲) اگر فیصلے کے بعد گواہوں نے رجوع کر لیا رجم سے پہلے تو گواہوں کو حد لگے گی اور جس پر گواہی دی اس سے رجم ساقط ہو جائے گا۔

تشریح گواہوں کی گواہی کے بعد رجم کا فیصلہ ہوا لیکن رجم کرنے سے پہلے سبھی گواہ یا ایک دو گواہ انکار کر گئے تو رجم ساقط ہو جائے گا۔اور جن لوگوں نے گواہی دی تھی ان پر حد قذف لگے گی۔

وجہ آیت میں ہے۔والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة (ہ) (آیت ۴ سورۃ النور

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا چار کام بادشاہ ہی کر سکتا ہے۔نماز جمعہ قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا۔حدود قائم کرنا اور قضاء قائم کرنا (ب) اہل مدینہ تک یہ بات پہنچی ہے وہ فرماتے ہیں کہ کسی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ حد قائم کرے مگر بادشاہ (ج) آپؐ سے پوچھا باندی کے بارے میں کہ زنا کرے اور محصنہ نہ ہو؟ فرمایا اگر وہ زنا کرے تو اس کو کوڑے لگاؤ، پھر زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ، پھر زنا کرے تو اس کو کوڑے لگاؤ، پھر اس کو بیچ دو چاہے گوندھے بالوں کے بدلے میں ہی کیوں نہ ہو (د) حضرت فاطمہ نے اپنی باندی کو حد لگائی اس لئے کہ اس نے زنا کی تھی (ہ) جو لوگ پاکدامن عورت کو تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لا سکتے (باقی اگلے صفحہ پر)

الحكم قبل الرجم ضُرِبوا الحد وسقط الرجم عن المشهود عليه[۲۴۶۶] (۲۳)وان رجع بعد الرجم حُدَّ الراجع وحده وضمن ربع الدية.

۲۴)اس آیت میں ہے چار گواہ لاؤ۔اور چار گواہ نہ لائے تو خود گواہ پر حد لگے گی۔دوسری آیت میں ہے۔**لولا جاء وا عليه باربعة شهداء فاذ لم يأتوا بالشهداء فاولئک عند الله هم الكاذبون** (الف)((آیت ۱۳ سورۃ النور ۲۴)اس آیت میں بھی چار گواہ ضروری قرار دیا اور وہ نہ لا سکے تو تہمت لگانے والا جھوٹا ہے۔اور چونکہ رجم سے پہلے چار گواہ نہ رہے اس لئے گواہوں کو حد لگے گی (۳) حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت ابو بکرہ اور سفیرہ کے سلسلے میں تین گواہ پیش ہوئے اور چوتھے گواہ زیاد نے گواہی دینے سے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے تینوں گواہوں کو حد لگایا۔**قال فدعا الشهود فشهد ابو بكرة وشبل بن سعيد وابو عبد الله نافع فقال عمر عنه حين شهد هؤلاء الثلاثة شق على عمر شأنه فلما قام زياد قال ان تشهد ان شاء الله الا بحق قال الزياد اما الزنا فلا اشهد به ولكن قد رأيت امرا قبيحا قال عمر الله اكبر حدوهم فجلدوهم** (ب)(سنن للبیہقی ۲۷ باب شہود الزنا اذا لم یکملوا اربعۃ ج ثامن ص ۴۰۸ نمبر ۱۷۰۴۲)اس اثر میں گواہ کے رجوع کے بعد باقی تین گواہوں کو حضرت عمر نے حد لگائی۔

[۲۴۶۶] (۲۳)اور اگر رجم کے بعد رجوع کیا تو صرف رجوع کرنے والے کو حد لگے گی اور چوتھائی دیت کا ضامن ہوگا۔

تشریح چار آدمی کی گواہی سے رجم کیا۔رجم کے بعد ایک گواہ نے رجوع کر لیا تو جس نے رجوع کیا اس کو حد لگے گی اور اس پر چوتھائی دیت یعنی ڈھائی ہزار درہم کا ضامن ہوگا۔

وجہ حد تو اس لئے لگے گی کہ اس نے گویا کہ رجم والے پر تہمت لگائی۔اور اگر تہمت لگائی اور چار گواہ نہ لا سکے تو اس کو اوپر کی آیت کی وجہ سے حد لگے گی۔**فاجلدوهم ثمانين جلدة** (آیت ۴ سورۃ النور ۲۴)اور چونکہ چار آدمیوں نے مل کر رجم والے کی جان لی ہے اس لئے ایک آدمی پر چوتھائی دیت لازم ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے۔**عن الشعبی ان رجلين شهدا عند علیؓ علی رجل بالسرقة فقطع علیؓ يده ثم جاء ا بآخر فقالا هذا هو السارق لا الاول فاغرم علیؓ الشاهدين دية يد المقطوع الاول وقال لو اعلم انكما تعمدتما لقطعت ايديكما ولم يقطع الثانی** (ج)(سنن للبیہقی ۹۱ باب الرجوع عن الشہادۃ ،ج عاشر ص ۴۲۴ نمبر ۲۱۱۹۲ رمصنف عبد الرزاق ،باب الشاہد یرجع عن شہادتہ

حاشیہ : تو اس کو اسی کوڑے مارو (الف) کیوں تہمت پر چار گواہ نہ لا سکے۔پس جبکہ گواہ نہیں لائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں (ب) حضرت عمرؓ نے گواہوں کو بلایا تو ابو بکرہ،شبل بن سعید اور ابو عبد اللہ نافع آئے۔پس یہ تینوں آئے تو حضرت عمرؓ نے کہا اور حضرت عمر کو گراں گزرا۔پس جب زیاد کھڑے ہوئے تو کہا گیا گواہی دیتے ہو مگر حق کے ساتھ تو زیاد نے کہا کہ زنا کی گواہی نہیں دوں گا۔البتہ میں نے برا معاملہ دیکھا ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ اکبر! اور مذکورہ تینوں کو حد لگاؤ۔پس ان تینوں کو کوڑے لگائے (ج) حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں نے حضرت علیؓ کے پاس ایک آدمی پر چوری کی گواہی دی تو حضرت علیؓ نے اس کا ہاتھ کاٹا۔پھر دو دوسرے آئے اور کہا چور دوسرا آدمی ہے پہلا نہیں ہے۔تو حضرت علیؓ نے پہلا آدمی جس کا ہاتھ کاٹا تھا گواہوں پر اس کی دیت لازم کی اور فرمایا کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ تم دونوں نے جان کر کیا تو تم دونوں کا ہاتھ قصاصا کاٹتا اور دوسرے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

[۲۴۶۷](۲۴)وان نقص عدد الشهود عن اربعة حُدُّوا جميعا [۲۴۶۸](۲۵)واحصان

اویشہد ثم یحدج ثامن ص ۳۵۴ نمبر ۱۵۵۱۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ گواہ رجوع کر جائے تو اس پر دیت لازم ہوگی۔

[۲۴۶۷](۲۴)اگر چار سے گواہوں کی عدد کم ہو تو سب کو حد لگائی جائے گی۔

تشریح حد زنا کے لئے چار گواہ ضروری ہیں۔لیکن اگر چار سے کم تین یا دو گواہ لا سکے اس سے زیادہ نہ لا سکا تو جن لوگوں نے گواہی دی ہے ان کو حد قذف لگ جائے گی۔

وجہ اوپر آیت گزر چکی ہے کہ چار گواہ نہ لائے تو گواہوں کو حد قذف لگے گی۔والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة (الف)(۲)اثر میں ہے۔عن قتادة فی الرجل یقذف الرجل ثم یؤتی بثلاثة یشهدون قال یجلدون ویجلد الا ان یأتی باربعة فان جاء باربعة فشهدوا جميعا اقيم الحد (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یقذف ویجیٔ بثلاثة ج سابع ص ۳۳۳ نمبر ۱۳۳۷۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار گواہ نہ ہوں تو باقی گواہوں کو حد لگ جائے گی تاکہ تہمت لگانے کا سد باب ہو جائے۔

[۲۴۶۸](۲۵)رجم کا محصن ہونا یہ ہے کہ (۱)وہ آزاد ہو (۲)بالغ ہو (۳)عاقل ہو (۴)مسلمان ہو (۵)کسی عورت سے نکاح صحیح کیا ہو (۶)اور اس سے وطی کی ہو اس حال میں کہ دونوں احصان کی صفت پر ہوں۔

تشریح زنا میں رجم کے لئے محصن ہونا ضروری ہے۔اگر محصن نہیں ہے تو مجرم کو سو کوڑے لگیں گے۔اور غلام یا باندی ہے تو پچاس کوڑے لگیں گے۔اس لئے مصنفؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چھ شرطیں پائی جائیں تب آدمی محصن ہوتا ہے۔اور اگر ان میں سے ایک نہ ہو تو محصن نہیں ہوگا۔اس صورت میں اس کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ہر ایک شرط کی دلیل یہ ہے۔

[۱] آزاد ہو۔کیونکہ غلام اور باندی محصن نہیں ہیں۔

وجہ (۱)حدیث میں ہے۔عن ابی هريرة انه سمعه يقول قال النبی ﷺ اذا زنت الامة فتبين زناها فليجلدها ولا يثرب ثم ان زنت فليجلدها ولا يثرب (ج)(بخاری شریف، باب لا یثرب علی الامة اذا زنت ولا تنفی ص ۱۰۱۱ نمبر ۶۸۳۹ر مسلم شریف، باب رجم الیهود اهل الذمة فی الزنی ص ۶۶ نمبر ۱۷۰۳)اس حدیث میں باندی کو کوڑا مارنے کے لئے کہا رجم کے لئے نہیں کہا۔جس سے معلوم ہوا کہ محصن کے لئے آزاد ہونا شرط ہے (۲)آیت میں ہے۔فان اتيتن بفاحشة فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب (د)(آیت ۲۵ سورۃ النساء ۴)اس آیت میں ہے کہ باندی پر آدھی سزا ہے اور آدھی سزا رجم میں نہیں ہو سکتی کوڑے میں ہو سکتی ہے۔اس سے

حاشیہ : (الف) جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لائے تو ان کو اسی کوڑے مارو (ب) حضرت قتادہ فرماتے ہیں کوئی آدمی کسی آدمی پر زنا کی تہمت ڈالے پھر تین گواہ لائے تو تینوں کو حد قذف لگائی جائے گی مگر یہ کہ چوتھا گواہ لائیں۔پس اگر چار گواہ لائے اور چاروں نے ایک ساتھ گواہی دی تو حد قائم کی جائے گی (ج) آپؐ نے فرمایا اگر باندی نے زنا کی اور اس کا زنا ظاہر ہو گیا تو اس کو کوڑے لگاؤ لیکن طعنے مت دو۔پھر اگر زنا کی تو کوڑے لگاؤ لیکن طعنے مت دو (د) پس اگر باندی نے زنا کیا تو اس پر پاکدامن آزاد سے آدھی سزا ہے۔

الرجم ان یکون حرا بالغا عاقلا مسلما قد تزوج امرأة نکاحا صحیحا ودخل بها وهما

بھی پتا چلا کہ باندی اور غلام محصن نہیں ہیں بلکہ آزاد ہونا محصن کی شرط ہے۔

[۲] بالغ اور عاقل ہونے کی دلیل کئی مرتبہ حدیث گزر چکی ہے۔ عن علیؓ عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب ص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۳) (۲) حضرت ماعزؓ کی حدیث میں آپؐ نے باضابطہ پوچھا ہے کہ کیا ماعز کو جنون تو نہیں ہے؟ لوگوں نے فرمایا نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ محصن ہونے کے لئے عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے۔ دعاہ النبی ﷺ ابک جنون؟ قال لا (ب) (بخاری شریف، باب لا یرجم المجنون والمجنونۃ ص ۱۰۰۶ نمبر ۶۸۱۵ مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محصن ہونے کے لئے عاقل بالغ ہونا ضروری ہے۔

[۴] محصن ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ قال من اشرک بالله فلیس بمحصن (ج) (دارقطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۱۰۷ نمبر ۳۲۶۶ سنن للبیہقی، باب من قال من اشرک باللہ فلیس بمحصن ج ثامن ص ۳۷۵ نمبر ۱۶۹۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے علاوہ محصن نہیں ہے اس لئے اگر وہ زنا کرے تو کوڑے لگائے جائیں گے۔ سنگسار نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ محصن ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

وجہ یہود پر رجم کیا گیا ہے۔ عن ابن عمرؓ قال اتی رسول الله ﷺ بیهودی ویهودیة قد احدثا جمیعا ... قال ابن عمر فرجما عند البلاط (د) (بخاری شریف، باب الرجم فی البلاط ص ۱۰۰۷ نمبر ۶۸۱۹ مسلم، باب رجم الیہود اہل الذمۃ فی الزنی ج ثانی ص ۶۷ نمبر ۱۶۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہودی کو رجم کیا جا سکتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ محصن کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

[۵] کسی عورت سے نکاح صحیح کیا ہو۔

تشریح آدمی کسی عورت سے نکاح صحیح کر کے اس سے صحبت کی ہو تب وہ محصن ہوتا ہے۔ اگر نکاح نہیں کیا یا نکاح کیا لیکن ابھی صحبت نہیں کی تو وہ محصن نہیں ہے۔

وجہ (۱) حدیث میں ہے۔ عن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ لا یحل دم امرئ مسلم یشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الا باحدی ثلاث الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارک لدینه المفارق للجماعة (ہ) (مسلم شریف، باب ما

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے منقول ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو جائے۔ اور بچے سے جب تک بالغ نہ ہو جائے اور مجنون سے جب تک عقلمند نہ ہو جائے (ب) حضورؐ نے حضرت ماعز کو بلایا اور پوچھا کیا تم کو جنون ہے؟ کہا نہیں (ج) حضورؐ نے فرمایا جس نے شرک کیا وہ محصن نہیں ہے (د) حضورؐ کے پاس یہودی اور یہودیہ لائے گئے دونوں نے زنا کیا تھا... حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں دونوں کو مقام بلاط کے پاس رجم کیا (ہ) آپؐ نے فرمایا کوئی مسلمان آدمی جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہو اس کا خون حلال نہیں ہے مگر تین میں سے ایک وجہ سے، زنا کرنے والا ثیب اور قصاص کے طور (باقی اگلے صفحہ پر)

علی صفة الاحصان .

یباح بہ دم المسلم ص۵۹ نمبر ۱۶۷۶) اس حدیث میں کہ وہ نکاح شدہ جو زنا کرنے والا ہو وہ قتل کا مستحق ہے۔ جس سے پتا چلا کہ محصن کے لئے نکاح ہونا ضروری ہے (۲) حدیث میں ہے کہ ملازم لڑکا نکاح شدہ نہیں تھا تو اس کو رجم نہیں کیا بلکہ سو کوڑے لگائے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ انہ سمع ابا ھریرة ... وعلی ابنک جلد مائة وتغریب عام (الف) (مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۷) اس حدیث میں لڑکا غیر شادی شدہ تھا اس لئے اس کو سو کوڑے لگائے رجم نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ محصن ہونے کے لئے شادی شدہ ہونا ضروری ہے (۳) اور نکاح صحیح ہو نکاح فاسد سے محصن نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن عطاء فی رجل تزوج بامرأة ثم دخل بھا فاذا ھی اختہ من الرضاعة قال لیس باحصان وقالہ معمر عن قتادة (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب ہل یکون النکاح الفاسد احصانا ج سابع ص ۳۰۹ نمبر ۱۳۳۰۵) اس اثر میں رضاعی بہن سے شادی کی اور صحبت کی چونکہ یہ نکاح فاسد ہے اس لئے اس شادی اور صحبت سے آدمی محصن نہیں ہوا۔

[۶] دونوں کے احصان کی صفت پر صحبت کی ہو۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن عطاء قال الاحصان ان یجامعھا لیس دون ذلک احصان ولا یرجم حتی یشھدوا لرأیناہ یغیب فی ذلک منھا (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب ہل یحصن الرجل ولم یدخل ج سابع ص ۳۰۴ نمبر ۱۳۲۷۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحبت کرے تب محصن ہوگا صرف شادی کرنے سے محصن نہیں ہوگا۔

[۷] دونوں احصان کی صفت پر ہوں اس حال میں شادی کرے اور صحبت کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہودیہ، نصرانیہ اور باندی سے شادی کرے تو محصن نہیں ہوگا۔ آزاد مسلمان عورت سے شادی کرے تب محصن ہوگا۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن کعب بن مالک انہ اراد ان یتزوج یھودیة او نصرانیة فسأل رسول اللہ ﷺ فنھاہ عنھا وقال انھا لا تحصنک (د) (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۱۰۸ نمبر ۳۲۶۸ رسنن للبیہقی، باب من قال من اشرک باللہ فلیس بمحصن ج ثامن ص ۳۷۶ نمبر ۱۶۹۴۱) اس حدیث میں یہودیہ محصنہ نہیں ہے اس لئے اس سے شادی کرنے سے آدمی محصن نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ عن عطاء قال لیس نکاح الامة باحصان (ہ) (مصنف عبد الرزاق، باب نکاح الامة لیس باحصان ج سابع ص ۳۰۶ نمبر ۱۳۲۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی سے شادی کرے تو آدمی محصن نہیں ہوگا کیونکہ وہ محصنہ نہیں ہے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پر جان کے بدلے جان اور دین کو چھوڑنے والا جو جماعت سے جدا ہونے والا ہو (الف) آپؐ نے فرمایا تمہارے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال قید ہے (ب) حضرت عطا فرماتے ہیں کہ کسی آدمی نے کسی عورت سے شادی کی پھر اس سے وطی کی بعد میں پتا چلا کہ وہ اس کی رضاعی بہن ہے تو اس سے محصن نہیں ہوگا۔ حضرت معمر نے حضرت قتادہ سے بھی یہی بات بیان کی ہے (ج) حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ محصن اس وقت بنے گا کہ بیوی سے صحبت کرے اس کے بغیر محصن نہیں ہوگا اور رجم نہیں کیا جائے یہاں تک کہ گواہی دیں کہ ہم نے اس کو دیکھا ہے کہ اس کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں غائب ہوگئی (د) حضرت کعب بن مالک نے سوچا کہ یہودیہ یا نصرانیہ عورت سے شادی کرے تو حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے اس سے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ عورتیں تمہیں محصن نہیں بنائیں گی (ہ) حضرت عطا نے فرمایا باندی سے نکاح کرنے سے آدمی محصن نہیں ہوتا۔

[۲۴۶۹](۲۶)ولا یجمع فی المحصن بین الجلد والرجم[۲۴۷۰](۲۷)ولا یجمع فی البکر بین الجلد والنفی الا ان یری الامام ذلک مصلحۃ فیغر بہ علی قدر ما یری.

[۲۴۶۹](۲۶)محصن میں کوڑا اور رجم جمع نہیں کئے جائیں گے۔

تشریح آدمی محصن ہو تو اس پر رجم ہے اب رجم سے پہلے کوڑا لگایا جائے یا نہیں؟ تو اس بارے میں یہ ہے کہ صرف رجم کیا جائے گا کوڑا نہیں لگایا جائے گا۔

وجہ رجم کرکے مارنا ہی مقصود ہے تو اس سے پہلے کوڑا لگانے سے کیا فائدہ؟ (۲) حضرت ماعزؓ اور حضرت غامدیہؓ کو صرف رجم کیا گیا۔ اس سے پہلے کوڑا نہیں لگائے اس لئے صرف رجم کیا جائے گا۔

فائدہ حضرت اسحاق فرماتے ہیں کہ محصن کو کوڑا بھی لگے گا اور رجم بھی ہوگا۔

وجہ **عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ ﷺ خذوا عنی فقد جعل اللہ لھن سبیلا الثیب بالثیب جلد مائۃ ثم الرجم والبکر بالبکر جلد مائۃ ونفی سنۃ** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجم علی الثیب ص ۲۶۴ نمبر ۱۴۳۴) اس حدیث میں ہے کہ محصن کو کوڑا بھی لگے گا اور رجم بھی ہوگا۔

[۲۴۷۰](۲۷) اور نہ جمع کرے کنوارے میں کوڑے اور جلاوطنی کو مگر یہ کہ امام اس میں مصلحت دیکھے تو جتنی مصلحت دیکھے اتنی جلاوطنی کرے۔

تشریح کنوارا آدمی جس پر کوڑا لگنا ہے اس کو کوڑا لگانے کے ساتھ جلاوطن نہ کرے۔ البتہ امام مصلحت سمجھے تو اپنی صوابدید کے مطابق کچھ دنوں کے لئے جلاوطن کردے۔

وجہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو جلاوطن کیا وہ باہر جاکر نصرانی بن گیا تو فرمایا کہ اب کبھی کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا۔ اثر یہ ہے۔ **ان ابا بکر بن امیۃ بن خلف غرب فی الخمر الی خیبر فلحق بھرقل قال فتنصر فقال عمر لا اغرب مسلما بعدہ ابدا، وعن ابراھیم ان علیا قال حسبھم من الفتنۃ ان ینفوا** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب النفی ج سابع ص ۳۱۴ نمبر ۱۳۳۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہلے جلاوطن کرتے تھے بعد میں حضرت عمرؓ نے منع فرمایا۔ ہاں مناسب سمجھے تو امام جلاوطن کرسکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کوڑا لگانے کے ساتھ ساتھ ایک سال تک جلاوطن بھی کرے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن زید بن خالد الجھنی قال سمعت النبی ﷺ یأمر فیمن زنی ولم یحصن جلد مائۃ وتغریب عام** (ج) (بخاری شریف، باب البکر یجلد ان وینفیان ص ۱۰۱۰ نمبر ۶۸۳۱ مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۷)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مجھ سے مسئلہ سیکھو۔ اللہ نے ان کے لئے راستہ نکالا ہے شیب شیب کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے لگائے پھر رجم کرے۔ اور کنوارا کنواری کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے لگائے اور ایک سال کی قید (ب) ابو بکر بن امیہ بن خلف شراب پینے کی وجہ سے خیبر کی طرف جلاوطن کیا گیا تو وہ ہرقل کے ساتھ جاکر مل گیا اور نصرانی بن گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کے بعد کبھی بھی کسی مسلمان کو جلاوطن نہیں کروں گا، اور حضرت ابراہیم سے منقول ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جلاوطن کرنا ہی فتنہ کے لئے کافی ہے (ج) حضور حکم دیا کرتے تھے اس شخص کے بارے میں جس نے زنا کیا اور محصن نہیں ہے ایک سو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۴۷۱](۲۸)واذا زنی المریض وحدُّه الرجم رُجم[۲۴۷۲] (۲۹)وان کان حدُّه الجلد لم یجلد حتی یبرأ [۲۴۷۳](۳۰)فاذا زنت الحامل لم تُحدَّ حتی تضع حملها .

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک سال جلاوطن بھی کیا جائے گا۔

لغت عزب : جلاوطن کرنا، النفی : جلاوطن کرنا۔

[۲۴۷۱] (۲۸) بیمار نے زنا کیا اور اس کی حد رجم ہو تو رجم کیا جائے گا۔

وجہ رجم کر کے مارنا ہی مقصود ہے اس لئے بیمار ہو یا غیر بیمار ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے تندرست ہونے تک انتظار نہیں کیا جائے گا۔

[۲۴۷۲] (۲۹) اور اگر اس کی حد کوڑا لگانا ہو تو کوڑے نہ لگائے جائیں یہاں تک کہ اچھا ہو جائے۔

تشریح اگر حد کوڑے لگانا ہو تو بیمار آدمی کو ابھی کوڑے نہ لگائیں تندرست ہونے کے بعد کوڑے لگائیں۔

وجہ تا کہ زیادہ بیمار نہ ہو جائے (۲) حدیث میں ہے کہ نفساء باندی پر کوڑے لگانا تھا تو نفاس ختم ہونے تک تاخیر کی تا کہ زیادہ بیمار نہ ہو جائے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی عبد الرحمن ... فان امة لرسول اللہ ﷺ زنت فامرنی ان اجلدها فاذا هی حدیث عهد بنفاس فخشیت ان انا جلدتها ان اقتلها فذکرت ذلک للنبی ﷺ فقال احسنت** (الف) (مسلم شریف، باب تاخیر الحد عن النفساء ص ۶۷ نمبر ۱۷۰۵ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی اقامة الحد علی الاماء ص ۲۶۶ نمبر ۱۴۴۱) اس حدیث میں عورت نفاس میں تھی تو اس کو تندرست ہونے کے بعد کوڑے لگائے۔

لغت یبرأ : تندرست ہو جائے، ٹھیک ہو جائے۔

[۲۴۷۳] (۳۰) اگر حاملہ عورت نے زنا کرایا تو حد نہیں لگائی جائے گی یہاں تک کہ وضع حمل ہو جائے۔

تشریح زنا کرانے کی وجہ سے حاملہ ہو گئی ہے یا حمل کی حالت میں زنا کرایا دونوں صورتوں میں بچہ پیدا ہو جائے اور بچے کی پرورش کا انتظام ہو جائے تب عورت رجم کی جائے گی۔

وجہ اگر حمل کی حالت میں رجم کر دیں تو بچے کی موت واقع ہو گی اور بچے کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ اس لئے حمل کی حالت میں رجم نہیں کی جائے گی (۲) حضرت غامدیہ حاملہ تھی تو حضورؐ نے وضع حمل کے بعد بچے کی پرورش کا انتظام ہوا تب اس کو رجم کیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **قال ثم جاء تہ امرأة من غامد من الازد فقالت یا رسول اللہ طهرنی ... فاتی النبی ﷺ فقال قد وضعت الغامدیة فقال اذا لا نرجمها وندع ولدها صغیرة لیس له من یرضعه فقام رجل من الانصار فقال الی رضاعه یا نبی اللہ ! قال فرجمها**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کوڑے لگائے اور ایک سال قید کرے (الف) حضورؐ کی ایک باندی نے زنا کرایا تو مجھے حکم دیا کہ میں اس کو کوڑا لگاؤں۔ دیکھا کہ وہ ابھی نفاس میں ہے اور مجھے ڈر ہوا کہ میں اس کو کوڑا ماروں تو مر جائے گی۔ پس میں نے حضورؐ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ٹھیک کیا۔

[۲۴۷۴](۳۱) وان کان حدھا الجلد فحتی تتعالی من نفاسھا[۲۴۷۵] (۳۲) وان کان حدھا الرجم رجمت [۲۴۷۶](۳۳) واذا شھد الشھود بحد متقادم لم یمنعھم عن اقامتہ

(الف) (مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۵/۴۴۳۱/ابوداؤد شریف، باب فی المرأۃ التی النبی ﷺ برجمھا من جنیبۃ ص ۲۶۱ نمبر ۴۴۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ عورت وضع حمل کر دے اور بچے کی پرورش کا انتظام ہو جائے تب رجم کی جائے گی۔

[۲۴۷۴] (۳۱) اور اس کی حد کوڑے ہوں تو یہاں تک کہ نفاس سے پاک ہو جائے۔

تشریح اگر حاملہ عورت پر کوڑا لگنا ہو تو چونکہ اس میں انسان کو مارنا نہیں ہے اس لئے بچے کی پرورش کے انتظام تک انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔لیکن بچہ پیدا ہو جائے اور عورت نفاس سے پاک ہو جائے تب کوڑے لگائے جائیں۔

وجہ تا کہ بچے کو نقصان نہ ہو اور بچے کی موت واقع نہ ہو۔ نیز عورت نفاس میں ہے تو گویا کہ ایک مرض میں ہے اس لئے مرض سے تندرست ہو جائے تب کوڑے لگائے جائیں گے (۲) اوپر حدیث گزری کہ نفاس کے بعد کوڑے لگائے گئے۔فان امة لرسول الله زنت فامرنی ان اجلدھا فاذا ھی حدیث عھد بنفاس فخشیت ان انا جلدتھا ان اقتلھا فذکرت ذلک للنبی ﷺ فقال احسنت۔اور دوسری روایت میں ہے۔اترکھا حتی تماثل (ب) (مسلم شریف، باب تاخیر الحد عن النفساء ص ۶۷ نمبر ۱۷۰۵/ابوداؤد شریف، باب فی اقمۃ الحد علی المریض ص ۲۶۶ نمبر ۴۴۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفاس والی عورت کا نفاس ختم ہو جائے تب کوڑے لگیں گے۔

لغت تتعالی : بلند ہو جائے، نفاس سے باہر ہو جائے۔

[۲۴۷۵] (۳۲) اگر اس کی حد رجم ہو تو رجم کیا جائے گا۔

تشریح حاملہ عورت کی حد رجم ہو تو نفاس سے باہر آنے کے بعد رجم کی جا سکتی ہے لیکن بشرطیکہ بچے کی پرورش کا انتظام ہو چکا ہو۔اور اگر نہ ہوا ہو تو پرورش کے انتظام کے بعد رجم کرے تا کہ بچہ ضائع نہ ہو۔

[۲۴۷۶] (۳۳) اگر گواہوں نے پرانی حد کی گواہی دی جس کو قائم کرنے سے امام سے دور ہونا اس کو روکتا نہ تھا تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی مگر خاص طور پر حد قذف میں۔

تشریح معاملات میں پرانی گواہی بھی قابل قبول ہے کیونکہ وہ حقوق العباد ہیں۔لیکن حد اور حقوق اللہ کے بارے میں اگر کوئی عذر نہیں تھا مثلا امام سے اتنا دور نہیں تھا کہ اتنی تاخیر کرنے کی ضرورت ہو پھر بھی گواہی دینے میں بہت تاخیر کی تو یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ ابتدا میں گواہی نہ دینے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مجرم پر پردہ پوشی کرنا چاہتا تھا جس کی حدیث میں ترغیب ہے۔بعد میں کسی حسد اور بغض کی بنا

حاشیہ : (الف) قبیلہ ازد کی عورت حضورؐ کے پاس آئی اور کہا غامدیہ نے بچہ دے دیا ہے۔آپؐ نے فرمایا میں اس کو رجم نہیں کروں گا کیونکہ اس کے چھوٹے بچے کو ایسا نہیں چھوڑ سکتا کہ کوئی اس کو دودھ پلانے والا نہ ہو۔پس انصار کا ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا میرے ذمہ اس کا دودھ پلانا ہے اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا اب اس کو رجم کرو (ب) حضورؐ کی ایک باندی نے زنا کرایا تو مجھ کو حکم دیا کہ میں اس پر کوڑے لگاؤں، میں نے دیکھا کہ وہ ابھی نفاس میں ہے اور مجھے ڈر ہوا کہ اگر اس کو کوڑے لگاؤں تو وہ مر جائے گی۔میں نے اس کا تذکرہ حضورؐ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا اچھا کیا کہ ابھی چھوڑ دیا۔دوسری روایت میں ٹھیک ہونے تک اسے چھوڑ دو۔

بعدهم عن الامام لم تقبل شهادتهم الا فی حد القذف خاصة [۲۴۷۷](۳۴)ومن وطئ امرأة اجنبية فی ما دون الفرج عُزِّر[۲۴۷۸] (۳۵)ولا حد علی من وطئ جارية ولده او ولدولده وان قال علمت انها علی حرام [۲۴۷۹](۳۶) واذا وطئ جارية ابيه او امه او

پر گواہی کے لئے آمادہ ہو گیا تو گواہی اب حسد اور بغض کی بنیاد پر ہے۔ حقوق اللہ کی بنیاد پر نہیں ہے اس لئے ایسی گواہی مقبول نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔عن ابی عون قال عمر بن الخطابؓ ایما رجل شهد علی حد لم یکن بحضرته فانما ذلک عن ضغن (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب لا یوجل فی الحدود ج سابع ص۴۳۲ نمبر ۱۳۷۶۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دیر کا مطلب یہ ہے کہ اب کینہ کی وجہ سے گواہی دے رہا ہے۔اس لئے یہ قابل قبول نہیں ہے۔البتہ حد قذف چونکہ حقوق العباد میں سے ہے اس لئے وہ تاخیر کے ساتھ بھی مقبول ہوگی۔ کیونکہ حد قذف میں آدمی کو تہمت لگائی جا رہی ہے۔

[۲۴۷۷](۳۴) کسی نے اجنبیہ عورت سے وطی کی فرج کے علاوہ میں تو تعزیر کی جائے گی۔

تشریح اجنبیہ عورت کی شرم گاہ میں وطی نہیں کی بلکہ اور جگہ وطی کی تو حد تو نہیں لگے گی البتہ تعزیر ہوگی۔اور دبر میں وطی کی تو اس کا مسئلہ آگے آرہا ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔اخبرنی ابن شهاب قال ادرکت علماء نا یقولون فی المرأة تأتی المرأة بالرفغة واشباهها تجلدان مئة مئة الفاعلة والمفعولة بها (ب) مصنف عبدالرزاق، باب السحاقة ج سابع ص۳۳۴ نمبر ۱۳۳۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تعزیر کے طور پر دونوں کو سو سو کوڑے لگیں گے۔

[۲۴۷۸](۳۵) نہیں حد ہے اس آدمی پر جس نے اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کی ہو یا پوتے کی باندی سے وطی کی ہو اگر چہ وہ کہتا ہو کہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ پر حرام ہے۔

تشریح بیٹے کی باندی یا پوتے کی باندی سے وطی کی اور کہتا ہو کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ باندی مجھ پر حرام ہے پھر بھی باپ پر حد نہیں ہے۔

وجہ اوپر گزر چکا ہے کہ آپؐ نے فرمایا آپ کا مال والد کے لئے ہے۔حدیث یہ ہے۔انت ومالک لوالدک ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من کسب اولادکم (ج) (ابو داؤد شریف، باب الرجل یأکل من مال ولده ج ثانی ص۱۴۱ نمبر ۳۵۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیٹے کی باندی اور پوتے کی باندی میں کچھ اپنی باندی ہونے کا اثر ہے اس لئے اس سے وطی کی تو حد لازم نہیں ہوگی۔

[۲۴۷۹](۳۶) اگر باپ کی باندی سے وطی کی، یا ماں یا اپنی بیوی کی باندی سے یا غلام نے آقا کی باندی سے وطی کی اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ پر حرام ہے تو حد لگے گی اور اگر کہا کہ میرا گمان تھا کہ وہ میرے لئے حلال ہے تو حد نہیں لگے گی۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے فرمایا جس وقت جرم کیا اس وقت گواہی نہ دے بعد میں کسی آدمی پر گواہی دے تو وہ کینہ کی وجہ سے گواہی دے رہا ہے (ب) ابن شہاب فرماتے ہیں کہ میں نے علماء کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ عورت عورت کے ساتھ شرمگاہ رگڑا یا اس طرح کی بات کی تو دونوں کو سو سو کوڑے لگائے، اور کرنے والی کو اور کرانے والی کو بھی (ج) تم اور تمہارا مال تمہارے والد کے لئے ہے۔اور تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے اس لئے اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ۔

زوجته او وطئ العبد جارية مولاه وقال علمت انها علی حرام حُدَّ وان قال ظننت انها تحل لی لم يُحدَّ [۲۴۸۰](۳۷)ومن وطئ جارية اخيه او عمه وقال ظننت انها علی حلال حُدَّ.

تشریح باپ، ماں، بیوی آقا وغیرہ کے ساتھ رات دن کھانا پینا ہوتا ہے اس لئے یہ گمان ہوسکتا ہے کہ ان کی باندی میرے لئے حلال ہو اس لئے وطی کرنے والے کو یہ گمان ہو کہ یہ میرے لئے حلال ہے اور حلال سمجھ کر وطی کر لیا تو حد نہیں لگے گی۔

وجہ ملکیت کے شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔لیکن اگر مسئلہ معلوم تھا کہ ان لوگوں کی باندیاں میرے لئے حلال نہیں پھر بھی وطی کر لی تو حد لگے گی۔کیونکہ حقیقت میں بھی حلال نہیں تھیں اور علم بھی تھا کہ حلال نہیں ہیں۔اس لئے حرمت میں کوئی شبہ نہیں رہا اس لئے حد لگے گی۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن النعمان بن بشير عن النبی ﷺ انه قال فی الرجل يأتی جارية امرأته قال ان كانت احلتها له جلد مائة وان لم تكن احلتها له رجمته** (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فیمن اتی جاریۃ امرأتہ ج ثامن ص ۴۱۶ نمبر ۱۷۰۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی کی باندی سے وطی کرنے والے کو رجم کیا جائے گا۔اور اسی اثر میں باپ، ماں، بیوی اور آقا کی باندیاں داخل ہیں اس لئے ہم ان کو اس صورت پر محمول کرتے ہیں جبکہ مسئلہ معلوم ہو۔

اور دوسرے اثر میں ہے۔ **عن ابراهيم قال يعزر ولا يحد** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یصیب ولیدۃ امرأتہ ج سابع ص ۳۴۴ نمبر ۱۳۴۲۲) اس اثر میں ہے کہ حد نہیں لگے گی بلکہ تعزیر ہوگی۔اس لئے اس اثر کو اس صورت پر محمول کریں گے کہ وطی کرنے والے کو معلوم نہیں تھا کہ وہ باندی میرے لئے حلال نہیں ہے۔

ماں کی باندی کے سلسلے میں یہ اثر ہے۔ **سألت حمادا والحكم عن الرجل يقع علی جارية امه قالا عليه الحد وعن الحسن قال ليس عليه الحد** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۲ فی الرجل یأتی جاریۃ امہ ج خامس ص ۵۱۴ نمبر ۲۸۵۶۳)

[۲۴۸۰] (۳۷) کسی نے بھائی کی باندی سے وطی کی یا چچا کی باندی سے اور کہا کہ میں نے گمان کیا کہ وہ حلال ہے تب بھی حد لگے گی۔

تشریح بھائی اور چچا کے ساتھ اتنا کھانا پینا نہیں ہوتا اور نہ آدمی ان کا مال اپنا مال سمجھتا ہے اس لئے یہ گمان بھی ہو کہ ان کی باندیاں میرے لئے حلال ہیں تب بھی حد لگے گی۔

وجہ اثر میں ہے کہ غلام نے آقا کی بیوی سے وطی کی تو بیوی کو حد لگے گی اسی پر قیاس کرتے ہوئے بھائی اور چچا کی باندی سے وطی کی پھر بھی حد لگے گی۔اثر میں ہے۔ **عن الثوری فی العبد يزنی بامرأة سيده فقال يقام عليها الحد** (د) (مصنف عبد الرزاق، باب المرأۃ تزنی

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے منقول ہے کہ کوئی آدمی بیوی کی باندی سے وطی کرے تو فرمایا اگر بیوی نے حلال کیا ہو تو سو کوڑے اور اگر حلال نہ کیا ہو تو اس کو رجم کرے۔

حاشیہ : (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا تعزیر کی جائے اور حد نہیں لگے گی (ج) حضرت حکم نے فرمایا کوئی آدمی بیوی کی باندی سے وطی کرے تو اس پر حد ہے۔اور حضرت حسن نے فرمایا اس پر حد نہیں ہے (د) حضرت ثوری۔نے فرمایا غلام اپنے سید کی بیوی سے زنا کرے تو اس پر حد قائم کی جائے گی۔

[۲۴۸۱](۳۸)ومن زفت الیه غیر امرأته وقالت النساء انها زوجتک فوطأها فلا حد علیه وعلیه المھر.

بعبد زوجھاج سابع ص ۳۴۹ نمبر ۱۳۴۴۲)(۲)اوپر گزرا۔رفع الی عمر رجل زنی بجاریة امرأته فجلده مئة ولم یرجمه (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یصیب ولیدۃ امرأتہ ج سابع ص ۳۴۶ نمبر ۱۳۴۳۳) جب بیوی کی باندی سے وطی کرنے سے بھی حد لگ سکتی ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے بھائی اور چچا کی باندی سے وطی کرنے سے بھی حد لگے گی اس لئے کہ وہ تو اور دور رہتے ہیں (۳) باقی رہا یہ گمان کہ میرے لئے ان کی باندیاں حلال ہیں شاید جھوٹ یا لاعلمی پر مبنی ہے اس لئے اس کے گمان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

[۲۴۸۱](۳۸) شب زفاف میں شوہر کے پاس کسی عورت کو بھیج دیا اور عورتوں نے کہا کہ یہ تیری بیوی ہے۔ پس اس نے اس سے وطی کی تو اس پر حد نہیں ہے اور شوہر پر مہر ہوگا۔

تشریح پہلی رات تھی۔ ابھی تک بیوی کو دیکھا نہیں تھا۔ عورتوں نے اصلی بیوی کے علاوہ کسی غیر عورت کو شوہر کے پاس بھیج دیا اور لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہ تیری بیوی ہے۔ اس نے اس سے وطی کر لی۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے تو اس مرد پر حد نہیں ہوگی۔ البتہ چونکہ وطی بالشبہ کی ہے اس لئے عقر لازم ہوگا جس کو وطی بالشبہ کا مہر کہتے ہیں۔

وجہ شوہر یہاں دو اعتبار سے معذور ہے۔ ایک تو یہ کہ ابھی تک پہچانتا ہی نہیں ہے کہ میری بیوی کون ہے۔ کیونکہ یہ پہلی رات ہے اس لئے اس عذر کی بنا پر حد ساقط ہو جائے گی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عورتوں نے بھی گواہی دی کہ یہ تیری بیوی ہے جس سے بیوی ہونے کا گمان غالب ہو گیا۔ اس لئے ان دونوں شبہوں کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی (۲) اثر میں ہے کہ بیوی کہہ دے کہ یہ میرا شوہر ہے تو حد ساقط ہو جائے گی۔ یہاں تو بہت سی عورتوں نے کہا کہ یہ تیری بیوی ہے اس لئے بدرجۂ اولی حد ساقط ہو جائے گی۔ اثر یہ ہے۔ **یحیی بن ابی الھیثم عن ابیه عن جده انه شهد علیا واتی برجل وامرأة وجدا فی خرب مراد فاتی بهما علی فقال بنت عمی وربیبتی فی حجری فجعل اصحابه یقولون قولی زوجی فقالت هو زوجی فقال علی خذ بید امرأتک** ۔ دوسرے اثر میں ہے۔ **عن ابراهیم فی المرأة توخذ مع الرجل فتقول تزوجنی فقال ابراهیم لو کان هذا حقا ما کان علی زان حد (ب)** (مصنف ابن ابی شیبة ۱۳۹ فی الرجل یوجد مع المرأة فتقول زوجی ج خامس ص ۵۴۵ نمبر ۲۸۸۷۲،۲۸۸۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت کہے کہ میرا شوہر ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔ تو بہت عورتوں نے کہا تو بدرجۂ اولی حد ساقط ہوگی۔ اور چونکہ وطی بالشبہ ہوئی ہے اس لئے

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ کے پاس ایک مقدمہ لایا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کی باندی سے زنا کیا تو اس کو سو کوڑے لگائے اور رجم نہیں کیا (ب) حضرت علی کے پاس ایک مرد اور ایک عورت لائے گئے جو خراب مراد میں پکڑے گئے تھے ان کو حضرت علی کے پاس لائے گئے۔ مرد کہنے لگا یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میری گود میں پالی ہوئی ہے۔ تو مرد کے ساتھ دوست کہنے لگے کہ کہو یہ میرا شوہر ہے تو عورت نے کہا یہ میرا شوہر ہے۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ لو یعنی حد نہیں لگائی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے فرمایا کوئی عورت مرد کے ساتھ زنا میں پکڑی جائے پس وہ کہے کہ مجھ سے شادی کی ہے۔ پس حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر یہ بات سچ ہو تو ایسے زانی پر حد نہیں ہوگی۔

[۲۴۸۲] (۳۹) ومن وجد امرأة علی فراشه فوطأها فعلیه الحد[۲۴۸۳] (۴۰) ومن تزوج امرأة لایحل له نکاحها فوطأها لم یجب علیه الحد.

عقر لازم ہوگا۔

[۲۴۸۲] (۳۹) آدمی نے ایک عورت کو اپنی چار پائی پر پایا، پس اس سے وطی کر لی تو اس پر حد ہے۔

وجہ بار بار ملنے کی وجہ سے تجربہ ہے کہ بیوی کون ہے اس کا اندازہ تو اندھیرے میں بھی ہو جاتا ہے۔ اور اگر اندازہ نہیں ہوا تو پوچھ لینا چاہئے۔ اس کے باوجود نہ پوچھا نہ اندازہ سے کام لیا تو حد لگے گی۔ اس طرح تو عموما گھر میں ذی رحم محرم عورتیں مثلا بیٹی، بہو چار پائی پر سو جاتی ہے بغیر تحقیق کئے وطی کرے تو بیٹی اور بہو سے وطی کرنا لازم ہوگا اس لئے مرد پر حد لگے گی۔

اصول یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ جہاں بیوی ہونے کا یا اپنی باندی ہونے کا قوی شبہ ہو پھر اس سے وطی کر لی تو حد لازم نہیں ہوگی۔ اور جہاں بیوی ہونے کا یا اپنی باندی ہونے کا قوی شبہ نہ ہو پھر بھی وطی کر لے تو وطی کرنے والے پر حد لازم ہو جائے گی۔

[۲۴۸۳] (۴۰) کسی نے ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا اس کے لئے حلال نہیں ہے اور اس سے وطی کی تو اس پر حد نہیں ہے

تشریح مثلا سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا حالانکہ اس سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ یا خالہ سے نکاح کر لیا حالانکہ اس سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے اور وطی بھی کر لی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر حد نہیں لگے گی البتہ تعزیر ہوگی۔

وجہ نکاح کرنے کی وجہ سے بیوی ہونے کا شبہ ہو گیا اور اوپر حدیث گزری کہ شبہ ہو تو حتی الامکان حدود ساقط کیا کرو۔ **عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ادرء وا الحدود عن المسلمین ما استطعتم** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی درء الحدود ص ۲۶۳ نمبر ۱۴۲۴) یہاں نکاح کرنے کی وجہ سے بیوی کا شبہ ہو گیا اس لئے حد نہیں لگے گی البتہ تعزیر کی جائے گی۔ اور تعزیر میں قتل بھی کیا جا سکتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ سوتیلی ماں کے ساتھ شادی کی تو آپ نے اس کو تعزیر کے طور پر قتل کیا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن یزید بن البراء عن ابیه قال لقیت عمی ومعه رایه فقلت له این ترید؟ فقال بعثنی رسول الله ﷺ الی رجل نکح امرأة ابیه فامرنی ان اضرب عنقه واخذ ماله** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یزنی بحریمہ ص ۲۶۴ نمبر ۴۴۵۷) اس حدیث میں سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کیا تو تعزیر کے طور پر اس کو قتل کیا گیا اور اس کے مال کو لے لیا گیا۔

فائدہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حد لگے گی۔

وجہ کیونکہ جب نکاح حلال نہیں تھا تو نکاح ہوا ہی نہیں وہ اجنبی رہی۔ اور اجنبیہ سے وطی کرنے سے حد لگتی ہے (۲) اوپر کی حدیث میں حضورؐ نے حد کے طور پر قتل کرنے کو فرمایا تھا تعزیر کے طور پر نہیں۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے فرمایا حدود مسلمانوں سے ساقط کیا کرو جتنا ہو سکے (ب) براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا سے ملاقات کی ان کے پاس ایک جھنڈا تھا۔ میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا مجھ کو حضورؐ نے ایک آدمی کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تو مجھ کو حکم دیا کہ میں اس کی گردن مار دوں اور اس کا مال لے لوں۔

[۲۴۸۴] (۴۱)ومن اتی امرأة فی الموضع المکروہ او عمِل عمَل قوم لوطٍ فلا حد عند ابی حنیفة رحمہ الله تعالی ویعزر وقالا رحمهما الله تعالی هو کالزنا فیُحَدُّ [۲۴۸۵] (۴۲)ومن وطئ بهیمة فلا حد علیه .

[۲۴۸۴](۴۱) کسی نے عورت سے مکروہ جگہ میں وطی کی یا قوم لوط کا عمل کیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور تعزیر کی جائے گی۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ زانی کی طرح ہے اس لئے حد لگے گی۔

تشریح اپنی بیوی کے ساتھ لواطت کیا یا کسی مرد کے ساتھ لواطت کیا یعنی دبر میں وطی کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حد نہیں ہے البتہ تعزیر ہوگی۔

وجہ آیت میں زانی کو حد یا رجم کی سزا ہے۔اور یہ زانی نہیں ہے کیونکہ زنا اس کو کہتے ہیں کہ مقام مخصوص میں وطی کرے اس لئے اس کو حد نہیں لگے گی (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے کہ لوطی کو تعزیر لگی ہے حد نہیں۔عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من وجد تموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول به (الف) (ابوداؤد شریف، باب فیمن عمل عمل قوم لوط ص ۲۶۵ نمبر ۴۴۶۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی حد الوطی ص ۲۷۰ نمبر ۱۴۵۶) اس حدیث میں لواطت کرنے والے اور لواطت کروانے والے دونوں کو قتل کرنے کے لئے کہا۔جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تعزیر کے طور پر تھا حد کے طور پر نہیں حد کے طور پر سو کوڑے لگتے یا رجم کرتے۔

فائدہ صاحبین اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ لواطت زنا کی طرح ہے اس لئے لواطت کرنے والے کو حد لگے گی یعنی محصن ہو تو رجم اور غیر محصن ہو تو کوڑے لگیں گے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں قتل کرنے کے لئے کہا جو اصل میں حد ہے (۲) اثر میں ہے۔وقال بعض اهل العلم من فقهاء التابعین منهم الحسن البصری وابراهیم النخعی وعطاء بن ابی رباح وغیرهم قالوا حد اللوطی حد الزانی وهو قول الثوری واهل الکوفة (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی حد اللوطی، ص ۲۷۰، نمبر ۱۴۵۶ رالسنن للبیہقی، باب ماجاء فی حد اللوطی ج ثامن، ص ۴۰۶، نمبر ۱۷۰۳۲) اس اثر اور حدیث سے معلوم ہوا کہ لواطت کا حکم زنا کے حکم کی طرح ہے۔

لغت الموضع المکروہ : سے مراد دبر ہے جو مکروہ جگہ ہے۔

[۲۴۸۵](۴۲) کسی نے چوپائے کے ساتھ وطی کی تو اس پر حد نہیں ہے۔

وجہ (۱) کیونکہ زنا اس کو کہتے ہیں جو عورت کے ساتھ مخصوص مقام میں کیا جائے۔اور یہاں جانور کے ساتھ زنا کر رہا ہے اس لئے یہ زنا نہیں ہے۔اس لئے زنا کی حد نہیں لگے گی البتہ تعزیر ہوگی (۲) حدیث میں ہے۔عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من اتی بهیمة فاقتلوہ واقتلوها معه ،اور دوسری روایت میں اثر ہے۔عن ابن عباس قال لیس علی الذی یأتی البهیمة حد (ج) (ابوداؤد

(الف) آپ نے فرمایا جس کو قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو (ب) فقہاء تابعین میں سے حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، عطاء بن رباحؒ وغیرہ نے فرمایا لوطی کی حد وہی ہے جو زانی کی حد ہے۔یعنی سو کوڑے یا رجم۔اور یہی قول حضرت ثوریؒ اور اہل کوفہ کا ہے (ج) حضرت ابن عباس نے فرمایا جو جانور سے جماع کرے اس پر حد نہیں ہے۔

[۲۴۸۶](۴۳)ومن زنى في دار الحرب او في دار البغي ثم خرج الينا لم يُقم عليه الحد.

شریف، باب فیمن اتی بھیمۃ ص ۲۶۵ نمبر ۴۴۶۵/۴۴۶۴ رترمذی شریف، باب ماجاء فیمن یقع علی البھیمۃ ص ۲۶۹ نمبر ۱۴۵۵) اس حدیث اوراثر سے معلوم ہوا کہ جانور سے وطی کرنے والے کوتعزیر کے طور پرقتل کردے۔ البتہ اس پر زنا کی طرح حد نہیں ہے۔

[۲۴۸۶](۴۳) کسی نے دارالحرب میں زنا کیا یا باغیوں کی حکومت میں زنا کیا پھر ہمارے یہاں آ گیا تو اس پر حد قائم نہیں ہوگی۔

تشریح مسلمان تھا دارالحرب میں زنا کیا پھر وہاں سے بھاگ کر دارالاسلام آ گیا یا باغیوں کی حکومت میں زنا کیا اور وہاں سے دارالاسلام میں آ گیا تو اس پر حد قائم نہیں ہوگی۔

وجہ دارالحرب میں یا باغیوں کی حکومت میں حد قائم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہاں امیر اور سلطان نہیں ہے تو گویا کہ یہ گناہ ابتدا میں حد کا موجب نہیں ہوا۔ اور وہاں سے دارالاسلام آنے کے بعد بھی حد قائم نہیں کریں گے کیونکہ جب شروع میں حد کا موجب نہیں ہوا تو بعد میں حد کیسے قائم کریں گے (۲) اثر میں ہے کہ چار کام سلطان کے سپرد ہیں وہی انجام دیں گے۔ عن الحسن قال اربعة الى السلطان الزكاة والصلوة (اى الجمعة) والحدود والقضاء (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۹ من قال الحدود الی الامام ج خامس ص ۵۰۲ نمبر ۲۸۴۲۹) اور دارالحرب میں سلطان اور امیر المومنین نہیں ہیں اس لئے وہاں حد قائم نہیں ہو سکے گی (۳) ایک اثر میں ہے کہ ان ابا الدرداء نهى ان يقام على احد حد في ارض العدو ، اور دوسرے اثر میں ہے۔ کتب عمرؓ الا يجلدون امير جيش ولا سرية احدا الحد حتى يطلع على الدرب لئلا يحمله حمية الشيطان ان يلحق بالكفار (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۴ فی اقامۃ الحد علی الرجل فی ارض العدو ج خامس ص ۵۴۳ نمبر ۲۸۸۵۳/۲۸۸۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دشمن کی زمین میں حد قائم نہ کریں اور جب وہاں قائم نہ ہوئی تو پرانی حد ہونے کی وجہ سے دارالاسلام میں بھی قائم نہیں کی جائے گی۔ یوں بھی دارالحرب سے دارالاسلام تک صحیح گواہوں کو پیش کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اس لئے ادرء وا الحدود ما استطعتم کے تحت حد ساقط ہو جائے گی۔ البتہ امام مناسب سمجھے تو تعزیر کردے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک دارالحرب میں تھا تو حد قائم نہیں ہوگی لیکن جب دارالاسلام میں آیا تو یہاں حد قائم ہوگی۔

وجہ دارالاسلام میں آنے کے بعد یہاں کے احکام کا پابند ہے اور یہاں حد کا کام کرتا تو حد لگتی اس لئے یہاں آنے کے بعد حد لگے گی (۲) اوپر حضرت عمرؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک دشمن کی زمین ہو تو حد قائم نہ کرے لیکن جب دار الاسلام میں آ جائے تو حد قائم کرے۔ کیونکہ درب کہتے ہیں دارالاسلام کے پھاٹک کو یعنی پھاٹک پر آ جائے تو حد قائم کر سکتا ہے۔ اثر کے الفاظ یہ ہیں۔ كتب عمر الا يجلدون امير جيش ولا سرية احدا الحد حتى يطلع على الدرب (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۴ فی اقامۃ الحد علی الرجل فی ارض العدو ج خامس ص ۵۴۳ نمبر ۲۸۸۵۲) اثر کا انداز یہ ہے کہ دارالاسلام کے پھاٹک پر آئے تو حد قائم کر سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا چار کام بادشاہ ہی کرے، زکوۃ وصول کرنا، نماز جمعہ قائم کرنا، حدود اور قضا قائم کرنا (ب) حضرت ابوالدرداء نے روکا اس بات سے کہ حد دشمن کی زمین میں قائم کی جائے، اور دوسرے اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ لشکر کا امیر اور سریہ کا امیر کوڑے نہ لگائیں یہاں تک کہ اسلامی پھاٹک پر نہ آ جائیں تا کہ شیطان کی حمیت مجرم پر حملہ نہ کردے۔ اور کفار سے جا کر نہ مل جائے۔

﴿باب حد الشرب﴾

[۲۴۸۷](۱)ومن شرب الخمر فأُخذ وريحها موجودة فشهد الشهود عليه بذلك او اقرَّ وريحها موجودة فعليه الحد [۲۴۸۸](۲)وان اقر بعد ذهاب رائحتها لم يُحدَّ.

﴿باب حد الشرب﴾

ضروری نوٹ شراب یا نشہ آور چیزوں کے پینے کو شرب کہتے ہیں اس میں حد ہے۔اس کے حرام ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔یا ایها الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون (الف)(آیت ۹۰ سورہ المائدۃ ۵)اس آیت سے شراب حرام ہونے کا علم ہوا۔اور اس کے پینے سے حد لگے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن معاویۃ بن ابی سفیان قال قال رسول اللہ ﷺ اذا شربوا الخمر فاجلدوهم ثم ان شربوا فاجلدوهم ثم ان شربوا فاجلدوهم ثم ان شربوا فاقتلوهم (ب)(ابوداؤد شریف، باب اذا تتابع فی شرب الخمر ص ۲۶۷ نمبر ۴۴۸۲) ترمذی شریف، باب ماجاء من شرب الخمر فاجلدوه ومن عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ ص ۲۶۶ نمبر ۱۴۴۴)اس حدیث سے پتا چلا کہ شراب پینے والوں کو حد لگے گی۔

[۲۴۸۷](۱) کسی نے شراب پی اور پکڑا گیا اس حال میں کہ اس کی بو موجود ہے اور گواہوں نے اس کی گواہی دی یا اقرار کیا اس حال میں کہ اس کی بو موجود ہو تو اس پر حد ہے۔

تشریح حد لگنے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ایک یہ کہ شراب پینے کی حالت میں اس حال میں پکڑا گیا ہو کہ اس کے منہ میں شراب کی بو ہو۔اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس پر گواہ گواہی دیں کہ اس نے خوشی سے پی ہے تب حد لگے گی۔اگر بہت پہلے پی تھی یہاں تک کہ اس کے منہ سے بدبو جاتی رہی اس حال میں پکڑا گیا، یا بدبو کی حالت میں پکڑا تو گیا لیکن اس پر کوئی گواہ نہیں ہے تو حد نہیں لگے گی۔دوسری صورت یہ ہے کہ شراب کی بو کی حالت میں پکڑا گیا اور پینے والا اس کا اقرار کرے کہ میں نے خوشی سے پی ہے تب حد لگے گی۔اس حد میں اصول یہ ہے کہ پرانی گواہی یا پرانے اقرار کا اعتبار نہیں ہے۔اور منہ کی بدبو جانے کے بعد اس کو پرانا سمجھا جائے گا۔اس لئے بدبو جانے کے بعد پکڑنا اقرار کرنا قابل قبول نہیں ہے۔عن عمر بن الخطابؓ انہ جلد رجلا وجد منہ ریح شراب الحد تاما (ج)(دار قطنی، کتاب الاشربۃ وغیرہا ج رابع ص ۱۷۵ نمبر ۴۶۴۳ رسنن للبیہقی، باب من وجد منہ ریح شراب او لقی سکران ج ثامن ص ۵۴۷ نمبر ۱۷۵۱۳)اس سے اشارہ ہوا کہ بو کی حالت میں پکڑا گیا ہو تب حد لگے گی۔اور گواہ یا اقرار کے بغیر تو حد جاری ہوتی ہی نہیں۔

[۲۴۸۸](۲) بو جانے کے بعد پینے کا اقرار کیا تو حد نہیں لگے گی۔

تشریح شراب ایک دن پہلے پی تھی اور اب شراب کی بو جا چکی ہے اس کے بعد پینے کا اقرار کیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک حد نہیں لگے گی۔

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو یقیناً شراب، جوا، بت اور قسمت آزمانے کے تیر ناپاک ہیں، شیطان کے عمل ہیں اس لئے ان سے بچو شاید تم کامیاب ہو جاؤ گے (ب) آپؐ نے فرمایا اگر شراب پیئے تو ان کو کوڑے لگاؤ، پھر شراب پیئے تو ان کو کوڑے لگاؤ، پھر شراب پیئے تو ان کو کوڑے لگاؤ، پھر اگر شراب پیئے تو قتل کر دو (ج) حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو مکمل حد لگائی اس سے شراب کی بو آتی تھی۔

[۲۴۸۹](۳)ومن سکر من النبیذ حُدَّ[۲۴۹۰] (۴)ولا حد علی من وجد منه رائحة الخمر او من تقیأها.

وجہ ایک اثر پہلے گزر چکا ہے۔عن عمر بن الخطابؓ انه رجلا وجد منه ریح شراب الحد تاما (الف)(دار قطنی، نمبر ۳۶۴۳/ سنن للبیہقی، نمبر ۱۷۵۱۳) دوسری میں ہے۔عن عقبة بن الحارث ان النبی ﷺ اتی بنعمان او بابن نعمان وهو سکران فشق علیه وامر من فی البیت ان یضربوه فضربوه بالجرید والنعال (ب)(بخاری شریف، باب الضرب بالجرید والنعال ص ۱۰۰۲ نمبر ۶۷۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سکران اور مست کی حالت میں پکڑا جائے تو حد لازم ہوگی۔اثر میں ہے۔عن الشعبی قال لا یؤجل فی الحدود والا قدر ما یقوم القاضی (ج)(مصنف عبدالرزاق، باب لا یوجل فی الحدود ج سابع ص ۴۳۱ نمبر ۱۳۷۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پرانی باتوں کا اعتبار نہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بو جانے کے بعد اگر زمانہ قریب میں پی ہو اور اقرار کیا ہو تب بھی حد لازم ہوگی۔اور زمانہ قریب کا مطلب یہ ہے کہ ایک ماہ کے اندر کو قریب کہتے ہیں۔اور ایک ماہ سے دور کو بعید کہتے ہیں۔اس لئے ایک ماہ کے اندر اندر شراب پی ہو اور اقرار کرے یا گواہی دے دے تو حد لگ جائے گی۔

[۲۴۸۹](۳) کوئی نبیذ پینے سے نشہ ہو جائے تو حد لگائی جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ اتی برجل قد سکر من نبیذ فجلده (د)(دار قطنی، کتاب الاشربة ص ۷۷ اج رابع نمبر ۴۶۵۴/ سنن للبیہقی، باب ماجاء فی وجوب الحد علی من شرب خمرا او نبیذا او سکرا ج ثامن ص ۵۴۳ نمبر ۱۷۴۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبیذ پیئے اور نشہ آجائے اور بو کی حالت میں پکڑا جائے اور گواہ ہو تو حد لگے گی۔

[۲۴۹۰](۴) اور حد اس پر نہیں ہے جس سے شراب کی بدبو آئے یا جو شراب قے کرے۔

تشریح کسی آدمی کے منہ سے شراب کی بو آئے اور اس پر گواہ نہ ہو اور اقرار نہ کیا ہو تو صرف بو آنے سے یا شراب کی قے کرنے سے حد لازم نہیں ہوگی۔

وجہ ممکن ہے کہ دوائی کے طور پر استعمال کی ہو یا کسی نے زبردستی پلائی ہو جس کی وجہ سے بدبو آرہی ہے یا قے کی ہے۔اس لئے یہ معذور ہے اس پر حد لازم نہیں ہوگی۔

وجہ اخرجاه فی الصحیح من حدیث الاعمش ویحتمل ان عبید الله بن مسعود لم یجلده حتی ثبت عنده شربه ما

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو مکمل حد لگائی اس سے شراب کی بو آتی تھی (ب) نعمان یا ابن نعمان کو حضورؐ کے پاس لایا گیا اس حال میں کہ وہ نشہ میں مست تھا۔آپؐ پر گراں گزرا۔آپؐ نے گھر کے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو مارو تو لوگوں نے جوتے اور چھڑیوں سے مارا (ج) حضرت شعبی نے فرمایا حدود میں تاخیر نہ کریں مگر اتنی کہ قاضی اپنی جگہ سے کھڑا ہو جائے، یعنی جرم کرتے ہوئے اتنی دیر کے بعد گواہی دی تو کوئی بات نہیں ہے (د) حضورؐ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جو نبیذ سے نشہ آور ہو گیا تھا تو اس کو کوڑے لگائے۔

[۲۴۹۱] (۵) ولا یُحد السکران حتی یُعلم انه سکر من النبیذ وشربه طوعا [۲۴۹۲]

(۶) ولا یُحد حتی یزول عنه السکر.

یسکر ببینة او اعتراف (الف) (سنن للبیہقی، باب من وجد منہ ریح شراب اولقی سکران ج ثامن ص ۵۴۷ نمبر ۱۷۵۱۵) (۲) قلت لعطاء الریح وهو یعقل؟ قال لا احد الابینة ان الریح لیکون من الشراب الذی لیس به بأس وقال عمر بن دینار لا احد فی الریح (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الریح، ج تاسع ص ۲۳۰، نمبر ۱۷۰۳۷ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۹۱ فی رجل یوجد منہ ریح الخمر ما علیہ؟ ج خامس ص ۵۲۰ نمبر ۲۸۶۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بدبو کے ساتھ گواہ ہو تب حد لازم ہوگی۔ صرف بدبو آنے سے حد لازم نہیں ہوگی۔ اور یہی حال قے کا ہے کہ جب تک قے کے بعد خوشی سے شراب پینے پر گواہ نہ ہو حد لازم نہیں ہوگی۔

[۲۴۹۱] (۵) حد نہیں لگائی جائے گی نشہ والے کو یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ نشہ نبیذ سے ہوا ہے اور خوشی سے پی ہے۔

تشریح نشہ آور چیز مجبور کر کے پلائی ہو تو اس سے حد لازم نہیں ہوگی۔ خوشی سے پی ہو اور مست ہوا ہو تب حد لازم ہوگی۔

وجہ آیت میں ہے کہ مجبور کر کے زنا کیا ہو تو وہ معاف ہے۔ ولا تکرهوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوة الدنیا ومن یکرههن فان الله من بعد اکراههن غفور رحیم (ج) (آیت ۳۳ سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ مجبور کر کے زنا کیا ہو تو اللہ ان باندیوں کو معاف کرنے والا ہے (۲) حدیث میں ہے کہ مستکرہ پر حد لازم نہیں ہے۔ ان صفیة بنت ابی عبید اخبرته ان عبدا من رقیق الامارة وقع علی ولیدة من الخمس فاستکرهها حتی اقتضها، فجلده عمرؓ الحد ونفاه ولم یجلد الولیدة من اجل انه استکرها (د) (بخاری شریف، باب اذا استکرهت المرأة علی الزنا فلا حد علیها ص ۱۰۲۷ نمبر ۶۹۴۹) اس حدیث میں ہے کہ مجبور باندی پر حد نہیں لگائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شراب یا نبیذ خوشی سے پی ہو تب حد لگے گی، مجبور کر کے پلایا ہو تو حد نہیں لگے گی۔

[۲۴۹۲] (۶) اور نہیں حد لگے گی یہاں تک کہ نشہ اتر جائے۔

وجہ حد لگانے کا مقصد تنبیہ کرنا ہے اور نشہ کے عالم میں مارنے سے اس کو کچھ پتا نہیں چلے گا کہ مجھے کیوں مارا جا رہا ہے۔ اس لئے نشہ اترنے کے بعد حد لگائے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ اتی برجل سکران او قال نشوان فلما ذهب سکره امر بجلده (ه) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی اقامة الحد فی حال السکر او حتی یذهب سکره ج ثامن ص ۵۵۱ نمبر ۱۷۵۲۵ رمصنف ابن

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کوڑا نہیں مارا یہاں تک کہ گواہ کے ذریعہ ثابت ہو گیا کہ ایسی چیز جس سے نشہ ہوتا ہے یا پینے کا اقرار کرے (ب) میں نے حضرت عطا سے پوچھا بو آرہی ہے حالانکہ وہ نشہ آور نہیں ہے؟ فرمایا حد نہیں ہے مگر گواہ سے۔ اس لئے کہ بو کبھی ہوتی ہے ایسے شراب سے جس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اور عمر بن دینار نے فرمایا جو صرف بو سونگھنے سے حد نہیں ہے (ج) اپنی جوان باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامن رہنا چاہتے ہوں تاکہ تم دنیوی زندگی کو تلاش کرو۔ اور جوان کو مجبور کرے تو اللہ ان کو مجبور کرنے کے بعد معاف کرنے والے ہیں (د) امارت کے ایک غلام نے خمس کی باندی سے زنا کر لیا اور اس کو مجبور کیا یہاں تک کہ ضرورت پوری کر لی تو حضرت عمرؓ نے اس کو حد لگائی اور قید کیا اور باندی کو کوڑے نہیں لگائے اس لئے کہ اس کو مجبور کیا تھا (ه) (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[۲۴۹۳] (۷)وحد الخمر والسکر فی الحر ثمانون سوطا یفرّق علی بدنه کما ذکرنا فی الزنا [۲۴۹۴](۸)فان کان عبدا فحده اربعون.

ابی شیبۃ ۹۰ ما جاء فی السکر ان متی یضرب اذا صحا او فی حال سکرہ؟ ج خامس ص ۵۱۹ نمبر ۲۸۶۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نشہ اترنے کے بعد حد لگائے۔

لغت السکر : نشہ۔

[۲۴۹۳] (۷) شراب اور نشہ کی حد آزاد میں اسی کوڑے ہیں، اس کے بدن پر متفرق جگہ مارے جائے جیسا کہ میں نے زنا میں ذکر کیا۔

تشریح شراب اور نشہ کی حد پہلے چالیس کوڑے تھی بعد میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگوں کی زیادتی کی وجہ سے اسی کوڑے کر دیئے گئے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن السائب بن یزید قال کنا نوتی بالشارب علی عهد رسول الله ﷺ وامرۃ ابی بکر وصدرا من خلافۃ عمرؓ فنقوم الیه بایدنا ونعالنا واردیتنا حتی کان اخرۃ امرأۃ عمر فجلد اربعین حتی اذا عتوا وفسقوا جلد ثمانین** (الف) (بخاری شریف، باب الضرب بالجرید والنعال ص ۱۰۰۲ نمبر ۶۷۷۹ مسلم شریف، باب حد الخمر ص ۷۱ نمبر ۱۷۰۶) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آزاد کی حد شراب میں اسی کوڑے ہیں۔

اور جسم میں الگ الگ جگہ مارے جائے اس کے لئے اثر گزر چکا ہے۔ **عن علیؓ قال اتی برجل سکران او فی حد فقال اضرب واعط کل عضو حقه واتق الوجه والمذاکیر** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۰ ما جاء فی الضرب فی الحد ج خامس ص ۵۲۴ نمبر ۲۸۶۶۲ مصنف عبد الرزاق، باب ضرب الحدود وهل ضرب النبیؐ بالسوط؟ ج سابع ص ۳۷۰ نمبر ۱۳۵۱۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سب عضو پر تھوڑے تھوڑے کوڑے مارے جائیں گے۔ البتہ چہرہ، سر اور شرمگاہ پر نہیں ماریں گے کیونکہ یہ نازک اعضاء ہیں۔

[۲۴۹۴] (۸) پس اگر غلام ہو تو اس کی حد چالیس کوڑے ہیں۔

وجہ پہلے کئی مرتبہ گزر چکا ہے کہ غلام اور باندی کی سزا آزاد سے آدھی ہے۔ اس لئے آزاد کی سزا اسی کوڑے ہیں تو غلام باندی کی سزا چالیس کوڑے ہوں گے۔ آیت ہے۔ **فان اتین بفاحشة فعلیهن نصف ما علی المحصنات من العذاب** (ج) (آیت ۲۵ سورۃ النساء ۴) (۲) اثر میں ہے کہ غلام کو آزاد سے آدھی سزا دی۔ **عن ابن شهاب انه سئل عن جلد العبد فی الخمر فقال بلغنا ان علیه نصف جلد الحر وان عمر بن الخطابؓ وعثمانؓ بن عفان وعبد الله بن عمرؓ قد جلدوا عبیدهم نصف حد الحر فی**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) حضورؐ کے پاس ایک نشہ میں مست آدمی کو لایا گیا یا فرمایا کہ نشوان آدمی کو لایا گیا۔ پس جب اس کا نشہ ختم ہو گیا تو اس کو کوڑے لگانے کا حکم دیا (الف) حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضورؐ، حضرت ابو بکرؓ کے امارت کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع زمانے میں شرابی کو لاتے اور اپنے ہاتھوں، جوتوں اور چادروں سے اس کی پٹائی کرتے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کی امارت کا آخری دور آیا تو چالیس کوڑے لگائے، پھر جب لوگ شرارت کرنے لگے تو اسی کوڑے لگائے گئے (ب) حضرت علیؓ کے سامنے ایک نشہ ور آدمی لایا گیا یا حد میں لایا گیا تو فرمایا مارو اور ہر عضو کو اس کا حق دو، اور دیکھنا چہرہ اور ذکر پر نہ مارنا (ج) پس اگر زنا کریں تو باندی پر آزاد عورت سے آدھی سزا ہے۔

[۲۴۹۵] (۹) ومن اقر بشرب الخمر والسكر ثم رجع لم يُحد [۲۴۹۶] (۱۰) ويثبت الشرب بشهادة شاهدين او باقراره مرة واحدة.

الخمر (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی عدد حد الخمر ج ثامن ص ۵۵۷ نمبر ۱۷۵۴۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام کی سزا آدھی ہوگی یعنی چالیس کوڑے ہوں گے۔

[۲۴۹۵] (۹) کسی نے اقرار کیا شراب اور نشہ پینے کا پھر بعد میں اس سے پھر گیا تو حد نہیں لگے گی۔

تشریح کسی نے شراب پینے کا اقرار کیا یا نشہ پینے کا اقرار کیا پھر بعد میں اس سے پھر گیا تو حد ساقط ہو جائے گی۔

وجہ پہلے زنا کی حد کے سلسلے میں گزر چکا ہے کہ رجوع کر جائے تو حد ساقط ہو جائے گی۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **هلا تركتموه لعله ان يتوب فيتوب الله عليه** (ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک ص ۲۶۰ نمبر ۴۴۱۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی درء الحد عن المعترف اذا رجع ص ۲۶۴ نمبر ۱۴۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد شرب سے رجوع کر جائے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

[۲۴۹۶] (۱۰) حد شرب ثابت ہوگی دو گواہوں کی گواہی سے یا ایک مرتبہ اقرار کرنے سے۔

تشریح زنا ثابت کرنے کے لئے چار گواہوں کی ضرورت تھی اس لئے آیت کی وجہ سے وہاں چار گواہ ضروری قرار دیا۔ لیکن حد شرب میں آیت میں چار گواہ کی شرط نہیں ہے اس لئے وہ اصلی مقام پر آئے گا۔ اور عام حالات میں دو گواہ سے کوئی چیز ثابت ہو جاتی ہے اس لئے دو گواہ سے حد شرب ثابت ہو جائے گی۔

وجہ آیت میں ہے۔ **واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء** (ب) (آیت ۲۸۲ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں معاملات کے لئے کہا گیا ہے کہ دو مرد چاہئے یا ایک مرد اور دو عورتیں چاہئے۔ اس لئے دو مرد حد شرب ثابت کرنے کے لئے کافی ہوں گے (۲) اس اثر میں ہے۔ **جاء رجلان برجل الى علىؓ بن طالب فشهدا عليه بالسرقة فقطعه** (ج) (دار قطنی، کتاب الحدود ج ثالث ص ۱۲۸ نمبر ۳۳۶۱) اس اثر میں دو مرد کی گواہی سے ہاتھ کاٹا گیا۔ اور عورت کی گواہی حدود میں اس لئے کافی نہیں کہ اثر میں اس کو منع فرمایا ہے۔ اثر میں ہے۔ **عن الزهرى قال مضت السنة من رسول الله ﷺ والخليفتين من بعد الا تجوز شهادة النساء فى الحدود** (د) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۹ فی شهادة النساء فی الحدود ج خامس ص ۵۲۸ نمبر ۲۸۷۰۵ رمصنف عبد الرزاق، باب هل تجوز شهادة النساء مع الرجال فی الحدود وغیرها ج ثامن ص ۳۳۰ نمبر ۱۵۴۱۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔ اس لئے صرف دو مردوں کی گواہی سے حد شرب ثابت ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن شہاب سے شراب کے بارے میں غلام کی حد کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اس پر آزاد کے کوڑے سے آدھا ہے۔ اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اپنے غلاموں کو شراب میں آزاد کی حد سے آدھی سزا دی، یعنی چالیس کوڑے (ب) دو مردوں کو گواہ بناؤ، پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں گواہوں میں سے جن سے راضی ہو (ج) دو آدمی حضرت علیؓ کے پاس ایک آدمی کو لائے اور ان دونوں نے چوری کی گواہی دی تو اس کا ہاتھ کاٹا (د) حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانے سے اور دونوں خلیفہ کے زمانے سے یہ سنت جاری ہے کہ عورتوں کی گواہی حدود میں جائز نہیں ہے۔

[۲۴۹۷](۱۱)ولا تقبل فیه شهادة النساء مع الرجال.

ایک مرتبہ اقرار سے بھی حد شرب یا حد سرقہ ثابت ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی ھریرة قال اتی رسول اللہ ﷺ بسارق سرق شملة فقالوا ان ھذا سرق فقال لا اخاله سرق فقال بلی یارسول اللہ ! قد سرقت قال اذھبوا به فاقطعوہ ثم احسموہ ثم ائتونی به (الف) (سنن للبیہقی ، باب ماجاء فی الاقرار بالسرقة والرجوع عنہ ج ثامن ص ۴۷۹ نمبر ۱۷۲۷۵ دار قطنی ، کتاب الحدود ج ثالث ص ۸۲ نمبر ۳۱۳۹ نسائی شریف ، باب تلقین السارق ص ۶۷۲ نمبر ۴۸۸۱) اس حدیث میں ایک مرتبہ اقرار کیا اور قال بلی کہا جس پر حد سرقہ لازم کردی گئی۔جس سے معلوم ہوا کہ حد شرب بھی ایک مرتبہ اقرار کرنے سے ثابت ہو جائے گی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ اقرار کرے تب حد شرب ثابت ہوگی۔

وجہ (۱) جس طرح ثبوت کے لئے دو گواہ ضروری ہیں اسی طرح دو مرتبہ اقرار بھی ہو (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔رأیت علیاؓ اقر عندہ سارق مرتین فقطع یدہ وعلقھا فی عنقه (ب) (سنن للبیہقی ، باب ماجاء فی تعلیق الید فی عنق السارق ج ثامن ص ۴۷۸ نمبر ۱۷۲۷۴) اس اثر میں دو مرتبہ چوری کا اقرار کیا تب حد سرقہ ثابت کیا جس سے پتا چلا کہ حد شرب میں بھی دو مرتبہ اقرار کرے تب حد شرب ثابت ہوگی۔

[۲۴۹۷] (۱۱) اور حدود میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی مردوں کے ساتھ۔

وجہ پہلے اثر گزر چکا ہے۔عن الزھری قال مضت السنة من رسول اللہ ﷺ والخلیفتین من بعدہ الا تجوز شھادة النساء فی الحدود (ج) (مصنف ابن ابی شیبة نمبر ۲۸۷۰۵ مصنف عبد الرزاق نمبر ۱۵۴۱۰) اس اثر سے ثابت ہوا کہ حدود میں عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں ہے۔اس لئے صرف دو مرد کی گواہی چاہئے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور کے سامنے ایک چور لایا گیا جس نے چادر چرائی تھی تو لوگوں نے کہا اس نے چرایا ہے تو آپؐ نے فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ چرایا نہیں ہے۔لوگوں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! انہوں نے چرایا ہے۔آپؐ نے فرمایا اس کو لے جاؤ اس کا ہاتھ کاٹو پھر اس کو داغ دو پھر میرے پاس لاؤ (ب) میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ ان کے پاس چور نے دو مرتبہ اقرار کیا تو اس کا ہاتھ کاٹا اور اس کو اس کی گردن میں لٹکا دیا (ج) حضرت زہریؒ نے فرمایا حضورؐ کے زمانے اور دونوں خلیفہ کے زمانے سے اور ان کے بعد سے یہ سنت جاری ہے کہ عورتوں کی گواہی حدود میں جائز نہیں ہے۔

﴿ باب حد القذف ﴾

[۲۴۹۸](۱)اذا قذف الرجل رجلا محصنا او امرأة محصنة بصريح الزنا وطالب

﴿ باب حد القذف ﴾

ضروری نوٹ کسی پاکدامن مرد یا عورت پر تہمت ڈالے کہ تم نے زنا کرایا ہے یا کیا ہے اور اس کو چار گواہوں سے ثابت نہ کر سکے اور جس پر تہمت ڈالی ہے وہ حد کا مطالبہ کرے تو اس پر حد لگے گی۔ اس حد کو حد قذف کہتے ہیں۔ قذف کا معنی ہے زنا کی تہمت لگانا۔ ثبوت اس آیت میں ہے۔ والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتو باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون (الف) (آیت ۴ سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ کسی محصنہ عورت پر زنا کی تہمت لگائے پھر چار گواہ نہ لا سکے تو اس کو اسی کوڑے مارو اور کبھی اس کی گواہی قبول نہ کرو (۲) حدیث میں ہے۔ عن عائشة قالت لما نزل عذری قام النبی ﷺ علی المنبر فذکر ذلک وتلا تعنی القرآن، فلما نزل من المنبر امر بالرجلین والمرأة فضربوا احدهم (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی حد القذف ص ۲۶۶ نمبر ۴۴۷۴ / ابن ماجہ شریف، باب حد القذف ص ۳۶۹ نمبر ۲۵۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد قذف لگائی جا سکتی ہے۔

[۲۴۹۸](۱) اگر زنا کی تہمت لگائی کسی آدمی نے محصن مرد کو یا محصنہ عورت کو صریح زنا کی اور مقذوف نے حد کا مطالبہ کیا تو حاکم اس کو اسی کوڑے لگائیں گے اگر وہ آزاد ہو۔

تشریح کسی آدمی نے محصن مرد یا محصنہ عورت کو زنا کی تہمت لگائی اور اشارہ کنایہ سے نہیں بلکہ زنا کی صریح لفظ سے تہمت لگائی اور جس کو تہمت لگائی اس نے حد کا مطالبہ کیا۔ پس اگر تہمت لگانے والا آزاد ہے تو حاکم اس کو اسی کوڑے حد قذف لگائے۔

وجہ اوپر کی آیت میں موجود ہے کہ محصن مرد یا محصن عورت کو تہمت لگائے تو حد قذف لگے گی۔ اور محصن کس کو کہتے ہیں اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور مسئلہ نمبر ۵ میں دوبارہ آ رہی ہے۔

زنا کے صریح لفظ سے تہمت لگائے تب حد لگے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن القاسم بن محمد قال ما کنا نری الجلد الا فی القذف البین والنفی البین (ج) (سنن للبیہقی، باب من قال لا حد الا فی القذف الصریح ج ثامن ص ۴۴۰ نمبر ۱۷۱۴۵ / مصنف عبد الرزاق، باب التعریض ج سابع ص ۴۲۰ نمبر ۱۳۷۰۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جب تک صریح نہ کہے حد لازم نہیں ہوگی (۲) حدیث میں اعرابی نے اشارہ سے بیوی پر تہمت لگائی تو آپؐ نے حد نہیں

حاشیہ : (الف) جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لا سکتے تو ان کو اسی کوڑے مارو اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، وہ فاسق ہیں (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں جب میرے عذر کے متعلق آیتیں اتریں تو حضور منبر پر کھڑے ہوئے اور اس کا تذکرہ کیا اور قرآن کی آیتیں پڑھیں۔ پس جب منبر سے اترے تو دو مرد اور ایک عورت کے بارے میں حکم دیا اور ان کو حد قذف لگائی (ج) حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ ہم کوڑا لگانا نہیں مناسب سمجھتے مگر صریح تہمت میں یا صریح بچے کے انکار میں۔

المقذوف بالحد حَدَّه الحاكم ثمانين سوطا ان كان حرا [۲۴۹۹] (۲) يُفرق على اعضائه [۲۵۰۰] (۳) ولا يُجرَّد من ثيابه غير انه ينزع عنه الفرو والحشو [۲۵۰۱] (۴) وان كان

لگائی۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ جاءه اعرابی فقال یا رسول الله ﷺ ان امرأتی ولدت غلاما اسود فقال هل لک من ابل؟ الخ (الف) (بخاری شریف، باب ماجاء فی التعریض ص ۱۰۱۲ نمبر ۶۸۴۷ مسلم شریف، کتاب اللعان ص ۴۸۸ نمبر ۱۵۰۰) اس حدیث میں اشارہ سے بیوی پر تہمت لگائی اس لئے آپ ؐ نے اس پر حد قذف نہیں لگائی۔

مقذوف مطالبہ کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس کا حق ہے۔اگر وہ معاف کر دے تو معاف ہو جائے گا جیسے دیت میں وارث معاف کر دے تو معاف ہو جائے گا۔

اسی کوڑے کی وجہ خود آیت میں موجود ہے۔ثمانين جلدة (آیت ۴ سورۃ النور ۲۴)

[۲۴۹۹] (۲) مجرم کے اعضاء پر تفریق کر کے مارے۔

تشریح یہ اسی کوڑے جسم کی ایک جگہ پر نہ مارے بلکہ ہر عضو پر تھوڑا تھوڑا کر کے مارے سوائے سر، چہرہ اور شرمگاہ کے۔

وجہ پہلے اثر گزر چکا ہے۔ عن اتی علیاً رجل فی حد فقال اضرب واعط کل عضو حقه واجتنب وجهه ومذاكيره (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب ضرب الحدود وهل ضرب النبی ﷺ بالسوط ج سابع ص ۳۷۰ نمبر ۱۳۵۱۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مختلف اعضاء پر مارے۔

[۲۵۰۰] (۳) مجرم کا کپڑا نہ اتارے علاوہ یہ کہ اس سے پوستین اور روئی بھرا ہوا کپڑا اتارے۔

تشریح کوڑا لگاتے وقت مجرم سے کپڑا نہ اتارے، قمیص وغیرہ پہنے ہوئے ہی کوڑا لگائے۔البتہ موٹا کپڑا اور پوستین اتروالے تاکہ کوڑا لگ سکے۔

وجہ اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔سألت المغيرة بن شعبة عن القاذف انتزع عنه ثيابه؟ قال لا لاتنزع عنه الا ان يكون فردوا او حشوا (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب وضع الرداء ج سابع ص ۳۷۴ نمبر ۱۳۵۲۶ مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۸ فی الزانیۃ والزانی یخلع عنهما ثيابهما او یضربان فیها ج خامس ص ۴۹۲ نمبر ۲۸۳۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوڑا لگاتے وقت موٹا کپڑا اتروا دے باقی کپڑے نہ اتارے۔

[۲۵۰۱] (۴) اگر غلام ہو تو اس کو چالیس کوڑے لگائیں گے۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ غلام کی سزا آزاد کی سزا سے آدھی ہے۔اس لئے آزاد کو اسی کوڑے لگائیں گے تو غلام باندی کو چالیس کوڑے لگائے

حاشیہ : (الف) آپ ؐ کے پاس ایک دیہاتی آیا اور کہا یا رسول اللہ! میری بیوی نے کالا بچہ دیا ہے۔آپ ؐ نے پوچھا کیا تمہارے پاس اونٹ ہے؟ (ب) حضرت علیؓ کے پاس ایک آدمی لایا گیا نشہ آور میں یا حد میں تو فرمایا مارو اور ہر عضو کو اس کا حق دو۔البتہ چہرے اور ذکر پر نہ مارو (ج) حضرت مغیرہ بن شعبہ کو تہمت لگانے کے بارے میں پوچھا کیا اس سے کپڑے اتار لیں؟ فرمایا اس سے کپڑے نہ اتارو مگر یہ کہ فرو اور حشو ہو۔

عبدا جلده اربعین سوطا [۲۵۰۲](۵)والاحصان ان یکون المقذوف حرا بالغا عاقلا مسلما عفیفا عن فعل الزنا [۲۵۰۳](٦)ومن نفی نسب غیره فقال لستَ لابیک او یا

جائیں گے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **قال ادرکت عمر بن الخطابؓ وعثمان بن عفانؓ والخلفاء هلم جرا ما رأیت احدا جلد عبدا فی فریة اکثر من اربعین** (الف)(سنن للبیہقی، باب العبد یقذف حراج ثامن ص ۴۳۸ نمبر ۱۷۱۳۹ ر مصنف عبد الرزاق، باالعبد یفتری علی الحرج سابع ص ۴۳۷ نمبر ۱۳۷۸۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام یا باندی تہمت لگائے تو ان کو چالیس کوڑے حد قذف لگائی جائے گی۔

[۲۵۰۲](۵)محصن ہونا یہ ہے کہ مقذوف آزاد ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، مسلمان ہو زنا کے فعل سے پاک دامن ہو۔

تشریح آیت میں گزرا کہ محصن مرد یا محصنہ عورت کو زنا کی تہمت لگائے تو تہمت لگانے والے کو حد لگے گی۔ یہاں فرماتے ہیں کہ محصن مرد یا محصنہ عورت کس کو کہیں گے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ جو آزاد ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، مسلمان ہو اور زنا سے پاک ہو اس کو محصن کہتے ہیں۔

وجہ ہر ایک شرط کی تفصیل کتاب الحدود مسئلہ نمبر ۲۴ میں گزر چکی ہے اور دلائل بھی گزر چکے ہیں وہاں دیکھ لیں۔

زنا سے پاکدامن کا مطلب یہ ہے کہ اس نے نہ کبھی زنا کیا ہو نہ وطی بالشبہ کیا ہو اور نہ نکاح فاسد کیا ہو تو اس کو زنا سے پاکدامن کہتے ہیں۔

وجہ جو لوگ ان میں سے ایک بھی کر چکا ہو اس کو زنا کی تہمت لگانے سے عار نہیں ہوتی کیونکہ وہ تو اس کام میں مبتلا ہے (۲) اثر میں ہے کہ نکاح فاسد بھی کر کے وطی کیا ہو تو وہ محصن نہیں ہوتا۔ **عن عطاء فی رجل تزوج بامرأة ثم دخل بها فاذا هی اخته من الرضاعة قال لیس باحصان وقاله معمر عن قتادة** (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب ھل یکون النکاح الفاسد احسانا؟ ج سابع ص ۳۰۹ نمبر ۱۳۳۰۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ نکاح فاسد کر کے نکاح کرے تب بھی وہ محصن باقی نہیں رہتا تو زنا کیا ہو یا وطی بالشبہ کیا ہو تو کیسے محصن باقی رہے گا؟

نوٹ رضاعی بہن سے شادی کرنا نکاح فاسد ہے اور اثر میں اسی کا تذکرہ ہے۔

[۲۵۰۳](٦)جس نے کسی کے نسب کی نفی کی، پس کہا تم اپنے باپ کا نہیں ہو، یا اے زانیہ کے بیٹے اور اس کی ماں محصنہ تھی انتقال کر چکی تھی۔ پس بیٹے نے حد کا مطالبہ کیا تو تہمت لگانے والے کو حد لگائی جائے گی۔

تشریح یہاں تین صورتیں بیان کی جا رہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ نسب کی نفی کی جس کی ایک صورت یہ ہے کہ کہے کہ تم اپنے باپ کا بیٹا نہیں ہو یعنی تمہاری ماں نے زنا کرایا ہے اس سے تم پیدا ہوئے ہو۔ پس اگر ماں زندہ ہوتی تو وہ حد کا مطالبہ کرتی تب حد لگتی کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ مقذوف کے مطالبے کے بعد حد لگے گی۔ لیکن ماں مر چکی ہے اور وہ بھی محصنہ تھی تو اب بیٹے کو حد کے مطالبے کا حق ہوگا۔ یا بیٹے سے کہا کہ تم

حاشیہ : (الف) میں نے عمر بن خطابؓ، عثمانؓ اور تمام خلفاء کو کسی نے غلام کو تہمت کے بارے میں نہیں مارا چالیس کوڑے سے زیادہ (ب) حضرت عطاء سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی پھر اس سے صحبت کی بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی رضاعی بہن ہے؟ فرمایا یہ صحبت محصن نہیں بناتی۔ یہی بات حضرت معمر نے قتادہ سے نقل کی۔

ابن الزانية وامه محصنة ميتة فطالب الابن بحدها حُدّ القاذف[۲۵۰۴] (۷)ولا يطالب بحد القذف للميت الا من يقع القدح في نسبه بقذفه [۲۵۰۵] (۸)واذا كان المقذوف

زانیہ کے بیٹے ہو گویا کہ اس کی ماں پر زنا کی تہمت لگائی اور وہ مر چکی ہے۔اس لئے اس صورت میں بھی بیٹے کو حد کے مطالبے کا حق ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔**قال عبد الله لا حد الا على رجلين رجل قذف محصنة او نفى رجلا من ابيه وان كانت امه امة** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۵ فی الرجل ینفی الرجل من ابیہ وامہ ج خامس ص ۴۸۴ نمبر ۲۸۲۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی باپ سے نسب کی نفی کرے تو اس کے مطالبے پر حد لازم ہوگی۔اور اسی میں یہ آیا کہ اس کی ماں کو زنا کے ساتھ متہم کرے تو بیٹے کو حد کے مطالبے کا حق ہوگا۔

[۲۵۰۴] (۷) اور میت کے لئے حد قذف کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے مگر جس کے نسب میں فرق آتا ہو تہمت لگانے سے۔

تشریح تہمت لگانے سے جس کے نسب میں فرق آتا ہو وہ میت کی جانب سے حد قذف کا مطالبہ کر سکتا ہے۔اور یہ حق صرف بیٹے اور باپ کو ہے۔مثلا کہا کہ تمہاری ماں زانیہ تھی اور ماں مر چکی ہے تو اس سے خود اس آدمی کے نسب میں فرق آتا ہے کہ اس کو حرامی کہہ رہا ہے اور بغیر باپ کے بیٹے ہوا ایسا کہہ رہا ہے اس لئے بیٹا انتقال شدہ ماں کی جانب سے حد کا مطالبہ کر سکتا ہے۔کیونکہ میت کو زانی کہنے سے بیٹے کے علاوہ کسی اور کے نسب میں فرق نہیں آتا۔

وجہ اثر اوپر گزر چکا ہے۔

لغت القدح : عیب، عار۔

[۲۵۰۵] (۸) اگر مقذوف محصن ہو تو اس کے کافر بیٹے یا غلام بیٹے کے لئے بھی جائز ہے کہ حد کا مطالبہ کرے۔

تشریح ماں محصنہ تھی اور انتقال کر گئی تھی۔اس کو کسی نے تہمت ڈالا تو چاہے بیٹا کافر ہو یا غلام ہو پھر بھی ان دونوں کو حد قذف کے مطالبے کا حق ہوگا۔

وجہ خود بیٹا پر تہمت ڈالتا تو حد کا مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ محصن نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے یا غلام ہے۔لیکن یہاں زنا کی تہمت اس کی ماں پر ہے بیٹے پر نہیں ہے۔وہ تو صرف حد کا مطالبہ کرنے والا ہے اور کافر بیٹے یا غلام بیٹے کو حد کے مطالبہ کا حق ہے۔اور چونکہ ماں جس پر اصل میں تہمت ڈالی ہے محصنہ ہے اس لئے تہمت لگانے والے کو حد لگے گی۔اثر میں ہے۔**سألت الزهرى عن رجل نفى رجلا من اب له فى الشرك فقال عليه الحد لانه نفاه من نسبه** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۰ فی الرجل ینفی الرجل من اب لہ فی الشرک ج خامس، ص ۵۴۶ نمبر ۲۸۸۷۶) اس اثر میں ہے کہ بیٹا مشرک ہو اور ماں پر تہمت ڈالی ہو تو اس کو حد لگائی۔

حاشیہ : (ب) حضرت عبد اللہ نے فرمایا نہیں حد ہے مگر دو آدمیوں پر، ایک تو کسی پاکدامن عورت پر تہمت لگائی یا کسی آدمی کے نسب کو باپ سے نفی کی اگر چہ اس کی ماں باندی ہو (ب) میں نے حضرت زہریؒ سے پوچھا کسی نے کسی کے شرک کے زمانے میں اس کے باپ کی نسب کی نفی کی تو فرمایا اس پر حد ہے اس لئے کہ اس کے نسب کی نفی کی ہے۔

محصنا جاز لابنه الکافر والعبد ان یطالب بالحد [۲۵۰۶](۹)ولیس للعبد ان یطالب مولاہ بقذف امه الحرة [۲۵۰۷](۱۰)وان اقرَّ بالقذف ثم رجع لم یقبل رجوعه [۲۵۰۸](۱۱)ومن قال لعربیٍ یا نبطیٌ لم یُحد.

[۲۵۰۶](۹) جائز نہیں ہے غلام کے لئے کہ مطالبہ کرے اپنے آقا پر اپنی آزاد ماں کی تہمت کی حد کا۔

تشریح آقا نے اپنی غلام کی آزاد ماں پر زنا کی تہمت لگائی، ماں مر چکی تھی۔ اب غلام چاہے کہ اپنی ماں پر تہمت لگانے کی وجہ سے آقا کو حد قذف لگوائے تو اس کا حق نہیں ہے۔

وجہ ماں اگر چہ آزاد تھی۔ وہ زندہ ہوتی اور حاکم سے حد کا مطالبہ کرتی تو کر سکتی تھی۔ لیکن غلام اپنے آقا کے خلاف حد کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے۔ کیونکہ آقا کا احترام مانع ہے (۲) اثر میں ہے کہ باپ بیٹے کو تہمت لگائے تو بیٹا باپ کے خلاف حد کا مطالبہ نہیں کر سکتا اسی طرح غلام آقا کے خلاف حد کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ عن عطاء فی الرجل یقذف ابنه فقال لا یجلد (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۴ فی الرجل یقذف ابنه ماعلیه؟ ج خامس ص ۴۸۴ نمبر ۲۸۲۳۰ مصنف عبد الرزاق، باب الاب یفتری علی ابنه ج سابع ص ۴۴۰ نمبر ۱۳۸۰۶) اس اثر میں ہے کہ بیٹا باپ کے خلاف حد کا مطالبہ نہیں کر سکتا جبکہ وہ آزاد ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے غلام آقا کے خلاف حد کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

[۲۵۰۷](۱۰) اگر اقرار کیا تہمت لگانے کا پھر پھر گیا تو اس کا پھرنا قبول نہیں کیا جائے گا۔

تشریح ایک آدمی نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ بعد میں انکار کر گیا۔ اس کے انکار کرنے سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

وجہ یہ حد خالص حقوق اللہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بندے سے ہے اس لئے بندے کو جب معلوم ہو گیا کہ مجھ پر تہمت لگائی ہے تو وہ اب حد کا مطالبہ کرے گا۔ اس لئے حد قذف ساقط نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ عن الزهری قال لو ان رجلا قذف رجلا فعفا واشهد ثم جاء به الی الامام بعد ذلک اخذ له بحقه ولو مکث ثلاثین سنة (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۴۳ فی الرجل یفتری علیه ما قالوا فی عفوه عنه؟ ج خامس ص ۵۴۶ نمبر ۲۸۸۸۲) اس اثر میں ہے کہ جس پر تہمت ڈالا ہے وہ معاف کر دے اور اس پر گواہ بھی بنا دے پھر بھی اگر حد لگوانا چاہے تو لگوا سکتا ہے۔ اسی طرح قاذف کے اقرار کے بعد رجوع کرنا چاہئے تو رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ یہ حقوق العباد ہے۔

[۲۵۰۸](۱۱) اگر کسی نے عربی سے کہا اے نبطی تو حد نہیں لگے گی۔

تشریح عربی آدمی سے کہا کہ اے نبطی تو گویا کہ اشارۃ یوں کہا کہ تیری ماں زانیہ ہے اور نبطی سے زنا کروایا ہے جس سے تم پیدا ہوئے ہو۔ پھر بھی اس جملے کے کہنے والے کو حد نہیں لگے گی۔

وجہ اس میں صراحت سے زنا کی تہمت نہیں ہے بلکہ اشارے سے زنا کی تہمت ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ جب تک صراحت سے زنا کی تہمت

حاشیہ : (الف) حضرت عطاءؒ سے منقول ہے کہ آدمی اپنے بیٹے کو زنا کی تہمت ڈالے تو حد نہیں لگے گی۔ نوٹ : تعزیر ہو سکتی ہے (ب) حضرت زہری سے منقول ہے کوئی آدمی کسی آدمی پر تہمت ڈالے۔ اس نے معاف کیا اور اس بات پر گواہ بنا لیا پھر اس کے بعد امام کے پاس لایا تو اس کا حق لیا جائے گا اگر چہ تین سال تک رکا رہا۔

[۲۵۰۹] (۱۲) ومن قال لرجل یا ابن ماء السماء فلیس بقاذف [۲۵۱۰] (۱۳) واذا نسبه الی عمه او الی خاله او الی زوج امه فلیس بقاذف [۲۵۱۱] (۱۴) ومن طئ وطئًا حراما

نہ لگائے حد نہیں لگے گی۔ عن القاسم بن محمد قال ما کنا نری الجلد الا فی القذف البین والنفی البین (الف) (سنن للبیہقی ، باب من قال لاحد الا فی القذف الصریح ج ثامن ص ۴۴۰ نمبر ۱۷۱۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صریح طور پر تہمت لگائے تب حد لگے گی اور یہاں اشارے سے تہمت لگائی اس لئے حد نہیں لگے گی (۲) اثر میں ہے۔ عن الشعبی انه سئل عن رجل قال لرجل عربی یا نبطی اقال کلنا نبطی لیس فی هذا حدا (ب) (مصنف عبد الرزاق ، باب القول سوی الفریۃ ج سابع ص ۴۲۷ نمبر ۱۳۷۴۷) اس اثر میں ہے کہ عربی کو نبطی کہا تو حد نہیں لگے گی۔

[۲۵۰۹] (۱۲) کسی نے آدمی سے کہا اے آسمان کے پانی کے بیٹے تو یہ تہمت زنا نہیں ہے۔

وجہ آسمان کے پانی طرف منسوب سخاوت میں کرتے ہیں کہ جس طرح آسمان کے پانی میں سخاوت ہے کہ ہر ایک دوست و دشمن کو نوازتا ہے اسی طرح تمہارے اندر بھی سخاوت ہے کہ آسمان کے پانی کی طرح سخاوت کرتے ہو گویا کہ تم آسمان کے پانی کا بیٹا ہو۔ اس لئے اس میں زنا کی تہمت ہے ہی نہیں بلکہ تعریف ہے۔ اس لئے حد کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

[۲۵۱۰] (۱۳) اگر کسی کو منسوب کیا اس کے چچا کی طرف یا اس کے ماموں کی طرف یا اس کی ماں کے شوہر کی طرف تو وہ تہمت لگانے والا نہیں ہوا

تشریح یوں کہے کہ تم چچا کے بیٹے ہو یا ماموں کے بیٹے ہو یا سوتیلے باپ کے بارے میں کہا کہ تم اس کے بیٹے ہو تو ان صورتوں میں ماں پر تہمت لگانے والا نہیں ہوا۔

وجہ ان حضرات کی طرف پیار سے بیٹے کی نسبت کر دیتے ہیں، زنا کی تہمت کے لئے نسبت نہیں کرتے۔ چچا، ماموں اور سوتیلے باپ کی طرف نسبت کر دیا تو تہمت لگانے والا نہیں ہوگا (۲) قرآن میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو فرمایا تمہارا باپ اسماعیل علیہ السلام حالانکہ وہ باپ نہیں چچا ہیں۔ قالوا نعبد الهک واله آبائک ابراهیم واسماعیل واسحاق الها واحدا (ج) (آیت ۱۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں حضرت اسماعیل کو حضرت یعقوب کا باپ کہا ہے جبکہ وہ چچا ہیں۔ سوتیلا باپ تو تربیت کے اعتبار سے باپ ہے ہی۔ اس لئے بھی تہمت نہیں ہوئی۔ ماموں کو بھی باپ کے درجے میں لوگ مانتے ہیں اس لئے بھی تہمت نہیں ہوئی۔

[۲۵۱۱] (۱۴) کسی نے حرام وطی کی دوسرے کی ملکیت میں تو اس کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں لگے گی۔

تشریح کوئی عورت اس کی بیوی نہیں تھی یا اس کی باندی نہیں تھی اس سے وطی کرنا حرام تھا پھر بھی اس سے وطی کر لی تو یہ آدمی محصن نہیں رہا اس لئے اس کو کوئی آدمی زنا کی تہمت لگائے تو تہمت لگانے والے پر حد قذف نہیں لگے گی۔

حاشیہ : (الف) محمد بن قاسمؒ نے فرمایا ہم حد لگانا جائز نہیں سمجھتے ہیں مگر واضح تہمت لگانے میں اور واضح طور پر نسب کی نفی کرنے میں (ب) حضرت شعبیؒ سے پوچھا ایک آدمی نے ایک عربی آدمی کو کہا اے نبطی تو کیا ہوگا؟ فرمایا ہم سبھی نبطی ہیں اس گالی میں حد نہیں ہے (ج) انہوں نے کہا ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے ایک معبود کی عبادت کرتے ہیں۔

فی غیر ملکه لم یُحد قاذفه [۲۵۱۲](۱۵)والملاعنة بولد لایُحد قاذفها [۲۵۱۳] (۱۶)وان کانت الملاعنة بغیر ولد حُدَّ قاذفها.

وجہ آیت میں تھا کہ محصنہ پر تہمت لگائے اور چار گواہ نہ لا سکے تو اس پر حد ہے۔اور یہ محصن نہیں رہا اس لئے اس کے قاذف پر حد نہیں ہے۔آیت میں ہے۔والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتو باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة (الف) (آیت ۴ سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں محصن مرد یا محصن عورت پر تہمت لگانے پر حد کا تذکرہ ہے۔اور یہ آدمی محصن نہیں رہا۔یہاں تک کہ نکاح فاسد کرے یا یہودیہ یا نصرانیہ سے شادی کر کے وطی کرے تب بھی محصن باقی نہیں رہتا۔حدیث میں ہے۔عن کعب بن مالک انه اراد ان یتزوج یهودیة او نصرانیة فسأل النبی ﷺ عن ذلک فنهاه عنها وقال انها لا تحصنک (ب) دار قطنی، کتاب الحدود ج ثالث ص ۱۰۹ نمبر ۳۲۶۸ رسنن للبیہقی، باب من قال من اشرک باللہ فلیس بمحصن ج ثامن ص ۳۷۶ نمبر ۱۶۹۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہودیہ عورت سے شادی کی تو محصن نہیں ہوا تو حرام وطی سے کیسے محصن ہوگا (۳) اوپر گزرا کہ نکاح فاسد کرے تب بھی محصن نہیں رہتا۔عن عطاء فی رجل تزوج بامرأة ثم دخل بها فاذا هی اخته من الرضاعة قال لیس باحصان وقاله معمر عن قتادة (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب ھل یکون النکاح الفاسد احصانا ج سابع ص ۳۰۹ نمبر ۱۳۳۰۵)

[۲۵۱۲] (۱۵) بچہ کی وجہ سے لعان کرنے والی کے قاذف کو حد نہیں لگے گی۔

تشریح عورت کو بچہ پیدا ہوا جس کی وجہ سے شوہر نے لعان کیا اور بچہ ابھی زندہ ہے۔ایسی لعان والی عورت کو کوئی زنا کی تہمت لگائی تو اس پر حد نہیں ہوگی۔

وجہ بچہ موجود ہے اور اس کا نسب باپ سے ثابت نہیں ہے تو زنا کی علامت موجود ہے اس لئے ایسی صورت میں ماں مکمل محصنہ نہیں ہوئی اس لئے قاذف کو حد نہیں لگے گی (۲) اثر میں ہے۔وقال ابو حنیفةؒ لا یجلد فی قذف الام من قذفها لان معها ولدا لا نسب له (د) (کتاب الآثار لامام محمد، باب اللعان والانتفاء من الولد ص ۱۳۱ نمبر ۵۹۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچہ موجود ہو تو لعان شدہ عورت کو تہمت لگائے تو حد نہیں ہوگی۔

[۲۵۱۳] (۱۶) اور اگر لعان کی ہوئی بغیر بچے کی ہو تو اس کے تہمت ڈالنے والے کو حد لگے گی۔

تشریح عورت نے لعان کی ہو اور اس کا بچہ موجود نہ ہو اس صورت میں کسی نے اس عوت پر زنا کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف ہوگی۔

حاشیہ : (الف) جو لوگ پاکدامن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لاتے ان کو اسی کوڑے مارو (ب) حضرت کعب بن مالک نے یہودیہ یا نصرانیہ عورت سے شادی کرنی چاہی۔پس اس کے بارے میں حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے اس سے روک دیا۔اور فرمایا یہ عورتیں تم کو محصن نہیں بنائیں گی (ج) حضرت عطاء سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی اور اس سے صحبت کی۔بعد میں معلوم ہوا وہ اس کی رضاعی بہن ہے۔فرمایا یہ محصن نہیں بنائے گی۔حضرت معمر نے بھی حضرت قتادہ سے یہی نقل کیا (د) حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ماں کو تہمت لگائی تو حد نہیں لگائی جائے گی اس کو تہمت لگانے سے اس لئے کہ ماں کے ساتھ ایسا بچہ ہے جس کا نسب ثابت نہیں ہے۔

[۲۵۱۴] (۱۷) ومن قذف امة او عبدا او كافرا بالزنا او قذف مسلما بغير الزنا فقال يا فاسق او يا كافر او يا خبيث عُزِّرَ [۲۵۱۵] (۱۸) وان قال يا حمار او يا خنزير لم يعزَّر .

وجہ چونکہ اس کے پاس بچہ نہیں ہے اس لئے زنا کی کوئی علامت نہیں ہے اور لعان کر چکی ہے اس لئے مکمل محصنہ ہے اس لئے اس کے قاذف پر حد ہوگی (۲) اثر میں ثبوت ہے۔ عن الزهرى و قتادة قال من قذف الملاعنة جلد الحد (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب من قذف الملاعنة ج سابع ص ۱۲۱ نمبر ۱۲۴۶۳ رمصنف، ابن ابی شیبة ۶۶ فی قاذف الملاعنة اوابنها ج خامس ص ۵۰۵ نمبر ۲۸۴۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ لعان کردہ عورت پر تہمت لگائے اور بچہ نہ ہو تو حد لگے گی۔

[۲۵۱۴] (۱۷) کسی نے باندی یا غلام یا کافر کو زنا کی تہمت لگائی یا مسلمان کو زنا کے علاوہ کی تہمت لگائی مثلا کہا اے فاسق یا اے کافر یا اے خبیث تو تعزیر کی جائے گی۔

تشریح آیت میں گزرا کہ محصن مرد یا محصنہ عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو حد لگے گی۔ اور باندی، غلام اور کافر محصن نہیں ہیں اس لئے ان پر زنا کی تہمت ڈالے تو حد نہیں لگے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن الزهرى فى رجل افترى على عبد او امة قال يعزر (ب) مصنف عبد الرزاق باب من فرية الحر على المملوک ج سابع ص ۴۳۸ نمبر ۱۳۷۹۷ رمصنف ابن ابی شیبة ۲۶ ما قالوا فی قاذف ام الولد؟ ج خامس ص ۴۸۵ نمبر ۲۸۲۴۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام، باندی پر تہمت لگائے تو تہمت لگانے والے پر حد نہیں ہے البتہ تعزیر ہوگی۔ اور کافر کے بارے میں یہ اثر ہے۔ عن ابراهيم انه قال من قذف يهوديا او نصرانيا فلا حد عليه (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۹ فی المسلم یقذف الذی علیہ حد ام لا؟ ج خامس ص ۴۸۱ نمبر ۲۸۱۹۵ مصنف عبد الرزاق، باب الفرية على اهل الجاهلية ج سابع ص ۴۳۵ نمبر ۱۳۷۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کافر پر تہمت ڈالے تو تہمت ڈالنے والے پر حد نہیں ہے۔

اور مسلمان کو زنا کی تہمت نہ ڈالے بلکہ فاسق، کافر یا خبیث کہے تو اس سے حد نہیں لگے گی بلکہ حاکم مناسب سمجھے تو تعزیر کرے۔

وجہ اثر میں ہے۔ قال على قول الرجل للرجل يا خبيث يا فاسق قال هن فواحش وفيهم عقوبة ولا تقولهن فتعودهن (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۶۱ فی الرجل یقول للرجل یا خبیث یا فاسق ج خامس ص ۵۵۴ نمبر ۲۸۹۵۵ رسنن للبیہقی، باب ما جاء فی الشتم دون القذف ج ثامن ص ۴۴۰ نمبر ۱۷۱۴۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حد تو نہیں ہوگی البتہ تعزیر ہوگی۔

[۲۵۱۵] (۱۸) اور اگر کہا اے گدھا یا اے سور تو تعزیر نہیں ہوگی۔

وجہ مصنف کے یہاں یہ الفاظ گالی نہیں تھے اس لئے تعزیر بھی نہیں ہوگی۔ لیکن جس معاشرے میں یہ الفاظ گالی ہیں اس میں تعزیر

حاشیہ : (الف) حضرت زہریؒ اور قتادہؒ نے فرمایا لعان شدہ عورت کو کسی نے تہمت لگائی تو حد لگائی جائے گی (ب) حضرت زہری سے منقول ہے کہ کسی آدمی نے غلام یا باندی پر تہمت لگائی؟ فرمایا تعزیر کرے (ج) حضرت ابراہیم سے منقول ہے کوئی آدمی یہودی یا نصرانی پر تہمت لگائے تو اس پر حد نہیں ہے (د) حضرت علیؓ نے فرمایا کوئی کسی کو کہے اے خبیث، یا فسق فرمایا یہ بری باتیں ہیں اور ان میں سزا ہے اور دوبارہ ایسا نہ کہا کرو۔

[۲۵۱۶](۱۹)والتعزیر اکثره تسعة و ثلثون سوطا واقله ثلاث جلدات [۲۵۱۷](۲۰) وقال ابو یوسف یبلغ بالتعزیر خمسة و سبعین سوطا[۲۵۱۸](۲۱)وان رأی الامام ان

ہوگی۔سمعت علیاً یقول انکم سألتمون عن الرجل یقول للرجل یا کافر یا فاسق یا حمار ولیس فیه حد وانما فیه عقوبة من السطان فلا تعودوا فتقولوا (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الشتم دون القذف ج خامس ص ۴۴۱ نمبر ۱۷۱۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یا حمار کہنے سے تعزیر ہو سکتی ہے اگر معاشرہ اس کو گالی سمجھتا ہو۔

[۲۵۱۶] (۱۹) تعزیر کے زیادہ سے زیادہ انچاس کوڑے ہیں اور کم سے کم تین کوڑے ہیں۔

وجہ اثر میں ہے کہ تعزیر کے لئے چالیس کے درمیان کوڑے ہوں اس لئے ایک کوڑا کم کر کے انچالیس کوڑے رکھا۔عن الشعبی قال التعزیر مابین السوط الی الا ربعین (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۳۶ فی التعزیر کم ہو وکم یبلغ، ج خامس، ص ۵۴۴، نمبر ۲۸۸۶۳) (۲) یوں بھی شراب اور حد قذف میں غلام کی حد چالیس کوڑے ہیں اور یہ حد کا کم سے کم درجہ ہے۔اور حدیث میں ہے کہ تعزیر میں حد کے درجے کو نہیں پہنچنا چاہئے۔حدیث مرسل میں ہے۔عن الضحاک بن مزاحم قال قال رسول اللہ ﷺ من بلغ حدا فی غیر حد فھو من المعتدین،قال محمد فادنی الحدود اربعون فلا یبلغ بالتعزیر اربعون جلدة (ج) (کتاب الآثار لامام محمدؒ، باب التعزیر ص ۱۳۳ نمبر ۶۱۰ رمصنف عبد الرزاق، باب لا یبلغ بالحدود العقوبات ج سابع ص ۴۱۳ نمبر ۱۳۶۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تعزیر حد کے کم سے کم درجے کو نہیں پہنچنا چاہئے جو انچالیس کوڑے ہیں۔

[۲۵۱۷] (۲۰) اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا تعزیر پچھتر کوڑے پہنچ سکتا ہے۔

تشریح وہ فرماتے ہیں کہ آزاد کی حد اسی کوڑے ہیں اس لئے اس سے پانچ کوڑے کم کر کے پچھتر کوڑے تک لگا سکتا ہے۔یعنی ایک کوڑے سے لیکر پچھتر کوڑے تک مار سکتے ہیں۔

فائدہ بعض ائمہ کی رائے ہے کہ تعزیر دس کوڑے سے زیادہ نہ ہو۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی بردة انه سمع رسول اللہ ﷺ یقول لا یجلد احد فوق عشرة اسواط الا فی حد من حدود اللہ (د) (مسلم شریف، باب قدر اسواط التعزیر ص ۷۲ نمبر ۱۷۰۸ بخاری شریف، باب کم التعزیر والادب ص ۱۰۱۲ نمبر ۶۸۴۸)

[۲۵۱۸] (۲۱) اگر مناسب سمجھے تعزیر میں مارنے کے ساتھ قید کرنا تو کر سکتا ہے۔

تشریح امام مناسب سمجھے کہ تعزیر میں کوڑے مارنے کے ساتھ ساتھ قید بھی کیا جائے تو قید کر سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا تم لوگوں نے آدمی کے بارے میں پوچھا کوئی کسی کو کہے یا کافر، یا فاسق، یا حمار تو ان میں حد نہیں ہے۔ان میں صرف سزا ہے بادشاہ سے لیکن دوبارہ نہ کہا کرو (ب) حضرت شعبیؒ نے فرمایا تعزیر ایک کوڑے سے چالیس کوڑے تک ہے (ج) آپؐ نے فرمایا کسی نے حد کے علاوہ میں حد کی مقدار پہنچ گیا یعنی تو وہ حد سے گزرنے والا ہے۔چنانچہ امام محمدؒ نے فرمایا کم سے کم حد چالیس کوڑا ہے اس لئے تعزیر میں چالیس کوڑے تک نہ پہنچے (د) حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ کی حدود کے علاوہ کسی میں دس کوڑے سے زیادہ نہ مارے۔

یضمّ الی الضرب فی التعزیر الحبس فعل [۲۵۱۹](۲۲) واشد الضرب التعزیر ثم حد الزنا ثم حد الشرب ثم حد القذف [۲۵۲۰](۲۳)ومن حدّه الامام او عزّره فمات فدمه هدر.

وجہ حد میں کوڑے مارنے کے ساتھ ایک سال کی جلاوطنی کرسکتا ہے تو تعزیر میں بھی ایسا کرسکتا ہے۔عن زید بن خالد الجهنی قال سمعت النبی ﷺ یأمر فیمن زنی ولم یحصن جلد مائة وتغریب عام (الف)(بخاری شریف، باب البکر ان یجلدان وینفیان ص ۱۰۱۱، نمبر ۶۸۳۱) اس حدیث میں ہے کہ کوڑے لگانے کے ساتھ ایک سال جلاوطن کرے۔اسی پر قیاس کرتے ہوئے تعزیر میں مناسب سمجھے تو مجرم کو قید کرے۔

[۲۵۱۹](۲۲) سب سے سخت مار تعزیر کی ہے پھر حد زنا کی پھر حد شرب کی پھر حد قذف کی۔

تشریح تعزیر میں مار سخت ماری جائے گی، پھر اس سے ہلکی زنا کی مار ہوگی، پھر اس سے ہلکی مار حد شرب کی ہوگی اور اس سے ہلکی مار حد قذف کی ہوگی۔

وجہ ان دو اثروں میں اس کا اشارہ ہے۔مثلا زنا کی حد کے بارے میں ہے کہ زانی کا تمام کپڑا اتار دیا جائے گا سوائے لنگی کے۔اور حد قذف کے بارے میں ہے کہ صرف موٹا کپڑا اور پوستین اتارے جائیں گے۔باقی قمیص وغیرہ اس کے بدن پر رہنے دیا جائے گا۔جن سے اندازہ ہوا کہ زنا کی مار سخت ہے اور قذف کی مار اس سے ہلکی ہے۔اثر یہ ہے۔عن قتادة قال یجلد القاذف والشارب وعلیهما ثیابهما، وینزع عن الزانی ثیابه حتی یکون فی ازاره (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب وضع الرداء ج سابع ص ۴۷۳ نمبر ۱۳۵۲۸) اس اثر میں قاذف اور شارب کا کپڑا باقی رکھا اور زانی کا کپڑا اتروایا جس سے معلوم ہوا کہ حد زنا سخت ہے اس کے بعد حد شرب اس کے بعد حد قذف ہے۔

[۲۵۲۰](۲۳) امام نے حد لگائی یا تعزیر کی پس مر گیا تو اس کا خون معاف ہے۔

وجہ حد لگانے یا تعزیر کرنے کے بعد مر جائے اور اس کا تاوان حاکم پر لازم کرنے لگ جائیں تو کوئی حاکم عہدے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔اس لئے اس کا خون معاف ہے(۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن علیؓ قال ما کنت اقیم علی احد حدا فیموت فیه فاجد منه فی نفسی الا صاحب الخمر لانه ان مات ودیته لان رسول الله ﷺ لم یسنه (ج)(مسلم شریف، باب حد الخمر ص ۷۱ نمبر ۱۷۰۷/۴۴۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شرابی کے علاوہ کوئی حد یا تعزیر میں مر جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔البتہ شرابی پر حد زیادہ لگ جائے

حاشیہ : (الف) آپ حکم فرماتے تھے کسی نے زنا کیا اور محصن نہیں ہے تو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال قید (ب) حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ تہمت لگانے والے اور شراب پینے والے کو کپڑوں کے ساتھ حد لگائی جائے گی۔اور زانی سے کپڑے اتار دیئے جائیں گے یہاں تک کہ صرف ازار میں رہے (ج) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کسی پر حد قائم کروں اور وہ مر جائے تو میرے دل میں کوئی تشویش نہیں ہوگی مگر شراب پینے والے کے بارے میں۔اس لئے کہ وہ کوڑے سے مر جائے تو اس کی دیت لازم ہوگی اس لئے کہ حضورؐ نے کوڑے متعین نہیں کئے۔

[۲۵۲۱] (۲۴) واذا حُدَّ المسلم فی القذف سقطت شهادته وان تاب [۲۵۲۲] (۲۵) وان حُدَّ الکافر فی القذف ثم اسلم قبلت شهادته.

اور مر جائے تو اس کا احساس ہے۔ کیونکہ اس کی حد کے بارے میں کوئی صاف عدد مذکور نہیں ہے۔

[۲۵۲۱] (۲۴) اگر مسلمان کو قذف میں حد لگی ہو تو اس کی شہادت ساقط ہو جائے گی اگرچہ توبہ کی ہو۔

تشریح مسلمان آدمی نے کسی پر زنا کی تہمت لگائی اور چار گواہ نہ لا سکے اس لئے اس پر حد قذف لگ گئی۔ اب اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی اگرچہ قذف سے توبہ کر چکا ہو۔

وجہ آیت میں اس کا تذکرہ ہے۔ **والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتو باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون** (الف) (آیت ۴ سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ محدود قذف والے کی کبھی گواہی قبول نہیں کی جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا مجلود حدا ولا مجلود** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شہادتہ ص ۵۵ نمبر ۲۲۹۸ رسنن للبیہقی، باب من قال لاتقبل شہادتہ ج عاشر ص ۲۶۱ نمبر ۲۰۵۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محدود فی القذف کی گواہی مقبول نہیں۔ کیونکہ وہ بھی حد میں کوڑے کھاتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر محدود توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ **وجلد عمر ابا بکرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغیرة ثم استتابهم وقال من تاب قبلت شهادته واجازه عبد الله بن عتبه وعمر بن عبد العزیز** (ج) (بخاری شریف، باب شہادۃ القاذف والسارق والزانی ص ۳۶۱ نمبر ۲۶۴۸ رسنن للبیہقی، باب شہادۃ القاذف ج عاشر ص ۲۵۶ نمبر ۲۰۵۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قاذف توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

[۲۵۲۲] (۲۵) اگر کافر کو قذف میں حد لگی ہو پھر اسلام لایا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح کفر کی حالت میں کسی پر زنا کی تہمت لگائی جس کی وجہ سے حد قذف لگی اب مسلمان ہو گیا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ اسلام نے پہلے زمانے کا قصور معاف کر دیا تو گویا کہ نیا آدمی پیدا ہوا اس لئے اس کی گواہی قبول کی جائے گی (۲) اثر میں ہے۔ **اخبرنا الثوریؒ قال اذا جلد الیهودی والنصرانی فی قذف ثم اسلما جازت شهادتهما لان الاسلام یهدم ما کان قبله** (د)

حاشیہ : (الف) جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لاتے تو ان کو اسی کوڑے لگائیں۔ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کریں وہ لوگ فاسق ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا خائن مرد اور خائنہ عورت اور حد میں کوڑے لگے ہوئے کی گواہی جائز نہیں ہے اس میں حد قذف بھی آگئی (ج) حضرت عمرؓ نے ابو بکرہ، شبل بن سعبد اور نافع کو مغیرہ پر تہمت لگانے کی وجہ سے حد لگائی پھر ان سے توبہ کروایا اور فرمایا تہمت لگانے سے توبہ کرے گا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ عبد اللہ بن عتبہ اور عمر بن عبد العزیز نے اس کو جائز قرار دیا (د) حضرت ثوریؒ نے فرمایا اگر یہودی اور نصرانی تہمت میں کوڑے لگا دیئے جائیں پھر دونوں اسلام لے آئیں تو دونوں کی گواہی مقبول ہوگی اس لئے کہ اسلام ماقبل کے گناہوں کو دھو دیتا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، باب شہادۃ القاذف، ج ثامن، ص ۳۶۴، نمبر ۱۵۵۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کافر مسلمان ہو جائے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

﴿ کتاب السرقة وقطاع الطریق ﴾

[۲۵۲۳](۱)اذا سرق البالغ العاقل عشرة دراهم او ما قیمته عشرة دراهم مضروبة

﴿ کتاب السرقة وقطاع الطریق ﴾

ضروری نوٹ کسی کے مال کے چوری کرنے کو سرقہ کہتے ہیں اور ڈاکہ زنی کو قطاع الطریق کہتے ہیں۔یعنی ڈاکہ زنی کی وجہ سے لوگوں کا راستہ کاٹ دینا۔چوری تین شرطوں کے ساتھ کرے تو ہاتھ کٹے گا۔ایک تو محفوظ جگہ سے چوری کرے،دوسری وہ چیز دس درہم یا اس سے زیادہ کی ہو،اور تیسری یہ کہ اس چیز میں چور کا کسی قسم کا حصہ نہ ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔دلیل یہ آیت ہے۔**والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم** (الف)(آیت ۳۸ سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت سے پتا چلا کہ چور یا چورن چوری کرلیں تو دونوں کے ہاتھ کاٹیں گے(۲) حدیث میں ہے۔**عن ابن عباس قال قطع رسول اللہ ﷺ ید رجل فی مجن قیمته دینار او عشرة دراھم** (ب)(ابوداؤد شریف،باب ما یقطع فیہ السارق ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۸۷ر ترمذی شریف،باب ماجاء فی کم یقطع السارق ص ۲۶۷ نمبر ۱۴۴۶ر مسلم شریف،باب حد السرقة ونصابھا ص ۶۳ نمبر ۱۶۸۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور دس درہم کی چیز ہو تو چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

[۲۵۲۳](۱)اگر بالغ عاقل آدمی نے چرایا دس درہم یا ایسی چیز جس کی قیمت دس درہم ہو،سکہ دار ہو یا بے سکہ ہو ایسی محفوظ جگہ سے جس میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے غلام اور آزاد اس میں برابر ہیں۔

تشریح عاقل بالغ آدمی ہو اور وہ دس درہم یا دس درہم کی چیز چرالے اور کسی ایسی محفوظ جگہ سے چرائے جس کے محفوظ ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔اور غلام اور آزاد دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔اس حد میں یہ نہیں ہے کہ آزاد کی حد پوری ہوگی اور غلام کی حد آدھی کہ مثلا ہاتھ کٹنے کے بدلے میں ان کو آدھے کوڑے لگے۔بلکہ دونوں کی حد برابر ہیں یعنی ثابت ہونے پر دونوں کے ہاتھ کٹیں گے۔

وجہ عاقل بالغ ہونے کی وجہ پہلے کئی بار گزر چکی ہے کہ بچہ اور مجنون مرفوع القلم ہیں۔دس درہم کی دلیل اوپر والی ابوداؤد شریف کی حدیث ہے۔**عن ابن عباس قطع رسول ﷺ ید رجل فی مجن قیمته دینار او عشرة دراھم** (ابوداؤد شریف،نمبر ۴۳۸۷ر ترمذی شریف،نمبر ۱۴۴۶)(۲)اثر میں ہے۔**عن ابن عباس لایقطع السارق فی دون ثمن المجن وثمن المجن عشرة دراھم** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۳ من قال لاتقطع فی اقل من عشرة دراھم ج خامس ص ۴۷۳ نمبر ۲۸۰۹۵ر سنن للبیھقی، ۴۸ باب اختلاف الناقلین فی ثمن المجن وما یصح منه ومالایصح ج ثامن ص ۴۴۸ نمبر ۱۷۱۷۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ دس درہم کی چیز ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا(۳) ہاتھ کاٹنے میں احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ زیادہ مال میں عضو کٹے۔اگرچہ حدیث میں اس سے کم تین درہم اور چوتھائی دینار میں بھی ہاتھ کٹنے کا

حاشیہ : (الف)چور اور چورن کا ہاتھ کاٹو یہ جو کچھ کیا اس کا بدلہ ہے اللہ کی جانب سے۔اللہ تعالی غالب ہیں حکمت والے ہیں(ب)حضورؐ نے ایک آدمی کا ہاتھ ڈھال کی وجہ سے کاٹا جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی(ج)ابن عباس فرماتے ہیں کہ چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے ڈھال کی قیمت سے کم میں اور ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔

كانت او غير مضروبة من حرز لا شبهة فيه وجب عليه القطع والعبد والحر فيه سواء .

ثبوت ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن عائشة قالت قال النبی ﷺ تقطع اليد فی ربع دينار فصاعدا** (الف) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی والسارق والسارقۃ الخ وفی کم یقطع ؟ ص ۱۰۰۳ نمبر ۶۷۸۹ رمسلم شریف، باب حد السرقۃ ونصابھا ص ۶۳ نمبر ۱۶۸۴ رابوداؤد شریف، باب ما یقطع فیہ السارق ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۸۳) اس حدیث میں چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹنے کا ثبوت ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تین درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد الله قال قطع النبی فی مجن ثمنه ثلاثة دراهم** (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی والسارق والسارقۃ الخ وفی کم یقطع ؟ ص ۱۰۰۳ نمبر ۶۷۹۷ رمسلم شریف، باب حد السرقۃ ونصابھا ص ۶۳ نمبر ۱۶۸۶ رابوداؤد شریف، باب ما یقطع فیہ السارق ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور سکہ ہو یا سکہ نہ ہو کی وجہ یہ ہے کہ اوپر کی حدیث میں ڈھال کی وجہ سے ہاتھ کاٹا ہے جو سکہ نہیں ہے۔ البتہ اس کی قیمت دس درہم یا تین درہم تھی اس لئے سکہ چرائے یا کوئی چیز چرائے جس کی قیمت سکہ میں دس درہم ہو دونوں میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

محفوظ جگہ سے چرانے کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر جگہ محفوظ نہ ہو اور وہاں سے کوئی چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ پھل کو چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ وہ درخت پر غیر محفوظ ہوتا ہے۔ لیکن اس کو کھلیان پر لے آئے پھر کوئی چرائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اب وہ محفوظ جگہ پر آ گیا۔ حدیث یہ ہے۔ **فقال له رافعؓ سمعت رسول الله ﷺ يقول لا قطع فی ثمر ولا كثر** (ج) (ابوداؤد شریف، باب مالا قطع فیہ ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۸۸ رترمذی شریف، باب ما جاء لا قطع فی ثمر ولا کثر ص ۲۶۹ نمبر ۱۴۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درخت پر پھل غیر محفوظ ہے۔ اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ **عن عمر بن العاص عن رسول الله ﷺ انه سئل عن التمر المعلق فقال من اصاب بفيه من ذی حاجة غير متخذ خبنة فلا شیء عليه ومن خرج بشیء منه فعليه غرامة مثليه والعقوبة ومن سرق منه شيئا بعد ان يؤويه الجرين فبلغ ثمن المجن فعليه القطع ومن سرق دون ذلک فعليه غرامة مثليه والعقوبة** (د) (ابوداؤد شریف، باب مالا قطع فیہ ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۹۰ رنسائی شریف، الثمر یسرق بعد ان یؤویہ الجرین، ص ۶۸۰، نمبر ۴۹۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پھل کھلیان پر لاکر محفوظ کر لیا ہو اور چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا یا پھل توڑ کر درخت کے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ہاتھ چوتھائی دینار میں یا اس سے زیادہ کی قیمت میں کاٹا جائے گا (ب) حضورؐ نے ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کی وجہ سے جس کی قیمت تین درہم تھی (ج) آپؐ سے کہتے سنا نہیں ہاتھ کاٹنا ہے پھل میں اور نہ شگوفہ میں (د) حضورؐ سے لٹکے ہوئے کھجور کے بارے میں پوچھا کوئی ضرورت مند منہ سے کھالے اور دامن نہ بھرے تو اس پر کچھ نہیں ہے۔ اور جو کوئی کچھ لے کر جائے اس پر دوگنا تاوان ہے اور سزا ہے۔ اور کوئی آدمی کھلیان پر آنے کے بعد پھل چرائے اور ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر ہاتھ کاٹنا ہے۔ اور جو اس سے پہلے چرائے تو اس پر دوگنا تاوان ہے اور سزا ہے۔

[۲۵۲۴](۲)ویجب القطع باقراره مرة واحدة او بشهادة شاهدین.

پاس رکھا ہوا اور وہاں محافظ حفاظت کر رہا ہو اور چرالیا تو ہاتھ کا ٹا جائے گا۔
اور آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا آدھا نہیں ہوتا اور اس میں کوڑا مارنا منقول نہیں ہے۔ البتہ بعض موقع پر چوری کا پورا ثبوت نہ ہو تو تعزیر کی جائے گی جس میں آزاد اور غلام برابر ہیں اور امام کی رائے پر ہے۔ اور غلام کا بھی ہاتھ کا ٹا جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابن عمرؓ فی العبد الآبق یسرق قال یقطع (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۸ فی العبد الآبق یسرق ما یصنع بہ؟ ج خامس، ص ۴۷۶، نمبر ۲۸۱۴۳ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی العبد الآبق اذا سرق ج ثامن، ص ۴۶۶، نمبر ۱۷۲۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھاگنے والے غلام بھی چرائیں تو ہاتھ کا ٹا جائے گا جس سے معلوم ہوا کہ غلام اور آزاد دونوں کی حد ایک ہی ہے۔

[۲۵۲۴] (۲) کاٹنا واجب ہوگا ایک مرتبہ اقرار کرنے سے یا دو گواہوں کی گواہی سے۔

وجہ اس حدیث میں ایک مرتبہ اقرار کرنے سے آپؐ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان قال اتی رسول اللہ ﷺ بسارق قد سرق شملہ فقال اسرقت ما اخالہ سرق ؟ قال بلی افقال رسول اللہ ﷺ اقطعوہ ثم احسموہ (ب) (دار قطنی، کتاب الحدود ج ثالث ص ۸۲ نمبر ۳۱۳۹ رنسائی شریف، تلقین السارق ص ۶۷۲ نمبر ۴۸۸۱) اس حدیث میں ایک مرتبہ بلی کہہ کر اقرار کیا تو آپؐ نے حد لگائی جس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ اقرار سے حد لگے گی

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو مرتبہ اقرار کرے تب ہاتھ کٹے گا۔

وجہ عن القاسم بن عبد الرحمن عن ابیہ قال کنت قاعدا عند علیؓ فجاءہ رجل فقال یا امیر المومنین انی قد سرقت فانتھرہ ثم عاد الثانیة فقال انی قد سرقت فقال لہ علیؓ قد شھدت علی نفسک شھادتین قال فامر بہ فقطعت یدہ (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۷ افی الرجل یقر بالسرقة کم یرد مرة؟ ج خامس ص ۴۸۰ نمبر ۲۸۱۸۱) اس سے معلوم ہوا کہ دو مرتبہ اقرار کرے تب حد لازم ہوگی اور امام پوری تحقیق بھی کرے۔
یا دو گواہوں کی گواہی سے حد لگے گی۔

وجہ آیت میں دو گواہ کا تذکرہ ہے۔ واستشھدوا شھیدین من رجالکم (د) (آیت ۲۸۲ سورة البقرة ۲) اس آیت میں دو گواہوں کی گواہی سے معاملات کا فیصلہ کیا گیا (۲) اثر میں ہے۔ جاء رجلان برجل الی علیؓ بن طالب فشھدا علیہ بالسرقة فقطعہ (ہ)

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ بھاگا ہوا غلام چرالے فرمایا ہاتھ کا ٹا جائے گا (ب) آپؐ کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے چادر چرائی تھی۔ پس آپؐ نے فرمایا کیا چوری کی ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ چوری کی ہے! لوگوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپؐ نے فرمایا اس کا ہاتھ کاٹو پھر اس کو داغ دو (ج) قاسم بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ ہم حضرت علیؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے چوری کی ہے۔ تو اس کو ڈانٹ دیا۔ پھر دوبارہ اقرار کیا کہ میں نے چوری کی ہے تو حضرت علیؓ نے کہا کہ تم نے دو مرتبہ گواہی دی ہے تو اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا (د) تمہارے مردوں میں سے دو کے گواہ بناؤ (ہ) دو آدمی حضرت (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۵۲۵](۳)واذا اشترک جماعة فی سرقة فاصاب کل واحد منهم عشرة دراهم قُطِع وان اصابه اقل من ذلک لم یقطع[۲۵۲۶] (۴)ولا یُقطع فیما یوجد تافها مباحا فی دار

(دار قطنی، کتاب الحدود ج ثالث ص ۱۲۸ نمبر ۳۳۶۱) اس اثر میں دو آدمیوں کی گواہی سے کاٹنے کا فیصلہ کیا گیا۔

[۲۵۲۵](۳) اگر ایک جماعت چوری میں شریک ہوئی اور ان میں سے ہر ایک کو دس دس درہم ملے تو کاٹا جائے گا۔ اور اگر اس سے کم ملے تو نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ اوپر حدیث گزری کہ دس درہم چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس لئے جب ہر ہر آدمی کا ہاتھ جائے تو ہر ایک آدمی دس دس درہم چرائے تب ہی کاٹے جائیں اور کم چرائے تو نہ کاٹے جائیں۔ مثلا اتنا مال چرایا کہ ہر ایک کو آٹھ آٹھ درہم ملے تو نہیں کاٹے جائیں گے۔ اثر میں ہے۔ عن القاسم قال اتی عمر بسارق فامر بقطعه فقال عثمان ان سرقته لا تساوی عشرة دراهم قال فامر به عمر فقومت ثمانية دراهم فلم يقطعه (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۴ من قال لاتقطع فی اقل من عشرة دراهم ج خامس ص ۴۷۳، نمبر ۲۸۱۰۳ رسنن للبیہقی، باب ماجاء عن الصحابة فیما یجب به القطع ج ثامن ص ۴۵۳ نمبر ۱۷۱۹۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آٹھ درہم ملے ہوں تو ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

[۲۵۲۶](۴) اور نہیں کاٹی جائے گی اس میں جو معمولی اور مباح پائی جاتی ہو دار الاسلام میں جیسے لکڑی، گھاس۔ نرکل، مچھلی اور شکار۔

تشریح دار الاسلام میں جو چیزیں معمولی ہوں یا مباح ہوں کہ جو کوئی اس کو لے لے اسی کی ہو جائے تو اس کو چرانے سے بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جیسے نرکل ہے یا کھیت کا گھاس ہے یہ معمولی چیزیں ہیں۔ ان کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن عائشةؓ قالت لم یکن یقطع علی عهد النبی ﷺ فی الشیء التافه(ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۴ من قال لاتقطع فی اقل من عشرة دراهم ج خامس ص ۴۷۳ نمبر ۲۸۱۰۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ معمولی چیز کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور مباح الاصل میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مثلا پرندہ مباح الاصل ہے کہ جو اس کو پکڑ لے وہ اس کا ہے۔ اس لئے اس میں نہیں کاٹا جائیگا۔

وجہ قال عثمان بن عفانؓ لاقطع فی طیر (ج) (سنن للبیہقی، باب القطع فی کل ماله ثمن اذا سرق من حرز وبلغت قیمته ربع دینار ج ثامن ص ۴۵۸ نمبر ۱۷۲۰۵) (۳) حدیث میں ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال سئل رسول الله ﷺ فی کم تقطع الید؟ قال لا تقطع فی حریسة الجبل فاذا اوی المراح قطعت فی ثمن المجن (د) (نسائی شریف، الثمر المعلق یسرق

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) علیؓ کے پاس آئے اور ایک آدمی پر چوری کرنے کی گواہی دی تو انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹا (الف) حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چور لایا گیا تو ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو حضرت عثمانؓ نے کہا اگر چرایا جو دس درہم کے برابر نہ ہو۔ فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے اس کی قیمت لگوائی تو آٹھ درہم کی نکلی تو ہاتھ نہیں کاٹا (ب) حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضورؐ کے زمانے میں حقیر چیز میں ہاتھ نہیں کاٹتے تھے (ج) حضرت عثمانؓ نے فرمایا پرندہ چرانے میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے (د) حضورؐ سے پوچھا گیا کہ ہاتھ کتنے میں کاٹا جائے؟ فرمایا لٹکے ہوئے پھل میں نہیں کاٹا جائے گا۔ پس جب کھلیان پر جمع ہو جائیں تو کاٹا جائے گا ڈھال کی قیمت میں ۔اور نہیں کاٹا جائے گا پہاڑ کے ریوڑ میں پس جب باڑا میں آجائے تو کاٹا جائے گا ڈھال کی قیمت میں۔

الاسلام کالخشب والحشیش والقصب والسمک والصید والطیر [۲۵۲۷](۵) ولا فیما یسرع الیه الفساد کالفواکه الرطبة واللبن واللحم والبطیخ والفاکهة علی الشجر و

ص ۶۸۰ نمبر ۴۹۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہاڑ پر جو باڑہ ہو اس کو چرا لے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اوپر کے اثر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکار میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اوپر اثر میں تھا لا قطع فی طیر کہ پرندہ یعنی شکار کرنے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں دار الاسلام میں مباح الاصل ہیں۔

اصول نفیس اور قیمتی چیزوں میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ معمولی چیز ہو (۲) مباح الاصل ہو (۳) غیر محفوظ ہو تو ان کے چرانے سے ہاتھ نہیں کٹیگا۔

لغت تافہ : گھٹیا چیز، خشب : لکڑی، الحشیش : گھاس، القصب : نرکل۔

[۲۵۲۷] (۵) اس میں بھی نہیں کاٹا جائے گا جو جلدی خراب ہوتی ہو جیسے تر میوے، دودھ، گوشت، تربوز، درخت پر لگے ہوئے میوے اور وہ کھیتی جو کاٹی نہ گئی ہو۔

تشریح جو چیزیں جلدی خراب ہو جاتی ہیں وہ اتنی نفیس اور عمدہ نہیں ہیں جن میں ہاتھ جیسا عظیم عضو کاٹا جائے۔ جیسے تر میوے، دودھ، گوشت، تربوز وغیرہ، یا جو میوے درخت پر لگے ہوئے ہیں یا جو کھیتی ابھی کھیت میں ہے وہ محفوظ جگہ پر نہیں ہیں۔ اس لئے ان کے چرانے میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ حدیث میں دونوں کی دلیلیں موجود ہیں۔ فقال لہ رافع سمعت رسول اللہ یقول لا قطع فی ثمر ولا کثر (الف) (۱) دوسری روایت میں ھے. عن عمرو بن العاص عن رسول اللہ ﷺ انہ سئل عن التمر المعلق فقال من اصاب بفیہ من ذی حاجة غیر متخذ خبنة فلا شیء علیہ ومن خرج بشیء منہ فعلیہ غرامة مثلیہ والعقوبة ومن سرق منہ شیئا بعد ان یؤویہ الجرین فبلغ ثمن المجن فعلیہ القطع (ب) (ابوداؤد شریف، باب مالا قطع فیہ ص ۶۶۹ نمبر ۴۳۹۰ رنسائی شریف، الثمر یسرق بعد ان یؤ دیہ الجرین ص ۶۸۰، نمبر ۴۹۶۱ رنمبر ۴۹۶۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پھل اور شگوفہ کے چرانے میں نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ وہ جلدی خراب ہونے والے ہیں اور غیر محفوظ بھی ہیں اور تر میوہ بھی ہیں۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھیتی کٹی ہوئی نہ ہو تو اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۳) اثر میں ہے۔ عن الحسن ان النبی ﷺ اتی برجل سرق طعاما فلم یقطعہ (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۸۴ فی الرجل یسرق التمر والطعام ص ۵۱۶ نمبر ۲۸۵۷۹ رمصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۸۹۱۵) اس اثر میں ہے کہ کھانے کی چیز چرائی تو نہیں کاٹا اس لئے گوشت اور دودھ کے چرانے میں بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہ جلدی خراب ہونے والی ہے۔ قال سفیان وھو الذی

حاشیہ : (الف) حضور فرماتے ہیں کہ پھل اور شگوفے چرانے میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے (ب) حضورؐ سے لٹکے ہوئے کھجور کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا ضرورت مند آدمی منہ سے کھالے اور دامن نہ بھرے تو اس پر کچھ نہیں ہے۔ یعنی تاوان بھی نہیں ہے۔ اور کوئی پھل ساتھ لے جائے تو اس پر دوگنا تاوان ہے اور سزا ہے۔ اور جو چرائے کھلیان پر پہنچنے کے بعد اور ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر ہاتھ کاٹنا ہے (ج) آپؐ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے کھانا چرایا تھا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

الزرع الذی لم یحصد [۲۵۲۸](۶) ولا قطع فی الاشربة المطربة ولا فی الطنبور

یفسد من نهاره لیس له بقاء الثرید واللحم وما اشبه فلیس فیه قطع ولکن یعزر واذا کانت الثمرة فی شجرتها فلیس فیه قطع ولکن یعزر (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب سارق الحمام ومالا یقطع فیہ، ج عاشر ص ۲۲۳، نمبر ۱۸۹۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ گوشت وغیرہ خراب ہونے والی چیز میں نہیں کاٹا جائے گا۔

اصول جو چیز جلدی خراب ہونے والی ہو، یا غیر محفوظ جگہ پر ہو یا مباح الاصل ہو اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت الفواکہ : میوہ، اللبن : دودھ، البطیخ : تربوز، لم یحصد : کھیتی نہیں کاٹی گئی ہو۔

[۲۵۲۸](۶) اور کاٹنا نہیں ہے مستی اور شرابوں میں اور نہ باجے میں۔

تشریح پینے کی نشہ آور چیز چرالے تو اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اسی طرح باجے کی چیز مثلا ڈھول تاشا چرالے تو اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ یہ چیزیں برباد کرنے کی ہیں۔ ان کو بہا دینا چاہئے اور توڑ دینا چاہئے اس لئے ہوسکتا ہے کہ اس کا چرانا برباد کرنے اور بہانے کے لئے ہو۔ اس لئے نہیں کاٹا جائے گا (۲) حدیث میں کھیل کود کی چیزوں کے بارے میں سخت وعید ہے۔ عن سلیمان بن بریدة عن ابیه ان النبی ﷺ قال من لعب بالنردشیر فکانما صبغ یده فی لحم خنزیر ودمه (ب) (مسلم شریف، باب تحریم اللعب بالنردشیر ص ۲۴۰ نمبر ۲۲۶۰) کتاب الشعر) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نردشیر جو کھیل کود کی چیز ہے اس سے نہیں کھیلنا چاہئے بلکہ اس کو توڑ دینا چاہئے۔ اس لئے جب وہ قیمتی نہیں رہی تو اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور نشہ آور چیزوں کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ ان عائشة قالت ... فقال رسول الله ﷺ کل شراب اسکر فھو حرام (ج) (بخاری شریف، باب الخمر من العسل ھو البتع ص ۸۳۶ نمبر ۵۵۸۶) اور شراب بنانے والے برتنوں کے بارے میں فرمایا کہ ان میں نبیذ بھی نہ بناؤ۔ عن علیؓ قال نھی النبی ﷺ عن الدباء والمزفت (د) (بخاری شریف، باب ترخیص النبی ﷺ فی الاوعیہ والظروف بعد النھی ص ۸۳۷، نمبر ۵۵۹۴) جب ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تو نشہ آور چیزوں کے چرانے سے کیسے ہاتھ کٹے گا (۴) ایک اثر سے بھی استدلال کی جاسکتا ہے۔ عن ابن جریج سمعت بعض من ارضی یقول لا قطع فی باز سرق وان کان ثمنه دینارا فاکثر من ذلک (ہ) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۸ الرجل یسرق الطیر اوالبازی ما علیہ؟ ج ثامن ص ۵۱۸ نمبر ۲۸۶۰۱) اس اثر میں ہے کہ باز کے چرانے سے ہاتھ نہیں کٹے گا اور باز شکار کے لئے

حاشیہ : (الف) حضرت سفیان نے فرمایا جو چیزیں دن میں خراب ہو جاتی ہیں ان کو بقاء نہیں ہے جیسے ثرید، گوشت وغیرہ تو اس میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے لیکن تعزیر کی جائے گی۔ اور پھل درخت پر ہو تو اس کے چرانے میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے لیکن تعزیر کی جائے گی (ب) آپؐ نے فرمایا کوئی نردشیر کھیلے تو گویا کہ اپنے ہاتھ کو سور کے گوشت اور اس کے خون میں رنگا (ج) آپؐ نے فرمایا ہر پینے کی چیز جس میں نشہ ہو وہ حرام ہے (د) آپؐ نے کدو اور تارکول سے رنگے ہوئے برتن سے منع فرمایا (ہ) ابن جریج کو کہتے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی کو کہتے سنا ہوں جس سے میں راضی ہوں، باز چرالے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چاہے اس کی قیمت ایک دینار یا اس سے زیادہ ہو۔

[۲۵۲۹](۷)ولا فی سرقة المصحف وان کان علیه حلیة [۲۵۳۰](۸)ولا فی الصلیب

ہوتا ہے اور کھیل کود کے لئے بھی ہوتا ہے اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے بجانے کی چیز چرانے پر بھی ہاتھ نہیں کٹے گا۔

لغت المطربة : خوشی میں لانے والی چیز، یہاں مراد ہے نشہ میں لانے والی چیز، الطنبور : ستار، مراد ہے باجے کی چیز۔

[۲۵۲۹](۷)اور نہ قرآن کریم کے چرانے میں اگر چہ اس پر سونے کا کام ہوا ہو۔

وجہ کوئی آدمی کسی کا قرآن پڑھنا چاہے تو عموما اس کی اجازت ہوتی ہے اور پڑھنے دینے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ اس لئے گویا کہ اس میں ہبہ کا شائبہ ہے۔ اور چوری کی چیز ہبہ کردے تو ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم کے چرانے میں ہاتھ نہیں کٹے گا۔ اور اگر سونے کا نقش ونگار ہو اور اس کی قیمت دس درہم سے زیادہ ہو تب بھی نہیں کٹے گا۔ کیونکہ وہ قرآن کریم کے تابع ہے۔

وجہ اس حدیث میں ہے کہ اگر چیز چور کو ہبہ کردے تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ **عن صفوان بن امیة قال کنت نائما فی المسجد علی خمیصة لی ثمن ثلاثین درهما فجاء رجل فاختلسها منی فاخذ الرجل فاتی به النبی ﷺ فامر به لیقطع قال فاتیته فقلت اتقطعه من اجل ثلاثین درهما؟ انا ابیعه وانسئه ثمنها قالَ فهلا کان هذا قبل ان تأتینی به** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فیمن سرق من حرز، ص ۲۵۵، نمبر ۴۳۹۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چور کو ہبہ کردے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور چونکہ قرآن کریم میں ہبہ کا معنی پایا جاتا ہے اس لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مال متقوم ہے اس لئے اس کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ اس پر سونے کا نقش ونگار دس درہم کا ہو تو کاٹا جائے گا کیونکہ وہ مال متقوم ہے۔

[۲۵۳۰](۸)اور نہیں کاٹا جائے گا سونے اور چاندی کی صلیب میں اور نہ شطرنج اور نہ نرد میں۔

وجہ صلیب نصاری کے پوجنے کے لئے ہے جو ناجائز ہے اور غیر متقوم ہے۔ اور شطرنج اور نرد کھیل کود کی چیز ہے جو نفیس نہیں بلکہ حقیر ہے۔ اس لئے ان کے چرانے میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲) اس کی حرمت کی دلیل آیت میں ہے۔ **ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله بغیر علم ویتخذها هزوا اولئک لهم عذاب مهین** (ب) (آیت ۶ سورۂ لقمان ۳۱) اس آیت میں کھیل کود کی چیزوں کی برائی بیان کی ہے۔ اور نردشیر کے بارے میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔ **عن سلیمان بن بریدة عن ابیه ان النبی ﷺ قال من لعب بالنرد شیر فکانما صبغ یده فی لحم خنزیر ودمه** (ج) (مسلم شریف، باب تحریم اللعب بالنردشیر ص ۲۴۰ نمبر

حاشیہ : (الف) حضرت صفوان بن امیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں چادر پر سویا ہوا تھا جو تیس درہم کی تھی۔ ایک آدمی آیا اور اس کو مجھ سے اچک لیا۔ پس آدمی پکڑا گیا اور حضورؐ کے پاس لایا گیا۔ پس اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت صفوان فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس آیا اور کہا کہ آپؐ صرف تیس درہم کی وجہ سے ہاتھ کاٹیں گے؟ میں نے اس کو بیچ دیا اور اس کی قیمت اسی کے حوالے کردی۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس اس کو لانے سے پہلے ایسا کیوں نہ کرلیا؟ یعنی میرے پاس لانے سے پہلے معاف کرتے تو حد نہ لگتی (ب) لوگوں میں سے وہ ہیں جو لہو کی بات خریدتے ہیں تاکہ لاعلمی میں اللہ کے راستے سے گمراہ کیا جائے اور اس کو کھیل کود کی چیز بنائی جائے، ان کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے (ج) آپؐ نے فرمایا کوئی نردشیر سے کھیلے تو گویا کہ اپنے ہاتھ کو سور کے گوشت اور خون میں رنگ رہا ہے۔

من الذهب والفضة ولا الشطرنج ولا النرد[۲۵۳۱] (۹)ولا قطع علی سارق الصبی الحر وان کان علیه حُلِیٌّ ولا فی سارق العبد الکبیر.

۲۲۶۰)اور ابوداؤد میں ہے۔عن ابن عباسؓ ... ثم قال ان الله حرم علی او حرم الخمر والمیسر والکوبة (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی الاوعیۃ ص ۱۶۳ نمبر ۳۶۹۶) اس حدیث میں ہے کہ کوبہ یعنی طبلہ جو بجانے کا ہوتا ہے وہ سب حرام ہیں۔اور جب حرام ہیں تو ان کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔اثر میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال الدف حرام والمعازف حرام والکوبة حرام والمزمار حرام (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی ذم الملاھی من المعازف والمزامیر ونحوھا ج عاشر ص ۳۷۶ نمبر ۲۱۰۰۰) اس اثر سے بھی کھیل کود کی چیزیں حرام ہوئیں اس لئے ان کے چرانے میں ہاتھ نہیں کٹے گا۔

لغت الصلیب : نصاری کے پوجنے کی چیز، الشطرنج : ایک قسم کے کھیلنے کی چیز ہے، نرد : یہ بھی کھیلنے کی چیز ہے۔

[۲۵۳۱] (۹) آزاد بچے کے چرانے والے پر کاٹنا نہیں ہے اگر چہ اس پر زیور ہو اور نہ بڑے غلام کے چرانے والے پر۔

تشریح آزاد بچہ کسی حال میں مال نہیں ہے اس لئے اس کو چرایا تو گویا کہ مال کو نہیں چرایا اس لئے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا البتہ تعزیر ہوگی۔عن ابن عباسؓ فی رجلین باع احدھما الآخر قال یرد البیع ویعاقبان ولا قطع علیھما (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۶ فی الرجل یبیع امرأته او یبیع الحر ابنته ج خامس ص ۵۲۶ نمبر ۲۸۶۹۴ رمصنف عبد الرزاق، باب الرجل یبیع الحر ج عاشر ص ۱۹۵ نمبر ۱۸۸۰۶) اس اثر سے پتا چلا کہ آزاد کو بیچ دے یا چرالے تو اس میں تعزیر ہوگی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔اور بڑے غلام چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔کیونکہ وہ دفعیہ کر سکتا ہے اور لوگوں کو کہہ سکتا ہے کہ مجھے چرایا ہے پھر بھی نہیں کہہ رہا ہے تو گویا کہ غلام جانے پر راضی ہے۔اور واویلا کرنے کے باوجود چور نے یرغمال کر رکھا ہے تو یہ چوری نہیں ہے بلکہ غصب ہے اور غصب کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے بلکہ قتل یا ضرب شدید ہے۔اس لئے بڑے غلام کے چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲) اثر میں ہے۔عن سفیان یقول ماسرق من صغیر مملوک ففیه القطع ومن سرق من صغیر حرا او مملوکا بلغ فلا قطع علیه (د) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یبیع الحر ج عاشر ص ۱۹۵ نمبر ۱۸۸۰۴ کتاب اللقطۃ) اس اثر میں ہے کہ چھوٹا غلام ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا، چھوٹا یا بڑا آزاد ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔اور بڑا مملوک ہو تو تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۳) اثر میں ہے۔عن عمر بن الخطابؓ انه لم یر علیھم القطع قال ھؤلاء خلابون قال اصحابنا معناہ فی العبد اذا کان عاقلا ،فقد روی عن عمر انه قطع رجلا فی غلام سرق (ای غلام صغیر) (ہ) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فیمن

حاشیہ : (الف) اللہ نے حرام کیا مجھ پر یا حرام کیا گیا، فرمایا شراب کو اور جوئے کو اور طبلہ بجانے کو (ب) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دف حرام ہے، ہارمونیا حرام ہے، طبلہ حرام ہے اور سارنگی حرام ہے (ج) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک نے دوسرے سے آزاد کو بیچا فرمایا بیع رد کر دی جائے اور دونوں کو سزا دی جائے اور دونوں پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے (د) حضرت سفیان فرماتے ہیں اگر چھوٹا غلام چرایا تو اس میں ہاتھ کاٹنا ہے، اور چھوٹا آزاد چرایا یا بالغ مملوک چرایا تو اس پر ہاتھ نہیں کاٹنا ہے (ہ) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ان چرانے والوں کا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے یہ لوگ دھوکہ باز ہیں۔ہمارے اصحاب فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ غلام عاقل ہو تو حضرت عمرؓ سے روایت ہے چھوٹے غلام کو چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

[۲۵۳۲] (۱۰) ویقطع سارق العبد الصغیر [۲۵۳۳] (۱۱) ولا قطع فی الدفاتر کلها الا فی دفاتر الحساب [۲۵۳۴] (۱۲) ولا یقطع سارق کلب ولا فهد ولا دف ولا طبل

سرق عندا صغیرا من حرز ج ثامن ص ۴۶۵ نمبر ۱۷۲۳۰) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ بڑے غلام میں نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اس پر جو سونا ہے وہ تابع ہے اس لئے وہ دس درہم سے زیادہ ہو تب بھی نہیں کاٹا جائے گا۔

[۲۵۳۲] (۱۰) اور چھوٹے غلام کے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے (۲) اثر میں ہے۔ ثنا ابن ابی زناد عن ابیه عن الفقهاء من اهل المدینة کانوا یقولون من سرق عبدا صغیرا او اعجمیا لا حیلة له قطع (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی من سرق عبدا صغیرا من حرز ج ثامن ص ۴۶۵ نمبر ۱۷۲۳۰) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ چھوٹا غلام چرائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

[۲۵۳۳] (۱۱) ہاتھ کاٹنا نہیں ہے کسی دفتر کے چرانے میں سوائے حساب کے دفتر کے۔

تشریح حساب کے علاوہ کے دفتر اور رجسٹر کی اہمیت زیادہ نہیں ہوتی کہ اس کو نفیس مال کہا جائے۔ اس لئے اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور حساب کا رجسٹر البتہ نفیس اور عمدہ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس میں حساب ہے۔ اس لئے اس کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

[۲۵۳۴] (۱۲) اور کتے کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور نہ چیتے اور نہ دف اور نہ ڈھول اور نہ سارنگی کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائیگا۔

تشریح کتا ناپاک جانور ہے، اسی طرح چیتا ناپاک جانور ہے اس لئے وہ نفیس چیز نہیں رہی اس لئے اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حدیث میں ہے۔ عن جابر قال امر نبی الله ﷺ بقتل الکلاب حتی ان کانت المرأة تقدم من البادیة یعنی بالکلب فنقتله ثم نهانا عن قتلها وقال علیکم بالاسود (ب) (ابوداؤد شریف، باب اتخاذ الکلب للصید وغیرہ ص ۳۷ نمبر ۲۸۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتے کو قتل کرنے کا حکم ہے اس لئے اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور یہی حکم چیتا اور شیر کا بھی ہے۔ ناپاکی کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی ثعلبةؓ ان رسول الله ﷺ نهی عن اکل کل ذی ناب من السباع (ج) (بخاری شریف، باب اکل کل ذی ناب من السباع ص ۸۳۰ نمبر ۵۵۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت ناپاک ہے اس لئے معمولی چیز ہوگئی۔

دف، ڈھول اور سارنگی کے ناجائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباسؓ ... ان الله حرم علی او حُرِم الخمر والمیسر والکوبة (د) (ابوداؤد شریف، باب فی الاوعیة ص ۱۶۳ نمبر ۳۶۹۶) کوبة کا معنی ڈھول ہے اس لئے ڈھول بھی حرام ہوا۔ سارنگی کے سلسلے

حاشیہ : (الف) اہل مدینہ کے فقہاء سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کسی نے چھوٹے غلام کو چرایا یا عجمی کو چرایا جس میں کوئی حیلہ نہیں ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا (ب) حضورؐ نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ کوئی عورت دیہات سے آتی یعنی کتے کے ساتھ تو ہم اس کو قتل کرتے پھر ہم کو قتل کرنے سے روک دیا گیا اور فرمایا صرف کالے کتے کو قتل کیا کرو (ج) حضورؐ نے پھاڑ کھانے والے نوکیلے دانت والے جانور کو کھانے سے منع فرمایا (د) اللہ نے مجھ پر حرام کیا شراب کو اور جوئے کو اور شطرنج کو۔

ولا مزمار[۲۵۳۵] (۱۳)ويُقطع في الساج والقناء والآبنوس والصندل[۲۵۳۶] (۱۴) واذا اتخذ من الخشب اواني او ابواب قُطع فيها[۲۵۳۷] (۱۵)ولا قطع على خائن ولا خائنة.

میں بخاری کی لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ حدثنی ابو عامر الاشعری ... سمع النبی ﷺ یقول لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف (الف) (بخاری شریف، باب ماجاء فیمن یستحل الخمر ویسمیہ بغیر اسمہ، ص ۸۳۷، نمبر ۵۵۹۰) اس حدیث میں معازف کے حرام ہونے کا تذکرہ ہے۔ اس لئے ان کے چرانے میں ہاتھ نہیں جائے گا۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ جو چیز شریعت کی نگاہ میں معمولی ہے اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کٹے گا، اور حرام چیزیں شریعت کی نگاہ میں معمولی ہیں اس لئے اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کٹے گا۔

لغت فہد : چیتا، طبل : ڈھول، طبلہ، مزمار : سارنگی۔

[۲۵۳۵] (۱۳) اور کاٹا جائے گا ساگون، نیزے کی لکڑی، ابنوس اور صندل کی لکڑی چرانے میں۔

وجہ یہ لکڑیاں قیمتی ہیں اس لئے ان کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لغت الساج : ساگون کی لکڑی، القناء : نیزہ یا نیزے کی لکڑی، الابنوس : ابنوس کی لکڑی، الصندل : ایک قسم کی خوشبودار لکڑی۔

[۲۵۳۶] (۱۴) اگر لکڑی سے برتن بنایا، دروازے بنائے تو ان میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح عام لکڑی تھی جس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا لیکن اس سے برتن بنالیا یا دروازہ بنالیا تو اب اس کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائیگا۔

وجہ اب یہ معمولی نہیں رہی بلکہ قیمتی ہوگئی اس لئے یوں کہا جائے گا کہ برتن چرایا یا دروازہ چرایا۔ اس لئے اس کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائیگا۔

لغت اوانی : جمع ہے آنیۃ کی برتن، ابواب : جمع ہے باب کی دروازہ۔

[۲۵۳۷] (۱۵) خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت پر کاٹنا نہیں ہے۔

تشریح کسی آدمی کے پاس امانت کی رقم تھی یا مال تھا اس نے اس میں خیانت کر لی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ تعزیر کی جائے گی۔

وجہ اس میں چوری کا معنی نہیں پایا گیا، چوری کہتے ہیں محفوظ جگہ سے چپکے سے کسی مال کو اٹھا کر لے جانا۔ اور خیانت میں چپکے سے اٹھانا نہیں پایا گیا اس لئے نہیں کاٹا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر عن النبی ﷺ قال لیس علی خائن ولا منتہب ولا مختلس قطع (ب) ترمذی شریف، باب ماجاء فی الخائن والمختلس والمنتہب ص ۲۶۸ نمبر ۱۴۴۸ / ابوداؤد شریف، باب القطع فی الخلسۃ والخیانۃ ص ۲۵۵، نمبر ۴۳۹۱ / ۴۳۹۲ / نسائی شریف، نمبر ۴۹۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیانت کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) آپ فرماتے تھے میری امت میں سے کچھ قوم حلال سمجھے گی آزاد، ریشم اور شراب اور کھیل کود کے آلات کو (ب) آپ نے فرمایا خیانت کرنے والا، لوٹنے والا اور اچک لے جانے والے پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔

[۲۵۳۸] (۱۶)ولا نباش ولا منتهب ولا مختلس[۲۵۳۹] (۱۷)ولا یُقطع السارق من

[۲۵۳۸] (۱۶)اور نہ کفن چور پر ہاتھ کاٹنا ہے نہ لٹیرے پر، نہ اچکے پر۔

تشریح جو آدمی کفن چراتا ہو یا جو لوٹ کر سب کے سامنے سے لے جاتا ہو یا چکمہ سے مال لے لیتا ہو ان کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

وجہ کفن چرانے والا مقام محفوظ سے نہیں چراتا کیونکہ قبرستان مقام محفوظ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مردہ پر کفن ڈال دینے کے بعد وہ معمولی اور گھٹیا قسم کی چیز سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اثر میں ہے۔ عن الزهری قال اخذ نباش فی زمان معاویة کان مروان علی المدینة فسأل من بحضرته من اصحاب رسول الله بالمدینة والفقهاء فلم یجدوا احدا قطعه قال فاجمع رأیهم علی ان یضربه ویطاف به (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۸۹ ماجاء فی النباش یوخذ ماحده؟ ج خامس، ص ۵۱۸ نمبر ۲۸۶۰۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ عن الشعبی قال النباش سارق، دوسری روایت میں ہے۔ قال یقطع فی امواتنا کما یقطع فی احیائنا (ب) سنن للبیہقی، باب النباش یقطع اذا اخرج الکفن من جمیع القبر ج ثامن ص ۴۶۸ نمبر ۱۷۲۳۹/۱۷۲۴۱/مصنف ابن ابی شیبة ۸۹ ماجاء فی النباش یوخذ ماحده؟ ج خامس ص ۵۱۸ نمبر ۲۸۶۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اور لٹیرے اور اچکے کے بارے میں حدیث گزر چکی ہے۔ عن جابر عن النبی ﷺ قال لیس علی خائن ولا منتهب ولا مختلس قطع (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الخائن والمختلس والمنتهب ص ۲۶۸ نمبر ۱۴۴۸/ابو داؤد شریف، نمبر ۴۳۹۱/۴۳۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو آدمی دھللے کے ساتھ لوٹ کر لے جاتا ہو یا چکما دے کر اچک لے جاتا ہو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲) دھللے کے ساتھ لوٹ کر لے جانے میں چپکے سے لے جانا جو چوری کا معنی ہے نہیں پایا گیا۔ اسی طرح سامنے چکما دے کر لے گیا تو چپکے سے لے جانا نہیں پایا گیا اس لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

[۲۵۳۹] (۱۷) بیت المال سے چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور نہ اس مال میں جس میں چور کی شرکت ہو۔

تشریح کوئی آدمی بیت المال سے چوری کرے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یا چور کا بھی مال تھا اور دوسرے کا بھی مال ساتھ میں تھا اس میں سے چور نے چوری کر لی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کسی مال میں چور کا کچھ بھی حصہ ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور مومن ہونے کی حیثیت سے بیت المال کے مال

حاشیہ : (الف) حضرت معاویہؓ کے زمانے میں کفن چور پکڑا گیا، اور مروان مدینہ پر حاکم تھا تو مدینے میں اصحاب رسول اللہ جو حاضر تھے ان کو پوچھا تو کسی نے مشورہ نہیں دیا اس کے کاٹنے کا، فرمایا سب کی رائے ہوئی کہ اس کو مارے اور شہر میں گھمائے (ب) حضرت شعبی سے منقول ہے کہ کفن چور چور کے درجے میں ہے، دوسری روایت میں ہے مردوں کے کپڑے چرانے میں بھی ایسے کاٹا جائے گا جیسے زندوں کے کپڑے چرانے میں (ج) آپؐ سے منقول ہے خیانت کرنے والے پر کاٹنا نہیں ہے نہ لوٹنے والے پر اور نہ اچکنے والے پر کاٹنا ہے۔

بیت المال ولا من مال للسارق فیه شرکة [۲۵۴۰](۱۸)ومن سرق من ابویه او ولده او ذی رحم محرم منه لم یقطع وکذلک اذا سرق احد الزوجین من الآخر او العبد من سیده

میں کچھ نہ کچھ چور کا بھی حصہ ہے اس لئے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔اسی طرح شرکت کے مال میں چور کا حصہ ہے اس لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا(۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباسؓ ان عبدا من رقیق الخمس سرق من الخمس فرفع ذلک الی النبی ﷺ فلم یقطعه ،وقال مال الله عز وجل سرق بعضه بعضا (الف)(ابن ماجہ شریف، باب العبد یسرق ص ۳۷۲ نمبر ۲۵۹۰)اس حدیث میں ہے کہ اس کا حصہ تھا اس لئے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا(۲) عن علیؓ انه کان یقول لیس علی من سرق من بیت المال قطع (ب)(سنن للبیہقی ، باب من سرق من بیت المال شیئا ج ثامن ص ۴۸۹ نمبر ۱۷۳۰۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۸۰ فی الرجل یسرق من بیت المال ماعلیہ؟ ج خامس ص ۵۱۳ نمبر ۲۸۵۵۴ (۳) اثر میں یہ بھی ہے۔عن القاسم ان رجلا سرق من بیت المال فکتب فیه سعد الی عمر فکتب عمر الی سعد لیس علیه قطع له فیه نصیب (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۰ فی الرجل یسرق من بیت المال ماعلیہ؟ ج خامس ص ۵۱۳ نمبر ۲۸۵۵۴ رمصنف عبد الرزاق، باب الرجل یسرق شیئا لہ فیہ نصیب ج عاشر ص ۲۱۲ نمبر ۱۸۸۷۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ کسی کی شرکت ہو تو اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

[۲۵۴۰](۱۸) کسی نے چرائی اپنے والدین کی کوئی چیز، یا اپنے بیٹے کی یا ذی رحم محرم کی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ایسے ہی اگر چرائی بیوی شوہر میں سے ایک نے دوسرے کی، یا غلام نے آقا کی یا آقا کی بیوی کی یا سیدہ کے شوہر کی یا آقا اپنے مکاتب کی چیز۔

تشریح کسی نے ماں باپ کی چیز دس درہم سے اوپر کی چرالی یا ماں باپ نے بیٹے کی چیز چرالی یا اپنے ذی رحم محرم کی چیز چرالی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔یا بیوی نے شوہر کی چیز چرالی یا شوہر نے بیوی کی چیز چرالی یا غلام نے آقا کی چیز چرالی یا آقا کی بیوی کی چیز چرالی تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔یا غلام نے اپنے سیدہ جو عورت تھی اس کی چیز چرائی یا سیدہ کے شوہر کی چیز چرائی یا آقا نے اپنے مکاتب کی چیز چرالی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ یہ مسئلے دو اصولوں پر متفرع ہیں۔ایک تو یہ کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے اتنے قریب رہتے ہیں کہ اس کے لئے اس کا گھر محفوظ نہیں رہا، مثلا باپ کے لئے بیٹے کا اور بیٹے کے لئے باپ کا گھر محفوظ اور حرز نہیں ہے۔اسی پر باقی مسئلے قیاس کر لیں۔اور چوری کہتے ہیں مقام محفوظ سے چپکے سے اٹھانا۔اس لئے چوری نہیں پائی گئی اس لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔اور دوسرا اصول یہ ہے کہ ایک کا دوسرے کے مال میں کچھ نہ کچھ حصہ سمجھا جاتا ہے۔مثلا بیٹا سمجھتا ہے کہ باپ کے مال میں میرا حصہ ہے اور باپ بھی سمجھتا ہے کہ بیٹے کا مال میرے لئے مباح ہے۔اور اوپر اثر اور حدیث گزری کہ مال میں کچھ نہ کچھ حصہ ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔یہی حال غلام اور آقا کے درمیان کا ہے۔اور یہی حال بیوی اور شوہر کے

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خمس کے غلام نے خمس کا مال چرایا۔پس اس کو حضورؐ کے پاس لے گئے تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔اور فرمایا اللہ کا مال ہے بعض نے بعض کو چرایا(ب) حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے جس نے بیت المال سے چرایا اس پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے(ج) حضرت قاسم سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے بیت المال سے چرایا تو حضرت سعد نے حضرت عمرؓ کو لکھا تو حضرت عمرؓ نے حضرت سعد کو لکھا کہ اس پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے کیونکہ اس میں چور کا حصہ ہے۔

او من امرأة سيده او من زوج سيدته او المولى من مكاتبه [۲۵۴۱] (۱۹) وكذلک

درمیان کا ہے۔اس لئے غلام آقا کی چرالے یا آقا غلام مکاتب کی چرالے، بیوی شوہر کی چرالے یا شوہر بیوی کی چرالے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲) اثر میں ہے۔ سأل ابن مسعود فقال عبدی سرق قباء عبدی قال مالک سرق بعضه بعضا لا قطع فيه وهو قول ابن عباسؓ (الف) (سنن للبیہقی، باب العبد یسرق من متاع سیدہ ج ثامن ص ۴۸۸ نمبر ۱۷۳۰۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۸۱ فی العبد یسرق من مولاہ ماعلیہ؟ ج خامس ص ۵۱۴ نمبر ۲۸۵۵۹) (۲) اثر میں ہے۔ فقال له عمر ماذا سرق قال سرق مرآة لامرأتی ثمنها ستون درهما فقال ارسله فليس عليه قطع خادكم سرق متاعكم (ب) (سنن للبیہقی، باب العبد یسرق من مال امرأۃ سیدہ ج ثامن ص ۴۸۹ نمبر ۱۷۳۰۳) ان آثار سے معلوم ہوا کہ غلام آقا کے مال کو چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

بیوی شوہر کے بارے میں یہ اثر ہے۔ بلغنی عن عامر قال ليس على زوج المرأة فی سرقة متاعها قطع۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ وقال عبد الكريم ليس على المرأة فی سرقة متاعه قطع (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب من سرق مالا یقطع فیہ ج عاشر ص ۲۲۱ نمبر ۱۸۹۰۸) اور اسی باب کے حدیث نمبر ۱۸۹۰۷ میں ذی رحم محرم کے بارے میں ہے۔ قال الثوریؒ ويستحسن الا يقطع من سرق من ذی رحم محرم خاله او عمه او ذات محرم (د) (مصنف عبد الرزاق ج عاشر نمبر ۱۸۹۰۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیوی شوہر کا یا شوہر بیوی کا مال چرائے یا ذی رحم محرم آدمی چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

مکاتب کا مال آقا کا مال ہے اس لئے آقا مکاتب کا مال چرائے تو نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ ان سارے مسئلوں کے لئے اوپر کی حدیث ابن ماجہ شریف دلیل ہے۔ عن ابن عباس ان عبدا من رقيق الخمس سرق من الخمس فرفع ذلک الی النبی ﷺ فلم يقطعه وقال مال الله عز وجل سرق بعضه بعضا (ہ) (ابن ماجہ شریف، باب العبد یسرق ص ۳۷۲ نمبر ۲۵۹۰) اس حدیث کے آخر میں ہے بعض بعض کا چرایا اس لئے نہیں کاٹا جائے گا (۲) یہ اثر بھی ہے۔ عن الثوریؒ قال ان سرق المكاتب من سيده شيئا لم يقطع وان سرق السيد من المكاتب شيئا لم يقطع (و) (مصنف عبد الرزاق، باب الخیانۃ ج عاشر ص ۲۱۱ نمبر ۱۸۸۷۰)

[۲۵۴۱] (۱۹) ایسے ہی مال غنیمت میں چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے پوچھا میرے غلام نے میرے دوسرے غلام کی قباء چرالی۔ فرمایا تمہارا ہی مال ہے بعض نے بعض کا چرایا۔ اس لئے اس پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔ اور یہی قول حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا ہے (ب) حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا چرایا؟ کہا میری بیوی کا آئینہ چرایا جس کی قیمت ساٹھ درہم تھی۔ فرمایا اس کو چھوڑ دو اس پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے اس لئے کہ تمہارے خادم نے تمہارا سامان چرایا ہے (ج) حضرت عامر سے منقول ہے کہ عورت کے شوہر پر عورت کا سامان چرانے میں کاٹنا نہیں ہے، دوسری روایت میں ہے۔ حضرت عبد الکریم نے فرمایا عورت پر شوہر کے سامنے چرانے میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے (د) حضرت ثوریؒ نے اچھا سمجھا کہ نہ کاٹے جس نے چرایا ذی رحم محرم کے مال سے مثلا ماموں یا چچا یا ذی رحم محرم (ہ) حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ خمس کے غلام نے خمس سے مال چرایا۔ پس یہ معاملہ حضورؐ کے پاس لے گئے تو ہاتھ نہیں کاٹا اور فرمایا اللہ کا مال ہے بعض نے بعض کو چرایا (و) حضرت ثوریؒ نے فرمایا اگر مکاتب نے آقا کی کوئی چیز چرالی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اگر آقا نے مکاتب کی کوئی چیز چرالی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

السارق من مغنم [۲۵۴۲] (۲۰) والحرز علی ضربین حرز لمعنی فیه کالدور والبیوت وحرز بالحافظ [۲۵۴۳] (۲۱) فمن سرق شیئا من حرز او غیر حرز وصاحبه عنده

وجه اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ان عبدا من رقیق الخمس سرق من الخمس الخ (ابن ماجہ شریف نمبر ۲۵۹۰) اس لئے مال غنیمت میں سے چرائے تو نہیں کاٹا جائے گا (۲) مال غنیمت میں چور کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ہے اس لئے بھی نہیں کاٹا جائے گا۔

[۲۵۴۲] (۲۰) حرز دو طرح کے ہیں، ایک یہ کہ وہ جگہ حفاظت کی ہو جیسے گھر اور کمرہ، اور حرز محافظ کے ذریعہ۔

تشریح جس حرز سے چرانے سے ہاتھ کٹتا ہے وہ دو طرح سے ہوتی ہیں۔ایک تو یہ کہ وہ مکان ہی حفاظت کے لئے ہو۔جیسے گھر یا کمرہ ہے کہ اس میں آدمی نہ بھی ہو تو خود گھر اور کمرہ محافظ کے معنی میں ہے۔ان کے اندر کوئی آدمی چرائے گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔اور دوسری صورت یہ ہے وہ کھلا ہوا میدان ہے یا مسجد ہے جس میں عام لوگ جاتے رہتے ہیں اس لئے وہ محافظ کے معنی میں نہیں ہے۔لیکن وہاں آدمی حفاظت کے لئے بیٹھا ہوا ہے اس لئے آدمی کی حفاظت کی وجہ سے حرز بن گیا۔اب محافظ کے پاس سے کوئی چرائے گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجه گھر یا کمرہ خود محافظ اور حرز ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ان عبد اللہ بن عمر حدثھم ان النبی ﷺ قطع ید رجل سرق ترسا من صفة النساء ثمنه ثلاثة دراھم (الف) (ابوداؤد شریف، باب ما یقطع فیہ السارق ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۸۶) اس حدیث میں صفة النساء عورتوں کے کمرہ سے معلوم ہوا کہ کمرہ خود محافظ اور حرز ہے۔اور آدمی کے ذریعہ حرز اور حفاظت ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن صفوان بن امیة قال کنت نائما فی المسجد علی خمیصة لی ثمن ثلاثین درھما فجاء رجل فاختلسھا منی فاخذ الرجل فاتی به النبی ﷺ فامر به لیقطع (ب) (ابوداؤد شریف، باب فیمن سرق من حرز ص ۲۵۵ نمبر ۴۳۹۴) رنسائی شریف، ما یکون حرزا و مالا یکون ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۸۵) اس حدیث میں حضرت صفوان کے سر کے نیچے چادر تھی اس لئے وہ خود اس کا محافظ بنے تو انسان کی حفاظت کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔

[۲۵۴۳] (۲۱) اگر کسی نے کوئی چیز حرز سے چرائی یا غیر حرز سے چرائی لیکن اس کا مالک اس کے پاس حفاظت کر رہا تھا تو اس پر کاٹنا واجب ہوگا۔

تشریح مقام محفوظ سے دس درہم کی چیز چرائی تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔اور مقام محفوظ تو نہیں تھا لیکن وہاں مالک حفاظت کر رہا تھا اور کسی نے چرائی تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجه اوپر والی حدیث میں حضرت صفوان مسجد میں سوئے ہوئے تھے اور مسجد حرز نہیں ہے کیونکہ ہر آدمی کے آنے جانے کی جگہ ہے لیکن وہ خود چادر کی حفاظت کر رہے تھے اسی لئے اس کو سر کے نیچے رکھا ہوا تھا اس لئے انسان کی حفاظت کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹا جس نے عورت کے چبوترے سے ڈھال چرائی تھی جس کی قیمت تین درہم تھی (ب) حضرت صفوان بن امیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں اپنی کالی چادر پر سویا ہوا تھا جس کی قیمت تیس درہم تھی۔پس ایک آدمی آیا اور اس کو مجھ سے اچک لیا۔پس آدمی پکڑا گیا اور حضورؐ کے پاس لایا گیا تو آپؐ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔

يحفظه وجب عليه القطع[۲۵۴۴] (۲۲)ولا قطع على من سرق من حمام او من بيت اُذِن للناس في دخوله [۲۵۴۵](۲۳)ومن سرق من المسجد متاعا و صاحبه عنده قطع.

[۲۵۴۴](۲۴)نہیں کاٹنا ہے اس پر جس نے چرایا غسل خانے سے یا ایسے گھر سے جس میں لوگوں کے لئے داخل ہونے کی اجازت ہو۔

تشریح پچھلے زمانے میں غسل کرنے کے لئے حمام بناتے تھے جس میں ہر آدمی داخل ہوسکتا تھا اس لئے وہ مقام محفوظ نہیں رہا۔اسی طرح ہر وہ مقام جس میں ہر آدمی کو داخل ہونے کی اذن عام ہو جیسے مسجد، سرائے خانہ وہ مقامات حرز نہیں ہیں تو ان مقامات سے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔عن ابی الدرداء قال ليس على سارق الحمام قطع (الف)(سنن للبیہقی، باب القطع فی کل مالہ ثمن اذا سرق من حرز وبلغت قیمتہ ربع دینار ج ثامن ص ۴۵۸ نمبر ۱۷۲۰۶ رمصنف عبد الرزاق، باب سارق الحمام و مالا یقطع فیہ ج عاشر ص ۲۲۲ نمبر ۱۸۹۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حمام یعنی غسلخانہ سے چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔اور اسی پر قیاس کیا جائے گا کہ ان تمام مقامات کا جس میں ہر آدمی کو جانے کی اجازت ہو۔ان سے چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔کیونکہ حمام میں ہر آدمی کو جانے کی اجازت ہے اس لئے ہاتھ نہیں کاٹا گیا(۲)ابو داؤد شریف کی حدیث میں گزرا۔ومن سرق منه شيئا بعد ان يؤويه الجرين فبلغ ثمن المجن فعليه القطع ومن سرق دون ذلک فعليه غرامة مثليه والعقوبة (ب)(ابو داؤد شریف، باب ما لاقطع فیہ ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۹۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محفوظ مقام پر نہ پہنچا ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ دوگنا تاوان لازم ہوگا۔

[۲۵۴۵](۲۳)کسی نے مسجد سے سامان چرایا اور اس کا مالک اس کے پاس تھا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ مسجد میں عام لوگ جاسکتے ہیں اس لئے کوئی سامان مسجد میں ہو اور اس کا محافظ وہاں نہ ہو اور چرالے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔لیکن چیز کا مالک حفاظت کر رہا ہو پھر بھی چرالیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ ابھی اوپر حضرت صفوانؓ کی حدیث گزری کہ وہ مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے اور سر کے نیچے چادر تھی اور کسی نے چرالی تو مالک کی حفاظت کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔عن صفوان بن امية قال كنت نائما في المسجد على خميصة لي ثمن ثلاثين درهما فجاء رجل فاختلسها مني فاخذ الرجل فاتى به النبي عليه السلام فامر به ليقطع (ج)(ابو داؤد شریف، باب فیمن سرق من حرز ص ۲۵۵ نمبر ۴۳۹۴ رنسائی شریف ما یکون حرزا و مالا یکون ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۸۵)اس حدیث میں مسجد میں حضرت صفوان کے سر کے نیچے چادر تھی جس کی وجہ سے وہ خود محافظ تھے اس لئے محافظ کی وجہ سے ہاتھ کاٹا گیا مسجد کی وجہ سے نہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابو درداء سے منقول ہے کہ فرمایا غسل خانے کے چور کا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے (ب) کسی نے کوئی چیز چرائی کھلیان پر آنے کے بعد اور ڈھال کی قیمت تک پہنچ گئی تو اس پر کاٹنا ہے۔اور جس نے چرایا اس کے علاوہ سے تو اس پر دوگنا تاوان ہے اور سزا ہے (ج) حضرت صفوان فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں اپنی چادر پر سویا ہوا تھا جس کی قیمت تیس درہم تھی۔پس ایک آدمی آیا اور اس کو مجھ سے اچک لیا۔پس آدمی پکڑا گیا اور حضورؐ کے پاس لایا گیا تو حکم دیا ہاتھ کاٹنے کا۔

[۲۵۴۶] (۲۴) ولا قطع على الضيف اذا سرق ممن اضافه [۲۵۴۷] (۲۵) واذا نقب اللص البيت ودخل فاخذ المال وناوله آخر خارج البيت فلا قطع عليهما وان القاه فی

[۲۵۴۶] (۲۴) نہیں کاٹا ہے مہمان پر اگر وہ چرائے اس کی جس نے میزبانی کی ہو۔

تشریح مہمان نے میزبان کی چیز چرالی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ سئل الزهری عن رجل ضاف قوما فاختانهم فلم یر علیه قطعا (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الخیانة ج عاشر ص ۲۱۰ نمبر ۱۸۸۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مہمان میزبان کے گھر سے چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲) مہمان کے لئے میزبان کا گھر حرز نہیں رہا۔ کیونکہ اس کے لئے گھر کا سامان ایک انداز ے میں مباح ہو گیا۔

[۲۵۴۷] (۲۵) اگر چور نے گھر میں نقب لگایا اور داخل ہوا اور مال لیا اور دوسرے کو دے دیا جو گھر سے باہر تھا تو کسی پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔ اور اگر راستے پر ڈال دیا پھر گھر سے نکلا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح چور نے گھر میں سوراخ کیا جس کو نقب لگانا کہتے ہیں پھر اندر داخل ہو کر مال اٹھایا اور خود گھر سے باہر نہیں لایا بلکہ گھر سے باہر دوسرا چور تھا اس کو پھینک کر دیا وہ لیکر گیا تو نہ گھر میں داخل ہونے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور نہ باہر سے اچکنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چوری اس کو کہتے ہیں کہ گھر کے اندر جا کر خود مال ساتھ لیکر باہر آئے تب اس کو چوری کہتے ہیں۔ یہ خود مال ساتھ لیکر باہر نہیں آیا ہے بلکہ دوسرے کو پھینک کر دیا اور باہر والے نے اچک لیا اس لئے چوری کا معنی کسی میں نہیں پایا گیا اس لئے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا نہ داخل ہونے والے کا کہ مال ساتھ لیکر باہر نہیں آیا اور باہر والے کا کیونکہ وہ گھر کے اندر سے نہیں لایا بلکہ سڑک پر مال اٹھایا ہے جو غیر محفوظ جگہ ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ ان عثمان قضی انه لاقطع علیه وان کان قد جمع المتاع فاراد ان یسرق حتی یحوله ویخرج به۔ دوسری روایت میں ہے۔ عن الشعبی قال لایقطع السارق حتی یخرج بالمتاع من البیت (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب السارق یوجد فی البیت ولم یخرج، ج عاشر ص ۱۹۶/۱۹۷، نمبر ۱۸۸۱۰/۱۸۸۱۵/مصنف ابن ابی شیبة ۱۵۰ فی القوم ینقب علیھم فیستغیثون فیجدون قوما یسرقون فیؤخذون معھم؟ ج خامس، ص ۵۴۹، نمبر ۲۸۹۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان ساتھ لیکر باہر آیا ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہاں ساتھ لیکر باہر نہیں آیا اور دوسرے نے گھر کے اندر یعنی مقام محفوظ سے مال نہیں اٹھایا بلکہ سڑک پر سے اٹھایا اس لئے اس کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اور اگر گھر کے اندر والے نے سامان گھر سے باہر پھینکا پھر باہر نکل کر خود ہی اس سامان کو اٹھا کر چلا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ اس مسئلے میں سڑک پر سے کسی دوسرے چور نے نہیں اٹھایا بلکہ اندر والے چور نے ہی اٹھایا ہے اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ سامان ساتھ

حاشیہ : (الف) حضرت زہریؒ سے پوچھا کسی آدمی نے کسی قوم کی میزبانی کی۔ پس اس سے چیز اچک لی تو اس پر ہاتھ کاٹنا نہیں سمجھتے تھے (ب) حضرت عثمانؓ نے فیصلہ فرمایا کہ چور پر کاٹنا نہیں ہے اگر سامان کو جمع کیا ہو اور چرانا چاہتا ہو یہاں تک کہ سامان کو منتقل کرلے اور اس کو گھر سے نکال دے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا یہاں تک کہ سامان گھر سے نکال لے۔

الطريق ثم خرج فاخذه قُطع[۲۵۴۸] (۲٦)وكذلك اذا حمله على حمار وساقه فاخرجه [۲۵۴۹](۲۷)واذا دخل الحرز جماعة فتولى بعضهم الاخذ قطعوا جميعا.

لیکر گھر سے باہر آیا۔ کیونکہ گھر سے باہر پھینکنا اور سامان کا اٹھانا ایک ہی چور کا کام ہے۔ اور ایسا ہوتا ہے کہ گھر اونچا ہو اور سڑک نیچی ہو تو گھر سے سامان سڑک پر پھینکتے ہیں پھر خالی ہاتھ نیچے اترتے ہیں پھر سامان لیکر بھاگتے ہیں۔ اس لئے سامان ساتھ لیکر نکلنا سمجھا جائے گا اس لئے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن الزهرى قال اذا جمع المتاع فخرج به من البيت الى الدار فعليه القطع (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب السارق يوجد فى البيت ولم يخرج ج عاشر ص ۱۹۷ نمبر ۱۸۸۱۴ر مصنف ابن ابی شیبة ۱۴۹ فى الرجل يسرق فيطرح سرقته خارجا ويوخذ فى البيت ماعليه؟ ج خامس ص ۵۴۹ نمبر ۲۸۹۱۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان گھر سے باہر نکالا ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اصول سامان ساتھ لیکر گھر سے باہر آیا ہو تو اس کو چوری کہتے ہیں۔ دوسرے کو پھینک کر دیا تو چوری نہیں کہتے۔

لغت نقب : گھر میں سوراخ کر کے سامان نکالنا۔

[۲۵۴۸] (۲٦) ایسے ہی ہاتھ کاٹا جائے گا اگر لادا سامان گدھے پر اور اس کو ہانکا اور اس کو نکالا۔

تشریح چور گھر کے اندر گیا اور گدھا بھی ساتھ لے گیا پھر سامان گدھے پر لادا اور گدھے کو ہانک کر گھر سے باہر نکالا تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا

وجہ اس صورت میں سامان خود کندھے پر اٹھا کر باہر نہیں لایا لیکن گدھے پر لاد کر لانا بھی ساتھ لانا ہی ہے۔ کیونکہ بھاری سامان لوگ گدھے پر لاد کر لاتے ہیں۔ اس لئے ایسا ہوا کہ کندھے پر اٹھا کر سامان باہر لایا اس لئے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اصول جانور پر لادنا بھی اپنے کندھے پر لادنا ہے اور ساتھ لانا ہے۔ اسی اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

لغت ساق : ہانکا۔

[۲۵۴۹] (۲۷) اگر مکان محفوظ میں ایک جماعت داخل ہوئی اور بعض نے مال لیا تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

تشریح مثلا پانچ آدمیوں کی جماعت مکان محفوظ میں چوری کے لئے داخل ہوئی۔ ان میں سے تین نے مال لیا اور باقی آنے والوں کی نگرانی کرتے رہے کہ کوئی آکر پکڑ نہ لے۔ اور اتنا مال چرایا کہ ہر ایک کو دس دس درہم سے زیادہ ملے تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

وجہ جماعت میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ بعض مال اٹھاتا ہے اور باقی گھر والوں پر نظر رکھتے ہیں کہ کوئی آکر پکڑ نہ لے۔ ان کی مدد سے ہی مال اٹھانے والے مال اٹھاتے ہیں تو گویا کہ مکان محفوظ سے مال اٹھا کر ساتھ لانے میں سب شریک ہوئے اس لئے سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چوری میں پوری مدد کرنے والا بھی مال ہی اٹھانے والا اور ساتھ لیکر باہر آنے والا ہے۔

لغت حرز : محفوظ مکان، تولی : دوسرے کے لئے خود لے گیا۔

حاشیہ : (الف) حضرت زہریؒ نے فرمایا اگر سامان جمع کیا اور لیکر کمرے سے نکلا گھر تک تو اس پر ہاتھ کاٹنا ہے۔

[۲۵۵۰](۲۸) ومن نقب البیت وادخل یده فیه واخذ شیئا لم یقطع[۲۵۵۱] (۲۹)وان ادخل یده فی صندوق الصیرفی او فی کم غیره واخذ المال قُطع [۲۵۵۲](۳۰)ویُقطع

[۲۵۵۰](۲۸) کسی نے کمرے میں نقب ڈالا اور اس میں ہاتھ داخل کیا اور کچھ لیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح کسی نے کمرے میں سوراخ کر کے ہاتھ ڈالا خود داخل نہیں ہوا اور اندر سے کچھ نکال لیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ کمرہ خود حرز ہے اس سے چرانے کا طریقہ یہ ہے کہ خود آدمی کمرے میں داخل ہو اور وہاں سے ساتھ سامان لائے تب چوری ہوگی۔ اور یہاں خود کمرے میں داخل نہیں ہوا بلکہ ہاتھ ڈال کر نکالا ہے اس لئے چوری نہیں پائی گئی اس لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲) اثر میں ہے۔ اتی علی برجل نقب بیتا فلم یقطعه وعزره اسواطا (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب فی الرجل ینقب البیت ویوخذ منہ المتاع ج عاشر ص ۱۹۹ نمبر ۱۸۸۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اس طرح سے نقب لگانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقام محفوظ سے ہاتھ ڈال کر سامان چرایا ہے۔ چاہے کمرے میں داخل نہیں ہوا اس لئے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

[۲۵۵۱](۲۹) اگر ہاتھ ڈالا سنار کے صندوق میں یا دوسرے کی جیب میں اور مال لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ صندوق میں یا جیب میں آدمی داخل نہیں ہو سکتا بلکہ ایک ہی طریقہ ہے کہ ہاتھ ڈال کر نکالے۔ اس لئے ہاتھ ڈال کر نکالا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ مقام محفوظ سے چوری پائی گئی۔

لغت صیرفی : صراف سے مشتق ہے سنار یا جو نوٹ بھنتا ہو، کم : آستین، اہل عرب آستین میں جیب بناتے تھے اس لئے کم کہہ دیا۔ یہاں مراد ہے آستین کے اندر کی جیب جو حرز ہے اور محفوظ ہے۔ اس لئے اگر آستین کے باہر جیب ہو اور اس کو کاٹ کر درہم لے لے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ باہر کی جیب حرز نہیں ہے۔

[۲۵۵۲](۳۰) اور کاٹا جائے گا چور کا دایاں ہاتھ گٹے سے اور داغ دیا جائے گا۔

تشریح کامل ثبوت کے بعد چور کا دایاں ہاتھ گٹے سے کاٹا جائے گا پھر گرم تیل میں ڈال کر داغ دیا جائے گا تاکہ خون زیادہ نہ بہہ جائے اور چور مر نہ جائے۔

وجہ دایاں ہاتھ کاٹنے کی دلیل یہ ہے کہ بعض روایت میں فاقطعوا ایدیهما کے بجائے فاقطعوا ایمانهما کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوا کہ چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ عن مجاهد فی قرأة ابن مسعود والسارق والسارقة فاقطعوا ایمانهما (ب) (سنن للبیہقی، باب السارق یسرق الاولی یقطع یده الیمنی من مفصل الکف ثم یحسم بالنار ج ثامن ص ۴۷۰ نمبر ۱۷۲۴۷ (۲) دارقطنی کی حدیث میں ہے۔ عن عبد الرحمن بن عوف قال قال رسول الله لا غرم علی السارق بعد قطع یمینه (ج) (دارقطنی، کتاب الحدود ج ثالث ص ۱۲۹ نمبر

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے کمرے میں نقب ڈالا تھا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا اور اس کو چند کوڑوں کی تعزیر کی (ب) حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت یہ ہے کہ چور یا چورن ہوں تو ان کے دائیں ہاتھ کو کاٹو۔ (ج) آپؐ نے فرمایا دائیں ہاتھ کاٹنے کے بعد اس پر تاوان نہیں ہے۔

یمین السارق من الزند وتحسم[۲۵۵۳] (۳۱)فان سرق ثانیا قطعت رجله الیسری فان

(۳۳۶۳)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ کاٹا جائے۔اور گٹے سے ہاتھ کاٹا جائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن عبد اللہ بن عمرؓ قال قطع النبی ﷺ سارقا من المفصل (الف)**(سنن للبیہقی، باب السارق یسرق اولا یقطع یدہ الیمنی من مفصل الکف ثم تحسم بالنار، ج ثامن، ص ۴۷۰، نمبر ۱۷۲۵۰ رمصنف ابن ابی شیبة ۸۶ ما قالوا من این تقطع ؟ ج خامس، ص ۵۱۷، نمبر ۲۸۵۹۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گٹے سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔اور کاٹنے کے بعد زخم کو داغ دیا جائے گا تاکہ زیادہ خون نہ نکل جائے اور آدمی مرنہ جائے کیونکہ ہاتھ کاٹنے سے شہ رگ بھی کٹ جاتی ہے۔البتہ داغنے کے علاوہ خون روکنے کا کوئی نیا طریقہ ہو تو وہ کیا جاسکتا ہے۔حدیث یہ ہے۔**عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان ... فقال رسول اللہ ﷺ اقطعوہ ثم احسموہ فقطعوہ ثم حسموہ (ب)**(دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۸۲ نمبر ۳۱۳۹ رسنن للبیہقی، باب السارق یسرق اولا فتقطع یدہ الیمنی من مفصل الکف ثم تحسم بالنار ج ثامن ص ۴۷۱ نمبر ۱۷۲۵۳ رمصنف ابن ابی شیبة، نمبر ۲۸۵۹۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کاٹنے کے بعد داغا جائے گا۔

لغت زند : گٹا، پہنچا۔ تحسم : داغا جائے گا۔

[۲۵۵۳](۳۱)پس اگر دوسری مرتبہ چرایا تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔پس اگر تیسری مرتبہ چرایا تو نہیں کاٹا جائے گا اور اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا کہ توبہ کرلے۔

تشریح دوسری مرتبہ چرائے تو بایاں پاؤں کاٹا جائے گا پھر تیسری مرتبہ چرائے تو بایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ ایسے چور کو قید میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ چوری سے توبہ کرلے۔

وجہ اگر دونوں ہاتھ کٹ جائیں یا دونوں پاؤں کٹ جائیں تو کھانا پینا، وضو، استنجاء کیسے کرسکتا ہے وہ معذور ہو جائے گا اس لئے بایاں پاؤں کٹنے کے بعد قید میں ڈال دیا جائے گا(۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**اتی علیؓ بسارق قد سرق فقطع یدہ ثم اتی بہ قد سرق فقطع رجلہ ثم اتی بہ الثالثة قد سرق فامر بہ الی السجن وقال دعوا لہ رجلا یمشی علیها ویدا یأکل بها ویستنجی بها (ج)**(دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۱۲۷ نمبر ۳۳۵۴ رسنن للبیہقی، باب السارق یعود فیسرق ثانیا وثالثا ورابعا ج ثامن ص ۴۷۷ نمبر ۱۷۲۶۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بایاں پاؤں کاٹنے کے بعد نہیں کاٹا جائے گا تاکہ وضو استنجاء کرسکے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تیسری مرتبہ چوری کرے تو بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔اور چوتھی مرتبہ چوری کرے تو دایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ایسا ہی ہے۔**عن جابر بن عبد اللہؓ قال جیئ بسارق الی النبی ﷺ فقال اقتلوہ فقالوا یا رسول اللہ انما سرق فقال اقطعوہ قال فقطع ثم جیئ بہ الثانیة فقال اقتلوہ فقالوا یارسول اللہ ! انما سرق فقال اقطعوہ قال فقطع ثم**

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے چور کا ہاتھ گٹے سے کاٹا (ب) آپؐ نے فرمایا پھر اس کا ہاتھ کاٹو پھر داغ دو پھر کاٹو پھر داغ دو (ج) حضرت علی کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے چرایا تھا تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا، پھر لایا گیا کہ اس نے چرایا تو اس کا پاؤں کاٹا گیا، پھر تیسری مرتبہ لایا گیا کہ چرایا تو قید میں ڈالنے کا حکم دیا گیا اور فرمایا اس کے لئے ایک پاؤں چھوڑ دو جس پر وہ چلے اور ہاتھ چھوڑ دو جس سے وہ کھائے اور استنجاء کرے۔

سرق ثالثا لم یقطع وخلد فی السجن حتی یتوب[۲۵۵۴] (۳۲)وان کان السارق اشل الید الیسری او اقطع او مقطوع الرجل الیمنی لم یقطع [۲۵۵۵](۳۳)ولا یُقطع السارق

جیئ بہ الثالثۃ فقال اقتلوہ فقالوا یا رسول اللہ ! انما سرق فقال اقطعوہ ثم اتی بہ الرابعۃ فقال اقتلوہ فقالوا یاسول اللہ ! انما سرق قال اقطعوہ فاتی بہ الخامسۃ فقال اقتلوہ قال جابرؓ فانطلقنا بہ فقتلناہ (الف)(ابوداؤدشریف، باب السارق یسرق مرارا ص ۲۵۷ نمبر ۴۴۱۰ رنسائی شریف، باب قطع الیدین والرجلین من السارق ص ۶۸۳ نمبر ۴۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیسری اور چوتھی مرتبہ بھی ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے گا کیونکہ چوری کی ہے۔

[۲۵۵۴] (۳۲) اگر چور کا بائیں ہاتھ شل ہو یا کٹا ہوا ہو یا دائیں پاؤں کٹا ہوا ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح چور کا دائیں ہاتھ کاٹنا تھا لیکن پہلے ہی سے بائیں ہاتھ کٹا ہوا ہے یا شل ہے اس لئے اس ہاتھ سے وضو استنجاء نہیں کر سکتا اس لئے دائیں ہاتھ بھی کاٹ دیں تو دونوں ہاتھوں سے محروم ہو جائے گا۔ اور کسی ہاتھ سے وضو، استنجاء نہیں کر پائے گا۔ اس لئے اس کا دائیں ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا تا کہ دائیں ہاتھ سے وضو استنجا کر سکے۔ اور اگر پہلے سے دایاں پاؤں کٹا ہوا ہے پس اگر دائیں ہاتھ بھی کاٹ دیں تو بالکل نہیں چل پائے گا کیونکہ ایک ہی طرف کے ہاتھ پاؤں دونوں کٹ جائیں تو بیلنس خراب ہونے کی وجہ سے چلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لئے اب دایاں ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ توبہ کرنے تک قید میں ڈال دیا جائے گا۔

وجہ اثر میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ کان علیؓ لا یقطع الا ید والرجل وان سرق بعد ذلک سجن ونکل وکان یقول انی لاستحیی اللہ الا ادع لہ یدا یاکل بھا ویستنجی (ب)(مصنف عبدالرزاق، باب قطع السارق ج عاشر ص ۱۸۶ نمبر ۱۸۷۶۴) اس اثر میں ہے کہ میں کھانے اور استنجاء کے لئے بھی کوئی ہاتھ نہ چھوڑوں اس سے شرمندگی ہوتی ہے اس لئے بایاں ہاتھ شل ہو تو دایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت اشل : شل ہوا ہاتھ، مرا ہوا ہاتھ۔

[۲۵۵۵] (۳۳) چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر یہ کہ جس کا چرایا ہے وہ حاضر ہو اور چوری کرنے کا دعوی کرے۔

تشریح ہاتھ کاٹنے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسروق منہ ہاتھ کاٹنے کا مطالبہ کرے اور دوسری شرط یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کے وقت

حاشیہ : (الف) جابرؓ بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے پاس ایک چور لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا اس کو قتل کر دو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! صرف چرایا ہے، آپؐ نے فرمایا ہاتھ کاٹ دو۔ فرماتے ہیں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ پھر دوسری مرتبہ لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! صرف چرایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کاٹ دو۔ کہتے ہیں پاؤں کاٹ دیا گیا۔ پھر تیسری مرتبہ لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا قتل کر دو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! صرف چرایا ہے۔ فرمایا ہاتھ کاٹ دو۔ پھر چوتھی مرتبہ لایا گیا، آپؐ نے فرمایا اس کو قتل کر دو، لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! صرف چرایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا پاؤں کاٹ دو۔ پھر پانچویں مرتبہ لایا گیا، آپؐ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم گئے اور اس کو قتل کر دیا (ب) حضرت علی نہیں کاٹتے تھے مگر ہاتھ کو اور پاؤں کو۔ اور اگر چرائے اس کے بعد تو قید کرتے اور سزا دیتے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ سے شرمندہ ہوتا ہوں کہ چور کے لئے ہاتھ نہ چھوڑوں جس سے کھائے اور استنجاء کرے۔

الا ان یحضر المسروق منه فیطالب بالسرقة[۲۵۵۶] (۳۴)فان وھبھا من السارق او

مسروق منہ حاضر ہو۔

وجہ ممکن ہے مسروق منہ معاف کردے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔اس لئے حاکم کے سامنے مسروق منہ کا کاٹنے کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ کاٹنے سے پہلے ہبہ کردے یا بیچ دے یا چور کو ہدیہ کردے تب بھی حد ساقط ہو جائے گی۔اس لئے ہاتھ کاٹتے وقت اپنے مطالبہ پر برقرار رہے اس کے اظہار کے لئے ہاتھ کاٹتے وقت مسروق منہ کا حاضر ہونا ضروری ہے(۲) حدیث میں ہے کہ فیصلے سے پہلے مسروقہ چیز چور کو ہبہ کردے یا معاف کردے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔حضرت صفوان کی لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن صفوان نم امیة ... قال فاتیته فقلت اتقطعه من اجل ثلاثین درھما؟ انا ابیعه وانسئه ثمنھا قال فھلا کان ھذا قبل ان تاتینی به** (الف)(ابوداؤد شریف، باب فیمن سرق من حرز ص ۲۵۵ نمبر ۴۳۹۴ رنسائی شریف ما یکون حرزا وما لا یکون ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۸۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کاٹنے کا مطالبہ نہ کرے یا مطالبہ کرنے کے بعد معاف کردے تو کاٹنا ساقط ہو جائے گا(۳) یوں بھی شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔حدیث میں حد معاف کرنے کی ترغیب بھی ہے۔**عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال تعافوا الحدود فیما بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب** (ب)(نسائی شریف، ما یکون حرزا وما لا یکون ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۹۰)اور کاٹتے وقت حاضر ہونے کی دلیل حد زنا میں گزر چکی ہے کہ پہلے گواہ مارے پھر امام مارے پھر لوگ مارے تا کہ اخیر تک حد کا ثبوت برقرار رہے۔

[۲۵۵۶](۳۴) پس اگر مالک نے مال کو چور کو ہبہ کر دیا یا اس سے بیچ دیا یا نصاب سے اس کی قیمت کم ہوگئی تو نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح ہاتھ کٹنے سے پہلے مالک نے وہ مال چور کو ہبہ کر دیا اور وہ مال کسی نہ کسی طرح سے چور کا ہو گیا یا چور کے ہاتھ بیچ دیا یا اس مال کی قیمت دس درہم سے کم ہوگئی تو اب ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ اس مال میں ملکیت کا شبہ پیدا ہو گیا اور پہلے گزر چکا ہے کہ چور کا حصہ ہو جائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا(۲) اوپر والی حدیث میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میرے پاس لانے سے پہلے اس کو چور کے ہاتھ بیچ دیتا یا ہبہ کر دیتا تو ہاتھ نہ کٹتا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**فاتیته فقلت اتقطعه من اجل ثلاثین درھما؟ انا ابیعه وانسئه ثمنھا قال فھلا کان ھذا قبل ان تاتینی به** (ج)(ابوداؤد شریف، باب فیمن سرق من حرز ص ۲۵۵ نمبر ۴۳۹۴ رنسائی شریف ما یکون حرزا وما لا یکون ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۸۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیچ دیا یا ہبہ کر دیا تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔اور نسائی شریف کی دوسری روایت میں یہ جملہ بھی ہے۔**یا رسول اللہ قد تجاوزت عنه** جس سے معلوم ہوا کہ معاف کر دیا تب بھی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) صفوان بن امیہ فرماتے ہیں...پس میں حضورؐ کے پاس آیا اور کہا کیا آپ صرف تیس درہم کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹیں گے؟ میں اس کو بیچتا ہوں اور اس کی قیمت ادھار رکھتا ہوں۔آپؐ نے فرمایا میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ ایسا کیا۔یعنی پہلے ایسا کرتے تو حد ساقط ہو جاتی (ب) آپؐ نے فرمایا آپس میں حدود معاف کر دیا کرو جو حد میرے پاس پہنچے گی تو واجب ہو جائے گی (ج) میں آپؐ کے پاس آیا اور کہا کیا صرف تیس درہم کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹیں گے۔میں اس کو بیچتا ہوں اور اس کی قیمت ادھار رکھتا ہوں۔آپؐ نے فرمایا اس کو میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ کر لیا۔

باعها منه او نقصت قیمتها عن النصاب لم یقطع [۲۵۵۷](۳۵)ومن سرق عینا فقطع فیها وردها ثم عاد فسرقها وھی بحالها لم یقطع [۲۵۵۸](۳۶)وان تغیرت عن حالها مثل ان

اورنصاب سے قیمت کم ہوجائے تونہیں کاٹا جائے گااس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن ایمن قال لم تقطع الید فی زمان رسول اللہ ﷺ الا فی مجن وقیمته یومئذ دینار (الف)(سنن للبیہقی، باب اختلاف الناقلین فی ثمن المجن ج ثامن ص ۴۴۸ نمبر ۱۷۱۷۴/ابوداؤد شریف،، باب ما یقطع فیہ السارق ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۸۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ نصاب سے قیمت کم ہوجائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اور ایک روایت امام ابو یوسفؒ کی بھی ہے کہ فیصلے کے بعد چور سے بیچ دے یا ہبہ کردے یا قیمت کم ہوجائے تو پھر بھی حد لگے گی۔

وجہ کیونکہ قاضی کا فیصلہ ہو چکا ہے (۲) حدیث صفوان میں حضورؐ کے فیصلے کے بعد بیچنے کی خواہش ظاہر کی یا معاف کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس آنے سے پہلے اور فیصلے سے پہلے یہ سب کرنا چاہئے تب حد ساقط ہوتی فیصلے کے بعد ساقط نہیں ہوگی۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔قال فاتیته فقلت اتقطعه من اجل ثلاثین درهما؟ انا ابیعه وانسئه ثمنها قال فهلا کان هذا قبل ان تاتینی به (ب)(ابوداؤد شریف، باب فیمن سرق من حرز ص ۲۵۵ نمبر ۴۳۹۴/نسائی شریف ما یکون حرزا ومالا یکون ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۸۷)اس حدیث میں ہے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں ایسا نہ کرلیا تو معاف ہو جاتا۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ فیصلہ کرنے کے بعد تو کاٹا جائے گا۔اور دوسری حدیث میں ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا۔فقطعه رسول اللہ ﷺ (نسائی شریف نمبر ۴۸۸۲)

[۲۵۵۷](۳۵)کسی نے کوئی چیز چرائی پس اس میں ہاتھ کاٹا گیا اور اس نے اس کو واپس کردیا پھر دوبارہ اس کو چرالیا اور وہ چیز پہلی حالت پر ہے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح مثلا کسی نے برتن چرایا جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔اس نے برتن مالک کو واپس دے دیا،بعد میں پھر اس برتن کو اسی چور نے چرا لیا اور برتن کے بدلے ایک مرتبہ ہاتھ کٹ چکا تو گویا کہ اس برتن میں کچھ حصہ چور کا بھی ہوگیا اور جس میں چور کا حصہ ہو اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کٹتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر چور کے پاس سے وہ برتن گم ہوجاتا تو اس پر برتن کا تاوان لازم نہیں ہوتا (۲) اثر میں ہے۔عن الشعبی قال لا یقطع من سرق من بیت المال لان له فیه نصیبا (ج)(مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یسرق شیئا له فیه نصیب ج عاشر ص ۲۱۲ نمبر ۱۸۸۷۲)اس اثر میں ہے کہ اگر چوری کے مال میں چور کا حصہ ہوتو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ہاتھ کٹنے کی وجہ سے برتن میں چور کا حصہ ہوگیا ہے اس لئے دوبارہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

[۲۵۵۸](۳۶)اور اگر وہ چیز اپنی حالت سے بدل گئی مثلا یہ کہ سوت چرایا تھا پس اس میں ہاتھ کاٹا گیا اس کو واپس کردیا پھر کپڑا بن دیا پھر اس

حاشیہ : (الف)حضرت ایمنؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا مگر ڈھال میں اور اس کی قیمت اس وقت ایک دینار ہوتی تھی (ب) میں آپؐ کے پاس آیا اور کہا کیا صرف تیس درہم کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹیں گے۔میں اس کو بیچتا ہوں اور اس کی قیمت ادھار رکھتا ہوں۔آپؐ نے فرمایا اس کو میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ کرلیا (ج) حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں نہیں ہاتھ کاٹا جائے گا جس نے چرایا بیت المال سے اس لئے کہ اس کا بھی اس میں حصہ ہے۔

کانت غزلا فسرقه فقُطع فیه وردہ ثم نُسج فعاد وسرقه قطع[۲۵۵۹] (۳۷)واذا قُطع السارق والعین قائمة فی یده ردّها وان کانت هالکة لم یضمن.

کو چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح پہلے جب چرایا تھا تو وہ چیز کچھ اور تھی اور دوبارہ اس چیز کو چرایا تو اس کی حالت اتنی بدل گئی تھی کہ کچھ اور نام ہو گیا۔ مثلا پہلے سوت چرایا تھا جس کی وجہ سے ہاتھ کاٹا گیا۔ چور نے سوت واپس کر دیا۔ مالک نے اس سوت سے کپڑا بن لیا اب اس کا نام سوت نہیں رہا بلکہ کپڑا ہو گیا۔ اب اس کو اسی چور نے چرایا تو دوبارہ ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ اب پہلی چیز نہیں رہی جس میں اس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اور ایک گونہ اس میں چور حصہ دار بن گیا تھا بلکہ یہ دوسری چیز بن گئی ہے اور اس میں چور کا حصہ نہیں ہے اس لئے اس کے چرانے میں چور کا ہاتھ دوبارہ کاٹا جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چیز کی اصلیت بدل جائے اور نام بھی بدل جائے تو وہ چیز حکم کے اعتبار سے پہلی چیز نہیں رہتی وہ الگ شئی ہو جاتی ہے۔

لغت غزلا : سوت، نسج : بن لیا۔

[۲۵۵۹] (۳۷) اگر چور کا ہاتھ کاٹا گیا اور وہ چیز بعینہ اس کے ہاتھ میں موجود ہے تو اس کو واپس کرے گا اور اگر ہلاک ہو چکی ہے تو ضامن نہیں ہوگا

تشریح چور نے مثلا برتن چرایا جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور برتن بعینہ موجود ہے تو چور پر لازم ہے کہ برتن مالک کی طرف واپس کرے۔ اور اگر برتن ضائع ہو چکا ہے تو چور پر اس کی قیمت ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

وجہ برتن کے بدلے ہاتھ کاٹا گیا تو مالک کو کچھ نہ کچھ بدلا مل گیا ہے۔ اس لئے برتن کے بدلے قیمت لازم نہیں ہوگی۔ ہاں! برتن موجود ہو تو چونکہ حقیقت میں یہ مالک کا ہے اس لئے اس پر واپس کرنا لازم ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عبد الرحمن بن عوف قال قال رسول الله ﷺ لا غرم علی السارق بعد قطع یمینه** (الف) (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۱۲۹ نمبر ۳۳۶۳ رسنن للبیہقی، باب عزم السارق ج ثامن ص ۴۸۱ نمبر ۱۷۲۸۳) اور چیز بعینہ موجود ہو تو مالک کی طرف واپس کرنا ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن عطاء قال لا یغرم السارق بعد قطع یمینه الا ان توجد السرقة بعینها فتوخذ منه** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۷ فی السارق تقطع یدہ یتبع بالسرقۃ ج خامس ص ۴۷۵ نمبر ۲۸۱۲۹ رمصنف عبد الرزاق، باب عزم السارق ج عاشر ص ۲۱۹ نمبر ۱۸۸۹۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تاوان تو لازم نہیں ہوگا البتہ وہ چیز موجود ہو تو مالک کی طرف واپس کروائی جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ کٹنے کے بعد چور سے چیز ہلاک ہو جائے تو اس کا تاوان مالک کی طرف واپس کرنا ہوگا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن الحسن انه کان یقول هو ضامن للسرقة مع قطع یده** ۔ ایک دوسری روایت میں ہے۔ عن

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا چور پر تاوان نہیں ہے اس کے دائیں ہاتھ کاٹنے کے بعد (ب) حضرت عطاءؒ نے فرمایا چور پر تاوان نہیں ہے اس کے دائیں ہاتھ کاٹنے کے بعد مگر یہ کہ مسروقہ چیز بعینہ پائے تو اس سے لے لیا جائے گا۔

[۲۵۶۰](۳۸)واذا ادّعی السارق ان العین المسروقة ملکه سقط القطع عنه وان لم یقم بینة[۲۵۶۱] (۳۹)واذا خرج جماعة ممتنعین او واحد یقدر علی الامتناع فقصدوا قطع

ابراھیم انه کان یقول یضمن لسرقة استھلکھا او لم یستھلکھا وعلیه القطع (الف)(سنن للبیہقی، باب غرم السارق، ج ثامن، ص ۴۸۲ نمبر ۱۷۲۸۴/۱۷۲۸۵/مصنف ابن ابی شیبة ۷ فی السارق تقطع یدہ یتبع السرقة ج خامس، ص ۴۷۶، نمبر ۲۸۱۳۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ تاوان لازم ہوگا۔

[۲۵۶۰](۳۸)اگر چور نے دعوی کیا کہ مسروقہ چیز اس کی ملکیت ہے تو اس سے کاٹنا ساقط ہو جائے گا اگر چہ اس پر بینہ قائم نہیں کئے۔

تشریح چور نے چوری کے بعد دعوی کر دیا کہ یہ چیز میری ملکیت ہے تو اس دعوی کرنے کی وجہ سے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، چاہے ملکیت کہنے کے بعد اس پر گواہ پیش نہ کر سکا ہو۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر گزرا کہ چوری کے مال میں چور کا حصہ ہو جائے یا حصے کا شبہ ہو جائے تب بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ یہاں ملکیت کے دعوی کے بعد حصے کا شبہ ہو گیا اس لئے حد ساقط ہو جائے گی (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے کہ خریدنے کا صرف دعوی کیا تو حد ساقط ہو جائے گی۔ قال عطاءؒ ان وجدت سرقة مع رجل سوء یتھم فقال ابتعتھا فلم ینفذ ممن ابتاعھا منه او قال وجدتھا لم یقطع ولم یعاقب (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ۱۵۱ فی الرجل المتھم یوجد معه المتاع ج خامس ص ۵۵۰ نمبر ۲۸۹۱۳/مصنف عبد الرزاق، باب التھمة ج عاشر ص ۲۱۷ نمبر ۱۸۸۹۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ خریدنے کا دعوی کرے پھر بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ چاہے بینہ پیش نہ کیا ہو۔ کیونکہ اس اثر میں خریدنے پر بینہ پیش نہیں کیا پھر بھی حد ساقط ہوگئی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شبہ ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی، البتہ مال کا تاوان دینا پڑے گا۔

﴿ ڈاکہ زنی کے احکام ﴾

[۲۵۶۱](۳۹)اگر ایک جماعت راستہ روکنے والی نکلی یا ایک آدمی جو راستہ روکنے پر قدرت رکھتا ہو اور انہوں نے ڈاکہ زنی کا ارادہ کیا۔ پس وہ گرفتار کر لئے گئے مال لینے سے پہلے اور خون کرنے سے پہلے تو امام ان کو قید کرے گا یہاں تک کہ توبہ ظاہر کریں۔

تشریح لوگوں کے مال لوٹنے کے لئے کوئی ایسی جماعت نکل پڑے جو واقعی ڈاکہ زنی کرنے پر اور لوگوں کے راستے روکنے پر قدرت رکھتی ہو۔ یا ایک ہی آدمی اتنا بہادر اور دلیر ہو کہ ڈاکہ زنی کرنے اور راستے روکنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کام کے لئے نکل پڑا لیکن ابھی اس نے نہ مال لوٹا تھا اور نہ قتل کیا تھا اس سے پہلے وہ گرفتار کر لیا گیا تو امام نہ اس کا ہاتھ کاٹے گا اور نہ اس کو قتل کرے گا۔ بلکہ اتنی مدت تک قید میں رکھے کہ توبہ

حاشیہ : (الف)حضرت حسن سے مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ وہ ضامن ہوگا مسروقہ چیز کے لئے اس کے ہاتھ کے کاٹنے کے ساتھ۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا مسروقہ چیز کا ضامن ہوگا۔ اس کو خود ہلاک کیا ہو یا ہلاک نہ کیا ہو۔ اور چور کا ہاتھ کاٹنا بھی ہے (ب)حضرت عطاءؒ نے فرمایا اگر چوری کی چیز کسی متہم برے آدمی کے پاس پائیں۔ پس وہ کہے کہ میں نے اس کو خریدا ہے تو جس سے خریدا ہے اس سے بیچ نافذ نہیں ہوگی یا کہے کہ میں نے اس چیز کو پایا ہے تو نہ ہاتھ کاٹا جائے گا اور نہ سزا دی جائے گی۔

الطریق فأخذوا قبل ان یاخذوا مالا ولاقتلوا نفسا حبسهم الامام حتی یُحدثوا توبة[۲۵۶۲] (۴۰)وان اخذوا مال مسلم او ذمی والماخوذ اذا قسم علی جماعتهم

کرلے اور حرکات وسکنات سے محسوس ہو کہ اس نے ڈاکہ زنی سے توبہ کر لی ہے۔

وجہ ہاتھ پاؤں تو اس لئے نہیں کاٹے گا کہ ابھی مال نہیں لیا ہے اور قتل اس لئے نہیں کیا جائے گا کہ ابھی کسی کا خون نہیں بہایا ہے۔ممکن ہے کہ اس کام سے پہلے وہ توبہ کر لیتا (۲) اس اثر میں ہے۔ان عمر بن عبد العزیز کتب فی سارق لایقطع حتی یخرج بالمتاع من الدار لعله یعرض توبة قبل ان یخرج من الدار (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۵ فی السارق یوخذ قبل ان یخرج من البیت بالمتاع ج خامس ص ۴۷۴ نمبر ۲۸۱۱۴ رمصنف عبد الرزاق، باب السارق یوجد فی البیت ولم یخرج ج عاشر ص ۱۹۶ نمبر ۱۸۸۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مال چرا کر قبضہ کرے گا تب ہاتھ کاٹا جائے گا۔اور چونکہ اس ڈاکہ زن نے ابھی مال لوٹا نہیں ہے اس لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا صرف قید کیا جائے گا (۲) آیت محاربہ میں اس کا اشارہ ہے۔انما جزء والذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوو من الارض ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم (ب) (آیت ۳۳ سورة المائدة ۵) اس آیت میں چار قسم کی سزایاں کی گئی ہیں کیونکہ چار قسم کی شرارتیں ہوتی ہیں۔ان میں سے آخری سزا یہ ہے کہ ینفوا من الارض شہر سے باہر کر دیا جائے یعنی قید کر دیا جائے۔یہ سزا اس وقت ہے جب نہ چوری کی ہو اور نہ قتل کر سکا ہو۔

لغت ممتنع : روکنے والا یعنی راستہ روک کر ڈاکہ زنی کرنے والا۔ قطع الطریق : راستہ کاٹنا یعنی لوگوں کو راستے میں لوٹ لینا، ڈاکہ زنی کرنا، حبسهم : ان کو قید کر دے۔

[۲۵۶۲] (۴۰) اگر انہوں نے مسلمان یا ذمی کا مال لوٹا اور لیا ہوا مال ان کی جماعت پر تقسیم کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کو دس درہم یا زیادہ پہنچے یا ایسی چیز پہنچے جس کی قیمت یہ ہو تو امام ان کے ہاتھ اور پاؤں خلاف جانب سے کاٹے۔

تشریح اس جماعت نے ذمی کا مال یا مسلمان کا مال لوٹا اور اتنا مال لوٹا کہ جماعت کے ہر فرد کو دس درہم یا دس درہم سے زیادہ ملے گا۔یا لوٹا ہوا مال ہر ایک آدمی کو اتنا اتنا ملے گا کہ اس کی قیمت دس درہم ہوگی تو امام ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے گا۔

وجہ ذمی یا مسلمان کا مال لوٹنے سے اس لئے کاٹا جائے گا کہ وہ مال محفوظ ہے۔اور حربی کا مال لوٹا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس کا مال محفوظ نہیں ہے۔اور ہر ایک کو دس درہم پہنچے تب کاٹا جائے گا اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے کہ دس درہم سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا۔اور دایاں ہاتھ

حاشیہ : (الف) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے چور کے بارے میں لکھا کہ ہاتھ نہ کاٹا جائے یہاں تک کہ سامان کو گھر سے نکال لے۔اس لئے کہ شاید کہ گھر سے نکالنے سے پہلے توبہ کر لے (ب) یقیناً بدلہ ان لوگوں کا جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی دی جائے یا ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا زمین سے شہر بدر کر دئے جائیں۔یہ ان کے لئے دنیا میں شرمندگی ہے اور ان کے لئے آخرت میں عذاب عظیم ہے۔

اصاب کل واحد منهم عشرة دراهم فصاعدا او ما تبلغ قیمته ذلک قطع الامام ایدیهم وارجلهم من خلاف [۲۵۶۳](۴۱)وان قتلوا نفسا ولم یاخذوا مالا قتلهم الامام حدا فان

اور بایاں پاؤں دونوں کاٹے جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صرف چور نہیں ہیں بلکہ ڈاکہ زن ہیں ۔ایک مرتبہ ڈاکہ زنی ہو جائے تو پورا علاقہ خوف سے مہینوں نہیں سوتے ہیں۔اور پورے علاقے میں بدامنی پھیل جاتی ہے۔اس لئے اس کی سزا سخت رکھی گئی ہے کہ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے تا کہ دوبارہ ڈاکہ زنی نہ کر سکے (۲) مال لوٹنے کی سزا آیت میں گزری او **تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف** (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ ڈاکوؤں کے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹے جائیں (۳) حدیث میں ہے کہ قبیلہ عکل اور قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ حضورؐ کے پاس آئے وہ مسلمان ہوئے اور مدینہ میں رہنے لگے۔لیکن ان کو بیماری لگ گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ صدقہ کے اونٹ کا دودھ اور پیشاب پیو۔وہ اس سے صحت یاب ہو گئے لیکن بعد میں مرتد ہو گئے اور اونٹ کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹ بھی لوٹ کر لے گئے۔آپؐ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کو کٹوایا اور آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی جس سے وہ مر گئے۔لمبی حدیث یہ ہے۔**عن انسؓ قال قدم علی النبی ﷺ نفر من عکل فاسلموا فاجتووا المدینة فامرهم ان یأتوا ابل الصدقة فیشربوا من ابوالها والبانها ففعلوا فصحوا فارتدوا وقتلوا رعاتها واستاقوا الابل فبعث فی آثارهم فاتی بهم فقطع ایدیهم وارجلهم وسمل اعینهم ثم لم یحسمهم حتی ماتوا** (الف) (بخاری شریف، باب کتاب المحاربین من اهل الکفر والردۃ ص ۱۰۰۵ نمبر ۶۸۰۲ مسلم شریف، باب حکم المحاربین والمرتدین ص ۵۷ نمبر ۱۶۷۱) اس حدیث میں محارب اور ڈاکہ زنوں کے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹے ہیں کیونکہ انہوں نے اونٹ چرایا تھا۔اور چرواہوں کو قتل کرنے کی وجہ سے آنکھوں میں سلائی پھیر دی تا کہ تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔

[۲۵۶۳] (۴۱) اور اگر انہوں نے آدمی قتل کیا اور مال نہیں لیا تو امام ان کو حد کے طور پر قتل کرے، پس اگر اولیاء ان کو معاف کر دے تب بھی امام ان کی معافی کو نہ مانے۔

تشریح ڈاکوؤں نے مال تو نہیں لیا لیکن کسی کی جان مار دی تو قصاص کے طور پر امام ان کو قتل کریں گے اور مقتول کے ولی ڈاکہ زنوں کو معاف کر دے تب بھی امام معاف نہ کرے بلکہ قتل ہی کر دے۔

وجہ جان کے بدلے جان کے لئے آیت گزر چکی ہے۔**وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین** (ب) (آیت ۴۵

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے پاس قبیلہ عکل کی ایک جماعت آئی۔انہوں نے اسلام لایا پھر ان کا پیٹ پھول گیا تو ان کو (باقی اگلے صفحہ پر) حاشیہ : پچھلے صفحہ سے آگے) حکم دیا کہ صدقہ کے اونٹ کے پاس جائیں اور اس کا دودھ اور پیشاب پئیں۔انہوں نے ایسا ہی کیا، وہ تندرست ہو گئے پھر مرتد ہو گئے۔اور اونٹ کے چرواہوں کو قتل کیا اور اونٹ ہنکا لے گئے۔حضورؐ نے ان کے پیچھے لوگوں کو بھیجا، ہو پکڑ کر لائے گئے۔پس ان کا ہاتھ اور ان کا پاؤں کاٹا اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی اور ان کے ہاتھوں کو داغا نہیں یہاں تک کہ وہ مر گئے (ب) ہم نے یہودیوں پر تورات میں فرض کیا کہ جان جان کے بدلے اور آنکھ آنکھ کے بدلے۔

عفا الاولیاء عنهم لم یُلتفت الی عفوهم[۲۵۶۴] (۴۲)وان قتلوا واخذوا مالا فالامام بالخیار ان شاء قطع ایدیهم وارجلهم من خلاف وقتلهم وصلبهم ان شاء قتلهم وان شاء

سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت سے پتا چلا کہ قتل کیا ہے تو اس کے بدلے قتل کیا جائے گا۔آیت محاربہ میں بھی او یقتلوا (آیت ۳۳،سورۃ المائدۃ ۵) تھا۔یعنی ڈاکہ زنوں کو قتل کر دیا جائے۔اور ولی کے معاف کرنے سے بھی قصاص ساقط نہیں ہوگا کیونکہ ان کی شرارت بہت زیادہ ہے(۳) اثر میں ہے۔عن الزهری قال عقوبة المحارب الی السلطان لایجوز عفو ولی الدم ،ذلک الی الامام (الف)(مصنف عبدالرزاق باب المحاربة ج عاشر ص ۱۱۱ نمبر ۱۸۵۵۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ اس کا معاملہ حاکم کے ذمے ہے ولی کو معاف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

لغت یلتفت : توجہ دینا۔

[۲۵۶۴](۴۲)اور اگر قتل کیا اور مال بھی لیا تو امام کو اختیار ہے چاہے تو ہاتھ اور پاؤں خلاف سے کاٹے اور ان کو قتل کرے اور سولی دے اور چاہے تو صرف قتل کرے اور چاہے تو سولی دے۔

تشریح مال بھی لیا اور قتل بھی کیا ہے اس لئے دو جرم ہوئے اس لئے دونوں کی سزا دے سکتا ہے۔یعنی مال کے بدلے ہاتھ پاؤں کاٹنا اور قتل کے بدلے بعد میں قتل کرنا۔اور مناسب سمجھے تو ہاتھ پاؤں نہ کاٹے بلکہ بڑی سزا قتل کرنا ہے وہ کرے اور چاہے تو اس سے بھی بڑی سزا سولی دے جس میں پیٹ پھاڑ کر مارنے کے علاوہ تین دن تک تختے پر لٹکانا بھی ہے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں اہل عرینہ کا ہاتھ پاؤں بھی کاٹا تھا اور سلائی پھیر کر قتل کے بدلے مارا بھی تھا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن انس ... فاتی بهم فقطع ایدیهم وارجلهم وسمل ثم لم یحسمهم حتی ماتو (ب)(بخاری شریف، باب کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ ص ۱۰۰۵ نمبر ۶۸۰۲)اس حدیث میں ہاتھ پاؤں بھی کاٹا اور سلائی پھیر کر مارا بھی۔اور امام کے لئے اختیار ہے کہ چھوٹی سزا چھوڑ کر ایک ہی مرتبہ بڑی سزا دیدے یعنی قتل کر دے یا سولی دیدے۔

وجہ اس کی دلیل اس اثر میں ہے۔قال عطاء ای ذلک شاء الامام حکم فیهم ان شاء قتلهم او صلبهم او قطع ایدیهم وارجلهم من خلاف ان شاء الامام فعل واحدة منهن وترک مابقی (ج)(مصنف عبدالرزاق باب المحاربة ج عاشر ص ۱۱۰ نمبر ۱۸۵۴۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ الگ الگ سزا دے اور اس کا بھی اختیار ہے کہ بڑی سزا دے اور چھوٹی سزا چھوڑ دے(۲) آیت میں بھی امام کے اختیار پر سزا کو چھوڑا ہے اسی لئے چاروں سزاؤں کو حرف اَوْ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت زہریؒ نے فرمایا محارب کی سزا بادشاہ کے ذمے ہے مقتول کے ولی کو معاف کرنا جائز نہیں ہے یہ امام کے اختیار میں ہے(ب) حضرت انس فرماتے ہیں قبیلہ عکل کے لوگ لائے گئے پس ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹ دیا اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی پھر ان کو نہیں داغا یہاں تک کہ مر گئے(ج) حضرت عطاء نے فرمایا امام جو چاہے محارب کے بارے میں فیصلہ کرے اگر چاہے تو ان کو قتل کرے یا ان کو سولی دے یا ان کے ہاتھوں اور پیروں کے خلاف کی جانب سے کاٹ دے اور چاہے تو امام ان میں سے ایک کرے اور باقی سزا چھوڑ دے۔

صلبھم[۲۵۶۵] (۴۳)ویُصلب حیًّا ویُبعج بطنه برمح الی ان یموت[۲۵۶۶] (۴۴)ولا یصلب اکثر من ثلثة ایام[۲۵۶۷] (۴۵)فان کان فیھم صبی او مجنون او ذورحم محرم

[۲۵۶۵] (۴۳)اور سولی دی جائے زندہ میں اور پھاڑا جائے پیٹ کو نیزے سے یہاں تک کہ مرجائے۔

تشریح سولی دینے کا طریقہ بتارہے ہیں کہ زندہ آدمی کو تختہ پر لٹکا دیا جائے پھر نیزے سے پیٹ پھاڑ دیا جائے یہاں تک کہ مرجائے، سولی دینے کا یہی طریقہ ہے۔

لغت بعج : نیزے سے پیٹ پھاڑنا، رمح : نیزہ۔

[۲۵۶۶] (۴۴)اور سولی پر نہ رکھا جائے تین دن سے زیادہ۔

تشریح سولی پر لٹکانے اور پیٹ پھاڑنے کے بعد تین دن سے زیادہ لٹکا ہوا نہ رکھا جائے۔

وجہ تین دن میں لوگوں کو عبرت ہو جائے گی اور زیادہ رکھنے میں لاش سڑے گی اور بدبو ہوگی اس لئے تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لاش سے گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اس وقت تک مجرم کو تختے پر لٹکائے رکھیں تا کہ لوگوں کو زیادہ عبرت ہو۔

[۲۵۶۷] (۴۵)پس اگر ڈاکہ زنوں میں سے کوئی بچہ ہو یا مجنون ہو یا جس پر ڈاکہ ڈالا اس کا ذی رحم محرم ہو تو باقی سے بھی حد ساقط ہو جائے گی اور قتل کا اختیار ولیوں کو ہوگا چاہے قتل کریں چاہے معاف کریں۔

تشریح جس جماعت نے ڈاکہ ڈالا اس میں سے کچھ بچہ تھا یا پاگل تھا۔ اب ظاہر ہے کہ بچہ اور پاگل پر حد جاری نہیں ہوگی کیونکہ وہ مرفوع القلم ہیں تو اس کی وجہ سے باقی ڈاکوؤں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح ڈاکہ ڈالنے والے اس آدمی کا قریبی رشتہ دار تھے جس پر ڈاکہ ڈالا گیا تو باقی ڈاکوؤں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ البتہ قتل کیا ہے تو قصاصا قتل کیا جائے گا جس کا اختیار مقتول کے ورثہ کو ہوگا۔ چاہے وہ قتل کریں چاہے وہ معاف کردیں۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اور جب بعض سے ساقط ہو گئی تو باقی لوگوں میں بھی شبہ ہو گیا اس لئے ان سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ باقی رہا قتل کے بدلے قصاص لینا یا مال کے بدلے مال لینا تو اس کا معاملہ دیت میں آتا ہے۔ اور دیت کا مدار ولیوں کے اختیار پر ہے چاہے وہ لے چاہے معاف کردے۔ اور چاہے مال پر صلح کر لے۔ آیت میں ہے۔ والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق به فهو کفارة له (الف) (آیت ۴۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ معاف کردے تو یہ اس کے لئے کفارہ ہوگا۔

اور رشتہ دار کی وجہ سے حد ساقط ہوتی ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ قال الثوریؒ ویستحسن الا یقطع من سرق من ذی محرم ،خالہ

حاشیہ : (الف) دانت دانت کے بدلے اور زخموں کا بھی قصاص ہے۔ پس جو صدقہ کردے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔

من المقطوع عليه سقط الحد عن الباقين وصار القتل الى الاولياء ان شاء وا قتلوا وان شاء وا عفوا[۲۵۶۸] (۴۶)وان باشر القتل واحد منهم أُجرى الحد على جماعتهم.

او عمه او ذات محرم (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب من سرق مالا يقطع فيه ج عاشر ص۲۲۱ نمبر ۱۸۹۰۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم سے حد ساقط ہو جائے گی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر قتل اور مال لوٹنا بچے اور پاگل نے ہی کیا ہے تب تو ان پر حد نہیں اس لئے باقی پر بھی حد نہیں ہوگی۔ کیونکہ قتل کرنے اور مال لوٹنے میں اصل وہی ہیں۔ لیکن اگر عقلمند اور بالغ نے قتل کیا ہے اور مال لوٹا ہے تو بچے اور مجنون پر حد نہیں ہوگی لیکن عقلمند اور بالغ پر حد ہوگی۔

وجہ کیونکہ انہوں نے محاربت کی ہے اور ڈاکہ زنی کی ہے۔ اور وہ اس جرم میں اصلی بھی ہے۔

[۲۵۶۸] (۴۶) اگر ان میں سے ایک نے قتل کیا ہو تو حد اس کی جماعت پر جاری ہوگی۔

تشریح مثلا آٹھ آدمی جماعت میں ہو اور ایک نے قتل کیا باقی نے نہیں کیا تب بھی سب پر حد جاری ہوگی۔

وجہ ڈاکہ زنی میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ بعض قتل کرتے ہیں اور بعض ان کی مدد کرتے ہیں اور بعض آنے والے لوگوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ اس لئے اس ایک کے قتل میں سب شریک ہیں اس لئے سب کو حد لگے گی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ثوریؒ نے فرمایا اچھا یہ ہے کہ جس نے ذی رحم محرم کا چرایا اس کا ہاتھ نہ کاٹے مثلا ماموں اس کا چچا یا ذی رحم۔

﴿کتاب الاشربة﴾

[۲۵۶۹](۱)الاشربة المحرمة اربعة الخمر وهی عصیر العنب اذا غلا واشتد وقذف

﴿کتاب الاشربة﴾

ضروری نوٹ اشربة شراب کی جمع ہے، پینے کی چیز، یہاں مراد ہے وہ چیزیں جن کا پینا حرام ہے۔وہ چار قسم کی شرابیں ہیں جن کا پینا حرام ہے۔البتہ اصل خمر یہ ہے کہ انگور کا کچا رس جس میں جھاگ آ گیا ہو، گاڑھا ہو گیا ہو اور جھاگ جوش مار رہا ہو، یہ اصلی خمر ہے۔اس کا ایک قطرہ بھی پی لے تو حد لگ جائے گی چاہے نشہ نہ آیا ہو۔اسی کا تذکرہ آیت انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون (الف) (آیت ۹۰ سورۃ المائدۃ ۵) میں ہے۔باقی کھجور کا کچا رس یا کشمش کا کچا رس جب جھاگ پھینکنے لگے یا انگور کو پکا لیا جائے اور وہ جھاگ پھینکنے لگے تو تینوں شرابیں بھی حرام ہیں لیکن پہلے خمر کے درجے میں نہیں ہیں۔ان تینوں کے پینے میں نشہ آئے گا تو حد لگے گی ورنہ نہیں۔

[۲۵۶۹](۱) حرام شرابیں چار ہیں (۱) خمر وہ انگور کا رس ہے جب جوش مارے اور تیز ہو کر جھاگ پھینکنے لگے۔

تشریح اصل خمر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ انگور کا کچا رس ہو اس کو چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ جوش مارنے لگے اور تیز ہو کر جھاگ پھینکنے لگے تو اس کو اصلی خمر کہتے ہیں باقی خمر نقلی ہیں۔

وجہ اثر میں ہے۔عن سالم بن عبد الله ان رسول الله ﷺ قال ان من العنب خمرا وانها کم عن کل مسکر۔اور دوسری روایت میں ہے۔عن عبد الله بن عباس قال حرمت الخمر بعینها والمسکر من شرب (ب) (طحاوی شریف، کتاب الاشربة ج ثانی ص ۲۹۷) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ انگور کا شراب اصل ہے، باقی شراب نقلی ہیں البتہ وہ بھی حرام ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک وہ تمام شرابیں جو نشہ آور ہوں وہ تمام خمر ہیں اور آیت میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔قال قام عمر علی المنبر فقال اما بعد نزل تحریم الخمر وهی من خمسة العنب والتمر والعسل والحنطة والشعیر والخمر ما خامر العقل (ج) (بخاری شریف، باب الخمر من العنب وغیرہ ص ۸۳۶ نمبر ۵۵۸۱) اور ابو داؤد شریف میں یوں ہے۔عن النعمان بن بشیر قال قال رسول الله ﷺ ان من العنب خمرا وان من التمر خمرا وان من العسل خمرا وان من البر خمرا وان من الشعیر خمرا (د) (ابو داؤد شریف، باب الخمر ما هی؟ ص ۱۶۱ نمبر ۳۶۷۶) اس

حاشیہ : (الف) یقیناً شراب، جوا، بت اور قسمت کے تیر ناپاک ہیں شیطان کا عمل ہے اس سے بچو، شاید کہ کامیاب ہو جاؤ گے (ب) آپؐ نے فرمایا انگور کا شراب ہوتا ہے اور میں تم کو ہر نشہ آور چیزوں سے روکتا ہوں، دوسری روایت میں ہے۔عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خاص خمر حرام کیا گیا ہے اور ہر شراب میں نشہ آور حرام کیا گیا ہے (ج) حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا اما بعد! خمر کی حرمت نازل ہوئی ہے اور وہ پانچ چیزوں سے بنتی ہے۔انگور سے، کھجور سے، شہد سے، گیہوں سے اور جو سے، اور ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانک دے اس کو خمر کہتے ہیں۔(د) آپؐ نے فرمایا انگور سے خمر بنتا ہے، اور کھجور سے خمر بنتا ہے اور یقیناً شہد سے خمر بنتا ہے، اور گیہوں سے خمر بنتا ہے اور جو سے خمر بنتا ہے۔

بالزبد [۲۵۷۰] (۲) والعصير اذا طبخ حتى ذهب اقل من ثلثيه [۲۵۷۱] (۳) ونقيع التمر [۲۵۷۲] (۴) ونقيع الزبيب اذا غلا واشتد [۲۵۷۳] (۵) ونبيذ التمر والزبيب اذا طبخ

حدیث سے معلوم ہوا کہ انگور، کھجور، شہد، گیہوں، جو وغیرہ سے بھی شراب بنتا ہے (۳) دوسری حدیث میں ہے۔ سمعت ابا هريرةؓ يقول سمعت يقول رسول الله ﷺ يقول الخمر من هاتين الشجرتين النخلة والعنبة (الف) (مسلم شریف، باب بیان ان جمیع ماینبذ مما یتخذ من النخل والعنب یسمی خمرا ص ۱۶۳ نمبر ۱۹۸۵) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خمر صرف انگور کے شیرے سے خاص نہیں ہے بلکہ کھجور کی شیرے سے بھی بن سکتی ہے۔

لغت عصیر : رس، شیرہ، غلا : جوش مارنے لگے، قذف بالزبد : جھاگ پھینکنے لگے۔

[۲۵۷۰] (۲) اور شیرہ انگور جب پکا لیا جائے یہاں تک کہ دو تہائی سے کم جل جائے۔

تشریح شراب کی دوسری صورت یہ ہے کہ انگور کا رس کچا نہ رہے بلکہ اس کو اتنا پکا دے کہ دو تہائی سے کم جل جائے اور تہائی سے کچھ زیادہ باقی رہ جائے اس میں جوش مارنے لگے اور تیز ہو جائے اور نشہ آجائے تو یہ خمر کی دوسری صورت ہے۔

[۲۵۷۱] (۳) اور کھجور کا نقیع۔

تشریح کھجور کو پانی میں ڈال کر کچھ دن چھوڑ دیا جائے جس کی وجہ سے پانی گاڑھا ہو جائے اور جوش مار کر جھاگ پھینکنے لگے اس کو نقیع تمر کہتے ہیں۔ یہ شراب کی تیسری قسم ہے۔

[۲۵۷۲] (۴) کشمش کی نقیع جب جوش مارے اور تیز ہو جائے۔

تشریح کشمش کو پانی میں ڈال کر کچھ دن چھوڑ دے جس سے پانی گاڑھا ہو جائے اور جوش مار کر جھاگ پھینکنے لگے تو اس کو کشمش کی نقیع کہتے ہیں۔ یہ شراب کی چوتھی قسم ہے۔

الحاصل انگور کے کچے رس میں جھاگ آنے لگے اور جوش مارنے لگے تو یہ اصل شراب ہے (۲) اور انگور کے رس کو دو تہائی سے کم پکا کر جلائے اور پھر جوش مارنے لگے اور جھاگ آنے لگے اور نشہ آجائے، شراب کی یہ دوسری قسم ہے (۳) اور کھجور پانی میں ڈال دے اور اس کا پانی گاڑھا ہو کر جھاگ پھینکنے لگے تو شراب کی تیسری قسم ہے (۴) اور کشمش کو پانی میں ڈال دے اور وہ گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ پھینکنے لگے تو یہ شراب کی چوتھی قسم ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک شہد، جو، گیہوں اور جوار سے بھی شراب بنتی ہے۔ ان شرابوں کے پینے کے بعد اگر نشہ آگیا تو حد لگائی جائے گی۔

[۲۵۷۳] (۵) کھجور اور کشمش کی نبیذ اگر دونوں میں سے ہر ایک کو پکا لیا جائے تھوڑا سا پکانا تو حلال ہیں، اگرچہ تھوڑی تیزی آگئی ہو۔ اگر اس سے اتنی پیئے کہ غالب گمان یہ ہو کہ وہ نشہ نہیں لائے گی۔ لہو ولعب اور مستی کے لئے نہیں۔

تشریح کھجور کی یا کشمش کی نبیذ بنائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کھجور اور کشمش کے پانی کو تھوڑا سا پکائے تو وہ حلال ہیں بشرطیکہ نشہ نہ آیا

حاشیہ : (الف) میں نے حضورؐ سے کہتے ہوئے سنا کہ خمر ان دونوں درختوں سے ہوتا ہے کھجور سے اور انگور سے۔

کل واحد منهما ادنی طبخة حلال وان اشتد اذا شرب منه ما یغلب علی ظنه انه لا یسکره من غیر لهو ولا رطب[۲۵۷۴] (۶) ولا بأس بالخلیطین.

ہو۔البتہ مزے میں تھوڑی تیزی آگئی ہوتو کوئی حرج نہیں ہے۔اور اتنا ہی پیئے جس سے غالب گمان ہو کہ اس سے نشہ نہیں آئے گا۔اور نشہ کے لئے یا مستی کے لئے نہ پیئے تب حلال ہیں۔

وجہ نبیذ حلال ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن عائشةؓ قالت کان ینبذ لرسول اللہ ﷺ فی سقاء یوکا،اعلاہ وله عزلاء،ینبذ غدوة فیشربه عشاء وینبذ عشاء فیشربه غدوة** (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی صفۃ النبیذ ص ۱۶۵ نمبر ۳۷۱۱)(۱) دوسری حدیث میں ہے۔**عن ابی قتادة ان رسول اللہ ﷺ قال لا تنتبذوا الزهو والرطب جمیعا ولا تنتبذوا الرطب والزبیب جمیعا ولکن انتبذ واکل واحد علی حدته** (ب)(مسلم شریف، باب کراہۃ انتباذ التمر والزبیب مخلوطین ص ۱۶۳ نمبر ۱۹۸۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھجور اور کشمش کو ملا کر نبیذ نہ بنائے کیونکہ اس میں جلدی نشہ پیدا ہوتا ہے۔البتہ کھجور کو الگ اور کشمش کو الگ سے نبیذ بنائے۔اس سے کھجور اور کشمش سے نبیذ بنانے کا ثبوت ہوا۔

اور نبیذ میں نشہ آجائے تو اس کا پینا حرام ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابی هریرةؓ قال علمت ان رسول اللہ ﷺ کان یصوم فتحینت فطره بنبیذ صنعته فی دباء ثم اتیته به فاذا هو ینش فقال اضرب بهذا الحائط فان هذا شراب من لا یومن باللہ والیوم الآخر** (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی النبیذ اذا اغلاص ۱۶۶ نمبر ۳۷۱۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبیذ میں تیزی آجائے اور نشہ آجائے تو اس کا پینا حرام ہے۔

[۲۵۷۴](۶)خلیطین میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

تشریح کھجور اور کشمش کو ملا کر نبیذ بنانے کو خلیط کہتے ہیں یعنی ملی ہوئی چیز۔اوپر کی حدیث میں دونوں کو ملا کر نبیذ بنانا منع فرمایا ہے۔لیکن اگر دونوں کو ملا کر نبیذ بنا لیا اور اس میں نشہ نہیں آیا ہے تو ایسی نبیذ کا پینا جائز ہے۔اوپر تو اس لئے منع فرمایا کہ دونوں کو ملا کر نبیذ بنانے میں جلدی نشہ آتا ہے۔

وجہ حدیث میں ایسے خلیط کا ثبوت ہے۔**عن عائشة ان رسول اللہ کان ینبذ له زبیب فیلقی فیه تمر او تمر فیلقی فیه زبیب** (د)(ابوداؤد شریف، باب فی الخلیطین ص ۱۶۵ نمبر ۳۷۰۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھجور میں کشمش اور کشمش میں کھجور ملا کر نبیذ بنائی جا

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہؓ حضورؐ کے لئے ایک برتن میں نبیذ بنایا کرتی تھی۔اس کے اوپر کا حصہ بند کرتے اور اس مشک کا منہ بھی تھا،صبح نبیذ بناتے تو اس کو شام کو پیتے اور شام کو نبیذ بناتے تو اس کو صبح کو پیتے (ب) آپؐ نے فرمایا کچی کھجور اور پکی ہوئی کھجور کو ایک ساتھ ملا کر نبیذ نہ بناؤ۔لیکن ہر ایک کو الگ الگ کر کے نبیذ بناؤ (ج) ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم تھا کہ حضورؐ روزہ رکھتے ہیں تو میں آپؐ کے افطار کا انتظار کرنے لگا ایسی نبیذ کے ساتھ جس کو کدو میں بنایا تھا پھر اس کو لے کر آیا۔وہ اس وقت جھاگ پھینک رہی تھی۔تو آپؐ نے فرمایا اس کو دیوار پر مار دو، یہ ایسے لوگوں کی شراب ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے (د) آپؐ کے لئے کشمش کی نبیذ بناتے تو اس میں کھجور ڈال دیتے یا کھجور کی نبیذ بناتے تو اس میں کشمش ڈال دیتے۔

[۲۵۷۵](۷)ونبيذ العسل والتين والحنطة والشعير والذرة حلال وان لم يُطبخ [۲۵۷۶] (۸)وعصير العنب اذا طبخ حتى ذهب منه ثلثاه حلال وان اشتد.

سکتی ہے کیونکہ حضورؐ کے لئے ایسی نبیذ بنائی ہے۔

[۲۵۷۵](۷) شہد، انجیر، گیہوں، جو، جوار کی نبیذ حلال ہے اگر چہ پکائی نہ گئی ہو۔

تشریح شہد، انجیر، گیہوں، جو اور جوار کی نبیذ کو چاہے نہ پکایا ہو تب بھی حلال ہے۔

وجہ جب کشمش اور کھجور کی نبیذ جائز ہے تو شہد وغیرہ کی نبیذ کیوں جائز نہ ہو۔ اصل معیار ہے مسکر اور نشہ آور ہونا۔ اگر کوئی نبیذ مسکر اور نشہ آور نہ ہو صرف کڑوا پانی کو میٹھا کرنے کے لئے یہ میٹھی چیزیں ملائی گئی ہوں تو اس سے کوئی حرج نہیں (۲) شہد پینے کی حدیث مشہور ہے کہ آپؐ حضرت زینب کے پاس شہد پیا جس کے بارے میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے سازش کی تھی۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **سمعت عائشة زوج النبی ﷺ ... بل شربت عسلا عند زينب بنت جحش ولن اعود له** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی شراب العسل، ص ۱۶۵ نمبر ۳۷۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ شہد پسند فرماتے تھے۔ اور نبیذ کے سلسلے میں پہلے حدیث گزری۔ **عن ابن عباس قال كان ينبذ للنبی ﷺ الزبيب فيشربه اليوم والغد وبعد الغد الى مساء الثالثة ثم يأمر به فيسقى الخدم او يهرق** (ابوداؤد شریف، باب فی صفة النبیذ، ص ۱۶۵، نمبر ۳۷۱۳ (ب) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ کے لئے نبیذ بنائی جاتی تو دو دن تک پیتے (۳) اس حدیث سے بھی نبیذ کے حلال ہونے کا پتا چلتا ہے۔ **سألت النبی ﷺ عن شراب من العسل فقال ذاک البتع قلت وينتبذ من الشعير والذرة قال ذلک المزر ثم قال اخبر قومک ان كل مسكر حرام** (ج) (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی السکر ص ۱۵۸، نمبر ۳۶۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اور گیہوں کی بھی نبیذ بنائی جاتی تھی۔ البتہ وہ نشہ آور ہو جائے تو حرام ہے اور اس سے پہلے حلال ہے۔

[۲۵۷۶](۸) اگر انگور کا شیرہ جب اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے تو حلال ہے اگر چہ تیز ہو جائے۔

تشریح انگور کے رس کو اتنا پکایا جائے کہ اس کی دو تہائی جل جائے اور ابھی نشہ نہ آیا ہو تو اس کا پینا حلال ہے چاہے تھوڑی سی تیزی آگئی ہو بشرطیکہ نشہ نہ آیا ہو۔

وجہ اثر میں ہے۔ **سألت سعيد بن المسيب عن الشراب الذی كان عمر بن الخطاب اجازه للناس قال هو الطلاء الذی قد طبخ حتى ذهب ثلثاه وبقی ثلثه** (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۶ فی الطلاء من قال اذا ذهب ثلثاه فاشربه ج خامس ص ۸۹ نمبر

حاشیہ: (د) حضورؐ کی بیوی حضرت عائشہؓ سے سنا... بلکہ زینب کے پاس شہد پیا اور آئندہ نہیں کروں گا (ب) حضرت ابن عباس نے فرمایا حضورؐ کے لئے کشمش کی نبیذ بناتے۔ پس اس کو آج، کل اور پرسوں یعنی تیسرے دن کی شام تک پیتے۔ پھر خادموں کو پلانے کا حکم دیتے یا انڈیل دیتے (ج) میں نے شہد کی شراب کے بارے میں حضورؐ کو پوچھا تو فرمایا یہ بتع یعنی شراب ہے۔ میں نے کہا جوار سے نبیذ بناتے ہیں؟ یہ مزر ہے یعنی جو کا شراب ہے۔ پھر فرمایا اپنی قوم کو خبر دے دو کہ ہر مسکر حرام ہے (د) میں نے حضرت بن مسیب کو اس شراب کے بارے میں پوچھا جس کی حضرت عمرؓ نے لوگوں کو اجازت دی تھی تو فرمایا وہ طلاء ہے یعنی اتنا پکایا گیا ہو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۵۷۷] (۹) ولا بأس بالانتباذ فی الدباء والحنتم والمزفّت والنقیر.

۲۳۹۷۸ مصنف عبد الرزاق، باب العصیر شربہ و بیعہ ج تاسع ص ۲۱۷ نمبر ۱۶۹۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دو تہائی جل چکی ہو اور ایک تہائی باقی ہو تو اس رس کا پینا حلال ہے

[۲۵۷۷] (۹) کوئی حرج کی بات نہیں ہے نبیذ بنانے میں کدو کی تونبی میں، سبز ٹھلیا میں، رال کے روغن والی ٹھلیا میں اور کھدی ہوئی لکڑی میں۔

تشریح زمانہ جاہلیت میں ان برتوں میں شراب بناتے تھے۔ ان برتوں کی خصوصیت یہ ہے کہ شراب میں جلدی نشہ آتا ہے۔ اس لئے جب حرام ہوئی تو ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی روک دیا۔ بعد میں جب لوگوں کو شراب سے نفرت ہوگئی تو ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دی گئی۔

وجہ برتن اصل نہیں، اصل تو شراب ہے اس لئے برتن سے منع کرنا عادت ڈلوانے کے لئے تھا۔ بعد میں ان برتنوں کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس قال نهى رسول الله ﷺ عن الدباء والحنتم والمزفت والنقير وان يخلط البلح بالزهو** (الف) (مسلم شریف، باب النہی عن الانتباذ فی المزفت والدباء والحنتم والنقیر وبیان انہ منسوخ وانہ الیوم حلال مالم یصر مسکرا، ج ثانی، ص ۱۶۴ نمبر ۱۹۹۵ / بخاری شریف، باب ترخیص النبی ﷺ فی الاوعیۃ والظروف بعد النہی ص ۸۳۷، نمبر ۵۵۹۵ / ابو داؤد شریف، باب فی الاوعیۃ ص ۱۶۳، نمبر ۳۶۹۳) اس حدیث میں ہے کہ مذکورہ برتن میں نبیذ بنانا حرام قرار دیا تھا۔ بعد میں اس کی اجازت دی۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن جابر قال نهى رسول الله ﷺ عن الظروف فقالت الانصار انه لا بدلنا منها قال فلا اذا** (ب) (بخاری شریف، باب ترخیص النبی ﷺ فی الاوعیۃ والظروف بعد النہی ص ۸۳۷ نمبر ۵۵۹۲ / مسلم شریف، باب النہی عن الانتباذ فی المزفت الخ ص ۱۶۴ نمبر ۲۰۰۰ / ابو داؤد شریف، باب فی الاوعیۃ ص ۱۶۳، نمبر ۳۶۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کدو کی بنی ہوئی تنبی وغیرہ میں نبیذ بنانا اب حلال ہے۔

اصول یہ سارے مسائل اس اصول پر ہیں کہ مسکر اور نشہ آور ہو تو اس کا پینا جائز نہیں۔ اور مسکر اور نشہ آور نہ ہو تو اس کا پینا حلال ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابى بريدة ان رسول الله ﷺ قال نهيتكم عن الظروف وان الظروف او ظرفا لا يحل شيئا ولا يحرمه وكل مسكر حرام** (ج) (مسلم شریف، باب النہی عن الانتباذ الخ ص ۱۶۴ نمبر ۱۹۹۹)

لغت الدباء : کدو، پچھلے زمانے میں کدو کے اندر کھود کر برتن بناتے تھے جس میں شراب بناتے تھے۔ جس کو کدو کی تونبی کہتے ہیں، الحنتم

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کہ دو تہائی جل گیا ہو اور ایک تہائی باقی رہا ہو (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے روکا کدو کے برتن، سبز اور لال قسم کے مٹکے اور تارکول ملے ہوئے برتن اور کھودے ہوئے لکڑی کے برتن استعمال کرنے سے اور کچی کھجور کو ادھ پکے کھجور کے ساتھ ملانے سے (ب) حضورؐ نے روکا برتنوں سے تو انصار نے کہا یہ تو ہمارے لئے ضروری ہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر تو کوئی بات نہیں ہے (ج) آپؐ نے فرمایا میں تم لوگوں کو برتنوں سے روکا کرتا تھا لیکن برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ اس کو حرام کرتا ہے۔ پس قاعدہ یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

[۲۵۷۸] (۱۰) واذا تخللت الخمر حلت سواء صارت بنفسها خلا او بشیء طرح فیها[۲۵۷۹] (۱۱) ولا یکره تخلیلها.

: سبز اور لال قسم کا مٹکا ہوتا تھا جس میں شراب بناتے تھے، المزفت : یہ زفت سے مشتق ہے تارکول جیسی ایک چیز جو مٹکوں پر ملتے ہیں، مزفت وہ برتن یا مٹکا جس پر تارکول ملا ہوا ہو۔ اس میں بھی شراب بناتے تھے، النقیر : نقر سے مشتق ہے کھودنا، اہل عرب لکڑی کو درمیان سے کھود کر برتن بناتے تھے جس کو نقیر کہتے ہیں۔

[۲۵۷۸] (۱۰) اگر شراب سرکہ بن جائے تو حلال ہے چاہے خود بخود سرکہ بن جائے یا اس میں کوئی چیز ڈالنے سے بنے۔

وجہ **سألت عائشة عن خل الخمر قالت لا بأس به هو ادام** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۳ فی الخمر تخلل ج خامس ص ۹۸ نمبر ۲۴۰۸۳ رمصنف عبد الرزاق، باب الخمر تجعل خلا ج تاسع ص ۲۵۳ نمبر ۱۷۱۱۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شراب کو سرکہ بنا دیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شراب کا سرکہ استعمال کرنا یا شراب کو سرکہ بنانا مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں سرکہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ **عن انس ان النبی علیہ السلام سئل عن الخمر تتخذ خلا؟ فقال لا** (ب) (مسلم شریف ، باب تحریم تخلیل الخمر ص ۱۶۳ نمبر ۱۹۸۳ رابو داؤد، باب ماجاء فی الخمر تخلل ص ۱۶۱ نمبر ۳۶۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شراب کو سرکہ بنانا جائز نہیں ہے۔

[۲۵۷۹] (۱۱) شراب کو سرکہ بنانا مکروہ نہیں ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **قال شهدت عمر بن عبد العزیز کتب الی عامله بواسط ان لاتحملوا الخمر من قریة الی قریة وما ادرکت فاجعله خلا** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۴ فی الخمر تحول خلا ج خامس ص ۹۹ نمبر ۲۴۰۹۰ رمصنف عبد الرزاق، باب الخمر تجعل خلا ج تاسع ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۱۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شراب کو سرکہ بنانا مکروہ نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ **فائدہ** : امام شافعیؒ کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا مکروہ ہے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں حضورؐ سے پوچھا کیا شراب کو سرکہ بنا لیں؟ تو آپؐ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو جس سے معلوم ہوا کہ شراب کو سرکہ بنانا مکروہ ہے۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت عائشہؓ سے شراب کے سرکہ کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا کوئی بات نہیں ہے وہ ادام ہے یعنی سالن ہے (ب) آپؐ سے پوچھا گیا شراب سرکہ بنا لے تو کیا ہوگا؟ فرمایا نہ کرو (ج) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے عامل کو مقام واسط میں لکھا کہ شراب ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں منتقل نہ کرو۔ کہیں شراب ملے تو اس کو سرکہ بنا لو۔

ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

مختصر تعارف

قصرِ نبوت پر نقب لگانے والے راہزن دورِ نبوت سے لے کر دورِ حاضر تک مختلف انداز کے ساتھ وجود میں آئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت ﷺ کا تاج صرف اور صرف آمنہ اور عبداللہ کے بیٹے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے سر پر سجایا اور دیگر مدعیان نبوت مسیلمہ کذاب سے لے کر مسیلمہ قادیان تک سب کو ذلیل و رسوا کیا۔ امت کے ہر طبقہ میں ایسے اشخاص منتخب کئے جنہوں نے ختم نبوت ﷺ کے دفاع میں اپنی جانوں تک کے نذرانے دیئے اور شب و روز اپنی محنتوں اور صلاحیتوں کو بفضل اللہ تعالیٰ ناموس رسالت و ختم نبوت ﷺ کے مقدس رشتے کے ساتھ منسلک کر دیا۔

ختم نبوت اکیڈمی (لندن) کے قیام کا مقصد بھی من جملہ انہی اغراض و مقاصد پر محیط ہے، چنانچہ عالمی مبلغ ختم نبوت ''حضرت عبدالرحمٰن یعقوب باوا'' نے قادیانیت کی حقیقت سے مسلمانوں کو خبردار کرنے کے لئے جس طرح اپنی زندگی کو اس کار خیر کے لئے وقف کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، انہی کی انتھک محنت و کاوشوں سے اکیڈمی کا وجود ظہور پذیر ہوا۔

الحمدللہ اس ادارہ نے عالمی سطح پر ختم نبوت کے دفاع کو مضبوط کیا ہے۔ تقاریر، لٹریچر، اخبارات و جرائد اور انٹرنیٹ کے ذریعہ مسلمانوں کو قادیانیت اور ان کی ریشہ دوانیوں سے باخبر کیا اور پوری دنیا میں ختم نبوت ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو اخلاص کے ساتھ مزید ترقیاں نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

مسلمانوں سے درخواست ہے کہ وہ اس ادارہ کے ساتھ بھرپور تعاون فرمائیں۔

انتظامیہ: ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.

الشرح الثمیری

على المختصر للقدوری

٣٦٢ھ - ٤٢٨ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

الجزء الرابع

از کتاب الصید تا باب حساب الفرائض

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.

الشرح الثميري

على المختصر للقدوری

۳۶۲ھ - ۴۲۸ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

الجزء الرابع

(اس جلد میں ہیں)

کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیة، الایمان، الدعوی، الشھادة، الرجوع عن الشھادة، أداب القاضی، القسمة والاکراہ، السیر، باب البغاة، کتاب الخظر والاباحة، کتاب الوصایا، کتاب الفرائض باب اقرب العصبات، باب الحجب، باب الرد، باب ذوی الارحام باب حساب الفرائض .

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.
Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404
E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

نام کتاب : الشرح الثمیری علی المختصر القدوری (الجزء الرّابع)

نام شارح : مولانا ثمیر الدین قاسمی

ناشر : ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

باہتمام : (مولانا) سہیل عبد الرحمٰن باوا (لندن)

(فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

مطبوعہ : مبشر پرنٹر۔ بشیر مارکیٹ ناظم آباد نمبر 2، کراچی۔ موبائل: 0334-3218149

شارح کا پتہ:

MOULANA SAMIRUDDIN QASIMI

70 Stamford Street, Old Trafford
Manchester M16 9LL, United Kingdom.

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.
Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404
E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

ملنے کے پتے

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.
Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404
E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

............☆............

اسلامی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ 74800

فون: 4927159 (021)

............☆............

عرضِ ناشر

تفسیر و حدیث کے بعد علوم دینیہ میں علم فقہ کا جو مرتبہ و مقام ہے، کوئی اور علم اس کے درجہ کا نہیں۔ فقہائے کرام اس امت کے لئے روحانی اطباء کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جنہوں نے قرآن وحدیث سے علوم کے چشموں کو جاری کیا اور تشنگان علوم کی سیرابی کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فقہائے احناف کو علم فقہ میں جو دسترس اور جامعیت عطا فرمائی، سب ہی اس کے معترف ہیں۔ چنانچہ فقہ حنفی میں تصانیف کا ایک پہاڑ بلند ہے جن میں ''مختصر القدوری'' کا نام ایک چمکتے دمکتے ستارے کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو جو جامعیت اور شرف قبولیت عطا فرمائی وہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اگر چہ اس کتاب کی عربی میں بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں، لیکن اردو میں اب تک اس عظیم الشان کتاب کی شرح اس کے شایان شان پر نہیں لکھی گئی، لیکن ''دیر آید درست آید'' کے قاعدے موافق دارالعلوم دیوبند کے ایک سپوت ''مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم'' (مقیم برطانیہ) نے اس کتاب کی شرح جامع انداز میں کر کے جس کا نام ''الشرح الثمیری علی المختصر للقدوری'' ہے، گویا تشریح کا حق ادا کر دیا۔

مولانا موصوف نے ہر ہر مسئلہ سے متعلق حدیث کا حوالہ اور پھر اس کی سلیس انداز میں دلنشین تشریح کی ہے جو یقیناً مبتدی طالبعلم کے لئے رسوخ فی علم الفقہ کا سبب بنے گا۔

الحمدللہ ''ختم نبوت اکیڈمی'' (لندن) کو اس منفرد وشاہکار تالیف کی طباعت واشاعت کا شرف حاصل ہوا جو کہ اب ہدیہ قارئین ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ تالیف مؤلف قارئین اور ناشر سب کے لئے ذخیرۂ آخرت ہو جائے۔ آمین ثم آمین!

عبدالرحمٰن یعقوب باوا

(ڈائریکٹر: ''ختم نبوت اکیڈمی'' لندن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ خصوصیات شرح ثمیری ﴾

(۱) ہر مسئلہ کو الگ الگ لکھ کر اس پر نمبر ڈال دیا ہے تا کہ مسئلہ سمجھنے اور نکالنے میں آسانی ہو۔

(۲) ہر مسئلہ کا با محاورہ ترجمہ پیش کیا ہے۔

(۳) ہر مسئلہ کی وجہ یعنی دلیل عقلی اور دلیل نقلی بھی پیش کر دی ہے۔

(۴) ہر مسئلہ کے تحت احادیث کا ذخیرہ پیش کیا ہے تا کہ ہر ہر مسئلہ کو احادیث سے نکالنے میں آسانی ہو۔

(۵) کون سا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بیان کر دیا ہے۔

(۶) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کر دی ہے۔

(۷) فائدہ کے تحت ائمہ کرام کا اختلاف مختصر انداز میں پیش کیا ہے۔

(۸) تشریح کے تحت پیچیدہ مسئلہ کو سہل انداز میں پیش کیا ہے۔

(۹) دلیل وغیرہ کو بہت طول نہیں دیا ہے تا کہ طلباء تنگ نہ آجائیں۔

(۱۰) زبان سلیس اور آسان استعمال کی ہے۔

(۱۱) دلیل اور اصول وغیرہ ہدایہ اور صحاح ستہ جیسی اہم کتابوں سے لئے ہیں۔

(۱۲) وراثت کے مسئلہ کو کلکیولیٹر کی مدد سے نئے انداز میں سیٹ کیا ہے جس سے پورا مناسخہ دو منٹ میں حل ہو جاتا ہے۔

شارح: حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم
(سابق استاد حدیث، جامعہ اسلامیہ، مانچسٹر، انگلینڈ)

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین الشرح الثمیری



﴿ کتاب الصید و الذبائح ﴾

[۲۵۸۰](۱)یجوز الاصطیاد بالکلب المعلَّم والفهد والبازی وسائر الجوارح المعلَّمة .

﴿ کتاب الصید والذبائح ﴾

ضروری نوٹ : صید کا معنی شکار کرنا ہے۔اگر کتا یا باز سکھایا ہوا ہو اور بسم اللہ پڑھ کر چھوڑ دے اور شکار ذبح کرنے پر قدرت سے پہلے مر جائے تب بھی حلال ہے۔یا بسم اللہ کر کے تیر پھینکے اور مر جائے تب بھی حلال ہے۔دلیل اس آیت میں ہے۔یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم و اذکروا اسم اللہ علیہ (الف) (آیت ۴ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں بتلایا کہ کتے کو سکھاؤ پھر سکھایا ہوا کتے کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑ دو تو وہ جو کچھ تمہارے لئے روکے یعنی مار لائے لیکن اس میں سے خود نہ کھائے تو وہ شکار تمہارے لئے حلال ہے (۲) اور حدیث میں ہے۔سمعت عدی بن حاتمؓ قال سألت رسول اللہ ﷺ عن المعراض فقال اذا اصبت بحدہ فکل فاذا اصاب بعرضہ فقتل فانہ وقیذ فلا تأکل، فقلت ارسل کلبی ؟ قال اذا ارسلت کلبک وسمیت فکل قلت فان اکل ؟قال فلا تأکل فانہ لم یمسک علیک انما امسک علی نفسہ.قلت ارسل کلبی فاجد معہ کلبا آخر؟ قال لاتأکل فانک انما سمیت علی کلبک ولم تسم علی الآخر (ب) (بخاری شریف، باب صید المعراض ص ۸۲۳ نمبر ۵۴۷۶، کتاب الذبائح والصید رمسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹/۴۹۷۴) اس حدیث سے شکار کے تمام بنیادی مسائل معلوم ہوتے ہیں۔

[۲۵۸۰](۱) جائز ہے شکار کرنا سکھائے ہوئے کتے، چیتے، باز اور تمام سکھائے ہوئے پھاڑ کھانے والے جانور سے۔

تشریح کتا ہو، چیتا ہو، باز ہو یا دوسرے زخمی کرنے والے جانور ہوں ان کو ان کے طریقے پر شکار کرنا سکھایا ہوا اور آپ کا فرماں بردار ہو ان سے شکار کرنا جائز ہے۔

وجہ اوپر آیت میں وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن (آیت ۴ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ پھاڑ کھانے والے جانور کو شکار کرنا سکھایا ہو تو اس سے شکار کرنا جائز ہے۔اس میں کتا، چیتا، باز جن جانور کے گوشت نہ کھائے جاتے ہوں وہ سب آگئے

حاشیہ : (الف) لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال ہے؟ آپ کہہ دیجئے آپ کے لئے حلال ہے پاک چیزیں اور جو تم نے سکھلایا پھاڑنے والے جانور کو، اس کو سکھلاؤ جو اللہ نے تم کو سکھلایا۔پس کھاؤ جو تمہارے لئے روکا اور جانور پر اللہ کا نام پڑھو۔یعنی جانوروں کو شکار کرنا سکھاؤ، پس وہ شکار کر کے تمہارے لئے چھوڑ دیں اور شکاری جانور کو بسم اللہ کہہ کر چھوڑے ہو تو اس شکار کو کھاؤ (ب) میں نے حضورؐ سے تیر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اگر دھار کی جانب سے لگا ہو تو شکار کھاؤ اور اگر بے دھار کی جانب سے لگا ہو اور مر گیا ہو تو وہ وقیذ یعنی چور کر کے مارا ہوا ہے۔اس لئے مت کھاؤ۔میں نے پوچھا اپنا کتا شکار پر بھیجتا ہوں! فرمایا اگر اپنے کتے کو بھیجا اور بسم اللہ پڑھا تو کھاؤ۔میں نے پوچھا اگر کتا کھالے تو؟ فرمایا مت کھاؤ اس لئے کہ تمہارے لئے شکار نہیں کیا ہے اس نے اپنے لئے شکار کیا ہے۔میں نے پوچھا اپنا کتا چھوڑتا ہوں تو دوسرے کتے بھی شامل ہو جاتے ہیں تو کیا کروں؟ فرمایا مت کھاؤ کیونکہ اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھے ہو دوسرے کے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھے ہو۔

[۲۵۸۱](۲)وتعلیم الکلب ان یترک الاکل ثلث مرات وتعلیم البازیّ ان یرجع اذا

ان سبھوں سے شکار کرنا جائز ہے۔

شکار کی تفصیل یہ ہے کہ تین طریقوں سے شکار کرتے ہیں (ا) پھاڑ کھانے والے جانوروں کے ذریعہ جیسے کتا، چیتا۔ان سے شکار کی تین شرطیں ہیں۔پہلی کتا سکھایا ہوا ہو، کتے کو سکھانے کا طریقہ یہ ہے کہ تین بار شکار پکڑے اور اس کی کھال، گوشت اور ہڈی وغیرہ کتا نہ کھائے بلکہ مالک کے لئے چھوڑ دے تو شریعت کی نگاہ میں کتا سکھایا ہوا سمجھا جائے گا۔تمام پھاڑ کھانے والے جانور کے سکھانے کا طریقہ یہی ہے۔اور دوسری شرط یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر جانور کو چھوڑا ہو۔اور تیسری شرط یہ ہے کہ پھاڑ کھانے والا جانور شکار کرنے کے بعد اس میں سے کھائے نہیں۔ایسی صورت میں جانور نے شکار کیا اور شکار ذبح کرنے سے پہلے مر گیا تو وہ شکار حلال ہے۔اور شکار زندہ تھا اس حال میں شکار کو مالک نے پکڑا ذبح کرنے کا موقع تھا اور ذبح نہیں کیا تو اب حلال نہیں ہوگا۔اور ذبح کرنے کا موقع نہیں تھا اور شکار مر گیا تو حلال ہوگا۔پس اگر شکار کرنے والے جانور نے شکار کرنے کے بعد شکار کو کھالیا تو مالک کے لئے یہ شکار حلال نہیں رہا۔اور ایک روایت میں یہ ہے کہ شکار کے بدن میں کہیں زخمی بھی کیا ہو جو ذبح اضطراری کے درجے میں ہو گیا اور گلا گھونٹنے کے درجے میں نہ رہا۔

شکار کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پرندہ مثلا باز، شکرہ وغیرہ سے شکار کرے۔اس میں تین شرطیں ہیں۔ایک تو یہ کہ پرندہ سکھایا ہوا ہو۔اس کو سکھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو چھوڑنے تو شکار کے لئے جائے اور روکے تو رک جائے۔تین بار ایسے کرنے سے شریعت کی نگاہ میں یہ پرندہ سکھایا ہوا ہے۔کتے کی طرح کھانے اور نہ کھانے کے اعتبار سے اس کے سکھانے کا مدار نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پرندہ متوحش جانور ہے اس لئے وہ بلانے سے بار بار آجائے اور اپنی فطری عادت توحش کو چھوڑ دے یہی اس کے سکھانے کی علامت ہے۔اور کتا پالتو جانور ہے وہ آدمی کے پاس گھوم گھوم کر آتا ہے۔البتہ وہ شکار کو پکڑنے کے بعد کھانے کی کوشش کرتا ہے اس لئے وہ فطری عادت چھوڑ دے اور مالک کے لئے تین بار نہ کھائے تو یہ اس کے معلم ہونے یعنی سیکھے ہوئے ہونے کی علامت ہے۔اور دوسری شرط یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑے۔اب اگر وہ شکار میں سے کھا بھی لے تب بھی مالک کے لئے حلال ہے۔البتہ شکار ہاتھ میں آنے کے بعد اتنا موقع ہو کہ ذبح کر سکے اور نہیں کیا تو مالک کے لئے حلال نہیں ہے۔اور اگر اتنا موقع نہیں تھا کہ ذبح کرے اور مر گیا تب بھی شکار حلال ہے۔اور ایک روایت کے مطابق تیسری شرط یہ ہے کہ کہیں زخمی بھی کیا ہو کیونکہ آیت میں **وما علمتم من الجوارح** ہے۔اور جوارح کا ترجمہ ہے کہ زخمی کرنے والا ہو۔

اور شکار کرنے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تیر یا بندوق کے ذریعہ شکار کرے۔اس سے شکار کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا ہو۔اور دوسری شرط یہ ہے کہ تیر کا وہ حصہ شکار کو لگا ہو جو دھار دار ہو۔اگر وہ حصہ لگا جو دھار دار نہیں ہے اور مر گیا تو شکار حلال نہیں ہوگا۔کیونکہ یہ موقوذہ ہو گیا جو آیت میں حرام ہے۔اور تیسری شرط یہ ہے کہ شکار کا کوئی حصہ زخمی بھی ہوا ہو۔ان سب کے دلائل بعد میں آئیں گے۔

لغت معلم : سکھایا ہوا ہو، الجوارح : جارحۃ سے مشتق ہے زخمی کرنے والا۔ الفھد : چیتا، بازی : ایک قسم کا شکار کرنے والا پرندہ۔

[۲۵۸۱](۲)اور کتے کا سکھانا یہ ہے کہ تین مرتبہ کھانا چھوڑ دے اور بازی کی تعلیم یہ ہے کہ واپس لوٹ جائے اگر اس کو بلائے۔

دعوتہ[۲۵۸۲] (۳)فاذا ارسل کلبہ المعلّم او بازیّہ او صقرہ علی صید و ذکر اسم اللہ

تشریح اوپر گزر چکا ہے کہ کتے کا سکھلانا یہ ہے کہ تین مرتبہ کتا شکار کرے اور تینوں مرتبہ شکار کو نہ کھائے۔

وجہ کتا شکار کرنے کے بعد کھانا چاہتا ہے اور اپنی فطرت کے خلاف نہ کھائے تو گویا کہ معلم ہو گیا (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابن عباس قال اذا اکل الکلب من الصید فلیس بمعلم** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ اما قالوا فی الکلب یاکل من صیدہ؟ ج رابع ص ۲۳۸ نمبر ۱۹۵۶۵ / مصنف عبد الرزاق، باب الجارح یأکل ج رابع ص ۴۷۳ نمبر ۸۵۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو کتا شکار سے کھا جائے وہ سکھایا ہوا نہیں ہے۔ اور تین مرتبہ کی قید اس لئے ہے کہ تجربہ ہو جائے کیونکہ ایک دو مرتبہ تو اتفاقی طور پر نہ کھایا ہو۔ پرندہ اور باز کا معلم نہ ہونا یہ ہے کہ جب اس کو بلاؤ تو فوراً واپس آجائے۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ باز اور پرندہ متوحش ہے۔ پس بلانے سے جب واپس آجاتا ہے تو گویا کہ اپنی فطرت چھوڑ کر وہ سیکھا ہوا اور معلم بن گیا (۲) اثر میں ہے۔ **عن حماد قال اذا انتف الطیر او اکل فکل فانما تعلیمہ ان یرجع الیک** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳ البازی یأکل من صیدہ ج رابع ص ۲۴۵ نمبر ۱۹۶۴۶) دوسری روایت میں ہے۔ **عن عامر والحکم قالا اذا ارسلت صقرک او بازک ثم دعوتہ فاتاک فذاک علمہ فان ارسلت علی صید فاکل فکل** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب بالا نمبر ۱۹۶۴۷) اس اثر سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ باز اور پرندے کا معلم ہونا یہ ہے کہ جب اس کو بلاؤ تو تمہارے پاس واپس آجائے۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ شکار کا کھانا اور نہ کھانا پرندے کی تعلیم کا معیار نہیں ہے۔ چنانچہ پرندہ شکار کو کھالے تب بھی کھانا حلال ہے۔ اس لئے کھانا اور نہ کھانا سیکھنے کا معیار نہیں ہے۔

[۲۵۸۲] (۳) پس اپنے تعلیم یافتہ کتا یا باز یا صقرہ کو شکار پر چھوڑا اور چھوڑتے وقت اس پر بسم اللہ پڑھا، پس اس نے شکار پکڑا اور اس کو زخمی کر دیا پس شکار مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔

تشریح تعلیم یافتہ کتا یا باز، صقرہ کو شکار پر چھوڑا۔ چھوڑتے وقت مالک نے اس پر بسم اللہ پڑھا۔ اب کتے نے یا باز نے شکار پکڑا اور اس کو پھاڑ دیا البتہ اس میں سے کتے نے کھایا نہیں اور شکار مر گیا تو چاہے اس کو ذبح نہ کیا ہو پھر بھی اس کا کھانا حلال ہے۔

وجہ آیت کے مطابق جانور معلم ہے۔ اس پر بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہے اس لئے اس کا پھاڑنا ہی ذبح اضطراری ہو گیا۔ اس لئے اتنا ہی ذبح حلال ہونے کے لئے کافی ہے (۲) اس مسئلے میں تین باتیں ہیں۔ معلم جانور کو چھوڑے۔ بسم اللہ پڑھ کر چھوڑے اور شکار کو پھاڑ دے جس کی وجہ سے مر جائے۔ ان تینوں باتوں کی دلیل آیت میں موجود ہے۔ **یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ** (د) (آیت ۴ سورۃ

حاشیہ: (الف) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر کتے نے شکار سے کھایا تو سیکھا ہوا نہیں ہے (ب) حضرت حمادؒ نے فرمایا اگر پرندے نے پر اکھیڑ لیا یا شکار کھا لیا پھر بھی کھاؤ۔ اس لئے کہ اس کا سکھنا یہ ہے کہ آپ کی طرف لوٹ آئے (ج) حضرت عامر اور حکم نے فرمایا اگر اپنے شکرے کو چھوڑا یا باز کو چھوڑا پھر اس کو بلایا اور آپ کے پاس آگیا تو یہ اس کا سکھنا ہے۔ اس کے بعد اگر آپ نے شکار پر چھوڑا اور شکار کو کھا لیا تو کھاؤ (د) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے (باقی اگلے صفحہ پر

تعالی علیه عند ارساله فاخذ الصید وجرحه فمات حلّ اکله[۲۵۸۳] (۴)فان اکل منه

المائدة۵)اس آیت میں تعلمونھن سے معلم ہونے کا پتا چلااور جوارح سے پھاڑنے اور شکار کو زخمی کرنے کا پتا چلااور اذکروا اسم اللہ علیہ سے اس پر بسم اللہ پڑھنے کا پتا چلا (۳) حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے۔عن ابی ثعلبة الخشنی ... وماصدت بقوسک فذکرت اسم اللہ فکل وما صدت بکلبک المعلم فذکرت اسم اللہ فکل وما صدت بکلبک غیر معلم فادرکت ذکاته فکل (الف) (بخاری شریف، باب صید القوس ص۸۲۳ نمبر۵۴۷۸ مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی ص۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور یا پرندہ معلم ہو اور اس پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھا ہو۔اور پھاڑنے کی دلیل یہ حدیث ہو سکتی ہے۔عن عدی بن حاتم قال سألت رسول اللہ عن المعراض فقال اذا اصبت بحده فکل فاذا اصاب بعرضه فقتل فانه وقیذ فلا تاکل (ب) (بخاری شریف، باب صید المعراض ص۸۲۳ نمبر۵۴۷۶) اس حدیث میں ہے تیر کی دھار لگے تو حلال ہے اور اس کی لکڑی کا حصہ لگے تو حلال نہیں ہے۔اس پر قیاس کرتے ہوئے باز اور کتا بھی زخمی کرے تب حلال ہے اور اگر زخمی نہ کرے تو گلا گھونٹ کر مارنے کی طرح ہے اس لئے حلال نہیں ہے۔

[۲۵۸۳] (۴) پس اگر اس شکار سے کتا یا چیتا کھالے تو نہیں کھایا جائے گا۔اور اگر اس سے باز کھالے تو کھایا جائے گا۔

تشریح (۱) اوپر آیت میں مما امسکن علیکم ہے جس سے معلوم ہوا کہ کتا اور پھاڑ کھانے والے جانور تمہارے لئے روکے اور نہ کھائے تو تمہارے لئے حلال ہے۔اور اگر کھالے تو تمہارے لئے حلال نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن عدی بن حاتم قال قلت یا رسول اللہ! انی ارسل کلبی واسمی فقال النبی ﷺ اذا ارسلت کلبک وسمیت فاخذ فقتل فاکل فلا تاکل فانما امسک علی نفسه (ج) (بخاری شریف، باب اذا وجد مع الصید کلبا آخر ص۸۲۴ نمبر۵۴۸۶ مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی ص۱۴۵ نمبر۱۹۲۹/۴۹۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتا اور پھاڑ کھانے والا جانور خود شکار میں سے کھالے تو وہ شکار حلال نہیں ہے۔

نوٹ کتا سے مراد تمام شکاری جانور ہیں۔

اور باز کھالے تو حلال ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن جابر وعن الشعبی قالا کل من صید البازی وان اکل (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۱۳ البازی یاکل من صیده ج رابع ص۲۴۵ نمبر۱۹۶۴۳ مصنف عبد الرزاق، باب الجارح یاکل ج رابع ص۴۷۳ نمبر۸۵۱۴) اس اثر سے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کیا حلال ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ ان کے لئے پاک چیزیں حلال ہیں اور جو سکھاؤ پھاڑ کھانے والے جانور کو اس کو سکھاؤ جو کچھ اللہ نے تم کو سکھایا ہے۔اور کھاؤ جو تمہارے لئے روکا اور اس پر اللہ کا نام یاد کرو (الف) ابی ثعلبہ خشنی فرماتے ہیں ...اگر اپنے تیر سے شکار کرو اور بسم اللہ پڑھ کر شکار کرو تو کھاؤ۔اور اگر اپنے معلم کتے سے شکار کرو اور بسم اللہ پڑھو تو کھاؤ۔اور اگر غیر معلم کتے سے شکار کرو اور ذبح کر سکو تو کھاؤ اور ذبح نہ کر سکو تو مت کھاؤ (ب) میں نے حضورؐ سے تیر کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے فرمایا اگر دھار سے لگے تو کھاؤ اور اگر چوڑائی کی جانب سے لگے اور قتل کر دے تو وہ وقیذ ہے مت کھاؤ (ج) حضرت عدی فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنے کتے کو چھوڑتا ہوں اور اس پر بسم اللہ پڑھتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا اگر اپنے کتے کو چھوڑو اور بسم اللہ پڑھو اور اس نے شکار پکڑ لیا اور قتل کر دیا اور کھا لیا تو مت کھاؤ اس لئے کہ اس نے اپنے لئے شکار کیا ہے (د) حضرت شعبیؒ نے فرمایا باز کے کئے ہوئے شکار سے کھاؤ اگرچہ اس نے اس میں سے کھا لیا ہو۔

الکلب او الفھد لم یوکل وان اکل منہ البازی اُکل[۲۵۸۴] (۵)وان ادرک المرسل الصید حیّا وجب علیہ ان یذکّیہ ان ترک تذکیتہ حتی مات لم یوکل [۲۵۸۵](۶)وان

معلوم ہوا کہ باز اور پرندہ شکار میں سے کھالے تب بھی شکار حلال ہے۔

نوٹ باز سے مراد تمام شکاری پرندے ہیں۔

[۲۵۸۴](۵)اگر چھوڑنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس پر واجب ہے کہ اس کو ذبح کرے۔اگر اس کے ذبح کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ مر گیا تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح کتا یا باز یا تیر چھوڑنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس کو فوراً ذبح کرنا چاہئے تب شکار حلال ہوگا۔لیکن سستی کی اور ذبح نہیں کیا اور شکار مر گیا تو اب حلال نہیں ہوگا۔

وجہ کتے کا پھاڑنا یا باز کا پھاڑنا یا تیر لگنے سے زخمی ہو جانے سے مر جائے تو اس کو ذبح اضطراری قرار دے کر حلال کر دیا گیا ہے۔لیکن یہ حلت اس وقت تک ہے جبکہ اصل ذبح پر قادر نہ ہو۔لیکن یہاں تو شکار کو زندہ پایا اور اصل ذبح پر قدرت ہے پھر بھی اصل شرعی ذبح نہیں کیا اور مر گیا تو حلال نہیں ہوگا(۲) آیت میں ہے۔وما اکل السبع الا ما ذکیتم (الف)(آیت ۳ سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں ہے کہ پھاڑ کھانے والا جانور پھاڑ دے تو ذبح کرنے کے بعد حلال ہے(۳) حدیث میں بھی اشارہ ہے۔ عن عدی بن حاتم قال قال رسول اللہ ﷺ اذا ارسلت کلبک فاذکر اسم اللہ فان امسک علیک فادرکتہ حیا فاذبحہ وان ادرکتہ قد قتل ولم یأکل منہ فکلہ (ب)(مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹/۴۹۸۱)(۴) عن قتادۃ قال ان اخذ کلبک صیدا فانتزعتہ منہ وھو حی فمات فی یدک قبل ان تذکیہ فلا تاکلہ (ج)(مصنف عبد الرزاق، باب صید الجارح وھل ترسل کلاب الصید علی الجیف، ج رابع ص ۴۷۲، نمبر ۸۵۰۵/مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸ الرجل یأخذ الصید وبہ رمق ما قالوا فی ذلک وما جاء فیہ؟ ج رابع ص ۲۴۴ نمبر ۱۹۶۲۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ جانور میں رمق باقی ہو اور ذبح نہیں کیا تو حلال نہیں ہے۔

[۲۵۸۵](۶) اگر کتے نے شکار کا گلا گھونٹ دیا اور زخمی نہیں کیا تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح کتے نے شکار کو پکڑا اور اتنا دبوچا کہ شکار مر گیا لیکن کسی جگہ زخمی نہیں کیا اور نہ خون نکلا تو یہ شکار حلال نہیں ہے۔

وجہ ذبح اضطراری کے لئے ضروری ہے کہ جسم کے کسی حصے سے خون نکلے، یہاں تو کہیں سے خون نہیں نکلا اس لئے آیت کے مطابق یہ منخنقہ اور موقوذہ ہے۔یعنی گلا گھونٹا ہوا یا دبوچ کر چورا کیا ہوا ہو گیا جو حرام ہے۔آیت یہ ہے حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم

حاشیہ : (الف) جو کچھ پھاڑ کھانے والے جانور نے کھایا اس کو مت کھاؤ مگر جو تم نے ذبح کیا(ب) حضرت عدیؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضورؐ نے کہا اگر اپنے کتے کو چھوڑو اور بسم اللہ پڑھو۔پس اگر آپ کے لئے روکا اور زندہ پایا تو اس کو ذبح کرو اور اگر آپ نے ایسا پایا کہ قتل کر چکا ہے اور شکاری جانور نے اس سے کھایا نہیں تو اس کو کھاؤ(ج) حضرت قتادہؓ نے فرمایا اگر آپ کے کتے نے شکار پکڑا اور آپ نے اس سے چھین لیا اور شکار زندہ ہے اور ذبح کرنے سے پہلے آپ کے ہاتھ میں مر گیا تو اس کو مت کھاؤ۔

خنقه الکلب ولم یجرحه لم یوکل[۲۵۸۶] (۷)وان شارکه کلب غیر معلّم او کلب مجوسيٍ او کلب لم یُذکر اسم الله تعالی علیه لم یوکل [۲۵۸۷](۸)واذا رمی الرجل سهما الی صید فسمی الله تعالی عند الرمی اُکل ما اصابه اذا جرحه السهم فمات وان

الخنزیر وما اهل لغیر الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردیه والنطیحة وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب (الف) (آیت ۳ سورة المائدة ۵) اس آیت میں گلا گھونٹا ہوا اور دبوچ کر چور کئے ہوئے کو حرام قرار دیا ہے۔ اور کتے نے دبوچ کر چور کیا ہے اس لئے حرام ہو گیا (۲) وما علمتم من الجوارح (آیت ۴ سورة المائدة) سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ پھاڑے تب حلال ہوگا ورنہ نہیں۔ کیونکہ اس میں لفظ جوارح ہے جس کا معنی پھاڑنا ہے۔

فائدہ امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ زخمی نہ کرے تب بھی شکار حلال ہے۔

[۲۵۸۶] (۷) اگر اس کے کتے کے ساتھ غیر معلم کتا یا مجوسی کا کتا یا ایسا کتا جس پر بسم اللہ نہ پڑھا گیا ہو شریک ہو گیا تو نہیں کھایا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ غیر معلم یا ایسا کتا جس پر بسم اللہ نہ پڑھا گیا ہو شریک ہو جائے تو اس شکار کو مت کھاؤ۔ کیونکہ کیا معلوم کہ کس کتے نے قتل کیا ہے۔ حدیث میں ہے۔ سمعت عدی بن حاتم ... قلت ارسل کلبی فاجد معه کلبا آخر ؟ قال لا تأکل فانک انما سمیت علی کلبک ولم تسم علی الآخر (ب) (بخاری شریف، باب صید المعروض ص ۸۲۳ نمبر ۵۴۷۶ مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹/۴۹۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرا کتا شریک ہو جائے تو نہ کھائے۔ مجوسی اور نصرانی کا کتا چونکہ بغیر بسم اللہ کے ہیں۔ اس پر نصرانی بسم اللہ پڑھے تب بھی اس کا اعتبار نہیں ہے اس لئے اس کے شریک ہونے سے بھی نہ کھائے۔

[۲۵۸۷] (۸) اگر آدمی نے شکار پر تیر پھینکا اور تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھا تو جس کو لگا وہ کھایا جائے گا اگر تیر اس کو زخمی کردے اور مر جائے۔ اور اگر شکار زندہ پایا تو اس کو ذبح کرے۔ پس اگر ذبح کرنا چھوڑ دے تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح اوپر تیر سے شکار کرنے کی تین شرطیں بیان کی تھیں۔ ایک تو یہ کہ بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔ اگر بغیر بسم اللہ کے تیر پھینکا تو شکار حلال نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ شکار زخمی ہوا ہو تاکہ ذبح اضطراری ہو جائے۔ بھینچ کر کے چورا ہوا ہو تو حلال نہیں۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ ہاتھ میں آنے سے پہلے مر چکا ہو۔ اگر ہاتھ میں آتے وقت زندہ تھا تو ذبح کرنا ہوگا۔ اگر ذبح نہیں کیا اور مر گیا تو اب حلال نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن عدی بن حاتم ؛؛؛ قلت انا نرمی بالمعراض ؟ قال کل ما خرق وما اصاب بعرضه فلا تأکل (ج) (بخاری شریف، باب ما اصاب المعراض بعرضه ص ۸۲۳ نمبر ۵۴۷۷ مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی ص ۱۴۵ نمبر

حاشیہ : (الف) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جو اللہ کے علاوہ پر ذبح کیا گیا ہو۔ گلا گھونٹ کر مارا ہوا، لاٹھی سے چور کر کے مارا ہوا، اوپر سے دھکے دیکر مارا ہوا، سینگ سے مارا ہوا اور جو پھاڑ کھانے والے جانور نے کھا لیا ہو مگر جس کو تم ذبح کر سکو اور جو بتوں پر ذبح کیا گیا ہو وہ سب حرام ہیں (ب) میں نے پوچھا کہ اپنا کتا شکار پر چھوڑتا ہوں اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی مل جاتا ہے کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا مت کھاؤ اس لئے کہ اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھے ہو دوسرے کے کتے پر نہیں (ج) حضرت عدیؓ سے منقول ہے... میں نے کہا تیر پھینکتا ہوں؟ فرمایا زخمی کردے تو کھاؤ اور اگر چوڑائی سے لگے تو مت کھاؤ۔

ادرکہ حیّا ذکّاہ وان ترک تذکیتہ لم یوکل [۲۵۸۸](۹)واذا وقع السھم بالصید فتحامل حتی غاب عنہ ولم یزل فی طلبہ حتی اصابہ میتا اُکل فان قعد عن طلبہ ثم اصابہ

۱۹۲۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیر زخمی کرے تو کھا سکتا ہے اور زخمی نہ کرے تو چونکہ ذبح اضطراری بھی نہیں ہوا اس لئے نہ کھائے۔اور تیر بسم اللہ پڑھ کر پھینکے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی ثعلبۃ الخشنی ... وما صدت بقوسک فذکرت اسم اللہ فکل (الف)(بخاری شریف، باب صید القوس ص ۸۲۳ نمبر ۵۴۷۸ رمسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹ر۴۹۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھے(۲) آیت بھی گزر چکی ہے۔فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ (آیت ۴ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھے۔اور زندہ ہاتھ آئے تو ذبح کرے تب حلال ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عدی بن حاتم قال قال لی رسول اللہ اذا ارسلت کلبک فاذکر اسم اللہ فان امسک علیک فادرکتہ حیا فاذبحہ (ب)(مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹ر۴۹۸۱ رمصنف عبد الرزاق، باب صید الجارح الخ ج رابع ص ۴۷۲ نمبر ۸۵۰۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندہ پائے تو اس کو ذبح کرے تب حلال ہوگا۔

[۲۵۸۸](۹)اگر شکار کو تیر لگا وہ برداشت کر کے شکاری سے غائب ہوگیا اور یہ اس کی تلاش میں رہا یہاں تک کہ اس کو مردہ پایا تو کھایا جائے گا۔اور اگر تلاش سے بیٹھ گیا پھر اس کو مردہ پایا تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح شکار کو تیر مارا، شکار اس کو برداشت کرتے ہوئے بھاگا اور شکاری کی آنکھوں سے غائب ہوگیا اب وہ مسلسل تلاش کرتا رہا اور شکار کو مردہ پایا تو کھا سکتا ہے۔اور اگر تلاش کرنے سے بیٹھ گیا پھر مردہ پایا تو نہ کھائے۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن عدی بن حاتم عن النبی ص قال ... وان رمیت الصید فوجدتہ بعد یوم او یومین لیس بہ الا اثر سھمک فکل وان وقع فی الماء فلا تاکل (ج)(بخاری شریف، باب الصید اذا غاب عنہ یومین او ثلاثۃ ص ۸۲۴ نمبر ۵۴۸۴ رمسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹ر۴۹۸۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمہارے تیر ہی سے مرا۔ اس کا یقین ہے پانی سے نہیں مرا ہے تو دو دن کے بعد بھی مردہ ملا تو کھا سکتے ہو بشرطیکہ بدبودار نہ ہوا ہو۔کیونکہ دوسری حدیث میں ہے۔عن ابی ثعلبۃ عن النبی ﷺ قال اذا رمیت بسھمک فغاب عنک فادرکتہ فکلہ مالم ینتن (د)(مسلم شریف، باب اذا غاب عنہ الصید ثم وجدہ ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۳۱)اور تلاش کرتا رہے اور مردہ پائے تو کھائے اور بیٹھ جائے پھر مردہ پائے تو نہ کھائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عدی انہ قال للنبی ﷺ یرمی الصید فیقتفر اثرہ الیومین والثلاثۃ ثم یجدہ میتا وفیہ سھمہ قال یأکل ان

حاشیہ : (الف) حضرت ابی ثعلبہ فرماتے ہیں... بسم اللہ پڑھ کر اپنے تیر سے شکار کرو تو کھاؤ (ب) حضرت عدیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا بسم اللہ پڑھ کر اپنے کتے کو چھوڑو۔پس اگر وہ تمہارے لئے روک لیا اور آپ نے اس کو زندہ پایا تو ذبح کرو پھر کھاؤ (ج) آپؐ نے فرمایا... اگر تیر مارو اور شکار ایک دن یا دو دن بعد ملے اور آپ کے تیر کے علاوہ کسی اور چیز کا اثر نہیں ہے تو اس کو کھاؤ۔اور اگر شکار پانی میں گر گیا تو مت کھاؤ (د) آپؐ نے فرمایا اگر آپ نے تیر مارا اور وہ آپ سے غائب ہو گیا پھر آپ نے اس کو پایا تو اگر بدبودار نہیں ہوا ہے تو کھاؤ۔

میتا لم یوکل[۲۵۸۹] (۱۰)وان رمی صیدا فوقع فی الماء لم یوکل[۲۵۹۰] (۱۱)وکذلک ان وقع علی سطح او جبل ثم تردّی منه الی الارض لم یوکل.

شاء (الف) (بخاری شریف، باب الصید اذا اغاب عنه یومین او ثلاثۃ ص ۸۲۴ نمبر ۵۴۸۵ رابوداؤد شریف، باب فی الصید ص ۳۷ نمبر ۲۸۵۳ ر سنن للبیہقی، باب الارسال علی الصید یتواری عنہ ثم تجدہ مقتولا ج تاسع ص ۴۰۵ نمبر ۱۸۹۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلاش کرتا رہے تو حلال ہے اور بیٹھ جائے تو حلال نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کے تیر سے نہ مرا ہو بلکہ کسی اور وجہ سے شکار مرا ہو اس لئے جائز نہیں ہے۔

لغت فتحامل : حمل سے مشتق ہے برداشت کرنا۔

[۲۵۸۹] (۱۰) اگر شکار کو تیر مارا اور وہ پانی میں گر گیا تو نہیں کھایا جائے گا۔

وجہ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ تیر سے نہ مرا ہو بلکہ پانی سے شکار مرا ہو اس لئے حلال نہیں ہے (۲) حدیث میں کئی مرتبہ گزرا۔ **عن عدی بن حاتمؓ قال سألت رسول اللہ ﷺ عن الصید قال اذا رمیت بسھمک فاذکر اسم اللہ فان وجدتہ قدقتل فکل الا ان تجدہ قد وقع فی ماء فانک لا تدری الماء قتلہ او سھمک** (ب) (مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹ ر ۴۹۸۲ ر بخاری شریف، باب الصید اذا اغاب عنه یومین او ثلاثۃ ص ۸۲۴ نمبر ۵۴۸۴ رابوداؤد شریف، باب فی الصید ص ۳۷ نمبر ۲۸۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار پانی میں گر گیا ہو اور وہاں سے مردہ نکالا تو نہ کھائے کیونکہ کیا معلوم کہ پانی سے ہی مرا ہو تیر سے نہیں۔

[۲۵۹۰] (۱۱) ایسے ہی اگر چھت پر یا پہاڑ پر گرا پھر وہاں سے زمین تک لڑھکا تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح شکار کو مارا جس کی وجہ سے شکار چھت پر یا پہاڑ پر گرا اور وہاں سے لڑھکتے ہوئے زمین پر گرا تو وہ شکار حلال نہیں ہے۔

وجہ یہ معلوم نہیں ہے کہ تیر سے مرا ہے یا پہاڑ یا چھت سے لڑھکنے کی وجہ سے مرا ہے۔ اگر لڑھکنے کی وجہ سے مرا ہو تو حلال نہیں ہے۔ آیت میں ہے۔ **والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ** (آیت ۳ سورۃ المائدۃ ۵) اور چونکہ یہاں تیر اور لڑھکنے میں شبہ پیدا ہو گیا اس لئے حلال نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔ **قال عبد اللہ اذا رمی احدکم صیدا فتردی من جبل فمات فلا تأکلوا فانی اخاف ان یکون التردی قتلہ** (ج) (سنن للبیہقی، باب الصید یرمی فیقع علی جبل ثم یتردی منہ او یقع فی الماء ج تاسع ص ۴۱۶ نمبر ۱۸۹۴۲ ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷ اذا رمی صیدا فوقع فی الماء ج رابع ص ۲۴۸ نمبر ۱۹۶۸۴ ر مصنف عبد الرزاق نمبر ۸۴۶۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہاڑ سے لڑھکا ہو تو حلال نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عدیؓ نے حضورؐ سے پوچھا شکار کو تیر مارتا ہوں پھر دو تین دن بعد تک اس کے پیچھے کھوجتا رہتا ہوں پھر اس کو مردہ پاتا ہوں اور اس میں تیر کا اثر ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا چاہے تو کھائے (ب) حضرت عدی فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے شکار کے بارے میں پوچھا اگر اپنا تیر پھینکو اور بسم اللہ پڑھو۔ پس اگر اس کو قتل شدہ پاؤ تو کھاؤ مگر یہ کہ پانی میں گر گیا ہو اس لئے کہ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ پانی نے اس کو مارا ہے یا آپ کے تیر نے (ج) حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی دیکھے کہ وہ پہاڑ سے لڑھکا ہے پھر مر گیا تو مت کھاؤ اس لئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ لڑھکنے سے مرا ہے۔

[۲۵۹۱] (۱۲) وان وقع علی الارض ابتداء اُکل [۲۵۹۲] (۱۳) وما اصاب المعراض بعرضہ لم یوکل وان جرحہ اُکل [۲۵۹۳] (۱۴) ولا یوکل ما اصابہ البندقۃ اذا مات

[۲۵۹۱] (۱۲) اور اگر ابتدا میں زمین پر گرا تو کھایا جائے گا۔

تشریح شکار تیر کھا کر زمین پر گرا اور مر گیا پھر کسی طرح ہوا وغیرہ کے ذریعہ پہاڑ پر یا چھت پر پہنچ گیا تو کھایا جائے گا۔ اس میں بھی اگر چہ شک ہے کہ تیر سے نہ مرا ہو بلکہ زمین پر گرنے کی وجہ سے مرا ہو۔ لیکن چونکہ شکار آخر زمین پر ہی گرے گا اس لئے یہاں اس شک کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور شکار حلال رہے گا۔

[۲۵۹۲] (۱۳) کسی شکار کو لگے، بھال کا تیر چوڑائی کی جانب سے تو نہ کھایا جائے گا۔

تشریح تیر کا دھاردار حصہ شکار کو نہیں لگا بلکہ لکڑی کا حصہ لگا اور شکار گویا کہ لکڑی کے دباؤ سے مر گیا تو نہیں کھایا جائے گا۔

وجہ شکار زخمی نہیں ہوا اس لئے ذبح اضطراری نہیں ہوا۔ وہ آیت کے مطابق موقوذہ ہو گیا یعنی دبوچ کر مارا گیا ہوا اس لئے یہ حلال نہیں ہے۔ آیت یہ ہے۔ **حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیہ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب** (الف) (آیت ۳ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں موقوذہ یعنی دباؤ سے مرے ہوئے کو حرام قرار دیا گیا ہے (۲) حدیث میں کئی مرتبہ صراحت گزری۔ **عن عدی بن حاتم ... وسألتہ عن صید المعراض فقال اذا اصبت بحدہ فکل و اذا اصبت بعرضہ فقتل فانہ وقیذ فلا تأکل** (ب) (بخاری شریف، باب اذا وجد مع الصید کلبا آخر ص ۸۲۴ نمبر ۵۴۸۶ ر مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹/۴۹۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیر کی چوڑائی کا حصہ لگا تو نہیں کھایا جائے گا کیونکہ وہ وقیذ ہو گیا یعنی دباؤ سے مرا ہوا ہو گیا۔ اور دھاردار حصہ لگے تو کھایا جائے گا کیونکہ وہ ذبح اضطراری ہو گیا۔ اور اوپر حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **اذا اصبت بحدہ فکل۔**

[۲۵۹۳] (۱۴) نہیں کھایا جائے گا جس کو غلیل کی گولی لگے اگر وہ اس سے مر جائے۔

تشریح پچھلے زمانے میں گول گول مٹی کی گولی بناتے تھے اور غلیل پر رکھ کر شکار کرتے تھے وہ چونکہ مٹی کا ہوتا تھا اور گول ہوتا تھا اس لئے وہ شکار کو زخمی نہیں کرتا تھا بلکہ اس کے لگنے سے موقوذ کی شکل بنتی یعنی گوشت ہڈی چور کر دیتا اور شکار مر جاتا۔ چونکہ اس صورت میں ذبح اضطراری کی شکل نہیں بنی اس لئے شکار حلال نہیں ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن ابن عمرؓ انہ کان یقول فی المقتولۃ بالبندقیۃ تلک الموقوذۃ** (ج) (بخاری شریف، باب صید

حاشیہ: (الف) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جو اللہ کے علاوہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور گلا گھونٹ کر مارا ہوا اور چور کر کے مارا ہوا اور دھکے دیکر مارا ہوا اور سینگ سے مارا ہوا۔ اور جو کچھ پھاڑ کھانے والے جانور نے کھایا مگر جو تم ذبح کر لو۔ اور جو بتوں پر ذبح کیا گیا ہو یہ سب حرام ہیں (ب) حضرت عدیؓ فرماتے ہیں... کہ میں نے تیر کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا اگر اس کی دھار سے لگے تو کھاؤ اور اس کی چوڑائی سے لگے اور موت ہو جائے تو وہ وقیذ ہے اس کو مت کھاؤ (ج) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ غلیل کا مقتول چور کر کے مارا ہوا ہے۔

منھا[۲۵۹۴] (۱۵)واذا رمی صیدا فقطع عضوا منه أکل الصید ولم یوکل العضو [۲۵۹۵](۱۶)واذا قطعه اثلاثا والاکثر مما یلی العجز أکل الجمیع وان کان الاکثر مما

امعراض ص۸۲۳نمبر۵۴۷۶رسنن للبیہقی ، باب الصید یرمی بحجر او بندقیۃ ج تاسع ص ۴۱۷نمبر۱۸۹۴۶رمصنف ابن ابی شیبۃ ۲۱ فی البندقیۃ والحجر یرمی بہ فیقتل ماقالوا فی ذلک ج رابع ص ۲۵۲ نمبر ۱۹۷۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلیل کی گولی سے شکار شدہ موقوذہ ہے اس لئے حرام ہے۔ بخاری شریف میں اس کا ثبوت ہے اس لئے کہ وہاں خذف کالفظ استعمال کیا ہے جو غلیل کے معنی میں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن عبد اللہ بن مغفل انه رأی رجلا یخذف فقال له لا تخذف فان رسول الله ﷺ نهی عن الخذف او کان یکره الخذف وقال انه لایصاد به صید ولا ینکاء به عدو ولکنها قد تکسر السن وتفقاء العین (الف) (بخاری شریف، باب الخذف والبندقیۃ ص۸۲۳نمبر۵۴۷۹)اس حدیث کے اشارہ سے معلوم ہوا کہ گولی سے شکار نہیں کیا جاسکتا یعنی اس کا شکار حلال نہیں ہے۔

نوٹ اگر آج کل کے زمانے میں بندوق کی گولی نوکدار ہو جس سے زخمی اور گھائل ہو جاتا ہو جسطرح تیر زخمی اور گھائل کرتا ہے تو اس سے شکار کرنے سے حلال ہوگا۔ کیونکہ وہ موقوذہ نہیں ہے ذبح اضطراری کے درجے میں ہے۔

اصول ہر وہ گولی، پتھر، لکڑی، لوہا جو دھار دار ہو اور زخمی اور گھائل کرتا ہو ان سے مار کر گھائل کر دیا تو حلال ہے اور زخمی اور گھائل نہ کرتا ہو بلکہ گوشت چور کرتا ہو تو حلال نہیں ہے۔

[۲۵۹۴](۱۵) اگر شکار پر تیر مارا اور اس سے کوئی عضو کاٹ دیا تو شکار کھایا جائے گا اور عضو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح شکار پر اس طرح تیر مارا کہ مثلا اس کا پاؤں کٹ کر جدا ہو گیا اور پورا جانور الگ ہو گیا تو جانور حلال ہے اور عضو مثلا پاؤں اب حلال نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابی واقد اللیثی قال قدم النبی ﷺ المدینة وهم یجبون اسنمة الابل ویقطعون الیات الغنم فقال ماقطع من البهیمة وهی حیة فهو میتة (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء ماقطع من الحی فھو میت ص۲۷۳نمبر۱۴۸۰رابوداؤد شریف، باب اذا قطع من الصید قطعۃ ج ثانی ص ۳۸ نمبر ۲۸۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لے تو وہ عضو حلال نہیں ہے۔ یہی حال ہے کہ اگر ایسا تیر مارا کہ پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا اور شکار مر گیا تو پاؤں حلال نہیں البتہ باقی شکار حلال ہے۔

[۲۵۹۵](۱۶) اگر شکار کو اثلاث کاٹا اور اکثر سرین سے متصل ہے تو سب کو کھایا جائے گا اور اکثر سر سے متصل ہے تو اکثر کھایا جائے گا۔

تشریح شکار کو تیر سے دو ٹکڑے کر دیا اس طرح کہ ایک حصہ کم ہے اور دوسرا حصہ زیادہ ہے۔ مثلا ایک طرف تہائی ہے اور دوسری طرف دو تہائی

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ ٹھیکری پھینک رہا ہے تو اس سے کہا کہ ٹھیکری مت پھینکو اس لئے کہ حضورؐ نے ٹھیکری پھینکنے سے منع فرمایا ہے، یا یوں فرمایا کہ ٹھیکری پھینکنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ پھر فرمایا کہ اس سے شکار بھی نہیں ہوتا اور نہ دشمن مغلوب ہوتا ہے لیکن دانت توڑتی ہے اور آنکھیں پھوڑتی ہے (ب) حضورؐ مدینہ آئے تو لوگ اونٹ کا کوہان کاٹتے تھے اور دنبہ کا الیہ کاٹتے تھے تو آپؐ نے فرمایا زندہ جانور کا جو عضو کاٹا جائے وہ مردہ کے درجے میں ہے یعنی کھانا حرام ہے۔

یلی الرأس أکل الاکثر.

ہے حصہ ہے۔ یعنی شکار کا ہاتھ پاؤں نہیں کٹا بلکہ جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اب یہاں اصول یہ ہے کہ جسم سے لگا ہوا سر ہے اور سر کٹنے سے ذبح ہو جاتا ہے۔ اور جسم سے سر جدا ہو جائے تب بھی جسم بھی حلال ہے اور سر بھی حلال ہے۔ اس لئے اگر سرین کی طرف دو تہائی جسم ہو اور سر کی طرف ایک تہائی جسم ہو تو سرین والا حصہ بھی حلال ہے اور سر والا حصہ بھی حلال ہے۔

وجہ گویا کہ سر کو ذبح کیا اور اس طرح ذبح کیا کہ سر کے ساتھ جسم کا بھی کچھ حصہ کٹ گیا اور جسم سے سر جدا ہوتا ہے تو جسم اور سر دونوں حلال ہوتے ہیں اسی طرح یہاں سرین اور سر دونوں حلال ہوں گے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **اخبرنا الثوری قال ان قطع الفخذین فابا نهما لم یأکل الفخذین واکل مافیه الرأس فان کان مع الفخذین مایکون اقل من نصف الوحش لم یأکله واکل ما یلی الرأس فان استوی النصفان اکلهما جمیعا وکل مازاد من قبل الرأس وهو قول ابی حنیفة** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الصید یقطع بعضہ ج رابع ص ۴۶۳ نمبر ۸۴۷۱) اس حدیث میں پوری تفصیل ہے کہ سرین کی طرف زیادہ ہو تو سر اور سرین دونوں کھائیں جائیں۔ اور سر کی طرف زیادہ اور سرین کی طرف کم ہو تو سر والا حصہ حلال ہے اور سرین والا حصہ حلال نہیں ہے (۲) دوسرے اثر میں ہے۔ **عن علی قال یدع ما ابان ویأکل ما بقی فان جزله جزلا فلیأکل** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۸ فی الرجل یضرب الصید فیبین منه العضو ج رابع ص ۲۴۹ نمبر ۱۹۶۹۵ / مصنف عبد الرزاق، باب الصید یقطع بعضہ ج رابع ص ۴۶۳ نمبر ۸۴۷۰) اس اثر میں جزلہ جزلا کا مطلب یہ ہے کہ شکار کے آدھے آدھے دو حصے ہو جائیں تو دونوں حلال ہیں۔ اس لئے اگر سرین کی طرف آدھے سے زیادہ ہو جائے تو بدرجہ اولی وہ حصہ کھایا جائے گا۔ اور سر کا حصہ ذبح کے طور پر ہونے کی وجہ سے کھایا جائے گا۔

اور اگر سر کی طرف آدھا سے زیادہ کٹ کر چلا جائے اور سرین کی طرف آدھے سے کم رہ جائے تو یوں سمجھا جائے گا کہ یہ زندہ جانور سے ایک عضو کٹ کر الگ ہو گیا۔ اور اوپر کی حدیث میں تھا کہ زندہ سے کوئی عضو کاٹا جائے تو حلال نہیں اسی طرح یہ سرین کا حصہ حلال نہیں ہے۔

وجہ اوپر کے اثر میں حضرت ثوریؒ کا یہ قول گزرا۔ **فان کان مع الفخذین مایکون اقل من نصف الوحش لم یأکله واکل ما یلی الرأس** (ج) (مصنف عبد الرزاق نمبر ۸۴۷۱) اس اثر میں ہے کہ سرین کی طرف کم ہو اور سر کی طرف زیادہ ہو تو سرین کی طرف کا حلال نہیں ہے اور سر کی طرف کا حلال ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شکار کا عضو اس طرح کٹ کر الگ ہوا کہ شکار زندہ تھا اور اس کا ہاتھ پاؤں یا سرین کٹ کر الگ ہو گیا تو اس کو اوپر کی حدیث کی بنا پر نہیں کھایا جائے گا۔ لیکن شکار کا ہاتھ پاؤں کٹتے ہی شکار بھی مر کر زمین پر گرا تو شکار بھی حلال اور اس کا کٹا ہوا ہاتھ پاؤں

حاشیہ : (الف) حضرت ثوریؒ نے فرمایا اگر دونوں ران جانور سے کاٹ لئے گئے اور الگ کر دیئے گئے تو ران نہیں کھائیں جائیں گے۔ اور جس حصے میں سر ہے وہ کھایا جائے گا۔ پس اگر ران کے ساتھ وحشی کے آدھے سے کم ہو تو ران کو نہ کھائے اور سر سے متصل کھایا جائے گا۔ پس اگر دونوں آدھے آدھے برابر ہوں تو دونوں کھائے جائیں اور سر کی جانب زیادہ ہو تو کھاؤ، یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے (ب) حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ جو کچھ جانور سے جدا کیا اس کو چھوڑ دے اور باقی کو کھائے۔ پس اگر برابر برابر دو ٹکڑے کیا تو کھائے (ج) پس اگر ران کے ساتھ وحشی جانور کے آدھے سے کم ہو تو اس کو نہ کھائے اور سر سے متصل کو کھائے۔

[۲۵۹۶] (۱۷) ولایوکل صید المجوسی والمرتد والوثنی[۲۵۹۷] (۱۸) ومن رمی

بھی حلال ہیں۔

وجہ اوپر کی حدیث میں ہے کہ زندہ شکار سے عضو کاٹا ہو تو عضو حرام ہے۔ما قطع من البھیمة وھی حیة فھی میتة (الف) (ابوداؤد شریف، نمبر ۲۸۵۸) اور یہ تو زندہ سے الگ نہیں ہوا ہے بلکہ گویا کہ مردہ شکار سے ہاتھ پاؤں یا سرین الگ ہوئے ہیں۔اس لئے ہاتھ، پاؤں یا سرین بھی کھائے جائیں گے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الحسن فی رجل ضرب صیدا فابان منه یدا او رجلا وھو حی ثم مات قال یأکلهٗ ولا یأکل ما ابان منه الا ان یضربه فیقطعه فیموت من ساعته فاذا کان ذلک فلیأکل کله (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۸ فی الرجل یضرب الصید فیبین منه العضو ص ۲۵۰ نمبر ۱۹۶۹۸) اس اثر میں ہے کہ بیک وقت شکار مرا ہو تو دونوں حصے حلال ہیں۔اور جزله جزلا کا بھی یہی مطلب ہے۔

لغت العجز : سرین۔ یلی : ملا ہوا ہو، ساتھ ہو۔

[۲۵۹۶] (۱۷) اور نہیں کھایا جائے گا مجوسی کا شکار اور مرتد کا اور بت پرست کا۔

تشریح مجوسی نے یا مرتد نے یا بت پرست نے اپنے کتے یا تیر سے شکار کیا ہو اور مسلمان کے ذبح کرنے سے پہلے مرگیا ہو تو وہ شکار حلال نہیں ہے۔

وجہ (۱) یہ لوگ مسلمان بھی نہیں ہیں اور اہل کتاب بھی نہیں ہیں اس لئے ان لوگوں کا جس طرح ذبیحہ حلال نہیں ہے شکار بھی حلال نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ شکار کرتے وقت اور آیت میں ہے کہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھے تب حلال ہوگا۔اور یہ لوگ بسم اللہ پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے اس لئے یہ پڑھے بھی تو اس کا اعتبار نہیں ہے اس لئے شکار حلال نہیں ہوگا۔آیت میں ہے۔ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه وانه لفسق (ج) (آیت ۱۲۱ سورة الانعام ۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ نہ پڑھا ہو تو اس کو مت کھاؤ۔اور شکار کی حدیث تو پہلے کئی بار گزر چکی ہے اس لئے ان لوگوں کا شکار حلال نہیں (۳) اثر میں ہے۔عن جابرؓ قال نھی عن ذبیحة المجوسی وصید کلبه وطائره (د) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی صید المجوسی ج تاسع ص ۴۱۱ نمبر ۱۸۹۲۶ مصنف ابن ابی شیبة ۷ فی صید کلب المشرک والمجوسی والیہودی والنصرانی ج رابع ص ۲۴۲ نمبر ۱۹۶۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مجوسی اور اسی کے تحت میں مرتد اور بت پرست کا شکار حلال نہیں ہے۔

[۲۵۹۷] (۱۸) کسی نے شکار کو تیر مارا پس اس کو لگا لیکن اس کو نڈھال نہیں کیا نہ اس کو اپنے بچاؤ سے نکالا پھر دوسرے نے اس کو مارا اور اس کو

حاشیہ : (الف) زندہ جانور سے جو کچھ کاٹا گیا وہ مردار کے حکم میں ہے (ب) حضرت حسنؒ نے فرمایا کسی نے شکار کو تیر مارا پس اس سے ہاتھ یا پاؤں جدا ہو گیا اس حال میں کہ شکار زندہ ہے پھر شکار مرگیا فرمایا اس کو کھائے اور جو عضو جدا ہوا اس کو نہ کھائے مگر یہ کہ شکار کو تیر مارے اور عضو کٹ جائے اور اسی وقت شکار بھی مرجائے ، پس اگر ایسا ہو تو سب کھائے۔یعنی عضو کٹتے ہی جانور بھی مرجائے تو عضو اور جانور دونوں کو کھائے (ج) جس پر بسم اللہ نہ پڑھا گیا ہو اس جانور کو مت کھاؤ اس لئے کہ یہ فسق ہے (د) حضرت جابرؓ نے فرمایا روکا ہے مجوسی کے ذبیحہ سے اور اس کے کتے کے شکار سے اور اس کے پرندے کے شکار کئے ہوئے جانور سے۔

صیدا فاصابہ ولم یُثخنہ ولم یخرجہ من حیّز الامتناع فرماہ آخر فقتلہ فھو للثانی ویوکل[۲۵۹۸] (۱۹)وان کان الاول اثخنہ فرماہ الثانی فقتلہ فھو للاول ولم یوکل

قتل کر دیا تو شکار دوسرے کا ہوگا اور کھایا جائے گا۔

تشریح ایک آدمی نے شکار کو تیر مارا وہ لگا تو ضرور لیکن پھر بھی شکار بھاگتا رہا اور نڈھال نہیں ہوا جیسے صحتمند شکار بھاگتا ہے اس لئے یہ یہ عام شکار کی طرح ہی ہے اور پہلے کا شکار نہیں ہوا۔ اب دوسرے آدمی نے تیر مار کر مار دیا تو شکار دوسرے کا ہوگا۔ اور چونکہ دوسرے نے بسم اللہ پڑھ کر قتل کیا ہے اس لئے کھایا جائے گا وہ حلال ہے۔

وجہ پہلے کی مار سے شکار صحتمند شکار ہی رہا وہ پالتو کی طرح مجبور نہیں ہو گیا اس لئے وہ پہلے والے کا شکار نہیں ہوگا۔ کیونکہ شکار اس کی ملکیت ہے جس نے مار کر نڈھال کر دیا کہ اب آسانی سے اس کو پکڑ سکتا ہے۔ اور دوسرے آدمی نے گویا کہ صحتمند شکار کو تیر سے قتل کیا اس لئے یہ شکار دوسرے آدمی کا ہے۔ اور شکار کی حالت میں مر گیا اس لئے حلال ہے (۲) دوسرے آدمی کے شکار ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابیھا اسمر ابن مضرس قال اتیت النبی ﷺ فبایعتہ فقال من سبق الی ما لم یسبقہ الیہ مسلم فھو لہ** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین ص ۷۸ نمبر ۳۰۷۱) یہ حدیث اگرچہ مردہ اور بنجر زمین کے بارے میں ہے لیکن عام جملہ سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے مباح چیز جو لے لے اسی کی ہوگی۔ اس لئے شکار کو جو مار کر نڈھال کرے گا اسی کا ہوگا۔

[۲۵۹۸] (۱۹) اور اگر پہلے نے اس کو نڈھال کر دیا پھر دوسرے آدمی نے مارا اور قتل کر دیا تو شکار پہلے کا ہوگا لیکن کھایا نہیں جائے گا۔

تشریح پہلے آدمی نے شکار کو اتنا مارا کہ وہ نڈھال ہو گیا اور بھاگنے کے قابل نہیں رہا اس لئے یہ شکار حقیقت میں اسی کا ہو گیا۔ بعد میں دوسرے آدمی نے تیر مار کر ہلاک کیا تو اس کا نہیں ہوگا کیونکہ پہلے نے نڈھال کیا ہے اور شکار اسی کا ہو گیا ہے۔

وجہ حدیث اوپر گزر گئی۔

اور کھایا اس لئے نہیں جائے گا کہ وہ زندہ ہاتھ آ گیا تھا اس لئے اس کو ذبح کر کے کھانا چاہئے تھا لیکن ذبح حقیقی کرنے کی بجائے تیر سے ہلاک کر دیا اس لئے حلال نہیں ہے۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ **عن عدی بن حاتم قال قال لی رسول اللہ ﷺ اذا ارسلت کلبک فاذکر اسم اللہ فان امسک علیک فادرکتہ حیا فاذبحہ** (ب) (مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹/۴۹۸۱) (۲) اور اثر میں ہے۔ **عن ابراھیم قال اذا اخذت الصید وبہ رمق فمات فی یدک فلا تأکلہ** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸ الرجل یاخذ الصید وبہ رمق ج رابع ص ۲۴۳ نمبر ۱۹۶۲۵) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ اس شکار میں رمق تھی اس لئے اس کو ذبح کرنا چاہئے تھا لیکن

حاشیہ : (الف) میں حضورؐ کے پاس آیا اور آپؐ سے بیعت کی، آپؐ نے فرمایا جس چیز کی طرف کوئی مسلمان نہ بڑھا ہو کوئی اس کو بڑھ کر لے لے تو وہ اس کی ہے (ب) آپؐ نے مجھ سے فرمایا اگر اپنے کتے شکار پر چھوڑو اور بسم اللہ پڑھو۔ پس اگر وہ آپؐ کے لئے روکا اور اس کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کرے (ج) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اگر شکار پکڑو اس حال میں کہ اس کی زندگی کی رمق ہو اور تمہارے ہاتھ میں مر جائے تو اس کو مت کھاؤ۔

[۲۵۹۹](۲۰)والثانی ضامن لقیمته للاول غیر ما نقصته جراحته[۲۶۰۰] (۲۱)ویجوز اصطیاد مایوکل لحمه من الحیوان وما لایوکل.

قتل کردیا اس لئے وہ حلال نہیں رہا۔

[۲۵۹۹](۲۰)اور دوسرا آدمی پہلے کے لئے قیمت کا ضامن ہوگا اس کے علاوہ جو نقصان کیا اس کے زخمی کرنے نے۔

تشریح شکار مکمل طور پر پہلے آدمی کا ہو چکا ہے اس لئے دوسرے آدمی نے اس شکار کو ہلاک کیا تو اس پر پہلے آدمی کے لئے شکار کا تاوان لازم ہوگا۔البتہ شکار کو پہلے آدمی نے زخمی کیا تو دیکھا جائے گا کہ زخمی کرنے کے بعد شکار کی قیمت کیا رہ گئی وہ قیمت لازم ہوگی۔مثلا وہ جانور صحیح سالم ہوتا تو اس کی قیمت دس درہم تھی اور زخمی ہونے کے بعد اس کی قیمت چار درہم رہ گئی تو دوسرے آدمی پر چار درہم ہی لازم ہوں گے۔کیونکہ پہلے آدمی نے خود زخمی کر کے شکار کی قیمت کم کر دی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شکار پہلے آدمی کا ہو چکا ہے۔اور دوسرا اصول یہ ہے کہ دوسرے نے جتنا ضائع کیا ہے اتنا ہی تاوان لازم ہوگا زیادہ نہیں۔

[۲۶۰۰](۲۱)اور جائز ہے شکار کرنا گوشت کھائے جانے والے جانور کا اور جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو۔

تشریح جن جانوروں کے گوشت کھائے جاتے ہیں ان کو بھی شکار کر سکتا ہے اور جن جانوروں کے گوشت نہیں کھائے جاتے ان کو بھی شکار کر سکتے ہیں۔

وجہ آیت میں ہے۔واذا حللتم فاصطادوا (الف) (آیت ۲ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں شکار کرنیکا حکم عام ہے چاہے وہ جانور ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور وہ جانور بھی شامل ہے جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے۔اس لئے دونوں کا شکار حلال ہے (۲) صرف گوشت کھانے کے لئے ہی شکار نہیں کرتے بلکہ کھال، بال اور ہڈی کے لئے بھی شکار کرتے ہیں اس لئے غیر ماکول اللحم کا شکار بھی حلال ہے کوئی ممانعت نہیں۔

لغت اصطاد : صید سے مشتق ہے یہاں افتعال سے آیا ہے شکار کرنا۔

حاشیہ : (الف) جب تم حلال ہو جاؤ تو تم شکار کر سکتے ہو۔

[۲۶۰۱](۲۲)وذبيحة المسلم والكتابی حلال [۲۶۰۲](۲۳)ولا تو كل ذبيحة المرتد

﴿ باب الذبیحہ ﴾

[۲۶۰۱](۲۲)مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے۔

تشریح مسلمان بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو جانور حلال ہے اسی طرح اہل کتاب یعنی یہودی اور نصرانی بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو ذبیحہ حلال ہے۔

وجہ آیت میں ہے۔ اليوم احل لكم الطيبات وطعام الذين اوتو الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم (الف) (آیت ۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی یعنی یہود اور نصاری ان کا کھانا جس سے مراد ذبیحہ ہے تمہارے لئے حلال ہے (۲) عن ابن عباس قال طعامهم ذبائحهم (ب) (بخاری شریف، باب ذبائح اہل الکتاب وشحومھا من اہل العرب وغیرھم ص ۸۲۸ نمبر ۵۵۰۸ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی طعام اہل الکتاب ج تاسع ص ۴۷۴ نمبر ۱۹۱۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آیت میں اہل کتاب کے طعام سے مراد ان کا ذبیحہ ہے۔

نوٹ یورپ کے عیسائی عموما دہریے ہوتے ہیں وہ نام کے عیسائی ہوتے ہیں اور بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح نہیں کرتے جو مسلمان کے لئے بھی ضروری ہے اس لئے ان کے ذبیحے سے احتیاط ضروری ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔وقال الزهری لا بأس بذبيحة نصاری العرب وان سمعته يسمی لغير الله فلا تأكل (ج) (بخاری شریف، باب ذبائح اہل الکتاب وشحومھا من اہل الحرب وغیرھم ص ۸۲۸ نمبر ۵۵۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کا نام لے تو نہ کھائے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ نہ پڑھے تو حلال نہیں ہے، اور یورپ کے عیسائی بسم اللہ پڑھتے ہی نہیں ہیں اس لئے ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے (۳) اثر میں ہے۔ ان عمر بن الخطاب قال ما نصارى العرب باهل الكتاب وما تحل لنا ذبائحهم وما انا بتاركهم حتى يسلموا او اضرب اعناقهم (د) (سنن للبیہقی، باب ذبائح نصاری العرب ج تاسع ص ۴۷۸ نمبر ۱۹۱۶۹) جب عرب کے نصاری صحابہ کے زمانہ میں اہل کتاب نہیں تھے تو اس زمانے میں یورپ کے عیسائی کیسے مسلمان ہو گئے۔

[۲۶۰۲](۲۳) مرتد، مجوسی، بت پرست اور محرم کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح یہ لوگ مسلمان بھی نہیں ہیں اور نہ اہل کتاب ہیں بلکہ کافر ہیں اس لئے ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

وجہ یہ لوگ نہ بسم اللہ پر اعتماد رکھتے ہیں اور نہ ان کے بسم اللہ کا اعتبار ہے اور بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اس لئے حلال نہیں ہوگا (۲) حدیث

حاشیہ : (الف) آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ بھی تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے (ب) اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آیت میں طعام سے مراد اہل کتاب کا ذبیحہ ہے (ج) حضرت زہری نے فرمایا نصاری عرب کا ذبیحہ کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور اگر تم سنو کہ اللہ کے علاوہ کا نام ذبح کے وقت لیتا ہے تو مت کھاؤ (د) حضرت عمر نے فرمایا نصاری عرب اہل کتاب نہیں ہیں اور ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا کہ یا اسلام لائیں یا ان کی گردنیں ماردوں۔

والمجوسی والوثنی والمحرم.

مرسل میں ہے۔عن الحسن بن محمد بن الحنفیة قال کتب رسول اللہ الی مجوس ھجر یعرض علیھم الاسلام فمن اسلم قبل منہ ومن ابی ضربت علیھم الجزیة علی ان لا توکل ذبیحة ولا تنکح لھم امرأة (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی ذبیحۃ المجوسی ج تاسع ص ۴۷۸ نمبر ۱۹۱۷۱ دار قطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۹۷ نمبر ۴۷۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مجوسی کا ذبیحہ جائز نہیں ہے اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے مرتد اور بت پرست کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

اور محرم کے لئے شکار کا پکڑنا جائز نہیں ہے اس لئے اس کا ذبح کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

وجہ آیت میں ہے۔حرم علیکم صید البر ما دمتم حرما (آیت ۹۶ سورۃ المائدۃ ۵) اور دوسری آیت میں ہے۔یا ایھا الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم (ب) (آیت ۹۵ سورۃ المائدۃ ۵) ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ محرم کو شکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ شکار کرنا اس پر حرام ہے۔اور نہ شکار کرنے والوں کی مدد کرنی چاہئے۔

وجہ حضرت ابوقتادۃ کی لمبی حدیث گزر چکی ہے کہ محرموں نے ان کی مدد نہیں کی۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ ... واستعنت بھم فابوا ان یعینونی (ج) (بخاری شریف، باب اذا اصاد الحلال فاھدی للمحرم الصید اکلہ ص ۲۴۵ نمبر ۱۸۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار کرنے والے کی محرم مدد بھی نہ کرے۔اور محرم کا شکار کیا ہوا حلال نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔سألت الثوری عن المحرم یذبح صیدا ھل یحل اکلہ لغیرہ ؟ فقال اخبرنی لیث عن عطاء انہ قال لا یحل اکلہ لاحد (د) (مصنف عبد الرزاق، باب الصید وذبیحۃ والتربص بہ ج رابع ص ۴۳۹ نمبر ۸۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ محرم کا ذبح کیا ہوا شکار کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ محرم کے لئے شکار کرنا اگر چہ حلال نہیں ہے لیکن اگر شکار کو ذبح کر دیا تو دوسروں کے لئے حلال ہے وہ کھا سکتے ہیں۔

وجہ محرم مسلمان ہے اس لئے اس کا ذبح کرنا جائز ہے (۲) اثر میں ہے۔واخبرنی اشعث عن الحکم بن عتیبة انہ قال لا بأس باکلہ (ہ) (مصنف عبد الرزاق، باب الصید وذبیحۃ والتربص بہ ج رابع ص ۴۳۹ نمبر ۸۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ محرم کا ذبیحہ کھا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ہجر کے مجوس کے بارے میں لکھوایا کہ ان پر اسلام پیش کیا جائے گا، جو ان میں سے اسلام لے آئے ان سے قبول کیا جائے گا اور جو انکار کرے ان پر جزیہ متعین کیا جائے گا اس شرط پر کہ ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا (ب) تم لوگوں پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم محرم ہو۔دوسری آیت میں ہے، اے ایمان والو! شکار کو قتل نہ کرو جب تم محرم ہو (ج) حضرت ابوقتادہ فرماتے ہیں...میں نے شکار کرنے کے لئے صحابہ سے مدد مانگی تو انہوں نے مدد کرنے سے انکار کیا۔(د) حضرت ثوریؒ سے محرم کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ شکار ذبح کر سکتا ہے اور کیا دوسروں کے لئے اس کا ذبیحہ حلال ہے؟ فرمایا مجھ کو حضرت لیثؒ نے حضرت عطاءؒ سے خبر دی کہ اس کا کھانا کسی کے لئے حلال نہیں ہے (ہ) حضرت حکم بن عتیبہ نے فرمایا کہ محرم شکار ذبح کر دے تو دوسروں کے لئے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[۲۶۰۳](۲۴)وان ترک الذابح التسمیة عمدا فالذبیحة میتة لاتوکل وان ترکھا ناسیا

[۲۶۰۳](۲۴)اگر ذبح کرنے والے نے جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دیا تو ذبیحہ مردہ ہے نہیں کھایا جائے گا اور اگر اس کو بھول کر چھوڑ دیا تو کھایا جائیگا۔

وجہ آیت میں ہے کہ بسم اللہ نہ پڑھا ہو تو مت کھاؤ۔ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق (الف)(آیت ۱۲۱ سورۃ الانعام ۶)(۲) شکار کے سلسلے میں یہ حدیث گزری۔ سمعت عدی بن حاتم ... قال لا تاکل فانک انما سمیت علی کلبک ولم تسم علی الآخر (ب)(بخاری شریف، باب صید امعراض ص ۸۲۳ نمبر ۵۴۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھا ہو تو کھائے اور نہ پڑھا ہو تو نہ کھائے۔

اور بھول کر بسم اللہ چھوٹ گیا ہو تو کھائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال المسلم یکفیہ اسمہ فان نسی ان یسمی حین یذبح فلیسم ولیذکر اسم اللہ ثم لیاکل (ج)(دار قطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۹۸ نمبر ۴۷۶۲) اس قسم کا مفہوم بخاری میں عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے۔ وقال ابن عباس من نسی فلا بأس (د)(بخاری شریف، باب التسمیۃ علی الذبیحۃ ومن ترک متعمدا ص ۸۲۶ نمبر ۵۴۹۸/ سنن للبیہقی، باب من ترک التسمیۃ وھو ممن تحل ذبیحتہ ج تاسع ص ۴۰۱ نمبر ۱۸۸۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھول کر بسم اللہ چھوٹ جائے تو حلال ہے کھا سکتا ہے (۲) حضرت عائشہ کی حدیث ہے۔ عن عائشۃؓ قال ان قوما قالوا للنبی ﷺ ان قوما یاتوننا بلحم لا ندری اذکر اسم اللہ علیہ ام لا؟ فقال سموا علیہ انتم وکلوہ (ہ)(بخاری شریف، باب ذبیحۃ الاعراب ونحوھم ص ۸۲۸ نمبر ۵۵۰۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھا یا نہیں پڑھا معلوم نہیں ہے تب بھی حلال ہے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ بھول کر چھوڑ دے یا جان کر چھوڑ دے بشرطیکہ مسلمان یا اہل کتاب ہو دونوں صورتوں میں کھایا جائے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال اذا ذبح المسلم فلم یذکر اسم اللہ فلیأکل فان المسلم فیہ اسما من اسماء اللہ (و)(دار قطنی، کتاب الاشربۃ وغیرھا ج رابع ص ۱۹۸ نمبر ۴۷۶۰/ سنن للبیہقی، باب من ترک التسمیۃ وھو ممن تحل ذبیحتہ ج تاسع ص ۴۰۱ نمبر ۱۸۸۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان جان کر بھی بسم اللہ چھوڑ دے تو ذبیحہ حلال ہے کیونکہ اس کے دل میں اللہ کا نام ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بھول کر بھی بسم اللہ چھوڑ دے تو ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں آیت لا تاکلوا مما یذکر اسم اللہ علیہ عام ہے کہ کسی حال میں بغیر بسم اللہ کے نہ کھایا جائے چاہے بھول کر چھوٹ جائے چاہے جان کر چھوڑ دے۔

حاشیہ : (الف) جب تک جانور پر بسم اللہ نہ پڑھا گیا ہو مت کھاؤ اس لئے کہ وہ فسق ہے (ب) حضرت عدی بن حاتم سے کہتے ہوئے سنا... آپؐ نے فرمایا مت کھاؤ اس لئے کہ اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھے ہو دوسروں کے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھے ہو (ج) آپؐ نے فرمایا مسلمان کو اللہ کا نام کافی ہے پس اگر ذبح کرتے وقت بھول گیا تو بسم اللہ پڑھ کر کھالے جائز ہے (د) حضرت ابن عباس نے فرمایا جو ذبح کرتے وقت بسم اللہ بھول جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ہ) حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ کچھ قوم میرے پاس گوشت لے کر آتے ہیں، مجھے معلوم نہیں کہ اس پر بسم اللہ پڑھا ہے یا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھالو۔ (و) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر مسلمان نے ذبح کیا اور بسم اللہ نہیں پڑھا تو کھائے اس لئے کہ مسلمان کے دل میں اللہ کا نام ہے۔

أُکل[۲۶۰۴](۲۵)والذبح بین الحلق واللَّبة[۲۶۰۵] (۲۶)والعروق التی تقطع فی الذکاۃ اربعة الحلقوم والمرئ والودجان فان قطعها حل الاکل [۲۶۰۶](۲۷)وان قطع

[۲۶۰۴](۲۵)ذبح حلق اور سینہ کی ہڈی کی درمیان ہوتا ہے۔

تشریح ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ حلق اور سینہ کی ہڈی جو ہوتی ہے اس کے درمیان میں چھری سے ذبح کرتے ہیں۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال الذکاۃ فی الحلق واللبة (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب ما یقطع من الذبیحۃ ج رابع ص ۴۹۵ نمبر ۸۶۱۵ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲ من قال اذا انھر الدم فکل ماسنا او عظما ج رابع ص ۲۶۰ نمبر ۱۹۸۲۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حلق اور لبہ کے درمیان ذبح کرے۔

لغت لبۃ : سینہ کے اوپر کی ہڈی۔

[۲۶۰۵](۲۶)وہ رگیں جو ذبح میں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں حلقوم، مری اور دو شہ رگیں۔ پس اگر ان کو کاٹ دیا تو کھانا حلال ہے۔

تشریح اصل تو یہ ہے کہ جسم سے پورا خون نکل جائے۔ اور پورا خون ان رگوں کے کاٹنے سے نکلتا ہے۔ اس لئے حلقوم، مری اور دو شہ رگیں کاٹنے سے ذبح ہوگا وجہ پورا خون نکلنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن رافع بن خدیج قال قال النبی ﷺ کل یعنی ما انھر الدم الا السن والظفر (ب) (بخاری شریف، باب لا یذکی بالسن والعظم والظفر ص ۸۲۷ نمبر ۵۵۰۶ر ابو داؤد شریف، باب الذبیحۃ بالمروۃ ص ۳۳ نمبر ۲۸۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر وہ طریقہ جس سے خون خوب نکل جائے اس سے ذبیحہ حلال ہوتا ہے۔

رگیں کٹنے کی دلیل یہ اثر ہے۔ قال ابن جریج عن عطاء ... والذبح قطع الاوداج۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ عن ابن عباس الذکاۃ فی الحلق واللبة (ج) (بخاری شریف، باب النحر والذبح ص ۲۲۸ نمبر ۵۵۱۰ر سنن للبیہقی، باب الذکاۃ بما انھر الدم وفری الاوداج، ج تاسع، ص ۴۷۳ نمبر ۱۹۱۵۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذبح کرنے کے لئے اوداج کاٹے اور حلق پر چھری چلائے تو اس سے معلوم ہوا کہ حلقوم کاٹے اور جب حلقوم کاٹے گا تو مری بھی کٹے گا تب حلال ہوگا۔

لغت حلقوم : کھانے کی نالی۔ المری : سانس کی نالی۔ ودجان : شہ رگ، جس سے دل کا خون دماغ تک جاتا ہے اسی کو کاٹنے سے پورا خون نکلتا ہے۔

[۲۶۰۶](۲۷)اور اگر اکثر کاٹ دیا تو ایسے ہی جائز ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ضروری ہے حلقوم، مری اور شہ رگ میں سے ایک کو کاٹنا۔

تشریح امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ چار میں اکثر یعنی کوئی تین رگیں کاٹ دے تو ذبیحہ حلال ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ذبح حلق اور لبہ کے درمیان ہوتا ہے (ب) آپ نے فرمایا جو چیز خون بہادے اس سے ذبح کیا ہوا کھاؤ سوائے دانت اور ناخن کے اس سے ذبح کیا ہوا مت کھاؤ (ج) حضرت عطا سے منقول ہے ... ذبح اوداج رگوں کو کاٹنا ہے۔ دوسری روایت میں ہے ذبح حلق اور لبہ کے درمیان ہوتا ہے۔

اکثرھا فکذلک عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا لا بد من قطع الحلقوم والمرئ واحد الودجین[۲۶۰۷] (۲۸)ویجوز الذبح باللیطة والمروة وبکل شیء انهر الدم الا السنّ

وجہ اکثر کل کے حکم میں ہے اس لئے تین چار میں سے اکثر ہے اس لئے اتنا کافی ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ حلقوم بھی کاٹنا ہوگا اور مری بھی اور دو شہ رگوں میں سے ایک کو کاٹنا ہوگا تا کہ شہ رگ سے پورا خون نکل جائے۔ اور ہر ایک رگ کا ایک ایک ضرور ہو جائے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ ودجان کاٹے اس لئے ودجان یعنی شہ رگ میں سے ایک کاٹنا ضروری ہے۔ **عن رافع بن خدیج قال سالت رسول الله ﷺ عن الذبیحة باللیط فقال کل ما افری الاوداج الا سن او ظفر** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۲ من قال اذا انهر الدم فکل ما خلا سنا او عظما ج رابع ص ۲۵۹ نمبر ۱۹۸۰۳) حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے۔ **ان ابن عمرؓ نهی عن النخع یقول یقطع مادون العظم ثم یدع حتی یموت** (ب) (بخاری شریف، باب النحر والذبح ص ۸۲۸ نمبر ۵۵۱۰) اس حدیث واثر سے معلوم ہوا کہ ہڈی تک کاٹ دے اور چھوڑ دے۔ اور ہڈی تک کاٹے گا تو مری، حلقوم اور شہ رگ کٹ جائیں گے۔ اور اوداج کا کاٹنا اس لئے ضروری ہے کہ حدیث میں اوداج کاٹنے کی تاکید ہر موقع پر ہے۔

[۲۶۰۷] (۲۸) اور جائز ہے ذبح کرنا بانس کی بتی سے اور تیز پتھر سے اور ہر اس چیز سے جو خون بہا دے سوائے دانت اور ناخن سے جو لگے ہوئے ہوں۔

تشریح بانس کا ٹکڑا جو پتلا اور دھار دار ہو یا تیز پتھر ہو یا ہر وہ چیز جو دھار دار ہو جس سے رگیں کٹ کر خون بہنے لگے۔ البتہ تالو میں لگے دانت اور انگلی میں لگے ہوئے ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ بانس کے ٹکڑے اور دھار دار پتھر سے ذبح کرنا جائز ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے۔ **عن رافع بن خدیج قال اتیت رسول الله ﷺ فقلت یا رسول الله! انا نلقی العدو غدا ولیس معنا مدی افنذبح بالمروة وشقة العصا؟ فقال رسول الله ﷺ ارن اواعجل ما انهر الدم وذکر اسم الله علیه فکلوا مالم یکن سن وظفر وساحدثکم عن ذلک اما السن فعظم واما الظفر فمدی الحبشة** (ج) (ابوداؤد شریف، باب الذبیحة بالمروة ص ۳۳ نمبر ۲۸۲۱ / بخاری شریف، باب ما انہر الدم من القصب والمروة والحدید ص ۸۲۷ نمبر ۵۵۰۳ / نسائی شریف، اباحة الذبح بالقود ص ۶۱۱ نمبر ۴۴۰۶) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی بھی دھار دار چیز جو

حاشیہ : (الف) میں نے حضورؐ سے بانس کے چھلکے سے ذبح کرنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا ہر وہ چیز جو اوداج رگوں کو کاٹ دے اس سے جائز ہے سوائے دانت اور ناخن کے (ب) حضرت ابن عمرؓ نے نخع سے روکا یعنی حرام مغز تک چھری پہنچانے سے روکا، فرماتے ہیں کہ ہڈی سے پہلے پہلے تک کاٹے پھر چھوڑ دے یہاں تک کہ مر جائے (ج) میں حضورؐ کے پاس آیا اور پوچھا یا رسول اللہ! ہم کل دشمن سے مقابلہ کریں گے اور ہمارے پاس کوئی لمبی چھری نہیں ہے تو کیا ہم پتھر کے ٹکڑے اور لاٹھی کے چھلکے سے ذبح کریں؟ آپؐ نے فرمایا سختی کے ساتھ کاٹو اور جلدی کرو۔ ہر وہ چیز جو خون بہا دے اور بسم اللہ اس پر پڑھے تو کھاؤ بشرطیکہ دانت اور ناخن نہ ہو۔ اور تم سے بیان کرتا ہوں بہر حال دانت تو ہڈی ہے اور ناخن تو حبشہ والوں کی چھری ہے۔

القائم والظفر القائم[۲۶۰۸] (۲۹)ویستحب ان یحدَّ الذابح شفرته[۲۶۰۹] (۳۰)ومن

خون جاری کردے اس سے ذبح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ **کل ما انھر الدم** سے کوئی بھی چیز جو خون جاری کردے مراد ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بانس کی پتی اور دھاردار پتھر سے ذبح کرنا جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ لگا ہوا دانت اور لگا ہوا ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے منخنقہ یعنی گلا دبا کر مارنے کی شکل ہو جائے گی۔ کیونکہ لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے دانت سے دبائے گا اور ناخن سے بھی دبائے گا جس کی وجہ سے موت واقع ہوگی۔ اس لئے جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر ناخن اور دانت جسم سے الگ ہو چکے ہوں اور دھاردار ہوں تو ان سے حلال ہو جائے گا۔ اس صورت میں حدیث میں السن اور ظفر سے مراد السن القائم اور الظفر القائم ہوگا اور حدیث کا انداز بھی یہی بتا رہا ہے۔

فائدہ امام محمدؒ کی ایک روایت ہے کہ اوپر کی حدیث میں مطلقا دانت اور ناخن سے ذبح کرنے کو منع فرمایا ہے اس لئے الگ شدہ ناخن اور دانت سے بھی ذبح نہ کرے۔

لغت لیطۃ : بانس کی پتی، بانس کا دھاردار چھلکا۔ المروۃ : دھاردار پتھر۔ انھر : خون بہادے۔ السن القائم : لگا ہوا دانت۔ الظفر : ناخن۔

[۲۶۰۸] (۲۹) اور مستحب ہے کہ ذبح کرنے والا اپنی چھری تیز کر لے۔

وجہ تاکہ جانور کو بلا وجہ تکلیف نہ ہو (۲) حدیث میں اس کی تاکید ہے۔ **عن شداد بن اوس قال ثنتان حفظتھما عن رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیء فاذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ واذا ذبحتم فاحسنوا الذبح ولیحد احدکم شفرتہ فلیرح ذبیحتہ** (الف) (مسلم شریف، باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرۃ ص ۱۵۲ نمبر ۱۹۵۵ رابوداؤد شریف، باب فی النھی ان تصبر البھائم والرفق بالذبیحۃ ص ۳۳ نمبر ۲۸۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھری اچھی طرح تیز کرنا مستحب ہے۔

لغت یحد : تیز کرنا۔ شفرۃ : لمبی چھری۔

[۲۶۰۹] (۳۰) کسی نے چھری حرام مغز تک پہنچا دی یا سر کاٹ دیا تو اس کے لئے یہ مکروہ ہے اور اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔

تشریح گلے میں جو ہڈی ہوتی ہے اس کے درمیان میں موٹی رگیں ہوتی ہیں جن کو حرام مغز کہتے ہیں۔ ذبح میں ہڈی تک چھری پہنچانا چاہئے اسی سے ذبح مکمل ہو جاتا ہے اس سے زیادہ تکلیف نہیں دینی چاہئے لیکن کسی نے ہڈی کے اندر تک یعنی حرام مغز تک چھری چھو دی یا پوری گردن کاٹ دی تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔ البتہ ایسا کرنے سے حلقوم، مری اور ودجان سب کٹ گئے اس لئے ذبیحہ حلال ہو گیا۔

وجہ **اخبرنی نافع ان ابن عمر نھی عن النخع یقول یقطع مادون العظم ثم یدع حتی یموت** (ب) (بخاری شریف، باب

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے منقول ہے کہ اللہ نے ہر چیز پر احسان فرض کیا ہے۔ پس جب قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور اپنی چھری تیز کر لو اور ذبیحہ کو ٹھنڈا ہونے دو (ب) حضرت ابن عمرؓ روکتے تھے نخع یعنی حرام مغز تک چھری لے جانے سے، فرماتے تھے ہڈی سے پہلے پہلے تک کاٹ دے پھر چھوڑ دے یہاں تک کہ مر جائے۔

بلغ بالسکین النخاع اوقطع الرأس کره له ذلک وتوکل ذبیحته [۲۶۱۰](۳۱)وان ذبح الشاة من قفاها فان بقیت حیَّة حتی قطع العروق جاز ویکره وان ماتت قبل قطع العروق لم توکل[۲۶۱۱] (۳۲)وما استانس من الصید فذکاته الذبح وما توحَّش من

النحر والذبح ص ۸۲۸ نمبر ۵۵۱۰)عن ابن عباس نهی رسول الله ﷺ عن الذبیحة ان تفرس قبل ان تموت (الف)(سنن للبیہقی ، باب کراہیۃ النخع والفرس ج تاسع ص ۴۷۰ نمبر ۱۹۱۳۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرام مغز کو توڑنا یا وہاں تک چھری لے جانا مکروہ ہے۔لیکن ایسا کرلیا تو ذبیحہ حلال ہے۔

وجہ وقال ابن عمر وابن عباس وانس اذا قطع الرأس فلا بأس (ب)(بخاری شریف، باب النحر والذبح ۸۲۸ نمبر ۵۵۱۰/مصنف عبدالرزاق، باب سنۃ الذبح ج رابع ص ۴۹۰ نمبر ۸۵۹۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ سر کٹ جائے یا نخاع تک چھری چلی جائے تو ذبیحہ حلال ہے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

لغت النخاع : حرام مغز جو گردن کی ہڈی کے درمیان ہوتا ہے۔ سکین : چھری۔

[۲۶۱۰](۳۱)اگر بکری کو گدی کی طرف سے ذبح کی پس اگر زندہ ہی تھی کہ رگوں کا کاٹ دیا تو جائز ہے اور مکروہ ہے۔اور اگر رگوں کو کاٹنے سے پہلے مرگئی تو نہیں کھائی جائے گی۔

تشریح بکری کو گلے کی جانب سے چھری پھیر کر ذبح کرنا چاہئے تھا لیکن گدی کی جانب سے چھری پھیری اور گلے کی ہڈی کٹی اور حرام مغز کٹا ،پس اگر بکری کے مرنے سے پہلے باقی چار رگیں حلقوم، مری اور ودجان بھی کٹ گئیں تو بکری حلال ہے۔اور اگر رگوں کے کٹنے سے پہلے بکری مرگئی تو چونکہ ذبح اختیاری نہیں ہوا اس لئے جانور حرام ہوگا۔

وجہ عن الشعبی انه سئل عن دیک ذبح من قبل قفاة فقال ان شئت فکل (ج)(مصنف عبدالرزاق، باب سنۃ الذبح ج رابع ص ۴۹۰ نمبر ۸۵۹۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ گدی کی جانب سے ذبح کرے اور تمام رگیں کٹ جائیں تو کھایا جائے گا۔اور باقی رگیں کٹنے سے پہلے مرگیا تو حلال نہیں اس کے لئے اس اثر سے اشارہ ہے۔عن ابی نجیح قال من ذبح بعیرا من فلفه متعمدا لم یوکل وان ذبح شاة من فصها متعمدا یعنی الفص متعمدا لم توکل (د)(مصنف عبدالرزاق، باب سنۃ الذبح ج رابع ص ۴۹۱ نمبر ۸۵۹۸) اس اثر کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جب باقی رگیں کٹنے سے پہلے جانور مرگیا ہو۔

[۲۶۱۱](۳۲)شکار جو مانوس ہو جائے اس کی ذکاۃ ذبح ہے اور جو پالتو جانور وحشی ہو جائے اس کی ذکوۃ نیزہ مارنا اور زخمی کرنا ہے۔

حاشیہ : (الف)حضورؐ ایسے ذبیحہ سے روکا کہ مرنے سے پہلے پہلے پھاڑنے لگے(ب)ابن عباسؓ،ابن عمرؓ اور انسؓ فرماتے ہیں کہ اگر سر کاٹ دے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے(ج)حضرت شعبیؒ سے پوچھا کہ مرغے کو گردن کی جانب سے ذبح کرے تو کیا ہوگا؟ فرمایا چاہو تو کھاؤ(د)ابی نجیح نے فرمایا کسی نے اونٹ کو گردن کی جانب سے ذبح کیا جان کر تو نہ کھایا جائے اور اگر بکری کو جان کر اس کے پیچھے کی جانب یعنی فص کی جانب سے ذبح کیا تو نہ کھایا جائے۔

النعم فذکاته العقر والجرح[۲۶۱۲] (۳۳)والمستحب فی الابل النحر وان ذبحها جاز

تشریح فطری طور پر جانور شکار تھا مثلا ہرن وغیرہ لیکن وہ گھر میں پالتو جانور کی طرح رہنے لگا ہے تو اب اس میں ذبح اضطراری یعنی تیر پھینک کر مارے اور کہیں بھی لگے تو حلال ہو جائے یہ صورت صحیح نہیں ہے بلکہ پالتو جانور کی طرح حلقوم پر چھری پھیر کر چاروں رگوں کو کاٹے اور ذبح کرے تب حلال ہوگا۔ اس کے برخلاف پالتو جانور بدک گیا اور پکڑنے نہیں دے رہا ہے اور پکڑ کر ذبح اختیاری کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے یا جانور کنویں میں گر گیا ہے اب وہ زندہ باہر نہیں آسکے گا تو اس پر نیزہ مار کر زخمی کرے یا تیر مار کر زخمی کرے۔ اور جسم کے کسی بھی حصے میں لگے تو وہ حلال ہو جائے گا۔ اب شکار کی طرح ہو گیا اور ذبح اضطراری کافی ہے۔

وجہ شکار ہاتھ میں آجائے تب بھی ذبح اختیاری کرنا ضروری ہے اس لئے پالتو کی طرح بن گیا تو بدرجہ اولی ذبح اختیاری کرنا ہوگا (۲) حدیث میں گزر چکا ہے۔ **عن عدی بن حاتم قال قال لی رسول اللہ ﷺ اذا ارسلت کلبک فاذکر اسم اللہ فان امسک علیک فادرکتہ حیا فاذبحہ** (الف) (مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹/۴۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار زندہ ہاتھ میں آیا تو اس کو ذبح اختیاری کرنا ہوگا۔

اور پالتو جانور بدک جائے تو تیر سے زخمی کر دے تب بھی حلال ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ جنگ میں اونٹ بدک گیا تو ایک صحابی نے نیزے سے مار کر ہلاک کر دیا تو آپؐ نے فرمایا جب بھی بدک جائے تو ایسے ہی کرو جس سے حلال ہو جائے گا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن رافع بن خدیجؓ قال کنا مع النبی ﷺ فی سفر فند بعیر من الابل قال فرماہ رجل بسہم فحسبہ قال ثم قال ان لہا اوابد کاوابد الوحش فما غلبکم منہا فاصنعوا بہ ھکذا** (ب) (بخاری شریف، باب اذا ند بعیر لقوم فرماہ بعضہم بسہم فقتلہ فاراد صلاحہم فھو جائز، ص ۸۳۱ نمبر ۵۵۴۴ / ابو داود شریف، باب الذبیحۃ بالمروۃ ص ۳۳ نمبر ۲۸۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پالتو جانور بدک جائے تو بسم اللہ کر کے تیر مارے اور جسم کے کسی حصے سے خون نکال دے تو حلال ہو جائیگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مجبوری کے موقع پر ذبح اضطراری کافی ہے۔

لغت العقر : زخمی کرنا۔

[۲۶۱۲] (۳۳) اونٹ میں مستحب نحر کرنا ہے، اور اگر اس کو ذبح کر دیا تو جائز ہے اور مکروہ ہے۔

وجہ آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ **فصل لربک وانحر** (ج) (آیت ۲ سورۃ الکوثر ۱۰۸) اس آیت میں نحر کرنے کی طرف اشارہ ہے (۲) حجۃ الوداع میں آپؐ نے تریسٹھ اونٹ نحر فرمائے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلاثا وستین بیدہ**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب اپنے کتے کو بھیجو تو بسم اللہ پڑھو۔ پس اگر تمہارے لئے روکے اور اس کو زندہ پاؤ تو اس کو ذبح کرو (ب) ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک بدک گیا فرمایا ایک آدمی نے اس کو تیر مارا اور مار دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا وحشی جانوروں کی طرح اونٹ بھی بدکتا ہے تو ان میں سے جو تمہیں مغلوب کر دے یعنی پکڑنے نہ دے تو اس کے ساتھ یہی معاملہ کرو یعنی تیر سے مار کر ذبح کر دو تو حلال ہو جائے گا (ج) اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور ذبح کیجئے۔

ویکرہ [۲۶۱۳] (۳۴) والمستحب فی البقر والغنم الذبح فان نحرھما جاز ویکرہ.

(الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ﷺ ص ۳۹۴ نمبر ۱۲۱۸ / ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ ص ۲۶۹ نمبر ۱۹۰۵ / بخاری شریف، باب من نحر ھدیہ بیدہ ص ۲۳۱ نمبر ۱۷۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو نحر کرنا افضل ہے۔ نحر کی شکل یہ ہے کہ سینے کی ہڈی سے اوپر نیزہ مار کر گلا پھاڑ دے اس کو نحر کہتے ہیں۔ لیکن اگر ذبح کر دیا تب بھی حلال رہے گا۔

وجہ عن الزھری وقتادۃ قالا الابل والبقر ان شئت ذبحت وان شئت نحرت (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الذبح افضل ام النحر ج رابع ص ۴۸۸ نمبر ۸۸۲۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اونٹ اور گائے کو چاہے نحر کرے چاہے ذبح کرے دونوں سے حلال ہو جائیں گے۔

لغت النحر : سینے کی ہڈی کے اوپر چھری مار کر رگوں کو کاٹنا۔

[۲۶۱۳] (۳۴) گائے اور بکری میں مستحب ذبح کرنا ہے۔ پس اگر ان دونوں کو نحر کیا تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ فذبحوھا وما کادوا یفعلون (ج) (آیت ۷۱ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں گائے کے بارے میں ہے کہ اس کو ذبح کیا جس سے معلوم ہوا کہ گائے وغیرہ میں ذبح کرنا مستحب ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہؓ قال کنا نتمتع فی عھد رسول اللہ ﷺ نذبح البقرۃ عن سبعۃ نشترک فیھا (د) (ابوداؤد شریف، باب البقر والجزور عن کم تجزی ص ۳۲ نمبر ۲۸۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گائے ذبح کرے۔ اور بکری ذبح کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال شھدت مع رسول اللہ الاضحی فی المصلی فلما قضی خطبتہ نزل من منبرہ واتی بکبش فذبحہ رسول اللہ بیدہ (ہ) (ابوداؤد شریف، باب فی الشاۃ یضحی بھا عن جماعۃ ص ۳۲ نمبر ۲۸۱۰ / نسائی شریف، ذبح الرجل اضحیتہ بیدہ ص ۶۱۳ نمبر ۴۴۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کو ذبح کرے۔ اور نحر کر لیا تو جائز ہوگا اس کی دلیل اوپر کا اثر ہے۔ ان شئت ذبحت وان شئت نحرت (و) (مصنف عبد الرزاق نمبر ۸۸۲۵) (۳) ایک حدیث میں ہے۔ سمعت عائشۃؓ تقول ... قالت فدخل علینا یوم النحر بلحم بقر فقلت ماھذا؟ قال نحر رسول اللہ ﷺ عن ازواجہ (ز) (بخاری شریف، باب ذبح الرجل البقر عن نساءہ من غیر امرھن ص ۲۳۱ نمبر ۱۷۰۹) اس حدیث میں گائے کو نحر کرنے کا تذکرہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ گائے کو نحر کر دے تو بھی حلال ہوگی۔

حاشیہ : (الف) پھر آپ نحر کرنے کی جگہ کی طرف گئے اور اپنے ہاتھ سے تریسٹھ اونٹ نحر فرمائے (ب) حضرت زہریؒ اور قتادہ نے فرمایا اونٹ اور گائے چاہے تو ذبح کرو، چاہے تو نحر کرو (ج) پس گائے کو ذبح کیا حالانکہ وہ کرنے والے نہیں تھے (د) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ہم حضورؐ کے زمانے میں تمتع کیا کرتے تھے، پس گائے کو سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کرتے، ہم سب اس میں شریک ہوتے (ہ) حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ بقرہ عید کے موقع پر عیدگاہ حاضر ہوا۔ پس جب خطبہ پورا کیا تو اپنے منبر سے نیچے اترے اور مینڈھے کے پاس آئے اور حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اس کو ذبح کیا (و) اگر آپ چاہیں تو ذبح کریں اور چاہیں تو نحر کریں (ز) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں... بقرہ عید میں میرے پاس گائے کا گوشت لیکر آئے، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا حضورؐ نے اپنی ازواج مطہرات کی جانب سے گائے نحر کی ہے۔

[۲۶۱۴] (۳۵) ومن نحر ناقة او ذبح بقرة او شاة فوجد فی بطنها جنینا میتا لم یوکل اشعراولم یشعر[۲۶۱۵] (۳۶) ولا یجوز اکل کل ذی ناب من السباع ولا کل ذی

[۲۶۱۴] (۳۵) کسی نے اونٹنی نحر کی یا گائے یا بکری ذبح کی اور ان کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو نہیں کھایا جائے گا بال آگئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔

تشریح اونٹنی نحر کی اور اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا یا گائے ذبح کی یا بکری ذبح کی اور ان کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا تو چاہے بچہ اتنا بڑا ہو گیا ہو کہ اس کے جسم پر بال اگ آئے ہوں تب بھی اس بچے کو نہیں کھایا جائے گا۔

وجہ اس لئے کہ بچہ اگر چہ ماں کے ساتھ متصل ہے لیکن اس کا جسم بالکل الگ ہے ماں کے ذبح کرنے سے بچے کا ذبح نہیں ہوگا، وہ زندہ باہر نکلتا تو الگ سے ذبح کر کے حلال کرتے اور مردہ باہر نکلا تو سانس گھٹنے کی وجہ سے مرا ہے ماں کو ذبح کرنے کی وجہ سے نہیں مرا ہے اس لئے اس کو نہیں کھایا جائے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابراهیم قال لاتکون زکوة نفس زکوة نفسین یعنی ان الجنین اذا ذبحت امه لم یوکل حتی یدرک زکاته (الف) (کتاب الآثار لامام محمد، باب زکوۃ الجنین والعقیقۃ ص ۱۷۸ نمبر ۸۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ماں کے ذبح کرنے سے بچہ ذبح نہیں ہوگا چاہے بال اگ آئے ہوں یا نہ اگے ہوں۔

فائدہ امام شافعیؒ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ماں کے ذبح کرنے سے بچے کا ذبح ہو جائے گا اس لئے بچے کو بھی کھایا جا سکتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بچے کو بال آگئے ہوں اور مکمل بچہ ہو چکا ہو تو کھایا جا سکتا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد الله عن رسول الله ﷺ قال ذکوة الجنین ذکوة امه (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی ذکوۃ الجنین ص ۳۴ نمبر ۲۸۲۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی ذکوۃ الجنین ص ۲۷۲ نمبر ۱۴۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کے ذبح کرنے سے بچہ بھی ذبح ہو جائے گا اور حلال ہو جائے گا۔ اور بال اگے تب حلال ہوگا اس کی دلیل۔ عن الزهری قال فی الجنین اذا اشعر او وبر فذکوته ذکوة امه (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الجنین ج رابع ص ۵۰۰ نمبر ۸۶۴۰ / موطا امام مالک، باب زکوۃ مافی بطن الذبیحہ ص ۴۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بال اگے ہوں تو کھایا جائے گا ورنہ نہیں۔

لغت جنین : ماں کے پیٹ کا بچہ۔ وبر : اونٹ کا بال۔

[۲۶۱۵] (۳۶) اور نہیں جائز ہے کچلیوں والے درندوں کو کھانا اور نہ پنجوں والے پرندوں کو کھانا۔

تشریح پھاڑ کھانے والے جانوروں کے منہ میں دو دھار والے لمبے دانت ہوتے ہیں جن سے وہ جانور کو پھاڑتا ہے اس کو ذی ناب جانور کہتے ہیں اس کو کھانا حلال نہیں ہے۔ اور جو پرندہ تیز ناخن اور تیز چونچ سے پکڑتا ہے اور پرندوں کو پھاڑتا ہے اس کو ذی مخلب پرندہ کہتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ پھاڑ کھانے والے جانور اور پھاڑ کھانے والے پرندوں کو کھانا حلال نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا ایک جان کے ذبح کرنے سے دو جانوں کا ذبح نہیں ہوگا یعنی جب بچے کی ماں ذبح کی جائے تو پیٹ کا بچہ نہیں کھایا جائے گا جب تک کہ خود اس کو ذبح نہ کرے (ب) آپ نے فرمایا ماں کے ذبح کرنے سے خود پیٹ کا بچہ بھی ذبح ہو جائے گا (ج) پیٹ کے بچے کے بارے میں حضرت زہری نے فرمایا اگر بال آجائے تو ماں کے ذبح کرنے سے بچے ذبح ہو جائے گا۔

مخلب من الطیر[۲۶۱۶] (۳۷) ولا بأس باکل غراب الزرع .

وجہ یہ جانور پھاڑ کھاتا ہے اس لئے اگر اس کو انسان کھانے لگ جائے تو اس میں بھی پھاڑنے کی عادت آسکتی ہے اس لئے اس کو کھانا حرام قرار دیا(۲) حدیث میں ہے۔**عن ابن عباس قال نھی رسول اللہ ﷺ عن کل ذی ناب من السباع وعن کل ذی مخلب من الطیر** (الف)(مسلم شریف، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر ص ۱۴۷ نمبر ۱۹۳۴ر ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی اکل السباع ص ۱۷۷ نمبر ۳۸۰۳ر بخاری شریف، باب اکل ذی ناب من السباع ص ۸۳۰ نمبر ۵۵۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پھاڑ کھانے والے کچلی دار جانور اور پنجے سے پکڑ کر پھاڑنے والے پرندے کو کھانا جائز نہیں ہے۔

لغت ناب : کچلی کے دانت۔ السباع : پھاڑ کھانے والے جانور۔ مخلب : پنجہ، پنجے سے پکڑ کر کھانے والے جانور۔

[۲۶۱۶](۳۷) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کھیتی کے کوے کھانے میں۔

تشریح تین قسم کے کوے ہوتے ہیں اور اردو میں تینوں کو کوا کہتے ہیں (۱) ایک وہ کوا جس کی چونچ تیز ہوتی ہے اور مڑی ہوئی ہوتی ہے اس کے کالے میں تھوڑی سفیدی مائل ہوتی ہے۔ یہ بہت ہوشیار پرندہ ہوتا ہے۔ یہ ہمارے یہاں گھروں پر آکر مرغی کا چھوٹا بچہ لے بھاگتا ہے اور پھاڑ کھاتا ہے۔ یہ کوا اوپر کی حدیث **عن ابن عباس قال نھی رسول اللہ ﷺ عن اکل کل ذی ناب من السبع وعن کل ذی مخلب من الطیر** (ب)(مسلم شریف، نمبر ۱۹۳۴ر ابوداؤد شریف، نمبر ۳۸۰۳) کی وجہ سے حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ پھاڑ کھانے والا پرندہ ہے۔ دوسرا کوا بالکل کالا ہوتا ہے۔ یہ پہلے کوے کی طرح ہوشیار نہیں ہوتا اور نہ یہ شکار کر سکتا ہے۔ اس کو ہم لوگ بہار میں ڈر کوا کہتے ہیں۔ یہ ہر وقت گوبر یا لید بکھیر بکھیر کر اس سے دانہ نکال کر کھاتا رہتا ہے۔ یہ مردہ گوشت بھی کھالیتا ہے۔ اس لئے یہ بھی حرام ہے۔

وجہ **عن ابراھیم انہ کرہ من الطیر کل شیء یأکل المیتۃ** (ج)(مصنف عبد الرزاق، باب الغراب والحداۃ ج رابع ص ۵۱۹ نمبر ۸۷۰۳ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۷ ما نہی عن اکلہ من الطیور والسباع، ج رابع، ص ۲۶۳ نمبر ۱۹۸۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو مردہ کھاتا ہو وہ مکروہ ہے (۲) اگر اونٹ گندگی کھائے تو اس کا گوشت کھانا بھی درست نہیں اسلئے کوا گندگی کھائے تو بدرجہ اولی اس کا کھانا درست نہیں ہوگا۔ حدیث میں ہے۔**عن ابن عمرؓ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن اکل الجلالۃ والبانھا** (د)(ابوداؤد شریف، باب النھی عن اکل الجلالۃ والبانھا ج ثانی ص ۱۷۵ نمبر ۳۷۸۵) ڈر کوا گندگی کھاتا ہے اور مردہ جانور کا گوشت بھی کھاتا ہے اس لئے وہ بھی حلال نہیں ہے۔

تیسرے قسم کا کوا انگلینڈ میں دیکھا وہ بالکل کالا ہوتا ہے اور عام چڑیوں کی طرح بھدا ہوتا ہے اور کھیتوں میں دانہ چگتا رہتا ہے اور کوڑے مکوڑے کھاتا رہتا ہے اس کا نام ہر ملک میں الگ الگ ہے۔ لیکن یہی غراب الزرع کھیتی کا کوا ہے۔ چونکہ یہ نہ مردار کھاتا ہے اور نہ گندگی میں منہ ڈالتا ہے اس لئے یہ حلال ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے کھانے سے روکا ہے ہر پھاڑ کھانے والا جو نوکیلے دانت والا ہو اس جانور سے اور چنگل سے پکڑنے والے پرندے کے کھانے سے (ب) حضورؐ نے روکا ہر پھاڑ کھانے والے نوکیلے دانت والے جانور کو کھانے سے اور ہر چنگل سے پکڑنے والے پرندے کے کھانے سے (ج) حضرت ابراہیم سے منقول ہے ہر وہ پرندہ جو مردار کھاتا ہو اس کو کھانا مکروہ سمجھتے تھے (د) آپؐ نے روکا پاخانہ کھانے والے اونٹ کے گوشت کھانے سے اور اس کے دودھ پینے سے۔

[۲۶۱۷](۳۸)ولا یوکل الابقع الذی یاکل الجیف [۲۶۱۸](۳۹)ویکرہ اکل الضبع

وجہ یہ کوا ذی مخلب نہیں ہے(۲) اثر میں ہے۔عن ابن طاؤس عن ابیه قال کرہ من الطیر ما یاکل الجیف (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب الغراب والحداۃ ج رابع ص ۵۱۹ نمبر ۸۷۰۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مردہ یا گندگی کھاتا ہو تو وہ مکروہ ہے۔اور یہ کوا مردہ یا گندگی نہیں کھاتا بلکہ کھیتوں سے دانے چگتا ہے اس لئے یہ حلال ہے۔یہی مصنف کی مراد ہے۔ہندوستان میں جس کو عام طور پر کوا کہتے ہیں جو بہت ہوشیار ہوتا ہے اور شکار کرکے مرغی کے بچوں کو بھی گھروں سے اٹھا کر لے جاتا ہے اور برتن پر بیٹھے گا تو پاخانہ کر کے بھاگے گا، اور روٹی وغیرہ اٹھا کر لے بھاگتا ہے وہ کسی حال میں حلال نہیں ہوسکتا وہ ذی مخلب پرندہ ہے۔اور اس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ وہ فاسق ہے وہ حرم میں بھی ہے تو مار ڈالو۔حدیث یہ ہے۔عن عائشۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال خمس من الدواب کلھن فاسق یقتلن فی الحرم الغراب والحداۃ والکلب والعقور والعقرب والفارۃ (ب)(مسلم شریف، باب ما یندب للمحرم قتلہ من الدواب فی الاحل والحرم، ص ۳۸۱ نمبر ۲۸۶۷/۱۱۹۸) اس حدیث میں کوے کو فاسق کہا اور حرم میں بھی قتل کرنا جائز قرار دیا اس لئے وہ حرام ہے۔

[۲۶۱۷](۳۸)اور نہیں کھایا جائے گا ابقع کوا جو مردار کھاتا ہے۔

تشریح ابقع کوا وہی کوا ہے جو پہلے نمبر میں بیان کیا۔یہ کالا ہوتا ہے لیکن سفیدی مائل ہوتا ہے اور گلے کے پاس تھوڑی سفیدی واضح ہوتی ہے۔اور مردار کھاتا ہے بلکہ مرغی کے بچے کو اٹھا کر لے بھاگتا ہے۔

وجہ دلائل اوپر مسئلہ نمبر ۳۷ میں گزر گئے۔اس میں ڈرکوا بھی شامل ہے۔اس کو ڈرکوا اس لئے کہتے ہیں کہ ہوشیار کوے کی بنسبت تھوڑا ڈرتا ہے۔

لغت ابقع : چتکبرا۔ الجیف : مردار، بدبودار۔

[۲۶۱۸](۳۹)اور مکروہ ہے بجو، گوہ اور تمام حشرات الارض کو کھانا۔

تشریح بجو اور گوہ حشرات الارض میں سے ہیں اور گوشت خور جانور ہیں۔ان کو کچلی دانت بھی ہوتا ہے اس لئے حنفیہ کے نزدیک انکا کھانا تحریمی ہے۔چونکہ احادیث میں دونوں قسم کی باتیں ہیں اس لئے بالکل حرام نہیں فرمایا بلکہ مکروہ فرمایا۔

وجہ بجو کے مکروہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن اخیه خزیمة بن جزء قال سالت رسول اللہ ﷺ عن اکل الضبع ؟قال ویاکل الضبع احد؟ (ج)(ترمذی شریف، باب ما جاء فی اکل الضبع ج ثانی ص ۱ نمبر ۱۷۹۲/ ابن ماجہ شریف، باب الضبع ص ۴۶۰ نمبر ۳۲۳۷) آپؐ نے تعجب سے پوچھا کہ کیا کوئی بجو کھا سکتا ہے! اس لئے وہ حرام ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بجو حلال ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن جابر بن عبد اللہ قال سالت رسول اللہ ﷺ عن الضبع فقال ھو صید ویجعل فیه

حاشیہ : (الف) حضرت طاؤسؒ ناپسند فرماتے تھے ہر اس پرندے کو جو مردار کھاتا ہو (ب) آپؐ نے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں حرم میں بھی قتل کر دیئے جائیں۔چوہا، بچھو، چیل، کوا اور باؤلا کتا (ج) میں نے حضورؐ کو بجو کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے پوچھا کوئی بجو کھا سکتا ہے؟

والضب والحشرات كلها.

كبش اذا صاده المحرم (الف) ابوداؤد شریف، باب فی اکل الضبع ص ۱۷۷ نمبر ۳۸۰۱) ترمذی شریف میں اس طرح ہے۔ قلت لجابر الضبع صيد هي؟ قال نعم قال قلت أكلها؟ قال نعم قال قلت اقاله رسول الله ﷺ؟ قال نعم (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی اکل الضبع ج ثانی ص ۱۷۹ نمبر ۱۷۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بجو کو کھانا حلال ہے۔

اور گوہ بھی حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ سمعت ابن عمرؓ يقول قال النبي ﷺ الضب لست اكله ولا احرمه (د) اور اسی باب کی دوسری روایت میں ہے۔ فقالوا هو ضب يا رسول الله ! فرفع يده فقلت احرام هو ياسول الله؟ فقال لا ولكن لم يكن بارض قومي فاجدني اعافه قال خالد فاجتررته فاكلته ورسول الله ينظر (ج) (بخاری شریف، باب الضب ص ۸۳۱ نمبر ۵۵۳۶ / ۵۵۳۷ / مسلم شریف، باب اباحۃ الضب، ص ۱۵۰ نمبر ۱۹۴۳ / ۱۹۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے گوہ کے گوشت کو نہیں کھایا اس لئے کہ وہ ناپسندیدہ تھا اس لئے مکروہ ہے (۲) ایک حدیث میں ہے۔ عن عبد الرحمن بن شبل ان رسول الله ﷺ نهى عن اكل لحم الضب (د) (ابوداؤد شریف، باب فی اکل الضب ص ۱۷۶ نمبر ۳۷۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوہ کا گوشت حلال نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک حلال ہے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں حضرت خالد نے گوہ کے گوشت کو کھایا اور حضورؐ نے منع نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ حلال ہے (۲) دوسری حدیث میں یوں ہے۔ فنادت امرأة من نساء النبي ﷺ انه لحم ضب فقال رسول الله كلوا فانه حلال ولكنه ليس من طعامي (ہ) (مسلم شریف، باب اباحۃ الضب ص ۱۵۰ نمبر ۱۹۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوہ کا گوشت حلال ہے۔

حشرات الارض مکروہ ہے۔

وجہ آیت میں ہے۔ ويحل لهم الطيبت ويحرم عليهم الخبائث (آیت ۱۵۷ سورۃ الاعراف ۷) اس آیت میں ہے کہ خبیث چیز حرام کی گئی ہے اور حشرات الارض خبیث ہے اس لئے اس کا کھانا حرام ہے (۲) قال كنت عند ابن عمر فسئل عن اكل القنفذ فتلا قل لا اجد في ما اوحي الي محرما (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) قال قال شيخ عنده سمعت ابا هريرة يقول ذكر عند رسول الله ﷺ فقال خبيثة من الخبائث (و) (ابوداؤد شریف، باب فی اکل حشرات الارض ص ۱۷۶ نمبر ۳۷۹۹ / سنن للبیہقی، باب

حاشیہ : (الف) میں نے حضورؐ سے بجو کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا وہ شکار ہے اور اس کے بدلے میں مینڈھا لازم ہوگا اگر محرم اس کو شکار کرے (ب) میں نے حضرت جابرؓ سے بجو کے بارے میں پوچھا کیا وہ شکار ہے؟ کہا ہاں! میں نے پوچھا کیا اس کو کھا سکتا ہے؟ کہا ہاں! میں نے پوچھا کیا حضورؐ نے یہ فرمایا ہے؟ کہا ہاں! (ج) آپؐ نے فرمایا گوہ نہ کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام کرتا ہوں (ہ) لوگوں نے کہا یہ گوہ ہے یا رسول اللہ! تو آپؐ نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا۔ میں نے پوچھا کیا یہ حرام ہے یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا نہیں۔ لیکن میری قوم کی زمین میں پایا نہیں جاتا اس لئے مجھے کراہیت ہوتی ہے یعنی مکہ میں نہیں پایا جاتا۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی طرف کھینچ کر کھانے لگا اور حضورؐ دیکھ رہے تھے (د) آپؐ نے گوہ کے گوشت کھانے سے منع فرمایا (ہ) حضورؐ کی بیویوں میں سے ایک نے آواز دی کہ یہ گوہ کا گوشت ہے تو آپؐ نے فرمایا تم لوگ کھاؤ یہ حلال ہے لیکن یہ میرے کھانے میں سے نہیں ہے (و) میں عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس تھا تو چوہے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۶۱۹](۴۰)ولایجوز اکل لحم الحمر الاھلیة والبغال [۲۶۲۰](۴۱)ویکرہ اکل

ماروی فی القنفذ وحشرات الارض ج تاسع ص ۵۴۷ نمبر ۱۹۴۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قنفذ یعنی جنگلی چوہا کھانا ٹھیک نہیں ہے اور وہ حشرات الارض میں سے ہے اس لئے حشرات الارض کا کھانا بھی حلال نہیں ہے (۳) گوہ بھی حشرات الارض میں سے ہے وہ اوپر کی حدیث میں مکروہ بلکہ حرام کہا ہے اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے باقی حشرات الارض بھی حرام ہیں۔

لغت الضبع : بجو۔ الضب : گوہ۔ حشرات الارض : زمین پر رینگنے والے جانور جیسے چوہا، کچھوا، سانپ، بچھو وغیرہ۔

[۲۶۱۹](۴۰) اور جائز نہیں ہے گھریلو گدھوں کا کھانا اور خچر کو کھانا۔

تشریح ایک جنگلی گدھا ہوتا ہے جس کو کھانا حلال ہے اور ایک پالتو گدھا ہوتا ہے جس کا کھانا حرام ہے۔ اور گدھا اور گھوڑی دونوں کے ملاپ سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو خچر کہتے ہیں وہ بھی حرام ہے۔

وجہ **عن ابن عمرؓ نهى النبى ﷺ عن لحوم الحمر الاهلية يوم خيبر** (الف) (بخاری شریف، باب لحوم الحمر الانسیة ص ۸۲۹ نمبر ۵۵۲۱ رمسلم شریف، باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیة، ص ۱۴۹، نمبر ۱۹۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھریلو گدھے کا گوشت حلال نہیں ہے۔ پہلے جائز تھا، جنگ خیبر میں حرام ہو گیا۔ اور خچر کا گوشت حرام ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن خالد بن الوليد ان رسول الله ﷺ نهى عن اكل لحوم الخيل والبغال والحمير وكل ذى ناب من السباع** (ب) (نسائی شریف، باب تحریم اکل لحوم الخیل ص ۶۰۲ نمبر ۴۳۳۷ رابن ماجہ شریف، باب لحوم البغال ص ۴۶۴ نمبر ۳۱۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا خچر کا گوشت حلال نہیں ہے (۲) خچر گدھے کی پیداوار ہے جب گدھا حلال نہیں ہے تو خچر حلال کیسے ہوگا؟

[۲۶۲۰](۴۱) مکروہ ہے گھوڑے کا گوشت کھانا امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح گھوڑے کا گوشت حلال ہے تاہم مکروہ ہے۔

وجہ یہ جہاد میں کام آتا ہے اس کو کھانا عام کر دیا جائے تو جہاد کا نقصان ہوگا اس لئے اس کو مکروہ قرار دیا ہے (۲) اوپر حدیث میں گزرا **عن خالد بن وليد انه سمع رسول الله ﷺ يقول لا يحل اكل لحوم الخيل والبغال والحمير** (ج) (نسائی شریف، باب تحریم اکل لحوم الخیل ص ۶۰۲ نمبر ۴۳۳۶ رابن ماجہ شریف، باب لحوم البغال ص ۴۶۴ نمبر ۳۱۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑا کھانا حرام ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑا کھانا حلال ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن جابر بن عبد الله قال نهى النبى ﷺ يوم خيبر عن لحوم الحمر ورخص فى لحوم الخيل**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کے کھانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یہ آیت پڑھی قل لا اجد الخ۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا حضورؐ کے سامنے چوہے کا تذکرہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا خبیثوں میں سے ایک خبیث ہے (الف) آپؐ نے اہلی گدھے کے گوشت سے خیبر کے دن منع فرمایا (ب) آپؐ نے روکا گھوڑے، خچر اور گدھے کے گوشت کھانے سے اور پھاڑ کھانے والے نوکیلے دانت والے جانور کے کھانے سے (ج) حضورؐ فرماتے ہیں کہ نہیں حلال ہے گھوڑا، گدھا اور خچر کا گوشت۔

لحم الفرس عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ[۲۶۲۱](۴۲)ولا بأس باکل الارنب [۲۶۲۲] (۴۳)واذا ذبح مالا یوکل لحمه طهر جلده ولحمه الا الآدمی والخنزیر فان

(الف) (بخاری شریف، باب لحوم الخیل ص ۸۲۹ نمبر ۵۵۲۰ رمسلم شریف، باب اباحۃ اکل لحوم الخیل ص ۱۵۰ نمبر ۱۹۴۱) اسی کی دوسری روایت میں یہ بھی ہے۔ **سمع جابر بن عبد الله یقول اکلنا زمن خیبر الخیل وحمر الوحش** (ب) (مسلم شریف، نمبر ۱۹۴۱/۵۰۲۳/ بخاری شریف، نمبر ۵۵۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہے۔

[۲۶۲۱] (۴۲) کوئی حرج نہیں ہے خرگوش کھانے میں۔

وجہ خرگوش نہ گوشت خور جانور ہے اور نہ گندگی کھاتا ہے۔ وہ گھاس کھانے والا جانور ہے اس لئے وہ حلال ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن انس قال انفجنا ارنبا ونحن بمر الظهر ان فسعی القوم فلغبوا فاخذ تها فجئت بها الی ابی طلحة فذبحها فبعث بورکیها او قال بفخذیها الی النبی ﷺ فقبلها** (ج) (بخاری شریف، باب الارنب ص ۸۳۰ نمبر ۵۵۳۵ رمسلم شریف، باب اباحۃ الارنب ص ۱۵۲ نمبر ۱۹۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خرگوش حلال ہے۔

[۲۶۲۲] (۴۳) اگر ذبح کیا جائے ایسا جانور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے تو پاک ہوگی اس کی کھال اور گوشت سوائے آدمی اور سور کے، ذکوۃ ان میں کوئی اثر نہیں کرتی۔

تشریح مثلا بلی، گیدڑ وغیرہ جس جانور کا گوشت حلال نہیں ہے اس کو شرعی طریقے سے ذبح کر دیا تو اس کا گوشت حلال نہیں ہوگا اور نہ کھانے کے قابل ہوگا البتہ گوشت اور کھال پاک ہو جائیں گے۔ کھال پر اسی حال میں نماز پڑھ سکتا ہے اور گوشت کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

وجہ اصل میں بہتا ہوا خون ناپاک ہے، ذبح کرنے کی وجہ سے بہتا ہوا خون نکل گیا اس لئے کھال اور گوشت پاک ہو گئے چاہے حلال نہیں ہوا (۲) مردار کی کھال دباغت دی جائے تو پاک ہو جاتی ہے کیونکہ دباغت سے خون اور ناپاک رطوبت نکل جاتی ہے۔ اسی طرح ذبح کرنے کی وجہ سے خون نکل گیا تو کھال اور گوشت پاک ہو گئے۔ حدیث میں ہے۔ **ان عبد الله بن عباس اخبره ان رسول الله ﷺ مر بشاة میتة فقال هلا استمتعتم باهابها ؟ قالوا انها میتة قال انما حرم اکلها** (د) (بخاری شریف، باب جلود المیتۃ ص ۸۳۰ نمبر ۵۵۳۱) اور ترمذی شریف میں ہے۔ **سمعت ابن عباس یقول ماتت شاة فقال رسول الله ﷺ لاهلها الا نزعتم جلدها ثم دبغتموه فاستمتعتم به** (ہ) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی جلود المیتۃ اذا دبغت ص ۳۰۳ نمبر ۱۷۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار

حاشیہ : (الف) خیبر کے دن حضورؐ نے روکا گدھے کے گوشت کھانے سے اور رخصت دیا گھوڑے کے گوشت کھانے میں (ب) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے خیبر کے دن گھوڑے اور وحشی گدھے کا گوشت کھایا (ج) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے دوڑایا خرگوش کو مر الظہر ان میں اور لوگ بھی دوڑے اور اس کو تھکا دیا۔ میں نے اس کو پکڑا اور اس کو ابو طلحہ کے پاس لے آیا اور اس کو ذبح کیا۔ پھر اس کی ران کو حضورؐ کے پاس بھیجا تو حضورؐ نے اس کو قبول فرمایا (د) آپ گزرے مردہ بکری کے سامنے سے تو آپؐ نے کہا کیا تم اس کے کچے چمڑے سے فائدہ نہیں اٹھاتے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ تو مردہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کا کھانا حرام ہے یعنی چمڑا حرام نہیں (ہ) حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے ایک بکری مری تو آپؐ نے فرمایا اس کے چمڑے کو کیوں ادھیڑتے نہیں ہو؟ پھر اس کو دباغت دو پھر تم اس سے فائدہ اٹھاؤ

الذکاۃ لاتعمل فیھما[۲۶۲۳] (۴۴)ولا یو کل من حیوان الماء الا السمک.

کی کھال کو دباغت دی جائے تو پاک ہو جائے گی اسی پر قیاس کرتے ہوئے غیر ماکول اللحم کو ذبح کیا جائے تو اس کا چمڑا پاک ہو جائے گا۔ کیونکہ خون اور ناپاک رطوبت ذبح کرنے کی وجہ سے نکل گئی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غیر ماکول اللحم کو ذبح کریں تو کھال پاک نہیں ہوگی جب تک کہ اس کو دباغت نہ دی جائے۔ جس طرح اوپر کی حدیث میں مردار کی کھال کو دباغت دی تو پاک ہوگئی۔

البتہ سور کو ذبح کرے یا اس کی کھال کو دباغت دے وہ کسی حال میں پاک نہیں ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔ **الا ان یکون میتة او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا** (الف) (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) چونکہ یہ نجس العین ہے اس لئے یہ دباغت سے بھی پاک نہیں ہوگا۔

اور انسان مکرم اور محترم ہے اس لئے ذبح کرنے سے بھی وہ پاک نہیں ہوگا تا کہ لوگ اس کو استعمال نہ کرے۔ **ولقد کرمنا بنی آدم** (آیت ۷۰ سورۃ الاسراء ۱۷) انسان پاک ہے لیکن ذبح کے ذریعہ اس لئے پاک قرار نہیں دیا جا رہا ہے تا کہ لوگ اس کی کھال استعمال کر کے توہین نہ کرے۔

[۲۶۲۳] (۴۴) اور پانی کے جانوروں میں سے نہیں کھایا جائے گا مگر مچھلی۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سمندر کے جانور میں سے صرف مچھلی حلال ہے باقی سب حرام ہیں۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال احلت لنا میتتان الحوت والجراد** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب صید الحیتان والجراد ص ۴۶۷ نمبر ۳۲۱۸ / دار قطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۸۴ نمبر ۴۶۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف مچھلی حلال ہے (۲) حدیث میں ہے۔ مینڈک کو دوائی میں ڈالنا منع فرمایا ہے جبکہ وہ سمندری جانور ہے جس سے معلوم ہوا کہ مچھلی کے علاوہ باقی سمندری جانور حرام ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الرحمن بن عثمان ان طبیبا سأل النبی ﷺ عن ضفدع یجعلھا فی دواء فنھاہ النبی ﷺ عن قتلھا** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الادویۃ المکروھۃ ص ۱۸۴ نمبر ۳۸۷۱) اس حدیث میں مینڈک کو قتل کرنا منع فرمایا ہے اور دوائی میں ڈالنا منع فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ حلال نہیں ہے اسی طرح سمندر کے باقی جانور حلال نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سمندر کے تمام جانور حلال ہیں۔

وجہ آیت میں ہے۔ **احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارہ** (د) (آیت ۹۶ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں سمندر کے تمام شکار کو حلال قرار دیا جس سے معلوم ہوا کہ سمندر کے سارے جانور حلال ہیں۔ حدیث میں ہے۔ **سمع ابی ھریرۃ یقول ...**

حاشیہ : (الف) مگر یہ کہ مردہ ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو ناپاک ہے یا فسق ہے (ب) آپؐ نے فرمایا میرے لئے حلال کئے گئے ہیں دو مردے مچھلی اور ٹڈی (ج) ایک طبیب نے حضورؐ سے مینڈک کے بارے میں پوچھا کہ اس کو دوا میں ڈالے؟ تو حضورؐ نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا (د) تمہارے لئے سمندر کا شکار حلال کیا گیا ہے اور اس کا کھانا تمہارے لئے فائدے کی چیز ہے اور مسافروں کے لئے۔

[۲۶۲۴](۴۵)ویکرہ اکل الطافی منہ[۲۶۲۵] (۴۶)ولا بأس باکل الجریث والمار ماھی[۲۶۲۶] (۴۷)ویجوز اکل الجراد ولا ذکاۃ لہ.

فقال رسول الله ﷺ هو الطهور ماؤه الحل ميتته (الف)(ابوداؤدشریف، باب الوضوء بماء البحرص ۱۳ نمبر ۸۳ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحر انہ طھور ص ۲۱ نمبر ۶۹) اس حدیث سے سمندر کے تمام مردوں کو حلال قرار دیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ سمندری جانور مرجائیں اور ذبح نہ بھی کئے جائیں تو تمام کے تمام حلال ہیں۔بعض روایت میں سمندری کتے اور سور حرام ہیں کیونکہ یہ خشکی میں نجس ہیں اس لئے سمندر کے بھی حلال نہیں ہوں گے۔دارقطنی میں یوں ہے۔عن جابر قال قال رسول الله ﷺ ما من دابة فی البحر الا قد ذکاها الله لبنی آدم (ب)(دارقطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۸۰ نمبر ۴۶۶۶)

[۲۶۲۴](۴۵)اور مکروہ ہے اس مچھلی کا کھانا جو اوپر تیر جائے۔

تشریح پانی میں قدرتی اسباب سے مچھلی مرکر پانی پر تیرنے لگتی ہے اس کو طافی مچھلی کہتے ہیں اس کا کھانا مکروہ ہے۔

وجہ عموما وہ مچھلی تیرنے لگتی ہے جو پھول جاتی ہے اور سڑنے لگتی ہے اس لئے ایسی مچھلی کا کھانا مکروہ قرار دیا (۲) عن جابر بن عبد الله عن النبی ﷺ قال کلوا ما حسر عنه البحر وما القاه وما وجدتموه میتا او طافیا فوق الماء فلا تاکلوه (ج)(دارقطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۸۰ نمبر ۴۶۶۸ رسنن للبیھقی، باب من کرہ اکل الطافی ج تاسع ص ۴۲۸ نمبر ۱۸۹۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرکر پانی پر تیرنے والی مچھلی نہ کھائے۔

نوٹ جو مچھلی ابھی ابھی مری ہو یا کسی حادثہ کے شکار سے مری ہو اس کو کھا سکتا ہے کیونکہ وہ ابھی سڑی نہیں ہے۔کلوا ما حسر عنه البحر وما القاه سے اس کا اشارہ ہے۔

لغت الطافی : وہ مچھلی جو پانی میں مرکر پانی پر تیرنے لگی ہو۔

[۲۶۲۵](۴۶)اور سچکی اور بام مچھلی کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح سچکی ایک قسم کی مچھلی ہے جو عام مچھلیوں سے الگ ہوتی ہے یہ بام مچھلی سے تھوڑی الگ شکل کی ہوتی ہے اور سانپ جیسی لمبی ہوتی ہے۔ اس طرح بام مچھلی بھی سانپ کی طرح لمبی ہوتی ہے لیکن وہ مچھلی ہی ہے اس لئے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لغت الجریث : سچکی مچھلی۔ المارماہی : فارسی لفظ ہے سانپ کی طرح کی مچھلی جس کو ہندوستان میں بام مچھلی کہتے ہیں۔

[۲۶۲۶](۴۷) جائز ہے ٹڈی کو کھانا اور اس میں ذبح کی ضرورت نہیں۔

وجہ ٹڈی حلال ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔سمعت ابن ابی اوفی قال غزو نامع النبی ﷺ سبع غزوات اوستا کنا

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ یعنی مچھلی حلال ہے (ب) آپ نے فرمایا سمندر میں کوئی جانور نہیں ہے مگر اللہ نے اس کو بنی آدم کے لئے گویا کہ ذبح کر دیا ہے یعنی حلال ہے (ج) آپ نے فرمایا سمندر جس مچھلی کو چھوڑ دے یا اس کو باہر ڈال دے اس کو کھاؤ۔اور جس کو تم مردہ پاؤ یا پانی پر تیر رہی ہو اس کو مت کھاؤ۔

نـاکـل مـعـه الجراد (الف) (بخاری شریف، باب اکل الجراد ص ۸۲۶ نمبر ۵۴۹۵ رمسلم شریف، باب اباحۃ الجراد ص ۱۵۲ نمبر ۱۹۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹڈی حلال ہے۔ اور اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں اس کی دلیل یہ حدیث گزر چکی ہے۔ عـن عبد الله بن عمر ان رسـول الـلـه ﷺ قـال احلت لنا میتتان الحوت والجراد (ب) (ابن ماجہ شریف، باب صید الحیتان والجراد ص ۴۶۷ نمبر ۳۲۱۸ ردار قطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۸۴ نمبر ۴۶۸۷) اس حدیث میں ہے کہ مردہ حلال ہے یعنی ٹڈی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں مرا ہوا بھی مچھلی کی طرح حلال ہے۔

لغت الجراد : ٹڈی۔ لاذکوۃ لہ : اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) ابن ابی اوفیٰؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ کے ساتھ سات یا چھ غزوے کئے، ہم آپؐ کے ساتھ ٹڈی کھایا کرتے تھے (ب) آپؐ نے فرمایا ہمارے لئے دو مردے حلال کئے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی۔ یعنی بغیر ذبح بھی حلال ہے۔

﴿ كتاب الاضحية ﴾

[٢٦٢٧](١)الاضحية واجبة على كل حر مسلم مقيم موسر في يوم الاضحى.

﴿ كتاب الاضحية ﴾

ضروری نوٹ جس جانور کو قربانی کی نیت سے دس، گیارہ یا بارہ ذی الحجہ کو ذبح کرے اس کو اضحیہ کہتے ہیں۔قربانی کی دلیل آیت میں ہے۔فصل لربک وانحر (الف)(آیت ۲ سورۃ الکوثر ۱۰۸)اس آیت میں نحر کرنے کا حکم دیا ہے جو قربانی کی طرف اشارہ ہے۔اور حدیث میں یہ ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا (ب)(ابن ماجہ شریف، باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ص ۴۵۵ نمبر ۳۱۲۳ ردار قطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۸۵ نمبر ۴۶۹۸)اس حدیث میں ہے کہ کوئی قربانی کی گنجائش رکھتا ہو وہ قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ پر نہ آئے اس سے واجب ہونے کا ثبوت ہوا۔

[۲۶۲۷](۱) قربانی واجب ہے ہر آزاد، مسلمان، مقیم اور قربانی کے دن مالدار ہو اس پر۔

تشریح کوئی آدمی آزاد ہو، مسلمان ہو اور مقیم ہو مسافر نہ ہو اور قربانی کے دنوں میں مالدار بھی ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔

وجہ ہر ایک کی وجہ۔آزاد اور مسلمان ہونے کی دلیل بار بار گزر چکی ہے کہ مسلمان ہو تب ہی اس پر عبادت ہے۔قربانی ایک عبادت ہے اس لئے کافر پر نہیں ہوگی۔اور غلام کے پاس مال ہی نہیں ہے اس لئے وہ قربانی کیسے کرے گا۔اور مقیم اس لئے کہ مسافر کو قربانی کرنے میں آسانی نہیں ہوگی۔لیکن اگر کر لیا تو قربانی کی ادائیگی ہو جائے گی۔حضورؐ نے سفر میں قربانی کی ہے۔عن ثوبان قال ضحى رسول الله ﷺ ثم قال يا ثوبان اصلح لنا لحم هذه الشاة قال فمازلت اطعمه منها حتى قدمنا المدينه (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی المسافر یضحی ص ۳۳ نمبر ۲۸۱۶ ربخاری شریف، باب من ذبح اضحیۃ غیرہ، ص ۸۳۴ نمبر ۵۵۵۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر قربانی کر سکتا ہے البتہ اس پر واجب نہیں ہے۔اور مالدار ہو تب واجب ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر غریب ہو تو کہاں سے قربانی کرے گا وہ تو خود ہی محتاج ہے۔مالدار سے مراد یہ ہے کہ وہ قربانی کے دنوں میں زکوۃ کے نصاب کا مالک ہو(۲)اوپر حدیث گزری عن ابی هريرة قال من كان له سعة و لم يضح فلا يقربن مصلانا (ابن ماجہ شریف، نمبر ۳۱۲۳)اس حدیث میں ہے کہ گنجائش ہو تو قربانی واجب ہے ورنہ نہیں۔اور قربانی واجب ہے سنت نہیں اس کی دلیل بھی اوپر کی حدیث ہے۔کیونکہ آپؐ نے فرمایا کہ گنجائش کے باوجود قربانی نہ کرے تو میری عیدگاہ پر نہ آئے، اس قسم کی وعید واجب چھوڑنے پر ہوتی ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔سالت ابن عمر عن الضحايا اواجبة هي؟ قال ضحى رسول الله ﷺ والمسلمون من بعده

حاشیہ : (الف) اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور نحر کیجئے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی کے پاس گنجائش ہو اور قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ تک نہ آئے (ج) حضرت ثوبان نے فرمایا حضورؐ نے قربانی کی پھر فرمایا اے ثوبان تم ہمارے لئے اس بکری کو ٹھیک کرو۔فرماتے ہیں کہ مدینہ آنے تک میں حضورؐ کو گوشت کھلاتے رہا۔

[۲۶۲۸] (۲) یذبح عن نفسه وعن ولده الصغیر [۲۶۲۹] (۳) ویذبح عن کل واحد منهم

جرت به السنة (الف) (ابن ماجہ شریف، باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ ص ۴۵۵ نمبر ۳۱۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی سنت ہے۔

[۲۶۲۸] (۲) قربانی کرے اپنی جانب سے اور اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے۔

تشریح چھوٹی اولاد کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ صاحب نصاب ہے تو وہ خود قربانی نہیں کر سکتی کیونکہ مرفوع القلم ہیں اس لئے ان کے مال سے باپ قربانی کرے گا۔

وجہ حضورؐ نے اہل بیت کی جانب سے قربانی کی ہے کیونکہ آپؐ ذمہ دار تھے۔ اسی طرح باپ چھوٹی اولاد کا ذمہ دار ہے اس لئے باپ اس کی جانب سے قربانی کرے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن عائشة ان النبی ﷺ دخل علیها ... فلما کنا بمنی اتیت بلحم بقر فقلت ما هذا؟ قالوا ضحی رسول الله ﷺ عن ازواجه بالبقر (ب) (بخاری شریف، باب الاضحیۃ للمسافر والنساء ص ۸۳۲ نمبر ۵۵۴۸ / ابن ماجہ شریف، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ ص ۴۵۵ نمبر ۳۱۲۲) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنے اہل بیت کی جانب سے قربانی کی اسی پر قیاس کرتے ہوئے اپنی اولاد کی جانب سے بھی قربانی کر سکتا ہے۔

فائدہ دوسری روایت یہ ہے کہ بچہ مرفوع القلم ہے اس لئے چاہے مالدار ہو لیکن اس کی جانب سے باپ پر قربانی واجب نہیں ہے اور نہ بچے پر قربانی واجب ہے۔

[۲۶۲۹] (۳) ذبح کرے ان میں سے ہر ایک ایک بکری یا ذبح کرے اونٹ یا گائے سات آدمیوں کی جانب سے۔

تشریح ایک بکری ایک آدمی کی جانب سے کافی ہے دو آدمیوں کی جانب سے نہیں۔ اور اونٹ یا گائے سات آدمیوں کی جانب سے کافی ہوتی ہے اس سے زیادہ آدمی شریک نہیں ہو سکتے۔ البتہ سات سے کم پانچ یا چار وغیرہ شریک ہو سکتے ہیں۔

وجہ بکری کے سلسلے میں شرکت کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ اگر بکری میں دو آدمیوں کی شرکت جائز ہوتی تو حدیث میں اس کا تذکرہ ہوتا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کی جانب سے نفلی طور پر بکری قربانی کرے اور اس کا ثواب بہت سے کو پہنچا دے۔ عن انس قال ضحی النبی ﷺ بکبشین املحین فرأیته واضعا قدمه علی صفاحهما یسمی ویکبر فذبحهما بیده (ج) (بخاری شریف، باب من ذبح الاضاحی بیدہ ص ۸۳۴ نمبر ۵۵۵۸ / مسلم شریف، باب استحباب استحسان الضحیۃ الخ ص ۱۵۵ نمبر ۱۹۶۶) اس حدیث میں آپؐ نے اپنی جانب سے دو بکرے ذبح فرمائے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ بکرا صرف ایک آدمی کی جانب سے ادا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے۔ وقال

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت ابن عمرؓ کو پوچھا کیا قربانی واجب ہے؟ فرمایا حضورؐ اور اس کے بعد مسلمانوں نے قربانی کی اور یہ سنت جاری ہے (ب) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ میرے پاس تشریف لائے ...پس جب منی میں تھے گائے کا گوشت مجھے دیا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کی جانب سے گائے ذبح کی ہے (ج) حضورؐ نے قربانی کی دو چتکبرے مینڈھے کی۔ میں نے دیکھا اپنے قدم کو رکھا اس کے گال پر۔ بسم اللہ پڑھا، تکبیر کہی اور دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔

شاة او یذبح بدنة او بقرة عن سبعة[۲۶۳۰] (۴)ولیس علی الفقیر والمسافر اضحیة.

بعض اهل العلم لا تجزی الشاة الا ان نفس واحدة وهو قول عبد الله بن المبارک وغیرهم من اهل العلم (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الشاة الواحدة تجزی عن اہل البیت ص ۲۷۶ نمبر ۱۵۰۵) اور ایک بکرا ذبح کر کے ثواب میں سب کو شریک کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن عائشة ان رسول الله ﷺ امر بکبش اقرن ... وقال بسم الله اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن امة محمد ثم ضحی به (ب)** (ابوداؤد شریف، باب ما یستحب من الضحایا ص ۳۰ نمبر ۲۷۹۲) اس حدیث میں ایک بکرے کو ذبح کیا اور اس کا ثواب محمدؐ، آل محمدؐ اور امت محمدؐ کو پہنچایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایک جانور اپنی جانب سے ذبح کرے اور اس کا ثواب بہت لوگوں کو پہنچائے یہ جائز ہے۔ اور ان شاء اللہ سب کو پورا پورا ثواب مل جائیگا۔

اور گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

وجہ **عن جابر بن عبد الله ان النبی ﷺ قال البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة (ج)** (ابوداؤد شریف، باب البقرة والجزور عن کم یجزی؟ ص ۳۲ نمبر ۲۸۰۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاشتراک فی الاضحیة ص ۲۷۶ نمبر ۱۵۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ میں اور گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک گھر میں اگر بارہ آدمی ہوں تب بھی سب کی جانب سے ایک جانور کافی ہے۔ البتہ ایک جانور دو گھروں کی جانب سے کافی نہیں۔ ان کے یہاں ایک گھر پر ایک جانور ضروری ہے چاہے کتنے ہی افراد کیوں نہ ہوں۔

وجہ **قال انبأنا مخنف بن سلیم قال ونحن وقوف مع رسول الله ﷺ بعرفات قال قال یا ایها الناس ان علی کل اهل بیت فی کل عام اضحیة وعتیرة (د)** (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی ص ۳۰ نمبر ۲۷۸۸ رترمذی شریف، باب ماجاء ان الشاة الواحدة یجزی عن اہل البیت ص ۲۷۶ نمبر ۱۵۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک جانور پورے گھر کی جانب سے کافی ہے چاہے گھر میں کتنے ہی افراد ہوں۔

[۲۶۳۰] (۴) فقیر اور مسافر پر قربانی نہیں ہے۔

وجہ اوپر حدیث گزری کہ جو گنجائش رکھتا ہو یعنی صاحب نصاب ہو اس پر قربانی ہے اس لئے فقیر پر قربانی نہیں ہے۔ فقیر کے پاس کچھ ہے ہی نہیں تو وہ کیسے قربانی کرے گا (۲) حدیث میں ہے۔**عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال من کان له سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا (ہ)** (ابن ماجہ شریف، باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ ص ۴۵۵ نمبر ۳۱۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گنجائش ہو پھر اس پر

حاشیہ : (الف) بعض اہل علم نے کہا بکری نہیں کافی ہوگی مگر ایک آدمی کی طرف سے، یہ قول عبداللہ بن مبارکؒ اور دوسرے اہل علم کا ہے (ب) آپؐ نے حکم دیا سینگ والے مینڈھے کا... اور کہا بسم اللہ تقبل من محمد وآل محمد وم امت محمد، پھر آپؐ نے قربانی کی (ج) آپؐ نے فرمایا گائے سات آدمیوں کی جانب سے اور اونٹ سات آدمیوں کی جانب سے (د) مخنف بن سلیم نے فرمایا ہم حضورؐ کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اے لوگو ہر گھر والے پر ہر سال اضحیہ کا جانور ہے اور عتیرہ ہے (ہ) آپؐ نے فرمایا جس کو گنجائش ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

[۲۶۳۱] (۵) ووقت الاضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر الا انه لايجوز لاهل الامصار الذبح حتى يصلى الامام صلوة العيد فاما اهل السواد فيذبحون بعد طلوع الفجر

[۲۶۳۲] (۶) وهى جائزة ثلثة ايام يوم النحر ويومان بعده .

قربانی واجب ہے۔

نوٹ فقیر پر واجب نہیں ہے لیکن کرلے تو قربانی ادا ہو جائے گی۔

اور مسافر پر قربانی اس لئے واجب نہیں ہے کہ اس کے پاس عموما رقم نہیں ہوتی ۔اور قربانی کے جانور تلاش کرنے میں اور اس کو قربانی کرنے میں تکلیف ہوگی (۳) جب رمضان کا فرض روزہ ساقط ہو گیا، جمعہ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ ساقط ہو گئے تو ان پر قیاس کرتے ہوئے قربانی بھی ساقط ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابراهيم قال رخص للحاج والمسافر فى ان لا يضحى** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الضحایا ج رابع ص ۳۸۲ نمبر ۸۱۴۲)

[۲۶۳۱] (۵) قربانی کرنے کا وقت داخل ہو جاتا ہے دسویں تاریخ فجر کے طلوع ہونے سے مگر یہ کہ شہر والوں کے لئے ذبح کرنا جائز نہیں جب تک کہ امام عید کی نماز نہ پڑھالے، بہر حال دیہات والے تو فجر کے طلوع ہونے کے بعد ذبح کر سکتے ہیں۔

تشریح قربانی کرنے کا وقت دسویں ذی الحجہ کے دن صبح صادق طلوع ہونے کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔البتہ چونکہ شہر میں عید کی نماز ہوتی ہے اس لئے امام کی نماز عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر قربانی کرلی تو وہ عام گوشت ہوگا، قربانی دوبارہ کرنی ہوگی۔ اور دیہات میں عید کی نماز واجب نہیں ہے اس لئے وہاں صبح صادق کے بعد ہی سے قربانی کر سکتے ہیں۔

وجہ **عن انس عن النبى ﷺ قال من ذبح قبل الصلوة فليعد** (ب) (بخاری شریف، باب من ذبح قبل الصلوۃ اعاد ص ۸۳۴ نمبر ۵۵۶۱ رمسلم شریف، باب وقتھا ص ۱۵۳ نمبر ۱۹۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہر میں عید کی نماز ہوتی ہے اس لئے قربانی نماز کے بعد کرے ۔اور دیہات میں نماز عید نہیں ہے اس لئے صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتا ہے۔ اس لئے صبح صادق کے بعد دن شروع ہو جاتا ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **وقد رخص قوم من اهل العلم لاهل القرى فى الذبح اذا طلع الفجر وهو قول ابن مبارك** (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الذبح بعد الصلوۃ، ص ۲۷۷ نمبر ۱۵۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صبح صادق کے بعد گاؤں والے قربانی کر سکتے ہیں۔

لغت اہل السواد : سواد کا معنی کالا ہے، زراعت اور کھیتی کی وجہ سے دیہات کالا نظر آتا ہے اس لئے اس کو اھل السواد کہتے ہیں۔

[۲۶۳۲] (۶) اور قربانی جائز ہے تین دن، دسویں تاریخ کو اور دو دن اس کے بعد۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا رخصت دیا حاجیوں اور مسافروں کو کہ وہ قربانی نہ کریں (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے نماز سے پہلے قربانی کر لی تو دوبارہ قربانی کرے (ج) اہل علم کے کچھ قوم نے رخصت دی گاؤں والوں کے لئے کہ وہ ذبح کریں جوں ہی فجر طلوع ہو، یہی قول عبد اللہ ابن مبارکؒ کا ہے۔

[۲۶۳۳](۷) ولا یضحّی بالعمیاء والعوراء والعرجاء التی لاتمشی الی المنسک ولا

تشریح قربانی دسویں، گیارہویں اور بارہویں کو جائز ہے اور اس کے بعد جائز نہیں ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ان عبد اللہ بن عمر کان یقول الاضحی یومان بعد یوم الاضحی (الف)(سنن للبیہقی ، باب من قال الاضحیٰ یوم النحر ویومین بعدہ ج تاسع ص ۵۵۰ نمبر ۱۹۲۵۴ رموطا امام مالک، باب ذکر ایام الاضحیٰ ص ۴۹۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ دسویں تاریخ کے بعد دو دنوں تک قربانی کرسکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تیرہویں تاریخ تک ایام تشریق ہے اس لئے تیرہویں تاریخ تک قربانی کرسکتا ہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن جبیر بن مطعم عن النبی ﷺ قال کل عرفات موقف وارفعوا عن عرفات وکل ومزدلفة موقف وارفعوا عن محسر وکل فجاج منی منحر وکل ایام التشریق ذبح (ب)(سنن للبیہقی ، باب من قال الاضحیٰ جائز یوم النحر وایام منی کلھا لانھا ایام نسک ج تاسع ص ۴۹۷ نمبر ۱۹۲۳۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورے ایام تشریق میں ذبح کرسکتا ہے۔ اور ایام تشریق تیرہویں تاریخ تک ہے اس لئے تیرہویں تاریخ تک قربانی کرسکتا ہے۔اگرچہ افضل پہلے دن ہے (۲)عن ابن عباس قال الاضحی ثلاثة ایام بعد یوم النحر (ج)سنن للبیہقی ، باب من قال الاضحیٰ جائز یوم النحر وایام منی کلھا لانھا ایام نسک ج تاسع ص ۴۹۹ نمبر ۱۹۲۴۷)اس اثر میں تیرہویں تاریخ تک قربانی کرنے کی گنجائش ہے۔

[۲۶۳۳](۷) قربانی نہ کی جائے اندھے کی، کانے کی اور ایسے لنگڑے کی جو مذبح تک نہ جاسکے نہ دبلے کی۔

تشریح جانور اندھا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔اسی طرح کانا ہو یا اتنا لنگڑا ہو کہ مذبح تک بھی نہ جاسکتا ہو یا بہت دبلا ہو تو ان جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

وجہ اس مسئلے میں اصول یہ ہے کہ اللہ کے حضور میں ہدیہ دینا ہے تو ایسا ناقص نہ ہو کہ لوگ بھی پسند نہ کرتے ہوں۔اس لئے اچھا جانور خدا کے حضور میں پیش کرے۔دوسرا اصول یہ ہے کہ آدھا سے زیادہ ٹھیک ہو یعنی دو تہائی ٹھیک ہے تو وہ جانور ٹھیک شمار کیا جائے گا۔اور دو تہائی سے کم ٹھیک ہے اور ایک تہائی سے زیادہ خراب ہے تو وہ جانور ٹھیک نہیں ہے اور نہ قربانی کے قابل ہے۔اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ قال قتادة وسالت سعید بن مسیب عن العضب فقال النصف فمافوقہ (د)(ابو داؤد شریف ، باب یکرہ من الضحایا ص ۳۱ نمبر ۲۸۰۶ رسنن للبیہقی ، باب ماورد النھی عن التضحیة بہ ج تاسع ص ۴۶۲ نمبر ۱۹۱۰۴)اس اثر میں آدھے سے زیادہ کٹے ہوئے کو نقص کہا ہے۔اس لئے احتیاط کے طور پر دو تہائی کے اچھے کو اچھا کہا تا کہ للاکثر حکم الکل پر عمل ہو جائے۔

حاشیہ : (الف) عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی کے لئے ہیں یعنی گیارہوں اور بارہویں تاریخ (ب) آپؐ نے فرمایا عرفات کا کل حصہ ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن ایک حصہ بطن عرنہ سے الگ رہو، مزدلفہ کل کے کل ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن بطن محسر سے الگ رہو، اور منی کی ساری وادیاں نحر کی جگہ ہے ،ایام تشریق کل کے کل ذبح کرنے کا وقت ہے (ج) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قربانی کے لئے تین دن ہے دسویں تاریخ کے بعد (د) سعید بن مسیبؒ سے ٹوٹے ہوئے سینگ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا آدھا یا اس سے زیادہ ٹوٹا ہو تو نقص ہے۔

العجفاء [۲۶۳۴] (۸) ولا تجزئ مقطوعة الاذن والذنب ولا التی ذھب اکثر اذنھا او

فائدہ اوپر کے اثر کی وجہ سے صاحبینؒ کا قول یہ ہے کہ آدھا سے زیادہ ٹھیک ہو تو کافی ہے۔

اور اوپر کے نقص والے جانور جائز نہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ سالت بر البراء بن عاذب مالا یجوز فی الاضاحی فقال قام فینا رسول الله ﷺ فقال اربع لا تجوز فی الاضاحی العوراء بین عورھا والمریضة بین مرضھا والعرجاء بین ظلعھا والکسیر التی لاتنقی (الف) (ابوداؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ص ۳۱ نمبر ۲۸۰۲ رترمذی شریف، باب مالا یجوز من الاضاحی ص ۲۷۵ نمبر ۱۴۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانا جائز نہیں تو اندھا بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح لنگڑا جائز نہیں اور بہت دبلا اور بہت بیمار بھی جائز نہیں ہے۔

لغت العمیاء : اندھا۔ العوراء : کانا۔ العرجاء : لنگڑا۔ العجفاء : دبلا پتلا۔

[۲۶۳۴] (۸) اور نہیں جائز ہے کان کٹا ہوا اور دم کٹی ہوئی اور نہ وہ جس کا اکثر کان یا دم کٹی ہو، اور اگر اکثر کان اور دم باقی ہوں تو جائز ہے۔

تشریح یہ مسئلہ اوپر والے اصول پر متفرع ہے۔ پورا کان کٹا ہوا یا پوری دم کٹی ہو تو جائز نہیں ہے۔ اور اگر آدھے سے زیادہ کان کٹا ہوا یا آدھی سے زیادہ دم کٹی ہو تو جائز نہیں۔ اور اگر آدھے سے کم کان کٹا ہو یا آدھی سے کم دم کٹی ہو تو جائز ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ قال اتیت عتبة بن عبد السلمی فقلت ... انما نھی رسول الله ﷺ عن المصفرة والمستأصلة والبخقاء والمشیعة والکسراء، فالمصفرة التی تستاصل اذنھا حتی یبدو سماخھا، والمستاصلة التی استؤصل قرنھا من اصله، والبخقاء التی تبخق عینھا، والمشیعة التی لا تتبع الغنم عجفاء وضعفاء والکسراء الکسیرة (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ص ۳۱ نمبر ۲۸۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کان کٹا ہوا ہو کہ دماغ نظر آئے یا سینگ بالکل جڑ سے اکھڑ گیا ہو تو جائز نہیں ہے یا کانا ہو تو جائز نہیں ہے۔

اور آدھا کان یا آدھی دم سے زیادہ کٹی ہو تو جائز نہیں ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن علی قال امرنا رسول الله ﷺ ان نستشرف العین والاذن ولا نضحی بعوراء ولا مقابلة ولا مدابرة ولا خرقاء ولا شرقاء قال زھیر فقلت لابی اسحاق اذکر عضباء؟ قال لا، قلت فما المقابلة؟ قال یقطع طرف الاذن، فقلت ما المدابرة؟ قال یقطع من مؤخر الاذن، فقلت فما الشرقاء ؟ قال تشق الاذن، قلت فما الخرقاء ؟ قال تخرق اذنھا للسمة (ج) (ابوداؤد شریف، باب

حاشیہ : (الف) فرمایا میرے درمیان حضور کھڑے ہوئے، پس فرمایا چار نقص قربانی میں جائز نہیں ہیں، صاف کانا ہو، واضح مریض ہو، واضح لنگڑا ہو اور اتنا دبلا کہ گودا بھی نہ نکل سکتا ہو (ب) حضورؐ نے روکا مکمل کان کٹے ہوئے سے، مکمل جڑ سے سینگ نکلی ہوئی ہو، جس کی آنکھ پھوٹی ہوئے ہو، کمزوری کی وجہ سے جانور کے پیچھے نہ چل سکتا ہو، اور انتہائی دبلا پتلا ہو۔ ہر لفظ کی تفصیل یہ ہے۔ مصفرہ: جس کا کان مکمل کٹ گیا ہو یہاں تک کہ دماغ نظر آتا ہو، المستاصلہ: جس کی سینگ جڑ سے اکھڑ گئی ہو، البخقاء: جس کی آنکھ پھوٹی ہو، المشیعة: کمزوری کی وجہ سے بکری کے پیچھے نہیں جا سکتا ہو، الکسراء: جو اتنا دبلا پتلا ہو کہ ہڈی میں گودا نہ ہو گویا کہ ٹوٹ چکا ہو حاشیہ : (ج) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم جھانک کر دیکھیں آنکھ، کان کو اور نہ ذبح کریں کانا کو اور کان کٹے ہوئے کو اور (باقی اگلے صفحہ پر)

ذنبها وان بقی الاکثر من الاذن والذنب جاز[۲۶۳۵] (۹)ویجوز ان یُضحّی بالجماء والخصی والجرباء والثولاء[۲۶۳۶] (۱۰)والاضحیة من الابل والبقر والغنم.

ما یکرہ من الضحایا ص ۳۱ نمبر ۲۸۰۳/۲۸۰۴/ ترمذی شریف، باب ما یکرہ من الضاحی ص ۲۷۵ نمبر ۱۴۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کان کٹا ہوا ہو تو جائز نہیں ہے۔ اور کٹنے کے بارے میں حضرت سعید سے مروی ہے کہ آدھا سے زیادہ ہوا تو جائز نہیں ہے۔ اثر یہ ہے۔ قلت یعنی لسعید بن المسیب ما الاعضب؟ قال النصف فما فوقه (الف) (ابوداؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ص ۳۱ نمبر ۲۸۰۶/ سنن للبیہقی، نمبر ۱۹۱۰۴)

[۲۶۳۵] (۹) اور جائز ہے کہ قربانی کی جائے بے سینگ والے کی اور خصی کی اور کھجلی والے کی اور دیوانے کی۔

تشریح جانور گوشت کے اعتبار سے ٹھیک ٹھاک ہو لیکن پیدائشی طور پر سینگ ہو ہی نہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ سینگ تھا لیکن آدھے سے زیادہ ٹوٹ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔ کیونکہ یہ عیب نہیں ہے، بہت سے جانور کو پیدائشی طور پر سینگ ہوتا ہی نہیں ہے۔ اور جائز ہے خصی کی قربانی یا کھجلی والا جانور ہے لیکن موٹا تازہ ہے تو جائز ہے۔ کیونکہ تھوڑا بہت کھجلی ہونا کوئی بڑا عیب نہیں ہے۔ اسی طرح جانور دیوانہ ہو لیکن گوشت کے اعتبار سے ٹھیک ٹھاک ہو تو جائز ہے۔

وجہ یہ اس قسم کے عیب نہیں ہیں کہ قربانی جائز نہ ہو۔ خصی جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین اقرنین املحین مجئین (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما یستحب من الضحایا، ص ۳۰ نمبر ۲۷۹۵/ ابن ماجہ شریف، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ ص ۴۵۵ نمبر ۳۱۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خصی کیا ہوا جانور قربانی میں جائز ہے بلکہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے اس لئے اور بھی بہتر ہے۔

نوٹ اگر بہت دیوانہ ہو کہ کھا پی بھی نہیں سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اتنی کھجلی ہوئی کہ جانور کے گوشت کے اندر گھس گئی ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

لغت الجماء : جس کے پیدائشی سینگ نہ ہو۔ الجرباء : جس کو کھجلی ہو۔ الثولاء : تھوڑا پاگل سا ہو۔

[۲۶۳۶] (۱۰) قربانی اونٹ کی ہوتی ہے اور گائے کی اور بکری کی۔

تشریح احادیث میں انہیں جانوروں کی قربانی کا تذکرہ گزرا ہے، بھینس کی قربانی بھی ہوتی ہے اور وہ اسی پر قیاس کی جائے گی۔ البتہ جو جانور پالتو نہ ہو مثلا ہرن پال لیا ہو تو اس کی قربانی نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) نہ جو پیچھے سے کان کٹا ہوا ہو، یا کان پھٹا ہوا ہو، حضرت زہیر نے ابو اسحاق سے پوچھا کیا سینگ کٹے ہوئے کا تذکرہ کیا؟ کہا نہیں! میں نے پوچھا مقابلہ کیا ہے؟ فرمایا کنارے سے کان کٹا ہوا ہو، میں نے پوچھا مدابرہ کیا ہے؟ فرمایا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو، میں نے پوچھا شرقاء کیا ہے؟ فرمایا کان چیرا ہوا ہو، میں نے پوچھا خرقاء کیا ہے؟ فرمایا علامت کے لئے کان پھاڑا ہو (الف) میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا اعضب کیا ہے؟ فرمایا آدھا یا اس سے زیادہ سینگ ٹوٹ جائے (ب) حضورؐ نے ذبح کے دن قربانی کی دو سینگ والے چتکبرے خصی۔

[۲۶۳۷] (۱۱) ویجزئ من ذلک کله الثنیُّ فصاعدا الا الضان فان الجذع منه یجزئ

[۲۶۳۸] (۱۲) ویاکل من لحم الاضحیة ویطعم الاغنیاء والفقراء ویدّخر

[۲۶۳۷] (۱۱) ان سب جانوروں میں ثنی کافی ہے یا اس سے زیادہ سوائے بھیڑ کے کہ اس سے جذع بھی کافی ہے۔

تشریح گائے، بھینس کو دو سال میں دودھ کا دانت ٹوٹ کر نیا دانت آجاتا ہے۔ اور بکری کو ایک سال میں اور اونٹ کو پانچ سال میں نیا دانت آجاتا ہے۔ جب نیا دانت آجائے تو اس جانور کو مسنہ کہتے ہیں۔ جھارکھنڈ میں اس کو داننا ہوا کہتے ہیں اور داننتے کے قریب ہو اور داننا نہ ہو تو اس جانور کو جذع کہتے ہیں۔ سب جانوروں میں مسنہ ہونا ضروری ہے البتہ بھیڑ میں جذع کی قربانی جائز ہے بشرطیکہ اتنا موٹا تازہ ہو کہ مسنہ کے درمیان چھوڑ دے تو مسنہ ہی کی طرح معلوم ہو۔

وجہ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ لاتذبحوا الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان (الف) (ابو داؤد شریف، باب مایجوز فی الضحایا من السن ص ۳۰ نمبر ۲۷۹۷ رمسلم شریف، باب سن الاضحیة ص ۱۵۵ نمبر ۱۹۶۳) اس حدیث میں ہے کہ مسنہ کے علاوہ قربانی نہ کرو، مگر نہ ہو سکے تو بھیڑ کا جذعہ کافی ہے (۲) دوسرے جانور میں جذعہ جائز نہیں اس کی دلیل اس حدیث کا ٹکڑا ہے۔ عن البراء قال خطبنا رسول الله ﷺ ... فقال ان عندی عناقا جذعة وهی خیر من شاتی لحم فهل تجزئ عنی قال نعم ولن تجزئ عن احد بعدک (ب) (ابو داؤد شریف، باب مایجوز فی الضحایا من السن ص ۳۰ نمبر ۲۸۰۰ رمسلم شریف، باب وقتها ص ۱۵۴ نمبر ۱۹۶۰ / ۵۰۷۳) اس حدیث میں صحابی کو فرمایا کہ صرف تمہارے لئے بکری کا جذعہ کافی ہے اور اس کے بعد کسی کے لئے بکری یا کسی اور جانور کا جذعہ جائز نہیں ہے سوائے بھیڑ کے۔

لغت الثنی : دو دانت والا، ثنی کا ترجمہ ہے دو۔ فصاعدا : یا اس سے اوپر کا۔ الضان : بھیڑ۔

[۲۶۳۸] (۱۲) کھائے گا قربانی کا گوشت اور کھلائے گا مالداروں اور فقیروں کو اور رکھ بھی چھوڑے۔

تشریح قربانی کرنے کے بعد جو گوشت ہے وہ خود بھی کھا سکتا ہے چاہے خود مالدار ہو۔ اور مالداروں کو بھی کھلا سکتا ہے اور فقیروں کو بھی کھلا سکتا ہے۔ اور تین دن سے زیادہ جمع کر کے بھی رکھ سکتا ہے۔

وجہ آیت میں ہے کہ قربانی کا گوشت اور نفلی ہدی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور فقیر کو بھی کھلاؤ، آیت یہ ہے۔ ویذکروا اسم الله فی ایام معلومات علی ما رزقهم من بهیمة الانعام فکلوا منها واطعموا البائس الفقیر (ج) (آیت ۲۸ سورة الحج ۲۲) اس آیت میں فرمایا کہ خود بھی کھاؤ اور فقیروں کو بھی کھلاؤ اس لئے قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے چاہے خود مالدار ہو۔ اور جب خود مالدار ہو کر کھا سکتا ہے تو دوسرے مالدار کو بھی کھلا سکتا ہے اور فقیروں کو کھلانے کا حکم تو ہے ہی (۲) حدیث میں ہے کہ پہلے تین دن سے زیادہ گوشت رکھنے سے منع کیا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مت ذبح کرو مسنہ مگر یہ کہ تم پر تنگدستی ہو تو بھیڑ کا جذعہ ذبح کرو (ب) حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضورؐ نے خطبہ دیا... صحابی نے فرمایا میرے پاس جذعہ بکرا ہے جو بکری کے گوشت سے بہتر ہے تو کیا کافی ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! لیکن تیرے بعد کسی کو کافی نہیں ہوگا (ج) اللہ کا نام یاد کرو معلوم دنوں میں اس بات پر کہ ان کو جانوروں کی روزی دی۔ اس لئے اس سے کھاؤ اور فقیروں کو کھلاؤ۔

[۲۶۳۹](۱۳)ویستحب لہ ان لاینقص الصدقة من الثلث[۲۶۴۰] (۱۴)ویتصدق بجلدھا او یعمل منہ آلة تستعمل فی البیت.

گیا تھا اب تنگی دور ہوگئی ہے اس لئے زیادہ دنوں تک گوشت رکھا کرو۔ چنانچہ حضرت ثوبان مدینہ تک قربانی کا گوشت کھاتے رہے اور حضورؐ کو کھلاتے رہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن سلمة بن الاکوع قال قال النبی ﷺ ... کلوا واطعموا وادخروا فان ذلک العام کان بالناس جھد فاردت ان تعینوا فیھا (الف) (بخاری شریف، باب مایوکل من لحوم الاضاحی ومایتزود منھا ص ۸۳۵ نمبر ۵۵۶۹ مسلم شریف، باب بیان ما کان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی بعد ثلاث فی اول الاسلام وبیان نسخہ واباحتہ الی متی شاء ص ۱۵۷ نمبر ۱۹۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوشت خود جمع کر کے رکھ سکتا ہے اور کھا بھی سکتا ہے اور مالدار اور فقیر کو کھلا بھی سکتا ہے۔

لغت یدخرو : جمع کر کے رکھے، ذخیرہ کرے۔

[۲۶۳۹] (۱۳) اور مستحب یہ ہے کہ صدقہ تہائی سے کم نہ کرو۔

تشریح اوپر حدیث میں تین مصرف بتایا۔ خود کھائے دوسرا جمع کرے اور تیسرا یہ ہے کہ فقیروں کو کھلائے۔ اس سے اشارہ ہوا کہ فقیروں پر تہائی حصہ صدقہ کرے یہ بہتر ہے۔ اور آیت میں بھی اسی قسم کی تقسیم ہے۔ فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر (ب) (آیت ۳۶ سورة الحج ۲۲) اس آیت میں ایک مصرف ہے خود کھاؤ، دوسرا، صرف ہے قانع کو یعنی سوال کرنے والوں کو دو اور تیسرا مصرف ہے معتر یعنی زیارت کرنے والے اور رشتہ داروں کو دو۔ اس سے اشارہ ہوا کہ ایک حصہ خود کھائے، دوسرا حصہ زیارت کرنے والے اور رشتہ داروں کو دے اور تیسرا حصہ سوال کرنے والے کو دے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ تہائی حصہ سے کم صدقہ نہ کرے۔

[۲۶۴۰] (۱۴) اور قربانی کی کھال کو صدقہ کرے یا کھال سے کوئی چیز بنائے جو گھر میں استعمال کی جائے۔

تشریح حدیث میں ہے کہ قصائی کو بھی قربانی کا گوشت اجرت کے طور پر نہ دے جس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا گوشت یا کھال یا ہڈی بیچ نہیں سکتے۔ اور اگر بیچا تو اس قیمت کو صدقہ کرنا ہوگا۔ البتہ خود کھا سکتا ہے۔ اور جب گوشت کھا سکتا ہے تو کھال بھی خود استعمال کر سکتا ہے اس لئے کہ وہ بھی گوشت کا حصہ ہے۔

وجہ کھال صدقہ کرے اور اجرت کے طور پر نہ دے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ان علیا اخبرہ ان النبی ﷺ امرہ ان یقوم علی بُدنہ وان یقسم بُدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا ولا یعطی فی جزارتھا شیئا (ج) (بخاری شریف، باب یتصدق بجلود الھدی ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۱۷ مسلم شریف، باب الصدقة بلحوم الھدی ایا وجلودھا وجلالھا وان لایعطی الجزار منھا شیئا ص ۴۲۳ نمبر ۱۳۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھال صدقہ کرے۔ اور جب گوشت کھا سکتا ہے تو کھال بھی گھر میں استعمال کر سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کھاؤ اور کھلاؤ اور جمع کرو اس لئے کہ پچھلے سال لوگوں کو فقر و فاقہ تھا تو میں نے چاہا کہ ان کی مدد کروں (ب) پس جب وہ پہلو کے بل گر گیا یعنی ذبح ہو گیا تو اس سے کھاؤ اور خادم اور غریب کو کھلاؤ (ج) آپؐ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ نگرانی کرے آپ کے اونٹوں کی اور پورے اونٹ کو تقسیم کرے۔ اس کا گوشت، اس کی کھال۔ اس کا جل اور گوشت کٹائی کے بدلے ان میں سے کوئی چیز نہ دے۔

[۲۶۴۱](۱۵)والافضل ان يذبح اضحيته بيده ان كان يحسن الذبح [۲۶۴۲](۱۶) ويكره ان يذبحها الكتابی.

[۲۶۴۱](۱۵)افضل یہ ہے کہ قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اگر اچھی طرح ذبح کرسکتا ہو۔

تشریح اگر خود اچھی طرح ذبح کرسکتا ہو تو اپنی قربانی خود ذبح کرے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنی قربانی خود ذبح کی۔عن انس قال ضحی النبی ﷺ بکبشین املحين فرأيته واضعا قدمه على صفاحهما يسمي ويكبر فذبحهما بيده (الف)(بخاری شریف، باب من ذبح الاضاحی بیدہ ص ۸۳۴ نمبر ۵۵۵۸ رمسلم شریف ، باب استحباب استحسان الضحیۃ وذبحہا مباشرۃ بلا توکیل والتسمیۃ والتکبیر ص ۱۵۵ نمبر ۱۹۶۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے(۲) حضرت موسیؑ اپنی لڑکیوں کو خود ذبح کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔عن ابی موسی الاشعریؓ انه كان يامر بناته ان يذبحن مسائكهن بايديهن ۔اور دوسری روایت میں ہے۔عن عمران بن حسين قال قال رسول الله يا فاطمة قومی فاشهدی اضحيتک فانه يغفر لک باول قطرة تقطر من دمها كل ذنب عملتيه (ب)(سنن للبیہقی، باب مایستحب للمرء من ان یتولی ذبح مسکہ اویشہد ج تاسع ص ۴۷۶ نمبر ۱۹۱۶۲ رمصنف عبد الرزاق، باب افضل الضحایا والہدی وھل یذبح المحرم ج رابع ص ۳۸۸ نمبر ۸۱۶۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود ذبح کرے یا ذبح کرتے وقت حاضر رہے تاکہ گناہ معاف ہو۔

[۲۶۴۲](۱۶)مکروہ ہے کتابی اس کو ذبح کرے۔

تشریح یہود اور نصاری کے لئے قربانی کا جانور ذبح کرنا مکروہ ہے تاہم ذبح کردیا تو حلال ہو جائے گا۔

وجہ جب اہل کتاب پر قربانی نہیں ہے تو اس کا قربانی کرنا بھی مکروہ ہوگا کیونکہ قربانی تو عبادت ہے (۲) اثر میں ہے کہ عرب کے نصاری عیسائی نہیں ہیں۔جب صحابہ کے زمانے میں عرب کے نصاری عیسائی نہیں ہیں اور نہ اس کا ذبیحہ حلال ہے تو اس زمانے کے یورپ کے دہریہ اہل کتاب کیسے ہوگئے اور ان کا ذبیحہ کیسے حلال ہوگیا(۲) اثر یہ ہے۔ان عمر بن الخطابؓ قال ما نصارى العرب باهل كتاب وما تحل لنا ذبائحهم وما انا بتاركهم حتى يسلموا او اضرب اعناقهم (ج)(سنن للبیہقی، باب ذبائح نصاری العرب ج تاسع ص ۴۷۸ نمبر ۱۹۱۶۹)اور دوسری روایت میں ہے۔عن علی انه قال لا تاكلوا ذبائح نصارى بنى تغلب فانهم لم يستمسكوا من دينهم الا بشرب الخمر (د)(سنن للبیہقی، باب ذبائح نصاری العرب ج تاسع ص ۴۷۸ نمبر ۱۹۱۷۰)اس اثر میں بھی ہے کہ عرب کے

حاشیہ : (الف)حضورؐ نے قربانی کی دو چتکبرے مینڈھے، میں نے دیکھا کہ اپنے قدم کو اس کے رخسار پر رکھے ہوئے تھے، پھر بسم اللہ پڑھا اور تکبیر کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے دونوں کو ذبح کیا(ب) حضرت ابو موسی حکم دیتے تھے اپنی بیٹیوں کو کہ ان کی عورتیں اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں۔دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اے فاطمہؓ! اٹھو اپنی قربانی کو دیکھو اس لئے کہ خون کے پہلے قطرے میں تیرے وہ گناہ معاف ہو جائیں گے جو تم نے کیا ہے(ج) حضرت عمرؓ نے فرمایا عرب کے نصاری اہل کتاب نہیں ہیں۔ان کے ذبیحے حلال نہیں ہیں۔اور میں ان کو چھوڑنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ اسلام لائیں یا ان کی گردنیں ماردوں (د) حضرت علی نے فرمایا بنی تغلب کے نصاری کا ذبیحہ مت کھاؤ۔اس لئے کہ دین کو شراب پینے کے علاوہ کچھ نہیں پکڑا۔

[۲۶۴۳] (۱۷) واذا غلط رجلان فذبح كل واحد منهما اضحية الآخر اجزأ عنهما ولا ضمان عليهما.

عیسائیوں کا دین صرف شراب پینا ہے۔ اس لئے ان کا ذبیحہ مکروہ ہے بلکہ ناجائز ہے (۴) اثر میں ہے۔ عن ابن عباسؓ انه كره ان يذبح نسيكة المسلم اليهودي والنصراني (الف) (سنن للبیہقی، باب النسیکۃ یذبحھا غیر مالکھا ج تاسع ص ۴۸۷ نمبر ۱۹۱۶۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی کی ہوئی قربانی مکروہ ہے۔

[۲۶۴۳] (۱۷) اگر غلطی کی دو آدمیوں نے اور ذبح کر دیا ہر ایک نے دوسرے کی قربانی تو دونوں کو کافی ہو جائے گا اور دونوں پر ضمان نہیں ہے۔

تشریح دو آدمیوں کے جانور تھے دونوں نے غلطی سے اپنے جانور کے بجائے دوسرے کا جانور ذبح کر دیا تو دونوں کی قربانی ادا ہو جائے گی اور کسی پر کسی کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ دونوں نے جانور قربانی ہی کے لئے خریدا ہے اس لئے دونوں کی نیت قربانی کی ہے اور بارہویں تاریخ گزرنے کے بعد قربانی نہیں ہو سکے گی اس لئے دونوں کی دلی تمنا یہ ہے کہ کوئی وقت کے اندر میری قربانی کر دے اس لئے اشارۃ دونوں کی جانب سے قربانی کرنے کی اجازت ہے اس لئے دونوں کی قربانی ہو جائے گی۔ اور چونکہ جانور کو مصرف میں خرچ کیا ہے اس لئے کسی پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ازدواج مطہرات کی اجازت کے بغیر ان کی جانب سے قربانی کی اور ادا بھی ہوگئی۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن عائشة قالت ... وضحى رسول الله ﷺ عن نسائه بالبقر (ب) (بخاری شریف، باب من ذبح ضحیۃ غیرہ ص ۸۳۴ نمبر ۵۵۵۹ رمسلم شریف، باب جواز الاشتراک فی الھدی وجزاء البدنۃ والبقرۃ کل واحد منھما عن سبعۃ ص ۴۲۴ نمبر ۱۳۱۹ رابوداؤد شریف، باب فی ھدی البقر ص نمبر ۱۷۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشارے کے طور پر قربانی کی اجازت ہو اور دوسرے نے بغیر صراحت کی اجازت کے قربانی کر دی تو کافی ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اشارہ اور کنایہ کے طور پر اجازت ہو تو بعض موقع پر یہ اجازت بھی کافی ہے۔

لغت اجزاء : کافی ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ ناپسند کرتے تھے کہ مسلمان کا جانور یہودی یا نصرانی ذبح کرے (ب) حضورؐ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کی جانب سے قربانی کی۔

﴿کتاب الایمان﴾

[۲۶۴۴](۱)الایمان علی ثلثة اضرب یمین غموس ویمین منعقدة ویمین لغو .

﴿کتاب الایمان﴾

ضروری نوٹ ایمان یمین کی جمع ہے قسم کھانا،قسم کی تین قسمیں ہیں (۱) یمین غموس (۲) یمین منعقدہ (۳) یمین لغو۔تینوں کی تفصیل آرہی ہے۔ثبوت اس آیت میں ہے۔لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبة فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم (الف) (آیت ۸۹ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے یمین لغو اور یمین منعقدہ کا پتا چلا اور یہ بھی پتا چلا کہ یمین منعقدہ کا کفارہ تین طرح کے ہیں۔اور یمین غموس کی آیت یہ ہے۔ولا تتخذوا ایمانکم دخلا بینکم فتزل قدم بعد ثبوتھا (ب) (آیت ۹۴ سورۃ النحل ۱۶) دوسری آیت میں ہے۔ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا اولئک لا خلاق لھم فی الآخرة (ج) (آیت ۷۷ سورۃ آل عمران ۳) اس آیت میں بھی یمین غموس کا تذکرہ ہے۔

نوٹ اس باب میں بہت سے مسئلے عادت،محاورات اور اصول پر متفرع ہیں۔اس لئے وہاں احادیث اور آثار نہیں مل سکے۔اس لئے عادت،محاورات اور اصول بیان کرنے پر اکتفاء کیا۔

[۲۶۴۴](۱) قسم تین قسم کی ہیں۔یمین غموس اور یمین منعقدہ اور یمین لغو۔

تشریح غموس کے معنی ہیں ڈوب جانا۔چونکہ جھوٹ قسم کھانے والا گناہوں میں ڈوب جاتا ہے اس لئے اس کو یمین غموس کہتے ہیں۔اوپر کی آیت میں اس کا تذکرہ تھا اور اس حدیث میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔عن عبد اللہ بن عمر عن النبی ﷺ قال الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس والیمین الغموس (د) (بخاری شریف، باب الیمین الغموس ص ۹۸۷ نمبر ۶۶۷۵) ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے۔عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال من حلف علی یمین صبر یقتطع بھا مال امرأ مسلم لقی اللہ وھو علیه غضبان فانزل اللہ تصدیقه ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا (ہ) (آیت ۷۷ سورۃ آل عمران ۳ / بخاری شریف، نمبر ۶۶۷۶) اس آیت اور حدیث میں یمین غموس کا تذکرہ ہے۔اور یمین منعقدہ کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ کے

حاشیہ : اللہ تم کو گرفت نہیں کرے گا لغو قسم میں لیکن تم کو پکڑے گا جس قسم کی گرہ باندھی۔اس کا کفارہ دس مسکین کو کھانا کھلانا ہے اوسط کھانا جو اپنے اہل کو تم کھلاتے ہو یا اس کا کپڑا یا غلام آزاد کرنا ہے۔جو یہ نہ پائیں تو تین دن روزے رکھنا ہے یہ تمہاری قسم کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (ب) اپنی قسموں کو ڈھال مت بناؤ کہ قسم کو مضبوط کرنے کے بعد تمہارا قدم پھسل جائے (ج) جو لوگ اللہ کے عہد اور اس کی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے خریدتے ہیں آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے (د) آپ نے فرمایا گناہ کبیرہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے،والدین کی نافرمانی ہے،جان کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم ہے (ہ) آپ نے فرمایا کسی نے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس سے مسلمان آدمی یا اپنے بھائی کا مال لے لے تو اس حال میں اللہ سے ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غصے ہوں گے۔اس کی تصدیق کے لئے یہ آیت اتری،جو لوگ اللہ کے عہد اور اس کی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے خریدتے ہیں الخ۔

[۲۶۴۵](۲)فیمین الغموس هی الحلف علی امر ماضٍ یتعمّد الکذب فیه.

بارے میں قسم کھائے کہ میں ایسا کروں گا تو اس سے قسم کھا کر ایک بات کو منعقد کیا۔ اگر وہ کام نہ کر سکے تو اس پر کفارہ لازم ہے۔ یا غلام آزاد کرے یا دس مسکین کو کھانا کھلائے یا دس مسکین کو اوسط درجے کا کپڑا پہنائے یا پھر تین روزے رکھے۔

وجہ اوپر کی آیت میں اس کا تذکرہ ہے (۲) اس حدیث میں ہے۔ عن ابی بردة عن ابیه قال اتیت النبی ﷺ فی رهط من الاشعریین ... وانی واللہ ان شاء اللہ لا احلف علی یمین فاری غیرها خیرا منها الا کفرت عن یمینی واتیت الذی هو خیر او اتیت الذی هو خیر وکفرت عن یمینی (الف) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۲۳ رمسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرأی غیرہا خیرا منہاج ثانی ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یمین منعقدہ ہو تو اس کو توڑنے پر کفارہ لازم ہوگا۔ اور یمین لغو یہ ہے کہ کسی گذشتہ کام پر قسم کھائے کہ ایسا ہو چکا ہے اور اس کا یقین ہو کہ ایسا ہی ہوا ہے لیکن ایسا ہوا نہیں تھا تو اس کو یمین لغو کہتے ہیں اس پر کفارہ نہیں ہے۔

وجہ اوپر کی آیت میں اس کا تذکرہ ہے۔ لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان (ب) (آیت ۸۹ سورۃ المائدۃ ۵) اثر میں ہے۔ سمعت الشعبی یقول البر والاثم ما حلف علی علمه وهو یری انه کذلک لیس فیه اثم ولیس علیه کفارة (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب اللغو وما ہو؟ ج ثامن ص ۴۷۵ نمبر ۱۵۹۵۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یمین لغو میں کفارہ نہیں ہے۔

[۲۶۴۵] (۲) پس یمین غموس یہ ہے، وہ قسم کھانا ہے گذشتہ بات پر جان کر جھوٹ بولتے ہوئے۔

تشریح جانتا ہے کہ یہ بات ایسی نہیں ہے پھر بھی جان کر جھوٹ بولے اور کہے کہ ایسا ہے اس کو یمین غموس کہتے ہیں۔

وجہ اثر میں ہے۔ قال ثم الیمین الغموس قال فقلت لعامر ما الیمین الغموس؟ قال الذی یقتطع مال امرئ مسلم بیمینه وهو فیها کاذب (د) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی الیمین الغموس ج عاشر ص ۶۲ نمبر ۱۹۸۶۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بول کر کسی کے مال کو لے لینا اس کو یمین غموس کہتے ہیں (۲) اور دوسرے اثر میں ہے۔ عن ابراهیم قال الایمان اربع یمینان یکفران ویمینان لا یکفران، قول الرجل واللہ ما فعلت واللہ لقد فعلت لیس فی شیء منه کفارة ان کان تعمد شیئا فهو کذب وان کان یری انه کما قال فهو لغو (ہ) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی یمین الغموس ج عاشر ص ۶۷ نمبر ۱۹۸۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ

حاشیہ : (الف) حضرت ابو بردہؓ فرماتے ہیں کہ میں اشعریین کی جماعت میں حضورؐ کے پاس آیا... آپؐ نے فرمایا میں خدا کی قسم کوئی بھی قسم کھاتا ہوں اور اس کے خلاف خیر دیکھتا ہوں تو یقیناً اپنے قسم کا کفارہ دیتا ہوں اور وہ کرتا ہوں جو خیر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں (ب) اللہ تم کو تمہاری لغو قسم میں نہیں پکڑے گا لیکن تم کو پکڑے گا جو قسم کی گرہ باندھا (ج) حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ نیکی اور گناہ کا مدار اس پر ہے کہ اپنی معلومات کے مطابق قسم کھائے وہ سمجھتا ہو کہ ایسا ہی ہے تو اس میں گناہ نہیں ہے اور اس میں کفارہ بھی نہیں ہے۔ یعنی اپنی معلومات کے مطابق قسم کھائی تو گناہ بھی نہیں اور کفارہ بھی نہیں (د) پھر یمین غموس، میں نے حضرت عامر سے پوچھا یمین غموس کیا ہے؟ فرمایا کسی آدمی کا مال جھوٹی قسم سے حاصل کرے (ہ) حضرت ابراہیم نے فرمایا قسم کی چار صورتیں ہیں۔ دو میں کفارہ لازم (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۶۴۷] (۳) فھذہ الیمین یاثم بھا صاحبھا ولا کفارۃ فیھا الا التوبۃ والاستغفار

[۲۶۴۸] (۴) والیمین المنعقدۃ ھی ان یحلف علی الامر المستقبل ان یفعلہ او لا یفعلہ.

جانتے ہوئے کہ ایسا نہیں ہوا یا نہیں کیا اس پر قسم کھانا یمین غموس ہے۔

[۲۶۴۶] (۳) پس اس قسم سے گنہگار ہوگا اس کا کرنے والا اور اس میں کفارہ نہیں ہے سوائے توبہ اور استغفار کے۔

تشریح یمین غموس میں کفارہ نہیں ہے صرف توبہ اور استغفار ہے۔

وجہ اوپر اثر میں گزرا کہ یمین غموس میں کفارہ نہیں ہے۔ **عن ابراھیم ... واللہ لقد فعلت لیس فی شیء منہ کفارۃ ان کان تعمد شیئا فھو کذب** (سنن للبیہقی، نمبر ۱۹۸۸۲) (۲) اثر میں ہے۔ **قال ابن مسعود کنا نعد من الذنب الذی لا کفارۃ لہ الیمین الغموس فقیل ماالیمین الغموس ؟ قال اقتطاع الرجل مال اخیہ بالیمین الکاذبۃ** (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الیمین الغموس ج عاشر ص ۶۷ نمبر ۱۹۸۸۳ / مستدرک حاکم، کتاب الایمان والنذور ج رابع ص ۳۲۹ نمبر ۷۸۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یمین غموس میں کفارہ نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یمین غموس میں بھی کفارہ ہے۔

وجہ ان کی دلیل اس حدیث کا اشارہ ہے۔ **عن ابی بردۃ عن ابیہ ... وانی واللہ ان شاء اللہ لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیرا منھا الا کفرت عن یمینی واتیت الذی ھو خیر** (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی لایواخذکم اللہ باللغو ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۲۳ / مسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرأی غیرھا خیرا منھا ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۹) اس حدیث میں ہے کہ کسی چیز پر قسم کھاؤں اور دیکھوں کہ وہ چیز اچھی نہیں ہے تو کفارہ دے کر اس کے خلاف کردوں اور جھوٹ اچھی نہیں ہے اس لئے اس کے خلاف کرکے کفارہ لازم ہوگا۔

لغت یاثم : گنہگار ہوگا۔

[۲۶۴۷] (۴) اور یمین منعقدہ یہ ہے کہ قسم کھائے آئندہ کے معاملے پر کہ اس کو کرے گا یا نہیں کرے گا۔

تشریح مثلا قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں ضرور دعوت کروں گا یا خدا کی قسم میں دعوت ہرگز نہیں کروں گا۔ اس طرح آئندہ کے بارے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں قسم کھائے اس کو یمین منعقدہ کہتے ہیں۔

وجہ سواری کے لئے اونٹ دینے کے بارے میں آپؐ نے قسم کھائی۔ **عن ابی بردۃ قال اتیت النبی ﷺ فی رھط من الاشعریین استحملہ فقال واللہ لا احملکم وما عندی ما احملکم علیہ** (ج) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی لایواخذکم اللہ باللغو

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) ہوتا ہے اور دو قسموں میں کفارہ نہیں ہے، آدمی یوں کہے خدا کی قسم ایسا نہیں کیا یا خدا کی قسم ایسا کر لیا تو ان صورتوں میں کفارہ نہیں ہے اگر جان کر کہا تو جھوٹ ہے اور اگر ایسا ہی سمجھتا تھا جیسا کہا تو قسم لغو ہے (الف) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہم گناہ سمجھتے تھے جس میں کفارہ نہیں ہے یمین غموس کو۔ پوچھا گیا یمین غموس کیا ہے؟ فرمایا جھوٹی قسم کے ذریعہ بھائی کا مال کھسوٹ لے (ب) ابی بردہؓ سے روایت ہے ...آپؐ نے فرمایا میں ان شاء اللہ کوئی ایسی قسم کھاؤں جس کے خلاف خیر دیکھوں تو اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں اور وہ کرتا ہوں جس میں خیر ہو (ج) حضرت ابی بردہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۶۴۹](۵)فاذا حنث فی ذلک لزمته الکفارة ؤ[۲۶۵۰](۶)ویمین اللغو ھو ان یحلف

۹۸۰ نمبر۶۶۲۳رمسلم شریف ، باب ندب من حلف یمینا فرای غیرھا خیرا منھا ص ۴۶ نمبر۱۶۴۹)اس حدیث میں حضورؐ نے اونٹ پر سوار نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ چونکہ آئندہ کے بارے میں ایک کام نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اس لئے اس کو یمین منعقدہ کہتے ہیں۔

[۲۶۴۸](۵) پس جب اس میں حانث ہوجائے تو اس کو کفارہ لازم ہوگا۔

وجہ اوپر آیت گزری جس میں ہے کہ حانث ہوجائے یعنی وہ کام نہ کر سکے تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ آیت یہ ہے۔ **لایواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہ اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبة فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم** (الف)(آیت۸۹ سورة المائدة ۵)اس آیت میں ہے کہ یمین منعقدہ میں حانث ہوجائے تو کفارہ لازم ہوگا پھر کفارے کی تفصیل آیت میں بیان کی گئی ہے(۲) حدیث بھی گزری۔ **لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیرا منھا الا کفرت عن یمینی واتیت الذی ھو خیر** (ب)(بخاری شریف، نمبر۶۶۲۳رمسلم شریف، نمبر۱۶۴۹)اس حدیث میں ہے کہ حانث ہوجاؤں تو کفارہ دیتا ہوں۔

[۲۶۴۹](۶)اور یمین لغو یہ ہے کہ گزری ہوئی باتوں پر قسم کھائے وہ گمان کرتے ہوئے کہ ایسی ہی ہے جیسا کہا حالانکہ معاملہ اس کے خلاف ہو۔ یہ قسم ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ قسم والے سے مواخذہ نہیں کریں گے۔

تشریح گزری ہوئی بات کے سلسلے میں قسم کھانے والے کا گمان تھا کہ بات ایسی ہی ہے اسی پر قسم کھالی حالانکہ معاملہ اس کے خلاف تھا تو یہ یمین لغو ہے۔ اس پر امید ہے کہ اللہ تعالی مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔

وجہ آیت میں ہے کہ مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔ **لایواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم** (ج)(آیت۸۹ سورة المائدة ۵)اس آیت میں ہے کہ اللہ یمین لغو میں مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔

یمین لغو کی تفصیل کے لئے یہ اثر ہے۔ **سمعت الشعبی یقول البر والاثم ماحلف علی علمہ وھو یری انہ کذلک لیس فیہ اثم ولیس علیہ کفارة** (د)(مصنف عبد الرزاق، باب اللغو وماھو؟ ج ثامن ص ۴۷۵ نمبر۱۵۹۵۷رسنن للبیہقی، باب ما جاء فی الیمین الغموس ج عاشر ص ۶۷ نمبر۱۹۸۸۲)اس اثر میں ہے کہ جیسا معلوم ہوا ایسا ہی گمان کرتے ہوئے قسم کھانا یمین لغو ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایسے ہی لاابالی پن میں جو اللہ کی قسم کھالیتے ہیں اس کو یمین لغو کہتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **قالت عائشة ان رسول اللہ ﷺ**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پاس اشعریین کی جماعت میں آیا سواری کے لئے اونٹ مانگنے کے لئے تو آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم میں تم کو اونٹ نہیں دے سکتا۔ میرے پاس اونٹ دینے کے لئے نہیں ہے (الف) اللہ تم کو نہیں پکڑے گا لغو قسم میں لیکن تم کو پکڑے گا جس میں قسم کی گرہ باندھی۔ پس اس کا کفارہ دس مسکین کا کھانا کھلانا ہے اوسط جو تم اپنے اہل کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا پہنانا ہے یا غلام آزاد کرنا ہے، پس جو یہ نہ پائے تو تین دن روزے رکھنا ہے یہ تمہاری قسم کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (ب) کسی بات پر قسم کھاتا ہوں پھر اس کے علاوہ کو خیر سمجھتا ہوں تو اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں اور وہ کرتا ہوں جو خیر ہو (ج) اللہ تمہاری لغو قسم پر گرفت نہیں کرتے ہیں (د) نیکی اور گناہ کا مدار جو اپنی معلومات کے مطابق قسم کھائے وہ قسم کھائے اور سمجھے کہ ایسے ہی ہے تو اس میں گناہ نہیں ہے اور نہ اس پر کفارہ ہے۔

علی امر ماض وھو یظن انہ کما قال والامر بخلافہ فھذہ الیمین نرجو ان لایواخذ اللہ تعالی بھا صاحبھا (۷) والقاصد فی الیمین والمکرہ والناسی سواء.

قال ھو کلام الرجل فی بیتہ کلا واللہ وبلی واللہ (الف) (ابوداؤد شریف، باب لغوالیمین ص ۱۱۴ نمبر ۳۲۵۴ر بخاری شریف، باب لایواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لا واللہ، بلی واللہ بغیر کسی ارادے کے کہنا یمین لغو ہے۔

[۲۶۵۰] (۷) قسم جان کر کھائے، زبردستی کرنے سے کھائے اور بھول کر کھائے برابر ہے۔

تشریح اپنے اختیار سے جان کر قسم کھائی اس کے توڑنے پر بھی کفارہ لازم ہوگا۔ اور کسی نے زبردستی قسم کھلوائی تو اس کے توڑنے پر بھی کفارہ لازم ہے۔ اور بھول کر قسم کھالی تب بھی اس کے توڑنے پر کفارہ لازم ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن عمر قال اربع جائزۃ فی کل حال العتق والطلاق والنکاح والنذر۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ عن الضحاک قال سمعتہ یقول ثلاث لا یلعب بھن الطلاق والنکاح والنذر (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۲ من قال لیس فی الطلاق والعتاق لعب وقال ھو لہ لازم ج رابع ص ۱۱۹ نمبر ۱۸۳۹۷/۱۸۳۹۸) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ نذر یعنی قسم وغیرہ میں مذاق بھی حقیقت ہے اس لئے بھول کر اور زبردستی بھی قسم کھالی تو قسم لازم ہو جائے گی (۲) طلاق، نکاح اور رجعت کے بارے میں تو باضابطہ حدیث ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الطلاق علی الھزل ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۹۴ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الجد والھزل فی الطلاق ص ۲۲۵ نمبر ۱۱۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح، طلاق اور رجعت میں مذاق کرے تب بھی حقیقت ہے اسی طرح قسم بھی مذاق سے یا بھول سے کھائے تب بھی قسم واقع ہو جائے گی۔

اور زبردستی قسم کھلائی ہو تو واقع ہوگی اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابراھیم قال ھو جائز انما ھو شیء افتدی بہ نفسہ (د) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۸ من کان طلاق المکرہ جائزا ج رابع ص ۸۵ نمبر ۱۸۰۳۵ر مصنف عبد الرزاق، باب طلاق المکرہ ج سادس ص ۴۱۰ نمبر ۱۱۴۱۹/۱۱۴۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زبردستی قسم کھلوالے تو واقع ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک زبردستی قسم کھلوالے تو واقع نہیں ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابی ذر الغفاری قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تجاوزلی عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ۔ دوسری روایت میں ہے۔ حدثنی عائشۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لا طلاق ولاعتاق فی اغلاق (ہ) (ابن

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے فرمایا کہ لغو قسم یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر میں لا واللہ اور بلی واللہ کہے (ب) حضرت ضحاک سے منقول ہے، ان کو کہتے ہوئے سنا تین باتوں میں مذاق نہیں وہ حقیقت ہی ہے، طلاق، نکاح اور نذر یعنی قسم (ج) تین باتیں حقیقت بھی حقیقت ہیں اور ان کا مذاق بھی حقیقت ہیں یعنی واقع ہو جائیں گے نکاح، طلاق اور رجعت (د) حضرت ابراہیم نے فرمایا زبردستی میں بھی جائز ہو جائے گی گویا کہ اس نے جان کے بدلے میں فدیہ دیا (ہ) آپؐ نے فرمایا زبردستی میں نہ طلاق واقع ہوگی نہ آزادگی ہوگی۔

[۲۶۵۱] (۸) ومن فعل المحلوف علیه مکرَها او ناسیا فهو سواء ؤ [۲۶۵۲] (۹) والیمین باللہ تعالی او باسم من اسمائه کالرحمن والرحیم او بصفة من صفات ذاته کعزة اللہ

ماجہ شریف، باب طلاق المکرہ والناسی ص ۲۹۳ نمبر ۲۰۴۳/۲۰۴۶ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی طلاق المکرہ ج سابع ص ۵۸۵ نمبر ۱۵۰۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زبردستی قسم کھلوائی ہو یا طلاق دلوائی ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے اور نہ واقع ہوگی۔ پہلی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بھول میں طلاق دی ہو تو واقع نہیں ہوگی اسی پر قیاس کرتے ہوئے بھول کر قسم کھالی تو اس کا اعتبار نہیں ہے (۳) آیت بھی ہے۔ ولیس علیکم جناح فیما اخطأتم به (الف) (آیت ۵ سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت سے بھی پتا چلا کہ بھول میں قسم کھالے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ البتہ کون سی قسم بھول کر کھائی اور کون سی قسم جان کر کھائی اس کا تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔

[۲۶۵۱] (۸) کسی نے محلوف علیہ زبردستی میں کرلیا یا بھول کرلیا تو برابر ہیں۔

تشریح جس بات کے نہ کرنے کی قسم کھائی اس کام کے کرنے پر زبردستی کی جس سے مجبور ہو کر کرلیا تو بھی قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ اسی طرح بھول کر وہ کام کرلیا جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو کفارہ لازم ہوگا۔

وجہ مسئلہ نمبر ۷ میں گزر گیا کہ بھول کر یا زبردستی قسم کھائی ہے تو اس کا اعتبار ہے اسی پر قیاس کر کے بھول کر یا زبردستی محلوف علیہ کام کو کرلیا تو کفارہ لازم ہوگا۔

فائدہ یہاں بھی امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ بھول میں یا زبردستی کرا کر کام کروالیا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر والی حدیث اور اثر ان کی دلیل ہے۔

لغت محلوف علیہ : جس بات پر قسم کھائی ہو اس کو محلوف علیہ کہتے ہیں۔

﴿قسم کھانے کے طریقے﴾

[۲۶۵۲] (۹) قسم لفظ اللہ سے یا اس کے ناموں میں سے کسی نام سے ہوتی ہے جیسے رحمٰن، رحیم۔ یا اس کی کسی ذاتی صفت کے ساتھ ہوتی ہے۔ جیسے اللہ کی عزت، اس کے جلال یا کبریا کی قسم۔

تشریح قسم کھانی ہو تو لفظ اللہ سے کھائے یا اس کے ننانوے نام ہیں ان میں سے کسی ایک کے ذریعہ کھائے۔ یا اللہ کی ذاتی صفت کے ذریعہ سے کھائے مثلا کہے اللہ کی عزت کی قسم، اس کے جلال کی قسم یا اس کے کبریا کی قسم تو اس طرح قسم منعقد ہو جائے گی۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن عائشة عن النبی ﷺ انه قال یا امة محمد واللہ لو تعلمون ما اعلم لبکیتم کثیرا ولضحکتم قلیلا (ب) (بخاری شریف، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۳۱ رمسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرای غیرها خیرا منها ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۹) اس حدیث میں بھی واللہ لو تعلمون ما اعلم عبارت ہے جس میں اللہ کی ذات

حاشیہ : (الف) جو کام غلطی سے کردے اس میں تم پر کوئی حرج نہیں (ب) حضورؐ نے فرمایا اے امت محمدؐ! خدا کی قسم اگر تم بھی جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روؤ گے اور کم ہنسو گے۔

وجلاله وکبریائه[۲۶۵۳] (۱۰)الا قوله وعلم الله فانه لایکون یمینا[۲۶۵۴](۱۱)وان

کے ساتھ قسم کھائی۔

اللہ کی صفت کے ساتھ قسم کھانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عمرؓ قال کانت یمین النبی ﷺ لا ومقلب القلوب (الف) (بخاری شریف، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۲۸ / ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی یمین النبی ﷺ ج ثانی ص ۱۰۸ نمبر ۳۲۶۳)اس حدیث میں اللہ کی صفت مقلب القلوب ہے اس کے ذریعہ سے قسم کھائی ہے (۳) حضرت ایوبؑ نے اللہ کی قسم اس کی عزت کے ساتھ کھائی ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابی هریرة عن النبی ﷺ ... فناداه ربه یا ایوب الم اکن اغنیتک عما تری ؟قال بلی وعزتک ولکن لا غنی بی عن برکتک (ب)(بخاری شریف، باب من اغتسل عریانا وحدہ فی خلوۃ ص ۴۲ نمبر ۲۷۹، کتاب الغسل)اس حدیث میں وعزتک میں اللہ کی عزت کے ذریعہ قسم کھائی ہے۔اللہ کے دوسرے نام سے قسم کھائی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی ذر قال انتهیت الیه یقول فی ظل الكعبة هم الآخرون ورب الكعبة(ج)(بخاری شریف، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۳۸)اس حدیث میں ورب الکعبۃ اللہ کا صفاتی نام ہے جس کے ذریعہ قسم کھائی۔جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے صفاتی نام سے بھی قسم کھا سکتا ہے۔

[۲۶۵۳](۱۰)مگر کسی کا قول علم اللہ سے قسم نہیں ہوگی۔

تشریح کوئی اللہ کے علم سے قسم کھائے تو اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی۔

وجہ یہاں علم بول کر معلوم مراد لیتے ہیں اور معلوم شئی اللہ کی صفت ذاتی نہیں ہے اس لئے علم اللہ سے قسم کھانے سے قسم منعقد نہیں ہوگی۔اور حدیث میں ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ قسم کھائے یا صفت ذاتی کے ساتھ قسم کھائے تو قسم منعقد ہوگی۔حدیث میں ہے۔عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ ادرک عمر بن الخطابؓ وهو یسیر فی رکب یحلف بابیه فقال الا ان الله ینهاکم ان تحلفوا بآبائکم من کان حالفا فلیحلف بالله او لیصمت (د)(بخاری شریف، باب لاتحلفوا بآبائکم ص ۹۸۳ نمبر ۶۶۴۶ / مسلم شریف، باب النہی عن الحلف بغیر اللہ تعالی ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۶ / ۴۲۵۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔کیونکہ دوسری چیز کے ساتھ قسم کھانے سے قسم منعقد نہیں ہوتی۔

[۲۶۵۴](۱۱)اگر قسم کھائی کسی فعلی صفت کے ساتھ جیسے غضب اللہ یا سخط اللہ تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔

وجہ وہ صفات جو اللہ کی ذاتی نہیں ہیں بلکہ فعلی اور وقتی ہیں ان کے واسطے سے قسم کھائے تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔جیسے اللہ کا غضب یا سخط اللہ مثلا

حاشیہ : (الف) حضورؐ کی قسم اس طرح ہوا کرتی تھی لا ومقلب القلوب (ب) حضورؐ سے منقول ہے...حضرت ایوب کے رب نے آواز دی اے ایوب! جس چیز کو میں نے دیا ہے اس سے نے تم کو بے نیاز نہیں کیا؟ فرمایا آپ کی عزت کی قسم کیوں نہیں؟ لیکن آپ کی برکتوں سے بے نیاز نہیں ہوں (ج) حضرت ابوذرؓ نے فرمایا میں آپ کے پاس پہنچا، آپ کعبہ کے سائے میں فرما رہے تھے کعبہ کے رب کی قسم وہ گھاٹے میں ہے (د) آپؐ نے حضرت عمرؓ کو پایا کہ وہ قافلہ میں چل رہے ہیں اور باپ کی قسم کھا رہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا سن لو! اللہ تم کو روکتا ہے اس سے کہ باپ کی قسم کھاؤ۔جو قسم کھائے وہ اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔

حلف بصفة من صفات الفعل كغضب الله وسخط الله لم يكن حالفا[٢٦٥٥] (١٢) ومن حلف بغير الله عزوجل لم يكن حالفا كالنبى عليه السلام والقرآن والكعبة [٢٦٥٦] (١٣) والحلف بحروف القسم وحروف القسم ثلثة الواو كقوله والله والباء كقوله بالله

کوئی کہے بغضب اللہ، بسخط اللہ افعل کذا تو اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی (۲) اوپر حدیث گزر گئی۔

[۲۶۵۵] (۱۲) کسی نے قسم کھائی اللہ کے علاوہ کے ساتھ تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔ جیسے نبی علیہ السلام اور قرآن اور کعبہ کی قسم۔

تشریح اللہ کے بجائے کوئی کہے نبی ﷺ کی قسم، قرآن کی قسم یا کعبہ کی قسم تو اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی۔

وجہ اوپر حدیث گزری۔ **من كان حالفا فليحلف بالله او ليصمت** (الف) (بخاری شریف، نمبر ۶۶۴۶ رمسلم شریف، نمبر ۱۶۴۶) جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھائے تو قسم منعقد نہیں ہوگی (۲) کعبہ کی قسم نہ کھائے اس کے بارے میں باضابطہ حدیث ہے۔ **سمع ابن عمر رجلا يحلف لا والكعبة فقال له ابن عمر انى سمعت رسول الله ﷺ يقول من حلف بغير الله فقد اشرک** (ب) (ابوداؤد شریف، باب کراہیۃ الحلف بالآباء ص ۱۰۷ نمبر ۳۲۵۱ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان من حلف بغیر اللہ فقد اشرک ص ۲۷۹ نمبر ۱۵۳۵) اس حدیث میں ہے کہ ایک صحابی کعبہ کی قسم کھا رہا تھا تو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی قسم مت کھاؤ۔ اگر اللہ کے علاوہ کی قسم کھائی تو اللہ کے ساتھ شرک کیا۔ اسی پر قیاس کر کے نبی اور قرآن کی قسم بھی کھائے تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے۔ **اخبرنا معمر عن قتادة قال يكره ان يحلف انسان بعتق او طلاق وان يحلف الا بالله وكره ان يحلف بالمصحف** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الایمان ولا یحلف الا باللہ ج ثامن ص ۴۶۹ نمبر ۱۵۹۳۲) اس اثر میں قرآن کریم کی قسم کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

[۲۶۵۶] (۱۳) قسم حروف قسم سے ہوتی ہے اور حروف قسم تین ہیں واو جیسے واللہ اور با سے جیسے باللہ اور تا سے جیسے تاللہ۔

تشریح عربی میں اللہ کے پہلے واو یا با یا تا لے آئے تب بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **قال ابو بكرؓ عند النبى ﷺ لا ها الله اذا يقال والله، وبالله، وتالله** (د) (بخاری شریف، کیف کان یمین النبی ﷺ ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۲۸) اس اثر میں واللہ، باللہ اور تاللہ تینوں حرفوں کا ثبوت ہے (۲) **عن عائشة ... يا امة محمد والله لو تعلمون** (ہ) (بخاری شریف، نمبر ۶۶۳۱) میں واو کا ثبوت ہے۔ اور تا کے ساتھ قسم کھانے کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **وتا الله لاكيدن اصنامكم بعد ان تولوا مدبرين** (آیت ۵۷ سورۃ الانبیاء ۲۱) اس آیت میں تا کے ساتھ قسم کھائی ہے۔

حاشیہ : (الف) جو قسم کھانا چاہے وہ اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے (ب) حضرت ابن عمرؓ نے ایک آدمی کو اس طرح قسم کھاتے ہوئے سنا لا والکعبۃ تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں نے حضورؐ سے کہتے ہوئے سنا ہے جس نے اللہ کے علاوہ کے ساتھ قسم کھائی تو گویا کہ شرک کیا (ج) حضرت قتادہ ناپسند کرتے تھے کہ انسان عتق کی یا طلاق کی قسم کھائے۔ اور صرف اللہ ہی کی قسم کھائے۔ اور ناپسند کیا کہ قرآن کی قسم کھائے (د) حضرت ابو بکرؓ نے حضورؐ کے پاس کہا لا، ھا اللہ اذا کہا جاتا ہے واللہ، باللہ اور تاللہ (ہ) اے امت محمدؐ! خدا کی قسم تم جان لو۔

والتاء کقوله تالله [۲۶۵۷] (۱۴) وقد تضمر الحروف فیکون حالفا کقوله الله لا افعل کذا [۲۶۵۸] (۱۵) وقال ابو حنیفة رحمه الله اذا قال وحق الله فلیس بحالف [۲۶۵۹] (۱۶) واذا قال اُقسم او اُقسم بالله او اَحلف او احلف بالله او اَشهد او اشهد بالله فهو

[۲۶۵۷] (۱۴) کبھی حروف قسم پوشیدہ ہوتے ہیں تو بھی قسم کھانے والا ہوگا جیسے اللہ لا افعل کذا خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا۔

تشریح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حروف قسم کلام میں ظاہر نہیں کرتے ہیں بلکہ پوشیدہ ہوتا ہے لیکن وہ ظاہر کا معنی دیتا ہے اور قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ جیسے اللہ لا افعل کذا میں اللہ سے پہلے واو محذوف ہے اور اصل میں واللہ لا افعل کذا عبارت ہے۔ اور اس سے قسم منعقد ہو جائے گی۔

[۲۶۵۸] (۱۵) امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا وحق اللہ کہے تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے حق سے اطاعت مراد ہے اور اطاعت اللہ کی صفت نہیں ہے اس لئے اس کے ذریعہ سے قسم کھائے تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حق اللہ کی صفت ہے اور اوپر گزرا کہ اللہ کی صفت ذاتی کے ذریعہ قسم کھا سکتے ہیں اس لئے اس سے قسم منعقد ہوگی۔

[۲۶۵۹] (۱۶) اگر کہا میں قسم کھاتا ہوں یا اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا حلف اٹھاتا ہوں یا اللہ کا حلف اٹھاتا ہوں یا گواہ کرتا ہوں یا اللہ کو گواہ کرتا ہوں تو وہ قسم کھانے والا ہے۔

تشریح یہاں قسم کھانے کے تین الفاظ ہیں۔ اقسم، احلف اور اشھد۔ ان تینوں الفاظ کے ساتھ اللہ نہ لگائیں صرف اقسم یا احلف یا اشھد کہیں پھر بھی قسم منعقد ہو جائے گی۔ اور ان الفاظ کے ساتھ اللہ کو بھی لگالیں مثلا اقسم باللہ یا احلف باللہ یا اشھد باللہ تب تو بدرجہ اولی قسم منعقد ہو جائے گی۔ کیونکہ صراحت کے ساتھ قسم ہوگی۔

وجہ صرف اقسم سے قسم منعقد ہوگی اس کی دلیل حدیث میں ہے۔ کان ابو ھریرة یحدث ان رجلا اتی رسول الله ﷺ فقال انی اری اللیلة فذکر رؤیا فعبرھا ابو بکر فقال النبی ﷺ اصبت بعضا واخطأت بعضا فقال اقسمت علیک یا رسول الله ابابی انت لتحدثنی ما الذی اخطأت فقال له النبی ﷺ لا تقسم (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی القسم هل یکون یمینا ص ۱۰۹ نمبر ۳۲۶۸ / ابن ماجہ شریف، باب تعبیر الرؤیا ص ۵۶۱ نمبر ۳۹۱۸) اس حدیث میں اقسمت علیک بغیر اللہ کو ملائے ہوئے کہا ہے جس

حاشیہ : (ج) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے رات میں خواب دیکھا ہے۔ پھر خواب ذکر کیا، پس حضرت ابو بکرؓ نے اس کی تعبیر دی تو حضورؐ نے فرمایا کچھ صحیح تعبیر دی کچھ غلطی کی۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا میں آپ کو قسم دیتا ہوں یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بتائیں میں نے کیا غلطی کی؟ آپؐ نے فرمایا قسم مت کھاؤ۔

حالف[٢٦٦٠] (١٧) وكذلك قوله وعهد الله وميثاقه فهويمين عليّ نذراو نذر الله.

سے قسم ثابت ہوئی اور آپؐ نے فرمایا قسم مت کھاؤ۔اور حلف قسم کے معنی میں ہے یہ تو عام ہے۔حدیث میں بھی ہے۔عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ ادرک عمر بن الخطابؓ وهو يسير في ركب يحلف بابيه فقال الا ان الله ينهاكم ان تحلفوا بآبائكم من كان حالفا فليحلف بالله او ليصمت (الف)(بخاری شریف، باب لاتحلفوا آبائكم ص ۹۸۳ نمبر ۶۶۴۶)اس حدیث میں بار بار لفظ حلف قسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس لئے کوئی بغیر لفظ اللہ ملائے ہوئے احلف کہے گا تو قسم منعقد ہو جائے گی۔اور اشہد یمین کے معنی میں ہے اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقين لكاذبون اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله (ب)(آیت ۱ سورۃ المنافقون ۶۳) اس آیت میں دو باتیں ہیں۔ایک تو نشہد کے ذریعہ قسم کھائی اور اس کے ساتھ اللہ نہیں ملایا۔جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کو ملائے بغیر نشہد سے قسم منعقد ہوگی۔اور نشہد سے شہادت مراد نہیں ہے بلکہ قسم مراد ہے اس کا پتا آگے والی آیت اتخذوا ایمانهم جنة سے پتا چلا کہ نشہد سے قسم مراد ہے۔تب ہی تو اللہ نے اس کے جملے کو ایمانھم فرمایا(۲)اثر میں ہے۔ قال ابراهيم وكان اصحابنا ينهونا ونحن غلمان ان نحلف بالشهادة والعهد (ج)(بخاری شریف، باب اذا قال اشہد باللہ او شہدت باللہ ص ۹۸۵ نمبر ۶۶۵۸)اس اثر میں ہے کہ شہادت اور عہد قسم کے الفاظ ہیں اس لئے اس کے ذریعہ سے قسم کھانے سے روکا کرتے تھے۔

[۲۶۶۰](۱۷)ایسے ہی یہ کہنا عہد اللہ، میثاق اللہ، مجھ پر نذر ہے یا اللہ کی نذر تو اس سے قسم ہوگی۔

تشریح یوں کہے کہ اللہ کا عہد کر کے کہتا ہوں کہ فلاں کام کروں گا تو اس سے قسم منعقد ہو جائے گی۔یا اللہ کی میثاق کر کے کہتا ہوں کہ فلاں کام کروں گا تو اس سے بھی قسم منعقد ہو جائے گی۔

وجہ عہد قسم کے معنی میں ہے اس کا اشارہ اس آیت میں ہے۔واوفوا بعهد الله اذا عهدتم ولا تنقصوا الايمان بعد توكيدها (د)(آیت ۹۱ سورۃ النحل ۱۶)اس آیت میں ہے کہ اللہ کے عہد کو پورا کرو جس طرح قسم کو پورا کرتے ہیں اس لئے عہد سے قسم منعقد ہوگی۔اسی آیت میں اللہ کے عہد کو لا تنقصوا الايمان کہا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ عہد قسم کے معنی میں ہے تب ہی تو عہد کو ایمان یعنی قسم کہا ہے۔اور دوسری آیت میں عہد کو میثاق کے معنی میں کہا ہے اور میثاق کے لئے بھی وہی تاکید کی ہے جو عہد کے پورا کرنے کے لئے کی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ عہد اور میثاق ایک ہی چیز ہے اس لئے اگر کہا کہ اللہ کی میثاق کے ساتھ کہتا ہوں کہ فلاں کام کروں گا تو اس سے بھی قسم منعقد ہو

حاشیہ : (الف) آپؐ حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ قافلے میں چل رہے ہیں اور باپ کی قسم کھا رہے ہیں آپؐ نے فرمایا سن لو! اللہ تم کو باپ کے ذریعہ قسم کھانے سے روکتے ہیں، جو قسم کھائے تو اللہ کے ذریعہ قسم کھائے یا چپ رہے(ب) جب آپؐ کے پاس منافقین آتے تو قسمیں کھا کر کہتے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔اور اللہ جانتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔لیکن اللہ گواہی دیتے ہیں کہ منافقین جھوٹے ہیں۔انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہے اس لئے اللہ کے راستے سے روک دیئے گئے(ج) حضرت ابراہیم نے فرمایا جب ہم بچے تھے تو ہمارے بڑے ہم کو روکتے تھے کہ ہم لفظ شہادت یا لفظ عہد کے ذریعہ قسم کھائیں(د) اللہ کے عہد کو پورا کرو جب عہد کرو اور قسموں کو مضبوط کرنے کے بعد مت توڑو۔

[۲۶۶۱] (۱۸)وان قال ان فعلت كذا فانا يهودى او نصرانى او مجوسى او مشرک او

جائے گی۔آیت یہ ہے۔والذین یوفون بعهد الله ولا ینقضون المیثاق (الف)(آیت ۲۰ سورۃ الرعد ۱۳)اس آیت میں عہد اور میثاق کو ایک معنی میں استعمال کیا ہے(۲)اثر میں ہے۔عن ابن طاؤس عن ابیه فی الرجل یقول علی عهد الله ومیثاقه او علی عهد الله قال یمین یکفرها (ب) مصنف عبد الرزاق، باب من حلف علی ملة غیر الاسلام ج ثامن ص ۴۸۱ نمبر ۱۵۹۷۹)اس اثر میں عہد اور میثاق یمین کے معنی میں ہیں۔

اگر یوں کہا کہ اس کام کے کرنے کی مجھ پر نذر ہے یا اس کام کے کرنے کی اللہ کی نذر ہے تو یہ بھی قسم ہو جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے کہ نذر مانی اور پوری نہ کر سکا تو اس کا کفارہ بھی کفارہ یمین ہی دینا ہوگا۔عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال من نذر نذرا لم یسمه فکفارته کفارة یمین ومن نذر نذرا فی معصیة فکفارته کفارة یمین ومن نذر نذرا لا یطیقه فکفارته کفارة یمین ومن نذر نذرا اطاقه فلیف به (ج)(ابو داؤد شریف، باب من نذر نذرا لا یطیقه ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۲۲/ ابن ماجه شریف، باب من نذر نذرا لم یسمه ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۲۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نذر پوری نہ کر سکے تو اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے اس لئے نذر بھی قسم کے معنی میں ہے۔دوسری حدیث میں ہے۔عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله ﷺ کفارة النذر کفارة الیمین (د)(ابو داؤد شریف، باب من نذر نذرا لم یسمه ص ۱۱۴ نمبر ۳۳۲۳/ ترمذی شریف، باب ما جاء فی کفارة النذر اذا لم یسم ص ۲۷۹ نمبر ۱۵۲۸)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اس لئے علی نذر سے بھی قسم واقع ہوگی (۳)ایک اثر ہے جس میں ان تمام اقوال کا حل ہے۔عن ابراهیم قال اقسم، واقسم بالله، واشهد، واشهد بالله، واحلف، واحلف بالله، وعلی عهد الله، وعلی ذمة الله، وعلی نذر، وعلی نذر الله، وهو یهودی، وهو نصرانی، وهو مجوسی، وهو بری من الاسلام، کل هذا یمین یکفرها اذا حنث قال محمد وبهذا کله ناخذ (ه)(کتاب الآثار لامام محمد ص ۱۵۷ نمبر ۷۰۹/ مصنف عبد الرزاق، باب من حلف علی ملة غیر الاسلام ج ثامن ص ۴۸۰ نمبر ۱۵۹۷۳)

[۲۶۶۱](۱۸)اگر کہا کہ میں نے ایسا کیا تو میں یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا مجوسی ہوں یا کافر ہوں تو ان سے قسم ہوگی۔

تشریح اگر یوں کہا کہ میں نے ایسا کیا تو میں یہودی ہوں تو اس قسم کے جملے سے قسم واقع ہو جائے گی۔اگر ایسا کر لیا تو کفارہ لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور مضبوط کرنے کے بعد توڑتے نہیں ہیں (ب) حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی علی عہد اللہ و میثاقہ یا علی عہد اللہ کہے تو اس سے قسم منعقد ہوگی اس کا کفارہ دینا چاہئے (ج) آپ نے فرمایا کوئی ایسی نذر مانے جس کو متعین نہ کیا ہو تو اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے۔کسی نے گناہ کی نذر مانی تو اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے، کسی نے ایسی نذر مانی کہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے۔اور کسی نے نذر مانی ایسی نذر کہ اس کی طاقت رکھتا ہو تو اس کو پورا کرے (د) آپ نے فرمایا نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے (ہ) حضرت ابراہیم نے فرمایا: میں قسم کھاتا ہوں، میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں، میں اللہ کے ساتھ گواہی دیتا ہوں، میں حلف اٹھاتا ہوں، میں اللہ کا حلف اٹھاتا ہوں، مجھ پر اللہ کا عہد ہے، مجھ پر اللہ کا ذمہ ہے، مجھ پر نذر ہے، مجھ پر اللہ کی نذر ہے، اگر میں ایسا کروں تو یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا مجوسی ہوں یا ایسا کروں تو اسلام سے بری ہوں ان تمام صورتوں میں قسم منعقد ہوگی۔اور ان کا کفارہ ادا کرے اگر حانث ہو جائے۔امام محمد نے فرمایا ان تمام پر ہمارا عمل ہے۔

کافر کان یمینا[۲۶۶۲] (۱۹)وان قال فعلیّ غضب اللہ او سخطہ فلیس بحالف [۲۶۶۳] (۲۰) وکذلک ان قال ان فعلت کذا فانا زان او شارب خمر او آکل ربوا

وجہ اوپر کے اثر میں گزر چکا ہے۔ وھو یھودی وھو نصرانی کہا تو کفارہ لازم ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ عن ثابت بن الضحاک قال قال النبی علیہ السلام من حلف بملة غیر ملة الاسلام کاذبا فھو کما قال (الف) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الحلف بالبرائۃ وبملۃ غیر الاسلام ص ۱۰۸ نمبر ۳۲۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے مذاہب کی قسم کھائی تو اگر ایسا کر لیا تو ویسے ہی ہو جائے گا جیسا کہا ہے اس لئے یہ قسم کے معنی میں ہے (۳) اثر میں ہے۔ عن خارجة بن زید بن ثابت عن ابیہ قال سئل رسول اللہ علیہ السلام عن الرجل یقول ھو یھودی او نصرانی او بری من الاسلام فی الیمین یحلف علیہ فیحنث قال کفارة یمین (ب) (سنن للبیہقی، باب من حلف بغیر اللہ ثم حنث اوحلف بالبراءة من الاسلام الخ ج عاشر ص ۵۴ نمبر ۱۹۸۳۸) اس اثر میں ہے کہ یہودی ہونے کی قسم کھائی تو قسم منعقد ہو جائے گی۔ اسی پر مشرک اور کافر کو قیاس کر لیں کہ اگر یوں کہا کہ اگر میں نے فلاں کام نہیں کیا تو میں مشرک ہوں یا کافر ہوں تو قسم منعقد ہو جائے گی اور وہ کام نہ کرنے پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا، لیکن وہ واقعی یہودی یا نصرانی یا مشرک یا کافر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تو اسلام سے انکار کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

[۲۶۶۲] (۱۹) اگر کہا مجھ پر اللہ کا غضب یا اس کا غصہ ہے تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔

تشریح یوں کہا کہ اگر میں نے فلاں کام نہیں کیا تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو، یا اللہ کا غصہ ہو تو اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی۔

وجہ اللہ کا غضب صفت فعلی ہے صفت ذاتی نہیں ہے اس لئے اس کے ذریعہ قسم منعقد نہیں ہوگی (۲) یہ جملہ اپنے اوپر ایک قسم کی بددعا ہے۔ اللہ کی ذات یا صفت ذاتی کے ساتھ قسم کھانا نہیں ہے اس لئے اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی (۳) اوپر حدیث گزری کہ اللہ کے ساتھ قسم کھائے یا چپ رہے۔ من کان حالفا فلیحلف باللہ او لیصمت (ج) (بخاری شریف، نمبر ۲۶۴۶ر مسلم شریف، نمبر ۱۶۴۶) اس حدیث میں ہے کہ یا تو اللہ کی قسم کھاؤ یا چپ رہو۔ اور اوپر کا جملہ چونکہ بددعا ہے اللہ کی ذات یا اس کی ذاتی صفت کے ساتھ قسم کھانا نہیں ہے اس لئے اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی (۳) اثر میں ہے۔ عطاء وطاؤس ومجاھد فی الرجل یقول علی غضب اللہ قالوا لیس علیہ کفارة ھو اشد من ذلک (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۹۵ من قال علی غضب اللہ ج ثالث ص ۱۱۴ نمبر ۱۲۶۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ علی غضب اللہ سے قسم منعقد نہیں ہوگی۔

[۲۶۶۳] (۲۰) ایسے ہی اگر کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو میں زنا کار ہوں یا شراب پینے والا ہوں یا سور کھانے والا ہوں تو قسم کھانے والا نہیں

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اگر ملت اسلام کے علاوہ قسم کھائی تو وہ ایسے ہی ہوگا جیسا کہا یعنی ملت اسلام سے خارج ہو جائے گا (ب) حضور کو ایک آدمی کے بارے میں پوچھا وہ کہتا ہے کہ اگر میں ایسا کروں تو یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا وہ اسلام سے بری ہے تو ان سبھوں میں قسم ہوگی اور حانث ہونے پر کفارۂ قسم لازم ہوگا (ج) جو قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے (د) حضرت طاؤسؒ اور حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کوئی آدمی کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہے۔ ان حضرات نے فرمایا کہ ان پر کفارہ نہیں ہے کیونکہ یہ قسم سے بھی اوپر کی بات ہے۔

فلیس بحالف [۲۶۶۴](۲۱)و کفارة الیمین عتق رقبة یجزئ فیها ما یجزئ فی الظهار [۲۶۶۵](۲۲)وان شاء کسا عشرة مساکین کل واحد ثوبا فمازاد و ادناه ما یجوز فیه

ہوگا۔

وجہ یہ سب جملے بھی اللہ کی ذات کے ساتھ یا اس کی ذاتی صفات کے ساتھ قسم کھانا نہیں ہے بلکہ اپنے اوپر بددعا کرنا ہے اس لئے ان سے بھی قسم منعقد نہیں ہوگی۔

اصول اصول یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے ساتھ قسم ہو یا اس کی ذاتی صفت کے ساتھ قسم ہو یا ایسا جملہ پر معلق ہو جس سے کفر کا صدور ہو جیسے یہودی، نصرانی ہونا تو ان سے قسم منعقد ہوگی۔ اور یہ نہ ہوں تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔

﴿ کفارہ کا بیان ﴾

[۲۶۶۴](۲۱) قسم کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اس میں وہی غلام کافی ہے جو ظہار میں چاہئے۔

تشریح کفارہ ظہار میں مسلمان غلام، کافر، مذکر، مؤنث، چھوٹا بڑا ان سب غلاموں سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ کفارہ قتل کی طرح مومن ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح کفارہ قسم میں بھی مسلمان، کافر، مذکر، مؤنث، چھوٹا بڑا غلام کافی ہیں۔ البتہ اندھا یا دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹے ہوئے کافی نہیں ہے۔ یعنی ایسا نقصان جس سے منفعت انسانیت ختم ہوگئی ہو ایسا غلام کافی نہیں ہے۔ ان سب کے دلائل کتاب الظہار میں گزر گئے۔ کفارہ قسم کی دلیل یہ آیت ہے۔ **لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہ اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبة فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم** (الف) (آیت ۸۹ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں غلام آزاد کرنے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا اور وہ نہ ہو سکے تو تین روزے رکھنے کا تذکرہ ہے۔

[۲۶۶۵](۲۲) اور چاہے تو دس مسکینوں کو کپڑا پہنا دے، ہر ایک کو ایک کپڑا یا اس سے زیادہ، اور ادنی کپڑا یہ ہے جس سے نماز جائز ہو

تشریح اگر غلام آزاد نہیں کرنا چاہتا ہے تو دس مسکینوں کو کپڑا پہنا دے۔ ہر ایک کو ایک ایک کپڑا دے دے اور اس سے زیادہ دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ ایک کپڑا کم سے کم اتنا بڑا ہو کہ مرد کی نماز اس کپڑے میں ادا ہو جائے یعنی کمر سے گھٹنے تک چوڑا ہو۔ کیونکہ نماز میں مرد کو ناف سے گھٹنے تک چھپانا ضروری ہے۔ اور اتنا کپڑا نماز کے لئے کافی ہے تو اتنا ہی کپڑا کفارے میں دے دینا کافی ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابی موسی الاشعری انه حلف فاعطی عشرة مساکین عشرة اثواب لکل مسکین ثوبا من مقعد ھجر** (ب) (سنن للبیہقی، باب ما تجزی من الکسوۃ فی الکفارۃ ج عاشر ص ۹۷ نمبر ۱۹۹۸۱ / مصنف عبد الرزاق، باب اطعام عشرۃ مساکین او کسوتھم ج ثامن

حاشیہ : (الف) اللہ تم کو نہیں پکڑے گا لغو قسم میں لیکن پکڑے گا جس میں قسم کی گرہ باندھا۔ پس اس کا کفارہ دس مسکین کو کھانا کھلانا ہے اوسط کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ یا ان کو کپڑا پہنانا یا غلام آزاد کرنا، پس اگر یہ نہ پائے تو تین روزے رکھنا ہے یہ کفارہ ہے تمہاری قسم کا جب قسم کھاؤ (ب) حضرت ابو موسیٰؓ نے قسم کھائی، پس دس مسکینوں کو دس کپڑے دئے ہر ایک مسکین کو ایک کپڑا پاؤں تک باندھ سکے۔

الصلوة[٢٦٦٦] (٢٣)وان شاء اطعم عشرة مساکین کالاطعام فی کفارۃ الظھار .

ص٥١٠نمبر١٦٠٨٥)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک کپڑا دینا بھی کافی ہے۔

[٢٦٦٦] (٢٣)اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کھانا کھلائے کفارہ ظہار کے کھانا کھلانے کی طرح۔

تشریح جس طرح کفارہ ظہار میں کھانا کھلانا کافی ہوتا ہے اسی طرح کفارہ قسم میں بھی دس مسکینوں کو کھانا کھلانا کافی ہوگا۔

وجہ آیت اوپر گزر چکی ہے۔**اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم** (الف) (آیت ٨٩سورۃ المائدۃ٥)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی ایک صورت ہے کہ ہر ایک مسکین کو کھانے کے لئے آدھا صاع گیہوں دے یا ایک صاع کھجور دے یا ایک صاع جو دے۔

وجہ حدیث میں ہے۔**قال ابن العلاء البیاضی ... قال فاطعم وسقا من تمر بین ستین مسکینا** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الظھار ص ٣٠٨ نمبر ٢٢١٣ رسنن للبیہقی ، باب لا یجزی ان یطعم اقل من ستین مسکینا کل مسکین مدا من طعام جلدة، ج سابع ،ص ٦٤١،نمبر ١٥٢٨١)اس حدیث میں ہے کہ ساٹھ مسکین کو ایک وسق کھجور دو اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مسکین کو ایک صاع کھجور دو۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ ایک صاع کھجور اس زمانے میں آدھے صاع گیہوں کے برابر ہوتا تھا اس لئے کفارہ قسم میں بھی ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں دے یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ادا کرے (٢) اثر میں ہے۔**عن علی قال صاع من شعیر او نصف صاع من قمح** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب اطعام عشرة مساکین او کسوتھم ج ثامن ص ٥٠٨ نمبر ١٦٠٧٧)اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ایک مسکین کا کفارہ آدھا صاع گیہوں ہے (٣) حدیث میں ہے۔**عن ابن عباس قال کفر رسول اللہ ﷺ بصاع من تمر وامر الناس بذلک فمن لم یجد فنصف صاع من بر** (د) (ابن ماجہ شریف، باب کم یطعم فی کفارۃ یمین ص ٣٠٣ نمبر ٢١١٢)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدھا صاع گیہوں کفارہ میں ادا کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مسکین کا کفارہ ایک مد گیہوں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔**عن اوس اخی عبادة بن الصامت ان النبی ﷺ اعطاہ خمسة عشر صاعا من شعیر اطعام ستین مسکینا** (د) (ابوداؤد شریف، باب فی الظھار ص ٣٠٨ نمبر ٢٢١٨ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کفارۃ الظھار ص ٢٢٧ نمبر ١٢٠٠)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پندرہ صاع ساٹھ مسکین کو دے۔اور صاع چار مد کا ہوتا ہے۔اس لئے ایک مسکین کو ایک مد دے (٢) اثر میں ہے۔**عطاء عن ابن عباس قال لکل مسکین مد مد** (ہ) (سنن للبیہقی ، باب الاطعم فی کفارۃ الیمین ج عاشر ص ٩٥ نمبر ١٩٩٧٤ رمصنف عبد

حاشیہ : (الف) دس مسکینوں کو کھانا کھلائے اوسط جو اپنے اہل کو کھلاتے ہو (ب) ابن علاء بیاضی فرماتے ہیں...آپؐ نے فرمایا ایک وسق کھجور کو ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ (ج) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک صاع جو یا آدھا صاع گیہوں (د) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضورؐ نے کفارہ دیا ایک صاع کھجور اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا اور جو نہ پائے تو آدھا صاع گیہوں (د) حضرت اوسؓ کو حضورؐ نے پندرہ صاع جو دیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کے لئے (ہ) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ہر مسکین کے لئے ایک ایک مد دیں۔

[۲۶۶۷](۲۴) فان لم یقدر علی احد هذه الاشیاء الثلثة صام ثلثة ایام متتابعات.

الرزاق، باب اطعام عشرة مساکین اوکسوتھم ج ثامن، ص ۵۰۶، نمبر ۱۶۰۷۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کفارہ ہر مسکین کو ایک ایک مد دے۔ یاد رہے چار مد کا ایک صاع ہوتا ہے اس لئے یہ اثر اوپر والی حدیث کی تائید ہے۔

یا صبح اور شام کھانا کھلادے۔

وجہ اثر میں ہے۔ اخبرنی ابن طاؤس عن ابیه انه کان یقول اطعام یوم لیس اکلة ولکن یوما من اوسط ما یطعم اهله لکل مسکین (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب اطعام عشرة مساکین اوکسوتھم ج ثامن ص ۵۰۹ نمبر ۱۶۰۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پورا دن کھلائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صبح اور شام دونوں وقت دس مسکینوں کو کھلائے۔ کیونکہ اس اثر میں ہے ولکن یوما من اوسط یعنی پورا دن اوسط کھانا کھلائے اور پورا دن صبح اور شام دونوں وقت کھانا کھلانے کو کہتے ہیں (۲) اثر میں ہے۔ عن ابراهیم قال اذا اردت ان تطعم فی کفارة الیمین فغداء وعشاء (ب) (کتاب الآثار لامام محمد، باب الایمان والکفارات فیھا ص ۱۵۷ نمبر ۷۱۱)

[۲۶۶۷] (۲۴) پس اگر ان تینوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت نہ ہو تو تین دن پے در پے روزے رکھے۔

تشریح کسی کو غلام آزاد کرنے یا کھانا کھلانے یا کپڑ پہنانے پر قدرت نہ ہو تب تین دن روزہ رکھے اس کی دلیل تو خود آیت میں ہے۔ فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام (آیت ۸۹ سورة المائدة ۵) کہ جو پہلے تین چیزوں کو نہ پائے تو وہ تین روز روزہ رکھے۔ اور پے در پے روزہ رکھے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت میں فصیام ثلاثة ایام متتابعات ہے۔ یعنی پیدر پے روزہ رکھے۔ ان ابن مسعود کان یقرأ فصیام ثلاثة ایام متتابعات (ج) (سنن للبیہقی، باب التتابع فی صوم الکفارة ج عاشر ص ۱۰۴ نمبر ۲۰۰۱۲ رمصنف عبد الرزاق، باب صیام ثلاثة ایام وتقدیم التکفیر ج ثامن ص ۵۱۳ نمبر ۱۶۱۰۲) (۲) دوسرے اثر میں ہے۔ عن ابن عباس فی آیة کفارة الیمین قالا هو بالخیار فی هؤلاء الثلاث الاول فان لم یجد شیئا من ذلک فصیام ثلاثة ایام متتابعات (د) (سنن للبیہقی، باب التخییر بین الاطعام والکسوة والعتق فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام ج عاشر ص ۱۰۲ نمبر ۲۰۰۰۶) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ پے در پے روزہ رکھے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پے در پے رکھے یا متفرق طور پر رکھے دونوں کا اختیار ہے۔

وجہ آیت قرآنی میں پے در پے کی قید نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن الحسن انه کان لایری بأسا ان یفرق بین الثلاثة الایام فی کفارة الیمین (ہ) (سنن للبیہقی، باب التخییر بین الاطعام والکسوة والعتق فمن لم یجد صیام ثلاثة ایام ج عاشر ص ۱۰۳، نمبر ۲۰۰۰۷) اس اثر

حاشیہ: (الف) حضرت طاؤس فرماتے تھے کہ ایک دن کا کھانا ایک لقمہ کھلانا نہیں ہے لیکن پورا ایک دن کھانا کھلانا ہے ہر مسکین کو اوسط جو اپنے اہل کو کھلاتا ہو (ب) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اگر آپ کفارہ یمین میں کھلانا چاہیں تو صبح اور شام کھانا کھلانا ہے (ج) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ پڑھا کرتے تھے پیدر پے تین روزے (د) حضرت ابن عباسؓ کفارہ یمین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تین پہلے میں کفارہ دینے کا اختیار ہے اور اگر ان تینوں میں سے نہ پائے تب پیدر پے تین روزے رکھنا ہے (ہ) حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ کفارہ یمین میں تینوں دن الگ الگ کر کے روزہ رکھے۔

[٢٦٦٨] (٢٥) فان قدم الكفارة على الحنث لم يُجزه [٢٦٦٩] (٢٦) ومن حلف على

سے معلوم ہوا کہ تفریق کے ساتھ بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔

[٢٦٦٨] (٢۵) پس اگر کفارہ کو حانث ہونے پر مقدم کیا تو جائز نہیں ہے۔

تشریح پہلے قسم کے خلاف کر کے حانث ہو پھر کفارہ ادا کرے تو کفارہ ادا ہوگا۔ اور اگر پہلے کفارہ ادا کیا پھر وہ کام کیا اور حانث ہوا تو وہ کفارہ کافی نہیں ہے کفارہ دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔

وجہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفارہ کا سبب حانث ہونا ہے۔ قسم کھانا کفارہ کا سبب نہیں ہے اس لئے جب تک حانث نہ ہو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اس لئے حانث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کر دیا تو وہ صدقہ ہو گیا کفارہ ہوا ہی نہیں۔ اس لئے حانث ہونے کے بعد دوبارہ کفارہ ادا کرنا ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ حانث پہلے ہوا ہو اور کفارہ بعد میں ادا کرے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من حلف علی یمین فرای غیرھا خیرا منھا فلیأت الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینہ (الف) (مسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرای غیرھا خیرا منھا ان یاتی الذی ھو خیر ویکفر عن یمینہ ص ۴۶ نمبر ۱۶۵۰ر ۴۲۷۳ ر بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۲۱ ر ترمذی شریف، باب ما جاء فیمن حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا منھا ص ۲۷۹ نمبر ۱۵۲۹) اس حدیث میں حانث پہلے ہوا ہے اور کفارہ بعد میں ادا کرنے کا حکم ہے۔ اس لئے حانث پہلے ہو اور کفارہ بعد میں ادا کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قسم کھانے کے بعد کفارہ ادا کر دیا پھر حانث ہوا تب بھی یہ کفارہ اس قسم کے لئے کافی ہو جائے گا۔ دوبارہ کفارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کفارہ کا اصل سبب قسم ہے۔ حانث ہونا تو شرط پائے جانے کے لئے ہے اس لئے قسم کھانے کے بعد کفارہ ادا کر دیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا بھی ثبوت ہے۔ عن ابی موسی الاشعری قال اتیت النبی ﷺ فی رھط من الشعریین نستحملہ ... واللہ ان شاء اللہ لا احلف علی یمین ثم اری خیرا منھا الا کفرت عن یمینی واتیت الذی ھو خیر (ب) (مسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرای غیرھا خیرا منھا ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۹ ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی الکفارۃ قبل الحنث ص ۲۷۹ نمبر ۱۵۳۰) اس حدیث میں ہے کہ کفارہ پہلے ادا کیا اور قسم کھایا ہوا کام بعد میں کیا جس سے معلوم ہوا کہ حانث ہونے سے پہلے کفارہ دے دیا تو ادا ہو جائے گا۔

[٢٦٦٩] (٢٦) کسی نے گناہ پر قسم کھائی مثلا یہ کہ نماز نہیں پڑھے گا یا والد سے بات نہیں کرے گا یا فلاں کو ضرور قتل کرے گا تو چاہئے کہ خود ہی حانث ہو جائے اور قسم کا کفارہ دے دے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے قسم کھائی اور اس کے خلاف کو اچھا دیکھا تو وہ کرے جو خیر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے (ب) حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ میں اشعریین کی جماعت میں حضورؐ کے پاس سواری کے لئے اونٹ مانگنے آیا... آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم ان شاء اللہ نہیں قسم کھاتا ہوں کسی پر پھر اس کے خلاف خیر دیکھتا ہوں مگر اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں اور وہ کرتا ہوں جو خیر ہے۔

معصية مثل ان لا يصلي او لا يكلم اباه او ليقتلنّ فلانا فينبغي ان يحنث نفسه ويكفر عن يمينه [۲۶۷۰] (۲۷) واذا حلف الكافر ثم حنث في حال الكفر او بعد اسلامه فلا حنث عليه [۲۶۷۱] (۲۸) ومن حرم على نفسه شيئا مما يملكه لم يصر محرما وعليه ان

تشریح کسی نے گناہ کی بات پر قسم کھائی تو بہتر یہ ہے کہ وہ نہ کرے اور حانث ہو کر کفارہ ادا کر دے۔

وجہ حدیث میں اسی کی تعلیم ہے۔ **عن ابی بردة عن ابیه قال اتیت النبی ﷺ فی رهط ... وانی والله ان شاء الله لا احلف علی یمین فاری غیرها خیرا منها الا کفرت عن یمینی واتیت الذی هو خیر او اتیت الذی هو خیر وکفرت عن یمینی (الف)** (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۲۳ رمسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرای غیرھا خیرا منھا ان یأتی الذی ھو خیر ویکفر عن یمینہ ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۹) اس حدیث میں ہے کہ اگر قسم کھائی ہوئی بات کے خلاف کو خیر اور اچھی سمجھتا ہوں تو میں اس کو کرتا ہوں اور قسم کا کفارہ ادا کرتا ہوں (۲) یوں بھی گناہ کا کام نہیں کرنا چاہئے، اس کو چھوڑ کر کفارہ ادا کرنا بہتر ہے۔

[۲۶۷۰] (۲۷) اگر کافر نے قسم کھائی پھر کفر کی حالت میں حانث ہو گیا یا اسلام کے بعد حانث ہوا تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

وجہ کافر کی قسم کا ہی اعتبار نہیں ہے کیونکہ قسم منعقد ہوتی ہے اللہ کے نام سے یا اس کی صفات ذاتی سے اور کافر نہ اللہ کو مانتا ہے اور نہ اس کی صفات ذاتی کو مانتا ہے۔ اور نہ اس کی تعظیم کرتا ہے اس لئے اللہ کا نام لے بھی تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔ اور جب قسم منعقد نہیں ہوگی تو چاہے کفر کی حالت میں حانث ہو یا اسلام کی حالت میں حانث ہو کفارہ لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ ... من کان حالفا فلیحلف بالله او لیصمت (ب)** (بخاری شریف، باب لا تحلفوا بآبائکم ص ۹۸۳ نمبر ۶۶۴۶ رمسلم شریف، باب النھی عن الحلف بغیر اللہ تعالی، ص ۴۶، نمبر ۱۶۴۶ ر ۴۲۵۷) اس حدیث میں ہے کہ اللہ کے ساتھ قسم کھائے یا چپ رہے اور کافر اللہ پر یقین نہیں رکھتا اس لئے اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی (۳) کفارہ تو عبادت ہے اس لئے کافر پر عبادت کیسے لازم کریں اس لئے کافر پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

[۲۶۷۱] (۲۸) کسی نے اپنے اوپر اپنی مملوکہ چیز حرام کر لی تو وہ حقیقتا حرام نہیں ہوگی۔ اور اگر اپنے اوپر مباح قرار دیا تو کفارہ لازم ہوگا۔

تشریح جو چیزیں انسان کے لئے حلال ہیں اور خود اس کی ملکیت میں ہیں ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لے تو وہ چیزیں حقیقت میں تو حرام نہیں ہوں گی البتہ اگر ان کو استعمال کیا تو کفارہ قسم لازم ہوگا۔

وجہ حضورؐ نے اپنی بیوی کے طعنہ پر شہد حرام فرمایا تھا تو اللہ نے تنبیہ فرمائی اور اس کو قسم قرار دیا اور اس پر کفارہ بھی لازم ہوا۔ آیت یہ ہے۔ **یا ایها النبی لم تحرم ما احل الله لک تبتغی مرضات ازواجک والله غفور رحیم ٥ قد فرض الله لکم تحلة ایمانکم**

حاشیہ : (الف) حضرت ابی بردہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ میں اشعریین کی جماعت میں حضورؐ کے پاس آیا... میں خدا کی قسم ان شاء اللہ نہیں قسم کھاتا ہوں پھر اس کے علاوہ کو اچھا دیکھتا ہوں مگر میں اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتا ہوں جو خیر ہے، یا یوں فرمایا کہ وہ کرتا ہوں جو خیر ہے پھر اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں (ب) آپؐ نے فرمایا جو قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے یا پھر چپ رہے۔

استباحه کفارة یمین [۲۶۷۲] (۲۹) فان قال کل حلال علیَّ حرام فهو علی الطعام

واللہ مولیٰ کم وھو العلیم الحکیم (الف) (آیت ۱/۲ سورۃ التحریم ۶۶) اس آیت میں حلال چیز کو حرام کیا تو اس کو اللہ تعالی نے قسم قرار دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حلال چیز کو حرام قرار دینا قسم ہے۔ اور اس کو استعمال کرنے پر کفارہ لازم ہوگا (۲) حدیث میں اس کا تذکرہ ہے۔ ان ابن عباس قال فی الحرام یکفر وقال ابن عباس لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (ب) بخاری شریف، باب یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک ص ۷۲۹ نمبر ۴۹۱۱، کتاب التفسیر، سورۃ التحریم / مسلم شریف، باب وجوب الکفارۃ علی من حرم امرأتہ ولم ینو الطلاق ص ۴۷۸ نمبر ۱۴۷۳) اس حدیث میں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حلال چیز کو حرام کرے تو وہ قسم ہے اس کا کفارہ لازم ہوگا۔

اور وہ چیز حقیقت میں حرام نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان ابا بکر وعمر وابن مسعود قالوا من قال لامرأته هی علی حرام فلیست علیه بحرام وعلیه کفارة یمین (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۹ من قال الحرام یمین ولیست بطلاق ج رابع ص ۱۰۰ نمبر ۱۸۱۹۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وہ چیز حقیقت میں حرام نہیں ہوگی البتہ استعمال کرے گا تو قسم کا کفارہ ادا کرے گا۔

[۲۶۷۲] (۲۹) اگر کہا کہ ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے تو یہ کھانے اور پینے کی چیزوں پر محمول ہوگا مگر یہ کہ اس کے علاوہ کی نیت کرے۔

تشریح اس جملے سے تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ بیوی وغیرہ بھی حرام ہو جائیں لیکن متبادر اور عام محاورے میں کھانے پینے کی چیزیں مراد لیتے ہیں اس لئے بیوی حرام نہیں ہوگی بلکہ کھانے پینے کی چیز استعمال کرنے سے کفارہ لازم ہوگا حرام تو وہ بھی نہیں ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے۔ سألت الشعبی عن رجل قال کل حل علی حرام قال لا یوجب طلاقا ولا یحرم حلالا یکفر یمینه (د) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۷۰ ما قالوا فیہ اذا قال کل حل علی حرام ج رابع ص ۱۰۰ نمبر ۱۸۱۹۹ / مصنف عبد الرزاق، باب الحرام ج سادس ص ۴۰۲ نمبر ۱۱۳۷۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے کل حل علی حرام سے بیوی مراد نہیں ہوگی بلکہ کھانے پینے کی چیز استعمال کرنے سے کفارہ لازم ہوگا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ بیوی بھی کل حلال میں داخل ہوگی۔ اس لئے بیوی پر بھی ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن علی فی الرجل یقول لامرأته کل حل علی فهو حرام قال تحرم علیه امرأته ولا تحل له حتی تنکح زوجا غیره ویکفر یمینه من ماله (د) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۷۰ ما قالوا فیہ اذا قال کل حل علی حرام ج رابع ص ۱۰۱ نمبر

حاشیہ: (الف) اے نبی! کیوں حرام کرتے ہیں وہ جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا بیویوں کی مرضی تلاش کرنے کے لئے؟ اللہ معاف کرنے والے ہیں۔ اللہ نے فرض کیا آپ کے لئے قسم کو کھولنا، اللہ آپ کا مولی ہے وہ جاننے والا حکمت والا ہے (ب) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حرام کرنے میں کفارہ دے گا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تمہارے لئے رسول اللہ میں اسوۂ حسنہ ہے (ج) حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ وہ مجھ پر حرام ہے تو وہ اس پر حرام نہیں ہوگی لیکن اس پر کفارہ یمین لازم ہوگا (د) حضرت شعبیؒ سے میں نے پوچھا کوئی کہے ہر حلال مجھ پر حرام ہے؟ فرمایا بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ حلال چیزیں حرام ہوگی البتہ قسم کا کفارہ ادا کرے (د) حضرت علیؓ سے منقول ہے کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے ہر وہ چیز جو مجھ پر حلال ہے وہ حرام۔ فرمایا اس سے اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور اس کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ دوسری شادی کرے یعنی حلالہ کرے اور اپنے مال سے قسم کا کفارہ دے۔

والشراب الا ان ینوی غیر ذلک [۲۶۷۳] (۳۰) ومن نذر نذرا مطلقا فعلیه الوفاء به وان

۱۸۲۰۳ ر مصنف عبد الرزاق، باب الحرام ج سادس ص ۴۰۳ نمبر ۱۱۳۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیوی کو بھی طلاق واقع ہوگی۔

[۲۶۷۳] (۳۰) کسی نے مطلق نذر مانی تو اس پر پورا کرنا ہے، اور اگر اپنی نذر کو شرط پر معلق کیا پس شرط پائی گئی تو اس پر پوری کرنا نفس نذر کی وجہ سے۔

تشریح نذر ماننے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک مطلق نذر مثلا میں حج کرنے کی نذر مانتا ہوں تو اس نذر کو پوری کرنا چاہئے۔ اور نذر پوری نہیں کی تو کفارہ یمین لازم ہوگا۔

وجہ آیت میں ہے کہ نذر پوری کیا کرو۔ ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم (الف) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ہے کہ نذر پوری کرو (۲) حدیث میں ہے۔ عن عائشۃ عن النبی ﷺ قال من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعصیہ فلا یعصہ (ب) (بخاری شریف، باب النذر فی الطاعۃ ص ۹۹۰ نمبر ۶۶۹۶) (۳) ایک اور آیت میں ہے۔ وما انفقتم من نفقۃ او نذرتم من نذر فان اللہ یعلمہ (د) (آیت ۲۷۰ سورۃ البقرۃ ۲) اس حدیث اور آیت میں بھی ہے کہ نذر پوری کیا کرو۔

اور اگر نذر کو کسی شرط پر معلق کیا مثلا اگر امتحان میں کامیاب ہوگیا تو حج کروں گا اور وہ شرط پائی گئی مثلا وہ امتحان میں کامیاب ہوگیا تو اس کو حج کرنا چاہئے۔

وجہ شرط پائی جانے کے بعد ایسا ہوا کہ مطلقا نذر مانی اور مطلقا نذر ماننے پر آیت اور حدیث کی وجہ سے نذر پوری کرنی پڑتی ہے تو اگر شرط پر معلق کرے اور شرط پائی جائے تو مطلق نذر کی طرح پوری کرے۔ اور اگر نذر پوری کر لی مثلا حج کر لیا تو کافی ہے اور حج نہیں کیا تو اب قسم کا کفارہ ادا کرے (۲) حدیث میں ہے کہ شرط پر معلق کر کے نذر مانی تو پورا کرنے کا حکم ہے۔ یا اباعبد الرحمن (عبد اللہ بن عمر) ان ابنی کان بارض فارس فیمن کان عند عمر بن عبید اللہ وانہ وقع بالبصرۃ طاعون شدید فلما بلغ ذلک نذرت ان اللہ جاء بابنی ان امشی الی الکعبۃ فجاء مریضا فمات فماتری؟ فقال ابن عمر اولم تنھوا عن النذر ان رسول اللہ ﷺ قال النذر لا یقدم شیئا ولا یؤخرہ فانما یستخرج من البخیل اوف بنذرک (ج) (مستدرک حاکم، باب کتاب النذر ج رابع ص ۳۳۸ نمبر ۷۸۳۷) اس اثر میں اس شرط پر نذر مانی کہ لڑکا گھر آئے گا تو بیت اللہ جاؤں گا۔ اس صورت میں لڑکا گھر آیا تو نذر پوری کرنے کے لئے کہا۔

حاشیہ : (الف) پھر پراگندگی کو ختم کرے اور اپنی نذر پوری کرے (ب) آپ نے فرمایا کہ اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو اس کو اطاعت کرنی چاہئے، اور جو نافرمانی کرنے کی نذر مانے اس کو نافرمانی نہیں کرنی چاہئے (ج) تم نے جو کچھ خرچ کیا یا نذر مانی تو اللہ اس کو جانتا ہے۔ عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ میرا لڑکا فارس میں تھا ان لوگوں کے ساتھ جو عمر بن عبید اللہ کے ساتھ تھے۔ پس بصرہ میں بہت سخت طاعون پھیلا۔ جب یہ خبر پہنچی تو میں نے نذر مانی کہ اگر میرا بیٹا گھر آ جائے تو میں بیت اللہ تک پیدل جاؤں گا۔ پس لڑکا بیمار ہو کر آیا اور مر گیا تو آپ کیا فتوی دیتے ہیں؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کیا نذر سے منع نہیں فرمایا؟ حضورؐ نے فرمایا تھا نذر کسی چیز کو مقدم کرتی ہے اور نہ مؤخر کرتی ہے۔ صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔ جاؤ نذر پوری کرو۔

علق نذره بشرط فوجد الشرط فعليه الوفاء بنفس النذر[۲٦٧٤] (۳۱)ورُوی ان ابا حنيفة رحمه الله رجع عن ذلک وقال اذا قال ان فعلت كذا فعلیَّ حجة او صوم سنة او صدقة ما املکه اجزأه من ذلک كفارة يمين وهو قول محمد رحمه الله[۲٦٧٥] (۳۲)ومن حلف لايدخل بيتا فدخل الكعبة او المسجد او البيعة او الكنيسة لم يحنث[۲٦٧٦] (۳۳)ومن حلف ان لا يتكلم فقرأ القرآن فی الصلوة لم يحنث.

[۲٦٧٤] (۳۱) روایت کی گئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس قول سے رجوع کیا اور فرمایا اگر کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو مجھ پر حج ہے یا ایک سال کا روزہ ہے یا جس چیز کا میں مالک ہوں اس کا صدقہ کرنا ہے تو ان ساری باتوں کے بدلے اس کو کفارہ یمین کافی ہے اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کا ابتدائی قول یہ تھا کہ شرط پر معلق کیا پھر بھی خود نذر ماننے کی وجہ سے نذر پوری کرے۔ بعد میں یہ فرمایا کہ اگر شرط پر معلق کیا مثلا یہ کہا کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہو جاؤں تو مجھ پر حج ہے۔ یا ایک سال کا روزہ ہے یا میرے پاس جتنا مال ہے سب کو صدقہ کروں گا اور وہ امتحان میں کامیاب ہو گیا اور شرط پائی گئی تو دونوں اختیار ہیں یا تو حج کرے اور نذر پوری کرے یا پھر کفارہ یمین ادا کرے۔

وجہ اس قول کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ نذر پوری نہ کرو تو کفارہ یمین دو۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال ... ومن نذر نذرا لا يطيقه فكفارته كفارة يمين ومن نذر نذرا اطاقه فليف به (الف) (ابوداؤد شریف، باب من نذر نذرا لایطیقہ ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۲۲ رابن ماجہ شریف، باب من نذر نذرا ولم یسمہ ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۲۸) اس حدیث میں ہے کہ نذر پوری نہ کر سکو تو کفارہ یمین ادا کر دو۔ اس لئے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کفارہ یمین بھی ادا کر سکتا ہے۔

[۲٦٧٥] (۳۲) کسی نے قسم کھائی کہ کمرے میں داخل نہیں ہوگا پھر داخل ہوا کعبہ میں یا مسجد میں یا کلیسا میں یا گرجا میں تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ بیت کہتے ہیں اس کمرے کو جس میں رات گزاری جائے۔ اور مسجد، کعبہ، عیسائیوں کی عبادت گاہ کلیسا اور یہودیوں کی عبادت گاہ گرجا رات گزارنے کے لئے نہیں ہیں بلکہ عبادت کرنے کے لئے ہیں اس لئے جس چیز کی قسم کھائی وہ نہیں پائی گئی اس لئے حانث نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کمرے میں اعتکاف کرے گا تو نہیں ہوگا اور مسجد میں ہو جائے گا کیونکہ کمرہ اور مسجد الگ الگ چیزیں ہیں۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی وہ نہیں پائی گئی تو حانث نہیں ہوگا۔

لغت البیعۃ : عیسائیوں کی عبادت گاہ، کلیسا۔ الکنیسۃ : یہودیوں کی عبادت گاہ، گرجا۔

[۲٦٧٦] (۳۳) کسی نے قسم کھائی کہ بات نہیں کروں گا، پس نماز میں قرآن پڑھا تو حانث نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا... کسی نے ایسی نذر مانی جس کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے اور کسی نے ایسی نذر مانی جس کی طاقت رکھتا ہو تو اس کو پوری کرے۔

[٢٦٧٧] (٣٤)ومن حلف لایلبس ھذا الثوب وھو لابسه فنزعه فی الحال لم یحنث

وجہ نماز میں قرآن پڑھنا کلام نہیں ہے بلکہ قرأت ہے۔ اس لئے نماز میں قرآن پڑھنے سے حانث نہیں ہوگا (٢) چنانچہ حدیث میں ہے کہ نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہوگی اور قرآن پڑھنے سے نماز صحیح ہوگی۔ حدیث میں ہے۔ عن معاویة بن الحکم السلمی ... قال ان ھذہ الصلوة لا یصلح فیھا شیء من کلام الناس انما ھو التسبیح والتکبیر وقرأة القرآن (الف) (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص ٢٠٣ نمبر ٥٣٧ / ابوداؤد شریف، باب تشمیت العاطس فی الصلوۃ ص ١٤١ نمبر ٩٣٠) اس حدیث میں کلام الناس سے منع فرمایا اور قرأۃ قرآن کی اجازت دی جس سے معلوم ہوا کہ قرأت قرآن سے حانث نہیں ہوگا (٢) آیت میں بھی یہ فرق ہے۔ قال رب اجعل لی آیة قال آیتک انا لاتکلم الناس ثلاثة ایام الا رمزا واذکر ربک کثیرا وسبح بالعشی والابکار (ب) (آیت ٤١ سورۃ آل عمران ٣) اس آیت میں لوگوں سے بات کرنے سے منع فرمایا لیکن تسبیح اور ذکر کی اجازت دی جس سے معلوم ہوا کہ لوگوں سے بات کرنا اور چیز ہے اور قرأت قرآن اور تسبیح وذکر اور چیز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک تسبیح، ذکر اور قرأت قرآن سے بھی حانث ہو جائے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث اور قرآن میں تسبیح، ذکر، قرأت قرآن کو بھی کلام فرمایا گیا ہے۔ وقال النبی ﷺ افضل الکلام اربع سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، وقال ابو سفیان کتب النبی ﷺ الی ھرقل فقالوا کلمة سواء بیننا وبینکم (ج) (آیت ٦٤ سورۃ آل عمران ٣ / بخاری شریف، ٦٦٨١) ان احادیث میں تسبیح اور لا الہ الا اللہ کو کلمہ کہا گیا ہے اس لئے اگر قسم کھائی کہ بات نہیں کروں گا اور قرأت کر لی یا تسبیح پڑھ لی تو حانث ہو جائے گا (٢) حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ ﷺ کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم (د) (بخاری شریف، باب اذا قال واللہ لا اتکلم الیوم فصلی اوقرأ اوسبح او کبر اوحمد اوھلل فھو علی نیتہ ص ٩٨٨ نمبر ٦٦٨١ / ٦٦٨٢ / مسلم شریف، باب فضل التھلیل والتسبیح والدعاء ج ثانی ص ٣٤٤ نمبر ٢٦٩٤) اس حدیث میں بھی سبحان اللہ کو کلمہ کہا ہے۔ ان احادیث کی بنیاد پر حنفیہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ نماز کے باہر ذکر، تسبیح وغیرہ کرے گا تو حانث ہو جائے گا۔

[٢٦٧٧] (٣٤) کسی نے قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہیں پہنے گا حالانکہ وہ پہنے ہوئے تھا۔ پس اس کو اسی وقت کھول دیا تو حانث نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ اس جانور پر سوار نہیں ہوگا حالانکہ وہ اسی پر سوار تھا پس وہ اتر گیا تو حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر کچھ دیر تک ٹھہر گیا تو حانث ہو جائے گا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا یہ نماز لوگوں کے کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی اس میں تو تسبیح، تکبیر اور قرأۃ قرآن ہیں (ب) فرمایا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے، فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو بات نہیں کر سکے گا لوگوں سے تین دن مگر اشارے سے اور تیرے رب کا کثرت سے ذکر کر اور صبح اور شام تسبیح پڑھ (ج) آپؐ نے فرمایا افضل کلام چار ہیں، سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر۔ حضرت سفیانؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ہرقل کو لکھا آؤ ایسے کلمے کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے (د) آپؐ نے فرمایا دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں اور میزان میں بھاری ہیں اور رحمٰن کو محبوب ہیں ایک ہے سبحان اللہ وبحمدہ اور دوسرا ہے سبحان اللہ العظیم۔

وکذلک اذا حلف لا یرکب ھذہ الدابۃ وھو راکبھا فنزل فی الحال لم یحنث وان لبس ساعۃ حنث [۲۶۷۸](۳۵)ومن حلف لا یدخل ھذہ الدار وھو فیھا لم یحنث بالقعود حتی یخرج ثم یدخل[۲۶۷۹] (۳۶)ومن حلف لا یدخل دارا فدخل دارا خرابا لم یحنث.

تشریح قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہیں پہنے گا لیکن وہ اس وقت وہی کپڑا پہنے ہوئے تھا۔ پس اگر اسی وقت کپڑا اتار دیا تو حانث نہیں ہوگا، اور اگر تھوڑی دیر تک اپنے جسم پر رکھا پھر اتارا تو حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح قسم کھائی کہ اس جانور پر سوار نہیں ہوگا حالانکہ اس وقت اسی سواری پر سوار تھا تو اگر اسی وقت اتر گیا تو حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر کچھ دیر سوار رہا پھر اترا تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قسم برقرار رکھنے کے لئے اتنی دیر تک مہلت دی جائے گی جس میں وہ قسم کے مطابق کام کر سکے اور حانث ہونے سے بچ جائے۔ یوں بھی محاورے میں یہ ہے کہ غصے میں قسم کھالیتا ہے اور فوراً ہی اس کے مطابق عمل شروع کر دیتا ہے تو اس کو قسم کے خلاف کرنا نہیں کہتے۔ ہاں! کچھ دیر ٹھہر جائے تو سمجھتے ہیں کہ اس نے قسم کے مطابق عمل نہیں کیا جس سے حانث ہو جائے گا (۲) حدیث میں حکم ہے کہ قسم کھانے والے کو بری ہونے کا موقع دیا جائے۔ عن البراء قال امرنا النبی ﷺ بابراء المقسم (الف) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی واقسموا باللہ جہد ایمانھم ص ۹۸۴ نمبر ۶۶۵۴ رمسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ علی الرجال والنساء الخ ص ۱۸۷ نمبر ۲۰۶۶) اس حدیث میں ہے کہ قسم کھانے والے کو حتی الامکان بری ہونے کا موقع دو اس لئے فوراً اترنے اور کپڑے اتارنے کی مہلت دی جائے گی اور اتنے میں حانث نہیں ہوگا۔

[۲۶۷۸](۳۵) کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا اور وہ اسی میں تھا تو بیٹھنے سے حانث نہیں ہوگا یہاں تک کہ نکلے پھر داخل ہو

وجہ اس قسم میں لفظ داخل ہونا استعمال کیا ہے اور داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باہر سے اندر داخل ہو۔ یہاں باہر سے اندر داخل نہیں ہوا بلکہ اندر ہی بیٹھا رہا اس لئے قسم کے خلاف نہیں کیا اس لئے حانث نہیں ہوگا۔

[۲۶۷۹](۳۶) کسی نے قسم کھائی کہ گھر میں داخل نہیں ہوگا پھر داخل ہوا ویران میں تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح دار کہتے ہیں جس میں چہار دیواری ہو اور چھت ہو اور کم از کم رہنے کے قابل ہو لیکن چہار دیواری گر گئی اور ویران ہو گیا اب وہ چھت نہ ہونے کی وجہ سے رہنے کے قابل نہیں رہا تو اب وہ دار نہیں ہے اس لئے اب اس میں داخل ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔

اصول یہ سب مسئلے اس اصول پر ہیں کہ جس لفظ پر قسم کھائی اس لفظ کے علاوہ کیا تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ پچھلی حدیث ابراء المقسم کی وجہ سے حتی الامکان قسم کھانے والے کو حانث نہ ہونے دیا جائے۔

لغت خرابا : ویران جگہ۔

حاشیہ : (الف) آپ نے یمین قسم کھانے والے کو پوری کروانے کا حکم دیا۔

[۲۶۸۰](۳۷)ومن حلف لا يدخل هذه الدار فدخلها بعد ما انهدمت وصارت صحراء حنث[۲۶۸۱] (۳۸)ومن حلف لا يدخل هذا البيت فدخل بعد ما انهدم لم يحنث[۲۶۸۲] (۳۹)ومن حلف ان لا يكلم زوجة فلان فطلقها فلان ثم كلمها حنث[۲۶۸۳] (۴۰)ومن حلف ان لايكلم عبد فلان او لايدخل دار فلان فباع فلان عبده او داره ثم كلم العبد ودخل الدار لم يحنث [۲۶۸۴] (۴۱)وان حلف ان لا يكلم

[۲۶۸۰](۳۷) کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا۔ پس اس میں منہدم ہونے اور صحرا بننے کے بعد داخل ہوا تو حانث ہو جائے گا

وجہ اشارہ کر کے کہا اس گھر میں تو اس سے اب گھر مراد نہیں رہی بلکہ گھر کی زمین مراد ہوگئی۔ اور گھر گرنے اور چہار دیواری ختم ہونے کے بعد بھی زمین تو وہی ہے اس لئے اس زمین میں بھی داخل ہوگا تو حانث ہو جائے گا۔

لغت انہدمت : منہدم ہوگیا، ویران ہوگیا۔ صحراء ویران۔

[۲۶۸۱](۳۸) اگر قسم کھائی اس بیت میں داخل نہیں ہوگا پھر منہدم ہونے کے بعد داخل ہوا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ بیت کہتے ہیں اس کمرے کو جس میں رات گزاری جا سکے اور منہدم ہونے کے بعد اس میں رات نہیں گزاری جا سکے گی اس لئے قسم کے مطابق اب وہ بیت نہیں رہا۔ اس لئے اس میں داخل ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔

[۲۶۸۲](۳۹) کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کی بیوی سے بات نہیں کرے گا۔ پھر اس کو فلاں نے طلاق دی پھر اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ محاورے میں فلاں کی بیوی نام کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور مقصد اس عورت کی ذات ہوتی ہے۔ اس لئے قسم میں اس عورت کی ذات مراد ہے اس لئے طلاق دینے کے بعد جب وہ فلاں کی بیوی نہیں رہے گی تب بھی اس سے بات کرے گا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اس عورت کی ذات سے بات کی۔

[۲۶۸۳](۴۰) کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کے غلام سے بات نہیں کرے گا یا فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہوگا، پس فلاں نے غلام بیچ دیا یا اپنا گھر بیچ دیا پھر غلام سے بات کی یا گھر میں داخل ہوا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ یہاں فلاں کے غلام یا فلاں کے گھر سے نام مقصود نہیں ہے اور نہ اس کی ذات مقصود ہے بلکہ فلاں کے غلام ہوتے ہوئے یا فلاں کا گھر ہوتے ہوئے بات نہیں کرے گا، پس جب غلام کو بیچ دیا یا مکان کو بیچ دیا تو اس کا غلام یا اس کا مکان نہیں رہا۔ اس لئے اس سے بات کرنے یا اس گھر میں داخل ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔

اصول ذات مراد نہیں ہے بلکہ اس آدمی کی نسبت مراد ہے۔

[۲۶۸۴](۴۱) اگر قسم کھائی کہ اس چادر والے۔ سے بات نہیں کروں گا، پس اس نے اس چادر کو بیچ دیا پھر اس سے بات کی تو حانث ہو جائے

صاحب هذا الطيلسان فباعه ثم كلمه حنث و كذلك اذا حلف ان لا يتكلم هذا الشاب فكلمه بعد ماصار شيخا حنث[٢٦٨٥] (٤٢)وان حلف ان لاياكل لحم هذا الحمل فصار كبشا فاكله حنث[٢٦٨٦] (٤٣)وان حلف ان لاياكل من هذه النخلة فهو على ثمرها[٢٦٨٧] (٤٤)ومن حلف ان لاياكل من هذا البُسر فصار رطبا فاكله لم يحنث[٢٦٨٨] (٤٥)وان حلف لاياكل بسرا فاكل رطبا لم يحنث.

گا۔ایسے ہی اگر قسم کھائی کہ اس جوان سے بات نہیں کرے گا، پس اس سے بات کی بوڑھا ہونے کے بعد تو حانث ہوگا۔

وجہ یہاں چادر والے سے مراد اس کی ذات ہے۔اسی طرح جوان سے مراد جوان کی ذات ہے۔اس لئے چادر بیچ دی پھر اس سے بات کی تو اس آدمی کی ذات سے بات کی اس لئے حانث ہو جائے گا۔اسی طرح جوان بوڑھا ہو گیا تو ابھی بھی ذات وہی ہے اس لئے بوڑھے ہونے کے بعد بات کی تو حانث ہو جائے گا۔کیونکہ ذات تو وہی ہے۔

[٢٦٨٥] (٤٢) اگر قسم کھائی کہ اس حمل کا گوشت نہیں کھائے گا، پس وہ مینڈھا ہو گیا پھر اس کا گوشت کھایا تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ یہاں بھی اس حمل سے مراد حمل کی صفت نہیں ہے بلکہ حمل کی ذات ہے اس لئے مینڈھا ہونے کے بعد بھی اس کا گوشت کھایا تو حانث ہو جائے گا۔کیونکہ ذات تو وہی ہے۔

اصول یہ دیکھا جائے گا کہ قسم کھانے والے نے کہاں ذات مراد لی ہے اور کہاں صفت مراد لی ہے۔جہاں ذات مراد لی ہے وہاں اس صفت کے زائل ہونے کے بعد بھی ذات سے بات کرے گا تو حانث ہوگا۔اور جہاں صفت مراد لی ہے وہاں اس صفت کے موجود رہنے تک بات کرے گا تو حانث ہوگا۔اور صفت زائل ہونے کے بعد بات کرے گا تو حانث نہیں ہوگا۔

[٢٦٨٦] (٤٣) اگر قسم کھائی کہ اس درخت سے نہیں کھائے گا تو قسم اس کے پھل پر ہوگی۔

تشریح یعنی اس درخت کے کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔البتہ اس درخت کے پھل کھانے سے حانث ہوگا۔

وجہ عموما درخت بول کر اس کا پھل مراد لیتے ہیں۔کیونکہ درخت نہیں کھاتے ہیں اس کا پھل ہی کھاتے ہیں اس لئے درخت بول کر پھل مراد ہوگا۔اس لئے پھل کھانے سے حانث ہوگا۔

[٢٦٨٧] (٤٤) اگر قسم کھائی کہ یہ گدر کھجور نہیں کھائے گا پس وہ پک گئی پھر اس کو کھایا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ یہاں کھجور کی ذات پر قسم نہیں ہے بلکہ اس کی گدر پن صفت پر قسم ہے۔کیونکہ بعض آدمی کو گدر کھجور اچھی نہیں لگتی اس لئے ادھ پکی کھجور کھانے سے حانث ہوگا۔پک جانے کے بعد کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔

لغت البسر : کچی کھجور، گدر کھجور۔ رطب : پکی کھجور۔

[٢٦٨٨] (٤٥) اگر قسم کھائی کہ گدر کھجور نہیں کھائے گا پس پکی کھجور کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔

[۲۶۸۹](۴۶)وان حلف ان لایاکل رطبا فأکل بُسرا مذنّبا حنث عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۲۶۹۰] (۴۷)ومن حلف ان لایاکل لحما فاکل لحم السمک لم یحنث[۲۶۹۱](۴۸)ولو حلف ان لایشرب من دجلة فشرب منها باناء لم یحنث حتی یکرع منها کرعا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی.

وجہ یہاں بھی قسم کھانے سے کھجور کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ ادھ پکی صفت مراد ہے۔اس لئے صفت بدل کر پکی ہوگئی تو اس کے کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔

[۲۶۸۹](۴۶)اگر قسم کھائی کہ پکی کھجور نہیں کھائے گا۔پس کھائی دم کی جانب سے پکی ہوئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا

تشریح رطب کہتے ہیں پوری پکی ہوئی کھجور کو،اور مذنب،ذنب سے مشتق ہے دم،یہاں مراد ہے وہ کھجور جو دم کی جانب سے پکنی شروع ہوتی ہو تو چونکہ اس میں دم کی جانب سے پکنے کا اثر ہے اس لئے جب کہا کہ پکی کھجور نہیں کھاؤں گا تو مذنب کھانے سے حانث ہو جائے گا۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ رطب پوری پکی کھجور کو کہتے ہیں۔اور مذنب دم کی جانب سے پکنے والی کھجور کو کہتے ہیں اس لئے دونوں کی صفت میں فرق ہے اس لئے رطب کی قسم کھائی اور مذنب کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔

لغت مذنب : ذنب سے مشتق ہے،دم کی جانب سے پکی ہوئی۔

[۲۶۹۰](۴۷)کسی نے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا پس مچھلی کا گوشت کھایا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ مچھلی گوشت سے بالکل الگ چیز ہے۔اس لئے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا۔پس مچھلی کھائی تو حانث نہیں ہوگا(۲) یہی وجہ ہے کہ گوشت کو بغیر ذبح کئے ہوئے کھانا حلال نہیں ہے اور مچھلی بغیر ذبح کئے ہوئے کھانا حلال ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مچھلی اور چیز ہے اور گوشت اور چیز ہے۔

قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ حانث ہو جائے کیونکہ قرآن کریم میں مچھلی کو لحم طری کہا ہے۔ومن کل تاکلون لحما طریا (الف) (آیت ۱۲ سورہ فاطر ۳۵) اس آیت میں مچھلی کو لحم طری کہا ہے،لیکن اوپر قسم کا مدار عام محاورے پر ہے۔

[۲۶۹۱](۴۸)اگر قسم کھائی کہ دجلہ سے نہیں پیئے گا پھر اس سے پیا برتن کے ذریعہ تو حانث نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس میں منہ ڈال کر پیئے

تشریح کسی نے قسم کھائی کہ دجلہ نہر سے نہیں پیئے گا تو اس کا یہ طریقہ ہے کہ نہر میں منہ لگا کر پیئے اور یہی حقیقی اور اصلی معنی ہے۔دیہات کے چرواہے نہر میں منہ لگا کر پانی پیتے ہیں،ان کے پاس برتن کہاں ہوتا ہے۔اس لئے منہ لگا کر پینا ہی مراد ہوگا اور اسی سے حانث ہوگا۔اور برتن سے پانی لیا اور اس سے پیا تو حانث نہیں ہوگا۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک دجلہ کا پانی برتن میں لیا اور اس سے پیا تب بھی حانث ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) ہر ایک سمندر سے تم لحم طری،طری گوشت کھاتے ہو۔

[۲۶۹۲] (۴۹)ومن حلف ان لایشرب من ماء دجلة فشرب منها باناء حنث[۲۶۹۳] (۵۰)ومن حلف ان لایاکل من هذه الحنطة فاکل من خبزها لم یحنث[۲۶۹۴] (۵۱)ولو حلف ان لایاکل من هذا الدقیق فاکل من خبزه حنث ولو استفّه کما هو لم یحنث [۲۶۹۵] (۵۲)وان حلف ان لایکلم فلانا فکلمه وهو بحیث یسمع الا انه نائم حنث

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ شہری لوگ اور گاؤں کے بڑے لوگ نہر میں منہ لگا کر نہیں پیتے بلکہ برتن سے پیتے ہیں۔اس لئے یہی مراد ہوگی۔اس لئے برتن سے پیا تو حانث ہو جائے گا۔

اصول امام ابو حنیفہؒ نے حقیقی معنی مراد لی ہے اور صاحبینؒ نے محاوری معنی مراد لی ہے۔

لغت کرع : منہ لگا کر پانی پینا۔

[۲۶۹۲] (۴۹) اگر قسم کھائی کہ دجلہ کا پانی نہیں پیئے گا پس اس سے برتن کے ذریعہ پیا تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ جب کہا کہ دجلہ کا پانی نہیں پیئے گا تو منہ لگا کر پانی پیئے تب بھی دجلہ کا پانی ہے اور دجلہ سے برتن میں پانی لے تب بھی دجلہ ہی کا پانی ہے اس لئے حانث ہو جائے گا۔

[۲۶۹۳] (۵۰) کسی نے قسم کھائی کہ اس گیہوں سے نہیں کھائے گا پس اس کی روٹی کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ عام دیہاتی لوگ گیہوں بھی بھن کر کھاتے ہیں اس لئے حقیقی اور اصلی معنی گیہوں کھانا ہی ہے۔اس لئے گیہوں کھائے گا تو حانث ہوگا۔ اس کو پیس کر روٹی بنائی اور کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عام طور پر لوگ گیہوں کی روٹی بنا کر کھاتے ہیں اس لئے محاورے کے طور پر روٹی مراد ہوگی۔اس لئے روٹی کھانے سے حانث ہوگا، گیہوں کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔

[۲۶۹۴] (۵۱) اگر قسم کھائی کہ اس آٹے کو نہیں کھائے گا۔پس اس کی روٹی کھائی تو حانث ہو جائے گا۔اور اگر آٹا ہی پھانک لیا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ عام طور پر لوگ آٹا نہیں پھانکتے بلکہ آٹے کی روٹی بنا کر کھاتے ہیں اس لئے یہاں بالاتفاق آٹے سے اس کی روٹی مراد ہے۔اس لئے روٹی کھائے تو حانث ہوگا۔آٹا کھائے گا تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ اس کو پھانکنا عموما مراد نہیں ہوتا۔

لغت استف : آٹا پھانکنا۔

[۲۶۹۵] (۵۲) اگر قسم کھائی کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا پھر اس سے اس طرح بات کی کہ وہ سن لے مگر وہ سویا ہوا تھا تو حانث ہو جائے گا

تشریح یہاں بات کا مطلب ہے مخاطب کرنا چاہے سامنے والا سن لے یا نہ سن سکے، یہاں قسم کھانے والے نے کہا تھا کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا یعنی اس کو مخاطب نہیں کروں گا اور فلاں کو مخاطب کیا اس لئے وہ حانث ہو جائے گا۔یہ الگ بات ہے کہ فلاں آدمی سونے کی وجہ سے

[۲۶۹۶](۵۳)وان حلف ان لایکلمه الا باذنه فاذن له ولم یعلم بالاذن حتی کلمه حنث[۲۶۹۷] (۵۴)واذا استحلف الوالی رجلا لیُعلمه بکل داعر دخل البلد فهو علی حال ولایته خاصة[۲۶۹۸] (۵۵)ومن حلف ان لا یرکب دابة فلان فرکب دابة عبده

بات نہ سمجھ سکا۔

[۲۶۹۶](۵۳)اگر قسم کھائی کہ فلاں سے بات نہیں کرے گا مگر اس کی اجازت سے، پس اس نے اس کو اجازت دی مگر اس کو اجازت کی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ اس سے بات کرلی تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح قسم کھائی کہ فلاں سے بغیر اس کی اجازت کے بات نہیں کروں گا۔ فلاں آدمی نے بات کرنے کی اجازت دے دی مگر قسم کھانے والے کو اس اجازت کی اطلاع نہیں تھی اسی دوران اس سے بات کرلی تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ یہاں اجازت کا مطلب یہ ہے کہ قسم کھانے والے کو اجازت کا پکا علم ہو جائے کہ فلاں نے مجھے اجازت دی ہے۔ صرف اتنا کافی نہیں ہے کہ اس نے اجازت دے دی ہو لیکن قسم کھانے والے کو اس کی خبر نہ ہو۔ چونکہ قسم والے کو اجازت کا پکا علم نہیں ہوا اس لئے بات کرنے پر حانث ہو جائے گا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حانث نہیں ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ اجازت کا مطلب یہ ہے کہ فلاں اجازت دے چاہے قسم کھانے والے کو اس کا علم ہو یا نہ ہو اور چونکہ فلاں نے بات کرنے کی اجازت دے دی ہے اس لئے حانث نہیں ہوگا۔

اصول اجازت کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس کو اجازت دی ہے اس کو بھی اجازت کا علم ہو جائے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف اجازت دینے والے کی اجازت دینا کافی ہے چاہے سامنے والے کو اس کی خبر نہ ہو۔

[۲۶۹۷](۵۴)اگر والی نے کسی آدمی سے قسم لی کہ مجھے خبر دینا ہر اس شریر کی جو شہر میں داخل ہو تو یہ قسم خاص اس حاکم کی ولایت تک ہوگی۔

تشریح کسی شہر کے حاکم نے کسی آدمی سے قسم لی کہ جو بھی شریر شہر میں داخل ہو مجھے اس کی خبر کروگے تو یہ خبر دینا حاکم کی ولایت تک محدود ہوگی۔ جب حاکم اپنے عہدے سے برخاست ہو جائے تو یہ حاکم اب عام آدمی ہو گیا۔ اب اس کو شریر کی اطلاع دینا ضروری نہیں ہے۔ اور اس کو اطلاع نہ دینے سے قسم کھانے والا حانث نہیں ہوگا۔

وجہ یہاں حاکم کا قسم کھلوانا حاکیت کی صفت کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ حاکم ہو تب ہی شریر کو سزا دے سکے گا اور حاکم نہ ہو تو شریر کو سزا نہیں دے سکے گا۔ اس لئے یہ قسم حاکیت کی صفت کے ساتھ خاص ہوگی۔

لغت داعر : شریر، فسادی۔

[۲۶۹۸](۵۵) کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کی سواری پر سوار نہیں ہوگا، پس سوار ہوا اس کے اجازت دیئے ہوئے غلام کی سواری پر تو حانث نہیں

الماذون لم یحنث [۲۶۹۹] (۵۶) ومن حلف ان لا یدخل هذه الدار فوقف علی سطحها او دخل دهلیزها حنث وان وقف فی طاق الباب بحیث اذا أُغلق الباب کان خارجا لم یحنث [۲۷۰۰] (۵۷) ومن حلف ان لا یاکل الشواء فهو علی اللحم دون الباذنجان والجزر [۲۷۰۱] (۵۸) ومن حلف ان لا یاکل الطبیخ فهو علی ما یطبخ من اللحم .

ہوگا۔

وجہ جس غلام کو تجارت کی اجازت دی ہے اس کی سواری آقا کی سواری ہے یا نہیں اس پر اس قسم کا مدار ہے۔ اب امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کو محاورے میں آقا کی سواری نہیں کہتے بلکہ تجارت کی اجازت دیئے ہوئے غلام کی سواری کہتے ہیں اس لئے اس پر سوار ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ سواری حقیقت میں آقا کی ہی سواری ہے۔ کیونکہ خود غلام آقا کا ہے اس لئے گویا کہ آقا کی سواری پر سوار ہوا اس لئے حانث ہو جائے گا۔

[۲۶۹۹] (۵۶) کسی نے قسم کھائی اس گھر میں داخل نہیں ہوگا پھر اس کی چھت پر کھڑا ہوا یا اس کی دہلیز میں داخل ہوا تو حانث ہو جائے گا۔ اور اگر دروازے کی محراب میں کھڑا ہوا اس طرح کہ اگر دروازہ بند کیا جائے تو وہ باہر رہے تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ چھت گھر میں سے شمار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ معتکف چھت پر چڑھ جائے تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا کیونکہ چھت مسجد میں داخل ہے۔ اسی طرح کمرے کا جو صحن ہے جس کو جھارکھنڈ میں اسارا کہتے ہیں یہ کمرے میں اور گھر میں داخل ہے اس لئے قسم کھانے والا چھت پر کھڑا ہو گیا یا دہلیز میں داخل ہو گیا تو حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ گویا کہ گھر میں داخل ہو گیا۔

محراب بنی ہوئی تھی اس کے درمیان دروازہ اس طرح تھا کہ دروازہ بند کر دیا جائے تو محراب کا حصہ گھر سے باہر رہ جائے۔ ایسی محراب میں داخل ہوا تو حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ گھر میں داخل نہیں ہوا بلکہ گھر سے باہر رہا۔ کیونکہ دروازہ بند ہونے کے بعد محراب گھر سے باہر تھی۔

لغت دہلیز : اسارا، کمرے کا صحن۔ طاق : محراب۔

[۲۷۰۰] (۵۷) کسی نے قسم کھائی کہ بھنا ہوا نہیں کھائے گا تو وہ گوشت کے بھننے پر محمول ہوگی نہ کہ بیگن اور گاجر پر۔

تشریح عرب میں الشواء یعنی بھنا ہوا جب بھی بولتے ہیں تو بھنا ہوا گوشت مراد لیتے ہیں، بھنا ہوا بیگن یا بھنا ہوا گاجر مراد نہیں لیتے۔ اس لئے بھنا ہوا گوشت کھانے سے حانث ہوگا، بھنا ہوا بیگن یا بھنا ہوا گاجر کے کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔ اگر چہ بیگن اور گاجر کا بھنا بھی بھنا ہے لیکن عرب اس کو شواء نہیں کہتے ہیں۔

لغت الشواء : بھنا۔ الجزر : گاجر۔

[۲۷۰۱] (۵۸) اگر قسم کھائی کہ پکا ہوا نہیں کھائے گا تو وہ پکے ہوئے گوشت پر محمول ہوگی۔

[۲۷۰۲](۵۹)ومن حلف ان لایاکل الرؤس فیمینه علی ما یکبس فی التنانیر ویباع فی المصر [۲۷۰۳](۶۰)ومن حلف ان لایاکل الخبز فیمینه علی ما یعتاد اهل البلد اکله خبزا [۲۷۰۴](۶۱)فان اکل خبز القطائف او خبز الارز بالعراق لم یحنث[۲۷۰۵] (۶۲)ومن حلف ان لایبیع او لایشتری او لایؤاجر فوکل من فعل ذلک لم یحنث

تشریح طبیخ ہر چیز کی پکی ہوئی چیز کو کہتے ہیں، لیکن عرب میں طبیخ پکے ہوئے گوشت کو کہتے ہیں اس لئے پکے ہوئے گوشت کے کھانے سے حانث ہوگا، کسی دوسری چیز کے پکے ہوئے سالن سے حانث نہیں ہوگا۔

لغت الطبیخ : طبخ سے مشتق ہے پکا ہوا گوشت۔

[۲۷۰۲](۵۹) کسی نے قسم کھائی کہ سر نہیں کھائے گا تو اس کی قسم اس پر ہوگی جو تنور میں پکتا ہو اور شہر میں بکتا ہو۔

تشریح کھائے جانے والے تمام ہی جانور کے سر کو سر کہتے ہیں۔ لیکن یہاں قسم ان سروں پر محمول ہوگی جو تنور میں پکتے ہوں اور شہر میں بکتے ہوں۔ مثلا گائے، اور بکری کے سر، مرغی کے اور بطخ کے سر مراد نہیں ہوں گے کیونکہ نہ یہ شہر میں بکتے ہیں اور نہ ان کو تنور میں پکاتے ہیں۔ اس لئے بکری اور گائے کے سر کھانے سے حانث ہوگا۔

اصول ان قسموں کا مدار محاورات پر ہے۔ محاورے میں دیکھیں کہ اس لفظ سے کیا مراد لیتے ہیں۔ اگر چہ اس کے معنی عام ہوں۔

لغت کبس : تنور میں ڈالنا۔

[۲۷۰۳](۶۰) کسی نے قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھائے گا تو اس کی قسم اس پر ہوگی جس کی روٹی کھانے کی اہل شہر کی عادت ہے۔

تشریح قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھائے گا تو دیکھا جائے گا کہ اس علاقے کے لوگ کس چیز کے آٹے کی روٹی عموما بناتے ہیں اور کھاتے ہیں۔ گیہوں کی یا چاول کی یا مکئی کی اس کی روٹی کھانے سے حانث ہوگا۔ اب اگر اس شہر میں گیہوں کی روٹی کھاتے ہوں اور چاول کی روٹی کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔

[۲۷۰۴](۶۱) پس اگر کھائی بادام کی روٹی یا چاول کی روٹی عراق میں تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ بادام کی روٹی تو کھاتے ہی نہیں ہیں اس لئے وہ مراد نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح عراق میں لوگ چاول کی روٹی نہیں کھاتے تھے اس لئے وہ بھی مراد نہیں ہوگی بلکہ گیہوں کی روٹی مراد ہوگی اور اسی کے کھانے سے حانث ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ بھی محاورہ اور عادت پر محمول ہے۔

لغت القطائف : بادام کی شکل کی ایک چیز ہوتی ہے جس کی کبھی کبھی روٹی بناتے ہیں۔ الارز : چاول۔

[۲۷۰۵](۶۲) کسی نے قسم کھائی کہ نہ بیچے گا یا نہ خریدے گا یا نہ اجرت پر دے گا۔ پھر کسی کو وکیل بنایا جو یہ کام کرے تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح بیچنے، خریدنے اور اجرت پر دینے میں پوری ذمہ داری وکیل کی ہوتی ہے، وہی عاقد ہوتا اور لوگ اسی کو بیچنے والا، خریدنے والا اور

[٢٧٠٦](٦٣)ومن حلف ان لایجلس علی الارض فجلس علی بساط او علی حصیر لم یحنث[٢٧٠٧] (٦٤)ومن حلف ان لایجلس علی سریر فجلس علی سریر فوقه بساط حنث[٢٧٠٨] (٦٥)وان جعل فوقه سریرا آخر فجلس علیه لم یحنث[٢٧٠٩] (٦٦) وان حلف ان لاینام علی فراش فنام علیه وفوقه قرام حنث وان جعل فوقه فراشا آخر فنام

اجرت پر دینے والا سمجھتے ہیں۔اس لئے اگر کسی نے قسم کھائی کہ نہ بیچوں گا نہ خریدوں گا اور نہ اجرت پر دوں گا۔اور یہ کام وکیل کو سپرد کر دیا اور اس نے کرلیا تو قسم کھانے والا حانث نہیں ہوگا۔کیونکہ اس نے واقعی نہ بیچا نہ خریدا اور نہ اجرت پر دیا۔

نوٹ نکاح کرنے میں حانث ہو جائے گا کیونکہ اس میں وکیل سفیر اور معبر ہوتا ہے۔اس کا کام اور عقد مؤکل کی طرف لوٹتا ہے اس لئے اگر قسم کھائی کہ نکاح نہیں کروں گا اور وکیل نے نکاح کرادیا تو حانث ہو جائے گا۔

لغت یواجر : اجرت سے مشتق ہے اجرت پر رکھنا۔

[٢٧٠٦](٦٣) کسی نے قسم کھائی کہ زمین پر نہیں بیٹھے گا پس بستر یا چٹائی پر بیٹھا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ لوگ خالی زمین پر بیٹھنے میں عار محسوس کرتے ہیں اس لئے اس کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ خالی زمین پر نہیں بیٹھوں گا۔اس لئے جب زمین پر بستر بچھا کر یا چٹائی بچھا کر بیٹھا تو وہ اپنی قسم پر قائم ہے اس لئے حانث نہیں ہوگا۔

لغت بساط : بستر۔ حصیر : چٹائی۔

[٢٧٠٧](٦٤) کسی نے قسم کھائی کہ تخت پر نہیں بیٹھے گا پس ایسے تخت پر بیٹھا جس پر بچھونا تھا تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح تخت پر بچھونا ہو تب بھی تخت پر ہی بیٹھنا سمجھتے ہیں، کیونکہ بچھونا تخت کے تابع ہوتا ہے اس لئے اگر قسم کھائی کہ تخت پر نہیں بیٹھے گا اور تخت پر بستر بچھا کر اس پر بیٹھ گیا تو حانث ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو اصل کے تابع ہو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

لغت سریر : تخت، چارپائی۔

[٢٧٠٨](٦٥) اگر تخت پر دوسرا رکھا اور اس پر بیٹھا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ دوسرا تخت پہلے تخت کی طرح اصل ہے اور قسم کھائی تھی کہ پہلے تخت پر نہیں بیٹھوں گا اور یہ دوسرے تخت پر بیٹھا اس لئے حانث نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دونوں اصل ہوں تو ایک دوسرے کے تابع نہیں ہوں گے۔

[٢٧٠٩](٦٦) اگر قسم کھائی کہ بچھونے پر نہیں سوئے گا پس اس بچھونے پر سویا اس حال میں کہ اس پر چادر تھی تو حانث ہو جائے گا۔اور اگر اس پر دوسرا بچھونا ڈالا اور اس پر سویا تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح قسم کھائی کہ بچھونے پر نہیں سوئے گا اور اس پر پتلی چادر ڈال دی پھر اس بچھونے پر سویا تو حانث ہو جائے گا۔

علیه لم یحنث[۲۷۱۰] (۶۷)ومن حلف بیمین وقال ان شاء الله متصلا بیمینه فلا حنث علیه [۲۷۱۱](۶۸)وان حلف لیأتینه ان استطاع فهذا علی استطاعة الصحة دون القدرة

ترجمہ بچھونے پر پتلی چادر خوبصورتی کے لئے ڈالتے ہیں جو بچھونے کے تابع ہوتی ہے اور محاورے میں اس بچھونے پر ہی سونا سمجھتے ہیں اس لئے جب اسی بچھونے پر سویا جس کی قسم کھائی تھی تو حانث ہو جائے گا۔

اور اگر دوسرا بچھونا اس پر ڈال دیا تو یہ بچھونا پہلے کا تابع نہیں ہوگا کیونکہ یہ بھی پہلے کی طرح اصل بچھونا ہے اس لئے اس پر بیٹھنے سے پہلے بچھونے پر بیٹھنا نہیں کہا جائے گا اس لئے حانث نہیں ہوگا۔اصول اوپر گزر گیا۔

لغت فراش : بچھونا۔ قرام : پتلی چادر۔

﴿استثناء کا بیان﴾

[۲۷۱۰](۶۷) کسی نے قسم کھائی اور قسم کے ساتھ متصلا ان شاء اللہ کہا تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح قسم کھانے کے ساتھ متصلا ان شاء اللہ کہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اللہ چاہے تو یہ کام کروں گا اور اللہ کا چاہنا معلوم نہیں اس لئے وہ قسم بھی منعقد نہیں ہوگی۔اور جب قسم منعقد نہیں ہوئی تو اس کام کو کرے یا نہ کرے کفارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابن عمر یبلغ به النبی ﷺ قال من حلف علی یمین فقال ان شاء الله فقد استثنی۔اور دوسری روایت میں ہے۔عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من حلف فاستثنی فان شاء رجع وان شاء ترک غیر حنث (الف)(ابوداؤد شریف، باب الاستثناء فی الیمین ص ۱۰۸ نمبر ۳۲۶۱/۳۲۶۲/ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستثناء فی الیمین ص ۲۸۰ نمبر ۱۵۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم کے ساتھ متصلا ان شاء اللہ کہے تو حانث نہیں ہوگا یعنی وہ کام نہ بھی کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

نوٹ اگر کچھ دیر کے بعد ان شاء اللہ کہے تو قسم پہلے منعقد ہو جائے گی اور بعد میں ان شاء اللہ کہہ کر گویا کہ منعقد شدہ قسم کو توڑنا چاہتا ہے اس لئے منفصل ان شاء اللہ کا اعتبار نہیں ہے، قسم منعقد ہو جائے گی (۲) اثر میں ہے۔عن عبد الله بن عمر قال کل استثناء موصول فلا حنث علی صاحبه وان کان غیر موصول فهو حانث (الف)(سنن للبیہقی، باب صلۃ الاستثناء بالیمین ج عاشر ص ۸۱ نمبر ۱۹۹۲۶) اس اثر میں ہے کہ متصل ہو تو حانث نہیں اور منفصل ہو تو قسم منعقد ہو جائے گی۔

[۲۷۱۱](۶۸) اگر قسم کھائی کہ ضرور کرے گا اگر ہو سکا تو یہ تندرستی کی استطاعت پر محمول ہوگی نہ قدرت پر۔

تشریح استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ایک تندرستی کی استطاعت دوسری قدرت کی استطاعت۔تندرستی کی استطاعت یہ ہے کہ آدمی تندرست

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے قسم کھائی اور ان شاء اللہ کہا تو استثناء کر دیا، دوسری روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا کوئی قسم کھائے اور ساتھ ہی ان شاء اللہ کہے تو چاہے تو رجوع کرے اور چاہے تو چھوڑ دے تاہم حانث نہیں ہوگا (ب) ہر استثناء جو ملا ہوا اس کے کرنے والے پر حانث ہونا نہیں ہے۔اور اگر ملا ہوا نہیں ہے تو حانث ہوگا۔

[۲۷۱۲](۶۹)وان حلف ان لا یکلم فلانا حینا او زمانا او الحین اوالزمان فهو علی ستة اشهر[۲۷۱۳](۷۰)وکذلک الدهر عند ابی یوسف ومحمد رحمهما الله

ہواور بادشاہ وغیرہ کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہ ہواس کو استطاعت صحت کہتے ہیں۔اور قدرت کی استطاعت۔اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام حالات ٹھیک ہوں، بدن بھی ٹھیک ٹھاک ہواور اس کا انجام دینے سے پہلے جو سارے حالات ہیں وہ مکمل ٹھیک ہو چکے ہوں اور کام کرنا شروع کردے جس کے نتیجے میں اللہ تعالی اپنی قدرت سے اس کام کو وجود بخش دے اس کو استطاعت قدرت کہتے ہیں۔اب قسم میں کوئی کہے اگر استطاعت ہوتو یہ کام کروں گا تو اس استطاعت سے پہلی والی استطاعت یعنی استطاعت صحت وتندرستی مراد ہوگی استطاعت قدرت مراد نہیں ہوگی۔چنانچہ تندرستی ہواور وہ کام نہیں کیا تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔وسیحلفون بالله لو استطعنا لخرجنا معکم یهلکون انفسهم و الله یعلم انهم لکاذبون (الف) (آیت ۴۲ سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں منافق کہتے ہیں اگر استطاعت ہوتی تو ہم ضرور جہاد میں نکلتے۔حالانکہ وہ جسمانی اعتبار سے تندرست تھے اور حکومت کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہیں تھی پھر بھی قسم کھانے کے بعد نہیں نکلے تو اللہ نے ان کو جھوٹا قرار دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ تندرستی کی استطاعت ان کے پاس موجود تھی اور قسم میں استطاعت سے یہی مراد ہے۔قدرت والی استطاعت مراد نہیں ہے۔

[۲۷۱۲] (۶۹) اگر قسم کھائی کہ فلاں سے ایک حین یا زمانے تک بات نہیں کرے گا یا الحین یا الذمان تک بات نہیں کرے گا تو وہ چھ مہینے پر محمول ہوگی۔

تشریح حین اور زمان نکرہ کے ساتھ یا الحین اور الزمان معرفہ کے ساتھ چاروں کا اطلاق چھ ماہ پر ہوگا۔چنانچہ کسی نے قسم کھائی کہ زید سے ایک حین تک بات نہیں کرے گا تو چھ مہینے کے اندر اندر بات کرے گا تو حانث ہو جائے گا۔اور اس کے بعد بات کرے گا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔سمع علیا قال الحین ستة اشهر (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فیمن حلف لیقضین حقہ الی حین اوالی زمان الخ ج عاشر ص ۱۰۵ نمبر ۲۰۰۱۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۵۸ الرجل یحلف ان لایکلم الرجل حینا کم یکون ذلک ج ثالث ص ۱۰۰ نمبر ۱۲۴۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حین چھ مہینے کو کہتے ہیں چاہے معرفہ ہو یا نکرہ۔اور اسی پر قیاس کر کے زمان کا ترجمہ بھی چھ مہینے ہوں گے۔اس آیت میں بھی چھ مہینے کا اشارہ ہے۔تولی اکلها کل حین باذن ربها (آیت ۲۵ سورۃ ابراہیم ۱۴) اس آیت میں کل حین سے مراد پھول لگنے سے پھل پکنے تک کی مدت ہے جو کھجور کے لئے چھ مہینے ہوتے ہیں۔

نوٹ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

[۲۷۱۳] (۷۰) ایسے ہی دہر امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

تشریح صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ ایک دہر تک فلاں سے بات نہیں کروں گا تو اس کا اطلاق چھ مہینے پر ہوگا۔چاہے دہر کا لفظ نکرہ

حاشیہ : (الف) منافقین اللہ کی قسم کھائیں گے اگر ہم کو قدرت ہوتی تو ہم تمہارے ساتھ نکلتے۔وہ اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حین چھ مہینے کا ہوتا ہے۔

تعالی[۲۷۱۴] (۷۱)ولو حلف ان لایکلمه ایاما فهو علی ثلثة ایام [۲۷۱۵] (۷۲)ولو حلف ان لایکلمه الایام فهو علی عشرة ایام عند ابی حنیفة رحمه الله وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله تعالی هو علی ایام الاسبوع[۲۷۱۶] (۷۳)ولو حلف ان لا یکلمه الشهور فهو علی عشر ة اشهر عند ابی حنیفة رحمه الله وقال ابو یوسف و محمد

بولے یا معرفہ۔

وجہ محاورے میں دہر کو حین اور زمانے کی طرح استعمال کرتے ہیں اور حین کا ترجمہ چھ مہینے ہیں تو دہر کا ترجمہ بھی چھ مہینے کریں۔

فائدہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دہر کا ترجمہ کوئی متعین نہیں ہے۔اس لئے توقف کرتا ہوں نہ چھ مہینے نہ تھوڑا سا وقت۔

[۲۷۱۴] (۷۱) اگر قسم کھائی کہ اس سے بات نہیں کرے گا کچھ دنوں تو وہ تین دن پر ہوگی۔

تشریح ایام یوم کی جمع ہے۔اور عربی میں جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے اس لئے اگر قسم کھائی کہ ایام تک بات نہیں کرے گا تو مطلب یہ ہوگا کہ تین دن تک بات نہیں کرے گا۔اس کے بعد بات کی تو حانث نہیں ہوگا۔یہ تفصیل ایام نکرہ کی صورت میں ہے۔

[۲۷۱۵] (۷۲) اگر قسم کھائی کہ اس سے الایام بات نہیں کرے گا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ دس دن پر محمول ہوگی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ہفتے کے دنوں پر۔

تشریح الایام معرفہ کے ساتھ ہے اس لئے کوئی خاص دن مراد ہے۔اب امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ گنتی میں ایام کا جملہ دس تک استعمال کرتے ہیں، لوگ کہتے ہیں ثلثۃ ایام، اربعۃ ایام سے عشرۃ ایام تک بولتے ہیں اور گیارہ کے بعد ایام کے بجائے یوم آجاتا ہے۔کہتے ہیں احد عشر یوما۔تو چونکہ دس تک ایام کا استعمال ہوتا ہے اس لئے بغیر عدد الایام بولا تو دس تک مراد لیتے ہیں۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ہفتہ کے سات دن مراد ہوں گے کیونکہ سات دن تک جمعہ، سنیچر کی گنتی چلتی ہے اور آٹھویں دن دوبارہ جمعہ آجاتا ہے اور لوگوں کا ذہن اسی طرف جاتا ہے اس لئے ہفتے کے سات دن مراد ہوں گے۔

[۲۷۱۶] (۷۳) اگر قسم کھائی کہ اس سے مہینوں بات نہیں کرے گا تو دس مہینے پر محمول ہوگی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔اور فرمایا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے وہ بارہ مہینوں پر ہوگی۔

تشریح مثلا کسی نے شہر کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا اور قسم کھائی کہ زید سے مہینوں بات نہیں کرے گا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دس مہینے تک بات نہیں کرے گا۔اس سے پہلے بات کرے گا تو حانث ہو جائے گا اور اس کے بعد بات کرے گا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ پچھلے مسئلے کی طرح شہور جمع کا صیغہ ہے جو گنتی میں دس تک استعمال ہوتا ہے اور گیارہ کے بعد احد عشر شہرا کا لفظ آجاتا ہے اس لئے شہور جو جمع کا صیغہ بولا تو دس مہینے مراد ہوں گے۔

رحمهما الله تعالی هو علی اثنی عشر شهرا [۲۷۱۷](۷۴)ولو حلف لا یفعل کذا ترکه ابدا[۲۷۱۸] (۷۵) وان حلف لیفعلن کذا ففعله مرة واحدة برّ فی یمینه [۲۷۱۹](۷۶)ومن حلف لاتخرج امرأته الا باذنه فاذن لها مرة واحدة فخرجت

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے مراد ہوں گے۔

وجہ لوگ اسی کو شہور کہتے ہیں اور سال کے بعد دوبارہ وہی مہینے محرم، صفر آجاتے ہیں اس لئے شہور سے سال کے بارہ مہینے مراد ہوں گے۔

[۲۷۱۷](۷۴) اگر قسم کھائی کہ ایسا نہیں کرے گا تو ہمیشہ چھوڑ دے۔

تشریح جب یہ قسم کھائی کہ یہ کام نہیں کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی نہیں کرے گا اس لئے ہمیشہ کے لئے چھوڑنا پڑے گا۔

وجہ کیونکہ کوئی وقت متعین نہیں کیا تو ہمیشہ ہی ممنوع ہوگی۔ زندگی میں کبھی ایک مرتبہ بھی کرے گا تو حانث ہو جائے گا۔

[۲۷۱۸](۷۵) اگر قسم کھائی کہ ایسا ضرور کرے گا پس اس کو ایک مرتبہ کر دیا تو اپنی قسم میں بری ہو جائے گا۔

تشریح قسم کھائی کہ اس کام کو ضرور کرے گا تو زندگی میں ایک مرتبہ کر لیا تو قسم پوری ہوگئی۔

وجہ آیت میں ہے کہ ہر آدمی جہنم میں ضرور جائے گا چاہے دیکھنے کے لئے ہی سہی۔ آیت یہ ہے۔ **وان منکم الا واردها کان علی ربک حتما مقضیا** (الف) (آیت ۷۱ سورہ مریم ۱۹) اس آیت میں ہے کہ ہر آدمی جہنم میں ضرور جائے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ جس کی تین اولاد مری ہو وہ تحلۃ القسم صرف اس قسم کو پوری کرنے کے لئے تھوڑی دیر جہنم میں جائے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ زندگی میں ایک مرتبہ وہ کام کر لے تو قسم پوری ہو جائے گی۔ **عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال لایموت لاحد من المسلمین ثلاثة من الولد تمسه النار الا تحلة القسم** (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی واقسموا باللہ جهد ایمانهم ص نمبر ۶۶۵۶) اس حدیث میں ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے آیت والی قسم پوری کرنے کے لئے جہنم میں داخل فرمائیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ کر لی تو قسم پوری ہوگئی (۲) ایک لمبی حدیث کا ٹکڑے میں ہے کہ میں جو خبر دیتا ہوں وہ کرتا ہوں اور کم از کم ایک مرتبہ کر کے قسم پوری کر لیتا ہوں۔ **کنا عند ابی موسی ... انی والله ان شاء الله لا احلف علی یمین فاری غیرها خیرا منها الا اتیت الذی هو خیر وتحللتها** (ج) (بخاری شریف، باب الکفارۃ قبل الحنث وبعدہ ص ۹۹۴ نمبر ۶۷۲۱ رمسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرای غیرها خیرا منها ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۹/۴۲۶۵) اس حدیث میں ہے تحللتها، جس کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم ایک مرتبہ کر کے قسم پوری کر لیتا ہوں۔

[۲۷۱۹](۷۶) کسی نے قسم کھائی کہ اس کی بیوی نہیں نکلے گی مگر اس کی اجازت سے پس اس کو ایک مرتبہ اجازت دی پس وہ نکلی اور واپس آئی، پھر دوسری مرتبہ بغیر اس کی اجازت کے نکلی تو حانث ہو جائے گی۔ اور ضروری ہے اجازت ہر مرتبہ نکلنے میں۔

حاشیہ : (الف) تم میں سے ہر ایک کو جہنم پر آنا ہوگا آپ کے رب کا یقینا فیصلہ شدہ ہے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی مسلمان کے لئے تین بچے کا انتقال نہ ہو مگر آگ اس کو قسم پوری کرنے کے لئے چھوئے گی (ج) میں ان شاء اللہ قسم کھاتا ہوں پھر اس کے علاوہ کو اچھا سمجھتا ہوں تو وہی کرتا ہوں جو خیر ہو اور کفارہ دے کر اس کو حلال کر لیتا ہوں یا ایک مرتبہ کر لیتا ہوں۔

ورجعت ثم خرجت مرة اخرى بغير اذنه حنث ولا بد من الاذن فی كل خروج [۲۷۲۰](۷۷)وان قال الا ان آذن لک فاذن لها مرة واحدة فخرجت ثم خرجت بعدها بغير اذنه لم یحنث[۲۷۲۱] (۷۸)واذا حلف ان لا یتغدّی فالغداء هو الاكل من طلوع الفجر الى الظهر والعَشاء من صلوة الظهر الى نصف الليل والسحور من نصف الليل الى طلوع الفجر[۲۷۲۲] (۷۹)وان حلف ليقضينَّ دينه الى قريب فهو علی مادون الشهر وان قال الى بعيد فهو اكثر من الشهر .

تشریح قسم کھانے والے نے یہ کہا ہے کہ نہیں نکلے گی مگر اجازت سے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر بار نکلنے کے لئے اجازت چاہئے۔اور یہاں پہلی مرتبہ اجازت لی ہے اس لئے اس مرتبہ تو حانث نہیں ہوئی لیکن دوسری مرتبہ نکلنے کے لئے اجازت نہیں لی اس لئے دوسری مرتبہ حانث ہو جائے گی۔

اصول لا تخرج امرأته الا باذنه میں نفی کے بعد استثناء ہے اس لئے ہر بار نکلنے کے لئے اجازت چاہئے۔

[۲۷۲۰](۷۷)اور اگر کہا مگر یہ کہ میں تمہیں اجازت دوں، پس اجازت دی اس کو ایک مرتبہ پس نکلی پھر نکلی اس کے بعد بغیر اس کی اجازت کے تو حانث نہیں ہوگی۔

وجہ اس صورت میں مگر یہ کہ اجازت دوں کا مطلب یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اجازت دوں تو ہر بار نکل سکتی ہو یعنی صرف پہلی مرتبہ اجازت کی ضرورت ہے اور وہ ہوگئی اس لئے دوسری مرتبہ بغیر اجازت کے نکلی تو حانث نہیں ہوگی اور نہ عورت پر طلاق واقع ہوگی۔

اصول الا ان آذن لک کا مطلب یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اجازت دوں اتنی ہی کافی ہے۔

[۲۷۲۱](۷۸)اگر قسم کھائی کہ ناشتہ نہیں کرے گا تو ناشتہ وہ کھانا ہے طلوع فجر سے ظہر تک،اور عشاء نماز ظہر سے آدھی رات تک،اور سحری آدھی رات سے طلوع فجر تک۔

تشریح اس مسئلے میں لغوی تحقیق ہے کہ کوئی آدمی قسم کھائے کہ ناشتہ نہیں کھاؤں گا تو کس وقت سے کس وقت تک کھانے میں حانث ہوگا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ غدا یعنی ناشتہ طلوع فجر سے ظہر کے وقت تک کے کھانے کو کہتے ہیں۔اور عشاء یعنی رات کا کھانا ظہر سے لیکر آدھی رات تک کے کھانے کو کہتے ہیں۔اور سحری آدھی رات سے لیکر طلوع فجر تک کے کھانے کو کہتے ہیں۔اس درمیان کھائے گا تو حانث ہوگا۔

[۲۷۲۲](۷۹)اور اگر قسم کھائی کہ قرض قریب میں ادا کرے گا تو مہینے سے کم میں ہوگی اور اگر کہا کہ دیر میں تو ایک مہینے سے زائد پر ہوگی۔

تشریح اس مسئلے میں یہ ہے کہ قریب زمانہ اور بعید زمانہ کا اطلاق کتنے دنوں پر ہوگا۔قریب ایک مہینے کے اندر کو کہتے ہیں اور بعید ایک ماہ اور اس سے زائد کو کہتے ہیں۔اس لئے کسی نے قسم کھائی کہ قرض قریب میں ادا کروں گا تو ایک مہینے کے اندر ادا کرنا ہوگا۔اور کہا کہ بعید اور دیر میں ادا کروں گا تو ایک ماہ اور ایک ماہ کے بعد ادا کرے تب بھی حانث نہیں ہوگا۔

[۲۷۲۳](۸۰)ومن حلف لا یسکن ھذہ الدار فخرج منھا بنفسه وترک فیھا اھله ومتاعه حنث [۲۷۲۴](۸۱)ومن حلف لیصعدنَّ السماء او لیقلبنَّ ھذا الحجر ذھبا انعقدت یمینه وحنث عقیبھا [۲۷۲۵](۸۲)ومن حلف لیقضینَّ فلانا دینه الیوم فقضاہ ثم

[۲۷۲۳](۸۰) کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں سکونت اختیار نہیں کرے گا، پس اس سے خود نکل گیا اور اس میں اپنے اہل اور سامان کو چھوڑ دیا تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گھر میں سامان رہنا اور گھر والوں کا رہنا بھی خود کا سکونت اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ آدمی تنہا گھر میں نہیں رہتا بلکہ اس میں سامان اور اہل اور اولاد کو بھی رکھتا ہے۔ بلکہ خود تو عموما بازار اور کھیت میں رہتا ہے۔ اس لئے گھر میں مال اولاد کو باقی رکھنا یا سامان کا باقی رکھنا گویا کہ خود گھر میں رہنا ہے۔ اس لئے جب خود گھر میں رہا تو حانث ہو جائے گا۔

[۲۷۲۴](۸۱) کسی نے قسم کھائی کہ آسمان پر ضرور چڑھے گا یا اس پتھر کو ضرور سونا بنا دے گا تو قسم منعقد ہو جائے گی اور قسم کے بعد حانث ہو جائے گا۔

تشریح آسمان پر چڑھنا ممکن تو ہے کیونکہ فرشتے روزانہ آسمان پر چڑھتے ہیں۔ اور حضورؐ آسمان کی سیر کر کے تشریف لائے ہیں۔ اسی طرح کسی کیمکل سے پتھر کو سونا بنانا ممکن ہے لیکن عام حالات میں آسمان پر چڑھنا مشکل ہے، اسی طرح پتھر کو سونا بنایا مشکل ہے۔ چونکہ ممکن ہے اس لئے قسم منعقد ہو جائے گی۔ لیکن آسمان پر چڑھنا مشکل ہے اور سونا بنانا مشکل ہے اس لئے قسم کے بعد فورا حانث ہو جائے گا اور کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر ایسا کرنا بہت مشکل ہو تو فورا حانث ہو جائے گا۔

لغت صعد : چڑھنا۔ لیقلبن : قلب سے مشتق ہے بدلنا، پلٹنا۔ عقب : فورا بعد۔

[۲۷۲۵](۸۲) کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کو قرض آج ضرور ادا کروں گا پس اس کو ادا کیا، پس فلاں نے بعض قرض کو کھوٹا پایا، یا نبہرجہ پایا یا مستحق پایا تو قسم کھانے والا حانث نہیں ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی اسی فیصد وہی چیز ہے البتہ کچھ خامی ہے تو حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر اسی فیصد دوسری چیز ہے یعنی مثلا وہ نام کے اعتبار سے درہم ہے ورنہ حقیقت میں وہ درہم نہیں ہے تو اس کو ادا کرنے سے حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ وہی چیز ادا نہیں کی جس کی قسم کھائی ہے۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ آج فلاں کو ضرور قرض ادا کروں گا، پس قسم کے مطابق آج ہی قرض ادا کر دیا لیکن ان دراہم میں کھوٹ پن تھا جو تھے تو دراہم لیکن بیت المال نہیں لیتا تھا یا تاجر نہیں لیتا تھا جس کو نبہرجہ درہم کہتے ہیں۔ یا اس درہم میں کسی کا حق نکل گیا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ کیونکہ چاہے کھوٹا سکہ ادا کیا ہو لیکن کیا تو ہے درہم ہی اس لئے حانث نہیں ہوگا۔

وجد فلان بعضه زیوفا او نبهرجة او مستحقة لم یحنث الحالف[۲۷۲۶] (۸۳)وان وجدها رصاصا او ستوقة حنث [۲۷۲۷](۸۴)ومن حلف لایقبض دینه درهما دون درهم فقبض بعضه لم یحنث حتی یقبض جمیعه متفرقا[۲۷۲۸] (۸۵)وان قبض دینه فی

اصول جنس درہم موجود ہوتو حانث نہیں ہوگا۔

لغت زیوف : کھوٹا سکہ جس کو بیت المال نہ لے۔ نبہرجۃ : کھوٹا سکہ جس کو عام تاجر نہ لے بیت المال لے لے۔

[۲۷۲۶](۸۳)اوراگر درہم کوسیسے کا پایا یا ستوقہ پایا تو حانث ہوجائے گا۔

تشریح قرض میں سیسے کا بنا ہوا درہم دے دیا یا ایسا درہم دیا جو اندر سے سیسے کا تھا لیکن دونوں طرف سے چاندی کا رنگ چڑھایا ہوا تھا جس کو تین طاق والا درہم ستوقہ کہتے ہیں تو حانث ہوجائے گا۔

وجہ درہم پورا کا پورا چاندی کا ہوتا ہے یہاں سیسے کا درہم بنا کر دیا تو یہ درہم ہی نہیں ہے۔اور قسم کھائی تھی کہ درہم دوں گا اور درہم دیا نہیں اس لئے حانث ہوجائے گا۔اسی طرح ستوقہ درہم درہم ہی نہیں ہے وہ بھی سیسے کا ہے صرف چاندی کا رنگ چڑھادیا گیا ہے تو چونکہ درہم نہیں دیا اس لئے حانث ہوجائے گا۔

لغت رصاص : سیسہ۔ ستوقہ : تین طاق والا درہم۔

[۲۷۲۷](۸۴) کسی نے قسم کھائی کہ اپنا قرض ایک ایک درہم کر کے نہیں لے گا پھر قبضہ کیا بعض پر تو نہیں حانث ہوگا یہاں تک کہ قبضہ کرے تمام کو تھوڑا تھوڑا کر کے۔

تشریح قسم کھائی کہ تھوڑا تھوڑا کر کے قرض وصول نہیں کرے گا، پھر تھوڑے سے قرض پر قبضہ کیا تو ابھی حانث ہونے کا حکم نہیں لگائیں گے جب تک کہ سارے قرضوں کو تھوڑا تھوڑا کر کے وصول نہ کرے۔جب سارے قرضوں کو تھوڑا تھوڑا ہی کر کے وصول کر لیا تب اس وقت حانث ہونے کا حکم لگائیں گے۔

وجہ یہ ہوسکتا ہے کہ ابھی جو تھوڑا سا لیا ہے وہ مقروض کو واپس کر دے اور پھر تمام قرضوں کو بیک وقت واپس لے۔اس لئے ابھی حانث ہونے کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ہاں باقی قرضوں کو تھوڑا تھوڑا ہی لیا تو تمام قرضوں کو تھوڑا تھوڑا لینے کے بعد حانث ہونے کا فیصلہ کریں گے۔

[۲۷۲۸](۸۵)اوراگر قبضہ کیا اپنے قرضے کو دو دفعہ وزن کر کے اور دونوں وزنوں کے درمیان نہیں مشغول ہوا مگر وزن ہی کے کام میں تو حانث نہیں ہوگا۔اور یہ متفرق طور پر لینا نہیں ہے۔

تشریح مثلا پانچ سو کیلو گیہوں تھا اب اس کو ایک دفعہ وزن نہیں کر سکتا، اتنا بڑا باٹ کہاں سے لائے گا اس لئے کئی دفعہ وزن کر کے گیہوں لیا اور وزن کرنے کے دوران کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوا بلکہ وزن ہی کے کام میں مشغول رہا تو کئی دفعہ کے وزن کو متفرق طور پر وصول کرنا نہیں کہتے ہیں اور نہ اس سے حانث ہوگا۔

وزنین لم یتشاغل بینهما الا بعمل الوزن لم یحنث ولیس ذلک بتفریق[۲۷۲۹]

(۸۶)ومن حلف لیاتینَّ البصرة فلم یأتها حتی مات حنث فی آخر جزء من اجزاء حیوته.

وجہ کیونکہ یہ تو مجبوری ہے۔اور محاورے میں اس کو متفرق طور پر وصول کرنا نہیں کہتے ہیں۔محاورے میں اس وقت متفرق طور پر وصول کرنا کہیں گے جب ایک مرتبہ وزن کر کے تھاڑا سا لے لے پھر مجلس بدل جائے پھر دوسری مجلس میں تھوڑا سا وزن کر کے وصول کرے تب متفرق طور پر لینا شمار کریں گے۔

اصول مجبوری میں ایک ہی مجلس میں دو مرتبہ وزن کرنا متفرق طور پر لینا نہیں ہے۔یہ ایک ہی مرتبہ وصول کرنا ہے۔

[۲۷۲۹](۸۶) کسی نے قسم کھائی کہ ضرور بصرہ جائے گا، پس وہ وہاں نہیں گیا یہاں تک کہ انتقال کر گیا تو زندگی کے آخری لمحے میں وہ حانث ہوگا۔

وجہ کیونکہ زندگی بھر امید کی جائے گی کہ وہ کبھی نہ کبھی بصرہ جائے گا۔البتہ موت کے وقت اندازہ ہوا کہ قسم کے مطابق بصرہ نہ جا سکا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے لیکن صلح حدیبیہ کے وقت واپس آگئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا آپ نہیں فرماتے تھے کہ بیت اللہ کا طواف کریں گے تو آپؐ نے فرمایا یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔جس کا مطلب یہ نکلا کہ زندگی میں کبھی بھی طواف کریں گے یہی کافی ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن المسور بن مخرمه ومروان قالا خرج رسول الله ﷺ زمن الحديبية ... قلت او ليس كنت تحدثنا انا سنأتي البيت فنطوف به ؟ قال بلى ! فاخبرتك انا نأتيه العام ؟ قال قلت لا ! قال فانك اتيه ومطوف به (الف) (بخاری شریف، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط ص ۳۷۷ نمبر ۲۷۳۱/۲۷۳۲ کتاب الشروط) اس حدیث میں ہے کہ زندگی میں کبھی بھی طواف کر سکو گے۔یہی مطلب ہے میرے اس کہنے کا کہ آپ لوگ بیت اللہ کا طواف کریں گے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری لمحے میں معلوم ہوگا کہ اب یہ قسم پوری نہیں کر سکے گا اس لئے اس وقت اس کو حانث قرار دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ حدیبیہ کے زمانے میں مدینہ سے نکلے ... حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کیا آپ نہیں فرماتے تھے کہ ان شاء اللہ ہم بیت اللہ جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں؟ لیکن کیا یہ بتایا تھا کہ اس سال ہی جائیں گے؟ میں نے کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا تم لوگ بیت اللہ جاؤ گے اور طواف بھی کرو گے۔

﴿ کتاب الدعوی ﴾

[۲۷۳۰](۱) المدعی من لایجبر علی الخصومة اذا ترکھا والمدعی علیه من یجبر علی

﴿ کتاب الدعوی ﴾

ضروری نوٹ کتاب الدعوی میں چار باتیں ہیں۔ دعوی کس طرح کرے اور کس دعوی کا کیا مطلب ہے۔ دوسری بات ہے کہ کن لوگوں پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور کس طرح گواہ پیش کرے۔ تیسری بات ہے کہ اگر گواہ نہ ہوں تو کن لوگوں پر قسم لازم ہے اور کس طرح قسم کھلائے۔ اور چوتھی بات یہ ہے کہ کس طرح فیصلہ کرے۔ یوں فیصلے کے معیار تین ہیں۔ گواہ، وہ نہ ہوں تو قسم کھلانا۔ اور اس سے بھی معاملہ حل نہ ہوتا ہو تو علامات دیکھیں گے اور ان کے ذریعہ پتا چلائیں گے کہ یہ چیز کس کی ہونی چاہئے۔ ان سبھوں کے ثبوت کے لئے یہ حدیث ہے۔ ثم ان الاشعث ابن قیس خرج الینا فقال ما یحدثکم ابو عبد الرحمن ؟ قال محدثناه قال فقال صدق لفیّ نزلت کانت بینی و بین رجل خصومة فی بئر فاختصمنا الی رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ شاھداک او یمینه قلت انه اذا یحلف ولا یبالی فقال رسول الله ﷺ من حلف علی یمین یستحق بھا مالا وھو فیھا فاجر لقی الله وھو علیه غضبان ثم انزل الله تصدیق ذلک ثم اقتراء ھذه الآیة ان الذین یشترون بعھد الله وایمانھم ثمنا قلیلا اولئک لا خلاق لھم فی الآخرة ولا یکلمھم الله (آیت ۷۷ سورۃ آل عمران ۳)(الف) (بخاری شریف، باب اذا اختلف الراھن والمرتھن ونحوه فالبینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه ص ۳۴۲ نمبر ۲۵۱۵/۲۵۱۶) ابو داؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمه فیما غاب عنه ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳) اس حدیث میں ہے کہ کس طرح دعوی کرے۔ یہ بھی ہے کہ مدعی پر گواہ لازم ہے اور مدعی علیہ پر قسم ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ فیصلہ کس طرح کرے۔

نوٹ کتاب الدعوی میں بھی مدعی اور مدعی علیہ کا متعین کرنا بعض مرتبہ قرائن پر ہے یا محاورات پر ہے۔ اس لئے ایسے مسئلے کے لئے حدیث یا آثار نہ مل سکے، وہاں اصول اور محاورہ پیش کر دیا گیا ہے۔

[۲۷۳۰](۱) مدعی وہ ہے جو جھگڑے پر مجبور نہ کیا جا سکے اگر وہ اس کو چھوڑ دے، اور مدعی علیہ وہ ہے جو جھگڑے پر مجبور کیا جائے۔

تشریح مدعی اور مدعی علیہ کی بہت سی تعریف کی ہیں ان میں سے ایک تعریف یہ ہے کہ مدعی اس کو کہتے ہیں جو کسی سے مال لینا چاہتا ہو۔ اسی لئے وہ جھگڑا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکے چاہے تو جھگڑا کر کے مال لے اور چاہے تو جھگڑا چھوڑ دے۔ اور مدعی علیہ اس کو کہتے ہیں جس کے قبضے میں

حاشیہ : (الف) حضرت اشعث بن قیس ہمارے پاس آئے اور فرمایا تم سے ابو عبد الرحمن کیا بیان کرتے ہیں؟ میں نے بات کا تذکرہ کیا تو فرمایا سچ فرماتے ہیں میرے ہی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ میرے اور ایک آدمی کے درمیان کنویں کا جھگڑا تھا ہم حضور کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا یا تمہارے دو گواہ ہوں یا پھر اس سے قسم لے لو۔ میں نے کہا وہ تو قسم کھا لے گا اور پرواہ بھی نہیں کرے گا۔ آپ نے فرمایا کوئی قسم کھا کر کسی مال کا مستحق بنے اور وہ قسم کھانے میں جھوٹا ہو تو اللہ سے ملاقات کرے گا اس حال میں کہ وہ غصہ ہوں گے۔ پھر اس کی تصدیق کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو اور اس کی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے خریدتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ ان سے اللہ بات کریں گے۔

الخصومة[۲۷۳۱] (۲)ولا تقبل الدعوی حتی یذکر شیئا معلوما فی جنسه وقدره [۲۷۳۲](۳)فان کان عینا فی ید المدعی علیه کلف احضارها لیشیر الیها بالدعوی وان

مال ہواس لئے جھگڑا اور خصومت پر مجبور کیا جاسکے۔ وہ خصومت نہ بھی کرنا چاہے تو اس کو خصومت کرنے پر مجبور کیا جائے کیونکہ مال اسی کے قبضے میں ہے۔

وجہ اس حدیث میں اس کی تفصیل ہے۔ **عن علقمة بن وائل بن حجر الحضرمی عن ابیه قال جاء رجل من حضر موت ورجل من کنده الی رسول اللة فقال الحضرمی یا رسول الله ان هذا غلبنی علی ارض کانت لابی فقال الکندی هی ارضی فی یدی ازرعها لیس له فیها حق فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بینة؟ قال لا! قال فلک یمینه .قال یا رسول الله انه فاجر لیس یبالی ما حلف لیس یتورع من شیء فقال لیس لک منه الا ذلک** (الف) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمه فیما غاب عنہ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۰) اس حدیث میں حضرت حضرمی مدعی ہیں وہ جھگڑا کر رہے ہیں اور حضورؐ کے سامنے دعوی پیش کر رہے ہیں اور چاہے تو دعوی چھوڑ بھی سکتے ہیں۔ اور کندی مدعی علیہ ہیں ان کے قبضے میں زمین ہے وہ خصومت چھوڑنا چاہے تو نہیں چھوڑ سکتے۔

لغت الخصومۃ : مقدمے میں جو دونوں طرف سے جھگڑا کرتے ہیں اس کو خصومت کہتے ہیں۔

[۲۷۳۱] (۲) دعوی مقبول نہیں ہوگا یہاں تک کہ ذکر کرے معلوم چیز جنس کے اعتبار سے اور مقدار کے اعتبار سے۔

تشریح مقدمے میں دعوی اس وقت تک مقبول نہیں ہوگا جب تک کہ چیز کی جنس نہ بیان کرے مثلا وہ گائے ہے یا بھینس ہے اور عددی یا کیلی چیز ہے تو اس کی مقدار بیان کرے کہ کتنا کیلو ہے۔ تا کہ دعوی کو واضح کیا جاسکے اور چیز متعین ہو جائے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں **قال الحضرمی یا رسول الله ان هذا غلبنی علی ارض کانت لابی** (ب) (ابوداؤد شریف نمبر ۳۶۲۳ / ترمذی شریف، نمبر ۱۳۴۰) اس حدیث میں ہے کہ میرے باپ کی زمین تھی جس پر کندی نے قبضہ کیا ہے۔ زمین کی چوہدی بیان کی ور زمین کا تعارف کروایا اور جنس بھی بیان کی کہ وہ زمین ہے جس کا مجھے دعوی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ چیز کی جنس اور مقدار بیان کرنا ضروری ہے۔

[۲۷۳۲] (۳) پس اگر وہ چیز بعینہ مدعی علیہ کے قبضے میں ہے تو اس کو مجبور کیا جائے گا اس کو حاضر کرنے کا تا کہ دعوی کے وقت اس کی طرف اشارہ کر سکے اور اگر حاضر نہ ہو تو اس کی قیمت بیان کرے۔

تشریح اگر وہ چیز بعینہ موجود ہو تو کہا جائے گا کہ اس کو مجلس قضا میں حاضر کرے تا کہ دعوی کے وقت اس کی طرف اشارہ کر سکے اور اگر حاضر نہ

حاشیہ : (الف) حضر موت کے آدمی اور کندہ کے ایک آدمی حضورؐ کے پاس آئے۔ پس حضرمی نے کہا یا رسول اللہ! اس نے میری زمین پر قبضہ کر لیا جو میرے باپ کی تھی۔ پس کندی نے کہا یہ میری زمین میرے قبضے میں ہے۔ میں اس میں بوتا ہوں اس میں کسی کا حق نہیں ہے۔ تو آپؐ نے حضرمی سے پوچھا کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا پھر تمہارے لئے بینہ ہے؟ کہا یا رسول اللہ! وہ فاسق آدمی ہے پرواہ نہیں کرے گا وہ قسم سے پرہیز نہیں کرے گا۔ تو آپؐ نے فرمایا تمہارے لئے بینہ کے علاوہ کوئی حق نہیں ہے۔ (ب) یا رسول اللہ! اس نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے جو میرے باپ کی تھی۔

لم تكن حاضرة ذكر قيمتها [۲۷۳۳](۴) وان ادعى عقارا حدّده وذكر انه في يد المدعى عليه وانه يطالبه به[۲۷۳۴] (۵)وان كان حقا في الذمة ذكر انه يطالبه به [۲۷۳۵](۶)فاذا صحت الدعوى سأل القاضي المدعى عليه عنها فان اعترف قضى عليه

کر سکتا ہو تو چیز کی قیمت بیان کرے۔

وجہ دعوی یا گواہی کے وقت اشارہ کرنے سے چیز متعین ہوگی اس لئے اس کو حاضر کرنے کو کہا جائے گا۔ اور حاضر نہ کر سکے تو اس کی قیمت بیان کرے۔ کیونکہ قیمت سے بھی کچھ نہ کچھ تعین ہو جاتا ہے۔

[۲۷۳۳] (۴) اگر زمین کا دعوی کیا تو اس کی حدود بیان کرے اور یہ بھی ذکر کرے کہ مدعی علیہ کے قبضے میں ہے اور وہ اس کا مطالبہ کرتا ہے۔

تشریح زمین کو مجلس قضا میں حاضر نہیں کر سکتا ہے اس لئے اس کی حدود اربعہ بیان کرے کہ اس زمین کے مشرق، مغرب، جنوب اور شمال میں کون کون لوگ ہیں۔ اس دور میں یہ بھی بیان کرے کہ زمین کا کھاتہ نمبر کیا ہے اور خسرہ نمبر کیا ہے تاکہ زمین متعین ہو جائے۔ اور منقولی جائداد ہو یا غیر منقولی یہ بھی بیان کرے کہ یہ مدعی علیہ کے قبضے میں ہے۔ کیونکہ مدعی علیہ کے قبضے میں نہیں ہے بلکہ خود مدعی کے قبضے میں ہے تو دعوی کرنے کا کیا مطلب ہے۔ اور یہ بھی کہے کہ میں اس زمین کو یا منقولی جائداد کو واپس لینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اگر واپس لینا نہیں چاہتا ہے تو دعوی کرنے اور مقدمہ کرنے کا کیا حاصل ہوگا۔

▌ حدیث مذکور میں تھا کہ یہ زمین میرے والد کی ہے جس سے اس کی حدود اربعہ معلوم ہوئی۔ اور فقال الحضرمی یا رسول اللہ ان هذا غلبنی علی ارض کانت لابی (الف) سے مطالبہ کرنا بھی معلوم ہوا۔

[۲۷۳۴] (۵) اور اگر اس کے ذمے حق ہو تو ذکر کرے کہ وہ اس کا مطالبہ کرتا ہے۔

تشریح مثلا دعوی یہ تھا کہ زید کے ذمے بیس درہم میرا قرض ہے تو قرض ہونا ذمے میں حق ہوا۔ تو اس صورت میں بھی دعوی کے ساتھ یہ ذکر کرے کہ میں اس قرض کا مطالبہ کرتا ہوں تاکہ معلوم ہوا کہ صرف حق کا اقرار نہیں کروانا چاہتا بلکہ اس کا مطالبہ بھی کر رہا ہے۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ متعرف اور متعین چیز کا دعوی ہوتا ہے مجہول کا دعوی نہیں ہوتا۔

[۲۷۳۵] (۶) پس جب دعوی صحیح ہو جائے تو قاضی مدعی علیہ سے اس کے بارے میں پوچھے۔ پس اگر اس نے اعتراف کر لیا تو اس پر اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

تشریح مدعی کے دعوی دائر کرنے کے بعد قاضی مدعی علیہ سے پوچھے گا کہ کیا واقعی مدعی کا دعوی صحیح ہے؟ اگر وہ اس کا اعتراف کر لے کہ واقعی مدعی کا میرے ذمے حق ہے تو قاضی اس کا فیصلہ کر دے گا۔ اب گواہ یا قسم کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ جب مدعی علیہ نے اعتراف کر لیا تو اب گواہ کی یا مدعی علیہ کی قسم کی کیا ضرورت رہی (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن سیرین قال اعترف

حاشیہ : (الف) پس حضرمیؓ نے کہا یا رسول اللہ! اس نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے جو میرے باپ کی تھی۔

بھا[٢٤٣٦] (٧)وان انکر سأل المدعی البینة فان احضرھا قضی بھا [٢٤٣٧](٨) وان عجز عن ذلک وطلب یمین خصمه استحلفه علیھا.

رجل عند شریح بامر ثم انکرہ فقضی علیه باعترافه فقال اتقضی علی بغیر بینة؟ فقال شھد علیک ابن اخت خالک (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الاعتراف عند القاضی ج ثامن ص ٣٠٢ نمبر ١٥٣٠١) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مدعی علیہ کے اعتراف سے فیصلہ کر دیا جائے گا۔

[٢٤٣٦](٧)اور اگر انکار کرے تو طلب کرے مدعی سے البینۃ، پس اگر اس کو حاضر کر دے تو فیصلہ کر دے اس کے مطابق۔

تشریح قاضی نے مدعی علیہ سے مدعی کے دعوی کے بارے میں پوچھا تو مدعی علیہ نے انکار کر دیا تو مدعی سے اپنے دعوی پر گواہ مانگا جائے گا، پس اگر دعوی کے ثبوت کے لئے دو گواہ پیش کر دیئے تو مدعی کے دعوی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

وجہ آیت میں ہے۔ واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخری (ب) (آیت ٢٨٢ سورۃ البقرۃ ٢) اس آیت میں ہے کہ دو مرد گواہ بنائے یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائے (٢) حدیث میں گزرا۔ فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بینة؟ قال لا (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ٢٤٩ نمبر ١٣٤٠/ابوداؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ ص ١٥٤ نمبر ٣٦٢٣) اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت حضرمی سے گواہ مانگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ گواہ پیش کر دیتے تو آپؐ فیصلہ کر دیتے (٣) ایک حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قضی بیمین وشاھد (د) (ابوداؤد شریف، باب القضاء بالیمین والشاھد ص ١٥٢ نمبر ٣٦٠٨/ترمذی شریف، باب ماجاء فی الیمین مع الشاھد ص ٢٤٩ نمبر ١٣٤٣) اس حدیث میں ایک گواہ اور خود مدعی کی گواہی سے فیصلہ فرمایا تو اگر دو گواہ ہوں تو بدرجہ اولی قاضی گواہی کے بعد فیصلہ فرمائیں گے۔

[٢٤٣٧](٨) اگر بینہ حاضر کرنے سے عاجز ہو گیا اور طلب کرے اپنے مدمقابل کی قسم تو اس پر قسم لے گا۔

تشریح مدعی کو گواہ پیش کرنے کو کہا اس پر وہ گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو گیا اور گواہ نہیں پیش کر سکا تو مدعی سے کہا جائے گا کہ اب آپ مدعی علیہ سے اس پر قسم لے سکتے ہیں۔ پس اگر مدعی مدعی علیہ سے قسم لینا چاہے تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔ پس اگر وہ قسم کھالے تو مدعی علیہ کے کہنے کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت شریح کے پاس اقرار کیا پھر مکر گیا تو اس پر اس کے اعتراف کرنے کی وجہ سے فیصلہ کیا تو وہ آدمی کہنے لگا کہ آپ مجھ پر بغیر گواہ کے فیصلہ کر رہے ہیں؟ حضرت شریح نے فرمایا تمہارے ماموں کی بہن کے بیٹے نے تمہارے خلاف گواہی دی۔ یعنی پہلے خود تو نے اعتراف کیا تھا (ب) تمہارے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بناؤ، پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں، جن گواہوں سے تم راضی ہو۔ دو عورتیں اس لئے ہیں کہ ایک کو یاد نہ رہے تو دوسری اس کو یاد دلا دے (ج) آپؐ نے حضرت حضرمی سے پوچھا کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ فرمایا نہیں (د) حضورؐ نے ایک قسم اور ایک گواہی کے ذریعہ فیصلہ فرمایا۔

[٢٧٣٨] (٩) وان قال لی بینة حاضرة وطلب الیمین لم یستحلف عند ابی حنیفة رحمه

وجہ حدیث میں گزرا کہ آپؐ نے حضرت حضرمی سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس گواہ ہے؟ فرمایا نہیں! تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر تو آپ کو کندی سے قسم لینے کا حق ہے۔ فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بینة؟ قال لا! قال فلک یمینه. قال یا رسول الله انه فاجر لیس یبالی ما حلف لیس یتورع من شیء فقال لیس لک منه الا ذلک (الف) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمه فیما غاب عنه ص ١٥٤ نمبر ٣٦٢٣ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه ص ٢٤٩ نمبر ١٣٤٠) اس حدیث میں ہے کہ اگر آپ کے پاس بینہ نہیں ہے تو آپ کو کندی سے قسم لینے کا حق ہے۔

لغت خصم : مد مقابل، مقدمے میں دوسرا فریق۔

[٢٧٣٨] (٩) اگر مدعی نے کہا میرے گواہ حاضر ہیں پھر بھی قسم طلب کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

تشریح مدعی کہتا ہے کہ میرے گواہ شہر میں ہیں ان کو پیش کر سکتا ہوں لیکن پھر بھی گواہ نہ پیش کر کے مدعی علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کروانا چاہے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں کروا سکتا ہے۔ اس کے پاس گواہ موجود ہیں تو اب مدعی علیہ سے قسم نہیں لے سکتا۔ گواہی دلوا کر فیصلہ کروانا ہوگا۔

وجہ کیونکہ مدعی علیہ سے قسم کھلوانے کا حق اس وقت ہے جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں۔ یا ہوں تو اتنی دوری پر رہتے ہوں کہ ان کو پیش کرنے میں دشواری ہو تب مدعی علیہ سے قسم لے سکتا ہے۔ اور یہاں گواہ قریب میں موجود ہیں (٢) حدیث میں ہے کہ گواہ نہ ہوں تب قسم کھلوا سکتا ہے۔ حضرت حضرمی والی حدیث میں حضورؐ نے پوچھا ہے کہ کیا آپ کے پاس گواہ ہیں۔ انہوں نے فرمایا نہیں! تب فرمایا کہ اب کندی سے قسم لے سکتے ہیں۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال علقمة بن وائل بن حجر الحضرمی عن ابیه ... فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بینة؟ قال لا! قال فلک یمینه (ب (ابوداؤد شریف، نمبر ٣٦٢٣ ر ترمذی شریف، نمبر ١٣٤٠) اس حدیث میں فرمایا گواہ نہیں ہیں تب آپؐ نے فرمایا کہ تم کو قسم لینے کا حق ہے۔ اس لئے جب تک گواہ پیش کرنے کی گنجائش ہو تو مدعی علیہ سے قسم نہیں لے سکتے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گواہ موجود ہوں پھر بھی ان کو پیش نہ کر کے مدعی علیہ سے قسم لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ اس کو دونوں کا اختیار ہے

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث میں اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ ثم ان الاشعث بن قیس خرج الینا فقال ما یحدثکم ابو عبد الرحمن ... فقال رسول الله ﷺ شاهداک او یمینه (ج) (بخاری شریف، باب اذا اختلف الراهن والمرتهن ونحوه فالبینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه ص ٣٤٢ نمبر ٢٥١٦ ر مسلم شریف، باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین فاجرة بالنار ص ٨٠ نمبر ١٣٨/٣٥٦) اس حدیث میں دونوں اختیار دیئے گئے ہیں یا تمہارے دو گواہ ہوں یا اس کی قسم ہو۔ چونکہ دو میں سے ایک کا اختیار ہے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حضرت حضرمی سے پوچھا کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا پھر تو تمہارے لئے اس کی قسم ہے۔ کہا یا رسول اللہ! وہ فاجر آدمی ہے وہ قسم کی پرواہ نہیں کرتا۔ کسی چیز سے پرہیز بھی نہیں کرتا۔ پس آپؐ نے فرمایا تمہارے لئے قسم کے علاوہ کچھ نہیں ہے (ب) آپؐ نے حضرت حضرمی سے کہا کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا پھر تمہارے لئے اس کی قسم ہے (ج) آپؐ نے فرمایا تمہارے دو گواہ ہوں یا پھر اس کی قسم ہو۔

اللہ تعالی[۲۷۳۹] (۱۰)ولا ترد الیمین علی المدعی.

اس لئے گواہ موجود رہتے ہوئے قسم لے سکتا ہے۔

[۲۷۳۹](۱۰)اور نہیں وارد ہوگی قسم مدعی پر۔

تشریح اس مسئلے کی دو صورتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ مدعی کے پاس ایک گواہ ہو۔اب دوسرے گواہ کے بدلے قسم کھائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسا نہیں کر سکتا۔یا تو دو گواہ لائے یا پھر مدعی علیہ سے قسم لے۔

وجہ حدیث میں تقسیم ہے کہ مدعی پر صرف گواہ پیش کرنا ہے اور وہ نہ ہو تو مدعی پر قسم ہے۔اس لئے مدعی پر قسم نہیں ہوگی۔حدیث یہ ہے۔عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی ﷺ قال فی خطبتہ البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۱/ دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۸۸ نمبر ۳۱۶۶) اس حدیث میں تقسیم کر دیا ہے کہ مدعی پر بینہ ہوگا اور مدعی علیہ پر قسم ہوگی (۲) حدیث میں ہے۔عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قضی بالیمین علی المدعی علیہ (ب) مسلم شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ص ۷۴ نمبر ۱۷۱۱/۴۴۷۱/ ابو داؤد شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے کہ قسم تو صرف مدعی علیہ پر ہوگی۔اس لئے مدعی پر قسم نہیں ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو دوسرے گواہ کے بدلے مدعی قسم کھائے گا اور یہ قسم دوسرے گواہ کے درجے میں ہو جائے گی۔جس کی بنیاد پر قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کریں گے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قضی بیمین و شاھد (ج) (ابو داؤد شریف، باب القضاء بالیمین والشاھد ص ۱۵۲ نمبر ۳۶۰۸/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الیمین مع الشاھد ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک گواہ کے ساتھ مدعی قسم کھائے تو فیصلہ کر سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی کے پاس دو گواہ ہیں اور دو گواہ پیش بھی کر دیئے تو کیا اس کے باوجود مدعی قسم بھی کھائے کہ یہ چیز میری ہے؟ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مدعی کو اب قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔اس پر تو صرف گواہ پیش کرنا تھا جو کر دیا۔

وجہ اوپر کی حدیثیں ان کی دلیلیں ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی چاہے تو اطمینان کے لئے گواہ کی پیشگی کے بعد بھی مدعی سے قسم کھلائے۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ان علیا کان یری الحلف مع البینۃ۔اور دوسری روایت میں ہے۔عن ابن سیرین ان رجلا ادعی قبل رجل حقا واقام علیہ البینۃ فاستحلفہ شریح فکانہ یابی الیمین فقال شریح بئس ما تثنی علی شھودک (د)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے اپنے خطبے میں فرمایا گواہ مدعی پر ہے اور قسم مدعی علیہ پر ہے (ب) آپؐ نے قسم کا فیصلہ فرمایا مدعی علیہ پر (ج) آپؐ نے قسم اور ایک گواہ کے ذریعہ فیصلہ فرمایا (د) حضرت علیؓ گواہ کے ساتھ مدعی کا قسم کھانا بھی ضروری سمجھتے تھے۔دوسری روایت میں ہے۔حضرت ابن سیرین سے منقول (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۷۴۰](۱۱)ولا تقبل بینة صاحب الید فی الملک المطلق.

(سنن للبیہقی، باب من رای الخلف مع البینۃ ج عاشر ص ۴۴۱ نمبر ۲۱۲۴۸/۲۱۲۴۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مدعی کے بینہ کے باوجود اس سے قسم لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔

[۲۷۴۰](۱۱)نہیں قبول کیا جائے گا قبضے والے کا بینہ ملک مطلق میں۔

تشریح یہاں تین اصطلاح ہیں جن کو پہلے سمجھیں۔ذی الید : جس کے قبضے میں دعوی کی چیز ہو اس کو ذی الید کہتے ہیں۔چونکہ اس سے چیز لینے کا مطالبہ ہے اس لئے اس کو مدعی علیہ کہتے ہیں۔خارج : جس کے قبضے میں دعوی کی چیز نہ ہو اس کو خارج کہتے ہیں۔چونکہ وہ چیز لینے کا مطالبہ کر رہا ہے اس لئے وہ مدعی بھی ہے۔ملک مطلق : آدمی دعوی کرے کہ یہ چیز میری ہے لیکن یہ بیان نہ کرے کہ میری ملکیت کس سبب سے ہوئی ہے۔خریدا ہے یا ہبہ کیا ہے یا اس کے گھر پیدا ہوئی ہے؟ مالک ہونے کے سبب کو بیان نہ کرے تو اس کو ملک مطلق کہتے ہیں۔اور مالک بننے کا سبب بیان کرے تو اس کو ملک مقید کہتے ہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ خارج اور ذی الید دونوں دعوی کرتے ہیں کہ یہ چیز میری ہے اور میری ہونے کا سبب بیان نہیں کرتے بلکہ ملک مطلق کا دعوی کرتے ہیں۔پھر دونوں اپنے اپنے گواہ پیش کرتے ہیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خارج کے بینہ کو مانیں گے اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ چیز کی ملکیت کا سبب بیان نہیں کرتے اس لئے کسی ایک کے ہونے کی وجہ نہیں معلوم ہو سکی۔اس لئے اب دارو مدار صرف بینہ پر ہوگا (۲) پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ مدعی یعنی خارج کے بینہ کا اعتبار ہے۔کیونکہ ذی الید یعنی مدعی علیہ پر تو قسم ہے نہ کہ اس پر بینہ۔حضرت حضرمی والی حدیث میں حضرت حضرمی اور کندی دونوں نے زمین کا دعوی کیا اور زمین کس طرح ان کی ہے اس کا سبب بیان نہیں فرمایا یعنی ملک مطلق کا دعوی کیا تو آپؐ نے حضرت حضرمی یعنی خارج کے بینہ کا اعتبار کیا اور ذی الید یعنی کندی کے بینہ کا اعتبار نہیں کیا بلکہ ان پر قسم لازم کی۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بینة؟ قال لا! قال فلک یمینه** .دوسری روایت میں ہے. **ان النبی ﷺ قال فی خطبته البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه** (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۰/۱۳۴۱/ابوداؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳)اس حدیث میں حضرت حضرمی جو خارج بھی ہیں اور مدعی بھی ہیں ان کے بینہ کا اعتبار کیا اور حضرت کندی جو ذی الید ہے جس کے قبضے میں زمین ہے اور مدعی علیہ ہے اس کے بینہ کا اعتبار نہیں کیا بلکہ اس پر قسم لازم کی۔اس لئے ہمارے یہاں ملک مطلق میں خارج کے بینہ اور گواہ کو ترجیح دی جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذی الید یعنی قبضہ والا اور مدعی علیہ کے بینہ کو ترجیح ہوگی۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) ہے کہ ایک آدمی نے ایک آدمی پر حق کا دعوی کیا اور اس نے گواہ پیش کیا، پھر حضرت شریح نے اس کو قسم بھی کھلوانا چاہا تو وہ انکار کرنے لگا تو حضرت شریح نے فرمایا اپنے گواہوں کی غلط تعریف کر رہے ہو (الف) آپؐ نے حضرت حضرمی سے فرمایا کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا پھر تو تمہارے لئے اس کی قسم کا حق ہے۔دوسری روایت میں ہے آپؐ نے خطبے میں فرمایا گواہ مدعی پر اور قسم مدعی علیہ پر ہے۔

[۱۲۷۴۱](۱۲)واذا نکل المدعی علیه عن الیمین قضی علیه بالنکول والزمه ما ادعی

وجہ اس کے قبضے میں چیز ہے تو قبضہ ہونا قوت کی دلیل ہے۔ کیونکہ گواہ دونوں کے پاس ہیں اور قبضہ ہونا ایک قسم کی زیادہ قوت ہونا ہے اس لئے ذی الید کے بینہ کو ترجیح ہوگی۔ اور اسی کے بینہ کے مطابق چیز ذی الید کی ہوگی (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ ان رجلین تداعیا بدابة فاقام کل واحد منھما البینة انھا دابتہ فقضی بھا رسول اللہ ﷺ للذی فی یدیہ (الف) (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدھما ویقیم کل واحد منھما علی ذلک بینۃ ج عاشر ص ۴۳۳ نمبر ۲۱۲۲۳) اس حدیث میں ہے کہ دونوں نے دعوی کیا اور مطلق ملک کا دعوی کیا اور بینہ بھی پیش کیا تو آپؐ نے قبضے والے کے لئے فیصلہ کیا۔

اور اگر ملک مقید کا دعوی کرے مثلا دونوں کہے کہ یہ اونٹنی میری ملکیت ہے کیونکہ میرے یہاں پیدا ہوئی ہے تو بالاتفاق اس صورت میں ذی الید کے بینہ کو ترجیح دی جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن جابر ان رجلین اختصما الی النبی ﷺ فی ناقة فقال کل واحد منھما نتجت ھذہ الناقة عندی واقام بینة فقضی بھا رسول اللہ ﷺ للذی ھی فی یدیہ (ب) (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدھما ویقیم کل واحد منھما علی ذلک بینۃ ج عاشر ص ۴۳۳ نمبر ۲۱۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ ملک کے دعوی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ اونٹنی میرے یہاں پیدا ہوئی ہے اس لئے یہ میری ملکیت ہے اس لئے یہ ملک مقید کا دعوی ہوا۔ اور اس میں ذی الید کے لئے آپؐ نے فیصلہ فرمایا (۲) یوں بھی جب مالک ہونے کا سبب بیان کیا تو یقین ہو گیا کہ چیز اس کی ہے اور بینہ بھی پیش کیا اور قبضہ بھی ہے اس لئے ان تینوں علامتوں کی وجہ سے قبضے والے کے لئے فیصلہ کر دیا گیا۔

[۱۲۷۴۱](۱۲) اگر انکار کر دے مدعی علیہ قسم سے تو فیصلہ کیا جائے گا اس پر انکار کرنے کی وجہ سے اور لازم کر دے اس پر وہ جس کا اس پر دعوی تھا

تشریح مدعی کے پاس گواہ نہیں تھے اس لئے اس نے مدعی علیہ کو قسم کھانے کے لئے کہا لیکن مدعی علیہ نے بھی قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس کے انکار کے بعد قاضی فیصلہ کر دے گا کہ یہ چیز مدعی کی ہے۔ اب دوبارہ مدعی سے قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

وجہ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی۔ اس پر تو گواہ ہے قسم نہیں ہے اس لئے اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ اور مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کے دو مطالب ہیں۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ چیز تو میری ہی ہے لیکن اللہ کے محترم نام کے ساتھ میں قسم نہیں کھانا چاہتا۔ چلو یہ مدعی کو دے دیتا ہوں ایسا کرنے کو باذل کہتے ہیں۔ یعنی میں نے مدعی پر اپنی چیز خرچ کر دی۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دبے زبان اقرار کرتا ہوں کہ یہ چیز حقیقت میں مدعی کی ہی ہے اس لئے قسم نہیں کھاتا۔ تاہم دونوں صورتوں میں مدعی علیہ نے مدعی کو چیز دینے کی رضامندی ظاہر کر دی ہے اس لئے قسم سے انکار کیا اس لئے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت

حاشیہ : (الف) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ دو آدمیوں نے ایک جانور پر دعوی کیا۔ ہر ایک نے بینہ قائم کیا کہ اس کا جانور ہے تو آپؐ نے اس جانور کا فیصلہ اس کے لئے کیا جس کے قبضے میں تھا (ب) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ دو آدمی ایک اونٹنی کے بارے میں حضورؐ کے پاس جھگڑا لے کر آئے۔ پس دونوں نے کہا کہ یہ اونٹنی ان کے یہاں پیدا ہوئی ہے اور گواہ پیش کئے تو آپؐ نے اس کے لئے فیصلہ فرمایا جس کے قبضے میں تھی۔

علیہ [۲۷۴۲](۱۳)وینبغی للقاضی ان یقول له انی اعرض علیک الیمین ثلثا فان حلفتَ والا قضیتُ علیک بما ادعاه.

ہے۔عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عن النبی ﷺ قال اذا ادعت المرأة طلاق زوجها فجاء ت علی ذلک بشاهد عدل استحلف زوجها فان حلف بطلت شهادة الشاهدوان نکل فنکوله بمنزلة شاهد آخر وجاز طلاقه (الف)(ابن ماجہ شریف، باب الرجل یجحد الطلاق ص ۲۹۲ نمبر ۲۰۳۸ ردار قطنی، کتاب الوکالۃ ج رابع ص ۹۶ نمبر ۴۲۹۵)اس حدیث میں ہے کہ قسم کھانے سے انکار کرنا دوسرے گواہ کے درجے میں ہے اور اس سے فیصلہ کر دیا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ نے قسم سے انکار کیا تو ابھی فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ مدعی کو قسم کھلائیں گے۔وہ قسم کھالیں گے کہ یہ چیز میری ہے تب اس چیز کا فیصلہ مدعی کے لئے کریں گے۔

وجہ اثر میں ہے کہ مدعی بینہ پیش کر دے تب بھی مدعی کو قسم کھلائیں گے تب فیصلہ کیا جائے گا۔جب گواہ پیش کر دے تو مدعی کو قسم دیتے ہیں اور یہاں مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اور شبہ پیدا ہو گیا اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے بدرجہ اولی مدعی کو قسم کھلائیں گے تاکہ پوری وضاحت ہو جائے کہ یہ چیز مدعی کی ہے (۲) اثر یہ ہے۔ان علیا کان یری الحلف مع البینة (ب)(سنن للبیہقی، باب من رای الحلف مع البینۃ ج عاشر ص ۴۴۱ نمبر ۲۱۲۴۸)اس اثر کی وجہ سے مدعی پر قسم ہو گی۔

لغت النکول : قسم کھانے سے انکار کرنا۔

[۲۷۴۲](۱۳) قاضی کے لئے مناسب ہے کہ اس سے کہے کہ میں تم پر قسم تین بار پیش کرتا ہوں، پس اگر تم نے قسم کھالی تو ٹھیک ہے ورنہ تمہارے خلاف فیصلہ کروں گا اس کے مطابق جس کا مدعی دعوی کرتا ہے۔

تشریح ایک مرتبہ بھی قاضی مدعی علیہ پر قسم پیش کر دے اور وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی کے لئے گنجائش ہے کہ وہ مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ کر دے۔کیونکہ اوپر کی احادیث میں ایک مرتبہ کے انکار سے فیصلہ کا اشارہ ملتا ہے۔لیکن چونکہ مدعی علیہ کے سامنے معاملہ نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ قانون سے واقف نہ ہو اس لئے بہتر ہے کہ قاضی پہلے سے آگاہ کر دے کہ میں تم پر تین مرتبہ قسم پیش کروں گا۔اگر تم نے قسم کھالی تو تمہارے موافق فیصلہ ہو گا کیونکہ مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے۔اور اگر تم نے تینوں مرتبہ قسم کھانے سے انکار کیا تو تمہارے خلاف فیصلہ کروں گا جس کا دعوی مدعی کر رہا ہے۔

وجہ ممکن ہے کہ مدعی علیہ کو قانون کا پتا نہ ہو کہ قسم سے انکار کے بعد میرے خلاف فیصلہ ہو جائے گا اس لئے اس کو پہلے سے بتا دے کہ تین مرتبہ قسم پیش کروں گا۔اور قسم سے انکار کے بعد تمہارے خلاف فیصلہ ہو گا۔اور تین مرتبہ احتیاط کے لئے ہے ورنہ ایک مرتبہ قسم پیش کر دے اور وہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اگر عورت شوہر کی طلاق کا دعوی کرے اور اس پر ایک عادل گواہ لائے تو اس کے شوہر کو قسم کھلائی جائے گی، پس اگر اس نے قسم کھالی تو گواہ کی گواہی باطل ہو جائے گی اور اگر انکار کر دیا تو اس کا انکار دوسرے گواہ کے درجے میں ہو گا اور عورت پر طلاق جائز ہو جائے گی (ب) حضرت علیؓ گواہ کے ساتھ مدعی کی قسم بھی ضروری سمجھتے تھے۔

[۲۷۴۳] (۱۴)واذا کرَّر العرض ثلث مرات قضی علیه بالنکول[۲۷۴۴] (۱۵)وان کانت الدعوی نکاحا لم یستحلف المنکر عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۲۷۴۵] (۱۶)ولا یستحلف فی النکاح والرجعة والفیئ فی الایلاء والرق والاستیلاد والنسب

انکار کرے تو قاضی کو فیصلے کی گنجائش ہے۔

[۲۷۴۳] (۱۴) جبکہ قسم پیش کی مکرر تین مرتبہ تو فیصلہ کیا جائے گا اس کے خلاف انکار کی وجہ سے۔

تشریح قاضی نے مدعی علیہ پر تین مرتبہ قسم پیش کی، مدعی علیہ نے تینوں مرتبہ قسم کھانے سے انکار کر دیا تو قاضی اب اس کے خلاف فیصلہ کریں گے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

[۲۷۴۴] (۱۵) اگر دعوی نکاح کا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک منکر سے قسم نہیں لی جائے گی۔

تشریح مثلا شوہر عورت پر دعوی کرے کہ میرا تم سے نکاح ہوا ہے اور اس پر شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے اور عورت نکاح کا انکار کرتی ہے تو عورت کو قسم نہیں کھلائیں گے کہ نکاح ہوا یا نہیں ہوا۔ بلکہ بغیر قسم کے ہی نکاح کا ثبوت نہیں ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک قسم کھلائیں گے۔ اگر عورت نے قسم کھالی کہ نکاح نہیں ہوا ہے تو نکاح نہیں ہوگا، اور قسم کھانے سے انکار کیا تو یہ اقرار کے درجے میں ہوگا اور نکاح ثابت کر دیا جائے گا۔

وجہ ان نو مسئلوں کی دلیل آگے آرہی ہے۔

[۲۷۴۵] (۱۶) اور قسم نہیں لی جاتی ہے (۱) نکاح میں (۲) رجعت میں (۳) ایلاء سے رجوع کرنے میں (۴) غلامی میں (۵) ام ولد کرنے میں (۶) نسب میں (۷) ولاء میں (۸) حدود میں (۹) اور لعان میں۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ قسم لی جائے گی ان تمام میں سوائے حدود اور لعان کے۔

تشریح یہ نو مسئلے دو اصول پر متفرع ہیں۔ ایک اصول امام اعظمؒ کا ہے اور دوسرا اصول صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا ہے۔

اصول مدعی علیہ کو قسم کھلائے اس وقت قسم کھانے سے انکار کرے تو پہلے گزر چکا ہے کہ انکار کے دو مطلب ہیں۔ ایک بذل جو امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ اور دوسرا اقرار جو صاحبین کا مسلک ہے۔ اور انہیں پر نو مسائل متفرع ہیں۔ بذل : کا مطلب یہ ہے کہ مدعی علیہ کہہ رہا ہے کہ یہ چیز تو میری ہی ہے لیکن خدا کے نام کی تعظیم کی وجہ سے قسم نہیں کھاتا، اس لئے چلو یہ تم کو دے دیتا ہوں۔ اس میں میری چیز جائے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ اس اثر میں بذل کی دلیل ہے۔ وقد کانت هذیل خلعوا خلیعا لهم فی الجاهلیة ... فقال (عمرؓ) یقسم خمسون من هذیل ما خلعوا قال فاقسم منهم تسعة واربعون رجلا وقدم رجل منهم من الشام فسألوه ان یقسم فافتدی یمینه منهم بالف درهم فادخلوا مکانه رجلا آخر فدفعه الی اخی المقتول (الف) (بخاری شریف، باب القسامة ص ۱۰۱۸ نمبر

حاشیہ : (الف) قبیلہ ہذیل نے زمانہ جاہلیت میں عاق کیا تھا... حضرت عمرؓ نے فرمایا قبیلہ ہذیل کے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ عاق نہیں کیا تھا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

والولاء والحدود واللعان وقالا يُستحلف في ذلك كله الا في الحدود واللعان .

۶۸۹۹)اس اثر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نکال باہر کرنے پر پچاس آدمی سے قسم لیں، انچاس آدمیوں سے قسم لی۔پھر ایک آدمی شام سے آیا اس سے قسم کھانے کے لئے کہا تو اس نے قسم نہیں کھائی اور قسم نہ کھانے کے فدیہ میں ایک ہزار درہم دیئے اسی کو بذل کہتے ہیں۔یعنی چیز تو میری ہی ہے لیکن چلو تم کو دے دیتا ہوں اور قسم نہیں کھاتا ہوں (۲) دوسرے اثر میں ہے۔سئل الزهري عن الرجل يقع عليه اليمين فيريد ان يفتدى يمينه قال قد كان يفعل قد افتدى عبيد السهام في امارة مروان واصحاب رسول الله ﷺ بالمدينة كثير افتدى يمينه بعشرة آلاف (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب من يجب عليه التكفير ج ثامن ص ۵۰۲ نمبر ۱۶۰۵۴ر دار قطنی، کتاب فی الاضحیۃ والاحکام ج رابع ص ۱۵۸ نمبر ۴۵۵۰) اس اثر میں تذکرہ ہے کہ اصحاب رسول قسم کے بدلے دس ہزار درہم کا فدیہ دیتے تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ قسم سے انکار کرنا بذل ہے اور فدیہ ہے۔

فائدہ صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ قسم کھانے سے انکار کرنا اقرار کرنا ہے، گویا کہ دبے زبان میں اقرار کر رہا ہے کہ یہ چیز حقیقت میں آپ ہی کی ہے اسی لئے میں قسم نہیں کھاتا ہوں۔اور جب آپ کی ہے تو آپ کو قاضی دے دیں۔

وجہ حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عن النبي ﷺ قال اذا ادعت المرأة طلاق زوجها فجاءت على ذلك بشاهد عدل استحلف زوجها فان حلف بطلت شهادة الشاهد وان نكل فنكوله بمنزلة شاهد آخر وجاز طلاقه (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الرجل یجحد الطلاق ص ۲۹۲ نمبر ۲۰۳۸ر دار قطنی، کتاب الوکالۃ ج رابع ص ۹۶ نمبر ۴۲۹۵) اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ کا قسم سے انکار کرنا اقرار کرنے کے درجے میں ہے اور دوسری گواہی کی درجے میں ہے۔ان دونوں اصولوں کو سامنے رکھ کر نو مسائل کا حل اس طرح ہے۔

[۱] نکاح : نکاح کی صورت یہ ہے کہ مثلا شوہر دعوی کرے کہ فلاں عورت سے میری شادی ہوئی ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے۔اور شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے۔اب عورت کو قسم کھلائیں۔اور اس نے قسم کھانے سے انکار کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ نکاح تو نہیں ہوا ہے لیکن چلو میری شرمگاہ تم استعمال کرو۔اور شرعی اعتبار سے ایسا نہیں کر سکتی کہ بغیر نکاح کے اپنے آپ کو بذل کے طور پر استعمال کرنے دے۔اس لئے عورت کو قسم ہی نہیں دیں گے بلکہ بینہ نہ ہونے کی وجہ سے نکاح ثابت ہی نہیں کریں گے۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اقرار کرتی ہوں کہ شوہر کی بات صحیح ہے اور نکاح ہوا ہے۔اور جب اقرار کرلیا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا ان میں سے انچاس آدمیوں نے قسم کھائی کہ عاق نہیں کیا تھا۔اور ان کے قبیلے کا ایک آدمی شام سے آیا تو اس سے قسم کھانے کے لئے کہا تو اس نے اپنی قسم کے بدلے ایک ہزار درہم فدیہ دے دیا تو اس کی جگہ دوسرے آدمی کو داخل کیا اور اس کو مقتول کے بھائی کے حوالے کیا (الف) حضرت زہریؒ سے پوچھا ایک آدمی پر قسم آگئی وہ قسم کے بدلے فدیہ دینا چاہتا ہے؟ فرمایا ایسا کیا جا سکتا ہے۔مروان کی امارت کے زمانے میں حصے کے غلام کا فدیہ دیا اور اصحاب رسولؐ اس وقت مدینہ میں بہت تھے (یعنی کسی نے فدیہ پر اعتراض نہیں کیا) اپنی قسم کے بدلے دس ہزار کا فدیہ دیا (ب) حضورؐ نے فرمایا اگر عورت شوہر کی طلاق کا دعوی کرے اور اس پر ایک عادل گواہ لائے تو شوہر سے قسم لی جائے گی۔پس اگر شوہر نے قسم کھالی تو گواہ کی گواہی باطل ہو جائے گی۔اور اگر انکار کر دیا تو اس کا انکار دوسرے گواہ کے درجے میں ہوگا اور طلاق جائز ہو جائے گی۔

نکاح ہوا ہے تو اپنے آپ کو استعمال کرنے بھی دے گی۔اس لئے صاحبینؒ کے نزدیک مدعی علیہا کو قسم کھلائیں گے۔

[۲] رجعت : رجعت کی صورت یہ ہوگی کہ شوہر نے بیوی کو طلاق رجعی دی۔عدت گزر جانے کے بعد شوہر دعوی کرتا ہے کہ میں نے عدت کے اندر رجعت کر لی تھی۔اور عورت انکار کرتی ہے کہ رجعت نہیں کی تھی۔شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے۔اب امام صاحب کے نزدیک عورت کو قسم نہیں کھلائیں گے بلکہ بغیر قسم کے ہی فیصلہ کر دیں گے کہ رجعت نہیں ہوئی تھی۔

وجہ اگر قسم کھلائیں اور عورت قسم کھانے سے انکار کر جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رجعت تو نہیں ہوئی ہے اور نہ میں تمہاری بیوی ہوں۔لیکن چلو بذل کے طور پر تم مجھے استعمال کرتے رہو۔اور رجعت نہ ہو تو بذل کے طور پر اور فدیہ کے طور پر اپنے آپ کو استعمال کرنے نہیں دے سکتی۔اس لئے قسم ہی نہیں لی جائے گی۔

نوٹ اگر جسم کے بجائے مال ہوتا تو بذل کے طور پر اس کو استعمال کرنے دینا جائز ہے اس لئے وہاں قسم کھلائی جائے گی۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ میں دبے زبان اقرار کرتی ہوں کہ شوہر نے عدت میں رجعت کی تھی اور میں اس کی بیوی ہوں۔اس لئے صاحبینؒ کے نزدیک رجعت میں عورت سے قسم لی جائے گی۔

نوٹ اگر عدت کے اندر شوہر نے کہا کہ میں نے رجعت کی ہے اور عورت نے انکار کیا تو اگر چہ اس سے پہلے رجعت نہیں ہوئی ہے لیکن ابھی شوہر کے کہنے سے ہی رجعت ہو جائے گی۔

[۳] ایلاء میں فی : شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں چار ماہ تک تمہارے قریب نہیں جاؤں گا اس کو ایلاء کہتے ہیں۔اب اگر چار ماہ کے اندر بیوی کے پاس نہیں گیا تو بیوی کو طلاق بائنہ واقع ہوگی اور نکاح ختم ہو جائے گا۔چار ماہ کے اندر بیوی کے پاس نہ جانے کو فی کہتے ہیں۔عدت گزر جانے کے بعد شوہر کہتا ہے کہ میں نے چار ماہ کے اندر فی کی تھی۔بیوی انکار کرتی ہے۔شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے تو بیوی کو اس بارے میں قسم نہیں کھلائیں گے۔کیونکہ قسم سے انکار کرنے کا معنی بذل ہوگا۔یعنی میں تمہاری بیوی تو نہیں ہوں کیونکہ چار ماہ کے اندر فی نہیں کی۔لیکن چلو اپنے آپ کو استعمال کرنے دیتی ہوں۔چونکہ نکاح کے بغیر اپنے آپ کو استعمال کرنے نہیں دے سکتی اس لئے حنفیہ کے نزدیک عورت پر قسم نہیں ہوگی۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب اقرار ہے۔یعنی دبے زبان اقرار کر رہی ہے کہ واقعی آپ نے چار ماہ کے اندر فی کی تھی اور میں آپ کی بیوی ہوں اس لئے ان کے نزدیک ایلاء کے فی میں قسم کھلائیں گے۔

نوٹ اگر چار ماہ کے اندر شوہر کہے کہ میں نے فی کی ہے تو پہلے فی نہیں ہوئی البتہ ابھی اس کہنے سے فی ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ نکاح برقرار رہے بغیر اپنے آپ کو سپرد نہیں کر سکتی،جسم مال نہیں ہے کہ بذل کر دے۔

[۴] الرق : غلام ہونے یا غلام بننے کا دعوی۔ایک آدمی مجہول الحال ہے۔اس کے بارے میں ایک آدمی کہتا ہے کہ یہ میرا غلام ہے اور مجہول الحال آدمی اس کا انکار کرتا ہے۔دعوی کرنے والے کے پاس بینہ نہیں ہے۔اب غلام سے قسم کھلائیں اور وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہارا غلام تو نہیں ہوں لیکن چلو اپنے آپ کو تمہاری غلامیت میں دے دیتا ہوں۔لیکن کوئی بھی

آدمی اپنے آپ کو غلام نہیں بنا سکتا، جسم مال نہیں ہے کہ بذل کر دے۔ اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام کو قسم نہیں دے سکتا۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک قسم کھانے سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ دبے زبان اقرار کرتا ہوں کہ میں اس کا غلام ہوں اور پہلے سے غلام ہو تو اس کا اقرار کر سکتا ہے۔

[۵] الاستیلاد : استیلاد کی صورت یہ ہے کہ شوہر کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ کیونکہ میں نے اس کو تم سے پیدا کیا ہے۔ اور عورت انکار کرے۔ شوہر کے پاس بینہ نہ ہو۔ اب عورت کو قسم دے اور وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بذل ہوگا یعنی یہ بچہ آپ کا تو نہیں ہے لیکن چلو آپ سے نسب ثابت کر دیتی ہوں۔ اور نسب ثابت کرنے کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ بچہ اس کا نہ بھی ہو پھر بھی اس سے نسب ثابت کر دے۔ اس لئے عورت سے استیلاد کے سلسلے میں قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں دبے زبان سے اقرار کرتی ہوں کہ بچہ آپ کا ہی ہے۔ جب بچہ حقیقت میں شوہر کا ہو تو اس سے نسب ثابت کرنے میں کائی حرج نہیں ہے۔

[۶] النسب : ایک آدمی دعوی کرے کہ یہ آدمی میرا لڑکا ہے اور میں اس کا باپ ہوں۔ اور وہ اس کا انکار کرے اور دعوی کرنے والے کے پاس گواہ نہ ہو تو اس آدمی کو قسم نہیں کھلائیں گے، کیونکہ قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہارا بیٹا تو نہیں ہوں لیکن چلو بیٹا بن جاتا ہوں۔ اور بیٹا نہ ہو اور بذل کے طور پر نسب ثابت کر دے تو جائز نہیں ہے۔ حدیث میں منع فرمایا ہے۔ اس لئے نسب کے سلسلے میں لڑکے کو قسم نہیں دی جائے گی۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ دبے زبان اقرار کر رہا ہے کہ حقیقت میں میں آپ کا بیٹا ہوں اس لئے لڑکے سے قسم لے سکتا ہے۔

[۷] الولاء : آزاد کردہ غلام مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو وہ مال آزاد کرنے والے آقا کو ملتا ہے اس مال کو ولاء کہتے ہیں۔ یہاں ولاء کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی پر دعوی کرے کہ یہ میرا آزاد کردہ غلام ہے اور اس کا ولاء مجھے ملے گا۔ وہ اس کو انکار کرے کہ میں اس کا آزاد کردہ غلام نہیں ہوں اور نہ میری ولاء اس کو ملے گی۔ دعوی کرنے والے کے پاس بینہ نہیں ہے۔ اب مدعی علیہ کو قسم کھلائیں اور وہ قسم کھانے سے انکار کر جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہارا آزاد کردہ غلام تو نہیں ہوں لیکن چلو بن جاتا ہوں۔ تو شرعی اعتبار سے ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ آزاد جان کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ اس لئے مدعی علیہ کو ولاء کی قسم بھی نہیں کھلا سکتا۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ دبے زبان اس کا اقرار کرتا ہوں کہ میں اس کا آزاد کردہ غلام ہوں اور میری ولاء ان کو ملنی چاہئے۔ اور حقیقت میں آزاد کردہ غلام ہو تو قسم دی جا سکتی ہے۔

[۸] الحدود : کوئی آدمی کسی آدمی پر دعوی کرے کہ میرا تمہارے اوپر حد قذف ہے۔ اور دوسرا آدمی اس کا انکار کرے اور دعوی کرنے والے کے پاس گواہی نہیں ہے تو مدعی علیہ کو قسم نہیں کھلوائیں گے۔ کیونکہ قسم کھانے سے انکار کر جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھ پر آپ کا حد قذف تو نہیں ہے لیکن چلو اسی کوڑے مار لیں۔ ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ جسم ایسی چیز نہیں ہے جس کو بذل کے طور پر کوڑے اور حد لگانے کے لئے پیش کیا

[۲۷۴۶](۱۷)واذا ادعی اثنان عینا فی ید آخر وکل واحد منهما یزعم انها له واقاما البینة قضی بها بینهما[۲۷۴۷] (۱۸)وان ادعی کل واحد منهما نکاح امرأة واقاما البینة

جاسکے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ حد قذف میں حد کا شائبہ ہے اور حدود شبہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔اس لئے قسم سے انکار کے بعد بھی حد ساقط ہو جائے گی۔

فائدہ امام صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ دبے زبان اقرار کرتا ہوں کہ مجھ پر حد قذف ہے۔اور دبے زبان اقرار میں عدم اقرار کا شبہ ہے اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

[۹] لعان : اس کی صورت یہ ہے کہ عورت شوہر پر دعوی کرتی ہے کہ آپ نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور آپ پر لعان ہے۔اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے۔عورت کے پاس بینہ نہیں ہے تو شوہر سے قسم نہیں لی جائے گی۔

وجہ کیونکہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ لعان تو نہیں ہے لیکن چلو کر لیتا ہوں اور ایسا کر نہیں سکتا (۲) نیز لعان مرد کی جانب سے حد کے درجے میں ہے اور حد شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے اس لئے لعان بھی ساقط ہو جائے گا۔اس لئے شوہر سے قسم نہیں لی جائے گی۔یہ مسئلہ بھی بالاتفاق ہے۔

[۲۷۴۶] (۱۷) اگر دو آدمیوں نے ایک خاص چیز میں دعوی کیا جو دوسرے کے ہاتھ میں ہو۔ہر ایک گمان کرتے ہوں کہ اس کی ہے اور دونوں نے بینہ قائم کیا تو فیصلہ کیا جائے گا دونوں کے درمیان۔

تشریح ایک چیز تیسرے آدمی کے ہاتھ میں ہے اور دو آدمی اس کا دعوی کر رہے ہیں اور دونوں نے دو دو گواہ پیش کر دیئے تو دونوں کے لئے آدھی آدھی چیز کا فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ جب دونوں کے پاس بینہ ہیں اور کسی کے قبضے میں نہیں تو کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے اس لئے دونوں کے لئے آدھی آدھی چیز ہوگی (۱) حدیث میں ایسا ہی فیصلہ ہے۔**عن ابی موسی الاشعری ... ان رجلین ادعیا بعیرا علی عهد النبی ﷺ فبعث کل واحد منهما شاهدین فقسمه النبی ﷺ بینهما نصفین** (الف) (ابو داؤد شریف، باب الرجلین یدعیان شیئا ولیس بینهما بینة ص ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۵) اس حدیث میں آپؐ نے آدھے آدھے اونٹ کا فیصلہ فرمایا۔اس لئے دونوں کے لئے آدھے آدھے ہوں گے۔

نوٹ اگر دونوں کے قبضے میں ہو تب بھی دونوں کے لئے آدھا آدھا فیصلہ ہوگا۔اور اگر ایک کے قبضے میں ہو تو خارج کے بینہ کا اعتبار ہوگا پہلے گزر چکا ہے۔

[۲۷۴۷] (۱۸) اور اگر دعوی کیا ہر ایک نے عورت کے نکاح کا اور دونوں نے بینہ قائم کیا تو فیصلہ نہیں کیا جائے گا کسی کے بینہ پر رجوع کیا جائے گا عورت کی تصدیق کی طرف دونوں میں سے کسی ایک کے لئے۔

تشریح ایک عورت دو آدمیوں کی بیوی نہیں ہو سکتی اس لئے دونوں نے بینہ قائم کیا تو دونوں کو آدھی آدھی بیوی نہیں دی جا سکتی۔اور ترجیح کی کوئی

حاشیہ : (الف) حضورؐ کے زمانے میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کا دعوی کیا۔پس ہر ایک نے دو دو گواہ بھیجے تو حضورؐ نے اونٹ کو آدھا آدھا تقسیم فرمایا۔

لم يقض بواحدة من البينتين ويرجع الى تصديق المرأة لاحدهما [۲۷۴۸](۱۹) وان ادعى اثنان كل واحد منهما انه اشترى منه هذا العبد واقاما البينة فكل واحد منهما بالخيار ان شاء اخذ نصف العبد بنصف الثمن وان شاء ترک [۲۷۴۹](۲۰)فان قضى القاضي به بينهما فقال احدهما لا اختار لم يكن للآخر ان ياخذ جميعه.

علامت نہیں ہے۔اس لئے اب عورت کو پوچھا جائے گا کہ تم کسی کی بیوی ہو؟ وہ جس کی تصدیق کرے گی اس کی بیوی قرار دی جائے گی۔

وجہ میاں بیوی کے قبول کرنے سے نکاح ہوتا ہے اس لئے اسی کی تصدیق کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ہاں اگر ایک کا بینہ یہ ثابت کرتا ہو کہ اس کی شادی پہلے اس سے ہوئی تھی اور دوسرا بینہ ثابت کرتا ہو کہ بعد میں ہوئی تھی تو پہلے والے کی بیوی ہو جائے گی۔کیونکہ اس وقت دوسرے کا گواہ مزاحم نہیں ہے۔

[۲۷۴۸](۱۹)اگر دعوی کیا دو آدمیوں نے کہ ان میں سے ہر ایک نے خریدا ہے اس غلام کو فلاں سے،اور دونوں نے بینہ قائم کیا تو دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو آدھا غلام آدھی قیمت میں خرید لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح مثلا زید اور عمر دونوں کہتے ہیں کہ خالد غلام کو ساجد بائع سے خریدا ہے۔اور دونوں نے بینہ پیش کیا اور دونوں نے مقدم مؤخر تاریخ کا بینہ پیش نہیں کیا بلکہ دونوں کی تاریخ بھی ایک ہی ہے۔اب چونکہ کسی ایک کے بینہ کو ترجیح نہیں ہے اس لئے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ آدھا آدھا غلام دونوں نے خریدا ہے اور دونوں پر آدھی آدھی قیمت لازم ہوگی۔اب چاہے تو آدھی قیمت دے کر آدھا غلام لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

وجہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ دونوں کے بینہ برابر ہوں اور ترجیح کے لئے کوئی علامت نہ ہو تو دونوں کو آدھا آدھا دیا جائے گا۔عن ابی موسى الاشعرى... ان رجلين ادعيا بعيرا على عهد النبي ﷺ فبعث كل واحد منهما شاهدين فقسمه النبي ﷺ بينهما نصفين (الف)(ابوداؤد شریف،باب الرجلین یدعیان شیئا ولیس لھما بینۃ ص ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۵)اس حدیث میں دونوں کو آدھا آدھا دیا گیا۔

[۲۷۴۹](۲۰)پس اگر قاضی نے اس چیز کا دونوں کے درمیان فیصلہ کیا،پس ان میں سے ایک نے کہا کہ نہیں لیتا ہوں تو دوسرے کے لئے جائز نہیں کہ لے کل کو۔

تشریح قاضی نے دونوں کے لئے آدھے آدھے غلام کا فیصلہ کیا۔اب ایک فریق کہتا ہے کہ میں آدھا غلام نہیں لوں گا تو اب دوسرے فریق کو حق نہیں ہے کہ پورا غلام لے لے،ہاں نئے سرے سے باقی آدھے غلام کو بائع سے خریدے گا تو لے سکتا ہے۔

وجہ جب دوسرے فریق کے لئے آدھے غلام کا فیصلہ ہوا تو اس کے لئے آدھے غلام کی ہی بیع ہوئی پورے غلام کی بیع نہیں ہوئی۔اس لئے پورا

حاشیہ : (الف)حضورؐ کے زمانے میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کا دعوی کیا،پس دونوں میں سے ہر ایک نے دو دو گواہ بھیجے تو حضورؐ نے اونٹ کو آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔

[۲۷۵۰] (۲۱) وان ذکر کل واحد منهما تاریخا فهو للاول[۲۷۵۱] (۲۲) وان لم یذکر تاریخا ومع احدهما قبض فهو اولی به[۲۷۵۲] (۲۳) وان ادعی احدهما شراء

غلام نہیں لے سکتا ہے۔باقی کے لئے ازسرنو بیع کرنی ہوگی۔

اصول قاضی کا فیصلہ جتنے غلام کے لئے ہوا بیع اتنے ہی غلام کی ہوگی۔

[۲۷۵۰] (۲۱) اگر دونوں فریق میں سے ہر ایک نے تاریخ ذکر کی تو وہ مقدم تاریخ والے کو ملے گا۔

تشریح دونوں فریقوں نے غلام پر دعوی کیا کہ میں نے فلاں سے پورا پورا غلام خریدا ہے۔اور دونوں نے گواہ پیش کئے اور تاریخ بھی بتائی تو جس کی تاریخ مقدم ہے پورا غلام اسی کا ہوگا۔

وجہ جس مقدم تاریخ میں ایک نے خریدنے کا دعوی کیا اس تاریخ میں دوسرا فریق مزاحم نہیں ہے اس لئے اس کی بیع ہوگئی اور غلام اس کا ہو گیا۔اب دوسرے کی بیع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن سمرة بن جندب عن النبی ﷺ قال اذا بیع البیع من رجلین فالبیع للاول** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب اشتراط الخلاص ص ۳۳۵ نمبر ۲۳۴۴، کتاب الاحکام) اس حدیث میں ہے کہ جس سے پہلے بیچا بیع اس سے ہوگئی۔اس لئے جس کی تاریخ مقدم ہوئی بیع اس سے ہوگئی۔اس لئے اب دوسرے کے لئے نہیں ہوگی۔

[۲۷۵۱] (۲۲) اور اگر دونوں نے تاریخ ذکر نہیں کی اور ان میں سے ایک کا قبضہ ہے تو وہ اولی ہوگا۔

وجہ اگر تاریخ ذکر کرتا تو دیکھا جاتا کہ کس کی تاریخ مقدم ہے اس کے لئے غلام کا فیصلہ کرتے لیکن تاریخ کسی نے ذکر نہیں کی۔البتہ ایک فریق کا غلام پر قبضہ بھی ہے تو قبضہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس نے پہلے خریدی ہے تب ہی تو اس کا قبضہ ہے، اور اس کے ساتھ بیع تام ہو چکی ہے تب ہی تو غلام اس کے قبضے میں ہے۔اس لئے غلام کا قبضہ اس کے لئے ہوگا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن جابر بن عبد الله ان رجلین تداعیا بدابة فاقام کل واحد منهما البینة انها دابته فقضی بها رسول الله ﷺ للذی هی فی یدیه** (ب) (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدهما ویقیم کل واحد منهما علی ذلک بینة ج عاشر ص ۴۳۳ نمبر ۲۱۲۲۳) اس حدیث میں جس کا قبضہ تھا اس کو ایک گونہ ترجیح تھی اس لئے حضورؐ نے جانور کا فیصلہ اسی کے لئے فرمایا۔

[۲۷۵۲] (۲۳) اگر ایک نے خریدنے کا دعوی کیا اور دوسرے نے ہبہ کا اور دونوں نے قبضہ کیا اور دونوں نے بینہ قائم کیا اور دونوں کے پاس تاریخ نہیں ہے تو خرید اولی ہوگی دوسرے سے۔

تشریح دو آدمی دعوی کر رہے ہیں کہ فلاں سے لیا لیکن ایک آدمی دعوی کرتا ہے کہ فلاں سے خریدا ہے اور دوسرا دعوی کرتا ہے کہ فلاں نے مجھے ہبہ کیا ہے۔اور دونوں نے قبضہ بھی کر لیا۔اور اپنے اپنے دعوی پر بینہ پیش کیا۔لیکن کسی کے پاس خریدنے اور ہبہ کرنے کی تاریخ نہیں ہے کہ کس نے پہلے خرید ہے اور کس کو بعد میں ہبہ کیا ہے تو ایسی صورت میں خریدنے کو ترجیح ہوگی اور مال خریدنے والے کا ہوگا ہبہ کئے ہوئے کا نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اگر دو آدمیوں سے چیز بیچی گئی تو بیع پہلے والے کے لئے ہوگی (ب) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں نے دعوی کیا ایک جانور کا اور ہر ایک نے ان میں سے بینہ قائم کیا کہ اس کا جانور ہے تو حضورؐ نے اس کے لئے فیصلہ کیا جس کے قبضے میں تھا۔

والآخر هبة وقبضا واقاما البينة ولا تاريخ معهما فالشراء اولى من الآخر[۲۷۵۳] (۲۴)وان ادعى احدهما الشراء وادعت أمرأة انه تزوجها عليه فهما سواء [۲۷۵۴] (۲۵) وان ادعى احدهما رهنا وقبضا والآخر هبة وقبضا فالرهن اولى[۲۷۵۵](۲۶) وان

وجہ خریدنا ہبہ سے مضبوط ہے۔کیونکہ خریدنے میں دونوں طرف سے مال ہے اور ہبہ میں ایک طرف سے مال ہے اور احسان ہے دوسری طرف سے مال نہیں ہے۔اس لئے خریدنا زیادہ مضبوط ہے۔اس لئے خریدنے والے کا ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ خریدنا ہبہ سے زیادہ مضبوط ہے۔

[۲۷۵۳] (۲۴) اگر دعوی کیا دونوں میں سے ایک نے خریدنے کا اور عورت نے دعوی کیا کہ اس نے مجھ سے اس پر شادی کی ہے تو وہ دونوں میں برابر ہوں گے۔

تشریح مثلا ایک نے دعوی کیا کہ فلاں نے مجھے غلام بیچا ہے اور عورت دعوی کرتی ہے کہ فلاں نے غلام کو مہر دینے کے بدلے مجھ سے شادی کی ہے۔تو دونوں کا درجہ برابر ہے اور غلام آدھا آدھا ہو جائے گا۔

وجہ خریدنا اور مہر قوت کے اعتبار سے دونوں برابر درجے کے ہیں۔کیونکہ خریدنے میں دونوں طرف مال ہیں اور مہر میں ایک طرف مال ہے اور دوسری طرف بضعہ ہے جو گویا کہ مال ہے اس لئے اگر کوئی اور علامت نہ ہو تو دونوں کا درجہ برابر ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ خریدنا اور مہر دینا دونوں برابر درجے کے ہیں۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خریدنا مہر سے زیادہ بہتر ہے۔کیونکہ خریدنے میں غلام کا متعین کرنا ضروری ہوتا ہے اور مہر میں دوسرے کا غلام متعین کردے اور پھر اس کی قیمت ادا کردے تب بھی چل جائے گا۔اس لئے خریدنے کے دعوی کرنے والے کو غلام دے دیا جائے گا اور مہر کے دعوی کرنے والی کو غلام کی قیمت دلوادی جائے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ خریدنا اور مہر دونوں برابر درجے کے نہیں ہیں۔

[۲۷۵۴] (۲۵) اگر دعوی کیا ایک نے رہن کا اور قبضے کا اور دوسرے نے ہبہ کا اور قبضے کا تو رہن اولی ہے۔

تشریح رہن کے بدلے میں مرتہن کا قرض ہوتا ہے اس لئے وہ بدلے کی چیز ہوگئی اور ہبہ کے بدلے میں کچھ نہیں ہوتا اس لئے وہ رہن سے کمزور ہوا اس لئے ایک نے رہن کا دعوی کیا اور دوسرے نے ہبہ کا دعوی کیا اور کوئی علامت نہیں ہے تو رہن والے کے لئے غلام کا فیصلہ ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں دونوں طرف سے بدلے ہوں وہ زیادہ مضبوط ہے اور جہاں ایک طرف سے مال ہو اور اس کے بدلے میں کچھ نہ ہو تو وہ کمزور ہے۔

[۲۷۵۵] (۲۶) اگر دو خارج نے بینہ قائم کیا ملک پر اور تاریخ پر تو مقدم تاریخ والا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح چیز کسی تیسرے کے ہاتھ میں تھی ان دونوں کے ہاتھ میں نہیں تھی اس لئے ان دونوں کو خارج کہتے ہیں۔ان دونوں نے دعوی کیا کہ یہ

اقام الخارجان البینة علی الملک والتاریخ فصاحب التاریخ الاقدم اولی[۲۷۵۶](۲۷) وان ادّعیا الشراء من واحد واقاما البینة علی تاریخین فالاول اولی[۲۷۵۷](۲۸) وان قام کل واحد منهما بینة علی الشراء من الآخر وذکرا تاریخا فھما سواء.

میری ملکیت ہے اور دونوں نے تاریخ بھی بیان کی تو جن کی تاریخ مقدم ہے اس کے لئے چیز کا فیصلہ ہوگا۔

وجہ جس کی تاریخ مقدم ہے مثلا ایک کہتا ہے کہ پہلی جون کو میں اس چیز کا مالک بنا اور دوسرا کہتا ہے کہ ساتویں جون کو میں اس چیز کا مالک بنا تو یقینی بات ہے کہ پہلی جون والے کی ملکیت پہلے ہوئی اور جب اس کی ملکیت ہوگئی تو دوسرے کی ملکیت نہیں ہو سکے گی اس لئے پہلے کے لئے فیصلہ ہوگا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن سمرۃ بن جندب عن النبی علیہ السلام قال اذا بیع البیع من رجلین فالبیع للاول** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب من اشترط الخلاص ص ۳۳۵ نمبر ۲۳۴۴) اس حدیث میں جس آدمی نے پہلے بیع کی ہے چیز اس کی ہوگی۔ اسی قاعدے پر قیاس کر کے جس کی تاریخ مقدم ہوگی چیز اس کی ہوگی۔

[۲۷۵۶] (۲۷) اگر دونوں نے ایک آدمی سے خریدنے کا دعوی کیا اور دونوں نے دو تاریخوں پر بینہ قائم کیا تو مقدم تاریخ والا اولی ہوگا۔

تشریح اوپر کے مسئلے میں مطلق ملکیت کا دعوی تھا اس لئے اس میں خریدنے کی وجہ سے ملکیت کا دعوی کیا اور دونوں نے دو تاریخیں بتلائیں تو جن کی تاریخ مقدم ہوگی چیز اس کی ہوگی۔

وجہ جس نے پہلے خریدنے کا ثبوت دیا چیز اس کی ہوگی بعد میں خریدنے والا کیا چیز خریدے گا۔ اس لئے پہلے والے کے لئے خریدنا کا فیصلہ ہوگا (۲) حدیث مسئلہ نمبر ۲۶ میں گزر گئی **فالبیع للاول** (ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۳۴۴) (۳) ایک حدیث سے بھی پتا چلتا ہے کہ کوئی کسی چیز کو پہلے لے لے تو اسی کی ہوگی۔ **عن اسمر بن مضرس عن النبی علیہ السلام من سبق الی مالم یسبقہ الیہ مسلم فھو لہ یرید بہ احیاء الموات** (ب) (سنن للبیہقی، باب القاضی یقدم الناس الاول فالاول ج عاشر ص ۲۳۵ نمبر ۲۰۴۸۴)

[۲۷۵۷] (۲۸) اگر دونوں میں سے ہر ایک نے بینہ قائم کیا خریدنے پر دوسرے سے اور دونوں نے تاریخ ذکر کی تو دونوں برابر ہیں۔

تشریح دو آدمیوں نے خریدنے کا دعوی کیا اور ہر ایک نے کہا کہ میں نے دوسرے سے خریدا ہے۔ مثلا زید نے کہا کہ میں نے یہ غلام خالد سے خریدا ہے اور عمر کہتا ہے کہ میں نے یہ غلام ماجد سے خریدا ہے اور دونوں نے ایک تاریخ بیان کی تو دونوں کا درجہ برابر ہے۔

وجہ جب زید کہتا ہے کہ خالد سے خریدا اور عمر کہتا ہے کہ ساجد سے خریدا تو دونوں نے ایک ہی وقت میں اپنے اپنے بائع کے لئے ملکیت ثابت کی اور کوئی دوسری علامت نہیں ہے جس کی وجہ سے ترجیح دی جائے اس لئے دونوں برابر درجے کے ہوں گے اور دونوں کے لئے آدھے آدھے غلام کا فیصلہ ہوگا آدھی آدھی قیمت کے بدلے میں۔ اور اختیار ہوگا چاہے تو آدھا غلام آدھی قیمت میں لیں اور چاہے تو چھوڑ دیں (۲)

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کہ چیز دو آدمیوں سے بیچی گئی تو بیع پہلے والے کے لئے ہوگی (ب) آپ سے منقول ہے کہ کوئی آدمی وہ لے لیا جس کی طرف کسی مسلمان کا ہاتھ نہیں پہنچا ہے تو وہ چیز اس کی ہو جائے گی۔ اس سے مراد لیا بنجر زمین کو زندہ کرنا۔ یعنی جو بنجر زمین کو زندہ کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی۔

[۲۷۵۸](۲۹) وان اقام الخارج البینة علی ملک مؤرّخ واقام صاحب الید البینة علی

حدیث گزر چکی ہے۔عن ابی موسی الاشعری ... ان رجلین ادعیا بعیرا علی عهد النبی ﷺ فبعث کل واحد منهما شاهدین فقسمه النبی ﷺ بینهما نصفین (الف)(ابوداؤد شریف، باب الرجلین یدعیان شیئا ولیس بینھما بینۃ ص ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ترجیح کی کوئی علامت نہ ہو تو دونوں کو آدھا آدھا ملے گا۔

[۲۷۵۸](۲۹) اگر بینہ قائم کیا خارج نے ملک مؤرخ پر اور قبضے والے نے بینہ قائم کیا ملکیت پر جو تاریخ کے اعتبار سے مقدم ہے تو وہ اولی ہوگا۔

تشریح جس آدمی کے قبضے میں چیز نہیں تھی جس کو خارج کہتے ہیں اس نے اپنی ملکیت ہونے پر بینہ قائم کیا اور ایسی تاریخ بیان کی جو بعد میں ملکیت کا ثبوت ہوتا ہے۔اور جس کے قبضے میں چیز تھی جس کو ذی الید کہتے ہیں اس نے ایسی تاریخ میں اپنی ملکیت ہونے پر بینہ پیش کیا جو اس سے پہلے تھی تو ایسی صورت میں قبضے والے اور ذی الید کے بینہ کو ترجیح ہوگی۔یوں ذی الید اور قبضے والا ہونے کی وجہ سے یہ مدعی علیہ ہے۔اس لئے اس پر قسم کھانا لازم ہے اس کے بینہ کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔خارج کے بینہ کا اعتبار ہونا چاہئے کیونکہ وہ مدعی ہے۔لیکن اس عام قاعدے کے علاوہ اس مسئلے میں یہ نکتہ کارفرما ہے کہ قبضے والی کی تاریخ مقدم ہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ اس کی ملکیت پہلے ہوئی ہو۔اور جب اس کی ملکیت کے وقت دوسرے کی ملکیت مزاحم نہیں ہے تو پہلی تاریخ والے کی گواہی کو ترجیح ہوگی اور اسی کے لئے اس چیز کا فیصلہ ہوگا (۲) اوپر یہ حدیث گزری۔عن سمرة بن جندب عن النبی ﷺ قال بیع البیع من رجلین فالبیع للاول (ب)(ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۳۴۴)(۳) ایک حدیث میں ہے کہ اگر کسی کی ملکیت نہیں ہے یا ہے لیکن کسی کا ہاتھ وہاں تک پہلے پہنچا تو وہ چیز اس کی ہوگی۔یہاں دوسرے والے کا ہاتھ بعد میں پہنچا ہے اور پہلے والے کا ہاتھ پہلے پہنچا ہے اس لئے پہلی تاریخ والے کا بینہ مقبول ہوگا۔حدیث یہ ہے۔عن اسمر بن مضرس عن النبی ﷺ من سبق الی مالم یسبقه الیه مسلم فهو له یرید به احیا الموات (ج)(سنن للبیہقی، باب القاضی یقدم الناس الاول فالاول ج عاشر ص ۲۳۵ نمبر ۲۰۴۸۴) اس حدیث میں ہے کہ جس کی ملکیت پہلے ہوئی اسی کا فیصلہ ہوگا (۴) ایک نکتہ یہ بھی ہے ملکیت ہونے کی کوئی اور واضح علامت موجود ہو تو قاضی اس علامت پر غور کرے اور اس کے ذریعہ اصل مالک کے لئے فیصلہ کرے۔ایک حدیث میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔فبعث حذیفة یقضی بینهم فقضی للذین یلیهم القمط فلما رجع الی النبی ﷺ اخبره فقال اصبت واحسنت (د)(ابن ماجہ شریف، باب الرجلان یدعیان فی خص ص ۳۳۵ نمبر ۲۳۴۳) اس حدیث میں حضرت حذیفہؓ نے جھونپڑے کا فیصلہ اس آدمی کے لئے کیا جس کے اونٹ کی قطار بندھی ہوئی تھی۔قریب میں اونٹ باندھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جھونپڑی اسی کی ہوگی۔اسی طرح مقدم تاریخ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی ملکیت پہلے ہے۔اس لئے مدعی علیہ ہونے کے

حاشیہ : (الف) حضورؐ کے زمانے میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کا دعوی کیا۔پس ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا گواہ پیش کیا تو حضورؐ نے اس کو آدھے آدھے میں تقسیم کر دیا (ب) آپؐ نے فرمایا اگر دو آدمیوں سے چیز بیچی جائے تو بیع پہلے والے کے لئے ہوگی (ج) آپؐ سے منقول ہے کہ کوئی پہلے چلا جائے تو وہ اس کے لئے ہے۔اس سے مراد ہے بنجر زمین کو زندہ کرنا ہے (د) ایک قوم نے جھونپڑے کا جھگڑا حضورؐ کے پاس لایا تو حضرت حذیفہؓ کو ان کے درمیان فیصلے کے لئے بھیجا۔پس فیصلہ فرمایا اس کے لئے جس کے جھونپڑے کے متصل اونٹ کی قطار تھی۔پس جب حضورؐ کے پاس واپس آئے اور ان کو خبر دی تو آپؐ نے فرمایا ٹھیک کیا، اچھا کیا۔

ملک اقدم تاریخا کان اولی[۲۷۵۹] (۳۰)وان اقام الخارج وصاحب الید کل واحد منهما بینة بالنتاج فصاحب الید اولی[۲۷۶۰] (۳۱) وکذلک النسج فی الثیاب التی لا تنسج الا مرة واحدة وکذلک کل سبب فی الملک لا یتکرّر.

باوجوداس کے گواہ کوترجیح ہوگی۔

اصول کسی کے لئے علامت راجحہ ہوتواس کے گواہ کوترجیح دی جائے گی۔

[۲۷۵۹] (۳۰) اگر قائم کیا غیر قابض اور قابض میں سے ہر ایک نے بینہ پیدائش پر تو قبضہ والا زیادہ بہتر ہوگا۔

تشریح مثلا غلام پر ایک آدمی کا قبضہ تھا اور دوسرے آدمی کا قبضہ نہیں تھا۔ دونوں نے اس بات پر بینہ پیش کیا کہ میرے یہاں یہ غلام پیدا ہوا ہے تو جس کا قبضہ ہے اس کے گواہ کوترجیح ہوگی۔

وجہ یہاں بھی قبضہ والا مدعی علیہ ہے اور جس کا قبضہ نہیں ہے وہ مدعی ہے اس لئے مدعی کے گواہ کو ماننا چاہئے۔ کیونکہ قبضہ والا مدعی علیہ ہے اس لئے اس کے گواہ کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس پر قسم ہے۔ لیکن یہاں ایک دوسری علامت ہے اس کے گھر غلام کا پیدا ہونا جس کی وجہ سے قبضے والے کے گواہ کوترجیح دی جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر ان رجلین اختصما الی النبی ﷺ فی ناقة فقال کل واحد منهما نتجت هذه الناقة عندی واقام بینة فقضی بها رسول الله ﷺ للذی هی فی یدیه (الف) (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدھما ج عاشر ص ۴۳۳ نمبر ۲۱۲۲۴) اس حدیث میں اونٹنی کی پیدائش کا دعوی ہے اس لئے جس کا قبضہ تھا آپؐ نے اسی کے لئے اونٹنی کا فیصلہ فرمایا۔

لغت النتاج : پیدا ہونا۔

[۲۷۶۰] (۳۱) اسی طرح کپڑوں میں بناوٹ ہے جو نہیں بنا جاتا مگر ایک مرتبہ۔ اور ایسے ہی ملک میں ہر وہ سبب جو مکرر نہیں ہوتا۔

تشریح جس طرح کوئی جانور ایک ہی مرتبہ پیدا ہوتا ہے اب اس کا دعوی کرے تو ذی الید کے گواہ کا اعتبار ہے اسی طرح ایسے سبب کا دعوی کرے کہ وہ ایک ہی مرتبہ ہوسکتا ہے مثلا کپڑا ایک ہی مرتبہ بنا جاتا ہے۔ اب قبضہ والا دعوی کرے کہ یہ کپڑا میرا ہے کیونکہ اس کو میں نے بنا ہے اور اس پر بینہ قائم کرے تو قبضے والے کا گواہ قابل ترجیح ہوگا اور جس کے قبضے میں کپڑا نہیں ہے اس کا گواہ قابل ترجیح نہیں ہوگا۔

وجہ بنا ہونا اور پھر اس کے قبضے میں ہونا اس بات کی علامت راجحہ ہے کہ وہ کپڑے کا پہلا مالک ہے۔ حالانکہ یہ مدعی علیہ ہے، اس پر قسم ہے اس پر گواہ نہیں ہے۔ پھر بھی اسی کے گواہ کوترجیح ہوگی (۳) حدیث مسئلہ نمبر ۳۰ میں گزر گئی۔

لغت النسج : کپڑا بننا۔

حاشیہ : (الف) حضرت جابر سے منقول ہے کہ دو آدمی حضورؐ کے پاس اونٹنی کے بارے میں جھگڑا لے گئے۔ پس ان میں سے ہر ایک نے کہا یہ اونٹنی میرے پاس پیدا ہوئی ہے اور بینہ قائم کیا تو حضورؐ نے اس کے لئے فیصلہ فرمایا جس کے قبضے میں تھی۔

[۲۷۶۱] (۳۲) وان اقام الخارج بينة على الملك المطلق وصاحب اليد بينة على الشراء منه كان صاحب اليد اولى [۲۷۶۲] (۳۳) وان اقام كل واحد منهما البينة على

[۲۷۶۱] (۳۲) اگر غیر قابض نے بینہ قائم کیا ملک مطلق پر اور قبضے والے نے بینہ قائم کیا اس سے خرید نے پر تو قبضہ والا اولی ہوگا۔

تشریح جس کے قبضے میں غلام نہیں تھا جس کو خارج کہتے ہیں اس نے بینہ قائم کیا کہ یہ میرا غلام ہے لیکن اس کی ملکیت ہونے کی وجہ کیا ہوئی خریدنا یا ہبہ یہ بیان نہیں کیا۔ اس کو ملک مطلق کا دعوی کرنا کہتے ہیں۔ اور جس کا قبضہ تھا یعنی صاحب الید اس نے ملک ہونے کی وجہ بھی بیان کی کہ میں نے غیر قابض سے اس کو خریدا ہے۔ اسی کو ملک مقید کا دعوی کہتے ہیں۔ تو چونکہ ملک مقید کا دعوی ہے اس لئے اس کے بینہ کو ترجیح ہوگی۔ اور یوں ترتیب سمجھی جائے گی کہ پہلے ملک مطلق والے کی ملکیت تھی بعد میں قبضہ والے نے اس سے خریدا ہے۔ اسی لئے اس کا قبضہ ہے۔ اس ترتیب کے مطابق صاحب ید کے لئے اس چیز کا فیصلہ ہوگا۔

اصول پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ ملک مقید کے گواہ کو ترجیح ہوگی۔ **عن جابر ان رجلين اختصما الى النبى ﷺ فى ناقة فقال كل واحد منهما نتجت هذه الناقة عندى واقام بينة فقضى بها رسول الله ﷺ للذى هى فى يديه** (الف) (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدھما الخ عاشر ص ۴۳۳ نمبر ۲۱۲۲۴) اس حدیث میں نتجت هذه الناقة عندى ملک مقید کی دلیل ہے اور علامت راجحہ ہے جس کی وجہ سے ملک مقید کے گواہ کو ترجیح ہوئی۔

[۲۷۶۲] (۳۳) اور اگر ہر ایک نے بینہ قائم کیا دوسرے سے خریدنے پر اور ان دونوں کے پاس تاریخ نہیں ہے تو ساقط ہوں گے دونوں بینہ۔

تشریح ایک کے قبضے میں غلام ہے اور دوسرے کے قبضے میں نہیں ہے۔ اب ایک نے بینہ قائم کیا کہ میں نے ماجد سے اس غلام کو خریدا ہے اور دوسرے نے بینہ قائم کیا کہ خالد سے خریدا ہے۔ اور کس نے پہلے خریدا ہے اور کس نے بعد میں خریدا ہے ان کی تاریخ کا پتا نہیں ہے تو دونوں کے بینہ ساقط ہوں گے اور غلام جس کے قبضے میں ہے اسی کے قبضے میں رہے گا۔

وجہ یہاں دونوں نے ملک مقید کا دعوی کیا ہے اور خریدنے کی تاریخ کسی کے پاس نہیں ہے اس لئے کسی کے پاس علامت راجحہ نہیں ہے اس لئے دونوں کے بینہ ساقط ہوں گے۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں نے ملک مقید کا دعوی کیا ہے اس لئے دعوی ملک مقید بیکار ہوگی۔ اب یہ ہوگا کہ غیر قابض مدعی ہے اور قابض مدعی علیہ ہے اس لئے مدعی کے گواہ کو مان کر اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا۔ اور ترتیب متعین کریں گے کہ پہلے ذی الید نے اپنے بائع سے خریدا پھر ذی الید نے خارج کے بائع سے بیچا پھر خارج یعنی غیر قابض نے اپنے بائع سے اس چیز کو خریدا اس لئے اب یہ چیز غیر قابض کی ہوگی۔

لغت تہاترت : ساقط ہونا۔

حاشیہ : (الف) دو آدمی حضورؐ کے پاس اونٹنی کا جھگڑا لے کر آئے، ہر ایک نے کہا یہ اونٹنی میرے پاس پیدا ہوئی ہے اور بینہ قائم کیا تو حضورؐ نے اس کے لئے فیصلہ کیا جس کے قبضے میں تھی۔

الشراء من الآخر ولا تاریخ معهما تهاتر البینتان[۲۷۶۳](۳۴) وان اقام احد المدعیین شاهدین والآخر اربعة فهما سواء[۲۷۶۴](۳۵) ومن ادّعی قصاصا علی غیره فجحد استحلف فان نکل عن الیمین فیما دون النفس لزمه القصاص وان نکل فی النفس حبس

[۲۷۶۳](۳۴)اگر قائم کئے دو مدعیوں میں سے ایک نے دو گواہ اور دوسرے نے چار تو دونوں کے درجے برابر ہیں۔

تشریح دو گواہ مکمل ہو گئے تو اس کے بعد جو گواہ زیادہ ہوں گے وہ صرف تائید کے لئے ہیں۔ اصل ہونے کے اعتبار سے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔اس لئے ایک نے دو گواہ پیش کئے اور دوسرے مدعی نے چار گواہ پیش کئے تو مزید دو گواہوں سے فیصلہ کرنے میں کوئی اثر نہیں پڑے گا،دونوں گواہوں کے درجے برابر ہیں۔

اثر میں ہے۔ کتب عبد الرحمن بن اذینة الی شریح فی ناس من الازد ادعوا قبل ناس من بنی اسد قال واذا غدا هؤلاء بینة راح اولئک باکثر منهم قال فکتب الیه لیست من التهاتر والتکاثر فی شیء،الدابة لمن هی فی ایدیهم اذا اقاموا البینة ۔اور دوسری روایت میں ہے۔عن علی انه لا یرجح بکثرة العدد (الف)(سنن للبیھقی، باب من قال لا یرجح فی الشھو دبکثرۃ العدد ج عاشر ص ۴۳۴ نمبر ۲۱۲۲۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ دو گواہ کے بعد کثرت عدد اور قلت عدد کا اعتبار نہیں ہے۔

[۲۷۶۴](۳۵)کسی نے دوسرے پر قصاص کا دعوی کیا۔پس اس نے انکار کیا تو قسم کھلائی جائے گی۔پس اگر قسم سے انکار کیا جان کے علاوہ میں تو اس کو قصاص لازم ہوگا۔اور اگر انکار کیا جان کے بارے میں تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اقرار کرے یا قسم کھائے۔اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ دونوں صورتوں میں اس کو دیت لازم ہوگی۔

تشریح ایک آدمی نے دوسرے آدمی پر قصاص کا دعوی کیا۔دعوی کرنے والے کے پاس بینہ نہیں ہے تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔پس اگر قسم کھانے سے انکار کر جائے تو دیکھیں کہ جان کے قصاص کے بارے میں دعوی ہے یا اعضاء کے قصاص کے بارے میں دعوی ہے۔پس اگر جان کے علاوہ یعنی اعضاء کے قصاص کے بارے میں دعوی ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اعضاء کا درجہ مال کا درجہ ہے اس لئے جس طرح مال میں بذل کر سکتا ہے یعنی قسم کھانے سے انکار کرے تو یوں سمجھا جائے گا کہ یہ مال تمہارا نہیں ہے لیکن چلو دے دیتا ہوں۔اسی طرح اعضاء کے بارے میں بھی ہوگا کہ اعضاء میں قصاص تو نہیں ہے لیکن چلو قصاص کے لئے اس عضو کو کاٹ لو یہ کر سکتا ہے۔جیسے آپریشن کے وقت عضو کاٹنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ایسے ہی قصاص کے لئے کاٹنے کی اجازت دے سکتا ہے اور بذل کر سکتا ہے۔اس لئے مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کا مطلب بذل ہوگا کہ مجھ پر قصاص تو نہیں ہے لیکن چلو میرا عضو کاٹ لو۔

اور اگر قصاص کا دعوی جان کے بارے میں ہے تو جان مال کے درجے میں نہیں ہے۔اس میں بذل نہیں چلتا۔کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھ پر قصاص

حاشیہ : (الف)حضرت عبد الرحمن بن اذنیہ نے حضرت شریح کو ازد کے لوگوں کے بارے میں لکھا جنہوں نے بنی اسد کے لوگوں پر دعوی کیا تھا۔فرمایا یہ لوگ جب بینہ پیش کر کے گئے تو وہ لوگ اس سے زیادہ بینہ لے کر آئے۔فرمایا تو قاضی شریح نے ان کو لکھا کہ دعوی کا زیادتی کا اعتبار نہیں ہے۔جانور اس کا ہے جس کے قبضے میں ہے اگر اس نے بینہ قائم کر دیا۔دوسری روایت میں ہے۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کثرت عدد سے ترجیح نہیں دی جائے گی۔

حتی یقرَّ او یحلف وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله تعالی یلزمه الارش فیهما [۲۷۶۵](۳۶)واذا قال المدعی لی بینة حاضرة قیل لخصمه اعطه کفیلا بنفسک ثلثة

تو نہیں ہے لیکن چلو میری جان ماردو۔اس لئے جان کے قصاص کے بارے میں قسم کھلائے اور قسم سے انکار کر جائے تو ابھی قصاص لازم نہیں ہوگا بلکہ مدعی علیہ کو قید کیا جائے گا تا کہ یا قصاص کا اقرار کرے یا قسم کھا کر کہے کہ مجھ پر قصاص نہیں ہے۔تا کہ اگر اقرار کیا تو قصاص لازم ہوگا اور قسم کھا کر انکار کر دیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قصاص چاہے عضو کا ہو چاہے پوری جان کا ہو ہے قصاص ہے۔اور قصاص شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔جب مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دبے زبان اقرار کرتا ہوں کہ مجھ پر قصاص ہے۔اور دبے زبان اقرار کرنے میں شبہ ہے کہ قصاص کا اقرار کرتا ہوں۔اور شبہ سے نہ جان کا قصاص ثابت ہوگا اور نہ عضو کا قصاص ثابت ہوگا۔البتہ دبے زبان سے مدعی کی بات کا اقرار کیا ہے اس لئے جان یا عضو کے بدلے دیت لازم ہوگی۔اور دیت چونکہ مال ہے اس لئے اقرار میں شبہ ہے پھر بھی لازم ہو جائے گی۔کیونکہ مال شبہ کے ساتھ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

اصول امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عضو بعض مقام پر مال کے درجے میں ہے۔صاحبینؒ کے نزدیک عضو مال کے درجے میں نہیں ہے۔

لغت الارش : عضو کی دیت،عضو کے بدلے مال۔

[۲۷۶۵](۳۶) اگر مدعی نے کہا میرا بینہ حاضر ہے تو اس کے خصم سے کہا جائے گا کہ اس کو تین دن تک کے لئے کفیل بالنفس دیں۔پس اگر ایسا کر لیا تو ٹھیک ہے ورنہ حکم دیا جائے گا اس کی نگرانی کرنے کا مگر یہ کہ راستے کا مسافر ہے تو اس کی نگرانی مجلس قضا کی مقدار کرے۔

تشریح اصول تو یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ کو قسم کھلائے اور وہ قسم کھا جائے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دے لیکن یہاں گواہ ہے۔لیکن شہر میں ہے اس لئے لانے میں دیر ہوگی۔اس لئے صرف دعوی سے مدعی علیہ کو کفیل بالنفس دینے پر مجبور کیا جائے گا تا کہ گواہ لاتے لاتے مدعی علیہ کہیں بھاگ نہ جائے۔اس لئے تین دن تک کے لئے کفیل بالنفس دے تا کہ مدعی علیہ کہیں چلے جائے تو کفیل اس کو تلاش کر کے مجلس قضا میں حاضر کرے۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین دن تک اس لئے ہے کہ ایک دن گواہ لانے جائے،دوسرا دن واپس آئے اور تیسرا دن گواہ پیش کرے۔آج کل تو کئی کئی سال تک لوگ ضمانت پر چھوٹتے ہیں۔

اگر موجود لوگوں میں سے کوئی آدمی مدعی علیہ کے لئے کفیل بننے کے لئے تیار نہ ہوں تو مدعی سے کہا جائے گا کہ آپ یا آپ کا امین مدعی علیہ کی نگرانی کرتے رہیں اور جدھر وہ جائے آپ بھی پیچھے پیچھے جائیں۔اور اگر مدعی علیہ مسافر ہو تو صرف مجلس قضا جو پانچ چھ گھنٹے جاری رہتی ہے وہاں تک کفیل بالنفس لے۔اور کفیل نہ ملے تو اتنی دیر تک مدعی نگرانی کرتا رہے۔کیونکہ اس سے زیادہ دیر تک مقدمہ اور گواہ کا انتظار کرے گا تو مسافر کو نقصان ہوگا۔اس لئے مجلس قضا تک ہی مدعی کو مہلت دی جائے گی۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک مدعی علیہ مسافر ہو یا مقیم ہر حال میں مجلس قضا تک ہی مدعی کو گواہ لانے کی مہلت دی جائے گی۔

وجہ کفیل بالنفس کی دلیل کتاب الکفالۃ میں گزر چکی ہے وہ یہ ہے۔سمعت ابا امامة قال سمعت رسول الله ﷺ ... ثم قال

ایام فان فعل والا امر بملازمته الا ان یکون غریبا علی الطریق فیلازمه مقدار مجلس القاضی.

العاریة مودا ۃ، والمنحة مردودۃ والدین مقضی والزعیم غارم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۶۵ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ان العاریۃ موداۃ ص ۲۳۹ نمبر ۱۲۶۵) اس حدیث میں الزعیم غارم سے مراد یہ ہے کہ کفیل ذمہ دار ہے چاہے انسان کے حاضر کرنے کا کفیل ہو یا مال دینے کا کفیل ہو (۲) بخاری شریف میں کفیل بالنفس کے بارے میں اثر ہے۔ عن محمد بن حمزة بن عمرو الاسلمی عن ابیه ان عمر بعثه مصدقا فوقع رجل علی جاریة امرأته فاخذ حمزة من الرجل کفلاء حتی قدم علی عمر و کان عمر قد جلده مائة جلدة فصدقهم وعذرهم بالجهالة وقال جریر والاشعث لعبد الله بن مسعود فی المرتدین استتبهم و کفلهم فتابوا و کفلهم عشائرهم. وقال حماد اذا تکفل بنفس فمات فلا شیء علیه (ب) (بخاری شریف، باب الکفالۃ فی القرض والدیون بالابدان وغیرھا ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۰) ان آثار میں کفیل بالنفس لینے کا تذکرہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جان حاضر کرنے کا کفیل لیا جاسکتا ہے۔

اور تین دن تک کے اندر اندر کفیل دے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ سمعت حبیبا الذی کان یقدم الخصوم الی شریح، قال خاصم رجل ابنا لشریح الی شریح کفل له برجل علیه دین فحبسه شریح فلما کان اللیل قال اذهب الی عبد الله بفراش وطعام و کان ابنه یسمه عبد الله (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الکفالۃ ببدن من علیہ حق ج سادس ص ۱۲۸ نمبر ۱۱۴۱۸) اس اثر میں ہے کہ رات تک کفالت کے لئے بند رکھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجلس قضا کے بعد تک کفیل لے سکتا ہے جس کی مدت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین دن ہے (۲) اوپر بخاری شریف کے اثر میں بھی یہ جملہ تھا۔ فاخذ حمزة من الرجل کفلاء حتی قدم علی عمر جن سے معلوم ہوا کہ اتنی دیر تک کفیل بالنفس لیا کہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ صرف مجلس قضاء تک کفیل نہیں بنائے گا بلکہ ضرورت کے موقع پر اس سے زیادہ بھی کفیل بنانے کا مطالبہ کرے گا۔

لغت غریبا : اجنبی۔ غریبا علی الطریق : اجنبی جو راستے کا مسافر ہو۔ یلازمہ : ملازمت سے مشتق ہے پیچھے لگے رہنا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ فرماتے ہیں کہ ... پھر فرمایا عاریت پر لی ہوئی چیز کو واپس کردے۔ عطا کردہ چیز واپس کی جائے، قرض ادا کیا جائے اور کفیل ضامن ہے (ب) حضرت حمزہ کو حضرت عمرؓ نے صدقہ وصول کرنے والا بنا کر بھیجا۔ پس ایک آدمی نے اس کی بیوی کی باندی سے جماع کرلیا تو حضرت حمزہ نے اس آدمی سے کفیل لیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو سو کوڑے مارا تھا تاہم ان کی تصدیق کی اور جہالت کی وجہ سے معذور قرار دیا۔ حضرت جریرؓ اور اشعث نے عبداللہ بن مسعود سے مرتدوں کے بارے میں کہا ان سے توبہ کروائے اور کفیل بالنفس لیجئے۔ تو مرتدوں نے توبہ کیا اور ان کے خاندان والوں نے ان کی کفالت لی۔ حضرت حماد نے فرمایا اگر کفالۃ بالنفس لیا ہو اور مکفول لہ مرجائے تو کفیل پر کچھ ذمہ داری نہیں ہے (ج) حضرت حبیب سے سنا جو مقدمے والے کو حضرت قاضی شریح کی قضاء میں پیش کرتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے شریح کے بیٹے کا جھگڑا شریح کے پاس پیش کیا۔ جس آدمی پر قرض تھا اس کے لئے کفالت لی تھی تو حضرت شریح نے بیٹے کو قید کیا۔ پس جب رات ہوئی تو کہا کہ عبداللہ کے پاس سونے اور کھانے جاؤ۔ عبداللہ حضرت شریح کے بیٹے کا نام تھا۔

[۲۷۶۶] (۳۷) وان قال المدعی علیه هذا الشیء اودعنیه فلان الغائب او رهنه عندی او غصبته منه واقام بینة علی ذلک فلا خصومة بینه وبین المدعی [۲۷۶۷] (۳۸) وان قال ابتعته من فلان الغائب فهو خصم [۲۷۶۸] (۳۹) وان قال المدعی سرق منی واقام البینة وقال صاحب الید اودعنیه فلان واقام البینة لم تندفع الخصومة.

[۲۷۶۶] (۳۷) اگر مدعی علیہ نے کہا یہ چیز میرے پاس امانت رکھی ہے فلاں غائب نے یا اس نے اس کو رہن رکھی ہے میرے پاس یا میں نے اس کو اس سے غصب کیا ہے۔ اور ان پر بینہ قائم کیا تو اس کے درمیان اور مدعی کے درمیان جھگڑا نہیں رہے گا۔

تشریح ان تینوں مسئلوں میں مدعی علیہ یہ کہہ ہی نہیں رہا ہے کہ یہ چیز میری ہے بلکہ بینہ قائم کر کے کہہ رہا ہے کہ یہ چیز فلاں کی ہے میرے پاس تو امانت یا رہن کی ہے اس لئے فلاں کے پاس جاؤ۔ وہ جب کہے گا میں آپ کو دے دوں گا۔ اس لئے مدعی علیہ خصم اور جھگڑا کرنے والا نہیں رہے گا۔ البتہ ان تینوں باتوں پر بینہ قائم کرنا ہوگا اور اصل مالک کا پتا دینا ہوگا کہ یہ چیز مثلا زید نے میرے پاس امانت رکھی ہے، یا زید نے میرے پاس رہن رکھی ہے، یا زید سے اس کو میں نے غصب کیا ہے۔

وجہ تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مدعی علیہ اپنی جان چھڑا رہا ہو اور خصم بننے سے چکما دے کر جان بچا رہا ہو۔ اس لئے ان باتوں پر بینہ بھی قائم کرنا ہوگا۔ اور اصل مالک کا بھی پتا دینا ہوگا (۲) حضرت حضرمی والی حدیث میں کندی نے کہا تھا کہ یہ زمین میری ہے تب وہ مدعی علیہ بنا تھا۔ حدیث کی عبارت یہ ہے۔ فقال الکندی هی ارضی فی یدی ازرعها لیس له فیها حق (الف) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳) اس حدیث میں کندی نے دعوی کیا کہ یہ زمین میری ہے تب وہ مدعی علیہ اور خصم بنے تھے۔ اور یوں کہتے کہ یہ چیز میری نہیں ہے دوسرے نے میرے پاس امانت رکھی ہے تو وہ خصم نہیں بنتے۔

[۲۷۶۷] (۳۸) اور اگر کہا کہ میں اس کو فلاں سے خریدا ہے تو وہ خصم ہوگا۔

وجہ جب کہا میں نے اس کو فلاں سے خریدا ہے تو یہ بھی کہہ رہا ہے کہ یہ میری ملکیت ہے۔ اور جب ملکیت کا دعوی کر رہا ہے تو وہ مدعی علیہ اور خصم بنے گا۔ اب مقدمے کی ساری کاروائیاں اسی کے خلاف چلیں گی۔ اوپر کی حدیث میں کندی نے ملکیت کا دعوی کیا تو وہ خصم ہوئے اور مقدمے کی ساری کاروائیاں اسی کے خلاف ہوئیں۔

[۲۷۶۸] (۳۹) اگر مدعی نے کہا کہ میری چیز چرائی گئی ہے اور بینہ قائم کیا۔ اور قبضے والے نے کہا میرے پاس فلاں نے امانت رکھی ہے اور بینہ قائم کیا تو خصومت ختم نہیں ہوگی۔

تشریح مدعی دعوی کر رہا ہے کہ میری چیز چرائی گئی ہے اور چرانے پر بینہ قائم کیا۔ اور جس کے قبضے میں چیز ہے وہ دعوی کرتا ہے کہ میرے پاس فلاں نے امانت رکھی ہے اور امانت رکھنے پر بینہ قائم کیا تو مدعی علیہ سے خصومت ختم نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) کندی نے کہا یہ میری زمین ہے میرے قبضے میں ہے۔ میں اس میں بوتا ہوں اس میں اس کا حق نہیں ہے۔

[۲۷۶۹](۴۰) وان قال المدعی ابتعته من فلان وقال صاحب الید اودعنیه فلان ذلک سقطت الخصومة بغیر بینة[۲۷۷۰] (۴۱) والیمین باللہ تعالی دون غیرہ ویؤکّد بذکر اوصافه.

وجہ یہ عین ممکن ہے کہ یہ بھی چوری میں شریک ہو اور امانت رکھنے والے نے شریک سمجھ کر اس کے پاس رکھی ہو اس لئے یہ بھی خصم رہے گا۔ کیونکہ مدعی یہ نہیں کہتا ہے کہ اس نے نہیں چرائی ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ کسی نے چرائی ہے تو دبی زبان میں یہ بھی کہتا ہے کہ یہ بھی چوری کرنے میں شریک ہے اس لئے یہ خصم رہے گا۔

[۲۷۶۹] (۴۰) اگر مدعی نے کہا میں نے اس کو فلاں سے خریدا ہے اور قبضے والے نے کہا کہ اس کو میرے پاس فلاں نے امانت رکھی ہے تو خصومت ساقط ہو جائے گی بغیر بینہ کے۔

تشریح مدعی نے کہا کہ میں نے فلاں سے یہ چیز خریدی ہے اس لئے اب وہ چیز میری ہے۔ اور جس کے قبضے میں وہ چیز تھی وہ کہتا ہے کہ واقعی یہ چیز میری نہیں ہے بلکہ فلاں کی ہی ہے۔ البتہ اس نے میرے پاس امانت کے طور پر رکھی ہے اس لئے وہ کہے گا تو میں دے دوں گا تو بغیر کسی بینہ کے خصومت ختم ہو جائے گی۔

وجہ اس لئے کہ مدعی علیہ اپنی چیز ہونے کا دعوی نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ بھی یہی کہہ رہا ہے کہ وہ چیز فلاں کی ہے اور مدعی بھی کہہ رہا ہے کہ وہ چیز پہلے فلاں کی تھی اس لئے کوئی جھگڑا نہیں رہا۔ البتہ بعد میں خریدنے کا دعوی ہے وہ بعد میں حل ہوگا۔

[۲۷۷۰] (۴۱) قسم اللہ کے ساتھ ہو نہ کہ اس کے علاوہ کے ساتھ، اور تاکید کی جائے اس کے اوصاف ذکر کر کے۔

تشریح کتاب الایمان میں گزر چکا ہے کہ صرف اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ ادرک عمر بن الخطاب وهو یسیر فی رکب یحلف بابیه فقال الا ان اللہ ینهاکم ان تحلفوا بآبائکم من کان حالفا فلیحلف باللہ او لیصمت (الف) (بخاری شریف، باب لا تحلفوا بآبائکم ص ۹۸۳ نمبر ۶۶۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی قسم کھائے اور کی قسم نہ کھائے۔ اور صفات ذکر کر کے تاکید کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن البراء بن عازب ان رسول اللہ ﷺ دعا رجلا من علماء الیهود فقال انشدک بالذی انزل التوراة علی موسی (ب) (ابن ماجہ شریف، باب بما یستحلف اهل الکتاب ص ۳۳۳ نمبر ۲۳۲۷ / ابوداود شریف، باب الذمی کیف یستحلف؟ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۴) اس حدیث میں بالذی انزل التوراة علی موسی کی صفات ذکر کر کے یہود کو قسم کی تاکید کی ہے۔

نوٹ یہ جائز ہے کہ مخاطب جس چیز کی اہمیت رکھتا ہو اللہ کی اسی صفت کو ذکر کر کے قسم کی تاکید کرے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے عمر بن خطابؓ کو قافلے میں چلتے ہوئے پایا کہ وہ باپ کی قسم کھا رہے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ سن لو! اللہ تم کو روکتے ہیں باپ کی قسم کھانے سے۔ جو قسم کھائے وہ اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے (ب) حضورؐ نے علماء یہود میں سے ایک آدمی کو بلایا اور کہا میں تم کو قسم دیتا ہوں اس ذات کی جس نے تورات کو حضرت موسیٰ پر اتارا۔

[۲۷۷۱](۴۲) ولا یستحلف بالطلاق ولا بالعتاق[۲۷۷۲](۴۳) ویستحلف الیھودی باالله الذی انزل التوراة علی موسی علیه السلام والنصرانی بالله الذی انزل الانجیل علی عیسی علیه السلام والمجوسی بالله الذی خلق النار[۲۷۷۳](۴۴) ولا یستحلفون فی بیوت عبادتھم[۲۷۷۴](۴۵) ولا یجب تغلیظ الیمین علی المسلم بزمان ولا بمکان

[۲۷۷۱](۴۲) قسم نہ لی جائے طلاق کی اور آزاد کرنے کی۔

تشریح یوں قسم نہ کھلائے کہ ایسا نہیں کیا تو میری بیوی کو طلاق یا میرا غلام آزاد۔

وجہ اوپر حدیث آئی کہ اللہ کے علاوہ کی قسم نہ کھائے یا اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔ اس لئے طلاق اور عتاق کی بھی قسم نہ کھلائے۔

[۲۷۷۲](۴۳) یہودی سے قسم لی جائے اس اللہ کی قسم جس نے حضرت موسی علیہ السلام پر تورات نازل کی۔ اور عیسائی کو اس اللہ کی قسم جس نے حضرت عیسی علیہ السلام پر انجیل نازل کی۔ اور مجوسی کو اس اللہ کی قسم جس نے آگ پیدا کی۔

تشریح جو آدمی جس چیز کا اعتقاد رکھتا ہے اللہ کی اسی صفت کے ساتھ قسم دی جا سکتی ہے۔ جیسے یہودی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی اس لئے یہودی کو اس طرح قسم دے کہ اس اللہ کی قسم جس نے حضرت موسی علیہ السلام پر تورات نازل کی۔

وجہ پہلے حدیث گزر چکی ہے (۲) دوسری حدیث یہ ہے۔ عن عکرمة ان النبی ﷺ قال له یعنی لابن صوریا اذکر کم بالله الذی نجاکم من آل فرعون واقطعکم البحر وظلل علیکم الغمام وانزل علیکم المن والسلوی وانزل علیکم التوراة علی موسی اتجدون فی کتابکم الرجم ؟ قال ذکرتنی بعظیم ولا یسعنی ان اکذ بک (الف) (ابوداؤد شریف، باب الذمی کیف یستحلف ؟ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۶) اس حدیث میں ہے کہ یہودی کو کس طرح قسم دے اور اس پر قیاس کر کے عیسائی اور مجوسی کو قسم دیں۔ کیونکہ عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام پر انجیل اترنے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور مجوسی آگ کی پوجا کرتے ہیں۔

[۲۷۷۳](۴۴) اور قسم نہ دی جائے ان کو ان کے عبادت خانوں میں۔

تشریح یہودی کو یہودی کے عبادت خانے میں جا کر اور عیسائی کو عیسائی کے عبادت خانے میں جا کر یا مجوسی کو مجوسی کے عبادت خانے میں جا کر قسم نہ دیں۔

وجہ قاضی کے لئے ان لوگوں کے عبادت خانے میں جانا ممنوع ہے اس لئے ان کے عبادت خانے میں جا کر کیسے قسم دیں گے۔

[۲۷۷۴](۴۵) اور ضروری نہیں ہے قسم کو پختہ کرنا مسلمان پر زمان اور مکان کے ساتھ۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ابن صوریا کو کہا میں تم کو یاد دلاتا ہوں اس اللہ کی جس نے تم کو فرعون سے نجات دی اور سمندر کو پھاڑا اور تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من اور سلوی اتارا اور تمہارے لئے توارات حضرت موسی علیہ السلام پر اتارا۔ کیا تم اپنی کتاب میں رجم کا مسئلہ پاتے ہو؟ ابن صوریا نے کہا آپؐ نے اتنی بڑی قسم دی کہ مجھ کو جھوٹ بولنے کی گنجائش نہیں رہی۔

[۲۷۷۵](۴۶) ومن ادّعی انه ابتاع من هذا عبده بالف فجحده استحلف بالله ما بینکما بیع قائم فیه ولایستحلف بالله بالله ما بعت[۲۷۷۶](۴۷) ویستحلف فی الغصب بالله مایستحق علیک رد هذه العین ولا رد قیمتها ولا یستحلف بالله ما غصبت.

تشریح کسی جگہ پر لے جا کر قسم دینا یا کسی خاص وقت مثلا عصر کے بعد قسم دینا تا کہ قسم میں تغلیظ ہو جائے یہ ضروری نہیں ہے۔البتہ ایسا کرے تو بہتر ہے۔

وجہ قسم تو اللہ کی دے دی تو اب مسجد یا عصر کے وقت کی قید ضروری نہیں رہی۔البتہ ایسا کرے تو بہتر ہے۔چنانچہ آپ کے منبر کے پاس قسم دینے سے تغلیظ کا تذکرہ حدیث میں ہے۔ سمع جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ من حلف بیمین آثمة عند منبری هذا فلیتبؤ مقعده من النار ولو علی سواک اخضر (الف)ابن ماجہ شریف،باب الیمین عند مقاطع الحقوق ص ۳۳۳ نمبر ۲۳۲۵ رابوداؤد شریف،باب ماجاء فی تعظیم الیمین عند منبر النبی ج ثانی ص ۱۰۷ نمبر ۳۲۴۶)اس حدیث میں عند منبری سے پتا چلا کہ مقام کے پاس قسم کھلا کر تغلیظ کی جائے۔اور زمانے کے ساتھ تغلیظ کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ثلاثة لا یکلمهم الله یوم القیامة رجل منع ابن السبیل فضل ماء عنده،ورجل حلف علی سلعة بعد العصر یعنی کاذبا (ب)(ابوداؤد شریف،باب فی منع الماء ص ۱۳۵ نمبر ۳۴۷۴ کتاب البیوع رابن ماجہ شریف،باب ماجاء فی کراهیة الایمان فی الشراء والبیع ص ۳۱۶ نمبر ۲۲۰۷)اس حدیث میں ہے کہ عصر کے بعد قسم کھائے جس سے معلوم ہوا کہ زمانے سے بھی قسم میں تغلیظ ہوتی ہے۔

[۲۷۷۵](۴۶)کسی نے دعوی کیا کہ خریدا ہے اس سے اس کے غلام کو ہزار کے بدلے میں،پس اس نے انکار کیا تو قسم کھلائیں گے کہ خدا کی قسم تم دونوں کے درمیان ابھی بیع قائم نہیں ہے۔اور یوں قسم نہیں کھلائیں گے کہ خدا کی قسم میں نے نہیں بیچا ہے۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم کھلانے کا یہ احتیاطی پہلو ہے تا کہ مدعی علیہ کو چکما دے کر نکل نہ جائے اور توریہ کر کے قسم نہ کھالے۔اس لئے یوں قسم دے گا کہ خدا کی قسم ابھی تم دونوں کے درمیان بیع قائم نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پہلے بیچا ہو لیکن بیع توڑ دی ہو تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے ابھی تو نہیں بیچا میں نے تو بہت پہلے بیچا تھا اس لئے قسم کھا سکتا ہے کہ ابھی نہیں بیچا۔اور یوں قسم کھلائیں کہ ابھی بھی بیع قائم ہے تو توریہ نہیں کر سکتا اور توریہ کر کے قسم نہیں کھا سکتا۔اس لئے وہ معاملات جو بعد میں ٹوٹ سکتے ہوں حاصل کلام پر قسم کھلائیں گے۔معاملات کرنے پر قسم نہیں کھلائیں گے۔

[۲۷۷۶](۴۷)اور قسم لیں گے غصب میں خدا کی قسم مستحق نہیں ہے آپ پر اس چیز کے واپس لینے کا اور نہ اس کی قیمت کے واپس لینے کا۔اور یوں نہیں قسم لیں گے کہ خدا کی قسم میں نے غصب نہیں کیا۔

تشریح اگر غصب کر کے مالک کی طرف واپس کر دیا ہو تو یہ توریہ کر سکتا ہے کہ ابھی میں نے غصب نہیں کیا ہے،پہلے کیا تھا۔اور اس توریہ کے

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کوئی گناہ والی قسم میرے اس منبر کے پاس کھائے تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے چاہے تر مسواک پر ہی قسم کیوں نہ کھائی ہو(ب) آپ نے فرمایا تین آدمیوں سے اللہ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا۔کسی آدمی نے مسافر سے فاضل پانی روکا،کوئی آدمی عصر کے بعد سامان پر جھوٹی قسم کھائی۔

[۲۷۷۷] (۴۸) وفی النکاح باللہ ما بینکما نکاح قائم فی الحال وفی دعوی الطلاق باللہ ما ھی بائن منک الساعۃ بما ذکرت ولا یستحلف باللہ ماطلقھا[۲۷۷۸] (۴۹) وان کانت دار فی ید رجل ادّعاھا اثنان احدھما جمیعھا والآخر نصفھا اقاما البینۃ فلصاحب

ساتھ قسم کھا سکتا ہے اور چکما دے کر نکل سکتا ہے اس لئے یوں قسم کھلائیں گے کہ مجھ پر اس چیز کا لوٹانا ابھی لازم نہیں ہے اور نہ اس کی قیمت کا لوٹانا لازم ہے۔ یعنی ابھی بھی غصب کا معاملہ قائم نہیں ہے۔ اس صورت میں توریہ کر کے قسم نہیں کھا سکے گا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک معاملات پر ہی قسم کھلائیں گے۔ یعنی خدا کی قسم میں نے بیع نہیں کی، یا خدا کی قسم میں نے غصب نہیں کیا، یا خدا کی قسم میں نے نکاح نہیں کیا، یا خدا کی قسم میں نے طلاق نہیں دی۔

وجہ اصل تو معاملات کرنے پر ہی قسم کھلانا ہے اس لئے توریہ نہیں کر پائے گا۔

[۲۷۷۷] (۴۸) اور نکاح میں قسم کھلائیں گے خدا کی قسم تم دونوں میں ابھی نکاح قائم نہیں ہے۔ اور طلاق کے دعوی میں خدا کی قسم اس وقت تم سے وہ بائنہ نہیں ہے جس کا تم نے ذکر کیا۔ یوں قسم نہیں کھلائیں گے خدا کی قسم اس کو طلاق نہیں دیا۔

تشریح نکاح کا دعوی کیا۔ عورت کہتی ہے کہ نکاح ہوا ہے اور مرد اس کا انکار کرتا ہے۔ عورت کے پاس گواہ نہیں ہے۔ اب قسم کھلانا ہے تو یوں قسم کھلائیں گے کہ ابھی تمہارے درمیان نکاح قائم نہیں ہے۔ یوں قسم نہیں کھلائیں گے کہ میں نے نکاح نہیں کیا تھا۔ اسی طرح طلاق کا دعوی تھا۔ عورت کہتی ہے کہ طلاق دی ہے مرد اس کا انکار کرتا ہے۔ اب مرد کو قسم کھلانا ہے تو اس طرح قسم کھلائے کہ ابھی یہ عورت تم سے بائن نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ طلاق دی ہو پھر شادی کر لی ہو یا رجوع کر لیا ہو تو یہ توریہ کر سکتا ہے کہ ابھی طلاق نہیں دیا ہے اور اس پر قسم کھا سکتا ہے۔ اس لئے یوں قسم کھلائے کہ مجھ سے بائنہ نہیں ہے۔ یوں قسم نہ کھلائے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے۔

نوٹ اگر عتاق کا معاملہ ہو تو اس میں ایک مرتبہ آزاد ہونے کے بعد پھر واپس نہیں کر سکتا وہ ہمیشہ آزاد ہی رہے گا۔ اس لئے اس میں یوں قسم کھا سکتا ہے کہ میں نے آزاد نہیں کیا اس لئے آزادگی ٹوٹتی نہیں ہے۔ اس لئے اس میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی معاملات پر ہی قسم کھلائیں گے۔

[۲۷۷۸] (۴۹) اگر ایک گھر کسی آدمی کے قبضے میں ہو۔ اس پر دعوی کرے دو آدمی۔ ان میں سے ایک پورے گھر کا اور دوسرا اس کے آدھے کا، اور دونوں بینہ قائم کرے تو پورے دعوی کرنے والے کے لئے تین چوتھائی اور آدھے والے کے لئے اس کی ایک چوتھائی ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح ایک گھر ایک آدمی کے قبضے میں ہے۔ دوسرے دو آدمی اس پر دعوی کر رہے ہیں کہ میرا ہے۔ ان میں سے ایک کہتا ہے کہ پورا گھر میرا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ آدھا گھر میرا ہے۔ اور اپنے اپنے دعوی پر دونوں نے بینہ قائم کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پورے گھر کا دعوی کرنے والے کو تین چوتھائی ملے گا یعنی سو فیصد میں سے پچھتر ملے گا۔ اور جس نے آدھے گھر کا دعوی کیا ہے اس کو ایک چوتھائی یعنی سو فیصد میں سے

الجميع ثلثة ارباعها ولصاحب النصف ربعها عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی [۲۷۷۹] (۵۰) وقالا ھی بینھما اثلاثا[۲۷۸۰] (۵۱) ولو کانت الدار فی ایدیھما سلمت لصاحب

پچیس ملے گا۔

وجہ جس نے آدھے کا دعوی کیا تو باقی آدھا پورا دعوی کرنے والے کے لئے چھوڑ دیا اس لئے اس کو آدھا یوں بغیر جھگڑے کے مل گیا یعنی سو میں پچاس مل گیا۔ اور گھر کے جس آدھے میں جھگڑا تھا اس میں دونوں نے بینہ قائم کیا ہے اس لئے اس میں سے دونوں کو آدھا آدھا دے دو۔ تو آدھا دعوی کرنے والے کو اس میں سے چوتھائی ملے گی یعنی سو میں سے پچیس ملے گا اور باقی چوتھائی جو آدھے کی آدھی ہے وہ پورا دعوی کرنے والے کو ملے گی۔ تو اس کے لئے تین چوتھائی ہو جائے گی یعنی سو فیصد میں پچھتر ہو جائے گا۔ اور آدھا دعوی کرنے کے لئے ایک چوتھائی ملے گی۔

[۲۷۷۹] (۵۰) اور صاحبینؒ نے فرمایا یہ دونوں کے درمیان تین تہائی ہوگا۔

تشریح صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ پورے گھر پر دعوی کرنے والے کو دو تہائی دی جائے گی اور آدھا دعوی کرنے والے کو گھر کی ایک تہائی دی جائے گی۔ اس کو متن میں اثلاث کہا ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پورے گھر کا دعوی کیا تو گویا کہ دو گنے کا دعوی کیا اور جس نے آدھے گھر کا دعوی کیا تو گویا کہ اس کے مقابلے میں ایک گنے کا دعوی کیا۔ اس لئے پورے کے دعوی کرنے والے کو دو گنے ملیں گے جو دو تہائی ہوگی فیصد کے حساب سے 66.66 ہوگا۔ اور جو آدھے کا دعوی کر رہا ہے اس کو ایک گنا ملے گا جو ایک تہائی ہوگی۔ فیصد کے حساب سے 33.33 ہوگا۔

لغت اثلاث : دو تہائی اور دوسرے کے لئے ایک تہائی ہو تو اس کو اثلاث کہتے ہیں۔

[۲۷۸۰] (۵۱) اور اگر گھر دونوں کے ہاتھ میں ہو تو پورے پر دعوی کرنے والے کو سپرد کیا جائے گا اس کا آدھا فیصلے کے طور پر اور اس کا آدھا بغیر فیصلے کے۔

تشریح ایک گھر پر دونوں کا قبضہ ہے۔ اب اس میں سے ایک کہتا ہے کہ پورا گھر میرا ہے اور اس پر بینہ قائم کیا اور دوسرا کہتا ہے کہ اس میں سے آدھا گھر میرا ہے اور اس پر بینہ قائم کیا تو یہ پورا گھر کل کے دعوی کرنے والے کو مل جائے گا۔ [illegible] گھر تو اس لئے مل جائے گا کہ اس آدھے پر دوسرے آدمی کا دعوی نہیں ہے وہ تو آدھے کا دعویدار ہے۔ اس لئے بغیر جھگڑے کے یہ آدھا اس کو مل گیا۔ اور باقی آدھا گھر دوسرے آدھے دعویدار کے قبضے میں ہے اس لئے وہ ہوا مدعی علیہ۔ کیونکہ جس کے قبضہ میں ہوتا ہے وہ مدعی علیہ ہوتا ہے۔ اور پورے گھر پر دعوی کرنے والا مدعی ہو گیا۔ اس لئے مدعی کے بینہ کا اعتبار ہوگا۔ مدعی علیہ کے بینہ کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ اس پر قسم ہے۔ اس لئے مدعی کے بینہ کے ذریعہ یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ یہ آدھا بھی کل پر دعوی کرنے والے کو دیا جائے۔ اس لئے کل پر دعوی کرنے والے کو پورا مل جائے گا۔

اصول یہاں یہ اصول اپنایا گیا ہے کہ آدھے گھر پر قبضہ کل دعویدار کا ہے اور آدھے گھر پر قبضہ آدھے گھر پر دعویدار کا ہے۔ دوسرا اصول یہ اپنایا گیا ہے کہ جس آدھے پر کل دعوٗدار کا قبضہ ہے اس پر آدھے گھر پر دعویدار کا دعوی نہیں ہے کیونکہ وہ تو آدھا ہی گھر مانگ رہا ہے جو اس کے خود

الجميع نصفها على وجه القضاء ونصفها لا على وجه القضاء[۱۸۷۲](۵۲) واذا تنازعا في دابة واقام كل واحد منهما بينة انها نتجت عنده وذكرا تاريخا وسن الدابة يوافق احد

کے قبضے میں ہے۔اس لئے یہ آدھا کل والے کو مل گیا۔اور جس آدھے پر آدھے دعویدار کا قبضہ ہے اس میں وہ مدعی علیہ ہے اور دوسرا فریق مدعی ہے اس لئے مدعی کے بینہ کو مان کر یہ آدھا بھی کل دعویدار کو دے دیا جائے گا بطور قضاء کے۔

[۱۸۷۲](۵۲)اگر دو آدمی جھگڑے ایک جانور کے بارے میں اور ہر ایک نے قائم کیا بینہ اس بات پر کہ اس کے یہاں پیدا ہوا ہے۔اور دونوں نے تاریخ ذکر کی اور جانور کی عمران مین سے ایک کی موافق ہو تو وہ زیادہ بہتر ہے۔اور اگر یہ بھی مشکل ہو جائے تو جانور دونوں کے درمیان ہوگا۔

تشریح دو آدمیوں نے ایک جانور کے بارے میں دعوی کیا کہ یہ میرا ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ میرے یہاں پیدا ہوا ہے۔اور دونوں نے تاریخ پیدائش بھی ذکر کی اور اس پر بینہ قائم کیا۔مثلا ایک نے کہا سات سال پہلے پیدا ہوا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ دس سال پہلے پیدا ہوا ہے۔اب جانور کی عمر دس سال ہے تو یہ دس سال والے کو دے دیا جائے گا۔

وجہ یہاں دونوں نے بینہ قائم کیا ہے۔دونوں نے تاریخ پیدائش ذکر کی ہے اس لئے کسی کو ترجیح نہیں دے سکتے البتہ جانور کی عمر جس کی تاریخ کی موافقت کرتی ہے اس کے لئے علامت راجحہ ہے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے اس لئے اسی کے لئے فیصلہ ہوگا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے اونٹ باندھنے کی علامت پر جھونپڑے کا فیصلہ فرمایا۔حدیث یہ ہے۔**عن نمران بن جارية عن ابيه ان قوما اختصموا الى النبى ﷺ فى خص كان بينهم فبعث حذيفة يقضى بينهم فقضى للذين يليهم القمط فلما رجع الى النبى ﷺ اخبره فقال اصبت واحسنت** (الف)(ابن ماجہ شریف، باب الرجلان يدعيان خص ص ۳۳۵ نمبر ۲۳۴۳)اس حدیث میں علامت راجحہ پر جھونپڑے کا فیصلہ فرمایا۔اسی طرح جانور کی عمر علامت راجحہ ہے وہ جس کی موافقت کرے گی جانور اسی کا ہوگا۔

اور اگر جانور کی عمر کسی کی تاریخ کی موافقت نہیں کرتی ہو مثلا جانور کی عمر آٹھ سال کی ہو نہ سات نہ دس سال کی تو یہ علامت راجحہ نہیں ہے۔اور دونوں نے بینہ پیش کیا ہے اور دونوں اپنے یہاں پیدا ہونے کے گواہ لائے ہیں اس لئے دونوں کے لئے آدھے آدھے جانور کا فیصلہ ہوگا (۲) حدیث گزر چکی ہے۔**عن ابى موسى اشعرى ان رجلين ادعابعيرا على عهد النبى ﷺ فبعث كل واحد منهما شاهدين فقسمه النبى ﷺ بينهما نصفين** (ب)(ابوداؤد شریف، باب الرجلین یدعیان شیئا ولیس بینھما بینۃ ص ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۵)اس حدیث میں ہے کہ دونوں گواہ برابر تھے تو دونوں کو آدھا آدھا دیا گیا (۳) اثر میں ہے۔**عن عبد الرحمن بن ابى ليلى قال اختصم رجلان الى ابى الدرداء فى فرس فاقام كل واحد منهما البينة انه انتج عنده لم يبعه ولم يهبه وجاء الآخر بمثل ذلک فقال**

حاشیہ : (الف) ایک قوم حضورؐ کے پاس جھونپڑے کے بارے میں جھگڑا لیکر آئی۔آپؐ نے اس کے بارے میں حضرت حذیفہؓ کو فیصلے کے لئے بھیجا۔انہوں نے اس کے لئے فیصلہ کیا جس کی اونٹ کی قطار اس کے متصل تھی۔پس جب واپس آئے اور حضورؐ کو اس کی خبر دی تو آپؐ نے فرمایا ٹھیک کیا، اچھا کیا (ب) حضورؐ کے زمانے میں دو آدمیوں نے اونٹ کا دعوی کیا اور ہر ایک نے دو دو گواہیاں پیش کیں تو آپؐ نے دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم فرمایا۔

التاریخین فھو اولی وان اُشکل ذلک کانت بینھما[۲۷۸۲](۵۳) واذا تنازعا علی دابۃ احدھما راکبھا والآخر متعلق بلجامھا فالراکب اولی[۲۷۸۳](۵۴)وکذلک اذا تنازعا بعیرا و علیہ حمل لاحدھما وصاحب الحمل اولی وکذلک اذا تنازعا قمیصا احدھما

ابو الدرداء ان احدکما کاذب فقسمہ بینھما نصفین (الف)(سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتداعیان مالم یکن فی ید واحد منھما ویقیم کل واحد منھما بینۃ بدعواہ ج عاشر ص ۴۳۹ نمبر ۲۱۲۴۲)اس اثر میں تو دونوں نے اپنے یہاں پیدا ہونے کا بھی دعوی کیا اور اس پر بینہ پیش کیا اور حضرت ابو درداءؓ نے دونوں کے درمیان آدھے آدھے کا فیصلہ فرمایا۔

لغت نتجت : پیدا ہوا۔

[۲۷۸۲](۵۳) اگر دو آدمیوں نے جھگڑا کیا ایک جانور کے بارے میں۔ان میں سے ایک اس پر سوار ہے اور دوسرا ان کی لگام پکڑے ہوئے ہے تو سوار اولی ہے۔

وجہ جو سوار ہے اس کا قبضہ صرف لگام پکڑنے والے سے زیادہ ہے۔اس لئے علامت راجحہ یہی ہے کہ جانور سوار والے کا ہے اس لئے اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

نوٹ یہ اس وقت ہے جبکہ کوئی علامت نہ ہو۔

اصول یہ کئی مسائل اس اصول پر ہیں کہ جن کے پاس علامت راجحہ ہو چیز اس کی قرار دی جائے گی۔اور علامت راجحہ کی دلیل ابن ماجہ کی حدیث حذیفہ گزر گئی (ابن ماجہ شریف نمبر ۲۳۴۳)

[۲۷۸۳](۵۴) ایسے ہی اگر جھگڑا کرے دو آدمی اونٹ میں۔اور اس پر ایک آدمی کا بوجھ ہو تو بوجھ والا اولی ہے۔اور ایسے ہی جھگڑا کرے دو آدمی قمیص میں۔ان میں سے ایک اس کو پہنے ہوئے ہو اور دوسرا آستین پکڑے ہوئے ہو تو پہننے والا اولی ہے۔

وجہ جس کا بوجھ اونٹ پر ہے ظاہر ہے کہ اس کا بوجھ ہونا اس بات کی علامت راجحہ ہے کہ اونٹ اسی کا ہے تب ہی تو اس نے اس پر بوجھ لادا ہے اور دوسرا نہ لادسکا۔اس لئے اونٹ بوجھ والے کا ہوگا۔

اسی طرح جو آدمی قمیص پہنے ہوئے ہے علامت راجحہ یہی ہے کہ قمیص اسی کی ہے۔کیونکہ پہننا اس بات کی علامت ہے کہ قمیص اس کی ہے ورنہ وہ کیسے پہن لیتا۔اور دوسرے کی نہیں ہے اسی لئے وہ صرف آستین پکڑے ہوئے ہے۔

اصول علامت راجحہ جس کی ہو چیز اس کی ہوگی بشرطیکہ کوئی اور دلیل نہ ہو۔

لغت حمل : بوجھ۔ کم : آستین۔

حاشیہ : (الف) دو آدمی حضرت ابو درداءؓ کے پاس گھوڑے کے بارے میں جھگڑا لے کر آئے۔پھر ہر ایک نے بینہ قائم کیا کہ اس کے پاس پیدا ہوا ہے۔نہ اس کو بیچا ہے نہ اس کو ہبہ کیا ہے۔اور دوسرا بھی اسی طرح گواہ لے کر آیا تو حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔اور دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔

لابسہ والآخر متعلق بکمہ فاللابس اولی[۲۷۸۴](۵۵) واذا اختلف المتبایعان فی البیع فادّعی المشتری ثمنا وادّعی البائع اکثر منہ او اعترف البائع بقدر من المبیع وادّعی المشتری اکثر منہ واقام احدھما البینۃ قضی لہ بھا[۲۷۸۵](۵۶)فان اقام کل واحد

[۲۷۸۴](۵۵)بائع اور مشتری نے اختلاف کیا بیع میں۔پس مشتری نے دعوی کیا ایک ثمن کا اور بائع نے دعوی کیا اس سے زیادہ کا۔یا اعتراف کیا بائع نے مبیع کی ایک مقدار کا اور مشتری دعوی کرے اس سے زاید کا۔اور دونوں میں سے ایک نے بینہ قائم کیا تو اسی کے لئے اس کا فیصلہ ہوگا۔

تشریح یہ دونوں مسئلے اس اصول پر ہیں کہ یہاں بائع اور مشتری دونوں مدعی بھی بن سکتے ہیں اور مدعی علیہ بھی بن سکتے ہیں۔چونکہ دونوں مدعی ہیں اس لئے جو بھی بینہ قائم کرے گا اس کے بینہ کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا اور دوسرے کو مدعی علیہ قرار دیا جائے گا۔مثلا مشتری دعوی کرتا ہے کہ دس درہم میں یہ بکری خریدی ہے اس لئے یہ بکری دے دو تو مشتری مدعی ہوا اور بائع مدعی علیہ ہو گیا۔اس صورت میں مشتری کا بینہ قبول کرنا چاہئے اور بائع پر قسم ہوگی۔لیکن بائع اس سے زیادہ کا دعوی کرتا ہے مثلا بارہ درہم کا دعوی کرتا ہے کہ مجھے بارہ درہم دیں اور بکری لے جائیں۔اس اعتبار سے بائع مدعی ہوا اور مشتری مدعی علیہ ہو گیا۔اس لئے بائع کا بینہ قبول کرنا چاہئے۔اس لئے جو بھی بینہ پیش کرے گا اس کو مدعی مان کر اس کی گواہی قبول کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

دوسرے مسئلے میں بائع دعوی کرتا ہے ایک متعین مقدار بیع کا مثلا بائع کہتا ہے کہ دس درہم میں دس کیلو گیہوں بیچا ہوں۔اس لئے دس درہم دو اور دس کیلو گیہوں لے جاؤ۔اس اعتبار سے بائع مدعی ہوا اور مشتری مدعی علیہ ہوا اس لئے بائع کے بینہ کا اعتبار ہونا چاہئے۔اور مشتری اس سے زیادہ مبیع کا دعوی کرتا ہے مثلا کہتا ہے کہ دس درہم میں بارہ کیلو گیہوں کی بات ہوئی تھی۔اس اعتبار سے مشتری مدعی ہوا اور بائع مدعی علیہ ہوا۔اس لئے مشتری کے بینہ کو قبول کرنا چاہئے۔

وجہ ان دونوں مسئلوں میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں اس لئے جو بھی بینہ قائم کرے گا اس کے بینہ کو قبول کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔حدیث گزر چکی ہے۔عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی ﷺ قال فی خطبتہ البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۱)اس حدیث میں ہے کہ مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ پر قسم ہے۔

[۲۷۸۵](۵۶)پس اگر دونوں میں سے ہر ایک نے بینہ قائم کیا تو زیادتی ثابت کرنے والے کا بینہ زیادہ اولی ہوگا۔

تشریح چونکہ ان مسئلوں میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہیں اس لئے دونوں بینہ قائم کر سکتے ہیں۔اب دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو کس کے بینہ کو ترجیح دیں گے۔تو فرماتے ہیں کہ جس کا بینہ زیادتی کو ثابت کرتا ہو وہ اصل میں زیادتی کا مدعی ہے اور دوسرا اس کا انکار کرتا ہے اس

حاشیہ : (الف) آپ نے خطبے میں فرمایا گواہ مدعی پر ہے اور قسم مدعی علیہ پر ہے۔

منهما البينة كانت البينة المثبتة للزيادة اولى[۲۷۸۶] (۵۷)فان لم يكن لكل واحد منهما بينة قيل للمشترى اما ان ترضى بالثمن الذى ادّعاه البائع والا فسخنا البيع وقيل للبائع اما ان تسلّم ما ادّعاه المشترى من المبيع والا فسخنا البيع[۲۷۸۷](۵۸) فان لم يتراضيا استحلف الحاكم كل واحد منهما على دعوى الآخر ويبتدئ بيمين المشترى فاذا حلفا

لئے وہ منکر اور مدعی علیہ ہے۔اس لئے زیادتی کو ثابت کرنے والے کے بینہ کو قبول کر کے فیصلہ کریں گے۔مثلا پہلے مسئلے میں بائع زیادہ ثمن کا دعوی کرتا ہے اس لئے اس کے گواہ مقبول ہوں گے۔اور دوسرے مسئلے میں مشتری زیادہ مبیع کا دعوی کرتا ہے اس لئے اس کے گواہ مقبول ہوں گے۔

[۲۷۸۶](۵۷)پس اگر دونوں میں سے کسی کے لئے بینہ نہ ہو تو مشتری سے کہا جائے گا کہ یا راضی ہو جائے اس قیمت پر جس کا بائع دعوی کرتا ہے ورنہ تو ہم بیع فسخ کر دیں گے۔اور بائع سے کہا جائے گا یا مان لے اس بات کو جس کا مشتری دعوی کرتا ہے مبیع میں سے ورنہ تو ہم بیع فسخ کر دیں گے۔

تشریح اگر دونوں میں سے کسی کے پاس بینہ نہیں ہے تو حاکم پہلے مسئلے میں مشتری سے کہے گا کہ یا تو بائع جتنا کہتا ہے مثلا بارہ درہم کا دعوی ہے تو بارہ درہم کو مان لو اور بکری لے لو ورنہ بیع فسخ کر دیں گے۔

وجہ یہ اس لئے کہے گا تا کہ ہو سکتا ہے کہ فسخ کے ڈر سے مشتری مان لے اور بیع باقی رکھے۔اسی طرح دوسرے مسئلے میں بائع سے کہے گا کہ یا تو مشتری جتنے مبیع کا دعوی کرتا ہے مثلا دس درہم میں بارہ کیلو گیہوں کا تو اس کو مان لو اور بیع باقی رکھو ورنہ تو بیع فسخ کر دوں گا۔

وجہ یہ اس لئے کہ ممکن ہے کہ بیع ٹوٹنے کے خوف سے بائع مشتری کی بات مان لے۔

لغت تسلم : بات مان لے، تسلیم کر لے۔

[۲۷۸۷](۵۸)پس اگر دونوں راضی نہ ہوں تو حاکم دونوں میں سے ہر ایک سے قسم لے دوسرے کے دعوی پر اور شروع کرے مشتری کی قسم سے، پس اگر دونوں قسم کھا لیں تو قاضی ان کی بیع کو فسخ کر دے۔

وجہ چونکہ دونوں مدعی علیہ بھی ہیں اور مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے اس لئے دونوں کو دوسرے کے دعوی پر قسم کھلائیں گے۔اور چونکہ دونوں کو قسم کھلایا اور کوئی ترجیح کی چیز نہیں ہے اور نہ یہ کر سکتے ہیں کہ دونوں کے درمیان آدھے آدھے کا فیصلہ کر دیں۔اس لئے آخری صورت یہ ہے کہ بیع کو فسخ کر دیا جائے (۲) حدیث میں ہے کہ دونوں کے پاس بینہ نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں۔عن ابی هريرة ان رجلين اختصما فی متاع الى النبى ﷺ ليس لواحد منهما بينة فقال النبى ﷺ استهما على اليمين ما كان احبا ذلك او كرها (الف)(ابو

حاشیہ : (الف) ایک سامان کے بارے میں دو آدمی حضورؐ کے سامنے جھگڑا لے گئے۔ان میں سے کسی کے لئے گواہ نہیں تھا تو حضورؐ نے فرمایا تم دونوں قسم پر قرعہ ڈالو (اور دونوں قسمیں کھاؤ) چاہے اس کو پسند کرو چاہے پسند نہ کرو۔

فسخ القاضی البیع بینهما[۲۷۸۸](۵۹) فان نکل احدهما عن الیمین لزمه دعوی الآخر[۲۷۸۹](۶۰) وان اختلفا فی الاجل او فی شرط الخیار او فی استیفاء بعض الثمن

داؤد شریف، بالرجلین یدعیان شیئا ولیس بینھما بینۃ ص۱۵۳، نمبر ۳۶۱۶ ر ابن ماجہ شریف، باب الرجلان یدعیان السلعۃ ولیس بینھما بینۃ ص ۳۳۳، نمبر ۲۳۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں مدعی اور مدعی علیہ ہوں اور دونوں کے پاس بینہ نہ ہوں تو دونوں قسم کھائیں گے۔

مشتری سے قسم اس لئے شروع کریں گے کہ مشتری پر پہلے قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔ اور وہ ادا نہیں کر رہا ہے اس لئے وہ پہلے منکر ہے۔ اور منکر پر قسم ہے اس لئے مشتری کو پہلے قسم دیں گے۔

فائدہ امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ کون پہلے قسم کھائے اس کے لئے قرعہ ڈالے۔ جس کا نام قرعہ میں نکلے وہ پہلے قسم کھائے۔

وجہ اوپر والی حدیث استھما علی الیمین سے بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ قسم کے بارے میں قرعہ ڈالے اسلئے پہلے قسم کھانے کے لئے قرعہ ڈالا جائے گا۔

[۲۷۸۸](۵۹) پس اگر دونوں میں سے ایک قسم سے انکار کرے تو اس پر دوسرے کا دعوی لازم ہوگا۔

تشریح بائع اور مشتری کو قسم کھانے کے لئے کہا۔ پس دونوں میں سے ایک نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس کے انکار کے دو مطالب ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں دبے زبان سے اقرار کرتا ہوں کہ خصم کا دعوی صحیح ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ خصم کا دعوی صحیح تو نہیں ہے لیکن چلو اپنی چیز دے دیتا ہوں یہ اللہ کے عظیم نام کے ساتھ قسم کھانے سے بہتر ہے۔ تاہم دونوں صورتوں میں قاضی مدمقابل کے دعوی کے مطابق فیصلہ کر دے گا۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی ﷺ قال اذا ادعت المرأۃ طلاق زوجھا فجائت علی ذلک بشاھد عدل استحلف زوجھا فان حلف بطلت شھادۃ الشاھد وان نکل فنکولہ بمنزلۃ شاھد آخر وجاز طلاقہ (الف)** (ابن ماجہ شریف، باب الرجل یجحد الطلاق ص ۲۹۲ نمبر ۲۰۳۸ ر دار قطنی، کتاب الوکالۃ ج رابع ص ۹۶ نمبر ۴۲۹۵) اس حدیث میں ہے کہ قسم سے انکار کرنا دوسرے گواہ کے درجے میں ہے۔ اور اس سے مدعی کے دعوی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

[۲۷۸۹](۶۰) اور اگر دونوں نے اختلاف کیا مدت میں یا خیار شرط میں یا بعض قیمت وصول کرنے میں تو دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی، بات اس کی مانی جائے گی جو خیار شرط اور مدت کا انکار کرتا ہو قسم کے ساتھ۔

تشریح بائع اور مشتری نے مدت کے بارے میں اختلاف کیا۔ مثلا بائع کہتا ہے کہ ایک ہفتے میں قیمت دینا طے پائی ہے اور مشتری کہتا ہے کہ دو ہفتے میں دینے کا وعدہ ہے۔ یہاں قیمت کی کمی زیادتی میں اختلاف نہیں ہے اس پر دونوں متفق ہیں البتہ قیمت کب ادا کریں گے اس میں

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے منقول ہے کہ اگر عورت شوہر کی طلاق کا دعوی کرے پھر لائے اس پر ایک عادل گواہ تو اس کے شوہر سے قسم لی جائے گی۔ پس اگر قسم کھالی تو گواہ کی گواہی باطل ہو جائے گی۔ اور اگر انکار کر دے تو اس کا انکار دوسرے گواہ کے درجے میں ہے اور طلاق جائز ہو جائے گی۔

فلا تحالف بینهما والقول قول من ینکر الخیار والاجل مع یمینه ۲۷۹۰][(۶۱) وان هلک المبیع ثم اختلفا فی الثمن لم یتحالفا عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالی والقول قول المشتری فی الثمن وقال محمد رحمه الله تعالی یتحالفان ویُفسخ

اختلاف ہے۔تو یہ اختلاف اصل عقد میں نہیں ہوا بلکہ دور کی صفت میں اختلاف ہوا کیونکہ نقد قیمت دے تو مدت متعین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے اس میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ نہیں ہوں گے بلکہ جس نے مدت لی ہے صرف وہ مدعی ہے اور مدمقابل مدعی علیہ ہے اور وہی منکر ہے۔اور مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے تو دونوں کو قسم نہیں کھلائیں گے بلکہ صرف منکر کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔اسی طرح خیار شرط اصل عقد میں سے نہیں ہے کیونکہ بغیر خیار شرط کے ہی بیع منعقد ہوتی ہے۔اور یہی حال ہے بعض ثمن کے وصول کرنے میں اختلاف کا کہ اصل عقد میں اختلاف نہیں ہے۔کیونکہ پوری قیمت دینا ہی اصل ہے۔اس لئے خیار شرط جس نے لی ہے وہ مدعی ہے اور دوسرا مدعی علیہ اور منکر ہے۔اس لئے دونوں پر قسم نہیں ہوگی بلکہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

آدھے ثمن پر قبضہ کرنے کا جو دعوی کرتا ہے وہ مدعی ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے وہ مدعی علیہ اور منکر ہے۔اس لئے مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

اصول یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ نہ بن سکتے ہوں بلکہ ایک مدعی اور دوسرا مدعی علیہ ہو تو دونوں پر قسم نہیں ہوگی۔بلکہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔حدیث گزر چکی ہے۔کتب الی ابن عباس ان رسول الله قضی بالیمین علی المدعی علیه (الف) (ابوداؤد شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ص ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۲) اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

لغت الاجل : مدت۔ استیفاء : وفی سے مشتق ہے وصول کرنا۔ تحالف : باب مفاعلہ سے ہے دونوں طرف سے قسم لینا۔

[۲۷۹۰](۶۱) اگر مبیع ہلاک ہوگئی پھر دونوں نےثمن میں اختلاف کیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قسم نہیں کھلائیں گے۔اور مشتری کی بات مان لی جائے گی ثمن میں۔اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں قسمیں کھائیں گے اور بیع فسخ ہوگی ہلاک شدہ کی قیمت پر۔

تشریح مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا اور اس کے پاس ہلاک ہوگئی اس کے بعد ثمن کے بارے میں اختلاف ہوا مثلا بائع کہتا ہے کہ بارہ درہم بکری کی قیمت تھی اور مشتری کہتا ہے کہ دس درہم تھی تو شیخین کے نزدیک گواہ نہ ہونے پر بائع اور مشتری دونوں کو قسم نہیں کھلائیں گے۔بلکہ صرف مشتری کو قسم کھلا کر جتنی قیمت وہ کہتا ہے اس کی بات مان لی جائے گی۔

وجہ مشتری نے جب مبیع پر قبضہ کر لیا تو اب وہ مبیع کے بارے میں مدعی نہیں رہا اب تو صرف بائع ثمن کے بارے میں مدعی ہے اور مشتری اس کا منکر ہے۔اور صرف ایک جانب سے مدعی ہو تو دونوں کو قسمیں نہیں کھلاتے ہیں۔بلکہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں صرف مدعی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا۔

البیع علی قیمۃ الھالک[۲۷۹۱](۶۲) وان ھلک احد العبدین ثم اختلفا فی الثمن لم یتحالفا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی الا ان یرضی البائع ان یترک حصۃ الھالک[۲۷۹۲](۶۳) وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی یتحالفان ویفسخ البیع فی

علیہ منکر کو قسم دیتے ہیں۔اس لئے یہاں بھی صرف مشتری کو قسم دیں گے اور وہ قسم کھالے تو اسی کی بات پر فیصلہ کیا جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع پر قبضہ ہونے کے بعد صرف بائع مدعی ہوا اور صرف مشتری منکر ہوا۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہلاک شدہ مبیع کی قیمت کو اب اصل مان لیں اور موجود مان لیں اس صورت میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں۔اور چونکہ اختلاف مقدار ثمن میں ہے اس لئے اصل عقد میں اختلاف ہوا۔اس لئے دونوں سے قسم لی جائے اور بیع فسخ کر دی جائے اور مشتری سے کہا جائے کہ وہ مبیع کی بازاری قیمت بائع کو واپس کرے تو گویا کہ بیع فسخ کر کے اصل مبیع واپس کیا۔

اصول یہ مسلک اس اصول پر ہے کہ مبیع کی بازاری قیمت کو موجود مبیع مان لیں اور بیع فسخ کرتے وقت اسی قیمت کو بائع کی طرف واپس کرے۔

[۲۷۹۱](۶۲)اگر دو غلاموں میں سے ایک ہلاک ہوا پھر دونوں نے اختلاف کیا قیمت میں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسم نہیں کھائیں گے مگر یہ کہ بائع راضی ہو جائے ہلاک شدہ کے حصے چھوڑنے پر۔

تشریح بائع نے دو غلام بیچا تھا، مشتری نے ان پر قبضہ کیا پھر ایک غلام ہلاک ہو گیا۔اس کے بعد ان کی قیمت میں اختلاف ہوا۔بائع کہتا ہے کہ دونوں غلام دو ہزار میں بیچا تھا اور مشتری کہتا ہے کہ ایک ہزار میں بیچا تھا تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کو قسمیں نہیں کھلائیں گے بلکہ صرف مشتری کو قسمیں کھلائیں گے۔کیونکہ وہی زیادتی ثمن کا منکر ہے۔ہاں جو غلام ہلاک ہو چکا ہے بائع اس کے حصے کی قیمت کو چھوڑ دے اور ایسا محسوس ہو کہ جو زندہ غلام ہے وہی صرف مبیع ہے۔ہلاک شدہ غلام گویا کہ مبیع نہیں ہے تب اس موجود غلام پر دونوں کو قسمیں کھلائیں گے۔

وجہ دونوں کو قسم کھلا کر بیع فسخ کرنا مقصود ہے اور بیع موجود غلام میں فسخ ہو گی ہلاک شدہ میں فسخ کریں تو اس کو واپس دینا ہو گا، ہلاک شدہ غلام کو واپس کیسے دیں؟ یہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ہلاک شدہ کو بائع بالکل بھول جائے اور صرف موجودہ غلام کو مبیع مانے تو اس صورت میں دونوں کو قسم کھلا کر بیع فسخ کریں اور موجود غلام کو بائع کی طرف واپس کریں

[۲۷۹۲](۶۳)امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دونوں قسمیں کھائیں اور بیع فسخ ہو گی زندہ غلام میں اور ہلاک شدہ کی قیمت میں۔

تشریح امام ابو یوسفؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ جو زندہ ہے وہ بیع تو موجود ہے اس لئے اس میں بائع اور مشتری دونوں کو مدعی اور دونوں کو مدعی علیہ مان سکتے ہیں۔اس میں دونوں کو قسمیں کھلا کر بیع فسخ کریں گے۔اور جو موجود غلام ہے اس کو واپس کرو اور جو ہلاک ہو چکا ہے اس کی قیمت واپس کرو۔

اصول امام ابو یوسفؒ کے نزدیک موجودہ غلام میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں۔اس لئے دونوں سے قسمیں بھی لی جا سکتی ہے اور اس کے تابع کر کے ہلاک شدہ کی قیمت میں بھی قسمیں لی جائے گی۔

الحیّ وقیمة الهالک [۲۷۹۳](۶۴) وهو قول محمد رحمه الله تعالی[۲۷۹۴](۶۵) واذا اختلف الزوجان فی المهر فادّعی الزوج انه تزوجها بالف وقالت تزوّجتنی بالفین فایهما اقام البینة قُبلت بینته[۲۷۹۵](۶۶) وان اقاما البینة فالبینة بینة المرأة [۲۷۹۶](۶۷) وان لم تکن لهما بینة تحالفا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی ولم یُفسخ النکاح ولکن یُحکّم بمهر المثل فان کان مثل ماعترف به الزوج او اقل قضی بما قال

[۲۷۹۳](۶۴)اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے۔

تشریح امام محمدؒ کے نزدیک جب پوری مبیع ہلاک ہو جائے تب بھی دونوں سے قسم لیتے ہیں۔ پس جب آدھی مبیع ہلاک ہو جائے یعنی دو میں سے ایک غلام ہلاک ہو تو بدرجۂ اولی دونوں سے قسم لی جائے گی۔

[۲۷۹۴](۶۵)اگر میاں بیوی نے اختلاف کیا مہر کے بارے میں۔ پس شوہر نے دعوی کیا کہ اس سے شادی کی ہے ایک ہزار پر اور بیوی نے کہا مجھ سے شادی کی دو ہزار پر تو جس نے بھی بینہ قائم کیا اس کا بینہ مقبول ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ بھی اس اصول پر ہے کہ بیوی اور شوہر دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں۔ کیونکہ مبیع اور ثمن کی طرح یہاں بھی بضعہ مبیع ہے اور مہر ثمن ہے۔ اور اصل عقد میں اختلاف ہو رہا ہے۔ جب عورت دعوی کرتی ہے کہ دو ہزار کے بدلے شادی ہوئی ہے تو عورت مدعیہ ہے اور شوہر مدعی علیہ منکر ہے۔ اور شوہر ایک ہزار کے بدلے میں بضعہ لینے کا دعوی کر رہا ہے تو اس صورت میں شوہر مدعی ہے اور عورت منکر ہے۔ اس لئے شوہر کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں بیوی پر قسم ہونی چاہئے اس لئے یہاں بھی بیع اور شراء کی طرح دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہیں۔ اس لئے کوئی ایک بھی گواہ پیش کر دے تو اس کے گواہ کو مان کر اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ مثلا عورت دو ہزار پر بینہ قائم کر دے تو دو ہزار مہر کا فیصلہ ہوگا۔ اور شوہر ایک ہزار مہر پر گواہ پیش کر دے تو ایک ہزار پر فیصلہ ہوگا۔

[۲۷۹۵](۶۶)اور اگر دونوں نے بینہ قائم کیا تو عورت کا بینہ معتبر ہوگا۔

وجہ عورت زیادہ مہر کا دعوی کرتی ہے اس لئے وہ حقیقت میں مدعیہ اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے۔ اس لئے وہ منکر ہے۔ جب دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو جو اصل ہے اس کے بینہ کا اعتبار ہوگا۔

ہدایہ میں ہے کہ عورت کے بینہ کا اعتبار اس وقت ہوگا جب مہر مثل اس سے کم ہو جس کا عورت دعوی کرتی ہے۔ تب اس کے بینہ کا اعتبار ہے کیونکہ وہ بینہ کے ذریعہ غیر ظاہر چیز کو ثابت کر رہی ہے۔

[۲۷۹۶](۶۷)اور اگر دونوں کے پاس بینہ نہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسمیں کھائیں گے اور نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ لیکن فیصلہ کیا جائے گا مہر مثل کے ذریعہ سے۔ پس اگر مہر مثل اتنا ہو جتنے کا اقرار کرتا ہے شوہر یا اس سے کم ہو تو فیصلہ کیا جائے گا اتنے کا جتنا شوہر کہے۔ اور اگر اتنا ہو جتنے کا دعوی کیا ہے عورت نے یا اس سے زیادہ ہو تو فیصلہ کیا جائے گا اتنے کا جتنا عورت دعوی کرتی ہے۔ اور اگر مہر مثل اس سے زیادہ

الزوج وان کان مثل ما ادّعته المرأة او اکثر قضی بما ادّعته المرأة وان کان مهر المثل اکثر مما اعترف به الزوج واقل مما ادّعته المرأة قضی لها بمهر المثل[۲۷۹۷](۶۸) واذا اختلفا فی الاجارة قبل استیفاء المعقود علیه تحالفاو ترادا.

ہو جتنا شوہر اقرار کرتا ہے یا کم ہو اس سے جتنا عورت دعوی کرتی ہے تو فیصلہ کیا جائے گا عورت کے لئے مہر مثل کا۔

تشریح اور اگر دونوں کے پاس بینہ نہ ہوں تو چونکہ دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہیں اور گواہ نہیں ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسمیں کھائیں گے۔ کیونکہ دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہیں۔ پس اگر کوئی قسم کھانے سے انکار کر جائے تو دوسرے کے دعوی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ قسم کھانے سے انکار کرنا دوسرے کی بات کا دبے زبان اقرار کرنا ہے۔ یا بذل کرنا ہے اور مال میں بذل جائز ہے۔ اور اگر دونوں قسمیں کھالیں تو نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ کیونکہ مہر نہ بھی ہو تو نکاح جائز ہے اور مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف بیع کا معاملہ اور ہے وہاں ثمن ختم ہو جائے تو بیع ہی فسخ ہو جاتی ہے۔ نکاح میں نکاح ختم نہیں ہوگا البتہ مہر متعین ختم ہو جائے گا۔

دونوں کے قسم کھانے سے مہر متعین ساقط ہو گیا اب مہر مثل علامت راجحہ ہوگا۔ وہ جس کی موافقت کرے گا اسی پر فیصلہ ہوگا۔ اور اگر کسی کی موافقت نہیں کرتا تو خود مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

مثلا جتنا شوہر کہتا ہے مہر مثل اتنا ہے یا اس سے کم ہے مثلا شوہر کہتا ہے کہ ایک ہزار مہر پر شادی ہوئی ہے اور مہر مثل ایک ہزار یا ایک ہزار سے کم ہے تو ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ مہر مثل علامت راجحہ شوہر کی موافقت کر رہا ہے (۲) حدیث حذیفہؓ میں جس کا اونٹ قریب میں باندھا ہوا تھا جھونپڑے کا فیصلہ اسی کے لئے کیا (ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۳۴۳) (۳) ایک ہزار تو خود شوہر کہہ رہا ہے تو اس کا فیصلہ کیوں نہ کریں۔

اور اگر مہر مثل عورت کے دعوی کی موافقت کرتا ہے مثلا عورت دو ہزار کا دعوی کرتی ہے اور مہر مثل دو ہزار یا اس سے زیادہ ہے تو عورت کے کہنے کے مطابق دو ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ علامت راجحہ عورت کی موافقت کر رہی ہے۔

اور اگر علامت راجحہ یعنی مہر مثل نہ شوہر کی موافقت کرتا ہو اور نہ بیوی کی مثلا مہر مثل ایک ہزار سے زیادہ اور دو ہزار سے کم ہے تو مہر مثل کا ہی فیصلہ ہوگا۔

وجہ مہر متعین نہ ہو تو اصل مہر مہر مثل ہے۔ اس لئے دونوں کی قسم کھانے کی وجہ سے مہر متعین نہیں رہا تو مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ مہر متعین نہ ہو تو اصل مہر مہر مثل ہے اس لئے یا مہر مثل کا فیصلہ ہوگا یا مہر مثل جس کی موافقت کرے اس کا فیصلہ ہوگا۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ گواہ وغیرہ نہ ہو تو علامت راجحہ سے فیصلہ کریں گے (ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۳۴۳)

[۲۷۹۷](۶۸) اگر دونوں اختلاف کریں اجارہ میں مفقود علیہ کے وصول کرنے سے پہلے تو دونوں قسمیں کھائیں اور اجارہ ختم کر دیں۔

[۲۷۹۸](۶۹) وان اختلفا بعد الاستیفاء لم یتحالفا وکان القول قول المستاجر

[۲۷۹۹](۷۰) وان اختلفا بعد استیفاء بعض المعقود علیه تحالفا وفُسخ العقد فیما بقی وکان القول فی الماضی قول المستاجر مع یمینه.

تشریح بیع کی طرح اجرت میں بھی اجیر اور مستاجر یعنی مزدور اور اجرت پر رکھنے والا دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں۔

وجہ اس لئے کہ اجرت میں ایک طرف سے منافع ہے جو مبیع کے درجے میں ہے اور دوسری طرف سے اجرت ہے جو ثمن کے درجے میں ہے۔ اور اجیر مدعی ہو اور مستاجر مدعی علیہ اس کی شکل یہ ہوگی۔ مثلا اجیر یعنی مزدور کہتا ہے کہ مثلا ایک ماہ کام کیا ہوں دس درہم میں تو وہ مدعی ہوا اور مستاجر انکار کرتا ہے تو وہ منکر اور مدعی علیہ ہوا۔ اب مستاجر دعوی کرتا ہے کہ ایک ماہ کام کرنا طے ہوا ہے پانچ درہم میں تو مستاجر مدعی ہوا اور مزدور منکر اور مدعی علیہ ہوا اس طرح دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہوئے۔

اب منافع یعنی معقود علیہ حاصل نہیں ہوا ہے اور مزدور نے ابھی کام نہیں کیا ہے اس سے پہلے دونوں میں اختلاف ہو گیا اور دونوں کے پاس گواہ نہیں ہیں تو دونوں قسمیں کھائیں گے اور اجارہ ختم کر دیا جائے گا۔ جس طرح دونوں کے قسم کھانے کے بعد بیع ختم کر دیا کرتے تھے۔ اور اگر کسی ایک نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو دوسرے کی بات لازم ہو جائے گی۔

لغت استیفاء : وفی سے مشتق ہے وصول کرنا۔ المعقود علیہ : جس پر عقد ہوا ہو، یہاں نفع مراد ہے جس پر معاملہ طے ہوتا ہے۔ اجیر : مزدور جس کو اجرت پر رکھا۔ مستاجر : جس نے اجرت پر لیا اور رقم دی۔

[۲۷۹۸](۶۹) اور اگر اختلاف ہوا منافع وصول کرنے کے بعد تو دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے اور مستاجر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

وجہ دونوں قسم اس لئے نہیں کھائیں گے کہ نفع وصول کر لیا اور وہ چونکہ عرض ہے اس لئے ہلاک بھی ہو گیا ہے۔ تو جس طرح مبیع وصول کرے اور ہلاک ہو جائے تو مبیع کو واپس کرنا ناممکن ہے۔ اور دونوں کو قسم کھلا کر بیع توڑنا مشکل ہے وہ تو ہو گئی۔ اسی طرح نفع وصول کرنے کے بعد اور اس کے معدوم ہونے کے بعد اس کو توڑنا ناممکن ہے اس لئے دونوں کو قسمیں نہیں کھلائیں گے بلکہ یہاں اجیر زیادتی ثمن کا دعوی کرتا ہے اور مستاجر اس کا انکار کرتا ہے اور اجیر کے پاس گواہ نہیں ہے اس لئے مستاجر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

[۲۷۹۹](۷۰) اور اگر بعض معقود علیہ کے وصول کرنے کے بعد دونوں نے اختلاف کیا تو دونوں قسمیں کھائیں گے اور عقد فسخ ہوگا باقی میں اور ماضی کے بارے میں مستاجر کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ۔

تشریح مزدور نے کچھ کام کیا تھا اور کچھ باقی تھا مثلا ایک ماہ طے تھا اس میں سے پندرہ دن مزدوری کی تھی اور پندرہ دن ابھی باقی تھے اور اجیر اور مستاجر میں اختلاف ہو گیا تو پندرہ دن جو باقی ہیں اس کے بارے میں دونوں قسم کھائیں گے۔ کیونکہ معقود علیہ ابھی باقی ہے اس لئے اس میں قسمیں کھلا کر اس کو فسخ کر دیا جائے گا۔ اور جتنا کام کر چکا ہے وہ چونکہ وصول ہو گیا اور معدوم بھی ہو گیا اس لئے اس کے بارے میں دونوں کو

[۲۸۰۰] (۷۱) واذا اختلف المولی والمکاتب فی مال الکتابة لم یتحالفا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا یتحالفان وتُفسخ الکتابة[۲۸۰۱](۷۲) واذا اختلف الزوجان فی

قسم نہیں دیں گے۔ بلکہ مستاجر منکر اور مدعی علیہ ہے۔ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ پر قسم ہوگی۔ وہ قسم کھا جائے تو اس کی بات پر فیصلہ ہوگا۔

[۲۸۰۰] (۷۱) اگر آقا اور مکاتب نے اختلاف کیا مال کتابت میں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں قسمیں کھائیں گے اور کتابت فسخ ہو جائے گی۔

تشریح مکاتب اور اس کے آقا کے درمیان مال کتابت میں اختلاف ہو گیا۔ مثلا آقا کہتا ہے کہ ایک ہزار مال کتابت کے بدلے مکاتب بنایا ہے اور مکاتب اس کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ پانچ سو درہم کے بدلے مکاتب بنایا ہے۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے بلکہ آقا کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ مکاتب پر قسم ہوگی اور وہ قسم کھالے تو اس کی بات پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مکاتب غلام ہے اس لئے اس کا مال آقا کا مال ہے اس لئے عقد لازم نہیں ہے کہ وہ قسم کھائے (۲) اگر مکاتب عاجز ہو جائے تو کتابت ختم ہو جائے گی جس سے معلوم ہوا کہ کتابت کا معاملہ لازم نہیں ہے اس لئے دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن نہیں سکیں گے۔ اس لئے آقا زیادہ رقم کا مطالبہ کرتا ہے اور مکاتب اس کا انکار کر رہا ہے اس لئے اگر آقا کے پاس گواہ نہیں ہے تو مکاتب کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

وجہ آقا مدعی ہے اور مکاتب منکر ہے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں قسمیں کھائیں گے اور کتابت فسخ ہوگی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ کتابت بھی بیع کی طرح عقد معاملہ ہے۔ اس میں ایک طرف آزادگی ہے اور دوسری طرف مال کتابت ہے۔ اور اختلاف مقدار کتابت میں ہے اس لئے ثمن کی طرح اصل عقد میں اختلاف ہے اس لئے دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں۔ اور جب دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن گئے تو گواہ نہ ہوتے وقت دونوں قسمیں کھائیں گے۔ اور جب دونوں قسمیں کھا چکیں تو کتابت فسخ کر دی جائے گی۔

اصول صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ کتابت بھی بیع کی طرح عقد معاملہ ہے اس لئے دونوں قسمیں کھائیں گے۔

[۲۸۰۱] (۷۲) اگر میاں بیوی اختلاف کریں گھر کے سامان میں تو جو مرد کے قابل ہو وہ مرد کے لئے ہیں اور جو قابل عورتوں کے قابل ہو وہ عورتوں کے لئے ہے۔ اور جو دونوں کے قابل ہو وہ مرد کے لئے ہے۔

تشریح گھر کے سامان میں بیوی اور شوہر کا اختلاف ہو گیا اور گواہ یا قرینہ کچھ نہیں ہے تو فیصلہ اس طرح کیا جائے گا کہ جو لباس یا چیزیں صرف مرد استعمال کرتے ہیں جیسے عمامہ، مردانہ شلوار قمیص وہ مرد کے لئے ہیں۔ اور جو صرف عورتیں استعمال کرتی ہیں مثلا زیور، زنانہ شلوار قمیص وہ عورت کے لئے ہیں۔ اور جو سامان دونوں کے لئے ہو سکتے ہیں جیسے فون، گاڑی وغیرہ تو وہ مرد کا شمار ہوگا۔

وجہ گھر شوہر کا ہے اس لئے ظاہری طور پر یہی ہو سکتا ہے کہ وہ سامان اسی کا ہو (۲) گھر شوہر کا ہونا علامت راجحہ ہے کہ باقی سامان بھی شوہر کا

متاع البيت فما يصلح للرجل فهو للرجال وما يصلح للنساء فهو للمرأة وما يصلح لهما فهو للرجل [۲۸۰۲](۷۳) فان مات احدهما واختلف ورثته مع الآخر فما يصلح للرجال والنساء فهو للباقي منهما[۲۸۰۳](۷۴) وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى يُدفع

ہو۔یہ اس وقت ہے کہ کوئی قرینہ نہ ہو اور نہ عورت کا سامان ہونے کے لئے گواہ ہو(۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الحکم قال اذا مات الرجل وترک متاعا من متاع البیت فما کان للرجل فلا یکون للمرأة وما یکون للمرأة لا یکون للرجل هو للمرأة وما یکون للرجال والنساء فهو للرجل الا ان تقیم المرأة البینة انه لها (الف)(مصنف ابن ابی شیبة،۲۲۶فی الرجل یطلق او یموت وفی منزله متاع ج رابع ص ۱۸۸نمبر۱۹۱۳۴)اس اثر میں ہے کہ جو مرد کے لائق ہے وہ مرد کے لئے اور جو عورت کے لائق ہو وہ عورت کے لئے اور جو دونوں کے لائق ہو وہ مرد کے لئے ہوگا۔

[۲۸۰۲](۷۳)پس اگر دونوں میں سے ایک کا انتقال ہو گیا اور اختلاف کی اس کے ورثہ نے دوسرے کے ساتھ تو جو لائق ہو مردوں کے اور عوتوں کے وہ ان میں سے باقی کے لئے ہیں۔

تشریح مثلا مرد کا انتقال ہو گیا اور بیوی زندہ ہے۔اب مرد کے ورثہ نے گھر کے سامان کے بارے میں بیوی سے اختلاف کیا تو جو مرد کے لائق ہے وہ مرد کے ورثہ کو مل جائے گا اور جو عورت کے لائق ہے وہ عورت کو مل جائے گا اور جو دونوں کے لائق ہے اور گواہ یا قرینہ راجحہ بھی نہیں ہے تو وہ عورت کو ملے گا۔

وجہ جو مر گیا اس کا قبضہ ختم ہو گیا اس کی عورت کے معارض کوئی نہیں رہا۔وہ چیزیں بیوی کے قبضہ میں آگئیں اس لئے عورت کو ملیں گی (۲) اثر میں ہے۔عن حماد انه سئل عن متاع البیت فقال ثیاب المرأة للمرأة وثیاب الرجل للرجل وما تشاجرا فلم یکن لهذا ولا لهذا وهو للذی فی یده (ب) مصنف ابن ابی شیبة ۲۲۶فی الرجل یطلق او یموت وفی منزله متاع ج رابع ص ۱۸۸نمبر ۱۹۱۳۱)اس اثر میں ہے کہ جو جس کے قبضے میں ہو وہ اس کا ہوگا۔اور شوہر مرنے کے بعد وہ چیزیں بیوی کے قبضے میں ہیں اس لئے بیوی کی ہوں گی۔

[۲۸۰۳](۷۴)اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا بیوی کو دی جائے گی ایسی چیزیں جو جہیز میں دی جاتی ہیں اور باقی شوہر کے لئے ہوگا۔

تشریح وہ فرماتے ہیں کہ علامت راجحہ یہ ہے کہ جہیز کا سامان میکے سے لائی ہوگی اور عورت کا ہوگا اس لئے ایسی چیزیں جو جہیز میں دی جاتی ہیں وہ سب عورت کو دیں اور جو لباس وغیرہ عورت کے لائق ہے وہ بھی دیں۔اور وہ سامان جس پر گواہ اور قرینہ نہ ہو وہ شوہر کے لئے ہوگا چاہے

حاشیہ : (الف)حضرت حکمؒ نے فرمایا اگر آدمی مر جائے اور گھر کا سامان چھوڑا تو جو سامان مرد کے لئے ہو وہ عورت کے لئے نہیں ہوگا۔اور جو عورت کے لئے ہو وہ مرد کے لئے نہیں ہوگا وہ عورت کے لئے ہوگا۔اور جو مرد اور عورت دونوں کے لئے ہو تو وہ مرد کے لئے ہوگا مگر یہ کہ عورت بینہ قائم کرے کہ وہ اس کے لئے ہے(ب) حضرت حماد سے گھر کے سامان کے بارے میں پوچھا۔فرمایا عورت کا کپڑا عورت کے لئے ہے اور مرد کا کپڑا مرد کے لئے ہے اور جن میں دونوں جھگڑے وہ نہ اس کے لئے نہ اس کے لئے۔وہ جس کے قبضے میں ہے اسی کے لئے ہے۔

الی المرأة ما یجھز به مثلھا والباقی للزوج[۲۸۰۴](۷۵) واذا باع الرجل جاریة فجائت بولد فادّعاہ البائع فان جاء ت به لاقل من ستة اشھر من یوم باعھا فھو ابن البائع وامه ام

شوہر کا انتقال ہو گیا ہو۔

وجہ شوہر کا گھر ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ وہ اسی کا ہوگا۔ یہاں گھر ہونا علامت راجحہ ہے اس لئے شوہر کے لئے ہوگا (۲) اوپر اثر گزرا۔ عن الحکم قال اذا مات الرجل وترک متاعا من متاع البیت فما کان للرجل فلایکون للمرأة وما یکون للمرأة لا یکون للرجل ھو للمرأة وما یکون للرجال والنساء فھو للرجل الا ان تقیم المرأة البینة انه لھا (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۲۶ فی الرجل یطلق او یموت وفی منزله متاع ج رابع ص ۱۸۸ نمبر ۱۹۱۳۴) اس اثر میں ہے کہ بقیہ سامان شوہر کے لئے یا اس کے ورثہ کے لئے ہوگا۔

[۲۸۰۴](۷۵) اگر آدمی نے باندی فروخت کی۔ پس اس نے بچہ جنا پھر بائع نے اس کا دعوی کیا۔ پس اگر جنی ہو چھ مہینے سے کم میں اس کے بیچنے کے دن سے تو وہ بائع کا بیٹا ہوگا۔ اور اس کی ماں بائع کی ام ولد ہوگی اور بیع فسخ ہوگی اور قیمت لوٹائی جائے گی۔

تشریح آدمی نے اپنی باندی فروخت کی۔ اس باندی نے بیچنے سے چھ مہینے کے اندر اندر بچہ دیا۔ اب بائع نے دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے تو یہ بچہ بائع کا ہو جائے گا اور اس کی ماں بائع کی ام ولد بن جائے گی اور بیع جو کی تھی وہ ٹوٹ جائے گی اور بائع کو مشتری کی طرف ثمن واپس کرنا ہوگا

وجہ بچہ کم سے کم چھ مہینے تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔ کیونکہ یہ کم سے کم مدت حمل ہے۔ اب چھ مہینے کے اندر اندر بچہ دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بائع نے جس وقت بیچا اس وقت بچہ باندی کے پیٹ میں تھا۔ اور بعد میں اس کا دعوی بھی کر رہا ہے کہ بچہ میرا ہے۔ اور جب بچہ اس کا ہوا تو اس کی ماں بائع کی ام ولد بنی اور ام ولد کو بیچنا جائز نہیں اس لئے بیع فسخ ہوگی اور قیمت واپس کرنا ہوگا۔ کم سے کم مدت حمل چھ ماہ ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان عمرؓ اتی بامرأة قد ولدت لستة اشھر فھم برجمھا فبلغ ذلک علیا فقال لیس علیھا رجم فبلغ ذلک عمر فارسل الیه فسأله فقال والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة (آیت ۲۳۳ سورة البقرة ۲) وحمله وفصاله ثلاثون شھرا (آیت ۱۵ سورة الاحقاف ۴۶) فستة اشھر حمله حولین تمام لاحد علیھا او قال لا رجم علیھا قال فخلی عنھا ثم ولدت (ب) (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی اقل الحمل ج سابع ص ۷۲۷ نمبر ۱۵۵۴۸) اس اثر سے

حاشیہ : (الف) حضرت حکم نے فرمایا جب آدمی مرے اور گھر کا سامان چھوڑے تو جو مرد کے لئے ہے تو وہ عورت کے لئے نہیں ہوگا۔ اور جو عورت کے مناسب ہو وہ مرد کے لئے نہیں ہوگا وہ عورت کے لئے ہوگا۔ اور جو مرد اور عورت دونوں کے مناسب ہو تو وہ مرد کے لئے ہوگا مگر یہ کہ عورت اس کے لئے گواہ قائم کرے کہ اس کا ہے (ب) حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے شادی کے بعد چھ مہینے میں بچہ دیا تھا۔ تو اس کو رجم کرنے کا ارادہ کیا۔ پس یہ خبر علیؓ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اس پر رجم نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کی یہ بات حضرت عمرؓ کو پہنچی تو ان کو بلایا اور پوچھا تو حضرت علیؓ نے کہا والدہ اپنی اولاد کو مکمل دو سال دودھ پلائیں جو مدت رضاعت پوری کرنا چاہتی ہو۔ (دیت ۲۳۳ سورة البقرة ۲ میں) اور حمل اور دودھ پلانے کی مجموعی مدت تیس مہینے ہیں (آیت ۵ سورة الاحقاف ۴۶) تو چھ مہینے حمل ہو گیا اور دو سال مدت رضاعت ہو گئی۔ اس لئے اس عورت پر حد نہیں ہے یا فرمایا رجم نہیں ہے۔ فرمایا اس کو چھوڑ دیا۔

ولـد لـه ويُفسـخ البيع ويردّ الثمن[۲۸۰۵](٧٦) وان ادّعاه المشترى مع دِعوة البائع او بـعدها فدعو ة البـائـع اولـى[۲۸۰٦](٧٧) وان جـائـت به لاكثر من ستة اشهر ولاقل من سنتين لم تقبل دعو ة البـائـع فيـه الا ان يصدقه المشترى[۲۸۰۷](٧٨) وان مات الولد فـادّعاه البائع وقد جائت به لاقل من ستة اشهر لم يثبت النسب فى الولد ولا الاستيلاد فى

معلوم ہوا کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بائع کے دعوی کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ بیچنا اس بات کا اعتراف ہے کہ بیچتے وقت میرا حمل باندی کے پیٹ میں نہیں ہے۔اس لئے اب دعوی کرنا کہ میرا بچہ غلط ہے۔

[۲۸۰۵](٧٦) اگر بچے کا دعوی مشتری نے کیا بائع کے دعوی کے ساتھ یا بائع کے دعوی کے بعد تو بائع کا دعوی اولی ہے۔

وجہ بائع کے دعوی کے بعد یا بائع کے دعوی کے ساتھ مشتری نے بھی دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے۔پھر بھی بائع کے دعوی کو ترجیح دی جائے گی۔اس لئے کہ جس وقت حمل ٹھہرا اسی وقت سے بائع کا دعوی منسوب ہے اور مشتری کا دعوی خریدنے کے بعد شمار ہوگا۔کیونکہ وہ خریدنے کے بعد باندی سے جماع کر سکتا ہے اور یہاں چھ ماہ کے اندر اندر بچہ دیا ہے اس لئے اندازہ یہ ہے کہ خریدنے سے پہلے حمل ٹھہرا ہے اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ بائع کا علوق ہے اس لئے اسی کے دعوی کو ترجیح ہوگی۔

[۲۸۰٦](٧٧) اور اگر بچہ جنی چھ مہینے سے زیادہ میں اور دو سال سے کم میں تو بائع کا دعوی قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ مشتری اس کی تصدیق کرے۔

تشریح خریدنے کے چھ مہینے کے بعد باندی نے بچہ دیا اور دو سال سے کم میں، اب دعوی کرتا ہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو بائع کی بات نہیں مانی جائے گی۔ہاں مشتری اس کی تصدیق کرے کہ بچہ بائع ہی کا ہے تو بائع کی بات مان لی جائے گی اور بچے کا نسب بائع سے ثابت ہوگا۔

وجہ چھ مہینے کے بعد پیدا ہوا تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ بائع کا ہی علوق ہو، ہو سکتا ہے کہ خریدنے کے بعد مشتری نے باندی سے وطی کی ہو اور اس سے بچہ پیدا ہوا ہو۔اس لئے بائع کا بچہ ہونا کوئی یقینی بات نہیں ہے۔البتہ مشتری تصدیق کردے کہ بائع کا ہی ہے تو بچہ بائع کا ہو جائے گا۔کیونکہ مشتری کے تصدیق کے بعد کوئی معارض نہیں رہا۔

[۲۸۰۷](٧٨) اور اگر بچہ مر گیا پھر بائع نے اس بچے کا دعوی کیا حالانکہ چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تھا تب بھی بچے میں نسب ثابت نہیں ہوگا اور نہ ماں میں ام ولد ہونا۔

تشریح بچے کی زندگی میں بائع نے اپنی اولاد ہونے کا دعوی نہیں کیا، بچہ مر گیا اس کے بعد لڑکا ہونے کا دعوی کیا تو بائع سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور نہ اس کی ماں ام ولد بنے گی۔

وجہ بچے کا نسب ثابت کرنا ایک مجبوری ہے کیونکہ کسی سے بچے کا نسب ثابت نہیں کیا جائے گا تو بچہ حرامی ہوگا جو جائز نہیں ہے اس لئے جیسے ہی

الام[۲۸۰۸](۷۹) وان ماتت الام فادّعاه البائع وقد جائت به لاقل من ستة اشهر يثبت النسب منه فی الولد واخذه البائع ويردُّ الثمن كله فی قول ابی حنيفة رحمه الله تعالی و قالا يرد حصة الولد ولا يرد حصة الام.

بائع نے بچہ ہونے کا دعوی کیا اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔ اور جب بچہ اس کا ہوا تو خود بخود ماں ام ولد بن جائے گی۔ لیکن جب بچہ مر گیا تو اس کے نسب ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ جب اس کا نسب ثابت نہیں ہوا تو اس کی ماں ام ولد بھی نہیں بنے گی اور نہ بیع توڑوانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ بیع ایک حتمی عقد ہے جو اہم مجبوری کے بغیر نہیں توڑی جا سکتی۔ اس لئے بائع کے دعوی کرنے کے باوجود نہ بچے کا نسب ثابت ہوگا اور نہ ماں ام ولد بنے گی اور نہ بیع ٹوٹے گی۔

[۲۸۰۸](۷۹) اگر ماں مر گئی پھر بائع نے دعوی کیا اور بچہ جنی تھی چھ مہینے سے کم میں تو نسب ثابت ہوگا بائع سے بچے میں اور بائع اس کو لے گا اور پوری قیمت مشتری کو واپس کرے گا امام ابو حنیفہؒ کے قول میں۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ لوٹائے گا بچے کا حصہ اور نہیں لوٹائے گا ماں کا حصہ۔

تشریح بچہ زندہ تھا البتہ ماں مر گئی۔ اس کے بعد بائع نے اپنا بچہ ہونے کا دعوی کیا اور اس بچہ کو فروخت ہونے سے چھ ماہ کے اندر اندر جنی تھی۔ اس صورت میں چونکہ بچہ زندہ ہے اور اس کا نسب ثابت کرنا ضروری ہے اس لئے نسب تو بائع سے ثابت ہوگا اور بچہ بائع کا ہوگا اس لئے بائع بچے کو مشتری سے واپس لے گا اور ماں ام ولد ہوگی اور بیع ٹوٹے گی۔ اور بائع نے جتنی قیمت مشتری سے وصول کی ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ سب مشتری کو واپس کرے۔

وجہ جب بچہ بائع کا ہوا اور ماں ام ولد بنی تو شروع سے بیع ہی درست نہیں تھی اس لئے مشتری کے پاس جو ام ولد تھی وہ امانت کے طور پر تھی، وہ مر گئی تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی اس لئے بائع پوری قیمت مشتری کو واپس دے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ام ولد کا بیچنا ہی جائز نہیں اس لئے اگر بیچ بھی دیا تو ام ولد مشتری کے یہاں امانت کے طور پر رہے گی اور ہلاک ہونے پر کوئی قیمت کم نہیں ہوگی۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ بائع صرف بچے کا حصہ مشتری کی طرف واپس کرے اور بچہ واپس لے لے، ماں کا حصہ مشتری کی طرف واپس نہ کرے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ ماں بہر حال پہلے بکی تھی اور باندی بن کر بکی تھی۔ بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ ام ولد بن گئی ہے اس لئے ایسی ام ولد امانت کے طور پر مشتری کے یہاں نہیں رہے گی بلکہ ضمانت کے طور پر رہے گی، یعنی وہ ہلاک ہوگی تو مشتری کی ہلاک ہوگی۔ اس لئے مشتری کے یہاں ہلاک ہوئی تو جتنی قیمت اس کے حصے میں آئی تھی وہ بائع سے ساقط ہو جائے گی اور بائع کو واپس نہیں کرنا پڑے گا۔ بائع صرف بچے کا حصہ مشتری کی طرف واپس کرے گا۔

[۲۸۰۹](۸۰) ومن ادّعی نسب احد التوأمین یثبت نسبهما منه.

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ یہ ام ولد مشتری کے یہاں ضمانت کے طور پر ہے امانت کے طور پر نہیں ہے۔

[۲۸۰۹](۸۰) کسی نے دعوی کیا جڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا تو اس سے دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک بچہ رحم میں علوق ہو چکا ہو تو چھ مہینے کے اندر دوسرے بچے کا حمل دوسرے پانی سے نہیں ہو سکتا۔ ایک حمل میں دو بچے ایک ہی پانی سے ہوں گے۔ جب یہ صورت حال ہے تو ایک عورت کو جڑواں بچہ پیدا ہوا ان میں سے ایک کے بارے ایک آدمی دعوی کرتا ہے کہ یہ میرا بچہ ہے اور اس بچے کا نسب اس سے ثابت ہوا تو خود بخود دوسرے بچے کا نسب بھی اس باپ سے ثابت ہوگا۔

وجہ کیونکہ جس کے پانی سے بچہ پیدا ہوا ہے اسی کے پانی سے دوسرا بچہ بھی پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ جڑواں میں دوسرے کا پانی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دوسرے بچے کا نسب بھی اسی باپ سے ثابت ہوگا۔

لغت توأم : جڑاں بچہ۔

﴿ کتاب الشهادات ﴾

﴿ کتاب الشہادات ﴾

ضروری نوٹ شہادات: شہادت کی جمع ہے، گواہی دینا۔ اس کا ثبوت ان آیتوں میں ہے۔ **واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخری** (الف) (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ ۲) دوسری آیت میں ہے۔ **لولا جاء وا علیہ باربعۃ شھداء فاذ لم یأتوا بالشھداء فاولئک عند اللہ ھم الکاذبون** (ب) (آیت ۱۳، سورۃ النور ۲۴) اور تیسری آیت میں ہے۔ **واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للہ ذالکم یوعظ بہ** (ج) (آیت ۲، سورۃ الطلاق ۶۵) ان آیتوں سے شہادت ثابت ہوئی۔

شہادت کی چھ قسمیں ہیں۔

(۱) پہلی قسم زنا کی گواہی ہے۔ یہ سب سے اعلی ہے۔ اس کے لئے چار مرد کی گواہی شرط ہے۔ اس کے ثابت کرنے میں عورت کی گواہی نہیں چلے گی۔ اور سب عادل ہوں۔

(۲) دوسری قسم باقی حدود اور قصاص کی گواہی ہے۔ اس کے ثابت کرنے کے لئے دو عادل مرد چاہئے۔ اس میں بھی عورت کی گواہی قابل قبول نہیں۔

(۳) تیسری قسم معاملات کی گواہی ہے۔ اس کے ثابت کرنے کے لئے دو عادل مرد ہوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں ہوں۔ اس کے ثبوت کے لئے عورت کی گواہی بھی کافی ہے۔ البتہ خالص عورتوں کی گواہی مقبول نہیں۔

(۴) چوتھی قسم شطر الشہادۃ کی ہے۔ یعنی ایک عادل مرد یا دو مستور الحال مرد ہوں تب بھی مقبول ہے۔ اصل میں گواہی دینے کے دو جزو ہیں۔ ایک عادل ہونا اور دوسرا مرد ہونا، اسی کو شطر کہتے ہیں۔ اس لئے یا ایک عادل ہو یا دو مستور الحال ہو تب بھی کافی ہے۔ یہ صورت حقیقت میں گواہی نہیں ہے بلکہ خبر ہے۔ اسی لئے یہ معاملات اور عقد کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ جیسے یہ خبر دینا کہ تم کو فلاں نے فلاں معاملہ کے لئے وکیل بنادیا۔ یا وکیل کو معزول کر دیا۔ اس میں ایک عادل آدمی یا دو مستور الحال آدمی کی خبر کافی ہے۔

(۵) پانچویں قسم خبر کی ہے۔ جس میں بچے اور باندی کی خبر بھی کافی ہے۔ مثلا بچہ استاد کے پاس کھانا لائے اور خبر دے کہ یہ میری ماں نے آپ کے لئے ہدیہ بھیجا ہے تو استاد کے لئے یہ کھانا جائز ہے۔ یا باندی خبر دے کہ میرے آقا نے آپ کے لئے ہدیہ بھیجا ہے تو جس کے لئے ہدیہ بھیجا ہے اس کے لئے اس کا کھانا حلال ہے۔ تو اس تھوڑی بہت چیز میں باندی اور بچے کی خبر بھی قابل قبول ہے۔

(۶) چھٹی قسم ہے جہاں مرد مطلع نہیں ہو سکتے ہیں۔ جیسے ولادت وغیرہ تو وہاں صرف عورت کی گواہی مقبول ہے۔ کیونکہ مجبوری ہے۔

حاشیہ: (الف) تمہارے دو مردوں کی گواہی لو۔ پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن سے تم راضی ہو گواہوں میں سے۔ یہ اس لئے کہ اگر ایک بھول جائے تو ایک دوسری کو یاد دلائے (ب) کیوں نہ اس پر چار گواہ لائے۔ پس اگر گواہ نہ لا سکے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں (ج) تم میں سے عادل آدمی کی گواہی لو اور اللہ کے لئے گواہی قائم کرو۔ اسی کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔

[۲۸۱۰](۱)الشھادۃ فرض تلزم الشھود ولا یسعھم کتمانھا اذا طالبھم المدعی

[۲۸۱۱](۲) والشھادۃ فی الحدود یُخیَّر فیھا الشاھد بین الستر والاظھار والستر

[۲۸۱۰](۱) گواہی دینا فرض ہے۔گواہوں کولازم ہےاوراس کو چھپانے کی گنجائش نہیں ہے اگران سے مدعی اس کا مطالبہ کرے۔

تشریح ان گواہوں کے علاوہ کوئی اور گواہ نہیں ہے اور مدعی گواہوں سے گواہی دینے کا مطالبہ کر رہا ہے تو ان گواہوں پر گواہی دینا فرض ہے۔ عام معاملات میں گواہی چھپانے کی گنجائش نہیں ہے۔

وجہ چونکہ اور گواہ نہیں ہے۔اس لئے اگر اس نے گواہی نہیں دی تو مدعی کا حق ضائع ہو جائے گا۔اس لئے اس کو حق دلوانے کے لئے گواہی دینا فرض ہے(۲) آیت میں اس کی ترغیب ہے۔ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا (آیت ۲۸۲،سورۃ البقرۃ ۲) ولاتکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ (الف) (آیت ۲۸۳،سورۃ البقرۃ ۲) ان دونوں آیتوں میں ہے کہ مدعی بلائے تو گواہ گواہی دینے سے انکار نہ کرے۔اور یہ بھی ہے کہ گواہی چھپائے نہیں۔اگر چھپایا تو گنہگار ہوگا۔حدیث میں ترغیب ہے۔عن زید بن خالد الجھنی ان النبی ﷺ قال الا اخبرکم بخیر الشھداء؟ الذی یاتی بشھادتہ قبل ان یسألھا (ب) (مسلم شریف، باب بیان خیر الشھود، ج۲، ص ۷۷، نمبر ۱۷۱۹ / ابوداؤد شریف، باب فی الشھادۃ، ج۲، ص ۱۵۰، نمبر ۳۵۹۶)

نوٹ یہ صورت حال معاملات میں ہے۔البتہ حدود اور قصاص میں گواہی دینے اور گواہی چھپانے کا اختیار ہے۔

[۲۸۱۱](۲) اور گواہی حدود میں گواہ کو اختیار ہے چھپانے اور ظاہر کرنے کے درمیان۔اور چھپانا بہتر ہے۔

تشریح حدود میں گواہی دینے سے انسان کی جان جائے گی یا عضو جائے گا اس لئے اس کی رعایت کرتے ہوئے گواہ کو دونوں اختیار ہیں۔چاہے گواہی چھپا دے چاہے گواہی دے دے۔لیکن چھپانا زیادہ بہتر ہے۔

وجہ تاکہ انسان کی جان ضائع نہ ہو۔(۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔حضرت ماعزؓ رجم کا پتھر کھا کر بھاگے ہیں تو آپؐ نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ سے فرمایا کہ جب بھاگ گیا تو اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا۔شاید توبہ کر لیتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔حدثنی یزید بن نعیم بن ھزال عن ابیہ ... ثم اتی النبی ﷺ فذکر لہ ذلک فقال ھلا ترکتموہ، لعلہ ان یتوب فیتوب اللہ علیہ (ج) (ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک، ج۲، ص۲۶۰، نمبر ۴۴۱۹) ابوداؤد کی دوسری حدیث میں ہے۔وقال لھزال لو سترتہ بثوبک کان خیرا لک (د) (ابوداؤد شریف، باب الستر علی اھل الحدود، ص ۲۵۳، نمبر ۴۳۷۷) (۳) چور نے چوری کا اعتراف کیا تو آپ نے اس کو پھسلانے کے لئے فرمایا، میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے تاکہ اس کا ہاتھ نہ کٹے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی

حاشیہ :(الف) جب گواہوں کو بلائے جائیں تو وہ انکار نہ کیا کریں۔دوسری آیت میں ہے۔گواہی چھپایا نہ کرو اور جو اس کو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہے (ب) آپ ﷺ نے فرمایا تم کو بہترین گواہ نہ بتاؤں؟ گواہی مانگنے سے پہلے گواہی دیدے وہ بہترین گواہ ہے (ج) پھر وہ حضورؐ کے پاس آئے اور حضرت ماعزؓ کے بھاگنے کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا ان کا چھوڑ کیوں نہ دیا؟ شاید وہ توبہ کرتا اور اللہ توبہ قبول کر لیتے (د) آپؐ نے حضرت ہزال سے فرمایا کاش کہ اپنے کپڑے سے ڈھانک دیتے تو آپ کے لئے بہتر ہوتا۔

افضل [۲۸۱۲] (۳) الا انه يجب ان يشهد بالمال فی السرقة فيقول اخذ المال ولايقول سرق[۲۸۱۳] (۴) والشهادة علی مراتب منها الشهادة فی الزنا يُعتبر فيها اربعة من

امية المخزومی ان رسول الله اتی بلص اعترف اعترافا ولم يوجد معه متاع فقال رسول الله ﷺ ما اخا لک سرقت؟ قال بلی (الف) (النسائی، باب تلقین السارق، ص ۶۷۲، نمبر ۴۸۸۱/ابوداؤد شریف، باب فی التلقین فی الحد، ص ۲۵۴، نمبر ۴۳۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد کا اعتراف بھی کرے تو اس کو رد کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ گواہی نہ دینا بہتر ہے۔

لغت الستر : چھپانا۔

[۲۸۱۲] (۳) مگر یہ کہ چوری میں مال کی گواہی دینا واجب ہے۔ اس لئے کہے کہ مال لیا اور نہ کہے کہ چرایا۔

تشریح چوری میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ہے ہاتھ کٹنے کا جو حد ہے اور دوسرا ہے مالک کو مال واپس کرنے کا جو حقوق العباد ہے۔ اس لئے دونوں کی رعایت کرتے ہوئے ایسی گواہی دے کہ ہاتھ بھی نہ کٹے اور مالک کو مال بھی واپس مل جائے۔ اس لئے اس کی صورت یہ ہے کہ یوں نہیں کہے کہ مال چرایا ہے بلکہ یوں گواہی دے کہ فلاں کا مال لیا ہے۔

وجہ تاکہ مال مالک کو واپس ملے اور ہاتھ نہ کٹے۔

[۲۸۱۳] (۴) گواہی کے چند مرتبے ہیں۔ ان میں سے زنا کی گواہی ہے۔ اس میں اعتبار کیا جاتا ہے چار مرد اور نہیں قبول کی جاتی ہے اس میں عورت کی گواہی۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ گواہی کے چھ مرتبے ہیں۔ ان میں سے اعلی مرتبہ زنا کی گواہی ہے جن میں چار عادل مردوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ اس میں عورت کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔

وجہ چار گواہ کی دلیل یہ آیت ہے۔ والتی یأتین الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن اربعة منكم فان شهدوا فامسكوهن فی البيوت (ب) (آیت ۱۵، سورة النساء ۴) دوسری آیت میں ہے۔ لولا جاء وعليه باربعة شهداء فاذ لم يأتوا بالشهداء فاولئك عند الله هم الكاذبون (ج) (آیت ۱۳، سورة النور ۲۴) ان دونوں آیتوں میں ہے کہ زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہ چاہئے۔

عورتوں میں حدود کی گواہی قابل قبول نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔ عن الزهری قال مضت السنة من رسول الله ﷺ والخليفتين من بعده الا تجوز شهادة النساء فی الحدود (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۰۹، فی شهادة النساء فی الحدود، ج

حاشیہ : (الف) آپؐ کے پاس ایک چور لایا گیا۔ اس نے چوری کا اقرار کیا اور اس کے پاس سامان نہیں پایا گیا تو آپؐ نے فرمایا میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چرایا ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ (ب) تمہاری عورتوں میں سے کوئی زنا کی مرتکب ہو تو اپنے میں سے اس پر چار گواہ لاؤ۔ پس وہ گواہی دیدیں تو گھروں میں قید رکھو (ج) کیوں اس پر چار گواہ نہیں لائے۔ پس اگر وہ گواہ نہیں لائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں (د) حضرت زہریؒ نے فرمایا کہ حضورؐ اور ان (باقی اگلے صفحہ پر)

الرجال ولا تقبل فیھا شھادة النساء[۲۸۱۴](۵) ومنھا الشھادة ببقیة الحدود والقصاص تقبل فیھا شھادة رجلین ولا تقبل فیھا شھادة النساء[۲۸۱۵](۶) وما سوی ذلک من

خامس،ص ۵۲۸،نمبر ۲۸۷۰۵ر مصنف عبدالرزاق، باب ھل تجوز شھادۃ النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ؟،ج ثامن،ص ۳۳۰،نمبر ۱۵۴۱۲ر سنن للبیھقی، باب شھادۃ فی الطلاق والرجعۃ ومافی معناھما من النکاح والقصاص والحدود،ج عاشر،ص ۲۵۰،نمبر ۲۰۵۲۸) اس حدیث مرسل اور اثر سے معلوم ہوا کہ حدود میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

[۲۸۱۴](۵) ان سے شہادت ہے باقی حدود کی اور قصاص کی کہ ان میں دو مردوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے اور ان میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔

تشریح زنا میں تو چار مردوں کی گواہی چاہئے۔ان میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔اور باقی حدود اور قصاص میں بھی عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔صرف مردوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ حدود کے بارے میں اوپر حدیث مرسل گزر چکی۔قصاص بھی اسی درجے کا ہے اس لئے قصاص میں بھی عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے (۲) اس اثر میں بھی اس کا ثبوت ہے۔**ان علی بن ابی طالب قال لا تجوز شھادة النساء فی الطلاق والنکاح والحدود والدماء** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب ھل تجوز شھادۃ النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ؟،ج ثامن،ص ۳۲۹،نمبر ۱۵۴۰۵ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۹، فی شھادۃ النساء فی الحدود،ج خامس،ص ۵۲۸،نمبر ۲۸۷۱۱) اس اثر میں دم سے مراد قصاص ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ قصاص میں بھی عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے (۳) آیت میں عورت کے بارے میں بتایا کہ ایک دوسرے کو یاد دلائے جس سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں نسیان ہے۔اور حدود اور قصاص شبہ سے بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔اس لئے بھی عورت کی گواہی حدود اور قصاص میں مقبول نہیں ہے۔

[۲۸۱۵](۶) اور جو ان کے علاوہ ہوں حقوق میں سے تو قبول کی جائے گی ان میں دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی۔چاہے حق مال ہو یا غیر مال ہو۔مثلا نکاح، طلاق، وکالت، وصیت۔

تشریح حدود اور قصاص کے علاوہ جتنے حقوق ہیں چاہے وہ حقوق مالی ہوں یا حقوق غیر مالی ہوں ان سب میں مرد کے ساتھ عورتوں کی گواہی بھی مقبول ہے۔مثلا معاملات، بیع ہے، شراء ہے، نکاح، طلاق، وکالت اور وصیت ہے ان سب میں عورتوں کی گواہی بھی مقبول ہے۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔**واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احداھما الاخری** (ب) (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے۔یہ آیت چونکہ معاملات کے سلسلے میں ہے اس لئے تمام ہی معاملات میں عورتوں کی گواہی مقبول ہوگی (۲)

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کے بعد دونوں خلیفوں کے زمانے سے سنت جاری ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عورتوں کی گواہی طلاق، نکاح، حدود اور قصاص میں جائز نہیں ہے (ب) تمہارے دو مردوں کی گواہی لو۔پس اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کی گواہی سے تم راضی ہوتا کہ ایک بھول جائے تو ایک دوسری کو یاد دلائے۔

الحقوق تُقبل فيها شهادة رجلين او رجل وامرأتين سواء كان الحق مالا او غير مال مثل النكاح والطلاق والوكالة والوصية[۲۸۱۶](۷) وتقبل في الولادة والبكارة والعيوب

اثر میں ہے۔ان عمرؓ بن الخطاب اجاز شهادة رجل واحد مع نساء في نكاح (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب هل تجوز شهادة النساء مع الرجال في الحدود وغيره؟، ج ثامن، ص ۳۳۱، ۱۵۴۱۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۹۷ فی شهادة النساء فی العتق والدین والطلاق ، ج رابع، ص ۵۱۷، نمبر ۲۲۶۸۱ ردار قطنی، کتاب الاقضية والاحکام، ج رابع، ص ۱۴۹، نمبر ۴۵۱۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طلاق نکاح وغیرہ میں بھی عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مال اور اس کے توابع میں عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔نکاح، طلاق غیرہ میں نہیں۔

نوٹ اوپر اثر گزرا۔ان علي بن ابي طالب قال لاتجوز شهادة النساء في الطلاق والنكاح والحدود (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب هل تجوز شهادة النساء مع الرجال في الحدود وغيره؟، ج ثامن، ص ۳۲۹، نمبر ۱۵۴۰۵ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۹ فی شهادة النساء فی الحدود، ج خامس، ص ۵۲۸، نمبر ۲۸۷۰۷ رسنن للبیہقی، باب الشهادة فی الطلاق والرجعة وما فی معناهما من النکاح والقصاص والحدود، ج عاشر، ص ۲۵۰، نمبر ۲۰۵۲۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت کی گواہی طلاق اور نکاح میں بھی مقبول نہیں ہے۔اس لئے وہ صرف دین میں گواہی دے سکتی ہے۔

[۲۸۱۶] (۷) ولادت اور باکرہ ہونے میں اور عورتوں کے ان جگہ کے عیوب میں جہاں مرد مطلع نہیں ہو سکتے ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح بچہ پیدا ہوتے وقت مرد بیوی اور باندی کے علاوہ عورتوں کو نہیں دیکھ سکتا۔اسی طرح عورت باکرہ ہے یا نہیں مرد اس کو نہیں دیکھ سکتا۔اس لئے جہاں مرد نہیں دیکھ سکتا ہو وہاں صرف عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔اسی طرح شرمگاہ وغیرہ کی بیماری جس پر مرد مطلع نہیں ہوسکتا اس کے بارے میں ایک عورت کی گاہی کافی مانی جائے گی۔اور اسی پر فیصلہ کیا جائے گا۔

نوٹ (۱) حدیث میں ہے کہ ایک دائی کی گواہی مقبول ہے۔عن حذيفة ان رسول الله ﷺ اجاز شهادة القابلة (ج) (دار قطنی، کتاب الاقضية والاحکام، ج رابع، ص ۱۴۹، نمبر ۴۵۱۱ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی عددهن (ای عدد النساء)، ج عاشر، ص ۲۵۴، نمبر ۲۰۵۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائی کی گواہی مقبول ہے (۲) حدیث میں ہے کہ باندی نے دودھ پلانے کی گواہی دی تو اس کی وجہ سے نکاح توڑ دیا۔حدثني عقبة بن الحارث او سمعته منه انه تزوج ام يحيى بنت ابي اهاب قال فجاءت امة سوداء فقالت قد ارضعتكما فذكرت ذلك للنبي ﷺ فاعرض عني قال فتنحيت فذكرت ذلك له قال وكيف وقد زعمت انها قد

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے عورتوں کے ساتھ ایک مرد کی گواہی جائز قرار دی نکاح میں (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے طلاق، نکاح اور حدود میں (ج) آپؐ نے دائی کی گواہی کی اجازت دی یعنی اس کو قبول فرمایا۔

بالنساء فی موضع لایطلع علیه الرجال شهادة امرأة واحدة[۲۸۱۷](۸) ولا بد فی ذلک کله من العدالة ولفظ الشهادة فان لم یذکر الشاهد لفظة الشهادة وقال اعلم او

ارضعتکما؟ فنهاه عنها (الف) (بخاری شریف، باب شهادة الاماء والعبید، ص۳۶۳، نمبر ۲۶۵۹ رابوداؤد شریف، باب الشهادة علی الرضاع، ج ۲، ص ۱۵۱، نمبر ۳۶۰۳) اس حدیث میں صرف ایک باندی کی گواہی سے نکاح توڑنے کا حکم دیا کیونکہ دودھ پلانے پر جہاں مرد مطلع نہیں ہوسکتا ہوا یک عورت کی گواہی قابل قبول ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن الشعبی قالوا تجوز شهادة امرأة واحدة فیما لا یطلع علیه الرجال (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ،۸۲ ما تجوز فیہ الشہادۃ النساء، ج رابع، ص ۳۳۵، نمبر ۲۰۷۰۵ رمصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ المرأۃ فی الرضاع والنفاس، ج ثامن، ص ۳۳۳، نمبر ۱۵۴۲۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہاں مرد مطلع نہیں ہو سکتے ہوں وہاں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان معاملوں میں بھی چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

وجہ معاملات میں دومرد کی گواہی ضروری ہے۔ اور گواہی میں ایک مرد کے لئے دوعورتیں ہوتی ہیں اس لئے دومرد کے مقابلے میں چار عورتیں ہوں تب گواہی مقبول ہوگی (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عطاء بن ابی رباح قال لا یجوز الا اربع نسوة فی الاستهلال (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی عددھن، ج عاشر، ص ۲۵۴، نمبر ۲۰۵۴۱ رمصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ المرأۃ فی الرضاع والنفاس، ج ثامن، ص ۳۳۲، نمبر ۱۵۴۲۱ رمصنف ابن ابی شیبة، ۸۲ ما تجوز فیہ شہادۃ النساء، ج رابع، ص ۳۲۵، نمبر ۲۰۷۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ولادت وغیرہ میں بھی چار عورتوں کی گواہی چاہئے۔

[۲۸۱۷] (۸) اورضروری ہے ان تمام میں عادل ہونا اور لفظ شہادت، پس اگر گواہ نے لفظ شہادت ذکر نہیں کیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں یا مجھے یقین ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح گواہی دینے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ گواہ عادل ہو اور دوسری بات یہ کہ گواہ گواہی دیتے وقت اشھد کا لفظ استعمال کرے۔ اگر اشھد کے بجائے یوں کہے کہ میں جانتا ہوں یا مجھے یقین ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ آیت میں تاکید ہے کہ گواہ عادل ہو۔ آیت یہ ہے۔ واشهدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشهادة لله ذلکم یوعظ به (د) (آیت ۲، سورۃ الطلاق ۶۵) دوسری آیت میں ہے۔ یا ایها الذین آمنوا شهادة بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیة

حاشیہ : (الف) عقبہ بن حارث سے سنا کہ انہوں نے ام یحیی بنت ابی اہاب سے شادی کی، فرماتے ہیں کہ ایک کالی باندی آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ میں نے اس کا تذکرہ حضور ﷺ سے کیا تو آپؐ نے مجھ سے اعراض کر لیا۔ میں نے دوسرے کنارے جا کر پھر اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کیسے ہوگا؟ وہ باندی گمان کرتی ہے کہ تم دونوں کو دودھ پلایا ہے؟ پھر آپؐ نے اس عورت سے روک دیا (ب) حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ لوگ فرماتے ہیں کہ ایک عورت کی گواہی وہاں جائز ہے جہاں مرد مطلع نہ ہو سکتے ہوں (ج) حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ولادت میں چار عورتوں کے بغیر گواہی جائز نہیں (د) تم میں سے یعنی مسلمانوں میں سے عادل آدمی کی گواہی لو۔ اور اللہ کے لئے گواہی قائم کرو، اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔

اتیقّن لم تُقبل شهادته[۲۸۱۸](۹) وقال ابو حنیفة رحمه الله تعالی یقتصر الحاکم علی ظاهر عدالة المسلم الا فی الحدود والقصاص فانه یسأل عن الشهود وان طعن الخصم

اثنان ذوا عدل منکم (الف) (آیت ۱۰۶، سورۃ المائدۃ ۵) ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ گواہ عادل ہوں۔
لفظ شہادت کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس میں ایک قسم کی تاکید ہے۔ اس لئے گواہ گواہی دیتے وقت شہادت کا لفظ استعمال کرے (۲) گواہی کی تمام آیتوں میں شہادت کا لفظ استعمال ہوا ہے اس لئے بھی شہادت کا لفظ چاہئے۔ اس کے لئے دو آیتیں تو پہلے گزر گئیں۔ اور استشهدوا شهیدین من رجالکم ، اسی آیت میں ہے واشهدوا اذا تبایعتم (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ ۲) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ گواہی دیتے وقت لفظ شہادت استعمال کرے۔ چنانچہ اعلم یا اتیقن کہے تو گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ عادل کس کو کہتے ہیں اس کی تفصیل آگے آئے گی۔
[۲۸۱۸] (۹) اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا حاکم اکتفا کرے گا مسلمان کی ظاہری عدالت پر مگر حدود اور قصاص میں۔ اس لئے کہ حدود میں تفتیش کریں گے گواہوں کے بارے میں، اور اگر طعن کیا مدعی علیہ نے گواہوں میں تو ان کے بارے میں تفتیش کریں گے۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ حدود اور قصاص کے علاوہ عام معاملات میں گواہوں کی عدالت کی تفتیش زیادہ نہیں کریں گے۔ بلکہ ظاہری طور پر عادل معلوم ہوتے ہوں تو اسی پر اکتفا کریں گے اور فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ہاں مدعی علیہ گواہوں کی عدالت پر طعن کرے تو پھر گواہوں کی تفتیش کی جائے گی۔ البتہ حدود و قصاص کے گواہوں کی پوری جانچ ہوگی۔ اور پوشیدہ اور ظاہری طور پر اس کی عدالت کی تحقیق کی جائے گی تاکہ مجرم کی جان ضائع نہ جائے یا اس کا عضو ضائع نہ جائے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان ظاہری طور پر عادل ہیں جب تک کہ اس میں طعن نہ کرے۔ اس لئے ظاہری عدالت پر اکتفا کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ المسلمون عدول بعضهم علی بعض الا محدودا فی فرية (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷ من قال لا تجوز شہادته اذا تاب، ج رابع، ص ۳۳۰، نمبر ۲۰۶۵۰ / دار قطنی، کتاب عمرؓ الی ابی موسی اشعریؓ، ج رابع، ص ۱۳۲، نمبر ۴۴۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان عادل ہیں مگر حد قذف میں۔ اس لئے ظاہری عدالت پر اکتفا کیا جائے گا۔ ہاں مدعی علیہ طعن کرے تو تفتیش کی جائے گی۔
حدود اور قصاص میں گواہوں کی تفتیش کی جائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ جان ضائع نہ ہو (۲) حضورؐ نے حضرت ماعزؓ سے اس کی عدالت کے بارے میں تحقیق کی۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ ان ابا هريرة قال ... دعاه النبی ﷺ فقال ابک جنون ؟ قال لا یا رسول الله! فقال احصنت؟ قال نعم یا رسول الله ! قال اذهبوا فارجموه (ج) (بخاری شریف، باب سوال الامام المقر هل احصنت؟، ص ۱۰۰۸، نمبر ۶۸۲۵ / ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک، ص ۲۶۰، نمبر ۴۴۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے حدود میں عادل ہونے

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو! تمہارے درمیان گواہی یہ ہے کہ تم میں سے کسی ایک کو موت آئے وصیت کے وقت تم میں سے دو عادل آدمی ہوں۔ یعنی وصیت کے وقت عادل آدمی کی گواہی لیں (ب) آپؐ نے فرمایا مسلمان بعض بعض پر عادل ہیں مگر زنا کی تہمت میں جس کو حد لگ چکی ہو وہ عادل نہیں (ج) آپؐ نے حضرت ماعزؓ کو بلایا اور پوچھا کیا تم کو جنون ہے؟ فرمایا نہیں یا رسول اللہ! پھر پوچھا کیا تم محصن ہو؟ کہا ہاں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا جاؤ ان کو رجم کرو۔

فیھم یسأل عنھم[۲۸۱۹](۱۰) وقال ابو یوسف و محمد رحمھما اللہ تعالی لا بد ان یسأل عنھم فی السر والعلانیة[۲۸۲۰](۱۱) وما یتحمّله الشاھد علی ضربین احدھما

کے بارے میں تفتیش کی ہے (۲) ایک حدیث میں آپؐ نے حضرت ماعز کے متعلق اس کی قوم سے بھی پوچھا ہے۔ **عن ابن عباس** ... **فاعرض عنه فسأل قومه أمجنون هو؟ قالوا ليس به بأس** (الف) (ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک، ص ۲۶۰، نمبر ۴۴۲۱) اس حدیث میں حضرت ماعزؓ کے متعلق اس کی قوم سے بھی پوچھا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حدود وقصاص میں سر اور علانیہ تزکیہ کی جائے گی۔

[۲۸۱۹] (۱۰) امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں ضروری ہے کہ گواہوں کے بارے میں سر اور علانیہ کے طور پر تفتیش کرے۔

تشریح صاحبین کی رائے ہے کہ عام معاملات میں بھی گواہوں کی عدالت کی تحقیق در پردہ بھی کرے اور علانیہ بھی کرے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ معاملات میں گواہی کی عدالت شرط ہے۔ اور زمانہ ایسا ہے کہ تفتیش کئے بغیر عدالت کا پتا چلنا مشکل ہے اس لئے تفتیش کرے (۲) حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کے بارے میں بھی تفتیش کی تھی۔ لمبی حدیث افک کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عائشة زوج النبی ﷺ حین قال لها اهل الافک ... فقال یا زینب ماعلمت مارأیت ؟ فقالت یا رسول الله ! الله احمی سمعی وبصری ، والله ما علمت علیها الا خیرا** (ب) (بخاری شریف، تعدیل النساء بعضھن بعضا، ص ۳۶۳، نمبر ۲۶۶۱) (۳) اثر میں ہے۔ **وقال ابو جمیلة وجدت منبوذا فلما رآنی عمر قال عسی الغویر ابوسا کانه یتهمنی، قال عریفی، انه رجل صالح قال کذلک، اذهب وعلینا نفقته** (ج) (بخاری شریف، اذا ذکی رجل رجلا کفاہ، ص ۳۶۶، نمبر ۲۶۶۲) اس حدیث اور اثر میں عام معاملات میں تزکیہ اور تفتیش کی گئی ہے۔ اس لئے عام معاملات میں بھی گواہوں کی تفتیش کرے۔

نوٹ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں لوگ اچھے ہوتے تھے اس لئے عام معاملات میں گواہوں کے تزکیہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اور صاحبینؒ کے زمانے میں لوگ کچھ غیر ذمہ دار ہو گئے تھے اس لئے تزکیہ کی ضرورت سمجھی گئی۔ اور اس وقت انہیں کے قول پر فتوی ہے۔

[۲۸۲۰] (۱۱) گواہ جس گواہی کا تحمل کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک وہ جس کا حکم ثابت ہوتا ہے خود ہی۔ جیسے خرید و فروخت، اقرار، غصب، قتل، حاکم کا فیصلہ، پس گواہ چیزوں کو سنے یا ان کو دیکھے تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ ان کی گواہی دے۔ چاہے ان پر گواہ نہ بنایا ہو۔ اور یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے بیچا ہے۔ یوں نہ کہے کہ مجھ کو گواہ بنایا ہے۔

تشریح گواہ بننے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی گواہ اپنی گواہی پر گواہ بنائے اور کہے کہ میں تو مجلس قضا میں نہیں جا سکوں گا اب

حاشیہ: (الف) آپ نے حضرت ماعزؓ سے اعراض کیا پھر اس کی قوم سے پوچھا کیا یہ مجنون ہے؟ لوگوں نے کہا اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے (ب) حضرت عائشہؓ کو جب تہمت لگانے والوں نے تہمت لگائی ... آپؐ نے پوچھا زینب تمہاری کیا رائے ہے؟ فرمایا یا رسول اللہ! اپنے کان اور نگاہ کی حفاظت کرتی ہوں۔ اس کے بارے میں خیر کے علاوہ نہیں جانتی ہوں (ج) ابو جمیلہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی پھینکا ہوا بچہ پایا۔ پس جب مجھے عمرؓ نے دیکھا تو فرمایا ایسا لگتا ہے کہ غویر مسکین ہو گیا۔ گویا کہ وہ مجھے متہم کر رہے تھے۔ تو میرے سردار نے کہا کہ یہ نیک آدمی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ایسا ہی ہے۔ جاؤ! اس کا نفقہ میرے ذمے ہے۔

ما یثبت حکمہ بنفسہ مثل البیع والاقرار والغصب والقتل وحکم الحاکم فاذا سمع ذلک الشاھد او راٰہ وسعہ ان یشھد بہ وان لم یشھد علیہ ویقول اشھد انہ باع ولا یقول اشھدنی[۲۸۲۱](۱۲) ومنہ مالا یثبت حکمہ بنفسہ مثل الشھادۃ علی الشھادۃ فاذا سمع شاھدا یشھد بشیء لم یجز لہ ان یشھد علی شھادتہ الا ان یُشھدہ وکذلک لو

آپ جا کر میری گواہی پیش کریں۔اس کو شہادت علی الشہادۃ کہتے ہیں۔دوسری صورت یہ ہے کہ کسی نے گواہ تو نہیں بنایا لیکن کوئی کام ہوتے ہوئے دیکھا تو یہ خود بخود گواہ بن گیا۔اب اس کے لئے گنجائش ہے کہ اس بات کی گواہی دے۔اب یہ اصل گواہ ہوا۔مثلا کسی کو کوئی چیز بیچتے ہوئے دیکھا تو گواہی دے سکتا ہے کہ فلاں نے فلاں چیز فلاں سے بیچی ہے۔میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔البتہ یہ نہ کہے کہ مجھے گواہ بنایا ہے۔کیونکہ واقعی اس کو کسی نے گواہ بنایا نہیں ہے بلکہ خود بخود بنا ہے۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ولا یملک الذین یدعون من دونہ الشفاعۃ الا من شھد بالحق وھم یعلمون (الف)(آیت ۸۶،سرۃ الزخرف ۴۳)اس آیت میں ہے کہ حق کو دیکھا اور جانتا ہو تو شفاعت کا مالک ہے(۲)ایک حدیث میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال ذکر عند رسول اللہ ﷺ الرجل یشھد بشھادۃ فقال اما انت یا ابن عباس فلا تشھد الا علی امر یضیء لک کضیاء ھذہ الشمس وأومی رسول اللہ ﷺ بیدہ الی الشمس (ب)(سنن للبیہقی،باب التحفظ فی الشھادۃ والعلم بھا،ج عاشر،ص ۲۶۳،نمبر ۲۰۵۷۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج کی طرح بات روشن ہو جائے تو گواہی دے سکتا ہے۔

[۲۸۲۱](۱۲)ان میں سے وہ گواہی ہے کہ اس کا حکم خود ثابت نہیں ہوتا۔مثلا گواہی پر گواہی دینا۔پس اگر کوئی شاہد سنے کسی چیز کی گواہی دیتے ہوئے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کی گواہی کی گواہی دے مگر یہ کہ اس کو گواہ بنائے۔ایسے ہی اگر سنا کہ گواہ بنا رہا ہے کسی کی گواہی پر تو سننے والے کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ اس پر گواہی دے۔

تشریح کسی گواہ کی گواہی پر گواہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ اصل گواہ فرع گواہ کو اپنی گواہی پر گواہ بنائے۔تب اس کی گواہی قاضی کی مجلس میں منتقل کر سکتا ہے۔اس کے بغیر نہیں۔چنانچہ کسی کو گواہ بناتے سنا تو سننے والے کے لئے گنجائش نہیں کہ وہ قاضی کی مجلس میں گواہی دیدے۔یا کسی کو دیکھا کہ وہ گواہی دے رہا ہے تو دیکھنے والے کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ وہ اس کی گواہی قاضی کی مجلس میں منتقل کرے جب تک کہ اصل گواہ فرع گواہ کو باضابطہ اپنی گواہی کا گواہ نہ بنائے۔

وجہ فرع گواہ اصل گواہ کا گویا کہ وکیل ہے۔اور مؤکل کے بغیر بنائے وکیل نہیں بنتا اس لئے اصل گواہ کے بغیر فرع گواہ گواہ نہیں بن سکتا(۲)

حاشیہ : (الف)جو اللہ کے علاوہ کسی کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کے لائق نہیں ہے۔مگر جو حق کی گواہی دے اور جانتا ہو(ب)حضورؐ کے سامنے ایک آدمی کا تذکرہ ہوا کہ وہ گواہی دیتا ہے۔تو آپؐ نے فرمایا اے ابن عباس!تم کسی معاملے پر اس وقت تک گواہی نہ دینا جب اس سورج کی روشنی کی طرح واضح نہ ہو جائے۔اور حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے سورج کی طرف اشارہ فرمایا۔

سمعه یُشهد الشاهد علی شهادته لم یسع للسامع ان یشهد علی ذلک[۲۸۲۲](۱۳) ولا یحل للشاهد اذا رأی خطه ان یشهد الا ان یذکر الشهادة[۲۸۲۳](۱۴) ولا تُقبل شهادة الاعمٰی.

اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن شریح قال تجوز شهادة الرجل علی الرجل فی الحقوق ،ویقول شریح للشاهد قل اشهدنی ذو عدل (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ الرجل علی الرجل، ج ثامن، ص ۳۳۸، نمبر ۱۵۴۴۷) اس اثر میں ہے کہ یوں کہو کہ مجھ کو عادل آدمی نے گواہ بنایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ گواہ بنائے تب بن سکتا ہے۔

[۲۸۲۲] (۱۳) اور نہیں حلال ہے گواہ کے لئے اگر وہ اپنا خط دیکھے یہ کہ گواہی دے مگر یہ کہ گواہی یاد ہو۔

تشریح ایک آدمی نے اپنا خط دیکھا جس میں گواہی لکھی ہوئی تھی لیکن گواہی کا پورا واقعہ یاد نہیں ہے تو صرف خط دیکھ کر گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ ہاں پورا واقعہ یاد آجائے تو اب وہ گواہی دے سکتا ہے۔

وجہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی اور نے خط لکھا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ یہ میرا خط ہے۔ اس لئے گواہی یاد ہوئے بغیر خط دیکھ کر گواہی نہ دے (۲) اثر میں ہے۔ قال سألت الشعبی قلت یشهدنی الرجل علی الرجل بالشهادة فاوتی بکتاب یشبه کتابی و خاتم یشبه خاتمی ولا اذکر فقال الشعبی لا تشهد حتی تذکر (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الشاھد یعرف کتابہ ولا یذکرہ ، ج ثامن، ص ۳۵۴، نمبر ۱۵۵۱۷ رسنن للبیہقی، باب وجوہ العلم بالشہادۃ، ج عاشر، ص ۲۶۶، نمبر ۲۰۵۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جب تک واقعہ یاد نہ آئے تو خط دیکھ کر گواہی نہ دے۔

[۲۸۲۳] (۱۴) اور اندھے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح شہادت شاہد سے مشتق ہے یعنی دیکھ کر گواہی دینا اس لئے جن باتوں میں دیکھ کر گواہی دینا ہوتا ہے اس میں نابینا کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ البتہ جن باتوں میں صرف سن کر گواہی دینا ہوتا ہے ان میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ نابینا کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ حدثنا الاسود بن قیس العنزی سمع قومه یقولون،ان علیاً رد شهادة اعمی فی سرقة لم یجزها (ج) (سنن للبیہقی، باب وجوہ العلم بالشہادۃ، ج عاشر، ص ۲۶۶، نمبر ۲۰۵۸۶ رمصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ الاعمی، ج ثامن، ص ۳۲۴، نمبر ۱۵۳۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نابینا کی گواہی مقبول نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے کہ سورج کی طرح روشن ہو جائے تب گواہی دو اور نابینا دیکھ نہیں سکتا اس لئے اس کے سامنے سورج کی طرح روشن نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ گواہی بھی نہیں دے سکتا۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباسؓ

حاشیہ : (الف) حضرت شریح فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کی گواہی پر گواہی دینا جائز ہے حقوق میں، چنانچہ حضرت شریح گواہوں سے کہتے تھے، کہو مجھ کو عادل نے گواہ بنایا ہے (ب) میں نے حضرت شعبیؒ سے پوچھا کوئی آدمی کسی آدمی کی گواہی پر گواہ بناتا ہے۔ پس وہ ایک خط لاتا ہے جو میری تحریر کے مشابہ ہے، اور مہر لاتا ہے جو میرے مہر کے مشابہ ہے۔ اور مجھے یاد نہیں ہے کہ وہ میری تحریر ہے تو حضرت شعبیؒ نے فرمایا گواہی مت دو جب تک کہ یاد نہ آئے (ج) حضرت اسود نے اپنی قوم کو کہتے ہوئے سنا کہ حضرت علیؓ نے نابینا کی ایک چوری کے بارے میں گواہی رد کی، اس کو جائز قرار نہیں دیا۔

[۲۸۲۴](۱۵) ولا المملوک[۲۸۲۵](۱۶) ولا المحدود فی قذف وان تاب.

قال ذکر عند رسول الله ﷺ الرجل یشھد بشھادۃ فقال: اما انت یا ابن عباس! فلا تشھد الا علی امر یضیئ لک کضیاء ھذہ الشمس وأومی رسول الله ﷺ بیدہ الی الشمس (الف)(سنن للبیہقی، باب التحفظ فی الشہادۃ والعلم بہا، ج عاشر،ص ۲۶۳،نمبر ۲۰۵۷۹)اور نابینا کے سامنے سورج کی روشنی کی طرح واضح نہیں ہوگا اس لئے وہ گواہی نہیں دے سکتا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گواہ کی چیز دیکھتے وقت دیکھنے والا ہو چاہے گواہی دیتے وقت نابینا ہو تو مقبول ہے۔ وقال الشعبی تجوز شھادتہ اذا کان عاقلا، وقال الزھری ارأیت ابن عباس لو شھد علی شھادۃ اکنت تردہ؟ (ب)(بخاری شریف، باب شہادۃ الاعمی ونکاحہ وامرہ وانکاحہ ومبایعتہ وقبولہ فی التاذین وغیرہ ومایعرف بالاصوات،ص ۳۶۳،نمبر ۲۶۵۵ رمصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ الاعمی، ج ثامن،ص ۳۲۳،نمبر ۱۵۳۷۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ نابینا کی گواہی جائز ہے۔

[۲۸۲۴](۱۵)مملوک کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔فقال واللہ عزوجل یقول واستشھدوا شھیدین من رجالکم (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ) افتجوز شھادۃ العبید فبین مجاھد ان مطلق الخطاب یتناول الاحرار ۔دوسری روایت میں ہے۔عن علی والحسن والنخعی والزھری ومجاھد وعطاء لاتجوز شھادۃ العبید (ج)(سنن للبیہقی، باب من رد شہادۃ العبید ومن قبلہا، ج عاشر،ص ۲۷۲،نمبر ۲۰۶۰۸ رمصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ العبد یعتق والنصرانی یسلم والصبی یبلغ، ج ثامن،ص ۳۴۶،نمبر ۱۵۴۸۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام اور باندی کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

فائدہ بعض اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔وقال انسؓ شھادۃ العبد جائزۃ اذا کان عدلا ،واجازہ شریح وزرارۃ ابن اوفی وقال ابن سیرین شھادتہ جائزۃ الا العبد لسیدہ (د)(بخاری شریف، باب شہادۃ الاماء والعبید،ص ۳۶۳،نمبر ۲۶۵۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مملوک کی گواہی جائز ہے۔

[۲۸۲۵](۱۶)اور تہمت میں حد لگائے ہوئے کی گواہی مقبول نہیں ہے اگر چہ توبہ کر چکا ہو۔

حاشیہ : (الف)حضورؐ کے سامنے ایک آدمی کا تذکرہ ہوا کہ وہ گواہی دیتا رہتا ہے۔تو آپؐ نے فرمایا تم اے ابن عباس! گواہی مت دو یہاں تک کہ معاملہ اس سورج کی طرح روشن ہو جائے۔اور حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے سورج کی طرف اشارہ کیا(ب) حضرت شعبیؒ نے فرمایا نابینا کی گواہی جائز ہے اگر سمجھدار ہو تو۔حضرت زہریؒ نے فرمایا تمہاری کیا رائے ہے اگر ابن عباس گواہی دے تو کیا تم اس کو رد کر دو گے؟(ج) اللہ تعالی کا قول تمہارے مردوں کی گواہی لو تو پوچھا کیا غلام کی گواہی جائز ہے؟ تو حضرت مجاہدؒ نے بیان کیا کہ قرآن میں مطلق خطاب آزاد کو شامل ہے یعنی غلام کی گواہی جائز نہیں ہے۔دوسری روایت میں ہے حضرت علیؓ،حضرت حسنؓ، حضرت نخعیؒ،حضرت زہریؒ،حضرت مجاہدؒ اور حضرت عطاء غلام کی گواہی جائز قرار نہیں دیتے تھے(د) حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ غلام کی گواہی جائز ہے مگر غلام اپنے آقا کے لئے گواہی دے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح کسی آدمی نے کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور گواہ نہ لا سکا جس کی وجہ سے اس پر حد قذف لگ گئی۔ اب وہ توبہ بھی کرے تب بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ آیت میں ہے کہ کبھی بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ **والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون ○ الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور الرحیم** (الف) (آیت ۴/۵، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله لاتجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا مجلود حدا ولا مجلودة ولا ذی غمر لاحنة** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شهادته، ج ۲، ص ۵۵، نمبر ۲۲۹۸ رسنن للبیہقی، باب من قال لاتقبل شهادته، ج عاشر، ص ۲۶۱، نمبر ۲۰۵۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد لگے ہوئے کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ اور توبہ کرے یعنی اپنے آپ کو تہمت لگانے میں جھٹلائے پھر بھی گواہی مقبول نہیں اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **انبأ یونس عن الحسن قالا: لاتقبل شهادته ابدا وتوبته فیما بینه وبین ربه** (ج) (سنن للبیہقی، باب من قال لاتقبل شهادته، ج عاشر، ص ۳۶۲، نمبر ۲۰۵۷۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷ من قال لاتجوز شهادته اذا تاب، ج رابع، ص ۳۳۰، نمبر ۲۶۰۵۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ توبہ کرنے کے بعد بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قاذف توبہ کرلے یعنی یوں کہے کہ میں نے فلاں عورت پر زنا کی غلط تہمت لگائی تھی تو اب اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ آیت مذکورہ میں **الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور رحیم** (آیت ۵، سورۃ النور ۲۴) میں ہے کہ اگر توبہ کرلے تو اللہ معاف فرما دیں گے۔ یعنی گواہی کے قابل ہو جائے گا (۲) بخاری شریف میں آگے یوں ہے۔ **وجلد عمرؓ ابا بکرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغیرة ثم استتابهم وقال من تاب قبلت شهادته، واجاز عبد الله بن عتبة وعمر بن عبد العزیز ... وقال الشعبی وقتادة اذا اکذب نفسه جلد وقبلت شهادته** (د) (بخاری شریف، باب شهادة القاذف والسارق والزانی، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۴۸ رسنن للبیہقی، باب شهادة القاذف، ج عاشر، ص ۲۵۶، نمبر ۲۰۵۴۵ رمصنف عبد الرزاق، باب شهادة القاذف، ج ثامن، ص ۳۶۲، نمبر ۱۵۵۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ توبہ کرنے کے بعد اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

حاشیہ: (الف) جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت ڈالتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لا سکتے تو ان کو اسی کوڑے مارو۔ اور ان کی کبھی بھی گواہی قبول نہ کرو وہ لوگ فاسق ہیں۔ مگر جو اس کے بعد توبہ کرلیا اور اصلاح کرلے تو اللہ معاف کرنے والے ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا خیانت کرنے والے مرد، خیانت کرنے والی عورت کی گواہی جائز نہیں ہے۔ اور نہ حد لگے ہوئے مرد اور نہ حد لگی ہوئی عورت اور نہ کینے والے کی گواہی جائز ہے (ج) حضرت حسن نے فرمایا محدود کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں ہے اور اس کی توبہ اس کے رب کے ساتھ ہے (د) حضرت عمرؓ نے ابو بکرہ، شبل بن معبد اور نافع کو مغیرہ پر تہمت کی وجہ سے حد لگائی پھر ان سے توبہ کے لئے کہا اور فرمایا جو توبہ کرے گا اس کی گواہی قبول ہوگی۔ اور عبد اللہ بن عتبہ اور عمر بن عبد العزیز نے اس کی گواہی کی اجازت دی۔ حضرت شعبی نے فرمایا اگر اپنے آپ کو جھٹلائے اور حد لگ جائے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

[۲۸۲۶](۱۷) ولا شهادة الوالد لولده وولدولده ولا شهادة الولد لابويه واجداده

[۲۸۲۷] (۱۸) ولا تُقبل شهادة احدی الزوجین للآخر.

[۲۸۲۶](۱۷) اور نہ والد کی گواہی اپنے بیٹے کے لئے اور نہ اپنے پوتے کے لئے، اور نہ بچے کی گواہی اپنے والدین کے لئے اور اپنے دادا کے لئے۔

تشریح والد اور والدہ کی گواہی اپنے بیٹے اور پوتے کے لئے مقبول نہیں ہے۔اسی طرح لڑکا یا لڑکی اپنے والدین کے لئے یا اپنے دادا دادی کے لئے دے تو قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ لڑکا اپنے باپ، دادا کی گواہی دے یا باپ، دادا بیٹے یا پوتے کی گواہی دے تو اس میں رعایت کرنے کی تہمت ہے اس لئے ان لوگوں کی گواہی مقبول نہیں ہے(۲) حدیث میں ہے۔عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لا تجوز شهادة خائن ... ولا القانع اهل البیت لهم ولا ظنین فی ولاء ولا قرابة،قال الفزاری القانع التابع (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شھادتہ، ج ۲، ص ۵۵، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ قرابت والوں کی گواہی مقبول نہیں۔اور لوگوں کی آپس میں قرابت ہے اس لئے ان کی گواہی مقبول نہیں ہے۔پھر حدیث میں یہ بھی ہے کہ گھر کے قانع یعنی گھر والے جس کی کفالت کرتے ہوں اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔اور باپ بیٹے کی کفالت کرتا ہے۔اسی طرح بوڑھاپے میں بیٹا باپ کی کفالت کرتا ہے اس لئے ان کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے(۳) اثر میں ہے۔عن ابراهیم قال اربعة لا تجوز شهادتهم الوالد لولده، والولد لوالده، والمرأة لزوجها، والزوج لامرأته، والعبد لسیده، والسید لعبده، والشریک لشریکه فی الشیء اذا کان بینهما، واما فیما سوی ذلک فشهادته جائزة (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ الاخ لاخیہ والابن لابیہ والزوج لامرأتہ، ج ثامن، ص ۳۴۴، نمبر ۱۵۴۷۶ر مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۲۵ فی شھادۃ الولد لوالدہ، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱) اس اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ باپ کی گواہی بیٹے کے لئے اور بیٹے کی گواہی باپ دادا کے لئے مقبول نہیں ہے۔

[۲۸۲۷](۱۸) اور نہیں قبول کی جائے گی میاں بیوی میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے لئے۔

تشریح بیوی شوہر کے لئے گواہی دے یا شوہر بیوی کے لئے گواہی دے تو قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ (۱) یہاں بھی تعلق ہے اس لئے شبہ ہوگا کہ حمایت میں گواہی دے رہا ہے اس لئے مقبول نہیں ہے(۲) اوپر ترمذی شریف کی حدیث گزری جس میں تھا 'ولا قرابة' کہ قریب خاص کی گواہی مقبول نہیں ہے۔اس لئے بھی مقبول نہیں ہوگی (۳) اور یہ اثر بھی گزرا۔والمرأة

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا خیانت کرنے والے کی گواہی جائز نہیں... نہ گھر کے غلام کی اور نہ ولاء میں شریک کی اور نہ قرابت والوں کی۔حضرت فزاری نے فرمایا قانع سے مراد نوکر اور تابع ہے(ب) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا چار آدمیوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔والد کی اپنے بچوں کے لئے،اور بچے کی والد کی لئے، عورت کی شوہر کے لئے،اور شوہر کی بیوی کے لئے،اور غلام اپنے آقا کے لئے،اور آقا کی اپنے غلام کے لئے،اور شریک کی شریک کے لئے جس مال میں دونوں شریک ہیں۔بہر حال ان کے علاوہ تو اس کی شہادت جائز ہے۔

[۲۸۲۸](۱۹) ولا شهادة المولی لعبده ولا لمکاتبه.

لزوجها والزوج لامرأته (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۵۴۷۶ر مصنف ابن ابی شیبة، نمبر ۲۸۵۱)

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بیوی شوہر کے لئے اور شوہر بیوی کے لئے گواہی دے سکتے ہیں۔

وجہ اس لئے کہ دونوں حقیقت میں نسبی اعتبار سے الگ الگ ہیں۔ اور جو نفقہ ادا کرتا ہے وہ جماع کی مزدوری ہے اس لئے گواہی دے سکتے ہیں (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ سمعت شریحا اجاز لامرأة شهادة ابيها وزوجها، فقال له الرجل انه ابوها وزوجها ،فقال له شريح فمن شهد للمرأة الا ابوها وزوجها (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ الاخ لاخیہ والابن لابیہ والزوج لامرأتہ، ج ثامن، ص ۳۴۴، نمبر ۱۵۴۷۳ر مصنف ابن ابی شیبة، ۴۲۵ فی شھادۃ الولد لوالدہ، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے گواہی دے سکتے ہیں۔

[۲۸۲۸](۱۹) اور آقا کی گواہی اپنے غلام کے لئے اور اپنے مکاتب کے لئے مقبول نہیں ہے۔

وجہ یہاں بھی آقا اپنے غلام کی کفالت کرتا ہے اور مکاتب بھی ابھی غلام کے درجے میں ہے تو گویا یہ قانع لاهل البيت ہو گیا۔ اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں (۲) حدیث میں ہے۔ عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله ﷺ رد شهادة الخائن والخائنة وذي الغمر على اخيه ورد شهادة القانع لاهل البيت واجازها لغيرهم (ب) (ابو داؤد شریف، باب من ترد شھادتہ ،ص ۱۵۱، نمبر ۳۶۰۰ر ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شھادتہ، ص ۵۵، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ جسکی کفالت کرتا ہو اس کی گواہی مقبول نہیں۔ اور غلام اور مکاتب کی آقا کفالت کرتا ہے اسلئے اس کی گواہی مقبول نہیں (۲) اثر میں ہے۔ وقال ابن سيرين شهادته جائزة الا العبد لسيده (ج) (بخاری شریف، باب شھادۃ الاماء والعبید ،ص ۳۶۳، نمبر ۲۶۵۹) (۳) او پر اثر بھی گزرا۔ اربعة لاتجوز شهادتهم ... والعبد لسيده والسيد لعبده (د) (مصنف، عبد الرزاق، نمبر ۱۵۴۷۶ر مصنف ابن ابی شیبة، نمبر ۲۲۸۵۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام آقا کے لئے اور آقا غلام کے لئے گواہی نہیں دے سکتے (۴) یوں بھی غلام کا مال آقا کا مال ہے اس لئے گویا کہ اپنے مال ہی کے لئے گواہی دیتا ہے اس لئے جائز نہیں۔ اور مکاتب غلام کے درجے میں ہے اس لئے اس کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔ قال ابراهيم اذا كان يسعى فهو منزلة العبد يقول لا تجوز شهادته (ہ) (مصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ المکاتب والذی یسعی، ج ثامن، ص ۳۴۵، نمبر ۱۵۴۷۸/۱۵۴۷۹)

حاشیہ : (الف) حضرت شریحؒ نے عورت کے لئے اس کے باپ اور شوہر کی گواہی جائز قرار دی۔ پس لوگوں نے کہا یہ اس کے باپ اور اس کے شوہر ہیں۔ حضرت شریحؒ نے فرمایا عورت کے لئے کون گواہی دے گا سوائے اس کے باپ اور شوہر کے؟ (ب) حضورؐ نے رد کیا خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی کو۔ اور بھائی سے کینہ رکھنے والے کی گاہی کو۔ اور رد کیا نوکر کی گواہی اور ان کے علاوہ کی اجازت دی (ج) حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ گواہی جائز ہے مگر غلام کی آقا کے لئے جائز نہیں (د) چار کی گواہی جائز نہیں... غلام کی آقا کے لئے اور آقا کی اپنے غلام کے لئے (ہ) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ اگر غلام سعایت کر رہا ہو تو وہ بھی غلام کی طرح ہے اس کی گواہی جائز نہیں ہے۔

[۲۸۲۹](۲۰) ولا شھادۃ الشریک لشریکہ فیما ھو من شرکتھما[۲۸۳۰](۲۱) وتُقبل شھادۃ الرجل لاخیہ وعمہ[۲۸۳۱](۲۲) ولا تُقبل شھادۃ مخنَّث ولا نائحۃ ولا

[۲۸۲۹](۲۰)اور نہ شریک کی گواہی شریک کے لئے جس چیز میں دونوں کی شرکت ہے۔

تشریح جس معاملے میں دونوں کی شرکت ہے اس معاملے میں ایک شریک کی گواہی دوسرے کے لئے مقبول نہیں ہے۔

وجہ یہاں بھی تہمت ہے کہ اپنے ہی مال کے لئے رعایت کر کے گواہی دے رہا ہے (۲) حدیث گزری۔ عن عمرو بن شعیبؓ ان رسول اللہ ﷺ رد شھادۃ الخائن والخائنۃ (الف) (ابوداؤد شریف، باب من ترد شھادتہ، ج ۲، ص ۱۵۱، نمبر ۳۶۰۰ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شھادتہ، ص ۵۵، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ خائن مرد اور خائنہ عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ اور شریک کے بارے میں شبہ ہوسکتا ہے کہ خیانت کے ساتھ گواہی دے۔ اس لئے اس کی گواہی اس مال میں صحیح نہیں جس میں شریک ہے۔ باقی دوسرے معاملے میں شریک کے بارے میں گواہی دے سکتا ہے (۳) اثر بھی گزرا۔ عن ابراھیم قال اربعۃ لاتجوز شھادتھم... والشریک لشریکہ فی الشیء اذا کان بینھما، واما فیما سوی ذلک فشھادتہ جائزۃ (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب شھادۃ الاخ لاخیہ، والابن لابیہ، والزوج لامرأتہ، ج ثامن، ص ۳۴۴، نمبر ۱۵۴۷۶ ر مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۲۵ فی شھادۃ الولد لوالدہ، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱) اس اثر میں ہے کہ شریک کی گواہی شریک کے لئے مال شرکت میں مقبول نہیں ہے۔

اصول ان سب گواہی میں یہ اصول ہے کہ جہاں رعایت کرنے یا خیانت کرنے کا شبہ ہے وہاں گواہی مقبول نہیں ہے۔

[۲۸۳۰](۲۱)اور آدمی کی گواہی اپنے بھائی کے لئے اور چچا کے لئے قبول کی جائے گی۔

وجہ بھائی اور چچا کی کفالت بھائی اور بھتیجے کے ذمے نہیں ہے اس لئے کہ دونوں کی رہائش الگ الگ ہے۔ اس لئے قانع اہل بیت نہیں ہوئے۔ اس لئے ان کی گواہی مقبول ہے (۲) اثر میں ہے۔ ان شریحا کان یجیز شھادۃ الاخ لاخیہ اذا کان عدلا (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی شھادۃ الاخ لاخیہ، ج عاشر، ص ۳۴۱، نمبر ۲۰۸۶۷ ر مصنف عبدالرزاق، باب شھادۃ الاخ لاخیہ والابن لابیہ والزوج لامرأتہ، ج ثامن، ص ۳۴۳، نمبر ۱۵۴۶۶ ر مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۲۵ فی شھادۃ الاخ لاخیہ، ج رابع، ص ۴۳۳، نمبر ۲۱۷۸۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھائی کی گواہی بھائی کے لئے جائز ہے اور چچا تو اس سے دور کے ہوتے ہیں اس لئے ان کے لئے بھی گواہی جائز ہوگی۔

[۲۸۳۱](۲۲)اور نہیں قبول کی جائے گی گواہی مخنث کی اور نہ رونے والے کی، اور نہ گانے والی کی، اور نہ لہو ولعب کے طور پر ہمیشہ شراب پینے والے کی، اور نہ اس کی جو پرندہ بازی کرے۔

تشریح مخنث کہتے ہیں جو مرد عورت کی طرح کرتا ہو۔ اگر اتنا ہی ہو تو اس کی گواہی مقبول ہے لیکن اگر لواطت کرواتا ہو تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس گناہ کی وجہ سے فاسق ہوگیا۔ اور آیت کی وجہ سے فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے رد کیا خائن کی گواہی کو اور خائنہ عورت کی گواہی کو (ب) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا چار آدمیوں کی گواہی جائز نہیں ہے... شریک کی گواہی شرکت کی چیز میں، بہر حال ان کے علاوہ میں تو اس کی گواہی جائز ہے (ج) حضرت شریحؒ جائز قرار دیتے تھے بھائی کی گواہی کو بھائی کے لئے جبکہ عادل ہو۔

مغنيّة ولا مدمن الشُرب على اللهو ولا من يلعب بالطيور.

وجہ آیت میں ہے۔ واشهدوا ذوا عدل منكم واقيموا الشهادة لله (آیت ۲، سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ عادل کی گواہی مقبول ہے فاسق کی نہیں۔ اس لئے جو لوگ مسلسل گناہ کرنے کی وجہ سے فاسق ہو گئے اور ابھی بھی اس گناہ کے عادی ہیں اس سے توبہ نہیں کی ہے تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی (۲) دوسری آیت میں ہے۔ یا ایها لذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين (الف) (آیت ۶، سورۃ حجرات ۴۹) اس آیت میں ہے کہ فاسق کوئی خبر لائے تو اس پر یقین مت کرو۔ اس کی پوری تفتیش کرو کیونکہ فاسق جھوٹ بول سکتا ہے۔ اس لئے اس کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے (۳) عادل کی تعریف یہ ہے۔ قلت لابرهيم ماالعدل من المسلمين؟ قال الذين لم تظهر لهم ريبة (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب لایقبل منھم ولا جار الی نفسہ ولا ظنین، ج ثامن، ص ۳۱۹، نمبر ۱۵۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو گناہ کر کے مشکوک ہو چکا ہے وہ عادل نہیں رہا۔

مخنث گنہگار ہے اس کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال لعن النبی ﷺ المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء، وقال اخرجوهم من بيوتكم واخرج عمرؓ فلانا (ج) (بخاری شریف، باب فی اہل المعاصی والمخنثین، ص ۱۰۱۰، نمبر ۶۸۳۴) اس حدیث میں مخنث پر لعنت کی ہے اور اس کو گھروں سے نکالنے کا حکم دیا ہے اس لئے اس کی گواہی کیسے قبول کی جائے گی۔

اور لواطت کرتا ہو اس سے گنہگار ہونے کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ من وجدتموه يعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول به (د) (ابو داؤد شریف، باب فیمن عمل عمل قوم لوط، ص ۲۶۵، نمبر ۴۴۶۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی حد اللوطی، ص ۲۷۰، نمبر ۱۴۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لواطت کرنے والے اور کرانے والے دونوں قتل کر دیئے جائیں۔ اس لئے کہ یہ گناہ کبیرہ میں مبتلا ہیں۔ اس لئے یہ فاسق ہوئے اور ان کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

نوٹ اگر لواطت نہ کرواتا ہو، صرف عورتوں کی طرح چال ڈھال ہو گئی ہو تو اس کی گواہی مقبول ہے۔ کیونکہ وہ گناہ کبیرہ میں مبتلا نہیں ہے۔

نائحہ: غم اور مصیبت کی وجہ سے فطری طور پر روئے تو اس سے عدالت ساقط نہیں ہوتی، اس کی گواہی مقبول ہے۔ یہاں نائحہ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو پیشہ ور رونے والی ہو کہ غم وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ کرایہ پر نوحہ خوانی کرتی ہیں۔ ایسی نوحہ خوانی گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے ان کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔ اور گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ نوحہ حرام ہونے کی دلیل یہ ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال لعن رسول الله ﷺ النائحة والمستمعة (ہ) (ابو داؤد شریف، باب فی النوح، ج ۲، ص ۱۷۴، نمبر ۳۱۲۸ رمسلم شریف، باب التشدید فی النیاحۃ، ص ۳۰۳، نمبر ۹۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوحہ گناہ کبیرہ ہے اس لئے نوحہ کرنے والیوں کی گواہی مقبول نہیں جب تک کہ اس سے توبہ نہ

حاشیہ: (الف) اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی وضاحت طلب کرو۔ کیونکہ نادانی میں کسی قوم سے جھگڑ نہ پڑو۔ پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہو (ب) میں نے حضرت ابراہیمؒ سے پوچھا کہ مسلمانوں کا عدل کیا ہے؟ فرمایا جس کے بارے میں شک ظاہر نہ ہو (ج) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آپؐ نے مخنث مرد پر لعنت فرمائی اور جو عورتیں مرد بنتی ہیں۔ اور فرمایا ان کو گھروں سے نکال دو، اور فلاں کو نکالا اور حضرت عمرؓ نے فلاں کو نکالا (د) آپؐ نے فرمایا جس کو قوم لوط کا کام کرتے پاؤ اس کے کرنے والے اور کرانے والے کو قتل کر دو (ہ) آپؐ نے لعنت فرمائی نوحہ کرنے والی عورت پر اور اس کو سننے والی پر۔

کرے۔

مغنیہ : کبھی کبھار گیت گا لیا یا شعر کہہ لیا اس سے عدالت ساقط نہیں ہوگی۔ یہاں مغنیہ سے مراد ہے جو گانے کا پیشہ بنا لیا ہو۔ اور ناچ گانے کی دعوت دیتی ہو۔ اس کی عدالت ساقط ہوگی کیونکہ ایسا گانا گناہ کبیرہ ہے۔

وجہ آیت میں ہے۔ **ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین** (آیت ۶، سورۃ لقمان ۳۱) اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے۔ **ھو واللہ الغناء** (الف) (سنن للبیہقی، باب الرجل یغنی فیتخذ الغناء صناعۃ یوتی علیہ ویأتی لہ ویکون منسوبا الیہ مشھورا بہ معروفا او المرأۃ، ج عاشر، ص ۳۷۷، نمبر ۲۱۰۰۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ گانا حرام ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل** (ب) (سنن للبیہقی، باب الرجل یغنی فیتخذ الغناء صناعۃ یؤتی علیہ ویأتی لہ الخ، ج عاشر، ص ۳۷۸، نمبر ۲۱۰۰۸ / ابو داؤد شریف، باب فی کراہیۃ الغناء، ص، نمبر ۴۹۲۷) (۳) ترمذی شریف میں ہے۔ **عن جابر بن عبد اللہ قال اخذ النبی ﷺ بید عبد الرحمن بن عوف ... ولکن عن صوتین احمقین فاجرین صوت عند مصیبۃ خمش وجوہ وشق جیوب ورنۃ شیطان** (ج) ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرخصۃ فی البکاء علی المیت، ص ۱۹۵، نمبر ۱۰۰۵) اس حدیث میں رنۃ الشیطان سے مراد گانا گانا ہے۔ اس لئے یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس کا پیشہ بنانے سے گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

مدمن الشرب : جو شراب پیتا ہو اور توبہ کرنے کی نیت نہ ہو اس کو مدمن الشرب شراب میں دھت کہتے ہیں۔ شراب پینا گناہ کبیرہ ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوا لعلکم تفلحون** (د) (آیت ۹۰، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں شراب پینا حرام قرار دیا گیا ہے (ا) حدیث میں ہے۔ **عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ولا یشرب الخمر حین یشرب وھو مؤمن** (ہ) (بخاری شریف، باب الزنا وشرب الخمر، ص ۱۰۰۱، نمبر ۶۷۷۲) اس حدیث۔ سے معلوم ہوا کہ شراب پینے سے مؤمن باقی نہیں رہتا۔ اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

اگر شراب پینے سے توبہ کرلے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

وجہ : اثر میں ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال کنت مع عمر بن الخطاب فی حج ... فامر الناس ان یجالسوہ ویوا کلوہ وان تاب فاقبلوا شھادتہ وحملہ واعطاہ مأتی درھم فاخبر عمرؓ ان شھادتہ تسقط بشرب الخمر وانہ اذا تاب حینئذ تقبل شھادتہ** (و) (سنن للبیہقی، باب شھادۃ اہل الاشربۃ، ج عاشر، ص ۳۶۲، نمبر ۲۰۹۴۸) اس اثر میں ہے کہ شراب پینے سے توبہ کرے تو

حاشیہ : (الف) لوگوں میں سے وہ ہیں جو کھیل کی چیزیں خریدتا ہے تاکہ نادانی میں اللہ کے راستے۔ سے گمراہ کر سکے اور اس کو مذاق کی چیز بنا سکے، ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں خدا کی قسم لہو الحدیث سے گانا مراد ہے (ب) آپؐ نے فرمایا غناء دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ جیسے پانی سبزیوں کو پیدا کرتا ہے (ج) حضورؐ نے فرمایا لیکن میں دو فاجر احمق آوازوں سے روکا گیا ہوں (ا) مصیبت کے وقت آواز نکالنا، چہرے پر مارنا، دامن پھاڑنا (۲) شیطان کی گنگناہٹ (د) شراب، جوا، بت اور قسمت کا تیر ناپاک ہے شیطان کا عمل ہیں۔ اس سے پرہیز کیا کرو شاید کہ کامیاب ہو جاؤ گے (ہ) آپؐ نے فرمایا زانی زنا کرتے وقت مومن نہیں رہتا اور شراب پیتے وقت مومن نہیں رہتا (و) میں حضرت عمرؓ کے ساتھ حج میں تھا... لوگوں کو حکم دیا کہ شرابی (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۸۳۲](۲۳) ولا من يُغَنِّي للناس ولا من يأتي بابا من الكبائر التي يتعلق بها الحد ولا من

اس کی گواہی قابل قبول ہوگی۔

لامن یلعب بالطیور : پرندوں کوسکھانے اور کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس سے عدالت ساقط نہیں ہوگی۔ یہاں مراد ہے کہ پرندے کے ذریعہ سے بازی لگاتا ہے۔اس لئے یہ ایک قسم کا جوا ہے۔اور اوپر آیت میں گزرا کہ جوا حرام ہے۔ یا ایها الذین آمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون (الف) (آیت ۹۰،سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں میسر اور ازلام سے مراد جوا ہے جو حرام ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن عبد الله بن عمرؓ ان نبی الله ﷺ نهی عن الخمر والميسر والكوبة والغبيراء (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی السکر، ص ۱۶۲، نمبر ۳۶۸۵) اس حدیث میں المیسر یعنی جوا حرام قرار دیا۔اس لئے پرندے کے ذریعہ جو جوا کھیلتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ مسلسل گناہ کبیرہ کرنے کی وجہ سے عدالت ساقط ہوگئی۔اور آیت مذکورہ کے اعتبار سے غیر عادل کی گواہی مقبول نہیں ہے۔اس لئے ان لوگوں کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

لغت : مخنث : خنثی سے مشتق ہے، جو عورتوں کی طرح حرکت کرے۔نائحۃ : سینہ پیٹ کر رونے والی۔مدمن : شراب میں دھت ہو۔ اللھو : کھیل کود۔

[۲۸۳۲] (۲۳) اور نہ اس کی گواہی جو لوگوں کے لئے گاتا ہو،اور نہ اس کی جو ایسے کبیرہ گناہ کرے جس سے حد متعلق ہوتی ہو۔اور نہ وہ جو بغیر لنگی کے حمام میں داخل ہوتا ہو۔

تشریح جو لوگوں کے لئے گاتا ہو اس کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ یہ بھی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہے۔اس کی دلیل اوپر گزر چکی ہے (۲) یہ حدیث بھی ہے۔ سمعت عبد الله يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الغناء ينبت النفاق في القلب (ج) ابوداؤد شریف، باب فی الغناء، ص ۳۲۶، نمبر ۴۹۲۷)

ایسا کبیرہ گناہ کرنے کا عادی ہے جس پر حد ہے، مثلا چوری، ڈاکہ زنی کی تو اس سے حد لازم ہوتی ہے۔اس لئے چور اور ڈاکہ زنوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ اس سے عدالت ساقط ہوگئی اور آیت کے اعتبار سے غیر عادل کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

لایدخل الحمام بغیر ازار : اگر غسل خانہ بند ہو اور ایک آدمی ننگا غسل کرے تو اس سے عدالت ساقط نہیں ہوتی۔لیکن ایسا غسل خانہ ہو جس میں

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کے ساتھ بیٹھو،اس کے ساتھ کھانا کھاؤ،اگر وہ توبہ کرے تو اس کی گواہی قبول کرو۔اس کو سوارہ دی اور اس کو دو سو درہم دیا۔حضرت عمرؓ نے خبر دی کہ شراب پینے سے اس کی گواہی ساقط ہو جاتی ہے۔اور اگر توبہ کرے تو اس وقت اس کی گواہی مقبول ہوگی (الف) اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور قسمت کا تیر ناپاک ہیں، شیطان کا عمل ہے۔اس سے پرہیز کرو،شاید کامیاب ہو جاؤ گے (ب) آپؐ نے منع کیا شراب سے اور جوئے سے اور شطرنج سے اور چینائی شراب سے (ج) آپؐ نے فرمایا غناء دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

یدخل الحمام بغیر ازار [۲۸۳۳] (۲۴)و یأکل الربوا ولا المُقامر بالنرد والشطرنج.

بہت سے لوگ ایک ساتھ نہاتے ہوں۔ جیسے انگلینڈ میں سویمنگ پول ہوتا ہے جس کو حمام کہتے ہیں۔اس میں بالکل ننگا داخل ہوتو چونکہ بغیر ستر کے سب کے سامنے داخل ہوا، اور سب کے سامنے ستر کھولنا حرام ہے اس لئے اس گناہ کبیرہ کی وجہ سے عدالت ساقط ہو جائے گی۔ستر کھولنے کی حرمت اس آیت میں ہے۔**یبنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد** (الف)(آیت ۳۱،سورۃ الاعراف ۷)اس آیت میں ہے کہ نماز کے وقت زینت اختیار کرو یعنی کپڑا پہنو(۲) حدیث میں ہے۔ **ثم اردف رسول اللہ ﷺ علیا فامرہ ان یوذن' ببراءۃ 'قال ابو ھریرۃ فاذن معنا علیؓ فی اھل منی یوم النحر، لایحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان** (ب) (بخاری شریف، باب مایستر من العورۃ،ص۵۳،نمبر ۳۶۹)اس حدیث میں ننگا رہنے سے منع فرمایا(۳) ایک اور حدیث ہے۔**عن ابی سعید الخدری انه قال نھی رسول اللہ ﷺ عن اشتمال الصماء، وان یحتبی الرجل فی ثوب واحد لیس علی فرجه منه شیء** (ج) (بخاری شریف، باب مایستر من العورۃ،ص۵۳،نمبر ۳۶۷)اس حدیث میں بھی ستر کھولنے سے منع فرمایا۔اس لئے عام لوگوں کے سامنے غسل خانہ میں ستر کھولنے سے عدالت ساقط ہو جائے گی۔اور اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

[۲۸۳۳] (۲۴)اور نہ اس کی گواہی جو سود کھائے اور نہ جو نرد اور شطرنج کھیلے۔

تشریح جو سود کھاتا ہو اور اس میں مشہور ہو وہ فاسق ہو گیا۔اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ آیت میں ہے کہ سود کھانا حرام ہے۔**الذین یأکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع وحرم الربوا** (د)(آیت ۲۷۵،سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں سود حرام قرار دیا ہے۔اس لئے اس کے کھانے والے کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

ولا المقامر بالنرد : نرد ایک قسم کا کھیل ہے۔اگر اس سے جوا کھیلے تو حرام ہے۔اور جوا کھیلنے سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔**انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون** (آیت ۹۰، سورۃ المائدۃ ۵)اور اگر جوئے کے بغیر نرد کھیلے تب بھی جائز نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔**عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیه ان النبی ﷺ قال من لعب بالنرد شیر فکانما صبغ یدہ فی لحم خنزیر ودمه** (ہ)(مسلم شریف، باب تحریم اللعب بالنردشیر، ج ۲،ص ۲۴۰،نمبر ۲۲۶۰ / ابو داؤد شریف، باب فی النھی عن اللعب بالنرد،ص

حاشیہ : (الف) اے بنی آدم نماز کے وقت زینت اختیار کرو(ب) حضورؐ نے حضرت علیؓ کو پیچھے بٹھایا اور ان کو حکم دیا کہ برائت کا اعلان کرے۔حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ ہمارے ساتھ اہل منی میں دسویں ذی الحجہ کو اعلان فرماتے تھے کہ آج کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔اور نہ ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے (ج) آپؐ نے منع فرمایا لپیٹ کر چادر اوڑھنے سے، اور آدمی اس طرح ایک کپڑے میں لپٹے کہ اس کی شرمگاہ پر کوئی چیز نہ ہو(د) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں کھڑے نہیں ہوں گے مگر ایسا جیسا کہ شیطان نے خبط الحواس بنا دیا ہو۔یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو صرف سود کی طرح ہے۔حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام(ہ) آپؐ نے فرمایا کوئی نرد شیر کھیلے تو گویا کہ اپنے ہاتھ کو سور کے گوشت میں اور اس کے خون میں رنگ رہا ہے۔

[۲۸۳۴](۲۵) ولا من یفعل الافعال المُستخفَّة کالبول علی الطریق والاکل علی

۳۲۷، نمبر۴۹۳۹) اس حدیث میں ہے کہ نردشیر سے جو کھیلے گویا کہ اپنا ہاتھ سور کے گوشت اور خون میں رنگا۔ اس لئے اس کے کھیلنے والوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

والشطرنج : یہ بھی ایک قسم کا کھیل ہے اگر اس میں جوا نہ ہوا ہو اور اس میں مشغولیت کی وجہ سے نماز اور دینی فرائض نہ چھوٹتے ہوں تو بعض حضرات نے اس کو مباح قرار دیا ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ انبأ الشافعی قال کان محمدبن سیرین وھشام بن عروۃ یلعبان بالشطرنج استدبارا (الف) (سنن للبیہقی، باب الاختلاف فی اللعب بالشطرنج، ج عاشر، ص ۳۵۷، نمبر ۲۰۹۲۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شطرنج کھلینا جائز ہے۔ کیونکہ اس کھیل میں دماغ تازہ ہوتا ہے بشرطیکہ نماز اور دینی فرائض نہ چھوٹتے ہوں اور جوا نہ ہوا ہو۔

اور اگر اس میں اتنی مشغولیت ہے کہ نماز اور دینی فرائض چھوٹتے ہوں تو پھر عدالت ساقط ہوگی اور گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

وجہ اثر میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ عن علی انه یقول الشطرنج ھو میسر الاعاجم (ب) دوسری روایت میں ہے۔ عن ابن عمرؓ انه سئل عن الشطرنج فقال ھو شر من النرد (ج) (سنن للبیہقی، باب الاختلاف فی اللعب بالشطرنج، ج عاشر، ص ۳۵۸، نمبر ۲۰۹۲۸/۲۰۹۳۴) ان آثار سے معلوم ہوا کہ شطرنج کھلینا جائز نہیں ہے۔ اس لئے یوں کہا جائے کہ اس سے دینی فرائض چھوٹتے ہوں تو کھیلنے والے کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور فاسق ہونے کی بنا پر گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

[۲۸۳۴](۲۵) اور نہ اس کی گواہی جو حقیر کام کرتا ہو جیسے راستے پر پیشاب کرنا اور راستے پر کھانا۔

تشریح جو حقیر کام کرنے کا عادی ہو وہ جھوٹ بولنے سے بھی عار محسوس نہیں کرے گا۔ اس لئے ایسے آدمی کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ ظنین یعنی دین میں متہم آدمی کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ عن عائشةؓ قالت قال رسول اللهﷺ لا تجوز شھادة خائن ولا خائنة ولا مجلود حدا ولا مجلودة ولا ذی غمر لاحنة ولا مجرب شھادة ولا القانع اھل البیت لھم ولا ظنین فی ولاء ولا قرابة (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شھادتہ، ج ۲، ص ۵۵، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے ولا ظنین یعنی اس کی گواہی مقبول نہیں جو دین میں متہم ہو۔ چنانچہ اس کی تفسیر حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال بعث رسول الله منادیا فی السوق انه لا تجوز شھادة خصم ولا ظنین. قیل وما الظنین ؟قال المتھم فی دینه۔ دوسری روایت میں ہے۔ ولا مریب (ہ)

حاشیہ : (الف) ہمیں حضرت امام شافعیؒ نے خبر دی کہ محمد ابن سیرین اور ہشام بن عروۃ کبھی کبھی شطرنج کھیلتے تھے (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا شطرنج عجمیوں کا جوا ہے (ج) حضرت ابن عمرؓ سے شطرنج کے بارے میں پوچھا تو فرمایا وہ نرد سے بھی برا ہے (د) حضورؐ نے فرمایا خائن مرد اور خائنہ عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے اور نہ حد لگے ہوئے مرد کی اور نہ حد لگی ہوئی عورت کی اور نہ بھائی سے کینہ رکھنے والے کی اور نہ شہادت کی مشق کئے ہوئے کی اور گھر کے نوکر کی اور نہ دین میں متہم کی اور نہ قرابت والے کی (ہ) حضورؐ نے بازار میں اعلان کرنے والے کو بھیجا کہ خصم کی گواہی مقبول نہیں اور ظنین کی۔ پوچھا گیا کہ ظنین کیا ہے؟ فرمایا جو دین میں متہم ہو۔ دوسری روایت میں ہے مریب کی یعنی جس کی دینداری میں شک ہو۔

الطریق[۲۸۳۵](۲۶) ولا تقبل شهادة من یظهر سبّ السلف[۲۸۳۶](۲۷) وتقبل

(مصنف عبدالرزاق، باب لایقبل متهم ولا جار الی نفسه ولاظنین، ج ثامن، ص ۳۲۰/۳۲۲، نمبر ۱۵۳۶۵/۱۵۳۷۱) اس حدیث میں ہے کہ جو دین میں متہم ہو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

نوٹ جس معاشرے میں تھوڑا بہت راستے پر کھانا معیوب نہیں ہے اس کے کھانے سے عدالت ساقط نہیں ہوگی۔

[۲۸۳۵] (۲۶) اس آدمی کی گواہی مقبول نہیں جو سلف کو گالیاں دیتا ہو۔

تشریح جو سلف صالحین کو برا بھلا کہتا ہو یا گالیاں دیتا ہو وہ فاسق ہے اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں (۲) جو سلف کا احترام نہ کرتا ہو وہ عموما جھوٹ بولنے میں عار محسوس نہیں کرتا اس لئے بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے۔ **عن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله کفر** (الف) (بخاری شریف، باب ما ینہی من السباب واللعن، ص ۸۹۳، نمبر ۶۰۴۴ رمسلم شریف، باب بیان قول النبی ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله کفر، ص ۵۸، نمبر ۶۴، کتاب الایمان) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ اس لئے سلف صالحین کو گالی دیتا رہتا ہو تو بدرجۂ اولی فسق ہوگا اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

[۲۸۳۶] (۲۷) اور قبول کی جائے گی اہل ہواء کی گواہی سوائے خطابیہ کے۔

تشریح اہل ہواء سے مراد وہ تمام جماعتیں ہیں جو اہل سنت والجماعۃ کے علاوہ ہوں جیسے شیعہ، رافضی وغیرہ۔ وہ مسلمان ہیں اگر چہ ان کا عقیدہ اہل سنت والجماعۃ کے علاوہ ہے۔ اس لئے ان کی گواہی اہل سنت والجماعۃ کے خلاف قبول کی جائے گی۔

وجہ **عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ المسلمون عدول بعضهم علی بعض الا محدودا فی فریة** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷ من قال لاتجاوز شهادته اذا تاب، ج رابع، ص ۳۳۰، نمبر ۲۰۶۵۰ ردار قطنی، کتاب عمرؓ الی ابی موسی اشعریؓ، ج رابع، ص ۱۳۲، نمبر ۴۴۲۵) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان سب کے سب عادل ہیں اس لئے چاہے تھوڑا بہت اختلاف ہو سچ بولنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی گواہی اہل سنت والجماعۃ کے خلاف مقبول نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعۃ سے کینہ ہوگا اور کینہ کی وجہ سے جھوٹی گواہی دے سکتے ہیں اس لئے مقبول نہیں (۲) حدیث میں ہے کہ کسی آدمی سے کینہ ہو تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ **عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله ﷺ رد شهادة الخائن والخائنة وذی الغمر علی اخیه ... وقال ابو داؤد، الغمر الحقد والشحناء** (ج) (ابو داؤد شریف، باب من ترد شهادته، ص ۱۵۱، نمبر ۳۶۰۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لا تجوز شهادته، ج ۲، ص ۵۵، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ غمر والے یعنی کینے والے کی گواہی مقبول نہیں۔ اور دوسرے فرقے والوں کو

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے (ب) آپؐ نے فرمایا مسلمان بعض بعض پر عادل ہیں مگر تہمت زنا میں حد لگائے ہوئے (ج) آپؐ نے رد کی خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی اور بھائی کے بارے میں کینہ رکھنے والے کی گواہی... حضرت امام ابوداؤدؒ نے فرمایا غمر کا معنی کینہ ہے۔

شهادة اهل الهواء الا الخطابية[۲۸۳۷](۲۸) وتُقبل شهادة اهل الذمة بعضهم علی بعض وان اختلف مِلَلُهم.

چونکہ اہل سنت کے خلاف کینہ ہوگا اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

الا الخطابية : یہ رافضیوں کا غالی فرقہ ہے۔ یہ ابی خطاب محمد بن وہب الاجدع کی طرف منسوب ہے۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اپنے مذہب کے علاوہ پر جھوٹ بولنا جائز ہے بلکہ مذہب کو چھپانے یا بچانے کے لئے جھوٹ بولنا واجب ہے۔ تو چونکہ جھوٹ بولنے کا شبہ ہے اس لئے اس کی گواہی دوسرے مذہب والے کے خلاف مقبول نہیں ہے۔

لغت اہل الھواء : خواہش والے، یہاں مراد ہے اہل سنت والجماعۃ کے علاوہ کے مذاہب

[۲۸۳۷](۲۸) ذمیوں کی گواہی بعض کی بعض کے خلاف جائز ہے چاہے وہ آپس میں مختلف ہوں۔

تشریح یہودی یا نصرانی جو دار الاسلام میں ٹیکس دیکر رہتے ہوں ان کو ذمی کہتے ہیں وہ ایک دوسرے کے خلاف گواہی دیں تو جائز ہے۔

وجہ نصرانی نصرانی کے خلاف گواہی دے تو دونوں ایک مذہب کے ہوئے اس لئے جائز ہے۔ اور نصرانی یہودی کے خلاف گواہی دے تب بھی جائز ہے کیونکہ دونوں ذمی ہیں۔ اور گویا کہ غیر مسلم ہونے کے اعتبار سے ایک مذہب ہوئے (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہؓ ان رسول الله ﷺ اجاز شهادة اهل الكتاب بعضهم على بعض (الف) (ابن ماجہ شریف، باب شہادۃ اہل الکتاب بعضھم علی بعض، ص ۳۴۰، نمبر ۲۳۷۴ رمصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ اہل الملل بعضھم علی بعض وشہادۃ المسلم علیہم، ج ثامن، ص ۳۵۷، نمبر ۱۵۵۲۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب جو ذمی ہوتے ہیں بعض کی گواہی بعض کے خلاف جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ذمی میں بھی ایک مذہب والے کی گواہی دوسرے کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ (۱) پیچھے گزر چکا ہے کہ جن کے درمیان کینہ ہو اس کی گواہی مقبول نہیں۔ اور یہود اور نصاری کے درمیان دائمی کینہ ہے اس لئے یہودی کی گواہی نصرانی کے خلاف اور نصرانی کی گواہی یہودی کے خلاف مقبول نہیں۔ آپس کی دشمنی کی دلیل یہ آیت ہے۔ فاغرينا بينهم العداوة والبغضاء الى يوم القيامة (ب) (آیت ۱۴، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ اس کے آپس میں عداوت اور بغض ڈال دیا ہے۔ اس لئے ایک ملت کی گواہی دوسری ملت کے لئے مقبول نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول الله ﷺ لايتوارث اهل ملتين شيء ولا تجوز شهادة ملة على ملة الا ملة محمد فانها على غيرهم (ج) (سنن للبیہقی، باب من رد شہادۃ اہل الذمۃ، ج عاشر، ص ۲۷۴، نمبر ۲۰۶۱۶ رمصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ اہل الملل بعضھم علی بعض عشہادۃ المسلم علیہم، ج ثامن، ص ۳۵۶، نمبر ۱۵۵۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مذہب والا دوسرے مذہب کے خلاف گواہی نہ دے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے جائز قرار دی اہل کتاب کی گواہی بعض کی بعض پر (ب) ہم نے ان کے آپس میں قیامت تک دشمنی اور بغض بھڑکا دی (ج) آپؐ نے فرمایا دو ملت والے ایک دوسرے کے کچھ بھی وارث نہیں ہوں گے۔ اور کسی ملت کی گواہی کسی دوسری ملت پر جائز نہیں سوائے ملت محمد کی اس لئے کہ وہ اس کے غیر پر بھی جائز ہے۔

[۲۸۳۸](۲۹) ولاتُقبل شهادة الحربی علی الذمی [۲۸۳۹] (۳۰)وان کانت الحسنات اغلب من السیئات والرجل ممن یجتنب الکبائر قبلت شهادته وان اَلَمَّ

[۲۸۳۸](۲۹)حربی کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ ذمی سے مراد مستامن ہے یعنی وہ حربی جو امن لیکر دارالاسلام آیا ہو۔یا دوسری شکل یہ ہے کہ ذمی کسی کام کے لئے دارالحرب گیا اور کوئی بات ہوگئی اب حربی ذمی کے خلاف گواہی دے رہا ہے تو یہ گواہی مقبول نہیں ہے۔کیونکہ حربی کا درجہ کم ہے اور ذمی دارالاسلام میں رہنے کی وجہ سے اعلی ہے۔اس لئے حربی کی گواہی ذمی کے خلاف مقبول نہیں ہے(۲)اوپر حدیث گزری کہ ایک ملت کی گواہی دوسرے کے خلاف مقبول نہیں۔اس لئے ذمی اور حربی کے بارے میں اس پر عمل کیا جائے گا(۲)اثر میں ہے۔**کان شریح یجیز شهادة کل ملتها ولا یجیز شهادة الیهودی علی النصرانی ولا النصرانی علی الیهودی الا المسلمین فانه کان یجیز شهادتهم علی الملل کلها** (الف)(سنن للبیھقی ، باب من اجاز شهادة اہل الذمۃ علی الوصیۃ فی السفر عند عدم من شہد علیھا من المسلمین ، ج عاشر ،ص ۲۷۹،نمبر ۲۰۶۲۸/ مصنف عبدالرزاق ، باب شہادۃ اہل الملل بعضھم علی بعض وشہادۃ المسلم علیھم ، ج ثامن ،ص ۳۵۷،نمبر ۱۵۵۲۸)اس اثر میں ہے کہ یہودی کی گواہی نصرانی کے خلاف اور نصرانی کی گواہی یہودی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔جب ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی تو اسی پر قیاس کرکے حربی کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔

[۲۸۳۹](۳۰)اگر اچھائیاں برائیاں پر غالب ہوں اور آدمی گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اگر چہ گناہ صغیرہ کر لیتا ہو۔

تشریح کسی آدمی کے اچھے اعمال غالب ہوں اور برے اعمال کم ہوں اور گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو تو چاہے صغیرہ گناہ کر لیتا ہو پھر بھی اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ تمام گناہ صغیرہ سے پرہیز کرنا تو آدمی کے لئے مشکل ہے اس لئے یہ قید لگائیں کہ بالکل گناہ صغیرہ نہ کرے تو گواہ کے لئے کوئی آدمی نہیں ملے گا۔اس لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ اچھائیاں غالب ہو اور گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو۔گواہی دینے کے لئے اتنا کافی ہے۔بلکہ گناہ کبیرہ کر لیا لیکن بعد میں اس سے توبہ کر لی تب بھی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔**وجلد عمرؓ ابا بکرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغیرة ثم استتابهم وقال من تاب قبلت شهادته ... وقال الشعبی وقتادة اذا اکذب نفسه جلد وقبلت شهادته** (ب)(بخاری شریف ، باب شہادۃ القاذف والسارق والزانی،

حاشیہ : (الف)حضرت شریح جائز قرار دیتے تھے ایک ملت کی گواہی دوسری ملت پر اور نہیں جائز قرار دیتے تھے یہودی کی گواہی نصرانی پر اور نہ نصرانی کی گواہی یہودی پر مگر مسلمان کی گواہی پس وہ ان کی گواہی تمام مذاہب پر جائز قرار دیتے تھے(ب)حضرت عمرؓ نے کوڑے لگائے ابوبکرہ اور شبل بن معبد اور نافع پر حضرت مغیرہ پر تہمت لگانے کی وجہ سے۔پھر اس سے توبہ کرنے کے لئے کہا اور فرمایا جو توبہ کرے گا اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔..حضرت شعبی اور قتادہ نے فرمایا اگر اپنے آپ کو جھٹلائے تو حد لگے گی اور اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

بمعصية [۲۸۴۰] (۳۱) وتُقبل شهادة الاقلف والخصی وولد الزنا و شهادة الخنثیٰ

ص۳۶۱، نمبر ۲۶۴۸) اس اثر میں ہے کہ گناہ کبیرہ کر کے توبہ کرے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

اور ظاہری طور پر اچھے اعمال کرتے ہوں تو گواہی مقبول ہوگی اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ سمعت عمرؓ بن الخطاب یقول ان اناسا کانوا یوخذون بالوحی فی عهد رسول الله ﷺ وان الوحی قد انقطع وانما ناخذکم الآن بما ظهر لنا من اعمالکم، فمن اظهر لنا خیرا امناه وقربناه ولیس الینا من سریرته شیء، الله یحاسب فی سریرته ومن اظهر لنا سوءً ا لم نامنه ولم نصدقه ،وان قال ان سریرته حسنة (الف) (بخاری شریف، باب الشهداء والعدول، ص۳۵۰، نمبر ۲۶۴۱) اس اثر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا ظاہری طور پر اچھے اعمال نظر آتے ہوں تو اس پر اعتماد کریں گے اور اس کو قریب کریں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

لغت الم بمعصیة : اگر گناہ کرے، اس سے مراد گناہ صغیرہ کا ارتکاب کرنا ہے

[۲۸۴۰] (۳۱) اور قبول کی جائے گی غیر ختنہ والے کی گواہی اور خصی کی گواہی اور ولد الزنا کی گواہی اور خنثی کی گواہی بھی جائز ہے۔

تشریح جس آدمی کا ختنہ نہ ہوا ہو اس کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ چونکہ ختنہ نہ کرنے سے عدالت ساقط نہیں ہوئی اور نہ فاسق ہوا۔ اس لئے اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

خصی : جس آدمی کا خصیہ نکال لیا گیا ہو اس کو خصی کہتے ہیں۔ اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

وجہ خصیہ نکال لینے کی وجہ سے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوئی اس لئے اس کی گواہی مقبول ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن سیرین ان عمرؓ اجاز شهادة علقمة الخصی علی ابن مظعون (ب) (ابن ابی شیبة ۵۶۳، فی شهادة الخصی، جلد خامس، ص۹، نمبر ۲۳۲۰۹ / سنن للبیہقی، باب من وجد منہ ریح شراب اولقی سکران، ج ثامن، ص۵۴۹، نمبر ۱۷۵۱۷) اثر میں ہے کہ علقمہ خصی کی گواہی کی وجہ سے حد شرب جاری کی گئی جس سے معلوم ہوا کہ خصی کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ گناہ اس کے ماں باپ کا ہے اس لڑکے کا گناہ نہیں ہے۔ اس لئے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی اور اس کی گواہی مقبول ہوگی (۲) انس بن مالک ان النبی ﷺ قال المؤمنون شهداء الله فی الارض وروینا عن عطاء والشعبی انهما قالا :تجوز شهادة ولد الزنا (ب) (سنن للبیہقی، باب زہادة ولد الزنا۔ ج عاشر، ص۴۲۱، نمبر ۲۱۱۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ولد الزنا کی گواہی جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانے میں لوگ وحی کے ذریعہ پکڑے جاتے تھے۔ اور وحی منقطع ہوگئی۔ اور ہم اب تم کو پکڑیں گے ظاہری اعمال سے۔ اگر تم میں سے کوئی خیر کا اظہار کرے تو اس کو امن دیں گے اور اس کو قریب کرلیں گے۔ اور اندرونی معاملے کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔ اندرونی معاملہ کا حساب اللہ کرے گا۔ اور ہمارے سامنے جو برائی کا اظہار کرے گا ہم اس کو امن نہیں دیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے اگرچہ اس کا اندرونی معاملہ اچھا ہی کیوں نہ ہو (ب) حضرت عمرؓ نے علقمہ خصی کی گواہی جائز قرار دی ابن مظعون پر (ب) آپؐ نے فرمایا مومن اللہ کا گواہ ہے زمین میں۔ حضرت عطاءؒ اور شعبیؒ نے فرمایا کہ ولد الزنا کی گواہی جائز ہے۔

جائزة[۲۸۴۱](۳۲) واذا وافقت الشهادة الدعوی قُبلت وان خالفتها لم تُقبل[۲۸۴۲] (۳۳) ویعتبر اتفاق الشاهدین فی اللفظ والمعنی عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی فان شهد احدهما بالف والآخر بالفین لم تُقبل شهادتهما عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف و

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ولد الزنا کی گواہی مقبول نہیں۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ولد الزنا شر الثلاثة(الف)(مستدرک للحاکم، کتاب العتق، ج ثانی، ص۲۳۴، نمبر۲۸۵۳)اس حدیث میں ولد الزنا کو شریر کہا گیا ہے اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں۔

شهادة الخنثی جائزة : جو نہ عورت ہو اور نہ مرد بلکہ دونوں کے درمیان ہو تو اس کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ جب مرد کی گواہی مقبول ہے اور عورت کی گواہی مقبول ہے تو دونوں کے درمیان کی گواہی بھی مقبول ہوگی۔البتہ اس کے عورت ہونے کا بھی شبہ ہے اس لئے حدود اور قصاص میں اس کی گواہی قبول نہ کرے تو اچھا ہے۔

[۲۸۴۱](۳۲)اگر شہادت دعوی کے موافق ہو تو قبول کی جائے گی اور اس کے مخالف ہو تو قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح شہادت دعوی کی تائید کے لئے ہوتی ہے اس لئے جو دعوی ہو گواہی کے ذریعہ اسی کی تائید ہو تو گواہی مقبول ہوگی ورنہ رد کر دی جائے گی۔مثلا مدعی کہتا ہے کہ میری گائے چرائی گئی ہے اور گواہ گواہی دے رہا ہے کہ اس کی بھینس چوری ہوئی ہے تو دعوی کچھ اور ہے اور گواہ کی گواہی کچھ اور ہے۔اس لئے گواہ کی گواہی رد کر دی جائے گی۔

[۲۸۴۲](۳۳)اعتبار کیا جائے گا دونوں گواہوں کا متفق ہونا لفظ اور معنی میں بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔پس اگر ایک گواہ گواہی دے ایک ہزار کی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو دونوں کی گواہی مقبول نہیں ہوگی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک،اور فرمایا صاحبینؒ نے قبول کی جائے گی ایک ہزار پر۔

تشریح ایک آدمی نے دعوی کیا کہ میرے فلاں پر دو ہزار درہم ہیں۔ایک گواہ نے گواہی دی کہ ایک ہزار ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ دو ہزار ہیں۔تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک ہزار کا بھی فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ دونوں کی گواہی رد ہو جائے گی۔

وجہ ایک ہزار اگرچہ دو ہزار میں داخل ہے اس لئے دوسرے گواہ نے دو ہزار کی گواہی دی تو معنوی طور پر گویا کہ ایک ہزار کی بھی گواہی دی اس لئے ایک ہزار پر دو گواہ ہو گئے۔لیکن لفظی طور پر ایک ہزار اور دو ہزار الگ الگ الفاظ ہیں اس لئے لفظی طور پر دونوں گواہوں کے اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے دونوں گواہ رد ہو جائیں گے۔کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ معنی کے ساتھ الفاظ میں بھی دونوں گواہ متفق ہوں۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک ایک ہزار پر فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ لفظ کے اعتبار سے مختلف ہے لیکن معنی کے اعتبار سے دونوں گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں۔کیونکہ دو ہزار کی گواہی میں ایک ہزار داخل

حاشیہ : (الف) ولد الزنا تین میں کے برے ہیں۔

محمد رحمهما الله تعالی تقبل بالف[۲۸۴۳](۳۴) وان شهد احدهما بالف والآخر بالف وخمس مائة والمدعی یدعی الفا وخمس مائة قبلت شهادتهما بالف [۲۸۴۴] (۳۵) واذا شهدا بالف وقال احدهما قضاه منها خمس مائة قُبلت شهادتهما بالف ولم یسمع قوله انه قضاه منها خمس مائة الا ان یشهد معه الآخر.

ہے(۲) اثر میں ہے۔ عن شریح فی شاهدین یختلفان فشهد احدهما علی عشرین والآخر علی عشرة قال یوخذ بالعشرة (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۳ فی الشاہدین یختلفان، ج رابع، ص ۳۳۵، نمبر ۲۰۷۱۱/۲۰۷۱۲) اس اثر میں عشرۃ اور عشرین لفظ کے اعتبار سے متفق نہیں ہیں صرف معنی کے اعتبار سے متفق ہیں پھر بھی دس درہم کا فیصلہ کیا۔

[۲۸۴۳] (۳۴) اور اگر ان میں سے ایک نے گواہی دی ایک ہزار کی اور دوسرے نے ایک ہزار پانچ سو کی اور مدعی دعوی کرتا ہے ایک ہزار پانچ سو کا تو دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی ایک ہزار پر۔

تشریح مدعی نے دعوی کیا کہ میرے فلاں پر ایک ہزار پانچ سو درہم ہیں۔ اس پر ایک گواہ نے گواہی دی کہ ایک ہزار ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ ایک ہزار پانچ سو ہے تو ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ لفظ کے اعتبار سے دونوں گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں۔ اور دوسرا گواہ الگ سے پانچ سو کی گواہی دے رہا ہے۔ اس لئے ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ معنی کے اعتبار سے اور لفظ کے اعتبار سے بھی دونوں گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں۔

اصول دونوں گواہ لفظ اور معنی کے اعتبار سے متفق ہوں تو گواہی مقبول ہوگی۔ صاحبینؒ کے نزدیک صرف معنی کے اعتبار سے دونوں گواہ متفق ہوں تب بھی گواہی مقبول ہوگی۔

[۲۸۴۴] (۳۵) اگر دونوں گواہوں نے گواہی دی ہزار کی، اور ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ ادا کر دیا ہے اس میں سے پانچ سو تو دونوں کی گواہی ہزار کی قبول کی جائے گی۔ اور نہیں سنی جائے گی اس کی بات کہ اس میں سے پانچ سو ادا کر دیا ہے۔ مگر یہ کہ اس کے ساتھ دوسرے گواہی دیں۔

تشریح دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں کا فلاں پر ایک ہزار درہم ہے۔ بعد میں ان میں سے ایک نے یہ بھی گواہی دی، لیکن فلاں نے ایک ہزار میں سے پانچ سو ادا کر دیا ہے تو ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا اور پانچ سو درہم کی ادائیگی پر کوئی فیصلہ نہیں ہوگا اور نہ پانچ سو درہم کم ہوگا۔

وجہ ایک ہزار پر دو گواہ ہیں۔ اس لئے ایک ہزار کا فیصلہ ہوگا۔ اور اس میں سے پانچ سو ادا کرنے پر صرف ایک گواہ ہے۔ اس لئے پانچ سو کی ادائیگی کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اس گواہ کے ساتھ دوسرا گواہ بھی ہو جائے تو چونکہ اب دو گواہ ہو گئے اس لئے پانچ سو کی ادائیگی کا فیصلہ کیا جائے گا (۲) واستشهدوا شهیدین من رجالكم (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ ۲) یعنی دو گواہ پورے نہیں ہوئے۔

حاشیہ : (الف) حضرت شریح نے فرمایا دو گواہ اختلاف کریں، ایک گواہی دے بیس کی اور دوسرا گواہی دے دس کی؟ فرمایا دس کو لیا جائے گا۔

[۲۸۴۵] (۳۶) وینبغی للشاهد اذا علم ذلک ان لا یشهد بالف حتی یقر المدعی انه قبض خمس مائة [۲۸۴۶] (۳۷) واذا شهد شاهدان ان زیدا قتل یوم النحر بمکة وشهد آخران انه قتل یوم النحر بالکوفة واجتمعوا عند الحاکم لم یقبل الشهادتین [۲۸۴۷] (۳۸) فان سبقت احدٰیهما وقضی بها ثم حضرت الأُخری لم تقبل الشهادة.

[۲۸۴۵] (۳۶) اور مناسب ہے گواہ کے لئے کہ اگر ادا کرنے کو جانے تو ہزار کی گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی اقرار کرے کہ اس نے پانچ سو پر قبضہ کیا ہے۔

تشریح دو گواہوں میں سے ایک جانتا تھا کہ ایک ہزار میں سے پانچ سو مدعی کو ادا کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس پر ایک گواہی کی وجہ سے ادا کرنے کی بات نہیں چلے گی۔ تو ایسی صورت میں اس کو چاہئے کہ جب تک پانچ سو وصول کرنے کا لوگوں کے سامنے اقرار نہ کرے ایک ہزار پر گواہی نہ دے تا کہ مدعی علیہ کو صرف پانچ سو ہی ادا کرنا پڑے۔

[۲۸۴۶] (۳۷) اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ زید قتل کیا گیا ہے بقر عید کے دن مکے میں اور دوسرے دو نے گواہی دی کہ وہ قتل کیا گیا ہے بقر عید کے دن کوفے میں۔ اور سب حاکم کے پاس جمع ہو گئے تو دونوں گواہیاں قبول نہیں کی جائیں گی۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فیصلہ سے پہلے گواہوں میں اختلاف ہو جائے تو دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو گواہوں نے گاہی دی کہ زید دسویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں قتل کیا گیا ہے۔ ابھی اس پر فیصلہ بھی نہیں کیا گیا تھا کہ دوسرے دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید دسویں ذی الحجہ کو کوفے میں قتل کیا گیا ہے۔ اب ایک ہی آدمی ایک ہی تاریخ میں دو مختلف جگہوں پر قتل کیا جائے اور دونوں جگہیں اتنی دور ہیں کہ دونوں جگہوں پر ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے دونوں قسم کے گواہ مردود ہو جائیں گے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابراهیم فی اربعة شهدوا علی امرأة بالزنا ثم اختلفوا فی الموضع، فقال بعضهم بالکوفة وقال بعضهم بالبصرة قال یدراء عنهم جمیع ا (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب شهادة اربعة علی امرأة بالزنا واختلافهم فی الموضع، ج سابع ص ۳۳۴، نمبر ۱۳۳۸۰) اس اثر میں ہے کہ جگہ کے اختلاف کی وجہ سے گواہی رد ہو گئی ہے۔

[۲۸۴۷] (۳۸) پس اگر دو میں سے ایک کی گواہی پہلے ہو گئی اور اس کا فیصلہ ہو گیا پھر دوسرے حاضر ہوئے تو گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

تشریح دو آدمیوں نے پہلے گواہی دی کہ مکہ میں قتل کیا گیا ہے۔ اور اس پر فیصلہ کر دیا گیا۔ بعد میں دو گواہ آئے اور گواہی دی کہ اس کو بصرہ میں قتل کیا ہے تو چونکہ پہلی گواہی پر فیصلہ ہو چکا ہے اس لئے دوسری گواہی کی وجہ سے پہلے فیصلہ کو توڑا نہیں جائے گا۔

وجہ پہلی گواہی کو ترجیح ہو گئی ہے کہ اس پر فیصلہ ہو گیا ہے اس لئے دوسری گواہی کی وجہ سے پہلی گواہی توڑی نہیں جائے گی (۲) حدیث مرسل

حاشیہ: (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا چار آدمیوں نے ایک عورت پر زنا کی گواہی دی، پھر جگہ کے بارے میں اختلاف کیا۔ پس بعض نے کہا کوفہ میں زنا کیا اور بعض نے کہا بصرہ میں تو سب سے حد ساقط ہو جائے گی۔

[۲۸۴۸] (۳۹) ولا یسمع القاضی الشھادۃ علی جرح ولا نفی ولا یحکم بذلک الا ما

میں ہے۔ عن ابن المسیب قال قال رسول اللہ ﷺ اذا شھد الرجل بشھادتین قبلت الاولی وترکت الآخرۃ، وانزل منزلۃ الغلام (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یشھد بشھادۃ ثم یشھد بخلافھا، ج ثامن، ص۳۵۲، نمبر ۱۵۵۰۸) اس حدیث مرسل میں ہے کہ آدمی نے دو مرتبہ گواہی دی تو پہلی گواہی مقبول ہوگی اور دوسری رد کردی جائے گی۔ اور پہلے پر فیصلہ ہوگیا تو بدرجہ اولی وہ مقبول ہوگی اور دوسری گواہی مردود ہوگی (۳) اثر میں ہے۔ عن الثوری فی رجل اشھد علی شھادتہ رجلا فقضی القاضی بشھادتہ ثم جاء الشاھد الذی شھد علی شھادتہ فقال لم اشھد بشیء قال یقول اذا قضی القاضی مضی الحکم (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الشاھد یرجع عن شھادتہ او یشھد ثم یجحد، ج ثامن، ص۳۵۳، نمبر ۱۵۵۱۳) اس اثر میں ہے کہ پہلی گواہی پر قاضی کا فیصلہ ہوگیا اب اس کو دوسری گواہی سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

[۲۸۴۸] (۳۹) اور قاضی نہ سنے گواہی جرح پر اور نہ اس کا حکم لگائے مگر جس کا استحقاق ثابت ہو جائے۔

تشریح مدعی علیہ مدعی کے گواہ کے بارے میں یوں گواہی دلوائے کہ یہ گواہ فاسق ہیں۔ اور فاسق ہونے کا کوئی سبب بیان نہ کرے کہ شراب پینے کی وجہ سے یا چوری کرنے کی وجہ سے فاسق ہو گئے ہیں۔ تو ایسے جرح کے سلسلے میں قاضی کوئی توجہ نہ دے، نہ نفی کرے اور نہ اثبات کرے اور نہ فسق کے نفی یا اثبات کا فیصلہ کرے۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے کہ مسلمان بعض بعض پر عادل ہیں۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ المسلمون عدول بعضھم علی بعض الا محدودا فی فریۃ (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷ من قال لا تجوز شھادتہ اذا تاب، ج رابع، ص۳۳۰، نمبر ۲۰۶۵۰ / دار قطنی، کتاب عمرؓ الی ابی موسی اشعری، جلد رابع، ص۱۳۲، نمبر ۴۴۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر تمام مسلمان عادل ہیں۔ اس لئے صرف یہ کہہ دینا کہ فلاں گواہ فاسق ہے اور اس کا سبب نہ بتانا کہ حقوق اللہ یا حقوق العباد توڑنے کی وجہ سے فاسق ہے اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔ اور مدعی کے گواہ مقبول شمار کئے جائیں گے (۲) اگر اسباب بتائے بغیر کہے کہ یہ گواہ فاسق ہیں تو ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ فسق سے توبہ کر چکا ہو اور ابھی عادل بن کر گواہی دینے پیش ہوا ہو۔ جس کی وجہ سے قاضی ان کی گواہی رد نہیں کر سکتا۔

الا ما استحق علیہ : اس کا مطلب یہ ہے کہ جرح مقید کرے تو قاضی اس کی طرف توجہ دیگا۔ مثلا کہے کہ اس نے شراب پیا ہے اور اس پر حد لگانے کا مطالبہ کرے اور اس پر دو گواہ لائے جس کی وجہ سے مدعی کے گواہوں پر حد لگ جائے۔ چونکہ حقوق اللہ توڑنے میں حد لگ گئی اس لئے اب فاسق ہوگیا۔ اس لئے مدعی کے اس گواہ کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ اس صورت میں شراب پینا سبب بتلا کر فسق کا دعوی کیا جو جرح مقید ہے اس

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اگر آدمی دو طرح کی گواہی دے تو پہلی قبول کی جائے گی اور بعد والی چھوڑ دی جائے گی۔ اور اس کو بچے کی گواہی کے درجے میں اتار دی جائے گی (ب) حضرت ثوریؒ نے فرمایا کسی آدمی نے اپنی گواہی پر کسی کو گواہ بنایا، پس قاضی نے اس کی گواہی پر فیصلہ کر دیا، پھر وہ گواہ آیا جس نے اپنی گواہی پر گواہ بنایا تھا اور کہا کہ میں نے کوئی گواہ نہیں بنایا ہے۔ فرمایا کرتے تھے قاضی نے جب فیصلہ کر دیا تو حکم نافذ ہوگیا۔ (ج) آپؐ نے فرمایا مسلمان بعض بعض پر عادل ہیں مگر تہمت میں حد لگی ہو۔

استحق علیہ[۲۸۴۹](۴۰) ولا یجوز للشاھد ان یشھد بشیء لم یعاینہ الا النسب والموت والنکاح والدخول وولایۃ القاضی فانہ یسعہ ان یشھد بھذہ الاشیاء اذا اخبرہ

لئے قاضی اس پر توجہ بھی دے گا اور گواہوں کے رد کا فیصلہ بھی کرے گا۔ یہ جرح قاضی کے لئے قابل سماعت ہے۔

حقوق العباد میں جرح مقید کی مثلا : مدعی علیہ نے دعوی کیا کہ میں نے مدعی کے گواہ کو سو درہم دیئے ہیں اور اس پر اتفاق ہوا تھا کہ وہ میرے خلاف گواہی نہیں دے گا۔ اس کے باوجود گواہی دیدی۔ اس لئے مجھے سو درہم واپس دلوائے جائیں۔ اور ان دونوں باتوں پر مدعی علیہ نے گواہ پیش کردیئے۔ چونکہ رقم واپس کرنے کا مطالبہ ہے اس لئے قاضی کو گواہی کی بنیاد پر رقم واپس کروانے کا حق ہے۔ اور چونکہ رشوت ثابت ہو جائے گی، اس لئے مدعی کے گواہ فاسق کے زمرے میں آجائیں گے اور ان کی گواہی رد ہو جائے گی۔ رقم واپس کروانے کا مطالبہ بندے کی جانب سے ہے اس لئے یہ حقوق العباد میں جرح مقید کی مثال ہوئی۔

لغت الا ما استحق علیہ : کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کے گواہوں پر اللہ کے حقوق توڑنے مثلا زنا کرنے، شراب پینے یا چوری کرنے کو ثابت کردیا جائے۔ یا بندے کے حقوق دبانے کو ثابت کردے تو قاضی اس جرح کو سنے گا اور فسق کی نفی یا اثبات کا فیصلہ بھی کرے گا۔

[۲۸۴۹](۴۰) اور گواہوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ بغیر دیکھے گواہی دے مگر نسب کی اور موت اور نکاح اور دخول اور قاضی کی ولایت کی۔ اس لئے کہ اس کو گنجائش ہے کہ ان چیزوں کی گواہی دے اگر اس کو کوئی اعتماد والا آدمی خبر دیدے۔

تشریح اوپر آیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ اصل قاعدہ تو یہی ہے کہ کسی چیز کو دیکھے پھر اس کے ہونے کی گواہی دے۔ لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ہوتے وقت ایک دو آدمی ہوتے ہیں اور زمانہ دراز کے بعد اس کی گواہی دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے اصل حقیقت کو دیکھنے والے گواہ موجود نہیں ہوتے۔ اس لئے لوگوں سے سن کر اور علامات کے ذریعہ یقین کرکے ان کی گواہی دینا جائز ہے۔ مثلا نسب، بچہ پیدا ہوتے وقت ایک دائی اور ایک دو عورتیں ہوتی ہیں۔ پھر زمانہ دراز کے بعد کبھی گواہی دینے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے۔ ایسی صورت میں گواہ سنتے آئے ہیں کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے اس نے پیدا ہوتے وقت نہیں دیکھا ہے پھر بھی سن کر گواہی دینا جائز ہے کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے۔

موت : موت کے وقت بھی ایک دو آدمی ہوتے ہیں۔ پھر لوگوں سے سن کر یقین کرتے ہیں کہ فلاں کا انتقال ہو گیا ہے۔ پھر زمانہ دراز کے بعد سنی سنائی پر گواہی دیتے ہیں کہ فلاں کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس لئے موت کا بغیر معائنہ کئے ہوئے صرف سن کر گواہی دینا جائز ہے۔

نکاح ر دخول : ولایت قاضی کا بھی یہی حال ہے کہ نکاح کے وقت ایک دو آدمی ہوتے ہیں پھر میاں بیوی کو ساتھ رہتے ہوئے دیکھتے ہیں تو گواہی دیتے ہیں کہ یہ دونوں میاں بیوی ہیں۔ دخول کے وقت تو کوئی نہیں ہوتا صرف قرینے سے گواہی دیتے ہیں کہ بیوی سے دخول ہو گیا ہے۔ ولایت قاضی کا بھی یہی حال ہے کہ قاضی بناتے وقت ایک دو آدمی ہوتے ہیں۔ پھر لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ مجلس قضا کے عہدے پر بیٹھا ہے اور فیصلہ کرتا ہے اس لئے لوگ گواہی دیتے ہیں کہ یہ قاضی ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بچپنے میں حضرت ثوبیہ سے دودھ پیا جبکہ آپ کو یاد بھی نہیں ہوگا لیکن بعد میں سن کر آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اور

بها من يثق به[٢٨٥٠](٤١) والشهادة على الشهادة جائزة في كل حق لايسقط بالشبهة

ابوسلمہ کو حضرت ثوبیہؓ نے دودھ پلایا ہے۔وقال النبی ﷺ ارضعتنی وابا سلمة ثوبية (الف) دوسری روایت میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال النبی ﷺ فی بنت حمزةؓ لا تحل لی یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب،هی ابنة اخی من الرضاعة (ب) (بخاری شریف، باب الشھادة علی الانساب والرضاع المستفیض والموت القدیم،ص ۳۶۰،نمبر ۲۶۴۴/۲۶۴۵) اس حدیث میں آپ نے رضاعت کی خبر دی ہے۔آپؐ نے بچپنے میں دودھ پیا ہے جو یاد نہیں ہوگا۔اس لئے سن کر خبر دی کہ حضرت حمزہؓ میرے رضاعی بھائی ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ ان باتوں کی گواہی دیکھے بغیر سن کر دے سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔وقال الشعبی او ابن سیرین وعطاء وقتادة السمع شهادة وكان الحسن یقول لم یشهدونی علی شیء ولكن سمعت كذا وكذا (ج) (بخاری شریف، باب شھادة المختبی ،ص ۳۵۹، نمبر ۲۶۳۸ رمصنف عبد الرزاق، باب السمع شھادة وشھادة المتقی ، ج ثامن ،ص ۳۵۵، نمبر ۱۵۵۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ان باتوں کی سن کر گواہی دے سکتا ہے۔

اور علامت کے ذریعہ گواہی دے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔سألت انس بن مالكؓ ... فقال رسول اللهؐ ابصروها فان جاءت به ابيض سبطا قضئ العينين فهو لهلال بن امية وان جائت به اكحل جعد احمش الساقين فهو لشريك بن سحماء.قال فانبأت انها جاءت به اكحل جعد حمش الساقين (د) (مسلم شریف، باب کتاب اللعان،ص ،نمبر ۱۴۹۶) اس حدیث میں آپؐ نے بچے کی علامت بتائی کہ گورے رنگ کے ہو تو ہلال بن امیہ کا ہے اور گھنگھریالے بال والا ہو تو شریک بن شحماء کا بچہ ہے۔اس حدیث میں علامت کے ذریعہ نسب کا فیصلہ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ دیکھ کر نہیں بلکہ علامت کو دیکھ کر بھی گواہی دی جا سکتی ہے۔

اصول جن باتوں کے دیکھنے میں ایک دو آدمی ہوتے ہیں اور زمانہ دراز کے بعد کبھی کبھار گواہی دینے کی ضرورت پڑتی ہے ان میں سن کر گواہی دینا جائز ہے۔جیسے نسب، موت، نکاح، دخول، ولایت قاضی وغیرہ۔

[۲۸۵۰] (۴۱) گواہی پر گواہی دینا جائز ہے ہر اس حق میں جو شبہ سے ساقط نہ ہوتا ہے، اور نہ قبول کی جائے گی حدود اور قصاص میں۔

تشریح اصل گواہ وہ کسی مجبوری کی بنا پر دوسرے آدمی کو اپنی گواہی پر گواہ بنائے، ایسا کرنا ایسے حقوق میں جائز ہے جو شبہ سے ساقط نہ ہوتے ہوں۔اس لئے حدود اور قصاص میں شہادة علی الشھادة جائز نہیں ہے۔کیونکہ وہ شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

وجہ شہادت پر شہادت جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ تسمعون ويسمع منكم

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مجھ کو اور ابو سلمہ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا (ب) آپؐ نے حضرت حمزہؓ کی بیٹی کے بارے میں فرمایا وہ میرے لئے حلال نہیں ہے۔رضاعت سے وہ حرام ہوتے ہیں جو نسب سے ہوتے ہیں۔وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے (ج) حضرت عطاء اور قتادہ نے فرمایا سننا بھی شہادت ہے۔اور حضرت حسن فرماتے تھے مجھ کو کسی چیز پر گواہ نہیں بنایا لیکن میں نے ایسا ایسا سنا ہے (د) آپؐ نے فرمایا اس کو دیکھو اگر سفید بچہ پیدا ہوا خراب آنکھ والا تو وہ ہلال بن امیہ کا ہے۔اور اگر سرگی آنکھ والا ہو، پتلی پنڈلی والا ہو تو وہ شریک بن سحماء کا ہے۔فرمایا مجھے خبر ہوئی کہ سرگی آنکھ اور پتلی پنڈلی والا پیدا ہوا۔

ولا تُقبل فی الحدود والقصاص[۲۸۵۱](۴۲) ویجوز شھادۃ شاھدین علی شھادۃ شاھدین ولاتُقبل شھادۃ واحد علی شھادۃ واحد.

ویسمع ممن یسمع منکم (الف) (ابوداؤدشریف، باب فضل نشر العلم، ص۱۵۹، نمبر ۳۶۵۹) اس حدیث میں ہے کہ حدیث جولوگ سنیں گے وہ دوسروں کے سامنے بیان کریں گے اور دوسرے لوگ ان سے سنیں گے۔ جب حدیث میں سماعت در سماعت ہوسکتی ہے تو گواہی میں بھی ہوسکتی ہے (۲) اس کی ضرورت بھی ہے کیونکہ بعض مرتبہ اصل گواہ اتنا بیمار ہوتا ہے کہ مجلس قضاء میں نہیں جاسکتا اس لئے اپنی گواہی پر فرع کو گواہ بنانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

حدود اور قصاص میں شہادۃ علی الشہادۃ مقبول نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حد اور قصاص شبہ سے ساقط ہوجاتے ہیں۔ اور فرع گواہی میں شبہ ہوتا ہے اس لئے شہادت پر شہادت جائز نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ **عن مسروق وشریح انھما قالا لا تجوز شھادۃ علی شھادۃ فی حد ولا یکفل فی حد** (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الشہادۃ علی الشہادۃ فی حدود اللہ، ج عاشر، ص ۴۲۳، نمبر ۲۱۱۸۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۷ فی الشہادۃ علی الشہادۃ فی حد، ج خامس، ص ۵۴۸، نمبر ۲۸۹۰۱ رمصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ الرجل علی الرجل، ج ثامن، ص ۳۳۹، نمبر ۱۵۴۵۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حدود اور قصاص میں شہادت پر شہادت جائز نہیں ہے۔

[۲۸۵۱] (۴۲) جائز ہے دو گواہوں کا گواہی دینا دو گواہوں کی گواہی پر۔ اور نہیں قبول کی جائے گی ایک کی گواہی ایک کی گواہی پر۔

تشریح شہادت پر شہادت کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک اصل گواہ دو آدمیوں کو گواہ بنائے اور دوسرا اصل گواہ بھی دو آدمیوں کو گواہ بنائے، اس طرح فرع گواہ چار ہوجائیں گے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ ایک اصل گواہ نے جن دو گواہوں کو گواہ بنایا ان ہی کو دوسرا اصل بھی اپنی گواہی پر گواہ بنادے اس طرح فرع گواہ بھی دو رہیں گے۔ پہلے اصل گواہ کے بھی یہی دو گواہ اور دوسرے اصل گواہ کے بھی یہی دو گواہ۔ البتہ یہ جائز نہیں ہے کہ ایک اصل ایک ہی فرع کو اپنی گواہی پر گواہ بنائے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن اسمعیل الازرق عن الشعبی قالا لا تجوز شھادۃ الشاھد علی الشاھد حتی یکونا اثنین** (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی عدد شھود الفرع، ج عاشر، ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۱ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸۰ فی شہادۃ الشاھد علی الشاھد، ج رابع، ص ۵۵۴، نمبر ۲۳۰۷۰ رمصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ الرجل علی الرجل، ج ثامن، ص ۳۳۹، نمبر ۱۵۴۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک اصل گواہ پر دو فرع گواہ چاہئے (۲) اصل کی گواہی منتقل کرنا ہے اس لئے آیت **واستشھدوا شھیدین من رجالکم** (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ ۲) کے اعتبار سے دو گواہ چاہئے۔

فائدہ امام شافعیؒ اوپر کے اثر کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ ہر اصل گواہ کے لئے دو الگ الگ فرع گواہ ہوں۔ اس اعتبار سے دو اصل گواہ کے لئے چار الگ الگ فرع گواہ ہونا ضروری ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا آج تم سن رہے ہو اور تم سے لوگ سنیں گے۔ اور جنہوں نے تم سے سنا ہے ان سے لوگ سنیں گے (ب) حضرت مسروق اور شریح نے فرمایا حد میں نہ شہادت پر شہادت جائز ہے اور نہ کفالت لینا جائز ہے (ج) حضرت شعبیؒ نے فرمایا شہادۃ علی الشہادۃ جائز نہیں جب تک کہ دو گواہ نہ ہوجائیں۔

[۲۸۵۲](۴۳) وصفة الاشهاد ان یقول شاهد الاصل لشاهد الفرع اِشهدْ علی شهادتی اَنّی اشهد ان فلان بن فلان اقرَّ عندی بکذاو اشهدنی علی نفسه وان لم یقل اشهدنی علی نفسه جاز[۲۸۵۳](۴۴) ویقول شاهد الفرع عند الاداء اشهد ان فلانااشهدنی علی شهادته انه یشهد ان فلانا اقرَّ عنده بکذا[۲۸۵۴](۴۵) وقال لی اِشهدْ علی شهادتی

[۲۸۵۲](۴۳) گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اصل گواہ فرع گواہ سے کہے، میری گواہی پر گواہ بن جاؤ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں ابن فلاں نے میرے سامنے اتنے کا اقرار کیا ہے اور مجھے اپنی ذات پر گواہ بنایا ہے۔ اور اگر اشھدنی علی نفسه نہیں کہا تب بھی جائز ہے۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل گواہ جب تک باضابطہ طور پر فرع کو اپنی گواہی کا گواہ نہیں بنائے گا تو وہ گواہ نہیں بن سکے گا۔ صرف گواہی دیتے ہوئے سن لینے سے گواہ نہیں بن سکے گا۔ مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ، اصل گواہ فرع گواہ سے باضابطہ کہے کہ تم میری گواہی پر گواہ بنو اس بات کا کہ فلاں نے فلاں کا اتنے روپے کا میرے سامنے اقرار کیا ہے۔ اور مجھے اقرار پر گواہ بھی بنایا ہے، تاہم اگر یوں نہ کہے کہ مجھے اپنے اقرار پر گواہ بھی بنایا ہے تب بھی فرع کو گواہ بنانا درست ہو جائے گا۔

وجہ اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ عن شریح قال: تجوز شهادة الرجل علی الرجل فی الحقوق، ویقول شریح للشاهد قل: اشهدنی ذو عدل (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب شھادۃ الرجل علی الرجل، ج ثامن ص ۳۳۸، نمبر ۱۵۴۴۷) اس اثر میں ہے۔ قل اشھدنی ذو عدل، جس سے معلوم ہوا کہ فرع گواہ گواہی دیتے وقت۔ کہے گا کہ مجھے عادل آدمی نے گواہ بنایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اصل گواہ اپنی گواہی پر باضابطہ گواہ بنائے تب فرع گواہ بن سکے گا۔

[۲۸۵۳](۴۴) فرع گواہ ادائیگی کے وقت کہے گا فلاں نے مجھ کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے۔ وہ گواہی دیتے ہیں کہ فلاں نے اس کے پاس اتنے کا اقرار کیا ہے۔

تشریح فرع گواہ گواہی دیتے وقت یوں نہیں کہے گا کہ میں اصل گواہ ہوں بلکہ باضابطہ کہے گا میں فرع گواہ ہوں اور اصل گواہ نے مجھ کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے اس بات کا کہ اس کے سامنے فلاں نے اتنی رقم کا اقرار کیا ہے۔

[۲۸۵۴](۴۵) اور مجھ کو کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ بن جاؤ۔ اس لئے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔

تشریح فرع گواہ قاضی کے سامنے کہے گا کہ مجھے اصل گواہ نے کہا تھا کہ میری اس گواہی پر گواہ بنو۔ چونکہ میں اس کی گواہی پر گواہ بن چکا ہوں اس لئے میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔

وجہ اوپر اثر میں گزرا کہ قاضی شریح فرع گواہ سے کہلواتے تھے کہ مجھے عادل آدمی نے گواہ بنایا ہے۔ عن شریح قال ... قل اشهدنی ذو عدل (مصنف عبدالرزاق، باب شھادۃ الرجل علی الرجل، ج ثامن، ص ۳۳۸، نمبر ۱۵۴۴۷) اس اثر میں ہے کہ فرع گواہ اقرار کرے کہ مجھ کو

حاشیہ: (الف) حضرت شریح نے فرمایا شہادۃ علی الشہادۃ حقوق میں جائز ہے۔ حضرت شریح گواہ سے فرماتے تھے، کہو مجھ کو عادل نے گواہ بنایا ہے۔

بذلک فانا اشهد بذلک[۲۸۵۵](۴۶) ولا تُقبل شهادة شهود الفرع الا ان یموت شهود الاصل او یغیبوا مسیرة ثلثة ایام فصاعدا او یمرضوا مرضا لایستطیعون معه حضور مجلس الحاکم[۲۸۵۶](۴۷) فان عدّل شهود الاصل شهود الفرع جاز وان سکتوا عن

اصل گواہ نے گواہ بنایا ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن حسن بن صالح قال قلت للجعد بن زکوان، شهدت شریحا یقول: اجیز شهادة الشاهد علی الشاهد اذا شهد علیهما (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸۰ فی شھادۃ الشاھد علی الشاھد، ج رابع، ص ۵۵۴، نمبر ۲۳۰۶۸) اس اثر میں ہے کہ گواہ بنائے تو گواہ بن سکتا ہے۔

[۲۸۵۵] (۴۶) اور نہیں قبول کی جائے گی فرع گواہوں کی گواہی مگر یہ کہ اصل گواہ مرجائیں، یا تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر چلے جائیں یا ایسا بیمار ہوجائیں کہ اس کی وجہ سے حاکم کی مجلس میں حاضر نہ ہوسکیں۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گواہی کے لئے اصل گواہ ضروری ہے۔ فرع گواہ مجبوری کے درجے میں مہیا کئے جائیں گے۔ اس لئے اصل گواہ مرجائیں یا تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر چلے جائیں یا ایسا بیمار ہوجائیں کہ مجلس قضا میں حاضر ہونا مشکل ہو تب فرع گواہ بنانا جائز ہوگا۔ اور وہ گواہی دے سکے گا۔

وجہ فرع گواہ اصل کی مجبوری کے بعد ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن شریح انه کان لایجیز شهادة الشاهد مادام حیا ولو کان بالیمین (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸۰ فی شھادۃ الشاھد علی الشاھد، ج رابع، ص ۵۵۴، نمبر ۲۳۰۶۹) اس اثر میں ہے کہ اصل گواہ کو ایسی مجبوری ہوجائے جس سے مجلس قضاء میں حاضر ہونا ناممکن ہو تب فرع گواہ کی گواہی قبول کی جائے گی۔

[۲۸۵۶] (۴۷) اگر فرع گواہ اصل گواہوں کو عادل بتائے تو جائز ہے۔ اور اگر ان کو عادل کہنے سے چپ رہے تب بھی جائز ہے، اب قاضی ان کے حالات پر غور کرے۔

تشریح فرع گواہ قاضی کے سامنے یہ کہے کہ جنہوں نے ہمیں گواہ بنائے ہیں وہ عادل لوگ ہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اور اگر فرع گواہ ان کے تزکیہ اور تعدیل سے چپ رہیں تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ اس صورت میں قاضی کی ذمہ داری ہے کہ اصل گواہوں کے بارے میں حالات کی تفتیش کرے کہ وہ لوگ عادل ہیں یا نہیں۔

وجہ فرع گواہ بھی انسان ہیں اس لئے ان کو کسی کی تعدیل اور تزکیہ کرنے کا حق ہے۔ اس لئے وہ اصل گواہوں کی تعدیل کر سکتے ہیں۔ اور خاموش رہنا چاہیں تو خاموش بھی رہ سکتے ہیں۔ اگر وہ خاموش رہے تو قاضی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اصل گواہ کے حالات کی تحقیق کرے کہ وہ عادل ہیں یا غیر عادل (۲) اثر میں ہے کہ حضرت شریح فرع گواہوں سے گواہی لیتے وقت یہ بھی کہلواتے تھے کہ تم اقرار کرو کہ اصل گواہ عادل

حاشیہ : (الف) میں نے جعد بن زکوان سے کہا حضرت شریح کو کہتے ہوئے سنا ہے، شہادۃ علی الشہادۃ اس وقت جائز ہے جب ان دونوں گواہوں کو اس پر گواہ بنائے (ب) حضرت شریح شہادۃ علی الشہادۃ جائز قرار نہیں دیتے تھے جب تک اصل گواہ زندہ ہو چاہے فرع گواہ قسم کھا کر ہی گواہی کیوں نہ دے۔

تعديلهم جاز وينظر القاضى فى حالهم[۲۸۵۷](۴۸) وان انكر شهود الاصل الشهادة لم تُقبل شهادة شهود الفرع[۲۸۵۸](۴۹) وقال ابو حنيفة رحمه الله تعالى فى شاهد الزور اُشهِّره فى السوق ولا اُعزِّره.

ہیں۔ تاکہ قاضی صاحب کو اصل گواہوں کے بارے میں اطمینان ہو جائے اثر یہ ہے۔ ويقول شريح للشاهد قل اشهدنى ذو عدل (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب شهادة الرجل على الرجل، ج ثامن، ص ۳۳۸، نمبر ۱۵۴۴۷)

[۲۸۵۷] (۴۸) اگر اصل گواہوں نے گواہی کا انکار کر دیا تو فرع گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح اصل گواہوں نے کہا کہ میں نے فرع کو اپنا گواہ نہیں بنایا ہے تو چونکہ گواہ بنانا نہیں پایا گیا جو ضروری ہے اس لئے فرع گواہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ اثر میں گزرا۔ عن حسن بن صالح قال قلت للجعد بن زكوان شهدت شريحا يقول اجيز شهادة الشاهد على الشاهد اذا شهد عليهما (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ فی شهادة الشاهد علی الشاهد، ج رابع، ص ۵۵۴، نمبر ۲۳۰۶۸) اس اثر میں ہے کہ اصل گواہ اپنی گواہی پر فرع کو گواہ بنائے تب بنے گا ورنہ نہیں۔ اور یہاں اصل نے گواہ بنانے سے انکار کر دیا اس لئے اس کی گواہی کیسے قبول کی جائے گی۔

عبارت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اصل گواہ نے اس بات کا انکار کر دیا کہ وہ اس بات کا گواہ ہے۔ اس صورت میں اصل گواہی کا انکار ہو گیا اس لئے فرع گواہ بنانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا اس لئے فرع گواہ خود بخود ساقط ہو جائے گا۔

[۲۸۵۸] (۴۹) امام ابو حنیفہؒ نے جھوٹے گواہ کے سلسلے میں فرمایا میں بازار میں اس کی تشہیر کروں گا اور اس کو سزا نہیں دوں گا۔

وجہ آیت میں ہے کہ جھوٹے گواہ سے دور رہو اس لئے اس کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ اس کے بارے میں قوم اور بازار میں تشہیر کی جائے تاکہ لوگ اس سے پرہیز کیا کریں۔ آیت میں ہے۔ فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور (ج) (آیت ۳۰، سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں جھوٹی گواہی سے دور رہنے کی تاکید کی ہے (۲) اثر میں ہے۔ ان عمر بن الخطابؓ امر بشاهد الزور ان يسخم وجهه ويلقى فى عنقه عمامته ويطاف به فى القبائل ويقال ان هذا شاهد الزور فلا تقبلوا له شهادة (د) (مصنف عبد الرزاق، باب عقوبۃ شاهد الزور، ج ثامن، ص ۳۲۷، نمبر ۱۵۳۹۴ر مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۶۵ شاهد الزور ما یصنع بہ؟، ج رابع، ص ۵۵۰، نمبر ۲۳۰۳۴) اس اثر میں ہے کہ جھوٹے گواہ کی تشہیر کی گئی ہے۔ اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف تشہیر کی جائے گی۔

حاشیہ: (الف) حضرت شریح گواہ سے یہ کہتے کہو مجھے عادل نے گواہ بنایا ہے (ب) حسن بن صالح فرماتے ہیں کہ میں نے جعد بن زکوان سے کہا کہ میں نے حضرت شریح کو کہتے ہوئے سنا کہ میں شہادۃ علی الشہادۃ کو جائز قرار دیتا ہوں اگر ان دونوں کو باضابطہ گواہ بنایا ہو (ج) بت پرستی سے بچو اور جھوٹی گواہی دینے سے بچو (د) حضرت عمرؓ نے جھوٹے گواہوں کے بارے میں حکم دیا کہ اس کا چہرہ کالا کیا جائے اور اس کی گردن میں اس کا عمامہ ڈالا جائے اور قبیلوں میں گھمایا جائے اور کہا جائے کہ یہ جھوٹا گواہ ہے اس لئے اس کی گواہی قبول نہ کریں۔

[۲۸۵۹](۵۰) وقالا رحمهما الله تعالى نوجِعُه ضربا ونحبسه.

[۲۸۵۹](۵۰)اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ہم اس کو تکلیف دیں گے اور قید کریں گے۔

تشریح صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹے گواہ کی تعزیر کی جائے گی اور قید بھی کیا جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن مکحول ان عمر بن الخطاب ضرب شاهد الزور اربعون سوطا (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب عقوبۃ شاهد الزور، ج ثامن، ص ۳۲۷، نمبر ۱۵۳۹۶ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۶۵، شاهد الزور ما یصنع بہ؟، ج رابع، ص ۵۵۱، نمبر ۲۳۰۴۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جھوٹے گواہ کی تعزیر کی جائے گی۔



حاشیہ : (ہ) حضرت عمرؓ نے فرمایا جھوٹے گواہوں کو چالیس کوڑے مارے جائیں۔

﴿ کتاب الرجوع عن الشهادة ﴾

[۲۸۶۰](۱)اذا رجع الشهود عن شهادتهم قبل الحکم بها سقطت شهادتهم ولا ضمان علیهم[۲۸۶۱](۲) فان حکم بشهادتهم ثم رجعوا لم یُفسخ الحکم ووجب علیهم

﴿ کتاب الرجوع عن الشہادۃ ﴾

ضروری نوٹ گواہی دے کراس سے رجوع کرلے اس کورجوع عن الشہادۃ کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ **حدثنی عبد الله بن بریدة عن ابیه قال کنا اصحاب رسول الله ﷺ نتحدث ان الغامدیة وماعز بن مالک لو رجعا بعد اعترافهما او قال لو لم یرجعا بعد اعترافهما لم یطلبهما وانما رجمها عند الرابعة**۔دوسری روایت میں ہے۔ **حدثنی یزید بن نعیم بن هزال عن ابیه قال کان ماعز بن مالک یتیما ... ثم اتی النبی ﷺ فذکر له ذلک فقال هلا ترکتموه لعله ان یتوب فیتوب الله علیه** (الف)(ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک ،ص،نمبر۴۴۳۴/۴۴۱۹)اس حدیث میں ہے کہ حضرت ماعزؓ زنا کے اعتراف کے بعد رجوع کر لیتے تو حد نہ لگتی۔اس سے گواہوں کا رجوع کرنا ثابت ہوا۔

نوٹ اس باب کے اکثر مسائل اس اصول پر ہیں کہ جس نے جس کا جتنا نقصان کیا وہ اتنے کا ذمہ دار ہو گیا۔آیت اور اثر سے اس کی دلیلیں آگے آرہی ہیں۔

[۲۸۶۰](۱)اگر گواہ اپنی گواہی سے فیصلے سے پہلے رجوع کر جائیں تو اس کی شہادت ساقط ہو جائے گی اور ان پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر حدیث گزری۔ **ماعز بن مالک لو رجعا بعد اعترافهما...لم یطلبهما** (ابوداؤد شریف،نمبر۴۴۳۴)اس حدیث میں ہے کہ حد کا اقرار کرنے والا فیصلے کے بعد بھی رجوع کر جائے تو ان کی گواہی پر کوئی فیصلہ نہیں ہو سکے گا۔کیونکہ دونوں شہادتیں آپس میں متعارض ہو گئیں۔اور چونکہ گواہی سے ابھی کوئی نقصان نہیں ہوا ہے اس لئے اس پر کچھ ضمان بھی لازم نہیں آئے گا(۲)اثر میں ہے۔ **سألت الزهری عن رجل شهد عند الامام فاثبت الامام شهادته ثم دعی لها فبدلها اتجوز شهادته الاولی او الآخرة؟ قال لا شهادة له فی الاولی ولا فی الآخرة. قال الشیخ وهذا فی الرجوع قبل امضاء الحکم بالاولی** (ب)(سنن للبیہقی، باب الرجوع عن الشہادۃ، ج عاشر،ص ۴۲۵،نمبر ۲۱۱۹۵)اس اثر میں ہے کہ فیصلے سے پہلے رجوع کر جائے تو پہلی یا دوسری کسی گواہی کا اعتبار نہیں ہے۔

[۲۸۶۱](۲)پس اگر ان کی گواہی سے فیصلہ کر دیا پھر وہ رجوع کئے تو فیصلہ فسخ نہیں ہوگا۔اور ان کی شہادت سے جو نقصان ہوا اس کا ضمان لازم

حاشیہ : (الف)عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا ہم حضورؐ کے اصحاب حضرت غامدیہ اور حضرت ماعزؓ کے بارے میں باتیں کرتے تھے کہ اگر وہ زنا کے اعتراف سے رجوع کر جاتے یا یوں فرمایا اعتراف کے بعد دوبارہ واپس نہ آتے تو دونوں کو نہ بلاتے کیونکہ چوتھی مرتبہ رجم فرمایا۔دوسری روایت میں ہے پھر لوگ حضورؐ کے پاس آئے اور حضرت ماعزؓ کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا ان کو چھوڑ کیوں نہ دیا؟ شاید وہ توبہ کرتا تو اللہ تعالی توبہ قبول فرمالیتے۔(ب) میں نے حضرت زہری سے پوچھا کوئی آدمی امام کے پاس گواہی دے اور امام اس کی گواہی لکھ لے۔پھر دوبارہ بلایا جائے تو گواہی بدل دے تو اس کی پہلی گواہی صحیح مانی جائے گی یا بعد والی؟ فرمایا نہ اس کی پہلی گواہی مانی جائے گی نہ بعد کی۔حضرت شیخ نے فرمایا یہ بات پہلی گواہی پر فیصلے سے پہلے کی بات ہے کہ گواہی کا اعتبار نہیں۔

ضمان ما اتلفوه بشهادتهم[۲۸۶۲] (۳)ولا یصح الرجوع الا بحضرة الحاکم.

ہوگا۔

تشریح گواہوں نے شہادت دی جس کی وجہ سے قاضی نے فیصلہ کردیا بعد میں گواہ رجوع کر گئے تو اب فیصلہ نہیں توڑا جائے گا۔اوران کی گواہی سے جو کچھ نقصان ہوا اس کا ضمان رجوع کرنے والے گواہوں پر ہوگا۔

وجہ عن الشعبی ان رجلین شهدا عند علیؓ علی رجل بالسرقة فقطع علیؓ یده ثم جاء ا بآخر فقالا هذا هو السارق لا الاول، فاغرم علیؓ الشاهدین دیة ید المقطوع الاول وقال لو اعلم انکما تعمدتما لقطعت ایدیکما ولم یقطع الثانی (الف)دوسری روایت میں ہے۔عن الحسن قال اذا شهد شاهدان علی قتل ثم قتل القاتل ثم یرجع احد الشاهدین قتل (ب)(سنن للبیہقی، باب الرجوع عن الشهادة، ج عاشر، ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۲/۲۱۱۹۳ رمصنف عبد الرزاق، باب الشاہد یرجع عن شهادته او یشهد ثم یجحد، ج ثامن، ص ۳۵۴، نمبر ۱۵۵۱۶ رمصنف ابن ابی شیبة، ۳۷۶ الشاہد ان یشهدان ثم یرجع احدهما، ج رابع، ص ۵۰۶، نمبر ۲۲۵۵۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ معاملات میں فیصلہ نہیں بدلا جائے گا البتہ گواہوں پر نقصان کا ضمان لازم ہوگا۔اوپر حضرت حسنؒ کے اثر میں قتل کا مطلب یہ ہے کہ رجوع کرنے والا گواہ قتل کیا گیا۔

فیصلہ ہونے کے بعد نہیں ٹوٹے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن الثوری فی رجل اشهد علی شهادته رجلا فقضی القاضی بشهادته ثم جاء الشاهد الذی شهد علی شهادته فقال لم اشهد بشیء قال یقول اذا قضی القاضی مضی الحکم (ج)(مصنف عبد الرزاق، باب الشاہد یرجع عن شهادته او یشهد ثم یجحد، ج ثامن، ص ۳۵۳، نمبر ۱۵۵۱۳ رمصنف ابن ابی شیبة، ۳۷۶ الشاہد یشهدان ثم یرجع احدهما، ج رابع، ص ۵۰۵، نمبر ۲۲۵۵۱ رسنن للبیہقی، باب الرجوع عن الشهادة، ج عاشر، ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ فیصلہ کے بعد توڑا نہیں جائے گا۔

[۲۸۶۲](۳)رجوع صحیح نہیں ہے مگر حاکم کے سامنے۔

تشریح گواہی سے رجوع کرنا چاہے تو حاکم کے سامنے ہی رجوع کرے گا تو پہلی گواہی سے رجوع سمجھا جائے گا۔عوام کے سامنے رجوع کرنے سے رجوع نہیں سمجھا جائے گا۔

وجہ پہلی گواہی کے خلاف جو فیصلہ کرے گا وہ قاضی ہی کرے گا اس لئے قاضی کے سامنے رجوع کرنے سے رجوع شمار کیا جائے گا (۲) اثر

حاشیہ : (الف)حضرت شعبی نے فرمایا کہ دو آدمیوں نے حضرت علیؓ کے سامنے ایک آدمی پر چوری کی گواہی دی، پس حضرت علیؓ نے اس کا ہاتھ کاٹا۔پھر دوبارہ گواہ آئے اور کہا یہ دوسرا چور ہے پہلا نہیں۔پس حضرت علیؓ نے دونوں گواہوں کو مقطوع کے ہاتھ کی دیت لازم کی اور فرمایا کہ اگر جانتا کہ تم دونوں نے جان کر ایسا کیا ہے (یعنی جھوٹی گواہی دی ہے) تو تم دونوں کا ہاتھ کاٹتا۔اور دوسرے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا (ب) حضرت حسنؒ نے فرمایا اگر آدمی کسی کے قتل کی گواہی دے جس کی وجہ سے قاتل قتل کیا گیا پھر دو گواہوں میں سے ایک رجوع کر گیا تو رجوع کرنے والا گواہ قتل کیا جائے گا (ج) حضرت ثوریؒ نے فرمایا کسی نے کسی کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا۔پس قاضی نے اس کی گواہی پر فیصلہ کردیا پھر اصل گواہ آیا اور کہا میں نے کسی کو گواہ نہیں بنایا ہے۔فرمایا کرتے تھے قاضی اگر فیصلہ کردے تو حکم نافذ ہوجائے گا۔

[۲۸۶۳](۴) واذا شهد شاهدان بمال فحکم الحاکم به ثم رجعا ضمنا المال للمشهود علیه[۲۸۶۴](۵) وان رجع احدهما ضمن النصف.

میں اس کا اشارہ ہے۔ عن الشعبی ان رجلین شهدا عند علیؓ علی رجل بالسرقة فقطع علیؓ یده ثم جاء ا بآخر فقالا هذا هو السارق لا الاول (الف) (سنن للبیہقی، باب رجوع عن الشهادة، ج عاشر ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۲) اس اثر میں پہلے گواہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور دوسرے گواہ بھی رجوع کرنے کے لئے حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ اور حضرت علی قاضی تھے جس سے معلوم ہوا کہ رجوع کے لئے بھی قاضی کے پاس آئے تب رجوع مقبول ہے۔

[۲۸۶۳](۴) اگر دو گواہوں نے مال کی گواہی دی۔ پس حاکم نے اس کا فیصلہ کیا پھر دونوں رجوع کر گئے تو دونوں مشہود علیہ کے مال کے ضامن ہوں گے۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد گواہ رجوع کر جائے تو جو نقصان ہوا ہے گواہ اس کی تلافی کریں گے۔ اس مسئلے میں جس کے خلاف گواہی دی ہے اس کا نقصان کیا ہے اس لئے اس کے نقصان کا ضامن ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابن شبرمة فی رجلین شهدا علی رجل بحق فاخذا منه ثم قالا انما شهدنا علیه بزور یغرمانه فی اموالهما (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الشاهد یرجع عن شهادته او یشهد ثم یجحد، ج ثامن ص ۳۵۴، نمبر ۱۵۵۱۶ رسنن للبیہقی، باب الرجوع عن الشهادة، ج عاشر ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۴) اس اثر میں ہے کہ گواہوں نے مشہود علیہ کا جو نقصان کیا ہے وہ ادا کرنا ہوگا (۲) اس آیت میں بھی اس قاعدے کا ثبوت ہے کہ جس کا جتنا نقصان کیا ہے اس پر اتنا ہی ضمان لازم ہوگا۔ وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص (ج) (آیت ۴۵، سورة المائدة ۵) اس آیت میں قاتل نے جتنا نقصان کیا ہے اس پر اتنا ہی جرمانہ لازم کیا زیادہ نہیں۔

[۲۸۶۴](۵) اگر دونوں گواہوں میں سے ایک نے رجوع کیا تو آدھے کا ضامن ہوگا۔

وجہ (۱) دو گواہوں کی گواہی سے نقصان ہوا ہے اس لئے اس پر آدھے کا ضمان ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ عن ابراهیم قال اذا شهد شاهدان علی قطع ید فقضی القاضی بذلک ثم رجعا عن الشهادة فعلیهما الدیة وان رجع احدهما فعلیه نصف الدیة وبه ناخذ (د) (ذکره محمد فی الاصل کمافی المبسوط، اعلاء السنن، باب الرجوع عن الشهادة، ج عاشر ص ۲۹۷، نمبر ۵۰۴۳) اس اثر سے

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا ایک آدمی نے حضرت علیؓ کے سامنے کسی آدمی پر چوری کی گواہی دی۔ پس حضرت علیؓ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا پھر دوبارہ آیا اور کہا کہ یہ چور ہے پہلا نہیں ہے (ب) حضرت ابن شبرمہ فرماتے ہیں کہ دو آدمی کسی کے خلاف گواہی دے کسی کے حق کی اور اس سے لیا گیا پھر کہا میں نے اس پر جھوٹی گواہی دی تو دونوں کو ان کے مال میں تاوان لازم کیا جائے گا (ج) ہم نے یہودیوں پر فرض کیا جان جان کے بدلے میں اور آنکھ آنکھ کے بدلے میں اور ناک ناک کے بدلے میں اور کان کان کے بدلے میں اور دانت دانت کے بدلے میں کاٹا جائے گا اور زخموں کا بھی بدلہ ہے (د) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر دو آدمی کسی کے ہاتھ کاٹنے کی گواہی دے اور قاضی اس کا فیصلہ کر دے پھر گواہی سے رجوع کر جائے تو ان دونوں گواہوں پر دیت لازم ہوگی اور اگر ایک رجوع (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۸۶۵](۶) وان شهد بالمال ثلثةٌ فرجع احدهم فلا ضمان علیه فان رجع آخر ضمن الراجعان نصف المال[۲۸۶۶](۷) وان شهد رجل وامرأتان فرجعت امرأة ضمنت رُبع الحق[۲۸۶۷](۸) وان رجعتا ضمنتا نصف الحق.

معلوم ہوا کہ ایک گواہ نے رجوع کیا تو آدھے نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

[۲۸۶۵](۶) اگر مال کی گواہی تین گواہوں نے دی۔ پس ان میں سے ایک نے رجوع کیا تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ پس اگر دوسرے نے بھی رجوع کر لیا تو دونوں رجوع کرنے والے آدھے مال کے ضامن ہوں گے۔

تشریح دو گواہوں سے مال کا فیصلہ ہوتا ہے۔ لیکن یہاں تین آدمیوں نے گواہی دی ہے اس لئے ایک زیادہ ہے۔ دو سے زیادہ گواہ گواہی دے سکتا ہے لیکن اس کا زیادہ اعتبار نہیں ہے۔ اثر میں ہے۔ کتب عبد الرحمن بن اذینة الی شریح فی ناس من الازدادعوا قبل ناس من بنی اسد قال واذا غدا هؤلاء ببینة راح اولئک باکثر منهم قال فکتب الیه لیست من التهاتر والتکاثر فی شیء، الدابة لمن هی فی ایدیهم اذا اقاموا البینة۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ عن حنش عن علیؓ انه لا یرجح بکثرة العدد (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال لا یرجح فی الشھو دبکثرۃ العدد، ج عاشر، ص ۲۳۴، نمبر ۲۱۲۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دو سے زیادہ گواہوں پر فیصلے کا مدار نہیں ہے۔ اس قاعدے کے بعد مسئلے کی صورت یہ ہے کہ تین آدمیوں نے مال کی گواہی دی پھر ایک آدمی اپنی گواہی سے رجوع کر گیا تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ کیونکہ اس پر فیصلے کا مدار نہیں تھا۔ بعد میں دوسرا گواہ بھی رجوع کر گیا تو گویا کہ آدھی گواہی رجوع کر گئی اس لئے ان دونوں پر آدھا ضمان لازم ہوگا۔ مثلا بیس درہم کا فیصلہ ہوا تھا تو رجوع کرنے والے دونوں گواہوں پر دس درہم ضمان لازم ہوگا اور ہر ایک کے حصے میں پانچ پانچ درہم آئیں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دو سے زیادہ گواہوں پر فیصلے کا مدار نہیں ہے۔

[۲۸۶۶](۷) اور اگر گواہی دی ایک مرد اور دو عورتوں نے، پھر رجوع کر گئی ایک عورت تو چوتھائی حق کی ضامن ہوگی۔

وجہ گواہی میں دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں اس لئے ایک مرد نے گویا کہ آدھی گواہی دی اور دو عورتوں نے باقی آدھی دی۔ ان میں سے ایک عورت نے رجوع کیا تو گویا کہ چوتھائی گواہی سے رجوع ہوا اس لئے اس عورت پر چوتھائی ضمان لازم ہوگا۔

[۲۸۶۷](۸) اور اگر دونوں عورتیں رجوع کر گئیں تو آدھے کا ضامن ہوگی۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کرے تو آدھی دیت لازم ہوگی (الف) حضرت عبد الرحمن بن اذینہ نے حضرت شریح کو از د کے کچھ لوگوں کے بارے میں لکھا کہ انہوں نے بنی اسد کے کچھ لوگوں کے بارے میں دعوی کیا کہ یہ لوگ کچھ گواہ لیکر صبح آئے اور شام کو دوسرے لوگ زیادہ گواہ لیکر آئے تو کیا ہوگا؟ فرماتے ہیں حضرت شریح نے عبد الرحمن کو لکھا کہ گواہ کی کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہیں۔ جانور اس کا ہوگا جس کے قبضے میں ہے اگر وہ بینہ قائم کر دے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کثرت عدد سے ترجیح نہیں دی جائے گی۔

[٢٨٦٨] (٩) وان شهد رجل وعشر نسوة فرجع ثمان نسوة منهن فلا ضمان عليهن [٢٨٦٩](١٠) فان رجعت اخرى كان على النسوة ربع الحق[٢٨٧٠](١١) فان رجع الرجل والنساء فعلى الرجل سدس الحق وعلى النساء خمسة اسداس الحق عند ابی

وجہ دوعورتیں آدھی گواہی کے قائم مقام ہیں اس لئے دونوں نے رجوع کیا تو پورے نقصان کے آدھے کی ذمہ دار ہوں گی (٢) اثر پہلے گزر چکا ہے۔ **عن ابراهيم قال اذا شهد شاهدان على قطع يد فقضى القاضى بذلك ثم رجعا عن الشهادة فعليهما الدية ،وان رجع احدهما فعليه نصف الدية وبه ناخذ** (الف)(ذکرہ محمد فی الاصل کما فی المسبوط، اعلاء السنن، باب الرجوع عن الشهادة ،ج عاشر،ص ٢٩٧،نمبر ١٥٠٤٣)اس اثر میں ہے کہ آدھے گواہ نے رجوع کیا تو اس پر آدھا ضمان لازم ہوگا۔

[٢٨٦٨](٩) اگر ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی۔ پھر ان میں سے آٹھ عورتیں رجوع کرلیں تو ان عورتوں پر ضمان نہیں ہے۔

وجہ ایک مرد اور دو عورتیں ابھی باقی ہیں جن پر فیصلے کا مدار ہے۔اس لئے ان رجوع کرنے والی آٹھ عورتوں پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

[٢٨٦٩](١٠) پس اگر رجوع کرجائے نویں بھی تو عورتوں پر چوتھائی حق لازم ہوگا۔

تشریح پہلے آٹھ عورتیں رجوع کیں تھیں تو ان پر کچھ لازم نہیں ہوا۔اب نویں عورت بھی رجوع کر گئیں اس لئے ایک مرد اور ایک عورت باقی رہیں۔ایک مرد کی آدھی گواہی اور ایک عورت کی چوتھائی گواہی مجموعہ تین چوتھائی گواہی باقی رہی اور نو عورتوں کو ملا کر چوتھائی گواہی سے رجوع ہوا۔اس لئے ان سب عورتوں پر چوتھائی ضمان لازم ہوگا۔

اصول اوپر اثر سے ثابت کیا تھا کہ جو باقی رہا اس کی گواہی کا اعتبار ہے دو کے علاوہ جو رجوع کر گئے ان کا اعتبار نہیں ہے۔

[٢٨٧٠](١١) پس اگر مرد اور عورتیں سب رجوع کر جائیں تو مرد پر حق کا چھٹا لازم ہوگا اور عورتوں پر حق کے پانچ چھٹے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں مرد پر آدھا اور ساری عورتوں پر آدھا۔

تشریح دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں اس اعتبار سے دس عورتیں پانچ مرد کے قائم مقام ہوئیں اور ایک مرد ہے اس لئے گویا کہ چھ مردوں نے مال کی گواہی دی اس لئے جب سب رجوع کر گئے تو مرد پر ایک چھٹا حصہ لازم ہوا اور باقی پانچ چھٹا حصہ دس عورتوں پر لازم ہوگا۔

مثلا : جس مال کی گواہی ایک مرد اور دس عورتوں نے دی اس کی قیمت 48 درہم تھی، اب رجوع کرنے پر مرد پر ایک چھٹا حصہ 48÷6=8 آٹھ درہم لازم ہوگا۔اور دس عورتوں پر پانچ چھٹا حصہ یعنی 40 درہم لازم ہوگا۔اور ہر عورت کے ذمے چار درہم آئے گا۔

وجہ مرد اور عورتیں سب نے مل کر گواہی دی ہیں اس لئے دس عورتیں پانچ مرد ہوئیں اور ایک مرد ہے اس لئے گویا چھ مردوں نے گواہی دی اس لئے مرد پر ایک مرد کا ضمان چھٹا حصہ آئے گا اور دس عورتوں پر پانچ مردوں کا ضمان یعنی پانچ چھٹا حصہ آئے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا دو گواہ کسی کے ہاتھ کاٹنے کے لئے گواہی دے اور قاضی اس کا فیصلہ کردے پھر دونوں گواہی سے رجوع کر جائے تو ان دونوں پر دیت ہے۔اور اگر ان میں سے ایک رجوع کر جائے تو اس پر آدھی دیت ہے اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

حنیفة رحمه الله تعالی وقالا علی الرجل النصف وعلی النسوة النصف[۲۸۷۱](۱۲) وان شهد شاهدان علی امرأة بالنکاح بمقدار مهر مثلها او اکثر ثم رجعا فلا ضمان علیهما[۲۸۷۲](۱۳) وان شهدا باقل من مهر المثل ثم رجعا لم یضمنا النقصان[۲۸۷۳](۱۴) وکذلک اذا شهدا علی رجل بتزویج امرأة بمقدار مهر مثلها

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مرد پر آدھا ضمان آئے گا اور باقی آدھا سب عورتوں پر آئے گا۔ مثال مذکور میں 48 درہم میں سے آدھا یعنی 24 درہم مرد پر لازم ہوگا اور باقی 24 درہم دس عورتوں پر لازم ہوگا اور ہر عورت پر دو درہم اور چالیس پیسے (2.40) لازم ہوں گے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مرد کے بغیر صرف عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے اس لئے مرد نے گویا کہ آدھی گواہی دی اور دس عورتوں نے مل کر آدھی گواہی دی اس لئے مرد پر آدھا ضمان لازم ہوگا اور باقی آدھا تمام عورتوں پر لازم ہوگا۔

[۲۸۷۱] (۱۲) اگر دو گواہوں نے کسی عورت پر گواہی دی نکاح کی اس کے مہر مثل کی مقدار میں یا اس سے زیادہ میں پھر دونوں رجوع کر گئے تو دونوں پر ضمان نہیں ہے۔

وجہ رجوع کرنے کے بعد گواہ نقصان کے ضامن ہوتے ہیں۔ یہاں مہر مثل یا اس سے زیادہ عورت کو دلوایا ہے اس لئے رجوع کے بعد عورت کا کچھ نقصان نہیں ہوا اس کو تو بضعہ کے بدلے مہر مثل مل گیا اگر چہ اس کا بضعہ گیا اس لئے گواہ ضامن نہیں ہوں گے۔

اصول گواہ کی گواہی سے نقصان ہوا ہو تو رجوع کرنے پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔ اور اگر نقصان نہ ہوا ہو بلکہ مشہود علیہ کا فائدہ ہوا ہو یا برابر سرابر رہا ہو تو گواہ ضامن نہیں ہوں گے۔

[۲۸۷۲] (۱۳) اگر دونوں نے گواہی دی مہر مثل سے کم کی پھر دونوں رجوع کر جائے تو نقصان کے ضامن نہیں ہوں گے۔

تشریح دو گواہوں نے کسی عورت پر گواہی دی کہ مثلا پانچ سو درہم میں نکاح ہوا ہے۔ اور مہر مثل ایک ہزار تھا پھر رجوع کر گئے تو گواہوں پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نکاح کے وقت بضعہ کی قیمت ہے طلاق کے وقت اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اور دوسرا اصول یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ مہر متعین ہو جائے تو وہی اصل ہوگا مہر مثل اصل نہیں ہوگا۔ یہاں عورت کو بضعہ کے بدلے مہر مثل سے کم سہی لیکن کچھ نہ کچھ تو مل گیا ہے اس لئے گواہوں نے اس کا کچھ نقصان نہیں کیا اس لئے اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

اصول مہر کچھ بھی متعین ہو جائے تو وہ کافی ہے بشرطیکہ دس درہم سے زیادہ ہو (۲) بضعہ نکاح کے وقت متقوم ہے فسخ کے وقت متقوم نہیں ہے۔

[۲۸۷۳] (۱۴) ایسے ہی اگر گواہی دی مرد پر عورت سے نکاح کرنے کی اس کے مہر مثل کی مقدار میں۔

تشریح عورت کا مہر مثل مثلا ایک ہزار ہے اور دو گواہوں نے مرد پر گواہی دی کہ ایک ہزار کے بدلے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ شوہر نے عورت سے وطی کی پھر گواہ رجوع کر گئے تو گواہوں پر کچھ ضمان نہیں ہوگا۔

[۲۸۷۴](۱۵) فان شهدا باکثر من مهر المثل ثم رجعا ضمنا الزیادة[۲۸۷۵](۱۶) وان شهدا ببیع شیء بمثل القیمة او اکثر ثم رجعا لم یضمنا[۲۸۷۶](۱۷) وان کان باقل من

وجہ یہاں شوہر کو ایک ہزار دینا تو پڑا لیکن اس کے بدلے بضعہ ملا جس کا مہر مثل ایک ہزار ہے۔اس لئے شوہر کا کوئی نقصان نہیں ہوا اس لئے گواہوں پر کوئی ضمان نہیں ہوگا۔باقی رہا کہ مزید سالوں تک بضعہ استعمال نہ کر سکا تو اس کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ مہر پہلی مرتبہ وطی کی قیمت شمار کی جاتی ہے۔اور بعد کی وطی اسی میں تداخل ہوتی جاتی ہے۔

[۲۸۷۴](۱۵)اور اگر دونوں نے مہر مثل سے زیادہ کی گواہی دی پھر رجوع کر گئے تو زیادتی کے ضامن ہوں گے۔

تشریح مثلا مہر مثل ایک ہزار تھا اور گواہوں نے گواہی دی کہ بارہ سو درہم میں شادی ہوئی تھی۔شوہر نے بیوی سے وطی کی پھر گواہ رجوع کر گئے تو مہر مثل سے زیادہ جو دو سو درہم ہے اس کے ضامن ہوں گے۔

وجہ بضعہ کی قیمت مہر مثل یعنی ایک ہزار تھی اور گواہوں نے بارہ سو مہر کی گواہی دی۔اور بعد میں رجوع بھی کر گئے تو گویا کہ گواہوں نے دو سو درہم کا نقصان دیا اس لئے گواہ دو سو درہم کے ضامن ہوں گے۔

اصول گواہ جتنا نقصان دے گا اتنے کا ضامن ہوگا۔اس کے لئے اثر پہلے گزر چکا ہے(اعلاء السنن،نمبر ۵۰۴۳)

[۲۸۷۵](۱۶)اگر گواہی دی کسی چیز کے بیچنے کی مثل قیمت میں یا زیادہ میں پھر رجوع کر گئے تو ضامن نہیں ہوں گے۔

تشریح مثلا چیز کی قیمت پانچ درہم تھی اور دو آدمیوں نے گواہی دی کہ زید نے یہ چیز پانچ درہم میں یا چھ درہم میں بیچی ہے۔مشتری کے قبضے کے بعد گواہی سے رجوع کر گئے تو گواہوں پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ جتنے کی چیز تھی اتنی قیمت مل گئی یا اس سے زیادہ مل گئی اس لئے گواہوں نے کچھ نقصان نہیں کیا اس لئے اس پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔

[۲۸۷۶](۱۷)اور اگر قیمت سے کم کی گواہی دی تو دونوں نقصان کے ضامن ہوں گے۔

تشریح مثال مذکور میں چیز کی قیمت پانچ درہم تھی،گواہوں نے گواہی دی کہ چار درہم میں بیچی ہے پھر رجوع کر گئے تو گواہوں نے بائع کے ایک درہم کا نقصان کیا اس لئے گواہ نقصان کے ضامن ہوں گے(۲)اثر اوپر گزرا۔**عن ابراهیم قال اذا شهد شاهدان علی قطع ید فقضی القاضی بذلک ثم رجعا عن الشهادة فعلیهما الدیة وان رجع احدهما فعلیه نصف الدیة وبه ناخذ** (الف) (ذکرہ محمد فی الاصل کما فی المبسوط،اعلاء السنن،باب الرجوع عن الشھادۃ،ج عاشر،ص ۲۹۷،نمبر ۵۰۴۳)اس اثر میں ہے کہ دونوں گواہ رجوع کر کے پوری دیت کا نقصان کیا تو پوری دیت لازم ہوگی اور ایک گواہ نے رجوع کیا اور آدھی دیت کا نقصان کیا تو اس پر آدھی دیت لازم کی گئی۔اسی پر قیاس کر کے گواہ جتنا نقصان کریں گے ان پر اتنا ہی ضمان لازم ہوگا۔اس سے زیادہ نہیں(۲) یہ قاعدہ اس آیت سے مستنبط ہے۔ **وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص**

حاشیہ : (الف)حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر دو آدمی کسی کے ہاتھ کاٹنے کی گواہی دے اور قاضی اس کا فیصلہ کر دے پھر گواہی سے رجوع کر جائے تو ان دونوں گواہوں پر دیت لازم ہوگی اور اگر ایک رجوع کرے تو آدھی دیت لازم ہوگی اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

القيمة ضمنا النقصان[۲۸۷۷](۱۸) وان شهدا على رجل انه طلق امرأته قبل الدخول بها ثم رجعا ضمنا نصف المهر[۲۸۷۸](۱۹) وان كان بعد الدخول لم يضمنا [۲۸۷۹] (۲۰) وان شهدا انه اعتق عبده ثم رجعا ضمنا قيمته[۲۸۸۰](۲۱) وان شهد بقصاص ثم

(الف) (آیت ۴۵، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ قاتل نے جتنا نقصان کیا ہے اتنا ہی اس پر ضمان لازم ہوگا اس سے زیادہ نہیں۔

[۲۸۷۷](۱۸) اگر دو آدمیوں نے ایک آدمی پر گواہی دی کہ اس نے بیوی کو وطی سے پہلے طلاق دی ہے پھر دونوں رجوع کر گئے تو دونوں آدھے مہر کے ضامن ہوں گے۔

وجہ اگر گواہی دی کہ دخول سے پہلے طلاق دی ہے تو شوہر پر بغیر بضعہ وصول کئے ہوئے آدھا مہر لازم ہوا ہوگا۔ اس لئے اس کو مفت کی رقم دینی پڑی اور یہ نقصان گواہوں کی وجہ سے ہوا ہے، بعد میں گواہ رجوع کر گئے اس لئے آدھے مہر کا نقصان گواہوں پر لازم ہوگا۔

[۲۸۷۸](۱۹) اور اگر دخول کے بعد ہے تو دونوں ضامن نہیں ہوں گے۔

تشریح گواہوں نے گواہی دی کہ دخول کے بعد شوہر نے طلاق دی ہے۔ اس کی وجہ سے شوہر پر پورا دینا پڑ گیا۔ بعد میں گواہ رجوع کر گئے تو گواہوں پر کچھ ضمان نہیں ہوگا۔

وجہ دخول کے بعد طلاق کی وجہ سے پورا مہر تو دینا پڑا لیکن اس کے بدلے شوہر بضعہ وصول کر چکا ہے۔ چونکہ مہر بضعہ وصول کرنے کا بدلہ ہے اس لئے گواہوں نے شوہر کا کچھ نقصان نہیں کیا اس لئے گواہوں پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔

[۲۸۷۹](۲۰) اگر دونوں نے گواہی دی کہ اپنے غلام کو آزاد کیا پھر دونوں رجوع کر گئے تو دونوں غلام کی قیمت کے ضامن ہوں گے۔

تشریح دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید نے اپنا غلام آزاد کیا ہے جس کی وجہ سے قاضی نے آزاد ہونے کا فیصلہ کر دیا۔ بعد میں دونوں گواہ رجوع کر گئے۔ اب غلام تو آزاد ہی رہے گا البتہ اس کی قیمت گواہوں پر لازم ہوگی۔

وجہ کیونکہ گواہوں کی گواہی کی وجہ سے بغیر کسی عوض کے زید کا غلام آزاد ہوا۔ اور زید کو اس کا نقصان ہوا اس لئے گواہوں پر غلام کی قیمت لازم ہوگی۔ اصول گزر چکا ہے۔

[۲۸۸۰](۲۱) اگر قصاص کی گواہی دی پھر قتل کے بعد دونوں رجوع کر گئے تو دونوں دیت کے ضامن ہوں گے۔ لیکن دونوں سے قصاص نہیں لیا جائیگا۔

وجہ دیت تو اس لئے لی جائے گی کہ اس کی گواہی کی وجہ سے قتل کیا گیا ہے اور بعد میں گواہی سے رجوع کر گئے۔ اور قصاص میں جان کا بدلہ جان اس لئے نہیں لیا جائے گا کہ اس نے براہ راست قتل نہیں کیا بلکہ قاضی کے سامنے گواہی دی پھر قاضی نے قتل کر دیا اس لئے یہ قتل عمد نہیں ہوا

حاشیہ : (الف) ہم نے یہودیوں پر فرض کیا جان جان کے بدلے میں اور آنکھ آنکھ کے بدلے میں اور ناک ناک کے بدلے میں اور کان کان کے بدلے میں اور دانت دانت کے بدلے میں کاٹا جائے گا اور زخموں کا بھی بدلہ ہے۔

رجع بعد القتل ضمنا الدية ولا يُقتصُّ منهما[۲۸۸۱](۲۲) واذا رجع شهود الفرع ضمنوا[۲۸۸۲] (۲۳)وان رجع شهود الاصل وقالوا لم نشهد شهود الفرع على شهادتنا

بلکہ قتل خطاء کے درجے میں ہے۔اور قتل خطا میں دیت لازم ہوتی ہے قصاص لازم نہیں ہوتا۔اس لئے یہاں بھی دیت لازم ہوگی قصاص لازم نہیں ہوگا۔آیت ہے۔ومن قتل مومنا خطأ فتحرير رقبة مومنة ودية مسلمة الى اهله (الف)(آیت ۹۲،سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ قتل خطاء کی دیت لازم ہوگی۔اس لئے یہاں بھی دیت لازم ہوگی (۲) اثر گزر گیا۔ عن ابراهيم قال اذا شهد شاهدان على قطع يد فقضى القاضي بذلک ثم رجعا عن الشهادة فعليهما الدية وان رجع احدهما فعليه نصف الدية وبه ناخذ (ب)(ذکرہ محمد فی الاصل کما فی المبسوط،اعلاء السنن،باب الرجوع عن الشھادۃ،ج عاشر ص ۲۹۷،نمبر ۵۰۴۳)اس اثر میں ہے کہ گواہی سے رجوع کرنے پر دیت لی جائے گی قصاص نہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک قصاص لیا جائے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔عن الحسن قال اذا شهد شاهدان على قتل ثم قتل القاتل ثم يرجع احد الشاهدين قتل (ج) (سنن للبیہقی،باب الرجوع عن الشھادۃ،ج عاشر،ص ۴۲۴،نمبر ۲۱۱۹۳)اس اثر میں ہے کہ گواہ کی وجہ سے قتل کیا گیا پھر اس نے رجوع کیا تو خود گواہ قصاصا قتل کیا جائے گا۔اس لئے یہاں بھی گواہ سے قصاص لیا جائے گا۔

[۲۸۸۱](۲۲)اگر فرع گواہ رجوع کر گئے تو ضامن ہوں گے۔

تشریح اصل گواہوں نے فرع کو گواہ بنایا تھا اور انہوں نے ہی مجلس قضا میں گواہی دی تھی جس کی بنا پر فیصلہ ہوا تھا۔اب وہ رجوع کر گئے تو وہ ضامن ہوں گے۔

وجہ مجلس قضا میں فرع نے گواہی دی ہے اور بنیاد فرع کی گواہی ہے اور وہی رجوع کر رہے ہیں اس لئے وہی ضامن ہوں گے،اصل ضامن نہیں ہوں گے۔

[۲۸۸۲](۲۳)اور اگر اصل گواہ رجوع کر گئے اور یوں کہا کہ میں نے اپنی گواہی پر فرع کو گواہ نہیں بنایا ہے تو اصل پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

تشریح اصل گواہ اس طرح اپنی گواہی سے رجوع کرتا ہے کہ میں نے فرع گواہ کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہی نہیں ہے تو اصل گواہ نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

وجہ وہ خود مجلس قضا میں جا کر گواہی نہیں دی ہے۔اس لئے بہت ممکن ہے کہ فرع گواہ جھوٹ بول رہے ہوں اور بغیر گواہ بنائے گواہی دے دی

حاشیہ : (الف) کسی نے مومن کو غلطی سے قتل کر دیا تو مومن غلام آزاد کرنا ہے اور دیت اس کے اہل کو سپرد کرنا ہے (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر دو آدمی کسی کے ہاتھ کاٹنے کی گواہی دے اور قاضی اس کا فیصلہ کر دے پھر گواہی سے رجوع کر جائے تو ان دونوں گواہوں پر دیت لازم ہوگی اور اگر ایک رجوع کرے تو آدھی دیت لازم ہوگی اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں (ج) حضرت حسن نے فرمایا اگر دو آدمی کسی کے قتل پر گواہی دے پھر قاتل قتل کیا جائے پھر دو میں سے ایک گواہ رجوع کر جائے تو قتل کیا جائے گا۔

فلا ضمان علیھم[۲۸۸۳](۲۴) وان قالوا اشھدناھم وغلطنا ضمنوا [۲۸۸۴](۲۵)وان قال شھود الفرع کذب شھود الاصل او غلطوا فی شھادتھم لم یُلتفت الی ذلک[۲۸۸۵](۲۶) واذا شھد اربعة بالزنا وشاھدان بالاحصان فرجع شھود الاحصان

ہو۔اس لئے اصل گواہ پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔اور فرع پر بھی ضمان لازم نہیں ہوگا کیونکہ وہ گواہی سے رجوع نہیں کر رہے ہیں۔اور قضا بھی نہیں ٹوٹے گا کیونکہ قاضی کا فیصلہ ہونے کے بعد جلدی ٹوٹتا نہیں ہے۔

[۲۸۸۳](۲۴)اور اگر کہا کہ ہم نے ان کو گواہ بنایا تھا لیکن غلطی کی تھی تو وہ ضامن ہوں گے۔

تشریح اگر اصول نے یوں کہا کہ ہم نے فروع کو گواہ بنایا تھا لیکن گواہی کے الفاظ میں غلطی کی تھی تو اصل گواہ ضامن ہوں گے۔

وجہ اصل گواہ نے خود اقرار کیا کہ میری غلطی ہے اور فرع گواہوں نے اصل گواہوں کی بات ہی نقل کی ہے اس لئے اصل گواہ ضامن ہوں گے۔اور چونکہ فرع گواہوں نے رجوع نہیں کیا اس لئے وہ ضامن نہیں ہوں گے۔

اصول یہ مسائل اسی اصول پر ہیں کہ جس نے جتنا نقصان کیا ہے وہی ضامن ہوگا۔

[۲۸۸۴](۲۵)اگر فرع گواہوں نے کہا کہ اصل گواہ جھوٹ بولے ہیں یا انہوں نے گواہی نوٹ کرانے میں غلطی کی ہے تو اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔

وجہ فرع گواہوں نے سچ اور صحیح سمجھ کر اصل گواہوں کی گواہی مجلس قضا میں منتقل کی۔اور قاضی کے فیصلے کے بعد کہہ رہے ہیں کہ اصل گواہ جھوٹ بولے ہیں یا گواہی نوٹ کرانے میں غلطی کی ہے تو ان کی اپنی باتوں میں تضاد ہو گیا۔قضا سے پہلے اس کو صحیح سمجھا اور قضا کے بعد غلط بتا رہے ہیں اس لئے ان کی باتوں کی طرف قاضی توجہ نہیں دیں گے (۲) فیصلے کے بعد فیصلہ ٹوٹے گا نہیں اس لئے اس کی باتوں کی طرف توجہ دے کر فائدہ کیا ہے؟ (۳) فرع گواہ رجوع نہیں کر رہے ہیں بلکہ اصل پر الزام ڈال رہے ہیں جس پر کوئی گواہ نہیں ہے اس لئے بھی اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔

لغت لم یلتفت : توجہ نہیں دی جائے گی۔

[۲۸۸۵](۲۶)اگر چار آدمیوں نے زنا کی گواہی دی اور دو آدمیوں نے احصان کی پھر احصان کے گواہ رجوع کر گئے تو وہ ضامن نہیں ہوں گے۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سزا کا اصل موجب زنا کرنا اور اس کی گواہی ہے نہ کہ محصن ہونا اور اس کی گواہی۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ چار آدمیوں نے گواہی دی کہ فلاں نے زنا کیا ہے۔اور دوسرے دو آدمیوں نے گواہی دی کہ یہ محصن ہے۔پھر احصان کی گواہی دینے والے رجوع کر گئے تو وہ دیت کے ضامن نہیں ہوں گے۔

وجہ رجم کا مدار زنا کے ثبوت پر ہے اور زنا کا ثبوت پہلے چار گواہوں سے ہوا ہے۔اور ان لوگوں نے رجوع نہیں کیا اس لئے ان لوگوں پر دیت

لم يضمنوا[۲۸۸۶] (۲۷) واذا رجع المُزكُّون عن التزكية ضمنوا[۲۸۸۷](۲۸) واذا شهد شاهدان باليمين وشاهدان بوجود الشرط ثم رجعوا فالضمان على شهود اليمين خاصَّة.

کا ضمان نہیں ہوگا۔البتہ یہ بات ضرور ہے کہ محصن ہونے کی گواہی نہ دیتے تو رجم نہیں کیا جاتا بلکہ کوڑے لگائے جاتے۔احصان کی گواہی دینے کی وجہ سے رجم کیا گیا ہے۔پھر بھی ان پر دیت لازم اس لئے نہیں ہوگی کہ انہوں نے صرف ایک صفت بیان کی ہے جس کی وجہ سے سزا کی تبدیلی ہوگئی ورنہ اصل سزا زنا کی گواہی دینے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔اور انہوں نے رجوع نہیں کیا ہے اس لئے محصن ہونے کی گواہی دینے والوں پر دیت لازم نہیں ہوگی۔

[۲۸۸۶] (۲۷) تزکیہ کرنے والے تزکیہ سے رجوع کر جائیں تو ضامن ہوں گے۔

تشریح چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی۔پھر قاضی نے گواہوں کی عدالت کی تحقیق کے لئے آدمی بھیجے۔انہوں نے کہا گواہ عادل ہیں۔ان کے عادل کہنے کی وجہ سے قاضی نے رجم کا فیصلہ کیا۔کیونکہ گواہوں کے عادل ہوئے بغیر رجم کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔تو گویا کہ تزکیہ کرنے والوں پر ایک گونہ رجم کی بنیاد ہے۔اس لئے جب وہ رجوع کر گئے تو ان پر دیت لازم ہوگی۔

وجہ گواہی قبول ہی کی جائے گی تزکیہ کرنے والے کے کہنے پر،تو گویا کہ تزکیہ کرنے والے سزا دینے میں شریک ہوئے۔اور پھر وہ رجوع کر گئے تو ان پر ضمان لازم ہوگا۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تزکیہ کرنے والے کی حیثیت احصان کی گواہی دینے والے کی طرح ہے۔اس لئے جس طرح احصان کی گواہی دینے والوں پر ضمان نہیں ہے اسی طرح تزکیہ کرنے والوں پر بھی ضمان نہیں ہے (۲) وہ فرماتے ہیں کہ رجم کا مدار گواہوں پر ہے تزکیہ کرنے والوں پر نہیں ہے۔وہ تو صرف ایک صفت بیان کرنے والے ہیں۔اس لئے ان پر ضمان نہیں ہے۔

[۲۸۸۷] (۲۸) اگر دو گواہوں نے گواہی دی قسم کھانے کی۔اور دوسرے دو نے دی شرط کے پائے جانے کی پھر سب رجوع کر گئے تو ضمان صرف قسم کے گواہوں پر ہوگا۔

تشریح کسی نے قسم کھائی کہ امتحان میں پاس ہوں گا تو دعوت کھلاؤں گا۔اب اس میں دو باتیں ہیں۔قسم کھانا اور امتحان میں پاس ہونے کا ثبوت یعنی شرط پائے جانے کا ثبوت۔شرط پائے جانے پر دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی امتحان میں پاس ہوگیا ہے اور قسم کھانے پر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی نے ایسی قسم کھائی ہے۔اس لئے سب کے رجوع کرنے پر قسم کے گواہ ضمان کے ذمہ دار ہوں گے۔

وجہ قسم پائے جانے اور کفارہ دینے کا اصل مدار قسم کے گواہ ہیں۔شرط پائے جانے کے گواہ صرف صفت بتانے کے گواہ ہیں ان پر مدار نہیں ہے۔اس لئے قسم کھانے کے گواہ ذمہ دار ہوں گے۔

﴿ کتاب آداب القاضی ﴾

[۲۸۸۸](۱)لاتصح ولاية القاضی حتی یجتمع فی المولّٰی شرائط الشهادة ویکون من

﴿ کتاب آداب القاضی ﴾

ضروری نوٹ قاضی کیسے ہواور وہ کس طرح فیصلہ کرے اس کوآداب قاضی کہتے ہیں۔قضا کے ثبوت کے لئے یہ آیت ہے۔ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الظالمون (الف)(آیت ۴۵،سورۃ المائدۃ ۵)دوسری آیت میں ہے۔وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم وکنا لحکمهم شاهدین ففهمناها سلیمان وکلا اتینا حکما وعلما (ب)(آیت ۷۸/۷۹،سورۃ الانبیاء ۲۱)ان دونوں آیتوں میں فیصلے کرنے کا ثبوت ہے۔حدیث میں ہے۔عن اناس من اهل حمص من اصحاب معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ لما اراد ان یبعث معاذا الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء ؟ قال اقضی بکتاب الله ،قال فان لم تجد فی کتاب الله ؟ قال فبسنة رسول الله،قال فان لم تجد فی سنة رسول الله ولا فی کتاب الله ؟ قال اجتهد برایی ولا الو ،فضرب رسول الله ﷺ صدره فقال الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی رسول الله (ج)(ابوداؤد شریف،باب اجتہاد الرای فی القضاء،ص ۱۴۹،نمبر ۳۵۹۲رترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی،ص ۲۴۷،نمبر ۱۳۲۷رنسائی شریف،باب الحکم باتفاق اہل العلم،ص ۷۳۲،نمبر ۵۳۹۹)اس حدیث میں قضاء کا ثبوت ہے،اور کس ترتیب سے استدلال کرے اس کا بھی ثبوت ہے۔

[۲۸۸۸](۱)نہیں صحیح ہے قاضی بنانا یہاں تک کہ جمع ہوجائے قاضی میں شہادت کی شرطیں اور وہ اہل اجتہاد میں سے ہو۔

تشریح جس آدمی کو قاضی بنایا جارہا ہو اس میں اجتہاد کی شرطیں موجود ہوں۔مثلا عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان اور عادل ہو۔اور اتنا علم ہو کہ جس مسئلے میں کوئی قول نہ ہو تو اس میں اجتہاد کرسکتا ہو۔حد قذف نہ لگی ہو۔

وجہ (۱) قاضی شاہد کی شہادت سے فیصلہ کرے گا تو خود قاضی میں بھی شاہد کی صفتیں ہونی چاہئے (۲) آیت میں ہے۔فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم (د)(آیت ۹۵،سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں ہے کہ فیصلہ کرنے والا عادل ہو (۳) اثر میں ہے۔ قال عمر بن عبد العزیز لا ینبغی ان یکون قاضیا حتی تکون فیه خمس آیتهن اخطاته کانت فیه خللا،یکون عالما

حاشیہ : (الف) جو اللہ کے اتارے ہوئے احکامات کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا وہ ظالم ہے (ب) حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام جب فیصلہ کر رہے تھے کھیتی کے بارے میں جب گھس پڑی اس میں قوم کی بکریاں اور ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے۔تو ہم نے فیصلہ حضرت سلیمان کو سمجھایا اور دونوں ہی کو علم اور حکمت دیا (ج) حضورؐ نے جب معاذؓ کو یمن بھیجنے کا ارادہ کیا تو پوچھا جب تمہارے سامنے قضا کا معاملہ پیش آئے تو کیسے فیصلہ کروگے؟ فرمایا میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔پوچھا اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو؟ فرمایا سنت رسول اللہ سے فیصلہ کروں گا۔پوچھا اگر سنت رسول اللہ اور کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ فرمایا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کمی نہیں کروں گا۔تو حضورؐ نے خوشی سے ان کے سینے پر مارا اور فرمایا، الحمد للہ! جس نے رسول اللہ کے قاصد کو ایسی باتوں کی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہے (د) جس جانور کو قتل کیا اس کا چوپائے کے ذریعہ برابر بدلہ ہے،اس کا دو عادل آدمی فیصلہ کرے۔

اهل الاجتهاد.

بما کان قبله، مستشیرا لاهل العلم ملغیا للرثغ یعنی الطمع، حلیما عن الخصم، محتملا للائمة (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب کیف ینبغی للقاضی ان یکون، ج ثامن، ص ۲۹۸، نمبر ۱۵۲۸۶) اس اثر میں ہے کہ پانچ باتیں قاضی میں ہوں (۱) شریعتوں کو جاننے والا ہو (۲) اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو (۳) لالچ سے دور ہو (۴) خصم سے بردباری کا معاملہ کرنے والا ہو (۵) دوسرے کی ملامت کو برداشت کرنے والا ہو۔ یہاں الائمۃ لوم کی جمع ہے جس کے معنی ملامت ہے۔

اور قاضی اہل اجتہاد ہو اس کی دلیل اوپر کی حدیث معاذ ہے۔ جس میں ہے کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قاضی اہل اجتہاد ہوگا تب ہی تو اجتہاد کر سکے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن اناس من اهل حمص من اصحاب معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ لما اراد ان یبعث معاذ الی الیمن ... فان لم تجد فی سنة رسول الله ولا فی کتاب الله؟ قال اجتهد برایی ولا آلو (ب) (ابوداؤد شریف، باب اجتهاد الرای فی القضاء، ص ۱۴۹، نمبر ۳۵۹۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی، ص ۲۴۷، نمبر ۱۳۲۷) اس حدیث میں ہے کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور یہ اسی وقت ہوگا جب قاضی صاحب اجتہاد ہو (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن عمرو بن العاص انه سمع رسول الله ﷺ قال اذا حکم الحاکم فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر (ج) (مسلم شریف، باب بیان اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب او اخطأ، ص ۷۶، نمبر ۱۷۱۶) اس حدیث میں ہے کہ اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ کرے تو دو اجر ہیں اور غلطی کرے تو ایک اجر ہے۔ اور اجتہاد اسی وقت کر سکتا ہے جب قاضی میں صفت اجتہاد ہو۔

فائدہ علماء فرماتے ہیں کہ صفت اجتہاد ہو تو بہتر ہے ورنہ غیر مجتہد کو بھی قاضی بنا سکتا ہے۔

وجہ کیونکہ دوسروں کے لئے فیصلے کو یا فتوی کو نافذ کرے اور خود اجتہاد نہ کرے (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نوعمر تھے اور ابھی ان میں صفت اجتہاد نہیں آئی تھی پھر بھی حضورؐ نے ان کو قاضی بنا کر یمن بھیجا۔ عن علی قال بعثنی رسول الله ﷺ الی الیمن قاضیا فقلت یا رسول الله ﷺ ترسلنی وانا حدیث السن ولا علم لی بالقضاء فقال ان الله سیهدی قلبک الخ (د) (ابوداؤد شریف، باب کیف القضاء، ص ۱۴۸، نمبر ۳۵۸۲) اس حدیث میں حضرت علی نوعمر تھے اور صفت اجتہاد نہیں تھی پھر بھی قاضی بنائے گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر صفت اجتہاد کے بھی قاضی بنائے جا سکتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ مناسب نہیں ہے کہ قاضی بنے یہاں تک کہ اس میں پانچ صفتیں ہوں۔ کسی کا نہ ہونا خلل ہے۔ ایک تو ماقبل کی باتوں کو جاننے والا ہو، دوسری اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو۔ تیسری یہ کہ لالچ نہ ہو، چوتھی یہ مخالف کے ساتھ بردبار ہو، اور پانچویں صفت یہ کہ ملامت کو برداشت کرنے والا ہو (ب) جب حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا تو فرمایا اگر سنت رسول اور کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو کیا کروگے؟ فرمایا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہیں کروں گا (ج) آپؐ نے فرمایا جب حاکم فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے پھر صحیح پر پہنچ جائے تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔ اور اگر فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے (د) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپؐ مجھے بھیجتے ہیں حالانکہ میں نوعمر ہوں۔ اور فیصلہ کرنا بھی نہیں جانتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تمہارے دل کی رہنمائی کرے گا۔

[۲۸۸۹](۲) ولا بأس بالدخول فی القضاء لمن یثق بنفسه انی یؤدی فرضه[۲۸۹۰](۳) ویکره الدخول فیه لمن یخاف العجز عنه ولا یأمن علی نفسه الحیف فیه.

لغت المولی : ولی سے مشتق ہے جس کو قضا سپرد کیا جارہا ہو۔

[۲۸۸۹] (۲) اور کوئی حرج نہیں ہے قضاء میں داخل ہونے میں جس کو اعتماد ہو کہ وہ اپنا فرض پورا کرے گا۔

تشریح جس کو اس بات کا اعتماد ہو کہ میں قضا کے فرائض پورا کرلوں گا تو اس کے لئے قضا میں داخل ہونے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ یہ امر بالمعروف ہے اس لئے اعتماد ہو تو اس کے ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ میں امور سلطنت نہیں لوں گا تو امت ہلاک ہو جائے گی تو خود سلطنت مانگی۔ **قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم** (الف) (آیت ۵۵، سورۂ یوسف ۱۲) اس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے خود سلطنت مانگی ہے اس لئے اعتماد ہو اور امت کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو قضا مانگ بھی سکتا ہے (۳) قضا ایک فریضہ ہے جس کی ادائیگی کے لئے انبیاء کو حکم دیا، اس لئے اس میں شامل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ آیت میں ہے۔ **یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوی فیضلک عن سبیل الله** (ب) (آیت ۲۶، سورۃ ص ۳۸) دوسری آیت میں ہے۔ **انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک الله ولا تکن للخائنین خصیما** (ج) (آیت ۱۰۵، سورۃ النساء ۴) ان دونوں آیتوں میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کو صحیح فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ قضا میں داخل ہوئے بغیر نہیں ہوگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس میں داخل ہونے میں حرج نہیں ہے بشرطیکہ حق فیصلہ کرنے کا اعتماد ہو۔ کیونکہ یہ بھی اشارہ ہے کہ خواہش نفس کی اتباع کرے گا تو گمراہ ہو جائے گا۔

لغت یثق : اعتماد ہو۔

[۲۸۹۰] (۳) اور اس میں داخل ہونا مکروہ ہے اس کے لئے جس کو اس سے عاجز ہونے کا خوف ہو۔ اور اس بات پر اطمینان نہ ہو کہ اپنی ذات پر اس میں ظلم ہو جائے گا۔

تشریح کسی کو یہ خوف ہو کہ میں صحیح فیصلہ کرنے سے عاجز رہوں گا، اور فرض کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اپنے اوپر ظلم ہو جائے تو ایسے آدمی کے لئے قاضی بننا مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال من جعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین** (د) (ابوداؤد شریف، باب فی طلب القضاء، ص ۱۴۷، نمبر ۳۵۷۲ / ترمذی شریف، باب ما جاء عن رسول اللہ ﷺ فی القاضی، ص ۲۴۷، نمبر ۱۳۲۵) اس

حاشیہ : (الف) حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا مجھے زمین کے خزانے کا نگران بنائیں میں حفاظت کرنے والا ہوں اور اس فن کو جانتا بھی ہوں (ب) اے داؤد! میں نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا اس لئے لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے۔ اور خواہش کی اتباع نہ کیجئے کہیں راستے سے بھٹک نہ جائیں (ج) میں آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اس علم سے جو آپ کو اللہ نے دیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے لئے جھگڑنے والے نہ بنیں (د) آپ نے فرمایا جو لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔

[۲۸۹۱](۴) ولا ینبغی ان یطلب الولایة ولایسألها[۲۸۹۲](۵)ومن قُلِّد فی القضاء

حدیث میں ہے کہ قاضی بنایا گیا تو سمجھو کہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔جس سے معلوم ہو کہ عاجز ہو تو قضاء لینا اچھا نہیں ہے(۲)دوسری حدیث میں اس کی تصریح ہے۔عن ابی ذر ان رسول اللہ ﷺ قال یا ابا ذر ! انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی لا تامرن علی اثنین ولا تولین مال یتیم (الف)(مسلم شریف، باب کراہۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ، ج۲،ص۱۲۱،نمبر۱۸۲۶/ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الدخول فی الوصایا،ص۴۰،نمبر۲۸۶۸)اس حدیث میں ہے کہ آدمی قضاء سے عاجز ہو تو قضاء نہ لے(۳)اوپر کی آیت میں بھی ہے کہ اگر خواہش نفس کی اتباع کی تو گمراہ ہو جائے گا۔اس لئے اگر عاجزی کا خوف ہو تو قضاء نہ لے تاکہ گمراہ نہ ہو۔

[۲۸۹۱](۴)نہ ولایت کی درخواست کرنا مناسب ہے اور نہ اس کا مانگنا۔

تشریح اگر قضاء چلانے کے لئے دوسرا آدمی موجود ہے اور اپنے نہ ہونے سے امت کی ہلاکت کا خطرہ نہیں ہے تو اس کی خواہش رکھنا بھی مناسب نہیں اور اس کا مانگنا بھی مناسب نہیں۔

وجہ کسی آدمی کا غلط فیصلہ ہو جائے تو اس کا گناہ قاضی کے سر پر ہے۔اس لئے بلا وجہ اس مصیبت میں پڑنا اچھا نہیں ہے(۲)حدیث میں ہے۔حدثنی عبد الرحمن بن سمرۃ قال: قال لی رسول اللہ ﷺ یا عبد الرحمن بن سمرۃ لا تسأل الامارۃ فان اعطیتھا عن مسألۃ وکلت الیھا وان اعطیتھا عن غیر مسألۃ اعنت علیھا (ب)(بخاری شریف، باب من سأل الامارۃ وکل الیھا،ص۱۰۵۸،نمبر۷۱۴۷/مسلم شریف، باب النھی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا، ج۲،ص۱۲۰،نمبر۱۶۵۲/۴۷۱۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امارت اور قضاء نہیں مانگنا چاہئے(۳)دوسری حدیث میں ہے۔عن ابی موسی قال : دخلت علی النبی ﷺ انا ورجلان من بنی عمی، فقال احد الرجلین: یا رسول اللہ! امرنا علی بعض ما ولاک اللہ عز وجل، وقال الآخر مثل ذلک. فقال: انا واللہ لا نولی علی ھذا العمل احدا سألہ ولا احدا حرص علیہ (ج)(مسلم شریف، باب النھی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا،ص۱۲۰،نمبر۱۷۳۳/۴۷۱۷/بخاری شریف، باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ،ص۱۰۵۸،نمبر۷۱۴۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو قضاء مانگے یا اس کی حرص کرے اس کو قضاء نہ دی جائے۔

[۲۸۹۲](۵)جس کو قاضی بنایا گیا اس کو قاضی کا وہ رجسٹر سپرد کیا جائے جو اس سے پہلے قاضی کا تھا۔

تشریح جس کو قاضی بنایا گیا ہو اس کو وہ رجسٹر دیا جائے جو پہلے قاضی کے پاس تھا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اے ابوذر! میں تم کو کمزور دیکھ رہا ہوں اور میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بنو اور یتیم کے مال کا والی نہ بنو(ب) مجھے حضورؐ نے فرمایا اے عبد الرحمن بن سمرۃ! امارت نہ مانگو۔پس اگر مانگنے سے دی گئی تو تم اس کی طرف سپرد کر دیئے جاؤ گے۔اور اگر بغیر مانگے دیا گیا تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی(ج) حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک آدمی حضورؐ کے پاس گئے۔پس دو میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو اللہ نے جس چیز کا والی بنایا ہے اس میں سے بعض پر مجھے امیر بنائے۔اور دوسرے نے بھی ایسا ہی کہا۔تو آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم اس کو امیر نہیں بناتا جو اس کو مانگتا ہے۔اور نہ ایسے کو جو اس کی حرص کرتا ہے۔

سُلِّم الیه دیوان القاضی الذی کان قبله[۲۸۹۳](٦) وینظر فی حال المحبوسین فمن اعترف منهم بحق الزمه ایاه[۲۸۹۴](۷) ومن انکر لم یقبل قول المعزول علیه الا ببینة[۲۸۹۵](۸) فان لم تقم البینة لم یُعجِّل بتخلیته حتی ینادی علیه ویستظهر فی

وجہ تاکہ رجسٹر میں غور کر کے حقوق والوں کے حقوق ادا کر سکے۔

لغت قلد : مجہول کا صیغہ ہے بنایا جائے، قاضی ہونے کا قلادہ ڈالا جائے۔ یسلم : سپرد کرے۔

[۲۸۹۳](٦) اور قیدیوں کے حالات میں غور کرے، پس جو ان میں سے حق کا اعتراف کرے وہ اس پر لازم کر دے۔

تشریح قاضی بننے کے بعد وہ قیدیوں کے حالات کا معائنہ کرے۔ جو قیدی اعتراف کرے کہ مجھ پر فلاں کا حق ہے تو اس پر وہ حق لازم کر دے۔

وجہ جب قیدی نے خود اعتراف کر لیا کہ مجھ پر فلاں کا حق ہے تو اب گواہی کی بھی ضرورت نہیں ہے اس کا اقرار کرنا کافی ہے۔ اس لئے اس پر فلاں کا حق لازم کر دیا جائے گا۔ اس اثر میں ہے۔ **عن ابن سیرین قال اعترف رجل عند شریح بامر ثم انکرہ فقضی علیه باعترافه** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الاعتراف عند القاضی، ج ثامن، ص ۳۰۳، نمبر ۱۵۳۰۱)

لغت محبوس : حبس سے مشتق ہے جس کو حبس کیا گیا ہو تا کہ لگائے گئے الزام کی تحقیق کی جائے۔

[۲۸۹۴](۷) اور اگر کسی نے انکار کیا تو معزول قاضی کا قول مقبول نہیں ہے مگر گواہی کے ساتھ۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی معزول ہونے کے بعد ایک عام آدمی ہو گیا اب وہ قاضی نہیں رہا اس لئے جس طرح عام آدمیوں کی بات گواہی کے ذریعہ قبول کی جاتی ہے اسی طرح معزول قاضی کی بات بھی گواہی کے ذریعہ قبول کی جائے گی۔

وجہ اثر میں ہے کہ قاضی کے عہدے پر ہوتے ہوئے بھی ایک عام آدمی کی شہادت کی طرح ان کی شہادت ہے تو معزول ہونے کے بعد بدرجۂ اولی ایک عام آدمی کی طرح ہو جائے گا۔ اثر میں ہے۔ **قال عمرؓ لعبد الرحمن بن عوف لو رأیت رجلا علی حد زنا او سرقة وانت امیر؟ فقال شهادتک شهادة رجل من المسلمین قال صدقت** (ب) (بخاری شریف، باب الشہادۃ تکون عند الحاکم فی ولایۃ القضاء، ص ۱۰٦۲، نمبر ۷۱۷۰)

[۲۸۹۵](۸) پس اگر بینہ قائم نہ ہو تو اس کو رہا کرنے میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اس کے بارے میں منادی کرائے اور اس کے معاملے کے لئے غور کرے۔

حاشیہ : (الف) حضرت شریح کے سامنے ایک آدمی نے کسی معاملے کا اعتراف کیا پھر اس کا انکار کر دیا تو حضرت شریح نے اس کے اعتراف پر فیصلہ کیا (ب) حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ سے فرمایا اگر کسی آدمی کو حد کا کام کرتے ہوئے دیکھو مثلا زنا یا چوری کا کام اور تم امیر ہو تو تمہاری گواہی عام مسلمان کی گواہی کی طرح ہوگی فرمایا صحیح فرماتے ہیں۔

امره[۲۸۹۶](۹) وینظر فی الودائع وارتفاع الوقوف فیعمل علی حسب ماتقوم به البینة او یعترف به من هو فی یده[۲۸۹۷](۱۰) ولا یقبل قول المعزول الا ان یعترف الذی هو فی یده ان المعزول سلّمها الیه فیقبل قوله فیها[۲۸۹۸](۱۱) ویجلس للحکم جلوسا

تشریح کسی قیدی کے جرم کے سلسلے میں کوئی گواہ قائم نہیں ہوا تو اس کو رہا کرنے میں جلدی نہ کرے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کا گواہ کہیں دور ہو۔ بلکہ اس کے بارے میں منادی کرائے اور اس کے معاملے کے واضح ہونے کا انتظار کرے۔ منادی کرنے اور انتظار کرنے کے بعد اگر واضح ہوجائے کہ یہ بری ہے تو چھوڑ دے اور جرم ثابت ہوجائے تو سزا عائد کرے۔

وجہ معزول قاضی نے کسی کو قید کیا ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ کوئی وجہ ضرور ہے تب ہی اس کو قید کیا ہے۔ اس لئے رہا کرنے میں جلدی نہ کرے۔

لغت تخلیة : چھوڑنا، رہا کرنا۔ یستظھر : ظھر سے مشتق ہے، ظاہر ہونے کا انتظار کرنا۔

[۲۸۹۶](۹) اور غور کرے امانتوں میں اور وقف کی آمدنیوں میں اور عمل کرے اس کے مطابق جو بینہ قائم ہو یا جس کے ہاتھ میں ہو وہ اقرار کرے۔

تشریح نئے قاضی کا کام یہ بھی ہے کہ رکھی ہوئی امانت کی چیزوں میں غور کرے کہ کس کی ہے۔ جس کے متعلق بینہ قائم ہو امانت کا مال حقدار تک پہنچائے۔ یا جس کے ہاتھ میں امانت ہو وہ اقرار کرے کہ یہ امانت فلاں کی ہے تو فلاں کو وہ امانت دلوائی جائے۔ اسی طرح وقف کی آمدنی میں غور کرے کہ کتنی آمدنی آرہی ہے اور کہاں کہاں خرچ ہورہی ہے۔ اس سلسلے میں بھی جس بات پر بینہ قائم ہو اس کو پورا کرے۔ یا جو اقرار کرے کہ یہ چیز میرے ہاتھ میں ہے اور فلاں کی ہے اس کے مطابق عمل کرے۔

وجہ کوئی فیصلہ کرنے کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا اس پر بینہ قائم ہو یا قبضہ والا اس کا اقرار کرے کہ یہ فلاں کا ہے۔

لغت ودائع : ودیعۃ کی جمع ہے امانت۔ ارتفاع : آمدنی، ارتفاع رفع سے مشتق ہے اٹھنا۔ یہاں آمدنی مراد ہے۔

[۲۸۹۷](۱۰) اور نہیں قبول کیا جائے گا معزول کا قول مگر یہ کہ وہ اعتراف کرے جس کے قبضے میں ہے کہ معزول قاضی نے اس کے سپرد کیا ہے۔ تو اس بارے میں قاضی کی بات مانی جائے گی۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ معزول قاضی ایک عام آدمی کی طرح ہوگیا اس لئے اس کی بات اس وقت تک نہیں مانی جائے گی جب تک کہ قبضہ والا یہ نہ کہے کہ مجھے معزول قاضی نے یہ چیز دی تھی۔

[۲۸۹۸](۱۱) اور فیصلے کے لئے عام طور پر مسجد میں بیٹھے۔

تشریح حاکم مسجد میں ایسی ظاہری جگہ پر فیصلے کے لئے بیٹھے جس سے ہر آنے والے کو پتا چل جائے کہ یہ قاضی صاحب بیٹھے ہیں۔ اور وہاں ہر شخص آسانی سے آسکے۔

ظاهرا فی المسجد[۲۸۹۹] (۱۲) ولا یقبل هدیة الا من ذی رحم محرم منه او ممن

وجہ حضورؐ نے زنا کا فیصلہ مسجد میں کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ فیصلے کے لئے مسجد میں بیٹھ سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرةؓ قال: اتی رجل رسول الله ﷺ وهو فی المسجد فناداه فقال: یا رسول الله! انی زنیت فاعرض عنه الخ (الف) (بخاری شریف، باب من حکم فی المسجد الخ ص ۱۰۶۲، نمبر ۷۱۶۷ رمسلم شریف، باب من اعترف علی نفسه بالزنی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۲) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن سهل اخی بنی ساعدة ان رجلا من الانصار جاء الی النبی ﷺ فقال ارأیت رجلا وجد مع امرأته رجلا ایقتله؟ فتلاعنا فی المسجد وانا شاهد (ب) (بخاری شریف، باب من قضی ولاعن فی المسجد ص ۱۰۶۲، نمبر ۷۱۶۶) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں فیصلے کے لئے نہ بیٹھے۔

وجہ وہاں فیصلے کے لئے مشرک آئیں گے جو نجس ہیں وہ مسجد میں کیسے داخل ہوں گے۔ حائضہ اور نفساء عورتیں فیصلے کے لئے آئیں گی جو مسجد میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے مسجد میں فیصلے کے لئے نہ بیٹھے۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث ہے اس لئے بیٹھ سکتے ہیں البتہ ایسے لوگوں کے لئے قاضی باہر آجائے۔

اور ایسی جگہ بیٹھے جہاں ہر آدمی آسانی سے فیصلے کے لئے پہنچ سکے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ قال عمرو بن مرة لمعاویة انی سمعت رسول الله ﷺ یقول: ما من امام یغلق بابه دون ذوی الحاجة والخلة والمسکنة الا اغلق الله ابواب السماء دون خلته وحاجته ومسکنته (ج) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی امام الرعیة، ص ۲۴۸، نمبر ۱۳۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فیصلے چاہنے والوں کے لئے ظاہر مقام پر بیٹھے تاکہ فیصلہ چاہنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

[۲۸۹۹] (۱۲) اور ہدیہ قبول نہ کرے مگر ذی رحم محرم سے یا جن کی قاضی بننے سے پہلے ہدیہ دینے کی عادت تھی۔

تشریح ہدیہ میں رشوت کا بھی خطرہ ہے کہ ہدیہ دیکر غلط فیصلہ نہ کروالے۔ اس لئے قاضی ذی رحم محرم سے ہدیہ قبول کرے یا قاضی بننے سے پہلے جن لوگوں کی عادت تھی کہ وہ ہدیہ دیا کرتے تھے انہیں لوگوں سے ہدیہ قبول کرے۔ اور اس کا بھی خیال رکھے کہ وہ لوگ بھی کہیں رشوت کے لئے ہدیہ نہیں دے رہے ہوں۔ اگر ایسا ہو تو ان کا ہدیہ بھی قبول نہ کرے۔

وجہ ایسا ہدیہ جس میں رشوت کا شبہ ہو اس کو لینے سے حدیث میں منع فرمایا ہے۔ اخبرنا ابو حمید الساعدی قال استعمل النبی ﷺ رجلا من بنی اسد یقال له ابن الاتبیة علی صدقة. فلما قدم قال: هذا لکم وهذا اهدی لی فقام النبی ﷺ علی

حاشیہ: (الف) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا، آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ اس نے آواز دے کر کہا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا، پس آپؐ نے منہ پھیر لیا (ب) انصار کا ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو دیکھے تو اس کو قتل نہ کر دے؟ پھر میاں بیوی دونوں نے مسجد میں لعان کیا اور میں وہاں حاضر تھا (ج) حضورؐ فرمایا کرتے تھے کوئی امام ضرورت والے اور مسکین پر اپنا دروازہ بند کرے گا تو اللہ آسمان کے دروازے اس کے لئے بند کریں گے اور اس کی ضرورت اور مسکنت پوری نہیں کریں گے۔

جرت عادته قبل القضاء بمهاداته [۲۹۰۰] (۱۳) ولا یحضر دعوة الا ان تکون عامة

المنبر... ثم قال: ما بال العامل نبعثه فیأتی فیقول هذا لک وهذا لی؟ فهلا جلس فی بیت ابیه وامه فینظر ایهدی له ام لا؟ الخ (الف) (بخاری شریف، باب ھدایا العمال، ص ۱۰۶۴، نمبر ۷۱۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمال اور قاضیوں کے لئے بے وقت ہدیہ لینا اچھا نہیں ہے۔

اور رشوت کے طور پر لے تو حرام ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد اللہ بن عمرو قال لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی کراہیۃ الرشوۃ، ص ۱۴۸، نمبر ۳۵۸۰ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم، ص ۲۴۸، نمبر ۱۳۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشوت لینا حرام ہے۔

اور جہاں رشوت کا خطرہ نہ ہو اس سے ہدیہ قبول کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عائشة ان الناس کانوا یتحرون بھدایاھم یوم عائشة یبتغون بھا او یبتغون بذلک مرضاۃ رسول اللہ** (ج) (بخاری شریف، باب قبول الہدیۃ، ص ۳۵۰، نمبر ۲۵۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قریب والوں سے اور جنکی عادت پہلے سے ہدیہ دینے کی ہے اس کا ہدیہ قبول کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ حضورؐ ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے جب کہ آپ قاضی بھی تھے۔

لغت مھادات : ہدیہ سے مشتق ہے، ہدیہ دینا۔

[۲۹۰۰] (۱۳) اور دعوت میں حاضر نہ ہو مگر یہ کہ عام ہو۔

تشریح خاص طور پر قاضی صاحب کے لئے ہی دعوت کا کھانا بنایا گیا ہو تو ہوسکتا ہے کہ قاضی صاحب کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے کھانا بنایا ہو۔ اس لئے خاص دعوت میں نہ جائیں۔ البتہ سبھی کی عام دعوت ہو اس میں قاضی کی بھی دعوت ہو تو جاسکتا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **قال البراء بن عازبؓ امرنا النبی ﷺ بسبع ونھانا عن سبع، امرنا بعیادۃ المریض واتباع الجنازۃ وتشمیت العاطس وابرار المقسم ونصر المظلوم وافشاء السلام واجابۃ الداعی** ۔ دوسری حدیث میں ہے۔ **عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا دعی احدکم الی الولیمۃ فلیأتھا** (د) (بخاری شریف، باب حق اجابۃ الولیمۃ والدعوۃ ومن اولم سبعۃ ایام ونحوہ، ص ۷۷۷، نمبر ۵۱۷۳/۵۱۷۵ر مسلم شریف، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، ص ۲۱۳، نمبر ۲۱۶۲) اس

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے بنی اسد کے ایک آدمی کو صدقہ پر عامل بنایا جس کا نام ابن الاتبیہ تھا۔ جب وہ واپس آیا تو کہنے لگا یہ آپؐ کے لئے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا ہے۔ پس حضور منبر پر کھڑے ہوئے... پھر فرمایا لوگوں کو کیا ہوا کہ میں اس کو صدقہ کے لئے بھیجتا ہوں پس آتا ہے تو کہتا ہے یہ تیرے لئے ہے اور یہ میرے لئے ہے۔ اپنے باپ ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ جاتا پھر دیکھے کہ اس کو ہدیہ دیتا ہے یا نہیں (ب) حضورؐ نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت کی (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ لوگ ہدیہ دینے کے لئے اس کی باری تلاش کرتے تھے، اس سے حضرت عائشہؓ اور حضور کی خوشنودی چاہتے تھے (د) حضورؐ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور سات باتوں سے روکا۔ ہمیں مریض کی عیادت کا حکم دیا اور جنازے کے پیچھے چلنے کا اور چھینک کا جواب دینے کا اور قسم پوری کرنے کا اور مظلوم کی مدد کرنے کا اور سلام عام کرنے کا اور دعوت قبول کرنے کا حکم دیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اگر تم کو کوئی آدمی ولیمے میں بلائے تو اس میں شرکت کرنا چاہئے۔

[۲۹۰۱] (۱۴) ویشهد الجنازة ویعود المریض [۲۹۰۲] (۱۵) ولا یضیف احد الخصمین دون خصمه [۲۹۰۳] (۱۶) فاذا حضرا سوّی بینهما فی الجلوس والاقبال ولا

حدیث سے معلوم ہوا کہ عام دعوت جیسے ولیمہ وغیرہ میں قاضی کے لئے شرکت کرنا جائز ہے۔

[۲۹۰۱] (۱۴) جنازے میں حاضر ہو اور بیمار کی عیادت کرے۔

تشریح جنازے میں شرکت کرنے اور بیمار کی عیادت کرنے میں رشوت کا خطرہ نہیں ہے بلکہ یہ انسانی حقوق ہیں اور حدیث کے اعتبار سے ضروری ہیں اس لئے یہ سب قاضی کریں گے۔

وجہ اوپر حدیث گزر گئی۔ امرنا بعیادة المریض واتباع الجنازة (بخاری شریف، نمبر ۵۱۷۵ر مسلم شریف ۲۱۶۲)

[۲۹۰۲] (۱۵) اور نہ مہمان نوازی کرے خصمین میں تنہا ایک کی۔

تشریح قاضی کے پاس دو آدمیوں کا مقدمہ چل رہا ہو تو ان میں سے ایک کی دعوت کرے اور ایک کی نہ کرے ایسا نہ کرے۔ دعوت کرے تو دونوں کی کرے۔

وجہ ایک کی طرف میلان سے شبہ ہوتا ہے کہ فیصلہ میں اس کی رعایت کی جائے گی۔ اس لئے ایک کی دعوت کرنا اچھا نہیں (۲) حدیث میں ہے۔ عن ام سلمةؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ من ابتلی بالقضاء بین الناس فلیعدل بینھم فی لحظه و اشارته ومقعده (الف) (دار قطنی، کتاب فی الاقضیة والاحکام، ج رابع، ص ۱۳۱، نمبر ۴۴۲۰ر سنن للبیہقی، باب انصاف الخصمین فی المدخل علیه والاستماع منھما وحسن الاقبال علیھما، ج عاشر، ص ۲۲۸، نمبر ۲۰۴۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں خصمین کے درمیان لحظے میں۔ اشارے اور بٹھانے میں برابری کرے (۳) حدیث میں ہے۔ عن عبد اللہ بن الزبیر قال: قضی رسول اللہ ﷺ ان الخصمین یقعد ان بین یدی الحکم (ب) (ابوداؤد شریف، باب کیف یجلس بین یدی القاضی، ص، نمبر ۳۵۸۸) اس حدیث میں ہے کہ دونوں خصموں کو برابر بٹھائے جس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک کو ترجیح نہ دے (۴) حدیث میں ہے۔ عن الحسن قال نزل علی علیؓ رجل وھو بالکوفة ثم قدم خصما له فقال له علیؓ اخصم انت؟ قال نعم، قال فتحول فان رسول اللہ ﷺ نھانا ان نضیف الخصم الا وخصمه معه (ج) (سنن للبیہقی، باب لا ینبغی للقاضی ان یضیف الخصم الا وخصمه معه، ج عاشر، ص ۲۳۲، نمبر ۲۰۴۷۰) اس حدیث میں صاف ہے کہ ایک خصم کی دعوت نہ کرے۔

[۲۹۰۳] (۱۶) پس جب دونوں حاضر ہوں تو برابری کرے بیٹھنے میں، متوجہ کرنے میں اور سرگوشی نہ کرے کسی ایک سے اور نہ اس کی طرف

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا لوگوں کے درمیان قضا میں کوئی مبتلا کیا گیا تو ان دونوں کے درمیان دیکھنے میں انصاف کرے اور ان کے اشارے میں اور ان کو بٹھانے میں (ب) آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ دونوں خصم کو قاضی کے سامنے بٹھائے (ج) حضرت علیؓ کے پاس ایک مہمان آیا اس وقت وہ کوفہ میں تھے۔ پھر اس کا خصم آیا تو اس سے حضرت علیؓ نے پوچھا کیا تم خصم ہو؟ کہا ہاں! کہا اس سے ہٹ جاؤ اس لئے کہ حضورؐ نے ہم کو اس بات سے روکا ہے کہ خصم کی مہمانی کرے ہاں اس کے ساتھ خصم ہو تو ٹھیک ہے۔

یسارُّ احدهما ولایشیرا الیه ولا یلقّنه حجة[۲۹۰۴](۱۷) فاذا ثبت الحق عنده وطلب صاحب الحق حبس غریمه لم یعجّل بحبسه وامره بدفع ما علیه فان امتنع حبسه فی کل

اشارہ کرے، نہ کوئی حجت سکھائے۔

تشریح دونوں مدعی اور مدعی علیہ قاضی کے پاس حاضر ہوں تو قاضی کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے محسوس ہو کہ یہ کسی ایک کی طرف مائل ہے۔ اس لئے دونوں کو برابر درجے میں بٹھائے۔ دونوں کی طرف برابر درجے میں متوجہ ہو۔ کسی ایک سے چپکے چپکے بات نہ کرے۔ کسی ایک کی طرف اشارہ نہ کرے۔ کسی ایک کو بچنے کی دلیل نہ بتائے۔

وجہ کیونکہ اس طرح انصاف کا تقاضا پورا نہیں ہو سکے گا (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ **عن ام سلمة قالت قال رسول الله من ابتلی بالقضاء بین الناس فلیعدل بینهم فی لحظه واشارته ومقعده** (الف) (دار قطنی، نمبر ۴۴۲۰ رسنن للبیہقی، نمبر ۲۰۴۵۷)

لغت سوی : برابری کرے۔ لایسار : سر سے مشتق ہے، سرگوشی نہ کرے۔ ولایلقنہ : تلقین سے مشتق ہے، کسی چیز کو بتانا، دلائل سمجھانا

[۲۹۰۴] (۱۷) جب ان کے نزدیک حق ثابت ہو جائے اور حق والا قرض خواہ کو قید کرنے کا مطالبہ کرے تو اس کو قید کرنے میں جلدی نہ کرے۔ اور اس کو حکم دے ادا کرنے کا جو اس پر ہے۔ پس اگر وہ ادا کرنے سے باز رہے تو اس کو ہر اس قرض میں قید کرے جس کے بدلے میں اس کے ہاتھ میں مال آیا ہو۔ مثلا بیع کا ثمن اور قرض کا بدل۔

تشریح اقرار کے ذریعہ ثابت ہو گیا کہ مدعی علیہ پر حق ہے۔ اور مدعی درخواست کرتا ہے کہ فورا مدعی علیہ کو قید کیا جائے تو قاضی کو چاہئے کہ فورا اس کو قید نہ کرے بلکہ اس کو حکم دے کہ تم مدعی کا حق ادا کرو۔ اگر وہ ادا نہ کرے اور بغیر کسی عذر کے ٹال مٹول کرے تب قاضی کو اختیار ہے کہ اس کو قید کرے۔

وجہ قید کرنا ٹال مٹول کی سزا ہے۔ اور اقرار کرنے والا خود اقرار کرتا ہے کہ اتنی چیز میرے اوپر لازم ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ رقم ساتھ نہ لایا ہو اس لئے ابھی اس کا ٹال مٹول ظاہر نہیں ہوا۔ اس لئے ابھی قید نہ کرے۔ اتنی مہلت ضرور دے جس میں گھر جا کر وہ چیز لا کر مدعی کے حوالے کر سکے۔ ٹال مٹال ظاہر ہو تب ہی قید کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عمر بن الشرید عن ابیه عن رسول الله ﷺ قال: لی الواجد یحل عرضه وعقوبته، قال ابن المبارک یحل عرضه یغلظ له وعقوبته یحبس له** (ب) دوسری رویت میں ہے۔ **عن بهز بن حکیم عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ حبس رجلا فی تهمته** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الدین هل یحبس به، ج ۲، ص ۱۵۵، نمبر ۳۶۲۸ / ۳۶۳۰ ربخاری شریف، باب لصاحب الحق مقال، ص ۳۲۳، نمبر ۲۴۰۱، کتاب ا؛ استقراض رالنسائی شریف، باب مطل الغنی، ص ۶۴۵، نمبر ۴۶۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹال مٹول کرے تو اس کو حبس یعنی قید کیا جا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جو لوگوں کے درمیان قضا میں مبتلا ہو تو وہ دیکھنے میں اشارے میں اور بیٹھنے میں انصاف کرے (ب) آپؐ نے فرمایا جس کے پاس مال ہے پھر بھی ٹال مٹول کرے تو اس کی عزت اور سزا حلال ہے۔ ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ اس کی عزت حلال ہے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ سختی کرے اور اس کی سزا کا مطلب یہ ہے اس کو قید کرے (ج) آپؐ نے تہمت میں ایک آدمی کو قید کیا۔

دين لزمه بدلا عن مال حصل في يده كثمن المبيع وبدل القرض[۲۹۰۵](۱۸) او التزمه بعقد كالمهر والكفالة.

نوٹ گواہوں کے ذریعہ کسی پر حق ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کافی دیر سے مدعی علیہ ٹال مٹول کر رہا تھا۔ آخر گواہ کے ذریعہ حق ثابت کیا گیا اس لئے فوراً حبس کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

حقوق دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جس کے بدلے میں مدعی علیہ کے ہاتھ میں رقم وغیرہ آئی ہے جیسے بیع کی قیمت کا دعوی ہو تو مدعی علیہ کے ہاتھ میں مبیع آئی ہے جس کی قیمت ادا کرنی ہے یا مہر اس کے بدلے میں بضعہ آیا ہے۔ یا قرض کا مطالبہ ہے کہ مدعی علیہ کے ہاتھ میں قرض کی رقم آئی ہے۔ ان سب صورتوں میں مدعی کے ہاتھ میں مطالبے کا بدلہ آیا ہوا ہے پھر بھی وہ اس کا عوض نہیں دینا چاہتا۔ ایسی صورتوں میں مدعی علیہ غریب ہو یا مالدار اس کو حبس کیا جائے گا۔

وجہ اس کے ہاتھ میں بدل آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عوض دے سکتا ہے تب ہی تو اس نے مثلاً مبیع خریدا، قرض لیا یا شادی کی (۲) اوپر جو حدیث گزری۔ (لي الواجد يحل عرضه وعقوبته) اس میں فرمایا کہ مال پانے والے کے ٹال مٹول کی سزا یہ ہے کہ اس کی عزت بھی حلال ہے یعنی برا بھلا کہہ سکتے ہو اور اس کی سزا بھی حلال ہے یعنی حبس کر سکتے ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ مال پانے والا ہو تو اس کو قید کر سکتے ہو۔ اور اگر ابھی فوری طور پر مال نہیں ملا ہے مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹا جس کی دیت ایک ہزار درہم دینے ہے تو ہاتھ کے بدلے میں قاطع کو بھی کچھ نہیں ملا ہے تو یہ ابھی مال کا پانے والا نہیں ہے اس لئے اس کو ابھی حبس نہیں کریں گے بلکہ تحقیق کے بعد معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس دیت ادا کرنے کے لئے مال ہے پھر بھی ٹال مٹول کر رہا ہے تب حبس کریں گے (۲) اثر میں ہے۔ عن جابر عن الشعبي قال: الحبس في الدين حيلة قال وقال جابر كان عليؓ يحبس في الدين (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الحبس فی الدین، ج ثامن، ص ۳۰۶، نمبر ۱۵۳۱۲) اس اثر میں ہے کہ دین میں اور قرض میں حبس فرماتے تھے۔ اور اسی میں وہ تمام صورتیں داخل ہوں گی جس میں مدعی علیہ کو بدلہ مل گیا ہو۔

لغت حبس : قید کرے، حبس کرے۔ غریم : مقروض۔

[۲۹۰۵] (۱۸) یا اس کو عقد کے ذریعہ لازم کیا ہو جیسے مہر اور کفالہ۔

تشریح شادی کی جس کی وجہ سے مہر لازم ہوا۔ اگر مہر دینے میں ٹال مٹول ظاہر ہوا تو گواہ کے ذریعہ مالدار ہونا ثابت نہ بھی ہو پھر بھی حبس کیا جا سکے گا۔

وجہ مہر بضعہ کا بدلہ ہے۔ مدعی علیہ کے ہاتھ میں بضعہ آیا جس کے بدلے میں مہر معجل دینا پڑے گا ارنہ دینے پر قید کیا جائے گا (۲) نکاح پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مدعی علیہ کے پاس مال ہے۔ اگر مہر معجل دینے کی بھی استطاعت نہیں تھی تو شادی کا اقدام کیوں کیا؟ اس لئے اس میں ٹال مٹول کرنے پر حبس کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ دین میں قید کرتے تھے۔

[۲۹۰۶](۱۹) ولا یحبسه فیما سوی ذلک اذا قال انی فقیر الا ان یُثبت غریمه ان له مال[۲۹۰۷] (۲۰) ویحبسه شهرین او ثلثة ثم یسأل عنه فان لم یظهر له مال خلّٰی سبیله

نوٹ مہر مؤخر جو بعد میں دینے کا وعدہ ہواس میں خود عورت نے بعد میں لینے کا وعدہ کیا ہے اس لئے اس کی ادائیگی کے ٹال مٹول میں حبس نہیں کیا جائے گا۔

کفالہ کی شکل یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے قرض دینے کا کفیل بن جائے اور مقروض قرض ادا نہ کرے تو کفیل پر قرض ادا کرنا لازم ہو۔اب کفیل نے کفیل بننے کا اقدام کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس مال ہے تب ہی تو اقدام کیا۔اس لئے حق ثابت ہونے کے بعد اس کو حبس کیا جا سکتا ہے (۲) کفیل ابھی ادا کرے گا بعد میں جس کا کفیل بنا تھا اس سے وصول کرے گا یہ بھی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہوگا۔اس لئے اس کو حبس کیا جاسکتا ہے۔یہ عقد کے ذریعہ اپنے اوپر حق لازم کرنے کی مثال ہے۔

[۲۹۰۶](۱۹)اور اس کو اس کے علاوہ میں قید نہ کرے اگر وہ کہے کہ میں فقیر ہوں، مگر یہ کہ ثابت کردے قرض خواہ کہ اس کے پاس مال ہے۔

تشریح ایسے حقوق جس میں مدعی علیہ کے پاس اس کا بدل ہاتھ میں نہ آیا ہو جیسے جنایت کی دیت، مثلا کسی کا ہاتھ کاٹ دیا اس کے بدلے میں ایک ہزار درہم دینا ہے تو اس صورت میں مجرم کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا صرف جرم کی وجہ سے ایک ہزار درہم دینا پڑ رہا ہے۔ایسی صورت میں اگر مدعی گواہ کے ذریعہ ثابت کردے کہ اس کے پاس دیت ادا کرنے کے لئے مال ہے تب تو حبس کیا جائے گا۔اور یہ ثابت نہ کر سکے تو حبس نہیں کیا جائے گا۔

وجہ چونکہ مدعی علیہ کے ہاتھ میں بدلے میں مال نہیں آیا ہے اس لئے اس کے مالدار ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لئے فوری طور پر قید بھی نہیں کیا جائے گا (۲) اوپر حضرت علیؓ کے اثر میں تھا اور حدیث میں بھی اشارہ تھا کہ دین کے بدلے میں حبس کرتے تھے اس کے علاوہ میں مالدار ظاہر ہوئے بغیر حبس نہیں کرتے تھے۔**وقال جابر کان علیؓ یحبس فی الدین (الف)** (مصنف عبد الرزاق، باب الحبس فی الدین، ج ثامن، ص ۳۰۶، نمبر ۱۵۳۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دین میں حبس کرے۔اور اوپر کی حدیث، **لی الواجد یحل عرضه وعقوبته (ب)** (ابوداؤد شریف، باب فی الدین ھل یحبس بہ، ج ۲، ص ۱۵۵، نمبر ۳۶۲۸) سے معلوم ہوا کہ جو مال پائے اس کی سزا حلال ہے یعنی قید کیا جاسکتا ہے۔اور یہ چونکہ ابھی مال نہیں پا رہا ہے اس لئے فوری طور پر اس کو قید کرنا اچھا نہیں ہے جب تک گواہ کے ذریعہ اس کی مالداری ثابت نہ ہو جائے۔

[۲۹۰۷](۲۰) اس کو قید کر سکتے ہیں دو مہینے یا تین مہینے تک پھر اس کے مال کے بارے میں تحقیق کرے، پس اگر اس کا مال ظاہر نہ ہو تو اس کو رہا کردے۔

تشریح قید کی مدت حالات اور آدمی کے حسب حال ہے۔البتہ اندازہ نہ ہو تو دو تین ماہ حبس کرے۔اس کے درمیان میں اس کے مال کی تحقیق

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ قرض میں قید کرتے تھے (ب) جس کے پاس مال ہے اس کے ٹال مٹول کرنے والے کی عزت اور سزا بھی حلال ہے۔

[۲۹۰۸] (۲۱) ولا یحول بینه وبین غرمائه [۲۹۰۹] (۲۲) ویُحبس الرجل فی نفقة زوجته [۲۹۱۰] (۲۳) ولا یُحبس الوالد فی دین ولده الا اذا امتنع من الانفاق علیه

کرتا ہے۔ اگر اس کے مال کا پتا نہ چلے تو اس کو رہا کر دے۔

وجہ حبس کیا تھا مال کی تحقیق کے لئے۔ اور اتنی لمبی مدت مال کی تحقیق کے لئے کافی ہے اس لئے اس مدت میں بھی مال کا پتا نہ چلے تو اب قید میں رکھنا ظلم ہے اس لئے رہا کر دے۔ اور اگر اس سے پہلے ثابت ہو جائے کہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو اس سے پہلے بھی رہا کر دے (۲) حدیث میں ہے۔ عن بھز بن حکیم عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ حبس رجلا فی تهمة ثم خلی عنه (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الحبس فی التھمة، ص ۲۶۱، نمبر ۱۴۱۷ ر ابو داؤد شریف، باب فی الدین ھل یحبس بہ، ج ۲، ص ۱۵۵، نمبر ۳۶۳۰ ر ۳۶۳۱ ر نسائی شریف، باب امتحان السارق بالضرب والحبس، ص ۶۷۲، نمبر ۴۸۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کچھ دنوں تک قید رکھے پھر اس کو آزاد کر دے۔

[۲۹۰۸] (۲۱) اور حائل نہ ہو اس کے اور اس کے قرض خواہوں کے درمیان۔

تشریح مقروض کو قید سے تو نکال دے گا لیکن قرض خواہ کو کہا جائے گا کہ مقروض کے پیچھے لگا رہے۔ جب اس کے پاس رقم آئے قرض خواہ اس سے اپنا حق وصول کر لے۔ قاضی مقروض اور قرض خواہ کے درمیان حائل نہ ہو۔

وجہ حدیث میں ہے۔ اخبرنا هرماس بن حبیب عن ابیه عن جده قال: اتیت النبی ﷺ بغریم لی فقال لی الزمه ثم قال لی یا اخا بنی تمیم ماترید ان تفعل باسیرک؟ (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الدین ھل یحبس، ج ۲، ص ۱۵۵، نمبر ۳۶۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقروض کے پیچھے قرضخواہ کو لگنے کی اجازت دے۔

لغت غرماء : غریم کی جمع ہے قرض خواہ۔ یحول : حائل ہونا۔

[۲۹۰۹] (۲۲) آدمی بیوی کے نفقے میں قید کیا جائے گا۔

وجہ قاضی نے بیوی کا نفقہ متعین کر دیا ہو یا میاں بیوی کے درمیان کسی مقدار پر صلح ہو گئی ہو پھر وہ نفقہ ادا نہ کرے تو اس پر شوہر کو حبس کیا جائے گا۔ کیونکہ قاضی کے متعین کرنے کے بعد یا صلح ہونے کے بعد یہ نفقہ شوہر کے ذمہ دین ہو گیا۔ اور دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کے بعد حبس کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ اگر قاضی نے متعین نہ کیا ہو تو اتنی جلدی حبس نہیں کیا جائے گا۔

[۲۹۱۰] (۲۳) اور والد قید نہیں کئے جائیں گے اپنی اولاد کے دین میں، مگر جبکہ رک جائے اس پر خرچ کرنے سے۔

تشریح والد پر بیٹے، بیٹی، پوتے، پوتی، نواسے، نواسی کا قرض ہو تو اس کی وجہ سے والد یا دادا یا نانا قید نہیں کئے جائیں گے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے تہمت میں ایک آدمی کو قید کیا پھر اس کو چھوڑ دیا (ب) میں حضورؐ کے پاس ایک مقروض لیکر آیا تو مجھ سے فرمایا اس کو پکڑے رہو۔ پھر مجھ سے کہا اے بنی تمیم کے بھائی اپنے قیدی کو کیا کرو گے؟

[۲۹۱۱] (۲۴) ویجوز قضاء المرأة فی کل شیء الا فی الحدود والقصاص [۲۹۱۲] (۲۵) ویقبل کتاب القاضی الی القاضی فی الحقوق اذا شهد به عنده.

وجہ ان لوگوں کا مال والد کا مال ہے۔ پہلے گزر چکا ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال: جاء رجل الی النبی ﷺ فقال ان ابی اجتاج مالی فقال انت ومالک لابیک وقال رسول الله ﷺ ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من اموالکم (الف) (ابن ماجہ شریف، باب ماللرجل من مال ولده، ص ۳۲۸، نمبر ۲۲۹۲) اس حدیث میں ہے کہ اولاد کا مال باپ کا ہے اس لئے ان لوگوں کا جو قرض باپ یا دادا پر ہے وہ قرض کے بجائے احسان ہے۔ اس لئے ان قرضوں کی وجہ سے قید نہیں کئے جائیں گے (۲) آیت میں ہے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو اور قید کرنا احسان اور احترام کے خلاف ہے اس لئے بھی قید نہیں کئے جائیں گے۔ آیت یہ ہے۔ وصاحبهما فی الدنیا معروفا (آیت ۱۵، سورۂ لقمان ۳۱) اس آیت میں ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ احترام کا معاملہ کرو۔

لیکن اگر اولاد کو کھانے کا خرچ نہ دے اور اولاد کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو والد قید کئے جائیں گے تاکہ نفقہ دے اور اولاد ہلاک نہ ہوں (۲) آیت میں ہے کہ اولاد کا نفقہ واجب ہے۔ وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف (ب) (آیت ۲۳۳، سورۃ البقرۃ ۲) دوسری آیت میں ہے۔ فان ارضعن لکم فأتوهن اجورهن وأتمروا بینکم بمعروف (آیت ۶، سورۃ الطلاق ۶۵) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ باپ پر اولاد کا نفقہ واجب ہے اس لئے نفقہ دینے میں کوتاہی کرے تو قید کیا جا سکتا ہے۔

[۲۹۱۱] (۲۴) اور جائز ہے عورت کو قاضی ہونا ہر معاملے میں سوائے حدود اور قصاص کے۔

تشریح عورت ہر چیز کی قاضی بن سکتی ہے البتہ حدود اور قصاص کا قاضی نہیں بن سکتی۔

وجہ حدود اور قصاص میں عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے تو اس کا فیصلہ کیا کرے گی (۲) حدیث مرسل میں ہے۔ عن الزهری قال: مضت السنة من رسول الله ﷺ والخلیفتین من بعده الا تجوز شهادة النساء فی الحدود (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۹ فی شهادة النساء فی الحدود، ج خامس، ص ۵۲۸، ۲۸۷۰۵ / مصنف عبد الرزاق، باب هل تجوز شهادة النساء مع الرجال فی الحدود وغیره، ج ثامن، ص ۳۳۰، نمبر ۱۵۴۱۲ / سنن للبیہقی، باب شهادة فی الطلاق والرجعة وما فی معناهما من النکاح والقصاص والحدود، ج عاشر، ص ۲۵۰، نمبر ۲۰۵۲۸) اس میں ہے کہ حدود اور قصاص میں عورت کی گواہی مقبول نہیں تو اس معاملے کا قاضی بننا کیسے درست ہوگا؟ اس لئے کہ قاضی تو گواہوں کی گواہی لیکر فیصلہ کرتا ہے۔

﴿کتاب القاضی الی القاضی﴾

[۲۹۱۲] (۲۵) ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام حقوق میں مقبول ہے جب خط کی گواہی اس کے سامنے دے۔

حاشیہ: (الف) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا میرے والد میرے مال کا ضرورت مند ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا تم اور تمہارا مال تمہارے والد کا ہے۔ اور حضورؐ نے فرمایا تمہاری اولاد تمہاری پاک کمائی ہے اس لئے اپنے مال سے کھاؤ (ب) والد پر اولاد کی روزی ہے اور کپڑا ہے مناسب انداز سے (الف) حضرت زہریؒ نے فرمایا حضورؐ کے زمانے سے اور دونوں خلیفہ کے زمانے سے سنت جاری ہے کہ عورتوں کی شہادت حدود میں جائز نہیں ہے۔

[۲۹۱۳] (۲۶) فان شهدوا علی خصم حاضر حکم بالشهادة و کتب بحکمه.

تشریح حدود اور قصاص کے علاوہ جتنے حقوق ہیں ان میں ایک قاضی دوسرے قاضی کی طرف خط لکھے اور مکتوب الیہ قاضی کے سامنے گواہی دے کہ واقعی یہ خط فلاں قاضی کا ہے تو وہ خط مقبول ہے۔ اور جس قاضی کی طرف یہ خط لکھا ہے اس کو اختیار ہے کہ اس خط کے مطابق عمل کرے۔

وجہ کتاب القاضی الی القاضی کی دلیل کے لئے یہ حدیث ہے۔ ان عبد الله بن سهل و محيصة خرجا الی خيبر ... فکتب رسول الله ﷺ اليهم به فکتب ماقتلناه (الف) (بخاری شریف، باب کتاب الحاکم الی عماله والقاضی الی امناءه، ص ۱۰۶۷، نمبر ۷۱۹۲) اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت عبد اللہ بن سہل کے قتل پر یہود کو خط لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حاکم اپنے عمال کو خط لکھ سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔ وقد کتب عمر الی عامله فی الحدود وقال ابراهيم کتاب القاضی الی القاضی جائز اذا عرف الکتاب والخاتم وکان الشعبی يجيز الکتاب المختوم بما فيه من القاضی (ب) (بخاری شریف، باب الشهادة علی الخط المختوم وما يجوز من ذلک وما يضيق عليه، وکتاب الحاکم الی عماله والقاضی الی القاضی، ص ۱۰۶۰، نمبر ۷۱۶۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر مکتوب الیہ قاضی کاتب قاضی کا خط اور مہر پہچانتا ہو تو وہ جائز ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

مکتوب الیہ قاضی جانتا ہو کہ یہ کاتب قاضی کا خط ہے یا کاتب قاضی کی مہر ہے یا کاتب قاضی کے بارے میں مکتوب الیہ قاضی کے سامنے گواہی دے کہ یہ فلاں کا خط ہے تب اس کے لئے عمل کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل اوپر کا اثر ہے۔ قال ابراهيم کتاب القاضی الی القاضی جائز اذا عرف الکتاب والخاتم (ج) (۲) حدیث میں ہے۔ عن انس بن مالک قال لما اراد النبی ﷺ ان يکتب الی الروم قالوا انهم لا يقرؤن کتابا الا مختوما فاتخذ النبی ﷺ خاتما من فضة کانی انظر الی وبيضه ونقشه محمد رسول الله (د) (بخاری شریف، باب الشهادة علی الخط المختوم الخ ص ۱۰۶۰، نمبر ۷۱۶۲) اس حدیث میں ہے کہ مہر بنائے کیونکہ مہر سے مکتوب الیہ قاضی جان سکتا ہے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے (۳) اگر کسی قرینے سے یقین نہ ہو کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے تو مکتوب الیہ قاضی کیسے اس پر عمل کرے گا۔

[۲۹۱۳] (۲۶) پس اگر گواہی دی مدعی علیہ کے سامنے تو گواہی پر حکم لگا دے اور اپنا فیصلہ بھی لکھے۔

تشریح مدعی علیہ مجلس قضا میں حاضر ہے ایسی صورت میں گواہی دی گئی تو گواہی پر حکم لگائے اور قاضی اپنا فیصلہ بھی لکھے گا۔

وجہ مدعی علیہ غائب ہو تو فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اگر مدعی علیہ حاضر ہو تو فیصلہ کرے گا۔ اس کے بعد کسی اور ضرورت مثلا سزا دینے کے لئے دوسرے قاضی کو بھیجنا پڑے تو بھیج دے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے یہودیوں کو خط لکھا پس انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے ان کو قتل نہیں کیا (ب) حضرت عمرؓ نے اپنے عامل کو حدود کے بارے میں لکھا۔ فرمایا کہ حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ کتاب القاضی الی القاضی جائز ہے اگر خط کی تحریر اور مہر پہچانتا ہو۔ حضرت شعبی ایسے خط کو جس پر قاضی کی جانب سے مہر لگی ہوئی ہو جائز قرار دیتے تھے (ج) حضرت ابراہیم نخعیؒ جائز قرار دیتے تھے کتاب القاضی الی القاضی کو اگر تحریر اور مہر پہچانتا ہو (د) جب حضورؐ نے اہل روم کو خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے کہا کہ وہ مہر کے بغیر خط نہیں پڑھتے، تو آپؐ نے چاندی کی انگوٹھی بنائی اس کی چمک ابھی بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے اور اس کا نقش محمد رسول اللہ تھا۔

[۲۹۱۴] (۲۷) وان شهدوا بغیر حضرة خصمه لم یحکم و کتب بالشهادة لیحکم بها المکتوب الیه[۲۹۱۵] (۲۸) ولا یقبل الکتاب الا بشهادة رجلین او رجل وامرأتین.

[۲۹۱۴] (۲۷) اور اگر گواہی دی مدعی علیہ کی غیر موجودگی میں تو فیصلہ نہ کرے بلکہ گواہی لکھ لے تاکہ مکتوب علیہ قاضی اس کا فیصلہ کرے۔

تشریح ایسی صورت ہے کہ گواہ حضرات ایک قاضی کے خطے میں ہیں اور مدعی علیہ دوسرے قاضی کے خطے میں ہے۔ اور دونوں کو جمع کرنا مشکل ہے ایسی صورت میں جس قاضی کے سامنے گواہ پیش ہوئے وہ قاضی گواہی لکھ لے۔ لیکن فیصلہ نہ کرے کیونکہ مدعی علیہ غائب ہو تو فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ گواہی مکتوب الیہ قاضی کو بھیج دے تاکہ وہ فیصلہ کرے اور مدعی علیہ پر نافذ کرے۔

وجہ غائب مدعی علیہ پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مدعی علیہ کوئی ایسی بات کہے جس سے اس کے خلاف فیصلہ نہ ہو سکتا ہو۔ اس لئے مدعی علیہ یا اس کا وکیل حاضر ہو تب فیصلہ کرے (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ کو فرمایا کہ مدعی علیہ کی بات سن لو پھر فیصلہ کیا کرو۔ **عن علیؓ قال بعثنی رسول اللہ ﷺ الی الیمن قاضیا ... فقال ان اللہ سیھدی قلبک ویثبت لسانک فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانہ احری ان یتبین لک القضاء (الف)** (ابو داؤد شریف، باب کیف القضاء، ص ۱۴۸، نمبر ۳۵۸۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی لا یقضی بین الخصمین حتی یسمع کلاھما، ص ۲۴۸، نمبر ۱۳۳۱) اس حدیث میں ہے کہ دوسرے کی بات سنو تب فیصلہ کرو اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ مدعی علیہ یا اس کا وکیل حاضر ہو (۳) اثر میں ہے۔ **قال سمعت شریحا یقول لا یقضی علی غائب (ب)** (مصنف عبد الرزاق، بالا یقضی علی غائب، ج ثامن، ص ۳۰۴، نمبر ۱۵۳۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غائب پر فیصلہ نہ کرے۔ اس لئے صرف شہادت لکھ کر دوسرے قاضی کو بھیج دے تاکہ وہ فیصلہ کرے۔

فائدہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ کو حاضر کرنا مشکل ہو تو غائب مدعی علیہ کے خلاف بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عائشةؓ ان ھندا قالت للنبی ﷺ ان ابا سفیان رجل شحیح واحتاج ان اخذ من مالہ، قال ﷺ خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف (ج)** (بخاری شریف، باب القضاء علی الغائب، ص ۱۰۶۴، نمبر ۷۱۸۰) اس حدیث میں حضرت سفیانؓ حاضر نہیں تھے اس کے باوجود حضورؐ نے اس کے مال سے مناسب نفقہ لینے کا فیصلہ فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قضا علی الغائب جائز ہے۔

[۲۹۱۵] (۲۸) اور نہ قبول کرے خط مگر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا... اللہ تیرے دل کو ہدایت دیں گے اور تمہاری زبان کو ثابت رکھیں گے جب تمہارے سامنے دونوں خصم بیٹھیں تو جب تک دوسرے فریق سے بات سن نہ لو فیصلہ نہ کرنا۔ اس لئے کہ یہ صورت زیادہ مناسب ہے کہ تمہارے سامنے قضا واضح ہو جائے (ب) حضرت شریحؒ فرماتے تھے غائب پر فیصلہ نہ کریں (ج) حضرت ہند نے حضورؐ سے کہا ابو سفیان بخیل آدمی ہیں۔ اور مجھے ان کا مال لینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو کیا میں لوں؟ آپؐ نے فرمایا تم کو اور تمہاری اولاد کو مناسب انداز میں جتنا کافی ہو اتنا لے لو۔

[۲۹۱۶](۲۹) ویجب ان یقرأ الکتاب علیهم لیعرفوا مافیه ثم یختمه ویُسلّمه الیهم.

تشریح مکتوب علیہ قاضی کے سامنے دومرد یا ایک مرد اور دوعورتیں گواہی دیں کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے تب مکتوب الیہ قاضی اس کو قبول کرے۔

وجہ یہ خط حقیقت میں نقل شہادت کے درجے میں ہے اور اوپر گزرا کہ نقل شہادت کے لے دو گواہی چاہئے اس لئے خط کے لئے بھی دومرد یا ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی چاہئے (۲) اثر میں ہے۔ **واول من سأل علی کتاب القاضی البینة ابن ابی لیلی وسوار بن عبد الله** (الف) (بخاری شریف، باب الشهادة علی الخط المختوم الخ ص ۱۰۶۰، نمبر ۷۱۶۲) اس اثر میں ہے کہ ابن ابی لیلی اور سوار بن عبد اللہ نے کتاب القاضی الی القاضی پر گواہ مانگا (۲) اور نقل گواہی پر دو گواہ چاہئے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن الشعبی قالا لاتجوز شهادة الشاهد علی الشاهد حتی یکونا اثنین** (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی عدد شھود الفرع، ج عاشر ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۱ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸۰ فی شهادة الشاهد علی الشاهد، ج رابع، ص ۵۵۴، نمبر ۲۳۰۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شہادۃ علی الشہادۃ کے لئے دو گواہ چاہئے۔ اور کتاب القاضی الی القاضی بھی ایک قسم کی نقل شہادت ہے اس لئے اس خط پر بھی دو گواہ چاہئے (۳) ایک کی تحریر دوسرے کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے بھی یقین ہو جائے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے اور اشتباہ باقی نہ رہے اس لئے بھی گواہی چاہئے۔

[۲۹۱۶] (۲۹) اور واجب ہے کہ گواہوں کے سامنے خط پڑھے تاکہ وہ جان لیں کہ خط میں کیا ہے، پھر اس پر مہر لگائے اور گواہوں کے سپرد کرے۔

تشریح کاتب قاضی پر ضروری ہے کہ لے جانے والے گواہوں کے سامنے خط پڑھے تاکہ وہ جان لیں کہ خط میں کیا لکھا ہوا ہے۔ اور مکتوب الیہ قاضی کے سامنے گواہی دینے میں آسانی ہو۔ پھر خط پر مہر لگا کر گواہوں کے حوالے کرے تاکہ مکتوب الیہ قاضی کو خط دے سکے۔

وجہ گواہوں کے سامنے تو اس لئے پڑھے کہ وہ یاد رکھے کہ خط میں مضمون کیا ہے تاکہ مکتوب الیہ قاضی کے سامنے اس کی گواہی دے سکے تاکہ خط کا مضمون اور گواہی ایک طرح کے ہوں (۲) اثر میں ہے۔ **وکره الحسن وابو قلابة ان یشهد علی وصیة حتی یعلم ما فیها لانه لایدری لعل فیها جورا** (ج) (بخاری شریف، باب الشهادة علی الخط المختوم الخ ص ۱۰۶۰، نمبر ۷۱۶۲ رسنن للبیہقی، باب الاحتیاط فی قراءة الکتاب والاشهاد علیه وختمه لئلا یزور علیه، ج عاشر، ص ۲۱۹، نمبر ۲۰۴۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جب تک جان نہ لے کہ خط میں کیا ہے گواہی نہ دے (۳) **عن ابراهیم فی الرجل یختم علی وصیته وقال اشهدوا علی ما فیها قال لایجوز حتی یقرأها او تقرأ علیه فیقر بما فیها** (د) سنن للبیہقی، باب الاحتیاط فی قراءة الکتب والاشهاد علیه وختمه لئلا یزور علیه، ج عاشر ص ۲۲۰، نمبر ۲۰۴۲۰) اس اثر

حاشیہ: (الف) کتاب القاضی پر سب سے پہلے ابن ابی لیلی اور سوار بن عبد اللہ نے بینہ مانگا (ب) حضرت شعبیؒ نے فرمایا شہادۃ علی الشہادۃ جائز ہے یہاں تک کہ دو شاہد ہوں (ج) حضرت حسن اور ابو قلابہ نے ناپسند فرمایا کہ کسی کی وصیت پر گواہی دے یہاں تک کہ جان لے کہ اس میں کیا ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس میں ظلم ہو (د) حضرت ابراہیم نے فرمایا کوئی آدمی اپنی وصیت پر مہر لگائے۔ فرمایا اس میں کیا ہے، اس پر گواہ بناؤ، فرمایا نہیں جائز ہے یہاں تک کہ اس کو پڑھے یا اس پر پڑھائے اور جو کچھ اس میں ہے ثابت کرے۔

[۲۹۱۷](۳۰) واذا وصل الی القاضی لم یقبله الا بحضرة الخصم [۲۹۱۸](۳۱) فاذا سلّمه الشهود الیه نظر الی ختمه فاذا شهدوا انه کتاب فلان القاضی سلّمه الینا فی مجلس حکمه وقضائه وقرأه علینا وختمه فتحه القاضی وقرأه علی الخصم والزمه مافیه.

سے بھی معلوم ہوا کہ گواہ کو علم ہو کہ خط میں کیا ہے تا کہ جھوٹ گواہی نہ دے سکے۔

اور خط پر مہر لگائے اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔ عن انس بن مالک قال لما اراد النبی ﷺ ان یکتب الی الروم قالوا انهم لایقرؤن کتابا الا مختوما فاتخذ النبی ﷺ خاتما من فضة کانی انظر الی وبیضه ونقشه محمد رسول الله (الف) (بخاری شریف، باب الشهادة علی الخط المختوم الخ ص ۱۰۶۰/۱۶۲ ۷) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے مہر بنوائی تا کہ خط پر مہر لگائی جا سکے (۲) مہر لگانے سے خط میں کوئی کمی زیادتی نہیں کر سکتا اس لئے بھی مہر لگائے۔

[۲۹۱۷] (۳۰) جب خط قاضی کے پاس پہنچے تو اس کو قبول نہ کرے مگر مدعی علیہ کے سامنے۔

تشریح مکتوب الیہ قاضی کے سامنے خط پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر وہ فیصلہ کرے اور مدعی علیہ پر نافذ کرے۔ اور نافذ کرنا اس وقت ہو سکتا ہے جب مدعی علیہ حاضر ہو۔ اس لئے مدعی علیہ کی حاضری میں خط قبول کرے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ کو آپؐ نے فرمایا۔ فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانه احری ان تبین لک القضاء (ب) (ابوداؤد شریف، باب کیف القضاء، ص ۱۴۸، نمبر ۳۵۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعی علیہ حاضر ہو تب اس کے سامنے فیصلہ کرے۔

[۲۹۱۸] (۳۱) جب گواہ خط قاضی کو دے تو وہ اس کی مہر دیکھے۔ پس اگر گواہوں نے گواہی دی کہ وہ فلاں قاضی کا خط ہے اور اپنی مجلس قضا میں ہمارے سپرد کیا ہے اور ہمارے سامنے پڑھا ہے تو قاضی اس کو کھولے اور اس کو مدعی علیہ پر پڑھے اور جو کچھ اس میں ہے اس کو مدعی علیہ پر لازم کرے۔

تشریح جب گواہ مکتوب علیہ قاضی کو خط سپرد کرے تو قاضی پہلے اس کی مہر کو دیکھے کہ وہ صحیح ہے یا نہیں۔ کیونکہ مہر ٹوٹی ہوئی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خط کسی نے کھولا ہے اور مضمون میں کمی زیادتی کی ہے۔ اس لئے پہلے مہر کو دیکھے کہ وہ سلامت ہے یا نہیں۔ پھر گواہ یہ گواہی دے کہ فلاں قاضی نے اپنی مجلس قضا میں یہ خط لکھا ہے اور ہمارے سپرد کیا ہے اور ہمارے سامنے اس کو پڑھا ہے پھر مہر لگائی ہے۔ اتنی باتوں کے بعد مکتوب الیہ قاضی خط کو کھولے اور مدعی علیہ کے سامنے پڑھے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کو مدعی علیہ پر لازم کرے۔

وجہ یہ سب شرطیں اس لئے ہیں کہ اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے۔ پھر اس خط کا مقصد یہ ہے کہ مدعی علیہ پر وہ بات

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے اہل روم کو خط لکھنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے کہا وہ لوگ خط نہیں پڑھتے ہیں مگر مہر لگایا ہو۔ تو حضورؐ نے چاندی کی انگوٹھی بنائی، ابھی بھی اس کی چمک میری نظر کے سامنے ہے اور اس کا نقش 'محمد رسول اللہ' تھا (ب) آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا جب تمہارے سامنے دونوں فریق بیٹھیں تو نہ فیصلہ کرو یہاں تک کہ دوسرے سے سن لو جیسا کہ پہلے سے بات سنی۔ اس لئے کہ یہ زیادہ اچھا ہے کہ تیرے سامنے قضا واضح ہو جائے۔

[۲۹۱۹](۳۲) ولا يقبل كتاب القاضی الی قاضی فی الحدود والقصاص [۲۹۲۰] (۳۳) وليس للقاضی ان يستخلف علی القضاء الا ان يفوّض اليه ذلک[۲۹۲۱](۳۴) واذا رفع الی القاضی حكم حاكم امضاه الا ان يخالف الكتاب او السنة او الاجماع او

لازم کردی جائے جو اس خط میں ہے۔اس لئے مکتوب الیہ قاضی اس بات کو مدعی علیہ پر لازم کریں گے۔

[۲۹۱۹](۳۲) قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام حدود اور قصاص میں قبول نہیں کیا جائے گا۔

وجہ (۱) حدود اور قصاص کے بارے میں یہ ہے کہ حتی الامکان ان کو ساقط کرو۔اور کتاب القاضی الی القاضی سے اور مضبوط ہوگا اس لئے کتاب القاضی الی القاضی حدود اور قصاص میں مقبول نہیں ہے۔حدیث یہ ہے۔**عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ ادرء وا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطی فی العفو خير من ان يخطی فی العقوبة** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی درء الحدود، ص ۲۶۴، نمبر ۱۴۲۴/دار قطنی، کتاب الحدود والدیات، ج ثالث، ص ۶۸، نمبر ۳۰۷۵)(۲) دوسری بات یہ ہے کہ حدود اور قصاص شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں اور کتاب القاضی الی القاضی میں شبہ ہوتا اس لئے بھی یہ حدود اور قصاص میں جائز نہیں ہوگا (۳) اثر میں ہے۔**وقال بعض الناس كتاب الحاكم جائز الا فی الحدود** (ب) (بخاری شریف، باب الشہادۃ علی الخط المختوم الخ، ص ۱۶۰، نمبر ۷۱۶۲) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ حدود میں کتاب القاضی الی القاضی جائز نہیں ہے۔

[۲۹۲۰](۳۳) قاضی کا حق نہیں ہے کہ قاضی پر خلیفہ بنائے مگر یہ کہ اس کی طرف یہ سونپے۔

تشریح قاضی اپنی جگہ پر کسی کو قاضی بنانا چاہے تو نہیں بنا سکتا، ہاں امیر المومنین نے ان کو اختیار دیا ہو کہ وہ اپنی جگہ قاضی بنائیں تو اب بنا سکتے ہیں۔

وجہ قاضی بنانا امیر المومنین کا کام ہے اس لئے وہی قاضی بنائیں گے۔یا اس کی اجازت سے قاضی بنا سکیں گے (۲) جس طرح قاضی کسی کو حد جاری کرنے کا حکم دے تو وہ حد جاری کر سکتا ہے اسی طرح امیر قاضی کو قاضی بنانے کا اختیار دے تو وہ قاضی بنا سکتا ہے۔حد جاری کرنے کے اختیار کی حدیث یہ ہے۔**عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: واغد يا انيس الی امرأة هذا فان اعترفت فارجمها** (ج) (بخاری شریف، باب الوکالۃ فی الحدود، ص ۳۱۱، نمبر ۲۳۱۴) اس حدیث میں آپؐ نے حضرت انیسؓ کو رجم کرنے کا اختیار دیا تو وہ رجم کر سکے۔

لغت یفوض: سپرد کرے۔

[۲۹۲۱](۳۴) اگر لایا جائے قاضی کے پاس کسی حاکم کا حکم تو اس کو نافذ کر دے مگر یہ کہ قرآن کریم یا سنت یا اجماع کا مخالف ہو یا قول بغیر دلیل کے ہو۔

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا جب تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود دفع کرو اگر اس کے لئے کوئی راستہ نکلے تو راستہ چھوڑ دو۔اس لئے کہ امام معافی میں غلطی کرے یہ زیادہ بہتر ہے کہ سزا میں غلطی کرے (ب) بعض حضرات نے فرمایا حاکم کا خط جائز ہے مگر حدود میں (ج) آپؐ نے فرمایا اے انیس اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دو۔

یکون قولا لادلیل علیه.

تشریح اس میں دو مسئلے ہیں۔ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ پہلے قاضی کا فیصلہ قرآن، حدیث اور اجماع کے خلاف نہ ہو تو مکتوب الیہ قاضی اس کو نافذ کرے گا۔اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرآن، حدیث اور اجماع کے خلاف ہو تو اس فیصلے کو رد کر دے۔

وجہ (۱) جب شریعت کے موافق ہے تو رد کرنے سے کیا فائدہ۔کیونکہ پہلے قاضی کا بھی اجتہاد ہے اور اس قاضی کا بھی اجتہاد ہے۔اور پہلے قاضی کے اجتہاد کے ساتھ فیصلہ بھی ہو چکا ہے اس لئے اس کو توڑنا اچھا نہیں ہے، نافذ کر دے (۲) اثر میں ہے۔**حدثنا عبید الله بن محرز جئت بکتاب من موسی بن انس قاضی البصرة واقمت عنده البینة ان لی عند فلان کذا وکذا وهو بالکوفة وجئت به القاسم بن عبد الرحمن فاجازه** (الف) (بخاری شریف، باب الشهادة علی الخط المختوم الخ، ص ۱۰۶۰، نمبر ۷۱۶۲) اس اثر میں قاسم بن عبد الرحمٰن نے حضرت موسیٰ بن انس کے فیصلے کو نافذ فرمایا (۳) اثر میں ہے۔**عن ابن سیرین قال سمعت شریحا یقول انی لا ارد قضاء کان قبلی** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب هل یرد قضاء القاضی؟ او یرجع عن قضاءه، ج ثامن، ص ۳۰۲، نمبر ۱۵۲۹۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خلاف شریعت نہ ہو تو ماقبل قاضی کے فیصلے کو رد نہیں کرنا چاہئے۔

اور قرآن، حدیث یا اجماع کے خلاف ہو تو اس کو رد کر دے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔**عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ من احدث فی امرنا هذا مالیس فیه فهورد** (ج) (بخاری شریف، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، ص ۳۷۱، نمبر ۲۶۹۷ / ابو داؤد شریف، باب فی لزوم السنة، ج ۲، ص ۲۸۴، نمبر ۴۶۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت میں نہ ہو تو مردود ہے۔اسی باب میں ایک دیہاتی کے بیٹے کے زنا کا واقعہ ہے۔لوگوں نے ان کے لئے رجم کا فیصلہ کیا تو آپؐ نے اس کو رد فرمایا اور فرمایا کہ تمہارے بیٹے پر سو کوڑے ہیں کیونکہ وہ محصن نہیں ہے۔(۳) حدیث میں ہے کہ حضرت خالدؓ نے قیدیوں کے سلسلے میں قتل کا فیصلہ فرمایا جو شریعت کے خلاف تھا تو حضورؐ نے اس کو رد فرمایا اور اس سے براءت ظاہر کی۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن ابن عمرؓ بعث النبی ﷺ خالداً ... فذکرنا ذلک للنبی ﷺ فقال اللهم انی ابرء الیک مما صنع خالد بن الولید مرتین** (د) (بخاری شریف، باب اذا قضی الحاکم بجور او خلاف اهل العلم فهو رد، ص ۱۰۶۶، نمبر ۷۱۸۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خلاف شریعت فیصلہ ہو تو اس کو رد کیا جائے گا اور نافذ نہیں کیا جائے گا (۴) اثر میں اس کی صراحت ہے۔**عن الثوری قال اذا قضی القاضی بخلاف کتاب الله او سنة نبی الله او شیء مجتمع علیه، فان القاضی بعده یرده، فان کان شیئا برای الناس لم یرده ویحمل ذلک ما تحمل** (ه) (مصنف عبد الرزاق، باب هل یرد قضاء القاضی او یرجع عن قضاءه، ج ثامن، ص ۳۰۲، نمبر ۱۵۲۹۸) اس اثر

حاشیہ : (الف) عبید اللہ بن محرز کہتے ہیں کہ بصرہ کے قاضی موسیٰ بن انس کا خط لیکر میں آیا اور اس کے پاس بینہ قائم کیا کہ میرا فلاں کے پاس اتنا اتنا ہے۔اور وہ آدمی کوفہ میں ہے۔اور اس خط کو لیکر قاسم بن عبد الرحمٰن کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو جائز قرار دیا (ب) حضرت شریحؒ کہا کرتے تھے کہ میں پہلے لوگوں کے فیصلے کو رد نہیں کروں گا (ج) آپؐ نے فرمایا میرے اس معاملے میں جس نے نئی بات پیدا کی وہ رد ہے (د) آپؐ نے حضرت خالد کو بھیجا...پس حضورؐ کے سامنے خالد کے قتل کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا اے اللہ جو کچھ خالد نے کیا اس سے میں بری ہوں۔یہ دو مرتبہ فرمایا (ہ) اگر قاضی کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کرے یا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۹۲۲] (۳۵)ولا یقضی القاضی علی غائب الا ان یحضر من یقوم مقامه.

سے بھی معلوم ہوا کہ شریعت کے خلاف ہو تو رد کر دیا جائے گا۔

[۲۹۲۲] (۳۵) قاضی غائب پر فیصلہ نہ کرے مگر یہ کہ اس کا کوئی قائم مقام حاضر ہو۔

تشریح پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ مدعی علیہ غائب ہو تو اس پر فیصلہ نہ کیا جائے۔ ہاں! اس کا کوئی قائم مقام موجود ہو، مثلا اس کا وکیل موجود ہو یا وصی موجود ہو یا ایسا سبب ہو جو غائب پر بھی لگتا ہو اور حاضر پر بھی لگتا ہو یا بار بار خبر دینے کے باوجود حاضر نہ ہوتا ہو، مثلا عورت غائب شوہر پر نفقہ کا دعوی کر رہی ہو اور شوہر زمانے سے غائب ہو اور عورت کے لئے نفقے کی کوئی صورت نہ ہو تو غائب پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ عن علیؓ ... فقال ان اللہ سیھدی قلبک ویثبت لسانک فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانہ احری ان یتبین لک القضاء (الف) (ابو داؤد شریف، باب کیف القضاء، ص ۱۴۸، نمبر ۳۵۸۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی لایقضی بین الخصمین حتی یسمع کلامھما، ص ۲۴۸، نمبر ۱۳۳۱) اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ کی بات بھی سنو تب فیصلہ کرو۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب مدعی علیہ حاضر ہو یا اس کا قائم مقام حاضر ہو اور اپنی بات سنا سکے (۳) اثر میں ہے۔ سمعت شریحا یقول لایقضی علی غائب (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب لایقضی علی غائب، ج ثامن، ص ۳۰۴، نمبر ۱۵۳۰۶)

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ مجلس قضا سے غائب ہو یا شہر سے غائب ہو یا شہر میں چھپ گیا ہو تو غائب مدعی علیہ پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

وجہ اگر ایسا نہ کریں تو مدعی کا حق ضائع ہوگا اور مدعی علیہ خواہ مخواہ ٹال مٹول کرتا رہے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن عائشةؓ ان ھندا قالت للنبی ﷺ ان ابا سفیان رجل شحیح واحتاج ان آخذ من مالہ، قال ﷺ خذی مایکفیک وولدک بالمعروف (ج) (بخاری شریف، باب القضاء علی الغائب، ص ۱۰۶۴، نمبر ۷۱۸۰ / مسلم شریف، باب قضیة ہند، ج ۲، ص ۷۵، نمبر ۱۷۱۴) اس حدیث میں حضرت سفیانؓ حاضر نہیں تھے پھر بھی ان کے مال سے نفقہ لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ غائب پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) سنت رسولؐ کے خلاف یا کسی اجماع کے خلاف تو اس کے بعد کا قاضی اس کو رد کر دے گا۔ اور اگر لوگوں کی رائے سے ہو تو رد نہیں کرے گا بلکہ جو کچھ اس نے کہا اس کو جاری رکھے گا۔ کیونکہ وہ شریعت کے خلاف نہیں ہے (الف) آپؐ نے حضرت علی سے فرمایا آپ کے دل کو اللہ ہدایت دے گا اور زبان کو ثابت رکھے گا۔ پس جب دونوں فریق تمہارے سامنے بیٹھیں تو اس وقت فیصلہ نہ کریں جب تک دوسرے کی بات نہ سن لیں۔ اس لئے یہ زیادہ مناسب ہے کہ آپ کے سامنے قضا واضح ہو جائے (ب) حضرت شریحؒ فرماتے تھے کہ غائب پر فیصلہ نہ کرے (ج) حضرت ہند نے حضورؐ سے کہا کہ ابو سفیان بخیل آدمی ہیں اور مجھے اس کا مال لینے کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا لے لوں؟ آپؐ نے فرمایا اتنا لو جتنا مناسب انداز میں تمہیں اور تمہاری اولاد کے لئے کافی ہو۔

[۲۹۲۳] (۳۶) واذا حکّم رجلان رجلا بینهما ورضیا بحکمه جاز اذا کان بصفة الحاکم [۲۹۲۴] (۳۷) ولا یجوز تحکیم الکافر والعبد والذمی والمحدود فی القذف

﴿حکم پنچ بنانے کا بیان﴾

[۲۹۲۳] (۳۶) اگر دو آدمیوں نے ایک آدمی کو پنچ بنایا تا کہ دونوں کے درمیان فیصلہ کرے اور دونوں اس کے فیصلے پر راضی ہوں تو جائز ہے جبکہ وہ حاکم کی صفت پر ہو۔

تشریح مدعی اور مدعی علیہ دونوں نے قاضی کے بجائے کسی آدمی کو درمیان میں حکم اور فیصل چن لئے، اور حکم میں وہ صفات ہیں جو قاضی میں ہوا کرتے ہیں۔ مثلا مسلمان ہے، آزاد ہے، عاقل اور بالغ ہے، محدود فی القذف نہیں ہے اور عادل ہے تو ایسے آدمی کو حکم بنانا درست ہے۔ اور وہ جو فیصلہ کردے اس کو مان لینا چاہئے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ بنو قریظہ کے یہود نے حضورؐ کے بجائے حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم بنایا اور انہوں نے جو فیصلہ فرمایا وہ دونوں فریقوں کو ماننا پڑا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن عائشۃؓ قالت اصیب سعد یوم الخندق ... فاشار الی بنی قریظة فاتاهم رسول الله ﷺ فنزلوا علی حکمه فرد الحکم الی سعد، قال فانی احکم فیهم الخ (الف) (بخاری شریف، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجہ الی بنی قریظۃ ومحاصرتہ ایاھم، کتاب المغازی، ص ۵۹۰، نمبر ۴۱۲۲ رمسلم شریف، باب جواز قتال من نقض العھد وجواز انزال اہل الحصن علی حکم حاکم عدل اہل للحکم، ص ۹۵، نمبر ۱۷۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپس میں کسی کو پنچ بنانا جائز ہے۔

البتہ حکم بنانے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مدعی اور مدعی علیہ دونوں حکم بنائیں تب فیصلہ کر سکیں گے، کیونکہ یہ امیر کی جانب سے قاضی نہیں ہے کہ دونوں پر قضاء کا اختیار رکھتا ہو۔ اس لئے دونوں کے ماننے سے ہوگا، اور دونوں میں سے ایک کے نہ ماننے سے حکم نہیں بن سکے گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حکم میں قاضی کی صفت ہو۔

وجہ کیونکہ یہ گواہوں سے گواہی لیکر فیصلہ کریں گے تو گواہوں میں جو صفتیں ہوں کم از کم پنچ میں بھی وہ صفتیں ہوں تا کہ وہ فیصلہ کر سکے۔

[۲۹۲۴] (۳۷) اور نہیں جائز ہے کافر کو اور غلام کو اور ذمی کو اور تہمت میں حد لگے ہوئے کو اور فاسق کو اور بچے کو پنچ بنانا۔

تشریح ان چھ قسم کے آدمیوں کو حکم بنانا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں قاضی کی صفت پورے طور پر نہیں پائی جاتی، مثلا کافر کے بارے میں آیت ہے کہ اس کو مسلمان پر اختیار نہیں۔

وجہ آیت یہ ہے۔ ولن یجعل الله للکافرین علی المومنین سبیلا (ب) (آیت ۱۴۱، سورۃ النساء ۴) (۲) اثر میں ہے کہ مسلمان کے خلاف غیر مسلم کی شہادت مقبول نہیں تو اس کی قضا کیسے مقبول ہوگی۔ عن ابراهیم عن شریح قال: لا تجوز شهادة الیهودی والنصرانی الا فی سفر، ولا تجوز الا علی وصیة (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۵۵ ما تجوز فیہ شہادۃ الیہودی والنصرانی، ج رابع،

حاشیہ : (الف) حضرت سعدؓ کو غزوۂ خندق میں تیر لگا... پس انہوں نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ پس وہ لوگ حضورؐ کے پاس آئے اور حضرت سعدؓ کے فیصلے پر اتفاق کیا۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا میں بنو قریضہ کے لئے اللہ کا فیصلہ کروں گا (ب) اللہ نے کافر کا مومن پر کوئی راستہ نہیں بنایا (ج) یہودی اور (باقی اگلے صفحہ پر)

والفاسق والصبی [۲۹۲۵] (۳۸) ولکل واحد من المُحکّمین ان یرجع مالم یحکم علیھما.

ص۴۹۵،نمبر۲۲۴۳۹/مصنف عبدالرزاق،باب شہادۃ اہل الکفر علی اہل الاسلام،ج ثامن،ص۳۶۰،نمبر۱۵۵۳۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ گواہی بھی جائز نہیں ہے۔ذمی بھی اسی میں داخل ہے کہ اس کو حکم بنانا بھی جائز نہیں۔

غلام کو حکم بنانا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس کو اپنے اوپر اختیار نہیں ہے تو دوسرے پر فیصلے کا اختیار کیسے ملے گا (۲) اس کو تو گواہی دینے کی بھی اجازت نہیں ہے فیصلہ کیسے کرے گا۔اثر میں ہے۔**روی عن علیؓ والحسنؒ والنخعیؒ والزھریؒ ومجاھدؒ وعطاءؒ لا تجوز شھادۃ العبید** (الف)(سنن للبیہقی،باب من رد شہادۃ العبید ومن قبلھا،ج عاشر،ص۲۷۲،نمبر۲۰۶۰۸)اس اثر میں ہے کہ غلام کی گواہی درست نہیں۔اس لئے اس کو حکم بنانا بھی درست نہیں ہے۔

محدود فی القذف کو بھی حکم بنانا درست نہیں ہے۔

وجہ آیت میں ہے۔**ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون** (ب)(آیت ۴،سورۃ النور۲۴)اس کی جب گواہی مقبول نہیں تو یہ گواہ سے گواہی لیکر فیصلہ کیسے کرے گا۔

فاسق کو حکم بنانا بھی اچھا نہیں ہے کیونکہ وہ عادل نہیں ہے۔تاہم اگر فاسق کو حکم بنادیا تو اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔

وجہ حجاج بن یوسف فاسق تھا پھر بھی وہ حکم تھا اور اس کے فیصلے نافذ ہوتے تھے۔اس لئے فاسق کو قاضی یا حکم بنادیا اور اس نے فیصلہ کر دیا تو نافذ ہو جائے گا۔

بچے اور مجنون کو تو عقل ہی نہیں ہے ان کو حکم کیسے بنائے گا۔اس کی تو گواہی بھی مقبول نہیں ہے۔اثر میں ہے۔**ارسل الی ابن عباس ... یسالہ عن شھادۃ الصبیان فقال: لا اری ان تجوز شھادتھم** (ج)(مصنف عبدالرزاق،باب شہادۃ الصبیان،ج ثامن،ص۳۴۸،نمبر۱۵۴۹۴)اس اثر میں ہے کہ بچے کی گواہی مقبول نہیں تو اس کو حکم بنانا کیسے درست ہوگا۔

[۲۹۲۵](۳۸)حکم بنانے والوں میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ وہ رجوع کریں جب تک کہ ان پر فیصلہ نہ کیا ہو۔

تشریح جن لوگوں نے حکم بنایا تھا ان کو یہ اختیار ہے کہ جب تک پنچ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے اس سے پہلے پہلے حکم بنانا واپس لے لیں۔اگر انہوں نے واپس لے لیا تو یہ حکم برقرار نہیں رہے گا۔اور نہ اب اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔

وجہ دونوں کے حکم بنانے سے حکم بنا تھا اس لئے فیصلہ سے پہلے حکم کا انکار کر دے تو وہ انکار کر سکتے ہیں۔یہ امیر المومنین کی جانب سے حکم نہیں تھا کہ ہمیشہ رہے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) نصرانی کی گواہی جائز نہیں ہے مگر سفر میں اور نہیں جائز ہے مگر وصیت میں (الف) حضرت علیؓ،حسنؒ،نخعیؒ،زہریؒ،مجاہدؒ،اور عطاءؒ نے فرمایا کہ غلام کی گواہی جائز نہیں ہے (ب) حد قذف والے کی گواہی کبھی قبول نہ کرو،وہ فاسق ہیں (ج) حضرت ابن عباسؓ کو بچوں کی گواہی کے بارے میں پوچھا ،فرمایا ان کی گواہی جائز نہیں سمجھتا۔

[۲۹۲۶](۳۹) واذا حکم علیهما لزمها[۲۹۲۷](۴۰) واذا رُفع حکمه الی القاضی فواقف مذهبه امضاه وان خالفه ابطله.

[۲۹۲۶](۳۹) اور اگر دونوں پر فیصلہ کر دیا تو دونوں کو لازم ہو جائے گا۔

تشریح حکم نے فیصلہ کر دیا تو اب دونوں کو ماننا ضروری ہے۔

وجہ کیونکہ دونوں نے حکم مانا تھا (۲) بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم مانا پھر انہوں نے جو فیصلہ فرمایا تو وہ بنو قریظہ کو ماننا پڑا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عائشةؓ قالت اصیب سعد یوم الخندق ... فاتاهم رسول الله ﷺ فنزلوا علی حکمه فرد الحکم الی سعد. قال فانی احکم فیهم ان تقتل المقاتلة وان تسبی النساء والذریة وان تقسم اموالهم** (الف) (بخاری شریف، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجه الی بنی قریظة ومحاصرته ایاهم کتاب المغازی، ص ۵۹۰، نمبر ۴۱۲۲ رمسلم شریف، باب جواز قتال من نقض العهد وجواز انزال اهل الحصن علی حکم حاکم عدل اهل للحکم۔ ج ۲، ص ۹۵، نمبر ۱۷۶۸) اس حدیث میں ہے کہ حضرت سعدؓ بن معاذ نے جو فیصلہ فرمایا یہود کو وہ ماننا پڑا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم فیصلہ کر دے تو دونوں فریقوں کو ماننا پڑے گا (۲) ایک حدیث میں ہے۔ **عن الحسن قال قال رسول الله ﷺ من دعی الی حکم من الحکام فلم یجب فهو ظالم، هذا مرسل** (ب) (سنن للبیہقی، باب من دعی حکم حاکم، ج عاشر، ص ۲۳۶، نمبر ۲۰۴۸۵) اس حدیث مرسل سے معلوم ہوا کہ فیصلہ ہو جائے پھر اس کو قبول نہ کرے تو وہ ظالم ہے۔

[۲۹۲۷](۴۰) اگر اس کا فیصلہ قاضی کے پاس لایا جائے اور وہ اس کے مذہب کے موافق ہو تو اس کو نافذ کر دے گا اور اس کے مخالف ہو تو باطل کر دے۔

تشریح پنچ کا فیصلہ قاضیٔ وقت کے پاس لے جایا گیا۔ پس اگر وہ فیصلہ قاضی کے مذہب اور صواب دید کے مطابق ہو تو قاضی اس کو نافذ کر دے۔ اور اگر وہ ان کی صواب دید کے مخالف ہو یا شریعت کے مخالف ہو تو اس کو رد کر دے اور اپنا فیصلہ نافذ کرے۔

وجہ چونکہ یہ باضابطہ قاضی نہیں ہے اس لئے اس کے فیصلے میں وہ قوت نہیں ہے۔ اس لئے قاضی کے اختیار میں ہے۔ البتہ اس کے مذہب کے موافق ہو تو اس کے توڑنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے اس کو نافذ کر دے۔ اور مذہب کے مخالف ہو تو رد کر دے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن الثوری قال اذا قضی القاضی بخلاف کتاب الله او سنة نبی الله او شیء مجتمع علیه، فان القاضی بعده یرده، فان کان شیئا برای الناس لم یرده ویحمل ذلک ما تحمل** (ج) اور دوسری اثر میں ہے۔ **سمعت شریحا یقول انی**

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت سعد کو غزوۂ خندق میں تیر لگا... یہودی حضورؐ کے پاس آئے اور اس کے حکم پر متفق ہوئے۔ پس اس فیصلے کو حضرت سعدؓ کی طرف منتقل کیا۔ پس حضرت سعدؓ نے فرمایا میں یہودی کے بارے میں فیصلہ کرتا ہوں کہ جنگ کرنے والے مردوں کو قتل کیا جائے۔ اور عورتوں اور بچوں کو قید کیا جائے اور ان کا مال تقسیم کیا جائے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی کو حاکم کے فیصلے کی طرف بلائے اور وہ قبول نہ کرے تو وہ ظالم ہے (ج) حضرت ثوریؒ نے فرمایا اگر قاضی نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کے خلاف فیصلہ کیا تو بعد کے قاضی اس کو رد کر دے۔ اور کچھ فیصلہ لوگوں کی رائے سے ہو جو خلاف شریعت نہ ہو تو اس کو رد نہ کرے۔ اور اس کو اپنے محور پر رہنے دے۔

[۲۹۲۸](۴۱) ولا یجوز التحکیم فی الحدود والقصاص[۲۹۲۹](۴۲) وان حکّماه فی دم الخطأ فقضی الحاکم علی العاقلة بالدیة لم ینفذ حکمه[۲۹۳۰](۴۳) ویجوز ان یسمع البینة ویقضی بالنکول[۲۹۳۱](۴۴) وحکم الحاکم لابویه وولده وزوجته باطل.

لا ارد قضاء کان قبلی (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب ھل یرد قضاء القاضی اویرجع عن قضاۂ، ج ثامن، ص۳۰۲، نمبر۱۵۲۹۸/۱۵۲۹۷)اس اثر میں ہے کہ شریعت کے موافق ہوتو نافذ کرے اور مخالف ہوتو رد کرے، اسی پر حکم کے فیصلے کو قیاس کیا جائے گا۔

[۲۹۲۸](۴۱) حدود اور قصاص میں حکم بنانا جائز نہیں ہے۔

وجہ حدود اور قصاص کا معاملہ اہم ہے۔ یہ فیصلے صرف قاضی کی عدالت سے ہوتے ہیں اس لئے ان میں حکم بنا کر فیصلہ کرنا درست نہیں ہے (۲)اثر میں ہے۔ قال سفیان اذا حکم رجلان حکما فقضی بینھما فقضاء ہ جائز الا فی الحدود(ب)(مصنف عبد الرزاق، باب ہل یقضی الرجل بین الرجلین ولم یول؟ وکیف ان فعل، ج ثامن، ص۳۰۱، نمبر۱۵۲۹۴)اس اثر میں ہے کہ حدود اور قصاص میں حکم نہ بنائے۔ البتہ معاملات میں بنا سکتا ہے۔

[۲۹۲۹](۴۲) اگر دونوں نے حکم بنایا قتل خطا کے دم میں، پس حکم نے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔

تشریح قتل خطا قصاص کے احکامات میں سے ہے۔ اس لئے اس میں قاضی کا فیصلہ چلے گا۔ اس میں حکم نہیں بنانا چاہئے۔ اس صورت میں اگر چہ دیت یعنی مدعی علیہ پر مال کا فیصلہ کیا ہے، تاہم یہ قصاص کے احکامات میں سے ہے اس لئے حکم کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔

وجہ او پر اثر گزر چکا کہ حدود کے علاوہ میں حکم بنا سکتا ہے۔ اور قصاص بھی حدود میں داخل ہے۔

[۲۹۳۰](۴۳) حکم کے لئے جائز ہے کہ گواہوں کی بات سنے اور قسم کھانے سے انکار سے بھی فیصلہ کرے۔

تشریح فیصلہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو گواہوں کی گواہی سنے اور اس پر فیصلہ کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے، اب وہ مدعی علیہ کو قسم کھانے کے لئے کہے، وہ قسم کھانے سے انکار کر جائے تو حکم مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے۔ جس طرح قاضی کو دونوں اختیار ہیں پنچ کو بھی دونوں طریقوں سے فیصلے کا اختیار ہے۔ اور ایک تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مدعی علیہ حق کا اقرار کرے تب بھی فیصلہ کر سکتا ہے، پنچ کو اس کا بھی اختیار ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پنچ بہت سے معاملات میں قاضی کی طرح ہے۔

لغت النکول : قسم کھانے سے انکار کرنے کو نکول کہتے ہیں۔

[۲۹۳۱](۴۴) حاکم کا فیصلہ اپنے والدین کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اور اپنی بیوی کے لئے باطل ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت شریح فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے کے فیصلے کو میں رد نہیں کروں گا (ب) حضرت سفیان نے فرمایا اگر دو فریقوں نے کسی کو حکم بنایا اور انہوں نے ان دونوں کے درمیان کوئی فیصلہ کیا تو اس کا فیصلہ جائز ہے مگر حدود میں حکم کا فیصلہ جائز نہیں ہے۔

تشریح حاکم چاہے قاضی ہو یا پنچ ہو اپنے والدین کے لئے، اپنی اولاد کے لئے یا اپنی بیوی کے لئے فیصلہ کرے تو وہ باطل ہے۔ البتہ ان کے خلاف فیصلہ کرے تو نافذ ہوگا۔

وجہ یہ لوگ قریبی رشتہ دار ہیں اس لئے شبہ ہے کہ ان کی رعایت کر کے فیصلہ کیا ہوگا۔ اس لئے ان کے حق میں فیصلہ باطل ہے (۲) اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ امیر المومنین تھے اس زمانے میں کسی پر ان کا حق تھا تو خود فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ حضرت زید بن ثابتؓ کو فیصلے کا حکم بنایا۔ اثر یہ ہے۔ **سمعت الشعبی قال: کان بین عمرؓ وابیؓ خصومة فقال عمرؓ اجعل بینی وبینک رجلا قال فجعلا بینهما زید بن ثابت قال فاتوه قال فقال عمرؓ اتیناک لتحکم بیننا الخ** (الف) سنن للبیہقی، باب القاضی لا یحکم لنفسہ، ج عاشر، ص ۲۴۳، نمبر ۲۰۵۱۰) اس اثر میں ہے کہ قاضی اپنے معاملے کا فیصلہ خود نہ کرے۔ کیونکہ تہمت ہوگی۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے قریبی رشتہ دار کا بھی فیصلہ نہ کرے کیونکہ رعایت کرنے کی تہمت ہوگی (۳) ان لوگوں کے لئے گواہی جائز نہیں ہے تو فیصلہ کیسے جائز ہوگا۔ اثر میں ہے۔ **عن ابراهیم قال اربعة لا تجوز شهادتهم الوالد لولده، والولد لوالده، والمرأة لزوجها والزوج لامرأته، والعبد لسیده والسید لعبده، والشریک لشریکه فی الشیء اذا کان بینهما، واما فیما سوی ذلک فشهادته جائزة** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ الاخ لاخیہ والابن لابیہ والزوج لامرأتہ، ج ثامن، ص ۳۴۴، نمبر ۱۵۴۷۶ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۲۵، فی شہادۃ والولد لوالدہ، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱) اس اثر میں ہے کہ والدین اور بچے اور بیوی کے لئے گواہی جائز نہیں تو ان کے حق میں فیصلہ کیسے جائز ہوگا؟



حاشیہ : (الف) حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد اور حضرت عمرؓ کے درمیان کوئی جھگڑا تھا، پس حضرت عمرؓ نے کہا میرے اور آپ کے درمیان کسی کو حکم بنائے۔ پس دونوں نے زید بن ثابتؓ کو حکم بنایا، پس وہ آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم لوگ آپ کے پاس آئے ہیں تا کہ آپ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائیں (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا چار آدمیوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔ والد کی گواہی اپنی اولاد کے لئے، اور اولاد کی والد کے لئے، اور عورت کی شوہر کے لئے، اور شوہر کی بیوی کے لئے، اور غلام کی آقا کے لئے اور آقا کی اپنے غلام کے لئے، اور شریک کی کسی چیز میں شریک کے لئے جبکہ وہ چیز دونوں کے درمیان میں ہو۔ اور ان کے علاوہ کی گواہی جائز ہے۔

﴿كتاب القسمة﴾

[٢٩٣٢](١) ينبغي للامام ان ينصب قاسما يرزقه من بيت المال ليقسم بين الناس بغير

﴿ کتاب القسمة ﴾

ضروری نوٹ کسی مال یا جائداد کو تقسیم کرنے کو'قسمة' کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔واذا حضر القسمة اولوا القربى واليتمٰى والمساكين فارزقوهم منه وقولوا لهم قولا معروفا (الف) (آیت ٨،سورۃ النساء۴)اس آیت میں تقسیم کرنے کا تذکرہ ہے(٢) حضورؐ نے خیبر کی زمین کو چھتیس ٹکڑوں میں تقسیم فرمایا تھا۔حدیث یہ ہے۔ان رسول الله ﷺ لما ظهر على خيبر قسمها على ستة وثلاثين سهما جمع كل سهم مائة سهم فكان لرسول الله ﷺ وللمسلمين النصف من ذلك وعزل النصف الباقي لمن نزل به من الوفود والامور ونوائب الناس (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ج ٢،ص ٦٨، نمبر ٣٠١٢) اس حدیث میں خیبر کی زمین کی تقسیم کا تذکرہ ہے(٣) دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے مال غنیمت تقسیم فرمائی۔عن عباية بن رفاعة بن رافع بن خديج عن جده قال كنا مع النبي ﷺ بذى الحليفة ... ثم قسم فعدل عشرة من الغنم ببعير (ج) (بخاری شریف، باب قسمۃ الغنم،ص ٣٣٨،نمبر ٢٤٨٨) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشترکہ مال کو تقسیم کرنا جائز ہے۔

نوٹ کتاب القسمۃ کے بہت سے مسائل اصول پر متفرع ہیں اس لئے وہاں حدیث یا قول صحابی کم ہے۔

[٢٩٣٢](١) امام کے لئے مناسب ہے کہ وہ تقسیم کرنے والا مقرر کرے جس کی تنخواہ بیت المال سے ہو۔تا کہ وہ لوگوں کے درمیان بغیر اجرت کے تقسیم کرے۔

تشریح لوگوں کے اموال اور وراثت کو تقسیم کرنا بھی ایک بہت بڑا کام ہے۔اس لئے قاضی کی طرح قاسم بھی امام مقرر کرے۔اور جس طرح قاضی کی تنخواہ بیت المال سے دی جاتی ہے قاسم کی تنخواہ بھی بیت المال سے مقرر کرے تا کہ لوگوں کے اموال کو بلا اجرت تقسیم کر سکے۔

وجہ اثر میں ہے۔ولم ير ابن سيسين باجر القسام بأسا ،وقال السحت الرشوة في الحكم وكانوا يعطون على الخرص (د) (بخاری شریف، باب مایعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب، کتاب الاجارۃ،ص ٣٠٤،نمبر ٢٢٧٦ رمصنف عبدالرزاق، باب الاجر علی تعلیم الغلمان وقسمۃ الاموال، ج ثامن،ص ١١٥،نمبر ١٤٥٣٥) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اجرت دے کر قاسم متعین کرنا جائز ہے(٣) اوپر ابوداؤد کی حدیث گزری جس میں تھا۔وعزل النصف الباقي لمن نزل به من الوفود والامور ونوائب الناس (ابوداؤد

حاشیہ : (الف) اگر تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو ان کو کچھ رزق دو اور ان کو مناسب بات کہو(ب) حضورؐ نے جب خیبر کو فتح کیا تو اس کو چھتیس حصوں میں تقسیم فرمائی۔ہر حصے میں سو حصے تھے، پس حضور اور مسلمانوں کے لئے آدھا آدھا تھا اور باقی آدھا الگ کیا جو وفود آئے اس کے لئے،اور مسلمانوں کے معاملے کے لئے اور لوگوں کے حادثوں کے لئے (ج) ہم حضورؐ کے ساتھ ذوالحلیفہ میں تھے...پھر مال غنیمت تقسیم کی تو دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر کیا (د) تقسیم کرنے والے کو اجرت دینے میں ابن سیرین نے کوئی حرج نہیں سمجھا...اور فرمایا کرتے تھے، سحت وہ رشوت ہے جو فیصلے کے لئے ہو جو پھل کا اندازہ کرنے کیلئے دیا کرتے تھے۔

اجرة[۲۹۳۳] (۲) فان لم یفعل نصب قاسما یقسم بالاجرة[۲۹۳۴] (۳) ویجب ان

شریف، نمبر ۳۰۱۲) اس حدیث میں ہے کہ خیبر کا آدھا حصہ نوائب الناس کے لئے رکھا گیا تھا۔ اور اموال تقسیم کرنا ایک بہت بڑا کام ہے اور نوائب الناس میں داخل ہے۔ اس لئے اس کے لئے بھی اجرت مقرر کی جاسکتی ہے (۳) اثر میں ہے۔ **ان عمرؓ رزق شریحا وسلمان بن ربیعة الباهلی علی القضاء** (الف) مصنف عبد الرزاق، باب جعل یؤخذ علی القضاء رزق، ج ثامن، ص ۲۹۷، نمبر ۱۵۲۸۲) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ قاضی کی طرح قاسم کو بھی روزی دی جاسکتی ہے (۴) اثر میں ہے۔ **فسیأکل آل ابی بکر من هذا المال واحترف للمسلمین فیه** (ب) (سنن للبیہقی، باب ما یکره للقاضی من الشراء والبیع الخ، ج عاشر، ص ۱۸۳، نمبر ۲۰۲۸۸)

[۲۹۳۳] (۲) اور اگر یہ نہ کر سکے تو مقرر کرے تقسیم کرنے والے کو جو اجرت لیکر تقسیم کرے۔

تشریح اگر قاضی بیت المال سے اجرت دے کر قاسم مقرر نہ کر سکے تو ایسے قاسم کو مقرر کرے جو تقسیم کرنے والوں سے اجرت لیکر تقسیم کرے۔

وجہ تھوڑا بہت تقسیم کرنا ہو تو مفت تقسیم کر دے گا لیکن کسی کو بار بار یہ کام پیش آئے تو مفت تقسیم نہیں کرے گا۔ اس لئے تقسیم کروانے والوں سے اجرت لے۔ اور بہتر یہ ہے کہ مناسب اجرت لے۔ اجرت لینے کی دلیل اوپر گزر چکی ہے (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۵۲۸۱)

[۲۹۳۴] (۳) اور ضروری ہے کہ قاسم عادل ہو، امین ہو اور تقسیم کو جاننے والا ہو۔

وجہ عادل نہیں ہوگا تو تقسیم میں ظلم کرے گا اس لئے تقسیم کرنے والے کا عادل ہونا ضروری ہے (۲) آیت میں ہے۔ **فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم** (ج) (آیت ۹۵، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ عادل آدمی فیصلہ کرے اس لئے تقسیم کرنے والا بھی عادل ہو۔

امین ہو اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **ان خیر من استأجرت القوی الامین** (د) (آیت ۲۶، سورۃ القصص ۲۸) اس آیت میں اشارہ ہے کہ کسی کو تقسیم کرنے کے لئے اجرت پر لے تو وہ امین ہو۔ کیونکہ امین نہیں ہوگا تو تقسیم صحیح نہیں کرے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ مال میں خیانت کرے۔

اور تقسیم کرنے کا علم ہو اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ اگر وراثت کا علم نہ ہو یا تقسیم کرنے کا علم نہ ہو تو کیسے تقسیم کرے گا (۲) اثر میں ہے۔ **قال عمر بن عبد العزیز لاینبغی ان یکون قاضیا حتی تکون فیه خمس آیتهن اخطأته کانت فیه خللا یکون عالما بما کان قبله، مستشیرا لاهل العلم، ملغیا للرثغ یعنی الطمع، حلیما عن الخصم، محتملا للائمة** (ہ) (مصنف عبد الرزاق، باب

حاشیہ: (الف) حضرت عمرؓ نے حضرت شریح اور سلمان بن ربیعہ باہلی کو قضا پر وظیفہ دیا (ب) آل ابوبکر مسلمان کے اس مال سے کھائیں گے اور مسلمان کے لئے کام کریں گے (ج) جیسا جانور شکار کیا اسی کے مثل پالتو جانور کا فیصلہ کیا جائے گا اور دو عادل آدمی اس کا فیصلہ کریں گے (د) بہترین آدمی جس کو آپ اجرت پر لیں وہ ہے جو طاقتور اور امین ہو (ہ) حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا قاضی بننا مناسب نہیں ہے یہاں تک کہ اس میں پانچ صفتیں ہوں۔ اور کسی ایک کی کمی بہت بڑی کمی ہوگی۔ ایک تو یہ کہ ما قبل کی باتوں کو جاننے والا ہو۔ دوسری یہ کہ اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو۔ تیسری یہ کہ لالچ سے دور ہو۔ چوتھی یہ کہ جھگڑے والے کے ساتھ بردبار ہو۔ اور پانچویں یہ کہ ملامت کو برداشت کرنے والا ہو۔

یکون عدلا ماموناعالما بالقسمة[۲۹۳۵](۴) ولا یجبر القاضی الناس علی قاسم واحد [۲۹۳۶](۵) ولا یترک القُسَّام یشترکون[۲۹۳۷](۶) واجرة القُسّام علی عدد رؤسهم عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا رحمهما الله تعالی علی قدر الاَنصباء.

کیف ینبغی للقاضی ان یکون، ج ثامن ،ص ۲۹۸،نمبر ۱۵۲۸۶) اس اثر میں ہے کہ ماقبل کے علوم کو جاننے والا اب قاضی بنایا جائے۔اور اسی پر قیاس کر کے کہا جائے گا کہ تقسیم کا علم ہو تو قاسم بنایا جائے۔

[۲۹۳۵](۴) قاضی لوگوں کو ایک قاسم پر مجبور نہ کرے۔

وجہ اگر کام بہت ہوا اور قاسم ایک ہی ہو تو لوگوں کو ایک قاسم سے خدمت لینے میں دقت ہوگی۔اس لئے ایک قاسم سے تقسیم کرنے پر مجبور نہ کرے(۲) ایک قاسم زیادہ اجرت طلب کرے گا جو عوام کے لئے نقصان دہ چیز ہے اس لئے ایک قاسم پر مجبور نہ کرے(۳) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن موسی بن طریف عن ابیه قال مر علیؓ برجل یحسب بین قوم باجر فقال له علیؓ انما تأکل سحتا** (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب الاجر علی تعلیم الغلمان وقسمة الاموال، ج ثامن ،ص ۱۱۵،نمبر ۱۴۵۳۷) اس اثر میں ہے کہ لوگ اپنے اپنے قاسم سے اجرت دے کر حساب کرواتے اور تقسیم کرواتے تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ ایک قاسم متعین کرنا ضروری نہیں ہے۔

[۲۹۳۶](۵) قاسموں کو شرکت میں کام کرنے کے لئے نہ چھوڑے۔

تشریح چار پانچ قاسم ملکر اپنی کمپنی بنالیں اور شرکت میں کام کریں ایسا نہ کرنے دیں بلکہ ہر قاسم اپنا الگ الگ اجرت پر کام کرے۔

وجہ الگ الگ کام کریں گے تو آگے بڑھ کر کام کرنے اور مزدوری حاصل کرنے کے لئے سستے میں کام کریں گے جس سے عوام کو فائدہ ہوگا۔اور کمپنی بنا کر کام کریں گے تو ایک ریٹ ہوگا اور مہنگے داموں میں کام کریں گے۔اس لئے قاضی کو چاہئے کہ کمپنی بنانے نہ دیں اور ملکر شرکت میں کام کرنے نہ دیں۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ ہر وہ کام جس سے عوام کو نقصان ہوتا ہو اس کے روکنے کی کوشش کرے۔

[۲۹۳۷](۶) اور قاسموں کی اجرت حصہ داروں کی تعداد کے اعتبار سے ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور حصے کے حساب سے ہے صاحبینؒ کے نزدیک۔

تشریح امام صاحب فرماتے ہیں جتنے لوگ حصہ دار ہیں قاسم کی اجرت ہر ایک پر برابر ہوگی چاہے اس کو حصہ کم ملے یا زیادہ۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ قاسم کو ہر ایک کا حساب کرنا ہوگا اور ہر ایک کا حصہ دوسرے سے متمیز کرنا ہوگا۔اور اس میں ہر ایک کے لئے برابر محنت کرنی پڑے گی اس لئے تمام حصہ داروں پر برابر اجرت ہوگی۔مثلا زید مرا اور اس کی وراثت ایک بیوی، ایک بیٹا اور ایک بیٹی کے درمیان تقسیم کرنی ہے اور قاسم کی اجرت تیس درہم ہے تو ہر ایک پر دس دس درہم لازم ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ کا ایک آدمی پر گزر ہوا، وہ اجرت لیکر قوم کے درمیان حساب کر رہا تھا تو حضرت علیؓ نے فرمایا یہ سود کھا رہا ہے۔

[۲۹۳۸](۷) واذا حضر الشرکاء عند القاضی وفی ایدیھم دار وضیعة وادّعوا انھم ورثوھا عن فلان لم یقسّمھا القاضی عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی حتی یقیموا البینة

صاحبین کے نزدیک جس کو جتنا حصہ ملے گا اسی حساب سے اس پر اجرت لازم ہوگی۔ مثال مذکور میں بیوی کو شوہر کا آٹھواں ملے گا اس لئے تیس درہم کا آٹھواں ۳۰÷۸=۳.۷۵ (تین درہم پچھتر پیسے بیوی پر اجرت ہوگی۔ اور بیٹے کو بیوی کے وراثت لینے کے بعد بیٹی کا دوگنا ملے گا اس لئے بیٹے کو تیس درہم میں سے ۱۷.۵۰ (سترہ درہم پچاس پیسے اور بیٹی کو ایک گنا ملے گا اس لئے بیٹی کو ۸.۷۵ (آٹھ درہم پچھتر پیسے اجرت لازم ہوگی۔ حساب کلکیو لیٹر پر کرلیں۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ جس کو جتنا حصہ ملے گا اس اعتبار سے قاسم کو محنت کرنی پڑے گی اس لئے حصے ہی کے اعتبار سے اس پر اجرت لازم ہوگی۔

لغت انصباء : نصیب کی جمع ہے حصہ۔

[۲۹۳۸](۷) اگر شریک لوگ قاضی کے پاس حاضر ہوں اور ان کے قبضے میں گھر ہو یا زمین ہو اور دعوی کریں کہ ہم ان کے وارث ہیں فلاں سے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قاضی اس کو تقسیم نہیں کرے گا یہاں تک کہ اس کے مرنے پر بینہ قائم کریں اور ورثہ کی تعداد پر۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کو تقسیم کردے ان کے اعتراف کرنے پر۔

تشریح کچھ لوگ قاضی کے پاس آکر یوں کہے کہ یہ زمین ہے یا یہ گھر ہے یہ فلاں آدمی کا تھا، اب وہ مرگیا ہے اور ہم لوگ اس کے وارث ہیں۔ اس کو ہمارے درمیان تقسیم کردیں تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قاضی کے لئے اس وقت تک تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے جب تک کہ فلاں آدمی کے مرنے پر گواہ قائم نہ کریں۔ اور اس بات پر بھی گواہ قائم کریں کہ ہم ہی لوگ وارث ہیں ہمارے علاوہ اور کوئی وارث نہیں۔ ان دونوں باتوں پر گواہ قائم کرے تب ان کے درمیان گھر یا زمین تقسیم کردے۔

وجہ زمین خود محفوظ ہے، زمانہ دراز کے بعد بھی اس میں کوئی زیادہ خامی نہیں آتی اور یہی حال گھر کا ہے۔ اس لئے سال چھ مہینے تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے بینہ قائم کروا کر پوری تحقیق کر لینی چاہئے (۲) جب تک مال تقسیم نہیں ہوا ہے تو یہ میت کا مال شمار کیا جاتا ہے اس لئے تقسیم کرنا گویا کہ میت کے خلاف فیصلہ کرنا ہے۔ اور کسی کے خلاف فیصلہ کرنے کے لئے گواہ چاہئے۔ اس لئے بھی گواہ قائم کرنا ضروری ہے تاکہ یہ بات بھی واضح ہوجائے کہ فلاں مرچکا ہے اور یہ بھی کہ ان کے علاوہ وارث نہیں ہے۔ ورنہ ابھی تقسیم کردیں اور بعد میں کوئی وارث ظاہر ہوجائے تو قضا توڑنا پڑے گا اس لئے گواہ قائم کرے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم کردے۔

وجہ کیونکہ مسلمان ظاہری طور پر عادل ہیں۔ اثر میں ہے۔ کتب عمر بن الخطابؓ الی ابی موسی الاشعری ... المسلمون عدول بعضھم علی بعض (الف) (دار قطنی، باب کتاب عمرؓ الی موسی الاشعری، ج رابع، ص ۱۳۲، نمبر ۴۴۲۵) جب مسلمان ظاہری طور پر

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ کو خط لکھا اس میں لکھا... مسلمان بعض بعض پر عادل ہیں۔

علی موته وعدد ورثته وقالا رحمهما الله تعالی یُقسّمها باعترافهم[۲۹۳۹](۸) ویذکر فی کتاب القسمة انها قسمها بقولهم[۲۹۴۰](۹) وان کان المال المشترک مما سوی العقار وادّعوا انه میراث قسمه فی قولهم جمیعا[۲۹۴۱](۱۰) وان ادّعوا فی العقار انهم اشتروه قسّمه بینهم[۲۹۴۲](۱۱)وان ادّعوا الملک ولم یذکروا کیف انتقل الیهم

عادل ہیں اور ان کے خلاف کوئی قرینہ نہیں ہے اس لئے جب وہ کہتے ہیں کہ تقسیم کر دیں تو تقسیم کر سکتے ہیں۔اور بعد میں وارث ظاہر ہوئے تو دوبارہ صحیح تقسیم کر دی جائے گی (۲) جیسے منقولی جائداد کو بغیر بینہ قائم کئے تقسیم کر دیتے ہیں۔

[۲۹۳۹](۸) کتاب القسمۃ میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ تقسیم کر دے ان کے اقرار پر۔

تشریح کتاب القاضی میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ اگر وارثین خود اقرار کریں کہ ہمارا مورث مر گیا ہے اور ہم لوگ اس کے وارث ہیں تو ان کے اقرار کی وجہ سے زمین اور گھر بھی تقسیم کر دیا جائے گا۔

[۲۹۴۰](۹) اور اگر مال مشترک زمین کے علاوہ ہو اور وہ دعوی کریں کہ ان کی میراث ہے تو سب کے قول میں یہ ہے کہ اس کو تقسیم کر دے۔

تشریح مشترک مال ہے اور زمین اور گھر کے علاوہ وہ مال ہے، ورثہ کہتے ہیں کہ وہ مال فلاں مورث سے ہم کو ملا ہے اور ہم لوگ اس کے وارث ہیں تو چاہے مورث کے مرنے پر اور وارث کی تعداد پر گواہ نہ پیش کریں پھر بھی امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ تینوں امام یہ فرماتے ہیں کہ اس کو تقسیم کر دے۔

وجہ زمین اور گھر کے علاوہ جو منقولی جائداد ہے وہ جلدی میں خراب ہو سکتی ہے اس لئے اس کو جلدی تقسیم کر دے تاکہ ہر وارث اپنے حصے کی حفاظت کرتا رہے۔اور بعد میں کوئی وارث ظاہر ہوگا تو دوبارہ صحیح تقسیم کر دی جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ منقولی جائداد خراب ہونے کا خطرہ ہے اس لئے حفاظت کے لئے جلدی تقسیم کر دے۔

لغت : العقار : زمین

[۲۹۴۱](۱۰) اگر دعوی کرے زمین کے بارے میں کہ انہوں نے خریدی ہے تو اس کے درمیان تقسیم کر دے۔

تشریح کچھ آدمی قاضی کے سامنے دعوی کرتے ہیں کہ یہ زمین ہے جس کو ہم لوگوں نے خریدی ہے تو بغیر کسی مزید بینہ کے قاضی ان کے درمیان تقسیم کر دے۔

وجہ یہاں میت کے خلاف فیصلہ نہیں ہے اور نہ مزید کسی وارث کے ظاہر ہونے کا خدشہ ہے۔اور ظاہر یہی ہے کہ ان لوگوں نے خریدی ہے اس لئے ان کے درمیان تقسیم کر دے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کسی دوسرے کے خلاف فیصلہ صادر نہ ہوتا ہو تو مزید گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔

[۲۹۴۲](۱۱) اور اگر ملکیت کا دعوی کریں اور یہ نہ بیان کریں کہ کیسے ان کی طرف منتقل ہوئی تو ان کے درمیان تقسیم کر دے۔

قسّمه بینهم[۲۹۴۳] (۱۲) واذا کان کل واحد من الشرکاء ینتفع بنصیبه قسم بطلب احدھم[۲۹۴۴] (۱۳) وان کان احدھم ینتفع والآخر یستضرُّ لقلة نصیبه فان طلب

تشریح: کچھ لوگ قاضی کے پاس آکر یہ کہیں کہ یہ چیز ہماری ملکیت ہے اس کو تقسیم کر دیں، لیکن یہ نہ بتائے کہ ان لوگوں کی ملکیت کیسے ہوئی، خریدنے کی وجہ سے یا وراثت کی وجہ سے۔ پھر بھی قاضی کو اختیار ہے کہ اس چیز کو ان کے درمیان تقسیم کر دے۔

وجہ: جب ان کے قبضے میں ہے تو ظاہری قرینہ یہی ہے کہ ان کی ہی ملکیت ہے اس لئے تقسیم کر سکتا ہے (۲) اس میں قضا علی الغیر نہیں ہے اس لئے گواہی کی اور اس تحقیق کی کہ کس طرح اس کی ملکیت ہوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے اس کو تقسیم کر دے۔

[۲۹۴۳] (۱۲) اگر شریک میں سے ہر ایک فائدہ اٹھا سکتا ہو اپنے حصے سے تو ان میں سے ایک کے طلب کرنے سے تقسیم کر دی جائے گی۔

تشریح: مثلا شرکت میں دو گھوڑے ہیں۔ تقسیم کر کے دونوں کو دینے سے ہر ایک اپنے اپنے گھوڑے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، ایسی صورت میں ایک شریک بھی تقسیم کا مطالبہ کرے گا تو تقسیم کر دی جائے گی۔

وجہ: تقسیم کرنے سے کسی کو نقصان نہیں ہے اس لئے تقسیم کر دے۔

[۲۹۴۴] (۱۳) اور اگر ایک فائدہ اٹھائے اور دوسرا نقصان اپنا حصہ کم ہونے کی وجہ سے، پس اگر زائد حصے والا طلب کرے تو تقسیم کر دی جائے گی۔ اور اگر کم والا طلب کرے تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

تشریح: مثلا دو آدمیوں کے درمیان تین بیل ہیں۔ ایک کا حصہ دو گنا ہے جس کی وجہ سے دو بیل مل جائیں گے اور ہل چلا سکے گا۔ اور دوسرے کا حصہ ایک گنا ہے جس کی وجہ سے اس کو ایک بیل ملے گا اور ایک بیل سے ہل نہیں چلا سکے گا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تقسیم ہونے کے بعد بڑا حصہ دار اپنے حصے سے فائدہ اٹھا سکے گا اور چھوٹا حصہ دار اپنے حصے سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ ایسی صورت میں بڑا حصہ دار تقسیم کا مطالبہ کرے تو تقسیم کی جائے گی۔ اور چھوٹا حصہ دار تقسیم کا مطالبہ کرے تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

وجہ: بڑا حصہ دار جب تقسیم کا مطالبہ کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقسیم کر دیں تاکہ میں اپنے حصے سے آزادگی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکوں اور جب چاہوں دو بیل سے ہل چلا لوں، چاہے دوسرے کو نقصان ہو جائے۔ کیونکہ میں نے دوسرے کو ہمیشہ فائدہ دینے کی ذمہ داری نہیں لی ہے۔ اس لئے اس کے کہنے پر تقسیم کر دی جائے گی۔

اور کم حصہ دار جب مطالبہ کر رہا ہے کہ تقسیم کر دیں اور بڑا حصہ دار خاموش ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے نقصان ہوتا ہے تو ہونے دو میں اپنے فائدے کے حق میں متعنت اور متسدد ہوں۔ اس لئے اس کے نقصان ملحوظ رکھتے ہوئے قاضی اس کے کہنے پر تقسیم نہیں کرے گا۔

وجہ: کیونکہ قاضی کو اس لئے مقرر کیا گیا ہے کوئی اپنا نقصان کرنا چاہے تو اس کو نقصان نہ کرنے دے۔ البتہ کوئی اور فائدہ ہو مثلا اپنے حصے کو مناسب قیمت میں بیچ کر فائدہ اٹھانا چاہے تو ایسی صورت میں قاضی تقسیم کر دے۔

اصول: یہ مسئلہ دو اصولوں پر متفرع ہے (۱) کوئی آدمی اپنا فائدہ ملحوظ رکھنا چاہے، اس سے دوسرے کو نقصان ہو جائے تو اس کو اجازت ہوگی بشرطیکہ خواہ مخواہ دوسرے کو نقصان دینا مقصود نہ ہو (۲) اور دوسرا اصول یہ ہے کہ کوئی اپنا نقصان کرنا چاہے تو قاضی کی ذمہ داری ہے کہ اس کو

صاحب الکثیر قسم وان طلب صاحب القلیل لم یقسم[۲۹۴۵] (۱۴) وان کان کل واحد منهما یستضرُّ لم یقسمها الا بتراضیهما[۲۹۴۶](۱۵) ویقسم العروض اذا کانت

نقصان سے بچائے ،اس کے لئے حدیث یہ ہے۔عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لاضرر ولاضرار (الف) (ابن ماجہ شریف، باب من بنی فی حقہ مایضر بجارہ ،ص ۳۳۵ ،نمبر ۲۳۴۱ /دار قطنی ، کتاب البیوع ، ج ثالث ،ص ۶۴ ،نمبر ۳۰۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ کسی کو نقصان دے اور نہ نقصان اٹھائے۔

لغت یستضر : ضر سے مشتق ہے ،نقصان اٹھائے۔

[۲۹۴۵] (۱۴) اور اگر دونوں میں سے ہر ایک کو نقصان ہو تو اس کو تقسیم نہ کرے مگر دونوں کی رضامندی سے۔

تشریح کوئی ایسی چیز ہے جس کو تقسیم کرنے کے بعد دونوں کو نقصان ہوگا تو دونوں راضی ہوں تو تقسیم کردے۔اور ایک حصہ دار کہے اور دوسرا نہ کہے تو تقسیم نہ کرے۔مثلا ایک چکی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے۔اس کو تقسیم کرنے کے بعد کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا ،دونوں کو نقصان ہوگا۔اس لئے دونوں اس نقصان پر راضی ہوں تو تقسیم کردی جائے گی۔

وجہ یہاں دونوں کو نقصان ہے اس لئے دونوں کی رضامندی سے تقسیم کردیں گے۔قاعدہ وہی ہے لا ضرر ولا ضرار (۲) حدیث مرسل میں ہے۔عن محمد بن ابی بکر یعنی ابن حزم عن ابیہ عن النبی ﷺ قال لا تعضیة علی اهل المیراث الا ما حمل القسم ،یقول لا یعض علی الوارث ... قال ابو عبید قوله لا تعضیة فی میراث یعنی ان یموت المیت ویدع شیئا ان قسم بین ورثته اذا اراد بعضهم القسمة کان فی ذلک ضرر علیه او علی بعضهم یقول فلا یقسم والتعضیة التفریق (ب) (سنن للبیہقی ، باب مالا تحتمل القسمة ، ج عاشر ،ص ۲۲۵ ،نمبر ۲۰۴۴۶ /۲۰۴۴۷) اس حدیث مرسل میں ہے کہ اگر تقسیم سے نقصان ہوتا ہو تو دونوں کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہ کرے۔

[۲۹۴۶] (۱۵) تقسیم کردے سامان جبکہ ایک ہی قسم کا ہو ،اور دو جنسوں کو تقسیم نہ کرے بعض کو بعض میں مگر دونوں کی رضامندی سے۔

تشریح اگر سامان ایک ہی قسم کا ہو مثلا چالیس کیلو گیہوں ہو تو بغیر دونوں کی رضامندی کے بھی تقسیم کردے۔اور دونوں حصہ داروں کو بیس بیس کیلو گیہوں دیدے۔

وجہ تمام گیہوں ہی ہیں اور ایک ہی جنس کا سامان ہے ،اور گیہوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔اور وزن میں دونوں کو برابر یعنی بیس بیس کیلو دیا گیا ہے اس لئے کسی کو کچھ نقصان نہیں ہوگا۔اس لئے ایک راضی نہ بھی ہو تو قاضی جبرا تقسیم کردے۔

لیکن اگر دو جنس کے سامان ہوں مثلا دس کپڑے ہیں اور چالیس کیلو گیہوں ہے۔اب بغیر دونوں کی رضامندی کے ایک حصے دار کو کپڑے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان دو (ب) آپؐ نے فرمایا اہل میراث پر تفریق نہیں ہے۔البتہ جو تقسیم میں ہو جائے وہی۔حضرت ابو عبید اللہ لا تعضیة فی میراث کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ آدمی مرے اور کچھ وراثت چھوڑے۔اب بعض وارث تقسیم چاہتے ہیں لیکن اس سے ورثہ کا نقصان ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تقسیم نہ کریں تو تقسیم نہ کی جائے۔تعضیة کا معنی تقسیم کرنا ہے۔

من صنف واحد ولا يقسم الجنسان بعضها فی بعض الا بتراضيهما [۲۹۴۷](۱۶)وقال ابو حنيفة رحمه الله تعالى لايقسم الرقيق ولا الجواهر وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى يقسم الرقيق[۲۹۴۸](۱۷) ولا يقسم حمام ولا بئر ولا رحی الا ان يتراضی

دیدے اور دوسرے کو چالیس کیلو گیہوں دے ایسا نہیں کرسکتا۔ بلکہ یوں کرسکتا ہے کہ پانچ کپڑے ایک کو اور پانچ کپڑے دوسرے کو، اسی طرح بیس کیلو گیہوں ایک کو اور بیس کیلو گیہوں دوسرے کو دے۔ ہاں اگر دونوں راضی ہوں تو ایسا کرسکتا ہے کہ ایک کو دس کپڑے دے اور دوسرے کو چالیس کیلو گیہوں دے۔

وجہ ایک حصے دار کو کپڑا دینا اور دوسرے کو گیہوں دینا یہ علیحدہ کرنا اور تمیز کرنا نہیں ہے بلکہ کپڑے کے بدلے گیہوں کو تبدیل کرنا اور گویا کہ بیچنا ہے۔ اور تبدیل کرنے اور بیچنے کے لئے دونوں کی رضامندی چاہئے۔ اس لئے یہاں دونوں کی رضامندی چاہئے۔

اصول جہاں افراز اور تمیز ہو وہاں دونوں کی رضامندی ضروری نہیں صرف ایک کے مطالبے پر تقسیم کردی جائے گی۔ اور جہاں تبدیل ہو وہاں دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔

[۲۹۴۷] (۱۶) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ غلام اور جوہر تقسیم نہ کرے، اور امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ نے فرمایا تقسیم کیا جائے گا غلام کو۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مثلا اگر دو غلام ہوں تو بغیر رضامندی کے دو حصہ داروں کو ایک ایک غلام تقسیم کرکے نہ دے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ غلام ظاہری اعتبار سے ایک جیسے ہوں لیکن باطنی خوبی کے اعتبار سے بہت فرق ہوتا ہے۔ مثلا ایک ہوشیار ہے دوسرا غبی ہے۔ ایک پڑھا لکھا ہے دوسرا جاہل ہے جس کی وجہ سے دونوں کی قیمت میں زمین آسمان کا فرق ہو جاتا ہے۔ اس لئے بغیر دونوں کی رضامندی کے ایک ایک غلام تقسیم نہ کرے۔ البتہ دونوں کی قیمت لگا کر توافق کردے۔ یہی حال جواہر کا ہے۔ اس لئے کہ دو جواہر ظاہری طور پر ایک طرح کے ہوں پھر بھی باطنی خوبی کے اعتبار سے بہت بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ اور دونوں کی قیمت میں بہت تفاوت ہو جاتا ہے۔ اس لئے بغیر حصہ داروں کی رضامندی کے ایک ایک کرکے تقسیم نہ کرے۔ البتہ سب کی قیمت لگا کر توافق کرے۔

اصول امام اعظمؒ کے نزدیک انسان اور جواہر میں باطنی خوبی کا اعتبار ہے۔

فائدہ امام صاحبینؒ کے نزدیک یہ ہے کہ غلاموں کو بغیر حصہ داروں کی رضامندی کے بھی تقسیم کرسکتا ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ ظاہری طور پر دو غلام ایک طرح ہوں اتنا ہی کافی ہے کہ دونوں کو ایک ایک غلام دے دیا جائے۔ باطنی خوبی کو ملحوظ نہ رکھا جائے، اور اس کی وجہ سے قیمت میں جو تفاوت ہوگا اس کو بھی ملحوظ نہیں رکھا جائے گا۔ جس طرح دو بکریاں ہوں تو دونوں کو ایک ایک بکری دے دی جاتی ہے اور بکری کی باطنی خوبی ملحوظ نہیں رکھی جاتی ہے۔

اصول صاحبینؒ کے نزدیک یہ اصول یہ ہے کہ ظاہری موافقت کافی ہے باطنی خوبی کو ملحوظ نہ رکھا جائے ورنہ تقسیم کرنا مشکل ہوگا۔

[۲۹۴۸] (۱۷) اور نہیں تقسیم کیا جائے گا حمام اور نہ کنواں اور نہ پن چکی۔

الشرکاء[۲۹۴۹](۱۸) واذا حضروا رثان عند القاضی واقاما البینة علی الوفاۃ وعدد الورثة والدار فی ایدیهم ومعهم وارث غائب قسمها القاضی بطلب الحاضرین وینصب

تشریح ایسی چیز جو ایک ہی ہو اور تقسیم کرنے کے بعد کسی کے لئے قابل استفادہ نہ رہے جیسے غسل خانہ، کنواں، پن چکی، ان چیزوں کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیں تو استفادے کے قابل نہیں رہتی ہیں۔ اس لئے شرکاء کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہ کرے۔ البتہ ایک شکل ہے کہ اس کی قیمت لگا کر کسی ایک کو دیدے اور اس سے آدھی قیمت وصول کر لے۔

وجہ قیمت لگانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال من اعتق شرکا له فی عبد فکان له مال یبلغ ثمن العبد قوم العبد علیه قیمة عدل فاعطی شرکائه حصصهم وعتق علیه العبد** (الف) (بخاری شریف، باب اذا اعتق عبدا بین اثنین اوامة بین الشرکاء، ص ۳۴۲، نمبر ۲۵۲۲ر مسلم شریف، باب من اعتق شرکا له فی عبد، ص ۴۹۱، نمبر ۱۵۰۱) اس حدیث میں ہے کہ غلام کی قیمت لگائی جائے گی اور پھر حصہ داروں کو قیمت دی جائے گی۔ جس سے معلوم ہوا کہ جہاں پوری چیز تقسیم نہیں ہو سکتی ہو وہاں چیز کی قیمت لگا کر حصہ داروں کو دو اور توافق پیدا کر دو۔

اصول جہاں تقسیم کرنے میں دونوں کو نقصان ہو وہاں دونوں کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں کی جائے گی۔

لغت حمام : غسل خانہ، بئر : کنواں، رحی : پن چکی، جس سے پانی نکالتے ہیں۔

[۲۹۴۹](۱۸) اور دو وارث قاضی کے پاس حاضر ہوں اور وفات پر بینہ قائم کریں اور ورثہ کی تعداد پر اور مکان ان کے قبضے میں ہو اور ان کے ساتھ غائب وارث ہو پھر بھی قاضی حاضرین کی طلب پر تقسیم کر دے۔ اور غائب کے لئے ایک وکیل مقرر کر دے جو اس کے حصے پر قبضہ کرے۔

تشریح دو وارث قاضی کے پاس حاضر ہو کر دو بات کرے۔ ایک تو مورث کی وفات پر بینہ قائم کرے کہ واقعی وہ مر چکا ہے۔ دوسری بات یہ کرے کہ ورثہ کی کل تعداد کتنی ہے اس پر گواہی قائم کرے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ گھر مطالبہ کرنے والوں کے قبضے میں ہو۔ اس صورت میں وارث غائب ہو پھر بھی قاضی گھر تقسیم کر دے گا اور جو وارث غائب ہو اس کے لئے وکیل مقرر کرے تاکہ وہ غائب کے حصے پر قبضہ کر کے اس کی حفاظت کرے اور جب غائب آجائے تو اس کے حوالے کر دے۔

وجہ ان چار شقوں کی وجوبات یہ ہیں (۱) تقسیم کا مطالبہ کرنے والے دو آدمی اس لئے ہوں کہ وہ دو گواہ کے درجے میں ہو جائیں گے اور یقین کیا جا سکے گا کہ واقعی مورث مر چکا ہے۔ اور ورثہ کی تعداد اتنی ہی ہے۔ اور اگر مطالبہ کرنے والا ایک آدمی ہو تو یقین نہیں کیا جا سکتا ہے کہ مورث کی موت ہو چکی ہے۔ اور ورثہ کی تعداد اتنی ہی ہے۔ کیونکہ شہادت کی تعداد ایک نہیں ہوتی دو ہوتی ہے (۲) ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ایک مدعی اور دوسرا مدعی علیہ کے درجے میں ہوگا۔ میت جو غائب ہے اس غائب کے خلاف فیصلہ نہیں ہوگا کیونکہ غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی مشترک غلام آزاد کرے اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ غلام کی قیمت ہو جائے تو اس پر غلام کی عادل قیمت لگائی جائے گی۔ اور اس کے شریکوں کو ان کے حصے دیئے جائیں گے۔ اور پورا غلام آزاد کرنے والے پر آزاد ہوگا۔

للغائب و کیلا یقبض نصیبه[۲۹۵۰](۱۹) وان کانوا مشتریین لم یقسم مع غیبة احدهم.

دوسرا آدمی مدعی علیہ حاضر کے درجے میں ہو جائے گا۔
گھر مطالبہ کرنے والوں کے قبضہ میں ہو تب تقسیم کیا جائے گا۔
وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ ہونا اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ مورث مرا ہے اور یہ لوگ واقعی اس گھر کے وارث ہیں۔ کیونکہ غائب وارث کا قبضہ ہو تو شبہ ہو سکتا ہے کہ کسی اور کا گھر ہے جس کے بارے میں قاضی صاحب کو چکما دے کر اپنے لئے تقسیم کروانا چاہتے ہیں۔لیکن چونکہ گھر مطالبہ کرنے والے کے ہاتھ میں ہے اس لئے قرینہ یہی ہے کہ گھر ان ہی کے مورث کا ہے۔
غائب کے لئے وکیل متعین کرے۔
وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ غائب کی امانت ہے اس لئے اس کی حفاظت کرنا اور اس تک پہنچانا قاضی کا کام ہے (۲) آیت میں موجود ہے۔ان الله یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان الله نعما یعظکم به (الف) (آیت ۵۸، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ امانت والوں کو امانت پہنچاؤ۔اور یہ بھی ہے کہ صحیح فیصلہ کیا کرو۔اور یہ امانت اسی صورت میں پہنچے گی کہ غائب کے لئے وکیل متعین کیا جائے۔
اس طرح فیصلہ کرنے اور تقسیم کرنے میں حاضرین کا فائدہ ہے کہ ان کو جلدی حق مل گیا اور غائب کا بھی فائدہ ہے کہ وکیل کے ذریعہ اس کا حق محفوظ ہو گیا۔
اصول یہ تین مسئلے اس اصول پر متفرع ہیں کہ قرینے سے معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ سچ بول رہے ہیں اور حق مطالبہ ہے تو مال تقسیم کر دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

[۲۹۵۰](۱۹) اور اگر وہ خریدنے والے تھے تو ان میں سے ایک کی غیر حاضری میں تقسیم نہیں کی جائے گی۔
تشریح مثلا تین آدمیوں نے مل کر ایک گھر خریدا۔ پھر دو آدمی ملکر قاضی کے پاس آئے کہ مجھے تقسیم کر کے دیں۔اور ایک خریدار غائب ہے تو قاضی گھر تقسیم نہ کرے۔
وجہ وراثت کی شکل میں مال میت کا تھا جب تک تقسیم کر کے نہ دیں، وارثین اس کی حفاظت میں لاپرواہی کریں گے اس لئے اس کو جلدی تقسیم کر کے دینا ضروری ہے۔اور خریدے ہوئے مال کی ضیاع کا خریدار کو فکر ہے اس لئے اس کو جلدی تقسیم کرنا ضروری نہیں جب تک کہ غائب نہ آجائے (۲) غائب کا اپنا لگایا ہوا مال ہے۔اس لئے یہ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ حصہ لگایا ہو اور حاضرین چکما دے کر زیادہ لے لینا چاہتا ہو اس لئے غائب کی حاضری کے بعد پتا چلے گا کہ اس کا حصہ کتنا ہے۔اس لئے اس کی حاضری کے بغیر تقسیم نہ کرے (۳) یہ نکتہ بھی ہے کہ مورث دنیا سے جا چکا ہے اس لئے وارث اس کی جانب سے خصم ہوں گے اس لئے قضا علی الغائب نہیں ہوگا۔اور خریدنے کی شکل میں غائب آدمی دنیا

حاشیہ : (الف) اللہ تعالی تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانت والے کو امانت پہنچاؤ، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔اللہ تعالی تمہیں اچھی نصیحت کرتے ہیں۔

[۲۹۵۱](۲۰) وان کان العقار فی ید الوارث الغائب او شیء منه لم یقسم [۲۹۵۲]
(۲۱) وان حضر وارث واحد لم یقسم[۲۹۵۳](۲۲) واذا کانت دور مشترکة فی مصر

میں موجود ہے اس لئے اس کی جگہ کوئی خصم نہیں بن سکے گا۔ اس لئے اس کی غیوبت میں فیصلہ کریں تو قضا علی الغائب ہوگا جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے یہاں ایک آدمی بھی غائب ہو تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

[۲۹۵۱](۲۰) اگر زمین غائب وارث کے قبضے میں ہو یا اس کا کچھ حصہ ہو تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

وجہ جب پوری زمین یا اس کا کچھ حصہ غائب وارث کے قبضے میں ہو تو یہ قرینہ ہے کہ یہ زمین حاضر آدمیوں کی نہیں ہے۔ اگر یہ وارث ہوتے یا اس کی زمین ہوتی تو زمین اس کے قبضے میں ہونی چاہئے۔ لیکن ان کے قبضے میں نہیں ہے اس لئے تقسیم بھی نہیں ہوگی (۲) دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر تقسیم کرتے ہیں تو قضا علی الغائب ہوگی جو جائز نہیں۔ اس لئے بھی تقسیم نہیں کی جائے گی۔

[۲۹۵۲](۲۱) اگر ایک وارث حاضر ہو تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

تشریح مثلا تین وارث تھے ان میں سے صرف ایک حاضر ہوا اور تقسیم کا مطالبہ کیا تو مال تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

وجہ ایک آدمی شہادت کی تعداد پوری نہیں کرتا اس لئے اس کی بات نہیں سنی جائے گی (۲) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مورث تو ہے نہیں اس لئے قاضی کے یہاں مدعی اور دوسرا مدعی علیہ چاہئے۔ اگر دونوں ہوتے تو ایک کو مدعی مانتا اور دوسرے کو مورث کی جانب سے وکیل مان کر حاضر مدعی علیہ مان لیا جاتا اور فیصلہ ہو جاتا تاکہ غائب پر فیصلہ نہ ہو۔ اور یہاں ایک ہی مطالبہ کرنے والا ہے اس لئے اس کو زیادہ سے زیادہ مدعی مانیں گے۔ لیکن مدعی علیہ حاضر نہیں ہے اس لئے نہ فیصلہ ہوگا اور نہ مال تقسیم ہوگی۔

اصول اصول گزر چکا ہے کہ سچ بولنے کا قرینہ ہو اور قضا کی کاروائی کے مطابق ہو تو تقسیم ہوگی ورنہ نہیں۔

[۲۹۵۳](۲۲) اگر ایک ہی شہر میں کئی گھر مشترک ہوں تو ہر ایک کو الگ الگ تقسیم کیا جائے گا امام ابو حنیفہؒ کے قول میں۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مناسب ہو ان کے لئے بعض کو بعض میں تقسیم کرنا تو تقسیم کر دی جائے۔

تشریح مثلا تین گھر ہیں۔ ایک کی قیمت پندرہ ہزار درہم جو مسجد کے قریب ہے۔ دوسرے کی قیمت دس ہزار درہم جو گاؤں کی مشرقی جانب ہے۔ اور تیسرا گھر پانچ ہزار درہم کا ہے جو گاؤں سے تھوڑا دور ہے۔ البتہ تینوں مکان کمرے اور ساخت کے اعتبار سے قریب قریب ہیں۔ اور تین حصے دار ہیں۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکان علیحدہ علیحدہ تقسیم ہوں گے یعنی مسجد والے مکان میں بھی تینوں کا حصہ ہوگا اور مشرقی گھر میں بھی تینوں کا اور گاؤں سے جو دور ہے اس میں بھی تینوں کا حصہ ہوگا۔ اور تینوں مکانوں کی قیمت لگا کر توافق کریں گے۔ مثلا جس کو گاؤں سے دور والا مکان ملے گا جس کی قیمت صرف پانچ ہزار ہے اس کو مکان کے علاوہ پانچ ہزار درہم بھی دلوایا جائے گا۔ اور جو آدمی مسجد کے قریب والا مکان لے گا جس کی قیمت پندرہ ہزار ہے وہ پانچ ہزار درہم گاؤں سے دور والے کو دے تاکہ توافق ہو جائے۔ ایسا نہیں کیا جائے گا کہ تینوں کو ایک ایک مکان ظاہری برابری کی بنیاد پر تقسیم کر دے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مکان کے محل وقوع کی وجہ سے قیمت میں فرق پڑتا ہے۔ مثلا پڑوسی اچھے ہوں۔ مسجد قریب ہو تو مکان کی قیمت بڑھ جاتی

واحد قسمت کل دار علی حدتها فی قول ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله تعالی ان کان الاصلح لهم قسمة بعضها فی بعض قسمها[۲۹۵۴](۲۳) وان کانت دار وضیعة او دار وحانوت قسم کل واحدة علی حدته [۲۹۵۵] (۲۴) وینبغی للقاسم ان یصوّر

ہے۔اوراس کے خلاف ہوتو مکان کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔اس لئے ظاہری برابری کے علاوہ باطنی خوبیوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا۔اوراس کے اعتبار سے قیمت لگے گی۔

اصول حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک باطنی خوبیوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا، ہاں! تینوں حصے دار ایک ایک مکان لینے پر راضی ہو تو اس طرح بھی تقسیم کر دے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کو قاضی کی رائے پر چھوڑ دے۔اگر ان کے لئے یہی مناسب ہو کہ تینوں کو ایک ایک مکان دیدے اور اوپر سے کوئی رقم نہ دے تو قاضی کو اس کا بھی اختیار ہے چاہے حصہ دار اس پر راضی نہ ہوں۔اور اس کا بھی اختیار ہے کہ ہر ہر مکان میں تینوں کا حصہ ڈالے، پھر ہر مکان کی قیمت لگا کر توافق کرے۔

اصول صاحبینؒ کے نزدیک ظاہری برابری کو ملحوظ رکھا جائے گا باطنی خوبیوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جائے گی۔

[۲۹۵۴] (۲۳) اگر مکان اور زمین ہوں یا مکان اور دکان ہوں تو ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کرے۔

تشریح مثلا دو حصے دار ہیں اور مالیت میں ایک مکان اور زمین ہے۔تو مکان میں بھی دونوں کو حصہ دیں اور زمین میں بھی دونوں کو حصہ دیں۔ ہاں! اگر ایک آدمی صرف مکان لینے پر اور دوسرا آدمی صرف زمین لینے پر راضی ہو جائے تو ٹھیک ہے۔

وجہ مکان الگ جنس ہے اور زمین الگ جنس ہے اور دونوں کی قیمتوں میں بہت فرق ہوتا ہے اس لئے بالاتفاق مکان میں بھی دونوں کا حصہ ہوگا اور زمین میں بھی دونوں کا حصہ ہوگا۔اور یہ گویا کہ تبدیل اور خرید ہوگی۔اس لئے دونوں کی قیمت لگا کر توافق کیا جائے گا۔مثلا مکان کی قیمت دس ہزار ہے اور زمین کی قیمت پانچ ہزار ہے۔تو مکان لینے والے پر زمین لینے والے کو ڈھائی ہزار دینا ہوگا۔یہی حال مکان اور دکان کا ہے کہ دونوں دو جنس ہیں۔ **عن عبایة بن رفاعة بن رافع بن خدیج عن جده قال کنا مع النبی ﷺ بذی الحلیفة ... ثم قسم فعدل عشرة من الغنم ببعیر** (الف) (بخاری شریف، باب قسمة الغنم ص ۳۳۸، نمبر ۲۴۸۸) اس حدیث میں بکری الگ جنس ہے اور اونٹ الگ جنس ہے اس لئے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر کیا۔پس کسی کو ایک اونٹ دیا تو اس سے توافق کرنے کے لئے دوسرے کو دس بکریاں دی۔اسی طرح مکان اور دکان کا حال ہوگا۔

[۲۹۵۵] (۲۴) تقسیم کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ جس کو تقسیم کرے اس کا نقشہ بنائے اور برابر کر کے ناپ لے اور عمارت کی قیمت لگالے، اور ہر ایک کا حصہ جدا کر لے باقی سے اس کے راستے اور نالی کے ساتھ، تاکہ ایک کے حصے کا دوسرے سے تعلق باقی نہ رہے۔پھر ان کا

حاشیہ : (الف) ہم حضورؐ کے ساتھ ذی الحلیفہ میں تھے... پھر تقسیم فرمائی اور دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر فرمایا۔

مایقسمه ویعدله ویذرعه ویقوّم البناء ویفرز کل نصیب عن الباقی بطریقه وشربه حتی لایکون لنصیب بعضهم بنصیب الآخر تعلقٌ ثم یکتب اسامیهم و یجعلها قرعة [۲۹۵۶] (۲۵) ثم یلقب نصیبا بالاول والذی یلیه بالثانی والذی یلیه بالثالث وعلی هذا ثم یخرج

نام لکھ لے اور اس کا قرعہ بنا لے۔

تشریح بہت سی چیزوں کو تقسیم کرنا ہے اس لئے ان کو صحیح تقسیم کرے۔ اور سہولت ہو تو اس کے لئے یہ طریقہ بہتر ہے کہ جن چیزوں کو تقسیم کرنا ہے ان کا پورا نقشہ بنا لے، زمین وغیرہ ہو تو اس کی پیائش کرے اور ہر ٹکڑے کو برابر ناپ لے۔ عمارت ہو تو اس کی قیمت لگائے اور مکان اور زمین کے ہر حصے کو اس کے راستے اور نالی کے ساتھ الگ الگ کرے تا کہ گھر سے نکلنے میں یا زمین کو سیراب کرنے میں دوسرے سے کوئی تعلق نہ رہے اور آگے چلکر جھگڑا نہ پڑے۔ پھر ہر ایک حصے کا نام لکھ لے اور اس کا قرعہ بنا لے تا کہ قرعہ ڈالنے میں آسانی ہو۔

وجہ حدیث میں ہے حضورؐ نے خیبر کی زمین کا چھتیس سو ٹکڑے فرمائے تھے۔ حدیث یہ ہے۔ عن بشیر بن یسار مولی الانصار عن رجال من اصحاب النبی ﷺ ان رسول اللہ ﷺ لما ظهر علی خیبر قسمها علی ستة وثلاثین سهما جمع کل سهم مائة سهم الخ (الف) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ج ۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۱۲) اس حدیث میں ہے کہ خیبر کی زمین کے چھتیس حصے کئے اور ہر حصے کے ساتھ ایک سو حصے تھے جس کا مجموعہ چھتیس سو حصے ہوئے۔ اور ان میں سے آدھے کو پندرہ سو مجاہدین پر تقسیم فرمایا جس میں سے پیدل کو ایک حصہ اور گھوڑے سوار کو دو حصے عنایت فرمایا، مجموعہ اٹھارہ سو حصے ہوئے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ کس طرح زمین کے حصے بنائے۔

لغت شرب: پانی جانے کی نالی، نصیب: حصہ۔

[۲۹۵۶] (۲۵) اور ایک حصے کا نام پہلے رکھے اور جو اس سے متصل ہو اس کا دوسرا اور جو اس کے متصل ہے تیسرا اسی طرح لکھتے جاؤ، پھر قرعہ نکالے، پس جسکا نام پہلے نکلے اس کے لئے پہلا حصہ اور جس کا نام دوسرے مرتبہ میں نکلے اس کے لئے دوسرا حصہ۔

تشریح جتنے حصے ہوں سب پر نمبر لگائے ایک، دو، تین، چار کر کے۔ پھر قرعہ نکالے جس کا نام پہلے نکلے اس کو پہلا حصہ دیدے۔ جس کا نام دوسری مرتبہ نکلے اس کو دوسرا حصہ دے۔ جس کا نام تیسری مرتبہ میں نکلے اس کو تیسرا حصہ دے اسی طرح کرتا چلا جائے۔

وجہ اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن ایسا اس لئے کرے تا کہ حصے دار یہ نہ کہے کہ قاضی نے فلاں کی طرفداری کی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ بیوی کو سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ ڈالتے تھے اور جس کا نام نکلتا تھا ان کو ساتھ لے جاتے تھے۔ عن عائشةؓ ان النبی ﷺ کان اذا سافر اقرع بین نسائه (ب) ابن ماجہ شریف، باب القضاء بالقرعة) دوسری روایت میں ہے کہ غلام کی تقسیم قرعہ سے کی۔

حاشیہ: (الف) حضورؐ نے جب خیبر پر فتح پائی تو اس کو چھتیس ٹکڑوں میں تقسیم کیا اور ہر ٹکڑے میں سو حصے تھے (ب) آپؐ جب سفر فرماتے تو بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے۔

القرعة فمن خرج اسمه اولا فله السهم الاول ومن خرج ثانیا فله السهم الثانی [۲۹۵۷]
(۲۶) ولا یُدخل فی القسمة الدراهم والدنانیر الا بتراضیهم[۲۹۵۸] (۲۷) فان قسم

عن عمران بن حصین ان رجلا کان له ستة مملوکین لیس له مال غیرهم فاعتقهم عند موته فجزاء هم رسول الله ﷺ فاعتق اثنین وارق اربعة (الف) (ابن ماجہ شریف، باب القضاء بالقرعۃ، ص ۳۳۶، نمبر ۲۳۴۵/۲۳۴۷ر بخاری شریف، باب ھل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ، ص ۳۳۹، نمبر ۲۴۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اطمینان قلب کے لئے قرعہ سے نام نکالا جا سکتا ہے۔

لغت السھم : حصہ

[۲۹۵۷] (۲۶) اور تقسیم میں داخل نہیں ہوں گے دراہم اور دینار مگر حصہ داروں کی رضامندی سے۔

تشریح مثلا ایک مکان ہے اور دس ہزار درہم ہے اور دو حصے دار ہیں۔ اس لئے مکان میں دونوں کو آدھا آدھا حصہ ملنا چاہئے اور درہم میں بھی آدھا آدھا یعنی پانچ پانچ ہزار ملنا چاہئے۔ لیکن ایک حصے دار کو مکان میں سے آدھا سے زیادہ دیدے اور اس کے بدلے دوسرے حصے دار کو پانچ ہزار درہم کے بجائے سات ہزار درہم دیدے تاکہ یہ دو ہزار مکان کی زیادتی کے بدلے میں ہو جائے تو یہ دونوں کی رضامندی کے بغیر قاضی نہیں کر سکتا۔ ہاں دونوں اس پر راضی ہوں تو درست ہے۔

وجہ مکان الگ جنس ہے اور درہم دینار الگ جنس ہیں۔ اس لئے مکان کے ایک حصے کے بدلے میں درہم دے یہ تبدیل اور خریدنا ہے۔ تمیز اور افراز نہیں ہے۔ اور بیع اور تبدیل کے لئے دونوں کی رضامندی چاہئے۔ اس لئے یہاں بھی دونوں کی رضامندی چاہئے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض مکان اہم ہوتا ہے اس طرح کا مکان پھر نہیں مل سکتا اس لئے جس کو مکان کا حصہ زیادہ دیا جائے گا وہ خوش ہوگا اور دوسرا افسوس کرے گا۔ اور بعض مرتبہ درہم کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس سے فوری طور پر کچھ خرید سکتا ہے اس لئے جس کو درہم ملے گا وہ خوش ہوگا۔ اس لئے ایسی صورت حال میں تبدیل کے لئے دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ البتہ مکان کا بعض حصہ ایسا ہو کہ اس کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے، لازمی طور پر ایک کو زیادہ دینا پڑ رہا ہے تو ایسی مجبوری کے درجے میں قاضی کو اختیار ہے کہ ایک کو مکان زیادہ دیدے اور اس کے بدلے میں دوسرے کو درہم یا دینار زیادہ دیدے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ سمعت النعمان بن بشیرؓ عن النبی ﷺ قال مثل القائم علی حدود الله والواقع فیها کمثل قوم استهموا علی سفینة فاصاب بعضهم اعلاها وبعضهم اسفلها (ب) (بخاری شریف، باب ھل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ، ص ۳۳۹، نمبر ۲۴۹۳) اس حدیث میں سب کو کشتی کے اوپر کے حصے نہیں دیئے اور نہ سب کو کشتی کے نیچے کے حصے دیئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجبوری کے درجے میں تبدیل کی جا سکتی ہے۔

[۲۹۵۸] (۲۷) پس اگر مکان تقسیم کر دیا گیا ورثہ کے درمیان اور ان میں سے ایک کی نالی پڑ جائے دوسرے کی ملکیت میں یا راستہ ہو جائے

حاشیہ : (الف) حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کے چھ غلام تھے اور ان کے علاوہ کوئی مال نہیں تھا اور انہوں نے موت کے وقت ان سبھوں کو آزاد کر دیا تو حضورؐ نے ان کا حصہ کیا اور دو کو آزاد کیا اور چار کو غلام برقرار رکھا (ب) آپؐ نے فرمایا جو اللہ کی حدود پر قائم ہے اور جو اللہ کی حدود میں واقع ہے ایسا ہے کہ ایک قوم نے کشتی میں قرعہ ڈالا پس بعض کو اوپر کا حصہ ملا اور بعض کو نیچے کا حصہ۔

بینهم ولاحدهم مسیل فی ملک الآخر او طریق لم یشترط فی القسمة فان امکن صرف الطریق والمسیل عنه فلیس له ان یستطرق ویسیل فی نصیب الآخر وان لم یکن فُسخت القسمة[۲۹۵۹](۲۸) واذا کان سفل لا علوَ له او عُلو لا سفلَ له او سفل له علو قوِّم کل

جس کی تقسیم میں شرط نہیں لگائی گئی تھی۔ پس اگر راستہ اور نالی کا اس سے پھیرنا ممکن ہو تو حصہ دار کے لئے جائز نہیں ہے کہ راستہ یا نالی نکالے دوسرے کے حصے میں۔ اور اگر اس سے ہٹانا ممکن نہ ہو تو تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

تشریح تقسیم کا قاعدہ یہ ہے کہ مکان کے ساتھ نکلنے کا راستہ بھی دوسرے حصے داروں کے راستے سے بالکل جدا ہو۔ اسی طرح زمین کی تقسیم کا قاعدہ یہ ہے کہ پانی پلانے کی نالی دوسرے حصہ داروں سے جدا ہو۔ اور اگر مجبوری ہو تو تقسیم کے وقت ہی شرط لگادے کہ یہ مکان والا فلاں کے راستے سے گزرے گا یا یہ زمین والا فلاں کی نالی سے پانی پلائے گا۔ تاکہ بعد میں جھگڑا نہ ہو۔ لیکن ایسی کوئی شرط نہیں لگائی پھر بھی ایک آدمی کی نالی دوسرے کے حصے سے گزر رہی ہے یا ایک آدمی کا راستہ دوسرے کے حصے میں ہو کر جاتا ہے۔ پس اگر نالی مالک زمین کے حصے سے گزرنے کا امکان ہو اور گزر سکتی ہو تو دوسرے کی زمین سے نہ گزارے بلکہ اپنے حصے میں نالی کھودے اور وہاں سے پانی پلائے۔ اسی طرح اپنے حصے میں راستہ نکالے اور اس پر چلے تاکہ آگے چل کر جھگڑا نہ پڑے۔ لیکن اگر اپنی زمین سے نالی نہ نکال سکتا ہو یا اپنے حصے میں سے راستہ نہ نکال سکتا ہو تو یہ تقسیم ٹوٹ جائے گی۔ قاسم دوبارہ اس طرح تقسیم کرے کہ اپنی زمین میں نالی اور راستہ بن سکے۔

وجہ بغیر شرط اور بغیر رضامندی کے ایک کا حصہ دوسرے میں چلا جائے اچھی بات نہیں ہے، جھگڑے کا باعث ہے (۲) لاضرر ولا ضرار کے خلاف ہے کیونکہ اس تقسیم سے دوسرے فریق کو ہمیشہ نقصان ہوتا رہے گا (۳) آیت میں ایسی تقسیم کو برا فیصلہ کہا گیا ہے۔ آیت یہ ہے۔ **وجعلوا لله مما ذرأ من الحرث والانعام نصیبا فقالوا هذا لله بزعمهم وهذا لشرکائنا فما کان لشرکائهم فلا یصل الی الله وما کان لله فهو یصل الی شرکائهم ساء ما یحکمون** (الف) (آیت ۱۳۶، سورۃ الانعام ۶) اس آیت میں کفار اللہ کا حصہ بتوں کو دیتے تھے تو اللہ نے فرمایا یہ کیسا برا فیصلہ ہے۔ یہاں بھی ایک آدمی کے حصے میں دوسرے کا راستہ نکالا گیا یہ بھی فیصلہ اچھا نہیں ہے اس لئے ایسی تقسیم ٹوٹ جائے گی۔ دوبارہ ایسی تقسیم کرے کہ ایک کا راستہ یا نالی دوسرے کی زمین میں نہ ہو۔

لغت مسیل : سیل سے مشتق ہے، پانی پلانے کی نالی، اسی سے ہے یسیل، پانی بہے۔

[۲۹۵۹] (۲۸) اور اگر نچلا مکان ہو جس کا بالاخانہ نہ ہو، اور بالاخانہ ہو جس کا نچلا مکان نہ ہو۔ اور نچلا مکان ہو جس کا بالاخانہ بھی ہو تو ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ قیمت لگائے اور تقسیم کرے قیمت کے ذریعہ، اور اعتبار نہیں ہوگا اس کے علاوہ کا۔

تشریح بالاخانے کی قیمت نچلے مکان سے کم ہوتی ہے۔ کیونکہ نیچے کے مکان میں اصطبل بنا سکتے ہیں، دوکان بنا سکتے ہیں، بغیر سیڑھی کے

حاشیہ : (الف) اللہ نے جو کھیتی اور چوپایہ دیا اس میں سے حصہ کرتے ہیں اپنے گمان سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لئے ہے۔ پس جو حصہ ان کے شرکاء کے لئے ہو وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لئے ہو وہ ان کے شرکاء تک پہنچتا ہے۔ یہ بہت برا فیصلہ ہے۔

واحد علی حدته وقسم بالقیمة ولا یعتبر بغیر ذلک[۲۹۶۰](۲۹) واذا اختلف

کمرے میں جاسکتے ہیں۔اور اگر دیوار گر جائے تو پھر بھی زمین باقی رہتی ہے۔جبکہ بالا خانے میں اصطبل نہیں بنا سکتے، دوکان بنانا بھی مشکل ہے، بغیر سیڑھی کے کمرے میں نہیں جا سکتے۔اور اگر دیوار گر جائے تو بالا خانے کی زمین بھی ہاتھ نہیں آئے گی۔اس لئے بالا خانے کی قیمت کم ہے اور نچلے مکان کی قیمت زیادہ ہے۔بغیر حصہ داروں کی رضامندی کے ایک کو بالا خانہ دے دینا اور دوسرے کو اتنا ہی لمبا چوڑا نچلا مکان دے دینا درست نہیں ہے۔بلکہ ہر ایک کی قیمت علیحدہ علیحدہ لگائیں اور اس سے توافق کریں۔

وجہ ایسے موقع پر قیمت لگانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابی ھریرةؓ عن النبی ﷺ قال من اعتق شقیصا من مملوکه فعلیه خلاصه فی ماله فان لم یکن له مال قوم المملوک قیمة عدل ثم استسعی غیر مشقوق علیه (الف)** (بخاری شریف، باب تقویم الاشیاء بین الشرکاء بقیمة عدل، ص ۳۳۹، نمبر ۲۴۹۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیمت لگا کر بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ بھی ہے کہ بالا خانے کی قیمت نچلے مکان سے آدھی ہونی چاہئے۔چنانچہ اگر کسی کو نچلا مکان دس گز دیا تو دوسرے کو صرف بالا خانہ دینا ہو تو بیس گز دیں تب دونوں کے حصے برابر ہوں گے۔

اصول وہ باطنی خوبیوں کا بھی اعتبار کرتے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں مکان ہیں اس لئے ایک جنس ہی ہیں۔اس لئے بالا خانہ اور نیچے کا مکان برابر ہوں گے۔اس لئے اگر نیچے کا مکان کسی حصے دار کو دس گز والا دیا تو اوپر والے کو بھی دس گز والا دیں تب بھی برابر شمار کیا جائے گا۔

وجہ دونوں رہائش کے اعتبار سے برابر ہیں اس لئے گز سے برابر کر دینا کافی ہے۔

اصول پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ صرف ظاہری برابری کافی سمجھتے ہیں کما قال فی الہدایۃ، کتاب القسمۃ، ص ۴۱۸)

لغت سفل : نیچے کا مکان، علو : دوسری منزل کا مکان، بالا خانہ۔

[۲۹۶۰](۲۹) اگر اختلاف کیا تقسیم کرانے والوں نے، پس گواہی دی تقسیم کرنے والوں نے تو دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح جن لوگوں نے تقسیم کروایا تھا انہوں نے اختلاف کیا کہ ہم نے اپنے حصوں پر قبضہ نہیں کیا ہے۔اور تقسیم کرنے والے دو قاسم نے گواہی دی کہ ان لوگوں نے اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کر لیا ہے۔تو تقسیم کرنے والوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ یہاں دو نکتے ہیں اس لئے دونوں کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔ایک نکتہ یہ ہے کہ تقسیم کرنے والے گواہی دے کر دبے زبان اپنا مطلب بھی نکال رہے ہیں کہ ہم نے تقسیم کا کام کیا ہے اس لئے ہم لوگ اجرت کے مستحق ہیں، اور داد کے مستحق ہیں۔اس اعتبار سے یہ لوگ اپنے لئے گواہی دے رہے ہیں۔اور اپنے لئے گواہی مقبول نہیں اس لئے قاسم کی گواہی مقبول نہیں ہونی چاہئے۔اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ تقسیم کرانے والوں کے خلاف گواہی دے رہے ہیں کہ ان لوگوں نے واقعی اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کیا ہے اس اعتبار سے دوسرے کے خلاف گواہی ہوئی

حاشیہ : (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا تو اس کے مال میں اس کا چھٹکارا دلوانا ہے۔پس اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی انصاف والی قیمت لگائی جائے گی۔پھر وہ سعایت کر کے ادا کرے گا جو اس پر مشقت نہ ہو۔

المتقاسمون فشهدالقاسمان قُبلت شهادتهما [۲۹۶۱] (۳۰) وان ادّعی احدهم الغلط وزعم انه مما اصابه شیء فی ید صاحبه وقد اشهد علی نفسه بالاستیفاء لم یصدق علی ذلک الا ببینة[۲۹۶۲](۳۱) وان قال استوفیتُ حقی ثم قال اخذتُ بعضه فالقول قول

،اس لئے ان کی گواہی قبول کی جائے۔کیونکہ اپنے لئے گواہی نہیں دی۔اور یہی نکتہ راجح ہے اس لئے ان کی گواہی قبول کی جائے گی،کیونکہ گواہی دینے کا اصل مقصد یہی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل مقصد دوسرے کے خلاف گواہی دینی ہو لیکن پس پردہ اپنے لئے بھی گواہی ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔گواہی قبول کر لی جائے گی۔

[۲۹۶۱] (۳۰) حصے دار میں سے ایک نے دعوی کیا غلطی کا اور کہے کہ میرا کچھ حصہ دوسرے کے قبضے میں ہے اور اپنی ذات پر گواہی دی وصول کرنے کی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر بینہ کے ساتھ۔

تشریح ایک حصے دار دعوی کرتا ہے کہ قاسم نے تقسیم صحیح نہیں کی اور میرا کچھ حصہ فلاں حصے دار کے قبضے میں چلا گیا،ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ اپنا حصہ وصول کر لیا۔تو یہاں اس کے باتوں میں تضاد ہے اس لئے تقسیم کرنے کی خامی پر گواہی دلوائے تب اس کی بات مانی جائے گی۔

وجہ جب یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنا حصہ وصول کر لیا تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ وصول کرتے وقت سمجھتا تھا کہ قاسم نے صحیح تقسیم کی ہے تب ہی تو حصہ وصول کرتے وقت کچھ نہیں بولا اور تقسیم کے صحیح ہونے کو تسلیم کر لیا۔اب بعد میں کہتا ہے کہ تقسیم صحیح نہیں ہوئی اور میرا کچھ حصہ دوسرے کے ہاتھ میں چلا گیا تو اس کی باتوں میں تضاد ہے اس لئے تقسیم صحیح نہ ہونے پر دو گواہ پیش کرے گا تب اس کی بات مانی جائے گی اور تقسیم توڑ کر دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔ہاں! حصہ وصول کرنے سے پہلے کہتا کہ یہ تقسیم صحیح نہیں ہوئی تو بغیر بینہ کے بھی اس کی بات مان لی جاتی۔

اصول مدعی کی بات میں تضاد ہو تو بینہ کے بغیر بات نہیں مانی جاے ءگی۔

لغت استیفاء : وفی سے مشتق ہے،وصول کرنا۔

[۲۹۶۲] (۳۱) اور اگر کہے کہ میں نے اپنا حق لے لیا ہے،پھر کہے کہ میں نے اس کا کچھ حصہ لیا ہے تو مد مقابل کے قول کا اعتبار ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔

وجہ یہاں بھی مدعی کے قول میں تضاد ہے۔پہلے کہتا ہے کہ اپنا حق لے لیا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ پورا حق لے لیا۔اور پورا حق لینے کا اقرار کر لے پھر بعد میں کہے کہ بعض حق لیا ہے تو یہ تضاد ہے اس لئے بعض ہی لینے پر بینہ قائم کرنا چاہئے۔اور اس کے پاس صرف بعض ہی لینے پر بینہ قائم نہیں ہے اس لئے مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی (۲) حدیث گزر چکی ہے کہ مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔ کتب ابن عباسؓ الیّ ان النبی ﷺ قضی بالیمین علی المدعی علیه (الف) (بخاری شریف،

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ نے مجھے یہ بات لکھی کہ حضورؐ نے مدعی علیہ پر قسم کے ذریعہ فیصلہ کیا۔

خصمه مع یمینه[۲۹۶۳](۳۲) وان قال اصابنی الی موضع کذا فلم یسلمه الیَّ ولم یشهد علی نفسه بالاستیفاء و کذَّبه شریکه تحالفا وفُسخت القسمة[۲۹۶۴](۳۳) وان استحق بعض نصیب احدهما بعینه لم تُفسخ القسمة عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی و

باب الیمین علی المدعی علیه فی الاموال والحدود، ص ۳۶۶، نمبر ۲۶۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ پر قسم ہے۔

لغت فالقول قول خصمہ مع یمینہ : کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے تب مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

[۲۹۶۳](۳۲) اور اگر کہا کہ مجھ کو فلاں جگہ تک پہنچانا چاہئے اور اس نے مجھ کو وہاں جا کر سپرد نہیں کیا اور اپنی ذات پر وصول کرنے کی گواہی نہیں دی۔ اور اس کے شریک نے جھٹلایا تو دونوں قسم کھائیں گے تو تقسیم توڑ دی جائے گی۔

تشریح شریک میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ میرا حصہ فلاں جگہ تک پہنچانے کا وعدہ تھا لیکن وہاں تک نہیں پہنچایا۔ اور یہ بھی کہا کہ میں نے اپنا حق ابھی تک وصول نہیں کیا ہے اور اس کے اوپر حق وصول کرنے کی گواہی نہیں دی۔ اور اس کا شریک اس کی تکذیب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں جگہ تک اس کا حصہ پہنچا دیا گیا ہے۔ یا یوں کہا کہ فلاں جگہ تک پہنچانے کا وعدہ نہیں تھا۔ اور دونوں کے پاس بینہ نہیں ہے اس لئے دونوں قسمیں کھائیں پھر تقسیم توڑ دی جائے اور دوبارہ تقسیم کرے۔

وجہ جب مدعی نے حصہ وصول کرنے کا اقرار نہیں کیا تو شروع سے تقسیم کو تسلیم ہی نہیں کیا اس لئے مدعی کی بات میں تضاد نہیں ہے اس لئے تقسیم توڑ دی جائے گی اور دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔ رہ گئی بات فلاں جگہ تک حصہ پہنچانے کی تو اس میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہیں۔ اور کسی کے پاس بینہ نہیں ہے اس لئے دونوں قسمیں کھائیں اور تقسیم توڑ دیں۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدعی کی بات میں تضاد نہ ہو اور کسی حرکت سے تقسیم کو تسلیم نہ کیا ہو تو تقسیم توڑی جا سکتی ہے۔

لغت اصاب الی موضع : مجھ کو فلاں جگہ تک پہنچائے، یا فلاں جگہ پر ملے۔

[۲۹۶۴](۳۳) اگر دونوں میں سے ایک کا خاص حصہ مستحق نکل جائے تو تقسیم نہیں ٹوٹے گی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور رجوع کرے گا اس حصے کا اپنے شریک کے حصے سے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

تشریح مثلا ایک ہزار مالیت کی چیز تھی جس میں زید اور خالد حصے دار تھے۔ دونوں نے پانچ پانچ سو کی مالیت تقسیم کر کے لے لی۔ بعد میں زید کے حصے سے کسی خاص چیز میں دو سو مالیت کی چیز عمر کی نکل گئی اور عمر نے دو سو مالیت کی چیز لے لی۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس خاص جگہ میں کسی کے حصے نکلنے سے تقسیم نہیں ٹوٹے گی اور دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ البتہ زید کو یہ حق ہوگا کہ دو سو میں سے ایک سو اس کا گیا اور ایک سو شریک یعنی خالد کے حصے میں گیا اس لئے ایک سو کی مالیت خالد سے وصول کرے۔

وجہ خاص چیز میں کسی کا حصہ نکلا ہے تو اس خاص چیز کی قیمت لگا کر شریک سے وصول کر سکتا ہے۔ اس لئے تقسیم توڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

رجع بحصة ذلک من نصیب شریکه وقال ابو یوسفؒ تُفسخ القسمة.

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تقسیم ٹوٹ جائے گی اب دوبارہ تقسیم کرائے۔

وجہ زید نے تقسیم کے وقت سمجھا تھا کہ یہ پورا حصہ میرا ہے۔اب عمر کے لینے کی وجہ سے وہ حصہ چھوٹا ہو گیا جس کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اس کو نقصان ہو۔اور خالد سے جو حصہ ملے گا وہ دوسری جگہ سے ملیگا جس پر ممکن ہے کہ گھاٹا ہو اس لئے اس عدم رضامندی کی وجہ سے تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

﴿کتاب الاکراہ﴾

[۲۹۶۵](۱)الاکراہ یثبت حکمہ اذا حصل ممن یقدر علی ایقاع ما توعد بہ سلطانا کان

﴿کتاب الاکراہ﴾

ضروری نوٹ کسی آدمی پر زبردستی کر کے کسی کام کے کروانے کو اکراہ کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (الف)(آیت ۱۰۶،سورۃ النحل ۱۶) دوسری آیت میں ہے۔لا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوۃ الدنیا ومن یکرھھن فان اللہ من بعد اکراھھن غفور رحیم (ب)(آیت ۳۳،سورۃ النور ۲۴) ان دونوں آیتوں میں اکراہ کا تذکرہ ہے۔

[۲۹۶۵](۱) اکراہ کا حکم ثابت ہوتا ہے جب حاصل ہوا ہو ایسے آدمی سے جو دھمکی کے واقع کرنے پر قدرت رکھتا ہو، بادشاہ ہو یا چور۔

تشریح ایک بچہ مارنے کی دھمکی دے تو اس سے اکراہ نہیں ہوگا بلکہ ایسا آدمی دھمکی دے جو اس کے کرنے پر قادر ہو، جیسے بادشاہ دھمکی دے کہ مار ڈالوں گا یا چور دھمکی دے کہ بیوی کو طلاق نہیں دے گا تو ہاتھ کاٹ ڈالوں گا تو اس سے اکراہ ثابت ہوگا۔

وجہ اوپر کی آیت میں ہے کہ آقا باندی کو زنا کرنے پر مجبور کرے تو وہ اکراہ ہوگا۔ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا (ج)(آیت ۳۳،سورۃ النور ۲۴) اثر میں ہے۔قال عمرؓ لیس الرجل بامین علی نفسہ اذا جوعت او ثقت او ضربت (د) دوسری روایت میں ہے۔عن شریح قال الحبس کرہ والضرب کرہ والقید کرہ والوعید کرہ (ہ)(سنن للبیہقی، باب ما یکون اکراھا، ج سابع، ص ۵۸۸، نمبر ۱۵۱۰۷/۱۵۱۰۸/ مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الکرہ، ج سادس، ص ۴۱۱، نمبر ۱۱۴۲۴/۱۱۴۲۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قید کرنا، مارنا، حبس کرنا اور دھمکی دینا سب اکراہ کی صورتیں ہیں۔یا باندھ دے، یا بھوکا رکھے یا مارے یہ بھی اکراہ کی صورتیں ہیں۔

فائدہ امام ابو حنیفہؒ کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ اکراہ صرف بادشاہ سے ہوسکتا ہے۔کیونکہ اسی کو قوت مانعہ ہے۔البتہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان کے زمانے میں چوروں میں اتنی جرأت نہیں تھی اس لئے انہوں نے یہ فرمایا۔بعد میں حالات کی وجہ سے یہ جرأت پیدا ہوگئی اس لئے چور بھی طاقتور ہو تو اکراہ کر سکتا ہے۔ان کی دلیل یہ اثر ہے۔عن الشعبی فی الرجل یکرہ علی امر من امر العتاق او الطلاق قال : اذا اکرھہ السلطان جاز، واذا اکرھتہ اللصوص لم یجز (و)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ من کان یری طلاق المکرہ جائزا، ج

حاشیہ : (الف) جس نے ایمان کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا، مگر یہ کہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو (ب) اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی اختیار کرنا چاہتی ہو تاکہ تم دنیوی زندگی کے سامان کو تلاش کرو۔اور جو باندیوں کو مجبور کرے گا تو اللہ ان کی مجبوری کی وجہ سے معاف کرنے والا ہے (ج) اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی اختیار کرنا چاہتی ہو (د) حضرت عمرؓ نے فرمایا آدمی اپنی ذات پر امن والا نہیں ہے اگر اس کو بھوکا رکھا جائے یا باندھا جائے یا مارا جائے (ہ) حضرت شریح نے فرمایا جیل کرنا بھی مجبور کرنا ہے اور بیڑی لگانا بھی مجبور کرنا ہے اور دھمکی دینا بھی مجبور کرنا ہے (و) حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی آزاد کرنے یا طلاق دینے پر مجبور کیا جائے۔فرماتے ہیں کہ اگر اس کو بادشاہ مجبور کرے تو جائز ہے اور اگر اس کو چور مجبور کرے تو جائز نہیں یعنی (باقی اگلے صفحہ پر)

او لصًّا [۲۹۶۶] (۲) واذا اُکرہ الرجل علی بیع مالہ او علی شراء سلعۃ او علی ان یقرَّ لرجل بالف درھم او یُواجر دارہ واُکرہ علی ذلک بالقتل او بالضرب الشدید او

رابع ،ص ۸۶، نمبر ۱۸۰۴۰ رمصنف عبد الرزاق ، باب طلاق الاکراہ ، ج سادس ،ص ۴۱۰، نمبر ۱۱۴۲۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف بادشاہ ہی کی جانب سے اکراہ ہوسکتا ہے۔

لغت توعد : وعد سے مشتق ہے، دھمکی دے، لص : چور۔

[۲۹۶۶] (۲) اگر کسی آدمی کو مجبور کیا گیا اپنے مال کے بیچنے پر یا سامان خریدنے پر یا کسی آدمی کے لئے ہزار درہم کے اقرار کرنے پر یا اپنے گھر کو اجرت پر رکھنے پر یا مجبور کیا اس کو اس پر قتل کی دھمکی دے کر یا سخت مار کی یا قید کرنے کی، پس بیچ دیا یا خرید اتو اس کو اختیار ہے چاہے بیع باقی رکھے اور چاہے اس کو فسخ کر دے اور مبیع واپس لے لے۔

تشریح کسی آدمی کو مجبور کیا کہ وہ اپنا مال بیچ دے۔ یا کوئی سامان خریدے۔ یا کسی آدمی کے لئے ہزار درہم کا اقرار کرے۔ یا اپنے گھر کو اجرت پر رکھے۔ اور مجبور بھی کیا قتل کرنے کی دھمکی دے کر یا سخت مار کی دھمکی دے کر یا قید کرنے کی دھمکی دے کر۔ اس نے ان مجبوریوں کی وجہ سے سامان بیچ دیا یا خرید لیا تو یہ خریدنا پکا نہیں ہے۔ بلکہ اس کو اختیار ہے چاہے تو بیع اور شراء اور اجرت برقرار رکھے یا چاہے توڑ دے اور مبیع واپس لے لے اور اجرت کی چیز واپس لے لے۔

وجہ ان مسائل کا قاعدہ یہ ہے کہ جو عقد ایسا ہو کہ زبان سے نکلتے ہی جاری ہو جاتا ہو چاہے خوشی سے زبان سے نکالے یا مذاق سے نکالے یا کسی کے مجبور کرنے سے نکالے۔ ایسے عقود مجبور کرنے سے بھی کرے تو واقع ہو جائیں گے اور دوبارہ توڑ بھی نہیں سکتا۔ جیسے نکاح، طلاق، رجعت ، آزاد کرنا۔ یہ سب کام کسی کے مجبور کرنے سے کیا تب بھی واقع ہو جائیں گے۔ مثلا کسی کے مجبور کرنے سے طلاق دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ یا کسی کے مجبور کرنے سے نکاح کیا تو نکاح ہو جائے گا۔ یا کسی کے مجبور کرنے سے رجعت کی تو رجعت ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ مذاق سے بھی بولے تو رجعت ہو جاتی ہے، طلاق پڑ جاتی ہے اور نکاح ہو جاتا ہے اور آزادگی بھی واقع ہو جاتی ہے۔

وجہ پہلے کتاب الطلاق میں دلائل گزر چکے ہیں۔

اور ایسے عقد جو زبان سے نکلتے ہی واقع نہیں ہوتا بلکہ راضی خوشی سے عقد کرے تب عقد ہوتا ہے اور بعد میں فسخ کرے تو فسخ بھی ہو جاتا ہے۔ ایسا عقد مجبور اور اکراہ کر کے کرائے تو عقد تو ہو جائے گا لیکن عقد کرنے والے کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو اس کو برقرار رکھے اور چاہے تو اس کو توڑ دے۔ متن کے چاروں عقد ایسے ہی ہیں۔ مثلا مجبور کر کے بیع کروایا تو بائع کو اختیار ہوگا چاہے بیع برقرار رکھے چاہے بیع توڑ کر مبیع واپس کرے۔ مجبور کر کے کوئی سامان خرید وا دیا تو مشتری کو اختیار ہوگا چاہے بیع برقرار رکھے اور چاہے تو فسخ کر دے اور اپنا ثمن واپس لے لے۔ مجبور کر کے اقرار کروایا تو اس کو اختیار ہے چاہے اقرار پر برقرار رہے چاہے انکار کر دے۔ مجبور کر کے گھر کو اجرت پر دلوایا تو اس کو اختیار ہے کہ

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) اس کو مجبوری شمار نہیں کریں گے۔

بالحبس فباع او اشترى فهو بالخيار ان شاء امضى البيع وان شاء فسخه ورجع بالمبيع [۲۹۶۷](۳) فان كان قبض الثمن طوعا فقد اجاز البيع وان كان قبضه مُكرها فليس باجازة وعليه ردّه ان كان قائما في يده.

اجرت برقرار رکھے اور چاہے تو اجرت توڑ دے۔ کیونکہ یہ عقد رضا مندی کے بغیر نہیں ہوئے (۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ یا ایها الذین آمنوا لا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منكم (الف) (آیت ۲۹، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ تجارت رضامندی سے ہو تو واقع ہوگی اور رضامندی سے نہ ہو تو وہ مال باطل کے درجے میں ہے اس کا کھانا حرام ہے۔ اور زبردستی کر کے بیع وشراء کروایا تو رضامندی نہیں ہوئی اس لئے عقد تو ہو جائے گا لیکن اس کو برقرار رکھنا ضروری نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو عقد رضامندی سے کرنے کا ہے اس میں زبردستی کرے تو عقد ہو جائے گا لیکن لازم نہیں ہوگا۔ عقد ہو اس لئے جائے گا کہ عاقل بالغ آدمی نے ایجاب اور قبول کیا ہے۔

ایسے مواقع کے لئے تھوڑی بہت دھمکی سے اکراہ نہیں سمجھیں گے۔ ہاں! نہ کرنے پر قتل کی دھمکی ہو، بے تحاشہ مار کی دھمکی ہو یا بہت دنوں تک قید کی دھمکی ہو تو اس کو اکراہ سمجھیں گے۔

وجہ اس کے لئے اثر گزر چکا ہے۔ عن شريح قال الحبس كره، والضرب كره والقيد كره والوعيد كره (ب) (سنن للبیہقی، باب ما یکون اکراها، ج سابع ص ۵۸۸، نمبر ۱۵۱۰۸ / مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الکرہ، ج سادس ص ۴۱۱، نمبر ۱۱۴۲۳)

لغت سلعۃ : سامان، الحبس : قید، یواجر : اجرت پر دینا۔

[۲۹۶۷] (۳) پس اگر بائع نے ثمن پر بخوشی قبضہ کیا تو گویا کہ بیع کو جائز قرار دے دیا، اور اگر زبردستی میں قبضہ کیا تو یہ اجازت نہیں ہوگی۔ اور اس پر اس کا لوٹانا ہوگا اگر اس کے پاس موجود ہو۔

تشریح بائع نے بیع مجبور کرنے کی وجہ سے کی۔ اب ثمن پر قبضہ کرنے کا مرحلہ آیا تو دیکھا جائے گا کہ خوشی سے ثمن پر قبضہ کرتا ہے یا مجبوری کے درجے میں، اگر مجبور کرنے کی وجہ سے کی تب تو بیع ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ بیع بھی اکراہ سے کیا اور ثمن پر قبضہ بھی اکراہ سے کیا۔ اس صورت میں اگر ثمن اس کے پاس موجود ہو تو واپس کر دے۔ اور اگر ثمن پر قبضہ خوشی سے کیا تو یہ اجازت سمجھی جائے گی اور بیع کرتے وقت اگر چہ مجبوری تھی لیکن ابھی اجازت ہوگئی اس لئے اب بیع درست ہو جائے گی۔ کیونکہ اب رضامندی ہوگئی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بعد میں بھی رضامندی ہو جائے تو کافی ہے۔

لغت طوعا : خوشی سے۔

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو! تم تمہارا مال آپس میں باطل طریقے پر مت کھاؤ۔ ہاں! مگر یہ کہ تمہاری رضامندی سے باہم تجارت ہو (ب) حضرت شریح فرماتے ہیں کہ جیل کرنا اکراہ ہے۔ اور مارنا اکراہ ہے اور بیڑی لگانا اکراہ ہے اور دھمکی دینا اکراہ ہے۔

[۲۹۶۸](۴) وان هلک المبیع فی ید المشری وهو غیر مکره ضمن قیمته وللمکره ان یُضمِّن المکره ان شاء[۲۹۶۹](۵) ومن اُکره علی ان یاکل المیتة او یشرب الخمر فاُکره علی ذلک بحبس او بضرب او قید لم یحل له الا ان یُکره بما یخاف منه علی

[۲۹۶۸](۴) اگر مبیع مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوجائے اور وہ مجبور کیا ہوا نہیں تھا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوجائے گا۔ اور مجبور کئے ہوئے کو حق ہے کہ وہ ضامن بنائے مجبور کرنے والے کو اگر چاہے۔

تشریح بائع کو کسی نے مجبور کرکے بیع کرایا۔ البتہ مشتری کو مجبور نہیں کیا تھا بلکہ اس نے خوشی سے خریدا تھا۔ مشتری کو چاہئے کہ بیع توڑ دے اور مبیع بائع کی طرف واپس کردے۔ لیکن ایسا نہیں کرنے پایا کہ مبیع مشتری کے ہاتھ سے ہلاک ہوگئی۔ اب بائع کو دو اختیار ہیں۔ یا مشتری کو مبیع کی قیمت کا ضامن بنائے کیونکہ اصل ہلاک تو اسی کے ہاتھ سے ہوئی ہے۔ اور یہ بھی اختیار ہے کہ جس نے مجبور کیا تھا اس کو ضامن بنائے۔ کیونکہ اس کے مجبور کرنے کی وجہ سے مبیع مشتری کے ہاتھ میں گئی ہے۔ اس لئے اس کو بھی ضامن بنا سکتا ہے۔

وجہ ضائع کرنے والا ضامن ہو اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ ومن قتل مأمنا خطأ فتحریر رقبة مؤمنة ودیة مسلمة الی اهله (الف) (آیت ۹۲، سورۃ النساء۴) اس آیت میں جس نے قتل کیا اس پر دیت لازم ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ ضائع کرنے والا ضامن ہوگا۔

اور جو ضائع ہونے کا سبب بنے اس پر بھی ضمان آسکتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال من اعتق شرکا له فی عبد فکان له مال یبلغ ثمن العبد قوم العبد علیه قیمة عدل فاعطی شرکائه حصصهم وعتق علیه العبد (ب) (بخاری شریف، اذا اعتق عبدا بین اثنین اوامة بین الشرکاء، ص، نمبر ۲۵۲۲) اس حدیث میں شریک کے آزاد کرنے سے دوسرے شریک کو نقصان ہوا تو حضورؐ نے یوں فرمایا کہ دوسرے شریک کے حصے کی قیمت آزاد کرنے والا ادا کرے اور یہ حصہ بھی اسی کی جانب سے آزاد ہوجائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جس کے سبب سے نقصان ہوا ہو اس پر ضمان لازم کیا جا سکتا ہے۔ یہاں مجبور کرنے والے کے سبب سے ضائع ہوا ہے اس لئے مجبور کرنے والے سے بھی بائع ضمان لے سکتا ہے۔

[۲۹۶۹](۵) اگر مجبور کیا اس بات پر کہ مردار کھائے یا شراب پیئے، اور اس پر مجبور کیا گیا حبس کرنے، یا مارنے، یا قید کرنے سے تو اس کے لئے حلال نہیں ہوگا مگر یہ کہ مجبور کرے ایسی دھمکی سے جس سے خوف ہو جان پر یا اس کے عضو پر۔ پس جب اس کا خوف ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اقدام کرے اس چیز پر جس پر مجبور کیا گیا ہے۔ اور اس کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ دھمکی پر صبر کرے۔

تشریح حرام چیزوں کے کھانے پر مجبور کیا گیا۔ مثلا یہ کہ مردار کھانے پر یا شراب پینے پر مجبور کیا گیا تو اگر قید کرنے یا تھوڑا بہت مارنے کی دھمکی

حاشیہ: (الف) کسی نے مومن کو غلطی سے قتل کیا تو اس کے بدلے میں مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور دیت اس کے وارث کو ادا کرنا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے مشترک غلام کو آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ غلام کی قیمت تک پہنچ سکتا ہو تو غلام کی انصاف ور قیمت لگائی جائے گی اور اس کے شرکاء کو ان کے حصے دیے جائیں گے اور پورا غلام اس پر آزاد ہوجائے گا۔

نفسه او على عضو من اعضائه فاذا خاف ذلك وَسِعَه ان يُقدم على ما أُكره عليه ولا يسعه ان يصبر على ما تُوُعِّد به[۲۹۷۰](٦) فان صبر حتى اوقعوا به ولم يأكل فهو آثم .

دی گئی تو اس سے ان چیزوں کے کھانے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ ہاں! قتل کرنے کی دھمکی ہو یا کسی عضو کو کاٹ لینے کی دھمکی ہو اور ظن غالب ہو کہ ایسا کر ہی ڈالے گا تب اس کے لئے گنجائش ہے کہ مردار کھالے یا شراب پی لے۔ اب اس کے لئے اپنی جان دینا یا عضو کٹوانا جائز نہیں ہے۔

وجہ ان چیزوں کی حرمت شدیدہ ہے اس لئے شدید دھمکی ہو تب ہی حلال ہوگی ورنہ نہیں۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے۔ **انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل به لغير الله فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم عليه ان الله غفور رحيم** (الف) (آیت ۱۷۳، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ ضرورت سے زیادہ نہ کھائے۔ اور مجبوری کی تفسیر یہ ہے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ ہو اور بھوک سے جان کا خطرہ لاحق ہو گیا ہو تب کھانے کی گنجائش ہے (۲) دوسری آیت میں اس کی وضاحت ہے۔ **حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير ... فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لاثم فان الله غفور رحيم** (ب) (آیت ۳، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ مخمصۃ میں ہو یعنی پیٹ اتنا خالی ہو کہ جان جانے کا خطرہ ہو تب جائز ہے۔ اس حال میں بھی یہ احتیاط ضروری ہے کہ ضرورت سے زیادہ کھا کر گناہ کی طرف مائل نہ ہو۔ اس لئے جان جانے کا یا عضو جانے کا خطرہ ہو تب کھانے کی گنجائش ہے۔

لغت یقدم : اقدام کرے، اس کام کو کرلے، توعد : وعد سے مشتق ہے، دھمکی دے۔

[۲۹۷۰] (٦) پس اگر صبر کرے یہاں تک کہ کر گزرے اس کے ساتھ پھر بھی نہ کھائے تو وہ گنہگار ہوگا۔

تشریح قتل کرنے کی یا عضو کاٹنے کی دھمکی دی پھر بھی اس نے نہ مردار کھایا نہ شراب پیا۔ آخر مجبور کرنے والے نے قتل کر دیا یا عضو کاٹ دیا تو نہ کھانے والا گنہگار ہوگا۔

وجہ اوپر کی آیت میں ہے کہ **فلا اثم عليه**، کہ ایسی صورت میں مردار کھالیا یا شراب پی لی تو اس پر گناہ نہیں ہے تو گویا کہ وہ چیز اس کے لئے حلال ہوگئی۔ اب حلال چیز نہ کھائے اور جان دیدے یا عضو کٹوادے تو اس کے لئے اچھا نہیں ہے۔ بلا وجہ جان دینے یا عضو کٹوانے سے گنہگار ہوگا۔ اس لئے صبر کرنے کی گنجائش نہیں کھالینا ضروری ہے۔ گناہ ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ **وانفقوا في سبيل الله ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة** (ج) (آیت ۱۹۵، سورۃ البقرۃ) اس آیت میں ہے کہ جان کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ جس سے معلوم ہوا کہ حلال چیز کو نہ کھا کر اپنی جان دینا یا عضو کٹوانا گناہ کا کام ہے۔ اور قتل کی دھمکی کی وجہ سے یہ حرام چیزیں اس کے لئے حلال ہوگئی تھیں۔

لغت اوقعوا : وقع سے مشتق ہے، اس میں واقع کر دیا، اس کام کو کر دیا جس کی دھمکی دیا کرتا تھا، آثم : گنہگار۔

حاشیہ : (الف) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ پس جو مجبور ہو گیا تو لذت تلاش کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے زیادہ کھانے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ تعالی معاف کرنے والے ہیں (ب) تم پر حرام کیا گیا ہے مردہ، خون اور سور کا گوشت ... پس مخمصے میں مجبور ہو جائے تو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو اللہ معاف کرنے والا ہے (ج) اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

[۲۹۷۱](۷) واذا اکرہ علی الکفر باللہ تعالی او بسبِّ النبی علیہ السلم بقید او حبس او ضرب لم یکن ذلک اکراھا حتی یکرہ بامر یخاف منہ علی نفسہ او علی عضو من

[۲۹۷۱] (۷) اگر مجبور کیا گیا اللہ کے ساتھ کفر کرنے یا حضورؐ کو گالی دینے پر قید یا حبس یا مارنے سے تو یہ اکراہ نہیں ہے یہاں تک کہ مجبور کرے ایسی دھمکی سے کہ خوف ہو اپنی جان پر یا کسی عضو پر۔ پس جب یہ اندیشہ ہو تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ بات ظاہر کرے جس کا اس نے حکم دیا ہے اور توریہ کرے۔

تشریح اس مسئلے کا مطالبہ پہلے مسئلے سے سنگین ہے۔ پہلے مسئلے میں حرام چیز کھانے کا مطالبہ تھا۔ اس میں تو ایمان سے ہی ہاتھ دھونے کا مطالبہ ہے۔ مجبور کرنے والا اللہ کے ساتھ کفر کرنے یا حضورؐ کو برا بھلا کہنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس لئے مارنے یا قید کرنے سے اکراہ شمار نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ قتل کی دھمکی ہو یا کسی عضو کے کاٹنے کی دھمکی ہو تو اکراہ ہوگا۔ اور ایسی صورت میں اس کو گنجائش ہے کہ کلمۂ کفر زبان سے کہہ دے لیکن دل ایمان سے لبریز رہے۔ اگر دل سے کفر کر لیا یا حضورؐ کو برا بھلا کہہ دے لیکن دل حضورؐ کی عظمت سے لبریز رہے۔ اگر دل سے کفر کر لیا یا حضورؐ کو برا بھلا کہہ دیا تو ایمان جاتا رہے گا۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم** (الف) (آیت ۱۰۶، سورۃ النحل ۱۶) اس آیت میں ہے کہ جو مجبور کیا گیا اور وہ کلمۂ کفر بول دے بشرطیکہ دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ دل سے کفر کا یقین کرلے تو وہ کافر ہے اور اس کے لئے عذاب عظیم ہے (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کو کفار نے پکڑا اور کفر کہلوایا اور حضورؐ کو نعوذ باللہ برا بھلا کہلوایا۔ لیکن ان کا دل ایمان کے ساتھ لبریز تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے، دوبارہ ایسا موقع آئے تو ایسے ہی کر لینا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی عبیدۃ بن محمد بن عمار بن یاسر عن ابیہ قال اخذ المشرکون عمار بن یاسر فلم یترکوہ حتی سب النبی ﷺ وذکر آلھتھم بخیر ثم ترکوہ فلما اتی رسول اللہ ﷺ قال ماورائک ؟قال شر یا رسول اللہ ماترکت حتی نلت منک وذکرت آلھتھم بخیر قال: کیف تجد قلبک ؟ قال مطمئن بالایمان قال عادوا فعد** (ب) (مستدرک للحاکم، تفسیر سورۃ النحل ۱۶، ج ثانی، ص ۳۹۸، نمبر ۳۳۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت مجبور کر دیا جائے، دل ایمان سے لبریز ہو تو توریہ کے طور پر کفر بول سکتا ہے یا حضورؐ کو برا بھلا کہہ سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) کسی نے ایمان کے بعد کفر کیا مگر جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن جس کا کفر کے ساتھ شرح صدر ہو تو اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس پر دردناک عذاب ہوگا (ب) عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ ان کو مشرکین نے پکڑا اور حضورؐ کو گالی دیئے بغیر نہیں چھوڑا۔ اور ان کے معبودوں کو اچھا کہا پھر ان کو چھوڑا۔ پس جب وہ حضورؐ کے پاس آئے تو پوچھا کہ پیچھے کیا ہوا؟ کہا یا رسول اللہ! شر ہو گیا۔ اس وقت تک نہیں چھوڑا گیا جب تک آپ کو برا بھلا نہیں کہا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہیں کہا۔ آپؐ نے پوچھا، اس وقت آپ کے دل کی کیفیت کیا تھی؟ کہا ایمان کے ساتھ مطمئن تھا۔ آپؐ نے فرمایا پھر کبھی ایسا موقع آجائے تو ایسا ہی کر لینا۔

اعضائه فاذا خاف علی ذلک وَسِعَه ان یُظهر ما امروہ به ویُورِّی[۲۹۷۲](۸) فاذا اظهر ذلک وقلبه مطمئن بالایمان فلا اثم علیه وان صبر حتی قُتل ولم یُظهر الکفر کان ماجورا[۲۹۷۳](۹) وان اُکرہ علی اتلاف مال مسلم بامر یخاف منه علی نفسه او علی

لغت سب : گالی برا بھلا کہنا، وسعه : اس کو گنجائش ہے،اس کے لئے جائز ہے، یوری : توریہ سے مشتق ہے،ایسا جملہ کہنا جس سے مخاطب اپنے مطلب کی بات سمجھے حالانکہ قائل اس کا مطلب کچھ اور لیا ہے۔

[۲۹۷۲](۸) پس اگر یہ ظاہر کردے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔اور اگر اس نے صبر کیا یہاں تک کہ قتل کیا گیا اور کفر ظاہر نہیں کیا تو اس کو اجر ملے گا۔

تشریح دل ایمان سے لبریز ہو اور ڈر سے کفر بول دے تو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر آیت گزری اور حدیث بھی گزری کہ دل ایمان سے لبریز ہو تو آپؐ نے فرمایا کہ دوبارہ ایسا موقع آئے تو دوبارہ ایسا ہی کر لینا یعنی کفر بول دینا۔اور آیت میں تھا کہ، الا من اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گناہ نہیں ہوگا۔

اور اگر کفر نہیں بولا اور قتل کر دیا گیا تو ثواب ملے گا،گنہگار نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) اس دھمکی کے باوجود کفر بکنا حلال نہیں ہوا اسی لئے فرمایا کہ توریہ سے کام لے۔چونکہ حلال نہیں ہوا اس لئے اگر قتل کیا گیا تو ثواب ملے گا(۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن خباب بن الارت قال شکونا الی رسول اللہ ﷺ وهو متوسد بردة له فی ظل الکعبة فقلنا الا تستنصر لنا ؟ الا تدعولنا؟ فقال قد کان من قبلکم یوخذ الرجل فیحفر له فی الارض فیجعل فیها فیجاء بالمنشار فیوضع علی رأسه فیجعل نصفین ویمشط بامشاط الحدید من دون لحمه وعظمه فما یصده ذلک عن دینه (الف)(بخاری شریف، باب من اختار الضرب والقتل والهوان علی الکفر ص ۱۰۲۶، نمبر ۶۹۴۳) اس حدیث میں ہے کہ سر پر آرا چلایا پھر بھی ایمان سے نہیں ہٹے۔اور اس کی تعریف حضورؐ نے کی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ کفر نہ بکے اور جان دیدے تو ثواب ہی ملے گا۔

[۲۹۷۳](۹) اگر مجبور کیا گیا مسلمان کے مال کو ضائع کرنے پر ایسی دھمکی سے جس سے اندیشہ ہو جان پر یا کسی عضو پر،اس کے لئے گنجائش ہے کہ یہ کر لے۔اور مال کے مالک کے لئے جائز ہے کہ مجبور کرنے والے سے تاوان لے لے۔

تشریح یہ اکراہ پہلے دو مسئلوں سے آسان ہے۔اس میں ہے کہ کسی نے مسلمان کے مال کو ضائع کرنے پر مجبور کیا اور مجبور بھی قتل کرنے کی دھمکی

حاشیہ : (الف) خباب بن ارت فرماتے ہیں کہ آپ کعبہ کے سایہ میں چادر کو تکیہ بنائے ہوئے تھے کہ میں نے حالات کی شکایت کی۔میں نے کہا کیا آپؐ ہمارے لئے مدد نہیں مانگتے ؟ کیا آپؐ ہمارے لئے دعا نہیں فرماتے ؟ تو فرمایا تم سے پہلے آدمی پکڑا جاتا تھا،اس کے لئے زمین کھودی جاتی تھی اور اس میں ڈال دیا جاتا تھا۔ پھر آری لائی جاتی تھی اور اس کے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔اور لوہے کی کنگی سے اس کا گوشت اور ہڈی چھیل لی جاتی تھی پھر بھی دین سے اس کو باز نہیں رکھ سکتا۔

عضو من اعضائه وَسِعَه ان يفعل ذلك ولصاحب المال ان يُضمِّن المكره[۲۹۷۴](۱۰) وان اكره بقتل على قتل غيره لم يسعه ان يقدم عليه ويصبر حتى يقتل فان قتله كان آثما [۲۹۷۵](۱۱)والقصاص على الذى اكرهه ان كان القتل عمدا.

دی یا عضو کاٹنے کی دھمکی دے کر کی۔ ایسی صورت میں اس کے لئے گنجائش ہے کہ اس کے مال کو ضائع کردے اور اپنی جان یا عضو بچالے۔ پھر صاحب مال کو دو اختیار ہیں یا تو ضائع کرنے والے سے ضمان لے لے یا جس نے مجبور کیا ہے اس سے ضمان لے لے۔

وجہ مال ضائع کرنے کی اجازت تو اس لئے ہو جائے گی کہ مجبوری کے موقع پر دوسرے کا مال کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حرام چیزوں کا کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کا ضائع کرنا بھی حلال ہو جائے گا (۲) آیت میں ہے۔ **انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل به لغير الله فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم عليه ان الله غفور رحيم**(الف) (آیت ۱۷۳، سورة البقرة ۲) اس آیت میں ہے کہ آدمی مجبور ہو جائے تو حرام چیز بھی حلال ہو جاتی ہے اور اس کو استعمال کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اسی پر قیاس کر کے دوسرے کے مال کو بھی ضائع کرنا حلال ہو جائیگا۔

اور ضائع کرنے والے سے ضمان لے سکتا ہے اور مجبور کرنے والے سے بھی ضمان لے سکتا ہے اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔

[۲۹۷۴] (۱۰) اگر مجبور کیا قتل کی دھمکی سے دوسرے کے قتل کرنے پر تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کا اقدام کرے۔ اور صبر کرے یہاں تک کہ قتل ہو جائے، پس اگر اس کو قتل کر دیا تو گنہگار ہوگا۔

تشریح کسی ظالم نے کسی آدمی کو قتل کی دھمکی دی کہ فلاں کو قتل نہیں کروگے تو تم کو ہی قتل کر دوں گا۔ اس قتل کی دھمکی کے باوجود اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ فلاں کو قتل کرے بلکہ صبر کرے اور خود قتل ہو جائے۔ اور اگر مجبور نے فلاں کو قتل کر دیا تو یہ گنہگار ہوگا۔

وجہ کسی کو قتل کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ یہاں اپنی جان کو بچا کر دوسرے کو قتل کرنا کیسے جائز ہوگا۔ دونوں کی جانیں برابر درجے کی محترم ہیں اس لئے اپنی جان بچا کر دوسرے کو قتل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (۲) آیت میں ہے۔ **ومن يقتل مومنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فيها وغضب الله عليه ولعنه واعد له عذابا عظيما** (ب) (آیت ۹۳، سورة النساء ۴) اس آیت میں مومن کو قتل کرنے پر چار قسم کی سزا سنائی گئی ہے۔ اس لئے دوسرے کو قتل کرنا حلال نہیں ہوگا۔ وہ صبر کرے اور خود قتل ہو جائے۔

لغت آثم : گنہگار۔

[۲۹۷۵] (۱۱) اور قصاص اس پر ہوگا جس نے مجبور کیا اگر قتل عمد ہے۔

تشریح گنہگار قتل کرنے والا بھی ہوگا اور مجبور کرنے والا بھی ہوگا۔ البتہ اگر مجبور آدمی نے جان بوجھ کر قتل کیا تو قصاص مجبور آدمی سے نہیں لیا

حاشیہ : (الف) تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور اللہ کے نام کے علاوہ پر ذبح کیا گیا ہو وہ سب حرام کیا گیا ہے، پھر جو مجبور ہو جائے بشرطیکہ لذت تلاش کرنے کے لئے نہ ہو اور نہ حد سے گزرنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ تعالی معاف کرنے والے ہیں (ب) کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہوا ہے۔

[۲۹۷۶](۱۲) وان اُکرہ علی طلاق امرأته او عتق عبده ففعل وقع ما اُکرہ علیه.

جائے گا بلکہ جس نے مجبور کیا ہے اس سے قصاص لیا جائے گا۔

وجہ یہ آدمی حقیقت میں قتل کرنا نہیں چاہتا تھا دوسرے کے مجبور کرنے سے قتل کیا ہے۔اس لئے یہ دھاردار آلے کی طرح ہو گیا۔اور قاعدہ ہے کہ آلہ جو استعمال کرتا ہے اسی پر قصاص ہوتا ہے۔اسی طرح یہاں مجبور کرنے والے پر قصاص ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ قال سمعت ابا هريرةؓ يقول يقتل الحر الآمر ولا يقتل العبد ارأيت لو ان رجلا ارسل بهدية مع عبده الى رجل من اهداها ؟(الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الذی یأ مر عبدہ فیقتل رجلا، ج تاسع ص ۴۲۶، نمبر ۱۷۸۸۸) اس اثر میں ہے کہ آقا غلام کو قتل کرنے کا حکم دے تو آقا قتل کیا جاتا ہے۔اور یہاں تو مجبور کرنے والے نے پورا ہی مجبور کیا ہے۔اس لئے بدرجۂ اولی مجبور کرنے والا ہی قتل کیا جائے گا۔

فائدہ امام زفرؒ فرماتے ہیں خود قاتل قتل کیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ اصل قاتل تو یہی ہے (۲) اثر میں ہے۔عن عطاء فی رجل امر رجلا حرا فقتل رجلا قال يقتل القاتل وليس على الامر شيء (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الذی یأ مر عبدہ فیقتل رجلا، ج تاسع ص ۴۲۵، نمبر ۱۷۸۸۲) اس اثر میں ہے کہ خود قاتل قتل کیا جائے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجبور کرنے والا اور جس کو مجبور کیا دونوں قتل کئے جائیں گے۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کے دونوں قسم کے آثار ہیں (۲) وہ فرماتے ہیں کہ قاتل تو اس لئے قتل کیا جائے گا کہ اس نے قتل کیا۔اور مجبور کرنے والا اس لئے قتل کیا جائے گا کہ وہ قتل کا سبب بنا ہے۔

[۲۹۷۶](۱۲) اگر اپنی بیوی کی طلاق پر مجبور کیا یا اپنے غلام کے آزاد کرنے پر اور ایسا کر دیا تو جس بات پر مجبور کیا وہ واقع ہو جائے گی۔

تشریح بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کیا جس کی وجہ سے اس نے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔اسی طرح غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا اور اس نے آزاد کر دیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اب واپس نہیں ہوگا۔

وجہ پہلے اصول گزر چکا ہے کہ طلاق، نکاح، رجعت اور آزادگی زبان سے نکلتے ہی واقع ہو جاتی ہے چاہے مذاق میں کہے یا حقیقت میں۔اس لئے مجبور کرنے پر جیسے ہی طلاق کا لفظ یا آزادگی کا لفظ زبان سے نکلا فورا طلاق واقع ہو جائے گی اور آزادگی بھی واقع ہو جائے گی (۲) حدیث گزر چکی ہے۔عن ابی هريرةؓ ان رسول اللهﷺ قال ثلاث جدهن جد وهزلهن جد،النكاح والطلاق والرجعة (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی الطلاق علی الھزل ص ۳۰۵، نمبر ۲۱۹۴ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الجد والھزل فی الطلاق، ص ۲۲۵، نمبر ۱۱۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذاق میں بھی طلاق دیدے تو واقع ہو جاتی ہے۔اور یہاں تو اپنی جان بچانے کے لئے طلاق دے رہا

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ حکم دینے والا آزاد ہو تو قتل کیا جائے گا اور غلام ہو تو قتل نہیں کیا جائے گا۔اگر کوئی آدمی غلام کے ساتھ ہدیہ بھیجے تو کس کا ہدیہ شمار کیا جاتا ہے؟ یعنی بھیجنے والے کا (ب) حضرت عطاؒ نے فرمایا کسی آدمی نے کسی آزاد آدمی کو قتل کا حکم دیا۔پس اس نے قتل کیا۔فرمایا قاتل قتل کیا جائے گا اور حکم دینے والے پر کچھ نہیں ہے (ج) آپؐ نے فرمایا تین چیزیں حقیقت بھی حقیقت ہیں اور مذاق بھی حقیقت ہیں نکاح، طلاق اور رجعت۔

[۲۹۷۷](۱۳) ویرجع علی الذی اکرھه بقیمة العبد ویرجع بنصف مھر المرأة ان کان

ہےاس لئے واقع ہوجائے گی(۲) اثر میں ہے. عن ابراھیم قال ھو (یعنی طلاق المکرہ) جائز انما ھو شیء افتدی به نفسه (الف) مصنف ابن ابی شیبة، ۴۸ من کان یری طلاق المکرہ جائزا، ج رابع ص ۸۵، نمبر ۱۸۰۳۵ / مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الکرہ، ج سادس، ص ۴۱۰، نمبر ۱۱۴۱۹ / ۱۱۴۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مجبوری میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے (۳) اس نے جان اور طلاق میں سے ایک کو اختیار کیا تو گویا کہ اختیار سے ہی طلاق دی اس لئے واقع ہو جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مجبوری میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔سمعت عائشةؓ تقول : سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الطلاق علی غلط، ص ۳۰۵، نمبر ۲۱۹۳ / ابن ماجہ شریف، باب طلاق المکرہ والناسی، ص ۲۹۳، نمبر ۲۰۴۶) دوسری روایت میں ہے۔عن ابی ذر الغفاریؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تجاوز لی عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیه (ج) (ابن ماجہ شریف، باب طلاق المکرہ والناسی، ص ۲۹۳، نمبر ۲۰۴۳ / بخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ، ص ۷۹۳، نمبر ۵۲۶۹) اس حدیث اور بخاری کے اثر سے معلوم ہوا کہ مجبور کئے ہوئے کی طلاق اور آزادگی واقع نہیں ہوگی۔

[۲۹۷۷] (۱۳) اور جس نے مجبور کیا اس سے غلام کی قیمت لے گا اور بیوی کا آدھا مہر اگر دخول سے پہلے ہو۔

وجہ مجبور آدمی غلام کو آزاد نہیں کرنا چاہتا تھا مجبور کرنے والے کی وجہ سے آزاد کیا ہے اس لئے گویا کہ اس نے نقصان دیا اس لئے غلام کی جو قیمت ہوسکتی ہے وہ مجبور کرنے والے سے وصول کرے۔اسی طرح وطی سے پہلے طلاق دلوائی جس کی وجہ سے شوہر کو کچھ بھی نہیں ملا اور آدھا مہر دینا پڑا اس لئے یہ نقصان مجبور کرنے والے سے وصول کرے گا۔کیونکہ اسی کے مجبور کرنے سے یہ نقصان ہوا ہے (۲) اوپر اثر گزر چکا ہے۔سمعت ابا ھریرة یقول یقتل الحر الآمر ولا یقتل العبد، ارأیت لو ان رجلا ارسل بھدیة مع عبدہ الی رجل، من اھداھا؟ (د) (مصنف عبد الرزاق، باب الذی یأمر عبدہ فیقتل رجلا، ج تاسع ص ۴۲۶، نمبر ۱۷۸۸۸) اس اثر میں غلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اس کے حکم دینے والے کو قتل کیا کیونکہ وہی اصل ہے۔اسی طرح یہاں مجبور کرنے والے سے مہر اور غلام کی قیمت لی جائے گی کیونکہ وہی اصل میں نقصان دینے والا ہے (۳) اور شریک غلام آزاد کردے تو دوسرے شریک کو حق ہے کہ آزاد کرنے والے شریک سے اس کا نقصان وصول کرے کیونکہ وہ نقصان کا سبب بنا ہے۔تفصیل اس حدیث میں ہے۔عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال من اعتق شرکا له فی عبد فکان له مال یبلغ ثمن العبد قوم العبد علیه قیمة عدل فاعطی شرکاءہ حصصھم وعتق علیه العبد

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا مجبور کی طلاق جائز ہے کیونکہ اس نے اپنی جان کے بدلے میں بیوی کو فدیہ دیا (ب) آپ فرماتے ہیں کہ زبردستی میں طلاق اور آزادگی واقع نہیں ہوتی (ج) آپؐ نے فرمایا اللہ نے اپنی امت سے خطا اور نسیان معاف کیا اور زبردستی کرے تو وہ بھی معاف فرمایا (د) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حکم دینے والا آزاد ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا۔اور غلام ہو تو قتل نہیں کیا جائے گا۔اگر کوئی غلام کے ساتھ کسی کو ہدیہ بھیجے تو تمہارا کیا خیال ہے کس نے یہ ہدیہ بھیجا؟ یعنی آمر نے ہدیہ بھیجا۔

قبل الدخول[۲۹۷۸](۱۴) وان اُکرہ علی الزنا وجب علیہ الحد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی الا ان یکرھہ السلطان وقالا رحمھما اللہ تعالی لایلزمہ الحد[۲۹۷۹] (۱۵)واذا اُکرہ علی الردّۃ لم تبن امرأتہ منہ.

والا فقد عتق منہ ما عتق (الف) (بخاری شریف، باب اذا عتق عبدا بین اثنین اوامۃ بین الشرکاء، ص۳۴۲، نمبر۲۵۲۲) اس حدیث میں آزاد کرنے والے نے نقصان کیا تو اس کا تاوان اسی کو بھرنا پڑا۔

[۲۹۷۸] (۱۴) اگر مجبور کیا زنا پر تو اس پر حد واجب ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ بادشاہ اس کو مجبور کرے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔

تشریح عورت سے زبردستی زنا کیا تو اس پر حد نہیں ہوگی کیونکہ اس سے زبردستی کر سکتا ہے۔ لیکن مرد کو مجبور کیا جس کی وجہ سے زنا کیا تو انتشار آلہ زنا کرنے والے کا ہوا اس لئے اس پر حد واجب ہوگی۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حد لازم نہیں ہوگی۔

وجہ کیونکہ حد شبہات سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اور یہاں شبہ ہے کہ خود سے زنا نہیں کیا اس لئے حد واجب نہیں ہوگی (۲) آیت میں ہے۔ ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوۃ الدنیا ومن یکرھھن فان اللہ من اکراھھن غفور رحیم (ب) (آیت ۳۳، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ مجبوری میں زنا کرایا تو اللہ تعالی معاف کر دیں گے۔ اور جب حد حقوق اللہ ہے اس لئے وہ بھی معاف ہو جائے گی (۳) حدیث میں ہے۔ ان صفیۃ بنت ابی عبید اخبرتہ ان عبدا من رقیق الامارۃ وقع علی ولیدۃ من الخمس فاستکرھھا حتی اقتضھا فجلدہ عمر الحد ونفاہ ولم یجلد الولیدۃ من اجل انہ استکرھھا (ج) (بخاری شریف، باب اذا استکرھت المرأۃ علی الزنا فلا حد علیھا، ص ۱۰۲۷، نمبر ۶۹۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مجبور کیا گیا اس پر حد نہیں ہے۔

[۲۹۷۹] (۱۵) اگر مجبور کیا مرتد ہونے پر تو اس کی بیوی بائنہ نہیں ہوگی۔

وجہ اوپر آیت گزری جس سے معلوم ہوا کہ دل سے کفر کا اعتقاد نہیں کیا۔ مجبوری کی وجہ سے صرف زبان سے کلمۂ کفر بولا تو وہ مرتد ہوا ہی نہیں۔ اس لئے اس کی بیوی جدا نہیں ہوگی اور نہ نکاح ٹوٹے گا۔ آیت یہ ہے۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے مشترک غلام آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے کہ غلام کی قیمت تک پہنچ سکتا ہو تو غلام کی انصاف ور قیمت لگائی جائے گی۔ اور اس کے شرکاء کو اس کا حصہ دیا جائے گا۔ اور مال نہ ہو تو جتنا آزاد کیا اتنا ہی آزاد رہے گا (ب) اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی اختیار کرنا چاہتی ہوں تاکہ تم دنیوی زندگی کا سامان تلاش کرو۔ اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اللہ ان کو مجبور ہونے کے بعد معاف کرنے والا ہے رحم کرنے والا ہے (ج) صفیہ بنت ابی عبید نے خبر دی کہ امارت کے ایک غلام نے خمس کی باندی پر زبردستی کر کے زنا کر لیا تو حضرت عمرؓ نے اس کو حد لگائی اور وطن سے باہر کر دیا اور باندی کو حد نہیں لگائی کیونکہ وہ مجبور کی گئی تھی۔

مطمئن بالایمان (الف) (آیت ۱۰۶، سورۃ النحل ۱۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دل ایمان سے لبریز ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا اس لئے نکاح نہیں ٹوٹے گا (۳) حضرت عمار بن یاسر والی حدیث جو اوپر گزری اس میں بھی حضورؐ نے فرمایا کہ دوبارہ ایسا کرنا پڑے تو کر لینا جس سے معلوم ہوا کہ نکاح نہیں ٹوٹے گا (مستدرک حاکم، تفسیر سورۃ النحل ۱۶)، ج ثانی، ص ۳۸۹، نمبر ۳۳۶۲)

لغت تبن : بان سے مشتق ہے جدا ہونا، نکاح ٹوٹنا۔

حاشیہ : (الف) کسی نے ایمان کے بعد کفر کیا تو بہت برا ہے مگر یہ کہ مجبور کیا گیا ہو اس حال میں کہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔

﴿کتاب السیر﴾

[۲۹۸۰](۱)الجهاد فرض علی الکفایة اذا قام به فریق من الناس سقط عن الباقین وان لم

﴿کتاب السیر﴾

ضروری نوٹ سیر سیرۃ کی جمع ہے۔اس کا ترجمہ ہے عادت، اخلاق۔لیکن اب سیر بولتے ہیں اس بات پر کہ جہاد کب واجب ہوگا۔کس کے ساتھ واجب ہے۔اور جہاد میں کفار کے ساتھ کیا معاملہ کریں اس کو سیر کہتے ہیں۔جہاد کی دو قسمیں ہیں۔جہاد اقدامی اور جہاد دفاعی۔اگر کافر مسلمان پر حملہ بول دے تو اس کے مقابلے کے لئے نکلنے کو جہاد دفاعی کہتے ہیں۔یہ مرد، عورت، غلام سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔کیونکہ اپنی جان، مال، عزت کو بچانا ضروری ہے۔اور عام حالات میں جب کافر مسلمانوں پر دھاوا نہ بولا ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے۔کچھ لوگ جہاد کریں تو باقی سے فرض ساقط ہو جائے گا۔جہاد کے ثبوت کے لئے بہت سی آیتیں ہیں۔جہاد دفاعی کے ثبوت کے لئے یہ آیت ہے۔**انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل الله ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون** (الف)(آیت ۴۱، سورۃ التوبۃ ۹) دوسری آیت میں ہے۔**یا ایها النبی حرض المومنین علی القتال** الخ (آیت ۶۵، سورۃ الانفال ۸) ایک اور آیت میں ہے۔**یا ایها الذین آمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل الله اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوة الدنیا من الآخرة فما متاع الحیوة الدنیا فی الآخرة الا قلیل ٥ الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم** (ب)(آیت ۳۸/۳۹، سورۃ التوبۃ ۹) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض ہے (۳) حدیث میں ہے۔**عن انس بن مالکؓ قال: قال رسول الله ﷺ ... والجهاد ماض منذ بعثنی الله الی ان یقاتل آخر امتی الدجال لا یبطله جور جائر ولا عدل عادل** (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی الغزو مع ائمۃ الجور، ص ۳۵۰، نمبر ۲۵۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک رہنے والا ہے۔

[۲۹۸۰](۱) جہاد فرض کفایہ ہے اگر قائم کرلیں لوگوں میں سے ایک جماعت تو ساقط ہو جائے گا باقی سے۔اور اگر کوئی بھی قائم نہ کرے تو اس کے چھوڑنے سے تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔

وجہ (۱) آیت میں ہے کہ ایک جماعت پر جہاد فرض ہے۔آیت یہ ہے۔**وما کان المؤمنون لینفروا کافة فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون** (د)(آیت ۱۲۲، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت

حاشیہ : (الف) نکلے ہلکے ہونے کی حالت میں اور بوجھل ہونے کی حالت میں۔اور اللہ کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو (ب) اے ایمان والو تم کو کیا ہو گیا؟ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو۔کیا تم آخرت کے بدلے میں دنیوی زندگی سے راضی ہو گئے؟ پس دنیوی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں تھوڑا ہے۔اگر تم جہاد میں نہیں نکلے تو تم کو دردناک عذاب دے گا اور تمہارے بدلے میں دوسری قوم لے آئے گا (ج) آپؐ نے فرمایا۔۔۔جب سے مجھے مبعوث کیا گیا ہے اس وقت سے جہاد جاری رہے گا۔یہاں تک کہ میری امت کا آخری آدمی دجال سے قتال کرے گا۔یہ کسی ظالم کے ظلم سے یا عادل کے انصاف سے باطل نہیں ہوگا (د) مومن کے لئے اچھا نہیں ہے کہ سبھی نکل جائیں۔ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر جماعت میں سے ایک طائفہ تفقہ حاصل کرنے کے لئے نکلیں اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ واپس لوٹیں، شاید وہ ڈر جائیں۔

یقم به احد اثم جمیع الناس بترکه[۲۹۸۱](۲) وقتال الکفار واجب وان لم یبدؤنا.

سے معلوم ہوا کہ ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے جس سے معلوم ہوا کہ جہاد اقدامی میں سب پر جہاد فرض عین نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ ایک جماعت قیامت تک جہاد کرے گی۔ سمع جابر بن عبد الله یقول سمعت النبی ﷺ یقول لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین الی یوم القیامة (الف) (مسلم شریف، باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بشریعۃ نبینا الخ۔ ص ۸۷، نمبر ۱۵۶/ابوداؤد شریف، باب فی دوام الجہاد، ص ۳۴۳، نمبر ۲۴۸۴) اس حدیث میں ہے کہ ایک جماعت قیامت تک جہاد کرے گی۔ اس ایک جماعت سے اشارہ ہوتا ہے کہ باقی پر جہاد نہیں ہے۔ اس سے فرض کفایہ ثابت ہوتا ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ لا هجرة بعد الفتح ولکن جهاد ونیة واذا استنفرتم فانفروا (ب) (بخاری شریف، باب فضل الجہاد والسیر الخ، ص ۴۹۰، نمبر ۲۷۸۳/مسلم شریف، باب المبایعۃ بعد فتح مکۃ علی الاسلام والجہاد والخیر الخ، ص ۱۳۰، نمبر ۱۸۶۴) اس حدیث میں ہے کہ جب امیر بلائے تو جہاد میں جاؤ۔ اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ جس کو نہ بلائے اس پر جہاد میں جانا فرض نہیں ہے۔ اس سے بھی عام حالات میں فرض کفایہ کا ثبوت ملتا ہے۔ (۳) سب جہاد کرنے چلے جائیں تو گھر کا کام کون کرے گا اور گاؤں والوں کو کون سمجھائے گا۔ اس لئے بھی جہاد فرض کفایہ ہی ہوگا۔

[۲۹۸۱] (۲) کفار سے قتال واجب ہے چاہے وہ ابتدا نہ کریں۔

تشریح کفار جنگ کی ابتدا نہ بھی کریں تب بھی کفر سے قتال واجب ہے۔

وجہ آیت میں ہے۔ فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حیث وجدتموهم ولا تتخذوا منهم ولیا ولا نصیرا (ج) (آیت ۸۹، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ کفر پشت پھیر کر بھاگ جائیں تب بھی ان کو پکڑو اور قتل کرو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ پشت پھیر کر بھاگ گئے تو اب وہ قتال نہیں کر رہے ہیں۔ پھر بھی ان کو پکڑنے اور قتل کرنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ قتال نہ کرے تب بھی ان سے جہاد کرنا واجب ہے (۲) دوسری آیت میں ہے۔ وقاتلوا المشرکین کافة کما یقاتلونکم کافة واعلموا ان الله مع المتقین (د) (آیت ۳۶، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ جس طرح کفار تمہارے ساتھ قتال کرتے رہے تھے تم بھی سب کفار سے قتال کرو۔ اور کفار ابھی ہیں اس لئے قتال بھی کرنا ہوگا چاہے وہ قتال نہ کریں (۳) حدیث میں ہے کہ مدینہ کے یہود نے ساز باز کی تھی لیکن ابھی قتال شروع نہیں کیا تھا پھر بھی حضورؐ اس کی طرف چلے اور مدینہ سے نکل جانے کا اشارہ دیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابی ہریرۃؓ انه قال بینا نحن فی المسجد اذ خرج الینا رسول الله ﷺ فقال انطلقوا الی یهود فخرجنا معه حتی جئناهم فقال رسول الله ﷺ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ہمیشہ ایک جماعت حق کے لئے قتال کرتی رہے گی اور قیامت تک غالب آتی رہے گی (ب) آپؐ نے فرمایا فتح مکہ کے بعد مکہ سے ہجرت فرض نہیں ہے لیکن جہاد فرض ہے۔ اور اس کی نیت کرنا بھی ضروری ہے۔ اور اگر جہاد کے لئے بلائے جاؤ تو ضرور جہاد کے لئے جاؤ (ج) اگر پشت پھیر لے تو اس کو پکڑو اور جہاں پاؤ اس کو قتل کرو۔ اور ان میں سے کسی کو دوست اور مددگار نہ بناؤ (د) مشرکین سے پورا پورا جنگ کرو جیسے وہ تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اور یقین کرو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

[۲۹۸۲](۳) ولا یجب الجهاد علی صبی ولا عبد ولا امرأة ولا اعمٰی ولا مُقعد ولا اقطع

فناداهم فقال یا معشر یهود اسلموا تسلموا ... وانی ارید ان اجلیکم من هذه الارض (الف)(ابوداؤد شریف، باب کیف کان اخراج الیهود من المدینة، ج ۲، ص ٦٦، نمبر ۳۰۰۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہود کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ حالانکہ انہوں نے ابھی قتال شروع نہیں کیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر قتال شروع کئے بھی جہاد کیا جا سکتا ہے۔

لغت یبدأ : بدء سے مشتق ہے شروع کرنا۔

[۲۹۸۲](۳) واجب نہیں ہے جہاد بچے پر اور نہ غلام پر اور نہ عورت پر اور نہ نابینا پر اور نہ اپاہج پر اور نہ لولے پر۔

وجہ یہ لوگ جہاد کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں (۲) بچے کے بارے میں بار بار حدیث گزر چکی ہے۔ عن علیؓ عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا، ص ۲۵٦، نمبر ۴۴۰۳) جب بچوں سے قلم اٹھالیا گیا اور اس پر کوئی عبادت واجب نہیں ہے تو جہاد بھی نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے کہ عبد اللہ بن عمر نے جہاد میں جانا بھی چاہا تو نہیں جانے دیا گیا۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ عرضه یوم احد وهو ابن اربع عشرة سنة فلم یجزه وعرضه یوم الخندق وهو ابن خمس عشرة سنة فاجازه (ج) (بخاری شریف، باب غزوة الخندق وهی الاحزاب، ص ۵۸۸، نمبر ۴۰۹۷ رابوداؤد شریف، باب الغلام یصیب الحد، ص ۲۵۷، نمبر ۴۴۰٦) اس حدیث میں پندرہ سال سے پہلے بچے کو جہاد میں جانے سے روک دیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ اس پر جہاد واجب نہیں ہے۔

غلام پر جہاد واجب نہیں ہے۔

وجہ وہ تو آقا کے حکم کے تحت ہے۔ اس لئے اس کی اجازت کے بغیر جمعہ میں بھی نہیں جا سکتا تو جہاد میں کیسے جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن الحارث بن عبد الله بن ابی ربیعة ان رسول الله ﷺ کان فی بعض مغازیه فمر باناس من مزینة فاتبعه عبد لامرأة منهم فلما کان فی بعض الطریق سلم علیه فقال فلان؟ قال نعم قال ما شأنک ؟قال اجاهد معک،قال أذنت لک سیدتک ؟قال لا ،قال ارجع الیها فاخبرها فان مثلک مثل عبد لا یصلی ان مت قبل ان ترجع الیها الخ (د)

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں تھے کہ حضورؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ یہود کے پاس چلو۔ ہم آپؐ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ یہود کے پاس آگئے۔ پس حضور کھڑے ہوئے اور ان کو آواز دی، فرمایا اے قوم یہود! اسلام لے آؤ محفوظ رہو گے ... میں چاہتا ہوں کہ تم کو اس زمین خیبر سے باہر نکال دوں (ب) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو جائے۔ اور بچے سے جب تک بالغ نہ ہو جائے اور مجنون سے جب تک عقل نہ آجائے (ج) حضورؐ کے پاس حضرت ابن عمرؓ کو جنگ احد کے وقت پیش کیا گیا اس وقت وہ چودہ سال کے تھے۔ تو اس کو اجازت نہیں ملی۔ اور غزوۂ خندق کے وقت پیش کیا اس وقت پندرہ سال کے تھے تو ان کو اجازت مل گئی (د) حضورؐ کسی غزوے میں تھے کہ مزینہ کے کچھ آدمیوں پر گزر ہوا تو ایک عورت کا غلام آپؐ کے پیچھے ہولیا۔ پس راستے کے درمیان اس نے سلام کیا۔ آپؐ نے پوچھا فلاں ہو؟ کہا ہاں! پوچھا آپ کا کیا حال ہے؟ کہا آپؐ کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا آپ کی سیدہ نے اجازت دی ہے؟ غلام نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا لوٹ جاؤ۔ اور بتاؤ کہ تم جیسے غلام اگر سیدہ کی طرف لوٹنے سے پہلے مرجائے تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(مستدرک للحاکم، کتاب الجہاد، ج ثانی، ص ۱۲۹، نمبر ۲۵۵۳ رسنن للبیہقی، باب من لایجب علیہ الجہاد، ج تاسع، ص ۳۹، نمبر ۱۷۸۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام پر جہاد فرض نہیں ہے۔ البتہ آقا کی اجازت سے جا سکتا ہے (۳) ایک حدیث میں ہے کہ ہجرت کے لئے بھی آقا کی اجازت کے بغیر نہیں کہتے تھے تو جہاد کے لئے کیسے کہیں گے۔ عن جابر قال جاء عبد فبایع النبی ﷺ علی الھجرۃ ولا یشعر النبی ﷺ انہ عبد فجاء سیدہ یریدہ فقال النبی ﷺ بعنیہ فاشتراہ بعبدین اسودین ثم لم یبایع احدا حتی یسألہ اعبد ھو (الف) (نسائی شریف، باب بیعۃ الممالیک، ص ۵۸۴، نمبر ۴۱۸۹ رابن ماجہ شریف، باب البیعۃ، ص ۴۱۵، نمبر ۲۸۶۹) جب ہجرت پر بیعت نہیں لیتے تو جہاد پر بیعت کیسے لیں گے۔ اس لئے اس پر عام حالات میں جہاد فرض نہیں ہے، ہاں! نفیر عام ہو جائے تو اس پر بھی دفاعی جہاد فرض ہوگا۔

عورت پر جہاد فرض نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشۃ ام المومنینؓ قالت استأذنت النبی ﷺ فی الجھاد فقال جھادکن الحج (ب) (بخاری شریف، باب جہاد النساء، ص، نمبر ۲۸۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے بلکہ اس کا جہاد حج کرنا ہے۔ البتہ جہاد میں شریک ہونا چاہیں تو شریک ہو سکتی ہیں۔ حدیث میں ہے۔ عن الربیع بنت معوذ قالت کنا مع النبی ﷺ نسقی ونداوی الجرحی ونرد القتلی (ج) (بخاری شریف، باب مداواۃ النساء الجرحیٰ فی الغزو، ص ۴۰۳، نمبر ۲۸۸۲) اس حدیث میں ہے کہ عورتیں جہاد میں شریک ہوتی تھیں اور مریضوں کو پانی پلاتی، زخمیوں کی دوا کرتی اور مقتول کے پاس آکر تیمارداری کرتی تھیں۔ عورتیں آج بھی ایسا کر سکتی ہیں۔

نابینا، اپاج اور لولے پر جہاد فرض نہیں ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لایجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للہ ولرسولہ ما علی المحسنین من سبیل (د) (آیت ۹۱، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ کمزور، بیمار اور جو خرچ کرنے کا مال نہیں رکھتا ہے ان پر جہاد نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ لوگوں پر جہاد نہیں ہے۔ آیت میں ہے۔ لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج (ہ) (آیت ۱۷، سورۃ الفتح ۴۸) دوسری آیت میں ہے۔ لایستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم (و) (آیت ۹۵، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں غیر اولی الضرر سے معلوم ہوا کہ جس کو ضرر ہو اور اپاج ہو اس پر جہاد فرض نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے۔ فاتی عمرو بن الجموح رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ ﷺ ان بنی ھؤلاء یمنعون ان اخرج معک واللہ

حاشیہ: (الف) ایک غلام حضورؐ کے پاس آیا اور ہجرت کرنے پر بیعت کی۔ اور حضور کو پتا نہیں تھا کہ وہ غلام ہے۔ پھر اس کا مالک اس کو لینے آیا تو آپؐ نے فرمایا اس کو بیچ دو۔ تو آپؐ نے دو کالے غلام کے بدلے اس کو خریدا۔ پھر یہ معلوم کئے بغیر کہ وہ غلام ہے آپؐ نے بیعت نہیں کی (ب) حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے جہاد کے لئے اجازت مانگی تو آپؐ نے فرمایا تم لوگوں کا جہاد حج ہے (ج) ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں کہ ہم عورتیں حضورؐ کے ساتھ جہاد میں تھیں۔ ہم پانی پلاتیں، زخمیوں کی تیمارداری کرتیں اور مقتول کو اپنی جگہ سے منتقل کرتیں۔ (د) کمزوروں پر، بیماروں پر اور لوگوں پر جو خرچ کرنے کے لئے مال نہیں پاتے کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ جہاد نہ کریں۔ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے خیر خواہی کرتے ہیں۔ اور اچھے کام کرنے والوں پر کوئی راستہ نہیں ہے یعنی الزام نہیں ہے (ہ) اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے اگر وہ جہاد نہ کریں اور نہ اپاج پر اور نہ بیمار پر (و) جن کو حرج نہیں ہے وہ بیٹھنے والے مومن اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے برابر نہیں ہو سکتے۔

[۲۹۸۳](۴) فان هجم العدو علی بلد وجب علی جمیع المسلمین الدفع تخرج المرأة بغیر اذن زوجها والعبد بغیر اذن مولی.

انی لارجو ان استشھد فاطأ بعرجتی ھذہ فی الجنة فقال له رسول الله ﷺ اما انت فقد وضع الله عنک الجھاد (الف) (سنن للبیہقی، باب من اعتذر بالضعف والمرض والزمانة والعذر فی ترک الجھاد، ج تاسع، ص ۴۲، نمبر ۱۷۸۲۱) اس حدیث میں ہے کہ معذور پر جہاد نہیں ہے۔

لغت تقعد : عقد سے مشتق ہے۔ جو بیٹھا ہوا ہو یعنی اپاہج، اقطع : قطع سے مشتق ہے جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو یعنی لولا۔

[۲۹۸۳](۴) پس اگر چڑھ آئے دشمن کسی شہر پر تو تمام مسلمانوں پر مدافعت واجب ہے۔ نکلے گی بیوی اپنی شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر۔

تشریح کافر دشمن کسی شہر پر چڑھ آیا، اس وقت اس شہر والوں پر اپنی جان، مال اور عزت کی حفاظت ضروری ہے۔ اور عام مسلمانوں پر بھی اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں ہر آدمی پر جہاد فرض عین ہو جائے گا۔ اس کے لئے عورت بغیر شوہر کی اجازت کے اور غلام بغیر آقا کی اجازت کے جہاد کے لئے نکل سکتے ہیں۔

وجہ آیت میں نہ نکلنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل الله اثاقلتم الی الارض، ارضیتم بالحیوة الدنیا من الآخرة فما متاع الحیوة الدنیا فی الآخرة الا قلیل o الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما (ب) (آیت ۳۸/۳۹، سورة التوبة ۹) جب جنگ عام ہو جائے ایسے موقع پر نہ نکلنے پر ان آیتوں میں تنبیہ کی گئی ہے (۲) دوسری آیت میں ہے۔ انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل الله (ج) (آیت ۴۱، سورة التوبة ۹) (۳) ایک اور آیت میں ہے۔ ما کان لاھل المدینة ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول الله ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسه (د) (آیت ۱۲۰، سورة التوبة ۹) ان آیتوں میں بھی جہاد کے لئے نہ نکلنے پر تنبیہ کی گئی ہے (۴) حدیث میں ہے کہ ہنگامی حالات میں امہات المومنین جہاد کے لئے نکلیں۔ عن انسؓ قال لما کان یوم احد انھزم الناس عن النبی ﷺ قال و لقد رأیت عائشة بنت ابی بکر وام سلیم وانھما لمشمرتان اری خدم سوقھما تنقزان القرب وقال غیرہ تنقلان القرب علی متونھما ثم

حاشیہ : (الف) حضرت عمر بن جموحؓ حضورؐ کے پاس آکر کہنے لگے یا رسول اللہ! میرے بیٹے آپؐ کے ساتھ نکلنے سے روکتے ہیں۔ اور میں آپؐ کے ساتھ شہید ہونا چاہتا ہوں تاکہ لنگڑے پاؤں کے ساتھ جنت میں ملوں۔ آپؐ نے فرمایا تم سے اللہ نے جہاد معاف کر دیا ہے (ب) اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا جب تم کو اللہ کے راستے میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم زمین کی طرف بوجھل ہوئے جاتے ہو۔ کیا آخرت کے مقابلے پر دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہو۔ حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کا سامان بہت تھوڑا ہے۔ اگر نہ نکلو تو تم کو دردناک عذاب دیں گے (ج) ہلکے ہونے کی حالت میں اور بوجھل ہونے کی حالت میں بھی نکلو (یعنی مال ہو تب بھی اور مال نہ ہو تب بھی جہاد میں نکلو) اور مال اور جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو (د) اہل مدینہ اور ان کے ارد گرد دیہاتیوں کو کیا ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جہاد میں پیچھے رہتے ہیں۔ اور خود سے رغبت کا اظہار نہیں کرتے۔

[۲۹۸۴] (۵)واذا دخل المسلمون دار الحرب فحاصروا مدینة او حصنا دعوهم الی

تفرغانه فی افواه القوم ثم ترجعان فتملآنها ثم تجیئان فتفرغانه فی افواه القوم (الف) (بخاری شریف، باب غزو النساء وقتالھن مع الرجال، ص ۴۰۳، نمبر ۲۸۸۰ر مسلم شریف، باب غزوۃ النساء مع الرجال، ص ۱۱۶، نمبر ۱۸۱۱) اس حدیث میں ہے کہ جنگ احد میں حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ جہاد میں شریک ہوئیں اور صحابہ کی تیمارداری کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہنگامی حالات میں عورتوں پر بھی جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

[۲۹۸۴] (۵) اگر مسلمان دار الحرب میں داخل ہوں اور کسی شہر یا قلعے کا محاصرہ کر لیں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں، پس اگر وہ مان لیں تو ان کے قتل کرنے سے رک جائیں۔

تشریح کفار سے قتال کرنے کا مقصد مسلمان بنانا ہے اس لئے اگر وہ قتال سے پہلے ہی مسلمان ہو جائیں تو قتال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس لئے جنگ شروع کرنے سے پہلے ان کو اسلام لانے کی دعوت دیں۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال ما قاتل رسول الله ﷺ قوما حتی دعاهم (ب) (مستدرک حاکم، کتاب الایمان، ج اول، ص ۶۱، نمبر ۳۷ر مسند احمد، باب مسند ابن عباس، ج اول، ص ۳۹۰، نمبر ۲۱۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ قتال سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے (۲) دوسری حدیث میں تفصیل ہے جس کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن سلیمان بن بریدہ عن ابیه قال کان رسول الله ﷺ اذا امر امیرا علی جیش ... واذا لقیت عدوک من المشرکین فادعهم الی ثلاث خصال او خلال. فایتهن ما اجابوک فاقبل منهم و کف عنهم ثم ادعهم الی الاسلام فان اجابوک فاقبل منهم و کف عنهم... فان هم ابوا فسلهم الجزیة، فان هم اجابوک فاقبل منهم و کف عنهم، فان هم ابوا فاستعن بالله وقاتلهم (ج) (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیة ایاھم بآداب الغزو وغیرھا، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱ر ابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دو۔ نہ مانے تب جزیہ کی پیشکش کرو۔ اس کو نہ مانے تب قتال کرو۔ اسلام قبول کر لے تو قتال سے رک جائے اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔ عن انس بن مالک قال قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله. فاذا قالوها وصلوا صلاتنا واستقبلوا قبلتنا وذبحوا ذبیحتنا

حاشیہ : (الف) جنگ احد کے دن لوگ شکست کھا کر حضورؐ سے پیچھے پیچھے رہ گئے تو حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا کہ وہ کپڑا چڑھائی ہوئی تھیں اور مشکیزے سے زخمیوں کو پانی ڈال رہی تھیں۔ لوگوں نے کہا مشکیزہ اپنے کندھوں پر لا رہی تھیں پھر قوم کے منہ میں ڈالتی تھیں۔ پھر واپس بھر کر لاتی تھیں اور قوم کے منہ میں ڈالتی تھیں (ب) حضورؐ نے اسلام کی دعوت دیئے بغیر کسی قوم سے جنگ نہیں کی (ج) آپ جب کسی کو لشکر پر امیر بناتے...تو فرماتے جب تم مشرک دشمنوں سے مقابلے کے لئے آؤ تو ان کو تین باتوں کی طرف بلاؤ۔ جس بات کو بھی پسند کر لے تو ان سے قبول کر لو۔ اور ان سے جنگ روک لو۔ پھر ان کو اسلام لانے کی دعوت دو پس اگر اس کو پسند کر لے تو ان سے قبول کر لو اور جنگ روک دو۔ اور اگر انکار کر دے تو ان سے جزیہ مانگو، پس اگر اس کو پسند کرے تو ان سے قبول کر لو اور جنگ روک دو۔ اور اگر اس سے بھی انکار کر دے تو اللہ سے مدد مانگو اور ان سے قتال کرو۔

الاسلام فان اجابوهم كفّوا عن قتالهم[۲۹۸۵](٦) وان امتنعوا دعوهم الى اداء الجزية

فقد حرمت علينا دماؤهم واموالهم الا بحقها وحسابهم على الله (الف) (بخاری شریف، باب فضل استقبال القبلة ص ۵٦، نمبر ۳۹۲ رمسلم شریف، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ الخ ص ۳۷، نمبر ۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس لام لے آئے تو اس سے جنگ کرنا حرام ہے۔

لغت حصن : محفوظ جگہ، قلعہ۔ اجابوا : قبول کرلے۔ کف : رک جائے۔

[۲۹۸۵] (٦) اگر وہ رک جائیں تو بلائیں ان کو جزیہ کی ادائیگی کی طرف، پس اگر وہ دیدیں تو ان کے لئے وہ ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اور ان پر وہ ہیں جو مسلمانوں پر ہیں۔

تشریح اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کو جزیہ دینے کے لئے کہیں۔ اگر وہ جزیہ دینا منظور کرلیں تو ان کا خون، جان، مال مسلمانوں کی طرح محفوظ ہو جائیں گے۔ اور جو حقوق مسلمانوں کو ملتے ہیں وہی حقوق ان کو بھی ملیں گے۔ اور غلطیوں کی جو سزائیں مسلمانوں کو دی جاتی ہیں وہی سزائیں ان کو بھی دی جائیں گی۔ گویا کہ معاملات میں وہ مسلمان کی طرح ہو گئے۔

وجہ جزیہ کی طرف بلانے کی دلیل اوپر کی حدیث میں تھی اور یہ بھی ہے کہ وہ جزیہ قبول کرلیں تو ان سے قتال روک دیا جائے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن سليمان بن بريدة عن ابيه ... فان هم ابوا فسلهم الجزية، فان هم اجابوك فاقبل منهم وكف عنهم** (ب) (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث الخ، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱ رابو داؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳٦۱، نمبر ۲٦۱۲) اس حدیث میں ہے کہ اسلام نہ لائے تو جزیہ کی طرف بلاؤ۔ اور یہ کرلے تو ان سے جنگ روک دو (۲) آیت میں ہے۔ **قاتلوا الذين لايؤمنون بالله ولاباليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون** (ج) (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ اس وقت تک قتال کرو جب تک جزیہ نہ دیدیں۔

کفار جزیہ دینے لگیں تو اس کا حق مسلمانوں کی طرح ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **قال علىّ من كانت له ذمتنا فدمه كدمنا** (د) (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات، ج ثالث، ص ۱۰۷، نمبر ۳۲٦۷) اس اثر میں ہے کہ جو ہماری ذمیت میں آجائے تو اس کا خون ہمارے خون کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا لوگوں سے اس وقت تک قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہوں جب تک لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں، پس جب کہہ لیں اور ہماری نماز پڑھنے لگیں اور ہمارے قبلے کا استقبال کرنے لگیں اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں تو ہم پر ان کا خون اور ان کا مال حرام ہے مگر کسی حق کی وجہ سے اور ان کا باقی حساب اللہ پر ہے (ب) سلیمان بن بریدہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ... پس اسلام سے انکار کردے تو ان سے جزیہ مانگے۔ پس اگر اس کو قبول کرے تو ان سے قبول کرلیں اور ان سے جنگ روک لیں (ج) جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور جو اللہ اور اس کے رسول حرام کرتے ہوں اس کو حرام نہ سمجھتے ہوں۔ اور اہل کتاب میں سے جو دین حق کی اتباع نہ کرتے ہوں ان سے اس وقت تک جنگ کرتے رہئے یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر جزیہ دینے لگیں (د) حضرت علیؓ نے فرمایا جو ہمارے ذمی بن گئے ہیں ان کا خون ہمارے خون کی طرح محفوظ ہے۔

فان بذلوها فلهم ما للمسلمین وعلیهم ما علیهم [۲۹۸۶](۷) ولا یجوز ان یُقاتل من لم تبلغه دعوة الاسلام الا بعد ان یدعوهم[۲۹۸۷] (۸) ویستحب ان یدعو من بلغته الدعوة الی الاسلام ولا یجب ذلک.

طرح ہوجائے گا یعنی اس کا خون محفوظ ہوجائے گا۔

لغت بذل : خرچ کرے۔

[۲۹۸۶](۷) اور نہیں جائز ہے کہ قتال کرے اس سے جس کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو مگر یہ کہ اس کو دعوت دے۔

تشریح جن کفار کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان کو دعوت دیئے بغیر قتال کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ حضورؐ جب تک دعوت نہ دے لیتے کفار سے قتال شروع نہ کرتے۔ اس لئے قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے۔ تاکہ ان کو بھی پتا چل جائے کہ ہم اسلام کو عام کرنے کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔ مال لوٹنے اور لوگوں کو غلام باندی بنانے کے لئے جہاد نہیں کر رہے ہیں (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ عن سلیمان بن بریدة عن ابیه ... ثم ادعهم الی الاسلام فان اجابوک فاقبل منهم وکف عنهم (الف) (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱ / ابو داؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) (۳) ایک اور حدیث گزری۔ عن ابن عباسؓ قال ما قاتل رسول الله ﷺ قوما حتی دعاهم (ب) (مستدرک حاکم، کتاب الایمان، ج اول، ص ۶۱، نمبر ۳۷ / مسند احمد، باب مسند عبد الله ابن عباسؓ، ج اول، ص ۳۹۰، نمبر ۲۱۰۶) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کفار کو دعوت دینے سے پہلے قتال نہ کرے۔

[۲۹۸۷](۸) اور مستحب ہے کہ جس کو دعوت پہنچی ہو اس کو بھی دعوت دے اسلام کی لیکن واجب نہیں ہے۔

تشریح جن کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو مستحب ہے کہ قتال سے پہلے ان کو دوبارہ دعوت دے۔ لیکن چونکہ دعوت پہنچ چکی ہے اس لئے دوبارہ دعوت دینا واجب نہیں ہے، مستحب ہے۔

وجہ اوپر کی احادیث سے معلوم ہوا کہ دعوت دے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ بنی مصطلق پر رات میں حملہ کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو قتال سے پہلے اسلام کی دعوت نہیں دی۔ جس سے معلوم ہوا کہ جن کو دعوت پہنچ چکی ہو اس کو دوبارہ دعوت دینا واجب نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ کتبت الی نافع فکتب الی ان النبی ﷺ اغار علی بنی المصطلق وهم غارون وانعامهم تسقی علی الماء فقتل مقاتلتهم وسبی ذراریهم واصاب یومئذ جویریة (ج) (بخاری شریف، باب من ملک من العرب رقیقا فوهب وجامع وفدی وسبی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا... پھر ان کو اسلام لانے کی دعوت دو، پس اگر پسند کرے تو ان سے قبول کرلو اور ان سے جنگ روک دو (ب) حضورؐ نے کسی قوم سے اس وقت تک قتال نہیں کیا جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہ دی (ج) حضورؐ نے بنی مصطلق پر رات میں دھاوا بولا کیونکہ وہ بھی دھاوا بولنے والے تھے۔ اور ان کے جانور چشمے پر چر رہے تھے۔ تو ان کے جنگ کرنے والے مردوں کو قتل کیا اور ان کے بچوں کو قید کیا اور اس دن حضرت جویریہ قید ہوئیں۔

[۲۹۸۸](۹) فان ابوا استعانوا بالله تعالی علیهم وحاربوهم ونصبوا علیهم المجانیق

الذریۃ، ص ۳۴۵، نمبر ۲۵۴۱) اس حدیث میں ہے کہ بنی مصطلق پر رات میں حملہ کیا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر غارت گری کی تھی۔

[۲۹۸۸](۹) پس اگر انکار کرے تو اللہ سے مدد مانگ کر ان سے لڑائی کریں۔ اور ان پر منجنیقین لگائیں اور ان کو جلائیں اور ان پر پانی چھوڑ دیں اور ان کے درختوں کو کاٹ ڈالیں اور ان کی کھیتیاں اجاڑ دیں۔

تشریح جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیں تو ان سے قتال کیا جائے گا۔ اور قتال کرنے کی مختلف صورتیں ہیں جو اس زمانے میں رائج تھیں۔ مثلا ان پر منجنیق نصب کریں، ان کے گھروں کو آگ لگا دیں، ان پر گرم پانی چھوڑ دیں تا کہ وہ مر جائیں یا مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیں۔ ان کے درختوں کو کاٹ دیں۔ اور ان کی کھیتیوں کو اجاڑ دیں تا کہ وہ مجبور ہو جائے۔

وجہ جزیہ نہ دینے پر قتال کریں اس کی دلیل اوپر کی حدیث میں گزر چکی ہے۔ عن سلیمان بن بریدة عن ابیه ... فان ابوا فاستعن بالله وقاتلهم (الف) (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱ / ابو داؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزیہ دینے کے لئے بھی تیار نہ ہو تو اللہ کا نام لیکر قتال شروع کرے۔ اس کے لئے منجنیق یا اس زمانے کا اٹم بم استعمال کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی عبیدؓ ان رسول الله ﷺ حاصر اهل الطائف ونصب علیهم المنجنیق سبعة عشر یوما (ب) (سنن للبیہقی، باب قطع الشجر حرق المنازل، ج تاسع ص ۱۴۴، نمبر ۱۸۱۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان پر منجنیق نصب کرے۔

جلانے کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ قال حرق رسول الله ﷺ نخل بنی النضیر وقطع وهی البویرة فنزل ما قطعتم من لینة او ترکتموها قائمة علی اصولها فباذن الله ولیخزی الفاسقین (ج) (آیت ۵، سورۃ الحشر ۵۹ / بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیهم فی دیۃ الرجلین، ص ۵۷۴، نمبر ۴۰۳۱ / مسلم شریف، باب جواز قطع اشجار الکفار وتحریقها، ج ۲، ص ۸۵، نمبر ۱۷۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کے گھروں کو جلا سکتے ہیں۔ اور اس کے درختوں کو کاٹ سکتے ہیں اگر ضرورت پڑ جائے تو۔ اس حدیث میں درخت کاٹنے اور کھیتی برباد کرنے کی بھی دلیل ہے۔

کفار پر پانی چھوڑے یا اس کا پانی بند کرے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن علی قال امرنی رسول الله ﷺ ان اغور ماء آبار بدر (د) (سنن للبیہقی، باب قطع الشجر وحرق المنازل، ج تاسع ص ۱۴۵، نمبر ۱۸۱۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کا پانی بند کرے اور ضرورت پڑے تو گرم پانی اس پر ڈالے تا کہ میدان جنگ سے بھاگ جائے۔

حاشیہ : (الف) حضرت سلیمان کی حدیث میں ہے... پس اگر کفار جزیہ دینے سے بھی انکار کرے تو اللہ سے مدد مانگو اور ان سے جنگ کرو (ب) آپؐ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا اور ان پر سترہ دنوں تک منجنیق متعین کئے رکھا (ج) آپؐ نے بنی نضیر کے باغ کو جلایا اور اس کو کاٹا جس کا نام بویرہ تھا۔ جس کی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جو تم تر درخت کاٹو یا اس کو تنے پر چھوڑ دو تو اللہ کے حکم سے ہے۔ اور فاسقوں کو ذلیل کرنے کے لئے ہے (د) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے مجھے حکم دیا کہ بدر کے پانی کو نیچے اتار دوں۔

وحرقوهم وارسلوا علیهم الماء وقطعوا اشجارهم وافسدوا زروعهم[۲۹۸۹](۱۰) ولا بأس برمیهم وان کان فیهم مسلم اسیر او تاجر وان تترسوا بصبیان المسلمین او

یہ سب کام ضرورت پڑنے پر کرے ورنہ اس کی ضرورت نہ ہو تو ان کے پھل دار درختوں کو نہ کاٹے اور نہ کھیتیوں کو برباد کرے۔

وجہ حضرت ابوبکرؓ کی وصیت میں ہے۔ان ابا بکر لما بعث الجنود نحو الشام یزید بن ابی سفیان وعمرو بن العاص وشرحبیل بن حسنة ... وان هم ابوا فاستعینوا بالله علیهم فقاتلوهم ان شاء الله ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنها ولا تعقروا بهیمةولا شجرة تثمر ولا تهدموا بیعة ولا تقتلوا الولدان ولا الشیوخ ولا النساء وستجدون اقواما حبسوا انفسهم فی الصوامع فدعوهم وما حبسوا انفسهم له وستجدون آخرین اتخذوا الشیطان فی رؤوسهم افحاصا فاذا وجدتم اولئک فاضربوا اعناقهم ان شاء الله (الف) (سنن للبیہقی، باب من اختار الکف عن القطع والتحریق اذا کان الاغلب انها ستصیر دار اسلام اودار عھد، ج تاسع، ص ۱۴۶، نمبر ۱۸۱۲۵ رموطا امام مالک، باب النھی عن قتل النساء والولدان فی الغزو، ص ۴۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بلاضرورت نہ پھل دار درخت کاٹے اور نہ کھیتی اجاڑے۔

لغت مجانیق : منجنیق کی جمع ہے، پچھلے زمانے میں گولہ پھینکنے کا آلہ تھا اس کو میزائل کہنے لگے ہیں۔ ارسل : چھوڑنا، پھینکنا۔

[۲۹۸۹](۱۰) اور کوئی حرج نہیں ہے ان پر تیر چلانے میں اگر چہ ان میں مسلمان قیدی یا تاجر ہوں۔ اور اگر وہ ڈھال کی طرح کر لیں مسلمان کے بچوں کو یا قیدیوں کو تب بھی نہ رکیں تیر برسانے سے۔ اور تیر مارنے کا ارادہ کریں کفار کو نہ کہ مسلمانوں کو۔

تشریح مسلمان بچوں کو یا قیدیوں کو کفار نے پکڑ لیا اور ان کو آگے کر دیا تا کہ مسلمانوں کا تیر مسلمان بچوں یا قیدیوں کو لگے اور کفار بچ جائیں، ایسی صورت میں بھی مسلمان کفار پر تیر یا بندوق برسائے اور اس میں کفار کو مارنے کا ارادہ کرے۔ تاہم اس سے مسلمان بچے یا قیدی مر جائیں تو گناہ نہیں ہے کیونکہ ان کو مارنے کا ارادہ نہیں کیا۔ بلکہ مجبوری کی وجہ سے ان پر تیر لگا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ کفار کی عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو لیکن وہ درمیان میں آجائیں اور مقتول ہو جائیں تو گناہ نہیں ہے البتہ ارادہ کر کے ان کو مارنا جائز نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔عن الصعب بن جثامةؓ قال مر بی النبی ﷺ بالابواء او بودان فسئل عن اهل الدار یبیتون من المشرکین فیصاب من نسائهم وذراریهم ؟ قال هم منهم (ب) (بخاری شریف، باب اہل الدار یبیتون فیصاب

حاشیہ : (الف) حضرت ابوبکرؓ نے لشکر شام کی طرف بھیجا... اور یہ فرمایا اگر وہ جزیہ سے بھی انکار کرے تو اللہ سے مدد مانگو اور ان شاء اللہ ان سے جنگ کرو۔ درختوں کو پانی میں نہ ڈباؤ اور نہ اس کو جلاؤ۔ اور نہ جانور کے پاؤں کاٹو اور نہ پھل دار درخت کاٹو۔ اور نہ گرجاؤں کو گراؤ اور نہ بچوں کو قتل کرو۔ اور نہ بوڑھوں کو اور نہ عورتوں کو قتل کرو۔ ایسے لوگ بھی ملیں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گرجاؤں میں محبوس کر رکھا ہے ان کو اسی حال پر چھوڑ دو۔ کچھ ایسے لوگ پائیں گے کہ شیطان کو اپنا سردار بنا رکھا ہے۔ ایسے لوگ ملیں تو اگر مناسب ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو (ب) صعب بن جثامہ فرماتے ہیں کہ مقام ابواء یا مقام باودان میں حضورؐ میرے سامنے سے گزرے تو مشرکین کے گھروں میں جو لوگ عورتیں اور بچے رہتے ہیں ان کے بارے میں پوچھا۔ تو آپؐ نے فرمایا ان کا شمار مشرکین میں سے ہے۔

بالأسارٰی لم یکفوا عن رمیھم ویقصدون بالرمی الکفار دون المسلمین[۲۹۹۰](۱۱) ولا بأس باخراج النساء والمصاحف مع المسلمین اذا کانوا عسکرا عظیما یؤمن علیه

الولدان والذراری،ص۴۲۳،نمبر۳۰۱۲)اور طبرانی کی روایت میں یہ جملہ زیادہ ہے۔**انه قال یا رسول الله اطفال المشرکین نصیبھم فی الغارة باللیل قال لا تعمدوا ذلک ولا حرج قال اولادھم منھم** (الف)(کنز العمال،ج ثانی،ص۲۸۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین کی اولاد اور عورتوں کو ارادہ کر کے مت مارو لیکن درمیان میں ان کو لگ جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔اسی پر قیاس کر کے مسلمان بچوں کو اور قیدیوں کو تیر لگ جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔البتہ ان کا ارادہ کر کے تیر نہ پھینکے۔

کافروں کی عورتوں اور بچوں کو بلاوجہ قتل کرنا ممنوع ہے اس کی دلیل اس حدیث میں ہے۔**عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأة مقتولة فی بعض مغازی رسول الله ﷺ فنھی رسول الله عن قتل النساء والصبیان** (ب)(بخاری شریف،باب قتل النساء فی الحرب،ص ۴۲۳،نمبر۳۰۱۵)اس حدیث میں مشرکین کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ہاں!عورت حملہ آور ہو تو وہ قتل کی جائے گی۔

مسئلہ نمبر۹ میں حضرت ابو بکرؓ کا بھی قول گزرا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو۔**ولا تقتلوا الولدان ولا الشیوخ ولا النساء** (سنن للبیہقی،نمبر۱۸۱۲۵)

لغت تترسوا : ترس سے مشتق ہے ڈھال، الاساری : اسیر کی جمع ہے قیدی، لم یکفو : کف سے مشتق ہے نہ رکے، رمی : تیر پھینکنا۔

[۲۹۹۰](۱۱)اور کوئی حرج نہیں ہے عورتوں اور قرآن کو لے جانے میں مسلمانوں کے ساتھ جبکہ بڑا لشکر ہو اور ان پر اطمینان ہو۔اور ان کو لے جانا مکروہ ہے چھوٹے لشکر میں جس میں اطمینان نہ ہو۔

تشریح لشکر بڑا ہو اور اطمینان ہو کہ ہار نہیں کھائیں گے اور کفار عورتوں کی توہین نہیں کر پائیں گے تو عورتوں اور قرآن کو ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور اگر سریہ یعنی چھوٹا لشکر ہے جس میں خطرہ ہے کہ کفار کے ہاتھوں عورتوں کی توہین ہوگی یا قرآن کریم کی توہین ہوگی تو ان کو ساتھ لے جانا اچھا نہیں ہے۔

وجہ احادیث میں دونوں کا ثبوت ہے۔**عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ نھی ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو** (ج)(بخاری شریف،باب کراہیۃ السفر بالمصاحف الی ارض العدو،ص۴۱۹،نمبر۲۹۹۰رمسلم شریف،باب النھی ان یسافر بالمصحف الی ارض الکفار اذا خیف وقوعہ بایدیھم،ج ۳،ص ۱۳۱،نمبر ۱۸۶۹)اس حدیث میں قرآن کریم کو دشمن کی زمین میں لے جانے سے منع فرمایا ہے۔دوسری حدیث میں وجہ یہ بیان کی کہ دشمن کہیں اس کی توہین نہ کرے۔**مخافة ان یناله العدو** (مسلم شریف،باب مذکور،نمبر۱۸۶۹ر۴۸۴۰)

حاشیہ : (الف)پوچھا یا رسول اللہ!مشرکین کی اولاد جنگ میں رات میں ملتے ہیں؟آپؐ نے فرمایا جان کران کو مت مارو،اور کوئی حرج نہیں ہے۔البتہ ان کی اولاد مشرک ہی ہیں(ب)حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو حضور کی جنگ میں قتل کیا ہوا پایا تو حضورؐ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا(ج)آپؐ نے دشمن کی زمین میں قرآن لیکر سفر کرنے سے منع فرمایا،کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن قرآن کی توہین کرے۔

ویکرہ اخراج ذلک فی سریۃ لایؤمن علیھا[۲۹۹۱](۱۲) ولا تقاتل المرأۃ الا باذن زوجھا ولا العبد الا باذن سیدہ الا ان یھجم العدو.

اور بڑا لشکر ہو تو لے جانا جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عمرؓ عن النبی و قد سافر النبی ﷺ واصحابہ فی ارض العدو وھم یعلمون القرآن** (الف) (بخاری شریف، باب کراہیۃ السفر بالمصاحف الی ارض العدو، ص ۴۱۹، نمبر ۲۹۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اطمینان ہو تو قرآن ساتھ لے جا سکتا ہے۔

اسی پر عورت کو ساتھ لے جانے کو بھی قیاس کر لیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں عورتوں کو ساتھ نہیں لے گئے کیونکہ وہاں توہین کا خطرہ تھا اور جنگ احد میں عورتیں شریک ہوئیں اس لئے کہ وہ جگہ مدینہ سے قریب ہے۔

لغت عسکر : لشکر، سریۃ : دستہ، فوج، چھوٹا لشکر، مصاحف : مصحف کی جمع ہے قرآن کریم۔

[۲۹۹۱] (۱۲) قتال نہ کرے عورت مگر شوہر کی اجازت سے اور نہ غلام مگر آقا کی اجازت سے مگر یہ کہ دشمن چڑھ آئے۔

تشریح دشمن چڑھ آئے تب تو اپنی اور قوم کی دفاع کے لئے بغیر شوہر کی اجازت سے عورت قتال کرے گی اور غلام بھی بغیر آقا کی اجازت کے قتال کرے گا۔ البتہ عام حالات میں عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر جہاد میں نہ جائے۔

وجہ غلام آقا سے اجازت کے بغیر قتال نہ کرے اس کی دلیل پہلے مسئلہ نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔ **عن الحارث بن عبد اللہ بن ابی ربیعۃ ان رسول اللہ ﷺ کان فی بعض مغازیہ فمر باناس من مزینۃ فاتبعہ عبد لامرأۃ منھم فلما کان فی بعض الطریق سلم علیہ فقال فلان قال نعم! قال ما شانک ؟ قال اجاھد معک قال اذنت لک سیدتک؟ قال لا !قال ارجع الیھا فاخبرھا فان مثلک مثل عبد لایصلی ان مت قبل ان ترجع الیھا** (ب) (مستدرک للحاکم، کتاب الجہاد، ج ثانی، ص ۱۲۹، نمبر ۲۵۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں غلام کو آقا کی اجازت کے بغیر قتال کرنا جائز نہیں ہے۔ اور عورت کے لئے اس مسئلے پر قیاس کر سکتے ہیں۔ **سمعت عبد اللہ بن عمرؓ یقول جاء رجل الی النبی ﷺ یستأذنہ فی الجھاد فقال احی والداک ؟ قال نعم ! قال ففیھما فجاھد** (ج) (بخاری شریف، باب الجہاد باذن الابوین، ص ۴۲۱، نمبر ۳۰۰۴ رمسلم شریف، باب بر الوالدین ایھما احق بہ، ج ۲، ص ۳۱۲، نمبر ۲۵۴۹، کتاب البر والصلۃ) اس حدیث میں ہے کہ لڑکا والدین کی اجازت کے بغیر عام حالات میں جہاد میں نہ جائے، کیونکہ اس کی خدمت کی ضرورت ہے اسی طرح عورت بھی عام حالات میں شوہر کی اجازت کے بغیر نہ جائے کیونکہ اس کی خدمت کی

حاشیہ : (الف) حضور اور آپؐ کے اصحاب دشمن کے ملک میں سفر کرتے اور قرآن کو بھی سیکھتے سکھاتے رہتے (ب) آپؐ کسی غزوہ میں قبیلہ مزینہ کے کچھ لوگوں کے سامنے سے گزرے۔ پس ان میں سے کسی عورت کا غلام آپؐ کے پیچھے ہو لیا اور راستے میں آپ کو سلام کیا تو آپؐ نے پوچھا فلاں ہو؟ کہا ہاں آپؐ نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا آپؐ کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ پوچھا تیری سیدہ نے تم کو اجازت دی ہے؟ کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا واپس لوٹ جاؤ اور اس کو بتاؤ کہ تم جیسے غلام سیدہ کے پاس واپس لوٹنے سے پہلے مر جائے تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی (ج) ایک آدمی حضورؐ کے پاس جہاد کی اجازت کے لئے آیا تو آپؐ نے پوچھا کیا والدین زندہ ہیں؟ کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا ان کی خدمت کرو یہی تمہارا جہاد ہے۔

[۲۹۹۲](۱۳) وینبغی للمسلمین ان لا یغدروا ولا یغلّوا ولا یمثلوا ولا یقتلوا امرأۃ ولا

ضرورت ہے۔

[۲۹۹۲](۱۳) مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ دھوکا نہ کریں، خیانت نہ کریں، مثلہ نہ کریں، عورت کو قتل نہ کریں، بچے کو قتل نہ کریں، بالکل بوڑھے کو اندھے کو اپاہج کو قتل نہ کریں مگر یہ کہ ان میں سے کوئی جنگ کے بارے میں صاحب رائے ہو تو قتل کیا جا سکتا ہے۔

تشریح مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ وعدہ کرنے کے بعد کفار سے دھوکا نہ کرے۔ امانت میں خیانت نہ کرے، قیدیوں کے ناک کان نہ کاٹے، عورت کو قتل نہ کرے، بچہ، بہت بوڑھا، اندھا اور اپاہج کو قتل نہ کرے، ہاں ان لوگوں میں سے کوئی ایسا آدمی ہو جو جنگ کے سلسلے میں رائے دیتا ہو تو اس کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ یا قتال میں شریک ہو تو کفار، ان کے بچے، بوڑھے، اندھے، عورت اور اپاہج کو قتل کر سکتا ہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا امر امیرا علی جیش او سریۃ اوصاہ فی خاصتہ بتقوی اللہ عز وجل ومن معہ من المسلمین خیرا ثم قال اغزوا باسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ اغزوا فلا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا (الف) (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیۃ ایاھم بآداب الغزو وغیرھا، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱/ابو داؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث میں ہے کہ دھوکا نہ دے، خیانت نہ کرے، مثلہ نہ کرے اور بچے کو قتل نہ کرے۔ اور عورت اور بچے کو قتل نہ کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأۃ مقتولۃ فی بعض مغازی رسول اللہ ﷺ فنھی رسول اللہ ﷺ عن قتل النساء والصبیان (ب) (بخاری شریف، باب قتل النساء فی الحرب، ص ۴۲۳، نمبر ۳۰۱۵/مسلم شریف، باب تحریم قتل النساء والصبیان فی الحرب، ص ۸۴، نمبر ۱۷۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اور بچے کو قتل نہ کرے اور اسی پر بہت بوڑھے کو قیاس کر لیں۔ ابو داؤد میں شیخ فانی کا لفظ بھی ہے۔ حدثنی انس بن مالکؓ ان رسول اللہ ﷺ قال انطلقوا باسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ، ولا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا امرأۃ ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۴) اس حدیث میں ہے کہ بہت بوڑھے کو بھی قتل نہ کرے۔

البتہ اگر جنگ میں شرکت کرے یا جنگ میں رائے دے تو قتل کر سکتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن سمرۃ بن جندبؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اقتلوا شیوخ المشرکین واستبقوا شرخھم (د) (ابو داؤد شریف، باب فی قتل النساء، ج ۲، ص ۹، نمبر ۲۶۷۰/

حاشیہ: (الف) حضورؐ جب کسی لشکر یا جماعت پر امیر بناتے تو اپنے بارے میں تقوی اختیار کرنے کی نصیحت کرتے۔ اور جو اس کے ساتھ مسلمان ہیں ان کے بارے میں خیر کرنے کی نصیحت کرتے۔ پھر فرماتے اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کے راستے میں کافروں کے ساتھ قتال کرو۔ جاؤ غزوہ کرو لیکن خیانت نہ کرنا، غدر نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا (ب) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضورؐ کے بعض غزوے میں مقتول پائی گئی تو حضورؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا (ج) آپؐ نے فرمایا اللہ کے نام پر جاؤ اور بہت بوڑھے کو قتل نہ کرو، نہ بچے کو نہ چھوٹے کو اور نہ عورت کو قتل کرو۔ خیانت نہ کرو، مال غنیمت کو جمع نہ کرو۔ اصلاح کرو، اور احسان کا معاملہ کرو، اللہ احسان کرنے والے کو پسند کرتے ہیں (د) آپؐ نے فرمایا مشرکین کے شیوخ کو قتل کرو اور ان کے بچوں کو چھوڑ دو۔

صبیا ولا شیخا فانیا ولا اعمٰی ولا مقعدا الا ان یکون احد ھؤلاء ممن یکون له رأی فی الحرب [۲۹۹۳](۱۴) او تکون المرأة مَلِکَةً [۲۹۹۴](۱۵) ولایقتلوا مجنونا

ترمذی شریف، باب ماجاء فی النزول علی الحکم، ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۳) اس حدیث میں ہے کہ کفار کے بوڑھوں کو قتل کرو۔ یہ وہی بوڑھے ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں یا رائے دیتے ہیں۔ اور عورت جنگ میں شریک ہو تو اس کو قتل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عکرمة ان النبی علیہ السلام رأی امرأة مقتولة بالطائف فقال الم انه عن قتل النساء؟ من صاحب هذه المرأة المقتولة ؟ قال رجل من القوم انا یا رسول الله اردفتها فارادت ان تصرعنی فتقتلنی فامر بها رسول الله علیہ السلام ان توارى (الف) (سنن للبیہقی، باب المرأة تقاتل فتقتل، ج تاسع، ص ۱۳۹، نمبر ۱۸۱۰۵) اس حدیث میں ہے کہ عورت نے مجاہد کو قتل کرنا چاہا تو وہ قتل کر دی گئی (۲) قتل کرنے کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ جو مجاہدین کے سامنے قتال کرنے آئے یا جوان ہونے کی وجہ سے آنے کا امکان ہو وہ قتل کئے جائیں گے۔ کیونکہ اسلام بلا وجہ خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا۔

لغت یغدر : غدر سے مشتق ہے، عہد توڑنا، یغلو : غلول سے مشتق ہے خیانت کرنا، لایمثلوا : مثلة سے مشتق ہے ناک، کان وغیرہ اس طرح کاٹ دے کہ آدمی بدنما ہو جائے اس کو مثلہ کہتے ہیں، مقعد : قعد سے مشتق ہے، ہاتھ پاؤں اس طرح کٹا ہوا ہو کہ مجبور ہو کر بیٹھ جائے جس کو اپاہج کہتے ہیں۔

[۲۹۹۳](۱۴) یا یہ کہ عورت رانی ہو۔

تشریح عورت رانی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قتال کرانے کی پوری ذمہ دار یہ عورت ہی ہے اس لئے وہ قتل کی جائے گی۔

وجہ وہی قتال کا سبب ہے (۲) اوپر حدیث گزری۔ عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله علیہ السلام اقتلوا شیوخ المشرکین واستبقوا شرخهم (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی قتل النساء، ج ۲، ص ۶، نمبر ۲۶۷۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی النزول علی الحکم، ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۳) اس حدیث میں ہے مشرکین کے شیوخ کو قتل کرو، اور رانی تو شیوخ سے بھی بڑا عہدہ رکھتی ہے اس لئے وہ بدرجۂ اولیٰ قتل کی جائے گی (۳) اوپر بھی ایک حدیث گزری کہ ایک عورت نے مجاہد کو قتل کرنے کی کوشش کی تو وہ عورت قتل کی گئی۔ جب رانی فوج کے ذریعہ قتل کروا رہی ہے تو وہ بھی قتل کی جائے گی۔

لغت شرخ : بچہ

[۲۹۹۴](۱۵) اور نہ مجنون کو قتل کرے۔

تشریح جس طرح بچے کو عقل نہیں ہوتی اسی طرح مجنون کو عقل نہیں ہوتی۔ اور بچے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے تو مجنون کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے ایک عورت کو طائف میں مقتول دیکھا تو فرمایا کیا تم لوگوں کو عورت کو قتل کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟ پھر اس مقتولہ عورت کو قتل کرنے والا کون ہے؟ قوم کے ایک آدمی نے کہا میں ہوں یا رسول اللہ! میں نے اس کو سواری کے پیچھے بٹھایا تھا پس اس نے مجھے گرا کر مار دینا چاہا۔ پس حضورؐ نے اس عورت کو دفن کرنے کا حکم دیا (ب) آپ نے فرمایا مشرکین کے بوڑھوں کو قتل کرو اور ان کے بچوں کو چھوڑ دو۔

[۲۹۹۵](۱۶) وان رأی الامام ان یصالح اھل الحرب او فریقا منھم و کان فی ذلک مصلحة للمسلمین فلا بأس به[۲۹۹۶](۱۷) فان صالحھم مدةً ثم رأی ان نقص الصلح

وجہ اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ عن سمرة بن جندب قال قال رسول اللہ ﷺ اقتلوا شیوخ المشرکین واستبقوا شرخھم (ابوداؤد شریف، باب فی قتل النساء، ج ۲، ص ۶، نمبر ۲۶۷۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی النزول علی الحکم، ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۳) اس حدیث میں ہے کہ بچوں کو قتل مت کرو اسی پر قیاس کر کے مجنون کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

[۲۹۹۵] (۱۶) اگر امام مصلحت سمجھے اس بات پر کہ صلح کرے اہل حرب یا اس کے کسی فریق سے اور اس میں مسلمانوں کی بہتری ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح اگر مسلمانوں کی بہتری ہو اور امام کفار سے یا اس کے کسی فریق سے مصالحت کرنے میں بہتری سمجھے تو مصالحت کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس میں مسلمانوں کے لئے بہتری نہ ہو تو مصالحت کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ آیت میں ہے کہ کفار صلح کے لئے مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو سکتے ہیں۔ آیت یہ ہے۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم (الف) (آیت ۶۱، سورة الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ وہ صلح کے لئے مائل ہوں تو اگر مصلحت ہو تو آپ بھی صلح کے لئے مائل ہو سکتے ہیں (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے کفار سے صلح حدیبیہ کی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن مسور بن مخرمہ ومروان یصدق کل واحد منھما حدیث صاحبہ قالا خرج رسول اللہ ﷺ زمن الحدیبیة ... لایسألوننی خطة یعظمون فیھا حرمات اللہ الا اعطیتھم ایاھا. فقال له النبی ﷺ علی ان تخلوا بیننا وبین البیت فنطوف به ... فلما فرغ من قضیة الکتاب قال رسول اللہ ﷺ لاصحابہ قوموا فانحروا ثم احلقوا (ب) (بخاری شریف، باب الشروط فی الجہاد والمصالحة مع اہل الحرب وکتابة الشروط، ص ۳۷۷، نمبر ۲۷۳۱ رمسلم شریف، باب صلح الحدیبیة، ص ۱۰۴، نمبر ۱۷۸۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے مسلمانوں کے لئے بہتری دیکھی تو کفار سے صلح حدیبیہ فرمائی (۲) حدیث میں ہے۔ عن المسور بن مخرمہ ومروان بن الحکم انھم اصطلحوا علی وضع الحرب عشر سنین یامن فیھن الناس وعلی ان بیننا عیبة مکفوفة وانه لا اسلال ولا اغلال (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی صلح العدو، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۲۷۶۶) اس حدیث میں بھی ہے کہ آپؐ نے دس سال تک کے لئے کفار مکہ سے صلح کی۔

[۲۹۹۶] (۱۷) پس اگر کفار سے ایک مدت کے لئے مصالحت کی، پھر دیکھا کہ صلح توڑنا زیادہ نفع بخش ہے تو صلح توڑ دے اور ان سے لڑے۔

حاشیہ: (الف) اگر وہ صلح کے لئے جھکے تو آپ بھی جھکئے۔ اور اللہ پر توکل کرو وہ سننے والا جاننے والا ہے (ب) فرمایا حضورؐ حدیبیہ کے زمانے میں نکلے... آپؐ نے فرمایا اللہ کی عزت کے لئے کوئی بات بھی کہیں گے تو میں اس کو کروں گا۔ پس آپؐ نے فرمایا ہمیں بیت اللہ چھوڑ دو ہم اس کا طواف کریں گے... پس جب پرچہ لکھنے سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے ساتھیوں سے فرمایا کھڑے ہو اور اونٹ نحر کرو پھر حلق کراؤ (ج) مروان بن حکم فرماتے ہیں کہ حضورؐ دس سال تک جنگ ختم ہونے پر صلح کی تاکہ لوگ اس میں امن سے رہیں اور اس بات پر کہ اس درمیان جنگ بند رہے اور نہ قتل کرے اور نہ قید کرے۔

انفع نبذ الیھم وقاتلھم[۲۹۹۷](۱۸) فان بَدَأُوا بخیانة قاتلھم ولم ینبذ الیھم اذا کان

تشریح: مثلا دو سالوں کے لئے صلح کی تھی لیکن دیکھا کہ صلح توڑ دینا اور قتال کرنا مسلمانوں کے لئے بہتر ہے تو صلح توڑ دے اور قتال کرے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ صلح توڑنے کی اطلاع کفار کو دے پھر قتال کرے۔ اطلاع دیئے بغیر قتال نہ کرے۔

وجہ: اطلاع دیئے بغیر قتال کرے تو یہ غدر اور دھوکا ہے جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے اطلاع دیئے بغیر قتال نہ کرے (۲) آیت میں ہے۔ **واما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیھم علی سواء ان اللہ لا یحب الخائنین** (الف) (آیت ۵۸، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ خیانت کا خوف ہو تو اس کو اطلاع دے کر صلح توڑ دو (۲) حدیث میں ہے۔ **سمعت سلیم بن عامر یقول کان بین معاویة وبین اھل الروم عھد وکان یسیر فی بلادھم حتی اذا انقضی العھد اغار علیھم فاذا رجل علی دابة او علی فرس وھو یقول اللہ اکبر وفاء لا غدر، واذا ھو عمرو بن عبسة، فسألہ معاویة عن ذلک فقال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من کان بینہ وبین قوم عھد فلا یحلن عھدا و لا یشدنہ حتی یمضی امدہ او ینبذ الیھم علی سواء، قال فرجع معاویة بالناس** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الغدر، ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۰ / ابو داؤد شریف، باب فی الامام یکون بینہ وبین العدو عھد فیسیر نحوہ، ج ۲، ص ۲۳، نمبر ۲۷۵۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ دشمن سے عہد و پیان ہو تو اس کو توڑنے کے لئے پہلے اس کو اطلاع دے پھر حملہ کرے۔

لغت: نبذ الیھم: اس کا اصلی ترجمہ ہے اس کی طرف پھینکنا اور محاوری ترجمہ ہے عہد کو دشمن کی طرف پھینک دینا یعنی عہد توڑ دینا۔

[۲۹۹۷] (۱۸) اور اگر انہوں نے خیانت شروع کی تو ان سے قتال کرے اور نقض عہد کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں جبکہ ان کے اتفاق سے ہوا ہو۔

تشریح: کفار کے ساتھ صلح کا عقد تھا لیکن وہ سب ملکر عہد توڑ دیا اور خیانت کر لیا تو عہد توڑنے کی اطلاع دیئے بغیر قتال کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اگر کچھ لوگوں نے نقض عہد کیا مثلا کچھ کفار نے اپنے سردار کو پوچھے بغیر دار الاسلام سے چوری کر لی یا کسی کو قتل کر دیا تو یہ تمام کفار کی جانب سے نقض عہد نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ تمام سے بالاتفاق نقض عہد نہ ہو۔

وجہ: آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ **الذین عاھدت منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرة وھم لا یتقون ٥ فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم لعلھم یذکرون** (ج) (آیت ۵۶/۵۷، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ جو بار ہا عہد توڑے

حاشیہ: (الف) کسی قوم سے خیانت کا خوف ہو تو آمنے سامنے صلح توڑ دو اس لئے کہ اللہ خیانت کرنے والے کو پسند نہیں کرتے (ب) حضرت سلیم بن عامر فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ اور اہل روم کے درمیان صلح تھی۔ پھر ان کے شہروں کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے تا کہ جب عہد ختم ہو جائے تو ان پر حملہ کر دے۔ اچانک ایک آدمی گھوڑے پر سوار اللہ اکبر لا غدر کہہ رہے تھے۔ وہ عمرو بن عبسہ تھے۔ تو حضرت معاویہؓ نے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ میں نے حضور کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس کا کسی قوم سے عہد ہو تو عہد نہ توڑے اور نہ اس کو مضبوط کرے یہاں تک کہ عہد کا وقت گزر جائے یا آمنے سامنے صلح توڑ دے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ لوگوں کو لیکر واپس لوٹ گئے (ج) جن سے آپ نے عہد کیا پھر اپنے عہد کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور تقوی اختیار نہیں کرتے۔ پس اگر ان سے جنگ (باقی اگلے صفحہ پر)

ذلک باتفاقھم [۲۹۹۸] (۱۹) واذا خرج عبیدھم الی عسکر المسلمین فھم احرار.

اس کوایسا مارو کہ بعد والے یادرکھیں (۲) حدیث میں ہے کہ کفار مکہ نے عہد توڑا تواس کو عہد توڑنے کی اطلاع دیئے بغیران پر چڑھائی کی اور فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔ عہد توڑنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **وحدیث عروۃ بمعناہ قال ثم ان بنی نفاثۃ من بنی الدیل اغاروا علی بن کعب وھم فی المدۃ التی بین رسول اللہ ﷺ وبین قریش وکان بنو کعب فی صلح رسول اللہ ﷺ وکان بنو نفاثۃ فی صلح قریش فاعانت بنو بکر بنی نفاثۃ واعانتھم قریش بالسلاح والرقیق فذکر القصۃ قال فخرج رکب من بنی کعب حتی اتوا رسول اللہ ﷺ فذکروا لہ الذی اصابھم وماکان من قریش علیھم فی ذلک، ثم ذکر قصۃ خروج رسول اللہ ﷺ الی مکۃ** (الف) (سنن للبیہقی، باب فتح مکۃ حرمھا اللہ، ج تاسع، ص۲۰۲، نمبر۱۸۲۸۱ر مصنف عبد الرزاق، غزوۃ الفتح، ج خامس، ص۳۷۴، نمبر۹۷۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود نقض عہد کرے تو اس کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔ اس پر چڑھائی کی جاسکتی ہے (۳) بخاری شریف میں ہے کہ فتح مکہ کے لئے اتنا چھپ کر چلے کہ اہل مکہ کو بھی اس کی خبر پوری طرح نہیں ہو پائی۔ اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ **عن ھشام عن ابیہ قال لما سار رسول اللہ ﷺ عام الفتح فبلغ ذلک قریشا خرج ابو سفیان بن حرب وحکیم بن حزام وبدیل بن ورقاء یلتمسون الخبر عن رسول اللہ ﷺ فاقبلوا یسیرون حتی اتوا مر الظھران الخ** (ب) (بخاری شریف، باب این رکز النبی ﷺ الرایۃ یوم الفتح، ص۶۱۳، نمبر۴۲۸۰، کتاب المغازی رمسلم شریف، باب فتح مکۃ، ص۱۰۲، نمبر۱۷۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نقض عہد کی اطلاع کفار مکہ کو نہیں دی۔ البتہ شدہ شدہ ان کو کچھ بھنک لگ گئی تھی (۴) جب دشمن نے خود ہی عہد توڑ دیا تو اب ان کو اپنی طرف سے عہد توڑنے کی اطلاع دینے کا کیا فائدہ ہے؟

[۲۹۹۸] (۱۹) اگر کفار کے غلام مسلمانوں کے لشکر کی طرف آجائے تو وہ آزاد ہیں۔

تشریح اگر کفار کے غلام مسلمان ہوکر مسلمانوں کے لشکر کے پاس آجائے تو وہ آزاد ہوجائے گا، اب وہ غلام نہیں رہے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن علیؓ قال خرج عبدان الی رسول اللہ ﷺ یعنی یوم الحدیبیۃ قبل الصلح فکتب الیہ موالیھم فقالوا یا محمدؐ! واللہ ما خرجوا الیک رغبۃ فی دینک وانما خرجوا ھربا من الرق، فقال ناس صدقوا یا رسول اللہ ردھم الیھم، فغضب رسول اللہ ﷺ وقال ماراکم تنتھون یا معشر قریش حتی یبعث اللہ علیکم من یضرب رقابکم علی ھذا وابی ان یردھم وقال ھم عتقاء اللہ عزوجل** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی عبید المشرکین یلحقون

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کرتے ہوتو پیچھے سے مارو شاید وہ نصیحت حاصل کریں (الف) بنی دیل نے حملہ کیا بنی کعب پر۔ اور وہ اس مدت میں تھے کہ حضورؐ اور قریش کے درمیان صلح تھی۔ اور بنو کعب حضورؐ کی صلح میں تھے۔ اور بنونفاثہ قریش کی صلح میں تھے۔ اور بنو بکر نے بنونفاثہ کی مدد کی اور قریش نے ان کی ہتھیار اور غلام سے مدد کی۔ پھر قصے کا تذکرہ کیا۔ فرماتے ہیں کہ بنو کعب کی ایک جماعت نکلی اور حضورؐ کے پاس آکر مصیبت کا تذکرہ کیا اور قریش نے اس کے خلاف جو کچھ کیا اس کا تذکرہ کیا۔ پھر حضورؐ کے مکہ تک نکلنے کا تذکرہ کیا (ب) جب حضورؐ فتح مکہ کے سال نکلے تو یہ بات قریش کو پہنچی۔ اس لئے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل حضورؐ کے بارے میں خبر معلوم کرنے کے لئے نکلے، پس حضورؐ چلتے ہوئے مرالظہران تک آئے (ج) صلح حدیبیہ کے دن کچھ غلام صلح سے پہلے حضورؐ کے پاس (باقی اگلے صفحہ پر) حاشیہ

[۲۹۹۹] (۲۰) ولابأس ان یعلف العسکر فی دار الحرب ویأکلوا ماوجدوه من الطعام

بالمسلمین فیسلمون، ج ۲، ص ۱۲، نمبر ۲۷۰۰ رترمذی شریف، باب مناقب علیؓ بن ابی طالب، ج ۲، ص ۲۱۲، نمبر ۳۷۱۵، کتاب المناقب) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ آزاد ہیں (۲) وہ اپنے مولی کو نیچا دکھلانے کے لئے آئے ہیں اور اپنی جان بچائی ہے اس لئے ان کی جان اسی شکل میں بچ سکتی ہے اور آقا کو نیچا دکھایا جا سکتا ہے جب وہ آزاد ہو جائیں۔

کفار کی باندی مسلمان لشکر کے پاس آجائے تو وہ بھی آزاد ہو جائے گی۔

وجہ اس کی دلیل اوپر کی احادیث ہیں (۲) اس آیت میں بھی اس کا اشارہ ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اذا جاء کم المؤمنات مھاجرات فامتحنوھن اللہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن مؤمنات فلا ترجعوھن الی الکفار لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن (الف) (آیت ۱۰، سورۃ الممتحنۃ ۶۰) آیت میں ہے کہ مہاجرات مومنہ آجائیں تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو کیونکہ یہ ان کے لئے حلال نہیں رہیں۔ مومنات عورتیں باندی بھی ہو سکتی ہیں اور آزاد بھی۔ پس باندی حلال نہیں رہی کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اب کفار کی باندی نہیں رہی آزاد ہو گئی۔ اس لئے اس آیت میں اشارہ ہے کہ کفار کی باندی ہجرت کر کے اسلامی لشکر کے پاس آجائے تو وہ آزاد ہو جائے گی

[۲۹۹۹] (۲۰) اور کوئی حرج نہیں ہے کہ لشکر چارہ کھلائیں دار الحرب میں یا کھانے میں جو پائیں اس کو کھائیں اور ایندھن استعمال کریں۔ اور قتال کریں ایسے ہتھیار سے جو پائیں بغیر تقسیم کئے ہوئے۔

تشریح میدان جنگ میں کفار کی کوئی چیز ملے اور اس کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو بغیر تقسیم کئے اور بغیر اس میں خمس نکالے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ مثلا کھانا مل جائے تو اس کو کھا سکتا ہے۔ لکڑی ملے اس کو جلا سکتا ہے، تیل مل جائے تو استعمال کر سکتا ہے یا ہتھیار ملے تو اس سے جنگ کر سکتا ہے۔ البتہ کسی چیز کی کمی ہو اور دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کی ضرورت ہو تو پانے والا ہی سب نہ لے لے بلکہ مناسب انداز میں تقسیم کر کے لے تاکہ دوسرے ساتھیوں کی ضرورت بھی پوری ہو سکے۔

وجہ یہ ضرورت کی چیزیں ہیں اور امیر کی جانب سے ایک گونہ ان کے استعمال کی اجازت ہوتی ہے۔ کیونکہ گھر سے دور میدان جنگ میں ہیں اس لئے ان کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ ہم لوگ مال غنیمت میں سے ضرورت کے مطابق استعمال کر لیا کرتے تھے۔ عن ابن عمرؓ قال کنا نصیب فی مغازینا العسل والعنب فنأکلہ ولا نرفعہ (ب) (بخاری شریف، باب مایصیب

: (پچھلے صفحہ سے آگے) آئے تو ان کے آقاؤں نے حضور کو لکھا کہ اے محمدؐ! آپؐ کے دین میں رغبت کی وجہ سے نہیں آئے ہیں۔ وہ غلامیت سے بھاگنے کے لئے آئے ہیں۔ کچھ لوگوں نے بھی تصدیق کی کہ یہ سچ کہتے ہیں غلاموں کو واپس کر دیجئے۔ تو حضورؐ غصے ہوئے اور فرمایا اے معشر قریش! لگتا ہے کہ تم اس وقت تک نہیں رکو گے جب تک اللہ تم پر ایسے لوگوں کو نہ بھیج دیں جو اس پر تمہاری گردنوں کو مارے۔ اور غلاموں کو واپس کرنے سے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ یہ اللہ کے آزاد شدہ ہیں (الف) اے ایمان والو! مومن عورتیں تمہارے پاس ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو۔ اللہ تو پہلے ہی سے ان کا ایمان جانتے ہیں۔ اگر ان کو مومنہ سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو۔ نہ یہ ان کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں (ب) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جنگ میں شہد اور انگور ملتا تو ہم لوگ اس کو کھاتے لیکن اٹھا کر نہیں رکھتے۔

ویستعملوا الحطب ویدھنوا بالدھن ویقتلوا بما یجدونه من السلاح کل ذلک بغیر

من الطعام فی ارض الحرب، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۴ رمسلم شریف، باب جواز الاکل من طعام الغنیمۃ فی دار الحرب، ج ۲، ص ۹۷، نمبر ۱۷۷۲ رابو داؤد شریف، باب فی اباحۃ الطعام بارض العدو، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی چیز استعمال کرسکتا ہے (۲) ایک حدیث میں ہے کہ ابو جہل ہی کی تلوار سے اس کو مارا جس سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت کی تلوار مل جائے اور اس کو استعمال کرنے کی ضرورت پڑے تو استعمال کرسکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ حدثنی ابو عبیدۃ عن ابیه عن ابیه قال: مررت فاذا ابو جهل صریع قد ضربت رجله فقلت یا عدو الله ! یا ابا جهل ! قد اخزی الله الآخر ،قال ولا اهابه عند ذلک فقال ابعد من رجل قتله قومه فضربته بسیف غیر طائل فلم یغن شیئا حتی سقط سیفه من یده فضربته به حتی برد (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصۃ فی السلاح یقاتل بہ فی المعرکۃ، ص ۱۴، نمبر ۲۷۰۹) اس حدیث سے میں ہے کہ حتی سقط من یدہ فضربتہ بہ یعنی ابو جہل کی تلوار اس کے ہاتھ سے گری تو میں نے اسی کی تلوار سے اس کو مارا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وقت ضرورت مال غنیمت کا ہتھیار استعمال کرسکتا ہے (۳) عن عبد الله بن ابی اوفی قال قلت هل کنتم تخمسون یعنی الطعام فی عهد رسول الله ﷺ فقال اصبنا طعاما یوم خیبر فکان الرجل یجیئ فیأخذ منه مقدار ما یکفیه ثم ینصرف (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی النہی عن النہی اذا کان فی قلۃ فی ارض العدو، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے مطابق استعمال کرے اور باقی واپس کردے۔

ضرورت سے زیادہ لوٹ کھسوٹ کر کے لینا جائز نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ عن عاصم یعنی ابن کلیب عن ابیه عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله ﷺ فی سفر فاصاب الناس حاجة شدیدة وجهد واصابوا غنما فانتهبوها،فان قدورنا لتغلی اذ جاء رسول الله ﷺ یمشی علی قوسه فاکفاء قدورنابقوسه ثم جعل یرمل اللحم بالتراب ثم قال :ان النهبة لیست باحل من المیتة او ان المیتةلیست باحل من النهبة ،شک هناد (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی النہی عن النہی اذا کان فی الطعام قلۃ فی ارض العدو، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۵ ر بخاری شریف، باب قسمۃ الغنم ص ۳۳۸، نمبر ۲۴۸۸، کتاب الشرکۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوٹ کھسوٹ کر لینا جائز نہیں ہے۔ صرف ضرورت کے مطابق دوسرے ساتھیوں کی رعایت کر کے لے سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبیدہ فرماتے ہیں کہ میں گزرا تو دیکھا ابو جہل پڑا ہوا ہے اس کے پاؤں کاٹ دیا ہے۔ میں نے کہا اللہ کے دشمن ابو جہل ہو، آخر اللہ نے تم کو ذلیل کر دیا۔ کہنے لگا میں اس وقت اس سے نہیں ڈرتا، کہا اس کے بعد بھی ڈھٹائی ہے کہ اس کو اس کی قوم نے قتل کیا۔ پھر میں چھوٹی سی تلوار سے اس کو مارا لیکن کچھ نہیں ہوا یہاں تک کہ اس کی تلوار ہاتھ سے گر گئی میں نے اس کی تلوار سے اس کو مارا تو وہ ٹھنڈا ہو گیا (ب) عبد اللہ بن ابی اوفی نے پوچھا کیا آپ لوگ حضورؐ کے زمانے میں کھانے میں خمس نکالتے تھے؟ فرمایا خیبر کے دن غنیمت میں کھانا ملا تو آدمی آتا اور اتنا لیتا جتنا اس کو کافی ہو جاتا پھر چلا جاتا (ج) انصار کے ایک آدمی کہتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے۔ ہمیں بہت بھوک لگی اور مشقت بھی ہوئی۔ اس دوران بکریاں غنیمت میں ملیں تو لوگوں نے ان کو لوٹ لیا۔ ہماری ہانڈی ابل رہی تھی کہ حضور کمان کے بل چلتے ہوئے آئے۔ پس قوس سے ہماری ہانڈیاں الٹ دی پھر گوشت کو مٹی میں ملا دیا پھر فرمایا لوٹی ہوئی چیز مردہ کی طرح حلال نہیں ہے یا یوں فرمایا مردہ لوٹی ہوئی چیز سے زیادہ حلال نہیں ہے۔ حضرت ہناد کو اس جملے میں شک ہے۔

قسمة [۳۰۰۰](۲۱) ولا یجوز ان یبیعوا من ذلک شیئا ولا یتموّلونه[۳۰۰۱](۲۲) ومن اسلم منهم احرز باسلامه نفسه واولاده الصغار وکل مال هو فی یده او ودیعة فی ید

لغت یعلف : چارہ کھلائے، یدھن : تیل لگائے، سلاح : ہتھیار۔

[۳۰۰۰](۲۱) اور نہیں جائز ہے کہ اس میں سے کچھ بیچے اور نہ ذخیرہ کرے۔

تشریح مال غنیمت کے تقسیم کرنے سے پہلے بقدر ضرورت استعمال تو کر سکتا ہے لیکن اس کو بیچے یا اس کو اپنے لئے ذخیرہ کرے اس کی اجازت نہیں ہے۔

وجہ اوپر بتلایا کہ بقدر ضرورت صرف استعمال کر سکتا ہے۔ اور جو باقی بچے اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔ عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال قلت هل کنتم تخمسون یعنی الطعام فی عهد رسول الله ﷺ فقال اصبنا طعاما یوم خیبر فکان الرجل یجیئ فیأخذ منه مقدار ما یکفیه ثم ینصرف (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی النہی عن النہی، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۴) اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے زیادہ نہ لے اور ذخیرہ نہ کرے۔ اور بیچنا ممنوع ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی سعید الخدریؓ قال نهی رسول الله ﷺ عن شراء المغانم حتی تقسم (ب) (ترمذی شریف، باب فی کراہیة بیع المغانم حتی تقسم ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۶۳) اس حدیث میں ہے کہ مال غنیمت کو تقسیم ہونے سے پہلے اپنے لئے بیچنا جائز نہیں ہے۔

تقسیم سے پہلے اپنے لئے مال جمع کرنا مال غنیمت میں خیانت کرنا ہے۔ اور مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے لئے یہ وعید ہے۔ عن عمرؓ بن الخطاب عن النبی ﷺ قال: اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه واضربوه (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی عقوبة الغال، ج ۲، ص ۱۵، نمبر ۲۷۱۳) اس حدیث میں ہے کہ مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے سامان کو جلا دو اور مارو۔ اور اپنے لئے مال جمع کرنا مال غنیمت میں خیانت کرنا ہے اس لئے یہ جائز نہیں ہوگا۔

لغت لا یتمولونہ : تمول سے مشتق ہے، اپنے لئے مال جمع کرنا۔

[۳۰۰۱](۲۲) کفار میں سے جو اسلام لے آئے تو وہ محفوظ کر لے گا اسلام کی وجہ سے اپنی جان اور اپنی چھوٹی اولاد اور وہ مال جو اس کے قبضے میں ہو یا مسلمان یا ذمی کے ہاتھ میں امانت ہو۔

تشریح کفار کو غلام بنانے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ خود بھی آزاد شمار کیا جائے گا اور اس کی چھوٹی اولاد بھی آزاد شمار کی جائے گی اور قتل سے محفوظ رہیں گے۔ اور جو اس کا مال ہے وہ مال غنیمت نہیں ہوگا بلکہ مالک کو دے دیا جائے گا۔ چاہے وہ مال اس کے قبضے میں ہو یا کسی مسلمان کے پاس امانت ہو۔ یا کسی ذمی کے پاس امانت ہو۔ البتہ جو مال حربی کے قبضے میں ہو وہ مال غنیمت شمار کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن ابی اوفی نے پوچھا کیا آپ لوگ حضورؐ کے زمانے میں کھانے میں خمس نکالتے تھے؟ فرمایا خیبر کے دن کھانا ملا لوگ آتے اور اپنی اپنی ضرورت کی مقدار لے جاتے پھر واپس ہو جاتے یعنی اس میں خمس نہیں ہے (ب) آپؐ نے غنیمت کے مال کو تقسیم کرنے سے پہلے خریدنے سے روکا (ج) آپؐ نے فرمایا اگر تم کسی آدمی کو پاؤ کہ اس نے غنیمت میں خیانت کی ہے تو اس کے سامان کو جلا دو اور اس کو مارو۔

مسلم او ذمی [۳۰۰۲](۲۳)فان ظهرنا علی الدار فعقاره فیء وزوجته فیء وحملها فیء

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ حدثنی عثمان بن ابی حازم عن ابیه عن جده صخر ان رسول الله ﷺ غزا ثقیفا ... یا صخر ! ان القوم اذا اسلموا احرزوا دماء هم واموالهم فادفع الی المغیرة عمته فدفعها الیه (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین، ج ۲ ص ۸۷، نمبر ۳۰۶۷، کتاب الخراج)(۲) دوسری حدیث میں ہے۔ان ابا هریرةؓ ... وقد قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لااله الا الله فمن قالها فقد عصم منی ماله ونفسه الا بحقه وحسابه علی الله (ب)(بخاری شریف، باب وجوب الزکوۃ ص ۱۸۷، نمبر ۱۳۹۹ / مسلم شریف، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ الخ، ص ۶۷، نمبر ۲۰ / ابوداؤد شریف، باب علی مایقاتل المشرکون، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۴۰) ان احادیث میں ہے کہ اسلام لے آئے تو جان اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ چھوٹی اولاد ماں باپ کے تابع ہوتی ہیں اور جو حکم باپ یا ماں کا ہوتا ہے وہی حکم چھوٹی اولاد کا بھی ہوتا ہے۔اس لئے چھوٹی اولاد بھی آزاد ہوگی اور قتل سے محفوظ ہوگی۔

لغت احرز : محفوظ کرلے گا، حرز سے مشتق ہے، ودیعۃ : امانت کی چیز۔

[۳۰۰۲](۲۳) پس اگر ہم غالب آجائیں ان کے گھر پر تو اس کی زمین فئی ہوگی اور اس کی بیوی فئی ہوگی، اس کا حمل اور اس کی بڑی اولاد فئی ہوگی۔

تشریح حربی مسلمان ہو جائے تو اس کی جان، اس کا منقول مال اور چھوٹی اولاد تو محفوظ ہو جائیں گے، لیکن اس کی زمین جو دار الحرب میں ہے وہ محفوظ نہیں ہوگی بلکہ اگر دار الحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہ زمین مال غنیمت میں شمار ہوگی۔اس کی بیوی اگر ابھی تک حربیہ ہے تو وہ بھی مال غنیمت میں شمار ہوگی۔اس بیوی کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ بھی ماں کے تابع ہو کر مال غنیمت میں شمار ہوگا۔اور اس آدمی کی بالغ اولاد بھی مال غنیمت میں شامل رہے گی یہ لوگ محفوظ نہیں ہوں گے۔

وجہ یہ لوگ اور یہ چیزیں مسلمان ہونے والے آدمی کے تابع نہیں ہیں اس لئے اس کے مسلمان ہونے سے یہ چیزیں محفوظ نہیں ہوں گی۔مثلا زمین غیر منقولی چیز ہے اور اگر چہ مسلمان ہونے والے کی ملکیت ہے لیکن دار الحرب ہونے کی وجہ سے وہاں کے حاکم کی حکومت میں ہے۔اور وہ زمین بھی دار الحرب کی زمین شمار کی جاتی ہے اس لئے وہ مال غنیمت ہوگی۔

فائدہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ زمین بھی مسلمان ہونے والے آدمی کی ملکیت ہوگی اور مال غنیمت میں شمار نہیں ہوگی۔

وجہ اوپر کی حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہو جائے گی۔اور زمین بھی اس کا مال ہے اس لئے وہ بھی محفوظ ہوگی (۲) حضرت صخرؓ کی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت مغیرہؓ کی قوم نے ایمان لایا تو پانی کا کنواں واپس کیا، اور کنواں زمین کا حصہ ہے

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے قبیلہ ثقیف سے غزوہ کیا...آپؐ نے فرمایا اے صخر! قوم اسلام لے آئے تو اپنا خون اور اپنا مال محفوظ کر لیتی ہے۔اس لئے اس کی پھوپھی واپس دیدو۔تو اس کی پھوپھی اس کو واپس دیدی (ب) آپؐ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لا الہ کہنے تک جنگ کروں، پھر جب وہ کہہ لیں تو مجھ سے ان کا مال اور جان محفوظ ہو گیا۔مگر کوئی حق ہو تو اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔

و اولاده الکبار فیء.

جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے سے زمین بھی محفوظ ہوگی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ حدثنی عثمان بن ابی حازم عن ابیه عن جده صخر ان رسول الله غزا ثقیفا ... یا صخر ان القوم اذا اسلموا احرزوا اموالهم ودماء هم فادفع الی القوم ماء هم ،قال نعم یا نبی الله ! فرأیت وجه رسول الله ﷺ یتغیر عند ذلک حمرة حیاء من اخذه الجاریة واخذه الماء (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین ص ۸۷، نمبر ۳۰۶۷، کتاب الخراج) اس حدیث میں پانی کا کنواں واپس کیا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے سے دار الحرب کی زمین بھی محفوظ ہو جائے گی (۳) حدیث میں ہے۔ عن سلیمان بن بریدة عن ابیه عن النبی ﷺ انه کان یقول فی اهل الذمة لهم ما اسلموا علیه من اموالهم وعبیدهم ودیارهم وارضهم وماشیتهم ،لیس علیهم فیه الا الصدقة (ب) (سنن للبیہقی، باب من اسلم علی شیء فهو له، ج تاسع، ص ۱۹۱، نمبر ۱۸۲۶۱) اس حدیث میں ہے کہ ذمی کو زمین بھی ملے گی جس پر قیاس کر کے حربی کو بھی زمین ملے گی اگر وہ اسلام لے آئے۔

بیوی اس لئے مال غنیمت میں شمار ہوگی کہ وہ مذہب کے معاملے میں شوہر کے تابع نہیں ہے۔ وہ عاقل بالغ ہے اس لئے اگر وہ بھی ایمان لاتی ہے تو وہ محفوظ ہوگی، اور اگر نہیں لاتی ہے تو وہ کافر رہے گی اور پکڑے جانے کے بعد مال غنیمت میں آکر باندی بنے گی (۲) کوئی مسلمان آدمی یہودیہ یا نصرانیہ سے شادی کرے تو شوہر کے مسلمان ہونے کی وجہ سے وہ مسلمان شمار نہیں کی جائے گی اسی طرح شوہر کے اسلام لانے سے بیوی مسلمان شمار نہیں ہوگی۔ اس لئے اس پر غلبہ پانے کے بعد وہ مال غنیمت میں شمار ہوگی (۳) بلکہ شوہر کے اسلام لانے کے بعد اس کا نکاح ہی ٹوٹ جائے گا۔

حربیہ عورت کا حمل بھی فی ہوگا یعنی بعد میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ مال کی طرح مال غنیمت میں شمار ہوگا۔

وجہ حمل ماں کا جز ہے اس لئے ماں مال غنیمت میں ہوگی تو اس کا حمل بھی مال غنیمت میں ہوگا (۲) اثر میں موجود ہے۔ قال سفیان ونحن لا نأخذ بذلک ،نقول اذا استثنی ما فی بطنها عتقت کلها انما ولدها کعضو منها (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یعتق امته ویستثنی ما فی بطنها والرجل یشتری ابنه، ج تاسع، ص ۱۷۲، نمبر ۱۶۸۰۰) اس اثر میں ہے کہ بچہ ماں کے عضو کی طرح ہے اس لئے ماں حربیہ ہوگی تو اس کا حمل بھی حربی شمار ہوگا۔

بالغ اولاد ماں باپ کے تحت میں شمار نہیں کی جاتی ہے وہ خود عاقل بالغ ہیں اس لئے اگر وہ حربی ہیں تو حربی ہی شمار کی جائے گی اور باپ کے

حاشیہ : (الف) آپ نے قبیلہ ثقیف سے غزوہ کیا... فرمایا اے صخر! قوم جب اسلام لے آئے تو اپنے مال اور اپنے خون کو محفوظ کر لیتی ہے۔ اس لئے قوم کو اس کا چشمہ دے دو، کہا ہاں! اے اللہ کے نبی! میں نے حضورؐ کے چہرے کو دیکھا کہ حیا سے تبدیل ہو رہا ہے اور باندی اور چشمہ پر قبضہ کرنے سے آپ شرمندگی محسوس کر رہے ہیں (ب) حضورؐ اہل ذمہ کے بارے میں فرماتے تھے جو اموال پر اسلام لایا وہ سارا اس کا ہوگا۔ ان کا مال، غلام، گھر، زمین، چوپایہ ان پر صدقہ کے علاوہ کچھ لازم نہیں ہوگا (ج) حضرت سفیان نے فرمایا کہ ہم اس کو نہیں لیتے۔ ہم کہتے ہیں کہ پیٹ میں جو حمل ہے اس کو مستثنیٰ کیا تب بھی پوری باندی آزاد ہوگی کیونکہ اس کا بچہ اس کے عضو کی طرح ہے۔

[۳۰۰۳](۲۴) ولا ینبغی ان یباع السلاح من اهل الحرب ولا یجهز الیهم[۳۰۰۴] (۲۵) ولایُفادون بالاُساری عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله تعالی یُفادیٰ بهم

اسلام لانے سے اس کو مسلمان نہیں شمار کیا جائے گا۔

لغت فی : مال غنیمت، ظهرنا علی الدار : دارالحرب پر قبضہ ہوگیا، عقار : زمین۔

[۳۰۰۳](۲۴) مناسب نہیں ہے کہ ہتھیار حربیوں سے بیچے اور نہ اس کو یہ مال بھیجے۔

تشریح جب جنگ چل رہی ہو ایسے حالات میں اہل حرب سے ہتھیار بیچنا مناسب نہیں۔ اسی طرح وہاں ہتھیار بھیجنا بھی مناسب نہیں۔

وجہ اس ہتھیار سے مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ اس لئے اپنے ہی لوگوں کو نقصان پہنچانا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح ان سے ہتھیار بھی بیچنا مناسب نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن عمران بن حصین قال نهی رسول الله ﷺ عن بیع السلاح فی الفتنة (الف) (سنن للبیہقی، باب کراہیة بیع العصیر ممن یعصر الخمر والسیف ممن یعصی اللہ عزوجل بہ، ج خامس، ص ۵۳۵، نمبر ۱۰۷۸۱) اس حدیث مرسل میں ہے کہ فتنہ کے وقت ہتھیار بیچنے سے منع فرمایا۔ اور حربی سے زیادہ کون فتنہ باز ہوگا۔ اس لئے ان سے بھی ہتھیا بیچنا یا اس کے ملکوں میں ہتھیار بھیجنا جائز نہیں ہوگا (۳) اس اثر میں ہے۔ عن الحسن قال لا یبعث الی اهل الحرب شیء من السلاح والکراع ولا ما یستعان علی السلاح والکراع (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۳۱ ما یکرہ ان یحمل الی العدو فیتقوی بہ، ج سادس، ص ۵۱۲، نمبر ۳۳۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حربیوں کو ہتھیار نہیں دینا چاہئے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حربیوں کو ہتھیار کے علاوہ دوسرے سامان بھی بیچنا جائز نہیں ہے۔

وجہ ان کا استدلال حضرت ثمامہ بن اثال کے اس قول سے ہے جو لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ سمع اباهریرة قال ... ولا والله لایأتیکم من الیمامة حبة حنطة حتی یأذن فیها النبی ﷺ (ب) (بخاری شریف، باب وفد بنی حنیفة وحدیث ثمامة بن اثال، ص ۶۲۷، نمبر ۴۳۷۲) اس حدیث میں ہے کہ حضور کی اجازت کے بغیر اہل مکہ کو گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں دیا جائے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے سامان بھی اہل حرب کو نہ دے (۲) اوپر کا مصنف ابن ابی شیبہ کا اثر نمبر ۳۳۳۶۱ بھی ان کا مستدل ہے۔ کیونکہ اس میں ہے ولا ما یستعان به علی السلاح والکراع یعنی ہتھیار اور جو چیز جنگ میں مددگار ہو وہ بھی نہ دو۔

لغت تجهز : جہیز سے مشتق ہے، کسی چیز کو بھیجنا، السلاح : ہتھیار

[۳۰۰۴](۲۵) اور نہ فدیہ دے قیدیوں کے بدلے میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان قیدیوں کے بدلے میں رہا کرے۔

تشریح مسلمانوں کے قیدی کفار کے پاس ہیں اور کفار کے قیدی مسلمانوں کے پاس ہیں۔ اب مسلمان قیدی لے کر کفار قیدی کو رہا کرے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے جنگ کے موقع پر دشمن سے ہتھیار بیچنے سے منع فرمایا (ب) حضرت ثمامہ نے فرمایا خدا کی قسم یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی مکہ نہیں آئے گا جب تک حضورؐ اجازت نہ دیں۔

اُساری المسلمین.

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسا نہیں کرنا چاہئے۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ امام وقت ایسا کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

وجہ امام اعظم فرماتے ہیں کہ کفار کو مارنا دنیا سے فتنے کو ختم کرنا ہے۔اس لئے مسلمانوں کو بچانے سے زیادہ کفار کو مارنا افضل ہے(۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ماکان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا والله یرید الآخرة والله عزیز حکیم (الف)(آیت ۶۷،سورۃ الانفال ۸)اس آیت میں ہے کہ نبی ﷺ کے پاس قیدی ہوں اور ان کو مار مار کر ختم نہ کریں ایسا نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کو مار مار کر ختم کردینا چاہئے۔اور مسلمان قیدی کے بدلے میں کفار قیدی کو دینا اس کو زندہ رکھنا ہے اس لئے اس کو نہیں دینا چاہئے (۳) دوسری آیت میں ہے۔واقتلوھم حیث ثقفتموھم (ب)(آیت ۱۹۱،سورۃ البقرۃ ۲)اور آیت میں ہے۔فان تولوا فخذوھم واقتلوھم حیث وجدتموھم ولا تتخذوا منھم ولیا ولا نصیرا (ج)(آیت ۸۹،سورۃ النساء ۴)ان دونوں آیتوں میں ہے کہ کفار کو جہاں پاؤ قتل کرو۔اس لئے قیدی کو قتل کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔جب قیدیوں کے بدلے رہا نہیں کرسکتے تو مال کے بدلے بھی رہا نہیں کرنا چاہئے۔

فائدہ صاحبین اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قیدیوں کے بدلے رہا کرسکتے ہیں۔

وجہ ان کے یہاں مسلمانوں کو بچانا کفار کو صاف کرنے سے زیادہ اہم ہے تاکہ مسلمانوں میں بد دلی پیدا نہ ہو۔اس لئے مسلمان قیدیوں کے بدلے کفار قیدیوں کو رہا کرسکتے ہیں(۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا (د)(آیت ۴،سورۂ محمد ۴۷)اس آیت میں ہے کہ قید کرنے کے بعد یا احسان کرسکتے ہو یا فدیہ میں رہا کرسکتے ہو(۳) حدیث میں ہے کہ حضورؐ دو مسلمان قیدیوں کے بدلے ایک مشرک قیدی کو رہا کیا۔حدیث یہ ہے۔عن عمران بن حصین ان النبی ﷺ فدی رجلین من المسلمین برجل من المشرکین (ہ) ترمذی شریف،باب ماجاء فی قتل الاساری والفداء،ص ۲۸۵،نمبر ۱۵۶۸(۴)مسلم شریف میں یوں ہے۔حدثنی ایاس بن سلمة حدثنی ابی قال غزونا فزارہ وعلینا ابو بکر ... فبعث بھا رسول الله ﷺ الی اھل مکة ففدی بھا ناسا من المسلمین کانوا اسروا بمکة (و)(مسلم شریف،باب التنفیل وفداء المسلمین بالاساری،ص ۸۹،نمبر ۱۷۵۵)ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قیدی کے بدلے قیدی رہا کرسکتے ہیں۔

لغت یفادو : فدیہ دینا،کسی چیز کے بدلے رہا کرنا، اساری : اسیر کی جمع ہے قیدی۔

حاشیہ : (الف) کسی نبیؐ کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہو یہاں تک کہ اس کا خون نہ بہائے،تم دنیوی سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔اللہ غالب ہے حکمت والا ہے(ب) جہاں کہیں پاؤ کفار کو قتل کرو(ج) پس اگر کفار پشت پھیریں تو ان کو پکڑو اور جہاں کہیں پاؤ ان کو قتل کرو اور ان کو دوست اور مددگار نہ بناؤ(د) جب کافروں سے مقابلہ پر آؤ تو گردنوں کو اتنا مارو کہ خون بہادو اور مضبوطی سے باندھو،پھر یا احسان کرو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے(ہ) آپؐ نے دو مسلمانوں کے بدلے میں ایک مشرک کو فدیہ میں دیا۔(و) حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ ہم نے قبیلہ فزارہ سے جنگ کی اور ہم پر امیر حضرت ابوبکر تھے... حضورؐ نے مکہ کی طرف بھیجا اور ان مسلمانوں کے بدلے فدیہ دیا جو مکہ میں قید ہوئے تھے۔

[۳۰۰۵](۲۶) ولا یجوز المن علیھم[۳۰۰۶](۲۷) واذا فتح الامام بلدۃ عنوۃ فھو بالخیار ان شاء قسمھا بین الغانمین وان شاء اقرّاھلھا علیھا ووضع علیھم الجزیۃ وعلی

[۳۰۰۵](۲۶) کفار پر احسان کرنا جائز نہیں۔

تشریح بغیر کچھ لئے یوں ہی کفار کے قیدی کو رہا کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ اوپر کی دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مسلمان قیدی کے بدلے کفار قیدی کو رہا کرنا مناسب نہیں ہے تو کچھ لئے بغیر رہا کرنا کیسے جائز ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مصلحت ہو تو کچھ لئے بغیر بھی ان کے قیدی کو چھوڑ سکتے ہیں۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کی آیت فاما منا بعد و اما فداء (آیت ۴، سورۂ محمد ۴۷) ہے (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بعض کفار کو بغیر کچھ لئے بھی رہا کیا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن انس ان ثمانین رجلا من اھل مکۃ ھبطوا علی النبی ﷺ واصحابہ من جبال التنعیم عند صلواۃ الفجر لیقتلوھم فاخذھم رسول اللہ ﷺ سلما فاعتقھم رسول اللہ ﷺ فانزل اللہ عزوجل وھو الذی کف ایدیھم عنکم و ایدیکم عنھم ببطن مکۃ الخ (الف) (آیت ۲۴، سورۃ الفتح ۴۸) اور دوسری روایت میں ہے۔ عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیہ ان النبی ﷺ قال لاساری بدر لو کان مطعم بن عدی حیا ثم کلمنی فی ھؤلاء النتنی لاطلقتھم لہ (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی المن علی الاسیر بغیر فداء، ج ۲، ص ۱۰، نمبر ۲۶۸۸/۲۶۸۹ / بخاری شریف، باب ما من النبی ﷺ علی الاساری من غیر ان یخمس، ص ۴۴۳، نمبر ۳۱۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام مصلحت سمجھے تو بغیر فدیہ لئے بھی کفار کے قیدی کو رہا کر سکتا ہے۔

[۳۰۰۶](۲۷) اگر امام کسی شہر کو طاقت سے فتح کرے تو اس کو اختیار ہے چاہے اس کو غازیوں کے درمیان تقسیم کر دے اور چاہے تو اس کے رہنے والے کو اس پر برقرار رکھے اور ان پر جزیہ مقرر کر دے اور اس کی زمین پر خراج مقرر کر دے۔

تشریح کسی شہر کو امام طاقت سے فتح کرے تو ان کو اس کی زمین کے بارے میں دو اختیار ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ وہاں کے باشندے کو اس زمین پر برقرار رکھے اور باشندوں پر ذمی ہونے کے اعتبار سے جزیہ مقرر کر دے اور زمین پر خراج مقرر کر دے۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ امام کو اس کا اختیار ہے۔ ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم

حاشیہ : (الف) اہل مکہ میں سے اسی آدمی فجر کی نماز کے وقت جبل تنعیم سے حضورؐ اور ان کے اصحاب پر اترے تاکہ ان کو شہید کرے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو پکڑا اور ان کو آزاد کر دیا تو اللہ نے یہ آیت اتاری۔ وہ اللہ کی ذات ہے جس نے تم سے اس کے ہاتھوں کو روکا اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روکا وادی مکہ میں (ب) آپؐ نے بدر کے قیدیوں سے فرمایا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور ان لوگوں کے بارے میں بات کرتے تو میں ان کی وجہ سے ان کو چھوڑ دیتا۔

اراضیهم الخراج.

عنه فانتهوا (الف)(آیت ۷،سورۃ الحشر ۵۹)اس آیت میں ہے کہ جو مال غنیمت آیا وہ اللہ اور رسول کا ہے۔اس لئے اس کی جگہ جو امیر ہے اس کو تقسیم کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ خیبر کی زمین طاقت سے فتح کی اور اس کو چھتیس حصوں مین تقسیم فرمایا۔ اور پھر یہودوں کو ہی کام کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔اور مکہ مکرمہ کو بھی طاقت سے فتح کیا لیکن اس کی زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں فرمایا بلکہ وہاں کے لوگوں کو اس پر برقرار رکھا۔بعد میں وہ لوگ ایمان لے آئے۔خیبر کی زمین طاقت سے فتح کی گئی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قاتل اهل خیبر فغلب علی الارض والنخل والجاهم الی قصرهم (ب) اور اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن سهل بن ابی حثمة قال قسم رسول الله ﷺ خیبر نصفین،نصفا لنوائبه وحاجته ونصفا بین المسلمین قسمها بینهم علی ثمانیة عشر سهما (ج) اور یہود کو اس زمین پر کام کرنے دیا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عبد الله بن عمرؓ قال لما افتتحت خیبر سألت یهود رسول الله ﷺ ان یقرهم علی ان یعملوا علی النصف مما خرج منها فقال رسول الله ﷺ اقرکم فیها علی ذلک ماشئنا (د)(ابو داؤد شریف،باب ماجاء فی حکم ارض خیبر،ج ۲،ص ۶۸،نمبر ۳۰۰۶/۳۰۱۰/۳۰۰۸/بخاری شریف،باب معاملة النبی ﷺ اهل خیبر،ص ۶۰۹،نمبر ۲۲۴۸،باب غزوۃ خیبر،ص ۶۰۳،نمبر ۴۱۹۷،کتاب المغازی)ان حدیثوں سے تینوں باتیں ثابت ہوئیں۔

لوگوں کو برقرار رکھے اور خراج لگائے اس کی دلیل اس اثر میں ہے۔ان عمر بن الخطاب بعث عثمان بن حنیف فمسح السواد فوضع علی کل جریب عامر او غامر حیث یناله الماء قفیزا و درهما (ہ)(سنن للبیہقی،باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج تاسع،ص ۲۳۰،نمبر ۱۸۳۸۳)حضرت عمرؓ نے سواد یعنی عراق کی زمین فتح کی اور اس کے لوگوں کو ذمی قرار دیا اور ان پر خراج مقرر کیا۔جس سے معلوم ہوا کہ باشندوں کو بحال رکھ کر خراج مقرر کر سکتے ہیں (۲) عن عثمان بن ابی سلیمان ان النبی ﷺ بعث خالد بن ولید الی اکید ردومة فاخذوه فاتوا به فحقن له دمه وصالحه علی الجزیة (و)(سنن للبیہقی،باب من قال تو خذ منھم الجزیۃ عربا کان او عجما،ج تاسع،ص ۳۱۴،نمبر ۱۸۶۴۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ جزیہ لے سکتا ہے۔

مکہ مکرمہ طاقت سے فتح ہوا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ان ابن عباس اخبره ان رسول الله ﷺ غزا غزوۃ الفتح فی رمضان

حاشیہ : (الف) اللہ نے اپنے رسول کو گاؤں والوں کی جو مال غنیمت دی وہ اللہ کے لئے،رسول کے لئے،رشتہ داروں کے لئے،یتیموں،مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔تاکہ تمہارے مالداروں کے درمیان دولت نہ ہو جائے۔اس لئے رسول جو دے اسے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ(ب) آپؐ نے اہل خیبر سے جنگ کی اور زمین اور باغ پر قبضہ کیا اور ان کو ان کے قلعے میں دبکے رہنے پر مجبور کیا (ج) آپؐ نے خیبر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔آدھا مصائب اور ضرورتوں کے لئے اور آدھا مسلمانوں کے درمیان اس کو تقسیم کیا اٹھارہ حصوں پر (د) عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو یہودیوں نے حضورؐ سے کہا کہ ان کو وہیں بحال رکھا جائے اس شرط پر کہ وہ آدھی بٹائی پر کام کریں گے۔آپؐ نے فرمایا جب تک چاہوں گا خیبر پر بحال رکھوں گا (ہ) حضرت عمرؓ نے عثمان بن حنیف کو بھیجا۔انہوں نے عراق کی پیمائش کی اور آباد اور غیر آباد جس میں پانی پہنچتا ہو ایک جریب پر ایک قفیز یا ایک درہم (و) آپؐ نے خالد بن ولید کو اکید ردومہ کی طرف روانہ کیا۔پس انہوں نے اس کو پکڑ کر لایا تو اس کے خون کو معاف کر دیا اور جزیہ پر صلح کی۔

[۳۰۰۷](۲۸) وهو فی الأسارٰی بالخیار ان شاء قتلهم وان شاء استرقّهم وان شاء

(الف) (بخاری شریف، باب غزوۃ الفتح فی رمضان، ص ۶۱۲، نمبر ۴۲۷۵ رمسلم شریف، باب فتح مکۃ، ج ۲، ص ۱۰۲، نمبر ۱۷۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ بزور طاقت ہوا۔ اس کے باوجود وہاں کی زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی (۲) اسی طرح عراق کی زمین کو حضرت عمرؓ نے مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی اس سے معلوم ہوا کہ امام کو دونوں اختیار ہیں۔

لغت عنوۃ : زبردستی کر کے لینا، غانمین : غانم کی جمع ہے، غنیمت حاصل کرنے والے مجاہدین۔

[۳۰۰۷](۲۸) اور امام کو قیدیوں کے بارے میں اختیار ہے۔ چاہے ان کو قتل کر دے اور چاہے ان کو غلام بنائیں، اور چاہے تو ان کو مسلمانوں کے لئے ذمی بنا کر آزاد چھوڑ دے۔

تشریح جو قیدی میدان جنگ میں ہاتھ آ گئے ان کے بارے میں امام کو تین اختیار ہیں۔ مصلحت کے مطابق ان میں سے ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے (۱) اگر بہت شریر ہو تو ان کو قتل کر دے تاکہ اس کی شرارت سے بچ سکے (۲) مناسب سمجھے تو قیدیوں کو غلام بنا کر رکھے (۳) اور مناسب سمجھے تو آزاد چھوڑ دے۔ لیکن ان کو مسلمانوں کے لئے ذمی بنا کر رکھے تاکہ خراج اور جزیہ ادا کرتا رہے۔

وجہ احادیث میں تینوں کا ثبوت ہے۔ قیدیوں کو قتل کر دے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی سعید الخدریؓ قال لما نزلت بنو قریظة علی حکم سعد بعث رسول الله ﷺ ... قال انی احکم ان تقتل المقاتلة وان تسبی الذریة قال لقد حکمت فیهم بحکم الملک (ب) (بخاری شریف، باب اذا نزل العدو علی حکم رجل، ص ۴۲۷، نمبر ۳۰۴۳ رمسلم شریف، باب جواز قتال من نقض العهد وجواز انزال اهل الحصن علی حکم حاکم عدل اهل للحکم) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ دخل عام الفتح وعلی رأسه المغفر فلما نزعه جاء رجل فقال ان ابن خطل متعلق باستار الکعبة فقال اقتلوه (ج) (بخاری شریف، باب قتل الاسیر وقتل الصبر، ص ۴۲۷، نمبر ۳۰۴۴ رمسلم شریف، باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام، ص ۴۳۹، نمبر ۱۳۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیدی کو مناسب سمجھیں تو قتل کر سکتے ہیں۔

اگر مناسب سمجھیں تو زندہ رکھ کر قیدی بنا سکتے ہیں اس کی دلیل اوپر کی حدیث بنی قریظہ میں یہ جملہ گزرا۔ وان تسبی الذریة (بخاری شریف، نمبر ۳۰۴۳ رمسلم شریف، نمبر ۱۷۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام اور باندی بھی قیدی کو بنا سکتے ہیں۔

احسانا چھوڑ دیں اور ذمی بنا دیں اس کی دلیل یہ لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ سمع ابا هریرة یقول بعث رسول الله ﷺ خیلا قبل نجد فجاءت برجل من حنیفة یقال له ثمامة بن اثال ... فقال ماذا عندک یا ثمامة فقال عندی ما قلت لک ان تنعم تنعم علی شاکر وان تقتل تقتل ذا دم وان کنت ترید المال فسل تعط منه ما شئت فقال رسول الله ﷺ اطلقوا ثمامة

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فتح مکہ کا غزوہ رمضان میں کیا (ب) بنو قریظہ حضرت سعدؓ کے حکم پر اترے تو حضورؐ نے بھیجا... حضرت سعدؓ نے فرمایا میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے جنگجو قتل کئے جائیں اور ان کی اولاد قید کی جائے۔ آپؐ نے فرمایا آپ نے فرشتے کا فیصلہ کیا (ج) آپؐ فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے اس حال میں کہ آپؐ کے سر پر خود تھا۔ پس جب خود کھولا تو ایک آدمی آیا اور کہا ابن خطل کعبہ کے پردے کے ساتھ لٹکا ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔

ترکھم احرارا ذمة للمسلمین [۳۰۰۸] (۲۹) ولا یجوز ان یردھم الی دار الحرب [۳۰۰۹] (۳۰) واذا اراد الامام العود الی دار الاسلام ومعه مواش فلم یقدر علی نقلها

(الف) (مسلم شریف، باب ربط الاسیر وحبسه وجواز المن علیه، ج ۲، ص ۹۳، نمبر ۱۷۶۴) اس حدیث میں حضرت ثمامہ قیدی کو چھوڑ دیا قتل نہیں کیا۔ دوسری حدیث میں ہے۔ حدثنی عطیة القرظی قال کنت من سبی بنی قریظة فکانوا ینظرون فمن انبت الشعر قتل ومن لم ینبت لم یقتل فکنت فیمن لم ینبت (ب) (ابوداؤد شریف، باب الغلام یصیب الحد، ص ۲۵۷، نمبر ۴۴۰۴، کتاب الحدود) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احسان کے طور پر چھوڑ بھی سکتے ہیں۔ (۲) پہلے آیت گزر چکی ہے۔ فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا (آیت ۴، سورہ محمد ۴۷) اس آیت سے بھی پتا چلا کہ احسان کرتے ہوئے چھوڑ سکتا ہے۔

[۳۰۰۸] (۲۹) البتہ یہ جائز نہیں ہے کہ ان کو دار الحرب کی طرف جانے دیں۔

تشریح مسلمان قیدیوں کے بدلے میں نہیں بلکہ یوں ہی کافر قیدیوں کو دار الحرب کی طرف واپس جانے دیں یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ پھر تو حربی مضبوط ہو جائیں گے اور دوبارہ جنگ کریں گے۔ اس لئے قیدیوں کو دار الحرب کی طرف واپس کرنا جائز نہیں ہے (۲) آیت گزر چکی ہے کہ قیدیوں کو مارو، تو اس کو دار الحرب بھیجنا کیسے درست ہوگا۔ ما کان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرة (ج) (آیت ۶۷، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ قیدیوں کو مارو اس لئے اس کو واپس بھیجنا درست نہیں ہوگا (۳) دوسری آیت میں ہے۔ فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد (د) (آیت ۵، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں بھی ہے کہ حربیوں کو قتل کرو اس لئے واپس بھیجنا اچھا نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت کی وجہ سے فاما منا بعد واما فداء (آیت ۴ سورۂ محمد ۴۷) والی آیت منسوخ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

[۳۰۰۹] (۳۰) اگر امام دار الاسلام کی طرف واپس آنا چاہے اور اس کے پاس مویشی ہو اور اس کو دار الاسلام منتقل کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو ذبح کر دے اور اس کو جلا دے نہ اس کا کونچ کاٹے اور نہ اس کو یوں ہی چھوڑ دے۔

تشریح امام اور مجاہدین دار الحرب سے دار الاسلام جا رہے ہیں ان کے پاس دار الحرب کے کچھ مویشی ہیں اس کو دار السلام نہیں لے جا سکتا تو

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے گھوڑ سواروں کو نجد کی طرف بھیجا تو وہ لوگ بنی حنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ کر لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا... آپؐ نے پوچھا ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟ یعنی تم کیا چاہتے ہو؟ کہا میرے پاس جو بات تھی وہ کہہ دی کہ اگر انعام کریں گے تو شکر گزار رہوں گا، اور قتل کریں گے تو خون والے کو قتل کریں گے۔ اور مال چاہئے تو مانگئے دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو (ب) عطیہ قرظی فرماتے ہیں کہ میں بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھا تو وہ اندازہ لگاتے تھے کہ کس کو نیچے کا بال اگا ہے یعنی بالغ ہوا ہے اس کو قتل کرتے تھے۔ اور جس کو بال نہیں اگا اس کو قتل نہیں کرتے۔ اور میں اس میں تھا جس کو بال نہ اگا ہو (ج) کسی نبی کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کے پاس قیدی ہو یہاں تک کہ وہ زمین میں خون بہائے یعنی قیدی کو قتل کرے۔ تم دنیوی سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتے ہیں (د) جب اشہر حرم ختم ہو جائیں تو مشرکین کو قتل کرو، ان کو پکڑو ان کو قید کرو اور ان کے لئے ہر گھات میں بیٹھو۔

الی دار الاسلام ذبحها وحرقها ولا یعقرها ولا یترکها.

اس کو حربیوں کے فائدے کے لئے نہ چھوڑے بلکہ اس کو ذبح کرے اور گوشت کو جلا دے تا کہ اس سے حربی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

وجہ کفار کو فائدہ نہ اٹھانے دے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **ما قطعتم من لینة او ترکتموها قائمة علی اصولها فباذن الله ولیخزی الفاسقین** (الف) (آیت ۵، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ کفار کے درختوں کو چھوڑ دو یا کاٹ دو یہ اللہ کے حکم سے ہوا اور اصل مقصد یہ ہے کہ کافروں کو شرمندگی ہو (۲) **عن ابن عمرؓ قال حرق رسول الله ﷺ نخل بنی النضیر وقطع وهی البویرة** (ب) (بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیھم فی دیۃ الرجلین ص ۵۷۴، نمبر ۴۰۳۱ رمسلم شریف، باب جواز قطع اشجار الکفار وتحریقھا، ج ۲، ص ۸۵، نمبر ۱۷۴۶) اس حدیث میں ہے کہ کفار کو مجبور کرنے کے لئے بنی نضیر کا درخت جلایا اور اس کو ویران کیا۔ اسی طرح اس کے مویشی کو بھی قابل استفادہ نہ رہنے دیا جائے۔

لیکن اس کو زندہ جلانا جائز نہیں ہے اس لئے ذبح کر کے اس کے گوشت کو جلا دے یا دفن کردے تا کہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال لا تتخذوا شیئا فیه الروح غرضا** (ج) (مسلم شریف، باب النھی عن صبر البھائم، ج ۲، ص ۱۵۳، نمبر ۱۹۵۷) اس حدیث میں ہے کہ جانور کو تھوڑا تھوڑا کر کے نہیں مارنا چاہئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کو زندہ نہیں جلانا چاہئے اور نہ اس کی ٹانگ ہاتھ کاٹ کر چھوڑنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے جانور کو تکلیف ہوگی۔ البتہ ذبح کرنا جائز ہے اور اس کے بعد گوشت جلانے میں جانور کو تکلیف نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے کہ جانور کا ہاتھ پاؤں کاٹ کر نہ چھوڑے یہ مثلہ ہے اور مثلہ ناجائز ہے۔ اثر یہ ہے۔ **ان ابا بکرؓ لما بعث الجنود نحو الشام یزید بن ابی سفیان ... ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنها ولا تعقروا بهیمة ولا شجرة تثمر** (د) (سنن للبیہقی، باب من اختار الکف عن القطع والتحریق الخ، ج تاسع، ص ۱۴۶، نمبر ۱۸۱۲۵) دوسری روایت میں ہے۔ **ان ابا بکرؓ بعث یزید بن ابی سفیان الی الشام فمشی معه فذکر الحدیث الی ان قال ولا تذبحوا بعیرا ولا بقرا الا لمأکل** (ہ) (سنن للبیہقی، باب تحریم قتل مالہ روح الا بان یذبح فیوکل، ج تاسع، ص ۱۴۷، نمبر ۱۸۱۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذبح کر کے اس کو جلائے بغیر ذبح کئے نہ جلائے۔ کیونکہ فرمایا کہ ہاتھ اور ٹانگ کاٹ کر چھوڑ دینا اچھا نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذبح بھی نہ کرے بلکہ بغیر ذبح کئے ہوئے چھوڑ دے۔

وجہ اوپر اثر گزرا کہ **لا تذبحوا بعیرا ولا بقرا الا لمأکل** (سنن للبیہقی، نمبر ۱۸۱۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف کھانے کے لئے ذبح کرے یوں ذبح نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب کی مویشی کو ذبح نہ کرے یوں ہی چھوڑ دے۔

حاشیہ: (الف) کوئی تروتازہ درخت کاٹو یا اس کی جڑوں پر چھوڑ دو تو یہ اللہ کے حکم سے کرو تا کہ فاسقین ذلیل ہوں (ب) حضورؐ نے بنی نضیر کے باغوں کو جلایا اور کاٹا جس کا نام بویرہ تھا (ج) آپؐ نے فرمایا جس جانور میں روح ہو اس کو ڈھال کے طور پر مت بناؤ (د) حضرت ابوبکر نے جب لشکر شام کی طرف یزید بن سفیان کو روانہ کیا... نصیحت کی باغوں کو ڈبونا نہیں، اس کو جلانا نہیں، چوپائے کا پاؤں نہیں کاٹنا اور نہ پھل دار درختوں کو کاٹنا (ہ) حضرت ابوبکر نے یزید بن ابوسفیان کو شام کی طرف روانہ کیا تو ان کے ساتھ کچھ دیر تک چلے۔ حدیث کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا اونٹ اور گائے کو ذبح نہ کرنا مگر کھانے کے لئے۔

[۳۰۱۰](۳۱) ولا يقسم غنيمة في دار الحرب حتى يُخرجها الى دار الاسلام.

لغت یعقر : عقر سے مشتق ہے، کونچ کاٹنا یعنی پاؤں پر تلوار مار کر اس کو کاٹ دینا، مواش : جانور، ماشیۃ کی جمع ہے۔

[۳۰۱۰](۳۱) دار الحرب میں غنیمت تقسیم نہ کرے یہاں تک کہ اس کو دار الاسلام تک نکال لائے۔

تشریح مال غنیمت کو دار الحرب سے دار الاسلام میں لائے تب اس کو تقسیم کرے اس سے پہلے تقسیم نہ کرے۔

وجہ دار الحرب کے اندر جب تک مال غنیمت ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ کفار دوبارہ حملہ کر کے اس مال کو واپس لے لیں، چونکہ خطرہ ہے اس لئے مال مکمل طور پر مسلمانوں کا ہوا ہی نہیں۔ اس لئے اس کو مجاہدین کے درمیان ابھی تقسیم نہ کرے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ تقسیم ہونے کے بعد مجاہد اس کا مالک ہوگا اس لئے اس کی حفاظت میں لگا رہے گا۔ اور اچانک کوئی جنگ ہوئی تو اس میں تن من دھن سے شریک نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ مال کی حفاظت میں اس کا دل لگا رہے گا۔ اور اگر مال مجموعی طور پر رہے گا تو کچھ جماعت اس کی حفاظت کرے گی اور باقی لوگ جنگ میں کود پڑیں گے۔ اس لئے دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم نہ کرے۔ ہاں! اگر فتح کر کے دار الاسلام کے درجے میں لا چکا ہو اور دوبارہ کفار کے حملے کرنے کی امید نہ ہو تو چونکہ دار الاسلام کے درجے میں ہو گیا اس لئے وہاں مال غنیمت تقسیم کر سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ ان انسا اخبره قال اعتمر النبی ﷺ من الجعرانة حيث قسم غنائم حنين (الف) (بخاری شریف، باب من قسم الغنیمۃ فی غزوہ وسفرہ، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۶) اس حدیث میں ہے کہ جنگ حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی گئی اور جعرانہ مکہ مکرمہ سے قریب ہے۔ اور مکہ مکرمہ اس وقت دار الاسلام بن چکا تھا جس سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت دار الاسلام میں تقسیم کرے (۲) خیبر میں جو مال تقسیم کیا وہ اس لئے کہ خیبر فتح کرنے کے بعد وہ دار الاسلام کے درجے میں ہو چکا تھا۔ اور دوبارہ یہودیوں کی جانب سے حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ عبارت یوں ہے۔ عن ابن عمر ان النبی ﷺ قاتل اهل خيبر فغلب على الارض والنخل والجأهم الى قصرهم (ب) (ابو داؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ج ۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کو اتنا مجبور کیا کہ وہ اپنے محل میں بند رہنے پر مجبور ہو گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ دار الاسلام کے قریب ہو چکا تھا۔ اس لئے وہاں غنیمت تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز تو ہے لیکن مذکورہ وجوہ کی وجہ سے بہتر نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ حدیث میں ہے کہ بنو قریظہ کے مال اور عورتوں کو تقسیم کیا۔ عن ابن عمرؓ ان يهود النضير وقريظة حاربوا رسول الله ﷺ ... فقتل رجالهم وقسم نساء هم واموالهم واولادهم بين المسلمين (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی خبر النضیر، ص ۶۷، نمبر ۳۰۰۵) اس حدیث میں ہے کہ ان کے مال اور اولاد اور عورتوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کی جا سکتی ہے۔ یہی رائے امام شافعیؒ کی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے جعرانہ سے عمرہ فرمایا جہاں حنین کی غنیمت تقسیم فرمائی (ب) آپؐ نے اہل خیبر سے جنگ کی۔ پس زمین اور باغات پر قبضہ کیا اور ان کو قلعے میں بیٹھنے پر مجبور کیا (ج) قبیلہ نضیر اور قریظہ سے حضورؐ نے جنگ کی... پس ان کے مردوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں، مال اور اولاد کو مسلمانوں میں تقسیم فرمائی۔

[۳۰۱۱] (۳۲) والرِدء والمقاتل فی العسکر سواء.

[۳۰۱۱] (۳۲) مددگار اور قتال کرنے والے لشکر میں برابر ہیں۔

تشریح کچھ مجاہد باضابطہ قتال کریں اور کچھ ان کی مدد کریں تو مال غنیمت میں دونوں کا حصہ برابر برابر ہے۔ کمی بیشی نہیں ہوگی۔

وجہ ایسا ہوتا ہے کہ لشکر میں بعض کا کام جنگ کرنا ہوتا ہے اور بعض کا کام اس کی مدد کرنا۔ اس لئے دونوں برابر کے حقدار سمجھے جائیں گے (۲) اثر میں تو یہاں تک ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے کوئی لشکر میں شامل ہو جائے تو ان کو بھی مال غنیمت میں برابر کا حصہ ملے گا۔ سمعت طارق بن شہاب یقول : ان اہل البصرۃ غزوا اہل نہاوند فامدوہم باہل الکوفۃ وعلیہم عمار بن یاسر فقدموا علیہم بعد ما ظہروا علی العدو فطلب اہل الکوفۃ الغنیمۃ واراد اہل البصرۃ ان لا یقسموا لاہل الکوفۃ من الغنیمۃ. فقال رجل من بنی تمیم لعمار بن یاسر ایہا الاجدع ترید ان تشارکنا فی غنائمنا قال وکانت اذن عمار جدعت مع رسول اللہ ﷺ فکتبوا الی عمر بن الخطابؓ فکتب الیہم ان الغنیمۃ لمن شہد الوقعۃ (الف) (سنن للبیہقی، باب الغنیمۃ لمن شہد الوقعۃ، ج تاسع، ص ۸۶، نمبر ۱۷۹۵۳) اس اثر میں جو لوگ بعد میں لشکر میں شریک ہوئے ان کو بھی مال غنیمت ملا تو جو پہلے سے شریک ہیں البتہ خدمت کر رہے ہیں تو ان کو بھی برابر کا حصہ ملے گا (۳) غزوۂ حنین کے واقعہ پر نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ حضرت عباسؓ حضورؐ کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے ہیں اور دوسرے حضرات قتال کر رہے تھے پھر بھی حضرت عباسؓ کو برابر کا حصہ ملا۔ پوری حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال عباسؓ شہدت مع رسول اللہ ﷺ یوم حنین ... قال عباس وانا آخذ بلجام بغلۃ رسول اللہ ﷺ اکفہا ارادۃ ان لا تسرع. اور دوسری روایت کے اخر میں ھے. حدثنی ایاس بن سلمۃ ھو ابن الاکوع قال غزونا مع رسول اللہ ﷺ حنینا ... وقسم رسول اللہ ﷺ غنائمہم بین المسلمین (ب) (مسلم شریف، باب غزوۃ حنین، ص ۹۹، نمبر ۱۷۷۵/۱۷۷۷) اس لئے سب کو حصے برابر ملیں گے (۴) ابو داؤد شریف میں بوڑھے اور جوان، مقاتل اور ردء کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور سب کو برابر حصہ دیا گیا۔ عبارت یہ ہے قال : قسمہا رسول اللہ ﷺ بالسواء (ابو داؤد شریف، باب فی النفل، ج ۲، ص ۱۹، نمبر ۲۷۳۹)

لغت الردء : مددگار

حاشیہ : (الف) اہل بصرہ نے اہل نہاوند سے جنگ کی تو ان کو اہل کوفہ کے ذریعہ مدد دی گئی۔ اہل بصرہ کے امیر عمار بن یاسرؓ تھے۔ پس اہل کوفہ دشمن پر غالب ہونے کے بعد شریک ہوئے۔ بس اہل کوفہ نے غنیمت مانگی اور اہل بصرہ نے چاہا کہ اہل کوفہ کے لئے غنیمت تقسیم نہ ہو۔ اس لئے بنی تمیم کے ایک آدمی نے حضرت عمار بن یاسر کو کہا کس لئے تم ہماری غنیمت میں ان کو شریک کرنا چاہتے ہو۔ اور حضرت عمار کا کان حضورؐ کے ساتھ کٹ گیا تھا تو حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ مال غنیمت اس سب کو ملے گا جو جنگ میں شریک ہوا (ب) حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ جنگ حنین میں شریک ہوا... حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا۔ اس کو روکتا تھا تاکہ خچر تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اس کی غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کی۔

[۳۰۱۲](۳۳) واذا لحقهم المدد فی دار الحرب قبل ان یُخرجوا الغنیمة الی دار الاسلام شارکوھم فیھا[۳۰۱۳](۳۴) ولا حقَّ لاھل سوق العسکر فی الغنیمة الا ان

[۳۰۱۲](۳۳) اگران کو مدد لاحق ہوئی دار الحرب میں غنیمت کو دار الاسلام میں لانے سے پہلے تو وہ اس میں شریک ہوں گے۔

تشریح ایک لشکر پہلے سے دار الحرب میں جنگ کر رہا تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد لیکن مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اور اس کو دار الاسلام تک لانے سے پہلے مجاہدین کی دوسری جماعت اس کی مدد کے لئے مل گئی تو ان کو بھی مال غنیمت میں برابر کا حصہ ملے گا۔

وجہ اوپر حضرت عمرؓ کا فیصلہ گزر چکا ہے جس میں اہل کوفہ کو اہل بصرہ کے مال غنیمت میں حصہ دلوایا۔ اثر نمبر (سنن للبیہقی، نمبر ۱۷۹۵۳) پہ گزر چکا ہے۔ دوسرا اثر ہے۔ **ان ابا بکر الصدیقؓ بعث عکرمة بن ابی جھل فی خمس مائة من المسلمین مددا لزیاد بن لبید وللمھاجر بن ابی امیة فوافقھم الجند قد افتتحوا النجیر بالیمین فاشرکھم زیاد بن لبید وھو ممن شھد بدرا فی الغنیمة** (الف) (سنن للبیہقی، باب الغنیمة لمن شھد الوقعة، ج تاسع، ص ۸۶، نمبر ۱۷۹۵۲) اس اثر میں بھی ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مدد پہنچی تو اس کو بھی مال غنیمت میں حصہ دیا گیا۔

نوٹ پہلے گزر چکا ہے کہ دار الحرب سے نکلنے سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مال غنیمت تقسیم کرنا ٹھیک نہیں۔ اس لئے مصنف کی عبارت میں یہ ہے کہ مال غنیمت دار الاسلام لانے سے پہلے کوئی جماعت مدد کے لئے لشکر کے ساتھ مل جائے تو ان کو حصہ ملے گا۔ ورنہ اصلی قاعدہ یہ ہے کہ مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے جماعت مل جائے تو ان کو حصہ ملے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ملے تو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ **کتب عمرؓ الی سعد یوم القادسیة انی قد بعثت الیک اھل الحجاز واھل الشام فمن ادرک منھم القتال قبل ان یتفقؤا فاسھم لھم** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۰۹ فی القوم یجیئون بعد الوقعة ھل لھم شیء، ج سادس، ص ۴۹۷، نمبر ۳۳۲۱۱) اس میں جنگ ختم ہونے سے پہلے شریک ہونے والے کو حصہ دلوایا۔

[۳۰۱۳](۳۴) لشکر کے بازار والوں کو حق نہیں ہے غنیمت میں مگر یہ کہ وہ بھی قتال کریں۔

تشریح لشکر میں شامل ہیں لیکن ان کا مقصد قتال کرنا نہیں ہے اپنی دکان لگا کر تجارت کرنا ہے تو ان کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ اثر میں ہے کہ جو لوگ جنگ میں شریک ہوں ان کو حصہ ملے گا اور یہ لوگ نیت کے اعتبار سے جنگ میں شریک نہیں ہیں۔ یہ لوگ تو اپنی تجارت بڑھانے کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے ان کو مال غنیمت میں حصہ کیسے ملے گا؟ (۲) اثر میں ہے۔ **کتب عمرؓ بن الخطاب ان الغنیمة لمن شھد الوقعة** (ج) (سنن للبیہقی، باب الغنیمة لمن شھد الوقعة، ج تاسع، ص ۸۶، نمبر ۱۷۹۵۴) اس اثر میں ہے کہ غنیمت اس

حاشیہ : (الف) حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عکرمہ کو پانچ سو مجاہد کے ساتھ زیاد بن لبید اور مہاجر بن امیہ کی مدد کے لئے بھیجا۔ یہ لشکر سے اس وقت ملے جب یمن میں نجیر کو فتح کر چکے تھے تو زیاد بن لبید نے ان کو غنیمت میں شریک فرمایا، حضرت زیاد جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ (ب) حضرت عمرؓ نے حضرت سعد کو قادسیہ کے دن لکھا کہ میں اہل حجاز اور اہل شام کو بھیج رہا ہوں۔ ان میں سے جس نے جنگ کو قتل سے پہلے پایا ان کے لئے حصے دو (ج) حضرت عمرؓ نے لکھا کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

یقاتلوا[۳۰۱۴](۳۵) واذا امن رجل حرٌّ او امرأة حرّةٌ کافرا او جماعة او اهل حصن او مدینة صحَّ امانهم ولم یجز لاحد من المسلمین قتلهم الا ان یکون فی ذلک مفسدة

کے لئے ہے جو جنگ میں شریک ہوا ہو یا جنگ میں شرکت کی نیت سے شامل ہوا ہو۔اور یہ لوگ جنگ میں شرکت کی نیت سے شامل نہیں ہوئے ہیں اس لئے ان کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا (۲) مسلم بن سلمۃ بن اکوع کی لمبی حدیث ہے کہ وہ اجیر تھے تو حصہ نہیں دیا لیکن جب اہل مکہ سے قتال کیا تو حضورؐ نے گھوڑے سوار کا حصہ دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کے قتال کرنے سے حصہ ملے گا ورنہ نہیں۔ **حدثنی ایاس بن سلمة حدثنی ابی ... قال کنت تبیعا لطلحة بن عبید الله،اسقی فرسه واحسه واخدمه واکل من طعامه...** اس لمبی حدیث کے اخیر میں ہے... **ثم اعطانی رسول الله ﷺ سهمین سهم الفارس وسهم الراجل** (الف) (مسلم شریف، باب غزوۃ ذی قرد وغیرھا،ص ۱۱۳،نمبر ۱۸۰۷ / مصنف ابن ابی شیبۃ،۱۰۷ من قال للعبید والاجیر سھم،ج سادس،ص ۴۹۶،نمبر ۳۳۲۰۴)

فائدہ امام شافعیؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ کسی نہ کسی انداز میں یہ لوگ بھی معرکہ میں شریک ہوئے ہیں اس لئے اوپر کے اثر کی بنیاد پر ان کو بھی مال غنیمت میں حصہ ملنا چاہئے۔

لغت اہل السوق : بازار والے، دوکاندار۔

﴿ امان کے احکام ﴾

[۳۰۱۴] (۳۵) اگر امان دیدے آزاد مرد یا آزاد عورت کافر کو یا جماعت کو یا اہل قلعہ کو یا اہل شہر کو تو اس کا امان دینا صحیح ہے۔اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے اس کا قتل کرنا مگر یہ کہ اس میں کوئی خرابی ہو۔پس امام ان کے امن دینے کو توڑ دے۔

تشریح کسی کافر کو یا کافر کی جماعت کو یا قلعے والے کو یا شہر والے کو آزاد مرد یا آزاد عورت امن دیدے تو سارے مسلمانوں کی جانب سے امن سمجھا جائے گا۔اب کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو قتل کرے۔ہاں! اگر اس کو امن دینے میں کوئی خرابی ہے تو امام باضابطہ اس کے امن توڑنے کا اعلان کرے۔پھر اس کے ساتھ جو معاملہ ہو کیا جائے۔

وجہ امان دینا ایک قسم کا عہد کرنا ہے کہ تم کو نہیں ماریں گے۔اب اس کے خلاف کرنا قرآن میں مذموم ہے اس لئے یہ نہ کرے۔آیت یہ ہے۔ **الذین عاهدت منهم ثم ینقضون عهدهم فی کل مرة وهم لا یتقون** (ب) (آیت ۵۶،سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں عہد توڑنا کفار کی علامت بتائی گئی ہے اس لئے عہد توڑنا اچھا نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ۔ **قال خطبنا علیؓ فقال ما عندنا کتاب نقرؤه الا کتاب الله وما فی هذه الصحیفة ... وذمة المسلمین واحدة فمن اخفر مسلما فعلیه مثل ذلک** (ج)

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) غنیمت اس کو ملے گی جو جنگ میں شریک ہوا (الف) حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت طلحہؓ کا خادم تھا۔ان کے گھوڑے کو پانی پلاتا،اس کو ہنکاتا اور اس کی خدمت کرتا اور ان کے ساتھ ساتھ کھانا کھاتا...پھر مجھ کو حضورؐ نے دو حصے دیئے،ایک حصہ گھوڑے کا ایک حصہ آدمی کا (ب) ان لوگوں میں سے جن سے آپؐ نے عہد کیا پھر وہ ہر مرتبہ عہد توڑتے ہیں پھر بچتے بھی نہیں (ج) حضرت علیؓ نے ہم کو خطبہ دیا اور فرمایا میرے پاس کتاب اللہ کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں ہے جس کو ہم پڑھتے ہیں اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے...اور مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے۔جو کوئی مسلمانوں کے ذمے کو توڑے گا تو اس پر (باقی اگلے صفحہ پر)

فینبذ الیھم الامام[۳۰۱۵](۳۶) ولا یجوز امان ذمی ولا اسیر ولاتاجر یدخل علیھم

(بخاری شریف، باب ذمۃ المسلمین وجوارھم واحدۃ یسعی بھا ادناھم، ص ۴۵۰، نمبر ۳۱۷۲ رمسلم شریف، باب فضل المدینۃ ودعاء النبی ﷺ فیھا بالبرکۃ الخ، ص ۴۴۰، نمبر ۱۳۷۰، کتاب الحج) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی ذمہ داری لینے سے تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ اس لئے کسی کو توڑنا نہیں چاہئے۔ اور عورت کے امان کے سلسلے میں یہ حدیث ہے۔ انہ سمع ام ھانی ابنۃ ابی طالب تقول ... فقلت یا رسول اللہ ! زعم ابن امی علیؓ انہ قاتل رجلا قد اجرتہ فلان بن ھبیرۃ ،فقال رسول اللہ ﷺ قد اجرنا من اجرت یا ام ھانی. قالت ام ھانی ذلک ضحی (الف) (بخاری شریف، باب امان النساء وجوارھن، ص ۴۴۹، نمبر ۳۱۷۱ رابو داؤد شریف، باب فی امان المرأۃ، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۲۷۶۳) اس حدیث میں حضرت ام ھانیؓ نے امن دیا تو حضورؐ کی جانب سے امن مانا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت امن دے تب بھی سب کی جانب سے امن ہو جائے گا۔

اگر امن برقرار رکھنے میں کوئی فساد ہو تو امام کو چاہئے کہ اعلان کر کے امن توڑے تا کہ وہ غفلت میں نہ رہے اور ہم عہد توڑنے کے مرتکب نہ ہوں۔

وجہ اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء ان اللہ لا یحب الخائنین** (ب) (سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ کسی قوم سے خیانت کا خطرہ ہو تو علی الاعلان اس کا عہد توڑ دو۔ اس لئے امام کو فساد کا خطرہ ہو تو علی الاعلان امان کو توڑ دے اور اس کی اطلاع دے۔

لغت آمّن : باب تفعیل سے ہے، امن سے مشتق ہے امن دے، اہل حصن : قلعہ والے، ینبذ الیھم : نبذ سے مشتق ہے پھینکنا، یہاں مراد ہے عہد توڑنا۔

[۳۰۱۵] (۳۶) ذمی کا امان دینا جائز نہیں اور نہ قیدی کا اور نہ ایسے تاجروں کا جو ان کے یہاں جاتے ہوں۔

تشریح ہمارے دار الاسلام میں کوئی کافر ذمی بن کر رہا ہو وہ کسی حربی کو امان دے تو اس کا امان دینا جائز نہیں ہے۔ ہمارا کوئی قیدی ان کے ہاتھوں میں قید ہو اور وہ کسی حربی کو امان دیدے تو اس کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔ یا مسلمان تجارت کرنے کے لئے دار الحرب جاتا ہو وہ تاجران سے متاثر ہو کر کسی حربی کو امان دے تو اس امان کا اعتبار نہیں ہے۔

وجہ ذمی تو مسلمان نہیں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ کوئی مسلمان حربی کو امان دے تو سب کو اس کا لحاظ کرنا چاہئے۔ اس لئے ذمی کے امان دینے کا اعتبار نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ **خطبنا علی بن ابی طالب قال ... وذمۃ المسلمین واحدۃ یسعی بھا ادناھم.** اور اگلی روایت میں یہ زیادتی ہے **.فمن اخفر مسلما فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین. لا یقبل منہ یوم**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) اس کے برابر ہے یعنی گناہ ہے (الف) ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! میرے ماں شریک بھائی علیؓ ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہتا ہے جس کو میں نے پناہ دی ہے۔ وہ فلاں بن ہبیرہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا ام ہانی جس کو تم نے پناہ دیا اس کو میں نے بھی پناہ دیا۔ ام ہانی فرماتی تھی کہ یہ چاشت کے وقت فرمایا (ب) جس قوم سے خیانت کا خوف کرتے ہو اس کو آمنے سامنے صلح توڑ دو۔ اللہ خیانت کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے۔

[۳۰۱۶] (۳۷) ولا یجوز امان العبد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی الا ان یاذن لہ مولاہ

القیامۃ صرف ولا عدل (الف) (مسلم شریف، باب فضل المدینۃ ودعاء النبی ﷺ فیہا بالبرکۃ، ص۴۴۰، نمبر۱۳۷۰ر بخاری شریف، باب ذمۃ المسلمین وجوارہم واحدۃ یسعی بہا ادناہم، ص۴۵۰، نمبر۳۱۷۲) اس حدیث میں ہے ذمۃ المسلمین جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا امان قابل لحاظ ہے ذمی کا نہیں (۲) ذمی تو یوں بھی بلا وجہ حربی کی رعایت کرے گا اس طرح امان کا خیال رکھیں تو حربی سے جنگ ہی نہیں کر سکیں گے۔اس لئے بھی ذمی کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔

قیدی کے امان کا اس لئے اعتبار نہیں کہ وہ ان کے ہاتھوں میں مجبور ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہر حربی کو امان دے دیگا تو پھر جنگ کیسے کریں گے۔اس لئے قیدی کے امان دینے کا اعتبار نہیں ہے۔اسی طرح ہمارے تجار جو دار الحرب جاتے ہیں وہ ان سے متاثر ہو کر یا سامان چھیننے کے خوف سے امان دیں گے دل کی آزادگی اور دل کی خوشی سے امان نہیں دیں گے۔اس لئے ان کے امان کا بھی اعتبار نہیں ہے۔

لغت اسیر : قیدی

[۳۰۱۶] (۳۷) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام کا امن دینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا آقا قتال کرنے کی اجازت دے۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا امن دینا صحیح ہے۔

تشریح آقا اگر غلام کو جنگ کرنے کی اجازت دی ہو پھر وہ غلام کسی حربی کو امن دے تو اس کا لحاظ کیا جائے گا۔اور اگر جنگ کی اجازت نہ دی ہو تو اس کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔

وجہ جب وہ جنگ نہیں کر سکتا تو امان بھی نہیں دے سکتا۔کیونکہ امن دینا جنگ کے عوارض میں سے ہے۔اس لئے جب جنگ کا مجاز نہیں تو امان دینے کا مجاز نہیں ہونا چاہئے (۲) مصنف عبد الرزاق میں ایک لمبا واقعہ ہے جس میں یہ ہے کہ جنگ میں شریک ہونے والے غلام نے امان دیا تو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اس کا امن دینا جائز ہے۔**عن فضیل الرقاشی قال ... فقالوا امنتمونا واخرجوا الینا السہم، فیہ کتاب امانہم فقلنا ہذا عبد والعبد لا یقدر علی شیء قالوا لا ندری عبدکم من حرکم وقد خرجوا بامان قلنا فارجعوا بامان قالوا لا نرجع الیہ ابدا فکتبنا الی عمرؓ بعض قصتہم فکتب عمرؓ ان العبد المسلم من المسلمین امانہ امانہم** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الجوار وجوار العبد والمرأۃ، ج خامس، ص۲۲۳، نمبر۹۴۳۶ر سنن للبیہقی، باب امان العبد، ج تاسع، ص۱۶۰، نمبر۱۸۱۷۰) اس اثر میں ہے کہ **العبد لایقدر علی شیء** جس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ جانتے تھے کہ غلام امان نہیں دے سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا...سب مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے۔ادنی آدمی بھی اس کو پوری کرنے کی کوشش کرے گا۔دوسری روایت میں ہے۔کوئی مسلمان عہد توڑے گا تو اس پر اللہ فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔اللہ قیامت کے دن نہ بدلہ قبول کرے گا اور نہ عدل (ب) ان کفار نے کہا تم لوگوں نے ہمیں امن دیا ہے۔انہوں نے ہمارے سامنے تیر نکالا اس میں امان کا خط تھا۔ہم نے کہا وہ غلام تھا اور غلام کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا۔کفار نے کہا ہم تمہارے غلام اور آزاد کو نہیں جانتے۔اور انہوں نے امان کا خط نکالا تو ہم نے کہا جاؤ امن کے ساتھ۔انہوں نے کہا ہم کبھی نہیں لوٹیں گے۔ہم نے حضرت عمرؓ کو بعض باتیں لکھیں تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ غلام بھی مسلمان ہے اس کا امان بھی امان ہے۔

فی القتال وقال ابو یوسف ومحمد رحمهما الله تعالی یصح امانه [۳۰۱۷] (۳۸) واذا غلب الترک علی الروم فسبوهم واخذوا اموالهم ملکوها [۳۰۱۸] (۳۹) وان غلبنا علی

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ غلام جنگ میں شریک تھا اس لئے اس کے امان کو مانا۔ اس لئے جنگ میں شریک ہو تو اس کے امان کو مانا جائے گا ورنہ نہیں۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جنگ میں شریک ہو یا نہ ہو اس کے امان کا اعتبار ہے۔

وجہ وہ بھی مسلمان ہے اور مسلمان کے امان کا اعتبار ہے۔ اس لئے غلام کے امان کا اعتبار ہوگا، حدیث گزر چکی، ذمة المسلمین واحدة یسعی بھا ادناھم (مسلم شریف، باب فضل المدینة ودعاء النبی ﷺ فیھا بالبرکة، ص ۴۴۰، نمبر ۱۳۷۰) (۲) حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ عن علی بن ابی طالب قال رسول اللہ ﷺ لیس للعبد من الغنیمة شیء الا خرثیء المتاع وامانه جائز اذا ھو اعطی القوم الامان (الف) (سنن للبیہقی، باب امان العبد، ج تاسع، ص ۱۶۰، نمبر ۱۸۱۷۲ / مصنف ابن ابی شیبة ۳۴، فی امان المرأة والمملوک، ج سادس، ص ۵۱۴، نمبر ۳۳۳۸۳) اس حدیث میں صراحت ہے کہ غلام چاہے جنگ میں شریک نہ ہو اس کے امان کا اعتبار ہے۔ اس لئے غلام کے امان کا اعتبار ہوگا (۳) اور حضرت عمرؓ کے اثر میں بھی یہی تھا کہ غلام کے امن کا اعتبار ہے۔

[۳۰۱۷] (۳۸) اگر ترکی لوگ روم والوں پر غالب آجائیں اور ان کو قید کرلیں اور ان کے مال کو لے لیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

تشریح ترک اور اہل روم سے مراد کافر ہیں۔ یعنی ایک کافر ملک کے لوگ دوسرے کافر ملک کے لوگوں پر غالب آجائیں اور ان کے لوگوں کو قید کرلیں اور ان کے مال پر قبضہ کرلیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

وجہ جب مسلمان کے مال پر کافر قبضہ کر لیتے ہیں تو وہ مالک ہو جاتے ہیں تو کافر کے ملک پر قبضہ کریں گے تو کیوں مالک نہیں ہوں گے؟ (۲) مالک ہونے کی وجہ غلبہ ہونا اور اپنے ملک کے اندر لے جانا ہے اور یہ پایا گیا اس لئے وہ مالک ہو جائیں گے۔

لغت سبو : سبی سے مشتق ہے قید کرنا، ترک : ایک ملک ہے جو پہلے کافر ملک تھا، روم : ترک کے پاس ایک ملک ہے جو ابھی تک کافر ملک ہی ہے۔

[۳۰۱۸] (۳۹) اور ہم ترک پر غالب ہو جائیں تو حلال ہے ہمارے لئے وہ جو ہم ان میں سے پائیں۔

تشریح ہم حملہ کر کے ترک پر غالب ہو گئے تو جو مال ترک والوں نے روم سے لیا تھا وہ سب مال مسلمانوں کے ہاتھ آئے تو ہم اس کا بھی مالک بن جائیں گے۔ اور ترک والوں کے اصلی مال جو کچھ ہمارے ہاتھ میں آئے ہم اس کا بھی مالک بن جائیں گے۔

وجہ جہاد میں غلبہ ہونے کے بعد وہ سب مال غنیمت ہیں اور مال غنیمت مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس لئے جہاد میں ترک کا اپنا مال ہو یا روم والوں کے مال پر قبضہ شدہ ہو یعنی حربی کا اپنا مال ہو یا کسی اور حربی پر قبضہ شدہ مال ہو دونوں پر مسلمان کی ملکیت ہو جائے گی (۲) آیت میں

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا غلام کو غنیمت میں کچھ نہیں ملے گا مگر گرا پڑا سامان اور اس کا امان دینا جائز ہے جب وہ قوم کو امان دے۔

الترک حل لنا ما نجده من ذلک[۳۰۱۹](۴۰) واذا غلبوا علی اموالنا واحرزوها

اس کا ثبوت ہے۔ ما افاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول ولذی القربی والیتمٰی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولہ بین الاغنیاء منکم (الف) (آیت ۷، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ اللہ نے جو فی یعنی مال غنیمت دیا وہ تم لوگوں کی ملکیت ہے (۳) دوسری آیت میں ہے۔ فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا واتقوا الله ان الله غفور رحیم (ب) (آیت ۶۹، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے جو مال غنیمت تم کو ملا اس کو کھاؤ وہ تمہارے لئے حلال ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حربی کے مال پر قبضہ کرنے سے مسلمان مالک ہو جائیں گے (۳) حضورؐ نے خیبر کی زمین کو مجاہدین میں تقسیم فرمائی (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر، ج ۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۱۰)

[۳۰۱۹] (۴۰) اور اگر وہ ہمارے مال پر غالب آجائیں اور دار الحرب میں لے جائیں اور اس کو دار الحرب لے کر چلے جائیں تو وہ اس کے مال ہو جائیں گے۔

تشریح پہلے بتایا کہ غلبہ کرکے اپنے ملک میں لے جانے سے مالک بن جاتے ہیں اس لئے حربی مالک ہو جائیں گے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارهم واموالهم یبتغون فضلا من الله ورضوانا (ج) (آیت ۸، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں مکہ مکرمہ کے مہاجرین کو فقراء کہا گیا۔ حالانکہ ان کے پاس مال تھا پھر بھی فقراء کہنا اس بات پر دلالت ہے کہ اس کے مال پر کفار کا قبضہ ہو گیا اور وہ اس کا مالک بن گئے۔ اسی لئے تو مہاجرین کو فقراء کہا گیا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن اسامة بن زیدؓ انه قال یا رسول الله! این تنزل فی دارک بمکة؟ فقال وهل ترک عقیل من رباع ودور (د) (بخاری شریف، باب توریث دور مکة وبیعها وشرائها الخ ص ۲۱۶، نمبر ۱۵۸۸، کتاب الحج رمسلم شریف، باب نزول الحاج بمکة وتوریث دورها، ص ۴۳۶، نمبر ۱۳۵۱) اس حدیث میں حضورؐ نے سوال کے طور پر پوچھا کیا عقیل نے کوئی گھر یا زمین کا ٹکڑا ہمارے لئے چھوڑا ہے جہاں میں ٹھہروں؟ جس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی زمین اور مکان پر حضرت عقیل جو اس وقت کافر تھے قبضے کے بعد وہ مالک ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار ہمارے مال پر قبضہ کر لے تو وہ مالک ہو جائیں گے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفار ہمارے مالوں کے مالک نہیں بنیں گے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا غلام دشمن کی طرف بھاگا اور اس نے اس پر قبضہ بھی کر لیا پھر اس پر غلبہ پایا تو اس غلام کو حضورؐ نے حضرت ابن عمرؓ کی طرف واپس کر دیا۔ اور اس کو مسلمانوں میں تقسیم نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب کے زمانے میں بھی غلام حضرت

حاشیہ : (الف) اللہ نے اپنے رسولؐ کو اہل قری کے مالوں میں سے دیا وہ اللہ کے لئے، رسول، رشتہ دار اور یتیم اور مسکین اور مسافر کے لئے ہے تاکہ تمہارے مالداروں کے درمیان دولت نہ بن جائے (ب) جو کچھ مال غنیمت آیا اس کو کھاؤ حلال طیب ہے اور اللہ سے تقوی اختیار کرو اللہ معاف کرنے والے ہیں (ج) فقراء مہاجرین کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے ہیں اللہ کا فضل اور رضامندی تلاش کرتے ہیں۔ (د) حضرت اسامہ بن زیدؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپؐ مکہ کے گھروں میں کہاں اتریں گے؟ جواب دیا کیا عقیل نے کوئی زمین یا گھر چھوڑا ہے؟

بدارهم ملکوها[۳۰۲۰](۴۱) فان ظهر عليها المسلمون فوجدوها قبل القسمة فهی لهم بغير شیء وان وجدوها بعد القسمة اخذوها بالقيمة ان احبُّوا.

ابن عمرؓ کی ملکیت رہی، حربی اس کا مالک نہ بن سکا۔ان غلاما لابن عمرؓ آبق الی العدو فظهر عليه المسلمون فرده رسول الله ﷺ الی ابن عمرؓ ولم یقسم (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی المال یصیبہ العدو من المسلمین ثم یدرکہ صاحبہ فی الغنیمۃ، ج۲،ص۱۸، نمبر ۲۶۹۸ /بخاری شریف، باب اذا غنم المشرک مال المسلم ثم وجدہ المسلم، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۸) اس حدیث میں غلام حضرت ابن عمرؓ کو واپس کیا جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا مالک نہیں بن سکا۔

لغت احرز : جمع کرنا، ایک ملک سے دوسرے ملک میں مال لے جانا۔

[۳۰۲۰](۴۱) اگراس پر مسلمان غالب آجائیں اوراس کو تقسیم سے پہلے پائیں تو وہ ان کے لئے ہوگا بغیر کسی عوض کے، اور اگر اس کو تقسیم کے بعد پایا تو اس کو قیمت سے لے اگر چاہیں۔

تشریح حربیوں نے ہمارے مال پر قبضہ کیا تھا اب مسلمانوں نے اس پر دھاوا بول کر مال واپس لے لیا تو اگر تقسیم ہونے سے پہلے مالک نے اس مال کو پالیا تو اس کو مالک لے لے گا اور اس کے بدلے میں کچھ نہیں دے گا۔ اور اگر تقسیم ہو چکا تو جس کے ہاتھ میں گیا اس کو قیمت دے کر اپنی چیز لے۔اور اگر قیمت دے کر نہ لینا چاہے تو نہ لے۔

وجہ تقسیم ہونے سے پہلے مال غنیمت کا مال ہے کسی مجاہد کی ملکیت نہیں ہوئی ہے اس لئے اس کو بغیر کسی قیمت سے لے لینے میں حرج نہیں ہے (۲) چونکہ پہلے اس کی چیز تھی اس لئے اس کو ہی دے دی جائے گی (۳) اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت تھا۔عن ابن عمرؓ ان غلاما لابن عمرؓ ابق الی العدو فظهر عليه المسلمون فرده رسول الله ﷺ الی ابن عمرؓ ولم یقسم (ب) ابوداؤد شریف، باب المال یصیبہ العدو من المسلمین، ج۲،ص۱۲، نمبر ۲۶۹۸ /بخاری شریف، اذا غنم المشرک مال المسلم ثم وجدہ المسلم، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۷) اس حدیث میں تقسیم سے پہلے مالک نے مال پایا تو اس کو مالک کی طرف واپس کر دیا گیا۔

اور تقسیم ہوگیا ہو تو قیمت دے کر مالک سے لے۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ قال فيما احرز العدو فاستنقذه المسلمون منهم او اخذه صاحبه قبل ان یقسم فهو احق، فان وجده وقد قسم، فان شاء اخذه بالثمن (ج)(دار قطنی، کتاب السیر، ج رابع، ص۶۴، نمبر ۴۱۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقسیم ہو چکی ہو تو قیمت سے واپس لے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمرؓ کا ایک غلام دشمن کی طرف بھاگ گیا۔ پھر مسلمان اس پر قابض ہوئے تو حضورؐ نے ابن عمرؓ کی طرف لوٹا دیا اور تقسیم نہیں کی (ب) حضرت ابن عمرؓ کا ایک غلام دشمن کی طرف بھاگ گیا۔ پھر مسلمان اس پر قابض ہوئے تو حضورؐ نے اس کو ابن عمرؓ کی طرف لوٹا دیا اور تقسیم نہیں کی (ج) آپؐ نے فرمایا کافر دشمن جو کچھ ہم سے لے لے پھر مسلمان اس سے واپس لوٹا لے یا چیز کا مالک تقسیم ہونے سے پہلے اس کو لے لے تو وہ زیادہ حقدار ہے۔ اور اگر تقسیم ہونے کے بعد پائے تو چاہے تو قیمت سے لے۔

[۳۰۲۱](۴۲) وان دخل دار الحرب تاجر فاشتری ذلک فاخرجه الی دار الاسلام فمالکه الاول بالخیار ان شاء اخذه بالثمن الذی اشتراه به التاجر وان شاء ترکه

[۳۰۲۲](۴۳) ولا یملک علینا اهل الحرب بالغلبة مدبّرینا و امهات اولادنا ومکاتبینا

[۳۰۲۱](۴۲) اگر ہمارا تاجر دار الحرب میں داخل ہوا اور اس کو خرید کر دار الاسلام لائے تو اس کے پہلے مالک کو اختیار ہے چاہے تو اتنی قیمت سے جتنے میں تاجر نے خریدا ہے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح کسی مسلمان کا مال حربی لے گیا تھا، ہمارے مسلمان تاجر نے اس سے خرید کر دار الاسلام لایا تو مالک چاہے تو جتنی قیمت دے کر تاجر لایا ہے اتنی قیمت تاجر کو دے کر اپنا مال لے لے اور قیمت نہ دینا چاہے تو چھوڑ دے۔

وجہ تاجر نے رقم دی ہے اس لئے اس سے مفت لینے میں اس کا گھاٹا ہے جو **لاضرر ولا ضرار** حدیث کے خلاف ہے۔ البتہ جتنی قیمت دی ہے اتنی قیمت دے کر اس کا بھی نقصان نہیں ہے اور مالک کا بھی فائدہ ہے۔ اس لئے قیمت دے کر مال لے ورنہ چھوڑ دے (۲) اوپر کی حدیث میں تھا۔ **فان شاء اخذه بالثمن** (دار قطنی، کتاب السیر، ج رابع ص ۶۴، نمبر ۴۱۵۵) اس میں بالثمن سے اشارہ ہے کہ جتنی قیمت دی ہے وہ ادا کرے۔ کیونکہ ثمن کہتے ہیں پہلی دی ہوئی قیمت کو، جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ پہلے جو قیمت دی ہے اتنی ہی دے کر واپس لے۔

[۳۰۲۲](۴۳) اہل حرب ہمارے اوپر غلبہ کرنے کی وجہ سے ہمارے مدبر غلام اور ام ولد اور ہمارے مکاتب اور ہمارے آزاد کے مالک نہیں ہوں گے۔ اور ہم ان کے ان تمام کے مالک ہو جائیں گے۔

تشریح اگر حربیوں نے غلبہ کر کے ہمارے مدبر غلام، ام ولد، ہمارے مکاتب غلام اور ہمارے آزاد پر قبضہ کر لیا تو وہ ان لوگوں کے مالک نہیں ہوں گے۔ یوں مجبور کر کے رکھیں گے ضرور لیکن جب کبھی ہمارے پاس واپس آئیں گے تو یہ لوگ آزاد شمار کئے جائیں گے کسی کی ملکیت نہیں ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ پرانے مالک کے مدبر، ام ولد اور مکاتب شمار کئے جائیں گے۔

وجہ آزاد مسلمان کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتا اس لئے اس پر قبضہ کرنے کی وجہ سے بھی کوئی مالک نہیں ہوگا۔ اسی طرح جن غلاموں میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے جیسے مدبر غلام، ام ولد کہ یہ دونوں آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائیں گے۔ مکاتب مال کتابت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ اس لئے ان غلاموں میں بھی آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر حربیوں نے قبضہ کر لیا تو وہ ان کے مالک نہیں بنیں گے۔ زبردستی یرغمال بنائے رکھے یہ اور بات ہے (۲) اثر میں ہے۔ **قلت لعطاء نساء حرائر اصابهن العدو فابتاعهن رجل أیصیبهن؟ قال: لا! ولا یسترقهن ولکن یعطیهن انفسهن بالذی اخذهن به ولا یرد علیهن (الف)** (مصنف ابن ابی

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا آزاد عورتوں کو کافروں نے پکڑ لیا اور اس کو کسی نے خرید لیا تو کیا اس سے جماع کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں! وہ باندی نہیں بنائی جاسکتی۔ لیکن ان عورتوں کی اتنی قیمت ادا کرے جتنے میں مشتری نے خریدا ہے۔ یہ قیمت عورتوں پر لازم نہیں ہوگی۔ کیونکہ آزاد ہونے کی وجہ سے وہ اس کی قیمت ہی نہیں ہے۔

واحرارنا ونملک عليهم جميع ذلک[۳۰۲۳](۴۴) واذا ابق عبد لمسلم فدخل اليهم فاخذوه لم يملکوه عند ابی حنيفة رحمه الله تعالى وقالا ملکوه [۳۰۲۴](۴۵) وان ندّاليهم بعير فاخذوه ملکوه.

شیبۃ،۱۵۷الحرائریسبین ثم یشترین،ج سادس،ص۵۲۸،نمبر ۳۳۵۰۶)اس اثر میں ہے کہ آزادعورت کوقید کرے تو اس سے حربی نہ وطی کر سکتا ہےاور نہ اس کو باندی بنا سکتا ہے۔اور یہی حال ان غلاموں کا ہے جن میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔

[۳۰۲۳](۴۴)اگر مسلمان کا غلام بھاگ جائے اوردارالحرب میں داخل ہو جائے اور وہ اس کو پکڑلیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا مالک نہیں بنیں گے۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مالک بن جائیں گے۔

وجہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب غلام دارالاسلام سے نکلا تو اب وہ خود اپنی ذات کا مالک بن گیا اس لئے وہ اب آزاد کی طرح ہو گیا۔اور آزاد کا حربی مالک نہیں ہوتا اسی طرح غلام کا بھی مالک نہیں ہوگا(۲)اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ **کتب الی عمر بن الخطابؓ فی عبد اسره المشرکون ثم ظهر عليه المسلمون بعد ذلک قال صاحبه احق به مالم يقسم فاذا قسم مضى (الف)**(مصنف ابن ابی شیبۃ،۱۳۰فی العبد یاسرہ المسلمون ثم ظہر علیہ العدو،ج سادس،ص۵۱۰،نمبر ۳۳۳۴۰)اس اثر میں ہے کہ تقسیم سے پہلے مالک کو دے دیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا ماک نہیں ہوگا۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حربی غلام کا مالک ہو جائے گا۔

وجہ وہ مال کے درجے میں ہے اور مال پر حربی کا قبضہ ہو جاتا ہے تو وہ مالک ہو جاتا ہے اسی طرح مسلمان کے غلام پر غلبہ ہو جائے گا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا(۲)اوپر کے اثر میں ہے کہ اگر غلام پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور وہ تقسیم بھی ہو گیا تو جس کے حصے میں گیا وہ مجاہد اس کا مالک ہو جائے گا۔جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا مالک ہو چکا تھا تب ہی تو حربی کے مال پر قبضے کے بعد مسلمان اس کا مالک بن گیا(۳)اثر میں ہے۔ **عن قتادة قال علیؓ هو للمسلمين عامة لانه كان لهم مالا (الف)**(مصنف ابن ابی شیبۃ۔۱۳۰فی العبد یاسرہ المسلمون ثم ظہر علیہ العدو،ج سادس،ص۵۱۰،نمبر ۳۳۳۴۲)اس اثر میں ہے کہ وہ غلام حربی کا مال بن گیا اس لئے اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو تمام مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔

لغت ابق : بھاگ گیا۔

[۳۰۲۴](۴۵)اگر کوئی اونٹ بدک کران کی طرف چلا جائے اور وہ اس کو پکڑلیں تو وہ مالک ہو جائیں گے۔

تشریح جنگ چل رہی تھی ایسی حالت میں اونٹ بدک کر اس کی طرف چلا گیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے لکھا غلام کو مشرک قید کرے پھر اس پر مسلمان قابض ہو جائے؟ جب تک تقسیم نہ ہو مالک اس کا حقدار ہے،جب تقسیم ہو گیا تو جو ہونا تھا ہو گیا(ب) حضرت علیؓ نے فرمایا کفار کا مال عام مسلمانوں کے لئے ہے اس لئے کہ وہ کفار کا مال ہے۔

[۳۰۲۵](۴۶) واذا لم یکن للامام حمولة یحمل علیها الغنائم قسمها بین الغانمین قسمة ایداع لیحملوها الی دار الاسلام ثم یرجعها منهم فیقسمها[۳۰۲۶](۴۷) ولا یجوز بیع الغنائم قبل القسمة فی دار الحرب.

وجہ یہ انسان نہیں ہے مال ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ مسلمانوں کے مال پر حربی کا قبضہ ہو جائے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے (۲) حضرت علیؓ کا اثر ابھی گزرا۔ قال علیؓ هو للمسلمین عامة لانه کان لهم مالا (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۳۰، نمبر ۳۳۳۴۲) (۳) باقی دلائل مسئلہ نمبر ۱۴ میں گزر گئے۔

لغت ند : اونٹ کا بدکنا۔

[۳۰۲۵](۴۶) اگر امام کے پاس اتنے جانور نہ ہوں جن پر مال غنیمت لادے تو اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے امانت کی تقسیم تاکہ اس کو دار الاسلام لے آئیں۔ پھر ان سے واپس لے لے اور اس کو تقسیم کر دے۔

تشریح امام کے پاس اتنے جانور نہیں ہیں کہ ان پر سارا مال غنیمت لاد کر دار الاسلام لا سکے۔ ایسی صورت میں مال غنیمت امانت کے طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے مجاہدین کو دیدے تاکہ وہ اپنے جانوروں پر لاد کر دار الاسلام تک لائے۔ جب دار الاسلام لے آئے تو امام سب مال کو جمع کرے اور ہر مجاہد کو اس کے حصے کے مطابق تقسیم کر کے دے اور مالک بنا دے۔

وجہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غنیمت دار الاسلام میں تقسیم کرنا ہے۔ اور دار الاسلام تک لانے کے لئے جانور میسر نہیں ہے تو یہی صورت ہو سکتی ہے کہ مجاہدین کو تھوڑا تھوڑا کر کے لانے کے لئے کہے (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی تو جعرانہ تک مجاہدین ہی، ال غنیمت لائے ہوں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کو مال غنیمت لانے کے لئے دے۔ حدیث یہ ہے۔ ان انسا اخبره قال اعتمر النبی ﷺ من الجعرانة حیث قسم غنائم حنین (الف) (بخاری شریف، باب من قسم الغنیمة فی غزوه وسفره، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۶) اس حدیث میں ہے کہ جنگ حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی۔

لغت حمولة : حمل سے مشتق ہے، سواری، ایداع : ودیعة سے مشتق ہے امانت کے طور پر۔

[۳۰۲۶](۴۷) دار الحرب میں تقسیم سے پہلے غنیمت کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

تشریح دار الحرب میں مال غنیمت جمع ہو گیا ہو اور ابھی تقسیم نہ کی ہو اس سے پہلے عامی آدمی کے لئے جائز نہیں ہے کہ مال غنیمت کو بیچے۔ البتہ استعمال کی چیز بقدر ضرورت استعمال کر سکتا ہے۔

وجہ تقسیم سے پہلے مجاہد مالک نہیں ہوا ہے اس لئے اس کے لئے بیچنا جائز نہیں ہے۔ ضرورت پڑے تو امام بیچ سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی سعید الخدریؓ قال نهی رسول الله ﷺ عن شراء المغانم حتی تقسم (ب) (ترمذی شریف، باب کراهیة بیع

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے مقام جعرانیہ سے عمرہ کیا جہاں حنین کی غنیمت تقسیم کی (ب) تقسیم ہونے سے پہلے حضورؐ نے مال غنیمت خریدنے سے روکا۔

[۳۰۲۷] (۴۸) ومن مات من الغانیمن فی در الحرب فلا حق له فی القسمة [۳۰۲۸] (۴۹) ومن مات من الغانمین بعد اخراجها الی دار الاسلام فنصیبه لورثته [۳۰۲۹] (۵۰) ولا بأس بان ینفل الامام فی حال القتال ویحرّض بالنفل علی القتال فیقول من قتل قتیلا

المغانم حتی تقسم ،ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۶۳ رابو داؤد شریف، باب فی وطء السبایا،ص ۳۰۰، نمبر ۲۱۵۸، کتاب النکاح رسنن للبیہقی ، باب بیع السبی وغیرہ فی دار الحرب، ج تاسع ،ص ۲۱۱، نمبر ۱۸۳۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقسیم سے پہلے غنیمت کا بیچنا مجاہد کے لئے جائز نہیں ہے۔

[۳۰۲۷] (۴۸) مجاہد میں سے کوئی دار الحرب میں مرجائے تو تقسیم میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

تشریح اگر جنگ کے درمیان کوئی شہید ہو گیا تو ان کو بالاتفاق حصہ نہیں ملے گا۔ اور اگر جنگ ختم ہونے کے بعد لیکن غنیمت کو دار الاسلام لانے سے پہلے کوئی انتقال کر گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کو بھی غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ دار الاسلام میں احراز کے بعد مجاہد غنیمت کا مالک ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے پہلے جو انتقال کر جائے اس کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔ جس طرح جنگ کے دوران کوئی شہید ہو جائے اس کو حصہ نہیں ملتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دار الاسلام میں مال جمع ہونے کے بعد مجاہد کا حق ہوتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد جو مجاہد انتقال ہوئے ہیں ان کو بھی غنیمت میں حصہ ملے گا چاہے وہ دار الحرب میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور دار الاسلام میں مال لانے سے پہلے کیوں نہ ہو۔

وجہ ان کا قاعدہ یہ ہے کہ جنگ ختم ہو جانے کے بعد مجاہدین غنیمت کے مالک ہو جاتے ہیں۔ ان کے یہاں جنگ ختم ہوتے ہی احراز ہو جاتا ہے۔

[۳۰۲۸] (۴۹) اور مجاہدین میں سے کوئی دار الاسلام تک مال لانے کے بعد انتقال کر جائے تو اس کا حصہ اس کے ورثہ کے لئے ہوگا۔

تشریح دار الاسلام میں مال غنیمت جمع کیا اس کے بعد کسی مجاہد کا انتقال ہوا تو اس کو غنیمت میں حصہ ملے گا۔ اور یہ حصہ اس کے ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

وجہ دار الاسلام تک آنے کے بعد احراز ہو گیا یعنی مال غنیمت محفوظ ہو گیا اور مجاہدین کا اس میں حق ہو گیا۔ اس لئے جو اس کے بعد انتقال کیا وہ اس کا حصہ دار بن گیا۔ اور چونکہ وہ انتقال کر چکا ہے اس لئے اس کا حصہ اس کے ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

لغت نصیب : حصہ

[۳۰۲۹] (۵۰) اور کوئی حرج نہیں ہے کہ امام جنگ کی حالت میں انعام کا وعدہ کرے اور انعام دے کر قتال پر ابھارے۔ اور کہے کہ جو جس کو قتل کرے اس کا ساز و سامان اسی کے لئے ہے۔

تشریح مال غنیمت میں حصے کے علاوہ مزید انعام دے کر مجاہدین کو قتل پر ابھارنا جائز ہے۔ اور یہ بھی کہے کہ جو جس کو قتل کرے گا اس کا ساز و

فله سلبه [۳۰۳۰] (۵۱) او یقول لسریة قد جعلت لکم الربع بعد الخمس [۳۰۳۱] (۵۲) ولا یُنفل بعد احراز الغنیمة الا من الخمس.

سامان اسی کے لئے ہوگا۔

وجہ آیت میں اس کی ترغیب ہے۔ یا ایها النبی حرض المؤمنین علی القتال (الف) (آیت ۶۵، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ اے نبی ایمان والوں کو قتال پر ابھاریئے (۲) حدیث میں ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر آپ نے یہ کہہ کر ابھارا تھا کہ جو جس کو قتل کرے گا اس کا ساز و سامان اسی کے لئے ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی قتادة قال قال رسول الله ﷺ من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن قتل قتیلا فله سلبه، ص ۲۵۸، نمبر ۱۵۶۲ / ابوداؤد شریف، باب فی النفل، ج ۲، ص ۱۹، نمبر ۲۷۳۸ / مسلم شریف، باب استحقاق القاتل سلب القتیل، ج ۲، ص ۸۶، نمبر ۱۷۵۱ / بخاری شریف، باب من لم یخمس الاسلاب، ص ۴۴۴، نمبر ۳۱۴۲، کتاب فرض الخمس) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزید انعام کا وعدہ کرنا جائز ہے۔

لغت حرض : قتال پر ابھارنا، نفل : مزید انعام، سلب : چھینا ہوا مال، سلب سے مشتق ہے چھیننا۔

[۳۰۳۰] (۵۱) یا کہے دستہ سے کہ میں نے تمہارے لئے چوتھائی کی خمس نکالنے کے بعد۔

تشریح بڑے لشکر کے اندر سے کوئی چھوٹا لشکر جس کو دستہ کہتے ہیں وہ کسی جگہ جنگ کے لئے جا رہا ہے اس کی ہمت بڑھانے کے لئے امام کہے کہ جتنا مال غنیمت میں لاؤ گے اس میں سے خمس نکالنے کے بعد جو بچے گا اس میں سے چوتھائی تم لوگوں کو انعام دیں گے۔ اس کے بعد اس کو مال غنیمت کے طور پر لشکر میں تقسیم کریں گے۔ مثلا بیس اونٹ غنیمت میں لایا اس میں سے پانچواں حصہ خمس نکالا جو چار اونٹ ہونگے۔ باقی سولہ اونٹ میں سے چوتھائی یعنی چار اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے اور باقی بارہ اونٹ تمام مجاہدین پر بطور مال غنیمت تقسیم کریں گے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن حبیب بن سلمة ان رسول الله ﷺ کان ینفل الربع بعد الخمس والثلث بعد الخمس اذا قفل (ج) (ابوداؤد شریف، باب فیمن قال الخمس قبل النفل، ص ۲۱، نمبر ۲۷۴۹ / ترمذی شریف، باب فی النفل، ص ۲۸۴، نمبر ۱۵۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موقع محل کے اعتبار سے امام انعام کا اعلان کر سکتا ہے۔

لغت السریة : چھوٹا لشکر، دستہ۔

[۳۰۳۱] (۵۲) اور انعام نہ دے غنیمت جمع کرنے کے بعد مگر خمس سے۔

تشریح جنگ ختم ہوگئی۔ لوگوں نے مال غنیمت بھی جمع کر لیا۔ اب اس میں سے کسی کو انعام دینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر دینا ہی ہے تو پورے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ خمس نکالا ہے اس میں سے انعام دے۔

حاشیہ : (الف) اے نبی مومنین کو قتال کی ترغیب دیجئے (ب) آپ نے فرمایا کسی نے کفار کو قتل کیا اور اس پر گواہ ہو تو اس کا سامان قتل کرنے والے کے لئے ہے (ج) آپ خمس نکالنے کے بعد چوتھائی نفل دیتے تھے اور جب واپس لوٹنے کا موقع ہوتا تو خمس کے بعد تہائی نفل دیتے۔

[۳۰۳۲](۵۳) واذا لم یجعل السلب للقاتل فھو من جملۃ الغنیمۃ والقاتل وغیرہ فیہ

وجہ مال غنیمت جمع ہونے کے بعد سب مجاہدین کا حق لاحق ہوگیا ہے۔اب اس میں سے کسی کو انعام دینا صحیح نہیں ہے۔اس لئے اگر دیناہی ہوتو خمس جونکلا ہے اس میں سے کسی کو انعام دے۔ہاں! حالت جنگ میں کسی کے لئے انعان کا وعدہ کیا تھا تو وہ پورے مال غنیمت میں سے دیگا (۲) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔سمعت عمرو بن عبسۃ قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ الی بعیر من المغنم فلما سلم اخذ وبرۃ من جنب البعیر ثم قال ولا یحل لی من غنمائکم مثل ھذا الا الخمس والخمس مردود فیکم (الف) (ابوداؤد شریف، باب الامام یستأثر بشیء من الفیء لنفسہ، ج۲،ص۲۳، نمبر ۲۷۵۵) اس حدیث میں جب حضورؐ فرماتے ہیں کہ خمس کے علاوہ میں مال غنیمت کا مالک نہیں ہوں۔تو جب مال غنیمت میں مجاہدین کا حق ثابت ہوگیا تو اب دوسرے کو انعام کیسے دے سکیں گے (۳) اثر میں ہے کہ حضرت انسؓ کو حضرت عبید اللہ بن ابی بکرۃ مال غنیمت میں سے انعام دینا چاہتے تھے تو انہوں نے انکار فرمایا اور فرمایا کہ اگر دیناہی ہوتو خمس جونکلا ہے اس میں سے دو۔اثر یہ ہے۔ان انس بن مالک کان مع عبید اللہ بن ابی بکرۃ فی غزاۃ غزاھا فاصابوا سبیا فاراد عبید اللہ ان یعطی انسا من السبی قبل ان یقسم فقال انس لا ولکن اقسم ثم اعطنی من الخمس قال فقال عبید اللہ لا الا من جمیع الغنائم فابی انس ان یقبل منہ وابی عبیداللہ ان یعطیہ من الخمس شیئا (ب) (طحاوی شریف، باب النفل بعد الفراغ من قتال العدو واحراز الغنیمۃ، ج ثانی، ص۱۳۳ر مصنف عبد الرزاق، باب لا نفل الا من الخمس ولا نفل من الذھب والفضۃ، ج خامس، ص۱۹۲، نمبر ۹۳۴۴) اس اثر میں ہے کہ خمس میں سے انعام دے۔

لغت احراز : مال جمع کرنا۔

[۳۰۳۲](۵۳) اگر سامان قاتل کے لئے نہیں کیا تو وہ غنیمت میں ہوگا اور اس میں قاتل اور غیر قاتل برابر ہوگا۔

تشریح اگر امام نے مزید انعام دینے کا اعلان کیا تب تو مقتول کا ساز وسامان قاتل کے لئے ہوگا۔اور اگر یہ اعلان نہیں کیا تو مقتول کا ساز وسامان قاتل کے لئے نہیں ہوگا۔اس کو مال غنیمت میں شامل کر دیا جائے گا۔اور اس سامان میں قاتل اور غیر قاتل سب کا حصہ برابر ہوگا۔

وجہ جنگ حنین کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باضابطہ امام انعام کا اعلان کرے اور قاتل قتل کرنے پر گواہ پیش کرے تب اس کو سلب اور انعام دیا جائے گا ورنہ نہیں۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن ابی قتادۃؓ قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ عام حنین ... وجلس النبی ﷺ فقال من قتل قتیلا لہ علیہ بینۃ فلہ سلبہ فقمت فقلت من یشھد لی؟ ثم جلست ثم قال من قتل قتیلا لہ علیہ بینۃ فلہ

حاشیہ : (الف) عمر بن عبسہ فرماتے ہیں کہ ہم کو حضورؐ نے مال غنیمت کے اونٹ کی طرف نماز پڑھائی۔جب سلام پھیرا تو اونٹ کے پہلو سے بال پکڑا پھر فرمایا تمہاری غنیمت میں سے میرے لئے اتنا بھی حلال نہیں ہے سوائے خمس کے۔اور خمس بھی تمہارے اوپر واپس کیا جاتا ہے (ب) انس بن مالکؓ عبید اللہ بن بکرۃ کے ساتھ کسی غزوہ میں تھے۔انہوں نے قیدی پایا۔عبید اللہ نے حضرت انس کو کچھ قیدی تقسیم سے پہلے دینا چاہا تو حضرت انسؓ نے فرمایا نہیں۔لیکن تقسیم کرو پھر پانچویں میں سے دو۔تو عبید اللہ نے کہا نہیں۔لیکن تمام مال سے تو حضرت انسؓ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا۔اور عبید اللہ خمس میں سے کچھ دینا نہیں چاہتے تھے۔

سواء [۳۰۳۳] (۵۴) والسلب ما على المقتول من ثيابه وسلاحه ومركبه.

سلبه فقمت فقلت من يشهد لي؟ (الف) (بخاری شریف، باب من لم یخمس الاسلاب ،ص ۴۴۴، نمبر ۳۱۴۲ رمسلم شریف، باب استحقاق القاتل سلب القتیل ،ص ۸۶، نمبر ۱۷۵۱) اس حدیث کے انداز سے معلوم ہوا کہ امام انعام کا اعلان کرے گا تو مقتول کا سامان قاتل کو ملے گا ورنہ نہیں (۲) کیونکہ ابوبکرؓ نے انعام دینے سے انکار فرمایا۔ فقال ابو بکرؓ لا ها الله اذا لايعمد الى اسد من اسد الله يقاتل عن الله ورسوله يعطيك سلبه (ب) (بخاری شریف ،نمبر ۳۱۴۲ رمسلم شریف ،نمبر ۱۷۵۱) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے عام حالات میں انعام دینے سے انکار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ امام انعام دینے کا وعدہ کرے گا تو سلب دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

[۳۰۳۳] (۵۴) مقتول پر جو اس کا کپڑا ہو، ہتھیار ہو اور سواری ہو وہ سلب ہیں۔

تشریح سلب میں کون کون سے سامان داخل ہیں تو فرماتے ہیں کہ مقتول پر جو کپڑا ہے یا مقتول پر جو ہتھیار ہے اور مقتول جس سواری پر سوار ہے وہ سب سلب میں داخل ہیں۔ امام کے 'من قتل قتيلا فله سلبه' کہنے سے یہ سب سلب میں داخل ہوں گے۔ اور امام پر یہ سب دینا لازم ہوگا۔

وجہ ہتھیار شامل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد الله بن مسعود قال نفلني رسول الله ﷺ يوم بدر سيف ابي جهل كان قتله (ج) (ابوداؤد شریف، باب من اجاز علی جریح مثخن ینفل من سلبه، ج ۲،ص ۱۷، نمبر ۲۷۲۲) اس میں ابوجہل کی تلوار نفل میں دیا جس سے معلوم ہوا کہ ہتھیار سلب میں داخل ہے۔ سوار سلب میں داخل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد الله قال بعثنا رسول الله ﷺ في سرية فبلغت سهماننااثني عشر بعيرا ونفلنا رسول الله ﷺ بعيرا بعيرا (د) (ابوداؤد شریف، باب فی النفل للسریۃ تخرج من العسکر ،ج ۲،ص ۲۰، نمبر ۲۷۴۵) اس حدیث میں اونٹ نفل میں دیا جس سے معلوم ہوا کہ سواری سلب میں داخل ہے۔ کپڑا، لگام، گھوڑے کا زین وغیرہ بھی سلب میں داخل ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ان مدديا رافقهم في غزوة موتة وان روميا كان يشد على المسلمين ويغرى بهم فتلطف له ذلك المددى فقعد له تحت صخرة فلما مر به عرقب فرسه وخر الرومي فعلاه بالسيف فقتله فاقبل بفرسه وسيفه وسرجه ولجامه ومنطقته وسلاحه كل ذلك مذهب بالذهب والجوهر الى خالد بن الوليد فاخذ منه خالد طائفة ونفله بقيته ،فقلت يا خالد ماهذا ؟ اما تعلم ان رسول الله ﷺ نفل القاتل سلب كله قال بلى ولكنى استكثرته (ه) (طحاوی شریف، باب الرجل یقتل قتیلا فی دار الحرب ھل یکون لہ سلبہ ام لا؟، ج

حاشیہ: (الف) ہم حضورؐ کے ساتھ جنگ حنین میں نکلے... حضورؐ بیٹھے اور فرمایا جو مقتول کو قتل کرے اور اس پر بینہ ہو تو اس کا سامان اس کو ملے گا۔ تو میں کھڑا ہوا اور کہا میری کون گواہی دے گا؟ میں پھر بیٹھ گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا جو مقتول کو قتل کرے اور اس پر گواہ ہو تو اس کو اس کا سامان ملے گا۔ میں کھڑا ہوا اور کہا میری کون گواہی دیگا؟ (ب) حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ کا شیر اللہ کے لئے قتال کرے پھر اس کو مقتول کا سامان دیا جائے (ج) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھ کو جنگ بدر کے دن ابوجہل کی تلوار نفل کے طور پر دیا کیونکہ میں نے اس کو قتل کیا تھا (د) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ہمیں ایک سریے میں بھیجا تو ہمارے حصوں میں بارہ بارہ اونٹ آئے اور حضورؐ نے ایک ایک اونٹ نفل دیا (ہ) مددی غزوۂ موتہ میں ان کے ساتھ ہوئے اور رومہ حملہ کر رہے تھے مسلمانوں پر۔ اور ان کو تتر بتر کر رہے تھے تو مددی نے اس کے ساتھ حیلہ کیا اس کے لئے ایک چٹان کے نیچے بیٹھ گیا۔ جب وہاں سے گزرا تو اس کے گھوڑے کی ٹانگ کاٹ دی۔ پس رومی سر کے بل گرا پس تلوار کے ساتھ اس پر چڑھ گیا اور اس کا سر کاٹ دیا۔ اس کا گھوڑا اور تلوار اور زین اور لگام اور پٹکا اور ہتھیار سب لیکر (باقی اگلے صفحہ پر)

[۳۰۳۴](۵۵) واذا خرج المسلمون من دار الحرب لم یجز ان یعلفوا من الغنیمة و لایأکلوا منها شیئا ومن فضل معه علف او طعام ردّه الی الغنیمة.

ثانی،ص ۱۲۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑا، زین، لگام، پٹکا اور ہتھیار وغیرہ سب سلب میں داخل ہیں۔البتہ نقدی، سونا، چاندی مقتول کے پاس ہو تو وہ سلب میں داخل نہیں ہیں۔

وجہ اس کی دلیل حضرت عمرؓ کے اثر کا یہ ٹکڑا ہے۔فکتب الی عمرؓ ان دع الناس یأکلون ویعلفون فمن باع شیئا بذھب او فضة فقد وجب فیه خمس الله وسھام المسلمین (الف)(مصنف ابن ابی شیبة ۱۲۷، فی الطعام والعلف یوخذ منه الشیء فی ارض العدو، ج سادس، ص ۵۰۸، نمبر ۳۳۳۱۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں سب مجاہدین کا حق ہے۔

[۳۰۳۴](۵۵)اگر مسلمان دار الحرب سے نکلے تو نہیں جائز ہے کہ چارہ کھلائیں مال غنیمت سے اور نہ اس میں خود کھائیں۔اور جو اس کے ساتھ چارہ یا کھانا بچ جائے اس کو غنیمت میں واپس کر دے۔

تشریح جب تک دار الحرب میں رہا مال غنیمت کا کھانا وغیرہ استعمال کر سکتا تھا۔لیکن جب دار الحرب سے باہر چلے گئے تو اب اس میں سے استعمال نہیں کر سکتے۔اب جو باقی بچا ہے اس کو بھی مال غنیمت میں شامل کرے اور امام کے تقسیم کرنے کے بعد اپنے حصے میں کھائے اور چارہ کھلائے۔

وجہ دار الحرب سے نکلنے کے بعد یہ مال سب مجاہدین کا ہو گیا اس لئے مجاہدین میں تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ استعمال کرے (۲) دار الحرب سے باہر جانے کے بعد غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کرنا ضروری ہے اس لئے اگر ہر ایک کے پاس کھانے پینے کی چیز رہ جائے گی تو مکمل طور پر تقسیم نہیں ہو سکے گی۔اس لئے ان چیزوں کو غنیمت میں شامل کرنا ضروری ہے (۳) فقال معاذ غزونا مع رسول الله ﷺ خیبر فاصبنا فیھا غنما فقسم فینا رسول الله ﷺ طائفة وجعل بقیتھا فی المغنم (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی بیع الطعام اذا فضل عن الناس فی ارض العدو، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے مطابق ہی استعمال کرے اور باقی مال غنیمت میں شامل کرے (۴) اثر میں ہے۔ان عبد الله بن عباسؓ لم یر بأسا ان یأکل الرجل طعاما فی ارض الشرک حتی یدخل اھله (ج)(مصنف ابن ابی شیبة، ۱۲۹ من قال یأکلون من الطعام ولا یحملون ومن رخص فیه، ج سادس، ص ۵۰۹، نمبر ۳۳۳۳۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل یعنی دار الاسلام تک کھا سکتا ہے اس کے بعد واپس جمع کر دے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) حضرت خالد کے پاس آئے۔سب سونے اور جوہر سے مرصع تھے تو خالد نے اس میں کچھ لیا اور باقی نفل دے دی۔میں نے پوچھا اے خالد! یہ کیا ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضورؐ نے قاتل کو سب سامان دیا۔خالد نے فرمایا ہاں! لیکن یہ بہت زیادہ تھا اس لئے کچھ لے لیا (الف) حضرت عمرؓ نے مجھ کو لکھا کہ لوگوں کو کھانے دو اور چارہ مال غنیمت میں کھلانے دو۔ہاں! کچھ سونا یا چاندی کے بدلے بیچے تو اس میں سے خمس واجب ہے اور مسلمانوں کا حصہ ہے۔(ب) حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ کے ساتھ خیبر کا غزوہ کیا۔ہم نے اس میں غنیمت حاصل کی تو حضورؐ نے ایک ٹکڑا ہم میں تقسیم کیا اور باقی غنیمت میں حصہ دے دیا (ج) حضرت عبد اللہ بن عباس اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ آدمی گھر آنے تک دار الحرب کی زمین میں غنیمت میں سے کھائے۔

[۳۰۳۵] (۵۶) ویقسم الامام الغنیمة فیُخرج خمسها ویُقسم الاربعة اخماس بین الغانمین [۳۰۳۶] (۵۷) للفارس سهمان وللراجل سهم عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا

لغت علف : چارہ۔

[۳۰۳۵] (۵۶) امام مال غنیمت تقسیم کرے۔ پس اس میں سے پانچواں حصہ نکالے باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرے۔

تشریح مال غنیمت میں جو بھی آئے اس میں سے پانچواں حصہ خمس نکالے جو حضورؐ کے زمانے میں پانچ طبقوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ (۱) حضورؐ (۲) ان کے رشتہ دار (۳) یتیم (۴) مسکین (۵) اور مسافر کے درمیان۔ اور باقی چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوتے تھے۔ مثلا پچیس درہم مال غنیمت میں آیا تو ایک پانچواں حصہ پانچ درہم ہوئے۔ ان پانچ درہم میں سے ایک درہم حضورؐ کے لئے، ایک درہم ان کے رشتہ دار کے لئے، ایک درہم یتیم کے لئے، ایک درہم مسکین کے لئے اور ایک درہم مسافر کے لئے ہوگا، باقی چار حصے یعنی بیس درہم تمام مجاہدین میں تقسیم ہوں گے۔

وجہ اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم بالله** (الف) (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں پانچویں حصے کو پانچوں طبقوں میں تقسیم کرنے کا تذکرہ ہے (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابی العالیة قال کان رسول اللهؐ یوتی بالغنیمة فیقسمها علی خمسة فیکون اربعة لمن شهد ها ویأخذ الخمس فیضرب بیده فیه فما اخذ من شیء جعله للکعبة وهو سهم الله الذی سمی ثم یقسم مابقی علی خمسة فیکون سهم لرسول اللهؐ وسهم لذوی القربی وسهم للیتامی وسهم للمساکین وسهم لابن السبیل** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۴ فی الغنیمة کیف یقسم، ج سادس، ص ۵۰۴، نمبر ۳۳۲۸۷ رمصنف عبد الرزاق، باب الغنیمة والفئی مختلفان، ج خامس، ص ۳۱۰، نمبر ۹۷۱۵) اس اثر سے پتا چلا کہ چار حصے مجاہدین کے لئے ہیں اور پانچواں حصہ یعنی خمس میں پانچ طبقے شریک ہیں۔

[۳۰۳۶] (۵۷) گھوڑے سوار کے لئے دو حصے اور پیدل والے کے لئے ایک حصہ۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑے سوار کے لئے تین حصے ہوں گے۔

تشریح مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں جو مال تقسیم ہوگا اس کی صورت یہ ہوگی کہ جو گھوڑ سوار ہے اس کو دو حصے ملیں گے ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ سوار کا۔ اور جو پیدل جہاد کر رہا ہے اس کو صرف ایک حصہ ملے گا آدمی کا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے

حاشیہ : (الف) یقین کرو کہ جو کچھ تم نے غنیمت حاصل کی تو اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، رسول کے رشتہ دار، یتیم، مسکین اور مسافر کے لئے ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو (ب) حضورؐ کے پاس غنیمت لائی جاتی تو اس کو پانچ حصوں پر تقسیم فرماتے۔ چار حصے ان کے لئے جو جنگ میں شریک ہوتے اور پانچویں حصے پر ہاتھ مارتے اور اس میں سے کچھ کعبہ کے لئے لیتے کہ وہ اللہ کا حصہ ہے جس کا تذکرہ آیت میں ہے پھر باقی کو پانچ حصوں پر تقسیم کرتے تو ایک حصہ حضورؐ کے لئے، دوسرا حصہ حضورؐ کے رشتہ داروں کے لئے اور تیسرا حصہ یتیموں کے لئے اور چوتھا حصہ مسکینوں کے لئے اور پانچواں حصہ مسافر کے لئے۔

للفارس ثلثة اسهم [۳۰۳۷](۵۸)ولا یسهم الا لفرس واحد.

ہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔حضورؐ نے خیبر کو چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا ان میں سے آدھا امور مسلمین کے لئے اور آدھا یعنی اٹھارہ سو حصے مجاہدین کے لئے۔اور مجاہدین پندرہ سو تھے۔جن میں سے تین سو گھوڑے سوار تھے تو گویا کہ وہ دوگنا ہو کر چھ سو ہو گئے تو بارہ سو پیدل اور چھ سو وہ تو اٹھارہ سو ہوئے۔اور گھوڑ سوار کو دو دو حصے دیئے۔حدیث یہ ہے۔قال قسمت خیبر علی اهل الحدیبیة فقسمها رسول الله ﷺ علی ثمانیة عشر سهما و کان الجیش الفا و خمس مائة فیهم ثلاث مائة فارس،فاعطی الفارس سهمین واعطی الراجل سهما (الف)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر،ص ۶۸،نمبر ۳۰۱۵/دار قطنی،کتاب السیر ،ج رابع ،ص ۶۱،نمبر ۴۱۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑ سوار کو صرف دو حصے ملیں گے اور پیدل کو ایک حصہ۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑ سوار کے لئے تین حصے ہیں۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ اسهم لرجل ولفرسه ثلاثة اسهم سهما له وسهمین لفرسه (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی سهمان الخیل،ص ۱۹،نمبر ۲۷۳۳/ترمذی شریف، باب فی سهم الخیل،ص ۲۸۳،نمبر ۱۵۵۴/دار قطنی، کتاب السیر ،ج رابع ،ص ۵۸،نمبر ۴۱۲۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کے دو حصے اور اس کے سوار کے لئے ایک حصہ مجموعہ تین حصے ہوں گے۔

لغت فارس : فرس سے مشتق ہے گھوڑ سوار، سهم : حصہ۔

[۳۰۳۷](۵۸)اور نہیں حصہ دیا جائے گا مگر ایک ہی گھوڑے کا،

تشریح آدمی دو یا تین گھوڑے لیکر جہاد میں گیا ہو پھر بھی صرف ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا باقی گھوڑوں کو حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ ایک آدمی بیک وقت ایک ہی گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد کر سکتا ہے۔اس لئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا (۲) کئی گھوڑوں کے حصے دیئے جائیں تو دوسرے مجاہدین کی حق تلفی ہوگی اس لئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا (۲) حضرت زبیرؓ جنگ خیبر میں دو گھوڑے لیکر شریک ہوئے تھے اس کے باوجود ان کو ایک گھوڑے کا حصہ دیا گیا۔عن عبد الله بن الزبیرؓ عن جده انه یقول ضرب رسول الله ﷺ عام خیبر للزبیر بن العوام باربعة اسهم،سهما له وسهما لذی القربی لصفیة بنت عبد المطلب وسهمین لفرسه (ج)(دار قطنی، کتاب السیر ،ج رابع ،ص ۶۲،نمبر ۴۱۴۳)اس میں دیکھئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملا ہے۔

حاشیہ : (الف) خیبر کی زمین حضورؐ نے اہل حدیبیہ پر اٹھارہ حصوں میں تقسیم فرمائی اور لشکر ایک ہزار پندرہ سو تھے۔جن میں سے تین سو گھوڑے سوار تھے۔پس گھوڑے سوار کو دو حصے دیئے اور پیدل کو ایک حصہ (ب) حضورؐ نے پیدل والے کو ایک حصہ دیا اور گھوڑے سوار کو تین حصے۔ایک حصہ آدمی کا اور دو حصے گھوڑے کے (ج) عبد اللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے خیبر کے دن حضرت زبیر کو چار حصے دیئے۔ایک حصہ ان کے لئے ،ایک حضورؐ کے رشتہ دار کا حصہ صفیہؓ کے لئے اور دو حصے ان کے گھوڑے کے لئے۔

[۳۰۳۸](۵۹) والبراذين والعتاق سواء [۳۰۳۹](۶۰) ولا يسهم لراحلة ولا بغل.

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کئی گھوڑے لیکر شریک ہوا ہو تو دو گھوڑوں کے حصے ملیں گے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔ **انه سمع مكحولا يرفعه الى النبي ﷺ يقول لا سهم من الخيل الا لفرسين وان كان معه الف فرس، اذا دخل بها ارض العدو** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب السہام للخیل، ج خامس، ص ۱۸۴، نمبر ۹۳۱۶ / مصنف ابن ابی شیبة، ۱۰۵ فی الرجل یشھد بالفراس لکم یقسم منھا، ج سادس، ص ۴۹۵، نمبر ۳۳۱۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیادہ بھی گھوڑے لیکر شریک ہوں تو دو گھوڑے کے حصے ملیں گے۔

لغت راجل : پیدل چلنے والا، رجل سے مشتق ہے۔

[۳۰۳۸] (۵۹) دیسی گھوڑے اور عربی گھوڑے برابر ہیں۔

تشریح ایسے گھوڑے جو جنگ کے کام آئے لیکن قد میں تھوڑے چھوٹے ہوں اس کو براذین یعنی دیسی گھوڑے کہتے ہیں۔ اور لمبے قد کے گھوڑے کو عتاق یعنی عربی گھوڑے کہتے ہیں۔ چونکہ دونوں ہی گھوڑے ہیں اور دونوں ہی جنگ میں کام آتے ہیں اس لئے دونوں کے حصے برابر ہیں۔ کسی کے کم نہیں۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن الحسن قال البرذون بمنزلة الفرس** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۰۳ فی البراذین مالھا وکیف یقسم لھا، ج سادس، ص ۴۹۴، نمبر ۳۳۱۷۶ / مصنف عبد الرزاق، باب السہام للخیل، ج خامس، ص ۱۸۵، نمبر ۹۳۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دیسی گھوڑا اور عربی گھوڑا دونوں کے حصے برابر ہیں۔

[۳۰۳۹] (۶۰) بوجھ اٹھانے والے اور خچر کے لئے حصے نہیں ہیں۔

تشریح اونٹ وغیرہ جس پر بوجھ لے جایا جاتا ہے اس کو خدمت کے عوض میں کچھ دے سکتے ہیں لیکن گھوڑے کی طرح غنیمت میں باضابطہ حصہ نہیں ہے۔

وجہ آیت میں دشمنوں کو ڈرانے کے لئے گھوڑے پالنے کا حکم دیا ہے۔ چونکہ پچھلے زمانے میں گھوڑے ہی سے میدان جنگ جیتتے تھے اس لئے گھوڑے کے لئے حصہ رکھا باقی جانوروں کے لئے غنیمت میں حصہ نہیں رکھا۔ اس آیت میں اس کی ترغیب ہے۔ **واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم** (ج) (آیت ۶۰، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں دشمنوں کو ڈرانے کے لئے گھوڑے پالنے کی ترغیب دی گئی ہے اس لئے غنیمت میں اس کا حصہ ہے (۲) اثر میں ہے۔ **عن مكحول قال كانوا لا يسهمون لبغل ولا لبرذون ولا لحمار** (د) (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۰۴ فی البغل ای شیء ھو، ج سادس، ص ۴۹۵، نمبر ۳۳۱۸۹) اس اثر سے معلوم

حاشیہ : (الف) آپ فرماتے ہیں کہ دو ہی گھوڑوں کے حصے ملیں گے چاہے وہ ہزار گھوڑوں کے ساتھ دشمن کی زمین داخل ہو (ب) حضرت حسن نے فرمایا چھوٹا گھوڑا بھی اونچے گھوڑے کے درجے میں ہے (ج جتنا ہو سکے گھوڑے باندھنے کی قوت اس کو تیار کرو، اس سے اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن کو ڈراؤ (د) حضرت مکحول خچر کے لئے ٹٹو گھوڑے کے لئے اور گدھے کے لئے غنیمت میں حصہ نہیں دیتے تھے۔

[۳۰۴۰](۶۱) ومن دخل دار الحرب فارسا فنفق فرسه استحق سهم فارس ومن دخل راجلا فاشتری فرسا استحق سهم راجل [۳۰۴۱](۶۲) ولا یسهم لمملوک ولا امرأۃ ولا ذمی ولا صبی ولکن یرضخ لھم علی حسب مایُری الامام.

ہوا کہ خچر، گدھے اور وہ گھوڑے جو جہاد کے لائق نہیں اس کے لئے غنیمت میں حصہ نہیں ہے۔

لغت راحلۃ : بوجھ لادنے کے اونٹ، رحل سے مشتق ہے جس پر کجاوہ رکھا جائے، بغل : خچر،

[۳۰۴۰](۶۱) جو دار الحرب میں گھوڑا لیکر داخل ہوا پھر اس کا گھوڑا مر گیا تو وہ گھوڑے کے حصے کا مستحق ہوگا۔ اور جو پیدل داخل ہوا پھر گھوڑا خریدا تو وہ پیدل کے حصے کا حقدار ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دار الحرب میں داخل ہوتے وقت گھوڑ سوار تھا تو گھوڑ سوار کا حصہ یعنی دو یا تین حصے ملیں گے۔ اور اس وقت پیدل داخل ہوا بعد میں گھوڑا خریدا تو پیدل کا ہی حصہ ملے گا۔

وجہ امیر داخل ہوتے وقت ہی تحقیق کرتا ہے اور رجسٹر لکھتا ہے کہ یہ کیسے داخل ہو رہا ہے، گھوڑے کے ساتھ یا پیدل۔ اس لئے داخل ہوتے وقت ہی کا اعتبار ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن سلیمان بن موسی فی الامام اذا ادرب قال یکتب الفارس فارسا والراجل راجلا لہ** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۵۵، الفارس متی یکتب فارسا، ج سادس، ص ۵۲۷، نمبر ۳۳۵۰۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں داخل ہونے کے وقت کا اعتبار ہے۔

لغت نفق : ہلاک ہوا، خرچ ہوا۔

[۳۰۴۱](۶۲) نہ حصہ لگایا جائے غلام کے لئے اور نہ عورت کے لئے اور نہ ذمی کے لئے اور نہ بچے کے لئے ،لیکن کچھ دیدے ان کو امام جو مناسب سمجھے۔

تشریح مال غنیمت میں جس طرح مرد مجاہد کا باضابطہ حصہ ہوتا ہے اس طرح غلام، عورت، ذمی اور بچے کا حصہ نہیں ہوگا۔ البتہ خدمت کے مطابق امام جو مناسب سمجھے اتنا ان کو دیدے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **کتب نجدۃ بن عامر الحروری الی ابن عباس یسألہ عن العبد والمرأۃ یحضران المغنم ھل یقسم لھما؟... انک کتبت تسألنی عن المرأۃ والعبد یحضران المغنم ھل یقسم لھما شیء؟ وانہ لیس لھما شیء الا ان یحذیا** (ب) (مسلم شریف، باب النساء الغازیات یرضخ لھن ولا یسھم الخ ص ۱۱۶، نمبر ۱۸۱۲/۴۶۸۶/ ابو داؤد شریف، باب فی المرأۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ، ج ۲، ص ۱۸، نمبر ۲۷۲۸/۲۷۳۰/ ترمذی شریف، باب ھل یسھم للعبد، ص ۲۸۳، نمبر ۱۵۵۷) اس حدیث

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے فرمایا گھوڑا سرحد پار کرے پھر مر جائے تو اس کے لئے حصہ ہے (ب) عبد اللہ بن عباس کو پوچھا غلام اور عورت غنیمت میں حاضر ہو تو کیا اس کے لئے تقسیم کی جائے گی... انہوں نے فرمایا تم غلام اور عورت کے بارے میں پوچھتے ہو کہ وہ جنگ میں حاضر ہوں تو ان کے لئے حصہ ہوگا یا نہیں؟ ان دونوں کے لئے کچھ نہیں ہے۔ ہاں! تھوڑا سا دے دو۔

[۳۰۴۲](۶۳) واما الخمس فيقسم على ثلثة اسهم سهم لليتامى وسهم للمساكين وسهم لابناء السبيل.

سے معلوم ہوا کہ عورت اور غلام کو باضابطہ حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ امام کی رائے کے مطابق بطور خدمت کے کچھ دے دیا جائے گا (۲) یہ لوگ جہاد کے قابل بھی نہیں ہیں اس لئے بھی اس کا حصہ باضابطہ نہیں ہوگا۔

ذمی کے لئے باضابطہ حصہ نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباسؓ انه قال استعان رسول الله ﷺ بيهود بني قينقاع فرضخ لهم ولم يسهم لهم (الف) (سنن للبیہقی، باب الرضخ لمن یستعان بہ من اہل الذمۃ علی قتال المشرکین، ج تاسع ص ۹۲، نمبر ۱۷۹۷۰ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی اہل الذمۃ یغزون مع المسلمین ہل یسہم لہم، ص ۲۸۴، نمبر ۱۵۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی مدد کرے تو اس کو بھی باضابطہ حصہ نہیں دیا جائے گا۔

بچہ جہاد پورے طور پر نہیں کر سکتا اس لئے اس کو بھی پورا حصہ نہیں دیا جائے گا۔ اثر میں ہے۔ فسالوا ابا بصرة الغفاري وعقبة بن عامر الجهني صاحبي رسول الله ﷺ فقالا انظروا فان كانت انبت الشعر فاقسموا له قال فننظر الى بعض القوم فاذا انا قد انبت فقسم لي (ب) (المدونۃ، ج ا، ص ۳۹۳ راعلاء السنن، نمبر ۳۹۴۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچے کو باضابطہ حصہ نہیں ملے گا۔

لغت یرضخ : تھوڑا سا دینا۔

﴿ خمس تقسیم کرنے کے احکام ﴾

[۳۰۴۲] (۶۳) بہر حال خمس تو تقسیم کیا جائے گا اس کو تین حصوں میں۔ ایک حصہ یتیموں کے لئے، ایک حصہ مسکینوں کے لئے، اور ایک حصہ مسافروں کے لئے۔

تشریح حضورؐ کے زمانے میں خمس کو بھی پانچوں حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ لیکن حضورؐ کے پردہ فرمانے کے بعد اور آپؐ کے رشتہ داروں کے ختم ہونے کے بعد اب تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ ایک یتیم دوسرا مسکین اور تیسرا مسافر، باقی حضورؐ اور ان کے رشتہ داروں کے حصے اب ساقط ہو گئے۔

وجہ اثر میں اس کی وضاحت ہے۔ قال سألت الحسن بن محمد بن علي ابن الحنفية عن قول الله تعالى واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسه وللرسول ولذي القربى واليتمى والمساكين وابن السبيل (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) فقال هذا مفتاح كلام لِلّٰه تعالى ما في الدنيا والآخرة، قال اختلف الناس في هذين السهمين بعد وفاة رسول الله ﷺ فقال قائلون سهم القربى لقرابة النبي ﷺ وقال قائلون لقرابة الخليفة وقال قائلون سهم النبي ﷺ للخليفة من بعده. فاجتمع رأيهم على ان يجعلوا هذين السهمين في الخيل والعدة في سبيل الله فكانا على ذلك في خلافة ابي

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے بنی قینقاع کے یہود سے مدد لی اور ان کو کچھ دے دیا لیکن باضابطہ نہیں دیا (ب) لوگوں نے ابو بصرہ اور حضرت عقبہ رسول کے صحابی کو پوچھا تو فرمایا دیکھو اگر مجاہد بالغ ہوا ہو تو اس کو غنیمت میں حصہ دو۔ فرماتے ہیں کہ بعض کو دیکھا حسن اتفاق سے میں بالغ تھا مجھے بھی حصہ ملا۔

[۳۰۴۳](۶۴) ویدخل فقراء ذوی القربیٰ فیھم ویُقدّمون ولا یدفع الی اغنیائھم شیء.

بکرؓ وعمرؓ (الف) (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفیء، ج ثانی، ص ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ ر مصنف عبد الرزاق، باب ذکر الخمس وسھم ذی القربی، ج خامس، ص ۲۳۸، نمبر ۹۴۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا حصہ اور ان کے رشتہ داروں کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اس لئے اب صرف تین حصوں میں مال غنیمت تقسیم ہوگا یتیم، مسکین اور مسافر۔ اور حضورؐ کا حصہ امور مسلمین میں خرچ کیا جائے گا (۲) ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال لا یقتسم ورثتی دینارا ما ترکت بعد نفقۃ نسائی ومؤنۃ عاملی فھو صدقۃ (ب) (بخاری شریف، باب نفقۃ نساء النبی ﷺ بعد وفاتہ، ص، نمبر ۳۰۹۶) اس حدیث میں ہے کہ میری بیویوں اور کام کرنے والوں کے خرچ نکالنے کے بعد سب صدقہ ہیں۔ اس لئے جب آپؐ کے رشتہ دار نہ رہے تو آپ کا حصہ صدقہ اور امور مسلمین پر خرچ کیا جائیگا۔

[۳۰۴۳](۶۴) اور رشتہ دار فقراء انہیں میں داخل ہوں گے اور وہ مقدم ہوں گے۔ اور ان کے مالداروں کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔

تشریح حضورؐ کے رشتہ دار اب ساقط ہو گئے اس لئے ان کو مال غنیمت میں الگ سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ البتہ اگر وہ یتیم، مسکین یا مسافر ہو تو ان کو ان تین طبقوں میں داخل کر کے دیا جائے گا بلکہ ان کو پہلے دیا جائے گا کیونکہ یہ حضورؐ کے رشتہ دار ہیں۔ ان کو دینے کے بعد دوسرے یتیم اور مسافر کو دیا جائے گا۔

وجہ ان کے زیادہ حقدار ہونے کی دلیل اس اثر میں ہے۔ سمعت علیا یقول ولانی رسول اللہ ﷺ خمس الخمس فوضعتہ مواضعہ حیاۃ رسول اللہ ﷺ وحیاۃ ابی بکرؓ وحیاۃ عمرؓ فاتی بمال فدعانی فقال خذہ فقلت لا اریدہ فقال خذہ فانتم احق بہ قلت قد استغنینا عنہ فجعلہ فی بیت المال (ج) (ابو داؤد شریف، باب بیان مواضع قسم الخمس اسھم ذی القربی، ج ۲، ص ۶۰، نمبر ۲۹۸۳) اس اثر میں ہے خذہ انتم احق بہ جس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کے رشتہ دار زیادہ حقدار ہیں۔ البتہ چونکہ حضورؐ کے رشتہ داروں کا حق ساقط ہو گیا اس لئے ان کے مالداروں کو نہیں ملے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک ابھی بھی حضورؐ کے رشتہ داروں کو مال غنیمت میں حصہ ملیگا۔

وجہ کیونکہ آیت میں اس کا تذکرہ ہے۔

حاشیہ: (الف) میں نے حسن بن محمد کو آیت واعلموا انما غنمتم الخ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا فان للہ یعنی اللہ کا حصہ افتتاح کلام کے لئے ہے۔ اور حضورؐ کی وفات کے بعد دو حصوں میں اختلاف ہوا۔ کچھ لوگوں نے کہا یہ حصہ حضورؐ کی قرابت کی وجہ سے تھا۔ اور کچھ لوگوں نے کہا کہ خلیفہ کی قرابت کی وجہ سے۔ اور کچھ لوگوں نے کہا حضورؐ کا حصہ ان کے بعد خلیفہ کے لئے ہے۔ پھر اس بات پر اتفاق ہوا کہ یہ دونوں حصے گھوڑے کی تیاری میں اور اللہ کے راستے کی تیاری میں رکھیں۔ یہی معاملہ خلافت ابو بکرؓ اور خلافت عمرؓ میں رہا (ب) آپؐ نے فرمایا میری وراثت میں دینار تقسیم نہیں ہوگا۔ میری بیویوں اور گھر والوں کے خرچے کے بعد صدقہ ہے (ج) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے خمس کا خمس مجھے سپرد کیا تو حضورؐ کے زمانے میں اس کے مقام پر خرچ کیا اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کی زندگی میں، پس جب مال آیا تو مجھے بلایا اور کہا کہ یہ لو۔ میں نے کہا کہ مجھے نہیں چاہئے، کہا لو! تم زیادہ حقدار ہو، میں نے کہا اللہ نے اس سے بے نیاز کر دیا ہے تو اس کو بیت المال میں رکھ دیا۔

[۳۰۴۴](۶۵) واما ماذکر الله تعالی فی الخمس فانما ھو لافتتاح الکلام تبرُّکا باسمه [۳۰۴۵](۶۶) وسھم النبی علیه السلام سقط بموته کما سقط الصفی [۳۰۴۶](۶۷) و سھم ذوی القربیٰ کانوا یستحقونه فی زمن النبی علیه السلام بالنصرة وبعده بالفقر.

[۳۰۴۴](۶۵) خمس کے بارے میں اللہ کا جو ذکر ہے وہ اس کے نام کے ساتھ کلام کی برکت کے لئے ہے۔

تشریح خمس کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ حالانکہ قرآن میں واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول الخ ہے۔ اس آیت میں اللہ کے لئے بھی خمس میں حصے کا تذکرہ ہے تو اس کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالی کے لئے پوری دینا ہے اس لئے اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ کا نام صرف برکت کے طور پر ہے۔

وجہ اوپر اثر میں گزر چکا ہے۔ سألت الحسن بن محمد عن قول الله تعالی واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول (آیت ۴۱ سورۃ الانفال ۸) فقال ھذا مفتاح کلام لِلّٰہ ما فی الدنیا والآخرة (الف) (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفئی، ج ثانی، ص ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ رمصنف عبدالرزاق، باب ذکر الخمس وسھم ذی القربی، ج خامس، ص ۲۳۸، نمبر ۹۴۸۲) اس اثر میں ہے کہ اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے۔

[۳۰۴۵](۶۶) حضورؐ کا حصہ ساقط ہو گیا آپؐ کے پردہ فرمانے سے جیسے صفی ساقط ہو گیا۔

تشریح اوپر گزر چکا ہے کہ حضورؐ کا حصہ ان کے انتقال کے بعد ساقط ہو گیا، حضورؐ کو حق تھا کہ مال غنیمت جمع ہو تو اس میں سے جو آپؐ کو پسند ہو وہ لے لیں۔ لیکن آپؐ کے انتقال کے بعد یہ حق خلیفہ کے لئے ساقط ہو گیا۔ اب خلیفہ یا امیر المومنین کو یہ حق نہیں ہے کہ مال غنیمت میں سے جو پسند ہو وہ لے لے۔ بلکہ مال غنیمت میں عام مجاہد کو جو حصہ ملے گا وہی حصہ امیر المومنین قتال میں شرکت کریں گے تو ملے گا۔

وجہ صفی کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عامر الشعبی قال کان للنبیؐ سھم یدعی الصفی ان شاء عبدا وان شاء امة وان شاء فرسا یختاره قبل الخمس (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی سھم الصفی، ص ۶۴، نمبر ۲۹۹۱ ربخاری شریف، باب غذوۃ خیبر، ص ۶۰۳، نمبر ۴۲۱۱) اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ حضورؐ کو صفی کا حق تھا۔ اور کان للنبی سے معلوم ہوا کہ منتخب کرنے کا حق نبوت کی وجہ سے تھا اس لئے اب نبوت نہیں رہی تو یہ حق بھی خلیفہ کے لئے ساقط ہو گیا۔ اور اسی نبوت پر قیاس کر کے خمس میں خلیفہ کا حق بھی ساقط ہو گیا۔ کیونکہ آیت میں للرسول کا لفظ ہے۔ جب بعد میں رسول نہیں رہے تو ان کا حصہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

[۳۰۴۶](۶۷) رشتہ داروں کا حصہ حضورؐ کے زمانے میں مستحق ہوتے تھے مدد کی وجہ سے اور آپ کے بعد فقر کی وجہ سے۔

تشریح حضورؐ کے زمانے میں آپؐ کے رشتہ داروں کو خمس میں سے ایک حصہ اس لئے دیا جاتا تھا کہ وہ آپؐ کی ہر وقت مدد فرماتے تھے۔ لیکن

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت حسن بن محمد کو اللہ تعالی کے قول واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ اللہ کا نام اور اس کا حصہ بات شروع کرنے کے لئے ہے۔ اللہ کی تو دنیا اور آخرت بھی ہیں (ب) حضرت عامر فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا جو حصہ تھا اس کا نام صفی تھا۔ چاہے وہ غلام منتخب کرے چاہے باندی چاہے گھوڑا خمس نکالنے سے پہلے پسند فرما لے۔

[۳۰۴۷](۶۸) واذا دخل الواحد والاثنان الی دار الحرب مغیرین بغیر اذن الامام

آپ کی وفات کے بعد مدد کا سلسلہ ختم ہو گیا اس لئے رشتہ داروں کا حصہ بھی ختم ہو گیا۔اب رشتہ داری کی بنا پر نہیں دیا جائے گا۔البتہ ان میں سے کوئی یتیم یا مسکین یا مسافر ہو تو یتیم ہونے یا مسکین ہونے یا مسافر ہونے کی بنا پر دیا جائے گا۔البتہ ان کو پہلے دیا جائے گا کیونکہ یہ حضورؐ کے رشتہ دار ہیں۔اور اب تو وہ بھی نہیں رہے۔

وجہ تعاون کی دلیل یہ حدیث ہے۔اخبرنی جبیر بن مطعم قال لما کان یوم خیبر وضع رسول الله ﷺ سهم ذی القربی فی بنی هاشم وبنی المطلب وترک بنی نوفل وبن عبد شمس،فانطلقت انا وعثمان بن عفان حتی اتینا النبی ﷺ فقلنا یا رسول الله! هؤلاء بنو هاشم لا ننکر فضلهم للمواضع الذی وضعک الله به منهم،فما بال اخواننا بنی المطلب اعطیتهم وترکتنا وقرابتنا واحدة؟ فقال رسول الله ﷺ انا وبنو المطلب لا نفترق فی جاهلیة ولا اسلام وانما نحن وهم شیء واحد وشبک بین اصابعه صلی الله علیه وسلم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی مواضع قسم الخمس وسهم ذی القربی، ج ۲، ص ۶۰، نمبر ۲۹۸۰) اس حدیث میں آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں بنو مطلب نے ہماری مدد کی ہے جس کی وجہ سے اس کے لئے خمس میں ایک حصہ ہے۔اور آپ کی وفات کے بعد مدد کی ضرورت نہیں ہے اس لئے ان کا حصہ ساقط ہو جائے گا (۲) اوپر مستدرک للحاکم کا بھی اثر گزرا جس میں تھا کہ اب آپ کے رشتہ داروں کے حصے ساقط ہونے پر صحابہ کا اتفاق ہو گیا۔عبارت یہ تھی فاجتمع رأیهم علی ان یجعلوا هذین السهمین فی الخیل والعدة فی سبیل الله فکانا علی ذالک فی خلافة ابی بکر وعمر (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفیء، ج ثانی، ص ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ رمصنف عبد الرزاق، باب ذکر الخمس وسهم ذی القربی، ج خامس، ص ۲۳۸، نمبر ۹۴۸۲)

[۳۰۴۷](۶۸) اگر ایک یا دو آدمی دار الحرب میں لوٹ مار کرتے ہوئے داخل ہو جائیں بغیر امام کی اجازت کے اور وہ کچھ لے لیں تو خمس نہیں لیا جائیگا۔

تشریح بغیر امام کی اجازت کے ایک دو آدمی لوٹ مار کرتے ہوئے داخل ہو جائیں اور حربیوں کا کچھ مال لوٹ لائیں تو اس میں سے امام خمس نہیں لے گا۔

وجہ یہ مال غنیمت کا نہیں ہے بلکہ اس طرح کرنا چوری کا مال شمار کیا جائے گا۔اور چوری کے مال میں خمس نہیں ہے۔کیونکہ چوری بہر حال مبغوض ہے چاہے حربیوں کے مال کی چوری کیوں نہ ہو (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال ان

حاشیہ : (الف) جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ جب جنگ خیبر کا دن ہوا تو حضورؐ نے رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو دیا۔اور بنو نوفل اور بنو شمس کو چھوڑ دیا تو میں اور حضرت عثمان حضورؐ کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! بنو ہاشم کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے، کیونکہ آپؐ ان میں پیدا ہوئے ہیں۔لیکن ہمارے بھائی بنو مطلب کو دیا اور ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ ہماری اور ان کی رشتہ داری ایک درجے کی ہے۔تو حضورؐ نے فرمایا کہ ہم اور بنو مطلب زمانہ جاہلیت اور اسلام میں الگ نہیں ہوئے، ہم اور وہ ایک چیز ہیں اور حضورؐ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر تشبیک کی۔

فاخذوا شیئا لم یخمّس[۳۰۴۸](۲۹) وان دخل جماعة لهم منعةٌ فاخذوا شیئا خُمِّسَ

الغادر ینصب له لواء یوم القیامة فیقال هذه غدرة فلا ن بن فلان (الف)(ابوداؤدشریف، باب فی الوفاء بالعھد،ص۲۳،نمبر ۲۷۵۶ربخاری شریف، باب اثم الغادر للبر والفاجر،ص۴۵۲،نمبر ۳۱۸۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد کو پورا کرنا چاہئے۔اور ایک دو آدمیوں نے گویا کہ چوری کر کے عہد کو توڑا اس لئے اس میں خمس نہیں لیا جائے گا۔

لغت مغیرین : اغار سے مشتق ہے رات کو دھاوا بولنا، غارت گیری کرنا۔

[۳۰۴۸](۲۹)اور اگر قوت والی جماعت داخل ہوئی اور انہوں نے کوئی چیز لی تو خمس لیا جائے گا چاہے امام نے ان کو اجازت نہ دی ہو۔

تشریح قوت والی جماعت سے مراد مجاہدین کا دستہ ہے غارت گیری کرنے والی جماعت نہیں ہے۔پس اگر مجاہدین کا دستہ امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب چلی جائے اور جہاد کر کے مال غنیمت لے آئے تو اس میں خمس ہے۔

وجہ یہ غارت گیری نہیں ہے بلکہ جہاد ہی ہے۔صرف اتنی بات ہے کہ امام کی اجازت کے بغیر ہے۔کیونکہ یہ دستہ ان لوگوں سے غنیمت حاصل کیا ہے جو حربی ہیں اور جن سے جنگ جاری ہے(۲) اگر چہ امام کی جانب سے ظاہری اجازت نہیں ہے لیکن اندرونی طور پر اجازت ہے کیونکہ ایسے حالات میں امام تو چاہتے ہی ہیں کہ حربیوں کو شکست ہو اور جانی اور مالی نقصان ہو۔اور اس دستے نے وہ کر دیا اس لئے اشارۃ اجازت موجود ہے اس لئے اس سے خمس لیا جائے گا(۳) حدیث میں حضرت سلمۃ بن اکوع کی لمبی حدیث ہے جس میں انہوں نے اہل مکہ سے حضورؐ کی اجازت کے بغیر جنگ کی ہے۔اور حضورؐ کے اونٹ کو بھی چھڑایا اور اہل مکہ کے سامان کو بھی مال غنیمت میں حاصل کیا۔پھر حضورؐ نے ان کو گھوڑ سوار اور پیدل دونوں کا حصہ عنایت فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ امام کی مراد سمجھ کر اس کی اجازت کے بغیر کوئی جماعت مال غنیمت لے آئے تو اس میں خمس لیا جائے گا۔کیونکہ وہ غنیمت کا مال ہے چوری کا مال نہیں ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔حدثنی ایاس بن سلمة عن ابیه قال اغار عبد الرحمن ابن عیینة علی ابل رسول الله ﷺ ... فاذا نبی الله فی خمس مائة فاعطانی سهم الفارس والراجل (ب)(ابوداؤدشریف، باب السریۃ ترد علی اہل العسکر،ص۲۲،نمبر ۲۷۵۲رمسلم شریف، باب غزوۃ ذی قرد وغیرھا، ج۲،ص۱۱۳، نمبر ۱۸۰۷)اس حدیث میں حضورؐ کی اجازت کے بغیر موقع کا جہاد کیا۔آپؐ نے اس سے خمس بھی لیا ہوگا۔اور صحابی کو پیدل اور گھوڑ سوار کے حصے عنایت فرمائے۔اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الحسن قال اذا رحلوا باذن الامام اخذ الخمس و کان لهم ما بقی و اذا رحلوا بغیر اذن الامام فهو اسوة الجیش (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۱۲، فی السریۃ تخرج بغیر اذن الامام فتغنم، ج سادس،ص۴۹۹، نمبر ۳۳۲۲۱)اس اثر میں ہے کہ جیش کے برابر ہوگا یعنی خمس لیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا دھوکے دینے والے کے لئے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلاں کو دھوکا دینے والا ہے(ب) ایاس بن مسلمہ کے باپ فرماتے ہیں کہ عبد الرحمن بن عیینہ نے حضورؐ کے اونٹ پر دھاوا بولا...حضورؐ کے سامنے پانچ سو اونٹ تھے تو مجھے گھوڑ سوار اور پیدل کا حصہ دیا(ج) حضرت حسن نے فرمایا اگر امام کی اجازت سے کوچ کرے تو خمس لیا جائے گا اور ما بقی لشکر کا ہوگا۔اور امام کی اجازت کے بغیر کوچ کرے تو سب لشکر کو جتنا ملے گا اس کو بھی اس میں سے اتنا ہی ملے گا۔

وان لم یأذن لهم الامام[۳۰۴۹](۷۰) واذا دخل المسلم دار الحرب تاجرا فلا یحلّ له ان یتعرض لشیء من اموالهم ولا من دمائهم فان غدر بهم فأخذ شیئا ملکه ملکا محظورا

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام کا منشا سمجھ کر کام کیا تو خمس لیا جائے گا اور وہ کام جائز ہوگا۔

اور اگر امام دستہ کو خود بھیجے تو اس کے مال غنیمت میں خمس ہے۔

وجہ اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عبد اللہ بن عمران رسول اللہ ﷺ قد کان ینفل بعض من یبعث من السرایا لانفسهم خاصة النفل سوی قسم عامة الجیش والخمس واجب فی ذلک کله (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی النفل للسریۃ یخرج من العسکر، ج ۲، ص ۲۰، نمبر ۲۷۴۶) اس حدیث میں ہے تمام سریے کی غنیمت میں خمس واجب ہوتا تھا۔

لغت منعة : منع سے مشتق ہے روکنے کی طاقت۔

[۳۰۴۹] (۷۰) اگر مسلمان دار الحرب میں تاجر بن کر داخل ہوا تو ان کے لئے حلال نہیں ہے کہ مال یا جان کو چھیڑے۔ پس اگر ان سے غداری کی اور کچھ لے لیا تو اس کا مالک بن جائے گا ممنوع طریقہ پر اور حکم دیا جائے گا کہ اس کو صدقہ کر دے۔

تشریح دار الحرب میں تاجر بن کر گیا تو گویا کہ امن لیکر گیا کہ عہد کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ اس لئے اس کو غدر اور دھوکا نہیں کرنا چاہئے اور نہ حربیوں کی جان اور مال کو نقصان پہنچانا چاہئے۔ اور اگر غدر کر لیا اور ان کے مال کو اٹھا کر دار الاسلام لے آیا تو مالک ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ غدر کے ذریعہ سے مالک ہوا ہے اس لئے ملک محظور ہوگا اور حکم دیا جائے گا کہ اس مال کو صدقہ کر دے۔

وجہ غدر نہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن سلیمان بن بریدة عن ابیه قال کان رسول اللہ ﷺ اذا امر امیرا علی جیش ... قاتلوا من کفر باللہ اغزوا گلا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا (ب) (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیته ایاهم بآداب الغزو وغیرها، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱ / ابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں بھی غدر اور دھوکا نہیں کرنا چاہئے۔

اور حربیوں کے مال کو غدر کر کے لیا تو ملک محظور ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن المسور بن مخرمة قال خرج رسول اللہ ﷺ زمن الحدیبیة فی بضع عشرة مائة من اصحابه ... وکان المغیرة صحب قوما فی الجاهلیة فقتلهم واخذ اموالهم ثم جاء فاسلم فقال النبی ﷺ اما الاسلام فقد قبلنا واما المال فانه مال غدر لا حاجة لنا فیه (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی صلح العدو، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۲۷۶۵ / بخاری شریف، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط، ص ۳۷۷، نمبر ۲۷۳۱) اس

حاشیہ : (الف) جس کو خاص طور پر بھیجتے تو عام لشکر کے حصے کے علاوہ اس کو نفل دیتے تاہم ان تمام میں خمس واجب ہوتا (ب) آپ جب کسی لشکر پر امیر بناتے... تو فرماتے جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے اس سے جنگ کرو۔ لیکن خیانت نہ کرو، غدر نہ کرو اور مثلہ نہ کرو، اور بچے کو قتل نہ کرو (ج) حضور صلح حدیبیہ کے سال دس سو سے زیادہ صحابہ کے ساتھ نکلے... حضرت مغیرہؓ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے ساتھ رہے تھے اور ان کو قتل کر کے مال لیا تھا، پھر آکر مسلمان ہوئے تھے تو آپؐ نے فرمایا بہر حال اسلام تو تمہارا قبول کرتا ہوں، بہر حال مال تو دھوکے کا مال ہے، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

ویؤمر ان یتصدّق به[۳۰۵۰](۱۷) واذا دخل الحربی الینا مستامنا لم یمکن له ان یقیم فی دارنا سنةً ویقول له الامام ان اقمتَ تمام السنة وضعتُ علیک الجزیة فان اقام سنة

حدیث میں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اپنے کافر ساتھیوں کو دھوکا دے کر قتل کیا اور ان کے مالوں کو ساتھ لیکر حضورؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا اسلام تو قبول ہے۔لیکن مال دھوکے کا ہے اس لئے مجھے اس کی ضرورت نہیں۔اور آپؐ نے اس میں سے خمس لینے سے بھی انکار کر دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ اس کی ملکیت محظور ہے۔ پھر آپؐ نے اس مال کو مالک کے ورثہ کی طرف واپس کرنے کا حکم نہیں دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان مالک ہوگیا (۲) پہلے گزر چکا ہے کہ مسلمان حربیوں کے مال کا مالک بن جائے تو وہ مالک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مال غنیمت کے درجے میں ہے۔جس طرح حربی مسلمان کے مال کا مالک بن جائے تو مالک ہو جاتا ہے (۳) دار الحرب لے جا کر واپس کرنا بھی ایک مشکل کام ہے اس میں جان کا خطرہ ہے اس لئے بھی مسلمان کو مالک قرار دے دیا جائے گا۔لیکن ملک صحیح نہیں ہے اس لئے مال کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

لغت تعرض : عرض سے مشتق ہے چھیڑنا، غدر : دھوکا دینا، محظور : خبیث۔

[۳۰۵۰](۱۷) اگر حربی ہمارے ملک میں امن لے کر آیا تو ممکن نہیں ہے کہ وہ ہمارے ملک میں ایک سال ٹھہرے۔اور امام اس کو کہے کہ اگر تم سال بھر ٹھہرے تو تم پر جزیہ مقرر کروں گا۔پس اگر سال بھر ٹھہرا تو اس سے جزیہ لیا جائے گا اور وہ بھی ذمی ہوگا۔اور اب دار الحرب واپس ہونے کی اجازت نہیں دے گا۔

تشریح حربی کو دار الاسلام میں زیادہ دیر تک ٹھہرانے سے وہ جاسوسی کر سکتا ہے اور دار الاسلام کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔لیکن آنے جانے کا راستہ بالکل بند کر دیا جائے تو تجارت بند ہو سکتی ہے اسلئے امن لیکر آ تو سکتا ہے۔لیکن سال بھر تک نہیں ٹھہر سکتا اس سے پہلے دار الحرب چلا جائے۔اور اگر سال بھر ٹھہر گیا تو اس کو اب ذمی بنا لیا جائے گا اور اس پر جزیہ مقرر کر دیا جائے گا۔اور واپس دار الحرب جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وجہ حربی قلبی اعتبار سے نجس ہے۔اس کا ہمارے یہاں ٹھہرنا اچھا نہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔**یا ایھا الذین آمنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا** (الف) (آیت ۲۸، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ مشرک ناپاک ہے اس کو مسجد حرام کے قریب نہ ہونے دو۔اس سے معلوم ہوا کہ دار الاسلام میں بھی نہیں آنے دینا چاہئے۔اس حدیث میں مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کا حکم ہے۔**سمع ابن عباسؓ یقول یوم الخمیس وما یوم الخمیس ... فامرھم بثلاث قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب** (ب) (بخاری شریف، باب اخراج الیہودی من جزیرۃ العرب، ص ۴۴۹، نمبر ۳۱۶۸ر مسلم شریف، باب اخراج الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب، ج ۲، ص ۹۴، نمبر ۱۷۶۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین دار الاسلام میں نہ رہیں (۳) اثر میں ہے۔**ان عمرؓ بن الخطاب ضرب للیھود والنصاری والمجوس بالمدینۃ اقامۃ ثلاثۃ ایام یتسوقون بھا ویقضون**

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو! مشرک ناپاک ہے اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ آئے (ب) آپؐ نے صحابہ کو تین باتوں کا حکم دیا۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔

اُخذت منه الجزية وصار ذميًا ولم يترک ان يرجع الى دار الحرب[۳۰۵۱] (۷۲) وان

حوائجهم ولا يقيم احد منهم فوق ثلاث ليال (الف) (سنن للبیہقی ، باب الذمی یمر بالحجاز مارا لا یقیم ببلد منھا اکثر من ثلاث لیال، ج تاسع، ص ۳۵۳، نمبر ۱۸۷۶۲) اس اثر میں ہے کہ نصاری اور مجوس تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے (۳) اور سال ٹھہرنے پر ذمی بنا لیا جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن زياد بن حدير قال كتبت الى عمر فى اناس من اهل العرب يدخلون ارضنا ارض الاسلام فيقيمون قال فكتب اليَّ عمرؓ ان اقاموا ستة اشهر فخذ منهم العشر وان اقاموا سنة فخذ منهم نصف العشر (ب) (سنن للبیہقی ، باب ما یؤخذ من الذمی اذا اتجر فی غیر بلدہ والحربی اذا دخل بلاد الاسلام بامان ، ج تاسع ، ص ۳۵۴، نمبر ۱۸۷۷۱) اس اثر میں ہے کہ اگر حربی سال بھر ٹھہر جائے تو اس پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لازم کرو۔ اور بیسواں ذمی سے لیا جاتا ہے۔ اور دسواں حصہ حربی سے لیا جاتا ہے۔ اس لئے سال بھر ٹھہرنے سے بیسواں حصہ اور چھ ماہ ٹھہرنے سے دسواں حصہ لینے کا مطلب یہ ہوا کہ چھ مہینے تک میں حربی رہے گا اور سال بھر رہنے میں ذمی بن جائے گا۔ اور جو ذمی بن جاتا ہے اس کو ہمیشہ دار الاسلام میں رہنا پڑتا ہے۔ دار الحرب جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

نوٹ جو ذمی ہوتا ہے اس کے سر پر جزیہ لازم ہوتا ہے جو ہر سال میں ایک دینار ہے۔ اور اس کی تجارت کے مال میں بیسواں حصہ خراج لازم ہوگا۔ اور مسلمانوں کی تجارت کے مال میں چالیسواں حصہ زکوۃ لازم ہوتی ہے۔

ذمی پر جزیہ لازم کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن معاذ ان النبى ﷺ لما وجهه الى اليمن امره ان ياخذ من كل حالم يعنى محتلما دينارا او عدله من المعافرى ثياب تكون باليمن (ج) (ابوداؤد شریف ، باب فی اخذ الجزیۃ ، ص ۴۷، نمبر ۳۰۳۸ بخاری شریف ، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اھل الذمۃ والحرب ، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کے سر پر جزیہ لازم کیا جائے گا۔

[۳۰۵۱] (۷۲) اگر دار الحرب لوٹ گیا اور مسلمان یا ذمی کے پاس امانت چھوڑ گیا یا ان کے ذمہ قرض چھوڑ گیا تو واپس جانے کی وجہ سے اس کا خون مباح ہوگا۔

تشریح جو حربی دار الاسلام میں آکر ذمی بن گیا اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دار الحرب واپس نہ جائے۔ لیکن اگر چلا گیا تو شرط توڑنے کی وجہ سے ذمی نہیں رہا بلکہ حربی ہو گیا اور اس کا خون مباح ہو گیا۔

وجہ ذمی کو دار الحرب میں گھر بنانے کی اجازت دی جائے تو وہ جاسوسی کرے گا اور ہمارے خلاف تعاون کرے گا اس لئے یا ذمی بن کر

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے یہود، نصاری، اور مجوس کے لئے مدینے میں تین دن ٹھہرنے کا متعین کیا کہ وہ خرید و فروخت کریں۔ اور اپنی ضرورت پوری کریں۔ اور ان میں سے کوئی تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں (ب) زیاد بن حدیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اہل حرب کے کچھ لوگ دار الاسلام میں آتے ہیں اور ٹھہرتے ہیں۔ فرمایا حضرت عمرؓ نے ہمیں جواب دیا اگر وہ چھ مہینے ٹھہریں تو ان سے دسواں حصہ لو۔ اور اگر ایک سال ٹھہریں تو ان سے بیسواں حصہ لو (جو ذمی سے لیا جاتا ہے (ج) حضورؐ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو ان کو حکم دیا کہ ہر بالغ ذمی سے ایک دینار یا اس کے برابر معافری کپڑا لیں جو یمن میں ہوتا ہے۔

عاد الی دار الحرب وترک ودیعة عند مسلم او ذمی او دینا فی ذمتهم فقد صار دمه مباحا بالعود [۳۰۵۲](۷۳) وما فی دار الاسلام من ماله علی خطر فان اُسِرَ او ظُهر علی

دارالاسلام میں ہمیشہ رہے یا دارالحرب میں رہائش پذیر ہو جائے اور حربی ہو جائے۔ پس اگر وہ حربی ہو گیا تو اس پر حربی کا حکم جاری ہوگا اور وہ یہ کہ اس کو قتل کرنا حلال ہوگا (۲) شرط کے خلاف کرنے سے مباح الدم ہو جاتا ہے حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قاتل اهل خیبر فغلب علی الارض والنخل والجاهم الی قصرهم فصالحوه علی ان لرسول الله ﷺ الصفراء والبیضاء والحلقة ولهم ما حملت رکابهم علی ان لا یکتموا ولا یغیبوا شیئا فان فعلوا فلا ذمة لهم ولا عهد فغیبوا مسکا لحیی بن اخطب ... فوجدوا المسک فقتل ابن ابی الحقیق وسبی نساء هم وذراریهم (الف) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث میں حی بن اخطب کے مشک کو چھپا کر عہد کی خلاف ورزی کی تو ابن ابی حقیق کو قتل کیا گیا اور اس کی اولاد کو قید کر لیا گیا۔ اسی طرح یہاں ذمی نے عہد کی خلاف ورزی کی تو وہ حربی بن جائے گا اور اس کا خون مباح ہو جائے گا (۳) اثر میں ہے۔ سئل عن عطاء عن الرجل من اهل الذمة یوخذ فی اهل الشرک وقد اشترط علیهم ان لا یأتیهم فیقول لم اردعونهم فکره قتله الا ببینة فقال له بعض اهل العلم اذا نقض شیئا واحدا مما علیه فقد نقض الصلح (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب المشرک یأتی المسلم بغیر عہد، ج خامس، ص ۲۹۳، نمبر ۹۶۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذمی حربیوں کے درمیان چلا جائے تو عہد ٹوٹ گیا اس لئے وہ حربی ہو گیا اور اس کا خون حربیوں کی طرح مباح ہو گیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو دارالحرب بھاگ گیا وہ حربی ہو گیا اور اس کا خون اور اس کا مال مباح ہو گیا۔

لغت ودیعة : امانت۔

[۳۰۵۲] (۷۳) اور جو دارالاسلام میں اس کا مال ہو وہ خطرے میں ہو گیا۔ پس اگر قید کر لیا گیا یا دارالحرب پر غلبہ ہو گیا اور قتل کیا گیا تو اس کا قرض ساقط ہو جائے گا اور امانت غنیمت ہو جائے گی۔

تشریح یہ آدمی حربی ہو گیا اور جنگ کرنے بھی آیا اور وہ قید ہو گیا یا قتل کیا گیا تو اس کا جو کسی کے پاس قرض تھا وہ اس کا ہو جائے گا اور جو مال کسی کے پاس امانت تھا وہ غنیمت میں آجائے گا۔ اور جو مال دارالاسلام کے ورثہ کے پاس تھا وہ آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

وجہ قرض کا مال قرض والے کے پاس اس لئے رہ جائے گا کہ مال مباح پر جس کا قبضہ ہو جائے وہ اسی کا ہو جاتا ہے۔ یہاں قرض والے کا پہلے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے اہل خیبر سے جنگ کی اور زمین اور باغات پر قابض ہو گئے۔ اور ان کو قلعے میں بند رہنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے حضورؐ سے سونا، چاندی اور حلقہ پر صلح کی۔ اور یہودیوں کے لئے وہ ہوگا جو ان کی سواری لے جاسکے اس شرط پر کہ وہ کچھ نہ چھپائیں گے اور نہ کوئی چیز غائب کریں گے۔ اور اگر انہوں نے چھپایا یا غائب کیا تو نہ کوئی ذمہ دار رہے گا اور نہ عہد رہے گا۔ پھر بھی حیی بن اخطب کا مشک غائب کیا... چنانچہ مشک ملا تو ابن ابی الحقیق کو قتل کیا ان کی بیویوں اور اولاد کو قید کیا (ب) حضرت عطاء سے پوچھا کوئی ذمی مشرکین کے درمیان ملے حالانکہ اس پر شرط لگائی گئی تھی کہ ان کے پاس نہ جائے۔ پس ذمی کہتا ہے کہ میں ان کی مدد کے لئے نہیں آیا ہوں۔ تو بغیر گواہی کے حضرت عطاء نے اس کے قتل کو مکروہ قرار دیا۔ ان سے بعض اہل علم نے کہا شرائط میں سے کسی شرط کو توڑا تو صلح ٹوٹ گئی۔

الدار فقتل سقطت دیونہ وصارت الودیعۃ فیئا[۳۰۵۳](۷۴) وما اوجف علیہ

سے قبضہ ہے اس لئے قرض والے کے پاس ہی رہ جائے گا۔اس سے واپس لیکر مال غنیمت میں تقسیم نہیں کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابیھا اسمر بن مضرس قال اتیت النبی ﷺ فبایعتہ فقال من سبق الی ما لم یسبقہ الیہ سلم فھو لہ** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین، ص ۸۷، نمبر ۳۰۷۱) اس حدیث میں ہے کہ جس کا پہلے قبضہ ہوجائے وہ مال اسی کا ہے۔

اور امانت کا مال کسی کے قبضے میں نہیں ہے وہ تو حقیقت میں حربی ہی کا ہے اس لئے وہ غنیمت میں آکر مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔

وجہ اوپر ابن ابی الحقیق والی حدیث میں گزرا کہ عہد توڑنے کی وجہ سے وہ قتل کیا گیا اور اس کی اولاد اور بیوی قید کر لی گئی۔ **عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قاتل اھل خیبر فغلب علی الارض والنخل ... فوجدوا المسک فقتل ابن ابی الحقیق وسبی نساء ھم وذراریھم** (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث میں ہے کہ عہد توڑنے والے کا مال غنیمت ہوگا۔ کیونکہ یہودیوں کے ساتھ شرط یہ تھی کہ کوئی چیز چھپائے نہیں۔ اور ابن ابی الحقیق نے حیی بن اخطب کا مشک چھپایا اور عہد توڑا اس لئے وہ قتل کیا گیا۔

اور اگر یہ ذمی جو حربی بنا تھا خود مرا تو اس کا قرض کا مال اور امانت کا مال اس کے ورثہ کے لئے ہوگا۔

وجہ کیونکہ وہ میدان میں جنگ کے لئے نہیں آیا یا اس کے ملک پر غلبہ نہیں ہوا تو اس کا مال غنیمت نہیں ہوا بلکہ اس کی ملکیت بحال رہی۔ اس لئے اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

لغت اسرو : قید کیا گیا، مشتق ہے اسیر سے، فیئا : مال غنیمت۔

[۳۰۵۳] (۷۴) مسلمانوں نے جو کچھ اہل حرب کا مال لیا بغیر قتال کے تو وہ مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا، جیسے کہ خراج کا مال خرچ کیا جاتا ہے۔

تشریح اگر حربیوں سے قتال کر کے مال لیا تو یہ مال غنیمت ہے۔ اس میں سے پانچواں خمس نکال کر اس کو مساکین، یتیم اور مسافروں پر خرچ کیا جائے گا۔ اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ اس کی دلیل اوپر گزر چکی۔

اور قتال کے بغیر صرف رعب سے وہ لوگ جھک گئے اور صلح کر لی تو اس مال کو فی کہتے ہیں۔ اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم نہیں کریں گے۔ بلکہ پورا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا اور مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا۔ جس طرح خراج کا مال مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا جاتا ہے۔

وجہ مال غنیمت اور مال فی کا فرق اس اثر میں مذکور ہے۔ **عن الثوری قال الفیئ والغنیمۃ مختلفان، اما الغنیمۃ فما اخذ**

حاشیہ : (الف) اسمر ابن مضرس فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس آیا اور اس سے بیعت کی تو فرمایا جہاں مسلمان نہ پہنچا ہو وہاں کوئی پہنچ جائے تو وہ چیز اس کی ہے (ب) آپؐ نے اہل خیبر سے جنگ کی، پس زمین اور باغات پر قابض ہو گئے ...تو لوگوں نے مشک پایا اس لئے ابن ابی الحقیق کو قتل کیا، ان کی بیویاں اور بچے قید کئے گئے۔

المسلمون من اموال اهل الحرب بغیر قتال یُصرف فی مصالح المسلمین کما یُصرف الخراج .

المسلمون فصار فی ایدیهم من الکفار والخمس فی ذلک الی الامیر ،یضعه حیث ما امر الله ،والاربعة الاخماس الباقیة للذین غنموا الغنیمة،والفیٔ ماوقع من صلح بین الامام والکفار فی اعناقهم وارضهم وزرعهم وفیما صولحوا علیه مما لم یأخذه المسلمون عنوة،ولم یحوزوه ولم یقهروه علیه حتی وقع فیه بینهم صلح،قال فذلک الصلح الی الامام یضعه حیث امر الله (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب الغنیمة والفیٔ مختلفان، ج خامس، ص۳۱۰،نمبر۹۷۱۵)اس اثر میں مال غنیمت اور مال فیٔ کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے اور بتایا کہ صلح کے مال کو مال فیٔ کہتے ہیں۔

مال فیٔ کوامور المسلمین میں خرچ کرے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ما افاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول ولذی القربی والیتٰمی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم (ب)(آیت ۷،سورة الحشر۵۹)اس آیت میں ہے۔اللہ نے جوفیٔ دیا وہ رشتہ داروں،یتیموں،مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ اس میں خمس بھی نہیں ہے۔اور مجاہدین میں بھی تقسیم نہیں کیا جائے گا،بلکہ امت کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا(۲)حدیث میں اس کی تائید ہے۔عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال ایماقریة افتتحها الله ورسوله فهی لله ولرسوله ،وایما قریة افتتحها المسلمون عنوة فخمسها لله ولرسوله وبقیتها لم قاتل علیها (ج)(سنن للبیهقی، باب من رای قسمة الاراضی المغنومة ومن لم یرها، ج تاسع، ص۲۳۴،نمبر ۱۸۳۹۳)اس حدیث میں ہے جس کو مجاہدین نے فتح کیا اس میں مجاہدین کے چار حصے ہیں،اور جس کو مجاہدین نے فتح نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے رعب سے دشمن نے صلح کر لی وہ سب مال نوائب المسلمین کے لئے ہوگا اور اس کی مصلحتوں میں خرچ کیا جائے گا(۳)حدیث میں ہے۔

عن ابن عباسؓ قال صالح رسول الله ﷺ اهل نجران علی الفیٔ حلة النصف فی صفر والنصف فی رجب یودونها الی المسلمین (د)(ابو داؤد شریف، باب فی اخذ الجزیة، ج ۲،ص ۴۷،نمبر ۳۰۴۱)اس حدیث میں ہے کہ اہل نجران سے جو صلح ہوئی تھی اس مال میں خمس نہیں لیا جاتا تھا۔اور نہ مجاہدین میں تقسیم ہوتا تھا۔بلکہ پورا مال مسلمانوں کے کام آتا تھا۔

لغت اوجف : گھوڑا دوڑانا، یہاں مراد ہے دوڑ کر مال جمع کر لینا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ثوریؒ نے فرمایا فیٔ اور غنیمت الگ الگ مال ہیں۔غنیمت اس کو کہتے ہیں کہ مسلمان نے کفار سے قبضے میں لیا۔اس کا خمس امیر کو دیا جاتا ہے۔اللہ نے اس کو جیسا حکم دیا وہاں خرچ کرے۔اور باقی چار خمس ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے غنیمت حاصل کی۔اور فیٔ یہ ہے کہ امام اور کفار کے درمیان صلح کی وجہ سے کفار کی ذات پر،اس کی زمین پر اور اس کی کھیتی پر لازم ہو،جس مال پر بھی صلح ہوئی ہو جس کو مسلمانوں نے بزور طاقت نہ لی ہو اور نہ اس پر قبضہ کیا ہو۔یہاں تک کہ آپس میں صلح ہو گئی ہو۔یہ صلح کا مال امام کی ذمہ داری ہے کہ اللہ نے جیسا حکم دیا وہاں خرچ کرے(ب) اللہ نے اپنے رسول کو جو کچھ اہل قری کا فیٔ دیا تو وہ اللہ اور رسول کے لئے ہے۔اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں،مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ تمہارے مالداروں کے درمیان دولت نہ بن جائے(ج) آپؐ نے فرمایا کسی گاؤں کو اللہ رسول نے فتح کیا تو وہ اللہ اور رسول کے لئے ہے۔اور کسی گاؤں کو مسلمانوں نے زبردستی فتح کیا تو اس کا خمس اللہ اور رسول کے لئے ہے اور باقی اس کے لئے ہے جس نے اس پر قتال کیا(د) آپؐ نے اہل نجران سے دو ہزار حلے پر صلح کی آدھا صفر مہینے میں اور آدھا رجب میں مسلمان کو ادا کریں گے۔

[۳۰۵۴] (۷۵) وارض العرب کلها ارض عشر[۳۰۵۵] (۷۶) وھی مابین العُذیب الی

﴿ عشری اور خراجی زمین کے احکام ﴾

[۳۰۵۴] (۷۵) عرب کی زمین کل کی کل عشری ہیں۔

تشریح عرب میں دوسرا دین رکھنا جائز نہیں ہے۔اورخراج اس وقت ہوتا ہے جب وہاں کافر رہائش پذیر ہو اور عرب میں کافر کا رکھنا جائز نہیں۔اس لئے اس پر خراج لگانا بھی جائز نہیں۔اس لئے وہ ساری زمینیں عشری ہیں۔

وجہ حدیث میں ہے کہ جزیرۂ عرب سے تمام مشرکین کو نکال دو۔عن ابن عباسؓ انہ قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس ... اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب (الف) (بخاری شریف، باب ھل یستشفع الی اہل الذمۃ ومعاملتھم ،ص ۴۲۹،نمبر ۳۰۵۳ رمسلم شریف، باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شیء یوصی فیہ، ص ۴۲، نمبر ۱۶۳۷) اس حدیث میں ہے کہ مشرکین کو عرب سے نکال دو اس لئے وہ عشری ہے (۲) حدیث میں ہے۔سمع عمر بن عبد العزیز یقول بلغنی انہ کان آخر ماتکلم بہ رسول اللہ ﷺ ان قال قاتل اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیائھم مساجد،لایبقین دینان بارض العرب (ب) (سنن للبیہقی، باب لایسکن ارض الحجاز مشرک، ج تاسع ،ص ۳۵۰، نمبر ۱۸۷۵۰) اس حدیث مرسل سے بھی تائید ہوتی ہے کہ عرب کی زمین عشری ہے۔یعنی اس زمین میں خراج نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کی پیداوار میں دسواں حصہ لیا جائے گا۔

نوٹ ابھی تو ساری زمین امریکی ہوگئی ہے وہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے۔

[۳۰۵۵] (۷۶) اور وہ مقام عذیب سے انتہائے حجر یمن تک ہے۔اور مہرہ سے مشارق شام کی حد تک ہے۔

تشریح جزیرۂ عرب کہاں سے کہاں تک ہے اس کی تفصیل ہے۔تو فرماتے ہیں کہ مقام عذیب سے لیکر یمن میں ایک مقام حجر ہے وہاں تک ہے۔یہ چوڑائی کی مقدار ہوئی۔اور لمبائی میں مہرہ سے لیکر شام کی حد تک ہے۔یہ دکھن سے اتر ہوا۔

وجہ اثر میں اس کی تصریح اس طرح ہے۔قال سعید بن عبد العزیز جزیرۃ العرب ما بین الوادی الی اقصی الیمن الی تخوم العراق الی البحر (ج) دوسری روایت میں ہے۔وقال الاصمعی جزیرۃ العرب من اقصی عدن ابین الی ریف العراق فی الطول واما العرض فمن جدۃ وما والاھا من ساحل البحر الی اطراف الشام (د) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی تفسیر ارض الحجاز وجزیرۃ العرب، ج تاسع ،ص ۳۵۱، نمبر ۱۸۷۵۵/۱۸۷۵۶) ان دونوں روایتوں کا حاصل تقریبا ایک ہی ہے کہ عرب کی حد لمبائی میں شام سے لیکر یمن تک اور بحرین سے لیکر جدہ تک ہے۔اس حد میں کافروں کو مستقل رہائش دینا ناجائز ہے۔اور اس میں ذمی رکھنا بھی ناجائز ہے اور یہ زمین عشری ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو (ب) آپ کا آخری کلام یہ تھا، اللہ یہود اور نصاری کو قتل کرے انہوں نے انبیاء کی قبر کو سجدہ گاہ بنالی۔عرب کی زمین میں دو دین باقی نہ رہے (ج) سعید بن عبد العزیز نے فرمایا جزیرۂ عرب وادی سے یمن کے اخیر تک ہے اور تخوم العراق سے سمندر تک ہے (د) حضرت اصمعیؒ نے فرمایا جزیرۂ عرب عدن کے اخیر سے ریف العراق تک لمبائی میں، بہرحال چوڑائی میں جدہ اور اس کے ارد گرد ساحل سمندر سے اطراف شام تک۔

اقصی حجر بالیمن بمهرة الی حد الشام [۳۰۵۶](۷۷) والسواد کلها ارض خراج وهی مابین العُذیب الی عقبة حُلوان ومن الثعلبة ویقال ومن العلث الی عبّادان[۳۰۵۷](۷۸) وارض السواد مملوکة لاهلها یجوز بیعهم لها وتصرفهم فیها.

لغت عذیب : یہ عراق کے پاس ہے اور عراق کے حاجی وہاں سے گزرتے تھے۔

[۳۰۵۶](۷۷) اور سواد عراق کی کل زمین خراجی ہے جو مقام عذیب سے مقام عقبہ حلوان تک اور ثعلبہ اور بعض لوگ کہتے ہیں مقام علث سے عبادان تک۔

تشریح اس زمانے میں عراق کی زمین میں کاشت بہت ہوتی تھی اس لئے اس کو زرخیز یعنی کالا کہتے تھے۔ عراق کی حد عذیب سے عقبہ حلوان تک اور علث سے عبادان تک تھی۔ اس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور یہ زمین خراجی سمجھی جاتی تھی۔

لغت سواد : کالا، یہاں مراد ہے زرخیز زمین۔

[۳۰۵۷](۷۸) عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملکیت ہے۔ ان کے لئے اس کا بیچنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔

تشریح عراق کی زمین کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض سے پتا چلتا ہے کہ اس کی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کی تھی۔ اور بعض سے پتا چلتا ہے کہ تقسیم نہیں کی تھی۔ اور جو حصہ تقسیم کی تھی اس کو بھی بعد میں واپس لے لیا اور مسلمانوں کے فائدے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور تمام زمین پر خراج مقرر کیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ کوئی کسی زمین کا مالک ہو اور اس کا خراج ادا کرتا ہو تو اس زمین کو بیچ سکتا ہے اور تصرف کر سکتا ہے۔

وجہ اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابن سیرین قال السواد منه صلح ومنه عنوة، فما کان منه عنوة فهو للمسلمین وما کان منه صلح فلهم اموالهم (الف) (سنن للبیہقی، باب السواد، ج تاسع، ص ۲۲۵، نمبر ۱۸۳۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عراق کا بعض حصہ غلبہ سے فتح ہوا تھا اور بعض حصہ صلح سے۔ جو غلبہ سے فتح ہوا تھا اس کو مسلمانوں کے لئے تقسیم کر دیا۔ اور جو صلح سے فتح ہوا تھا وہ مالک کا مال رہا۔ اور جب مالک کا مال رہا تو اس کو بیچ بھی سکتا ہے (۲) عن عمرؓ انه اراد ان یقسم اهل السواد بین المسلمین وامر بهم ان یحصوا فوجدوا الرجل المسلم یصیبه ثلاثة من الفلاحین یعنی العلوج فشاور اصحاب النبی ﷺ فی ذلک فقال علیؓ دعهم یکونون مادة للمسلمین فبعث عثمان بن حنیف فوضع علیهم ثمانیة واربعین، واربعة وعشرین واثنی عشر (ب) (سنن للبیہقی، باب السواد، ج تاسع، ص ۲۲۶، نمبر ۱۸۳۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے مشورے سے عراق کی زمین تقسیم نہیں کی گئی۔ اس لئے وہاں کے لوگ اس کے مالک رہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرینؒ نے فرمایا عراق کا کچھ حصہ صلح سے فتح ہوا ہے اور کچھ حصہ زبردستی، پس جو زبردستی فتح ہو وہ مسلمانوں کی غنیمت ہے اور جو صلح سے ہو وہ صلح کرنے والے کا مال ہے (ب) حضرت عمرؓ نے چاہا کہ عراق والوں کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرے تو لوگوں کو حکم دیا کہ ان کو گنے۔ تو دیکھا کہ ایک مسلمان مرد کے حصے میں تین کاشتکار یعنی کافر آتے ہیں۔ پس اصحاب نبیؐ نے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا ان کو چھوڑ دیں۔ مسلمانوں کے مادہ ثابت ہوں گے۔ پھر عثمان بن حنیف کو روانہ کیا تو ان میں سے کسی پر اڑتالیس اور کسی پر چوبیس اور کسی پر بارہ درہم مقرر کیا۔

[۳۰۵۸](۷۹) وكل ارض اسلم اهلها عليها او فُتحت عنوةً وقُسمت بين الغانمين فهي ارض عشر.

عراق وغیرہ کے لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے اس لئے ان سے اب خراج ساقط ہو گیا۔

وجہ اثر میں ہے۔قال كتب عمر بن عبد العزيزؒ الى عبد الحميد بن عبد الرحمن فذكره فقال فيه ولا خراج على من اسلم من اهل الارض (الف) (سنن للبیہقی، باب من اسلم اهل الصلح سقط الخراج عن ارضہ، ج تاسع، ص۲۳۸، نمبر ۱۸۴۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے صلح کی اس کا پورا ملک مسلمان ہو جائے تو ان سے خراج ساقط ہو جائے گا۔اور زمین عشری ہو جائے گی۔اس لئے عراق وغیرہ کی زمین ابھی عشری ہے۔

نوٹ ابھی تو اس کی زمین بھی امریکی ہو گئی ہے اس لئے کہ اس پر امریکہ کا قبضہ ہو گیا ہے۔

[۳۰۵۸](۷۹) جس زمین کے باشندے اسلام لے آئے یا بزور بازو فتح کی گئی ہو اور مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہو تو وہ عشری زمین ہے۔

تشریح خراج مقرر کرنے سے پہلے کسی ملک کے باشندے مسلمان ہو جائیں تو اس کی زمین پر عشر لازم کریں گے۔یا اس ملک کو بزور بازو فتح کیا ہو اور اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا تو اس صورت میں بھی اس زمین پر عشر لازم کیا جائے گا۔

وجہ اگر مسلمان خراجی زمین خریدے تب تو اس پر خراج لازم ہوگا۔لیکن ابتدائی طور پر مسلمان کی زمین پر خراج مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔کیونکہ یہ ذلت کی چیز ہے۔عن نافع ان عبد الله بن عمرؓ كان اذا سئل عن الرجل من اهل الاسلام يأخذ الارض من اهل الذمة بما عليها من الخراج يقول لا يحل لمسلم او لا ينبغي لمسلم ان يكتب على نفسه الذل والصغار (ب) (سنن للبیہقی، باب الارض اذا کانت صلحا رقابہا لاھلہا وعلیہا خراج یؤ دونہ فاخذہا منہم مسلم بکراء، ج تاسع، ص۲۳۶، نمبر ۱۸۳۹۷) اس اثر میں ہے کہ خراجی زمین خریدنا ذلت کی چیز ہے۔اس لئے مسلمانوں پر ابتدائی طور پر خراج لازم کرنا صحیح نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن العلاء بن الحضرمي قال بعثني رسول الله ﷺ الى البحرين او الى هجر فكنت آتي الحائط يكون بين الاخوة يسلم احدهم فآخذ من المسلم العشر ومن المشرك الخراج (ج) (ابن ماجہ شریف، باب العشر والخراج، ص۲۶۲، نمبر ۱۸۳۱) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان سے عشر اور مشرک سے خراج لیا جائے گا۔اس لئے جو زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم ہو گئی ہو اس پر عشر لازم ہوگا۔

کوئی مسلمان ہو جائے تو اس سے خراج ساقط ہو جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔كتب عمر بن عبد العزيزؒ الى عبد الحميد بن عبد

حاشیہ : (الف) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عبد الحمید کو لکھا اور ذکر فرمایا۔اس میں کہا کہ زمین والوں میں سے جو مسلمان ہو جائے اس پر خراج نہیں ہے (ب) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھتے کہ کوئی مسلمان ذمی کی زمین خراج کے ساتھ لے تو کیسا ہے؟ فرماتے کہ مسلمان کیلئے حلال نہیں ہے یا مناسب نہیں ہے کہ اپنی ذات پر ذلت اور چھوٹا پن مسلط کرے (ج) حضرت علاء فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے بحرین یا ہجر کی طرف بھیجا۔میں ایسے باغ میں جاتا جو دو بھائیوں کے درمیان ہو۔ان میں سے ایک مسلمان ہو گیا تو مسلمان سے دسواں حصہ لیتا عشر لیتا اور مشرک سے خراج لیتا۔

[۳۰۵۹](۸۰) وکل ارض فُتحت عنوةً فأُقرَّ اھلھا علیھا فھی ارض خراج [۳۰۶۰] (۸۱) ومن احیا ارضا مواتا فھی عند ابی یوسف معتبرة بحیّزھا فان کانت من حیّز ارض الخراج فھی خراجیّة وان کانت من حیّز ارض العشر فھی عُشریّة والبصرة عندہ عشریة

الرحمن فذکرہ فقال فیہ ولا خراج علی من اسلم من اھل الارض (الف)(سنن للبیہقی، باب من اسلم من اھل الصلح سقط الخراج علی ارضہ، ج تاسع، ص ۲۳۸، نمبر ۱۸۴۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی ملک والا مسلمان ہو جائے تو اس پر خراج نہیں ہے۔

[۳۰۵۹](۸۰) جس زمین کو بزور طاقت فتح کیا ہو اور اس کے باشندے کو وہیں رکھا ہو تو وہ خراجی زمین ہے۔

تشریح کسی زمین کو طاقت سے فتح کیا یا رعب سے فتح کیا لیکن اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی بلکہ اس پر کفار ہی کا قبضہ بحال رہنے دیا تو اس زمین پر خراج لازم ہوگا۔

وجہ عشر ایک قسم کی عبادت ہے اور کفار عبادت کا اہل نہیں ہے اس لئے ان پر خراج لازم ہوگا (۲) اوپر ابن ماجہ شریف کی حدیث گزری۔ عن العلاء بن الحضرمی ... فاخذ من المسلم العشر ومن المشرک الخراج (ب)(ابن ماجہ شریف، باب العشر والخراج، ص ۲۶۲، نمبر ۱۸۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک کی زمین پر خراج ہے (۳) عراق کے لوگ مشرک تھے اور ان کو اس کی زمین پر بحال رکھا گیا تھا تو اس کی زمین پر حضرت عمرؓ نے خراج مقرر کیا۔ (سنن للبیہقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج تاسع، ص ۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۲)

[۳۰۶۰](۸۱) جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا اعتبار برابر والی زمین سے ہوگا۔ پس اگر برابر والی زمین خراجی ہے تو وہ بھی خراجی ہوگی۔ اور اگر برابر والی زمین عشری ہو تو وہ بھی عشری ہوگی۔ اور بصرہ ان کے نزدیک عشری ہے اجماع صحابہ کی وجہ سے۔

تشریح مردہ زمین کو زندہ کیا اور آباد کیا تو اس کو عشری قرار دیں یا خراجی قرار دیں؟ اس سلسلے میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ کون سے پانی سے سیراب کرتے ہیں اس کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اس کے قریب میں کیسی زمین ہے اس کا اعتبار ہے۔ اگر مردہ زمین کے قریب میں خراجی زمین ہے تو یہ بھی خراجی ہوگی۔ اور اگر وہ عشری زمین کے درمیان ہے تو یہ بھی عشری ہوگی۔

وجہ اس زمین کا پہلے سے کوئی ریکارڈ نہیں ہے اس لئے وہ ملک کیسا ہے یا وہ ایریا کیسا ہے اس کا اعتبار ہے۔ اگر قریب کی زمین مجاہدین کی ملکیت ہوگی یا مسلمان کی ملکیت ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مردہ زمین بھی مجاہدین کی ملکیت تھی اس لئے اس پر بھی عشر لازم ہو۔ اور اگر وہ ملک کفار کی ملکیت رہا ہے جس کی وجہ سے اس پر خراج لازم ہے تو یہ مردہ زمین بھی کسی نہ کسی درجہ میں کفار ہی کی ملکیت ہے اس لئے اس پر بھی خراج لازم ہونا چاہئے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عبد الحمید بن عبد الرحمن کو لکھا اور اس میں یہ تذکرہ کیا کہ زمین والوں میں سے جو مسلمان ہو جائے اس پر خراج نہیں ہے (ب) علاء بن حضرمی فرماتے ہیں .. مسلمان سے عشر لیتا اور مشرک سے خراج۔

باجماع الصحابة رضی الله عنهم[۳۰۶۱](۸۲) وقال محمد رحمه الله تعالی ان احیاها ببئر حفرها او بعین استخرجها او بماء دجلة او الفرات او الانهار العظام التی لایملکها

اصول مردہ زمین کی اصلیت کا اندازہ برابر کی زمین کس کی ملکیت ہے اس سے لگایا جائے گا۔

بصرہ ان کے یہاں عشری زمین ہے۔اس کا اشارہ اس اثر سے ملتا ہے۔عن محمد بن عبید الله الثقفی ، قال خرج رجل من اهل البصرة من ثقیف یقال له نافع ابو عبد الله، وکان اول من افتلا الفلا ،فقال لعمر بن الخطابؓ ان قبلنا ارضابالبصرة لیست من ارض الخراج ولا تضر باحد من المسلمین، فان رأیت ان تقطعنیها اتخذ فیها قضبا لخیلی فافعل،قال فکتب عمر الی ابی موسی الاشعری ... فان لم تکن ارض جزیة ولا ارضا یجری الیها ماء جزیة فاعطها ایاه (الف) (رواہ عبید فی الاموال،ص ۲۷۷،اعلاء السنن، باب من احیاء ارضا مواتا بماء الخراج فخراجیة والافعشریة ،ج الثانی عشر،ص ۴۲۵،نمبر ۴۰۹۱)

اس اثر میں ہے کہ جزیہ کی زمین نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ بصرہ خراجی زمین نہیں تھی۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مردہ زمین میں خراجی پانی جائے تو وہ زمین بھی خراجی ہو جائے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ اگلے مسئلے میں امام محمد کی رائے کہ جس پانی سے سیراب کیا جائے زمین وہی شمار کی جائیگی۔

لغت حیز : اردگرد، برابر کی زمین۔

[۳۰۶۱](۸۲)امام محمدؒ نے فرمایا اگر زمین کو زندہ کیا کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر یا دجلہ یا فرات یا ان بڑی نہروں کے پانی سے جن کا کوئی مالک نہیں ہے تو وہ عشری ہے۔اور اگر زندہ کیا ان نہروں کے پانی سے جن کو عجمیوں نے کھودا ہے جیسے نہر ملک اور نہر یزدجرد تو وہ خراجی ہے۔

تشریح امام محمدؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ پانی کس قسم کا استعمال کرتا ہے اس کے اعتبار سے مردہ زمین خراجی یا عشری ہوگی۔پس اگر خراجی پانی ڈال کر مردہ زمین کو زندہ کیا تو وہ زمین خراجی ہوگی چاہے وہ عشری زمین کے درمیان ہو۔اور اگر عشری پانی ڈال کر زندہ کیا تو وہ عشری ہوگی۔آگے تفصیل ہے کہ کون سا پانی عشری ہے اور کون سا خراجی ہے۔

کسی نے خود کنواں کھودا یا چشمہ نکالا تو ان دونوں کا پانی عشری ہے۔اس سے مردہ زمین زندہ کیا تو زمین عشری ہوگی۔یا نہر دجلہ،نہر فرات یا وہ نہر جن کا کوئی مالک نہیں اس کا پانی عشری ہے اس لئے اس پانی سے جو مردہ زمین زندہ کرے گا وہ عشری ہوگی۔

اور وہ نہر جس کو عجمیوں نے کھودا ہو جیسے نہر ملک اور نہر یزدجردان کا پانی خراجی ہے۔اس پانی سے مردہ زمین زندہ کرے گا تو وہ خراجی ہوگی۔

وجہ اوپر حضرت عمرؓ کا اثر گزرا۔ فان لم تکن ارض جزیة ولا ارضا یجری الیها ماء جزیة فاعطها ایاه(ب)(رواہ عبید فی الاموال،ص ۲۷۷،اعلاء السنن،نمبر ۴۰۹۱)اس اثر میں ہے کہ بصرہ کی اس زمین میں جزیہ یعنی خراجی پانی نہ جاتا ہو تو نافع ابو عبید اللہ کو دے دو۔

حاشیہ : (الف)محمد بن عبید اللہ فرماتے ہیں کہ بصرہ کا ایک آدمی ثقیف سے نکلا جس کا نام نافع ابو عبداللہ تھا۔یہ پہلا آدمی ہے جس نے جنگل میں میدان بنایا۔پس عمر بن خطابؓ سے کہا مجھ سے پہلے بصرہ میں خراجی زمین نہیں ہے اور مسلمانوں کو نقصان دیتی ہے۔پس اگر مجھے زمین کچھ ٹکڑا دیں جس میں گھوڑے کے دوڑنے کی جگہ بناؤں تو کرلوں۔پس حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ کو لکھا...اگر جزیہ کی زمین نہ ہو اور نہ ایسی زمین ہو جس میں جزیہ کا پانی جاری ہوتا ہو تو اس کو عطا کردو۔
(ب)اگر جزیہ کی زمین نہ ہو اور نہ اس میں جزیہ کا پانی جاری ہوتا ہو تو اس کو عطا کردو۔

احد فهی عُشریّة وان احیاها بماء الانهار التی احتفرها الاعاجم مثل نهر الملک ونهر یزدجرد فهی خراجیّة[۳۰۶۲](۸۳) والخراج الذی وضعه عمر رضی الله عنه علی اهل السواد من کل جریب یبلغه الماء ویصلح للزرع قفیزٌ هاشمیٌّ وهو الصاع ودرهم ومن جریب الرطبة خمسة دراهم ومن جریب الکرم المتّصل والنخل المتّصل عشرة دراهم.

اس سے اشارہ ہوتا ہے خراجی زمین بننے میں پانی کا اعتبار ہے قرب وجوار کا اعتبار نہیں۔

لغت احتفر : حفر سے مشتق ہے کھودنا۔

[۳۰۶۲] (۸۳) خراج جو حضرت عمرؓ نے اہل عراق پر مقرر کیا وہ ایک جریب جس میں پانی پہنچا ہو اور کھیتی کے قابل ہو ایک قفیز ہاشمی یعنی ایک صاع اور ایک درہم اور ترکاریوں کے ایک جریب میں پانچ درہم اور انگور اور کھجور جو گھنے ہوں دس درہم۔

تشریح حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے اہل عراق پر جو خراج مقرر کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ کھیتی کی زمین جس میں پانی جاتا ہو اور زراعت کے قابل ہو اَیک جریب میں ایک صاع غلہ اور ایک درہم یعنی 3.061 گرام چاندی یا اس کی قیمت لازم ہوگی۔ اور ترکاریوں کی زمین میں پانچ درہم یعنی 15.305 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور انگور یا کھجور جو گھنے ہوں اس کی ایک جریب زمین میں دس درہم یعنی 30.61 گرام چاندی یا اس کی قیمت خراج ہے۔

وجہ ان عمر بن الخطابؓ بعث عثمان بن حنیف علی السواد فوضع علی کل جریب عامر او غامر یناله الماء درهما وقفیزا یعنی الحنطة والشعیر وعلی جریب الکرم عشرة وعلی جریب الرطاب خمسة (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ،۲۷ ما قالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع ، ج سادس، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۶ رسنن للبیہقی ، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج تاسع، ص ۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۳) اثر سے معلوم ہوا کہ عام کھیتی میں ایک صاع اور ایک درہم، ترکاری کی کھیتی میں پانچ درہم اور انگور اور کھجور کے باغ میں دس درہم خراج ہے۔ گویا کہ ایک جریب عام کی کھیتی میں ایک صاع غلہ اور ایک درہم یعنی 3.061 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور ترکاری کی کھیتی میں پانچ درہم یعنی 15.305 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور انگور اور کھجور کی باغ میں دس درہم یعنی 30.61 گرام چاندی یا اس کی قیمت خراج لازم ہوگا۔

نوٹ چاندی کا حساب اپنے اپنے سکوں سے کرلیں۔

نوٹ مصنف ابن ابی شیبہ کے دوسرے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ درہم کے ساتھ پانچ صاع غلہ اور دس درہم کے ساتھ دس صاع غلہ بھی خراج میں لازم ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبة ،۲۷ ما قالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع ، ج سادس، ص ۴۳۸، نمبر ۳۲۷۰۲)

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن حنیف کو عراق پر بھیجا ہرا آباد اور غیر آباد جس کو پانی پہنچتا ہو ایک جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز مقرر کیا یعنی گیہوں اور جو کی پیداوار پر۔ اور انگور کے ایک جریب زمین پر دس درہم اور سبزی کے ایک جریب زمین پر پانچ درہم مقرر فرمایا۔

لغت الرطبة : تر، یہاں ترکاری مراد ہے، الکرم : انگور، المتصل : ملا ہوا یعنی گھنا باغ، قفیز ہاشمی : ایک صاع ہوتا ہے۔

﴿ جریب اور ایک ایکڑ کی تحقیق ﴾

جریب کتنی لمبی چوڑی ہے اس کے بارے میں ردالمختار علی الدر المختار میں لکھا ہے کہ کسری کے ہاتھ سے 60 ہاتھ لمبی اور 60 ہاتھ چوڑی زمین ہو تو وہ ایک جریب ہوتی ہے۔ اور 60 ہاتھ کو 60 ہاتھ میں ضرب دیں تو مجموعہ 3600 مربع ہاتھ ایک جریب ہوگی۔ عبارت یہ ہے کما وضع عمر رضی اللہ عنہ علی السواد لکل جریب ہو ستون ذراعا فی ستین بذراع کسری (سبع قبضات) (ردالمختار مطلب فی خراج المقاسمۃ، کتاب الجہاد، ج سادس، ص ۲۹۲)

ایک قبضہ 3 انچ کا ہوتا ہے اس لئے 7 قبضے 21 انچ ہوئے۔ یعنی اس کا ایک ہاتھ 1.75 پونے دو فٹ کا ہوا۔ اور ساٹھ ہاتھ 105 فٹ کا ہوا۔ گویا کہ 105 فٹ لمبی اور 105 فٹ چوڑی مجموعہ 11025 مربع فٹ کی ایک جریب ہوئی۔ اور تین فٹ کا ایک گز ہوتا ہے اس لئے اس کو گز میں لے جائیں تو 35 گز لمبی اور 35 گز چوڑی مجموعہ 1225 مربع گز کی ایک جریب ہوئی۔

(میٹر کے حساب سے جریب کی تحقیق)

2.54 سینٹی میٹر کا ایک انچ ہوتا ہے اس لئے 12 انچ کا 53.34 سینٹی میٹر ہوا۔ گویا کہ کسری کا ایک ہاتھ 53.34 سینٹی میٹر کا ہوا۔ اب اس کو ساٹھ ہاتھ میں ضرب دیں تو 32.004 میٹر لمبی ہوئی۔ اور وہی 32.004 چوڑی بھی ہے۔ اس لئے 32.004 کو 32.004 میں ضرب دیں تو مجموعہ 1024.25 مربع میٹر کی ایک جریب ہوگی۔

(ایکڑ اور جریب میں فرق)

آج کل پوری دنیا میں ایکڑ کا حساب رائج ہے۔ اسی سے زمین کی پیائش کرتے ہیں اس لئے ایکڑ اور جریب میں موازنہ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ ایک ایکڑ میں کتنا خراج لازم ہوگا۔

63.614 میٹر لمبا اور 63.614 میٹر چوڑا مجموعہ 4046.856 مربع میٹر کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

اسی طرح 69.57 گز لمبا اور 69.57 گز چوڑا مجموعہ 4840 مربع گز کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

جریب چونکہ ایکڑ سے چھوٹا ہوتا ہے اس لئے ایک جریب 1024.25 مربع میٹر کو ایک ایکڑ 4046.856 مربع میٹر میں تقسیم دیں تو 3.951 گنا بڑا ایکڑ جریب سے ہوگا۔ اس لئے ایک ایکڑ زمین میں اگر عام کاشتکاری ہو تو 3.951 صاع غلہ اور 3.951 درہم خراج لازم ہوگا۔ جس کا وزن 12.094 گرام چاندی یا اس کی قیمت ہوگی۔

(عام آدمی کا ہاتھ)

عام آدمی کا ہاتھ چھ قبضہ ہوتا ہے۔ اور ایک قبضہ 3 انچ کا ہے اس لئے ایک ہاتھ 18 انچ یعنی 1.50 ڈیڑھ فٹ کا ہوگا۔

چونکہ ایک انچ 2.54 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے اس لئے 18 انچ کا 45.72 سینٹی میٹر ایک ہاتھ ہوا۔

نوٹ پوری تفصیل آئندہ صفحات پر دیکھئے۔

﴿جریب اور ایکڑ کا حساب ایک نظر میں﴾

کیا	کتنے کا ہوتا ہے	
ایک انچ	2.54	سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	39.37	انچ کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	18	انچ کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	1.50	ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔
ایک فٹ	12	انچ کا ہوتا ہے۔
ایک گز	36	انچ کا ہوتا ہے۔
ایک قبضہ	3	انچ کا ہوتا ہے۔
ایک قبضہ	7.62	سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	45.72	سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

﴿کسری کا ہاتھ﴾

کیا	کتنے کا ہوتا ہے	
کسری کا ہاتھ	7	قبضے کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	21	انچ کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	1.75	پونے دو فٹ کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	53.34	سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	100	سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

﴿کسری جریب کتنی ہوتی ہے﴾

جریب	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
ایک جریب	60 ہاتھ	×	60 ہاتھ	=	3600	مربع کسری ہاتھ
ایک جریب	105 ہاتھ	×	105 ہاتھ	=	11025	مربع فٹ
ایک جریب	35 گز	×	35 گز	=	1225	مربع گز
ایک جریب	32.004 میٹر	×	32.004 میٹر	=	1024.25	مربع میٹر

﴿ ایکڑ کتنا ہوتا ہے ﴾

ایکڑ	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
ایک ایکڑ	69.57 گز	×	69.57 گز	=	4840	مربع گز
ایک ایکڑ	63.614 میٹر	×	63.614 میٹر	=	4046.856	مربع میٹر
ایک ڈسمل	6.3614 میٹر	×	6.3614 میٹر	=	40.4685	مربع میٹر

نوٹ سو ڈسمل کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

﴿ جھارکھنڈ کا سیکر ﴾

میرے صوبہ جھارکھنڈ میں لوہے کی ایک لمبی زنجیر سے زمین کی پیائش کرتے ہیں جس کو سیکر کہتے ہیں۔ اور بعض لوگ جریب بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو Chain کہتے ہیں۔

دس سیکر لمبا اور ایک سیکر چوڑا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔ اور سیکر کی لمبائی 20.1168 میٹر ہے۔ اس طرح 20.1168 چوڑا اور 201.168 لمبا کو ضرب دیں تو مجموعہ 4046.856 مربع میٹر ہوتا ہے جو ایک ایکڑ کا رقبہ ہے۔ اور گز کے اعتبار سے ایک سیکر 22 گز لمبا ہوتا ہے۔ اس کو دس سیکر یعنی 220 گز میں ضرب دیں تو 4840 مربع گز نکل آئے گا جو ایک ایکڑ کا رقبہ ہے۔

﴿ سیکر کا حساب ﴾

سیکر	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
ایک سیکر	20.1168 میٹر	-	-	-	-	-
ایک سیکر	22 گز	-	-	-	-	-
ایک سیکر	20.1168 میٹر	×	201.168 میٹر	=	4046.85	مربع میٹر ایک ایکڑ
ایک سیکر	22 گز	×	220 گز	=	4840	مربع گز ایک ایکڑ

نوٹ طلبہ کی معلومات کے لئے میں نے ہر جگہ فارمولوں اور حسابات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ کلکیولیٹر سے حساب کر لیں۔

ثمیر الدین غفرلہ

[۳۰۶۳](۸۴)وما سوی ذلک من الاصناف یوضع علیها بحسب الطاقة فان لم تُطق ما وضع علیها نقصها الامام[۳۰۶۴](۸۵) وان غلب علی ارض الخراج الماء او انقطع

[۳۰۶۳](۸۴)اس کے علاوہ اور قسم کی زمینوں میں طاقت کے مطابق، اور اگر جو اس پر مقرر کیا ہے اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو امام اس سے کم کردے۔

تشریح اوپر جو متعین کردہ مقدار زمین کی عام پیداوار کے اعتبار سے ہے۔اس لئے اگر اس سے کم پیداوار ہو تو کم خراج متعین کیا جا سکتا ہے۔اور جو متعین کیا ہے اگر رعیت اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو امام اس سے کم بھی کرسکتا ہے۔

وجہ حضرت عمرؓ نے خراج متعین کرنے کے بعد حضرت حذیفہ بن الیمان اور عثمان بن حنیف سے دریافت کیا کہ یہ خراج کہیں زیادہ تو نہیں ہے؟ اس پر حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا کہ اس سے زیادہ بھی رکھیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔رأیت عمرؓ بن الخطاب قبل ان یصاب بایام المدینة ووقف علی حذیفة بن الیمان وعثمان بن حنیف قال کیف فعلتما حملتماها امرا هی له مطیقة ما فیها کبیر فضل قال انظرا ان تکونا حملتما الارض مالا تطیق قال قالا لا (الف)(بخاری شریف، باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان، ص۵۲۳، نمبر ۳۷۰۰ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۷، ما قالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع، ج سادس، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۸) اس اثر میں ہے کہ اگر زیادہ ہو گیا ہو تو دیکھ لو۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مقدار سے کم بھی کیا جا سکتا ہے۔اور زمین کی پیداوار کے مطابق خراج لازم کیا جائے گا، مصنف ابن ابی شیبة کے اثر میں حضرت حذیفہؓ کا یہ جملہ بھی ہے 'لو شئت لاضعفت ارضی' جس سے معلوم ہوا کہ اگر چاہیں تو اس سے زیادہ بھی خراج متعین کر سکتے ہیں۔لیکن حضرت عمرؓ نے اس سے زیادہ متعین نہیں فرمایا۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ ہو جائے تو کم بھی کیا جا سکتا ہے(۲) دوسرے اثر میں ہے۔فوضع عثمان علی الجریب من الکرم عشرة دراهم وعلی جریب النخل ثمانیة دراهم وعلی جریب القصب ستة دراهم یعنی الرطبة وعلی جریب البر اربعة دراهم وعلی جریب الشعیر درهمین (ب)(مصنف ابن ابی شیبة، ۱۷ ما قالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع، ج سادس، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۴ رسنن للبیہقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج تاسع، ص ۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۲) اس اثر میں مختلف پیداوار کا خراج مختلف ہے جس سے معلوم ہوا کہ خراج کم بیش کر سکتا ہے۔

[۳۰۶۴](۸۵) اگر خراجی زمین پر پانی غالب آگیا یا اس سے پانی منقطع ہو گیا یا آفت نے کھیتی برباد کر دی تو ان پر خراج نہیں ہے۔

(الف) مدینہ میں حضرت عمرؓ کو زخم لگنے سے چند دن پہلے دیکھا کہ وہ حذیفہ بن یمانؓ اور عثمان بن حنیفؓ کو سامنے کھڑے ہو کر کہا تم دونوں نے کیسے کیا؟ کیا تم لوگوں کو خطرہ ہے کہ زمین پر اتنا خراج ڈالا جس کی طاقت نہ ہو؟ دونوں نے جواب دیا کہ اتنا لازم کیا جس کی ان کو طاقت ہے۔کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔فرمایا دیکھ لیں کہ اگر طاقت سے زیادہ زمین پر خراج لازم کیا ہو! دونوں نے فرمایا نہیں، زیادہ مقرر نہیں کیا (ب) حضرت عثمان بن حنیفؓ نے انگور کے ایک جریب زمین پر دس درہم مقرر کیا اور کھجور کے ایک جریب زمین پر آٹھ درہم اور ترکاری کے ایک جریب زمین پر چھ درہم اور گیہوں کے ایک جریب زمین پر چار درہم اور جو کے ایک جریب زمین پر دو درہم مقرر کیا۔

عنها او اصطلم الزرع آفة فلا خراج علیهم[۳۰۶۵](۸۶) وان عطّلها صاحبها فعلیه الخراج[۳۰۶۶](۸۷) ومن اسلم من اهل الخراج یؤخذ منه الخراج علی حاله

تشریح پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ پیداوار کے مطابق خراج ہوگا۔اس قاعدے پر قیاس کرتے ہوئے اگر کسی مصیبت کی وجہ سے کھیتی ہی نہیں ہو پائی تو خراج ساقط ہو جائے گا۔مثلا سیلاب نے کھیتی برباد کردی۔یا بارش ہی نہیں ہوئی یا کوئی آفت آگئی جس کی وجہ سے کھیتی اجڑ گئی تو اہل خراج پر خراج نہیں ہوگا۔

وجہ جب کھیتی ہی نہیں ہوئی تو خراج کہاں سے دے گا (۲) اوپر کے اثر میں تھا کہ طاقت کے مطابق خراج ہو اور یہاں آفت کی وجہ سے طاقت باقی نہیں رہی اس لئے خراج ساقط ہو جائے گا (۲) اوپر کے اثر کے علاوہ یہ اثر بھی ہے۔ **قال الحسن واما اراضیهم فعلیها الخراج الذی وضعه عمر بن الخطابؓ فان احتملوا اکثر من ذلک فلا یزاد علیهم وان عجزوا عن ذلک خفف عنهم ولا یکلفون فوق طاقتهم کما قال عمرؓ** (الف) رواہ یحیی بن آدم فی الخراج، ص ۳۳، نمبر ۲۸، اعلاء السنن، ج ثانی عشر، ص ۴۳۷، نمبر ۴۱۰۰) اس اثر میں ہے کہ اگر خراج دینے والا عاجز ہو جائے تو اس سے کم کیا جائے۔ یہاں کھیتی ہوئی ہی نہیں اس لئے اس سے خراج معاف ہو جائے گا۔

لغت اصطلم : صلم سے مشتق ہے جڑ سے اکھیڑنا، کھیتی برباد ہونا، الزرع : کھیتی۔

[۳۰۶۵] (۸۶) اور اگر بیکار چھوڑ دیا زمین کے مالک نے تو اس پر خراج ہے۔

تشریح کھیتی کرنے کی تمام سہولتیں میسر تھیں لیکن زمین کے مالک نے سستی کی وجہ سے کھیتی ہی نہیں کی تو اس پر خراج ہوگا۔

وجہ اس سے اس کی سستی دور ہوگی (۲) غلطی خود مالک زمین کی ہے اس لئے خراج ساقط نہیں ہوگا۔

اصول مالک زمین کی غلطی ہو تو خراج ساقط نہیں ہوگا۔

لغت عطل : بیکار چھوڑ دیا۔

[۳۰۶۶] (۸۷) اگر خراج دینے والا مسلمان ہو جائے تو اس سے بدستور خراج لیا جائے گا۔

وجہ مسلمانوں پر ابتدائی طور پر خراج لازم کرنا ٹھیک نہیں ہے۔لیکن اگر پہلے سے خراج لازم ہے اور زمین کا مالک مسلمان ہو گیا تو خراج لازم ہی رہے گا (۲) اثر میں ہے۔ **عن عمرؓ و علیؓ قالا اذا اسلم وله ارض وضعنا عنه الجزیة واخذنا خراجها** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۶۵ ما قالوا فی الرجل من اهل الذمة یسلم من قال یرفع عنه الجزیة، ج سادس، ص ۴۶۷، نمبر ۳۲۹۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے سے جزیہ تو ساقط ہو جائے گا لیکن خراج ساقط نہیں ہوگا (۳) کیونکہ جزیہ کافر کے سر پر ہے جو ذلت کی چیز ہے، اور خراج اس کی

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا بہر حال لوگوں کی زمین پر حضرت عمرؓ نے خراج متعین کیا۔ پس اگر اس سے زیادہ خراج برداشت کر سکتی ہو تب زیادہ نہ کیا جائے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتی ہو تو کم کر دیا جائے۔ اور طاقت سے زیادہ مکلف نہ بنایا جائے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا (ب) حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا اگر ذمی اسلام لائے اور اس کے پاس زمین ہو تو اس سے جزیہ ختم کر دیا جائے گا اور اس سے خراج لیا جائے گا۔

[۳۰۶۷](۸۸) ویجوز ان یشتری المسلم من الذمی ارض الخراج ویؤخذ منه الخراج [۳۰۶۸](۸۹) ولا عشر فی الخارج من ارض الخراج [۳۰۶۹](۹۰) والجزیة علی

زمین پر ہے جو اتنی ذلت کی چیز نہیں ہے۔

[۳۰۶۷](۸۸) جائز ہے کہ مسلمان ذمی سے خراجی زمین خریدے اور اس سے خراج لیا جائے۔

وجہ عن ابن ابی لیلی قال اشتری الحسن بن علیؓ ملحة او ملحا واشتری الحسین بن علی برید ین من ارض الخراج وقال قد رد الیهم عمرؓ ارضهم وصالحهم علی الخراج (الف)(سنن للبیہقی، باب من رخص فی شراء ارض الخراج، ج تاسع، ص ۲۳۷، نمبر ۱۸۴۰۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے خراجی زمین خریدی اور حضرت عمرؓ نے اس پر خراج لازم فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی طور پر مسلمان پر خراج لازم کرنا صحیح نہیں، لیکن خراجی زمین خریدے گا تو اس کے واسطے سے مسلمان پر خراج لازم ہو جائے گا۔

فائدہ حضرت عمرؓ خراجی زمین خریدنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ عن نافع ان عبد الله بن عمرؓ کان اذا سئل عن الرجل من اهل الاسلام یأخذ الارض من اهل الذمة بما علیها من الخراج یقول لا یحل لمسلم او لا ینبغی لمسلم ان یکتب علی نفسه الذل والصغار (ب)(سنن للبیہقی، باب الارض اذا کانت صلحا رقابها لاهلها وعلیها خراج یؤدونها فاخذها منهم مسلم بکراء، ج تاسع، ص ۲۳۶، نمبر ۱۸۳۹۷) اس اثر میں ہے کہ خراجی زمین خریدنا ذلت کی چیز ہے۔

[۳۰۶۸](۸۹) خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔

وجہ خراجی زمین میں خراج بھی لازم ہو اور عشر بھی لازم ہو تو دوگنی رقم ہو جائے گی جو جائز نہیں (۲) اور خراج ساقط کر کے عشر لازم نہیں کر سکتے جیسا کہ پہلے گزرا۔ اس لئے اس پر خراج ہی لازم ہوگا (۳) اثر میں ہے۔ عن الشعبی قال لا یجتمع خراج وعشر فی ارض (ج) (مصنف ابن ابی شیبة، باب ۱۱۱ من قال لا یجتمع خراج وعشر علی ارض، ج ثانی ص ۴۱۹، نمبر ۱۰۶۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خراجی زمین میں عشر نہیں ہے۔

﴿ جزیہ کے احکام ﴾

[۳۰۶۹](۹۰) جزیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جزیہ وہ کہ رضامندی اور صلح سے مقرر کرے، پس مقرر کیا جائے گا جس پر اتفاق ہو جائے۔

تشریح امیر المومنین اور ذمی کے درمیان جزیہ کے جس مقدار پر صلح ہو جائے اتنا جزیہ جائز ہو جائے گا۔

وجہ قبیلہ نجران سے حضورؐ نے دو ہزار حلے کے جزیے پر صلح فرمائی تھی۔ عن ابن عباسؓ قال صالح رسول الله ﷺ اهل نجران

حاشیہ: (الف) ابن ابی لیلی نے فرمایا حسن بن علیؓ نے نمک کا کان خریدا۔ اور حضرت حسینؓ نے خراجی زمین کے دو بریدے خریدے اور فرمایا لوگوں کی طرف حضرت عمرؓ نے ان کی زمین واپس کی اور اس خراج پر صلح کی جو ذمیوں پر لازم تھا (ب) عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھا اہل اسلام کا کوئی آدمی ذمی کی زمین لے اس پر خراج کے ساتھ؟ فرمایا مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے یا مناسب نہیں ہے یہ کہ اپنی ذات پر ذلت اور چھوٹا پن لازم کرے (ج) حضرت شعبیؒ نے فرمایا ایک زمین میں خراج اور عشر لازم نہیں ہو سکتے۔

ضربین جزیة توضع بالتراضی والصلح فتقدر بحسب مایقع علیه الاتفاق .[۳۰۷۰]

(۱ ۹)وجزیة یبتدئ الامام وضعها اذا غلب الامام علی الکفار واقرّھم علی املاکھم فیضع علی الغنی الظاھر الغناء فی کل سنةٍ ثمانیةً واربعین درھما یأخذ منه فی کل شھر اربعة دراھم وعلی المتوسط الحال اربعةً وعشرین درھما فی کل شھر درھمین وعلی

علی الفئ حلة النصف فی صفر والنصف فی رجب یؤدونھا الی المسلمین (الف)(ابوداؤدشریف، باب فی اخذ الجزیة، ص، نمبر۳۰۴۱)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اہل نجران سے دو ہزار حلے پر صلح کی، اور یہی جزیہ مقرر رہا۔

[۳۰۷۰](۹۱)اور وہ جزیہ جو امام ابتداء مقرر کرے جب وہ غالب آئے کفار اور مالکوں کو ان کی ملکیتوں پر برقرار رکھے تو ظاہری مالدار پر ہر سال اڑتالیس درہم مقرر کرے، اور اس سے ہر مہینے میں چار درہم لے۔ اور اوسط درجے کے آدمی پر چوبیس درہم، ہر مہینے میں دو درہم۔ اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم، ہر مہینے میں ایک درہم۔

تشریح اگر کفار سے جزیہ کے بارے میں بات طے نہ ہوئی ہو اور امام کفار پر غلبہ کرنے کے بعد اپنے طور پر جزیہ مقرر کرے تو اس کی مقدار یہ ہو کہ جو اچھا مالدار ہے اس پر سالانہ اڑتالیس درہم اور ہر ماہ میں چار درہم وصول کرے۔ اور درمیانی حال والے پر چوبیس درہم ہر ماہ میں دو درہم وصول کرے۔ اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم ہر ماہ میں ایک درہم وصول کرے۔

وجہ جزیہ مقرر کرے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ماحرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون (ب)(آیت ۲۹، سورة التوبة ۹)اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر جزیہ مقرر کیا جائے گا(۲)اور مقدار کے بارے میں یہ اثر ہے۔ قال وضع عمر بن الخطاب فی الجزیة علی رء وس الرجال علی الغنی ثمانیة و اربعین درھما وعلی الوسط اربعة وعشرین وعلی الفقیر اثنی عشر درھما (ج)(مصنف ابن ابی شیبة، ۱۷ ما قالوا فی وضع الجزیة والقتال علیھا، ج سادس، ص ۴۳۲، نمبر ۳۲۶۴۳ رسنن للبیہقی، باب الزیادة علی الدینار بالصلح، ج تاسع، ص ۳۲۹، نمبر ۱۸۶۸۵)اس اثر سے مقدار کی تفصیل معلوم ہوئی (۳)اس میں مالدار اور فقیر کی رعایت ہے کہ مالدار پر زیادہ ہے اور فقیر پر کم ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مالدار ہو یا غریب سب پر سال میں ایک دینار جزیہ مقرر کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف)ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے اہل نجران سے دو ہزار حلوں پر صلح کی، آدھا صفر میں اور آدھا رجب میں مسلمانوں کو ادا کریں گے(ب) جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ان سے قتال کریں، اور اللہ اور اس کے رسول نے جو حرام کیا اس کو حرام نہیں سمجھتے۔ اور ان میں سے جو کتاب دیئے گئے وہ دین حق اختیار نہیں کرتے ان سے قتال کریں۔ یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دینے لگ جائیں (ج) حضرت عمرؓ نے مالدار مردوں کی ذات پر اڑتالیس درہم جزیہ مقرر فرمایا اور وسط آدمی پر چوبیس اور فقیر پر بارہ درہم۔

الفقير المعتمل اثنٰی عشرة درهما فی كل شهر درهما[۳۰۷۱](۹۲) وتوضع الجزية

حدیث میں ہے۔عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجهه الى اليمن امره ان ياخذ من كل حالم يعنی محتلما دينارا او عدله من المعافری ثياب تكون باليمن (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ ص ۴۷، نمبر ۳۰۳۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مرد پر سالانہ ایک دینار لازم ہوگا چاہے مالدار ہو یا غریب۔

لغت المعتمل : عمل سے مشتق ہے کام کرنے والا۔

[۳۰۷۱](۹۲) جزیہ مقرر کیا جائے گا اہل کتاب پر اور مجوسیوں پر اور عجم کے بت پرستوں پر۔

تشریح یہود اور نصاری اور مجوسی چاہے عرب میں رہتے ہوں یا عجم میں رہتے ہوں۔ اگر وہ ذمی بن کر رہنا چاہیں تو ان پر جزیہ مقرر ہوگا۔اسی طرح عجم کے بت پرست ذمی بن کر رہنا چاہیں تو ان کے سروں پر جزیہ مقرر رہوگا۔البتہ عرب کے بت پرستوں پر جزیہ نہیں ہے یا وہ اسلام لائیں یا قتل کے لئے تیار رہیں ذمی بن کر عرب میں نہیں رکھا جا سکے گا۔

وجہ اہل کتاب کے لئے جزیہ کے لئے یہ آیت ہے۔ قاتلوا الذين لا يومنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ماحرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون (ب)(آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹)اس آیت میں ہے کہ اہل کتاب یعنی یہودی اور نصاری سے اس وقت تک قتال کیا جائے جب تک وہ جزیہ نہ دینے لگیں۔اور یہ عرب اور غیر عرب کے قید سے عام ہے اس لئے عرب کے اہل کتاب پر بھی جزیہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

مجوسی سے جزیہ لینے کے لئے یہ حدیث ہے۔سمعت عمرا قال ... فاتانا كتاب عمر بن الخطاب قبل موته بسنة فرقوا بين كل ذی محرم من المجوس ولم يكن عمر اخذ الجزية من المجوس حتى شهد عبد الرحمن بن عوفؓ ان رسول الله ﷺ اخذها من مجوس هجر (ج)(بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اہل الذمۃ ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۶/۳۱۵۷/ابوداؤد شریف، باب اخذ الجزیۃ من المجوس، ص ۷۵، نمبر ۳۰۴۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجوس ہجر سے آپؐ نے جزیہ لیا۔جس سے معلوم ہوا کہ عرب کے مجوس سے جزیہ لیا جا سکتا ہے(۳)عن ابن عباس قال صالح رسول الله ﷺ اهل نجران على الفیٔ حلة النصف فی صفر والنصف فی رجب يؤدونها الى المسلمين (د)(ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص، نمبر ۳۰۴۱)اہل نجران عرب کے عیسائی تھے ان سے جزیہ لیا جس سے معلوم ہوا کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف متوجہ فرمایا تو ان کو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار لے۔ یا اس کے برابر معافری کپڑا جو یمن میں ہوتا ہے(ب) ان لوگوں سے جنگ کرے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔اور جس کو اللہ اور رسول نے حرام قرار دیا ہے اس کو حرام نہیں کرتے۔اور اہل کتاب میں سے جو دین حق کو اختیار نہیں کرتے ان سے اس وقت تک جنگ کریں کہ ہاتھ سے ذلیل ہو کر جزیہ دینے لگیں (ج) ہمارے پاس عمر بن خطابؓ کا خط موت سے ایک سال پہلے آیا کہ مجوس کے ذی رحم محرم کی شادی ذی رحم محرم سے ہو گئی ہو تو اس کو جدا جدا کر دیں۔اور حضرت عمرؓ نے مجوس سے اس وقت تک جزیہ نہیں لیا جب تک کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے گواہی نہیں دی کہ حضورؐ نے ہجر کے مجوس سے جزیہ وصول فرمایا تھا (د) آپؐ نے اہل نجران سے دو ہزار حلے پر صلح فرمائی، آدھا صفر میں اور آدھا رجب میں اس کو مسلمانوں کو ادا کریں گے۔

على اهل الكتاب والمجوس وعبدة الاوثان من العجم[٣٠٧٢](٩٣) ولا توضع على

عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جائے اس کی دلیل لمبی حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔قال بعث عمرؓ الناس فی افناء الامصار یقاتلون المشركين ... فامرنا نبينا رسول ربنا صلى الله عليه وسلم ان نقاتلكم حتى تعبدوالله وحده او تؤدو الجزية (الف) (بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اہل الذمۃ والحرب، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ افناء الامصار سے معلوم ہوا کہ عجم کے بت پرستوں سے جہاد کرنے گئے تھے۔

لغت عبدالاوثان : وثن کی جمع ہے، بت کے بندے یعنی بت پرست، المجوس : جو قوم آگ کی پوجا کرتی ہے۔

[٣٠٧٢](٩٣) اور جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا عرب کے بت پرستوں پر اور نہ مرتد پر۔

وجہ آیت سے اشارہ ملتا ہے کہ عرب کے مشرکین یا تو اسلام قبول کریں یا قتل کے لئے تیار رہیں۔ ذمی بن کر جزیہ دینا اس کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ آیت میں ہے۔ فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوة وآتوا الزكوة فخلوا سبيلهم (ب) (آیت ۵، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ نماز قائم کرنے یعنی اسلام لانے تک قتال کرتے رہو اور یہ مشرکین عرب کے بارے میں ہے۔ اس لئے مشرکین عرب کو جزیہ دیکر جزیرۂ عرب میں رہنے کا حق نہیں ہے (۲) دوسری آیت میں بھی اس کی تائید ہے۔ وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله (ج) (آیت ۳۹، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں کفار عرب کے بارے میں اشارہ ہے کہ ان سے اتنا قتال کرو کہ پورا دین صرف اللہ کا ہو جائے۔ اس لئے بھی ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا (۳) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباسؓ انه عليه السلام قال لا يقبل من مشركى العرب الا الاسلام او السيف (د) (فتح القدیر، ج خامس، ص ۲۹۳ / اعلاء السنن، نمبر ۴۱۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب سے قتل یا اسلام دونوں میں سے ایک ہے اس لئے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اہل عرب کے مشرکین سے بھی جزیہ لیا جا سکتا ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جا سکتا ہے اسی پر قیاس کر کے اہل عرب کے مشرکین سے بھی جزیہ لیا جا سکتا ہے۔
مرتد پر جزیہ اس لئے نہیں ہے کہ اگر مرد ہے تو یا دوبارہ اسلام قبول کرے یا اس کو تین دن کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔ اور جزیہ کا مطلب یہ ہے کہ کفر کی حالت میں جزیہ دے کر زندہ رہے اور زندہ رہنے کا حق نہیں ہے اس لئے اس سے جزیہ بھی نہیں لیا جائے گا۔ چاہے عرب کا مرتد ہو چاہے عجم کا مرتد ہو۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے کچھ لوگوں کو شہر کی مضافات میں جنگ کے لئے روانہ فرمایا... ہم کو حضورؐ نے حکم دیا کہ اس وقت تک جنگ کرتے رہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرنے لگ جائیں یا جزیہ ادا کریں (ب) جب اشہر حرم ختم ہو جائیں تو جہاں کہیں پائیں مشرکین سے قتال کریں اور ان کو پکڑیں اور ان کو قید کریں اور ان کے لئے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھیں۔ پس اگر توبہ کر لیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دیں (ج) اور ان سے لڑیں یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے (د) آپؐ نے فرمایا عرب کے مشرکین سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا یا تلوار کے لئے تیار رہیں۔

عبدة الاوثان من العرب ولا علی المرتدّین[٣٠٧٣](٩٤) ولا جزیة علی امرأة ولا صبی ولا زمن ولا اعمی ولا علی فقیر غیر معتمل ولا علی الرهبان الذین لایخالطون الناس

وجہ اسلام کو سمجھنے کے بعد مرتد ہونا کفر سے بھی اغلظ ہے اس لئے اس کو تو بدرجہ اولی قتل کیا جائے گا یا پھر اسلام لے آئے (۲) قتل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عکرمة قال اتی علی بزنادقة فاحرقهم فبلغ ذلک ابن عباسؓ فقال لو کنت انا لم احرقهم لنهی رسول الله ﷺ لا تعذبو بعذاب الله، ولقتلتهم لقول رسول الله ﷺ من بدل دینه فاقتلوه (الف) (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم، ص۱۰۲۲، نمبر۶۹۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو تین دن کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔اگر مرتدہ عورت ہو تو توبہ کرنے تک قید میں رکھا جائے گا۔اور کفر کی حالت میں رہنے نہیں دیا جائے گا۔اس لئے اس سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔بخاری کی آگے دوسری حدیث ہے۔ثم اتبعه معاذ بن جبل ... قال لا اجلس حتی یقتل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات (بخاری شریف، نمبر۶۹۲۳) کہ مرتد کے قتل کرنے تک میں نہیں بیٹھوں گا۔

[۳۰۷۳] (۹۴) اور نہیں جزیہ ہے عورت پر اور نہ بچے پر اور نہ اپاہج پر اور نہ اندھے پر اور نہ ایسے فقیر پر جو کام نہ کرتا ہو اور نہ ایسے راہب پر جو لوگوں سے نہ ملتا ہو۔

تشریح ان لوگوں پر جزیہ نہیں ہے۔

وجہ یہ لوگ غریب ہیں اور کام کرنے کے لائق نہیں ہیں۔اس لئے ان لوگوں پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجهه الی الیمن امره ان یأخذ من کل حالم یعنی محتلما دینارا (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص۴۷، نمبر۳۰۳۸) اس حدیث میں محتلما کی قید سے معلوم ہوا کہ جو بالغ نہ ہو یعنی بچہ ہو اس پر جزیہ نہیں ہے۔

اور عورت پر جزیہ نہ ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ان عمرؓ بن الخطاب کتب الی عماله ان لا یضربوا الجزیة علی النساء والصبیان ولا یضربوها الا علی من جرت علیه المواسی (ج) (سنن للبیہقی، باب الزیادۃ علی الدینار بالصلح، ج تاسع، ص۳۲۹، نمبر۱۸۶۸۳ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۷۱ ما قالوا فی وضع الجزیۃ والقتال علیھا، ج سادس، ص۴۳۱، نمبر۳۲۶۲۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورتوں اور بچوں پر جزیہ نہیں ہے۔

بوڑھے پر جزیہ نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔قال ابصر عمرؓ شیخا کبیرا من اهل الذمة یسأل فقال له مالک؟ قال لیس لی مال وان الجزیة توخذ منی فقال له عمرؓ ما انصفناک اکلنا شبیبتک ثم ناخذ منک الجزیة ثم کتب الی عماله

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ کے سامنے کچھ زندیق لائے گئے تو انہوں نے ان کو جلا دیا۔تو یہ خبر حضرت ابن عباسؓ کو پہنچی تو فرمایا اگر میں ہوتا تو ان کو نہیں جلاتا کیونکہ حضورؐ نے منع فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب کی طرح تم آگ سے عذاب نہ دو۔اور میں ان کو زندیقوں کو قتل کرتا حضورؐ کے فرمان کی وجہ سے کہ جس نے اپنے دین اسلام کو بدل دیا اس کو قتل کر دو (ب) حضورؐ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف متوجہ کیا تو حکم دیا کہ ہر بالغ آدمی سے ایک دینار جزیہ لے (ج) حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کو لکھا کہ عورتوں اور بچوں پر جزیہ مقرر نہ کرے۔اور صرف اسی پر جزیہ مقرر کرے جسکے نیچے کے بال نکل آئے ہوں۔

[۳۰۷۴] (۹۵) ومن اسلم وعلیه جزیة سقطت عنه[۳۰۷۵] (۹۶) وان اجتمع علیه

ان لا یأخذوا الجزیة من شیخ کبیر (الف) (رواۃ زنجویۃ فی الاموال/اعلاء السنن، باب لا جزیۃ علی صبی ولا امرأۃ الخ، ج ثانی عشر، ص ۵۰۹، نمبر ۴۱۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بہت بوڑھے سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اور اسی پر اپاہج اور اندھے کو قیاس کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں بھی کما نہیں سکتے ہیں۔

جو راہب لوگوں سے اختلاط نہ کرتا ہو وہ بھی کما نہیں سکتا ہے اس لئے اس سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن خالد بن ولید انه صالح اهل الحیرة علی تسعین ومائة الف درهم تقبل کل سنة جزاء عن ایدیهم فی الدنیا رهبانهم وقسیسهم الا من کان غیر ذی ید حبیسا عن الدنیا تارکا لها وسائحا تارکا للدنیا (ب) (مختصر رواہ الطبری فی تاریخہ، ج رابع، ص ۱۴۱/اعلاء السنن، باب لا توضع الدنیا علی الرهبان لا یخالطون الناس، ج ثانی عشر، ص ۵۱۳، نمبر ۴۱۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو راہب لوگوں سے اختلاط نہ کرتا ہو اس پر جزیہ نہیں ہے۔

لغت زمن : اپاہج، الرہبان : راہب کی جمع ہے، یخالطون : خلط سے ہے ملنا جلنا۔

[۳۰۷۴] (۹۵) کوئی ایسا آدمی اسلام لائے کہ اس پر جزیہ ہو تو وہ ساقط ہو جائے گا۔

تشریح پہلے ذمی تھا جس کی وجہ سے اس کے سر پر جزیہ تھا اب وہ مسلمان ہو گیا تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ البتہ اگر اس کی زمین پر خراج تھا تو وہ باقی رہے گا۔

وجہ یہ کفر کی وجہ سے اس کی ذلت کی چیز ہے اور مسلمان ہونے کے بعد اس ذلت کا اہل نہیں رہا اس لئے ساقط ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لیس علی مسلم جزیة سئل سفیان عن تفسیر هذا فقال اذا اسلم فلا جزیة علیه (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی الذمی الذی یسلم فی بعض السنۃ ھل علیہ جزیۃ، ص ۷۷، نمبر ۳۰۵۳/ترمذی شریف، باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیۃ، ص ۱۳۸، نمبر ۶۳۳، کتاب الزکوۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی مسلمان ہو جائے تو اس پر سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

[۳۰۷۵] (۹۶) اگر اس پر دو سال کا جزیہ چڑھ جائے تو ان میں تداخل ہو جائے گا۔

تشریح اگر دو سال تک جزیہ نہیں دے سکا تو اب ایک سال کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ اور ایک سال ہی کا جزیہ لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے ایک بہت بوڑھے ذمی کو دیکھا کہ وہ مانگ رہا ہے۔ تو اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا میرے پاس مال نہیں ہے اور مجھ سے جزیہ لیا جاتا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس سے کہا۔ ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ تمہاری میں جوانی میں کھایا پھر بھی تم سے جزیہ لیں۔ پھر اپنے عمال کو لکھا کہ بہت بوڑھے سے جزیہ نہ لیں (ب) خالد بن ولید نے حیرہ والوں سے ایک لاکھ نوے ہزار درہم پر صلح کی۔ قبول کیا جائے گا ہر سال میں دنیا میں رہنے کے بدلے کی وجہ سے چاہے ان کے راہب ہو چاہے قسیس ہو۔ البتہ جن کا ہاتھ خالی ہو دنیا کو چھوڑے ہوا ہو، سفر کرتا رہتا ہو اور دنیا کو چھوڑ رکھا ہو اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا (ج) حضورؐ نے فرمایا مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔ حضرت سفیانؒ سے اس کی تفسیر پوچھی تو فرمایا اگر ذمی مسلمان ہو جائے تو اس پر جزیہ نہیں ہے۔

الحولان تداخلت الجزیتان[۳۰۷۶](۹۷) ولایجوز احداث بیعة ولا کنیسة فی دار

وجہ اثر میں ہے۔عن طاؤس انه قال اذا تدارکت الصدقات فلا توخذ الاولی کالجزیة(الف)(مصنف ابن ابی شیبة ،۱۳۲ من قال لاتوخذ الصدقة فی السنة الامرة واحدة، ج ثانی،ص ۴۳۱،نمبر ۱۰۷۳۳)(۲)ایک اور اثر میں ہے۔عن الزھری قال لم یبلغنا من احد من ولاة ھذه الامة الذین کانوا بالمدینة ابوبکر وعمر وعثمان انھم کانوا لا یثنون العشور لکن یبعثون علیھا کل عام فی الخصب والجدب لان اخذھا سنة من رسول اللہ ﷺ (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ،من قال لاتوخذ الصدقة فی السنة الامرة واحدة، ج ثانی،ص ۴۳۱،نمبر ۱۰۷۳۲)اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ایک سال میں دومرتبہ عشر نہیں لیتے تھے۔اور دوسال کا ایک سال میں لیں گے تو دومرتبہ جزیہ لینا ہوگا۔اس لئے ایک جزیہ ساقط ہوگا اور ایک جزیہ لازم ہوگا(۳)اس میں ذمی کے لئے سہولت ہے جس میں اسلام میں بڑا خیال رکھا گیا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دوسال کا جمع ہوا ہے اس لئے دوسال کا جزیہ لیا جائے گا۔ورنہ حکومت کو نقصان ہوگا اور ذمی ساقط کرنے کے لئے خواہ مخواہ ٹال مٹول کرے گا۔

[۳۰۷۶](۹۷)دارالاسلام میں یہودی اور نصرانی کا نیا عبادت خانہ بنانا جائز نہیں ہے۔

تشریح دارالاسلام کے شہروں میں یہودی کا اور نصرانی کا نیا عبادت خانہ نہ بنانے دیا جائے۔

وجہ اس سے اس کی شوکت بڑھے گی اور دوسرے دین کی اشاعت ہوگی۔اس لئے ان کا نیا عبادت خانہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔حدیث میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لاتصلح قبلتان فی ارض واحدة ولیس علی المسلمین جزیة(ج)(ترمذی شریف، باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیة ،ص ۱۳۸،نمبر ۶۳۳، کتاب الزکوة)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمیوں کو بہت زیادہ اس کے دین کی اشاعت کی اجازت نہیں ہوگی۔اور نیا کنیسہ یا بیعہ بنانا دین کی اشاعت ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں ہوگی(۲)اثر میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال کل مصر مصره المسلمون لا یبنی فیه بیعة ولا کنیسة ولا یضرب فیه بناقوس ولا یباع فیه لحم خنزیر (د)(سنن للبیہقی، باب یشترط علیھم ان لایحدثوا فی امصار المسلمین کنیسة ولا مجمعا لصلوا تھم ولا صوت ناقوس ولا حمل خنزیر ولا ادخال خنزیر، ج تاسع،ص ۳۳۹،نمبر ۱۸۷۱۴ر مصنف ابن ابی شیبة ،۷۰ ما قالوا فی ھدم البیع والکنائز وبیوت النار، ج سادس،ص ۴۶۷،نمبر ۳۲۹۷۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس شہر کو مسلمانوں نے بسایا ہے اس میں ذمیوں کا نیا عبادت خانہ نہ بنانے دیا جائے۔

حاشیہ : (الف)حضرت طاؤسؒ نے فرمایا کئی مال کے صدقات جمع ہو جائیں تو پہلے سال کا صدقہ نہیں لیا جائے گا جزیہ کی طرح(ب) حضرت زہریؒ نے فرمایا مجھ کو اس امت کے کسی والی مثلاً حضرت ابوبکرؓ،عمرؓ اور عثمانؓ جو مدینہ طیبہ میں تھے یہ بات نہیں پہنچی ہے کہ ایک سال میں دومرتبہ عشر لئے ہوں۔لیکن وہ ہر سال خوشحالی اور خشک سالی میں بھیجتے تھے اس لئے کہ وہ رسول اللہ کی سنت ہے(ج) آپؐ نے فرمایا ایک ملک میں دو قبلے نہیں ہو سکتے یعنی اسلام اور عیسائیت نہیں رہ سکتے،اور مسلمان پر جزیہ نہیں ہے(د) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہر وہ شہر جس کو مسلمانوں نے بسایا ہے اس میں گرجا اور کنیسہ نہیں بنایا جا سکتا۔اور نہ اس میں ناقوس بجایا جا سکتا ہے۔اور نہ اس میں سور کا گوشت بیچا جا سکتا ہے۔

الاسلام[۳۰۷۷](۹۸) واذا انهدمت البِیَعُ والکنائس القدیمة اعادوھا[۳۰۷۸](۹۹) ویؤخذ اھل الذمة بالتمیُّز عن المسلمین فی زِیِّھم ومراکبھم وسروجھم وقلانسھم ولا

لغت بیعۃ : یہودی کا عبادت خانہ، کنائس : کنیسۃ کی جمع ہے نصرانی کا عبادت خانہ۔

[۳۰۷۷](۹۸) اگر پھر منہدم ہو جائیں پرانی گر جائیں تو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔

تشریح یہودی یا نصرانی کا پرانا عبادت خانہ گر گیا تو اس کو دوبارہ بنایا جا سکتا ہے۔

وجہ جو پہلے سے ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے۔ اس لئے اس کو دوبارہ بنایا جا سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے اہل نجران سے صلح میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ گرجائیں نہیں گرائیں گے۔ ان کے راہبوں کو نہیں نکالیں گے۔ اور ان کے دین کے بارے میں فتنے میں نہیں ڈالیں گے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال صالح رسول الله ﷺ اھل نجران علی الفیء حلة ... علی ان لا تھدم لھم بیعة ولا یخرج لھم قس ولا یفتنوا عن دینھم مالم یحدثوا حدثا او یأکلوا الربا** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص ۴۷، نمبر ۳۰۴۱ رسنن للبیہقی، باب لا تھدم لھم کنیسۃ ولا بیعۃ، ج تاسع، ص ۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پرانی عبادت گاہیں بنا سکتے ہیں۔

[۳۰۷۸](۹۹) عہد لیا جائے گا ذمیوں سے ممتاز رہنے کا مسلمانوں سے پوشاک میں سواریوں میں زمینوں میں اور ٹوپیوں میں۔ اور وہ سوار نہ ہوں گے گھوڑوں پر اور نہ ہتھیار اٹھائیں گے۔

تشریح ذمیوں کو دار الاسلام میں رکھا جائے گا لیکن وہ ہر اعتبار سے مسلمانوں سے متمیز رہے تا کہ کوئی مسلمان ان پر سلام نہ کرے ان کے لئے دعائیں نہ کرے۔ اور ایک انداز ے میں ذلت کے ساتھ رہے تا کہ اس کو احساس ہو اور جلدی مسلمان ہو جائے۔

وجہ حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابی ھریرة ان رسول الله ﷺ قال لا تبدوا الیھود ولا النصاری بالسلام واذا لقیتم احدھم فی طریق فاضطروہ الی اضیقه** (ب) (مسلم شریف، باب النھی عن ابتداء اھل الکتاب بالسلام وکیف یرد علیھم، ص ۲۱۳، نمبر ۲۱۶۷ رابوداؤد شریف، باب فی السلام علی اھل الذمۃ، ص ۳۶۰، نمبر ۵۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کو ابتدائی طور پر سلام نہ کرے۔ اور اس کو راستے کے کنارے سے چلنے کے لئے کہے تا کہ اس کی شان وشوکت کا اظہار نہ ہو (۲) اثر میں ہے کہ ذمیوں پر مہر لگائے تا کہ دور سے پتا چل جائے کہ وہ ذمی ہے۔ اثر یہ ہے۔ **کتب عمرؓ الی امراء الاجناد ان اختموا رقاب اھل الجزیة فی اعناقھم** (ج) (سنن للبیہقی، باب یشترط علیھم ان یفرقوا بین ھیئتھم وھیئۃ المسلمین، ج تاسع، ص ۳۴۰، نمبر ۱۸۷۱۸) (۳) حضرت عمرؓ نے اہل شام سے صلح کی تو اس میں شرط لگائی کہ لباس، ٹوپی، عمامہ، جوتے میں متمیز رہے۔ باتوں میں بھی متمیز رہے۔ اثر کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عبد الرحمن بن**

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے اہل نجران سے دو ہزار حلے پر صلح کی... اس شرط پر کہ ان کا گرجا منہدم نہیں کیا جائے اور نہ ان کا قسیس نکالا جائے۔ اور ان کے دین کے بارے میں ان کو فتنہ میں مبتلا نہ کیا جائے جب تک کہ کوئی نئی بات نہ پیدا کریں یا سود نہ کھانے لگیں (ب) آپؐ نے فرمایا یہود اور نصاری کو پہلے سلام مت کرو۔ اگر ان میں سے کوئی راستے میں ملے تو اس کو تنگ راستے پر جانے پر مجبور کرے (ج) حضرت عمرؓ نے امراء اجناد کو لکھا کہ اہل جزیہ کی گردن پر مہر لگاؤ۔

یرکبون الخیل ولا یحملون السلاح[۳۰۷۹](۱۰۰) ومن امتنع من اداء الجزیة او قتل

غنم قال کتبت لعمر بن الخطابؓ حین صالح اهل الشام بسم الله الرحمن الرحیم ... وان نوقر المسلمین وان نقوم لهم من مجالسنا ان ارادوا جلوسا ولا نتشبه بهم فی شیء من لباسهم من قلنسوة ولا عمامة ولا نعلین ولا فرق شعر ولا نتکلم بکلامهم ولا نتکنی بکناهم ولا نرکب السروج ولا نتقلد السیوف ولا نتخذ شیئا من السلاح ولا نحمله معنا ولا ننقش خواتیمنا بالعربیة (الف) (سنن للبیہقی، باب الامام یکتب کتاب الصلح علی الجزیۃ، ج تاسع ص ۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱۷) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ ذمی ہر اعتبار سے مسلمانوں سے متمیز رہے۔ اور ہتھیار اس لئے نہ اٹھائے کہ کہیں دوبارہ جنگ کرنے کی صلاحیت نہ پیدا کرلے۔ اور مسلمانوں کے لئے مشکلات نہ پیدا کرے۔

نوٹ افسوس کہ عالم عرب پر امریکیوں نے اس طرح قبضہ کرلیا کہ یہ سب مسائل خواب وخیال بن گئے۔

لغت زیھم : ہیئت، لباس، مراکب : مرکب کی جمع ہے رکب سے مشتق ہے سوار، سروج : سرج سے مشتق ہے زین، قلانس : قلنسوۃ سے مشتق ہے ٹوپی۔

[۳۰۷۹] (۱۰۰) کوئی جزیہ کی ادائیگی سے باز رہے یا مسلمان کو قتل کردے یا حضور کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کرلے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح کوئی جزیہ دینے کا اقرار تو کرتا ہے لیکن جزیہ دیتا نہیں ہے تو اس سے ذمی ہونے سے خارج نہیں ہوگا۔ اور مسلمانوں کے ساتھ جزیہ دینے کا اور ذمی ہونے کا جو عہد کیا تھا وہ نہیں ٹوٹے گا بلکہ ابھی بھی ذمی بحال رہے گا۔ اسی طرح کسی مسلمان کو قتل کردے یا حضور کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کرلے تو اس سے ذمی ہونے کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔ البتہ ان جرموں کی سزا کا مستحق ہوگا۔ مثلا جزیہ ادا نہیں کرتا ہے تو جزیہ وصول کیا جائے گا۔ مسلمان کے قتل کے بدلے اس کو قتل کیا جائے گا۔ یا حضور کو گالی دینے سے وہ خود مباح الدم ہو جائے گا۔ اور مسلمہ سے زنا کرنے کی وجہ سے حد زنا کا مستحق ہوگا۔

وجہ عہد ٹوٹتا ہے جنگ پر اتر آنے سے، یا کسی چیز کی شرط لگائی تھی اور اس نے اس کے خلاف کیا تو عہد ٹوٹے گا ورنہ نہیں (۲) حدیث میں ہے کہ اہل قریظہ جنگ پر اتر آئے تب ان کا عہد ٹوٹا اور حضورؐ نے قتال کر کے ان کو قتل کیا۔ اور ان کی عورتوں کو باندی بنایا۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ حاربت قریظة والنضیر فاجلی بنی النضیر واقر قریظة ومنّ علیهم حتی حاربت قریظة فقتل رجالهم وقسم نسائهم واولادهم واموالهم بین المسلمین (ب) (بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیھم فی دیۃ

حاشیہ : (الف) حضرت عبد الرحمن بن غنم فرماتے ہیں کہ جب اہل شام سے صلح ہو رہی تھی تو میں نے حضرت عمرؓ کے لئے یہ خط لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم ... یہ کہ مسلمانوں کی عزت کریں گے، اگر وہ بیٹھنا چاہیں تو اس کے لئے کھڑے ہو جائیں گے، ان کے لباس میں مشابہت نہیں کریں گے، نہ ٹوپی میں نہ عمامے میں نہ جوتے میں، نہ بیچ میں بال کا مانگ نکالیں گے۔ نہ ان کی زبان میں بات کریں گے نہ مسلمانوں کی کنیت رکھیں گے۔ نہ زین پر سوار ہوں گے۔ اور نہ تلوار کا قلادہ ڈالیں گے اور نہ کوئی ہتھیار بنائیں گے اور نہ اس کو اٹھائیں گے (ب) بنو قریظہ اور بنو نضیر نے جنگ کی تو بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا اور بنی قریظہ کو وہیں رکھا اور ان پر (باقی اگلے صفحہ پر)

مسلما او سبَّ النبی علیه السلام او زنٰی بمسلمة لم ینقض عهده[۳۰۸۰](۱۰۱) ولا ینتقض العهد الا بان یلحق بدار الحرب او یغلبوا علی موضع فیُحاربونا.

الرجلین وارادوا من الغدر برسول اللہ ﷺ ،ص ۵۷۴،نمبر ۴۰۲۸ رمسلم شریف،باب اجلاء الیہود من الحجاز،ص ۹۴،نمبر ۱۷۶۶) اس حدیث میں ہے کہ قریظہ نے محاربت کی تب ان کا عہد ٹوٹا۔اور اوپر کے مسئلے میں ذمی نے محاربت نہیں کی ہے اس لئے ان کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

البتہ حضور کو اعلانیہ گالی دے گا تو اس کو قتل کیا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن علیؓ ان یهودیة کانت تشتم النبی ﷺ وتقع فیه فخنقها رجل حتیٰ ماتت فابطل رسول الله ﷺ دمها (الف) (ابوداؤد شریف،باب الحکم فیمن سب النبی ﷺ ،ص ۲۵۱،نمبر ۴۳۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی حضور کو گالی دے تو وہ مباح الدم ہو جاتا ہے۔

لغت سب : گالی دینا۔

[۳۰۸۰](۱۰۱) اور عہد نہیں ٹوٹے گا مگر یہ کہ دار الحرب چلا جائے یا کسی جگہ پر غلبہ پا کر ہم سے جنگ کرے۔

تشریح ذمی بھاگ کر دار الحرب چلا جائے تو ذمیت کا عہد ٹوٹ جائے گا۔یا دار الاسلام کے کسی جگہ پر غلبہ کر لے اور ہم سے جنگ کے لئے تیار ہا جائے تو ذمیت ختم ہو جائے گی اور عہد ٹوٹ جائے گا۔

وجہ اوپر قریظہ کی حدیث گزری کہ وہ جنگ کے لئے تیار ہوئے تو عہد ٹوٹ گیا۔پھر حضورؐ نے اس پر چڑھائی کی اور ان کی عورتوں کو باندی بنایا اور مال تقسیم کر لیا۔عن ابن عمرؓ ... حتی حاربت قریظة فقتل رجالهم وقسم نسائهم واولادهم واموالهم بین المسلمین (ب) (بخاری شریف،نمبر ۴۰۲۸ رمسلم شریف،نمبر ۱۷۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محاربت سے عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

اور دار الحرب چلا جائے تو عہد ٹوٹ جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔سئل عن عطاء عن الرجل من اهل الذمة یوخذ فی اهل الشرک وقد اشترط علیهم ان لا یأتیهم فیقول لم اردعونهم فکره قتله الا ببینة فقال له بعض اهل العلم اذا نقض شیئا واحدا مما علیه فقد نقض الصلح (ج) (مصنف عبد الرزاق،باب المشرک یأتی المسلم بغیر عہد،ج خامس،ص ۲۹۳،نمبر ۹۶۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذمی حربیوں کے درمیان چلا جائے تو عہد ٹوٹ جائے گا۔اس لئے کہ وہ حربی ہو گیا اور اس کا خون حربیوں کی طرح مباح ہو گیا۔

لغت یلحق : لاحق ہو جائے،چلا جائے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) احسان کیا یہاں تک کہ بنو قریظہ نے بھی جنگ کی تو ان کے مردوں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں اور مال کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا حاشیہ : (الف) حضرت علی فرماتے ہیں کہ ایک یہودیہ حضور کو گالی دیا کرتی تھی اور ان کا عیب نکالا کرتی تھی۔تو ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا تو حضورؐ نے اس کے خون کو باطل کر دیا یعنی قاتل سے قصاص نہیں لیا (ب) یہاں تک کہ بنو قریظہ نے جنگ کی تو ان کے مردوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں اور اولاد اور مال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا (ج) حضرت عطاءؒ سے پوچھا اہل ذمہ کا کوئی آدمی مشرکین کے درمیان پکڑا گیا حالانکہ اس پر شرط لگائی گئی تھی کہ مشرکین کے پاس نہیں آئے گا۔پس وہ کہتا ہے کہ اس کی مدد کا ارادہ نہیں کیا ہے تو حضرت عطاءؒ نے گواہی کے بغیر اس کو قتل کرنے کو ناپسند کیا۔پس بعض اہل علم (باقی اگلے صفحہ پر)

[۳۰۸۱] (۱۰۲) واذا ارتدّ المسلم عن الاسلام عرض علیه الاسلام فان کانت له شبهة کشفت له [۳۰۸۲] (۱۰۳) ویحبس ثلثة ایام فان اسلم والا قُتل.

﴿ مرتد کا بیان ﴾

[۳۰۸۱] (۱۰۲) کوئی مسلمان اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا۔ پس اگر اس کو کوئی شبہ ہو تو دور کیا جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن علیؓ انه اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیه الاسلام فابی قال فقتله وجعل میراثه بین ورثته المسلمین** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۲، ما قالوا فی المرتد ما جاء فی میراثه، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۴ رسنن للبیہقی، باب من قال فی المرتد یستتاب مکانه فان تاب والا قتل، ج ثامن، ص ۳۵۸، نمبر ۱۶۸۸۵) اس اثر میں ہے کہ حضرت علیؓ نے مرتد پر اسلام پیش کیا اور اس کے شبے کو دور کیا۔

[۳۰۸۲] (۱۰۳) تین دن قید رکھا جائے گا، پس اگر اسلام لائے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔

وجہ تین دن اس لئے قید رکھا جائے گا تا کہ اتنے دنوں میں سمجھایا جا سکے اور مرتد کو سوچنے کا موقع مل سکے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین دن کی مہلت دینا مستحب ہے ضروری نہیں (۱۹۲) اثر میں ہے۔ **عن علیؓ قال یستتاب المرتد ثلاثا** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۰، ما قالوا فی المرتد کم یستتاب، ج سادس، ص ۴۴۴، نمبر ۳۲۷۴۷ رسنن للبیہقی، باب من قال تحبس ثلاثة ایام، ج ثامن، ص ۳۵۹، نمبر ۱۶۸۸۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین دن تک مہلت دے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین دن تک مہلت دینا ضروری ہے۔

وجہ حضرت عمرؓ تین دن نہ کرنے پر سختی کی ہے۔ **لما قدم علی عمر فتح تستر وتستر من ارض البصرة سألهم هل من مغربة؟ قالوا رجل من المسلمین لحق بالمشرکین فاخذناه، قال ما صنعتم به؟ قالوا قتلناه، قال: قال افلا ادخلتموه بیتا واغلقتم علیه بابا و اطعمتموه کل یوم رغیفا ثم استتبتموه ثلاثا. فان تاب والا قتلتموه ثم قال اللهم لم اشهد ولم آمر ولم ارض اذا بلغنی** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۰، ما قالوا فی المرتد کم یستتاب، ج سادس، ص ۴۴۴، نمبر ۳۲۷۴۴ رسنن للبیہقی، باب من قال تحبس ثلاثة ایام، ج ثامن، ص ۳۵۹، نمبر ۱۶۸۸۷) اس اثر میں تین دن سے پہلے قتل کرنے پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اللہ نہ میں

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) نے کہا اگر ایک شرط بھی توڑی تو صلح ٹوٹ جائے گی۔ (الف) حضرت علیؓ کے پاس مستورد عجلی لایا گیا، وہ مرتد ہو چکا تھا تو اس پر اسلام پیش کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کیا اور اس کی وراثت مسلمان ورثہ میں تقسیم کر دی گئی (ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مرتد کو تین مرتبہ توبہ کرنے کے لئے کہا جائے گا (ج) جب حضرت عمرؓ کے پاس مقام تستر کی فتح کی خبر آئی، تستر بصرہ کی زمین کا حصہ ہے۔ ان لوگوں سے سے پوچھا کیا مغرب کی کوئی خبر ہے؟ لوگوں نے کہا مسلمان کا ایک آدمی مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ مل گیا تو ہم نے اس کو پکڑا۔ پوچھا اس کے ساتھ کیا کیا؟ لوگوں نے کہا ہم نے اس کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایسا کیوں نہیں کیا کہ اس کو گھر میں داخل کرتے۔ پھر دروازہ بند کرتے اور اس کو ہر دن چپاتی کھلاتے پھر تین دن تک توبہ کرنے کو کہتے۔ پس اگر توبہ کرتا تو ٹھیک ورنہ اس کو قتل کر دیتے۔ پھر فرمایا اے اللہ! نہ میں وہاں حاضر تھا، نہ راضی ہوں جب مجھ کو یہ خبر پہنچی۔

[۳۰۸۳](۱۰۴) فان قتله قاتل قبل عرض الاسلام علیه کره له ذلک ولا شیء علی القاتل.

اس میں حاضر ہوں اور نہ میں نے اس کا حکم دیا اور نہ میں اس سے راضی ہوں۔ جس سے معلوم ہوا کہ تین دن تک مہلت دینا ضروری ہے۔ مرتد کو تین دن کے بعد قتل کر دے اس کا اشارہ آیت میں ہے۔ ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاولئک حبطت اعمالهم فی الدنیا والآخرة واولئک اصحاب النار هم فیها خالدون (الف)(آیت ۲۱۷، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ مرتد ہوا تو اس کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور وہ کافر کے درجے میں ہو گیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ حربی مباح الدم ہوتا ہے اور مرتد حربی سے بھی زیادہ سخت ہے اس لئے یہ بھی مباح الدم ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ قال اتی علیؓ بزنادقة فاحرقهم ... لقول رسول الله ﷺ من بدل دینه فاقتلوه (ب) دوسری روایت میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے فرمایا مرتد کو فوراً قتل کرو تو بیٹھوں گا ورنہ نہیں۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابی موسیؓ قال... ثم اتبعه معاذ بن جبل فلما قدم علیه القیٔ له وسادة قال انزل فاذا رجل عنده موثق، قال ماهذا؟ قال کان یهودیا فاسلم ثم تهود، قال اجلس !قال لا اجلس حتی یقعل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات فامر به فقتل (ج)(بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم، ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲/۶۹۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا۔

[۳۰۸۳](۱۰۴) پس اگر کسی نے اس کو قتل کر دیا اس پر اسلام پیش کرنے سے پہلے تو یہ مکروہ ہے لیکن قاتل پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح مرتد پر تین دین اسلام پیش کرنا چاہئے، انکار کرنے پر قتل کرنا چاہئے۔ لیکن اگر اسلام پیش کرنے سے پہلے کسی نے قتل کر دیا تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔ لیکن قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ اس پر دیت لازم ہوگی۔

وجہ اسلام پیش کرنا مستحب ہے اور قاتل نے استحباب کے خلاف کیا ہے اس لئے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ مرتد مباح الدم ہو چکا ہے (۲) مسئلہ نمبر ۱۰۳ میں حضرت عمر کا اثر گزرا جس میں قاتل نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حکم کے بغیر اسلام پیش کرنے سے پہلے قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے قاتل سے قصاص نہیں لیا اور نہ دیت لی، صرف اللهم لم اشهد ولم آمر کہہ کر افسوس کا اظہار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا (۳) حضرت معاذؓ والی حدیث میں بھی مرتد پر اسلام پیش کرنے کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ فوری طور پر قتل کرنے کا مطالبہ کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ارتداد کے بعد مباح الدم ہو گیا (بخاری شریف، نمبر ۶۹۲۳)

حاشیہ: (الف) جو تم میں سے اپنی دین سے مرتد ہو جائے اور کافر ہو کر مرے تو دنیا اور آخرت میں اس کے اعمال ضائع ہو گئے وہ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (ب) حضرت علیؓ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے تو انہوں نے ان کو جلا دیا... حضورؐ نے فرمایا جو دین اسلام بدل دے اس کو قتل کر دو (ج) حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت موسی اشعریؓ کے پاس تشریف لائے تو ان کے لئے تکیہ ڈالا گیا اور فرمایا تشریف رکھئے۔ وہاں ایک آدمی بندھا ہوا تھا، پوچھا یہ کون ہے؟ کہا یہودی تھا پھر اسلام لایا پھر یہودی ہو گیا۔ کہا تشریف رکھئے، کہا جب تک اس کو قتل نہیں کریں گے نہیں بیٹھوں گا یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔ تین مرتبہ فرمایا۔ پھر حکم دیا پس یہودی قتل کر دیا گیا۔

[۳۰۸۴](۱۰۵) واما المرأة اذا ارتدّت فلا تُقتل ولکن تُحبس حتی تسلم [۳۰۸۵] (۱۰۶) ویزول ملک المرتدّ عن امواله بردّته زوالا مراعًی فان اسلم عادت املاکه الی

[۳۰۸۴](۱۰۵)عورت اگر مرتدہ ہو جائے تو قتل نہیں کی جائے گی لیکن اسلام لانے تک قید رکھی جائے گی۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباسؓ قال لاتقتل النساء اذا ارتددن عن الاسلام ولکن یحبسن ویدعین الی الاسلام ویجبرن علیہ (الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۳، ما قالوا فی المرتدۃ عن الاسلام، ج سادس، ص ۴۴۶، نمبر ۳۲۷۶۳ / سنن للبیہقی، باب قتل من ارتد عن الاسلام اذا ثبت علیہ رجلا کان او امرأۃ، ج ثامن، ص ۳۵۳، نمبر ۱۶۸۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرتدہ عورت قتل نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کو توبہ کرنے تک قید کیا جائے گا۔

[۳۰۸۵](۱۰۶)مرتد کی ملکیت زائل ہو جائے گی اس کے مال سے مرتد ہونے کی وجہ سے محفوظ زوال، پس اگر اسلام لایا تو اپنی حالت پر لوٹ جائیگی۔

تشریح مرتد ہونے کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔لیکن اس انداز میں زائل ہوگی کہ اگر دوبارہ اسلام لے آیا تو ملکیت بحال رہے گی۔اور اگر مرگیا تو وہ مال مسلمان ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ سوتیلی ماں سے نکاح کر کے مرتد ہوا تو اس کو قتل کرنے اور اس کے مال کو لے لینے کا حکم دیا۔حدیث یہ ہے۔عن یزید بن البراء عن ابیہ قال لقینی عمی وقد اعتقد رایۃ فقلت این ترید قال بعثنی رسول اللہ ﷺ الی رجل نکح امرأۃ ابیہ ان اضرب عنقہ وآخذ مالہ (ب)(سنن للبیہقی، باب مال المرتد اذا مات اوقتل علی الردۃ، ج ثامن، ص ۳۶۱، نمبر ۱۶۸۹۳ / ابن ماجۃ شریف، باب من تزوج امرأۃ ابیہ من بعدہ، ص ۳۷۵، نمبر ۲۶۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور مال لے لیا جائے گا (۲) اثر میں ہے۔عن علیؓ انہ اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیہ الاسلام فابی قال فقتلہ وجعل میراثہ بین ورثتہ المسلمین (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲، ما قالوا فی المرتد ما جاء فی میراثہ، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرتد ہوتے ہی اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔البتہ اسلام پیش کرنے اور اسلام لانے تک انتظار کیا جائے گا۔اگر اسلام نہیں لایا تو مکمل طور پر ملکیت زائل ہو جائے گی۔اور اسلام کے زمانے میں کمایا ہوا مال مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگا اور کفر کے زمانے میں کمایا ہوا مال غنیمت ہوگا۔اور اگر اسلام لے آیا تو اس کا مال واپس دیا جائے گا۔

مرتد دوبارہ اسلام لے آئے تو اس کا مال واپس دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر عورتیں اسلام سے مرتد ہو جائیں تو قتل نہیں کی جائیں گی۔لیکن قید کی جائیں گی، اور اسلام کی طرف بلائی جائیں گی اور اس پر مجبور کی جائیں گی (ب) مجھے میرے چچا ملے وہ ایک جھنڈا باندھے ہوئے تھے۔میں نے کہا کہاں جا رہے ہیں؟ کہا حضورؐ نے مجھ کو بھیجا ہے، ایک آدمی نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کی ہے میں اس کی گردن ماردوں اور اس کا مال لے لوں (ج) حضرت علیؓ کے سامنے مستورد عجلی لایا گیا، وہ اسلام سے مرتد ہو چکا تھا۔پس اس پر اسلام پیش کیا گیا تو انکار کر گیا تو اس کو قتل کیا اور اس کی میراث مسلمان ورثہ میں تقسیم کر دی گئی۔

حالها[۳۰۸۶](۱۰۷) وان مات او قُتل علی رِدّته انتقل ما اکتسبه فی حال الاسلام الی ورثته المسلمین و کان ما اکتسبه فی حال رِدّته فیئًا[۳۰۸۷](۱۰۸) فان لحق بدار

وجہ بنوقریظہ نے قتال کیا تو آپؐ نے سب کو قتل کیا۔لیکن جو حضورؐ کے ساتھ مل گئے اور دوبارہ ایمان لائے تو آپؐ نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ اس کے مال کو غنیمت میں تقسیم کیا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن ابن عمرؓ ... حتی حاربت قریظة فقتل رجالهم وقسم نساء هم واولادهم واموالهم بین المسلمین الا بعضهم لحقوا بالنبی ﷺ فآمنهم واسلموا** (الف)(بخاری شریف،حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیھم فی دیۃ الرجلین ،ص ۶۸۴،نمبر ۴۰۲۸)اس حدیث میں ہے جو یہودی مسلمان ہو گئے اس کے مال کو تقسیم نہیں کیا بلکہ واپس دے دیا۔اسی طرح مرتد مسلمان ہو جائے تو اس کے مال کو تقسیم نہیں کریں گے بلکہ واپس دے دیا جائے گا۔

لغت مراعی : رعایت سے مشتق ہے رعایت کی جائے گی یعنی معاملہ موقوف رہے گا۔

[۳۰۸۶](۱۰۷)اگر وہ مر گیا یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تو اسلام کی حالت میں جو کچھ کمایا وہ اس کے مسلمان ورثہ میں منتقل ہو جائے گا،اور اس کی کمائی مرتد ہونے کی حالت میں غنیمت ہوگی۔

تشریح مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تو جو کچھ مسلمان ہونے کی حالت میں کمایا تھا وہ اس کے مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگا۔اور جو کچھ مرتد ہونے کی حالت میں کمایا تھا وہ مال غنیمت شمار ہوگا۔

وجہ مسلمان ہونے کی حالت کی کمائی مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگی اس کی دلیل یہ اوپر کے اثر میں گزر گئی۔ **عن علی ... قال فقتله وجعل میراثه بین ورثته المسلمین** (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ،نمبر ۳۲۷۵۴)اس اثر میں ہے کہ مرتد کی کمائی مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگی(۲)مرتد ہونا گویا کہ مرجانا ہے۔اور مرنے کے بعد اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہوتا ہے۔اس لئے اس کا مال بھی ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

مرتد کے زمانے میں جو مال کمایا وہ غنیمت ہوگا۔

وجہ مرتد ہونے کے بعد وہ حربی ہو گیا اور حربی کا کمایا ہوا مال ہاتھ آجائے تو وہ غنیمت کا مال شمار ہوتا ہے اس لئے مرتد کے زمانے کا مال غنیمت ہوگا(۲)مسئلہ نمبر ۱۰۷ میں حدیث گزری کہ سوتیلی ماں سے نکاح کر کے مرتد ہوا تھا تو اس کو قتل کیا اور اس کا مال لے لیا گیا۔حدیث کا ٹکڑا یہ تھا۔**بعثنی رسول اللہ ﷺ الی رجل نکح امرأة ابیه ان اضرب عنقه وآخذ ماله** (ج)(سنن للبیہقی،نمبر ۱۶۸۹۳)جس میں تھا کہ اس کا مال لیکر غنیمت بنا لیا جائے۔

[۳۰۸۷](۱۰۸)پس اگر مرتد ہو کر دار الحرب بھاگ گیا اور حاکم نے اس کے مل جانے کا حکم لگا دیا تو اس کے مدبر اور ام ولد آزاد ہو جائیں گے۔اور جو اس پر قرض ہے اس کی ادائیگی فوری ہوگی۔اور جو کچھ کمایا اسلام کی حالت میں وہ اس کے مسلمان ورثہ کی طرف منتقل ہو

حاشیہ : (الف)حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے... یہاں تک کہ بنوقریظہ نے جنگ کی تو ان کے مردوں کو قتل کیا اور ان کی عورتیں اور مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔البتہ ان میں سے بعض حضورؐ کے پاس آگئے تو آپؐ نے ان کو امن دیا اور وہ مسلمان ہو گئے(ب)حضرت علیؓ نے مرتد کو قتل کیا اور اس کی میراث مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم کر دی(ج)حضورؐ نے مجھے بھیجا کہ ایک آدمی نے سوتیلی ماں سے نکاح کیا تو میں اس کی گردن ماردوں اور اس کا مال لے لوں۔

الحرب مرتدّا وحكم الحاكم بلحاقه عتق مدبّروه وامهات اولاده وحلت الديون التي عليه وانتقل ماكتسبه في حال الاسلام الى ورثته من المسلمين [۳۰۸۸] (۱۰۹) وتقضى الديون التي لزمته في حال الاسلام مما اكتسبه في حال الاسلام وما لزمه من

جائے گا۔

تشریح یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ مرتد دار الحرب بھاگ جائے اور حاکم دار الحرب کے ساتھ مل جانے کا فیصلہ کردے تو وہ مردہ کے درجہ میں ہو جائے گا۔ اور اس کے تمام معاملات میں مردے کے احکام نافذ ہو جائیں گے۔ مثلا آقا کے مرنے کے بعد مدبر غلام اور ام ولد باندی آزاد ہو جاتے ہیں تو یہاں بھی یہ دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ جو قرض کسی متعینہ تاریخ میں ادا کرنا تھا اس کا ابھی ادا کرنا لازم ہوگا کیونکہ آدمی مرنے کے بعد اس کے مال میں فوری قرض ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور اسلام کی حالت میں جو مال کمایا تھا وہ مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگا کیونکہ مرتد گویا کہ مر گیا ہے۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عامر والحكم قالا في الرجل المسلم يرتد عن الاسلام ويلحق بارض العدو فلتعتد امرأته ثلاثة قروء ان كانت تحيض، وان كانت لا تحيض فثلاثة اشهر، وان كانت حاملا ان تضع حملها ويقسم ميراثه بين امرأته وورثته من المسلمين ثم تزوج ان شاء ت وان هو رجع فتاب من قبل ان تنقضي عدتها ثبتا على نكاحهما (الف) (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۱ ما قالوا فی المرتد اذا لحق بارض العدو وله امرأة ما حالها، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۲) اس اثر میں ہے کہ دار الحرب چلا جائے تو اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی اور اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

اصول مرتد ہو کر دار الحرب میں مل جائے تو وہ مردہ کے درجے میں ہو جاتا ہے۔

لغت لحق : مل جانا، لاحق ہو جانا، حلت : حلول سے مشتق ہے فوراً وقت آ جانا۔

[۳۰۸۸] (۱۰۹) وہ قرض جو اسلام کی حالت میں لازم ہوا ہے ادا کیا جائے اس سے جو اسلام کی حالت میں کمایا۔ اور وہ قرض جو لازم ہوا ہے مرتد کی حالت میں اس سے ادا کیا جائے جو مرتد کی حالت میں کمایا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد ہوتے ہی گویا کہ مر گیا۔ البتہ دوبارہ مسلمان ہونے کی امید پر اس کا معاملہ موقوف رکھا گیا۔ جب دوبارہ مسلمان نہیں ہوا تو مرتد ہونے کے وقت ہی سے مردہ شمار کیا جائے گا۔ اس لئے مرنے سے پہلے یعنی اسلام کی حالت میں جو قرض لیا تھا وہ اسلام کی حالت میں جو مال کمایا تھا اس سے ادا کیا جائے گا۔ اور مرنے کے بعد یعنی مرتد ہونے کے بعد جو قرض لیا اس کو مرتد ہونے کے بعد

حاشیہ : (الف) حضرت عامر اور حضرت حکم نے فرمایا مسلمان آدمی مرتد ہو جائے اور دار الحرب بھاگ جائے تو اس کی بیوی تین حیض عدت گزارے اگر ماہواری آتی ہو، اور اگر ماہواری نہ آتی ہو تو تین مہینے اور حاملہ ہو تو وضع حمل۔ اور اس کی میراث اس کی بیوی اور مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی۔ پھر اگر چاہے تو بیوی شادی کرے۔ اور اگر شوہر دار الحرب سے واپس آ جائے اور عدت گزرنے سے پہلے توبہ کر لے تو دونوں نکاح پر برقرار رہیں گے۔

الدیون فی حال رِدّتہ یُقضی مما فی حال رِدّتہ [۳۰۸۹](۱۱۰) وما باعہ او اشتراہ او تصرف فیہ من اموالہ فی حال رَدّتہ موقوف فان اسلم صحّت عقودہ وان مات او قُتل او

جو مال کمایا ہے اس سے ادا کیا جائے گا۔

وجہ جیسے ہی مرتد ہوا وہ مردے کے درجے میں ہو گیا۔صرف انتظار اور امید کے لئے معاملہ موقوف رکھا گیا۔اس کی دلیل حدیث کا اشارہ ہے۔ عن عکرمۃ قال ... لقول رسول اللہ ﷺ من بدل دینہ فاقتلوہ (الف) اور دوسری روایت میں ہے۔قال (معاذؓ) لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلاث مرات فامر بہ فقتل (ب) (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲/۶۹۲۳) اس حدیث میں ہے کہ مرتد ہو جائے تو فوراً قتل کر دو۔جس سے معلوم ہوا کہ مرتد ہوتے ہی مردے کے درجے میں ہو گیا۔اس لئے اسلام کا قرض حالت اسلام کی کمائی سے اور حالت مرتد کا قرض حالت مرتد کی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔

[۳۰۸۹](۱۱۰) مرتد کی حالت میں جو بیچا یا خریدا یا اپنے میں تصرف کیا تو وہ سب موقوف ہوں گے۔پس اگر اسلام لے آیا تو اس کے معاملات صحیح ہو جائیں گے۔اور اگر وہ مر گیا یا قتل کیا گیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو اب باطل ہوں گے۔

تشریح ارتداد کی حالت میں بیچا یا خریدا یا اپنے مال میں تصرف کیا تو یہ سب موقوف رہیں گے۔پس اگر اسلام لے آیا تو یہ سب عقود صحیح ہو جائیں گے۔اور اگر مرتد کی حالت میں مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو یہ تمام عقود باطل ہو جائیں گے۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ مرتد کی ملکیت اور اس کا معاملہ اسلام لانے تک موقوف رہتا ہے۔اگر اسلام لے آئے تو ملکیت اور معاملات بحال ہو جائیں گے۔اور اسلام نہ لائے اور انتقال ہو جائے تو مرتد ہونے کے دن ہی سے مردہ شمار کیا جائے گا۔جس کی وجہ سے ارتداد کے بعد کے معاملات باطل ہوں گے۔کیونکہ مردوں کے معاملات کا کیا اعتبار؟ (۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ عن عامر والحکم قالا فی الرجل المسلم یرتد عن الاسلام ویلحق بارض العدو فلتعتد امرأتہ ثلاثۃ قروء ان کانت تحیض، وان کانت لا تحیض فثلاثۃ اشھر، وان کانت حاملا ان تضع حملھا ویقسم میراثہ بین امرأتہ وورثتہ من المسلمین ثم تزوج ان شاء ت وان ھو رجع فتاب من قبل ان تنقضی عدتھا ثبتا علی نکاحھما (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۱ ما قالوا فی المرتد اذ الحق بارض العدو ولہ امرأۃ ما حالھما، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۲) اس اثر کے اخیر میں ہے کہ اگر مرتد بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے توبہ کرے اور اسلام لے آئے تو دونوں کا نکاح بحال رہے گا۔جس سے معلوم ہوا کہ عدت ختم ہونے تک نکاح کا معاملہ موقوف رہے گا۔اور اسی پر قیاس

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی دین اسلام بدلے تو اس کو قتل کر دو (ب) حضرت معاذؓ نے فرمایا میں نہیں بیٹھوں گا جب تک قتل نہ کرو۔یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے، تین مرتبہ فرمایا۔پھر حکم دیا اور قتل کر دیا گیا (ج) حضرت عامر اور حضرت حکم نے فرمایا مسلمان آدمی مرتد ہو جائے اور دار الحرب بھاگ جائے تو اس کی بیوی تین حیض عدت گزارے اگر ماہ واری آتی ہو، اور اگر ماہ واری نہ آتی ہو تو تین مہینے اور حاملہ ہو تو وضع حمل۔اور اس کی میراث اس کی بیوی اور مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی۔پھر اگر چاہے تو بیوی شادی کرے۔اور اگر شوہر دار الحرب سے واپس آ جائے اور عدت گزرنے سے پہلے توبہ کر لے تو دونوں نکاح پر برقرار رہیں گے۔

لحق بدار الحرب بطلت[۳۰۹۰](۱۱۱) وان عاد المرتد بعد الحکم بلحاقه الی دار الاسلام مسلما فما وجده فی ید ورثته من ماله بعینه اخذه[۳۰۹۱](۱۱۲) والمرتدّة اذا تصرفت فی مالها فی حال رِدّتها جاز تصرفها[۳۰۹۲](۱۱۳) ونصاری بنی تغلِب یؤخذ من اموالھم ضعفُ مایؤخذ من المسلمین من الزکوۃ ویؤخذ من نسائھم ولا یؤخذ من

کرتے ہوئے باقی معاملات بھی موقوف رہیں گے۔اور جس طرح عدت ختم ہونے کے بعد اسلام لائے تو نکاح ختم ہو جائے گا اسی طرح مرتد کی حالت میں مرجائے یا قتل کیا جائے یا دار الحرب بھاگ جائے تو اس کا عقد باطل ہو جائے گا۔

[۳۰۹۰](۱۱۱) اگر مرتد لحاق کے حکم کے بعد دار الاسلام واپس آجائے تو جو پائے ورثہ کے ہاتھ میں بعینہ مال تو اس کو لے لے۔

تشریح مرتد بھاگ کر دار الحرب چلا گیا۔اس کے بعد حاکم نے دار الحرب بھاگ جانے کا فیصلہ کر دیا۔پھر وہ مسلمان ہو کر واپس دار الاسلام آیا تو اس کا جو مال ورثہ کے ہاتھ میں اپنی حالت پر موجود ہے وہ واپس لے لے۔اور جو مال خرچ کر چکا ہے اس کو ورثہ سے وصول نہیں کر سکتا۔

وجہ دار الحرب میں شامل ہونے کے فیصلے کے بعد گویا کہ وہ مردہ ہو گیا۔اس لئے ورثہ نے جو مال تقسیم کر کے لیا وہ اس کے مالک بن گئے۔اور ان کا تصرف کرنا صحیح ہو گیا۔اس لئے جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

اور جو مال ورثہ کے ہاتھ میں محفوظ ہے اس نو مسلم کو اس کی اشد ضرورت ہے،اور حقیقت میں اسی کا کمایا ہوا ہے اس لئے اس کو واپس دلوایا جائیگا۔

[۳۰۹۱](۱۱۲) مرتدہ عورت اپنی ردت کے زمانے میں تصرف کرے تو اس کا تصرف جائز ہے۔

وجہ جب مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ توبہ کرنے تک زندہ رکھا جائے گا تو ظاہر ہے کہ بیع وشراء کی بھی اجازت ہونی چاہئے ورنہ تو زندگی کیسے گزارے گی۔اس لئے اس کو اپنے مال میں تصرف کی اجازت ہوگی۔

[۳۰۹۲](۱۱۳) بنی تغلب کے نصاری سے اس کے مال میں دوگنا لیا جائے گا جتنی مسلمانوں سے زکوۃ لی جاتی ہے۔اور لیا جائے گا اس کی عورتوں سے اور نہیں لیا جائے گا ان کے بچوں سے۔

تشریح مسلمانوں سے زکوۃ چالیس درہم میں ایک درہم یعنی ڈھائی فی صد ہے تو بنی تغلب سے اس کا دوگنا لیا جائے گا یعنی بیس درہم میں ایک درہم یعنی پانچ فی صد لیا جائے گا۔اور ان کی عورتوں کے مال سے لیا جائے گا۔لیکن ان کے بچوں سے نہیں لیا جائے گا۔

وجہ **عن عمر بن الخطابؓ انہ صالح نصاری بنی تغلب علی ان تضعف علیھم الزکوۃ مرتین وعلی ان لا ینصروا صغیرا وعلی ان لا یکرھوا علی دین غیرھم** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۵۰ فی نصاری بنی تغلب مایوخذ منھم ،ج ثانی ،ص ۴۱۷،

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے بنی تغلب کے عیسائی سے اس بات پر صلح کی کہ ان پر زکوۃ کا دوگنا ہو اور اس شرط پر کہ بچے کو عیسائی نہیں بنائیں گے اور اس شرط پر کہ دوسرے دین پر مجبور نہیں کریں گے۔

صبیانهم[۳۰۹۳](۱۱۴) وما جباه الامام من الخراج ومن اموال بنی تغلِب وما اهداه اهل الحرب الی الامام والجزیة تُصرف فی مصالح المسلمین فتُسدُّ منها الثغور وتُبنی القناطر والجسور ویُعطی منه قضاة المسلمین وعُمّالهم وعلماؤهم مایکفیهم ویُدفع منه

نمبر۱۰۵۸۱)اس اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے زکوۃ کے دوگنے پر صلح فرمائی اور زکوۃ چالیس درہم میں ایک درہم ہے اس لئے اس کا دوگنا بیس درہم میں ایک درہم ہوگا۔اور زکوۃ مرد اور عورت دونوں پر ہے۔اس لئے یہ خراج بھی مرد اور عورت دونوں پر ہوگا۔اور زکوۃ بچوں پر نہیں ہے اس لئے یہ خراج بھی بچوں پر نہیں ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں بنی تغلب ذمی ہیں اور ذمی پر خراج ہوتا ہے چاہے زکوۃ رکھا گیا ہو۔اور جزیہ عورت اور بچوں پر نہیں ہے اس لئے یہ بھی عورت اور بچوں پر نہیں ہوگا۔

لغت بنی تغلب : ایک قوم کا نام جن سے حضرت عمرؓ نے دوگنا زکوۃ پر صلح کی تھی،اب یہ قوم نہیں رہی۔

[۳۰۹۳](۱۱۴)امام نے جو کچھ جمع کیا خراج سے بنی تغلب کے مال سے اور جو امام کو اہل حرب نے ہدیہ دیا اور جزیہ دیا وہ خرچ کرے گا مسلمانوں کی مصلحت میں۔پس اس سے سرحدیں بند کی جائیں گی،پل بنائیں جائیں گے۔اور اس سے مسلمانوں کے قاضیوں کو،ان کے عاملوں کو اور ان کے علماء کو جتنا ان کو کافی ہو۔اور دیا جائے گا اس سے غازیوں اور ان کی اولاد کا روزینہ۔

تشریح خراج کا مال،بنی تغلب کا مال،حربیوں کا ہدیہ اور جزیہ وغیرہ عشر کی طرح عبادت والا مال نہیں ہے اس لئے ان مالوں کو مسلمانوں کے فائدے میں خرچ کرے۔مثلا کفار کے ساتھ جو سرحدیں ہیں ان کو بند کرے،پل بنائے،مسلمانوں کے قاضیوں کو اتنی روزی اور وظیفہ دے کہ ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے کافی ہو جائے۔اسی طرح جو لوگ مسلمانوں کے لئے کام کرتے ہوں یا وہ علماء جو تبلیغ دین کا کام کرتے ہوں یا جو مجاہدین جہاد میں مشغول ہیں ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے جتنی روزی کافی ہو وہ ادا کرے۔

وجہ کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے فائدے کے لئے کام کر رہے ہیں۔اور اوپر کے سب مال انہیں کاموں میں خرچ کئے جاتے ہیں۔ان سب کاموں کو نوائب المسلمین کہتے ہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن بشیر بن یسار مولی الانصار ... وعزل النصف الباقی لمن نزل به من الوفود والامور ونوائب الناس** (الف)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر،ص ۶۸،نمبر۳۰۱۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت بھی نوائب المسلمین کے لئے رکھا جا سکتا ہے۔اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے خراج کا مال وغیرہ بھی امور مسلمین میں خرچ کیا جائے گا۔

لغت جباه : وصول کیا،جمع کیا، تسد : سد سے مشتق ہے بند کرنا، الثغور : ثغر کی جمع ہے سرحد، القناطر : قنطرة کی جمع ہے پل، جسر : پل، مقاتلة : قتال سے مشتق ہے جہاد کرنے والے، ذراری : ذریۃ سے مشتق ہے اولاد۔

حاشیہ : (الف) غنیمت کا باقی آدھا الگ رکھا آنے والے وفود کے لئے اور معاملات کے لئے اور لوگوں کے مصائب میں مدد کے لئے۔

ارزاق المقاتلة وذراريهم[۳۰۹۴](۱۱۵) واذا تغلّب قوم من المسلمين على بلد وخرجوا من طاعة الامام دعاهم الى العود الى الجماعة وكشف عن شبهتهم ولا يبدأهم بالقتال حتى يبدؤه.

﴿ باغیوں کے احکام ﴾

[۳۰۹۴](۱۱۵) مسلمانوں کی کوئی قوم کسی شہر پر مسلط ہو جائے اور امام کی اطاعت سے نکل جائے تو ان کو جماعت کی طرف لوٹنے کی دعوت دے۔اور ان کے شبہ کو رفع کرے اور جب تک وہ قتال شروع نہ کریں ہم ان سے قتال نہ کریں۔

تشریح مسلمان کی ایک جماعت امام کے خلاف ہو جائے اور اس کی اطاعت سے نکل کر کسی شہر پر قابض ہو جائے تو اس کو جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے گی۔اگر جماعت میں شامل ہونے میں کوئی شبہ ہے تو اس کو دور کیا جائے گا۔اور چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے جب تک وہ ہم سے جنگ شروع نہ کریں ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔

وجہ اس کا اشارہ آیت میں موجود ہے۔**وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فان بغت احداهما على الاخرى فقاتلوا التى تبغى حتى تفيئ الى امر الله فان فاء ت فاصلحوا بينهما بالعدل واقسطوا ان الله يحب المقسطين** (الف) (آیت ۹، سورۃ الحجرات ۴۹) اس آیت میں ہے کہ کوئی باغی جماعت قتال کرنے لگ جائے تو تم اس وقت تک قتال کرو جب تک وہ مان نہ لیں۔پس اگر وہ مان لیں تو قتال چھوڑ دو اور اصلاح کا کام کرو اور انصاف کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ قتال کریں تو ہم بھی قتال کریں گے۔اور وہ مان جائیں تو ہم قتال بند کر دیں گے (۲) حدیث میں ہے **سمعت عرفجة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول انه ستكون هنات وهنات فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهى جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان** (ب) (مسلم شریف، باب حکم من فرق امر المسلمین وھو مجتمع ص ۱۲۸، نمبر ۱۸۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی جماعت مسلمانوں کو منتشر کرنے کی کوشش کرے تو اس سے قتال کیا جائے گا۔

اس جماعت کے شبہ دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

وجہ حضرت علیؓ سے حروریہ کی جماعت باغی ہو گئی تھی تو حضرت عبد اللہ بن عباس ان کو سمجھانے گئے تھے۔اور ان کے شبہ کو دور کرنے گئے تھے۔ان کا تین شبہ تھا جس کا شافی بخش جواب دیا۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **حدثنا عبد الله بن عباسؓ قال لما خرجت الحرورية اجتمعوا فى دار وهم ستة آلاف اتيت عليا فقلت يا امير المومنين ابرد بالظهر لعلى اتى هؤلاء القوم فاكلمهم ...**

حاشیہ : (الف) اگر مومنین کی دو جماعتیں قتال کرے تو دونوں کے درمیان اصلاح کرا دو۔پس اگر ایک نے دوسرے پر زیادتی کی تو زیادتی کرنے والے سے اس وقت تک قتال کرتے رہو جب تک وہ اللہ کے حکم کے تابع نہ ہو جائے۔پس اگر تابع ہو جائے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اصلاح کرو اور انصاف کرو۔اللہ انصاف کرنے والے کو پسند کرتے ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا کہ حالات خطرناک ہوں گے پس جو امت کو متفرق کرے گا حالانکہ وہ مجتمع ہو تو تلوار سے اس کو مار دو چاہے جو ہو۔

[۳۰۹۵](۱۱۶) فان بدؤا قاتلهم حتی یفرق جمعهم وان کانت لهم فئة اَجْهَز علی جریحهم واُتبع مُوَلِّیهم وان لم یکن لهم فئة لم یُجهز علی جریحهم ولم یُتبع

قال عبد اللہ بن عباسؓ فرجع من القوم الفان وقتل سائرھم علی ضلالة (الف) (مستدرک للحاکم، کتاب قتال اہل البغی وھوآخر الجہاد، ج ثانی، ص ۱۶۴، نمبر ۲۶۵۶) اس حدیث میں ہے کہ باغی جماعت کو شبہ ہو جائے تو ان کو سمجھایا جائے۔

ہم پہلے قتال اس لئے شروع نہیں کریں گے کہ وہ بھی مسلمان ہیں۔ البتہ اگر دیکھیں کہ ان کی پوری تیاری ہے اور ان سے جنگ نہ کیا تو معاملہ مشکل ہو جائے گا ایسی صورت میں پہلے ہی ان کا قلع قمع کرنا جائز ہوگا۔

[۳۰۹۵](۱۱۶) پس اگر وہ ابتدا کریں تو ان سے قتال کرے۔ یہاں تک کہ ان کا جتھا ٹوٹ جائے۔ اور اگر ان کی جماعت بھی ہو تو گرفتار کرے ان کے زخمیوں کو، اور تعاقب کرے ان کے بھاگنے والوں کا۔ اور اگر ان کی جمعیت نہ ہو تو نہ گرفتار کرے ان کے زخمیوں کو اور نہ تعاقب کرے بھاگنے والوں کا۔

تشریح باغی جماعت ہم سے جنگ شروع کر دیں تو اب ان سے قتال کیا جائے گا اور اتنا قتال کیا جائے گا کہ ان کی جمعیت ٹوٹ جائے۔ پس اگر کوئی اچھی خاصی جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو قید کرے اور ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا کرے تا کہ وہ بدحواس ہو کر دوبارہ جمع ہونے کی کوشش نہ کریں۔ اور جن کی کوئی اچھی خاصی جماعت نہیں ہے اس کے زخمیوں کو قید نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے۔ کیونکہ اس کی جماعت نہیں ہے تو یوں بھی وہ منتشر ہو گئے۔

وجہ وہ جنگ کی ابتدا کریں تب ہم جنگ کریں اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ خاصم عمر بن عبد العزیز الخوارج فرجع من رجع منهم وابت طائفة منهم ان یرجعوا فارسل عمر رجلا علی خیل وامره ان ینزل حیث یرحلون ولا یحرکهم ولا یهیجهم، فان قتلوا وافسدوا فی الارض فاسط علیهم وقاتلهم وان هم لم یقتلوا ولم یفسدوا فی الارض فدعهم یسیرون (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۳ ما ذکر فی الخوارج، ج سابع، ص ۵۵۶، نمبر ۳۷۸۹۵) اس اثر میں ہے کہ وہ قتال کرے اور زمین میں فساد برپا کرے تو قتال کیا جائے۔ اور اگر قتال نہ کرے تو ان کو زمین میں گھومنے دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قتال شروع کرے تب ہی اس سے جنگ کی جائے ورنہ نہیں۔

باغی کی جماعت نہ ہو تو اس کے زخمی کو قید نہ کیا جائے اور اس کے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمرؓ

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب حروریہ کے لوگوں نے خروج کیا تو وہ ایک گھر میں جمع ہوئے۔ وہ اس وقت چھ ہزار تھے۔ میں حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا اے امیر المومنین! ظہر ٹھنڈا کر کے پڑھئے۔ میں ان لوگوں سے جا کر بات کرتا ہوں... حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قوم میں سے دو ہزار رجوع کر گئے اور باقی گمراہی پر قتل کئے گئے (ب) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خوارج سے جھگڑا کیا۔ ان میں سے کچھ لوٹا اور ایک جماعت لوٹنے سے انکار کر گئی۔ تو حضرت عمرؒ نے ایک آدمی کو گھوڑے پر بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ جہاں وہ ٹھہرتے ہیں وہاں اتریں۔ اور ان کو بھڑکائے نہیں۔ پس اگر انہوں نے قتال کیا اور زمین میں فساد برپا کیا تو اس پر مسلط ہو جائیں اور ان سے قتال کریں۔ اور اگر انہوں نے قتال نہیں کیا اور زمین میں فساد برپا نہیں کیا تو ان کو چھوڑ دیں، جانے دیں۔

مُوَلِّيهم[۳۰۹۶] (۱۱۷) ولا تُسبىٰ لهم ذُرِّيَّة ولا يُقسم لهم مال [۳۰۹۷] (۱۱۸) ولابأس بان يقاتلوا بسلاحهم ان احتاج المسلمون اليه.

قال قال رسول الله ﷺ لعبد الله بن مسعود يا ابن مسعود اتدرى ما حكم الله فيمن بغى من هذه الامة ؟ قال ابن مسعود الله ورسوله اعلم.قال فان حكم الله فيهم ان لا يتبع مدبرهم ولا يقتل اسيرهم ولا يذفف على جريحهم (الف) (مستدرک للحاکم، کتاب قتال اہل البغی، ج ثانی، ص ۱۶۸، نمبر ۲۶۶۲/سنن للبیہقی، باب اہل البغی اذا فاؤوا لم یتبع مدبرہم ولم یقتل اسیرھم الخ، ج ثامن، ص ۳۱۴، نمبر ۱۶۷۴۷) اس حدیث میں ہے کہ باغی کے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے نہ ان کے قیدی کو قتل کرے۔اور نہ ان کے زخمی کو قتل کرے۔کیونکہ وہ مسلمان ہیں۔اوراس کے پیچھے جماعت ہوتو اس کے قیدی کو گرفتار کرے۔اور بھاگنے والوں کا پیچھا اس لئے کرے کہ یہ لوگ جماعت کے ساتھ مل کر زیادہ شر نہ پھیلائے۔اور اگر اس کی توقع نہ ہو تو قیدی گرفتار نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے۔

لغت فئة : جماعت، اجھز : مارڈالے، جریح : اسم مفعول کے معنی میں ہے زخمی، مولی : ولی سے مشتق ہے پیٹھ پھر کر بھاگنے والا۔

[۳۰۹۶] (۱۱۷) نہ قید کرے ان کی اولاد کو اور نہ تقسیم کرے ان کا مال۔

تشریح مسلمان باغی کی اولاد کو قید کر کے غلام باندی نہ بنائے اور نہ ان کے مال کو غنیمت بنا کر تقسیم کرے۔

وجہ یہ لوگ مسلمان ہیں اس لئے ان کی اولاد غلام باندی نہیں بنائی جا سکتیں اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جا سکتا ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ امر علیؓ منادیه فنادی یوم البصرة لا يتبع مدبر ولا يذفف على جريح ولا يقتل اسير ومن اغلق بابه فهو آمن ومن القى سلاحه فهم آمن ولم يأخذ من متاعهم شيئا (ب) اور دوسری روایت میں ہے۔سأل علياً عن سبى الذرية فقال ليس عليهم سبى انما قاتلنا من قاتلنا (ج) (سنن للبیہقی، باب اہل البغی اذا فاؤوا لم یتبع مدبرہم ولم یقتل اسیرھم الخ، ج ثامن، ص ۳۱۴، نمبر ۱۶۷۴۷/نمبر ۱۶۷۴۹) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ ان کی اولاد غلام باندی نہیں بنائی جا سکتی ہیں۔اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

لغت تسبی : سبی سے مشتق ہے قیدی بنانا، ذریۃ : اولاد۔

[۳۰۹۷] (۱۱۸) اور کوئی حرج نہیں ہے اگر ان کے ہتھیار سے جنگ کرے اگر مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہو۔

تشریح اگر مسلمانوں کو باغیوں کے ہتھیار سے جنگ کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ اس سے جنگ کر سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے عبد اللہ بن مسعود سے پوچھا! اے ابن مسعود! اس امت میں جو بغاوت کرے جانتے ہو اس کی سزا کیا ہے؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں۔فرمایا اللہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے۔اور اس کے قیدی کو قتل نہ کیا جائے، اسکے زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے (ب) حضرت علیؓ نے منادی کو حکم دیا کہ بصرہ کی جنگ کے دن یہ اعلان کرے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے۔اور قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔اور جس نے دروازہ بند کر لیا وہ امن والا ہے۔اور جس نے اپنا ہتھیار پھینک دیا وہ امن والا ہے۔اور ان کے سامان میں سے کچھ نہ لے (ج) حضرت علیؓ سے باغیوں کے بچے کے قید کرنے کے بارے میں پوچھا، فرمایا ان پر قید کرنا نہیں ہے، جس نے ہم سے جنگ کی ہم نے ان سے جنگ کی۔

[۳۰۹۸] (۱۱۹) ویحبس الامام اموالهم ولایردُّھا علیھم ولایُقسمھا حتی یتوبوا فیردُّھا علیھم[۳۰۹۹] (۱۲۰) وماجباہ علی اھل البغی من البلاد التی غلبوا علیھا من الخراج

وجہ میدان جنگ میں کبھی اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے اس لئے اس کی گنجائش ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ کان علیؓ اذا اتی باسیر یوم صفین اخذ دابتہ وسلاحہ واخذ علیہ ان یعود وخلی سبیلہ (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲ باب ماذکر فی صفین، ج سابع، ص ۵۴۸، نمبر ۳۷۸۴۸) اس اثر میں ہے کہ قیدیوں کا ہتھیار اور سواری لے لیا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ باغیوں کا ہتھیار لینا جائز ہے تاکہ وہ دوبارہ جنگ نہ کر سکے۔ اور ہتھیار لینا جائز ہے تو اس کو استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی چیز بغیر اس کی اجازت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس لئے اگر چہ یہ لوگ باغی ہیں پھر بھی ان کا ہتھیار استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔

لغت سلاح : ہتھیار۔

[۳۰۹۸] (۱۱۹) اور امام روک لے ان کے مال کو اور اس کو واپس نہ دے اور نہ اس کو تقسیم کرے یہاں تک کہ توبہ کرے پھر اس کو ان پر واپس کر دے۔

تشریح یہ سب مسائل اس اصول پر ہیں کہ چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے مال تو غنیمت نہیں ہوگا۔ لیکن ایسی صورت ضرور اختیار کی جائے کہ دوبارہ جنگ نہ کر سکیں۔ چنانچہ امام ان کے اموال روک لیں اور توبہ کرنے تک واپس نہ دیں۔ البتہ توبہ کر لیں تو مال ان کو واپس کر دیں۔

وجہ اوپر اثر گزرا کہ حضرت علیؓ قیدیوں سے یہ وعدہ لیتے تھے کہ دوبارہ جنگ نہ کریں۔ جب وہ وعدہ کر لیتے تو اس کو چھوڑ دیتے۔ کان علی اذا اتی باسیر یوم صفین اخذ دابتہ وسلاحہ واخذ علیہ ان یعود وخلی سبیلہ (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲ باب ماذکر فی صفین، ص ۵۴۸، نمبر ۳۷۸۴۸) اس اثر میں ہے واخذ علیہ ان یعود وخلی سبیلہ یعنی جنگ سے واپس چلے جائیں تو اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ اور توبہ کے بعد مال واپس کر دیتے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ لما جیئ علیؓ بما فی عسکر اھل النھر قال من عرف شیئا فلیاخذہ، قال فاخذت الا قدر ثم رایتھا بعد قد اخذت (ج) مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳ ماذکر فی الخوارج، ج سابع، ص ۵۶۳، نمبر ۳۷۹۳۰) اس اثر میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اہل نہروان کا مال واپس کر دیا اور یوں فرمایا جو اپنے مال کو پہچانے وہ لے جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے بعد باغیوں کا مال واپس کر دیا جائے گا۔

[۳۰۹۹] (۱۲۰) جو کچھ باغیوں نے وصول کر لیا ان شہروں سے جن پر وہ غالب آگئے تھے خراج اور عشر تو امام ان سے دوبارہ نہ لے، پس اگر اس

حاشیہ : (الف) جب حضرت علیؓ کے پاس صفین کی جنگ میں قیدی لائے جاتے تو اس کی سواری اور ہتھیار لے لیتے۔ اور اس سے عہد لیتے کہ دوبارہ جنگ نہیں کرے گا اور چھوڑ دیتے (کیونکہ وہ قیدی مسلمان تھے) (ب جب حضرت علیؓ کے پاس صفین کی جنگ میں قیدی لائے جاتے تو اس کی سواری اور ہتھیار لے لیتے۔ اور اس سے عہد لیتے کہ دوبارہ جنگ نہیں کرے گا اور چھوڑ دیتے (کیونکہ وہ قیدی مسلمان تھے) (ج) حضرت علیؓ کے پاس جب اہل نہروان کے لشکر لائے جاتے تو فرماتے کوئی اپنی چیز پہچانتا ہو تو اس کو لے لے، راوی کہتے ہیں کہ سب مال لوگوں نے لیا مگر ایک ہانڈی بچ گئی، پھر میں نے دیکھا کہ اس کو بھی کوئی لے گیا۔

والعشر لم يأخذه الامام ثانيا فان كانوا صرفوه في حقه اجزأ من اخذ منه وان لم يكونوا صرفوه في حقه فعلى اهله فيما بينهم وبين الله تعالى ان [۳۱۰۰](۱۲۱)

کوصرف کیا صحیح موقع پر تو ان کی طرف سے کافی ہوگا جن سے لیا گیا ہے۔

تشریح باغی جن شہروں پر قابض ہو گئے تھے وہاں کے لوگوں سے خراج اور عشر یا زکوۃ وصول کر لیا تو مالکوں کی جانب سے ادا ہو گیا۔ امام دوبارہ ان شہروں پر قابض ہو جائے تو ان لوگوں سے دوبارہ عشر، خراج اور زکوۃ نہ لے۔ اب باغیوں نے صحیح مقام پر خرچ کیا تو مالکوں کی جانب سے پورے طور پر ادائیگی ہو گئی۔ مالکوں کو دوبارہ اپنے طور پر ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حبشی غلام بھی امیر بن جائے تو اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اس لئے اگر باغی حاکم بن جائے تو اس کی اطاعت ضروری ہے۔ اور اطاعت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ زکوۃ، صدقات، عشر اور خراج اس کو دے اور ادا بھی ہو جائے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی ذرؓ قال ان خلیلیؐ اوصانی ان اسمع واطیع وان کان عبدا مجدع الاطراف** (الف) (مسلم شریف، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی المعصیۃ، ص ۱۲۴، نمبر ۱۸۳۷ / سنن للبیہقی، باب اہل البغی اذا غلبوا علی بلد واخذوا صدقات اھلھا واقاموا علیھم الحدود لم تعد علیھم، ج ثامن، ص ۳۲۰، نمبر ۱۶۷۶۸) اس حدیث میں ہے کہ کسی بھی امیر کی اطاعت کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ عشر اور زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی (۲) **سألت سعیداً وابن عمرؓ وابا ھریرۃؓ وابا سعیدؓ فقلت ان لی مالا وانا ارید ان اعطی زکوتہ ولا اجد لھا موضعا وھؤلاء یصنعون فیھا ماترون، فقال کلھم امرونی ان ادفعھا الیھم** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ من قال تدفع الزکوۃ الی السلطان، ج ثانی، ص ۳۸۴، نمبر ۱۰۱۸۹) اس اثر میں ہے کہ امراء کچھ بھی کریں ہماری زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ امیر بن گئے ہیں (۳) ایک اور اثر میں ہے۔ **سألت ابن عمرؓ فقال ادفعھا الیھم وان اکلوا بھا لحوم الکلاب فلما عادوا الیہ قال ادفعھا الیھم وان اکلوا بھا البسار** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ من قال تدفع الزکوۃ الی السلطان، ج ثانی، ص ۳۸۴، نمبر ۱۰۱۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ امیر چاہے کیسے ہی ہوں زکوۃ اور عشر وغیرہ اسی کو دی جائے گی۔ اب اگر وہ صحیح جگہ پر استعمال کر دیا مثلا زکوۃ کو فقراء اور مساکین تک پہنچا دیا تو مالک کی جانب سے زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

لغت جباہ : وصول کر لیا، جمع کیا۔

[۳۱۰۰](۱۲۱) اور اگر اس کے موقع پر صرف نہ کیا تو دیانۃ اس کے مالک پر یہ ہے کہ وہ دوبارہ ادا کریں۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ میرے خلیل نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں سنوں اور اطاعت کروں چاہے اطراف کٹے ہوئے غلام ہی کیوں نہ امیر ہو (ب) راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعیدؓ، ابن عمرؓ، ابو ہریرۃؓ اور ابو سعید خدریؓ کو پوچھا۔ میں نے کہا میرے پاس مال ہے اور میں اس کی زکوۃ دینا چاہتا ہوں جس کے لئے کوئی آدمی نہیں ملتا ہے۔ اور یہ امراء جو حرکت کرتے ہیں تو آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ تو سبھی نے مجھے حکم دیا کہ میں اکو ان امراء کے حوالہ کروں (ج) میں نے حضرت ابن عمرؓ سے زکوۃ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا ان امراء کو دو چاہے اس سے کتے کا گوشت کیوں نہ کھائیں۔ پھر دوبارہ پوچھا تو فرمایا ان امراء کو دے دو چاہے اس سے گدر کھجور کھا جائیں، زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

یُعیدوا ذلک.

تشریح باغیوں نے زکوۃ وصول کی اوراس کوغرباء،مساکین پرخرچ نہیں کیا پھر بھی زکوۃ کی ادائیگی ہوگئی۔لیکن غرباء،مساکین کوزکوۃ کا مالک بنانا ضروری ہے اوراس نے بنایا نہیں اس لئے دیانۃ دوبارہ ادا کرنا چاہئے۔اوراپنے طور پرغرباء،مساکین کو مالک بنانا چاہئے۔

وجہ آیت میں مالک بنانے کا اشارہ ہے۔انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها (الف) (آیت ۶۰،سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں للفقراء کا لام تملیک کے لئے ہے۔اس لئے فقراء کو مالک بنانا چاہئے۔اوراس نے مالک نہیں بنایا اس لئے دوبارہ ادا کرے۔لیکن یہ فیما بینه وبین الله ہے۔قضاء کے طور پرواجب نہیں ہے۔کیونکہ قضاء کے طور پرتو ادا ہوگئی۔

نوٹ خراج اورعشر دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے فقراء کو مالک بنانا ضروری نہیں ہے۔پل وغیرہ بنانے میں اوررفاہ عام کے کاموں میں خرچ کردیں تو کافی ہے۔اورظالم بادشاہ بھی ایسا کرلیتے ہیں اس لئے خراج اورعشر ادا ہوجائیں گے۔

حاشیہ : (الف) زکوۃ،فقراء،مساکین اوراس پرکام کرنے والوں کے لئے ہے۔

﴿ کتاب الحظر والاباحة ﴾

[۳۱۰۱](۱) لایحل للرجال لُبس الحریر ویحل للنساء [۳۱۰۲](۲) ولا بأس بتوسُّده

﴿ کتاب الحضر والاباحۃ ﴾

ضروری نوٹ حظر کے معنی روکنا اور اباحۃ کے معنی مباح۔ اس کتاب میں بیان کیا جائے گا کہ کون سا کام ممنوع ہے اور کون سا کام مباح ہے۔

[۳۱۰۱](۱) مرد کے لئے ریشم کا پہننا حرام ہے اور عورت کے لئے حلال ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن حذیفةؓ قال نهانا النبی ﷺ ان نشرب فی آنیة الذهب والفضة وان ناکل فیها وعن لبس الحریر والدیباج وان نجلس علیه (الف) (بخاری شریف، باب افتراش الحریر، ص ۸۶۸، نمبر ۵۸۳۷ / مسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضة علی الرجال والنساء وخاتم الذهب والحریر علی الرجال واباحتہ للنساء، ج ۲، ص ۱۸۸، نمبر ۲۰۶۷ / ۲۴۰۰ / ابوداود شریف، باب ماجاء فی لبس الحریر، ج ۲، ص ۲۰۴، نمبر ۴۰۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لئے ریشم کا پہننا حرام ہے۔

عورتوں کے لئے ریشم حلال ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن علیؓ بن ابی طالب قال کسانی النبی ﷺ حلة سیراء فخرجت فیها فرأیت الغضب فی وجهه فشققتها بین نسائی (ب) (بخاری شریف، باب الحریر للنساء، ص ۸۶۸، نمبر ۵۸۴۰ / مسلم شریف، باب تحریم لبس الحریر وغیر ذلک للرجال، ج ۲، ص ۱۸۸، نمبر ۲۰۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے ریشم حلال ہے (۲) ابوداود میں ہے۔ انه سمع علی بن ابی طالب یقول ان نبی الله اخذ حریرا فجعله فی یمینه واخذ ذهبا فجعله فی شماله ثم قال ان هذین حرام علی ذکور امتی (ج) (ابوداود شریف، باب فی الحریر للنساء، ص ۲۰۶، نمبر ۴۰۵۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرد کے لئے حرام ہے لیکن عورت کے لئے جائز ہے۔

[۳۱۰۲](۲) اور کوئی مضائقہ نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر تکیہ لگانے میں، اور صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ ہے ٹیک لگانا۔

تشریح ریشم کے تکئے پر ٹیک لگانے میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ نصب الرایۃ میں اثر نقل کیا ہے۔ حدثنا عمرو بن ابی المقدام عن مؤذن بنی دواعة قال دخلت علی ابن عباسؓ وهو متکئ علی مرفقة حریر وسعید بن جبیر عند رجلیه (د) (نصب الرایۃ، ج ثانی، ص ۲۸۳ / اعلاء السنن، باب الاتکاء علی مرفقۃ الحریر للرجال، ج سابع عشر، ص ۳۸۰، نمبر ۵۶۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ریشم کے تکئے پر ٹیک لگانے میں مضائقہ نہیں ہے۔

حاشیہ: (الف) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے منع فرمایا کہ میں سونے اور چاندی کے برتن میں پانی پیوں اور اس میں کھانا کھاؤں، اور ریشم اور دیباج کے پہننے سے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا (ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے ریشم کا حلہ دیا۔ میں اس کو پہن کر نکلا تو آپؐ کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آئے تو اس کو پھاڑ کر عورتوں کے درمیان تقسیم کر دیا (ج) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ریشم اپنے دائیں ہاتھ میں لیا اور سونا اپنے بائیں ہاتھ میں لیا پھر فرمایا یہ دونوں میری امت کے مذکر پر حرام ہیں (د) مؤذن بنی دواعہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا وہ ریشم کے تکئے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور سعید بن جبیرؒ ان کے پاؤں کے پاس موجود تھے۔

عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله یکره توسُّده[۳۱۰۳] (۳) ولابأس بلُبس الحریر والدیباج فی الحرب عندهما ویکره عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی.

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں ریشم کے تکئے پر ٹیک لگانا مکروہ ہے۔

وجہ اوپر بخاری کی حدیث گزری جس میں تھا کہ ریشم پر بیٹھنے سے بھی حضورؐ نے منع فرمایا۔اس لئے اس کے تکئے پر ٹیک لگانا بھی مکروہ ہے۔حدیث یہ ہے۔عن حذیفةؓ قال نهانا النبی ﷺ ان نشرب فی آنیة الذهب والفضة وان ناکل فیها وعن لبس الحریر والدیباج وان نجلس علیه (الف) (بخاری شریف، باب افتراش الحریر،ص ۸۶۸،نمبر ۵۸۳۷)اس حدیث میں ہے کہ ریشم پر بیٹھنے سے بھی حضورؐ نے منع فرمایا۔اس لئے ریشم کے تکئے پر ٹیک لگانا بھی مکروہ ہے۔

لغت توسد : وسادة سے مشتق ہے ٹیک لگانا، تکیہ بنانا۔

[۳۱۰۳] (۳) کوئی حرج نہیں ہے ریشم اور دیبا پہننے میں جنگ میں صاحبینؒ کے نزدیک،اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

تشریح میدان جنگ میں ریشم اور دیبا ریشمی کپڑا ہوتا ہے اس کو پہننے میں صاحبینؒ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ عن عطاء قال لا بأس بلبس الحریر فی الحرب (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۰ من رخص فی لبس الحریر فی الحرب اذا کان له عذر ،ج خامس، ص ۱۵۳، نمبر ۲۴۶۶۳ رمصنف عبد الرزاق، باب الحریر والدیباج وآنیة الذهب والفضة ،ج احدی عشر ص ۷۱ ،نمبر ۱۹۹۴۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ جنگ میں ریشم پہننا جائز ہے (۲) ریشم کا کپڑا تین تہ کر دیئے جائیں تو اس سے تلوار پھسل جاتی ہے اس لئے اس کے پہننے میں جان کا بچاؤ ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ اس کی چمک سے دشمن مرعوب ہو جاتا ہے اس لئے بھی ریشم کے پہننے کی گنجائش ہے (۳) حدیث میں ہے کہ کھجلی کی وجہ سے ریشم کی اجازت دی،اور جنگ میں اس سے زیادہ ضرورت ہے اس لئے اس میں ریشم کے پہننے کی اجازت ہوگی،حدیث یہ ہے۔عن انسؓ ان عبد الرحمن ابن عوفؓ والزبیر شکوا الی النبی ﷺ یعنی القمل فارخص لهما فی الحریر،فرأیته علیهما فی غزاة (ج) (بخاری شریف، باب الحریر فی الحرب، ص ۴۰۹، نمبر ۲۹۲۰ رابوداؤد شریف، باب فی لبس الحریر لعذر، ص ۲۰۶، نمبر ۴۰۵۶ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الرخصة فی لبس الحریر فی الحرب، ص ۳۰۲، نمبر ۱۷۲۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھجلی کے عذر کی وجہ سے ریشم پہن سکتا ہے۔اور ترمذی اور بخاری کی حدیث میں تو صراحت ہے کہ صحابیؓ جنگ میں پہنا کرتے تھے۔

فائدہ امام ابوحنیفہؒ حرمت کی حدیث کی بنیاد پر جنگ میں ریشم پہننا مکروہ قرار دیتے ہیں۔

وجہ ایک اثر یہ بھی ہے۔عن عکرمة انه کرهه فی الحرب وقال ارجی ما یکون للشهادة (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۰ من

حاشیہ : (الف) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے منع فرمایا کہ میں سونے اور چاندی کے برتن میں پانی پیوں اور اس میں کھانا کھاؤں، اور ریشم اور دیباج کے پہننے سے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا (ب) حضرت عطاء نے فرمایا جنگ میں ریشم پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے (ج) حضرت عبد الرحمٰنؓ اور حضرت زبیرؓ نے جوئیں کی شکایت کی تو دونوں کو ریشم پہننے کی اجازت دی۔تو غزوے میں ان دونوں پر ریشم دیکھا (د) حضرت عکرمہ نے جنگ میں ریشم کو ناپسند (باقی اگلے صفحہ پر)

[۳۱۰۴](۴) ولا بأس بلبس الملحم اذا كان سداه ابریسمًا ولُحمته قطنا او خزًّا

[۳۱۰۵](۵) ولا یجوز للرجال التحلّی بالذهب والفضة.

رخص فی لبس الحریر فی الحرب اذا کان لہ عذر، ج خامس، ص۱۵۴، نمبر ۲۴۶۶۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جنگ میں ریشم پہننا مکروہ ہے۔

[۳۱۰۴](۴) اورکوئی حرج کی بات نہیں ہے ملحم کے پہننے میں جبکہ اس کا تانا ریشم ہواور بانا سوت یا اون ہو۔

تشریح کپڑے تانے سے نہیں بنتا بلکہ بانے سے بنتا ہے اس لئے اصل اعتبار بانے کا ہے۔پس اگر بانا سوت یا اون کا ہوتو وہ سوت یا اون ہی شمار ہوگا ریشم شمار نہیں ہوگا۔اس لئے تانا چاہے ریشم ہو لیکن بانا اگر اون یا سوت ہے تو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔اخبرنی عبد الله بن سعید عن ابیه سعد قال رأیت رجلا ببخاری علی بغلة بیضاء علیه عمامة خز سوداء فقال کسانیها رسول الله ﷺ (الف) دوسری روایت کے اخیر میں ہے۔قال ابو داؤد وعشرون نفسا من اصحاب رسول الله ﷺ او اکثر لبسوا الخز منهم انسؓ، والبراءؓ بن عازب (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الخز، ج۲، ص۲۰۴، نمبر ۴۰۳۸) (۲) اثر میں ہے۔کان لابی بکرة مطرف خز سداه حریر وکان یلبسه (ج) (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۶من رخص فی لبس الحریر، ج خامس، ص۱۴۹، نمبر ۲۴۶۱۶) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ خز یعنی ایسا کپڑا جس میں ریشم اور اون دونوں ہوں یا ریشم اور سوت دونوں ہوں اس کا پہننا جائز ہے۔اون اور ریشم دونوں کے مجموعی کپڑے کو خز کہتے ہیں۔

لغت سدا : تانا، لحمة : بانا، ابریسم : ریشم، قطن : روئی۔

[۳۱۰۵](۵) اور نہیں جائز ہے مردوں کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا۔

تشریح جس طرح عورتوں کے لئے ریشم پہننا جائز ہے اسی طرح ان کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز ہے۔اور جس طرح مرد کے لئے ریشم پہننا حرام ہے اسی طرح ان کے لئے سونے اور چاندی کے زیور پہننا حرام ہے۔البتہ صرف چاندی کی ایک تولہ انگوٹھی پہننا حلال ہے

وجہ حدیث میں ہے۔عن ابی موسی اشعریؓ ان رسول الله ﷺ قال حرم لباس الحریر والذهب علی ذکور امتی واحل لاناثهم (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الحریر والذهب للرجال، ص۳۰۲، نمبر ۱۷۲۰) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔سمعت البرء بن عازبؓ یقول نهانا النبی ﷺ عن سبع، نهی عن خاتم الذهب او قال حلقة الذهب وعن الحریر والاستبرق، والدیباج والمیثرة الحمراء والقسی وآنیة الفضة (ه) (بخاری شریف، باب خواتم الذهب، ص۸۷۱، نمبر ۵۸۶۳/

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا اور فرمایا کہ امید رکھے کہ شہادت ہو (الف) حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں نے بخارا میں ایک آدمی کو سفید گدھے پر دیکھا کہ اس پر سوت اور ریشم کا ملا ہوا عمامہ تھا، فرمایا مجھ کو حضورؐ نے پہنایا ہے (ب) ابوداؤد فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے بیس سے زائد صحابہ کو دیکھا کہ وہ خز یعنی سوت اور ریشم ملا ہوا کپڑا پہنتے تھے، ان میں حضرت انسؓ اور براء بن عازبؓ بھی ہیں (ج) ابو بکرہ کے پاس چادر تھی جس کا تانا ریشم تھا اور وہ اس کو پہنتے تھے (د) آپؐ نے ریشم کا لباس اور سونا میری امت کے مذکر پر حرام فرمایا اور عورتوں کے لئے حلال فرمایا (ه) ہم کو حضورؐ نے سات چیزوں سے روکا سونے کی انگوٹھی سے یا فرمایا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۳۱۰۶](۶) ولا بأس بالخاتم والمنطقة وحِلية السيف من الفضة[۳۱۰۷](۷) ويجوز للنساء التحلّي بالذهب والفضة .

مسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضۃ علی الرجال والنساء الخ، ج ۲، ص ۱۸۸، نمبر ۲۰۶۶) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مرد کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز نہیں ہے۔

لغت تحلی : حلی سے مشتق ہے زیور پہننا، الذھب : سونا، الفضۃ : چاندی۔

[۳۱۰۶](۶) کوئی حرج نہیں ہے انگوٹھی، پٹکے اور تلوار کے زیور میں جو چاندی کا ہو۔

تشریح انگوٹھی چاندی کی ہو یا پٹکا چاندی کا ہو یا تلوار میں چاندی کا زیور لگا ہو تو اس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی پھر اس کو پھینک دیا اور چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ عن عبد اللہؓ ان رسول اللہ ﷺ اتخذ خاتما من ذهب وجعل فصه مما يلي كفه فاتخذه الناس فرمى به واتخذ خاتما من ورق او فضة (الف) (بخاری شریف، باب خواتیم الذھب، ص ۸۷۱، نمبر ۵۸۶۵ رمسلم شریف، باب خاتم الورق فصہ حبشی، ص ۱۹۶، نمبر ۲۰۹۴ رابوداؤد شریف، باب ماجاء فی اتخاذ الخاتم، ص ۲۲۷، نمبر ۴۲۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد چاندی کی انگوٹھی بنوا سکتا ہے۔

تلوار میں چاندی کے زیور کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن انس قال كانت قبيعة سيف رسول الله فضة (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی السیف یحلی، ص ۳۵۵، نمبر ۲۵۸۳ رنسائی شریف، باب حلیۃ السیف، ص ۷۲۸، نمبر ۵۳۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلوار میں چاندی ہو اس کے دستے میں چاندی ہو تو جائز ہے۔ اور پٹکے کو اس پر قیاس کر سکتے ہیں۔ عن عاصم الاحول قال رأيت قدح النبي ﷺ عند انسؓ بن مالک وكان قد انصدع فسلسله بفضة قال هو قدح جيد عريض من نضار قال قال انسؓ لقد سقيت رسول الله ﷺ في هذا القدح اكثر من كذا او كذا (ج) (بخاری شریف، باب الشرب من قدح النبی ﷺ وآنیتہ، ص ۸۴۲، نمبر ۵۶۳۸) اس حدیث میں ٹوٹے ہوئے پیالے پر چاندی چڑھایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ پٹکے پر چاندی لگانا جائز ہے (۳) اصل میں نمونے کے طور پر چاندی استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اتنی سی چاندی نمونے کے طور پر ہی ہوتی ہے اس لئے اتنی چاندی کا استعمال جائز ہے۔

لغت منطقۃ : پٹکا، حلیۃ السیف : تلوار کا زیور۔

[۳۱۰۷](۷) عورتوں کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز ہے۔

وجہ حدیث میں پہلے گزر چکا کہ عورتوں کے لئے سونا اور چاندی کا زیور پہننا جائز ہے۔ عن ابی موسی اشعریؓ ان رسول اللہ ﷺ

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) سونے کے حلقے سے، ریشم سے، استبرق سے، دیباج سے، سرخ میثرہ سے، قسی سے، چاندی کے برتن سے (الف) آپؐ نے سونے کی انگوٹھی بنائی اور اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کیا تو لوگوں نے بھی انگوٹھی بنائی۔ پھر آپؐ نے اس کو پھینک دیا اور چاندی کی انگوٹھی بنائی (ب) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور کی تلوار کا دستہ چاندی کا تھا (ج) حضرت عاصم فرماتے ہیں کہ میں حضرت انسؓ کے پاس حضور کا پیالہ دیکھا اس کا ایک کنارہ ٹوٹ گیا تھا جس کو چاندی سے باندھا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک چھوٹا سا پیالہ تھا چوڑا تھا اور جھاؤ کی لکڑی کا تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور کو اس پیالے سے اتنے اتنے مرتبہ پلایا ہے۔

[۳۱۰۸](۸)ویکرہ ان یلبس الصبی الذهب والحریر[۳۱۰۹](۹) ولا یجوز الاکل والشرب والادّھان والتطیُّب فی انیة الذھب والفضة للرجال والنساء.

قال حرم لباس الحریر والذھب علی ذکور امتی واحل لاناثھم (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الحریر والذہب للرجال، ص۳۰۲، نمبر۱۷۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے سونا پہننا جائز ہے۔ مرد کے لئے تھوڑی سی چاندی پہننا جائز ہے تو عورت کے لئے بدرجہ اولی جائز ہوگی (۲) ایک اور حدیث میں ہے۔ عن عائشةؓ قالت قدمت علی النبی ﷺ حلیة من عند النجاشی اھداھا لہ فیھا خاتم من ذھب فیه فص حبشی قالت فاخذہ رسول اللہ ﷺ بعود معرضا عنه او ببعض اصابعه، ثم دعا امامة بنت ابی العاص بنت ابنته زینب، فقال تحلی بھذا یا بنیة (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الذہب للنساء، ص ۲۳۰، نمبر ۴۲۳۵) اس حدیث میں سونے کی انگوٹھی اپنی نواسی حضرت امامة کو عنایت فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے سونا پہننا جائز ہے۔ اور جب سونا جائز ہے تو چاندی بدرجہ اولی جائز ہوگی۔

لغت تحلی : زیور پہننا۔

[۳۱۰۸] (۸) مکروہ ہے کہ بچے کو سونا یا ریشم پہنائے۔

تشریح بچہ اگرچہ مکلف نہیں ہے پھر بھی مرد ہے اس لئے اس کو سونا یا ریشم پہنانا مکروہ ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن جابرؓ قال کنا ننزعه (یعنی الحریر) عن الغلمان ونترکه علی الجواری (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الحریر للنساء، ج ۲، ص ۲۰۶، نمبر ۴۰۵۹) دوسری اثر میں ہے۔ سأل بجیر سعید بن جبیر وانا جالس عندہ عن لبس الحریر فقال سعید غاب حذیفة بن الیمانؓ غیبة فکسی بنیه وبناته قمص الحریر فلما قدم امر به فنزع عن الذکور وترک علی الاناث قال محمد وبه ناخذ (د) (کتاب الآثار لامام محمد، ص ۱۸۷، نمبر ۸۴۸) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ بچے کو بھی سونا اور ریشم نہیں پہننا چاہئے۔

[۳۱۰۹] (۹) نہیں جائز ہے کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا سونے اور چاندی کے برتن میں مردوں کے لئے اور عورتوں کے لئے۔

تشریح عورتوں کے لئے سونے چاندی کا زیور استعمال کرنا تو جائز ہے لیکن سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا نہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ریشم کا لباس اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام کیا اور عورتوں کے لئے حلال کیا (ب) حضورؐ کے پاس حضرت نجاشی کے پاس سے زیور آیا۔ انہوں نے حضورؐ کو ہدیہ دیا تھا، اس میں سونے کی انگوٹھی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ایک لکڑی کے ذریعہ اعراض کرتے ہوئے اس کو لیا۔ یا کسی انگلی سے انگوٹھی کو پکڑا پھر امامہ بنت ابی العص کو بلایا اور فرمایا بیٹی اس کو پہنو (ج) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ریشم کا کپڑا لڑکوں سے اتار لیتے تھے اور لڑکیوں پر چھوڑ دیتے تھے (د) بجیر نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے ریشم پہننے کے بارے میں پوچھا میں بھی وہیں تھا۔ حضرت سعیدؓ نے فرمایا حذیفہ بن یمانؓ کہیں باہر چلے گئے تو اس کے بیٹے اور بیٹیوں کو ریشم کی قمیصیں پہنایا۔ پس جب وہ واپس آئے تو لڑکوں سے کھولنے کا حکم دیا اور لڑکیوں پر چھوڑے رکھا۔ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔

[۳۱۱۰](۱۰) ولابأس باستعمال انية الزجاج والرصاص والبلّور والعقيق.

مرد کے لئے جائز ہے اور نہ عورت کے لئے جائز ہے۔

وجہ اس کی اجازت دے دی جائے تو غریبوں سے مال وصول کرنے کے لئے ظلم کریں گے اور غریبوں کی زندگی اجیرن کر دیں گے اس لئے سونے چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنا حرام قرار دیا (۲) حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ عن ابن ابی لیلی قال خرجنا مع حذیفة وذکر النبی ﷺ قال لا تشربوا فی آنیة الذهب والفضة ولاتلبسوا الحریر والدیباج فانها لهم فی الدنیا ولکم فی الآخرة (الف) دوسری روایت میں ہے۔ عن ام سلمةؓ زوج النبیؐ ان رسول الله ﷺ قال الذی یشرب فی اناء الفضة انما یجرجر فی بطنه نار جهنم (ب) (بخاری شریف، باب آنیة الفضة، ص ۸۴۱، نمبر ۵۶۳۳/۵۶۳۴ مسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضة الخ، ص ۱۸۸، نمبر ۲۰۶۷) اس حدیث میں مرد اور عورت دونوں کو سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔

لغت الادھان : دہن سے مشتق ہے تیل لگانا، التطیب : طیب سے مشتق ہے خوشبو لگانا، آنیة : برتن۔

[۳۱۱۰](۱۰) کوئی حرج نہیں کانچ، رانگ، بلور اور سرخ مہروں کے برتن استعمال کرنے میں۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے پیتل کے برتن میں وضو اور غسل فرمایا ہے۔ اور کانچ، رانگ،، بلور اور مہرے پیتل ہی کی طرح ہیں۔ اس لئے ان کے برتنوں کو استعمال کرنا جائز ہوگا۔ (۲) حدیث یہ ہے۔ ان عائشةؓ قالت کنت اغتسل انا ورسول الله ﷺ فی تور من شبة (ج) دوسری روایت میں ہے۔ عن عبد الله بن زید قال جاء نا رسول الله ﷺ فاخرجنا له ماء فی تور من صفر فتوضأ (د) (ابوداؤد شریف، باب الوضوء فی آنیة الصفر، ص ۱۵، نمبر ۹۸/۱۰۰ بخاری شریف، باب الغسل والوضوء فی المخضب والقدح والخشب والحجارة، ص ۳۲، نمبر ۱۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیتل کے برتن کو استعمال کرنا جائز ہے۔ اور پتھر کے برتن کو استعمال کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن انسؓ قال حضرت الصلوٰة ... فاتی رسول الله بمخضب من حجارة فیه ماء فصغر المخضب ان یبسط فیه کفه (ہ) (بخاری شریف، باب الغسل والوضوء فی المخضب والقدح والخشب والحجارة، ص ۳۲، نمبر ۱۹۵) اس حدیث میں ہے کہ پتھر کا لگن وضوء کے لئے استعمال کیا۔ اور مہرہ اور بلور پتھر کی جنس میں سے ہیں اس لئے ان کے برتنوں کا استعمال کرنا جائز ہوگا۔

لغت زجاج : کانچ، رصاص : رانگ، بلور : ایک قسم کا شیشہ، سفید شفاف جوہر، عقیق : سرخ مہرے۔

حاشیہ : (الف) ہم حضرت حذیفہؓ کے ساتھ نکلے، انہوں نے حضورؐ کا تذکرہ کیا، فرمایا سونے اور چاندی کے برتن میں مت پیو اور نہ ریشم اور دیباج پہنو۔ اس لئے کہ وہ کافروں کے لئے دنیا میں ہے اور تمہارے لئے آخرت میں ہے (ب) حضورؐ نے فرمایا جو چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ انڈیل رہا ہے (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور حضورؐ پیتل کے برتن میں غسل کیا کرتے تھے (د) حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضورؐ تشریف لائے تو ہم نے آپؐ کے لئے پیتل کے برتن میں پانی نکالا جس سے آپؐ نے وضوء فرمایا (ہ) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نماز کا وقت ہوا... حضورؐ کے سامنے پتھر کا لگن لایا گیا جس میں پانی تھا، لگن ہتھیلی پھیلانے کے قابل نہیں تھا، تھوڑا چھوٹا تھا۔

[۳۱۱۱] (۱۱) ویجوز الشرب فی الاناء المفضّض عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی والرکوب علی السرج المفضّض والجلوس علی السریر المفضّض [۳۱۱۲] (۱۲) و

[۳۱۱۱] (۱۱) جائز ہے چاندی چڑھے برتن میں پینا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور جائز ہے چاندی چڑھے زین پر سوار ہونا، اور چاندی چڑھے تخت پر بیٹھنا۔

تشریح چیز چاندی کی نہ ہو لیکن کہیں کہیں چاندی لگی ہوئی ہو تو اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ مثلا برتن میں کہیں کہیں چاندی لگی ہوئی ہے یا تخت پر کہیں کہیں چاندی لگی ہوئی ہے یا گھوڑے کی زین پر چاندی لگی ہوئی ہے تو ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اتنی سی چاندی درست ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ کا ٹوٹا ہوا پیالہ چاندی سے باندھا ہوا تھا۔ حضورؐ کی تلوار کے دستے پر چاندی تھی۔ حدیث یہ ہے۔ عن عاصم الاحول قال رأیت قدح النبی ﷺ عند انسؓ بن مالک وکان قد انصدع فسلسله بفضة، قال وهو قدح جید عریض من نضار، قال قال انسؓ لقد سقیت رسول الله ﷺ فی هذا القدح اکثر من کذا وکذا (الف) (بخاری شریف، باب الشرب من قدح النبی ﷺ وانیتہ، ص۸۴۲، نمبر ۵۶۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برتن کو چاندی سے باندھا ہو تو اس کو استعمال کرنا جائز ہے۔ ابوداؤد شریف میں ہے۔ عن انسؓ قال کانت قبیعة سیف رسول الله ﷺ فضة (ب) ابوداؤد شریف، باب فی السیف یحلی، ص ۲۸ے، نمبر ۲۵۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی تلوار کے دستے میں چاندی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زین وغیرہ پر تھوڑی چاندی ہو تو جائز ہے۔

فائدہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک چاندی کی ممانعت کی عام احادیث کی وجہ سے مکروہ ہے۔

لغت المفضض : فضۃ سے مشتق ہے چاندی جڑی ہوئی، سرج : زین، سریر : تخت۔

[۳۱۱۲] (۱۲) مکروہ ہے قرآن میں ہر دس آیت پر نشان لگانا اور نقطے لگانا۔

تشریح شروع میں لوگ عربی جانتے تھے، اس کے اسلوب سے واقف تھے۔ اس لئے قرآن کریم میں رکوع وغیرہ نہیں لکھتے تھے۔ اور نہ زبر زیر لکھتے اور نہ نقطہ لگاتے تھے۔ اس لئے ایسا کرنا مکروہ سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ قرآن کریم کو ویسا ہی رکھنا بہتر ہے جیسا پہلے تھا۔ لیکن بعد میں عجمیوں کی سہولت کے لئے یہ سب کرنا پڑا اور اب یہ امر مستحسن ہے۔

وجہ مکروہ ہونے کی وجہ یہ اثر ہے۔ عن عبد الله (بن مسعود) انه کره التعشیر فی المصحف (ج) دوسری روایت میں ہے۔ عن محمد انه کره الفواتح والعواشر التی فیها قاف وکاف (د) تیسری روایت میں ہے۔ عن عطاء انه کان یکره التعشیر فی

حاشیہ : (الف) حضرت عاصم فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کا پیالہ حضرت انسؓ کے پاس دیکھا۔ اس کا ایک کنارہ ٹوٹ گیا تھا۔ جس کو چاندی کی زنجیر سے باندھا تھا۔ فرمایا وہ پیالہ اچھا تھا، چوڑا تھا، جھاؤ کی لکڑی کا تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کو اس پیالے میں اتنی اتنی مرتبہ پلایا (ب) حضورؐ کی تلوار کا دستہ چاندی کا تھا (ج) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قرآن کریم میں ہر دس آیتوں پر نشان لگانے کو مکروہ سمجھتے تھے (د) امام محمدؒ شروع میں نشان لگانا اور ہر دس آیتوں پر نشان لگانا جس میں قاف اور کاف ہو مکروہ سمجھتے تھے۔

يكره التعشير في المصحف والنقط[٣١١٣](١٣) ولا بأس بتحلية المصحف ونقش المسجد وزخرفته بماء الذهب.

المصحف وان يكتب فيه شيء من غيره (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،٥٦ التعشیر فی المصحف ، ج سادس، ص ١٤٩، نمبر ٣٠٢٣٢/٣٠٢٢٨/٣٠٢٣٣) ان تین اثروں سے معلوم ہوا کہ دس آیتوں پر نشان لگانا یا حروف پر نقطے لگانا مکروہ ہے۔

لغت التعشیر : عشر سے مشتق ہے، دس آیتوں پر رکوع کا نشان لگانا، المصحف : قرآن کریم۔

[٣١١٣](١٣) کوئی حرج کی بات نہیں ہے سونے کے پانی سے قرآن کو آراستہ کرنے میں، اور مسجد کو منقش کرنے میں اور مزین کرنے میں۔

تشریح قرآن کو سونے کے پانی سے آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح مسجد کو سونے کے پانی سے آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ نقش ونگار کے سلسلے میں تو حضرت عثمانؓ کا عمل ہے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ حدثنا نافع ان عبد الله اخبره ان المسجد كان على عهد رسول الله ﷺ مبنيا باللبن وسقفه الجريد وعمده خشب النخل ... ثم غيره عثمان فزاد فيه زيادة كثيرة وبنى جداره بالحجارة المنقوشة والقصة وجعل عمده من حجارة منقوشة وسقفه بالساج (ب) (بخاری شریف، باب بنیان المسجد، ص ٦٤، نمبر ٤٤٦ رابوداؤد شریف، باب فی بناء المساجد، ص ٧١، نمبر ٤٥١) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم اور مسجد کو آراستہ اور نقش ونگار کر سکتے ہیں (٢) عن محمد (ابن سيرين) قال لابأس ان يحلى المصحف (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،٥٥ من رخص فی حلیۃ المصحف ، ج سادس، ص ١٤٩، نمبر ٣٠٢٣١) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو سونے کے پانی سے مزین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے۔ اور اسی پر مسجد کو سونے کے پانی سے مزین کرنے کو قیاس کر سکتے ہیں۔

فائدہ البتہ بہت زیادہ بھڑکدار بنانا مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ ما امرت بتشييد المساجد، قال ابن عباس لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى (د) (ابوداؤد شریف، باب فی بناء المساجد، ص ٧١، نمبر ٤٤٨) (٢) اثر میں ہے۔ قال ابو ذرؓ زوقتم مساجدكم وحليتم مصاحفكم فالدمار عليكم (ہ) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،٥٤ فی المصحف یحلی، ج سادس، ص ١٤٨، نمبر ٣٠٢٢٨) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ بہت زیادہ زینت مکروہ ہے۔ ایک مناسب انداز میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عطاءؒ ہر دس آیتوں پر نشان لگانا مکروہ سمجھتے تھے، اور قرآن کے علاوہ کچھ لکھنے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے (ب) حضرت عبد اللہ نے خبر دی کہ حضورؐ کے زمانے میں مسجد کچی اینٹ کی بنی ہوئی تھی۔ اور اس کی چھت کھجور کی پتی کی تھی۔ اور اس کا کھمبا کھجور کے تنے کا تھا... پھر حضرت عثمانؓ نے اس کو بدلا اور اس میں کافی اضافہ کیا۔ اس کی دیوار نقش ونگار پتھر سے اور چونے سے بنوایا۔ اور اس کا ستون نقش ونگار پتھر سے بنوایا۔ اور اس کی چھت ساگوں کی لکڑی کی ڈلوائی (ج) حضرت محمدؒ بن سیرین نے فرمایا قرآن کریم کو مزین کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (د) آپؐ نے فرمایا مجھے مساجد کو بہت مضبوط کرنے کا حکم نہیں دیا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تم یہود اور نصاری کی طرح مسجد کو مزین کروگے (ہ) حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تم مسجدوں کو مزین کرنے لگو اور قرآن کریم کو آراستہ کرنے لگو تو تم پر ہلاکت ہے۔

[۳۱۱۴](۱۴) ویکرہ استخدام الخصیان[۳۱۱۵](۱۵) ولا بأس بخصاء البھائم وانزاء الحمیر علی الخیل.

لغت زخرفۃ : خوبصورت بنانا، مزین کرنا۔

[۳۱۱۴](۱۴) مکروہ ہے خصی سے خدمت لینا۔

تشریح خصی مرد سے خدمت لینا مکروہ ہے۔

وجہ اس طرح خصی بننے کی ہمت افزائی ہوگی۔ اس لئے خصی کئے ہوئے مرد سے خدمت لینا مکروہ ہے (۲) حدیث میں خصی کروانے سے منع فرمایا ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن اخصاء الخیل والبھائم وقال ابن عمرؓ فیھا نماء الخلق (الف)** (مسند احمد، سند عبد اللہ بن عمر، ج ثانی ص ۱۰۱، نمبر ۴۷۶۹ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷ ما قالوا فی خصاء الخیل والدواب من کرھہ، ج سادس، ص ۴۲۶، نمبر ۳۲۵۶۷) اس حدیث میں خصی کرنے سے منع فرمایا اس لئے خصیوں سے خدمت لینا مکروہ ہے۔

[۳۱۱۵](۱۵) کوئی حرج نہیں ہے جانوروں کو خصی کرنے میں اور گدھے کو گھوڑی پر ڈالنے میں۔

تشریح اوپر گزرا کہ جانور کو خصی کرنے میں نسل کشی ہوگی اس لئے یہ ممنوع ہے۔ لیکن بکرے کو خصی نہ کرے تو وہ موٹا نہیں ہوتا اور گوشت اچھا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ وہ شرارت بہت کرتا ہے اس لئے اس کو خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح بیل کو خصی نہ کرے تو وہ طاقتور نہیں ہوتا اور ہل جوتنے کے قابل نہیں ہوتا (میں خود کسان ہوں مجھے اس کا تجربہ ہے) اس لئے اس کو بھی خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ بعض کو سانڈھ ہونے کے لئے چھوڑ دیا جائے تاکہ نسل ختم نہ ہو۔

وجہ حضورؐ نے خصی بکرے کی قربانی کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خصی کرنا جائز ہے ورنہ آپ خصی کی قربانی نہ کرتے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن جابرؓ بن عبد اللہ قال ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجئین (ب)** (ابو داؤد شریف، باب ما یستحب من الضحایا، ج ۲، ص ۲۰، نمبر ۲۷۹۵ ر ابن ماجہ شریف، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ ص ۴۵۵، نمبر ۳۱۲۲) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے خصی کئے ہوئے دو بکرے ذبح فرمائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بعض جانور کو خصی کرنا جائز ہے۔ موجئین کے معنی خصی (۲) اثر میں ہی۔ **عن الحسن قال لا بأس بخصاء الدواب (ج)** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸، من رخص فی خصاء الدواب، ج سادس، ص ۴۲۶، نمبر ۳۲۵۷۹)

اپنے طور پر گدھے کو گھوڑی پر چڑھا کر خچر پیدا کروانا شریف آدمی کے لئے اچھا عمل نہیں ہے۔ البتہ اگر گدھا اور گھوڑی ایسا کر لیں اور خچر پیدا ہو جائے تو جائز ہے۔

وجہ اپنے طور پر گدھے کو گھوڑی پر چڑھانا اچھا عمل نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ عبدا مامورا ما اختصنا دون الناس بشیء الا بثلاث امرنا ان نسبغ الوضوء، وان لا ناکل الصدقۃ، وان لا ننزی حمارا**

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے گھوڑے اور جانوروں کو خصی کرنے سے منع فرمایا، ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرنے سے مخلوق کی بڑھوتری ہے (ب) حضورؐ نے بقرہ عید کے دن دو مینڈھے ذبح کئے جو سینگ والے چتکبرے اور خصی تھے (ج) حضرت حسن نے فرمایا چوپائے کے خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[۳۱۱۶](۱۶) ویجوز ان یقبل فی الهدیة والاذن قول العبد والصبی.

علی فرس (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ ان ینزی الحمر علی الخیل، ص ۲۹۸، نمبر ۱۷۰۱) اس حدیث میں ہے گدھے کو گھوڑی پر چڑھانے سے منع فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایسا عمل کرنا شریف آدمی کے لئے اچھا نہیں ہے۔

لیکن اگر ایسا ہو گیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ آپ خچر پر سوار ہوتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خچر پیدا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ سمع البراء وساله رجل من قیس افررتم عن رسول الله ﷺ یوم حنین ... ولقد رأیت النبی ﷺ علی بغلته البیضاء وان ابا سفیان بن الحارث آخذ بزمامها (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم ص ۶۱۷، نمبر ۴۳۱۷) اس حدیث میں ہے کہ آپ جنگ حنین میں سفید خچر پر سوار تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ پیدا ہو جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

لغت انزاء : نر کو مادہ پر کودانا۔

[۳۱۱۶] (۱۶) جائز ہے ہدیہ اور اجازت میں غلام اور بچے کے قول کو قبول کرنا۔

تشریح ایسی شہادت جس سے کسی کا حق ثابت ہوتا ہو جس کو معاملات کی شہادت کہتے ہیں اس میں بچے اور غلام کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ لیکن ہدیہ وغیرہ چھوٹی چیز ہے۔ اس میں کسی کا حق ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ اسکی خبر دینی ہے کہ میرے آقا نے یہ چیز آپ کے لئے ہدیہ بھیجی ہے۔ یا میرے باپ نے یہ چیز آپ کے لئے ہدیہ بھیجی ہے۔ اس لئے ایسی خبر میں ان دونوں کی بات قبول کی جائے گی۔ اور جس کو ہدیہ دی گئی ہے اس کے لئے جائز ہوگا کہ ان کی باتوں پر یقین کر کے ہدیہ قبول کرے۔

وجہ اثر میں ہے۔ سألت انساً عن شهادة العبد فقال جائز (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۴ من کان یجیز شهادۃ العبد، ج رابع، ص ۲۹۸، نمبر ۲۰۲۷۵) اس اثر میں ہے کہ غلام کی گواہی جائز ہے۔ جب معاملات میں جائز ہے تو ہدیہ وغیرہ میں بدرجۂ اولی جائز ہوگا (۲) وقال انس شهادة العبد جائزة اذا كان عدلا واجازه شريح وزراره ابن اوفی (د) اس سے آگے حدیث میں فجاءت امة سوداء، فقالت قد ارضعتكما فذكرت ذلك للنبی ﷺ فاعرض عنی قال فتنحيت فذكرت ذلك له قال وكيف وقد زعمت انها قد ارضعتكما؟ فنهاه عنها (ہ) (بخاری شریف، باب شہادۃ الاماء والعبید، ص ۳۶۳، نمبر ۲۶۵۹) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ باندی اور غلام کی گواہی مقبول ہے۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں حضور عبد مامور تھے۔ لوگوں کو چھوڑ کر ہمیں کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں کیا مگر تین چیز کے ساتھ۔ ہمیں پورا پورا وضو کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ کہ ہمیں صدقہ نہ کھائیں اور نہ گدھے کو گھوڑی پر چڑھائیں (ب) قبیلہ قیس کے ایک آدمی نے حضرت براء کو پوچھا کیا آپ لوگ جنگ حنین میں بھاگے تھے؟... میں نے حضور کو سفید خچر پر سوار دیکھا اور حضرت ابوسفیان اس کے لگام کو پکڑے ہوئے تھے۔ (ج) میں نے حضرت انس کو غلام کی گواہی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا جائز ہے (د) حضرت انسؓ نے فرمایا غلام کی گواہی جائز ہے جب وہ عادل ہو۔ اور حضرت شریح اور زرارہ ابن اوفی نے بھی جائز قرار دیا (ہ) ایک کالی باندی آئی اور کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ پس حضورؐ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے اعراض فرمایا۔ راوی فرماتے ہیں میں تھوڑا دور ہوا اور اس کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا کیسے ہوگا جب وہ کہتی ہے کہ تم دونوں کو دودھ پلایا۔ پس حضورؐ نے لڑکے کو منع فرمایا۔

[۳۱۱۷] (۱۷) ويُقبل فى المعاملات قول الفاسق ولايُقبل فى اخبار الديانات الا قول

بچے کے لئے اثر اور حدیث تو یہی ہے کہ اس کی گواہی مقبول نہیں لیکن چھوٹی چیزوں میں اس کی خبر مقبول ہے۔

وجہ اثر یہ ہے۔عن شريح انه كان يجيز شهادة الصبيان على السن والموضحة ويتأباهم فيما سوى ذلك (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۴، فی شهادة الصبيان، ج رابع، ص ۳۶۴، نمبر ۲۱۰۲۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چھوٹی موٹی چیزوں میں اس کی خبر قبول کی جائیگی۔ یہ اصل میں شہادت نہیں بلکہ خبر دینی ہے۔

لغت والاذن : کی صورت یہ ہے کہ بچہ غلام کو خبر دے کہ میرے باپ نے تم کو تجارت کرنے کی اجازت دی ہے۔یا غلام خبر دے کہ میرے آقا نے تم کو تجارت کرنے کی اجازت دی ہے تو ان کی خبر اس بارے میں مقبول ہے۔اور اس پر عمل کرتے ہوئے غلام کو تجارت کرنے کی اجازت ہو جائے گی۔

[۳۱۱۷] (۱۷) قبول کیا جائے گا معاملات میں فاسق کا قول اور نہیں قبول کیا جائے گا دیانات کی خبروں میں مگر عادل کا قول۔

تشریح جھوٹ بولنے کی وجہ سے فاسق ہوا ہے تب تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ آیت میں اس کی ممانعت ہے۔فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور (ب) (آیت ۳۰، سورة الحج ۲۲) اس آیت میں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔لیکن اگر فسق کسی اور گناہ کی وجہ سے ہے مثلا کسی کا مال کھایا جس کی وجہ سے فاسق ہوا ہے تو معاملات میں اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔حدود اور قصاص میں تو پھر بھی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

وجہ معاملات کثرت سے ہوتے رہتے ہیں۔اور ہر وقت دیانت دار اور عادل آدمی نہیں ملتا اس لئے معاملات میں فاسق کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔جیسے بیع، شراء میں فاسق کی گواہی قبول کی جائے گی۔تاہم عادل کی گواہی زیادہ بہتر ہے (۲) اثر میں ہے۔ وجلد عمرؓ ابا بكرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغيرة ثم استتابهم وقال من تاب قبلت شهادته واجاز عبد الله بن عتبة وعمر بن عبد العزيز وسعيد بن جبير وطاؤس ومجاهد والشعبى (ج) (بخاری شریف، باب شهادة القاذف والسارق والزانی، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۴۸) اس اثر میں ہے کہ حد قذف والا توبہ کرے تو اس کی گواہی مقبول ہے۔آیت میں ہے کہ حد قذف والا فاسق ہوتا ہے۔ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئك هم الفاسقون ٥ الا الذين تابوا من بعد ذلك واصلحوا (د) (آیت ۴/۵، سورة النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ حد قذف والا فاسق ہے۔اس کے باوجود اس کی گواہی اثر کی بنا پر مقبول ہے تو اور فاسقوں کی گواہی بھی مقبول ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت شریح بچے کی گواہی جائز قرار دیتے تھے عمر کے بارے میں اور زخم کے بارے میں اور ان کے علاوہ میں جائز قرار نہیں دیتے تھے (ب) بت پرستی کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی گواہی دینے سے بچو (ج) حضرت عمرؓ نے ابو بکرہ اور شبل بن معبد اور نافع کو مغیرہ پر تہمت لگانے کی وجہ سے کوڑے لگائے پھر ان سے کہا کہ توبہ کرو۔اور یہ بھی فرمایا کہ جو توبہ کرے گا اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔عبد اللہ بن عتبہ اور عمر بن عبد العزیز اور سعید بن جبیر اور طاؤس اور مجاہد اور شعبیؒ نے محدود فی القذف کی گواہی قبول کرنے کی اجازت دی ہے (د) محدود فی القذف کی گواہی کبھی قبول نہ کرو وہ فاسق ہے۔مگر جو توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اس کی گواہی قبول کرو۔

العدل [۳۱۱۸] (۱۸) ولایجوز ان ینظر الرجل من الاجنبیۃ الا الی وجھھا و کفّیھا فان

البتہ دیانات مثلا چاند کی گواہی کبھی کبھار پیش آتی ہے۔اس لئے اوپر کی آیت **اولئک ھم الفاسقون** کی وجہ سے ان میں عادل کی گواہی مقبول ہوگی فاسق کی نہیں۔

[۳۱۱۸] (۱۸) اور نہیں جائز ہے کہ مرد اجنبی عورت کا دیکھے سوائے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔پس اگر شہوت سے مامون نہ ہو تو اس کا چہرہ بھی نہ دیکھے مگر ضرورت کی وجہ سے۔

تشریح چونکہ ہتھیلی اور چہرے دیکھنے کی ضرورت ہے۔کیونکہ وہ کام کرے گی جس کی وجہ سے ان دونوں عضووں کو کھولنا پڑے گا اس لئے ان کے کھولنے کی اجازت ہے۔تاہم اگر چہرہ دیکھنے کی وجہ سے شہوت ابھرنے کا خطرہ ہو تو چہرہ بھی چھپائے رکھے۔کیونکہ یہ تو مجمع محاسن ہے۔اور شہوت ابھرنے کے خطرے کے باوجود چہرہ کھولنے کی شدید ضرورت پڑ گئی مثلا گواہی دینے کے لئے آنا ہے یا نکاح کرنے کے لئے ہونے والے شوہر کو چہرہ دکھلانا ہے تو ایسی ضرورت میں شہوت کے خطرے کے باوجود اجنبی کے سامنے چہرہ کھول سکتی ہے۔

وجہ ستر چھپانے کی وجہ یہ آیت ہے۔ **قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون** (الف) (آیت ۳۰، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں مردوں کو نیچی نگاہ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے (۲) دوسری آیت میں عورتوں کو نیچی نگاہ رکھنے کی تاکید کی ہے۔اور یہ بھی حکم دیا کہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔البتہ جو مجبوری کے درجے میں ظاہر ہو جائے یعنی ہتھیلی اور چہرہ اس کی گنجائش ہے۔آیت یہ ہے۔ **وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن** (ب) (آیت ۳۱، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔یہ بھی فرمایا کہ سینوں پر کپڑا ڈالا کریں۔

ہاتھ اور چہرہ اس سے مستثنی ہیں اس کی دلیل **ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا** کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہے۔ **عن عباس فی قولہ تعالی ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا قال مافی الکف والوجہ** (ج) (سنن للبیہقی، باب عورۃ المرأۃ الحرۃ، ج ثانی، ص ۳۱۸، نمبر ۳۲۱۴) اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ چہرہ اور ہتھیلی کو چھپانا ضروری نہیں (۲) حدیث میں بھی اس کی وضاحت ہے۔ **عن عائشۃؓ ان اسماء بنت ابی بکر دخلت علی رسول اللہ ﷺ وعلیھا ثیاب رقاق فاعرض عنھا رسول اللہ ﷺ وقال یا اسماء! ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح لھا ان یری منھا الا ھذا وھذا واشار الی وجھہ و کفیہ** (د) (ابوداؤد

حاشیہ : (الف) مومنوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔یہ ان کے لئے زیادہ بہتر ہے۔وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس کی خبر رکھتے ہیں (ب) مومنہ عورتوں سے کہئے کہ اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود بخود ظاہر ہو جائے۔اور اپنے سینے پر دوپٹہ ڈالیں۔اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر شوہر کے لئے (ج) حضرت ابن عباسؓ نے ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا کی تفسیر فرمائی ہتھیلی اور چہرہ۔یعنی یہ دونوں کھلے رہ سکتے ہیں (د) حضرت اسماء حضورؐ کے سامنے آئی اور ان پر پتلا کپڑا تھا تو آپؐ نے اعراض فرمایا اور کہا اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے اس کے اور اس کے علاوہ نظر آئے۔اور چہرے اور ہتھیلی کی طرف اشارہ فرمایا۔

کان لایأمن من الشهوة لم ینظر الی وجهها الا لحاجة[۳۱۱۹](۱۹) ویجوز للقاضی اذا اراد ان یحکم علیها وللشاهد اذا اراد الشهادة علیها النظر الی وجهها وان خاف ان

شریف، باب فیما تبدی المرأۃ من زینتھا، ج۲،ص ۲۱۳،نمبر۴۱۰۴رسنن للبیہقی، باب عورۃ المرأۃ الحرۃ، ج ثانی ص ۳۱۹،نمبر ۳۲۱۸) اس حدیث میں ہے کہ بالغہ عورت کو چہرہ اور ہتھیلی کے علاوہ ظاہر نہیں کرنی چاہئے۔البتہ چلنے کے لئے پاؤں کھولنے کی ضرورت ہے اس لئے پاؤں بھی کھول سکتی ہے۔

اور شہوت کا خطرہ ہو تو چہرہ بھی چھپائے اس کی دلیل ایک تو اوپر کی آیت گزری۔قل للمومنات تغضضن من ابصارھن (۲)اور حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔قال ابو ھریرۃ عن النبی ﷺ ان اللہ کتب علی ابن آدم حظه من الزنا ادرک ذلک لا محالة فزنا العین النظر وزنا اللسان المنطق والنفس تتمنی وتشتهی والفرج یصدق ذلک کله ویکذبه (الف)(بخاری شریف، باب زنا الجوارح دون الفرج ،ص۹۲۲،نمبر۶۲۴۳رمسلم شریف، باب قدر علی ابن آدم حظه من الزنی وغیرہ ،ص ۳۳۶،نمبر۲۶۵۷،کتاب القدر)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چہرے کو شہوت سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے۔اس لئے شہوت کا خطرہ ہو تو چہرہ چھپالے۔لیکن اگر کھولنے کی شدید ضرورت ہو تو مجبوری میں اس کے کھولنے کی گنجائش ہے۔دوسری حدیث میں بار بار دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔عن ابن بریدة عن ابیه قال قال رسول اللہ ﷺ لعلی یا علی! لا تتبع النظرة النظرة فان لک الاولی ولیس لک الآخرة (ب)(ابوداؤد شریف، باب مایومر به من غض البصر ،ص۲۹۹،نمبر۲۱۴۹)

لغت کف : ہتھیلی۔

[۳۱۱۹](۱۹) قاضی کے لئے جائز ہے جب وہ عورت پر حکم لگانا چاہے، اور گواہ کے لئے جائز ہے جب وہ عورت پر گواہی دینا چاہے اس کی چہرے کی طرف دیکھنا، چاہے شہوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

تشریح قاضی عورت پر کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہے ایسے موقع پر اس کے لئے چہرے کو دیکھنا جائز ہے چاہے شہوت ہونے کا اندیشہ ہو۔اسی طرح گواہ عورت کے لئے یا عورت کے خلاف گواہی دینا چاہتا ہے۔اور گواہی کے وقت یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہی عورت ہے۔اور اس کے لئے عورت کا چہرہ دیکھے تو چاہے شہوت ہونے کا اندیشہ ہو پھر بھی دیکھنا جائز ہے۔البتہ دیکھتے وقت قضاء کی نیت کرے اور گواہ گواہ کی ادائیگی کی نیت کرے، شہوت کے لئے چہرہ دیکھنے کی نیت نہ کرے۔

وجہ عام حالات میں چہرہ کھولنا جائز تھا۔البتہ شہوت کے باوجود کھولنے کی اجازت مجبوری کے درجے میں تھی اور یہاں فیصلہ کرنے اور گواہی دینے کی مجبوری ہے۔اس لئے کھولنے کی اجازت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ جس عورت کو پیغام نکاح دیا اس عورت کا چہرہ دیکھنا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اللہ نے ابن آدم پر زنا کا ایک حصہ لکھا ہے اور یہ لامحالہ سرزد ہو کر رہے گا۔پس آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے۔اور دل کا زنا تمنی کرنا اور خواہش کرنا ہے۔اور شرمگاہ ان سبھوں کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے۔(ب) آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا بار بار مت دیکھو، تمہارے لئے پہلی نظر حلال ہے دوسری نظر حلال نہیں ہے۔

یشتھی[۳۱۲۰](۲۰) ویجوز للطبیب ان ینظر الی موضع المرض منھا[۳۱۲۱](۲۱) وینظر الرجل من الرجل الی جمیع بدنہ الا مابین سُرَّتہ الی رکبتہ.

جائز ہے چاہے ابھی وہ اجنبیہ ہے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی ھریرۃ قال کنت عندالنبی ﷺ فاتاہ رجل فأخبرہ انہ تزوج امرأۃ من الانصار فقال لہ رسول اللہ ﷺ أنظرت الیھا؟قال لا! قال فاذھب فانظر الیھا فان فی اعین الانصار شیئا (الف) (مسلم شریف، باب ندب من ارادنکاح امرأۃ الی ان ینظر الی وجھھا وکفیھا قبل خطبتھا،ص ۴۵۶، نمبر ۱۴۲۴/ابوداؤدشریف، باب فی الرجل ینظر الی المرأۃ وھو یرید تزویجھا،ص ۲۹۱، نمبر ۲۰۸۲/ترمذی شریف، باب ماجاء فی النظر الی المخطوبۃ،ص ۲۰۷، نمبر ۱۰۸۷)اس حدیث میں ہے کہ مخطوبہ کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔اسی پر قیاس کرتے ہوئے قاضی اور گواہ دیکھ سکتا ہے۔کیونکہ ان دونوں کو ضرورت ہے چاہے شہوت کا اندیشہ ہو۔

[۳۱۲۰](۲۰)طبیب کے لئے جائز ہے کہ اس کے مرض کی جگہ دیکھے۔

تشریح مثلا سرین میں زخم ہے اب ڈاکٹر کے لئے اس کا آپریشن کرنا ضروری ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس جگہ کو دیکھے۔

وجہ مجبوری کی وجہ سے ستر دیکھنا جائز ہو جاتا ہے۔مجبوری کی وجہ سے حلت کی وجہ یہ آیت ہے۔قل لااجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم (ب)(آیت ۱۴۵،سورۃ الانعام ۶) اس آیت میں مجبوری کیوجہ سے مردہ کھانے کی اجازت دی گئی۔ساتھ ہی یہ بھی بتلایا کہ جتنی ضرورت ہو اتنی ہی حلال ہے اس سے زیادہ استعمال کرنا حرام ہے۔یہاں بھی جتنی جگہ دیکھنے کی ضرورت ہو اتنی جگہ ہی دیکھنا حلال ہوگا باقی ستر کی جگہ ابھی بھی حرام ہے۔

[۳۱۲۱](۲۱)مرد مرد کا دیکھ سکتا ہے پورا بدن سوائے ناف سے اس کے گھٹنے تک۔

تشریح مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے اس لئے کسی مرد کے لئے دوسرے مرد کا ناف سے گھٹنے تک دیکھنا حرام ہے،باقی بدن دیکھ سکتا ہے کیونکہ وہ ستر نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ ... واذا زوج احدکم خادمہ عبدہ او اجیرہ فلا ینظر الی مادون السرۃ وفوق الرکبۃ (ج)(ابوداؤدشریف، باب متی یومر الغلام بالصلوۃ،ص ۷۷، نمبر ۴۹۶/

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے پاس تھا کہ آپؐ کے پاس ایک آدمی آیا اور بتایا کہ وہ انصار کی ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔تو حضورؐ نے پوچھا کیا اس کو دیکھا ہے؟ کہا نہیں۔آپؐ نے فرمایا جاؤ اس کو دیکھ لو اس لئے کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے(ب)آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے اس میں کھانے کے بارے میں نہیں پاتا ہوں کہ حرام ہے مگر یہ کہ مردہ ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو۔اس لئے کہ وہ ناپاک ہے یا فسق ہے۔اللہ کے علاوہ پر ذبح کیا گیا ہو۔پھر جو مجبور ہو جائے تو لذت تلاش کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے زیادہ گزرنے والا ہو تو اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے(ج) آپؐ نے فرمایا..تم میں سے کوئی ایک اپنے خادم یعنی غلام یا اجیر کی شادی کرا دے تو ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنے کے اوپر تک نہ دیکھے۔

[۳۱۲۲] (۲۲) ویجوز للمرأة ان تنظر من الرجل الی ما ینظر الیه الرجل منه [۳۱۲۳] (۲۳) وتنظر المرأة من المرأة الی مایجوز للرجل ان ینظر الیه من الرجل [۳۱۲۴] (۲۴) وینظر الرجل من امته التی تحل له وزوجته الی فرجها.

سنن للبیھقی، باب عورۃ الرجل، ج ثانی، ص ۳۲۴، نمبر ۳۲۳۵ (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ سمعت علیا یقول قال رسول اللہ ﷺ الرکبة من العورة (الف) (دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوۃ والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب سترھا، ج اول، ص ۲۳۷، نمبر ۸۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھٹنا تک ستر ہے یعنی گھٹنا ستر میں شامل ہے اس لئے اس کا دیکھنا جائز نہیں۔

لغت سرۃ : ناف، رکبۃ : گھٹنا۔

[۳۱۲۲] (۲۲) اور عورت کے لئے جائز ہے مرد کا اتنا حصہ دیکھنا جتنا مرد مرد کا دیکھ سکتا ہے۔

تشریح مرد مرد کا ناف سے لیکر گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتا ہے باقی بدن دیکھ سکتا ہے۔ اسی عورت بھی مرد کا ناف سے لیکر گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتی ہے باقی بدن دیکھ سکتی ہے۔

وجہ کیونکہ مرد اور عورت دونوں کے لئے مرد کا ستر ناف سے لیکر گھٹنے تک ہے باقی بدن ستر نہیں ہے۔ دلیل اوپر کی حدیث ہے۔ الرکبة من العورة (دار قطنی، نمبر ۸۷۸)

[۳۱۲۳] (۲۳) عورت دوسری عورت کا اتنا بدن جتنا دیکھ سکتا ہے مرد دوسرے مرد کا۔

تشریح ایک مرد دوسرے مرد کا ناف سے لیکر گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتا ہے باقی بدن دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح ایک عورت دوسری عورت کا ناف سے لیکر گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ستر غلیظہ ہے باقی بدن دیکھ سکتی ہے۔

وجہ ایک عورت دوسری عورت کی پستان دیکھ لے تو شہوت نہیں ابھرتی اس لئے کہ اس کے پاس بھی ہے۔ اس لئے ان اعضاء کو دیکھنے میں حرج نہیں۔ البتہ ناف سے لیکر گھٹنے تک ستر غلیظہ ہے اس لئے اس کا دیکھنا عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

[۳۱۲۴] (۲۴) وہ باندی جو اس کے لئے حلال ہے اس کی اور اپنی بیوی کی شرمگاہ مرد دیکھ سکتا ہے۔

تشریح اپنی باندی کی شادی کسی دوسرے سے کروا دیا ہو تو اس باندی سے صحبت کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح رضاعی بہن باندی ہو تو اس سے صحبت کرنا حلال نہیں اس لئے فرمایا کہ ایسی باندی جس سے صحبت کرنا حلال ہو اس کی شرم گاہ دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے گناہ نہیں ہے۔ اسی طرح بیوی کی شرم گاہ دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے گناہ نہیں ہے۔ البتہ تقوی کا تقاضا یہ ہے کہ خواہ مخواہ نہ دیکھے۔ کیونکہ وہ جگہ شرم کی چیز ہے۔

وجہ حدیث میں دونوں باتوں کا ثبوت ہے۔ اخبرنا بھز بن حکیم عن ابیه عن جدہ قال قلت یا نبی اللہ! عوراتنا ما ناتی منھا وما نذر؟ قال احفظ عورتک الا من زوجتک او ما ملکت یمینک (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی حفظ العورۃ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا گھٹنا ستر میں سے ہے (ب) میں نے کہا یا نبی اللہ! ہمارے ستر کے بارے میں کیا کریں اور کیا چھوڑیں؟ آپؐ (باقی اگلے صفحہ پر)

[۳۱۲۵](۲۵) وینظر الرجل من ذوات محارمه الی الوجه والرأس والصدر والساقین

ص۱۰۳، نمبر ۲۷۹۴ر ابن ماجہ شریف، باب التستر عند الجماع، ص ۲۷۵، نمبر ۱۹۲۰) اس حدیث میں ہے کہ اپنی ستر کو چھپائے رکھو مگر اپنی بیوی اور باندی سے۔ جس کا مطلب یہ نکلا کہ بیوی اور باندی کے سامنے ایک دوسرے کا ستر ظاہر ہو جائے تو کوئی بات نہیں ہے (۲) ایک حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ ان سعد بن مسعود الکندی قال اتی عثمان بن مظعون رسول الله علیہ السلام قال یا رسول الله! انی لاستحی ان تری اهلی عورتی قال وقد جعلک الله لهم لباسا وجعلهم لک لباسا قال اکره ذلک قال فانهم یرونه منی واراه منهم قال انت یا رسول الله! قال انا قال انت! فمن بعد ک اذاً؟ قال فلما ادبر عثمان قال رسول الله علیہ السلام ان ابن مظعون لحیی ستیر (الف) ٭مصنف عبد الرزاق، القول عند الجماع و کیف یصنع وفضل الجماع، ج سادس، ص ۱۹۵، نمبر ۱۰۴۷۱۔ اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بیویاں میرا دیکھتی ہیں اور میں ان کا دیکھتا ہوں۔ جس سے معلوم ہوا کہ بیوی کی شرمگاہ دیکھنا جائز ہے۔

البتہ نہ دیکھے تو بہتر ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن عتبة ابن عبد السلمی قال قال رسول الله علیہ السلام اذا اتی احدکم اهله فلیستتر ولا یتجرد یجرد العیرین (ب) دوسری روایت میں ہے۔ عائشہؓ قالت ما نظرت او ما رأیت فرج رسول الله قط (ج) (ابن ماجہ شریف، باب التستر عند الجماع، ص ۲۷۵، نمبر ۱۹۲۱/۱۹۲۲ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی الاستتار عند الجماع، ص ۱۰۳، نمبر ۲۸۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماع کے وقت بالکل ننگا نہ ہو جس سے معلوم ہوا کہ اس کی شرمگاہ نہ دیکھے تو بہتر ہے۔

[۳۱۲۵](۲۵) آدمی دیکھ سکتا ہے اپنی ذی رحم محرم عورتوں کے چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیوں اور بازوؤں کو، اور نہ دیکھے اس کی پیٹھ، پیٹ اور ران کو۔

تشریح ذی رحم محرم عورتیں مثلا ماں، بہن، پھوپی، نانی، خالہ وغیرہ کا چہرہ، سر، ہنسلی کا حصہ، پنڈلی اور بازو وغیرہ کو دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اس کی پیٹھ، پیٹ، ران، گھٹنا وغیرہ نہیں دیکھ سکتا۔

وجہ مرد کے لئے ذی رحم محرم عورت کا گردن سے لیکر گھٹنے تک ستر ہے اور یہ مقام شہوت بھی ہیں اس لئے ان مقامات کو نہیں دیکھ سکتا، باقی سر، چہرہ، پنڈلی اور سینے کے اوپر جو ہنسلی کا حصہ ہوتا ہے وہ دیکھ سکتا ہے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ ولا یبدین زینتهن الا لبعولتهن او آبائهن او آباء بعولتهن او ابنائهن او ابناء بعولتهن او اخوانهن او ابنی اخوانهن او بنی اخواتهن او نسائهن او ما

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) نے فرمایا بیوی اور باندی کے علاوہ اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھو (الف) حضرت عثمان بن مظعون حضورؐ کے پاس آئے فرمانے لگے یا رسول اللہ! مجھے شرم آتی ہے کہ میری بیوی میری شرم گاہ دیکھے۔ فرمایا اللہ نے آپ کو ان کے لئے لباس بنایا اور ان کو تمہارے لئے لباس بنایا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا مجھے اس سے بھی کراہیت ہوتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا میری بیوی میری شرمگاہ دیکھتی ہے اور میں اس کی دیکھتا ہوں۔ تعجب سے پوچھا آپ کی یا رسول اللہ! فرمایا میری پھر کس کی؟ حضرت عثمان جانے لگے تو آپؐ نے فرمایا ابن مظعون بہت شرمیلا ہے پردے دار ہے (ب) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو ستر چھپائے اور دو گدھے کی طرح بے پردہ نہ ہو (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضورؐ کی شرمگاہ کو کبھی نہیں دیکھا۔

والعضُدین ولا ینظر الی ظهرها وبطنها وفخذها[۳۱۲۶](۲۶) ولا بأس بان یمسَّ ماجاز

ملکت ایمانھن (آیت ۳۱، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ عورتیں زینت یعنی زینت کے مقام ان ذی رحم محرم کے سامنے ظاہر کرسکتی ہیں۔ زیور پہننے اور زینت کرنے کے اعضاء یہ ہیں۔ ناک، کان، جن میں سر اور چہرہ موجود ہے۔ گلے میں ہار پہنتی ہیں جن میں سینہ کے اوپر کی ہڈی یعنی ہنسلی آئی۔ پنڈلی میں پازیب اور بازو میں بازو بند اور ہتھیلی میں چوڑی پہنتی ہیں۔ اس لئے یہ اعضاء مقام زینت ہیں۔ آیت کی بنیاد پر یہ اعضاء ذی رحم محرم کے سامنے کھول سکتی ہیں اور ان کو دکھلا سکتی ہیں۔ پیٹھ، پیٹ، ران، سینہ کا وہ حصہ جس پر پستان ہے یا اس کے اردگرد کا حصہ اس پر کوئی زیور نہیں پہنتی اس لئے آیت کی بنیاد پر ان اعضاء کو کھولنا یا دکھلانا حرام ہے (۲) یہ اعضاء دیکھنے سے شہوت ابھرتی ہے اس لئے بھی ان کا دیکھنا جائز نہیں ہوگا (۳) ذی رحم محرم عورتیں مردوں کے ساتھ ہر وقت کام کرتی ہیں اس لئے سر، بازو، پنڈلی پر کپڑا لینے کی تاکید کریں تو کام کرنے میں حرج ہوگا۔ شریعت نے ان اعضاء کو ڈھکنے کا تاکیدی حکم نہیں لگایا (۴) اثر میں ہے۔ **ان الحسن والحسین کانا یدخلان علی اختهما ام کلثوم وهی تمشط** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج رابع، ص ۱۲، نمبر ۱۷۲۷۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم عورت کا سر اور اس پر قیاس کرکے پنڈلی اور بازو دیکھنا جائز ہے۔

لغت ساق : پنڈلی، عضدین : عضد کا تثنیہ ہے بازو، فخذ : ران

[۳۱۲۶] (۲۶) کوئی حرج نہیں ہے کہ چھوئے اس عضو کو جس کو دیکھنا جائز ہے۔

تشریح ذی رحم محرم عورتوں کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے ضرورت پڑنے پر ان کو چھونا بھی جائز ہے بشرطیکہ شہوت ابھرنے کا خطرہ نہ ہو۔

وجہ سفر وغیرہ میں عورتوں کو بس اور ٹرین سے اتارنے میں اس کے ہاتھ یا اس کے پاؤں پکڑنے کی ضرورت پڑتی ہے اور ان کے چھونے میں شہوت ابھرنے کا خطرہ کم ہے کیونکہ احترام مانع ہے۔ اس لئے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے ان کو چھونا بھی جائز ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ لا بأس ان یقلب الرجل الجاریة اذا اراد ان یشتریها وینظر الیها ماخلا عورتها** (ب) (سنن للبیہقی، باب عورۃ الامۃ، ج ثانی، ص ۳۲۱، نمبر ۳۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ باندی کو خریدتے وقت اس کو ادھر ادھر گھمائے جس سے اشارہ ملتا ہے کہ چھو بھی سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔ **حدثنا معتمر عن ابیه ان طلقا کان یذوّب امه** (ج) مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷۵ ما قالوا فی الرجل ینظر الی شعر امه ویفلیها، ج رابع، ص ۱۲، نمبر ۱۷۲۷۸) اس اثر سے معلوم ہوا ماں کا گیسو بنا سکتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان اعضاء کو چھو بھی سکتا ہے۔

البتہ اگر شہوت کا خطرہ ہو تو ذی رحم محرم عورتوں کو بھی نہ چھوئے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال کتب علی ابن آدم نصیبه من الزنی مدرک ذلک لا محالة فالعینان زناهما النظر والاذنان زناهما الاستماع واللسان زناه الکلام والید زناها البطش والرجل زناها الخطأ**

حاشیہ : (الف) حضرت حسن اور حضرت حسین اپنی بہن کلثوم کے پاس آتے اور وہ کنگی کرتی رہتی (ب) آپ نے فرمایا آدمی باندی کو الٹ پلٹ کر دیکھے اس میں حرج نہیں ہے۔ اگر اس کو خریدنا چاہے اور ستر کے علاوہ اس کے جسم کو دیکھ سکتا ہے (ج) حضرت طلق اپنی ماں کا گیسو بنایا کرتے تھے۔

له ان ینظر الیه منها[۳۱۲۷](۲۷) وینظر الرجل من مملوکة غیرہ الی مایجوز له ان ینظر الیه من ذوات محارمه[۳۱۲۸] (۲۸) ولا بأس بان یمسّ ذلک اذا اراد الشراء وان

والقلب یھوی ویتمنی ویصدق ذلک الفرج ویکذبه(الف)(مسلم شریف، باب قدر علی ابن آدم حظه من الزنا وغیرہ، ص ۳۳۶، نمبر ۲۶۵۷/۶۷۵۴/بخاری شریف، باب زنا الجوارح دون الفرج، ص ۹۲۲، نمبر ۶۲۴۳) اس حدیث میں ہے کہ شہوت کے ساتھ پکڑنا بھی زنا کے درجے میں ہے اس لئے شہوت ہو تو ذی رحم محرم کے ان اعضاء کو نہ چھوئے۔

لغت مس : چھونا۔

[۳۱۲۷](۲۷) آدمی دیکھ سکتا ہے دوسرے کی باندی کا اتنا بدن جتنا دیکھنا جائز ہے اپنی ذی رحم محرم عورتوں کا۔

تشریح ذی رحم محرم عورتوں کا ہنسلی کی ہڈی سے لیکر گھٹنے تک دیکھنا جائز نہیں باقی سر، بازو اور پنڈلی دیکھ سکتا ہے اسی طرح دوسرے کی باندی کا ہنسلی کی ہڈی سے لیکر گھٹنے تک دیکھنا جائز نہیں ہے، باقی سر، بازو اور پنڈلی دیکھ سکتا ہے۔

وجہ مملوکہ باہر کام کرنے نکلے گی تو ہر وقت سر پر چادر رکھنا مشکل ہوگا۔ اس لئے اس کے لئے گنجائش ہے کہ سر، بازو اور پنڈلی کھلی رکھے (۲) وہ ذی رحم محرم عورت کی طرح ہوگئی۔ البتہ جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے ان کو چھونا جائز نہیں۔ کیونکہ وہاں شہوت کاملہ ہے (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عطاء قال قال رسول الله ﷺ ان الامة قد القت فروۃ رأسھا** (ب) دوسرے اثر میں ہے۔ **عن ابراھیم قال تصلی ام الولد بغیر خمار وان کانت قد بلغت ستین سنة** (ج)(مصنف ابن ابی شیبة، ۴۹۶ فی الامة تصلی بغیر خمار، ج ثانی، ص ۴۱، نمبر ۶۲۳۴/۶۲۲۶) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ باندی کا سر اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے بازو اور پنڈلی ستر نہیں ہے۔

[۳۱۲۸](۲۸) کوئی حرج نہیں ہے کہ ان اعضاء کو چھونے میں اگر خریدنے کا ارادہ رکھتا ہو اگرچہ شہوت کا اندیشہ ہو۔

تشریح کسی باندی کو خریدنے کا ارادہ ہے تو چاہے چھونے سے شہوت ابھرنے کا اندیشہ ہو پھر بھی ان اعضاء کو چھو سکتا ہے جس کے دیکھنے کی اجازت ہے۔ مثلا سر، بازو یا پنڈلی دیکھ سکتا ہے اور خریدنے کا ارادہ ہو تو ان کو چھو بھی سکتا ہے۔ تاکہ پتا چل جائے کہ باندی کتنی گداز و نرم ہے۔

وجہ باندی مال کے درجے میں ہے۔ اس لئے اس ضرورت کے تحت باندی کو چھو کر دیکھ سکتا ہے (۲) ایک حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ لا بأس ان یقلب الرجل الجاریة اذا اراد ان یشتریھا و ینظر الیھا ماخلا عورتھا** (د)(سنن للبیھقی، باب عورۃ الامة ص ثانی، ص ۳۲۱، نمبر ۳۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ باندی کو خریدنے کا ارادہ ہو تو اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور الٹتے پلٹتے وقت چھونا بھی ہوگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ چھو سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے فرمایا اللہ نے ابن آدم پر زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جو ہونے ہی والا ہے۔ پس دونوں آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، اور دونوں کانوں کا زنا سننا ہے، اور زبان کا زنا بات کرنا ہے، اور ہاتھ کا زنا چھونا ہے، اور پاؤں کا زنا چلنا ہے، اور دل خواہش کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے اور فرج اس کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب کرتا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا باندی سر کی اوڑھنی ڈال سکتی ہے (ج) حضرت ابراہیم نے فرمایا ام ولد بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھ سکتی ہے چاہے ساٹھ سال کی ہو چکی ہو (د) حضورؐ نے فرمایا باندی کو الٹ پلٹ کر دیکھے اس میں حرج نہیں ہے اگر اس کو خریدنا چاہتا ہو، اور ستر کے علاوہ دیکھ سکتا ہے۔

خاف ان يشتهى[۳۱۲۹](۲۹) والخصىُّ فى النظر الى الجنبيَّة كالفحل[۳۱۳۰](۳۰) ولا يجوز للمملوک ان ينظر من سيّدته الا الى مايجوز للاجنبى النظر اليه منها.

نوٹ دوسری روایت میں ہے کہ شہوت کا اندیشہ ہوتو باندی کو چھونا جائز نہیں۔

وجہ پہلے گزر چکا کہ شہوت کے ساتھ چھونا ہاتھ کا زنا ہے **والید زناھا البطش** (مسلم شریف، نمبر ۲۶۵۷) اس لئے دوسرے کے مال سے زنا کے انداز کا استفادہ جائز نہیں ہوگا۔

[۳۱۲۹](۲۹) خصی آدمی اجنبی کی طرف دیکھنے میں مرد کی طرح ہے۔

تشریح جو آدمی مکمل مرد ہے خصی نہیں ہے جس طرح اجنبیہ کے ستر کو دیکھنا اس کے لئے حرام ہے اسی طرح جو مرد خصی کیا ہوا ہو اس کے لئے بھی اجنبیہ کے ستر کو دیکھنا حرام ہے۔

وجہ وراثت، نماز اور دیگر احکام میں خصی آدمی مکمل مرد کی طرح ہے اس لئے اجنبیہ کو دیکھنے میں بھی مرد کی طرح ہوگا (۲) پیدائشی طور پر وہ مرد ہی تھا بعد میں اس کا مثلہ کر دیا اس لئے ابھی بھی مرد کا ہی حکم ہوگا۔ اثر میں ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال خصاء البهائم مثلة ثم تلا ولامرنهم فليغيرن خلق الله** (الف) (آیت ۱۱۹، سورۃ النساء ۴، مصنف ابن ابی شیبۃ ۸، ما قالوا فی خصاء الخیل والدواب، ج سادس، ص ۴۲۶، نمبر ۳۲۵۷۶) اس اثر میں ہے کہ خصی ایک قسم کا مثلہ ہے۔ اور مثلہ کا حکم اصل مرد کا حکم ہوتا ہے۔

لغت الفحل : مکمل مرد۔

[۳۱۳۰](۳۰) غلام کا اپنی سیدہ کا اتنا ہی بدن دیکھنا جائز ہے جتنا اس کے بدن کو اجنبی مرد دیکھ سکتا ہے۔

تشریح اجنبی آدمی کسی عورت کا صرف چہرہ اور ہتھیلی دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح غلام اپنی سیدہ کا صرف چہرہ اور ہتھیلی دیکھ سکتا ہے۔ باقی بدن اس کے لئے ستر ہے۔

وجہ غلام بہر حال اجنبی مرد ہے۔ فروخت ہونے کے بعد وہ بالکل اجنبی بن جائے گا۔ اس لئے غلام ہونے کے زمانے میں بھی اس کا حال اجنبی سا ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن الضحاک انه كره ان ينظر المملوک الى شعر مولاته** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳، ۱۷، ما قالوا فی الرجل المملوک لہ ان یری شعر مولاتہ، ج رابع، ص ۱۱، نمبر ۱۷۲۷۰) دوسری روایت میں ہے۔ **عن ابراهيم قال تستتر امرأة عن غلامها** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ما قالوا فی الرجل المملوک لہ ان یری شعر مولاتہ، ج رابع، ص ۱۱، نمبر ۱۷۲۶۷) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ غلام اپنی سیدہ کے لئے اجنبی کی طرح ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غلام اپنی سیدہ کے لئے ذی رحم محرم کی طرح ہے۔ یعنی ہنسلی کی ہڈی سے لیکر گھٹنے تک ستر ہے۔ باقی سر، بازو اور پنڈلی اس کے لئے ستر نہیں ہے وہ دیکھ سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جانوروں کو خصی کرنا مثلہ ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی، شیطان ضرور ان کو حکم دیں گے کہ اللہ کی تخلیق کو بدلیں (ب) حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ غلام اپنی سیدہ کا بال دیکھے یہ مکروہ ہے (ج) ابراہیم نے فرمایا کہ عورت اس کے غلام سے پردہ کرے۔

[۳۱۳۱] (۳۱) ویعزل عن امته بغیر اذنها[۳۱۳۲] (۳۲) ولا یعزل عن زوجته الا باذنها.

وجہ حدیث میں ہے۔عن ابن عباسؓ ان النبی علیہ السلام اتی فاطمة بعبد قد وهبه لها قال وعلی فاطمة ثوب اذا قنعت به رأسها لم یبلغ رجلیها واذا غطت به رجلیها لم یبلغ رأسها فلا رای النبی علیہ السلام ماتلقی قال انه لیس علیک بأس انما هو ابوک وغلامک (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی العبد ینظر الی شعر مولاتہ، ص ۲۱۳، نمبر ۴۱۰۶) اس حدیث میں ہے کہ باپ یا اپنا غلام بازو، پنڈلی دیکھ لے تو کوئی بات نہیں ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ وہ ذی رحم محرم کی طرح ہو گیا (۲) اثر میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال لابأس ان ینظر المملوک الی شعر مولاته (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۳، ما قالوا فی الرجل المملوک لہ ان یری شعر مولاتہ، ج رابع، ص ۱۱، نمبر ۱۷۲۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سیدہ کا بال دیکھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ یہ عضو اس کے لئے ستر نہیں ہے۔

[۳۱۳۱] (۳۱) باندی سے عزل کرے بغیر اس کی اجازت کے۔

تشریح جماع کرتے وقت منی باہر نکال دے اس کو عزل کہتے ہے۔باندی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کر سکتا ہے۔

وجہ عزل کر سکتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔سمع جابراً یقول کنا نعزل والقرآن ینزل (ج) (بخاری شریف، باب العزل، ص ۷۸۴، نمبر ۵۲۰۸ رمسلم شریف، باب حکم العزل، ص ۴۶۴، نمبر ۱۴۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزل کرنا جائز ہے۔اور باندی سے اجازت کے بغیر عزل کرے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابن عباسؓ قال تستأ مر الحرة فی العزل ولا تستأ مر الامة (د) (مصنف عبد الرزاق، باب تستامر الحرۃ فی العزل ولا تستامر الامۃ، ج سابع، ص ۱۴۳، نمبر ۱۲۵۶۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۹۸، من قال یعزل عن الامۃ ویستامر الحرۃ، ج ثالث، ص ۵۰۴، نمبر ۱۶۶۰۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کر سکتا ہے۔

[۳۱۳۲] (۳۲) اور بیوی سے عزل نہ کرے مگر اس کی اجازت سے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے کیونکہ عزل کرنے میں اس کو لذت نہیں ہوگی۔اور لذت حاصل کرنا اس کا ذاتی حق ہے۔حدیث میں ہے۔عن عمر بن الخطابؓ قال نهی رسول الله علیہ السلام ان یعزل عن الحرة الا باذنها (ہ) (ابن ماجہ شریف، باب العزل، ص ۲۷۶، نمبر ۱۹۲۸ رمسند احمد، مسند عمر ابن الخطاب، ج اول، ص ۵۴، نمبر ۲۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے۔اور بیوی کے لئے وطی کا حق ہے اس کی دلیل لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔حدثنی عمرو بن العاص قال

حاشیہ : (الف) حضورؐ حضرت فاطمہؓ کے پاس اس غلام کے ساتھ آئے جس کو فاطمہ کے لئے ہبہ کیا تھا۔فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کے پاس اتنا چھوٹا کپڑا تھا کہ سر ڈھکتی تو پاؤں تک نہیں پہنچتا اور اگر پاؤں ڈھانکتی تو سر تک نہیں پہنچتا۔جب حضورؐ نے اس پریشانی کو دیکھا تو فرمایا تم پر حرج نہیں ہے صرف باپ اور تمہارا غلام ہے (ب) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ غلام کو اپنے سیدہ کے بال دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے (ج) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ عزل کرتے تھے اور قرآن کریم نازل ہو رہا تھا پھر بھی نہیں روکا (د) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا عزل کرنے میں آزاد عورت سے مشورہ لیا جائے گا اور باندی سے مشورہ نہیں لیا جائے گا (ہ) آپؐ نے بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا۔

[۳۱۳۳](۳۳) ویکرہ الاحتکار فی اقوات الآدمیین والبھائم اذا کان ذلک فی بلد یضرٌّ

لی رسول اللہ ﷺ یا عبد اللہ الم اخبر انک تصوم النھار ... وان لزوجک علیک حقا (الف)(بخاری شریف، باب حق الجسم فی الصوم،ص ۲۶۵،نمبر ۱۹۷۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی کو وطی کا حق ہے۔اس لئے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے بلکہ اگر شوہر کی خواہش پہلے پوری ہوگئی اور بیوی کی خواہش ابھی پوری نہیں ہوئی ہے تو شوہر بیوی پر برقرار رہے۔اس کا ثبوت حدیث میں ہے۔عن انس بن مالکؓ ان النبی ﷺ قال اذا غشی الرجل اھلہ فلیصدقھا فان قضی حاجتہ ولم تقض حاجتھا فلا یعجلھا (ب)(مصنف عبدالرزاق، القول عند الجماع وکیف یضع وفضل الجماع، ج سادس، ص ۱۹۴، نمبر ۱۰۴۶۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر کی خواہش پوری ہوگئی اور بیوی کی خواہش ابھی پوری نہیں ہوئی ہے تو جلدی نہ کرے، ابھی شوہر اس پر ٹھہرا رہے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواہش پوری کرنا اس کا حق ہے اس لئے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کر سکتا۔

نوٹ بیوی چاہے دوسرے کی باندی ہو پھر بھی اس کا حق آزاد عورت کی طرح ہے۔

[۳۱۳۳](۳۳)مکروہ ہے آدمیوں اور چوپایوں کی غذا کو روکنا ایسے شہر میں جہاں روکنا اہل شہر کو تکلیف دیتا ہو۔

تشریح شہر سے مال خرید خرید کر جمع کرے اور شہر والوں کو اس کی ضرورت کے باوجود ان کو نہ بیچے تا کہ کھانے اور جانور کو کھلانے کی چیز مہنگی ہو جائے ایسا کرنا مکروہ ہے۔آدمی کے کھانے کی چیز یا جانور کے کھانے کی چیز کے علاوہ کو جمع کر کے رکھنا مکروہ ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ نہیں اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر شہر والوں کو اس کی سخت ضرورت ہے تو وہ بھی مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں احتکار ممنوع ہے۔ان معمرا قال قال رسول اللہ ﷺ من احتکر فھو خاطیء، فقیل لسعید فانک تحتکر ؟ قال سعید ان معمرا الذی کان یحدث ھذا الحدیث کان یحتکر (ج)(مسلم شریف، باب تحریم الاحتکار فی الاقوات، ج ۲، ص ۳۱، نمبر ۱۶۰۵/ابوداؤد شریف، باب فی النھی عن الحکرة، ص ۱۳۲، نمبر ۳۴۴۷/ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاحتکار، ص ۲۳۵، نمبر ۱۲۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غذا کو روکنا مکروہ ہے۔

آدمی یا جانور کی غذا روکنا مکروہ ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔قال ابو داؤد سالت احمد ما الحکرة؟ قال ما فیہ عیش الناس (د) (ابوداؤد شریف، نمبر ۳۴۴۷) دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعید بن میسبؒ کھجور کی گٹھلی، ببول کی پتی اور بیج کا احتکار کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے کھانے اور جانور کے کھانے میں احتکار ہے باقی جن چیزوں کے جمع کرنے میں آدمی اور جانور کو نقصان نہیں ہے اس

حاشیہ : (الف) عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے فرمایا اے عبداللہ! مجھے پتا چلا ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو...تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے (ب) آپؐ نے فرمایا بیوی سے جماع کرے تو اچھے طرح کرے۔پس اگر اپنی حاجت پوری ہوگئی اور اس کی حاجت پوری نہیں ہوئی تو بیوی کو جلدی نہ کرائے بلکہ اس کے اوپر ٹھہرا رہے (ج) آپؐ نے فرمایا جو مہنگا ہونے کے لئے غلہ روکے وہ غلطی کر رہا ہے۔حضرت سعید سے پوچھا آپ تو احتکار کرتے ہیں؟ تو حضرت سعید نے فرمایا معمرؒ جو اس حدیث کو نقل کرتے ہیں وہ بھی احتکار کرتے تھے (د) حضرت احمدؒ سے پوچھا احتکار کیا ہے؟ فرمایا جن غلوں سے لوگ زندگی گزارتے ہیں اس کو مہنگا ہونے کے لئے روکنا احتکار ہے۔

الاحتکار باھلہ[۳۱۳۴](۳۴) ومن احتکر غلّة ضیعته او ما جَلَبَه من بلد آخر فلیس بمحتکر[۳۱۳۵](۳۵) ولا ینبغی للسلطان ان یُسعّر علی الناس.

کے احتکار میں کراہیت نہیں ہے۔ اثر یہ ہے۔ قال ابو داؤد وکان سعید بن المسیب یحتکر النوی والخبط والبزر (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی النہی عن الحکرة، ص۱۳۲، نمبر ۳۴۴۸) اس اثر میں حضرت سعید بن میسب گٹھلی، ببول کی پتی اور غلے کی بیج کا احتکار کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا احتکار مکروہ نہیں ہے۔ کھانے کا احتکار مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی امامة قال نھی رسول اللہ ﷺ ان یحتکر الطعام (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۵ فی احتکار الطعام، ج رابع، ص ۳۰۶، نمبر ۲۰۳۸۰ ر ابن ماجہ شریف، باب الحکرة والجلب، ص ۳۰۹، نمبر ۲۱۵۵ ر مصنف عبد الرزاق، ج ثامن، نمبر ۱۴۸۹۶)

نوٹ اگر غلہ جمع کرنے میں اہل شہر کو نقصان نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اور حدیث میں حضرت معمر اس وقت احتکار کرتے جب اس کے جمع کرنے سے لوگوں کو نقصان نہیں ہوتا۔

لغت اقوات : قوۃ کی جمع ہے غذا، البھائم : بھیمة کی جمع ہے چوپایا، الاحتکار : غلہ کو روک لینا اور نہ بیچنا۔

[۳۱۳۴] (۳۴) جس نے روک لیا اپنی زمین کا غلہ یا وہ غلہ جو دوسرے شہر سے لایا تو وہ روکنے والا نہیں ہے۔

تشریح اپنے کھیت میں کافی غلہ اگایا اس کو گھر میں روکے رکھا اہل شہر کو نہیں بیچا۔ یا دوسرے شہر سے غلہ خرید کر لایا اور اس کو روکے رکھا تو یہ احتکار مکروہ نہیں ہے۔

وجہ اپنے شہر سے خرید کر غلہ جمع کرے اور اس کو روکے تب مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن علی قال نھی رسول اللہ ﷺ عن الحکرة بالبلد (ج) (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۵ فی احتکار الطعام، ج رابع، ص ۳۰۷، نمبر ۲۰۳۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے شہر سے خرید کر روکے تو احتکار مکروہ ہے۔ اگر اپنی زمین سے پیداوار کر کے روکے تو اس میں اہل شہر کا حق متعلق نہیں ہوا اس لئے وہ مکروہ نہیں ہے۔ اثر میں ہے۔ عن ابن طاؤس عن ابیہ قال کان یکون عندہ الطعام من ارضہ السنتین والثلاث یرید بیعہ ینتظر بہ الغلاء (د) (مصنف عبد الرزاق، باب الحکرة، ج ثامن، ص ۲۰۲، نمبر ۱۴۸۸۵)

لغت ضیعة : زمین۔

[۳۱۳۵] (۳۵) بادشاہ کے لئے مناسب نہیں ہے کہ لوگوں پر بھاؤ متعین کرے۔

تشریح کھانے پینے کی چیز کا بھاؤ مزید بڑھ گیا ہو تو اس کی قیمت ہمیشہ کے لئے متعین کر دینا مناسب نہیں۔ اس سے چیز بیچنے والے کو نقصان ہوگا۔ یہ اللہ کا نظام ہے کہ کسی چیز کی قیمت بڑھاتے ہیں اور کسی چیز کی قیمت گھٹاتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت سعید بن میسبؒ گٹھلی، ببول کی پتی اور بیج کا احتکار فرماتے تھے (ب) حضور کھانے کے احتکار کرنے سے منع فرماتے تھے (ج) حضور شہر میں احتکار کرنے سے منع فرماتے تھے (د) ابن طاؤس کے پاس اس کی زمین کا غلہ ہوتا تھا دو سال تک اور تین سال تک۔ اس کو بیچنے کا ارادہ کرتے اور مہنگا ہونے کا انتظار کرتے۔

[۳۱۳۶](۳۶) ویکرہ بیع السلاح فی ایام الفتنة[۳۱۳۷] (۳۷) ولا بأس ببیع العصیر

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن انس بن مالکؓ قال قال الناس یا رسول اللہ غلا السعر فسعر لنا،قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ هو المسعر القابض الباسط الرازق وانی لارجو ان القی اللہ ولیس احد منکم یطالبنی بمظلمة فی دم ولا مال (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی التسعیر ،ص۱۳۲،نمبر۳۴۵۱رترمذی شریف، باب ماجاء فی التسعیر ،ص۲۴۶،نمبر۱۳۱۴رابن ماجہ شریف، باب من کرہ ان یسعر ،ص۳۱۵،نمبر۲۲۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کے لئے ایک بھاؤ متعین کردینا مناسب نہیں ہے۔

لغت سعر : بھاؤ متعین کرنا۔

[۳۱۳۶](۳۶)فتنہ کے زمانے میں ہتھیار کا بیچنا مکروہ ہے۔

تشریح جنگ چل رہی ہے ایسے زمانے میں باغی سے، یا حربی سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے۔تاہم بیچ دیا تو بیع ہو جائے گی۔

وجہ اس ہتھیار سے ہم ہی سے جنگ کرے گا تو گویا کہ ہتھیار بیچ کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔اس لئے ان سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن عمان بن حصین قال نهی رسول اللہ ﷺ عن بیع السلاح فی الفتنة (ب)(سنن للبیہقی، باب کراہیة بیع العصیر ممن یعصر الخمر والسیف ممن یعصی اللہ عزوجل، ج خامس ،ص۵۳۵،نمبر۱۰۷۸۰)(۳)اثر میں ہے۔عن الحسن وابن سیرین انهما کرها بیع السلاح فی الفتنة (ج)(مصنف ابن ابی شیبة ،۱۳۱ما یکرہ ان یحمل الی العدو فیتقوی بی، ج سادس ،ص ۵۱۲،نمبر۳۳۳۵۹)اس حدیث مرسل اور اثر سے پتا چلا کہ فتنے کے زمانے میں اہل فتنہ سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے۔

[۳۱۳۷](۳۷)کوئی حرج نہیں ہے کہ انگور کا رس اس آدمی کے ہاتھ میں بیچے جس کو جانتا ہو کہ وہ اس کو شراب بنائے گا۔

تشریح زید یہ جانتا ہے کہ عمر انگور کے رس کا شراب بنائے گا اس کے باوجود اس کے ہاتھ میں انگور کے رس بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ زید عمر کے ہاتھ میں حلال اور پاک رس بیچ رہا ہے جس کے دو مصرف ہیں۔ایک رس کو پینا اور دوسرا رس سے شراب بنانا۔اب پینے کے بجائے شراب بنائے یہ عمر کی غلطی ہے۔زید کی غلطی نہیں ہے وہ تو حلال رس بیچ رہا ہے۔اس لئے حلال رس بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے جائز ہے(۲)اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔اخبرنا معمر قال قلت لایوب ابیع السلعة بها العیب ممن اعلم انه یدلس وبها ذلک العیب ؟ قال فما ترید ان تبیع الامن الابرار ؟ (د)(مصنف عبدالرزاق، باب بیع السلعة علی من یدلسها، ج ثامن ،ص۱۹۶، نمبر۱۴۸۵۷)اس اثر میں کہا گیا کیا نیک آدمی ہی سے عیب دار سامان بیچو گے؟اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ تدلیس کرنے والے سے بھی بیچ دیا تو

حاشیہ : (الف)لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! مہنگائی ہوگئی ہے اس لئے بھاؤ متعین فرما دیجئے۔آپؐ نے فرمایا اللہ بھاؤ متعین کرنے والا ہے، وہی مہنگا کرتا ہے اور سستا کرتا ہے۔اور روزی دینے والا ہے۔اور میں امید کرتا ہوں اللہ سے اس حال میں ملاقات کروں کہ تم میں سے کسی کا نہ خون کے بارے میں ظلم کا مطالبہ ہو اور نہ مال کے بارے میں (ب)حضورؐ نے فتنہ کے وقت ہتھیار کے بیچنے سے منع فرمایا (ج)حضرت حسن اور ابن سیرین نے فتنہ کے وقت ہتھیار بیچنے کو مکروہ قرار دیا (د) حضرت معمر نے فرمایا کہ میں حضرت ایوب سے کہا جس سامان میں عیب ہے کیا میں ایسے آدمی سے بیچ سکتا ہوں جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ اس عیب کے ساتھ تدلیس کرے گا؟فرمایا کیا چاہتے ہو کہ تم نیک لوگوں ہی سے بیچو گے؟

ممن یعلم انه یتّخذه خمرا.

کوئی حرج نہیں ہے۔اسی طرح انگور کارس شراب بنانے والے سے بیچا تو کوئی ح ج نہیں ہے۔

تاہم گناہ میں معاونت ہے اس لئے اس سے نہ بیچے تو اچھا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ ایسے آدمی کی معاونت کرنے میں گناہ ہوگا۔حدیث یہ ہے۔عن انس بن مالکؓ قال لعن رسول الله ﷺ فی الخمر عشرة عاصرها معتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة اليه وساقيها وبائعها وآكل ثمنها والمشتری لها والمشتراة له (الف) (ترمذی شریف، باب النھی ان یتخذ الخمر خلا، ص ۲۳۹، نمبر ۱۲۹۵ر ابن ماجہ شریف، باب لعنت الخمر علی عشرۃ اوجہ، ص ۴۸۹، نمبر ۳۳۸۰) اس حدیث میں شراب بنانے والے اور پینے والے پر لعنت کی گئی ہے۔ساتھ ہی اس کی مدد کرنے والے پر بھی لعنت کی گئی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ مدد کرنے والے پر کچھ نہ کچھ گناہ ہوگا۔اس لئے ایسے لوگوں سے انگور کارس بیچنے سے احتراز کرے۔

اصول گناہ کی چیز میں دور سے مدد کرے تو جائز ہوگا البتہ مدد کے مطابق گناہ گار ہوگا۔

لغت العصیر : رس، شیرۂ انگور۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت کی، نچوڑنے والے پر، جس کے لئے نچوڑا ہے اس پر، پینے والے پر، اس کے اٹھانے والے پر، جس کے لئے اٹھایا ہے اس پر، پلانے والے پر، اس کے بیچنے والے پر، قیمت کھانے والے پر، جس نے خریدا ہے اس پر، اس کے خریدنے والے پر اور جس کے لئے خریدا اس پر لعنت ہے۔

﴿ کتاب الوصایا ﴾

[۳۱۳۸](۱) الوصیة غیر واجبة وھی مستحبة.

﴿ کتاب الوصایا ﴾

ضروری نوٹ وصایا وصیت کی جمع ہے۔موت کے وقت کسی کے لئے مال کی وصیت کرتے ہیں اس کو وصیت کہتے ہیں۔اس کی دلیل یہ آیت ہے۔فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث من بعد وصیة یوصی بھا او دین غیر مضار وصیة من اللہ واللہ علیم حکیم (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ دین اور وصیت کی ادائیگی کے بعد وراثت تقسیم کی جائے گی۔دوسری آیت میں ہے۔کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین (ب)(۲)(آیت ۱۸۰، سورۃ البقرۃ۲)(۳) حدیث میں یہ ہے۔عن عامر بن سعد عن ابیہ قال مرضت فعادنی النبی ﷺ فقلت یا رسول اللہ ادع اللہ ان لا یردنی علی عقبی قال لعل اللہ یرفعک وینفع بک ناسا فقلت ارید ان اوصی وانما لی ابنة فقلت اوصی بالنصف؟ قال النصف کثیر! قلت فالثلث؟ قال الثلث والثلث کثیر او کبیر قال واوصی الناس بالثلث فجاز ذلک لھم (ج) (بخاری شریف، باب الوصیة بالثلث ،ص ۳۸۳، نمبر ۲۷۴۴ رمسلم شریف، باب الوصیة بالثلث ،ص ۳۸، نمبر ۱۶۲۸ رابوداؤد شریف، باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ ،ص ۳۹، نمبر ۲۸۶۴) اس حدیث سے وصیت کا پتا چلا اور یہ بھی پتا چلا کہ اپنے مال کی ایک تہائی وصیت کرے اس سے زیادہ نہیں۔

[۳۱۳۸](۱) وصیت واجب نہیں ہے وہ مستحب ہے۔

تشریح بعض لوگ فرماتے ہیں کہ وصیت کرنا واجب ہے۔اس لئے مصنف نے فرمایا کہ وصیت کرنا مستحب ہے۔جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی کہ کس وارث کو کتنا ملے گا اس وقت تک ورثہ کے لئے وصیت کرنا واجب تھا۔اوپر کی آیت میں کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین (آیت ۱۸۰، سورۃ البقرۃ۲) میں ذکر کیا گیا ہے کہ موت کے وقت وارثین کے لئے وصیت کرنا ضروری ہے۔لیکن جب آیت میراث نازل ہوگئی تو وارثین کے علاوہ دوسروں کے لئے وصیت کرنا مستحب رہ گیا۔

حاشیہ : (الف) پس اگر اس سے زیادہ وارث ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہوں گے وصیت کے بعد یا دین ادا کرنے کے بعد۔یہ اللہ کی جانب سے وصیت ہے۔اللہ جاننے والا حکمت والا ہے (ب) تم پر فرض کیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو اگر مال چھوڑا تو وصیت کرنا ہے والدین کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے معروف کے ساتھ متقین پر حق ہے (ج) حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو حضورؐ نے میری عیادت کی تو میں نے کہا یا رسول اللہ! دعا فرمائے کہ مجھے پیچھے نہ لوٹائے۔تو فرمایا ہوسکتا ہے کہ اللہ تم کو بلند کرے اور کچھ لوگوں کو تم سے نفع دے۔میں نے کہا میں وصیت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے ایک ہی بیٹی ہے۔میں نے کہا میں آدھے مال کی وصیت کرتا ہوں۔فرمایا آدھا تو بہت زیادہ ہے۔میں نے کہا تو تہائی۔فرمایا تہائی زیادہ ہے۔چلو تہائی ٹھیک ہے، فرمایا لوگ تہائی کی وصیت کرے اور یہ ان کے لئے جائز ہے۔

[۳۱۳۹](۲) ولا تجوز الوصیة للوارث الا ان یُجیزها الورثة.

وجہ وارثین کوتو حصہ مل ہی جائے گا۔اب دوسرے لوگوں کو وصیت کر کے مال کا ہدیہ دینا ہے۔اور ہدیہ دینا مستحب ہے اس لئے وصیت بھی مستحب ہوگی (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے وصیت نہیں کی۔اگر وصیت کرنا واجب ہوتا تو آپؐ ضرور کرتے۔اس سے معلوم ہوا کہ وصیت کرنا مستحب ہے۔حدیث یہ ہے۔سالت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ اوصی النبی ﷺ فقال لا! فقلت کیف کتب علی الناس الوصیة او امروابھا ؟قال اوصی بکتاب اللہ (الف) (بخاری شریف، باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ،ص ۷۶۳،نمبر ۴۴۶۰/ابن ماجہ شریف، وھل اوصی رسول اللہ ﷺ،ص ۳۸۸،نمبر ۲۶۹۵/ابوداؤدشریف، باب ماجاء فیما یومر بہ من الوصیۃ ، ج ۲،ص ۳۹،نمبر ۲۸۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت کی مال کی وصیت نہیں کی۔اس سے معلوم ہوا کہ وصیت واجب نہیں ہے (۲) ایک حدیث میں وصیت کو صدقہ قرار دیا ہے اور صدقہ کرنا مستحب ہے۔اس لئے وصیت کرنا بھی مستحب ہوگا۔حدیث یہ ہے۔عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تصدق علیکم عند وفاتکم بثلث اموالکم زیادة لکم فی اعمالکم (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الوصیۃ بالثلث ،ص ۳۹۰،نمبر ۲۷۰۹) اس حدیث میں ہے کہ اللہ نے تم پر صدقہ کیا تہائی مال وصیت کرنے کا، اور صدقہ کرنا مستحب ہے اس لئے وصیت بھی مستحب ہوگی۔

اگر کسی کا قرض ہو یا کسی کی امانت ہو جن کا ادا کرنا ضروری ہو تو اس کی وصیت کرنا واجب ہے۔

وجہ حدیث میں اس کی تاکید ہے۔عن عبد اللہ یعنی ابن عمرؓ عن رسول اللہ ﷺ قال ماحق امرئ مسلم لہ شیء یوصی فیہ یبیت لیلتین الا ووصیة مکتوبة عندہ (ج) (ابوداؤدشریف، باب ماجاء فیما یومر بہ من الوصیۃ،ص ۳۹،نمبر ۲۸۶۲/ابن ماجہ شریف، باب الحث علی الوصیۃ ،ص ۳۸۹،نمبر ۲۶۹۹) اس حدیث میں ہے کہ کوئی چیز وصیت کرنے کی ہو تو دو راتیں بھی تاخیر نہ کرو کہ وصیت لکھی ہوئی ہو۔جس سے معلوم ہوا کہ امانت یا قرض دینا ہو تو وصیت لکھ کر رکھے، ایسی وصیت واجب ہے۔

[۳۱۳۹](۲) وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ورثہ اس کی اجازت دے۔

تشریح شروع اسلام میں وارثین کے لئے وصیت واجب تھا بعد میں قرآن نے سب حصے داروں کا حصہ متعین کر دیا تو اب وہ منسوخ ہو گیا۔ اب وارثین کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔کیونکہ اس میں بعض وارث کو زیادہ ملے گا۔اور بعض حقدار کو کم ، ہاں! باقی ورثہ اس وصیت کو نافذ کرنے کی اجازت دے تو نافذ کر دی جائے گی۔

وجہ پہلے وارثین کے لئے وصیت کرنا واجب تھا اس کی دلیل یہ آیت ہے۔کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا

حاشیہ : (الف) میں نے عبداللہ بن ابی اوفی سے پوچھا کیا حضورؐ نے وصیت کی تھی؟ فرمایا نہیں۔میں نے کہا لوگوں پر وصیت کیسے فرض کی گئی یا اس کا حکم دیا گیا؟ فرمایا کتاب اللہ کو پکڑے رہنے کی وصیت کی (ب) آپؐ نے فرمایا اللہ نے تم پر صدقہ کیا ہے تمہاری وفات کے وقت تمہارے تہائی مال کا تمہارے اعمال میں زیادتی کے لئے (ج) آپؐ نے فرمایا کسی آدمی کے حق کے بارے میں وصیت لکھنی ہو تو دو رات بھی نہیں گزرنی چاہئے کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی ہونی چاہئے۔

[۳۱۴۰](۳)ولا تجوز بمازاد علی الثلث.

الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین (الف)(آیت ۱۸۰، سورۃ البقرۃ ۲)اور اب یہ منسوخ ہوگیا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عباس قال کان المال للولد وکانت الوصیة للوالدین فنسخ اللہ من ذلک ما احب فجعل للذکر مثل حظ الانثیین (ب)(بخاری شریف، باب لا وصیۃ لوارث، ص ۳۸۳، نمبر ۲۷۴۷)اس حدیث میں ہے کہ وارثین کے لئے وصیت کرنا اب منسوخ ہوگیا(۲)دوسری حدیث میں ہے۔سمعت ابا امامة قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث (ج)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث، ص ۴۰، نمبر ۲۸۷۰ رترمذی شریف، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث، ص ۳۲، نمبر ۲۱۲۰)حدیث سے معلوم ہوا کہ وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔

البتہ اگر وارث اجازت دے تو اس کی اجازت سے کسی وارث کے لئے وصیت نافذ کر دی جائے گی۔

وجہ سب کی اجازت ہوگئی تو گویا کہ سب نے اپنا اپنا حصہ ایک وارث کو اپنی اپنی مرضی سے دے دیا۔اس لئے اس کی گنجائش ہے(۲)حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یجوز لوارث وصیة الا ان یشاء الورثة (د)دار قطنی، کتاب الوصایا، ج رابع، ص ۸۷، نمبر ۴۲۵۳ رمصنف ابن ابی شیبۃ، اما جاء فی الوصیۃ للوارث، ج سادس، ص ۲۰۹، نمبر ۳۰۷۱۱)اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ باقی وارثین اجازت دے تو وارث کے لئے وصیت نافذ کر دی جائے گی۔

[۳۱۴۰](۳)تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔

تشریح میت وارث کے علاوہ کے لئے وصیت کرنا چاہے تو اپنے تہائی مال تک وصیت کر سکتا ہے۔اس سے زیادہ کی وصیت کرے تو وہ وارثین کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگی۔کیونکہ دو تہائی مال وارثین کا حق ہوگیا۔

وجہ اوپر حدیث میں گزر گیا۔عن عامر بن سعد عن ابیه قال مرضت فعادنی النبی ﷺ ... قلت فالثلث قال الثلث والثلث کثیر او کبیر قال واوصی الناس بالثلث فجاز ذلک لهم (ہ)(بخاری شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص ۳۸۳، نمبر ۲۷۴۴ رمسلم شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص ۳۸، نمبر ۱۶۲۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثلث سے زیادہ وصیت نہ کرے۔کیونکہ وہ ورثہ کا حق ہے(۲)اس اثر میں اس کی پوری وضاحت ہے۔عن ابن عباسؓ قال لو غض الناس الی الربع لان رسول اللہ ﷺ قال الثلث والثلث کثیر (و)(بخاری شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص ۳۸۳، نمبر ۲۷۴۳ رابن ماجہ شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص ۳۹۰، نمبر

حاشیہ : (الف)تم میں سے کسی کو موت آئے تو اللہ نے تم پر فرض کیا ہے کہ اگر مال چھوڑا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے معروف کے ساتھ وصیت کرے۔یہ متقین پر حق ہے(ب)حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مال اولاد کا تھا اور وصیت والدین کے لئے تو اللہ نے اس کو منسوخ کیا اور کر دیا مرد کو عورت کا دوگنا۔(ج)آپؐ نے فرمایا اللہ نے ہر ایک حق والے کو حق دیا پس وارث کے لئے وصیت نہیں ہے(د)آپؐ نے فرمایا وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے مگر دوسرے ورثہ چاہیں تو جائز ہوگی(ہ)حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو حضورؐ میری عیادت کے لئے تشریف لائے...میں نے کہا تہائی وصیت کروں؟ فرمایا تہائی ٹھیک ہے تاہم یہ بھی زیادہ۔پس لوگوں کو تہائی وصیت کرنے کی اجازت دی۔پس یہ ان کے لئے جائز ہے(و)حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ چوتھائی تک وصیت کریں تو بھی ٹھیک ہے اس لئے کہ حضورؐ نے تہائی کو زیادہ کہا ہے۔

[۳۱۴۱](۴) ولا تجوز الوصیة للقاتل[۳۱۴۲](۵) ویجوز ان یُوصی المسلم للکافر والکافر للمسلم[۳۱۴۳](۶) وقبول الوصیة بعد الموت فان قَبِلها الموصٰی له فی حال

۲۷۱۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چوتھائی مال وصیت کرے تو زیادہ بہتر ہے۔کیونکہ حضورؐ نے تہائی کو زیادہ مال بتایا ہے۔

[۳۱۴۱](۴) قاتل کے لئے وصیت جائز نہیں۔

تشریح کسی کو وراثت کے لئے قتل کیا ہے تو اس کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔اور اگر میت نے وصیت کیا تھا اور اسی آدمی نے میت کو قتل کردیا تو وہ وصیت باطل ہوجائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن الی علی بن ابی طالب قال رسول الله ﷺ لیس لقاتل وصیة (الف) دوسری حدیث میں ہے۔عن ابی ہریرۃؓ عن النبی ﷺ قال لیس لقاتل میراث (ب)(دار قطنی فی الاقضیة والاحکام وغیر ذلک، ج رابع ص ۱۵۲، نمبر ۴۵۲۶/۴۵۲۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاتل کے لئے وصیت نہیں ہے۔اور نہ قاتل کے لئے میراث ہے۔

[۳۱۴۲](۵)اور جائز ہے مسلمان کافر کے لئے وصیت کرے اور کافر مسلمان کے لئے۔

تشریح کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا لیکن ایک دوسرے کے لئے وصیت کرے تو جائز ہے۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب الله من المومنین والمھاجرین الا ان تفعلوا الی اولیاء کم معروفا کان ذلک فی الکتاب مسطورا (ج)(آیت ۶،سورۃ الاحزاب ۳۳)اس آیت میں الا ان تفعلوا الی اولیاء کم معروفا سے اشارہ ہے کہ اولیاء اور خاندان والے کافر بھی ہوں تو ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرسکتا ہے۔اور وصیت کرنا ایک قسم کا احسان کرنا ہے۔اس لئے وصیت بھی کرسکتا ہے(۲) اثر میں ہے۔ان صفیة اوصت لقرابة لھا یھودی (د)(مصنف ابن ابی شیبة ۱۲، فی الوصیة للیھودی والنصرانی من رأھا جائزۃ، ج سادس، ص ۲۱۳، نمبر ۳۰۷۵۴ رسنن للبیھقی، باب الوصیة للکفار، ج سادس، ص ۴۵۹، نمبر ۱۲۶۵۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ آدمی یہودی یا نصرانی کے لئے وصیت کرسکتا ہے۔اور جب کفار کے لئے وصیت کرسکتا ہے تو کفار بھی مسلمان کے لئے وصیت کرسکتے ہیں۔

[۳۱۴۳](۶) وصیت قبول کرنے کا اعتبار موت کے بعد ہے، پس اگر موصی لہ نے زندگی میں قبول کیا یا اس کو رد کیا تو یہ باطل ہے۔

تشریح وصیت کرنے والے کو موصی اور جس کے لئے وصیت کی اس کو موصی لہ اور جس مال کی وصیت کی اس کو موصی بہ اور جس سے وصیت نافذ کرنے کے لئے کہا اس کو وصی کہتے ہیں۔مثلا زید نے خالد سے کہا کہ میرے مرنے کے بعد یہ باغ محمود کو دے دینا تو زید وصیت کرنے والا ہے اس لئے یہ موصی ہوا۔اور خالد وصیت نافذ کرنے والا ہے اس لئے وہ وصی ہوا، اور محمود کے لئے باغ کی وصیت کی اس لئے محمود موصی لہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا قاتل کے لئے وصیت نہیں ہے (ب) آپؐ نے فرمایا قاتل کے لئے وراثت نہیں ہے (ج) رشتہ دار اللہ کی کتاب میں بعض بعض سے بہتر ہے مومنین اور مہاجرین سے مگر یہ کہ تم اپنے اولیاء کے ساتھ معروف کا معاملہ کرو، یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے (د) حضرت صفیہؓ نے اپنے یہودی رشتہ دار کے لئے وصیت کی۔

الحیوۃ او ردّھا فذلک باطل[۳۱۴۴] (۷) ویُستحب ان یوصی الانسان بدون الثلث.

ہوا، اور باغ کی وصیت کی ہے اس لئے باغ موصی بہ ہوا۔

اصل مسئلہ : موصی کے مرنے کے بعد موصی لہ کے رد کرنے یا قبول کرنے کا اعتبار ہے۔ موصی کی زندگی میں رد کیا یا قبول کیا اس کا اعتبار نہیں ہے۔

وجہ وصیت کا مطلب ہے مرنے کے بعد موصی لہ کو مالک بنانا تو جس وقت مالک بنایا جائے گا یعنی مرنے کے بعد اس وقت قبول یا انکار کا اعتبار ہے۔ اور حیات میں مالک بنایا ہی نہیں جا رہا ہے تو اس کے قبول یا رد کا کیا اعتبار ہوگا؟ (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **ان ابن ابی ربیعة کتب الی عمر بن الخطاب الرجل یوصی بوصیة ثم یوصی باخری قال املکھما آخرھما (الف)** (مصنف ابن ابی شیبة ۳۱ الرجل یوصی بالوصیة ثم یوصی باخری بعدھا، ج سادس، ص ۲۱۱، نمبر ۳۰۷۲۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بعد کی وصیت کا اعتبار ہے پہلی وصیت ساقط ہو جائے گی (۳) اثر میں ہے کہ میت کی زندگی میں ورثہ زیادہ وصیت کرنے کی اجازت دے پھر مرنے کے بعد ورثہ زیادہ وصیت کرنے دینے کی اجازت سے مکر جائے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، پھر تہائی سے زیادہ کی وصیت منسوخ ہو جائے گی۔ اثر یہ ہے۔ **عن شریح قال اذا استأذن الرجل ورثته فی الوصیة فاوصی باکثر من الثلث فطیبوا له، فاذا نفضوا ایدیھم من قبرہ فھم علی رأس امرھم ان شاء وا اجازوا وان شاء وا لم یجیزوا (ب)** (مصنف ابن ابی شیبة ۲، فی الرجل یستأذن ورثته ان یوصی باکثر من الثلث، ج سادس، ص ۲۰۹، نمبر ۳۰۷۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے مرنے کے بعد رد کرنے یا قبول کرنے کا اعتبار ہے (۳) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عبد اللہ بن ابی قتادۃ عن ابیه ان النبی علیہ السلام حین قدم المدینة سأل عن البراء بن معرور فقالوا توفی واوصی بثلثه لک قال قد رددت ثلثه علی ولدہ (ج)** (سنن للبیہقی، باب الوصیة للرجل وقبوله وردہ، ج سادس، ص ۴۵۱، نمبر ۱۲۶۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موصی لہ کو موصی کے مرنے کے بعد قبول کرنے یا رد کرنے کا حق ہوتا ہے۔

[۳۱۴۴] (۷) مستحب ہے کہ انسان تہائی سے کم کی وصیت کرے۔

وجہ حدیث میں فرمایا کہ تہائی مال تو بہت بڑی چیز ہے اس لئے بہتر ہے کہ تہائی مال سے کم کی وصیت کرے۔ خصوصا غریب ورثہ ہو تو ان کی رعایت پوری کرے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عامر بن سعد عن ابیه قال مرضت فعادنی النبی علیہ السلام ... ارید ان اوصی وانما لی ابنة فقلت اوصی بالنصف؟ قال النصف کثیر قلت فالثلث؟ قال الثلث والثلث کثیر او کبیر قال واوصی**

حاشیہ : (الف) ابن ابی ربیعہ نے حضرت عمرؓ کو لکھا آدمی ایک وصیت کرتا ہے پھر دوسری وصیت کرتا ہے تو کس کا اعتبار ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اخیر والی زیادہ مضبوط ہے (ب) حضرت شریح نے فرمایا ایک آدمی نے وارث کے بارے میں وصیت کی اجازت مانگی تو مرنے والے نے تہائی سے زیادہ کی وصیت کر دی تو باقی سبھی ورثہ راضی ہو گئے۔ پھر جب انہوں نے قبر کی مٹی سے ہاتھ جھاڑا تو وہ اپنے اصل اختیار پر رہیں گے۔ اگر چاہے تو اجازت دے اور چاہے تو اجازت نہ دے (ج) جب حضورؐ مدینہ تشریف لائے تو براء بن معرور کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے کہا انتقال کر گئے ہیں اور آپؐ کے لئے تہائی کی وصیت کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ تہائی ان کے بچوں پر واپس کرتا ہوں۔

[۳۱۴۵](۸)واذااوصٰی الی رجل فقبل الوصیة فی وجه الموصی وردّھا فی غیر وجھه فلیس بردٍّ وان ردّھا فی وجھه فھو ردٌّ[۳۱۴۶](۹) والموصٰی به یملک بالقبول.

الناس بالثلث فجاز ذلک لھم (الف)(بخاری شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص۳۸۳، نمبر۲۷۴۴)اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اثر میں ہے کہ میری تمنا ہے کہ لوگ چوتھائی تک وصیت کیا کریں۔اثر یہ ہے۔عن ابن عباسؓ قال لو غض الناس الی الربع لان رسول اللہ ﷺ قال الثلث، والثلث کثیر (ب)(بخاری شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص۳۸۳، نمبر۲۷۴۳/۲۷۴۴/مسلم شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص۳۸، نمبر۱۶۲۹/ابوداؤد شریف، باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ، ص۳۹، نمبر۲۸۶۴/ابن ماجہ شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص۳۹۰، نمبر۲۷۱۱)اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ تہائی سے کم چوتھائی مال تک وصیت کرنا مستحب ہے۔

[۳۱۴۵](۸)اگر وصیت کی کسی نے کسی کے لئے۔پس قبول کی وصیت کو وصیت کرنے والے کے سامنے اور رد کر دیا اس کو غائبانہ میں تو رد نہیں ہوگی۔اور اگر رد کی اس کے سامنے تو رد ہو جائے گی۔

تشریح وصیت کرنے والے نے وصیت کی اور جس کے لئے وصیت کی اس نے اس کے سامنے قبول کر لیا تو وصیت پکی ہوگی۔اب اگر رد کرنا چاہے تو میت کے سامنے رد کردے یا کم از کم اس کی زندگی میں رد کرنے کی خبر بھجوا دے کہ میں اس مال کو قبول نہیں کرتا ہوں تو وصیت رد ہوگی۔اور مال میت کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔اور اگر میت کے سامنے رد نہیں کی اور نہ اس کی زندگی میں خبر بھجوائی بلکہ اس کے مرنے کے بعد رد کی یا اس کی زندگی میں رد کی لیکن غائبانہ میں رد کی اور میت کو خبر نہیں بھجوائی تو وصیت رد نہیں ہوگی بلکہ وہ مال موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہو جائیگا۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ موصی لہ کے قبول کرنے کے بعد وصیت پکی ہوگئی۔اب اس کو توڑنا ہو تو وصیت کرنے والے کے سامنے توڑے یا اس کو خبر بھجوا دے تاکہ زندگی میں اس کو اطمینان ہو جائے۔یہ مال میرے پاس واپس آگیا ہے۔اب اس کو کسی اور غریب پر صدقہ کر کے دنیا سے جانا ہے۔اور یہ خبر نہیں پہنچی تو وہ یہ اطمینان کر کے جائے گا کہ مال ٹھکانے پہنچ چکا ہے (۲) جس طرح بیع میں قبول کرنے کے بعد پکی ہو جاتی ہی اب اس کو توڑنا ہو تو سامنے آکر توڑے یا اس کی خبر پہنچائے۔

[۳۱۴۶](۹)جس کی وصیت کی جائے وہ ملک میں آجاتی ہے قبول کرنے سے۔

تشریح وصیت کرنے والے نے وصیت کی اور جس کے لئے وصیت کی اس نے قبول کر لیا تو وصیت کی چیز موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔اور قبول نہیں کیا تو اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی۔

وجہ حنفیہ کے یہاں وصیت بیع کی طرح ہے۔جس طرح بیع میں بائع ایجاب کرے پھر مشتری قبول کرے تب مبیع مشتری کی ملکیت میں داخل

حاشیہ : (الف) حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو حضورؐ میری عیادت کے لئے تشریف لائے...میں نے کہا کہ میں وصیت کرنا چاہتا ہوں۔میری تو ایک ہی بیٹی ہے۔اس لئے میں آدھے مال کی وصیت کرتا ہوں۔فرمایا آدھا تو بہت ہے۔میں نے کہا تہائی کا۔فرمایا تہائی ٹھیک ہے البتہ یہ بھی بہت ہے۔وصیت کرے لوگ تہائی کی تو ان کے لئے جائز ہے (ب) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر لوگ چوتھائی تک وصیت کریں تو ٹھیک ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ تہائی ٹھیک ہے البتہ زیادہ ہے۔

[۳۱۴۷](۱۰) **الا فی مسئلة واحدة وھی ان یموت الموصی ثم یموت الموصٰی له قبل**

ہو جاتی ہے۔اسی طرح وصیت میں موصی وصیت کرے اور موصی لہ اس کو قبول کرے تب وصیت کی چیز موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہوگی۔اور اگر موصی لہ نے انکار کر دیا یا اس کو خبر پہنچی اور وہ خاموش رہا تو وصیت کی چیز اس کی ملکیت نہیں ہوگی۔موصی لہ کے قبول کی ضرورت اس لئے ہے کہ وصیت ایک قسم کا احسان ہے تو ممکن ہے کہ موصی لہ اس احسان کو نہ لینا چاہتا ہو۔یا وہ مثلا فقیر نہیں ہے اور موصی صدقے کے مال کی وصیت موصی لہ کے لئے کرنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے موصی لہ اس کے حق میں ہے کہ صدقے کا مال میں نہ لوں۔اس لئے وہ قبول کرے گا تو ملکیت ہوگی ورنہ نہیں (۱) اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔**عن الشعبی قال لا وصیة لمیت** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ،الرجل یوصی لرجل بوصیة فیموت الموصی لہ قبل اموصی ، ج سادس ،ص ۲۱۱،نمبر ۳۰۷۳۲) اس اثر میں ہے کہ جو مر چکا ہے اس کے لئے وصیت کرنا صحیح نہیں ہے۔کیونکہ وہ وصیت کی چیز کو قبول کرنے کا اہل نہیں رہا۔جس سے معلوم ہوا کہ وصیت کی چیز کو قبول کرنے سے موصی لہ کی ملکیت ہوگی (۲) یہ اثر بھی اس کی دلیل ہے۔**عن ابن عون قال اوصی الی ابن عم فکرھت ذلک فسألت عمرا فامرنی ان اقبلھا قال وکان ابن سیرین یقبل الوصیة** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ،۴۵ فی قبول الوصیة ،من کان یوصی الی الرجل فیقبل ذلک ،ج سادس ،ص ۲۲۷،نمبر ۳۰۹۰۱) اس میں وصیت قبول کی تب وصی بنا۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح وراثت بغیر وارثین کے قبول کے میت کے مرتے ہی اس کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے۔اسی طرح وصیت کی چیز بغیر موصی لہ کے قبول کئے اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

وجہ مسئلہ نمبر ۱۰ کا اثر ہے جو آگے آرہا ہے۔

[۳۱۴۷](۱۰) مگر ایک مسئلے میں وہ یہ کہ وصیت کرنے والا مرے پھر وہ مرے جس کے لئے وصیت کی قبول کرنے سے پہلے تو وصیت کی چیز موصی لہ کے ورثے کی ملکیت میں داخل ہوگی۔

تشریح وصیت کرنے والے نے جس وقت وصیت کی اس وقت جس کے لئے وصیت کی تھی وہ زندہ تھا۔لیکن اس کو وصیت کی خبر پہنچنے سے پہلے اور قبول یا رد کرنے سے پہلے موصی لہ کا انتقال ہو گیا اور وصیت کرنے والا زندہ تھا پھر مرا تو یہ چیز جس کے لئے وصیت کی تھی اس کے ورثہ کی ملکیت ہو جائے گی۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**عن علی فی رجل اوصی لرجل فمات الذی اوصی له قبل ان یأتیه قال ھی لورثة الموصی له** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ، ۴۴ فی الرجل یوصی لرجل بوصیة فیموت الموصی لہ قبل الموصی ، ج سادس ،ص ۲۱۱، نمبر ۳۰۷۲۹ /مصنف عبد الرزاق ،الرجل یوصی والمقتول والرجل یوصی للرجل فیموت قبلہ ،ج تاسع ،ص ۸۴،نمبر ۱۶۴۴۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وصیت کرنے کے بعد

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا میت کے لئے وصیت نہیں ہے (ب) حضرت ابن عوف نے فرمایا میرے چچا زاد بھائی نے میرے لئے وصیت کی تو میں نے اس کو ناپسند کیا۔پس حضرت عمرؓ سے پوچھا تو مجھ کو حکم دیا کہ میں اس کو قبول کروں۔فرمایا کہ محمد ابن سیرین وصیت کی چیز کو قبول فرمایا کرتے تھے (ج) حضرت علیؓ نے فرمایا کوئی آدمی کسی آدمی کے لئے وصیت کرے۔پس مال آنے سے پہلے موصی لہ مر گیا تو کیا ہوگا؟ فرمایا موصی لہ کے ورثہ کے لئے ہوگا۔

القبول فیدخل الموصیٰ به فی ملک ورثته[۳۱۴۸](۱۱) ومن اوصیٰ الی عبد او کافر او فاسق اخرجهم القاضی من الوصیة ونصب غیرهم.

موصی لہ مرگیا تو یہ مال موصی لہ کے ورثہ کی ملکیت ہو جائے گی (۲) موصی نے وصیت کردی تو اپنی جانب سے مال موصی لہ کی ملکیت میں داخل کردی۔ اب موصی لہ زندہ تو تھا لیکن خبر نہ ہونے کی وجہ سے قبول یا انکار نہ کرسکا تو ظاہری حال یہی ہے کہ وہ قبول ہی کرے گا۔ اس لئے اس کی ملکیت میں داخل شمار کرکے اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔ اس صورت میں موصی لہ کا باضابطہ قبول کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

لغت الموصی : اسم فاعل کا صیغہ ہے وصیت کرنے والا، الموصی لہ : جس کے لئے وصیت کی، الموصی بہ : جس مال کی وصیت کی۔

[۳۱۴۸](۱۱) کسی نے وصیت کی غلام کو یا کافر کو یا فاسق کو تو قاضی ان کو وصیت سے نکال دے اور مقرر کردے ان کے علاوہ کو۔

تشریح غلام یا کافر یا فاسق اس لائق نہیں ہیں کہ ان کو وصی بنائے اور وصیت کے مال پر نگران بنائے۔ تاہم موصی نے بنا دیا تو قاضی ان لوگوں کو وصی بننے سے نکال دے اور ان کی جگہ پر عاقل مسلمان اور عادل آدمی کو وصی مقرر کرے۔

وجہ یہ مسئلہ اس اثر سے متفرع ہے۔ عن عامر قال الوصی بمنزلة الوالد واذا اتهم الوصی عزل او جعل معه غیره (الف) (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۴۱ من قال وصیة العبد حیث جعلها، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۵ رمس ف عبد الرزاق، الوصیة حیث یضعها صاحبها ووصیة المعتوه ووصیة الرجل ثم یقتل والرجل یوصی بعبده۔ ج تاسع، ص ۹۵، نمبر ۱۶۴۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وصی متہم ہو تو قاضی اس کو بدل دے گا۔ یا اس کے ساتھ کسی اور کو بھی مقرر کرے گا تاکہ وصیت کے مال میں خیانت نہ کرسکے۔

اب غلام کا حال تو یہ ہے کہ وہ آقا کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کرسکتا ہے اس لئے وہ کسی کا وصی کیسے بنے گا۔ یہاں تک کہ اپنا مال بھی وصیت نہیں کرسکتا تو کسی کا وصی کیسے بنے گا۔ اثر میں ہے۔ سال طهمان ابن عباس ایوصی العبد ؟قال لا (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۔۴۰ فی العبد یوصی اتجوز وصیته، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۳ رمصنف عبد الرزاق، الرجل یوصی لامه وهی ام ولد لابیه والذی یوصی لعبده ،ج تاسع، ص ۹۰، نمبر ۱۶۴۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام اپنے مال کی وصیت نہیں کرسکتا تو وہ دوسرے کا وصی کیسے بنے گا؟

کافر کو وصی بنانا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ مسلمان کا نگران نہیں بن سکتا۔ آیت میں ہے۔ یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المؤمنین اتریدون ان تجعلوا لله علیکم سلطانا مبینا (ج) (آیت ۱۴۴، سورة النساء ۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو دوست اور نگران مت بناؤ۔ اس لئے کفار وصی نہیں بن سکتا (۲) اثر میں ہے۔ قال سفیان لایجوز وصیة لاهل الحرب (د) (مصنف ابن ابی شیبة، ۷۹ الوصیة لاهل الحرب، ج سادس، ص ۲۴۰، نمبر ۳۱۰۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حربی کو وصی بنانا جائز نہیں۔

اور فاسق کو وصی بنانا اس لئے صحیح نہیں کہ وہ متہم ہے۔ معلوم نہیں وصیت کے مال کو صحیح جگہ پر خرچ کرے گا یا نہیں۔ اور پہلے گزر چکا کہ متہم ہو تو

حاشیہ : (الف) حضرت عامر نے فرمایا وصی والد کے درجے میں ہے اگر وصی متہم ہوگیا تو قاضی اس کو معزول کردے یا اس کے ساتھ دوسرے کو ملا دے (ب) حضرت طہمان نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کیا غلام وصیت کرسکتا ہے؟ فرمایا نہیں (ج) اے ایمان والو! مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ۔ کیا چاہتے ہو کہ اللہ کا تم پر واضح دلیل آجائے (د) حضرت سفیان نے فرمایا حربی کے لئے وصیت نہیں ہے۔

[۳۱۴۹](۱۲) ومن اوصی الی عبد نفسه وفی والورثة كِبارٌ لم تصح الوصية [۳۱۵۰] (۱۳) ومن اوصٰی الی من یعجز عن القیام بالوصیة ضمَّ الیه القاضی غیرہ [۳۱۵۱](۱۴) ومن اوصٰی الی اثنین لم یجز لاحدهما ان یتصرف عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله

قاضی اس کو بدل دے گا اور اس کی جگہ دوسرے کو وصی متعین کرے گا۔

[۳۱۴۹] (۱۲) کسی نے وصیت کی اپنے غلام کے لئے اور ورثہ میں بڑے ہیں تو وصیت صحیح نہیں ہوگی۔

تشریح میت کے ورثہ میں بالغ آدمی موجود ہے پھر بھی اپنے غلام کو وصی بنایا تو یہ اس کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے۔

وجہ اوپر گزرا کہ غلام وصی نہیں بن سکتا۔ اور یہاں تو غلام کو وصی مان لیں تو بالغ آزاد پر اس کی نگرانی ہو جائے گی اور غلام بالغ آزاد پر نگرانی نہیں کر سکتا اس لئے غلام کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے (۲) اس صورت میں آزاد بالغ کی حق تلفی بھی ہے کہ آزاد اور بالغ ہوتے ہوئے غلام کو وصی اور نگران بنایا۔ اس لئے غلام کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے۔ اثر میں ہے۔ عن ابن عباس قال الضرار فی الوصیة من الکبار ثم تلی غیر مضار وصیة من الله (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴، مصنف ابن ابی شیبة، ۴۷ من کان یوصی ویستحبها، ج سادس، ص ۲۲۹، نمبر ۳۰۹۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اولاد میں سے بھی بڑے کو وصیت کرنی چاہئے چہ جائیکہ غلام کو وصیت کرے۔

نوٹ اگر ورثہ میں صرف چھوٹے بچے ہوں تو غلام کو نگران اور وصی بنا سکتا ہے۔ کیونکہ چھوٹا بچہ نگرانی کیسے کرے گا۔ پھر اس کی حفاظت کون کرے گا۔ اس لئے اس مجبوری کے دور ہونے تک غلام وصی رہ سکتا ہے۔

[۳۱۵۰] (۱۳) کسی نے ایسے آدمی کو وصیت کی جو اس کو انجام دینے سے عاجز ہے تو قاضی اس کے ساتھ اس کے علاوہ کو شامل کر دے۔

تشریح موصی نے ایسے آدمی کو وصی بنایا جو وصیت کو کما حقہ انجام نہیں دے سکتا تو قاضی کسی اچھے آدمی کو اس کے ساتھ شامل کر دے تاکہ وصیت اچھی طرح انجام پا سکے۔

وجہ پہلے اثر گزر چکا ہے۔ عن عامر قال الوصی بمنزلة الوالد، واذا اتهم الوصی عزل او جعل معه غیره (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۱ من قال وصیة العبد حیث جعلها، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۵ / مصنف عبد الرزاق، الوصیة حیث یضعها صاحبها الخ، ج تاسع، ص ۹۵، نمبر ۱۶۴۸۶) اس اثر میں ہے کہ وصی متہم ہو یا کوئی خامی ہو تو اس کو معزول کر دے یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شامل کرے۔ اس لئے یہاں وصیت انجام دینے سے عاجز ہے تو دوسرے کو اس کے ساتھ شامل کر دے۔ تاکہ موصی کی بات بھی رہ جائے اور وصیت بھی اچھی طرح انجام پا جائے۔

[۳۱۵۱] (۱۴) کسی نے وصیت کی دو آدمیوں کو تو ان میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ تصرف کرے دوسرے کو چھوڑ کر امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وصیت کرنے میں نقصان دینا گناہ کبیرہ ہے۔ پھر آیت کا ٹکڑا پڑھا غیر مضار وصیة من الله (الف) عامر نے فرمایا وصی والد کے درجے میں ہے، اگر وصی متہم ہو جائے تو قاضی اس کو معزول کر دے یا اس کے ساتھ دوسرے کو کر دے۔

دون صاحبه [۳۱۵۲] (۱۵) الا فی شراء کفن المیت وتجهیزه وطعام اولاده الصغار و کسوتهم [۳۱۵۳] (۱۶) وردِ ودیعة بعینها وتنفیذ وصیة بعینها وعتق عبد بعینه وقضاء

تشریح موصی نے دو آدمیوں کو وصیت نافذ کرنے کا وصی بنایا۔ تو ایک آدمی وصیت نافذ کرنا چاہے تو طرفین کے نزدیک نہیں کرسکتا۔ بلکہ دونوں ملکر کام انجام دیں گے۔

وجہ دونوں کو وصی بنایا تو گویا کہ موصی نے دونوں کی رائے پر اعتماد کیا۔ ایک کی رائے پر اعتماد نہیں کیا۔ اس لئے دونوں ملکر انجام دیں گے (۲) ایک اثر سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ عن عمرؓ قال اذا کانت وصیة وعتاقة تحاصوا (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۲ فی الرجل یوصی بوصیة فیھا عتاقة، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۶) اس اثر میں ہے کہ میت نے ایک تہائی مال کی وصیت کی اور ایک غلام کو بھی آزاد کیا اور دونوں ملا کر ایک تہائی سے زیادہ وصیت ہو جاتی ہے تو دونوں کو حصے کر کے ایک تہائی کے اندر تقسیم کی جائے گی۔ پس جس طرح یہاں حصے کئے جائیں گے اسی طرح دو آدمیوں کو وصیت کی تو دونوں کو حصے کریں گے۔ لیکن انتظام کا حصہ کر نہیں سکتے تو دونوں مل کر انجام دیں گے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دنوں کو پورا پورا اختیار ہے۔ اس لئے کوئی ایک بھی انجام دے دے تو جائز ہو جائے گا۔

[۳۱۵۲] (۱۵) مگر میت کے کفن خریدنے میں اس کی تجہیز و تکفین میں اور چھوٹے بچوں کے کھانے اور اس کے کپڑے میں۔

تشریح میت کے کفن لائے اور اس کی تجہیز و تکفین کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ایک آدمی بھی کفن خرید کر لا سکتا ہے اور تجہیز و تکفین کر سکتا ہے۔

وجہ یہ کام جلدی کرنے کا ہے۔ اور دیر کرنے سے میت پھول پھٹ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پڑوس کے لوگ بھی جلدی سے اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس مسئلے میں دونوں وصیوں کا جمع ہونا ضروری نہیں ہے۔ ایک آدمی بھی کام انجام دے سکتا ہے۔ یہی حال چھوٹے بچوں کے کھانے اور ان کے کپڑوں کا ہے کہ دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ایک آدمی بھی کھانا اور کپڑا لا سکتا ہے۔ کیونکہ دونوں کے جمع ہونے کا انتظار کریں گے تو بچہ بھوک سے مر جائے گا یا سردی سے ٹھٹھر جائے گا۔

اصول دو آدمیوں کو وصی بنایا تو دونوں کو جمع ہونا چاہئے لیکن جہاں جلدی ہو یا مجبوری ہو تو ایک وصی بھی کام انجام دے سکتا ہے۔

[۳۱۵۳] (۱۶) خاص امانت کو واپس کرنے کی وصیت اور خاص وصیت کو نافذ کرنے اور متعین غلام کو آزاد کرنے اور قرض ادا کرنے اور میت کے حقوق میں نالش کرنے کی وصیت میں۔

تشریح یہ پانچ چیزوں کی وصیت ایسی ہے کہ دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ایک آدمی بھی انجام دے سکتا ہے۔ دوسرے کو مشورے اور کام میں شریک نہ بھی کرے تب بھی جائز ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ان میں سے بعض کام تو وہ ہے کہ اس میں رائے مشورے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کام متعین ہے صرف اس کو کر دینا ہے۔ اس لئے کوئی ایک بھی کر دے گا تو کافی ہے۔ مثلا متعین امانت کو واپس کرنے کی وصیت دو آدمیوں کو کی۔ اب اس

حاشیہ : (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر وصیت بھی ہو اور آزاد کرنا بھی ہو تو حصہ حصہ کر کے حساب کرو۔

الدین والخصومة فی حقوق المیت[۳۱۵۴](۱۷) ومن اوصیٰ لرجل بثلث مالہ وللاٰخر

میں مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف امانت والے کو واپس کر دینا ہے اس لئے کوئی ایک وصی بھی کر دے گا تو ہو جائے گا۔ دوسرے کی شرکت کی ضرورت نہیں ہے۔ یا متعین وصیت کو نافذ کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا مثلا کہا کہ پانچ درہم زید کو تم دونوں دے آؤ تو اس میں دونوں کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ایک وصی بھی دے آئے گا تو جائز ہو جائے گا۔ یا متعین غلام کو آزاد کرنے کی دو آدمیوں کو وصیت کی مثلا میرے غلام خالد کو تم دونوں آزاد کر دو۔ تو اس میں بھی مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ایک وصی آزاد کر دے تو جائز ہو جائے گا۔ یا زید کا میرے ذمے پانچ درہم قرض ہے تم دونوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اس قرض کو ادا کر دو۔ تو ایک وصی بھی ادا کر دے تو جائز ہے۔ کیونکہ دونوں وصی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ یا میت کے حقوق کے سلسلے میں مقدمہ کرنا ہے اس کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا مثلا زید نے مرنے سے پہلے دو آدمیوں کو وصی بنایا کہ میرا ہبہ مال فلاں کے پاس ہے اس کو لے آنا لیکن وہ نہیں دے رہا ہے۔ اب اس سلسلے میں مقدمہ دائر کرنا ہے تو ایک وصی بھی قاضی کے پاس مقدمہ دائر کر کے میت کے حق میں ہبہ کا فیصلہ کروا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کام کرنا ہی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ دونوں وصیوں کا جمع ہونا متعذر رہتا ہے اور تاخیر کرنے میں میت کے حق ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لئے ایک وصی بھی مقدمہ دائر کر کے میت کے حق میں فیصلہ کروالے گا تو جائز ہو جائے گا۔

اصول جہاں مشورے کی ضرورت نہیں وہاں دو وصیوں میں سے ایک بھی وصیت نافذ کر سکتا ہے (۲) جہاں دونوں وصیوں کا جمع ہونا متعذر رہو اور کام جلدی کرنا ہو وہاں بھی ایک وصی کر لے گا تو جائز ہو جائے گا۔

لغت کسوة : کپڑا، پوشاک، ودیعة : امانت، تنفیذ : نافذ کرنا، خصومة : مقدمہ دائر کرنا۔

[۳۱۵۴] (۱۷) کسی نے کسی آدمی کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے تہائی مال کی، اور ورثہ نے اجازت نہیں دی تو ایک تہائی دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی۔

تشریح قاعدہ یہ گزرا کہ ورثہ کی اجازت کے بغیر تہائی مال سے زیادہ وصیت نہیں کر سکتا اور یہاں دو آدمیوں کو ایک تہائی ایک تہائی کی وصیت ہے۔ اس لئے دو تہائی کی وصیت ہو گئی۔ اور ورثہ ایک تہائی سے زیادہ کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ اس لئے ایک تہائی مال کو دونوں موصی لہ کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی۔ مثلا سو درہم ہو تو ایک تہائی 33.33 درہم یعنی تینتیس درہم اور تینتیس پیسے ہوئے۔ اور اس کو دو آدمیوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کریں تو 16.66 سولہ درہم اور چھیاسٹھ پیسے ملیں گے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن الزهری فی رجل اوصی لرجل بفرس وسماه وقال ثلث مالی لفلان وفلان وکان الفرس ثلث ماله قال الزهری نری ان یقسم ثلث ماله علی حصصهم (الف)** (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۸ رجل اوصی لرجل بفرس واوصی لاٰخر بثلث مالہ وکان الفرس ثلث مالہ، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۵۸) اس اثر میں گھوڑا موصی کا تہائی مال تھا۔ اور اس کے علاوہ بھی تہائی مال کا

حاشیہ : (الف) حضرت زہریؒ نے فرمایا کسی آدمی نے کسی آدمی کے لئے گھوڑے کی وصیت کی اور گھوڑے کو متعین کیا اور یوں کہا کہ میرا مال فلاں اور فلاں کے لئے ہے۔ اور گھوڑا تہائی مال تھا۔ تو حضرت زہریؒ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ تہائی مال کو حصوں پر تقسیم کیا جائے۔

بثلث ماله ولم تُجز الورثة فالثلث بينهما نصفان[۳۱۵۵](۱۸) وان اوصٰی لاحدهما بالثلث والأخر بالسدس فالثلث بينهما اثلاثا[۳۱۵۶](۱۹) وان اوصٰی لاحدهما بجميع

کسی کے لئے وصیت کردی تو حضرت زہری نے فرمایا کہ تہائی مال کو دونوں کے درمیان حصے کردو۔

[۳۱۵۵](۱۸)اور اگر ان میں سے ایک کے لئے وصیت کی تہائی کی اور دوسرے کے لئے چھٹے حصے کی تو ایک تہائی دونوں کے درمیان تین تہا ک ہوگا۔

تشریح ایک آدمی کے لئے پورے مال کی تہائی کی وصیت کی جو سو درہم میں سے 33.33 تینتیس درہم تینتیس پیسے ہوں گے۔اور دوسرے کے لئے پورے مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی جو سو درہم میں سے 16.666 یعنی سولہ درہم اور چھیاسٹھ پیسے ہوں گے۔اب دونوں وصیتوں کو ملائیں تو آدھے مال کی وصیت ہوگی۔اور قاعدہ یہ ہے کہ صرف تہائی مال کی وصیت جائز ہے۔اس لئے دونوں موصی لہ کو اپنے اپنے حصہ سے ایک ایک تہائی کم ملے گی۔جس کے لئے پوری ایک تہائی مال کی وصیت کی تھی یعنی سو درہم میں سے 33.33 درہم ملنے والے تھے ان کو اس میں سے ایک تہائی کم کر کے 22.22 بائیس درہم اور بائیس پیسے ملیں گے۔اور جن کو پورے مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی تھی اس کو ایک تہائی کم کر کے 11.11 گیارہ درہم گیارہ پیسے ملیں گے۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے کہ وصیت زیادہ کردی تو حصے پر تقسیم ہوگی (۲) **عن الحسن انه قال فی رجل اوصی بدرهم وبالسدس ونحوه قال يتحاصون جميعا** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۸ رجل اوصی لرجل بفرس واوصی لآخر بثلث ماله وکان الفرس ثلث ماله، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۰) اس اثر میں ہے کہ زیادہ وصیت کردی ہو تو سب کو حصے پر تقسیم کردی جائے گی۔

نوٹ اوپر کا حساب کلکولیٹر پر سیٹ کرلیں۔

حساب کی دوسری شکل : جس کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اس کے لئے چھٹے حصے سے دوگنی وصیت کی۔اس لئے 33.33 یعنی تینتیس درہم تینتیس پیسے کو تین حصوں میں تقسیم کریں تو 11.11 گیارہ درہم گیارہ پیسے ہوں گے۔اور اس کا دوگنا 22.22 یعنی بائیس درہم بائیس پیسے تہائی وصیت والے کو ملے گا۔اور ایک گنا یعنی تینتیس میں سے ایک تہائی 11.11 گیارہ درہم گیارہ پیسے چھٹے حصے والے کو ملے گا۔کیونکہ چھٹا حصہ تہائی کا آدھا ہے۔

لغت اثلاثا : تین تہائی کریں ان میں سے دو تہائی ایک کو دیں اور ایک تہائی دوسرے کو دیں اس کو اثلاث کہتے ہیں۔

[۳۱۵۶](۱۹) اگر دونوں میں سے ایک کے لئے تمام مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے تہائی مال کی، اور ورثہ نے اجازت نہیں دی تو تہائی دونوں کے درمیان چار حصوں پر ہوگا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ تہائی دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا کوئی آدمی درہم کی وصیت کرے اور چھٹے حصے کی تو سب حصے کئے جائیں گے۔

مالہ وللاٰخر بثلث مالہ ولم تُجز الورثۃ فالثلث بینھما علی اربعۃ اسھم عند ابی یوسف و محمد رحمھما اللہ تعالی وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ الثلث بینھما نصفان. [۳۱۵۷]

(۲۰) ولایضرب ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالی للموصٰی لہ بمازاد علی الثلث الا فی

تشریح ایک آدمی کے لئے پورے مال کی وصیت کی مثلا سو درہم اس کے پاس تھے تمام ہی کی وصیت زید کے لئے کردی۔ پھر دوسرے آدمی کے لئے اس کی تہائی یعنی 33.33 تینتیس درہم تینتیس پیسے کی وصیت کردی تو مجموعہ 100 + 33.33 برابر 133.33 ایک سوتینتیس درہم تینتیس پیسے کی وصیت کردی۔ حالانکہ قاعدہ گزر چکا ہے کہ ورثہ اجازت نہ دے تو پورے مال کی تہائی ہی وصیت کرسکتا ہے۔ یعنی پورا مال سو درہم ہے تو اس میں سے 33.33 تینتیس درہم تینتیس پیسے ہی وصیت کرسکتا ہے۔ اس لئے اب دیکھنا ہوگا کہ 33.33 میں سے پورے مال کی وصیت کئے جانے والے کے کتنے حصے ہوں گے اور تہائی مال وصیت کئے جانے والے کے کتنے حصے ہوں گے۔ اس حساب سے تقسیم کی جائیگی۔

حصص کا حساب : جس کو پورے مال یعنی 100 سو درہم کی وصیت کی وہ تہائی 33.33 کا تین گنا ہے۔ اس لئے تین گنا وہ اور ایک گنا تہائی وصیت والے کی مجموعہ چار گنا ہوا۔ اس لئے حساب ربع یعنی چوتھائی سے کیا جائے گا۔ جس کی وصیت تین گنی تھی اس کو تین ربع دیں اور جس کی وصیت ایک تہائی یعنی ایک گنی تھی اس کو ایک ربع دیں۔ اور پورے 100 درہم کی تہائی 33.33 تینتیس درہم اور تینتیس پیسے کو چار حصوں میں تقسیم کرے۔ اس طرح پر ہر حصہ 8.33 آٹھ درہم تینتیس پیسے کا ہوگا۔ اب جس کی وصیت تین گنی کی تھی یعنی پورے مال کی تھی اس کو تین ربع دیں جو 24.999 یعنی چوبیس درہم ننانوے پیسے ہوئے۔ اور جس کی وصیت پورے مال میں سے تہائی کی تھی یعنی ایک ربع کی تھی اس کو 8.33 آٹھ درہم تینتیس پیسے ملیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ تین ربع پورے مال والے کو اور ایک ربع تہائی مال والے کو ملے گا۔ اور مجموعہ 33.33 تینتیس درہم تینتیس پیسے ہوگا جو سو درہم کی تہائی ہے۔

فائدہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تہائی مال سے زیادہ جس کے لئے وصیت کی وہ بیکار ہے۔ شریعت کے اعتبار سے اتنی کرنی ہی نہیں چاہئے۔ اس لئے اس کی وصیت بھی تہائی رہ گئی۔ گویا کہ جمیع مال والے کے لئے تہائی اور دوسرے کے لئے بھی تہائی کی وصیت رہ گئی۔ اور یہ دونوں برابر ہیں اس لئے کل مال کے تہائی حصے میں دونوں برابر یعنی آدھا آدھا تقسیم کریں گے۔ اور ہر ایک کو 33.33 کا آدھا 16.66 سولہ درہم چھیاسٹھ پیسے ملیں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ تہائی سے زیادہ وصیت کرنا بیکار جائے گا۔ اور اس کے لئے تہائی ہی وصیت باقی رہے گی۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ الثلث والثلث کثیر (ابوداؤد شریف، نمبر ۲۱۱٦)

[۳۱۵۷] (۲۰) اور امام ابوحنیفہ نہیں دلواتے موصی لہ کو تہائی سے زیادہ محابات اور سعایت میں اور دراہم مرسلہ میں۔

تشریح یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ میت تہائی سے زیادہ آدھے کا یا پورے مال کی وصیت کرے تو وہ باطل ہے وہ لوٹ کر تہائی مال کی وصیت پر

المحاباۃ والسعایۃ والدراھم المرسلۃ.

آجائے گی۔لیکن آدھے یا پورے نہ بولے اور کچھ مقدار کی وصیت کردے بعد میں مال کے حساب کے بعد معلوم ہوا کہ جو مقدار اس نے وصیت کی ہے اس کا پورا مال اتنا ہی ہے یا اس کا آدھا ہے تو یہ وصیت باطل ہو کر تہائی پر نہیں آئے گی بلکہ صاحبینؒ کی طرح حصص پر تقسیم ہوگی۔اسی کی ایک شکل محابات، دوسری سعایہ اور تیسری دراہم مرسلہ ہے۔

وجہ چونکہ اپنی زبان سے آدھا یا پورا نہیں کہا جو تہائی سے زیادہ تھے اس لئے باطل نہیں ہوں گے۔چاہے حساب کرنے کے بعد وہ وصیت کا مال پورا یا آدھا ہی کیوں نہ ہو۔

المحابات : محبۃ سے مشتق ہے، محبت میں زیادہ قیمت کی چیز کو کم قیمت میں بیچ دینا۔اس کی صورت یہ ہے۔مثلا ایک آدمی کا ایک غلام ہے جس کی قیمت تیس (۳۰) درہم ہے۔اس نے وصیت کی کہ اس کو زید کے ہاتھ میں دس درہم میں بیچ دو۔اب دس درہم میں بیچا تو گویا کہ وہ بیس درہم اس کو محبت میں وصیت کردی یہ غلام کی قیمت سے آدھے سے زیادہ ہے۔اگر میت کی صرف یہی غلام مال ہو اور آدھے سے زیادہ کی وصیت کرے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وصیت باطل ہوتی۔لیکن صاف لفظ میں تہائی سے زیادہ کی وصیت نہیں کی ہے بلکہ حساب اور کھوج کے بعد معلوم ہوا کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت کی ہے۔اس لئے یہ وصیت باطل نہیں ہوگی بلکہ حصص پر تقسیم ہو جائے گی یعنی تیس میں سے ایک تہائی یعنی دس درہم وصیت ہوگی اور باقی بیس درہم قیمت مشتری کو ادا کرنی ہوگی۔

اس آدمی کے پاس دوسرا غلام تھا جس کی قیمت ساٹھ (۶۰) درہم تھی۔اس نے وصیت کی کہ عمر کے ہاتھ میں صرف بیس درہم میں بیچ دے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ چالیس درہم محبت میں وصیت کردی جو اس کی قیمت سے آدھے سے بھی زیادہ ہے۔پس اگر صرف یہی مال ہوتا اور زبان سے کہتا کہ آدھے سے زیادہ کی وصیت کرتا ہوں تو وصیت باطل ہو جاتی۔لیکن محابات کیا تو وصیت باطل نہیں ہوگی۔البتہ اس کے لئے تہائی میں وصیت ہوگی۔اس لئے اس غلام کو چالیس درہم میں خریدنا ہوگا۔اور بیس درہم وصیت میں شمار ہو کر کم ہو جائے گا جو ساٹھ (۶۰) درہم کی تہائی ہے۔اس صورت میں دونوں آدمیوں کے لئے وصیت درست رہی اور دونوں کو اس کی تہائی مل گئی۔یعنی تیس والے کو ایک تہائی دس کم ہوا اور ساٹھ والے کے لئے اس کی دو تہائی یعنی بیس کم ہوا تو گویا کہ ان کے حصوں پر تقسیم ہوئی۔

السعایۃ : یہ سعی سے مشتق ہے۔غلام اپنی قیمت کما کر آقا کو دے۔اس کی صورت یہ ہے کہ میت نے دو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی۔ایک کی قیمت تیس تھی اور دوسرے کی قیمت ساٹھ درہم۔اور آقا کے پاس کل مال یہی دو غلام تھے۔پس اگر یوں کہتا کہ پورے مال کے آزاد ہونے کی وصیت کرتا ہوں تو وصیت باطل ہو کر تہائی پر آجاتی اور دونوں غلاموں کو برابر ملتا۔لیکن پہلے آزاد کیا بعد میں حساب کرنے سے پتا چلا کہ آقا کا پورا مال وصیت میں صرف ہو رہا ہے اس لئے دونوں وصیتیں اپنی اپنی جگہ پر برقرار رہے گی اور جس کو زیادہ کی وصیت کی اس کو زیادہ ملے گی اور جس کو کم کی وصیت کی اس کو کم ملے گی۔مثلا جس غلام کی قیمت تیس درہم تھی اس کی ایک تہائی یعنی دس درہم آزاد ہوگی اور باقی دو تہائی یعنی بیس درہم کما کر یعنی سعایت کر کے آقا کے ورثہ کو ادا کرے۔اور جس غلام کی قیمت ساٹھ درہم ہے اس کی ایک تہائی یعنی بیس درہم آزاد ہوگی اور باقی دو تہائی یعنی چالیس درہم سعایت کر کے آقا کے ورثہ کو ادا کرے گا۔اور دونوں غلام کے مجموعی قیمت نوے درہم کی تہائی یعنی تیس درہم آزاد

[۳۱۵۸](۲۱) ومن اوصیٰ وعلیه دین یحیط بماله لم تجز الوصیة الا ان یبرأ الغرماء من الدین.[۳۱۵۹](۲۲) ومن اوصیٰ بنصیب ابنه فالوصیة باطلة فان اوصیٰ بمثل نصیب

ہوئی۔

الدراهم المرسله : غیر متعین درہم کی وصیت۔اس میں میت یہ نہ کہے کہ میں پورے مال کی وصیت کرتا ہوں یا آدھے مال کی وصیت کرتا ہوں۔ بلکہ یوں کہے کہ میں زید کے لئے تیس درہم کی وصیت کرتا ہوں اور عمر کے لئے ساٹھ درہم کی وصیت کرتا ہوں۔ بعد میں حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کے پاس کل نوے درہم ہی وراثت میں ہے۔اس لئے اس کی ایک تہائی کی وصیت درست ہوگی باقی ورثہ میں تقسیم ہوگا۔ چنانچہ زید کے لئے تیس درہم کی وصیت کی تھی اس لئے اس کی تہائی یعنی دس درہم وصیت میں ملیں گے۔اور باقی بیس درہم ورثہ میں تقسیم ہوں گے۔اور عمر کے لئے ساٹھ درہم کی وصیت کی تھی اس لئے اس کی تہائی یعنی بیس درہم وصیت میں ملیں گے۔اور باقی چالیس درہم ورثہ میں تقسیم ہوں گے۔

اصول کھلے الفاظ میں تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے تو وہ باطل ہو کر تہائی پر آجائے گی اور دوسرے کے ساتھ برابر ہو جائے گی۔لیکن محابات یا سعایہ یا دراہم مرسلہ کے ذریعہ پورے مال کی وصیت کر دے اور بعد میں حساب سے پتا چلے کہ پورے مال کی وصیت کی ہے تو دونوں موصی لہ کو اپنے اپنے حصے کے مطابق ملے گا اور تہائی مال حصص پر تقسیم ہوگا۔

[۳۱۵۸](۲۱) کسی نے وصیت کی حال یہ کہ اس پر دین ہے جو اس کے مال کو محیط ہے تو وصیت جائز نہیں ہوگی مگر یہ کہ قرض خواہ قرض سے بری کردیں۔

تشریح کسی کے پاس کل ایک ہزار درہم ہیں لیکن ایک ہزار قرض بھی ہے اور قرض اس کے سارے مال کو گھیرے ہوا ہے۔تو اس کی وصیت کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں! خود قرض دینے والے قرض سے بری کردیں تو اب وصیت کرسکتا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ میت کے مال سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔اس سے بچے گا تو اس کی تہائی سے وصیت نافذ کی جائے گی۔اور اس کے بعد جو باقی بچے گا وہ ورثہ میں تقسیم ہوگا۔(۲) حدیث میں ہے۔عن علیؓ انه قال انکم تقرء ون هذه الآية من بعد وصية توصون بها او دين (آیت ۱۲ سورۃ النساء۴) وان رسول الله ﷺ قضى بالدين قبل الوصية (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الاخوۃ من الاب والام، ج ۲،ص ۲۹، نمبر ۲۰۹۴ر ابن ماجہ شریف، باب الدین قبل الوصیۃ ،ص ۳۹۱، نمبر ۲۷۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت میں اگرچہ وصیت کا تذکرہ پہلے ہے اور قرض ادا کرنے کا تذکرہ بعد میں ہے لیکن حضورؐ نے فیصلہ فرمایا کہ قرض پہلے ادا کیا جائے گا اس کے بعد بچے گا تو وصیت نافذ کی جائے گی۔

لغت محیط : احاطة سے مشتق ہے گھیرا ہوا، یبرأ : بری کردے، غرماء : غریم کی جمع ہے قرض دینے والا۔

[۳۱۵۹](۲۲) کسی نے وصیت کی اپنے بیٹے کے حصے کی تو وصیت باطل ہے اور اگر وصیت کی بیٹے کے حصے کے مثل تو جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا تم لوگ یہ آیت پڑھتے ہو من بعد وصیۃ توصون بھا او دین حالانکہ حضورؐ نے قرض کی ادائیگی کا فیصلہ وصیت سے پہلے کیا۔

ابنه جازت[۳۱۶۰](۲۳) فان کان له ابنان فللموصٰی له الثلث[۳۱۶۱](۲۴) ومن اعتق

تشریح یوں وصیت کی کہ میری وراثت میں سے جتنا حصہ میرے بیٹے کو ملے گا وہی حصہ فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت باطل ہے۔

وجہ اس لئے کہ وراثت ملنے کے بعد وہ مال بیٹے کا ہو گیا تو دوسرے کے مال کو وصیت کیسے کرے گا۔ اس لئے وصیت باطل ہے۔ اور اگر یوں وصیت کی جتنا مال بیٹے کو ملے گا اس کے مثل وصیت کرتا ہوں۔ مثلا اگر بیٹے کو میری وراثت میں سے ایک تہائی ملے گی تو ایک تہائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اگر ایک تہائی سے زیادہ ملے گی مثلا آدھا ملے گا تو آدھے کی وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت درست ہے۔ البتہ موصی لہ کو ہر حال میں تہائی سے زیادہ نہیں ملے گی۔

وجہ مثل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیٹے ہی کے مال کی وصیت کرتا ہوں۔ بلکہ اس کے مثل جو مقدار ہوگی اس کی وصیت کرتا ہوں اس لئے وہ وصیت جائز ہے (۲) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **سئل عامر عن رجل مات وترک ثلاثة بنین واوصی بمثل نصیب احدهم قال هو رابع له الربع** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۸ رجل مات وترک ثلاثة بنین واوصی بمثل نصیب احدهم، ج سادس، ص ۲۱۶، نمبر ۳۰۷۸۰) اس اثر میں ہے کہ بیٹے کے مثل کی وصیت کرے تو جائز ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ تین بیٹے ہوں تو موصی لہ کو چوتھا بیٹا شمار کیا جائے گا۔ اور چار بیٹوں کو ایک ایک چوتھائی مل جائے گی۔

لغت نصیب : حصہ۔

[۳۱۶۰] (۲۳) پس اگر اس کے لئے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کے لئے تہائی ہوگی۔

تشریح وصیت کرنے والے نے وصیت کی کہ میرے بیٹے کو جتنی وراثت ملے اس کے مثل فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں۔ اور وصیت کرنے والے کو دو بیٹے تھے تو موصی لہ کو تیسرا بیٹا شمار کیا جائے گا اور تینوں کو ایک ایک تہائی مل جائے گی۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے۔ دوسرا اثر یہ ہے۔ **عن ابراهیم قال اذا ترک الرجل ثلاثة بنین واوصی بمثل نصیب احدهم قال واحدا اجعلهما من اربعة** (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۸ رجل مات وترک ثلاثة بنین واوصی بمثل نصیب احدهم، ج سادس، ص ۲۱۶، نمبر ۳۰۷۸۱) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ موصی لہ کو ایک بیٹے کا حصہ ملے گا۔ یوں تو دو بیٹیوں کو آدھا آدھا یعنی سو میں سے پچاس ملے گا۔ اور یوں کہا کہ میرے بیٹے کے مثل وصیت کرتا ہوں تو موصی لہ کو بھی سو میں سے پچاس ملنا چاہئے۔ لیکن تہائی سے زیادہ وصیت باطل ہے اس لئے موصی لہ کو 33.33 مل گیا اور باقی 66.66 رہا اس لئے دونوں بیٹوں کو اس کا آدھا آدھا 33.33 مل جائے گا جو موصی لہ کے برابر ہے۔ تو گویا کہ تینوں کو ایک ایک تہائی مل گئی۔

[۳۱۶۱] (۲۴) کسی نے اپنے مرض موت میں غلام آزاد کیا یا بیچا، محابات کی یا ہبہ کیا تو یہ تمام جائز ہیں اور وہ معتبر ہیں تہائی سے۔ اور ان کو اصحاب وصایا کے ساتھ شریک کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عامر نے فرمایا ایک آدمی کا انتقال ہوا اور تین بچے چھوڑے اور ایک بچے کے مثل وصیت کی تو فرمایا کہ وہ گویا کہ چوتھا آدمی ہوا اور اس کے لئے چوتھائی ہوگی

عبدا فی مرضه او باع وحابی او وهب فذلک کله جائز وهو معتبر من الثلث ویضرب به

تشریح اپنے مرض الموت میں غلام آزاد کیا تو غلام آزاد ہو جائے گا۔لیکن مرض الموت میں آزاد کیا ہے اس لئے تہائی مال سے آزاد ہوگا، اس سے زائد سے آزاد نہیں ہوگا۔مثلا اس کے پاس کل مال چھ ہزار ہے۔اور غلام کی قیمت دو ہزار ہے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔لیکن اگر غلام کی قیمت چار ہزار ہے تو آدھا غلام آزاد ہوگا جو میت کے مال کی تہائی ہے یعنی دو ہزار کے مطابق اور باقی آدھا سعی کر کے ورثہ کو دے گا۔حاصل یہ ہے کہ مرض الموت میں آزاد کرنے سے ورثہ کا حق متعلق ہو گیا ہے اس لئے تہائی مال میں سے آزاد ہوگا۔اس سے زیادہ سے نہیں۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن عمران بن حصین ان رجلا اعتق ستة اعبد عند موته ولم یکن له مال غیرهم فبلغ ذلک النبی ﷺ فقال له قولا شدیدا ثم دعا هم فجزاهم ثلاث اجزاء فاقرع بینهم فاعتق اثنین وارق اربعة (الف) (ابوداؤد شریف، باب فیمن اعتق عبیدا لم یبلغهم الثلث، ص ۱۹۵، نمبر ۳۹۵۸ رمسلم شریف، باب من اعتق شرکا له فی عبد ص، نمبر ۱۶۶۸) اس حدیث میں مرض الموت میں چھ غلام آزاد کئے اور ان کے علاوہ مال نہیں تھا تو قرعہ ڈال کر ان میں سے دو کو آزاد قرار دیا جو پورے مال کی تہائی تھے۔ اور باقی چار کو غلام قرار دیا اور ان کو ورثہ میں تقسیم کروایا۔ یہ آزادگی اگر چہ میت کی زندگی میں ہوئی لیکن آزاد ہونے کے اعتبار سے وصیت کی طرح ہو گیا۔

اس آزاد کرنے کے علاوہ اگر اور وصیتیں کی ہیں اور دونوں ملکر تہائی مال سے زیادہ ہو گئی ہیں تو تہائی مال کے اندر دونوں کو حصوں پر تقسیم کیا جائیگا۔مثلا ایک غلام کی قیمت دو ہزار تھی جس کو مرض الموت میں آزاد کیا اور ایک دوسرے آدمی کو دو ہزار دینے کی بھی وصیت کی۔اب غلام کی قیمت دو ہزار اور آدمی کو دو ہزار دینے کی وصیت ملکر چار ہزار ہو گئے۔اور میت کی کل مالیت چھ ہزار ہے۔اس لئے آزاد کرنا اور وصیت ایک تہائی سے زیادہ ہو گئے۔اس لئے اب دو ہزار میں دونوں کو حصے قرار دیں گے۔اور غلام کا ایک ہزار یعنی آدھا آزاد ہوگا اور آدھی قیمت کی سعی کرے گا۔اور وصیت والے کو ایک ہزار دیا جائے گا یعنی وصیت کی آدھی دی جائے گی۔عبارت میں ویضرب به مع اصحاب الوصایا کا یہی مطلب ہے۔

باع وحابی : کی صورت یہ ہے کہ مثلا غلام کی قیمت دو ہزار تھی اس کو محبت میں محبت والے سے ایک سو میں بیچ دیا یہ بیچنا جائز تو ہے لیکن مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے اس کی حیثیت وصیت کی طرح ہو جائے گی۔یعنی یہ دو ہزار کل ملکیت کی تہائی ہے تب تو ٹھیک ہے، اور تہائی سے زیادہ ہے تو تہائی تک پیچھے لے جایا جائے گا۔اور دوسری وصیتیں ملکر تہائی سے زیادہ ہو جائے تو حصص پر تقسیم کی جائے گی۔مثلا میت کی ملکیت چھ ہزار تھی اور محابات دو ہزار کی ہے جو چھ ہزار کی تہائی ہے۔اس لئے یہ ٹھیک ہے۔اور اگر دو ہزار کی دوسری وصیت بھی کی ہے تو یہ ملکر چار ہزار ہو جائیں گے۔اور ملکیت کل چھ ہزار کی ہے۔تو محابات اور وصیت میں آدھا آدھا کم ہو جائے گا۔ایک ہزار وصیت والے کو دیا جائے گا اور ایک ہزار محابات والے کا معاف ہوگا، باقی ایک ہزار میں مشتری کو خریدنا ہوگا۔

حاشیہ : (الف) عمران بن حصین نے فرمایا کہ ایک آدمی نے اپنی موت کے وقت چھ غلام آزاد کیا۔اور اس کے پاس اس کے علاوہ مال نہیں تھا تو اس کی خبر حضور کو ہوئی۔تو آپ نے سخت جملے کہے۔پھر ان غلاموں کو بلیا اور تین حصے فرمایا اور ان کے درمیان قرعہ ڈالا، پس دو کو آزاد کیا اور چار کو غلام باقی رکھا۔

مع اصحاب الوصایا[۳۱۶۲](۲۵) فان حابی ثم اعتق فالمحاباۃ اولی عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی[۳۱۶۳](۲۶)فان اعتق ثم حابی فھما سواء[۳۱۶۴](۲۷) وقالا العتق اولی فی المسئلتین.

او وھب : مرض الموت میں غلام ہبہ کر دیا تو یہ جائز ہے۔لیکن اس کی حیثیت بھی وصیت کی طرح ہو جائے گی۔یعنی تہائی سے کم ہے تو ٹھیک ہے اور تہائی سے زیادہ ہبہ کیا تو تہائی تک پیچھے ہٹایا جائے گا۔اور اگر اس کے علاوہ بھی وصیتیں ہیں تو سب کو حصوں پر تقسیم کریں گے۔

لغت حابی : محبۃ سے مشتق ہے محبت میں زیادہ قیمت کی چیز کو کم قیمت میں بیچ دینا، یضرب بہ مع اصحاب الوصایا : وصیت والوں کے ساتھ شامل کر کے تقسیم کی جائے گی۔

[۳۱۶۲] (۲۵) اگر محابات کی پھر آزاد کیا تو محابات اولی ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح محابات کا مطلب گزر چکا ہے کہ زیادہ قیمت کی چیز کو محبت میں کم قیمت میں بیچ دینا۔اگر مرنے والے نے مرض الموت میں پہلے محابات کی مثلا دو ہزار کے غلام کو ایک سو میں بیچ دیا اور دوسرے غلام کو آزاد کیا وہ بھی دو ہزار کا تھا اور کل مالیت چھ ہزار تھی۔اب دونوں ملکر چار ہزار ہو گئے تو تہائی سے زیادہ ہے اس لئے محابات کو ترجیح دی جائے گی اور غلام کی بیع ایک سو میں نافذ کر دی جائے گی۔اور جس غلام کو آزاد کیا وہ چونکہ آزاد ہو چکا ہے اب واپس نہیں لوٹ سکتا اس لئے وہ اپنی پوری قیمت دو ہزار کی سعایت کرے گا۔

وجہ محابات پہلے کی ہے اور آزاد بعد میں کیا ہے۔نیز محابات کچھ نہ کچھ رقم کے بدلے میں بیع ہے اور آزاد کرنا مفت ہے اس لئے محابات افضل ہوگی اور اس کو ترجیح دی جائے گی۔

[۳۱۶۳] (۲۶) پس اگر آزاد کیا پھر محابات کی تو دونوں برابر ہیں۔

تشریح پہلے آزاد کیا پھر محابات کی تو دونوں کے درجے برابر ہوں گے۔مثال مذکور میں میت کی ملکیت چھ ہزار ہے۔اور آزاد کردہ غلام دو ہزار کا اور محابات کردہ غلام دو ہزار کا ہے۔دونوں ملکر چار ہزار ہوئے جو تہائی سے زیادہ ہے۔اس لئے دونوں غلام کا آدھا آدھا ہوگا۔یعنی آزاد کردہ غلام کا آدھا آزاد ہوگا اور باقی آدھا یعنی ایک ہزار سعایت کر کے میت کے ورثہ کو دے گا۔اور محابات کردہ غلام کی قیمت ایک ہزار مشتری کو ادا کرنی ہوگی۔

وجہ محابات بعد میں ہونے کی وجہ سے دونوں کے درجے برابر ہوں گے۔

[۳۱۶۴] (۲۷) اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہا آزادگی اولی ہے دونوں مسئلوں میں۔

تشریح محابات پہلے کی ہو یا آزاد پہلے کیا ہو ہر حال میں آزادگی کو ترجیح ہوگی۔اس لئے پہلے تہائی میں سے غلام آزاد ہوگا اس سے بچے گا تو محابات والے کو ملے گا۔مثال مذکور میں آزاد کردہ غلام دو ہزار کا تھا اور محابات کردہ غلام بھی دو ہزار کا تھا۔دونوں ملکر چار ہزار ہوئے جو تہائی سے زیادہ ہے۔کیونکہ پوری ملکیت صرف چھ ہزار ہے۔اس لئے صرف غلام آزاد ہوگا اور محابات والے کو غلام کی پوری قیمت دیکر خریدنا ہوگا۔

[۳۱۶۵] (۲۸) ومن اوصٰی بسهم من ماله فله اخسُّ سهام الورثة الا ان ینقص عن السدس فیتم له السدس [۳۱۶۶] (۲۹) وان اوصٰی بجزء من ماله قیل للورثة اعطوه ما

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ محابات کی بیع مشتری کی جانب سے فسخ ہو سکتی ہے جبکہ آزادگی فسخ نہیں ہو سکتی۔اس لئے آزادگی محابات سے ہر حال میں افضل ہے(۲) اثر میں ہے۔ عن عطاء قال یغیر الرجل من وصیته ماشاء الا العتاق (الف) مصنف ابن ابی شیبة، ۲۵ الرجل یوصی بالوصیة ثم یرید ان یغیرھا، ج سادس،ص ۲۱۸، نمبر ۳۰۷۹۷) اس اثر میں ہے کہ آزاد کیا ہو تو اس کو نہیں بدل سکتا۔اس لئے وہ ہر حال میں محابات سے افضل ہے۔

[۳۱۶۵] (۲۸) کسی نے وصیت کی اپنے مال کے ایک سہم کا تو اس کے لئے ورثہ کا کمتر حصہ ملے گا مگر یہ کہ چھٹے کم ہو جائے تو اس کے لئے چھٹا پورا کیا جائے گا۔

تشریح کسی نے اپنے مال کے ایک سہم کا کسی کے لئے وصیت کی۔اور یہ متعین نہیں کیا وہ سہام چھٹا ہے یا تہائی ہے تو اس کے ورثہ میں سے جس کو سب سے کم حصہ ملے گا اتنا ہی موصی لہ کو مل جائے گا۔البتہ دو رعایتیں ضروری ہیں۔ایک تو یہ کہ یہ حصہ چھٹے سے کم نہ ہو، اگر چھٹے سے کم ہو تو پورا کر کے چھٹا حصہ دیا جائے گا۔۔کیونکہ اہل عرب جب مطلق سہم بولتے ہیں تو اس سے چھٹا حصہ مراد لیتے ہیں۔اور دوسری رعایت یہ ہے کہ تہائی سے زیادہ نہ ہو کیونکہ تہائی سے زیادہ ورثہ کی اجازت کے بغیر وصیت جائز نہیں۔

وجہ مطلق سہام سے چھٹا حصہ مراد ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان عدیا سأل ایاسا فقال السهم فی کلام العرب السدس، دوسری روایت میں ہے۔عن شریح انه قضی فی رجل اوصی لرجل بسهم من ماله ولم یسم قال ترفع السهام فیکون للموصی له سهم (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۲۳ فی الرجل یوصی للرجل بسهم ماله، ج سادس، ص ۲۱۷، نمبر ۳۰۷۹۳/۳۰۷۸۸) پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ سہم کلام عرب میں چھٹے حصے کو کہتے ہیں۔اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اگر سہم کی مقدار متعین نہیں کی تو وارثین میں سے کم حصہ جس کو ملے گا وہ حصہ دلوایا جائے گا۔

لغت اخس : کمتر۔

[۳۱۶۶] (۲۹) اگر اپنے مال کے کچھ حصے کی وصیت کی تو ورثہ کو کہا جائے گا کہ جتنا چاہو اس کو دے دو۔

تشریح اس مسئلے میں وصیت کرنے والے نے کچھ مقدار متعین نہیں کی ہے اور نہ کوئی حصہ متعین کیا ہے بلکہ اپنے مال کے جز کا لفظ بولا ہے۔اور جز تھوڑے سے مال کو بھی کہتے ہیں۔اس لئے ورثہ جو بھی دے دیں گے وہ جز ہو جائے گا۔چونکہ اب ورثہ میت کے قائم مقام ہیں اس لئے ورثہ سے کہا جائے گا کہ آپ جو دیں وہ وصیت پوری ہونے کے لئے کافی ہے۔

لغت جز : کچھ حصہ، کچھ جز۔

حاشیہ : (الف) حضرت عطاءؒ نے فرمایا وصیت میں سے جو چاہے تبدیل کرے مگر آزاد کرنے کو (اس کو تبدیل نہیں کر سکتا) (ب) ایک آدمی نے ایک آدمی کے لئے وصیت کی ایک حصے کا اور وضاحت نہیں کی تو حضرت شریح نے فیصلہ فرمایا کہ سہام اٹھائے اور موصی لہ کے لئے ایک حصہ ہوگا۔

شئتم [۳۱۶۷] (۳۰) ومن اوصٰی بوصایا من حقوق اللہ تعالٰی قُدِّمت الفرائض منھا علی غیرھا قدّمھا الموصی او اخّرھا مثل الحج والزکوۃ والکفارات[۳۱۶۸] (۳۱) وما لیس بواجب قُدِّم منہ ماقدّمہ الموصی[۳۱۶۹] (۳۲) ومن اوصٰی بحجۃ الاسلام احجّوا عنہ

[۳۱۶۷] (۳۰) کسی نے چند وصیتیں کیں حقوق اللہ کی تو ان میں سے دوسروں پر فرائض کو مقدم کیا جائے گا، وصیت کرنے والے نے اس کی پہلی وصیت کی ہو یا بعد میں۔ جیسے حج، زکوۃ، کفارات،

تشریح اللہ کے حقوق کے لئے چند وصیتیں کیں۔ ان میں سے بعض میت پر واجب تھیں بعض مستحب تھیں تو قاعدہ یہ ہوگا کہ پہلے فرائض کو پورے کئے جائیں گے پھر مستحبات کو، چاہے وصیت کرنے میں مستحب کو پہلے بیان کیا ہو اور فرائض کی وصیت بعد میں کی ہو۔

وجہ فرائض ذمے میں ہیں ان کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اور سنت اور مستحبات ذمے میں نہیں ہیں اس لئے فرائض کو پہلے ادا کیا جائے گا۔ اور سنت اور مستحبات کو بعد میں (۲) اس کی اتنی اہمیت ہے کہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ پورے مال سے ادا کئے جائیں گے۔ اثر یہ ہے۔ **عن الزھری قال اذا کان علی الرجل شیء واجب فھو من جمیع المال** (الف) دوسری روایت میں ہے۔ **عن الحسن وطاؤس فی الرجل علیہ حجۃ الاسلام وتکون علیہ الزکوۃ فی مالہ؟ قالا یکونان ھذہ بمنزلۃ الدین** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۹ الرجل یوصی بالحج والزکوۃ تکون قد وجبت علیہ قبل موتہ تکون من الثلث او من جمیع المال، ج سادس، ص ۲۲۰، نمبر ۳۰۸۱۹/۳۰۸۱۷) دوسرے اثر سے معلوم ہوا کہ فرائض کی ادائیگی دین کی طرح ہے۔ اور دین وصیت سے پہلے ادا کیا جاتا ہے اس لئے اس کا حق مستحبات سے پہلے ہوگا۔ البتہ بہت سے فرائض ہیں تو وصی کو اختیار ہے جس کو چاہے پہلے ادا کرے جس کو چاہے بعد میں ادا کرے۔ کیونکہ سبھی واجب ہونے کی وجہ سے سب کا درجہ برابر ہے۔

[۳۱۶۸] (۳۱) اور جو واجب نہیں ہے تو اس کو مقدم کرے جس کو موصی نے مقدم کیا ہے۔

تشریح کئی وصیتیں کیں ہیں لیکن سب وصیتیں مستحبات میں سے ہیں تو جس کو وصیت کرنے والے نے پہلے بیان کیا ہے اس کو پہلے ادا کرے اور جس کو بعد میں بیان کیا اس کو بعد میں ادا کرے۔

وجہ سبھی مستحب ہیں تو وصیت کرنے والا جس کی زیادہ اہمیت سمجھا اس کو پہلے بیان کیا اور جس کی کم اہمیت سمجھا اس کو بعد میں بیان کیا۔ اس لئے اس کی مرضی کی رعایت کی جائے گی۔

[۳۱۶۹] (۳۲) کسی نے وصیت کی حج کرنے کی تو اس کے شہر سے ایک آدمی کو حج کرائے جو اس کی جانب سے کرے سوار ہو کر۔ پس اگر نفقہ وصیت کو نہ پہنچ سکے تو اس کی جانب سے حج کرائے جہاں سے پہنچ سکے۔

تشریح کسی نے حج کروانے کی وصیت کی تو اصل یہ ہے کہ جس شہر میں موصی رہتا تھا اس شہر سے کسی آدمی کو حج بدل کے لئے بھیجے جو اس کی

حاشیہ : (الف) حضرت زہریؒ نے فرمایا اگر آدمی پر کوئی چیز واجب ہو تو وہ پورے مال سے ادا کیا جائے گا (ب) حضرت حسن اور طاؤس نے فرمایا کسی آدمی پر حج فرض ہو اور اس کے مال میں زکوۃ ہو تو کیا ہوگا؟ دونوں نے فرمایا یہ دونوں قرض کے درجے میں ہیں۔

رجلا من بلده یحج عنه راکبا فان لم تبلغ الوصیة النفقة احجوا عنه من حیث تبلغ[۳۱۷۰](۳۳) ومن خرج من بلده حاجًّا فمات فی الطریق واوصٰی ان یحجَّ عنه حج

جانب سے سوار ہوکر حج کرے۔اور اگر تہائی مال اتنا نہیں ہے کہ اس کے شہر سے حج کروا سکے تو جہاں سے اس کا مال نفقہ کے لئے کافی ہوتا ہو وہاں سے کسی آدمی کو حج کے لئے بھیجے اور وہاں سے کم از کم حج کروائے۔

وجہ حج تو گھر سے ہی کرتے ہیں۔اس لئے موصی کی مراد بھی یہی ہے کہ گھر سے حج کروائے۔اس لئے نفقے میں گنجائش ہو تو گھر سے حج کروائے۔پھر یہ بھی ہے کہ پیدل چل کر کوئی جلدی حج نہیں کرے گا خصوصا جب شہر مکہ مکرمہ سے دور ہو۔اس لئے سوار کر کے حج کروانے کی ضرورت ہوگی۔لیکن اگر تہائی مال اتنا نہیں ہے کہ گھر سے سوار ہوکر حج کروا سکے تو کم از کم اتنا ضرور کرے کہ جہاں سے نفقہ میں گنجائش ہو وہاں سے حج کروا دے۔تاکہ موصی کی وصیت کم سے کم درجے میں پوری ہو جائے۔اس لئے کہ حج کروانے کی اہمیت اس حدیث میں ہے۔**عن ابن عباسؓ ان امرأۃ من جھینة جاء ت الی النبی ﷺ فقالت ان امی نذرت ان تحج فلم تحج حتی ماتت افاحج عنھا؟ قال نعم حجی عنھا ارأیت لو کان علی امک دین اکنت قاضیتة؟ اقضوا اللہ فاللہ احق بالوفاء** (الف)(بخاری شریف، باب الحج والنذر عن المیت والرجل یحج عن المرأۃ، ص ۲۴۹، نمبر ۱۸۵۲ر مسلم شریف، باب الحج عن العاجز لزمانة وھرم ونحوھما اوللموت، ص ۴۳۱، نمبر ۱۳۳۴)اس حدیث میں ہے کہ حج قرض کی طرح ہے۔جس طرح قرض حتی الامکان ادا کرتے ہیں اسی طرح حج فرض ہو یا حج کی نذر مانی ہو تو اس کو حتی الامکان ادا کرے۔اس لئے جس شہر سے نفقہ ہو وہاں سے حج کرائے۔

[۳۱۷۰](۳۳) کوئی اپنے شہر سے حج کیلئے نکلا۔پس راستے میں مر گیا اور وصیت کی کہ اس کی جانب سے حج کرائے تو حج کرایا جائے اس کے شہر سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حج کرائے جہاں سے مرا ہے۔

تشریح ایک آدمی حج کے ارادے سے گھر سے نکلا اور راستے میں مر گیا اور اپنی جانب سے حج کرانے کی وصیت کی۔تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دوبارہ گھر سے حج کرائے۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جہاں مرا ہے وہاں سے حج کرائے۔

وجہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انتقال کرنے کی وجہ سے جتنا راستہ طے کیا تھا وہ ساقط ہو گیا اور وصیت کرنے والے کی مراد گھر سے حج کروانا ہے اس لئے گھر سے حج کروائے۔لیکن اگر نفقے میں گنجائش نہ ہو تو وہیں سے حج کروائے گا جہاں مرا ہے (۲) مرنے سے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشیاء، من صدقة جاریة او علم ینتفع به او ولد صالح یدعو له** (ب)(ابو داؤد شریف، باب ما جاء فی الصدقة عن المیت، ص ۴۲،

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جہینہ کی ایک عورت حضورؐ کے پاس آئی اور کہا کہ میری ماں نے نذر مانی کہ حج کرے۔لیکن حج نہ کر سکی اور انتقال کر گئی تو کیا میں اس کی جانب سے حج کروں؟ آپؐ نے فرمایا اس کی جانب سے حج کرو۔تمہاری کیا رائے ہے کہ تمہاری ماں پر قرض ہو تو کیا ادا کرو گی؟ اللہ کا قرض ادا کرو۔اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے حق کو پورا کیا جائے (ب) آپؐ نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں۔صدقہ جاریہ اور جس علم سے فائدہ اٹھایا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

عنه من بلده عند ابی حنیفةؒ وقال ابو یوسف ومحمد رحمهما الله تعالی یحجُّ عنه من حیث مات[۳۱۷۱] (۳۴) ولا تصح وصیة الصبی [۳۱۷۲] (۳۵) ولاتصح المکاتب

نمبر ۲۸۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے سے عمل منقطع ہو جاتا ہے۔اس لئے حج نہیں کیا تو وہ بھی منقطع ہو گیا۔اور اس کے لئے جو سفر کیا تھا وہ بھی منقطع ہو گیا اس لئے گھر سے دوبارہ حج کروائے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جہاں مرا ہے وہاں سے حج کروائے۔

وجہ وہاں تک سفر کر چکا ہے اور اس کا اجر بھی مل چکا ہے اس لئے آگے کا سفر کروا کر حج کروائے (۲) آیت میں ہے۔ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله وکان الله غفورا رحیما (الف) (آیت ۱۰۰، سورة النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ ہجرت کے لئے نکلا ہو اور راستے میں انتقال کر گیا تو اس کو اس کا اجر مل گیا۔اس لئے جہاں مرا ہے وہیں سے حج کروائے۔

[۳۱۷۱] (۳۴) بچے کی وصیت صحیح نہیں۔

وجہ حدیث میں ہے کہ بچوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے اس لئے اس کی وصیت کا اعتبار نہیں۔حدیث یہ ہے۔عن علیؓ عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا، ص ۲۵۶، نمبر ۴۴۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کا اعتبار نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال لایجوز عتق الصبی ولا وصیته ولا بیعه ولا شراءہ ولا طلاقه (ج) (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۶ من قال لاتجوز وصیة الصبی حتی یحتلم، ج سادس، ص ۲۲۳، نمبر ۳۰۸۵۱ رمصنف عبد الرزاق، وصیة الغلام، ج تاسع، ص ۸۰، نمبر ۱۶۴۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچے کی وصیت جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر خیر میں ہو تو جائز ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ان عثمانؓ اجاز وصیة ابن احدی عشرة سنة (د) (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۵ من قال تجوز وصیة الصبی، ج سادس، ص ۲۲۲، نمبر ۳۰۸۴۰ رمصنف عبد الرزاق، باب وصیة الغلام، ج تاسع، ص ۷۷، نمبر ۱۶۴۰۹ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی وصیة الصغیر، ج سادس، ص ۴۶۱، نمبر ۱۲۶۵۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچہ وصیت کر سکتا ہے اگر خیر کا کام ہو تو۔

[۳۱۷۲] (۳۵) مکاتب کی وصیت صحیح نہیں اگر چہ وہ اتنا مال چھوڑے جو کافی ہو۔

حاشیہ : (الف) جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کے لئے ہجرت کے لئے نکلتا ہو پھر اس کی موت ہو جائے تو اس کا اجر اللہ پر ہو گیا اور اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، اور بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور مجنون سے یہاں تک کہ عقلمند ہو جائے (ج) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بچے کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ اس کی وصیت کرنا اور نہ اس کا بیچنا اور نہ اس کا خریدنا اور نہ اس کی طلاق دینا (د) حضرت عثمانؓ نے گیارہ سال کے لڑکے کی وصیت جائز قرار دی۔

وان ترک وفاء [۳۱۷۳] (۳۶) ویجوز للموصی الرجوع عن الوصیة.

تشریح مکاتب اتنا مال چھوڑ کر مرا کہ مال کتابت ادا ہو سکتا تھا لیکن مال کتابت ادا کر کے ابھی آزاد نہیں ہوا تھا بلکہ مکاتب کی حالت ہی میں مرا تو اس کی وصیت کرنا صحیح نہیں ہے۔

وجہ وہ ابھی تک غلام ہے اور غلام کی وصیت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مال حقیقت میں آقا کا مال ہے (۲) اثر میں ہے۔ **سال طھمان ابن عباسؓ ایوصی العبد؟ قال لا** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۴۰ فی العبد یوصی اتجوز وصیۃ ، ج سادس ، ص ۲۲۴ ، نمبر ۳۰۸۶۳ رسنن للبیہقی ، باب وصیۃ العبد ، ج سادس ، ص ۴۶۲ ، نمبر ۱۲۶۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام وصیت نہیں کر سکتا (۲) خود مکاتب وصیت نہیں کر سکتا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن الحسن قال المکاتب لایعتق ولا یھب الا باذن مولاہ** (ب) (سنن للبیہقی ، باب لا تجوز ہبۃ المکاتب حتی یبتدأھا باذن السید ، ج عاشر ، ص ۵۶۳ ، نمبر ۲۱۷۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکاتب آقا کی اجازت کے بغیر وصیت نہیں کر سکتا (۳) مکاتب ایک ایک درہم ادا کرنے تک غلام ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن عمر بن زعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ ایما عبد کوتب علی مائۃ اوقیۃ فاداھا الا عشرا اوقیات فھو رقیق** (ج) (ابن ماجہ شریف ، باب المکاتب ، ص ۳۶۱ ، نمبر ۲۵۱۹ ربخاری شریف ، باب المکاتب اذا رضی ، ص ۳۴۸ ، نمبر ۲۵۶۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک درہم رہنے تک مکاتب غلام ہے۔ اور اوپر پتا چلا کہ غلام کی وصیت جائز نہیں اس لئے مکاتب کی وصیت جائز نہیں ہے چاہے اتنا مال چھوڑا ہو کہ مال کتابت ادا ہو جائے۔

[۳۱۷۳] (۳۶) جائز ہے وصیت کرنے والے کے لئے وصیت سے رجوع کرنا۔

تشریح وصیت کرنے کے بعد وصیت کرنے والا موت سے پہلے اپنی وصیت میں کوئی تبدیلی کرنا چاہتا ہو یا وصیت کو ختم کرنا چاہتا ہو تو اس کا حق ہے۔

وجہ وصیت مکمل ہوتی ہے موصی لہ کے قبول کرنے کے بعد اور موصی لہ موصی کے مرنے کا بعد قبول کر سکے گا۔ تو جس طرح بیع مکمل ہوتی ہے مشتری کے قبول کے بعد اس لئے مشتری کے قبول سے پہلے رجوع کر سکتا ہے یا بیع میں تبدیلی کر سکتا ہے اسی طرح وصیت کو قبول کرنے سے پہلے وصیت سے رجوع کر سکتا ہے یا وصیت میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ مثلا تہائی کی وصیت کی تھی تو اس کو تبدیل کر کے چھٹے کی وصیت کرے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عائشۃؓ قالت لیکتب الرجل فی وصیتہ ان حدث بی حدث موتی قبل ان اغیر وصیتی ھذہ** (د) (سنن للبیہقی ، باب الرجوع فی الوصیۃ وتغییرھا ، ج سادس ، ص ۴۶۰ ، نمبر ۱۲۶۵۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ ، ۲۶ من کان یستحب ان یکتب فی وصیتہ ان حدث بی حدث قبل ان اغیر وصیتی ، ج سادس ، ص ۲۱۸ ، نمبر ۳۰۸۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ موت سے پہلے وصیت میں تبدیلی کر سکتا ہے (۳) **قال عمر ما اعتق الرجل فی مرضہ من رقیقہ فھی وصیۃ ان شاء رجع فیھا** (ہ) (مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۲۵ الرجل

حاشیہ : (الف) حضرت طھمان نے ابن عباسؓ سے پوچھا کیا غلام وصیت کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں (ب) حضرت حسنؒ نے فرمایا مکاتب آقا کی اجازت کے بغیر نہ آزاد کر سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے (ج) آپ نے فرمایا کوئی بھی غلام سو اوقیہ پر مکاتب بنایا گیا ہو پھر وہ سب ادا کر چکا ہو مگر دس اوقیہ تو ابھی بھی وہ غلام ہی ہے (د) حضرت عائشہؓ نے فرمایا آدمی کو اپنی وصیت میں یہ لکھنا چاہئے میری موت سے پہلے کوئی حادثہ پیش آگیا اس بات سے کہ اپنی وصیت کو بدلوں (ہ) (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[۳۱۷۴](۳۷) واذا صرّح بالرجوع او فعل ما یدل علی الرجوع کان رجوعا [۳۱۷۵] (۳۸) ومن جحد الوصیة لم یکن رجوعا[۳۱۷۶](۳۹) و من اوصٰی لجیرانه فهم

یوصی بالوصیة ثم یرید ان یغیرها، ج سادس، ص ۲۱۷، نمبر ۳۰۷۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وصیت منسوخ کر سکتا ہے۔

[۳۱۷۴] (۳۷) اگر صراحۃ رجوع کرے یا ایسا کام کرے جو رجوع پر دلالت کرتا ہو تو رجوع ہو جائے گا۔

تشریح صراحۃ رجوع کی صورت یہ ہے کہ صاف لفظوں میں کہے کہ میں اس وصیت کو واپس لیتا ہوں۔ اور دلالۃ رجوع کی صورت یہ ہے کہ مثلا کہے کہ اس غلام کو فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں اور پھر اس کو بیچ دے یا آزاد کر دے تو دلالۃ پتا چلا کہ وہ وصیت سے رجوع کرنا چاہتا ہے ورنہ غلام کو بیچتا یا آزاد کیوں کرتا۔ اس لئے بیچنا اور آزاد کرنا اس بات پر دلالت ہے کہ وہ وصیت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ اشارہ سے کہا تو صراحت کی طرح ہو گیا۔ **سمعت من سهل بن سعد الساعدی صاحب رسول الله ﷺ یقول قال رسول الله ﷺ بعثت انا والساعة کهذه من هذه او کهاتین وقرن بین السبابة والوسطی (الف)** بخاری شریف، باب اللعان، ص ۷۹۸، نمبر ۵۳۰۱) اس حدیث میں شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ملا کر اشارہ فرمایا کہ قیامت اس طرح قریب ہے تو اشارے سے بھی کبھی بات کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اسی پر قیاس کر کے دلالت سے بھی کسی چیز کا پتا لگایا جا سکتا ہے۔

[۳۱۷۵] (۳۸) کسی نے وصیت کا انکار کیا تو رجوع نہیں ہوگا۔

تشریح یوں نہیں کہتا کہ میں نے وصیت کی ہے لیکن اس کو ختم کرتا ہوں بلکہ یوں کہتا ہے کہ میں نے کبھی وصیت کی ہی نہیں ہے۔ تو اس سے رجوع نہیں ہوگا۔

وجہ رجوع کا مطلب ہے کہ پہلے وصیت کی تھی اب اس کو ختم کر رہا ہوں۔ اور انکار میں یہ ہے کہ میں نے کبھی وصیت کی ہی نہیں تو انکار میں رجوع کا معنی نہیں پایا جاتا ہے اس لئے اس سے رجوع نہیں ہوگا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ انکار میں بھی رجوع کا معنی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ رجوع کا معنی ہے کہ پہلے وصیت کی تھی اب واپس لیتا ہوں۔ اور انکار میں ہے کہ کبھی نہیں ہے۔ تو انکار میں رجوع کی بات کی شدت ہے اس لئے رجوع کا معنی پایا گیا۔ اس لئے رجوع ہو جائے گا۔

[۳۱۷۶] (۳۹) جس نے وصیت کی اپنے پڑوسیوں کے لئے تو وہ ملے ہوئے پڑوسی ہوں گے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وصیت میں پڑوسی سے وہ پڑوسی حقدار ہوں گے جو موصی کے گھر سے ملے ہوئے ہوں۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن عائشةؓ قلت یا رسول الله ان لی جارین فالی ایهما اهدی؟ قال الی اقربهما منک بابا (ب)** (بخاری شریف، باب ای الجوار اقرب، ص ۳۰۰، نمبر ۲۲۵۹) اس حدیث میں ہے کہ میرے دو پڑوسی ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پورے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) حضرت عمرؓ نے فرمایا کسی نے اپنے مرض الموت میں غلام آزاد کیا تو وہ بھی وصیت ہے اگر چاہے تو اس میں رجوع کرے (الف) آپؐ نے فرمایا میں اور قیامت اس طرح قریب قریب زمانے میں بھیجا گیا ہوں جس طرح یہ اس کے ساتھ ہے، یا یہ دونوں ہیں اور سبابہ اور وسطی کی انگلی کو ملایا (ب) آپ نے فرمایا میرے پاس دو پڑوسی ہیں کس کو ہدیہ دوں؟ آپؐ نے فرمایا جس کا دروازہ تم سے قریب ہو۔

الملاصقون عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۳۱۷۷](۴۰) ومن اوصٰی لاصهاره فالوصیة

محلے کو پڑوسی نہیں کہا جائے گا بلکہ گھر کے دونوں طرف جن لوگوں کا گھر ملا ہوا ہے وہی پڑوسی ہیں اور انہیں لوگوں کو وصیت کی چیز ملے گی (۲) محاورے میں بھی انہیں لوگوں کو پڑوسی کہتے ہیں۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس محلے کی مسجد سے جتنے لوگ متعلق ہیں سب پڑوسی ہیں اور سب کے لئے وصیت کی چیز ہوگی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مسجد کی اذان کی آواز جہاں تک جاتی ہو وہاں تک کے لوگ پڑوس میں داخل ہیں۔ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد (الف) اور اس کی تفسیر میں یہ ہے۔ عن علی قال من کان جار المسجد فسمع المنادی ینادی فلم یجبه من غیر عذر فلا صلوة له (ب) (دار قطنی، باب الحث لجار المسجد علی الصلوۃ فیہ الا من عذر، ج اول، ص ۳۹۹، نمبر ۱۵۳۸/۱۵۳۹ رسنن للبیہقی، باب ماجاء من التشدید فی ترک الجماعۃ من غیر عذر، ج ثالث، ص ۸۱، نمبر ۴۹۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد والے سارے ہی پڑوس ہیں۔ اس لئے سب کو وصیت میں سے حصہ ملے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چالیس گھر تک پڑوسی شمار کئے جائیں گے، دس گھر دائیں، دس گھر بائیں، دس گھر آگے، دس گھر پیچھے کے لوگ۔

وجہ حدیث یہ ہے۔ عن عائشة ان النبی ﷺ قال اوصانی جبریل علیه السلام بالجار الی اربعین دارا عشرة من ههنا وعشرة من ههنا عشرة من ههنا وعشرة من ههنا، قال اسمعیل عن یمینه وعن یساره وقباله وخلفه (ج) (سنن للبیہقی، باب الرجل یقول ثلث مالی الی فلان الخ، ج سادس، ص ۴۵۱، نمبر ۱۲۶۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چالیس گھر تک پڑوسی ہے سب کو وصیت میں حصہ ملے گا۔

لغت جیران : جار کی جمع ہے پڑوسی، الملاصق : ملا ہوا، متصل۔

[۳۱۷۷] (۴۰) جس نے وصیت کی اپنے سسرال والوں کے لئے تو بیوی کے ہر ذی رحم محرم کے لئے ہوگی۔

تشریح وصیت کرنے والے نے وصیت کی کہ میرے سسرال والوں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو بیوی کے تمام ذی رحم محرم مثلا ماں، باپ، بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی وغیرہ شامل ہوں گے۔

وجہ حضرت جوریہؓ کی حدیث میں ان تمام کو اصہار کہا گیا ہے اور تقریبا ایک سو آدمی ان کے اصہار میں شامل ہو کر آزاد ہوئے، حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن عائشةؓ قالت وقعت جوریة بنت الحارث بن المصطلق فی سهم ثابت بن قیس بن شماس ... ان رسول الله ﷺ قد تزوج جویریة فارسلوا ما فی ایدیهم من السبی فاعتقوهم وقالوا اصهار رسول الله ﷺ، فما رأینا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مسجد کے پڑوسی کے لئے نماز نہیں ہوگی مگر مسجد میں (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا جو مسجد کے پاس ہو اور مؤذن کی اذان سنتا ہو اور بغیر عذر کے مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی (ج) آپؐ نے فرمایا حضرت جبرئیل نے مجھ کو چالیس گھر تک پڑوسی کی نصیحت کی دس یہاں سے، دس یہاں سے، دس یہاں سے اور دس یہاں سے۔ اسمعیل فرماتے ہیں دس دائیں جانب، دس بائیں جانب، دس سامنے اور دس پیچھے سے۔

لکل ذی رحم محرم من امرأته[۳۱۷۸](۴۱) ومن اوصٰی لاختانه فالختن زوج کل ذات رحم محرم منه[۳۱۷۹](۴۲) ومن اوصٰی لاقاربه فالوصیة للاقرب فالاقرب من کل ذی

امرأة کانت اعظم برکة علی قومها منها اعتق فی سببها مائة اهل بیت من بنی المصطلق (الف)(ابوداؤدشریف، باب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبة ،ص۱۹۲،نمبر۳۹۳۱)اس حدیث میں حضرت جوریہ کے تمام ذی رحم محرم کو اصھار یعنی سسرالی رشتہ قرار دیا گیا جو سو آدمی تھے۔اس لئے ذی رحم محرم داخل ہوں گے۔

لغت اصھار : صھر کی جمع ہے اس کا معنی داماد یا بہنوئی ہے۔لیکن آگے ختن کے مقابلے میں یہاں اس کا ترجمہ بیوی کے جو خاندان ہیں وہ مراد ہیں۔

[۳۱۷۸](۴۱) کسی نے وصیت کی دامادوں کے لئے تو ہر ذی رحم محرم عورت کا شوہر ختن میں داخل ہے۔

تشریح ختن کا ترجمہ داماد ہے اس لئے تمام ذی رحم محرم عورت مثلا بیٹی کا شوہر، بہن کا شوہر، پھوپھی کا شوہر اور خالہ کا شوہر یہ سب ختن میں داخل ہوں گے۔اور ہر ایک کو وصیت میں حصہ ملے گا۔

وجہ کوفے کے محاورے میں ان تمام لوگوں کو ختن یعنی داماد کہتے ہیں (۲) اوپر حضرت جوریہ کی حدیث میں حضرت جویریہؓ کے تمام ذی رحم محرم شامل ہوئے۔اسی پر قیاس کر کے ختن میں اپنی ذی رحم محرم کے تمام عورتوں کے شوہر داماد میں داخل ہوں گے۔

فائدہ لیکن صاحب ہدایہ کے شہر فرغانہ میں ختن صرف بیٹی کے شوہر کو کہتے ہیں اس لئے صرف بیٹیوں کے شوہروں کو وصیت میں حصہ ملے گا۔

لغت اختان : ختن کی جمع ہے عورت کی طرف سے رشتے جیسے سسر، سالہ، داماد، یہاں بیٹی کا شوہر مراد ہے۔

[۳۱۷۹](۴۲) جس نے وصیت کی قربت داروں کے لئے تو وصیت اقرب فالاقرب کے لئے ہوگی ذی رحم محرم میں سے۔اور ان میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہوں گے۔اور دو یا اس سے زیادہ کے لئے ہوگی۔

تشریح اس مسئلے میں اقارب کا مفہوم متعین کیا ہے۔اور تین باتیں کہی ہیں۔پہلی بات یہ ہے کہ اقارب کے لئے وصیت کی تو ذی رحم محرم رشتہ دار کے لئے وصیت ہوگی۔دامادگی کے رشتے والے داخل نہیں ہوں گے۔اور اس میں بھی جو قریب کے رشتہ دار ہوں گے ان کو ملے گا۔وہ نہ ہوں تو ان کے بعد کے رشتہ داروں کو وصیت ملے گی۔دوسری بات یہ کہی کہ اقارب میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہیں۔

وجہ کیونکہ محاورے میں اقارب اس کو کہتے ہین جو بالواسطہ رشتہ دار ہوں۔اور والدین اور بچے بالواسطہ رشتہ دار نہیں ہیں بلکہ براہ راست رشتہ دار ہیں۔اس لئے وہ اقارب کی وصیت میں داخل نہیں ہوں گے (۲) آیت میں بھی والدین کو الگ بیان کیا ہے اور اقربہ کو اس پر عطف کر کے الگ بیان کیا جس سے معلوم ہوا کہ والدین اقربہ میں داخل نہیں۔اس کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہے۔اور اسی پر اولاد کو قیاس کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جوریہ بنت حارث ثابت بن قیس کے حصے میں گئی...حضورؐ نے جویریہ سے شادی کی تو لوگوں نے اپنی قیدیوں کو چھوڑ دیا اور ان کو آزاد کر دیا۔صحابہ کہنے لگے حضورؐ کے سسرال کے لوگ ہیں۔کسی عورت کو اپنی قوم کے لئے اتنی برکت والی نہیں دیکھی۔اس کے سبب سے بنی مصطلق کے سو گھر والے آزاد ہوئے۔

رحم محرم منه ولا يدخل فيهم والوالدان والولد وتكون للاثنين فصاعدا[۳۱۸۰](۴۳) و اذا اوصٰی بذلک وله عمّان وخالان فالوصية لعمّيه عند ابی حنيفة رحمه الله تعالٰی.

آیت یہ ہے۔ **کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین** (الف) (آیت ۱۸۰، سورۃ البقرۃ ۲) دوسری آیت میں ہے۔ **یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمی** (ب) (آیت ۲۱۵، سورۃ البقرۃ ۲) ان دونوں آیتوں میں والدین کو خرچ کرنے کے لئے الگ ذکر کیا اور اقربین کو الگ ذکر کیا جس سے معلوم ہوا کہ والدین اقربین میں داخل نہیں ہیں۔

اور تیسری بات یہ کہی کہ اقارب جمع ہے اقرب کی اس لئے میراث کے قاعدے سے کم سے کم دو دو کے لئے وصیت ہوگی ایک کے لئے نہیں۔

وجہ قاعدہ تو یہی ہے کہ جمع کا صیغہ تین کے لئے آتا ہے لیکن میراث میں جمع کا صیغہ دو کے لئے آتا ہے۔ اور وصیت میراث کی بہن ہے۔ اس لئے کم از کم دو کو شامل ہوگی۔ اور جس طرح میراث میں اقرب کو دیا جاتا ہے وہ نہ ہو تب اس کے بعد والوں کو دیا جاتا ہے۔ اسی طرح وصیت میں اقرب کو دی جائے گی۔ وہ نہ ہوں تب اس کے بعد والوں کو دی جائے گی۔ **عن ابن طاؤس عن ابیه قال کان لایری الوصیة الا لذوی الارحام اهل الفقر، فان اوصی بها لغیرهم نزعت منهم فردت الیهم** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۶ من قال یرد علی ذی القرابة، ج سادس، ص ۲۱۵، نمبر ۳۰۷۷۴) اس اثر میں ہے کہ دور والوں کے لئے وصیت کی ہو تب بھی اس کو ساقط کر کے قریب والوں کو دی جائے گی۔ اسی طرح قریب کے ہوتے ہوئے دور والوں کو نہیں دی جائے گی۔ اشارہ اس آیت میں بھی ہے۔ **یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمی** (آیت ۲۱۵، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں والاقربین اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا ہے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ زیادہ قریب والوں کو پہلے وصیت کا مال دے۔

لغت صاعد : اس کا لفظی ترجمہ ہے چھڑتے ہوئے، یہاں مراد ہے اس سے زیادہ، یعنی دو یا اس سے زیادہ تین، چار۔

[۳۱۸۰] (۴۳) اگر وصیت کی یہی اور اس کے لئے دو چچے اور دو ماموں ہیں تو وصیت اس کے دو چچاؤں کے لئے ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح اوپر قاعدہ گزرا کہ وصیت پہلے اقرب کو دی جائے گی وہ نہ ہو تب اس کے بعد والے کو دی جائے گی۔ اب کسی نے اقارب کے لئے وصیت کی اور اس کے لئے دو چچے ہیں اور دو ماموں ہیں۔ تو وصیت چچاؤں کے لئے ہوگی۔

وجہ اقرب کے قاعدے کے اعتبار سے چچا اقرب ہیں اور عصبہ بھی ہیں۔ اور ماموں کا درجہ بعد کا ہے۔ اس لئے چچاؤں کو وصیت ملے گی (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فلا ولی رجل ذکر**

حاشیہ : (الف) تم میں سے کسی کو موت آئے تو تم پر فرض کیا گیا ہے کہ اگر مال چھوڑا ہو معروف کے ساتھ والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنی ہے۔ متقین پر یہ حق ہے (ب) آپؐ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے جو مال خرچ کرو وہ والدین، رشتہ دار اور یتیموں کے لئے ہو (ج) حضرت طاؤسؒ وصیت مناسب نہیں سمجھتے ہیں مگر فقیر ذی رحم محرم کے لئے۔ پس اگر اس کے علاوہ کے لئے وصیت کی تو اس سے نکال کر ذی رحم محرم کی طرف واپس کر دی جائے۔

[۳۱۸۱](۴۴) وان كان له عمّ وخالان فللعمّ النصف وللخالين النصف [۳۱۸۲](۴۵) وقالا رحمهما الله تعالى الوصية لكل من يُنسب الى اقصٰى اب له فى الاسلام [۳۱۸۳] (۴۶) ومن اوصٰى لرجل بثلث دراهمه او بثلث غنمه فهلك ثلثا ذلك وبقى ثلثه وهو

(الف) (بخاری شریف، باب میراث ابن الابن اذا لم یکن ابن، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۵) اس حدیث میں ہے اہل حصہ کو میراث تقسیم کرنے کے بعد مذکر عصبہ کو دو۔ اور ماموں کے درمیان واسطہ ماں کا ہے۔ کیونکہ وہ ماں کا بھائی ہے اس لئے مؤنث کا واسطہ ہو گیا۔ اس لئے ان کا درجہ چچا کے بعد ہو گیا۔ اس لئے چچا کو پہلے ملے گا (۳) ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال الخال وارث من لاوارث له (ب) (دار قطنی، کتاب الفرائض والسیر، ج رابع، ص ۴۹، نمبر ۴۰۷۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۰ رجل مات ولم یترک الا خالا، ج سادس، ص ۲۵۱، نمبر ۳۱۱۱۸) اس حدیث میں ہے کہ کوئی وارث نہ ہو تب ماموں وارث بنیں گے۔ اور چچا عصبہ کے اعتبار سے وارث ہیں اس لئے ماموں کو وصیت نہیں ملے گی۔

[۳۱۸۱] (۴۴) اور اگر اس کے لئے ایک چچا ہو اور دو ماموں ہوں تو چچا کے لئے آدھا اور دونوں ماموں کے لئے آدھا ہو گا۔

تشریح وصیت میں اقارب جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کا اطلاق میراث اور وصیت میں کم سے کم دو پر ہے۔ اور یہاں ایک ہی چچا موجود ہے اس لئے ایک چچا کو وصیت کا آدھا ملے گا باقی آدھا اس کے بعد والے کو ملے گا۔ اور بعد والے میں دو ماموں ہیں تو دو ماموں کو آدھا ملے گا۔

اصول یہ مسئلہ اسی اصول پر متفرع ہے کہ پہلے قریب والے کو اس کے بعد جو قریب ہو اس کو ملے گا۔

[۳۱۸۲] (۴۵) صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وصیت ہر اس آدمی کے لئے ہوگی جو منسوب ہو اسلام میں اس کے آخری باپ کی طرف۔

تشریح صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کے باپ، دادا، پردادا جب سے مسلمان ہوئے ہیں اس وقت سے جتنے قریبی رشتہ دار بنتے ہیں چاہے وہ ذی رحم محرم ہوں یا غیر ذی رحم محرم ہوں وہ سب اقارب میں شامل ہیں۔ اور وصیت میں سب کو تھوڑا تھوڑا حصہ ملے گا۔

وجہ وہ اقارب جمع کے صیغے کا لفظی معنی لیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اقارب جمع کا صیغہ ہے اور قریب اور بعید کی قید سے خالی ہے۔ اس لئے مسلمان ہونے تک تمام رشتہ دار شامل ہوں گے۔ وہ اقارب کے مفہوم عام کا اعتبار کرتے ہیں۔ کیونکہ موصی نے قریب بعید کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ لفظ عام ہو تو مفہوم بھی عام رہنا چاہئے۔ اس کے اطلاق میں کوئی قید نہ ہو۔

لغت ینسب الی اقصی اب لہ فی الاسلام : باپ دادا میں سے جو پہلا مسلمان ہو وہاں تک کی رشتہ داری کا اعتبار ہوگا۔

[۳۱۸۳] (۴۶) جس نے وصیت کی کسی کے لئے اپنے درہم کے تہائی کی یا اپنی بکریوں کی تہائی کی پھر ان کی دو تہائی ہلاک ہو گئی اور ایک تہائی باقی رہی جو اس کے باقی مال کی تہائی سے نکل سکتی تھی تو موصی لہ کے لئے تمام ما بقی ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا فرائض کو اس کے اہل کو دو، جو باقی رہ گیا وہ مرد کے لئے ہے (ب) آپؐ نے فرمایا ماموں وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں ہے۔

یخرج من ثلث ما بقی من ماله فله جمیع مابقی[۳۱۸۴](۴۷) ومن اوصٰی بثلث ثیابه فهلک ثلثاما بقی ثلثها وهو یخرج من ثلث با بقی من ماله لم یستحق الا ثلث مابقی من

تشریح مثلاً کسی کے پاس نو ہزار درہم تھے یا نوے بکریاں تھیں۔ اس نے کسی کے لئے اس کی تہائی کی وصیت کی۔ وصیت کے بعد اس کی دو تہائی ہلاک ہوگئی مثلاً چھ ہزار درہم یا ساٹھ بکریاں ہلاک ہوگئیں۔ اور تین ہزار یا تیس بکریاں باقی رہیں۔ یہ مال پورے مال کی تہائی ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ باقی ماندہ مال جو پورے مال کی تہائی ہے موصی لہ کے لئے ہوگا۔ اور ورثہ کو کچھ نہیں ملے گا۔

وجہ یہ مسئلہ تین اصولوں پر ہے۔ پہلا اصول یہ ہے کہ وصیت نافذ کرنے کا درجہ ورثہ کے حق سے پہلے ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ فان کانوا اکثر من ذلک فهم شرکاء فی الثلث من بعد وصیة یوصی بها او دین (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ دین اور وصیت کے بعد ورثہ کا حق ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ جب وصیت کی تو موصی لہ کا حق ثابت ہوگیا۔ اس کے بعد دو ثلث ہلاک ہوا ہے۔ اور تیسرا اصول یہ ہے کہ تمام درہم یا تمام بکریاں ایک ہی جنس ہیں۔ دو جنس نہیں ہیں۔ چونکہ ایک ہی جنس ہے اس لئے تقسیم ہونے سے پہلے بھی کہا جا سکتا ہے کہ ذہنی طور پر موصی لہ کا حصہ ایک تہائی تھا۔ اور اس کی ادائیگی چونکہ پہلے سے ہے اس لئے اس میں سے ہلاک نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کو بہر حال ادا کرنا ہے۔ اس لئے اس کے بعد جو ورثہ کا حق ہے اس میں سے دو تہائی ہلاک ہوئی۔ اور چونکہ جنس ایک ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ تقسیم سے پہلے بھی ذہنی طور پر موصی لہ کا حصہ الگ ہوگیا۔ اس لئے وہ ہلاک نہیں ہوا۔ اس لئے موصی لہ کو باقی ماندہ ایک تہائی دے دی جائے گی۔

فائدہ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ ابھی تقسیم نہیں ہوا تھا اس لئے جب ہلاک ہوا تو ورثہ اور موصی لہ دونوں کا حصہ ہلاک ہوا۔ اور جو باقی رہا اس میں سے اپنے اپنے حصے کے اعتبار سے دونوں کا مال باقی رہا۔ اب مثال مذکور میں تین ہزار درہم یا تیس بکریاں باقی ہیں، اور ورثہ کا حق دو گنا ہے یعنی دو تہائی اور موصی لہ کا حق ایک گنا ہے یعنی ایک تہائی اس اعتبار سے موصی لہ کو ایک ہزار درہم یا دس بکریاں ملیں گی۔ اور ورثہ کو دو ہزار درہم اور بیس بکریاں ملیں گی۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ شرکت میں ہلاک ہوا تو سب کے حصے ہلاک ہونگے۔ جیسے شرکت کے مال میں سب کا ہلاک ہوتا ہے۔

[۳۱۸۴] (۴۷) کسی نے اپنے تہائی کپڑوں کی وصیت کی، پس اس کی دو تہائی ہلاک ہوگئی اور ایک تہائی باقی رہی۔ اور وہ اس کے مابقی مال کی تہائی سے نکل سکتی ہے پھر بھی موصی لہ مستحق نہیں ہوگا مگر ما بقی کپڑوں کی تہائی کا۔

تشریح مثلاً مختلف قسم کے نو گٹھر کپڑے تھے۔ ان میں سے ایک تہائی کی وصیت کی۔ بعد میں دو تہائی یعنی چھ گٹھر ہلاک ہوگئے اور تین گٹھر باقی رہے۔ اس صورت میں موصی لہ باقی ماندہ تین گٹھر کی تہائی یعنی ایک گٹھر کا مستحق ہوگا۔ اور دو گٹھر ورثہ میں تقسیم ہوں گے۔

وجہ اس مسئلے میں کپڑے مختلف قسم کے ہیں۔ اس لئے ذہنی طور پر بھی تقسیم نہیں ہو سکتی بلکہ ہر اعتبار سے مشترک ہی رہیں گے۔ اس لئے جب کپڑے مشترک رہے تو ہلاک دونوں کے ہوئے ورثہ کے بھی اور موصی لہ کے بھی۔ اس لئے اب موصی لہ کو باقی ماندہ کپڑوں کی تہائی یعنی ایک

حاشیہ: (الف) پس اگر دو سے زیادہ ہوں تو وہ وصیت اور دین کی ادائیگی کے بعد تہائی میں شریک ہوں گے۔

الشیاب [۳۱۸۵](۴۸) ومن اوصیٰ لرجل بالف درهم وله مال عین ودین فان خرج الالف من ثلث العین دُفعت الی الموصیٰ له وان لم یخرج دُفع الیه ثلث العین وکل ما خرج

گھر ملے گا (۲) اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن عطاء فی رجل اوصی بثلث ماله واشیاء سوی ذلک وترک دارا یکون ثلثها ایعطاها الموصی له بالثلث؟ قال لا! ولکن یعطی بالحصة من المال والدار (الف) (مصنف ابن ابی شیبة، ۹ فی رجل له دور فاوصی بثلثها اتجمع له فی موضع ام لا، ج سادس، ص ۲۱۳، نمبر ۳۰۷۴۷) اس اثر میں متروکہ شیء مال بھی ہے اور گھر بھی۔لیکن موصی لہ کو تہائی حصے میں صرف گھر نہیں دے دیا بلکہ مال میں سے بھی تہائی دی اور گھر میں سے بھی تہائی دی۔جس سے معلوم ہوا کہ مختلف قسم کی چیزیں ہوں تو ہر ایک میں تہائی تہائی حصہ ہوگا۔اور ہر ایک کا دو تہائی حصہ ہوگا۔اور ہر ایک کا دو تہائی حصہ ورثہ کا ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ باضابطہ تقسیم سے پہلے جو جو چیز ہلاک ہوئی ہے اس میں ورثہ کا حصہ بھی تھا اور موصی لہ کا حصہ بھی تھا۔اور جو باقی رہا اس میں ورثہ کا بھی حصہ ہے اور موصی لہ کا بھی حصہ ہے۔اس اعتبار سے جو کچھ بچ گیا اس میں موصی لہ کو تہائی ملے گی۔اور باقی دو تہائی ورثہ کے ہونگی۔

اصول مختلف قسم کی چیزیں ہوں تو باضابطہ تقسیم سے پہلے وہ مشترک ہی رہتی ہیں۔اس لئے ہلاک ہوں گی تو سب کی ہوں گی۔

[۳۱۸۵] (۴۸) جس نے وصیت کی ایک آدمی کے لئے ایک ہزار درہم کی اور اس کا کچھ مال نقد ہے اور کچھ قرض ہے۔پس اگر ایک ہزار نقد کی تہائی نکل جائے تو موصی لہ کو دے دیا جائے گا۔اور اگر نہیں نکلے تو نقد کی تہائی دے دی جائے گی۔اور جو کچھ وصول ہوتا رہے قرض سے لیگا اس کی تہائی یہاں تک کہ ہزار پورے کرے۔

تشریح ایک آدمی نے ایک دوست کے لئے ہزار درہم کی وصیت کی اور اس آدمی کے مال میں کچھ نقد مال اور کچھ رقم ہے۔اور رقم لوگوں پر قرض ہے۔پس اگر نقد مال مثلا تین ہزار موجود ہے تو اس کی تہائی ایک ہزار وصیت والے کو دے گا۔اور اگر تین ہزار نقد نہیں ہے بلکہ دو ہزار نقد ہے اور باقی قرض ہے تو دو ہزار کی تہائی یعنی 666.66 چھ سو چھیاسٹھ درہم اور چھیاسٹھ پیسے ابھی وصول کرے گا اور باقی قرض وصول ہوتا جائے گا تو اس میں تہائی لیتا جائے گا یہاں تک کہ اس کا پورا ایک ہزار مکمل ہو جائے۔

وجہ مال میں قرض ہے اور نقد ہے۔تو گویا کہ مختلف جنس کے مال ہیں۔اس لئے ذہنی طور پر موصی لہ کا حصہ الگ نہیں کیا جا سکتا۔بلکہ دونوں مال ورثا اور موصی لہ کے درمیان مکمل طور پر مشترک رہیں گے۔اس لئے جتنا نقد ہے اس میں سے تہائی موصی لہ کو دی جائے گی۔اور جتنا قرض ہے اس کو وصول کرتے جائیں اور اس میں تہائی لیکر اپنا ہزار پورا کریں (۲) نقد کی ایک بڑی اہمیت ہے۔اگر یہ صرف موصی لہ کو دے دیا جائے تو ورثہ کو نقصان ہوگا۔اس لئے اس میں سے تہائی ہی موصی لہ کو دیا جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ بھی اوپر کے اصول پر متفرع ہے کہ مال دو جنس کے ہوں تو موصی لہ اور ورثہ نقد اور قرض دونوں میں شریک رہیں گے۔

لغت عین : نقد، دین : قرض، یستوفی : وفی سے مشتق ہے وصول کرنا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عطاء نے فرمایا کسی آدمی نے تہائی مال کی وصیت کی اور کچھ مال اس کے علاوہ ہے اور گھر چھوڑا جس کی تہائی ہوسکتی ہے۔کیا موصی لہ کو گھر کی تہائی دیدے؟ تو عطاء نے فرمایا نہیں، بلکہ مال اور گھر ہر ایک کی تہائی تہائی دے۔

۱
شیء من الدین أُخذ ثلثه حتی یستوفی الالف[۳۱۸۶](۴۹) وتجوز الوصیة للحمل وبالحمل اذا وُضع لاقل من ستة اشهر من یوم الوصیة[۳۱۸۷](۵۰) واذا اوصٰی لرجل

[۳۱۸۶](۴۹) جائز ہے وصیت حمل کے لئے اور حمل کی جبکہ وضع حمل ہوا ہو وصیت کے دن سے چھ مہینے سے کم میں ۔

تشریح حمل کے لئے وصیت کرنے کی شکل یہ ہے کہ مثلا زید عمر کے اس بیٹے کے لئے وصیت کرتا ہے جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہے تو وصیت جائز ہے۔لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وصیت کے دن سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو۔تا کہ یقین ہو جائے کہ وصیت کے وقت بچہ ماں کے پیٹ میں تھا۔اور جس کے لئے وصیت کی تھی وہ ماں کے پیٹ میں موجود تھا۔

وجہ اگر وصیت کرنے کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو یقین نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وصیت کے وقت بچہ ماں کے پیٹ میں موجود ہے۔کیونکہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ وصیت جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت یہ چاہتی ہے کہ بچہ پیدا ہو تو اس کی ملکیت میں مال ہو تا کہ زندگی گزارنے میں آسانی ہو۔اس نظریہ کے تحت یہ صادر فرمایا کہ پیٹ میں وجود ہو چکا ہو۔اور کسی رشتہ دار کا انتقال ہو تو اس بچے کو میراث بھی ملے گی اور کوئی وصیت کرے تو وصیت بھی ملے گی (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ **یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین** (الف) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ اولاد کے بارے میں تم کو اللہ وصیت کرتا ہے اور پیٹ میں حمل ٹھہر گیا تو اولاد کا وجود شروع ہو گیا اس کو بھی میراث ملے گی اور وصیت بھی ملے گی (۳) حدیث میں ہے۔ **عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال اذا استهل المولود ورث** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المولود یستهل ثم یموت، ص ۴۹، نمبر ۲۹۲۰ / ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی الصلوۃ علی الطفل، ص ۲۱۵، نمبر ۱۵۰۸) اس حدیث میں ہے کہ بچہ زندہ پیدا ہو جس کی ایک علامت یہ ہے کہ روئے تو اس کو وراثت ملے گی۔اس پر قیاس کرکے بچے کا وجود ماں کے پیٹ میں ہو چکا ہو تو اس کو بھی وراثت ملے گی۔اور وصیت کا مال بھی ملے گا۔

اور حمل کو دوسرے کے لئے وصیت کرے اس کی شکل یہ ہے کہ آقا کہے کہ میں اپنی باندی کے حمل کو فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں۔تو جب یہ حمل پیدا ہوگا اس وقت موصی لہ کو یہ بچہ مل جائے گا اور اس کی وصیت کرنا صحیح ہوگا۔

وجہ میراث اور وصیت میں حمل ماں سے الگ شمار کیا جاتا ہے۔جب وہ ماں سے الگ ہو گیا تو اس کے لئے وصیت کرنا جائز ہوگا۔اور اس کو کسی اور کے لئے وصیت کی تو وہ بھی جائز ہے۔

لغت الوصیۃ للحمل : حمل کے لئے کسی چیز کی وصیت کرے، الوصیۃ بالحمل : حمل کو کسی اور کے لئے وصیت کرے۔

[۳۱۸۷](۵۰) اگر وصیت کی ایک آدمی کے لئے باندی کی مگر اس کے حمل کی تو وصیت صحیح ہے اور استثناء صحیح ہے۔

تشریح یوں کہا کہ اس باندی کو زید کے لئے وصیت کرتا ہوں مگر اس کا حمل زید کے لئے وصیت نہیں کرتا بلکہ وہ میرے لئے ہے۔تو یہ وصیت صحیح ہے۔جس کی وجہ سے باندی زید کو مل جائے گی اور حمل جب پیدا ہوگا وہ بچہ آقا کا ہوگا۔

وجہ یہ مسئلہ اوپر کے اصول پر متفرع ہے یعنی میراث اور وصیت میں حمل باندی سے الگ شیء ہے۔اس لئے باندی کسی اور کے لئے ہوگی اور

حاشیہ : (الف) اللہ تم کو اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ مذکر کے لئے مؤنث کا دوگنا ہے (ب) آپ نے فرمایا بچہ روئے تو وارث ہوگا۔

بجارية الا حملها صحت الوصية والاستثناء[۳۱۸۸](۵۱) ومن اوصٰی لرجل بجارية فولدت بعد موت الموصی قبل ان يقبل الموصٰی له ولدا ثم قبل الموصٰی له وهما يخرجان من الثلث فهما للموصٰی له وان لم يخرجا من الثلث ضرب بالثلث.

حمل کا استثناء کر کے آقا کے لئے ہوگا۔

نوٹ بیع اور ہبہ میں حمل باندی کا جز شمار کیا ہے اس لئے باندی بیچے یا ہبہ کرے اور حمل نہ بیچے یا ہبہ نہ کرے تو صحیح نہیں ہے۔ بلکہ باندی کے ساتھ حمل کی بھی بیع ہوگی یا باندی کے ساتھ حمل کا بھی ہبہ ہوگا۔

[۳۱۸۸](۵۱) جس نے وصیت کی کسی آدمی کے لئے باندی کی۔ پس اس نے بچہ جنا موصی کی موت کے بعد موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے، پھر موصی لہ نے قبول کیا۔ اور وہ دونوں نکلتے ہوں تہائی سے تو دونوں موصی لہ کے لئے ہوں گے۔ اور اگر نہ نکلتے ہوں تہائی سے تو شامل کر لئے جائیں گے ثلث میں۔

تشریح مثلا زید نے اپنی باندی کی وصیت کی عمر کے لئے۔ اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا۔ اس کے انتقال کے بعد باندی نے بچہ دیا۔ بچہ دینے کے بعد عمر نے وصیت قبول کی۔ اور دونوں کی قیمت زید کی پوری ملکیت کی تہائی تھی۔ مثلا زید کی پوری ملکیت نو ہزار درہم تھی اور باندی اور بچے کی قیمت تین ہزار تھی تو موصی لہ عمر کو باندی اور بچے دونوں مل جائیں گے۔

وجہ موصی زید نے باندی کی وصیت کر دی اور بچہ باندی کا جز ہے اور اس کا استثناء نہیں کیا تو گویا کہ باندی کو اس کے بچے کے ساتھ وصیت کی۔ اس لئے موصی لہ کے قبول کے بعد باندی اور بچہ موصی لہ کے لئے ہو جائیں گے۔ کیونکہ دونوں کی مجموعی قیمت موصی کی پوری ملکیت کی تہائی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ باندی کے ساتھ اس کا جز اور اس کی بڑھوتری کی بھی وصیت شمار کی جائے گی۔

اور اگر دونوں کی قیمت تہائی سے زیادہ ہو جائے مثلا زید کی کل ملکیت نو ہزار تھی۔ اور باندی کی قیمت دو ہزار اور بچے کی قیمت دو ہزار مجموعہ چار ہزار ہو گئے۔ جو تہائی سے ایک ہزار زیادہ ہے تو موصی لہ کو پوری باندی یا پورا بچہ نہیں ملے گا بلکہ ان میں سے ایک ہزار کے مطابق ورثہ کو دیا جائے گا۔ اور باقی تین ہزار کے مطابق موصی لہ کو دیا جائے گا۔ وان لم يخرجا من الثلث ضرب بالثلث کا یہی مطلب ہے کہ ماں اور بچے کی قیمت تہائی سے نہ نکلتی ہو بلکہ ان دونوں کی مجموعی قیمت کل مالیت کی تہائی سے زیادہ ہو جاتی ہو تو ثلث میں حصص لگایا جائے گا۔ اور اس میں سے جتنا حصہ ورثہ کا ہوگا اتنا ورثہ کو دلوایا جائے گا۔ اور جتنا موصی لہ کا نکلتا ہے اتنا موصی لہ کو دلوایا جائے گا۔

نوٹ موصی نے وصیت کر دی ہے اس لئے موصی لہ کو قبول کرنے کا حق ہے۔ اور قبول کے وقت باندی اور اس کی نماء یعنی بچہ دونوں موجود ہیں اس لئے دونوں کو قبول کرنے کا حق ہے۔

[۳۱۸۹](۵۲) واخذ ما يخصه منهما جميعا فی قول ابی يوسف و محمد وقال ابو حنيفة رحمه الله تعالی يأخذ ذلک من الام فان فضل شیء اخذه من الولد[۳۱۹۰](۵۳) وتجوز الوصية بخدمة عبده وسكنی داره سنين معلومة وتجوز بذالک ابدا.

[۳۱۸۹](۵۲)اور موصی لہ حصہ لے گا ان دونوں سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول میں۔اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ لے گا ماں سے ،پس اگر باقی بچ جائے تو لے گا بچے سے۔

تشریح صاحبینؒ فرماتے ہیں ماں اور بچہ دونوں کی مجموعی قیمت تہائی سے زیادہ ہو جائے تو موصی لہ کو دونوں سے تہائی سے نکال کر دیا جائیگا۔اور وارثین کا جو حصہ نکلے گا وہ بھی ماں اور بچہ دونوں سے لیں گے،صرف ایک سے نہیں لیں گے۔مثلا مثال مذکور میں موصی کی پوری ملکیت نو ہزار درہم تھی،جن میں سے دو ہزار ماں کی قیمت اور دو ہزار بچے کی قیمت ہے۔مجموعہ چار ہزار ہوئے اور نو ہزار کی تہائی تین ہزار بنتے ہے۔اس لئے اس میں سے ایک ہزار ورثہ کا ہوگا۔اب صاحبین کے قاعدے کے مطابق پانچ سو ماں کی قیمت سے اور پانچ سو بچے کی قیمت سے ورثہ کو دلوائی جائے گی۔اور باقی ڈیڑھ ہزار ماں کی قیمت سے اور ڈیڑھ ہزار بچے کی قیمت سے موصی لہ کو دلوایا جائے گا۔تاکہ دونوں کی قیمت سے ورثہ اور موصی لہ کو ملے۔ایسا نہیں ہوگا کہ صرف بچے کی قیمت سے ورثہ کو دلوائی جائے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ وصیت میں ماں اور بچہ دونوں داخل ہیں اس لئے دونوں کی قیمت سے ورثہ اور موصی لہ کو دلوائی جائے۔

فائدہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تہائی میں سے پہلے باندی موصی لہ کو دی جائے گی۔اگر اس سے پوری ہوگئی تو ٹھیک ہے۔اور اگر اس سے تہائی پوری نہیں ہوئی تو بچے کی قیمت سے پوری کی جائے گی۔اور بچے کی قیمت سے جو باقی بچی وہ ورثہ کو دی جائے گی۔مثلا مثال مذکور میں دو ہزار کی باندی موصی لہ کو دی جائے گی اور تہائی پوری کرنے کے لئے بچے کی قیمت سے بھی ایک ہزار موصی لہ کو دیا جائے گا۔اور باقی ایک ہزار ورثہ کو دیا جائے گا۔ایسا نہیں کیا جائے گا کہ ماں اور بچے دونوں میں سے تھوڑا ورثہ کو اور تھوڑا موصی لہ کو دیا جائے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ اصل وصیت باندی کی ہے بچہ تو تابع ہے اور بعد میں پیدا ہوا ہے۔اس لئے پہلے وصیت ماں سے پوری کی جائے گی۔ بعد میں بچے کو حصوں میں تقسیم کریں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کو وصیت میں دی ہے وہ اصل ہے۔پہلے وصیت اسی پر نافذ کی جائے گی بعد میں فرع پر۔

لغت یأخذ ذلک من الام : موصی لہ پہلے ماں سے اپنی تہائی نکالے گا۔اگر اور کچھ لینے کا باقی رہا تو بچے کی قیمت سے وصول کرے گا۔

[۳۱۹۰](۵۳)وصیت جائز ہے اپنے غلام کی خدمت کی اور مکان کی رہائش کی معین سالوں تک اور جائز ہے یہ ہمیشہ کے لئے۔

تشریح اوپر کے مسئلوں میں تھا کہ عین چیز کو ہبہ کرے یہاں یہ ہے کہ عین چیز کی وصیت نہ کرے بلکہ اس کے نفع کی وصیت کرے۔مثلا یوں وصیت کرے کہ میرے غلام کی خدمت فلاں کو تین سالوں کے لئے وصیت کرتا ہوں یا ہمیشہ کے لئے وصیت کرتا ہوں۔یا میرے گھر میں جو رہائش ہے وہ فلاں کے لئے تین سالوں تک کی وصیت کرتا ہوں یا ہمیشہ کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ جائز ہے۔

[۳۱۹۱](۵۴) فان خرجت رقبة العبد من الثلث سُلِّمَ اليه للخدمة وان كان لا مال له غيره خَدَمَ الورثة يومين والموصٰى له يوما.

وجہ جس طرح عین شی ءکی قیمت ہوتی ہے اسی طرح نفع کی بھی قیمت ہوتی ہے۔اس لئے اس کی بھی وصیت کرسکتا ہے(۲) وقف میں اس کا اشارہ ہے۔عن ابن عمرؓ قال اصاب عمر بخيبر ارضا فاتى النبي ﷺ فقال اصبت ارضا لم اصب مالا قط انفس منه فكيف تامرني به؟ قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها،فتصدق عمر انه لا يباع اصلها ولا يوهب ولا يورث في الفقراء والقربى والرقاب وفي سبيل الله (الف) (بخاری شریف، باب الوقف کیف یکتب ،ص ۳۸۸،نمبر۲۷۷۲) اس حدیث میں اصل زمین وقف نہیں کی بلکہ اس کا نفع وقف کیا جس سے معلوم ہوا کہ نفع کی بھی وصیت کی جاسکتی ہے(۲) اثر میں ہے۔وقال الزهري فيمن جعل الف دينار في سبيل الله ودفعها الى غلام له تاجر يتجر بها وجعل ربحه صدقة للمساكين والاقربين،هل للرجل ان ياكل من ربح تلك الالف شيئا؟وان لم يكن جعل ربحها صدقة في المساكين،قال ليس له ان ياكل منها (الف) (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ،ص ۳۸۹،نمبر ۲۷۷۵) اس اثر میں بھی اصل دینار وقف نہیں کیا بلکہ اس کا نفع وقف کیا۔اسی پر قیاس کرکے نفع یعنی غلام کی خدمت یا مکان کی رہائش کی وصیت کچھ سالوں کے لئے بھی کرسکتا ہے اور ہمیشہ کے لئے بھی کرسکتا ہے۔

اصول کسی چیز کا نفع وصیت میں اصل کی طرح ہے۔

لغت سکنی : رہائش، سنین : سنۃ کی جمع ہے سال۔

[۳۱۹۱] (۵۴) پس اگر غلام نکل سکے تہائی مال سے تو موصی لہ کے حوالہ کردیا جائے گا خدمت کے لئے۔اور اگر اس کے علاوہ مال نہ ہو تو ورثہ کی خدمت کرے گا دو دن اور موصی لہ کی ایک دن۔

تشریح مثلا غلام کی قیمت تین ہزار ہے اور چھ ہزار مالیت ہے،کل ملا کر نو ہزار ہے۔اس صورت میں غلام پورے مال کی تہائی ہے اس لئے غلام کی پوری خدمت موصٰی لہ کے لئے ہوگی۔اور پورا غلام وصیت کی مدت تک کے لئے موصی لہ کے حوالے کردیا جائے گا تاکہ اس کی خدمت کرے۔

وجہ غلام پورے مال کی تہائی ہے اس لئے غلام کی پوری خدمت موصی لہ کے لئے ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ کو خیبر میں زمین ملی تو حضورؐ کے پاس آئے اور کہا،مجھ کو اتنی اچھی زمین ملی ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ملی تھی۔آپؐ بتائے اس کو کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا چاہو تو اس کی اصل روک لو اور اس کے نفع کو صدقہ کرلو۔پس حضرت عمرؓ نے صدقہ کیا اس طرح کہ اس کی اصل نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے نہ اس کا کوئی وارث ہو۔فقراء،رشتہ دار،غلام اور اللہ کے راستے میں (ب) حضرت زہریؒ نے فرمایا کوئی آدمی سو دینار اللہ کے راستہ میں صدقہ کرے اور تاجر غلام کو دیدے تاکہ وہ اس سے تجارت کرے اور اس کا نفع مسکین اور رشتہ داروں کے لئے صدقہ کردے،کیا اس آدمی کے لئے جائز ہے کہ اس ہزار کے نفع سے کھائے؟ اور نہ کھائے تو اس کا نفع مساکین میں صدقہ کردے؟ فرمایا اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے کھائے۔

[۳۱۹۲](۵۵) فان مات الموصٰی له عاد الی الورثة[۳۱۹۳](۵۶) وان مات الموصٰی له فی حیوة الموصی بطلت الوصیة [۳۱۹۴](۵۷)واذا اوصٰی لولد فلان فالوصیة بینهم

اور اگر صرف یہی غلام موصی کی ملکیت ہے تب تو غلام کی دو تہائی خدمت ورثہ کے لئے ہے اور ایک تہائی خدمت موصی لہ کے لئے ہے۔اس لئے دو دن ورثہ کی خدمت کرے گا اور ایک دن موصی لہ کی خدمت کرے گا۔

[۳۱۹۲](۵۵) پس اگر موصی لہ مر گیا تو غلام لوٹ آئے گا ورثہ کی طرف۔

تشریح مثلا تین سال کی خدمت کے لئے وصیت کی تھی اور موصی لہ دو سال میں انتقال کر گیا تو غلام وصیت کرنے والے کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا۔

وجہ (۱) موصی لہ کی خدمت کے لئے وصیت کی تھی اور وہی نہیں رہا تو کس کی خدمت کرے گا؟ اس لئے غلام موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا (۲) عین غلام کی وصیت نہیں ہے بلکہ اس کی خدمت کی وصیت ہے۔اور موصی لہ کے وارث خدمت لیں گے تو مطلب یہ ہوا کہ غلام کی خدمت کی وراثت ہوئی۔پس جب غلام کی وراثت نہیں ہو سکتی ہے تو اس کی خدمت کی وراثت کیسے ہوگی؟ اس لئے غلام وصیت کرنے والے کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ عین کی وراثت نہیں تو اس کے نفع کی بھی وراثت نہیں ہوگی۔

[۳۱۹۳](۵۶) اور اگر موصی لہ موصی کی زندگی میں مر گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

وجہ پہلے قاعدہ گزرا ہے کہ موصی کے مرنے کے بعد موصی لہ وصیت قبول کرے گا تب وصیت صحیح ہوگی۔یہاں وصیت کرنے والے سے پہلے ہی موصی لہ مر گیا تو وصیت قبول کون کرے گا؟ اس لئے وصیت باطل ہو جائے گی (۲) جس کے لئے وصیت کی تھی وہی نہیں رہا تو وصیت کس کے لئے ہوگی؟ (۳) حدیث گزر چکی ہے۔ع. . **الله بن ابی قتادة عن ابیه ان النبی ﷺ حین قدم المدینة سأل عن البراء بن معرور فقالوا توفی واوصی بثلثه لک قال قدرددت ثلثه علی ولده** (الف) (سنن للبیہقی، باب الوصیۃ للرجل وقبولہ وردہ، ج سادس، ص ۴۵۲، نمبر ۱۲۶۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد وصیت قبول کرنے یا رد کرنے کا حق ہوتا ہے۔اور یہاں قبول کرنے والا ہی پہلے مر گیا تو کون قبول کرے گا۔اس لئے یہ وصیت باطل ہو جائے گی۔

[۳۱۹۴](۵۷) اگر وصیت کی فلاں کی اولاد کے لئے تو وصیت ان کے درمیان مذکر اور مؤنث برابر ہوں گے۔

تشریح وصیت کی فلاں کی اولاد کے لئے تو اولاد میں مذکر بھی ہوتی ہے اور مؤنث بھی۔اس لئے دونوں کو برابر وصیت کا مال ملے گا۔

وجہ اولاد ہونے میں دونوں کے درجے برابر ہیں (۲) اثر میں ہے۔**عن الحسن فی الرجل یقول لبنی فلان کذا وکذا قال هو لغنیهم وفقیرهم وذکرهم وانثاهم** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸ فی رجل قال لبنی فلان یعطی الاغنیاء، ج سادس، ص ۲۱۲، نمبر

حاشیہ : (الف) آپ جب مدینہ آئے تو براء بن معرور کے بارے میں پوچھا۔تو لوگوں نے کہا اس کا انتقال ہو چکا ہے اور اس نے تہائی مال کا آپ کے لئے وصیت کی ہے۔آپ نے فرمایا اس کا تہائی مال اس کی اولاد پر واپس کرتا ہوں (ب) حضرت حسن فرماتے ہیں کسی نے کہا فلاں کی اولاد کے لئے اتنا اتنا (باقی اگلے صفحہ پر)

للذکر والانثی سواء[۳۱۹۵](۵۸) ومن اوصٰی لورثة فلان فالوصیة بینهم للذکر مثل حظ الاُنثیین[۳۱۹۶](۵۹) ومن اوصٰی لزید وعمرو بثلث ماله فاذا عمرو میّتٌ فالثلث کله لزید.

۳۰۷۴۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مذکر و مؤنث دونوں کو برابر ملے گا۔

[۳۱۹۵](۵۸)اگر وصیت کی فلاں کے ورثہ کے لے تو وصیت ان کے درمیان مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگی۔

تشریح اس میں اولاد کا لفظ نہیں بولا بلکہ ورثہ کا لفظ بولا ہے۔اور وراثت للذکر مثل حظ الانثیین ہے۔یعنی عورت کو ایک گنا اور مرد کو دو گنا، اس لئے اس وصیت کا مال مرد کو دو گنا ملے گا۔اور عورت کو اس کا آدھا یعنی ایک گنا ملے گا۔

وجہ اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن الحسن فی رجل اوصی لبنی عمه رجال ونساء قالوا للذکر مثل حظ الانثیٰ الا ان یکون قال للذکر مثل حظ الانثیین ،آیت ۱۱ ،سورۃ النساء۴(الف) مصنف ابن ابی شیبۃ ،۷ فی رجل اوصی لبنی عمہ وھم رجال ونساء، ج سادس، ص۲۱۲، نمبر۳۰۷۴۳)اس اثر میں ہے کہ اگر للذکر مثل حظ الانثیین بولا ہو تو مذکر کے لئے مؤنث کا دو گنا ملے گا۔اور یہاں ورثہ کا لفظ بولا ہے اس لئے ورثہ کا قاعدہ جاری ہوگا۔اور ورثہ میں مرد کو عورت کا دو گنا ملتا ہے۔اس لئے یہاں بھی مرد کو عورت کا دو گنا دیا جائیگا۔

[۳۱۹۶](۵۹)کسی نے وصیت کی زید اور عمر کے لئے تہائی مال کا۔اور عمر اس وقت مر چکا تھا تو ساری تہائی زید کے لئے ہوگی۔

تشریح مثلا خالد نے زید اور عمر دونوں کے لئے وصیت کی۔جس وقت وصیت کی تو خالد کو معلوم نہیں تھا کہ عمر مر چکا ہے۔لیکن حقیقت میں عمر مر چکا تھا تو یہ پوری تہائی زید کے لئے ہو جائے گی۔

وجہ موصی کی تمنا یہ ہے کہ یہ مال دونوں کو یا دونوں ہی میں سے ایک کی خدمت میں چلا جائے اس لئے زید کو پورا مال مل جائے گا (۲) وصیت کے بعد عمر تو قبول نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ مر چکا ہے اس لئے اس کے بدلے میں زید نے قبول کیا اس لئے وہ پوری تہائی کا مالک ہوگا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وصیت کرنے والے کو معلوم تھا کہ عمر مر چکا ہے پھر بھی زید اور عمر کو وصیت کی تب تو پوری تہائی زید کو ملے گی۔

وجہ کیونکہ موت کو جانتے ہوئے زید اور عمر کو وصیت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حقیقت مین صرف زید کے لئے وصیت کرنا ہے۔لیکن اگر عمر کی موت کا علم موصی کو نہیں تھا اور زید اور عمر دونوں کی لئے وصیت کی تو چونکہ دونوں کو دینا چاہتا ہے اس لئے زید کو تہائی کا آدھا ملے گا اور باقی آدھا موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گا۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) وصیت کرتا ہوں تو اس کے مالدار کے لئے اس کے فقیر کے لئے اس کے مذکر کے لئے اور اس کے مؤنث کے لئے ہوگی (الف) حضرت حسن نے فرمایا کوئی آدمی اپنے چچا کی اولاد مذکر اور مؤنث کے لئے وصیت کی تو مذکر کے لئے مؤنث کے برابر ہوگا مگر یہ کہ جیسا آیت میں ہے یعنی مذکر کے لئے مؤنث کا دو گنا۔

[۳۱۹۷](۶۰) وان قال ثلث مالي بين زيد وعمرو وزيد ميّتٌ كان لعمر ونصف الثلث[۳۱۹۸](۶۱) ومن اوصٰى بثلث ماله ولا مال له ثم اكتسب مالا استحق الموصٰى له ثلث مايملكه عند الموت.

[۳۱۹۷](۶۰) اگر کہا کہ میرا تہائی مال زید اور عمر کے درمیان میں ہے اور زید مر چکا ہے تو عمر کے لئے تہائی کا آدھا ہوگا۔

وجہ لفظ 'بین' دلالت کرتا ہے کہ دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہو۔اس لئے زید مر گیا تو اس کا حصہ موصی کے ورثہ کی طرف واپس لوٹ جائے گا۔اور باقی یعنی تہائی کا آدھا عمر کو مل جائے گا۔

[۳۱۹۸](۶۱) کسی نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور اس کے پاس مال نہیں ہے۔پھر کچھ مال کمایا تو موصی لہ اس کی تہائی کا مستحق ہوگا جو موصی مالک ہو موت کے وقت۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وصیت کے وقت مال ہو یا نہ ہو، موت کے وقت کتنا مال ہے اس میں وصیت جاری ہوگی۔اب صورت مسئلہ میں وصیت کے وقت مال نہیں ہے لیکن بعد میں مثلا تین ہزار درہم کمایا تو اس کی تہائی ایک ہزار موصی لہ کو ملے گی۔

وجہ وصیت موصی کے مرنے کے بعد نافذ ہوتی ہے۔اس لئے موت کے وقت کتنا مال موجود ہے اس کی تہائی میں وصیت نافذ ہوگی (۲) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها او دين (الف)(آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں تركتم سے اشارہ ہے کہ موت کے وقت جو چھوڑے اس میں میراث اور وصیت جاری ہوتی ہے۔اس سے پہلے کتنا مال ہے اس کا اعتبار نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) بیویوں کے لئے آٹھواں ہے جو کچھ چھوڑا اس میں وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد۔

﴿کتاب الفرائض﴾

[۳۱۹۹](۱)المُجمع علی توریثھم من الذکور عشرة(۱) الابن و(۲)ابن الابن وان سفل و(۳)الاب و(۴)الجدابو الاب وان علا(۵)والاخ و(۶)ابن الاخ و(۷)العم و(۸)ابن العم

﴿کتاب الفرائض﴾

ضروری نوٹ فرائض فریضۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے متعین کرنا۔ چونکہ اس میں ورثہ کے حصے اللہ نے متعین فرمایا ہے اس لئے اس کو فرائض کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ماترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف الخ (الف) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت اور اس کے بعد کی آیت میں بہت سے وارثین کے حصے بیان کئے گئے ہیں۔ حصوں کی تفصیل کی لئے سورۃ النساء ۴ کی آیت نمبر ۱۱، ۱۲ اور ۱۷۶ ضرور ایک مرتبہ پڑھ لیں (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ تعلموا الفرائض والقرآن وعلموا الناس فانی مقبوض (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تعلیم الفرائض، ص ۲۹، نمبر ۲۰۹۱ رابن ماجہ شریف، باب الحث علی تعلیم الفرائض، ص ۳۹۱، نمبر ۲۷۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرائض سیکھے اور لوگوں کو سکھلائے تا کہ صحیح طور پر وراثت تقسیم کر سکے۔

نوٹ فرائض میں بعض بعض پر مقدم ہوں گے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ (ج) (آیت ۷۵، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں الاقرب فالاقرب کا اصول بیان کیا گیا ہے۔

[۳۱۹۹] (۱) مردوں میں سے جن کے وارث ہونے پر اجماع ہے وہ دس ہیں۔ (۱) بیٹا (۲) پوتا، اگر چہ نیچے کا ہو (۳) باپ (۴) دادا، یعنی باپ کا باپ اگر چہ اوپر تک ہو (۵) بھائی (۶) بھتیجا (۷) چچا (۸) چچازاد بھائی (۹) شوہر (۱۰) آزاد کرنے والا آقا۔

تشریح مردوں میں سے یہ دس قسم کے آدمی ہیں جو میت کے وارث ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

لغت ابن الابن : بیٹے کا بیٹا، جس کو اردو میں پوتا کہتے ہیں، وان سفل : کا معنی یہ ہے کہ پوتا نہ ہو تو پر پوتا کو وراثت ملے گی۔ اور اگر پر پوتا نہ ہو تو سر پوتا کو وراثت ملے گی، الجد : عربی میں جد دادا کو بھی کہتے ہیں اور نانا کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے مصنفؒ نے ابوالاب کہہ کر بات صاف کی کہ یہاں دادا مراد ہے نانا مراد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے۔ اس لئے اس کو وراثت نہیں ملتی۔ کوئی وارث نہ ہو تو اخیر میں نانا یا ماموں کو مال دے دیا جاتا ہے، مولی النعمۃ : مولی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مولی موالات، کوئی آدمی کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہو یا کسی کے ساتھ قسم کھا کر زندگی بھر ساتھ رہنے کا وعدہ کرے تو وہ مولی موالات کہلاتا ہے اس کو وراثت نہیں ملتے۔ ہاں کوئی وارث نہ ہو تو آخیر میں اس کو مال دے دیا جاتا ہے۔ اور دوسرا وہ آقا ہے جس نے غلام کو آزاد کیا اس کو مولی عتاقہ یا مولی النعمۃ کہتے ہیں۔ وہ غلام کا

حاشیہ : (الف) اولاد کے بارے میں اللہ تم کو وصیت کرتے ہیں کہ مردوں کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا۔ پس اگر دو سے زیادہ عورتیں ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ہیں اس کا جو کچھ چھوڑا۔ اور اگر ایک ہو تو اس کے لئے آدھا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا فرائض اور قرآن کو سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ۔ اس لئے کہ میری وفات ہونے والی ہے (ج) ارحام والے بعض اولی ہیں بعض سے کتاب اللہ میں۔

و(۹)الزوج و(۱۰)مولی النعمة[۳۲۰۰](۲) ومن الاناث سبع(۱) البنت و(۲)بنت الابن و(۳)الام و(۴)الجدة و(۵)الاخت و(۶)الزوجة و(۷)مولاة النعمة[۳۲۰۱](۳) ولا یرث

وارث ہوتا ہے۔ یہاں مولی النعمۃ سے آزاد کرنے والا آقا مراد ہے۔

[۳۲۰۰](۲)اورعورتوں میں سے وارث سات ہیں (۱) بیٹی (۲) پوتی (۳) ماں (۴) دادی (۵) بہن (۶) بیوی (۷) آزاد کرنے والی سیدہ۔

تشریح یہ سات قسم کی عورتیں وارث بنتی ہیں جس پر اجماع ہے، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

لغت بنت الابن : بیٹے کی بیٹی جس کو اردو میں پوتی کہتے ہیں، مولاۃ النعمۃ : وہ عورت جس نے اپنے غلام کو آزاد کیا ہو تو اس آزاد کردہ غلام کی وراثت آقا یعنی سیدہ کو ملے گی۔ اس کو مولاۃ النعمۃ یا مولاۃ العتاقہ کہتے ہیں۔ ہر ایک کی دلیل آگے آرہی ہے۔

[۳۲۰۱](۳)اور چار آدمی وارث نہیں ہوتے (۱) غلام (۲) قاتل مقتول کا (۳) مرتد (۴) مختلف دین والے۔

تشریح یہ چار قسم کے آدمی وارث نہیں ہوتے ہیں۔ ایک تو غلام کسی کا وارث نہیں ہوتا۔ اور وہ خود مر جائے تو اس کا سارا مال آقا کا ہوتا ہے اس لئے کسی اور کو کچھ نہیں ملتا۔

وجہ (۱) غلام کسی کا وارث بنے گا تو جیسے ہی اس کے ہاتھ میں مال آئے گا وہ آقا کا ہو جائے گا۔ اس لئے وہ خود وارث بنا بھی نہیں بلکہ اس کا آقا وارث بن گیا جو میت کا کوئی نہیں ہے۔ اس لئے وہ کسی کا وارث نہیں بنے گا (۲) حدیث میں ہے کہ غلام کا مال بائع کا ہوگا یا مشتری کا ہوگا۔ عن سالم بن عبد الله عن ابیه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول ... **ومن ابتاع عبدا وله مال فماله للذی باعه الا ان یشترط المبتاع** (الف) (بخاری شریف، باب الرجل یکون له ممر او شرب فی حائط او فی نخل، ص ۳۲۰، نمبر ۲۳۷۹ رمسلم شریف، باب من باع نخلا علیها تمر، ج ۲، ص ۱۰، نمبر ۱۵۴۳/۳۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام کا مال یا بائع کا ہوگا یا مشتری کا۔ اس لئے وہ وارث نہیں ہوگا (۳) اثر میں ہے۔ **ان علیا کان یقول فی المملوکین واهل الکتاب لا یحجبون و لا یورثون** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۲۳ فی المملوک واهل الکتاب من قال لا یحجبون ولا یورثون، ج سادس، ص ۲۵۳، نمبر ۳۱۱۳۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام کسی کا وارث نہیں بنے گا۔ اور جو مال ہے وہ سب آقا کا ہے۔ اس لئے اس کا بھی کوئی وارث نہیں بنے گا۔ ہاں وہ آزاد ہو جائے پھر مرے تو اس کے وارث ہوں گے۔

(۲) قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوگا۔

وجہ اس نے قتل کر کے مقتول کا مال جلدی حاصل کرنا چاہا تو شریعت نے اس کو وراثت سے ہی محروم کر دیا۔ تاکہ وراثت کے لئے کوئی کسی کو قتل نہ کرے اور جرم زیادہ نہ ہو (۲) حدیث میں ہے کہ قاتل وارث نہیں بنے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عمر بن شعیب عن ابیه عن**

حاشیہ : (الف) حضورؐ کو کہتے سنا... کسی نے غلام بیچا اور اس کے پاس مال ہو تو اس کا مال بیچنے والے کے لئے ہوگا۔ ہاں! مشتری نے شرط کی ہو تو اس کو ملے گا (ب) حضرت علیؓ مملوک اور اہل کتاب کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ نہ کسی کو محجوب کرتے ہیں اور نہ وارث ہوتے ہیں۔

اربعة المملوک والقاتل من المقتول والمرتد واهل الملتین[۳۲۰۲](۴) والفروض

جده قال کان رسول الله ﷺ ... وقال رسول الله لیس للقاتل شیء وان لم یکن له وارث فوارثه اقرب الناس الیه ولا یرث القاتل شیئا (الف)(ابوداؤد شریف، باب دیات الاعضاء، ص ۶۷۸، نمبر ۴۵۶۴، کتاب الدیات/ترمذی شریف، باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل، ص ۳۱، نمبر ۲۱۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاتل وارث نہیں ہوگا۔

مرتد وارث نہیں ہوگا۔

وجہ اس کو قتل کردیا جائے گا تو وہ وارث کیسے ہوگا (۲) وارث نہ ہونے کا اشارہ اس آیت میں ہے۔ ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاولئک حبطت اعمالکم فی الدنیا والآخرة (ب)(آیت ۲۱۷، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں مرتد کے اعمال برباد ہوگئے۔ اس لئے دنیا کی بربادی یہ بھی ہوگی کہ وہ وراثت سے محروم ہوجائے گا (۳) پھر وہ کافر ہوگیا اور کافر مسلمان کا وارث کیسے ہوگا (۴) اثر میں ہے۔ عن علی انه اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیه الاسلام فابی فقتله وجعل میراثه بین ورثته من المسلمین (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸۰ فی المرتد عن الاسلام، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۳۱۲۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرد مرتد ہو تو قتل کردیا جائے گا۔ اس لئے وہ کسی کا وارث نہیں ہوگا۔ اور عورت ہو تو وہ توبہ کرنے تک قید کردی جائے گی اس لئے وہ بھی وارث نہیں ہوگی۔

اور دو دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا۔ عن اسامة بن زیدؓ ان النبی ﷺ قال لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم (د)(بخاری شریف، باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم، ص ۱۰۰۱، نمبر ۶۷۶۴/مسلم شریف، باب لا یرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر المسلم، ج ۲، ص ۳۳، نمبر ۱۶۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن جابر عن النبی ﷺ قال لا یتوارث اهل ملتین (ہ)(ترمذی شریف، باب لا یتوارث اهل ملتین، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۲۱۰۸) اس حدیث میں ہے کہ دو مختلف دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

[۳۲۰۲](۴) وہ حصے جو کتاب اللہ میں مقرر ہیں وہ چھ ہیں (۱) آدھا (۲) چوتھائی (۳) آٹھواں (۴) دو تہائی (۵) ایک تہائی (۶) چھٹا۔

تشریح پچھلے زمانے میں کلکیولیٹر نہیں تھا اس لئے لوگ کسر سے حساب نہیں کرتے تھے بلکہ اصل مسئلہ میں ضرب دے کر صحیح عدد نکالتے تھے۔ لیکن ابھی کلکیولیٹر کی سہولت ہے اس لئے اسی کا حساب لکھا جائے گا۔ چونکہ کلکیولیٹر ہمیشہ سو سے حساب بناتا ہے اس لئے ہمیشہ اصل مسئلہ سو سے

حاشیہ: (الف) آپ نے فرمایا قاتل کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اگر اس کا وارث نہ ہو تو لوگوں میں سے جو قریب ہو وہ اس کا وارث ہوگا۔ اور قاتل کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا (ب) کوئی اپنے دین سے مرتد ہوجائے اور مرجائے کفر کی حالت میں تو دنیا اور آخرت میں اس کے اعمال باطل ہوجائیں گے (ج) حضرت علیؓ کے سامنے مستورد العجلی لایا گیا۔ وہ مرتد ہوچکا تھا۔ پس اس پر اسلام پیش کیا تو اس نے انکار کردیا تو اس کو قتل کردیا اور اس کی میراث مسلمان ورثہ میں تقسیم کردی (د) آپؐ نے فرمایا مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا (ہ) آپؐ نے فرمایا دو مذہب والے وارث نہیں ہونگے۔

المحدودة فی کتاب اللہ تعالی ستۃ النصف والربع والثمن والثلثان والثلث والسدس.

ہوگا نہ کم نہ زیادہ۔ نیز حساب میں عشارہ استعمال ہوگا جس کو انگریزی میں پوائنٹ کہتے ہیں۔ مثلا ڈھائی لکھنا ہوتو 2.5 دو پوائنٹ پانچ لکھا جائے گا۔ جس کو اردو میں دو عشاریہ پانچ کہتے ہیں۔

نوٹ پوائنٹ کے بعد جو عدد آتا ہے وہ ایک عدد کا دسواں حصہ ہوتا ہے۔ اب حصوں کا حساب اس طرح ہوگا۔

سو کا آدھا پچاس ہوگا، سو کا چوتھائی پچیس ہوگا، سو کا آٹھواں ساڑھے بارہ ہوگا 12.5، سو کی دو تہائی چھیاسٹھ پوائنٹ چھیاسٹھ ہوگا 66.66، سو کی ایک تہائی تینتیس پوائنٹ تینتیس ہوگا 33.33، اور سو کا چھٹا حصہ سولہ پوائنٹ چھیاسٹھ ہوگا 16.66۔ اس کی تفصیل ایک نظر دیکھیں۔

عربی حصے	اردو	سو	تقسیم	برابر	فی صد	بٹے کا حساب
نصف	آدھا	100	÷ 2	=	50	½
ربع	چوتھائی	100	÷ 4	=	25	¼
ثمن	آٹھواں	100	÷ 8	=	12.5	⅛
ثلثان	دو تہائی	100	÷ 3x2	=	66.66	⅔
ثلث	ایک تہائی	100	÷ 3	=	33.33	⅓
سدس	چھٹا حصہ	100	÷ 6	=	16.66	⅙

(۵) آدھا پانچ آدمیوں کا حصہ ہے (۱) بیٹی (۲) پوتی جبکہ صلبی بیٹی نہ ہو (۳) حقیقی بہن (۴) باپ شریک بہن جبکہ حقیقی بہن نہ ہو (۵) شوہر جبکہ میت کی اولاد نہ ہوں اور نہ اولاد کی اولاد ہو چاہے نیچے کا ہو۔

تشریح ان پانچ آدمیوں کو آدھا ملتا ہے۔ کس حالت میں آدھا ملے گا اس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اگر صرف ایک بیٹی ہو اور بیٹا نہ ہو تو اس کو آدھا ملے گا۔

وجہ آیت میں ہے۔ **یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلاثا ماترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف** (الف) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ بیٹا نہ ہو اور ایک بیٹی ہو تو اس کو آدھا ملے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **قال اتانا معاذ بن جبلؓ بالیمن معلما وامیرا فسألناہ عن رجل توفی وترک ابنتہ واختہ فاعطی الابنۃ**

حاشیہ : (الف) تم کو اولاد کے بارے میں اللہ وصیت کرتے ہیں کہ مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا۔ پس اگر دو عورتوں سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکہ کی دو تہائی ہوگی۔ اور اگر ایک ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔

النصف والاخت النصف (الف) (بخاری شریف، باب میراث البنات، ص۹۹۷، نمبر ۶۷۳۴ رابوداؤد شریف، باب ماجاء فی میراث الصلب، ص۴۴، نمبر ۲۸۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک بیٹی ہوتو اس کو آدھا ملے گا۔

(۲) اگر صلبی بیٹی موجود نہ ہواور ایک پوتی ہوتو صلبی بیٹی کی طرح ایک پوتی کو آدھا ملے گا۔

وجہ صلبی بیٹی نہ ہونے کی شکل میں پوتی بیٹی کی جگہ پر ہوتی ہے۔اور جس طرح ایک بیٹی کو آدھا ملتا ہے اسی طرح پوتی کو بھی آدھا ملے گا (۱) اثر میں ہے کہ صلبی بیٹا نہ ہوتو پوتا اس کی جگہ پر اتنا ہی کا حصہ دار ہوتا ہے اسی طرح صلبی بیٹی نہ ہوتو پوتی اس کی جگہ اتنے ہی کا حصہ دار بنتی ہے۔اس لئے ایک پوتی ہوتو ایک بیٹی کی طرح اس کو آدھا ملے گا۔اثر یہ ہے۔قال ابن ثابت ولد الابناء بمنزلة الولد اذا لم یکن دونهم ولد ذکر، ذکرهم کذکرهم،وانثاهم کانثاهم،یرثون کما یرثون ویحجبون کما یحجبون ،ولا یرث ولد الابن مع الابن (ب) (بخاری شریف، باب میراث ابن الابن اذا لم یکن ابن، ص۹۹۷، نمبر ۶۷۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صلبی اولاد نہ ہوتو ایک پوتی ایک بیٹی کی جگہ پر ہوکر آدھا ملے گا (۲) پوتی کی اتنی اہمیت ہے کہ ایک بیٹی ہواور ایک پوتی ہوتو دو تہائی مکمل کرنے کے لئے بیٹی کو آدھا اور پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا تاکہ دو بیٹی کی طرح دو تہائی مکمل ہوجائے۔حدیث یہ ہے۔سئل ابو موسی عن ابنة وابنة ابن واخت ... اقضی فیها بما قضی النبی ﷺ للابنة النصف ولابنة الابن السدس تکملة الثلثین ومابقی فللاخت (ج) (بخاری شریف، باب میراث ابنۃ ابن مع ابنۃ، ص۹۹۷، نمبر ۶۷۳۶ رترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث بنت الابن مع بنت الصلب، ج۲، ص۲۹، نمبر ۲۰۹۳) اس حدیث میں پوتی کی اتنی اہمیت ہے کہ دوسری بیٹی نہ ہونے پر دو ثلث پورا کرنے کے لئے پوتی کو چھٹا حصہ دیا۔اس لئے بیٹی نہ ہونے پر پوتی کو ملے گا۔

(۳) ماں باپ شریک بہن یعنی بیٹی بھی نہیں ہے اور بیٹا بھی نہیں ہے اور پوتی بھی نہیں ہے اور ایک ماں باپ شریک بہن ہے جس کو حقیقی بہن کہتے ہیں تو اس کو آدھا ملے گا۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔قال اتانا معاذ بن جبلؓ بالیمن معلما وامیرا فسألناه عن رجل توفی وترک ابنته واخته فاعطی الابنة النصف والاخت النصف (د) (بخاری شریف، باب میراث البنات، ص۹۹۷، نمبر ۶۷۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حقیقی ایک بہن کے لئے آدھا ہے (۲) آیت میں بھی اس کا ثبوت ہے۔یستفتونک قل الله یفتیکم فی الکلالة ان امرؤ هلک لیس له ولد وله اخت فلها نصف ماترک وهو یرثها ان لم یکن لها ولد،فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان مماترک وان

حاشیہ : (الف) ہمارے پاس حضرت معاذ بن جبلؓ معلم اور امیر بن کر آئے۔ہم نے ان کو پوچھا کہ کوئی آدمی وفات پا جائے اور اپنی بیٹی اور بہن چھوڑے؟ تو بیٹی کو آدھا اور بہن کو آدھا دیا (ب) حضرت ابن ثابتؓ نے فرمایا پوتا بیٹے کے درجے میں ہے اگر اس کے پہلے کوئی مذکر اولاد نہ ہو۔پوتے کا مذکر بیٹے کے مذکر کی طرح اور پوتی بیٹی کی طرح ہے۔جیسے وہ وارث ہوتے ہیں یہ وارث ہوں گے۔اور جیسے وہ محجوب ہوتے ہیں یہ محجوب ہوں گے۔اور پوتا پوتی بیٹے کے ساتھ وارث نہیں ہوں گے (ج) حضرت ابو موسی کو پوچھا بیٹی ہواور پوتی ہواور بہن ہوتو کتنا ملے گا؟ فرمایا ان میں وہی فیصلہ کرتا ہوں جو حضورؐ نے فرمایا، بیٹی کے لئے آدھا،پوتی کے لئے چھٹا دو ثلث پورا کرنے کے لئے باقی ایک تہائی بہن کے لئے (د) ہمارے پاس حضرت معاذ بن جبلؓ معلم اور امیر بن کر آئے۔ہم نے ان کو پوچھا کہ کوئی آدمی وفات پا جائے اور اپنی بیٹی اور بہن چھوڑے؟ تو بیٹی کو آدھا اور بہن کو آدھا دے۔

[۳۲۰۳] (۵) والنصف فرض خمسة(ا) البنت و (۲)بنت الابن اذا لم تکن بنت الصلب و

کانوا اخوة رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین (الف)(آیت ۱۷۶، سورة النساء۴)اس آیت میں ہے کہ کوئی نہ ہو ایک بہن ہو تو آدھا ملے گا۔ اور دو بہنیں ہوں تو دو تہائی، اور بھائی بہن دونوں ہوں تو بھائی کو دوگنا اور بہن کو ایک گنا ملے گا (۳) ماں ماں باپ شریک بہن مقدم ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن علیؓ ... الرجل یرث اخاه لابیه وامه دون اخیه لابیه (ترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الاخوة من الاب والام، ص۲۹، نمبر۲۰۹۴)اس حدیث میں ماں باپ شریک بہن مقدم ہیں صرف باپ شریک بہن سے۔

[۳۲۰۲] (۴) باپ شریک بہن، اگر ماں باپ شریک بہن نہ ہو اور صرف باپ شریک بہن ایک ہو تو اس کو حقیقی بہن کی طرح آدھا ملے گا۔

وجہ حقیقی بہن نہ ہو تو باپ شریک بہن حقیقی بہن کی طرح ہوگی۔ کیونکہ آیت میں اخت کا لفظ حقیقی بہن اور باپ شریک بہن دونوں کو شامل ہے۔ البتہ ماں باپ شریک بہن اصل ہے اس لئے وہ مقدم ہوگی۔ اور وہ نہ ہو تب صرف باپ شریک بہن کا حق ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ کان عبد الله یقول فی ابنة، وابنة ابن وبنی ابن ،وبنی اخت لاب وام، واخت واخوة لاب، ابن مسعود کان یعطی هذه النصف ثم ینظر (ب)(مصنف ابن ابی شیبة، ۹ فی ابنة وابنة ابن، وبنی ابن، وبنی اخت لاب وام، واخ واخوار لاب، ج سادس، ص ۳۱۰۷۶)اس اثر میں اخ واخوات لاب کو حضرت عبداللہ بن مسعود نے آدھا دیا۔ قال زید بن ثابت ومیراث الاخوة من الاب اذا لم یکن معهم احد من بنی الام والاب کمیراث الاخوة للاب والام سواء ذکرهم کذکرهم وانثاهم کانثاهم (ج)(سنن للبیہقی، باب میراث الاخوة والاخوات لاب وام اولاب، ج سادس، ص۳۸۱، نمبر۱۲۳۲۶)

[۳۲۰۳] (۵) میت کو اولاد نہ ہو تو شوہر کے لئے آدھا ہے۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لهن ولد فان کان لهن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیة یوصین بها او دین (د)(آیت ۱۲، سورة النساء۴)اس آیت میں ہے کہ اولاد نہ ہو تو شوہر کو آدھا ملے گا۔ اور اولاد ہو تو چوتھائی ملے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال ... وجعل للمرأة الثمن والربع وللزوج الشطر والربع (ہ) (بخاری شریف، باب میراث الزوج مع الولد وغیرہ، ص ۹۹۸، نمبر ۶۷۳۹)اس حدیث میں ہے کہ شوہر کو آدھا ملے گا یعنی اولاد نہیں ہوگی تو۔ اور چوتھائی ملے گی اگر اولاد ہو۔

حاشیہ : (الف) آپؐ سے لوگ پوچھتے ہیں اللہ آپ کو فتوی دیتے ہیں کلالہ کے بارے میں اگر کوئی ہلاک ہو جائے اور اس کے لئے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے لئے بہن ہو تو اس کے لئے ترکہ کا آدھا ہوگا۔ وہ وارث ہوگا اگر اس کے لئے اولاد نہ ہو۔ اور اگر دو ہوں تو ان کے لئے ترکہ کی دو تہائی ہوگی۔ اور اگر بھائی بہن ہوں تو مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا (ب) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں بیٹی ہو اور پوتی ہو اور پوتا ہو اور حقیقی بہن کی اولاد ہو اور باپ شریک بہن اور بھائی ہو تو ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بھائی بہن کو پہلے دو پھر دیکھو کہ کون لوگ لینے والے ہیں (ج) حضرت زید بن ثابت نے فرمایا اگر حقیقی بھائی نہ ہو تو باپ شریک بھائی اس کی طرح ہے۔ ان کا مذکر ان کے مذکر کی طرح ان کی مؤنث ان کی مؤنث کی طرح ہے (د) جو کچھ بیوی نے چھوڑا اس کا آدھا تمہارے لئے ہے اگر بیوی کو اولاد نہ ہو۔ اور اگر اولاد ہو تو تمہارے لئے چوتھائی ہے وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد (ہ) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا... بیوی کے لئے آٹھواں اور چوتھائی کیا اور شوہر کے لئے آدھا اور چوتھائی کیا۔

(۳)الاخت لاب وام و(۴)الاخت لاب اذا لم تکن اخت لاب وام و(۵)الزوج اذا لم یکن للمیت ولد وولد ابن وان سفل[۳۲۰۴](۶) والربع للزوج مع الولد وولد الابن وان سفل وللزوجات اذا لم یکن للمیت ولد ولا ولد ابن[۳۲۰۵] (۷)والثمن للزوجات مع الولد او ولد الابن.

لغت بنت الابن : بیٹے کی بیٹی یعنی پوتی، بنت الصلب : صلبی بیٹی، اپنی بیٹی، الاخت من الاب والام : باپ بھی ایک ہو اور ماں بھی ایک ہو جس کو ماں باپ شریک بہن اور حقیقی بہن کہتے ہیں، ولد ابن : بیٹے کی اولاد، مراد پوتا پوتی اور ان سفل سے مراد پر پوتا، پر پوتی، سر پوتا، سر پوتی۔

[۳۲۰۴](۶) شوہر کے لئے چوتھائی ہے اولاد کے ساتھ یا بیٹے کی اولاد کے ساتھ اگر چہ نیچے کا ہو۔اور بیوی کے لئے جبکہ میت کی اولاد نہ ہو اور نہ بیٹے کی اولاد ہو۔

تشریح چوتھائی حصہ دو آدمیوں کو ملتا ہے۔ایک شوہر کو اگر بیوی کی صلبی اولاد ہو یا بیٹے کی اولاد ہو مثلا پوتا یا پوتی یا پر پوتا یا پر پوتی یا سر پوتا یا سر پوتی ہو تو شوہر کو بیوی کی میراث میں چوتھائی ملے گی چاہے اس شوہر سے اولاد ہو چاہے دوسرے شوہر سے۔

وجہ آیت گزر چکی ہے۔ فان کان لهن ولد فلکم الربع مما ترکن... ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں دونوں باتوں کا تذکرہ ہے کہ اگر بیوی کو اولاد ہو تو شوہر کو چوتھائی ملے گی۔اور اگر شوہر کو اولاد نہ ہو تو بیوی کو بھی چوتھائی ملے گی۔اور اگر شوہر کو اولاد ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا (۲) حدیث میں گزرا۔ وعن ابن عباسؓ قال ... وجعل للمرأة الثمن والربع وللزوج الشطر والربع (ب) (بخاری شریف، باب میراث الزوج مع الولد وغیرہ، ص ۹۹۸، نمبر ۶۷۳۹) اس حدیث میں فرمایا کہ عورت کے لئے آٹھواں ہے یعنی شوہر کو اولاد کے وقت، اور چوتھائی ہے اگر شوہر کو اولاد نہ ہو۔اور شوہر کے لئے آدھا ہے اگر بیوی کو اولاد نہ ہو، اور چوتھائی ہے اگر بیوی کو اولاد ہو یا اولاد کی اولاد کی ہو۔

[۳۲۰۵](۷) اور آٹھواں ہے بیوی کے لئے اولاد کے ساتھ یا بیٹے کی اولاد کے ساتھ۔

تشریح اگر شوہر کی اولاد یعنی بیٹا یا بیٹی ہے چاہے اس بیوی سے یا دوسری بیوی سے یا بیٹے کی اولاد یعنی پوتا یا پوتی ہے تو بیوی کو شوہر کی میراث سے آٹھواں حصہ ملے گا۔

وجہ اوپر آیت گزری۔فان کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم (ج) (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اور حدیث بخاری (نمبر ۶۷۳۹)

حاشیہ : (الف) اگر بیوی کے لئے اولاد ہے تو تمہارے لئے ترکہ کی چوتھائی ہے وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔اور بیویوں کے لئے ترکہ کی چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد ہے، اور اگر تمہاری اولاد نہیں ہے تو ان کے لئے ترکے کا آٹھواں حصہ ہے (ب) حضرت ابن عباسؓ نے بیوی کے لئے آٹھواں اور چوتھائی کیا اور شوہر کے لئے آدھا اور چوتھائی (ج) اگر تمہارے لئے اولاد ہوں تو بیویوں کے لئے ترکہ کا آٹھواں حصہ ہے۔

[۳۲۰۶] (۸) والثلثان لکل اثنین فصاعدا ممن فرضه النصف الا الزوج.

گزر چکی ہے۔

[۳۲۰۶] (۸) دوثلث ہر دو کے لئے یا زیادہ کے لئے جن کا حصہ آدھا ہے سوائے شوہر کے۔

تشریح چار قسم کی عورتوں کا حصہ آدھا ہے۔ یہ عورتیں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ دوتہائی ہو جائے گا۔ ایک ہے بیٹی، دوسری پوتی جب بیٹی نہ ہو، تیسری حقیقی بہن، چوتھی باپ شریک بہن۔

(۱) بیٹی ایک ہوتو اس کو آدھا ملتا ہے۔ اور اگر دو سے زیادہ ہوتو دو تہائی ملے گی۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اسی میں سب بیٹی شریک ہوں گی۔ باقی ایک تہائی عصبہ میں تقسیم ہوگی۔

وجہ اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ماترک وان کانت واحدة فلها النصف الخ (الف) (آیت ۱۱، سورة النساء۴) اس آیت میں ہے کہ بیٹی دو سے زیادہ ہوتو دوتہائی دی جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔ سئل ابو مسی عن ابنة وابنة ابن واخت ... اقضی فیها بما قضی النبی ﷺ للابن النصف ولابنة الابن السدس تکملة الثلثین (ب) (بخاری شریف، باب میراث ابنة ابن مع ابن، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۶) اس حدیث میں ہے کہ پوتی کو چھٹا دیا جائے گا بیٹی کی دوتہائی پوری کرنے کے لئے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ دو بیٹیاں ہوں تو ان کو دوتہائی دی جائے گی (۳) اثر میں ہے۔ وقال زید بن ثابت اذا ترک رجل او امرأة بنتا فلها النصف وان کانتا اثنتین او اکثر فلهن ثلثان (ج) (بخاری شریف، باب میراث الوالد من ابیہ امہ، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۲) اس اثر میں ہے کہ دولڑکیاں ہوں تو ان کے لئے دوتہائی ہے۔

(۲) بیٹی نہ ہوتو پوتی اس کے درجے میں ہوتی ہے اس لئے دو یا دو سے زیادہ پوتیاں ہوں تو ان کو دوتہائی دی جائے گی۔

وجہ اس کے لئے اوپر کی آیت فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک وان کانت واحدة فلها النصف (د) (آیت ۱۱، سورة النساء۴) ہے۔ اس آیت میں ہے کہ دو یا دو سے زیادہ ہوتو ان کے لئے دوتہائی ہے۔

(۳) ماں باپ شریک بہن دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے دوتہائی ہے۔ بشرطیکہ بیٹی، بیٹا، پوتی، پوتا نہ ہو۔

وجہ آیت میں ہے۔ یستفتونک قل الله یفتیکم فی الکلالة ان امرؤ هلک لیس له ولد وله اخت فلها نصف ماترک وهو یرثها ان لم یکن لها ولد فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان مما ترک (ہ) (آیت ۱۷۶، سورة النساء۴) اس آیت میں ہے کہ

حاشیہ : (الف) اللہ اولاد کے بارے میں تم کو وصیت کرتے ہیں کہ مذکر کے لئے مؤنث کا دوگنا ہے۔ پس اگر دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکہ کی دوتہائی ہے۔ اور اگر ایک ہوتو اس کے لئے آدھا ہے (ب) حضرت ابوموسیٰؓ سے پوچھا بیٹی ہو، پوتی ہو اور بہن ہوتو کیا ملے گا؟... فرمایا میں اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو حضورؐ نے فیصلہ فرمایا، بیٹی کے لئے آدھا اور پوتی کے لئے دوتہائی پوری کرنے کے لئے چھٹا حصہ ہے (ج) حضرت زید نے فرمایا اگر آدمی یا عورت اپنی ایک بیٹی چھوڑے تو اس کے لئے آدھا ہے۔ اور اگر دو یا زیادہ چھوڑے تو ان کے لئے دوتہائی ہیں (د) اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے دوتہائی ہیں۔ اور اگر ایک ہوتو اس کے لئے آدھا ہے (ہ) آپؐ سے فتوی پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجئے اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں فتوی دیتے ہیں کہ اگر آدمی فوت ہو جائے اور اس کے پاس اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہوتو اس کے لئے ترکہ کا آدھا ہے۔ اور بھائی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کی اولاد نہ ہو۔ اور اگر بہن دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے دوتہائی ہوگی ترکے کی۔

[۳۲۰۷](۹) والثلث للام اذا لم یکن للمیت ولد ولا ولدابن ولا اثنان من الاخوۃ و

بہنیں دو ہو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ہیں۔

(۴) ماں باپ شریک بہنیں نہ ہو تو صرف باپ شریک بہنوں کا وہی درجہ ہوگا جو ماں باپ شریک بہنوں کا درجہ ہے۔ اس لئے باپ شریک بہنیں دو ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گی۔

وجہ دلیل اوپر کی آیت ہے۔

نوٹ شوہر کو بھی آدھا ملتا ہے لیکن چونکہ بیک وقت دو شوہر نہیں ہو سکتے اس لئے ان کو دو تہائی دینے کا سوال نہیں ہوتا۔

[۳۲۰۷](۹) ماں کے لئے تہائی ہے اگر میت کا بیٹا نہ ہو اور نہ پوتا ہو اور نہ دو بھائی ہوں اور نہ دو بہنیں ہوں یا اس سے زائد۔

تشریح چار قسم کے آدمیوں کو تہائی ملے گی (۱) میت کی ماں ہو اور بیٹا یا پوتا یا دو بھائی یا دو بہنیں نہ ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گی۔ اور اگر میت کو ماں ہو اور بیٹا ہو یا پوتا ہو یا دو بھائی ہوں یا دو بہنیں ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

وجہ دونوں باتوں کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین** (الف) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ بیٹا یا پوتا یا دو بھائی یا دو بہنیں نہ ہوں تو ماں کے لئے تہائی ہے۔ اور اگر یہ لوگ ہوں تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اس آیت میں ولد سے بیٹا اور وہ نہ ہو تو پوتا مراد ہے۔ اسی طرح اخوۃ جمع کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ دو بھائی اور اسی میں دو بہنیں بھی داخل ہیں (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **ان معانی ھذہ الفرائض واصولھا عن زید بن ثابت واما التفسیر فتفسیر ابی الزناد علی معانی زید قال ومیراث الام من ولدھا اذا توفی ابنھا وابنتھا فترک ولدا او ولد ابن ذکرا او انثی او ترک الاثنین من الاخوۃ فصاعدا ذکورا او اناثا من اب وام او من اب او من ام السدس، فان لم یترک المتوفی ولدا ولا ولد ابن ولا اثنین من الاخوۃ فصاعدا فان للام الثلث کاملا الا فی فریضتین فقط وھما ان یتوفی رجل ویترک امرأتہ وابویہ فیکون لامرأتہ الربع ولامہ الثلث مما بقی وھو الربع من رأس المال، وان تتوفی امرأۃ وتترک زوجھا وابویھا فیکون لزوجھا النصف ولامھا الثلث مما بقی وھو السدس من رأس المال** (ب) (سنن للبیہقی، باب فرض الام، ج سادس،

حاشیہ : (الف) ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے ترکے میں سے چھٹا ہے اگر میت کی اولاد ہو۔ اور اگر اولاد نہ ہو تو والدین وارث ہوں گے تو ماں کے لئے تہائی ہے۔ اور اگر میت کو بھائی ہو تو ماں کے لئے چھٹا ہے وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد (ب) ان فرائض کے معانی اور اس کے اصول زید بن ثابت سے منقول ہے۔ اور تفسیر ابی الزناد کی ہے۔ حضرت زید نے فرمایا بچے سے ماں کی میراث جب اس کا بیٹا یا بیٹی انتقال کر جائے اور اولاد چھوڑی یا بیٹے کی اولاد چھوڑی مذکر ہو یا مؤنث یا دو بھائی چھوڑے یا حقیقی بہن چھوڑی یا باپ شریک یا ماں شریک بہن تو ماں کے لئے چھٹا ہے۔ اور اگر متوفی نے نہ اولاد چھوڑی نہ بیٹے کی اولاد چھوڑی نہ دو بھائی بہن تو ماں کے لئے پوری کی تہائی ہے مگر دو موقع پر صرف۔ وہ کہ آدمی انتقال کرے اور بیوی اور والدین چھوڑے تو بیوی کے لئے چوتھائی اور ماں کے لئے ماقی کی تہائی اور وہ پورے مال کی چوتھائی ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ عورت مرے اور شوہر اور والدین چوڑے تو شوہر کے لئے آدھا اور ماں کے لئے ماقی کی تہائی اور وہ پورے مال کا چھٹا ہے۔

الاخوات فصاعدا[۳۲۰۸](۱۰)ویفرض لها فی مسئلتین ثلث مابقی وهما زوج و ابوان او امرأة وابوان فلها ثلث مابقی بعد فرض الزوج او الزوجة.

ص۳۷۲،نمبر۱۲۲۹۴)اس اثر میں ہے کہ میت کو بیٹا یا پوتا یو دو بھائی یا دو بہنیں ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔اور ان میں سے کوئی نہ ہوں تو تہائی ملے گا۔پس اگر میت کی بیوی یا شوہر نہ ہو تو پورے مال کی تہائی ملے گی۔اور اگر ماں کے ساتھ میت کی بیوی ہو میت عورت ہو تو اس کا شوہر ہو تو بیوی یا شوہر اپنا حصہ لے لے اس کے بعد جو بچے اس میں ماں کو تہائی ملے گی جس کو ثلث ماقی کہتے ہیں۔

میت 100

چچا	ماں
66.66	33.33

اس مسئلے میں اصل مسئلہ سو سے بنایا جس میں سے ماں کو پوری مال کی تہائی دی اور باقی دو تہائی عصبہ کے طور پر چچا کو دے دیا۔

[۳۲۰۸](۱۰)اور مقرر کیا جاتا ہے ماں کے لئے دو مسئلوں میں ماقی کی تہائی وہ دو مسئلے یہ ہیں (۱) شوہر ہوں اور ماں باپ ہوں (۲) بیوی ہو اور ماں باپ ہو تو ماں کے لئے شوہر یا بیوی کے حصے کے بعد ماقی کی تہائی ہے۔

تشریح دو صورتوں میں مان کے لئے پورے مال کی تہائی نہیں ہے بلکہ شوہر یا بیوی اپنا حصہ لے لے اس کے بعد جو بچے اس کی تہائی ملے گی۔ایک صورت تو یہ ہے کہ میت کا شوہر ہو تو شوہر کے لینے کے بعد ماں کو تہائی ملے گی۔مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

شوہر	باپ	ماں
50	33.33	16.66

اس مسئلے میں سو میں سے آدھا یعنی پچاس شوہر کو دے دیا۔باقی پچاس کی تہائی کی تو 16.66 یعنی پورے مال کا چھٹا ماں کو ملا اور اس کا دوگنا یعنی پورے مال کی تہائی باپ کو ملی۔آپ کو یاد ہے کہ اولاد نہ ہو تو شوہر کو آدھا ملتا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ میت کی بیوی ہو اور ماں باپ ہو تو بیوی کے لینے کے بعد جو بچے ماں کو اس کی تہائی ملے گی۔اور باپ کو اس کا دوگنا ملے گا۔مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	باپ	ماں
25	50	25

میت کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھائی ملتی ہے اس لئے بیوی کو سو میں سے چوتھائی 25 دے دیا۔باقی 75 بچے اس میں سے تہائی یعنی 25 جو

[۳۲۰۹](۱۱) وهو لکل اثنین فصاعدا من ولد الام ذکورهم واناثهم فیه سواء.

پورے مال کی چوتھائی ہے ماں کو دیا۔ اور اس کا دوگنا یعنی پچاس 50 باپ کو دیا جو پورے مال کا آدھا ہے۔

وجہ بیوی یا شوہر کے لینے کے بعد ماقی کی تہائی ماں کو ملتی ہے اس کی دلیل اوپر کا اثر (۲) ایک اثر یہ بھی ہے۔ عن عبد اللہ قال اتی عمرؓ فی امرأۃ وابوین فجعل للمرأۃ الربع وللام ثلث مابقی وللاب مابقی (الف) (مستدرک للحاکم، کتاب الفرائض، ج رابع، ص ۳۷۳، نمبر ۷۹۶۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیوی موجود ہو تو اس کے لینے کے بعد جو بچے گا ماں کو اس کی تہائی ملے گی۔

[۳۲۰۹](۱۱) اور تہائی ہر دو یا زیادہ کے لئے ہے اخیافی بہن بھائیوں سے ان کے مذکر اور مؤنث اس میں برابر ہیں۔

تشریح ایک ماں شریک بھائی ہو یا ایک ماں شریک بہن ہو تو اس کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ لیکن اگر دو یا دو سے زیادہ ماں شریک بھائی یا دو یا دو سے زیادہ ماں شریک بہن ہوں تو ان کے لئے میت کے مال میں سے تہائی ملے گی۔ اور بھائی بہن سب کو برابر ملے گا۔ مرد کے لئے دو ثلث اور عورت کے لئے ایک ثلث نہیں ہوگا بلکہ دونوں کو برابر برابر حصہ ملے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت

ماں شریک بھائی		ماں شریک بہن	چچا
↩	33.33	↪	66.66
16.16	↪ ↩	16.16	

نوٹ دیکھئے اس مسئلے میں بہن کو بھی بھائی کے برابر ہی 16.16 دیا گیا اور تہائی کے علاوہ جو بچا وہ چچا کو 66.66 بطور عصبہ دیا گیا۔

اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منہما السدس فان کانوا اکثر من ذلک فہم شرکاء فی الثلث من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین (ب) (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ ایک سے زیادہ ماں شریک بھائی بہن ہوں تو ان سب کے لئے ایک تہائی ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ فتفسیر ابی الزناد علی معانی زید بن ثابت قال ومیراث الاخوۃ للام انہم لا یرثون مع الولد ولا مع ولد الابن ذکرا کان او انثی شیئا ولا مع الاب ولا مع الجد ابی الاب شیئا، وہم فی کل ماسوی ذلک یفرض للواحد منہم السدس ذکرا کان او انثی، فان کانوا اثنین فصاعدا ذکورا او اناثا فرض لہم الثلث یقتسمونہ بالسواء (ج) (سنن للبیہقی، باب فرض الاخوۃ والاخوات للام، ج

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ پوچھا گیا بیوی اور والدین کے بارے میں تو آپؓ نے بیوی کے لئے چوتھائی، ماں کے لئے ماقی کی تہائی اور باپ کے لئے ماقی مقرر کیا (ب) اگر کوئی آدمی کلالہ ہو یا عورت کلالہ ہو اور اس کا بھائی ہو یا بہن ہو تو ہر ایک کو چھٹا ملے گا۔ اور اس سے بھائی بہن زیادہ ہوں تو تہائی میں سب شریک ہوں گے وصیت اور قرض کے بعد (ج) زیاد بن ثابت نے فرمایا ماں شریک بھائی کی میراث یہ ہے کہ وہ اولاد اور بیٹے کی اولاد کے ساتھ وارث نہیں ہوگا۔ اولاد مذکر ہو یا مؤنث نہ باپ کے ساتھ اور نہ دادا کے ساتھ۔ اس کے علاوہ کی صورت میں ایک کے لئے چھٹا حصہ ہوگا مذکر ہو یا مؤنث۔ اور اگر دو سے زیادہ ہو مذکر یا مؤنث تو اس کے لئے تہائی متعین کی جائے گی وہ اس میں برابر تقسیم کریں گے۔

[۳۲۱۰](۱۲) والسدس فرض سبعة لکل واحد من الابوین مع الولد او ولد الابن وھو

سادس، ص ۳۷۹، نمبر ۱۲۳۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ ماں شریک بھائی بہن ہوں تو ان کو تہائی ملے گی۔ اور بھائی بہن سب کو برابر برابر دیا جائے گا۔

لغت ولد الام : ماں شریک بھائی بہن۔

[۳۲۱۰](۱۲) چھٹا حصہ سات لوگوں کا حصہ ہے (۱) ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے بیٹے یا پوتے کے ساتھ (۲) اور ماں کے لئے بھائیوں کے ساتھ (۳) اور چھٹا ہے دادی کے لئے (۴) اور دادا کے لئے اولاد کے ساتھ اور پوتے کے ساتھ (۵) اور پوتیوں کے لئے ایک بیٹی کے ساتھ (۶) اور علاتی بہنوں کے لئے ایک حقیقی بہن کے ساتھ (۷) اور ایک اخیافی بہن کے لئے،

تشریح ان سات قسم کے لوگوں کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔ ہر ایک کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) ماں کے ساتھ میت کا بیٹا ہو یا پوتا ہو اسی طرح باپ کے ساتھ میت کا بیٹا ہو تو ماں، باپ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور بیٹا یا پوتا نہ ہو تو اوپر گزر چکا ہے کہ ماں کے لئے تہائی ہے۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ ولابویه لکل واحد منهما السدس مما ترک ان کان له ولد ،فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان کان له اخوة فلامه السدس من بعد وصیة (الف) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ بیٹا ہو اور وہ نہ ہو (تو پوتا بھی بیٹے کے درجے میں ہے) تو ماں باپ کے لئے چھٹا ہے (۲) اثر گزر چکا ہے۔ عن زید بن ثابت واما التفسیر فتفسیر ابی الزناد علی معانی زید قال ومیراث الام من ولدها اذ اتوفی ابنها وابنتها فترک ولدا او ولد ابن ذکرا او انثی ،او ترک الاثنین من الاخوة فصاعدا ذکورا اواناثا من اب وام ،او من اب او من ام السدس (ب) (سنن للبیہقی، باب فرض الام، ج سادس، ص ۳۷۲، نمبر ۱۲۲۹۴) اس اثر میں ہے کہ بیٹا یا پوتا یا دو بھائی، بہن ہوں تو ماں کو اور والدین کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۲) دوسری عورت یہ ہے کہ کئی بھائی ہو تو ماں کو چھٹا ملے گا۔

وجہ (۱) اوپر آیت گزری۔ فان کان له اخوة فلامه السدس (ج) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) (۲) اور اثر بھی گزرا۔ او ترک الاثنین من الاخو ۃ فصاعدا ذکورا او اناثا من اب وام او من اب او من ام السدس (د) (سنن للبیہقی، باب فرض الام، ج سدس، ص ۳۷۲، نمبر ۱۲۲۹۴) اس اثر میں بھی ہے کہ کئی بھائی یا بہن ہوں تو ماں کو چھٹا ملے گا۔

(۳) ماں نہ ہو تو دادی کو چھٹا ملے گا۔

حاشیہ : (الف) ماں باپ ہر ایک کے لئے ترکہ میں سے چھٹا ہے اگر اس کی اولاد ہو۔ اور اگر اولاد نہ ہوں اور ماں باپ وارث ہوں تو اسکی ماں کے لئے تہائی ہے۔ اور بھائی ہو تو ماں کے لئے چھٹا ہے وصیت کے بعد (ب) حضرت زیدؓ نے فرمایا ماں کی میراث اس کی اولاد سے اگر اس کا بیٹا یا بیٹی انتقال کر جائے اور وہ لڑکا یا پوتا پوتی چھوڑے یا دو بھائی یا اس سے زیادہ چھوڑے یا دو بہن چھوڑے حقیقی، یا باپ شریک، یا ماں شریک تو ماں کے لئے چھٹا ہے (ج) اگر بھائی ہو تو ماں کے لئے چھٹا ہے (د) اگر دو یا زیادہ بھائی بہن چھوڑے حقیقی ہو یا باپ شریک یا ماں شریک تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔

للام مع الاخوة وھو للجدات والجد مع الولد او ولد الابن ولبنات الابن مع البنت

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابی بریدة عن ابیہ ان النبی ﷺ جعل للجدة السدس اذا لم تکن دونها ام (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی الجدة، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۵ رترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الجدة، ص ۳۰، نمبر ۲۱۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں نہ ہو تو دادی کو چھٹا حصہ ملے گا۔

کئی دادیاں ہو تو سب کو چھٹے حصے ہی میں شریک ہونا ہوگا۔

وجہ ثم جاء ت الجدة الاخری الی عمر بن الخطاب تسأله میراثها فقال مالک فی کتاب الله شیء وما کان القضاء الذی قضی به الا لغیرک وما انا بزائد فی الفرائض ولکن ھو ذلک السدس فان اجتمعتما فیه فھو بینکما وایتکما ما خلت به فھو لها (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی الجدة، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۴ رترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الجدة، ص ۳۰، نمبر ۲۱۰۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کئی دادیاں ہوں تو سب کو چھٹا حصہ ہی ملے گا۔ اسی میں تقسیم کرے۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

دادی	بیٹا
16.66	83.34

اس میں دادی کو چھٹا حصہ دیا اور باقی بیٹے کو دیا۔ اور اگر بیٹا اور پوتا نہ ہو تب بھی چھٹا ہی ملے گا۔ عورت ہونے کی وجہ سے مزید عصبہ کے طور پر کچھ نہیں ملے گا کیونکہ دادی عصبہ نہیں ہے۔

(۴) باپ نہ ہو تو دادا کے لئے بیٹے یا پوتے کے ساتھ چھٹا حصہ ملے گا۔ اور کوئی نہ ہو تو چھٹا حصہ ملنے کے علاوہ عصبہ کے طور پر مزید چھٹا حصہ مل جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن عمران بن حصین ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال ان ابن ابنی مات فمالی من میراثه ؟ قال لک السدس، فلما ادبر دعاه فقال لک سدس آخر فلما ادبر دعاه فقال ان السدس الآخر طعمة (ج)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی میراث الجد، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۶ رترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الجد، ص ۳۰، نمبر ۲۰۹۹) اس حدیث میں ہے کہ دادا کے ساتھ بیٹا یا پوتا ہو تو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر کوئی نہ ہو تو اس چھٹے کے علاوہ عصبہ کے طور پر مزید مل جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے دادی کے لئے چھٹا حصہ متعین کیا جب کہ اس سے نیچے ماں نہ ہو (ب) پھر دوسری دادی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اپنی میراث مانگنے لگی تو فرمایا کتاب اللہ میں تمہارا کچھ نہیں ہے۔ جو فیصلہ تمہارے علاوہ کے لئے ہوا اس سے زیادہ کرنے والا نہیں ہوں۔ اور وہ چھٹا حصہ ہے۔ اگر تم دونوں اس میں شریک ہو جاؤ تو تم دونوں کے درمیان ہوگا اور جو لے اڑی وہ لے اڑی (ج) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا میرا پوتا انتقال کر گیا ہے مجھے اس کے ترکے سے کیا ملے گا۔ فرمایا تجھ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ پھر جب واپس لوٹا تو حضورؐ نے فرمایا تمہارے لئے دوسرا چھٹا بھی ہے۔ پھر جب واپس لوٹا تو اس کو بلایا اور فرمایا یہ دوسرا چھٹا عصبہ کے طور پر ہے۔

وللاخوات للاب مع الاخت للاب والامو للواحد من ولد الام .

(۵) پوتیوں کے لئے ایک بیٹی کے ساتھ یعنی ایک بیٹی ہو اور بیٹا نہ ہو تو دو ثلث پورا کرنے کے لئے پوتیوں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ کیونکہ ایک بیٹی کو آدھا ملے گا۔ اور پوتیوں کا چھٹا حصہ ملا تو دونوں ملا کر دو تہائی ہو جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **سئل ابو موسی عن ابنه وابنة ابن واخت ... اقضی فیها بما قضی النبی ﷺ للابنة النصف ولابنة الابن السدس تکملة الثلثین وما بقی فللاخت** (الف) (بخاری شریف، باب میراث ابنة ابن مع ابنة، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۶ / ابو داؤد شریف، باب ماجاء فی میراث الصلب، ص ۴۴، نمبر ۲۸۹۰) اس حدیث میں ہے کہ ایک بیٹی ہو تو اس کو آدھا ملے گا۔ اور دو ثلث پورا کرنے کے لئے پوتی کو چھٹا حصہ دیا۔ کیونکہ دو بیٹیوں کو ثلث ملتا ہے۔ مسئلہ اس طرح ہے۔

میت 100

ایک بیٹی	ایک پوتی	بہن
50	16.66	33.33

اس میں بیٹی کو آدھا یعنی سو میں سے پچاس دیا، پوتی کو چھٹا یعنی 16.66 دیا اور باقی ایک تہائی 33.33 بہن کے لئے بچا وہ بہن کو دیا۔

(۶) باپ شریک بہن کو ماں باپ شریک بہن کے ساتھ چھٹا ملے گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حقیقی بہن موجود ہو تو باپ شریک کا درجہ بعد میں ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایک بہن حقیقی ہے یعنی ماں باپ شریک ہے اس لئے اس کو آدھا مل جائے گا اور دو ثلث پورا کرنے کے لئے باپ شریک بہن جس کو علاتی بہن کہتے ہیں اس کو چھٹا حصہ مل جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ **وفی قول عبد الله بن زید للاخت من الاب والام النصف وللاخوات من الاب السدس تکملة الثلثین ومابقی للاخ من الاب** (ب) (سنن للبیہقی، باب میراث الاخوۃ والاخوات لاب وام اولاب، ج سادس، ص ۳۸۱، نمبر ۱۲۳۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ باپ شریک بہن کو ایک حقیقی بہن کے ساتھ چھٹا حصہ ملے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

ایک حقیقی بہن	ایک علاتی بہن	ایک علاتی بھائی
50	16.66	33.33

ایک حقیقی بہن کو سو کا آدھا پچاس دیا۔ علاتی بہن کو چھٹا حصہ 16.66 دیا اور باقی ایک تہائی سو میں سے 33.33 علاتی بھائی کو مل گئی۔

(۷) ایک اخیافی بہن کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ یعنی اگر بیٹا، بیٹی، پوتا نہ ہوں اور ماں شریک بہن ہو جس کو اخیافی بہن کہتے ہیں یا اخیافی بھائی ہو

حاشیہ : (الف) حضرت ابو موسیٰ سے پوچھا بیٹی، پوتی اور بہن ہو تو کتنا ملے گا؟... فرمایا اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو حضورؐ نے کیا۔ بیٹی کے لئے آدھا اور پوتی کے لئے چھٹا دو تہائی پوری کرنے کے لئے اور ایک تہائی بہن کے لئے (ب) عبد اللہ بن زید نے فرمایا ایک حقیقی بہن کے لئے آدھا اور باپ شریک بہن کے لئے چھٹا دو تہائی پوری کرنے کے لئے اور باقی باپ شریک بھائی کے لئے۔

[۳۲۱۱] (۱۳) وتسقط الجداتُ بالام [۳۲۱۲] (۱۴) والجد والاخوۃُ والاخواتُ بالاب

تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور بھائی ہو تو اس کو بھی چھٹا حصہ ملے گا۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ اخیافی بہن اور اخیافی بھائی کے لئے چھٹا حصہ ہے (۲) اثر گزر چکا ہے۔ فتفسیر ابی الزناد علی معانی زید بن ثابت قال و میراث الاخوۃ للام انھم لایرثون مع الولد ولا مع ولد الابن ذکرا کان او انثی شیئا ولا مع الاب ولا مع الجد ابی الاب شیئا وھم فی کل ماسوی ذلک یفرض للواحد منھم السدس ذکرا کان او انثی، فان کانوا اثنین فصاعدا ذکورا او اناثا فرض لھم الثلث یقتسمونہ بالسواء (ب) (سنن للبیھقی، باب فرض الاخوۃ والاخوات لام، ج سادس، ص ۳۷۹، نمبر ۱۲۳۲۴) اس اثر میں ہے کہ اخیافی بھائی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

بیوی	ماں شریک بھائی	ماں شریک بہن
25	16.66	16.66

اس مسئلے میں بیوی کو چوتھائی یعنی سو کا 25 دیا گیا۔ اور ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ 16.66 اور ماں شریک بہن کو چھٹا حصہ دیا گیا یعنی سو میں سے 16.66 اور باقی 41.68 عصبہ کو دی دیا جائے گا۔

[۳۲۱۱] (۱۳) دادی، ماں کی وجہ سے ساقط ہوگی۔

تشریح ماں موجود ہو تو دادی کو حصہ نہیں ملے گا۔ وہ نہیں ہوگی تو دادی کو حصہ ملے گا۔

وجہ حصوں میں مقدم اور مؤخر کا اعتبار ہوتا ہے جو پہلے ہوتا ہے اس کو حصہ ملتا ہے۔ وہ نہ ہو تو بعد والے کو ملتا ہے۔ یہاں ماں موجود ہے اس لئے دادی کو نہیں ملے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن بریدۃ عن ابیہ ان النبی ﷺ جعل للجدۃ السدس اذا لم تکن دونھا ام (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الجدۃ، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۵) اس حدیث میں ہے کہ دادی کے لئے چھٹا حصہ ہے بشرطیکہ ماں نہ ہو۔ اس لئے ماں سے دادی محجوب ہو جائے گی۔

[۳۲۱۲] (۱۴) دادا اور بھائی اور بہنیں باپ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

تشریح باپ موجود ہو تو دادا کو بھی حصہ نہیں ملے گا۔ اور نہ بھائیوں کو ملے گا اور نہ بہنوں کو ملے گا۔ یہ سب باپ کی وجہ سے ساقط ہو جائیں گے۔

وجہ آیت میں ہے کہ کلالہ ہو تو بھائی اور بہنوں کو حصہ ملتا ہے۔ اور کلالہ کا مطلب یہ ہے کہ اولاد بھی نہ ہو اور باپ بھی نہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا

حاشیہ: (الف) اگر آدمی کلالہ ہو یا عورت کلالہ ہو اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے (ب) حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ ماں شریک بھائی وارث نہیں ہوگا اولاد کے ساتھ نہ پوتے اور پوتی کے ساتھ اور نہ دادا کے ساتھ۔ وہ ان کے علاوہ میں ایک کے لئے چھٹا حصہ ہوگا مذکر ہو یا مؤنث۔ اور دو یا دو سے زیادہ ہوں مذکر یا مؤنث تو ان کے لئے تہائی ہوگی، برابر برابر سب تقسیم کریں گے (ج) حضورؐ نے دادی کے لئے چھٹا حصہ کیا اگر اس سے پہلے ماں نہ ہو۔

[۳۲۱۳](۱۵) ویسقط ولد الام باحد اربعة بالولد وولد الابن والاب والجد.

کہ باپ ہوتو بھائی اور بہن کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔اثر میں کلالہ کی تفسیر اس طرح ہے۔انہ سمع ابن عباس یقول الکلالة الذی لایدع ولدا ولا والدا (الف)(سنن للبیہقی، باب حجب الاخوة والاخوات من کانوا بالاب والابن وابن الابن، ج سادس،ص ۳۶۹،نمبر ۱۲۲۷۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ باپ ہوتو بھائی بہنوں کو حصہ نہیں ملے گا۔

باپ کی وجہ سے دادا ساقط ہو جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابی بکر قال الجد بمنزلة الاب مالم یکن اب دونہ وابن الابن بمنزلة الابن ما لم یکن ابن دونہ (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ۴۲،فی الجد من جعلہ ابا، ج سادس،ص ۲۶۱،نمبر ۳۱۲۰۲)اس اثر میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے دادا کو باپ کے درجے میں رکھا جبکہ باپ نہ ہو۔اس لئے دادا باپ سے ساقط ہو جائیں گے۔

[۳۲۱۳](۱۵)اخیافی بھائی بہن ساقط ہو جاتے ہیں چار کی وجہ سے،اولاد سے، پوتے سے، باپ سے اور دادا سے۔

تشریح ماں کی اولاد جن کو ماں شریک بھائی بہن، جن کو اخیافی بھائی بہن کہتے ہیں وہ چار قسم کے لوگوں سے ساقط ہو جاتے ہیں (۱) بیٹوں سے (۲) پوتوں سے (۳) باپ سے اور دادا سے۔یعنی ان چاروں میں سے کوئی ایک موجود ہو تو ماں شریک بھائی بہن کو حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ بیٹے اور پوتے سے ساقط ہوتا ہے اس کی دلیل خود آیت ہے۔وان کان رجل یورث کلالة او امرأة ولہ اخ او اخت فلکل واحد منہما السدس (ج)(آیت ۱۲،سورة النساء ۴)اس آیت میں ہے کہ کلالہ ہو تو اخیافی بہن بھائی کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔اور کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کی اولاد یا پوتا نہ ہو اور نہ والد ہو۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ اولاد ہو یا پوتا ہو یا باپ ہو تو اخیافی بہن بھائی ساقط ہو جائیں گے۔اور باپ نہ ہو تو دادا بھی باپ کے درجے میں ہے۔اس لئے دادا ہوتے وقت بھی اخیافی بھائی بہن ساقط ہوں گے۔کلالہ کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے۔انہ سمع ابن عباس یقول الکلالة الذی لا یدع ولدا ولا والدا(د)(سنن للبیہقی، باب حجب الاخوة والاخوات من کانوا بالاب والابن وابن الابن، ج سادس،ص ۳۶۹،نمبر ۱۲۲۷۵)(۳) بلکہ اولاد کی وجہ سے ماں باپ شریک بھائی بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔تو اخیافی بھائی بہن بدرجۂ اولی ساقط ہوں گے۔آیت یہ ہے۔یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالة ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلہا نصف ماترک وھو یرثہا ان لم یکن لہا ولد(ہ)(آیت ۱۷۶،سورة النساء)اس آیت میں ہے کہ اولاد نہ ہو (اور اسی میں پوتا بھی داخل ہے) تو بھائی بہن وارث ہوں گے۔اور اگر یہ ہوں تو وہ ساقط ہو جائیں گے۔

لغت ولد الام : ماں کی اولاد،اس سے مراد ماں شریک بھائی اور ماں شریک بہن ہیں جن کو اخیافی بھائی،اخیافی بہن کہتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کلالہ اس کو کہتے ہیں کہ اولاد بھی نہ ہو اور والد بھی نہ ہو(ب) حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں وراثت میں دادا باپ کے درجے میں ہے اگر باپ نہ ہو۔اور پوتا بیٹے کے درجے میں ہے اگر بیٹا نہ ہو(ج) اگر مرد یا عورت کلالہ ہو اور اسکو بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے(د) حضرت ابن عباس نے فرمایا کلالہ اس کو کہتے ہیں کہ اس کو نہ اولاد ہو اور نہ والد ہو۔(ہ) آپؐ سے فتوی پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کلالہ کے بارے میں فتوی دیتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی ہلاک ہو جائے اور اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کے لئے ترکے کا آدھا ہے۔اور بھائی بھی بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو۔

[۳۲۱۴](۱۶) واذا استکملت البنات الثلثین سقطت بنات الابن الا ان یکون بازائهن او

[۳۲۱۴](۱۶) اگر بیٹیاں دوتہائی لے لیں تو پوتیاں ساقط ہو جاتی ہیں مگر یہ کہ اس کے برابر میں یا ان سے نیچے پوتا ہو تو ان کو عصبہ بنادے گا۔

تشریح مسئلے میں گزر چکا ہے کہ دو بیٹی ہو یا اس سے زیادہ ہو تو سب کو دو تہائی ہی ملے گی اس سے زیادہ نہیں۔ اسی میں تمام بیٹیوں کو شرکت کرنی ہوگی۔ اب پوتیاں ہوں تو ان کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ دو تہائی بیٹیاں لے چکی ہیں۔ اب کچھ باقی نہیں رہا۔ اس لئے پوتیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

وجہ آیت میں ہے کہ دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تب بھی دو تہائی ہی ملے گی۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک (الف) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴)

البتہ اگر پوتیوں کے ساتھ پوتا ہو یا اس کے نیچے پر پوتا ہو اور بیٹیوں کے دو تہائی لینے کے بعد جو ایک تہائی بچ گئی ہو وہ پوتوں کو بطور عصبہ مل رہی ہو تو پوتیوں کو بھی اس میں سے مل جائے گا۔ اس صورت میں پوتوں کو دوگنا اور پوتی کو ایک گنا ملے گا۔ اور پوتیاں بھی پوتوں کے ساتھ عصبہ بن جائے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن خارجۃ بن زید عن ابیہ زید بن ثابت ... وان لم یکن الولد ذکرا و کانتا اثنتین فاکثر من البنات فانہ لا میراث لبنات الابن معھن الا ان یکون مع بنات الابن ذکر ھو من المتوفی بمنزلتھن او ھو اطرف منھن فیرد علی من بمنزلتہ ومن فوقہ من بنات الابناء فضلا ان فضل فیقسمونہ للذکر مثل حظ الانثیین فان لم یفضل شیء فلا شیء لھم (ب) (سنن للبیہقی، باب میراث اولاد الابن، ج سادس، ص ۳۷۷، نمبر ۱۲۳۱۳) اس اثر میں ہے کہ بیٹیوں کے دو تہائی لینے کے بعد پوتیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ البتہ اس کے ساتھ یا اس سے نیچے پوتا ہو وہ بطور عصبہ لے گا۔ اور پوتیوں کو بھی للذکر مثل حظ الانثیین دے گا۔ مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

دو بیٹیاں	پوتی	پوتا
66.66	11.11	22.22

یہاں سو میں سے دو تہائی یعنی 66.66 دو بیٹیوں کو دیا۔ باقی ایک تہائی یعنی 33.33 جو باقی بچی وہ پوتی اور پوتے کے درمیاں بطور عصبہ تقسیم ہوئی۔ اس لئے اس میں پوتے کو دوگنا 22.22 دیا اور پوتی کو ایک گنا یعنی 11.11 دیا گیا۔ اگر پوتا نہ ہوتا تو اس صورت میں پوتی کو کچھ نہیں ملتا۔

حاشیہ : (الف) تم کو اللہ اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہے، پس اگر دو سے زیادہ عورتیں ہوں تو اس کے لئے ترکہ کی دو تہائی ہوگی (ب) زید بن ثابت نے فرمایا اگر مذکر اولاد نہ ہوں اور دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کے ساتھ پوتیوں کو میراث نہیں ہے۔ مگر یہ کہ پوتیوں کے ساتھ اسی درجے کا پوتا ہو یا ان سے نیچے کے پوتے ہوں تو لوٹائی جائے گی۔ جو اس درجے میں ہو یا اس سے اوپر کی پوتیاں ہوں تو مال زیادہ ہوا ہو پھر اس کو مرد کے لئے عورتوں کے دوگنا کے طور پر تقسیم کریں گے۔ اور اگر کچھ نہ بچے تو ان پوتیوں کے لئے کچھ نہیں ہے۔

اسفل منهن ابنُ ابن فیُعصّبهن[۳۲۱۵](۱۷) واذا استکمل الاخوات لاب وام الثلثین سقطت الاخوات لاب الا ان یکون معهن اخ لهن فیعصّبهن.

[۳۲۱۵](۱۷) اگر ماں باپ شریک بہنیں دو تہائی وصول کرلیں تو باپ شریک بہنیں ساقط ہو جائیں گی مگر یہ کہ ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو جو ان کو عصبہ بنادے۔

تشریح اوپر مسئلہ گزر چکا ہے کہ دو حقیقی بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گی۔ اس سے زیادہ نہیں اب دو یا اس سے زیادہ بہنیں تھیں ان کو دو تہائی دے دی گئی۔ اس لئے باپ شریک بہنیں جن کو علاتی بہن کہتے ہیں ان کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ کچھ باقی نہیں رہا۔

وجہ آیت میں ہے۔ **فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان مما ترک وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین** (الف) (آیت ۱۷۶، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ دو یا اس سے زیادہ بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گی۔ اس لئے اب باپ شریک بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

ہاں ان بہنوں کے ساتھ بھائی ہو تو حقیقی بہنوں کے حصے لینے کے بعد تہائی حصہ جو بچے گا وہ بھائی کو بطور عصبہ ملے گا۔ پھر اس میں سے علاتی بہنوں کو للذکر مثل حظ الانثیین ملے گا۔ یعنی بھائی کو دو گنا اور بہن کو ایک گنا ملے گا۔

وجہ اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **فان کان بنو الام والاب امرأتین فاکثر من ذلک من الاناث فیفرض لهن الثلثان ولا میراث معهن لبنات الاب الا ان یکون معهن ذکر من اب فان کان معهن ذکر بدئ بفرائض من کانت له فریضة فاعطوها، فان فضل بعد ذلک فضل کان بین بنی الاب للذکر مثل حظ الانثیین فان لم یفضل شیء فلا شیء لهم** (ب) (سنن للبیہقی، باب میراث الاخوۃ والاخوات لاب وام اولاب، ج سادس، ص ۳۸۱، نمبر ۱۲۳۲۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حقیقی بہنیں دو تہائی لے لے اس کے بعد جو بچے وہ بھائی کو بطور عصبہ ملے گا۔ اس میں سے باپ شریک بہنیں لے گی۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

دو حقیقی بہنیں	باپ شریک بہن	باپ شریک بھائی
66.66	11.11	22.22

اس مسئلے میں سو سے اصل مسئلہ بنایا۔ اس میں سے دو تہائی یعنی 66.66 حقیقی بہنوں کو دیا۔ باقی ایک تہائی یعنی 33.33 باپ شریک بھائی اور باپ شریک بہن کو بطور عصبہ دی گئی۔ جس میں سے دو گنا یعنی 22.22 بھائی کو اور ایک گنا 11.11 بہن کو دیا گیا۔

حاشیہ : (الف) اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکہ کی دو تہائی ہے۔ اور اگر بھائی بہن مذکر اور مؤنث ہوں تو مرد کے لئے عورت کا دو گنا ہوگا (ب) پس اگر حقیقی دو بہنیں یا زیادہ ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ہوگی۔ اور ان کے ہوتے ہوئے باپ شریک بہنوں کی میراث نہیں ہے۔ مگر یہ کہ بہنوں کے ساتھ باپ شریک بھائی ہو۔ پس اگر باپ شریک بھائی ہو تو تقسیم شروع کی جائے گی جس کے لئے حصے ہوں۔ پس ان کو دو، پس اگر اس سے بچ جائے تو باپ شریک بھائی بہن میں تقسیم ہوگی۔ اس اصول پر کہ مرد کے لئے عورت کا دو گنا۔ پس اگر کچھ نہ بچے تو ان کے لئے کچھ نہیں ہوگی۔

﴿احوال وارثین ایک نظر میں﴾

حصہ لینے والے بارہ آدمی ہیں۔ان میں سے چار مرد ہیں اور آٹھ عورتیں ہیں۔

	حصہ لینے والے مرد		حصہ لینے والی عورتیں
(۱)	باپ	(۱)	بیوی
(۲)	دادا	(۲)	صلبی بیٹی
(۳)	ماں شریک بھائی	(۳)	پوتی
(۴)	شوہر	(۴)	ماں باپ شریک بہن
		(۵)	باپ شریک بہن
		(۶)	ماں شریک بہن
		(۷)	ماں
		(۸)	دادی

﴿ مردوں کے حصے ﴾

(۱) باپ کی حالتیں : تین ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	صرف چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	جب بیٹا ہو یا پوتا ہو یا پر پوتا ہو۔
(۲)	چھٹا حصہ اور عصبہ کے طور پر	16.66	33.33	جب بیٹی ہو یا پوتی ہو یا پر پوتی ہو۔
(۳)	صرف عصبہ کے طور پر	×	100	جب نہ بیٹا ہو نہ پوتا ہو نہ بیٹی ہو نہ پوتی ہو۔

(۲) دادا کی حالتیں : چار ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	صرف چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	جب بیٹا یا پوتا یا پر پوتا ہو
(۲)	چھٹا حصہ بھی اور عصبہ کے طور پر	16.66	33.33	جب بیٹی ہو یا پوتی ہو یا پر پوتی ہو
(۳)	صرف عصبہ کے طور پر سب	×	100	جب نہ بیٹا ہو نہ پوتا ہو نہ بیٹی ہو نہ پوتی ہو
(۴)	دادا ساقط ہو جائے گا	×	×	جب باپ موجود ہو

نوٹ حصوں کی یہ ترتیب سراجی سے ماخوذ ہے، حصوں سے مراد سہام ہیں جو قرآن اور احادیث میں کسی حصے دار کو دیے گئے ہیں۔

(۳) ماں شریک بھائی کی حالتیں : تین ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کونسا حصہ ملے گا
(۱)	چھٹا حصہ	16.66	×	ایک بھائی ہو یا ایک بہن ہو
(۲)	تہائی حصہ	33.33	×	بھائی بہن دونوں ہوں یا دو بھائی یا دو بہن ہوں
(۳)	ساقط ہو جائیں گے	×	×	بیٹا یا پوتا یا باپ یا دادا ہو

(۴) شوہر کی حالتیں : دو ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کونسا حصہ ملے گا
(۱)	آدھا ملے گا	50	×	بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی نہ ہوں
(۲)	چوتھائی ملے گی	25	×	بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی میں سے کوئی موجود ہو

﴿ عورتوں کے حصے ﴾

(۱) بیوی کی حالتیں : دو ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	چوتھائی ملے گی	25	×	جب بیٹا یا بیٹی یا پوتا، پوتی یا پر پوتا نہ ہوں
(۲)	آٹھواں ملے گا	12.5	×	جب بیٹا یا بیٹی یا پوتا یا پوتی ہوں۔

(۲) صلبی بیٹی کی حالتیں : تین ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	آدھا ملے گا	50	×	صرف ایک بیٹی ہو
(۲)	دو تہائی ملے گی	66.66	×	دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں
(۳)	للذکر مثل حظ الانثیین	×	33.33	جب بیٹے کے ساتھ ہو

نوٹ ایک بیوی کو جتنا حصہ ملے گا چار ہو تب بھی اتنا ہی ملے گا۔ اور اسی میں چاروں کو تقسیم کر کے لینا ہوگا۔

(۳) پوتی کی حالتیں : چھ ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	آدھا ملے گا	50	×	جب ایک پوتی ہو اور بیٹی نہ ہو
(۲)	دو تہائی ملے گی	66.66	×	جب دو یا اس سے زیادہ پوتیاں ہوں اور بیٹی نہ ہو
(۳)	چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	صرف ایک بیٹی ہو اور پوتی ہو
(۴)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں
(۵)	باقی بطور عصبہ ملے گا	×	33.33	دو بیٹیاں ہوں اور پوتی کے ساتھ پوتا ہو
(۶)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	جب بیٹا موجود ہو

(۴) ماں باپ شریک بہنوں کی حالتیں : سات ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کونسا حصہ ملے گا
(۱)	آدھا ملے گا	50	×	اگر ایک بہن ہو
(۲)	دو تہائی ملے گی	66.66	×	اگر دو یا اس سے زیادہ بہنیں ہوں
(۳)	للذکر مثل حظ الانثیین ملے گا	×	33.33	جب بہن کے ساتھ بھائی ہو
(۴)	باقی تہائی بطور عصبہ ملے گا	×	33.33	جب دو بیٹیاں ہوں
(۵)	باقی تہائی بطور عصبہ ملے گا	×	33.33	جب دو یا اس سے زیادہ پوتیاں ہوں
(۶)	ساقط، کچھ بھی نہیں ملے گا	×	×	جب بیٹا یا پوتا ہو
(۷)	ساقط، کچھ بھی نہیں ملے گا	×	×	جب باپ یا دادا موجود ہو

(۵) ماں شریک بہنوں کی حالتیں : تین ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	اگر ایک بہن ہو
(۲)	کچھ نہیں ملے گا	×	×	اگر باپ شریک بہن یا حقیقی بہن ہو
(۳)	تہائی میں شرکت	33.33	×	اگر ایک بھائی یا ایک بہن سے زیادہ ہوں

(۶) باپ شریک بہنوں کی حالتیں : گیارہ ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	آدھا ملے گا	50	×	اگر صرف ایک بہن ہو
(۲)	دو تہائی ملے گا	66.66	×	دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں اور حقیقی بہنیں نہ ہوں
(۳)	چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	اگر ایک حقیقی بہن ہو
(۴)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	اگر دو حقیقی بہنیں ہوں
(۵)	ماقی للذکر مثل حظ الانثیین	×	33.33	دو حقیقی بہنوں کے علاوہ باپ شریک بھائی ہو
(۶)	بطور عصبہ باقی	×	33.33	دو بیٹیاں یا اس سے زیادہ ہوں
(۷)	بطور عصبہ باقی	×	33.33	جب دو یا اس سے زیادہ پوتیان ہوں
(۸)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	بیٹا یا پوتا موجود ہو
(۹)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	جب باپ یا دادا موجود ہو
(۱۰)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	حقیقی بھائی موجود ہو
(۱۱)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	اگر حقیقی بہن، بیٹی یا پوتی کی وجہ سے عصبہ بنی ہو

(۷) ماں کی حالتیں : آٹھ ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	چھٹا حصہ	16.66	×	بیٹا یا بیٹی ہو
(۲)	چھٹا حصہ	16.66	×	پوتا یا پوتی، پر پوتا یا پر پوتی ہو
(۳)	چھٹا حصہ	16.66	×	حقیقی دو بھائی یا دو بہنیں ہوں
(۴)	چھٹا حصہ	16.66	×	علاتی یا اخیافی دو بھائی یا دو بہنیں ہوں
(۵)	کل مال کی تہائی	33.33	×	اگر بیٹا یا پوتا یا دو بھائی یا دو بہنیں نہ ہوں
(۶)	کل مال کی تہائی	33.33	×	اگر بیوی ہو تو اس کے لینے کے بعد اور باپ ہو
(۷)	کل مال کی تہائی	33.33	×	اگر شوہر ہو تو اس کے لینے کے بعد اور باپ ہو
(۸)	کل مال کی تہائی	33.33	×	اگر شوہر یا بیوی ہو اور دادا ہو

(۸) دادی کی حالتیں : تین ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	ایک دادی ہو یا بہت اور ماں نہ ہو
(۲)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	جبکہ ماں ہو
(۳)	چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	جبکہ دادا ہو

(۹) نانی کی حالتیں : دو ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	ایک نانی ہو یا بہت اور ماں نہ ہو
(۲)	ساقط کچھ نہیں ملے گا	×	×	جبکہ ماں ہو

نوٹ قاعدہ : جب کبھی بھائی بہن دونوں حصے لینے والے ہوں تو للذ کر مثل حظ الانثیین ہو جاتا ہے۔ یعنی بھائی کو دوگنا اور بہن کو ایک گنا۔ چاہے وہ دونوں میت کے لئے بیٹا اور بیٹی ہو یا پوتا اور پوتی ہو یا بھائی اور بہن ہو۔ البتہ یہ دونوں آپس میں بھائی اور بہن ہوں گے۔



﴿ باب العصبات ﴾

[۳۲۱۶](۱)واقرب العصبات البنون ثم بنوهم ثم الاب ثم الجد ثم بنو الاب وهم

﴿ باب العصبات ﴾

ضروری نوٹ عصبات عصبہ کی جمع ہے۔اس کا ترجمہ ہے والد کے رشتہ دار، چونکہ یہ حصے لینے والے سب باپ کے رشتہ دار ہیں اس لئے ان کو عصبات کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال الحقوا الفرائض باھلھا،فما ترکت الفرائض فلا ولی رجل ذکر (الف)(بخاری شریف، باب ابنی عم احدھما اخ للام والآخر زوج،ص،نمبر ۶۷۴۶/ابوداؤد شریف، باب فی میراث العصبة ،ص ۴۵،نمبر ۲۸۹۸)اس حدیث میں ہے حصے داروں کو حصے دیدو پھر جو باقی بچے وہ مذکر عصبہ کو دیدو (۲) آیت میں بھی اس کا اشارہ ہے۔ یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (ب)(آیت ۱۱،سورۃ النساء۴)س آیت میں بیٹے کے لئے دوگنا اور بیٹی کے لئے ایک گنا بطور عصبہ ہے۔اس لئے اس آیت میں عصبہ کو دینے کا اشارہ ہے۔

﴿ اقسام عصبات ﴾

عصبات کی چار قسمیں ہیں (۱) عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغیرہ (۳) عصبہ مع غیرہ (۴) عصبہ بالسبب۔

(۱) عصبہ بنفسہ : جو لوگ خود بخود عصبہ ہوں، کسی دوسرے کے بنانے کی وجہ سے نہ ہوں اس کو 'عصبہ بنفسہ' کہتے ہیں،ان میں بیٹا، پوتا، باپ۔دادا، بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد بھائی عصبہ ہیں۔

(۲) عصبہ بغیرہ : خود تو عصبہ نہیں تھا لیکن بھائیوں نے اس کو عصبہ بنا دیا اس لئے غیر کی وجہ سے عصبہ بن گئے۔اس لئے ان کو 'عصبہ بغیرہ' کہتے ہیں۔ان میں بیٹی بیٹے کے ساتھ، پوتی پوتے کے ساتھ، حقیقی بہن حقیقی بھائی کے ساتھ، علاتی بہن علاتی بھائی کے ساتھ عصبہ ہیں۔ان لوگوں کو للذکر مثل حظ الانثیین ملے گا۔یعنی مرد کو دوگنا اور عورت کو ایک گنا۔

(۳) مع غیرہ : یہ عورتیں خود تو عصبہ نہیں تھیں اور نہ کسی نے اس کو عصبہ بنایا۔البتہ بیٹی نے یا پوتی نے اپنا اپنا حصہ لیا اور عصبہ مرد کوئی نہیں تھا تو حقیقی بہن نے یا علاتی بہن نے باقی مال آدھا یا ایک تہائی لیا۔تو چونکہ بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ بنی ہے اس لئے ان کو 'عصبہ مع غیرہ' کہتے ہیں۔ مثلا ایک بیٹی تھی اور ایک پوتی تھی۔بیٹی نے آدھا لیا اور دو ثلث پورا کرنے کے لئے پوتی کو چھٹا دیا۔باقی ایک تہائی بچی وہ بہن کو بطور عصبہ دیا۔اس لئے بہن عصبہ مع غیرہ ہوئی۔

(۴) عصبہ بالسبب : آزاد کرنے کے سبب سے آقا یا سیدہ غلام کے مال کا بطور عصبہ وارث بنے اس کو 'عصبہ بالسبب' کہتے ہیں۔کیونکہ یہ نسب کی وجہ سے عصبہ نہیں بنے بلکہ آزادگی کے سبب سے عصبہ بنے۔یہ دو قسم کے لوگ ہیں (۱) آزاد کرنے والا آقا (۲) آزاد کرنے والی سیدہ۔اس تفصیل کے بعد ترجمہ اور شرح دیکھیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا حصے اس کے لینے والے کو دو اور حصے والے چھوڑ دیں تو مذکر عصبات کے لئے ہوگا (ب) تم کو اللہ اولاد کے بارے میں وصیت کرتے ہیں کہ مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا۔

الاخوۃ ثم بنو الجد وھم الاعمام ثم بنو اب الجد[۳۲۱۷] (۲) واذا استوی بنو اب فی

[۳۲۱۶] (۱) عصبوں میں سے قریب (۱) بیٹے ہیں (۲) پھر پوتے ہیں (۳) پھر باپ (۴) پھر دادا (۵) پھر باپ کے بیٹے وہ بھائی ہیں (۶) پھر دادا کے بیٹے وہ چچا ہیں (۷) پھر دادا کے باپ کے بیٹے جس کو دادا کے بھائی کہتے ہیں۔

تشریح اس عبارت میں سات قسم کے عصبات کو ذکر کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قریب والا عصبہ موجود ہو تو اس سے بعد والے کو کچھ نہیں ملے گا۔ مثلا بیٹا موجود ہو تو پوتا کو نہیں ملے گا۔ اور پوتا موجود ہو تو باپ کو نہیں ملے گا۔ اور باپ موجود ہو تو دادا کو نہیں ملے گا۔ اور دادا ہو تو بھائی کو نہیں ملے گا۔ اور بھائی ہو تو چچا کو نہیں ملے گا۔ اور چچا ہو تو دادا کے بھائی کو نہیں ملے گا۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ماترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد (الف) (آیت ۱۷۶، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ اولاد نہ ہو تب بہن کو ملے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اولاد جو قریب کا عصبہ ہو تو اس سے دور کے عصبہ کو نہیں ملے گا (۲) اور مذکر عصبہ کو دینے دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباسؓ عن النبی قال الحقوا الفرائض باھلھا، فما ترکت الفرائض فلا ولی رجل ذکر (ب) (بخاری شریف، باب ابنی عم احدھما اخ للام والآخر زوج، ص، نمبر ۶۷۴۵ / ابوداؤد شریف، باب فی میراث العصبۃ، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصحاب فرائض کے دینے کے بعد جو بچے وہ مذکر عصبات کو دیئے جائیں گے۔

ان عصبات میں (۱) بیٹا جزو میت ہے اور فروع ہے (۲) پوتا جزو کا جزو ہے (۳) باپ اصل میت ہے (۴) دادا اصل کا اصل ہے (۵) بھائی اصل یعنی باپ کا جز ہے (۶) چچا اصل کے اصل کا جزو ہے یعنی باپ کے باپ کا بیٹا ہے (۷) اور دادا کا بھائی اصل کے اصل کے اصل کا جزو ہے۔

وجہ فتفسیر ابی الزناد علی معانی زید بن ثابت قال الاخ للام والاب اولی بالمیراث من الاخ للاب، والاخ للاب اولی بالمیراث من ابن الاخ للاب والام، و ابن الاخ للام والاب اولی من ابن الاخ للاب، وابن الاخ للاب اولی من ابن ابن الاخ للاب والام الخ (سنن للبیہقی باب ترتیب العصبات، ج سادس، ص ۳۹۱، نمبر ۱۲۲۷۳) اس اثر میں عصبہ کی ترتیب بیان کی گئی ہے۔

[۳۲۱۷] (۲) جب باپ کے بیٹے درجے میں برابر ہوں تو زیادہ مستحق وہ ہے جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہو۔

تشریح بھائی بہنوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں (۱) بھائی اور بہن ماں میں بھی شریک ہوں اور باپ میں بھی شریک ہوں ان کو اعیان بنی الام کہتے ہیں۔ اردو میں حقیقی بھائی، حقیقی بہن کہتے ہیں۔ یہ دوسرے بھائی بہنوں سے زیادہ حقدار ہیں (۲) صرف باپ دونوں کے ایک ہو۔ اور ماں الگ الگ ہو جس کو علاتی بھائی یا علاتی بہن کہتے ہیں۔ اردو میں سوتیلا بھائی یا سوتیلی بہن کہتے ہیں (۳) صرف ماں دونوں کی ایک ہو جس کو

حاشیہ : (الف) لوگ آپ سے فتوی پوچھتے ہیں۔ اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں فتوی دیتے ہیں کہ اگر آدمی ہلاک ہو جائے۔ اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کے لئے ترکہ کا آدھا ہوگا۔ اور بھائی بھی بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو (ب) آپ نے فرمایا حصے والوں کو حصے دو اور جو چھوڑ دے تو مذکر کے لئے ہے۔

درجة فاولٰهم من كان من اب وام[۳۲۱۸](۳) والابنُ وابن الابن والاخوة يقاسمون

اخیافی بھائی یا اخیافی بہن کہتے ہیں۔ یاماں شریک بھائی بہن کہتے ہیں۔

ماں باپ شریک بھائی، یاماں باپ شریک بہن سوتیلے بھائی بہن سے زیادہ مستحق ہیں۔ یعنی اگر ماں باپ شریک بھائی یا بہن ہوتو سوتیلے بھائی یا سوتیلی بہن کو نہیں ملے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن علی انه قال ... وان رسول الله ﷺ قضی بالدین قبل الوصیة وان اعیان بنی الام یرثون دون بنی العلات، الرجل یرث اخاه لابیه وامه دون اخیه لابیه** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الاخوة من الاب والام، ص ۲۹، نمبر ۲۰۹۴) اس حدیث میں ہے کہ حقیقی بہن بھائی سوتیلے بہن بھائی سے مقدم ہوں گے۔ یہ قاعدہ بھتیجا، چچا اور چچا کے بیٹے میں بھی چلے گا۔ یعنی حقیقی بھتیجا مقدم ہوگا سوتیلے بھتیجا سے۔ اسی طرح حقیقی چچا مقدم ہوگا سوتیلے چچا سے۔ اور حقیقی چچا کے بیٹے مقدم ہوں گے سوتیلے چچا کے بیٹے سے۔ اسی طرح سوتیلے بھائی یا بہن مقدم ہونگے صرف ماں شریک بھائی یا ماں شریک بہن سے۔ اور سوتیلے چچا مقدم ہونگے صرف، ماں شریک چچا سے۔

لغت استوی : برابر درجے کے ہوں، اولی : مقدم ہوگا۔

[۳۲۱۸] (۳) بیٹا اور پوتا اور بھائی تقسیم کرکے دیں گے اپنی بہنوں کو مذکر کے لئے مؤنث کے دو حصے کے برابر۔

تشریح یہ چار قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ مرد کے ساتھ عورت بطور عصبہ وارث بنیں تو مرد کو دوگنا اور عورت کو ایک گنا ملے گا (۱) میت کا بیٹا اور بیٹی میت کے وارث بنیں تو اور اصحاب فرائض کے حصہ لینے کے بعد بیٹا کو دونا اور بیٹی کو اس کا ایک گنا ملے گا۔ اور یہ دونوں بیٹا بیٹی آپس میں بھائی اور بہن ہیں (۲) میت کا پوتا اور پوتی میت کے وارث بنے تو اور اصحاب فرائض کے حصہ لینے کے بعد جو بچے اس میں سے پوتا کو دوگنا اور پوتی کو ایک گنا ملے گا۔ اور یہ دونوں آپس میں بھائی اور بہن ہیں۔

وجہ اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین** (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں اولاد سے مراد بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پرپوتا، پرپوتی ہے۔ اس لئے یہ لوگ جب بھی مرد عورت وارث بنیں گے تو مرد کو دوگنا اور عورت کو ایک گنا ملے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

بیوی	بیٹا		بیٹی
12.5	←	87.50	→
	58.33	← →	29.16

اس مسئلے میں سو میں سے آٹھواں حصہ بیوی کو دیا جو 12.5 بنے گا۔ باقی 87.5 رہا اس میں سے ایک تہائی بیٹی کو 29.16 انتیس پوائنٹ سولہ

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا... آپؐ نے قرض کا فیصلہ وصیت سے پہلے کیا۔ اور یہ کہ حقیقی بھائی بہن سوتیلے بھائی بہن سے پہلے وارث ہوں گے۔ آدمی حقیقی بھائی کا وارث ہوگا سوتیلے بھائی سے پہلے۔

اخواتھم للذکر مثل حظ الانثیین [۳۲۱۹](۴)ومن عداھم من العصبات ینفرد بالمیراث

دیا۔اوراس کی دوتہائی یعنی 58.33 اٹھاون پوائنٹ تینتیس بیٹے کودیا۔اور پوتے اور پوتی کا حساب بھی اسی طرح بنے گا۔

[۳] میت کے حقیقی بھائی اور بہن وارث بنے تو حصے داروں کے حصے لینے کے بعد جو بچے اس میں سے بھائی کودو گنا اور بہن کوایک گنا ملے گا۔ یہ دونوں آپس میں بھائی بہن ہوئے۔

[۴] میت کے سوتیلے بھائی اور سوتیلی بہن وارث بنے تو بھائی کو دوگنا اور بہن کوایک گنا ملے گا۔اور یہ دونوں آپس میں بھائی بہن ہیں۔

وجہ ان دونوں مسئلوں کی دلیل اس آیت میں ہے۔وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین (ب)(آیت ۱۷۶، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ بھائی بہن دونوں ہوں تو بھائی کو دوگنا اور بہن کو ایک گنا ملے گا۔

مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	حقیقی بھائی		حقیقی بہن
25	سوتیلا بھائی		سوتیلی بہن
	←	75	→
	50	← →	25

اس مسئلے میں اولاد نہیں ہے اس لئے بیوی کو سو میں سے چوتھائی یعنی 25 دیا باقی 75 بچا۔ان میں سے بھائی کو دو گنا یعنی 50 دیا اور بہن کو ایک گنا یعنی 25 دیا۔

اصول حصے لینے والے آپس میں بھائی بہن ہوں تو للذکر مثل حظ الانثیین ہو جاتا ہے۔یعنی بھائی کو دوگنا اور بہن کو ایک گنا ملے گا(۲) یہ عورتیں عصبہ بغیرہ ہوئے۔

[۳۲۱۹](۴)ان کے علاوہ عصبات میں سے مرد تنہا ہوتے ہیں میراث لینے میں نہ کہ ان کی عورتیں۔

تشریح بیٹا، پوتا، حقیقی بھائی اور سوتیلے بھائی کے علاوہ جتنے عصبات ہیں ان کے مرد کو بطور عصبہ ملتا ہے۔ان کے ساتھ جو عورتیں ہیں ان کو کچھ نہیں ملے گا۔مثلا باپ کو بیٹے کے مال میں سے بطور عصبہ ملے گا لیکن ماں کو بطور عصبہ نہیں ملے گا۔اور نہ باپ کی بہن پھوپھی کو بطور عصبہ ملیگا۔ (۲) دادا کو پوتے کے مال میں سے بطور عصبہ ملے گا لیکن دادی کو یا دادا کی بہن کو بطور عصبہ نہیں ملے گا(۳) بھتیجے کو چچا کے مال میں سے بطور عصبہ ملے گا لیکن اس کی بہن یعنی بھتیجی کو چچا کے مال میں سے بطور عصبہ نہیں ملے گا(۴) چچا کو بھتیجے کے مال میں سے بطور عصبہ ملے گا۔لیکن اس کی بیوی یا اس کی بہن میت کی پھوپھی کو بطور عصبہ نہیں ملے گا(۵) دادا کے بھائی کو بطور عصبہ ملے گا لیکن اس کی بہن گویا کہ دادی کو بطور عصبہ نہیں ملیگا۔حاصل یہ کہ باپ، دادا، بھتیجا، چچا اور دادا کے بھائی جب بطور عصبہ لیں گے تو اس کے ساتھ عورتیں یعنی ان ہر ایک کی بہنوں کو بطور

(ب) اگر بھائی بہن مذکر اور مؤنث ہوں تو مذکر کو مؤنث کا دو گنا ہوگا۔

ذکورهم دون اناثهم [۳۲۲۰](۵) واذا لم یکن عصبة من النسب فالعصبة هو المولی المُعتِقُ [۳۲۲۱](۶) ثم الاقرب فالاقرب من عصبة المولی.

عصبہ نہیں ملے گا۔

لغت عداهم : ان کے علاوہ۔

[۳۲۲۰](۵) اگر میت کا نسبی عصبہ نہ ہو تو آزاد کرنے والا آقا عصبہ ہوتا ہے۔

تشریح اس عبارت میں عصبہ بالسبب کا تذکرہ ہے۔یعنی اگر نسبی عصبہ موجود نہ ہو۔اور میت آزاد کردہ غلام تھا تو اس کا آقا جس نے آزاد کیا تھا وہ آزاد کرنے کے سبب سے عصبہ بنے گا۔اور سارا مال وہ والد کے طور پر لے جائے گا۔چاہے آزاد کرنے والا مرد یعنی آقا ہو یا آزاد کرنے والے عورت یعنی سیدہ ہو۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن عائشة قالت اشتریت بریرة فقال النبی ﷺ اشتریها فان الولاء لمن اعتق (الف) (بخاری شریف، باب الولاء لمن اعتق ومیراث اللقیط ،ص ۹۹۹،نمبر ۶۷۵۱)اس حدیث میں ہے کہ جس نے آزاد کیا اس کو غلام کا مال بطور عصبہ ملیگا۔

[۳۲۲۱](۶) پھر آقا کے عصبات میں سے سب سے زیادہ جو قریب ہو۔

تشریح آزاد کردہ غلام کے عصبات میں عورت کو حصہ نہیں ملتا ہے۔ہاں! عورت نے آزاد کیا تو وہ ولاء عورت کو ملے گا۔لیکن مثلا باپ نے غلام آزاد کیا تو غلام کا ولاء آقا کے بیٹے کو ملے گا عورت کو نہیں ملے گا۔اور یہ بھی ہے کہ جو مرد میت کے قریب کے عصبات ہیں اس کو سب سے پہلے ملے گا۔وہ نہ ہو تو اس کے بعد والے کو ملے گا۔البتہ اگر ولاء وراثت میں آگیا تو وراثت کے اعتبار سے عورت کو مل سکتا ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔عن علی وعبد الله وزید بن ثابت انهم کانوا یجعلون الولاء للکبر من العصبة ولا یرثون النساء الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن (ب) دوسری روایت میں ہے۔کان عمر وعلی وزید بن ثابت لا یورثون النساء من الولاء الا ما اعتقن (ج) (سنن للبیہقی، باب لا ترث النساء الولاء الا من اعتقن او اعتق من اعتقن، ج عاشر، ص ۵۱۵، نمبر ۲۱۵۱۱/۲۱۵۱۲ رمصنف ابن ابی شیبة، ۹۷ فیمن ترث النساء من الولاء وما هو؟ ج سادس، ص ۲۹۲، نمبر ۳۱۴۹۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت دوسرے کے آزاد کردہ غلام کی وارث بطور عصبہ نہیں ہوگی۔اور اوپر کے اثر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عصبہ بھی ترتیب کے ساتھ ہوں گے۔کیونکہ اثر میں یجعلون الولاء للکبر من العصبة کا لفظ ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو مقدم ہو اس کو پہلے ملے گا۔وہ نہ ہو تو اس کے بعد والے کو ملے گا (۲) خود آقا بطور فرض کے وارث نہیں ہوا ہے بلکہ سبب کے طور پر عصبہ ہو کر وارث ہوا ہے اس لئے بعد کے مرد بھی بطور عصبہ ہی وارث ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا باندی کو خرید لو ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہوگا (ب) حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ اور زید بن ثابت ولاء عصبہ میں سے بڑے کے لئے کرتے تھے۔اور عورتیں ولاء کا وارث نہیں ہوگی مگر جس غلام کو خود آزاد کی ہو یا اس کے آزاد کردہ غلام نے آزاد کیا ہو اس ولاء کا وارث ہوگی (ج) حضرت عمرؓ ،حضرت علیؓ، اور زید بن ثابت عورتوں کو ولاء کا وارث نہیں بناتے تھے مگر خود آزاد کی ہو تو اس ولاء کی وارث ہوگی۔

﴿ عصبات کی تعداد ایک نظر میں ﴾

	عصبہ بنفسہ	حصے		عصبہ بنفسہ	حصے
(۱)	بیٹا	×	(۱۰)	پھر ماں باپ شریک چچا	×
(۲)	پھر پوتا	×	(۱۱)	پھر باپ شریک چچا	×
(۳)	پھر پرپوتا	×	(۱۲)	پھر ماں باپ شریک چچا کا بیٹا	×
(۴)	پھر باپ	×	(۱۳)	پھر باپ شریک چچا کا بیٹا	×
(۵)	پھر دادا	×	(۱۴)	پھر باپ کا ماں باپ شریک چچا	×
(۶)	پھر ماں باپ شریک بھائی	×	(۱۵)	پھر باپ کا باپ شریک چچا	×
(۷)	پھر باپ شریک بھائی	×	(۱۶)	پھر باپ کے ماں باپ شریک چچا کا بیٹا	×
(۸)	پھر ماں باپ شریک بھتیجا	×	(۱۷)	پھر باپ کے باپ شریک چچا کا بیٹا	×
(۹)	پھر باپ شریک بھتیجا	×	(۱۸)	پھر دادا کا چچا	×

نوٹ اس نقشے میں عصبات کی ترتیب بیان کی گئی ہے۔

	عصبہ بغیرہ		حصے		عصبہ بغیرہ	حصے
(۱)	بیٹی	جبکہ بیٹا ساتھ ہو	33.33	(۶)	سوتیلی بھتیجی	×
(۲)	پوتی	جبکہ پوتا ساتھ ہو	33.33	(۷)	پھوپھی	×
(۳)	بہن	جبکہ بھائی ساتھ ہو	33.33	(۸)	سوتیلی پھوپھی	×
(۴)	سوتیلی بہن	جبکہ بھائی ساتھ ہو	33.33	(۹)	چچازاد بہن	×
(۵)	بھتیجی		×	(۱۰)	سوتیلی چچازاد بہن	×

	عصبہ مع غیرہ (یہ بہنیں ہیں)		عصبہ مع غیرہ (یہ بہنیں ہیں)
(۱)	بیٹی کے لینے کے بعد، ماں باپ شریک بہن کو ملے گا	(۳)	پوتی کے لینے کے بعد، ماں شریک بہن کو ملے گا
(۲)	بیٹی کے لینے کے، باپ شریک بہن کو ملے گا	(۴)	پوتی کے لینے کے بعد، باپ شریک بہن کو ملے گا

	آزاد کے سبب سے عصبہ		آزاد کے سبب سے عصبہ
(۱)	آزاد کرنے والا آقا	(۲)	آزاد کرنے والی سیدہ

﴿ باب الحجب ﴾

[۳۲۲۲](ا)وتحجب الام من الثلث الى السدس بالولد او ولد الابن او اخوين.

﴿ باب الحجب ﴾

ضروری نوٹ حجب کے معنی روکنا، اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ مثلا ماں کو اولاد نہ ہونے پر تہائی ملتی تھی لیکن اولاد نے ماں کو تہائی سے روک دیا اور چھٹا دلوایا۔ تو گویا کہ اولاد کی وجہ سے ماں مجوب ہوگئی۔ یہ حجب نقصان ہوا۔ کیونکہ اولاد کی وجہ سے تہائی سے چھٹا ملا۔ اور اگر ایک بیٹی ہوتی تو پوتی کو چھٹا ملتا۔ لیکن دو بیٹیاں ہوں تو پوتی کو کچھ نہیں ملے گا تو دو بیٹیوں کی وجہ سے پوتی محروم اور مجوب ہوگئی تو یہ حجب حرمان ہے۔

وجہ حجب نقصان کی دلیل یہ آیت ہے۔ **ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لهن ولد فان کان لهن ولد فلکم الربع مما ترکن** (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء۴) اس آیت میں اولاد نہ ہو تو شوہر کو آدھا دیا گیا۔ اور اولاد ہو تو انہوں نے شوہر کو نقصان دے کر آدھا سے چوتھائی پر لے آیا۔ تو اس میں حجب نقصان ہوا (۲) اور حجب حرمان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن بریدة عن ابیه ان النبی ﷺ جعل للجدة السدس اذا لم تکن دونها ام** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الجدۃ، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۵) اس حدیث میں ہے کہ ماں نہیں ہوگی تو دادی کو چھٹا ملے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ ماں ہو تو دادی محروم اور مجوب ہو جائے گی۔ اس میں حجب حرمان ہے۔

[۳۲۲۲] (ا) ماں مجوب ہوتی ہے تہائی سے چھٹے کی طرف بیٹے یا پوتے یا دو بھائیوں کے ہونے کی وجہ سے۔

تشریح اگر بیٹا، پوتا اور دو بھائی نہ ہوں تو ماں کو تہائی ملے گی۔ اور ان میں سے کوئی موجود ہو تو تہائی سے کم ہو کر چھٹا حصہ ملے گا۔ یہ حجب نقصان ہوا۔

وجہ اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **ولابویه لکل واحد منهما السدس مما ترک ان کان له ولد فان لم یکن له ولد و ورثه ابواه فلامه الثلث فان کان له اخوة فلامه السدس** (ج) (آیت ۱۱، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ اولاد نہ ہو اور اسی میں پوتا بھی شامل ہے تو تہائی ملے گی۔ اور اولاد ہو تو تہائی سے کم ہو کر چھٹا ملے گا۔ اسی طرح دو بھائی نہ ہوں تو تہائی ملے گی۔ اور دو بھائی ہوں تو تہائی سے کم ہو کر چھٹا ملے گا۔ اخوة : اخ کی جمع ہے دو بھائی۔ مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

ماں	دو بھائی
16.66	83.33

حاشیہ : جو کچھ تمہاری بیویوں نے چھوڑا اس کا آدھا ہوگا اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ اور اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارے لئے ترکے کی چوتھائی ہے (ب) آپؐ نے فرمایا دادی کے لئے چھٹا ہے اگر ماں نہ ہو (ج) ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا ہے ترکے میں اگر اس کی اولاد ہو۔ پس اگر اس کی اولاد نہ ہو تو اس کے ماں باپ وارث ہوں گے۔ پس اس کی ماں کے لئے تہائی ہے۔ اور اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا ہے۔

[۳۲۲۳](۲) والفاضل عن فرض البنات لبنی الابن واخواتهم للذکر مثل حظ الانثیین۔[۳۲۲۴](۳) والفاضل عن فرض الاختین من الاب والام للاخوۃ والاخوات من

اس مسئلے میں ماں کو چھٹا حصہ یعنی سو میں سے 16.66 ملے گا اور باقی 83.33 دو بھائیوں کو ملے گا۔

[۳۲۲۳](۲) اور جو باقی بچ جائے بیٹیوں کے لینے سے وہ پوتے اور ان کی بہنوں کے لئے ہے مرد کو عورت سے دوگنا۔

تشریح دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گی، باقی ایک تہائی پوتے اور پوتیوں کو بطور عصبہ ملے گی۔ اس ایک تہائی میں مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا۔ اگر بیٹیاں نہ ہوتی تو سب مال پوتے اور پوتیون کو ملتا، لیکن بیٹیوں کی وجہ سے پوتے اور پوتیوں کو حجب نقصان ہوا کہ صرف ایک تہائی میں ان کو تقسیم کرنا پڑا۔

وجہ اثر میں گزرا۔ عن خارجۃ بن زید عن عن ابیہ زید بن ثابت ... وان لم یکن الولد ذکرا و کانتا اثنتین فاکثر من البنات فانہ لا میراث لبنات الابن معھن الا ان یکون مع بنات الابن ذکر ھو من المتوفی بمنزلتھن اوھو اطرف منھن فیرد علی من بمنزلتہ و من فوقہ من بنات الابناء فضلا ان فضل فیقسمونہ للذکر مثل حظ الانثیین فان لم یفضل شیء فلا شیء لھم (الف) (سنن للبیہقی، باب میراث اولاد الابن، ج سادس، ص ۳۷۷، نمبر ۱۲۳۱۳) اس اثر میں ہے کہ دو بیٹیوں سے جو بچے گا وہ پوتے اور پوتی کو مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا۔ مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

دو بیٹیاں	پوتا		پوتی
66.66	ع	33.33	ع
	22.22		11.11

اس مسئلے میں بیٹیوں کو دو تہائی یعنی سو میں سے 66.66 دیا۔ اور باقی ایک تہائی 33.33 پوتا اور پوتی میں تقسیم ہوئی جس کی بنا پر پوتا کو دوگنا 22.22 اور پوتی کو ایک گنا 11.11 ملا۔

[۳۲۲۴](۳) اور جو باقی رہے حقیقی بہنوں کے حصے سے وہ سوتیلے بھائی بہنوں کے لئے ہے۔ مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہے۔

تشریح ماں باپ شریک دو حقیقی بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی مل جائے گی۔ اور ایک تہائی باقی رہی وہ باپ شریک بھائی اور بہن کے لئے ہوگی۔ اس میں بھائی کے لئے دوگنا اور بہن کے لئے ایک گنا ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔ فتفسیر ابی الزناد علی معانی زید بن ثابت ... فان کان بنو الام والاب امرأتین فاکثر من ذلک من

حاشیہ : (الف) حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا اگر اولاد مذکر نہ ہوں اور دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں تو پوتیوں کا اس کے ساتھ میراث نہیں ہے۔ مگر یہ کہ پوتیوں کے ساتھ اسی درجے میں متوفی کا پوتا ہو۔ یا اس سے نیچے درجے کا پوتا ہو تو اس درجے کی پوتیوں پر یا اس سے اوپر کی پوتیوں پر تقسیم کی جائے گی اگر فاضل رہے تو اس کو تقسیم کریں گے مرد کو عورتوں کا دوگنا ہوگا۔ اور اگر کچھ باقی نہیں رہا تو ان کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

الاب للذكر مثل حظ الانثیین[۳۲۲۵](۴) واذا ترك بنتا وبنات ابن وبنی ابن فللبنت

الاناث فیفرض لهن الثلثان ولا میراث معهن لبنات الاب الا ان یکون معهن ذکر من اب ،فان کان معهن ذکر بدئ بفرائض من کانت له فریضة فاعطوها فان فضل بعد ذلک فضل کان بین بنی الاب للذکر مثل حظ الانثیین فان لم یفضل شیء فلا شیء لهم (الف) (سنن للبیہقی ۔باب میراث الاخوۃ والاخوات لاب وام اولاب ،ج سادس ،ص ۳۸۱،نمبر ۱۲۳۲۶)
اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوحقیقی بہنوں کے لینے کے بعد جو بچے گا وہ سوتیلے بھائی اور بہن میں تقسیم ہوگا۔اس طرح کہ مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان مموترک وان کانوا اخوة رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین (آیت ۱۷۶، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ بھائی اور بہن دونوں ہوں تو مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا۔مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

دوحقیقی بہنیں	ایک سوتیلا بھائی		ایک سوتیلی بہن
66.66	←	33.33	←
	22.22	← ←	11.11

اس مسئلے میں دوحقیقی بہنوں کے لئے سو میں سے دو تہائی 66.66 ملا۔باقی ایک تہائی 33.33 سوتیلے بھائی اور بہن میں تقسیم ہوئی۔جس میں سے بھائی کو دوگنا 22.22، لا اور بہن کو ایک گنا 11.11 ملا۔

[۳۲۲۵](۴) اگر چھوڑی ایک بیٹی اور چند پوتیاں اور چند پوتے تو بیٹی کے لئے آدھا ہوگا۔اور باقی پوتے اور ان کی بہنوں کے لئے ہے۔مرد کے لئے عورت کا دوگنا۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ ایک بیٹی ہو تو اس کو آدھا ملے گا۔اور باقی آدھا پوتے اور پوتی کے لئے بطور عصبہ ہوگا۔اس میں پوتے کے لئے پوتی کا دوگنا ہوگا اور پوتی کو ایک گنا ہوگا۔

اگر بیٹی نہ ہوتی تو سب مال پوتے اور پوتی کا ہوتا لیکن بیٹی کی وجہ سے ان کو آدھا ہی ملا جو حجب نقصان ہے۔

وجہ آیت میں ہے کہ ایک بیٹی کے لئے آدھا ہے اس لئے جو آدھا باقی رہے گا وہ پوتا اور پوتی کو بطور عصبہ ملے گا۔آیت یہ ہے۔فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ماترک وان کانت واحدة فلها النصف (ب) (آیت ۱۱، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ ایک

حاشیہ : (الف) حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا اگر حقیقی بہنیں دو یا ان سے زیادہ ہوں تو ان کے دو تہائی متعین ہوگی۔اور ان کے ساتھ سوتیلی بہن کو میراث نہیں ملے گی مگر یہ کہ ان کے ساتھ سوتیلا بھائی ہو تو حصے والوں کو پہلے حصے دیئے جائیں گے۔پس اگر ان سے کچھ بچ گیا تو یہ بچا ہوا سوتیلے بھائی بہنوں میں ہوگا۔مرد کو عورت کے دوگنے کے اصول پر۔اور اگر نہیں بچا تو ان کو کچھ نہیں ملے گا (ب) اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکہ کی دو تہائی ہوگی اور ایک ہو تو اس کے لئے آدھا ہوگا۔

النصف والباقی لبنی الابن واخواتھم للذکر مثل حظ الانثیین[۳۲۲۶](۵) وکذلک الفاضل عن فرض الاخت للاب والام لبنی الاب وبنات الاب للذکر مثل حظ الانثیین.

بیٹی ہوتو اس کو آدھا ملے گا۔اور چونکہ پوتی کے ساتھ پوتا بھی ہے اس لئے باقی آدھا عصبہ کے طور پر دونوں لے لیں گے۔

وجہ اثر ہے۔ **فان کان مع بنات الابن ذکر ھو بمنزلتھن فلا سدس لھن ولا فریضة ولکن ان فضل فضل بعد فریضة اھل الفرائض کان ذلک الفضل لذلک الذکر ولمن بمنزلته من الاناث للذکر مثل حظ الانثیین (الف)** (سنن للبیہقی، باب میراث اولاد الابن، ج سادس، ص ۳۷۷، نمبر ۱۲۳۱۳ رمصنف ابن ابی شیبة ،۸ فی رجل ترک ابنتیہ وابنة ابنه وابن ابن اسفل منھا، ج سادس، ص ۲۴۶، نمبر ۳۱۰۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیٹی کے آدھے لینے کے بعد باقی آدھا پوتے اور پوتی کے درمیان تقسیم ہوگا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

ایک بیٹی	پوتا		پوتی
50	↵	50	↳
	33.33	↵ ↳	16.66

اس مسئلے میں بیٹی کو آدھا یعنی سو میں سے 50 دیا۔ اور باقی آدھا یعنی 50 میں سے ایک تہائی یعنی 16.66 پوتی کو دیا۔ اور اس کا دوگنا 33.33 پوتے کو دیا۔

[۳۲۲۶] (۵) ایسے ہی جو باقی بچے ایک حقیقی بہن کے حصے سے وہ سوتیلے بہن بھائی کے لئے ہے، مرد کے لئے عورت کا دوگنا

تشریح ایک ماں باپ شریک بہن ہوتو اس کو آدھا ملے گا اور باقی جو آدھا رہا وہ باپ شریک یعنی سوتیلے بھائی اور بہن کو ملے گا۔ مرد کو دوگنا اور عورت کو ایک گنا۔

وجہ ایک حقیقی بہن ہوتو اس کے لئے آدھا ہے اس کی دلیل کے لئے آیت گزر چکی ہے۔ **یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالة ان امرؤ ھلک لیس له ولد وله اخت فلھا نصف ماترک (ب)** (آیت ۱۷۶، سورۃ النساء ۴) اس میں ہے کہ ایک حقیقی بہن ہوتو اس کو آدھا ملے گا۔ اور باقی آدھا سوتیلے بھائی بہن کو ملے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **فان کان مع بنات الاب اخ ذکر فلا فریضة لھم ویبدأ باھل الفرائض فیعطون فرائضھم فان فضل بعد ذلک فضل کان بین بنی الاب للذکر مثل حظ الانثیین**

حاشیہ : (الف) پس اگر پوتی کے ساتھ پوتا ہو اسی درجے میں تو پوتی کو چھٹا نہیں ملے گا اور نہ اس کا کوئی باضابطہ حصہ ہوگا۔ لیکن اگر حصے داروں کے لینے بعد کچھ باقی رہ گیا تو یہ بقیہ پوتے کے لئے ہوگا۔ اور اس کے درجے میں جو پوتی ہے اس کے لئے بھی ہوگا۔ مرد کے لئے عورت کے دوگنا کے اصول پر (ب) آپ سے فتوی مانگتے ہیں تو فرما دیجئے کہ اللہ کلالہ کے بارے میں فتوی دیتے ہیں کہ آدمی مرجائے اور اس کی بہن ہوتو اس کے لئے ترکے کا آدھا ہوگا۔

[۳۲۲۷](٦) ومن ترک ابنی عم احدھما اخ لام فللاخ السدس والباقی بینھما نصفان.

(ج)(سنن للبیہقی، باب میراث الاخوۃ والاخوات لاب وام ولاب، ج سادس، ص۳۸۱، نمبر۱۲۳۲۶) اس اثر میں ہے کہ علاتی بہن بھائیوں کو باقی ملے گا۔ اس طرح کہ مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

علاتی بہن		علاتی بھائی	حقیقی بہن
←	50	←	50
16.16	← ←	33.33	

اس مسئلے میں حقیقی ایک بہن کو سو کا آدھا 50 دیا۔ باقی آدھے میں سے ایک تہائی 16.66 باپ شریک بہن کو دیا۔ اور اس کا دوگنا 33.33 باپ شریک بھائی کو دیا۔

[۳۲۲۷](٦) کسی نے چھوڑے دو چچازاد بھائی، ان میں سے ایک ماں شریک بھائی ہے تو ان کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔ اور باقی دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک آدمی کی دو قرابتیں ہوں تو دونوں قرابتوں کے الگ الگ حصے ملیں گے۔

ایک آدمی نے دو چچازاد بھائی چھوڑے۔ ایک چچازاد بھائی اس کا ماں شریک بھائی بھی ہوتا تھا، کیونکہ اس کی ماں نے چچا سے شادی کی تھی تو ماں شریک بھائی کو اخیافی بھائی کا چھٹا 16.66 حصہ پہلے ملے گا۔ پھر جو 83.33 باقی رہے گا اس کو دونوں بھائی بطور عصبہ کے آدھا آدھا تقسیم کریں گے۔

وجہ ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ ملنے کی دلیل یہ آیت ہے۔ **وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس** (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ایک ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ دیا گیا ہے (۲) اور چچازاد بھائیوں کے درمیان باقی مال طور عصبہ آدھا آدھا ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **کان علی وزید یقولان فی بنی عم احدھم اخ لام یعطیانہ السدس وما بقی بینہ وبین بنی عمہ وکان عبد اللہ یعطیہ المال کلہ** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰ فی بنی عم احدھم اخ الام، ج سادس، ص ۲۴۶، نمبر ۳۱۰۷۷) اس اثر میں ہے کہ پہلے ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ اس کے بعد دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں برابر درجے کے عصبہ ہیں۔ مسئلہ اس طرح ہوگا۔

حاشیہ : (الف) اگر سوتیلی بہن کے ساتھ بھائی ہو تو ان کے لئے باضابطہ حصہ نہیں ہے۔ البتہ پہلے حصے والوں کو حصے دیئے جائیں۔ اگر اس سے بچ جائے تو بھائی بہن کے لئے ہوگا، مرد کو عورت کے دوگنے کے اصول پر (ب) اگر کوئی مرد یا عورت کلالہ ہو اور اس کے بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لئے چھٹا چھٹا ہوگا (ج) حضرت علیؓ اور زیدؓ فرماتے ہیں کہ چچازاد بھائی ماں شریک بھائی بھی ہے تو اس کو چھٹا دیا جائے گا۔ اور جو باقی رہا تو اس کو اور دوسرے چچازاد بھائی کے درمیان ہوگا۔ اور حضرت عبد اللہ تو اس ماں شریک بھائی کو پورا ہی مال دیتے تھے۔

[۳۲۲۸](۷) والمشترکة ان تترک المرأة زوجا واُمًّا او جدةً واخوةً من ام واخًا من اب

میت 100

ماں شریک بھائی-چچازاد بھائی		چچازاد بھائی
16.66	83.33	
+		
41.66		41.66
58.32		

اس مسئلے میں سو میں سے پہلے اخیافی بھائی کو چھٹا یعنی 16.66 دیا۔اور باقی 83.33 دونوں بھائیوں میں آدھا آدھا تقسیم کیا تو دونوں کو 41.66 ملا۔اس لئے ماں شریک بھائی کو دونوں کا مجموعہ 58.33 ہوا۔

[۳۲۲۸](۷) مشترکہ مسئلہ یہ ہے کہ عورت، شوہر، ماں یا دادی اور کئی ماں شریک بھائی اور حقیقی بھائی چھوڑے تو شوہر کے لئے آدھا ہوگا اور ماں کے لئے چھٹا اور ماں شریک اولاد کے لئے تہائی اور حقیقی بھائیوں کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ مشترکہ ہے۔کیونکہ اس میں کئی قسم کے بھائی ہیں۔اور ماں اور دادی کا مسئلہ بھی ہے۔اس لئے اس مسئلے کو مشترکہ کہتے ہیں۔مسئلے کی تشریح اس طرح ہے۔عورت نے (۱) شوہر، (۲) ماں (۳) ماں شریک کئی بھائی (۴) اور ماں باپ شریک بھائی چھوڑے۔ایسی صورت میں آیت قرآن کے مطابق شوہر کو آدھا ملے گا۔کیونکہ میت کی اولاد نہیں ہے۔**ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لهن ولد** (الف) (آیت ۱۲، سورة النساء ۴) اور ماں کے لئے چھٹا ہوگا۔آیت میں ہے۔**فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان کان له اخوة فلامه السدس** (ب) (آیت ۱۱، سورة النساء ۴) یہاں کئی بھائی ہیں اس لئے ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔اور ماں شریک کئی بھائیوں کو تہائی ملے گی۔کیونکہ آیت میں ہے۔**وان کان رجل یورث کلالة او امرأة وله اخ او اخت فلکل واحد منهما السدس فان کانوا اکثر من ذلک فهم شرکاء فی الثلث** (ج) (آیت ۱۲، سورة النساء ۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ ماں شریک بھائی یا بہن ہوں تو ان کو پورے مال کی تہائی ملے گی۔اس اعتبار سے سب حصے پورے ہو گئے اور حقیقی بھائیوں کو بطور عصبہ دینے کے لئے کچھ نہیں رہا اس لئے وہ محروم ہوں گے۔کیونکہ شوہر کو آدھا 50 ملا۔ماں کو چھٹا 16.66 ملا۔اور ماں شریک بھائیوں کو تہائی 33.33 ملا۔سب مل کر سو 100 ہو گیا۔

حاشیہ : (الف) تمہارے لئے آدھا ہے اس میں سے جو تمہاری بیویوں نے چھوڑا۔اگر ان کی اولاد نہ ہو (ب) اگر لڑکے کو اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوں تو اس کی ماں کے لئے تہائی ہے۔اور اگر میت کو بھائی ہو تو ماں کے لئے چھٹا ہے (ج) اگر مرد اور عورت کلالہ ہو اور ان کے بھائی بہن ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا ملے گا۔اور ان سے زیادہ ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہوں گے۔

وام فللزوج النصف وللام السدس ولاولاد الام الثلث ولا شیء للاخوۃ للاب والام.

ترجمہ یہاں ماں باپ شریک بھائی اگر چہ میت کے بہت قریب ہیں۔لیکن وہ عصبہ ہیں اس لئے حصے داروں کے حصے کے بعد بچے گا تب لیں گے۔اور یہاں کچھ بچا نہیں اس لئے ان کو کچھ نہیں ملے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابراھیم قال کان عبد اللہ وعمر یشرکان قال وکان علیؓ لا یشرک قال ابوبکرؓ وھذہ من ستۃ اسھم للزوج النصف ثلاثۃ اسھم وللام السدس وللاخوۃ من الام الثلث وھو سھمان (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۷،فی زوج وام واخوۃ واخوات لاب وابن واخوۃ لام من شرک بینھم ،ج سادس،ص ۲۴۹،نمبر ۳۱۰۹۶) اس اثر میں ہے کہ مسئلہ چھ سے بنائیں۔اس میں سے آدھا تین حصے شوہر کو دیں۔اور چھٹا حصہ یعنی چھ میں سے ایک حصہ ماں کو دیں۔اور ایک تہائی یعنی چھ میں سے دو حصے ماں شریک بھائیوں کو دیں۔اس سے چھ حصے پورے ہو گئے۔اس لئے ماں باپ شریک بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

شوہر	ماں	کئی اخیافی بھائی	کئی حقیقی بھائی
50	16.66	33.33	×

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ماں باپ شریک بھائی ماں شریک بھائی سے زیادہ قریب ہیں اس لئے جب ماں شریک بھائی کو حصہ ملا تو ان کو بھی اس کی تہائی میں شریک کرنا چاہئے۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن شریح ومسروق انھما شرکا الا خوۃ من الاب والام مع الاخوۃ من الام. اور دوسری روایت میں ہے۔ان عثمانؓ شرک بینھم (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۔۱۷فی زوج وام واخوۃ واخوات لاب وابن واخوۃ لام من شرک بینھم ،ج سادس،ص ۲۴۹،نمبر ۳۱۰۹۲/ ۳۱۰۹۱/ سنن الدارمی ،باب فی مشرکۃ ،ج ثانی ،ص ۴۴۶،نمبر ۲۸۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حقیقی بھائی ماں شریک بھائی کے حصے میں شریک ہوں گے۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

شوہر	دادی	کئی اخیافی بھائی	کئی حقیقی بھائی
50	16.66	33.33	33.33
		16.66	16.66

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ عبد اللہ اور حضرت عمرؓ حقیقی بھائی کو ماں شریک بھائی کے حصے میں شریک کرتے تھے۔اور حضرت علیؓ شریک نہیں کرتے تھے۔حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا یہ مسئلہ چھ حصوں سے ہوگا۔شوہر کے لئے آدھا جو تین حصے ہوئے۔اور ماں کے لئے چھٹا اور ماں شریک بھائیوں کے لئے تہائی جو چھ میں سے دو حصے ہوں گے (اور حقیقی بھائیوں کے لئے کچھ نہیں بچے گا) (ب) حضرت شریح اور مسروق حقیقی بھائیوں کو ماں شریک بھائیوں کے ساتھ (باقی اگلے صفحہ پر)

اس مسئلے میں اخیافی بھائیوں کو جو تہائی 33.33 ملی تھی اس میں سے آدھا حقیقی بھائی کو دیا۔ جس کی وجہ سے دونوں کو 16.66 اور اخیافی بھائیوں کو 16.66 مل گیا۔

لغت المشترکۃ : اس مسئلے کو مشترکہ مسئلہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ حقیقی بھائی انکار کر دیئے جاتے ہیں اور کبھی شریک کئے جاتے ہیں۔ ایک عبارت میں المشترکہ ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بعض حجرات نے حقیقی بھائی کو ماں شریک بھائی کے حصے میں شریک فرمایا اور بعض حضرات نے شریک نہیں فرمایا۔

(حجب نقصان ایک نظر میں اور حجب حرمان ایک نظر میں اگلے صفحات پر دیکھئے)

حاشیہ : شریک کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ نے حقیقی بھائی کو ماں شریک بھائی کے ساتھ شریک کیا۔

﴿ حجب نقصان ایک نظر میں ﴾

نمبر شمار	حصہ لینے والا	کس حالت میں کتنا ملے گا	حصہ	حالات
		☆شوہر☆		
(۱)	شوہر کو	اولاد نہ ہو تو ..... آدھا ملے گا	50	
(۲)	شوہر کو	اولاد ہو تو ..... چوتھائی ملے گا	50	
		☆بیوی☆		
(۳)	بیوی کو	اولاد نہ ہو تو ..... چوتھائی ملے گی	25	
(۴)	بیوی کو	اولاد ہو تو ..... آٹھواں ملے گا	12.5	
		☆ماں☆		
(۵)	ماں کو	اولاد، پوتا اور دو بھائی نہ ہوں تو ..... تہائی	33.33	
(۶)	ماں کو	اولاد ہو تو ..... چھٹا ملے گا	16.66	
(۷)	ماں کو	پوتا، پوتی ہوں تو ..... چھٹا ملے گا	16.66	
(۸)	ماں کو	بھائی، بہن ہوں تو ..... چھٹا ملے گا	16.66	
		☆پوتی☆		
(۹)	پوتی کو	صلبی بیٹی نہ ہو تو ..... آدھا ملے گا	50	
(۱۰)	پوتی کو	ایک صلبی بیٹی ہو تو ..... چھٹا ملے گا	16.66	دو تہائی پوری کرنے کے لئے
(۱۱)	پوتی کو	دو بیٹیاں ہوں تو ..... کچھ نہیں ملے گا	×××	
(۱۲)	پوتی کو	پوتا ساتھ ہو تو ..... عصبہ بنے گی	33.33	باقی کی تہائی
		☆باپ شریک بہن☆		
(۱۳)	ایک باپ شریک بہن کو	ماں باپ شریک بہن نہ ہو تو ..... آدھا ملے گا	50	
(۱۴)	باپ شریک بہن کو	ماں باپ شریک ایک بہن ہو تو ..... چھٹا ملے گا	16.66	دو تہائی پوری کرنے کے لئے
(۱۵)	باپ شریک بہن کو	ماں باپ شریک دو بہن ہوں تو ..... کچھ نہیں ملے گا	×××	
(۱۶)	باپ شریک بہن کو	باپ شریک بہن کے ساتھ بھائی ہو تو ..... عصبہ ہوگی	33.33	باقی کی تہائی

﴿ حجب حرمان ایک نظر میں ﴾

حجب حرمان کی دوقسمیں ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ دوسروں کو محروم کرتے ہیں لیکن خود وراثت سے محروم نہیں ہوتے۔ بلکہ حصے کے طور پر یا عصبہ کے طور پر مل ہی جاتی ہے۔ یہ چھ قسم کے لوگ ہیں (۱) بیٹا (۲) باپ (۳) شوہر (۴) بیٹی (۵) ماں (۶) بیوی۔ یہ دوسروں کو محروم کرتے ہیں لیکن خود عصبہ یا حصے کے طور پر وراثت لے لیتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم وہ لوگ جو ہمیشہ کے لئے وراثت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ پانچ قسم کے لوگ ہیں (۱) کافر (۲) قاتل (۳) غلام (۴) مرتد (۵) اختلاف دارین۔ یہ میت کے مال کے ورث نہیں ہوتے۔

(کسی حال میں محروم نہیں ہوتے)

نمبر شمار	حصے دار	کس طرح ملتا ہے
(۱)	بیٹا	ہمیشہ عصبہ کے طور پر لیتا ہے
(۲)	باپ	حصے کے طور پر، اور کبھی عصبہ کے طور پر
(۳)	شوہر	ہمیشہ حصے کے طور پر، عصبہ کے طور پر نہیں
(۴)	بیٹی	حصے کے طور پر، اور اس کے ساتھ بیٹا ہو تو عصبہ کے طور پر
(۵)	ماں	ہمیشہ حصے کے طور پر
(۶)	بیوی	ہمیشہ حصے کے طور پر

(ہمیشہ محروم ہوتے ہیں)

نمبر شمار	حصے دار	کس طرح ملتا ہے
(۱)	کافر	مسلمان کا وارث نہیں ہوتا
(۲)	قاتل	مقتول کا وارث نہیں ہوتا
(۳)	غلام یا باندی	کسی کے وارث نہیں ہوتے
(۴)	مرتد	کسی کا وارث نہیں ہوتا
(۵)	اختلاف دارین	دار الاسلام والا دار الحرب والے کا وارث نہیں ہوگا

﴿ باب الرد ﴾

[۳۲۲۹](۱) والفاضل عن فرض ذوی السهام اذا لم تکن عصبة مردود علیهم بقدر

﴿ باب الرد ﴾

ضروری نوٹ اس باب میں رد کے علاوہ بھی بہت سے مسائل کا تذکرہ ہے۔اس لئے' باب الرد' ایک جزوی نام ہے۔

رد کا معنی ہے واپس لوٹانا۔ حصے والے حصے لے لیں پھر بھی کچھ حصے باقی رہ جائیں اور لینے والے عصبہ نہ ہوں نہ ذوی الارحام ہوں تو باقی حصوں کو نسبی اور خاندانی حصہ داروں پر ان کے حصے کے مطابق دوبارہ تقسیم کر دیں اس کو رد کرنا کہتے ہیں۔ چونکہ شوہر اور بیوی نسبی رشتہ دار اور حصے دار نہیں ہیں اس لئے ان دونوں کو حصہ لینے کے بعد دوبارہ کچھ نہیں ملے گا۔ جو ان کے سہام ہیں اس پر ہی اکتفاء کریں گے۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابراهیم ان علیا کان یرد علی کل ذی سهم الا الزوج والمرأة (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ،۲۶ فی الرد واختلافهم فیہ، ج سادس، ص ۲۵۵، نمبر ۳۱۱۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیوی اور شوہر کے علاوہ جو نسبی حصے دار ہیں ان کو ان کے حصے کے مطابق مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

[۳۲۲۹] (۱) جو مال بچا ہو حصے والوں کے حصے سے جبکہ عصبہ نہ ہو تو واپس لوٹایا جائے گا حصے والوں پر ان کے حصے کے مطابق سوائے بیوی اور شوہر کے۔

تشریح عصبہ نہ ہو تو جتنے حصے والے ہیں ان پر باقی مال ان کے حصے کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا سوائے بیوی اور شوہر کے۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

شوہر	دو بیٹیاں	بچا ہوا
25	66.66	8.34
بچا ہوا بطور رد ⇄	+ 8.34	
مجموعہ ←	75	

اس مسئلے میں عورت نے شوہر اور دو بیٹیاں چھوڑی۔ شوہر کو اولاد ہونے کی وجہ سے چوتھائی یعنی سو میں سے 25 ملی۔ اور بیٹیوں کو دو تہائی یعنی 66.66 ملی۔ باقی بچ گئے وہ 8.34 حصے باقی بچ گئے وہ دو بیٹیوں کو دے دیا۔ اور شوہر کو نہیں دیا کیونکہ اثر میں اس کو دینے سے ممانعت ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو بچ جائے وہ بیت المال کو دیں۔ واپس حصے والوں پر نہ لوٹائیں۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ قال ابراهیم لم یکن احد من اصحاب النبی ﷺ یرد علی المرأة والزوج شیئا قال وکان زید یعطی کل ذی فرض فریضته ومابقی جعله فی بیت المال (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ،۲۶ فی الرد واختلافهم فیہ، ج سادس، ص ۲۵۶،

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ ہر حصے دار کو دوبارہ بقیہ مال دیتے تھے سوائے شوہر اور بیوی کے (ب) حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے اصحاب (باقی اگلے صفحہ پر)

سهامهم الا علی الزوجین.

نمبر۷ ۳۱۱۶)اس اثر میں ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ باقی مال کو بیت المال میں داخل کرواتے تھے۔ حصے والوں پر واپس نہیں لوٹاتے تھے۔

لغت سہام : سہم کی جمع ہے حصے

﴿ رد کا نیا طریقہ ﴾

کلکیولیٹر سے رد کا طریقہ یہ ہے کہ حصہ لینے والوں نے جتنا حصہ لیا ہے تمام حصوں کے مجموعے کو ملحوظ رکھیں اور اس کے ذریعہ ان حصوں میں تقسیم دیں جو بچ گئے ہیں۔ تقسیم کے بعد جو حاصل تقسیم ہوگا وہ تمام حصہ لینے والوں کا ایک حصہ ہوگا۔ بعد میں اس کے ذریعہ ہر ایک حصوں سے ضرب دے دیں تو سب حصے داروں کو پورا پورا حصہ مل جائے گا۔

نوٹ یاد رہے کہ کلکیولیٹر ایک پیسے کا حساب ہمیشہ چھوڑ دیتا ہے اس لئے اس کو بعد میں پیسہ بڑھا کر سیٹ کر لیا کریں۔

(مثالیں)

جو حصے بچ گئے ہیں ان کو دوبارہ حصے داروں کو کس طرح دیں گے اس کو مثالوں سے سمجھیں۔

[پہلی مثال] مثلا میت نے ماں شریک دو بھائی چھوڑے اور ماں چھوڑی تو ماں شریک دونوں بھائیوں کو ایک تہائی یعنی سو میں سے 33.33 ملے گا۔ اور ماں کو چھٹا حصہ یعنی 16.66 ملے گا۔ اور 50 باقی رہ جائے گا۔

بھائیوں نے 33.33 لیا ہے اور ماں نے 16.66 لیا ہے جن کا مجموعہ 50 ہوا۔ اب اس 50 سے بچے ہوئے 50 میں تقسیم دیں تو حاصل تقسیم '1' ہوگا۔

پھر '1' سے 16.66 میں ضرب دیں تو ماں کو رد کے طور پر دوبارہ 16.66 مل جائے گا اور مجموعہ 33.33 ہو جائے گا۔

اور '1' سے بھائیوں کے حصے 33.33 میں ضرب دیں تو ان کو بھی دوبارہ رد کے طور پر 33.33 مل جائے گا۔ اور ان کو 100 میں سے مجموعہ 66.66 مل جائے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100 — 50÷50=1 (ایک حصہ)

حصوں کا مجموعہ	ماں شریک دو بھائی		ماں	بچا ہوا
50	33.33		16.66	50
بچا ہوا بطور رد ⇇	+33.33	⇇	+16.66	
مجموعہ حصہ ←	66.66	←	33.33	

رد کا طریقہ

ماں کو رد کا ملا 16.66×1 = 16.66

ماں شریک بھائیوں کو رد کا ملا 33.33×1 = 33.33

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) بیوی اور شوہر کو دوبارہ کچھ نہیں دیتے تھے۔ اور حضرت زید ہر حصے دار کو حصہ دے دیتے اور جو باقی بچا اس کو بیت المال میں جمع کر دیتے۔

[دوسری مثال] میت نے ایک بیٹی اور ایک پوتی چھوڑی اس لئے بیٹی کو 100 میں سے آدھا 50 ملے گا۔ اور دو تہائی پوری کرنے کے لئے پوتی کو چھٹا یعنی 100 میں سے 16.66 ملے گا۔ اور تمام حصوں کا مجموعہ 66.66 ہو جائے گا۔

اب 66.66 سے 33.33 میں تقسیم دیں تو ایک حصہ 0.5 نکل آئے گا۔ پھر 0.5 سے پوتی کے حصے 16.66 میں ضرب دیں تو پوتی کو رد میں سے 8.33 مل جائے گا اور مجموعہ 25 ہو جائے گا۔

اسی طرح 0.5 سے بیٹی کے حصے 50 میں ضرب دیں تو 25 ہو جائے گا۔ اور یہ بیٹی کو بطور رد مل جائے گا۔ اور حصہ اور رد ملا کر مجموعہ 75 مل جائے گا۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100 — 33.33÷66.66=0.5 (ایک حصہ)

حصوں کا مجموعہ	ایک بیٹی		پوتی		بچا ہوا
66.66	50		16.66		33.33
بچا ہوا بطور رد	+25	⇄	+8.33	⇄	
مجموعہ	75	←	25	←	

رد کا طریقہ

پوتی کو رد کا ملا	8.33 = 16.66×0.5
ایک بیٹی کو رد کا ملا	25 = 50.00×0.5

[تیسری مثال] میت نے دو بیٹیاں چھوڑی اور ماں چھوڑی۔ اس لئے بیٹیوں کو 100 میں سے دو تہائی 66.66 دیا۔ اور ماں کو چھٹا حصہ 16.66 دیا۔ دونوں حصوں کو ملا کر 83.32 حصے ہوئے۔ اور باقی 16.68 بچا۔

اب 83.32 سے ماں کے 16.66 میں تقسیم دیں تو حاصل تقسیم 0.200 نکلے گا۔

پھر 0.200 کو ماں کے 16.66 میں ضرب دیں تو 3.33 آئے گا جو ماں کو بطور رد ملے گا۔ اور مجموعہ 19.99 یعنی 20 ہو جائے گا۔ اور 0.200 کو بیٹیوں کے حصے 66.66 سے ضرب دیں تو 13.33 آئے گا جو دونوں بیٹیوں کو بطور رد مل جائے گا۔ اور مجموعی حصے 77.99 یعنی 80 ہوں گے۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100 — 16.68÷83.32=0.200 (ایک حصہ)

حصوں کا مجموعہ	دو بیٹیاں		ماں		بچا ہوا
83.32	66.66		16.66		16.68
بچا ہوا بطور رد	+13.33	⇄	+3.33	⇄	
مجموعہ	79.99	←	19.99	←	

[۳۲۳۰](۲) ولایرث القاتل من المقتول[۳۲۳۱](۳) والکفر ملة واحدة یتوارث به اهله.

ماں کورد کاملا	3.33	=	16.66×0.200	ردکاطریقہ
دو بیٹیوں کورد کاملا	13.33	=	66.66×0.200	

نوٹ حساب کلکیولیٹر سے سیٹ کرلیں۔

﴿ محروم کا بیان ﴾

[۳۲۳۰](۲) قاتل مقتول کا وارث نہیں بنے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده قال کان رسول الله ﷺ ... وقال رسول الله ﷺ لیس للقاتل شیء وان لم یکن له وارث فوارثه اقرب الناس الیه ولایرث القاتل شیئا** (الف)(ابوداؤد شریف، باب دیات الاعضاء، ج ۲، ص ۲۷۸، نمبر ۴۵۶۴، کتاب الدیات/ترمذی شریف، باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل، ج ۲، ص ۳۱، نمبر ۲۱۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاتل وارث نہیں ہوگا۔

[۳۲۳۱](۳) ہر قسم کا کفر ایک ملت ہے اس لئے کافر دوسرے کافر کا وارث ہوگا۔

تشریح یہودی کے رشتہ دار یہودی ہو تو وارث ہوگا ہی۔ لیکن یہودی کا رشتہ دار نصرانی یا مجوسی ہو تو وارث ہوگا یا نہیں تو اس بارے میں اختلاف ہے۔ مصنف کی رائے ہے کہ نصرانی یا مجوسی یہودی کا وارث ہوگا۔

وجہ کافر چاہے یہودی ہو یا نصرانی ایک مذہب ہے یعنی کافر ہے۔ اس لئے وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **حدثنا سفیان الاسلام ملة والشرک ملة** (ب)(مصنف ابن ابی شیبة، ۸۸ فی النصرانی یرث الیهودی والیهودی یرث النصرانی، ج سادس، ص ۲۸۸، نمبر ۳۱۴۴۴) اس اثر میں ہے کہ تمام کفر گویا کہ ایک مذہب ہے۔ اس لئے وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

فائدہ بعض ائمہ کی رائے ہے کہ یہودی نصرانی کے اور نصرانی یہودی کے وارث نہیں ہوں گے۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن الحسن قال لایرث الیهودی النصرانی ولا یرث النصرانی الیهودی** (ج)(مصنف ابن ابی شیبة، ۸۸ فی النصرانی یرث الیهودی والیهودی یرث النصرانی، ج سادس، ص ۲۸۷، نمبر ۳۱۴۴۳) اس اثر میں ہے کہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن جابر عن النبی ﷺ قال لایتوارث اهل ملتین** (د)(ترمذی شریف، باب لایتوارث اهل ملتین، ص ۳۱، نمبر ۲۱۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے فرمایا قاتل کے لئے کوئی وراثت نہیں ہے۔ اور اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو قریب کے لوگ اس کے وارث ہوں گے۔ اور قاتل کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا (ب) حضرت سفیان نے فرمایا اسلام الگ دین ہے اور شرک الگ دین ہے (ج) حضرت حسن نے فرمایا یہودی نصرانی کا وارث نہیں ہوگا۔ اور نصرانی یہودی کا وارث نہیں ہوگا (د) حضورؐ نے فرمایا دو دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

[۳۲۳۲] (۴)ولا یرث المسلمُ الکافرَ ولا الکافرُ المسلمَ [۳۲۳۳](۵) ومال المرتد لورثته المسلمین وما اکتسبه فی حال رِدَّتِه فیءٌ [۳۲۳۴] (۶) واذا غرق جماعة او سقطت علیهم حائط فلم یُعلم من مات منهم اوّلا فمال کل واحد منهم للاحیاء من ورثته

[۳۲۳۲] (۴) مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر حدیث گزری کہ دو مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے۔ یہاں تو کفر اور اسلام بالکل الگ الگ مذہب ہے اس لئے کسی حال میں وارث نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ عن اسامة بن زیدؓ ان النبی ﷺ قال لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم (الف) (بخاری شریف، باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم ص ۱۰۰۱، نمبر ۶۷۶۴ ر ابو داؤد شریف، باب ہل یرث المسلم الکافر، ج ۲، ص ۴۷، نمبر ۲۹۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

[۳۲۳۳] (۵) مرتد کا مال اس کے مسلمان ورثہ کا ہوگا۔ اور جو کچھ کمایا مرتد کی حالت میں وہ غنیمت ہے۔

تشریح مرتد چونکہ کافر ہو چکا ہے اس لئے حالت ارتداد میں جو کچھ کمایا اس کا وارث مسلمان نہیں ہو سکتا کیونکہ اوپر گزر چکا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ البتہ اسلام کی حالت میں جو کچھ کمایا اس کا وارث مسلمان ہوگا۔ کیونکہ دونوں کا مذہب ایک ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن علیؓ انه اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیه الاسلام فابی فقتله وجعل میراثة بین ورثته من المسلمین (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۸۰ فی المرتد عن الاسلام، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۳۱۳۷۵ ر مصنف عبد الرزاق، باب میراث المرتد، ج عاشر ص ۳۳۹۔ نمبر ۱۹۲۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرتد کا اسلام کے زمانے میں کمایا ہوا مال مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگا۔ اور کفر کے زمانے کا مال گویا کہ حربی کا مال ہوا اس لئے وہ فی شمار کیا جائے گا۔

[۳۲۳۴] (۶) اگر ایک جماعت ڈوب گئی یا ان پر دیوار گر گئی اور معلوم نہیں ہوا کہ ان میں سے کون پہلے مرا تو ان میں سے ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثہ کے لئے ہوگا۔

تشریح ایک جماعت کے لوگ آپس میں رشتہ دار تھے اور ایک دوسرے کے وارث تھے۔ سبھی کشتی میں ڈوب کر مر گئے۔ یہ معلوم نہیں ہوا کہ کون پہلے مرا اور کون بعد میں۔ تو ایسی صورت میں وہ لوگ آپس میں وارث نہیں ہوں گے۔ بلکہ جو لوگ زندہ ہیں وہ لوگ وارث ہوں گے۔

وجہ عن عمر بن عبد العزیز انه کان یورث الاحیاء من الاموات ولا یورث الغرقی بعضهم من بعض (ج) مصنف ابن ابی شیبة، ۴۷ من قال یرث کل واحد منهم ورثة من الناس ولا یورث بعضهم من بعض، ج سادس، ص ۲۷۸، نمبر ۳۱۳۴۰ ر الدارمی، باب میراث الغرقی، ج ثانی، ص ۳۷۴، نمبر ۳۰۴۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غرق ہونے والے ایک دوسرے کے مالک نہیں ہوں گے بلکہ ان کے بعد جو

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا (ب) حضرت علیؓ کے سامنے مستورد عجلی لایا گیا وہ مرتد ہو گیا تھا۔ پس اس پر اسلام پیش کیا گیا، اس نے انکار کر دیا تو اسکو قتل کر دیا اور اس کی میراث مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم کر دی (ج) عبد العزیز فرماتے ہیں زندہ آدمی مردوں کا وارث ہوگا۔ لیکن ڈوبے ہوئے آدمی بعض بعض کے وارث نہیں ہوں گے۔

[۳۲۳۵](۷) واذا اجتمع فی المجوسی قرابتان لو تفرقت فی شخصین ورث احدھما مع الأخر وُرِّث بھما[۳۲۳۶](۸) ولایرث المجوسی بالانکحۃ الفاسدۃ التی یستحلونھا فی

زندہ ہیں وہ وارث ہوں گے (۲) پتہ بھی نہیں ہے کہ کون پہلے مرا ہے تو کس کو کس کا وارث بنائیں؟

لغت حائط : دیوار

[۳۲۳۵](۷) اگر جمع ہوں مجوسی میں ایسی دو قرابتیں کہ اگر وہ متفرق ہوں دو شخصوں میں تو ایک دوسرے کا وارث ہو، تو وارث ہوگا مجوسی ان میں سے ایک کے ذریعہ سے۔

تشریح اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھ لیں کہ مجوسی اپنی ماں اور بیٹی سے بھی نکاح کرنا جائز سمجھتے ہیں اور نکاح کرتے ہیں۔ اب مثلا ماں سے نکاح کر لیا تو وہ ماں بھی بنی اور بیوی بھی بن گئی۔ اب یہ مجوسی مر گیا تو اس عورت کو ماں کی وراثت دیں یا بیوی ہونے کی وراثت دیں یا دونوں طرح کی وراثتیں دیں۔ تو مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جو حلال طریقہ کی رشتہ داری ہے وہ وراثت ملے گی۔ اس لئے اس عورت کو ماں ہونے کی وراثت ملے گی۔ بیوی ہونے کی وراثت نہیں ملے گی۔ دوسری مثال لے لیں۔ اسی عورت سے مجوسی کی بیٹی پیدا ہوگئی تو یہ بیٹی بھی ہے اور ماں شریک بہن بھی ہے۔ کیونکہ مجوسی کی ماں کی بیٹی ہے۔ اس لئے بیٹی کو کون سی وراثت دیں۔ بیٹی ہونے کی یا ماں شریک بہن ہونے کی یا دونوں کی؟ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہاں بیٹی بننا بھی نکاح فاسد کی وجہ سے ہے اور ماں شریک بہن بننا بھی نکاح فاسد کی وجہ سے ہے اس لئے اس لڑکی کو ایک قرابت کی وراثت دے دو۔ دونوں قرابتوں کی ورثاثت مت دو۔

وجہ کیونکہ اسلامی شریعت کے اعتبار سے اس قسم کی دو قرابتیں نہیں ہو سکتیں۔ ایک قرابت ہو سکتی ہے۔ اس لئے ایک قرابت کی وراثت دو (۲) اثر میں ہے۔ عن الزھری قال یرث بادنی النسبین (الف) (دوسری روایت میں ہے۔ سألت حمادا عن میراث المجوسی قال یرثون من الوجہ الذی یحل (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۳ فی المجوس کیف یرثون مجوسیا مات وترک ابنتہ، ج سادس، ص ۲۸۴، نمبر ۳۱۴۱۲/ ۳۱۴۱۶) اس اثر میں ہے کہ دو قرابتوں میں سے جو قریب تر ہو اس قرابت سے وارث بنے گی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جو قرابت حلال طریقے پر ہو اس قرابت کی وجہ سے وارث بنے گی۔

[۳۲۳۶](۸) مجوسی نہیں وارث ہوگا نکاح فاسد سے جس کو وہ اپنے دین میں حلال سمجھتا ہو۔

تشریح اپنی ماں سے، بیٹی سے، بہن سے نکاح کرنا وہ لوگ حلال سمجھتے ہیں۔ لیکن شریعت میں ماں، بیٹی بہن وغیرہ ذی رحم محرم سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کے ساتھ نکاح کرنے سے وارث نہیں ہوں گے۔ بلکہ حلال عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے وارث ہوں گے۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے۔ سألت حمادا عن میراث المجوسی قال یرثون من الوجہ الذی یحل (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۳ فی

حاشیہ : (الف) حضرت زہریؒ نے فرمایا کہ مجوسی دو نسب میں سے جو قریب کا نسب ہے اس سے وارث ہوگا (ب) میں نے حضرت حماد سے مجوسی کی میراث کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا جس طریقے سے حلال ہے اس نسب سے وارث ہوگا (حرام سے نہیں)

دینھم [۳۲۳۷](۹) وعصبة ولد الزنا وولد الملاعنة مولی امھما [۳۲۳۸](۱۰) ومن مات وترک حملا وُقف مالہ حتی تضع امرأتُہ حملھا فی قول ابی حنیفة رحمہ اللہ

المجوس کیف یرثون مجوسیا مات وترک ابنتہ ،ج سادس ،ص ۲۸۴،نمبر ۳۱۴۱۲/۳۱۴۱۶)اس اثر میں ہے کہ حلال طریقے سے نکاح کیا ہو تو اسی سے وارث ہوں گے ورنہ نہیں۔

[۳۲۳۷](۹)ولد الزنا اور ولد ملاعنہ کا عصبہ ان دونوں کی ماں کے رشتہ دار ہیں۔

تشریح: زنا سے جو بچہ پیدا ہوا ہے شرعی اعتبار سے اس کا باپ نہیں ہے۔یا جس عورت سے باپ نے لعان کر لیا تو اس بچے کا رشتہ باپ سے ختم ہو گیا۔اب وہ باپ ہی نہیں رہا۔اس لئے نہ باپ وارث ہوگا اور نہ باپ کے رشتہ دار وارث ہوں گے۔بلکہ اس کا تعلق ماں کے ساتھ ہو گیا۔اس لئے ماں وارث ہوگی اور ماں کے رشتہ دار وارث ہوں گے۔اور یہ لڑکا ماں کا وارث ہوگا اور ماں کی جانب سے جو رشتہ دار ہیں ان کا وارث ہوگا۔

وجہ: حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**حدثنا مکحول قال جعل رسول اللہ ﷺ میراث ابن الملاعنة لامہ ولورثتھا من بعدھا** (الف)(ابوداؤد شریف،باب میراث ابن الملاعنۃ،ص ۴۷،نمبر ۲۹۰۷)(۲) بخاری میں اس طرح ہے۔**عن ابن عمرؓ ان رجلا لاعن امرأتہ فی زمن النبی ﷺ وانتفی من ولدھا ففرق النبی ﷺ بینھما والحق الولد بالمرأة** (ب)(بخاری شریف،باب میراث الملاعنۃ،ص ۹۹۹،نمبر ۶۷۴۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عورت سے لعان کیا اس عورت کا وہ بچہ باپ کا وارث نہیں ہوگا۔اور نہ باپ اس کا وارث ہوگا۔بلکہ عورت بچے کا وارث ہوگی اور بچہ ماں کا وارث ہوگا۔

اور زنا سے پیدا شدہ بچے کے بارے میں یہ حدیث ہے۔**عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ ﷺ قال ایما رجل عاھر بحرة او امة فالولد ولد زنا لا یرث ولا یورث** (ج)(ترمذی شریف،باب ماجاء فی ابطال میراث ولد الزنا،ص ۳۱،نمبر ۲۱۱۳)اس حدیث میں ہے کہ باپ کو نہ لڑکے کی وراثت ملے گی اور نہ لڑکا باپ کا وارث ہوگا۔

لغت: ملاعنۃ : وہ عورت جس نے زنا کی تہمت کی وجہ سے شوہر سے لعان کیا، مولی : آقا،یہاں ماں کے رشتہ دار مراد ہیں۔

[۳۲۳۸](۱۰)کسی کا انتقال ہوا اور حمل چھوڑا تو اس کا مال موقوف رہے گا۔یہاں تک کہ اس کی بیوی حمل جن دے امام ابو حنیفہؒ کے قول میں۔

تشریح: ایک آدمی کا انتقال ہوا اس وقت اس کی بیوی حاملہ تھی۔تو اس حمل کو بھی باپ کی وراثت ملے گی۔اس لئے اگر یہی ایک بچہ ہے تو ابھی وراثت تقسیم نہیں کی جائے گی۔بلکہ وضع حمل کے بعد وراثت تقسیم ہوگی۔اور اگر دوسری اولاد بھی موجود ہے تو اس حمل کو لڑکا مان کر اس کا حصہ الگ رکھ لیا جائے گا۔کیونکہ لڑکے کا حصہ زیادہ ہوتا ہے اور لڑکی کا کم۔پس اگر لڑکی کا حصہ مان کر باقی مال تقسیم کر دیا جائے اور لڑکا پیدا ہو جائے تو

(الف)حضورؐ نے لعان والی عورت کے بیٹے کی میراث اس کی ماں کے لئے کیا اور جو اس کے بعد ورثہ ہیں ان کے لئے کیا (ب) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضورؐ کے زمانے میں ایک عورت سے لعان کیا اور اس کے بچے کو اپنے سے نفی کی تو حضورؐ نے دونوں کے درمیان تفریق کی اور بچے کو عورت کے ساتھ ملا دیا۔(ج) آپؐ نے فرمایا کسی مرد نے آزاد یا باندی کے ساتھ زنا کیا تو بچہ زنا کا ہوگا۔باپ نہ اس کا وارث ہوگا اور نہ وہ باپ کا وارث ہوگا۔

تعالی[۳۲۳۹](۱۱) والجد اولی بالمیراث من الاخوۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی

دوبارہ وارثین سے مال واپس کرنا مشکل ہے۔اس لئے پہلے ہی احتیاط کر کے لڑکے کا حصہ رکھا جائے۔تاکہ وارثین سے مال واپس نہ لینا پڑے۔اور اگر لڑکی پیدا ہوئی تو اس کو حصہ دینے کے بعد جو بچے گا وہ باقی وارثین کو بعد میں دے دیا جائے گا۔حمل وارث ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث گزر چکی ہے۔عن ابی ہریرۃؓ عن النبی ﷺ قال اذا استھل المولود ورث (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی المولود یستھل ثم یموت، ص ۴۹، نمبر ۲۹۲۰/ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ علی الطفل، ص ۲۱۵، نمبر ۱۵۰۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ زندہ پیدا ہو تو وہ وارث ہوگا۔اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حمل ٹھہرنے کے بعد کوئی مرجائے تو اس کی وراثت حمل کو ملے گی اور اس کے لئے الگ کر کے مال رکھا جائیگا۔

[۳۲۳۹](۱۱)دادا زیادہ حقدار ہے میراث کا بھائیوں سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ بھائیوں کے برابر پائے گا۔مگر یہ کہ اس کو تقسیم کرنے میں تہائی سے کم پہنچے۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دادا بھائیوں سے مقدم ہے اس لئے پہلے ان کو دیا جائے گا۔اس سے بچے گا تب بھائیوں کو دیا جائے گا۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب سہام کے بعد جو مال بچا اس میں دونوں کو آدھا آدھا دیا جائے۔البتہ اگر آدھا آدھا دینے میں دادا کو تہائی سے کم ملے تو دادا کو پہلے تہائی دی جائے گی پھر جو بچے گا وہ بھائی کو دیا جائے گا۔

وجہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ اثر ہے۔وقال ابو بکر وابن عباس وابن الزبیر الجد اب وقرأ ابن عباس یا بنی آدم (آیت ۲۶، سورۃ الاعراف ۷)واتبعت ملۃ آباء ی ابراھیم واسحاق ویعقوب (ب)(آیت ۳۸، سورۃ یوسف ۱۲)(بخاری شریف، باب میراث الجد مع الاب والاخوۃ، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۷)اس اثر میں ہے کہ دادا کو باپ قرار دیا کیونکہ آیت میں بھی حضرت یعقوبؑ کو باپ کہا حالانکہ وہ دادا ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ دادا باپ کے درجے میں ہیں۔اور باپ سے بھائی ساقط ہوتا ہے۔اس لئے دادا سے بھی بھائی ساقط ہوگا(۲)حدیث میں دادا کی اہمیت ہے۔عن عمران بن حصین ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال ان ابن ابنی مات فمالی من میراثہ ؟ قال لک السدس فلما ادبر دعاہ فقال لک سدس آخر فلما ادبر دعاہ فقال ان السدس الآخر طعمۃ (ج)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی میراث الجد، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۶)اس حدیث میں دادا کو حصہ بھی دیا اور عصبہ کے طور پر بھی چھٹا حصہ دیا اس لئے بھائی کے مقابلے میں دادا کی اہمیت ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ اثر ہے۔عن الزھری قال کان عمر بن الخطابؓ یشرک بین الجد والاخ اذا لم یکن غیرھما ویجعل

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اگر بچہ روئے تو وہ وارث ہوگا(ب)حضرت ابو بکرؓ اور ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ نے فرمایا کہ دادا باپ کی جگہ پر ہے۔پھر دلیل کے لئے حضرت ابن عباسؓ نے آیت یا بنی آدم اور آیت واتبعت ملۃ آبائی ابراھیم واسحاق ویعقوب پڑھی(ج)حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے پوتے کا انتقال ہوا تو مجھے اس کی میراث سے کیا ملے گی؟ فرمایا تمہارے لئے چھٹا ہے۔واپس لوٹا تو اس کو بلایا اور کہا تمہارے لئے دوسرا چھٹا بھی ہے۔پھر واپس لوٹا تو اس کو بلایا اور کہا یہ دوسرا چھٹا عصبہ کے طور پر کھانے کے لئے ہے۔

وقال ابو یوسف ومحمد رحمهما الله تعالی یقاسمهم الا ان تنقصه المقاسمة من الثلث[۳۲۴۰](۱۲) واذا اجتمع الجدات فالسدس لاقربهن.

له الثلث مع الاخوين وما كانت المقاسمة خير له قاسم ولا ينقص من السدس فى جميع المال (الف) دوسری روایت میں ہے۔وحضرت الخليفتين قبلك ،يريد عمر و عثمان يقضيان للجد مع الاخ الواحد النصف ومع الاثنين الثلث فاذا كانوا اكثر من ذلك لم ينقص من الثلث شيئا (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب فرض الجد، ج عاشر ص ۲۶۶، نمبر ۱۹۰۶۱ر ۱۹۰۶۲) رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۴ اذا ترک اخوۃ وجدا واختلافهم فیہ، ج سادس، ص ۲۶۲، نمبر ۳۱۲۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دادا کو بھائی کا آدھا تقسیم کر کے دیا جائے گا۔البتہ تقسیم کرنے میں تہائی سے کم ہو تو دادا کو تہائی دی جائے گی۔کیونکہ دوسرے اثر میں ہے **لم ینقص من الثلث شیئا** کہ تہائی سے کم نہ کیا جائے۔

لغت یقاسم : باب مفاعلت سے ہے آپس میں تقسیم کرنا۔

[۳۲۴۰] (۱۲) اگر کئی دادیاں جمع ہو جائیں تو چھٹا حصہ ان کے قریب والی کے لئے ہوگی۔

تشریح مثلا دادی بھی ہے اور پردادی بھی ہے نانی بھی ہے اور پرنانی بھی ہے ایسی صورت میں جو دادی یا نانی قریبی ہے اس کو چھٹا حصہ ملے گا اور جو دور کی ہے اس کو نہیں ملے گا۔مثلا دادی ہے اور پرنانی ہے تو دادی کو چھٹا حصہ ملے گا اور پرنانی کو کچھ نہیں ملے گا۔کیونکہ وہ دور کی نانی ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔**عن الحسن انه كان يورث ثلاث جدات ويقول ايتهن كانت اقرب فهو لها دون الاخرى فاذا استوتا فهو بينهما** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۶۲ فی الجدات لم ترث منھن، ج سادس، ص ۲۷۲، نمبر ۳۱۲۷۵ رمصنف عبدالرزاق، باب فرض الجدات، ج عاشر ص ۲۷۶، نمبر ۱۹۰۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو دادی یا نانی قریب ہو اس کو ملے گا۔اور اگر دونوں برابر درجے کے ہوں تو چھٹا حصہ دونوں میں تقسیم ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔**ثم جاء ت الجدة الاخرى الى عمر بن الخطابؓ تسأله ميراثها ... وما انا بزائد فى الفرائض ولكن هو ذلك السدس فان اجتمعتما فيه فهو بينكما وايتكما ماخلت به فهو لها** (د) (ابو داؤد شریف، باب فی الجدة، ص ۴۵،

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ دادا اور بھائی کو شریک کرتے اگر دونوں کے علاوہ نہ ہوتا۔اور دادا کے لئے دو بھائیوں کے ساتھ تہائی ہوتی۔اور اگر تقسیم کرنا بہتر ہوتا تو تقسیم کرتے پھر بھی تمام مال میں چھٹے سے کم نہ کرتے (ب) آپ سے پہلے دو خلیفہ گزرے یعنی حضرت عمرؓ اور عثمانؓ۔دونوں دادا کے لئے ایک بھائی کے ساتھ آدھے کا فیصلہ کرتے تھے اور دو بھائیوں کے ساتھ ایک تہائی کا۔اور اگر اس سے زیادہ بھائی ہوتے تب بھی تہائی سے کم نہیں کرتے (ج) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ تین دادیاں وارث ہو سکتی ہیں۔اور جو بھی میت کے قریب ہو وراثت اس کے لئے ہوگی دوسرے کے لئے نہیں۔اور دونوں دادیاں برابر درجے کی ہوں تو دونوں کے درمیان ہوگی (د) پھر دوسری دادی حضرت عمرؓ کے پاس آکر وراثت مانگنے لگی...فرمایا میں فرائض میں زیادہ کرنے والا نہیں ہوں لیکن یہ چھٹا ہے اگر تم دونوں جمع ہو جاؤ۔

[۳۲۴۱] (۱۳) ویحجب الجدُّ اُمَّہ[۳۲۴۲](۱۴) ولاترث ام اب الام بسھم [۳۲۴۳] (۱۵) وکل جدة تحجب امَّھا.

نمبر۲۸۹۴رترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الجدة ،ص۳۰،نمبر۲۱۰۰)اس اثر میں ہے کہ کئی دادیاں یا کئی نانیاں جمع ہو جائیں تو چھٹا حصہ سب کوتقسیم کردیا جائے گا۔

اصول تمام دادیوں اورنانیوں کے لئے صرف چھٹا حصہ ہی ہے۔

[۳۲۴۱](۱۳)دادااپنی ماں کومجوب کریدے گا۔

تشریح داداموجودہوتواس کی ماں کوکچھ نہیں ملے گا۔

وجہ داداخودعصبہ ہےجس کی وجہ سے وہ تمام مال جمع کر لیتا ہے۔اس لئے اس کے بعدوالےکوکیا ملے گا۔

[۳۲۴۲](۱۴)نہیں وارث ہوگی ماں کے باپ کی ماں کچھ بھی۔

تشریح ماں کے باپ کی ماں، ماں کی دادی ہوئی اور میت کی پرنانی ہوئی۔اس میں نانا ذوی الارحام ہےاوروہ نانا کی ماں ہے۔جب ذوی الارحام عصبہ نہیں ہوتا تواس کی ماں عصبہ کیسے بنے گی اور نہ اس کو کچھ حصہ ملے گا۔

[۳۲۴۳](۱۵)ہردادی اپنی ماں کومجوب کردیتی ہے۔

وجہ دادی ماں کے درجے میں ہے۔اور ماں ہوتو دادی کو یا نانی کو کچھ نہیں ملتا وہ مجوب کردیتی ہے۔اسی طرح دادی اپنی ماں کو مجوب کردیتی ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن ابن بریدة عن ابیہ ان النبی ﷺ جعل للجدة السدس اذا لم تکن دونھا ام (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی الجدة ،ص۴۵،نمبر۲۸۹۵)اس حدیث میں ماں ہوتو دادی کو کچھ نہیں ملتا۔کیونکہ ماں دادی کو مجوب کردیتی ہے۔اسی طرح دادی ہوتو وہ اپنی ماں کومجوب کردیتی ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے دادی کے لئے چھٹا حصہ کیا اگر ماں نہ ہوتو۔

﴿باب ذوی الارحام﴾

[۳۲۴۴](۱)واذا لم يكن للميت عصبةٌ ولا ذوسهم ورثه ذووالارحام وهم عشرة ولد

﴿باب ذوی الارحام﴾

ضروری نوٹ وہ قریبی رشتہ دار جو نہ حصے والے ہوں اور نہ عصبہ ہو کہ حصہ لینے کے بعد یہ تمام مال جمع کر لے ان کو ذوی الارحام کہتے ہیں۔ اگر سہام والے بھی ہوں اور عصبہ بھی نہ ہوں تو مال ذوی الارحام کو دیا جائے گا۔ اسکا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله ان الله بکل شیء علیم** (الف) (آیت ۷۵، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ ذوی الارحام وراثت کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے عصبہ نہ ہو تو بیت المال میں داخل کرنے کے بجائے ذوی الارحام کو دیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن المقدام قال قال رسول الله ﷺ ... والخال وارث من لا وارث له یعقل عنه ویرثه** (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی میراث ذوی الارحام، ص ۳۰، نمبر ۲۸۹۹ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الخال، ص ۳۰، نمبر ۲۱۰۳) اس حدیث میں ہے کہ کوئی وارث نہ ہو تو ماموں وارث ہے۔ اور ماموں ذوی الارحام میں سے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذوی الارحام وارث ہوں گے۔

فائدہ عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے ہے کہ عصبہ نہ ہو تو ذوی الارحام کو نہ دیا جائے بلکہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ ان کا اثر یہ ہے۔ **عن مسروق قال اتیت عبد الله یعنی ابن مسعود فقلت ان رجلا کان فینا نازلا فخرج الی الجبل فمات وترث ثلث مائة درهم فقال عبد الله هل ترک وارثا او لاحد منکم علیه عقد ولاء ؟ قلت لا قال له ههنا ورثة کثیر فجعل ماله فی بیت المال** (ج) (سنن للبیہقی، باب من جعل میراث من لم یدع وارثا ولا مولی فی بیت المال، ج سادس، ص ۳۹۹، نمبر ۱۲۴۰۴ر مصنف ابن ابی شیبۃ، ۶۸ من قال للملاعنۃ الثلث وما بقی فی بیت المال، ج سادس، ص ۲۷۶، نمبر ۳۱۳۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عصبہ نہ ہو تو مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے تا کہ عام مسلمانوں کو مل جائے۔

[۳۲۴۴] (۱) اگر میت کا عصبہ نہ ہو اور نہ ذوی الفروض ہو تو اس کے وارث ہوں گے ذوی الارحام اور وہ دس ہیں۔ (۱) بیٹی کی اولاد (۲) بہن کی اولاد (۳) بھائی کی بیٹی (۴) چچا کی بیٹی (۵) ماموں (۶) خالہ (۷) نانا (۸) اخیافی چچا (۹) پھوپھی (۱۰) اخیافی بھائی کی اولاد۔

تشریح یہ دس قسم کے آدمی ذوی الارحام ہیں جن کو حصے دار اور عصبہ نہ ہونے پر میت کا مال بالترتیب ملتا ہے۔ اس میں پہلا بیٹی کی اولاد ہے جس کو نواسا یا نواسی کہتے ہیں۔ یہ لوگ میت کی اولاد ہے جن کو پہلے دیا جائے گا۔ وہ نہ ہو تو اس کے بعد والے کو ملے گا (۲) اس کے بعد بہن کی

حاشیہ : (الف) ذی رحم بعض بعض سے بہتر ہے اللہ کی کتاب میں یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جس کا وارث نہیں ہے ماموں اس کا وارث ہے۔ ماموں بھانجے کی دیت بھی دے گا اور وارث بھی ہوگا (ج) حضرت مسروق فرماتے ہیں میں عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا اور کہا کہ ایک آدمی ہمارے پاس مہمان آیا وہ پہاڑ کی طرف گیا اور مر گیا اور تین سو درہم چھوڑے۔ حضرت عبداللہ نے پوچھا کوئی وارث چھوڑا؟ یا تمہارا اس پر کوئی عقد ولاء تھا؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہاں اس کے وارث بہت ہیں۔ اس کے مال کو بیت المال میں رکھ دو۔

البنت وولد الاخت وبنت الاخ وبنت العم والخال والخالة وابو الام والعم لام والعمة وولد الاخ من الام[۳۲۴۵](۲) ومن ادلی بهم فاولٰهم من کان من ولد المیت ثم ولد الابوین او احدِهما وهم بنات الاخوۃ واولاد الاخوات ثم ولد ابوی ابویه اواحدهما وهم الاخوال والخالات والعمات[۳۲۴۶](۳) واذا استوی ولد اب فی درجة فاولٰهم من

اولاد ہے جن کو بھانجا یا بھانجی کہتے ہیں۔ یہ باپ ماں کی اولاد ہوئی (۳) تیسرے درجے میں بھائی کی بیٹی ہے جن کو بھتیجی کہتے ہیں۔ یہ بھی ماں باپ کی اولاد ہوئی (۴) چوتھے درجے میں چچا کی بیٹی ہے۔ جس کو چچازاد بہن کہتے ہیں۔ یہ دادا کی اولاد ہوئی (۵) پانچویں درجے میں ماموں ہے۔ یہ ماں کی جانب سے ہوئی جو نانا کی اولاد ہوئی (۶) چھٹے درجے میں خالہ ہے۔ یہ بھی ماں کی جانب سے ہوئی اور نانا کی اولاد ہوئی (۷) ساتویں درجے میں نانا ہے جو ماں کا باپ ہے (۸) آٹھویں درجے میں اخیافی چچا ہے جو باپ کا ماں شریک بھائی ہے (۹) نویں درجے میں پھوپھی ہے جو باپ کی بہن ہے (۱۰) دسویں درجے میں اخیافی بھائی کی اولاد ہے۔ جس کو ماں شریک بھائی کی اولاد یعنی بھتیجا بھتیجی کہتے ہیں۔

وجہ یہ درجے اس لئے متعین کئے گئے ہیں تا کہ قریب والے کو پہلے ملے اور دور والے کو بعد میں ملے (۲) اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ عن علی وزید قالا فی الجدات السهم لذوی القربی منهن (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۶۳ من کان یقول اذا اجتمع الجدات فهو للقربی منهن، ج سادس، ص ۲۷۳، نمبر ۳۱۲۸۷) اس اثر میں ہے کہ جو زیادہ قریب ہو اس کو پہلے دو۔

[۳۲۴۵] (۲) اور جو ان سے متعلق ہوں تو ان میں سے زیادہ بہتر وہ ہے جو میت کی اولاد ہو، پھر وہ جو ماں باپ کی یا ان میں سے ایک کی اولاد ہو۔ اور وہ بھتیجیاں اور بہنوں کی اولاد ہیں، پھر والدین کے والدین کی اولاد یا ان میں سے ایک کی اولاد اور وہ ماموں اور خالائیں اور پھوپھیاں ہیں۔

تشریح اس مسئلے میں ذوی الارحام کی ترتیب بتائی جا رہی ہے کہ ذوی الارحام میں سب سے مقدم وہ ہیں جو میت کی اولاد ہو جیسے نواسا اور نواسی، پھر ماں باپ کی اولاد کی اولاد جیسے بھانجا، بھانجی، یا بھتیجی۔ پھر ماں باپ کے باپ کی اولاد جیسے چچازاد بہن، ماموں، خالہ، پھوپھی۔ ان لوگوں کو اسی ترتیب سے حصے ملیں گے۔

اصول میت کی اولاد کی اولاد (۲) پھر باپ کی اولاد کی اولاد (۳) پھر دادا دادی یا نانا نانی کی اولاد (۴) یا ان کی اولاد کی اولاد ذی رحم کے اعتبار سے مستحق ہوگی۔ اس اصول کی دلیل یہ آیت ہے۔ واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله (ب) (آیت ۷۵، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں بعض ذوی الارحام کو بعض سے اولی بتلایا گیا ہے۔

[۳۲۴۶] (۳) اگر باپ کی اولاد درجے میں برابر ہوں تو ان میں سے اولی وہ ہے جو میت کے زیادہ قریب ہو کسی وارث کے ذریعہ۔ اور قریب

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ اور زیدؓ نے دادیوں کے بارے میں فرمایا ان کا حصہ ان کے قریب کے رشتہ داروں کو ملے گا (ب) ذی رحم بعض بعض سے اولی ہے کتاب اللہ میں۔

ادلی بوارث واقربھم اولی من ابعدھم[۳۲۴۷](۴) وابو الام اولی من ولد الاخ والاخت.

والا مقدم ہوگا بعیدی رشتہ والے سے۔

تشریح باپ کی اولاد میں سے دو ذوی الارحام برابر درجے کے ہیں۔لیکن ایک ذی رحم کسی وارث کی اولاد ہے اور دوسرا ذی رحم وارث کی اولاد نہیں ہے بلکہ اس کے والدین بھی صرف ذی رحم ہیں تو جو وارث کی اولاد ہے وہ مقدم ہوگی۔مثلا ایک چچازاد بہن ہے اور دوسرا پھوپھی زاد بھائی ہے تو میت کے لئے دونوں درجے میں اور رشتے میں برابر ہیں۔لیکن چچا وارث ہے اس لئے اس کی لڑکی چچازاد بہن کو دیا جائے گا اور پھوپھی وارث نہیں ہے اس لئے اس کے لڑکے کو یعنی پھوپھی زاد بھائی کو نہیں ملے گا۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

چچازاد بہن	پھوپھی زاد بھائی
100	×

دوسری مثال یہ ہے : ایک بیٹی کی نواسی ہے اور دوسرے بیٹے کی نواسی ہے۔میت کے لئے دونوں کی رشتہ داری برابر درجے کی ہے۔لیکن بیٹے کی بیٹی یعنی پوتی وارث ہے اس لئے اس کی بیٹی یعنی بیٹے کی نواسی کو دیا جائے گا۔اور بیٹی کی بیٹی وارث نہیں ہے اس لئے اس کی نواسی کو نہیں دیا جائے گا۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

بیٹی کی نواسی	بیٹے کی نواسی
×	100

اس مسئلے میں بیٹی کی نواسی کو کچھ نہیں ملا۔البتہ بیٹے کی نواسی کو بقیہ مال ذوی الارحام کے طور پر دے دیا گیا۔کیونکہ وہ وراثت کی وجہ سے مقدم ہے۔

اصول وراثت والے کی اولاد مقدم ہوگی۔

وجہ اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن زیادہ قال انی لاعلم بما صنع عمر جعل العمة بمنزلة الاب والخالة بمنزلة الام (الف) (مصنف، ۱۹ فی الخالۃ والعمہ من کان یورثھا، ج سادس، ص ۲۵۰، نمبر ۳۱۱۰۵) اس اثر میں پھوپھی کو باپ کے درجے میں اور خالہ کو ماں کے درجے میں کیا۔جس سے معلوم ہوا کہ جو وارث ہے اس کی اولاد مقدم ہوگی۔کیونکہ پھوپھی باپ کے رشتہ میں ہے۔اور خالہ ماں کے رشتے میں ہے۔

[۳۲۴۷](۴) نانا مقدم ہے بھائی کی اولاد سے اور بہن کی اولاد سے۔

تشریح میت کی بھتیجی ہو یا بھانجا اور بھانجی ہو اور نانا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نانا مقدم ہوگا بھتیجی اور بھانجا، بھانجی سے۔

حاشیہ : (الف) حضرت زیاد نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ حضرت عمرؓ نے کیا کیا؟ انہوں نے پھوپھی کو باپ کے درجے میں اور خالہ کو ماں کے درجے میں کیا۔

[۳۲۴۸](۵) والمعتَق احقُّ بالفاضل عن سهم ذوی السهام اذا لم تکن عصبة سواہ

[۳۲۴۹](۶) ومولی الموالاة یرثُ.

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ماں کا باپ ہے جو قریب ہوا۔ اور بھتیجی یا بھانجا اور بھانجی بھائی اور بہن کی اولاد ہے تو یہ کچھ دور ہوئے۔ اس لئے نانا کے مقابلے میں یہ وارث نہیں ہوں گے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ بھتیجی اور بھانجا اور بھانجی نانا سے مقدم ہے۔

وجہ یہ لوگ صلبی اولاد میں ہیں۔ اور نانا صلبی نہیں ہے بلکہ ماں کا باپ ہے اس لئے صلبی اولاد نانا سے بہتر ہوگی۔

اصول صلبی اولاد ذوی الارحام سے بہتر ہے۔

[۳۲۴۸](۵) آزاد کرنے والا زیادہ حقدار ہے بچے ہوئے مال کا ذوی الفروض سے جبکہ اس کے علاوہ کوئی عصبہ نہ ہو۔

تشریح آزاد شدہ غلام مرا۔ اس نے حصے والوں کو چھوڑا اور عصبہ کے طور پر آزاد کرنے والے آقا کو چھوڑا۔ آقا کے علاوہ کوئی قریب کا عصبہ نہیں تھا۔ ایسی صورت میں حصے والوں کے لینے کے بعد جو مال بچا وہ آزاد کرنے والے آقا کو ملے گا۔ یہ مال دوبارہ حصے والوں پر واپس نہیں لوٹایا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ ولاء یعنی آزاد شدہ غلام کی وراثت آقا کو ملے گی۔ عن عائشةؓ قالت اشتریت بریرة فقال النبی ﷺ اشتریها فان الولاء لمن اعتق (الف) (بخاری شریف، باب الولاء لمن اعتق ومیراث اللقیط، ص ۹۹۹، نمبر ۶۷۵۱) اس حدیث میں ہے کہ آزاد کرنے والے کو ولاء ملے گی۔ اس لئے حصہ لینے والوں کے بعد کوئی عصبہ نہیں ہے تو آزاد کرنے والے آقا کو بقیہ مال بطور عصبہ ملیگا۔

لغت سھم ذوی السھام: حصے والے کا حصہ۔

[۳۲۴۹](۶) مولی موالات وارث ہوتا ہے۔

تشریح ایک آدمی کسی آدمی کے ہاتھ پر اسلام لائے اور یوں کہے کہ آج سے آپ میرے وارث ہیں۔ اگر میں مرگیا تو آپ میری وراثت لیں گے۔ اور اگر میں نے کوئی جنایت کی یا قتل کیا تو آپ میری دیت ادا کریں گے۔ اس کو مولی موالات کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کوئی اور وارث نہ ہو تو مولی موالات کو وراثت ملے گی۔ مال بیت المال میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

وجہ اگر حصے دار موجود ہو یا عصبہ ہو یا مولی عتاقہ موجود ہو تب تو مولی موالات کو نہیں ملے گا۔ اور یہ لوگ نہ ہوں تب مولی موالات کو ملے گا۔ آیت میں ہے واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله (آیت ۷۵، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے ذوی الارحام بعض بعض سے بہتر ہے کا حکم ہے۔ اس لئے ذوی الارحام بھی موجود ہو تو مولی موالات کو نہیں ملے گا۔ کیونکہ یہ لوگ نسبی طور پر وارث ہیں۔ اور مولی موالات عقد کرنے کی وجہ سے وارث ہیں (۲) ذوی الارحام نہ ہوں تو مولی موالات کو وراثت ملے گی اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ ولکل

حاشیہ: (الف) حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے بریرہ کو خرید ا تو حضورؐ نے فرمایا اس کو خریدلو، ولاء اس کو ملے گا جس نے آزاد کیا۔

[۳۲۵۰](۷) واذا ترک المعتَقُ اب مولاہ وابن مولاہ فمالُہ للابن عندھما وقال

جعلنا موالی مماترک الوالدان والاقربون والذین عقدت ایمانکم فأتوھم نصیبھم (الف) آیت ۳۳،سورۃ النساء۴)اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس سے عہد و پیمان کیا اس کو اس کا حصہ دو یعنی وارث نہ ہونے پر وہ وارث ہوگا (۳) حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے۔عن تمیم الداری انہ قال یا رسول اللہ ! ماالسنۃ فی الرجل یسلم علی یدی الرجل من المسلمین ؟ قال ھو اولی الناس بمحیاہ ومماتہ (ب)(ابوداؤد شریف، باب الرجل یسلم علی یدی الرجل، ص ۴۸، نمبر ۲۹۱۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الرجل الذی یسلم علی یدی الرجل، ص ۳۱، نمبر ۲۱۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مولی موالات زندگی اور موت میں زیادہ بہتر ہے یعنی آخیر میں اس کو وراثت ملے گی (۴) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ ان عمر بن الخطابؓ قال اذا والی رجل رجلا فلہ میراثہ وعلیہ عقلہ (ج) مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۹ فی الرجل یسلم علی یدی رجل ثم یموت من قال یرثہ، ج سادس، ص ۲۹۹، نمبر ۳۱۵۶۹) اس اثر میں ہے کہ کسی سے موالات کیا تو وہ اس کا وارث ہوگا اور دیت بھی دے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ مولی موالات کو وراثت نہیں دیتے ہیں۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ اوپر کی آیت۔ اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض (د) آیت ۷۵،سورۃ الانفال ۸) کی وجہ سے آیت۔ والذین عقدت ایمانکم فأتوھم نصیبھم (ہ)(آیت ۳۳،سورۃ النساء۴) منسوخ ہے۔اس لئے حصے دار ذوی الارحام اور مولی عتاقہ نہ بھی ہو تب بھی مولی موالات کو نہیں ملے گا۔ بلکہ مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الحسن قال میراثہ للمسلمین وعقلہ علیھم (و)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۱۰ من قال اذا اسلم علی یدیہ فلیس لہ من میراثہ شیء، ج سادس، ص ۳۰۰، نمبر ۳۱۵۷۶) اس اثر میں ہے کہ اس کی وراثت عام مسلمانوں کو ملے گی یعنی بیت المال میں داخل ہوگی۔

[۳۲۵۰](۷) اگر چھوڑا آزاد شدہ غلام نے اپنے آقا کے باپ کو اور اس کے بیٹے کو تو اس کا مال بیٹے کا ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا چھٹا حصہ باپ کے لئے اور باقی بیٹے کے لئے۔

تشریح آزاد شدہ غلام مرا۔اس کا کوئی نسبی وارث نہیں تھا، آقا بھی زندہ نہیں تھا بلکہ آقا کا باپ اور بیٹا تھا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ باپ کو نہیں ملے گا۔سب مال بیٹے کو مل جائے گا۔

وجہ آزاد شدہ غلام کا مال عصبہ کے طور پر ملتا ہے اور وارثین میں بھی عصبہ کے طور پر تقسیم ہوتا ہے۔اور بیٹا پہلا عصبہ ہے اس کے بعد باپ کا نمبر ہے۔اس لئے بیٹے کی موجودگی میں باپ کو کچھ نہیں ملے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔وقال زید بن ثابت المال للابن ولیس

حاشیہ : (الف) ہر ایک کے لئے ہم نے مولی بنایا، جو کچھ چھوڑا والدین اور رشتہ داروں نے اور جن لوگوں سے قسم کا عقد باندھا ان کو ان کا حصہ دو (ب) حضرت تمیم داری نے کہا کوئی آدمی کسی مسلمان آدمی کے ہاتھ پر مسلمان ہو تو اسمیں سنت کیا ہے؟ تو فرمایا زندگی اور موت میں وہ لوگوں سے زیادہ بہتر ہے (ج) حضرت عمر نے فرمایا کوئی آدمی کسی آدمی سے موالات کرے تو اس کے لئے اس کی میراث بھی ہے اور اس پر دیت بھی لازم ہے (د) ذی رحم بعض بعض سے زیادہ بہتر ہے (ہ) جن لوگوں نے قسم کا عقد باندھا ان کو ان کا حصہ دو (و) حضرت حسن فرماتے ہیں اسکی میراث مسلمانوں کے لئے ہے اور انہیں مسلمانوں پر اس کی دیت ہے۔

ابویوسف رحمہ اللہ تعالی للاب السدس والباقی للابن[۳۲۵۱](۸) فان ترک جد مولاہ واخا مولاہ فالمالُ للجد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقال ابو یوسف و محمد

للاب شیء (الف) دوسری روایت میں ہے۔عن الحسن قال ھو للابن (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۰۱ رجل مات وترک ابنہ واباہ ومولاہ،ثم مات المولی وترک مالا، ج سادس، ص ۲۹۴، نمبر ۳۱۵۱۱ /۳۱۵۱۳) اس اثر میں ہے کہ وراثت بیٹے کودی جائے گی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ چھٹا حصہ باپ کو دیا جائے گا اور باقی 83.33 بیٹے کو دیا جائے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ عصبہ تو بیٹا بھی ہے اور باپ بھی ہے۔البتہ باپ بیٹے کے بعد ہے۔اس لئے جب دونوں جمع ہوئے تو عام وراثت کی طرح بیٹے کی موجودگی میں باپ کو چھٹا حصہ دیا جائے گا اور باقی بیٹے کو ملے گا۔(۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن قتادۃ عن شریح و زید بن ثابت فی رجل مات وترک ابنہ واباہ ومولاہ ثم مات المولی وترک مالا فقال شریح لابیہ السدس وما بقی فللابن (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۰۱ رجل مات وترک ابنہ واباہ ومولاہ ثم مات المولی وترک مالا، ج سادس، ص ۲۹۴، نمبر ۳۱۵۱۱) اس اثر میں ہے کہ باپ کو چھٹا حصہ ملے گا باقی بیٹے کے لئے ہوگا۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

باپ	بیٹا
16.66	83.33

اس مسئلے میں چھٹا حصہ یعنی 16.66 باپ کو دیا۔باقی پانچ سدس یعنی 83.33 بیٹے کو دیا۔

[۳۲۵۱] (۸) اگر آزاد شدہ غلام نے آزاد کرنے والے کا دادا اور بھائی چھوڑا تو کل مال دادا کے لئے ہوگا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا وہ دونوں کے درمیان ہوگا۔

تشریح آزاد شدہ غلام نے آقا کے دادا کو اور اس کے بھائی کو چھوڑا تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سارا مال دادا کے لئے ہوگا اور آقا کا بھائی محروم ہوگا۔

وجہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اثر میں یہ ہے۔عن الزھری فی رجل ترث جدہ واخاہ قال الولاء للجد لانہ ینسب الی الجد ولا ینسب الی الاخ (د) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۰۱ فی رجل مات وترک مولی لہ وجدہ واخاہ لمن الولاء، ج سادس، ص ۲۹۵، نمبر ۳۱۵۲۵) اس اثر میں ہے کہ مال دادا کو ملے گا۔کیونکہ آقا دادا کی طرف منسوب ہوتا ہے بھائی کی طرف منسوب نہیں ہوتا (۲) یوں بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

حاشیہ : (الف) زید بن ثابتؓ نے فرمایا مال بیٹے کا ہوگا، باپ کے لئے کچھ نہیں ہے (ب) حضرت حسن نے فرمایا مال بیٹے کے لئے ہوگا (ج) حضرت شریح نے فرمایا کوئی آدمی مرجائے اور بیٹا اور باپ اور آزاد شدہ غلام چھوڑے پھر یہ آزاد شدہ غلام مرجائے اور مال چھوڑے؟ تو حضرت شریح نے فرمایا باپ کے لئے چھٹا حصہ ہے اور باقی پانچ حصے بیٹے کے لئے ہے (د) حضرت زہری نے فرمایا کوئی آدمی دادا چھوڑے اور بھائی چھوڑے تو فرمایا ولاء دادا کے لئے ہے۔اس لئے کہ آدمی دادا کی طرف منسوب ہوتا ہے بھائی کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔

رحمهما الله تعالیٰ هو بینهما[۳۲۵۲](۹) ولا یباع الولاء ولایوهب.

دادا کی موجودگی میں بھائی کو وراثت نہیں ملتی ہے۔

فائدہ امام صاحبینؒ کے نزدیک دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن عطاء فی رجل مات وترک مولی له وجده واخاه لمن ولاء مولاه ؟قال عطاء الولاء بینهما نصفین** (الف)(مصنف ابن ابی شیبة، ۱۰۱فی رجل مات وترک مولی له وجده واخاه لمن الولاء، ج سادس،ص ۲۹۵،نمبر ۳۱۵۲۳)اس اثر میں ہے کہ ولاء دادا اور بھائی دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا(۲)صاحبینؒ کا قاعدہ یہ تھا کہ دادا اور بھائی دونوں شریک ہوں گے اس لئے یہاں بھی دونوں شریک ہوں گے۔

[۳۲۵۲](۹)ولاء نہ بیچا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال نهی رسول الله ﷺ عن بیع الولاء و عن هبته** (ب)ابوداؤد شریف، باب فی بیع الولاء،ص ۴۸،نمبر ۲۹۱۹)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ولاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(ذوی الارحام ایک نظر میں اگلے صفحہ پر دیکھئے)

حاشیہ : (الف) حضرت عطاء نے فرمایا ایک آدمی مرا اور اپنا آزاد شدہ غلام اور دادا اور بھائی چھوڑا تو ولاء کس کے لئے ہوگا؟ فرمایا ولاء دادا اور بھائی کے درمیان آدھا آدھا ہوگا(ب) آپؐ نے ولاء کے بیچنے اور اس کو ہبہ کرنے سے منع فرمایا۔

﴿ ذوی الارحام ایک نظر میں ﴾

(ان لوگوں کو نمبر کی ترتیب سے وراثت ملے گی)

نمبر شمار	عربی کا ترجمہ	اردو	میت کی نسبت
(۱)	بیٹی کی اولاد	نواسا، نواسی	میت کی اولاد
(۲)	بہن کی اولاد	بھانجا، بھانجی	باپ کی اولاد کی اولاد
(۳)	بھائی کی بیٹی	بھتیجی	باپ کی اولاد کی اولاد
(۴)	چچا کی بیٹی	چچازاد بہن	باپ کے باپ کی اولاد
(۵)	ماموں	ماموں	ماں کے باپ کی اولاد
(۶)	خالہ	خالہ	ماں کے باپ کی اولاد
(۷)	نانا	نانا	ماں کا باپ
(۸)	اخیافی چچا	ماں شریک چچا	باپ کی ماں کی اولاد
(۹)	پھوپھی	پھوپھی	باپ کی اولاد
(۱۰)	اخیافی بھائی کی اولاد	ماں شریک بھتیجا، بھتیجی	ماں کی اولاد

﴿باب حساب الفرائض﴾

[۳۲۵۳](ا)اذا کان فی المسئلة نصف و نصف او نصف و مابقی فاصلها من اثنین.

﴿باب حساب الفرائض﴾

ضروری نوٹ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ پرانے حساب میں پوائنٹ نہیں ناپ سکتے تھے اس لئے اصل مسئلہ میں ضرب دے کر عدد صحیح نکالتے تھے۔ پھر ورثہ پر تقسیم کرتے تھے۔ لیکن اس وقت کلکیو لیٹر ہمیشہ کسر کا حساب کرتا ہے جس کو انگریزی میں پوائنٹ کہتے ہیں اور اردو میں عشاریہ کہتے ہیں۔ اس لئے حساب الفرائض میں کلکیو لیٹر کا حساب دیا جائے گا۔ اور پرانا حساب بھی دیا جاتا ہے تاکہ دونوں حساب سمجھنے میں آسانی ہو۔ نیا حساب ہمیشہ 100 سے کیا جاتا ہے۔

(حصوں کی تعداد ایک نظر میں)

نمبر شمار	عربی حصے	اردو	سو	تقسیم	برابر	فیصد	بٹے کا حساب
(۱)	نصف	آدھا	100	÷ 2	=	50	½
(۲)	ربع	چوتھائی	100	÷ 4	=	25	¼
(۳)	ثمن	آٹھواں	100	÷ 8	=	12.5	⅛
(۴)	ثلثان	دو تہائی	100	÷ 3 × 2	=	66.66	⅔
(۵)	ثلث	ایک تہائی	100	÷ 3	=	33.33	⅓
(۶)	سدس	چھٹا	100	÷ 6	=	16.66	⅙

[۳۲۵۳](ا) جب مسئلہ میں دو نصف ہوں یا ایک نصف اور ماقی ہو تو اصل مسئلہ دو سے ہوگا۔

تشریح دو آدمیوں کو آدھا آدھا ملتا ہو تو اصل مسئلہ دو سے ہوگا۔ مثلا عورت نے شوہر اور اپنی بہن چھوڑی تو شوہر کو آدھا ملے گا اور بہن کے لئے بھی آدھا ہوگا۔ اور مسئلہ دو سے چلے گا۔ اور دونوں کو آدھا آدھا یعنی ایک ایک دے دیا جائے گا۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 2

شوہر	بہن
1	1

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

[۳۲۵۴](۲) وان کان فیھا ثلث ومابقی او ثلثان ومابقی فاصلھا من ثلثة

میت 100

شوہر	بہن
50	50

اس مسئلے میں شوہر کو سو کا آدھا یعنی 50 اور بہن کو بھی حصے کے اعتبار سے 100 کا آدھا یعنی 50 دے دیا گیا۔

نصف ومـا بقی کی صورت یہ ہے۔ مثلا عورت نے شوہر چھوڑا تو اس کو بطور حصے کے آدھا دے دیا جائے اور جو باقی رہے اس کو بطور عصبہ کے چچا کو دے دیا جائے۔

مسئلہ اس طرح بنے گا،

میت 2

شوہر	چچا
1	1

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

شوہر	چچا
50	50

[۳۲۵۴](۲) اور اگر مسئلے میں تہائی اور مابقی ہو یا دو تہائی اور مابقی ہو تو اصل مسئلہ تین سے ہوگا۔

تشریح مثلا عورت نے ماں اور چچا چھوڑا تو ماں کو ایک تہائی بطور حصہ ملے گی اور باقی دو تہائی چچا کو بطور عصبہ ملے گی۔ اس صورت میں مسئلہ تین سے چلے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 3

ماں	چچا
1	2

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

ماں	چچا
33.33	66.66

اس مسئلے میں ماں کو ایک تہائی بطور حصے کے دی جو سو میں سے 33.33 ہوتا ہے۔ اور باقی دو تہائی یعنی 66.66 بطور عصبہ چچا کو دی گئی۔

دو تہائی و ماقبی کی صورت یہ ہے۔ مثلا میت نے دو بیٹی چھوڑی تو اس کو دو تہائی ملے گی۔ اور ایک تہائی جو بچی و چچا کو بطور عصبہ ملے گی۔

[۳۲۵۵](۳) وان كان فيها ربع ومابقى او ربع ونصف فاصلها من اربعة

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 3

دو بیٹیاں	چچا
2	1

کلکو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

دو بیٹیاں	چچا
66.66	33.33

اس مسئلے میں دو بیٹیوں کو تہائی یعنی سو میں سے 66.66 بطور سہام دیا گیا۔ اور باقی ایک تہائی یعنی سو میں سے 33.33 بطور عصبہ چچا کو دیا گیا۔

[۳۲۵۵] (۳) اور اگر اس میں چوتھائی اور مابقی ہو یا چوتھائی اور نصف ہو تو اس صورت میں مسئلہ چار سے ہوگا۔

تشریح مثلا بیوی اور دادا چھوڑا تو بیوی کو چوتھائی ملے گی اور دادا کو مابقی تین چوتھائی بطور عصبہ ملے گی۔ اس لئے مسئلہ چار سے ہوگا۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4

بیوی	دادا
1	3

کلکو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	دادا
25	75

اس مسئلے میں بیوی کو چوتھائی یعنی سو میں سے 25 دیا۔ اور باقی تین چوتھائی یعنی سو میں سے 75 دادا کو بطور عصبہ دیا۔

چوتھائی اور نصف کی صورت یہ ہے۔ عورت نے شوہر اور ایک بیٹی اور چچا چھوڑا۔ چونکہ ایک بیٹی ہے اس لئے اس کو آدھا ملے گا۔ اور اولاد ہونے کی وجہ سے شوہر کو ایک چوتھائی ملے گی۔ اور باقی ایک چوتھائی عصبہ کے طور پر چچا کو ملے گی۔ اور مسئلہ چار سے چلے گا۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4

شوہر	ایک بیٹی	چچا
1	2	1

[۳۲۵۶] (۴) وان كان فيها ثمن ومابقي او ثمن ونصف فاصلها من ثمانية.

کلکیو لیٹر کا مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

شوہر	ایک بیٹی	چچا
25	50	25

اس مسئلے میں سو میں سے چوتھائی یعنی 25 شوہر کو دیا۔ اور آدھا یعنی 50 بیٹی کو دیا۔ اور باقی ایک چوتھائی یعنی 25 چچا کو دے دیا۔

[۳۲۵۶] (۴) اگر مسئلے میں آٹھواں اور مابقی ہو یا آٹھواں اور آدھا ہو تو اصل مسئلہ آٹھ سے ہوگا۔

تشریح مثلا بیوی اور بیٹا چھوڑا تو بیوی کو آٹھواں ملے گا۔ اور باقی سات حصے بیٹے کو بطور عصبہ ملے گا۔ اور اصل مسئلہ آٹھ سے چلے گا۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 8

بیوی	بیٹا
1	7

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	بیٹا
12.5	87.5

اس مسئلے میں بیوی کو آٹھواں یعنی سو میں سے 12.5 ساڑھے بارہ دیا۔ اور باقی سات حصے یعنی سو میں سے 87.5 بیٹا کو بطور عصبہ دیا۔

آٹھواں اور نصف کی صورت یہ ہوگی۔ بیوی اور ایک بیٹی اور چچا چھوڑا تو بیٹی کی وجہ سے بیوی کو آٹھواں ملے گا۔ اور ایک بیٹی ہے اس لئے اس کو آدھا ملے گا اور باقی تین سہام چچا کو بطور عصبہ ملے گا۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 8

بیوی	ایک بیٹی	چچا
1	4	3

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	ایک بیٹی	چچا
12.5	50	37.5

[۳۲۵۷] (۵) وان كان فيها سدس وما بقي او نصف وثلث او نصف وسدس فاصلها من

اس مسئلے میں آٹھواں حصہ یعنی سو میں سے 12.5 بیوی کو دیا۔ اور آدھا یعنی سو میں سے 50 ایک بیٹی کو دیا۔ اور باقی 37.5 چچا کو بطور عصبہ دیا۔

[۳۲۵۷] (۵) (ا) اور اگر اس میں چھٹا اور ما بقی ہو (۲) یا آدھا اور تہائی ہو (۳) یا آدھا اور چھٹا ہو تو اصل مسئلہ چھ سے ہوگا۔ جو عول کرے گا سات سے اور آٹھ سے اور نو سے اور دس سے۔

تشریح اگر لینے والے چھٹا حصہ ہو اور ما بقی ہو تو مسئلہ چھ سے چلے گا۔ بعض مرتبہ لینے والے چھ حصوں کے اندر ہوں گے۔ لیکن بعض مرتبہ لینے والے اتنے ہوں گے کہ ان کے حصوں کو جوڑا جائے تو چھ سے زیادہ ہو جائیں گے۔ اب مسئلہ بنایا چھ سے اور حصے ہو گئے سات تو اصل مسئلہ سے حصے زیادہ ہونے کو عول کہتے ہیں۔ عول کے لغوی معنی ہے مائل ہونا اور ظلم کرنا۔ چونکہ باقی حصہ داروں کو اب نقصان ہوگا اس لئے ایسے مسئلے کا نام عول ہے۔ مصنفؒ اس عبارت میں چھ سے مسئلہ بنا رہے ہیں۔ اور ایک صورت میں سات تک عول ہوتا ہے، دوسری صورت میں آٹھ تک اور تیسری صورت میں نو تک اور چوتھی صورت میں دس تک عول ہوتا ہے۔ سب کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

تین صورتوں میں مسئلہ چھ سے چلے گا : (ا) لینے والے چھٹا ہو اور ما بقی ہو (۲) لینے والے آدھا ہو اور تہائی ہو (۳) لینے والے آدھا ہو اور چھٹا ہو تو مسئلہ چھ سے چلے گا۔

﴿ عول کی شکلیں ﴾

اصل مسئلہ چھ سے چلے اور حصے سات ہو جائیں اس کی صورت یہ ہے۔ میت نے شوہر چھوڑا اور دو حقیقی بہن چھوڑی۔ اس میں شوہر کو آدھا ملے گا کیونکہ اولاد نہیں ہے۔ اور دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی اس لئے مسئلہ چھ سے چلے گا۔ مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 6 عول 7

شوہر	دو ماں باپ شریک بہنیں
3	4

اس میں شوہر کو آدھا تین دے دیا اور دو بہنوں کو دو تہائی چھ میں سے چار دے دیا۔ دونوں کا مجموعہ سات ہو گیا تو گویا کہ عول سات سے ہوا۔

کلکولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 116.66   عول کے بعد ایک حصہ 0.8571 = 116.66 ÷ 100

شوہر	دو ماں باپ شریک بہنیں
50	66.66
42.85	57.13

عول کا طریقہ

دو ماں باپ شریک بہنوں کو عول کے بعد ملا	57.13	=	0.8571	×	66.66
شوہر کو عول کے بعد ملا	42.85	=	0.8571	×	50
مجموعہ........................	99.98				

ستة وتعول الی سبعة وثمانیة وتسعة وعشرة.

اس مسئلے میں شوہر کوسو کا آدھا 50 دے دیا۔ اور دو حقیقی بہنوں کوسو کی دو تہائی 66.66 دیا۔ دونوں کو جوڑیں تو 116.66 ایک سو سولہ پوائنٹ چھیاسٹھ ہو گیا جو سو سے زیادہ ہے۔ اس کو عول کہتے ہیں۔

البتہ ہمیں سو کے اندر ہی حصہ رکھنا ہے اس لئے 116.66 کو 100 میں تقسیم دیا تو 0.8571 ہوا۔ یعنی ایک حصے والے کو اتنا ملے گا۔ اس کو 50 سے ضرب دیا 50 × 0.8571 = 42.85 ہوا۔ یہ اب شوہر کا حصہ ہوا۔ اور 66.66 کو 0.8571 سے ضرب دیا 66.66× 0.8571=57.13 ہوا یہ دو بہنوں کو دیا۔ اور دونوں کا مجموعہ 99.98 ہوا جو سو کے قریب ہے۔ یہ اصل میں سو ہی ہے۔ لیکن کلکیو لیٹر کے حساب میں ایک نئے پیسے کی کمی رہتی ہے۔

نوٹ اب شوہر کو سو درہم میں سے 42.85 درہم، اور بہن کو سو درہم میں سے 57.13 درہم ملے گا۔

وجہ عول ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن ابراھیم عن علی وعبد اللہ وزید انھم اعالوا الفریضہ** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۲ فی الفرایض من قال لاتعول ومن اعالھا، ج سادس، ص ۲۵۸، نمبر ۳۱۱۸۱ رسنن للبیہقی، باب العول فی الفرائض، ج سادس، ص ۴۱۴، نمبر ۱۲۴۵۴) اس اثر میں ہے کہ یہ حضرات عول فرماتے تھے۔

سات تک عول کی دوسری مثال : میت نے شوہر، ایک حقیقی بہن اور ایک باپ شریک بہن چھوڑی۔ چونکہ اولاد نہیں چھوڑی اس لئے شوہر کو آدھا ملیگا۔ ایک حقیقی بہن کو آدھا ملے گا۔ اور ایک باپ شریک بہن کو دو تہائی پورا کرنے کے لئے چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ اس لئے مسئلہ چھ سے چلے گا اور مجموعہ سات ہو جائے گا۔ جس کو عول کہتے ہیں۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 6 عول 7

شوہر	ایک حقیقی بہن	ایک باپ شریک بہن
3	3	1

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 116.66 — عول کے بعد ایک حصہ 0.8571 = 166.66 ÷ 100

شوہر	ایک حقیقی بہن	ایک باپ شریک بہن
50	50	16.66
42.85	42.85	14.27

عول کا طریقہ

باپ شریک بہن کو عول کے بعد ملا	14.27	=	0.8571	×	16.66
حقیقی بہن کو عول کے بعد ملا	42.85	=	0.8571	×	50
شوہر کو عول کے بعد ملا	42.85	=	0.8571	×	50
مجموعہ........	99.97				

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ اور حضرت زیدؓ فریضہ کو عول کرتے تھے۔

اس مسئلے میں شوہر کو سو میں سے آدھا 50 دیا۔ بہن کو سو میں سے آدھا 50 دیا۔ اور باپ شریک بہن کو چھٹا حصہ 16.66 دیا۔ ان سب کا مجموعہ 116.66 ہوا۔ جس کو عول کہتے ہیں۔ چونکہ سو سے ہی حساب رکھنا ہے۔ اس لئے 116.66 کو 100 میں تقسیم دیں تو 0.8571 نکلے گا جو ایک حصہ والے کا حصہ ہے۔ اس کو 50 میں ضرب دیں 50×0.8571=42.85 ہوگا جو شوہر کا بھی حصہ ہے اور حقیقی بہن کا بھی حصہ ہے۔ یہ دونوں کو دے دیں۔ اور 16.66 کو 0.8571 میں ضرب دیں تو 14.27 نکلے گا۔ یہ باپ شریک بہن کو دے دیں جس کا چھٹا حصہ تھا۔ اور سب کا مجموعہ 99.97 ہوگا جو سو کے قریب ہے۔

نوٹ اب شوہر کو سو درہم میں سے 42.85 درہم، حقیقی بہن کو سو درہم میں سے 42.85 درہم ملے گا۔ اور باپ شریک بہن کو سو درہم میں سے 14.27 درہم ملے گا۔

آٹھ تک عول ہونے کی مثال : میت نے شوہر، دو باپ شریک بہن اور ماں چھوڑی، چونکہ اولاد نہیں ہے اس لئے شوہر کو آدھا ملے گا۔ اور باپ شریک دو بہنیں ہیں اس لئے ان کو دو تہائی ملے گی۔ اور ماں کو چھٹا ملے گا۔ اس لئے مسئلہ چھ سے چلے گا۔ سب حصوں کا مجموعہ آٹھ ہوگا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 6 عول 8

شوہر	باپ شریک دو بہنیں	ماں
3	4	1

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 133.32 عول کے بعد ایک حصہ 0.7500 = 133.33 ÷ 100

شوہر	باپ شریک دو بہنیں	ماں
50	66.66	16.66
37.50	49.99	12.49

عول کا طریقہ

عول کے بعد ماں کو ملا	12.49	=	0.7500	×	16.66
عول کے بعد دو بہنوں کو ملا	49.99	=	0.7500	×	66.66
عول کے بعد شوہر کو ملا	37.50	=	0.7500	×	50
مجموعہ..........	99.98				

اس مسئلے میں شوہر کو سو کا آدھا 50 دیا، باپ شریک بہن کو سو کی دو تہائی 66.66 دیا۔ اور ماں کو چھٹا حصہ 16.66 دیا۔ سب کا مجموعہ 133.32 ہو گیا۔ جو سو سے زیادہ ہے اور عول ہے۔ چونکہ سو ہی سے حساب رکھنا ہے اس لئے 133.32 سے 100 کو تقسیم کر دیا تو 0.7500 آیا جو ایک حصے والے کو ملے گا۔ اب اس کو 50 میں ضرب دیں 50×0.7500=37.50 ہوگا جو شوہر کا حصہ ہوگا۔ اور 66.66 کو 0.7500 میں ضرب دیا تو 49.99 ہوا جو بہن کو دیا۔ اور 16.49 کو 0.7500 سے ضرب دیا تو 12.49 ہوا جو ماں کو دے

دیا۔اور سب کا مجموعہ 99.98 ہوا جو سو کے قریب ہے۔

نو تک عول ہونے کی مثال : میت نے شوہر، دو باپ شریک بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں چھوڑی۔ چونکہ اولاد نہیں ہے اس لئے شوہر کو آدھا ملا۔ دو باپ شریک بہنیں ہیں اس لئے ان کو دو تہائی ملے گی۔ اور دو ماں شریک بہنیں ہیں اس لئے ایک تہائی ان کو ملے گی۔ مسئلہ چھ سے چلے گا اور مجموعہ نو ہو جائے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 6 عول 9

شوہر	باپ شریک دو بہنیں	ماں شریک دو بہنیں
3	4	2

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 149.99 عول کے بعد ایک حصہ 0.6667 = 149.99 × 100

شوہر	باپ شریک دو بہنیں	ماں شریک دو بہنیں
50	66.66	33.33
33.33	44.44	22.22

عول کا طریقہ

عول کے بعد ماں شریک بہنوں کو ملا	22.22	=	0.6667	×	33.33
عول کے بعد باپ شریک بہنوں کو ملا	44.44	=	0.6667	×	66.66
عول کے بعد شوہر کو ملا	33.33		0.6667		50
مجموعہ............	99.99				

اس مسئلے میں شوہر کو سو کا آدھا 50 دیا، باپ شریک بہنوں کو دو تہائی یعنی 66.66 دیا۔ اور ماں شریک بہنوں کو ایک تہائی یعنی 33.33 دیا جن کا مجموعہ 149.99 ہو گیا۔ چونکہ حساب سو پر ہی رکھنا ہے اس لئے 149.99 سے 100 میں تقسیم دی تو 0.6667 آیا جو ایک حصے والے کو ملے گا۔ اب 50 کو 0.6667 میں ضرب دیں تو 33.33 ہوگا جو شوہر کا حصہ عول ہو کر ہوگا۔ اور 66.66 کو 0.6667 میں ضرب دیں تو 44.44 ہوگا جو باپ شریک دو بہنوں کا حصہ ہوگا۔ اور 33.33 کو 0.6667 میں ضرب دیں تو 22.22 ہوگا جو ماں شریک دو بہنوں کا حصہ ہوگا۔ اور سب کا مجموعہ 99.99 ہوگا۔

دس تک عول کی صورت یہ ہے : میت نے شوہر، دو باپ شریک بہنیں، دو ماں شریک بہنیں اور ماں چھوڑی۔ چونکہ اولاد نہیں ہے اس لئے شوہر کو آدھا ملے گا۔ دو باپ شریک بہنوں کو دو تہائی ملے گی۔ اور دو ماں شریک بہنوں کو ایک تہائی ملے گی۔ اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ مسئلہ چھ سے چلے گا اور مجموعہ دس ہو جائے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 6 عول 10

شوہر	دو باپ شریک بہنیں	دو ماں شریک بہنیں	ماں
3	4	2	1

[۳۲۵۸](۶) وان كان مع الربع ثلث او سدس فاصلها من اثنٰی عشر وتعول الی ثلثة عشر وخمسة عشر وسبعة عشر.

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 166.65 عول کے بعد ایک حصہ 0.60006 = 166.65 ÷ 100

شوہر	دو باپ شریک بہنیں	دو ماں شریک بہنیں	ماں
50	66.66	33.33	16.66
30.00	39.99	19.99	9.99

عول کا طریقہ

عول کے بعد ماں کو ملا	9.99	=	0.60006	×	16.66
عول کے بعد ماں شریک بہنوں کو ملا	19.99	=	0.60006	×	33.33
عول کے بعد باپ شریک بہنوں کو ملا	39.99	=	0.60006	×	66.66
عول کے بعد شوہر کو ملا	30.00	=	0.60006	×	50
مجموعہ....................	99.97				

اس مسئلے میں شوہر کو سو میں سے 50 ملا، دو باپ شریک بہنوں کو دو تہائی یعنی 66.66 ملا۔ اور دو ماں شریک بہنوں کو سو میں سے ایک تہائی یعنی 33.33 ملا۔ اور ماں کو چھٹا حصہ سو میں سے 16.66 ملا۔ اور سب کا مجموعہ 166.65 ہوا۔ چونکہ حساب سو سے ہی رکھنا ہے اس لئے 166.65 کو 100 میں تقسیم دیا تو 0.60006 نکلا۔ اس کو شوہر کے حصے 50 میں ضرب دیا تو 30.00 ہوا جو شوہر کو دیا جائے گا۔ اور دو باپ شریک بہنوں کا حصہ 66.66 کو 0.60006 میں ضرب دیا تو 39.99 ہوا یہ بہن کا حصہ ہوگا۔ اور ماں شریک بہن کا حصہ 33.33 کو 0.60006 میں ضرب دیا تو 19.99 آیا یہ ماں شریک بہن کا حصہ ہوگا۔ اور ماں کا حصہ 16.66 کو 0.60006 میں ضرب دیا تو 9.99 ہوا یہ ماں کو دیا جائے گا۔ ان سب کا مجموعہ 99.97 ہوا جو سو سے قریب ہے۔

اس حساب کا مطلب یہ ہوگا کہ سو درہم ترکہ ہو تو اس میں سے شوہر کو 30.00 دو، باپ شریک بہنوں کو 39.99 دو، ماں شریک بہنوں کو 19.99 دو۔ اور ماں کو 9.99 درہم ملے گا۔

[۳۲۵۸](۶) اگر چوتھائی کے ساتھ تہائی ہو یا چھٹا ہو تو اصل مسئلہ بارہ سے ہوگا اور عول کرے گا تیرہ، پندرہ اور سترہ کی طرف۔

تشریح اگر چوتھائی کے ساتھ تہائی لینے والا ہو، یا چھٹا لینے والا ہو تو مسئلہ بارہ سے چلے گا۔ لیکن کبھی ایسے بھی لینے والے ہوں گے کہ ان کا حصہ زیادہ ہو کر بارہ کے بجائے تیرہ ہو جائے گا، کبھی پندرہ ہو جائے گا اور کبھی سترہ ہو جائے گا۔ تفصیل نیچے دیکھیں۔

تیرہ کی طرف عول کی صورت یہ ہے : میت نے بیوی اور دو حقیقی بہنیں اور ماں چھوڑی تو بیوی کو چوتھائی، دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی اور ماں کو چھٹا ملے گا، مسئلہ بارہ سے چلے گا۔ لیکن تمام حصے مل کر تیرہ حصے ہو جائیں گے جس کو عول کہتے ہیں۔

مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 12 عول 13

بیوی	دو حقیقی بہنیں	ماں
3	8	2

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 108.32 عول کے بعد ایک حصہ 0.9231 = 108.32 ÷ 100

بیوی	دو حقیقی بہنیں	ماں
25	66.66	16.66
23.07	61.53	15.37

عول کا طریقہ

عول کے بعد ماں کو ملا	15.37	=	0.9231	×	16.66
عول کے بعد حقیقی بہنوں کو ملا	61.53	=	0.9231	×	66.66
عول کے بعد بیوی کو ملا	23.07	=	0.9231	×	25
مجموعہ.........................	99.97				

اس مسئلے میں بیوی کو چوتھائی میں سے 25 دیا۔ اور دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی یعنی سو میں سے 66.66 دیا۔ اور ماں کو چھٹا حصہ یعنی 16.66 دیا۔ سب کا مجموعہ 108.32 ہوا جو سو سے زیادہ ہے اور عول ہے۔ اب چونکہ حساب سو سے ہی رکھنا ہے اس لئے 108.32 کو 100 میں تقسیم دیا تو 0.9231 آیا۔ جو ایک حصہ ہے اس کو بیوی کے 25 میں ضرب دیا تو 23.07 ہوا جو بیوی کا حصہ عول کے بعد ہوا۔ اور 66.66 کو 0.9231 میں ضرب دیا تو 61.53 ہوا جو دونوں بہنوں کا حصہ ہوا۔ اور ماں کا حصہ 16.66 کو 0.9231 میں ضرب دیا تو 15.37 ہوا۔ اور سب کا مجموعہ 99.97 ہوا جو سو کے قریب ہے۔ دو پیسے کا حساب کلکیو لیٹر نے نہیں دیا ہے۔

پندرہ تک عول کی صورت یہ ہے : میت نے بیوی، دو حقیقی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں چھوڑی۔ اس لئے بیوی کو چوتھائی، دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی اور دو ماں شریک بہنوں کو ایک تہائی دی جائے گی۔ اس لئے مسئلہ بارہ سے چلے گا اور حصے پندرہ ہو جائیں گے۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 12 عول 15

بیوی	دو حقیقی بہنیں	دو ماں شریک بہنیں
3	8	4

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 124.99 عول کے بعد ایک حصہ 0.80006 = 124.99 × 100

بیوی	دو حقیقی بہنیں	دو ماں شریک بہنیں
25	66.66	33.33
20.00	53.33	26.66

عول کا طریقہ

عول کے بعد ماں شریک بہنوں کو ملا	26.66	=	0.80006	×	33.33
عول کے بعد حقیقی بہنوں کو ملا	53.33	=	0.80006	×	66.66
عول کے بعد بیوی کو ملا	20.00	=	0.80006	×	25
مجموعہ............	99.99				

اس مسئلے میں بیوی کو سو کی چوتھائی 25 دیا، دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی 66.66 دیا۔ اور دو ماں شریک بہنوں کو ایک تہائی 33.33 دیا۔ سب کا مجموعہ 124.99 ہوا۔ اس سے سو کو تقسیم کیا تو 0.80006 آیا۔ پھر 25 کو 0.80006 میں ضرب دیا تو 20.00 آیا جو بیوی کا حصہ ہے۔ اور 66.66 کو 0.80006 سے ضرب دیا تو 53.33 ہوا جو دو حقیقی بہنوں کا حصہ ہوا۔ اور 33.33 کو 0.80006 سے ضرب دیا تو 26.66 ہو جو دو ماں شریک بہنوں کا حصہ ہوگا۔ اور سب کا مجموعہ 99.99 ہوا جو سو کے قریب ہے۔

اس حساب کا مطلب یہ ہوا کہ میت نے سو درہم چھوڑے تو اس میں سے بیوی کو 20.00، حقیقی بہنوں کو 53.33 اور ماں شریک بہنوں کو 26.66 درہم ملیں گے۔ اور ایک بہن کو اس کا آدھا 13.33 ملیں گے۔

سترہ تک عول کی صورت یہ ہوگی : میت نے بیوی، دو حقیقی بہنیں، دو ماں شریک بہنیں اور ماں چھوڑی، بیوی کو چوتھائی ملے گی کیونکہ اولاد نہیں ہیں، دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی ملے گی، دو ماں شریک بہنوں کو ایک تہائی اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اس لئے مسئلہ بارہ سے چلے گا اور حصوں کا مجموعہ سترہ ہو جائے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 12 عول 17

بیوی	دو حقیقی بہنیں	دو ماں شریک بہنیں	ماں
3	8	4	2

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 141.65 عول کے بعد ایک حصہ (0.70596 = 100 × 141.65)

بیوی	دو حقیقی بہنیں	دو ماں شریک بہنیں	ماں .
25	66.66	33.33	16.66
17.64	47.05	23.52	11.76

عول کا طریقہ

عول کے بعد ماں کو ملا	11.77	=	0.70596	×	16.66
عول کے بعد ماں شریک بہنوں کو ملا	23.52	=	0.70596	×	33.33
عول کے بعد حقیقی بہنوں کو ملا	47.05	=	0.70596	×	66.66
عول کے بعد بیوی کو ملا	17.65	=	0.70596	×	25
مجموعہ............	99.97				

اس مسئلے میں بیوی کو سو کی چوتھائی 25 دیا، دو حقیقی بہنوں کو سو میں سے دو تہائی 66.66 دیا، دو ماں شریک بہنوں کو ایک تہائی 33.33 دیا۔ اور

[۳۲۵۹](۷) واذا كان مع الثمن سدسان او ثلثان فاصلها من اربعة وعشرين وتعول الى

ماں کوسو کا چھٹا حصہ 16.66 دیا۔ان سب کا مجموعہ 141.65 ہوا۔اس سے سوکو تقسیم کیا تو ایک حصے میں 0.70596 آیا۔اس کو 25 میں ضرب دیا تو 17.64 ہوا جو بیوی کا حصہ ہوا۔اور 66.66 کو 0.70596 میں ضرب دیا تو 47.05 ہوا جو دو حقیقی بہنوں کا حصہ ہوا۔اور 33.33 کو 0.70596 میں ضرب دیا تو 23.52 ہوا جو دو ماں شریک بہنوں کا حصہ ہوا۔اور 16.66 کو 0.70596 میں ضرب دیا تو 11.76 ہوا جو ماں کا حصہ ہوا۔اور سب کا مجموعہ 99.97 ہوا جو سو کے قریب ہے۔

[۳۲۵۹](۷) اگر آٹھویں کے ساتھ دو چھٹے حصے ہوں یا دو تہائی ہوں تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہوگا اور ستائیس کی طرف عول کرے گا۔

تشریح: جب مسئلے میں آٹھواں حصہ لینے والا ہو اور دو آدمی چھٹا چھٹا لینے والے ہوں تو مسئلہ چوبیس سے چلے گا اور ستائیس کی طرف عول کریگا۔ ستائیس کی طرف عول کرنے کی صورت یہ ہوگی: میت نے بیوی، دو بیٹیاں اور ماں باپ چھوڑے۔تو اولاد ہے اس لئے بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔اور دو بیٹیوں دو تہائی اور باپ کو چھٹا حصہ اور ماں کو چھٹا حصہ۔اس لئے مسئلہ چوبیس سے چلے گا۔اور تمام کے حصے ملا کر ستائیس ہو جائیں گے جس کو عول کہتے ہیں۔مسئلہ اس طرح چلے گا۔

میت 24 عول 27

بیوی	دو بیٹیاں	باپ	ماں
3	16	4	4

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 112.48 عول کے بعد ایک حصہ 0.8890 = 112.48 ÷ 100

بیوی	دو بیٹیاں	باپ	ماں
12.5	66.66	16.66	16.66
11.11	59.26	14.81	14.81

عول کا طریقہ

عول کے بعد ماں کوملا	41.81	=	0.8890	×	16.66
عول کے بعد باپ کوملا	41.81	=	0.8890	×	16.66
عول کے بعد بیٹیوں کوملا	59.26	=	0.8890	×	66.66
عول کے بعد بیوی کوملا	11.11	=	0.8890	×	12.50
مجموعہ........	99.99				

اس مسئلے میں بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی سو میں سے 12.5 دیا گیا۔اور لڑکیوں کو دو تہائی سو میں سے 66.66 دیا گیا۔اور باپ کو سو میں سے چھٹا 16.66 دیا گیا۔اور ماں کو بھی سو میں سے چھٹا حصہ 16.66 دیا گیا۔اور سب کا مجموعہ 112.48 ہوا۔اس سے سو کو تقسیم کریں تو 0.8890 نکلے گا جو ایک حصہ ہوگا۔بیوی کا حصہ 12.5 کو 0.8890 میں ضرب دیا تو 11.11 ہوا جو بیوی کا حصہ ہوگا۔اور 66.66 کو

سبعة وعشرين[۳۲۶۰](۸) واذا انقسمت المسئلة على الورثة فقد صحت وان لم تنقسم سهام فريق منهم عليهم فاضرب عددهم في اصل المسئلة وعولها ان كانت عائلة

0.8890 میں ضرب دیا تو 59.26 ہوا جو دو بیٹیوں کا حصہ ہوگا۔اور 16.66 کو 0.8890 سے ضرب دیا تو 14.81 ہوا جو باپ کا حصہ ہوا۔اور ماں کا حصہ 16.66 کو 0.8890 میں ضرب دیا تو 14.81 ہوا جو ماں کا حصہ ہوگا۔اور سب کا مجموعہ 99.99 ہوا جو سو کے قریب ہے۔اصل میں کلکیو لیٹر تو ایک نئے پیسے کا ہزارواں حصہ کرتا ہے لیکن سہولت کے لئے باقی کو چھوڑ دیا۔

اس حساب کا مطلب یہ ہوا کہ اگر میت 100 درہم چھوڑے تو بیوی کو 11.11، دو بیٹیوں کو 59.26، باپ کو 14.81 اور ماں کو 14.81 دراہم ملیں گے۔

﴿ ورثہ کو عدد پر تقسیم کرنے کا طریقہ ﴾

[۳۲۶۰](۸) جب مسئلہ تقسیم ہو جائے ورثہ پر تو صحیح ہے۔اور اگر تقسیم نہ ہوا ان میں سے کسی فریق کا حصہ لینے والے پر تو اس کے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دو۔اور اس کے عول کو اگر عول والا ہو۔پس جو حاصل ضرب ہو اس سے مسئلہ صحیح ہوگا۔جیسے بیوی اور دو بھائی۔پس بیوی کے لئے چوتھائی ہے ایک حصہ اور دو بھائیوں کے لئے بقیہ تین حصے ہیں جو ان پر تقسیم نہیں ہوتے۔پس دو کو ضرب دیں اصل مسئلہ میں تو یہ آٹھ ہو جائیں گے۔اور اسی سے مسئلہ صحیح ہوگا۔

تشریح جتنا حصہ فریق کو ملا وہ اس کے عدد پر تقسیم ہو جاتا ہو تب تو اصل مسئلہ میں ضرب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔مثلا دو سہام ملے تھے اور لینے والے دو بھائی تھے تو اصل مسئلہ میں ضرب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔لیکن اگر تین سہام ملے اور لینے والے دو بھائی ہیں تو دو کو تین سہام ڈیڑھ ڈیڑھ ہوگا جو کسر ہے۔اس لئے دو بھائی کو اصل مسئلہ میں ضرب دے کر اصل مسئلہ کو بڑھائیں تا کہ دو بھائیوں پر تقسیم ہو سکے۔مثلا میت نے بیوی اور دو بھائی چھوڑے اس لئے مسئلہ چار سے بنے گا۔جس میں سے ایک چوتھائی بیوی کو دی جائے گی۔اور تین چوتھائی بھائی کو بطور عصبہ دی جائے گی۔چونکہ بھائی دو ہیں اس لئے تین اس پر تقسیم نہیں ہو سکے گا۔اس لئے دو کو اصل مسئلہ چار میں ضرب دو۔جس سے اصل مسئلہ آٹھ ہو جائے گا۔اور دونوں بھائیوں کو اس میں چھ ملیں گے اور ہر ایک بھائی کو تین تین مل جائیں گے۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4 تصحیح 8 4×2=8

بیوی	دو بھائی	
1	3	
2	6	ایک بھائی کو 3 ملیں گے۔

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد بیوی کو ملا ...... 2 = 1×2

تصحیح کے بعد بھائیوں کو ملا ...... 6 = 3×2

ہر ایک بھائی کو ملا ...... 3 = 6÷2

فماخرج صحت منه المسئلة كامرأة واخوين للمرأة الربع سهم وللاخوين مابقى ثلثة اسهم لاتنقسم عليهما فاضرب اثنين في اصل المسئلة فتكون ثمانية ومنها تصح المسئلة.

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

کلکیولیٹر چونکہ کسر کا حساب کرتا ہے اور ایک عدد کا ہزارواں حصہ پوائنٹ کر کے نکالتا ہے اس لئے کلکیولیٹر کے حساب میں تصحیح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میت 100

بیوی	دو بھائی	
25	75	ایک بھائی کو 37.5 ملے گا۔

اس حساب میں دو بھائیوں کو 75 ملا تھا اس لئے اس کو 2 سے تقسیم دیا تو ایک بھائی کو 37.5 یعنی ساڑھے سینتیس ملیں گے۔

عول کی صورت یہ ہوگی : میت نے شوہر اور تین حقیقی بہنیں چھوڑی۔ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے شوہر کو آدھا ملے گا۔ اور تین حقیقی بہنیں ہونے کی وجہ سے دو تہائی ملے گی۔ اصل مسئلہ چھ سے چلے گا۔ لیکن سب کے حصے مل کر سات ہوں گے جو عول ہے۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 6 عول 7 تصحیح 21　　7×3=21

شوہر	3 حقیقی بہنیں	
3	4	
9	12	ایک بہن کو 4 ملیں گے۔

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد شوہر کو ملا ...... 9 = 3×3

تصحیح کے بعد تین بہنوں کو ملا .... 12 = 4×4

ہر ایک بہن کو ملا .... 4 = 12÷3

اس مسئلے میں بہن تین ہیں اور حصے چار ہیں جو تقسیم نہیں ہوں گے۔ اس لئے تین بہنوں کو عول کے سات میں ضرب دیا جس سے تصحیح 21 ہو گیا۔ اور 4 کو تین سے ضرب دیا تو 12 ہو گیا۔ اور ہر بہن کو 4 مل جائیں گے۔

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100　عول 116.66　عول کے بعد ایک حصہ 100÷116.66=0.8571

شوہر	3 حقیقی بہنیں	
50	66.66	
42.85	57.13	ایک بہن کو 19.04 ملیں گے۔

[۳۲۶۱](۹) فان وافق سهامهم عددهم فاضرب وفق عددهم فی اصل المسئلة کامرأة

عول کا طریقہ

عول کے بعد بہنوں کو ملا	57.13	=	0.8571 ×	66.66
عول کے بعد شوہر کو ملا	52.85	=	0.8571 ×	50
ہر بہن کو ملا	19.04	=	3 ÷	57.13

اس مسئلے میں 57.13 کو لینے والی تین بہنیں تھیں اس لئے 57.13 میں 3 سے تقسیم دیا جس کی وجہ سے 19.04 نکلا جو ایک بہن کا حصہ ہوا۔
یعنی میت نے 100 دراہم وراثت چھوڑی تو شوہر کو 42.85 دراہم اور ہر ایک کو بہن کو 19.04 دراہم ملیں گے۔

[۳۲۶۱](۹) پس اگر توافق ہو سہام اور عدد رؤس میں تو ضرب دے وفق عدد کو اصل مسئلہ میں۔ جیسے ایک بیوی اور چھ بھائی۔ بیوی کے لئے چوتھائی ہے اور بھائیوں کے لئے تین سہام ہیں جو ان پر تقسیم نہیں ہوتے تو ان کے ثلث عدد یعنی دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں اسی سے مسئلہ صحیح ہو جائیگا۔

تشریح توافق کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹا عدد بڑے عدد کو برابر سے تقسیم کر دے۔ جیسے تین چھ کو دو برابر میں تقسیم کرتا ہے۔ اس لئے دو سے چھ اور تین میں توافق ہے۔ اس کو مصنفؒ نے فرمایا کہ حصہ لینے والوں کی تعداد میں اور اس کے حصوں میں توافق ہو تو جس عدد سے توافق ہے اس سے اصل مسئلہ میں ضرب دیں تو مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4 تصحیح 8   2×4=8

بیوی	6 بھائی	
1	3	
2	6	ایک بھائی کو 1 دیا جائے گا۔

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد ۶ بھائیوں کو ملا	......	6	=	3×2
تصحیح کے بعد بیوی کو ملا	.....	2	=	1×2

اس مسئلے میں لینے والے چھ بھائی تھے اور سہام کل تین تھے۔ البتہ تین اور چھ میں توافق تھا کیونکہ تین دو مرتبہ میں چھ کو فنا کر دیتا ہے۔ اس لئے دو کے عدد سے توافق ہوا۔ اس لئے دو سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا جس سے آٹھ ہوا۔ اس میں سے چھ بھائیوں کو ملا، اور ہر ایک بھائی کو ایک ملا۔

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	6 بھائی	
25	75	ایک بھائی کو 12.5 دیا جائے گا۔

کلکیولیٹر کے حساب میں یہ ہوگا کہ 75 چھ بھائیوں کو ملا تو چھ سے 75 کو تقسیم کریں۔ ہر ایک بھائی کو 12.5 مل جائے گا۔

وستة اخوة للمرأة الربع وللاخوة ثلثه اسهم لاتنقسم عليهم فاضرب ثلث عددهم في اصل المسألة ومنها تصح [۳۲۶۲](۱۰) فان لم تنقسم سهام فريقين او اكثر فاضرب

ترجمہ تماثل (۲) تداخل (۳) توافق (۴) تباین کیا ہیں؟ اوپر کے مسئلے کو سمجھنے کے لئے ان چار محاورات کو سمجھنا ضروری ہے۔ تماثل، تداخل، توافق اور تباین۔

(۱) تماثل : دو عدد ایک جیسے ہوں ان کو تماثل کہتے ہیں۔ جیسے چار اور چار کہ دونوں عدد ایک جیسے ہیں، دس، دس کہ دونوں عدد ایک جیسے ہیں۔ اس صورت میں کسی ایک عدد سے اصل مسئلہ میں ضرب دینا کافی ہوگا۔

(۲) تداخل : چھوٹا عدد بڑے عدد میں داخل ہو جائے ایک مرتبہ کے ساتھ، چاہے دو مرتبہ کے ساتھ، چاہے تین مرتبہ کے ساتھ، جیسے بیس اور چار۔ کیونکہ چار بیس میں پانچ مرتبہ داخل ہوتا ہے۔ یا چار اور بارہ کہ چار بارہ میں تین مرتبہ داخل ہوتا ہے۔ تو ان دونوں میں تداخل کی نسبت ہوئی۔ اس کے بڑے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے تصحیح ہو جائے گی۔ مثال مذکور میں بیس سے اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے تصحیح ہو جائے گی۔

(۳) توافق : دو عدد کسی تیسرے عدد سے موافق ہو اس کو توافق کہتے ہیں۔ مثلا آٹھ اور دس ہے۔ اس میں آٹھ دس میں داخل نہیں ہے لیکن دو کا عدد چار مرتبہ میں آٹھ کو فنا کرتا ہے اور پانچ مرتبہ میں دس کو فنا کرتا ہے۔ تو چونکہ دو نے دس اور آٹھ دونوں کو فنا کیا اس لئے دو کا عدد توافق کے لئے ہوا۔ اور آٹھ اور دس میں توافق کی نسبت ہوئی۔ اس میں جو توافق کا عدد ہے جیسے مثال مذکور میں دو، اس سے فنا شدہ عدد کو ضرب دے کر جو ما حصل ہو اس سے اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے تصحیح ہوگی۔

(۴) تباین : دو عددوں کے درمیان نہ توافق کی نسبت ہو اور نہ تداخل کی نسبت ہو اس کو تباین کہتے ہیں۔ مثلا نو اور دس، ان دونوں عددوں کو کوئی تیسرا عدد بھی نہیں کاٹتا۔ اس لئے ان دونوں عددوں کے درمیان تباین کی نسبت ہے۔ ان دونوں عددوں کو تباین کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ دونوں عددوں کو ایک دوسرے سے ضرب دیں پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں اس سے تصحیح ہوگی۔ مثال مذکور میں نو کو دس سے ضرب دیں تو نوے ہوئے۔ اب نوے سے اصل مسئلہ میں ضرب دیں تو تصحیح ہوگی۔

[۳۲۶۲] (۱۰) اگر تقسیم نہ ہوں دو فریق یا اس سے زیادہ کے سہام میں تو ضرب دے ایک فریق کے عدد کو دوسرے میں۔ پھر حاصل ضرب کو ضرب دے تیسرے فریق کے عدد میں پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں۔

تشریح حصہ لینے والے کئی فریق ہوں۔ اور ہر ایک فریق کی تعداد کچھ ایسی ہو کہ حصہ لینے والوں کی تعداد میں اور ان کے حصوں کے درمیان تباین ہو۔ نہ چھوٹا عدد بڑے عدد میں داخل ہوتا ہو اور نہ توافق کے طور پر کوئی تیسرا عدد دونوں کو کاٹتا یا فنا کرتا ہو۔ ایسی صورت میں تمام عددوں کو ایک دوسرے سے ضرب دیں گے اور حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے گا۔ جس سے تصحیح ہوگی۔ مثلا میت نے دو بیویاں، تین دادیاں اور پانچ بھائی چھوڑے اس لئے مسئلہ بارہ سے چلے گا۔

احد الفريقين فی الأخر ثم ما اجتمع فی الفريق الثالث ثم ما اجتمع فی اصل المسئلة.

صورت مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 12 تصحیح 360		5×3×2=30×12 = 360
2 بیویاں	3 دادیاں	5 بھائی
3	2	7
90	60	210
ہرایک کو 45	ہرایک کو 20	ہرایک کو 42

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد ۵ بھائیوں کو ملا	....	210	= 7×30
تصحیح کے بعد ۳ دادیوں کو ملا	....	60	= 7×30
تصحیح کے بعد دو بیویوں کو ملا	....	90	= 3×30
مجموعہ	....	360	

تقسیم کا طریقہ

ہرایک بھائی کو ملا	42	= 210÷5
ہرایک دادی کو ملا	20	= 60÷3
ہرایک بیوی کو ملا	45	= 90÷2

یہ مسئلہ بارہ سے چلایا۔اس لئے دو بیویوں کو بارہ کی چوتھائی تین دیا۔تین دادیوں کو بارہ کا چھٹا حصہ دو دیا۔اور باقی سات حصے پانچ بھائیوں کو بطور عصبہ دیا۔دو بیویوں میں تین حصے تقسیم نہیں ہو سکے کیونکہ اس صورت میں کسر لازم آئے گا یعنی ڈیڑھ ڈیڑھ ہوگا۔پھر دو اور تین میں توافق یا تداخل نہیں ہے۔بلکہ تباین کی نسبت ہے۔

تین دادیوں کو دو حصے ملے جوان پر تقسیم نہیں ہو سکتے، پھر تین اور دو کے درمیان تباین ہے۔

پانچ بھائیوں کو سات حصے ملے جوان پر تقسیم نہیں ہو سکتے کیونکہ کسر لازم آئے گا۔پھر پانچ اور سات میں تباین کی نسبت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عدد روؤس دو، تین اور پانچ کے درمیان بھی تباین ہے۔اس لئے پانچ کو تین میں ضرب دیں پندرہ ہوگا، پھر پندرہ کو دو میں ضرب دیں تو تیس ہوگا۔اور تیس کو اصل مسئلہ بارہ میں ضرب دیں تو تین سو ساٹھ ہوگا۔اس لئے تصحیح تین سو ساٹھ سے ہوگی۔

ہرایک حصے داروں کو حصہ کس طرح دیا جائے:

چونکہ تیس سے اصل مسئلہ بارہ میں ضرب دیا تھا اس لئے تیس سے دو بیویوں کے حصے تین میں ضرب دیں تو نوے ہوں گے۔یہ نوے دو بیویوں کو دیں اور ہرایک بیوی کو پینتالیس ملیں گے۔اسی تیس سے تین دادیوں کے حصے دو ہیں ضرب دیں تو ساٹھ ہوں گے۔اس کو تین دادیوں پر تقسیم کریں تو ہرایک دادی کو بیس بیس ملیں گے۔اسی تیس سے پانچ بھائیوں کے حصے سات میں ضرب دیں تو دو سو دس ہوں گے۔اس کو پانچ

[۳۲۶۳](۱۱) فان تساوت الاعداد اجزأ احدهما عن الأخر كامرأتين واخوين فاضرب

بھائیوں پر تقسیم کریں تو ہر ایک بھائی کو بیالیس بیالیس ملیں گے۔

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

2بیویاں	3دادیاں	5بھائی
25	16.66	58.34
ہرایک کو12.5	ہرایک کو5.55	ہرایک کو11.66

تقسیم کا طریقہ

تقسیم کے بعد ہرایک بھائی کوملا	11.66	=	58.34÷5
تقسیم کے بعد دادی کوملا	5.55	=	16.66÷3
تقسیم کے بعد بیوی کوملا	12.50	=	25÷2

اس حساب میں کسی فریق کے حصے داروں کوضرب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ کلکیولیٹر پوائنٹ ناپتا ہے اس لئے کسر اور پوائنٹ سے تقسیم کردیں۔ ہر ایک حصے دار کو پوائنٹ کے حساب سے حصہ مل جائے گا۔ مثلا ہر بیوی کو ساڑھے بارہ ملا تو 12.5 لکھ دیا۔ یعنی سو روپیہ میت کی میراث ہے تو اس میں سے ایک بیوی کو 12.5 یعنی ساڑھے بارہ روپئے ملیں گے۔ اسی پر آگے قیاس کرلیں۔

نوٹ یہ تباین کی مثال ہے۔

[۳۲۶۳](۱۱) اگر اعداد برابر ہوں تو ان میں سے ایک دوسرے کے لئے کافی ہے۔ جیسے دو بیویاں اور دو بھائی۔ پس ضرب دیں دو کو اصل مسئلہ میں۔

تشریح اس مسئلے میں دو بیویاں اور دو بھائی ہیں۔ دونوں میں تماثل ہے یعنی دونوں عدد ایک ہی قسم کے ہیں۔ اس لئے دونوں سے اصل مسئلہ میں ضرب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک عدد سے اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے تصحیح ہوجائے گی۔

مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 4 تصحیح 8 — 2×4=8

2بیویاں	2بھائی
1	3
2	6
ہرایک کو1	ہرایک کو3

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد دو بیویوں کوملا	2	=	1×2
تصحیح کے بعد دو بھائیوں کوملا	6	=	3×2

اثنين في أصل المسئلة[۳۲۶۴](۱۲) وان كان احد العددين جزءً من الأخر اغنى الاكثر

تقسیم کا طریقہ

تقسیم کے بعد ایک بیوی کو ملا	1 =	2÷2
تقسیم کے بعد ایک بھائی کو ملا	3 =	6÷2

اس مسئلے میں دو بیویوں کو ایک حصہ ملا جو دو پر تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دو بھائیوں کو تین حصے ملے جو دو بھائیوں پر تقسیم نہیں ہو سکتے۔ لیکن دونوں میں دو دو ہیں اس لئے ایک عدد یعنی دو سے اصل مسئلہ چار ہیں ضرب دیا اور تصحیح آٹھ ہوا۔

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

2 بیویاں	2 بھائی
25	75
ہر ایک کو 12.5	ہر ایک کو 37.5

چونکہ کلکیو لیٹر پوائنٹ ناپتا ہے اس لئے دو بیویوں کو 25 ملا تو اس کو آدھا آدھا کر دیا۔ اس لئے ہر بیوی کو 12.5 مل گیا۔ اسی طرح دو بھائیوں کو 75 ملے تو اس کو آدھا آدھا کر دیا تو ہر ایک بھائی کو 37.5 ملے۔

نوٹ یہ تماثل کی مثال ہے۔

[۳۲۶۴] (۱۲) اگر دو عددوں میں سے ایک جز ہو دوسرے کا تو بڑا عدد بے نیاز کر دے گا چھوٹے عدد کو جیسے چار بیویاں اور دو بھائی۔ جب آپ ضرب دیں چار سے تو کافی ہو جائے گا دو سے۔

تشریح یہ تداخل کی مثال ہے۔ اس مسئلے میں چار بڑا عدد ہے۔ اور دو چھوٹا عدد ہے۔ اور دو چار میں دو مرتبہ کے ساتھ داخل ہے۔ اس لئے بڑے عدد سے اصل مسئلے میں ضرب دینا چھوٹ عدد کے لئے بھی کافی ہے۔ اسی سے تصحیح ہوگی۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4 تصحیح 16 — 4×4=16

4 بیویاں	2 بھائی
1	3
4	12
ہر ایک کو 1	ہر ایک کو 6

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد دو بھائیوں کو ملا	12 =	3×4
تصحیح کے بعد چار بیویوں کو ملا	4 =	1×4

عن الاقل کاربع نسوة واخوین اذا ضربتَ الاربعة اجزأک عن الأخوین[۳۲۶۵](۱۳) فان وافق احد العددین الآخر ضربتَ وفق احدهما فی جمیع الآخر ثم ما اجتمع فی اصل المسئلة کاربع نسوة واخت وستة اعمام فالستة توافق الاربعة بالنصف فاضرب نصف احدهما فی جمیع الآخر ثم ما اجتمع فی اصل المسئلة تکون ثمانیة واربعین ومنها تصح

تقسیم کا طریقہ

تقسیم کے بعد ہرایک بھائی کوملا 6 = 12÷2

تقسیم کے بعد ہرایک بیوی کوملا 1 = 4÷4

اس صورت میں اولاد نہیں ہیں اس لئے چاروں بیویوں کو پورے مال کی چوتھائی دی گئی اور باقی تین چوتھائی دو بھائیوں کو بطور عصبہ دے دیا گیا اور مسئلہ چار سے بنایا گیا۔

اس مسئلے میں چار بڑا عدد تھا اور دو چھوٹا عدد تھا۔ اور دو چار میں تداخل تھا۔ اس لئے چار سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا۔ جس سے سولہ ہو گیا۔ اور سولہ سے تصحیح ہوئی۔

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

4بیویاں	2بھائی
25	75
ہرایک کو6.25	ہرایک کو37.5

چار بیویوں کو پچیس ملے تھے چاروں پر تقسیم کر دیا۔ ہر ایک بیوی کو 6.25 ملے۔ دو بھائیوں کو 75 ملے تھے اس کو 2 سے تقسیم کر دیا تو ہر ایک بھائی کو 37.5 مل گیا۔

[redacted] یہ مثال تداخل کی ہے۔

[۳۲۶۵](۱۳) اگر توافق ہو دو فریقوں کے عدد میں تو ضرب دے دو میں سے ایک کے وفق سے دوسرے کے کل میں۔ پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں۔ جیسے چار بیویاں اور ایک بہن اور چھ چچا ہوں۔ کہ چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے تو ان میں سے ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دے۔ پھر اصل مسئلہ میں ضرب دے تو یہ اڑتالیس ہوں گے اور اسی سے مسئلہ صحیح ہوگا۔ جب مسئلہ صحیح ہو جائے تو ہر وارث کے سہام ضرب دیے ترکہ میں پھر تقسیم کرے حاصل ضرب کو اس پر جس سے مسئلہ ہوا۔ تو ہر وارث کا حق نکل جائے گا۔

[redacted] یہ توافق کی مثال ہے۔ کیونکہ چار بیوی اور چھ چچا میں توافق ہے۔ دو کا عدد دونوں کو فنا کرتا ہے۔ اس لئے توافق بالنصف ہوا۔ اس لئے پہلے چھ کو چار کے بجائے دو سے ضرب دیں تو بارہ نکلے گا، پھر بارہ کو اصل مسئلہ چار میں ضرب دیں تو اڑتالیس ہوگا۔ اور اسی سے تصحیح ہوگی۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

المسئلة فاذا صحت المسئلة فاضرب سهام کل وارث فی الترکة ثم اقسم ما اجتمع علی ما صحت منه الفریضة یخرج حق ذلک الوارث.

میت 4 بالتصحیح 48   6×2=12×4 = 48

4 بیویاں	1 بہن	6 چچا
1	2	1
12	24	12
ہرایک کو 3	ہرایک کو 24	ہرایک کو 2

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد 6 چچا کو ملا 12 = 1×12
تصحیح کے بعد ایک بہن کو ملا 24 = 2×12
تصحیح کے بعد 4 بیویوں کو ملا 12 = 1×12

تقسیم کا طریقہ

تقسیم کے بعد ہرایک چچا کو ملا 2 = 12÷6
تقسیم کے بعد ایک بہن کو ملا 24 = 24÷1
تقسیم کے بعد ہرایک بیوی کو ملا 3 = 12÷4

اس مسئلے میں چھ اور چار میں توافق تھا۔ دو کی عدد دونوں کو فنا کر رہا تھا۔ اس لئے چھ کو دو سے ضرب دینا کافی تھا۔ چار سے دینے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ چھ کو دو سے ضرب دیا تو بارہ ہوا۔ پھر بارہ کو اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا تو اڑتالیس ہوا۔ بارہ سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا تھا اس لئے بارہ سے بیویوں کا حصہ ایک میں ضرب دیں تو بارہ آئے گا جو چار بیویوں کا حصہ ہوگا۔ پھر بارہ کو چار سے تقسیم کریں تو ہرایک بیوی کو تین تین حصے مل جائیں گے۔ اسی طرح بارہ سے بہن کے حصے دو سے ضرب دیں تو چوبیس ہوں گے جو ایک بہن کا حصہ ہوگا۔ اور بارہ سے چھ چچا کا حصہ جو ایک ہے ضرب دیں گے تو بارہ ہوگا جو چھ چچا کا حصہ ہوگا۔ پھر بارہ کو چھ سے تقسیم دیں تو ہرایک چچا کے حصے میں دو دو آئے گا جو ہر ایک کا حصہ ہوگا۔

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

4 بیویاں	1 بہن	6 چچا
25	50	25
ہرایک کو 6.25	ہرایک کو 50	ہرایک کو 4.16

[۳۲۶۶](۱۴) واذا لم تقسم التركة حتى مات احد الورثة فان كان مايصيبه من الميت

تقسیم کا طریقہ

تقسیم کے بعد ہر ایک چچا کو ملا	4.16 =	25÷6
تقسیم کے بعد ایک بہن کو ملا	50 =	50÷1
تقسیم کے بعد ہر ایک بیوی کو ملا	6.25 =	25÷4

یعنی سو روپیئے ترکہ چھوڑا تو ایک بیوی کو 6.25 ملیں گے۔ اور بہن کو 50 روپیئے ملیں گے۔ اور ہر ایک چچا کو 4.16 روپئے ملیں گے۔

لغت فاذا صحت المسئلة الخ : یہاں سے مصنف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تصحیح کے بعد ہر ایک وارث کا حصہ کیسے نکالا جائے گا۔ مثلا چار بیویاں ہیں تو تصحیح کے بعد ہر بیوی کو اڑتالیس میں سے کتنا کتنا ملے گا؟ اور اس کا حساب کیسے کریں گے؟ اس کے لئے مصنفؒ نے تھوڑا سا لمبا راستہ اختیار کیا ہے۔ لیکن آسان ترکیب یہ ہے کہ جس عدد سے اصل مسئلہ میں ضرب دیا ہے اسی عدد سے فریق کے سہام میں ضرب دیں تو فریق کا حصہ نکل آئے گا۔ مثال مذکور میں بارہ سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا تھا۔ جس سے اڑتالیس سے تصحیح ہوئی تھی۔ تو اسی بارہ سے بیویوں کا حصہ ایک میں ضرب دیں تو بارہ ہوگا۔ یہ چار بیویوں کا حصہ ہو گیا۔ اب اس کو چار سے تقسیم کریں تو ہر ایک بیوی کو تین تین مل جائیں گے۔ یہ ہر بیوی کا حصہ نکل گیا۔

یا مثلا چھ چچا کا حصہ ایک تھا۔ تو بارہ کو ایک سے ضرب دے تو بارہ آئے گا۔ یہ چھ چچا کا حصہ ہو گیا۔ اب چھ سے بارہ میں تقسیم دیں تو ہر ایک چچا کو دو دو مل جائیں گے۔ یہ ہر چچا کا حصہ اڑتالیس میں نکل آیا۔ تصحیح کے طریقہ میں حساب کی تفصیل دیکھ لیں۔

نوٹ کلکیولیٹر کے حساب میں اتنا لمبا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں کسر اور پوائنٹ سے تقسیم کر دیں۔

[۳۲۶۶] (۱۴) ابھی ترکہ تقسیم نہیں ہوا تھا کہ کوئی وارث مر گیا۔ پس جتنا پہلی میت کو ملا تھا وہ تقسیم ہو جاتا ہو دوسرے میت کے ورثہ کی تعداد پر تو دونوں مسئلے اسی سے صحیح ہو جائیں گے جس سے پہلا مسئلہ صحیح ہوا تھا۔

تشریح ایک میت کا انتقال ہوا۔ ابھی اس کی وراثت تقسیم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے ورثہ میں سے کسی کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے اب دونوں کی وراثت تقسیم ہوگی۔ ایسے حساب کو مناسخہ کہتے ہیں۔

اگر پہلی میت سے ورثہ کو جو ملا تھا دوسری میت کے ورثہ کی تعداد ایسی تھی کہ بغیر کچھ حساب کئے اس پر تقسیم ہو جاتی ہے تو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری میت کے ورثہ کو بھی اسی سے دے دیا جائے گا۔ مثلا ایک بیوی، ایک باپ شریک بہن اور پانچ چچا چھوڑا تو مسئلہ چار سے بنے گا۔ اور چونکہ پانچ چچا ہیں اس لئے تصحیح بیس سے ہوگی۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4 تصحیح 20   5×4=20

بیوی	باپ شریک بہن	5 چچا
1	2	1
5	10	5

چونکہ ایک حصہ پانچ چچا پر تقسیم نہیں ہو سکتا تھا اس لئے پانچ سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا جس سے بیس ہوا اور اسی سے تصحیح ہوئی۔ اب بیوی

الاول ينقسم على عدد ورثته فقد صحت المسئلتان مما صحت الاولى[۳۲۶۷](۱۵) وان لم ينقسم صحت فريضة الميت الثانى بالطريقة التى ذكرنا ها ثم ضربت احدى

کے ایک حصے کو پانچ سے ضرب دیا تو اس کو پانچ مل گئے۔

بعد میں بیوی کا انتقال ہو گیا اور اس نے پانچ باپ شریک بھائی چھوڑے تو چونکہ ان کے علاوہ کوئی نہیں ہے اس لئے بطور عصبہ سارا مال انہیں کو ملے گا۔ اب میت کی بیوی کے ہاتھ میں پانچ ہے۔ اور اس نے بھائی بھی پانچ ہی چھوڑے ہیں۔ اس لئے ہر ایک کو ایک ایک مل جائے گا۔ اس لئے بیس ہی سے مسئلہ صحیح ہے۔ دوبارہ حساب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میت 5 میت (بیوی) کے ہاتھ میں 5 ہے

5 باپ شریک بھائی
5
1 ہر ایک کو ملا

تقسیم کے بعد ہر ایک بھائی کو ملا 1 = 5÷5 (تقسیم کا طریقہ)

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	باپ شریک بہن	5 چچا
25	50	25
		ہر ایک کو 5

بیوی مری / میت ہاتھ میں 25 تھا

5 بھائی
25
ہر ایک کو 5

تقسیم کے بعد ہر ایک بھائی کو ملا 5 = 25÷5 (تقسیم کا طریقہ)

[۳۲۶۷] (۱۵) اور اگر تقسیم نہ ہو تو صحیح ہوگا میت ثانی کا فریضہ اس طریقے سے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ پھر ضرب دو ایک مسئلے کو دوسرے میں اگر میت ثانی کے سہام میں اور جس سے صحیح ہوا ہے فریضہ موافقت نہ ہو۔

تشریح پہلی میت کی وراثت تقسیم ہونے سے پہلے کسی وارث کا انتقال ہو گیا اور وارث کو جو حصے ملے ہیں ان میں اور ان کے ورثہ کی تعداد میں

المسئلتين فی الاخری ان لم یکن بین سهام المیت الثانی وما صحت منه فریضة موافقة.

موافقت نہیں ہے بلکہ تبائن ہے تو وارث ثانی کی تعداد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں۔اور حصے جو حصے ملیں گے اس کو وارث ثانی کی تعداد پر تقسیم کریں تو مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔مثلاً میت نے بیوی، حقیقی بہن اور تین چچا چھوڑے۔اس لئے مسئلہ چار سے چلے گا۔اور تصحیح بارہ سے ہوگی۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4 تصحیح 12 / تصحیح 60 3×4=12×5=60

بیوی	ایک حقیقی بہن	3 چچا
1	2	3
3	6	3
15	30	15

بیوی مری / میت 5×12=60 / ہاتھ میں 3 ہے

5 بھائی
3
15

ہرایک کو 3 ملے گا۔

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد 3 چچا کو ملا	15 =	3×5
تصحیح کے بعد بہن کو ملا	30 =	6×5
تصحیح کے بعد بیوی کو ملا	15 =	3×5
مجموعہ..................	60	

تقسیم کا طریقہ

تقسیم کے بعد ہرایک چچا کو ملا	5 =	15÷3
تقسیم کے بعد ایک بہن کو ملا	30 =	30÷1
تقسیم کے بعد ایک بیوی کو ملا	15 =	15÷1
تقسیم کے بعد ہرایک بھائی کو ملا	3 =	15÷5

اس مسئلے میں تین چچا تھے اور ان کو ایک ملا تھا۔اس لئے تین سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا تو بارہ سے تصحیح ہوئی۔پھر بیوی کو ایک ملا تھا تو اس کو تین میں ضرب دیا تو تین نکلا جو بیوی کا حصہ ہوا۔اور بہن کو دو ملا تھا اس کو تین سے ضرب دیا تو اس کو چھ ملا۔اور چچا کو ایک ملا اب اس کو تین سے ضرب دیا تو تین ملا۔اور ہرایک چچا کو ایک ایک ہو جائے گا۔

[۳۲۶۸] (۱۶) فان کانت سهامهم موافقة فاضرب وفق المسئلة الثانية فی الاولی فما اجتمع صحت منه المسئلتان

ورثہ تقسیم ہونے سے پہلے بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اور اس نے پانچ بھائی چھوڑے۔ اب بیوی کے ہاتھ میں صرف تین حصے ہیں اور بھائی پانچ ہیں جن پر تقسیم نہیں ہوسکتی۔ اور تین اور پانچ میں تباین بھی ہے۔ اس لئے پانچ سے اصل مسئلہ بارہ میں ضرب دیا تو ساٹھ ہوگیا۔ اب دونوں میت کے وارثین کو ساٹھ سے حصے ملیں گے۔ اور جن کو پہلے ملا ہے ان کے حصوں کو پانچ سے ضرب دیں گے۔

چنانچہ بیوی کو پہلے بارہ سے تین ملے تھے اس کو پانچ سے ضرب دیں تو پندرہ ہو جائیں گے۔ تو گویا کہ بیوی کے ہاتھ میں اب پندرہ حصے ہو گئے۔ اور عصبہ کے طور پر مال لینے والے پانچ بھائی ہیں تو ہر ایک بھائی کو تین تین ملیں گے۔ اوپر کے حساب کو غور سے دیکھیں۔

نوٹ یہ مثال دونوں میت کے وارثین میں تباین کی ہے۔

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	ایک حقیقی بہن	3 چچا
25	50	25

بیوی مری / میت 25 ہاتھ میں ہے

5 بھائی
25

ہر ایک کو 5 ملے گا - 25÷5=5

کلکیولیٹر کے حساب میں تبائن، تماثل، تداخل اور توافق کا اعتبار نہیں ہے۔ کسر کے ذریعہ سے سب پر تقسیم کر دیا جائے گا۔

[۳۲۶۸] (۱۶) اور اگر ان کے سہام میں موافقت ہو تو ضرب دے دوسرے مسئلے کے وفق کو پہلے مسئلے میں۔ پس جو حاصل ضرب ہو اس سے صحیح ہوں گے دونوں مسئلے۔

تشریح یہ وفق کی مثال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو وارث مرا ہے اس کو جو حصہ ملا اس میں اور جس سے مسئلہ چلے گا اس میں توافق کی نسبت ہے تو توافق سے پہلے میت کے اصل میں ضرب دیں۔ جو حاصل ضرب ہوگا اس سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہو جائے گی۔ مثلا میت نے ایک بیوی، ایک باپ شریک بہن اور پانچ چچا چھوڑے۔ اس لئے مسئلہ چار سے چلے گا۔ لیکن پانچ چچا کو ایک حصہ ملے گا جو ان پر تقسیم نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے پانچ کو چار اصل مسئلہ سے ضرب دیا جائے گا تو بیس ہوگا۔ اور اسی بیس سے میت اول کی تصحیح ہوگی۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4 تصحیح 20 / تصحیح 120 5×4=20×6=120

بیوی	باپ شریک بہن	5 چچا
1	2	1
5	10	5
30	60	30

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد 5 چچا ملا 5 = 5×1

تصحیح کے بعد ایک بہن کو ملا 10 = 5×2

تصحیح کے بعد ایک بیوی کو ملا 5 = 5×1

تصحیح کا طریقہ

دوبارہ تصحیح کے بعد 5 چچا کو ملا 30 = 6×5

دوبارہ تصحیح کے بعد ایک بہن کو ملا 60 = 6×10

دوبارہ تصحیح کے بعد ایک بیوی کو ملا 30 = 6×5

ابھی تقسیم ہوئی بھی نہیں تھی کہ باپ شریک بہن مرگئی اور شوہر، ماں، ایک بیٹی اور چچا چھوڑا۔ اس لئے مسئلہ بارہ سے چلے گا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ بہن کے ہاتھ میں دس حصے ہیں اور مسئلہ بارہ سے چل رہا ہے جو زیادہ ہے۔ البتہ دس اور بارہ میں توافق ہے۔ دونوں دو سے فنا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بارہ کا آدھا چھ سے میت اول کے اصل مسئلہ بیس میں ضرب دیا تو حاصل ضرب ایک سو بیس ہو جائے گا۔ اور بہن کے ہاتھ میں دس کو چھ سے ضرب دیں گے تو ساٹھ ہو جائے گا۔ اب ساٹھ بہن کے وارثوں پر تقسیم ہوگا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 12 تصحیح 60 10×6=60 ہاتھ میں ہے

شوہر	ماں	ایک بیٹی	چچا
3	2	6	1
15	10	30	5

اس مسئلے میں چونکہ دو سے توافق تھا اس لئے دس کا آدھا پانچ ہوگا۔ اور تمام وارثوں کے حصوں کو پانچ سے ضرب دینے سے سب وارثوں کے حصے نکل جائیں گے۔ جیسا کہ اوپر حساب میں دیکھ رہے ہیں کہ شوہر کے تین حصوں کو پانچ سے ضرب دیا تو تصحیح پندرہ سے ہوا۔ اور ماں کے دو حصوں کو پانچ سے ضرب دیا تو دس ہو گیا۔ اور چچا کے ایک حصے کو پانچ سے ضرب دیا تو پانچ ہو گیا۔ اور مجموعہ ساٹھ حصے ہو گئے جو باپ شریک بہن کے ہاتھ میں پہلی میت سے ملے تھے۔

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	باپ شریک بہن	5 چچا
25	50	25

بہن مرگئی / میت 100 ایک حصہ 0.5=100÷50 ہاتھ میں ہے

شوہر	ماں	ایک بیٹی	چچا
25	16.66	50	8.34
12.5	8.33	25	4.17

﴿ مناسخہ کا نیا طریقہ ﴾

کلکیو لیٹر سے مناسخہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جو پہلے مرا ہے اس کے وارثین کو 100 سے تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ دیدیں۔ اوپر کی مثال میں 100 سے مسئلہ بنایا اور بیوی کو 25، بہن کو 50 اور چچا کو 25 دیا۔

اس دوران باپ شریک بہن زاہدہ مرگئی اور اس کے ہاتھ میں 50 تھا۔ اور وارثین میں شوہر، ماں، ایک بیٹی اور چچا چھوڑا۔ تو پہلے ان وارثین کو 100 سے ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کریں۔ اس طرح شوہر کو چوتھائی 25 ملے گا، ماں کو چھٹا 16.66 ملے گا، بیٹی کو آدھا 50 ملے گا اور جو 8.34 بچا وہ چچا کو بطور عصبہ ملے گا۔

اب ہاتھ میں ہے 50 اور حصہ تقسیم کیا ہے 100 سے۔ اس لئے طریقہ یہ ہے کہ 50 کو 100 سے تقسیم دیں اور جو کچھ تقسیم کے بعد نکلے گا وہ ایک حصہ ہوگا۔ پھر اس سے تمام وارثین کے حصوں سے ضرب دیں تو ہر ایک وارث کو ہاتھ میں جو رقم ہے اس سے حصہ مل جائے گا۔

تقسیم اس طرح ہوگا 0.5=100÷50 یہ حصہ ہوا۔

اب.....	0.5 سے	چچا کے حصے	8.34 سے	ضرب دیا تو	4.17	نکلا جو چچا کو ملے گا
اب.....	0.5 سے	بیٹی حصے	50.00 سے	ضرب دیا تو	25.00	نکلا جو بیٹی کو ملے گا
اب.....	0.5 سے	ماں کے حصے	16.66 سے	ضرب دیا تو	8.33	نکلا جو ماں کو ملے گا
اب.....	0.5 سے	شوہر کے حصے	25.00 سے	ضرب دیا تو	12.5	نکلا جو شوہر کو ملے گا

سب کا مجموعہ ہوا 50

اب مثلاً بیٹی راشدہ مرگئی اور شوہر، ایک بیٹا اور ایک بیٹی زینب چھوڑی۔ تو مسئلہ 100 سے بنا کر شوہر کو چوتھائی 25 دیا۔ اور باقی 75 بیٹا اور بیٹی للذکر مثل حظ الانثیین دیا یعنی بیٹا کو دوگنا 50 دیا اور بیٹی کو ایک گنا 25 دیا۔ لیکن بیٹی راشدہ کے ہاتھ میں وراثت سے صرف 25 ملا ہے اس لئے 25 کو 100 سے تقسیم دیں تو 0.25 نکلے گا جو ایک حصہ ہوگا۔

[۳۲۶۹](۱۷) وكل من له شيء من المسئلة الاولى مضروب فيما صحت منه المسئلة الثانية[۳۲۷۰](۱۸) ومن كان له شيء من المسئلة الثانية مضروب في وفق تركة الميت

اب.....	0.25 سے	بیٹی کے حصے	25 سے	ضرب دیا تو	6.25	نکلا جو بیٹی کو دیا
اب.....	0.25 سے	بیٹے کے حصے	50 سے	ضرب دیا تو	12.50	نکلا جو بیٹا کو دیا
اب.....	0.25 سے	شوہر کے حصے	25 سے	ضرب دیا تو	6.25	نکلا جو شوہر کو دیا

سب کا مجموعہ ہو 25

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

بیٹی راشدہ مرگئی 100 ایک حصہ ہوا 25÷100=0.25 25 ہاتھ میں ہے

شوہر	بیٹا	بیٹی زینب
25	50	25
6.25	12.5	6.25

75

ایک حصہ ہوا	25÷100=0.25				مناسخہ کا طریقہ
مناسخہ کے بعد بیٹی زینب کو ملا	6.25	=	25	×	0.25
مناسخہ کے بعد بیٹا کو ملا	12.50	=	50	×	0.25
مناسخہ کے بعد شوہر کو ملا	6.25	=	25	×	0.25

مجموعہ...... 25 جو بیٹی راشدہ کے ہاتھ میں ہے

[۳۲۶۹](۱۷) جس کو کچھ ملا ہے پہلے مسئلہ سے وہ ضرب دیا جائے گا اس سے جس سے دوسرا مسئلہ صحیح ہوا ہے۔

تشریح مثلا مسئلہ نمبر ۱۶ میں دوسرا مسئلہ بارہ سے صحیح ہوا تھا تو پہلے مسئلے کے تمام حصوں کو بھی بارہ سے ضرب دیں گے۔ یا اس کے وفق سے ضرب دیں گے۔ تا کہ پہلے مسئلہ کے وارثین کا حصہ بھی صحیح ہو۔ اور دوسرے مسئلہ کے وارثین کا حصہ بھی صحیح ہو۔ بارہ کا وفق چھ ہوا تھا تو چھ سے اصل مسئلہ کو ضرب دیا تھا اور پہلے مسئلے کے وارثین کے جتنے حصے تھے سب کو چھ سے ضرب دیا تھا۔ چنانچہ باپ شریک بہن کا حصہ پہلے مسئلے میں صرف دس تھا۔ تو دوسرے مسئلے کے چھ سے ضرب دینے کی وجہ سے ساٹھ ہو گیا۔

[۳۲۷۰](۱۸) اور جس کو کچھ ملا ہے دوسرے مسئلہ سے۔ وہ ضرب دیا جائے گا میت ثانی کے ترکہ کے وفق میں۔

مسئلہ ثانیہ کے ورثہ کے جو حصے ہیں ان کو میت کے ترکہ کا جو وفق ہے اس سے ضرب دیا جائے گا۔ مسئلہ نمبر ۱۶ کی مثال میں باپ شریک بہن کے ہاتھ میں دس تھا اس کا وفق پانچ ہوتا تھا۔ اس لئے میت ثانی کے ورثہ کے حصوں کو پانچ ہی سے ضرب دیا گیا ہے۔ چنانچہ شوہر کو اصل

الثانی[۳۲۷۱](۱۹) واذا صحت مسئلة المناسخة واردت معرفة ما یصیب کل واحد من حساب الدراھم قسمت ماصحت منه المسئلة علی ثمانیة واربعین فما خرج اخذت له من سھام کل وارث حبةً. والله اعلم بالصواب.

مسئلہ بارہ سے تین ملاتھا تو اس کو پانچ سے ضرب دیا تو پندرہ ہو گیا۔ اور ماں کو دو ملا تھا اس کو پانچ سے ضرب دیا تو دس ہو گیا۔ اور بیٹی کو چھ ملا تھا اس کو پانچ سے ضرب دیا تو تیس ہو گیا۔ اور چچا کو ایک ملا تھا اس کو پانچ سے ضرب دیا تو پانچ ہو گیا۔ حاصل یہ ہے کہ میت ثانی کے ہاتھ میں جو کچھ ترکہ ہے اس کے وفق سے میت ثانی کے ورثہ کے حصوں کو ضرب دیا جائے گا۔

[۳۲۷۱] (۱۹) جب مناسخہ صحیح ہو جائے اور اس حصہ کو معلوم کرنا چاہیں جو درہم کے حساب سے ہر ایک کو پہنچتا ہے۔ تو جس سے مسئلہ صحیح ہوا ہے اس کو تقسیم کریں اڑتالیس سے۔ پھر جو خارج قسمت ہو ہر وارث کے سہام سے اس کا حصہ لے لے۔

تشریح یہ اس زمانے کا حساب تھا۔ اب اس دور میں ساری دنیا میں روپیہ، پونڈ، درہم وریال سونئے پیسے سے بنتا ہے۔ اس لئے اڑتالیس سے نہیں بلکہ سو سے حساب ہوگا۔

اس کی صورت یہ ہے کہ جو اصل مسئلہ کا عدد ہے اس کو سو سے تقسیم کریں۔ پھر تقسیم کے بعد جو کچھ آئے اس سے ہر وارث کے حصے کو تقسیم کریں تو یہ نکل جائے گا کہ ایک پونڈ یا ایک روپئے میں ہر وارث کا کتنا کتنا پیسہ یا کتنا کتنا پنس ہوگا۔

مثلا مسئلہ نمبر ۱۶ میں اصل مسئلہ 120 سے چلا تھا اس لئے 120 کو سو سے تقسیم دو تو خارج قسمت 1.2 آئے گا۔ پھر اس سے بیوی کا حصہ 30 میں تقسیم دیں تو 25 آئے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ میت نے ایک روپیہ چھوڑا ہو تو بیوی کو 25 پیسہ ملے گا (۲) باپ شریک بہن کو 60 ملا ہے اس کو 1.2 سے تقسیم دیں تو 50 آئے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک روپیہ میں پچاس پیسہ ملے گا۔ چچا کو 30 ملا تھا۔ اس کو 1.2 سے تقسیم دیں تو 25 آئے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک روپیہ میں چچا کو 25 پیسہ ملے گا۔ اسی پر ہزاروں اور لاکھوں کا حساب کر لیں۔

اس وقت رات کا ڈھائی بج رہا ہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی میری اہلیہ قلم روکنے کے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہے اور دل سے دعاء کر رہی ہے کہ شرح اختتام تک پہنچے اور عند اللہ وعند الناس مقبول ہو اور دونوں کے لئے اجر آخرت کا ذریعہ بنے۔

محترمہ نے اس ناچیز کو گھر کی بہت سی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر کے شرح لکھنے کے لئے فارغ کر دیا ہے۔ رب کریم کی بارگاہ میں دلی دعاء ہے کہ دنیا اور آخرت میں اس کا بھرپور بدلہ عطا فرمائے اور اپنی جوار رحمت میں دونوں کو جگہ عطا فرمائے اور اس کتاب کو دونوں کے لئے ذریعۂ نجات بنائے۔

آمین یارب العالمین!

﴿ تمت بالخیر ﴾

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین
والصلوة والسلام علی رسوله الکریم
وعلی آله واصحابه اجمعین

احقر ثمیر الدین قاسمی غفرلہ ولوالدیہ
سابق استاد حدیث جامعہ اسلامیہ مانچسٹر
و چیئرمین مون ریسرچ سینٹر، یو، کے
۵، رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ
۳۱، اکتوبر ۲۰۰۳ء

ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

مختصر تعارف

قصرِ نبوت پر نقب لگانے والے راہزن دورِ نبوت سے لے کر دورِ حاضر تک مختلف انداز کے ساتھ وجود میں آئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت ﷺ کا تاج صرف اور صرف آمنہ اور عبداللہ کے بیٹے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے سر پر سجایا اور دیگر مدعیان نبوت مسیلمہ کذاب سے لے کر مسیلمہ قادیان تک سب کو ذلیل و رسوا کیا۔ امت کے ہر طبقہ میں ایسے اشخاص منتخب کئے جنہوں نے ختم نبوت ﷺ کے دفاع میں اپنی جانوں تک کے نذرانے دیئے اور شب و روز اپنی محنتوں اور صلاحیتوں کو بفضل اللہ تعالیٰ ناموس رسالت و ختم نبوت ﷺ کے مقدس رشتے کے ساتھ منسلک کر دیا۔

ختم نبوت اکیڈمی (لندن) کے قیام کا مقصد بھی من جملہ انہی اغراض و مقاصد پر محیط ہے، چنانچہ عالمی مبلغ ختم نبوت ''حضرت عبدالرحمٰن یعقوب باوا'' نے قادیانیت کی حقیقت سے مسلمانوں کو خبردار کرنے کے لئے جس طرح اپنی زندگی کو اس کارخیر کے لئے وقف کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، انہی کی انتھک محنت و کاوشوں سے اکیڈمی کا وجود ظہور پذیر ہوا۔

الحمدللہ اس ادارہ نے عالمی سطح پر ختم نبوت کے دفاع کو مضبوط کیا ہے۔ تقاریر، لٹریچر، اخبارات و جرائد اور انٹرنیٹ کے ذریعہ مسلمانوں کو قادیانیت اور ان کی ریشہ دوانیوں سے باخبر کیا اور پوری دنیا میں ختم نبوت ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو اخلاص کے ساتھ مزید ترقیاں نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

مسلمانوں سے درخواست ہے کہ وہ اس ادارہ کے ساتھ بھرپور تعاون فرمائیں۔

انتظامیہ: ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.